ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود

بانی جماعت احمدیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تعارف

ملفوظات سے مراد حضرت بانی جماعتِ احمدیہ، مرزا غلام احمد قادیانی، مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کا وہ پاکیزہ اور پُر معارف کلام ہے جو حضورؑ نے اپنی مقدس مجالس میں یا جلسہ سالانہ کے اجتماعات میں اپنے اصحاب کے تزکیۂ نفس، ان کی رُوحانی اور اخلاقی تربیت۔ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق قائم کرنے اور قرآن کریم کے علم و حکمت کی تعلیم نیز احیاء دینِ اسلام اور قیام شریعتِ محمدیہ کے لیے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا۔

حضورؑ کے یہ ملفوظات تیرہ سو سال سے اُلجھے ہوئے مسائل پر مامور حکم و عدل کے فیصلہ کن موقف عیسائی پادریوں اور آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات۔ خدا تعالیٰ کی ہستی، حیات آخرت، وحی والہام، نبوت و رسالت جیسے اہم مسائل پر دہریوں اور مغربی فلاسفروں کے پیدا کردہ وساوس کے ازالہ۔ نومبایعین کے لیے حضورؑ کی دل نشین نصائح۔ اپنے متبوع حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے حضرتِ اقدس کے بے مثال عشق۔ حضورؑ کے دعاوی۔ تعلیمات۔ روزمرہ زندگی کے واقعات۔ حضورؑ کی سیرت اور احمدیت کی تاریخ کے اہم واقعات کی تفصیل جیسے قیمتی مواد پر مشتمل ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے اس زمانہ میں ایسے وسائل مہیا فرما دئے ہیں کہ حضرت امام آخرالزمان کے یہ رُوح پرور ایمان افروز کلمات طیّبات قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی عبدالکریم، حضرت مفتی محمد صادق، حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی جیسے پاک طینت، وفادار اور جفاکش بزرگوں کے درجات بلند فرمائے جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے ایک خاص جوش، جذبہ اور ہمت عطا فرمائی تھی۔ اُنہوں نے دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کا عہد نبھاتے ہوئے دن رات نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ حضورؑ کے ان ملفوظات کو حتی الوسع حضورؑ کے ہی الفاظ میں قلمبند کر کے محفوظ کیا اور حضور کی زندگی میں بدر اور الحکم میں شائع فرماتے رہے۔

ملفوظات کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی کوشش پہلے بھی ہوتی رہی ہے لیکن انہیں مکمل سیٹ کی شکل میں شائع کرنے کا شرف حضرت مولانا جلال الدین شمس کو حاصل ہوا جن کی نگرانی میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۷ء تک کے قلیل عرصہ میں ملفوظات کی دس جلدیں شائع ہوئیں؛ البتہ پہلی جلد جو ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۹ء تک کے ملفوظات پر مشتمل ہے ۱۹۳۶ء میں نظارت تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے شائع

ہوئی تھی اسے چوہدری احمد جان صاحب شیخ عبدالقادر صاحب اور مولوی عبدالرشید صاحب زیروی نے مرتب کیا تھا۔ دوسری اور تیسری جلد جناب چوہدری احمد جان صاحب نے مرتب کی اور جلد چہارم سے جلد دہم جو ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یوم وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تک کے ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین کی سعادت حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل دیالگڑھی کو حاصل ہوئی۔

پہلی چار جلدوں کا انڈیکس حضرت مولانا جلال الدین شمس نے اور بقیہ چھ جلدوں کا انڈیکس حضرت مولانا عبداللطیف بہاولپوری نے مرتب فرمایا تھا۔ انگلستان سے یہ سیٹ گذشتہ سالوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کی روشنی میں :

ا ۔ موجودہ ایڈیشن میں مذکورہ دس جلدوں کو معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ پانچ جلدوں میں سمو دیا گیا ہے۔

ب ۔ تمام مذکورہ آیاتِ قرآنی کے حوالہ جات درج کر دیئے گئے ہیں۔

ج ۔ حسب ضرورت نئے عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔

د ۔ قارئین کی سہولت کے لیے ہر جلد کے آخر میں مضامین۔ آیاتِ قرآنیہ۔ اسماء اور مقامات کے انڈیکس نئے سرے سے مرتب کر کے شامل کیے گئے ہیں۔

والسلام

خاکسار

سید عبدالحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

رُوحانی خزائن ۲ جلد اوّل

مشتمل بر

ملفوظات حضرت مسیح مُوعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام

ہمارا ارادہ یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جملہ کُتب کی طباعت کے بعد رُوحانی خزائن کا دُوسرا سلسلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات، مکتوبات اور ملفوظات پر مشتمل ہوگا شروع کریں لیکن دوستوں اور خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد سلمہٗ ربہٗ کے شدید اصرار پر کہ ملفوظات جلد شائع ہونے چاہئیں الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ملفوظات شائع کر رہی ہے۔

ہمارے مقررہ پروگرام میں اس تبدیلی کی ایک وجہ جماعت کا یہ شدید احساس بھی ہے کہ اس وقت تربیت کی سخت ضرورت ہے، اور جیسا کہ ملفوظات کی جلد اوّل طبع اوّل کے عرضِ حال میں لکھا گیا تھا۔ ملفوظات حضرتِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسا قیمتی خزانہ ہے جو خود ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے اندر ایک غیر معمولی مواد اور طاقت رکھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام چار قسموں پر مشتمل ہے۔

اوّل کتب و رسائل و اشتہارات جو آپ نے خود بغرضِ اشاعت تالیف فرمائیں۔

دوم مکتوبات یعنی خطوط جو آپ نے اپنے دوستوں یا عزیزوں یا دیگر لوگوں کے نام اپنے قلم سے لکھ کر ارسال کئے۔

سوئم ملفوظات جس سے مراد آپ کا وہ کلام ہے جو آپ نے کسی مجمع یا مجلس یا سیر وغیرہ میں بطریق تقریر یا گفتگو ارشاد فرمایا اور لکھنے والوں نے اُسی وقت لکھ کر ڈائری وغیرہ کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی شائع کر دیا۔

چہارم روایات وہ بھی ایک نوع ملفوظات کی ہے، مگر وہ ساتھ ساتھ ضبط میں نہیں لائی گئیں بلکہ راویوں کے حافظہ کی بنا پر جمع کی جاتی ہیں۔

ان چہار اقسام کا مرتبہ یقین اور سند کے لحاظ سے جیسا کہ عرضِ حال ملفوظات جلد اوّل طبع اوّل میں لکھا ہے اس مذکورہ بالا ترتیب میں سمجھا جانا چاہیئے۔ یعنی سب سے اوّل نمبر پر تالیفات، پھر مکتوبات اور اس کے بعد ملفوظات اور پھر روایات۔

مگر جہاں تک جماعت کی تربیت کا سوال ہے ملفوظات کا مرتبہ ایک لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کی جملہ اقسام میں سے نمبر اوّل پر سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ وہ کلام ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے احباب اور متبعین کو براہِ راست مخاطب کر کے فرمایا۔ اور بیشتر طور پر ایسے حالات میں فرمایا کہ جب حضورؑ کے مدّنظر جماعت کی تعلیم و تربیت کا پہلو تھا۔ اس لیے جہاں تک تربیت اور اصلاحِ نفس کا تعلق ہے ملفوظات میں جملہ اقسام کی نسبت سب سے بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے، چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب "فتح اسلام" میں اِس طرزِ کلام کی اہمیت اور ضرورت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زبانی تقریریں جو سائلین کے سوالات کے جواب میں کی گئیں یا کی جاتی ہیں یا اپنی طرف سے محل اور موقع کے مناسب کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ طریق بعض صورتوں میں تالیفات کی نسبت نہایت مفید اور مؤثر اور جلد تر دلوں میں بیٹھنے والا ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی اس طریق کو ملحوظ رکھتے رہے ہیں اور بجز خدا تعالیٰ کے کلام کے جو خاص طور پر بلکہ قلمبند ہو کر شائع کیا گیا باقی جسقدر مقالاتِ انبیاء ہیں وہ اپنے اپنے محل پر تقریروں کی طرح پھیلتے رہے ہیں۔ عام قاعدہ نبیوں کا یہی تھا کہ ایک محل شناس لیکچرار کی طرح ضرورتوں کے وقتوں میں مختلف مجالس اور محافل میں اُن کے حال کے مطابق رُوح سے قوت پاکر تقریریں کرتے تھے۔ مگر نہ اس زمانہ کے متکلموں کی طرح کہ جن کو اپنی تقریر سے فقط اپنا علمی سرمایہ دکھلانا منظور ہوتا ہے یا یہ غرض ہوتی ہے کہ انہیں اپنی جھوٹی منطق اور سوفسطائی حجتوں سے کسی سادہ لوح کو اپنے پیچ میں لاویں اور پھر اپنے سے زیادہ جہنم کے لائق کریں۔

بلکہ انبیاء نہایت سادگی سے کلام کرتے اور جو اپنے دل سے اُبلتا تھا وہ دُوسروں کے دلوں میں ڈالتے تھے۔ اُن کے کلماتِ قدسیہ عین محل اور حاجت کے وقت پر ہوتے تھے اور مخاطبین کو شغل یا افسانہ کی طرح کچھ نہیں سُناتے تھے، بلکہ اُن کو بیمار دیکھ کر اور طرح طرح کے آفاتِ رُوحانی میں مبتلا پاکر علاج کے طور پر ان کو نصیحتیں کرتے تھے یا حجج قاطعہ سے اُن کے اوہام کو رفع فرماتے تھے اور اُن کی گفتگو میں الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہوتے تھے۔ سو یہی قاعدہ یہ عاجز ملحوظ رکھتا ہے، اور واردین اور صادرین کی استعداد کے موافق اور اُن کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور اُن کے امراضِ لاحقہ کے خیال سے ہمیشہ باب تقریر کھلا رہتا ہے۔ کیونکہ برائی کو نشانہ کے طور پر دیکھ کر اُس کے روکنے کے لیے نصائح ضروریہ کی تیراندازی کرنا اور بگڑے ہوئے اخلاق کو ایسے عضو کی طرح پاکر جو اپنے محل سے ٹل گیا ہو اپنی حقیقی صورت اور محل پر لانا جیسے یہ علاج بیمار کے رُوبرو ہونیکی حالت میں متصور ہے اور کسی حالت میں کماحقہٗ ممکن نہیں۔"

("رُوحانی خزائن جلد ۳ بحوالہ فتح اسلام" صفحہ ۱۵-۱۶)

پس جماعت کی تعلیمی و تربیتی اور اصلاحِ نفس کے نقطۂ نگاہ کے پیشِ نظر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ملفوظاتِ طیبہ کو اپنے مقررہ پروگرام میں تبدیلی کرکے پہلے شائع کر رہی ہے۔

کتابت جلد ہذا

اِس جلد کی کتابت ملفوظات جلد اوّل سے کروائی گئی ہے جو صیغہ تالیف و تصنیف قادیان نے دسمبر ۱۹۳۶ء میں طبع کی تھی اور جس کی ترتیب و تدوین زیادہ تر چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال تحریکِ جدید اور شیخ عبدالقادر صاحب مولوی فاضل حال مربی سلسلہ احمدیہ لاہور اور مولوی عبدالرشید صاحب مولوی فاضل کی مساعی کی رہینِ منت تھی۔ فجزاہم اللہ خیراً، اور یہ ملفوظات ۱۸۹۱ء لغایت ۱۸۹۹ء تک کے ہیں جو سلسلہ کے مختلف اخبارات اور رسائل سے مرتب کئے گئے ہیں۔

ملفوظات احمدیہ حصہ دوم میں جو راجہ منظور الٰہی مرحوم غیر مبائع نے جمع کرکے شائع کئے اُن میں انہوں نے ابتداء میں "۱۸۷۳ء سے قبل" الحکم جلد ۱۳، ۱۹ صفحہ ۳-۴ سے اور "۱۸۷۹ء کے قریب" کے زیرِ عنوان الحکم جلد ۷، ۳۶ صفحہ ۱۰-۱۱ اور زیرِ عنوان "۱۸۷۹ء کے قریب کا زمانہ" الحکم جلد ۶ ۴۳ سے اور زیرِ عنوان "۱۸۷۹ء سے پہلے" الحکم جلد ۶ ۴۴ و ۴۵ سے اور زیرِ عنوان "۱۸۷۹ء سے قبل" الحکم جلد ۶، ۴۶ و الحکم جلد ۷، ۳ اور زیرِ عنوان "۸ مئی ۱۸۸۵ء" اخبار عام لاہور مطبوعہ ۱۰ مئی ۱۸۸۵ء اور عبداللہ جیمز عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ سب تحریریں حضور کے اپنے قلم سے رقم کردہ مضامین تھے اس لیے انہیں ملفوظات

میں درج نہیں کیا گیا۔ ہم انہیں اشتہارات کے ساتھ ذکر کریں گے۔ کیونکہ ملفوظات سے حضورؑ کی وہ باتیں مراد ہیں جو حضورؑ نے زبانی بیان فرمائیں اور ڈائری نویسوں نے بعد میں مرتب کیں۔

اللہ تعالیٰ ملفوظاتِ مبارکہ کو افرادِ جماعت اور غیروں کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ آمین۔

خاکسار
جلال الدین شمس
حال مقیم کوئٹہ

۲۰ر اگست ۱۹۶۰ء

ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود

بانی جماعت احمدیہ

جلد اوّل

پس مَیں پھر پُکار کر کہتا ہوں اور میرے دوست سُن رکھیں کہ
وُہ میری باتوں کو ضائع نہ کریں اور ان کو صرف ایک قصّہ گو یا داستان گو
کی کہانیوں ہی کا رنگ نہ دیں، بلکہ مَیں نے یہ ساری باتیں نہایت
دلسوزی اور سچی ہمدردی سے جو فِطرتًا میری رُوح میں ہے
کی ہیں۔ ان کو گوشِ دِل سے سُنو اور ان پر عمل کرو۔" صفحہ ۹
(مسیح موعود)

نظارت اشاعت ربوہ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تعارف

ملفوظات سے مراد حضرت بانی جماعتِ احمدیہ، مرزا غلام احمد قادیانی، مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کا وہ پاکیزہ اور پُر معارف کلام ہے جو حضورؑ نے اپنی مقدس مجالس میں یا جلسہ سالانہ کے اجتماعات میں اپنے اصحاب کے تزکیۂ نفس، ان کی رُوحانی اور اخلاقی تربیت۔ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق قائم کرنے اور قرآن کریم کے علم و حکمت کی تعلیم نیز احیاء دینِ اسلام اور قیام شریعتِ محمدیہ کے لیے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا۔

حضورؑ کے یہ ملفوظات تیرہ سو سال سے اُلجھے ہوئے مسائل پر مامور حکم و عدل کے فیصلہ کن موقف عیسائی پادریوں اور آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات۔ خدا تعالیٰ کی ہستی، حیات آخرت، وحی والہام، نبوت و رسالت جیسے اہم مسائل پر دہریوں اور مغربی فلاسفروں کے پیدا کردہ وساوس کے ازالہ۔ نومبایعین کے لیے حضورؑ کی دل نشین نصائح۔ اپنے متبوع حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے حضرتِ اقدس کے بے مثال عشق۔ حضورؑ کے دعاوی۔ تعلیمات۔ روزمرہ زندگی کے واقعات۔ حضورؑ کی سیرت اور احمدیت کی تاریخ کے اہم واقعات کی تفصیل جیسے قیمتی مواد پر مشتمل ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اس نے اس زمانہ میں ایسے وسائل مہیا فرما دئے ہیں کہ حضرت امام آخرالزمان کے یہ رُوح پرور ایمان افروز کلمات طیّبات قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولوی عبدالکریم، حضرت مفتی محمد صادق، حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی جیسے پاک طینت، وفادار اور جفاکش بزرگوں کے درجات بلند فرمائے جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے ایک خاص جوش، جذبہ اور ہمت عطا فرمائی تھی۔ اُنہوں نے دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کا عہد نبھاتے ہوئے دن رات نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ حضورؑ کے ان ملفوظات کو حتی الوسع حضورؑ کے ہی الفاظ میں قلمبند کر کے محفوظ کیا اور حضور کی زندگی میں بدر اور الحکم میں شائع فرماتے رہے۔

ملفوظات کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی کوشش پہلے بھی ہوتی رہی ہے لیکن انہیں مکمل سیٹ کی شکل میں شائع کرنے کا شرف حضرت مولانا جلال الدین شمس کو حاصل ہوا جن کی نگرانی میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۷ء تک کے قلیل عرصہ میں ملفوظات کی دس جلدیں شائع ہوئیں؛ البتہ پہلی جلد جو ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۹ء تک کے ملفوظات پر مشتمل ہے ۱۹۳۶ء میں نظارت تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے شائع

ہوئی تھی اسے چوہدری احمد جان صاحب شیخ عبدالقادر صاحب اور مولوی عبدالرشید صاحب زیروی نے مرتب کیا تھا۔ دوسری اور تیسری جلد جناب چوہدری احمد جان صاحب نے مرتب کی اور جلد چہارم سے جلد دہم جو ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یوم وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تک کے ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین کی سعادت حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل دیالگڑھی کو حاصل ہوئی۔

پہلی چار جلدوں کا انڈیکس حضرت مولانا جلال الدین شمس نے اور بقیہ چھ جلدوں کا انڈیکس حضرت مولانا عبداللطیف بہاولپوری نے مرتب فرمایا تھا۔ انگلستان سے یہ سیٹ گذشتہ سالوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کی روشنی میں :

ا ۔ موجودہ ایڈیشن میں مذکورہ دس جلدوں کو معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ پانچ جلدوں میں سمو دیا گیا ہے۔

ب ۔ تمام مذکورہ آیاتِ قرآنی کے حوالہ جات درج کر دیئے گئے ہیں۔

ج ۔ حسب ضرورت نئے عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔

د ۔ قارئین کی سہولت کے لیے ہر جلد کے آخر میں مضامین۔ آیاتِ قرآنیہ۔ اسماء اور مقامات کے انڈیکس نئے سرے سے مرتب کر کے شامل کیے گئے ہیں۔

والسلام

خاکسار

سید عبدالحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

رُوحانی خزائن ۲ جلد اوّل

مشتمل بر

ملفوظات حضرت مسیح مُوعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام

ہمارا ارادہ یہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جملہ کُتب کی طباعت کے بعد رُوحانی خزائن کا دُوسرا سلسلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات، مکتوبات اور ملفوظات پر مشتمل ہوگا شروع کریں لیکن دوستوں اور خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد سلمہٗ ربہٗ کے شدید اصرار پر کہ ملفوظات جلد شائع ہونے چاہئیں الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ملفوظات شائع کر رہی ہے۔

ہمارے مقررہ پروگرام میں اس تبدیلی کی ایک وجہ جماعت کا یہ شدید احساس بھی ہے کہ اس وقت تربیت کی سخت ضرورت ہے، اور جیسا کہ ملفوظات کی جلد اوّل طبع اوّل کے عرضِ حال میں لکھا گیا تھا۔ ملفوظات حضرتِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسا قیمتی خزانہ ہے جو خود ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے اندر ایک غیر معمولی مواد اور طاقت رکھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام چار قسموں پر مشتمل ہے۔

اوّل کتب و رسائل و اشتہارات جو آپ نے خود بغرضِ اشاعت تالیف فرمائیں۔

دوم مکتوبات یعنی خطوط جو آپ نے اپنے دوستوں یا عزیزوں یا دیگر لوگوں کے نام اپنے قلم سے لکھ کر ارسال کئے۔

سوئم ملفوظات جس سے مراد آپ کا وہ کلام ہے جو آپ نے کسی مجمع یا مجلس یا سیر وغیرہ میں بطریق تقریر یا گفتگو ارشاد فرمایا اور لکھنے والوں نے اُسی وقت لکھ کر ڈائری وغیرہ کی صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی شائع کر دیا۔

چہارم روایات وہ بھی ایک نوع ملفوظات کی ہے، مگر وہ ساتھ ساتھ ضبط میں نہیں لائی گئیں بلکہ راویوں کے حافظہ کی بنا پر جمع کی جاتی ہیں۔

ان چہار اقسام کا مرتبہ یقین اور سند کے لحاظ سے جیسا کہ عرضِ حال ملفوظات جلد اوّل طبع اوّل میں لکھا ہے اس مذکورہ بالا ترتیب میں سمجھا جانا چاہیئے۔ یعنی سب سے اوّل نمبر پر تالیفات، پھر مکتوبات اور اس کے بعد ملفوظات اور پھر روایات۔

مگر جہاں تک جماعت کی تربیت کا سوال ہے ملفوظات کا مرتبہ ایک لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کی جملہ اقسام میں سے نمبر اوّل پر سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ وہ کلام ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے احباب اور متبعین کو براہِ راست مخاطب کر کے فرمایا۔ اور بیشتر طور پر ایسے حالات میں فرمایا کہ جب حضورؑ کے مدّنظر جماعت کی تعلیم و تربیت کا پہلو تھا۔ اس لیے جہاں تک تربیت اور اصلاحِ نفس کا تعلق ہے ملفوظات میں جملہ اقسام کی نسبت سب سے بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے، چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب "فتح اسلام" میں اِس طرزِ کلام کی اہمیت اور ضرورت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زبانی تقریریں جو سائلین کے سوالات کے جواب میں کی گئیں یا کی جاتی ہیں یا اپنی طرف سے محل اور موقع کے مناسب کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ طریق بعض صورتوں میں تالیفات کی نسبت نہایت مفید اور مؤثر اور جلد تر دلوں میں بیٹھنے والا ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی اس طریق کو ملحوظ رکھتے رہے ہیں اور بجز خدا تعالیٰ کے کلام کے جو خاص طور پر بلکہ قلمبند ہو کر شائع کیا گیا باقی جسقدر مقالاتِ انبیاء ہیں وہ اپنے اپنے محل پر تقریروں کی طرح پھیلتے رہے ہیں۔ عام قاعدہ نبیوں کا یہی تھا کہ ایک محل شناس لیکچرار کی طرح ضرورتوں کے وقتوں میں مختلف مجالس اور محافل میں اُن کے حال کے مطابق رُوح سے قوت پاکر تقریریں کرتے تھے۔ مگر نہ اس زمانہ کے متکلموں کی طرح کہ جن کو اپنی تقریر سے فقط اپنا علمی سرمایہ دکھلانا منظور ہوتا ہے یا یہ غرض ہوتی ہے کہ انہیں اپنی جھوٹی منطق اور سوفسطائی حجتوں سے کسی سادہ لوح کو اپنے پیچ میں لاویں اور پھر اپنے سے زیادہ جہنم کے لائق کریں۔

بلکہ انبیاء نہایت سادگی سے کلام کرتے اور جو اپنے دل سے اُبلتا تھا وہ دُوسروں کے دلوں میں ڈالتے تھے۔ اُن کے کلماتِ قدسیہ عین محل اور حاجت کے وقت پر ہوتے تھے اور مخاطبین کو شغل یا افسانہ کی طرح کچھ نہیں سُناتے تھے، بلکہ اُن کو بیمار دیکھ کر اور طرح طرح کے آفاتِ رُوحانی میں مبتلا پاکر علاج کے طور پر ان کو نصیحتیں کرتے تھے یا حجج قاطعہ سے اُن کے اوہام کو رفع فرماتے تھے اور اُن کی گفتگو میں الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہوتے تھے۔ سو یہی قاعدہ یہ عاجز ملحوظ رکھتا ہے، اور واردین اور صادرین کی استعداد کے موافق اور اُن کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور اُن کے امراضِ لاحقہ کے خیال سے ہمیشہ باب تقریر کھلا رہتا ہے۔ کیونکہ برائی کو نشانہ کے طور پر دیکھ کر اُس کے روکنے کے لیے نصائح ضروریہ کی تیراندازی کرنا اور بگڑے ہوئے اخلاق کو ایسے عضو کی طرح پاکر جو اپنے محل سے ٹل گیا ہو اپنی حقیقی صورت اور محل پر لانا جیسے یہ علاج بیمار کے رُوبرو ہونیکی حالت میں متصور ہے اور کسی حالت میں کماحقہٗ ممکن نہیں۔"

("رُوحانی خزائن جلد ۳ بحوالہ فتح اسلام" صفحہ ۱۵-۱۶)

پس جماعت کی تعلیمی و تربیتی اور اصلاحِ نفس کے نقطۂ نگاہ کے پیشِ نظر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ملفوظاتِ طیبہ کو اپنے مقررہ پروگرام میں تبدیلی کرکے پہلے شائع کر رہی ہے۔

کتابت جلد ہذا

اِس جلد کی کتابت ملفوظات جلد اوّل سے کروائی گئی ہے جو صیغہ تالیف و تصنیف قادیان نے دسمبر ۱۹۳۶ء میں طبع کی تھی اور جس کی ترتیب و تدوین زیادہ تر چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال تحریکِ جدید اور شیخ عبدالقادر صاحب مولوی فاضل حال مربی سلسلہ احمدیہ لاہور اور مولوی عبدالرشید صاحب مولوی فاضل کی مساعی کی رہینِ منت تھی۔ فجزاہم اللہ خیراً، اور یہ ملفوظات ۱۸۹۱ء لغایت ۱۸۹۹ء تک کے ہیں جو سلسلہ کے مختلف اخبارات اور رسائل سے مرتب کئے گئے ہیں۔

ملفوظات احمدیہ حصہ دوم میں جو راجہ منظور الٰہی مرحوم غیر مبائع نے جمع کرکے شائع کئے اُن میں انہوں نے ابتداء میں "۱۸۷۳ء سے قبل" الحکم جلد ۱۳، ۱۹ صفحہ ۳-۴ سے اور "۱۸۷۹ء کے قریب" کے زیرِ عنوان الحکم جلد ۷، ۳۶ صفحہ ۱۰-۱۱ اور زیرِ عنوان "۱۸۷۹ء کے قریب کا زمانہ" الحکم جلد ۶ ۴۳ سے اور زیرِ عنوان "۱۸۷۹ء سے پہلے" الحکم جلد ۶ ۴۴ و ۴۵ سے اور زیرِ عنوان "۱۸۷۹ء سے قبل" الحکم جلد ۶، ۴۶ و الحکم جلد ۷، ۳ اور زیرِ عنوان "۸ مئی ۱۸۸۵ء" اخبار عام لاہور مطبوعہ ۱۰ مئی ۱۸۸۵ء اور عبداللہ جیمز عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ سب تحریریں حضور کے اپنے قلم سے رقم کردہ مضامین تھے اس لیے انہیں ملفوظات

میں درج نہیں کیا گیا۔ ہم انہیں اشتہارات کے ساتھ ذکر کریں گے۔ کیونکہ ملفوظات سے حضورؑ کی وہ باتیں مراد ہیں جو حضورؑ نے زبانی بیان فرمائیں اور ڈائری نویسوں نے بعد میں مرتب کیں۔

اللہ تعالیٰ ملفوظاتِ مبارکہ کو افرادِ جماعت اور غیروں کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ آمین۔

خاکسار
جلال الدین شمس
حال مقیم کوئٹہ

۲۰ر اگست ۱۹۶۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

سنہ ۱۸۹۱ء

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ فرماتے ہیں:

بعثت کی غرض

"مجھے خوب یاد ہے اور میں نے اپنی نوٹ بک میں اس کو لکھ رکھا ہے کہ جالندھر کے مقام پر ایک شخص نے حضرتِ اقدس امام صادق حضرت میرزا صاحبؑ کی خدمت میں سوال کیا کہ آپؑ کی غرض دُنیا میں آنے سے کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ "میں اِس لیے آیا ہوں تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں۔"

ایمان کی اقسام

ایک اور بات بھی ہے۔ جو میری نوٹ بک میں درج ہے اور وہ واقعہ بھی اسی جالندھر کا ہے۔ ہماری جماعت کے ایک آدمی ہمارے بھائی منشی محمد اروڑا صاحبؓ نے سوال کیا کہ حضرت ایمان کتنی طرح کا ہوتا ہے؟ آپؑ نے جو جواب اُس کا فرمایا، بہت ہی لطیف اور سلیس ہے۔

فرمایا: "ایمان دو قسم کا ہوتا ہے۔ موٹا اور باریک۔ موٹا ایمان تو یہی ہے کہ دینُ العجائز پر عمل کرے اور باریک ایمان یہ ہے کہ میرے پیچھے ہو لے۔" [1]

---

[1] از تقریر حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ فرمودہ ۲۹ دسمبر ۱۸۹۷ء۔ مندرجہ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء۔ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷

۱۸۹۵ء جناب مفتی محمد صادق صاحبؓ لکھتے ہیں:

"۱۸۹۵ء میں جب میں حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا تو اس وقت بھی مجھے شوق تھا کہ آپؑ کے کلماتِ طیبات ایک کاغذ پر نقل کر کے ہمیشہ لاہور لے جاتا اور وہاں کے احمدی احباب کو ہفتہ وار کھیٹی میں سُنایا کرتا .... اس وقت کی یادداشت میں سے کچھ نقل کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اُن ایام میں چونکہ تاریخ کا انتظام نہیں رکھا تھا، اس لیے بلا تاریخ ہر ایک بات درج کی جاتی ہے۔

بیعت اور توبہ

بیعت میں جاننا چاہیے کہ کیا فائدہ ہے اور کیوں اس کی ضرورت ہے؟ جب تک کسی شئے کا فائدہ اور قیمت معلوم نہ ہو، تو اس کی قدر آنکھوں کے اندر نہیں سماتی۔ جیسے گھر میں انسان کے کئی قسم کا مال و اسباب ہوتا ہے۔ مثلاً روپیہ، پیسہ، کوڑی، لکڑی وغیرہ۔ تو جس قسم کی جو شے ہے اسی درجہ کی اس کی حفاظت کی جاوے گی۔ ایک کوڑی کی حفاظت کے لیے وُہ سامان نہ کرے گا جو پیسہ اور روپیہ کے لیے اُسے کرنا پڑے گا اور لکڑی وغیرہ کو تو یُونہی ایک کونہ میں ڈال دے گا۔ علیٰ ہذا القیاس جس کے تلف ہونے سے اس کا زیادہ نقصان ہے۔ اس کی زیادہ حفاظت کرے گا۔ اسی طرح بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ توبہ اس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنے معاصی سے جن سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کر لیا ہوا ہے گویا کہ گناہ میں اُس نے بُود و باش مقرر کر لی ہوتی ہے۔ اُس وطن کو چھوڑنا اور رجوع کے معنے پاکیزگی کو اختیار کرنا۔ اب وطن کو چھوڑنا بڑا گراں گزرتا ہے اور ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ ایک گھر جب انسان چھوڑتا ہے تو کس قدر اُسے تکلیف ہوتی ہے اور وطن کو چھوڑنے میں تو اُس کو سب یار دوستوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے اور سب چیزوں کو مثل چارپائی، فرش و ہمسائے، وہ گلیاں کُوچے۔ بازار سب چھوڑ چھاڑ کر ایک نئے مُلک میں جانا پڑتا ہے یعنی اُس (سابقہ) وطن میں کبھی نہیں آتا۔ اس کا نام توبہ ہے۔ معصیت کے دوست اور ہوتے ہیں اور تقویٰ کے دوست اور۔ اس تبدیلی کو صُوفیاء نے موت کہا ہے۔ جو توبہ کرتا ہے اُسے بڑا حرج اُٹھانا پڑتا ہے اور سچی توبہ کے وقت بڑے بڑے حرج اُس کے سامنے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ وہ جب تک اُس کُل کا نعم البدل عطا نہ فرماوے، نہیں مارتا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (البقرہ ۲۲۳) میں یہی اشارہ ہے کہ وہ توبہ کر کے غریب، بیکس ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے محبت اور پیار کرتا ہے اور اُسے نیکوں کی جماعت میں داخل کرتا ہے۔ دوسری قومیں خدا کو رحیم و کریم خیال نہیں کرتیں۔ عیسائیوں نے خدا کو تو ظالم جانا اور بیٹے کو رحیم کہ باپ تو گناہ نہ بخشے اور بیٹا جان دیکر بخشواتے۔ بڑی بے وقوفی ہے کہ باپ بیٹے میں اتنا فرق ہو۔ والد مولود میں مناسبت اخلاق، عادات کی ہوا کرتی ہے۔ (مگر یہاں تو بالکل ندارد) اگر اللہ رحیم نہ ہوتا تو انسان کا ایک دم گذارہ نہ ہوتا۔ جس نے انسان کے عمل سے پیشتر ہزاروں اشیاء اُس کے لیے مفید بنائیں، تو کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ توبہ اور عمل کو قبول نہ کرے۔

٭ ٭ ٭

گناہ اور توبہ کی حقیقت

گناہ کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ گناہ کو پیدا کرے اور پھر ہزاروں برس کے بعد گناہ کی مُعافی سُوجھے۔ جیسے مکھی کے دو پَر ہیں۔ ایک میں شفا اور دُوسرے میں زہر اسی طرح انسان کے دو پَر ہیں۔ ایک معاصی کا دوسرا خجالت، توبہ، پریشانی کا۔ یہ ایک قاعدہ کی بات ہے۔ جیسے ایک شخص جب غلام کو سخت مارتا ہے تو پھر اُس کے بعد پچھتاتا ہے۔ گویا کہ دونوں پَر اکٹھے حرکت کرتے ہیں۔ زہر کے ساتھ تریاق ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زہر کیوں بنایا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ گو یہ زہر ہے، مگر کُشتہ کرنے سے حکم اکسیر کا رکھتا ہے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتا ــــ توبہ اس کی تلافی کرتی ہے۔ کبر اور عُجب کی آفت سے گناہ انسان کو بچائے رکھتا ہے۔ جب نبی معصومؐ ستر بار استغفار کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ گناہ سے توبہ ہی نہیں کرتا جو اس پر راضی ہو جاوے اور جو گناہ کو گناہ جانتا ہے، وہ آخر اُسے چھوڑے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان بار بار رو رو کر اللہ سے بخشش چاہتا ہے تو آخر کار خدا کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تجھ کو بخش دیا۔ اب تیرا جو جی چاہے سو کر۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دل کو بدل دیا اور اب گناہ اُسے بالطبع بُرا معلوم ہوگا۔ جیسے بھیڑ کو مَیلا کھاتے دیکھ کر کوئی دوسرا حرص نہیں کرتا کہ وہ بھی کھاوے، اسی طرح وہ انسان بھی گناہ نہ کرے گا جسے خدا نے بخش دیا ہے۔ مُسلمانوں کو خنزیر کے گوشت سے بالطبع کراہت ہے، حالانکہ اور دُوسرے ہزاروں کام کرتے ہیں جو حرام اور منع ہیں۔ تو اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک نمونہ کراہت کا رکھ دیا ہے اور سمجھا دیا ہے کہ اسی طرح انسان کو گناہ سے نفرت ہو جاوے۔

دُعا تریاق ہے

گناہ کرنے والا اپنے گناہوں کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے دُعا سے ہرگز باز نہ رہے۔ دُعا تریاق ہے۔ آخر دُعاؤں سے دیکھ لے گا کہ گناہ اُسے کیسا بُرا لگنے لگا۔ جو لوگ معاصی میں ڈوب کر دُعا کی قبولیت سے مایُوس رہتے ہیں اور توبہ کی طرف رُجوع نہیں کرتے، آخر وہ انبیاء اور اُن کی تاثیرات کے مُنکر ہو جاتے ہیں۔

توبہ جُزوِ بیعت ہے

یہ توبہ کی حقیقت ہے (جو اُوپر بیان ہوئی) اور یہ بیعت کی جُز کیوں ہے؟ تو بات یہ ہے کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ جب وہ بیعت کرتا ہے اور ایسے کے ہاتھ پر جسے اللہ تعالیٰ نے وہ تبدیلی بخشی ہو، تو جیسے درخت میں پیوند لگانے سے خاصیت بدل جاتی ہے۔ اسی طرح سے اس پیوند سے بھی اس میں وہ فیوض اور انوار آنے لگتے ہیں (جو اُس تبدیل یافتہ انسان میں ہوتے ہیں) بشرطیکہ اُس کے ساتھ سچا تعلق ہو۔ خشک شاخ کی طرح نہ ہو۔ اُس کی شاخ ہو کر پیوند ہو جاوے۔ جس قدر یہ نسبت ہوگی اسی قدر فائدہ ہوگا۔

رسمی بیعت فائدہ نہیں دیتی

بیعت رسمی فائدہ نہیں دیتی۔ ایسی بیعت سے حصّہ دار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اسی وقت حصّہ دار ہوگا جب اپنے وجود کو ترک کر کے بالکل محبت اور اخلاص کے ساتھ اس کے ساتھ ہو جاوے۔ منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے آخر بے ایمان رہے۔

اُن کو سچی محبت اور اخلاص پیدا نہ ہوا، اس لیے ظاہری لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ان کے کام نہ آیا۔ تو ان تعلقات کو بڑھانا بڑا ضروری امر ہے۔ اگر ان تعلقات کو وُہ (طالب) نہیں بڑھاتا اور کوشش نہیں کرتا، تو اس کا شکوہ اور افسوس بے فائدہ ہے۔ محبت و اخلاص کا تعلق بڑھانا چاہیے۔ جہانتک ممکن ہو اُس انسان (مُرشد) کے ہمرنگ ہو۔ طریقوں میں اور اعتقاد میں۔ نفس لمبی عُمر کے وعدے دیتا ہے۔ یہ دھوکا ہے۔ عُمر کا اعتبار نہیں ہے۔ جلدی راستبازی اور عبادت کی طرف جھکنا چاہیے اور صُبح سے لے کر شام تک حساب کرنا چاہیئے۔[1]

تہجد کی تاکید

"اس زندگی کے کُل اَنفاس اگر دُنیاوی کاموں میں گذر گئے، تو آخرت کے لیے کیا ذخیرہ کیا ——— ؟

تہجد میں خاص کر اُٹھو اور ذوق اور شوق سے ادا کرو۔ درمیانی نمازوں میں بہ باعث ملازمت کے ابتلا آجاتا ہے۔ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ نماز اپنے وقت پر ادا کرنی چاہیے۔ ظہر اور عصر کبھی کبھی جمع ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ضعیف لوگ ہوں گے، اس لیے یہ گنجائش رکھ دی، مگر یہ گنجائش تین کے جمع کرنے میں نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر تکلیف اُٹھانا

جبکہ ملازمت میں اور دُوسرے کئی امور میں لوگ سزا پاتے ہیں (اور موردِ عتابِ حکام ہوتے ہیں) تو اگر اللہ تعالیٰ کے لیے تکلیف اُٹھاویں تو کیا خوب ہے۔ جو لوگ راستبازی کے لیے تکلیف اور نقصان اُٹھاتے ہیں وہ لوگوں کی نظروں میں بھی مرغوب ہوتے ہیں۔ اور یہ کام نبیوں اور صدیقوں کا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے دُنیاوی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے ذمہ نہیں رکھتا، پورا اجر دیتا ہے۔

انسان منافقانہ طرز نہ رکھے

(انسان کو لازم ہے) منافقانہ طرز نہ رکھے۔ مثلاً اگر ایک ہندو (خواہ حاکم یا عہدیدار ہو) کہے کہ رام اور رحیم ایک ہے، تو ایسے موقعہ پر ہاں میں ہاں نہ ملائے۔ اللہ تعالےٰ تہذیب سے منع نہیں کرتا۔ مہذبانہ جواب دیوے۔ حکمت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ایسی گفتگو کی جاوے جس سے خواہ نخواہ جوش پیدا ہو اور بیہودہ جنگ ہو۔ کبھی اخفائے حق نہ کرے۔ ہاں میں ہاں ملانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

ع یارِ غالب شو کہ تا غالب شوی

اللہ تعالیٰ کا لحاظ اور پاس رکھنا چاہیے۔ ہمارے دین میں کوئی بات تہذیب کے خلاف نہیں۔

❊ ❊ ❊

---

[1] (مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ تقریر حضرتؑ نے اس وقت فرمائی۔ جب محمد نواب خاں صاحب تحصیلدار نے حضورؑ سے بیعت کی تھی۔ ایڈیٹر)

(البدر جلد ۱ نمبر ۶، ۵ پرچہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء)

اِسلام مظلوم ہے

اِسلام ہمیشہ مظلوم چلا آیا ہے۔ جیسے کبھی دو بھائیوں میں فساد ہو تو بڑا بھائی بہ سبب اپنی عظمت اور پہلے پیدا ہونے کے اپنے چھوٹے بھائی پر خواہ نخواہ ظلم کرتا ہے اس لیے کہ وہ پیدائش میں اوّل ہونے سے اپنا حق زیادہ خیال کرتا ہے؛ حالانکہ حق دونوں کا برابر ہے۔ اسی طرح کا ظلم اِسلام پر ہو رہا ہے۔ اسلام سب مذاہب کے بعد آیا۔ اسلام نے سب مذاہب کی غلطی اُن کو بتلائی، تو جیسے قاعدہ ہے کہ جاہل خیر خواہ کا دشمن ہو جاتا ہے اسی طرح وہ سب مذاہب اس سے ناراض ہوتے، کیونکہ اُن کے دلوں میں اپنی اپنی عظمت بیٹھی ہوئی تھی۔ انسان کثرتِ قوم، قدامت اور کثرتِ مال کے باعث متکبر ہو جاتا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غریب، قلیل اور نئے گروہ والے تھے۔ اِس لیے (ابتدا میں) اُنھوں (مخالفین) نے نہ مانا۔ حق ہمیشہ مظلوم ہوتا ہے۔

اسلام دُوسری اقوام کا محسن ہے

اِسلام ایسا مطہر مذہب ہے کہ کسی مذہب کے بانی کو بُرا کہنے نہیں دیتا۔ دیگر مذاہب والے جھٹ گالی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ دیکھو یہ عیسائی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر گالیاں دیتی ہے۔ اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت زندہ ہوتے، تو آپ کی دُنیاوی عظمت کے خیال سے بھی یہ لوگ کوئی کلمہ زبان پر نہ لا سکتے، بلکہ ہزار ہا درجہ تعظیم سے پیش آتے۔ امیرِ کابل اور سلطانِ رُوم ایک ادنیٰ اُمتی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اُن کو گالی نہیں دے سکتے۔ بے ادبی سے پیش نہیں آ سکتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لیا جاتے، تو ہزاروں گالیاں سُناتے ہیں۔ اسلام دوسری اقوام کا محسن ہے۔ کہ ہر ایک نبی اور کتاب کو بَری کیا۔ اور خود اِسلام مظلوم ہے۔ اسلام کا مضمون لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔[1]

۱۸۹۶ء

فرمایا: حضرت مسیح کی آمد کے واسطے جو لفظ آیا ہے وہ نزُول ہے اور رجُوع نہیں ہے۔ اوّل تو واپس آنے والے کی نسبت جو لفظ آتا ہے وہ رجُوع ہے اور رجُوع کا لفظ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کہیں نہیں بولا گیا۔ دوم نزول کے معنے آسمان سے آنے کے نہیں ہیں۔ نزیل مُسافر کو کہتے ہیں۔

مخالفین کیلئے دُعا سے کام لینا چاہیے

فرمایا: ہم نے جو مخالفین پر بعض جگہ سختی کی ہے۔ وہ اُن کے تکبّر کو دُور کرنے کے واسطے ہے۔ وہ سخت باتوں کا جواب نہیں، بلکہ علاج کے طور پر کڑوی دوائی ہے اَلْحَقُّ مُرٌّ۔ لیکن ہر شخص کے واسطے جائز نہیں کہ وہ ایسی تحریر کو استعمال کرے۔ جماعت کو احتیاط چاہیے۔ ہر ایک شخص اپنے دل کو پہلے ٹٹول کر دیکھ لے کہ صرف ضد اور دشمنی کے طور پر ایسے لفظ لکھ رہا ہے یا کسی نیک نیت پر یہ کام مبنی ہے۔

---

[1] "البدر" جلد ۱ پرچہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء

فرمایا: مخالفین کے ساتھ دشمنی سے پیش نہیں آنا چاہیے، بلکہ زیادہ تر دُعا سے کام لینا چاہیے اور دیگر وسائل سے کوشش کرنی چاہیئے۔[1]

۱۸۹۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"مَیں ہرگز اپنے آپ کو مولوی نہیں کہتا اور نہ مَیں راضی ہوں کہ کبھی کوئی مجھے مولوی کہے، بلکہ مجھے تو اس لفظ سے ایسا رنج ہوتا ہے جیسا کہ کسی نے گالی دے دی۔

فرمایا: لوگ تمہیں دُکھ دیں گے اور ہر طرح سے تکلیف پہنچائیں گے، مگر ہماری جماعت کے لوگ جوش نہ دکھائیں۔ جوشِ نفس سے دل دُکھانے والے الفاظ استعمال نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہوتے۔ ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ ایک نمونہ بنانا چاہتا ہے۔"[2]

فرمایا: یہ آسمانی کام ہے اور آسمانی کام رُک نہیں سکتا۔ اس معاملہ میں ہمارا قدم ایک ذرّہ بھی درمیان میں نہیں۔

فرمایا: لوگوں کی گالیوں سے ہمارا نفس جوش میں نہیں آتا۔

فرمایا: دولت مندوں میں نخوت ہے، مگر آج کل کے علماء میں اس سے بڑھ کر ہے۔ اُن کا تکبّر ایک دیوار کی طرح اُنکی راہ میں رُکاوٹ ہے۔ مَیں اِس دیوار کو توڑنا چاہتا ہُوں۔ جب یہ دیوار ٹوٹ جائے گی تو وہ انکسار کے ساتھ آویں گے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ متقی کو پیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے سب ترساں رہو اور یاد رکھو کہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ کسی پر ظلم نہ کرو۔ نہ تیزی کرو۔ نہ کسی کو حقارت سے دیکھو۔ جماعت میں اگر ایک آدمی گندہ ہے، تو وہ سب کو گندہ کر دیتا ہے۔ اگر حرارت کی طرف تمہاری طبیعت کا میلان ہو تو پھر اپنے دل کو ٹٹولو کہ یہ حرارت کس چشمہ سے نکلی ہے۔ یہ مقام بہت نازک ہے۔"[3]

دسمبر ۱۸۹۷ء

دارالامان قادیان سے بذریعہ پوسٹ کارڈ اطلاع ملی ہے کہ ہماری جماعت ہر نماز کی آخری رکعت میں بعد رکوع مندرجہ ذیل دُعا بکثرت پڑھتے۔[4]

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (بقرہ: ۲۰۲)

---

[1] بدر جلد ۱۱ نمبر ۴۶ پرچہ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۱ء

[2] بدر جلد ۱۱ نمبر ۴۶ صفحہ ۳ پرچہ ۲ر نومبر ۱۹۱۱ء

[3] بدر جلد ۱۱ نمبر ۹۲ پرچہ ۳۰ر نومبر ۱۹۱۱ء

[4] الحکم جلد ۱ نمبر ۵ پرچہ ۹ر دسمبر ۱۸۹۷ء

۲۵ر دسمبر ۱۸۹۷ء

حضرتِ اقدسؑ کی پہلی تقریر بر جلسہ سالانہ

حضورؑ نے فرمایا:۔

تقویٰ کی بابت نصیحت

اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لیے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ کی بابت نصیحت کی جاوے، کیونکہ یہ بات عقلمند کے نزدیک ظاہر ہے کہ بجز تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (النحل ۱۲۹)

ہماری جماعت کے لیے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلۂ بیعت میں ہیں جس کا دعویٰ مامُوریت کا ہے تا وہ لوگ جو خواہ کسی قسم کے بغضوں، کینوں یا شرکوں میں مُبتلا تھے یا کیسے ہی رُوبہ دُنیا تھے، اُن تمام آفات سے نجات پاویں۔

آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہو جاوے خواہ اس کی بیماری چھوٹی ہو یا بڑی اگر اُس بیماری کے لیے دوا نہ کی جاوے اور علاج کے لیے دُکھ نہ اُٹھایا جاوے۔ بیمار اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایک سیاہ داغ مُنہ پر نکل کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کُل مُنہ کو کالا نہ کر دے۔ اسی طرح معصیت کا بھی ایک سیاہ داغ دل پر ہوتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کبائر ہو جاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے جو بڑھ کر آخر کار کُل مُنہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے ویسا ہی قہار اور مُنتقم بھی ہے۔ ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ اُن کا دعویٰ اور لاف و گزاف تو بہت کچھ ہے اور اُن کی عملی حالت ایسی نہیں، تو اس کا غیظ و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی جماعت کی سزا دہی کے لیے وُہ کفّار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کئی دفعہ مُسلمان کافروں سے تہ تیغ کیے گئے۔ جیسے چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے مُسلمانوں کو تباہ کیا؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں سے حمایت اور نُصرت کا وعدہ کیا ہے، لیکن پھر بھی مُسلمان مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو پکارتی ہے لیکن اس کا دِل اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وُہ بالکل رُوبدُنیا ہے تو پھر اُس کا قہر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔

* * *

قول و فعل میں مطابقت

اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اُس کا قول و فعل کہاں تک ایک دُوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جب دیکھے کہ اس کا قول و فعل برابر نہیں تو سمجھ لے کہ موردِ غضبِ الٰہی ہوگا۔ جو دل ناپاک ہے خواہ قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔ پس میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آتے ہیں، اسی لیے کہ تمہ ریزی کی جاوے جس سے وہ پھلدار درخت ہو جائے۔ پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرُونہ کیسا ہے؟ اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے؟ اگر ہماری جماعت بھی خدانخواستہ ایسی ہے کہ اُس کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ ایک جماعت جو دل سے خالی ہے۔ اور زبانی دعوے کرتی ہے۔ وہ غنی ہے۔ وہ پروا نہیں کرتا۔ بدر کی فتح کی پیشگوئی ہو چکی تھی، ہر طرح فتح کی اُمید تھی، لیکن پھر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دُعا مانگتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جب ہر طرح فتح کا وعدہ ہے، تو پھر ضرورتِ الحاح کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ ذات غنی ہے یعنی ممکن ہے کہ وعدۂ الٰہی میں کوئی مخفی شرائط ہوں۔

برکاتِ تقویٰ

پس ہمیشہ دیکھنا چاہیے کہ ہم نے تقویٰ و طہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ اس کا معیار قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقی کے نشانوں میں ایک یہ بھی نشان رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ متقی کو مکروہاتِ دُنیا سے آزاد کر کے اُس کے کاموں کا خود کفیل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا: وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (الطلاق ۳،۴) جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک مصیبت میں اس کے لیے راستہ خلاصی کا نکال دیتا ہے اور اس کے لیے ایسے روزی کے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے علم و گمان میں نہ ہوں، یعنی یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو نابکار ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا۔ مثلاً ایک دوکاندار یہ خیال کرتا ہے کہ دروغگوئی کے سوا اس کا کام ہی نہیں چل سکتا، اس لیے وُہ دروغگوئی سے باز نہیں آتا اور جھوٹ بولنے کے لیے وہ مجبوری ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ امر ہرگز سچ نہیں۔ خدا تعالیٰ متقی کا خود محافظ ہو جاتا ہے اور اُسے ایسے مواقع سے بچا لیتا ہے جو خلافِ حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔ یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ کو کسی نے چھوڑا، تو خدا نے اُسے چھوڑ دیا۔ جب رحمان نے چھوڑ دیا، تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑے گا۔

یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے۔ وہ بڑی طاقت والا ہے۔ جب اس پر کسی امر میں بھروسہ کرو گے وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق ۴) لیکن جو لوگ اِن آیات کے پہلے مخاطب تھے، وہ اہلِ دین تھے۔ اُن کی ساری فکریں محض دینی اُمور کے لیے تھیں اور دُنیوی اُمور حوالہ بخدا تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو تسلی دی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ غرض برکاتِ تقویٰ میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ متقی کو اِن مصائب سے خلاصی بخشتا ہے جو دینی اُمور میں حارج ہوں۔

متقی کیلئے روحانی رزق

ایسا ہی اللہ تعالیٰ متقی کو خاص طور پر رزق دیتا ہے۔ یہاں میں معارف کے رزق کا ذکر کروں گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اُمّی ہونے کے تمام جہان کا مقابلہ کرنا تھا، جس میں اہلِ کتاب، فلاسفر، اعلیٰ درجہ کے علمی مذاق والے لوگ اور عالم فاضل شامل تھے، لیکن آپؐ کو رُوحانی رزق اس قدر ملا کہ آپؐ سب پر غالب آئے اور اُن سب کی غلطیاں نکالیں۔

یہ رُوحانی رزق تھا جس کی نظیر نہیں متقی کی شان میں دُوسری جگہ یہ بھی آیا ہے۔ اِنْ اَوْلِیَآءُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال) اللہ تعالیٰ کے ولی وُہ ہیں جو متقی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست۔ پس یہ کیسی نعمت ہے کہ تھوڑی سی تکلیف سے خدا کا مقرب کہلائے۔ آج کل زمانہ کس قدر پست ہمت ہے۔ اگر کوئی حاکم یا افسر کسی کو یہ کہدے کہ تُو میرا دوست ہے، یا اُس کو کُرسی دے اور اُس کی عزت کرے، تو وہ شیخی کرتا ہے۔ فخر کرتا پھرتا ہے، لیکن اُس انسان کا کس قدر افضل رُتبہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ اپنا ولی یا دوست کہہ کر پکارے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ وعدہ فرمایا ہے۔ جیسے کہ ایک حدیث بخاری میں وارد ہے: لَا یَزَالُ یَتَقَرَّبُ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ۔ (صحیح بخاری جُزو رابع۔ باب التواضع) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا ولی ایسا قُرب میرے ساتھ بذریعہ نوافل پیدا کر لیتا ہے۔

فرائض اور نوافل

انسان جس قدر نیکیاں کرتا ہے، اس کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک فرائض، دُوسرے نوافل۔ فرائض یعنی جو انسان پر فرض کیا گیا ہو۔ جیسے قرضہ کا اُتارنا۔ یا نیکی کے مقابل نیکی۔ ان فرائض کے علاوہ ہر ایک نیکی کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں، یعنی ایسی نیکی جو اس کے حق سے فاضل ہو۔ جیسے احسان کے مقابل احسان کے علاوہ اور احسان کرنا۔ یہ نوافل ہیں۔ یہ بطور مُکمّلات اور مُتمّمات فرائض کے ہیں۔ اس حدیث میں بیان ہے کہ اولیاء اللہ کے دینی فرائض کی تکمیل نوافل سے ہو رہتی ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کے علاوہ وہ اور صدقات دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کا ولی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس کی دوستی یہانتک ہوتی ہے کہ مَیں اُس کے ہاتھ، پاؤں حتّٰی کہ اس کی زبان ہو جاتا ہُوں جس سے وہ بولتا ہے۔

ہر ایک فعل خدا کی منشاء کے مطابق ہو

بات یہ ہے کہ جب انسان جذباتِ نفس سے پاک ہوتا اور نفسانیت چھوڑ کر خدا کے ارادوں کے اندر چلتا ہے، اس کا کوئی فعل ناجائز نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک فعل خدا کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں لوگ ابتلاء میں پڑتے ہیں وہاں یہ امر ہمیشہ ہوتا ہے کہ وہ فعل خدا کے ارادہ سے مطابق نہیں ہوتا۔ خدا کی رضا اس کے برخلاف ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے جذبات کے نیچے چلتا ہے۔ مثلاً غصّہ میں آکر کوئی ایسا فعل اس سے سرزد ہو جاتا ہے جس سے مقدّمات بن جایا کرتے ہیں۔ فوجداریاں ہو جاتی ہیں، مگر

اگر کسی کا یہ ارادہ ہو کہ بلا استصواب کتابُ اللہ اس کا حرکت و سکون نہ ہوگا اور اپنی ہر ایک بات پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرے گا، تو یقینی امر ہے کہ کتاب اللہ مشورہ دے گی۔ جیسے فرمایا: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام: ۶۰) سو اگر ہم یہ ارادہ کریں کہ ہم مشورہ کتاب اللہ سے لیں گے، تو ہم کو ضرور مشورہ ملے گا، لیکن جو اپنے جذبات کا تابع ہے۔ وہ ضرور نقصان ہی میں پڑے گا۔ بسا اوقات وہ اس جگہ مواخذہ میں پڑیگا۔ سو اس کے مقابل اللہ نے فرمایا کہ ولی جو میرے ساتھ بوتے چلتے کام کرتے ہیں۔ وہ گویا اس میں محو ہیں۔ سو جس قدر کوئی محویت میں کم ہے۔ وہ اُتنا ہی خدا سے دُور ہے، لیکن اگر اُس کی محویت ویسی ہی ہے جیسے خدا نے فرمایا تو اس کے ایمان کا اندازہ نہیں۔ اُن کی حمایت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ عَادٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (الحدیث) جو شخص میرے ولی کا مقابلہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اب دیکھ لو کہ متقی کی شان کس قدر بلند ہے اور اس کا پایہ کس قدر عالی ہے۔ جس کا قُرب خُدا کی جناب میں ایسا ہے کہ اس کا ستایا جانا خدا کا ستایا جانا ہے تو خدا اس کا کس قدر معاون و مددگار ہوگا۔

متقی کے پاس جو آجاتا ہے وہ بھی بچایا جاتا ہے

لوگ بہت سے مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں، لیکن متقی بچائے جاتے ہیں، بلکہ اُن کے پاس جو آجاتا ہے وہ بھی بچایا جاتا ہے۔ مصائب کی کوئی حد نہیں۔ انسان کا اپنا اندر اس قدر مصائب سے بھرا ہوا ہے کہ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ امراض کو ہی دیکھ لیا جاوے کہ ہزارہا مصائب کے پیدا کرنے کو کافی ہیں، لیکن جو تقویٰ کے قلعہ میں ہوتا ہے وہ اُن سے محفوظ ہے اور جو اس سے باہر ہے وہ ایک جنگل میں ہے جو درندہ جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔

متقی کو اسی دنیا میں بشارتیں ملتی ہیں

متقی کے لیے ایک اور بھی وعدہ ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ۶۵) یعنی جو متقی ہوتے ہیں، اُن کو اسی دُنیا میں بشارتیں سچے خوابوں کے ذریعہ ملتی ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ صاحبِ مکاشفات ہو جاتے ہیں۔ مکالمۂ اللہ کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ وہ بشریت کے لباس میں ہی ملائکہ کو دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حٰمٓ السجدہ: ۳۱) یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت دکھاتے ہیں، یعنی ابتلا کے وقت ایسا شخص دکھلا دیتا ہے کہ جو میں نے مُنہ سے وعدہ کیا تھا، وہ عملی طور سے پورا کرتا ہوں۔

ابتلا ضروری ہے

ابتلا ضروری ہے۔ جیسے یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور استقامت کی، اُن پر فرشتے اُترتے ہیں۔ مفسروں کی غلطی ہے کہ فرشتوں کا اُترنا نزع میں ہے۔ یہ غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دل کو صاف کرتے ہیں اور نجاست اور گندگی سے، جو اللہ سے دُور رکھتی ہے، اپنے نفس کو دُور رکھتے ہیں۔ اُن میں سلسلۂ الہام کے لیے ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ سلسلۂ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ پھر متقی کی شان میں ایک اور

جگہ فرمایا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (یونس: ۶۳) یعنی جو اللہ کے ولی ہیں اُن کو کوئی غم نہیں جس کا خدا متکفل ہو اس کو کوئی تکلیف نہیں۔ کوئی مقابلہ کرنے والا ضرر نہیں دے سکتا اگر خدا ولی ہو جاتے۔ پھر فرمایا: وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (حٰمٓ سجدہ: ۳۱) یعنی تم اس جنت کے لیے خوش ہو جس کا تم کو وعدہ ہے۔

قرآن کی تعلیم سے پایا جاتا ہے کہ انسان کے لیے دو جنت ہیں۔ جو شخص خدا سے پیار کرتا ہے کیا وہ ایک جلنے والی زندگی میں رہ سکتا ہے؟ جب اس جگہ ایک حاکم کا دوست دُنیوی تعلقات میں ایک قسم کی بہشتی زندگی میں ہوتا ہے، تو کیوں نہ ان کے لیے دروازہ جنت کا کھلے جو اللہ کے دوست ہیں؟ اگرچہ دُنیا پُر از تکلیف و مصائب ہے، لیکن کسی کو کیا خبر وہ کیسی لذت اُٹھاتے ہیں؟ اگر اُن کو رنج ہو تو آدھ گھنٹہ تکلیف اُٹھانا بھی مشکل ہے، حالانکہ وہ تو تمام عمر تکلیف میں رہتے ہیں۔ ایک زمانہ کی سلطنت اُن کو دے کر اُن کو اپنے کام سے روکا جاوے تو کب کسی کی سُنتے ہیں؟ اس طرح خواہ مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، وہ اپنے ارادہ کو نہیں چھوڑتے۔

کامل نمونۂ اخلاق

ہمارے ہادیٔ کامل کو یہ دونوں باتیں دیکھنی پڑیں۔ ایک وقت تو طائف میں پتھر برسائے گئے۔ ایک کثیر جماعت نے سخت سے سخت جسمانی تکلیف دی، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ جب قوم نے دیکھا کہ مصائب و شدائد سے ان پر کوئی اثر نہ پڑا، تو اُنھوں نے جمع ہو کر بادشاہت کا وعدہ دیا۔ اپنا امیر بنانا چاہا۔ ہر ایک قسم کے سامانِ آسائش مہیا کر دینے کا وعدہ کیا۔ حتیٰ کہ عمدہ سے عمدہ بی بی بھی۔ بدیں شرط کہ حضرتؐ بتوں کی مذمت چھوڑ دیں۔ لیکن جیسے کہ طائف کی مصیبت کے وقت ویسی ہی اِس وعدۂ بادشاہت کے وقت حضرتؐ نے کچھ پروا نہ کی اور پتھر کھانے کو ترجیح دی۔ سو جبتک خاص لذت نہ ہو، تو کیا ضرورت تھی کہ آرام چھوڑ کر دُکھوں میں پڑتے۔

یہ موقع سوا ہمارے رسُول علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے کسی اور نبی کو نہ ملا کہ اُن کو نبوّت کا کام چھوڑنے کے لیے کوئی وعدہ دیا گیا ہو۔ مسیح کو بھی یہ امر نصیب نہ ہوا۔ دُنیا کی تاریخ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی یہ معاملہ ہوا کہ آپؐ کو سلطنت کا وعدہ دیا گیا اگر آپ اپنا کام چھوڑ دیں۔ سو یہ عزت ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اسی طرح ہمارے ہادیٔ کامل کو دونوں زمانے تکلیف اور فتح مندی کے نصیب ہوئے، تاکہ وہ دونوں اوقات میں کامل نمونہ اخلاق کا دکھا سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے لیے چاہا ہے کہ ہر دو لذتیں اٹھائیں۔ بعض وقت دُنیوی لذّات، آرام اور طیبات کے رنگ میں۔ بعض وقت عُسرت اور مصائب میں۔ تاکہ اُن کے دونوں اخلاق کامل نمونہ دکھا سکیں۔ بعض اخلاق طاقت میں اور بعض مصائب میں کھُلتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں باتیں میسّر آئیں۔ سو جس قدر ہم آپؐ کے اخلاق پیش کر سکیں گے۔ کوئی اور قوم اپنے کسی نبی کے اخلاق پیش نہ کر سکے گی۔ جیسے مسیح کا صرف صبر ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ مار

کھاتا رہا، لیکن یہ کہاں سے نکلے گا کہ اُن کو طاقت نصیب ہوئی۔ وہ نبی بیشک پتے ہیں لیکن اُن کے ہر قسم کے اخلاق ثابت نہیں، چونکہ اُن کا ذکر قرآن میں آگیا، اس لیے ہم اُن کو نبی مانتے ہیں۔ والّا انجیل میں تو اُن کا کوئی ایسا خُلق ثابت نہیں۔ جیسے اُولوالعزم انبیاء کی شان ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہمارے ہادیٔ کامل بھی اگر ابتدائی تیرہ برس کی مصائب میں مرجاتے، تو اُن کے اور بہت سے اخلاقِ فاضلہ مسیح کی طرح ثابت نہ ہوتے، لیکن دُوسرا زمانہ جب فتح کا آیا اور مجرم آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے تو اس سے آپؐ کی صفتِ رحم اور عفو کا کامل ثبوت ملا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کے کام کوئی جبر پر نہ تھے۔ نہ زبردستی تھی، بلکہ ہر ایک امر اپنے طبعی رنگ میں ہوا۔ اسی طرح آپؐ کے اور بہت سے اخلاق بھی ثابت ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ: نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰمٓ السجدۃ) کہ ہم اس دُنیا میں بھی اور آئندہ بھی متقی کے ولی ہیں۔ سو یہ آیت بھی تکذیب میں اُن نادانوں کے ہے۔ جنھوں نے اس زندگی میں نزولِ ملائکہ سے انکار کیا۔ اگر نزع میں نزولِ ملائکہ تھا، تو حیٰوۃ الدُّنیا میں خدا تعالیٰ کیسے ولی ہوا۔

متقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے

سو یہ ایک نعمت ہے کہ ولیوں کو خدا کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ آئندہ کی زندگی محض ایمانی ہے، لیکن ایک متقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے۔ اُنہیں اسی زندگی میں خدا ملتا ہے، نظر آتا ہے اور اُن سے باتیں کرتا ہے۔ سو اگر ایسی صورت کسی کو نصیب نہیں، تو اس کا مرنا اور یہاں سے چلے جانا نہایت خراب ہے۔ ایک ولی کا قول ہے کہ جس کو ایک سچا خواب عمر میں نصیب نہیں ہوا۔ اس کا خاتمہ خطرناک ہے جیسے کہ قرآن مومن کے یہ نشان ٹھہراتا ہے۔ سنو! جس میں یہ نشان نہیں اُس میں تقویٰ نہیں۔ سو ہم سب کی یہ دُعا چاہیے کہ یہ شرط ہم میں پُوری ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام، خواب، مکاشفات کا فیضان ہو، کیونکہ مومن کا یہ خاصہ ہے۔ سو یہ ہونا چاہیے۔

بہت سی اور بھی برکات ہیں جو متقی کو ملتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں جو قرآن کے شروع میں ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ دُعا مانگیں: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ ۶-۸) یعنی ہمیں وہ راہ سیدھی بتلا ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام و فضل ہے۔ یہ اس لیے سکھلائی گئی کہ انسان عالی ہمت ہو کر اس سے خالق کا منشاء سمجھے اور وُہ یہ ہے کہ یہ اُمت بہائم کی طرح زندگی بسر نہ کرے، بلکہ اس کے تمام پردے کھُل جاویں۔ جیسے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ولایت بارہ اماموں کے بعد ختم ہوگئی۔ برخلاف اس کے اس دُعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہو اور خدا کی منشاء کے مطابق ہو، تو وہ اُن مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کو بہت سے قویٰ ملے ہیں جنھوں نے نشوونما پانا ہے اور بہت ترقی کرنا ہے۔ ہاں ایک بکرا چونکہ انسان نہیں، اس کے قویٰ ترقی نہیں کر سکتے۔ عالی ہمت انسان جب رسُولوں اور انبیاء کے حالات سُنتا ہے کہ وُہ انعامات جو اس پاک جماعت کو حاصل ہوئے اس پر نہ صرف

ایمان ہی ہو بلکہ اُسے۔ تدریج ان نعمار کا علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہو جاوے۔

علم کے تین مدارج علم کے تین مدارج ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔ مثلاً ایک جگہ سے دُھواں نکلتا دیکھ کر آگ کا یقین کر لینا علم الیقین ہے، لیکن خود آنکھ سے آگ کا دیکھنا عین الیقین ہے۔ ان سے بڑھ کر درجہ حق الیقین کا ہے یعنی آگ میں ہاتھ ڈال کر جلن اور حرقت سے یقین کر لینا کہ آگ موجود ہے۔ پس کیسا وہ شخص بدقسمت ہے جس کو تینوں میں سے کوئی درجہ حاصل نہیں۔ اس آیت کے مطابق جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہیں وہ کورانہ تقلید میں پھنسا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت) جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرے گا ہم اس کو اپنی راہیں دکھلا دیں گے۔ یہ تو وعدہ ہے اور ادھر یہ دُعا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (الفاتحہ: ۶) سو انسان کو چاہیے کہ اس کو مدِنظر رکھ کر نماز میں دُعا بالحاح کرے اور تمنا رکھے کہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے جو ترقی اور بصیرت حاصل کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس جہان سے بے بصیرت اور اندھا اُٹھایا جاوے؛ فرمایا: مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل: ۷۳) کہ جو اس جہان میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہے۔ جس کی منشا یہ ہے کہ اُس جہان کے مشاہدہ کے لیے اسی جہان سے ہم کو آنکھیں لے جانی ہیں۔ آئندہ جہان کو محسوس کرنے کے لیے حواس کی طیاری اسی جہان میں ہوگی۔ پس کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کرے اور پورا نہ کرے۔

اَندھا کون ہے؟ اندھے سے مراد وہ ہے جو رُوحانی معارف اور رُوحانی لذات سے خالی ہے۔ ایک شخص کورانہ تقلید سے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گیا، مسلمان کہلاتا ہے۔ دُوسری طرف اسی طرح ایک عیسائی عیسائیوں کے ہاں پیدا ہو کر عیسائی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو خدا، رسول اور قرآن کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اس کی دین سے محبت بھی قابلِ اعتراض ہے۔ خدا اور رسول کی ہتک کرنے والوں میں اس کا گذر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسے شخص کی رُوحانی آنکھ نہیں۔ اِس میں محبتِ دین نہیں۔ والا محبت والا اپنے محبوب کے برخلاف کیا کچھ پسند کرتا ہے؟ غرض اللہ تعالیٰ نے سکھلایا ہے کہ مَیں تو دینے کو تیار ہوں اگر تو لینے کو تیار ہے۔ پس یہ دُعا کرنا ہی اس ہدایت کو لینے کی تیاری ہے۔

مُتقی اس دُعا کے بعد سُورہ بقرہ کے شروع میں ہی جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۳) کہا گیا، تو گویا خدا تعالیٰ نے دینے کی تیاری کی۔ یعنی یہ کتاب متقی کو کمال تک پہنچانے کا وعدہ کرتی ہے۔ سو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب ان کے لیے نافع ہے جو پرہیز کرنے اور نصیحت کے سُننے کو تیار ہوں۔ اس درجہ کا متقی وہ ہے جو مُخلی بالطبع ہو کر حق کی بات سُننے کو تیار ہو۔ جیسے جب کوئی مسلمان ہوتا ہے تو وُہ متقی بنتا ہے۔ جب کسی غیر مذہب کے اچھے دن آئے، تو اس میں اِتقاء پیدا ہوا۔ عُجب، غرور، پندار دُور ہوا۔ یہ تمام روکیں تھیں جو دُور ہو گئیں۔ اِن کے دُور ہونے سے تاریک گھر کی

کھڑکی کھل گئی اور شعاعیں اندر داخل ہوگئیں۔

یہ جو فرمایا کہ یہ کتاب متقین کی ہدایت ہے یعنی ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ تو اتقا جو افتعال کے باب سے ہے اور یہ باب تکلف کے لیے آتا ہے یعنی اس میں اشارہ ہے کہ جس قدر یہاں ہم تقویٰ چاہتے ہیں وہ تکلف سے خالی نہیں جس کی حفاظت کے لیے اس کتاب میں ہدایات ہیں۔ گویا متقی کو نیکی کرنے میں تکلیف سے کام لینا پڑتا ہے۔

عبدِ صالح جب یہ گذر جاتا ہے تو سالک عبدِ صالح ہو جاتا ہے۔ گویا تکلیف کا رنگ دُور ہوا۔ اور صالح نے طبعاً وفطرتاً نیکی شروع کی۔ وہ ایک قسم کے دارالامان میں ہے، جس کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب کُل جنگ اپنے نفسانی جذبات کے برخلاف ختم ہو چکے ہیں اور وُہ امن میں آگیا اور ہر ایک قسم کے خطرات سے پاک ہوگیا۔ اسی امر کی طرف ہمارے ہادیٔ کامل نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ ہر ایک کے ساتھ شیطان ہوتا ہے، لیکن میرا شیطان مُسلم ہو گیا ہے۔ سو متقی کو ہمیشہ شیطان کے مقابل جنگ ہے، لیکن جب وُہ صالح ہو جاتا ہے، تو کُل جنگیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ایک ریا ہی ہے، جس سے اُسے آٹھوں پہر جنگ ہے۔ متقی ایک ایسے میدان میں ہے، جہاں ہر وقت لڑائی ہے۔ اللہ کے فضل کا ہاتھ اُس کے ساتھ ہو، تو اُسے فتح ہو۔ جیسے ریا، جس کی چال ایک چیونٹی کی طرح ہے بعض وقت انسان بے سمجھے لیکن موقعہ پر ریا کو دل میں پیدا ہونے کا موقعہ دے دیتا ہے۔ مثلاً ایک کا چاقو گُم ہو جاوے اور وُہ دُوسرے سے دریافت کرے تو اس موقعہ پر ایک متقی کا جنگ شیطان سے شروع ہو جاتا ہے، جو اُسے سکھاتا ہے کہ اس طرح دریافت کرنا ایک قسم کی بے عزتی ہے، جس سے اس کے افروختہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ آپس میں لڑائی بھی ہو جاوے۔ اس موقعہ پر ایک متقی کو اپنے نفس کی بدخواہش سے جنگ ہے۔ اگر اس شخص میں محض للہ دیانت موجود ہو تو غصہ کرنے کی اس کو ضرورت ہی کیا ہے، کیونکہ دیانت جس قدر مخفی رکھی جائے۔ اسی قدر بہتر ہے۔ مثلاً ایک جوہری کو راستہ میں چند چور مل جاویں اور چور آپس میں اس کے متعلق مشورہ کریں۔ بعض اُسے دولت مند بتلاویں اور بعض کہیں وہ کنگال ہے۔ اب مقابلتاً یہ جوہری انہیں کو پسند کریگا جو اُسے کنگال ظاہر کریں گے۔

اعمال میں اخفا اچھا ہے اسی طرح یہ دُنیا کیا ہے۔ ایک قسم کی دارالابتلاء ہے۔ وہی اچھا ہے، جو ہر ایک امر خفیہ رکھے اور ریاء سے بچے۔ وہ لوگ جن کے اعمال للّٰہی ہوتے ہیں وہ کبھی پر اپنے اعمال ظاہر ہونے نہیں دیتے یہی لوگ متقی ہیں۔

میں نے تذکرۃ الاولیاء میں دیکھا ہے کہ ایک مجمع میں ایک بزرگ نے سوال کیا کہ اس کو کچھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ کوئی اس کی مدد کرے۔ ایک نے صالح سمجھ کر اُس کو ایک ہزار روپیہ دیا۔ اُنھوں نے روپیہ لے کر اس کی سخاوت اور فیاضی کی تعریف کی۔ اس بات پر وُہ رنجیدہ ہوا کہ جب یہاں ہی تعریف ہوگئی تو شاید ثوابِ آخرت سے محرومیت ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد وُہ آیا اور کہا کہ وہ روپیہ اس کی والدہ کا تھا جو دینا نہیں چاہتی؛ چنانچہ وہ روپیہ واپس دیا گیا۔ جس پر ہر ایک

لعنت کی اور کہا کہ جھوٹا ہے۔ اصل میں روپیہ دینا نہیں چاہتا۔ جب شام کے وقت وہ بزرگ گھر گیا۔ تو وُہ شخص ہزار روپیہ اس کے پاس لایا اور کہا کہ آپ نے سرِعام میری تعریف کر کے مجھے محرومِ ثوابِ آخرت کیا، اس لیے مَیں نے یہ بہانہ کیا۔ اب یہ روپیہ آپ کا ہے لیکن آپ کسی کے آگے نام نہ لیں۔ بزرگ رو پڑا اور کہا کہ اب تُو قیامت تک مورِدِ لعن طعن ہوا، کیونکہ کل کا واقعہ سب کو معلوم ہے اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ تُو نے مجھے روپیہ واپس دیدیا ہے۔

ایک متقی تو اپنے نفسِ اَمّارہ کے برخلاف جنگ کر کے اپنے خیال کو چھپاتا ہے اور خفیہ رکھتا ہے، لیکن اللہ تعالےٰ اس خفیہ خیال کو ہمیشہ ظاہر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک بدمعاش کسی بدچلنی کا مرتکب ہو کر خفیہ رہنا چاہتا ہے، اسی طرح ایک متقی چھُپ کر نماز پڑھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کوئی اُس کو دیکھ لے۔ سچا متقی ایک قسم کا سَتر چاہتا ہے۔ تقویٰ کے مراتب بہت ہیں، لیکن بہرحال تقویٰ کے لیے تکلف ہے اور متقی حالتِ جنگ میں ہے اور صالح اس جنگ سے باہر ہے۔ جیسے کہ مَیں نے مثال کے طور پر اُوپر ریا کا ذکر کیا ہے، جس سے متقی کو آٹھوں پہر جنگ ہے۔

ریا اور علم کا جنگ

بسا اوقات ریا اور علم کا جنگ ہو جاتا ہے۔ کبھی انسان کا غصہ کتاب اللہ کے برخلاف ہوتا ہے۔ گالی سُن کر اُس کا نفس جوش مارتا ہے۔ تقویٰ اُس کو سکھلاتا ہے کہ وہ غصہ کرنے سے باز رہے۔ جیسے قرآن کہتا ہے: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان ۷۲) ایسا ہی بے صبری کے ساتھ اُسے اکثر جنگ کرنا پڑتا ہے۔ بے صبری سے مُراد یہ ہے کہ اُس کو راہِ تقویٰ میں اس قدر دِقتوں کا مقابلہ ہے کہ مشکل سے وُہ منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے، اس لیے بے صبر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک کنواں پچاس ہاتھ تک کھودنا ہے۔ اگر دو چار ہاتھ کے بعد کھودنا چھوڑ دیا جائے، تو محض یہ ایک بدظنی ہے۔ اب تقویٰ کی شرط یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے، اُن کو اخیر تک پہنچائے اور بے صبر نہ ہو جائے۔

راہِ سلوک میں مُبارک قدم دو گروہ ہیں

راہِ سلوک میں مُبارک قدم دو گروہ ہیں۔ ایک دین العجائز والے جو موٹی موٹی باتوں پر قدم مارتے ہیں، مثلاً احکامِ شریعت کے پابند ہو گئے اور نجات پا گئے۔ دُوسرے وُہ جنھوں نے آگے قدم مارا۔ ہرگز نہ تھکے اور چلتے گئے، حتیٰ کہ منزلِ مقصود تک پہنچ گئے، لیکن نامُراد وُہ فرقہ ہے کہ دین العجائز سے تو قدم آگے رکھا، لیکن منزلِ سلوک کو طے نہ کیا۔ وہ ضرور دہریہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ چلّہ کشیاں بھی کیں لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا۔ جیسے ایک شخص مفتوح نے بیان کیا کہ اُس کی عیسائیت کا باعث یہی تھا کہ وہ مُرشدوں کے پاس گیا، چلّہ کشی کرتا رہا، لیکن فائدہ کچھ نہ ہوا، تو بدظن ہو کر عیسائی ہو گیا۔

صدق و صبر

سو جو لوگ بے صبری کرتے ہیں، وُہ شیطان کے قبضہ میں آجاتے ہیں۔ سو متقی کو بے صبری کے ساتھ بھی جنگ ہے۔ بوستان میں ایک عابد کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب کبھی وہ عبادت کرتا

تو ہاتف یہی آواز دیتا کہ تو مردود و مخذول ہے۔ ایک دفعہ ایک مُرید نے یہ آواز سُن لی اور کہا کہ اب تو فیصلہ ہوگیا۔ اب ٹکریں مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ بہت رویا اور کہا کہ مَیں اُس جناب کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ اگر ملعُون ہوں، تو ملعُون ہی سہی۔ غنیمت ہے کہ مجھ کو ملعُون تو کہا جاتا ہے۔ ابھی یہ باتیں مرید سے ہو ہی رہی تھیں کہ آواز آئی کہ تُو مقبول ہے۔ سو یہ سب صدق و صبر کا نتیجہ تھا جو متقی میں ہونا شرط ہے۔

اِستقامت یہ جو فرمایا ہے کہ: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۷۰) یعنی ہمارے راہ کے مجاہد راستہ پاویں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس راہ میں ہمیر کے ساتھ مِل کر جدّجُہد کرنا ہوگا۔ ایک دو گھنٹہ کے بعد بھاگ جانا مجاہد کا کام نہیں۔ بلکہ جان دینے کے لیے تیار رہنا اس کا کام ہے۔ سو متقی کی نشانی اِستقامت ہے۔ جیسے کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حٰمٓ السجدہ ۳۱) یعنی جنھوں نے کہا کہ رب ہمارا اللہ ہے اور استقامت دکھائی اور ہر طرف سے مُنہ پھیر کر اللہ کو ڈھونڈا۔ مطلب یہ کہ کامیابی اِستقامت پر موقوف ہے اور وہ اللہ کو پہچاننا اور کسی ابتلا اور زلازل اور امتحان سے نہ ڈرنا ہے۔ ضرور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مورِدِ مخاطبہ و مکالمہ الٰہی انبیاء کی طرح ہوگا۔

ولی بننے کیلئے ابتلا ضروری ہیں بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھُونک مار کر عرش پر پہنچ جائیں اور واصلین سے ہو جاویں۔ ایسے لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ وہ انبیاء کے حالات کو دیکھیں۔ یہ غلطی ہے جو کہا جاتا ہے کہ کسی ولی کے پاس جا کر صدہا ولی فی الفور بن گئے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۳) جبتک انسان آزمایا نہ جاوے فتن میں نہ ڈالا جاوے، وہ کب ولی بن سکتا ہے۔

ایک مجلس میں بایزید وعظ فرما رہے تھے۔ وہاں ایک مشائخ زادہ بھی تھا، جو ایک لمبا سلسلہ رکھتا تھا۔ اس کو آپ سے اندرونی بغض تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے کہ پُرانے خاندانوں کو چھوڑ کر کسی اور کو لے لیتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسمٰعیل کو لے لیا۔ کیونکہ وہ لوگ عیش و عشرت میں پڑ کر خدا کو بھُول گئے ہوتے ہیں۔ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ (آل عمران ۱۴۱) سو اس شیخ زادے کو خیال آیا کہ یہ ایک معمولی خاندان کا آدمی ہے۔ کہاں سے ایسا صاحبِ خوارق آگیا کہ لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں اور ہماری طرف نہیں آتے۔ یہ باتیں خدا تعالیٰ نے حضرت بایزید پر ظاہر کیں، تو اُنھوں نے قصّہ کے رنگ میں یہ بیان شروع کیا کہ ایک جگہ مجلس میں رات کے وقت ایک لمپ میں پانی سے مِلا ہوا تیل جل رہا تھا۔ تیل اور پانی میں بحث ہوئی۔ پانی نے تیل کو کہا کہ تو کثیف اور گندہ ہے اور باوجود کثافت کے میرے اُوپر آتا ہے۔ مَیں ایک مصفا چیز ہوں اور طہارت کے لیے استعمال کیا جاتا ہوں لیکن نیچے ہوں۔ اس کا باعث کیا ہے؟ تیل نے کہا کہ جس قدر صعُوبتیں مَیں نے کھینچی ہیں، تُو نے وہ کہاں جھیلی ہیں۔ جس کے باعث یہ

بلندی مجھے نصیب ہوئی۔ ایک زمانہ تھا، جب میں بویا گیا، زمین میں مخفی رہا، خاکسار ہوا۔ پھر خدا کے ارادہ سے بڑھا بڑھنے نہ پایا کہ کاٹا گیا۔ پھر طرح طرح کی مشقتوں کے بعد صاف کیا گیا۔ کولہو میں پیسا گیا۔ پھر تیل بنا اور آگ لگائی گئی۔ کیا ان مصائب کے بعد بھی بلندی حاصل نہ کرتا؟

یہ ایک مثال ہے کہ اہل اللہ مصائب و شدائد کے بعد درجات پاتے ہیں۔ لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ فلاں شخص فلاں کے پاس جاکر بلا مجاہدہ و تزکیہ ایک دم میں صدیقین میں داخل ہوگیا۔ قرآن شریف کو دیکھو کہ خدا کس طرح تم پر رحمتی ہو، جبتک نبیوں کی طرح تم پر مصائب و زلازل نہ آویں، جنھوں نے بعض وقت تنگ آکر یہ بھی کہہ دیا۔ حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ (البقرہ: ۲۱۵) اللہ کے بندے ہمیشہ بلاؤں میں ڈالے گئے۔ پھر خدا نے ان کو قبول کیا۔

ترقیات کی دو راہیں

صوفیوں نے ترقیات کی دو راہیں لکھی ہیں۔ ایک سلوک دوسرا جذب۔

سلوک سلوک وہ ہے جو لوگ آپ عقلمندی سے سوچ کر اللہ و رسول کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲) یعنی اگر تم اللہ کے پیارے بننا چاہتے ہو، تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو۔ وہ ہادیٔ کامل وہی رسول ہیں جنھوں نے وہ مصائب اٹھائیں کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں رکھتی۔ ایک دن بھی آرام نہ پایا۔ اب پیروی کرنیوالے بھی حقیقی طور سے وہی ہوں گے۔ جو اپنے متبوع کے ہر قول و فعل کی پیروی پوری جد و جہد سے کریں۔ متبع وہی ہے جو سب طرح پیروی کرے گا۔ سہل انگار اور سخت گذار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آوے گا۔ یہاں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تو سالک کا کام یہ ہونا چاہیے کہ اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تاریخ دیکھے اور پھر پیروی کرے۔ اسی کا نام سلوک ہے۔ اس راہ میں بہت مصائب و شدائد ہوتے ہیں ان سب کو اٹھانے کے بعد ہی انسان سالک ہوتا ہے۔

جذب اہل جذب کا درجہ سالکوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلوک کے درجہ پر ہی نہیں رکھتا، بلکہ خود ان کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبۂ ازلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کل انبیاء مجذوب ہی تھے۔ جس وقت انسانی روح کو مصائب کا مقابلہ ہوتا ہے اُن سے فرسودہ کار اور تجربہ کار ہوکر روح چمک اٹھتی ہے۔ جیسے کہ لوہا یا شیشہ اگرچہ چمک کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن صیقلوں کے بعد ہی مجلّٰی ہوتا ہے؛ حتّٰی کہ اس میں منہ دیکھنے والے کا منہ نظر آجاتا ہے۔ مجاہدات بھی صیقل کا ہی کام کرتے ہیں۔ دل کا صیقل یہاں تک ہونا چاہیے کہ اُس میں سے بھی منہ نظر آجاوے۔ منہ کا نظر آنا کیا ہے؟ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مصداق ہونا۔ سالک کا دل ایسا ہے جس کو مصائب و شدائد

اس قدر صیقل کر دیتے ہیں کہ اخلاق النبی اُس میں منعکس ہو جاتے ہیں اور یہ اُس وقت ہوتا ہے۔ جب بہت مجاہدات اور تزکیوں کے بعد اس کے اندر کسی قسم کی کدورت یا کثافت نہ رہے تب یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ایک مومن کو ایک حد تک ایسی صفائی کی ضرورت ہے۔ کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائیگا۔ سلوک والا خود یہ صیقل کرتا ہے، اپنے کام سے مصائب اُٹھاتا ہے، لیکن جذب والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے۔ خدا خود اُس کا مُصقِل ہوتا ہے اور طرح طرح کے مصائب و شدائد سے صیقل کر کے اس کو آئینہ کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔ در اصل سالک و مجذوب دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہے متقی کے دو حصے ہیں سلوک و جذب ؛

ایمان بالغیب تقویٰ جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں، کسی قدر تکلف کو چاہتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ: ۲،۳) اس میں ایک تکلف ہے۔ مشاہدہ کے مقابل ایمان بالغیب لانا ایک قسم کے تکلف کو چاہتا ہے۔ متقی کے لیے ایک حد تک تکلف ہے، کیونکہ جب وہ صالح کا درجہ حاصل کرتا ہے تو پھر غیب اُس کے لیے غیب نہیں رہتا، کیونکہ صالح کے اندر سے ایک نہر کھلتی ہے، جو اس میں سے نکل کر خدا تک پہنچتی ہے۔ وہ خدا اور اُس کی محبت کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل: ۷۳) اسی سے ظاہر ہے کہ جب تک انسان پوری روشنی اسی جہان میں نہ حاصل کرے۔ وہ کبھی خدا کا مُنہ نہ دیکھے گا۔ سو متقی کا یہی کام ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے سُرمے تیار کرتا رہے، جس سے اس کا روحانی نزول الماء دُور ہو جائے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ متقی شروع میں اندھا ہوتا ہے۔ مختلف کوششوں اور تزکیوں سے وہ نُور حاصل کرتا ہے پس جب سوجاکھا ہو گیا اور صالح بن گیا۔ پھر ایمان بالغیب نہ رہا اور تکلف بھی ختم ہو گیا۔ جیسے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بِرَأیِ العین اسی عالم میں بہشت و دوزخ وغیرہ سب کچھ مشاہدہ کرایا گیا۔ جو متقی کو ایک ایمان بالغیب کے رنگ میں ماننا پڑتا ہے، وہ تمام آپؐ کے مشاہدہ میں آگیا۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ متقی اگرچہ اندھا ہے اور تکلف کی تکلیف میں ہے، لیکن صالح ایک دارالامان میں آگیا ہے اور اُس کا نفس نفسِ مطمئنہ ہو گیا ہے۔ متقی اپنے اندر ایمان بالغیب کی کیفیت رکھتا ہے۔ وہ اندھا دُھند طریق سے چلتا ہے۔ اُس کو کچھ خبر نہیں۔ ہر ایک بات پر اُس کا ایمان بالغیب ہے۔ یہی اُس کا صدق ہے اور اس صدق کے مقابل خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وُہ فلاح پائیگا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (البقرہ: ۶)

اقامتِ صلوٰۃ اس کے بعد متقی کی شان میں آیا ہے۔ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ (البقرہ: ۴) یعنی وُہ نماز کو کھڑی کرتا ہے۔ یہاں لفظ کھڑی کرنے کا آیا ہے۔ یہ بھی اس تکلف کی طرف اشارہ کرتا ہے جو متقی کا خاصہ ہے۔ یعنی جب وہ نماز شروع کرتا ہے تو طرح طرح کے وساوس کا اُسے مقابلہ ہوتا ہے جن کے باعث اسکی نماز گویا بار بار گری پڑتی ہے، جس کو اُس نے کھڑا کرنا ہے۔ جب اس نے اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا تو ایک ہجومِ وساوس ہے جو

اُس کے حضورِ قلب میں تفرقہ ڈال رہا ہے۔ وُہ اُن سے کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے۔ ہر چند حضور و ذوق کے لیے لڑتا مرتا ہے، لیکن نماز جو گری پڑتی ہے۔ بڑی جان کنی سے اُسے کھڑا کرنے کی فکر میں ہے۔ بار بار اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر نماز کے قائم کرنے کے لیے دُعا مانگتا ہے اور ایسے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی ہدایت چاہتا ہے جس سے اُس کی نماز کھڑی ہو جائے۔ ان وساوس کے مقابل میں متقی ایک بچہ کی طرح ہے، جو خدا کے آگے گڑگڑاتا ہے۔ روتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (الاعراف: ۱۷۷) ہو رہا ہوں۔ سو یہی وُہ جنگ ہے جو متقی کو نماز میں نفس کے ساتھ کرنی ہوتی ہے اور اسی پر ثواب مُترتّب ہوگا۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز میں وساوس کو فی الفور دُور کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کی منشاء کچھ اور ہے۔ کیا خدا نہیں جانتا؟ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ ثواب اُسوقت تک ہے جبتک مجاہدات ہیں اور جب مجاہدات ختم ہوئے، تو ثواب ساقط ہو جاتا ہے۔ گویا صَوم وصلوٰۃ اُس وقت تک اعمال ہیں جبتک ایک جدوجہد سے وساوس کا مقابلہ ہے لیکن جب اُن میں ایک اعلیٰ درجہ پیدا ہوگیا اور صاحبِ صَوم و صلوٰۃ تقویٰ کے تکلف سے بچکر صلاحیت سے رنگین ہوگیا، تو اب صَوم وصلوٰۃ اعمال نہیں رہے۔ اس موقعہ پر اُنھوں نے سوال کیا کہ کیا اب نماز معاف ہو جاتی ہے؟ کیونکہ ثواب تو اس وقت تھا جس وقت تک تکلف کرنا پڑتا تھا۔ سو بات یہ ہے کہ نماز اب عمل نہیں بلکہ ایک انعام ہے۔ یہ نماز اُس کی ایک غذا ہے، جو اس کے لیے قُرَّۃُ الْعَیْن ہے۔ یہ گویا نقدِ بہشت ہے۔

مقابل میں وہ لوگ جو مجاہدات میں ہیں۔ وہ کُشتی کر رہے ہیں۔ اور یہ نجات پا چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا سلوک جب ختم ہوا، تو اُس کے مصائب بھی ختم ہوگئے۔ مثلاً ایک مُخنّث اگر یہ کہے کہ وہ کبھی کسی عورت کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا، تو وُہ کونسی نعمت یا ثواب کا مستحق ہے۔ اُس میں تو صفتِ بدنظری ہے ہی نہیں، لیکن اگر ایک مرد صاحبِ رجولیت ایسا کرے تو ثواب پائیگا۔ اسی طرح انسان کو ہزاروں مقامات طے کرنے پڑتے ہیں۔ بعض بعض اُمور میں اُس کی مشاقی اُس کو قادر کر دیتی ہے۔ نفس کے ساتھ اس کی مصالحت ہوگئی۔ اب وہ ایک بہشت میں ہے، لیکن وہ پہلا سا ثواب نہیں رہے گا۔ وہ ایک تجارت کر چکا ہے جس کا وُہ نفع اُٹھا رہا ہے، لیکن پہلا رنگ نہ رہے گا۔ انسان میں ایک فعل تکلف سے کرتے کرتے طبیعت کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص جو طبعی طور سے لذّت پاتا ہے، وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اُس کام سے ہٹایا جاوے۔ وُہ طبعًا یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ سو اِتّقا اور تقویٰ کی حد تک پُورا انکشاف نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک قسم کا دعویٰ ہے۔

انفاق من رزق اللہ

اس کے بعد متقی کی شان میں وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرہ: ۴) آیا ہے۔ یہاں متقی کے لیے مِمَّا کا لفظ استعمال کیا، کیونکہ اُس وقت وہ ایک اعلیٰ کی حالت

میں ہے، اس لیے جو کچھ خدا نے اُس کو دیا، اس میں سے کچھ خدا کے نام کا دیا۔ حق یہ ہے کہ اگر وہ آنکھ رکھتا، تو دیکھ لیتا کہ اس کا کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ خدا تعالیٰ کا ہی ہے۔ یہ ایک حجاب تھا جو اتقا میں لازمی ہے۔ اِس حالتِ اتقا کے تعاقب نے متقی سے خدا کے دیئے میں سے کچھ دلوایا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایامِ وفات میں دریافت فرمایا کہ گھر میں کچھ ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک دینار تھا۔ فرمایا کہ یہ سیرتِ یگانگت سے بعید ہے کہ ایک چیز بھی اپنے پاس رکھی جاوے۔ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتقا کے درجہ سے گزر کر صلاحیت تک پہنچ چکے تھے، اس لیے مِمَّا ان کی شان میں نہ آیا۔ کیونکہ وہ شخص اندھا ہے جس نے کچھ اپنے پاس رکھا اور کچھ خدا کو دیا، لیکن یہ لازمۂ متقی تھا، کیونکہ خدا کی راہ میں دینے سے بھی اُسے نفس کے ساتھ جنگ تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کچھ دیا اور کچھ رکھا۔ ہاں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ خدا کی راہ میں دیدیا اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔

جیسے دھرم ہوتسو کے مضمون میں انسان کی تین حالتیں ذکر کی گئی ہیں، جو انسان پر ابتدا سے انتہا تک وارد ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی قرآن کریم نے جو انسان کو تمام مراحل ترقی کے طے کرانے آیا۔ اتقا سے شروع کیا۔ یہ ایک تکلف کا راستہ ہے۔ یہ ایک خطرناک میدان ہے۔ اُس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور مقابل بھی تلوار ہے۔ اگر بچ گیا تو نجات پا گیا۔ ورنہ اَسْفَلِ السَّافِلِین میں پڑ گیا؛ چنانچہ یہاں متقی کی صفات میں یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ ہم دیتے ہیں، اسے سب کا سب خرچ کر دیتا ہے۔ متقی میں اس قدر ایمانی طاقت نہیں ہوتی جو نبی کی شان ہوتی ہے کہ وہ ہمارے ہادیٔ کامل کی طرح کُل کا کُل خدا کا دیا ہوا خدا کو دیدے۔ اسی لیے پہلے مختصر سا ٹیکس لگایا گیا، تاکہ چاشنی چکھ کر زیادہ ایثار کے لیے تیار ہو جاوے۔

رزق سے مُراد وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ - (البقرہ: ۴) رزق سے مراد صرف مال نہیں، بلکہ جو کچھ ان کو عطا ہوا۔ علم، حکمت، طبابت۔ یہ سب رزق میں ہی شامل ہے۔ اس کو اسی میں سے خدا کی راہ میں بھی خرچ کرنا ہے۔

تدریج کے ساتھ تعلیم کی تکمیل انسان نے اس راہ میں بتدریج اور زینہ بہ زینہ ترقی کرنی ہے۔ اگر انجیل کی طرح یہ تعلیم ہوتی کہ گال پر طمانچہ کھا کر دُوسرے طمانچہ کے لیے گال آگے رکھ دی جاوے۔ یا سب کچھ دیدیا جاوے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مُسلمان بھی عیسائیوں کی طرح تعلیم کے ناممکن التعمیل ہونے کے باعث ثواب سے محروم رہتے۔ لیکن قرآن شریف تو حسبِ فطرتِ انسانی آہستہ آہستہ ترقی کراتا ہے۔ انجیل کی مثال تو اُس لڑکے کی ہے جو مکتب میں داخل ہوتے ہی بڑی مشکل کتاب پڑھنے کے لیے مجبور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس کی حکمت کا یہی تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ تدریج کے ساتھ تعلیم کی تکمیل ہو۔

اس کے بعد متقی کے لیے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ: ۵) یعنی وہ متقی ہوتے ہیں جو پہلی نازل شدہ کُتب پر اور تجھ پر جو کتاب نازل ہوئی، اس پر ایمان لاتے اور آخرت

پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ امر بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ابھی تک ایمان ایک مجوبیت کے رنگ میں ہے متقی کی آنکھیں معرفت اور بصیرت کی نہیں۔ اس نے تقویٰ سے شیطان کا مقابلہ کر کے ابھی تک ایک بات کو مان لیا ہے۔ یہی حال اس وقت ہماری جماعت کا ہے۔ اُنھوں نے بھی تقویٰ سے مانا تو ہے۔ پر ابھی تک وُہ نہیں جانتے کہ یہ جماعت کہاں تک نشو و نما الٰہی ہاتھوں سے پانے والی ہے۔ سو یہ ایک ایمان ہے جو بالآخر فائدہ رساں ہوگا۔

یقین کا لفظ جب عام طور پر استعمال ہو، تو اس سے مُراد اس کا اَدنیٰ درجہ ہوتا ہے یعنی علم کے تین مدارج میں سے اَدنیٰ درجہ کا علم یعنی علم الیقین۔ اس درجہ پر اتقاد لاہوتا ہے مگر بعد اس کے عین الیقین اور حق الیقین کا مرتبہ بھی تقویٰ کے مراحل طے کرنے کے بعد حاصل کر لیتا ہے۔

تقویٰ کوئی چھوٹی چیز نہیں۔ اس کے ذریعہ سے اُن تمام شیطانوں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے جو انسان کی ہر ایک اندرونی طاقت و قوت پر غلبہ پائے ہوتے ہیں۔ یہ تمام قوتیں نفسِ امارہ کی حالت میں انسان کے اندر شیطان ہیں۔ اگر اصلاح نہ پائیں گی، تو انسان کو غلام کر لیں گی۔ علم و عقل ہی بُرے طور پر استعمال ہو کر شیطان ہو جاتے ہیں۔ متقی کا کام اُن کی اور ایسا ہی اور دیگر کُل قویٰ کی تعدیل کرنا ہے۔

سچا مذہب انسانی قویٰ کا مُزکّی ہوتا ہے

ایسا ہی جو لوگ انتقام، غضب یا نکاح کو ہر حال میں بُرا مانتے ہیں، وُہ بھی صحیفہ قدرت کے مخالف ہیں اور قویٰ انسانی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ سچا مذہب وُہی ہے جو انسانی قویٰ کا مُزکّی ہو، نہ کہ اُن کا استیصال کرے۔ رجولیت یا غضب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے فطرتِ انسانی میں رکھے گئے ہیں۔ ان کو چھوڑنا خدا کا مقابلہ کرنا ہے۔ جیسے تارک الدُّنیا ہونا یا راہب بن جانا۔ یہ تمام اُمور حق العباد کو تلف کرنے والے ہیں۔ اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا، تو گویا اُس خدا پر اعتراض ہے جس نے یہ قویٰ ہم میں پیدا کیے۔ پس ایسی تعلیمات جو اَجہل میں ہیں اور جن سے قویٰ کا استیصال لازم آتا ہے، ضلالت تک پہنچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اُس کی تعدیل کا حکم دیتا ہے ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔ جیسے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ الخ (النحل: ۹۱) عدل ایک ایسی چیز ہے جس سے سب کو فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ حضرت مسیحؑ کا یہ تعلیم دینا کہ اگر تو بُری آنکھ سے دیکھے، تو آنکھ نکال ڈال۔ اس میں بھی قویٰ کا استیصال ہے، کیونکہ ایسی تعلیم نہ دی کہ تو غیر محرم عورت کو ہرگز نہ دیکھ، مگر برخلاف اس کے اجازت دی کہ دیکھ تو ضرور، لیکن زنا کی آنکھ سے نہ دیکھ۔ دیکھنے سے تو ممانعت ہے ہی نہیں۔ دیکھے گا تو ضرور، بعد دیکھنے کے دیکھنا چاہیے کہ اس کے قویٰ پر کیا اثر ہوگا۔ کیوں نہ قرآن شریف کی طرح آنکھ کو ٹھوکر والی چیز ہی کے دیکھنے سے روکا۔ اور آنکھ جیسی مُفید اور قیمتی چیز کو ضائع کر دینے کا افسوس لگایا۔

اِسلامی پردہ

آج کل پردہ پر حملے کیے جاتے ہیں، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ اسلامی پردہ سے مُراد زنداں نہیں، بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دُوسرے کو نہ دیکھ سکے جب

پردہ ہوگا، ٹھوکر سے بچیں گے۔ ایک منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں میں جہاں غیر مرد و عورت اکٹھے بلا تامل اور بے محابا مل سکیں، سیریں کریں۔ کیونکر جذباتِ نفس سے اضطراراً ٹھوکر نہ کھائیں گے۔ بسا اوقات سُننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی قومیں غیر مرد اور عورت کے ایک مکان میں تنہا رہنے کو حالانکہ دروازہ بھی بند ہو، کوئی عیب نہیں سمجھتیں۔ یہ گویا تہذیب ہے۔ انہی بد نتائج کو روکنے کے لیے شارعِ اسلام نے وُہ باتیں کرنے کی اجازت ہی نہ دی، جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں۔ ایسے موقعہ پر یہ کہدیا کہ جہاں اس طرح غیر محرم مرد و عورت ہر دو جمع ہوں تیسرا اُن میں شیطان ہوتا ہے۔ اُن ناپاک نتائج پر غور کرو۔ جو یورپ اس خلیع الرّسن تعلیم سے بھگت رہا ہے۔ بعض جگہ بالکل قابلِ شرم طوائفانہ زندگی بسر کی جارہی ہے۔ یہ انہیں تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ اگر کسی چیز کو خیانت سے بچانا چاہتے ہو تو حفاظت کرو۔ لیکن اگر حفاظت نہ کرو۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ بھلے مانس لوگ ہیں، تو یاد رکھو کہ ضرور وہ چیز تباہ ہوگی۔ اِسلامی تعلیم کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ جس نے مرد و عورت کو الگ رکھ کر ٹھوکر سے بچایا اور انسان کی زندگی حرام اور تلخ نہیں کی جس کے باعث یورپ نے آئے دن کی خانہ جنگیاں اور خود کُشیاں دیکھیں۔ بعض شریف عورتوں کا طوائفانہ زندگی بسر کرنا ایک عملی نتیجہ اس اجازت کا ہے جو غیر عورت کو دیکھنے کے لیے دی گئی۔

انسانی قویٰ کی تعدیل اور جائز استعمال

اللہ تعالیٰ نے جس قدر قویٰ عطا فرمائے، وہ ضائع کرنے کے لیے نہیں دیئے گئے اُن کی تعدیل اور جائز استعمال کرنا ہی اُن کی نشوونما ہے۔ اسی لیے اسلام نے قوائے رجولیت یا آنکھ کے نکالنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ان کا جائز استعمال اور تزکیہ نفس کرایا۔ جیسے فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المومنون: ۲) اور ایسے ہی یہاں بھی فرمایا متقی کی زندگی کا نقشہ کھینچ کر آخر میں بطورِ نتیجہ یہ کہا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرہ: ۶) یعنی وُہ لوگ جو تقویٰ پر قدم مارتے ہیں۔ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ نماز ڈگمگاتی ہے۔ پھر اُسے کھڑا کرتے ہیں۔ خُدا کے دیئے ہوئے سے دیتے ہیں۔ باوجود خطراتِ نفس بلا سوچے، گذشتہ اور موجودہ کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آخر کار وہ یقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے سرپر ہیں۔ وہ ایک ایسی سڑک پر ہیں جو برابر آگے کو جارہی ہے اور جس سے آدمی فلاح تک پہنچتا ہے۔ پس یہی لوگ فلاح یاب ہیں جو منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے اور راہ کے خطرات سے نجات پا چکے ہیں، اس لیے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں تقویٰ کی تعلیم دے کر ایک ایسی کتاب ہم کو عطا کی جس میں تقویٰ کے وصایا بھی دیئے۔

سو ہماری جماعت یہ غم کل دنیوی غموں سے بڑھ کر اپنی جان پر لگائے کہ اُن میں تقویٰ ہے یا نہیں۔

اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرو

اہلِ تقویٰ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کریں۔ یہ تقویٰ کی ایک شاخ ہے، جس کے ذریعہ سے ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لیے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا

ہی ہے۔ عُجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب عُجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ غضب اس وقت ہوگا۔ جب انسان اپنے نفس کو دُوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دُوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں، یا ایک دُوسرے پر غرور کریں یا نظرِ استخفاف سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے۔ جس کے اندر حقارت ہے۔ ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اس کی ہلاکت کا باعث ہو جائے۔ بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں لیکن بڑا وُہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سُنے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کی بات کی عزت کرے۔ کوئی چِڑ کی بات مُنہ پر نہ لاوے کہ جس سے دُکھ پہنچے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ۔ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (الحجرات: ۱۲) تم ایک دُوسرے کا چِڑ کے نام نہ لو۔ یہ فعل فساق و فجار کا ہے۔ جو شخص کسی کو چِڑاتا ہے، وُہ نہ مرے گا جبتک وہ خود اسی طرح مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب ایک ہی چشمہ سے کُل پانی پیتے ہو، تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرّم معظّم کوئی دُنیاوی اُصولوں سے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک بڑا وُہ ہے جو متقی ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ (الحجرات: ۱۴)

ذاتوں کا امتیاز یہ جو مختلف ذاتیں ہیں۔ یہ کوئی وجہ شرافت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے محض عرف کے لیے یہ ذاتیں بنائیں اور آج کل تو صرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے۔ متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ میرے نزدیک ذات کی کوئی سند نہیں۔ حقیقی عزت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے۔

متقی کون ہیں؟ خُدا کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ متقی وہ ہوتے ہیں جو حلیمی اور مسکینی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے۔ ان کی گفتگو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔ ہم کو ہر حال میں وہ کرنا چاہیے جس سے ہماری فلاح ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی کا اجارہ دار نہیں۔ وُہ خاص تقویٰ کو چاہتا ہے۔ جو تقویٰ کریگا وہ مقامِ اعلیٰ کو پہنچے گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے کسی نے وراثت سے تو عزت نہیں پائی۔ گو ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ مُشرک نہ تھے لیکن اس نے نبوت تو نہیں دی۔ یہ تو فضلِ الٰہی تھا۔ اُن صدقوں کے باعث جو اُن کی فطرت میں تھے۔ یہی فضل کے محرک تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ابوالانبیا تھے، انھوں نے اپنے صدق و تقویٰ سے ہی بیٹے کو قربان کرنے میں دریغ نہ کیا۔ خود آگ میں ڈالے گئے۔ ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی صدق و وفا دیکھئے۔ آپؐ نے ہر ایک قسم کی بدتحریک کا مقابلہ کیا۔ طرح طرح کے مصائب و تکالیف اُٹھائے، لیکن پروا نہ کی۔ یہی صدق و وفا تھا، جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ اسی لیے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (الاحزاب: ۵۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اُس کے تمام فرشتے رسُول پر درُود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم درُود و سلام بھیجو نبی پر۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسُولِ اکرمؐ کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف یا اوصاف کی تحدید کرنے کے لیے کوئی لفظ خاص نہ فرمایا۔ لفظ تو مِل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کیے۔ یعنی آپؐ کے اعمالِ صالحہ کی تعریف تحدید سے بیرون تھی۔ اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپؐ کی رُوح میں وہ صدق و وفا تھا اور آپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکرگزاری کے طور پر درُود بھیجیں۔ آپؐ کی ہمت و صدق وُہ تھا کہ اگر ہم اوپر یا نیچے نگاہ کریں، تو اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود حضرت مسیحؑ کے وقت کو دیکھ لیا جائے کہ اُن کی ہمت یا رُوحانی صدق و وفا کا کہاں تک اثر ان کے پیروؤں پر ہوا۔ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ ایک بدروش کو دُرست کرنا کس قدر مشکل ہے۔ عاداتِ راسخہ کا گنوانا کیسا محالات سے ہے، لیکن ہمارے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہزاروں انسانوں کو دُرست کیا، جو حیوانوں سے بدتر تھے۔ بعض ماؤں اور بہنوں میں حیوانوں کی طرح فرق نہ کرتے تھے۔ یتیموں کا مال کھاتے۔ مردوں کا مال کھاتے۔ بعض ستارہ پرست، بعض دہریہ، بعض عناصر پرست تھے۔ جزیرہ عرب کیا تھا۔ ایک مجموعہ مذاہب اپنے اندر رکھتا تھا۔

قرآنِ مجید کامل ہدایت ہے

اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن کریم ہر ایک قسم کی تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ ہر ایک غلط عقیدہ یا بُری تعلیم جو دُنیا میں ممکن ہے، اس کے استیصال کے لیے کافی تعلیم اس میں موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عمیق حکمت و تصرف ہے۔

چونکہ کامل کتاب نے آکر کامل اصلاح کرنی تھی۔ ضرور تھا کہ اُس کے نزول کے وقت اُس کے جائے نزول میں ہر بیماری بھی کامل طور پر ہو، تاکہ ہر بیماری کا کامل علاج مہیا کیا جاوے۔ سو اس جزیرہ میں کامل طور سے بیمار (لوگ موجود) تھے اور جن میں وہ تمام رُوحانی بیماریاں موجود تھیں، جو اُس وقت یا اس کے بعد آئندہ نسلوں کو لاحق ہونے والی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ قرآنِ شریف نے کُل شریعت کی تکمیل کی۔ دُوسری کتابوں کے نزول کے وقت نہ یہ ضرورت تھی، نہ اُن میں ایسی کامل تعلیم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ

ہمارے نبی اکملؐ کی برکات جس قدر ظہور میں آئیں۔ اگر تمام خوارق کو الگ کر دیا جائے، تو صرف آپؐ کی اصلاح ہی ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔

اگر کوئی اُس حالت پر غور کرے، جب آپؐ آئے۔ پھر اُس حالت کو دیکھے، جو آپؐ چھوڑ گئے۔ تو اس کو ماننا پڑے گا کہ یہ اثر بذاتِ خود ایک اعجاز تھا؛ اگرچہ کُل انبیاء عزت کے قابل ہیں لیکن ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (الجمعہ: ۵)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے، تو نبوت تو درکنار، خدائی کا ثبوت بھی اس طرح نہ ملتا۔ آپؐ ہی کی تعلیم سے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ (الاخلاص) کا پتہ

لگا۔ اگر توریت میں کوئی ایسی تعلیم ہوتی اور قرآن شریف اس کی تصریح ہی کرتا۔ تو نصاریٰ کا وجود ہی کیوں ہوتا۔

قرآن پاک میں سب سچائیاں ہیں

غرض قرآن شریف نے جس قدر تقویٰ کی راہیں تبلائیں اور ہر طرح کے انسانوں اور مختلف عقل والوں کی پرورش کرنے کے طریق سکھلائے ایک جاہل عالم اور فلسفی کی پرورش کے واسطے ہر طبقہ کے سوالات کے جواب۔ غرضیکہ کوئی فرقہ نہ چھوڑا جس کی اصلاح کے طریق نہ بتلائے۔ یہ ایک صحیفہ قدرت تھا۔ جیسے کہ فرمایا۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ : ۴) یہ وہ صحیفے ہیں جن میں کل سچائیاں ہیں۔ یہ کیسی مبارک کتاب ہے کہ اس میں سب سامان اعلیٰ درجہ تک پہنچنے کے موجود ہیں۔

مسیح و مہدی

لیکن افسوس ہے کہ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ ایک درمیانی زمانہ آوے گا جو قبیح اعوج ہے یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک میرا زمانہ برکت والا ہے۔ ایک آنے والے مسیح و مہدی کا۔ مسیح و مہدی کوئی دو الگ اشخاص نہیں ان سے مراد ایک ہی ہے۔ مہدی ہدایت یافتہ سے مراد ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیح مہدی نہیں۔ مہدی مسیح ہو یا نہ ہو، لیکن مسیح کے مہدی ہونے سے انکار کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو الفاظ سب و شتم کے مقابل بطور ذب کے رکھے ہیں کہ وہ کافر، ضال، مُضِل نہیں۔ بلکہ مہدی ہے۔ چونکہ اُس کے علم میں تھا کہ آنیوالے مسیح و مہدی کو دجال و گمراہ کہا جائے گا، اس لیے اُسے مسیح و مہدی کہا گیا۔ دجال کا تعلق اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف : ۱۷۷) سے تھا اور مسیح کا رفع آسمانی ہونا تھا۔ سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی۔ ایک آپ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح و مہدی کا زمانہ یعنی ایک زمانے میں تو قرآن اور پختی تعلیم نازل ہوئی، لیکن اس تعلیم پر قبیح اعوج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا۔ جس پردہ کا اُٹھایا جانا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا۔ جیسے کہ فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعتِ صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنیوالی جماعت کا جسکی شان میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ (الجمعۃ ۴) آیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے بشارت دی کہ ضلالت کیوقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ آنیوالے زمانہ میں خدا تعالیٰ حقائقِ قرآنیہ کو کھول دے گا۔ آثار میں ہے۔ کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ فضیلت ہوگی۔ کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا جو حقائقِ قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی ہوں گی۔

سلسلہ موسویہ و محمدیہ میں مماثلت

قرآن شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دے کر فرمایا : اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل : ۱۶) یعنی ہم نے ایک رسول بھیجا۔ جیسے موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا تھا۔ ہمارا رسول مثیلِ موسیٰ ہے ایک اور جگہ فرمایا : وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور ۵۶) کہ اس مثیلِ موسیٰ کے خلفاء بھی اُسی سلسلہ سے ہوں گے۔ جیسے کہ موسیٰ کے خلفاء سلسلہ وار آئے۔

اُس سلسلہ کی میعاد چودہ سو برس تک رہی۔ برابر خلفاء آتے رہے۔ یہ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگوئی تھی کہ جس طرح سے پہلے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ویسے ہی اس سلسلہ کا آغاز ہوگا یعنی جس طرح موسیٰؑ نے ابتدا میں جلالی نشان دکھاتے اور قوم کو فرعون سے چھڑایا۔ اسی طرح آنیوالا نبی بھی موسیٰ کی طرح ہوگا۔ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا - السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا (المزمل ۱۸:۱۹) یعنی جس طرح ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کفارِ عرب بھی فرعونیت سے بھرے ہوئے تھے، وہ بھی فرعون کی طرح باز نہ آئے۔ جبتک انھوں نے جلالی نشان نہ دیکھ لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام موسیٰؑ کے کاموں کے سے تھے۔ اس موسیٰؑ کے کام قابلِ پذیرائی نہ تھے، لیکن قرآن شریف نے منوایا۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں گو فرعون کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو نجات ملی، لیکن گناہوں سے نجات نہ ملی۔ وہ لڑے اور کج دل ہوتے اور موسیٰؑ پر حملہ آور ہوتے، لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری پوری نجات قوم کو دی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر طاقت، شوکت، سلطنت اسلام کو نہ دیتے، تو مسلمان مظلوم رہتے اور کفار کے ہاتھ سے نجات نہ پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ نجات دی کہ مستقل اسلامی سلطنت قائم ہوگئی۔ دُوسرے یہ کہ گناہوں سے ان کو کامل نجات ملی۔ خدا تعالےٰ نے ہر دو نقشے کھینچے ہیں کہ عرب پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہوگئے۔ اگر ہر دو نقشے اکٹھے کیے جائیں، تو ان کی پہلی حالت کا اندازہ لگ جائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دونوں نجاتیں دیں۔ شیطان سے بھی نجات دی اور طاغوت سے بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا مقام

جو صدق و صفا آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے دکھایا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ جان دینے تک سے دریغ نہ کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا اور نہ ہی کوئی منکرِ الہام تھا۔ برادری کے چند لوگوں کو سمجھانا کونسا بڑا کام ہے۔ یہودی توریت تو پڑھے ہی ہوتے تھے، اس پر ایمان رکھتے تھے۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک جانتے ہی تھے۔ بعض وقت یہ خیال آجاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کیا کرنے آئے تھے۔ یہودیوں میں تو توریت کے لیے اب بھی غیرت پائی جاتی ہے۔ نہایت کار یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید اخلاقی نقص یہود میں تھے، لیکن تعلیم تو توریت میں موجود ہی تھی۔ باوجود اس سہولت کے کہ قوم اس کتاب کو مانتی تھی، حضرت مسیحؑ نے وہ کتاب سبقاً سبقاً ایک اُستاد سے پڑھی تھی۔ اس کے مقابل ہمارے سیّدِ مولیٰ ہادیٔ کامل اُمّیؐ تھے۔ آپؐ کا کوئی اُستاد بھی نہ تھا اور یہ ایک واقعہ ہے کہ مخالف بھی اس امر سے انکار نہ کر سکے پس حضرت عیسیٰؑ کے لیے دو آسانیاں تھیں۔ ایک تو برادری کے لوگ تھے اور جو ہماری بات اُن سے منوانی تھی، وہ پہلے ہی مان چکے تھے۔ ہاں کچھ اخلاقی نقص تھے، لیکن باوجود اتنی سہولت کے حواری بھی دُرست نہ ہوئے۔ لالچی رہے۔ حضرت عیسیٰؑ اپنے پاس روپیہ رکھتے تھے۔ بعض حواری چوریاں بھی کرتے تھے؛ چنانچہ وُہ (حضرت مسیحؑ) کہتے ہیں۔ کہ مجھے سر رکھنے کی جگہ نہیں، لیکن ہم حیران ہیں کہ ایسا کہنے کے کیا معنے ہیں۔ جب گھر بھی ہو۔ مکان بھی ہو اور مال میں گنجائش اس قدر کہ

چوری کی جاوے۔ تو پتہ بھی نہ لگے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ دکھانا یہ منظور ہے کہ باوجود ان تمام سہولتوں کے کوئی اصلاح نہ ہو سکی۔ پطرس کو بہشت کی کنجیاں تو مل جاویں لیکن وہ اپنے اُستاد کو لعنت دینے سے نہ رُک سکے۔

اب اس کے مقابلہ میں انصافاً دیکھا جاوے کہ ہمارے ہادیٔ اکملؐ کے صحابہؓ نے اپنے خُدا اور رسُول کے لیے کیا کیا جان نثاریاں کیں، جلاوطن ہوئے، ظُلم اُٹھائے، طرح طرح کے مصائب برداشت کیے، جانیں دیں لیکن صدق و وفا کے ساتھ قدم مارتے ہی گئے۔ پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے اُنہیں ایسا جاں نثار بنا دیا۔ وہ سچی الٰہی محبت کا جوش تھا، جس کی شعاع اُن کے دل میں پڑ چکی تھی، اس لیے خواہ کسی نبی کے ساتھ مقابلہ کر لیا جاوے۔ آپؐ کی تعلیم، تزکیہ نفس، اپنے پیروؤں کو دُنیا سے متنفر کرا دینا، شجاعت کے ساتھ صداقت کے لیے خُون بہا دینا۔ اس کی نظیر کہیں نہ مل سکے گی۔ یہ مقام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا ہے اور اُن میں جو باہمی اُلفت و محبت تھی۔ اس کا نقشہ دو فقروں میں بیان فرمایا ہے: وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (الانفال: ۶۴) یعنی جو تالیف اُن میں ہے وہ ہرگز پیدا نہ ہوتی، خواہ سونے کا پہاڑ بھی دیا جاتا۔ اب ایک اور جماعت مسیح موعودؑ کی ہے جس نے اپنے اندر صحابہؓ کا رنگ پیدا کرنا ہے۔ صحابہؓ کی تو وُہ پاک جماعت تھی جس کی تعریف میں قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ کیا آپ لوگ ایسے ہیں؟ جب خدا کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ وہ لوگ ہوں گے، جو صحابہؓ کے دوش بدوش ہوں گے۔ صحابہؓ تو وُہ تھے جنھوں نے اپنا مال، اپنا وطن راہِ حق میں دیدیا اور سب کچھ چھوڑ دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اکثر سُنا ہوگا۔ ایک دفعہ جب راہِ خدا میں مال دینے کا حکم ہوا، تو گھر کا کل اثاثہ لے آئے۔ جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے۔ تو فرمایا کہ خُدا اور رسُول کو گھر چھوڑ آیا ہوں۔ رئیسِ مکّہ ہو اور کمبل پوش، غربا کا لباس پہنے۔ یہ سمجھ لو کہ وہ لوگ تو خدا کی راہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے لیے تو یہی لکھا ہے کہ سیفوں (تلواروں) کے نیچے بہشت ہے، لیکن ہمارے لیے تو اتنی سختی نہیں، کیونکہ يَضَعُ الْحَرْبُ ہمارے لیے آیا ہے یعنی مہدی کے وقت لڑائی نہیں ہوگی۔

جہاد کی حقیقت

اللہ تعالیٰ بعض مصالح کے رُو سے ایک فعل کرتا ہے اور آئندہ جب وہ فعل معرضِ اعتراض ٹھہرتا ہے، تو پھر وہ فعل نہیں کرتا۔ اوّلاً ہمارے رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تلوار نہ اُٹھائی مگر اُن کو سخت سے سخت تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ تیرہ سال کا عرصہ ایک بچے کو بالغ کرنے کے لیے کافی ہے اور حضرت مسیحؑ کی میعاد تو اگر اس میعاد میں سے دس نکال دیں تو پھر بھی کافی ہوتی ہے۔ غرض اس لمبے عرصہ میں کوئی یا کسی رنگ کی تکلیف نہ تھی جو اُٹھانی نہ پڑی ہو۔ آخر کار وطن سے نکلے تو تعاقب ہوا۔ دُوسری جگہ پناہ لی، تو دشمن نے وہاں بھی نہ چھوڑا۔ جب یہ حالت ہوئی تو مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے بچانے کے لیے حکم ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج ۴۰-۴۱) کہ جن لوگوں کے ساتھ لڑائیاں خواہ مخواہ کی گئیں اور گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اس لیے کہ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا

ربّ اللہ ہے۔ سو یہ ضرورت تھی کہ تلوار اُٹھائی گئی۔ وِالّا حضرت کبھی تلوار نہ اُٹھاتے۔ ہاں ہمارے زمانہ میں ہمارے برخلاف قلم اُٹھائی گئی ہے۔ قلم سے ہم کو اذیت دی گئی اور سخت ستایا گیا، اِس لیے اس کے مقابل پر قلم ہی ہمارا حربہ ہے۔

جماعت کے لیے نصیحت میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جس قدر کوئی شخص قُرب حاصل کرتا ہے اسی قدر مؤاخذہ کے قابل ہے۔ اہلبیت زیادہ مؤاخذہ کے لائق تھے۔ وہ لوگ جو دُور ہیں، وہ قابلِ مؤاخذہ نہیں، لیکن تم ضرور ہو۔ اگر تم میں اُن پر کوئی ایمانی زیادتی نہیں، تو تم میں اور اُن میں کیا فرق ہوا۔ تم ہزاروں کے زیرِ نظر ہو۔ وہ لوگ گورنمنٹ کے جاسوسوں کی طرح تمہاری حرکات وسکنات کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ پتے ہیں۔ جب مسیحؑ کے ساتھی صحابہؓ کے ہمدوش ہونے لگے ہیں، تو کیا آپ ویسے ہیں؟ جب آپ لوگ ویسے نہیں، تو قابلِ گرفت ہیں۔ گو یہ ابتدائی حالت ہے لیکن موت کا کیا اعتبار ہے۔ موت ایک ایسا ناگزیر امر ہے جو ہر شخص کو پیش آتا ہے۔ جب یہ حالت ہے، تو پھر آپ کیوں غافل ہیں۔ جب کوئی شخص مجھ سے تعلق نہیں رکھتا، تو یہ امر دُوسرا ہے، لیکن جب آپ میرے پاس آئے۔ میرا دعویٰ قبول کیا اور مجھے مسیح مانا، تو گویا من وجہ آپ نے صحابہ کرامؓ کے ہمدوش ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ تو کیا صحابہؓ نے کبھی صدق ووفا پر قدم مارنے سے دریغ کیا۔ اُن میں کوئی کسل تھا۔ کیا وہ دل آزار تھے؟ کیا اُن کو اپنے جذبات پر قابو نہ تھا؟ کیا وہ منکسر المزاج نہ تھے، بلکہ ان میں پرلے درجہ کا انکسار تھا۔ سو دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی ویسی ہی توفیق عطا کرے، کیونکہ تذلّل اور انکساری کی زندگی کوئی شخص اختیار نہیں کر سکتا جبتک کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے۔ اپنے آپ کو ٹٹولو اور اگر بچّہ کی طرح اپنے آپ کو کمزور پاؤ، تو گھبراؤ نہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دُعا صحابہ کی طرح جاری رکھو۔ راتوں کو اُٹھو اور دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی راہ دکھلائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی تدریجاً تربیت پائی۔ وہ پہلے کیا تھے۔ ایک کسان کی تخم ریزی کی طرح تھے۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آبپاشی کی۔ آپ نے اُن کے لیے دُعائیں کیں۔ بیج صحیح تھا اور زمین عمدہ تو اس آبپاشی سے پھل عمدہ نکلا جسطرح حضور علیہ السلام چلتے اسی طرح وہ چلتے۔ وہ دن کا یارات کا انتظار نہ کرتے تھے۔ تم لوگ سچے دل سے توبہ کرو، تہجد میں اُٹھو، دُعا کرو، دل کو دُرست کرو۔ کمزوریوں کو چھوڑ دو اور خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے قول وفعل کو بناؤ۔ یقین رکھو کہ جو اس نصیحت کو وِرد بنائے گا اور عملی طور سے دُعا کرے گا اور عملی طور پر التجا خدا کے سامنے لائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس پر فضل کرے گا اور اس کے دل میں تبدیلی ہوگی۔ خدا تعالیٰ سے ناامید مت ہو۔ ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو کیا کوئی ولی بننا ہے؟ افسوس اُنھوں نے کچھ قدر نہ کی بیشک انسان نے (خدا کا) ولی بننا ہے۔ اگر وہ صراطِ مستقیم پر چلے گا، تو خدا بھی اس کی طرف چلے گا اور پھر ایک جگہ پر اس کی ملاقات ہوگی۔ اس کی اس طرف حرکت خواہ آہستہ ہوگی، لیکن اس کے مقابل خدا تعالیٰ کی حرکت بہت جلد ہوگی؛ چنانچہ یہ آیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ الخ (العنکبوت: ۷۰) سو جو جو باتیں میں نے آج وصیت کی ہیں، ان کو

یاد رکھو کہ ان ہی پر مدارِ نجات ہے۔ تمہارے معاملات خدا اور خلق کے ساتھ ایسے ہونے چاہئیں جن میں رضاالٰہی مطلق ہی ہو۔ پس اس سے تم نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ الخ (الجمعہ: ۴) کے مصداق بننا ہے۔

اسرائیلی اور اسمٰعیلی سلسلوں میں مسیح کی بعثت

ہاں جیسا کہ آگے بیان ہو چکا ہے۔ خدا کی حکمتِ بالغہ نے یہی پسند کیا کہ اسرائیلی اور اسمٰعیلی دو سلسلے دُنیا میں قائم کرے۔ پہلا سلسلہ حضرت موسیٰؑ سے شروع ہو کر حضرت مسیحؑ تک ختم ہوا اور یہ چودہ سو برس تک رہا۔ اسی طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج چودہ سو برس پر ایک مسیحؑ کے آنے کا اشارہ ہے۔ عدد چودہ کو خاص نسبت ایک یہ بھی ہے کہ انسان چودہ برس پر بلوغ پا لیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو خبر ملی تھی کہ مسیحؑ اس وقت آئے گا۔ جب یہودیوں میں بہت فرقے ہونگے۔ اُن کے عقائد میں سخت اختلاف ہوگا۔ بعض کو فرشتوں کے وجود سے انکار۔ بعض کو قیامت و حشرِ اجساد سے انکار۔ غرض جب طرح طرح کی عملی بداعتقادی پھیل جائے گی۔ تب بطور حَکَم کے مسیحؑ اُن میں آوے گا۔ اسی طرح ہمارے ہادیٔ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اطلاع دی کہ جب تم میں بھی یہودیوں کی طرح کثرت سے فرقے ہو جاویں گے اور اُن کی طرح مختلف قسم کی بداعتقادیاں اور بدعملیاں شروع ہوں گی۔ علماء یہود کی طرح بعض بعض کے مُکفّر ہوں گے۔ اُس وقت اِس اُمّتِ مرحومہ کا مسیح بھی بطور حَکَم کے آئے گا، جو قرآن شریف سے ہر امر کا فیصلہ کرے گا۔ وہ مسیحؑ کی طرح قوم کے ہاتھ سے ستایا جائے گا اور کافر قرار دیا جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے کم سمجھی سے اس شخص کو دجّال اور کافر کہا، تو ضرور تھا کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں آچکا تھا کہ آنے والا مسیح کافر اور دجّال ٹھہرایا جائیگا۔ لیکن جو عقیدہ آپ کو سکھلایا جاتا ہے وہ بالکل صاف اور اُجلا ہے اور محتاجِ دلائل بھی نہیں۔ برہان قاطع اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

وفاتِ مسیحؑ

پہلا جھگڑا وفاتِ مسیحؑ کا ہی ہے۔ کھُلی کھُلی آیات اس کی حمایت میں ہیں۔ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران: ۵۶) پھر فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ (المائدہ: ۱۱۸) یہ عذر بالکل جھوٹا ہے کہ تَوَفّٰی کے معنی کچھ اور ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور خود ہادیٔ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے معنی اماتت کے کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ بھی جہاں کہیں لفظ تَوَفّٰی استعمال کرتے ہیں۔ تو معنی اماتت اور قبضِ رُوح کے مُراد لیتے ہیں۔ قرآن شریف نے بھی ہر ایک جگہ اس لفظ کے یہی معنے بیان کیے ہیں۔ اس لیے اس پر تو ہاتھ کہیں نہ پڑا اور جب مسیح ناصری کی وفات ثابت ہے تو ضرور ہے کہ آنیوالا اسی اُمّت میں سے کوئی ہو۔ جیسے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (الحدیث) اس کی تصریح کرتا ہے۔ وہ لوگ جو نیچری ہیں۔ اُن کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس ابتلا سے بچ گئے، کیونکہ وَفاتِ مَسیحؑ کے تو وُہ قائل ہی ہیں۔ اور مسیح موعود کا ذکر اس قدر تواتر رکھتا ہے کہ جس تواتر سے اِنکار محال ہے۔ علاوہ ازیں قرآنی اشارات بھی آنے والے کے شاہد ہیں، اس لیے ایک عقلمند اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسیح آنے گا۔

مسیح کو اس زمانہ سے کیا خصوصیت ہے؟

ہاں بعض کا حق ہے کہ یہ اعتراض کریں کہ مسیح کو اس زمانہ سے کیا خصوصیت ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ قرآن شریف نے اسرائیلی اور اسماعیلی دو سلسلوں میں خلافت کی مماثلت کا کھلا کھلا اشارہ کیا ہے۔ جیسے اس آیت سے ظاہر ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۶) اسرائیلی سلسلہ کا آخری خلیفہ جو چودھویں صدی پر بعد حضرت موسیٰؑ آیا، وہ مسیح ناصریؑ تھا۔ مقابل میں ضرور تھا کہ اس اُمت کا مسیح بھی چودھویں صدی کے سر پر آوے۔ علاوہ ازیں اہلِ کشف نے اسی صدی کو بعثتِ مسیح کا زمانہ قرار دیا جیسے شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ اہلحدیث کا اتفاق ہو چکا ہے کہ علاماتِ صُغریٰ کُل اور علاماتِ کُبریٰ ایک حد تک پُوری ہو چکی ہیں، لیکن اس میں کسی قدر ان کی غلطی ہے..... علاماتِ کُل پوری ہو چکی ہیں۔ بڑی علامت یا نشان جو آنے والے کا ہے وہ بخاری شریف میں يَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ[1] لکھا ہے۔ یعنی نزولِ مسیح کا وقت غلبہ نصاریٰ اور صلیبی پرستش کا زور ہے۔ سو کیا یہ وُہ وقت نہیں؟ کیا جو کچھ پادریوں سے نقصان اسلام کو پہنچ چکا ہے، اس کی نظیر آدمؑ سے لے کر آج تک کہیں ہے؟ ہر مُلک میں تفرقہ پڑ گیا۔ کوئی ایسا خاندانِ اسلامی نہیں کہ جس میں سے ایک آدھ آدمی اُن کے ہاتھ میں نہ چلا گیا ہو۔ سو آنے والے کا وقت صلیب پرستی کا غلبہ ہے۔ اب اس سے زیادہ کیا غلبہ ہوگا کہ کس طرح درندوں کی طرح اسلام پر کینہ وری سے حملے کیے گئے۔ کیا کوئی گروہ مخالفین کا ہے کہ جس نے حضرت رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت وحشیانہ الفاظ اور گالیوں سے یاد نہیں کیا؟ اب اگر آنیوالے کا یہ وقت نہیں تو بہت جلدی وہ آیا بھی تو سو سال تک آئے گا، کیونکہ وہ وقت مجدد کا ہے۔ جس کی بعثت کا زمانہ صدی کا سر ہوتا ہے۔ تو کیا اسلام میں موجودہ وقت میں اس قدر اور طاقت ہے کہ ایک صدی تک پادریوں کے روز افزوں غلبہ کا مقابلہ کر سکے۔ غلبہ حد تک پہنچ گیا اور آنیوالا آگیا۔ ہاں اب وہ دجّال کو اتمامِ حجت سے ہلاک کرے گا، کیونکہ حدیثوں میں آچکا ہے کہ اُس کے ہاتھ پر ملتوں کی ہلاکت مقدر ہے نہ لوگوں کی یا اہلِ مِلل کی، تو ویسا ہی پورا ہوا۔

مسیح موعود کی تائید میں آفاقی نشانات

آنے والے کا ایک یہ نشان بھی ہے کہ اس زمانہ میں ماہِ رمضان میں کُسوف وخسوف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے نشان سے ٹھٹھا کرنے والے خدا سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ کسوف وخسوف کا اس کے دعویٰ کے بعد ہونا یہ ایک ایسا امر تھا۔ جو افترا اور بناوٹ سے بعید تر ہے۔ اس سے پہلے کوئی کسوف وخسوف ایسا نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسا نشان تھا کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کُل دُنیا میں آنے والے کی مُنادی کرنی تھی؛ چنانچہ اہلِ عرب نے بھی اس نشان کو دیکھ کر اپنے مذاق کے مطابق دُرست کہا۔ ہمارے اشتہارات بطور منادی جہاں جہاں نہ پہنچ سکتے تھے۔ وہاں وہاں اس کسوف وخسوف نے آنے والے کے وقت کی منادی کر دی۔ یہ خدا کا نشان تھا جو انسانی منصوبوں سے بالکل پاک تھا۔ خواہ کوئی کیسا ہی فلسفی ہو وہ غور کرے اور

[1] بخاری جلد ۱۔ باب نزول عیسیٰؑ

سوچے کہ جب مقرر کردہ نشان پورا ہوگیا، تو ضرور ہے کہ اس کا مصداق بھی کہیں ہو۔ یہ امر ایسا نہ تھا کہ جو کسی حساب کے ماتحت ہو۔ جیسے کہ فرمایا تھا کہ یہ اس وقت ہوگا۔ جب کوئی مدعی مہدویت ہو چکے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ آدمؑ سے لے کر اُس مہدی تک کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ اگر کوئی شخص تاریخ سے ایسا ثابت کرے، تو ہم مان لیں گے۔

ایک اور نشان یہ بھی تھا کہ اُس وقت ستارہ ذوالسنین طلوع کرے گا۔ یعنی اُن برسوں کا ستارہ جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی وہ ستارہ جو مسیح ناصری کے ایام (برسوں) میں طلوع ہوا تھا۔ اب وہ ستارہ بھی طلوع ہوگیا جس نے یہودیوں کے مسیح کی اطلاع آسمانی طور سے دی تھی۔ اسی طرح قرآن شریف کے دیکھنے سے بھی پتہ لگتا ہے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ۔ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر: ۵ تا ۱۱) یعنی اس زمانہ میں اُونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی۔ اعلیٰ درجہ کی سواری اور بار برداری جن سے ایام سابقہ میں ہوا کرتی تھی۔ یعنی اُس زمانہ میں سواری کا انتظام کچھ ایسا عمدہ ہوگا کہ یہ سواریاں بیکار ہو جائیں گی۔ اس سے ریل کا زمانہ مُراد تھا۔ وہ لوگ جو خیال کرتے ہیں کہ اِن آیات کا تعلق قیامت سے ہے، وہ نہیں سوچتے کہ قیامت میں اُونٹنیاں حمل دار کیسے رہ سکتی ہیں، کیونکہ عشار سے مراد حمل دار اُونٹنیاں ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ اس زمانہ میں چاروں طرف نہریں نکالی جائیں گی اور کتابیں کثرت سے اشاعت پائیں گی۔ غرضیکہ یہ سب نشان اسی زمانہ کے متعلق تھے۔

مسیح موعود کی جائے ظہور

اب رہا مکان کے متعلق۔ سو یاد رہے کہ دجّال کا خروج مشرق میں بتایا گیا ہے۔ جس سے ہمارا ملک مُراد ہے؛ چنانچہ صاحب حجج الکرامہ نے لکھا ہے کہ فتنِ دجّال کا ظہور ہندوستان میں ہو رہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ظہورِ مسیح اُسی جگہ ہو، جہاں دجّال ہو۔ پھر اس گاؤں کا نام قدعہ قرار دیا ہے۔ جو قادیان کا مخفف ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یمن کے علاقہ میں بھی اس نام کا کوئی گاؤں ہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یمن حجاز سے مشرق میں نہیں بلکہ جنوب میں ہے۔ آخر اسی پنجاب میں ایک اور قادیاں بھی تو لدھیانہ کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ خود قضاء و قدر نے اس عاجز کا نام جو رکھوایا ہے تو وہ بھی ایک لطیف اشارہ اِس طرف رکھتا ہے۔ کیونکہ غلام احمد قادیانی کے عدد بحساب جُمل پورے تیرہ سو (۱۳۰۰) نکلتے ہیں۔ یعنی اِس نام کا امام چودھویں صدی کے آغاز پر ہوگا۔ غرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی طرف تھا۔

حوادثِ ارضی و سماوی

حوادث بھی ایک علامت تھی۔ حوادثِ سماوی نے قحط، طاعون اور ہیضہ کی صورت پکڑ لی۔ طاعون وہ خطرناک عذاب ہے کہ اُس نے گورنمنٹ تک کو زلزلہ میں ڈال دیا۔ اور اگر اس کا قدم بڑھ گیا، تو ملک صاف ہو جائے گا۔ ارضی حوادث لڑائیاں، زلازل تھے جنھوں نے ملک کو تباہ کیا۔ مامور من اللہ کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اپنے ثبوت میں آسمانی نشان دکھاوے۔ ایک لیکھرام کا نشان کیا کچھ

کم نشان تھا۔ ایک کشتی کے طور پر کئی سال تک ایک شرط بدھی رہی پانچ سال تک برابر جنگ ہوتا رہا۔ طرفین نے اشتہار دیئے۔ عام شہرت ہوگئی۔ ایسی شہرت کہ جس کی مثال بھی محال ہے۔ پھر ایسا ہی واقعہ ہوا جیسے کہ کہا گیا تھا۔ کیا اس واقعہ کی کوئی اور نظیر ہے؟ دھرم مہوتسو کے متعلق بھی کئی دن پہلے اعلان کیا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ ہمارا مضمون سب پر غالب رہے گا جن لوگوں نے اس عظیم الشان اور پُر رُعب جلسہ کو دیکھا ہے۔ وہ خود غور کر سکتے ہیں کہ ایسے جلسہ میں غلبہ پانے کی خبر پیش از وقت دینی کوئی اُکل یا قیاس نہ تھا۔ پھر آخر وہی ہوا جیسے کہا گیا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

لہ رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء۔ مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صـ۳۳-۶۱

۲۸ دسمبر ۱۸۹۷ء بعد نماز ظہر

حضرتِ اقدسؑ کی دُوسری تقریر

حضورؑ نے فرمایا

ہر ایک شخص سفرِ آخرت کی تیاری رکھے

اس وقت میری غرض بیان کرنے سے یہ ہے کہ چونکہ انسانی زندگی کا کچھ بھی اعتبار نہیں، اس لیے جس قدر احباب اس وقت میرے پاس جمع ہیں۔ مَیں خیال کرتا ہوں، شاید آئندہ سال جمع نہ ہو سکیں اور انہیں دنوں میں مَیں نے ایک کشف میں دیکھا ہے کہ اگلے سال بعض احباب دُنیا میں نہ ہوں گے۔ گو مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کشف کے مصداق کون کون احباب ہوں گے۔

اور مَیں جانتا ہوں کہ یہ اس لیے ہے تا ہر ایک شخص بجائے خود سفرِ آخرت کی تیاری رکھے۔ جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے کہ مجھے کسی کا نام نہیں بتلایا گیا، لیکن مَیں بہ اللہ تعالیٰ کے اعلام سے خوب جانتا ہوں کہ قضاء و قدر کا ایک وقت ہے اور ضرور ایک وقت اس فانی دُنیا کو چھوڑنا ہے، اس لیے یہ کہنا نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اور ہر دوست جو اس وقت موجود ہے، وہ میری باتوں کو قصہ گو کی داستان کی طرح نہ سمجھے، بلکہ یہ ایک واعظ من جانب اللہ اور مامور من اللہ ہے۔ جو نہایت خیر خواہی اور سچی بھلائی اور پوری دِلسوزی سے باتیں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان

پس مَیں اپنے دوستوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ خوب یاد رکھو اور دل سے سُنو اور دل میں جگہ دو کہ اللہ تعالیٰ جیسا کہ اس نے اپنی کتاب قرآن کریم میں اپنے وجود اور توحید کو پُرزور اور آسان دلائل سے ثابت کیا ہے۔ ایک برتر ہستی اور نُور ہے۔ وہ لوگ جو اس زبردست ہستی کی قدرتوں اور عجائبات کو دیکھتے ہوئے بھی اس کے وجود میں شکوک ظاہر کرتے اور شُبہ کرتے ہیں۔ سچ جانو۔ بڑے ہی بدقسمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست ہستی اور مقتدر وجُود کے اثبات کے متعلق ہی فرمایا ہے۔ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (ابراہیم: ۱۱) کیا اللہ کے وجود میں بھی شک ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے؟ دیکھو یہ تو بڑی سیدھی اور صاف بات ہے کہ ایک مصنوع کو دیکھ کر صانع کو ماننا پڑتا ہے۔ ایک عمدہ جوتے یا صندوق کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کی ضرورت کا معاً اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ پھر تعجب پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی میں کیونکر انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ایسے صانع کے وجود کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے، جس کے ہزارہا عجائبات سے

زمین و آسمان پُر ہیں۔ پس یقیناً سمجھ لو کہ قدرت کے ان عجائبات اور صنعتوں کو دیکھ کر بھی جن میں انسانی ہاتھ، انسانی عقل و دماغ کا کام نہیں۔ اگر کوئی بیوقوف خدا کی ہستی اور وجود میں شک لائے۔ تو وہ بدقسمت انسان شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہے اور اس کو استغفار کرنا چاہیے۔ خدا کی ہستی کا انکار دلیل اور رویت کی بنا پر نہیں، بلکہ اللہ جل شانہٗ کی ہستی کا انکار کرنا باوجود مشاہدہ کرنے اس کی قدرتوں اور عجائبات مخلوقات اور مصنوعات کے جو زمین و آسمان میں بھرے پڑے ہیں۔ بڑی ہی نابینائی ہے۔

نابینائی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک آنکھوں کی نابینائی ہے اور دوسری دل کی، آنکھوں کی نابینائی کا اثر ایمان پر کچھ نہیں ہوتا، مگر دل کی نابینائی کا اثر ایمان پر پڑتا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے اور بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے پورے تذلل اور انکسار کے ساتھ ہر وقت دعا مانگتا رہے کہ وہ اُسے سچی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھے

آخرت پر ایمان

شیطان کے وساوس بہت ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ اور شبہ جو انسانی دل میں پیدا ہو کر اُسے خسر الدنیا والآخرۃ کر دیتا ہے۔ آخرت کے متعلق ہے، کیونکہ تمام نیکیوں اور راستبازیوں کا بڑا بھاری ذریعہ منجملہ دیگر اسباب اور وسائل کے آخرت پر ایمان بھی ہے اور جب انسان آخرت اور اس کی باتوں کو قصہ اور داستان سمجھ لو کہ وہ رد ہو گیا اور دونوں جہانوں سے گیا گزرا ہوا۔ اس لیے کہ آخرت کا ڈر بھی تو انسان کو خائف اور ترساں بنا کر معرفت کے سچے چشمہ کی طرف کشاں کشاں لے آتا ہے اور سچی معرفت بغیر حقیقی خشیت اور خدا ترسی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس یاد رکھو کہ آخرت کے متعلق وساوس کا پیدا ہونا ایمان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور خاتمہ بالخیر میں فتور پڑ جاتا ہے۔

ابرار کا طریق زندگی

جس قدر ابرار، اخیار اور راستباز انسان دنیا میں ہو گزرے ہیں، جو رات کو اُٹھ کر قیام اور سجدہ میں ہی صبح کر دیتے تھے۔ کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ وہ جسمانی قوتیں بہت رکھتے تھے۔ اور بڑے بڑے قوی ہیکل جوان اور تنومند پہلوان تھے؟ نہیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ جسمانی قوت اور توانائی سے وہ کام ہرگز نہیں ہو سکتے، جو روحانی قوت اور طاقت کر سکتی ہے۔ بہت سے انسان آپ نے دیکھے ہوں گے جو تین پاؤ [illegible] کھاتے ہیں اور خوب لذیذ اور مقوی اغذیہ پلاؤ وغیرہ کھاتے ہیں، مگر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ صبح تک خراٹے مارتے رہتے ہیں اور نیند اُن پر غالب رہتی ہے۔ یہاں تک کہ نیند اور سستی سے بالکل مغلوب ہو جاتے ہیں کہ اُن کو شام کی نماز بھی دوبھر اور مثل عظیم معلوم دیتی ہے، چہ جائیکہ وہ تہجد گزار ہوں۔

دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کیا تنعم پسند اور خورد و نوش کے دلدادہ تھے۔ جو کفار پر غالب تھے؟ نہیں یہ بات تو نہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی ان کی نسبت آیا ہے کہ وہ قائم اللیل اور صائم الدہر

ہوں گے۔ اُن کی راتیں ذکر اور فکر میں گزرتی تھیں اور اُن کی زندگی کیسے بسر ہوتی تھی؟ قرآن کریم کی ذیل کی آیہ شریفہ اُن کے طریق زندگی کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھاتی ہے۔ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال: ۶۱)۔ اور یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ (آلِ عمران: ۲۰۱) اور سرحد پر اپنے گھوڑے باندھے رکھو کہ خدا کے دشمن اور تمہارے دشمن اس تمہاری تیاری اور استعداد سے ڈرتے رہیں۔ اے مومنو! صبر اور مصابرت اور مرابطت کرو۔

رِباط کے معنی رِباط اُن گھوڑوں کو کہتے ہیں جو دشمن کی سرحد پر باندھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہؓ کو اعداء کے مقابلہ کے لیے مستعد رہنے کا حکم دیتا ہے اور اس رِباط کے لفظ سے انہیں پوری اور سچی تیاری کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اُن کے سپرد دو کام تھے۔ ایک ظاہری دشمنوں کا مقابلہ اور دوسرا روحانی مقابلہ اور رِباط لغت میں نفس اور انسانی دل کو بھی کہتے ہیں اور یہ ایک لطیف بات ہے کہ گھوڑے وہی کام کرتے ہیں، جو سدھائے ہوئے اور تعلیمیافتہ ہوں۔ آجکل گھوڑوں کی تعلیم و تربیت کا اسی انداز پر لحاظ رکھا جاتا ہے اور اسی طرح اُن کو سدھایا اور سکھایا جاتا ہے۔ جس طرح بچوں کو سکولوں میں خاص احتیاط اور اہتمام سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اگر اُن کو تعلیم نہ دی جائے اور وہ سدھائے نہ جائیں، تو وہ بالکل نکمے ہوں اور بجائے مفید ہونے کے خوفناک اور مُضر ثابت ہوں۔

یہ اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ انسانوں کے نفوس یعنی رِباط بھی تعلیمیافتہ ہونے چاہئیں اور اُن کے قویٰ اور طاقتیں ایسی ہونی چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کی حدود کے نیچے نیچے چلیں، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو، تو وہ اس حرب اور جدال کا کام نہ دے سکیں گے جو انسان اور اس کے خوفناک دشمن یعنی شیطان کے درمیان اندرونی طور پر ہر لحظہ اور ہر آن جاری ہے۔ جیسا کہ لڑائی اور میدانِ جنگ میں علاوہ قوائے بدنی کے تعلیمیافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح اس اندرونی حرب اور جہاد کے لیے نفوسِ انسانی کی تربیت اور مناسب تعلیم مطلوب ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شیطان اس پر غالب آجائے گا اور وہ بہت بُری طرح ذلیل اور رُسوا ہوگا۔ مثلاً اگر ایک شخص توپ و تفنگ، اسلحۂ حرب بندوق وغیرہ تو رکھتا ہو، لیکن اس کے استعمال اور چلانے سے ناواقف محض ہو۔ تو وہ دشمن کے مقابلہ میں کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اور تیر و تفنگ اور سامانِ حرب بھی ایک شخص رکھتا ہو اور اُن کا استعمال کرنا بھی جانتا ہو۔ لیکن اس کے بازو میں طاقت نہ ہو تو بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف طریق اور طرزِ استعمال کا سیکھ لینا بھی کارآمد اور مفید نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ ورزش اور مشق کر کے بازو میں توانائی اور قوت پیدا نہ کی جائے۔ اب اگر ایک شخص جو تلوار چلانا تو جانتا ہے لیکن ورزش اور مشق نہیں رکھتا، تو میدانِ حرب میں جاکر جونہی تین چار دفعہ تلوار کو حرکت دے گا اور دو ایک ہاتھ مارے گا۔ اُس کے بازو نکمے ہو جائیں گے اور وہ تھک کر بالکل بے کار ہو جائے گا اور خود ہی آخر دشمن کا شکار ہو جائے گا۔

مجاہدہ اور ریاضت

پس سمجھ لو اور خوب سمجھ لو کہ نرا علم و فن اور خشک تعلیم بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ جبتک کہ عمل اور مجاہدہ اور ریاضت نہ ہو۔ دیکھو سرکار بھی فوجوں کو اسی خیال سے بیکار نہیں رہنے دیتی یعنی امن و آرام کے دنوں میں بھی مصنوعی جنگ برپا کر کے فوجوں کو بیکار نہیں بیٹھنے دیتی اور معمولی طور پر چاند ماری اور پریڈ وغیرہ تو ہر روز ہوتی ہی رہتی ہے۔

جیسا ابھی میں نے بیان کیا کہ میدانِ کارزار میں کامیاب ہونے کے لیے جہاں ایک طرف طریق استعمالِ اسلحہ وغیرہ کی تعلیم اور واقفیت کی ضرورت ہے وہاں دوسری طرف ورزش اور محلِ استعمال کی بھی بڑی بھاری ضرورت ہے اور نیز عرب و غرب کیلئے تعلیمیافتہ گھوڑے چاہئیں یعنی ایسے گھوڑے جو توپوں اور بندوقوں کی آواز سے نہ ڈریں اور گرد و غبار سے پراگندہ ہو کر پیچھے نہ ہٹیں، بلکہ آگے ہی بڑھیں۔ اسی طرح نفوسِ انسانی کامل ورزش اور پوری ریاضت اور حقیقی تعلیم کے بغیر اعداءُ اللہ کے مقابل میدانِ کارزار میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

عربی زبان کی خوبی

لغتِ عرب بھی عجیب چیز ہے۔ رِبَاط کا لفظ جو آیہ مذکورہ میں آیا ہے جہاں دنیاوی جنگ و جدل اور فنونِ جنگ کی فلاسفی پر مشتمل ہے۔ وہاں روحانی طور پر اندرونی جنگ اور مجاہدۂ نفس کی حقیقت اور خوبی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب سلسلہ ہے۔ اسی لیے عربی زبان اُمّ الألسنہ ہے۔ اس سے وہ کام نکلتے ہیں، جو دوسری زبان سے ممکن نہیں اور انشاء اللہ یہ معارف نہایت وضاحت اور لطافت سے کتاب منن الرحمٰن کے ذریعہ سے ظاہر ہوں گے، جو میں نے آجکل عربی زبان کی فضیلت اور اُس کو اُمّ الالسنہ ثابت کرنے کے بارہ میں شروع کی ہے۔ معلوم ہو جائے گا کہ یورپین لوگوں کی تحقیقاتیں بالکل نکمی اور ادھوری ہیں۔ اور اُن کو بھی پتہ لگ جائے گا۔ کہ زبانوں کی گم گشتہ ماں بھی اس زمانہ ہی میں جہاں اور گمشدہ دینی صداقتیں مل گئی ہیں۔ مل گئی ہے اور وہ عربی ہی ہے۔ الغرض عربی زبان کی لغت جسمانی سلسلہ میں روحانی سلسلہ بھی دکھلائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ جسمانی امور اور جسمانی باتیں خارجی طور پر ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں اور ہم ان کی ماہیت نہایت سہولت اور آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ پس اُن پر قیاس کر کے روحانی سلسلہ اور روحانی اُمور کی فلاسفی سمجھ میں آنی مشکل نہیں ہوتی اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور برکت ہے جو اُس نے اس تاریکی اور ضلالت کے زمانہ میں معرفت کا نور آسمان سے اُتارا۔ تاکہ بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھلائے اور ایسا طریق اور پیرایہ ظاہر کیا جو اب تک رائج کے طور پر تھا۔ وہ کیا؟ یہی لغتِ عرب کی فلاسفی اور ماہیت سے استدلال۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے فضل کی قدر کرتے اور اس کے لینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

اسلام کو جنگ کی دو قومیں دی گئی تھیں

اب دیکھو کہ یہی رِبَاط کا لفظ جو اُن گھوڑوں پر بولا جاتا ہے جو سرحد پر دشمنوں سے حفاظت کے لیے باندھے جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہ لفظ اُن نفسوں پر بھی بولا جاتا ہے جو اس جنگ کی تیاری کے لیے تعلیمیافتہ ہوں۔ جو انسان کے اندر ہی شیطان

سے ہر وقت جاری ہے۔ یہ بالکل ٹھیک بات ہے کہ اسلام کو دو قوتیں جنگ کی دی گئی تھیں۔ ایک قوت وہ تھی جس کا استعمال صدرِ اول میں بطور مدافعت اور انتقام کے ہوا۔ یعنی مشرکینِ عرب نے جب ستایا اور تکلیفیں دیں، تو ایک ہزار نے ایک لاکھ کفار کا مقابلہ کر کے شجاعت کا جوہر دکھایا اور ہر امتحان میں اس پاک قوت و شوکت کا ثبوت دیا۔ وہ زمانہ گزر گیا اور دِبَاط کے لفظ میں جو فلاسفی ظاہری قوتِ جنگ اور فنونِ جنگ کی مخفی تھی۔ وہ ظاہر ہو گئی۔

اس زمانہ میں جنگِ باطنی کے نمونے دکھانے مطلوب ہیں

اب اِس زمانہ میں جس میں ہم ہیں، ظاہری جنگ کی مطلق ضرورت اور حاجت نہیں۔ بلکہ آخری دنوں میں جنگِ باطنی کے نمونے دکھانے مطلوب تھے اور رُوحانی مقابلہ زیرِ نظر تھا۔ کیونکہ اس وقت باطنی ارتداد اور الحاد کی اشاعت کے لیے بڑے بڑے سامان اور اسلحہ بنائے گئے۔ اس لیے اُن کا مقابلہ بھی اسی قسم کے اسلحہ سے ضروری ہے۔ کیونکہ آجکل امن و امان کا زمانہ ہے اور ہم کو ہر طرح کی آسائش اور امن حاصل ہے۔ آزادی سے ہر آدمی اپنے مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور احکام کی بجاآوری کر سکتا ہے۔ پھر اسلام جو امن کا سچا حامی ہے، بلکہ حقیقتاً امن اور سلم اور آشتی کا اشاعت کنندہ ہی اسلام ہے کیونکر اس زمانۂ امن و آزادی میں اُس پہلے نمونہ کو دکھانا پسند کر سکتا تھا؟ پس آجکل وہی دُوسرا نمونہ یعنی رُوحانی مجاہدہ مطلوب ہے۔ کیونکہ ع

کہ حلوا چو یکبار خورند دلبس

موجودہ زمانہ میں جہاد

ایک اور بات بھی ہے کہ اُس پہلے نمونہ کے دکھانے میں ایک اور امر بھی ملحوظ تھا۔ یعنی اُس وقت اظہارِ شجاعت بھی مقصود تھا۔ جو اُس وقت کی دُنیا میں سب سے زیادہ محمود اور محبوب وصف سمجھی جاتی تھی اور اس وقت تو حرب ایک فن ہو گیا ہے کہ دُور بیٹھے ہوئے بھی ایک آدمی توپ اور بندوق چلا سکتا ہے، مگر اُن دنوں میں سچا بہادر وہ تھا جو تلواروں کے سامنے سینہ سپر ہوتا۔ مگر آجکل کا فنِ حرب تو بزدلوں کا پردہ پوش ہے۔ اب شجاعت کا کام نہیں، بلکہ جو شخص آلاتِ حربِ جدید اور نئی توپیں وغیرہ رکھتا ہے اور چلا سکتا ہے وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اُس حرب کا مدعا اور مقصد مومنوں کے مخفی مادۂ شجاعت کا اظہار تھا اور خدا تعالیٰ نے جیسا چاہا، خوب طرح اُسے دُنیا پر ظاہر کیا۔ اب اس کی حاجت نہیں رہی، اس لیے کہ اب جنگ نے فن اور کیمیا اور خدیعت کی صورت اختیار کر لی ہے اور نئے نئے آلاتِ حرب اور پیچدار فنون نے اس قیمتی اور قابلِ فخر جوہر کو خاک میں ملا دیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں دفاعی لڑائیوں اور جسمانی جنگوں کی اس لیے بھی ضرورت پڑتی تھی کہ دعوتِ اسلام کرنے والے کا جواب اُن دنوں دلائل و براہین سے نہیں بلکہ تلوار سے دیا جاتا تھا، اس لیے لاچار جواب الجواب میں تلوار سے کام لینا پڑا، لیکن اب تلوار سے جواب نہیں دیا جاتا، بلکہ قلم اور دلائل سے اسلام پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ سیف (تلوار) کا کام قلم سے لیا جائے اور تحریر سے مقابلہ کر کے مخالفوں کو پست کیا جائے، اس لیے اب کسی کو شایاں نہیں کہ قلم کا جواب تلوار سے دینے کی کوشش کرے۔ ع گر خطا مرتب نکنی زندیقی ؛

اِس وقت قلم کی ضرورت ہے

اِس وقت جو ضرورت ہے۔ وہ یقیناً سمجھ لو۔ سیف کی نہیں بلکہ قلم کی ہے۔ ہمارے مخالفین نے اسلام پر جو شبہات وارد کیے ہیں اور مخالف سائنسوں کے مسکاک کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے سچے مذہب پر حملہ کرنا چاہا ہے۔ اُس نے مجھے متوجہ کیا ہے کہ مَیں قلمی اسلحہ پہن کر اس سائنس اور علمی ترقی کے میدانِ کارزار میں اُتروں اور اسلام کی رُوحانی شجاعت اور باطنی قوت کا کرشمہ بھی دکھلاؤں۔ مَیں کب اس میدان کے قابل ہو سکتا تھا یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی بے حد عنایت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میرے جیسے عاجز انسان کے ہاتھ سے اُس کے دین کی عزت ظاہر ہو۔ مَیں نے ایک وقت اُن اعتراضات اور حملات کو شمار کیا تھا جو اسلام پر ہمارے مخالفین نے کیے ہیں، تو اُن کی تعداد میرے خیال اور اندازہ میں تین ہزار ہوئی تھی اور نکتہ چینیوں کو اب تو تعداد اور بھی بڑھ گئی ہوگی۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اسلام کی بنا ایسی کمزور باتوں پر ہے کہ اس پر تین ہزار اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ اعتراضات تو کوتاہ اندیشوں اور نادانوں کی نظر میں اعتراض ہیں، مگر مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں نے جہاں ان اعتراضات کو شمار کیا، وہاں یہ بھی غور کیا ہے کہ ان اعتراضات کی تہہ میں دراصل بہت ہی نادر صداقتیں موجود ہیں۔ جو عدم بصیرت کی وجہ سے معترضین کو دکھائی نہیں دیں اور درحقیقت یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جہاں نابینا معترض آکر اٹکا ہے، وہیں حقائق و معارف کا مخفی خزانہ رکھا ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض

اور خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا کہ مَیں ان خزائنِ مدفونہ کو دُنیا پر ظاہر کروں اور ناپاک اعتراضات کا کیچڑ جو اُن درخشاں جواہرات پر تھوپا گیا ہے۔ اس سے اُن کو پاک صاف کروں۔ خدا تعالیٰ کی غیرت اِس وقت بڑی جوش میں ہے کہ قرآن شریف کی عزت کو ہر ایک خبیث دشمن کے داغِ اعتراض سے مُنزّہ و مقدس کرے۔

الغرض ایسی صورت میں کہ مخالفین قلم سے ہم پر وار کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ کس قدر بیوقوفی ہوگی کہ ہم اُن سے لڑنے بھڑنے کو تیار ہو جائیں۔ مَیں تمہیں کھول کر بتاتا ہوں کہ ایسی صورت میں اگر کوئی اسلام کا نام لیکر جنگ و جدال کا طریق جواب میں اختیار کرے۔ تو وہ اسلام کا بدنام کرنے والا ہوگا۔ اور اسلام کا کبھی ایسا منشاء نہ تھا کہ بے مطلب اور بلا ضرورت تلوار اُٹھائی جائے۔ اب لڑائیوں کی اغراض جیسا کہ مَیں نے کہا ہے۔ فن کی شکل میں آکر دینی نہیں رہیں۔ بلکہ دنیوی اغراض ان کا موضوع ہو گیا ہے۔ پس کس قدر ظلم ہوگا کہ اعتراض کرنے والوں کو جواب دینے کی بجائے تلوار دکھائی جائے۔ اب زمانہ کے ساتھ حرب کا پہلو بدل گیا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل اور دماغ سے کام لیں اور نفوس کا تزکیہ کریں۔ راستبازی اور تقویٰ سے خدا تعالیٰ سے امداد اور فتح چاہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک اٹل قانون اور مستحکم اُصول ہے اور اگر مسلمان صرف قیل و قال اور باتوں سے مقابلہ میں کامیابی اور فتح پانا چاہیں، تو یہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ لاف و گزاف اور لفظوں کو نہیں چاہتا۔ وہ تو حقیقی تقویٰ کو چاہتا اور سچی طہارت کو پسند

فرماتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (النحل: ۱۲۹)

عقل سے بھی کام لینا چاہیے

ہم کو عقل سے بھی کام لینا چاہیے، کیونکہ انسان عقل کی وجہ سے مکلف ہے۔ کوئی آدمی بھی خلافِ عقل باتوں کے ماننے پر مجبور نہیں ہو سکتا۔ قویٰ کی برداشت اور حوصلہ سے بڑھ کر کسی قسم کی شرعی تکلیف نہیں اٹھوائی گئی۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ: ۲۸۷) اس آیت سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ایسے نہیں جن کی بجاآوری کوئی کر ہی نہ سکے اور نہ شرائع و احکام خدا تعالیٰ نے دُنیا میں اس لیے نازل کیے کہ اپنی بڑی فصاحت و بلاغت اور ایجادی قانونی طاقت اور پیشان طرازی کا فخر انسان پر ظاہر کرے اور یوں پہلے ہی سے اپنی جگہ ٹھان رکھا تھا کہ کہاں یہ بیہودہ ضعیف انسان اور کہاں کا اُن حکموں پر عمل درآمد؟ خدا تعالیٰ اس سے برتر و پاک ہے کہ ایسا لغو فعل کرے۔ ہاں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ دُنیا میں کوئی آدمی شریعت کی تابعداری اور خدا کے حکموں کی بجاآوری کر ہی نہیں سکتا۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ پھر خدا کو شریعت کے بھیجنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ اُن کے خیال اور اعتقاد میں گویا اللہ تعالیٰ نے (نعوذ باللہ) پہلے نبیوں پر شریعت نازل کر کے ایک عبث اور بیہودہ کام کیا۔ اصل میں خدا کی ذاتِ پاک پر اس قسم کی عیب تراشی کی ضرورت عیسائیوں کو اُسی کفارہ کے مسئلہ کی گمراہی کے لیے پیش آئی۔ مجھے حیرت اور تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے ایک اختراعی مسئلہ کی بنیاد قائم کرنے کے لیے اس بات کی بھی پروا نہیں کی کہ خدا کی ذات پر کس قسم کا گندہ حرف آتا ہے۔

قرآنی تعلیم کا ہر ایک حکم معلّل بأغراض و مصالح ہے

ہاں! یہ خوبی قرآنی تعلیم میں ہے کہ اس کا ہر حکم معلّل بأغراض و مصالح ہے اور اس لیے جابجا قرآن کریم میں تاکید ہے کہ عقل، فہم، تدبر، فقاہت اور ایمان سے کام لیا جائے اور قرآنِ مجید اور دُوسری کتابوں میں یہی مابہ الامتیاز ہے۔ اور کسی کتاب نے اپنی تعلیم کو عقل اور تدبر کی دقیق اور آزاد نکتہ چینی کے آگے ڈالنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ بلکہ انجیل خاموش کے چالاک اور عیار حامیوں نے اس خیال سے کہ انجیل کی تعلیم عقل زدہ کے مقابل بے جان محض ہے۔ نہایت ہوشیاری سے اپنے عقائد میں اس امر کو داخل کر لیا کہ تثلیث اور کفارہ ایسے راز ہیں کہ انسانی عقل اُن کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ برخلاف اس کے فرقانِ حمید کی یہ تعلیم ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ (آلِ عمران: ۱۹۱،۱۹۰) یعنے آسمانوں کی بناوٹ اور زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کا آگے پیچھے آنا دانشمندوں کو اُس اللہ کا صاف پتہ دیتے ہیں جس کی طرف مذہب اسلام دعوت دیتا ہے۔ اس آیت میں کس قدر صاف حکم ہے کہ دانشمند اپنی دانشوں اور مغزوں سے بھی کام لیں۔

اسلام کا خُدا

جہاں ہیں کہ اسلام کا خدا ایسا گورکھ دھندا نہیں کہ اُسے عقل پر پتھر مار کر بہ جبر منوایا جائے۔ اور صحیفۂ فطرت میں کوئی بھی ثبوت اس کے لیے نہ ہو، بلکہ فطرت کے وسیع اوراق میں اُسکے اس قدر نشانات ہیں، جو صاف بتلاتے ہیں کہ وُہ ہے۔ ایک ایک چیز اس کائنات میں اُس نشان اور تختہ کی طرح ہے جو ہر سڑک اور گلی کے سر پر اس سڑک یا محلہ یا شہر کا نام معلوم کرنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور اس موجُودہ ہستی کا پتہ ہی نہیں بلکہ مطمئن کر دینے والا ثبوت دیتی ہے۔ زمین و آسمان کی شہادتیں کسی مصنوعی اور بناوٹی خدا کی ہستی کا ثبوت نہیں دیتیں۔ بلکہ اس خدائے اَحَدِ الصَّمَدِ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کی ہستی کو دکھاتی ہیں جو زندہ اور قائم خُدا ہے اور جسے اسلام پیش کرتا ہے، چنانچہ پادری فنڈر جس نے پہلے پہل ہندوستان میں آکر مذہبی مناظروں میں قدم رکھا اور اسلام پر نکتہ چینیاں کیں، اپنی کتاب میزان الحق میں خود ہی سوال کے طور پر لکھتا ہے کہ اگر کوئی ایسا جزیرہ ہو جہاں تثلیث کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ تو کیا وہاں کے رہنے والوں پر آخرت میں مواخذہ تثلیث کے عقیدہ کی بنا پر ہوگا؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ اُن سے توحید کا مواخذہ ہوگا۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر توحید کا نقش ہر ایک شے میں نہ پایا جاتا اور تثلیث ایک بناوٹی اور مصنوعی تصویر نہ ہوتی، تو عقیدۂ توحید کی بنا پر مواخذہ کیوں ہوتا؟

توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں رکھا ہوا ہے

بات اصل میں یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہی میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی (الاعراف: ۱۷۳) نقش کیا گیا ہے اور تثلیث سے کوئی مناسبت جبلّتِ انسانی اور تمام اشیائے عالم کو نہیں۔ ایک قطرہ پانی کا دیکھو، تو وہ گول نظر آتا ہے۔ مثلث کی شکل میں نظر نہیں آتا۔ اس سے بھی صاف طور پر یہی پایا جاتا ہے کہ توحید کا نقش قدرت کی ہر ایک چیز میں رکھا ہوا ہے۔ خوب غور سے دیکھو کہ پانی کا قطرہ گول ہوتا ہے اور کُروی شکل میں توحید ہی ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ جہت کو نہیں چاہتی اور مثلث شکل جہت کو چاہتی ہے، چنانچہ آگ کو دیکھو۔ شکل بھی مخروطی ہے اور وہ بھی کُرویت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس سے بھی توحید کا نُور چمکتا ہے۔ زمین کو لو۔ اور انگریزوں ہی سے پُوچھو کہ اس کی شکل کیسی ہے؟ کہیں گے گول۔ الغرض طبعی تحقیقاتیں جہاں تک ہوتی چلی جائیں گی وہاں توحید ہی نکلتی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: ۱۹۱) میں بتلاتا ہے کہ جس خُدا کو قرآن مجید پیش کرتا ہے۔ اس کے لیے زمین و آسمان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔

مجھے ایک حکیم کا مقولہ بہت ہی پسند آتا ہے۔ کہ اگر کُل کتابیں دریا بُرد کر دی جاویں، تو پھر بھی اسلام کا خدا باقی رہ جائے گا۔ اس لیے کہ وہ مثلث اور کہانی نہیں۔ اصل میں پُختہ بات وہی ہے، جس کی صداقت کسی خاص چیز پر منحصر نہ ہو کہ اگر وُہ نہ ہو تو اس کا پتہ ہی ندارد۔ قصہ کہانی کا نقش نہ دل پر ہوتا، نہ صحیفۂ فطرت میں جبتک کسی پنڈت، پانڈے یا پادری نے یاد رکھا۔ ان کا کوئی وجود مسلّم رہا۔ زاں بعد حرفِ غلط کی طرح مِٹ گیا۔

تعلیمِ قرآن کی شہادت قانونِ قدرت کی زبان سے ادا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعہ: ۷۸ تا ۸۰) بلکہ یہ سارا صحیفہ قدرت کے مضبوط صندوق میں محفوظ ہے۔ کیا مطلب کہ یہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ اس کا وجود کاغذوں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ جس کو صحیفۂ فطرت کہتے ہیں۔ یعنی قرآن کی ساری تعلیم کی شہادت قانونِ قدرت کے ذرہ ذرہ کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ اُس کی تعلیم اور اس کی برکات کھوکھلا کہانی نہیں جو مٹ جائیں۔

ضرورتِ الہام

ہر ایک آدمی چونکہ عقل سے مدارجِ یقین پر نہیں پہنچ سکتا، اس لیے الہام کی ضرورت پڑتی ہے، جو تاریکی میں عقل کے لیے ایک روشن چراغ ہو کر مدد دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فلاسفر بھی محض عقل پر بھروسہ کر کے حقیقی خدا کو نہ پا سکے؛ چنانچہ افلاطون جیسا فلاسفر بھی مرتے وقت کہنے لگا کہ میں ڈرتا ہوں۔ ایک بُت پر میرے لیے ایک مُرغا ذبح کرو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی۔ افلاطون کی فلاسفی، اس کی دانائی اور دانشمندی اُس کو وُہ سچی سکینت اور اطمینان نہیں دے سکے جو مومنوں کو حاصل ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ الہام کی ضرورت قلبی اطمینان اور دلی استقامت کے لیے اشد ضروری ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے عقل سے کام لو اور یہ یاد رکھو کہ جو عقل سے کام لے گا۔ اسلام کا خدا اُسے ضرور ہی نظر آجائے گا۔ کیونکہ درختوں کے پتے پتے پر اور آسمان کے اجرام پر اس کا نام بڑے جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے، لیکن بالکل عقل ہی کے تابع نہ بن جاؤ، تاکہ الہامِ الٰہی کی دولت کو نہ کھو بیٹھو۔ جس کے بغیر نہ حقیقی تسلی اور نہ اخلاقِ فاضلہ نصیب ہو سکتے ہیں۔ بر ہمو لوگ بھی شانتی اور سچائی اور نجات کا حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے کہ وُہ الہام کی ضرورت کے قائل نہیں۔ ایسے لوگ جو عقل کے بندے ہو کر الہام کو فضول قرار دیتے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک کہتا ہوں کہ عقل سے بھی کام نہیں لیتے۔ قرآن کریم میں اُن لوگوں کو جو عقل سے کام لیتے ہیں اُولُوا الْأَلْبَابِ فرمایا ہے۔ پھر اس کے آگے فرمایا ہے: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (آل عمران: ۱۹۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُوسرا پہلو بیان کیا ہے کہ اُولُوا الالباب اور عقل سلیم بھی وہی رکھتے ہیں جو اللہ جلّشانہٗ کا ذکر اُٹھتے بیٹھتے کرتے ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ عقل و دانش ایسی چیزیں ہیں جو یونہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ نہیں۔

سچی فراست بلکہ سچی فراست اور سچی دانش اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ اسی واسطے تو کہا گیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وُہ نُورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔ صحیح فراست اور حقیقی دانش جیسا میں نے ابھی کہا۔ کبھی نصیب نہیں ہو سکتی جبتک تقویٰ میسر نہ ہو۔

اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو۔ تو عقل سے کام لو۔ فکر کرو۔ سوچو۔ تدبر اور فکر کے لیے قرآن کریم میں بار بار تاکیدیں موجود ہیں۔

کتاب مکنون قرآن کریم میں فکر کرو اور پارسا طبع ہو جاؤ۔ جب تمہارے دل پاک ہو جائیں گے اور ادھر عقلِ سلیم سے کام لو گے تو تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ پھر ان دونوں کے جوڑ سے وہ حالت پیدا ہو جائے گی کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۲) تمہارے دل سے نکلے گا۔ اُس وقت سمجھ میں آجائے گا کہ یہ مخلوق عبث نہیں بلکہ صانع حقیقی کی حقانیت اور اثبات پر دلالت کرتی ہے تاکہ طرح طرح کے علوم و فنون جو دین کو مدد دیتے ہیں۔ ظاہر ہوں۔

الہام کی روشنی

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو صرف عقل ہی کے عطیہ سے مشرف نہیں فرمایا بلکہ الہام کی روشنی اور نور بھی اس کے ساتھ مرحمت فرمایا ہے۔ اُن کو ان راہوں پر نہیں چلنا چاہیے۔ جن پر خشک منطقی اور فلاسفر چلانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لسانی قوت غالب ہوتی ہے اور روحانی قویٰ بہت ضعیف ہوتے ہیں۔ دیکھو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی تعریف میں اُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (ص: ۴۶) فرمایا ہے کہیں اُولِي الْأَلْسِنَة نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کو وہی لوگ پسند ہیں۔ جو بصر اور بصیرت سے خدا کے کام اور کلام کو دیکھتے ہیں اور پھر اُس پر عمل کرتے ہیں اور یہ ساری باتیں بجز تزکیہ نفس اور تطہیر قوائے باطنیہ کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔

فلاحِ دارین کے حصول کا طریق

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں فلاحِ دارین حاصل ہو اور لوگوں کے دلوں پر فتح پاؤ، تو پاکیزگی اختیار کرو۔ عقل سے کام لو اور کلامِ الٰہی کی ہدایات پر چلو۔ خود اپنے تئیں سنوارو اور دوسروں کو اپنے اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ دکھاؤ۔ تب البتہ کامیاب ہو جاؤ گے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

پس پہلے دل پیدا کرو۔ اگر دلوں پر اثر اندازی چاہتے ہو تو عملی طاقت پیدا کرو۔ کیونکہ عمل کے بغیر قولی طاقت اور لسانی قوت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ زبان سے قیل و قال کرنے والے تو لاکھوں ہیں۔ بہت سے مولوی اور علماء کہلا کر منبروں پر چڑھ کر اپنے تئیں نائب الرسول اور وارث الانبیاء قرار دے کر وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تکبر، غرور اور بدکاریوں سے بچو، مگر جو اُن کے اپنے اعمال ہیں اور جو کرتوتیں وہ خود کرتے ہیں۔ ان کا اندازہ اس سے کر لو کہ اُن باتوں کا اثر تمہارے دل پر کہاں تک ہوتا ہے۔

قول و فعل میں مطابقت

اگر اس قسم کے لوگ عملی طاقت بھی رکھتے اور کہنے سے پہلے خود کرتے تو قرآن شریف میں لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف: ۳) کہنے کی کیا ضرورت پڑتی؟ یہ آیت ہی بتلاتی ہے کہ دنیا میں کہہ کر خود نہ کرنے والے بھی موجود تھے اور ہیں اور ہوں گے۔

تم میری بات سُن رکھو اور خوب یاد کر لو کہ اگر انسان کی گفتگو سچے دل سے نہ ہو اور عملی طاقت اُس میں نہ ہو تو وہ اثر انداز

نہیں ہوتی۔ اسی سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صداقت معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جو کامیابی اور تاثیر فی القلوب آپؐ کے حصہ میں آئی اس کی کوئی نظیر بنی آدم کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ سب اس لیے ہوا کہ آپؐ کے قول اور فعل میں پوری مطابقت تھی۔

میری اِن باتوں پر عمل کرو

میری یہ باتیں اس لیے ہیں کہ تاتم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو اور اس تعلق کی وجہ سے میرے اعضاء ہو گئے ہو۔ اِن باتوں پر عمل کرو۔ اور عقل اور کلامِ الٰہی سے کام لو تاکہ سچی معرفت اور یقین کی روشنی تمہارے اندر پیدا ہو اور تم دُوسرے لوگوں کو ظلمت سے نُور کی طرف لانے کا وسیلہ بنو۔ اس لیے کہ آجکل اعتراضوں کی بنیاد طبعی اور طبابت اور ہیئت کے مسائل کی بنا پر ہے۔ اس لیے لازم ہوا کہ ان علوم کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کریں، تاکہ جواب دینے سے پہلے اعتراض کی حقیقت تو ہم پر کھُل جائے۔

علومِ جدیدہ کی تحصیل

میں اُن مولویوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کی تعلیم کے مخالف ہیں۔ وہ دَر اصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اُن کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بدظن اور گمراہ کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متضاد چیزیں ہیں چونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ اُن کی رُوح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔

سچا فلسفہ قرآن میں ہے

مگر وُہ سچا فلسفہ اُن کو نہیں ملا جو الہامِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے جو قرآنِ کریم میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے وہ اُن کو اور صرف انہیں کو دیا جاتا ہے جو نہایت تذلل اور نیستی سے اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے دروازے پر پھینک دیتے ہیں۔ جن کے دل اور دماغ سے متکبرانہ خیالات کا تعفن بکل جاتا ہے اور جو اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے گڑگڑا کر سچی عبُودیت کا اقرار کرتے ہیں۔

علومِ جدیدہ کو اسلام کے تابع کرنا چاہیے

پس ضرورت ہے کہ آجکل دین کی خدمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے علومِ جدیدہ حاصل کرو اور بڑے جدّوجہد سے حاصل کرو۔ لیکن مجھے یہ بھی تجربہ ہے جو بطور انتباہ میں بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ ان علوم ہی میں یکطرفہ پڑ گئے اور ایسے محو اور منہمک ہوئے کہ کسی اہلِ دل اور اہلِ ذکر کے پاس بیٹھنے کا اُن کو موقعہ نہ ملا اور عموماً اندازِ الٰہی نُور نہ رکھتے تھے وہ عموماً ٹھوکر کھا گئے اور اسلام سے دُور جا پڑے اور بجائے اس کے کہ اُن علوم کو اسلام کے تابع کرتے اُلٹا اسلام کو علوم کے ماتحت کرنے کی بے سُود کوشش کر کے اپنے زعم میں دینی اور قومی خدمات کے متکفل بن گئے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ کام وُہی کر سکتا ہے یعنی دینی خدمت وہی بجا لا سکتا ہے جو آسمانی روشنی اپنے اندر رکھتا ہو۔

بات یہ ہے کہ ان علوم کی تعلیمیں یا دہریت اور فلسفیت کے رنگ میں دی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان تعلیمات کا دلدادہ چند روز تو حسنِ ظن کی وجہ سے جو اس کو فطرتاً حاصل ہوتا ہے۔ رسومِ اسلام کا پابند رہتا ہے، لیکن جُوں جُوں ادھر قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے، اسلام کو دُور چھوڑتا جاتا ہے اور آخر ان رُسوم کی پابندی سے بالکل ہی رہ جاتا ہے اور حقیقت سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور ہوا ہے یکطرفہ علوم کی تحقیقات اور تعلیم میں منہمک ہونے کا۔ بہت سے لوگ قومی لیڈر کہلا کر بھی اس رمز کو نہیں سمجھ سکے کہ علومِ جدیدہ کی تحصیل جب ہی مفید ہو سکتی ہے، جب محض دینی خدمت کی نیت سے ہو اور کسی اہلِ دل آسمانی عقل اپنے اندر رکھنے والے مردِ خدا کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

میرا ایمان یہی کہتا ہے کہ اس دہریت نما نیچریت کے پھیلنے کی یہی وجہ ہے کہ جو شیطانی حملے الحاد کے زہر سے بھرے ہوئے علومِ طبعی، فلسفی یا ہیئت دانوں کی طرف سے اسلام پر ہوتے ہیں۔ اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے یا اُن کا جواب دینے کے لیے اسلام اور آسمانی نور کو عاجز سمجھ کر عقلی ڈھکوسلوں اور فرضی اور قیاسی دلائل کو کام میں لایا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے عجیب قرآن کریم کے مطالب اور مقاصد سے کہیں دُور جا پڑتے ہیں اور الحاد کا ایک چھپا ہوا پردہ اپنے دل پر ڈال لیتے ہیں۔ جو ایک وقت آکر اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل نہ کرے، تو دہریت کا جامہ پہن لیتا ہے اور وہی رنگ دل کو دیتا ہے جس سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

آجکل کے تعلیمیافتہ لوگوں پر ایک اور بڑی آفت جو آکر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کو دینی علوم سے مُطلق مَس نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ کسی ہیئت دان یا فلسفہ دان کے اعتراض پڑھتے ہیں، تو اسلام کی نسبت شکوک اور وساوس ان کو پیدا ہو جاتے ہیں۔ تب وہ عیسائی یا دہریہ بن جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کے والدین بھی ان پر بڑا ظلم کرتے ہیں۔ کہ دینی علوم کی تحصیل کے لیے ذرا سا وقت بھی اُن کو نہیں دیتے اور ابتدا ہی سے ایسے دھندوں اور بکھیڑوں میں ڈال دیتے ہیں جو انہیں پاک دین سے محروم کر دیتے ہیں۔

دینی تعلیم و تربیت کا صحیح وقت

یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ دینی علوم کی تحصیل کے لیے طفولیت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزُون ہے۔ جب ڈاڑھی نکل آئی، تب ضَرَبَ یَضْرِبُ یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہوگا۔ طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے کسی دُوسرے حصّہ میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں، لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں اور قویٰ کے نشوونما کی عمر ہونے کے باعث ایسے دلنشیں ہو جاتے ہیں کہ پھر ضائع نہیں ہو سکتے۔ غرض یہ ایک طویل امر ہے۔ مختصر یہ کہ تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ اور خاص توجہ چاہیے کہ دینی تعلیم ابتدا سے ہی ہو۔ اور میری ابتدا سے یہی خواہش رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے۔ دیکھو تمہاری ہمسایہ قوموں یعنی آریوں نے کس قدر عیسائیت تعلیم کے لیے بنائی کئی لاکھ

سے زیادہ روپیہ جمع کرلیا۔ کالج کی عالیشان عمارت اور سامان بھی پیدا کیا۔ اگر مسلمان پورے طور پر اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کریں گے، تو میری بات سُن رکھیں کہ ایک وقت اُن کے ہاتھ سے بچے بھی جاتے رہیں گے۔

صُحبت کا اثر

مثل مشہور ہے "تخم تاثیر صحبت را اثر" اس کے اوّل جزو (حصّہ) پر کلام ہو تو ہو، لیکن دُوسرا حصّہ "صحبت را اثر" ایسا ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہر ایک شریف قوم کے بچوں کا عیسائیوں کے پھندے میں پھنس جانا اور مسلمانوں حتیٰ کہ غوث و قطب کہلانے والوں کی اولاد اور سادات کے فرزندوں کا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنا دیکھ چکے ہو — اُن صحیح النسب سیّدوں کی جو اولاد اپنا سلسلہ حضرت امام حسینؓ تک پہنچاتے ہیں۔ ہم نے کرسچن (عیسائی) دیکھی ہے۔ اور بانیٔ اسلام کی نسبت قسم قسم کے الزام (نعوذ باللہ) لگاتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھی اگر کوئی مسلمان اپنے دین اور اپنے نبیؐ کے لیے غیرت نہیں رکھتا، تو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟

اگر تم اپنے بچوں کو عیسائیوں، آریوں اور دُوسروں کی صُحبت سے نہیں بچاتے یا کم از کم نہیں بچانا چاہتے، تو یاد رکھو کہ نہ صرف اپنے اُوپر بلکہ قوم پر اور اسلام پر ظلم کرتے اور بہت بڑا بھاری ظلم کرتے ہو۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ گویا تمہیں اسلام کے لیے کچھ غیرت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت تمہارے دل میں نہیں۔

راستباز اور متقی بنو تاکہ عقل میں جودت اور ذہانت پیدا ہو

ذرا سوچو اور سمجھو۔ خدا کے واسطے عقل سے کام لو اور اس لیے کہ عقل میں جودت اور ذہانت پیدا ہو۔ راستباز اور متقی بنو۔ پاک عقل آسمان سے آتی ہے اور اپنے ہمراہ ایک نُور لاتی ہے، لیکن وُہ جوہرِ قابل کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس پاک سلسلہ کا قانون وہی قانون ہے جو ہم جسمانی قانون میں دیکھتے ہیں۔ بارش آسمان سے پڑتی ہے، لیکن کوئی جگہ اُس بارش سے گلزار ہوتی ہے اور کہیں کانٹے اور جھاڑیاں ہی اُگتی ہیں اور کہیں وہی قطرۂ بارش سمندر کی تہہ میں جاکر ایک گوہرِ شاہوار بنتا ہے۔ بقول کسے ؎

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اگر زمین قابل نہیں ہوتی، تو بارش کا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا، بلکہ اُلٹا ضرر اور نقصان ہوتا ہے۔ اسی لیے آسمانی نُور اترا ہے اور وہ دلوں کو روشن کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے قبول کرنے اور اُس سے فائدہ اٹھانے کو تیار ہو جاؤ تا ایسا نہ ہو کہ بارش کی طرح کہ جو زمین جوہرِ قابل نہیں رکھتی، وُہ اُس کو ضائع کر دیتی ہے۔ تم بھی باوجود نُور کی موجودگی کے تاریکی میں چلو اور ٹھوکر کھا کر اندھے کنویں میں گر کر ہلاک ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ مادرِ مہربان سے بھی بڑھ کر مہربان ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اُس کی مخلوق ضائع ہو۔ وُہ ہدایت اور روشنی کی راہیں تم پر کھولتا ہے، مگر تم اُن پر قدم مارنے کے لیے عقل اور تزکیۂ نفوس سے کام لو۔ جیسے زمین کہ جبتک ہل چلا کر تیار نہیں کی جاتی، تخمریزی اُس میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح جبتک مجاہدہ

اور ریاضت سے تزکیۂ نفوس نہیں ہوتا، پاک عقل آسمان سے اُترتی ہے۔

اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا اور اپنے دین اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں غیرت دکھا کر ایک انسان کو جو تم میں بول رہا ہے بھیجا تاکہ وہ اس روشنی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ اگر زمانہ میں ایسا فساد اور فتنہ نہ ہوتا اور دین کو محو کرنے کے لیے جس قسم کی کوششیں ہو رہی ہیں نہ ہوتیں، تو چنداں حرج نہ تھا۔ لیکن اب تم دیکھتے ہو کہ ہر طرف یمین و یسار اسلام ہی کو معدوم کرنے کی فکر میں جملہ اقوام لگی ہوئی ہیں۔ مجھے یاد ہے اور براہین احمدیہ میں بھی مَیں نے ذکر کیا ہے کہ اسلام کے خلاف چھ کروڑ کتابیں تصنیف اور تالیف ہو کر شائع کی گئی ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد بھی چھ کروڑ اور اسلام کے خلاف کتابوں کا شمار بھی اسی قدر ہے۔ اگر اس زیادتی تعداد کو جو اب تک ان تصنیفات میں ہوئی ہے چھوڑ بھی دیا جائے، تو بھی ہمارے مخالف ایک ایک کتاب ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں دے چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا جوش غیرت میں نہ ہوتا۔ اور اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) اس کا وعدہ صادق نہ ہوتا تو یقیناً سمجھ لو کہ اسلام آج دُنیا سے اُٹھ جاتا اور اُس کا نام و نشان تک مٹ جاتا، مگر نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کا پوشیدہ ہاتھ اُس کی حفاظت کر رہا ہے۔ مجھے افسوس اور رنج اس امر کا ہوتا ہے کہ لوگ مسلمان کہلا کر ناطے بیاہ کے برابر بھی تو اسلام کا فکر نہیں کرتے اور مجھے اکثر بار پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے کہ عیسائی عورتوں تک مرتے وقت لکھوکھا روپیہ عیسائی دین کی ترویج اور اشاعت کے لیے وصیت کر جاتی ہیں اور اُن کا اپنی زندگیوں کو عیسائیت کی اشاعت میں صَرف کرنا تو ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ ہزارہا لیڈیز مشنری، گھروں اور کوچوں میں پھرتی ہیں اور جس طرح بن پڑے نقدِ ایمان چھینتی پھرتی ہیں۔ مسلمانوں میں سے کسی ایک کو نہیں دیکھا کہ وہ پچاس روپیہ بھی اشاعتِ اسلام کے لیے وصیت کر کے مرا ہو۔ ہاں، شادیوں اور دُنیاوی رسُوم پر تو بے حد اسراف ہوتے ہیں اور قرض لے کر بھی دل کھول کر فضول خرچیاں کی جاتی ہیں، مگر خرچ کرنے کے نہیں، تو صرف اسلام کے لیے نہیں۔ افسوس! افسوس!! اس سے بڑھ کر اور مسلمانوں کی حالت قابلِ رحم کیا ہوگی؟

ایک نیکی سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ بد اعمالی کا نتیجہ بد اعمالی ہوتا ہے۔ اسلام کے لیے خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ ایک نیکی سے دوسری نیکی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یاد آیا تذکرۃ الاولیاء میں مَیں نے پڑھا تھا کہ ایک آتش پرست بڈھا نوّے برس کی عُمر کا تھا۔ اتفاقاً بارش کی جھڑی جو لگ گئی، تو وہ اُس جھڑی میں کوٹھے پر چڑیوں کے لیے دانے ڈال رہا تھا۔ کسی بزرگ نے پاس سے کہا کہ اے بڈھے تُو کیا کرتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ بھائی چھ سات روز متواتر بارش ہوتی رہی ہے۔ چڑیوں کو دانہ ڈالتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ تو جو شرک یہ حرکت کرتا ہے۔ تُو کافر ہے۔ تجھے اجر کہاں۔ بُوڑھے نے جواب دیا۔ مجھے اس کا اجر ضرور ملے گا۔ بزرگ صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں حج کو گیا، تو دُور سے کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بڈھا طواف

کر رہا ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور جب میں آگے بڑھا تو پہلے وہی بولا۔ کیا میرے دانے ڈالنا ضائع گیا، یا اُن کا عوض ملا؟

نیکی کا اجر ضائع نہیں ہوتا اب خیال کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کافر کی نیکی کا اجر بھی ضائع نہیں کیا، تو کیا مسلمان کی نیکی کا اجر ضائع کر دے گا؟ مجھے ایک صحابی کا ذکر یاد آیا۔ کہ اُس نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے کفر کے زمانہ میں بہت سے صدقات کئے ہیں۔ کیا اُن کا اجر مجھے ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ وہی صدقات تو تیرے اسلام کا موجب ہو گئے ہیں۔

نیکی کیا چیز ہے؟ نیکی ایک زینہ ہے اسلام اور خدا کی طرف چڑھنے کا، لیکن یاد رکھو کہ نیکی کیا چیز ہے۔ شیطان ہر ایک راہ میں لوگوں کی راہ زنی کرتا ہے اور اُن کو راہِ حق سے بہکاتا ہے۔ مثلاً رات کو روٹی زیادہ پک گئی اور صبح باسی بچ رہی۔ عین کھانے کے وقت کہ اس کے سامنے اچھے اچھے کھانے رکھے ہیں۔ ابھی ایک لقمہ نہیں لیا کہ دروازہ پر اگر فقیر نے صدا کی اور روٹی مانگی۔ کہا کہ باسی روٹی سائل کو دے دو۔ کیا یہ نیکی ہوگی؟ باسی روٹی تو پڑی ہی رہتی تھی تم نے پسند اُسے کیوں کھانے لگے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الدہر: ۹) یہ بھی معلوم رہے کہ طعام کہتے ہی پسندیدہ طعام کو ہیں۔ سڑا ہوا باسی طعام نہیں کہلاتا۔ الغرض اس رکابی میں سے جس میں ابھی تازہ کھانا لذیذ اور پسندیدہ رکھا ہوا ہے۔ کھانا شروع نہیں کیا۔ فقیر کی صدا پر نکال دے، تو یہ تو نیکی ہے۔

بیکار اور نکمی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی آدمی نیکی کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نیکی کا دروازہ تنگ ہے۔ پس یہ امر ذہن نشین کر لو کہ نکمی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نصِ صریح ہے: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (آل عمران: ۹۳) جبتک عزیز سے عزیز اور پیاری سے پیاری چیزوں کو خرچ نہ کر دو گے اُس وقت تک محبوب اور عزیز ہونے کا درجہ نہیں مل سکتا۔ اگر تکلیف اُٹھانا نہیں چاہتے اور حقیقی نیکی کو اختیار کرنا نہیں چاہتے تو کیونکر کامیاب اور بامراد ہو سکتے ہو۔ کیا صحابہ کرامؓ محنت میں اس درجہ تک پہنچ گئے جو اُن کو حاصل ہوا۔ دُنیاوی خطاب کے حاصل کرنے کے لیے کس قدر اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، تب کہیں جا کر ایک معمولی خطاب ہی سے دل اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہو سکتی، ملتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ رضی اللہ عنہم کا خطاب جو دل کو تسلی اور قلب کو اطمینان اور مولیٰ کریم کی رضامندی کا نشان ہے، کیا یونہی آسانی سے مل گیا؟

بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہے، حاصل نہیں ہو سکتی۔ جبتک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کی جاویں، خدا ٹھگا نہیں جا سکتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تکلیف کی پروا نہ کریں کیونکہ ابدی خوشی اور دائمی آرام کی روشنی اس عارضی تکلیف کے بعد مومن کو ملتی ہے۔

❊ ❊ ❊

سچا مُسلمان کون ہے؟

مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ جبتک ہر بات پر اللہ تعالیٰ مقدم نہ ہو جاوے اور دل پر نظر ڈال کر وُہ نہ دیکھ سکے کہ یہ میرا ہی ہے اُس وقت تک کوئی سچا مومن نہیں کہلا سکتا۔ ایسا آدمی تو اَل (عُرفِ عام) کے طور پر مومن یا مُسلمان ہے۔ جیسے چوہڑے کو بھی مصلّی یا مومن کہہ دیتے ہیں۔ مُسلمان وہی ہے جو اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کا مصداق ہوگیا ہو۔ وجہ مُونہہ کو کہتے ہیں۔ مگر اس کا اطلاق ذات اور وجُود پر بھی ہوتا ہے پس جس نے ساری طاقتیں اللہ کے حضُور رکھ دی ہوں۔ وہی سچا مُسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ مجھے یاد آیا کہ ایک مُسلمان نے کسی یہُودی کو دعوتِ اسلام کی کہ تُو مُسلمان ہو جا۔ مُسلمان خود فسق و فجور میں مبتلا تھا۔ یہودی نے اس فاسق مُسلمان کو کہا کہ تُو پہلے اپنے آپ کو دیکھ اور تُو اس بات پر مغرور نہ ہو کہ تُو مُسلمان کہلاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسلام کا مفہوم چاہتا ہے نہ نام اور لفظ۔ یہودی نے اپنا قصّہ بیان کیا کہ مَیں نے اپنے لڑکے کا نام خالد رکھا تھا، مگر دُوسرے دن مجھے اُسے قبر میں گاڑنا پڑا۔ اگر صرف نام ہی میں برکت ہوتی تو وہ کیوں مرتا۔ اگر کوئی مُسلمان سے پوچھتا ہے کہ کیا تُو مُسلمان ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

پس یاد رکھو کہ صرف لفاظی اور لسانی کام نہیں آسکتی، جبتک کہ عمل نہ ہو۔ محض باتیں عنداللہ کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۴)

اِسلام کی خدمت کا شرف حاصل کرنے کا طریق

اَب مَیں پھر اپنے پہلے مقصد کی طرف رُجُوع کرتا ہوں۔ یعنی صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (آل عمران: ۲۰۱) جس طرح دشمن کے مقابلہ پر سرحد پر گھوڑا ہونا ضروری ہے تاکہ دشمن حد سے نہ نکلنے پاوے۔ اسی طرح تم بھی تیار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن سرحد سے گذر کر اسلام کو صدمہ پہنچائے۔ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ اگر تم اسلام کی حمایت اور خدمت کرنا چاہتے ہو، تو پہلے خود تقویٰ اور طہارت اختیار کرو جس سے خود تم خدا تعالیٰ کی پناہ کے حصنِ حصین میں آسکو۔ اور پھر تم کو اس خدمت کا شرف اور استحقاق حاصل ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ مُسلمانوں کی بیرونی طاقت کیسی کمزور ہو گئی ہے۔ قومیں انکو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ اگر تمہاری اندرونی اور قلبی طاقت بھی کمزور اور پست ہو گئی، تو بس پھر تو خاتمہ ہی سمجھو۔ تم اپنے نفسوں کو ایسے پاک کرو کہ قُدسی قوّت ان میں سرایت کرے اور وہ سرحد کے گھوڑوں کی طرح مضبوط اور محافظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہمیشہ متقیوں اور راستبازوں ہی کے شاملِ حال ہوا کرتا ہے۔ اپنے اخلاق اور اطوار ایسے نہ بناؤ جن سے اسلام کو داغ لگ جاوے۔ بدکاروں اور اسلام کی تعلیم پر عمل نہ کرنے والے مُسلمانوں سے اسلام کو داغ لگتا ہے۔ کوئی مُسلمان شراب پی لیتا ہے تو کہیں قے کرتا پھرتا ہے۔ پگڑی گلے میں ہوتی ہے۔ موریوں اور گندی نالیوں میں گرتا پھرتا ہے۔ پولیس کے جُوتے پڑتے ہیں۔ ہندو اور عیسائی اس پر ہنستے ہیں۔ اس کا ایسا خلافِ شرع فعل اس کی ہی تضحیک کا موجب نہیں ہوتا بلکہ درپردہ اس کا اثر نفسِ اسلام تک پہنچتا ہے۔ مجھے ایسی خبریں یا جیل خانوں کی رپورٹیں پڑھ کر سخت رنج ہوتا ہے جب

میں دیکھتا ہوں کہ اس قدر مُسلمان بدعملیوں کی وجہ سے موردِ عتاب ہوتے۔ دل بیقرار ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ جو صراطِ مستقیم رکھتے ہیں۔ اپنی بداعتدالیوں سے صرف اپنے آپ کو نقصان نہیں پہنچاتے، بلکہ اسلام پر ہنسی کراتے ہیں یہی وجہ تھی کہ کسی گذشتہ مردم شماری کے وقت مسٹر ایبٹسن صاحب نے اپنی رپورٹ میں بہت کچھ لکھا تھا میری غرض اس سے یہ ہے کہ مُسلمان لوگ مُسلمان کہلا کر ان ممنوعات اور منہیات میں مبتلا ہوتے ہیں جو نہ صرف ان کو بلکہ اسلام کو مشکوک کر دیتے ہیں پس اپنے چال چلن اور اطوار ایسے بنا لو کہ کفار کو بھی تم پر (جو در اصل اسلام پر ہوتی ہے) نکتہ چینی کرنے کا موقعہ نہ ملے۔

اصل شکر تقویٰ اور طہارت ہے

تمہارا اصل شکر تقویٰ اور طہارت ہی ہے مُسلمان کا پُوچھنے پر الحمد للہ کہہ دینا سچا سپاس اور شکر نہیں ہے۔ اگر تم نے حقیقی سپاس گذاری یعنی طہارت اور تقویٰ کی راہیں اختیار کر لیں۔ تو مَیں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم سرحد پر کھڑے ہو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک ہندو سررشتہ دار نے جس کا نام جگن ناتھ تھا اور جو ایک متعصب ہندو تھا بتلایا کہ امرتسر یا کسی جگہ میں وہ سررشتہ دار تھا جہاں ایک ہندو اہلکار در پردہ نماز پڑھا کرتا تھا، مگر بظاہر ہندو تھا۔ میں اور دیگر سارے ہندو اُسے بہت بُرا جانتے تھے اور ہم سب اہلکاروں نے مِل کر ارادہ کر لیا کہ اس کو ضرور موقوف کرائیں۔ سب سے زیادہ شرارت میرے دل میں تھی۔ مَیں نے کئی بار شکایت کی کہ اس نے یہ غلطی کی ہے اور یہ خلاف ورزی کی ہے، مگر اس پر کوئی التفات نہ ہوتی تھی۔ لیکن ہم نے ارادہ کر لیا ہوا تھا کہ اُسے ضرور موقوف کرا دیں گے۔ اور اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہونے کے لیے بہت سی نکتہ چینیاں بھی جمع کر لی تھیں اور مَیں وقتاً فوقتاً ان نکتہ چینیوں کو صاحب بہادر کے رُوبرو پیش کر دیا کرتا تھا۔ صاحب اگر بہت ہی غصہ ہو کر اُس کو بُلا بھی لیتا تھا۔ تو جونہی وہ سامنے آجاتا، تو گویا آگ پر پانی پڑ جاتا۔ معمولی طور پر نہایت نرمی سے فہمائش کر دیتا۔ گویا اس سے کوئی قصور سرزد ہی نہیں ہوا۔

تقویٰ کا رُعب دوسروں پر بھی پڑتا ہے

اصل بات یہ ہے کہ تقویٰ کا رُعب دُوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ متقیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ مَیں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اکابر میں سے ہوئے ہیں۔ ان کا نفس بڑا مُطہر تھا۔ ایک بار اُنہوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میرا دل دُنیا سے برداشتہ ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ کوئی پیشوا تلاش کروں جو مجھے سکینت اور اطمینان کی راہیں دکھلاتے۔ والدہ نے جب دیکھا کہ یہ اب ہمارے کام کا نہیں رہا، تو اُن کی بات کو مان لیا اور کہا کہ اچھا مَیں تجھے رخصت کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اندر گئی اور اَسّی مُہریں جو اس نے جمع کی ہوئی تھیں، اُٹھا لائی اور کہا کہ ان مہروں سے حصہ شرعی کے موافق چالیس مہریں تیری ہیں اور چالیس تیرے بڑے بھائی کی۔ اس لیے چالیس مُہریں تجھے بحصہ رَسدی دیتی ہُوں۔ یہ کہہ کر وہ چالیس مُہریں اُن کی بغل کے نیچے پیراہن میں سی دیں اور کہا کہ امن کی جگہ پہنچ کر نکال لینا اور عند الضرورت اپنے صَرف میں لانا۔ سید عبدالقادر صاحبؒ نے اپنی والدہ سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرما دیں۔

اُنھوں نے کہا کہ بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ اس سے بڑی برکت ہوگی۔ اتنا سُن کر آپؒ رخصت ہوئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس جنگل میں سے ہو کر آپؒ گذرے، اُس میں چند راہزن قزاق رہتے تھے۔ جو مسافروں کو لُوٹ لیا کرتے تھے۔ دُور سے سیّد عبدالقادر صاحبؒ پر بھی اُن کی نظر پڑی۔ قریب آئے، تو اُنھوں نے کمبل پوش فقیر سا دیکھا۔ ایک نے ہنسی سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ آپؒ ابھی اپنی والدہ سے تازہ نصیحت سُن کر آئے تھے کہ جھوٹ نہ بولنا۔ فی الفور جواب دیا کہ ہاں چالیس مُہریں میری بغل کے نیچے ہیں۔ جو میری والدہ صاحبہ نے کیسہ کی طرح سی دی ہیں۔ اُس قزاق نے سمجھا کہ یہ ٹھٹھا کرتا ہے۔ دُوسرے قزاق نے جب پُوچھا تو اُس کو بھی یہی جواب دیا۔ الغرض ہر ایک چور کو یہی جواب دیا۔ وہ ان کو اپنے امیرِ قزاقان کے پاس لے گئے کہ بار بار یہی کہتا ہے۔ امیر نے کہا۔ اچھا۔ اس کا کپڑا دیکھو تو سہی۔ جب تلاشی لی گئی، تو واقعی چالیس مُہریں برآمد ہوئیں۔ وہ حیران ہوئے کہ یہ عجیب آدمی ہے۔ ہم نے ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ امیر نے آپؒ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ تُو نے اِس طرح پر اپنے مال کا پتہ بتا دیا؟ آپؒ نے فرمایا کہ مَیں خدا کے دین کی تلاش میں جاتا ہوں۔ روانگی پر والدہ صاحبہ نے نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ یہ پہلا امتحان تھا۔ مَیں جھوٹ کیوں بولتا۔ یہ سُنکر امیرِ قزاقان رو پڑا اور کہا کہ آہ! مَیں نے ایک بار بھی خدا تعالیٰ کا حکم نہ مانا۔ چوروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اِس کلمہ اور اس شخص کی استقامت نے میرا تو کام تمام کر دیا ہے۔ اب مَیں تمھارے ساتھ نہیں رہ سکتا اور توبہ کرتا ہوں۔ اس کے کہنے کے ساتھ ہی باقی چوروں نے بھی توبہ کر لی۔ ..... مَیں "چوروں قُطب بنایا اِی" اِسی واقعہ کو سمجھتا ہوں۔ الغرض سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے بیعت کرنے والے چور ہی تھے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا (آل عمران: ۲۰۰) صبر ایک نقطہ کی طرح پیدا ہوتا ہے اور پھر دائرہ کی شکل اختیار کر کے سب پر محیط ہو جاتا ہے۔ آخر بد معاشوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انسان تقویٰ کو ہاتھ سے نہ دے اور تقویٰ کی راہوں پر مضبوطی سے قدم مارے۔ کیونکہ مُتّقی کا اثر ضرور پڑتا ہے اور اُس کا رُعب مخالفوں کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کے اجزاء تقویٰ کے بہت سے اجزاء ہیں۔ عُجب، خود پسندی، مالِ حرام سے پرہیز اور بد اخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ جو شخص اچھے اخلاق ظاہر کرتا ہے۔ اِس کے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (المؤمنون: ۹۷)

اَب خیال کرو کہ یہ ہدایت کیا تعلیم دیتی ہے؟ اس ہدایت میں اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ اگر مخالف گالی بھی دے، تو اس کا جواب گالی سے نہ دیا جائے بلکہ اُس پر صبر کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مخالف تمہاری فضیلت کا قائل ہو کر خود ہی نادم اور شرمندہ ہوگا اور یہ سزا اُس سزا سے بہت بڑھ کر ہوگی جو انتقامی طور پر تم اُس کو دے سکتے ہو۔ یُوں تو ایک ذرا سا آدمی اقدامِ قتل تک نوبت پہنچا سکتا ہے لیکن انسانیت کا تقاضا اور تقویٰ کا منشاء یہ نہیں ہے۔ خوش اخلاقی

ایک ایسا جوہر ہے کہ مُوذی سے مُوذی انسان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ کہ ع

لُطف کُن لُطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

فاسق آدمی جو انبیاء کے مقابلہ پر تھے خصوصاً وہ لوگ جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر تھے۔ اُنکا ایمان لانا معجزات پر منحصر نہ تھا اور نہ معجزات اور خوارق اُن کی تسلی کا باعث تھے، بلکہ وہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کو ہی دیکھ کر آپؐ کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ اخلاقی معجزات وہ کام کر سکتے ہیں جو اقتداری معجزات نہیں کر سکتے اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ کا یہی مفہوم ہے اور تجربہ کر کے دیکھ لو کہ استقامت کیسے کرشمے دکھاتی ہے۔ کرامت کی طرف تو چنداں اِلتفات ہی نہیں ہوتا خصوصاً آجکل کے زمانہ میں لیکن اگر پتہ لگ جائے کہ فلاں شخص با اخلاق آدمی ہے، تو اس کی طرف جس قدر رُجوع ہوتا ہے۔ وہ کوئی مخفی امر نہیں۔ اخلاقِ حمیدہ کی زد اُن لوگوں پر بھی پڑتی ہے جو کئی قسم کے نشانات کو دیکھ کر بھی اطمینان اور تسلی نہیں پا سکتے۔ بات یہ ہے کہ بعض آدمی ظاہری معجزات اور خوارق کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں اور بعض حقائق اور معارف کو دیکھ کر۔ مگر اکثر لوگ وُہ ہوتے ہیں جن کی ہدایت اور تسلی کا موجب اخلاقِ فاضلہ اور التفات ہوتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک قسم کے خوارق اور معجزات حاصل تھے۔ ہم آپؐ کی شان کیا بیان کریں۔ جس طرف دیکھو، بے شمار معجزات ملیں گے۔ ہر سہ اقسام بالا کے مُعجزات ملیں گے۔ ہر سہ اقسام بالا کے معجزات کا آپؐ مجموعہ تھے۔ ظاہری خوارق مثل شق القمر وغیرہ، دیگر مُعجزات جن کی تعداد تین ہزار سے بھی زائد ہے۔ معارف اور حقائق کے معجزات سے تو سارا قرآن شریف لبریز ہے جو ہر وقت تازہ اور نئے ہیں اور بلحاظ اخلاقی معجزات کے خود آپؐ کا وجود مقدس اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم: ۵) کا مصداق ہے۔ قرآن کریم اپنے اعجاز کے ثبوت میں اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (البقرہ: ۲۴) کہتا ہے۔ یہ معجزات رُوحانی ہیں جس طرح وحدانیت کے دلائل دیتے ہیں۔ اسی طرح پر اس کی حکمت، فصاحت، بلاغت کی مثل لانے پر بھی انسان قادر نہیں۔ دُوسرے مقام پر فرمایا: لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ (بنی اسرائیل: ۸۹)

قرآنِ مجید کی فصاحت و بلاغت

غرض روحانی معجزات کے بارہ میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ مُسلمانوں کا وہم اور خیالِ باطل ہے۔ آجکل کے نیچری نہیں بلکہ (وہ لوگ جو) خلافِ نیچر (ہیں) یہ نہیں مانتے کہ فصاحت و بلاغت قرآن شریف کا معجزہ ہے۔ سیّد احمد نے بھی ٹھوکر کھائی ہے اور وہ اس کی فصاحت و بلاغت کو معجزہ نہیں مانتے۔ جب ہم یاد کرتے ہیں، تو ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ سیّد احمد نے معجزات سے انکار کیا ہے۔ سیّد صاحب کسی طور سے معجزہ نہیں مان سکتے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک معمولی درجہ کا آدمی یا اعلیٰ درجہ کا آدمی بھی نظیر بنا سکتا ہے، مگر افسوس تو یہ ہے کہ وُہ اتنا نہیں جانتے کہ قرآن مجید لانے والا وہ شان رکھتا ہے کہ یَشْفَعُ فَتُشَفَّعُ

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ : ۳:۴) ایسی کتاب جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں۔ کتاب سے مراد اور عام مفہوم وہ عمدہ باتیں ہیں جو بالطبع انسان قابلِ تقلید سمجھتا ہے۔

قرآن مجید کی جامعیت قرآنِ شریف حکمتوں اور معارف کا جامع ہے اور وہ رطب و یابس فضولیات کا کوئی ذخیرہ اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ہر ایک امر کی تفسیر وہ خود کرتا ہے اور ہر ایک قسم کی ضرورتوں کا سامان اس کے اندر موجود ہے۔ وہ ہر ایک پہلو سے نشان اور آیت ہے۔ اگر کوئی اس امر کا انکار کرے تو ہم ہر پہلو سے اس کا اعجاز ثابت کرنے اور دکھلانے کو تیار ہیں۔ آجکل توحید اور ہستی الٰہی پر بہت زور آور حملے ہو رہے ہیں۔ عیسائیوں نے بھی بہت کچھ زور مارا اور لکھا ہے۔ لیکن جو کچھ کہا اور لکھا وہ اسلام کے خدا کی بابت ہی لکھا ہے۔ نہ کہ ایک مردہ، مصلوب اور عاجز خدا کی بابت۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر قلم اُٹھائے گا۔ اس کو آخر کار اسی خدا کی طرف آنا پڑے گا۔ جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ کیونکہ صحیفۂ فطرت کے ایک ایک پتے میں اس کا پتہ ملتا ہے اور بالطبع انسان اُسی خدا کا نقش اپنے اندر رکھتا ہے۔ غرض ایسے آدمیوں کا قدم جب اُٹھے گا۔ وہ اسلام ہی کے میدان کی طرف اُٹھے گا۔ یہ بھی تو ایک عظیم الشان اعجاز ہے۔

قرآن مجید کا چیلنج اگر کوئی شخص قرآن کریم کے اس معجزہ کا انکار کرے تو ایک ہی پہلو سے ہم آزما لیتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام نہیں مانتا، تو اس روشنی اور سائنس کے زمانہ میں ایسا مدعی خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلائل لکھے بالمقابل ہم وہ تمام دلائل قرآن کریم ہی سے نکال کر دکھلا دینگے اور اگر وہ شخص توحید الٰہی کی نسبت دلائل قلمبند کرے تو وہ سب دلائل بھی ہم قرآن کریم ہی سے نکال کر دکھا دیں گے۔ پھر وہ ایسے دلائل کا دعویٰ کر کے لکھے جو قرآنِ کریم میں نہیں پائے جاتے یا اُن صداقتوں اور پاک تعلیموں پر دلائل لکھے جن کی نسبت اس کا خیال ہو کہ وہ قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ تو ہم ایسے شخص کو واضح طور پر دکھلا دیں گے کہ قرآن شریف کا دعویٰ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ : ۴) کیسا سچا اور صاف ہے اور یا اصل و فطرتی مذہب کی بابت دلائل لکھنا چاہے تو ہم ہر پہلو سے قرآنِ کریم کا اعجاز ثابت کر کے دکھلا دیں گے اور بتلا دیں گے کہ تمام صداقتیں اور پاک تعلیمیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔

الغرض قرآنِ کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک قسم کے معارف اور اسرار موجود ہیں، لیکن اُن کے حاصل کرنے کے لیے مَیں پھر کہتا ہوں کہ اسی قوتِ قدسیہ کی ضرورت ہے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ : ۸۰)

ایسا ہی فصاحت، بلاغت میں (اس کا مقابلہ ناممکن ہے) مثلاً سورۃ فاتحہ کی موجودہ ترتیب چھوڑ کر کوئی اور ترتیب استعمال کرو، تو وہ مطالبِ عالیہ اور مقاصدِ عُظمیٰ جو اس ترتیب میں موجود ہیں۔ ممکن نہیں کہ کسی دُوسری ترتیب میں بیان ہو سکیں۔ کوئی سی سُورۃ لے لو۔ خواہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہی کیوں نہ ہو۔ جس قدر نرمی اور ملاطفت کی رعایت کو ملحوظ

رکھ کر اس میں معارف اور حقائق ہیں، وہ کوئی دُوسرا بیان نہ کر سکے گا۔ یہ بھی فقط اعجازِ قرآن ہی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض نادان مقاماتِ حریری یا سبع معلقہ کو بے نظیر اور بے مثل کہتے ہیں اور اس طرح پر قرآن کریم کی بے مثلیت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اوّل تو حریری کے مصنف نے کہیں اس کے بے نظیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور دوم یہ کہ مصنفِ حریری خود قرآن کریم کی اعجازی فصاحت کا قائل تھا۔ علاوہ ازیں معترضین راستی اور صداقت کو ذہن میں نہیں رکھتے بلکہ اُن کو چھوڑ کر محض الفاظ کی طرف جاتے ہیں مندرجہ بالا کتابیں حق اور حکمت سے خالی ہیں۔

اعجاز کی خوبی

اعجاز کی خوبی اور وجہ تو یہی ہے کہ ہر ایک قسم کی رعایت کو زیرِ نظر رکھے۔ فصاحت اور بلاغت بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ صداقت اور حکمت کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ معجزہ صرف قرآن شریف ہی کا ہے۔ جو آفتاب کی طرح روشن ہے اور ہر پہلو سے اپنے اندر اعجازی طاقت رکھتا ہے۔ انجیل کی طرح محض دبانی ہی جمع خرچ نہیں کہ "ایک گال پر طمانچہ مارے تو دُوسری بھی پھیر دو" یہ لحاظ اور خیال نہیں کہ ایسی تعلیم حکیمانہ فعل سے کہاں تک تعلق رکھتی ہے اور انسان کی فطرت کا لحاظ اس میں کہاں تک ہے؟

اس کے مقابل میں قرآنِ کریم کی تعلیم پڑھیں گے، تو پتہ لگ جائے گا کہ انسان کے خیالات اس طرح ہر پہلو پر قادر نہیں ہو سکتے اور ایسی مکمل اور بے نقص تعلیم جیسی کہ قرآن شریف کی ہے۔ زمینی دماغ اور ذہن کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارے رُوبرو ایک ہزار مسکین آدمی ہوں اور ان میں سے ہم چند ایک کو کچھ دے دیں اور باقی کا خیال تک بھی نہ کریں۔ ایسا ہی انجیل ایک ہی پہلو پر پڑی ہے۔ باقی پہلوؤں کا اُسے خیال تک بھی نہیں رہا۔ ہم یہ الزام انجیل پر نہیں دیتے کیونکہ یہ یہودیوں کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ جیسی اُن کی استعدادیں تھیں، انہیں کے موافق انجیل آئی "جیسی رُوح ویسے فرشتے" اس میں کسی کا کیا قصور؟

انجیل کی تعلیم مخصّص الزمان تھی

اس کے علاوہ انجیل ایک قانون ہے مخصّص المقام والزمان اور مخصّص القوم۔ جیسا کہ انگریز بھی قوانین مخصّص المقام اور مخصّص الوقت نافذ کر دیا کرتے ہیں۔ جن کا بعد از وقت کوئی اثر نہیں رہتا۔ اسی طرح انجیل بھی ایک مخصّص قانون ہے۔ عام نہیں۔ مگر اس کے خلاف تعلیمِ قرآنی کا دامن بہت وسیع ہے۔ وہ قیامت تک ایک ہی لاتبدیل قانون ہے اور ہر قوم اور ہر وقت کے لیے ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر: ۲۲) یعنی ہم اپنے خزانوں میں سے بقدرِ معلوم نازل کرتے ہیں۔ انجیل کی ضرورت (صرف) اسی قدر تھی، اس لیے انجیل کا خلاصہ صرف ایک صفحہ میں آ سکتا ہے۔

قرآن سب زمانوں کے لیے ہے

لیکن قرآن کریم کی ضرورتیں تھیں سارے زمانہ کی اصلاح۔ قرآن کا مقصد تھا وحشیانہ حالت سے انسان بنانا۔ انسانی آداب سے مہذب انسان بنانا۔ تا شرعی حدود اور احکام کے ساتھ مرحلہ طے ہو۔ اور پھر باخدا انسان بنانا۔ گو یہ لفظ مختصر ہیں، مگر ان کے ہزارہا شعبے ہیں۔

چونکہ یہودیوں، طبیعیوں، آتش پرستوں اور مختلف اقوام میں بدروشی کی رُوح کام کر رہی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلامِ الٰہی سب کو مخاطب کر کے فرمایا: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف ۱۵۹) اس لیے ضروری تھا کہ قرآنِ شریف اُن تعلیمات کا جامع ہوتا جو وقتاً فوقتاً جاری رہ چکی تھیں اور ان تمام صداقتوں کو اپنے اندر رکھتا جو آسمان سے مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعے سے زمین کے باشندوں کو پہنچائی گئی تھیں۔ قرآنِ کریم کے مدِنظر تمام نوعِ انسان تھا نہ کوئی خاص قوم اور مُلک اور زمانہ۔ اور انجیل کے مدِنظر (صرف) ایک خاص قوم تھی، اسی لیے مسیح علیہ السلام نے بار بار کہا کہ "میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں"

تورات کے بعد قرآن شریف کی ضرورت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کیا لایا؟ اس میں وُہی کچھ تو ہے جو تورات میں دَرج ہے اور اسی کو تاہ نظری نے بعض عیسائیوں کو عدمِ ضرورتِ قرآن جیسے رسائل لکھنے پر دلیر کر دیا۔ کاش وہ سچّی دانائی اور حقیقی فراست سے حصّہ رکھتے، تا وہ بھٹک نہ جاتے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ تُو زنا نہ کر۔ ایسا ہی قرآن میں لکھا ہے کہ زنا نہ کر۔ قرآن توحید سکھاتا ہے اور تورات بھی خدائے واحد کی پرستش سکھلاتی ہے۔ پھر فرق کیا ہوا؟ بظاہر یہ سوال بڑا پیچدار ہے۔ اگر کسی ناواقف آدمی کے سامنے پیش کیا جاوے، تو وہ گھبرا جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے باریک اور پیچدار سوالات کا حل بھی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی تو قرآنی معارف ہیں۔ جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن شریف اور تورات میں تطابق ضرور ہے۔ اس سے ہم کو انکار نہیں، لیکن تورات نے صرف تن کو لیا ہے۔ جس کے ساتھ دلائل، براہین اور شرح نہیں ہے۔ لیکن قرآنِ کریم نے معقولی رنگ کو لیا ہے۔ اس لیے کہ توریت کے وقت انسانوں کی استعدادیں وحشیانہ رنگ میں تھیں (مگر قرآن شریف کے نزول کے وقت استعدادیں معقولیت کا رنگ پکڑ گئی تھیں) اس لیے قرآن شریف نے وُہ طریق اختیار کیا جو اخلاق کے منافع کو ظاہر کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ اخلاق کے مفاد یہ ہیں اور نہ صرف مفاد اور منافع کو بیان ہی کرتا ہے بلکہ معقولی طور پر دلائل اور براہین کے ساتھ اُن کو پیش کرتا ہے۔ تاکہ عقلِ سلیم سے کام لینے والوں کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ قرآن شریف کے وقت استعدادیں معقولیت کا رنگ پکڑ گئی تھیں اور توریت کے وقت وحشیانہ حالت تھی۔ حضرت آدمؑ سے لے کر زمانہ ترقی کرتا چلا گیا ہے۔ یہانتک کہ قرآن شریف کے وقت وہ دائرہ کی طرح پُورا ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ مستدیر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب ۴۱) ضرورتیں نبوت کا انجن ہیں ظلماتی راتیں اس نُور کو کھینچتی ہیں، جو دُنیا کو تاریکی سے نجات دے۔ اس ضرورت کے موافق نبوت کا سلسلہ شروع ہوا اور جب قرآنِ کریم کے زمانہ تک پہنچا، تو مکمل ہو گیا۔ اب گویا سب ضرورتیں پُوری ہو گئیں۔ اس سے لازم آیا کہ آپ یعنی آنحضرت صلی اللہ خاتم الانبیا تھے۔ اب بڑا اور واضح فرق (تورات و قرآن کریم

کی تعلیم میں ایک تو یہی ہے کہ قرآن شریف نے دلائل پیش کیے ہیں جنکو توریت نے مَس تک نہیں کیا۔

قرآن شریف اور توریت کی تعلیم میں دُوسرا فرق

اور دُوسرا فرق یہ ہے کہ توراۃ نے صرف بنی اسرائیل کو مخاطب کیا ہے اور دُوسری قوموں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے دلائل و براہین پر زور نہیں دیا، کیونکہ توریت کے زیرِ نظر کوئی دُوسرا فرقہ (یا مذہب) مثل دہریہ فلاسفیہ اور براہمہ وغیرہ کا نہ تھا۔ بخلاف اس کے قرآنِ شریف کے مخاطب چونکہ کُل مِلل اور فرقے تھے اور اس پر پہنچ کر تمام ضرورتیں ختم ہوگئی تھیں، اس لیے قرآن کریم نے عقائد کو بھی اور احکام عملی کو بھی مدلّل (طور پر بیان) کیا۔

چنانچہ قرآنِ مجید فرماتا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (النور: ۳۱) یعنی مومنوں کو کہدے کہ کسی کے سَتر کو آنکھ پھاڑ کر نہ دیکھیں اور باقی تمام فُروج کی بھی حفاظت کریں یعنی انسان پر لازم ہے کہ چشم خوابیدہ ہو تاکہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑے۔ کان بھی فُروج میں داخل ہیں جو قصص اور فحش باتیں سُن کر فتنہ میں پڑجاتے ہیں، اس لیے عام طور پر فرمایا کہ تمام موریوں (سوراخوں) کو محفوظ رکھو اور فضولیات سے بالکل بند رکھو ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (النور: ۳۱) یہ مومنوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور یہ طریقِ تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اپنے اندر رکھتا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے بدکاروں میں نہ ہوگے۔

قرآن شریف دلائل و براہین بھی خود ہی بیان کرتا ہے

دیکھو! قرآن نے اسی ایک امر کو جو توریت میں بھی اپنے لفظوں اور اپنے مفہوم پر بیان ہوا۔ کیسا شرح و بسط کے ساتھ اور دلائل اور براہین کے ساتھ مؤکّد کرکے بیان فرمایا۔ یہی تو قرآنی اعجاز ہے کہ وہ اپنے پیرو کو کسی دُوسرے کا محتاج نہیں ہونے دیتا۔ دلائل اور براہین بھی خود ہی بیان کرکے اُسے مستغنی کر دیتا ہے۔ قرآن شریف نے دلائل کے ساتھ احکام کو لکھا ہے اور ہر حکم کے جُداگانہ دلائل دیئے ہیں۔ غرض یہ دو بڑے فرق ہیں، جو توریت اور قرآن میں ہیں۔ اوّل الذکر میں طریقِ استدلال نہیں۔ دعویٰ کی دلیل خود تلاش کرنی پڑتی ہے۔ آخر الذکر اپنے دعویٰ کو ہر قسم کی دلیل سے مدلّل کرتا ہے اور پھر پیش کرتا ہے اور خدا کے احکام کو زبردستی نہیں منواتا، بلکہ انسان کے مُنہ سے سرِ تسلیم خم کرنے کی صدا نکلواتا ہے۔ نہ کسی جبر و اکراہ سے بلکہ اپنے لطیف طریقِ استدلال سے اور فطری سیادت سے۔ توریت کا مخاطب خاص گروہ ہے اور قرآن کے مخاطب کُل لوگ جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔ پھر بتلاؤ کہ توریت اور قرآن کیونکر ایک ہو جائیں اور توریت کے ہونے سے کیونکر ضرورتِ قرآن نہ پڑے۔ قرآن جب کہتا ہے کہ تُو زنا نہ کر، تو کُل بنی نوعِ انسان اُس کا مفہوم ہوتا ہے لیکن جب یہی لفظ توریت بولتی ہے، تو اُس کا مخاطب اور مشارٌ الیہ وہی قوم بنی اسرائیل ہوتی ہے۔ اس سے بھی قرآن کی فضیلت کا پتہ لگ سکتا ہے، مگر دُور اندیش اور خدا ترس دل ہو تو ؎

جسمانی اور رُوحانی خوارق

(علاوہ ازیں) توریت اور قرآن میں یہ بھی ایک فرقِ عظیم ہے کہ قرآن جسمانی اور رُوحانی خوارق ہر قسم کے اپنے اندر رکھتا ہے۔ مثلاً شق القمر کا معجزہ جسمانی معجزات کی قسم سے ہے۔

قانونِ قدرت کی تحدید نہیں ہو سکتی

بعض نادان شق القمر کے معجزہ پر قانونِ قدرت کی آڑ میں چھپ کر اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کو اتنا معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور قوانین کا احاطہ اور اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک وقت تو وُہ مُنہ سے خدا بولتے ہیں، لیکن دُوسرے وقت چہ جائیکہ اُن کے دل، اُن کی رُوح خدائے تعالیٰ کی عظیم الشان اور وَرَاءُ الوَرَاء قدرتوں کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے۔ اُسے مطلق بھول جاتے ہیں۔ اگر خدا کی ہستی اور بساط یہی ہے کہ اس کی قدرتیں اور طاقتیں ہمارے ہی خیالات اور اندازہ تک محدود ہیں، تو پھر دُعا کی کیا ضرورت رہی؟ لیکن نہیں۔ مَیں تمہیں بتلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور ارادوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ایسا انسان جو یہ دعویٰ کرے، وُہ خدا کا مُنکر ہے۔ لیکن کس قدر واویلا ہے اُس نادان پر جو اللہ تعالیٰ کو لامحدود قدرتوں کا مالک سمجھ کر بھی یہ کہے کہ شق القمر کا معجزہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ سمجھ لو کہ ایسا آدمی فکرِ سلیم اور دُور اندیش دل سے بہرہ مند نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ کبھی قانونِ قدرت پر بھروسہ نہ کرو۔ یعنی کہیں قانونِ قُدرت کی حد نہ ٹھہرا لو کہ بس خدا کی خدائی کا سارا راز یہی ہے۔ پھر تو سارا تار و پود کھُل گیا۔ نہیں۔ اس قسم کی دلیری اور جسارت نہ کرنی چاہیے۔ جو انسان کو عبُودیت کے درجہ سے گرا دے۔ جس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ ایسی بیوقوفی اور حماقت کہ خدا کی قدرتوں کو محصُور اور محدود کرنا۔ کسی مومن سے نہیں ہو سکتی۔ امام فخرالدین رازی کا یہ قول بہت دُرست ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو عقل کے پیمانہ سے اندازہ کرنے کا ارادہ کرے گا، وُہ بیوقوف ہے۔ دیکھو نُطفہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ یہ لفظ کہہ دینے آسان اور بالکل آسان ہیں اور یہ بالکل معمولی سی بات نظر آتی ہے، مگر یہ ایک سِرّ اور راز ہے کہ ایک قطرۂ آب سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور اس میں اس قسم کے قویٰ رکھ دیتا ہے۔ کیا کسی عقل کی طاقت ہے کہ وہ اس کی کیفیت اور کُنہ تک پہنچے۔ طبیعیوں اور فلاسفروں نے بہتیرا زور مارا، لیکن وہ اس کی ماہیت پر اطلاع نہ پا سکے۔ اسی طرح ایک ایک ذرہ خدا تعالیٰ کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ یہ ظاہری نظام بھی اُسی طرح رہے اور ایک خارقِ عادت امر بھی ظاہر ہو جاوے۔ عارف لوگ ان کیفیتوں کو خوب دیکھتے اور اُن سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ بعض لوگ ایک ادنیٰ ادنیٰ اور معمولی باتوں پر اعتراض کر دیتے ہیں اور شک میں پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا۔ یہ امر بھی ایسا ہے جیسا شق القمر کے متعلق۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس حد تک آگ جلاتی ہے اور ان اسباب کے پیدا ہونے سے فرو ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا مصالحہ ظاہر ہو جاوے یا بتلا دیا جاوے، تو فی الفور مان لیں گے۔ لیکن ایسی صُورت میں ایمان بالغیب اور حُسنِ ظن کا لُطف اور خوبی کیا ظاہر ہو گی۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ خدا خلقِ اسباب نہیں کرتا، مگر بعض اسباب ایسے ہوتے ہیں کہ نظر آتے ہیں اور بعض اسباب نظر

نہیں آتے۔ غرض یہ ہے کہ خدا کے افعال گونا گوں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کبھی درماندہ نہیں ہوتی اور وُہ نہیں تھکتا وَھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (یٰسٓ : ۸۰) اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (قٓ : ۱۶) اس کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں اور افعال کا، کیسا ہی صاحبِ عقل اور علم کیوں نہ ہو، اندازہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ اُس کو اظہارِ عجز کرنا پڑتا ہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ ڈاکٹر خوب جانتے ہیں۔ عبدالکریم نام ایک شخص میرے پاس آیا۔ اس کے پیٹ کے اندر ایک رسولی تھی، جو پاخانہ کی طرف بڑھتی جاتی تھی۔ ڈاکٹروں نے اُسے کہا کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اس کو بندوق مار کر مار دینا چاہیے۔ الغرض بہت سے امراض اس قسم کے ہیں جن کی ماہیت ڈاکٹروں کو بخوبی معلوم نہیں ہوسکتی۔ مثلاً طاعون یا ہیضہ ایسے امراض ہیں کہ ڈاکٹر کو اگر پلیگ ڈیوٹی پر مقرر کیا جاوے، تو اُسے خود ہی دست لگ جاتے ہیں۔ انسان جہانتک ممکن ہو علم پڑھے اور فلسفہ کی تحقیقات میں محو ہو جاوے، لیکن بالآخر اُس کو معلوم ہوگا کہ اُس نے کچھ ہی نہیں کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جیسے سمندر کے کنارے ایک چڑیا پانی کی چونچ بھرتی ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے کلام اور فعل کے معارف اور اسرار سے حصّہ ملتا ہے۔ پھر کیا عاجز انسان، ہاں، نادان فلسفی اسی حیثیت اور اشیخی پر خدا تعالیٰ کے ایک فعل شَقُّ الْقمر پر اعتراض کرتا اور اُسے قانونِ قدرت کے خلاف ٹھہراتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اعتراض نہ کرو۔ نہیں کرو اور ضرور کرو۔ شوق سے اور دل کھول کر کرو، لیکن دو باتیں زیرِ نظر رکھ لو۔ اوّل خدا کا خوف (اور اُس کی لامحدود طاقت) دُوسرے (انسان کی نیستی اور محدود علم) بڑے بڑے فلاسفر بھی آخر یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ہم جاہل ہیں۔ انتہائے عقل ہمیشہ انتہائے جہل پر ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹروں سے پوچھو کہ عصبۂ محوفہ کو سب وہ جانتے اور سمجھتے ہیں، مگر نُور کی ماہیت اور اُس کا کُنہ تو بتلاؤ کہ کیا ہے؟ آواز کی ماہیت پُوچھو تو یہ کہدیں گے کہ کان کے پردہ پر یُوں ہوتا ہے اور دُوں ہوتا ہے، لیکن ماہیتِ آواز خاک بھی نہ بتلا سکیں گے۔ آگ کی گرمی اور پانی کی ٹھنڈک پر کیوں کا جواب نہ دے سکیں گے۔ کنہہ اشیاء تک پہنچنا کسی حکیم یا فلاسفر کا کام نہیں ہے۔ دیکھئے ہماری شکل آئینہ میں منعکس ہوتی ہے، لیکن ہمارا سر توڑ کر شیشہ کے اندر نہیں چلا جاتا۔ ہم بھی سلامت ہیں اور ہمارا چہرہ بھی آئینہ کے اندر نظر آتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ چاند شق ہو اور شق ہو کر بھی انتظامِ دُنیا میں خلل نہ آوے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ اشیاء کے خواص ہیں۔ کون دم مار سکتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ کے خوارق اور معجزات کا انکار کرنا اور انکار کے لیے جلدی کرنا شتاب کاروں اور نادانوں کا کام ہے۔

خدا کی قُدرتوں اور عجائبات کو محدُود سمجھنا دانشمندی نہیں

خدا کی قُدرتوں اور عجائبات کو محدُود سمجھنا، دانش مندی نہیں۔ وہ اپنی ماہیت نہیں جانتا اور سمجھتا اور آسمانی باتوں پر رائے زنی کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا گیا ہے ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

انسان کو لازم ہے کہ اپنی بساط سے بڑھ کر قدم نہ مارے۔ اکثر امراض اور عوارض کے اسباب اور علامات ڈاکٹروں کو معلوم نہیں تو کیا ایسی کمزوری پر اسے مناسب ہے کہ وُہ بساط سے بڑھ کر چلے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ طریقِ عبودیت یہی ہے کہ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ (البقرہ : ۳۳) کہنے والوں کے ساتھ ہو۔ دیکھو ستارے جو اتنے بڑے بڑے گولے ہیں، آسمان میں بغیر ستون کے لٹکتے ہیں اور خود آسمان بغیر کسی سہارے کے ہزارہا سال سے اسی طرح چلے آتے ہیں چاند ہر روز دُھلا دھلایا نکلتا ہے۔ آفتاب ہر روز طلوع ہوتا ہے اور ٹھیک رفتار اور رَوش پر چلتا ہے۔ ہمارے کاموں میں کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کام دیکھو کہ یہی چاند سورج اپنے ایک ہی طریق پر چلتے ہیں۔ اگر ہر روز ان باتوں کو سوچو کہ سُورج ہر روز مقررہ طریق پر نکلتا ہے۔ جہات کو بتلاتا ہے تو دیوانہ ہو جاؤ۔ دیکھو ہم پر اپنی حالتیں آتی ہیں اور سُورج پر کوئی حالت نہیں آتی۔ ایک گھڑی جو دو ہزار روپیہ کی ہو۔ اگر وہ بارہ کی بجائے دس اور دس کی بجائے بارہ بجائے، تو نکمّی سمجھی جائے گی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قائم کردہ گھڑی ایسی ہے کہ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں اور نہ اس کو کسی چابی کی ضرورت۔ نہ صاف کرنے کی حاجت۔ کیا ایسے صانع کی طاقتوں کا شمار کر سکتے ہیں۔ انسان حیران ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہماری اشیاء کپڑے برتن وغیرہ جو استعمال میں آتے ہیں گھستے رہتے ہیں۔ بچے جوان اور بوڑھے ہو کر مرتے ہیں، لیکن جو سُورج کل طلوع ہوا تھا آج بھی وہی سُورج ہے اور ایک لاتعداد زمانہ سے اسی طرح چلا آیا ہے اور چلا جائیگا، مگر اس پر کوئی حالت تحلیل وغیرہ کی یا اثر زمانہ کا نہیں ہوتا۔ کسقدر گستاخی ہے کہ ایک کیڑے ہو کر اس رافع ذاتِ الٰہی پر حملہ کریں اور جلدی سے حکم کر دیں کہ خدا میں طاقت نہیں۔

انبیاء علیہم السّلام کے معجزات کا مقصد

اسلام کا خدا بڑا طاقتور خدا ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ اس کی طاقتوں پر اعتراض کرے۔ انبیاء علیہم السّلام کو جو معجزات دیئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسانی تجارب شناخت نہیں کر سکتے اور جب انسان اُن خارقِ عادت اُمور کو دیکھتا ہے، تو ایک بار تو یہ کہنے پر مجبُور ہو جاتا ہے کہ وُہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن اگر اپنی عقل کا ادّعا کرے اور تفہیمِ الٰہی کے کُوچے میں قدم نہ رکھے تو دونوں طرف سے راہ بند ہو جاتی ہے۔ ایک طرف معجزات کا انکار، دُوسری طرف عقلِ خام کا ادّعا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان دقیق در دقیق کُنہ کے دریافت کرنے کی فکر میں وہ نادان انسان لگ جاتا ہے جو معجزات کی تہہ میں ہے اور جس کی فلاسفی زمینی عقل اور سطحی خیالات پر نہیں کھُل سکتی۔ اس سے وُہ انکار کی طرف رجوع کرتے کرتے نبوّت کے نفس کا ہی مُنکر ہو جاتا ہے اور شکوک اور وساوس کا ایک بہت سا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے جو اس کی شقاوت کا موجب ہو کر رہتا ہے۔ کبھی یہ کہدیتا ہے کہ یہ بھی ہمارے جیسا ایک آدمی ہے جو کھاتا پیتا اور حوائجِ انسانی رکھتا ہے۔ اس کی طاقتیں ہم سے کیونکر بڑھ سکتی ہیں ؟ اس کی طاقتوں میں رُوحانیت کی قوّت، اور دُعاؤں میں استجابت کا اثر کیونکر خاص طور پر آجائے گا ؟ افسوس ! اس قسم کی باتیں بناتے اور اعتراض کرتے ہیں جس کے سبب جیسا میں نے ابھی کہا نفسِ نبوّت

کا انکار کر دیتے ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کا مقام ہے کہ معمولی طور پر تو مانتے نہیں اور غیر معمولی طور پر اعتراض کرتے ہیں۔ اب یہ عمداً اور صریحاً انبیاء علیہم السلام کے وجود کا انکار نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا اپنی عقلوں اور دانشوں پر ناز ہے کہ فلاسفر کہلا کر دہریہ یا بُت پرست ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخفی طاقتیں کبھی الہام اور وحی کے سوا اپنا کرشمہ نہیں دکھلا سکتیں۔ وہ وحی اور الہام ہی کے رنگ میں نظر آتی ہیں۔

عقلمند وہ ہے جو نبی کو شناخت کرتا ہے

یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمانیت کا تقاضا ہے کہ اُس نے دُنیا میں اپنے نبی بھیجے۔ عقلمند وہ ہے جو نبی کو شناخت کرتا ہے، کیونکہ وہ خدا کو شناخت کرتا ہے اور بیوقوف وُہ ہے جو نبی کا انکار کرتا ہے کیونکہ نبوت کا انکار اُلوہیت کے انکار کو مُستلزم ہے۔ اور جو ولی کو شناخت کرتا ہے وُہ نبی کو شناخت کرتا ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ نبی اُلوہیت کے لیے بطور ایک میخ آہنی کے ہے اور ولی نبی کے لیے۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ سو سال پہلے اس سلسلہ کو دُنیا میں ظاہر کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ظاہر کیا، لیکن آج تیرہ سو سال بعد اور اس وقت کہ چودھویں صدی کے بھی پندرہ سال گذر گئے۔ اس کو آریوں، برہموؤں، طبیعوں اور دہریوں یا عیسائیوں کے سامنے بیان کرو، تو وہ ہنس دیتے ہیں اور تمسخر میں اُڑا دیتے ہیں۔ ایسی مصیبت کے وقت میں کہ ایک طرف علوم جدیدہ کی روشنی، دُوسری طرف طبیعیوں میں ایک خاص انقلاب پیدا ہو جانے کے بعد مختلف فرقوں اور مذہبوں کی کثرت ہے۔ اِن اُمور کا پیش کرنا اور لوگوں سے منوانا بہت ہی پیچیدہ بات ہو گئی تھی اور اِسلام اور اس کی باتیں ایک قصہ کہانی سمجھی جانے لگی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کا وعدہ دے کر قرآن اور اسلام کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے مُسلمانوں کو اس مصیبت سے بچا لیا اور فتنہ میں پڑنے نہ دیا پس مُبارک ہیں وُہ لوگ جو اس سلسلہ کی قدر کرتے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اگر ثبوت نہ ملے تو یہ بالکل ٹھیک ہے کہ جیسا انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ وُہ بدظنی کی طرف جھٹ رجُوع کر لیتی ہیں۔ تو اندرونی طور پر ہی لوگ ایک قصہ کہانی سمجھ کر قرآن اور اسلام سے دستبردار ہو جاتے۔ مثلاً دیکھو۔ اگر اندر کھڑکا ہو، تو باہر والا خواہ مخواہ خیال کرے گا کہ اندر کوئی آدمی ضرور ہے، مگر وُہ جب دو چار دن تک دیکھتا ہے کہ اندر سے کوئی نہیں نکلا، تو پھر اُس کا خیال مبدّل ہونا شروع ہوتا ہے۔ تو پھر بُدوں اندر جانے کے ہی وُہ سمجھ لیتا ہے کہ اگر انسان ہوتا، تو اُس کو کھانے پینے کی ضرورت پڑتی اور وُہ ضرور باہر آتا۔ اگر نبوت کے انوار و برکات جو وحیِ ولایت کے رنگ میں آتے ہیں۔ اس فلاسفی اور روشنی کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوتے، تو مُسلمانوں کے بچے مُسلمانوں کے گھر میں رہ کر اسلام اور قرآن کو ایک قصہ کہانی اور داستان سمجھ لیتے۔ اور اسلام سے اُن کو کوئی واسطہ اور تعلق نہ رہتا۔ اِس طرح پر گویا اسلام کو مُعدوم کرنے کا سلسلہ بندھ جاتا، مگر نہیں! اللہ تعالیٰ کی غیرت، اُس کا ایفائے وعدہ کا جوش کب ایسا ہونے دیتا تھا۔ جیسا کہ ابھی مَیں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے

وعدہ فرمایا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰)

قرآن کا نام ذکر رکھنے کی وجہ

اب دیکھو۔ قرآنِ کریم کا نام ذِکر رکھا گیا ہے، اس لیے کہ وہ انسان کی اندرونی شریعت یاد دلاتا ہے۔ جب اسمِ فاعل کو مصدر کی صورت میں لاتے ہیں، تو وہ مبالغہ کا کام دیتا ہے۔ جیسا زَیْدٌ عَدْلٌ۔ کیا معنے؟ زید بہت عادل ہے۔ قرآن کوئی نئی تعلیم نہیں لایا، بلکہ اُس اندرونی شریعت کو یاد دلاتا ہے، جو انسان کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں رکھی ہے۔ حِلم ہے، ایثار ہے، شجاعت ہے، جبر ہے، غضب ہے، قناعت ہے وغیرہ۔ غرض جو فطرت باطن میں رکھی تھی، قرآن نے اُسے یاد دلایا۔ جیسے فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (الواقعہ: ۷۹) یعنی صحیفۂ فطرت میں کہ جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی طرح اِس کتاب کا نام ذِکر بیان کیا۔ تاکہ وہ پڑھی جاوے تو وہ اندرونی اور رُوحانی قوتوں اور اس نورِ قلب کو جو آسمانی ودیعت انسان کے اندر ہے، یاد دلاوے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھیج کر بجائے خود ایک رُوحانی معجزہ دکھایا۔ تاکہ انسان اُن معارف اور حقائق اور رُوحانی خوارق کو معلوم کرے، جن کا اُسے پتہ نہ تھا، مگر افسوس کہ قرآن کی اس عِلّتِ غائی کو چھوڑ کر جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۳) ہے۔ اس کو صرف چند قصص کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے اور نہایت بے پروائی اور خود غرضی سے مُشرکینِ عرب کی طرح اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن کہہ کر ٹالا جاتا ہے۔ وہ زمانہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اور قرآن کے نزول کا۔ جب وُہ دُنیا سے گمشدہ صداقتوں کو یاد دلانے کے لیے آیا تھا۔ اب وُہ زمانہ آ گیا جس کی نسبت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن اُن کے حلق سے نیچے قرآن نہ اُترے گا۔ سو اب تم اِن آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ لوگ قرآن کیسی خوش الحانی اور عمدہ قرأت سے پڑھتے ہیں، لیکن وُہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں گزرتا۔ اِس لیے جیسے قرآنِ کریم جس کا دُوسرا نام ذِکر ہے، اُس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر چھپی ہوئی اور فراموش شدہ صداقتوں اور ودیعتوں کو یاد دلانے کے لیے آیا تھا۔

اِس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک مُعلّم آیا

اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ والقہ کی رُو سے کہ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) اِس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک مُعلّم آیا جو اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ: ۴) کا مِصداق اور موعُود ہے۔ وُہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ مَیں پھر رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی طرف عَود کر کے کہتا ہوں کہ آپ نے اس زمانہ کی ہی بابت خبر دی تھی کہ لوگ قرآن کو پڑھیں گے، لیکن وُہ اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ اب ہمارے مخالف۔ نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی قدر نہ کرنے والے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر دھیان نہ دینے والے خوب گلے مروڑ کر يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آل عمران: ۵۶) اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ: ۱۱۸) قرآن میں عجیب لہجہ سے پڑھتے ہیں، لیکن سمجھتے نہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ اگر کوئی ناصحِ مشفق بن کر سمجھانا چاہے تو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔

نہ کریں۔ اتنا تو کریں کہ اس کی بات ہی ذرا سُن لیں۔ مگر کیوں سُنیں ؟ وہ گوشِ شنوا بھی رکھیں۔ صبر اور حُسنِ ظن سے بھی کام لیں۔ اگر خدا تعالیٰ فضل کے ساتھ زمین کی طرف توجہ نہ کرتا تو اسلام بھی اس زمانہ میں مثل دُوسرے مذہبوں کے مُردہ اور ایک قصّہ کہانی سمجھا جاتا۔ کوئی مُردہ مذہب کسی دُوسرے کو زندگی نہیں دے سکتا، لیکن اسلام اس وقت زندگی دینے کو تیار ہے۔ لیکن چونکہ یہ سُنّت اللہ ہے کہ کوئی کام خدا تعالیٰ بغیر اسباب کے نہیں کرتا۔ ہاں یہ امر جُدا ہے کہ وُہ اسباب ہم کو دکھائی دیں یا نہ، لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح آسمان سے انوار اُترتے ہیں، جو زمین پر پہنچ کر اسباب کی صُورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو تاریکی اور گمراہی میں مبتلا پایا اور ہر طرف سے ضلالت اور ظلمت کی گھنگھور گھٹا دُنیا پر چھا گئی۔ اُس وقت اس تاریکی کو دُور کرنے اور ضلالت کو ہدایت اور سعادت سے تبدیل کرنے کے لیے ایک سراجِ منیر فاران کی چوٹیوں پر چمکا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

موجودہ زمانہ کی حالت اور ضرورتِ مصلح

اور ایسا ہی اس زمانہ میں کہ جس میں ہم رہتے ہیں ایمانی طاقتیں مُردہ ہو کر فسق و فجور نے اُن کی جگہ لے لی ہے۔ لوگوں کے معاملات ایک طرف۔ عبادات دُوسری طرف۔ غرض ہر بات میں فتور ہو گیا ہے۔ صرف یہ آفت ہی اگر ہوتی تو کچھ مُضائقہ اور چنداں خطر نہ تھا، لیکن ان ساری باتوں کے علاوہ سب سے بڑی آفت جس کا مجھے کئی بار ذکر کرنا پڑا ہے اور جس کو ہر ہمی خواہِ اسلام کا دل محسوس کر چکا ہے یا کر سکتا ہے وُہ، وہ زہر یلا اثر ہے جو آجکل کی طبعی طبابت اور ہیئت اور جھوٹے فلسفہ کے باعث اسلام اور اہلِ اسلام پر پڑ رہا ہے۔ علماء تو اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اُن کو خانہ جنگیوں اور اندرونی جھگڑوں اور ایک دُوسرے کی تکفیر بازی سے فرصت ملے تو اِدھر توجہ کریں۔ زاہد اپنی گوشہ نشینی میں بیٹھ کر اگر دعاؤں سے کام لیتے تو بھی کچھ آثار پیدا ہوتے، مگر وہ پیر پرستی اور جوازِ سماع وغیرہ کی بحثوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ حقیقی صُوفی ازم کی جگہ اب چند رسُومات نے لے لی جن کا قرآن اور سُنّت سے پتہ نہیں چلتا۔ الغرض ہر طرف سے اسلام عُرضۂ تیغِ جہلاء و سفہا ہو رہا ہے۔ اس وقت میں کہ وہ ضرورتیں جو کسی مُصلح اور ریفارمر کی آمد کے لیے لازم ہیں پورے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی ہیں۔ ہر ایک شخص بجائے خود ایک نیا مذہب رکھتا ہے۔ ان تمام اُمور اور حالات پر قیاس کر کے اسلام کی عُمر خاتمہ کے قریب نظر آتی تھی۔ ڈاکٹر اور طبیب جب کسی ہیضہ کے مریض کا بدن برف سا سرد یا اُسے سرسام میں مبتلا دیکھتے ہیں، تو اُسے لاعلاج بتلا کر کھسک آتے ہیں۔ اور حالتِ ردّیہ دیکھ کر ڈاکٹر حاذق بھی یاس اور نومیدی ظاہر کر دیتا ہے۔ اب اس وقت اسلام کی حالت پر کچھ شک نہیں کہ اُس کی انتہا یاس تک پہنچ گئی تھی، لیکن اگر وُہ بھی انسان کے اپنے خیالات کا نتیجہ یا اپنی کوششوں کا ثمرہ ہوتا، تو اِن مصائب اور شدائد کے دوران میں کہ ہر طرف سے اُس پر زد پڑتی ہے اور اس کی اپنی اندرونی حالت بوجہ نفاق باہمی کمزور ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں کم از کم اسلام کا قائم رہنا، جس کے

مُعدوم کرنے کے لیے مخالفوں نے ناخنوں تک زور لگایا اور لگا رہے ہیں۔ بہت مشکل ہو جاتا۔ کوئی سال نہیں جاتا جبکہ کوئی نئی صُورت اسلام پر حملہ کرنے کی نہیں تراشی جاتی۔ اگر کوئی ایجاد یا کل بنائی جاتی ہے۔ اس کے اصُول کو زیرِ نظر رکھ کر اسلام پر حملہ کر دیا جاتا ہے۔

آجکل کی ترقی بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے

الغرض ایسے فتنے کے وقت میں قریب تھا کہ دشمن اکٹھے ہو کر ایک دفعہ ہی مُسلمانوں کو برگشتہ کر دیتے، لیکن اللہ تعالےٰ کے زبردست ہاتھ نے اسلام کو سنبھالے رکھا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے اسلام کی صداقت کی۔ آجکل کی ترقی بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے۔ پس دیکھو کہ مخالفوں نے اپنی ساری طاقتیں اور قوتیں حتیٰ کہ جان اور مال تک بھی اسلام کے نابُود کرنے میں صرف کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) یعنی خدا آپ ہی اُن نقوشِ فطرت کو یاد دلانے والا ہے اور وہی خطرہ کے وقت اس کو بچائے گا۔ اِسلام کی کشتی خطرہ میں جا پڑی تھی۔ پادریوں کا حملہ جنھوں نے کروڑہا روپیہ خرچ کر کے اور طرح طرح کے منافع اور وعدے۔ یہانتک کہ شرمناک نفسانی حظوظ تک دکھا کر بھی لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کی کوشش کی اور دُوسری طرف اسلامی عقائد کو بدنام کرتے ہیں۔ دیکھو! اسکا بارش کی وجہ سے اِستسقاء کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اگر کل سے بارش برسانے میں کامیابی ہو جاوے، جیسا کہ آجکل بعض لوگ امریکہ وغیرہ میں کوششیں کرتے ہیں، تو اس طرح پر ایک رُکن ٹوٹ جائے گا۔ غرض میں کہاں تک بیان کروں۔ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں اور اُس کو بدنام کرنے کی کوشش، ہاں اَنتھک کوشش کی جاتی ہے۔ مگر ان لوگوں کے منصوبے اور ہتھکنڈے کیا کر سکتے ہیں۔ خدا اس کو خود اُن حربوں سے بچانا چاہتا ہے اور اس زمانِ ترقی میں اسلام کو بغیر امداد کے نہیں چھوڑا، بلکہ اس نے اسلام کی حفاظت کی اور اپنے سچے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کو سچا ثابت کیا اور اس کی مبارک پیشینگوئیوں کی حقیقت کھول دی اور اس صدی میں ایک شخص پیدا کر دیا۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ وہ وُہی ہے جو تمھارے درمیان بول رہا ہے۔ وہ صداقت کی رُوح اسلام میں پھُونک دیگا۔ وہ وہی ہے جو گمشُدہ صداقتوں کو آسمان سے لاتا ہے اور لوگوں تک پہنچاتا ہے، وہ بدظنیوں اور ایمانی کمزوریوں کو دُور کرنا چاہتا ہے۔

بدظنی

بدظنی ایک ایسا مرض ہے اور ایسی بُری بلا ہے جو انسان کو اندھا کر کے ہلاکت کے ایک تاریک کنویں میں گرا دیتی ہے۔ بدظنی ہی ہے جس نے ایک مُردہ انسان کی پرستش کرائی۔ بدظنی ہی تو ہے جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی صفاتِ خلق، رحم، رازقیت وغیرہ سے معطل کر کے نعوذ باللہ ایک فردِ معطل اور شئے بیکار بنا دیتی ہے۔ الغرض اسی بدظنی کے باعث جہنّم کا بہت بڑا حصّہ، اگر کہوں کہ سارا حصّہ بھر جائیگا، تو مبالغہ نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامُوروں سے بدظنی کرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ غرض اگر کوئی ہمارے اس سلسلہ کا جو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا۔ انکار کرے تو ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ ہائے! ایک رُوح ہلاکت

کے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹاتی ہے اور یہ سلسلہ ایسا روشن ہے کہ اگر کوئی شخص مستعد دل لے کر دو گھنٹہ بھی ہماری باتوں کو سُنے، تو وہ حق کو پالے گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات

اب میں چاہتا ہوں کہ چند باتیں اور کہہ کر اس تقریر کو ختم کر دوں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے معجزات کے سلسلہ کی طرف پھر عود کر کے کہتا ہوں کہ ایک خوارق تو شق القمر وغیرہ کے علمی رنگ کے ہیں اور دوسرے حقائق و معارف کے۔ تیسرا طبقہ معجزات کا اخلاقی معجزات ہیں۔ اخلاقی کرامت میں بہت اثر ہوتا ہے۔ فلاسفر لوگ معارف اور حقائق سے تسلی نہیں پا سکتے۔ مگر اخلاقِ عظیمہ اُن پر بہت بڑا اور گہرا اثر کرتے ہیں۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ ایک درخت کے نیچے سوئے پڑے تھے کہ ناگاہ ایک شور و پکار سے بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنگلی اعرابی تلوار کھینچ کر خود حضور پر آپڑا ہے۔ اُس نے کہا۔ اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا، اس وقت میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے پورے اطمینان اور سچی سکینت سے جو حاصل تھی فرمایا کہ اللہ۔ آپؐ کا یہ فرمانا عام انسانوں کی طرح نہ تھا۔ اللہ جو خدا تعالیٰ کا ایک ذاتی اسم ہے اور جو تمام جمیع صفاتِ کاملہ کا مُستجمع ہے۔ ایسے طور پر آپؐ کے مُنہ سے نکلا اور دل پر ہی جا کر ٹھہرا۔ کہتے ہیں کہ اسمِ اعظم یہی ہے اور اس میں بڑی بڑی برکات ہیں، لیکن جس کو وہ اللہ یاد ہی نہ ہو، وہ اس سے کیا فائدہ اُٹھائے گا۔ الغرض ایسے طور پر اللہ کا لفظ آپؐ کے مُنہ سے نکلا کہ اس پر رُعب طاری ہو گیا اور ہاتھ کانپ گیا۔ تلوار گر پڑی۔ حضرتؐ نے وُہی تلوار اٹھا کر کہا کہ اب بتلا۔ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ وہ ضعیف القلب جنگلی کس کا نام لے سکتا تھا۔ آخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ دکھایا اور کہا۔ جا تجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ مروّت اور شجاعت مجھ سے سیکھ۔ اِس اخلاقی معجزہ نے اُس پر ایسا اثر کیا کہ وہ مُسلمان ہو گیا۔

سیر میں لکھا ہے کہ ابوالحسن خرقانی کے پاس ایک شخص آیا۔ راستہ میں شیر ملا۔ اور کہا کہ اللہ کے واسطے پیچھا چھوڑ دے۔ شیر نے حملہ کیا اور جب کہا۔ ابوالحسن کے واسطے چھوڑ دے، تو اُس نے چھوڑ دیا۔ شخصِ مذکور کے ایمان میں اس حالت نے سیاہی سی پیدا کر دی اور اس نے سفر ترک کر دیا۔ واپس آ کر یہ عُقدہ پیش کیا۔ اس کو ابوالحسن نے جواب دیا کہ یہ بات مشکل نہیں۔ اللہ کے نام سے تُو واقف نہ تھا۔ اللہ کی سچی ہیبت اور جلال تیرے دل میں نہ تھا اور مجھ سے تُو واقف تھا۔ اس لیے میری قدر تیرے دل میں تھی۔ پس اللہ کے لفظ میں بڑی بڑی برکات اور خوبیاں ہیں بشرطیکہ کوئی اس کو اپنے دل میں جگہ دے اور اس کی ماہیت پر کان دھرے۔

اسی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معجزات میں ایک اور معجزہ بھی ہے کہ آپؐ کے پاس ایک وقت بہت سی بھیڑیں تھیں۔ ایک شخص نے کہا۔ اِس قدر مال اس سے پیشتر کسی کے پاس نہیں دیکھا۔ حضورؐ نے وہ سب بھیڑیں اس کو دے دیں۔ اُس نے فی الفور کہا کہ لا ریب آپؐ سچے نبی ہیں۔ سچے نبی کے بغیر اس قسم کی سخاوت دُوسرے سے

عمل میں آئی مشکل ہے۔ الغرض آنحضرتؐ کے اخلاقِ فاضلہ ایسے تھے کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵) قرآن میں وارد ہوا۔

ہماری جماعت کو مناسب ہے کہ وہ اخلاقی ترقی کریں

پس ہماری جماعت کو مناسب ہے کہ وہ اخلاقی ترقی کریں، کیونکہ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ مشہور ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ اگر کوئی ان پر سختی کرے۔ تو حتی الوسع اُس کا جواب نرمی اور ملاطفت سے دیں۔ تشدد اور جبر کی ضرورت انتقامی طور پر بھی نہ پڑنے دیں۔

انسان میں نفس بھی ہے اور اُس کی تین قسم ہیں۔ اَمّارہ، لَوّامہ، مُطْمَئِنّہ۔ امّارہ کی حالت میں انسان جذبات اور بے جا جوش کو سنبھال نہیں سکتا اور اندازہ سے نکل جاتا اور اخلاقی حالت سے گر جاتا ہے، مگر حالتِ لوّامہ میں سنبھال لیتا ہے۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی جو سعدیؒ نے بوستان میں لکھی ہے۔ کہ ایک بزرگ کو کُتّے نے کاٹا۔ گھر آیا، تو گھر والوں نے دیکھا کہ اُسے کتّے نے کاٹ کھایا ہے۔ ایک بھولی بھالی چھوٹی لڑکی بھی تھی۔ وہ بولی۔ آپ نے کیوں نہ کاٹ کھایا؟ اُس نے جواب دیا۔ بیٹی! انسان سے کُتّپن نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے انسان کو چاہیے کہ جب کوئی شریر گالی دے تو مومن کو لازم ہے کہ اعراض کرے۔ نہیں تو وہی کُتّپن کی مثال صادق آئے گی۔ خدا کے مقرّبوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔ بہت بُری طرح ستایا گیا، مگر اُن کو اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف: ۲۰۰) کا ہی خطاب ہوا۔ خود اُس انسانِ کامل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بُری طرح تکلیفیں دی گئیں اور گالیاں، بدزبانی اور شوخیاں کی گئیں، مگر اس خُلقِ مجسّم ذات نے اس کے مقابلہ میں کیا کیا۔ اُن کے لیے دُعا کی اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کرے گا، تو تیری عزت اور جان کو ہم صحیح وسلامت رکھیں گے اور یہ بازاری آدمی اُس پر حملہ نہ کر سکیں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضورؐ کے مخالف آپؐ کی عزت پر حرف نہ لا سکے اور خود ہی ذلیل وخوار ہو کر آپ کے قدموں پر گرے۔ یا سامنے تباہ ہوئے۔ غرض یہ صفت لوّامہ کی ہے۔ جو انسان کشمکش میں بھی اصلاح کر لیتا ہے۔ روزمرّہ کی بات ہے۔ اگر کوئی جاہل یا اوباش گالی دے یا کوئی شرارت کرے۔ جس قدر اس سے اعراض کرو گے، اسی قدر اُس سے عزت بچا لو گے۔ اور جس قدر اس سے مُنہ بھیڑا اور مقابلہ کرو گے تباہ ہو جاؤ گے اور ذلت خرید لو گے۔ نفسِ مُطمئنہ کی حالت میں انسان کا ملکہ حسنات اور خیرات ہو جاتا ہے۔ وہ دُنیا اور ماسوی اللہ سے بکلّی انقطاع کر لیتا ہے۔ وہ دُنیا میں چلتا پھرتا اور دُنیا والوں سے ملتا جلتا ہے، لیکن حقیقت میں وُہ یہاں نہیں ہوتا۔ جہاں وُہ ہوتا ہے۔ وُہ دُنیا اور ہی ہوتی ہے۔ وہاں کا آسمان اور زمین اور ہوتی ہے۔

جماعتِ احمدیہ کے لیے بشارتِ عظیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آلِ عمران: ۵۶) یہ

تسلی بخش وعدہ ناصرہ میں پیدا ہونے والے ابنِ مریم سے ہوا تھا، مگر میں تمھیں بشارت دیتا ہوں کہ یسوع مسیح کے نام سے آنیوالے ابنِ مریم کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں الفاظ میں مخاطب کرکے بشارت دی ہے۔ اب آپ سوچ لیں کہ جو میرے ساتھ تعلق رکھ کر اس وعدہ عظیم اور بشارتِ عظیم میں شامل ہونا چاہتے ہیں کیا وُہ لوگ ہو سکتے ہیں جو امّارہ کے درجہ میں پڑے ہوئے فسق و فجور کی راہوں پر کاربند ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کی سچّی قدر کرتے ہیں اور میری باتوں کو قصّہ کہانی نہیں جانتے، تو یاد رکھو اور دل سے سُن لو۔ مَیں ایک بار پھر اُن لوگوں کو مخاطب کرکے کہتا ہوں جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور وہ تعلق کوئی عام تعلق نہیں، بلکہ بہت زبردست تعلق ہے اور ایسا تعلق ہے کہ جس کا اثر (نہ صرف میری ذات تک) بلکہ اس ہستی تک پہنچتا ہے جس نے مجھے بھی اس برگزیدہ انسانِ کامل کی ذات تک پہنچایا ہے جو دُنیا میں صداقت اور راستی کی رُوح لے کر آیا۔ مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ان باتوں کا اثر میری ذات تک پہنچتا، تو مجھے کچھ بھی اندیشہ اور فکر نہ تھا اور نہ ان کی پَروا تھی، مگر اس پر بس نہیں ہوتی۔ اس کا اثر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خود خدائے تعالیٰ کی برگزیدہ ذات تک پہنچ جاتا ہے۔ پس ایسی صُورت اور حالت میں تم خوب دھیان دے کر سُن رکھو کہ اگر اس بشارت سے حصّہ لینا چاہتے ہو اور اس کے مصداق ہونے کی آرزو رکھتے ہو اور اتنی بڑی کامیابی (کہ قیامت تک مکفّرین پر غالب رہو گے) کی سچّی پیاس تمھارے اندر ہے، تو پھر اتنا ہی مَیں کہتا ہوں کہ یہ کامیابی اُس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک تو امّارہ کے درجہ سے گزر کر مطمئنہ کے میناد تک نہ پہنچ جاؤ۔

اس سے زیادہ اور مَیں کچھ نہیں کہتا کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کے ساتھ پیوند رکھتے ہو جو مامُور من اللہ ہے۔ پس اُس کی باتوں کو دل کے کانوں سے سُنو اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہو جاؤ۔ تاکہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اقرار کے بعد انکار کی نجاست میں گرکر ابدی عذاب خرید لیتے ہیں[1] ۔ فقط

---

[1] (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۶۲-۱۰۰)

حضرتِ اقدس امام الزّمان کی تیسری تقریر

(۳۰ر دسمبر ۱۸۹۷ء)

دوستوں کے لیے ہمدردی اور غمخواری

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کا تعلق ہمارے ساتھ اعضاء کی طرح سے ہے اور یہ بات ہمارے روزمرّہ کے تجربہ میں آتی ہے کہ ایک چھوٹے سے چھوٹے عضو مثلاً اُنگلی ہی میں دَرد ہو، تو سارا بدن بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ٹھیک اسی طرح ہر وقت اور ہر آن میں ہمیشہ اسی خیال اور فکر میں رہتا ہوں کہ میرے دوست ہر قسم کے آرام و آسائش سے رہیں۔ یہ ہمدردی اور یہ غمخواری کسی تکلف اور بناوٹ کی رُو سے نہیں، بلکہ جس طرح والدہ اپنے بچوں میں سے ہر واحد کے آرام و آسائش کے فکر میں مستغرق رہتی ہے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح میں للّٰہی دلسوزی اور غمخواری اپنے دل میں دوستوں کے لیے پاتا ہوں اور یہ ہمدردی کچھ ایسی اضطراری حالت پر واقع ہوئی ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کسی کا خط کسی قسم کی تکلیف یا بیماری کے حالات پر مشتمل پہنچتا ہے، تو طبیعت میں ایک بے کلی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک غم شاملِ حال ہو جاتا ہے اور جُوں جُوں احباب کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر یہ غم بڑھتا جاتا ہے اور کوئی وقت ایسا خالی نہیں رہتا جبکہ کسی قسم کا فکر اور غم شاملِ حال نہ ہو، کیونکہ اس قدر کثیر التعداد احباب میں سے کوئی نہ کوئی، کسی نہ کسی غم اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی اطلاع پر ادھر دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے میں نہیں بتلا سکتا کہ کس قدر اوقات غموں میں گذرتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو ایسے ہموم اور افکار سے نجات دیوے۔ اس لیے میں ہمیشہ دُعاؤں میں لگا رہتا ہوں اور سب سے مقدم دُعا یہی ہوتی ہے کہ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے، کیونکہ مجھے تو اُن کے ہی افکار اور رنج غم میں ڈالتے ہیں۔ اور پھر یہ دُعا مجموعی ہیئت سے کی جاتی ہے کہ اگر کسی کو کوئی رنج اور تکلیف پہنچی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کو نجات دے۔ ساری سرگرمی اور پورا جوش یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں۔ دُعا کی قبولیت میں بڑی بڑی اُمیدیں ہیں۔

قبولیتِ دُعا کے اصول

بلکہ میرے ساتھ میرے مولیٰ کریم کا صاف وعدہ ہے کہ اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِكَ۔ مگر میں خوب سمجھتا ہوں کہ کل سے مُراد یہ ہے کہ جن کے نہ سُننے سے ضرر پہنچ جاتا

لیکن اگر اللہ تعالیٰ تربیت اور اصلاح چاہتا ہے تو رد کرنا ہی اجابتِ دُعا ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسان کسی دُعا میں ناکام رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دُعا رد کر دی، حالانکہ خدا تعالیٰ اُس کی دُعا کو سُن لیتا ہے اور وہ اجابت بصورتِ رد ہی ہوتی ہے، کیونکہ اُس کے لیے درپردہ اور حقیقت میں بہتری اور بھلائی اُس کے رد ہی میں ہوتی ہے۔ انسان چونکہ کوتاہ بین ہے اور دُور اندیش نہیں، بلکہ ظاہر پرست ہے، اس لیے اس کو مناسب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا کرے اور وہ بظاہر اس کے مُفیدِ مطلب نتیجہ خیز نہ ہو، تو خدا پر بدظن نہ ہو کہ اُس نے میری دُعا نہیں سنی۔ وہ تو ہر ایک کی دُعا سُنتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) فرماتا ہے۔ راز اور بھید یہی ہوتا ہے کہ داعی کے لیے خیر اور بھلائی رَدِّ دُعا ہی میں ہوتی ہے۔

دُعا کا اصول یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولِ دُعا میں ہمارے اندیشہ اور خواہش کے تابع نہیں ہوتا ہے۔ دیکھو بچے کس قدر اپنی ماؤں کو پیارے ہوتے ہیں اور وہ چاہتی ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے، لیکن اگر بچے بیہودہ طور پر اصرار کریں اور رو کر تیز چاقو یا آگ کا روشن اور چمکتا ہوا انگارا مانگیں، تو کیا ماں باوجود سچی محبت اور حقیقی دلسوزی کے کبھی گوارا کرے گی کہ اس کا بچہ آگ کا انگارہ لے کر ہاتھ جلائے یا چاقو کی تیز دھار پر ہاتھ مار کر ہاتھ کاٹ لے؟ ہرگز نہیں۔ اسی اصُول سے اجابتِ دُعا کا اصول سمجھ سکتے ہیں۔ مَیں خود اس امر میں ایک تجربہ رکھتا ہوں کہ جب دُعا میں کوئی جزو مُضر ہوتا ہے تو وہ دُعا ہرگز قبول نہیں ہوتی ہے۔ یہ بات خوب سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہمارا علم یقینی اور صحیح نہیں ہوتا۔ بہت سے کام نہایت خوشی سے مُبارک سمجھ کر کرتے ہیں اور اپنے خیال میں اُن کا نتیجہ بہت ہی مُبارک خیال کرتے ہیں، مگر انجام کار وہ ایک غم اور مصیبت ہو کر چمٹ جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ خواہشاتِ انسانی سب پر صاد نہیں کر سکتے کہ سب صحیح ہیں، چونکہ انسان سہو اور نسیان سے مرکب ہے، اس لیے ہونا چاہیے اور ہوتا ہے کہ بعض خواہش مضر ہوتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اُس کو منظور کرے تو یہ امر منصبِ رحمت کے صریح خلاف ہے۔ یہ ایک سچا اور یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دُعاؤں کو سُنتا ہے اور ان کو قبولیت کا شرف بخشتا ہے، مگر ہر رطب و یابس کو نہیں، کیونکہ جوشِ نفس کی وجہ سے انسان انجام اور مآل کو نہیں دیکھتا اور دُعا کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ جو حقیقی بہی خواہ اور مآل بین ہے ان مضرتوں اور بدنتائج کو ملحوظ رکھ کر جو اس دُعا کے تحت میں بصورتِ قبول داعی کو پہنچ سکتے ہیں، اُسے رد کر دیتا ہے اور یہ ردِّ دُعا ہی اس کے لیے قبولِ دُعا ہوتا ہے۔ پس ایسی دُعائیں جن میں انسان حوادث اور صدمات سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے، مگر مُضر دعاؤں کو بصورتِ ردّ قبول فرما لیتا ہے۔ مجھے یہ الہام بارہا ہو چکا ہے۔ اُجِیْبُ كُلَّ دُعَائِكَ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہو کہ ہر ایک ایسی دُعا جو نفس الامر میں نافع اور مُفید ہے، قبول کی جائے گی۔ مَیں جب اِس خیال کو اپنے دل میں پاتا ہوں، تو میری رُوح لذّت اور سرُور سے بھر جاتی ہے۔ جب مجھے یہ اوّل ہی الہام ہوا قریباً پچیس یا تیس برس کا عرصہ ہوتا ہے، تو مجھے بہت ہی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ میری دُعائیں جو میرے یا

میرے احباب کے متعلق ہوں گی، ضرور قبول کریگا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ اس معاملہ میں بُخل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ ایک انعامِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مُتقین کی صفت میں فرمایا ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ: ۴) پس میں نے اپنے دوستوں کیلئے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ خواہ وہ یاد دلائیں یا نہ یاد دلائیں، کوئی امرِ خطیر پیش کریں یا نہ کریں۔ اُن کی دینی اور دُنیوی بھلائی کے لیے دُعا کی جاتی ہے۔

قبولیتِ دُعا کی شرائط

مگر یہ بات بھی بحضورِ دل سُن لینی چاہیے کہ قبولِ دُعا کے لیے چند شرائط ہوتی ہیں۔ اُن میں سے بعض تو دُعا کرنے والے کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض دُعا کرانے والے کے متعلق۔ دُعا کرانے والے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو مدِنظر رکھے اور اس کے غنائے ذاتی سے ہر وقت ڈرتا رہے اور صُلحکاری اور خدا پرستی اپنا شعار بنالے۔ تقویٰ اور راستبازی سے خدا تعالیٰ کو خوش کرے، تو ایسی صُورت میں دُعا کے لیے بابِ استجابت کھولا جاتا ہے۔ اگر وُہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اور اُس سے بگاڑ اور جنگ قائم کرتا ہے، تو اس کی شرارتیں اور غلط کاریاں دُعا کی راہ میں ایک سدّ اور چٹان ہو جاتی ہیں اور استجابت کا دروازہ اِس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔

ہماری دعاؤں کو ضائع ہونے سے بچائیں

پس ہمارے دوستوں کے لیے لازم ہے کہ وہ ہماری دُعاؤں کو ضائع ہونے سے بچادیں اور اُن کی راہ میں کوئی روک نہ ڈال دیں جو ان کی ناشائستہ حرکات سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اُن کو چاہیے کہ وُہ تقویٰ کی راہ اختیار کریں کیونکہ تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو شریعت کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں اور اگر شریعت کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہیں تو مغزِ شریعت تقویٰ ہی ہو سکتا ہے۔ تقویٰ کے مدارج اور مراتب بہت سے ہیں، لیکن اگر طالبِ صادق ہو کر ابتدائی مراتب اور مراحل استقلال اور خلوص سے طے کرے، تو وہ اُس راستی اور طلبِ صدق کی وجہ سے اعلیٰ مدارج کو پالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (المائدہ: ۲۸) گویا اللہ تعالیٰ مُتقیوں کی دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ یہ گویا اُس کا وعدہ ہے اور اُس کے وعدوں میں تخلّف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد: ۳۲) پس جس حال میں تقویٰ کی شرط قبولیتِ دُعا کے لیے ایک غیر منفک شرط ہے، تو ایک انسان غافل اور بے راہ ہو کر اگر قبولیتِ دُعا چاہے، تو کیا وہ احمق اور نادان نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری جماعت کو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو۔ ہر ایک اُن میں سے تقویٰ کی راہوں پر قدم مارے، تاکہ قبولیتِ دُعا کا سُرور اور حظ حاصل کرے اور زیادتیِ ایمان کا حصّہ لے۔

نفسِ انسانی کی تین حالتیں

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ انسانی کی تین حالتیں ہیں۔ ایک اَمّارہ، دُوسری لَوّامہ، تیسری مُطمئنّہ۔ نفسِ امّارہ کی حالت میں انسان شیطان

کے پنجہ میں گویا گرفتار ہوتا ہے اور اس کی طرف بہت جھکتا ہے، لیکن نفسِ لوّامہ کی حالت میں وہ اپنی خطا کاریوں پر نادم ہوتا اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف جھکتا ہے۔ مگر اس حالت میں بھی ایک جنگ رہتی ہے کبھی شیطان کی طرف جھکتا ہے اور کبھی رحمان کی طرف۔ مگر نفسِ مطمئنہ کی حالت میں وہ عبادُالرحمٰن کے زُمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ گویا ارتفاعی نقطہ ہے، جس کے بالمقابل نیچے کی طرف اَمّارہ ہے۔ اس میزان کے بیچ میں لوّامہ ہے جو ترازو کی زبان کی طرح ہے۔ اِنخفاضی نقطہ کی طرف اگر زیادہ جھکتا ہے تو حیوانات سے بھی بدتر اور اَرذل ہو جاتا ہے اور ارتفاعی نقطہ کی طرف جس قدر رجوع کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے اور سفلی اور ارضی حالتوں سے نکل کر علوی اور سماوی فیضان سے حصّہ لیتا ہے۔

یہ بات بھی خوب یاد رکھنی چاہیے کہ ہر بات میں منافعہ ہوتا ہے۔

دُنیا میں کوئی چیز منفعت سے خالی نہیں

دُنیا میں دیکھو۔ اعلیٰ درجہ کی نباتات سے لیکر کیڑوں اور چوہوں تک بھی کوئی چیز ایسی نہیں، جو انسان کے لیے منفعت اور فائدے سے خالی ہو۔ یہ تمام اشیاء خواہ وہ ارضی ہیں یا سماوی اللہ تعالیٰ کی صفات کے اظلال اور آثار ہیں اور جب صفات میں نفع ہی نفع ہے، تو بتلاؤ کہ ذات میں کس قدر نفع اور سُود ہوگا۔ اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جیسے اِن اشیاء سے کسی وقت نقصان اُٹھاتے ہیں، تو اپنی غلطی اور نافہمی کی وجہ سے۔ اِس لیے نہیں کہ نفس الامر میں ان اشیاء میں مضرت ہی ہے۔ نہیں، بلکہ اپنی غلطی اور خطا کاری سے۔ اسی طرح پر ہم اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف اور مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں؛ ورنہ خدا تعالیٰ تو سراسر رحم اور کرم ہے۔ دُنیا میں تکلیف اُٹھانے اور رنج پانے کا یہی راز ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں اپنی سُوءِ فہم اور قصُورِ علم کی وجہ سے مبتلائے مصائب ہوتے ہیں۔ پس اس صفاتی آنکھ کے ہی روزن سے ہم اللہ تعالیٰ کو رحیم اور کریم اور حد سے زیادہ قیاس سے باہر نافع ہستی پاتے ہیں اور ان منافع سے زیادہ بہرہ وَر وہی ہوتا ہے جو اس کے زیادہ قریب اور نزدیک ہوتا جاتا ہے اور یہ درجہ اُن لوگوں کو ہی ملتا ہے جو مُتّقی کہلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قُرب میں جگہ پاتے ہیں۔ جُوں جُوں مُتّقی خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ ایک نُورِ ہدایت اُسے ملتا ہے، جو اُس کی معلومات اور عقل میں ایک خاص قسم کی روشنی پیدا کرتا ہے اور جُوں جُوں دُور ہوتا جاتا ہے ایک تباہ کرنے والی تاریکی اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہانتک کہ وہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (البقرہ: ۱۹) کا مصداق ہو کر ذلّت اور تباہی کا مورِد بن جاتا ہے، مگر اُس کے بالمقابل نور اور روشنی سے بہرہ ور انسان اعلیٰ درجہ کی راحت اور عزّت پاتا ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر: ۲۸، ۲۹) یعنی اے وہ نفس جو اطمینان یافتہ ہے اور پھر یہ اطمینان خدا کے ساتھ پایا ہے۔ بعض لوگ حکومت سے بظاہر اطمینان اور سیری حاصل کرتے ہیں۔ بعض کی تمکین اور سیری کا موجب اُن کا مال اور عزّت ہو جاتی ہے۔ اور بعض اپنی خوبصورت اور ہوشیار اولاد و احفاد کو دیکھ دیکھ کر بظاہر مطمئن کہلاتے ہیں، مگر یہ لذّت انواع و اقسام

کی لذاتِ دُنیا انسان کو سچا اطمینان اور سچی تسلی نہیں دے سکتیں۔ بلکہ ایک قسم کی ناپاک حرص کو پیدا کر کے طلب اور پیاس کو پیدا کرتی ہیں۔ استسقاء کے مریض کی طرح اُن کی پیاس نہیں بجھتی۔ یہاں تک کہ اُن کو ہلاک کر دیتی ہے۔ مگر یہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وُہ نفس جس نے اپنا اطمینان خدا تعالیٰ میں حاصل کیا ہے۔ یہ درجہ بندے کے لیے ممکن ہے۔ اس وقت اس کی خوشحالی باوجود مال و منال کے دُنیوی حشمت اور جاہ و جلال کے ہوتے ہوئے بھی خدا ہی میں ہوتی ہے۔ یہ زر و جواہر، یہ دُنیا اور اس کے دھندے، اُس کی سچی راحت کا موجب نہیں ہوتے۔ پس جب تک انسان خدا تعالیٰ ہی میں راحت اور اطمینان نہیں پاتا، وُہ نجات نہیں پا سکتا، کیونکہ نجات اطمینان ہی کا ایک مترادف لفظ ہے۔

نفسِ مطمئنہ کے بغیر انسان نجات نہیں پا سکتا

مَیں نے بعض آدمیوں کو دیکھا اور اکثروں کے حالات پڑھے ہیں جو دُنیا میں مال و دولت اور دُنیا کی جھوٹی لذتیں اور ہر ایک قسم کی نعمتیں اَولاد اعضاء رکھتے تھے۔ جب مرنے لگے اور اُن کو اس دُنیا کے چھوڑ جانے اور ساتھ ہی ان اشیاء سے الگ ہونے اور دُوسرے عالم میں جانے کا علم ہوا تو اُن پر حسرتوں اور بے جا آرزوؤں کی آگ بھڑکی اور سرد آہیں مارنے لگے پس یہ بھی ایک قسم کا جہنم ہے۔ جو انسان کے دل کو راحت اور قرار نہیں دے سکتا، بلکہ اس کو گھبراہٹ اور بے قراری کے عالم میں ڈال دیتا ہے۔ اس لیے یہ امر بھی میرے دوستوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ اکثر اوقات انسان اہل و عیال اور اموال کی محبت ناجائز اور بیجا محبت میں ایسا محو ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات اسی محبت کے جوش اور نشہ میں ایسے ناجائز کام کر گزرتا ہے، جو اُس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا کر دیتے ہیں اور اُس کے لیے ایک دوزخ تیار کر دیتے ہیں۔ اس کو اس بات کا علم نہیں ہوتا جب وہ اُن سب سے یکایک علیحدہ کیا جاتا ہے اس گھڑی کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔ تب وہ ایک سخت بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی چیز سے جب محبت ہو، تو اس سے جدائی اور علیحدگی پر ایک رنج اور دردناک غم پیدا ہو جاتا ہے۔ اب یہ مسئلہ منقولی ہی نہیں بلکہ معقولی رنگ رکھتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزۃ: ۷-۸) پس یہ وُہی غیر اللہ کی محبت کی آگ ہے جو انسانی دل کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور ایک حیرت ناک عذاب اور دَرد میں مبتلا کر دیتی ہے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ یہ بالکل سچی اور یقینی بات ہے کہ نفسِ مطمئنہ کے بِدُوں انسان نجات نہیں پا سکتا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نفسِ اَمّارہ کی حالت میں انسان شیطان کا غُلام ہوتا ہے اور لوّامہ میں اُسے شیطان سے ایک مُجاہدہ اور جنگ کرنا ہوتا ہے۔ کبھی وُہ غالب آجاتا ہے اور کبھی شیطان، مگر مطمئنہ کی حالت ایک امن اور آرام کی حالت ہوتی ہے کہ وہ آرام سے بیٹھ جاتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں کہ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (الفجر: ۲۸) یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری حالت میں کس قدر استراحت ہوتی ہے، چنانچہ اس کا ترجمہ

یہ ہے۔ کہ اے نفسِ مطمئنہ اللہ کی طرف چلا آ۔ ظاہر کے لحاظ سے تو یہ مطلب ہے کہ جان کندنی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے کہ اے مطمئن نفس۔ اپنے رب کی طرف چلا آ۔ وہ تجھ سے خوش اور تُو اس سے راضی۔ چونکہ قرآن کے لیے ظاہر اور بطن دونوں ہیں۔ اس لیے بطن کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اے اطمینان پر پہنچے ہوئے نفس اپنے رب کی طرف چلا آ۔ یعنی تیری طبعًا یہ حالت ہو چکی ہے کہ تو اطمینان اور سکینت کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہے اور تجھ میں اور اللہ تعالےٰ میں کوئی بُعد نہیں ہے۔ لوّامہ کی حالت میں تو تکلیف ہوتی ہے، مگر مطمئنہ کی حالت میں ایسا ہوتا ہے کہ جیسے پانی اُوپر سے گرتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی محبت انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ خدا ہی کی محبت سے جیتا ہے۔ غیر اللہ کی محبت جو اس کے لیے ایک جلانے اور جہنم کے پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ جل جاتی ہے اور اُس کی جگہ ایک روشنی اور نور بھر دیا جاتا ہے۔ اس کی رضاء اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس کا منشاء ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت ایسی حالت میں اس کے لیے بطور جان ہوتی ہے۔ جس طرح زندگی کے لیے لوازمِ زندگی ضروری ہیں۔ اس کی زندگی کے لیے خدا اور صرف خدا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دُوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہے کہ خُدا تعالیٰ ہی اس کی سچی خوشی اور پُوری راحت ہوتا ہے۔

انسانی ہستی کا مُدّعا نفسِ مطمئنہ کی یہ نشانی ہے کہ کسی خارجی تحریک کے بدُوں ہی وُہ ایسی صورت پکڑ جاتا ہے کہ خدا کے بدُوں رہ نہیں سکتا اور یہی انسانی ہستی کا مدّعا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ فارغ انسان شکار، شطرنج، گنجفہ وغیرہ اشغال اپنے لیے پیدا کر لیتے ہیں، مگر جب مطمئنہ ناجائز اور عارضی اور بسا اوقات رنج اور کرب پیدا کرنے والے اشغال سے الگ ہو گیا۔ اب الگ ہو کر منقطع عالم اُسے کیوں یاد آوے۔ اس لیے خدا ہی سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی دل سے محو نہیں ہونا چاہیے کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ذاتی محبت ہوتی ہے اور ایک محبت اغراض سے وابستہ ہوتی ہے۔ یا یہ کہو کہ اُس کا باعث صرف چند عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ جن کے دُور ہوتے ہی وہ محبت سرد ہو کر رنج اور غم کا باعث ہو جاتی ہے، مگر ذاتی محبت سچی راحت پیدا کرتی ہے۔ چونکہ انسان فطرتًا خدا ہی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) اس لیے خدا تعالیٰ نے اُس کی فطرت ہی میں اپنے لیے کچھ نہ کچھ رکھا ہوا ہے اور اپنے پوشیدہ اور مخفی در مخفی اسباب سے اُسے اپنے لیے بنایا ہوا ہے۔ پس جب انسان جھوٹی اور نمائشی۔ ہاں عارضی اور رنج پر ختم ہونے والی محبتوں سے الگ ہو جاتا ہے پھر وہ خدا ہی کے لیے ہو جاتا ہے اور طبعًا کوئی بُعد نہیں رہتا اور خدا کی طرف دوڑا چلا آتا ہے۔ پس اس آیت یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا آواز دینا یہی ہے کہ درمیانی حجاب اُٹھ گیا اور بُعد نہیں رہا۔ یہ متقی کا انتہائی درجہ ہوتا ہے۔ جب وہ اطمینان اور راحت پاتا ہے۔ دُوسرے مقام پر قرآن شریف نے اس اطمینان کا نام فلاح اور استقامت بھی رکھا ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اسی

استقامت یا اطمینان یا فلاح کی طرف لطیف اشارہ ہے اور خود مستقیم کا لفظ بتلا رہا ہے۔

معجزات یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ غیر معمولی طور پر کوئی کام نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ خلقِ اسباب کرتا ہے خواہ ہم کو ان اسباب پر اطلاع ہو یا نہ ہو، الغرض اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ اِس لیئے شق القمر "یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (الانبیاء: ۷۰) کے معجزات بھی خارج از اسباب نہیں، بلکہ وہ بھی بعض مخفی در مخفی اسباب کے نتائج ہیں اور سچے اور حقیقی سائنس پر مبنی ہیں۔ کوتاہ اندیش اور تاریک فلسفہ کے دلدادہ اُسے نہیں سمجھ سکتے۔ مجھے تو یہ حیرت آتی ہے کہ جس حال میں یہ ایک امر مسلّم ہے کہ عدمِ علم سے عدمِ شے لازم نہیں آتا، تو نادان فلاسفر کیوں ان اسباب کی بے علمی پر جو اُن معجزات کا موجب ہیں اصل معجزات کی نفی کی جرأت کرتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے، تو اپنے کسی بندے کو اُن اسبابِ مخفیہ پر مطلع کر دے، لیکن یہ کوئی لازم بات نہیں۔ دیکھو انسان اپنے لیے جب گھر بناتا ہے، تو جہاں اور سب آسائش کے سامانوں کا خیال رکھتا ہے، سب سے پہلے اس امر کو بھی ملحوظ رکھ لیتا ہے کہ اندر جانے اور باہر نکلنے کے لیے بھی کوئی دروازہ بنالے۔ اور اگر زیادہ ساز و سامان ہاتھی، گھوڑے، گاڑیاں بھی پاس ہیں تو علیٰ قدرِ مراتب ہر ایک چیز اور سامان کے نکلنے اور جانے کے واسطے دروازہ بناتا ہے نہ یہ کہ سانپ کی بانبی کی طرح ایک چھوٹا سا سوراخ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فعل یعنی قانونِ قدرت پر ایک وسیع اور پُرغور نظر کرنے سے ہم پتہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے یہ بھی نہیں چاہا کہ وہ عبودیت سے سرکش ہو کر ربوبیت سے متعلق نہ ہو۔ ربوبیت نے عبودیت کو دور کرنے کا ارادہ کبھی نہیں کیا۔ سچا فلسفہ یہی ہے۔ جو لوگ عبودیت کو کوئی مستقل اختیار والی شے سمجھتے ہیں، وہ سخت غلطی پر ہیں۔ خدا نے اُس کو ایسا نہیں بنایا۔ ہماری معلومات، خیالات اور عقلوں کا باہم مساوی نہ ہونا اور ہر امر پر پوری اور کماحقہ روشنی ڈالنے کے ناقابل ہونا صریح اس امر کی دلیل ہے کہ عبودیت بدوں فیضانِ ربوبیت کے نہیں رہ سکتی۔ ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ ملائک کا حکم رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو پھر دوا اور اس سے بڑھ کر دُعا کا اُصول ہی بے فائدہ اور بے جان ہوتا۔

زمین، آسمان اور مافی الارض والسّموات پر نظر کرو اور سوچو کہ کیا یہ تمام مخلوقات بذاتہٖ و بنفسہٖ اپنے قیام اور ہستی میں مستقل اختیار رکھتے ہیں یا کسی کے محتاج ہیں؟

تمام مخلوقات اجرامِ فلکی سے لے کر ارضی تک اپنی بناوٹ ہی میں عبودیت کا رنگ رکھتی ہیں۔ ہر چیز سے یہ پتہ ملتا ہے اور ہر شاخ اور آواز سے یہ صدا نکلتی ہے کہ الوہیت اپنا کام کر رہی ہے اسکے عمیق در عمیق تصرفات جن کو ہم خیال اور قوت سے بیان نہیں کر سکتے، بلکہ کامل طور پر سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اپنا کام کر رہے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (البقرہ: ۲۵۶) یعنی اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسی ذات ہے جو جامع صفاتِ کاملہ اور ہر ایک نقص سے منزہ ہے۔ وہی مستحقِ عبادات ہے۔ اسی کا وجود بدیہی الثبوت ہے۔ کیونکہ وہ حیّ بالذات اور قائم بالذات

ہے اور بجز اس کے اور کسی چیز میں حیّ بالذات اور قائم بالذات ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی۔ کیا مطلب۔ کہ اللہ تعالیٰ کے بدوں اور کسی میں یہ صفت نظر نہیں آتی کہ بغیر کسی علتِ مُوجبہ کے آپ ہی موجود اور قائم ہو یا یہ کہ اس عالم کی جو کمال حکمت اور ترتیبِ محکم و مُوزوں سے بنایا گیا ہے۔ علتِ مُوجبہ ہو سکے۔ غرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان مخلوقاتِ عالم میں تغیّر و تبدل کر سکتی ہو یا ہر ایک شے کی حیات کا موجب اور قیام کا باعث ہو۔

صوفیاء کے دو مکتبہ ہائے فکر وجودی و شہودی

اس آیت پر نظر کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وجودی مذہب حق سے دُور جا پڑا ہے اور اس نے صفاتِ الٰہیہ کے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ وہ معلوم نہیں کر سکتا کہ اُس نے عبُودیت اور اُلوہیت کے ہی رشتہ پر ٹھوکر کھائی ہے۔ اصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن میں سے جو لوگ اہلِ کشف ہوتے ہیں اور اُن میں سے اہلِ مجاہدہ نے دریافت کرنا چاہا، تو عبُودیت اور رُبوبیت کے رشتہ میں امتیاز نہ کر سکے اور خلق الاشیاء کے قائل ہو گئے۔

قرآن شریف قلب ہی پر وارد ہو کر زبان پر آتا ہے اور قلب کا کس قدر تعلق تھا کہ کلامِ الٰہی کا مورد ہو گیا۔ اس باریک بحث سے وہ دھوکہ کھا سکتے تھے، مگر بات یہ ہے کہ انسان جب غلط فہمی سے قدم اٹھاتا ہے تو پھر مشکلات کے بھنور میں پھنس جاتا ہے۔ جیسا میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے تصرفات انسان کیسا تھ ایسے عمیق در عمیق ہیں کہ کوئی طاقت انکو بیان نہیں کر سکتی اور اگر ایسا ہوتا، تو اس کی رُبوبیت اور صفاتِ کاملہ مندرجہ قرآن نہ پائی جاتیں۔ ہمارا عدم ہی اس کی ہستی کا ثبوت ہے اور یہ ایک سچی بات ہے کہ جب انسان ہر طرح سے بے اختیار ہوتا ہے، تو اس کا عدم ہی ہوتا ہے۔ اس باریک بھید کو بعض لوگ نہ سمجھ کر خلق الاشیاء ھو عین کہہ اُٹھتے ہیں۔ وجودی اور شہودی میں سے اوّل الذکر تو وہی ہیں، جو خلق الاشیاء ھو عین کہتے اور مانتے ہیں اور ثانی الذکر وُہ ہیں جو فنا نظری کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت میں انسان اس قدر استغراق کر سکتا ہے کہ وُہ فنا فی اللہ ہو سکتا ہے اور پھر اس کے لیے یہ کہنا سزاوار ہوتا ہے ؎

من تن شُدم، تُو جاں شدی، من تُو شُدم تو من شُدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تُو دیگری

بایں ہمہ تصرفاتِ الٰہیہ کا قائل اُن کو بھی ہونا پڑتا ہے۔ خواہ وُجودی ہوں یا شہودی ہوں۔ اُن کے بعض بزرگ اور اہلِ کمال بایزید بسطامیؒ سے لے کر شبلیؒ، ذُوالنونؒ اور محی الدین ابن عربیؒ تک کے کلمات علی العموم ایسے ہیں کہ بعض ظاہر طور پر اور بعض مخفی طور پر اسی طرف گئے ہیں۔ مَیں یہ بات کھول کر کہنی چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم اُن کو استہزا کی نظر سے دیکھیں۔ نہیں نہیں۔ وُہ اہلِ عقل تھے۔ بات یُوں ہے کہ معرفت کا یہ ایک باریک اور عمیق راز تھا۔ اس کا رشتہ ہاتھ سے نکل گیا ــــ یہی بات تھی اور کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ کے اعلیٰ تصرفات پر انسان ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بالکُل الذات۔ اُنھوں نے انسان کو ایسا دیکھا اور اُن کے مُنہ سے ایسی باتیں نکلیں اور ذہن اُدھر منتقل ہو گیا۔ پس

یہ امر بحضورِ دل یاد رکھو کہ باوصفیکہ انسان صفائیِ باطن سے ایسے درجہ پر پہنچتا ہے (جیسا کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس مرتبۂ اعلیٰ پر پہنچے) کہ جہاں اُسے اقتداری طاقت ملتی ہے، لیکن خالق اور مخلوق میں ایک فرق ہے اور نمایاں فرق ہے۔ اس کو کبھی دل سے دُور کرنا نہ چاہیے۔

انسان ہستی کے عوارض سے آزاد نہیں۔ نہ یہاں نہ وہاں۔ کھاتا پیتا ہے۔ معاصی ہوتے ہیں۔ کبائر بھی اور صغائر بھی۔ اور اسی طرح پر اگلے جہان میں بھی بعض جہنم میں ہوں گے اور بعض جنت الخلد میں۔ غرض یہ ہے کہ انسان کبھی بھی جامۂ عبودیت سے باہر نہیں ہو سکتا، تو پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کونسا حجاب ہے کہ جب وُہ اُتار کر ربوبیت کا جامہ پہن لیتا ہے۔ بڑے بڑے زاہدوں اور مجاہدوں کے شاملِ حال عبودیت ہی رہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت

قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھ لو۔ اور تو اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دُنیا میں کسی کامل انسان کا نمونہ موجود نہیں اور نہ آئندہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ پھر دیکھو کہ اقتداری معجزات کے ملنے پر بھی حضور کے شاملِ حال ہمیشہ عبودیت ہی رہی اور بار بار اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: ۱۱۱) ہی فرماتے رہے۔ یہانتک کہ کلمۂ توحید میں اپنی عبودیت کے اقرار کا ایک جُز و لازم قرار دیا۔ جس کے بدوں مسلمان مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ سوچو! اور پھر سوچو!! پس جس حال میں ہادیٔ اکمل کی طرزِ زندگی ہم کو یہ سبق دے رہی ہے کہ اعلیٰ ترین مقامِ قرب پر بھی پہنچ کر عبودیت کے اعتراف کو ہاتھ سے نہیں دیا، تو اور کسی کا تو ایسا خیال کرنا اور ایسی باتوں کا دل میں لانا ہی فضول اور عبث ہے۔

تصرفات کی دو قسمیں

ہاں! یہ سچی بات ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات بیحد و بے شمار ہیں۔ ان کی تعداد اور گنتی ناممکن ہے۔ انسان جس قدر زُہد اور مُجاہدہ کرتا ہے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے اور اس نسبت سے ان تصرفات کا ایک رنگ اُس پر آتا جاتا ہے اور تصرفات اللہ کی واقفیت کا دروازہ اس پر کھلتا ہے۔ اس امر کا بیان کر دینا بھی مناسبِ موقع معلوم ہوتا ہے کہ تصرفات بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک باعتبار مخلوق کے اور دُوسرے باعتبار قُرب کے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک تصرف تو اسی مخلوق کی نوعیت اور اعتبار سے ہوتا ہے جو يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان: ۸) وغیرہ کے رنگ میں ہوتا ہے۔ صحت، بیماری وغیرہ اُس کے ہی اختیار میں ہوتا ہے اور ایک جدید تصرف قُرب کے مراتب میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے طور پر اُن کے قریب ہوتا ہے کہ اُن سے مخاطبات اور مکالمات شروع ہو جاتے ہیں اور اُن کی دُعاؤں کا جواب ملتا ہے، مگر بعض لوگ نہیں سمجھ سکتے اور یہانتک ہی نہیں، بلکہ نرے مکالمہ اور مخاطبہ سے بڑھ کر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اُلوہیت کی چادر اُن پر پڑی ہوئی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اپنی ہستی کے طرح طرح کے نمونے ان کو دکھاتا ہے اور یہ ایک ٹھیک مثال اس قُرب اور تعلق کی ہے۔ کہ جیسے لوہے کو کسی آگ میں رکھ دیں، تو وُہ اثر پذیر ہو کر سُرخ آگ

کا ایک ٹکڑا ہی نظر آتا ہے۔ اُس وقت اُس میں آگ کی سی روشنی بھی ہوتی ہے اور احراق جو ایک صفت آگ کی ہے وُہ بھی اُس میں آجاتی ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ ایک بیّن بات ہے کہ وہ لوہا آگ یا آگ کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔

ایک مقام پر اہل اللہ سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر اُلوہیت کے خواص رکھتے ہیں

اسی طرح ہمارے تجربہ میں آیا ہے کہ اہل اللہ قربِ الٰہی میں ایسے مقام تک جا پہنچتے ہیں جبکہ ربّانی رنگ بشریت کے رنگ وبُو کو تمام وکمال اپنے رنگ کے نیچے متواری کر لیتا ہے اور جس طرح آگ لوہے کو اپنے نیچے ایسا چھپا لیتی ہے کہ ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا اور ظلی طور پر وہ صفاتِ الٰہیہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔

اُس وقت اس سے بدوں دُعا والتماس ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر اُلوہیت کے خواص رکھتے ہیں اور وہ ایسی باتیں مُنہ سے نکالتے ہیں جو جس طرح کہتے ہیں اُسی طرح ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور زبان سے ایسے اُمور کے صُدور کی بصراحت بحث ہے۔ جیسا کہ مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال: ۱۸) اور ایسا ہی معجزہ شق القمر اور اسی طرح پر اکثر معجزوں اور مستقیم الحال لوگوں کا اچھا کر دینا ثابت ہے۔ قرآن شریف میں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (النجم: ۴) یہ اُس شدید اور اعلیٰ ترین قرب ہی کی طرف اشارہ ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تزکیہ نفس اور قربِ الٰہی کی ایک دلیل ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبدِ مومن کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ وغیرہ ہو جاتا ہے احکا مطلب یہ ہے کہ تمام اعضاء للّٰہی طاعت کے رنگ سے ایسے رنگین ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک الٰہی آلہ ہیں، جن کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً افعالِ الٰہیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یا ایک مُصفّا آئینہ ہیں، جس میں تمام مرضیاتِ الٰہیہ بصفاءِ تام عکسی طور پر ظہور پکڑتی رہتی ہیں۔ یا یہ کہو کہ اس حالت میں وہ اپنی انسانیت سے بکلّی دستبردار ہو جاتے ہیں۔ جیسے جب انسان بولتا ہے، تو اُس کے دل میں خیال ہوتا ہے کہ لوگ اُس کی فصاحت اور خوش بیانی اور قادرالکلامی کی تعریف کریں۔ مگر وہ لوگ جو خُدا کے بُلائے بولتے ہیں اور اُن کی رُوح جب جوش مارتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ایک موج اُس پر اثر انداز ہو کر تموّج پیدا کر دیتی ہے اور اپنی آواز اور تکلّم سے وُہ نہیں بولتے۔ بلکہ الٰہی حال اور قال اور جوش سے۔ اور ایسا ہی جب وہ دیکھتے ہیں تو جیسا کہ قاعدہ ہے کہ دیکھنے میں فکر شامل ہے۔ اُن کی رؤیت اپنے دخل سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے نُور سے اور وہ اُنکو ایک ایسی چیز دکھا دیتا ہے جو دُوسری پُر غور نظر بھی نہیں دیکھ سکتی۔

مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیے جیسے آیا ہے کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ۔ یعنی مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ تمھاری آمد و رہے اور اس کی آمد۔ تمہارا قال ہے اُس کا حال۔

جیسے ایک گھڑی چلتی ہے۔ اس کے پُرزے تو اُسے چلاتے رہیں گے۔ اَب میں تم تین بجے کی جگہ سات بجے کا وقت کہہ سکتے ہو، مگر گھڑی جو اسی مطلب کے لیے بنائی گئی ہے، وُہ تو ٹھیک وقت بتلائے گی اور خطا نہ کرے گی۔ پس اگر اس سے جھگڑو گے تو بجز خفت کے کیا لو گے؟ اسی طرح سے یاد رکھو کہ متقی کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن لوگوں سے جھگڑے اور مقابلہ کرے جو قُربِ الٰہی کا درجہ رکھتے ہیں اور دُنیا میں مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ پس مومن کے مقابلہ کے وقت ڈرو۔ اِتَّقُوْا کے مصداق بنو۔ ایسا نہ ہو کہ تم جھُوٹے نکلو اور پھر اس غلط کاری کے بدترین نتائج بھگتو۔ کیونکہ مومن تو اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے اور وُہ نُور تم کو نہیں ملا، اس لیے تم ٹیڑھے چل سکتے ہو، مگر مومن ہمیشہ سیدھا ہی چلتا ہے۔ تم خود ہی بتلاؤ کہ کیا وہ شخص جو ایک تاریکی میں چل رہا ہے، اس آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے جو چراغ کی روشنی میں جا رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے: هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (الانعام: ۵۱) کیا اندھا اور بینا مساوی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس جب ہم اسباب کو دیکھتے ہیں، تو پھر کس قدر غلطی ہے کہ ہم اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

غرض یہ کہ مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیے اور مقابلہ مومن کے لیے تیار ہو جانا دانشمند انسان کا کام نہیں ہے اور مومن کی شناخت انہیں آثار و نشانات سے ہو سکتی ہے جو ہم نے ابھی بیان کیے ہیں۔ اِسی فراستِ الٰہیہ کا رُعب تھا جو صحابہ کرامؓ پر تھا اور ایسا ہی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ رُعب بطور نشانِ الٰہی آتا ہے۔ وُہ پُوچھ لیتے تھے کہ اگر یہ وحیٔ الٰہی ہے تو ہم مخالفت نہیں کرتے اور وہ ایک ہیبت میں آجاتے تھے۔

متکلم کے قدر کے موافق اس کے کلام میں ایک عظمت اور ہیبت ہوتی ہے۔ دیکھو دُنیاوی حکام کے سامنے جاتے وقت بھی ایک تکلیف اور رُعب ہوتا اور خیال ہوتا ہے کہ اُن کے ہاتھ میں قلم ہے۔ اِسی طرح پر جو لوگ یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ مومن کے ساتھ خدا ہے، وُہ اس کی مخالفت چھوڑ دیتے ہیں اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو تنہا بیٹھ کر اُس پر غور کرتے ہیں اور مقابلہ کر کے سوچتے ہیں۔ یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ واقفِ راہ اور روشنی والے کے لیے دُوسرے تابع ہو جاویں اور یہی حدیث اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ کا منشاء اور مفہوم ہے۔ یعنی جب مومن کچھ بیان کرے، تو خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، کیونکہ وہ جو کچھ بولتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بولتا ہے۔ مُدعا یہ ہے کہ مومن جب خدا سے محبت کرتا ہے تو الٰہی نُور کا اُس پر احاطہ ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ نُور اس کو اپنے اندر چُھپا لیتا ہے اور اس کی بشریت کو ایک حد تک بھسم کر جاتا ہے۔ جیسے آگ میں پڑا ہوا لوہا ہو جاتا ہے، لیکن پھر بھی وہ عبُودیت اور بشریت معدوم نہیں ہو جاتی۔ یہی وُہ راز ہے جو قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: ۱۱۱) کی تہ میں مرکوز ہے۔ بشریت تو ہوتی ہے، مگر وہ اُلوہیت کے رنگ کے نیچے متواری ہو جاتی ہے اور اس کے تمام قویٰ اور اعضاء للّٰہی راہوں میں خدا تعالیٰ کے ارادوں سے پُر ہو کر اس کی خواہشوں کی تصویر ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وُہ امتیاز ہے جو اُس کو کروڑہا مخلوق کی رُوحانی تربیت کا کفیل

بنا دیتا ہے اور رُبوبیتِ تامّہ کا ایک مظہر قرار دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کبھی بھی ایک نبی اس قدر مخلوقات کے لیے ہادی اور رہبر نہ ہو سکے۔

رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر مقام

چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کُل دُنیا کے انسانوں کی رُوحانی تربیت کے لیے آئے تھے۔ اس لیے یہ رنگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بدرجۂ کمال موجود تھا اور یہی وُہ مرتبہ ہے جس پر قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر حضور کی نسبت شہادت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابل اور اُسی رنگ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء: ۱۰۸) اور ایسا ہی فرمایا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: ۱۵۹) قرآن شریف کے دُوسرے مقامات پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اُمّی فرمایا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے آپؐ کا کوئی اُستاد نہ تھا۔ مگر بایں ہمہ کہ آپؐ اُمّی تھے حضور کے دین میں اُمِّيّٖنَ اَوسط درجہ کے آدمیوں کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفروں اور عالموں کو بھی کر دیا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کے معنے نہایت ہی لطیف طور پر سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جَمِيْعًا کے دو معنے ہیں۔ اوّل تمام بنی نوعِ انسان یا تمام مخلوق۔ دوم تمام طبقہ کے آدمیوں کے لیے یعنی متوسط، ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے فلاسفروں اور ہر ایک قسم کی عقل رکھنے والوں کے لیے۔ غرض ہر عقل اور ہر مزاج کا آدمی مجھ سے تعلق کر سکتا ہے۔

قرآنِ کریم کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اُسی اُمّی نے کتاب اور حکمت ہی نہیں بتلائی، بلکہ تزکیۂ نفس کی راہوں سے واقف کیا اور یہاں تک کہ اَيَدِهِمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ: ۲۳) تک پہنچا دیا۔ دیکھو اور پُر غور نظر سے دیکھو کہ قرآن شریف ہر طرز کے طالب کو اپنے مطلوب تک پہنچاتا اور ہر راستی اور صداقت کے پیاسے کو سیراب کرتا ہے، لیکن خیال تو کرو کہ یہ حکمت اور معرفت کا دریا، صداقت اور نُور کا چشمہ کس پر نازل ہوا؟ اسی محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایک طرف تو اُمّی کہلاتا ہے اور دُوسری طرف وُہ کمالات اور حقائق اُس کے مُنہ سے نکل رہے ہیں کہ دُنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر پائی نہیں جاتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ تا لوگ محسوس کریں کہ اللہ تعالیٰ کے تعلقات انسان کے ساتھ کہاں تک ہو سکتے ہیں؟ ہماری غرض اِس بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلقات بہت نازک درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ مُقرّبین سے اُلوہیت کا ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ مخلوق پرست انسان اُن کو خُدا سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بالکل دُرست اور صحیح ہے کہ ؎

مردانِ خدا، خدا نباشند لیکن ز خدا جُدا نباشند

خدا تعالیٰ اُن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ بغیر دُعاؤں کے بھی اُن کی امداد کرتا ہے۔ مُدعا یہ ہے کہ انسان کا اعلیٰ درجہ وہی نفسِ مطمئنّہ ہے جس پر مَیں نے گفتگو شروع کی ہے۔ اسی حالت میں اور تمام حالتوں سے ایسے لوازم ہو جاتے ہیں کہ

عام تعلقِ الٰہی سے بڑھ کر خاص تعلق ہو جاتا ہے، جو زمینی اور سطحی نہیں ہوتا۔ بلکہ علوی اور سماوی تعلق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یا طمینان جس کو فلاح اور استقامت بھی کہتے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: ۶) میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے اور اسی راہ کی دُعا تعلیم کی گئی ہے اور یہ استقامت کی راہ ان لوگوں کی راہ ہے جو مُنعَمٌ عَلَيْهِمْ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افضال و اکرام کے مورد ہیں۔ مُنعَمٌ عَلَيْهِمْ کی راہ کو خاص طور پر بیان کرنے سے یہ مطلب تھا کہ استقامت کی راہیں مختلف ہیں، مگر وہ اِستقامت جو کامیابی اور فلاح کی راہوں کا نام ہے۔ وُہ انبیاء علیہم السّلام کی راہیں ہیں۔ اِس میں ایک اور اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں وُہ دُعا انسان کی زبان، قلب اور فعل سے ہوتی ہے اور جب انسان خُدا سے نیک ہونے کی دُعا کرے تو اُسے شرم آتی ہے، مگر یہی ایک دُعا ہے جو اِن مشکلات کو دُور کر دیتی ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ: ۵) تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی اِمداد چاہتے ہیں۔

دُعا کرنے سے پہلے تمام قویٰ کا خرچ کرنا ضروری ہے

اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو تقدم اِس لیے ہے کہ انسان دُعا کے وقت تمام قویٰ سے کام لے کر خدا تعالیٰ کی طرف آتا ہے۔ یہ ایک بے ادبی اور گستاخی ہے کہ قویٰ سے کام نہ لے کر اور قانونِ قدرت کے قواعد سے کام نہ لے کر آوے۔ مثلاً کسان اگر تخم ریزی کرنے سے پہلے ہی یہ دُعا کرے کہ الٰہی! اِس کھیت کو ہرا بھرا کر اور پھل پھول لا، تو یہ شوخی اور گستاخی ہے۔ اسی کو خدا کا امتحان اور آزمائش کہتے ہیں، جس سے منع کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ خدا کو مت آزماؤ۔ جیسا کہ مسیح علیہ السّلام کے مائدہ مانگنے کے قصّہ میں اس امر کو بوضاحت بیان کیا گیا ہے۔ اس پر غور کرو اور سوچو۔

یہ سچی بات ہے کہ جو شخص اعمال سے کام نہیں لیتا، وُہ دُعا نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ کی آزمائش کرتا ہے۔ اس لیے دُعا کرنے سے پہلے اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرنا ضروری ہے اور یہی معنی اس دُعا کے ہیں۔ پہلے لازم ہے کہ انسان اپنے اعتقاد اعمال میں نظر کرے، کیونکہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اصلاح اسباب کے پیرایہ میں ہوتی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے کہ جو اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے۔ وُہ لوگ اس مقام پر ذرا خاص غور کریں جو کہتے ہیں کہ جب دُعا ہوئی، تو اسباب کی کیا ضرورت ہے۔ وہ نادان سوچیں کہ دُعا بجائے خود ایک مخفی سبب ہے جو دُوسرے اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا تقدم اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر جو کلمۂ دُعائیہ ہے اس امر کی خاص تشریح کر رہا ہے۔ غرض عادۃ اللہ ہم یُونہی دیکھ رہے ہیں کہ وہ خلقِ اسباب کر دیتا ہے۔ دیکھو پیاس کے بجھانے کے لیے پانی اور بھوک مٹانے کے لیے کھانا مہیا کرتا ہے، مگر اسباب کے ذریعہ پس یہ سلسلۂ اسباب یُونہی چلتا ہے اور خلقِ اسباب ضرور ہوتا ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے یہ دو نام ہی ہیں۔ جیسا کہ مولوی محمد احسن صاحب نے ذکر کیا تھا کہ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء: ۱۵۹) عزیز تو یہ

ہے کہ ہر ایک کام کر دینا اور حکیم یہ کہ ہر ایک کام کسی حکمت سے موقع اور محل کے مناسب ادر موزون کر دینا۔ دیکھو نباتات، جمادات میں قسم قسم کے خواص رکھے ہیں۔ ترنجبین ہی کو دیکھو کہ وہ ایک دو تولہ تک دست لے آتی ہے، ایسا ہی معجونیات۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ یونہی دست آجائے یا پیاس بدوں پانی ہی کے بجھ جائے۔ مگر چونکہ عجائباتِ قدرت کا علم کرانا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جس قدر واقفیت اور علم عجائباتِ قدرت کا وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اُسی قدر انسان اللہ تعالیٰ کی صفات پر اطلاع پاکر قرب حاصل کرنے کے قابل ہوتا جاتا ہے۔ طبابت، ہیئت سے ہزارہا خواص معلوم ہوتے ہیں۔

خواص الاشیاء کا ہی نام علم ہے

علوم ہیں ہی کیا؟ صرف خواص الاشیاء ہی کا تو نام ہے۔ ستارہ، ستارہ، نباتات کی تاثیریں اگر نہ رکھتا تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ علیم پر ایمان لانا انسان کے لیے مشکل ہو جاتا۔

یہ ایک یقینی امر ہے کہ ہمارے علم کی بنیاد خواص الاشیاء ہے۔ اس سے یہ غرض ہے کہ ہم حکمت سیکھیں۔ علوم کا نام حکمت بھی رکھا ہے، چنانچہ فرمایا: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (البقرۃ: ۲۷۰)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا مقصد

پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا مقصد یہی ہے کہ اس دعا کے وقت اُن لوگوں کے اعمال، اخلاق، عقائد کی نقل کرنی چاہیے جو مُنعَم عَلَیْہِ ہیں جہاں تک انسان سے ممکن ہو عقائد، اخلاق اور اعمال سے کام لے۔ اس امر کو تم مشاہدہ میں دیکھ سکتے ہو کہ جب تک انسان اپنے قویٰ سے کام نہیں لیتا، وہ ترقی نہیں کر سکتا یا اُن کو اصل غرض اور مقصود سے ہٹا کر کوئی اور کام اُن سے لیتا ہے، جس کے لیے وہ خلق نہیں ہوئے۔ تو بھی وہ ترقی کی راہ میں نہ بڑھیں گے۔ اگر آنکھ کو چالیس روز بند رکھا جاوے گا، تو اس کے دیکھنے کی طاقت سلب ہو جاوے گی۔ پس یہ ضروری امر ہے کہ پہلے قویٰ کو اُن کے فطرتی کاموں پر لگاؤ، تو اور بھی ملے گا۔ ہمارا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ جہاں تک عملی طاقتوں سے کام لیا جاوے، اللہ تعالیٰ اُس پر برکت نازل کرتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اوّل عقائد، اخلاق، اعمال کو دُرست کرو۔ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا مانگو، تو اُس کا اثر کامل طور پر ظاہر ہوگا۔

اُمتِ مرحومہ کہنے کی وجہ

خاص طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُمتِ مرحومہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے جس کے لیے آفات پیدا ہونے لگی ہیں۔ انسان کی حرکت گناہوں اور معاصی کی طرف ایسی ہے، جیسے کہ ایک پتھر نیچے کو چلا جاتا ہے۔ اُمتِ مرحومہ اس لیے کہلاتی ہے کہ معاصی کا زور ہو گیا۔ جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) اور دُوسری جگہ فرمایا: يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الروم: ۲۰) ان سب آیات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دو نقشے دکھائے ہیں۔ اوّل الذکر میں تو اس زمانہ کا جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اس وقت

جبکہ دُنیا کی حالت بہت ہی قابلِ رحم ہوگئی تھی۔ اخلاق، اعمال، عقائد سب کا نام و نشان مٹ گیا تھا۔ اس لیے اس اُمت کو مرحومہ کہا گیا، کیونکہ اس وقت بڑے ہی رحم کی ضرورت تھی اور اسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ: مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸)۔

قابلِ رحم اُس شخص کو کہتے ہیں جسے سانپوں کی زمین پر چلنے کا حکم ہو یعنی خطراتِ عظیمہ اور آفاتِ شدیدہ درپیش ہوں۔ پس اُمتِ مرحومہ اس لیے کہا کہ یہ قابلِ رحم ہے۔ جب انسان کو مشکل کام دیا جاتا ہے، تو وہ مشکل قابلِ رحم ہوتی ہے شرارتوں میں تجربہ کار، بداندیش خطاکاروں سے مقابلہ ٹھہرا اور پھر اُمّی جیسے حضرت نے فرمایا کہ ہم اُمّی ہیں اور حساب نہیں جانتے۔ پس اُمیوں کو شریر قوموں کا مقابلہ کرنا پڑا، جو مکائد اور شرارتوں میں تجربہ کار تھے، اس لیے اس کا نام اُمتِ مرحومہ رکھا۔ مُسلمانوں کو کس قدر خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قابلِ رحم سمجھا۔ پہلے واعظ انبیاء ایسے دقتوں میں آتے تھے کہ لوگ مکائد سے واقف نہ ہوتے اور بعض اپنی ہی قوم میں آتے تھے، لیکن اب لوگ مکائد اور دُنیا کے علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس میں پکے ماہر ہیں اور راستبازوں کو اِس جہان کے ظاہری عُلوم اور مادی عقلوں سے اور اُن کے پیچ در پیچ منصوبوں اور داؤں سے بہت کم مناسبت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اے عیسیٰؑ! میں تیرے بعد ایک اُمت کو پیدا کرنے والا ہوں جو نہ عقل رکھے گی اور نہ علم یعنی اُجڈ ہوگی۔ آپؑ نے عرض کی۔ یَا رَبِّ كَيْفَ يَعْرِفُوْنَكَ؟ اے اللہ! جبکہ وُہ علم اور عقل سے بہرہ ور نہ ہوں گے، تو تجھے کیونکر پہچانیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا علم اور عقل دُوں گا۔

اہلِ اِسلام کو سماوی علوم سے مناسبت ہے

اِس سے بڑی بشارت ملتی ہے۔ جیسے ہمارے مخالفوں کو اَرضی علوم سے مناسبت ہے، ایسے ہی اہلِ اسلام کو سماوی عُلوم سے۔ ایک گنوار مُسلمان کی سچی رؤیا اور خوابیں بڑے بڑے فلاسفروں، بشپوں اور پنڈتوں کے خوابوں سے طاقت میں بڑھ کر ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المجمعۃ: ۵) پس مُسلمانوں کو واجب ہے کہ اپنے اس حُسنِ حقیقی کا شُکر کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (ابراہیم: ۸) یعنی اگر تم میرا شکر کرو گے، تو میں اپنی دی ہوئی نعمت کو زیادہ کروں گا اور بصورتِ کفر عذاب میرا سخت ہے۔ یاد رکھو کہ جب اُمت کو مرحومہ قرار دیا ہے اور عُلومِ لدنیہ سے اُسے سرفرازی بخشی ہے، تو عملی طور پر شکر واجب ہے۔ الغرض اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں تمام مُسلمانوں کو لازم ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا لحاظ رکھیں، کیونکہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر مقدم رکھا ہے۔ پس پہلے عملی طور پر شکریہ کرنا چاہیے اور یہی مطلب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں رکھا ہے۔ یعنی دُعا سے پہلے اسبابِ ظاہری کی رعایت اور نگہداشت ضروری طور پر کی جاوے۔ اور پھر دُعا کی طرف رجُوع ہو۔ اوّلاً عقائد، اخلاق اور عادات کی اصلاح ہو۔ پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

اخلاق انسان کے صالح ہونے کی نشانی ہیں

اب مَیں ایک اور ضروری اور اشد ضروری بات بیان کرنی چاہتا ہوں۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ لاپرواہی اور عدم توجہی سے نہ سُنے۔ یاد رکھو کہ اخلاق انسان کے صالح ہونے کی نشانی ہیں۔ عام طور پر حدیث شریف میں مُسلمانوں کی یہی تعریف آئی ہے کہ "مُسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مُسلمان سلامت ہیں"

{یہاں تک حضورؑ نے تقریر فرمائی تھی کہ نمازِ عصر کا وقت ہوگیا؛ چنانچہ آپؑ نے اور کُل حاضرین نے نہایت خلوص اور پتے جوش سے نمازِ عصر ادا کی اور پھر سب کے سب ہمہ تن گوش ہو کر "مردِ خدا" کی باتیں سننے لگے اور آپؑ نے تقریر پھر شروع کیا۔ ایڈیٹر}

مَیں نے اس ذکر کو چھوڑا تھا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا تعلیم کرنے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔ کہ انسان تین پہلو مدِنظر رکھے۔ اوّل، اخلاقی حالت۔ دوم، حالتِ عقائد۔ سوم، اعمال کی حالت۔ مجموعی طور پر یُوں کہو کہ انسان خداداد قوتوں کے ذریعے سے اپنے حال کی اصلاح کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ یہ مطلب نہیں کہ اِصلاح کی صورت میں دُعا نہ کرے۔ نہیں اُس وقت بھی مانگتا رہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں فاصلہ نہیں ہے؛ البتہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں تقدّمِ زمانی ہے، کیونکہ جس حال میں اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دُعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا اور انواع واقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں۔ اس وقت ہماری دُعا نہ تھی اسوقت خدا کا فضل تھا اور یہی تقدّم ہے۔

رحمانیت اور رحیمیت

یہ یاد رہے کہ رحم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک رحمانیت اور دُوسرا رحیمیت کے نام سے مُوسوم ہے۔ رحمانیت تو ایسا فیضان ہے کہ جو ہمارے وجُود اور ہستی سے بھی پہلے شروع ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل اپنے علمِ قدیم سے دیکھ کر اس قسم کا زمین و آسمان اور ارضی اور سماوی اشیاء ایسی پیدا کی ہیں، جو سب ہمارے کام آنے والی ہیں اور کام آتی ہیں اور ان سب اشیاء سے انسان ہی عام طور پر فائدہ اُٹھاتا ہے۔ بھیڑ بکری اور دیگر حیوانات جبکہ بجائے خود انسان کے لیے مفید شے ہیں۔ تو وُہ کیا فائدہ اٹھاتے ہیں؟ دیکھو جسمانی اُمور میں انسان کیسی کیسی لطیف اور اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا گوشت انسان کے لیے ہے۔ ٹکڑے اور ہڈیاں کُتوں کے واسطے۔ جسمانی طور پر جو حظوظ اور لذّات انسان کو حاصل ہیں گو حیوان بھی اس میں شریک ہیں، مگر انسان کو وہ بدرجۂ اعلیٰ حاصل ہیں اور رُوحانی لذّات میں جانور شریک بھی نہیں ہیں۔ پس یہ دو قسم کی رحمتیں ہیں۔ ایک وُہ جو ہمارے وجُود سے پہلے پیش از وقت کے طور پر تقدّمہ کی صُورت میں عناصر وغیرہ اشیاء پیدا کیں جو ہمارے کام میں لگی ہوئی ہیں اور یہ ہمارے وجود، خواہش اور دُعا سے پہلے ہیں، جو رحمانیت کے تقاضے سے پیدا ہوتے۔

اور دُوسری رحمت رحیمیت کی ہے۔ یعنی جب ہم دُعا کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ غور کیا جاوے تو معلوم ہو

گا کہ قانونِ قدرت کا تعلق ہمیشہ سے دُعا کا تعلق ہے۔ بعض لوگ آجکل اس کو بدعت سمجھتے ہیں۔ ہماری دُعا کا جو تعلق خدا تعالیٰ سے ہے، مَیں چاہتا ہوں کہ اُسے بھی بیان کر دُوں۔

ایک بچہ جب بھوک سے بیتاب ہو کر دُودھ کے لیے چلاّتا اور چیختا ہے، تو ماں کے پستان میں دُودھ جوش مار کر آجاتا ہے۔ بچہ دُعا کا نام بھی نہیں جانتا، لیکن اُس کی چیخیں دُودھ کو کیونکر کھینچ کر لاتی ہیں؟ اس کا ہر ایک کو تجربہ ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ مائیں دُودھ کو محسوس بھی نہیں کرتیں، مگر بچہ کی چلاّہٹ ہے کہ دُودھ کو کھینچے لاتی ہے۔ تو کیا ہماری چیخیں جب اللہ تعالیٰ کے حضور ہوں، تو وہ کچھ بھی نہیں کھینچ کر لا سکتیں؟ آتا ہے اور سب کچھ آتا ہے۔ مگر آنکھوں کے اندھے جو فاضل اور فلاسفر بنے بیٹھے ہیں وہ دیکھ نہیں سکتے۔ بچہ کو جو مناسبت ماں سے ہے اس تعلق اور رشتہ کو انسان اپنے ذہن میں رکھ کر دُعا کی فلاسفی پر غور کرے، تو وہ بہت آسان اور سہل معلوم ہوتی ہے۔ دُوسری قسم کا رحم یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک رحم مانگنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ مانگتے جاؤ گے، ملتا جائے گا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) کوئی تقاضی نہیں بلکہ یہ انسانی سرشت کا ایک لازمہ ہے۔

مانگنا انسان کا خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالیٰ کا

مانگنا انسان کا خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالیٰ کا۔ جو نہیں سمجھتا اور نہیں مانتا، وہ جھوٹا ہے۔ بچہ کی مثال جو مَیں نے بیان کی ہے وہ دُعا کی فلاسفی خوب حل کر کے دکھاتی ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت دو نہیں ہیں پس جو ایک کو چھوڑ کر دُوسری کو چاہتا ہے اُسے مل نہیں سکتا۔ رحمانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ ہم میں رحیمیت سے فیض اُٹھانے کی سکت پیدا کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا، وہ کافرِ نعمت ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے معنی ہیں کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ ان ظاہری سامانوں اور اسباب کی رعایت سے جو تُو نے عطا کیے ہیں۔ دیکھو۔ یہ زبان جو عروق اور اعصاب سے خلق کی ہے اگر ایسی نہ ہوتی تو ہم بول نہ سکتے۔ ایسی زبان دُعا کے واسطے عطا کی جو قلب کے خیالات تک کو ظاہر کر سکے۔ اگر ہم دُعا کا کام زبان سے نہ لیں، تو یہ ہماری شوربختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وہ زبان کو لگ جاویں تو یکدفعہ ہی زبان اپنا کام چھوڑ بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان گُونگا ہو جاتا ہے۔ پس یہ کیسی رحیمیت ہے کہ ہم کو زبان دے رکھی ہے۔ ایسا ہی کانوں کی بناوٹ میں فرق آجاوے، تو خاک بھی سنائی نہ دے۔ ایسا ہی قلب کا حال ہے وہ جو خشوع و خضوع کی حالت رکھی ہے اور سوچنے اور تفکر کی قوتیں رکھی ہیں۔ اگر بیماری آجاوے تو وہ سب قریباً بیکار ہو جاتی ہیں۔ مجنونوں کو دیکھو کہ اُن کے قویٰ کیسے بیکار ہو جاتے ہیں۔ تو کیا یہ ہم کو لازم نہیں کہ ان خداداد نعمتوں کی قدر کریں؟ اگر اُن قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے ہم کو عطا کیے ہیں۔ بیکار چھوڑ دیں، تو لائریب ہم کافرِ نعمت ہیں۔ پس یاد رکھو کہ اگر اپنی قوتوں اور طاقتوں کو معطّل چھوڑ کر دُعا کرتے ہیں۔ تو دُعا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ جب ہم نے پہلے عطیہ سے کچھ کام نہیں لیا، تو دوسرے کو کب اپنے لیے مفید اور کارآمد بنا سکیں گے۔

سچی بصیرت مانگنے کی ہدایت

پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ یہ بتلا رہا ہے کہ اے ربّ العالمین! تیرے پہلے عطیہ کو بھی ہم نے بیکار اور برباد نہیں کیا۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے سچی بصیرت مانگے۔ کیونکہ اگر اُس کا فضل اور کرم دستگیری نہ کرے، تو عاجز انسان اِس تاریکی اور اندھکار میں پھنسا ہوا ہے کہ وُہ دُعا ہی نہیں کر سکتا۔ پس جب تک انسان خدا کے اُس فضل کو جو رحمانیت کے فیضان سے اُسے پہنچا ہے کام میں لاکر دُعا نہ مانگے۔ کوئی نتیجہ بہتر نہیں نکال سکتا۔

مَیں نے عرصہ ہوا انگریزی قانون میں یہ دیکھا تھا کہ تعاقدی کے لیے پہلے کچھ سامان دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح قانونِ قدرت کی طرف دیکھو کہ جو کچھ ہم کو پہلے ملا ہے۔ اس سے کیا بنایا؟ اگر عقل و ہوش، آنکھ کان رکھتے ہوئے نہیں بیکے ہو اور حق اور دیوانگی کی طرف نہیں گئے، تو دُعا کرو اور بھی فیضِ الٰہی ملے گا؛ ورنہ محرومی اور بدقسمتی کے لچھن ہیں۔

حکمت کے معنی

بسا اوقات ہمارے دوستوں کو عیسائیوں سے واسطہ پڑیگا۔ وہ دیکھیں گے کہ کوئی بھی بات نادانوں میں ایسی نہیں جو حکیم خدا کی طرف منسوب ہو سکے۔ حکمت کے معنی کیا ہیں؟ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ۔ مگر اُن میں دیکھو گے کہ کوئی فعل اور حکم بھی اس کا مصداق نظر نہیں آتا۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر جب ہم پُرغور نظر کرتے ہیں تو اشارۃ النص کے طور پر پتہ لگتا ہے کہ بظاہر تو اس سے دُعا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ الصراط المستقیم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم ہے لیکن اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس کے سر پر بتلا رہا ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں یعنی راہِ راست کے منازل کے لیے قوائے سلیم سے کام لے کر استعانتِ الٰہی کو مانگنا چاہیے۔

اخلاق سے کیا مراد ہے

اب سوچنا چاہیے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جو مانگنی چاہئیں۔ اوّل اخلاق، جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اخلاق سے کوئی صرف نرمی کرنا ہی مراد نہ لے لے۔ خُلق اور خَلق دو لفظ ہیں، جو بالمقابل معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ خَلق ظاہری پیدائش کا نام ہے۔ جیسے کان، ناک یہانتک کہ بال وغیرہ بھی سب خَلق میں شامل ہیں اور خُلق باطنی پیدائش کا نام ہے۔ ایسا ہی باطنی قویٰ جو انسان اور غیر انسان میں مابہ الامتیاز ہیں، وُہ سب خُلق میں داخل ہیں۔ یہانتک کہ عقل، فکر وغیرہ تمام قوتیں خُلق ہی میں داخل ہیں۔

خُلق سے انسان اپنی انسانیت کو دُرست کرتا ہے۔ اگر انسانوں کے فرائض نہ ہوں، تو فرض کرنا پڑے گا کہ آدمی ہے؟ گدھا ہے؟ یا کیا ہے؟ جب خُلق میں فرق آجاوے، تو صُورت ہی رہتی ہے۔ مثلاً عقل ماری جاوے تو مجنون کہلاتا ہے صرف ظاہری صورت سے ہی انسان کہلاتا ہے۔ پس اخلاق سے مراد خدا تعالیٰ کی رضا جوئی (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں مجسم نظر آتا ہے) کا حصُول ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرزِ زندگی کے موافق اپنی زندگی بنانے کی کوشش کرے۔ یہ اخلاق بطور بنیاد کے ہیں۔ اگر وہ متزلزل رہے تو اس پر عمارت نہیں بنا سکتے۔ اخلاق ایک اینٹ پختہ عمدہ اینٹ کا رکھنا ہے۔ اگر ایک اینٹ ٹیڑھی ہو، تو ساری دیوار ٹیڑھی رہتی ہے۔

کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج　　تا ثریا مے رود دیوار کج

ان باتوں کو نہایت توجہ سے سُننا چاہیے۔ اکثر آدمیوں کو مَیں نے دیکھا اور غور سے مُطالعہ کیا ہے کہ بعض سخاوت تو کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی غصّہ وَراور زود رنج ہیں۔ بعض حلیم تو ہیں، لیکن بخیل ہیں۔ بعض غضب اور طیش کی حالت میں ڈنڈے مار مار کر گھائل کر دیتے ہیں، مگر تواضع اور اِنکسار نام کو نہیں۔ بعض کو دیکھا ہے کہ تواضع اور اِنکسار تو اُن میں پرلے درجہ کا ہے، مگر شجاعت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ طاعون اور ہیضہ کا نام بھی سُن لیں، تو دست لگ جاتے ہیں۔ مَیں یہ خیال نہیں کرتا کہ جو ایسے طور پر شجاعت نہیں کرتا، اُس کا ایمان نہیں۔ صحابہ کرامؓ میں بھی بعض ایسے تھے کہ اُن کو لڑائی کی قوت اور جانچ نہ تھی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معذُور رکھتے تھے۔ یہ اخلاق بہت ہیں۔ مَیں نے جلسہ مذاہب کی تقریر میں اِن سب کو واضح طور پر اور مفصّل بیان کیا ہے۔ ہر اِنسان جامع صِفات بھی نہیں اور بالکل محرُوم بھی نہیں ہے۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ

سب سے اکمل نمُونہ اور نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو جمیع اخلاق میں کامل تھے۔ اسی لیے آپؐ کی شان میں فرمایا: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵)۔

ایک وقت ہے کہ آپؐ فصاحت بیانی سے ایک گروہ کو تصویر کی صُورت حیران کر رہے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ تیر و تلوار کے میدان میں بڑھ کر شجاعت دکھاتے ہیں۔ سخاوت پر آتے ہیں، تو سونے کے پہاڑ بخشتے ہیں۔ حِلم میں اپنی شان دکھاتے ہیں، تو واجب القتل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ الغرض رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر اور کامل نمُونہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔ اس کی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے۔ جس کے سایہ میں بیٹھ کر انسان اس کے ہر جُزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرے۔ اس کا پھل، اس کا پھُول اور اس کی چھال، اس کے پتّے۔ غرضیکہ ہر چیز مفید ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس عظیم الشان درخت کی مثال ہیں۔ جس کا سایہ ایسا ہے کہ کروڑہا مخلوق اس میں مُرغی کے پَروں کی طرح آرام اور پناہ لیتی ہے۔ لڑائی میں سب سے بہادر وُہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا تھا، کیونکہ آپؐ بڑے خطرناک مقام میں ہوتے تھے۔ سُبحان اللہ! کیا شان ہے۔ اُحد میں دیکھو کہ تلواروں پر تلواریں پڑتی ہیں۔ ایسی گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے کہ صحابہؓ برداشت نہیں کر سکتے، مگر یہ مردِ میدان سینہ سپر ہو کر لڑ رہا ہے۔ اس میں صحابہؓ کا قصور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا، بلکہ اس میں بھید یہ تھا کہ تا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا نمُونہ دکھایا جاوے۔ ایک موقع پر تلوار پر تلوار پڑتی تھی اور آپؐ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے کہ مُحمّد رسُول اللہ مَیں ہوں۔ کہتے ہیں حضرتؐ کی پیشانی پر ستر زخم لگے۔ مگر زخم خفیف تھے، یہ خُلقِ عظیم تھا۔

ایک وقت آتا ہے کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکریاں تھیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی نہ ہوں۔ آپؐ نے وُہ

سب ایک سائل کو بخش دیں۔ اب اگر پاس نہ ہوتا، تو کیا بخشتے۔ اگر حکومت کا رنگ نہ ہوتا، تو یہ کیونکر ثابت ہوتا کہ آپؐ واجبُ القتل کفارِ مکہ کو باوجود مقدرتِ انتقام کے بخش سکتے ہیں۔ جنھوں نے صحابہ کرامؓ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمان عورتوں کو سخت سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی تھیں۔ جب وُہ سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ (یوسف: ۹۳) میں نے آج تم کو بخش دیا۔ اگر ایسا موقع نہ ملتا تو ایسے اخلاقِ فاضلہ حضورؐ کے کیونکر ظاہر ہوتے۔ یہ شان آپؐ کی اور صرف آپؐ کی ہی تھی۔ کوئی ایسا خُلق بتلاؤ جو آپؐ میں نہ ہو اور پھر بدرجۂ غایت کامل طور پر نہ ہو۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ان کے اخلاق بالکل مخفی ہی رہے۔ شریر یہود جن کو گورنمنٹ کے ہاں کُرسیاں ملتی تھیں اور رُومی گورنمنٹ ان کے گروہ کی وجہ سے عزت کرتی تھی مسیحؑ کو تنگ کرتے رہے، مگر کوئی اقتدار کا وقت حضرت مسیحؑ کی زندگی میں ایسا نہ آیا، جس سے معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں تک باوجود مقدرتِ انتقام کے عفو سے کام لیتے ہیں، مگر برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ایسے ہیں کہ وُہ مشاہدہ اور تجربہ کی محک پر کامل المعیار ثابت ہوتے۔ یہ صرف باتیں ہی نہیں، بلکہ اُن کی صداقت کا ثبوت ہمارے ہاتھ میں ایسا ہی ہے، جیسے ہندسہ اور حساب کے اُصول صحیح اور یقینی ہیں اور ہم دو اور دو چار کی طرح اُن کو ثابت کر سکتے ہیں، لیکن کسی اور نبی کا متبع ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی لیے آپؐ کی مثال ایک ایسے درخت سے دی، جس کی جڑ، چھال، پھل، پھول، پتے غرضیکہ ہر ایک چیز مفید اور غایت درجہ مفید۔ راحت رساں اور سُرور بخش ہے۔ چونکہ جناب سرورِ کائنات علیہ التحیات کے بعد اُمت میں ایک تفرقہ پیدا ہو گیا، اس لیے وُہ جامعیتِ اخلاق بھی نہ رہی، بلکہ جُدا جُدا اور متفرق طور پر وُہ مجموعہ اخلاق پھیل گیا۔ اس لیے بعض آدمی بعض اخلاق کو آسانی سے صادر کر سکتے ہیں۔

تزکیۂ نفس اور فلاح ہدایتِ الٰہی تو یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس: ۱۰، ۱۱) نجات پائے گا وہ شخص جس نے تزکیۂ نفس کیا اور ہلاک ہو گیا وہ آدمی جس نے نفس کو بگاڑا۔ فلح چیرنے کو کہتے ہیں۔ فلاحت زراعت کو کہتے ہیں۔ تزکیۂ نفس میں بھی فلاحت ہے۔ مجاہدہ انسانی نفس کو اُس کی خرابیوں اور سختیوں سے صاف کر کے اس قابل بنا دیتا ہے کہ اس میں ایمانِ صحیح کی تخم ریزی کی جاوے۔ پھر وُہ شجرِ ایمان بار آور ہونے کے لائق بن جاتا ہے۔ چونکہ ابتدائی مراحل اور منازل میں متقی کو بڑی بڑی مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے فلاح سے تعبیر کیا ہے۔ دُوسری جگہ فرمایا ہے: قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (الذاریات: ۱۱، ۱۲) اللہ تعالیٰ کفار کا حال بیان کرتا ہے کہ ستیاناس ہو گیا اٹکل بازیاں کرنے والوں کا۔ جن کے نفوس غمرہ میں پڑے ہوتے ہیں۔ غمرہ دبانے والی چیز کو کہتے ہیں، جو سر اٹھانے نہ دے کھیت پر بھی غمرہ پڑتا ہے، جسے کرنڈ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اٹکل بازیاں کرنے والوں کا ستیاناس ہو گیا۔ ہنوز اُن کے نفوس غمرہ میں پڑے ہوتے ہیں۔ مومنوں کو اس آیت میں ایک نظیر دے کر متنبہ کیا جاتا ہے کہ جب تک

غمزہ دُور نہ ہو تب تک علیٰ وجہ البصیرت کام نہیں ہو سکتا اور وُہ اُولوالابصار نہیں کہلا سکتے۔ قُتِلَ اس لیے فرمایا کہ وُہ رحم کی جگہ ہے۔ گویا وُہ فاعل بھی خود ہی ہیں۔ اپنے آپ کو خود ہلاک کیا۔ بعض آدمیوں میں خرّاص ہونے کا مادہ ہوتا ہے۔ وُہ بصیرت اور دُور اندیشی سے کام نہیں لیتے، بلکہ ظنونِ فاسدہ اور اٹکلوں سے کام لیتے ہیں اور وُہ اسی میں اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ میری غرض یہ تھی کہ حصّہ اخلاق میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کامل نمونہ پیش کروں۔ جو ایک فردِ اکمل تھے۔ زاں بعد متفرق طور پر آپؐ کے اخلاق سے حصّہ لیا گیا۔ کسی نے ایک لیا اور دُوسرے نے کوئی اور۔ اور ایک کو دُوسرے میں غمزہ ہو گیا۔ جس طرح کسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس غمزہ کو دُور کرے؛ ورنہ اس کا نتیجہ دُوسرے پودوں پر اچھا نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہر ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندرونی غمزہ کو دُور کرے؛ ورنہ اندیشہ ہے کہ دُوسری صفاتِ حسنہ کو بھی نہ کھو بیٹھے۔

لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ کا وسیع مفہوم

یہ بات ٹھیک نہیں کہ بعض اخلاق کے تبدیل پر انسان قادر ہے۔ اور بعض پر نہیں۔ نہیں نہیں! ہر ایک مرض کا علاج موجود ہے۔ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ۔ افسوس! لوگ آپؐ کے اس مبارک قول کی قدر نہیں کرتے اور اس کو صرف ظاہری امراض تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔ یہ کس قدر نادانی اور غلطی ہے۔ جس حال میں ایک فانی جسم کے لیے اس کی اصلاح اور بھلائی کے کُل سامان موجود ہیں، تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انسان کی رُوحانی امراض کا مداوا اللہ تعالیٰ کے حضور کچھ بھی نہ ہو؟ ہے! اور ضرور ہے!!

یہ ایک واقعی اور یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ اُن لوگوں کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں، لیکن جو کسل اور سُستی سے کام کرتے ہیں، وُہ آخر کار ہلاک ہو جاتے ہیں۔

پیرانہ سالی کی دو قسمیں

انسان پر جیسے ایک طرف نقص فی الخَلق کا زمانہ آتا ہے، جسے بڑھاپا کہتے ہیں۔ اُس وقت آنکھیں اپنا کام چھوڑ دیتی ہیں اور کان شنوا نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ ہر ایک عضوِ بدن اپنے کام سے عاری اور معطّل کے قریب قریب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے یاد رکھو کہ پیرانہ سالی دو قسم کی ہوتی ہے۔ طبعی اور غیر طبعی۔ طبعی تو وہ ہے جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا۔ غیر طبعی وُہ ہے کہ کوئی اپنی امراضِ لاحقہ کا فکر نہ کرے، تو وہ انسان کو کمزور کر کے قبل از وقت پیرانہ سال بنا دیں۔ جیسے نظامِ جسمانی میں یہ طریق ہے ایسا ہی اندرونی اور رُوحانی نظام میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے اخلاقِ فاسدہ کو اخلاقِ فاضلہ اور خصائلِ حسنہ سے تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا، تو اس کی اخلاقی حالت بالکل گر جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد اور قرآن کریم کی تعلیم سے یہ امر بداہت ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ایک مرض کی دوا ہے، لیکن اگر کسل اور سُستی انسان پر غالب آجاوے، تو بجز ہلاکت کے اور کیا چارہ ہے۔ اگر ایسی بے نیازی سے زندگی بسر کرے جیسی کہ ایک بوڑھا کرتا ہے، تو کیونکر بچاؤ ہو سکتا ہے۔

تبدیلِ اخلاق مجاہدہ اور دُعا سے ممکن ہے

جب تک انسان مجاہدہ نہ کرے گا، دُعا سے کام نہ لے گا وہ عمر جو دل پر پڑ جاتا ہے، دُور نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) یعنی خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی آفت اور بلا کو جو قوم پر آتی ہے دُور نہیں کرتا ہے، جبتک خود قوم اس کو دُور کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہمت نہ کرے، شجاعت سے کام نہ لے تو کیونکر تبدیلی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک لاتبدیل سُنّت ہے۔ جیسے فرمایا: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (الاحزاب: ۶۳) پس ہماری جماعت ہو یا کوئی ہو، وہ تبدیلِ اخلاق اُسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ مجاہدہ اور دُعا سے کام لیں، ورنہ ممکن نہیں ہے۔

تبدیلِ اخلاق کے متعلق دو مذہب

حکماء کے تبدیلِ اخلاق پر دو مذہب ہیں۔ ایک تو وُہ ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ انسان تبدیلِ اخلاق پر قادر ہے اور دُوسرے وہ ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ وہ قادر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسل اور سُستی نہ ہو اور ہاتھ پیر ہلا دے، تو تبدیل ہو سکتے ہیں۔ مجھے اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یُونانیوں کے مشہور فلاسفر افلاطُون کے پاس ایک آدمی آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر اطلاع کرائی۔ افلاطُون کا قاعدہ تھا کہ جبتک آنے والے کا حُلیہ اور نقوشِ چہرہ کو معلوم نہ کر لیتا تھا، اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ اور وہ قیافہ سے اِستنباط کر لیتا تھا کہ شخصِ مذکور کیسا ہے، کس قسم کا ہے۔ نوکر نے آکر اس شخص کا حُلیہ حسبِ معمول بتلایا۔ افلاطُون نے جواب دیا کہ اُس شخص کو کہہ دو کہ چونکہ تم میں اخلاقِ رذیلہ بہت ہیں، میں ملنا نہیں چاہتا۔ اُس آدمی نے جب افلاطُون کا یہ جواب سُنا، تو نوکر سے کہا کہ تم جا کر کہہ دو کہ جو کچھ آپ نے فرمایا، وہ ٹھیک ہے، مگر میں نے اپنی عادتِ رذیلہ کا قلع قمع کر کے اصلاح کر لی ہے۔ اس پر افلاطُون نے کہا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے؛ چنانچہ اُس کو اندر بلایا اور نہایت عزّت و احترام کے ساتھ اُس سے ملاقات کی۔ جن حکماء کا یہ خیال ہے کہ تبدیلِ اخلاق ممکن نہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ملازمت پیشہ لوگ جو رشوت لیتے ہیں جب وُہ سچی توبہ کر لیتے ہیں، پھر اگر ان کو کوئی سونے کا پہاڑ بھی دے، تو اس پر نگاہ نہیں کرتے۔

توبہ کے تین شرائط

توبہ دراصل حصُولِ اخلاق کے لیے بڑی محرک اور مؤید چیز ہے اور انسان کو کامل بنا دیتی ہے۔ یعنی جو شخص اپنے اخلاقِ سیئہ کی تبدیلی چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ سچے دل اور پکّے ارادے کے ساتھ توبہ کرے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ توبہ کے تین شرائط ہیں۔ بدُوں اُن کی تکمیل کے سچّی توبہ جسے توبۃ النصوح کہتے ہیں، حاصل نہیں ہوتی۔

اِن ہر سہ شرائط میں سے پہلی شرط جسے عربی زبان میں اقلاع کہتے ہیں یعنی اُن خیالاتِ فاسدہ کو دُور کر دیا جاوے جو ان خصائلِ رذیلہ کے محرّک ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تصوّرات کا بڑا بھاری اثر پڑتا ہے، کیونکہ حیطۂ عمل میں

آنے سے پیشتر ہر ایک فعل ایک تصوری صورت رکھتا ہے۔ پس توبہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اُن خیالاتِ فاسدہ و تصوراتِ بد کو چھوڑ دے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی عورت سے کوئی ناجائز تعلق رکھتا ہے، تو اُسے توبہ کرنے کے لیے پہلے ضروری ہے کہ اس کی شکل کو بدصورت قرار دے اور اس کی تمام خصائلِ رذیلہ کو اپنے دل میں مستحضر کرے، کیونکہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے۔ تصورات کا اثر بہت زبردست اثر ہے اور میں نے صوفیوں کے تذکروں میں پڑھا ہے کہ انھوں نے تصور کو یہاں تک پہنچایا کہ انسان کو بندر یا خنزیر کی صورت میں دیکھا۔ غرض یہ ہے کہ جیسا کوئی تصور کرتا ہے، ویسا ہی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ پس جو خیالاتِ بد لذات کا موجب سمجھے جاتے تھے ان کا قلع قمع کرے۔ یہ پہلی شرط ہے۔

دُوسری شرط ندم ہے یعنی پشیمانی اور ندامت ظاہر کرنا۔ ہر ایک انسان کا کانشنس اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وُہ اس کو ہر بُرائی پر متنبہ کرتا ہے، مگر بدبخت انسان اس کو معطل چھوڑ دیتا ہے۔ پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پر پشیمانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چند روزہ ہیں اور پھر یہ بھی سوچے کہ ہر مرتبہ اس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں آکر جبکہ قویٰ بیکار اور کمزور ہو جائیں گے آخر ان سب لذاتِ دُنیا کو چھوڑنا ہوگا۔ پس جبکہ خود زندگی ہی میں یہ سب لذات چھوٹ جانے والی ہیں، تو پھر اُن کے ارتکاب سے کیا حاصل؟ بڑا ہی خوش قسمت ہے وُہ انسان جو توبہ کی طرف رجُوع کرے اور جس میں اوّل اقلاع کا خیال پیدا ہو یعنی خیالاتِ فاسدہ و تصوراتِ بیہودہ کا قلع قمع کرے۔ جب یہ نجاست اور ناپاکی نکل جاوے تو پھر نادم ہو اور اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

تیسری شرط عزم ہے۔ یعنی آئندہ کے لیے مصمم ارادہ کرلے کہ پھر اُن برائیوں کی طرف رجُوع نہ کرے گا اور جب وُہ مُداومت کرے گا، تو خدا تعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ سیئات اس سے قطعاً زایل ہو کر اخلاقِ حسنہ اور افعالِ حمیدہ اُس کی جگہ لے لیں گے اور یہ فتح ہے اخلاق پر۔ اس پر قوت اور طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کیونکہ تمام طاقتوں اور قوتوں کا مالک وہی ہے۔ جیسے فرمایا: اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ: ۱۶۶) ساری قوتیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں اور انسان ضعیف البُنیان تو کمزور ہستی ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النسآء: ۲۹) اُس کی حقیقت ہے۔ پس خدا تعالیٰ سے قوت پانے کے لیے مندرجہ بالا ہر سہ شرائط کو کامل کرکے انسان کسل اور سُستی کو چھوڑ دے اور ہمہ تن مُستعد ہو کر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ تبدیلِ اخلاق کر دے گا۔

اصلی شہ زور کون ہے؟

ہماری جماعت میں شہ زور اور پہلوانوں کی طاقت رکھنے والے مطلوب نہیں، بلکہ ایسی قوت رکھنے والے مطلوب ہیں جو تبدیلِ اخلاق کے لیے کوشش کرنے والے ہوں۔ یہ ایک امرِ واقعی ہے کہ وہ شہ زور اور طاقت والا نہیں جو پہاڑ کو جگہ سے ہٹا سکے۔ نہیں نہیں۔ اصلی بہادر وہی ہے جو تبدیلِ اخلاق پر مقدرت پاوے۔ پس یاد رکھو کہ ساری ہمت اور قوت تبدیلِ اخلاق میں صرف

کرو، کیونکہ یہی حقیقی قوت اور دلیری ہے۔

خُلقِ عظیم بڑی بھاری کرامت ہے

مَیں نے کل یا پرسوں بیان کیا تھا کہ خُلقِ عظیم بڑی بھاری کرامت ہے جو خوارق عادت اُمور کو بھی مشتبہ کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر آج شق القمر کا مُعجزہ ہو، تو یہ ہیئت وطبعی کے ماہر اور سائنس کے دلدادہ فی الفور اس کو کسُوف خسُوف کے اقسام میں داخل کر کے اس کی عظمت کو کم کرنا چاہیں گے اور جو پرانا معجزہ اب پیش کرتے ہیں، تو اُسے قصّہ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً یہی کسُوف وخسُوف دیکھو جو رمضان میں ہوا اور جو آیاتِ مہدی میں سے ایک سماوی نشان تھا۔ مَیں نے سُنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو علمِ ہیئت کی رُو سے ثابت تھا کہ رمضان میں ایسا ہو۔ یہ کہہ کر گویا وہ اُس حدیث کی جو امام محمد باقر علیہ السّلام کی طرف سے ہے، وقعت کم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ احمق اتنا نہیں سوچتے کہ نبوّت ہر ایک شخص نہیں کر سکتا۔ نبوّت پیشگوئی کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ہر کس وناکس کا یہ کام نہیں کہ وہ پیشگوئیاں کرتا پھرے۔ پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مدّعیِ مہدویّت ومسیحیّت کے زمانہ میں یہ کسُوف خسوف رمضان میں ہوگا اور ابتدائے آفرینش سے آجتک کبھی نہیں ہوا۔ پس اگر عقلی طور پر کسی قسم کا اشتباہ ہو، تو ایسے مخالفوں کو چاہیے کہ وہ تاریخی طور پر اس پیشگوئی کی عظمت کو کم کر دکھائیں یعنی کسی ایسے وقت کا پتہ دیں جبکہ رمضان میں کسُوف خسُوف اس طور پر ہوا ہو کہ پہلے کسی مدّعی نے دعویٰ بھی کیا ہو اور جس امر کا دعویٰ کیا ہو اس امر کے ثبوت میں رمضان کے کسُوف وخسُوف کی پہلے کسی نبی کے زمانہ میں پیشگوئی بھی کی گئی ہو، مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی دکھلا سکے۔

میری غرض اِس واقعہ کے بیان سے صرف یہ تھی کہ خوارق پر تو کسی نہ کسی رنگ میں لوگ عذرات پیش کر دیتے ہیں اور اُس کو ٹالنا چاہتے ہیں، لیکن اخلاقی حالت ایک ایسی کرامت ہے، جس پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سب سے بڑا اور قوی اعجاز اخلاق ہی کا دیا گیا۔ جیسے فرمایا وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵) یوں تو اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہر ایک قسم کے خوارق قوّتِ ثبوت میں جُملہ انبیاء علیہم السّلام کے معجزات سے بجائے خود بڑھے ہوئے ہیں، مگر آپؐ کے اخلاقی اعجاز کا نمبر اُن سب سے اوّل ہے جس کی نظیر دُنیا کی تاریخ نہیں بتلا سکتی اور نہ پیش کر سکے گی۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو اپنے اخلاقِ سیّئہ کو چھوڑ کر عاداتِ ذمیمہ کو ترک کر کے خصائلِ حسنہ کو لیتا ہے اسکے لیے وُہی کرامت ہے۔ مثلاً اگر بہت ہی سخت تُند مزاج اور غصّہ ور ان عاداتِ بد کو چھوڑتا ہے اور حِلم اور عفو کو اختیار کرتا ہے یا امساک کو چھوڑ کر سخاوت، اور حسد کی بجائے ہمدردی حاصل کرتا ہے، تو بیشک یہ کرامت ہے۔ اور ایسا ہی خودستائی اور خودپسندی کو چھوڑ کر جب انکساری اور فروتنی اختیار کرتا ہے، تو یہ فروتنی ہی کرامت ہے۔ پس تُم میں سے کون ہے جو نہیں چاہتا کہ کراماتی بن جاوے۔ مَیں جانتا ہوں ہر ایک یہی چاہتا ہے، تو بس یہ ایک

مدامی اور زندہ کرامت ہے۔ اِنسان اخلاقی حالت کو دُرست کرے کیونکہ یہ ایسی کرامت ہے، جس کا اثر کبھی زائل نہیں ہوتا بلکہ نفع دُور تک پہنچتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ خَلق اور خالق کے نزدیک اہلِ کرامت ہو جاوے۔ بہت سے زِندادر یاش ایسے دیکھے گئے ہیں جو کسی خارقِ عادت نشان کے قائل نہیں ہوتے، لیکن اخلاقی حالت کو دیکھ کر اُنھوں نے بھی سر جھکا لیا ہے اور بجُز اقرار اور قائل ہونے کے دُوسری راہ نہیں ملی۔ بہت سے لوگوں کے سوانح میں اس امر کو پاؤ گے کہ اُنہوں نے اخلاقی کرامات ہی کو دیکھ کر دینِ حق کو قبول کر لیا۔[1]

میری باتوں کو ضائع نہ کریں

پس میں پھر پکار کر کہتا ہوں اور میرے دوست سُن رکھیں کہ وُہ میری باتوں کو ضائع نہ کریں اور اُن کو صرف ایک قصّہ گویا داستان گو کی کہانیوں ہی کا رنگ نہ دیں، بلکہ میں نے یہ ساری باتیں نہایت دلسوزی اور سچی ہمدردی سے جو فطرتاً میری رُوح میں ہے، کی ہیں۔ انکو گوشِ دل سے سُنو اور اُن پر عمل کرو۔

ہاں خوب یاد رکھو اور اس کو سچ سمجھو کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ پس اگر ہم عُمدہ حالت میں یہاں سے کوچ کرتے ہیں تو ہمارے لیے مُبارکی اور خوشی ہے؛ ورنہ خطرناک حالت ہے۔ یاد رکھو کہ جب انسان بُری حالت میں جاتا ہے، تو مکانِ بعید اُس کے لیے یہیں سے شروع ہو جاتا ہے یعنی نزع کی حالت ہی سے اُس میں تغیّر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (طٰہٰ: ۷۵) یعنی جو شخص مُجرم بن کر آوے گا۔ اس کے لیے ایک جہنّم ہے، جس میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ یہ کیسی صاف بات ہے۔ اصل لذّت زندگی کی راحت اور خوشی ہی میں ہے، بلکہ اسی حالت میں وہ زندہ متصوّر ہوتا ہے جبکہ ہر طرح کے اَمن و آرام میں ہو۔ اگر وہ کسی دَرد مثلاً قولنج یا دردِ دانت ہی میں مبتلا ہو جاوے تو وہ مُردوں سے بدتر ہوتا ہے اور حالت ایسی ہوتی ہے کہ نہ تو مُردہ ہی ہوتا ہے اور نہ زندہ ہی کہلا سکتا ہے پس اسی پر قیاس کر لو کہ جہنّم کے دردناک عذاب میں کیسی بُری حالت ہوگی۔

مُجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قطع کر لے

مُجرم وُہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لیوے۔ اُس کو

---

[1] حضرت اقدسؑ یہ تقریر نہایت جوش اور مؤثر طریق سے فرما رہے تھے کہ چند سکھ فقیرانہ لباس میں آئے۔ نشہ میں مدہوش تھے۔ انہوں نے آکر ایسی بیجا سی کی کہ ممکن تھا، اس بہشتی مجلس میں جھگڑ پڑے، مگر ہمارے صادق امام علیہ السلام نے اپنے عملی نمونہ سے یہ اخلاقی کرامت جس کی ہدایت فرما رہے تھے، دکھائی۔ جس کا اثر سامعین پر ایسا پڑا کہ اکثر اُن میں سے چلّا چلّا کر فرطِ جوش سے رو پڑے وہ شریر آفیسر پولیس کے ہاتھ جا کر پٹے اور ان کا نشہ ہرن ہو گیا ۔ (ایڈیٹر) ۱۲

تو حکم تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے لیے ہو جاتا اور صادقوں کے ساتھ ہو جاتا، مگر وہ ہَوا و ہَوس کا بندہ بن کر رہا اور شریروں اور دشمنانِ خدا اور رسُول سے موافقت کرتا رہا۔ گویا اس نے اپنے طرزِ عمل سے دکھا دیا کہ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ یہ ایک عادۃُ اللہ ہے کہ انسان جدھر قدم اٹھاتا ہے، اُس کی مخالف جانب سے وُہ دُور ہوتا جاتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الگ ہو کر ہَوا و ہَوسِ نفسانی کا بندہ ہوتا ہے، تو خُدا اُس سے دُور ہوتا جاتا ہے اور جُوں جُوں اِدھر تعلقات بڑھتے ہیں اُدھر کم ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ دل را بدل رہیست۔ پس اگر خدا تعالیٰ سے عملی طور پر بیزاری ظاہر کرتا ہے، تو سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ بھی اُس سے بیزار ہے اور اگر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور پانی کی طرح اس کی طرف جُھکتا ہے، تو سمجھ لے کہ وہ مہربان ہے۔ محبت کرنے والے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ وُہ وُہ خدا ہے کہ اپنے مُحبّوں پر برکات نازل کرتا ہے اور اُن کو محسوس کرا دیتا ہے کہ خدا اُن کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے کلام میں، اُن کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے اور لوگ اُن کے کپڑوں اور اُن کی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔ اُمّتِ محمدیہ میں اِس کا بیّن ثبوت اس وقت تک موجُود ہے کہ جو خدا کے لیے ہوتا ہے، خدا اس کا ہو جاتا ہے۔

خدا کی طرف سعی کرنے والا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا

خدا تعالیٰ اپنی طرف آنے والے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ ممکن ہے کہ زمیندار اپنا کھیت ضائع کر لے۔ نوکر موقوف ہو کر نقصان پہنچا دے۔ امتحان دینے والا کامیاب نہ ہو، مگر خدا کی طرف سعی کرنے والا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا۔ اس کا سچا وعدہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) خدا تعالیٰ کی راہوں کی تلاش میں جو جویا ہوا، وُہ آخر منزلِ مقصُود پر پہنچا۔ دُنیوی امتحانوں کے لیے تیاریاں کرنے والے راتوں کو دن بنا دینے والے طالب علموں کی محنت اور حالت کو ہم دیکھ کر رحم کھا سکتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ جس کا رحم اور فضل بیحد اور بے اَنت ہے۔ اپنی طرف آنے والے کو ضائع کر دیگا؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبہ: ۱۲۰) اور پھر فرماتا ہے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸) ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزارہا طالب علم سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھ کر روتے رہ جاتے ہیں اور خُودکشیاں کر لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عمیم ایسا ہے کہ وُہ ذرا سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان دُنیا میں ظنّی اور وہمی باتوں کی طرف تو اس قدر گرویدہ ہو کر محنت کرتا ہے کہ آرام اپنے اوپر گویا حرام کر لیتا ہے اور صرف خشک اُمید پر کہ شاید کامیاب ہو جاویں، ہزارہا رنج اور دُکھ اُٹھاتا ہے۔ تاجر نفع کی اُمید پر لاکھوں روپے لگا دیتا ہے، مگر یقین اُسے بھی نہیں ہوتا کہ ضرور نفع ہی ہوگا، مگر خدا تعالیٰ کی طرف جانیوالے کی (جس کے وعدے یقینی اور حتمی ہیں کہ جس کی طرف قدم اٹھانے والے کی ذرا بھی محنت رائیگاں نہیں جاتی) مَیں اس قدر دوڑ دھوپ اور سرگرمی نہیں پاتا ہوں۔ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے؟ وہ کیوں نہیں ڈرتے کہ آخر ایک دن مرنا ہے۔

کیا وہ ان ناکامیوں کو دیکھ کر بھی اس تجارت کے فکر میں نہیں لگ سکتے۔ جہاں خسارہ کا نام و نشان ہی نہیں اور نفع یقینی ہے۔ زمیندار کس قدر محنت سے کاشتکاری کرتا ہے، مگر کون کہہ سکتا ہے کہ نتیجہ ضرور راحت ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور یہ کیسا خزانہ ہے کہ کوڑی بھی جمع ہو سکتی ہے۔ روپیہ اشرفی بھی۔ نہ چور چکار کا اندیشہ نہ یہ خطرہ کہ دیوالہ نکل جاوے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے، تو اس کا بھی ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک ڈول اپنے بھائی کے گھڑے میں ڈال دے، تو خدا تعالیٰ اسکا بھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس یاد رکھو کہ وُہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ وُہ خدا کی راہ ہے۔ دُنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں۔ وُہ لوگ جنھوں نے سلطنتوں تک کو چھوڑ دیا، آخر بیوقوف تو نہ تھے۔ جیسے ابراہیم ادہم، شاہ شجاع، شاہ عبدالعزیز جو مجدد بھی کہلاتے ہیں حکومت، سلطنت اور شوکتِ دُنیا کو چھوڑ بیٹھے۔ اُس کی یہی وجہ تو تھی کہ ہر قدم پر ایک ٹھوکر موجود ہے۔ خدا ایک موتی ہے اس کی معرفت کے بعد انسان دُنیاوی اشیاء کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے کہ ان کے دیکھنے کے لیے بھی اُسے طبیعت پر ایک جبر اور اِکراہ کرنا پڑتا ہے پس خدا تعالیٰ کی معرفت چاہو اور اُس کی طرف ہی قدم اٹھاؤ کہ کامیابی اسی میں ہے۔

اخلاقی کرامت

اللہ تعالیٰ سے اصلاح چاہنا اور اپنی قوت خرچ کرنا یہی ایمان کا طریق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو یقین سے اپنا ہاتھ دُعا کے لیے اٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا رد نہیں کرتا ہے پس خدا سے مانگو اور یقین اور صدقِ نیت سے مانگو۔ میری نصیحت پھر یہی ہے کہ اچھے اخلاق ظاہر کرنا اپنی کرامت ظاہر کرنا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میں کرامتی بننا نہیں چاہتا، تو یہ یاد رکھے کہ شیطان اُسے دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ کرامت سے عُجب اور پندار مُراد نہیں ہے۔ کرامت سے لوگوں کو اسلام کی سچائی اور حقیقت معلوم ہوتی ہے اور ہدایت ہوتی ہے۔ میں تمھیں پھر کہتا ہوں کہ عُجب اور پندار تو کرامتِ اخلاقی میں داخل ہی نہیں۔ پس یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ دیکھو یہ کروڑہا مسلمان جو روئے زمین کے مختلف حصص میں نظر آتے ہیں۔ کیا یہ تلوار کے زور سے، جبر و اکراہ سے ہوئے ہیں؟ نہیں! یہ بالکل غلط ہے۔ یہ اسلام کی کرامتی تاثیر ہے جو اُن کو کھینچ لائی ہے۔ کرامتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں منجملہ اُن کے ایک اخلاقی کرامت بھی ہے جو ہر میدان میں کامیاب ہے۔ اُنہوں نے جو مسلمان ہوتے، صرف راستبازوں کی کرامت ہی دیکھی اور اُس کا اثر پڑا۔ اُنہوں نے اسلام کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ نہ تلوار کو دیکھا بڑے بڑے محقق انگریزوں کو یہ بات ماننی پڑی ہے کہ اسلام کی سچائی کی رُوح ہی ایسی قوی ہے، جو غیر قوموں کو اسلام میں آنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال رکھیں

جو شخص اپنے ہمسایہ کو اپنے اخلاق میں تبدیلی دکھاتا ہے کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ وُہ گویا ایک کرامت دکھاتا ہے۔ اُس کا

اثر ہمسایہ پر بہت اعلیٰ درجہ کا پڑتا ہے۔ ہماری جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا ترقی ہو گئی ہے اور تہمت لگاتے ہیں کہ افترا، غیظ و غضب میں مُبتلا ہیں۔ کیا یہ اُن کے لیے باعثِ ندامت نہیں ہے کہ انسان عُمدہ سمجھ کر اس سلسلہ میں آیا تھا جیسا کہ ایک رشید فرزند اپنے باپ کی نیک نامی ظاہر کرتا ہے، کیونکہ بیعت کرنے والا فرزند کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور اسی لیے اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اُمّہات المومنین کہا ہے۔ گویا کہ حضورؐ عامۃ المومنین کے باپ ہیں۔ جسمانی باپ زمین پر لانے کا موجب ہوتا ہے اور حیاتِ ظاہری کا باعث، مگر رُوحانی باپ آسمان پر لے جاتا ہے اور اس مرکزِ اصلی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدنام کرے؟ طوائف کے ہاں جاوے اور قمار بازی کرتا پھرے۔ شراب پیوے یا اور ایسے افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہو جو باپ کی بدنامی کا موجب ہوں۔ مَیں جانتا ہوں کوئی آدمی ایسا نہیں ہو سکتا، جو اس فعل کو پسند کرے، لیکن جب وہ ناخلف بیٹا ایسا کرتا ہے، تو پھر زبانِ خلق بند نہیں ہو سکتی۔ لوگ اُس کے باپ کی طرف نسبت کر کے کہیں گے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا فلاں بدکام کرتا ہے پس وُہ ناخلف بیٹا خود ہی باپ کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جب کوئی شخص ایک سلسلہ میں شامل ہوتا ہے اور اُس سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال نہیں رکھتا اور اسکے خلاف کرتا ہے تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا بلکہ دُوسروں کے لیے ایک بُرا نمونہ ہو کر انکو سعادت اور ہدایت کی راہ سے محروم رکھتا ہے۔ پس جہاں تک آپ لوگوں کی طاقت ہے خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور اپنی پوری طاقت اور ہمت سے اپنی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں عاجز آجاؤ، وہاں صدق اور یقین سے ہاتھ اُٹھاؤ، کیونکہ خشوع اور خضوع سے اُٹھائے ہوئے ہاتھ جو صدق اور یقین کی تحریک سے اُٹھتے ہیں، خالی واپس نہیں ہوتے۔ ہم تجربہ سے کہتے ہیں کہ ہماری ہزارہا دُعائیں قبول ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔

یہ ایک یقینی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اندر اپنے اَبنائے جنس کے لیے ہمدردی کا جوش نہیں پاتا، وُہ بخیل ہے۔ اگر مَیں ایک راہ دیکھوں جس میں بھلائی اور خیر ہے، تو میرا فرض ہے کہ مَیں پکار پکار کر لوگوں کو بتلاؤں۔ اس اَمر کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ کہ کوئی اُس پر عمل کرتا ہے یا نہیں ؎

کس بشنود یا نشنود من گفتگو تے میکنم

اگر ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے، تو کافی ہے مَیں یہ بات کھول کر بیان کرتا ہوں کہ میرے مناسبِ حال یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ مَیں آپ لوگوں کو کہتا ہوں مَیں، ثواب کی نیت سے کہتا ہوں۔ نہیں! مَیں اپنے نفس میں انتہا درجہ کا جوش اور دَرد پاتا ہوں گو وُہ وجُوہ نامعلوم ہیں کہ کیوں یہ جوش ہے۔ مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ جوش ایسا ہے کہ مَیں رُک نہیں سکتا۔ اس لیے آپ لوگ اِن باتوں کو ایسے آدمی کی وصایا سمجھ کر کہ پھر شاید ملنا نصیب نہ ہو۔ اُن پر ایسے کاربند ہوں کہ ایک نمونہ ہو اور ان آدمیوں کو جو ہم سے دُور ہیں، اپنے فعل اور قول سے سمجھا دو۔ اگر یہ بات نہیں

ہے اور عمل کی ضرورت نہیں ہے، تو پھر مجھے بتلاؤ کہ یہاں آنے سے کیا مطلب ہے۔ مَیں محض تبدیلی نہیں چاہتا۔ نمایاں تبدیلی مطلوب ہے، تاکہ مخالف شرمندہ ہوں اور لوگوں کے دلوں پر یک طرفہ روشنی پڑے اور وہ نا اُمید ہو جاویں کہ یہ مخالف ضلالت میں پڑے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ پر بڑے بڑے شریر آکر تائب ہوتے وُہ کیوں؟ اِس عظیم الشان تبدیلی نے جو صحابہؓ میں ہوئی اور ان کے واجب التقلید نمونوں نے اُن کو شرمندہ کیا۔

عکرمہ کا پاک نمونہ

عکرمہ کا حال تم نے سُنا ہوگا۔ اُحد کی مصیبت کا بانی مبانی یہی تھا اور اس کا باپ ابوجہل تھا، لیکن آخر اُسے صحابہ کرامؓ کے نمونوں نے شرمندہ کر دیا۔ میرا مذہب یہ ہے کہ خوارق نے ایسا اثر نہیں کیا جیسا صحابہ کرامؓ کے پاک نمونوں اور تبدیلیوں نے لوگوں کو حیران کیا۔ لوگ حیران ہو گئے کہ ہمارا چچازاد کہاں سے کہاں پہنچا۔ آخر اُنہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ خوردہ سمجھا۔ عکرمہ نے ایک وقت ذاتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر حملہ کیا اور دُوسرے وقت لشکرِ کفار کو دَرہم برہم کیا۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں صحابہؓ نے جو پاک نمونے دکھائے ہیں۔ ہم آج فخر کے ساتھ اُنکو دلائل اور آیات کے رنگ میں بیان کر سکتے ہیں، چنانچہ عکرمہ ہی کا نمونہ دیکھو کہ کُفر کے دنوں کُفر، عُجب وغیرہ خصائلِ بد اپنے اندر رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ بس چلے تو اسلام کو دُنیا سے نابُود کر دے، مگر جب خدائے تعالیٰ کے فضل نے اس کی دستگیری کی اور وہ مشرف با اسلام ہوا، تو ایسے اخلاق پیدا ہوئے کہ وُہ عُجب اور پندار نام تک کو باقی نہ رہا اور فروتنی اور انکسار پیدا ہوا کہ وہ انکسار حجۃ الاسلام ہو گیا اور صداقتِ اسلام کے لیے ایک دلیل ٹھہرا۔ ایک موقع پر کفار سے مقابلہ ہوا۔ عکرمہ لشکرِ اسلام کا سپہ سالار تھا۔ کفار نے بہت سخت مقابلہ کیا۔ یہانتک کہ لشکرِ اسلام کی حالت قریب شکست کھانے کے ہو گئی۔ عکرمہ نے جب دیکھا، تو گھوڑے سے اُترا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں اُترتے ہیں۔ شاید اِدھر اُدھر ہونے کا وقت ہو، تو گھوڑا مدد دے۔ تو اُس نے کہا۔ اِس وقت مجھے وہ زمانہ یاد آگیا ہے جب مَیں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقابلہ کرتا تھا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ جان دے کر گناہوں کا کفارہ کروں۔ اب دیکھئے کہ کہاں سے کہاں تک حالت پہنچی کہ بار بار محامد سے یاد کیا گیا۔ یہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی رضا ان لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ جو اس کی رضا اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جابجا اُن لوگوں کو رضی اللہ عنہم کہا ہے۔ میری نصیحت یہ ہے کہ ہر شخص ان اخلاق کی پابندی کرے۔

عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ صالحہ

علاوہ ازیں دو حصے اور بھی ہیں، جن کو مدِ نظر رکھنا صادق اخلاص مند کا کام ہونا چاہیے۔ اُن میں سے ایک عقائدِ صحیحہ کا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ اُس نے کامل اور مکمل عقائدِ صحیحہ کی راہ ہم کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے بُدوں مشقت و محنت کے دکھائی ہے۔ وُہ راہ جو آپ لوگوں کو اِس زمانہ میں دکھائی گئی ہے۔ بہت سے عالم ابھی تک اُس سے محروم ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے اِس فضل اور نعمت کا شکر کرو اور وُہ شکر یہی ہے کہ سچے دل سے اُن اعمالِ صالحہ کو بجالاؤ جو عقائدِ صحیحہ کے بعد دُوسرے

حصّہ میں آتے ہیں اور اپنی عملی حالت سے مدد دے کر دُعا مانگو کہ وہ ان عقائدِ صحیحہ پر ثابت قدم رکھے اور اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشے۔ حصّہ عبادات میں صوم، صلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ اُمور شامل ہیں۔ اب خیال کرو کہ مثلاً نماز ہی ہے۔ یہ دُنیا میں آئی ہے، لیکن دُنیا سے نہیں آئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

نماز کے اوقات رُوحانی حالتوں کی ایک عکسی تصویر ہے

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ جو پانچ وقت نماز کے لیے مقرر ہیں یہ کوئی حکم اور جبر کے طور پر نہیں، بلکہ اگر غور کرو تو یہ دراصل رُوحانی حالتوں کی ایک عکسی تصویر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ (بنی اسرائیل: ۷۹) یعنی قائم کرو نماز کو دلوک الشمس سے۔ اب دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں قیامِ صلوٰۃ کو دُلوکِ شمس سے لیا ہے۔ دُلوک کے معنوں میں گو اختلاف ہے، لیکن دوپہر کے ڈھلنے کے وقت کا نام دُلوک ہے۔ اب دُلوک سے لے کر پانچ نمازیں رکھ دیں۔ اس میں حکمت اور سِرّ کیا ہے؟ قانونِ قدرت دکھاتا ہے کہ رُوحانی تذلّل اور اِنکسار کے مراتب بھی دُلوک ہی سے شروع ہوتے ہیں اور پانچ ہی حالتیں آتی ہیں پس یہ طبعی نماز بھی اُس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جب حُزن اور ہم وغم کے آثار شروع ہوتے ہیں۔ اُس وقت جبکہ انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آتی ہے، تو کس قدر تذلّل اور انکساری کرتا ہے۔ اب اس وقت اگر زلزلہ آوے، تو تم سمجھ سکتے ہو کہ طبیعت میں کیسی رِقت اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر سوچو کہ اگر مثلاً کسی شخص پر نالش ہو تو سمن یا وارنٹ آنے پر اس کو معلوم ہوگا کہ فلاں دفعہ فوجداری یا دیوانی میں نالش ہوئی ہے، اب بعد مطالعۂ وارنٹ اس کی حالت میں گویا نصف النہار کے بعد زوال شروع ہوا، کیونکہ وارنٹ یا سمن تک تو اُسے کچھ معلوم نہ تھا۔ اب خیال پیدا ہوا کہ خدا جانے ادھر وکیل ہو یا کیا ہو؟ اس قسم کے تردّدات اور تفکّرات سے جو زوال پیدا ہوتا ہے یہ وُہی حالتِ دُلوک ہے اور یہ پہلی حالت ہے جو نمازِ ظہر کے قائم مقام ہے اور اُس کی عکسی حالت نمازِ ظہر ہے۔ اب دُوسری حالت اُس پر وُہ آتی ہے جبکہ وُہ کمرۂ عدالت میں کھڑا ہے۔ فریقِ مخالف اور عدالت کی طرف سے سوالاتِ جرح ہو رہے ہیں اور وُہ ایک عجیب حالت ہوتی ہے۔ یہ وُہ حالت اور وقت ہے جو نمازِ عصر کا نمونہ ہے، کیونکہ عصر گھٹنے اور نچوڑنے کو کہتے ہیں۔ جب حالت اور بھی نازک ہو جاتی ہے اور فرد قرار دادِ جُرم لگ جاتی ہے، تو یاس اور نا اُمیدی بڑھتی ہے۔ کیونکہ اب خیال ہوتا ہے کہ سزا مل جاوے گی۔ یہ وہ وقت ہے جو مغرب کی نماز کا عکس ہے۔ پھر جب حکم سُنایا گیا اور کنسٹیبل یا کورٹ انسپکٹر کے حوالہ کیا گیا، تو وُہ رُوحانی طور پر نماز عشاء کی عکسی تصویر ہے۔ یہاں تک کہ نماز کی صُبح صادق ظاہر ہوئی۔ اور اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (الانشراح: ۷) کی حالت کا وقت آ گیا۔ تو رُوحانی نمازِ فجر کا وقت آ گیا اور فجر کی نماز اس کی عکسی تصویر ہے۔

القصّہ میں پھر تم کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ تم جو میرے ساتھ ایک سچا تعلق پیدا کرتے ہو۔ اس سے یہی غرض ہے کہ تم اپنے اخلاق میں، عادات میں ایک نمایاں تبدیلی کرو، جو دُوسروں کے لیے ہدایت اور سعادت کا موجب ہو۔

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء مرتبہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ ۱۳۰-۱۲۷)

۱۴ر جنوری ۱۸۹۸ء

آخرت پر نظر رکھیں

فرمایا۔ لوگوں کو لازم ہے کہ آخرت پر نظر رکھیں۔ عذاب سے پہلے ڈرنا چاہیے ؎

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

دیکھو نوح وغیرہ قوموں کا انجام کیا ہوا۔ ہر ایک کو لازم ہے کہ دل اگر سخت بھی ہو، تو اس کو ملامت کر کے خشوع و خضوع کا سبق دے۔ ہماری جماعت کے لیے بہت ضروری ہے، کیونکہ اُن کو تازہ معرفت ملتی ہے۔ اگر کوئی دعویٰ تو معرفت کا کرے، مگر اس پر چلے نہیں، تو یہ لاف و گزاف ہی ہے۔ اس لیے ہماری جماعت دُوسروں کی غفلت سے خود غافل نہ رہے اور اُن کی محبت کو سرد دیکھ کر اپنی محبت کو ٹھنڈا نہ کرے۔ انسان بہت تمنائیں رکھتا ہے۔ غیب کی قضا و قدر کی کس کو خبر ہے۔ آرزوؤں کے موافق زندگی کبھی نہیں چلتی ہے۔ آرزوؤں کا سلسلہ اور ہے اور قضاء و قدر کا سلسلہ اور ہے اور یہی سلسلہ سچا ہے۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے پاس انسان کے سوانح پتے ہیں۔ اُسے کیا معلوم ہے کہ اس میں کیا کیا لکھا ہے، اس لیے دل کو جگا جگا کر متوجہ کرنا چاہیے۔

فرمایا: افسوس کی بات ہے کہ عام طور پر مصائب کے آنے کی وجہ سے لوگوں کا عُجب و نخوت دُور نہیں ہوا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ یہ دُور نہ ہوں گی، جبتک لوگوں کی صنداد اڑ دُور نہ ہوگی۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ خدا تعالیٰ سے پُوری مصالحت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ قحط کے دَوران میں لوگوں نے محسوس نہیں کیا۔ ابتدا میں مکّہ و مدینہ کا فتویٰ بھی ڈرایا کرتا تھا۔ جب کوئی کہتا کہ مکّہ معظمہ سے فتویٰ آیا ہے، تو لوگ ڈر جاتے تھے، لیکن اب مصائب کو دیکھ کر بھی نہیں ڈرتے۔ میری رائے ہے کہ جب تک کہ لوگ کامل طور پر رجُوع نہ کریں، تقدیر نہ بدلے گی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرّعد: ۱۲) [1]

۱۵ر جنوری ۱۸۹۸ء

شیعہ مذہب کے عقائد

فرمایا: شیعہ مذہب اسلام کا سخت مخالف ہے۔ اوّل۔ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ جبرائیل وحی لانے میں غلطی کھا گیا ہے۔ دوم۔ صحابہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کے بعد حاصل ہوئے تھے، اُن کے نزدیک معاذ اللہ مسلمان نہ تھے۔ سوم۔ قرآن شریف جو اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب ہے اور جس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ کر چکا ہے۔ شیعہ کے اعتقاد کے موافق قرآن شریف اصلی نہیں ہے۔ امام مہدی

---

[1] (الحکم جلد ۵ نمبر ۲۲ مورخہ ۱۷ر جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

اصل قرآن غار میں لے جاکر چھپ رہے۔ چہارم۔ بارہ اماموں تک ولایت ختم ہو چکی۔ باقی قیامت تک آدمی دھیشوں کی طرح رہے اور خدا تعالیٰ کو اُن سے محبت نہیں۔ پنجم۔ خدا تعالیٰ کے حبیب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو گالیاں دینا درود شریف کے پڑھنے سے بھی زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔ ششم۔ کسی اکابر اور اہل اللہ کو نیک نہیں سمجھتے۔ میں نے اپنے اُستاد سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی نسبت سُنا ہے کہ وُہ گالیاں دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ بدنام یزید ہے۔ اگر اُس کی شراکت سے امام حسینؓ کی شہادت ہوئی، تو بُرا کیا، لیکن آج کل کے شیعہ عمل کر بھی وُہ دینی کام نہیں کر سکتے جو اُس نے کیا۔

طعامِ اہلِ کتاب اہلِ کتاب کے کھانا کھانے پر بابو محمد افضل صاحب کے سوال پر حضرتِ اقدسؑ نے جواب دیا کہ: "تمدن کے طور پر ہندوؤں کی چیز بھی کھا لیتے ہیں۔ اِسی طرح عیسائیوں کا کھانا بھی دُرست ہے، مگر بایں ہمہ یہ خیال ضروری ہے کہ برتن پاک ہوں، کوئی ناپاک چیز نہ ہو۔"[1]

۱۵ر جنوری ۱۸۹۸ء

کو خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے کے ایل۔ ایل۔ بی کے امتحان میں کامیاب ہونے کی خبر آئی۔ فجر کی نماز کے بعد حضرتِ اقدس امام ہمام علیہ السلام بیٹھ گئے اور مندرجہ ذیل مختصر سی تقریر فرمائی:

دنیوی کامیابیاں اور خوشیاں دائمی نہیں انسان کو ہر قسم کی کامیابی کے موقع پر ایک خوشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف سے تین قسم کی خوشیاں لہو، لعب، تفاخر معلوم ہوتی ہیں۔ لہو میں اشیاء خوردنی شامل ہیں اور لعب میں شادی وغیرہ کی خوشیاں اور تفاخر میں مال وغیرہ کی خوشیاں یہ تینوں قسم کی خوشیاں ہیں۔ ان سے باہر کوئی خوشی نہیں ہے۔ مگر یاد رکھو کہ کامیابیاں اور یہ خوشیاں دائمی نہیں ہوتی ہیں بلکہ اُن کے ساتھ دِل لگا دو گے، تو سخت حرج ہوگا اور رفتہ رفتہ ایک وقت آجاتا ہے کہ اِن خوشیوں کا زمانہ تلخیوں سے بدلنے لگتا ہے۔

دُنیا کی کامیابیاں ابتلا سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ (الملک: ۳) یعنی موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ ہم تمہیں آزمائیں۔ کامیابی اور ناکامی بھی زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے۔ کامیابی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔ جب کسی کو اپنے کامیاب ہونے کی خبر پہنچتی ہے، تو اس میں جان پڑ جاتی ہے اور گویا نئی زندگی ملتی ہے اور اگر ناکامی کی خبر آجائے، تو زندہ ہی مر جاتا ہے اور بسا اوقات بہت سے کمزور دِل

---

[1] (الحکم جلد ۵ نمبر ۲۲ پرچہ ۱۷ر جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۴)

آدمی ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ عام زندگی اور موت تو ایک آسان امر ہے، لیکن جہنمی زندگی اور موت دشوار ترین چیز ہے۔ سعید آدمی ناکامی کے بعد کامیاب ہو کر اور بھی سعید ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اُس کو ایک مزہ آتا ہے جب وہ غور کرتا ہے کہ میرا خدا کیسا ہے اور دُنیا کی کامیابی خدا شناسی کا ایک بہانہ ہو جاتا ہے۔ ایسے آدمیوں کے لیے یہ دُنیوی کامیابیاں حقیقی کامیابی کا (جس کو اسلام کی اصطلاح میں فلاح کہتے ہیں) ایک ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ مَیں تمھیں سچ سچ کہتا ہوں کہ سچی راحت دُنیا اور دُنیا کی چیزوں میں ہرگز نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ دُنیا کے تمام شعبے دیکھ کر بھی انسان سچا اور دائمی سُرور حاصل نہیں کر سکتا۔ تم دیکھتے ہو کہ دولمند زیادہ مال و دولت رکھنے والے ہر وقت غذا ں رہتے ہیں، مگر اُن کی حالت جرب یعنی خارش کے مریض کی سی ہوتی ہے جس کو کھجلانے سے راحت ملتی ہے، لیکن اس خارش کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ خون نکل آتا ہے۔ پس اِن دُنیوی اور عارضی کامیابیوں پر اس قدر خوش مت ہو کہ حقیقی کامیابی سے دُور چلے جاؤ، بلکہ ان کامیابیوں کو خدا شناسی کا ایک ذریعہ قرار دو۔ اپنی ہمت اور کوشش پر نازمت کرو اور مت سمجھو کہ یہ کامیابی ہماری کسی قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے، بلکہ یہ سوچو کہ اس رحیم خدا نے جو کبھی کسی کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ ہماری محنت کو بارور کیا؛ ورنہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صدہا طالب علم آئے دن امتحانوں میں فیل ہوتے ہیں۔ کیا وُہ سب کے سب محنت نہ کرنے والے اور بالکل غبی اور بلید ہی ہوتے ہیں؟ نہیں بلکہ بعض ایسے ذکی اور ہوشیار ہوتے ہیں کہ پاس ہونے والوں میں سے اکثر کے مقابلہ میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ اس لیے واجب اور ضروری ہے کہ ہر کامیابی پر مومن خدا تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجالائے کہ اُس نے محنت کو اکارت تو نہیں جانے دیا۔ اس شکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھے گی اور ایمان میں ترقی ہوگی اور نہ صرف یہی بلکہ اور بھی کامیابیاں ملیں گی، کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے، تو البتہ میں نعمتوں کو زیادہ کروں گا۔ اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے، تو یاد رکھو عذابِ سخت میں گرفتار ہو گے۔

مومن اور کافر کی کامیابی میں فرق

اس اصُول کو ہمیشہ مدِ نظر رکھو۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وُہ کسی کامیابی پر جو اُسے دی جاتی ہے۔ شرمندہ ہوتا ہے اور خدا کی حمد کرتا ہے کہ اُس نے اپنا فضل کیا اور اس طرح پر وہ قدم آگے رکھتا ہے اور ہر ابتلا میں ثابت قدم رہ کر ایمان پاتا ہے۔ بظاہر ایک ہندو اور مومن کی کامیابی ایک رنگ میں مُشابہ ہوتی ہے، لیکن یاد رکھو کہ کافر کی کامیابی ضلالت کی راہ ہے اور مومن کی کامیابی سے اُس کے لیے نعمتوں کا دروازہ کھُلتا ہے۔ کافر کی کامیابی اس لیے ضلالت کی طرف لے جاتی ہے کہ وُہ خدا کی طرف رُجوع نہیں کرتا، بلکہ اپنی محنت، دانش اور قابلیت کو خدا بنا لیتا ہے، مگر مومن خدا کی طرف رجُوع کر کے خدا سے ایک نیا تعارف پیدا کرتا ہے اور اِس طرح پر ہر ایک کامیابی کے بعد اُس کا خدا

سے ایک نیا معاملہ شروع ہو جاتا ہے اور اس میں تبدیلی ہونے لگتی ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (النحل: ۱۲۹) خدا اُن کے ساتھ ہے جو متقی ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف میں تقویٰ کا لفظ بہت مرتبہ آیا ہے۔ اس کے معنے پہلے لفظ سے کیے جاتے ہیں۔ یہاں مَعَ کا لفظ آیا ہے یعنی جو خدا کو مقدم سمجھتا ہے، خدا اس کو مقدم رکھتا ہے اور دُنیا میں ہر قسم کی ذلّتوں سے بچا لیتا ہے۔ میرا ایمان یہی ہے کہ اگر انسان دُنیا میں ہر قسم کی ذلّت اور سختی سے بچنا چاہے تو اُس کے لیے ایک ہی راہ ہے کہ متقی بن جائے۔ پھر اُس کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ پس مومن کی کامیابیاں اُس کو آگے لے جاتی ہیں اور وہ وہیں پر نہیں ٹھہر جاتا۔

مبارک وہ ہے جو کامیابی اور خوشی کے وقت تقویٰ سے کام لے

اکثر لوگوں کے حالات کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اوائل میں دُنیا سے تعلق رکھتے تھے اور شدید تعلق رکھتے تھے، لیکن انہوں نے کوئی دُعا کی اور وہ قبول ہو گئی۔ اس کے بعد ان کی حالت ہی بدل گئی، اس لیے اپنی دُعاؤں کی قبولیت اور کامیابیوں پر نازاں نہ ہو، بلکہ خدا کے فضل اور عنایت کی قدر کرو۔ قاعدہ ہے کہ کامیابی پر ہمت اور حوصلہ میں ایک نئی زندگی آجاتی ہے، اس زندگی سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ترقی کرنی چاہیے، کیونکہ سب سے اعلیٰ درجہ کی بات جو کام آنے والی ہے وہ یہی معرفتِ الٰہی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

بہت تنگدستی بھی انسان کو مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ۔ ایسے لوگ میں نے خود دیکھے ہیں، جو اپنی تنگدستیوں کی وجہ سے دہریہ ہو گئے ہیں۔ مگر مومن کسی تنگی پر بھی خُدا سے بدگمان نہیں ہوتا اور اس کو اپنی غلطیوں کا نتیجہ قرار دے کر اُس سے رحم اور فضل کی درخواست کرتا ہے اور جب وُہ زمانہ گذر جاتا ہے اور اُس کی دعائیں بار آور ہوتی ہیں، تو وہ اُس عاجزی کے زمانہ کو بھولتا نہیں، بلکہ اُسے یاد رکھتا ہے۔ غرض اگر اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کام پڑتا ہے، تو تقویٰ کا طریق اختیار کرو۔ مُبارک وُہ ہے جو کامیابی اور خوشی کے وقت تقویٰ اختیار کرے اور بدقسمت وُہ ہے جو ٹھوکر کھا کر اُس کی طرف نہ جُھکے۔[1]

❖ ❖ ❖

---

[1] (الحکم۔ جلد ۵ نمبر ۲۳۔ صفحہ ۲۰۱۔ پرچہ ۲۴ جون ۱۹۰۱ء)

تقریر حضرت اقدس علیہ السلام

۱۸ر جنوری ۱۸۹۸ء

تقدیر تقدیر دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک کا نام معلق ہے اور دوسری کو مُبرم کہتے ہیں۔ اگر کوئی تقدیر معلق ہو تو دُعا اور صدقات اُس کو ٹلا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُس تقدیر کو بدل دیتا ہے۔ مُبرم ہونے کی صورت میں وہ صدقات اور دُعا اس تقدیر کے متعلق کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ ہاں وُہ عبث اور فضول بھی نہیں رہتے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ وُہ اس دُعا اور صدقات کا اثر اور نتیجہ کسی دُوسرے پیرائے میں اُس کو پہنچا دیتا ہے۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی تقدیر میں ایک وقت تک توقف اور تاخیر ڈال دیتا ہے۔

قضائے معلق اور مُبرم کا ماخذ اور پتہ قرآن کریم سے ملتا ہے۔ یہ الفاظ گو نہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (المومن: ۶۱) دُعا مانگو۔ مَیں قبول کروں گا۔ اب یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا قبول ہو سکتی ہے اور دُعا سے عذاب ٹل جاتا ہے اور ہزارہا کیا کُل کام دُعا سے نکلتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کُل چیزوں پر قادرانہ تصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ اس کے پوشیدہ تصرفات کی لوگوں کو خواہ خبر ہو یا نہ ہو، مگر صدہا تجربہ کاروں کے وسیع تجربے اور ہزارہا دردمندوں کی دُعا کے صریح نتیجے بتلا رہے ہیں کہ اس کا ایک پوشیدہ اور مخفی تصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، محو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اثبات کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہ امر ضروری نہیں کہ ہم اس کی تہہ تک پہنچنے اور اس کی کُنہ اور کیفیت معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک شے ہونے والی ہے۔ اس لیے ہم کو جھگڑے اور مباحثے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی قضا و قدر کو مشروط کر رکھا ہے جو توبہ، خشوع، خضوع سے ٹل سکتی ہے۔ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت انسان کو پہنچتی ہے، تو وہ فطرتاً اور طبعاً اعمالِ حسنہ کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ اپنے اندر ایک قلق اور کرب محسوس کرتا ہے جو اسے بیدار کرتا ہے اور نیکیوں کی طرف کھینچے لیے جاتا ہے اور گناہ سے ہٹاتا ہے۔ جس طرح پر ہم ادویات کے اثر کو تجربے کے ذریعہ سے پا لیتے ہیں، اسی طرح پر ایک مُضطرب الحال انسان جب خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہایت تذلل اور فروتنی کے ساتھ گرتا

ہے اور رَبِّ رَبِّ کہہ کر اس کو پکارتا ہے اور دُعائیں مانگتا ہے، تو وہ رویائے صالحہ یا الہامِ صالحہ کے ذریعے سے ایک بشارت اور تسلی پالیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب صبر اور صدق سے دُعا انتہا کو پہنچے، تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ دُعا، صدقہ اور خیرات سے عذاب کا ٹلنا ایسی ثابت شدہ صداقت ہے، جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کا اتفاق ہے اور کروڑہا صُلحا اور اتقیا اور اولیاء اللہ کے ذاتی تجربے اس امر پر گواہ ہیں۔

عبادات میں لذّت اور سُرور رکھا گیا ہے

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دُعا ہے، مگر لوگ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالےٰ کو ان باتوں کی کیا حاجت ہے، اس کے غناء ذاتی کو اس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان دُعا، تسبیح اور تہلیل میں مصروف رہے، بلکہ اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق پر اپنے مطلب کو پہنچ جاتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آجکل عبادات اور تقویٰ اور دینداری سے محبت نہیں ہے۔ اِس کی وجہ ایک عام زہر ہلاہل رسم کا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت میں جس قسم کا مزا آنا چاہیے، وہ مزا نہیں آتا۔ دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس میں لذّت اور ایک خاص حظ اللہ تعالیٰ نے نہ رکھا ہو۔ جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزہ نہیں اُٹھا سکتا اور وہ اُسے تلخ یا پھیکا سمجھتا ہے، اسی طرح وُہ لوگ جو عباداتِ الٰہی میں حظّ اور لذّت نہیں پاتے اُن کو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہیے، کیونکہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی لذّت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت میں اُس کے لیے لذّت اور سُرور نہ ہو۔ لذّت اور سُرور تو ہے، مگر اُس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّاریات: ۵۷) اب انسان جبکہ عبادت ہی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ ضروری ہے کہ عبادت میں لذّت اور سُرور بھی درجۂ غایت کا رکھا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرّہ کے مشاہدہ اور تجربے سے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لیے پیدا ہوئی ہیں، تو کیا اُن سے وُہ ایک لذّت اور حظ نہیں پاتا ہے؟ کیا اس ذائقہ، مزے اور احساس کے لیے اُس کے مُنہ میں زبان موجود نہیں۔ کیا وہ خوبصورت اشیاء دیکھ کر نباتات ہوں یا جمادات۔ حیوانات ہوں یا انسان حظ نہیں پاتا؟ کیا دل خوش کُن اور سُریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لیے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذّت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عورت اور مرد کو جوڑا پیدا کیا اور مرد کو رغبت دی ہے۔ اب اس میں زبردستی نہیں کی، بلکہ ایک لذّت بھی دکھلائی ہے۔ اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذّات ہوتا تو مطلب پُورا نہ ہو سکتا۔ عورت اور مرد کی برہنگی کی حالت میں ان کی غیرت قبول نہ کرتی کہ وہ ایک دُوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔

مگر اس میں اُن کے لیے ایک حظ ہے اور ایک لذت ہے۔ یہ حظ اور لذت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ بعض کوتاہ اندیش انسان اولاد کی بھی پروا اور خیال نہیں کرتے، بلکہ ان کو صرف حظ ہی سے کام اور غرض ہے۔ خدا تعالیٰ کی علتِ غائی بندوں کا پیدا کرنا تھا اور اس سبب کے لیے ایک تعلق عورت مرد میں قائم کیا اور ضمناً اس میں ایک حظ رکھ دیا جو اکثر نادانوں کے لیے مقصود بالذات ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں۔ اس میں بھی ایک لذت اور سُرور ہے اور یہ لذت اور سُرور دُنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظِ نفس سے بالاتر اور بلند ہے جیسے عورت اور مرد کے باہمی تعلقات میں ایک لذت ہے اور اس سے وہی بہرہ مند ہو سکتا ہے جو مرد اپنے قویٰ صحیحہ رکھتا ہے۔ ایک نامرد اور مخنث وہ حظ نہیں پا سکتا اور جیسے ایک مریض کسی عُمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے اسی طرح پر یہاں ٹھیک ایسا ہی وہ کمبخت انسان ہے جو عبادتِ الٰہی سے لذت نہیں پا سکتا۔

عبودیت اور ربوبیت کے رشتہ کی حقیقت

عورت اور مرد کا جوڑا تو باطل اور عارضی جوڑا ہے۔ میں کہتا ہوں حقیقی، ابدی اور لذتِ مجسم جو جوڑ ہے وہ انسان اور خدا تعالیٰ کا ہے۔ مجھے سخت اضطراب ہوتا اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایک دن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزا نہ آئے، تو طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا ہے۔ روپیہ خرچ کرتا۔ دُکھ اُٹھاتا ہے کہ وُہ مزا حاصل ہو۔ وہ نامرد جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات گھبرا گھبرا کر خودکشی کے ارادے تک پہنچ جاتا اور اکثر موتیں اس قسم کی ہو جاتی ہیں۔ مگر آہ! وہ مریضِ دل۔ وُہ نامراد کیوں کوشش نہیں کرتا جس کو عبادت میں لذت نہیں آتی؟ اس کی جان کیوں غم سے نڈھال نہیں ہو جاتی؟ دُنیا اور اس کی خوشیوں کیلئے کیا کچھ کرتا ہے۔ مگر اَبدی اور حقیقی راحتوں کی وُہ پیاس اور تڑپ نہیں پاتا۔ کس قدر بے نصیب ہے! کیسا ہی محروم ہے! عارضی اور فانی لذتوں کے علاج تلاش کرتا ہے اور پا لیتا ہے۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مُستقل اور ابدی لذت کے علاج نہ ہوں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ مگر تلاشِ حق میں مستقل اور پیہم قدم درکار ہیں۔ قرآن کریم میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے صالحین کی مثال عورتوں سے دی ہے۔ اس میں بھی سِرّ اور بھید ہے۔ ایمان لانے والوں کو مریم اور آسیہ سے مثال دی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ مشرکین میں سے مومنوں کو پیدا کرتا ہے۔ بہرحال عورتوں سے مثال دینے میں دراصل ایک لطیف راز کا اظہار ہے یعنی جس طرح عورت اور مرد کا باہم تعلق ہوتا ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ہے۔ اگر عورت اور مرد کی باہم موافقت ہو اور ایک دُوسرے پر فریفتہ ہو تو وہ جوڑا ایک مُبارک اور مفید جوڑا ہوتا ہے؛ ورنہ نظامِ خانگی بگڑ جاتا ہے اور مقصود بالذات حاصل نہیں ہوتا ہے۔ مرد اور جگہ خراب ہوتا ہے صدہا قسم کی بیماریاں لے آتا ہے آتشک سے مجذوم ہو کر دُنیا میں ہی محروم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو کئی پُشت تک یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے اور ادھر عورت بے حیائی کرتی پھرتی ہے اور عزت و آبرو کو ڈبو کر بھی سچی راحت حاصل نہیں کر سکتی۔ غرض اس جوڑے سے الگ ہو کر کس قدر

بدنتائج اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان رُوحانی جوڑے سے الگ ہو کر مجذوم اور مخذول ہو جاتا ہے۔ دُنیاوی جوڑے سے زیادہ رنج و مصائب کا نشانہ بنتا ہے۔ جیسا کہ عورت اور مرد کے جوڑے سے ایک قسم کی بقا کے لیے حظّ ہے۔ اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کے جوڑے میں ایک ابدی بقاء کے لیے حظّ موجود ہے۔ صوفی کہتے ہیں جس کو یہ حظ نصیب ہو جاوے وہ دُنیا و مافیہا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر ساری عُمر میں ایکبار بھی اس کو معلوم ہو جاتے، تو اُس میں ہی فنا ہو جاوے، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دُنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے اس راز کو نہیں سمجھا اور اُن کی نمازیں صرف ٹکریں ہیں اور اوپرے دل کے ساتھ ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست و برخاست کے طور پر ہوتی ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ صرف اس لیے نمازیں پڑھتے ہیں کہ وہ دُنیا میں معتبر اور قابلِ عزت سمجھے جاویں اور پھر اس نماز سے یہ بات ان کو حاصل ہو جاتی ہے، یعنی وہ نمازی اور پرہیزگار کہلاتے ہیں۔ پھر اُن کو کیوں یہ کھا جانے والا غم نہیں لگتا کہ جب جھوٹ موٹ اور بیدل کی نماز کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کیوں ایک سچے عابد بننے سے ان کو عزت نہ ملے گی اور کیسی عزت ملے گی۔

نماز میں لذت نہ آنے کی وجہ اور اُس کا علاج

غرض میں دیکھتا ہوں کہ لوگ نمازوں میں غافل اور سُست اس لیے ہوتے ہیں کہ اُن کو اس لذت اور سُرور سے اطلاع نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر رکھا ہے اور بڑی بھاری وجہ اس کی یہی ہے۔ پھر شہروں اور گاؤں میں تو اور بھی سُستی اور غفلت ہوتی ہے۔ سو پچاسواں حصّہ بھی تو پوری مُستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہیں جھکاتا۔ پھر سوال ہی پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ اُن کو اس لذت کی اطلاع نہیں اور نہ کبھی اُنہوں نے اس مزہ کو چکھا اور مذاہب میں ایسے احکام نہیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مؤذن اذان دے دیتا ہے۔ پھر وہ سُننا بھی نہیں چاہتے، گویا اُن کے دل دُکھتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی قابلِ رحم ہیں۔ بعض لوگ یہاں بھی ایسے ہیں کہ اُن کی دُکانیں دیکھو تو مسجدوں کے نیچے ہیں۔ مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہیں ہوتے۔ پس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دُعا مانگنی چاہیے کہ جس طرح پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں۔ نماز اور عبادت کا بھی ایکبار مزہ چکھا دے۔ کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سُرور کے ساتھ دیکھتا ہے، تو وہ اُسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا ہے، تو اس کی ساری حالت بہ اعتبار اس کے مجسّم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ہاں۔ اگر کوئی تعلق نہ ہو تو، کچھ یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح بے نمازوں کے نزدیک نماز ایک نادان ہے کہ ناحق صبح اُٹھ کر سردی میں وضو کر کے خوابِ راحت چھوڑ کر کئی قسم کی آسائشوں

کو کھو کر پڑھنی پڑتی ہے اصل بات یہ ہے کہ اسے بیزاری ہے، وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز میں ہے اس کو اطلاع نہیں ہے پھر نماز میں لذت کیونکر حاصل ہو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سُرور نہیں آتا، تو وہ پے در پے پیالے پیتا جاتا ہے، یہانتک کہ اُس کو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔ دانشمند اور بزرگ انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جاوے۔ یہانتک کہ اُس کو سرور آجاوے اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے، جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رُجحان نماز میں اُسی سُرور کا حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دُعا پیدا ہو کہ وُہ لذت حاصل ہو تو مَیں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جاوے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت اُن مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اس سے ہوتے ہیں اور احسان پیشِ نظر رہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ھود : ۱۱۵) نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذّات کو دل میں رکھ کر دُعا کرے کہ وُہ نماز جو کہ صدیقوں اور محسنوں کی ہے، وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ھود : ۱۱۵) یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں، مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ۔ وُہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ اُن کی رُوح مُردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا۔ باوجودیکہ معنے وہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی رُوح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اُس میں موجود ہے۔ وہ نماز یقیناً یقیناً برائیوں کو دُور کرتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہیں ہے۔ نماز کا مغز اور رُوح وہ دُعا ہے جو ایک لذت اور سُرور اپنے اندر رکھتی ہے۔

ارکانِ نماز کی حقیقت

ارکانِ نماز دراصل روحانی نشست و برخاست ہیں۔ انسان کو خدا تعالےٰ کے رُوبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آدابِ خدمتگاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصّہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ کمالِ آداب اور کمالِ تذلّل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طُرق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔ اب اگر ظاہری طریق میں (جو اندرونی اور

باطنی طریق کا ایک عکس ہے) صرف نقّال کی طرح نقلیں اتاری جاویں اور اسے ایک بارِگراں سمجھ کر اُتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے، تو تم ہی بتاؤ۔ اس میں کیا لذّت اور حظّ آسکتا ہے؟ اور جبتک لذّت اور سُرور نہ آئے۔ اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی اور یہ اُس وقت ہوگا جبکہ رُوح بھی ہمہ نیستی اور تذلّل تام ہوکر آستانۂ اُلوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے، رُوح بھی بولے۔ اُس وقت ایک سُرور اور نُور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ مَیں اِس کو اور کھول کر لکھنا چاہتا ہوں کہ انسان جس قدر مراتب طے کر کے انسان ہوتا ہے۔ یعنی کہاں نُطفہ۔ بلکہ اس سے بھی پہلے نُطفہ کے اجزاء یعنی مختلف قسم کی اغذیہ اور اُن کی ساخت اور بناوٹ۔ پھر نُطفہ کے بعد مختلف مدارج کے بعد بچہ۔ پھر جوان، بُوڑھا۔ غرض ان تمام عالموں میں جو اُس پر مختلف اوقات میں گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا معترف ہو اور وہ نقشہ ہر آن اُس کے ذہن میں کھنچا رہے۔ تو بھی وُہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ ربوبیت کے مقابل میں اپنی عبودیت کو ڈال دے۔ غرض مدّعا یہ ہے کہ نماز میں لذّت اور سُرور بھی عبُودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ جبتک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضہ ہے نہ ڈال دے۔ اُس کا فیضان اور پرتَو اس پر نہیں پڑتا۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذّت حاصل ہوتی ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی حظّ نہیں ہے۔

سچّی نماز اس مقام پر انسان کی رُوح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اُسے انقطاعِ تام ہو جاتا ہے۔ اُس وقت خدا تعالیٰ کی محبت اُس پر گرتی ہے۔ اس اتّصال کے وقت ان دو جوشوں سے، جو اُوپر کی طرف سے رُبوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف عبُودیت کا جوش ہوتا ہے، ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ پس یہی وہ صلوٰۃ ہے جو سیئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نُور اور چمک چھوڑ دیتی ہے۔ جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منوّر شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار و خس سے جو اس کی راہ میں ہوتی ہیں، آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وُہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۔ (العنکبوت: ۴۶) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔ کیونکر اُس کے ہاتھ میں نہیں اُس کے دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلّل، کامل نیستی اور فروتنی اور پُوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر گناہ کا خیال اُسے کیونکر آسکتا ہے اور انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اُٹھ ہی نہیں سکتی۔ غرض ایک ایسی لذّت، ایسا سُرور حاصل ہوتا ہے کہ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اُسے کیونکر بیان کروں۔

غیر اللہ کی طرف رجوع

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے، دُعا سے حاصل ہوتی ہے۔ غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت خلاف ہے، کیونکہ یہ مرتبہ دُعا کا اللہ ہی کے لیے ہے۔ جبتک انسان پُورے طور پر خفیف ہو کر اللہ تعالےٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اُسی سے نہ مانگے۔ سچ سمجھو کہ وہ حقیقی طور پر سچا مُسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی، سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گِری ہوئی ہوں۔ جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت وسکون کو اُسی انجن کی طاقتِ عظمیٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وُہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کا قائل ہو سکتا ہے اور اپنے آپ کو اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام: ۸۰) کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے مُنہ سے کہتا ہے، ویسے ہی ادھر کی طرف متوجہ ہو تو لَا رَیْبَ وہ مُسلم ہے۔ وہ مومن اور حنیف ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جُھکتا ہے، وہ یاد رکھے کہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کہ اُس پر وُہ وقت آجانے والا ہے کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف نہ جُھک سکے۔

ترکِ نماز کی عادت اور کسل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کیونکہ جب انسان غیر اللہ کی طرف جُھکتا ہے، تو رُوح اور دل کی طاقتیں اس درخت کی طرح (جس کی شاخیں ابتداءً ایک طرف کر دی جاویں اور اُس طرف جُھک کر پرورش پالیں) ادھر ہی جُھکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اُسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ جیسے وُہ شاخیں۔ پھر دُوسری طرف مڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح پر وہ دل اور رُوح دن بدن خدا تعالیٰ سے دُور ہوتی جاتی ہے پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دُوسرے سے سوال کرے۔ اسی لیے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے، تاکہ اوّلاً وہ ایک عادتِ راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت خود آجاتا ہے جبکہ انقطاعِ کلی کی حالت میں انسان ایک نُور اور ایک لذّت کا وارث ہو جاتا ہے۔ مَیں اس امر کو پھر تاکید سے کہتا ہوں افسوس ہے کہ مجھے وُہ لفظ نہیں ملے، جس میں غیر اللہ کی طرف رجُوع کرنے کی برائیاں بیان کر سکوں۔ لوگوں کے پاس جا کر منّت خوشامد کرتے ہیں۔ یہ بات خدا تعالیٰ کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے۔ کیونکہ یہ تو لوگوں کی نماز ہے پس وہ اس سے ہٹتا اور اُسے دُور پھینک دیتا ہے۔ مَیں موٹے الفاظ میں اس کو بیان کرتا ہوں گو یہ امر اس طرح پر نہیں ہے مگر سمجھ میں خوب آسکتا ہے کہ جیسے ایک مردِ غیور کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وُہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہوئے دیکھ سکے اور جس طرح پر وُہ مرد ایسی حالت میں اس نابکار عورت کو واجب القتل سمجھتا

بلکہ بسا اوقات ایسی وارداتیں ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہی جوش اور غیرت اُلوہیت کا ہے۔ عبُودیت اور دُعا خاص اسی ذات کے بمقابل ہیں۔ وہ پسند نہیں کر سکتا کہ کسی اور کو معبُود قرار دیا جاوے یا پکارا جاوے۔ پس خوب یاد رکھو! اور پھر یاد رکھو! کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی کہو، کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے۔ اس وقت بے برکت اور بیسُود ہوتی ہے جب اُس میں پستی اور تذلّل کی رُوح اور حنیف دل نہ ہو۔

رعایتِ اسبابِ دُعا کا شعبہ ہے

سُنو! وہ دُعا جس کے لیے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) فرمایا ہے۔ اس کے لیے یہی سچی رُوح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرّع اور خشُوع میں حقیقت کی رُوح نہیں، تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے۔ پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دُعا اسباب نہیں؟ یا اسباب دُعا نہیں؟ تلاشِ اسباب بجائے خود ایک دُعا ہے۔ اور دُعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ ہے۔ انسان کی ظاہری بناوٹ، اس کے دو ہاتھ دو پاؤں کی ساخت ایک دُوسرے کی امداد کا ایک قدرتی راہنما ہے جب یہ نظارہ خود انسان میں موجود ہے۔ پھر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدۃ: ۳) کے معنے سمجھنے میں مشکلات کو دیکھے۔

ہاں! مَیں کہتا ہوں کہ تلاشِ اسباب بھی بذریعہ دُعا کرو۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ جب میں تمہیں تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ کا ایک قائم کردہ سلسلہ امدادِ باہمی اور کامل رہنما سلسلہ دکھاتا ہوں۔ تم اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو اور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دُنیا پر کھول دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ دُنیا میں قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسولوں کو باقی نہ رہنے دے۔ مگر پھر بھی ایک وقت اُن پر آتا ہے کہ وہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ (الصّف: ۱۵) کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیا وہ ایک ٹکڑ گدا فقیر کی طرح صدا دیتے ہیں؟ نہیں مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ وہ دُنیا کو رعایتِ اسباب سکھانا چاہتے ہیں۔ جو دُعا کا ایک شعبہ ہے؛ ورنہ اللہ تعالیٰ پر اُن کو کامل ایمان اور اس کے وعدوں پر پورا یقین ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (المومن: ۵۲) ایک یقینی اور حتمی وعدہ ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ بھلا اگر خدا کسی کے دل میں مدد کا خیال نہ ڈالے، تو کوئی کیونکر مدد کر سکتا ہے۔

مامور من اللہ کی طلبِ امداد کا سِرّ

اصل بات یہی ہے کہ حقیقی مُعاون و ناصر وہی پاک ذات ہے، جس کی شان نعم المولیٰ و نعم النصیر و نعم الوکیل ہے۔ دُنیا اور دُنیا کی مدد یں اُن لوگوں کے سامنے کالمیّت ہوتی ہیں اور وُہ مردہ کیڑے کے برابر بھی حقیقت

نہیں رکھتی ہیں، لیکن دُنیا کو دُعا کا ایک موٹا طریق بتلانے کے لیے وہ یہ راہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اپنے کاروبار کا متولی خدا تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (اعراف: ۱۹۷) اللہ تعالیٰ ان کو مامور کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کو دُوسروں کے ذریعہ سے ظاہر کریں۔ ہمارے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مقامات پر مدد کا وعظ کرتے تھے، اس لیے کہ وقت نصرتِ الٰہی کا تھا، اُس کو تلاش کرتے تھے کہ وُہ کس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ یہ ایک بڑی غور طلب بات ہے۔ دراصل مامور من اللہ لوگوں سے مدد نہیں مانگتا، بلکہ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (الصف: ۱۵) کہہ کر وُہ اُس نصرت کا استقبال کرنا چاہتا ہے اور ایک فرطِ شوق سے بیقرار دل کی طرح اس کی تلاش میں رہتا ہے۔ نادان اور کوتہ اندیش لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وُہ لوگوں سے مدد مانگتا ہے، بلکہ اسی طرح پر اس شان میں وُہ کسی دل کے لیے جو اس نصرت کا مُوجب ہوتا ہے ایک برکت اور رحمت کا موجب ہوتا ہے۔ پس مامُور من اللہ کی طلبِ امداد کا اصل سِرّ اور راز یہ ہی ہے جو قیامت تک اسی طرح پر رہے گا۔ اشاعتِ دین میں مامُور من اللہ دُوسروں سے مدد چاہتے ہیں۔ مگر کیوں؟ اپنے اوائے فرض کے لیے، تاکہ دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت پیدا کریں؛ ورنہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ قریب بہ کُفر پہنچ جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کو متولی قرار دیں اور ان نفوسِ قدسیہ سے ایسا امکان محالِ مطلق ہے۔ میں نے ابھی کہا ہے کہ توحید تب ہی پُوری ہوتی ہے کہ کُل مُرادوں کا مُعطی اور تمام امراض کا چارہ اور مدار وہی ذاتِ واحد ہو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی یہی ہیں۔ صُوفیوں نے اس میں اِلٰہ کے لفظ سے محبُوب، مقصُود، معبُود مُراد لی ہے۔

بے شک اصل اور سچ یونہی ہے۔ جبتک انسان کامل توحید پر کاربند نہیں ہوتا، اس میں اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہیں ہوتی اور پھر میں اصل ذکر کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ نماز کی لذّت اور سُرور اسے حاصل نہیں ہو سکتا مدار اسی بات پر ہے کہ جبتک بُرے ارادے، ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہوں۔ انانیت اور شیخی دُور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے، خدا کا سچا بندہ نہیں کہلا سکتا اور عبُودیتِ کاملہ کے سکھانے کے لیے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے۔

مَیں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق، حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو، تو نماز پر کاربند ہو جاؤ اور ایسے کاربند بنو کہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری رُوح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جائیں۔[1]

* * *

[1] (الحکم جلد ۳ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ پرچہ ۱۲ اپریل ۱۸۹۹ء)

۱۹ جنوری ۱۸۹۸ء

چودھویں صدی کے مجدد کا کام

بعد نماز مغرب فرمایا: "عیسائیوں کا فتنہ اُمّ الفتن ہے، اس لیے چودھویں صدی کے مجدد کا کام یکسر الصلیب ہے۔ پھر چونکہ یہ علامت اُس پر صادق آئی، اس لیے چودھویں صدی کا مجدد مسیح موعود قرار پایا۔ کیونکہ احادیث سے مسیح موعود کا کام یکسر الصلیب ثابت ہوتا ہے۔ اب جبکہ ہمارے مخالفوں کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ چودھویں صدی کے مجدد کا کام یکسر الصلیب ہی ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے سامنے یہی مصیبت ہے۔ پھر انکار کے لیے کون سی گنجائش ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی کا مجدد ہی ہوگا۔ ہماری توجہ ان لوگوں کی طرف ہے جن کو حق کی پیاس ہے، لیکن جو حق کی تلاش نہیں چاہتے، جن کی طبیعتیں معکوس ہیں وُہ ہم سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ یاد رکھو ہدایت تو اُن کو ہوتی ہے جو تعصب سے کام نہیں لیتے۔ وُہ لوگ فائدہ نہیں اُٹھاتے جو تدبّر نہیں کرتے۔ پس طالبِ ہدایت سمجھ لے کہ موجودہ حالتوں میں چودھویں صدی کے مجدد کا یہ کام ہے کہ کسرِ صلیب کرے۔ کیونکہ صلیبی فتنہ خطرناک پھیلا ہوا ہے۔ اِسلام ایسا دین تھا کہ اگر ایک بھی اس سے مُرتد ہو جاتا، تو قیامت بَرپا ہو جاتی تھی، لیکن اب کس قدر افسوس ہے کہ مُرتد ہونے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے اور وُہ لوگ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوتے تھے۔ اب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل انسان کی نسبت جس کی پاک باطنی کی کوئی نظیر دُنیا میں موجود نہیں، قسم قسم کے دل آزار بہتان لگا رہے ہیں کہ کروڑوں کتابیں اس سیّد المعصومین کی تکذیب میں اُس گروہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ بہت سے مستقل ہفتہ وار اور ماہوار اخبار اور رسالے اس غرض کے لیے جاری کر رکھے ہیں۔

پھر کیا ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کوئی مجدد نہ بھیجتا؟ اور پھر اگر کوئی مجدد آتا، تو تم ہی خدا کے واسطے سوچ کر بتاؤ کہ کیا اس کا کام یہ ہونا چاہیے کہ وُہ رفعِ یدین کے جھگڑے کرے یا آمین بالجہر پر مرتا پھرے۔

غور تو کرو جو مرض وبا کی طرح پھیل رہا ہے طبیب اس کا علاج کرے گا، نہ کسی اور مرض کا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی حد ہو چکی ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اپنی ماں سے سُن کر اس کو مار دیا تھا۔ یہ غیرت اور حمیّت تھی مُسلمانوں کی، مگر آج یہ حال ہو گیا ہے کہ توہین کی کتابیں پڑھتے اور سُنتے ہیں۔ غیرت نہیں آتی اور اتنا نہیں ہو سکتا کہ اُن سے نفرت ہی کریں، بلکہ اُلٹا جس شخص کو خدا نے خاص اِس فتنہ کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اور جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت اور جلال کے لیے خاص قسم کی غیرت لے کر آیا ہے۔ اُس کی مخالفت کرتے ہیں اور اُس پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی ان لوگوں کو

بصیرت کی آنکھ دے۔ آمین"

آنحضرتؐ کی تائید و نصرت کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ایک سُورۃ بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عُلُوّ اور مرتبہ ظاہر کیا ہے اور وُہ سُورۃ ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (الفیل: ۲) یہ سُورۃ اُس حالت کی ہے کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مصائب اور دُکھ اُٹھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت میں آپؐ کو تسلی دیتا ہے کہ مَیں تیرا مؤید و ناصر ہوں۔ اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ تیرے ربّ نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا کیا یعنی اُن کا مکر اُلٹا کر اُن پر ہی مارا اور چھوٹے چھوٹے جانور اُن کے مارنے کے لیے بھیج دیئے۔ ان جانوروں کے ہاتھوں میں کوئی بندوقیں نہ تھیں، بلکہ مٹی تھی جو بجائے بھیگی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں۔ اس سُورۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ قرار دیا ہے اور اصحاب الفیل کے واقعہ کو پیش کر کے آپؐ کی کامیابی اور تائید اور نُصرت کی پیشگوئی کی ہے۔

یعنی آپ کی ساری کارروائی کو برباد کرنے کے لیے جو سامان کرتے ہیں اور تدابیر عمل میں لاتے ہیں۔ ان کے تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اُن کی ہی تدبیروں کو اور کوششوں کو اُلٹا کر دیتا ہے۔ کسی بڑے سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے ہاتھی والوں کو چڑیوں نے تباہ کر دیا۔ ایسا ہی یہ پیشگوئی قیامت تک جائے گی۔ جب کبھی کوئی اصحاب الفیل پیدا ہو۔ تب ہی اللہ تعالیٰ اُن کے تباہ کرنے کے لیے ان کی کوششوں کو خاک میں ملا دینے کے سامان کر دیتا ہے۔

پادریوں کا اُصول یہی ہے۔ اُن کی چھاتی پر اسلام ہی پتھر ہے؛ ورنہ باقی تمام مذاہب اُن کے نزدیک نامردیں ہندو بھی عیسائی ہو کر اسلام کے ہی رَدّ میں کتابیں لکھتے ہیں۔ دا نچند اور مٹھا کر داس نے اسلام کی تردید میں اپنا سارا زور لگا کر کتابیں لکھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ اُن کا کانشنس کہتا ہے کہ اُن کی ہلاکت اسلام ہی سے ہے۔ طبعی طور پر خوف اُنہی کا پڑتا ہے، جن کے ذریعہ ہلاکت ہوتی ہے۔ ایک مُرغی کا بچہ بلّی کو دیکھتے ہی چلّانے لگتا ہے۔ اسی طرح مختلف مذاہب کے پیرو عموماً اور پادری خصوصاً جو اسلام کی تردید میں زور لگا رہے ہیں، یہ اسی لیے ہے کہ اُن کو یقین ہے، بلکہ اندر ہی اندر اُن کا دل اُن کو بتاتا ہے کہ اسلام ہی ایک مذہب ہے، جو بلِ باطلہ کو پیس ڈالے گا۔

احمدیت کے ذریعہ اسلام کا دفاع

اس وقت اصحاب الفیل کی شکل میں اسلام پر حملہ کیا گیا ہے۔ مُسلمانوں میں بہت کمزوریاں ہیں۔ اسلام غریب ہے اور اصحاب الفیل زور میں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ وہی نمونہ پھر دکھانا چاہتا ہے۔ چڑیوں سے وہی کام لے گا۔ ہماری جماعت اُن کے

مقابلہ میں کیا ہے۔ اُن کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اُن کے اتفاق اور طاقت اور دولت کے سامنے نام بھی نہیں رکھتے، لیکن ہم اصحاب الفیل کا واقعہ سامنے دیکھتے ہیں کہ کیسی تسلی کی آیات نازل فرمائی ہیں۔ مجھے یہی الہام ہوا ہے جس سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید اپنا کام کر کے رہے گی۔ ہاں اُس پر وُہی یقین رکھتے ہیں، جن کو قرآن سے محبت ہے۔ جسے قرآن سے محبت نہیں، اسلام سے اُلفت نہیں وہ ان باتوں کی کب پروا کر سکتا ہے۔ اسلام اور ایمان یہی ہے کہ خدا کی رائے سے رائے ملاتے۔ جو اسلام کی عزت اور اس کے لیے غیرت نہیں رکھتا، خواہ وہ کوئی ہو، خدا کو اُس کی عزت اور اُس کی غیرت کی پروا نہیں ہوتی اور وُہ دیندار مسلمان نہیں۔ خدا کی باتوں کو حقیر مت سمجھو اور ان لوگوں کو قابلِ رحم سمجھو جنھوں نے تعصب کی وجہ سے حق کا انکار کر دیا اور کہدیا کہ اس کے زمانہ میں کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ افسوس اُن پر۔ وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام کس طرح دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے۔ چاروں طرف سے اُس پر حملہ ہو رہا ہے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی جاتی ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ کسی کی ضرورت نہیں۔

قانون سڈیشن سے اسلام ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے

قانون سڈیشن ہمارے لیے بہت مفید ہے۔ صرف ہم ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔۔۔ دُوسرے مذہبوں کو ہلاک کرنے کے لیے یہ بھی ایک ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس تو حقائق اور معارف کے خزانے ہیں۔ ہم ان کا ایک ایسا سلسلہ جاری رکھیں گے جو کبھی ختم نہ ہوگا، مگر آریہ یا پادری کون سے معارف پیش کرینگے۔ پادریوں نے گذشتہ پچاس سال کے اندر کیا دکھایا ہے۔ کیا گالیوں کے سوا وہ اور کچھ پیش کر سکتے ہیں، جو آئندہ کریں گے؟ ہندوؤں کے ہاتھوں میں بھی اعتراضوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اگر کسی آریہ یا پادری کو اپنے مذہب کے کمالات اور خوبیاں بیان کرنے کو بلایا جائے، تو وہ ہمارے مقابلہ میں ایک ساعت بھی نہ ٹھہر سکے[1]۔"

۱۹ر جنوری ۱۸۹۸ء

کفارہ مذہب کی اوّل اینٹ خداشناسی ہے۔ جبتک وُہ دُرست نہ ہو، دُوسرے اعمال کیونکر پاک ہو سکتے ہیں؟ عیسائی دوسروں کی پاک باطنی پر بڑے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اور کفارہ کا اخلاق سوز مسئلہ مان کر اعتراض کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب کفارہ کا عقیدہ ہو

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۶ پرچہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۱ء

تو اللہ تعالیٰ کے مواخذہ کا خوف رہ کیونکر سکتا ہے؟ کیا سچ نہیں ہے کہ ہمارے گناہوں کے بدلے مسیح پر سب کچھ وارد ہوگیا۔ یہاں تک کہ اُسے ملعون قرار دیا اور تین دن ھاویہ میں رکھا۔ ایسی حالت میں اگر گناہوں کے بدلے سزا ہو تو پھر کفارہ کا کیا فائدہ ہوا؟ اصولِ کفارہ ہی چاہتا ہے کہ گناہ کیا جائے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ اصول کا اثر بہت پڑتا ہے۔ دیکھو! ہندوؤں کے نزدیک گائے بہت پوتر اور قابلِ تعظیم ہے اور اُس کا اثر ان میں اس حد تک ہے کہ اُس کا پیشاب اور گوبر بھی پوتر کرنے والا اُن میں قرار دیا گیا ہے اور گائے کے متعلق اس قدر جوش ان میں ہے، جس کی کچھ بھی حد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امر اُن میں بطور اصول داخل کیا گیا ہے۔ یاد رکھو۔ اصول بطور ماں کے ہوتے ہیں اور اعمال بطور اولاد کے۔ جب مسیح کفارہ ہوگیا ہے اور اُس نے تمام گناہ ایمان لانے والوں کے اُٹھا لیے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ نہ کیے جاویں؟ تعجب کی بات ہے کہ عیسائی جب کفارہ کا اصول بیان کرتے ہیں، تو اپنی تقریر کو خدا تعالیٰ کے رحم اور عدل سے شروع کیا کرتے ہیں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ جب زید کے بدلے پھانسی بکر کو ملی تو یہ کونسا انصاف اور رحم ہے۔ جب یہ اصول قرار دیدیا کہ سب گناہ اُس نے اُٹھا لیے، پھر گناہ نہ کرنے کے لیے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ہدایت ہوتی کہ اُس وقت کے گناہ گار عیسائیوں کے لیے کفارہ ہوتے ہیں، تو یہ اور بات تھی، مگر جب یہ مان لیا گیا ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والوں کے گناہوں کی گٹھڑی یسوع اٹھا کر لے گیا اور اس نے سزا بھی اُٹھا لی۔ پھر گنہگار کو پکڑنا کس قدر ظلم ہے۔ اوّل تو بیگناہ کو گنہگار کے بدلے سزا دینا ہی ظلم ہے اور پھر دُوسرا ظلم یہ ہے کہ اوّل گنہگاروں کے گناہوں کی گٹھڑی یسوع کے سر پر رکھ دی اور گنہگاروں کو مُژدہ سُنا دیا کہ تمہارے گناہ اُس نے اُٹھا لیے اور پھر وہ گناہ کریں، تو پکڑے جاویں۔ یہ عجیب دھوکا ہے جس کا جواب عیسائی کبھی نہیں دے سکیں گے۔

کفارہ پر ایمان لانے سے انسان گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے

اگر کوئی یہ کہے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے انسان گناہ کی زندگی سے نجات پا سکتا ہے اور گناہ کی قوت اس میں نہیں رہتی، تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اصول ہی اپنی جڑھ میں گناہ رکھتا ہے۔ گناہ سے بچنے کی قوت پیدا ہوتی ہے مواخذۂ الٰہی کے خوف سے لیکن وہ مواخذہ کا خوف کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ یہ مان لیا جاوے کہ ہمارے گناہ یسوع نے اُٹھا لیے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایسے اصول کا انسان کبھی متقی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ ہر ایک کام کو جس کی بنا تقویٰ کے اصولوں پر ہو، ضروری نہ سمجھے گا۔ یہ خوب یاد رکھو کہ پاک باطنی ہمیشہ اصولوں ہی سے شروع ہوتی ہے؛ ورنہ

خبثِ نفس نہ گردد بسالہا معلوم

پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کفارہ کا مسئلہ ماننے والوں نے پاک باطنی کی عملی نظیریں کیا قائم کی ہیں؟ یورپ کی

بداعمالیاں سب کو معلوم ہیں۔ شراب جو اُم الخبائث ہے۔ اس کی یورپ میں اس قدر کثرت ہے کہ اُس کی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔ مَیں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ اگر لندن کی شراب کی دوکانوں کو ایک لائن میں رکھا جائے، تو پچھتر میل تک چلی جاویں۔ جس حالت میں اُن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر ایک گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے اور جس قدر گناہ کوئی کرے معاف ہیں تو اب سوچ کر عیسائی ہم کو جواب دیں کہ اس کا اثر کیا پڑے گا۔

اگر نعوذ باللہ ہمارا یہ اصول ہوتا، تو ہم پر اس کا کتنا بُرا اثر پڑتا۔ نفسِ امّارہ تو بہانہ ہی تلاش کرتا ہے جیسے شیعوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا سہارا لے لیا اور تقیہ کی آڑ میں جو کچھ کر لیں، سو تھوڑا ہے۔ مَیں اسی تقیہ اور امام حسینؓ کے فدیہ کے اصول کی بنا پر دلیری سے کہتا ہوں کہ شیعوں میں متقی کم نکلیں گے۔ خلیفہ محمد حسین صاحب نے لکھا ہے کہ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصافات: ۱۰۸) سے جو قرآن میں آیا ہے۔ امام حسینؓ کا شہید ہونا نکلتا ہے اور اس نکتہ پر بہت خوش ہوتے ہیں کہ گویا قرآن شریف کے مغز کو پہنچ گئے ہیں۔

اُن کی اس نکتہ دانی پر مجھے ایک پوستی کی حکایت یاد آئی۔ وُہ یہ ہے کہ ایک پوستی کے پاس ایک لوٹا تھا اور اُس میں ایک سُوراخ تھا۔ جب رفعِ حاجت کو جاتا۔ اس سے پیشتر کہ وہ فارغ ہو کر طہارت کرے۔ سارا پانی لوٹے سے نکل جاتا تھا۔ آخر کئی دن کی سوچ اور فکر کے بعد اس نے یہ تجویز نکالی کہ پہلے طہارت ہی کر لیا کریں اور اپنی اس تجویز پر بہت ہی خوش ہوا۔ اسی قسم کا نکتہ اور نسخہ ان کو ملا ہے۔ جو وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصافات: ۱۰۸) سے امام حسینؓ کی شہادت نکالتے ہیں۔ شیعہ لوگوں کی مسجدیں تک تو صاف نہیں رہ سکتی ہیں۔ ہم ایک شیعہ اُستاد سے پڑھا کرتے تھے اور وہاں کتے پیشاب و پاخانہ پھر جاتے تھے اور مجھے یاد نہیں کہ کسی نے کبھی وہاں نماز پڑھی ہو۔ شیعہ یہی کہتے ہیں کہ ہمارے لیے امام حسینؓ اور اہلِ بیت شہید ہو چکے ہیں۔ اُن کے غم میں رو لینا اور ماتم کر لینا بس یہی کافی ہے۔ جنت کے لیے اور کسی عمل کی بجز اس کے ضرورت نہیں اور ایسا ہی عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح کا خون ہمارے لیے مُنجی ہوا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے گناہوں پر بھی بازپُرس ہونی ہے اور تمہیں ان کی سزا بھگتنی ہے، تو پھر یہ نجات کیسی ہے؟

اس اُصول کا اثر درحقیقت بہت بُرا پڑا - اگر یہ اصول نہ ہوتا، تو یورپ کے ملکوں میں اس کثرت سے فسق و فجور نہ ہوتا اور اس طرح پر بدکاری کا سیلاب نہ آتا جیسے اب آیا ہوا ہے۔ لندن اور پیرس کے ہوٹلوں اور پارکوں میں جا کر دیکھو کیا ہو رہا ہے اور ان لوگوں سے پوچھو جو وہاں سے آتے ہیں آئے دن اخبارات میں ان بچوں کی فہرستیں جن کی ولادت ناجائز ولادت ہوتی ہے، شائع ہوتی ہیں۔

کفارہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے

اب ہم تو اصُول ہی کو دیکھیں گے۔ ہمارے اصول میں تو یہ لکھا ہے کہ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸)

اب اس کا اثر تم خود سوچ لوگے، کیا پڑے گا۔ یہی کہ انسان اعمال کی ضرورت محسوس کریگا اور نیک عمل کرنے کی سعی کرے گا۔ برخلاف اِس کے جب یہ کہا جاوے گا کہ انسان اعمال سے نجات نہیں پا سکتا، تو یہ اصول انسان کی ہمت اور سعی کو پست کر دیگا اور اس کو بالکل مایوس اور بے دست و پا بنا دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ کا اصول انسانی قویٰ کی بھی بیحرمتی کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی قویٰ میں ایک ترقی کا مادہ رکھا ہے لیکن کفارہ اس کو ترقی سے روکتا ہے۔ ابھی مَیں نے کہا ہے کہ کفارہ کا اعتقاد رکھنے والوں کے حالاتِ آزادی اور بے قیدی کو جو دیکھتے ہیں تو یہ اسی اصول کی وجہ سے ہے کہ کتے اور کتیوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں۔ لنڈن کے ہائیڈ پارک میں علانیہ بدکاریاں ہوتی ہیں اور حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں پس ہم کو صرف قیل و قال تک ہی محدود نہ رکھنا چاہیے بلکہ اعمال ساتھ ہونے چاہییں۔ جو اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ سخت ناعاقبت اندیش اور نادان ہے۔ قانونِ قدرت میں اعمال اور ان کے نتائج کی نظیریں تو موجود ہیں۔ کفارہ کی نظیر کوئی موجود نہیں۔ مثلاً بھوک لگتی ہے، تو کھانا کھا لینے کے بعد وہ فرو ہو جاتی ہے یا پیاس لگتی ہے، پانی سے جاتی رہتی ہے تو معلوم ہوا کہ کھانا کھانے یا پانی پینے کا نتیجہ بھوک کا جاتے رہنا یا پیاس کا بجھ جانا ہوا۔ مگر یہ تو نہیں ہوتا کہ بھوک لگے زید کو اور بکر روٹی کھائے اور زید کی بھوک جاتی رہے۔ اگر قانونِ قدرت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہوتی، تو شاید کفارہ کا مسئلہ مان لینے کی گنجائش نکل آتی، لیکن جب قانونِ قدرت میں اس کی کوئی نظیر ہی نہیں ہے تو انسان جو نظیر دیکھ کر ماننے کا عادی ہے۔ اسے کیونکر تسلیم کر سکتا ہے۔ عام قانونِ انسانی میں بھی تو اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ زید نے خون کیا ہو اور خالد کو پھانسی ملی ہو۔ غرض یہ ایک ایسا اصول ہے جس کی کوئی نظیر ہرگز موجود نہیں۔

اعمالِ صالحہ اور تقویٰ

مَیں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ ضرورت ہے اعمالِ صالحہ کی۔ خدا تعالیٰ کے حضور اگر کوئی چیز جا سکتی ہے، تو وہ یہی اعمالِ صالحہ ہیں۔ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ (سورۃ فاطر: ۱۱) خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس وقت ہمارے قلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں کے برابر ہیں، لیکن فتح اور نصرت اسی کو ملتی ہے جو متقی ہو خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما دیا ہے۔ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم: ۴۸) مومنوں کی نصرت ہمارے ذمہ ہے۔ اور لَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء: ۱۴۲) اللہ مومنوں پر کافروں کو راہ نہیں دیتا، اس لیے یاد رکھو کہ تمہاری فتح تقویٰ سے ہے؛ ورنہ عرب تو نرے لکچرار اور خطیب اور شاعر ہی تھے۔ اُنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فرشتے ان کی امداد کے لیے نازل کیے۔ تاریخ کو اگر انسان پڑھے تو اُسے نظر آجائے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس قدر فتوحات کیں وہ انسانی طاقت اور سعی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک بیس سال کے اندر ہی اندر اسلامی سلطنت عالمگیر ہو گئی۔ اب ہم کو کوئی بتاوے کہ انسان ایسا کر سکتا

ہے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔
(النحل : ۱۲۹)

مُتقی اور مُحسن مُتقی کے معنی ہیں ڈرنے والا۔ ایک ترکِ شر ہوتا ہے اور ایک اِفاضۂ خیر۔ مُتقی ترکِ شر کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے اور محسن اِفاضۂ خیر کو چاہتا ہے۔ میں نے اس کے متعلق ایک حکایت پڑھی ہے کہ ایک بزرگ نے کسی کی دعوت کی اور اپنی طرف سے مہمان نوازی کا پورا اہتمام کیا اور حق ادا کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے، تو بزرگ نے بڑے اِنکسار سے کہا کہ میں آپ کے لائق خدمت نہیں کر سکا۔ مہمان نے کہا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں نے احسان کیا ہے، کیونکہ جس وقت تم مصروف تھے، میں تمہاری املاک کو آگ لگا دیتا تو کیا ہوتا۔ غرض مُتقی کا کام یہ ہے کہ برائیوں سے باز آوے۔ اس سے آگے دُوسرا درجہ افاضۂ خیر کا ہے، جس کو یہاں مُحسنون کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے کہ نیکیاں بھی کرے۔ پُورا راستباز انسان تب ہوتا ہے جب بدیوں سے پرہیز کر کے یہ مطالعہ کرے کہ نیکی کون سی کی ہے؟

کہتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوکر چاء کی پیالی لایا۔ جب قریب آیا تو غفلت سے وہ پیالی آپؓ کے سر پر گر پڑی۔ آپؓ نے تکلیف محسوس کر کے ذرا تیز نظر سے غلام کی طرف دیکھا۔ غلام نے آہستہ سے پڑھا۔ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (آل عمران : ۱۳۵) یہ سُن کر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کَظَمْتُ غلام نے پھر کہا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ کظم میں انسان غصہ دبا لیتا ہے اور اظہار نہیں کرتا ہے مگر اندر سے پوری رضامندی نہیں ہوتی، اس لیے عفو کی شرط لگا دی ہے۔ آپؓ نے کہا کہ میں نے عفو کیا۔ پھر پڑھا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ محبوبِ الٰہی وُہی ہوتے ہیں جو کظم اور عفو کے بعد نیکی بھی کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا: جا آزاد بھی کیا۔ راستبازوں کے نمونے ایسے ہیں کہ چائے کی پیالی گرا کر آزاد ہوا۔ اب بتاؤ کہ یہ نمونہ اصول کی عمدگی ہی سے پیدا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ (ھود : ۱۱۳) یعنی سیدھا ہو جا۔ کسی قسم کی بداعمالی کی کجی نہ رہے۔ پھر راضی ہوں گا۔ آپ بھی سیدھا ہو جا اور دُوسروں کو بھی سیدھا کر۔ عرب کے لیے سیدھا کرنا کس قدر مشکل تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے پُوچھنے پر فرمایا کہ مجھے سُورۂ ھُود نے بوڑھا کر دیا۔ کیونکہ اس کے حکم کی رُو سے بڑی بھاری ذمہ داری میرے سُپرد ہوئی ہے۔ پہلے آپ کو سیدھا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پُوری فرمانبرداری کرنا، جہاں تک انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہے، ممکن ہے کہ وُہ اس کو پورا کرے، لیکن دُوسروں کو ویسا ہی بنانا آسان نہیں ہے۔ اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور قوتِ قدسی کا پتہ لگتا ہے؛ چنانچہ آپؐ نے اس حکم کی کیسی تعمیل کی، صحابہ کرامؓ کی وہ پاک جماعت تیار کی کہ اُن کو کُنْتُمْ

خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران : ۱۱۱) کہا گیا اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البیّنة : ۹) کی آواز اُن کو آگئی۔ آپؐ کی زندگی میں کوئی بھی منافق مدینہ طیبہ میں نہ رہا۔ غرض ایسی کامیابی آپؐ کو ہوئی کہ اس کی نظیر کسی دوسرے نبی کے واقعاتِ زندگی میں نہیں ملتی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ تھی کہ قیل وقال ہی تک بات نہ رکھنی چاہیے، کیونکہ اگر نرے قیل وقال اور ریاکاری تک ہی بات ہو تو دُوسرے لوگوں اور ہم میں پھر امتیاز کیا ہوگا اور دُوسروں پر کیا شرف! تم صرف اپنا عمل مُنہ نہ دکھاؤ اور اس میں ایک ایسی چمک ہو کہ دُوسرے اس کو قبول کرلیں، کیونکہ جبتک اس میں چمک نہ ہو کوئی اس کو قبول نہیں کرتا۔ کیا کوئی انسان میلی چیز پسند کرسکتا ہے؟ جبتک کپڑے میں ایک داغ بھی ہو، وہ اچھا نہیں لگتا۔ اسی طرح جبتک تمہاری اندرونی حالت میں صفائی اور چمک نہ ہوگی، کوئی خریدار نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص عمدہ چیز کو پسند کرتا ہے اسی طرح جب تک تمہارے اخلاق اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں، کسی مقام تک نہیں پہنچ سکو گے۔

انسانی پیدائش کی اصل غرض

سورۃ عصر میں اللہ تعالیٰ نے کفّار اور مومنوں کی زندگی کے نمونے بتائے ہیں۔ کفّار کی زندگی بالکل چوپاؤں کی سی زندگی ہوتی ہے جنکو کھانے اور پینے اور شہوانی جذبات کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ يَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمّد:۱۳) مگر دیکھو اگر ایک بیل چارہ تو کھالے، لیکن ہل چلانے کے وقت بیٹھ جائے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی ہوگا کہ زمیندار اسے لیجاکر قصاب خانے میں جاکر بیچ دیگا۔ اسی طرح ان لوگوں کی نسبت (جو خدا تعالیٰ کے احکام کی پیروی یا پرواہ نہیں کرتے اور اپنی زندگی فسق وفجور میں گذارتے ہیں) فرماتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔ (الفرقان : ۷۸) یعنی میرا رب تمہاری کیا پرواہ کرتا ہے اگر تم اُس کی عبادت نہ کرو۔ یہ امر بحضورِ دل یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے محبت کی ضرورت ہے اور محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک محبت تو ذاتی ہوتی ہے اور ایک اغراض سے وابستہ ہوتی ہے۔ یعنی اس کا باعث صرف چند عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ جن کے دُور ہوتے ہی وہ محبت سرد ہوکر رنج وغم کا باعث ہوجاتی ہے، مگر ذاتی محبت سچی راحت پیدا کرتی ہے، چونکہ انسان فطرتاً خدا ہی کے لیے پیدا ہوا۔ جیسا کہ فرمایا: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذّٰریات:۵۷) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کی فطرت ہی میں اپنے لیے کچھ نہ کچھ رکھا ہوا ہے اور مخفی در مخفی اسباب سے اُسے اپنے لیے بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری پیدائش کی اصل غرض یہ رکھی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، مگر جو لوگ اپنی اس اصلی اور فطری غرض کو چھوڑ کر حیوانوں کی طرح زندگی کی غرض صرف کھانا پینا اور سو رہنا سمجھتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے دُور جا پڑتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی ذمہ داری اُن کے لیے نہیں رہتی۔ وُہ زندگی جو ذمہ داری کی ہے۔ یہی ہے کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ پر ایمان لاکر زندگی کا

پہلو بدل لے۔ موت کا اعتبار نہیں ہے۔ سعدیؒ کا شعر سچا ہے ؎

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار　　مباش ایمن از بازیٔ روزگار

عُمرِ ناپائیدار پر بھروسہ کرنا دانشمند کا کام نہیں ہے۔ موت یونہی آکر لتاڑ جاتی ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا جبکہ انسان اس طرح پر موت کے پنجہ میں گرفتار ہے۔ پھر اُس کی زندگی کا خدا تعالیٰ کے سوا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

خدا کے لیے زندگی اگر زندگی خدا کے لیے ہو تو اس کی حفاظت کریگا۔ بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے محبت کا رابطہ پیدا کر لیتا ہے، خدا تعالیٰ اُس کے اعضاء ہو جاتا ہے۔ ایک دُوسری روایت میں ہے کہ اُس کی دوستی یہانتک ہوتی ہے کہ میں اُس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ حتیٰ کہ اُس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان جذباتِ نفس سے پاک ہو جاتا ہے اور نفسانیت چھوڑ کر خدا کے ارادوں کے اندر چلتا ہے۔ اس کا کوئی فعل ناجائز نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک فعل خدا کے منشاء کے موافق ہوتا ہے۔ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ اُسے اپنا فعل ہی قرار دیتا ہے۔ یہ ایک مقام ہے قربِ الٰہی کا، جہاں پہنچ کر سلوک کی منزلوں کو پورے طور پر طے نہ کرنے والوں نے یا تو ٹھوکر کھائی ہے یا انبیاءؑ سے ناواقف اور قربِ الٰہی کے مفہوم کو نہ سمجھنے والوں نے غلط فہمی سے کام لیا ہے اور وحدت وجود کا مسئلہ گھڑ لیا ہے۔ اس بات کو بھی ہرگز بھولنا نہ چاہیے کہ جہاں انسان ابتلا میں پڑتا ہے وہ فعل خدا کے ارادہ سے موافق نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی رضاء اُس کے خلاف ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے جذبات کے نیچے ہوتا ہے نہ کہ منشائے الٰہی کے ماتحت، لیکن وُہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا ولی کہلاتا ہے اور خدا جس کی زندگی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے جس کی کوئی حرکت و سکون بلا استصواب کتابِ الٰہی نہیں ہوتی۔ وُہ اپنی ہر بات اور ارادہ پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُس سے مشورہ لیتا ہے۔

پھر آگے کہا ہے کہ اُس کی جان نکالنے میں اللہ تعالیٰ کو بڑا تردّد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تردّد سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مصلحت کے لیے اُس کو موت دی جاتی ہے اور ایک عظیم مصلحت کے لیے اس کو دُوسرے جہان میں لے جایا جاتا ہے۔ نہیں تو اُس کی بقا خدا کو بڑی پیاری لگتی ہے۔ پس اگر انسان کی ایسی زندگی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اُس کی جان لینے میں تردّد ہو تو وہ حیوانات سے بھی بدتر ہے۔ ایک بکری سے بہت سے آدمی گزارہ کر سکتے ہیں اور اس کا چمڑہ بھی کام آسکتا ہے۔ اور انسان کسی حالت میں کیا مَر کر بھی کام نہیں آتا، مگر صالح آدمی کا اثر اس کی ذرّیت پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ درحقیقت وہ مرتا ہی نہیں۔ مرنے پر بھی اس کو ایک نئی زندگی دی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ہے کہ مَیں بچہ تھا، بوڑھا ہوا۔ مَیں نے کسی خدا پرست کو ذلیل حالت میں نہیں دیکھا اور نہ اُس کے لڑکوں کو دیکھا کہ

وہ ٹکڑے مانگتے ہوں، گویا متقی کی اولاد کا بھی خدا تعالیٰ ذمہ دار ہوتا ہے، لیکن حدیث میں آیا ہے۔ ظالم اپنے اہل وعیال پر بھی ظلم کرتا ہے، کیونکہ ان پر اس کا بد اثر پڑتا ہے۔

انسانی پیدائش کی غرض عبادت ہے

پس کس قدر ضرورت ہے کہ تم اس بات کو سمجھ لو کہ تمہارے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ تم اُس کی عبادت کرو اور اس کے لیے بن جاؤ۔ دُنیا تمہاری مقصود بالذات نہ ہو۔ مَیں اِس لیے بار بار اس ایک امر کو بیان کرتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی ایک بات ہے جس کے لیے انسان آیا ہے اور یہی بات ہے جس سے وہ دُور پڑا ہوا ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تم دُنیا کے کاروبار چھوڑ دو۔ بیوی بچوں سے الگ ہو کر کسی جنگل یا پہاڑ میں جا بیٹھو۔ اسلام اس کو جائز نہیں رکھتا اور رہبانیت اسلام کا منشاء نہیں۔ اسلام تو انسان کو چُست اور ہوشیار اور مُستعد بنانا چاہتا ہے، اس لیے مَیں تو کہتا ہوں کہ تم اپنے کاروبار کو جِدّوجُہد سے کرو۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جس کے پاس زمین ہو اور وُہ اس کا تردّد نہ کرے، تو اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ پس اگر کوئی اس سے یہ مُراد لے کہ دُنیا کے کاروبار سے الگ ہو جائے وُہ غلطی کرتا ہے۔ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کاروبار جو تم کرتے ہو۔ اس میں دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کی رضاء مقصُود ہو اور اُس کے ارادہ سے باہر نکل کر اپنی اغراض و جذبات کو مقدم نہ کرو۔

پس اگر انسان کی زندگی کا یہ مدّعا ہو جائے کہ وہ صرف تنعّم کی زندگی بسر کرے اور اس کی ساری کامیابیوں کی انتہا خورد و نوش اور لباس و خواب ہی ہو اور خدا تعالیٰ کے لیے کوئی خانہ اُس کے دل میں باقی نہ رہے، تو یاد رکھو کہ ایسا شخص فِطرۃ اللہ کا مُقلِّب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے قویٰ کو بیکار کر دے گا۔ یہ صاف بات ہے کہ جس مطلب کے لیے کوئی چیز ہم لیتے ہیں اگر وہ وہی کام نہ دے، تو اُسے بیکار قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ایک لکڑی کُرسی یا میز بنانے کے واسطے لیں اور اس کام کے ناقابل ثابت ہو تو ہم اُسے ایندھن ہی بنا لیں گے۔ اسی طرح پر انسان کی پیدائش کی اصل غرض تو عبادتِ الٰہی ہے لیکن اگر وُہ اپنی فطرت کو خارجی اسباب اور بیرونی تعلّقات سے تبدیل کر کے بیکار کر لیتا ہے، تو خدا تعالیٰ اُس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) مَیں نے ایک بار پہلے بھی بیان کیا تھا کہ مَیں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ ایک جنگل میں کھڑا ہوں۔ شہر قاعزیا اس میں ایک بڑی نالی چلی گئی ہے اس نالی پر بھیڑیں لٹائی ہوتی ہیں اور ہر ایک قصاب کے جو ہر ایک بھیڑ پر مسلّط ہے، ہاتھ میں چھُری ہے۔ جو انہوں نے اُن کی گردن پر رکھی ہوتی ہے اور آسمان کی طرف مُنہ کیا ہوا ہے۔ مَیں اُن کے پاس ٹہل رہا ہوں۔ مَیں نے یہ نظارہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ آسمانی حکم کے منتظر ہیں، تو مَیں نے یہی آیت پڑھی قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔

یہ سنتے ہی اُن قصابوں نے فی الفور چھریاں چلا دیں اور یہ کہا کہ تم ہو کیا؟ آخر گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔
غرض خدا تعالیٰ متقی کی زندگی کی پروا کرتا ہے اور اس کی بقاء کو عزیز رکھتا ہے اور جو اُس کی مرضی کے برخلاف چلے وُہ اُس کی پروا نہیں کرتا اور اُس کو جہنم میں ڈالتا ہے، اس لیے ہر ایک کو لازم ہے کہ اپنے نفس کو شیطان کی غلامی سے باہر کرے۔ جیسے کلوروفارم نیند لاتا ہے اسی طرح پر شیطان انسان کو تباہ کرتا ہے اور اسے غفلت کی نیند سُلاتا ہے اور اسی میں اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

سُورۃ الْعَصْر میں دو سلسلوں کا ذکر

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ سورۃ العصر میں دو سلسلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک ابرار و اخیار کا سلسلہ ہے اور دُوسرا فجّار کا۔ کفّار اور فجّار کے سلسلہ کا ذکر یوں فرمایا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (العصر:۳) اور دُوسرے سلسلہ کو اس طرح پر الگ کیا۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر:۴)، یعنی ایک وہ ہیں جو خُسران میں ہیں، مگر خسران میں مومن اور عملِ صالح کرنے والے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خسران میں وہ ہیں جو مومن اور عملِ صالح کرنے والے نہیں ہیں۔ یاد رکھو کہ صلاح کا لفظ وہاں آتا ہے، جہاں فساد کا بالکل نام و نشان نہ رہے۔ انسان کبھی صالح نہیں کہلا سکتا جب تک وہ عقایدِ ردّیہ اور فاسدہ سے خالی نہ ہو اور پھر اعمال بھی فساد سے خالی ہو جائیں۔ متقی کا لفظ بابِ افتعال سے آتا ہے اور یہ باب تصنّع کے لیے آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ متقی کو بڑا مجاہدہ اور کوشش کرنی پڑتی ہے اور اس حالت میں وہ نفسِ لوّامہ کے نیچے ہوتا ہے اور جب حیوانی زندگی بسر کرتا ہے، اس وقت امّارہ کے نیچے ہوتا ہے اور مجاہدہ کی حالت سے نکل کر جب غالب آجاتا ہے، تو مطمئنّہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ متقی نفسِ امّارہ کی حالت سے نکل کر آتا ہے اور لوّامہ کے نیچے ہوتا ہے۔ اسی لیے متقی کی شان میں آیا ہے کہ وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں۔ گویا اس میں بھی ایک قسم کی لڑائی ہی کی حالت ہوتی ہے۔ وساوس اور اوہام آ آ کر حیران کرتے ہیں، مگر وہ گھبراتا نہیں اور یہ وساوس اُس کو درماندہ نہیں کر سکتے۔ وُہ بار بار خدا تعالیٰ کی استعانت چاہتا ہے اور خدا کے حضور چلّاتا اور روتا ہے، یہانتک کہ غالب آجاتا ہے۔ ایسا ہی مال کے خرچ کرنے میں بھی شیطان اس کو روکتا ہے اور اسراف اور انفاق فی سبیل اللہ کو یکساں دکھاتا ہے؛ حالانکہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسراف کرنے والا اپنے مال کو ضائع کرتا ہے، مگر فی سبیل اللہ خرچ کرنے والا اس کو پھر پاتا ہے اور خرچ سے زیادہ پاتا ہے۔ اس لیے ہی مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:۴) فرمایا ہے۔

صراطِ مستقیم

بات یہ ہے کہ صلاح کی حالت میں انسان کو ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کے فساد سے خواہ وہ عقائد کے متعلق ہو یا اعمال کے متعلق، پاک ہو۔ جیسے انسان کا بدن صلاحیت کی حالت اس وقت رکھتا ہے، جبکہ سب اخلاط اعتدال کی حالت پر ہوں اور کوئی کم زیادہ نہ ہو۔

لیکن اگر کوئی غلط بھی بڑھ جائے، تو جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر رُوح کی صلاحیت کا مدار بھی اعتدال پر ہے۔ اسی کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں الصراط المستقیم ہے۔ صلاح کی حالت میں انسان محض خدا کا ہو جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت تھی۔ اور رفتہ رفتہ صالح انسان ترقی کرتا ہوا مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور یہاں ہی اس کا انشراح صدر ہوتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الم نشرح: ۲) ہم انشراح صدر کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔

انسان کا سینہ بیت اللہ ہے اور دل حجرِ اسود

یہ بات بحضورِ دل یاد رکھو کہ جیسے بیت اللہ میں حجرِ اسود پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح قلب سینہ میں پڑا ہوا ہے۔

بیت اللہ پر بھی ایک زمانہ آیا ہوا تھا کہ کفار نے وہاں بُت رکھ دیئے تھے۔ ممکن تھا کہ بیت اللہ پر یہ زمانہ نہ آتا۔ مگر نہیں اللہ نے اس کو ایک نظیر کے طور پر رکھا قلبِ انسانی بھی حجرِ اسود کی طرح ہے اور اس کا سینہ بیت اللہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ ماسوی اللہ کے خیالات وُہ بُت ہیں جو اس کعبہ میں رکھے گئے ہیں۔ مکہ معظمہ کے بتوں کا قلع قمع اس وقت ہوا تھا جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ وہاں جا پڑے تھے اور مکہ فتح ہو گیا تھا۔ ان دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے اور حقیقت میں ان کی شان ملائکہ ہی کی سی تھی۔ انسانی قویٰ بھی ایک طرح پر ملائکہ ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جیسے ملائکہ کی یہ شان ہے کہ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (النحل: ۵۱) اسی طرح پر انسانی قویٰ کا خاصہ ہے کہ جو حکم ان کو دیا جاتا ہے، اُس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ایسا ہی تمام قویٰ اور جوارح حکمِ انسانی کے نیچے ہیں پس ماسوی اللہ کے بتوں کی شکست اور استیصال کے لیے ضروری ہے کہ اُن پر اسی طرح سے چڑھائی کی جائے۔ یہ لشکر تزکیۂ نفس سے تیار ہوتا ہے اور اسی کو فتح دی جاتی ہے جو تزکیہ کرتا ہے، چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (الشمس: ۱۰) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر قلب کی اصلاح ہو جائے، تو کُل جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیسی سچی بات ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان وغیرہ جس قدر اعضاء ہیں، وہ دراصل قلب کے ہی فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ ایک خیال آتا ہے، پھر وُہ جس عضو کے متعلق ہو وُہ فوراً اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

میری پیروی کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ

غرض اس خانہ کو بتوں سے پاک و صاف کرنے کے لیے ایک جہاد کی ضرورت ہے اور اس جہاد کی راہ مَیں تمہیں بتاتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے، تو ان بتوں کو توڑ ڈالو گے اور یہ راہ مَیں اپنی خود تراشیدہ نہیں بتاتا۔ بلکہ خدا نے مجھے مامور کیا ہے کہ مَیں بتاؤں۔ اور وُہ راہ کیا ہے؟ میری پیروی کرو

اور میرے پیچھے چلے آؤ۔ یہ آواز نئی آواز نہیں ہے۔ مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کہا تھا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) اسی طرح پر اگر تم میری پیروی کرو گے، تو اپنے اندر کے بتوں کو توڑ ڈالنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ اور اس طرح پر سینہ کو جو طرح طرح کے بتوں سے بھرا پڑا ہے۔ پاک کرنے کے لائق ہو جاؤ گے۔ تزکیۂ نفس کے لیے چلہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے چلہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ اَللّٰہ اور نفی واثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کئے تھے، بلکہ اُن کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے جو نور آپ میں تھا۔ وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہؓ کے قلب پر گرتا اور ماسوی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کے بجائے اُن سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔ اس وقت بھی خوب یاد رکھو۔ وہی حالت ہے جبتک کہ وہ نور جو خدا کی نالی میں سے آتا ہے تمہارے قلب پر نہیں گرتا۔ تزکیہ نفس نہیں ہو سکتا۔ انسان کا سینہ مَہْبِطُ الانوار ہے اور اسی وجہ سے وہ بیت اللہ کہلاتا ہے۔ بڑا کام یہی ہے کہ اس میں جو بُت ہیں، وہ توڑے جائیں۔ اور اللہ ہی اللہ رہ جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ۔ میرے صحابہؓ کے دلوں میں اللہ ہی اللہ ہے۔ دل میں اللہ ہی اللہ ہونے سے یہ مُراد نہیں کہ انسان وحدتِ وجود کے مسئلہ پر عمل کرے اور ہر کتے اور گدھے کو معاذ اللہ خدا قرار دے بیٹھے۔ نہیں نہیں۔ اس سے اصل غرض یہ ہے کہ انسان کا جو کام ہو۔ اس میں مقصود فی الذات اللہ تعالیٰ ہی کی رضا ہو نہ کچھ اور۔ اور یہ درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبتک خدا تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو ؎ بر کریماں کار ہا دُشوار نیست۔

قرآن کریم میں علمی اور عملی تکمیل کی ہدایت ہے

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم میں علمی اور عملی تکمیل کی ہدایت ہے، چنانچہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ (الفاتحہ : ۶) میں تکمیلِ علمی کی طرف اشارہ ہے اور تکمیلِ عملی کا بیان صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ : ۷) میں فرمایا کہ جو نتائج اکمل اور اَتم ہیں، وہ حاصل ہو جائیں۔ جیسے ایک پودا جو لگایا گیا ہے۔ جبتک پورا نشوونما حاصل نہ کرے، اس کو پھل پھول نہیں لگ سکتے۔ اسی طرح اگر کسی ہدایت کے اعلیٰ اور اکمل نتائج موجود نہیں ہیں۔ وہ ہدایت مُردہ ہدایت ہے، جس کے اندر کوئی نشوونما کی قوت اور طاقت نہیں ہے۔ جیسے اگر کسی کو وید کی ہدایت پر پُورا عمل کرنے سے کبھی یہ امید نہیں ہو سکتی کہ وہ ہمیشہ کی مکتی یا نجات حاصل کرے گا اور کیڑے مکوڑے بننے کی حالت سے نکل کر دائمی سرور پائے گا، تو اس ہدایت سے کیا حاصل، مگر قرآن شریف ایک ایسی ہدایت ہے کہ اُس پر عمل کرنے والا اعلیٰ درجہ کے کمالات حاصل کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے اس کا ایک سچا تعلق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے اعمالِ صالحہ جو قرآنی ہدایتوں کے موافق کیے جاتے ہیں۔ وہ ایک شجرِ طیب کی مثال جو قرآن شریف

ہیں دی گئی ہے۔ بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں۔ ایک خاص قسم کی حلاوت اور ذائقہ اُن میں پیدا ہوتا ہے پس اگر کوئی شخص اپنے ایمان میں شوخ نما کا مادّہ نہیں رکھتا، بلکہ اس کا ایمان مُردہ ہے، تو اس پر اعمالِ صالحہ کے طیّب اشجار کے بار در ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ (الفاتحہ: ۷) کہہ کر ایک قید لگا دی ہے۔ یعنی یہ راہ کوئی بے ثمر اور حیران اور سرگردان کرنے والی نہیں ہے، بلکہ اس پر چل کر انسان بامُراد اور کامیاب ہوتا ہے اور عبادت کے لیے تکمیلِ عملی ضروری شے ہے؛ ورنہ وہ محض ایک کھیل ہوگا، کیونکہ درخت اگر پھل نہ دے، خواہ وہ کتنا ہی اُونچا کیوں نہ ہو۔ مفید نہیں ہو سکتا۔

مامُور من اللہ کے مخالفوں کا ایمان سلب ہو جاتا ہے

ہمارے مخالفوں کی حالت ایسی ہے جس سے سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ وہ نیک کو بُرا اور مامُور من اللہ کو کذّاب سمجھتے ہیں۔ جس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اور اب یہ صاف امر ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے مامُور اور مسیح موعود کے نام سے دُنیا میں بھیجا ہے جو لوگ میری مخالفت کرنے والے ہیں وہ میری نہیں خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک میں نے دعویٰ نہ کیا تھا۔ بہت سے اُن میں سے مجھے عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے ہاتھ سے لوٹا لیکر وضو کرانے کو ثواب اور فخر جانتے تھے اور بہت سے ایسے بھی تھے جو میری بیعت میں آنے کے لیے زور دیتے تھے لیکن جب خدا تعالیٰ کے نام اور اعلام سے یہ سلسلہ شروع ہوا، تو وہی مخالفت کے لیے اُٹھے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن کی ذاتی عداوت میرے ساتھ نہ تھی، بلکہ عداوت اُن کو خدا تعالیٰ سے ہی تھی۔ اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ اُن کو سچا تعلق تھا، تو اُن کی دینداری اور اتقاء اور خدا ترسی کا تقاضا یہ ہونا چاہیے تھا کہ سب سے اوّل وہ میرے اس اعلان پر لبیک کہتے اور سجداتِ شکر کرتے ہوتے میرے ساتھ مصافحہ کرتے، مگر نہیں۔ وہ اپنے ہتھیاروں کو لے کر نکل کھڑے ہوتے اور اُنھوں نے مخالفت کو یہاں تک پہنچایا کہ مجھے کافر کہا اور بے دین کہا۔ دجّال کہا۔ افسوس! ان احمقوں کو یہ معلوم نہ ہوا کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ کی آوازیں سُنتا ہو۔ وہ اُن کی بدگوئی اور گالیوں کی کیا پروا کر سکتا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان نادانوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کفر اور ایمان کا تعلق دُنیا سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور خدا تعالیٰ میرے مومن اور مامُور ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر ان بیہودگیوں کی مجھے پروا کیا ہو سکتی ہے؟

غرض اِن باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ لوگ میرے مخالف نہ تھے بلکہ خدا تعالیٰ کی باتوں کی انہوں نے مخالفت کی اور یہی وجہ ہے جس سے مامُور من اللہ کے مخالفوں کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اب یہ صاف بات ہے کہ میرے مخالف خدا تعالیٰ سے مخالفت کر رہے ہیں۔ میں اگر روشنی کی طرف آ رہا ہوں اور یہ یقینی امر ہے کہ

میں روشنی کی طرف آتا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کے بے شمار نشان میری تائید میں ظاہر ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ بارش کی طرح یہ نشان آسمان سے اُتر رہے ہیں۔ تو پھر یہ بھی یقینی امر ہے کہ میرے مخالف تاریکی کی طرف جاتے ہیں۔ روشنی اور نورُ رُوح القدس کو لاتا ہے اور تاریکی شیطان کی قربت پیدا کرتی ہے اور اس طرح پر دل کی مخالفت سلبِ ایمان کر دیتی ہے اور بئس القرین سے جا ملاتی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اصلاح تب ہوتی ہے کہ تکمیلِ عملی کے مراتب حاصل ہو جائیں پس سورۃ العصر میں جو اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فرمایا ہے۔ اس میں اٰمَنُوْا سے تکمیلِ علمی کی طرف۔ ارشاد فرمایا۔ اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے تکمیلِ عملی کی طرف رہبری کی حکمت کے بھی دو ہی حصے ہیں۔ ایک علم اکمل اور اتم ہو۔ دُوسرے عمل اتم اور اکمل ہو۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ خسر سے محفوظ رہتے ہیں۔ اوّل وہ تکمیلِ علمی کرتے ہیں اور پھر عمل بھی گندے نہیں کرتے بلکہ علمی تکمیل کو عملی تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور پھر یہ کہ جب انہیں کامل بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کے کمالِ علم کا ثبوت کمالِ عمل سے ملتا ہے، تو پھر وہ بُخل نہیں کرتے، بلکہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کو بھی اس حق کی دعوت کرتے ہیں، جو انہوں نے پایا ہے۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اعمال کی روشنی بھی دکھاتے ہیں۔ واعظ اگر خود عمل نہیں کرتا، تو اس کی باتوں کا کچھ بھی اثر نہیں پڑ سکتا۔ یہ بھی قاعدہ کی بات ہے کہ اگر خود آدمی کہے اور کرے نہیں، تو اس کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اگر زنا کار زنا سے منع کرے، تو اُس کی اس حالت کے ثابت ہو جانے پر سُننے والوں کے دہریہ ہو جانے کا اندیشہ ہے، کیونکہ وہ خیال کریں گے کہ اگر زنا کاری واقعی خطرناک چیز ہوتی اور خدا تعالیٰ کے حضور اس ناپاکی پر سزا ملتی اور خدا واقعی ہوتا، تو پھر یہ جو منع کرتا تھا، خود کیوں اس سے پرہیز نہ کرتا۔

مجھے معلوم ہے کہ ایک شخص ایک مولوی کی صحبت کے باعث مُسلمان ہونے لگا۔ ایک روز اُس نے دیکھا کہ وہی مولوی شراب پی رہا تھا، تو اس کا دل سخت ہو گیا اور وُہ رُک گیا۔ غرض تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ میں یہ فرمایا کہ وُہ اپنے اعمال کی روشنی سے دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور پھر ان کا یہ شیوہ ہوتا ہے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی صبر کے ساتھ وعظ و نصیحت کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔ جلدی جھاگ مُنہ پر نہیں لاتے۔ اگر کوئی مولوی اور پیش رو ہو کر، امام اور رہنما بن کر جلدی بھڑک اُٹھتا ہے اور اس میں برداشت اور صبر کی طاقت نہیں تو وہ لوگوں کو کیوں نقصان پہنچاتا ہے؟ دُوسرے یہ بھی مطلب ہے کہ جو باتیں سننے والا صبر سے نہ سُنے، وہ فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ ہمارے مخالف بُردباری کا دِل لے کر نہیں آتے اور صبر سے اپنی مشکلات پیش نہیں کرتے، بلکہ اُن کا تو یہ حال ہے کہ وہ کتاب تک تو دیکھنا نہیں چاہتے اور شور مچا کر حق کو ملتبس کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ پھر وُہ فائدہ اٹھائیں تو کیونکر

اُٹھائیں۔ ابوجہل اور ابولہب میں کیا تھا؟ یہی بے صبری اور بیقراری تو تھی۔ کہتے تھے کہ تُو خدا کی طرف سے آیا ہے، تو کوئی نہر لے آ۔ ان کم بختوں نے صبر نہ کیا اور ہلاک ہو گئے؛ ورنہ زبیدہ والی نہر تو آ ہی گئی۔ اسی طرح پر ہمارے مخالف بھی کہتے ہیں کہ ہمارے لیے دُعا کرو اور وہ معاً قبول ہو جائے اور پھر اس کو حق و باطل کا معیار ٹھہراتے ہیں اور اپنی طرف سے بعض اُپدیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ ہو جائے اور وُہ ہو جائے تو مان لیں گے لیکن آپ کسی شرط کے نیچے نہیں آتے۔ افسوس یہی لوگ ہیں جو یُخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶) کے مصداق ہیں۔ یاد رکھو صابر ہی شرح صدر کا رتبہ پاتا ہے۔ جو صبر نہیں کرتا، وُہ گویا خدا پر حکومت کرتا ہے۔ خود اس کی حکومت میں رہنا نہیں چاہتا۔ ایسا گستاخ اور دلیر جو خدا تعالیٰ کے جلال اور عظمت سے نہیں ڈرتا وہ محروم کر دیا جاتا ہے اور اُسے کاٹ دیا جاتا ہے۔

صُحبتِ صادقین

پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ صبر کی حقیقت میں سے یہ بھی ضروری بات ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ: ۱۱۹) صادقوں کی صُحبت میں رہنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو دُور بیٹھ رہتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کبھی آئیں گے، اس وقت فرصت نہیں ہے۔ بھلا تیرہ سو سال کے موعود سلسلہ کو جو لوگ پالیں اور اُس کی نصرت میں شامل نہ ہوں اور خدا اور رسُولؐ کے موعود کے پاس نہ بیٹھیں، وہ فلاح پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ؎

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں ایں خیال است و محال است و جنوں

دین تو چاہتا ہے کہ مصاحبت ہو۔ پھر مصاحبت سے گریز ہو تو دینداری کے حصُول کی اُمید کیوں رکھتا ہے؟ ہم نے بارہا اپنے دوستوں کو نصیحت کی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ وہ بار بار یہاں آکر رہیں اور فائدہ اٹھائیں۔ مگر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ لوگ ہاتھ میں ہاتھ دے کر دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتے ہیں، مگر اس کی پروا کچھ نہیں کرتے۔ یاد رکھو قبریں آوازیں دے رہی ہیں اور موت ہر وقت قریب ہوتی جاتی ہے۔ ہر ایک سانس تمہیں موت کے قریب کرتا جاتا ہے اور تم اُسے فرصت کی گھڑیاں سمجھتے جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مکر کرنا مومن کا کام نہیں ہے۔ جب موت کا وقت آگیا پھر ساعت آگے پیچھے نہ ہو گی۔ وہ لوگ جو اس سلسلہ کی قدر نہیں کرتے اور انہیں کوئی عظمت اس کی معلوم ہی نہیں انکو جانے دو۔ مگر ان سب سے بڑھ کر بدقسمت اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تو وُہ ہے جس نے اس سلسلہ کو شناخت کیا اور اُس میں شامل ہونے کی فکر کی۔ لیکن اُس نے کچھ قدر نہ کی۔ وہ لوگ جو یہاں آکر میرے پاس کثرت سے نہیں رہتے اور اُن باتوں سے جو خدا تعالیٰ ہر روز اپنے سلسلہ کی تائید میں ظاہر کرتا ہے نہیں سُنتے اور دیکھتے۔ وہ اپنی جگہ پر کیسے ہی نیک اور متقی اور پرہیزگار ہوں۔ مگر میں یہی کہوں گا کہ جیسا چاہیے۔ انہوں نے قدر نہیں کی۔ مَیں پہلے کہہ چکا ہوں کہ تکمیلِ علمی کے بعد تکمیلِ عملی کی ضرورت ہے۔ پس تکمیلِ عمل بُدوں تکمیلِ علمی کے مُحال ہے اور جبتک یہاں آکر نہیں رہتے تکمیلِ علمی مشکل ہے۔ بارہا خطوط آتے ہیں کہ فلاں شخص نے اعتراض کیا اور ہم

ہم جواب نہ دے سکے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ وہ لوگ یہاں نہیں آتے اور اُن باتوں کو نہیں سُنتے جو خدا تعالیٰ اپنے سلسلہ کی تائید میں علمی طور پر ظاہر کر رہا ہے۔

پس اگر تم واقعی اس سلسلہ کو شناخت کرتے ہو اور خدا پر ایمان لاتے ہو اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا سچا وعدہ کرتے ہو، تو مَیں پُوچھتا ہوں کہ اس پر عمل کیا ہوتا ہے کیا کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ ۱۱۹) کا حکم منسُوخ ہو چکا ہے؟ اگر تم واقعی ایمان لاتے ہو اور سچی خوش قسمتی یہی ہے، تو اللہ تعالیٰ کو مقدم کرو۔ اگر ان باتوں کو ردّی اور فضول سمجھو گے، تو یاد رکھو خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنے والے ٹھہرو گے۔

سُورۃ فاتحہ میں قرآنِ کریم کے تمام معارف درج ہیں

سورۃ فاتحہ پر جو قرآنِ شریف کا باریک نقشہ ہے اور اُمّ الکتاب بھی جس کا نام ہے خوب غور کرو کہ اس میں اجمال کے ساتھ قرآنِ کریم کے تمام معارف درج ہیں؛ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے اس کو شروع کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام محامد اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ تمام منافع اور تمدّنی زندگی کی ساری بہبودگیاں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں، کیونکہ ہر قسم کی ستائش کا سزاوار جبکہ وہی ہے، تو مُعطیِ حقیقی بھی وہی ہو سکتا ہے؛ ورنہ لازم آئے گا کہ کسی قسم کی تعریف و ستائش کا مستحق بھی وہ نہیں ہے، جو کُفر کی بات ہے پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں کیسی توحید کی جامع تعلیم پائی جاتی ہے، جو انسان کو دُنیا کی تمام چیزوں کی عبُودیت اور بالذات نفع رساں نہ ہونے کی طرف لے جاتی ہے اور دائمی اور بیّن طور پر یہ ذہن نشین کرتی ہے کہ ہر نفع اور سُود حقیقی اور ذاتی طور پر خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے۔ کیونکہ تمام محامد اسی کے لیے سزاوار ہیں۔ پس ہر نفع اور سُود میں خدا تعالیٰ ہی کو مقدم کرو۔ اس کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے اگر خلاف ہو تو اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے۔ اور ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اُمّہاتُ الصّفات

پھر اسی سُورۃ فاتحہ میں خدا کا نقشہ دکھایا گیا ہے، جو قرآن کریم منوانا چاہتا ہے اور جس کو وہ دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی چار صفات کو ترتیب وار بیان کیا ہے جو اُمّہاتُ الصّفات کہلاتی ہیں۔ جیسے سُورۃ فاتحہ اُمّ الکتاب ہے، ویسے ہی جو صفات اللہ تعالیٰ کی اس میں بیان کی گئی ہیں۔ وُہ بھی اُمّ الصّفات ہی ہیں اور وُہ یہ ہیں ..... رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ، الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ ان صفاتِ اربعہ پر غور کرنے سے خدا تعالیٰ کا گویا چہرہ نظر آجاتا ہے۔ ربوبیت کا فیضان بہت ہی وسیع اور عام ہے اور اس میں کُل مخلوق کی کُل حالتوں تربیت اور اس کی تکمیل کے تکفّل کی طرف اشارہ ہے۔ غور تو کرو۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ربُوبیت پر سوچتا ہے، تو اس کی امید کس قدر وسیع ہو جاتی ہے اور پھر رحمانیت یہ ہے کہ بدُوں کسی عمل عامل کے اُن اسباب کو مہیا کرتا ہے

جو بقائے وجود کے لیے ضروری ہیں۔ دیکھو چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ بدوں ہماری دُعا اور التجا کے اور بغیر ہمارے کسی عمل اور فعل کے اس نے ہمارے وجود کے بقا کے لیے کام میں لگا رکھے ہیں اور پھر رحیمیت یہ ہے کہ اعمال کو ضائع نہ کرے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا تقاضا یہ ہے کہ بامراد کر دے۔ جیسے ایک شخص امتحان کے لیے بہت محنت سے تیاری کرتا ہے، مگر امتحان میں دو چار نمبروں کی کمی رہ جاتی ہے، تو دُنیوی نظام اور سلسلہ میں تو اس کا لحاظ نہیں کرتے اور اس کو گرا دیتے ہیں، مگر خدا تعالیٰ کی رحیمیت اس کی پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کو پاس کرا دیتی ہے۔ رحیمیت میں ایک قسم کی پردہ پوشی بھی ہوتی ہے۔ عیسائیوں کا خدا ذرہ بھی پردہ پوش نہیں ہے؛ ورنہ کفارہ کی کیا ضرورت رہتی؟ ایسا ہی آریوں کا خدا نہ رب ہے نہ رحمان، کیونکہ وہ تو بلا مُزد اور بلا عمل کچھ بھی کسی کو عطا نہیں کر سکتا۔ یہانتک کہ ویدوں کے اصول کے موافق گناہ کرنا بھی ضروری معلوم دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کسی اُس کے عمل کے معاوضہ میں گائے کا دُودھ دینا مطلوب ہے، تو بالمقابل یہ بھی ضرور ہے کہ کوئی برہمنی (اگر یہ روایت صحیح ہو) زنا کرے تاکہ اس فسق و فحش کے بدلہ میں وہ گائے کی جون میں جائے اور اس عامل کو دُودھ پلائے، خواہ وہ اس کا خاوند ہی کیوں نہ ہو۔ غرض جبتک ایسا سلسلہ نہ ہوگا، کوئی عامل اپنے عمل کی جزا ویدک ایشر کے خزانہ سے پا نہیں سکتا، کیونکہ اس کا سارا سلسلہ جوڑ توڑ ہی سے چلتا ہے۔

مگر اسلام نے وُہ خدا پیش کیا ہے جو جمیع محامد کا سزاوار ہے اس لیے مُعطی حقیقی ہے وُہ رحمٰن ہے بدوں عمل عامل کے اپنا فضل کرتا ہے۔ پھر مالکیتِ یوم الدین جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، بامُراد کرتی ہے۔ دُنیا کی گورنمنٹ کبھی اس امر کا ٹھیکہ نہیں لے سکتی کہ ہر ایک بی اے پاس کرنے والے کو ضرور نوکری دے گی، مگر خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ، کامل گورنمنٹ اور لا انتہا خزائن کی مالک ہے۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ کوئی عمل کرنے والا ہو۔ وہ سب کو فائز المرام کرتا ہے اور نیکیوں اور حَسَنات کے مقابلہ میں بعض ضعفوں اور سقموں کی پردہ پوشی بھی فرماتا ہے۔ وہ تواب بھی ہے ستّار بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ کو ہزارہا عیب اپنے بندوں کے معلوم ہوتے ہیں، مگر ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ بیباک ہو کر انسان اپنے عیبوں میں ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حیا اور پردہ پوشی سے نفع نہیں اُٹھاتا، بلکہ دہریت کی رگ اس میں زور پکڑتی جاتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس بیباک کو چھوڑا جائے، اس لیے وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کو محمد حسین کی نسبت الہام ہوا کہ اس میں کوئی عیب ہے۔ اس نے چاہا کہ وہ ظاہر کر دیں، مگر انہوں نے یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حیا مانع ہے۔ پھر انہوں نے اس کی نسبت ایک رؤیا میں دیکھا کہ اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں؛ چنانچہ اب وہ رؤیا پوری ہو گئی۔

غرض میرا مطلب تو صرف یہ تھا کہ رحیمیت میں ایک خاصہ پردہ پوشی کا بھی ہے، مگر اس پردہ پوشی سے پہلے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی عمل ہو اور اس عمل کے متعلق اگر کوئی کمی یا نقص رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ اپنی رحیمیت

سے اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ رحمانیت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحمانیت میں فعل اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا، مگر رحیمیت میں فعل و عمل کو دخل ہے لیکن کمزوری بھی ساتھ ہی ہے۔ خدا کا رحم چاہتا ہے کہ پردہ پوشی کرے۔ اسی طرح مالکِ یوم الدین وہ ہے کہ اصل مقصد کو پورا کرے۔ خوب یاد رکھو کہ یہ اُمہات الصفات رُوحانی طور پر خدا نما تصویر ہیں۔ ان پر غور کرتے ہی معاً خدا سامنے ہو جاتا ہے اور رُوح ایک لذت کے ساتھ اُچھل کر اُس کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے؛ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے جو شروع کیا گیا تھا، تو غائب کی صورت میں ذکر کیا ہے، لیکن ان صفاتِ اربعہ کے بیان کے بعد معاً صورتِ بیان تبدیل ہو گئی ہے، کیونکہ ان صفات نے خدا کو سامنے حاضر کر دیا ہے۔ اس لیے حق تھا اور فصاحت کا تقاضہ تھا کہ اب غائب نہ رہے بلکہ حاضر کی صورت اختیار کی جائے۔ پس اس دائرہ کی تکمیل کے تقاضہ نے مخاطب کی طرف مُنہ پھیرا اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ: ۵) کہا یاد رکھنا چاہیے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ ہاں اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں ایک قسم کا تقدمِ زمانی ہے کیونکہ جس حال میں محض اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دُعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا اور انواع و اقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں۔ اسوقت ہماری دُعا نہ تھی بلکہ محض اس کا فضل ہمارے شاملِ حال تھا اور یہی تقدم ہے۔

رحمانیت اور رحیمیت

میں پھر بیان کرتا ہوں اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رحم دو قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل رحمانیت اور دُوسرا رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ رحمانیت تو ایسا فیضان ہے کہ جو ہمارے وجُود اور ہستی سے بھی پہلے شروع ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمارے وجُود سے پیشتر ہی زمین و آسمان، چاند و سُورج اور دیگر اشیاء ارضی و سماوی پیدا کی ہیں، جو سب کی سب ہمارے کام آنیوالی ہیں اور کام آتی ہیں۔ دُوسرے حیوانات بھی اُن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر وُہ جبکہ بجائے خود انسان ہی کے لیے مفید ہیں اور انسان ہی کے کام آتے ہیں۔ تو گویا مجموعی طور پر انسان ہی اُن سب سے فائدہ اُٹھانے والا ٹھہرا۔ دیکھو جسمانی اُمور میں کیسی اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کا گوشت انسان کے لیے ہے۔ ٹکڑے اور ہڈیاں کتوں کے واسطے۔ جسمانی طور پر تو کسی حد تک حیوان بھی شریک ہیں، مگر رُوحانی لذّات میں جانور شریک نہیں ہیں۔ پس یہ دو قسم کی رحمتیں ہیں۔ ایک وُہ جو ہمارے وجود سے پہلے ہی عطا ہوئی ہیں اور دُوسری وُہ جو رحیمیت کی شان کے نمونے ہیں اور وُہ دُعا کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور اُن میں ایک فعل کی ضرورت ہوتی ہے۔

دُعا اور قانونِ قدرت کا باہمی تعلق

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کو بیان کر دیا جائے کہ قانونِ قدرت میں ہمیشہ دُعا کا تعلق ہے۔ آجکل کے نیچری طبع لوگ جو علومِ حقہ سے محض بے خبر اور ناواقف ہیں اور اُن کی ساری تگ و دو کا نتیجہ یورپ کے طرزِ معاشرت کی نقل اُتارنا ہے، دُعا کو ایک بدعت سمجھتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کے تعلق پر

کچھ مختصر سی بحث کی جائے۔

دیکھو ایک بچہ بھوک سے بیتاب اور بیقرار ہو کر دُودھ کے لیے چلاتا ہے اور چیختا ہے، تو ماں کی پستان میں دُودھ جوش مار کر آجاتا ہے، حالانکہ بچہ تو دُعا کا نام بھی نہیں جانتا، لیکن یہ کیا سبب ہے کہ اُس کی چیخیں دُودھ کو جذب کر لیتی ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ عموماً ہر ایک صاحب کو اس کا تجربہ ہے۔ بعض اوقات ایسا دیکھا گیا ہے کہ مائیں اپنی چھاتیوں میں دُودھ کو محسوس بھی نہیں کرتی ہیں اور ایسا اوقات ہوتا بھی نہیں، لیکن جونہی بچہ کی دردناک چیخ کان میں پہنچی، فوراً دُودھ اُتر آیا ہے۔ جیسے بچہ کی ان چیخوں کو دُودھ کے جذب اور کشش کے ساتھ ایک علاقہ ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری چلاہٹ ایسی ہی اضطراری ہو تو وہ اُس کے فضل اور رحمت کو جوش دلاتی ہے اور اس کو کھینچ لاتی ہے اور مَیں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیتِ دُعا کی صُورت میں آتا ہے، مَیں نے اپنی طرف کھنچتے ہوئے محسوس کیا ہے، بلکہ مَیں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے۔ ہاں آج کل کے زمانہ کے تاریک دماغ فلاسفر اس کو محسوس نہ کر سکیں یا نہ دیکھ سکیں تو یہ صداقت دُنیا سے اُٹھ نہیں سکتی اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مَیں قبولیتِ دُعا کا نمونہ دکھانے کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔

تو عرض یہ ہے کہ قانونِ قدرت میں قبولیتِ دُعا کی نظیریں موجود ہیں اور ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ زندہ نمونے بھیجتا ہے۔ اسی لیے اس نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶،۷) کی دُعا تعلیم فرمائی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا منشاء اور قانون ہے اور کوئی نہیں جو اس کو بدل سکے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دُعا سے پایا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر تو اشارۃ النص کے طور پر اس سے دُعا کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ صِرَاطَ مُسْتَقِيم کی ہدایت مانگنے کی تعلیم ہے لیکن اس کے سر پر إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ: ۵) بتا رہا ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ یعنی صراطِ مستقیم کے منازل کے لیے قوائے سلیمہ سے کام لے کر اِستعانتِ الٰہی کو مانگنا چاہیے۔ پس ظاہری اسباب کی رعایت ضروری ہے۔ جو اس کو چھوڑتا ہے، وہ کافرِ نعمت ہے۔ دیکھو! یہ زبان جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور عروق و اعصاب سے اس کو بنایا ہے۔ اگر ایسی نہ ہوتی، تو ہم بول نہ سکتے۔ ایسی زبان دُعا کے لیے عطا کی جو قلب کے خیالات اور ارادوں کو ظاہر کر سکے (اگر ہم دُعا کا کام زبان سے کبھی نہ لیں، تو ہماری شوربختی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں کہ اگر وُہ زبان کو لگ جائیں، تو وہ یکدفعہ ہی کام چھوڑ بیٹھتی ہے) یہ رحیمیت ہے۔ ایسا ہی قلب میں خشوع و خضوع کی حالت رکھی اور سوچنے اور تفکر کی قوتیں ودیعت کی ہیں پس یاد رکھو۔ اگر ہم ان قوتوں اور طاقتوں کو معطل چھوڑ کر دُعا کرتے ہیں، تو یہ دُعا کچھ بھی مفید اور کارگر نہ ہوگی۔ کیونکہ جب پہلے عطیہ سے کچھ کام نہیں لیا، تو دُوسرے سے کیا نفع اُٹھائیں گے، اس لیے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سے پہلے إِيَّاكَ نَعْبُدُ بتا رہا ہے کہ ہم نے

تیرے پہلے عطیوں اور قوتوں کو بیکار اور برباد نہیں کیا۔ یاد رکھو! رحمانیت کا خاصہ یہی ہے کہ وہ رحیمیت سے فیض اُٹھانے کے قابل بنا دے، اس لیے خدا تعالیٰ نے جو اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) فرمایا یہ نری لفظی نہیں ہے، بلکہ انسانی شرف اسی کا متقاضی ہے۔ مانگنا انسانی خاصہ ہے اور جو استجابت جُواللہ تعالیٰ کا نہیں وُہ ظالم ہے۔ دُعا ایک ایسی سُرور بخش کیفیت ہے کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں کن الفاظ میں اس لذت اور سُرور کو دُنیا کو سمجھاؤں۔ یہ تو محسوس کرنے سے ہی پتہ لگے گا۔ مختصر یہ کہ دُعا کے لوازمات سے اوّل ضروری یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ اور اعتقاد پیدا کریں۔ کیونکہ جو شخص اپنے اعتقادات کو دُرست نہیں کرتا اور اعمالِ صالحہ سے کام نہیں لیتا اور دُعا کرتا ہے، وہ گویا خدا تعالیٰ کی آزمائش کرتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دُعا میں یہ مقصود ہے کہ ہمارے اعمال کو اکمل اور اتم کر اور پھر یہ کہہ کر کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور بھی صراحت کر دی کہ ہم اس صراط کی ہدایت چاہتے ہیں جو مُنعم علیہ گروہ کی راہ ہے اور مغضوب گروہ کی راہ سے بچا۔ جن پر بداعمالیوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی آگیا اور الضالین کہہ کر یہ دُعا تعلیم کی کہ اس سے بھی محفوظ رکھ کہ تیری حمایت کے بغیر دلوں بھٹکتے پھریں۔

ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس جگہ لف و نشر مرتّب ہے۔ اوّل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اللہ مجمع جمیع صفاتِ کاملہ۔ ہر ایک خُوبی کو اپنے اندر رکھنے والا اور ہر ایک عیب اور نقص سے منزّہ ہے۔ دوم رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ سوم الرَّحْمٰنِ۔ چہارم الرَّحِيْمِ۔ پنجم مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اب اس کے بعد جو دُرخواستیں ہیں وہ ان پانچوں کے ماتحت ہیں۔ اب سلسلہ یُوں شروع ہوتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے مقابل ہے یعنی اے اللہ تُو جو ساری صفاتِ حمیدہ کا جامع ہے اور تمام بدیوں سے منزّہ ہے۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ مسلمان اس خدا کو جانتا ہے، جس میں وہ تمام خُوبیاں جو انسانی ذہن میں آسکتی ہیں موجود ہیں اور اس سے بالاتر اور ارفع ہے۔ کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ انسانی عقل اور فکر اور ذہن خدا تعالیٰ کی ذات کا احاطہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہاں تو مسلمان ایسے کامل الصفات خدا کو مانتا ہے کہ تمام قومیں مجلسوں میں اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے شرمندہ ہو جاتی ہیں اور اُنہیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک خدا کا تصوّر مثلاً ہندوؤں کا خدا جو اُنھوں نے مانا ہے اور کہا ہے کہ ویدوں سے ایسے خدا ہی کا پتہ لگتا ہے۔ جب اُس کی نسبت وُہ یہ ذکر کریں گے کہ اُس نے دُنیا کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اس نے رُوحوں کو پیدا کیا ہے، تو کیا ایسے خدا کے ماننے والے کے لیے کوئی مفرّ رہ سکتا ہے۔ جب اُسے کہا جائے کہ ایسا خدا اگر مر جائے، تو کیا حرج ہے، کیونکہ جب یہ اشیاء اپنا وجود مستقل رکھتی ہیں اور قائم بالذات ہیں۔ پھر خدا کی زندگی کی اُنکی زندگی اور بقا کے لیے کیا ضرورت

ہے۔ جیسے ایک شخص اگر تیر چلائے اور وُہ تیر ابھی جا ہی رہا ہو کہ اُس شخص کا دم نکل جاتے، تو بتاؤ اس تیر کی حالت میں کیا فرق آئے گا۔ ہاتھ سے نکلنے کے بعد وہ چلانے والے کے وجود کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح پر ہندوؤں کے خدا کے لیے اگر یہ تجویز کیا جائے کہ وُہ ایک وقت مَر جاوے، تو کوئی ہندو اُس کی موت کا نقصان نہیں بتا سکتا۔ مگر ہم خدا کے لیے ایسا تجویز نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ کے لفظ ہی سے پایا جاتا ہے کہ اس میں کوئی نقص اور بدی نہ ہو۔ ایسا ہی جبکہ آریہ مانتا ہے کہ اجسام اور رُوحیں انادی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارا یہ اعتقاد ہے پھر خدا کی ہستی کا ثبوت ہی کیا دے سکتے ہو؟ اگر کہو کہ اس نے جوڑا جاڑا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب تم پرماتما اور پرکرتی کو قدیم سے مانتے ہو اور ان کے وجُود کو قائم بالذات کہتے ہو، تو پھر جوڑنا جاڑنا، تو اُدنیٰ فعل ہے۔ وہ جُڑ بھی سکتے ہیں اور ایسا ہی جب وُہ یہ تعلیم بتاتے ہیں کہ خدا نے وید میں مثلاً یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں اپنے خاوند سے بچہ پیدا نہ ہو سکتا ہو، تو وہ کسی دُوسرے سے ہمبستر ہو کر اولاد پیدا کرلے، تو بتاؤ ایسے خدا کی نسبت کیا کہا جائے گا؟ یا مثلاً یہ تعلیم پیش کی جائے کہ خدا کسی اپنے پریمی اور بھگت کو ہمیشہ کے لیے مُکتی یعنی نجات نہیں دے سکتا بلکہ مہاپرلے کے وقت اس کو ضروری ہوتا ہے کہ مُکتی یافتہ انسانوں کو پھر اُسی تناسخ کے چکّر میں ڈالے یا مثلاً خدا کی نسبت یہ کہنا کہ وہ کسی کو اپنے فضل وکرم سے کچھ بھی عطا نہیں کر سکتا، بلکہ ہر ایک شخص کو وہی ملتا ہے جو اُس کے اعمال کے نتائج ہیں پھر ایسے خدا کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔ غرض ایسا خدا ماننے والے کو سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔

عیسائیوں کے نزدیک خدا کا تصوّر

ایسا ہی عیسائی بھی جب یہ پیش کریں گے کہ ہمارا خدا یسُوع ہے اور پھر اُس کی نسبت وہ یہ بیان کریں گے کہ یہودیوں کے ہاتھوں سے اُس نے ماریں کھائیں۔ شیطان اُسے آزماتا رہا۔ بھوک اور پیاس کا اثر اس پر ہوتا رہا۔ آخر ناکامی کی حالت میں پھانسی پر چڑھایا گیا۔ تو کون دانشمند ہوگا جو ایسے خدا کے ماننے کے لیے تیار ہوگا۔ غرض اسی طرح پر تمام قومیں اپنے مانے ہوئے خدا کا ذکر کرتی ہوئی شرمندہ ہو جاتی ہیں، مگر مسلمان کبھی اپنے خدا کا ذکر کرتے ہوئے کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوتا، کیونکہ جو خُوبی اور عمدہ صفت ہے، وہ اُن کے مانے ہوئے خدا میں موجود اور جو نقص اور بدی ہے اُس سے وہ منزّہ ہے۔ جیسا کہ سُورۃ الفاتحہ میں اللہ کو تمام صفاتِ حمیدہ کا موصوف قرار دیا ہے۔ تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے مقابل میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے۔ اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ربوبیت کا کام ہے۔ تربیت اور تکمیل۔ جیسے ماں اپنے بچّہ کی پرورش کرتی ہے، اس کو صاف کرتی ہے۔ ہر قسم کے گند اور آلائش سے دُور رکھتی ہے اور دُودھ پلاتی ہے۔ دُوسرے الفاظ میں یُوں کہو کہ وہ اُس کی مدد کرتی ہے۔ اب اس کے مقابل میں یہاں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے۔ پھر اَلرَّحْمٰن ہے جو بغیر خواہش، بُدوں درخواست اور بغیر اعمال کے اپنے فضل سے

دیتا ہے۔ اگر ہمارے وجود کی ساخت ایسی نہ ہوتی، تو ہم سجدہ نہ کر سکتے اور رکوع نہ کر سکتے۔ اس لیے ربوبیت کے مقابلہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فرمایا۔ جیسے باغ کا نشوونما پانی کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پر اگر خدا کے فیض کا پانی نہ پہنچے تو ہم نشوونما نہیں پا سکتے۔ درخت پانی کو چوستا ہے۔ اس کی جڑوں میں دہانے اور سوراخ ہوتے ہیں۔ علمِ طبعی میں یہ مسئلہ ہے کہ درخت کی شاخیں پانی کو جذب کرتی ہیں۔ اُن میں قوتِ جاذبہ ہے۔ اسی طرح پر عبودیت میں ایک قوتِ جاذبہ ہوتی ہے جو خدا کے فیضان کو جذب کرتی ہے اور چوستی ہے پس اَلرَّحْمٰن کے بالمقابل اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے یعنی اگر اس کی رحمانیت ہمارے شاملِ حال نہ ہوتی۔ اگر یہ قویٰ اور طاقتیں اس نے عطا نہ کی ہوتیں، تو ہم اس فیض سے کیونکر بہرہ ور ہو سکتے۔

ہدایت رحمانیتِ الٰہی سے ملتی ہے

پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے بالمقابل اَلرَّحْمٰن ہے کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق تو نہیں ہے، بلکہ محض رحمانیتِ الٰہی سے یہ فیض حاصل ہو سکتا ہے اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے بالمقابل اَلرَّحِیْم ہے، کیونکہ اس کا ورد کرنے والا رحیمیت کے چشمہ سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اے رحمِ خاص سے دُعاؤں کے قبول کرنے والے! اُن رسُولوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کی راہ ہم کو دکھا، جنھوں نے دُعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع و اقسام کے معارف اور حقائق اور کشُوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دُعا اور تضرع اور اعمالِ صالحہ سے معرفتِ تامّہ کو پہنچے۔

رحیمیت کے مفہوم میں نقصان کا تدارک کرنا لگا ہوا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ اگر فضل نہ ہوتا، تو نجات نہ ہوتی۔ ایسا ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ سے سوال کیا کہ یا حضرت! کیا آپؐ کا بھی یہی حال ہے۔ آپؐ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ ہاں۔ نادان اور احمق عیسائیوں نے اپنی نافہمی اور ناواقفی کی وجہ سے اعتراض کیے ہیں، لیکن وُہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپؐ کی کمال عبُودیت کا اظہار تھا جو خدا تعالیٰ کی ربُوبیت کو جذب کر رہا تھا۔ ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے اور متعدد مرتبہ آزمایا ہے، بلکہ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب انکسار اور تذلّل کی حالت انتہا کو پہنچتی ہے اور ہماری رُوح اس عبُودیت اور فروتنی میں بہہ نکلتی ہے اور آستانہ حضرتِ واہب العطایا پر پہنچ جاتی ہے تو ایک روشنی اور نور اُوپر سے اُترتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک نالی کے ذریعے سے مصفّا پانی دُوسری نالی میں پہنچتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت جس قدر بعض مقامات پر فروتنی اور انکساری میں کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ اسی قدر آپؐ رُوح القدس کی تائید اور روشنی سے مؤید اور منوّر ہیں

جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی اور فعلی حالت سے دکھایا ہے یہاں تک کہ آپؐ کے انوار و برکات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ابدالآباد تک اس کا نمونہ اور ظل نظر آتا ہے؛ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جو کچھ خدا تعالیٰ کا فیض اور فضل نازل ہو رہا ہے، وہ آپؐ ہی کی اطاعت اور آپؐ ہی کی اتباع سے ملتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا نہیں ٹھہر سکتا اور ان انعام و برکات اور معارف اور حقائق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جو اعلیٰ درجہ کے تزکیۂ نفس پر ملتے ہیں۔ جبتک کہ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھویا نہ جائے اور اس کا ثبوت خود خدا تعالیٰ کے کلام سے ملتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آلِ عمران: ۳۲) اور خدا تعالیٰ کے اس دعویٰ کی عملی اور زندہ دلیل مَیں ہوں۔ ان نشانات کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کے محبُوبوں اور دلیوں کے قرآن شریف میں مقرر ہیں مجھے شناخت کرو۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا کمال یہاں تک ہے کہ اگر کوئی بڑھیا بھی آپؐ کا ہاتھ پکڑتی تھی تو آپؐ کھڑے ہو جاتے اور اسکی باتوں کو نہایت توجہ سے سُنتے اور جب تک وہ خود آپؐ کو نہ چھوڑتی، آپؐ نہ چھوڑتے تھے۔

مغضُوب اور ضالّین کی راہوں سے بچنے کی ہدایت

اور پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابل ہے۔ اس کا وِرد کرنے والا چشمہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فیض پاتا ہے جس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک ہمیں اس سے بچا کہ یہودیوں کی طرح جو دُنیا میں طاعون وغیرہ بلاؤں کا نشانہ ہوتے اور اس کے غضب سے ہلاک ہو گئے یا نصاریٰ کی طرح نجات کی راہ کھو بیٹھیں۔ اس میں یہود کا نام مغضوب اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کی شامتِ اعمال سے بھی اُن پر عذاب آیا، کیونکہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں اور راستبازوں کی تکذیب کی اور بہت سی تکلیفیں پہنچائیں اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہاں سُورۂ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور اس سُورہ کو اَلضَّآلِّيْن پر ختم کیا یعنی اُن کی راہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی تو اس میں کیا سِرّ تھا۔ اس میں یہی راز تھا کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی قسم کا زمانہ آنے والا ہے، جبکہ یہود کی تتبع کرنے والے ظاہر پرستی کریں گے اور استعارات کو حقیقت پر حمل کر کے خدا کے راستباز کی تکذیب کے لیے اُٹھیں گے، جیسا کہ یہُود نے مسیح ابنِ مریم کی تکذیب کی تھی اور انہیں یہی مصیبت پیش آئی کہ اُنھوں نے اس کی تاویل پر ٹھٹھا کیا اور کہا کہ اگر خدا کا یہی مطلب تھا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا، تو کیوں خدا نے اپنی پیشگوئی میں اس کی صراحت نہ کی۔ غرض اسی رَوِش اور طریق پر اس وقت ہمارے مخالفوں نے بھی قدم مارا ہے اور میری تکذیب اور ایذادہی میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ میرے قتل کے فتوے دیئے اور طرح طرح

کے حیلوں اور مکروں سے مجھے ذلیل اور نابود کرنا چاہا۔ اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے گورنمنٹ برطانیہ کا اس مُلک میں راج نہ ہوتا، تو یہ مدت سے میرے قتل سے دل خوش کر لیتے، مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ہر مُراد میں نامراد کیا اور وہ جو اس کا وعدہ تھا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۸) وُہ پورا ہوا۔

غرض اس دُعا میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کا فقرہ مُسلمانوں کے ایک گروہ کی اس حالت کا پتہ دیتا ہے، جو وہ مسیح موعود کے مقابل مخالفت اختیار کرے گا اور ایسا ہی اَلضَّآلِّیْن سے مسیح موعود کے زمانہ کا پتہ لگتا ہے کہ اسوقت صلیبی فتنہ کا زور اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ جائے گا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سلسلہ قائم کیا جائے گا وہ مسیح مُوعود ہی کا سلسلہ ہوگا اور اسی لیئے احادیث میں مسیح موعود کا نام خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاسِرالصّلیب رکھا ہے۔ کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ ہر ایک مجدد فتنِ موجودہ کی اصلاح کے لیے آتا ہے۔ اب اس وقت خدا کے لیے سوچو، تو کیا معلوم نہ ہوگا کہ صلیبی نجات کی تائید میں قلم اور زبان سے وُہ کام لیا گیا ہے کہ صفحاتِ عالم کو ٹٹولا جائے تو باطل پرستی کی تائید میں یہ سرگرمی اور زمانہ میں ثابت نہ ہوگی اور جبکہ صلیبی فتنہ کے حامیوں کی تحریریں اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی ہیں اور توحیدِ حقیقی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عِفّت عزت اور حقانیت اور کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے پر ظلم اور زُور کی راہ سے حملے کیے گئے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ نہیں ہونا چاہیے کہ اُس کا سِرالصّلیب کو نازل کرے؟ کیا خدا تعالیٰ اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰) کو بھُول گیا؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے وعدے سچّے ہیں۔ اُس نے اپنے وعدہ کے موافق دنیا میں ایک نذیر بھیجا ہے۔ دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا، مگر خدا تعالیٰ اُس کو ضرور قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کریگا۔ مَیں تمھیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مسیح موعود ہو کر آیا ہوں۔ چاہو تو قبول کرو چاہو تو رَدّ کرو۔

مگر تمہارے رَدّ کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے، وُہ ہو کر رہے گا، کیونکہ خدا تعالیٰ نے پہلے سے براہین میں فرما دیا ہے۔

صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا[1]

۲۱ر جنوری ۱۸۹۸ء

استغفار عذابِ الٰہی اور مصائبِ شدیدہ کیلئے سپر کا کام دیتا ہے

بجائے خود مرضِ طاعُون عذابِ شدید ہے۔ دُوسرا قانون اس پر سخت ہے۔

---

[1] اَلحکم جلد ۵، ۲۸-۳۴ پرچہ ۳۱ر جولائی - ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۱ء

جو دوسرا عذاب ہے اور مرض بھی بڑھ کر ہے۔ عورت ہو یا بچہ ہو الگ کیا جاتا ہے اور گھر کو خالی کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس مرض اور اس کے قانون پر غور کر کے میرے دل میں ایک دَرد پیدا ہوا اور مَیں نے تہجد میں اس کے متعلق دُعا کی تو الہام ہوا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲) اب خیال ہوتا ہے کہ وہ الہام جو ہوا تھا کہ: "کون کہہ سکتا ہے اے بجلی آسمان سے مت گر۔"

شاید اسی سے متعلق ہو۔

مَیں تمھیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جو لوگ قبل از نزولِ بلا دُعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے اور صَدقات دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر رحم کرتا ہے اور عذابِ الٰہی سے اُن کو بچا لیتا ہے۔ میری ان باتوں کو قصّہ کے طور پر نہ سُنو۔ مَیں نصحاً للہ کہتا ہوں اپنے حالات پر غور کرو۔ اور آپ بھی اور اپنے دوستوں کو بھی دُعا میں لگ جانے کے لیے کہو۔ استغفار، عذابِ الٰہی اور مصائبِ شدیدہ کے لیے سپر کا کام دیتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال: ۳۴) اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ اس عذابِ الٰہی سے تم محفوظ رہو، تو استغفار کثرت سے پڑھو۔

گورنمنٹ کو اختیار ہوگا کہ مبتلا اشخاص کو علیٰحدہ رکھا جائے۔ گویا وہ لوگ جو علیٰحدہ کیے جائیں گے قبروں میں ہی ہوں گے۔ امیر و غریب، مرد و عورت، بوڑھے جوان کا کوئی لحاظ نہ کیا جاوے گا۔ اس لیے خدانخواستہ اگر کسی ایسی جگہ طاعُون پھیلے جہاں تم میں سے کوئی ہو، تو مَیں تمھیں ہدایت کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے قوانین کی سب سے پہلے اطاعت کرنے والے تم ہو۔

اکثر مقامات میں سُنا گیا ہے کہ پولیس والوں سے مقابلہ ہوا۔ میرے نزدیک گورنمنٹ کے قوانین کے خلاف کرنا بغاوت ہے، جو خطرناک جُرم ہے۔ ہاں گورنمنٹ کا بیشک یہ فرض ہے کہ وہ ایسے افسر مقرر کرے جو خوش اخلاق، متدیّن اور مُلک کے رسم و رواج اور مذہبی پابندیوں سے آگاہ ہوں۔ غرض تم خود ان قوانین پر عمل کرو اور اپنے دوستوں اور ہمسایوں کو اِن قوانین کے فوائد سے آگاہ کرو۔ مَیں بار بار کہتا ہوں کہ دُعاؤں کا وقت یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وَبا نے پنجاب کا رُخ کر لیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہر ایک مُتنبّہ اور بیدار ہو کر دُعا کرے اور توبہ کرے۔ قرآن شریف کا منشا یہ ہے کہ جب عذاب سر پر آ پڑے پھر توبہ عذاب سے نہیں چھڑا سکتی۔

عذابِ الٰہی سے بچنے کے طریقے

اس لیے اس سے پیشتر کہ عذابِ الٰہی آکر توبہ کا دروازہ بند کر دے، توبہ کرو۔ جبکہ دُنیا کے قانون سے اس قدر ڈر پیدا ہوتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قانون سے نہ ڈریں۔ جب بَلا سر پر آ پڑے تو اس کا مزا چکھنا ہی پڑتا ہے۔ چاہیے کہ ہر شخص تہجد میں اُٹھنے کی کوشش کرے اور پانچ وقت کی نمازوں میں بھی قنوت ملا دیں۔ ہر ایک خدا کو

ناراض کرنے والی بات سے توبہ کریں۔ توبہ سے مراد یہ ہے کہ ان تمام بدکاریوں اور خدا کی نارضامندی کے باعثوں کو چھوڑ کر ایک سچی تبدیلی کریں اور آگے قدم رکھیں اور تقویٰ اختیار کریں۔ اس میں بھی خدا کا رحم ہوتا ہے۔ عادات انسانی کو شائستہ کریں۔ غضب نہ ہو۔ تواضع اور انکساری اس کی جگہ لے لے۔ اخلاق کی درستی کے ساتھ اپنے مقدور کے موافق صدقات کا دینا بھی اختیار کرو۔ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (الدھر:۹) یعنی خدا کی رضا کے لیے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہم دیتے ہیں اور اُس دن سے ہم ڈرتے ہیں جو نہایت ہی ہولناک ہے۔

قصہ مختصر دُعا سے، توبہ سے کام لو اور صدقات دیتے رہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ تم سے معاملہ کرے۔

جماعت کے لیے اخلاقی نصاب

اخلاقی حالت ایسی دُرست ہو کہ کسی کو نیک نیتی سے سمجھانا اور غلطی سے آگاہ کرنا ایسے وقت پر ہو کہ اُسے بُرا معلوم نہ ہو۔ کسی کو استخفاف کی نظر سے نہ دیکھا جاوے۔ دِل شکنی نہ کی جاوے۔ جماعت میں باہم جھگڑے فساد نہ ہوں۔ دینی غریب بھائیوں کو کبھی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ مال و دولت یا نسبی بزرگی پر بے جا فخر کر کے دوسروں کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھو۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو متقی ہے؛ چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات: ۱۴) دُوسروں کے ساتھ بھی پورے اخلاق سے کام لینا چاہیے۔ جو بداخلاقی کا نمونہ ہوتا ہے، وُہ بھی اچھا نہیں۔ ہماری جماعت کے ساتھ لوگ مقدمہ بازی کا صرف بہانہ ہی ڈھونڈتے ہیں۔ لوگوں کے لیے ایک طاعون ہے۔ ہماری جماعت کے لیے دو طاعون ہیں۔ اگر کوئی جماعت میں سے ایک شخص برائی کرے گا، تو اس ایک سے ساری جماعت پر حرف آئے گا۔ دانشمندی، حِلم اور دَرگذر کے مَلکہ کو بڑھاؤ۔ نادان سے نادان کی باتوں کا جواب بھی متانت اور سلامت رَوی سے دو۔ یاوہ گوئی کا جواب یاوہ گوئی نہ ہو۔ مَیں جانتا ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بھی کچھ ایسی ہی حکمتِ عملی تھی کہ اگر ایسا نہ کرتے، تو روز ماریں کھاتے پھرتے۔ رُومیوں کی سلطنت تھی۔ یہود کے فقیہہ اور فریسی اس کے مُقرّب تھے۔ اس وقت اگر وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال نہ پھیرتے تو روز ماریں کھایا کرتے اور روز مقدمے ہوتے۔ باوجودیکہ وہ ایسی نرم تعلیم دیتے تھے۔ پھر بھی یہود انہیں دم نہ لینے دیتے تھے۔ اُس وقت کی موجودہ حالت انجیل کی تعلیم ہی کو چاہتی ہوگی۔ اِس وقت ہماری جماعت کی حالت بھی قریباً ویسی ہی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مارٹن کلارک عیسائی کے مقدمہ میں محمد حسین نے بھی اسی کی گواہی دی۔ اب سمجھ لو کہ قوم سے بھی کوئی اُمید نہیں ہے۔ رہی گورنمنٹ اس کو بھی بدظن کیا جاتا ہے اور گورنمنٹ کسی حد تک معذور بھی ہے۔ اگر خدانخواستہ وُہ بدظن ہو، کیونکہ عالم الغیب نہیں ہے، اس لیے ہم کو اکثر مرتبہ گورنمنٹ کے حضور

خاص طور پر میموریل بھیجنے پڑے اور اپنے حالات سے خود اس کو مطلع کرنا پڑا، تاکہ اس کو صحیح اور سچے واقعات کا علم ہو۔ مناسب ہے کہ ان ابتلاء کے دنوں میں اپنے نفس کو مار کر تقویٰ اختیار کریں۔ میری غرض ان باتوں سے یہی ہے کہ تم نصیحت اور عبرت پکڑو۔

دُنیا فنا کا مقام ہے۔ آخر مرنا ہے، خوشی دین کی باتوں میں ہے۔ اصلی مقصد تو دین ہی ہے۔

رمضان کی حقیقت

رَمض سُورج کی تپش کو کہتے۔ رَمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ رُوحانی حرارت اور تپش مِل کر رَمضان ہوا۔ اہلِ لُغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا، اس لیے رمضان کہلایا۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ عرب کے لیے یہ خصوصیت نہیں ہوسکتی۔ رُوحانی رمض سے مُراد رُوحانی ذوق وشوق اور حرارتِ دینی ہوتی ہے۔ رَمض اِس حرارت کو بھی کہتے ہیں، جس سے پتھر گرم ہوجاتے ہیں۔[1]

* * *

۲۹ رجنوری ۱۸۹۸ء

رُوحانی طاقتوں پر معبُود کا اثر

انسان کی رُوحانی طاقتوں پر اس کے معبُود کا اثر پڑتا ہے۔ دیکھو! اگر کوئی ہندو آجائے، تو دُور ہی سے اُس سے غفلت کی بُو آتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا خود ساختہ معبُود بھی تو ایسا ہی غافل ہے کہ جبتک ایک انگریز کے کھانے کی گھنٹی کی طرح گھنٹی نہ بجے، تو وُہ بیدار ہی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ رُوحانی زندگی سے جو معرفت اور شفا حاصل ہوتی ہے، اس سے یہ لوگ محرُوم رہتے ہیں؛ ورنہ جسمانی طور پر تو بڑے متموّل اور آسُودہ حال ہوتے ہیں۔

رزقِ ابتلا اور رزقِ اصطفاء

اصل بات یہ ہے کہ رِزق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ابتلاء کے طور پر، دُوسرے اصطفاء کے طور پر۔ رِزق ابتلا کے طور پر تو وہ رزق ہے، جس کو اللہ سے واسطہ نہیں رہتا۔ بلکہ یہ رزق انسان کو خدا سے دُور ڈالتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرکے فرمایا ہے لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ (المنافقون: ۱۰) تمہارے مال تم کو ہلاک نہ کردیں اور رزق اصطفاء کے طور پر وہ ہوتا ہے، جو خدا کے لیے ہو۔ ایسے لوگوں کا متولّی خدا ہوجاتا ہے اور جو

---

[1] الحکم جلد ۵۔ ۲۵ پرچہ ۲۴ رجولائی ۱۹۰۱ء

کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے، وُہ اس کو خدا ہی کا سمجھتے ہیں اور اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتے ہیں۔ صحابہؓ کی حالت دیکھو! جب امتحان کا وقت آیا، تو جو کچھ کسی کے پاس تھا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے اوّل کمبل پہن کر آ گئے۔ پھر اُس کمبل کی جزا بھی اللہ تعالیٰ نے کیا دی کہ سب سے اوّل خلیفہ وہی ہوتے۔ غرض یہ ہے کہ اصلی خُوبی، خیر اور رُوحانی لذّت سے بہرہ ور ہونے کے لیے وہی مال کام آ سکتا ہے، جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے۔[1]

۳۰ر جنوری ۱۸۹۸ء

دُنیا اور دنیوی خوشیوں کی حقیقت

دُنیا اور دُنیا کی خوشیوں کی حقیقت لہو و لعب سے زیادہ نہیں۔ عارضی اور چند روزہ ہیں اور ان خوشیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے دُور جا پڑتا ہے، مگر خدا کی معرفت میں جو لذّت ہے وُہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سُنی نہ کسی اور حِس نے اس کو محسوس کیا ہے۔ وُہ ایک چیر کر نکل جانے والی چیز ہے۔ ہر آن ایک نئی راحت اُس سے پیدا ہوتی ہے جو پہلے نہیں دیکھی ہوتی۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا ایک خاص تعلق ہے۔ اہلِ عرفان لوگوں نے بشریّت اور ربوبیّت کے جوڑہ پر بہت لطیف بحثیں کی ہیں۔ اگر بچے کا مُنہ پتھر سے لگائیں تو کیا کوئی دانشمند خیال کر سکتا ہے کہ اس پتھر میں سے دُودھ نکل آئے گا اور بچہ سیر ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح پر جب تک انسان خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہیں گرتا، اس کی رُوح ہمہ نیستی ہو کر ربوبیّت سے تعلق پیدا نہیں کر سکتی اور نہیں کرتی جبتک کہ وہ عدم یا مشابہ بالعدم نہ ہو، کیونکہ ربوبیّت اسی کو چاہتی ہے۔ اس وقت تک وُہ رُوحانی دُودھ سے پرورش نہیں پا سکتا۔

لَہو میں کھانے پینے کی تمام لذّتیں شامل ہیں۔ اُن کا انجام دیکھو کہ بجز کثافت کے اور کیا ہے۔ زینت، سواری، عمدہ مکانات پر فخر کرنا یا حکومت و خاندان پر فخر کرنا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ بالآخر اس سے ایک قسم کی حقارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو رنج دیتی اور طبیعت کو افسردہ اور بے چین کر دیتی ہے۔

لَعب میں عورتوں کی محبت بھی شامل ہے۔ انسان عورت کے پاس جاتا ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ محبت اور لذّت کثافت سے بدل جاتی ہے لیکن اگر یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک حقیقی عشق ہونے کے بعد ہو، تو پھر راحت پر راحت اور لذّت پر لذّت ملتی ہے۔ یہانتک کہ معرفتِ حقّہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ایک ابدی اور غیر فانی راحت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں پاکیزگی اور طہارت کے سوا کچھ نہیں۔ وُہ خدا میں لذّت ہے۔ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اُسے ہی پاؤ کہ حقیقی لذّت وہی ہے۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۲۲ پرچہ ۲۳ر جون ۱۸۹۹ء [2] الحکم جلد ۳ نمبر ۲۲ پرچہ ۲۳ر جون ۱۸۹۹ء

حضرتِ اقدسؑ کی ایک تقریر

فرمودہ ۳۱ر جنوری ۱۸۹۸ء بعد نماز فجر

○

انسان بالطبع کمال کی پیروی کرنا چاہتا ہے

یاد رکھو کہ فضائل بھی امراضِ متعدیہ کی طرح متعدی ہونے ضروری ہیں۔ مومن کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے اخلاق کو اس درجہ پر پہنچاتے کہ وہ متعدی ہو جائیں۔ کیونکہ کوئی عمدہ سے عمدہ بات قابلِ پذیرائی اور واجب التعمیل نہیں ہو سکتی، جبتک اس کے اندر ایک چمک اور جذب نہ ہو۔ اس کی درخشانی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور جذب ان کو کھینچ لاتا ہے اور پھر اس فعل کی اعلیٰ درجہ کی خوبیاں خود بخود دوسرے کو عمل کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ دیکھو! حاتم کا نیک نام ہونا سخاوت کے باعث مشہور ہے۔ گو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ خلوص سے تھی۔ ایسا ہی رستم و اسفندیار کی بہادری کے فسانے عام زبان زد ہیں؛ اگرچہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ خلوص سے تھے۔ میرا ایمان اور مذہب یہ ہے کہ جب تک انسان سچا مومن نہیں بنتا، اس کے نیکی کے کام خواہ کیسے ہی عظیم الشان ہوں — وہ ریاکاری کے ملمع سے خالی نہیں ہوتے، لیکن چونکہ اُن میں نیکی کی اصل موجود ہوتی ہے اور یہ وہ قابلِ قدر جوہر ہے، جو ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے بایں ہمہ ملمع سازی و ریاکاری وہ عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے میرے پاس ایک نقل بیان کی تھی اور خود میں نے بھی اس قصہ کو پڑھا ہے کہ سر فلپ سڈنی ملکہ الزبتھ کے زمانہ میں قلعہ زٹفن ملک ہالینڈ کے محاصرہ میں جب زخمی ہوا، تو اس وقت عین نزع کی تلخی اور شدتِ پیاس کے وقت جب اس کے لیے ایک پیالہ پانی کا جو وہاں بہت کمیاب تھا، مہیا کیا گیا تو اُس کے پاس ایک اور زخمی سپاہی تھا جو نہایت پیاسا تھا۔ وہ سر فلپ سڈنی کی طرف حسرت اور طمع کے ساتھ دیکھنے لگا۔ سڈنی نے اس کی یہ خواہش دیکھ کر پانی کا وہ پیالہ خود نہ پیا بلکہ بطور ایثار یہ کہہ کر اس سپاہی کو دیدیا کہ "تیری ضرورت مجھ سے زیادہ ہے"۔ مرنے کے وقت بھی لوگ ریاکاری سے نہیں رُکتے۔ ایسے کام اکثر ریاکاروں سے ہو جاتے ہیں، جو اپنے آپ کو اخلاقِ فاضلہ والے انسان ثابت کرنا یا دکھانا چاہتے ہیں۔

غرض کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ اُس کی ساری باتیں بُری حالت کی اچھی ہوں، لیکن سوال یہ ہے کہ انسان

اچھی باتوں کی کیوں پیروی نہیں کرتے؟ میں اسکے جواب میں یہی کہونگا کہ اصل بات یہ ہے کہ انسان فطرتاً کسی بات کی پیروی نہیں کرتا جبتک کہ اُس میں کمال کی مہک نہ ہو اور یہی ایک سِتر ہے جو اللہ تعالیٰ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہا ہے اور خاتم النبیین کے بعد مجددین کے سلسلہ کو جاری رکھا ہے، کیونکہ یہ لوگ اپنے عملی نمونہ کے ساتھ ایک جذب اور اثر کی قوت رکھتے ہیں اور نیکیوں کا کمال اُن کے وجود میں نظر آتا ہے اس لیے کہ انسان بالطبع کمال کی پیروی کرنا چاہتا ہے۔ اگر انسان کی فطرت میں یہ قوت نہ ہوتی، تو انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کی بھی ضرورت نہ رہتی۔

مامورین کی مخالفت کا سبب

لیکن یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے مامُوروں کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے اور ان کی تعلیم کی طرف عدم توجہی کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا باعث زمانہ کی وہ حالت ہوتی ہے جو اُن پاک وجُودوں کی بعثت کا موجب ہوتی ہے۔ زمانہ میں فسق وفجور کا ایک دریا رواں ہوتا ہے اور ہر قسم کی بدکاریاں اور برائیاں خدا تعالیٰ سے بُعد اور حرمان اس نیک عمدہ مادے کو اپنے نیچے دبا لیتا ہے۔ چونکہ بدکاریوں کے کمال کا ظہور ہوا ہوتا ہے، اس لیے طبیعت کا یہ مادہ کہ وہ ہر کمال کی پیروی کرنا چاہتا ہے۔ اس طرف رجُوع کر گیا ہوتا ہے اور یہی وہ سِتر ہوتا ہے کہ ابتداءً انبیاء علیہم السلام اور مامُوروں کی مخالفت اور اُن کی تعلیم سے بے پروائی ظاہر کی جاتی ہے، آخر ایک وقت آجاتا ہے کہ اس نیکی کے بُروز اور کمال کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (الزخرف: ۳۶)

ظاہری نفاست کا اثر

غرض انسانی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ ہر کمال کی پیروی کرنا چاہتی ہے۔ دیکھ لو! انگریزوں کی نئی ایجادات سوئی، چاقو وغیرہ تک کی کس قدر عزت کی جاتی ہے اور دیسی اشیاء کے مقابلہ میں ان کو کس قدر پسند کیا جاتا ہے، حالانکہ اُن میں بعض اشیاء اصلی نہیں بلکہ اکثر ملمع کی ہوئی ہوتی ہیں، مگر ظاہری چمک دمک ایسی ہوتی ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور اُس کی روشنی ایک کشش کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ یہ جھوٹے زیور جو مُلمع کیے ہوتے ہیں، ان کی تجارت کیسی سُرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اصلی اشیاء کے مقابلہ میں ان کو رکھ کر دیکھو گے، تو معلوم ہوگا کہ اصلی، نقلی معلوم ہوتا ہے اور نقلی اصلی۔ ان اشیاء کی ظاہری چمک دمک میں ایک روشنی ہے جو ہمارے دیسی صناع اس کو دکھا نہیں سکتے، اس لیے باوجودیکہ لوگ صاف جانتے ہیں کہ یہ اشیاء ملمع شدہ ہیں۔ لیکن اس دجل کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ ہر ایک چیز ان کی دیکھو۔ دیسی کپڑے، دیسی جوتے، جنٹلمین تعلیم یافتہ اُن سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ انگریزی اشیاء میں ایک خاص قسم کی نفاست اور عمدگی ہوتی ہے۔ یہ لوگ چمڑے کو ایسا کماتے ہیں کہ اس میں نرمی اور چمک پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ کیا ہر ایک ادنیٰ سی چیز کو دیکھو

ایک تاگے ہی کو دیکھو، کیسا خوبصورت ہوتا ہے۔ غرض ہر ایک دیسی چیز کو بالمقابل نکما کر دیا ہے، بلکہ میں نے تو سُنا ہے کہ بعض رئیس دیسی چیزوں سے یہانتک متنفر ہیں کہ ان کے کپڑے بھی پیرس سے دُھل کر آتے ہیں اور پینے کا پانی بھی ولایت سے منگواتے ہیں۔

اس خریداری کا اثر کیا ہے۔ اُنہوں نے ظاہری خُوبصورتی اور چمک اور خوشنمائی رکھ دی ہے۔ اس لیے لوگ اُدھر جُھک گئے ہیں۔ جب یہ حالت ہے کہ دیانت دار اور بھی ہیں اور کفّار کا گروہ بھی ہے لیکن کفّار کی طرف رُجوع ان کی نفاست اور چمک کی وجہ سے ہے۔ یہی حال اخلاق اور اعمال کا ہے۔ پس جبتک ان کی چمک دمک یہاں تک نہ پہنچائی جائے۔ نوعِ انسان پر اثر نہیں پڑ سکتا۔ جو لوگ خود کمزور ہوتے ہیں۔ وہ دُوسرے کمزوروں کو جذب نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم میں مخلوق کی قسم کھانے کی حقیقت

خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر) قسم ہے اس زمانہ کی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی۔ آجکل ہمارے زمانہ کے کوتاہ اندیش مخالف یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مخلوق کی قسمیں کیوں کھائی گئی ہیں، حالانکہ دُوسروں کو منع کیا ہے۔ اور کہیں انجیر کی قسم ہے، کہیں دن اور رات کی اور کہیں زمین کی اور کہیں نفس کی؟ اس قسم کے اعتراضوں کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تمام قرآن شریف میں یہ ایک عام سُنّت اور عادتِ الٰہی ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات و احقاق کے لیے کسی ایسے اُمور کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے خواص کا عام طور پر بیّن اور کھُلا کھُلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں۔ پس اُن کی قسم کھانا ان کو بطور دلیل اور نظیر کے پیش کرنا ہوتا ہے۔

کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟

ہم اس اعتراض کا واضح جواب دینے سے پیشتر ایک ضروری امر اور بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک مُسلمان کو یاد رہے کہ ہم بلحاظ گورنمنٹ کے ہندوستان کو دارالحرب نہیں کہتے اور یہی ہمارا مذہب ہے؛ اگرچہ اس مسئلہ میں علماء مخالفین نے ہم سے سخت اختلاف کیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ ہم کو تکلیف دہی کا انھوں نے باقی نہیں رکھا، مگر ہم ان عارضی تکالیف اور آنی ضرر رسانیوں کے خوف سے حق کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حکومت کے لحاظ سے ہندوستان ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں ہے۔ ہمارا مقدمہ ہی دیکھ لو۔ اگر یہی مقدمہ سکھوں کے عہدِ حکومت میں ہوتا اور دُوسری طرف ان کا کوئی گرو یا برہمن ہوتا، تو بُدوں کسی قسم کی تحقیق و تفتیش کے ہم کو پھانسی دے دینا کوئی بڑی بات نہ تھی، مگر انگریزوں کی سلطنت اور عہدِ

حکومت ہی کی یہ خوبی ہے کہ مقابل میں ایک ڈاکٹر[1] اور پھر مشہور پادری، لیکن تحقیقات اور عدالت کی کارروائی میں کوئی سختی کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ کیپٹن ڈگلس نے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کی کہ پادری صاحب کی ذاتی وجاہت یا اُن کے اپنے عہدہ اور درجہ کا لحاظ کیا جاوے؛ چنانچہ انہوں نے لیمار چینڈ صاحب سے جو پولیس گورداسپور کے اعلیٰ افسر ہیں، یہی کہا کہ ہمارا دل تسلی نہیں پکڑتا۔ پھر عبدالحمید سے دریافت کیا گیا۔ آخر کار انصاف کی رُو سے ہم کو اس نے بَری ٹھہرایا۔ پھر یہ لوگ ہم کو اَرکانِ مذہب کی بجاآوری سے نہیں روکتے، بلکہ بہت سے بَرکات اپنے ساتھ لے کر آئے جس کی وجہ سے ہم کو اپنے مذہب کی اشاعت کا خاطر خواہ موقع ملا اور اس قسم کا امن اور آرام نصیب ہوا کہ پہلی حکومتوں میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر یہ صریح ظلم اور اسلامی تعلیم اور اخلاق سے بعید ہے کہ ہم ان کے شکر گذار نہ ہوں۔ یاد رکھو! انسان جو اپنے جیسے انسان کی نیکیوں کا شکر گذار نہیں ہوتا، وُہ خدا تعالیٰ کا شکر گذار نہیں ہو سکتا؛ حالانکہ وُہ اُسے دیکھتا ہے۔ تو غیب الغیب ہستی کے انعامات کا شکر گذار کیونکر ہوگا، جس کو وہ دیکھتا بھی نہیں، اس لیے محض حکومت کے لحاظ سے ہم اس کو دارُالحرب نہیں کہتے۔

ہاں! ہمارے نزدیک ہندوستان دارُالحرب ہے بلحاظ قلم کے۔ پادری لوگوں نے اسلام کے خلاف ایک خطرناک جنگ شروع کی ہوئی ہے۔ اس میدانِ جنگ میں وہ نیزہ ہائے قلم لے کر نکلے ہیں نہ سِنان و تفنگ لے کر۔ اس لیے اس میدان میں ہم کو جو ہتھیار لے کر نکلنا چاہیے، وہ قلم اور صرف قلم ہے۔ ہمارے نزدیک ہر ایک مُسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس جنگ میں شریک ہو جاوے۔ اللہ اور اس کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وُہ دِل آزار حملے کیے جاتے ہیں کہ ہمارا تو جگر پھٹ جاتا اور دِل کانپ اُٹھتا ہے۔ کیا اُمہات المومنین یا دربارِ مصطفائی کے اسرار جیسی گندی کتاب دیکھ کر ہم آرام کر سکتے ہیں، جس کا نام ہی اِس طرز پر رکھا ہے۔ جیسے ناپاک ناولوں کے نام ہوتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ دربارِ لندن کے اسرار جیسی کتابیں تو گورنمنٹ کے اپنے علم میں بھی اس قابل ہوں کہ ان کی اشاعت بند کی جاتے، مگر آٹھ کروڑ مُسلمانوں کی دلآزاری کرنے والی کتاب کو نہ روکا جائے۔ ہم خود گورنمنٹ سے اس قسم کی درخواست کرنا ہرگز ہرگز نہیں چاہتے بلکہ اس کو بہت ہی نامناسب خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنے میموریل کے ذریعہ سے واضح کر دیا، لیکن یہ بات ہم نے محض اس بنا پر کہی ہے کہ بجائے خود گورنمنٹ کا اپنا فرض ہے کہ وہ ایسی تحریروں کا خیال رکھے۔ بہرحال گورنمنٹ نے عام آزادی دے رکھی ہے کہ اگر عیسائی ایک کتاب اسلام پر اعتراض کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں، تو مسلمانوں کو آزادی کے ساتھ اس کا

---

[1] یہاں اسی مقدمہ قتل کی طرف اشارہ ہے، جو مشہور عیسائی پادری ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف دائر کیا تھا۔ (س۔ع۔ح)

جواب لکھنے اور عیسائی مذہب کی تردید میں کتابیں لکھنے کا اختیار ہے۔

اسلامی غیرت کا تقاضا

میں حلفاً کہتا ہوں کہ جب کوئی ایسی کتاب نظر پڑتی ہے تو دُنیا اور مافیہا ایک مکھی کے برابر نظر نہیں آتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ جس کو وقت پر جوش نہیں آتا، کیا وُہ مسلمان ٹھہر سکتا ہے۔ کسی کے باپ کو بُرا بھلا کہا جاتے، تو وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے، لیکن اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی جائیں، تو ان کی رگِ حمیت میں جنبش بھی نہ آوے اور پروا بھی نہ کریں۔ یہ کیا ایمان ہے؟ پھر کس مُنہ سے مر کر خدا کے پاس جائیں گے۔ اگر مسلمانوں کا نمونہ دیکھنا چاہو، تو صحابہ کرامؓ کی جماعت کو دیکھو۔ جنھوں نے اپنے جان و مال کے کسی قسم کے نقصان کی پروا نہیں کی۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی رضا کو مقدم کر لیا۔ خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جانا ہی ایک فعل تھا جو سارا قرآن شریف ان کی تعریف سے بھرا ہوا ہے اور رضی اللہ عنہم کا تمغہ ان کو مل گیا۔ پس جب تک تم اپنے اندر وُہ امتیاز۔ وہ جوشِ حمیتِ اسلام کے لیے محسُوس نہ کرو۔ ہرگز اپنے آپ کو کامل نہ سمجھو۔

ہماری جماعت یاد رکھے کہ ہم ہندوستان کو بلحاظ حکومت ہرگز ہرگز دَارُالحَرب قرار نہیں دیتے۔ بلکہ اس اَمن اور برکات کی وجہ سے جو اس حکومت میں ہم کو ملی ہیں اور اس آزادی سے جو اپنے مذہب کے ارکان کی بجاآوری اور اس کی اشاعت کے لیے گورنمنٹ نے ہم کو دے رکھی ہے۔ ہمارا دل عطر کے شیشہ کی طرح وفاداری اور شکر گذاری کے جوش سے بھرا ہوا ہے، لیکن پادریوں کی وجہ سے ہم اس کو دارُالحرب قرار دیتے ہیں۔ پادریوں نے چھ کروڑ کے قریب کتابیں اسلام کے خلاف شائع کی ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ مُسلمان نہیں ہیں جو ان حملوں کو دیکھیں اور سُنیں اور اپنے ہی ہم و غم میں مبتلا رہیں۔ اس وقت جو کچھ کسی سے ممکن ہو، وُہ اسلام کی تائید کے لیے کرے اور اس قلمی جنگ میں اپنی وفاداری دکھاتے، جبکہ خود عادل گورنمنٹ نے ہم کو منع نہیں کیا ہے کہ ہم اپنے مذہب کی تائید اور غیر قوموں کے اعتراضوں کی تردید میں کتابیں شائع کریں، بلکہ پریس، ڈاک خانے اور اشاعت کے دوسرے ذریعوں سے مدد دی ہے، تو ایسے وقت میں خاموش رہنا سخت گناہ ہے۔ ہاں ضرورت ہے اس امر کی کہ جو بات پیش کی جاوے، وہ معقول ہو۔ اس کی غرض دل آزاری نہ ہو۔ جو اسلام کے لیے سینہ بریاں اور چشم گریاں نہیں رکھتا، وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ ایسے انسان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اس کو سوچنا چاہیے کہ جس قدر خیالات اپنی کامیابی کے آتے ہیں اور جتنی تدابیر اپنی دنیوی اغراض کے لیے کرتا ہے۔ اسی سوز و جلن اور دردِ دل کے ساتھ کبھی یہ خیال بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر حملے ہو رہے ہیں، میں ان کے دفاع کی بھی سعی کروں؟ اور اگر کچھ اور نہیں ہو سکتا تو کم از کم پُرسوز دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کروں؟ اگر اس قسم کی جلن اور دَرد دل میں ہو تو ممکن نہیں کہ سچی محبت کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ اگر ٹوٹی ہانڈی

بھی خریدی جائے، تو اس پر بھی رنج ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک سُوئی کے گم ہو جانے پر بھی افسوس ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسا ایمان اور اسلام ہے کہ اس خوفناک زمانہ میں کہ اسلام پر حملوں کی بُوچھاڑ ہو رہی ہے۔ اَمن اور آرام کے ساتھ خواب راحت میں سو رہے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہفتہ وار اور ماہواری اخباروں اور رسالوں کے علاوہ ہر روز وہ کس قدر دو ورقہ اشتہار اور چھوٹے چھوٹے رسالے تقسیم کرتے ہیں جن کی تعداد پچاس پچاس ہزار اور بعض وقت لاکھوں تک ہوتی ہے؟ اور کئی کئی مرتبہ اُن کو شائع کرنے میں کروڑ ہا روپیہ پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔

مسیحیت اسلام کے خلاف کیوں ہے؟

یہ خوب یاد رکھو کہ پادریوں کے ذہن اور تصور میں ہندو کچھ چیز نہیں ہیں اور نہ دُوسرے مذاہب وغیرہ کی ان کو چنداں پروا ہے، چنانچہ کبھی نہیں سُنا ہوگا کہ جس قدر کتابیں اسلام کی تردید میں یہ لوگ شائع کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں آدھی بھی ہندو مذہب کے خلاف لکھتے ہوں۔ یہ لوگ دُوسرے مذاہب سے چنداں غرض نہیں رکھتے اس لیے کہ ان میں بجائے خود کوئی حقانیت اور صداقت کی رُوح نہیں ہے۔ وہ عیسویت کی طرح خود مُردہ مذاہب ہیں، لیکن اسلام جو ایک زندہ مذہب ہے، جو حَیٌّ وَ قَیُّوْم خدا کی طرف سے ہے۔ اس کے خلاف سر توڑ کوشش کر کے اس کو بھی مُردہ ملت بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے انکے اعتراضوں کو ایک وقت شمار کیا تھا، ان کی تعداد تین ہزار تک پہنچ چکی ہے اور اب تو اس میں اور بھی اضافہ ہوا ہوگا۔

یاد رکھو مُفتری انسان وسوسہ میں ڈالتا ہے۔ چونکہ ان میں صِدق، عِفت، راستبازی نہیں ہوتی، اس لیے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ امرتسری افغانوں کا پکا یقین ہے کہ یہ لوگ تارک الصلوٰۃ ہیں اور شراب پیتے ہیں جب دُوسروں کے سامنے وُہ اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں، تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگ زادہ ہیں، کیا جھوٹ بولیں گے؟ اس سے وہ وسوسہ میں پڑتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ ہاں سچ یہی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ غرض ایک تو پادری ہیں جو کھُلے طور پر اسلام کے خلاف کتابیں لکھتے اور شائع کرتے ہیں۔ دُوسرے انگریزی طرزِ تعلیم اور کتابوں میں بھی پوشیدہ طور پر زہریلا مادہ رکھا ہوا ہے۔ فلسفی اپنے طرز پر اور مؤرخ اپنے رنگ میں واقعات کو بُری صورت میں پیش کر کے اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس وقت دو ہی قسم کے حملے ہوتے ہیں۔ ایک پادریوں کے اور دُوسرے فلسفیوں کے۔ پس اس وقت اپنے اسلام کو ٹٹولنا چاہیے۔

قرآن کریم میں مخلوق کی قسم کھانے کی فلاسفی

میں پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی قسموں پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے۔ بڑے غور و فکر کے بعد یہ راز ہم پر کھُلا ہے کہ قرآن شریف کے جس جس مقام پر کوتہ اندیشوں نے اعتراض کیے ہیں۔ اسی مقام پر اعلیٰ درجہ کی صداقتوں اور معارف کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

جس پر اُن کو اس وجہ سے اطلاع نہیں ملی کہ وہ حق کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور قرآن شریف کو محض اس لیے پڑھتے ہیں کہ اس پر نکتہ چینی اور اعتراض کریں۔ یاد رکھو قرآن شریف کے دو حصے ہیں بلکہ تین۔ ایک تو وہ حصہ ہے جس کو ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی جو اُمّی ہوتے ہیں سمجھ سکتے ہیں اور دُوسرا وہ حصہ ہے جو اوسط درجہ کے لوگوں پر کھلتا ہے۔ اگرچہ وہ پورے طور پر اُمّی نہیں ہوتے، لیکن بہت بڑی استعداد علوم کی بھی نہیں رکھتے اور تیسرا حصہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو اعلیٰ درجہ کے علوم سے بہرہ وَر ہیں اور فلاسفر کہلاتے ہیں۔ یہ قرآن ہی کا خاصہ ہے کہ وہ تینوں قسم کے آدمیوں کو یکساں تعلیم دیتا ہے۔ ایک ہی بات ہے جو اُمّی اور اوسط درجہ کے آدمی اور اعلیٰ درجہ کے فلاسفر کو تعلیم دے جاتی ہے۔

یہ قرآن شریف ہی کا فخر ہے کہ ہر طبقہ اپنی استعداد اور درجہ کے موافق فیض پاتا ہے۔ الغرض یہ جو قرآن شریف کی قسم پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قسم ایک ایسی شے ہے جس کو ایک شاہد کے مفقود ہونے کی بجائے دوسرا شاہد قرار دیا جاتا ہے۔ قانوناً، شرعاً، عرفاً یہ عام مسلّم بات ہے کہ جب گواہ مفقود ہو اور موجود نہ ہو، تو صرف قسم پر اکتفا کی جاتی ہے اور وہ قسم گواہی کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کی سنّت قرآن کریم میں اس طرح پر جاری ہے کہ نظریات کو ثابت کرنے کے واسطے بدیہیات کو بطور شاہد پیش کرتا ہے تاکہ نظری اُمور ثابت ہوں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف میں یہ طرز اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لیے اُمورِ بدیہی کو بطور شاہد پیش کرتا ہے اور یہ پیش کرنا قسموں کے رنگ میں ہے۔ اس بات کو بھی ہرگز بھولنا نہ چاہیے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی قسموں کو انسانی قسموں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے، تو اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کو ایک ایسا گواہ رؤیت کا قائم مقام ٹھہراوے کہ جو اپنے ذاتی علم سے اُس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے، کیونکہ اگر سوچ کر دیکھا جاوے، تو قسم کا اصل مفہوم جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا تھا۔ شہادت ہی ہوتا ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کے پیش کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے تاکہ اس سے وہ فائدہ اٹھاوے، جو ایک شاہد رؤیت کی شہادت سے اُٹھانا چاہتا ہے، لیکن ایسا تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خدا تعالیٰ کے کوئی اور بھی حاضر ناظر ہے اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اور امر پر قادر ہے صریح کلمۂ کفر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کتابوں میں انسانوں کو یہی ہدایت فرمائی ہے کہ غیر اللہ کی ہرگز قسم نہ کھاوے۔

اب اس بیان سے صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا کوئی اور رنگ اور شان رکھتا ہے اور غرض

اس سے یہی ہے کہ تا صحیفۂ قدرت کے بدیہیات کو شریعت کے اسرارِ دقیقہ کے حل وانکشاف کے لیے بطور شاہد پیش کرے اور چونکہ اس مدعا کو قسم سے ایک مناسبت تھی اور وہ یہ کہ جیسا کہ ایک قسم کھانے والا مثلاً خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس واقعہ پر گواہ ہے۔ اسی طرح اور ٹھیک اسی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے بعض ظاہر در ظاہر افعال، نہاں در نہاں اسرار اور افعال پر بطور گواہ ہیں۔ اس لیے اس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعالِ بدیہہ کو اپنے افعالِ نظریہ کے ثبوت میں جا بجا قرآن شریف میں پیش کیا اور یہ کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کھائی، کیونکہ اللہ تعالیٰ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اس کے افعال اس کے غیر نہیں ہیں۔ مثلاً اس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اس قصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے بلکہ اس کی منشا یہ ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے اس کی شہادت بعض اپنے افعالِ محققہ کے سمجھانے کے لیے پیش کرے۔

خدا تعالیٰ کی قسموں میں اسرارِ معرفت

غرض اللہ تعالیٰ کی قسمیں اپنے اندر لامحدود اسرارِ معرفت کے رکھتی ہیں۔ جن کو اہلِ بصیرت ہی دیکھ سکتے ہیں۔

پس خدا تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانونِ قدرت کے بدیہات کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لیے پیش کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب (قانونِ قدرت) اس کی قولی کتاب (قرآن شریف) پر شاہد ہو جاوے اور اُس کے قول اور فعل میں باہم مطابقت ہو کر طالبِ صادق کے لیے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ طریق قرآن شریف میں عام ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ برہموں اور الہام کے منکروں پر یوں اتمامِ حجت کرتا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (الطارق ۱۲:) قسم ہے بادلوں کی جن سے مینہ برستا ہے۔ رجعٌ بارش کو بھی کہتے ہیں۔ بارش کا بھی ایک مستقل نظام ہے۔ جیسے نظامِ شمسی ہے۔ رات اور دن کا اور کسوف خسوف کا بجائے خود ایک ایک نظام ہے۔ مرض کا بھی ایک نظام ہوتا ہے۔ طبیب اس نظام کے موافق کہہ سکتا ہے کہ فلاں دن بحران ہوگا۔ غرض یہ نظام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت اپنے اندر ایک ترتیب اور کامل نظام رکھتا ہے اور کوئی فعل اس کا ایسا نہیں جو نظام اور ترتیب سے باہر ہو۔

اللہ تعالیٰ جیسے یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس سے ڈریں۔ ویسے یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگوں میں علوم کی روشنی پیدا ہو دے اور اس سے وہ معرفت کی منزلوں کو طے کر جاویں کیونکہ علومِ حقہ سے واقفیت جہاں ایک طرف سچی خشیت پیدا کرتی ہے، وہاں دوسری طرف ان علوم سے خدا پرستی پیدا ہوتی ہے۔ بعض بدقسمت ایسے بھی ہیں جو علوم میں منہمک ہو کر قضاء قدر سے دور جا پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ہی شکوک پیدا کر بیٹھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو قضاء قدر

کے قائل ہوکر علوم ہی سے دستبردار ہوجاتے ہیں، مگر قرآن شریف نے دونوں تعلیمیں دی ہیں اور کامل طور پر دی ہیں۔ قرآن شریف علومِ حقہ سے اس لیے واقف کرنا چاہتا ہے اور اس لیے ادھر انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ اس سے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت میں جُوں جُوں ترقی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اُس سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے اور انسان کو قضاء وقدر کے نیچے رہنے کی اس لیے تعلیم دیتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کی صفت پیدا ہو اور وہ راضی برضا رہنے کی حقیقت سے آشنا ہوکر سچی سکینت اور اطمینان، جو نجات کا اصل مقصد اور منشا ہے، حاصل کرے۔

ابھی جو مثال میں نے قرآن شریف سے قسم کے متعلق دی ہے کہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں اللہ تعالیٰ نے رجع کو رکھا ہے۔ سماء کا لفظ فضا اور بُعد اور بارش اور بلندی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ رجع بار بار وقت پر آنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ بارش برسات میں بار بار آتی ہے، اس لیے اس کا نام بھی رجع ہے۔ اسی طرح پر آسمانی بارش بھی اپنے وقتوں پر آتی ہے۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق: ۱۳) اور قسم ہے زمین کی کہ وہ اُن وقتوں میں پھوٹ نکلتی ہے اور سبزہ نکالتی ہے۔

بارش کی جڑ زمین ہے۔ زمین کا پانی جو بخارات بن کر اُوپر اُڑ جاتا ہے وہ کرۂ زمہریر میں پہنچ کر بارش بن کر واپس آتا ہے اور اس صورت میں چونکہ وہ آسمان سے آتا ہے، اس لیے آسمانی کہلاتا ہے۔ پھر بارش کی ضرورت کے لیے ایک اور وقتِ خاص ہے۔ جب مزارعین کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بیائی کے بعد پڑے، تو کچھ بھی نہ رہے اور پھر بعض اوقات نشوونما کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ غرض بارش اور مینہ کی ضرورت اور اس کے مفاد اور اس کے آسمان سے آنے کا نظارہ بالکل بدیہی ہے اور ایک ادنیٰ درجہ کی عقل رکھنے والا گنوار دہقان بھی جانتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر آسمانی بارش نہ ہو، تو زمینی پانی بھی خشک ہونے لگتے ہیں؛ چنانچہ امساکِ باراں کے دِنوں میں بہت سے کنوئیں خشک ہوجاتے ہیں اور اکثروں میں پانی بہت ہی کم رہ جاتا ہے، لیکن جب آسمان سے بارش آتی ہے، تو زمینی پانیوں میں بھی ایک جوش اور تموّج پیدا ہونے لگتا ہے۔ میرا مطلب اس مقام پر اس مثال کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کو ایک اور امر کے لیے بطور شاہد قرار دیا ہے، کیونکہ ان نظاروں سے تو ایک معمولی زمیندار بھی واقف ہے اور وہ امر جو ان کے ذریعہ ثابت کیا ہے وہ یہ ہے اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (الطارق: ۱۴، ۱۵) بیشک یہ خدا کا کلام ہے اور قولِ فصل ہے۔ اور وہ عین وقت پر ضرورتِ حقہ کے ساتھ اور حق وحکمت کے ساتھ آیا ہے، بیہودہ طور پر نہیں آیا۔ اب دیکھ لو کہ قرآن شریف جس وقت نازل ہوا ہے۔ کیا اس وقت نظامِ روحانی یہ نہیں چاہتا تھا کہ خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہو اور کوئی مردِ آسمانی آوے، جو اس گمشدہ متاع کو واپس لاوے؛ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت کی

تاریخ پڑھو تو معلوم ہو جاوے گا کہ دُنیا کی کیا حالت تھی۔ خدا تعالیٰ کی پرستش دنیا سے اُٹھ گئی تھی اور توحید کا نقش پامٹ چکا تھا۔ باطل پرستی اور معبُودانِ باطلہ کی پرستش نے اللہ جلّ شانہٗ کی جگہ لے رکھی تھی۔ دنیا پر جہالت اور ظلمت کا ایک خوفناک پردہ چھایا ہوا تھا۔ دُنیا کے تختہ پر کوئی مُلک، کوئی قطعہ، کوئی سرزمین ایسی نہ رہ گئی تھی جہاں خدائے واحد ہاں حیّ وقیوم خدا کی پرستش ہوتی ہو۔ عیسائیوں کی مُردہ پرست قوم تثلیث کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی اور ویدوں میں توحید کا بیجا دعویٰ کرنے والے ہندوستان کے رہنے والے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے پُجاری تھے۔ غرض خود خدا تعالیٰ نے جو نقشہ اُس وقت کی حالت کا اِن الفاظ میں کھینچا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یہ بالکل سچا ہے اور اس سے بہتر انسانی زبان اور قلم اس حالت کو بیان نہیں کر سکتی۔ اب دیکھو کہ جیسے خدا تعالیٰ کا قانون عام ہے کہ عین امساکِ بارش کے وقت آخر اُس کا فضل ہوتا ہے اور بارانِ رحمت برس کر شادابی بخشتا ہے، اسی طرح پر ایسے وقت میں ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کا کلام آسمان سے نازل ہوتا۔ گویا اس جسمانی بارش کے نظام کو دکھا کر رُوحانی بارش کے نظام کی طرف رہبری کی ہے۔ اب اس سے کون انکار کریگا کہ بارش ہمارے مقاصد کے موافق ہوئی۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے وہ نظام رکھا ہے اسی طرح دوسری بارشوں کے لیے وقت رکھے ہیں۔ اب دیکھ لو کہ کیا یہ بارشِ روحانی کا وقت نہ تھا؟ کس قدر جھگڑے تم لوگوں میں بپا تھے۔ اعمال گندے اور ایمان بھی گندے تھے اور دُنیا ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والی تھی، پھر وہ کیونکر اپنے فضل کا مینہ نہ برساتا جس نے جسمِ فانی کی حفاظت کے لیے ایک خاص نظام رکھا ہے، پھر روحانی نظام کو کیونکر چھوڑتا۔ اس لیے بارش کے نظام کو بطور شاہد پیش کر کے قسم کے رنگ میں استعمال کیا، کیونکہ امرِ نبوت ایک رُوحانی اور نظری امر تھا اور کفارِ عرب اس نظام کو نہ سمجھ سکتے تھے، اس لیے وہ پہلا نظام پیش کر کے اُن کو سمجھا دیا۔ غرض یہ ایک سِرّ ہے جس کو جاہلوں نے سمجھا نہیں اور اپنی نادانی اور عداوتِ حق کی بنا پر اعتراض کر دیا ہے۔ اصل مفہوم کو جو اللہ تعالیٰ نے اس میں مقصود رکھا تھا چھوڑ دیا۔

اللہ کو قرض دینے کا مفہوم

اسی طرح پر ایک نادان کہتا ہے کہ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (البقرہ: ۲۴۶) (کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دے) اس کا مفہوم یہ ہے کہ گویا معاذ اللہ خدا بھوکا ہے۔ احمق نہیں سمجھتا کہ اس سے بھوکا ہونا کہاں سے نکلتا ہے؟ یہاں قرض کا مفہوم اصل تو یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن کے واپس کرنے کا وعدہ ہوتا ہے۔ اُن کے ساتھ افلاس اپنی طرف سے لگا لیتا ہے۔ یہاں قرض سے مراد ہے کہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کو اعمالِ صالحہ دے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی جزا اُسے کئی گنا کر کے دیتا ہے۔ یہ خدا کی شان کے لائق ہے جو سلسلہ عبُودیت کا ربوبیت کے ساتھ ہے۔ اس پر غور کرنے سے اس کا یہ مفہوم صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بِدُوں کسی نیکی، دُعا اور التجا اور بِدُوں تفرقہ کافر و مومن کے ہر ایک کی پرورش فرما رہا

ہے اور اپنی ربوبیت اور رحمانیت کے فیض سے سب کو فیض پہنچا رہا ہے۔ پھر وہ کسی کی نیکیوں کو کب ضائع کرے گا؟ اُس کی شان تو یہ ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ (الزلزال: ۸) جو ذرہ بھی نیکی کرے اس کا بھی اجر دیتا ہے اور جو ذرہ بدی کرے گا۔ اس کی پاداش بھی ملے گی۔ یہ ہے قرض کا اصل مفہوم جو اس آیت سے پایا جاتا ہے، چونکہ اصل مفہوم قرض کا اس سے پایا جاتا تھا۔ اس لیے یہی کہہ دیا مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرۃ: ۲۴۶) اور اس کی تفسیر اس آیت میں موجود ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸)۔

عیسائیوں پر افتاد کی وجہ

جاہل عیسائی جنھوں نے ایک عاجز اور ناتوان انسان کو خدا بنا لیا ہے اور اپنی بدکاریوں اور گناہوں کی گٹھڑی اُس کے سر پر رکھ دی ہے اور اُسے ملعون تسلیم کیا ہے۔ باوجودیکہ اُن کے پاس لعنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دُوسروں پر اعتراض کرتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی پاک شریعت کو کفارہ کی بنا پر رَدّ کر چکے ہیں۔ اعمالِ صالحہ میں جو ایک لذّت اور سُرور ہوتا ہے، وہ اُنہیں حاصل نہیں رہا اور خدا تعالیٰ کے سارے راستبازوں کو بٹمار اور ڈاکو قرار دینے کی وجہ سے ان پر وہ لعنت پڑی ہے۔ اس لیے یہ بات کبھی بھولنی نہیں چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے راستبازوں کا انکار اور تکذیب ایک ایسی شے ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور اُس کی رُوحانی طاقتوں اور قوتوں کے لیے زہرِ قاتل کا کام کرتی ہے۔ جو صادق کی نسبت سُوءِ ظن کرتا ہے اور اس کی بے ادبی کرتا ہے وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب کر دیا جاتا ہے۔ یہ لعنت عیسائیوں پر پڑی ہے کہ اُنھوں نے سارے راستبازوں کو خطاکار ٹھہرایا

غرض اس آیت میں یہ لطیفہ ہے کہ بارشوں کا جسمانی طور پر ایک نظام ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ اب بارش کے دن قریب ہیں۔ مثلاً یہ جانتے ہیں کہ پوہ اور ماگھ کے دنوں میں بارش ہوتی ہے اور ساون اور بھادوں کے دنوں میں ہوتی ہے۔ پھر ایک یہ راز ہے کہ بارش بیہودہ کبھی نہیں ہوتی۔ درحقیقت وہی اوقات بارش کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر رُوحانی بارشوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ یہ ایک نظری بحث ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے موٹی موٹی باتوں کو بطور شواہد کے پیش کیا ہے اور قسم کا لفظ شاہد کا قائم مقام بیان فرمایا۔ اس لفظ کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح پر قرض کے لفظ کو جسے میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔

محدّثین اور مجدّدین کا سلسلہ

اب ایک بات اور قابلِ غور ہے کہ ایک بارش تخم ریزی کے لیے ہوتی ہے اور پھر ایک بارش اس تخم کے نشوونما اور سرسبزی کے لیے ہوتی ہے۔ اسی طرح نبوّت کی بارش تخم ریزی کے لیے ہوتی ہے اور محدّثین اور مجددین کی بارش جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کے ضمن میں داخل ہیں۔ اس تخم کے بار بار کرنے اور نشوونما دینے کے لیے میں نے بارہا اس امر کا ذکر کیا ہے کہ نبوّت اُلوہیت کے لیے بطور مسیح کے ہوتی ہے۔ جو شخص نبوّت کا انکار کرتا ہے، رفتہ رفتہ وہ اُلوہیت کے

کے انکار تک پہنچ جاتا ہے اور نبوّت کے لیے ولایت بطور مسخ کے ہوتی ہے۔ ولی کے انکار سے رفتہ رفتہ سلبِ ایمان ہو جاتا ہے۔

اس وقت دیکھو کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو تیرہ سو برس سے زائد عرصہ گذر گیا۔ اگر خدا تعالیٰ اس وقت تک بالکل خاموش رہتا اور اپنی تجلّی نہ فرماتا تو اسلام ایک قصّہ اور کہانی سے بڑھ کر کوئی وقعت نہ رکھتا اور اسکو دوسرے مذاہب پر کوئی خصوصیّت اور فضیلت نہ ہوتی۔ جیسے ہندو اپنے بزرگوں سے منسوب خوارق کو پُرانوں اور شاستروں میں لکھا ہوا بیان کرتے ہیں اور دکھا کچھ نہیں سکتے، اسی طرح پر اسلام کے اعجازی نشانوں کا ذکر مسلمان انہی کتابوں ہی میں بتلاتے اور دکھا کچھ نہ سکتے، تو دوسرے مذاہب پر اس کو کیا فضیلت رہتی اور انسان کی فطرت اس قسم کی واقع ہوتی ہے کہ اگر اسے دُوسرے پر کوئی فضیلت نظر نہ آئے، تو اس سے بے رغبتی اور بے دلی ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح پر گویا اسلام سے ایک قسم کا ضعفِ ایمان پیدا ہوتا ہے، کیونکہ بدُوں فضیلت کے ایمان قوی رہ سکتا ہی نہیں۔ اس لیے نبوّت کی زراعت کے واسطے ولایت ایک باڑ لگا دی گئی ہے۔ پس غور کر کے دیکھو کہ قسم پر اعتراض کرنے والوں کا جواب کیسا صاف اور لطیف ہے۔

فترتِ وحی کی حکمت

اس مضمون کو دیکھ کر انسان کس قدر انشراح کے ساتھ قبول کر سکتا ہے کہ قرآن کریم کس قدر عالی مضامین کو کیسے انداز اور طرز سے بیان کرتا ہے۔ پھر قرآن شریف میں ایک مقام پر رات کی قسم کھاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کی قسم ہے۔ جب وحی کا سلسلہ بند تھا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ایک مقام ہے جو ان لوگوں کے لیے، جو سلسلۂ وحی سے اِفاضہ حاصل کرتے ہیں، آتا ہے۔ وحی کے سلسلہ سے شوق اور محبت بڑھتی ہے، لیکن مفارقت میں بھی ایک کشش ہوتی ہے جو محبت کے مدارجِ عالیہ پر پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو بھی ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس سے قلق اور کرب میں ترقی ہوتی ہے اور روح میں ایک بیقراری اور اضطراب پیدا ہوتا ہے جس سے وُہ دعاؤں کی رُوح اس میں نفخ کی جاتی ہے کہ وہ آستانۂ اُلوہیت پر یارب! یارب!! کہہ کر اور بڑے جوش اور شوق اور جذبہ کے ساتھ دوڑتی ہے۔ جیسا کہ ایک بچّہ جو تھوڑی دیر کے لیے ماں کی چھاتیوں سے الگ رکھا گیا ہو۔ بے اختیار ہو کر ماں کی طرف دوڑتا اور چلاّتا ہے، اسی طرح پر بلکہ اس سے بھی بیحد اضطراب کے ساتھ رُوح اللہ کی طرف دوڑتی ہے اور اس دُوڑ دُھوپ اور قلق و کرب میں وہ لذّت اور سرور ہوتا ہے جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو! رُوح میں جس قدر اضطراب اور بے قراری خدا تعالیٰ کے لیے ہوگی۔ اسی قدر دُعاؤں کی توفیق ملے گی اور اُن میں قبولیّت کا نفخ ہوگا۔ غرض یہ ایک زمانہ مامُوروں اور مُرسلوں اور اُن لوگوں پر جن کے ساتھ مکالماتِ الٰہیہ کا ایک تعلق ہوتا ہے، آتا ہے اور اس سے غرض اللہ تعالیٰ کی یہ ہوتی ہے کہ تا ان کو محبت کی چاشنی اور قبولیّتِ دعا کے ذوق سے حصّہ دے اور اُن کو اعلیٰ مدارج پر پہنچا دے تو یہاں جو ضُحیٰ اور لَیل کی قسم کھائی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے

کے مدارجِ عالیہ اور مراتبِ محبت کا اظہار ہے اور آگے پیغمبرِ خدا کا ابرار کیا کہ دیکھو دن اور رات جو بناتے ہیں۔ ان میں کس قدر وقفہ ایک دُوسرے میں ڈال دیا ہے۔ ضُحیٰ کا وقت بھی دیکھو اور تاریکی کا وقت بھی خیال کرو۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ۔ خدا تعالیٰ نے تجھے رُخصت نہیں کر دیا۔ اس نے تجھ سے کینہ نہیں کیا بلکہ ہمارا یہ ایک قانون ہے۔ جیسے رات اور دن کو بنایا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایک قانون ہے کہ بعض وقت وحی کو بند کر دیا جاتا ہے تاکہ اُن میں دُعاؤں کے لیے زیادہ جوش پیدا ہو۔ اور ضُحیٰ اور لَیل کو اس لیے بطور شاہد بیان فرمایا تا آپ کی اُمید وسیع ہو اور تسلی اور اطمینان پیدا ہو۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کے بیان کرنے سے اصل مدعا یہ رکھا کہ تا بدیہات کے ذریعہ نظریات کو سمجھائے اب سوچ کر دیکھو کہ یہ کیسا پُر حکمت مسئلہ تھا، مگر ان بدبختوں نے اس پر بھی اعتراض کیا۔

چشمِ بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہُنرش در نظر

اِن قسموں میں ایسا فلسفہ بھرا ہوا ہے کہ حکمت کے اَبواب کھلتے ہیں۔

اس زمانہ کا جہاد

غرض یہ حرب ہمارا کام ہے جس کی آج ضرورت ہے۔ اس سے علوم کے دروازے بھی کھلتے ہیں اور مخالف بھی حجت اور بَیِّنہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور یہ خدا کا فضل ہے کہ پنجاب کے لوگ جن معارف اور حقائق سے آگاہ ہوتے جاتے ہیں۔ بلادِ شام اور دیگر ممالکِ اسلامیہ میں ان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم پر تو یہ مصیبت آچکی ہے۔ ہر طرف سے حملہ پر حملہ ہو رہا ہے۔ اس لیے ہم کو قوتِ متفکرہ سے کام لینا پڑتا ہے اور دُعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے حضور ان مشکلات کو پیش کرنا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہماری دستگیری فرماتا ہے اور اپنی پاک کتاب کے حقائق اور مَعارف سے اطلاع دیتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ جس قوت کو چالیس دن استعمال نہ کیا جائے، وہ بیکار ہو جاتی ہے۔ ہمارے ایک ماموں صاحب تھے، وہ پاگل ہو گئے۔ ان کی فصد لی گئی اور ان کو تاکید کی گئی کہ ہاتھ نہ ہلائیں۔ انھوں نے چند مہینے تک ہاتھ نہ ہلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھ لکڑی کی طرح ہو گیا۔ غرض یہ ہے کہ جس عُضو سے کام نہ لیا جائے، وہ بے کار ہو جاتا ہے۔

ہندوؤں میں جو گی اور ایسا ہی راہب وغیرہ جو عورتوں کے قابل نہیں رہتے۔ اس کے دو ہی سبب ہوتے ہیں یا تو بدمعاشیوں کی کثرت کی وجہ سے یا انقطاعِ کُلّی کے بعد اور اس امر کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ جن اعضاء کو بیکار چھوڑا گیا۔ وہ آخر بالکل نکمے ہو گئے۔

اِس وقت ہم پر قلم کی تلواریں چلائی جاتی ہیں۔ اور اعتراضوں کے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنی قوتوں کو بیکار نہ کریں اور خدا کے پاک دین اور اس کے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لیے اپنی قلموں کے نیزوں کو تیز کریں خصوصاً ایسی حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑھ کر ہم کو یہ موقع

دیا کہ اس نے سلطنت انگریزی میں ہم کو پیدا کیا۔

احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے

مُحسن کے احسانات کی شکرگذاری کے اصول سے ناواقف جاہل ہمارے اس قسم کے بیانات اور تحریروں کو خوشامد کہتے ہیں، مگر ہمارا خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم دُنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہیں۔ یہ قوت ہی ہم میں نہیں ہے۔ ہاں احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے اور مُحسن کُشی اور غداری کا ناپاک مادّہ اُس نے اپنے فضل سے ہم میں نہیں رکھا۔ ہم گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانات کی قدر کرتے ہیں اور اس کو خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ اس نے ایک عادل گورنمنٹ کو سکھوں کے پُرجفا زمانہ سے نجات دلانے کے لیے ہم پر حکومت کرنے کو کئی ہزار کوس سے بھیج دیا۔ اگر اس سلطنت کا وجُود نہ ہوتا، تو مَیں سچ کہتا ہوں کہ ہم اس قسم کے اعتراضوں کی بابت ذرا بھی سوچ نہ سکتے چہ جائیکہ ہم اُن کا جواب دے سکتے۔

اب ہم اُن اعتراضوں کا جواب بڑی آزادی سے دے سکتے ہیں۔ پھر ہم اگر اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر نہ کریں تو یقیناً سمجھو کہ بڑے ناقدر شناس اور ناشکر گذار ہوں گے۔ ہم کو غور اور فکر کا موقع ملا، دُعاؤں کا موقع ملا اور اس طرح پر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کے ابواب ہم پر کھولے؛ اگرچہ مبدءِ فیض وُہی ہے، لیکن انسان اپنے میں ایک شئے قابل بناتا ہے۔ اس پر بلحاظ اس کی استعداد اور ظرف کے فیض ملتا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اس تقریب کی وجہ سے ہندوستان اور پنجاب کے رہنے والے جوہرِ قابل بن رہے ہیں اور ان کی علمی طاقتیں بھی ترقی کر رہی ہیں۔

اس زمانہ کا ہتھیار قلم ہے

مختصر یہ کہ یہ مقام دارالحرب ہے پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لیے ہم کو چاہیے کہ ہرگز بیکار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب اُن کے ہم رنگ ہو جس قسم کے ہتھیار لے کر میدان میں وہ آتے ہیں، اُسی طرز کے ہتھیار ہم کو لے کر نکلنا چاہیے اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سُلطان القلم اور میرے قلم کو ذُوالفقارِ علی فرمایا۔ اس میں یہی سِر ہے کہ زمانہ جنگ و جدل کا نہیں ہے، بلکہ قلم کا زمانہ ہے۔

فتح کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے

پھر جب یہ بات ہے تو یاد رکھو کہ حقائق اور معارف کے دروازوں کے کھلنے کے لیے ضرورت ہے تقویٰ کی، اس لیے تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (النحل: ۱۲۹) اور مَیں گِن نہیں سکتا کہ یہ الہام مجھے کتنی مرتبہ ہوا ہے۔ بہت ہی کثرت سے ہوا ہے۔

اگر ہم نری باتیں ہی باتیں کرتے ہیں، تو یاد رکھو کہ کچھ فائدہ نہیں ہے۔ فتح کے لیے ضرورت ہے تقویٰ کی۔ فتح

چاہتے ہو، تو متقی بنو۔

اشاعتِ اسلام کے لیے مالی قربانیوں کی ضرورت ہے

مَیں ہندوؤں اور عیسائیوں میں دیکھتا ہوں کہ عورتیں بھی بہت بڑی جائیدادیں اور روپیہ اس کام کے لیے وصیت کر جاتے ہیں۔ آجکل کے مُسلمانوں میں اس قسم کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

ہمارے لیے جو بڑی سے بڑی مشکل ہے وُہ اشاعت کے لیے مالی امداد کی ضرورت ہے۔ یہ تو تم یاد رکھو کہ آخر خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے اُس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ وہ خود ہی اس کا حامی و ناصر ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں کو ثواب کا مستحق بناوے، اس لیے نبیوں کو مالی امداد کی ضرورت ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد مانگی۔ اُسی طرز پر جو منہاجِ نبوت کی طرز ہے۔ ہم بھی اپنے دوستوں کو سلسلہ کی ضروریات سے اطلاع دیا کرتے ہیں، مگر مَیں پھر یہی کہوں گا کہ اگر ہم کچھ روپیہ بھی اشاعت کے لیے جمع کر لیں، تو یہ تو ظاہر بات ہے کہ اس قدر نہیں کر سکتے جس قدر پادریوں کے پاس ہے اور اگر اتنا بھی کر لیں تو بھی میرا ایمان یہی ہے کہ فتح اسی کو ملتی ہے، جس سے خدا خوش ہو۔

اخلاق و اعمال میں ترقی کریں

اس لیے ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور اعمال میں ترقی کریں۔ اور تقویٰ اختیار کریں تاکہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور محبت کا فیض ہمیں ملے۔ پھر خدا کی مدد کو لے کر ہمارا فرض ہے اور ہر ایک ہم میں سے جو کچھ کر سکتا ہے، اس کو لازم ہے کہ وہ ان حملوں کے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ہاں جواب دیتے وقت نیت یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو۔[1]

جنوری ۱۸۹۸ء

مرکز میں آنیکی تلقین

فرمایا: لوگ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ تو کہہ جاتے ہیں کہ دین کو دُنیا پر ترجیح دُوں گا، لیکن یہاں سے جاکر اس بات کو بھُول جاتے ہیں وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر وُہ یہاں نہ آویں گے؟ دُنیا نے انکو پکڑ رکھا ہے۔ اگر دین کو دُنیا پر ترجیح ہوتی، تو وہ دنیا سے فرصت پاکر یہاں آتے۔[2]

یکم فروری ۱۸۹۸ء

"آج تیسرا روز ہے۔ الہام ہوا کہ یَوْمَ تَاْتِیْكَ الْغَاشِیَةُ۔ یَوْمَ تَنْجُوْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ۔ یعنی ایک خوفناک غشی ڈالنے والا۔ انسان کو چاروں طرف سے گھیرنے والا وقت آنے والا ہے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنے اعمال کے سبب سے نجات پائے گا۔ اس وقت ہم ہر ایک

---

[1] (الحکم جلد ۵ نمبر ۲۰-۲۲ پرچہ ۱۹۰۱ء) [2] (بدر جلد ۱۱ نمبر ۴-۵ صفحہ ۳ پرچہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۱ء)

شخص کو اس کے اعمال کے موافق جزا دیں گے۔"

حضرتِ اقدسؑ نے اِن الہامات کے بعد جماعت کو بڑی تاکید کی کہ تیاری کرو۔ نمازوں میں عاجزی کرو۔ تہجد کی عادت ڈالو۔ تہجد میں رو رو کر دُعائیں مانگو کہ خدا تعالیٰ ٹھوکر کھانے والوں اور تقویٰ اختیار کرنیوالوں کو ضائع نہیں کرتا۔

ہمارے مبارک امام علیہ السلام بھی بار بار یہی وصیت فرماتے ہیں کہ جماعت متقی بن جاوے اور نمازوں میں خشوع و خضوع کی عادت کریں اور ایک روز بڑے دَرد سے فرمایا کہ اصلاح و تقویٰ پیدا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ تم میری راہ میں روک بن جاؤ۔[1]

بیرونی ممالک جانیوالوں کے لیے خاص نصائح

بابو محمد افضل صاحب نے ہندوستان سے افریقہ کی طرف روانگی کے موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کی کہ بعض غفلت کے مقامات سے شکوک و شبہات و نفسانی ظلمتوں کا ایک دریا ہمراہ لاتے تھے اور اب پھر اُنہی مقامات کو جانا ہے، اس لیے دُعا کی جاتے۔ حضرتِ اقدسؑ نے ایسی مشکلات سے نکلنے کے لیے مندرجہ ذیل چار امر بطور علاج بتائے:

(۱) قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہنا۔ (۲) موت کو یاد رکھنا۔ (۳) سفر کے حالات قلمبند کرتے رہنا۔ (۴) اگر ممکن ہو تو ہر روز ایک کارڈ لکھتے رہنا۔[2]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دُعا

پاک کلماتِ دُعائیہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہونٹوں سے نکلے ہوتے ہیں۔

"اے ربّ العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تُو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ میں تیرے وجہِ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما اور دُنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین۔ ثم آمین۔"

---

[1] منقول از خط مولوی عبدالکریم صاحبؓ۔ بحوالہ ۴ر فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ الحکم جلد ۲۔ ۲ صفحہ ۱ پرچہ ۶ر مارچ ۱۸۹۸ء۔

[2] الحکم جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ پرچہ ۱۳ر ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۸ء۔ ۳ الحکم جلد ۲ نمبر ۹ پرچہ ۲۰ر فروری ۱۸۹۸ء۔

حضرت اقدسؑ کی پاک باتیں

۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء

مُرید اور مُرشد کا تعلق

فرمایا: "مُرید و مُرشد کے تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ ماں باپ اولاد کو اتنا عزیز نہیں سمجھتے، جتنا مُرشد مُرید کو جانتا ہے۔ ماں باپ جسمانی تربیت اور تعلیم کے لیے کوششیں کرتے ہیں، مگر مُرشد مُرید کی رُوحانی پیدائش کا موجب ہوتا ہے اور اس کی اندرونی تعلیم اور تربیت کا ذمہ دار ہوتا ہے بشرطیکہ راستباز ہو۔ اگر ریاکار اور دھوکہ باز ہو تو وہ دشمن سے بھی بدتر ہوتا ہے۔"[1]

فروری ۱۸۹۸ء

کثرتِ ازدواج

کثرتِ ازدواج کے متعلق صاف الفاظ قرآن کریم میں دو دو، تین تین، چار چار کرکے ہی آرہے ہیں مگر اسی آیت میں اعتدال کی بھی ہدایت ہے۔ اگر اعتدال نہ ہو سکے اور محبت ایک طرف زیادہ ہو جاتے یا آمدنی کم ہو اور یا قوائے رجولیت ہی کمزور ہوں تو پھر ایک سے تجاوز کرنا نہیں چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلاء میں نہ ڈالے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرہ: ۱۹۱)

غرض اگر حلال کو حلال سمجھ کر بیویوں کا ہی بندہ ہو جائے، تو بھی غلطی کرتا ہے۔ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی منشاء کو نہیں سمجھ سکتا۔ اُس کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل زن مُرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ اور وُہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ رہبانیت اختیار کرو بلکہ اعتدال سے کام لو اور اپنے تئیں بے جا کارروائیوں میں نہ ڈالو۔

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی نہ کوئی تخصیص اگر اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے، تو یہ کوتاہ اندیش لوگوں کی اُبلہ فریبی اور غلطی ہے کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ دیکھو توریت میں کاہنوں کے فرقہ کے ساتھ خاص مراعات ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اور ہندوؤں کے برہمنوں کے لیے خاص رعائتیں ہیں۔ پس یہ نادانی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی تخصیص پر اعتراض

---

[1] (الحکم جلد ۳ نمبر ۲۰ پرچہ ۹ر جون ۱۸۹۹ء)

کیا جاوے۔ ان کا نبی ہونا ہی سب سے بڑی خصوصیت ہے جو اور لوگوں میں موجود نہیں۔

خدا کا تلوّن رحمت ہے

خدا کا تلوّن بھی رحمت ہے۔ دیکھو یونس علیہ السلام کی قوم کے معاملہ میں قطعی الہام دے کر جب لوگوں نے چیخنا چلّانا شروع کیا تو عذاب ٹلا دیا اور رحمت کے ساتھ ان پر نگاہ کی۔ پس خدا کے تلوّن میں بھی ایک خاص لُطف ہے، مگر اس کو وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں، جو اس کے سامنے روتے اور عجز و نیاز ظاہر کرتے ہیں۔ مجھے بارہا تعجب آتا ہے کہ لوگ اپنے جیسے انسان کی خوشامد تو کرتے ہیں، مگر افسوس خدا کی خوشامد نہیں کرتے۔

قبولیتِ دُعا میں توقف کامیابی کا موجب ہے

یہ یاد رکھو کہ دُعا کے لیے اگر جلدی جواب مِل جاوے تو عموماً اچھا نہیں ہوتا۔ پس دُعا کرتے ناامید نہ ہو۔ دُعا میں جس قدر دیر ہو اس کا بظاہر کوئی جواب نہ ملے تو خوش ہو کر سجدہ ہائے شکر بجالاؤ۔ کیونکہ اس میں بہتری اور بھلائی ہے۔ توقف کامیابی کا موجب ہوتا ہے۔

یُونس علیہ السّلام کی قوم سے عذاب ٹلنے کی وجہ

دُعا بہت بڑی سپر کامیابی کے لیے ہے۔ یونسؑ کی قوم گریہ وزاری اور دُعا کے سبب آنیوالے عذاب سے بچ گئی۔ میری سمجھ میں محاتبت مغاضبت کو کہتے ہیں اور حُوت مچھلی کو کہتے ہیں اور نُون تیزی کو بھی کہتے ہیں اور مچھلی کو بھی۔ پس حضرت یونسؑ کی وہ حالت ایک مغاضبت کی تھی۔ اصل یُوں ہے کہ عذاب کے ٹل جانے سے ان کو شکوہ اور شکایت کا خیال گزرا کہ پیشگوئی اور دُعا یوں ہی رائیگاں گئی اور یہ بھی خیال گزرا کہ میری بات پوری کیوں نہ ہوئی۔ پس یہی مغاضبت کی حالت تھی۔ اس سے ایک سبق مِلتا ہے کہ تقدیر کو اللہ بدل دیتا ہے اور رونا دھونا اور صدقات فرو قرار داد جُرم کو بھی ردّی کر دیتے ہیں۔ اُصول خیرات کا اسی سے نکلا ہے۔ یہ طریق اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہیں۔ علم تعبیر الرؤیا میں مال کلیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے خیرات کرنا جان دینا ہوتا ہے۔ انسان خیرات کرتے وقت کس قدر صدق و ثبات دکھاتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ صرف قیل وقال سے کچھ نہیں بنتا، جبتک کہ عملی رنگ میں لاکر کسی بات کو نہ دکھایا جاوے۔ صدقہ اس کو اسی لیے کہتے ہیں کہ صادقوں پر نشان کر دیتا ہے۔ حضرت یونسؑ کے حالات میں درِ منثور میں لکھا ہے کہ آپ نے کہا کہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ جب تیرے سامنے کوئی آوے گا۔ تجھے رحم آجائے گا ؎

ایں مُشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

نمازِ عید شہر میں پڑھنے کی تعبیر

مُنشی رستم علی کورٹ انسپکٹر دہلی کے خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ نمازِ عید شہر میں پڑھنا بہت بڑی کامیابی ہے۔

ابولہب اور حمّالۃ الحطب سے مراد

ابولہب قرآن کریم میں عام ہے نہ خاص۔ مراد وہ شخص ہے جس میں التہاب و اشتعال کا مادہ ہو۔

اسی طرح حمالۃ الحطب۔ ہیزم کش عورت سے مراد ہے۔ جو سخن چین ہو۔ آگ لگانے والی چغلخور عورت آدمیوں میں شرارت کو بڑھاتی ہے۔ سعدی کہتا ہے ؎

سخن چین بدبخت ہیزم کش است

سورۃ تبّت پر اعتراض سُنکر فرمایا

دُنیا کی دولت اور سلطنت رشک کا مقام نہیں۔ مگر رشک کا مقام دُعا ہے۔ مَیں نے اپنے احباب حاضرین اور غیر حاضرین کے لیے جن کے نام یاد آتے یا شکل یاد آئی۔ آج بہت دعا کی اور اتنی دُعا کی کہ اگر خشک لکڑی پر کی جاتی تو سرسبز ہو جاتی۔ ہمارے احباب کے لیے یہ بڑی نشانی ہے۔

رمضان کا مہینہ الحمدللہ گزر گیا۔ عافیت اور تندرستی سے یہ دن حاصل رہے۔ پھر اگلا سال خدا جانے کس کو آئے گا۔ کس کو معلوم ہے کہ اگلے سال کون ہوگا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہوگا۔ اگر اپنی جماعت کے ان لوگوں کو فراموش کر دیا جاوے جو انتقال کر گئے ہیں۔ یہ ایسے وقت میں فرمایا کہ جب فہرست میں زندوں کے نام ثبت ہو رہے تھے۔

ظاہر پرستی گمراہی کا موجب ہے

ظاہر پرستی سے یہود گمراہ ہو گئے۔ ظاہر پرستی سے یہودیوں پر یہ آفت آئی کہ وہ مسیح علیہ السلام کا انکار کرتے رہے اور نہ صرف یہی بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کرتے رہے۔ اُن کو یہ خیال تھا کہ مسیح آئے گا تو ایک بادشاہ ہو کر آئیگا۔ اور بڑی شان و شوکت سے تختِ داؤد پر جلوہ افروز ہوگا اور اس کے آنے سے پیشتر ایلیا آسمان سے اُترے گا، مگر جب مسیح آیا۔ تو اس نے ایلیا تو یوحنا کو بتایا اور آپ بجائے بادشاہ ہونے کے ایسی عاجزی دکھائی کہ سر رکھنے کو بھی جگہ نہ ملی۔ اب ظاہر پرست یہودی کیونکر مان لیتے۔ پس انہوں نے بڑے زور سے انکار کیا اور اب تک کر رہے ہیں۔ یہی مصیبت ہمارے زمانہ کے مولویوں اور ملّاؤں کو پیش آئی۔ وہ منتظر ہیں کہ مسیح اور مہدی آکر لڑائیاں کرے گا، مگر خدا تعالیٰ نے یہ امر ہی ملحوظ نہ رکھا تھا اور بخاری نے یَضَعُ الْحَرْبَ کہہ کر اس کا قضیہ ہی چکا دیا تھا۔ یہ امن اور سلامتی کے خواستگار کو ماننا نہیں چاہتے[1]

---

[1] الحکم جلد ۲ نمبر ۲ پرچہ ۶ مارچ ۱۸۹۸ء

فروری ۱۸۹۸ء

آخرت پر نظر رکھنے والے ہمیشہ مبارک ہیں

مَیں دیکھتا ہوں کہ باوجود مصائب پر مصائب آنے کے اور ہر طرف خطرہ ہی خطرہ دکھائی دینے کے لوگ ابھی تک سنگدلی اور عُجب و نخوت سے کام لے رہے ہیں۔ نادان کب تک اس بے فکری میں بسر کریں گے تا وقتیکہ لوگ مِند نہیں چھوڑتے۔ اپنی بُری کرتوتوں سے باز نہیں آتے اور خدا تعالیٰ سے مصالحت نہیں کرتے، یہ بلائیں اور مصیبتیں دُور نہیں ہونے کی۔ مَیں نے دیکھا ہے اور خوب غور کیا ہے کہ قحط کے دنوں میں لوگوں نے ذرا بھی قحط کی مصیبت کو محسوس نہیں کیا۔ شراب خانے اسی طرح آباد تھے اور بدکاریوں اور بدمعاشیوں کے بازار برابر گرم تھے۔ ابتداء میں جب کبھی کوئی برائے نام فتوائے مکہ مدینہ کے نام سے آجایا کرتا تھا، تو لوگ ڈر جایا کرتے تھے اور مسجدیں آباد ہو جاتی تھیں، مگر اس وقت شوخی اور بیباکی حد سے بڑھ چلی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی فضل کرے۔

عقلمند وُہ ہے جو عذاب آنے سے پیشتر اس کی فکر کرتا ہے اور دُور اندیش وُہ ہے جو مصیبت سے پہلے اُس سے بچنے کی فکر کرے۔

انسان کو یہی لازم ہے کہ آخرت پر نظر رکھ کر بُرے کاموں سے توبہ کرے، کیونکہ حقیقی خوشی اور سچی راحت اسی میں ہے۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ کوئی بدکاری اور گناہ کا کام ایک لحظہ کے لیے بھی سچی خوشی نہیں دے سکتا۔ بدکار بدمعاش کو تو ہر دم اظہارِ راز کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ پھر وُہ اپنی بدعملیوں میں راحت کا سامان کہاں دیکھے گا۔ آخرت پر نظر رکھنے والے ہمیشہ مبارک ہیں۔ ع

مَردِ آخر بیں مُبارک بندہ ایست

دیکھو اُن قوموں کا حال جن پر وقتاً فوقتاً عذاب آئے۔ ہر ایک کو یہی لازم ہے کہ اگر دل سخت بھی ہو تو اسے ملامت کر کے خشوع خضوع کا سبق دے۔ رونا اگر نہیں آتا، تو روئی صُورت بنا دے پھر خود بخود آنسو بھی نکل آئیں گے۔

اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں

ہماری جماعت کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وُہ اپنے اندر پاک تبدیلی کریں، کیونکہ اُن کو تو تازہ معرفت ملتی ہے اور اگر معرفت کا دعویٰ کر کے کوئی اس پر نہ چلے۔ تو یہ نری لاف گزاف ہی ہے۔ پس ہماری جماعت کو دوسروں کی سُستی غافل نہ کر دے اور اس کو کاہلی کی جُرأت نہ دلا دے۔ وہ ان کی محبت سرد دیکھ کر خود بھی دل سخت نہ کر لے۔

انسان بہت آرزوئیں اور تمنائیں رکھتا ہے۔ مگر غیب کی قضاء و قدر کی کس کو خبر ہے۔ زندگی آرزوؤں کے

موافق نہیں چلتی۔ تمناؤں کا سلسلہ اور ہے، قضاء و قدر کا سلسلہ اور ہے۔ اور وُہی سچا سلسلہ ہے۔ خدا کے پاس انسان کے سوانح پہنچے ہیں۔ اسے کیا معلوم ہے اس میں کیا لکھا ہے۔ اس لیے دل کو جگا جگا کر غور کرنا چاہیے۔

توحید کا ایک پہلو توحید کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں اپنے نفس کے اغراض کو بھی درمیان سے اُٹھا دے اور اپنے وجود کو اس کی عظمت میں محو کر دے۔[1]

یکم مئی ۱۸۹۸ء

خلافِ اسلام کتابوں کی ضبطی "جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے وُہ میموریل پڑھ چکنے کے بعد جو حضرت مسیح موعودؑ نے انجمن حمایتِ اسلام کے میموریل دربارہ "اُمہات المومنین" کی اصلاح کی غرض سے لکھا تھا۔ حضرتِ اقدسؑ نے بآوازِ بلند فرمایا":

"چونکہ یہ میموریل اسلام اور اہلِ اسلام کی حمایت اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عزت اور قرآن کریم کی عظمت قائم کرنے اور اسلام کی پاکیزہ اور صفی شکل دکھانے کے لیے لکھا گیا ہے، اس لیے اس کو آپ صاحبان کے سامنے پڑھے جانے سے صرف یہ غرض ہے کہ تا آپ لوگوں سے بطور مشورہ دریافت کیا جائے کہ آیا مصلحتِ وقت یہ ہے کہ کتاب کا جواب لکھا جائے یا میموریل بھیج کر گورنمنٹ سے استدعا کی جائے کہ وہ ایسے مصنفین کو سرزنش کرے اور اشاعت بند کر دے۔ پس آپ لوگوں میں سے جو کوئی اس پر نکتہ چینی کرنا چاہے، تو وہ نہایت آزادی اور شوق سے کر سکتا ہے۔"

(مجمع میں سے) ایک شخص بولا کہ اگر کتاب کی اشاعت بند نہ ہوئی تو ہمیشہ تک طبع ہوتی رہے گی۔"

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر ہم واقعی طور پر کتاب کی اشاعت بند نہ کریں جو اس کے ردّ کرنے کی صُورت میں ہو سکتی ہے، تو گورنمنٹ سے ایک بار نہیں ہزار دفعہ اس قسم کی مدد لے کر اس کی اشاعت بند کی جاتے، وہ رُک نہیں سکتی۔ اگر اس تھوڑے عرصہ کے لیے وُہ برائے نام بند بھی ہو جاتے، تو پھر بھی بہت سی کمزور طبیعت کے انسانوں اور بعض آنے والی نسلوں کے لیے یہ تجویز زہرِ قاتل ہوگی۔ کیونکہ جب اُن کو یہ معلوم ہوگا کہ فلاں کتاب کا جواب جب مُسلمانوں سے نہ ہو سکا تو اس کے لیے گورنمنٹ سے بند کرانے کی کوشش کی۔ اس سے ایک قسم کی بدظنی ہمارے مذہب کی نسبت پیدا

---

[1] الحکم جلد ۲ نمبر ۳ پرچہ ۱۳ر مارچ ۱۸۹۸ء

ہوگی۔ پس میرا یہ اُصول رہا ہے کہ ایسی کتاب کا جواب دیا جاوے اور گورنمنٹ کی ایک سچی امداد یعنی آزادی سے فائدہ اٹھایا جاتے اور ایسا شافی جواب دیا جائے کہ خود اُن کو اس کی اشاعت کرتے ہوئے ندامت محسوس ہو۔ دیکھو جیسے ہمارے مقدمہ ڈاکٹر کلارک میں اُن کو جب معلوم ہوگیا کہ مقدمہ میں جان نہیں رہی اور مصنوعی جادُو کا پُتلا ٹوٹ گیا، تو اُنھوں نے آتھم کی بیوی اور داماد جیسے گواہ بھی پیش نہ کیے۔ پس میری رائے یہی ہے اور میرے دل کا فتویٰ یہی ہے کہ اس کا دندان شکن جواب نہایت نرمی اور ملاطفت سے دیا جائے۔ پھر خدا چاہے گا تو ان کو خود ہی جُرأت نہ ہوگی۔[1]

۲ر مئی ۱۸۹۸ء بروز عید مقام قادیان زیر درخت بڑ۔ جانب شرقیہ۔ بعد نمازِ عید بتقریب جلسۂ طاعون۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی

دُنیا فانی ہے

آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے کہ اللہ جلّشانہٗ نے قرآن شریف میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بھی فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ انسان، حیوان، چرند، پرند، زمین آسمان اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے کسی چیز کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف خدا ہی تھا۔ یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ وَلَمْ یَکُنْ مَعَهٗ شَیْءٌ۔ یعنی خدا کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی۔ ہم کو اس نے قرآن اور حدیث کے ذریعہ خبر دی ہے کہ ایک زمانہ اور بھی آنیوالا ہے۔ جبکہ خدا کے ساتھ کوئی نہ ہوگا۔ وہ زمانہ بڑا خوفناک زمانہ ہے، کیونکہ اس پر ایمان لانا ہر مومن اور مسلمان کا کام ہے۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا، وہ مسلمان نہیں کافر ہے اور بے ایمان ہے جس طرح سے بہشت، دوزخ، انبیاء اور کتابوں وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ ویسا ہی اُس ساعت پر ایمان لانا لازم ہے۔ جبکہ نفخ صُور ہو کر سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ یہ سُنّت اللہ اور عادت اللہ ہے۔

آخرت کے وجود پر تین دلائل

اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے سمجھانے کے لیے تین طریق اختیار فرمائے ہیں:

ایک یہ کہ انسان کو عقل دی ہے کہ اگر وہ اس سے ذرا بھی کام لے اور غور کرے، تو یہ امر نہایت صفائی سے ذہن میں آسکتا ہے کہ انسان کی مختصر سی زندگی دو عدموں کے درمیان واقع ہے۔ کبھی بھی ہمیشہ کے لیے باقی نہیں

---

[1] (رسالہ الانذار)

رہ سکتی۔ قیاس سے مجہولات کا پتہ لگ سکتا ہے اور انسان معلوم کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر ہم غور کریں کہ ہمارے باپ دادے کہاں ہیں اور اسی ایک بات کو سوچیں، تو ہمیں یہ مان لینا پڑے گا کہ ہم سب کو بھی اسی راستہ پر چلنا ہوگا، جس پر وہ گئے ہیں۔ نادان ہے وہ انسان جس کے سامنے ہزارہا نمونے ہوں اور پھر بھی وہ اُن سے سبق حاصل نہ کرے اور عقل نہ سیکھے۔ عموماً دیکھا گیا ہے اور یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ہر گاؤں اور شہر میں زندہ لوگوں سے قبریں روز بروز زیادہ ہوتی جارہی ہیں اور بعض پرانے لوگوں کی قبریں مخفی اور بعض ظاہر ہوتی ہیں۔ پھر بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ جب کسی شہر میں کنواں کھودا جاتا ہے، تو اس کی مٹی میں سے ہڈیاں نکلتی ہیں۔ گویا عام طور پر زمین کے نیچے ہر جگہ قبریں ہی قبریں موجود ہیں۔ یہ دُوسری بات ہے کہ وہ ظاہر طور پر نمودار نہ ہوں جس سے انسان کے نابُود شدہ طبقہ کا پتہ لگتا ہے۔

دوسری دلیل اس زمانہ کے وجُود پر یہ ہے کہ جس طرح پر کھیت میں سبزہ نکلتا ہے جو بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے مگر پھر ایک زمانہ اس پر آتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ زرد ہو کر خشک ہونے لگتا ہے اور پھر اس پر ایک دُوسری حالت آتی ہے کہ وہ گرنے لگتا ہے، تو اُس وقت جب اس طرح نقصان ہونے لگتا ہے تو بونے والا کسان اسے خود ہی کاٹ ڈالتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ وہ اس طرح پر اُڑ اُڑ کر ضائع جاتے۔ ایسا ہی دُنیا خدا تعالیٰ کا کھیت ہے۔ جس طرح زمیندار مصلحت اور انجام بینی سے کبھی اپنے کھیت کو کچا ہی کاٹ لیتا ہے اور کبھی ذرا پختہ ہونے پر کاٹتا ہے۔ اسی طرح سے ہم انسان بھی پروردش پاکر خداوندی مشیّت اور ارادے کے موافق ٹھیک اپنے اپنے وقت پر کاٹے جاتے ہیں۔ زمیندار کے فعل سے سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ انسان کی زندگی کا بھی ٹھیک یہی طرز ہے۔ جس طرح سے بعض دانے اُگنے بھی نہیں پاتے بلکہ زمین کے اندر ہی اندر ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض بچے شکمِ مادر ہی میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض دانے پیدا ہونے کے چند روز بعد ضائع ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی قانون اور عمل کے موافق انسان بھی بچہ، جوان اور بوڑھا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کی درانتی اُسے وقتاً فوقتاً مصلحتِ الٰہی سے کاٹتی رہتی ہے۔ کبھی بچے مرتے ہیں جن کو کہتے ہیں کہ اٹھرا سے مر گئے۔ صحیح البدن، توانا اور تندرست جوان بھی مرتے ہیں۔ پھر عمر رسیدہ ہو کر پیر ناتوان بھی آخر مر جاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ قطع و بُرید کا دُنیا میں ایسا جاری ہے جو ہر آن انسانوں کو سبق دیتا رہتا ہے کہ دُنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔ پس یہ بھی ایک دلیل اس زمانہ کی آمد پر ہے۔

(۳) علاوہ ازیں اس زمانہ کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور دلیل بھی پیش کی ہے اور وُہ انبیاءؑ کے قہری معجزات ہیں جن کے باعث ایک ہی وقت میں دُنیا کے تختے اُلٹ دیئے گئے اور خلقت کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ انسان اللہ تعالیٰ کے قہر کے ہاتھ میں ہے۔ وُہ جب چاہے اُسے نابود کر دے۔ اسی امر کو اللہ تعالیٰ نے

دلیل کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ بعض امراض اس ہیبت اور شدت سے پھیلتی ہیں کہ جن لوگوں نے اُن کا دورہ دیکھا ہوگا، وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قیامت کا نمونہ ہوتا ہے۔

منجملہ اُن ہیبت ناک امراض کے ایک طاعُون بھی ہے جو اس وقت ہمارے مُلک میں پڑی ہوئی ہے اور جس نے کراچی اور بمبئی میں بہت کچھ صفائی کر دی ہے اور اب پہاڑ پر سے (پالم پور) و نیز کلکتہ سے طاعُون پھیلنے کی متوحش خبریں موصول ہوئی ہیں۔ غرض یہ ایک بڑا بھاری خطرہ ہے جو اس وقت سامنے ہے۔ اس لیے میری اِس تقریر کرنے سے غرض صرف یہ ہے کہ چونکہ انسان کو بڑے بڑے ابتلا پیش آتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ (البقرہ: ۱۵۶) یعنی ہم تمھیں آزماتے رہیں گے۔ کبھی ڈر سے اور کبھی مالوں میں نقصان کرنے سے اور کبھی ثمرات کو تلف کرنے سے۔

اتلافِ ثمرات سے مُراد

اتلافِ ثمرات سے مراد تفاسیر میں اولاد بھی لکھی ہے اور اسی میں کوششوں کا ضائع ہونا بھی شامل ہے۔ مثلاً حصولِ علم کی کوشش۔ تجارت میں کامیابی کی کوشش زمینداری کی کوشش۔ غرض ان کوششوں کا ضائع ہونا ایک بڑی مصیبت ہوتی ہے۔ انسان کو ہر وقت خیال ہوتا ہے کہ کامیاب ہو جاؤں گا، مگر خدا تعالیٰ کے علم میں اس کی مصلحت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ وہ ناکام رہے یا کھیتی پیدا نہیں ہوتی یا تجارت میں کامیاب نہیں ہوتا۔

طاعون۔ ایک قہری نشان

آیتِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے امتحان رکھے ہیں۔ اوّل خوف، دوم نقصانِ مال، سوم نقصانِ جان اور چہارم تلفِ ثمرات۔ مگر یہ ایک دہشتناک مقام اور خوف کی جگہ ہے کہ اس طاعون کی بیماری میں یہ ہر چہار امتحان مجموعی طور پر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ جن لوگوں کو واقعاتِ حاضرہ کی خبر ہے کہ اس وقت کیا ہو رہا ہے اور انسان کیا کچھ بھگت رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وارداتِ طاعون سے درحقیقت یہ ہر چہار امتحان یکے بعد دیگرے پیش آجاتے ہیں۔ یہی نہیں کہ آدمی مرجاتا ہے، بلکہ گورنمنٹ انگلشیہ نے ایک خاص اور اشد ضرورت کی وجہ سے اور پھر مصلحت کی بنا پر جیسا کہ ایک مادرِ مہربان کو بعض دفعہ اپنے بچوں کی غور و پرداخت اور نگہداشت میں پیش آجاتی ہے۔ یہ قانون پاس کیا ہے کہ جس گھر میں طاعون کی واردات ہو۔ اس گھر سے تمام رہنے والے باہر نکال دیتے جائیں۔ اور عندالضرورت ہمسائے اور محلہ دار بھی اور پھر اشد ضرورت کی صورت میں گاؤں کا گاؤں ہی خالی کر دیا جاتا ہے۔ بیمار الگ رکھے جائیں اور تندرست الگ۔ اور وُہ مقام جہاں ایسے لوگ رکھے جائیں کھلی ہوا میں ایسی جگہ پر ہو جس کے نشیب میں پانی نہ ہو اور تازہ ہوا کی خوب آمد و رفت ہو سکے۔ اس کے متصل ہی قبرستان بھی ہو تاکہ مرنے والے کو جلدی دفن کیا جا سکے۔ تا ایسا نہ ہو کہ اس کے تعفن سے ہوا زیادہ زہریلی ہو جائے۔ یہ ایک ایسا

شدید ابتلا ہے کہ جس کی وجہ سے بمبئی پونا اور بعض دیگر مقامات میں لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔

غرض گورنمنٹ نے اِن تدابیر کے اختیار کرنے میں جو نیکی سوچی ہے اور درحقیقت اس میں نیکی ہی ہے۔ مگر اُسے بدی قرار دیا جاتا ہے۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ جس شخص سے نیکی کی جائے، وہ اُس نیکی کو بدی سمجھتا ہے۔ پھر اس پر مزید حیرت اور تعجب یہ ہے کہ گورنمنٹ نے یہ تدابیر انسدادِ مرض کچھ اپنے گھر سے وضع نہیں کیں بلکہ یونانی اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس گھر میں طاعون ہو جائے، وہ نہ صرف اس گھر بلکہ شہر اور مُلک تک کا صفایا کر دیتی ہے۔ اطباء نے اس کی بہت سی نظیریں بھی دی ہیں۔ کہ طاعون جیسی خوفناک مرض نے بس نہیں کیا جبتک کہ آبادی کو جنگل نہیں بنا دیا اور اسے اجاڑ نہیں دکھا دیا۔ جسکی اکثر لوگوں کو خبر نہیں ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ باوجود یکہ یہ خطرناک مرض بہت بُری طرح پھیل رہی ہے اور ملک کے ایک بڑے بھاری حصّہ کو تباہ کر دینے کی دھمکی دے رہی ہے؛ تاہم مَیں نہیں دیکھتا کہ لوگوں کو ایک کھا جانے والا غم پیدا ہوا ہو۔ جس کی وجہ سے وُہ توبہ اور استغفار میں مصروف ہوں۔ مَیں نہیں دیکھتا کہ وُہ خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوں یا نمازوں کی پابندی کا التزام کرتے ہوں بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ ہر جگہ ظلم اور بداخلاقی کے طریقے استعمال میں آرہے ہیں۔ مرض طاعُون کا قاعدہ ہے کہ وہ پرواز کر کے پرندے کی طرح دُوسرے مقام پر جا پہنچتی ہے۔ اس کی رفتار میں ایسا نظام نہیں ہے کہ وہ منزل بہ منزل جائے بلکہ دو چار سو کوس کا فاصلہ طے کر کے یکلخت دوسرے مقام پر جا پہنچتی ہے۔ موجودہ حالات میں بمبئی اور جالندھر کے واقعات پر ہی غور کرو کہ ہر دو مقامات کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے۔ اب بتاؤ کہ انسان اس کے جالندھر پہنچنے کی بابت کیا نظامِ رفتار قائم کر سکتا ہے۔ الغرض اس کی رفتار کی نسبت کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آج عافیت سے گذر رہی ہے، نہ معلوم کل کیا ہو۔ یہ نہایت خطرناک مرض ہے۔ اور اس کے دورے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ساٹھ ساٹھ سال تک اس کا دَورہ رہتا ہے جو ایک مسلّمہ امر ہے۔ ہیضہ کی طرح نہیں کہ ساون، بھادوں کے مہینے میں آگیا اور بیس پچیس دن دورہ کر کے رُخصت ہو گیا۔ طاعون کو حکیموں نے نیزے سے مارنے والی لکھا ہے۔ طاعون مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا نشانہ خطا نہیں جاتا اور اس کے باعث کثرت سے اموات ہوتی ہیں۔ تورات میں بھی اس کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے وقت یہ مرض یہودیوں میں پڑی تھی۔ تورات میں جہاں خدا نے پھوڑوں کی مار سے ڈرایا ہے، اس سے طاعُون ہی مراد ہے۔ قرآن کریم میں یہودیوں کو نافرمانی کی وجہ سے طاعون سے ہلاک کرنے کا ذکر ہے۔

طاعون آنے کی وجہ تورات اور قرآن کریم کے ان مقامات پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ یہ مرض انسان کی نافرمانی اور بدکاری سے تعلق رکھتی ہے، کیونکہ سنّت اللہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ اقوام معصیت کے وقت اسی بیماری سے ہلاک ہوئیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا

ایک قہری نشان ہے جیسا کہ مَیں نے پہلے بیان کیا ہے۔ یہ تیسرا نشان قیامت کا ہے۔ اس سے قیامتِ صغریٰ پیدا ہوتی ہے۔ شاید وُہ لوگ جن کو خبر نہیں، اس کو ایک افسانہ سمجھیں کہ جب یہ مرض یورپ اور بلادِ شام اور عراق عجم میں پھیلی تھی وہاں اُس کا ڈیرہ جم گیا تھا۔ ابھی اِس مُلک میں نَو وارد ہے۔ اس لیے یہاں کے لوگوں کو اس کے اخلاق اور عادات کی کچھ خبر نہیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ خدا تعالیٰ سے بے خوف اور بے خبر ہیں اور توبہ اور استغفار نہیں کرتے اور دُوسری طرف گورنمنٹ کی تجاویز پر بھی عملدرآمد نہیں کرنا چاہتے اور ان تجاویز کو بدظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مخالفت کا شور مچاتے ہیں۔

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مُداہنہ کے طور پر کسی کی تعریف کرنا ہمارا کام نہیں۔ یہ اُصول ہے کہ جس گاؤں میں طاعون کی بیماری ہو، وہاں کے لوگ الگ کئے جائیں اور اس کی آمد و رفت کے راستے بند کیے جائیں اور مریضوں کو ایک کھلے میدان میں رکھا جائے اور بسا اوقات سارے گاؤں کو الگ کر دیا جائے۔ گویا اس سرزمین سے سب کو نکال دیا جائے۔ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ ہماری کتابوں سے بھی اور توراۃ سے بھی یہ پتہ لگتا ہے کہ اس مرض کے مواد زمین سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مرض چوہوں کے ذریعہ سے پھیلتی ہے۔ یہ بھی منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب ہے۔ دراصل جو زمین بدکاریوں اور جفاکاریوں سے لعنتی ہو جاتی ہے، اس میں یہ سمیت (زہر) پیدا ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے خوفناک طریقوں پر وہ مبتلاءِ عذاب ہو جاتی ہے، اگر کوئی ہمیں یہ تو بتائے کہ گورنمنٹ نے کیا برائی کی جو یہ کہا کہ وبا زدہ مکان کو چھوڑ دو۔ جو کام ہماری بھلائی کے لیے ہو اس میں برائی کا خیال پیدا کرنا دانش مند انسان کا کام نہیں۔ جیسا کہ مَیں نے کہا ہے کہ اگر گورنمنٹ یہ حکم دے دے کہ طاعون کی مرض میں کوئی شخص گھر سے نہ نکلے، تو لوگ اس حکم کو اُس سے بھی زیادہ ناگوار سمجھیں گے، کیونکہ جب گاؤں میں طاعون پھیلے گی اور لوگ مرنے لگیں گے، تو کوئی شخص بھی برداشت نہ کرے گا کہ اُس گھر میں رہے۔ دیکھو جس گھر یا مکان سے کسی وقت سانپ نکلے تو اس گھر یا مکان میں داخل ہونے سے لوگ دہشت کھاتے ہیں، خواہ وہ سانپ مار بھی دیا جائے، تاہم تاریکی کے وقت اس مکان میں کوئی شخص داخل نہیں ہوتا۔ یہ انسان کی ایک طبعی عادت ہے۔ پھر حیرت ہے کہ ایک انسان اندیشہ کی جگہ سے واقف ہو اور پھر امن و چین کے ساتھ اس میں رہے۔ کیا ہو سکتا ہے کہ جس گھر سے مُردہ پر مُردہ نکلنا شروع ہو جائے، تو اہلِ خانہ اس میں امن سے بیٹھے رہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ خود ہی اس گھر کو فی الفور چھوڑ دیں گے اور اُسے منحوس سمجھ کر اس سے کنارہ کر جائیں گے۔ اگر یہ لوگ اسی حالت میں چھوڑ دیے جاتے اور گورنمنٹ کسی قسم کی مداخلت نہ کرتی تو پھر بھی یہ لوگ خود بخود وہی کرتے جو آج گورنمنٹ کر رہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو طاعون کی مرض کی خبر نہیں اور وہ اس کو نزلہ و زکام کی طرح ایک عام مرض سمجھتے ہیں۔

طاعُون عذاب ہے

اللہ تعالیٰ نے اِس کا نام رِجز رکھا ہے۔ رِجز عذاب کو بھی کہتے ہیں۔ لُغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اُونٹ کی بُنِ ران میں یہ مرض ہوتا ہے اور اس میں ایک کیڑا پڑ جاتا ہے جسے نغف کہتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف نکتہ سمجھ میں آتا ہے اور وُہ یہ کہ چونکہ اونٹ کی فِطرت میں ایک قسم کی سرکشی پائی جاتی ہے۔ جس کو یہ مرض ہوتی ہے تو اس سے یہ پایا گیا کہ جب انسانوں میں بھی سرکشی کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے، تو اُس وقت اُن پر یہ عذابِ اَلیم نازل ہوتا ہے۔ رِجز کے معنی لُغت میں دَوام کے بھی آئے ہیں اور یہ مرض بھی دیرپا ہوتا ہے اور گھر سے سب کو رُخصت کر کے نکلتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بلا گھروں کی صفائی کر دینے والی، بچوں کو یتیم بناتی اور بیشمار بیکس عورتوں کو بیوہ بنا دیتی ہے۔

غیر صحت مندانہ ماحول بھی طاعُون کا باعث ہے

پھر رِجز کے معنی میں غور کرنے سے اس کا باعث بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ مرض پلیدی اور ناپاکی سے پیدا ہوتا ہے۔ جہاں اچھی طرح صفائی نہیں ہوتی اور مکان کی دیواریں بدنما اور قبروں کا نمونہ ہوتی ہیں۔ نہ روشنی کا انتظام ہوتا ہے، نہ تازہ ہوا آسکتی ہے۔ وہاں عفُونت کا زہریلا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، جس کے باعث یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں جو آیا ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر: ۶) کہ ہر ایک قسم کی پلیدی سے پرہیز کرو۔ ہجر دُور چلے جانے کو کہتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ رُوحانی پاکیزگی چاہنے والوں کے لیے ظاہری پاکیزگی اور صفائی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایک قوت کا اثر دوسری پر اور ایک پہلو کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے۔

ظاہری پاکیزگی کا اثر باطن پر

انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ جو شخص باطنی طہارت پر قائم ہونا چاہتا ہے وُہ ظاہری پاکیزگی کا بھی لحاظ رکھے۔ پھر ایک دُوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ: ۲۲۳) یعنی جو لوگ باطنی اور ظاہری پاکیزگی کے طالب ہیں۔ مَیں اُن کو دوست رکھتا ہوں۔ ظاہری پاکیزگی باطنی طہارت کی ممد اور معاون ہے۔ اگر انسان اِسے ترک کر دے اور پاخانہ پھر کر بھی طہارت نہ کرے، تو باطنی پاکیزگی پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ پس یاد رکھو کہ ظاہری پاکیزگی اندرونی طہارت کو مُستلزم ہے۔ اس لیے ہر مُسلمان کے لیے لازم ہے کہ کم از کم جمعہ کے دن ضرور غسل کرے۔ ہر نماز میں وُضو کرے۔ جماعت کھڑی ہو تو خوشبو لگائے۔ عیدین اور جمعہ میں جو خوشبو لگانے کا حکم ہے وُہ اسی بنا پر قائم ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے اجتماع کے وقت عفونت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے غسل کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے سمیّت (زہر) اور عفونت سے روک ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں یہ قانون مقرر کیا ہے۔ ویسا ہی قانون مرنے کے بعد بھی رکھا ہے۔

❊ ❊ ❊

کافور کے خواص

اسی لیے مُسلمان کو مرتے وقت کافور کا استعمال کرنا سنّت ہے۔ یہ اس لیے کہ کافور ایک ایسی چیز ہے جو وبائی کیڑوں کو مارتی اور سمیّت کو دُور کرتی ہے اور انسان کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے اور بہت سی عفونتی بیماریوں کو روکتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ شریف میں فرمایا ہے کہ مومنوں کو کافوری شربت پلایا جائے گا۔ آج کل کی تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ کافور جیسا کہ ہیضہ کے لیے مفید ہے، ویسا ہی طاعُون میں بہت فائدہ بخش ہے۔ مَیں اپنی جماعت کو بتلاتا ہوں کہ یہ بہت مفید چیز ہے اور میرا اعتقاد ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ یہ جلن کو روکتا ہے اور دل کو سکینت اور تفریح دیتا ہے اور ہمیں رغبت دلائی کہ ہم کافور کا استعمال کیا کریں۔ آجکل ایک بات اور ثابت ہوئی ہے کہ کافور کے ساتھ جدوار استعمال کیا جائے تو ازحد مفید ہے۔ جدوار کو سرکہ میں ملا کر گولیاں بنا لینی چاہئیں اور دو دو رتی کی گولیاں بنا کر تازہ لسّی کے ساتھ استعمال کی جائیں۔ اگر عورتوں اور بچوں کو یہ گولیاں روزمرہ استعمال کرائی جائیں، تو بہت مفید ہیں۔ ہم بھی ایک دوائی طاعون کے لیے تیار کر رہے ہیں جو خدا تعالیٰ نے چاہا تو بہت مفید ہوگی۔ دراصل یہ کبھی مرض ایسا ہے کہ کسی علاج پر بھروسہ کرنا غلطی ہے، جبتک اللہ تعالیٰ کا ہی فضل نہ ہو۔ مگر عام اسبابِ تندرستی اور قانونِ صحت میں سے حفظِ ماتقدم بھی ایک عمدہ چیز ہے اور فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ پس مناسب ہے کہ سمیّت اور عفونت والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور بعض تیز غذاؤں سے جو دورانِ خُون کو تیز کرتی ہیں۔ جیسا کہ بہت گوشت اور بہت میٹھا یا حد سے زیادہ دُھوپ میں پھرنا یا سخت اور شدید محنت کرنا۔ ان سے پرہیز کرنا مناسب ہے۔

رعایتِ اسباب منع نہیں ہے

رعایتِ اسباب ہماری اسلامی شریعت میں منع نہیں ہے۔ کسی شخص نے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم دوا کریں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: کہ ہاں دوا کرو۔ کوئی مرض ایسا نہیں، جس کی دوا نہ ہو۔ ہاں یہ بالکل سچی بات ہے کہ کوئی بید یا ڈاکٹر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس کی فلاں دوا ضرور فائدہ کرے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر کوئی شخص کیوں مرتا۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں کو چاہیے کہ متقی بن جاویں۔ دوا بھی کریں اور دُعا بھی۔ تنہائی میں بہت بہت دُعائیں مانگیں۔ جن لوگوں نے گھمنڈ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہی ذلیل کیا۔ لکھا ہے کہ جالینوس کو اسہال کے بند کرنے کا بڑا دعویٰ تھا۔ خدا کی شان کہ وُہ خود اسی مرض کا شکار ہوا۔ اسی طرح بعض طبیب مدقوق ہو کر اور بعض مسلُول ہو کر اس دُنیا سے چل دیتے۔

اللہ تعالیٰ پر ہی کامل بھروسہ کرنا چاہیے

اس بیان سے میری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دعویٰ کی حقیقت کھول دی اور ان کی بیجا شیخی کا بھانڈا پھوڑ کر دکھا دیا۔ جس قسم کا دعویٰ کیا اسی دعوے میں پست اور ذلیل ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کو کسی قسم کا دعویٰ

سزاوار نہیں۔ ہمارے والد صاحب مرحوم بھی مشہور طبیب تھے جن کا پچاس برس کا تجربہ تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حکمی نسخہ کوئی نہیں اور اصل حقیقت بھی یہی ہے کہ تصرف اللہ کا خانہ خالی رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے والا سعادت مند ہے۔ انسان مصیبت میں بد دماغ نہ ہو اور غیر اللہ پر بھروسہ نہ کرے۔ یکدفعہ ہی خفیف عوارض شدید ہونے لگ جاتے ہیں۔ کبھی قلب کا علاج کرتے کرتے دماغ پر آفت آجاتی ہے۔ کبھی سردی کے پہلو پر علاج کرتے کرتے گرمی کا زور چڑھ جاتا ہے۔ کون ان بیماریوں پر حاوی ہو سکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کرنا چاہیے۔ انسان ان حشرات الارض اور سیئات کو کب گن سکتا ہے۔ صرف بیماریوں کو بھی نہیں گن سکتا۔ لکھا ہے کہ صرف آنکھ ہی کی تین ہزار بیماریاں ہیں۔ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسے طور پر غلبہ کرتی ہیں کہ ڈاکٹر نسخہ نہیں لکھ چکتا جو بیمار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آنا چاہیے۔ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے سخت غفلت اور استغنا ہے۔ قبریں کھودی جا رہی ہیں۔ فرشتے ہلاکت کے مواد تیار کر رہے ہیں اور لوگ کاٹے جا رہے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی نادان لوگ دھیان نہیں کرتے۔ یہ وبا، قادیان سے ۳۵ کوس کے فاصلے پر ہے گو شدتِ حرارت کی وجہ سے کم ہوتی جاتی ہے، مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شدتِ حرارت کے ایام میں کم ہو گئی تو آئندہ سال نہ آئے گی۔ مجھے چند مرتبہ بذریعہ الہام اور رویا معلوم ہوا ہے کہ یہ وبا، اس ملک میں زور سے پھیلے گی۔ جیسے میں پیشتر ازیں شائع کر چکا ہوں کہ سیاہ رنگ کے پودے لگائے جا رہے ہیں۔ لگانے والوں سے پوچھا، تو انہوں نے طاعون کے درخت بتلائے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

وعیدی پیشگوئیاں توبہ اور استغفار سے ٹل سکتی ہیں

ایسا ہی میں یہ بھی بتلا چکا ہوں کہ وعید کی پیشگوئیاں توبہ اور استغفار سے ٹل سکتی ہیں۔ یہاں تک کہ دوزخ کا وعید بھی ٹل سکتا ہے۔ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس کی طرف توجہ کریں، تو اللہ تعالیٰ اس ملک اور خطہ کو چاہے گا، تو محفوظ رکھ لے گا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، مگر فرماتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) ان لوگوں کو کہدے کہ اگر تم میری بندگی نہ کرو، تو پرواکیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں گلی گلی میں حکیم ہیں۔ ہر جگہ ڈاکٹر موجود ہیں۔ شفاخانے کھلے ہوئے ہیں۔ ان کا علاج کر کے تندرست ہو جائیں گے، مگر ان کو معلوم نہیں کہ بمبئی اور کراچی میں کئی بڑے بڑے ڈاکٹر خود اس مرض میں مبتلا ہو کر چل بسے ہیں اور جو لوگ مریضوں کی خدمت پر مامور ہو کر گئے تھے وہ خود ہی اس مرض کا شکار ہو گئے اس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے تصرفات کا مشاہدہ کراتا ہے۔ کیونکہ محض ڈاکٹروں یا اُن کے علاج پر بھروسہ کرنا دانشمندی نہیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دُوسرے عالم پر بھی ایمان پیدا ہو۔ اب لوگ زور لگا کر دکھاویں کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو بدل سکتے ہیں جس طرح انسان ایک

بالشت بھر زمین کے لیے مرتا ہے، سازشیں کرتا اور مقدمات کی تکالیف اور زیر باریاں برداشت کرتا ہے وہ سوچے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی تعمیل نہ کرنے پر بھی ویسا ہی قلق اور کرب اپنے اندر پاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ نادان انسان جب شدید امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس وقت خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ جس پر اُسے یونہی آزمائشی طور پر مہلت مل جاتی ہے، لیکن بعد اس کے پھر وُہ ایسی چالیں چلتا ہے کہ گویا اُس نے مرنا ہی نہیں۔ معمولی امراض میں مبتلا ہو کر مر جانے پر اب لوگوں کے دلوں پر بہت تھوڑا اثر ہوتا ہے جو صرف دو چار یوم برائے نام قائم رہتا ہے۔ بعد اس کے پھر وُہی ہنسی مخول اور مزخرفات شروع ہو جاتے ہیں۔ قبرستان میں جاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے مُردے گاڑتے ہیں، مگر یہ کبھی نہیں سوچتے کہ آخر ایک دن مر کر ہم نے بھی خدا کے حضور جانا ہے۔ اس لیے اب خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ معمولی اموات کچھ اثر انداز نہیں ہوتی ہیں۔ امرتسر، لاہور میں روزانہ اموات کی تعداد ساٹھ ستر ہوتی ہوگی اور کلکتہ و بمبئی میں اس سے بھی زیادہ لوگ مرتے ہوں گے۔ گو نفس الامر میں یہ ایک خوفناک نظارہ ہے، مگر کون اس پر غور کرتا ہے۔ کوتاہ اندیش انسان کہہ اُٹھتا ہے کہ اس قدر اموات آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ہیں، اس لیے ان کی چنداں پروا نہیں کرتا۔ چونکہ دُوسروں کی موت سے خود کچھ بھی نفع نہیں اُٹھا سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دُوسرا نسخہ اختیار کیا ہے اور طاعون کے ذریعہ سے لوگوں کو متنبہ کرنا چاہا ہے۔ اس لیے مَیں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ یہ خیال کر کے کہ اب جو کچھ ہونا ہے وُہ تو ہونا ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم خدا تعالیٰ کو بھی ناراض کرو اور گورنمنٹ کو خطا کار ٹھہراؤ۔ گورنمنٹ کو بدنام کرنے سے کیا حاصل۔ طاعون تمہاری اپنی شامتِ اعمال سے آئی، اس لیے گورنمنٹ پر بھی تمہاری بدولت آفت آئی۔

طاعون کے ایام میں گورنمنٹ کے اقدامات دُرست تھے

گورنمنٹ کو اگر تمہارے ساتھ سچی ہمدردی نہیں، تو تم خود ہی بتلاؤ کہ وُہ کیوں اس قدر روپیہ اس مرض کے تدارک پر خرچ کرتی ہے۔ شفاخانے اور ڈاکٹر کیوں مقرر کیے جاتے ہیں۔ پولیس کے ہزاروں آدمی کیوں انتظام کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔ کیا گورنمنٹ کو کچھ شوق ہے کہ اس قدر اخراجاتِ کثیر برداشت کرے؟ نہیں۔ بلکہ ملک کی یہ حالت دیکھ کر وُہ اندر ہی اندر مادرِ مہربان کی طرح بے چین ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ بھی رعایا ہی سے ہے۔ لوگوں کو شاید خبر نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں لوگ طاعون سے مارے جائیں گے۔ مُنجّموں کی باتیں گو قابلِ ذکر نہیں، مگر ہند اور یورپ کے منجم کہتے ہیں کہ نومبر ۱۸۹۹ء میں ستارے جمع ہوں گے اور خوفناک وقت آئے گا۔ ہمیں تو اس کی چنداں پروا نہیں تھی، مگر ہم کو تو یہ غم ہے کہ ہمارے الہامات میں بھی آئندہ دو جاڑوں کا سخت اندیشہ ہے؛ بشرطیکہ لوگ راہِ راست اختیار نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجُوع نہ کریں۔ بدکاریاں، زناکاریاں، چوریاں اور ہر قسم کے مکر و فریب اور بداعمال چھوڑ کر نیکی اختیار کریں۔

اور بداعمالیوں سے کُلّی اجتناب کریں؛ ورنہ سخت خطرہ اور اندیشہ ہے اور ایک نہایت سہمناک اور ترسناک نظارہ ہمارے سامنے ہے۔ اب بتلاؤ کہ ہم گورنمنٹ کو کیوں قصوروار ٹھہرائیں۔

پس مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہماری جماعت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وُہ جاہلوں کی رَوش اختیار کرے اور احمقوں اور کوتاہ اندیشوں کے نقشِ قدم پر چلے۔ مَیں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ گورنمنٹ نے جس قدر ہدایات جاری کی ہیں، وہ صحت کے لیے بہت مفید ہیں۔ ہماری تواریخ کی کتابوں مثل طبری وغیرہ میں جو ہزار سال سے پہلے کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب لشکرِ اسلام ملکِ شام میں تھا تو وہاں وَبا پڑی، جس پر لشکرِ اسلام کو پہاڑ پر بھیجنا پڑا۔ تو گویا یہ اِس گورنمنٹ کا ہی مخترعہ نسخہ نہیں، بلکہ گذشتہ اہلِ اسلام کے طرزِ عمل سے بھی یُونہی ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح اُنھوں نے نشیب کو چھوڑ کر پہاڑ کی بلندی کو اختیار کیا۔ اسی طرح اب بھی مرطُوب اور نشیبی مکانات کو چھوڑ کر کھلے میدانوں میں مریضوں کو رکھا جاتا ہے۔ بوعلی سینا نے بھی اس امر پر زور دیا ہے کہ جن گھروں میں وَبا کا مرض ہو ان کی صفائی کی جائے کیونکہ جبتک سبب موجود ہے۔ نتیجہ زائل نہیں ہو سکتا۔ طبیب کیا کر سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ماشہ دو ماشہ دوائی دے گا، مگر اس عفُونت کو جو سانس کے ذریعہ سے انسان کے جسم میں چلی جاتی ہے، اُسے دوائی کیا کرے گی اور ایسے گھر میں رہ کر طاعون کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے طاعُون سے فوت شدہ لوگ نہیں دیکھے۔ جس جگہ طاعون کا مریض مرجاتا ہے وہ جگہ ایسی عفُونت آمیز ہو جاتی ہے کہ ناک نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے گورنمنٹ کی تدابیرِ حفظِ صحت کی نسبت بدظنّی کرنا ایک ناپاک خیال ہے۔ گورنمنٹ نے اس مرض کے دفعیہ کے لیے جو کچھ سوچا ہے، وہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے ہماری جماعت کے لیے لازم ہے وہ اِس بارہ میں گورنمنٹ کی مدد کریں اور اپنے دوستوں ہمسایوں اور دُوسرے لوگوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مُسلمان سمجھائیں اور غلط فہمیوں کو دُور کریں۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ گورنمنٹ نے رعایا کو مارنے کی یہ تجویز کی ہے۔ بھلا کوئی اِن نادانوں سے پُوچھے تو سہی کہ کیا گورنمنٹ یہ لکھو کھہا روپیہ صرف لوگوں کو مارنے پر صرف کر رہی ہے اور اُسے اس قدر تکالیف برداشت کرنے کا شوق ہے؟ نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ طاعُون بہت مُہلک مرض ہے۔

طاعُون کیا ہوتی ہے؟

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ طاعون کیا ہوتی ہے۔ یہ ایک شدید تپ ہوتا ہے جس کے ساتھ غشی، متلی، دردِ سر اور نسیان ہوتا ہے۔ لرزہ بہت ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی بے چینی اور سراسیمگی ہوتی ہے۔ پھر چند روز کے بعد بُنِ ران یا گردن یا پسِ گوش ایک پھنسی نکل آتی ہے، جو کبھی تو چھوٹی سی ہوتی ہے اور کبھی بڑی۔ یہانتک کہ سرسام ہو جاتا ہے اور غالبًا یہ سب علامات چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ عمومًا ایسے مریضوں کا گورنمنٹ کو پتہ بمشکل لگتا ہے۔ کیونکہ بیس بائیس گھنٹہ تک تو لوگ اسے معمولی بخار سمجھ کر لاپرواہ رہتے ہیں، مگر بعد ازاں آثارِ طاعون دیکھ کر اُسے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

غرض جب مرض کا پُورا پُورا اثر ہو چکتا ہے، تو کہیں جا کر گورنمنٹ کے عمّال کو پتہ لگتا ہے۔ اب اس ایک دو گھنٹہ کے علاج سے کیا بن سکتا ہے، وہ ہسپتال میں مریگا نہیں تو اور کیا ہوگا۔ پس یہ لوگوں کی اپنی نادانی اور حماقت ہے کہ اپنے قصُور کو گورنمنٹ کے سر پر تھوپا جاتا ہے۔ اگر اس میں گورنمنٹ کا کچھ قصُور یا غلطی ہے تو تمھیں حق پہنچتا ہے کہ اُسے ظاہر کرو۔ ورنہ اپنی غلطی کے لیے گورنمنٹ کو متہم کرنا ناواجب ہے۔ گورنمنٹ کی نیک نیتی اور خیر طلبی تو اس معاملہ میں یہانتک ہے کہ اس نے خود معززین سے مشورے لیے، پھر کارروائی کی، مگر چونکہ ہمارا ملک واقعی نیم وحشی اور جاہل ہے۔ اس لیے ان کے ہاتھ میں سوائے غصّہ اور بدظنّی کے اور کچھ نہیں۔ اپنی غلط کاریوں کا الزام گورنمنٹ پر دیتے ہیں۔ اور ذرہ نہیں سوچتے۔ کاش کہ یہ صدا انجمنیں، جو ہمارے مُلک میں پھیل رہی ہیں، اس کام کی طرف توجہ کریں اور جہلا کے دلوں سے یہ بدظنّیاں نکالنے کی کوشش کریں تو بنی نوع کی کس قدر بھلائی ہو۔ تم لوگ غفلت کے لحافوں میں پڑے سو رہے ہو اور اور جن بے آراموں اور تکالیف میں تمھارے ہم جنس مبتلا ہیں تمھیں ان کی خبر تک نہیں۔ گورنمنٹ جس قدر روپیہ ان مصائب سے نجات دلانے کے لیے اپنی پیاری رعایا کی خاطر صرف کر رہی ہے۔ اگر چندہ کر کے وُہ صرف کرنا پڑتا اور یہ حکم ہوتا کہ گاؤں گاؤں کے لوگ چندہ دیں تو کوئی شخص بھی ایک پیسہ دینے پر راضی نہ ہوتا۔ مَیں نے بھی ایک دوائی تیار کرنی چاہی ہے۔ جس کی تیاری میں مَیں مصروف ہوں۔ اللہ تعالیٰ شیخ رحمت اللہ صاحب کو جزائے خیر دے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے دو صد روپیہ اس کارِ خیر میں دیا ہے۔ مَیں نے اس مرض کے اسباب کو خوب زیرِ نظر رکھ لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مرض کے کئی حصّے ہوتے ہیں۔ اس لیے طبیب کو مناسب اور لازم ہے کہ وُہ ہر حصّہ اور سبب کی رعایت کو ملحوظ رکھے۔ ردّی غذائیں اور سمّی ہوائیں اس مرض کو بہت زیادہ پھیلاتی اور خطرناک بنا دیتی ہیں۔ زمین کے نشیبی حصّہ سے ایسی سمّی ہوائیں تنفّس کے ذریعہ یا غذا کے ذریعہ سے انسان کے خون میں سمیّت اور عفونت پیدا کر دیتی ہیں۔

جدید سائنسی تحقیقات سے اسلام کی تائید

آج کل کی تحقیقات میں طاعُون کی جڑ کیڑے یا اجرام صغیرہ ثابت ہوئے ہیں۔ مَیں بھی اس تحقیقات کو پسند کرتا ہوں کیونکہ اس سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت اور اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں جہاں طاعون کا ذکر آیا ہے وہاں نَغَف اس کا نام رکھا گیا ہے اور نَغَف اس کیڑے کو کہتے ہیں جو بکری اور اُونٹ کی ناک سے نکلتا ہے اور اُسے طاعُون قرار دیا گیا ہے۔ آج کل کی تحقیقات پر بڑا فخر کیا جاتا ہے، مگر جس شخص نے مقدّس اسلام کے بانی علیہ السّلام کے پاک کلام کو پڑھا ہے۔ اُسے کس قدر لُطف اور مزا آتا ہے جب وہ تیرہ سو برس پیشتر آپؐ کے پاک ہونٹوں سے نکلی ہوئی باتوں کو پُورا ہوتے دیکھتا ہے۔ قرآن شریف نے بھی طاعون کو کیڑا ہی بتلایا ہے۔

اب لے نئی تحقیقات پر اترانے والو! خدا کے لیے ذرا انصاف کو کام میں لاؤ اور بتلاؤ کہ کیا وہ مذہب انسانی افترا ہو سکتا ہے، جس میں ایسے حقائق پہلے سے موجود ہوں اور تیرہ سو سال کی محنتوں، تحقیقاتوں اور جان کنیوں کا نتیجہ ہوں۔ یہ قرآن کریم اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معقول معجزات ہیں اور دیکھو۔ قلب دل کو کہتے ہیں اور قلب گردش دینے والے کو بھی کہتے ہیں۔ دل پر مدار دورانِ خون کا ہے۔ آجکل کی تحقیقات نے تو ایک عرصہ دراز کی محنت اور دماغ سوزی کے بعد دورانِ خون کا مسئلہ دریافت کیا، لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر ہی سے دل کا نام قلب رکھ کر اس صداقت کو مرکوز اور محفوظ کر دیا۔

طاعون کے اسباب

اب میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں۔ دوسرا سبب پلیدی، تیسرا سبب سیئت، چوتھا سبب تپ، پانچواں پھوڑے۔ اب اس امر میں ایک اختلاف ہے کہ آیا اصل سبب پھوڑے ہیں یا تپ۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اصل تپ ہے اور یونانی پھوڑے کو اصل سبب ٹھہراتے ہیں۔ میرے نزدیک بھی یونانیوں کی رائے صحیح ہے، کیونکہ توراۃ میں بھی پھوڑوں ہی کا ذکر ہے۔ ہاں تپ لازمی ہے۔ بعض اوقات تپ قائم مقام ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، بلکہ بیمار تپ ہونے سے پہلے ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ غرض اس مرض کا اصل تپ نہیں بلکہ پھوڑا ہے۔ پھوڑا اگر چیرا جائے اور اس سے مواد نکال دیا جائے تو تپ بھی کم ہو جاتا ہے، یہانتک کہ مریض تندرست ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ مرض سخت مہلک اور خوفناک ہے۔ اسی لیے اس کے روکنے کی تدابیر بھی سخت ہونی لازمی ہیں، جن کے اجراء پر گورنمنٹ باوجودیکہ وہ سچی ہمدردی اور پوری غمخواری کے ساتھ رعیت کی بھلائی میں مصروف ہے، بدنام ہو گئی ہے۔ جہانتک نیک نیتی اور بنی نوعِ انسان کی اس غمخواری کے خیال سے جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈال رکھی ہے، میں نے ان تمام تجاویز پر جو گورنمنٹ نے مریضانِ طاعون کے متعلق شائع کی ہیں غور کیا ہے۔ میں بلاخوفِ لومۃ لائم کہتا ہوں کہ وہ تجاویز بہت مناسب اور موزوں ہیں۔ وہ یہ کہ اس گھر کو یا بعض اوقات عند الضرورت محلہ کو خالی کر دیا جائے اور مریض کو الگ رکھا جائے۔ یہ بالکل درست اور عین مناسب ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک بچہ طاعون سے بیمار ہو اور اُسے بموجب قواعد ماں باپ سے علیحدہ کر دیا جائے، تو وہ ضرور مر جائے گا۔ ایسے معترضین کو معلوم ہو کہ ایسی صورت میں ماں باپ اُس کے ہمراہ رہ سکیں گے، مگر وہ بھی طاعون کے مریض ہی شمار ہو کر ان تمام پابندیوں کے ماتحت ہوں گے، جو مبتلا شخص کے لیے ہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ موجودہ حالت میں گورنمنٹ کی نیت بالکل نیک ہے۔ اس کی یہ منشاء ہرگز نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جائے۔

اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت

اور میری تو سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ لوگوں کو خواہ مخواہ ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے گورنمنٹ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ یہ گورنمنٹ پر بدظنی

ہے۔ قرآن شریف میں حکم ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء : ۶۰) یہاں اُولی الْاَمر کی اطاعت کا حکم صاف طور پر موجود ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ مِنْکُمْ میں گورنمنٹ داخل نہیں، تو یہ اُس کی صریح غلطی ہے۔ گورنمنٹ جو حکم شریعت کے مطابق دیتی ہے، وہ اُسے مِنْکُمْ میں داخل کرتا ہے۔ مثلاً جو شخص ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ وہ ہم میں داخل ہے۔ اِشارۃ النص کے طور پر قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کی اطاعت کرنی چاہیے اور اس کے حکم مان لینے چاہئیں۔ عام طور پر تو مسلمانوں کے لیے یہ لازم تھا کہ انسدادِ طاعون کے متعلق شکر گذاری کے میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجتے، مگر یہاں بجائے شکر گذاری کے ناشکر گذاری ہو رہی ہے اور کوئی معقول وجہ نارضگی کی بجز اس کے معلوم نہیں ہوتی کہ عورتوں کی نبضیں مرد ڈاکٹر دیکھتے ہیں۔ سو اسبارہ میں یہ معلوم ہو کہ اوّل تو اس نقص کے معلوم ہو جانے پر گورنمنٹ نے اس شکایت کو رفع کر دیا ہے اور دائیاں مقرر کر دی ہیں جو مستورات کا ملاحظہ کرتی ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا نہ بھی ہوتا، تو بھی اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔

خاص حالات میں پردہ

ایسی صورت اور حالت میں کہ قہرِ خدا نازل ہو رہا ہو اور ہزاروں لوگ مر رہے ہوں۔ پردہ کا اتنا تشدد جائز نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ کی بیوی مرگئی، تو کوئی اُس کو اٹھانے والا بھی نہ رہا۔ اب اس حالت میں پردہ کیا کر سکتا تھا۔ مثل مشہور ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مردوں نے ہی جنازہ اُٹھایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر بچہ رحم میں ہو تو کبھی مرد اس کو نکال سکتا ہے۔ دینِ اسلام میں تنگی و حرج نہیں۔ جو شخص خواہ مخواہ تنگی و حرج کرتا ہے، وہ اپنی نئی شریعت بناتا ہے۔ گورنمنٹ نے بھی پردہ میں کوئی تنگی نہیں کی اور اب قواعد بھی بہت آسان بنا دیئے ہیں۔ جو جو تجاویز و اصلاحات لوگ پیش کرتے ہیں گورنمنٹ انہیں توجہ سے سُنتی اور ان پر مناسب اور مصلحتِ وقت کے موافق عمل کرتی ہے۔ کوئی شخص مجھے یہ تو بتائے کہ پردہ میں نبض دکھانا کہاں منع کیا ہے۔

سعادت کی راہیں اختیار کریں

اصل بات جو قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کچھ نیک بختی اور تقویٰ کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور سعادت کی راہیں اختیار کرنی چاہئیں۔ تب ہی کچھ بنتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (الرعد : ۱۲) خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جبتک کہ خود وُہ اپنی حالت کو تبدیل نہ کرے۔ خواہ مخواہ کے ظنِ فاسد کرنے اور بات کو انتہا تک پہنچانا بالکل بیہودہ امر ہے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ نمازیں پڑھیں، زکوٰۃ دیں، اتلافِ حق اور بدکاریوں سے باز آئیں۔ یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ بعض وقت جب صرف ایک شخص ہی بدی کا ارتکاب کرتا ہے، تو وُہ سارے گھر اور سارے شہر کی ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ پس بدیوں کو چھوڑ دو کہ وُہ ہلاکت کا موجب ہیں۔ ضلع جالندھر اور ہوشیارپور کے اس وقت کئی گاؤں طاعون میں مبتلا ہیں۔

پھر بیماری کے انسداد سے کیوں غفلت کی جائے۔ گورنمنٹ پر جاہلانہ طور سے بدگمانی نہ کرو اور اگر تمہارا ہمسایہ بدگمانی کرتا ہے، تو اس کی بدگمانی رفع کرنے کی کوشش کرو اور اسے سمجھاؤ۔ انسان کہاں تک غفلت کرتا جائیگا۔ اس دن سے ڈرنا چاہیے۔ جب ایک دفعہ ہی وبا آپڑے اور سب کو تباہ کر ڈالے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مصیبت کے وارد ہونے سے پہلے جو دُعا کی جائے، وُہ قبول ہوتی ہے، کیونکہ خوف وخطر میں مبتلا ہونے کے وقت تو ہر شخص دُعا اور رجُوع الی اللہ کر سکتا ہے۔ سعادت مندی یہی ہے کہ امن کے وقت دُعا کی جائے۔ انسان کو چاہیے کہ ان لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کرے جو اس خطرہ میں مبتلا ہیں۔ یہاں سے تو بہت قریب گاؤں میں یہ بیماری پھیلی ہوئی ہے۔ وہاں کے حالات دریافت کر کے ہر شخص قبل از وقت عبرت حاصل کر سکتا ہے، اس وقت تک ضلع جالندھر میں یہ مرض بہت ترقی پر ہے۔ گو ضلع ہوشیار پور میں کچھ کمی ہے۔

نمازوں کو باقاعدہ التزام سے پڑھو

تاہم میں یقین نہیں کرتا کہ وہ بالکل ناپید ہو جائے گی۔ ابھی جاڑا آنے والا ہے، اس لیے پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ۔ نمازوں کو باقاعدہ التزام سے پڑھو۔ بعض لوگ صرف ایک ہی وقت کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ وُہ یاد رکھیں کہ نمازیں معاف نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ پیغمبروں تک کو معاف نہیں ہوئیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نئی جماعت آئی۔ اُنھوں نے نماز کی معافی چاہی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس مذہب میں عمل نہیں وہ مذہب کچھ نہیں، اس لیے اس بات کو خوب یاد رکھو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنے عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک یہ بھی نشان ہے کہ آسمان اور زمین اس کے اَمر سے قائم رہ سکتے ہیں۔ بعض دفعہ وہ لوگ جن کی طبائع طبیعیات کی طرف مائل ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ نیچری مذہب قابلِ اتباع ہے، کیونکہ اگر حفظِ صحت کے اصولوں پر عمل نہ کیا جائے، تو تقویٰ اور طہارت سے کیا فائدہ ہوگا؟ سو واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے یہ بھی ایک نشان ہے کہ بعض وقت ادویات بے کار رہ جاتی ہیں اور حفظِ صحت کے اسباب بھی کسی کام نہیں آسکتے۔ نہ دَوا کام آسکتی ہے نہ طبیبِ حاذق، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا امر ہو تو اُلٹا سیدھا ہو جایا کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابتلاء

دیکھو حضرت ابراہیمؑ کا ابتلاء کہ بچے اور اُس کی ماں کو کنعان سے بہت دُور لے جانے کا حکم ملا اور وُہ ایسی جگہ تھی جہاں نہ دانہ تھا نہ پانی۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے حضور عرض کی کہ اے اللہ میں اپنی ذریت کو ایسی جگہ چھوڑتا ہوں جہاں دانہ پانی نہیں ہے۔ حضرت سارہ کا ارادہ یہ تھا کہ کسی طرح سے اسماعیلؑ مر جائے، اس لیے اس نے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام سے کہا کہ اسے کسی بے آب وگیاہ جگہ میں چھوڑ آ۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بات بُری معلوم ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ جو کچھ سارہ کہتی ہے، وہی کرنا ہوگا۔ اس لیے نہیں کہ خدا تعالیٰ کو سارہ کا پاس تھا۔ حضرت سارہ نے اس واقعہ سے پہلے بھی ایک دفعہ حضرت ہاجرہ کو گھر سے نکالا تھا۔ اس وقت بھی خدا تعالیٰ کا فرشتہ اس سے ہم کلام ہوا تھا، کیونکہ نبیوں کے سوا غیر انبیاء سے بھی اللہ تعالیٰ بذریعہ فرشتہ کلام کیا کرتا ہے، چنانچہ حضرت ہاجرہ سے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ ہوا۔ غرض حضرت ابراہیمؑ نے ویسا ہی کیا اور کچھ تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی کھجوریں ہمراہ لے کر حضرت ہاجرہ اور اس کے بچے کو لے جا کر وہاں چھوڑ آئے جہاں اب مکہ آباد ہے۔ چند دن کے بعد نہ دانہ رہا اور نہ پانی۔ حضرت اسماعیلؑ شدتِ پیاس سے بے چین ہونے لگے، تو اس وقت حضرت ہاجرہ نے نہ چاہا کہ اپنے بچے کی ایسی بے بسی کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے ہاجرہ چند مرتبہ اُس پہاڑ پر ادھر ادھر دوڑیں کہ شاید کوئی قافلہ ہو۔ پہاڑ پر چڑھ کر گریہ وزاری کرنے لگیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ ان کے پاس صرف ایک ہی بچہ تھا۔ خاوند سے الگ تھیں۔ دُوسرا بچہ پیدا ہونے کی اُمید نہیں تھی۔ گویا بیوہ کی مانند آپ کا حال تھا۔ آپ کی گریہ وزاری پر فرشتہ نے آواز دی۔ ہاجرہ! ہاجرہ!! جب آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا، تو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ بچے کے پاس جب آئی تو دیکھا کہ اس کے پاس پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مُردہ سے اُن کو زندہ کر دیا۔ حضرت نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اُس چشمہ کا پانی نہ روکتا، تو وہ تمام مُلک میں پھیل جاتا۔ اس قصّہ کے بیان کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ایسی جگہوں پر جہاں آب ودانہ کچھ نہ ہو۔ اس طرح اپنی قدرت کے کرشمے دکھایا کرتا ہے، چنانچہ پانی کے اس پہلے کرشمہ نے حضرت اسماعیلؑ کو زندہ کیا، مگر وہ پانی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پھیلایا گیا، اُس کی شان میں فرمایا۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید: ۱۸) گویا اس پانی سے دُنیا زندہ ہوئی۔ مدعا یہ ہے کہ جہاں ظاہری اسباب موجود نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بچاؤ کی ایک راہ نکال دی اور اللہ تعالیٰ جو یہ فرماتا ہے کہ اس کے اَمر سے زمین وآسمان قائم ہیں۔ تو غور کرو کہ وہ جنگل جہاں اس قدر گرمی پڑتی تھی اور جہاں انسان کا نام ونشان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بابرکت بنا دیا کہ کروڑ ہا مخلوق وہاں جاتی ہے اور ہر مُلک اور ہر قوم کے لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں۔ وہ میدان جہاں حج کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، وُہی جگہ ہے جہاں نہ دانہ تھا نہ پانی۔

اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کرو

اصل بات یہی ہے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ویرانہ کو آبادی اور آبادی کو ویرانہ بنا دیتا ہے۔ شہر بابل کے ساتھ کیا کیا؟ جس جگہ انسان کا منصوبہ تھا کہ آبادی ہو، وہاں مشیتِ ایزدی سے ویرانہ بن گیا اور اُلّوؤں کا مسکن ہوگیا اور جس جگہ انسان چاہتا تھا کہ ویرانہ ہو، وہ دُنیا بھر کے لوگوں کا مرجع ہوگیا۔ پس خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوا اور تدبیر پر بھروسہ کرنا حماقت ہے۔ اپنی زندگی میں ایسی تبدیلی پیدا کرو کہ معلوم ہو کہ گویا نئی زندگی ہے۔ استغفار کی کثرت کرو۔ جن لوگوں کو کثرتِ اشغالِ دُنیا کے باعث کم فرصتی ہے، ان کو سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے۔ ملازمت پیشہ لوگوں سے اکثر فرائضِ خداوندی فوت

ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مجبوری کی حالت میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کا جمع کر کے پڑھ لینا جائز ہے۔ مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر حکام سے نماز پڑھنے کی اجازت طلب کر لی جائے، تو وہ اجازت دے دیا کرتے ہیں۔ نیز اعلیٰ حکام کی طرف سے ماتحت افسروں کو اس بارہ میں خاص ہدایات ملی ہوتی ہیں۔ ترکِ نماز کے لیے ایسے بے جا عُذر بُجز اپنے نفس کی کمزوری کے اور کوئی نہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ظلم و زیادتی نہ کرو۔ اپنے فرائضِ منصبی نہایت دیانتداری سے بجالاؤ۔ گورنمنٹ پر ایک سیکنڈ کے لیے بھی بدظنی نہ کرو۔ کیا تمھیں سکھوں کے عہدِ حکومت کے واقعات معلوم نہیں جس وقت مسجدوں میں اذان دینی موقوف ہو گئی تھی۔ گائے کو ذرا سی تکلیف دینے پر سخت ایذائیں اور بیحد ظُلم ہوتے تھے۔ پس ایسی مصیبت سے تم کو خلاصی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ بہت فاصلہ سے اس سلطنت کو لایا جس سے ہم نے بہت فائدہ حاصل کیا اور اَمن و امان سے اپنے فرائضِ مذہبی ادا کرنے لگے۔ اس لیے ہمیں کس قدر شکریہ اس گورنمنٹ کا کرنا چاہیے۔ خوب یاد رکھو کہ جو شخص انسان کا شکر نہیں کرتا، وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ اگر انسان اپنے کسی عضو سے کام نہ لے، تو وہ ایک عرصہ بعد بیکار ہو جایا کرتا ہے۔ مشہور ہے کہ اگر آنکھ کو چالیس دن بند رکھا جائے، تو وہ بالکل اندھی ہو جاتے۔ اس لیے میں تم کو تاکید نصیحت کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے احسان ہم پر بہت ہیں۔ حقائق اور معارف کی کثیر التعداد کتب کہاں کہاں سے ہمیں میسر آتی ہیں۔ اُن کی سلطنت کی آزادی سے ہم نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہمارے مذہب پر حملے ہوئے اور دیگر مشکلات کا سامنا ہوا، تو ہم نے کس طرح آزادی سے اُن کا دفعیہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) ہم پر کس کس قسم کے معارف کھولے جنھیں ہم نے دُور و نزدیک شائع کیا۔ گورنمنٹ کی آزادی بھی ایک باعث اُن کے کھلنے کا ہے۔ بالآخر میں پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے سچا رشتہ قائم کرو اور گورنمنٹ کی نسبت بدظنی مت کرو بلکہ اس کی ہدایات کی تعمیل کرو اور اُسے مدد دو۔[1]

۱۶ مئی ۱۸۹۸ء

تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ

دن بہت ہی نازک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے غضب سے سب کو ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا، مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت کو پیدا کرو اور زندگی اور اختلاف کو چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے کنارہ کش ہو جاؤ، کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دیوے۔ اللہ تعالیٰ سے

---

[1] (رسالہ الانذار صفحہ ۵۴-۵۳)

ایک سچی صلح پیدا کرو اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اُس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اُس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں ساعی ہو جاؤ گے۔ تو خدا تمام رکاوٹوں کو دُور کر دے گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور کھیت کو خوشنما درختوں اور بارآور پودوں سے آراستہ کرتا اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے اُن کو بچاتا ہے، مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لاویں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جاویں، اُن کی مالک پروا نہیں کرتا کہ کوئی مویشی آکر اُن کو کھا جاوے یا کوئی لکڑہارا اُن کو کاٹ کر تنوُر میں پھینک دیوے۔ سو ایسا ہی تم بھی یاد رکھو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حضُور میں صادق ٹھہرو گے، تو کسی کی مخالفت تمھیں تکلیف نہ دے گی۔ پر اگر تم اپنی حالتوں کو دُرست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو، تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی کی پروا نہیں۔ ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں ہر روز ذبح ہوتی ہیں۔ پر اُن پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جاوے، تو کتنی بازپُرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کی مانند بیکار اور لاپروا بناؤ گے، تو تمھارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ چاہیے کہ تم خدا کے عزیزوں میں شامل ہو جاؤ۔ تاکہ کسی وبا کو یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے، کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر ہو نہیں سکتی۔ ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش اور عداوت کو درمیان میں سے اُٹھا دو کہ اب وُہ وقت ہے کہ تم ادنیٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور عظیم الشان کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ لوگ تمھاری مخالفت کریں گے اور انجمن کے ممبر تم پر ناراض ہوں گے۔ پر تم ان کو نرمی سے سمجھاؤ اور جوش کو ہرگز کام میں نہ لاؤ۔ یہ میری وصیت ہے۔ اور اس بات کو وصیت کے طور پر یاد رکھو کہ ہرگز تندی اور سختی سے کام نہ لینا بلکہ نرمی اور آہستگی اور خُلق سے ہر ایک کو سمجھاؤ اور انجمن کے ممبروں کے ذہن نشین کراؤ کہ ایسا میموریل[1] فی الحقیقت دین کو ایک نقصان پہنچانے والا اَمر ہے اور اسی واسطے ہم نے اس کی مخالفت کی کہ دین کو صدمہ پہنچتا ہے[2]۔

۲۵ جولائی ۱۸۹۸ء

گالیوں کا اَحسن جواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ نمبر پنجم لغایت

---

[1] احمد شاہ شائق نام عیسائی نے ایک دلخراش کتاب بنام اہانت المومنین چھپوا کر ایک ہزار جلد ۱۸۹۸ء میں ہندوستان کے نامور مسلمانوں کو بلا طلب مفت بھیجی تھی۔ اسکے خلاف انجمن حمایت اسلام لاہور نے ایک میموریل گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجا تھا، جو کہ بیسود ثابت ہوا۔ اس میں اس میموریل کی طرف اشارہ ہے۔

[2] الحکم جلد ۲ نمبر ۱۳-۱۲ صفحہ ۱ پرچہ ۲۰-۲۷ مئی ۱۸۹۸ء

دوازدہم جلد ہژدہم بابت ۱۸۹۵ء بدست محمد ولد چوغطہ قوم اعوان ساکن ہتھوں گھڑ ضلع سیالکوٹ بھیجا جس میں حضرت مسیح موعودؑ پر بہت ناواجب حملے کئے گئے تھے۔ آپؑ نے ۲۵ جولائی ۱۸۹۸ء کی سہ پہر کو اصل مرسلہ رسالہ کی پیشانی پر مندرجہ ذیل عبارت لکھ کر قاصد کو دے دیا[1]:

"رَبِّ اِنْ کَانَ ھٰذَا الرَّجُلُ صَادِقًا فِیْ قَوْلِہٖ فَاَکْرِمْہُ وَاِنْ کَانَ کَاذِبًا فَخُذْہُ۔ اٰمِیْن"[2]

یکم اگست ۱۸۹۸ء صبح کی نماز کے بعد حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

خواب میں ہاتھ سے دانت کا گرانا مُنذر ہوتا ہے

"مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ڈاڑھ کا حصّہ جو بوسیدہ ہوگیا ہے۔ اس کو مَیں نے مُنہ سے نکالا اور وہ بہت صاف تھا اور اُسے ہاتھ میں رکھا۔" پھر فرمایا کہ

"خواب میں دانت اگر ہاتھ سے گرایا جاوے، تو وُہ مُنذر ہوتا ہے ورنہ مُبشّر"

ازاں بعد محمد صادق نے اپنے دو خواب سُنائے جن میں سے ایک میں نُور کے کپڑوں کا ملنا اور دُوسرے میں حضرت اقدسؑ کے دیئے ہوئے مضمون کا خوشخط نقل کرنا تھا جس کی تعبیر حضرت اقدسؑ نے کامیابی مقاصد فرمائی۔

تائیدِ الٰہی سے مضامین کا دل پر نزول

اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ: "تائیداتِ الٰہیہ ایک تو بیّن اور ظاہر طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں اور عام لوگ اُن کو دیکھ سکتے ہیں، مگر بعض مخفی تائیدات ایسی ہوتی ہیں جن کے لیے میری سمجھ میں کوئی قاعدہ نہیں آتا کہ عوام النّاس کو کیونکر دکھا سکوں۔ مثلاً یہی عربی تصنیف ہے۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ عربی ادب میں کہاں تک دسترس ہے، لیکن جب مَیں تصنیف کا سلسلہ شروع کرتا ہوں، تو یکے بعد دیگرے اپنے اپنے محل اور موقع پر موزُوں طور پر آنے والے الفاظ القاء ہوتے جاتے ہیں۔ اب کوئی بتلائے کہ ہم کیونکر اس تائیدِ الٰہی کو دکھلا سکیں کہ خدا کیونکر سینہ پر الفاظ نازل کرتا ہے۔ اور دیکھو اس اِیّامُ الصُّلح میں اکثر مضامین ایسے ہیں جن کا میری پہلی تصنیفات میں نام تک نہیں اور اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے کہ اس سے پہلے وہ کبھی ذہن میں نہ گذرے تھے، لیکن اب وہ ایسے طور پر آکر قلب پر نازل ہوئے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آسکتا، جبتک خود تائیدِ الٰہی شاملِ حال ہو کر اس کو اس قابل نہ بنا دیوے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو وہ ایسے بندوں پر کرتا ہے جن سے کوئی کام لینا ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۲ نمبر ۲۰-۲۱ - پرچہ ۲۰ - ۲۷ جولائی ۱۸۹۸ء

[2] ترجمہ از مُرتّب: اے میرے رب! اگر یہ شخص اپنی بات میں سچا ہے تو تُو اسکی عزّت افزائی فرما۔ اگر جھوٹا ہے تو تُو اسپر گرفت کر۔ آمین۔

یہ بھی ایک سچی بات ہے کہ تصنیفات کے لیے جبتک محنت اور فراغت نہ ہو، یہ کام نہیں ہوسکتا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل اُن لوگوں ہی کو ملتا ہے جن سے وہ کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ پھر ان کو یہ سب سامان جو تصنیف کے لیے ضروری ہوتے ہیں، یکجا جمع کر دیتا ہے۔"

رعایتِ اسباب

جناب مولانا مولوی نوردین صاحب رضی اللہ عنہ کی طبیعت ۳۱ر جولائی ۱۸۹۸ء سے بعارضہ دردِ شکم علیل تھی، تو حضرت اقدسؑ نے آدمی بھیج کر خبر منگوائی اور افاقہ کی خبر سُنکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرمایا۔ اور فرمایا:

"مولوی صاحب کا سن اب انحطاط کا ہے، اس لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے گویا پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔ زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، لیکن انسان کو یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ اسباب کی رعایت نہ رکھے۔"

پھر فرمایا۔ کہ:

"دراصل انحطاط کا زمانہ ۶۰ سال کے بعد سے شروع ہوجاتا ہے۔ افراط اور تفریط اس سن میں اچھی نہیں ہوتی۔ مَیں نے بعض آدمی دیکھے ہیں کہ گنا پیسا آٹا دیتے اور پانی بھی اندازہ اور وزن کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور بعض یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ ان کو کسی قسم کا اندازہ ہی نہیں رہتا۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں۔"

"جیسا مَیں نے کہا۔ زمانۂ شباب تیس سال تک ہے اور یہ بھی اس صورت میں کہ قویٰ مضبوط اور تندرست ہوں؛ ورنہ بعض تو اوائل ہی میں تشنۂ بالشیوخ رکھتے ہیں۔"[1]

۲۳ر اگست ۱۸۹۸ء کی شام

حضورؑ نے پُوچھا کہ:

جدید فلسفہ بے دینی کیوں پیدا کرتا ہے؟ "یہ موجودہ فلسفہ اکثر طبیعتوں میں بے دینی کیوں پیدا کر دیتا ہے۔"

ماسٹر غلام محمد صاحب سیالکوٹی نے کہا کہ "دراصل جو طبیعتیں پہلے ہی سے بے دینی کی طرف مائل ہوتی ہیں، وہی اس سے اثر پذیر ہوتی ہیں؛ ورنہ اکثر بڑے بڑے فلاسفر مزاج پادری اپنے مذہب میں

---

[1] اَلْحَکَم جلد ۲ نمبر ۲۳-۲۲ صفحہ ۱۶ پرچہ ۶-۱۳ر اگست ۱۸۹۸ء

پکے ہوتے ہیں۔"

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

"ان باتوں پر غور کرنے کے بعد افسوس کے ساتھ ذہن دُوسری طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ ایک طرف تو یہ پادری لوگ کالجوں اور سکولوں میں فلسفہ اور منطق پڑھاتے ہیں اور دُوسری طرف مسیح کو ابن اللہ اور اللہ مانتے ہیں اور تثلیث وغیرہ عقائد کے قائل ہیں، جو سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیونکر اس کو فلاسفہ سے مطابق کرتے ہیں۔ انگریزی منطق کی بنا تو منطقِ استقرائی ہی پر ہے۔ پھر یہ کونسا استقراء ہے کہ یسوع ابن اللہ ہے۔ کونسی شکل پیدا کرتے ہوں گے۔ یہی ہوگا کہ مثلاً اس قسم کے خواص جن لوگوں کے اندر ہوں وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہوتے ہیں اور مسیح میں یہ خواص تھے۔ پس وہ بھی خدا یا خدا کا بیٹا تھا۔ اس سے تو کثرت لازم آتی ہے جو محالِ مطلق ہے۔ مَیں تو جب اس پر غور کرتا ہوں، حیرت بڑھتی ہی جاتی ہے۔ نہیں معلوم یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے؟

اِسلام کے پاک اُصول ایسے نہیں ہیں کہ فلسفہ یا استقراء کی محک پر بھی کامل المعیار ثابت نہ ہوں، بلکہ مَیں نے بارہا غور کی ہے کہ قرآنِ کریم کی نسبت جو آیا ہے فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ (الواقعہ: ۷۹) یہ کتابِ مکنون زمین اور آسمان کی چھپی ہوئی کتاب ہے، جس کے پڑھنے پر ہر شخص قادر نہیں ہو سکتا اور قرآن کریم اسی کتاب کا آئینہ ہے اور قرآنِ کریم نے وہی خدا دکھایا ہے، جس پر آسمان و زمین شہادت دیتے ہیں۔ مگر یہ انیس سو برس کا تراشا ہوا جعلی مُردہ خدا کس سند اور شہادت پر خدا بنایا گیا ہے۔ پس یہ اسلام ہی کی خوبی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فخر ہے کہ وہ ایسا دین لے کر آئے کہ جو ہمیشہ سے ہے اور جس کی تعلیم زمین اور آسمان کے اَوراق میں بھی واضح طور پر موجود ہے۔"[1]

۲۵ر اگست ۱۸۹۸ء

موجودہ فارسی

۲۵ر اگست کی صبح کو فارسی زبان پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے کہا کہ "ایرانیوں نے آجکل اپنی توجہ تصنیفات کی طرف بہت مبذول کی ہے اور اس کثرت سے عربی الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ بجز روابط کے فارسی زبان کو کم دخل دیتے ہیں اور باب مفاعلہ، انفعال۔ استفعال وغیرہ کو اس قدر کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔"

اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "فہمیدن وغیرہ قدیم زمانے میں استعمال کرتے تھے۔ آج کل بہت کم استعمال رہ گیا ہے۔"

---

[1] الحکم جلد ۲ نمبر ۲۴-۲۵ صفحہ ۹ پرچہ ۲۰-۲۷ اگست ۱۸۹۸ء

پھر مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ "جناب! آج کل تو مفاہمہ، تفہیم وغیرہ ہی بولتے ہیں"

عربی زبان کی وسعت اور اسلام کی تائید

اس کے بعد اسی سلسلہ میں حضرتؑ نے فرمایا: کہ

"عربی زبان بہت وسیع ہے اور ہر ایک قسم کی اصطلاحیں اس میں موجود ہیں اور تصنیفات اس قدر کثرت سے ہو رہی ہیں کہ جن کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ صرف حدیث ہی کو دیکھو کہ کوئی کامل طور پر دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے علم حدیث کی کل کتابوں کو دیکھا ہو"

پھر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے علیٰ سبیل الذکر فرمایا کہ "حال ہی میں مولوی نورالدین صاحب کے پاس مصر سے کتب خانہ خدیویہ کی ایک فہرست سات جلدوں میں آئی ہے۔ وہ فہرست ایسے طور پر مرتب کی گئی ہے کہ اس کو پڑھ کر بھی ایک مزہ آتا ہے۔ ایسے ڈھنگ پر کتابوں کے نمبر دیئے ہیں کہ ایک بالکل اجنبی بھی اگر لائبریری میں چلا جاوے، تو وہ بلا تکلیف عین کتاب پر ہاتھ ڈالے گا، بشرطیکہ اُس نے فہرست کو ایکبار دیکھا ہو"

اس پر حضرت اقدسؑ نے پوچھا۔ کہ "وُہ کتابیں باہر جا سکتی ہیں؟"

"مولوی صاحب نے فرمایا" ہاں۔ وُہ لائبریریاں ایسی نہیں۔ کتابیں نقل ہو سکتی ہیں۔ وغیرہ۔ وغیرہ"

اس پر جناب امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ:

"خدا تعالیٰ نے اسلام کی کس قدر تائید کی ہے۔ اگر کوئی نادان اسلام کی اس تائید الٰہی کا انکار کرتا ہے، تو اُسے ماننا پڑے گا کہ کبھی بھی دُنیا میں خدا نے کسی کی تائید نہیں کی۔ زبان کا اس قدر وسیع ہونا اور پھر اس میں اس قدر کثرت سے تصنیفات کا ہونا بھی اسلام ہی کی تائید ہے، کیونکہ قرآن شریف ہی کی تائید ہوئی ہے۔ کوئی اہل لغت جب کسی لفظ کے معنے لکھتا ہے، تو اگر وہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے، تو ساتھ ہی اُس نے وُہ آیت بھی ضرور لکھ دی ہے"

یہاں مولانا عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ "لسان العرب نے تو یہ طریق لازمی طور پر رکھا ہے" پھر حضرتؑ نے اپنے سلسلۂ تقریر میں فرمایا۔ کہ:

"سنسکرت وغیرہ زبانیں تو قریباً مُردہ ہو گئی ہیں۔ نہ اُن میں تصنیفات ہیں نہ کچھ اور۔ ایسا ہی عیسائیوں کا حال ہے کہ اُن کی انجیل کو اصلی زبان کی طرف توجہ ہی نہیں رہی"

اسلام کا پیدا کردہ رُوحانی انقلاب

پھر اسی سلسلہ میں حضورؑ نے فرمایا:

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ پھر اسلام سے کیوں پرخاش رکھی جاتی ہے۔ اسلام کا خدا کوئی مصنوعی خدا نہیں، بلکہ وہی قادر خدا ہے جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور پھر رسالت کی طرف دیکھو کہ اصل غرض رسالت کی کیا ہوتی ہے؟

اوّل یہ کہ رسُول ضرورت کے وقت پر آئے اور پھر اس ضرورت کو بوجہ احسن پُورا کرے۔ سو یہ فخر بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ عرب اور دُنیا کی حالت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بالکل وحشی تھے۔ کھانے پینے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ نہ حقوق العباد سے آشنا، نہ حقوق اللہ سے آگاہ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایک جگہ اُن کا نقشہ کھینچ کر بتلایا۔ کہ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (محمد: ۱۳) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم نے ایسا اثر کیا۔ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (الفرقان: ۶۵) کی حالت ہوگئی۔ یعنی اپنے رب کی یاد میں راتیں سجدے اور قیام میں گذار دیتے تھے۔ اللہ! اللہ! کس قدر فضیلت ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے ایک بےنظیر انقلاب اور عظیم الشان تبدیلی واقع ہوگئی۔ حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کو میزانِ اعتدال پر قائم کر دیا اور مُردار خور اور مُردہ قوم کو ایک اعلیٰ درجہ کی زندہ اور پاکیزہ قوم بنا دیا۔ دونوں ہی خوبیاں ہوتی ہیں۔ علمی یا عملی۔ عملی حالت کا تو یہ حال کہ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (الفرقان: ۶۵) اور علمی کا یہ حال کہ اس قدر کثرت سے تصنیفات کا سلسلہ اور توسیعِ زبان کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

دُوسری طرف جب عیسائیوں کو دیکھتا ہوں، تو مجھے حیران ہی ہونا پڑتا ہے کہ حواریوں نے عیسائی ہو کر کیا ترقی کی۔ یہوداہ اسکریوطی جو یسُوع کا خزانچی تھا۔ کبھی کبھی تغلب بھی کر لیا کرتا تھا اور تیس روپے لے کر اُستاد کو پکڑوانا تو اُس کا ظاہر ہی ہے۔ یسُوع کی تھیلی میں دو ہزار روپے رہا کرتے تھے۔ ایک طرف تو اُن کا یہ حال ہے بالمقابل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال کہ بوقتِ وفات پوچھا کہ کیا گھر میں کچھ ہے۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک دینار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے تقسیم کر دو۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسُول خدا تعالیٰ کی طرف سفر کرے اور گھر میں ایک دینار چھوڑ جاوے۔

مجھے تو حیران ہی ہونا پڑتا ہے کہ عیسائی لوگ فلسفہ فلسفہ پکارتے ہیں۔ اُن کی الٰہیات کی فلاسفی خدا جانے کہاں گئی۔ کفارہ ہی کو دیکھو۔ ایک تصوری جانور کی طرح ہے۔ کفارہ نے کیا بنایا۔ علمی دلائل کو چھوڑ دیا جاوے۔ تو بھی دیکھو کہ حواریوں کی نہ تو علمی اصلاح ہوئی اور نہ عملی۔ علمی اصلاح کے لیے تو انجیل نے خود فیصلہ کر دیا کہ وہ موٹی عقل والے تھے اور کم فہم اور لالچی تھے اور عملی اصلاح کا خاکہ بھی انجیل ہی نے کھینچ کر دکھلا دیا کہ کوئی لعنتیں بھیجتا ہے اور کوئی تیس روپے پر پکڑواتا ہے اور کیا کچھ گناہ کے آثار۔ تاریکی اور ظلمت تو اس دُنیا ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) اب یسُوع کے شاگردوں کو دیکھو کہ کیا اُن کی حالت میں تبدیلی ہوئی۔ گناہ کے دُور ہونے سے تو ایک قسم کی بصیرت اور روشنی پیدا ہوتی ہے، مگر اُن میں کہاں۔ پھر کفارہ نے کیا بنایا؟"

(الحکم جلد ۲ نمبر ۲۴-۲۵، پرچہ ۲۰-۲۷ اگست ۱۸۹۸ء)

کامیابی کی بشارت

۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء ۲۶ ستمبر کی صبح کو بعد نماز فجر حضرت اقدسؑ نے فرمایا: کہ

"اب میری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی خواب بھی آتا ہے، تو میں اُسے اپنی ذات یا نفس سے مخصوص نہیں سمجھتا، بلکہ اسلام اور اپنی جماعت ہی کے متعلق سمجھتا ہوں اور میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اپنے نفس کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ چنانچہ رات میں نے دیکھا کہ ایک بڑا پیالہ شربت کا پیا۔ اس کی حلاوت اس قدر ہے کہ میری طبیعت برداشت نہیں کرتی۔ باایں ہمہ میں اُس کو پیئے جاتا ہوں اور میرے دل میں یہ خیال بھی گذرتا ہے کہ مجھے پیشاب کثرت سے آتا ہے، اتنا میٹھا اور کثیر شربت میں کیوں پی رہا ہوں، مگر اس پر بھی میں اس پیالے کو پی گیا۔ شربت سے مُراد کامیابی ہوتی ہے اور یہ اسلام اور ہماری جماعت کی کامیابی کی بشارت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جس قدر تعلقات انسان کے وسیع ہوتے جاتے ہیں، اسی قدر سلسلہ اُس کے خواب کا بلحاظ تعلقات وسیع ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کلکتہ کا کوئی ایسا شخص ہو جس کو ہم جانتے بھی نہیں، تو اس کے متعلق کوئی خواب بھی نہ آئے گی؛ چنانچہ کئی سال پہلے جب مجھے صرف چند آدمی جانتے تھے، اس وقت جو خواب آتی تھی وہ اُن تک ہی محدود ہوتی تھی اور اب کئی ہزار سے تعلق رکھتی ہے۔"

اَدویات کے متعلق سلسلہ گفتگو کا چل پڑا اور وہ اس تقریب پر کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو کوئی دوا حضرت اقدسؑ نے شبِ گذشتہ کو دی تھی۔ اس کے اثر کے متعلق حضرتؑ نے دریافت فرمایا۔ اسی ضمن میں ایسٹرن سیرپ اور کپلہ وغیرہ پر مختلف ذکر ہوتا رہا اور ان کے خواص میں سے اعصاب کی تقویت کا تذکرہ ہوا۔

عربی زبان کے کمالات جس پر حضرت اقدسؑ کو مولانا مولوی عبدالکریم نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ عَصَبَ کے لفظ میں فلاسفی بھری ہوئی ہے۔ کیونکہ عَصَب کے معنی ہیں باندھنا اور پٹھے بھی انسان کے اعضاء کو رسیوں کی طرح باندھے رکھتے ہیں اور بالمقابل نَرْوَ (NERVE) کے لفظ میں بجز لفظ کے کچھ بھی نہیں۔ اس پر حضرتؑ نے فرمایا:

"یہ بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ الفاظ کے اندر علمی باتیں بھری ہوئی ہیں اور عربی زبان اسی لیے خاتم الالسنہ ہے۔ چونکہ قرآن جیسا عظیم الشان معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، اس لیے اس کی عظمت علمی پہلو سے بہت بڑی ہے۔"

پھر اسی کے ضمن میں مِنَنِ الرَّحمٰن کی اشاعت کے متعلق تذکرہ ہوتا رہا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ بعض اسباب

اور سامان کے بہم پہنچ جانے پر جو اس کے لیے ضروری ہیں، شائع ہوگی۔"

اپنی صداقت پر چار قسم کے نشانات

پھر اسی ذکر میں آپؑ نے فرمایا: "مَیں نے بارہا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے نشان مجھے دیتے ہیں جن کو مَیں نے بڑے دعوے کے ساتھ متعدد مرتبہ لکھا اور شائع کیا ہے۔"

اوّل۔ عربی دانی کا نشان ہے اور یہ اُس وقت سے مجھے ملا ہے جب سے کہ محمد حسین (بٹالوی صاحب) نے یہ لکھا کہ یہ عاجز عربی کا ایک صیغہ بھی نہیں جانتا، حالانکہ ہم نے کبھی دعویٰ بھی نہیں کیا تھا کہ عربی کا صیغہ آتا ہے۔ جو لوگ عربی املاء اور انشاء میں پڑے ہیں وہ اس کی مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں اور اُس کی خوبیوں کا لحاظ رکھ سکتے ہیں۔ مولوی صاحب (مولوی عبدالکریم صاحب سے مراد حقی) شروع سے دیکھتے رہے ہیں کہ کس طرح پر اللہ تعالیٰ نے اعجازی طور پر مدد دی ہے۔ بڑی مشکل آکر یہ پڑتی ہے۔ جب میٹھ زبان کا لفظ مُناسب موقع پر نہیں ملتا، اس وقت خدا تعالیٰ وہ الفاظ القاء کرتا ہے۔ نئی اور بناوٹی زبان بنا لینا آسان ہے، مگر میٹھ زبان مشکل ہے۔ پھر ہم نے ان تصانیف کو بیش قرار انعامات کے ساتھ شائع کیا ہے اور کہا ہے کہ تم جس سے چاہو، مدد لے لو اور خواہ اہلِ زبان بھی بلا لو۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ وُہ ہرگز قادر نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ نشان قرآنِ کریم کے خوارق میں سے ظلّی طور پر مجھے دیا گیا ہے۔

دوم۔ دُعاؤں کا قبول ہونا۔ مَیں نے عربی تصانیف کے دوران میں تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے کہ کس قدر کثرت سے میری دُعائیں قبول ہوئی ہیں۔ ایک ایک لفظ پر دُعا کی ہے اور مَیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مستثنیٰ کرتا ہوں۔ (کیونکہ اُن کے طفیل اور اقتداء سے تو یہ سب کچھ ملا ہی ہے) اور مَیں کہہ سکتا ہوں کہ میری دُعائیں اس قدر قبول ہوئی ہیں کہ کسی کی نہیں ہوئی ہوں گی۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ دس ہزار یا دو لاکھ یا کتنی اور بعض نشانات قبولیت کے تو ایسے ہیں کہ ایک عالم اُن کو جانتا ہے۔

تیسرا۔ نشان پیشگوئیوں کا ہے یعنی اِظہَارٌ عَلَی الغَیب۔ یُوں تو نجومی اور رمّال لوگ بھی اٹکل بازیوں سے بعض باتیں ایسی کہہ دیتے ہیں کہ اُن کا کچھ نہ کچھ حصّہ ٹھیک ہوتا ہے اور ایسا ہی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کاہن لوگ تھے جو غیب کی خبریں بتلاتے تھے، چنانچہ سطیح بھی ایک کاہن تھا، مگر ان اٹکل بازرمّالوں اور کاہنوں کی غیب دانی اور مامُور من اللہ اور ملہم کے اظہارِ غیب میں فرق ہوتا ہے کہ مُلہم کا اظہارِ غیب اپنے اندر الٰہی طاقت اور خدائی ہیبت رکھتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم نے صاف فرمایا ہے۔ لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷، ۲۸) یہاں اظہار کا لفظ ہی ظاہر کرتا ہے کہ اس کے اندر ایک شوکت اور قوت ہوتی ہے۔

چوتھا نشان قرآن کریم کے دقائق اور معارف کا ہے، کیونکہ معارفِ قرآن اُس شخص کے سوا اور کسی پر نہیں کھل سکتے، جس کی تطہیر ہو چکی ہو۔ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: ۸۰) میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ میرے مخالف بھی ایک سورۃ کی تفسیر کریں اور میں بھی تفسیر کرتا ہوں۔ پھر مقابلہ کر لیا جاوے، مگر کسی نے جرأت نہیں کی۔ محمد حسین وغیرہ نے تو یہ کہہ دیا کہ ان کو عربی کا صیغہ نہیں آتا اور جب کتابیں پیش کی گئیں تو بودے اور رکیک عذر کر کے ٹال دیا کہ یہ عربی تو ازدی کچھاؤ ہے، مگر یہ نہ ہو سکا کہ ایک صفحہ ہی بنا کر پیش کر دیتا اور دکھا دیتا کہ عربی یہ ہے۔

غرض یہ چار نشان ہیں جو خاص طور پر میری صداقت کے لیے مجھے ملے ہیں[1]۔"

۳؍اکتوبر ۱۸۹۸ء

ایک رویاء ۳؍اکتوبر کی صبح کو بعد نماز فجر فرمایا کہ

"رات کو بعد تہجد لیٹ گیا تو تھوڑی سی غنودگی کے بعد دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سُرمہ چشم آریہ کے چار ورق ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ آریہ لوگ اب خود اس کتاب کو چھپوا رہے ہیں۔" تعبیر میں فرمایا کہ "شاید اس سے یہ مراد ہو کہ آریہ لوگوں کو جو بعض حجاب اور وساوس ہماری پیشگوئیوں مثل پیشگوئی متعلقہ لیکھرام وغیرہ کے متعلق ہیں۔ وہ دُور ہو جاویں۔ اور اُن پر اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاوے۔ مقدمہ کلارک میں رام بھجدت وکیل آریہ تھا۔ جب امرتسر کے سٹیشن پر مجھ سے ملا، تو اُس نے صاف کہا کہ میں بلا فیس اس مقدمہ میں اس لیے گیا تھا کہ شاید قتل لیکھرام کا کوئی سراغ ملے، کیونکہ اُس کے قتل کا یقین ہم کو آپ پر تھا۔ ایسا ہی اور اقوام کو ایسا خیال ہو سکتا ہے۔ پس اس خواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان پر اصل حقیقت کھول کر حجتِ ملزمہ قائم کر دے۔" پھر فرمایا کہ "پٹی والے جو اشتہار دکھائے گئے تھے، اُس میں بھی یہی تھا کہ وہ لوگ خود چھپوا رہے ہیں۔"

پیشگوئی کی عظمت اس پر مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ نے فرمایا کہ جب وُہ امر پورا ہوگا۔ جس قدر عظمت اور قدر ہم کو ہوگی اور لوگوں کو کہاں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ کیسے مشکلات درپیش ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ

"بیشک صرف اسی میں نہیں بلکہ ہر دُعا اور پیشگوئی کی عظمت اور قبولیت میں یہی حال ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی لَق و دَق میدان میں جہاں ہزار ہا کوس تک پانی نہیں ملتا۔ کوئی شخص دُعا کرے اور خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اُسے پانی

---

[1] الحکم: جلد ۲ نمبر ۲۹، پرچہ ۲۰-۲۷ ستمبر ۱۸۹۸ء

کا پیالہ عطا کرے تو اس امر کو مجمل طور پر اُن مشکلات اور لوازمات کو نظر انداز کر کے بیان کیا جاوے۔ تو لوگ جو کُل حالات پر آگاہ نہیں، بجائے عظمت کے ہنسی کریں گے۔ مگر جب مشکلات سے واقف ہوں، تو پھر ایک خاص عظمت اور ہیبت سے اُس کو دیکھیں گے۔ ایسا ہی اگر کوئی ناخواندہ اور اُمّی آدمی انگریزی کی کتاب پڑھ جاوے، تو اس کی اُمیت سے واقف لوگ اُسے عظمت کی نگاہ سے دیکھیں گے، مگر ایک ایم۔ اے اور بی۔ اے اگر اُس کتاب کو پڑھ جاوے تو چنداں کیا، بالکل وقعت نہ دیں گے، معمولی امر خیال کریں گے۔

غرض ہر ایک اَمر کی عظمت اور عدم عظمت اس کے حصُول کے لوازمات اور مشکلات پر ہوتی ہے۔"

تیس ہزار دعاؤں کی قبولیت

پھر فرمایا۔ کہ

"لوگ اس امر کو بھی جھوٹ جانیں گے۔ جو ہم نے لکھ دیا ہے کہ میری تیس ہزار دُعائیں کم از کم قبول ہوئی ہیں، مگر میرا خدا خوب جانتا ہے کہ یہ سچ ہے اور اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔ کیونکہ ہر ایک کام کے لیے خواہ دینی ہو۔ یا دُنیوی دُعا کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے موزون اور طیب بنا دیا ہے۔"

عربی تصنیفات میں دُعا کے اثرات

عربی تصنیفات میں ایک ایک لفظ دُعا ہی کا اثر ہے، ورنہ انسانی طاقت کا کام نہیں کہ تحدّی کرے۔ اگر دُعا کا اثر نہیں تو پھر کیوں کوئی مولوی یا اہلِ زبان دَم نہیں مار سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اہلِ زبان کے رنگ اور محارہ پر ہماری کتب تصنیف ہوئی ہیں، ورنہ اہلِ زبان بھی سارے اس پر قادر نہیں ہوتے کہ کُل مُسلّم محاوراتِ زبان پر اطلاع رکھتے ہوں پس یہ خدا ہی کا فضل ہے۔"

۲ر جنوری ۱۸۹۹ء

رسالہ کشف الغطاء کی تصنیف کا مقصد

۸ر بجے دن کے حضرت اقدس امام ہمام ایک کثیر التعداد احباب کے ہمراہ سیر کو تشریف لے گئے۔ اثنائے راہ میں فرمایا:

"یہ تکالیف اور ایذائیں جو مخالف کبھی بدزبانیوں کے رنگ میں اور جھوٹ اور افترا سے بھرے ہوئے اشتہاروں کے ذریعے اور کبھی گورنمنٹ اور حکومت کو خلافِ واقعہ اور محض جھوٹی باتوں کے بیان کرنے سے بدظن کر کے ہم کو پہنچاتے ہیں۔ اگر ہماری اپنی ہی ذات تک محدود اور مخصوص ہوتیں، تو خدا بہتر جانتا ہے کہ ہم کو ذرا بھی خیال نہ ہوتا، کیونکہ ہم تو قربانی کے بکرے کی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر وقت تیار ہیں، مگر اس کا اثر ہماری قوم پر پہنچتا ہے۔ اور بعض لوگ ابھی ایسے کمزور بھی ہیں جو ابتلا برداشت نہیں کر سکتے، اس لیے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ ان

کل حالات کو چھاپ کر گورنمنٹ کے پاس بھیج دیں، کیونکہ اگر ہم خاموش رہیں تو ادھر مخالف ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ پھر اس کا اثر اچھا نہیں پڑتا۔ چونکہ ہمارے دل صاف ہیں اور ہم بد باطن لوگوں کی طرح نفاق اور مداہنت سے کام نہیں لیتے اس لیے ہم کو کامل امید ہے کہ یہ رسالہ کشف الغطاء گورنمنٹ عالیہ کو ہمارے حالات اور ہمارے تعلقات سے اطلاع دے گا اور ہمارے ہر دوست کے پاس بطور سارٹیفکیٹ کے رہے گا۔"

۵ر جنوری ۱۸۹۹ء

مُہرِ نبوت کی اصل حقیقت

بعد نماز صبح مولوی قطب الدین صاحب ساکن بدّو ملہی نے سوال کیا کہ "رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتفین مبارک کے درمیان جو مُہرِ نبوت بتلائی جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ رسولی کی طرح تھی۔ اُس کی اصل حقیقت کیا ہے؟"

"فرمایا! رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہرِ نبوت کے متعلق جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ بالکل غلط بات ہے، مگر میں یہ بات اپنے پختے جوش اور اخلاص سے کہتا ہوں کہ میرا ایمان یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نشانِ نبوت کو رسولی وغیرہ الفاظ سے نسبت دینا ایک مومن اور سچے مسلمان کا کام نہیں۔ یہ گستاخی اور شوخی ہے۔ جو کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ہم کو ایسے معاملات میں زیادہ تفتیش اور چھان بین کی ضرورت نہیں کہ وہ مُہرِ نبوت کیا تھی؟ اور کیسی تھی؟ کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے بیشمار نشانات بیّن اور واضح طور پر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک مُہرِ نبوت بھی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجُود با جُود سے انبیاء علیہم السّلام کو ایسی ہی نسبت ہے جیسی کہ ہلال کو بدر سے ہوتی ہے۔ ہلال کا وجود ایک تاریکی میں ہوتا ہے، لیکن جب وہ اپنے کمال کو پہنچ کر بدر بن جاتا ہے، تو وہ بدر اپنی پہلی حالتِ ہلال کا مثبت اور مُصدّق ہو جاتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو پہلے نبی اور ان کی نبوتوں کے پہلو مخفی رہتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیح علیہ السّلام پر احسان

اب سوچو اور بتلاؤ کہ کیا موجُودہ اناجیل سے انسان طریقِ توحید کا پتہ لگا سکتا ہے کیسی حیران کر دینے والی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا نبی اُس کی توحید کو قائم کرنے آیا کرتا ہے یا اپنی خدائی منوانے؟ پس اب موجودہ انجیل نے یہی نہیں کہ طریقِ توحید کو گم کیا۔ بلکہ ساتھ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی رسالت اور نبوت کو اُڑا دیا اور چہ جائیکہ وہ خدا یا ابنِ خدا بنتے۔ اُن کو نبی کے درجہ سے بھی گرا کر معاذ اللہ بہت بُرے درجہ کا آدمی بنا دیا۔ مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات نے آکر اُن کی تعلیم کو زندہ کیا اور خود مسیح کی اپنی ذات اور وجود کے لیے مسیحائی کی کہ اس کو مُردوں

سے نکال کر اس زندگی میں داخل کیا، جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور رسُولوں کو دی جاتی ہے۔

اِسلام کی برتری

تعلیم وہی کامل ہو سکتی ہے جو انسانی قویٰ کی پُوری مربّی اور مکمّل ہو۔ نہ یہ کہ ایک ہی پہلو پر واقع ہوئی ہو۔ انجیل کی تعلیم کو دیکھو کہ وہ کیا کہتی ہے اور اُس کے بالمقابل قویٰ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ انسانی قویٰ اور فطرت خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے۔ پس اس کی قولی کتاب، جو کتاب اللہ کہلاتی ہے یا اُسے تعلیمِ الٰہی کہو۔ اس کی ساخت اور بناوٹ کے مخالف اور متضاد کیونکر ہوگی؟ اسی طرح پر اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے، تو انبیاء سابقین کے اخلاق، ہدایات، معجزات اور قوتِ قدسیہ پر اعتراض ہوتے، مگر حضورؐ نے آکر اُن سب کو پاک ٹھہرایا۔ اس لیے آپؐ کی نبوت کے نشانات سُورج سے زیادہ روشن ہیں اور بے انتہا اور بے شمار ہیں۔ پس آپؐ کی نبوت یا نشاناتِ نبوت پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ دن چڑھا ہوا ہو اور کوئی احمق نابینا کہدے کہ ابھی تو رات ہی ہے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ دُوسرے مذاہب تاریکی ہی میں رہتے، اگر اب تک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے، ایمان تباہ ہو جاتا اور زمین لعنت اور عذابِ الٰہی سے تباہ ہو جاتی۔ اسلام شمع کی طرح منوّر ہے۔ جس نے دُوسروں کو بھی تاریکی سے نکالا ہے۔ توریت کو پڑھو تو بہشت اور دوزخ کا پتہ ہی ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انجیل کو دیکھو تو توحید کا نشان نہیں ملتا۔ اب بتلاؤ کہ اس میں تو شک نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھیں اور ہیں۔ لیکن ان میں کون سی روشنی مِل سکتی ہے۔ سچی روشنی اور حقیقی نُور جو نجات کے لیے مطلوب ہے، وُہ اسلام ہی میں ہے۔ توحید ہی کو دیکھو کہ جہاں سے قرآن کو کھولو وہ ایک شمشیر برہنہ نظر آتا ہے کہ شرک کی جڑھ کاٹ رہا ہے۔ ایسا ہی نبوت کے تمام پہلو ایسے صاف اور روشن نظر آتے ہیں کہ اُن سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

ختمِ نبوت کی حقیقت

ختمِ نبوت کو یُوں سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں پر دلائل اور معرفت طبعی طور پر ختم ہو جاتے ہیں، وہ وہی حد ہے جس کو ختمِ نبوت کے نام سے موسُوم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مُلحدوں کی طرح نکتہ چینی کرنا بے ایمانوں کا کام ہے۔ ہر بات میں بیّنات ہوتے ہیں اور ان کا سمجھنا معرفتِ کاملہ اور نُورِ بصر پر موقوف ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ایمان اور عرفان کی تکمیل ہوئی۔ دُوسری قوموں کو روشنی پہنچی۔ کسی اور قوم کو روشن اور بیّن شریعت نہیں ملی۔ اگر ملتی تو کیا وہ عرب پر کچھ بھی اپنا اثر نہ ڈال سکتی۔ عرب سے وہ آفتاب نکلا کہ اس نے ہر قوم کو روشن کیا اور ہر بستی پر اپنا نُور ڈالا۔ یہ قرآنِ کریم ہی کو فخر حاصل ہے کہ وہ توحید اور نبوت کے مسئلہ میں کُل دُنیا کے مذاہب پر فتحیاب ہو سکتا ہے۔ یہ فخر کا مقام ہے کہ ایسی کتاب مُسلمانوں کو ملی ہے۔ جو لوگ حملہ کرتے ہیں اور تعلیم و ہدایتِ اسلام پر معترض ہوتے ہیں۔ وہ بالکل کور باطنی اور بے ایمانی سے بولتے ہیں۔

تعدّدِ ازدواج کی اجازت

مثلاً کثرتِ ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے بہت عورتوں کی اجازت دی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسا دلیر اور مرد میدان معترض ہے جو ہم کو یہ دکھلا سکے کہ قرآن کہتا ہے کہ ضرور ضرور ایک سے زیادہ عورتیں کرو۔ ہاں یہ ایک سچی بات ہے اور بالکل طبعی امر ہے کہ اکثر اوقات انسان کو ضرورت پیش آجاتی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتیں کرے۔ مثلاً عورت اندھی ہوگئی یا کسی اور خطرناک مرض میں مبتلا ہو کر اس قابل ہوگئی کہ خانہ داری کے اُمور سرانجام نہیں دے سکتی اور مروازراہِ ہمدردی یہ بھی نہیں چاہتا کہ اُسے علیحدہ کرے یا رحم کی خطرناک بیماریوں کا شکار ہو کر مرد کی طبعی ضرورتوں کو پُورا نہیں کر سکتی، تو ایسی صورت میں اگر نکاحِ ثانی کی اجازت نہ ہو، تو بتلاؤ کیا اس سے بدکاری اور بداخلاقی کو ترقی نہ ہوگی؟ پھر اگر کوئی مذہب و شریعت کثرتِ ازدواج کو روکتی ہے، تو یقیناً وہ بدکاری اور بداخلاقی کی مؤید ہے، لیکن اسلام جو دُنیا سے بداخلاقی اور بدکاری کو دُور کرنا چاہتا ہے، اجازت دیتا ہے کہ ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک سے زیادہ بیویاں کرے۔ ایسا ہی اولاد کے نہ ہونے پر جبکہ لاولد کے پس مرگ خاندان میں بہت سے ہنگامے اور کُشت وخون ہونے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ایک ضروری امر ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں کر کے اولاد پیدا کرے، بلکہ ایسی صورت میں نیک اور شریف بیبیاں خود اجازت دے دیتی ہیں۔ پس جس قدر غور کرو گے یہ مسئلہ صاف اور روشن نظر آئے گا۔ عیسائی کو تو حق ہی نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ پر نکتہ چینی کرے، کیونکہ اُن کے مسلّمہ نبی اور مُلہم بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بزرگوں نے سات سات سو اور تین تین سو بیبیاں کیں اور اگر وہ کہیں کہ وُہ فاسق فاجر تھے، تو پھر ان کو اس بات کا جواب دینا مشکل ہوگا کہ اُن کے الہام خدا کے الہام کیونکر ہو سکتے ہیں؟ عیسائیوں میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو نبیوں کی شان میں ایسی گستاخیاں جائز نہیں رکھتے۔ علاوہ ازیں انجیل میں صراحت سے اس مسئلہ کو بیان ہی نہیں کیا گیا۔ لنڈن کی عورتوں کا زور ایک باعث ہوگیا کہ دُوسری عورت نہ کریں۔ پھر اس کے نتائج خود دیکھ لو کہ لنڈن اور پیرس میں عفت اور تقویٰ کی کیسی قدر ہے۔

اسلام کی لڑائیاں دفاعی تھیں

ایسا ہی دُوسرے مسائل غُلامی اور جہاد پر بھی ان کے اعتراض درست نہیں، کیونکہ توریت میں ایک لمبا سلسلہ ایسی جنگوں کا چلتا ہے؛ حالانکہ اسلام کی لڑائیاں ڈیفنسو[1] (دفاعی) تھیں اور وُہ صرف دس سال ہی کے اندر ختم ہوگئیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ مسائل اُن کی کتابوں میں سے نکال سکتا ہوں۔ اور ایسے ہی میرا دعویٰ ہے کہ تمام صداقتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اگر کوئی مدعی ایسی صداقت پیش کرے کہ وُہ قرآن میں نہیں۔ میں اُسے نکال کر دکھانے کو تیار ہوں۔

---

[1] DEFENSIVE

اسلامی شریعت نے وہ مسائل لیے ہیں جو طبعی اور فطرتی طور پر انسان کے لیے مطلوب ہیں اور جو ہر پہلو سے اُس کے قویٰ کی تربیت کرتے ہیں۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اسلام کے جو اعتراض غیر مذاہب پر ہیں وُہ اُن کا جواب نہیں دے سکتے۔

سعید اور شقی کا چہرہ

پس مَیں پھر کہتا ہوں کہ میری باتوں کو استخفاف اور استہزاء کی نظر سے نہ دیکھیں استہزاء سے کفر کا اندیشہ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا ادب اور خوف ہونا چاہیے۔ ہر ایک عارف ان باتوں کے ہزار ہا جواب دے سکتا ہے۔ کیا چہروں میں ایسی علامات نہیں ہوتیں جن کو دیکھ کر ہم ایک سعید اور شقی، بدمعاش اور خوش اطوار میں تمیز کر سکتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کو دیکھ کر کہا کہ یہ جھوٹوں کا مُنہ نہیں۔ اب وہ کونسا نشان تھا جو جھوٹوں میں ہوتا ہے اور آپؐ میں نہ تھا۔ ایک امتیاز تو تھا جس کو بصیرت والا انسان دیکھ سکتا ہے۔ ایسا ابلہ اور احمق کون ہے، جو نیک اور بد کو چہرہ سے دیکھ کر تمیز نہیں کر سکتا۔ مومن کا چہرہ اور ہر عضو اس کو ایک امتیاز بخشتا ہے اور اس کے باخدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہرِ نبوّت میں ایک خصوصیت ہو تو بتلاؤ اس سے کیا استبعاد لازم آتا ہے۔ سب کچھ ممکن ہے۔

صرف اُمورِ ایمانی پر ایمان لانا ضروری ہے

بالآخر یہ یاد رکھو کہ یہ ایک فروعی بات ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ ان باتوں میں پڑیں۔ اصول پر بحث ہونی چاہیے۔ اصول کے اثبات پر فرع خود ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی کیفیت اور کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا ضروری نہیں۔ دشمن اگر گفتگو کرے، تو ہم اُس کو روک سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات پر، ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام وغیرہ اُمورِ ایمانی پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان سب باتوں کا ماننا اصول ہے اور باقی اُمور اُن پر متفرّع ہیں اور یہ سب صفائی کے ساتھ ثابت شدہ صداقتیں ہیں۔ تعلیمِ اسلام ایسی صاف ہے کہ ہر قوّت کو اعتدال اور عین محل پر رکھتی اور تربیت کرتی ہے اور یہ عظیم الشان معجزہ ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ دُوسری تعلیمیں ایسی نہیں۔ کسی کا ناک نہیں تو کسی کے کان نہیں ہیں۔ غرض وہ ناقص اور ادھوری ہیں۔ مکمل خِلقت تعلیمِ اسلام ہی کی ہے۔ توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، نبوّت اور اخلاقِ فاضلہ، تکمیلِ نفس وغیرہ امور جن کا انسان محتاج ہے۔ وہ ایسے کامل اور روشن طور پر بیان ہوتے ہیں کہ ان میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں پڑتی۔ باقی اُمور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر کھاتے تھے؟ کتنے بڑے نوالے لیتے تھے۔ ان جھگڑوں میں پڑنے کی مومن کو کیا ضرورت ہے؟ مدارِ نجات ان باتوں پر نہیں ہے۔ ایسی باتیں جو اَفْتَرْ کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ اگر وہ نبوّتِ حقّہ کے خلاف نہیں بلکہ مشابہ ہیں تو ایمان لائیں؛ ورنہ تاویل کریں۔ کچھ ضرورت نہیں کہ اس پر چُناں اور چُنیں کر کے لمبی اور فضول

بحثوں میں پڑیں۔

خَاتَمُ النَّبِیّٖن کے معنی

ختمِ نبوت کے متعلق میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ خاتم النبیین کے بڑے معنے یہی ہیں کہ نبوت کے اُمور کو آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا۔ یہ موٹے اور ظاہر معنے ہیں۔ دُوسرے یہ معنے ہیں کہ کمالاتِ نبوت کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ قرآن نے ناقص باتوں کا کمال کیا اور نبوت ختم ہوگئی، اس لیے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ : ۴) کا مصداق اسلام ہوگیا۔ غرض یہ نشاناتِ نبوت ہیں۔ اُن کی کیفیت اور کُنہ پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصُول صاف اور روشن ہیں اور وُہ ثابت شدہ صداقتیں کہلاتی ہیں۔ ان باتوں میں پڑنا مومن کو ضروری نہیں۔ ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کوئی مخالف اعتراض کرے تو ہم اُس کو روک سکتے ہیں۔ اگر وُہ بند نہ ہو تو ہم اس کو کہہ سکتے ہیں کہ پہلے اپنے جُزوی مسائل کا ثبوت دے۔ الغرض مُہرِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشاناتِ نبوت میں سے ایک نشان ہے، جس پر ایمان لانا ہر مُسلمان مومن کو ضروری ہے۔[1]

۵ر جنوری ۱۸۹۹ء

قبر سے رُوح کا تعلق

(سوال مولوی قطب الدین صاحب) "رُوح کا تعلق جو قبور سے بتلایا گیا ہے۔ اس کی اصلیت کیا ہے؟"

فرمایا: "اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ ارواح کے تعلقِ قبور کے متعلق احادیثِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے، وہ بالکل سچ اور دُرست ہے۔ ہاں یہ دُوسرا امر ہے کہ اس تعلق کی کیفیت اور کُنہ کیا ہے؟ جس کے معلوم کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں؛ البتہ یہ ہمارا فرض ہوسکتا ہے کہ ہم یہ ثابت کردیں کہ اس قسم کا تعلق قبور کے ساتھ ارواح کا ہوتا ہے اور اس میں کوئی مُحالِ عقلی لازم نہیں آتا۔

اور اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ایک نظیر پاتے ہیں۔ درحقیقت یہ امر اسی قسم کا ہے، جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اُمور کی سچائی اور حقیقت صرف زبان ہی سے معلوم ہوتی ہے اور اس کو ذرا وسیع کرکے ہم یوں کہتے ہیں کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے رکھے ہیں۔ بعض خواص آنکھ کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں اور بعض صداقتوں کا پتہ صرف کان لگاتا ہے اور بعض ایسی ہیں کہ حسِ مشترک سے ان کا سراغ چلتا ہے اور کتنی ہی سچائیاں ہیں کہ وہ مرکزِ قویٰ یعنی دل سے معلوم ہوتی ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے صداقت کے معلوم کرنے کے لیے

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۹ پرچہ ۱۰ر جنوری ۱۸۹۹ء

مختلف طریق اور ذریعے رکھے ہیں۔ مثلاً مصری کی ایک ڈلی کو کان پر رکھیں، تو اس کا مزہ معلوم نہ کر سکیں گے اور نہ اُس کے رنگ کو بتلا سکیں گے۔ ایسا ہی اگر آنکھ کے سامنے کریں گے، تو وہ اُس کے ذائقہ کے متعلق کچھ نہ کہہ سکے گی۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کے لیے مختلف قویٰ اور طاقتیں ہیں۔ اب آنکھ کے متعلق اگر کسی چیز کا ذائقہ معلوم ہو اور وُہ آنکھ کے سامنے پیش ہو، تو کیا ہم یہ کہیں گے کہ اس چیز میں کوئی ذائقہ ہی نہیں یا آواز نکلتی ہو اور کان بند کر کے زبان سے وہ کام لینا چاہیں، تو کب ممکن ہے۔ آج کل کے فلسفی مزاج لوگوں کو یہ بڑا دھوکا لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے عدم علم کی وجہ سے کسی صداقت کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ روزمرہ کے کاموں میں دیکھا جاتا ہے کہ سب کام ایک شخص نہیں کرتا بلکہ جُداگانہ خدمتیں مقرر ہیں۔ سقہ پانی لاتا ہے۔ دھوبی کپڑے صاف کرتا ہے، باورچی کھانا پکاتا ہے۔ غرضیکہ تقسیم محنت کا سلسلہ ہم انسان کے خود ساختہ نظام میں بھی پاتے ہیں۔ پس اس اصل کو یاد رکھیں کہ مختلف قوتوں کے مختلف کام ہیں۔ انسان بڑے قویٰ لے کر آیا ہے اور طرح طرح کی خدمتیں اس کی تکمیل کے لیے ہر ایک۔ قوت کے سپرد ہیں۔ نادان فلسفی ہر بات کا فیصلہ اپنی عقلِ خام سے چاہتا ہے، حالانکہ یہ بات غلط محض ہے۔ تاریخی اُمور تو تاریخ ہی سے ثابت ہوں گے اور خواص الاشیاء کا تجربہ بدوں تجربہ صحیحہ کے کیونکر لگ سکے گا۔ امورِ قیاسیہ کا پتہ عقل دے گی۔ اسی طرح پر متفرق طور پر الگ الگ ذرائع ہیں۔ انسان دھوکہ میں مبتلا ہو کر حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے سے تب ہی محروم ہو جاتا ہے جبکہ وہ ایک ہی چیز کو مختلف اُمور کی تکمیل کا ذریعہ قرار دے لیتا ہے۔ میں اس اُصول کی صداقت پر زیادہ کہنا ضروری نہیں سمجھتا، کیونکہ ذرا سے فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے اور روزمرہ ہم ان باتوں کی سچائی دیکھتے ہیں پس جب رُوح جسم سے مفارقت کرتی ہے یا تعلق پکڑتی ہے، تو ان باتوں کا فیصلہ عقل سے نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو فلسفی اور حکماء ضلالت میں مبتلا نہ ہوتے۔

رُوح کے متعلق علوم چشمۂ نبوت سے ملتے ہیں

اسی طرح قبور کے ساتھ جو تعلق ارواح کا ہوتا ہے۔ یہ ایک صداقت تو ہے، مگر اس کا پتہ دینا اس آنکھ کا کام نہیں۔ یہ کشفی آنکھ کا کام ہے کہ وُہ دکھلاتی ہے۔ اگر محض عقل سے اس کا پتہ لگانا چاہو تو کوئی عقل کا پتلا اتنا ہی بتلائے کہ رُوح کا وجُود بھی ہے یا نہیں؟ ہزار اختلاف اس مسئلہ پر موجود ہیں اور ہزارہا فلاسفر و ہر یہ مزاج موجود ہیں جو منکر ہیں۔ اگر نری عقل کا یہ کام تھا، تو پھر اختلاف کا کیا کام؟ کیونکہ جب آنکھ کا کام دیکھنا ہے، تو میں نہیں کہہ سکتا کہ زید کی آنکھ تو سفید چیز کو دیکھے اور بکر کی ویسی ہی آنکھ اس سفید چیز کا ذائقہ بتلائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ نری عقل رُوح کا وجود بھی یقینی طور پر نہیں بتلا سکتی، چہ جائیکہ اس کی کیفیت اور تعلقات کا علم پیدا کر سکے۔ فلاسفر تو رُوح کو ایک سبز لکڑی کی طرح مانتے ہیں اور رُوح فی الخارج ان کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ یہ تفاسیر رُوح کے وجود اور اس کے تعلق وغیرہ کی چشمۂ نبوت سے ملی ہیں اور نرے عقل والے تو دعویٰ ہی نہیں کر سکتے۔ اگر کہو کہ بعض فلاسفروں نے کچھ لکھا ہے تو

یاد رکھو کہ اُنھوں نے منقول طور پر چشمۂ نبوت سے کچھ لے کر کہا ہے۔ پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رُوح کے متعلق علوم چشمۂ نبوت سے ملتے ہیں تو یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اُسی چشم سے دیکھنا چاہیے اور کشفی آنکھ نے بتلایا ہے کہ اس تودۂ خاک سے رُوح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ کہنے سے جواب ملتا ہے۔ پس جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہو سکتا ہے، وہ اُن تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔

ہم ایک بات مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ایک نمک کی ڈلی اور مصری کی ڈلی رکھی ہو۔ اب عقل محض ان پر کیا فتویٰ دے سکے گی۔ ہاں اگر اُن کو چکھیں گے، تو جُداگانہ مزوں سے معلوم ہو جاوے گا کہ یہ نمک ہے اور وہ مصری ہے، لیکن اگر حسِ لسان ہی نہیں تو نمکین اور شیریں کا فیصلہ کوئی کیا کرے گا؟ پس ہمارا کام صرف دلائل سے سمجھا دینا ہے۔ آفتاب کے چڑھنے میں جیسے ایک اندھے کے انکار سے فرق نہیں آسکتا اور ایک اسلوب القوۃ کے طریق استدلال سے فائدہ نہ اٹھانے سے اس کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پر اگر کوئی شخص کشفی آنکھ نہیں رکھتا، تو وہ اُس تعلقِ ارواح کو کیونکر دیکھ سکتا ہے؟ پس محض اس لیے کہ وُہ دیکھ نہیں سکتا، اس کا انکار جائز نہیں ہے۔ ایسی باتوں کا پتہ نری عقل اور قیاس سے کچھ نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس لیے انسان کو مختلف قویٰ دیئے ہیں۔ اگر ایک ہی سب کام دیتا تو پھر اس قدر قویٰ کے عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بعض کا تعلق آنکھ سے ہے اور بعض کا کان سے۔ بعض زبان سے متعلق ہیں اور بعض ناک سے۔ مختلف قسم کی حسیں انسان رکھتا ہے۔ قبور کے ساتھ تعلقِ ارواح دیکھنے کے لیے کشفی قوت اور حس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے، تو وہ غلط کہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر تعداد کروڑ ہا اولیاء و صُلحا کا سلسلہ دُنیا میں گذرا ہے اور مجاہدات کرنے والے بیشمار لوگ ہو گذرے ہیں اور وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں۔ گو اس کی اصلیت اور تعلقات کی وجہ عقلی طور پر ہم معلوم کر سکیں یا نہ، مگر نفسِ تعلق سے انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کیے دیتے ہیں۔ کان اگر نہ دیکھ سکیں تو ان کا کیا قصور؟ وہ اور قوت کا کام ہے۔ ہم اپنے ذاتی تجربہ سے گواہ ہیں کہ رُوح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے رُوح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے، جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے۔ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ ہے۔ بجز اس فرقہ کے جو نفیٔ بقائے رُوح کرتا ہے اور یہ امر کہ کس جگہ تعلق ہے کشفی قوت خود ہی بتلا دے گی۔ جیالوجسٹ (عالم علم طبقات الارض) بتلا دیتے ہیں کہ یہاں فلاں دھات ہے اور وہاں فلاں کان ہے۔ دیکھو ان میں یہ ایک قوت ہوتی ہے جو فی الفور بتلا دیتی ہے۔ پس یہ بات ایک سچی بات ہے کہ ارواح کا تعلق قبور سے ضرور ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اہلِ کشف توجہ سے میت کے ساتھ کلام بھی کر سکتے ہیں اور اوہام اور اعتراضوں کا سلسلہ تو ایسا لمبا ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۱۳ پرچہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۹ء

دُعا کی برکات

"اگر دُعا نہ ہوتی، تو کوئی انسان خداشناسی کے بارے میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔ دُعا سے الہام ملتا ہے۔ دُعا سے ہم خدا تعالیٰ سے کلام کرتے ہیں۔ جب انسان اخلاص اور توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دُعا کرتا کرتا فنا کی حالت تک پہنچ جاتا ہے۔ تب وُہ زندہ خدا اس پر ظاہر ہوتا ہے، جو لوگوں سے پوشیدہ ہے۔"

مُبارک وہ جو سمجھے

"خدا سے صُلح کرو۔ سچی پرہیزگاری سے کام لو۔ آسمان اپنے غیر معمولی حوادث سے ڈرا رہا ہے۔ زمین بیماریوں سے انذار کر رہی ہے۔ مُبارک وُہ جو سمجھے[1]" (حضرت مسیح موعودؑ)

۲۶ر جنوری ۱۸۹۹ء

ایڈیٹر صاحب اخبار الحکم لکھتے ہیں۔ جب لیل (دھاریوال کے پاس ایک گاؤں ہے) جہاں حضرت اقدسؑ نے بغرض پیروی مقدمہ ضمانت برائے حفظِ امن منجانب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، دھاریوال تشریف لے جاتے ہوئے قیام فرمایا تھا۔ (مُرتب) سے روانہ ہوکر کھنڈہ (جہاں حضرت اقدسؑ تشریف فرماتے تھے۔ (مُرتب) آپہنچے۔ تو حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ:

"اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہے۔ چونکہ سُنا گیا ہے کہ محمد حسین بھی وہیں اُترنے والا تھا۔ اس لیے اچھا ہوا کہ ہم وہاں نہیں ٹھہرے۔ ایسے لوگوں سے دُور ہی رہنا اچھا ہے۔"

(نوٹ از مُرتب) تبدیلِ فرودگاہ کا باعث یہ ہوا کہ حضرت اقدسؑ بسواری پالکی روانہ ہوئے تھے اور حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ اور چند اور دوست بٹالہ کے راستہ سے گاڑی پر سوار ہوئے تھے اور یہ امر مقررشدہ تھا کہ مقامِ نزول لیل ہی ہوگا، مگر حضرتِ اقدسؑ کو راستہ میں رانی ایشر کور (سکنہ دھام سردار جمیل سنگھ کی بیوہ بہو) کا خاص آدمی پیغام لے کر ملا کہ آپؑ میرے ہاں قیام فرماویں، چنانچہ حضرتِ اقدسؑ نے اس کا پیغام منظور فرما لیا اور وہیں قیام فرما ہوئے، مگر گاڑی والے دوستوں کو اطلاع نہ ہوئی، اس لیے وہ لیل ہی پہنچے۔ بعد میں حضرتِ اقدسؑ کے بُلوانے پر سب وہیں اکٹھے ہوگئے۔)

غیر مسلم کی دعوت اور نذر

تھوڑی دیر کے بعد رانی ایشر کور نے اپنے اہلکاروں کے ہاتھ ایک تھال مصری کا اور ایک بادام کا بطور نذر پیش کیا اور کہلا بھیجا، بڑی مہربانی فرمائی۔ میرے واسطے آپؑ کا تشریف لانا ایسا ہے، جیسے سردار جمیل سنگھ آنجہانی کا آنا۔ حضرتِ اقدسؑ نے نہایت سادگی اور اُس لہجہ میں

---

[1] (الحکم جلد ۳ نمبر ۳ صـ ۲ پرچہ ۲۳ر جنوری ۱۸۹۹ء)

جوان لوگوں میں خداداد ہوتا ہے، فرمایا کہ "اچھا آپ نے چونکہ دعوت کی ہے ہم یہ نذر بھی لے لیتے ہیں"

استقلال

کھانا کھا چکنے کے بعد ایک سفید ریش شخص کی بابت عرض کیا گیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ حضرتِ اقدسؑ نے نہایت فراخدلی سے فرمایا "ہاں" چنانچہ وہ شخص پیش ہوا اور اس نے اپنی درخواست منظوم پیش کی۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "استقلال سے اگر طبیب کا علاج کیا جاوے وہ بہت مہربان ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ فائدہ بھی دیتا ہے"

سفر میں روزہ

آپؑ سے دریافت کیا گیا کہ سفر کے لیے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ:

"قرآن کریم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (سورہ بقرہ: ۱۸۵) یعنی مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ اس میں امر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ جس کا اختیار ہو رکھ لے جس کا اختیار ہو نہ رکھے۔ میرے خیال میں مسافر کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور چونکہ عام طور پر اکثر لوگ رکھ لیتے ہیں، اس لیے اگر کوئی تعامل سمجھ کر رکھ لے، تو کوئی ہرج نہیں، مگر عِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کا پھر بھی لحاظ رکھنا چاہیے"

اس پر مولانا نورالدین صاحبؓ نے فرمایا کہ "یوں بھی تو انسان کو مہینے میں کچھ روزے رکھنے چاہئیں"

ہم اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ ایک موقعہ پر حضرت اقدسؑ نے بھی فرمایا "سفر میں تکالیف اُٹھا کر جو انسان روزہ رکھتا ہے تو گویا اپنے زورِ بازو سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اطاعتِ امر سے خوش نہیں کرنا چاہتا۔ یہ غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعتِ امر اور نہی میں سچا ایمان ہے"

۲۷ر جنوری ۱۸۹۹ء

بعد نماز صبح روانگی کا حکم ہوا۔ جب کارخانہ دھاریوال کے قریب سے گذرے، تو اس کے متعلق ذکر میں فرمایا:

"اس کو کسی وقت دیکھنا چاہیے۔ دیکھی ہوئی چیز کچھ کام ہی دیتی ہے"

ایک شخص نے کہا کہ حضرت میں نے ایک بار دیکھا، تو مجھے خدا تعالیٰ کی قدرت پر عجب جوش آیا اور جب تک میں نے چار رکعت نماز نہ پڑھ لی صبر نہ آیا۔ حضرت نے فرمایا:

"اصل بات یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اس لیے ہیں کہ وہ اپنا جلوہ دکھا رہا ہے، دیکھو کیڑے تک کو کس قدر طاقتیں دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تو ساری طاقتیں اور قوتیں ہیں"

حضورؑ کے لیے خیمہ چونکہ نہر پر لگایا گیا تھا۔ نہر کو دیکھ کر اور اس کے اردگرد درختوں کے نظارہ کو دیکھ کر فرمایا: "بہت اچھی جگہ ہے"

(الحکم جلد ۳ نمبر ۴۔ پرچہ ۳۱ر جنوری ۱۸۹۹ء)

۲۶ر فروری ۱۸۹۹ء

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے ایک لیکچر کی تعریف

حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کے لیکچر (موسومہ حضرت اقدسؑ مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا اصلاح اور تجدید کی) کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے پڑھا اور ۲۶ر فروری ۱۸۹۹ء کو مسجد مبارک میں احباب سے فرمایا کہ:

"میں چاہتا ہوں کہ ہمارے سب دوست اسے ضرور پڑھیں۔ اس لیے کہ اس میں بہت سے نکاتِ لطیفہ ہیں اور یہ نمونہ ہے ایک شخص کی قوتِ تقریر کا اور اسی منوال پر مخصوصاً ہماری جماعت کو مقرر بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"[1]

۱۰ر مارچ ۱۸۹۹ء

بلند ہمتی اور شجاعت

صبح سیر کو جاتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

"ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہمت اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے اور اُسے ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لیے تیار رہنا چاہیے اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرنی چاہیے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے، مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو۔ موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے۔ وہ تہوّر ہوتا ہے۔ مومن میں شتاب کاری نہیں ہوتی، بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرتِ دین کے لیے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔ انسان سے کبھی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور کبھی خوش کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی سائل کو دھکا دیا تو وہ سختی کا موجب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے، اس لیے اُسے توفیق نہ ملے گی کہ وہ اُسے کچھ دے سکے، لیکن اگر اس سے نرمی اور اخلاق سے پیش آئے گا، تو خواہ اسے پانی کا پیالہ ہی دیدے، تو وُہ بھی ازالۂ قبض کا موجب ہو جائے گا۔

استغفار۔ قبض کا علاج

انسان پر قبض اور بسط کی حالت آتی رہتی ہے۔ بسط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھ جاتی ہے۔ نمازوں میں لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے، لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وُہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے اور دل میں ایک تنگی کی حالت ہو جاتی ہے۔ جب ایسی حالت ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بہت پڑھے۔ نماز بھی بار بار پڑھے۔ قبض کے دور ہونے

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳

کا یہی علاج ہے۔

حقیقی علم علم سے مُراد منطق یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۹) اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوئی، تو یاد رکھو کہ وہ علم ترقیِ معرفت کا ذریعہ نہیں ہے[1]۔

۲۰ر اپریل ۱۸۹۹ء بوقت عصر

خدا کا بھروسہ

"اسلام کا خاصہ ہے کہ خدا پر بھروسہ ہوتا ہے مُسلمان وہی ہے جو صدقات اور دُعا کا قائل ہو۔ عیسائیوں کو اس بات پر یقین نہیں۔ کیوں؟ انہوں نے جسمانی خدا بنایا ہے۔

انسان کی بڑی خوشی جو زوال پذیر نہیں ہوتی، اور خطرات کے وقت اُسے سنبھال لیتی ہے۔ وہ خدا پر بھروسہ ہے۔ اور یہ صرف اسلام ہی کی تعلیم ہے کہ خدا پر بھروسہ کرو[2]"

۲۱ر اپریل ۱۸۹۹ء یومِ عید الاضحیٰ۔

والدہ کی خدمت

"پہلی حالت انسان کی نیک بختی کی ہے کہ والدہ کی عزت کرے۔ اویس قرنیؓ کے لیے بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف کو مُنہ کر کے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت مصروف رہتا ہے اور اسی وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا۔ بظاہر یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، مگر وُہ ان کی زیارت نہیں کر سکتے۔ صرف اپنی والدہ کی خدمت گذاری اور فرمانبرداری میں پوری مصروفیت کی وجہ سے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی خصوصیت سے وصیت فرمائی۔ یا اویسؓ کو یا مسیحؑ کو۔ یہ ایک عجیب بات ہے، جو دُوسرے لوگوں کو ایک خصوصیت

---

[1] الحکم جلد ۷، ۲۱ [2] الحکم جلد ۳ ۱۵، ۶

کے ساتھ نہیں لی، چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اُن سے ملنے کو گئے، تو اویس نے فرمایا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتا ہوں اور میرے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنھوں نے والدہ کی خدمت میں اس قدر سعی کی اور پھر یہ قبولیت اور عزت پائی۔ ایک وُہ ہیں جو پیسہ پیسہ کے لیے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام ایسی بُری طرح لیتے ہیں کہ رذیل قومیں چوہڑے چمار بھی کم لیتے ہوں گے۔ ہماری تعلیم کیا ہے؟ صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ہدایت کا بتلا دینا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ تعلق ظاہر کر کے اس کو ماننا نہیں چاہتا، تو وہ ہماری جماعت میں کیوں داخل ہوتا ہے؟ ایسے نمونے سے دُوسروں کو ٹھوکر لگتی ہے اور وُہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جو ماں باپ تک کی بھی عزت نہیں کرتے۔

مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا مُنہ نہ دیکھیں گے

مَیں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا مُنہ نہ دیکھیں گے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور وفاداری کے رنگ میں خدا رسُول کے فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے، ورنہ اختیار ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔

عربی اور انگریزی سیکھنے کی تلقین

مَیں یہ بھی اپنی جماعت کو نصیحت کرنی چاہتا ہوں کہ وُہ عربی سیکھیں کیونکہ عربی کی تعلیم کے بدُوں قرآن کریم کا مزا نہیں آتا۔ پس ترجمہ پڑھنے کے لیے ضروری اور مناسب ہے کہ تھوڑا تھوڑا عربی زبان کو سیکھنے کی کوشش کریں۔ آج کل تو آسان آسان طریق عربی پڑھنے کے نکل آئے ہیں۔ قرآن شریف کا پڑھنا جبکہ ہر مُسلمان کا فرض ہے تو کیا اس کے معنے یہ ہیں کہ عربی زبان سیکھنے کی کوشش نہ کی جاوے اور ساری عمر انگریزی اور دُوسری زبانوں کے حاصل کرنے میں کھودی جاوے۔ ہاں یہ بات بھی یاد رکھو کہ چونکہ استحکام گورنمنٹ نے ایک قومی گورنمنٹ کی صورت اختیار کر لی ہے اس لیے قومی گورنمنٹ کی زبان بھی ایک قومیت کا رنگ رکھتی ہے پس ضروری ہے کہ اپنے مطالب و اغراض کو حکام پر پورے طور سے ذہن نشین کرنے کے لیے انگریزی پڑھو، تاکہ تم گورنمنٹ کو فائدہ اور مدد پہنچا سکو۔"

فونوگراف

پھر زبانوں کے تذکرے پر فرمایا: "فونوگراف کیا ہے؟ گویا مطبعِ ناطق ہے۔"

تکلیف کی دو حیثیتیں

کوئی تکلیف نہیں پہنچتی جبتک آسمان پر فتویٰ نہ ہو، اگرچہ تکالیف تو پیغمبروں کو بھی پہنچتی ہیں، مگر وہ از راہِ محبت ہوتی ہیں اور اُن میں ایک قسم کی تعلیم مخفی ہوتی ہے، جو ان مشکلات میں انبیاء علیہم السلام کا پاک گروہ اپنے طرزِ عمل اور چال چلن سے دیتا ہے اور بعض لوگوں پر دُکھ کی مار ہوتی ہے اور وُہ اُن کی اپنی ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال: ۹) پس آدمی کو لازم ہے

کہ توبہ و استغفار میں لگا ہے اور دیکھتا رہے کہ ایسا نہ ہو، بداعمالیاں حد سے گذر جاویں اور خدا تعالیٰ کے غضب کو کھینچ لاویں۔

توبہ و استغفار

جب خدا تعالیٰ کسی پر فضل کے ساتھ نگاہ کرتا ہے، تو عام طور پر دلوں میں اُس کی محبت کا القا کر دیتا ہے، لیکن جس وقت انسان کا شر حد سے گذر جاتا ہے، اُس وقت آسمان پر اُس کی مخالفت کا ارادہ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے موافق لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں، مگر جونہی وہ توبہ و استغفار کے ساتھ خدا کے آستانہ پر گر کر پناہ لیتا ہے، تو اندر ہی اندر ایک رحم پیدا ہو جاتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ اس کی محبت کا بیج لوگوں کے دلوں میں بو دیا جاتا ہے۔ غرض توبہ و استغفار ایسا مجرب نسخہ ہے کہ خطا نہیں جاتا۔[1]

۲۱ / اپریل ۱۸۹۹ء قبل مغرب

مسیح موعود کا کارنامہ کسرِ صلیب

یہ کتاب[2] جو لکھی گئی ہے، جب شائع ہوگی، تو اُن لوگوں کو بھی پتہ لگ جاوے گا جو بار بار اعتراض کرتے ہیں کہ آکر کیا بنایا؟ میں حیران ہو جاتا ہوں جب اس قسم کے اعتراض سُنتا ہوں۔ کیا پھونک مار کر کچھ بنا دیا جاتا؟ مگر یہ لوگ دیکھیں گے اور خدا تعالیٰ نمایاں طور پر دکھا دے گا کہ کیا بنایا ہے۔ کاش یہ لوگ موجودہ حالتِ وقت پر غور کرتے۔ صدی میں سے سولہ[16] سال گذر گئے۔ ظلمت انتہا تک پہنچ گئی اور کوئی نہ آیا۔ جو اصلاح کرتا۔ یہ لوگ ذرا بھی انصاف نہیں کرتے۔ مجھ پر اعتراض کرتے کرتے خدا پر اعتراض جا کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے تو آکر کچھ بنایا نہیں اور خدا نے بنانے والا بھیجا نہیں، بلکہ باوجود اس کے کہ اور ضرورتیں اگر چھوڑ بھی دی جاویں تو ان ناعاقبت اندیش معترضوں کے موافق ایک گمراہ کرنے والا بھی آ گیا اور پھر بھی وہ اصل مہدی نہ آیا اور نہ خدا نے اُسے بھیجا۔ چودھویں صدی کو مبارک سمجھتے تھے پر کیا خاک مبارک نکلی، جبکہ ایک دجّال آگیا!!! صدیق حسن اور عبدالحی جو دعویٰ کرنے والے تھے وُہ صدی کے سر پر ہی فوت ہو گئے؛ ورنہ شاید وُہی اِن لوگوں کا سہارا ہوتے، لیکن خدا نے اپنے فضل سے دکھا دیا کہ یہ کام اُن کا نہ تھا بلکہ کسی اور کا۔

مجدد جو آیا کرتا ہے، وُہ ضرورتِ وقت کے لحاظ سے آیا کرتا ہے نہ استنجے اور وُضو کے مسائل بتلانے۔ خدا جو مدبر اور حکیم خدا ہے، کیا وہ نہیں دیکھتا کہ دُنیا پر طبعیات اور فلسفہ کی زہریلی ہوا چلی ہے جس نے ہزارہا انسانوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ صلیب پرست عیسائیوں نے کس کس رنگ میں لکھو کھہا رُوحوں کو خدا سے دُور پھینک دیا ہے۔

---

[1] (الحکم جلد ۳ نمبر ۱۵ صفحہ ۲ پرچہ ۱۲ / مئی ۱۸۹۹ء)

[2] "مسیح ہندوستان میں" (مُرتّب)

تو پھر کیا اس وقت ایسے مجدد کی ضرورت نہ تھی جو کسرِ صلیب کرے اور دلائل و بیّنات سے دکھا دے کہ صلیبی مذہب میں حقانیت کا نور نہیں۔ اور ایک لکڑی پر ایمان لاکر انسان نجات کا وارث نہیں ٹھہر سکتا۔ آئے دن پچاس ہزار اور ایک ایک لاکھ اشتہار چھاپ چھاپ کر یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں اور ٹڈی دَل کی طرح عورتیں بچے جوان بوڑھے لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح اسلام پر حملہ کریں۔ اس وقت اسلام پر وہ حملہ ہوا ہے جس کی انتہا نہیں۔ ادھر خدا کا یہ وعدہ کہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) اور ادھر ان ناعاقبت اندیش معترضین کی یہ دانائی کہ اسلام میں حفاظتِ دین کے لیے معرفت کا نور لے کر کوئی نہیں آیا، بلکہ دجّال آیا ہے۔ افسوس! صد افسوس!! آہ! صد آہ!

یہی تو وقت تھا کہ خدا اپنی نصرت اور تائید کا روشن ہاتھ دکھاتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس نے دکھایا اور وہ اپنی چمکار دکھائے گا اور مخالفوں کو شرمندہ کرکے بتلا دیگا، کہ آنے والے نے آکر کیا بنایا۔[1]"

۲۱/اپریل ۱۸۹۹ء

ستّاری خدا کی ستّاری ایسی ہے کہ وُہ انسان کے گناہ اور خطاؤں کو دیکھتا ہے، لیکن اپنی اس صفت کے باعث اس کی غلط کاریوں کو اُس وقت تک جب تک کہ وُہ اعتدال کی حد سے نہ گذر جاوے ڈھانپتا ہے، لیکن انسان کسی دُوسرے کی غلطی دیکھتا بھی نہیں اور شور مچاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کم حوصلہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات حلیم و کریم ہے۔ ظالم انسان اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی خدا تعالیٰ کے حلم پر پوری اطلاع نہ رکھنے کے باعث بیباک ہو جاتا ہے اس وقت ذوانتقام کی صفت کام کرتی ہے اور پھر اُسے پکڑ لیتی ہے۔ ہندو لوگ کہا کرتے ہیں کہ پرمیشر اور اَت میں وَیر ہے۔ یعنی خدا حد سے بڑھی ہوئی بات کو عزیز نہیں رکھتا۔ باایں ہمہ بھی وہ ایسا رحیم کریم ہے کہ ایسی حالت میں بھی اگر انسان نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ آستانہ الٰہی پر جاگرے، تو وُہ رحم کے ساتھ اُس پر نظر کرتا ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ جیسے اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں پر مؤاخذہ نہیں کرتا اور اپنی ستّاری کے طفیل رُسوا نہیں کرتا، تو ہم کو بھی چاہیے کہ ہر ایسی بات پر جو کسی دُوسرے کی رسوائی یا ذلّت پر مبنی ہو۔ فی الفور مُنہ نہ کھولیں۔

غفلت کا علاج استغفار ہے بعض لوگوں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو ایسے اسباب پیش آجاتے ہیں مثلاً ملازمت یا کوئی اور وجہ کہ ان کی عُمر کا ایک بڑا حصّہ ظُلمانی حالت میں گذرتا ہے۔ نہ پابندیٔ نماز کی طرف توجّہ کرتے ہیں نہ قَالَ اللّٰہ اور قَالَ الرَّسُوْل سُننے

---

[1] (الحکم جلد ۳ نمبر ۱۸ صفحہ ۳ پرچہ ۱۹ مئی ۱۸۹۹ء)

کا موقع ملتا ہے۔ کتاب اللہ پر غور کرنے کا اُن کو خیال تک بھی نہیں آتا۔ ایسی صورت میں جب ایک زمانہ ظلمت کا گذر جاوے تو یہ خیالات راسخ ہو کر طبیعتِ ثانیہ کا رنگ پکڑ جاتے ہیں۔ پس اس وقت اگر انسان توبہ اور استغفار کی طرف توجہ نہ کرے تو سمجھو کہ بڑا ہی بدقسمت ہے۔ غفلت اور سستی کا بہترین علاج استغفار ہے۔ سابقہ غفلتوں اور سستیوں کی وجہ سے کوئی ابتلا بھی آجاوے تو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر سجدے اور دُعائیں کرے اور خدائے تعالیٰ کے حضور ایک سچی اور پاک تبدیلی کا وعدہ کرے۔

۲۲ اپریل ۱۸۹۹ء

افترا کرنیوالا کبھی مُہلت نہیں پاسکتا

ہمارے دعوائے الہام و مکالمہ الٰہیہ کی اشاعت کو یوں تو بہت سال گذرے لیکن اگر براہین کی اشاعت سے بھی لیا جائے تو بیس سال ہو چکے۔ ہمارے مخالف جو ہم کو جھوٹا اور اپنے دعوے میں مُفتری قرار دیتے ہیں۔ اُن سے کوئی سوال کرے کہ خدا تعالیٰ تو کسی ایسے مفتری کو جو اُس پر الہام اور مکالمہ کا افترا کرے مُہلت نہیں دیتا۔ یہانتک کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا۔ کہ اگر تُو بعض باتیں اپنی طرف سے کہتا، تو ہم شاہ رگ سے پکڑ لیتے۔ پھر کسی اور کی کیا خصوصیت ہو سکتی ہے؟ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر الہام کا افترا کرنے والا کبھی بھی مُہلت نہیں پاسکتا۔ اب ہم پُوچھتے ہیں کہ اگر یہ ہمارا سلسلہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ نہیں ہے۔ تو کسی قوم کی تاریخ سے ہم کو پتہ دو کہ خدائے تعالیٰ پر کسی نے افترا کیا ہو اور پھر اُسے مُہلت دی گئی ہو۔ ہمارے لیے تو یہ معیار صاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ۲۳ سال تک کا ایک دراز زمانہ ہے۔ اُس صادق اور کامل نبی کے زمانہ سے قریباً ملتا ہوا زمانہ اللہ تعالیٰ نے ابتک ہم کو دیا۔ کیونکہ براہین کی اشاعت پر بیس سال ہوتے جو ناعاقبت اندیش معترضوں کے نزدیک افترا کا پہلا زمانہ ہے۔ ابتک تو ہم ایک مُسلم و صادق بلکہ جُملہ صادقوں کے سرتاج صادقؐ کے زمانہ سے ملتا ہوا زمانہ پیش کرتے ہیں اور یہ ظالم کہے جاتے ہیں کہ جھوٹ ہے۔ افسوس ہماری تکذیب کے خیال میں یہ لوگ یہاں تک اندھے ہو گئے ہیں کہ اُن کو یہ بھی نظر نہیں آتا کہ اس انکار کی زد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی پڑتی ہے، کیونکہ اگر بیس بائیس سال تک بھی خدا کسی مُفتری کو مدد دے سکتا ہے تو پھر مجھے تو تعجب ہی آتا ہے۔ نہیں، بلکہ دل کانپ اُٹھتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ کیا دلیل پیش کریں گے؟ ایک مسلمان، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع کے مُنہ سے جب وہ اتنا دراز عرصہ تک مدعی کو مُہلت پاتے ہوئے دیکھ لے کبھی یہ نہیں نکل سکتا کہ جھوٹا اور کاذب بھی اس قدر عرصہ دراز کی مُہلت پالیتا ہے۔ اگر اور کوئی بھی نشان اور دلیل ایسے مدعی کی صداقت کی نہ ملے۔ تب بھی ایک سچے مُسلمان کو حُسنِ ظن اور ایمانداری کے رُو سے لازم آتا ہے کہ انکار نہ کرے، کیونکہ اس کا زمانہ رسُول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مشابہ ہوگیا ہے۔

اگر کوئی عیسائی کہے کہ مفتری کو مُہلت مل سکتی ہے، تو اس امر کا ثبوت دے، مگر مسلمان تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔ پس اب ہمارے مخالف بتلائیں کہ کیا ایک کاذب دجّال، مفتری علی اللہ طرزِ استدلالِ نبوّت میں شریک ہو سکتا ہے؟ ماننا پڑے گا کہ ہرگز نہیں۔ پھر وہ ہمارے دعوے کو سوچیں اور اس زمانہ پر غور کریں جو استدلالِ نبوّت کا زمانہ ہے۔ غرض ہر پہلو میں بہت سی باتیں ہیں جو سوچنے والے کو مل سکتی ہیں اور ایک دُور اندیش اُن سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔[1]

۲۲ر جون ۱۸۹۹ء

حضرت اقدسؑ نے کل باتوں باتوں میں فرمایا کہ

"یقیناً یاد رکھو کہ خدا اپنے بندے کو کبھی ضائع نہیں کریگا اور ہرگز نہیں اُٹھائے گا، جبتک اُس کے ہاتھ سے وُہ باتیں پوری نہ ہو جائیں۔ جن کے لیے وہ آیا ہے۔ اسے کسی کی خصومت اور کسی کی بدُعا کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔"

اس کی تحریک یُوں ہوئی کہ کسی نے کہا کہ اب مخالف مُلّہم صاحب کہتے ہیں کہ اس سلسلہ کی تباہی اب قریب ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (الکہف: ۶) پھر بڑے درد دل سے فرمایا۔ کہ:

تقویٰ و طہارت

"کل (یعنی ۲۲ر جون ۱۸۹۹ء) بہت دفعہ خدا کی طرف سے الہام ہوا کہ تم لوگ متقی بن جاؤ اور تقویٰ کی باریک راہوں پر چلو تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔"

فرمایا: "اس سے میرے دل میں بڑا دَرد پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا کروں کہ ہماری جماعت سچا تقویٰ و طہارت اختیار کرلے۔" پھر فرمایا کہ "میں اتنی دُعا کرتا ہوں کہ دُعا کرتے کرتے ضعف کا غلبہ ہو جاتا ہے اور بعض اوقات غشی اور ہلاکت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔" فرمایا "جبتک کوئی جماعت خدا تعالیٰ کی نگاہ میں متقی نہ بن جائے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت اس کے شاملِ حال نہیں ہو سکتی۔" فرمایا "تقویٰ خُلاصہ ہے تمام صُحفِ مقدسہ اور توریت و انجیل کی تعلیمات کا۔ قرآن کریم نے ایک ہی لفظ میں خدا تعالیٰ کی عظیم الشان مرضی اور پُوری رضا کا اظہار کر دیا ہے۔" فرمایا "میں اس فکر میں بھی ہوں کہ اپنی جماعت میں سے سچے متقیوں، دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والوں اور منقطعین اِلی اللہ کو الگ کروں اور بعض دینی کام انہیں سپرد کروں اور پھر میں دُنیا کے ہم و غم میں مبتلا رہنے والوں اور رات دن مُردار دُنیا ہی کی طلب میں جان کھپانے والوں کی کچھ پروا نہ کروں گا۔"

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۲۱ پرچہ ۱۶ر جون ۱۸۹۹ء

[2] منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ مصنف قصائے موسیٰ۔ (مُرتب)

رات کس درد سے حضرت امامؑ فرماتے ہیں۔ آہ! اب تو خدا کے سوا کوئی بھی ہمارا نہیں۔ اپنے پرائے سب ہی اس پر تُلے ہوئے ہیں کہ ہمیں ذلیل کر دیں۔ رات دن ہماری نسبت مصائب اور گردشوں کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اب اگر خدا تعالیٰ ہماری مدد نہ کرے، تو ہمارا ٹھکانہ کہاں؟[1]"

۲۵ر جون ۱۸۹۹ء

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کا عقیقہ

صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے عقیقہ کے لیے ۲۵ جون اتوار کا دن مقرر تھا۔ حضرت اقدسؑ نے اس کام کا اہتمام منشی نبی بخش صاحب کے سپرد کیا تھا، مگر اس دن صبح صادق سے پہلے بارش شروع ہو گئی۔ صبح کی نماز معمول سے سویرے پڑھی گئی اور دوست تاریکی اور ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے سو گئے۔ جب دن چڑھے حضرت اقدسؑ بیدار ہوئے تو دریافت کیا کہ عقیقہ کا کوئی سامان نظر نہیں آتا۔ گاؤں کے لوگوں کو دعوت کی گئی تھی اور باہر سے بھی کچھ احباب تشریف لائے تھے۔ حضرتؑ کو فکر ہوئی کہ مہمانوں کو ناحق تکلیف ہوئی۔ ادھر مہتمم منشی صاحب بڑے مضطرب اور نادم تھے کہ حضورِ پاک میں کیا عذر کریں۔ منشی صاحب حاضر ہوئے اور معذرت کی۔ خیر کریم انسان اور رحیم ہادی کی ذات میں درشتی اور سخت نکتہ چینی تو تھی ہی نہیں۔ فرمایا: "اچھا فُعِلَ مَا قُدِّرَ" تاہم مہتمم صاحب بار بار معذرت کے لیے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں دوڑے جاتے۔ اُن کے اِس حال کو دیکھ کر حضرت اقدسؑ کو اپنی ایک رؤیا یاد آ گئی جو چودہ سال ہوئے دیکھی تھی جس کا مضمون یہ ہے کہ "ایک چوتھا بیٹا ہوگا اور اس کا عقیقہ سوموار کو ہوگا"

خدا تعالیٰ کی بات کے پُورا ہونے اور اللہ تعالیٰ کے اس عجیب تصرف سے حضرت اقدسؑ کو بڑی خوشی ہوئی۔ دُوسرے دن سوموار کو جب سب خدام صحنِ اندرونِ خانہ میں بیٹھے تھے اور صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کا سر مونڈا جا رہا تھا۔ حضرتِ اقدسؑ نے بڑے جوش اور خوشی سے یہ رؤیا سُنائی۔[2]

۳۰ر جون ۱۸۹۹ء

رات کو امراضِ وبائیہ کا تذکرہ ہوا۔ فرمایا:

"یہ ایام برسات کے معمولاً خطرناک ہوا کرتے ہیں۔ ہند کے طبیب کہتے ہیں کہ ان تین مہینوں میں جو بچ رہے، وہ گویا

---

[1] خط مولوی عبدالکریم صاحب مورخہ ۲۳ جون ۱۸۹۹ء مندرجہ الحکم جلد ۳ نمبر ۲۲ صفحہ

[2] از خط حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی مندرجہ الحکم جلد ۳ نمبر ۲۳ صفحہ ۶-۷ پرچہ ۳۰ جون ۱۸۹۹ء

نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے۔" پھر فرمایا: "یہ جاڑا بھی خوفناک ہی نظر آتا ہے۔" فرمایا: "اطبا بڑے بڑے پرہیزوں اور حفظِ ماتقدم کے لیے احتیاطیں بتاتے ہیں؛ اگرچہ سلسلہ اسباب کا اور اُن کی رعایت دُرست ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ محدود العلم ضعیف انسان کہاں تک بچا بچا کر غذا اور پانی کا استعمال کیا کرے۔ میرے نزدیک تو استغفار سے بڑھ کر کوئی تعویذ و حرز اور کوئی احتیاط دوا نہیں۔ میں تو اپنے دوستوں کو کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے صلح و موافقت پیدا کرو اور دُعاؤں میں مصروف رہو۔

ایک حدیث کا مطلب

فرمایا: "میں تو بڑی آرزو رکھتا ہوں اور دُعائیں کرتا ہوں کہ میرے دوستوں کی عُمریں لمبی ہوں، تاکہ اس حدیث کی خبر پُوری ہو جائے جس میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں چالیس برس موت دُنیا سے اُٹھ جائے گی۔" فرمایا: "اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام جانداروں سے اس عرصہ میں موت کا پیالہ ٹل جائے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں جو نافع الناس اور کام کے آدمی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت بخشے گا۔"

۱۰ر جولائی ۱۸۹۹ء سے قبل

"مجھے خوب یاد ہے کہ جس روز ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب قادیان میں حضرت کے مکان کی تلاشی کے لیے آئے تھے اور قبل از وقت اس کا کوئی پتہ اور خبر نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ مامورین کی رسوائی پسند نہیں کرتا

اس کی صبح کو کہیں سے ہمارے میر صاحب نے سُن لیا کہ آج وارنٹ ہتھکڑی سمیت آویگا۔ میر صاحب حواس باختہ سراسیمہ پانشناختہ حضرت کو اس کی خبر کرنے اندر دوڑے گئے اور غلبۂ رقت کی وجہ سے بصد مشکل اس ناگوار خبر کے مُنہ سے برقع اتارا۔ حضرت اس وقت نورالقرآن لکھ رہے تھے اور بڑا ہی لطیف اور نادک مضمون در پیش تھا۔ سر اُٹھا کر اور مُسکرا کر فرمایا۔ کہ:

"میر صاحب! لوگ دُنیا کی خوشیوں میں چاندی سونے کے کنگن پہنا ہی کرتے ہیں، ہم سمجھ لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوہے کے کنگن پہن لیے۔" پھر ذرا تامل کے بعد فرمایا: "مگر ایسا نہ ہوگا، کیونکہ خدا تعالیٰ کی اپنی گورنمنٹ کے مصالح ہوتے ہیں وہ اپنے خلفائے مامورین کی ایسی رسوائی پسند نہیں کرتا۔"

لہ از خط مولوی عبدالکریم صاحبؓ یکم جولائی ۱۸۹۹ء مندرجہ الحکم جلد ۳ ۲۳ صہ ۵

لہ از خط حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ مندرجہ الحکم جلد ۳ ۲۴ صہ ۱-۲

ہفتہ مختتمہ ۱۰ر جولائی ۱۸۹۹ء

ایک دینی خوشخبری پر بے پایاں مسرت

اس ہفتہ میں سب سے عجیب اور دلچسپ بات جو واقع ہوئی اور جس نے ہمارے ایمانوں کو بڑی قوت بخشی وہ ایک چٹھی کا حضرت کے نام آنا تھا۔ اس میں پختہ ثبوت اور تفصیل سے لکھا تھا کہ جلال آباد (علاقہ کابل) کے علاقہ میں یوزآسف نبی کا چبوترہ موجود ہے اور وہاں مشہور ہے کہ دو ہزار برس ہوتے کہ یہ نبی شام سے یہاں آیا تھا اور سرکارِ کابل کی طرف سے کچھ جاگیر بھی اس چبوترہ کے نام ہے۔ زیادہ تفصیل کا محل نہیں۔ اس خط سے حضرتِ اقدس اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ گواہ اور علیم ہے کہ اگر مجھے کوئی کروڑوں روپے لا دیتا تو میں کبھی اتنا خوش نہ ہوتا جیسا اِس خط نے مجھے خوشی بخشی ہے۔"

برادران! دینی بات پر یہ خوشی کیا منجانب اللہ ہونے کا نشان نہیں؟ کون ہے آج جو اعلائے کلمۃ اللہ کی باتوں پر ایسی خوشی کرے؟

ایک رویاء اور اس کی تعبیر

ہمارے ایمان کی تجدید و تقویت کے لیے ایک نشان یہ ظاہر ہوا کہ ظہر کے وقت اچانک یہ خطا آتا ہے اور صبح حضرت اقدسؑ کو یہ رویاء ہوتی ہے کہ حضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند گویا حضرتِ اقدس کے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں۔ حضرتِ اقدسؑ رویاء میں عاجز عبدالکریم کو جو اس وقت حضورِ اقدسؑ کے پاس بیٹھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ملکہ معظمہ کمال شفقت سے ہمارے ہاں قدم رنجہ فرما ہوئی ہیں اور دو روز قیام فرمایا ہے۔ ان کا کوئی شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے۔

اس رویاء کی تعبیر یہ تھی کہ حضرت کے ساتھ کوئی نصرتِ الٰہی شامل ہوا چاہتی ہے۔ اس لیے کہ حضرت ملکہ معظمہ کا اسم مبارک وکٹوریہ ہے، جس کے معنی ہیں۔ منظفرہ منصورہ اور نیز چونکہ اس وقت حضرت ملکہ معظمہ کُل رُوئے زمین کے سلاطین میں سب سے زیادہ کامیاب اور خوش نصیب ہیں، اس لیے آپ کا مہربانی کے لباس میں آپؑ کے مکان میں تشریف لانا بڑی برکت و کامیابی کا نشان ہے۔ خدا کا علم و قدرت دیکھئے۔ ظہر کے وقت اس رویاء کی صحیح تعبیر پوری ہوگئی۔ اللہ اللہ! اس سے زیادہ نصرت کیا ہے کہ ایسے سامان مل رہے ہیں کہ جن سے دُنیا کے کُل نصاریٰ پر خدا کی روشن حُجت پوری ہوتی ہے۔

مسیح موعود کا مشن

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: "میں حیران ہوتا ہوں کہ ان کا فرضی مسیح اور کام کیا کرتا یا کریگا؟ اس کی اوقاتِ زندگی کی یہی تقسیم بتاتے ہیں کہ دن کا ایک حصّہ تو لکڑی یا لوہے یا پیتل یا سونے چاندی کی صلیبوں کے توڑنے میں بسر کرے گا اور ایک حصّہ سوروں کے قتل کرنے میں صرف

کرے گا۔ بس یہی کہ کچھ اور بھی؟ فرمایا: "یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہ بات کیا ہے جس سے اتنے کروڑ نصاریٰ پر حجتِ حق پوری ہو کیونکہ اگر نری تلوار ہو تو وہ تو احقاقِ حق کے لیے کبھی آلہ بن نہیں سکتی۔ کیا ایمان کبھی درشتی سے دلوں میں اُتر سکتا ہے اور محبت اللہ اکرہ سے کسی کے دل کو فریفتہ کر سکتی ہے؟ وہ تو اور بھی الزام کا موجب ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں بجز لٹھم لٹھا ہونے کے دلیل کوئی نہیں۔" فرمایا: "آگے تھوڑا مخالفین الزام لگاتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا اور مسلمان یوں اُسے سچا کر دینا چاہتے ہیں اور معمولی کرامات و معجزات سے بھی یورپ و دیگر نصاریٰ پر اثر نہیں پڑ سکتا، اس لیے کہ اُن کی کتاب میں لکھا ہے کہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو نشان دکھائیں گے۔ پھر اب کیا ہے بجز اس کے کہ کوئی ایسی حجت ظاہر ہو جس کے آگے گردنیں خم ہو جائیں اور وہ وہی راہ ہے جو خدا میرے ہاتھ سے پوری کریگا۔"

مامور سے مقابلہ کی تین راہیں

اسی ہفتہ لاہوری مُلہم صاحب کا خط آیا جس میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کے سلسلہ کے خلاف ایک دو پیشگوئیاں کی تھیں۔ اس کے متعلق آپؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان لوگوں کی ہمدردی کے لیے کس قدر میرے دل میں تڑپ اور جوش ہے اور میں حیران ہوں کہ کس طرح ان لوگوں کو سمجھاؤں۔ یہ لوگ کسی طرح بھی مقابلہ میں نہیں آتے۔ تین ہی راہیں ہیں یا گذشتہ زمانہ کے نشانوں سے میرے اپنے نشانوں کا مقابلہ کریں یا آئندہ نشانوں میں مقابلہ کریں یا اور نہیں تو یہی دُعا کریں کہ جس کا وجود نافع الناس ہے وہ بموجب وعدہ الٰہی۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) دراز زندگی پائے۔ پھر عیاں ہو جائے گا کہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں کون مقبول و منظور ہے۔" فرمایا:

خدائی الہام کا معیار

"افسوس یہ لوگ چھوٹے چھوٹے معمولی الہامی ٹکڑوں اور خوابوں پر اترائے بیٹھے ہیں اور سمجھ نہیں سکتے کہ کسی الہام کے خدا کی طرف سے ہونے اور دخلِ شیطان سے پاک ہونے کا معیار کیا ہے؟ معیار یہی ہے کہ اُس (خدائی الہام) کے ساتھ نصرتِ الٰہی ہو اور اقتداری علمِ غیب اور قاہر پیشگوئی اس کے ساتھ ہو، ورنہ وہ فضول باتیں ہیں جو نافع الناس نہیں ہو سکتیں۔" فرمایا: "اگر کوئی شخص کسی جلسہ کے وقت دُور بیٹھا ہوا کسی عظیم الشان بادشاہ کی باتیں معمولاً سُن لے اور لوگوں کے سامنے آکر کہے کہ میں نے فلاں بادشاہ کی باتیں سُنی ہیں تو اس کے کہنے سے اُسے اور دُوسرے لوگوں کو کیا حاصل؟ تقربِ سُلطانی کے بعد کی باتوں کے نشان اور ہی ہوا کرتے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر ایک عالم پکار اٹھتا ہے کہ فلاں شخص درحقیقت بادشاہ کا مہبطِ کلام و سلام ہے۔" فرمایا: "اگر میرے الہامات بھی ویسے ہی معمولی اور فضول ٹکڑے ہوتے۔ اور ہر ایک میں علمِ غیب اور اقتداری پیشگوئیاں نہ ہوتیں تو میں انہیں محض ہیچ سمجھتا۔" فرمایا: "بھلا کوئی شخص لیکھرام والی پیشگوئی کے برابر کوئی ایک ہی الہام بتا دے۔" فرمایا: "میرے الہاموں سے قوم کا فائدہ اور اسلام کا فائدہ ہوتا ہے اور یہی معیار بڑا بھاری معیار ہے جو میرے الہامات

کے منجانب اللہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔" فرمایا: "میرے ساتھ خدا تعالیٰ کے معاملات اور تصرفات اور اُس کے نشان میری تائید میں عجیب ہیں کچھ تو میری ذات کے متعلق ہیں۔ کچھ میری اولاد کے متعلق ہیں اور کچھ میرے اہلِ بیت کے متعلق ہیں اور کچھ میرے دوستوں کے متعلق ہیں اور کچھ میرے مخالفوں کے متعلق ہیں اور کچھ عامۃ الناس کے متعلق ہیں۔

لاہوری مُلہم کے دوستوں میں سے ایک حافظ صاحب کا پیغام پہنچا کہ وہ گذشتہ نشانوں کا حوالہ سُننا نہیں چاہتے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

بار بار ملنے کی تلقین

افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی بات بھی ناقدردانی کے قابل نہیں ہوتی۔ کیا ایک قوم کو ان سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا۔ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ (العنکبوت: ۵۲) کیا یہ گذشتہ نشانوں کا حوالہ نہیں؟" فرمایا: "اب ایسا وقت ہے کہ ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ بہت دفعہ ملاقات کیا کریں، تاکہ نئے نئے نشانوں کے دیکھنے سے جو روز بروز نازل ہوتے ہیں۔ اُن کے ایمان و تقویٰ میں ترقی ہو۔"[1]

---

[1] از خط مولوی عبدالکریم صاحبؓ ۱۰ر جولائی ۱۸۹۹ء مندرجہ الحکم جلد ۳ ۲۴ ص ۲۰۳

سلسلہ احمدیہ کے قیام کا مقصد

جولائی ۱۸۹۹ء

ایک معزز افسر جو کسی تقریب پر اگلے دن قادیان میں تشریف لائے، تو حضرتِ اقدس امامنا مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان نے بھی ان کی دعوت کی جبکہ سب مہمان کھانے کے واسطے جمع ہوتے تو دستر خوان کے بچھائے جانے سے پہلے حضرتِ اقدسؑ نے اس مہمان کو اور دُوسرے احباب کو مخاطب کر کے فرمایا۔[1]

"جب کبھی آپ اس جگہ قادیان میں تشریف لاویں، بے تکلف ہمارے گھر میں تشریف لایا کریں۔ ہمارے ہاں مطلقاً تکلف نہیں ہے۔ ہمارا سب کاروبار دینی ہے۔ اور دُنیا اور اس کے تعلقات اور تکلفات سے ہم بالکل جُدا ہیں۔ گویا ہم دنیاداری کے لحاظ سے مثل مُردہ کے ہیں۔ ہم محض دین کے ہیں اور ہمارا سب کارخانہ دینی ہے۔ جیسا کہ اسلام میں ہمیشہ بزرگوں اور اماموں کا ہوتا آیا ہے اور ہمارا کوئی نیا طریق نہیں بلکہ لوگوں کے اُس اعتقادی طریق کو جو کہ ہر طرح سے اُن کے لیے خطرناک ہے دُور کرنا اور اُن کے دلوں سے نکالنا ہمارا اصل منشاء اور مقصود ہے مثلاً بعض نادان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر قوموں کے لوگوں کی چیزیں چُرا لینا جائز ہے اور کافروں کا مال ہمارے لیے حلال ہے اور پھر اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر اس کے مطابق حدیثیں بھی گھڑ رکھی ہیں۔ پھر وُہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جو دوبارہ دنیا میں آنے والے ہیں، تو ان کا کام لاٹھی مارنا اور خونریزیاں کرنا ہے، حالانکہ جبر سے کوئی دِین دِین نہیں ہو سکتا۔ غرض اسی قسم کے خوفناک عقیدے اور غلط خیالات اِن لوگوں کے دلوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ جن کو دُور کرنے کے واسطے اور پُرامن عقائد اُن کی جگہ قائم کرنے کے واسطے ہمارا سلسلہ ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ مُصلحوں کی اور اولیاء اللہ کی اور نیک باتیں سکھانے والوں کی دُنیا دار مخالفت کرتے ہیں۔ ایسا ہی ہمارے ساتھ بھی ہوا ہے اور مخالفوں نے غلط خبریں محض افترا

---

[1] جناب مفتی محمد صادق صاحب لکھتے ہیں: "یہ گفتگو ایسی مفید اور کارآمد باتوں پر مشتمل تھی کہ مَیں نے اکثر فقروں کو اپنی عادت کے موافق اُسی وقت اپنی نوٹ بک میں جمع کیا اور بعد میں مجھے خیال آیا کہ بذریعہ اخبار الحکم میں دُوسرے احباب کو بھی اس پُرلطف تقریر کے مضمون سے حظ اُٹھانے کا موقع دُوں۔ لہٰذا ان فقرات کی مدد سے اپنی یادداشت کے ذریعہ مَیں نے مفصلہ ذیل عبارت ترتیب دی ہے"

اور جھوٹ کے ساتھ ہمارے برخلاف مشہور کیں یہانتک کہ ہم کو ضرر پہنچانے کے واسطے گورنمنٹ تک غلط رپورٹیں کیں کہ یہ مُفسد آدمی ہیں اور بغاوت کے ارادے رکھتے ہیں اور ضرور تھا کہ یہ لوگ ایسا کرتے، کیونکہ نادانوں نے اپنے خیر خواہوں یعنی انبیاء اور ان کے وارثین کیساتھ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایسا ہی سلوک کیا ہے، مگر خدا تعالیٰ نے انسان میں ایک زیرکی رکھی ہے اور گورنمنٹ کے کارکُن ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں۔

کپتان ڈگلس کی دانائی اور۔ انصاف

چنانچہ کپتان ڈگلس صاحب کی دانائی کی طرف خیال کرنا چاہیے کہ جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے میری نسبت کہا کہ یہ بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اشتہار اس کے سامنے پڑھا گیا، تو اس نے بڑی زیرکی سے پہچانا کہ یہ سب ان لوگوں کا افترا ہے اور ہمارے مخالف کی کسی بات پر توجہ نہ کی، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اذالہ اوھام وغیرہ دوسری کتب میں ہمارا لقب سُلطان لکھا ہوا ہے، مگر یہ آسمانی سلطنت کی طرف اشارہ ہے اور دُنیوی بادشاہوں سے ہمارا کچھ سروکار نہیں ایسا ہی ہمارا نام حکم عام بھی ہے۔ جس کا ترجمہ اگر انگریزی میں کیا جائے تو گورنر جنرل ہوتا ہے اور شروع سے یہ سب باتیں ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں موجود ہیں کہ آنے والے مسیح کے یہ نام ہیں۔ یہ سب ہمارے خطاب کتابوں میں موجود ہیں اور ساتھ ہی ان کی تشریح بھی موجود ہے کہ یہ آسمانی سلطنتوں کی اصطلاحیں ہیں اور زمینی بادشاہوں سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ اگر ہم شر کو چاہنے والے ہوتے تو ہم جہاد وغیرہ سے لوگوں کو کیوں روکتے اور درندگی سے ہم مخلوقات کو کیوں منع کرتے۔ غرض کپتان ڈگلس صاحب عقل سے ان سب باتوں کو پا گیا اور پُورے پُورے انصاف سے کام لیا اور دونوں فریق میں سے ذرہ بھی دُوسری طرف نہیں جُھکا اور ایسا نمونہ انصاف پروری اور دادرسی کا دکھلایا کہ ہم بدل خواہشمند ہیں کہ ہماری گورنمنٹ کے تمام معزز حکام ہمیشہ اسی اعلیٰ درجہ کے نمونۂ انصاف کو دکھلاتے رہیں جو نوشیروانی انصاف کو بھی اپنے کامل انصاف کی وجہ سے ادنیٰ درجہ کا ٹھہراتا ہے اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی اس گورنمنٹ کے پُرامن زمانہ کو بُرا خیال کرے اور اس کے برخلاف مفسدہ بازی کی طرف اپنا ذہن لے جاوے۔

سکھوں کے زمانہ میں مُسلمانوں پر مظالم

یہ ہمارے دیکھنے کی باتیں ہیں کہ سکھوں کے زمانہ میں مُسلمانوں کو کس قدر تکلیف ہوتی تھی۔ صرف ایک گائے کے اتفاقاً ذبح کیے جانے پر سکھوں نے چھ سات ہزار آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا اور نیکی کی راہ اس طرح پر مسدود تھی کہ ایک شخص مستی کے شاہ اس آرزو میں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر دُعائیں مانگتا تھا کہ ایک دفعہ صحیح بخاری کی زیارت ہو جاتے اور دُعا کرتا کرتا رو پڑتا تھا اور زمانہ کے حالات کی وجہ سے ناامید ہو جاتا تھا۔ آج گورنمنٹ کے قدم کی برکت سے وہی صحیح بخاری چار پانچ روپے میں مل جاتی ہے۔ اور اُس زمانہ میں لوگ اس قدر دُور جا پڑے تھے کہ ایک مُسلمان نے جبکا

نام خدا بخش تھا، اپنا نام خدا سنگھ رکھ لیا تھا۔ بلکہ اس گورنمنٹ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو نہ ہمارا مکہ میں گذارہ ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں، تو پھر کس طرح سے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال اپنے دل میں رکھیں۔ اگر ہماری قوم کو خیال ہے کہ ہم گورنمنٹ کے برخلاف ہیں یا ہمارا مذہب غلط ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ ایک مجلس قائم کریں۔ اس میں ہماری باتوں کو ٹھنڈے دل سے سُنیں تاکہ ان کی تسلی ہو اور اُن کی غلط فہمیاں دُور ہوں:۔ جھوٹے کے مُنہ سے بدبو آتی ہے اور فراست والا اُس کو پہچان جاتا ہے۔ صادق کے کام سادگی اور یکرنگی سے ہوتے ہیں اور زمانہ کے حالات اس کے مؤید ہوتے ہیں۔

ضرورتِ زمانہ

آجکل دیکھنا چاہیے کہ لوگ کس طرح عقائدِ حقہ سے پھر گئے ہیں۔ ۲۰ کروڑ کتاب اسلام کے خلاف شائع ہوئی اور کئی لاکھ آدمی عیسائی ہو گئے ہیں۔ ہر ایک بات کے لیے ایک حد ہوتی ہے اور خشک سالی کے بعد جنگل کے حیوان بھی بارش کی امید میں آسمان کی طرف مُنہ اُٹھاتے ہیں۔ آج ۱۳۰۰ برس کی دھوپ اور اماسکِ باراں کے بعد آسمان سے بارش اُتری ہے اب اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ برسات کا جب وقت آگیا ہے تو کون ہے جو اُس کو بند کرے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ لوگوں کے دل حق سے بہت ہی دُور جا پڑے ہیں۔ ایسا کہ خود خدا پر بھی شک ہو گیا ہے۔

ایمان باللہ کی اہمیت

حالانکہ تمام اعمال کی طرف حرکت صرف ایمان سے ہوتی ہے مثلاً تم الفار کو اگر کوئی شخص طباشیر سمجھ کے تو بلا خوف و خطر کئی ماشوں تک کھا جاوے گا۔ اگر یقین رکھتا ہو کہ یہ زہرِ قاتل ہے تو ہرگز اس کو مُنہ کے قریب بھی نہ لائے گا۔ حقیقی نیکی کے واسطے یہ ضروری ہے کہ خُدا کے وجود پر ایمان ہو، کیونکہ مجازی حکام کو یہ معلوم نہیں کہ کوئی گھر کے اندر کیا کرتا ہے اور پسِ پردہ کسی کا کیا فعل ہے اور اگرچہ کوئی زبان سے نیکی کا اقرار کرے، مگر اپنے دل کے اندر وہ جو کچھ رکھتا ہے اس کے لیے اُس کو ہمارے مؤاخذہ کا خوف نہیں اور دُنیا کی حکومتوں میں سے کوئی ایسی نہیں جس کا خوف انسان کو رات میں اور دن میں، اندھیرے میں اور اُجالے میں، خلوت میں اور جلوت میں، ویرانے میں اور آبادی میں، گھر میں اور بازار میں ہر حالت میں یکساں ہو۔ پس دُرستیِ اخلاق کے واسطے ایسی ہستی پر ایمان کا ہونا ضروری ہے جو ہر حال اور ہر وقت میں اس کی نگران اور اس کے اعمال اور افعال اور اس کے سینہ کے بھیدوں کی شاہد ہے۔ کیونکہ دراصل نیک وہی ہے جس کا ظاہر اور باطن ایک ہو اور جس کا دل اور باہر ایک ہے۔ وہ زمین پر فرشتہ کی طرح چلتا ہے۔ دہریہ ایسی گورنمنٹ کے نیچے نہیں کہ وہ حُسنِ اخلاق کو پا سکے۔ تمام نتائج ایمان سے پیدا ہوتے ہیں؛ چنانچہ سانپ کے سُوراخ کو پہچان کر کوئی انگلی اس میں نہیں ڈالتا۔ جب ہم جانتے ہیں کہ ایک مقدار اسٹرکنیا کی قاتل ہے، تو ہمارا اس کے قاتل ہونے پر ایمان ہے اور اس ایمان کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس کو مُنہ نہیں لگائیں گے اور مرنے سے بچ جائیں گے۔

خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت

تقدیر یعنی دُنیا کے اندر تمام اشیاء کا ایک اندازہ اور قانون کے ساتھ چلنا اور ٹھہرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا کوئی مُقدر یعنی اندازہ

باندھنے والا ضرور ہے۔ گھڑی کو اگر کسی نے بالارادہ نہیں بنایا، تو وُہ کیوں اس قدر ایک باقاعدہ نظام کے ساتھ اپنی حرکت کو قائم رکھ کر ہمارے واسطے فائدہ مند ہوتی ہے۔ ایسا ہی آسمان کی گھڑی کہ اُس کی ترتیب اور باقاعدہ اور باضابطہ انتظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ وُہ بالارادہ خاص مقصد اور مطلب اور فائدہ کے واسطے بنائی گئی ہے۔ اس طرح انسان مصنُوع سے صانع کو اور تقدیر سے مقدر کو پہچان سکتا ہے۔

لیکن اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کا ایک اور ذریعہ قائم کیا ہوا ہے اور وُہ یہ ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے برگزیدوں کو کسی تقدیر سے اطلاع دے دیتا ہے اور اُن کو بتلا دیتا ہے کہ فلاں وقت اور فلاں دن میں مَیں نے فلاں امر کو مقدّر کر دیا ہے؛ چنانچہ وہ شخص جس کو خدا نے اس کام کے واسطے چُنا ہوا ہوتا ہے۔ پہلے سے لوگوں کو اطلاع دے دیتا ہے کہ ایسا ہوگا اور پھر ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کے واسطے یہ ایسی دلیل ہے کہ ہر ایک دہریہ اس موقع پر شرمندہ اور لاجواب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں ایسے نشانات عطا کیے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ ہماری جماعت کے اس قدر لوگ اس جگہ موجود ہیں۔ کون ہے جس نے کم از کم دو چار نشان نہیں دیکھے اور اگر آپ چاہیں تو کئی سو آدمی کو باہر سے بلوائیں اور اُن سے پُوچھیں۔ اس قدر احبار اور اخیار اور متقی اور صالح لوگ جو کہ ہر طرح سے عقل اور فراست رکھتے ہیں اور دُنیوی طور پر اپنے معقول روزگاروں پر قائم ہیں۔ کیا ان کو تسلی نہیں ہوئی۔ کیا اُنھوں نے ایسی باتیں نہیں دیکھیں جن پر انسان کبھی قادر نہیں ہے۔ اگر ان سے سوال کیا جائے تو ہر ایک اپنے آپ کو اوّل درجہ کا گواہ قرار دے گا۔ کیا ممکن ہے کہ ایسے ہر طبقہ کے انسان، جن میں عاقل اور فاضل اور طبیب اور ڈاکٹر اور سوداگر اور مشائخ سجادہ نشین اور وکیل اور معزز عہدہ دار ہیں۔ بغیر پُوری تسلی پانے کے یہ اقرار کر سکتے ہیں کہ ہم نے اس قدر آسمانی نشان بچشم خود دیکھے؛ اور جبکہ وہ لوگ واقعی طور پر ایسا اقرار کرتے ہیں جس کی تصدیق کے لیے ہر وقت شخصِ مکذّب کو اختیار ہے، تو پھر سوچنا چاہیے کہ ان مجموعہ اقرارات کا طالبِ حق کے لیے اگر وہ فی الحقیقت طالبِ حق ہے کیا نتیجہ ہونا چاہیے۔ کم سے کم ایک ناواقف اتنا تو ضرور سوچ سکتا ہے کہ اگر اس گروہ میں جو لوگ ہر طرح سے تعلیم یافتہ اور دانا اور آسودہ روزگار اور بفضلِ الٰہی مالی حالتوں میں دوسروں کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر اُنھوں نے پورے طور پر میرے دعوے پر یقین حاصل نہیں کیا اور پُوری تسلی نہیں پائی تو کیوں وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر اور عزیزوں سے علیحدہ ہو کر غربت اور مسافری میں اس جگہ میرے پاس بسر کرتے ہیں اور اپنی اپنی مقدرت کے موافق مالی امداد میں میرے سلسلہ کے لیے فدا اور دلدادہ ہیں۔

ہر ایک بات کا وقت ہے۔ بہار کا بھی وقت ہے اور برسات کا بھی وقت ہے اور کوئی نہیں جو خدا کے ارادے ٹال دے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۳، ۲۶ صفحہ ۷، ۵ پرچہ ۲۴ جولائی ۱۸۹۹ء

یکم اگست ۱۸۹۹ء

معرفتِ الٰہی کے موضوع پر ایک ہندو سادھو سے مکالمہ

یکم اگست ۱۸۹۹ء کو بعد مغرب ایک مشہور ہندو سادھو صاحب حضرت اقدسؑ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور حضورؑ سے باتیں کرتے رہے۔ یہ اس گفتگو کا خلاصہ یا مفہوم ہے جس کو حافظہ کی مدد سے ہم نے اپنے الفاظ میں قلمبند کیا ہے۔ (ایڈیٹر الحکم)

حضرتِ اقدسؑ: آپ کے ہاں جوگ کا طریق سناتن دھرم کے اُصول پر ہے یا آریہ سماج کے اُصول پر۔

سادھو: سناتن دھرم کے موافق۔

حضرتِ اقدسؑ: آریہ سماج ایک ایسا فرقہ ہے جس میں صرف کہنا ہے کرنا نہیں۔

سادھو: بیشک یہ لوگ گرُو کی ضرورت نہیں سمجھتے اور یہاں تک کہ دیانند کو بھی گرُو کی حیثیت سے نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ وُہ ایک راہ بتا گیا ہے، اس پر چلنا چاہیے۔

حضرتِ اقدسؑ: آپ کے جوگ کے لیے بڑی بڑی مشقتیں ہیں۔

سادھو: جی ہاں۔

حضرتِ اقدسؑ: اس مشقت کے بعد کیا کوئی ایسی قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس پرم کا پتہ لگ جاوے جو اس ریاضت کرنے والے کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ محبت کا پتہ اور وجُود اس وقت تک نہیں ملتا جبتک کہ دونوں طرف سے کامل محبت کا اظہار نہ ہو۔ اِدھر سے محبت کے جوش میں ہر قسم کے دُکھ اور تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو اور اُدھر سے یعنی پرمیشر کی طرف سے ایسا پرکاش (روشنی یا نوُر) اس کو ملے کہ وہ عام طور پر لوگوں میں متمیز ہو جاوے۔

سادھو: ہاں کچھ بَل اور طاقت آ ہی جاتا ہے۔

حضرتِ اقدسؑ: بھلا کوئی ایسی طاقت اور بَل کی بات آپ سُنا سکتے ہیں جو آپ کی سُنی ہوئی نہ ہو بلکہ دیکھی ہوئی ہو۔ یعنی آپ کے گرُو میں یا اُن کے گرُو میں۔ کیونکہ بات یہ ہے کہ سُنی ہوئی بات کچھ ایسی موثر نہیں ہوتی خواہ وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو بلکہ قصّے کہانی کے ذیل میں سمجھی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً کوئی کہے کہ ایک دیش ہے، وہاں آدمی اُڑا کرتے ہیں۔ اب ہم کو اُس کے ماننے میں ضرور تامّل ہوگا۔ کیونکہ ہم نے نہ تو ایسے آدمی اُڑتے دیکھے ہیں اور نہ خود اُڑے ہیں۔ پس قوتِ ایمان اور یقین کے بڑھانے کے لیے سُنی سنائی باتیں فائدہ نہیں پہنچاتیں ہیں۔ بلکہ تازہ بتازہ جو سامنے

دیکھی جاویں اور اس سے بھی بڑھ کر وہ جو خود انسان کی اپنی حالت پر وارد ہوں پس میرے اس سوال سے یہ غرض ہے کہ آپ کوئی ایسی بات بتلائیں، جو اس ریاضت کرنے والوں میں آپ نے دیکھی ہو یا سُنی ہو۔

سادھو: ہاں ہمارے جو گرو تھے ان میں بعض بعض باتیں ایسی تھیں جو دوسرے کے مَن کی بات بُوجھ لیتے تھے اور پھر جو مُنہ سے کہہ دیتے تھے ہو جاتا تھا اور جو اُن کے گرو تھے ان میں بھی بہت سی باتیں ایسی ہوتی تھیں، مگر اُن کو دیکھا نہیں، تاہم دیکھنے کے برابر ہے، کیونکہ اُن کو مرے کوئی اسی برس کے قریب ہوتے اور اُن کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں۔

حضرت اقدسؑ: آپ نے بھی کوئی ریاضتیں کی تھیں؟

سادھو: جی ہاں۔ مَیں نے بھی کی ہیں۔

حضرت اقدسؑ: کیا کیا؟

سادھو: پہلے چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ یہانتک کہ آٹھ مہینے کا ایک ہی چلہ تھا۔

حضرت اقدسؑ: اس میں کیا کھاتے تھے؟

سادھو: پہلے چاولوں کا آٹا کھایا کرتے تھے۔ پھر صرف پانی جو پکا کر رکھا ہوا تھا یعنی ایک گاگر کا نصف جب رہ جاوے تو وُہ رکھ لیا کرتے تھے اور اس میں سے سیر کچا صُبح کو پی لیا کرتے تھے اور اسی وقت پیشاب کر لیا کرتے تھے اور پھر کچھ نہیں۔

حضرت اقدسؑ: کیا اس میں لوہا وغیرہ تو نہ ہوتا تھا؟

سادھو: نہیں۔

حضرت اقدسؑ: پھر کیا اس ریاضت کی حالت میں آپ کو کچھ عجیب و غریب نظارے نظر آتے؟

سادھو: ہاں کبھی روشنی نظر آتی تھی جو اندر ہو جاتی تھی اور دُور دُور سے آتے جاتے آدمی نظر آجاتے تھے۔

(اس کے بعد چند منٹ خاموشی رہی۔ پھر اس مُہرِ سکوت کو سادھو صاحب نے اپنے اس ایک سوال سے توڑا) (ایڈیٹر)

سادھو: کیا آپ پرمیشر کو اکار مانتے ہیں یا نِراکار؟

(حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے اس موقعہ پر بطور تشریح عرض کیا کہ مُورتی کے قابل یا ایسا خدا کہ مُورتی کی ضرورت نہ ہو)

اسلام کا خدا

حضرتِ اقدسؑ: ہم جس خدا کو مانتے ہیں۔ اس کی عبادت اور پرستش کے لیے نہ تو ان مشقتوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے اور نہ کسی مورتی کی حاجت ہے۔ اور

ہمارے مذہب میں خدائے تعالیٰ کو حاصل کرنے اور اس کی قدرت نمایتوں کے نظارے دیکھنے کے لیے ایسی تکالیف کے برداشت کرنے کی کچھ بھی حاجت نہیں، بلکہ وُہ اپنے سچے پریمی بھگتوں کو آسان طریق سے جو ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے، بہت جلد ملتا ہے۔ انسان اگر اس کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے، تو وُہ دو قدم اُٹھاتا ہے۔ انسان اگر تیز چلتا ہے تو وہ دوڑ کر اس کے ہرودے میں پرکاش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حالتِ غیب میں رہنے کی حکمت

میرے نزدیک مُورتی بنانے والوں نے خدا تعالیٰ کی اس حکمت اور راز کو نہیں سمجھا جو اس نے اپنے آپ کو بظاہر ایک حالتِ غیب میں رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کا غیب میں ہی ہونا انسان کے لیے تمام تلاش اور جستجو اور کُل تحقیقاتوں کی راہوں کو کھولتا ہے۔ جس قدر علوم اور معارف انسان پر کھلے ہیں، وہ گو موجود تھے اور ہیں، لیکن ایک وقت میں وُہ غیب میں تھے۔ انسان کی سعی اور کوشش کی قوت نے اپنی چمکار دکھائی اور گوہرِ مقصود کو پالیا۔ جس طرح پر ایک عاشق صادق ہوتا ہے۔ اس کے محبُوب اور معشوق کی غیر حاضری اور آنکھوں سے بظاہر دُور ہونا اس کی محبت میں کچھ فرق نہیں ڈالتا بلکہ وہ ظاہری ہجر اپنے اندر ایک قسم کی سوزش پیدا کر کے اس پریم بھاؤ کو اور بھی ترقی دیتا ہے۔ اسی طرح پر مُورتی لے کر خدا کو تلاش کرنے والا کب سچی اور حقیقی محبت کا دعویدار بن سکتا ہے، جبکہ مُورتی کے بدوں اس کی توجہ کامل طور پر اس پاک اور کامل حسن ہستی کی طرف نہیں پڑ سکتی۔ انسان اپنی محبت کا خود امتحان کرے۔ اگر اس کو اس سوختہ دل عاشق کی طرح چلتے پھرتے، بیٹھتے اُٹھتے غرض ہر حالت میں بیداری کی ہو یا خواب کی، اپنے محبوب کا ہی چہرہ نظر آتا ہے اور کامل توجہ اسی طرف ہے تو سمجھ لے کہ واقعی مجھے خدا تعالیٰ سے ایک عشق ہے اور ضرور ضرور خدا تعالیٰ کا پرکاش اور پریم میرے اندر موجود ہے، لیکن اگر درمیانی امور اور خارجی بندھن اور رکاوٹیں اس کی توجہ کو پھرا سکتی ہیں اور ایک لحظہ کے لیے بھی وہ خیال اس کے دل سے نکل سکتا ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ خدائے تعالیٰ کا عاشق نہیں اور اس سے محبت نہیں کرتا اور اسی لیے وُہ روشنی اور نُور جو سچے عاشقوں کو ملتا ہے اُسے نہیں ملتا۔ یہی وُہ جگہ ہے جہاں آکر اکثر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور خدا کا انکار کر بیٹھے ہیں۔ نادانوں نے اپنی محبت کا امتحان نہیں کیا اور اُس کا وزن کئے بدوں ہی خدا پر بدظن ہو گئے ہیں۔ پس میرے خیال میں خدا تعالیٰ کا غیب میں رہنا انسان کی سعادت اور رُشد کو ترقی دینے کی خاطر ہے اور اس کی رُوحانی قوتوں کو صاف کر کے جلا دینے کے لیے تاکہ وُہ نُور اس میں پرکاش ہو۔ ہم جو بار بار اشتہار دیتے ہیں اور لوگوں کو تجربہ کے لیے بُلاتے ہیں بعض لوگ ہم کو دوکاندار کہتے ہیں۔ کوئی کچھ بولتا ہے کوئی کچھ۔ غرض ان بھانت بھانت کی بولیوں کو سُن کر ہم جو ہر ملک میں جو اس دُنیا پر آباد ہے۔ یورپ، امریکہ وغیرہ میں اشتہار دیتے ہیں اُس کی غرض کیا ہے۔

ہماری غرض

ہماری غرض بجُز اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگوں کو اُس خدا کی طرف رہنمائی کریں جسے ہم نے خود دیکھا ہے سُنی سنائی بات اور قصہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنی ذات

اور اپنے وجود کو پیش کر کے دُنیا کو خدا تعالیٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔ یہ ایک سیدھی بات ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف جس قدر کوئی قدم اٹھاتا ہے خدا تعالیٰ اس سے زیادہ سُرعت اور تیزی کے ساتھ اُس کی طرف آتا ہے۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک معزز آدمی کا منظورِ نظر عزیز اور واجب التعظیم سمجھا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے والا اپنے اندر ان نشانات میں سے کچھ بھی حصّہ نہ لے گا جو خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور بے انتہا طاقتوں کا نمونہ ہوں۔

مقربانِ بارگاہِ الٰہی کا مقام

یہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی غیرت کبھی تقاضا نہیں کرتی کہ اس کو ایسی حالت میں چھوڑے کہ وہ ذلیل ہو کر پیسا جاوے۔ نہیں بلکہ وہ خود وحدہٗ لاشریک ہے وہ اپنے اس بندہ کو بھی ایک فرد اور وحدہٗ لاشریک بنا دیتا ہے۔ دُنیا کے تختہ پر کوئی انسان اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہر طرف سے اُس پر حملے ہوتے ہیں اور ہر حملہ کرنے والا اُس کی طاقت کے اندازہ سے بے خبر ہو کر جانتا ہے کہ میں اُسے تباہ کر ڈالوں گا، لیکن آخر اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا بچ نکلنا انسانی طاقت سے باہر کسی قوت کا کام ہے۔ کیونکہ اگر اُسے پہلے سے یہ علم ہوتا تو وُہ حملہ بھی نہ کرتا۔ پس وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے حضور ایک تقرب حاصل کرتے ہیں اور دُنیا میں اُس کے وجُود اور ہستی پر ایک نشان ہوتے ہیں۔ بظاہر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک مخالف اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میرے مقابلہ میں یہ بچ نہیں سکتا، کیونکہ ہر قسم کی تدبیر اور کوشش کے نتائج اسے یہیں تک پہنچاتے ہیں، لیکن جب وُہ اس زد میں سے ایک عزّت اور احترام کے ساتھ اور سلامتی سے نکلتا ہے تو ایک دم کے لیے تو اُسے حیران ہونا پڑتا ہے کہ اگر انسانی طاقت کا ہی کام تھا، تو اس کا بچنا مُحال تھا، لیکن اب اس کا صحیح سلامت رہنا انسان کا نہیں بلکہ خدا کا کام ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مُقربانِ بارگاہِ الٰہی پر جو مخالفانہ حملے ہوتے ہیں، وہ کیوں ہوتے ہیں؟ معرفت اور گیان کے کُوچہ سے بے خبر لوگ ایسی مخالفتوں کو ایک ذلّت سمجھتے ہیں، مگر اُن کو کیا خبر ہوتی ہے کہ اس ذلّت میں اُن کے لیے ایک عزّت اور امتیاز نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجُود اور ہستی پر ایک نشان ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ وجُود آیات اللہ کہلاتے ہیں۔

غرض ہم جو اشتہار دے دے کر لوگوں کو بُلاتے ہیں تو ہماری یہی آرزو ہے کہ اُن کو اُس خدا کا پتہ دیں جسے ہم نے پایا اور دیکھا ہے اور وہ اقرب راہ بتلائیں، جس سے انسان جلد باخدا ہو جاتا ہے۔ پس ہمارے خیال میں قصّہ کہانی سے کوئی معرفت اور گیان ترقی نہیں پا سکتا جبتک کہ خود عملی حالت سے انسان نہ دیکھے اور یہ بدُوں اس راہ کے جو ہماری راہ ہے میسّر نہیں اور اس راہ کے لیے ایسی صعوبتوں اور مشقتوں کی ضرورت نہیں۔ یہاں دِل بکار ہے۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ دِل پر پڑتی ہے اور جس دل میں محبت اور عشق ہو اس کو مُورتی سے کیا غرض؟ مُورتی پوجا سے انسان کبھی صحیح اور یقینی نتائج پر پہنچ نہیں سکتا۔

خدا تعالیٰ اخلاص و محبت کو دیکھتا ہے

خدا تعالیٰ کی نگاہ انسانِ مخلص کے دل کے ایک نقطہ پر ہوتی ہے جسے وُہ دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کی خاطر وُہ خوش دلی سے ہر صعوبت و مکروہ کو برداشت کرے گا۔ یہ ضرور نہیں کہ کوئی بڑی بڑی مشقتیں کرے اور دائم حاضر باش رہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خاکروب ہمارے مکان میں آکر بڑی تکلیف اُٹھاتا ہے اور جو کام وہ کرتا ہے ہمارا ایک بڑا معزز مخلص دوست وُہ کام نہیں کرسکتا، تو کیا ہم اپنے وفادار احباب کو بے قدر سمجھیں اور خاکروب کو معزز و محترم خیال کریں۔ بعض ہمارے ایسے بھی احباب ہیں جو مدتوں کے بعد تشریف لاتے ہیں اور انہیں ہر وقت ہمارے پاس بیٹھنا میسر نہیں آتا، مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ اُن کے دلوں کی بناوٹ ایسی ہے اور وُہ اخلاص و مودّت سے ایسے عمیر کیے گئے ہیں کہ ایک وقت ہمارے بڑے بڑے کام آسکتے ہیں۔ نظامِ قدرت میں بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ جتنا شرف بڑھ جاتا ہے محنت اور کام ہلکا ہو جاتا ہے۔ ایک مذکوری کو دیکھ لو۔ اَنبار پر دانوں کا اُسے دیا جاتا ہے اور ایک ہفتہ کے اندر حکم ہے کہ تعمیل کر کے حاضر ہو۔ برسات ہو، دُھوپ ہو، جاڑا ہو، دیہات کے راستے خراب ہوں۔ کوئی عُذر سُنا نہیں جاتا اور تنخواہ پوچھو تو پانچ روپے۔ اور حکّامِ بالادست کا معاملہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔

رہبانیت معرفتِ تامّہ کا ذریعہ نہیں ہے

اس قانون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قانون بھی اپنے برگزیدوں سے ایسا ہی ہے۔ خطرناک ریاضتیں کرنا اور اعضاء اور قویٰ کو مجاہدات میں بیکار کر دینا محض نکمّی بات اور لاحاصل ہے۔ اسی لیے ہمارے ہادیٔ کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَارَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ یعنی جب انسان کو صفتِ اسلام (گردن نہادن برحکمِ خداد موافقتِ تامّہ بمقادیرِ آلٰہیہ) میسر آجائے، تو پھر رہبانیت یعنی ایسے مجاہدوں اور ریاضتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

(اس کے بعد سادھو صاحب تشریف لے گئے اور کھانا رکھا گیا۔ حضرتِ اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ:)

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو نہیں رکھا۔ اس لیے کہ وہ معرفتِ تامّہ کا ذریعہ نہیں ہے۔[1]

۱۰ اگست ۱۸۹۹ء سے قبل:

دنیا کی خوشامد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مَیں نے بارہا اپنے محبوب مُرشد سیّدالاولیا عیسیٰ موعود علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۳-۵

"ہم اس پر قادر ہیں کہ ایسی تقریریں کریں اور ایسی تحریریں شائع کریں کہ لوگوں کی مصطلح صلح کل کے ڈھانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوں اور سب قومیں علیٰ اختلاف المشارب خوش ہو جاویں اور حکام اور رعایا میں سے کسی کو بھی کبھی اُن پر نکتہ چینی کا موقع نہ مل سکے، مگر اس خسیس دُنیا کو خوش کر کے اپنے خدا کی دھتکار کی طاقت ہم کہاں رکھ سکتے ہیں[1]"

ہفتہ مختتمہ ۱۱ر اگست ۱۸۹۹ء

بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں دُعا کے لیے لکھا کرتے تھے جس کے جواب میں اُن کو تحریر کیا جاتا تھا کہ دُعا کی گئی، مگر بعد ازاں وُہ دوبارہ لکھ دیا کرتے کہ "کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو آپ نے دُعا نہیں کی یا اگر کی ہے تو توجہ سے نہیں کی"۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اس بارہ میں ایک دن عرض کی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

دُعا کی حقیقت

"سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دُعا کے مضمون پر پھر قلم اٹھایا جائے کیونکہ پہلے مضامین اس بارہ میں کافی ثابت نہیں ہوئے۔ دُعا نہایت نازک امر ہے اور اس کے لیے شرط ہے کہ مُستدعی اور داعی میں ایسا تحکم رابطہ ہو جائے کہ ایک کا دَرد دُوسرے کا دَرد ہو جائے اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی ہو جائے۔ جس طرح شیر خوار بچہ کا رونا ماں کو بے اختیار کر دیتا ہے اور اس کی چھاتیوں میں دُودھ اُمار دیتا ہے، ویسے ہی مُستدعی کی حالتِ زار اور استغاثہ پر داعی سراسر رقت اور عقدِ ہمت بن جائے۔

توجہ اور رِقت بھی خدا تعالیٰ کے ہاں سے نازل ہوتی ہے

فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ سب اُمور خدا تعالیٰ کی مَوہبت ہیں۔ اِکتساب کو ان میں دخل نہیں۔ توجہ اور رقت بھی خدا تعالیٰ کے ہاں سے نازل ہوتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کے لیے کامیابی کی راہ نکال دے، تو وُہ داعی کے دل میں توجہ اور رقت ڈال دیتا ہے، مگر سلسلہ اسباب میں ضرور ہوتا ہے کہ داعی کو کوئی محرکِ شدید جنبش اور حرکت دینے والا ہو۔ اس کی تدبیر بجُز اس کے اور کوئی نہیں کہ مُستدعی اپنی حالت ایسی بنائے کہ اضطراراً داعی کو اُس کی طرف توجہ ہو جائے"

دُعا اور خدمتِ دین

فرمایا: "جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر میں دُعا کیلئے اپنے اندر تحریک پاتا ہوں۔ وُہ ایک ہی بات ہے کہ مَیں کسی شخص کی نسبت معلوم کروں کہ یہ خدمتِ دین کے سزاوار ہے اور اس کا وجود خدا تعالیٰ کیلئے، خدا کے رسُول کیلئے، خدا کی کتاب کے لیے اور خدا کے بندوں کیلئے نافع ہے۔ ایسے شخص کو جو دردِ والم پہنچے وہ درحقیقت مجھے پہنچتا ہے"۔ فرمایا: "ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ وُہ اپنے دلوں میں خدمتِ دین کی نیت باندھ لیں۔ جس طرز اور جس رنگ کی خدمت جس سے بن پڑے کرے"۔ پھر فرمایا:

"مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اُس شخص کی قدر و منزلت ہے، جو دین کا خادم اور نافع الناس ہے۔

---

[1] از خط مولانا عبدالکریم صاحبؓ مندرجہ الحکم جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۲

ورنہ وُہ کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کتوں اور بھیڑوں کی موت مرجائیں۔"

خدا تعالیٰ اور بندہ کا رابطہ

ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

"دو دوستوں میں دوستی اسی صورت میں نبھ سکتی ہے کہ کبھی وُہ اِس کی مان لے اور کبھی یہ اُس کی۔ اگر ایک شخص سدا اپنی ہی منوانے کے دَرپے ہو جائے، تو معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ یہی حال خدا تعالیٰ اور بندہ کے رابطہ کا ہونا چاہیے۔ کبھی اللہ تعالیٰ اس کی سُن لے اور اس پر فضل کے دروازے کھول دے اور کبھی بندہ اُس کی قضا و قدر پر راضی ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق خدا تعالیٰ کا ہی ہے کہ وہ بندوں کا امتحان لے اور یہ امتحان اس کی طرف سے انسان کے فوائد کے لیے ہوتے ہیں۔ اُس کا قانونِ قدرت ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ امتحان کے بعد جو اچھے نکلیں انہیں اپنے فضلوں کا وارث بناتا ہے۔"

دُنیاوی اُمور میں کھویا جانا خسارتِ آخرت کا موجب ہوتا ہے

ایک نوجوان شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر دُنیاوی مصائب کی کہانی شروع کی اور اپنے طرح طرح کے ہم و غم بیان کیے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بہت سمجھایا اور فرمایا کہ: "ہمہ تن دُنیاوی اُمور میں کھویا جانا خسارتِ آخرت کا موجب ہوتا ہے اور اس قدر جزع و فزع مومن کو نہیں چاہیے۔" مگر وہ زور زور سے رونے لگا۔ جس پر آپ نے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر کہا۔ کہ "بس کرو۔ مَیں ایسے رونے کو جہنم کا موجب جانتا ہوں۔ میرے نزدیک جو آنسو دنیا کے ہم و غم میں گرائے جاتے ہیں۔ وہ آگ ہیں جو بہانے والے کو ہی جلا دیتے ہیں۔ میرا دل سخت ہو جاتا ہے ایسے شخص کے حال کو دیکھ کر جو جیفۂ دنیا کی تڑپ میں کُڑھتا ہے۔"

مثالی توکّل کی کیفیت

ایک دن مجلسِ مسیح موعودؑ میں توکّل کی بات چل پڑی جس پر آپؑ نے فرمایا:

"مَیں اپنے قلب کی عجیب کیفیت پاتا ہوں۔ جیسے سخت حبس ہوتا اور گرمی کمال شدّت کو پہنچ جاتی ہے، تو لوگ وثوق سے امید کرتے ہیں کہ اب بارش ہوگی۔ ایسا ہی جب مَیں اپنی صندوقچی کو خالی دیکھتا ہوں تو مجھے خدا کے فضل پر یقینِ واثق ہوتا ہے کہ اب یہ بھرے گی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔" اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ:

"جب میرا کیسہ خالی ہوتا ہے تو جو وُثوق و سُرور اللہ تعالیٰ پر توکّل کا اس وقت مجھے حاصل ہوتا ہے میں اُس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا اور وُہ حالت بہت ہی زیادہ راحت بخش اور طمانیت انگیز ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ کیسہ بھرا ہوا ہو۔" اور فرمایا:

"اُن دنوں میں جبکہ دُنیوی مقدّمات کی وجہ سے والد صاحب اور بھائی صاحب طرح طرح کے ہموم و غموم میں

مبتلا رہتے تھے وہ بسا اوقات میری حالت دیکھ کر رشک کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ بڑا ہی خوش نصیب آدمی ہے۔ اس کے نزدیک کوئی غم نہیں آتا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کا مقام

ایک دفعہ ایک دوست نے جو محبتِ مسیح موعودؑ میں فنا شدہ تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کی کہ کیوں نہ ہم آپؑ کو مدارج میں شیخینؓ سے افضل سمجھا کریں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب قریب مانیں؟ اللہ اللہ! اس بات کو سُنکر حضرت اقدسؑ کا رنگ اڑ گیا اور آپ کے سراپا پر عجیب اضطراب و بیتابی مستولی ہوگئی۔ مَیں خدائے غیور و قدوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس گھڑی نے میرا ایمان حضورِ اقدسؑ کی نسبت اور بھی زیادہ کر دیا۔ آپؑ نے برابر چھ گھنٹے کامل تقریر فرمائی۔ بولتے وقت مَیں نے گھڑی دیکھ لی تھی اور جب آپؑ نے تقریر ختم کی۔ جب بھی دیکھی۔ پورے چھ ہوتے۔ ایک منٹ کا فرق بھی نہ تھا۔

اتنی مدت تک ایک مضمون کو بیان کرنا اور مسلسل بیان کرنا ایک خرقِ عادت تھا۔ اس سارے مضمون میں آپؑ نے رسولِ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے محامد و فضائل اور اپنی غلامی اور کفش برداری کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور جناب شیخین علیہم السلام کے فضائل بیان فرمائے اور فرمایا:

"میرے لیے یہ کافی فخر ہے کہ مَیں ان لوگوں کا مداح اور خاکِ پا ہُوں۔ جو جُزئی فضیلت خدا تعالیٰ نے اُنہیں بخشی ہے، وہ قیامت تک کوئی اور شخص نہیں پا سکتا۔ کب دوبارہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں پیدا ہوں اور پھر کسی کو ایسی خدمت کا موقع ملے جو جناب شیخین علیہما السلام کو ملا۔"[1]

۱۷ر اگست ۱۸۹۹ء

چند روز ہوئے۔ بریلی سے ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ کیا آپ وُہی مسیح موعود ہیں، جس کی نسبت رسُولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے احادیث میں خبر دی ہے؟ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر آپ اس کا جواب لکھیں۔ مَیں نے معمولاً رسالہ "تریاق القلوب" سے دو ایک ایسے فقرے جو اس کا کافی جواب ہو سکتے تھے لکھ دیئے۔ وہ شخص اس پر قانع نہ ہوا اور پھر مجھے مخاطب کر کے لکھا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحبؑ خود اپنے قلم سے قسمیہ لکھیں کہ آیا وُہ وہی مسیح موعود ہیں جس کا ذکر احادیث اور قرآن شریف میں ہے؟ مَیں نے شام کی نماز کے بعد دوات قلم اور کاغذ حضرتؑ کے آگے رکھ دیا اور عرض کیا کہ ایک شخص ایسا لکھتا ہے۔ حضرتؑ نے فوراً کاغذ ہاتھ میں لیا اور یہ چند سطریں لکھ دیں۔

---

[1] از خط جناب مولوی عبدالکریم صاحب مورخہ ۱۱ر اگست ۱۸۹۹ء مندرجہ الحکم جلد ۳ ۲۹

"مَیں نے پہلے بھی اس اقرارِ مفصل ذیل کو اپنی کتابوں میں قسم کے ساتھ لوگوں پر ظاہر کیا ہے اور اب بھی اس پر چہ میں اُس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر لکھتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مَیں وہی مسیح موعُود ہوں جس کی خبر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن احادیثِ صحیحہ میں دی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دُوسری صحاح میں دَرج ہیں۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا۔"

الرّاقم مرزا غلام احمد عفا اللہ عنہ وایّدہ، ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء

اس ذکر سے میری دو غرضیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی جماعت کا ایمان بڑھے اور انھیں وُہی ذوق اور سُرور حاصل ہو جو یہاں کے خوش قسمت حاضرین کو اُس گھڑی حاصل ہوا اور انھوں نے سچّے دل سے اعتراف کیا کہ اُن کو نیا ایمان ملا ہے اور دُوسرے یہ کہ منکرین اور بدظن اس علیٰ بصیرۃ قسم پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور سوچیں کہ مُتعمّد کذّاب اور مُفتری مُنافق کی یہ شان اور اُسے یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ ذُوالجلال خدا کی ایسی اور اس طرح اور ایسے مجمع میں قسم کھاتے۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر!!!

---

۲۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء:۔

لالہ کیشو داس صاحب تحصیلدار بٹالہ اتفاقِ حسنہ سے قادیان میں وارد ہوئے اور حضرتِ اقدسؑ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھے فقراء سے ملنے کا کمال شوق ہے۔

اور اسی شوق کی وجہ سے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتِ اقدسؑ نے فرمایا:

مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض ۔۔۔ زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا کرنا

بیشک اگر آپ کے دل میں اہلِ دل لوگوں کے ساتھ محبت نہ ہوتی، تو آپ ہمارے پاس کیوں آتے اور ایک دُنیا دار کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وُہ ایک دُنیا سے الگ گوشہ نشین کے پاس جاوے۔ مناسبت ایک ضروری شے ہے اور اصل تو یہ ہے کہ جبکہ انسان ایک فنا ہونے والی ہستی ہے اور موت کا کچھ بھی پتہ نہیں کہ کب آجاوے اور ہر ایک ناپائیدار شے ہے پھر کس قدر ضروری ہے کہ اپنی اصلاح اور فلاح کی فکر میں لگ جاوے، مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ دُنیا اپنی دُھن میں ایسی لگی ہے کہ اس کو آخرت کا کچھ فکر اور خیال ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ سے ایسے لاپروا ہو رہے ہیں گویا وُہ کوئی ہستی ہی نہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ دُنیا کی ایمانی حالت اس حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تاکہ مَیں زندہ ایمان زندہ خدا پر پیدا کرنے کی راہ بتلاؤں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ

لہ از خط مولانا عبدالکریم صاحبؓ مندرجہ الحکم جلد ۳ نمبر ۳۲ صفحہ ۵

کا عام قانون ہے۔ بہت لوگوں نے جو سعادت اور رُشد سے حصّہ نہ رکھتے تھے۔ خدا ترسی اور انصاف سے بے بہرہ تھے۔ مجھے جھوٹا اور مفتری کہا اور ہر پہلو سے مجھے دکھ دینے اور تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔ کفر کے فتوے دے کر مُسلمانوں کو بدظن کرنا چاہا اور خلافِ واقعہ اُمور کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر کے اس کو بھڑکانے کی کوشش کی۔ جھوٹے مقدمات بنائے۔ گالیاں دیں۔ قتل کرنے کے منصوبے کیے۔ غرض کونسا امر تھا جو اُنھوں نے نہیں کیا، مگر میرا خدا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ اُس نے مجھے اُن کی ہر شرارت سے پہلے اُن کے فتنہ اور اس کے انجام کی خبر دی اور آخر وہی ہوا جو اُس نے ایک عرصہ پہلے مجھے بتلایا تھا اور کچھ وُہ لوگ بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سعادت، خدا ترسی اور نورِ ایمان سے حصّہ دیا ہے۔ جنھوں نے مجھے پہچانا اور اُس نُور کے لینے کے واسطے میرے گرد جمع ہو گئے جو مجھے خدا تعالیٰ نے اپنی بصیرت اور معرفت بخشی ہے۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے عالم ہیں۔ گریجویٹ ہیں، وکیل اور ڈاکٹر ہیں، معزز عہدہ داران گورنمنٹ ہیں۔ تاجر اور زمیندار ہیں اور عام لوگ بھی ہیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ نااہل مخالف اتنا بھی تو نہیں کرتے کہ ایک حق بات جو ہم پیش کرتے ہیں۔ اُس کو آرام سے سن ہی لیں۔ اُن میں ایسے اخلاقِ فاضلہ کہاں؟ ورنہ حق پرستی کا تقاضا تو یہ ہے ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش گر نوشت است پند بر دیوار

مذہبِ حق اور توحید

اس زمانہ میں مذہب کے نام سے بڑی نفرت ظاہر کی جاتی ہے اور مذہبِ حقّہ کی طرف آنا، تو گویا موت کے مُنہ میں جانا ہے۔ مذہبِ حق وُہ ہے جس پر باطنی شریعت بھی شہادت دے اُٹھے۔ مثلاً ہم اسلام کے اُصولِ توحید کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی حقانی تعلیم ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں توحید کی تعلیم ہے اور نظارۂ قدرت بھی اس پر شہادت دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو متفرق پیدا کر کے وحدت ہی کی طرف کھینچا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحدت ہی منظور تھی۔ پانی کا ایک قطرہ اگر چھوڑیں۔ تو وہ گول ہوگا۔ چاند، سورج سب اجرامِ فلکی گول ہیں اور کروّیت وحدت کو چاہتی ہے۔

تثلیث

ہم اس وقت بے انتہا خداؤں کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ یہ تو ہے بھی ایک بیہودہ اور بے معنی اعتقاد اور بے شمار خدا ماننے سے امان اُٹھ جاتا ہے، مگر ہم تثلیث کا ذکر کرتے ہیں۔ ہم نے جیسا کہ قدرت کے نظارہ سے ثابت کیا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔ اس طرح پر اگر خدا معاذ اللہ تین ہوتے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں تو چاہیے تھا کہ پانی، آگ کے شعلے اور زمین آسمان کے اجرام سب کے سب سہ گوشہ ہوتے تاکہ تثلیث پر گواہی ہوتی۔ اور نہ انسانی نورِ قلب کبھی تثلیث پر گواہی دیتا ہے۔ پادریوں سے پُوچھا ہے کہ جہاں انجیل نہیں گئی، وہاں تثلیث کا سوال ہوگا یا توحید کا، تو انھوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ توحید کا، بلکہ ڈاکٹر فنڈر نے اپنی تصنیف میں یہ اقرار درج کر دیا ہے اب ایسی کھلی شہادت کے ہوتے ہوئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ تثلیث کا عقیدہ کیوں پیش کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ سہ گوشہ خدا بھی عجیب ہیں ہر ایک

کے کام الگ الگ ہیں۔ گویا ہر ایک بجائے خود ناقص اور ناتمام ہے اور ایک دُوسرے کا مُتمّم ہے۔

مسیح کی اُلوہیت اور مسیح جس کو خدا بنایا جاتا ہے۔ اس کی تو کچھ پُوچھو ہی نہیں۔ ساری عمر پکڑ دھکڑ میں گزری اور ابن آدم کو سر دھرنے کو جگہ ہی نہ ملی۔ اخلاق کا کوئی کامل نمونہ ہی موجود نہیں تعلیم ایسی ادھوری اور غیر مکتفی کہ اس پر عمل کر کے انسان بہت نیچے جا گرتا ہے۔

وہ کسی دوسرے کو اقتدار اور عزت کیا دے سکتا ہے۔ جو اپنی بے بسی کا خود شاکی ہے، اوروں کی کیا سُن سکتا ہے۔ جس کی اپنی ساری رات کی گریہ وزاری اکارت گئی اور چلا چلا کر ایلی ایلی لما سبقتانی بھی کہا مگر شنوائی ہی نہ ہوئی اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ آخر یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر لٹکا دیا اور اپنے اعتقاد کے مواقق ملعون قرار دیا۔ خود عیسائیوں نے لعنتی مانا۔ مگر یہ کہہ دیا کہ ہمارے لیے لعنتی ہوا؛ حالانکہ لعنت ایسی چیز ہے کہ انسان اس سے سیاہ باطن ہو جاتا ہے اور وہ خدا سے دُور اور خدا اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔ گویا خدا سے اس کا کچھ تعلق نہیں رہتا۔ اس لیے ملعون شیطان کا نام بھی ہے۔ اب اس لعنت کو مان کر اور مسیح کو ملعون قرار دے کر عیسائیوں کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے "لعنت نال گلھ نیتیں رہندا" گلے پڑا ڈھول ہے جو یہ لوگ بجا رہے ہیں۔ غرض ان لوگوں کے عقائد کا کہاں تک ذکر کیا جاوے۔ حقیقت وہی ہے جو اسلام لے کر آیا اور خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا کہ میں اس نُور کو جو اسلام میں ملتا ہے۔ اُن کو جو حقیقت کے جویاں ہوں دکھاؤں۔ سچ یہی ہے کہ خدا ہے اور ایک ہے اور میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر انجیل اور قرآن کریم اور تمام صُحفِ انبیاء بھی دُنیا میں نہ ہوتے تو بھی خدا تعالیٰ کی توحید ثابت تھی، کیونکہ اس کے نقوش فطرت انسانی میں موجود ہیں۔

مسیح کی ابنیت خدا کے لیے بیٹا تجویز کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی موت کا یقین کرنا ہے۔ کیونکہ بیٹا تو اس لیے ہوتا ہے کہ وہ یادگار ہو۔ اب اگر مسیح خدا کا بیٹا ہے تو پھر سوال ہوگا کہ کیا خدا کو مرنا ہے؟ مختصر یہ ہے کہ عیسائیوں نے اپنے عقائد میں نہ خدا کی عظمت کا لحاظ رکھا اور نہ قوائے انسانی کی قدر کی ہے اور ایسی باتوں کو مان رکھا ہے کہ جن کے ساتھ آسمانی روشنی کی تائید نہیں ہے۔ ایک بھی عیسائی ایسا نظر نہ آیا جو خوارق دکھا سکے اور اپنے ایمان کو اُن نشانات سے ثابت کر سکے جو مومنوں کے ہوتے ہیں۔ یہ فضیلت اور فخر اسلام ہی کو ہے کہ ہر زمانہ میں تائیدی نشان اُس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس زمانہ کو بھی خدا نے محروم نہیں رکھا۔ مجھے اسی غرض کے لیے بھیجا ہے کہ اُن تائیدی نشانوں سے جو اسلام کا خاصہ ہے۔ اس زمانہ میں اسلام کی صداقت دُنیا پر ظاہر کروں۔ مُبارک وُہ جو ایک سلیم دل لے کر میرے پاس حق لینے کے لیے آتا ہے اور پھر مُبارک وُہ جو حق دیکھے تو اس کو قبول کرتا ہے[1]۔"

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۲۸، صفحہ ۲، ۳ پرچہ ۹ اگست ۱۹۰۰ء

جلسہ الوداع کی تقریب پر حضرتِ اقدسؑ کی تقریر

بعثت کی غرض

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر سے زندہ اُتر آنے اور اس حادثہ سے بچ جانے کا قرآن شریف میں صحیح اور یقینی علم دیا گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ پچھلے ہزار برس میں جہاں اسلام پر اور بہت سی آفتیں آئیں۔ وہاں یہ مسئلہ بھی تاریکی میں پڑ گیا اور مسلمانوں میں بدقسمتی سے یہ خیال راسخ ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور وہ قیامت کے قریب آسمان سے اُتریں گے، مگر اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا تا کہ میں اندرونی طور پر جو غلطیاں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہیں، اُن کو دُور کروں اور اسلام کی حقیقت دُنیا پر ظاہر کروں اور بیرونی طور پر جو اعتراضات اسلام پر کئے جاتے ہیں۔ اُن کا جواب دُوں اور دُوسرے مذاہب باطلہ کی حقیقت کھول کر دکھاؤں۔ خصوصیت کے ساتھ وہ مذہب جو صلیبی مذہب ہے۔ یعنی عیسائی مذہب، اس کے غلط اعتقادات کا استیصال کروں جو انسان کے لیے خطرناک طور پر مُضر ہیں اور انسان کی رُوحانی قوتوں کے نشوونما اور ترقیات کے لیے ایک روک ہیں۔

عیسیٰ ابنِ مریم کے متعلق اصل حقائق

منجملہ اُن کے ایک یہی مسئلہ ہے جو مسیح کے آسمان پر جانے کے متعلق ہے اور جس میں بدقسمتی سے بعض مسلمان بھی اُن کے شریک ہو گئے ہیں اسی ایک مسئلہ پر عیسائیت کا دارومدار ہے کیونکہ عیسائیت کی نجات کا مدار اسی صلیب پر ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ مسیح ہمارے لیے مصلوب ہوا اور پھر وہ زندہ ہو کر آسمان پر

لہ جن دنوں حضرت مسیح موعودؑ کتاب "مسیح ہندوستان میں" تالیف کر رہے تھے انہیں ایام میں معلوم ہوا کہ نصیبین (مُلک عراق عرب) میں حضرت مسیح ناصریؑ کے بعض آثار موجود ہیں۔ جن سے اُن کے اس سفر کا پتہ ملتا ہے اور تصدیق ہوتی ہے کہ وہ کشمیر میں آ کر رہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے قرینِ مصلحت سمجھا تھا کہ ایک کمیشن (وفد) بھیجا جائے جو ان آثار و حالات کی خود تفتیش اور تحقیقات کرے اور پھر اُسی راستہ سے جو حضرت مسیحؑ نے کشمیر آنے کے لیے تجویز کیا تھا۔ واپس ہوتے ہوئے قادیان پہنچ جائے۔ اس وفد کو رخصت اور وداع کرنے کے لیے ایک جلسہ تجویز ہوا تھا جس کا نام جلسۃ الوداع رکھا گیا تھا، اگرچہ بعض پیش آمدہ امورِ ضروریہ کی وجہ سے اس کمیشن کا بھیجا جانا ملتوی ہو گیا۔ مگر یہ جلسہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ر نومبر ۱۸۹۹ء کو خوب دھوم دھام سے ہوا۔ اس میں آپؑ نے یہ تقریر فرمائی۔

چلا گیا۔ جو گویا اس کی خدائی کی دلیل ہے۔

جن مسلمانوں نے اپنی فعلی سے اُن لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ وہ یہ تو نہیں مانتے کہ مسیح صلیب پر مر گیا، مگر وہ اتنا ضرور مانتے ہیں کہ وُہ زندہ بجسدِ عنصری آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ لیکن جو حقیقت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے وہ یہ ہے کہ مسیح ابنِ مریم اپنے ہمعصر یہودیوں کے ہاتھوں سخت ستایا گیا جس طرح پر راستباز لوگ اپنے زمانہ میں نادان مخالفوں کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں اور آخر ان یہودیوں نے اپنی منصوبہ بازی اور شرارتوں سے یہ کوشش کی کہ کسی طرح پر آپ کا خاتمہ کر دیں اور آپ کو مصلوب کرا دیں۔ بظاہر وہ اپنی ان تجاویز میں کامیاب ہو گئے کیونکہ حضرت مسیح ابنِ مریم کو صلیب پر چڑھائے جانے کا حکم دیدیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو اپنے راستبازوں اور مامُوروں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ان کو اس لعنت سے جو صلیب کی موت کے ساتھ وابستہ تھی بچا لیا اور ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وُہ اس صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سے دلائل ہیں جو خاص انجیل سے ہی مل سکتے ہیں، لیکن اس وقت ان کا بیان کرنا میری غرض نہیں ہے، جو شخص ان واقعات پر جو صلیب کے متعلق انجیل میں درج ہیں، غور کرے گا۔ تو ان کے پڑھنے سے اُسے صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح ابنِ مریم صلیب پر سے زندہ اُتر آئے تھے اور پھر یہ خیال کر کے کہ اس مُلک میں اُن کے بہت سے دشمن تھے اور دشمن بھی وُہ جو اُن کے جانی دشمن تھے اور جیسا کہ وُہ پہلے کہہ چکے تھے کہ نبی بے عزت نہیں ہوتا، مگر اپنے وطن میں۔ جس سے ان کی ہجرت کا پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس ملک کو چھوڑ دیں اور اپنے فرضِ رسالت کو پورا کرنے کے لیے وُہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں نکلے اور نصیبین کی طرف سے ہوتے ہوئے افغانستان کے راستہ کشمیر میں آ کر بنی اسرائیل کی جو کشمیر میں موجود تھے، تبلیغ کرتے رہے اور اُن کی اصلاح کی اور آخر کار اُن میں ہی وفات پائی۔ یہ امر ہے جو مجھ پر کھولا گیا ہے۔

اس مسئلہ کی اہمیت

اس ایک مسئلہ سے ہی عیسائیت کا ستون ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ جب صلیب پر مسیح کی موت ہی نہیں ہوئی اور وُہ تین دن کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر گئے ہی نہیں، تو اُلوہیت اور کفارہ کی عمارت تو بیخ و بنیاد سے گر پڑی اور مسلمانوں کا غلط خیال (جس سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہوتی تھی کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اور پھر دوبارہ نازل ہوں گے؛ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا جس کی نبوت پر آپ کی مُہر نہ ہو بھی دُور ہو گیا۔ اور قرآن شریف کی اصل اور پاک تعلیم سچی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ قرآن شریف میں تو مسیح کا صاف اقرار فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کا موجود ہے، جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر زور دینے کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ ہم وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر زیادہ زور دیتے ہیں، کیونکہ اسی موت کے ساتھ عیسائی مذہب کی بھی

موت ہے اور اسی غرض سے مَیں نے کتاب "مسیح ہندوستان میں" لکھنی شروع کی ہے اور اس کتاب کے بعض مطالب کی تکمیل کے لیے مَیں نے مناسب سمجھا ہے کہ اپنی جماعت میں سے چند آدمیوں کو بھیجوں۔ جو اُن علاقہ جات میں جاکر اُن آثار کا پتہ لگائیں، جن کا وہاں موجود ہونا بتایا جاتا ہے؛ چنانچہ اس غرض کو مدِنظر رکھ کر ہم نے یہ جلسہ کیا ہے، تاکہ ان دوستوں کو رخصت کرنے کے لیے پہلے ہم سب مل کر اُن کے لیے دُعائیں کریں کہ وُہ خیر و عافیت کے ساتھ اس مبارک سفر کے لیے رخصت ہوں اور کامیاب ہوکر واپس آئیں۔

حضرت مسیح کا واقعۂ صلیب کے بعد نصیبین جانا

اگرچہ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سفر جو تجویز کیا گیا ہے۔ اگر نہ بھی کیا جاتا، تو بھی خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس قدر شواہد اور دلائل ہم کو اس امر کے لیے دیدیئے ہیں، جن کو مخالف کا قلم اور زبان توڑ نہیں سکتی، لیکن مومن ہمیشہ ترقیات کی خواہش کرتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ حقائق اور معارف کا بھوکا پیاسا ہوتا ہے۔ کبھی ان سے سیر نہیں ہوتا۔ اس لیے ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ جس قدر ثبوت اور دلائل اور مل سکیں۔ وہ اچھا ہے۔ اسی مقصد کے لیے یہ تقریب پیش آئی ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو نصیبین کی طرف بھیجتے ہیں۔ جس کے متعلق ہمیں پتہ ملا ہے کہ وہاں کے حاکم نے حضرت مسیحؑ کو (جبکہ وہ اپنی ناشکر گذار قوم کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھا رہے تھے۔ لکھا تھا کہ آپ میرے پاس چلے آئیے اور واقعہ صلیب سے بچ جانے کے بعد اس مقام پر پہنچ کر انہوں نے بدقسمت قوم کے ہاتھ سے نجات پائی وہاں کے حاکم نے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ میرے پاس آجائیں گے تو آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کروں گا اور میں بیمار ہوں میرے لیے دُعا بھی کریں) اگرچہ یہ امر ہمیں ایک انگریزی کتاب سے معلوم ہوا ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ روضۃ الصفا جو ایک اسلامی تاریخ ہے۔ اس قسم کا مفہوم اس سے بھی پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ یقین ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نصیبین میں ضرور آئے اور اسی راستے سے وہ ہندوستان کو چلے آئے۔ سارا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن ہمارا دل تو گواہی دیتا ہے کہ اس سفر سے انشاء اللہ حقیقت کھل جائے گی اور اصل معاملہ صاف ہوجائے گا۔ ممکن ہے کہ اس سفر میں ایسی تحریریں پیش ہوجاویں یا ایسے کتبے نکل آویں، جو حضرت مسیحؑ کے اس سفر کے متعلق بعض اُمور پر روشنی ڈالنے والے ہوں یا حواریوں میں سے کسی کی قبر کا کوئی پتہ چل جائے یا اور اس قسم کے بعض امور نکل آویں، جو ہمارے اس مقصد میں مؤید ثابت ہوسکیں، اس لیے میں نے اپنی جماعت میں سے تین آدمیوں کو اس سفر کے لیے تیار کیا ہے۔ اُن کے لیے ایک عربی تصنیف بھی میں کرنی چاہتا ہوں، جو بطور تبلیغ کے ہو اور جہاں جہاں وُہ جاویں۔ اس کو تقسیم کرتے رہیں اس طرح اس سفر سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ ہمارے سلسلہ کی اشاعت بھی ہوتی جائے گی۔

ایک مخلص اور وفادار جماعت

اور مَیں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام

اور مقصد کے لیے میں اُن کو بُلاتا ہوں۔ نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دُوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ اُن میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی امر کا ارشاد ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لیے تیار۔

حقیقت میں کوئی قوم اور جماعت تیار نہیں ہو سکتی۔ جبتک کہ اُس میں اپنے امام کی اطاعت اور اتباع کے لیے اس قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔ حضرت مسیح کو جو مشکلات اور مصائب اٹھانے پڑے۔ اُن کے عوارض اور اسباب میں سے جماعت کی کمزوری اور بیدلی بھی تھی، چنانچہ جب اُن کو گرفتار کیا گیا، تو پطرس جیسے اعظم الحواریین نے اپنے آقا اور مُرشد کے سامنے انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا، بلکہ تین مرتبہ لعنت بھی بھیجدی۔ اور اکثر حواری ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے وُہ صدق و وفا کا نمونہ دکھایا، جس کی نظیر دُنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ انھوں نے آپ کی خاطر ہر قسم کا دُکھ اُٹھانا سہل سمجھا۔ یہانتک کہ عزیز وطن چھوڑ دیا۔ اپنے املاک و اسباب اور احباب سے الگ ہو گئے اور بالآخر آپ کی خاطر جان تک دینے سے تامل اور افسوس نہیں کیا۔ یہی صدق اور وفا تھی جسنے اُن کو آخر کار بامُراد کیا۔ اِسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کو بھی اس کی قدر اور مرتبہ کے موافق ایک جوش بخشا ہے اور وُہ وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ جس دن سے میں نے نصیبین کی طرف ایک جماعت کے بھیجنے کا ارادہ کیا ہے۔ ہر ایک شخص کوشش کرتا ہے کہ اس خدمت پر مامُور کیا جاتے اور دوسرے کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور آرزُو کرتا ہے کہ اس کی جگہ اگر اس کو بھیجا جائے۔ تو اُس کی بڑی ہی خوش قسمتی ہے۔ بہت سے احباب نے اس سفر پر جانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن میں اُن درخواستوں سے پہلے مرزا خدا بخش صاحب کو اس سفر کے واسطے منتخب کر چکا تھا اور مولوی قطب الدین اور میاں جمال دین کو ان کے ساتھ جانے کے واسطے تجویز کر لیا تھا۔ اس واسطے مجھے ان احباب کی درخواستوں کو رد کرنا پڑا۔ تاہم میں جانتا ہوں کہ وُہ لوگ جنھوں نے بصدق دل اور سچے اخلاص کے ساتھ اپنے آپ کو اس خدمت کیلئے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی پاک نیتوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرے گا اور وُہ اپنے اخلاص کے موافق اجر پائیں گے۔

خدا تعالیٰ کی خاطر سفر کی عظمت

دُور دراز بلاد اور ممالکِ غیر کا سفر آسان امر نہیں ہے، اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس وقت سفر آسان ہو گئے ہیں، لیکن پھر بھی یہ کس کو علم ہو سکتا ہے، کہ اس سفر سے کون زندہ آئے گا۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور بیویوں اور دُوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر جانا کوئی سہل بات نہیں۔ اپنے کاروبار اور معاملات کو ابتری اور پریشانی کی حالت میں چھوڑ کر ان لوگوں نے اس سفر کو اختیار کیا ہے اور انشراحِ صدر سے اختیار کیا ہے، جس کے لیے میں یقین رکھتا ہوں کہ بڑا ثواب ہے۔ ایک تو سفر کا ثواب ہے، کیونکہ یہ سفر محض خدا تعالیٰ کی عظمت اور توحید کے اظہار کے واسطے ہے۔

دُوسرے اس سفر میں جو جو مشقتیں اور تکالیف ان لوگوں کو اٹھانی پڑیں گی، ان کا بھی ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا، جبکہ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸) کے موافق وہ کسی کی ذرہ بھر نیکی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، تو اتنا بڑا سفر جو اپنے اندر ہجرت کا نمونہ رکھتا ہے۔ اس کا اجر کبھی ضائع ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ صدق اور اخلاص ہو۔ ریا اور دُوسرے اغراض شہرت و نمود کے نہ ہوں اور مَیں جانتا ہوں کہ تردد بحر کے شدائد و مصائب کو برداشت کرنا اور ایک موت کو قبول کر لینا بجز صدق کے نہیں ہو سکتا۔ بہت سے بھائی اُن کے لیے دُعائیں کرتے رہیں گے اور مَیں بھی ان کے واسطے دعاؤں میں مصروف رہوں گا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اس مقصد میں کامیاب کرے اور خیر و عافیت سے واپس لاوے اور صحیح تو یہ ہے کہ ملائکہ بھی ان کے واسطے دُعائیں کریں گے اور وُہ اُن کے ساتھ ہوں گے۔

جماعت کی مروّت اور ہمّت

اب مَیں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر ہماری جماعت نے دو قسم کی مروّت اور ہمّت دکھائی ہے ایک تو یہ گروہ ہے جنھوں نے سفر اختیار کیا اور اپنے آپ کو سفر کے خطرات میں ڈالا ہے اور ان مصائب اور شدائد کے برداشت کرنے کو تیار ہو گئے ہیں جو اس راہ میں انھیں پیش آئیں گی۔ دُوسرا وہ گروہ ہے جنھوں نے میری دینی اغراض و مقاصد میں ہمیشہ دل کھول کر چندے دیئے ہیں۔ مَیں کچھ ضرورت نہیں سمجھتا کہ تفصیل کروں، کیونکہ ہر شخص کم و بیش اپنی استطاعت اور مقدرت کے موافق حصّہ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس اخلاص اور وفاداری سے ان چندوں میں شریک ہوتے ہیں۔ مَیں یہ خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت نے وُہ صدق اور وفا دکھایا ہے جو صحابہؓ ساعت العُسرہ میں دکھاتے تھے، اگرچہ اشتہار میں مَیں نے چند دوستوں کے نام لکھے ہیں، جنھوں نے اپنے صدق و ہمت کا نمونہ دکھایا ہے، لیکن اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ مَیں دُوسروں سے بے خبر ہوں یا اُن کی خدمات کو قابلِ قدر نہیں سمجھتا۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ کون سرگرمی اور اخلاص کے ساتھ میری راہ میں دوڑتا ہے۔ مَیں چونکہ بیمار تھا اور ابھی تک طبیعت ناساز ہے، اس لیے مَیں پوری تفصیل نہ دے سکا اور نہ مختصر سے اشتہار میں اتنی تفصیل ہو سکتی تھی۔ پس جن لوگوں کے نام درج نہیں ہوتے۔ اُن کو افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے صدق اور اخلاص کو خُوب جانتا ہے۔

مالی قربانی محض لِلّٰہ ہو

اگر کوئی شخص اس غرض کیلئے چندہ دیتا ہے یا ہماری دینی ضروریات میں شریک ہوتا ہے کہ اُس کا نام شائع کیا جاتے، تو یقیناً سمجھو کہ وُہ دُنیا کی شہرت اور نام و نمود کا خواہشمند ہے، لیکن جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لیے اِس راہ میں قدم رکھتا ہے اور خدمتِ دین کے لیے کمربستہ ہوتا ہے، اُس کو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی۔ دُنیا کے نام کچھ حقیقت اور اثر اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں۔ نام وہی بہتر ہوتے ہیں، جو آسمان پر رکھے جائیں۔ کاغذات کا کیا اثر ہے۔ ایک دن ہوتے ہیں اور دُوسرے دن ضائع ہو جاتے

ہیں، لیکن جو کچھ آسمان پر لکھا جاتا ہے وہ کبھی محو نہیں ہو سکتا۔ اس کا اثر ابدالآباد کے لیے ہوتا ہے۔ میرے بہت سے مخلص احباب ایسے ہیں جن کو تم میں سے شاید بہت ہی کم جانتے ہوں لیکن انھوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔ مثلاً میں نظیر کے طور پر کہتا ہوں کہ میرزا یوسف بیگ صاحب میرے بہت ہی مخلص اور صادق دوست ہیں۔ میں نے اُن کا ذکر اس واسطے کیا ہے کہ اس طرح پر بھائیوں میں باہم تعارف بڑھتا ہے اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ میرزا صاحب اس وقت سے میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جبکہ میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اُن کا دل محبت اور اخلاص سے بھرا ہوا ہے اور وُہ ہر وقت سلسلہ کی خدمت کے لیے اپنے اندر ایک جوش رکھتے ہیں۔ ایسا ہی اور بہت سے عزیز دوست ہیں اور سب اپنے اپنے ایمان اور معرفت کے موافق اخلاص اور جوشِ محبت سے لبریز ہیں۔

جبتک ایمان قوی نہ ہو کچھ نہیں ہوتا

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اعمال کی توفیق رفتہ رفتہ ملتی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جبتک ایمان قوی نہ ہو کچھ نہیں ہوتا۔ جس قدر ایمان قوی ہوتا ہے اسی قدر اعمال میں بھی قوت آتی ہے۔ یہانتک کہ اگر یہ قوتِ ایمانی پورے طور پر نشوونما پا جاوے تو پھر ایسا مومن شہید کے مقام پر ہوتا ہے، کیونکہ کوئی امر اس کے سدِّراہ نہیں ہو سکتا۔ وُہ اپنی عزیز جان تک دینے میں بھی تامل اور دریغ نہ کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآنِ کریم کے نزول کی غرض

میں نے کئی دفعہ اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے اور اب بھی اس کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے، اس لیے میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو انبیاءؑ کو بھیجتا ہے اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے دُنیا کی ہدایت کے واسطے بھیجا اور قرآن مجید کو نازل فرمایا تو اس کی غرض کیا تھی؟ ہر شخص جو کام کرتا ہے اس کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ ایسا خیال کرنا کہ قرآن شریف نازل کرنے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض اور مقصد نہیں ہے، کمال درجہ کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ کیونکہ اس میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرف ایک فعلِ عبث کو منسوب کیا جائے گا؛ حالانکہ اس کی ذات پاک ہے (سُبحانہٗ وتعالیٰ شانہٗ)

پس یاد رکھو کہ کتابِ مجید کے بھیجنے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ تا دُنیا پر عظیم الشان رحمت کا نمونہ دکھاوے۔ جیسے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) اور ایسا ہی قرآن مجید کے بھیجنے کی غرض بتائی کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۳) یہ ایسی عظیم الشان اغراض ہیں کہ اُن کی نظیر نہیں پائی جا سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ جیسے تمام کمالاتِ متفرقہ جو انبیاءؑ میں تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں جمع کر دیئے اسی طرح تمام خوبیاں اور کمالات جو متفرق کتابوں میں تھے، وہ قرآن شریف میں جمع کر دیئے۔ اور ایسا ہی جس قدر کمالات تمام اُمتوں میں تھے وُہ اس اُمت میں جمع کر دیئے پس خدا تعالیٰ چاہتا

ہے کہ ہم ان کمالات کو پالیں اور یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہیے کہ جیسے وہ عظیم الشان کمالات ہم کو دینا چاہتا ہے، اُسی کے موافق اس نے ہمیں قویٰ بھی عطا کیے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے موافق قویٰ نہ دیئے جاتے، تو پھر ہم ان کمالات کو کسی صورت اور حالت میں پا ہی نہیں سکتے تھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ایک گروہ کی دعوت کرے، تو ضرور ہے کہ وہ اُس گروہ کی تعداد کے موافق کھانا تیار کرے اور اُسی کے موافق ایک مکان ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ دعوت تو ایک ہزار آدمی کی کرے اور اُن کے بٹھانے کے واسطے ایک چھوٹی سی کُٹیا بنا دے۔ نہیں۔ بلکہ وہ اُس تعداد کا پُورا لحاظ رکھے گا۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی کتاب بھی ایک دعوت اور ضیافت ہے جس کے لیے کُل دُنیا کو بلایا گیا ہے۔ اس دعوت کے لیے خدا تعالیٰ نے جو مکان تیار کیا ہے وُہ انسانی قویٰ ہیں۔ جو اُن لوگوں کو دیئے گئے ہیں جو اس امّت میں ہیں۔ قویٰ کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اب اگر بیل، کتے یا کسی اور جانور کے سامنے قرآن کی تعلیمات کو پیش کریں تو وُہ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے کہ اُن میں وُہ قویٰ نہیں ہیں جو قرآن کریم کی تعلیمات کو برداشت کر سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو وُہ قویٰ دیئے ہیں کہ ہم اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ خاتم النبیین

ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ نبی دیا، جو خاتم المؤمنینؐ، خاتم العارفینؐ اور خاتم النبیینؐ ہے اور اسی طرح پر وہ کتاب اس پر نازل کی جو جامع الکُتب اور خاتم الکُتب ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں اور آپؐ پر نبوّت ختم ہو گئی۔ تو یہ نبوّت اس طرح پر ختم نہیں ہوئی جیسے کوئی گلا گھونٹ کر ختم کر دے۔ ایسا ختم قابلِ فخر نہیں ہوتا، بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم ہونے سے یہ مُراد ہے کہ طبعی طور پر آپؐ پر کمالاتِ نبوّت ختم ہو گئے۔ یعنی وہ تمام کمالاتِ متفرقہ جو آدمؑ سے لے کر مسیح ابن مریمؑ تک نبیوں کو دیئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے اور اس طرح پر طبعاً آپؐ خاتم النبیین ٹھہرے اور ایسا ہی وہ جمع تعلیمات، وصایا اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں، وہ قرآن شریف پر آکر ختم ہو گئے اور قرآن شریف خاتم الکُتب ٹھہرا۔

ہم بصیرتِ تام سے رسُول اللہ کو خاتم النبیین مانتے ہیں

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ ہم پر افترائے عظیم ہے۔ ہم جس قوّتِ یقین، معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں، اس کا لاکھواں حصّہ بھی دُوسرے لوگ نہیں مانتے۔ اور ان کا ایسا ظرف ہی نہیں ہے۔ وُہ اس حقیقت اور راز کو جو خاتم الانبیاء کی ختمِ نبوّت میں ہے، سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ انھوں نے صرف باپ دادا سے ایک لفظ سُنا ہوا ہے، مگر اُس کی حقیقت سے بے خبر

ہیں اور نہیں جانتے کہ ختمِ نبوت کیا ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے کا مفہوم کیا ہے؟ مگر ہم بصیرتِ تام سے (جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ہم پر ختمِ نبوت کی حقیقت کو ایسے طور پر کھول دیا ہے کہ اس عرفان کے شربت سے جو ہمیں پلایا گیا ہے ایک خاص لذت پاتے ہیں جس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا بجز ان لوگوں کے جو اس چشمہ سے سیراب ہوں۔

دُنیا کی مثالوں میں سے ہم ختمِ نبوت کی مثال اس طرح پر دے سکتے ہیں کہ جیسے چاند ہلال سے شروع ہوتا ہے اور چودھویں تاریخ پر اگر اُس کا کمال ہو جاتا ہے جبکہ اُسے بدر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے۔ جو لوگ یہ مذہب رکھتے ہیں کہ نبوت زبردستی ختم ہو گئی اور آنحضرتؐ کو یونسؑ بن متیؑ پر بھی ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ اُنھوں نے اس حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور کمالات کا کوئی علم ہی اُن کو نہیں ہے۔ باوجود اس کمزوریٔ فہم اور کمیٔ علم کے ہم کہتے ہیں کہ ہم ختمِ نبوت کے منکر ہیں۔ مَیں ایسے مریضوں کو کیا کہوں اور اُن پر کیا افسوس کروں۔ اگر اُن کی یہ حالت نہ ہو گئی ہوتی اور وُہ حقیقتِ اسلام سے بکلّی دُور نہ جا پڑے ہوتے، تو پھر میرے آنے کی ضرورت کیا تھی؟ ان لوگوں کی ایمانی حالتیں بہت کمزور ہو گئی ہیں اور وُہ اسلام کے مفہوم اور مقصد سے محض ناواقف ہیں؛ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اہلِ حق سے عداوت کرتے جس کا نتیجہ کافر بنا دیتا ہے۔

اعمالِ صالحہ کی پہچان

یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ ہم میں کون سی بات اسلام کے خلاف ہے۔ ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے کے دنوں میں روزے بھی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ اُن کے تمام اعمال، اعمالِ صالحہ کے رنگ میں نہیں ہیں، بلکہ محض ایک پوست کی طرح ہیں جس میں مغز نہیں ہے؛ ورنہ اگر یہ اعمالِ صالحہ ہیں تو پھر ان کے پاک نتائج کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ اعمالِ صالحہ تو تب ہو سکتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے فساد اور ملاوٹ سے پاک ہوں۔ لیکن اُن میں یہ باتیں کہاں ہیں؟ مَیں کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ ایک شخص مومن اور متقی ہو اور اعمالِ صالحہ کرنے والا ہو اور وُہ اہلِ حق کا دشمن ہو؛ حالانکہ یہ لوگ ہم کو بے قید اور دہریہ کہتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کیا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر کے بھیجا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی کچھ عظمت اُن کے دل میں ہوتی، تو وُہ اِنکار نہ کرتے اور اس سے ڈر جاتے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم خدا تعالیٰ کے نام کی تخفیف کرنے والے ٹھہریں، لیکن یہ تب ہوتا جبکہ اُن میں حقیقی اور اصل ایمان اللہ تعالیٰ پر ہوتا اور وُہ یوم الجزا سے ڈرتے اور لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) پر اُن کا عمل ہوتا۔

اولیاء اللہ کا انکار سلبِ ایمان کا موجب ہو جاتا ہے

اُن کی دماغی قوت اور ایمانی طاقت نے تو یہاں تک اُنہیں پہنچا دیا ہے کہ وہ

کہتے ہیں کہ نبی کا مُنکر تو کافر ہوتا ہے، مگر ولی کے انکار سے کُفر کیونکر لازم آتا ہے۔ وُہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کے انکار سے کیا حرج؟ یہ لوگ انکارِ اولیاء اللہ کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے کیا بگڑتا ہے؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ اولیاء اللہ کا انکار سلبِ ایمان کا مُوجب ہو جاتا ہے۔ جو شخص اس معاملہ میں غور کرے گا، اسے اچھی طرح نظر آجائے گا، بلکہ ایسے طور پر نظر آجائے گا، جیسے شیشہ میں کوئی شکل دیکھ لیتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ سلبِ ایمان دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو انبیاء کے انکار سے، جس سے کسی کو بھی انکار نہیں اور یہ مسلّم بات ہے۔ دُوسرا اولیاء اللہ اور مامُورین کے انکار سے سلبِ ایمان ہوتا ہے۔

انبیاء کے انکار سے سلبِ ایمان تو بالکل واضح امر ہے اور سب جانتے ہیں، لیکن پھر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء کے انکار سے سلبِ ایمان اس لیے ہوتا ہے کہ نبی کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں یہ میرا قول ہے۔ یہ میرا نبی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ میری کتاب کو مانو اور میرے احکام پر عمل کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان نہیں لاتا اور اُن وصایا اور حُدود پر جو اس میں بیان کئے گئے ہیں، عمل نہیں کرتا ہے۔ وہ اُن سے مُنکر ہو کر کافر ہو جاتا ہے۔

لیکن وُہ صورت جس سے اولیاء اللہ کے انکار سے سلبِ ایمان ہوتا ہے، اور ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ۔ یعنی جو شخص میرے وَلی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے، وہ گویا میرے ساتھ جنگ کرنے کو تیار ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہو اور محبت بھی ایسی جیسے کوئی اپنی اولاد سے کرتا ہے۔ اور ایک دُوسرا شخص بار بار کہے کہ یہ شخص مر جائے یا اُس کی نسبت اور اسی قسم کی دلآزاری کی باتیں کہے اور اُسے تکلیف دے تو وُہ شخص ایسی باتوں سے کیونکر خوش ہو سکتا ہے اور وُہ باپ جس کے بچے کے لیے کوئی شخص بددُعائیں کر رہا ہو یا دیگر رنجدہ کلمات اُس کے بچے کی نسبت استعمال کر رہا ہو ایسے شخص سے کب محبت کر سکتا ہے؟ اسی طرح پر اولیاء اللہ بھی اطفال اللہ کا رنگ رکھتے ہیں، کیونکہ اُنھوں نے جسمانی بلوغ کا چولا اُتارا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں پرورش پاتے ہیں۔ وہ خود اُن کا متولّی، متکفّل اور اُن کے لیے غیرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص (خواہ وہ کیسا ہی نماز، روزہ رکھنے والا ہو) اُن کی مخالفت کرتا ہے اور ان کے دُکھ دینے پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش مارتی ہے اور اُن مخالفت کرنے والوں پر اُس کا غضب بھڑکتا ہے۔ اس لیے کہ اُنھوں نے اُس کے ایک محبُوب کو دُکھ دینا چاہا ہے۔ اس وقت پھر نہ وُہ نماز کام آتی ہے اور نہ وہ روزہ۔ کیونکہ نماز اور روزہ کے ذریعہ سے اُسی ذات کو خوش کرنا تھا جس کو ایک دُوسرے فعل سے ناراض کر لیا ہے۔ پھر وُہ رضا کا مقام کیونکر ملے۔ جبتک غضبِ الٰہی دُور نہ ہو۔ وُہ اولیاء اللہ کا مخالف نادان اُن اسبابِ غضب سے ناواقف ہوتا ہے، بلکہ

اپنے نماز روزہ پر اسے ایک ناز اور گھمنڈ ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا غضب دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور وہ بجائے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے دن بدن اللہ تعالیٰ سے دُور ہٹتا جاتا ہے یہانتک کہ بالکل راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے وہ شخص جو بالکل فنا کی حالت میں ہے اور آستانۂ اُلوہیت پر گرا ہوا ہے اور آغوشِ ربوبیت میں پرورش پا رہا ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمت نے اُسے ڈھانپ لیا ہے۔ یہانتک کہ اسکا بات کرنا خدا تعالیٰ کا بات کرنا ہوتا ہے اور اُس کا دوست خدا کا دوست اور اُس کا دشمن خدا کا دشمن ہو جاتا ہے۔ پس ایسے مومنِ کامل کا دشمن رہ کر کوئی شخص کیونکر مومنِ کامل ہو سکتا ہے اور ایسے ہی مومنِ کامل کی دشمنی سے اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور اُسے مغضوب علیہم میں سے بنا دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامُوروں اور اولیاء اللہ کی مخالفت اور اُن کی ایذا رسانی کبھی اچھا پھل نہیں دے سکتی۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں اُن کو ستا کر اور دُکھ دے کر بھی آرام پا سکتا ہوں وہ سخت غلطی کرتا ہے اور اُس کا نفس اُسے دھوکا دے رہا ہے۔

دُوسری وجہ سلبِ ایمان کی یہ ہوتی ہے کہ ولی اللہ خدا تعالیٰ کے مقرّب ہوتے ہیں، کیونکہ ولی کے معنے قریب کے ہیں۔ یہ لوگ گویا اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھتے ہیں اور دُوسرے لوگ ایک محجُوب کی طرح ہوتے ہیں، جن کے سامنے ایک دیوار حائل ہو۔ اب یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں، کیونکہ ایک تو اُن میں سے ایسا ہے کہ جس کے سامنے کوئی پردہ ہی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُسے آنکھیں دے دی ہیں اور اُسے ایسی بصیرت عطا کی ہے کہ اُس کا ہر قول فعل علیٰ وجہ البصیرت ہوتا ہے۔ اعمیٰ کی طرح نہیں، جو ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے اور ٹکریں مارتا رہتا ہے، بلکہ اُس کے دل پر تو خدا تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے اور ہر قدم پر وُہی اس کا رہنما اور متکفّل بن جاتا ہے۔ شیطان کی شرارت کی تاریکی اُس کے نزدیک نہیں آ سکتی، بلکہ ظلمت جل کر بالکل بھسم ہو جاتی ہے اور اُسے سب کچھ روشن نظر آتا ہے۔ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ حقائق اور معارف ہوتے ہیں۔ وہ احادیث شریفہ کی جو تاویل کرتا ہے، وہ صحیح ہوتی ہے، کیونکہ وہ براہِ راست بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لیتا ہے اور اس طرح وُہ اس کی اپنی روایت ہوتی ہے؛ حالانکہ دوسرے لوگوں کو تیرہ سو برس کے وسائط سے کہنا پڑتا ہے۔ پھر ان ہر دو میں کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ولی اللہ کا سارا ذخیرہ پاک معارف اور نُور ہوتا ہے، لیکن جو شخص اس سے عداوت کرتا ہے، وہ اس کی ہر بات کی تکذیب کرتا ہے۔ گویا کہ وہ یہ شرط کر لیتا ہے کہ وُہ ولی اللہ کے ہر نکتۂ معرفت کا انکار کرے گا۔ پھر وُہ اس کی ہر بات کا انکار کرتا رہتا ہے۔ اس طرح پر اس کی ایمانی عرفانی دیوار کی اینٹیں گرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ جب ایک شخص صراطِ مستقیم بتلا رہا ہے اور معارف اور حقائق کھول کھول کر بیان کر رہا ہے اور دُوسرا شخص اُس کی تکذیب کرتا ہے۔ اس مقابلہ میں انجام کار نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ (مؤخّر الذکر) قرآن شریف کے عقائد کے مجموعہ کی تکذیب کرتا ہے۔ کرتا رہے گا اور اسی لیے وُہ خدا تعالیٰ کا بھی منکر ہو جاتا ہے اور اس طرح اُس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔

غرض اس بات میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اولیاء اللہ کے انکار سے سلبِ ایمان ہو جاتا ہے۔ اس لیے

اولیاء اللہ کے انکار سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ یہودیوں پر جو آفت آئی اور وُہ مغضوب ہو گئے۔ اس کی بھاری وجہ یہی تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کے مأموروں اور مرسلین سے انکار کرتے رہے اور ہمیشہ اُن کی مخالفت اور ایذا رسانی میں حصّہ لیتے رہے جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اُن پر نازل ہوا۔

آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کا ایک اور پہلو

پھر میں اپنے پہلے کلام کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس اُمّت میں بڑی بڑی استعدادیں رکھ دی ہیں۔ یہانتک کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ بھی حدیث میں آیا ہے؛ اگرچہ محدثین کو اس پر جرح ہو، مگر ہمارا نورِ قلب اس حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے اور ہم بغیر چُون وچرا کے اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کسی بزرگ نے بذریعہ کشف بھی اس حدیث کا اِنکار نہیں کیا، بلکہ اگر کچھ کیا ہے تو تصدیق ہی کی ہے۔ اس حدیث کے یہ معنے نہیں کہ میری اُمّت کے عُلماء ظاہری بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہیں۔ عُلماء کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ بعض لوگ الفاظ پر اَڑ بیٹھتے ہیں اور اُن کے معانی کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ قرآن شریف کی تفسیر میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔

عالمِ ربّانی کی تعریف

یاد رکھو کہ عالمِ ربانی سے یہ مُراد نہیں ہوا کرتی کہ وہ صَرف ونحو یا منطق میں بے مثل ہو بلکہ عالمِ ربّانی سے مُراد وہ شخص ہوتا ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اُس کی زبان بیہودہ نہ چلے، مگر موجودہ زمانہ اس قسم کا آگیا ہے کہ مُردہ شوخ بھی اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں اور اس لفظ کو اپنی ذات میں داخل کر لیا ہے۔ اس طرح پر اس لفظ کی بڑی تحقیر ہوئی ہے اور خدا تعالیٰ کے منشاء اور مقصد کے خلاف اس کا مفہوم لے لیا گیا ہے؛ ورنہ قرآنِ شریف میں تو علماء کی یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے ہیں جو عُلماء ہیں۔ اب یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ جن لوگوں میں یہ صفات خوف وخشیّت اور تقویٰ اللہ کی نہ پائی جائیں وہ ہرگز ہرگز اس خطاب سے پُکارے جانے کے مستحق نہیں ہیں۔

اصل میں عُلماء عالِم کی جمع ہے اور عِلم اس چیز کو کہتے ہیں جو یقینی اور قطعی ہو اور سچا عِلم قرآن شریف سے ملتا ہے۔ یہ نہ یونانیوں کے فلسفہ سے ملتا ہے۔ نہ حال کے اِنگلستانی فلسفہ سے، بلکہ یہ سچا ایمانی فلسفہ قرآن کریم کے طفیل سے ملتا ہے۔ مومن کا کمال اور معراج یہی ہے کہ وُہ علماء کے درجہ پر پہنچے اور اُسے حق الیقین کا وُہ مقام حاصل ہو جو عِلم کا انتہائی درجہ ہے، لیکن جو لوگ علوم حقّہ سے بہرہ وَر نہیں ہیں اور معرفت اور بصیرت کی راہیں اُن پر کھُلی ہوئی نہیں ہیں وُہ گو اپنے مُنہ سے اپنے آپ کو عالِم کہیں مگر فی الحقیقت ایسے لوگ عِلم کی خوبیوں اور صفات سے بالکل

بے بہرہ ہیں اور وہ روشنی اور نور جو حقیقی علم سے ملتا ہے۔ اُن میں بالکل پایا نہیں جاتا، بلکہ ایسے لوگ سراسر خسارہ اور نقصان میں ہیں۔ یہ اپنی آخرت دُخان اور تاریکی سے بھر لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) جو آدمی اس دُنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا اُٹھایا جائے گا۔ یعنی جس کو یہاں علم بصیرت اور معرفت نہیں دی گئی، اُسے وہاں کیا علم ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی آنکھ اِسی دُنیا سے لے جانی پڑتی ہے۔ جو آدمی یہاں ایسی آنکھ پیدا نہیں کرتا، اسے یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کو آخرت کے دن دیکھ لے گا۔

لیکن جن لوگوں کو سچی معرفت اور بصیرت دی جاتی ہے اور وہ علم جس کا نتیجہ خشیۃ اللہ ہے، عطا کیا جاتا ہے۔ وُہ وہی لوگ ہیں جن کو اس حدیث میں انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سچے علوم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے علوم کا منبع اور سرچشمہ قرآنِ شریف میں اس اُمت کو دیا ہے۔ جو شخص ان حقائق اور معارف کو پالیتا ہے، جو قرآنِ شریف میں بیان کیے گئے ہیں اور جو محض حقیقی تقویٰ اور خشیۃ اللہ سے حاصل ہوتے ہیں، اُسے وُہ علم ملتا ہے جو اس کو انبیاء بنی اسرائیل کا مثیل بنا دیتا ہے۔ ہاں یہ بات بالکل سچ ہے کہ ایک شخص کو جو ہتھیار دیا گیا ہے اگر وُہ اُس سے کام نہ لے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے نہ کہ اس ہتھیار کا۔ اس وقت دُنیا کی یہی حالت ہو رہی ہے۔ مُسلمانوں نے باوجودیکہ قرآنِ شریف جیسی بے مثل نعمت ان کے پاس تھی جو اُن کو ہر گمراہی سے نجات بخشتی اور ہر تاریکی سے نکالتی ہے، لیکن اُنھوں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس کی پاک تعلیموں کی کچھ پروا نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وُہ اسلام سے بالکل دُور جا پڑے ہیں۔ یہاں تک کہ اب اگر حقیقی اسلام اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو چونکہ وُہ اس سے بکلّی بے خبر اور غافل ہیں، اس لیے حقیقی مومن کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں۔

ولی بننے کے لیے خداداد قویٰ سے کام لو

بہت سے لوگ ہیں جو ادباشانہ اور عیاشانہ حالات زندگی رکھتے ہیں اور وہ دُنیا کا فخر، دُنیا کی عزت اور املاک و دولت چاہتے ہیں۔ اس قسم کی آرزوؤں اور تمناؤں اور اُن کے پورا کرنے کی تدبیروں اور تجویزوں میں ہی اپنی عمر کھو بیٹھتے ہیں۔ اُن کی آرزوؤں کی انتہا نہیں ہوتی کہ پیغام موت آجاتا ہے۔ اب اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے قویٰ تو دیئے تھے۔ انہیں قویٰ سے اگر کام لیتے تو حق کو پالیتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو کسی سے بخل نہیں کیا، لیکن ایسے لوگ خود قویٰ سے کام نہیں لیتے۔ یہ اُن کی اپنی بدبختی ہے۔ نیک بخت اور مُبارک ہے وہ شخص جو اُن خداداد قویٰ سے کام لے۔ بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ تم خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے اوامر کی پیروی کرو اور نواہی سے پرہیز کرو۔ تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے کیا ولی بننا ہے؟ اس قسم کا کلمہ میرے نزدیک کلمۂ کفر ہے۔ یہ خدا تعالیٰ

پر بدگمانی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حضور کیا کمی ہے۔ اُس کے پاس سرکار کی طرح کوئی محدود نوکریاں تو نہیں ہیں جو ختم ہو جائیں۔ بلکہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلقات پیدا کرے وہ ان فیوض سے بہرہ ور ہو سکتا ہے جو پہلے راستبازوں کو دیئے گئے تھے ؎ برکریماں کار ہا دشوار نیست۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے محبوب بندوں کا نام ولی رکھا ہے تو کیا ولی بنانا خدا تعالیٰ کے نزدیک مشکل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اُس کے نزدیک بہت سہل امر ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ انسان راستی کے ساتھ اس کی راہ میں قدم رکھنے والا ہو اور اُس کے راستے میں صبر و استقلال اور وفاداری کے ساتھ چلنے والا ہو۔ کوئی دُکھ اور تکلیف اور مصیبت اس کے قدم کو ڈگمگا نہ سکے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرتا ہے اور اُن باتوں سے الگ ہو جاتا ہے جو خدا تعالیٰ کی نارضامندی کا موجب ہوتی ہیں۔ اور سچی پاکیزگی اور طہارت اختیار کر لیتا ہے اور گندی باتوں سے پرہیز کرتا ہے، تو خدا تعالیٰ بھی اُس کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے دُوری اختیار کرے اور گندگی سے نکلنے کی کوشش نہ کرے، تو پھر خدا تعالیٰ بھی اُس کی پروا نہیں کرتا۔ جیسے کہ فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔ (الصف: ۶)۔

سلوک کی آسان راہ

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ہمت نہ ہار بیٹھے۔ یہ بڑی مشکلات نہیں ہیں۔ مَیں تمہیں یقیناً کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ہماری مشکلات آسان کر دی ہیں۔ کیونکہ ہمارے سلوک کی راہیں اور ہیں۔ ہمارے ہاں یہ حالت نہیں ہے کہ کمریں جھک جائیں یا ناخن بڑھالیں، یا پانی میں کھڑے رہیں اور چلّہ کشیاں کریں یا اپنے ہاتھ خشک کر لیں اور یہانتک نوبت پہنچے کہ اپنی صورتیں بھی مسخ ہو جائیں۔ ان صورتوں کے اختیار کرنے سے بعض لوگ بخیالِ خویش باخدا بننا چاہتے ہیں، لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ ایسی ریاضتوں سے خدا تو کیا ملنا ہے، انسانیت بھی جاتی رہتی ہے، لیکن ہمارے سلوک کا یہ طریق ہرگز نہیں ہے، بلکہ اسلام نے اس کے لیے نہایت آسان راہ رکھ دی ہے اور وُہ کشادہ راہ وُہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یُوں فرمایا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: ۶) یہ دُعا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھلائی ہے۔ تو ایسے طور پر نہیں کہ دُعا تو سکھا دی، لیکن سامان کچھ بھی مہیا نہ کیا ہو۔ نہیں بلکہ جہاں دُعا سکھلائی ہے وہاں اس کے لیے سامان بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سے اگلی سُورۃ میں اُس قبولیت کا اشارہ ہے، جہاں فرمایا: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرہ: ۳) یہ گویا ایسی دعوت ہے جس کا سامان پہلے سے تیار کر رکھا ہے۔

غرض یہ قویٰ جو انسان کو دیئے گئے ہیں۔ اگر وُہ اُن سے کام لے تو یقیناً ولی ہو سکتا ہے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ اس اُمّت میں بڑی قوّت کے لوگ آتے ہیں جو نُور اور صِدق اور وفا سے بھرے ہوتے ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی شخص اپنے آپ کو ان قویٰ سے محروم نہ سمجھے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی فہرست شائع کر دی ہے، جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ

ہمیں اُن برکات سے حصّہ نہیں ملے گا۔ خدا تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے، جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جس کو تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا۔ اس لیے تم کو چاہیے کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں مانگو اور اُس کے فضل کو طلب کرو۔ ہر ایک نماز میں دُعا کے لیے کئی مواقع ہیں۔ رکوع، قیام، قعدہ، سجدہ وغیرہ۔ پھر آٹھ پہروں میں پانچ مرتبہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ فجر، ظہر، عصر، شام اور عشاء۔ ان پر ترقی کر کے اشراق اور تہجد کی نمازیں ہیں۔ یہ سب دُعا ہی کے لیے مواقع ہیں۔

نماز کی اصلی غرض اور مغز دُعا ہے

نماز کی اصلی غرض اور مغز دُعا ہی ہے اور دُعا مانگنا اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت کے عین مطابق ہے۔ مثلاً ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ جب بچہ روتا دھوتا ہے اور اضطراب ظاہر کرتا ہے، تو ماں کس قدر بے قرار ہو کر اس کو دُودھ دیتی ہے۔ اُلوہیت اور عبودیت میں اسی قسم کا ایک تعلق ہے، جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے اور نہایت عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے حضور اپنے حالات کو پیش کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجات کو مانگتا ہے، تو اُلوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے اور ایسے شخص پر رحم کیا جاتا ہے۔

گریہ وزاری

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا دُودھ بھی ایک گریہ کو چاہتا ہے، اس لیے اس کے حضور رونے والی آنکھ پیش کرنی چاہیے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے حضور رونے دھونے سے کچھ نہیں ملتا۔ بالکل غلط اور باطل ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے صفات قدرت و تصرف پر ایمان نہیں رکھتے۔ اگر اُن میں حقیقی ایمان ہوتا، تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ جب کبھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حضور آیا ہے اور اس نے سچی توبہ کے ساتھ رُجوع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس پر اپنا فضل کیا ہے۔ یہ کسی نے بالکل سچ کہا ہے ؎

عاشق کہ شُد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ۔۔۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

خدا تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ تم اُس کے حضور پاک دل لے کر آجاؤ۔ صرف شرط اتنی ہے کہ اس کے مناسبِ حال اپنے آپ کو بناؤ۔ اور وہ سچی تبدیلی جو خدا تعالیٰ کے حضور جانے کے قابل بنا دیتی ہے، اپنے اندر کر کے دکھاؤ۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میں عجیب در عجیب قدرتیں ہیں اور اس میں لانتہا فضل و برکات ہیں، مگر ان کے دیکھنے اور پانے کے لیے محبت کی آنکھ پیدا کرو۔ اگر سچی محبت ہو تو خدا تعالیٰ بہت دُعائیں سُنتا ہے اور تائیدیں کرتا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ محبت اور اخلاص خدا تعالیٰ سے ہو۔

خدا کی محبت اور فضل

خدا کی محبت ایک ایسی شے ہے جو انسان کی سفلی زندگی کو جلا کر اسے ایک نیا اور مصفّٰی انسان بنا دیتی ہے۔ اس وقت وہ وُہ کچھ دیکھتا ہے جو پہلے نہیں دیکھتا تھا اور وہ وُہ کچھ سُنتا ہے جو پہلے نہیں سُنتا تھا۔ غرض خدا تعالیٰ نے جو کچھ مائدہ فضل و کرم کا انسان کے

لیے تیار کیا ہے، اس کے حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اِستعدادیں بھی عطا کی ہیں۔ اگر وہ استعدادیں تو عطا کرتا، لیکن سامان نہ ہوتا تب بھی ایک نقص تھا۔ یا اگر سامان تو ہوتا، لیکن استعدادیں نہ ہوتیں، تو کیا فائدہ تھا؟ مگر نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ اس نے اِستعداد بھی دی اور سامان بھی مہیا کیا۔ جس طرح پر ایک طرف دُنیا کا سامان پیدا کیا، تو دُوسری طرف آنکھ، زبان، دانت اور معدہ دے دیا اور جگر اور امعاء کو کام میں لگا دیا اور ان تمام کاموں کا مدار غذا پر رکھ دیا۔ اگر پیٹ کے اندر ہی کچھ نہ جائے گا، تو دل میں خُون کہاں سے آئے گا۔ کیلوس کہاں سے بنے گا۔

اسی طرح پر سب سے اوّل اس نے یہ فضل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام جیسا مکمل دین دے کر بھیجا اور آپؐ کو خاتم النبیینؐ ٹھہرایا اور قرآن شریف جیسی کامل اور خاتم الکتاب عطا فرمائی۔ جس کے بعد قیامت تک نہ کوئی کتاب آئے گی اور نہ کوئی نیا نبی نئی شریعت لے کر آئے گا۔ پھر جو قویٰ سوچ اور فکر کے ہیں۔ ان سے اگر ہم کام نہ لیں اور خدا تعالیٰ کی طرف قدم نہ اُٹھائیں تو کس قدر سستی اور کاہلی اور ناشکری ہے۔

انسانی زندگی کا مقصد

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہلی ہی سُورت میں ہمارے لیے کس قدر مبسُوط طریق پر فضل کی راہ بتا دی ہے۔ اِس سُورت میں جس کا نام خاتم الکتاب اور ام الکتاب بھی ہے۔ صاف طور پر بتا دیا ہے کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور اس کے حصُول کی کیا راہ ہے؟ اِیَّاکَ نَعْبُدُ (گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشاء ہے اور اسے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ: ۵) پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمت اور سمجھ میں ہو، خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پُورا کام لے اور اس کے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لیے دُعا کرے۔ انسانی زندگی کا مقصد اور غرض صراطِ مستقیم پر چلنا اور اس کی طلب ہے۔ جس کو اس سُورۃ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: ۶) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۷) یا اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ وُہ دُعا ہے جو ہر نماز میں اور ہر رکعت میں مانگی جاتی ہے۔ اس دُعا کا اس قدر تکرار ہی اس کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے

جماعتِ احمدیہ کا نصب العین

ہماری جماعت یاد رکھے کہ یہ معمولی سی بات نہیں ہے اور صرف زبان سے طوطے کی طرح ان الفاظ کا رٹ دینا اصل مقصُود نہیں ہے، بلکہ یہ دُعا انسان کو انسانِ کامل بنانے کا ایک کارگر اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے، جسے ہر وقت نصب العین رکھنا چاہیے اور تعویذ کی طرح مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اس آیت میں چار قسم کے کمالات کے حاصل کرنے کی اِلتجا ہے۔

اگر انسان ان چار قسم کے کمالات کو حاصل کرے گا، تو گویا دُعا مانگنے اور خَلقِ انسانی کے حق کو ادا کر دے گا اور ان استعدادوں اور قویٰ کے بھی کام میں لانے کا حق ادا ہو جائے گا۔ جو اس کو دی گئی ہیں۔

آیت اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی تفسیر

اِس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ قرآن شریف کے بعض حصّے دُوسرے حصّوں کی تفسیر اور شرح ہیں۔ ایک جگہ ایک اَمر بطریقِ اجمال بیان کیا جاتا ہے، تو دُوسری جگہ وُہی امر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا دُوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ پس اس جگہ جو یہ فرمایا: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ (الفاتحہ: ۷) تو یہ بطریقِ اجمال ہے، لیکن دُوسرے مقام پر منعم علیہم کی خود ہی تفسیر کر دی ہے۔ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ (النساء: ۷۰) منعم علیہم لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ نبی، صدّیق، شہید، صالح، انبیاءؑ میں یہ چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وُہ اِن کمالات کے حاصل کرنے کے لیے جہاں تک مجاہدۂ صحیحہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے۔ کوشش کرے۔

آنحضرت کی راہ کو ہرگز نہ چھوڑو

مَیں یہ بھی تمھیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے تراشے ہوئے وظائف اور اَوراد کے ذریعہ سے ان کمالات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں یا خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں، لیکن مَیں تمھیں کہتا ہوں کہ جو طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں کیا۔ وہ محض فضول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مُنعَم علیہم کی راہ کا سچا تجربہ کار اور کون ہو سکتا ہے۔ جن پر نبوّت کے بھی سارے کمالات ختم ہو گئے۔ آپؐ نے جو راہ اختیار کی وہ بہت ہی صحیح اور اقرب ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر دُوسری راہ ایجاد کرنا، خواہ وہ بظاہر کتنی ہی خوش کُن معلوم ہوتی ہو۔ میری رائے میں ہلاکت ہے اور خدا تعالےٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتّباع سے خدا ملتا ہے اور آپؐ کی اتباع کو چھوڑ کر خواہ کوئی ساری عمر ٹکریں مارتا رہے، گوہرِ مقصود اس کے ہاتھ نہیں آ سکتا؛ چنانچہ سعدی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ضرورت بدیں الفاظ بتاتا ہے: ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو ہرگز نہ چھوڑو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ قسم قسم کے وظیفے لوگوں نے ایجاد کر لیے ہیں۔ اُلٹے سیدھے لٹکتے ہیں اور جوگیوں کی طرح راہبانہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، لیکن یہ سب بے فائدہ ہیں۔ انبیاء کی یہ سُنّت نہیں کہ وہ اُلٹے سیدھے لٹکتے رہیں یا نفی اثبات کے ذکر کریں اور اَرّہ کے ذکر کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے اُسوۂ حسنہ فرمایا لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب: ۲۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

نقشِ قدم پر چلو اور ایک ذرہ بھر بھی اِدھر یا اُدھر ہونے کی کوشش نہ کرو۔

جماعتِ احمدیہ کے قیام کا مقصد

غرض مُنعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ (الفاتحہ: ۷) میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ان کو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی تاکہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔

مقامِ نبوت

ان کمالات میں سے جو منعم علیہم گروہ کو دیئے جاتے ہیں۔ پہلا کمال نبوت کا کمال ہے۔ جو بہت ہی اعلیٰ مقام پر واقع ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وُہ الفاظ نہیں ملتے جن میں اس کمال کی حقیقت بیان کر سکیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر کوئی چیز اعلیٰ ہو اس کے بیان کرنے کے واسطے اُسی قدر الفاظ کمزور ہوتے ہیں اور نبوت تو ایسا مقام ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں ہے، تو پھر یہ الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے۔ مختصر اور ناکافی طور پر ہم یُوں کہہ سکتے ہیں کہ جب انسان سفلی زندگی کو چھوڑ دیتا ہے اور بالکل سانپ کی کینچلی کی طرح اس زندگی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اس کی حالت اور ہو جاتی ہے۔ وہ بظاہر اسی زمین پر چلتا پھرتا کھاتا پیتا ہے اور اس پر قانونِ قدرت کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے۔ جیسے دُوسرے لوگوں پر، لیکن باوجود اس کے بھی وُہ اس دُنیا سے الگ ہوتا ہے اور وُہ ترقی کرتے کرتے اُس مقام پر جا پہنچتا ہے، جو نقطۂ نبوت کہلاتا ہے۔ اور جہاں وہ خدا تعالیٰ سے مکالمہ کرتا ہے۔ یہ مکالمہ یُوں شروع ہوتا ہے کہ جب وُہ نفس اور اُس کے تعلقات سے الگ ہو جاتا ہے، تو پھر اس کا تعلق محض اللہ تعالیٰ سے ہی ہوتا ہے اور اُسی سے وُہ مکالمہ کرتا ہے۔

کلامِ نفس

انسان کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے کہ یہ کبھی نکما اور بیکار نہیں رہتا اور نفس کلام سے بھی کبھی فارغ نہیں ہوتا ہے۔ نفس اور شیطان سے ہی اُس کا مکالمہ شروع رہتا ہے۔ اگر کوئی اور بات کرنے والا نہ ہو۔ بعض اوقات لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان بالکل خاموش ہے، لیکن درحقیقت وُہ خاموش نہیں ہوتا۔ اس کا سلسلۂ کلام اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ بہت ہی لمبا ہوتا ہے۔ اور شیطانی رنگ میں اُسے خود لمبا کرتا ہے اور بے شرمی سے اُسے لمبا ہونے دیتا ہے۔ یہ سلسلۂ کلام کبھی خیالی فسق کے رنگ میں ہوتا ہے اور کبھی بے ہُودہ اور جھوٹی تمناؤں کے رنگ میں اور اس سے وہ کبھی فارغ نہیں رہتا۔ جبتک کہ اِس سفلی زندگی کو چھوڑ نہ دے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اس قسم کے خطرات اور خیالات کا سلسلہ جسے

انسان لمبا نہیں ہونے دیتا اور ایک معمولی خیال کی طرح اگر دل سے محو ہو جاتا ہے وُہ معاف ہیں، لیکن جب اس سلسلہ کو لمبا کرتا ہے اور اس پر عزیمت کرتا ہے، تو وہ گناہ ہے اور ان کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔

جب انسان اُن خیالات کو جو اُس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ دُور کر دیتا ہے اور اُن کو لمبا نہیں ہونے دیتا، تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وُہ معافی کے قابل ہیں لیکن جب اُن کے سلسلہ کی درازی میں ایک لذّت پاتا ہے اور اُن کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ تب وہ قابلِ مواخذہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ اُن میں عزیمت شامل ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی مَیں نے بیان کیا ہے۔ اس بات کو خوب یاد رکھو کہ کلامِ نفسی دو قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی شیطانی جو خیالی فسق و فجور کے سلسلہ میں چلا جاتا ہے اور آرزوؤں کے ایک لمبے سلسلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب تک انسان ان دونوں سلسلوں میں پھنسا ہوا ہے، اُسے شیطانی دخل کا بہت اندیشہ ہوتا ہے اور اس امر کا زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ اس طرح سے نقصان اُٹھائے اور شیطان اُسے زخمی کر دے۔ مثلاً کبھی کوئی منصوبہ باندھتا ہے کہ فلاں شخص میری فلاں غرض اور مقصد میں بڑا مُخل ہے، اُسے مار دیا جائے یا فلاں شخص نے مجھے تُو کر کے بلایا ہے اس کا بدلہ لیا جائے۔ اور اس کی ناک کاٹ دی جائے۔ غرض اسی قسم کے منصوبوں اور ادھیڑبن میں لگا رہتا ہے۔ یہ مرض سخت خطرناک ہے۔ وُہ نہیں سمجھتا کہ ایسی باتوں سے نفس کا کیا نقصان کر رہا ہوں اور اس سے میری اخلاقی اور رُوحانی قوتوں پر کس قسم کا بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ اس لیے اس قسم کے خیالات سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ جب کبھی کوئی ایسا بیہودہ سلسلۂ خیالات شروع ہو، تو فوراً اس کے رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ استغفار پڑھو۔ لاحول کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی مدد اور توفیق چاہو اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے پڑھنے میں اپنے آپ کو مصروف کر دو اور یہ سمجھ لو کہ اس قسم کے خیالی سلسلہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ اگر دشمن مر بھی جاوے تو کیا اور زندہ رہے تو کیا؟ نفع و نقصان کا پہنچانا خدا تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ کوئی شخص کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ سعدی نے گلستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ نوشیرواں بادشاہ کے پاس کوئی شخص خوشخبری لے کر گیا کہ تیرا فلاں دشمن مارا گیا ہے اور اس کا ملک اور قلعہ ہمارے قبضہ میں آگیا ہے۔ نوشیرواں نے اس کا کیا اچھا جواب دیا ؎

مرا برگِ عُدو جائے شادمانی نیست کہ زندگانیٔ ما نیز جاودانی نیست

پس انسان کو چاہیے کہ اس امر پر غور کرے کہ اس قسم کے منصوبوں اور ادھیڑبن سے کیا فائدہ اور کیا خوشی۔ یہ سلسلہ تو بہت ہی خطرناک ہے اور اس کا علاج ہے توبہ، استغفار، لاحول اور خدا تعالیٰ کی کتاب کا مطالعہ، بیکاری اور بے شغلی میں اس قسم کا سلسلہ بہت لمبا ہو جایا کرتا ہے۔

دوسری قسم کلامِ نفس کی اَمانی ہے۔ یہ سلسلہ بھی چونکہ بے جا خواہشوں کو پیدا کرتا ہے اور طمع، حسد اور خود غرضی کے امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے جونہی کہ یہ سلسلہ پیدا ہو۔ فوراً اُس کی صف لپیٹ دو۔ مَیں نے یہ

تقسیم کلامِ نفس کی جو کی ہے یہ دونوں قسمیں انجام کار انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں، لیکن نبی ان دونوں قسم کے سلسلۂ کلام سے پاک ہوتا ہے۔

مقامِ نبوّت کی حقیقت

نبوّت کیا ہے؟ یہ ایک جوہرِ خداداد ہے۔ اگر کسب سے ہوتا تو سب لوگ نبی ہو جاتے۔ نبیوں کی فطرت ہی اس قسم کی نہیں ہوتی کہ وُہ اس بے جا سلسلۂ کلام میں مبتلا ہوں۔ وُہ نفسی کلام کرتے ہی نہیں، حالانکہ دوسرے لوگوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وُہ ان سلسلوں میں کچھ ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا خانہ ہی خالی رہ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے نبی ان دونوں سلسلوں سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ میں کچھ ایسے گُم ہوتے ہیں اور اُسکے مخاطبہ و مکالمہ میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ ان سلسلوں کیلئے ان کے دل و دماغ میں سمائی اور گنجائش بھی نہیں ہوتی، بلکہ اُنکے دل و دماغ میں صرف خدا تعالیٰ ہی کا سلسلۂ کلام رہ جاتا ہے۔ چونکہ اُنکے پاس صرف وہی حصّہ باقی ہوتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اُن سے کلام کرتا ہے اور وُہ خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے رہتے ہیں۔ تنہائی اور بیکاری میں بھی جب ایسے خیالات کا سلسلہ ایک انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی شخص نبی کو بھی ویسی ہی حالت میں دیکھے، تو شاید غلطی اور ناواقفی سے سمجھ لے گا کہ اب اس کا سلسلۂ کلام بھی خدا تعالیٰ سے نہ ہوگا، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ نبی ہر وقت خدا تعالیٰ ہی سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اور یہی دُعا کرتا رہتا ہے کہ اے خدا میں تجھ سے پیار کرتا ہوں اور تیری ہی رضا کا طالب ہوں۔ مجھ پر ایسا فضل کر کہ میں اُس نقطہ اور مقام تک پہنچ جاؤں جو تیری رضا کا مقام ہے۔ مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو تیری نظر میں پسندیدہ ہوں۔ دُنیا کی آنکھ کھول کہ وُہ تجھے پہچانے اور تیرے آستانہ پر گرے۔ یہ اُس کے خیالات ہوتے ہیں اور یہی اُس کی آرزوئیں۔ اور اُن میں وُہ ایسا محو اور فنا ہوتا ہے کہ دُوسرا آدمی اُس کو شناخت نہیں کر سکتا۔ نبی اس سلسلہ کو ذوق کے ساتھ دراز کرتا ہے اور پھر اس میں اُس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ اُس کا دل پگھل جاتا ہے اور اس کی رُوح بہہ نکلتی ہے۔ وہ پُورے زور اور طاقت کے ساتھ آستانۂ اُلوہیت پر گرتی اور اَنْتَ رَبِّیْ کہہ کر پکارتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم جوش میں آتا ہے اور وُہ اس کو مخاطب کرتا اور اپنے کلام سے اُس کو جواب دیتا ہے۔ یہ ایسا لذیذ سلسلہ ہے کہ ہر شخص اُس کو سمجھ نہیں سکتا اور یہ لذّت ایسی ہے کہ الفاظ اُس کو ادا نہیں کر سکتے۔ پس وہ بار بار مستسقی کی طرح بابِ ربوبیت کو ہی کھٹکھٹاتا رہتا ہے اور وہاں ہی اپنے لیے راحت و آرام پاتا ہے۔ وہ دُنیا میں ہوتا ہے لیکن دُنیا سے الگ ہوتا ہے۔ وہ دُنیا کی کسی چیز کا آرزومند نہیں ہوتا لیکن دُنیا اس کی خادم ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اُس کے قدموں پر دُنیا کو لا ڈالتا ہے۔

یہ ہے مختصر حقیقت نبوّت کے مقام کی۔ یہاں کلامِ نفسی کے دونوں سلسلے بھسم ہو جاتے ہیں اور تیسرا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کا مبداء اور منتہا خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ اُس وقت وہ خدا تعالیٰ کے کلام کو جذب کرتا

ہے اور اس میں اس قسم کے دُخان اور اضغاث، احلام نہیں ہوتے جو نفسی کلام میں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ دُنیا سے انقطاعِ کلی کیے ہوئے ہوتا ہے۔ جیسے ایک نفسانی خواہشوں کا اسیر اپنی محبُوبہ سے تعلق پیدا کر کے ہمہ گوش ہو کر تصوّر کرتا ہے اور اسے نفسانی لذّات کا معراج پاتا ہے اور قطعاً نہیں چاہتا کہ وہ کسی دوسرے کو ملے۔ اسی طرح پر نبی خدا تعالیٰ سے اپنے تعلّقات کو یہانتک پہنچاتا ہے کہ وُہ اس تنہائی اور خلوت میں کسی دُوسرے کا دخل ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ اپنے محبوب سے ہمکلام ہوتا ہے اور اسی میں لذّت اور راحت پاتا ہے۔ وُہ ایک دم کے لیے بھی اس خلوت کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا، لیکن خدا تعالیٰ اُس کو دُنیا کے سامنے لاتا ہے تاکہ وہ دُنیا کی اصلاح کرے اور خدانما آئینہ ٹھہرے۔ نبی طبعًا ایک لذّت اور کیفیّت پاتا ہے اور اسے خدا تعالیٰ ہی میں چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ میں اس کیفیّت و حقیقت کو بیان نہیں کر سکتا؛ اگرچہ دل اس لذّت سے بھرا ہوا ہے اور اس ذکر کی دراز ی اور بھی لذّت بخش ہے۔ مگر وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جن میں اس کو ظاہر کر سکوں۔

کیا وجہ ہے کہ انبیاءؑ بیویاں اور بچے بھی رکھتے ہیں؟

بعض نادان لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ جبکہ انبیاءؑ ایسے فنا فی اللہ ہوتے ہیں اور دُنیا اور اُس کی لذّتوں سے دُور بھاگتے ہیں، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وُہ بیویاں اور بچے بھی رکھتے ہیں؟ ایسے معترضین اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک شخص تو ان باتوں کا اسیر اور ان فانی لذّتوں میں فنا ہو جاتا ہے، لیکن اس کے خلاف انبیاءؑ کا گروہ ان باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اُن کے لیے محض خادم کے طور پر ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاءؑ ہر قسم کی اصلاح کے لیے آتے ہیں پس اگر وُہ بیوی بچے نہ رکھتے ہوں، تو اس پہلو میں تکمیلِ اصلاح کیونکر ہو، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ عیسائی لوگ معاشرت کے متعلق حضرت مسیحؑ کا دُنیا کے رُوبرو کیا نمونہ پیش کر سکتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ جب وُہ اس راہ سے ہی ناواقف ہیں اور مدارج سے ہی بے خبر، تو وُہ کیا اصلاح کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کمال ہے کہ ہر پہلو میں آپؐ کا نمونہ کامل ہے۔ دُنیا اور اس کی چیزیں انبیاءؑ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں اور وہ فانی لذّتوں کی کچھ بھی پروا نہیں کیا کرتے بلکہ اُن کا دل خدا تعالیٰ کی طرف اُس دریا کی ایک تیز دھار کی طرح جو پہاڑ سے گرتی ہے بہتا ہے اور اس کی رَو میں ہر خس و خاشاک بہ جاتا ہے۔

غرض انبیاء علیہم السّلام ان چیزوں کے غلام نہیں ہوتے، بلکہ یہ چیزیں اُن کے لیے بطور خادم ہوتی ہیں اور اُن کے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی کمالات کا نمونہ اُن کے اس ذکر اور ذوق میں جو خدا تعالیٰ کے تصوّر اور محویت میں انہیں ملتا ہے، کچھ ہرج پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کچھ ایسے محو اور فنا ہوتے ہیں کہ دُنیا سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔ جب اس قسم کی ربودگی ہوتی ہے، تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے آوازیں آنے لگتی ہیں اور مکالماتِ الٰہیہ ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب جذب کی قوّت کسی چیز میں ہوتی ہے تو وہ دُوسرے کو اپنے اندر جذب کرتی ہے۔ انبیاءؑ

کے جذب میں اس قدر قوّت ہوتی ہے کہ دُنیا اور مافیہا کی ساری باتیں اس میں مجسم ہو جاتی ہیں اور وُہ خدا تعالیٰ کے فضل اور فیض کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہے اور اس سلسلہ کو باقی تمام سلسلوں پر تقدّم اور فوق ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے مجاہدۂ صحیحہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر یہ راہ نہیں کھلتی۔ جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۷۰) اور اسی کی طرف اشارہ ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں۔ اگرچہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر تقدّم ہے، لیکن پھر بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت نے سبقت کی ہوئی ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ بھی کسی قوّت نے کہلوایا ہے اور وہ قوّت جو پوشیدہ ہی پوشیدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار کراتی ہے، کہاں سے آئی؟ کیا خدا تعالیٰ نے ہی وُہ عطا نہیں فرمائی ہے؟ بے شک وہ خدا تعالیٰ کا ہی عطیّہ ہے جو اس نے محض رحمانیت سے عطا فرمائی ہے۔ اس کی تحریک اور توفیق سے یہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ بھی کہتا ہے۔ اس پہلو سے اگر غور کریں، تو اس کو تاخّر ہے اور دُوسرے پہلو سے اس کو تقدّم ہے۔ یعنی جب یہ قوّت اس کو اس بات کی طرف لاتی ہے تو یہ تاخّر ہو گیا اور بصورتِ اوّل تقدّم۔ اسی طرح پر سلسلۂ نبوّت کی فلاسفی کا خلاصہ یا مفہوم ہے۔

لوازمِ نبوّت

یہ تو ممکن ہے کہ ہزاروں ہزار انسان مُلہم ہونے کا دعویٰ کریں اور اثباتِ نبوّت اور کلامِ الٰہی کی حجّت قائم کرنے کے واسطے یہ ضروری اَمر ہے، لیکن امرِ نبوّت میں مقصود بالذّات ایک اور امر ہوتا ہے جو خاص نبیوں سے مخصوص ہوتا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شَے آتی ہے تو اس کے لوازم اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ لوازم سے الگ ہو۔ مثلاً جب کھانا آئے گا، تو اس کے لوازم ساتھ ہی ہوں گے۔ ہر قسم کے برتن، پانی، یہانتک کہ خلال بھی دیں گے۔ اسی طرح پر نبوّت کے ساتھ لوازماتِ نبوّت بھی ساتھ ہوتے ہیں اور منجملہ اُن لوازمات کے ایک یہ بھی ہے کہ کلامِ نفسانی کا سلسلہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ امر اصل کیفیت کے لوازم میں سے ہے اور اس کے آثار اور علامات کی دلیل وُہ پیشگوئیاں ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ انہیں عطا کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ نبیوں کا ایک اور نام آسمان پر ہوتا ہے جس سے دُوسرے لوگ آشنا بھی نہیں ہوتے اور بعض وقت جب وُہ آسمانی نام دُنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے، تو لوگوں کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ مثلاً میرے ہی معاملہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام مسیح ابن مریم بھی رکھا ہے جس پر بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارا نام تو غلام احمد ہے، مگر وُہ اِس راز کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ اسرارِ نبوّت میں سے ایک بات ہے۔

غرض جب دونوں قسم کے جھوٹے مکالمے ختم ہو جاتے ہیں، تو پھر اُس کا دل بولتا ہے اور ہر وقت بولتا رہتا ہے۔ حرکت کرتا ہے۔ تب بھی اس سے آواز آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں ہزار لوگ اس کے پاس اَور اَور قسم کی باتوں میں مشغول ہوں، مگر یہ اپنے اس سلسلہ میں لذّت پاتا ہے اور اپنے محبُوب سے کلام کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

یہی وجہ اس کی جمعیتِ قلب کی ہوتی ہے۔ کوئی شور و شر اس کو پراگندہ نہیں کر سکتا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایک عاشق چاہتا ہے کہ وہ اپنے معشوق اور محبوب کے حُسن و جمال پر پُوری طرح اطلاع پائے اور ہر وقت اُس سے کلام کرتا رہے، مگر ایسا نہیں ہوا کرتا۔ اور اس قسم کی دُنیاوی خواہشیں ذلیل ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے اور اس کے عشق میں گمشدہ قوم یعنی انبیاءؑ ان جھوٹے اور فانی عاشقوں کے عشق سے کہیں بڑھ کر اپنے اندر جوش رکھتے ہیں، کیونکہ اُن کا خدا وہ خدا ہے جو جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے۔ اور وُہ اُن پر بہت زیادہ توجہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آنے والا اگر معمولی چال سے چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ پس جس شخص کی توجہ ایسے خدا کی طرف ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں کھویا جائے، تو اس محبت اور عشقِ الٰہی کی آگ اُس کے فانی اور نفسانی خیالات کو جلا دیتی ہے اور اس کے اندر رُوحِ ناطق بھر جاتی ہے اور وہ پاک نُطق جو اس کے اندر شروع ہوتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کا نطق ہوتا ہے جسے دوسرے رنگ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے۔ پس یہ ایک کمالِ نبوت ہے۔ جسے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری بات ہے کہ جب انسان اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ) کی دُعا مانگے، تو اس کے پیشِ نظر یہ رہنا چاہیے کہ وہ اس کمالِ نبوت کو حاصل کرے۔

مقامِ صدیقیت

پھر دوسرا کمال صدیقوں کا کمال ہے۔ صِدِّیق مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جو بالکل راستبازی میں فنا شدہ ہو اور کمال درجہ کا پابند راستباز اور عاشقِ صادق ہو۔ یہ ایک ایسا مقام ہے کہ جب ایک شخص اس درجہ پر پہنچتا ہے، تو وُہ ہر قسم کی صداقتوں اور راستبازیوں کا مجموعہ اور ان کو کشش کرنے والا ہو جاتا ہے۔ جس طرح پر صدیق کمالاتِ صداقت کا جذب کرنے والا ہوتا ہے۔ بقول شخصے ؎

زر زر کشد و رجہاں گنج گنج ۔ جب ایک شے بہت بڑا ذخیرہ پیدا کر لیتی ہے، تو اس میں اپنی قسم کی اشیاء کو جذب کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

کمالِ صدیقیت کے حصُول کا فلسفہ

صدیق کے کمال کے حصُول کا فلسفہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر اپنی طاقت اور حیثیت کے موافق اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہتا ہے اور صدق اختیار کرتا اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے رِجس اور پلیدی سے جو جھوٹ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ دُور بھاگتا ہے اور عہد کر لیتا ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا، جھوٹی گواہی نہ دُوں گا اور نہ جذبہ نفسانی کے رنگ میں کوئی جھوٹا کلام کروں گا۔ نہ لغو طور پر نہ کسبِ خیر اور نہ دفعِ شر کے لیے۔ یعنی کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ کو اختیار نہیں کروں گا۔ جب اس حد تک وعدہ کرتا ہے تو گویا اِيَّاكَ نَعْبُدُ پر وہ ایک خاص عمل کرتا ہے۔ اور اس کا وُہ عمل اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے آگے اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ہے۔ خواہ یہ اُس

کے مُنہ سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اللہ تعالیٰ جو مبدء الفیوض اور صدق اور راستی کا سرچشمہ ہے۔ اس کو ضرور مدد دے گا اور صداقت کے اعلیٰ اصول اور حقائق اس پر کھول دے گا۔ مثلاً جیسے کہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو تاجر اچھے اُصولوں پر چلتا ہے اور راستبازی اور دیانتداری کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ اگر وُہ ایک پیسہ سے بھی تجارت کرے، تو اللہ تعالیٰ اُسے ایک پیسہ کے بدلے لاکھوں روپے دے دیتا ہے۔

صدیق پر معارفِ قرآنی کھولے جاتے ہیں

اسی طرح جب عام طور پر ایک انسان راستی اور راستبازی سے محبت کرتا ہے اور صدق کو اپنا شعار بنالیتا ہے، تو وہی راستی اس عظیم الشان صدق کو کھینچ لاتی ہے جو خدا تعالیٰ کو دکھا دیتی ہے۔ صدقِ مجسم قرآن شریف ہے اور پیکرِ صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے مامور و مُرسل حق اور صدق ہوتے ہیں۔ پس جب وہ اُس صدق تک پہنچ جاتا ہے، تب اس کی آنکھ کھلتی ہے اور اسے ایک خاص بصیرت ملتی ہے جس سے معارفِ قرآنی اس پر کھلنے لگتے ہیں۔ میں اس بات کے ماننے کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہوں کہ وہ شخص جو صدق سے محبت نہیں رکھتا اور راستبازی کو اپنا شعار نہیں بناتا وہ قرآن کریم کے معارف کو سمجھ بھی سکے۔ اس لیے کہ اس کے قلب کو اس سے مناسبت ہی نہیں، کیونکہ یہ تو صدق کا چشمہ ہے اور اس سے وہی پی سکتا ہے جس کو صدق سے محبت ہو۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ معارفِ قرآنی صرف اسی بات کا نام نہیں کہ کبھی کسی نے کوئی نکتہ بیان کر دیا۔ اس کی تو وہی مثال ہے ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بغلط بر ہدف زند تیرے

انہیں قرآنی حقائق و معارف کے بیان کرنے کے لیے قلب کو مناسبت اور کشش اور تعلق حق اور صدق سے ہو جاتا ہے اور پھر یہاں تک اس میں ترقی اور کمال ہوتا ہے کہ وہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم: ۴) کا مصداق ہو جاتا ہے ـــــ اس کی نگاہ جب پڑتی ہے، صدق پر ہی پڑتی ہے۔ اور اس کو ایک خاص قوت اور امتیازی طاقت دی جاتی ہے۔ جس سے وہ حق و باطل میں فی الفور امتیاز کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے دل میں ایک قوت آجاتی ہے جس کی ایسی تیز حس ہوتی ہے کہ اسے دُور سے ہی باطل کی بُو آجاتی ہے۔ یہی وُہ سِرّ ہے جو لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: ۸۰) میں رکھا گیا ہے۔

جھوٹ ترک کئے بغیر انسان مُطہر نہیں ہو سکتا

حقیقت میں جب تک انسان جھوٹ کو ترک نہیں کرتا، وہ مُطہر نہیں ہو سکتا۔ نابکار دنیا دار کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹ کے بغیر گذارہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک بیہودہ گوئی ہے۔ اگر سچ سے گذارہ نہیں ہو سکتا، تو پھر

جھوٹ سے ہرگز گذارہ نہیں ہو سکتا۔ افسوس کہ یہ بدبخت لوگ خدا تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے۔ وُہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے بُدوں گذارہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنا معبُود اور مشکل کُشا جھوٹ کی نجاست ہی کو سمجھتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں جھوٹ کو بُتوں کی نجاست کے ساتھ وابستہ کرکے بیان فرمایا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ ہم ایک قدم کیا ایک سانس بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں لے سکتے۔ ہمارے جسم میں کیا کیا قویٰ ہیں لیکن کیا ہم اپنی طاقت سے اُن سے کام لے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے معنی

جو لوگ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اُن کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے، بلکہ خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ اسباب سے کام لینا اور اُس کے عطا کردہ قویٰ کو کام میں لگانا۔ پھر نتیجہ کے لیے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنا یہی حقیقی راہ ہے اور خدا تعالیٰ کی قدر ہے، جو لوگ خداداد قویٰ سے کام نہیں لیتے اور صرف مُنہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اور وُہ خدا تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو آزماتے ہیں اور اُس کی عطا کردہ قوتوں اور طاقتوں کو لغو قرار دیتے ہیں اور اس طرح پر اس کے حضور شوخی اور گستاخی کرتے ہیں اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے مفہوم سے دُور جا پڑتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے، بلکہ بغیر اس پر عمل کیے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا ظہور چاہتے ہیں۔ یہ ہرگز مناسب نہیں بلکہ جہاں تک ہو سکے اور انسان کے امکان اور طاقت میں ہو۔ رعایتِ اسباب ضرور کرنی چاہیے، لیکن ان اسباب کو اپنا معبُود اور مشکل کُشا قرار نہ دے، بلکہ اُن سے کام لے کر پھر انجام کو تفویض الی اللہ کرے اور اس بات پر سجداتِ شکر بجا لائے کہ خدا نے اس کو وہ طاقتیں اور قویٰ عطا فرمائے ہیں۔

فانی فی اللہ کا مقام

خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کھینچا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ میں فنا ہو جاتا ہے تو اس سے وہ کام صادر ہوتے ہیں، جو خدائی کام کہلاتے ہیں اور اس پر اعلیٰ سے اعلیٰ انوار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ انسانی کمزوری کا تو کچھ بھی ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ ایک قدم بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید کے بغیر نہیں چل سکتا۔ مَیں تو یہاں تک یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے مدد نہ ملے تو وہ رفعِ حاجت کے بعد ازار بند تک بھی باندھنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ طبیبوں نے ایک مرض لکھی ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ انسان جب چھینک لے تو اس کے ساتھ ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۹) انسان کا اپنا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک اتنے اعضاء نہیں رکھتا جس قدر کہ اس کو امراض لاحق ہوتے ہیں۔ جب وہ اتنی کمزوریوں کا نشانہ اور مجموعہ ہے تو پھر اس کے لیے امن اور عافیت کی یہی

سبیل ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اُس کا معاملہ صاف ہو اور وہ اُس کا سچا اور مخلص بندہ بن جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وُہ صِدق کو اختیار کرے۔ جسمانی نظام کی کل بھی صِدق ہی ہے۔ جو لوگ صِدق کو چھوڑ دیتے ہیں اور خیانت کر کے جرائم کو پناہ میں لانے والی سپر کذب کو خیال کرتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔

کِذب اختیار کرنے سے انسان کا دل تاریک ہو جاتا ہے

آنی اور عارضی طور پر ممکن ہے اس سے کسی انسان کو کچھ فائدہ حاصل ہو جائے، لیکن فی الحقیقت کِذب کے اختیار کرنے سے انسان کا دل تاریک ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر اسے ایک دیمک لگ جاتی ہے۔ ایک جھُوٹ کے لیے پھر اسے بہت سے جھوٹ تراشنے پڑتے ہیں، کیونکہ اس جھُوٹ کو سچائی کا رنگ دینا ہوتا ہے۔ اسی طرح اندر ہی اندر اس کے اخلاقی اور رُوحانی قویٰ زائل ہو جاتے ہیں اور پھر اُسے یہانتک جرأت اور دلیری ہو جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھی افترا کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے مُرسلوں اور مامُوروں کی تکذیب بھی کر دیتا ہے اور خدا تعالےٰ کے نزدیک اظلم ٹھہر جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ (الانعام: ۲۱) یعنی اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھُوٹ اور افترا باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ یقیناً یاد رکھو کہ جھُوٹ بہت ہی بُری بلا ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر جھوٹ کا خطرناک نتیجہ اور کیا ہوگا کہ انسان خدا تعالیٰ کے مرسلوں اور اُس کی آیات کی تکذیب کر کے سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پس تمہارے لیے یہ ضروری بات ہے کہ صِدق اختیار کرو۔

صِدق کے متعلق حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں درج ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے طلبِ علم کے لیے نکلے، تو آپؒ کی والدہ صاحبہؒ نے ان کے حصّہ کی اَسّی اشرفیاں اُن کی بغل کے نیچے پیراہن میں سی دیں اور یہ نصیحت کی کہ بیٹا جھُوٹ ہرگز نہ بولنا۔ حضرت سیّد عبدالقادرؒ جب گھر سے رخصت ہوئے، تو پہلی ہی منزل میں ایک جنگل میں سے اُن کا گذر ہوا۔ جہاں چوروں اور قزاقوں کا ایک بڑا قافلہ رہتا تھا۔ جہاں اُن کو چوروں کا ایک گروہ ملا۔ اُنھوں نے آپؒ کو پکڑ کر پُوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ آپؒ نے دیکھا کہ یہ تو پہلی ہی منزل میں امتحان درپیش آیا۔ اپنی والدہ صاحبہؒ کی آخری نصیحت پر غور کی اور فوراً جواب دیا کہ میرے پاس اَسّی اشرفیاں ہیں جو میری بغل کے نیچے میری والدہ صاحبہ نے سی دی ہیں۔ وُہ چور یہ سُن کر سخت حیران ہوئے کہ یہ فقیر کیا کہتا ہے! ایسا راستباز ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وُہ آپؒ کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے اور سارا قصّہ بیان کیا۔ اس نے بھی جب آپؒ سے سوال کیا۔ تب بھی آپؒ نے وہی جواب دیا۔ آخر جب آپ کے پیراہن کے اس حصّہ کو پھاڑ کر دیکھا گیا، تو واقعی اس میں اَسّی اشرفیاں موجود تھیں۔ اُن سب کو حیرانی ہوئی۔ اس پر اُن کے سردار نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس پر آپؒ نے

اپنی والدہ صاحبہ کی نصیحت کا ذکر کر دیا اور کہا کہ میں طلب دین کے لیے گھر سے نکلا ہوں، اگر پہلی ہی منزل پر جھوٹ بولتا تو پھر کیا حاصل کر سکتا۔ اس لیے میں نے سچ کو نہیں چھوڑا۔ جب آپ نے یہ بیان فرمایا، تو قزاقوں کا سردار چیخ مار کر رو پڑا اور آپؒ کے قدموں پر گر گیا اور اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کی۔ کہتے ہیں کہ آپؒ کا سب سے پہلا مُرید یہی شخص تھا۔

غرض صدق ایسی شے ہے جو انسان کو مشکل سے مشکل وقت میں بھی نجات دلا دیتی ہے۔ سعدیؒ نے سچ کہا ہے کہ ؎ کس ندیدم کہ گم شُد از رہِ راست۔ پس جس قدر انسان صدق کو اختیار کرتا ہے اور صدق سے محبت کرتا ہے اسی قدر اُس کے دل میں خدا تعالیٰ کے کلام اور انبیاءؑ کی محبت اور معرفت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ وُہ تمام راستبازوں کے نمونے اور چشمے ہوتے ہیں۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹) کا ارشاد اسی اُصول پر ہے۔

صدیق پر قرآنِ کریم کے معارف کا فیضان

مختصر یہ کہ دُوسرا کمال اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں صدیقوں کا کمال ہے اور اس کمال کے حاصل ہونے پر قرآن شریف کے حقائق اور معارف کھلتے ہیں، لیکن یہ فضل اور فیض بھی محض تائیدِ الٰہی سے آتا ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائید اور فضل کے بغیر ایک اُنگلی کا ہلانا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ انسان کا فرض ہے کہ سعی اور مجاہدہ کرے۔ جہاں تک اس سے ممکن ہو اور اس کی توفیق بھی خدا تعالیٰ سے ہی چاہے۔ کبھی اس سے مایوس نہ ہو۔ کیونکہ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خود بھی فرمایا ہے۔ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (یوسف: ۸۸) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر نا امید ہوتے ہیں۔ ناامیدی بہت ہی بُری بلا ہے۔ اصل میں ناامید وہ ہوتا ہے، جو خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے۔

بدظنی صدق کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے

یہ خُوب یاد رکھو کہ ساری خرابیاں اور برائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت منع فرمایا ہے اور پھر فرمایا کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات: ۱۳) اگر مولوی لوگ ہم سے بدظنی نہ کرتے اور صدق اور استقلال کے ساتھ وہ ہماری باتیں سُنتے، ہماری کتابیں پڑھتے اور ہمارے پاس رہ کر ہمارے حالات کا مشاہدہ کرتے، تو ان الزامات کو جو وُہ ہم پر لگاتے ہیں، ہرگز نہ لگاتے۔ لیکن جب اُنھوں نے خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کی عظمت نہ کی اور اس پر کاربند نہ ہوئے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ پر بدظنی کی اور میری جماعت پر بھی بدظنی کی اور جھوٹے الزامات اور اتہامات لگانے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ بعض نے بڑی بیباکی سے یہ لکھ دیا کہ یہ تو دہریوں کا گروہ ہے اور یہ لوگ نمازیں نہیں پڑھتے۔ روزے نہیں رکھتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر وُہ اس بدظنی سے بچتے تو اُن کو جھوٹ کی لعنت کے نیچے نہ آنا پڑتا اور وُہ اس سے بچ جاتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بُری بلا ہے جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی ہے اور صدق اور راستی سے دُور پھینک دیتی ہے اور دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے۔ صدیقوں کے کمال حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان بدظنی سے بہت ہی بچے۔ اور اگر کسی کی نسبت کوئی سُوءظن پیدا ہو، تو کثرت کے

ساتھ استغفار کرے اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرے، تاکہ اس معصیت اور اس کے بُرے نتیجہ سے بچ جاوے جو اس بدظنی کے پیچھے آنے والا ہے۔ اس کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

غرض بدظنی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ یہانتک لکھا ہے کہ جس وقت دوزخی لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اُن سے یہی فرمائے گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ پر بدظنی کی۔ بعض لوگ اس خیال کے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خطاکاروں کو معاف کر دے گا اور نیکوکاروں کو عذاب دے گا۔ ایسا خیال بھی اللہ تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ اس لیے کہ اُس کی صفتِ عدل کے سراسر خلاف ہے۔ گویا نیکی اور اس کے نتائج کو جو قرآن شریف میں اس نے مقرر فرمائے ہیں، بالکل ضائع کر دینا اور بیسود ٹھہرانا ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ بدظنی کا انجام جہنم ہے۔ اس کو معمولی مرض نہ سمجھو۔ بدظنی سے ناامیدی اور نااُمیدی سے جرائم اور جرائم سے جہنم ملتا ہے۔ بدظنی صدق کی جڑ کاٹنے والی چیز ہے۔ اس لیے تم اس سے بچو اور صدیق کے کمالات حاصل کرنے کے لیے دُعائیں کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کا بے نظیر صدق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا خطاب دیا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپؓ میں کیا کیا کمالات تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس چیز کی وجہ سے ہے جو اس کے دل کے اندر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں حضرت ابوبکرؓ نے جو صدق دکھایا، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہر زمانہ میں جو شخص صدیق کے کمالات حاصل کرنے کی خواہش کرے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ابوبکری خصلت اور فطرت کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے جہانتک ممکن ہو مجاہدہ کرے اور پھر حتی المقدور دُعا سے کام لے۔ جبتک ابوبکری فطرت کا سایہ اپنے اوپر ڈال نہیں لیتا اور اسی رنگ میں رنگین نہیں ہو جاتا۔ صدیقی کمالات حاصل نہیں ہو سکتے۔

ابوبکری فطرت کیا ہے؟

ابوبکری فطرت کیا ہے؟ اس پر مفصل بحث اور کلام کا یہ موقعہ نہیں، کیونکہ اس کے تفصیلی بیان کے لیے بہت وقت درکار ہے۔ میں مختصراً ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اظہار فرمایا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہٗ شام کی طرف سوداگری کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آتے، تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ایک شخص آپؓ سے ملا۔ آپؓ نے اس سے مکہ کے حالات دریافت فرمائے اور پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ جیسا کہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان سفر سے واپس آتا ہے، تو راستہ میں اگر کوئی اہلِ وطن مل جائے، تو اس سے اپنے وطن کے حالات دریافت کرتا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ نئی بات یہ ہے کہ تیرے دوست محمدؐ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔

آپؐ نے یہ سُنتے ہی فرمایا کہ اگر اس نے یہ دعویٰ کیا ہے، تو بلاشبہ وُہ سچا ہے۔ اسی ایک واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؓ کو کس قدر حسنِ ظن تھا۔ معجزے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ معجزہ وہ شخص مانگتا ہے جو مدعی کے حالات سے ناواقف ہو اور جہاں غیریت ہو اور مزید تسلی کی ضرورت ہو، لیکن جس شخص کو حالات سے پُوری واقفیت ہو تو اُسے معجزہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہی آنحضرتؐ کا دعوائے نبوت سُن کر ایمان لے آئے۔ پھر جب مکہ میں پہنچے تو آں حضرتؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یہ دُرست ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپؐ گواہ رہیں کہ مَیں آپؐ کا پہلا مصدق ہوں۔ آپؐ کا ایسا کہنا محض قول ہی قول نہ تھا، بلکہ آپؓ نے اپنے افعال سے اُسے ثابت کر دکھایا اور مرتے دم تک اُسے نبھایا اور بعد مرنے کے بھی ساتھ نہ چھوڑا۔

قول اور فعل میں مطابقت

درحقیقت اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ان میں مطابقت نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ: ۴۵) یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو، مگر اپنی جانوں کو اِس نیکی کے اَمر کا مخاطب نہیں بناتے بلکہ بھُول جاتے ہو۔ اور پھر دُوسری جگہ فرمایا: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳) مومن کو دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ بُزدلی اور نفاق ہر دو مومن سے دُور رہتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو دُرست اور مطابق رکھو۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں کر کے دکھایا، ایسا ہی تم بھی ان کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے صدق اور وفا کے نمونے دکھاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نمونہ اپنے سامنے رکھو

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانہ پر غور کرو کہ جب دشمن قریش ہر طرف سے شرارت پر تُلے ہوئے تھے اور اُنھوں نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ وہ زمانہ بڑا ابتلاء کا زمانہ تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حقِ رفاقت ادا کیا، اس کی نظیر دُنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ طاقت اور قوت بجُز صدقِ ایمان کے ہرگز نہیں آسکتی۔ آج جسقدر تم لوگ بیٹھے ہوئے ہو۔ اپنی اپنی جگہ سوچو کہ اگر اس قسم کا کوئی اِبتلا ہم پر آجائے، تو کتنے ہیں جو ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ کی طرف سے ہی یہ تفتیش شروع ہو جائے کہ کس کس شخص نے اس شخص کی بیعت کی ہے، تو کتنے ہوں گے جو دلیری کے ساتھ یہ کہہ دیں کہ ہم مبائعین میں داخل ہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ بات سُن کر بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں سُن ہو جائیں گے اور ان کو فوراً اپنی جائدادوں اور رشتہ داروں کا خیال آجائے گا کہ اُن کو چھوڑنا پڑے گا۔

مشکلات ہی کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے، اس لیے جبتک انسان عملی طور پر

ایمان کو اپنے اندر داخل نہ کرے۔ محض قول سے کچھ نہیں بنتا اور بہانہ سازی اُس وقت تک دُور ہی نہیں ہوتی۔ عملی طور پر جب مصیبت کا وقت ہو۔ تو اس وقت ثابت قدم نکلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصری کے حواری اس آخری گھڑی میں جو اُن کی مصیبت کی گھڑی تھی۔ انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض نے تو مُنہ کے سامنے ہی آپؑ پر لعنت کر دی۔

حقیقت میں یہ بڑی غیرت کا مقام ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا تھا کہ جب مسلمؓ نے ۱۸ ہزار آدمیوں کو نماز پڑھائی اور اُن سے حضرت امام حسینؓ کی رفاقت کا عہد لیا، مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی تو سب کے سب آپؓ کو تنہا چھوڑ گئے۔

عمل ایمان کا زیور ہے

اِس قسم کے واقعات بہت ڈراتے ہیں، اس لیے اپنے ایمانوں کو وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر انسان کی عملی حالت دُرست نہیں ہے، تو ایمان بھی نہیں ہے۔ مومن حسین ہوتا ہے جس طرح ایک خوب صُورت انسان کو معمولی اور ہلکا سا زیور بھی پہنا دیا جائے تو وہ اسے زیادہ خوب صُورت بنا دیتا ہے۔ اگر وُہ بد عمل ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ انسان کے اندر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جاتا ہے، تو اُس کو اعمال میں ایک خاص لذّت آتی ہے۔ اور اُس کی معرفت کی آنکھ کھُل جاتی ہے۔ وُہ اس طرح نماز پڑھتا ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ گناہوں سے اُسے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ناپاک مجلس سے نفرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسُول کی عظمت اور جلال کے اظہار کے لیے اپنے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ پاتا ہے۔ ایسا ایمان اُسے حضرت مسیحؑ کی طرح صلیب پر چڑھ جانے سے بھی نہیں روکتا۔ وُہ خدا کے لیے اور صرف خدا تعالیٰ کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں بھی پڑ جانے سے راضی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی رضا کو رضائے الٰہی کے ماتحت کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جو علیمٌ بذاتِ الصُّدور ہے، اُس کا محافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور اُسے صلیب پر سے بھی زندہ اُتار لیتا ہے اور آگ میں سے بھی صحیح و سلامت نکال لیتا ہے، مگر ان عجائبات کو وُہی لوگ دیکھا کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ پر پُورا ایمان رکھتے ہیں۔

غرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا صدق اس مصیبت کے وقت ظاہر ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیا گیا۔ گو بعض کفار کی رائے اِخراج کی بھی تھی۔ مگر اصل مقصد اور کثرت رائے آپؐ کے قتل پر تھی۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق اور وفا کا وہ نمونہ دکھلایا۔ جو ابدالآباد تک کے لیے نمونہ رہے گا۔ اس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتخاب ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور اعلیٰ وفاداری کی ایک زبردست دلیل ہے۔ دیکھو۔ اگر وائسرائے ہند کسی شخص کو کسی خاص کام کے لیے انتخاب کرے تو اس کی رائے صائب اور بہتر ہوگی یا ایک چوکیدار کی۔ ماننا پڑے گا کہ وائسرائے کا انتخاب بہرحال موزُوں اور

مناسب ہوگا، کیونکہ جس حال میں کہ وُہ سلطنت کی طرف سے نائب السّلطنت مقرر کیا گیا ہے اور اس کی وفاداری، فراست اور پختہ کاری پر سلطنت نے اعتماد کیا ہے۔ تب ہی تو زمامِ سلطنت اس کے ہاتھ میں دی ہے۔ پھر اس کی صائب تدبیری اور معاملہ فہمی کو پسِ پُشت ڈال کر ایک چوکیدار کے انتخاب اور رائے کو صحیح سمجھ لینا نامناسب امر ہے۔

ہجرت میں رفاقت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کا سِر

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کا تھا۔ اس وقت آپؐ کے پاس ستّر اسّی صحابہؓ موجود تھے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ بھی تھے، مگر ان سب میں سے آپؐ نے اپنی رفاقت کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی انتخاب کیا۔ اس میں کیا سِر ہے؟ بات یہ ہے کہ نبی خدا تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کا فہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف اور الہام سے بتا دیا کہ اس کام کے لیے سب سے بہتر اور موزون حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ ابوبکرؓ اس ساعتِ عُسر میں آپؐ کے ساتھ ہوئے۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا تھا۔ حضرت مسیحؑ پر جب اس قسم کا وقت آیا، تو اُن کے شاگرد اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور ایک نے لعنت بھی کی۔ مگر صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک نے پُوری وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا پورا ساتھ دیا اور ایک غار میں جس کو غارِ ثور کہتے ہیں۔ آپؐ جا چھپے۔ شریر کفار جو آپؐ کی ایذا رسانی کے لیے منصوبے کر چکے تھے، تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے عرض کی کہ اب تو یہ بالکل سر پر ہی آپہنچے ہیں اور اگر کسی نے ذرا نیچے نگاہ کی تو وہ دیکھ لے گا اور ہم پکڑے جائیں گے۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ (التوبہ: ۴۰) کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اِس لفظ پر غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں؛ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ مَعَنَا میں آپ دونوں شریک ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے اور میرے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پلّہ پر آنحضرتؐ کو اور دُوسرے پر حضرت صدیقؓ کو رکھا ہے۔ اس وقت دونوں ابتلا میں ہیں۔ کیونکہ یہی وُہ مقام ہے جہاں سے یا تو اسلام کی بنیاد پڑنے والی ہے یا خاتمہ ہو جانے والا ہے۔ دشمن غار پر موجود ہیں اور مختلف قسم کی رائے زنیاں ہو رہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس غار کی تلاشی کرو، کیونکہ نشانِ پا یہاں تک ہی آکر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اُن میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہاں انسان کا گذر اور دخل کیسے ہوگا۔ مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے۔ کبوتر نے انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کی آوازیں اندر پہنچ رہی ہیں اور آپ بڑی صفائی سے اُن کو سُن رہے ہیں۔ ایسی حالت میں دشمن آتے ہیں کہ وُہ خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور دیوانے کی طرح بڑھتے آتے ہیں، لیکن آپؐ کی کمال شجاعت کو دیکھو کہ دشمن سر پر ہے اور آپؐ اپنے رفیقِ صادق صدیقؓ کو فرماتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ نے زبان ہی سے فرمایا۔ کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں۔ اشارہ سے کام نہیں چلتا باہر دشمن مشورہ کر

کر رہے ہیں اور اندر غار میں خادم و مخدوم بھی باتوں میں لگے ہوتے ہیں۔ اس امر کی پروا نہیں کی گئی کہ دشمن آواز سن لیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے لیے تو یہ نمونہ کافی ہے۔ ابوبکر صدیقؓ کی شجاعت کے لیے ایک دوسرا گواہ اس واقعہ کے سوا اور بھی ہے۔

آنحضرتؐ کی رحلت کے وقت حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار کھینچ کر نکلے کہ اگر کوئی کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہے، تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑی جرأت اور دلیری سے کلام کیا اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) یعنی محمدؐ بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہی ہیں اور آپؐ سے پہلے جسقدر نبی ہو گذرے ہیں۔ سب نے وفات پائی۔ اس پر وہ جوش فرو ہوا۔ اس کے بعد بادیہ نشین اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی حالت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے اور بعض جھوٹے مدعی نبوت کے پیدا ہو گئے ہیں اور بعضوں نے نمازیں چھوڑ دیں اور رنگ بدل گیا ہے۔ ایسی حالت میں اور اس مصیبت میں میرا باپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین ہوا میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر پہاڑوں پر آتے، تو وہ بھی نابود ہو جاتے۔ اب غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا یہ کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی تھی اور صدیقؓ نے ہی دکھائی۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسرا اس خطرہ کو سنبھال سکتا۔ تمام صحابہؓ اس وقت موجود تھے۔ کسی نے نہ کہا کہ میرا حق ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ آگ لگ چکی ہے۔ اس آگ میں کون پڑے۔ حضرت عمرؓ نے اس حالت میں ہاتھ بڑھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر سب نے یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔ یہ اُن کا صدق ہی تھا کہ اس فتنہ کو فرو کیا اور اُن موذیوں کو ہلاک کیا۔ مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھا اور اس کے مسائل اباحت کے مسائل تھے۔ لوگ اس کی اباحتی باتوں کو دیکھ دیکھ کر اُس کے مذہب میں شامل ہوتے جاتے تھے، لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی معیت کا ثبوت دیا اور ساری مشکلات کو آسان کر دیا۔

عیسائیت قبول کرنے کی ترغیبات

خونِ مسیحؑ پر ایمان لانا بھی سہل بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس پر ایمان لانے سے ایک تو روٹی مل جاتی ہے دوسرے اباحت کی زندگی۔ اسلام میں تو اللہ اکبر کی آواز سے ہی نماز کے لیے اُٹھنا پڑتا تھا، مگر اب یہ حال کہ خونِ مسیحؑ پر ایمان لا کر رات کو شراب پی کر سو گئے اور جب جی چاہا اُٹھے۔ کوئی باز پرس نہیں۔ ایسی حالت میں لوگوں کا رجوع عیسائیت کی طرف ہونا لازمی امر ہے۔ لوگوں کی حالت کچھ اس قسم کی ہو گئی ہے کہ کہتے ہیں "ایہہ جہان مٹھا، اگلا کس ڈٹھا"

اس جہان میں بدمعاشیاں کرلو، آگے دیکھا جائے گا۔ اس قسم کے لوگ روٹی، بے قیدی اور آرام کی زندگی عیسائیت ہی میں پا سکتے ہیں۔ اُن کے لیے کوئی ضروری اَمر نہیں۔ خواہ دس برس تک بھی غُسلِ جنابت نہ کریں۔ پس ان لوگوں کو جو عیسائی ہوتے ہیں دیکھ کر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دہریہ مَنش جو مُرتد ہوتے ہیں، اگر عیسائی نہ ہوتے تو باطنی طور پر بھی تو مُرتد ہی تھے۔

چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک ازلی کافر جو بے قیدی اور اباحت کی زندگی کو چاہتے ہیں۔ اور تین قسم کے مومن۔ ظالم لنفسہٖ۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔ پہلی قسم کے مومن وہ ہیں جو ظالم ہیں، یعنی ان پر کچھ جذباتِ نفس غالب آجاتے ہیں۔ دُوسرے میانہ رو اور تیسرے خیر مجسم۔ اب ازلی کافر جو نفس کے غلام اور بندے ہیں۔ جن کی غرض و غایت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ بے قیدی کی زندگی بسر ہو اور روپیہ بھی برباد ہو۔ اُن کو اسلام سے کیا مناسبت، وہ تو عیسائیت کو پسند کریں گے کہ تنخواہ مل جائے اور کسی چیز کی ضرورت نہ رہے۔ اگر جائیں گے، تو وہاں بھی محض اس غرض سے کہ صدہا خوبصورت عورتیں اچھے لباس پہن کر جاتی ہیں۔ وہاں بدنظری کے لیے جا بیٹھے۔ غرض اس قسم کی اباحتی زندگی والوں کو اسلام سے کوئی مناسبت ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت ابوبکرؓ اسلام کے لیے آدمِ ثانی ہیں

اُس زمانہ میں بھی مسیلمہ نے اباحتی رنگ میں لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔ ایسے وقت میں حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوتے تو انسان خیال کرسکتا ہے کہ کس قدر مشکلات پیدا ہوئی ہوں گی۔ اگر وُہ قوی دِل نہ ہوتا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا رنگ اُس کے ایمان میں نہ ہوتا، تو بہت ہی مشکل پڑتی اور گھبرا جاتا، لیکن صدیقؓ نبیؐ کا ہم سایہ تھا۔ آپؐ کے اخلاق کا اثر اس پر پڑا ہوا تھا اور دل نُورِ یقین سے بھرا ہوا تھا۔ اس لیے وُہ شجاعت اور استقلال دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اُن کی زندگی اسلام کی زندگی تھی۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر کسی لمبی بحث کی حاجت ہی نہیں۔ اُس زمانہ کے حالات پڑھ لو اور پھر جو اسلام کی خدمت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے کی ہے اس کا اندازہ کرلو۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اسلام کے لیے آدمِ ثانی ہیں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ کا وجود نہ ہوتا، تو اسلام بھی نہ ہوتا۔ ابوبکر صدیقؓ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے اسلام کو دوبارہ قائم کیا۔ اپنی قوتِ ایمانی سے کُل باغیوں کو سزا دی۔ اور امن کو قائم کر دیا۔ اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا اور وعدہ کیا تھا کہ مَیں پہلے خلیفہ پر امن کو قائم کروں گا۔ یہ پیشگوئی حضرت صدیقؓ کی خلافت پر پُوری ہوئی اور آسمان نے اور زمین نے عملی طور پر شہادت دے دی۔ پس یہ صدیق کی تعریف ہے کہ اُس میں صِدق اس مرتبہ اور کمال کا ہونا چاہیئے۔ نظائر سے مسائل بہت جلد حل ہو جاتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مقامِ صدیقیت

اگر گذشتہ زمانہ میں اس کی نظیر دیکھی جائے تو پھر یوسفؑ صدیق ہے۔ جس نے ایسا صدق دکھایا کہ یوسفؑ صدیق کہلایا۔ ایک خوبصورت، معزز اور جوان عورت جو بڑے بڑے دعوے کرتی ہے، عین تنہائی اور تخلیہ میں ارتکابِ فعلِ بد پر جاہتی ہے، لیکن آفرین ہے اس صدیق پر کہ خدا تعالیٰ کے حدود کو توڑنا پسند نہ کیا اور اس کے بالمقابل ہر قسم کی آفت اور دُکھ اُٹھانے کو آمادہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ قیدی کی زندگی بسر کرنی منظور کرلی؛ چنانچہ کہا: رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (یوسف: ۳۴) یعنی یوسف علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے ربّ مجھ کو قید پسند ہے۔ اس بات سے جس کی طرف وُہ مجھے بُلاتی ہے۔ اس سے حضرت یوسفؑ کی پاک فطرت اور غیرتِ نبوت کا کیسا پتہ لگتا ہے کہ دُوسرے اَمر کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا مطلب کہ اُس کا نام نہیں لیا۔ یوسفؑ اللہ تعالیٰ کے حُسن و احسان کے گرویدہ اور عاشقِ زار تھے۔ اُن کی نظر میں اپنے محبُوب کے سوا دوسری کوئی بات جچ نہ سکتی تھی۔ وُہ ہرگز پسند نہ کرتے تھے کہ حدُود اللہ کو توڑیں۔

کہتے ہیں کہ ایک لمبا زمانہ جو بارہ برس کے قریب بتایا جاتا ہے، وُہ جیل میں رہے۔ لیکن اس عرصہ میں کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کی تقدیر پر پُورے راضی رہے۔ اس عرصہ میں بادشاہ کو کوئی عرضی بھی نہیں دی کہ اُن کے معاملہ کو سوچا جائے یا اُنھیں رہائی دی جائے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس خود غرض عورت نے تکالیف کا سلسلہ بڑھادیا۔ کہ کسی طرح پر وُہ پھسل جاویں، مگر اس صدیق نے اپنا صدق نہ چھوڑا۔ خدا نے ان کو صدیق ٹھہرایا۔ یہ بھی صدق کا ایک مقام ہے کہ دُنیا کی کوئی آفت، کوئی تکلیف اور کوئی ذلّت اُسے حدُود اللہ کے توڑنے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔ جس قدر بلائیں بڑھتی جاویں، وُہ اُس کے مقامِ صدق کو زیادہ مضبوط اور لذیذ بناتی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جیسا کہ مَیں بیان کرچکا ہوں کہ جب انسان إِيَّاكَ نَعْبُدُ کہہ کر صِدق اور وفاداری کے ساتھ قدم اُٹھاتا ہے، تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہرِ صدق کی کھول دیتا ہے جو اس کے قلب پر آگرتی ہے اور اُسے صِدق سے بھر دیتی ہے وہ اپنی طرف سے بِضاعتِ مُزجاۃ لاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی گراں قدر جنس اُسے عطا کرتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان یہاں تک قدم مارتا ہے کہ وُہ صدق اس کے لیے ایک خارقِ عادت نشان ہوجاتا ہے۔ اس پر اس قدر معارف اور حقائق کا دَر یا کھُلتا ہے یعنی قوت دی جاتی ہے کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کرسکے۔

مقامِ شہادت

تیسرا کمال شُہَدَاء کا ہے۔ عام لوگ تو شہید کے لیے اِتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ شہید وُہ ہوتا ہے، جو تیر یا بندُوق سے مارا جاتے یا کسی اور اتفاقی موت سے مرجاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت کا یہی مقام نہیں ہے۔ مَیں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ سرحد کے پٹھانوں کو یہ بھی

ایک خبط سمایا ہوا ہے کہ وُہ انگریز افسروں پر آکر حملے کرتے ہیں اور اپنی شوریدہ سری سے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ اُنہوں نے سمجھ لیا ہے کہ اگر ہم کسی کافر یا غیر مذہب والے کو ہلاک کر دیں گے، تو ہم غازی ہوں گے اور اگر مارے جائیں گے تو شہید ہوں گے۔ مجھے ان کمینہ فطرت مُلّانوں پر بھی افسوس ہے، جو اِن شوریدہ سر چٹھانوں کو اُکساتے ہیں۔ وہ اُنہیں نہیں بتاتے کہ تم اگر کسی شخص کو بلاوجہ قتل کرتے ہو، تو غازی نہیں، ظالم ٹھہرتے ہو۔ تم اگر وہاں ہلاک ہو جاتے ہو تو شہید نہیں بلکہ خودکشی کر کے حرام موت مرتے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۶) وُہ اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور فساد کرتے ہیں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ سخت سزا کے مستوجب ہیں۔ غرض عام لوگوں نے تو شہادت یہی سمجھ رکھی ہے اور شہید کا یہی مقام ٹھہرا لیا ہے۔ مگر میرے نزدیک شہید کی حقیقت قطع نظر اس کے کہ اس کا جسم کاٹا جائے کچھ اور بھی ہے اور وہ ایک کیفیت ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ یاد رکھو کہ صدیق نبی سے ایک قُرب رکھتا ہے اور وُہ اس سے دُوسرے درجے پر ہوتا ہے اور شہید صدیق کا ہمسایہ ہوتا ہے۔ نبی میں تو سارے کمالات ہوتے ہیں، یعنی وہ صدیق بھی ہوتا ہے اور شہید بھی ہوتا ہے اور صالح بھی ہوتا ہے۔ لیکن صدیق اور شہید دو الگ الگ مقام ہیں۔ اس بحث کی بھی حاجت نہیں کہ آیا صدیق، شہید ہوتا ہے یا نہیں؟ وُہ مقام کمال جہاں ہر ایک امر خارقِ عادت اور معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ وُہ ان دونوں مقاموں پر اپنے رُتبہ اور درجہ کے لحاظ سے جُدا ہے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ اُسے ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ جو عمدہ اعمال ہیں اور جو عمدہ اخلاق ہیں۔ وہ کامل طور پر اور اپنے اصلی رنگ میں اُس سے صادر ہوتے ہیں اور بلا تکلّف صادر ہوتے ہیں۔ کوئی خوف اور رجاء اُن اعمالِ صالحہ کے صدور کا باعث نہیں ہوتا، بلکہ وُہ اُس کی فطرت اور طبیعت کا جزو ہو جاتے ہیں۔ تکلّف اُس کی طبیعت میں نہیں رہتا۔ جیسے ایک سائل کسی شخص کے پاس آوے، تو خواہ اُس کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو، تو اُسے دینا ہی پڑے گا۔ اگر خدا کے خوف سے نہیں تو خلقت کے لحاظ سے ہی سہی۔ مگر شہید میں اس قسم کا تکلّف نہیں ہوتا اور یہ قوت اور طاقت اُس کی بڑھتی جاتی ہے اور جُوں جُوں بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کی تکلیف کم ہوتی جاتی ہے اور وُہ بوجھ کا احساس نہیں کرتا۔ مثلاً ہاتھی کے سر پر ایک چیونٹی ہو تو وُہ اس کا کیا احساس کرے گا۔

کیا کسی مقام پر نماز ساقط ہو جاتی ہے؟

"فتوحاتِ مکیّہ" کی ایک عبارت کی تشریح

فتوحات میں اس مقام کی طرف اشارہ کر کے ایک لطیف بات لکھی ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ جب انسان کامل درجہ پر پہنچتا ہے، تو اُس کے لیے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ جاہلوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ نماز ہی معاف ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض بے قید فقیر کہتے ہیں۔ اُن کو اس مقام کی خبر نہیں اور اس لطیف نکتہ پر اطلاع نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ

ابتدائی مدارجِ سلوک میں نماز اور دُوسرے اعمالِ صالحہ ایک قسم کا بوجھ معلوم ہوتے ہیں اور طبیعت میں ایک کسل اور تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن جب انسان خدا تعالیٰ سے قوّت پاکر اس مقامِ شہید پر پہنچتا ہے تو اس کو ایسی طاقت اور استقامت دی جاتی ہے کہ اُسے اُن اعمال میں کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوتی۔ گویا وہ اُن اعمال پر سوار ہوتا ہے اور صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ، ہمدردیِ بنی نوع، مروّت، فتوّت غرض تمام اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کا صدور قوّتِ ایمانی سے ہوتا ہے۔ کوئی مصیبت، دُکھ اور تکلیف خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھانے سے اُسے روک نہیں سکتی۔ شہید اُسی وقت کسی شخص کو کہیں گے جب اُس کی قوّتِ ایمانی اس سے وہ فعل دکھائے کہ آرام سے ان افعال کا صدور ہو۔ جیسے پانی اُوپر سے نیچے کو گرتا ہے۔ اسی طرح پر شہید سے اعمالِ صالحہ کا صدور ہوتا ہے۔ شہید اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھتا ہے اور اُس کی طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب یہ مقام کامل درجہ پر پہنچے، تو یہ ایک نشان ہوتا ہے۔

ابتلاء اور آزمائش میں شہید کا رویہ

بعض آدمی دیکھے گئے ہیں کہ جب کوئی ابتلاء آجائے تو گھبرا اُٹھتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتے ہیں۔ اُن کی طبیعت میں ایک افسردگی پائی جاتی ہے، کیونکہ وُہ صُلح جو کُلی طور پر خدا تعالیٰ سے ہونی چاہیے، اُن کو حاصل نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ سے انسان کی اُسی وقت تک صُلح رہ سکتی ہے کہ جبتک اُس کی مانتا رہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا معاملہ ایک دوست کا معاملہ ہے۔ کبھی ایک دوست دُوسرے کی مان لیتا ہے اور دُوسرے وقت اُس کو اس دوست کی ماننی پڑتی ہے اور یہ تسلیم خوشی اور انشراح صدر سے ہونی چاہیے نہ کہ مجبوراً۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (البقرہ: ۱۵۶) یعنی ہم آزماتے رہیں گے کبھی ڈرا کر، کبھی بھوک سے۔ کبھی مالوں اور ثمرات وغیرہ کا نقصان کر کے۔ یہاں ثمرات میں اولاد بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ بڑی محنت سے کوئی فصل تیار کی اور یکایک اُسے آگ لگ گئی اور وُہ تباہ ہوگئی۔ یا دیگر اُمور کے لیے محنت اور مشقت کی، مگر نتیجہ میں ناکام رہ گیا۔ غرض مختلف قسم کے ابتلاء اور عوارض انسان پر آتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ ایسی صُورت میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر کے لیے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ وُہ بڑی شرح صدر سے کہتے ہیں: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۱۵۷) کسی قسم کا شکوہ اور شکایت یہ لوگ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ۔ الخ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کے حصّہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو مشکلات میں راہ دکھا دیتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی کریم و رحیم اور بامروّت ہے۔ جب کوئی شخص اس کی رضا کو مقدم کر لیتا ہے اور اُس کی مرضی پر راضی ہو جاتا ہے تو وُہ اُس کو اُس کا بدلہ دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ غرض یہ تو وُہ مقام اور مرحلہ ہے جہاں وُہ اپنی بات منوانی چاہتا ہے۔ دُوسرا مقام اور مرحلہ وُہ ہے جو اس نے اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) میں فرمایا ہے۔ یہاں وُہ بندے کی

بات ملنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ پس شہید اس پہلے مقام پر کھڑا ہوتا ہے یعنی انشراح صدر کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بات مانتا ہے وُہ دوست کے ایلام کو برنگِ انعام مشاہدہ کرتا ہے۔

مقامِ صالحیت چوتھا درجہ صالحین کا ہے۔ یہ بھی جب کمال کے درجہ پر ہو، تو ایک نشان اور معجزہ ہوتا ہے۔ کامل صلاح یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی بھی فساد باقی نہ رہے۔ بدنِ صالح میں کسی قسم کا کوئی خراب اور زہریلا مادہ نہیں ہوتا، بلکہ جب صاف اور مویدِ صحت مواد اس میں ہو، تو اس وقت صالح کہلاتا ہے۔ جب تک صالح مادہ نہیں، تب تک اس کے لوازم بھی صالح نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ مٹھاس بھی اُسے کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح پر جبتک انسان صالح نہیں بنتا اور ہر قسم کی بدیوں سے نہیں بچتا اور خراب مادے نہیں نکلتے، اس وقت تک عبادت کڑوی معلوم ہوتی ہیں۔ نماز پڑھتا ہے، لیکن اُسے کوئی لذت اور سُرور نہیں آتا۔ وہ ٹکریں مار کر منحوس مُنہ سے سلام پھیر کر رخصت ہوتا ہے، لیکن عبادات میں مزا اُسی وقت آتا ہے جب گندے مواد اندر سے نکل جاتے ہیں۔ پھر اُنس اور ذوق شوق پیدا ہوتا ہے۔ اصلاحِ انسانی اسی درجہ سے شروع ہوتی ہے[1]۔ (اس قدر تقریر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے دُعا فرمائی۔ اور جلسہ برخاست ہوگیا۔)

۱۰ر دسمبر ۱۸۹۹ء بروز اتوار ۹ بجے صبح۔ قادیان

مُفتی محمد صادق صاحب سے جو لاہور سے تین سال کے اندر طلبِ نشان والی پیشگوئی کے اشتہار کا انگریزی ترجمہ کرا کر ہمراہ لائے تھے۔ سیر پر جانے سے پہلے فرمایا "آپ نے اس کام میں خوب ہمت کی"۔ فرمایا

حصُولِ ثواب کی راہ "اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہم نے انگریزی نہیں پڑھی۔ وُہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ اگر ہم انگریزی پڑھے ہوئے ہوتے، تو اُردو کی طرح اس کے بھی دو چار صفحے ہم روز لکھ دیا کرتے، مگر خدا نے چاہا کہ جیسے آپ ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ہیں آپ لوگوں کو بھی ثواب دیا جائے"۔

[اس پر مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی کہ یہ ہمت اور ثواب تو مولوی محمد علی صاحب کا ہی حصّہ ہے۔]

فرمایا: "عالمگیر کے زمانہ میں مسجدِ شاہی کو آگ لگ گئی، تو لوگ دوڑے دوڑے بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ مسجد کو تو آگ لگ گئی۔ اس خبر کو سُنکر وہ فوراً سجدہ میں گرا اور شکر کیا۔ حاشیہ نشینوں نے تعجب سے پُوچھا کہ حضور سلامت یہ کونسا وقت شُکر گذاری کا ہے کہ خانۂ خدا کو آگ لگ گئی اور مُسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۸ پرچہ جات ۱۷ مارچ تا ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء

پہنچا ہے تو بادشاہ نے کہا کہ مَیں مُدت سے سوچتا تھا اور آہِ سرد بھرتا تھا کہ اتنی بڑی عظیم الشان مسجد جو بنی ہے اور اس عمارت کے ذریعہ سے ہزارہا مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کاش کوئی ایسی تجویز ہوتی کہ اس کارِ خیر میں کوئی میرا بھی حصّہ ہوتا۔ لیکن چاروں طرف سے مَیں اِس کو ایسا مکمّل اور بے نقص دیکھتا تھا کہ مجھے کچھ سوجھ نہ سکتا تھا کہ اس میں میرا ثواب کسی طرح ہو جائے سو آج خدا تعالیٰ نے میرے واسطے حصُولِ ثواب کی ایک راہ نکال دی۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔"

پھر لیکھرام کے متعلق دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ فرمایا :

لیکھرام اور اس کے ساتھی

"اسلام پر حملہ کرنے میں اور مسلمانوں کے بیجا دل دُکھانے میں آریوں کے درمیان ایک طرح کی تریمورتی تھی۔ جن میں سے سب سے بڑھ کر لیکھرام تھا اور اس کے بعد اندرمن اور الکھ دھاری تھے۔" فرمایا: "دیانند بھی تھا مگر اس کو ایسا موقعہ نہیں تھا اور نہ وُہ اس طرح سے کتابیں لکھتا تھا۔ ان تینوں نے اور خصوصاً لیکھرام نے بڑی بے ادبیاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی تھیں — اللہ تعالیٰ کا طریق ہے کہ جس راہ سے کوئی بدی کرے، اُسی راہ سے گرفتار کیا جاتا ہے؛ چونکہ لیکھرام نے زبان کی چھُری کو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف حد سے بڑھ کر چلایا۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے اُس کو چھُری سے سزا دی۔

لیکھرام کے معاملہ میں غیب کا ہاتھ

لیکھرام کے معاملہ میں غیب کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس شخص (یعنی قاتل) کا شُدھ ہونے کے لیے اُس کے پاس آنا۔ اُس کا اس پر بھروسہ کرنا۔ یہانتک کہ اپنے گھر میں بلا تکلف اُس کو لے جانا، شام کے وقت دیگر ملاقاتیوں کا چلا جانا۔ ان کا اکیلا رہ جانا، عین عید کے دُوسرے دن اُس کا اس کام کے لیے عازم ہونا۔ لیکھرام کا لکھتے لکھتے کھڑے ہو کر انگڑائی لینا اور اپنے پیٹ کو سامنے تکانا اور چھُری کا وار کاری پڑنا۔ مرتے دم تک اُس کی زبان کو خدا کا ایسا بند کرنا کہ باوجود ہوش کے اور اس علم کے کہ ہم نے اُس کے برخلاف پیش گوئی کی ہوئی ہے۔ ایک سیکنڈ کے واسطے اس شُبہ کا اظہار بھی نہ کرنا کہ مجھے مرزا صاحب پر شک ہے۔ پھر آجتک اُس کے قاتل کا پتہ نہ چلنا۔ یہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں جو ہیبت ناک طور پر اس کی قُدرت اور طاقت کا جلوہ دکھا رہے ہیں۔" فرمایا :

"لیکھرام بڑا ہی زبان دراز تھا اور اس کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ۔ اب اللہ تعالیٰ زمین کو ایسے لوگوں سے پاک رکھے گا۔"

دیگر انبیاء کے معجزات

فرمایا: "دُنیا کے اندر جو نشانات حضرت موسیٰؑ یا دیگر انبیاءؑ نے اس طرح کے دکھائے۔ جیسا کہ سوٹے سے سانپ بنانا۔ یہ سب شُبہ میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ خصوصاً اس موجودہ زمانہ میں جبکہ ہر طرح کی شعبدہ بازیاں مداری لوگ دکھاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں

ہرگز نہیں آتا کہ یہ امر کس طرح سے ہوگیا۔ انگریز لوگ ایسے ایسے کرتب شعبدہ بازی کے دکھاتے ہیں کہ مرا ہوا آدمی واپس آ جاتا ہے اور ٹوٹی ہوئی چیزیں ثابت دکھائی دیتی ہیں۔ جیسا کہ آئینِ اکبری میں بھی ابوالفضل نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شعبدہ باز آسمان پر لوگوں کے سامنے چڑھ گیا اور اُوپر سے اس کے اعضاء ایک ایک ہو کر گرے اور اُس نے اپنی بیوی کے لیے مطالبہ کیا اور ایک وزیر پر شُبہ کیا کہ اُس نے چھُپا رکھی ہے اور یہ اُس پر عاشق ہے اور پھر اُس کی تلاشی کی اجازت بادشاہ سے لے کر اُسی کی بغل سے نکال لی۔"

فرمایا: "ایسی صُورتوں میں پھر سوائے اس کے اور کچھ بات باقی نہیں رہتی کہ انسان ایمان سے کام لے اور انبیاء کے کاموں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور شعبدہ بازوں کے کاموں کو دھوکا اور فریب خیال کرے اور اس طرح سے یہ معاملہ بہت نازک ہو جاتا ہے۔"

قرآن شریف کا معجزہ

لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے، وُہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اُصولِ تمدن اور اُس کی فصاحت و بلاغت کا ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان ہرگز نہیں کر سکتا اور ایسا ہی معجزہ غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں کا ہے۔ اس زمانہ کا کوئی شعبدہ بازی کا اُستاد ایسا کرنے کا ہرگز دعویٰ نہیں کرتا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نشانات کو ایک صاف تمیز عطا فرمائی ہے تاکہ کسی شخص کو حیلہ حجت بازی کا نہ رہے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کھول کھول کر دکھاتے ہیں۔ جن میں کوئی شک و شُبہ اپنا دخل پیدا نہیں کر سکتا۔"

(ایک شخص نے عرض کی کہ ایک معترض اعتراض کرتا تھا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کو خود مروا ڈالا ہے)

فرمایا کہ "یہ ایک بے ہُودہ اور جھُوٹ بات ہے، مگر ان لوگوں کو یہ تو خیال کرنا چاہیے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع اور کعب کو کیوں قتل کروا دیا تھا۔"

فرمایا: "ہماری سب پیشگوئیاں اقتداری پیشگوئیاں ہیں اور یہ اس بات کا نشان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔"

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت

فرمایا: "لوگوں کی فصاحت اور بلاغت الفاظ کے ماتحت ہوتی ہے اور اس میں سوائے قافیہ بندی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک عرب نے لکھا ہے کہ سَافَرْتُ اِلٰی رُوْمٍ وَاَنَا عَلٰی جَمَلٍ مَا تُوْمٍ۔ میں رُوم کو روانہ ہوا اور میں ایک ایسے اُونٹ پر سوار ہوا جس کا پیشاب بند تھا۔ یہ الفاظ صرف قافیہ بندی کے واسطے لائے گئے ہیں۔ مگر یہ قرآن شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جا سکتا اور کسی کو دُوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا، لیکن باوجود اس کے کہ قافیہ بندی

اور فصاحت اور بلاغت کے تمام لوازم موجود ہیں۔"

[ایک شخص نے کسی صوفی گدی نشین کی تعریف کی کہ وہ آدمی بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو سمجھایا جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس بات کو پا جائے اور عرض کی کہ میرا اس کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ اگر حضور مجھے ایک خط اُن کے نام لکھ دیں، تو میں لے جاؤں گا اور امید ہے کہ اُن کو فائدہ ہو۔ اس پر آپؑ نے فرمایا: کہ]

"آپ دو چار دن اور یہاں ٹھہریں۔ میں انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خود بخود استقامت کے ساتھ کوئی بات دل میں ڈال دے، تو میں آپ کو لکھ دوں۔" پھر فرمایا:

"جبتک اِن لوگوں کو اِستقامت، حُسنِ نیت کے ساتھ چند دن کی صحبت نہ حاصل ہو جائے، تب تک مشکل ہے۔ چاہیے کہ نیکی کے واسطے دل جوش مارے اور خدا کی رضا کے حصول کے لیے دل ترساں ہو۔"

کلمہ طیبہ شجاعت پیدا کرتا ہے

اس شخص نے پھر عرض کی کہ ان لوگوں کو اکثر یہ حجاب بھی ہوتا ہے کہ شاید کسی کو معلوم ہو جائے، تو لوگ ہمارے پیچھے پڑ جائیں۔ فرمایا:

"اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے قائل نہیں ہوتے اور سچے دل سے اس کلمہ کو زبان سے نکالنے والے نہیں ہوتے۔" فرمایا: "جب زید و بکر کا خوف درمیان میں ہے، تب تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نقش دل میں نہیں جم سکتا۔" فرمایا:

"یہ جو رات دن مُسلمانوں کو کلمہ طیبہ کہنے کے واسطے تحریص اور تاکید ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوت اور طاقت ہیچ ہو کر انسان صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اس کے سوائے سب اُس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔ پس وُہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اور کوئی ڈرانے والا اُس کو ڈرا نہیں سکتا۔"

فراست

فرمایا: "فراست بھی ایک چیز ہے۔ جیسا کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں اِن میں نبوت کے نشان پاتا ہوں اور ایسا ہی مباہلہ کے وقت عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر نہ آئے، کیونکہ اُن کے مشیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ میں ایسے مُنہ دیکھتا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں گے کہ یہاں سے ٹل جا، تو وُہ ٹل جائے گا۔"

فرمایا: "اگر کسی کے باطن میں کوئی حصہ روحانیت کا ہے، تو وُہ مجھ کو قبول کرے گا۔"

کتابِ تعلیم لکھنے کی خواہش فرمایا: "مَیں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اُس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے:
ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے کیا کیا حقوق ہم پر ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔"

اولیاء کی کرامات فرمایا: "زمانۂ نبوت تو نورٌ علیٰ نور تھا اور ایک آفتاب تھا، لیکن اُس کے بعد کے اولیاء کے جو خوارق و کرامات بتلائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ انکشاف نہیں رکھتے اور اُن کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں لگ سکتا، چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اُن کی وفات کے دو سو سال بعد لکھی گئیں اور علاوہ اس کے اُن لوگوں کو یہ موقع دشمن کے مقابلہ کا نہیں ملا اور نہ اُن کو ایسا فتنہ درپیش آیا، جیسا کہ ہم کو۔"

امرِ مقدر فرمایا: "ابھی ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کا ہماری جماعت میں داخل ہونا مقدر ہے۔ وہ مخالفت کرتے ہیں پر فرشتے ان کو دیکھ کر ہنستے ہیں کہ تم بالآخر انہی لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ وُہ ہماری مخفی جماعت ہے جو کہ ہمارے ساتھ ایک دن مِل جائے گی۔"

{ سَیر سے واپس آکر آپؑ اندر تشریف لے گئے اور کھانے کے وقت دوبارہ تشریف لائے اور ملاقاتوں کی نفس پرستیوں اور طلاق و حلالہ کی منحوس رسومات پر مختلف گفتگو فرماتے رہے۔ ظہر و عصر کی نمازوں میں جماعت کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر شام کی نماز پڑھ لینے کے بعد سے نماز عشاء سے فراغت حاصل کر لینے تک احباب میں تشریف فرما رہے۔ ایک دوست کا خط اور دیگر دو اخبارات بعد نماز سُنے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے میر حامد شاہ صاحب کی ایک نظم سُنائی، جس سے آپؑ بہت خوش ہوئے اور اسے اخبار میں چھپوا دینے کا حکم دیا۔ وُہ نظم یہ تھی ؎

ڈنکا بجا جہاں میں مسیحا کے نام کا خادم ہے دینِ پاک رسولِ انام کا

لوقا دُوسرے دن صبح نو بجے کی سَیر میں لوقا کے ذکر پر جس کا بیان سیالکوٹ کے ایک اخبار میں سے گذشتہ دن سُنایا گیا تھا، جس میں مرہم عیسیٰ کے ضمن میں لکھا گیا تھا۔ بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آپؑ نے مفتی محمد صادق صاحب اور مولوی اللہ دیا لودھیانوی کو مزید تحقیقات کا حکم دیا۔ دورانِ گفتگو میں فرمایا:
"عربی میں اِیٹ چٹنی کو کہتے ہیں۔" جس پر مفتی محمد صادق صاحب نے کہا کہ انگریزی میں اِیٹ چاٹنے کو کہتے ہیں۔ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ چٹنی تک تو بات پہنچ گئی ہے امید ہے کہ مرہم پٹی تک بھی بات نکل آوے۔" فرمایا۔ انگریزی کتابوں اور تاریخ کلیسا سے اس کے حالات کے متعلق تحقیقات کرنی چاہیے۔ یہ ایک نئی بات نکلی ہے۔ پھر فرمایا "یہ کچھ مشکل امر نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو لوقا پر توجہ کریں اور اس سے سب حال دریافت کریں، مگر ہماری طبیعت اس امر سے کراہت

کرتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کی طرف توجہ کریں۔ خدا تعالیٰ آپ ہمارے سب کام بناتا ہے۔

کشفِ قبور یہ لوگ جو کشفِ قبور لیے پھرتے ہیں، یہ سب جھوٹ اور لغو اور بیہودہ بات ہے اور شرک ہے۔ ہم نے سنا ہے۔ اس طرف ایک شخص پھرتا ہے اور اس کو بڑا دعویٰ کشفِ قبور کا ہے۔ اگر اس کا علم سچا ہے، تو چاہیے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اُس کو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جن سے ہم خوب واقف ہیں، مگر یہ سب بیہودہ باتیں ہیں اور اُن کے پیچھے پڑنا، وقت کو ضائع کرنا ہے۔ سعید آدمی کو چاہیے کہ ایسے خیالات میں اپنے اوقات کو خراب نہ کرے۔ اس طریق کو اختیار کرے، جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے صحابہؓ نے اختیار کیا۔

سرود اس کے بعد مختلف گدّی نشینوں کے حالات پر افسوس ہوتا رہا۔ جو سرود وغیرہ بدعات میں گرفتار ہیں۔ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ:

"انسان میں ایک ملکہ احتظاظ کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اُٹھاتا ہے اور اُس کے نفس کو دھوکا لگتا ہے کہ میں اس مضمون سے سُرور پا رہا ہوں، مگر دراصل نفس کو صرف حظ درکار ہوتا ہے۔ خواہ اُس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی جب یہ لوگ اس میں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں، تو اُن کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی سب برابر ہو جاتے ہیں"

[اس پر آج کی سیر ختم ہوئی۔ پھر کھانے کے وقت آپؑ باہر تشریف لائے اور کھانا کھانے کے بعد حضورِ اقدسؑ نے ایک تقریر فرمائی۔ جو کچھ میں اس میں سے ضبط رکھ سکا وہ لکھتا ہوں۔ اس زمانہ کے فتنہ و فساد کا ذکر تھا۔ فرمایا:]

اِس زمانہ کی بڑی عبادت ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے، اس کے دُور کرنے میں کچھ حصّہ لے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اِس فتنہ کے دُور کرنے میں ہر ایک مسلمان کچھ نہ کچھ حصّہ لے۔ اس وقت جو بدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں چاہیے کہ اپنی تقریر اور علم کے ذریعہ سے اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے۔ مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دُنیا سے اُٹھا دے۔ اگر اسی دُنیا میں کسی کو آرام اور لذت مل گئی، تو کیا فائدہ۔ اگر دُنیا میں ہی درجہ پا لیا تو کیا حاصل۔ عقبیٰ کا ثواب لو جس کی انتہا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کو خدا تعالیٰ کی توحید و تفرید کے لیے ایسا جوش ہونا چاہیے، جیسا کہ خود اللہ کو اپنی توحید کا جوش ہے۔ غور کرو کہ دُنیا میں اس طرح کا مظلوم کہاں ملے گا۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی گند اور گالی اور دُشنام نہیں جو آپ کی طرف نہ پھینکی گئی ہو۔ کیا یہ وقت ہے کہ مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ رہیں؟ اگر اس وقت کوئی شخص کھڑا نہیں ہوتا اور حق کی گواہی دے کر جھوٹے کے مُنہ کو بند نہیں کرتا اور جائز رکھتا ہے کہ کافر لوگ بے حیائی سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام لگاتے جائیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے جائیں۔ تو یاد رکھو کہ وہ بیشک بڑی باز پرس کے نیچے ہے۔ چاہیے کہ جو کچھ علم اور واقفیت تمہیں حاصل ہے، وہ اس راہ میں خرچ کرو۔ اور لوگوں کو اس

مصیبت سے بچاؤ۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر تم دجّال کو نہ مارو تب بھی وہ مرہی جائے گا۔ مثل مشہور ہے ؎
ہر کمالے را زوالے۔ تیرھویں صدی سے یہ آفتیں شروع ہوئیں اور اب وقت قریب ہے کہ اُس کا خاتمہ ہو جائے اس لیے ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے پوری کوشش کرے۔ نور اور روشنی لوگوں کو دکھائے۔

خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے ظاہر ہونے کی تمنّا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولی اللہ اور صاحبِ برکات وہی شخص ہے، جس کو یہ جوش حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ نماز میں جو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہا جاتا ہے، وُہ بھی خدا تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہونے کی تمنّا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت ہو جس کی نظیر نہ ہو۔ نماز میں تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ طبعاً جوش کے ساتھ اپنے کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھادے کہ اُس کی عظمت کے برخلاف کوئی شے مجھ پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ بڑی عبادت ہے۔ جو لوگ اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں، وُہی مؤیّد کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے لیے جوش نہیں رکھتے۔ اُن کی نمازیں جھوٹی ہیں اور ان کے سجدے بے کار ہیں۔ جبتک خدا تعالیٰ کے لیے جوش نہ ہو۔ یہ سجدے صرف منتر جنتر ٹھہریں گے۔ جن کے ذریعہ سے یہ بہشت کو لینا چاہتا ہے۔ یاد رکھو کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو، فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے۔ ایسا ہی تمہارے رُکوع اور سجُود بھی نہیں پہنچتے، جبتک اُن کے ساتھ کیفیت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے اور اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی عزّت اور عظمت کے لیے جوش رکھتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے گذرتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص اُن کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جب تک کیفیت نہ ہو انسان ترقی نہیں کر سکتا۔ گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اُس کے لیے جوش نہ ہو کوئی لذّت نہیں دے گا۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک تمنّا ہوتی ہے، لیکن کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ ساری تمناؤں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مقدّم نہ کرے۔ ولی قریبی اور دوست کو کہتے ہیں۔ جو دوست چاہتا ہے، وُہی یہ چاہتا ہے۔ تب یہ ولی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّاریات: ۵۷) انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جوش رکھے۔ تب وُہ اپنے ابنائے جنس سے بڑھ جائے گا اور خدا تعالیٰ کے مقرّب بندوں میں سے بن جائے گا۔ مُردوں میں سے نہیں ہونا چاہیے کہ مُردہ کے مُنہ میں ایک شَے ایک طرف سے ڈالی جاتی ہے، تو دُوسری طرف سے نکل آتی ہے۔ اسی طرح شقاوت کی حالت میں کوئی اچھی چیز اندر نہیں جا سکتی۔ یاد رکھو کہ کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں ہوتا جبتک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی جوش نہ ہو۔ جس کے ساتھ

کوئی ملونی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو اور ایسا جوش ہو کہ خود بھی نہ جان سکے کہ یہ جوش مجھ میں کیوں ہے۔ بہت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں، مگر سوائے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے کچھ ہو نہیں سکتا۔

حالاتِ زمانہ اور ضرورتِ مُصلح

اور جو لوگ اس طرح دینی خدمات میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ وہ خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہر ایک فصل کے کاٹنے کا وقت آجاتا ہے۔ ایسا ہی اب مفاسد کے دُور کر دینے کا وقت آگیا ہے۔ تثلیث پرستی حد کو پہنچ گئی ہے۔ صادق کی توہین اور گستاخی انتہا تک کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر مکھی اور زنبور جتنی بھی نہیں کی گئی۔ زنبور سے بھی انسان ڈرتا ہے اور چیونٹی سے بھی اندیشہ کرتا ہے، لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے میں کوئی نہیں جھجکتا۔ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کے مصداق ہو رہے ہیں۔ جتنا مُنہ اُن کا کھل سکتا ہے۔ اُنھوں نے کھولا اور مُنہ پھاڑ پھاڑ کر سب وشتم کئے۔ اب واقعی وہ وقت آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ اُن کا تدارک کرے۔ ایسے وقت میں وہ ہمیشہ ایک آدمی کو پیدا کیا کرتا ہے، جو اُس کی عظمت اور جلال کے لیے بہت جوش رکھتا ہے۔ ایسے آدمی کو باطنی مدد کا سہارا ہوتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ سب کچھ آپ ہی کرتا ہے، مگر اس کا پیدا کرنا ایک سنّت کا پُورا کرنا ہوتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (الفتح: ۲۴) اب وہ وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں عیسائیوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ اپنے دین میں غُلُو نہ کریں، پر اُنھوں نے اِس نصیحت پر عمل نہ کیا۔ اور پہلے وُہ ضالّین تھے، مگر اب مُضِلّین بھی بن گئے۔ خدا تعالیٰ کے صحیفہ قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بات حد سے گذر جاتی ہے، تو آسمان پر تیاری کی جاتی ہے۔ یہی اس کا نشان ہے کہ یہ تیاری کا وقت آگیا ہے۔ سچے نبی و رسول و مجدد کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ وقت پر آوے اور ضرورت کے وقت آوے۔ لوگ قسم کھا کر کہیں کہ کیا یہ وقت نہیں کہ آسمان پر کوئی تیاری ہو، مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ آپ ہی کیا کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت اگر سب کے سب حجروں میں بیٹھ جائیں۔ تب بھی کام ہو جائے گا۔ اور دجّال کو زوال آ جائے گا۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران: ۱۴۱) اُس کا کمال بتاتا ہے کہ اب اُس کے زوال کا وقت قریب ہے۔ اُس کا ارتفاع ظاہر کرتا ہے کہ اب وُہ نیچا دیکھے گا۔ اُس کی آبادی اُس کی بربادی کا نشان ہے۔ ہاں ٹھنڈی ہَوا چل پڑی۔ اللہ تعالیٰ کے کام آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اگر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہ ہوتی، تاہم زمانہ کے حالات پر نظر کر کے مُسلمانوں پر واجب تھا کہ وُہ دیوانہ وار پھرتے اور تلاش کرتے کہ مسیحؑ ابتک کیوں نہیں کسرِ صلیب کے لیے آیا۔ اُن کو یہ نہ چاہیے تھا کہ اُسے اپنے جھگڑوں کے لیے بُلاتے، کیونکہ اُس کا کام کسرِ صلیب ہے اور اُسی کی زمانہ کو ضرورت ہے۔ اِسی لیے اُس کا نام مسیح موعُود ہے۔ اگر مُلّانوں کو بنی نوع کی بھلائی اور بہبُودی مدِّنظر ہوتی، تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے جیسا ہم سے کر رہے ہیں۔ اُن کو سوچنا چاہیے تھا کہ اُنھوں نے ہمارے خلاف فتویٰ لکھ کر کیا بنا لیا ہے۔ جسے خدا تعالیٰ نے کہا کہ ہو جائے اُسے کون کہہ سکتا ہے

کہ نہ ہو۔ یہ لوگ جو ہمارے مخالف ہیں یہ بھی ہمارے نوکر چاکر ہیں کہ کسی نہ کسی رنگ میں ہماری بات مشرق و مغرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نے ابھی سُنا ہے کہ پیر گولڑوی ہمارے خلاف ایک کتاب لکھنے والا ہے۔ اس پر ہم خوش ہوتے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو ہمارے نام و دعوے کی خبر نہ تھی، اس کو بھی خبر ہو جائے گی۔ اور اس طرح انھیں ہماری کتابیں دیکھنے کی ایک تحریک پیدا ہو گی۔[1]

---

[1] بدر جلد ۷، ۱۱ ص ۳-۶ پرچہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء

جلسہ سالانہ کی تقریر

◎

۲۸ر دسمبر ۱۸۹۹ء

تقریر اور وعظ میں محض للّٰہیت مقصود ہو

سب صاحبان متوجہ ہو کر سُنیں۔ مَیں اپنی جماعت اور خود اپنی ذات اور اپنے نفس کے لیے یہی چاہتا اور پسند کرتا ہوں کہ ظاہری قیل وقال جو لیکچروں میں ہوتی ہے۔ اُس کو ہی پسند نہ کیا جاوے اور ساری غرض وغایت اگر اُس پر ہی نہ ٹھہر جائے کہ بولنے والا کیسی جادُو بھری تقریر کر رہا ہے۔ الفاظ میں کیسا زور ہے۔ مَیں اس بات پر راضی نہیں ہوتا۔ مَیں تو یہی پسند کرتا ہوں اور نہ بناوٹ اور تکلّف سے بلکہ میری طبیعت اور فطرت کا ہی یہی اقتضا ہے کہ جو کام ہو اللہ کے لیے ہو جو بات ہو۔ خدا کے واسطے ہو۔ اگر اللہ کی رضا اور اُس کے احکام کی تعمیل میرا مقصد نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے تقریریں کرنی اور وعظ سُنانا تو ایک طرف، مَیں تو ہمیشہ خلوت ہی کو پسند کرتا ہوں اور تنہائی میں وُہ لذّت پاتا ہوں جس کو بیان نہیں کر سکتا، مگر کیا کروں بنی نوع کی ہمدردی کھینچ کھینچ کر باہر لے آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے، جس نے مجھے تبلیغ پر مامُور کیا ہے۔ مَیں نے یہ بات، کہ ظاہری قیل وقال ہی کو پسند نہ کیا جائے، اس لیے بیان کی ہے کہ ہر خیر میں بھی شیطان کا حِصّہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پس جب انسان وعظ کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو اس میں شک نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت ہی عُمدہ کام ہے، مگر اس منصب پر کھڑا ہونے والے کو ڈرنا چاہیے کہ اس میں مخفی طور پر شیطان کا بھی حِصّہ ہے۔ کچھ تو واعظ کے بخرہ میں آتا ہے اور کچھ سُننے والوں کے حِصّہ میں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب واعظ وعظ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو مقصد اور دلی تمنا صرف یہ ہوتی ہے کہ مَیں ایسی تقریر کروں کہ سامعین خوش ہو جائیں۔ ایسے الفاظ اور فقرات بولوں کہ ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں آئیں۔ مَیں اِس قسم کی تقریر کرنے والوں کے مقاصد کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا۔ جیسے بھڑوے، بقّال، قوّال، گویّے یہی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے سُننے والے ان کی تعریفیں کریں۔ پس جب ایک مجمع کثیر سُننے والا ہو اور اس میں ہر ایک مذاق اور درجہ کے لوگ موجود ہوں، تو خدا کی طرف کی آنکھ کھُلی نہیں ہوتی۔ اِلّا ماشاء اللہ مقصُود یہی ہوتا ہے کہ سننے والے واہ واہ کریں۔ تالیاں بجائیں اور چیرزدیں۔ غرض یہ حِصّہ شیطان کا واعظ یا بولنے والے میں ہوتا ہے اور سامعین میں شیطانی حِصّہ یہ ہوتا ہے کہ وُہ بولنے والے کی فصاحت

بلاغتِ زبان پر پوری حکومت اور قادرالکلامی، برمحل اشعار، کہانیوں اور ہنسانے والے لطیفوں کو پسند کریں اور داد دیں تاکہ سخن فہم ثابت ہوں۔ گویا اُن کا مقصود بجائے خود خدا سے دُور ہوتا ہے اور بولنے والے کا الگ۔ وُہ بولتا ہے مگر خدا کے لیے نہیں اور یہ سُنتے ہیں، مگر ان باتوں کو دل میں جگہ نہیں دیتے، اس لیے کہ وہ خدا کے لیے نہیں سُنتے۔ یہ کیوں ہوتا ہے صرف اس بات کے واسطے کہ ایک لذّت حاصل کریں۔ یاد رکھو! انسان دو قسم کی لذّتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک رُوح کی لذّت ہے۔ دُوسری نفس کی لذّت۔

رُوحانی لذّت تو ایک باریک اور عمیق راز ہے جس پر اگر کسی کو اطلاع مل جائے اور ساری عُمر میں ایک مرتبہ بھی جس کو یہ سُرور اور ذوق مل جائے وہ اس سے سرشار اور مست ہو جائے۔ نفسانی لذّتیں ایسی ہیں کہ ہمیشہ آنی اور فانی ہوتی ہیں۔ نفسانی لذّت وہ لذّت ہے جس کے ساتھ ایک طوائف بازاروں میں ناچ کرتی ہے۔ وُہ بھی اس لذّت میں شریک ہیں۔ جیسے مولوی واعظ کی حیثیت میں گاتا ہے اور لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔ ویسے ہی بازاری عورت گاتی ہے، اُسے بھی پسند کرتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نفس یہی چیز ہے جو ایک واعظ کے وعظ سے بھی لذّت اُٹھاتا ہے اور دُوسری طرف ایک بدکار عورت کے گانے سے بھی لذّت اُٹھاتا ہے، حالانکہ وُہ خُوب جانتا ہے کہ یہ عورت بدکار ہے۔ اُس کے اخلاق، اس کی معاشرت بہت ہی قابلِ نفرت ہے، لیکن اس پر بھی اگر وُہ اُس کی باتوں اور اُس کے گانے سے لذّت اُٹھاتا ہے اور اُس کو نفرت اور بدبُو نہیں آتی، تو یقیناً سمجھو کہ یہ نفسانی لذّت ہے، ورنہ رُوح تو ایسی گھناؤنی اور متعفّن شئے پر راضی نہیں ہو سکتی۔ اِس قابلِ رحم واعظ کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ مجھ میں پاک حصّہ نہیں ہے۔ ایسا ہی اپنی جانوں پر ظُلم کرنے والے سامعین نہیں سمجھتے کہ ہم یہاں صرف نفسانی لذّت کے لیے بیٹھے ہیں اور خدا کا بخرہ ہم میں نہیں ہے۔ پس میں خدا تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وُہ ہماری تقریروں، ہمارے بولنے والوں اور سُننے والوں میں سے اِس ناپاک اور خبیث رُوح کے حصّہ کو نکال کر محض للّٰہیت بھر دے۔ ہم جو کچھ کہیں خدا کے لیے، اُس کی رضا حاصل کرنے کے واسطے اور جو کچھ سُنیں، خدا کی باتیں سمجھ کر سُنیں اور نیز عمل کرنے کے واسطے سُنیں اور مجلسِ وعظ سے ہم صرف اتنا ہی حصّہ نہ لے جائیں کہ یہ کہیں آج بہت اچھا وعظ ہوا۔

راستباز اور ربّانی واعظ

مُسلمانوں میں ادبار اور زوال آنے کی یہ بڑی بھاری وجہ ہے، ورنہ اس قدر کانفرنسیں اور انجمنیں اور مجلسیں ہوتی ہیں اور وہاں بڑے بڑے لسّان اور لیکچرار اپنے لیکچر پڑھتے اور تقریریں کرتے، شاعر قوم کی حالت پر نوحہ خوانیاں کرتے ہیں۔ وہ بات کیا ہے کہ اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ قوم دن بدن ترقی کی بجائے تنزّل ہی کی طرف جاتی ہے۔ بات یہی ہے کہ ان مجلسوں میں آنے جانوالے اخلاص لے کر نہیں جاتے۔ وہاں لیکچراروں کی غرض جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ خواہ وہ مولوی ہوں یا نئے تعلیمیافتہ مشائخ ہوں یا صُوفی صرف واہ واہ سُننا ہوتی ہے۔ تقریر کرتے وقت ان کے معبُود سامعین ہوتے ہیں۔

جن کی خوشی اور رضامندی اُن کو مطلوب ہوتی ہے نہ خدا کی رضا، لیکن راستباز اور حقانی لوگ جو قیامت تک ہوں گے، اُن کا یہ مقصد اور منشا کبھی نہیں ہوتا۔ اُن کا مقصود اور مطلوب خدا ہوتا ہے اور بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور غمگساری جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ وُہ دُنیا کو دکھانا چاہتے ہیں، جو خود اُنھوں نے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنا اُن کی تمنا ہوتی ہے، اس لیے وہ جو کچھ کہتے ہیں بلاخوفِ لومۃ لائم کہتے ہیں۔ اُن کی نگاہ میں سامعین ایک مُردہ کیڑے ہوتے ہیں۔ نہ اُن سے کوئی اجر مقصود ہوتا ہے۔ نہ اُن کے واہ واہ کی پروا۔ غرض یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات لوگ اُن کی باتیں سُن کر گھبرا جاتے ہیں اور درمیان تقریر میں اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اور بسا اوقات گالیاں دیتے اور دُکھ دینے والی باتوں ہی پر اکتفا نہ کر کے قسم قسم کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ اس سے صاف پتہ لگ جاتا ہے کہ نفسانی لذّت کا طالب اور خواہشمند کون ہوتا ہے اور نفسانی لذّت ہوتی کیا ہے۔ ایک طوائف کا ناچ ہو تو ساری رات بھی جاگنا اور زر داون و دردِ سر خریدن کا مصداق ہونا بھی منظور، لیکن ایک حقانی واعظ کے چند کلمے جو نہایت خلوص اور سچے جوش اور حقیقی ہمدردی کی بنا پر اس کے پاک مُنہ سے نکلتے ہیں۔ اُن کے لیے سُننا دشوار اور گراں۔ مگر یہ حقانی واعظوں کی جماعت اِن باتوں سے نہ کبھی گھبراتی اور نہ تھکتی ہے کیوں؟ ان کے پیشِ نظر خدا ہوتا ہے۔ جو اپنی لانتہا قدرتوں اور فوق الفوق طاقتوں کے ساتھ اُن پر جلوہ نمائی کرتا ہے، جو اُن پر سکینت اور استقلال نازل فرماتا ہے۔ پھر وُہ مُردہ دُنیا داروں کی پروا کیا کر سکتے ہیں۔

ربّانی واعظ کا اثر رُوح پر

یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی پیدائش میں ایک رُوح کا حصّہ ہے دُوسرے نفس کا، جو بہت پھیلا ہوا ہے۔ اب آپ لوگ یہ بات آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جو چیز زیادہ ہوگی، اُس کا اثر زیادہ ہوگا۔ رُوح کا جوش ایسا ہے جیسے کوئی غریب الوطن ناواقف لوگوں میں آکر بسے۔ پس رُوح جو گمنام حالت میں ہوتی ہے، اُس پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ رُوح کے اثر کی علامت یہ ہے کہ جب ربانی واعظ اور حقانی ریفارمر بولتا ہے، تو وُہ اپنے وعظ میں سامعین کو کالعدم سمجھتا ہے اور پیغام رساں ہو کر باتیں پہنچاتا ہے۔ ایسی صورت میں رُوح میں ایک گداز اُش پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وُہ پانی کے ایک آبشار کی طرح جو پہاڑ کے بلند کگاڑے سے نشیب کی طرف گرتا ہے، بے اختیار ہو کر گرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف بہتی ہے اور اس بہاؤ میں وہ ایک ایسی لذّت اور سرور محسوس کرتی ہے۔ جس کو مَیں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پس وہ اپنے بیان اور اپنی تقریر میں وجہ اللہ کو دیکھتا ہے۔ سامعین کی اُسے پروا بھی نہیں ہوتی کہ وہ سُن کر کیا کہیں گے۔ اس کو ایک اور طرف سے ایک لذّت آتی ہے اور اندر ہی اندر خوش ہوتا ہے کہ مَیں اپنے مالک اور حکمران کے حکم اور پیغام کو پہنچا رہا ہوں۔ اس پیغام رسانی میں جو مشکلات اور تکالیف اُسے پیش آتی ہیں وہ بھی اُس کے لیے محسوس اللذات اور مدرک الحلاوت ہوتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ ہمدردی و غمگساری

ایسے لوگ چونکہ بنی نوع کی ہمدردی میں محو ہوتے ہیں، اس لیے رات دن سوچتے رہتے ہیں اور اسی فکر میں کُڑھتے ہیں کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اس راہ پر آجائیں اور ایک بار اس چشمہ سے ایک گھونٹ پی لیں یہ ہمدردی، یہ جوش ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں غایت درجہ کا تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی دُوسرے میں ہو سکتا ہی نہیں، چنانچہ آپؐ کی ہمدردی اور غمگساری کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء: ۴) یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا اس غم میں کہ یہ کیوں مومن نہیں ہوتے۔ اِس آیت کی حقیقت آپ پورے طور پر نہ سمجھ سکیں، تو جُدا امر ہے۔ مگر میرے دل میں اس کی حقیقت یوں پھرتی ہے، جیسے بدن میں خُون ؎

بدل دردیکہ دارم از برائے طالبانِ حق ۔۔۔ نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

میں خُوب سمجھتا ہوں کہ ان حقانی واعظوں کو کس قسم کا جانگزا درد اصلاحِ خلق کا لگا ہوا ہوتا ہے۔

متاثر ہونے کی اِستعداد

پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ معلّم جس رنگ اور طاقت کا ہو۔ اس کا اثر اسی حیثیت سے حسبِ اِستعداد سُننے والوں پر ہوتا ہے؛ بشرطیکہ استعداد میں قابلیت ہو۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور خوف اور خشیت رکھتے ہیں۔ اُن پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا نشان یہ ہے کہ رُوح تزکیۂ نفس کے لیے دوڑتی ہے اور بے اختیار ہو ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔ اگر نفسِ امارہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے اور اُس کی حکومت کے نیچے ہے، تو طبیعت میں ایک اضطراب اور قلق سا پیدا ہوتا ہے۔ اُس کی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ وہاں بیٹھنے اور سُننے کو جی نہیں چاہتا، بلکہ گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان اس قسم کی بے چینی اور بے لذتی ایک حقانی واعظ کی باتوں سے اپنے دل میں پائے تو اُس کو واجب ہے کہ وہ اپنی رُوح کی فکر کرے کہ وہ ہلاکت کے گڑھے پر پہنچی ہوئی ہے۔ خدا کی باتوں سے بے لُطفی اور بے ذوقی۔

رُوحانی بیماریوں کا علاج

اِس سے بڑھ کر دُنیا میں ہلاک کرنے والی چیز کیا ہوگی، اس کا علاج کیا ہے؟ اس کا علاج استغفار، خدا کے حضور رجُوع، اپنے گناہوں کی معافی کے لیے دعائیں اور اُن پر دوام۔ اگر اس نسخہ کو استعمال کیا جائے تو مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اس بے لُطفی سے ایک لُطف اور اس بے ذوقی میں سے ایک ذوق پیدا ہو جائے گا۔ پھر وہی رُوح جو خدا کے حضور جانے سے بھاگتی اور خدا کی باتوں کے سُننے سے نفرت کرتی تھی۔ خدا کی طرف گیند کی طرح لڑھکتی ہوئی چلی جائے گی۔

نفس کی تین اقسام

نفس کی تین قسمیں ہیں۔ امّارہ ۔ لوّامہ ۔ مُطمئنّہ۔ مطمئنّہ کی ایک حالت نفسِ زکیّہ کہلاتی ہے۔ نفسِ زکیّہ بچوں کا نفس ہوتا ہے، جس کو

کوئی ہوا نہیں لگی ہوتی ہے اور وُہ ہر قسم کے نشیب و فراز سے ناواقف ایک ہموار سطح پر چلتے ہیں۔ نفسِ امّارہ وہ ہے جب کہ دُنیا کی ہوا لگتی ہے۔ نفسِ لوّامہ وہ نفس ہے جبکہ ہوش آتا ہے اور لغزشوں کو سوچتا ہے اور کوشش کرتا ہے اور بدیوں سے بچنے کے لیے دُعا کرتا ہے۔ اپنی کمزوریوں سے آگاہ ہوتا ہے اور نفسِ مطمئنّہ وُہ ہوتا ہے جبکہ ہر قسم کی بدیوں سے بچنے کی بفضلِ الٰہی قوّت اور طاقت پاتا ہے اور ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے اپنے آپ کو امن میں پاتا ہے اور اس طرح پر ایک بُرودت اور اطمینان قلب کو حاصل ہوتا ہے کہ کسی قسم کی گھبراہٹ اور اضطراب باقی نہ رہے۔

دماغ، دل اور زبان کا دائرۂ کار

اس کی مثال اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں تین قسم کی حکومت رکھی ہے۔ ایک دماغ، دُوسرا دل، تیسری زبان۔ دماغ عقول اور براہین سے کام لیتا ہے اور اُس کا یہ کام ہے کہ ہر وقت وہ ایک تراشش خراش میں لگا رہتا ہے اور نئی نئی براہین اور حُجج کو سوچتا رہتا ہے۔ اس کے سپُرد یہی خدمت ہے کہ وہ مقدّمات مرتّب کر کے نتائج نکالتا رہتا ہے۔ قلب تمام وجود کا بادشاہ ہے۔ یہ دلائل سے کام نہیں لیتا؛ چونکہ اس کا تعلق مَلِکُ الْمُلوک سے ہے، اس لیے کبھی صریح الہام سے کبھی خفی الہام سے اطلاع پاتا ہے۔ یُوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دماغ وزیر ہے۔ وزیر مدبّر ہوتے ہیں۔ اس لیے دماغ تجاویز، اسباب، دلائل اور نتائج کے متعلق کام میں لگا رہتا ہے۔ قلب کو اُن سے کام نہیں ہے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے قوّتِ حاسّہ رکھی ہے۔ جیسے چیونٹی جہاں کوئی شیرینی رکھی ہوئی ہو۔ معاً اس جگہ پر پہنچ جاتی ہے؛ حالانکہ اس کے لیے دلیل اس امر کی نہیں ہوتی کہ وہاں شیرینی ہے بلکہ خدا تعالیٰ نے اس میں ایک قوّتِ حاسّہ رکھی ہوتی ہے جو اس کی رہبری کرتی ہے۔ اسی طرح پر قلب کو چیونٹی کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ اس میں بھی وہ قوّتِ حاسّہ موجود ہے، جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اور وہ دلائل و براہین اور ترتیبِ مقدّمات اور استخراجِ نتائج کی ضرورت نہیں رکھتا۔ گو یہ امرِ دیگر ہے کہ دماغ اس کے لیے یہ اسباب اور اُمور بھی بہم پہنچا دیتا ہے۔

قلب کے معنی

قلب کے معنے ایک ظاہری اور جسمانی ہیں اور ایک رُوحانی۔ ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ پھیرنے والا۔ چونکہ دورانِ خُون اسی سے ہوتا ہے، اس لیے اس کو قلب کہتے ہیں۔ رُوحانی طور پر اس کے یہ معنی ہیں کہ جو ترقیات انسان کرنا چاہتا ہے وہ قلب ہی کے تصرّف سے ہوتی ہیں۔ جس طرح پر دورانِ خُون انسانی زندگی کے لیے اشد ضروری چیز ہے، اسی قلب سے ہوتا ہے، اسی طرح پر رُوحانی ترقیوں کا اسی کے تصرّف پر انحصار ہے۔

قلب اور دماغ کی ماہیت

بعض نادان آج کل کے فلسفی بے خبر ہیں۔ وہ تمام عُمدہ کاروبار کو دماغ سے ہی منسُوب کرتے ہیں، مگر وہ اتنا نہیں جانتے کہ دماغ تو صرف دلائل و براہین کا ملکہ ہے۔ قوّتِ متفکّرہ اور حافظہ دماغ میں ہے، لیکن قلب میں ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے وُہ

سرداہے یعنی دماغ میں ایک قسم کا تکلف ہے اور قلب میں نہیں بلکہ وُہ بلاتکلف ہے۔ اس لیے قلب ربّ العرش سے ایک مناسبت رکھتا ہے۔ صرف قوّتِ حاسّہ کے ذریعہ دلائل و براہین کے بغیر پہچان جاتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے۔ استفتِ القلب یعنی قلب سے فتوے پوچھ لے۔ یہ نہیں کہ دماغ سے فتویٰ پوچھ لو۔ اُلوہیت کی تار اسی کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کوئی اس کو بعید نہ سمجھے۔ یہ بات اوّل اور مشکل تو ہے، مگر تزکیۂ نفس کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ کمّرات قلب میں موجود ہیں۔ اگر قلب میں یہ طاقتیں نہ ہوتیں، تو انسان کا وجُود ہی بیکار سمجھا جاتا۔ صُوفی اور مجاہدہ کرنے والے لوگ جو تصوّف اور مجاہدات کے مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں۔ وُہ خوب جانتے ہیں کہ قلب سے روشنی اور نُور کے ستون شہودی طور پر نکلتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ایک خطِ مستقیم میں آسمان کو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بدیہی اور یقینی ہے۔ مَیں اس کو خاص مثال کے ذریعہ سے بیان نہیں کرسکتا۔ ہاں جن لوگوں کو مجاہدات کرنے پڑتے ہیں یا جنھوں نے سُلوک کی منزلوں کو طے کرنا چاہا ہے۔ اُنھوں نے اس کو اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے صحیح پایا ہے۔ قلب اور عرش کے درمیان گویا باریک تار ہے۔ قلب کو جو حکم کرتا ہے اس سے ہی لذّت پاتا ہے۔ خارجی دلائل اور براہین کا محتاج نہیں ہوتا۔ بلکہ مُلہَم ہوکر خدا سے اندر ہی اندر باتیں پاکر فتویٰ دیتا ہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ جبتک قلب قلب ہے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ (الملک : ۱۱) کا مصداق ہوتا ہے۔ یعنی انسان پر ایک وہ زمانہ آتا ہے کہ جس میں قلب و دماغ کی قوّتیں اور طاقتیں نہیں ہوتی ہیں۔ پھر ایک زمانہ دماغ کا آتا ہے۔ دماغی قوّتیں اور طاقتیں نشو و نما پاتی ہیں اور ایک ایسا زمانہ آتا ہے کہ قلب متنوّر اور مشتعل اور روشن ہو جاتا ہے۔ جب قلب کا زمانہ آتا ہے۔ اس وقت انسان روحانی بلوغ حاصل کرتا ہے اور دماغ قلب کے تابع ہو جاتا ہے اور دماغی قوّتوں کو قلب کی خاصیتوں اور طاقتوں پر فوق نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دماغی حالتوں کو مومنوں سے ہی خصُوصیت نہیں ہے۔ ہندو اور چوہڑے وغیرہ بھی سب کے سب ہر ایک دماغ سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ دُنیوی معاملات اور تجارت کے کاروبار میں مصروف ہیں، وہ سب کے سب دماغ سے کام لیتے ہیں۔ ان کی دماغی قوّتیں پورے طور پر نشو و نما پائی ہوئی ہوتی ہیں اور ہر روز نئی نئی باتیں اپنے کاروبار کے متعلق ایجاد کرتے ہیں۔ یُورپ اور نئی دُنیا کو دیکھو کہ یہ لوگ کس قدر دماغی قوّتوں سے کام لیتے ہیں اور کس قدر آئے دن نئی ایجادیں کرتے ہیں۔ قلب کا کام جب ہوتا ہے، جب انسان خدا کا بنتا ہے۔ اس وقت اندر کی ساری طاقتیں اور ریاستیں معدُوم ہوکر قلب کی سلطنت ایک اقتدار اور قوّت حاصل کرتی ہے۔ تب انسان کامل انسان کہلاتا ہے۔ یہ وہی وقت ہوتا ہے۔ جبکہ وہ فَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (الحجر : ۳۰) کا مصداق ہوتا ہے اور ملائکہ تک اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ اُس وقت وُہ ایک نیا انسان ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح پُوری لذّت اور سُرور سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ لذّت ایسی لذّت نہیں جیسا کہ ایک ناعاقبت اندیش بدکار زنا کرنے میں پاتا ہے یا خوش الحانی کا شائق سرود اور خوش گلو کے گانے میں پاتا ہے۔ نہیں بلکہ اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ رُوح کی لذّت اُس وقت ملتی ہے۔ جب

انسان گداز ہو کر پانی کی طرح بہنا شروع ہوتا ہے اور خوف خشیت سے بہہ نکلتا ہے۔ اس مقام پر وہ کلمہ بنتا ہے اور اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰسٓ : ۸۳) کا مفہوم اُس میں کام کرنے لگتا ہے۔

کلمۃ اللہ اور رُوح کی حقیقت

لوگوں نے کَلِمَۃُ اللہ کے لفظ پر جو مسیحؑ کی نسبت آیا ہے سخت غلطی کھائی ہے اور مسیح کی کوئی خصوصیت سمجھی ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہر انسان جب نفسانی ظلمتوں اور گندگیوں اور تیرگیوں سے نکل آتا ہے، اس وقت وہ کَلِمَۃُ اللہ ہوتا ہے۔

یاد رکھو۔ انسان کلمۃ اللہ ہے، کیونکہ اس کے اندر رُوح ہے جس کا نام قرآن شریف میں اَمْرِ رَبِّیْ رکھا گیا ہے۔ لیکن انسان نادانی اور ناواقفی سے رُوح کی کچھ قدر نہ کرنے کے باعث اُس کو انواع و اقسام کی سلاسل اور زنجیروں میں مقید کر دیتا ہے اور اُس کی روشنی اور صفائی کو خطرناک تاریکیوں اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے اندھا اور سیاہ کر دیتا ہے اور اُسے ایسا دُھندلا بناتا ہے کہ پتہ بھی نہیں لگتا، لیکن جب توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتا ہے اور اپنی ناپاک اور تاریک زندگی کی چادر اُتار دیتا ہے، تو قلب مُنوّر ہونے لگتا ہے اور پھر اصل مبدء کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تقویٰ کے انتہائی درجہ پر پہنچ کر سارا میل کچیل اُتر کر پھر وہ کلمۃ اللہ ہی رہ جاتا ہے۔ یہ ایک باریک علم اور معرفت کا نکتہ ہے۔ ہر شخص اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

انسان کا کمال

انسان کا کمال یہ ہے کہ اُس میں حقیقی معرفت اور سچی فراست جو ایمانی فراست کہلاتی ہے (جس کے ساتھ اللہ کا ایک نُور ہوتا ہے جو اُس کی ہر راہ میں رہنمائی کرتا ہے) پیدا ہو۔ بدوں اس کے انسان دھوکے سے بچ نہیں سکتا اور رسم و عادت کے طور پر کبھی کبھی نہیں بلکہ بسا اوقات ستم قاتل پر خوش ہو جاتا ہے۔ پنجاب و ہندوستان کے سجادہ نشین اور گدّیوں کے پیرزادے قوالوں کے گانے سے اور ہُو حق کے نعرے مارنے اور اُلٹے سیدھے لٹکنے ہی میں اپنی معرفت اور کمال کا اِنتہا جانتے ہیں اور ناواقف پیر پرست ان باتوں کو دیکھ کر اپنی رُوح کی تسلی اور اطمینان اِن لوگوں کے پاس تلاش کرتے ہیں۔ مگر غور سے دیکھو کہ یہ لوگ اگر فریب نہیں دیتے، تو اس میں شک نہیں ہے کہ فریب خوردہ ضرور ہیں۔ کیونکہ سچا رشتہ جو عبودیت اور اُلوہیت کے درمیان ہے۔ جس کے حقیقی پیوند سے ایک نُور اور روشنی نکلتی ہے اور ایسی لذت پیدا ہوتی ہے کہ دُوسری لذّت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اُس کو اِن قلابازیوں سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ہم نہایت نیک نیتی کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے۔ پُوچھتے ہیں کہ اگر اس قسم کے مشغلے عبادتِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا موجب ہو سکتے ہیں اور انسانی رُوح کے کمال کا باعث بن سکتے ہیں، تو پھر بازیگروں کو معرفت کی معراج پر پہنچا ہوا سمجھنا چاہیے۔ اور انگریزوں نے تو اِن کھیلوں اور کرتبوں میں اور بھی حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں اور باوجود ان ترقیوں کے اُن کی معرفت خدا کی نسبت یا تو یہ ہے کہ وہ سِرے سے ہی مُنکر اور دہریہ ہیں اور اگر اقرار بھی کیا ہے تو یہ کہ ایک ناتوان بیکس انسان کو جو ایک

عورت مریمؑ کے پیٹ سے پیدا ہوا، خدا بنا لیا۔ اور ایک خدا کو چھوڑ کر تین خداؤں کے قائل ہوئے۔ جن میں سے ایک کو ملعون اور ہاویہ میں تین دن رہنے والا تجویز کیا۔ اب اے دانشمندو! سوچو، اور اے سلیم فطرت والو! غور کرو کہ اگر اس اُلٹا سیدھا لٹکنے اور طبلہ اور سارنگی ہی کے ذریعہ خدا کی معرفت اور انسانی کمال حاصل ہو سکتا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس فن میں ماہر اور موجد انگریزوں کو جو قسم قسم کے باجے اور گانے کے سامان نکالتے ہیں، ایسی ٹھوکر لگی کہ وہ خدا کے بالکل منکر یا تثلیث کے قائل ہو گئے۔ باوجودیکہ دُنیوی اُمور میں ایجادات اور اختراعات میں ان کی عقلیں ترقی پذیر سمجھی جاتی ہیں۔ پھر اس پر اور بھی غور کرو اور سوچو کہ اگر یہی معرفت کا ذریعہ تھا، تو تھیٹروں میں ناچنے والے اور اچھا ناچنے گانے والے سب اعلیٰ درجے کے صاحبِ دل اور صاحبِ کمال ماننے پڑیں گے! افسوس ان لوگوں کو خبر ہی نہیں کہ خدا کی معرفت ہوتی کیا ہے؟ اور انسانی کمال نام کس کا ہے؟ وُہ شیطانی حصّہ کی شناخت نہیں کر سکے۔

رِقت اور گریہ و بُکا

اُنھوں نے صرف چند قطرے آنسوؤں کے بہا لینا اور دو تین چیخیں مار دینا ہی رُوح کی تسلی اور اطمینان کا موجب سمجھ رکھا ہے۔ بسا اوقات انسان ناول پڑھتا ہے۔ جب اُس کے کسی دردناک حصّہ پر پہنچتا ہے، باوصفیکہ جانتا ہے کہ یہ ایک فرضی کہانی اور جھوٹا قصّہ ہے، لیکن پھر بھی وہ ضبط نہیں کر سکتا اور بعض دفعہ چیخیں مار مار کر رو پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض رونا اور چلّانا بھی اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ مَیں نے سُنا ہے کہ ملوکِ چغتائیہ کے عہدِ سلطنت میں بعض لوگ ایسے ہوتے تھے جو شرط لگا کر یقیناً رُلا دیتے تھے اور ہنسا دیتے تھے اور اب تو صریح یہ بات موجود ہے کہ طرح طرح کے ناول موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کو پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر دل بے اختیار ہو کر دردمند ہو جاتا ہے؛ حالانکہ اُن کو یقیناً بناوٹی قصّے اور فرضی کہانیاں جانتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ انسان دھوکا کھاتا ہے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے، جب انسان نفسانی اغراض اور رُوحانی مطالب میں تمیز نہیں کرتا۔ جس قدر لوگ دُنیا میں ہیں، ان میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو علاماتِ حقیقیہ سے بے نصیب ہیں۔ اُن کے مُنہ سے معارف اور حقائق نہیں نکلتے، پھر رُلا دیتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ حقائق اور معارف سے بہرہ ور ہیں۔ جو عبودیت کے رنگ سے رنگین ہو کر اُلوہیت کے عظمت و جلال سے خائف اور ترساں ہو کر بولتے ہیں۔ بلکہ اس کی تہہ میں دُوسری بات ہوتی ہے جو مَیں نے ابھی ناولوں اور کہانیوں کے متعلق بیان کی ہے۔ وہ خود بھی نفس کی ہوا میں مُبتلا ہوتے ہیں اور یُوں رونا کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔

آنسو کا ایک قطرہ بھی دوزخ کو حرام کر دیتا ہے

ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اس کی خشیت کا غلبہ دل پر ہو اور اس میں ایک رقت اور گداز پیدا ہو کر خدا کے لیے ایک قطرہ بھی آنکھ سے نکلے، تو وُہ یقیناً دوزخ کو حرام کر دیتا

ہے۔ پس انسان اِس سے دھوکہ نہ کھائے کہ مَیں بہت روتا ہوں۔ اس کا فائدہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ آنکھ دُکھنے آ جائے گی اور یُوں امراضِ چشم میں مبتلا ہو جائے گا۔

مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے حضُور اس کی خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ کو حرام کر دیتا ہے۔ لیکن یہ گریہ و بکا نصیب نہیں ہوتا جبتک کہ خدا کو خدا اور اس کے رسول کو رسول نہ سمجھے اور اس کی سچی کتاب پر اطلاع نہ ہو نہ صرف اطلاع بلکہ ایمان۔

طبیب جیسے ایک مریض کو جُلاب دیتا ہے اور اس کو ہلکے ہلکے دَست آتے ہیں۔ وہ مرض کو ضائع نہیں کرتے، جب تک جگری دَست نہ آویں۔ جو اپنے ساتھ تمام موادِ ردّیہ اور فاسدہ کو لے کر نکلتے ہیں اور ہر قسم کی عُفونتیں اور زہریں جنھوں نے مریض کو اندر ہی اندر مضمحل اور مضطرب کر رکھا تھا، اُن کے ساتھ نکل جاتی ہیں۔ تب اُس کو شفا ہوتی ہے۔ اسی طرح پر جگری گریہ و بکا آستانۂ اُلوہیت پر ہر ایک قسم کی نفسانی گندگیوں اور مُفسد مواد کو لے کر نکل جاتا ہے اور اس کو پاک و صاف بنا دیتا ہے۔ اہل اللہ کا ایک آنسو جو توبۃ النصوح کے وقت نکلتا ہے۔ ہَوا و ہوس کے بندے اور رِیاکار اور ظُلمتوں کے گرفتار کے ایک دریا بہا دینے سے افضل اور اعلیٰ ہے، کیونکہ وُہ خدا کے لیے ہے۔ اور یہ خلق کے لیے یا اپنے نفس کے واسطے۔

اِس بات کو کبھی اپنے دل سے محو نہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے حضور اخلاص اور راستبازی کی قدر ہے تکلف اور بناوٹ اُس کے حضُور کچھ کام نہیں دے سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصُول کے ذرائع

اب اگر یہ سوال ہو کہ پھر اس درجہ کے حصُول کے لیے کیا کیا جاتے اور قرآن کریم نے اس درجہ پر پہنچنے کا کیا ذریعہ بتایا ہے، ؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو باتیں اس کے لیے بطور اصُول کے رکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ دُعا کرو۔ یہ سچی بات ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۹) انسان کمزور مخلُوق ہے۔ وُہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم کے بُدوں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا وجُود اور اس کی پرورش اور بقاء کے سامان سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہیں۔ احمق ہے وہ انسان جو اپنی عقل و دانش یا اپنے مال و دولت پر ناز کرتا ہے، کیونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے۔ وُہ کہاں سے لایا؟ اور دُعا کے لیے یہ ضروری بات ہے کہ انسان اپنے ضُعف اور کمزوری کا پورا خیال اور تصوّر کرے۔ جُوں جُوں وہ اپنی کمزوری پر غور کرے گا، اسی قدر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج پائے گا اور اس طرح پر دُعا کے لیے اس کے اندر ایک جوش پیدا ہو گا۔ جیسے انسان جب مصیبت میں مُبتلا ہوتا ہے اور دُکھ یا تنگی محسوس کرتا ہے، تو بڑے زور کے ساتھ پُکارتا اور چلّاتا ہے اور دُوسرے سے مدد مانگتا ہے۔ اسی طرح اگر وُہ اپنی کمزوریوں اور لغزشوں پر غور کرے گا اور اپنے آپ کو ہر آن اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج پائے گا، تو اُس کی رُوح پورے جوش اور درد

سے بے قرار ہو کر آستانۂ الوہیت پر گرے گی اور چلّائے گی اور یارب یارب کہہ کر پکارے گی۔ غور سے قرآن کریم کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ پہلی ہی سورت میں اللہ تعالیٰ نے دُعا کی تعلیم دی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (الفاتحہ: ۶-۷)

دُعا تب ہی جامع ہو سکتی ہے کہ وُہ تمام منافع اور مفاد کو اپنے اندر رکھتی ہو اور تمام نقصانوں اور مضرتوں سے بچاتی ہو۔ پس اس دُعا میں بہترین منافع جو ہو سکتے ہیں اور ممکن ہیں وُہ اس دُعا میں مطلوب ہیں اور بڑی سے بڑی نقصان رساں چیز جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اُس سے بچنے کی دُعا ہے۔

منعم علیہ گروہ کی چار اقسام

میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ اوّل نبی۔ دوم صدیق۔ سوم شہید، چہارم صالحین۔ پس اس دُعا میں گویا ان چاروں گروہوں کے کمالات کی طلب ہے۔

نبی

نبیوں کا عظیم الشان کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے خبریں پاتے ہیں؛ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ لَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (الجن: ۲۷، ۲۸) یعنی خدا تعالیٰ کے غیب کی باتیں کسی دوسرے پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہاں اپنے نبیوں میں سے جس کو وُہ پسند کرے، جو لوگ نبوت کے کمالات سے حصّہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو قبل از وقت آنے والے واقعات کی اطلاع دیتا ہے اور یہ بہت بڑا عظیم الشان نشان خدا کے مامور اور مرسلوں کا ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہیں۔ پیش گوئی بہت بڑا معجزہ ہے۔ تمام کُتبِ سابقہ اور قرآن کریم سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ پیشگوئی سے بڑھ کر کوئی نشان نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل اور دائمی معجزات

نادان اور بد اندیش مخالفوں نے اس علم پر بھی غور نہیں کیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر اعتراض کیا ہے۔ مگر افسوس ہے اُن آنکھ بند کر کے اعتراض کرنے والوں کو یہ معلوم نہ ہوا کہ جس قدر معجزات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے ہیں۔ دُنیا میں کُل نبیوں کے معجزات کو بھی اگر اُن کے مقابلہ میں رکھیں، تو میں ایمان سے کہتا ہوں کہ ہمارے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بڑھ کر ثابت ہوں گے۔ قطع نظر اس بات کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے اور قیامت تک اور اس کے بعد تک کی پیشگوئیاں اس میں موجود ہیں۔ سب سے بڑھ کر ثبوت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا یہ ہے کہ ہر زمانہ میں اُن پیشگوئیوں کا زندہ ثبوت دینے والا موجود ہوتا ہے؛ چنانچہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور نشان کھڑا کیا اور پیشگوئیوں کا ایک عظیم الشان نشان مجھے دیا تا میں اُن لوگوں کو جو حقائق سے بے بہرہ اور معرفت الٰہی سے بے نصیب ہیں۔ روزِ روشن کی طرح دکھا دُوں کہ ہمارے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کیسے مستقل اور دائمی ہیں۔

زندہ رسُول ابدالآباد کیلئے صرف محمد رسُول اللہؐ ہی ہیں

کیا بنی اسرائیل کے بقیۃ یہود یا حضرت مسیح علیہ السلام کو خداوند خداوند پکارنے والے عیسائیوں میں کوئی ہے جو ان نشانات میں میرا مقابلہ کرے۔ میں پکار کر کہتا ہوں کہ کوئی بھی نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ پھر یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداری معجزہ نمائی کی قوت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ نبی متبوع کے معجزات ہی وہ معجزات کہلاتے ہیں، جو اس کے کسی متبع کے ہاتھ پر سرزد ہوں۔ پس جو نشانات خوارقِ عادات مجھے دیئے گئے ہیں۔ جو پیشگوئیوں کا عظیم الشان نشان مجھے عطا ہوا ہے۔ یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ معجزات ہیں۔ اور کسی دُوسرے نبی کے مُتبع کو یہ آج فخر نہیں ہے کہ وُہ اس طرح پر دعوت کر کے ظاہر کر دے کہ وہ بھی اپنے اندر اپنے ہی متبوع کی قُدسی قوت کی وجہ سے خوارق دکھا سکتا ہے۔ یہ فخر صرف اسلام کو ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ رسُول ابدالآباد کے لیے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں، جن کے انفاسِ طیبہ اور قوتِ قُدسیہ کے طفیل سے ہر زمانہ میں ایک مردِ خدا خدا نمائی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔

نبی کا سب سے بڑا کمال، اظہار علی الغیب

غرض بات تو یہ تھی کہ اسی دُعا میں نبیوں کے کمالات سے حصّہ لینے کی بھی دُعا ہے، کیونکہ منعم علیہ گروہ میں سب کا سردار انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہے اور اُس کے کمالات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اُن پر غیب کی باتیں جن کو پیش گوئیاں بھی کہتے ہیں، ظاہر کی جاتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس دُعا میں درحقیقت پیشگوئیاں مانگنے کی دُعا نہیں ہے۔ بلکہ اس مرتبہ کے حصول کی ہی دُعا ہے جہاں پہنچ کر پیش گوئی کرتا ہے۔ پیش گوئی کا مقام اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کے قرب کے بدُوں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وُہ مقام ہوتا ہے جہاں وہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم: ۴) کا مصداق ہوتا ہے اور یہ درجہ تب ملتا ہے جب دَنَا فَتَدَلّٰى (النجم: ۹) کے مقام پر پہنچے۔ جب تک ظلّی طور پر اپنی انسانیت کی چادر کو پھینک کر اُلوہیت کی چادر کے نیچے اپنے آپ کو نہ چھپائے۔ یہ مقام اسے کب مِل سکتا ہے۔ یہ وُہ مقام ہے جہاں بعض سلوک کی منزلوں سے ناواقف صُوفیوں نے آکر ٹھوکر کھائی ہے اور اپنے آپ کو وہ خدا سمجھ بیٹھے ہیں اور اُن کی اِس ٹھوکر سے ایک خطرناک غلطی پھیلی ہے، جس نے بہتوں کو ہلاک کر ڈالا اور وُہ وحدتِ وجود کا مسئلہ ہے جس کی حقیقت سے یہ لوگ ناواقفِ محض ہوتے ہیں۔

میرا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کے درجہ پر جب تک انسان نہ پہنچے۔ اس وقت تک اُسے پیشگوئی کی قوت نہیں مِل سکتی۔ اور یہ درجہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے، جبکہ انسان قُربِ الٰہی حاصل کرے۔ قُربِ الٰہی کے لیے یہ ضروری بات ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ پر عمل ہو، کیونکہ جبتک اللہ تعالیٰ کی صفات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اُن کی عزت نہ کرے گا اور اُن کا پَرتَو اپنی حالت اور اخلاق سے نہ دکھائے۔ وُہ خدا

کے حضور کیونکر جا سکتا ہے۔ مثلاً خدا کی ایک صفت قُدُّوس ہے۔ پھر ایک ناپاک، غلیظ، ہر قسم کے فسق و فجور کی ناپاکی میں مُبتلا انسان اللہ تعالیٰ کے حضور کیونکر جا سکتا ہے اور وُہ خدا تعالیٰ سے تعلق کیونکر پیدا کر سکتا ہے۔

غرض اس دُعا میں اوّل منعم علیہ گروہ کے کمالِ مراتب کے حصول کی دُعا ہے۔ پس جبتک انسان اپنے اندرونی سلسلۂ خیالات کو چھوڑ کر اَنَا الْمَوْجُوْد کی آواز نہ سُنے دعاؤں میں لگا رہے۔ یہ کمالِ تام کا درجہ ہوتا ہے۔

صدّیق پھر دُوسرا مرتبہ صدّیق کا ہے۔ صدقِ کامل اس وقت تک جذب نہیں ہوتا جب تک توبۃ النصوح کے ساتھ صدق کو نہ کھینچے۔ قرآنِ کریم تمام صداقتوں کا مجموعہ اور صدقِ تام ہے۔ جب تک خود صادق نہ بنے۔ صدق کے کمال اور مراتب سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔

صدّیق کے مرتبہ پر قرآن کریم کی معرفت اور اس سے محبت اور اس کے نکات و حقائق پر اطلاع ملتی ہے، کیونکہ کذب کذب کو کھینچتا ہے، اس لیے کبھی بھی کاذب قرآنی معارف اور حقائق سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: ۸۰)۔ فرمایا گیا ہے۔

شہید پھر تیسرا مرتبہ شہید کا ہے۔ عام لوگوں نے شہید کے معنی صرف یہی سمجھ رکھے ہیں کہ جو شخص لڑائی میں مارا گیا یا دریا میں ڈوب گیا یا وبا میں مر گیا وغیرہ۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اسی پر اکتفا کرنا اور اسی حد تک اس کو محدود رکھنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ شہید اصل میں وہ شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے اِستقامت اور سکینت کی قوت پاتا ہے۔ اور کوئی زلزلہ اور حادثہ اس کو متغیر نہیں کر سکتا۔ وُہ مصیبتوں اور مشکلات میں سینہ سپر رہتا ہے۔ یہانتک کہ اگر محض خدا تعالیٰ کے لیے اُس کو جان بھی دینی پڑے تو فوق العادت استقلال اُس کو ملتا ہے اور وُہ بُدوں کسی قسم کا رنج یا حسرت محسوس کیے اپنا سر رکھ دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ بار بار مجھے زندگی ملے اور بار بار اس کو اللہ کی راہ میں دُوں۔ ایک ایسی لذّت اور سُرور اس کی رُوح میں ہوتا ہے کہ ہر تلوار جو اُس کے بدن پر پڑتی ہے اور ہر ضرب، جو اس کو پیس ڈالے، اُس کو پہنچتی ہے۔ وُہ اُس کو ایک نئی زندگی، نئی مسرت اور تازگی عطا کرتی ہے۔ یہ ہیں شہید کے معنی۔

پھر یہ لفظ شہد سے بھی نکلا ہے۔ عبادتِ شاقّہ جو لوگ برداشت کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں ہر ایک تلخی اور کدورت کو جھیلتے ہیں اور جھیلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وُہ شہد کی طرح ایک شیرینی اور حلاوت پاتے ہیں۔ اور جیسے شہد فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (النحل: ۷۰) کا مصداق ہے۔ یہ لوگ بھی ایک تریاق ہوتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں آنے والے بہت سے امراض سے نجات پا جاتے ہیں۔

اور پھر شہید اس درجہ اور مقام کا نام بھی ہے جہاں انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا کم از کم خدا کو دیکھتا ہوا یقین کرتا ہے۔ اس کا نام احسان بھی ہے۔

صالح چوتھا درجہ صالحین کا ہے۔ جن کو موادِ ردّیہ سے صاف کر دیا گیا ہے اور اُن کے قلوب صاف ہو گئے ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جبتک موادِ ردّیہ دُور نہ ہوں اور سوءِ مزاج رہے، تو منہ زبان تک کا بھی بگڑ جاتا ہے، تلخ معلوم دیتا ہے اور جب بدن میں پوری صلاحیت اور اصلاح ہو اس وقت ہر ایک شے کا اصل مزہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت میں ایک قسم کی لذت اور سُرور اور چستی اور چالاکی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پر جب انسان گناہ کی ناپاکی میں مُبتلا ہوتا ہے اور رُوح کا قوام بگڑ جاتا ہے تو رُوحانی قوتیں کمزور ہونی شروع ہو جاتی ہیں، یہانتک کہ عبادات میں مزہ نہیں رہتا۔ طبیعت میں ایک گھبراہٹ اور پریشانی پائی جاتی ہے۔ لیکن جب موادِ ردّیہ جو گناہ کی زندگی سے پیدا ہوئے تھے، توبۃ النصوح کے ذریعہ خارج ہونے لگیں تو رُوح میں وہ اضطراب اور بے چینی کم ہونے لگتی ہے۔ یہانتک کہ آخر ایک سکون اور تسلی ملتی ہے۔ پہلے جو گناہ کی طرف قدم اُٹھانے میں راحت محسوس ہوتی تھی اور پھر اُسی فعل میں جو نفس کی خواہش کا نتیجہ ہوتا تھا اور بھٹکنے میں خوشی ملتی تھی۔ اب اس طرف جھکتے ہوئے دکھ اور رنج معلوم ہوتا ہے۔ رُوح پر ایک لرزہ پڑ جاتا ہے۔ اگر اس تاریک زندگی کا دھیما تصور بھی آجائے اور پھر عبادات میں ایک لُطف، ذوق، جوش اور شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ رُوحانی قویٰ جو گناہ آمیز زندگی سے مُردہ ہو چکے تھے، اُن کا نشو ونما شروع ہوتا ہے اور اخلاقی طاقتیں اپنا ظہور کرتی ہیں۔

یہ چار چیزیں ہیں۔ جن کے لیے ہر انسان دنیا میں مامور کیا گیا ہے اور اس کے حصول کے لیے دُعا ہی ایک زبردست ذریعہ ہے اور ہم کو موقع دیا گیا ہے کہ پانچ وقت اُن مراتب کو مانگیں، لیکن یہاں ایک اور مشکل ہے کہ اگرچہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) فرمایا اور کہا گیا ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ: ۱۸۷) اور قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعاؤں کو سنتا ہے اور وُہ بہت ہی قریب ہے۔

قبولیتِ دُعا کے آداب لیکن اگر خدا تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا لحاظ نہ کیا جائے اور دُعا کی جائے، تو وُہ کچھ بھی اثر نہیں رکھتی۔ صرف اس ایک راز کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ معلوم نہ کرنے کی وجہ سے دُنیا ہلاک ہو رہی ہے۔ مَیں نے بہت لوگوں کو کہتے سُنا ہے کہ ہم نے بہت دُعائیں کیں اور ان کا نتیجہ کچھ نہیں ہوا۔ اور اس نتیجہ نے اُن کو دہریہ بنا دیا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہر امر کے لیے کچھ قواعد اور قوانین ہوتے ہیں۔ ایسا ہی دُعا کے واسطے قواعد و قوانین مقرر ہیں۔ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہماری دُعا قبول نہیں ہوئی، اس کا باعث یہی ہے کہ وہ ان قواعد اور مراتب کا لحاظ نہیں رکھتے جو قبولیتِ دُعا کے واسطے ضروری ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب ایک لاانتہا اور بیش بہا خزانہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس کو پا سکتا ہے اور لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کبھی بھی جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو قادر خدا مان کر یہ تجویز کریں کہ جو کچھ اس نے

ہمارے سامنے رکھا ہے اور جو ہمیں دکھایا ہے یہ محض سراب اور دھوکا ہے۔ ایسا وہم بھی انسان کو ہلاک کر سکتا ہے نہیں۔ بلکہ ہر ایک اس خزانہ کو لے سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ ہر ایک کو یہ خزانے دے سکتا ہے پھر بھی اس میں کمی نہیں آسکتی۔

غرض وہ تو ہم کو نبوت کے کمالات تک دینے کو تیار ہے، لیکن ہم اس کے لینے کی بھی سعی کریں پس یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ اور دھوکا ہے جو اس پیرایہ میں دیا جاتا ہے کہ دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اصل یہی ہے کہ وہ دعا قبولیت کے آداب اور اسباب سے محض خالی ہے۔ پھر آسمان کے دروازے اس کے لیے نہیں کھلتے۔ سُنو! قرآن شریف نے کیا کہا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدہ: ۲۸) اللہ تعالیٰ متقیوں کی دُعائیں قبول کرتا ہے۔ جو لوگ متقی نہیں ہیں، ان کی دُعائیں قبولیت کے لباس سے ننگی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمانیت ان لوگوں کی پرورش میں اپنا کام کر رہی ہے۔

متقی کی بعض دُعاؤں کے حسبِ منشا پُورا نہ ہونے کی حکمت

دُعاؤں کی قبولیت کا فیض ان لوگوں کو ملتا ہے، جو متقی ہوتے ہیں۔ اب میں بتاؤں گا کہ متقی کون ہوتے ہیں، مگر ابھی میں ایک اور شبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ جو متقی ہوتے ہیں۔ بظاہر اُن کی بعض دُعائیں اُن کے حسب منشا پُوری نہیں ہوتی ہیں، یہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان لوگوں کی کوئی بھی دُعا درحقیقت ضائع نہیں کی جاتی، لیکن چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اور وُہ نہیں جانتا کہ اس دُعا کے نتائج اس کے حق میں کیا اثر پیدا کرنے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کمال شفقت اور مہربانی سے اس دُعا کو اپنے بندہ کے لیے اس صورت میں منتقل کر دیتا ہے، جو اس کے واسطے مفید اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ جیسے ایک نادان بچہ سانپ کو ایک خوبصورت اور نرم شے سمجھ کر پکڑنے کی جرأت کرے یا آگ کو روشن دیکھ کر اپنی ماں سے مانگ بیٹھے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ وُہ ماں خواہ وُہ کیسی ہی نادان سے نادان بھی کیوں نہ ہو۔ کبھی پسند کرے گی کہ اُس کا بچہ سانپ کو پکڑے یا اپنی خواہش کے موافق آگ کا ایک روشن کوئلہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ اُس کی زندگی کو گزند پہنچائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب اور عالم الکُل ہے اور مہربان ماں سے بھی زیادہ رحیم کریم ہے اور ماں کے دل میں بھی یہ رأفت اور محبت اُسی نے ڈالی ہے وہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ اس کا عزیز بندہ اپنی کمزوری اور غلطی اور نادانی کی وجہ سے کسی ایسی چیز کے لیے دُعا کر بیٹھے جو اُس کے حق میں مضرت بخش ہے تو وہ اُس کو فی الفور منظور کرلے۔ نہیں بلکہ وہ اس کو رَدّ کر دیتا ہے اور اس کے بجائے اس سے بھی بہتر اُس کو عطا کرتا ہے اور وہ یقیناً سمجھ لیتا ہے کہ یہ میری فلاں دُعا کا اثر اور نتیجہ ہے۔ اپنی غلطی پر بھی اس کو اطلاع ملتی ہے۔ غرض یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ متقیوں کی بھی بعض دُعا قبول نہیں ہوتی۔ نہیں اُن کی تو ہر دُعا قبول ہوتی ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی کمزوری اور نادانی

کی وجہ سے کوئی ایسی دُعا کر بیٹھیں جو ان کے لیے عُمدہ نتائج پیدا کرنے والی نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس دُعا کے بدلہ میں اُن کو وہ چیز عطا کرتا ہے، جو اُن کی شے مطلوبہ کا نعم البدل ہو۔

مُتقی کون ہوتے ہیں؟

اب اس کے بعد پھر میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ مُتقی کون ہوتے ہیں؟

درحقیقت متقیوں کے واسطے بڑے بڑے وعدے ہیں اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ولی ہوتا ہے۔ جھوٹے ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ ہم مقربِ بارگاہِ الٰہی ہیں اور پھر متقی نہیں ہیں بلکہ فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ایک ظلم اور غضب کرتے ہیں جبکہ وہ ولایت اور قربِ الٰہی کے درجہ کو اپنے ساتھ منسوب کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ متقی ہونے کی شرط لگا دی ہے۔

نصرت

پھر ایک اور شرط لگاتا ہے یا یہ کہو متقیوں کا ایک نشان بتاتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اُن کی نصرت کرتا ہے جو متقی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا ثبوت اس کی نصرت ہی سے ملتا ہے۔ پہلا دروازہ ولایت کا ویسے بند ہوا۔ اب دُوسرا دروازہ معیت اور نصرتِ الٰہی کا اس پر بند ہوا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نصرت کبھی بھی ناپاکوں اور فاسقوں کو نہیں مل سکتی۔ اس کا انحصار تقویٰ ہی پر ہے۔ خدا کی اعانت متقی ہی کے لیے ہے۔

معاشی وسعت

پھر ایک اور راہ ہے کہ انسان مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور حاجات مختلف رکھتا ہے۔ اُن کے حل اور روا ہونے کے لیے بھی تقویٰ ہی کو اصول قرار دیا ہے۔ معاش کی تنگی اور دوسری تنگیوں سے راہِ نجات تقویٰ ہی ہے۔ فرمایا۔ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطّلاق: ۳،۴) خدا متقی کے لیے ہر مشکل میں ایک مخرج پیدا کر دیتا ہے اور اس کو غیب سے اُس سے مخلصی پانے کے اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ اُس کو ایسے طور سے رزق دیتا ہے کہ اُس کو پتہ بھی نہ لگے۔

اب غور کر کے دیکھ لو کہ انسان اس دُنیا میں چاہتا کیا ہے۔ انسان کی بڑی سے بڑی خواہش دنیا میں یہی ہے کہ اس کو سُکھ اور آرام ملے اور اُس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ مقرر کی ہے جو تقویٰ کی راہ کہلاتی ہے اور دوسرے لفظوں میں اُس کو قرآن کریم کی راہ کہتے ہیں اور یا اس کا نام صِرَاطِ مُستقیم رکھتے ہیں۔

کفّار کے مال و دولت

کوئی یہ نہ کہے کہ کفّار کے پاس بھی مال و دولت اور املاک ہوتے ہیں اور وہ اپنی عیش و عشرت میں مہمک اور مست رہتے ہیں۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ وُہ دُنیا کی آنکھ میں بلکہ ذلیل دنیاداروں اور ظاہر پرستوں کی آنکھ میں خوش معلوم دیتے ہیں، مگر درحقیقت وہ ایک جلن اور دُکھ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تم نے اُن کی صُورت کو دیکھا ہے مگر میں ایسے لوگوں کے قلب پر نگاہ کرتا ہوں۔

وہ ایک سعیر اور سلاسل و اغلال میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جیسے فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا (الدھر: ۵) وہ نیکی کی طرف آ ہی نہیں سکتے۔ وہ ایسے اغلال ہیں کہ خدا کی طرف اُن اغلال کی وجہ سے ایسے دبے پڑے ہیں کہ حیوانوں اور بہائم سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی آنکھ ہر وقت دُنیا کی طرف ہی لگی رہتی ہے اور زمین کی طرف جھکتے جاتے ہیں۔ پھر اندر ہی اندر ایک سوزش اور جلن بھی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر مال میں کمی ہو جائے یا حسب مراد تدبیر میں کامیابی نہ ہو تو کُڑھتے اور جلتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات سودائی اور پاگل ہو جاتے ہیں یا عدالتوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ یہ واقعی بات ہے کہ بے دین آدمی سعیر سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کو قرار اور سکون نصیب نہیں ہوتا، جو راحت اور تسلی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیسے شرابی ایک جام شراب پی کر ایک اور مانگتا ہے اور مانگتا ہی جاتا ہے اور ایک جلن سی لگی رہتی ہے۔ ایسا ہی دُنیا دار بھی سعیر میں ہے۔ اس کی آتش آزایک دم بھی بجھ نہیں سکتی۔ سچی خوشحالی حقیقت میں ایک متقی ہی کے لیے ہے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

سچی خوشحالی

متقی سچی خوشحال ایک جھونپڑی میں پا سکتا ہے، جو دُنیا دار اور حرص و آز کے پرستار کو رفیع الشان قصر میں بھی نہیں مل سکتی۔ جس قدر دنیا زیادہ ملتی ہے، اسی قدر بلائیں زیادہ سامنے آجاتی ہیں۔ پس یاد رکھو کہ حقیقی راحت اور لذت دُنیا دار کے حصہ میں نہیں آئی۔ یہ مت سمجھو کہ مال کی کثرت عمدہ عمدہ لباس اور کھانے کسی خوشی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں، بلکہ اُس کا مدار ہی تقویٰ پر ہے۔

زبان کی حفاظت

جبکہ اِن ساری باتوں سے معلوم ہو گیا کہ سچے تقویٰ کے بغیر کوئی راحت اور خوشی مل ہی نہیں سکتی، تو معلوم کرنا چاہیے کہ تقویٰ کے بہت سے شعبے ہیں جو عنکبوت کے تاروں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ تقویٰ تمام جوارح انسانی اور عقائد زبان اخلاق وغیرہ سے متعلق ہے۔ نازک ترین معاملہ زبان سے ہے۔ بسا اوقات تقویٰ کو دُور کر کے ایک بات کہتا ہے اور دل میں خوش ہو جاتا ہے کہ میں نے یوں کہا اور ایسا کہا؛ حالانکہ وُہ بات بُری ہوتی ہے۔ مجھے اس پر ایک نقل یاد آئی ہے کہ ایک بزرگ کی کسی دُنیا دار نے دعوت کی۔ جب وہ بزرگ کھانا کھانے کے لیے تشریف لے گئے تو اس متکبر دُنیا دار نے اپنے نوکر کو کہا کہ فلاں مٹھائی لانا جو ہم پہلے حج میں لائے تھے اور پھر کہا دوسرا مٹھائی بھی لانا جو دُوسرے حج میں لائے تھے اور پھر کہا کہ تیسرے حج والا بھی لیتے آنا۔ اُس بزرگ نے فرمایا کہ تُو تو بہت ہی قابلِ رحم ہے۔ ان تین فقروں میں تُو نے اپنے تین ہی حجوں کا ستیاناس کر دیا۔ تیرا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ تو اِس امر کا اظہار کرے کہ تُو نے تین حج کیے ہیں۔ اس لیے خدا نے تعلیم دی ہے کہ زبان کو سنبھال کر رکھا جائے اور بے معنی، بیہودہ، بے موقع غیر ضروری باتوں سے احتراز کیا جائے۔

دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی تعلیم دی ہے۔ اب ممکن تھا کہ انسان اپنی قوت پر بھروسہ کر لیتا اور خُدا

سے دُور ہو جاتا، اس لیے ساتھ ہی اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تعلیم دے دی کہ یہ مت سمجھو کہ یہ عبادت جو میں کرتا ہوں اپنی قوت اور طاقت سے کرتا ہوں، ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی استعانت جبتک نہ ہو اور خود وہ پاک ذات جبتک توفیق اور طاقت نہ دے، کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور پھر اِیَّاکَ اَعْبُدُ یا اِیَّاکَ اَسْتَعِیْنُ نہیں کہا۔ اس لیے کہ اس میں نفس کے تقدم کی بُو آتی تھی اور یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ تقویٰ والا کُل انسانوں کو لیتا ہے۔ زبان سے ہی انسان تقویٰ سے دُور چلا جاتا ہے۔ زبان سے تکبر کر لیتا ہے اور زبان سے ہی فرعونی صفات آجاتی ہیں اور اسی زبان کی وجہ سے پوشیدہ اعمال کو ریاکاری سے بدل لیتا ہے اور زبان کا زیاں بہت جلد پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص ناف کے نیچے کے عُضو اور زبان کو شر سے بچاتا ہے اس کی بہشت کا ذمہ دار میں ہوں۔ حرام خوری اس قدر نقصان نہیں پہنچاتی جیسے قولِ زُور۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حرام خوری اچھی چیز ہے۔ یہ سخت غلطی ہے، اگر کوئی ایسا سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو اضطراراً سؤر کھالے، تو یہ امرِ دیگر ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی زبان سے خنزیر کا فتویٰ دیدے تو وُہ اسلام سے دور نکل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال ٹھہراتا ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ زبان کا زیاں خطرناک ہے۔ اس لیے متقی اپنی زبان کو بہت ہی قابو میں رکھتا ہے۔ اس کے مُنہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی، جو تقویٰ کے خلاف ہو۔ پس تم اپنی زبان پر حکومت کرو۔ نہ یہ کہ زبانیں تم پر حکومت کریں اور آپ شتاپ بولتے رہو۔

ہر ایک بات کہنے سے پہلے سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت اُس کے کہنے میں کہاں تک ہے۔ جبتک یہ نہ سوچ لو مت بولو۔ ایسے بولنے سے جو شرارت کا باعث اور فساد کا موجب ہو، نہ بولنا بہتر ہے، لیکن یہ بھی مومن کی شان سے بعید ہے کہ امرِ حق کے اظہار میں رُکے۔ اس وقت کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور خوف زبان کو نہ روکے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان کیا، تو اپنے پرائے سب کے سب دشمن ہو گئے، مگر آپؐ نے ایک دم بھر کے لیے کبھی کسی کی پروا نہیں کی۔ یہاں تک کہ جب ابُوطالب آپؐ کے چچا نے لوگوں کی شکایتوں سے تنگ آکر کہا۔ اُس وقت بھی آپؐ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ مَیں اس کے اظہار سے نہیں رُک سکتا۔ آپ کا اختیار ہے، میرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔

پس زبان کو جیسے خدا تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف کسی بات کے کہنے سے روکنا ضروری ہے۔ اسی طرح امرِ حق کے اظہار کے لیے کھولنا لازمی امر ہے۔ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران: ۱۱۵) مومنوں کی شان ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنی عملی حالت سے ثابت کر دکھائے کہ وُہ اس قوت کو اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ اس سے پیشتر کہ وہ دُوسروں پر اپنا اثر ڈالے اس کو اپنی حالت اثر انداز بھی تو بنانی ضروری ہے۔ پس یاد رکھو کہ زبان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی مت روکو۔ ہاں محل اور موقع کی شناخت بھی ضروری ہے اور اندازِ بیان ایسا ہونا چاہیے جو نرم ہو اور سلاست اپنے اندر رکھتا ہو اور ایسا ہی تقویٰ کے خلاف

بھی زبان کا کھولنا سخت گناہ ہے۔

قرآنِ کریم کی علّتِ غائی تقویٰ ہے

پھر دیکھو کہ تقویٰ ایسی اعلیٰ درجہ کی ضروری شے قرار دیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کی علّتِ غائی اسی کو ٹھہرایا ہے؛ چنانچہ دُوسری سُورۃ کو جب شروع کیا ہے، تو یُوں ہی فرمایا ہے: اَلٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ ۱:۳) میرا مذہب یہی ہے کہ قرآنِ کریم کی یہ ترتیب بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں عِلَلِ اربعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ علّتِ فاعلی، مادی، صوری، غائی۔ ہر ایک چیز کے ساتھ یہ چار ہی عِلل ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم نہایت اکمل طور پر اُن کو دکھاتا ہے۔ اَلٓمّٓ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت جاننے والا ہے۔ اس کلام کو حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ یعنی خدا اس کا فاعل ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یہ مادہ بتایا۔ یا یہ کہو کہ یہ علّتِ مادی ہے۔ علّتِ صوری لَا رَيْبَ فِيْهِ ہر ایک چیز میں شک و شُبہ اور ظنُونِ فاسدہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآنِ کریم ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی رَیب نہیں ہے۔ لارَیب اسی کے لیے ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی شان یہ بتائی ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ تو ہر ایک سلیم الفطرت اور سعادت مند انسان کی رُوح اُچھلے گی اور خواہش کرے گی کہ اُس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی اَعلیٰ اور اَصفیٰ شان کو دُنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا؛ ورنہ قرآن شریف کی خُوبیاں اور اس کے کمالات، اس کا حُسن اپنے اندر ایک ایسی کشش اور جذب رکھتا ہے کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اس کی طرف چلے آئیں۔ مثلاً اگر ایک خوشنما باغ کی تعریف کی جاوے اور اُس کے خوشبودار درختوں اور دل کو تر و تازہ کرنے والی بُوٹیوں اور رَوشوں اور مصفا پانی کی بہتی ہوئی ندیوں اور نہروں کا تذکرہ کیا جاوے، تو ہر ایک شخص کا دل چاہے گا کہ اس کی سیر کرے اور اس سے حظ اٹھاوے۔ اور اگر یہ بھی بتایا جاوے کہ اُس میں بعض چشمے ایسے جاری ہیں، جو امراضِ مُزمنہ اور مُہلکہ کو شفا دیتے ہیں تو اور بھی زیادہ جوش اور طلب کے ساتھ لوگ وہاں جائیں گے۔ اسی طرح پر قرآن شریف کی خُوبیوں اور کمالات کو اگر نہایت ہی خُوب صُورت اور مؤثر الفاظ میں بیان کیا جاوے، تو رُوح پُورے جوش کے ساتھ اُس کی طرف دوڑتی ہے۔

قرآنی علوم کے انکشاف کے لیے تقویٰ شرط ہے

اور حقیقت میں رُوح کی تسلّی اور سیری کا سامان اور وُہ بات جس سے رُوح کی حقیقی احتیاج پُوری ہوتی ہے۔ قرآن کریم ہی میں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور دُوسری جگہ کہا لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ: ۸۰) اس سے مُراد وہی متقین ہیں جو ہُدًی للمتقین میں بیان ہوئے ہیں۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ قرآنی علوم کے انکشاف کے لیے تقویٰ شرط ہے۔ علومِ ظاہری اور علومِ قرآنی کے حصُول کے درمیان ایک عظیم الشان فرق ہے۔ دینوی اور رسمی علوم کے حاصل کرنے کے واسطے تقویٰ شرط نہیں ہے۔ صرف و نحو۔

طبعی، فلسفہ، ہیئت و طبابت پڑھنے کے واسطے یہ ضروری امر نہیں ہے کہ وہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور امرِ الٰہی اور نواہی کو ہر وقت مدِنظر رکھتا ہو۔ اپنے ہر قول و فعل کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکومت کے نیچے رکھے۔ بلکہ بسا اوقات عموماً دیکھا گیا ہے کہ دُنیوی علوم کے ماہر اور طلبگار دہریہ منش ہو کر ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آج دنیا کے سامنے ایک زبردست تجربہ موجود ہے۔ یورپ اور امریکہ باوجودیکہ وہ لوگ ارضی علوم میں بڑی بڑی ترقیاں کر رہے ہیں اور آئے دن نئی ایجادات کرتے رہتے ہیں، لیکن اُن کی رُوحانی اور اخلاقی حالت بہت ہی قابلِ شرم ہے۔ لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں کے حالات جو کچھ شائع ہوتے ہیں ہم تو اُن کا ذکر بھی نہیں کر سکتے۔ مگر علومِ آسمانی اور اسرارِ قرآنی کی واقفیت کے لیے تقویٰ پہلی شرط ہے۔ اس میں توبۃ النصوح کی ضرورت ہے۔ جبتک انسان پُوری فروتنی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ اُٹھالے۔ اور اس کے جلال و جبروت سے لرزاں ہو کر نیازمندی کے ساتھ رجُوع نہ کرے، قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھُل سکتا اور رُوح کے ان خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان اُس کو قرآن شریف سے نہیں مِل سکتا جس کو پاکر رُوح میں ایک لذت اور تسلی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اُس کے علوم خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ پس اس کے لیے تقویٰ بطور نردبان کے ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بے ایمان، شریر، خبیث النفس، ارضی خواہشوں کے اسیر اُن سے بہرہ ور ہوں۔ اس واسطے اگر ایک مُسلمان مسلمان کہلا کر خواہ وہ صرف و نحو، معانی و بدیع وغیرہ علوم کا کتنا ہی بڑا فاضل کیوں نہ ہو۔ دُنیا کی نظر میں شیخ الکُل فی الکُل بنا بیٹھا ہو، لیکن اگر تزکیۂ نفس نہیں کرتا، تو قرآن شریف کے علوم سے اس کو حصّہ نہیں دیا جاتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت دُنیا کی توجہ اَرضی علوم کی طرف بہت جُھکی ہوئی ہے اور مغربی روشنی نے تمام عالم کو اپنی نئی ایجادوں اور صنعتوں سے حیران کر رکھا ہے۔ مُسلمانوں نے بھی اگر اپنی فلاح اور بہتری کی کوئی راہ سوچی، تو بدقسمتی سے یہ سوچی ہے کہ وہ مغرب کے رہنے والوں کو اپنا امام بنالیں اور یورپ کی تقلید پر فخر کریں۔ یہ تو نئی روشنی کے مسلمانوں کا حال ہے۔ جو لوگ پُرانے فیشن کے مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو حامیٔ دینِ متین سمجھتے ہیں۔ اُن کی ساری عُمر کی تحصیل کا خلاصہ اور لُبِّ لباب یہ ہے کہ صَرف و نحو کے جھگڑوں اور الجھیڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ضَالِّیْن کے تلفظ پر مرمٹے ہیں۔ قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں اور ہو کیونکر جبکہ وہ تزکیہ نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

ہاں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تزکیہ نفس کے دعوے کرتا ہے۔ وہ صُوفیوں اور سجادہ نشینوں کا گروہ ہے، مگر ان لوگوں نے قرآن شریف کو تو چھوڑ دیا ہے اور اپنے ہی طریق اختراع کر لیے ہیں۔ کوئی چلّہ کشیاں کرتا ہے۔ کوئی اِلَّا اللّٰہُ کے نعرے مارتا ہے۔ کوئی نفی اثبات۔ توجہ۔ حبسِ دم وغیرہ میں مبتلا ہے۔ غرض ایسے طریقے نکالے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتے اور نہ قرآن شریف کا یہ منشا ہے اور نہ کبھی سلسلۂ نبوت نے ایسے طریقوں کو پسند کیا۔ غرض یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جبتک انسان ایک پاک تبدیلی نہیں کرتا اور نفس کا تزکیہ نہیں کرتا، قرآن شریف

کے معارف اور خوبیوں پر اطلاع نہیں ملتی۔ قرآن شریف میں وُہ نکات اور حقائق ہیں جو رُوح کی پیاس کو بُجھا دیتے ہیں۔ کاش دُنیا کو معلوم ہوتا کہ رُوح کی لذت کس چیز میں ہے اور پھر وُہ معلوم کرتی کہ وُہ قرآن شریف اور صرف قرآن شریف میں موجود ہے۔

اَبدال کون ہیں

دیکھو! جس جس قدر انسان تبدیلی کرتا جاتا ہے، اسی قدر وُہ ابدال کے زُمرہ میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ حقائقِ قرآنی نہیں کھُلتے، جبتک اَبدال کے زمرہ میں داخل نہ ہو۔ لوگوں نے ابدال کے معنے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے اور اپنے طور پر کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابدال وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اندر پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ سے اُن کے قلب گناہ کی تاریکی اور زنگ سے صاف ہو جاتے ہیں۔ شیطان کی حکومت کا استیصال ہو کر اللہ تعالیٰ کا عرش ان کے دل پر ہوتا ہے۔ پھر وُہ رُوح القدس سے قوت پاتے اور خدا تعالیٰ سے فیض پاتے ہیں۔ تم لوگوں کو مَیں بشارت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو اپنے اندر تبدیلی کرے گا، وُہ ابدال ہے۔ انسان اگر خدا کی طرف قدم اُٹھائے، تو اللہ تعالیٰ کا فضل دوڑ کر اس کی دستگیری کرتا ہے۔ یہ سچی بات ہے اور مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ چالاکی سے علُوم القرآن نہیں آتے۔ دماغی قوت اور ذہنی ترقی قرآنی علُوم کو جذب کرنے کا اکیلا باعث نہیں ہو سکتا۔ اصل ذریعہ تقویٰ ہی ہے متقی کا معلّم خدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر اُمّیت غالب ہوتی ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے اُمّی بھیجا گیا اور باوجودیکہ آپؐ نے نہ کسی مکتب میں تعلیم پائی اور نہ کسی کو اُستاد بنایا پھر آپؐ نے وہ معارف اور حقائق بیان کیے جنھوں نے دینوی علُوم کے ماہروں کو دَنگ اور حیران کر دیا۔ قرآن شریف جیسی پاک، اکمل کتاب آپؐ کے لبوں پر جاری ہوئی جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے عرب کو خاموش کرا دیا۔ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علُوم میں سب سے بڑھ گئے۔ وہ تقویٰ ہی تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہّر زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف جیسی کتاب وُہ لائے جس کے علُوم نے دُنیا کو حیران کر دیا۔

آپؐ کا اُمّی ہونا ایک نمونہ اور دلیل ہے اس امر کی کہ قرآنی علُوم یا آسمانی علُوم کے لیے تقویٰ مطلوب ہے نہ دینوی چالاکیاں۔

تلاوتِ قرآن کریم کی غرض

غرض قرآن شریف کی اصل غرض اور غایت دُنیا کو تقویٰ کی تعلیم دینا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہدایت کے منشاء کو حاصل کر سکے۔ اب اس آیت میں تقویٰ کے تین مراتب کو بیان کیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ (البقرہ: ۴) لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں، مگر طوطے کی طرح یُونہی بغیر سوچے سمجھے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ایک پنڈت اپنی پوتھی کو اندھا دُھند پڑھتا جاتا ہے۔ نہ خود سمجھتا ہے اور نہ سُننے والوں کو پتہ لگتا ہے۔ اسی طرح پر قرآن شریف

کی تلاوت کا طریق صرف یہ رہ گیا ہے کہ دو چار سپارے پڑھ لیے اور کچھ معلوم نہیں کہ کیا پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ سُر لگا کر پڑھ لیا اور ق اور ع کو پُورے طور پر ادا کر دیا۔ قرآن شریف کو عمدہ طور پر اور خوش الحانی سے پڑھنا بھی ایک اچھی بات ہے، مگر قرآن شریف کی تلاوت کی اصل غرض تو یہ ہے کہ اس کے حقائق اور معارف پر اطلاع ملے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر پیدا کرے۔

نظامِ قرآنی اور آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کے الفاظ کی ترتیب

یہ یاد رکھو کہ قرآن شریف میں ایک عجیب و غریب اور سچا فلسفہ ہے۔ اس میں ایک نظام ہے جس کی قدر نہیں کی جاتی۔ جب تک نظام اور ترتیب قرآنی کو مدِ نظر نہ رکھا جاوے اور اس پر پُورا غور نہ کیا جاوے، قرآن شریف کی تلاوت کے اغراض پُورے نہ ہوں گے۔ اگر یہ لوگ جو قرآن شریف کے قٓ اور عین اور ضاد پر لڑتے جھگڑتے ہیں اور ایک دُوسرے کی تفسیق پر مُنہ کھولتے ہیں۔

نظامِ قرآنی کی قدر کرتے، تو اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آلِ عمران: ۵۶) میں میرے ساتھ کیوں برسرِ پرخاش ہوتے جبکہ وُہ دیکھتے کہ قرآن شریف ایک ترتیب کے طور پر اُن واقعات کو بیان کرتا ہے جو خارجی طور پر اپنا ایک وجود رکھتے ہیں۔ کہ اے عیسیٰ۔ مَیں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ سوچنا چاہیئے تھا کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ قرآن شریف نے کہا کیوں۔ اس کی ضرورت کیا پیش آئی تھی؟

یہودیوں ہی سے پُوچھ لیتے تو یہ پتہ لگ جاتا۔ اصل بات جس کو مَیں نے بارہا بیان کیا ہے یہ ہے کہ یہُود حضرت مسیحؑ کو ملعُون قرار دیتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ اور اس کا ثبوت وہ دیتے ہیں کہ اُنھوں نے مسیحؑ کو صلیب کے ذریعہ قتل کر دیا، مگر قرآن شریف نے اس الزام کو دُور کیا اور یہُود کو ملزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے پاک بندوں کو ذلیل نہیں کرتا اور لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۔ (النساء: ۱۴۲) اس کا سچا وعدہ ہے۔ حضرت مسیحؑ جب صلیب پر چڑھائے گئے تو اُن کو اندیشہ ہوا کہ یہ لوگ مجھے صلیبی موت سے ہلاک کرنے کا موجب ٹھہرے ہیں اور اس طرح پر یہ لعنتی موت ہوگی۔ اس ہلاکت کی گھڑی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو یہ بشارت دی کہ مَیں تجھے طبعی موت سے وفات دُوں گا اور تیرا رفع کرنے والا ہوں اور تجھے پاک کرنے والا ہوں۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے، مگر افسوس یہ لوگ کچھ بھی غور نہیں کرتے اور قرآن کریم کی ترتیب کو بدل کر تحریف کرنا چاہتے ہیں۔

کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہ تھا۔ جو یُوں کہہ دیتا کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ رَافِعُكَ اِلَى السَّمَآءِ۔

پھر وہ کونسی دِقت اور مشکل اُس کو پیش آ گئی تھی جو یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ ہی کہا۔ غرض اس آیت میں جو ترتیب رکھی گئی ہے وہ واقعات کی بناء پر ہے۔ وہ احمق ہے جو کہتا ہے کہ ترتیب واؤ سے نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہی غبی ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھ سکتا، تو اُس کو واقعات پر نظر کرنی چاہیے اور دیکھے کہ تطہیر رفع کے بعد ہوتی ہے یا پہلے اس تطہیر میں دراصل

اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ تیرے بعد ایک رسُول آئیگا جو حَکَم ہو کر تیری نسبت جھگڑے کو فیصل کر دے گا اور جس قدر الزامات یہودی تجھ پر لگاتے ہیں، اُن سے تجھے پاک ٹھہرائے گا۔ تین ترتیبوں کے تو یہ مخالف بھی قائل ہیں یعنی رَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ یہ تو مانتے ہیں کہ مرتّب کلام ہے۔ اس میں جو کچھ وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، وہ پُورا ہو گیا۔ جسمانی رفع کے قائل اس میں کچھ کہہ نہیں سکتے، مگر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب تین ترتیبوں کے وہ قائل ہیں اور انہوں نے اسکو تسلیم کر لیا ہے تو تَوَفِّي کے لفظ کو اُٹھانے کی بے فائدہ کوشش کیوں کرتے ہیں۔ بھلا یہ یہُودی طرز اختیار کر کے بتاؤ تو سہی اس لفظ کو رکھو گے کہاں؟ اگر رفع کے بعد رکھو تو واقعاتِ خارجہ کے خلاف ہے۔ رفع اور تطہیر میں فاصلہ نہیں ہے، بلکہ رفع کے بعد تطہیر ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے اس الزام سے کہ وُہ نبی بھی نہیں مانتے تھے اور ملعُون قرار دیتے تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ ابن اللہ اور اللہ ہیں جس کو آسمان پر اُٹھایا گیا اور وُہ ہمارے لیے ملعُون ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو بَری کیا ہے۔ یہ دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ اُن کو الگ کر سکتے ہی نہیں۔ اور جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ کو دیکھو، تو وہ قیامت تک مُطَهِّرُكَ کے بعد کسی دُوسرے لفظ کو آنے ہی نہیں دیتا۔ پھر اس کو رکھو گے، تو کہاں رکھو گے۔ جس طرح پر واقعات ظہور میں آئے۔ اسی طرز سے بیان کیا ہے۔ اب اُلٹ پُلٹ کر کہاں رکھ سکتے ہو۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ تمھیں خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ اس قدر دشمنی کیوں ہے، جو اس کی ترتیب توڑنا چاہتے ہو۔

عقیدۂ حیاتِ مسیح کے نقصانات

کیا تم کو یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی خدائی ثابت کرو۔ عیسائیوں کے اس مُردہ خدا کو کہیں تو مرنے دو۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ ہم مسیح کو محض ایک بندہ اور نبی مانتے ہیں، دُوسری طرف اُن کی نسبت ایسے عقیدے رکھنے چاہتے ہو جو اُن کو خدا بناتے ہیں۔ اس کی وُہی مثال ہے کہ ایک شخص تو کسی کی نسبت کہتا ہے کہ وُہ مر گیا، مگر دُوسرا کہتا ہے کہ نہیں مرا تو نہیں مگر نبض اُس کی نہیں چلتی۔ بدن بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ سانس بھی نہیں آتا۔

اے دانشمندو! غور تو کرو۔ اُس کے مرنے میں کیا شک رہا جس کی زندگی کا کوئی بھی اثر نہیں پایا جاتا۔

تم کہتے ہو کہ مسیح خدا نہیں، مگر مانتے ہو کہ وُہ آجتک زندہ ہے اور زمانہ کے اثر سے محفوظ اور لاتبدیل غیر متغیر ہے۔

تم کہتے ہو مسیح خالق نہیں، مگر مانتے ہو کہ اس نے بھی کچھ چڑیاں بنائی تھیں، جو اِن چڑیوں میں مِل گئی ہیں۔

تم کہتے ہو کہ مسیح عالِم الغیب نہیں، مگر یہ مانتے ہو کہ وہ تمھارے کھانے پینے کی چیزوں اور تمہارے گھروں کے ذخیروں کی اطلاع دے دیتا تھا۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ مُسلمان کہلا کر ایک خدا کو تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف مان کر پھر اُس کی صفات ایک عاجز انسان کو دو۔ کچھ تو خدا کا خوف بھی کرو۔ یہی باتیں ہیں جنھوں نے نصاریٰ کی قوم کو

جرأت دلادی اور اُنھوں نے تمھاری قوم کا ایک بڑا حصّہ گمراہ کر ڈالا۔

تمھیں کب خبر ہوگی، جب سارا گھر لُٹ چکے گا؟ تم میرے ساتھ دشمنی نہیں کرتے، مگر اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہو۔ مَیں نے کونسی انوکھی بات کہی تھی۔ مَیں تم سے کیا کچھ مانگتا ہوں۔ پھر مجھ سے عداوت کی کیا وجہ؟ کیا اس لیے کہ مَیں کہتا ہوں کہ ایک ہی کامل الصفات ذات ہے جو عبادت کے قابل ہے۔ اس کے صفات کسی انسان کو نہ دو۔ کیا اس لیے کہ مَیں یہ کہتا ہوں کہ دُنیا میں ایک ہی کامل انسان گزرا ہے جس کا نام محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ کیا اس لیے کہ مَیں کہتا ہوں کہ مسیح کے درجات کو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے درجات سے ہرگز نہ بڑھاؤ۔ اس لیے کہ وُہ اُن صفات سے ہرگز موصُوف نہیں، جن سے تم موصُوف مانتے ہو۔ خدا کے لیے سوچو! یہ یاد رکھو کہ آخر مرنا ہے اور خدا کے حضُور جانا ہے۔

تقویٰ کے تین مراتب

غرض بات یہ تھی کہ قرآن شریف میں ترتیب کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے اور یہ آیتیں جو مَیں نے پڑھی تھیں، اُن میں ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرہ: ۴)۔

یاد رکھو اِتّقا تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم اتقا کی علمی رنگ رکھتی ہے۔ یہ حالت ایمان کی صورت میں ہوتی ہے۔ دُوسری قسم عملی رنگ رکھتی ہے۔ جیسا کہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ میں فرمایا ہے۔ انسان کی وُہ نمازیں جو شبہات اور وساوس میں مبتلا ہیں۔ کھڑی نہیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یَقْرَءُوْنَ نہیں فرمایا بلکہ یُقِیْمُوْنَ فرمایا۔ یعنی جو حق ہے اُس کے ادا کرنے کا۔ سُنو! ہر ایک چیز کی ایک علّتِ غائی ہوتی ہے۔ اگر اس سے رہ جاوے تو وُہ بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک بیل جو قلبہ رانی کے واسطے خریدا گیا ہے۔ اپنے منصب پر اُس وقت قائم سمجھا جاوے گا، جب وہ کر کے دکھا دے، لیکن اگر اس کی غرض و غایت کھانے پینے ہی تک محدُود رہے، تو اپنی علّتِ غائی سے دُور ہے اور اس قابل ہے کہ اُس کو ذبح کیا جاوے۔

اقامتِ صلوٰۃ

اِسی طرح یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ میں لوازم الصلوٰۃ معراج ہے۔ اور یہ وُہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلّق شروع ہوتا ہے۔ مکاشفات اور رویاء صالحہ آتے ہیں۔ لوگوں سے اِنقطاع ہوتا جاتا ہے اور خدا کی طرف ایک تعلّق پیدا ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ تبتّلِ تام ہو کر خُدا میں جا مِلتا ہے۔

صلی جلنے کو کہتے ہیں۔ جیسے کباب بھُونا جاتا ہے، اسی طرح نماز میں سوزش لازمی ہے۔ جبتک دِل بریان نہ ہو نماز میں لذّت اور سُرور پیدا نہیں ہوتا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ نماز ہی اپنے سچّے معنوں میں اُسی وقت ہوتی ہے۔ نماز میں شرط ہے کہ وہ بجمیع شرائط ادا ہو۔ جب تک وُہ ادا نہ ہو وُہ نماز نہیں ہے اور نہ وُہ کیفیت جو صلوٰۃ میں میلِ نماز کی ہے حاصل ہوتی ہے۔

یاد رکھو صلوٰۃ میں حال اور قال دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ بعض وقت اعلام تصویری ہوتا ہے۔ ایسی تصویر

دکھائی جاتی ہے، جس سے دیکھنے والے کو پتہ ملتا ہے کہ اُس کا منشا یہ ہے۔ ایسا ہی صلوٰۃ میں منشائے الٰہی کی تصویر ہے۔ نماز میں جیسے زبان سے کچھ پڑھا جاتا ہے ویسے ہی اعضاء وجوارح کی حرکات سے کچھ دکھایا بھی جاتا ہے۔ جب انسان کھڑا ہوتا ہے اور تحمید و تسبیح کرتا ہے، اس کا نام قیام رکھا گیا ہے۔ اب ہر ایک شخص جانتا ہے کہ حمد و ثناء کے مناسبِ حال قیام ہی ہے۔ بادشاہوں کے سامنے جب قصائد سنائے جاتے ہیں، تو آخر کھڑے ہو کر ہی پیش کرتے ہیں۔ تو ادھر ظاہری طور پر قیام رکھا گیا ہے اور اُدھر زبان سے حمد و ثنا بھی رکھی ہے۔ مطلب اس کا یہی ہے کہ رُوحانی طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہو۔ حمد ایک بات پر قائم ہو کر کی جاتی ہے۔ جو شخص مُصدِق ہو کر کسی کی تعریف کرتا ہے، تو ایک رائے پر قائم ہو جاتا ہے۔ اس اَلحمد للہ کہنے والے کے واسطے یہ ضروری ہوا کہ وہ سچے طور پر اَلحمد للہ اسی وقت کہہ سکتا ہے کہ پورے طور پر اس کو یقین ہو جائے کہ جمیع اقسام محامد کے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ جب یہ بات دل میں اِنشراح کے ساتھ پیدا ہو گئی، تو یہ رُوحانی قیام ہے۔ کیونکہ دل اس پر قائم ہو جاتا ہے اور پھر سمجھا جاتا ہے کہ وہ کھڑا ہے۔ حال کے موافق کھڑا ہو گیا، تاکہ رُوحانی قیام نصیب ہو۔

پھر رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی کی عظمت مان لیتے ہیں۔ تو اس کے حضور جھکتے ہیں۔ عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے لیے رکوع کرے۔ پس سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ زبان سے کہا اور حال سے جُھکنا دکھایا۔

یہ اُس قول کے ساتھ حال دکھایا۔ پھر تیسرا قول ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ اَعْلٰی افعلُ تفضیل ہے۔ یہ بالذات سجدہ کو چاہتا ہے۔ اس لیے اُس کے ساتھ حالی تصویر سجدہ میں گرنا ہے۔ اس اقرار کے مناسبِ حال ہیئت فی الفور اختیار کر لی۔

اس قال کے ساتھ تین حال جسمانی ہیں۔ ایک تصویر اس کے آگے پیش کی گئی ہر ایک قسم کا قیام بھی کیا گیا ہے۔ زبان جو جسم کا ٹکڑا ہے۔ اس نے بھی کہا اور وہ شامل ہو گئی۔

تیسری چیز اور ہے وہ اگر شامل نہ ہو، تو نماز نہیں ہوتی۔ وُہ کیا ہے؟ وہ قلب ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ قلب کا قیام ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر نظر کر کے دیکھے کہ درحقیقت وہ حمد بھی کرتا ہے اور کھڑا بھی ہے اور رُوح بھی کھڑا ہوا حمد کرتا ہے۔ جسم ہی نہیں بلکہ رُوح بھی کھڑا ہے اور جب سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہتا ہے تو دیکھے کہ اتنا ہی نہیں کہ صرف عظمت کا اقرار ہی کیا ہے۔ نہیں بلکہ ساتھ ہی جُھکا بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی روح بھی جُھک گیا ہے۔ پھر تیسری نظر میں خدا کے حضور سجدہ میں گرا ہے۔ اس کی علُوشان کو ملاحظہ میں لا کر اُس کے ساتھ ہی دیکھے کہ رُوح بھی اُلوہیت کے آستانہ پر گری ہوئی ہے۔ غرض یہ حالت جب تک پیدا نہ ہو لے۔ اس وقت تک مطمئن نہ ہو، کیونکہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے معنی یہی ہیں۔ اگر یہ سوال ہو کہ یہ حالت پیدا کیونکر ہو، تو اس کا جواب اتنا ہی ہے کہ نماز پر مداومت کی جائے اور

وساوس اور شبہات سے پریشان نہ ہو۔ ابتدائی حالت میں شکوک وشبہات سے ایک جنگ ضرور ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ نہ تھکنے والے استقلال اور صبر کے ساتھ لگا رہے اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا رہے آخر وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ یہ تقویٰ عملی کا ایک جزو ہے۔

انفاقِ رزق

اور دُوسری جُزو اس کی مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (البقرہ: ۴) ہے کہ جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں عام لوگ رزق سے مُراد اشیاء خوردنی لیتے ہیں۔ یہ غلط ہے جو کچھ قویٰ کو دیا جاوے وُہ بھی رزق ہے۔ علوم وفنون وغیرہ معارف حقائق عطا ہوتے ہیں جسمانی طور پر معاش مال میں فراخی ہو۔ سب رزق ہے۔

رزق میں حکومت بھی شامل ہے اور اخلاقِ فاضلہ بھی رزق ہی میں داخل ہیں یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اُس میں خرچ کرتے ہیں یعنی روٹی میں سے روٹی دیتے ہیں۔ علم میں سے علم اور اخلاق میں سے اخلاق۔ علم کا دینا تو ظاہر ہی ہے۔

بُخل

یہ یاد رکھو کہ وُہی بخیل نہیں ہے جو اپنے مال میں سے کسی مستحق کو کچھ نہیں دیتا بلکہ وہ بھی بخیل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہوا اور وہ دُوسروں کو سکھانے میں مضائقہ کرے۔ محض اس لیے اپنے علوم وفنون سے کسی کو واقف نہ کرنا کہ اگر وہ سیکھ جاوے گا، تو ہماری بے قدری ہو جاوے گی یا آمدنی میں فرق آ جائے گا، شرک ہے، کیونکہ اس صورت میں وُہ اس علم یا فن کو ہی اپنا رازق اور خُدا سمجھتا ہے۔ اسی طرح پر جو اپنے اخلاق سے کام نہیں لیتا، وہ بھی بخیل ہے۔ اخلاق کا دینا یہی ہوتا ہے کہ جو اخلاقِ فاضلہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے دے رکھے ہیں، اُس کی مخلوق سے اُن اخلاق سے پیش آوے۔ وہ لوگ اس کے نمونہ کو دیکھ کر خود بھی اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

خُلق کی تعریف

اخلاق سے اس قدر ہی مراد نہیں ہے کہ زبان کی نرمی اور الفاظ کی نرمی سے کام لے۔ نہیں بلکہ شجاعت، مروت، عفت جس قدر قوتیں انسان کو دی گئی ہیں۔ دراصل سب اخلاقی قوتیں ہیں، اُن کا برمحل استعمال کرنا ہی اُن کو اخلاقی حالت میں لے آتا ہے۔ ایک موقعہ مناسب پر غضب کا استعمال بھی اخلاقی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

یہ نہیں کہ انجیل کی طرح ایک ہی پہلو اپنے اندر رکھتی ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیر دو۔ یہ اخلاق نہیں ہے اور نہ یہ تعلیم حکمت کے اصُول پر مبنی ہو سکتی ہے اگر ایسا ہو تو تمام فوجوں کا موقوف کر دینا اور ہر قسم کے آلاتِ حرب کو توڑ دینا لازم آئے گا اور مسیحی دُنیا کو بطور ایک خادم کے رہنا پڑے گا، کیونکہ اگر کوئی کُرتہ مانگے، تو چُغہ بھی دینا پڑے گا۔ ایک کوس بیگار لے جانا چاہے، تو دو کوس جانے کا حکم ہے۔ پھر عیسائی لوگوں کو کس قدر مشکلات پیش آئیں اگر وہ

اس تعلیم پر عمل کریں تو نہ صرف اُن کے پاس ضروریاتِ زندگی بسر کرنے کو کچھ رہے اور نہ کوئی آرام کی صورت۔ کیونکہ جو کچھ اُن کے پاس ہو کوئی مانگ لے، تو پھر اُن کے پاس کیا رہ جاوے؟ اگر محنت مزدوری سے کمانا چاہیں، تو کوئی بیگار میں لگا دے۔ غرض اس تعلیم پر زور تو بہت دیا گیا ہے اور پادریوں کو دیکھا ہے کہ وُہ بازاروں میں اس تعلیم کی بڑے شدّ و مد سے تعریف کر کے وعظ کرتے ہیں، لیکن جب عمل پُوچھو تو کچھ نہیں۔ گویا بگفتن ہی سب کچھ ہے۔ کرنے کے واسطے کچھ نہیں۔ اس لیے اس کا نام اخلاق نہیں ہے۔ اخلاق یہ ہے کہ تمام قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں بر محل استعمال کیا جاوے۔ مثلاً عقل دی گئی ہے اور کوئی دوسرا شخص جس کو کسی امر میں واقفیت نہیں اس کے مشورہ کا محتاج ہے اور یہ پُوری واقفیت رکھتا ہے تو اخلاق کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اپنی عقلِ سلیم سے اُس کو پُوری مدد دے اور اس کو سچا مشورہ دے۔ لوگ اِن باتوں کو معمولی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس کو خراب ہونے دو۔ یہ شیطانی فعل ہے۔ انسانیت سے بعید ہے کہ وہ کسی دُوسرے کو بگڑتا دیکھے اور اُس کی مدد کے لیے تیار نہ ہو۔ نہیں بلکہ چاہیے کہ نہایت توجہ اور دلدہی سے اس کی بات سُنے اور اپنی عقل و سمجھ سے اُس کو ضروری مدد دے۔

لیکن اگر کوئی یہاں یہ اعتراض کرے کہ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کیوں فرمایا مِمَّا کے لفظ سے بُخل کی بُو آتی ہے۔ چاہیے تھا کہ ع

ہر چہ داری خرچ کُن در راہِ اُو

اصل بات یہ ہے کہ اس سے بُخل ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن شریف خدائے حکیم کا کلام ہے۔ حکمت کے معنی ہیں۔ شے را بر محل داشتن۔ پس مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ محل اور موقع کو دیکھ کر خرچ کرو۔ جہاں تھوڑا خرچ کرنے کی ضرورت ہے، وہاں تھوڑا خرچ کرو۔ جہاں بہت خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہاں بہت خرچ کرو۔

عَفو اب مثلاً عفو ہی ایک اخلاقی قوت ہے۔ اس کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا عفو کے لائق ہے یا نہیں۔ مُجرم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض تو اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اُن سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی ہے جو غصہ تو دلاتی ہے، لیکن وُہ معافی کے قابل ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کی کسی شرارت پر چشم پوشی کی جاوے اور اُن کو مُعاف کر دیا جاوے تو وُہ زیادہ دلیر ہو کر مزید نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً ایک خدمتگار ہے جو بڑا نیک اور فرماں بردار ہے۔ وہ چائے لایا۔ اتفاق سے اُس کو ٹھوکر لگی اور چائے کی پیالی گر کر ٹوٹ گئی اور چائے بھی مالک پر گر گئی۔ اگر وہ اُس کو مارنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو اور تیز اور تُند ہو کر اُس پر جا پڑے، تو یہ سفاہت ہوگی۔ یہ عفو کا مقام ہے، کیونکہ اس نے عمداً شرارت نہیں کی ہے اور عفو اس کو زیادہ شرمندہ کرتا اور آئندہ کے لیے محتاط بناتا ہے، لیکن اگر کوئی ایسا شریر ہے کہ وہ ہر روز توڑتا ہے اور یُوں نقصان پہنچاتا ہے، تو اس پر رحم یہی ہوگا کہ اُس کو سزا دی جائے۔ پس یہی حکمت ہے مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ میں ہر ایک مومن اپنے نفس کا مُجتہد ہوتا ہے۔ وُہ محل اور موقع کی شناخت کرے اور جس قدر مناسب ہو خرچ کرے۔

انجیل کی ناقابلِ عمل تعلیم

مَیں ابھی بتا چکا ہوں کہ قرآن شریف کی تعلیم حکیمانہ نظام اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کے بالمقابل انجیل کی تعلیم کو دیکھو کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیر دے وغیرہ وغیرہ کیسی قابلِ اعتراض ہے کہ اس کی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی اور اس کی تمدنی صورت ممکن ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بڑے سے بڑا نرم خُو اور تقدس مآب پادری بھی اس تعلیم پر عمل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی انجیل کی اس تعلیم کا عملی ثبوت لینے کے لیے کسی پادری صاحب کے مُنہ پر طمانچہ مارے، تو وُہ بجائے اِس کے کہ دُوسری گال پھیرے۔ پولیس کے پاس دوڑا جاوے گا اور اس کو حکام کے سپُرد کرا دے گا۔

اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انجیل معطل پڑی ہے اور قرآن شریف پر عمل ہو رہا ہے۔ ایک مُفلس اور نادار بڑھیا بھی جس کے پاس ایک جَو کی روٹی کا ٹکڑا ہے، اس ٹکڑے میں سے ایک حِصّہ دے کر مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ میں داخل ہو سکتی ہے۔ لیکن انجیل کی طمانچہ کھا کر گال پھیرنے کی تعلیم میں مقدس سے مقدس پادری بھی شامل نہیں ہو سکتا۔ ؎

بہ بیں تفاوتِ راہ از کُجاست تا بکُجا

انجیل تو اس پہلو میں یہاں تک گِری ہوئی ثابت ہوتی ہے کہ اور تو اور خود حضرت مسیحؑ بھی اس پر پُورا عمل نہ دکھا سکے۔ اور وہ تعلیم جو خود پیش کی تھی، عملی پہلو میں اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ وُہ کہنے ہی کے لیے ہے؛ ورنہ چاہیے تھا کہ اس سے پیشتر کہ وُہ گرفتار ہوتے خود اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دیتے اور دُعائیں مانگنے اور اضطراب ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ وہ کفّارہ ہی کے لیے آئے ہیں۔ کیونکہ اگر اُن کی زندگی کا یہی کام تھا کہ وہ خودکشی کے طریق سے دُنیا کو نجات دیں اور بقول عیسائیوں کے خدا بجُز اس صورت کے نجات ہی نہیں دے سکتا تھا، تو اُن کو چاہیے تھا کہ جس کام کے لیے وہ بھیجے گئے تھے وُہ تو یہی تھا۔ پھر وعظ اور تبلیغ کی ضرورت ہی کیا تھی؛ کیوں نہ آتے ہی یہ کہہ دیا کہ مجھے پکڑ دو اور پھانسی دے دو۔ تا کہ دُنیا کی رُستگاری ہو۔

قرآنی تعلیم انسانی قویٰ کی تکمیل کرتی ہے

غرض قرآن شریف کی تعلیم ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور ذرّہ ذرّہ اس کے آگے ہے اور اس نے ایسی تعلیم دی ہے، جو انسانی قویٰ کی تکمیل کرتی ہے اور عفو اور انتقام کو محل اور موقع پر رکھنے کے واسطے اِس سے بڑھ کر تعلیم نظر نہیں آئے گی۔ اگر کوئی اس تعلیم کے خلاف اور کچھ پیش کرتا ہے۔ تو وہ گویا قانونِ الٰہی کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے۔ بعض طبائع طبعًا عفو چاہتی ہیں اور بعض مار کھانے کے قابل ہوتی ہیں۔ سب عدالتیں قرآن شریف کی تعلیم کے موافق کھُلی رہ سکتی ہیں۔ اگر انجیل کے موافق کریں، تو آج ہی سب کچھ بند کرنا پڑے اور پھر دیکھو کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ انسان انجیلی تعلیم پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہ دو نمونے علمی اور عملی تقویٰ کے ہوتے ہیں۔

۳۔ کلامِ الٰہی پر ایمان

لیکن اس کے سوا تیسری قسم تقویٰ کی ہے وَيُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (البقرہ:۵) انسان قوتِ شہادت کا محتاج ہے۔ ایسی راہ اختیار نہ کرے کہ پاک شہادتوں سے دُور ہو۔ وُہ راہ خطرناک راہ ہے جس میں راستبازوں کی شہادتیں موجود نہیں ہیں۔ تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ جس میں زبردست شہادتیں ہر زمانہ میں زندہ موجود ہیں۔ مثلاً تم نے راہ پُوچھا کسی نے کچھ کہا کہ یہ راہ فلاں طرف جاتا ہے، مگر دس کہتے ہیں کہ نہیں یہ تو فلاں طرف جاتا ہے، تو اب تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان بھلے مانس آدمیوں کی بات مان لو۔ یہ یاد رکھو کہ شہادت پاکبازوں کی ہی مقبول اور مُوزون ہوتی ہے۔ بدمعاشوں کی شہادت کبھی مقبول نہیں ہوسکتی۔ یہ تیسری قسم تقویٰ کی ہے جو يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ میں بیان ہوئی ہے۔ اس کو چھوڑ کر بھی لوگ بہت خراب ہوتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو لوگوں نے مخالفت کی ہے، تو اسی وجہ سے اُنھوں نے تقویٰ کی اِس قسم کو چھوڑ دیا ہے۔

وفاتِ مسیح

خدا تعالیٰ کا کلام تیس آیتوں میں ہمارا مؤید ہے۔ کبھی وہ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ (آل عمران:۵۶) کہہ کر کبھی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کہہ کر کبھی مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آلِ عمران: ۱۴۵) کہہ کر۔ غرض کبھی کسی پیرایہ میں کبھی کسی صُورت میں پُکار پُکار کر کہہ رہا ہے کہ یہی راہ سچی ہے۔ جس پر ہم بفضلہٖ تعالیٰ قائم ہیں اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کو حضرت یحییٰ کے ساتھ معراج میں دیکھتے ہیں۔ اور یہ کچی بات ہے کہ ان دونوں میں کوئی خاص فرق جو زندوں اور مُردوں میں ہونا چاہیے، نہیں بتایا۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عمر بتا کر یہ شہادت دیتے ہیں کہ وُہ مر گیا اور کبھی آنے والے مسیح موعود اور اسرائیلی مسیح کا حُلیہ جُدا جُدا بتا کر سمجھاتے ہیں کہ وُہ مر گیا۔ یہ شہادتیں تو حدیث اور قرآن کی ہیں۔ ان کے علاوہ تمام صحابہؓ کی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وفات پر یہ ہوئی ہے کہ سب نبی مر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ ابھی نہیں مرے اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ خطبہ پڑھتے ہیں کہ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آلِ عمران: ۱۴۵) اب اس موقعہ پر جو ایک قیامت ہی کا میدان تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں اور کُل صحابہؓ جمع ہیں۔ یہاں تک کہ اُسامہ کا لشکر بھی روانہ نہیں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر حضرت ابوبکرؓ باوازِ بلند کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور اس پر استدلال کرتے ہیں مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ سے۔ اب اگر صحابہؓ کے وہم و گمان میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہوتی تو ضرور بول اُٹھتے، مگر سب خاموش ہو گئے اور بازاروں میں یہ آیت پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ گویا یہ آیت آج اُتری ہے۔

معاذ اللہ صحابہؓ منافق نہ تھے جو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رُعب میں آکر خاموش ہو رہے اور حضرت ابوبکرؓ کی تردید نہ کی۔ نہیں، اصل بات یہی تھی جو حضرت ابوبکرؓ نے بیان کی۔ اس لیے سب نے گردن جھکالی۔

یہ ہے اجماع صحابہؓ کا۔ حضرت عمرؓ بھی تو یہی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آئیں گے۔ اگر یہ استدلال کامل نہ ہوتا (اور کامل تب ہی ہوتا کہ کسی قسم کا استثناء نہ ہوتا) کیونکہ اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر چلے گئے تھے اور انھوں نے پھر آنا تھا تو پھر یہ استدلال کیا یہ تو ایک مسخری ہوتی) تو خود حضرت عمرؓ ہی تردید کرتے۔

حضرت ابوبکرؓ کا فہم قرآن

جبکہ آیت میں استثناء نہ تھا اور امر واقعی یہی تھا۔ اس لیے سب صحابہؓ نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا اور حضرت ابوبکرؓ جن کو قرآن شریف کا یہ فہم ملا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ: ۴) پڑھی تو حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ بڈھا کیوں روتا ہے، تو آپ نے کہا کہ مجھے اس آیت سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام بطور حکام کے ہوتے ہیں۔ جیسے بندوبست کا ملازم جب اپنا کام کر چکتا ہے، تو وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام جس کام کے واسطے دُنیا میں آتے ہیں، جب اس کو کر لیتے ہیں تو پھر وُہ اس دُنیا سے رُخصت ہو جاتے ہیں پس جب اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی صدا پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ یہ آخری صدا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا فہم بہت بڑھا ہوا تھا اور یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ مسجد کی طرف سب کھڑکیاں بند کی جاویں، مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی مسجد کی طرف کھُلی رہے گی۔ اس میں یہی سِرّ ہے کہ مسجد چونکہ مظہر اسرار الٰہی ہوتی ہے اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف یہ دروازہ بند نہیں ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں۔ جو شخص خشک ملّاؤں کی طرح یہ کہتا ہے کہ نہیں ظاہر ہی ظاہر ہوتا ہے وہ سخت غلطی کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو یہ کہنا کہ یہ دنبہ بدل دے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے کے کڑے دیکھنا وغیرہ اُمور اپنے ظاہری معنوں پر نہیں تھے بلکہ استعارہ اور مجاز کے طور پر تھے، ان کے اندر ایک اور حقیقت تھی۔

غرض مدعا یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو فہم قرآن سب سے زیادہ دیا گیا تھا۔ اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال کیا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر یہ معنی بظاہر معارض بھی ہوتے۔ تب بھی تقویٰ اور دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابوبکرؓ ہی کی مانتے۔ مگر یہاں تو ایک بھی لفظ قرآن شریف میں ایسا نہیں ہے، جو حضرت ابوبکرؓ کے معنوں کا معارض ہو

اب مولویوں سے پُوچھو کہ ابوبکرؓ دانشمند تھا یا نہیں؟ کیا یہ وُہ ابوبکرؓ نہیں تھا جو صدیق کہلایا؟ کیا یہی وہ شخص نہیں جو سب سے پہلے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنا، جس نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی کہ خطرناک ارتداد کی وبا کو روک دیا۔ اچھا اور باتیں جانے دو یہی بتاؤ کہ ابوبکرؓ کو منبر پر چڑھنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ پھر تقویٰ سے یہ بتاؤ کہ انھوں نے جو مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) پڑھا تو اس سے استدلال تام کرنا تھا یا ایسا ناقص کہ ایک بچہ بھی کہہ سکتا کہ عیسیٰؑ کو موتی سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

افسوس! اِن مخالفوں نے میری مخالفت اور عداوت میں یہی نہیں کہ قرآن کو چھوڑا بلکہ میری عداوت نے اُن کی یہانتک نوبت پہنچائی ہے کہ صحابہؓ کی کُل جماعت پر اُنھوں نے اپنے طریقِ عمل سے کُفر کا فتویٰ دے دیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے استدلال کو استخفاف کی نظر سے دیکھا۔

وفاتِ مسیحؑ پر اجماع

سارا قرآن شریف ہمارے ساتھ ہے۔ تیس آیات مخصوصاً مسیح علیہ السّلام کی وفات پر گواہ ہیں۔ معراج کی رات، ابوبکر صدیقؓ کی تقریر اور صحابہؓ کا اجماع شاہد ہے۔ یہ لوگ جو ہمارے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اجماع کے خلاف ایک بات کہی ہے۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اجماع اُن کے ساتھ ہرگز نہیں ہے۔ اوّل تو اجماع صحابہؓ ہی تک ہے اور ہم نے ابھی بتایا ہے کہ صحابہؓ کا اجماع رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات پر مسیحؑ کی وفات پر ہو چکا ہے۔ امام احمد حنبلؒ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے بعد اجماع کا دعوےٰ جھُوٹا ہے ماسوائے اِس کے بھی بہت سے لوگ اُنکے خلاف اور ہمارے ساتھ ہیں۔ معتزلہ مسیحؑ کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل نہیں ہیں۔ صُوفیوں کا یہی مذہب ہے کہ وہ کہتے ہیں مسیح کی آمد بروزی ہے۔ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ۔ امام مالکؒ موت ہی کے قائل ہیں۔ ابنِ حزم کا بھی مذہب یہی ہے۔ اب مالکی۔ ابنِ حزم کے ماننے والے اور معتزلہ اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ ہیں۔ لیکن پھر بھی، علی سبیلِ تنزّل، اگر ہم مان لیں کہ کوئی بھی ہمارے ساتھ اُن میں سے نہیں، تو بھی ہم تو کہتے ہیں کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد زمانہ کا نام فیجِ اعوج رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے رکھا ہے۔ یعنی ایک ٹیڑھا گروہ اور ان کی نسبت فرمایا لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ۔ اب اُن کے ہاتھ میں کیا رہا۔

صحابہؓ کے وارث ہم، قرآن اور حدیث کے مغز کے وارث تو ہم ہی ٹھہرے۔ باقی رہی یہ بات کہ لکھا ہوا ہے کہ مسیحؑ نازل ہوگا۔ پس یاد رہے کہ نزول کا لفظ بہت وسیع ہے۔ نزیل مسافر کو بھی کہتے ہیں۔

مسئلہ بُروز

ماسوا اِس کے اصل بات یہ ہے جس کو یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو آخری زمانہ کا علم دیا گیا تھا۔ آپؐ نے اِس علم کے موافق دو بُروزوں کی خبر دی تھی۔ اہل اللہ اِس بات کے قائل ہیں کہ مراتبِ وجُود دو ہی ہیں۔ مَیں اس کو مانتا ہوں۔ قرآن شریف سے یہی مُستنبط ہوتا ہے۔ صُوفیائے کرام اس کو مانتے ہیں کہ کسی گذرے ہوئے انسان کی طبیعت، خُو، اخلاق ایک اور میں آتے ہیں۔ اُن کی اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ فُلاں شخص قدمِ آدم پر ہے یا قدمِ نُوح پر ہے۔ اُس کو بعض بُروز بھی بولتے ہیں۔ اُن کا مذہب یہ ہے کہ ہر زمانے کے لیے بُروز ہے۔ جیسے ہابیل کا بُروز شیثؑ علیہ السّلام اور یہ پہلا بروز تھا۔

ہبل نوحہ کو کہتے ہیں۔ خدا نے شیثؑ کو یہ بُروز دیا۔ پھر یہ سلسلہ برابر چلتا گیا۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا بروز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ اسی لیے قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (البقرہ: ۱۳۶) فرمایا۔ اس میں یہی سِرّ ہے۔ ابراہیمؑ دو اڑھائی ہزار سال کے بعد عبداللہ کے گھر میں ظاہر ہوا۔ غرض بُروز کا مذہب ایک متفق علیہ مسئلہ

ظہورات کا ہے۔

آخری زمانہ کے دو فتنے

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے واسطے خبر دی تھی کہ اُس وقت دو رنگ کے فتنے ہوں گے۔ ایک اندرونی، دوسرا بیرونی۔ اندرونی فتنہ یہ ہوگا کہ مسلمان سچی ہدایت پر قائم نہ رہیں گے اور شیطانی عمل دخل کے نیچے آجائیں گے۔ قمار بازی، زناکاری، شراب خوری اور ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہوکر حدود اللہ سے نکل جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی نواہی کی پروا نہ کریں گے صوم و صلوٰۃ کو ترک کر دیویں گے اور اَمرِ الٰہی کی بے حرمتی کی جائے گی اور قرآنی احکام کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کیا جائے گا۔ بیرونی فتنہ یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر افترا کیے جائیں گے اور ہر قسم کے دل آزار حملوں سے اسلام کی توہین اور تخریب کی کوشش کی جاوے گی۔ مسیح کی خدائی کو منوانے کے لیے اور اس کی صلیبی لعنت پر ایمان لانے کے واسطے ہر قسم کے حیلے اور تدابیر عمل میں لائی جاویں گی۔ غرض ان دونوں اندرونی اور بیرونی عظیم الشان فتنوں کی اصلاح کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ ہی یہ بشارت ملی کہ ایک شخص آپؐ کی اُمت میں سے مبعوث کیا جاوے گا جو بیرونی فتنہ اور صلیبی مذہب کی حقیقت کو توڑ دینے والا ہوگا اور اسی لحاظ سے وہ مسیح ابن مریمؑ ہوگا اور اندرونی تفرقوں اور بے راہیوں کو دُور کر کے ہدایت کی سچی راہ پر قائم کرے گا۔ اس لیے مہدی کہلائے گا۔ اسی بشارت کی طرف وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں بھی اشارہ ہے۔ جبکہ یہ دونوں فتنے ہوں گے۔ اِن فتنوں کی بنیاد دو خبیث چیزوں پر ہوگی۔ ایک فرقہ ہوگا جو الدجّال کہلائے گا۔ اور ایک یاجوج۔

دجّال

الدجّال۔ دجل یہ ہے کہ اندر ناقص چیز اور اُوپر کوئی صاف چیز ہو۔ مثلاً اوپر سونے کا ملمع ہو اور اندر تانبہ ہو۔ یہ دجل ابتدائے دُنیا سے چلا آتا ہے۔ مکر و فریب سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ زرگر کیا کرتے ہیں۔ جیسے دُنیا کے کاموں میں دجل ہے ویسے ہی رُوحانی کاموں میں بھی دجل ہوتا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (النساء: ۴۷) بھی دجل ہے۔ جو یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (آل عمران: ۵۶) کو اُٹھاتے ہیں۔ یہ بھی دجل ہے۔ مگر آخری زمانے کا دجل عظیم الشان دجل ہوگا۔ گویا دجالیت کا ایک دریا بہہ نکلے گا۔ الدجّال پر، اَلْ استغراق کا ہے۔ پس الدجّال دجالیہ مختلفہ کا بروز ہے۔ یعنی پہلے جس قدر مختلف اور متفرق کید، حیلے، ضلالت اور کفر کے تھے۔ کسی زمانہ میں نابکار لوگوں نے کچھ کہا۔ کسی نے کچھ کہا۔ متفرق طور پر جس قدر اعتراضات اسلام پر کئے جاتے تھے، مگر وُہ ایک حد تک تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اس وقت اعتراضات کا ایک دریا بہہ نکلے گا۔ جیسے چھوٹی چھوٹی نہریں ندیاں مل کر ایک دریا بن جاتا ہے۔ اسی طرح کُل دجل مل کر ایک بڑا دجل ہوگا۔

چنانچہ اِس زمانہ میں دیکھ لو کتنا بڑا دجل ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے اسلام پر نکتہ چینیاں اور اعتراض کیے جاتے ہیں۔

اور عیسائیوں نے توحید کر دی ہے۔ مَیں نے ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے، جو عیسائیوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے ہیں۔ اُن کی تعداد تین ہزار تک پہنچتی ہے اور جس قدر کتابیں اور رسالے اور اشتہار آئے دن ان لوگوں کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضوں کی شکل میں شائع ہوتے ہیں۔ اُن کی تعداد چھ کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ گویا ہندوستان کے مُسلمانوں میں سے ہر ایک آدمی کے ہاتھ میں یہ لوگ کتاب دے سکتے ہیں۔ پس سب سے بڑا فتنہ یہی نصاریٰ کا فتنہ ہے اور الدجال کا بُروز ہے۔

یاجُوج و ماجُوج

ایسا ہی یاجُوج۔ یہ لفظ اجیج سے مُشتق ہے۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آتشی کاموں کے ساتھ اُن کا بہت بڑا تعلق ہوگا اور وُہ آگ سے کام لینے میں بہت مہارت رکھیں گے۔ گویا آگ اُن کے قابو میں ہوگی اور دُوسرے لوگ اِس آتشی مقابلہ میں ان سے عاجز رہ جائیں گے۔ اب یہ کیسی صاف بات ہے۔ دیکھ لو کہ آگ کے ساتھ اس قوم کو کس قدر تعلق ہے۔ کلیں کس قدر جاری ہیں۔ اور دن بدن آگ سے کام لینے میں ترقی کر رہے ہیں۔

یہ دونوں بُروز ہیں اور یہ دونوں کیفیتیں جو متفرق طور پر تھیں، ایک وجُود میں آئی ہیں۔ ایسا ہی ماجُوج ہیں اور یہ ایک پکّی بات ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ انسان پر مُلوک کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ مُلوک تو مُلوک ہوتے ہیں۔ ادنیٰ درجہ کے نمبرداروں تک کا اثر پڑتا ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں بہت سے لوگوں نے کیس رکھ لیے تھے اور کچھ پہن لیے تھے۔ ایک شخص ہمارے قریب ایک گاؤں میں بھی رہتا تھا۔ اس کا نام خدا بخش تھا۔ اس نے اپنا نام خدا سنگھ رکھ لیا تھا۔

موضع ڈلّہ میں گلاب شاہ اور مہتاب شاہ دو بھائی تھے۔ وہ گرنتھ ہی پڑھا کرتے تھے اور یہ معمولی بات ہے کہ مُلوک کے خیالات کا مذہب، طرزِ لباس، ہر قسم کے اُمور کا اخلاقی ہوں یا مذہبی بہت بڑا اثر رعایا پر پڑتا ہے۔ جیسے ذکُور کا اثر اناث پر پڑتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) اسی طرح پر رعایا پر ملوک کا اثر ضروری ہے۔ سکھوں کی عملداری میں وہ پگڑیاں باندھا کرتے تھے اور اب تک بھی ریاستوں میں اس کا بقیہ چلا جاتا ہے۔ جب ایک دُوسرے سے مِلا کرتے تھے، تو سب ایک ہی لفظ بولا کرتے تھے "سکھ ہے"

ایسا ہی اب اِس عملداری میں سلطنت کا اثر رعایا پر پڑتا ہے۔ طرزِ لباس ہی کو دیکھو کہ ہر ایک شخص انگریزی لباس کوٹ پتلون کو پہن کر فخر کرتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو انگریزی ٹوپیاں بھی پہنتے ہیں۔ سلطنت کی طرف سے کسی قسم کی ترغیب نہیں دی جاتی، کوئی حکم جاری نہیں کیا جاتا کہ لوگ اس قسم کا لباس پہنیں، مگر خود بخود طبائع میں ایک شوق دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے۔ باوجودیکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اس لباس کی تبدیلی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور اپنی جگہ سعی بھی کرتے ہیں کہ یہ طریق ترقی نہ پکڑے، مگر نہیں یہ ایک دریا ہے جو بہتا چلا جاتا ہے اور رُک نہیں سکتا۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی طرزِ لباس ترقی پر ہے۔ یہانتک کہ حجامت بنوانے میں بھی انگریزی طرز اور فیشن کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔

یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ یہ مت سمجھو کہ طرزِ لباس ہی نے ترقی کی ہے۔ نہیں یہ طرز بجائے خود ایک خطرناک ترغیب ہے اور بہت سی باتوں کے لیے۔

انگریزی لباس کے بعد انگریزی طرز کی مجلسوں کا مذاق ترقی کرے گا اور کر رہا ہے۔ عیسائیت نے خمر کو حرام نہیں کیا۔ اس میں پردہ بھی ضروری نہیں۔ قمار بازی بھی ممنوع نہیں۔ پھر کھانے میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں پس اس آزادی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبِ حقیقی جو انسان کو ایک حد بندی کے درمیان رکھنا چاہتا ہے اس سے لوگوں نے تجاوز شروع کیا۔ انگریزی مجلسی مذاق میں شراب کا پینا لازمی اَمر ہے۔ جس محفل میں شراب نہ ہو وہ گویا مجلس ہی قابلِ نفرت ہے۔

پس وہ لوگ جو انگریزی طرز اور فیشن کے دلدادہ ہیں وُہ کب دین کی حدُود کے اندر آنے لگے؟ اور مذہب کی طرف بُلانے والوں کی طرف اُن کو رغبت ہو تو کس طرح؟

مَیں سچ کہتا ہوں کہ لوگوں نے اس امر پر غور نہیں کی کہ عیسائیت کیونکر اندر ہی اندر سرایت کر رہی ہے۔ مَیں نے اس پر بہت غور کی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ہر ایک امر اس وقت عیسائیت کی طرف لے جانا چاہتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان پادریوں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ بھی اُس کو پھیلانے میں فروگذاشت نہیں کیا۔ ہر قسم کے طریق اشاعت کو اُنھوں نے اختیار کیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ یہ انگریزی فیشن ہی کا اثر ہے کہ اب علانیہ شراب پی جاتی ہے۔ زنا کاری کے لیے کوئی امر مانع نہیں ہے، بلکہ اس کے مُمد اور معاون اُمور پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ قمار بازی گو قانوناً جُرم ہو، مگر اُس کی بعض ایسی صُورتیں پیدا کر لی گئی ہیں کہ وُہ قانوناً جائز ہی قرار دی گئی ہے۔ عیسائی عورتوں کا بے پردہ پھرنا اور عام طور پر غیر مردوں سے مِلنا جُلنا اِس نے ایسا خطرناک اثر کیا ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جو عورتوں کو بے پردہ سیر کرانا پسند کرتے ہیں اور مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کے حقوق مساوی ہیں، ان کو پردہ میں نہ رکھا جاوے کیونکہ یہ ظُلم ہے۔

اِسلامی پردہ پر اعتراض کرنا اُن کی جہالت ہے اللہ تعالیٰ نے پردہ کا ایسا حکم دیا ہی نہیں،

اِسلامی پردہ

جس پر اعتراض وارد ہو۔

قرآن مُسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ غَضِّ بَصَرْ کریں۔ جب ایک دُوسرے کو دیکھیں گے ہی نہیں، تو محفوظ رہیں گے۔ یہ نہیں کہ انجیل کی طرح یہ حکم دے دیتا کہ شہوت کی نظر سے نہ دیکھ۔ افسوس کی بات ہے کہ انجیل کے مصنف کو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ شہوت کی نظر کیا ہے؟ نظر ہی تو ایک ایسی چیز ہے جو شہوت انگیز خیالات کو پیدا کرتی ہے۔ اِس تعلیم کا جو نتیجہ ہوا ہے وُہ اُن لوگوں سے مخفی نہیں ہے جو اخبارات پڑھتے ہیں اُن کو معلوم ہوگا کہ لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں کے کیسے شرمناک نظارے بیان کیے جاتے ہیں۔

اِسلامی پردہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عورت جیل خانہ کی طرح بند رکھی جاوے۔ قرآن شریف کا مطلب یہ

ہے کہ عورتیں ستر کریں۔ وُہ غیر مرد کو نہ دیکھیں جن عورتوں کو باہر جانے کی ضرورت تمدّنی اُمور کے لیے پڑے، اُن کو گھر سے باہر نکلنا منع نہیں ہے، وہ بیشک جائیں، لیکن نظر کا پردہ ضروری ہے۔

مساوات کے لیے عورتوں کے نیکی کرنے میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے اور نہ اُن کو منع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی میں مشابہت نہ کریں۔ اسلام نے یہ کب بتایا ہے کہ زنجیر ڈال کر رکھو۔ اسلام شہوات کی بناء کو کاٹتا ہے۔ یورپ کو دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کُتّوں اور کُتیوں کی طرح زنا ہوتا ہے اور شراب کی اس قدر کثرت ہے کہ تین میل تک شراب کی دُکانیں چلی گئی ہیں۔ یہ کس تعلیم کا نتیجہ ہے؟ کیا پردہ داری یا پردہ دری کا۔

اسلام کی بات کو بگاڑنا اور اندھا دُھند اعتراض کرنا ظُلم ہے۔ اسلام تقویٰ سکھانے کے واسطے دُنیا میں آیا ہے۔

مَیں یہ بیان کر رہا تھا کہ لوگ مُلوک کے دین پر ہوتے ہیں اور مَیں نے مختلف مثالوں کے ذریعہ اس اَمر کو بیان کر دیا ہے۔ اب دیکھ لو کہ جو حالاتِ اَبتر اس مُلک میں ہوتے ہیں وہ کسی اور ملک میں نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ مکّہ مدینہ میں بھی نہیں ہوئے۔ ایسی آزادی اور اباحت جو یہاں ہے، اُس کی نظیر کسی دُوسرے ملک میں نہ ملے گی اور اُن ملکوں میں چونکہ اس قسم کے محرکات پیش نہیں آئے، اس لیے وہاں خیالات بھی بہت اَبتر نہیں ہوئے۔

برائی کے دو بروز۔ دجّال اور یاجُوج و ماجُوج

اب مَیں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں۔ مَیں نے یہ بیان کیا ہے کہ دو بروز ہیں۔ ایک الدجّال دُوسرا یاجُوج ماجُوج کا۔ الدجّال کا بُروز وہ ہے جو آدم علیہ السّلام سے لے کر ایک سلسلہ چلا جاتا تھا جس قسم کی بدیاں اور شرارتیں مختلف طور پر مختلف وقتوں میں ظاہر ہوئیں۔ آج اُن سب کو جمع کر دیا گیا ہے اور ایک عجیب نظارۂ قدرت دکھایا ہے۔ چونکہ اب انسانی عمروں کا خاتمہ ہے، اس لیے خاتمہ پر ایک بدیوں کا اور ایک نیکیوں کا بُروز بھی دکھایا۔

بدیوں کا بُروز وہی ہے جس کو مَیں نے اَلدَّجّال کہا ہے۔ تمام مکائد اور شرارتوں کا وُہ مجموعہ ہے۔ اِس آخری زمانہ میں ایک گروہ کو سفلی عقل اس قدر دی گئی ہے کہ تمام چھپی ہوئی چیزیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اُس نے دو قسم کا دجل دکھایا۔ ایک قسم کا حملہ نبوّت پر کیا اور ایک خدا پر۔ نبوّت پر تو یہ حملہ تھا کہ منشائے الٰہی کو بگاڑا اور دماغی طاقتوں کو انتہائی مدارج پر پہنچا کر اُلوہیت پر تصرّف کرنے کے لیے خدا پر حملہ کیا۔ امراضِ مزمنہ کے علاج کی طرف توجہ کرنا، ایک کا نُطفہ لیکر رحم میں بذریعۂ کل ڈالنا۔ بارش برسانے کے آلات ایجاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب امور اس قسم کے ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اُلوہیت پر تصرّف کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ خود خدا بن رہا ہے اور دُوسرا گروہ کسی اور انسان کو خدا بناتا ہے۔ جو کچھ آج کل یورپ اور امریکہ میں ہو رہا ہے، اس کی غرض کیا ہے۔ یہی کہ ایک آزادی اور حرص جو پیدا ہو گئی ہے۔ اس کو پورے طور پر کام میں لاکر ربُوبیت کے بھیدوں کو معلوم کر کے خدا سے آزاد ہو جائیں۔

غرض جان ڈالنے کے، مُردوں کے زندہ کرنے کے، بارش برسانے کے تجربے کرتے ہیں۔ یہاں تک ہی محدود نہیں،

بلکہ اُن کی تو کوشش یہ ہو رہی ہے کہ جو کچھ دُنیا میں ہو رہا ہے وُہ سب ہمارے ہی قبضہ میں آجاوے۔

اگرچہ مَیں اس بات کو مانتا ہوں کہ تدبیر کرنا منع نہیں ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گناہ ہمیشہ افراط یا تفریط سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر انسان کو صرف ہاتھ لگا دو، تو گناہ نہیں ہے، لیکن اگر اس کو ایک مُکا مار دو تو یہ گناہ ہے۔ یہ افراط ہے اور تفریط یہ ہے کہ کسی کو اگر ایک پیالہ پانی دینے کی ضرورت ہو، تو وُہ اس کو ایک قطرہ دے۔ غرض موجودہ زمانہ میں دجّال کا بُروز ایک معجُونِ مرکّب ہے۔ ایک حملہ خدا پر ہو رہا ہے ایک نبوّت پر۔ ایک خدا کو انسان بناتا ہے دُوسرا آپ ہی خدا بنتا ہے؛ کیا یہ بات سچ نہیں ہے۔ کتابیں دیکھو، اخبارات پڑھو تو پتہ لگے گا کہ کس قدر فساد برپا ہو رہا ہے۔ اور یہ دوزنگی ظلم ڈھا رہی ہے۔

یاجُوج ماجوج کے فساد کی نسبت مَیں نے بتا دیا ہے کہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ اُس کو شوکت ہے۔ خدا کی طرف رجُوع کرنا، امانت دیانت کا اختیار کرنا، شراب، زنا، بدنظری، بدکاری، قمار بازی سے بچنا مشکل ہو رہا ہے۔ بہت ہی تھوڑے شاید ایک آدمی فی ہزار جو بچتے ہوں گے۔

نیکی کے دو بُروز

اب یہ بات کیسی صاف ہے کہ جبکہ بَدی کے دو بُروز تھے، تو ایسا ہی نیکی کے بھی دو بُروز بَدی کے مقابل ضروری تھے؛ چنانچہ دو بُروز نیکی کے بھی رکھے۔ دراصل وُہ بھی ایک ہی چیز ہے جس کے دو نام ہیں۔ جیسے ایک ہی حالت میں مجسٹریٹ اور کلکٹر دو جداگانہ عہدے ہوتے ہیں۔ وہ نیکی کے بروز یہ ہیں کہ ایک تو اندرونی لحاظ سے ہے اور دُوسرا بیرونی لحاظ سے۔ اندرونی لحاظ سے وُہ مہدی اور بیرونی لحاظ سے مسیح ابنِ مریم۔

مسیح بن مریم

بیرونی طور پر مسیح کا کام کیا ہے؟ جو اس کا یہ نام رکھا۔ مسیح ابن مریم کا کام دفعِ شر ہوگا اور مہدی کا کام کسبِ خیر؛ چنانچہ غور کرو کہ مسیح کا کام یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ اور یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ بتایا ہے۔ یہی دفعِ شر ہے، لیکن ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے کہ وہ دفعِ شر کے لیے تیغ و سِنان لے کر جنگ کے واسطے نکلے گا۔ عُلماء جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنگ کرے گا یہ صحیح نہیں بلکہ بالکل غلط ہے۔ یہ کیا اصلاح ہوئی کہ ابھی آپ آئے اور آتے ہی تلوار پکڑ کر لڑائی کے واسطے میدان میں نکل آئے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ صحیح اور سچی بات وہی ہے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر کھولی، جو احادیث کے منشاء کے موافق ہے کہ مسیح کوئی خونی جنگ نہ کرے گا اور نہ تلوار پکڑ کر لڑنا اس کا منصب ہے۔ بلکہ وُہ تو اصلاح کے لیے آئے گا۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ اس کا کام دفعِ شر ہے اور وہ حجج اور براہین سے کرے گا۔

مہدی

اور مہدی کا کام کسبِ خیر ہے۔ یعنی جو بد عادات اور فسق و فجور پھیلا ہوا ہوگا۔ وہ اس کو ہدایت سے بدل دے گا۔ عیسیٰ کا لفظ عُوس سے لیا ہے، جو دفعِ شر کی طرف ایما ہے۔ ان ہر دو بُروزوں میں سِرّ یہ ہے کہ مہدی کا بروز اکمل ہے، کیونکہ اس کا کام اِفاضۂ خیر اور اِفاضۂ خیر و دفعِ شر کی نسبت اکمل بات ہے۔ ایک شخص ہے جو کسی کی راہ سے صرف کانٹے اُٹھا دے۔ یہ بے شک بڑا کام ہے، لیکن جو اس کو سواری دے اور

اپنے گھر سے جاکر روٹی بھی کھلاتے، یہ اس بھی بڑھ کر ہے۔ پس مہدی اکمل ہے۔ اسی لیے وُہ خلیفۃ اللہ ہے۔ عیسیٰ ابنِ مریم جو مہدی خلیفۃ اللہ کی بیعت کرے گا، اس میں یہی مرتبہ اور مہدی کا بُروز یوں بھی اکمل ہے کہ وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بُروز ہوگا اور آپؐ خاتم الانبیاء تھے اور اکمل الانبیاء، اس لیے اس کا بُروز بھی اکمل ہی ہوگا۔

یہ دو بُروز تھے۔ علماء نے کیسا ظلم کیا کہ ایک بُروز کو تو اُنھوں نے مان لیا کہ مہدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق اور نام پر ہوگا، لیکن عیسیٰ ابن مریمؑ کی نسبت یہی تجویز کیا کہ وہی آسمان سے اُتر کر آئے گا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ کیسے ذہن متنزل ہوگئے ہیں جو تناقض پیدا کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔ ایک جگہ تو بُروز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مان لیا۔ اُس کا قائم مقام خلیفۃ اللہ بن گیا۔ مگر پھر یہ کیا ہوا کہ جو چھوٹا تھا، اُسے خود کیوں آنا پڑا۔ وُہ مہدی جس کو افاضۂ خیر دیا گیا ہے اور جو اکمل ہے اس کو بروزی رنگ میں لانے اور مسیح ابن مریمؑ کو اُس کی بیعت کرانے کے واسطے خود اُتارتے ہو۔ ؎

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کے معنی

جب اُن سے پُوچھا جاوے کہ تم ایک نبی کو اُتار کر جو اس کی بیعت مہدی کے ہاتھ پر کرلتے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا کیا جاوے، حدیث میں آیا ہے۔ اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کے وہی معنے ہوں جو تم قرار دیتے ہو تو چاہیے تھا کہ سلطنت رُوم کے سب لوگ باغی ہوتے۔

اگر پیش گوئی کے طور پر یہی نہ سمجھا جاوے۔ پھر جو سُلطانِ رُوم کو خلیفۃ المسلمین قرار دیتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہوئے؟ اصل بات یہ ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کشفی طور پر دکھایا گیا تھا کہ خلیفے قریش سے ہوں گے۔ خواہ حقیقی طور پر یا بروزی طور پر۔ جیسے دجّال کا بُروز تبایا۔ اسی طرح پر سلاطین مغلیہ وغیرہ بروزی طور پر قریش ہی ہیں۔ خدا نے جو عہدہ اُن کو دیا وہ اس کے متکفل رہے۔ جبتک خدا نے چاہا وُہ سلطنت کرتے رہے۔ جبتک کوئی بروز کے مسئلہ کو نہیں سمجھتا، اس پیش گوئی کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتا اور آخر اُس کو اس پیشگوئی کو جھٹلانا پڑے گا۔

جب اصل قریش میں استعداد نہ رہی اور اس قوم میں وہ استعداد پائی گئی، تو خدا نے وُہ عہدہ اس کے حوالے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ طبعًا سلطان رُوم کی متابعت اختیار کی اور سچّی محبت سے اُس کو قبول کیا۔ یہ تصنّع اور بناوٹ سے نہیں ہوا، بلکہ دلوں نے یہ فتویٰ دیا کہ وُہ خادمِ حرمین الشریفین ہے۔ اظلالی اُمور ہمیشہ ہوتے ہیں اور ہوں گے یہ معنے ہیں اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کے۔

غرض یہ دو نام ایک ہی شخص کے تھے۔ ایک کو افاضۂ خیر کا درجہ ملا۔ دُوسرے کو دفعِ شرّ کا۔ افاضۂ خیر چونکہ بڑھ کر ہے۔ اس کو دفعِ شرّ پر بزرگی دی جاتی ہے، اس لیے اس حیثیت سے وُہ خلیفۃ اللہ کہلایا۔

پس جیسے مقابل پر دو خبیث بُروز تھے۔ یہ خیر کے بُروز ہیں۔

اب اس کے متعلق ایک اور نکتہ بیان کرکے اس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ عیسیٰ کے نام میں دفعِ شر کا مفہوم پایا جاتا ہے اور احمدؐ یا محمدؐ کے نام میں افاضۂ خیر کا مفہوم یعنی نہایت ہی تعریف کیا گیا۔ تعریف اس نام پر ہوتی ہے۔ جس کو خیر پہنچاؤ گے وہ بے اختیار تعریف کرے گا۔ حمد کرنے کے ساتھ لازمی طور پر مُنعَم علیہ ہونا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ اس لیے ہی تھا کہ وہ افاضۂ خیر ہے جو خلق کی طرف کرتا ہے۔ احمدؐ منعم ہے اور محمدؐ منعم علیہ ہے اور عیسیٰ کے معنی ہیں بچایا گیا۔ یہ تو دفعِ شر کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے وہ قصہ یاد دلایا۔ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ: ۳۱) اس قصہ میں پیشگوئی مذکور ہے۔ اب میں اُس کا بیان لمبا کرنا نہیں چاہتا۔ بس اسی پر ختم کرتا ہوں کہ مسیح اور مہدی دراصل ایک ہی شخص کے دو نام ہیں جو اس کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں جو دفعِ شر اور افاضۂ خیر ہیں۔ افسوس ان علماء پر کہ اُنھوں نے افاضۂ خیر کے بروز کو مانا اور دفعِ شر کے بروز سے انکار کیا۔"

مرکز میں بار بار آنے کی تاکید

دسمبر ۱۸۹۹ء کے جلسہ سالانہ پر بہت کم لوگ آئے۔ اس پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بہت اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا:

"ہنوز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں کہ وہ بن جائیں۔ وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں اور جس کے لیے ہمیں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اُکتائیں۔" اور فرمایا:

"جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ آنے میں اُس پر بوجھ پڑتا ہے یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں ہم پر بوجھ ہوگا اسے ڈرنا چاہیے کہ وہ شرک میں مبتلا ہے۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہان ہمارا عیال ہو جائے، تو ہمارے متکفل خدا تعالیٰ ہے۔ ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں۔ ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے۔ یہ وسوسہ ہے جسے دلوں سے دُور پھینکنا چاہیے۔ میں نے بعض کو یہ کہتے سُنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت صاحب کو تکلیف دیں۔ ہم تو نکمے ہیں۔ یوں ہی روٹی بیٹھ کر کیوں توڑا کریں۔ وہ یہ یاد رکھیں، یہ شیطانی وسوسہ ہے جو شیطان نے اُن کے دلوں میں ڈالا ہے کہ اُن کے پیر یہاں جمنے نہ پائیں۔"

[ایک دن حکیم فضل دین صاحب نے عرض کیا کہ حضور میں یہاں نکما بیٹھا کیا کرتا ہوں۔ حکم ہو تو بھیرہ چلا جاؤں۔ وہاں درسِ قرآنِ کریم ہی کروں گا۔ یہاں مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ میں حضورؑ کے کسی کام نہیں آتا اور شاید بیکار بیٹھنے میں کوئی معصیت نہ ہو۔" فرمایا: "آپ کا یہاں بیٹھنا ہی جہاد ہے اور یہ بیکاری ہی بڑا کام ہے۔"

غرض بڑے دردناک اور افسوس بھرے لفظوں میں نہ آنے والوں کی شکایت کی اور فرمایا: "یہ عُذر کرنے والے وہی ہیں جنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عُذر کیا تھا اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ اور خدا تعالیٰ نے اُن کی تکذیب

کردی کہ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (الاحزاب: ۱۴) فرمایا "ہمارے دوستوں کو کس نے بتایا ہے کہ زندگی بڑی لمبی ہے۔ موت کا کوئی وقت نہیں کہ کب سر پر ٹوٹ پڑے۔ اس لیے مناسب ہے کہ جو وقت ملے، اُسے غنیمت سمجھیں۔"

فرمایا: "یہ ایام پھر نہ ملیں گے اور یہ کہانیاں رہ جائیں گی۔"

اپنے نفس پر قابو

فرمایا: "میں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سال بھر میرے سامنے میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے۔ آخر وہی شرمندہ ہوگا اور اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اُکھاڑ نہ سکا۔"

لوگوں کی تکالیف اور شرارتوں سے آپ کبھی مرعوب نہیں ہوتے۔ اِس بارہ میں فرمایا:

"کوئی معاملہ زمین پر واقعہ نہیں ہوتا، جبتک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جاتے اور خدا تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا اور وُہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کرے گا۔"

اِبتلاؔ کے وقت حضرت اقدسؑ کا حال

جالندھر کے مقام میں فرمایا:

"ابتلاء کے وقت ہمیں اندیشہ اپنی جماعت کے بعض ضعیف دلوں کا ہوتا ہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ اگر مجھے صاف آواز آدے کہ تو مخذول ہے اور تیری کوئی مُراد ہم پوری نہ کریں گے تو مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس عشق اور محبتِ الٰہی اور خدمتِ دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اس لیے کہ میں تو اُسے دیکھ چکا ہوں۔" پھر یہ پڑھا: ھَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۔ (مریم: ۶۶)

عفو و درگذر

اپنے خادم حامد علی کو اپنی ڈاک ڈاکخانہ میں ڈالنے کو دی۔ اُسے وہ کہیں فراموش ہوگئی۔ ایک ہفتہ کے بعد کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے اُس کے برآمد ہونے پر حامد علی کو بُلوا کر اور خطوط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اِتنا ہی کہا:

"حامد علی تمہیں نسیان بہت ہوگیا ہے۔ فکر سے کام کیا کرو۔"

دین کی ہتک

حرمات اللہ کی ہتک آپؑ کو گوارا نہ تھی۔ اِس بارہ میں فرمایا:

"میری جائیداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مجھ پر آسان ہے بہ نسبت دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھنے اور اُس پر صبر کرنے کے۔"

نیکی کا اخفاء

اخراجات کے بارہ میں احباب کے خیالات پر آپؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کھانے کے متعلق میں اپنے نفس میں اتنا تحمل پاتا ہوں کہ ایک پیسہ پر دو دو وقت بڑے آرام سے بسر کرسکتا ہوں۔ ایک دفعہ میرے دل میں آیا کہ انسان کہاں تک بھوک کی برداشت کرسکتا ہے۔ اس امتحان کے لیے چھ ماہ تک میں نے کچھ نہ کھایا۔ کبھی کوئی ایک آدھ لقمہ کھالیا اور چھ ماہ کے بعد میں

نے اندازہ کیا کہ چھ سال تک بھی یہ حالت لمبی کی جاسکتی ہے۔ اس اثنا میں دو وقت کھانا گھر سے برابر آتا تھا اور مجھے اپنی حالت کا اخفا منظور تھا۔ اس اخفا کی تدابیر کے لیے جو زحمت اٹھانی پڑتی تھی۔ شاید وہ زحمت اوروں کو بھوک سے نہ ہوتی ہوگی۔ میں وہ دو وقت کی روٹی دو تین مسکینوں میں تقسیم کر دیتا۔ اس حال میں نماز پانچوں وقت مسجد میں پڑھتا اور کوئی میرے آشناؤں میں سے کسی نشان سے پہچان نہ سکا کہ میں کچھ نہیں کھایا کرتا۔"

مناسبِ حال قویٰ

"خدا تعالیٰ نے جس کام کے لیے کسی کو پیدا کیا ہے۔ اس کی تیاری اور لوازم اور اُس کے سرانجام اور مہمات کے طے کے لیے اس میں قویٰ بھی مناسبِ حال پیدا کیے ہیں۔ دُوسرے لوگ جو حقیقتاً فطرت کے مقتضاء سے وہ قویٰ نہیں رکھتے اور ریاضتوں میں پڑ جاتے ہیں۔ آخر کار دیوانے اور مختبط الحواس ہو جاتے ہیں۔"

نزولِ الہام کی کیفیت

اسی ضمن میں فرمایا:

"طبیبوں نے نیند کے لیے طبعی اسباب مقرر کیے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ ہم سے کلام کرے۔ اس وقت پوری بیداری میں ہوتے ہیں اور یکدم رُبودگی اور غنودگی وارد کر دیتا ہے اور اس جسمانی عالم سے قطعاً باہر لے جاتا ہے، اس لیے کہ اُس عالم سے پوری مناسبت ہو جائے۔ پھر یُوں ہوتا ہے کہ جب ایک مرتبہ کلام کر چکتا ہے۔ پھر ہوش و حواس واپس دے دیتا ہے۔ اس لیے کہ مُلہَم اس کو محفوظ کرلے۔ اس کے بعد پھر رُبودگی طاری کرتا ہے۔ پھر یاد کرنے کے لیے بیدار کر دیتا ہے۔ غرض اس طرح کبھی پچاس دفعہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے وہ ایک تصرفِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس طبعی نیند سے اس کو کوئی تعلق نہیں اور اطبّاء اور ڈاکٹر اس کی ماہیت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔"

سائل کے لیے بے قراری

ایک دن ایک سائل نے بعد فراغتِ نماز جبکہ آپؑ اندرونِ خانہ تشریف لے جا رہے تھے، سوال کیا۔ مگر ہجوم کے باعث اس کی آواز اچھی طرح نہ سُنی جا سکی۔ اندر جا کر واپس تشریف لائے اور خدام کو سوالی کے بلانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑایا، مگر وُہ نہ ملا۔ شام کو وہ پھر آیا۔ اس کے سوال کرنے پر آپؑ نے اپنی جیب سے نکال کر کچھ دیا۔ چند یوم بعد کسی تقریب پر فرمایا کہ:

"اُس دن جو وُہ سائل نہ ملا۔ میرے دل پر ایسا بوجھ تھا کہ جس نے مجھے سخت بے قرار کر رکھا تھا اور میں ڈرتا تھا کہ مجھ سے معصیت سرزد ہوئی ہے کہ میں نے سائل کی طرف دھیان نہ کیا اور یُوں جلدی اندر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وُہ شام کو واپس آگیا؛ ورنہ خدا جانے میں کس اضطراب میں پڑا رہتا اور میں نے دُعا بھی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اُسے واپس لاتے۔"[1]

کوئی نسخہ حکمی نہیں

۱۸۹۹ء "ہمارے گھر میں مرزا صاحب (مُراد اپنے والد بزرگوار مرزا غلام مُرتضےٰ

---

[1] (از خط مولانا عبدالکریم صاحبؓ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۰۰ء مندرجہ الحکم جلد ۴ نمبر ۳ صفحہ ۱۱-۶)

خانصاحب مرحوم) پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔ وہ اس فنِ طبابت میں بہت مشہور تھے، مگر اُن کا قول تھا کہ کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا۔ حقیقت میں اُنھوں نے سچ فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرّہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کچھ اثر نہیں کر سکتا۔"

حکام اور برادری سے حُسنِ سلوک

ایک شخص نے پوچھا کہ حکام اور برادری کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔ فرمایا کہ:

"ہر ایک سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے، وہ ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ میں اس کو بڑی بے ایمانی سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جائے۔"

برادری کے حقوق ہیں۔ اُن سے بھی نیک سلوک کرنا چاہیے؛ البتہ اُن باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف ہیں، اُن سے الگ رہنا چاہیے۔

ہمارا اُصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کُل مخلوق سے احسان کرو۔"

دُعا اور قضاء و قدر

"جب اللہ تعالیٰ کا فضل قریب آتا ہے تو وہ دُعا کی قبولیت کے اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ دل میں ایک رقت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے، لیکن جب دُعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوتا تو دل میں اطمینان اور رجوع پیدا نہیں ہوتا۔ طبیعت پر کتنا ہی زور ڈالو، مگر طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی خدا تعالیٰ اپنی قضاء و قدر منوانا چاہتا ہے اور کبھی دُعا قبول کرتا ہے۔ اس لیے میں تو جب تک اذنِ الٰہی کے آثار نہ پاؤں، قبولیت کی کم اُمید کرتا ہوں اور اُس کی قضاء و قدر پر اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ جو قبولیتِ دُعا میں ہوتی ہے راضی ہو جاتا ہوں، کیونکہ اس رضا بالقضاء کے ثمرات اور برکات اس سے بہت زیادہ ہیں۔"

نسب کا تکبر نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے

"اللہ تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تو روحانیت اور مغز کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے قرآن شریف میں فرمایا۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۸) اور دُوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدہ: ۲۸) حقیقت میں یہ بڑی نازک جگہ ہے۔ یہاں پیغمبر زادگی بھی کام نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے بھی ایسا ہی فرمایا اور قرآن شریف میں بھی صاف الفاظ ہیں۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات: ۱۴)۔

یہودی بھی تو پیغمبر زادے ہیں۔ کیا صدہا پیغمبر اُن میں نہیں آئے تھے؟ مگر اس پیغمبر زادگی نے اُن کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اگر اُن کے اعمال اچھے ہوتے تو وہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ۔ (البقرہ: ۶۲) کے مصداق کیوں ہوتے۔

خدا تعالیٰ تو ایک پاک تبدیلی کو چاہتا ہے بعض اوقات انسان کو تکبّرِ نسب بھی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں اسی سے نجات پاؤں گا۔ جو بالکل خیالِ خام ہے۔ کبیر کہتا ہے کہ اچھا ہوا۔ ہم نے چماروں کے گھر جنم لیا۔ کبیر اچھا ہوا ہم نیچے بھلے سب کو کریں سلام، خدا تعالیٰ وفاداری اور صدق سے پیار کرتا ہے اور اعمالِ صالحہ کو چاہتا ہے۔ لاف و گزاف اُسے راضی نہیں کر سکتے۔

رفع کے معنی

فرمایا کہ "قرآن شریف تو رفعِ اختلاف کے لیے آیا ہے۔ اگر ہمارے مخالف رَافِعُكَ اِلَیَّ۔ کے یہ معنے کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ جسم سمیت آسمان پر چڑھ گئے تو وہ ہمیں یہ بتائیں کہ کیا یہود کی یہ غرض تھی اور وُہ یہ کہتے تھے کہ مسیح آسمان پر نہیں چڑھا؟ اُن کا اعتراض تو یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ کا رفع الی اللہ نہیں ہوا۔ یعنی اُسے قربِ الی اللہ نصیب نہیں ہوا۔ اگر رَافِعُكَ اِلَیَّ اِس اعتراض کا جواب نہیں، تو پھر چاہیے کہ اُن کے اِس اعتراض کا جواب دیا اور دکھایا جائے۔"

مرکز میں رہائش کی غرض دین ہو

ایک مرتبہ کسی دوست نے عرض کی کہ وُہ تجارت کے لیے قادیان آنا چاہتا ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:

"یہ نیت ہی فاسد ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ یہاں تو دین کے واسطے آنا چاہیے اور اصلاحِ عاقبت کے خیال سے یہاں رہنا چاہیے۔ اصل نیت یہی ہو۔ اور اگر پھر اُس کے ساتھ کوئی تجارت وغیرہ یہاں رہنے کی اغراض کو پورا کرنے کے لیے ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اصل مقصد دین ہو نہ کہ دُنیا۔ کیا تجارتوں کے لیے اور شہر موزُوں نہیں۔ یہاں آنے کی اصل غرض کبھی دین کے سوا اور نہ ہونی چاہیے۔ پھر جو کچھ حاصل ہو جائے وُہ خدا کا فضل سمجھو۔"

ہمدردیٔ خلائق

"میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہُوں، میرے کان میں اُس کی آواز پہنچ جائے تو میں تو یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اُس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت و تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لیے نہیں کر سکتے تو کم از کم دُعا ہی کرو۔

اپنے تو درکنار، میں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھاؤ۔ اور اُن سے ہمدردی کرو۔ لاابالی مزاج ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ میں باہر سیر کو جا رہا تھا۔ ایک پٹواری عبدالکریم میرے ساتھ تھا۔ وُہ ذرا آگے تھا اور میں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا کوئی ۷۰، ۷۵ برس کی ضعیفہ ملی۔ اُس نے ایک خط اُسے پڑھنے کو کہا، مگر اُس نے اُس کو جھڑکیاں دے کر ہٹا دیا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اُس نے وُہ خط مجھے دیا۔ میں اُس کو لے کر ٹھہر گیا۔ اور اس کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیا۔ اس پر پٹواری کو بہت شرمندہ ہونا پڑا، کیونکہ ٹھہرنا تو پڑا اور ثواب سے بھی محروم رہا۔

جماعت کے مستقبل کے متعلق ایک کشف

"مجھے بڑے ہی کشفِ صحیح سے معلوم ہوا ہے کہ ملوک بھی اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ ملوک مجھے دکھائے بھی گئے ہیں۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تجھے یہاں تک برکت دوں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

اللہ تعالیٰ ایک زمانہ کے بعد ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کو داخل کرے گا اور پھر اُن کے ساتھ ایک دُنیا اس طرف رجُوع کرے گی۔"[1]

صحبتِ صالحین ۱۸۹۹ء

قرآن شریف میں آیا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) اُس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ تزکیۂ نفس کے واسطے صحبتِ صالحین اور نیکوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا بہت مفید ہے۔ جھوٹ وغیرہ اخلاقِ رذیلہ دُور کرنے چاہئیں اور جو راہ پر چل رہا ہے۔ اُس سے راستہ پُوچھنا چاہیے۔ اپنی غلطیوں کو ساتھ ساتھ دُرست کرنا چاہیے۔ جیسا کہ غلطیاں نکالنے کے بغیر املا درست نہیں ہوتا۔ ویسا ہی غلطیاں نکالنے کے بغیر اخلاق بھی دُرست نہیں ہوتے۔ آدمی ایسا جانور ہے کہ اُس کا تزکیہ ساتھ ساتھ ہوتا رہے، تو سیدھی راہ پر چلتا ہے؛ ورنہ بہک جاتا ہے۔"[2]

خوفِ خدا ۱۸۹۹ء۔ فرمایا:

"رات کے وقت جب ہر طرف خاموشی ہوتی ہے اور ہم اکیلے ہوتے ہیں، اس وقت بھی خدا کی یاد میں دل ڈرتا رہتا ہے کہ وہ بے نیاز ہے۔"

انکسار فرمایا: "جب انسان کو کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اور عجز و مصیبت کی حالت نہیں رہتی، تو جو شخص اس وقت انکسار کو اختیار کرے اور خدا کو یاد رکھے وہ کامل ہے۔ ؎ چوں بدولت برسی مست نگردی مَردی۔"

رویائے صادقہ خدا کے وجود پر دلیل ہیں مفتی محمد صادق صاحبؓ نے اپنے گذشتہ رات کے خواب کا ذکر کیا۔ جو صبح پُورا ہوا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

"جس چیز کا وجود نہیں اور وہ چیز موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے اُس کی خبر دے دیتا ہے۔ دہریہ لوگ کیوں اس پر غور نہیں کرتے۔"

ایک الہام فرمایا: "مجھے الہام ہوا ہے۔ گورنر جنرل کی دعاؤں کی قبولیت کا وقت آگیا۔"

فرمایا: "گورنر جنرل سے مُراد "رُوحانی عہدہ" ہے۔"[3]

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۴ پرچہ ۳۱ جولائی، ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء

[2] بدر جلد ۱۰ نمبر ۴۴، ۴۵ صفحہ ۹ پرچہ ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء

[3] بدر جلد ۱۰ نمبر ۴۶، ۴۷ صفحہ ۲ پرچہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء

Excel Vol - 1

۶ جنوری ۱۹۰۰ء

حُسنِ معاشرت

عورتوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"فحشاء کے سوا باقی تمام کج خُلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں اور فرمایا۔ ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا ہے اور درحقیقت یہ ہم پر اتمامِ نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ ہے کہ ہم عورتوں سے لُطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔"

ایک دفعہ ایک دوست کی دُرشت مزاجی اور بدزبانی کا ذکر ہوا اور شکایت ہوئی کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ حضورؑ اس بات سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

"ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہیے۔"

حضورؑ بہت دیر تک معاشرتِ نسواں کے بارہ میں گفتگو فرماتے رہے اور آخر پر فرمایا:

"میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ مَیں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا اور مَیں محسوس کرتا تھا کہ وُہ بانگِ بلند دل کے رنج سے مِلی ہوئی ہے اور بایں ہمہ کوئی دل آزار اور دُرشت کلمہ مُنہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد مَیں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع اور خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیتِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔"

عفو و درگذر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محمود[1] چار ایک برس کا تھا۔ حضورؑ معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے اور مسوّدات لکھے ہوئے سارے رکھے تھے۔ میاں محمود یا سلائی لے کر وہاں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بچّوں کا ایک غول بھی تھا۔ پہلے کچھ دیر آپس میں کھیلتے رہے پھر جو کچھ دل میں آئی ان مسوّدات کو آگ لگا دی اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے۔ اور حضرتؑ لکھنے میں مصروف ہیں۔ سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنے میں آگ بُجھ گئی اور قیمتی مسوّدات راکھ کا ڈھیر ہو گئے اور بچّوں کو کسی اور مشغلہ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ حضرت کو کسی عبارت کے سیاق کے لیے کسی گذشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اِس سے پُوچھتے ہیں خاموش۔ اُس سے پُوچھتے ہیں، دُبکا جاتا ہے۔ آخر ایک بچّہ بول اُٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دیے ہیں۔ عورتیں، بچّے اور گھر کے سب لوگ حیران اور انگشت بدنداں کہ اب کیا ہو گا ..... حضورؑ مسکرا کر فرماتے ہیں:

"خوب ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہو گی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔"

---

[1] حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

اسی طرح ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ سے ایک مضمون حضرت مسیح موعودؑ کا گم ہوگیا جس کی تلاش میں انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ جب حضورؑ کو خبر ملی، تو حضورؑ نے آکر مولوی صاحب سے بڑا عذر کیا کہ کاغذ کے گم ہو جانے سے انہیں اتنی تشویش ہوئی۔ پھر فرمایا:

"مجھے افسوس ہے کہ اس کی جستجو میں اس قدر دوا دوش اور تگاپو کیوں کیا گیا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہتر ہمیں عطا فرمائے گا۔"

حیا ایک دفعہ حضورؑ کو سخت سر درد تھا۔ پاس بچوں اور عورتوں کا شور و غل بپا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ حضورؑ نے فرمایا: "ہاں اگر چپ ہو جائیں تو آرام ملتا ہے۔"

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ پھر حضورؑ کیوں حکم نہیں فرماتے۔ حضورؑ نے فرمایا:

"آپ ان کو نرمی سے کہدیں۔ میں تو نہیں کہہ سکتا۔"

چشم پوشی ایک خادمہ نے گھر سے چاول چرائے اور پکڑی گئی۔ گھر کے سب لوگوں نے اُسے ملامت شروع کر دی۔ اتفاقاً حضرت اقدسؑ کا بھی اس طرف سے گذر ہوا۔ واقعہ سنائے جانے پر حضورؑ نے فرمایا:

"محتاج ہے۔ کچھ تھوڑے سے اُسے دے دو اور فضیحت نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو۔"

خدمتِ خلق دہقانی عورتیں ایک دن بچوں کے لیے دوائی وغیرہ لینے آئیں۔ حضورؑ اُن کو دیکھنے اور دوائی دینے میں مصروف رہے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے اور اس طرح حضورؑ کا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضورؑ نے فرمایا:

"یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا رکھا کرتا ہوں، جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہیئے۔"

بچوں کو مارنا شرک میں داخل ہے ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا۔ آپؑ اس سے بہت متاثر ہوئے اور انہیں بُلا کر بڑی دردانگیز تقریر فرمائی اور فرمایا:

"میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بُردبار اور باسکون اور باوقار ہو، تو اُسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقتِ مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغلوب الغضب اور سُبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں

کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے، کاش دُعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لیے سوزِ دل سے دُعا کرنے کو ایک حزب ٹھہرالیں۔ اس لیے کہ والدین کی دُعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔

حضورؑ کی چند دُعائیں

فرمایا: مَیں التزاماً چند دُعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔

اوّل۔ اپنے نفس کے لیے دُعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اُس کی عزّت و جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پُوری توفیق عطا کرے۔

دوم۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لیے دُعا مانگتا ہوں کہ اُن سے قُرّۃ عین عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔

سوم: پھر اپنے بچوں کے لیے دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔

چہارم: پھر اپنے مخلص دوستوں کے لیے نام بنام۔

پنجم: اور پھر اُن سب کے لیے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں، یا نہیں جانتے۔

تربیتِ اولاد

فرمایا: "حرام ہے مشیخی کی گدی پر بیٹھنا اور پیر بننا اس شخص کو جو ایک منٹ بھی اپنے متوسلین سے غافل رہے۔ فرمایا۔ ہدایت اور تربیتِ حقیقی خدا کا فعل ہے۔ سخت پیچا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں۔ اور ہم اُس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرکِ خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے۔ آپؑ نے قطعی طور پر فرمایا اور لکھ کر بھی ارشاد کیا کہ ہمارے مدرسہ میں جو استاد مارنے کی عادت رکھتا اور اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہو، اسے یکلخت موقوف کر دو۔ فرمایا: ہم تو اپنے بچوں کے لیے دُعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آدابِ تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر اپنا پُورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا۔ وقت پر سرسبز ہو جائے گا۔"

تکلفات سے پرہیز

جب مہمانوں کی ضرورت کے لیے مکان بنوانے کی ضرورت پیش آئی ہے تو بار بار یہی تاکید فرمائی ہے کہ اینٹوں اور پتھروں پر روپیہ خرچ کرنا بعث ہے۔ اتنا ہی کام کرو جو چند روز بسر کرنے کی گنجائش ہو جائے۔ نجّار تیرہندیاں اور تختے رندے سے صاف کر رہا تھا۔ حضورؑ نے اُسے روک دیا اور فرمایا:

لہ الحکم جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۰ء خط نمبر ۲ مولانا عبدالکریم صاحب۔

"یہ محض تکلف ہے اور ناحق کی دیر لگانا ہے۔ مختصر کام کرو۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے کوئی اُنس نہیں۔ ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں اور بڑی آرزو ہے کہ مل کر چند روز گزارہ کرلیں اور فرمایا کہ ایک ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میرا گھر ہو اور ہر گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ و رابطہ رہے۔"

وقت کی قدر

تکلفات میں وقت ضائع کرنا حضورؒ کو ناپسند تھا۔ اس کے متعلق حضورؒ نے فرمایا:

"میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ اور پیشاب پر بھی مجھے افسوس آتا ہے کہ اتنا وقت ضائع جاتا ہے، یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جائے اور فرمایا۔ کوئی مشغولی اور تصرف جو دینی کاموں میں حارج ہو اور وقت کا کوئی حصہ لے مجھے سخت ناگوار ہے اور فرمایا۔ جب کوئی دینی ضروری کام آپڑے، تو میں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کرلیتا ہوں۔ جب تک وہ کام نہ ہو جائے۔ فرمایا: ہم دین کے لیے ہیں اور دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بس دین کی راہ میں ہمیں کوئی روک نہ ہونی چاہیے۔"

خدمت گذاری

ایک دفعہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنے مکان میں ایک چارپائی پڑی تھی جس پر سو رہے تھے۔ وہاں حضورؒ ٹہل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جاگے، تو دیکھا کہ حضورؒ فرش پر چارپائی کے نیچے لیٹے ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضورؒ نے محبت سے پوچھا کہ کیوں اُٹھ بیٹھے؟ اُنھوں نے پاسِ ادب کا عذر کیا۔ اس پر حضورؒ نے فرمایا:

"میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے۔"

خاکساری

لوگوں کو حضورؒ سے گفتگو کرنے میں کمال آزادی تھی اور ہر شخص بلا روک ٹوک حضورؒ سے بات چیت کرسکتا تھا۔ اس بارے میں حضورؒ نے فرمایا:

"میرا یہ مسلک نہیں کہ میں ایسا تُند خُو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں، جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں اور میں بُت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو بُت پرستی کو رَد کرنے آیا ہوں نہ یہ کہ میں خود بُت بنوں اور لوگ میری پُوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دُوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بُت پرست اور خبیث نہیں۔ متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا، بلکہ وُہ اپنی پرستش کرتا ہے۔"

خلوت پسندی

حضرتِ اقدسؑ خلوت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اس بارہ میں فرمایا:

"اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تُو کس کو پسند کرتا ہے، تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم میں اُسی نے نکالا ہے، جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے۔ اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے۔ میں قریب ۲۵ سال تک خلوت

میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لیے بھی نہیں چاہا کہ دربارِ شہرت میں کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں، مگر اُمرِ آمر سے مجبور ہوں۔ فرمایا: مَیں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے۔"

خادمِ دین ہی ہماری دُعاؤں کا مستحق ہے

تائیدِ حق پر اگر کوئی قلم اُٹھائے یا کوشش کرے تو حضورؑ بڑی قدر کرتے تھے۔ اس بارہ میں فرمایا:

"اگر کوئی تائیدِ دین کے لیے ایک لفظ نکال کر ہمیں دیدے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص چاہے کہ ہم اُس سے پیار کریں اور ہماری دُعائیں نیازمندی اور سوز سے اس کے حق میں آسمان پر جائیں۔ وُہ ہمیں اس بات کا یقین دلادے کہ وُہ خادمِ دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بارہا قسم کھا کر فرمایا کہ ہم ہر ایک شئے سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے پیار کرتے ہیں۔ بیوی ہو، بچے ہوں، دوست ہوں۔ سب سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔"

عہدِ دوستی کی رعایت

"میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مجھ سے عہدِ دوستی باندھے۔ مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے، میں اُس سے قطع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وُہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں؛ ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوفِ لومۃ لائم کے اسے اُٹھا کر لے آئیں گے۔ فرمایا: عہدِ دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے، اُس کو آسانی سے ضائع کر دینا نہ چاہیے اور دوستوں سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آوے اُسے اغماض اور تحمل کے محل میں اُتارنا چاہیے۔"[1]

۱۰ر جنوری ۱۹۰۰ء

سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی نے اپنے کسی ضروری کام کے لیے مدراس واپس جانے کی اجازت طلب کی کیونکہ ان کو واپسی کے لیے تار بھی آیا تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

رمضان المبارک میں حضورؑ کی مصروفیات

"آپ کا اس مبارک مہینہ (رمضان) میں یہاں رہنا ازبس ضروری ہے اور فرمایا: ہم آپ کے لیے وُہ دُعا کرنے کو تیار ہیں جس سے بِاذنِ اللہ پہاڑ بھی ٹل جاتے۔ فرمایا: آج کل مَیں احباب کے پاس کم بیٹھتا ہوں اور زیادہ

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳ پرچہ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۰ء

حصّہ اکیلا رہتا ہوں۔ یہ احباب کے حق میں ازبس مُفید ہے۔ میں تنہائی میں بڑی فراغت سے دُعائیں کرتا ہوں اور رات کا بہت سا حصّہ بھی دعاؤں میں صرف ہوتا ہے۔"[1]

۲؍فروری ۱۹۰۰ء

اسلام ایک پاکیزہ دین

عیدالفطر کی تقریب پر حضرتِ اقدسؑ نے ایک خاص جلسہ اس غرض کے لیے منعقد فرمایا کہ تا جنگِ ٹرانسوال کی کامیابی کے لیے دُعا کی جاوے اور مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کے حقوق اور اُن کے فرائض سے آگاہ کیا جاوے۔ حضرت اقدسؑ نے عیدالفطر کے خطبہ میں مفصلہ ذیل تقریر فرمائی:

"مُسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا بہت شُکر کرنا چاہیے، جس نے اُن کو ایک ایسا دین بخشا ہے جو علمی اور عملی طور پر ہر ایک قسم کی فساد اور مکروہ باتوں اور ہر ایک نوع کی قباحت سے پاک ہے۔"

حمد کا حقیقی مستحق اللہ تعالیٰ ہے

اگر انسان غور اور فکر سے دیکھے تو اُس کو معلوم ہوگا کہ واقعی طور پر تمام محامد اور صفات کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور کوئی انسان یا مخلوق واقعی اور حقیقی طور پر حمد و ثنا کی مستحق نہیں ہے اگر انسان بغیر کسی قسم کی غرض کی لونی کے دیکھے تو اس پر بدیہی طور پر کھُل جاوے گا کہ کوئی شخص جو مستحقِ حمد قرار پاتا ہے وہ یا تو اس لیے مستحق ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں جبکہ کوئی وجود اور موجود کی خبر نہ تھی وُہ اس کا پیدا کرنے والا ہو یا اس وجہ سے کہ ایسے زمانہ میں کہ کوئی وجود نہ تھا اور نہ معلوم تھا کہ وجُود اور بقاء وجود اور حفظِ صحت اور قیامِ زندگی کے لیے کیا کیا اسباب ضروری ہیں۔ اُس نے وہ سب سامان مہیا کیے ہوں یا ایسے زمانہ میں کہ اس پر بہت سی مصیبتیں آسکتی تھیں۔ اُس نے رحم کیا ہو اور اُس کو محفوظ رکھا ہو اور یا اس وجہ سے مستحقِ تعریف ہو سکتا ہے کہ محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہ کرے اور محنت کرنے والوں کے حقوق پورے طور پر ادا کرے! اگرچہ بظاہر محنت کرنے والے کے حقوق کا دینا معاوضہ ہے، لیکن ایسا شخص بھی محسن ہو سکتا ہے جو پُورے طور پر حقوق دے۔ یہ صفات اعلیٰ درجہ کی ہیں جو کسی کو مستحقِ حمد و ثنا بنا سکتی ہیں۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ حقیقی طور پر ان سب محامد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کامل طور پر ان صفات سے متصف ہے۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں ہیں۔

اوّل دیکھو صفتِ خلق اور پرورش۔ یہ صفت اگرچہ انسان گمان کر سکتا ہے کہ ماں باپ اور دیگر محسنوں میں بھی

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳ مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۰ء

پائی جاتی ہے، لیکن اگر انسان زیادہ غور کرے گا، تو اُس کو معلوم ہو جاوے گا کہ ماں باپ اور دیگر محسنوں کے اغراض و مقاصد ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ احسان کرتے ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً بچہ تندرست، خوبصورت توانا پیدا ہو تو ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے اور اگر لڑکا ہو تو پھر یہ خوشی اور بھی بڑی ہوتی ہے۔ شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر لڑکی ہو تو گویا وُہ گھر ماتم کدہ اور وُہ دن سوگ کا دن ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ بسا اوقات بعض نادان مختلف تدابیر سے لڑکیوں کو ہلاک کر دیتے ہیں یا اُن کی پرورش میں کم التفات کرتے ہیں اور اگر بچہ لُنجا، اندھا، اپاہج پیدا ہو، تو چاہتے ہیں کہ وُہ مر جاوے اور اکثر دفعہ تعجب نہیں کہ خود بھی وبالِ جان سمجھ کر مار دیں۔ مَیں نے پڑھا ہے کہ یُونانی لوگ ایسے بچوں کو عمداً ہلاک کر دیتے تھے، بلکہ اُن کے ہاں شاہی قانون تھا کہ اگر کوئی ناکارہ بچہ اپاہج اندھا وغیرہ پیدا ہو تو اُس کو فوراً مار دیا جاوے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ انسانی خیالات پرورش اور خبر گیری کے ساتھ ذاتی اور نفسانی اغراض سے ملے ہوئے ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی اس قدر مخلوق کی (جس کے تصور اور بیان سے وہم اور زبان قاصر ہے اور جو آسمان اور زمین میں بھری پڑی ہے) خلق اور پرورش سے کوئی غرض ہرگز نہیں ہے۔ وہ والدین کی طرح خدمت اور رزق نہیں چاہتا بلکہ اُس نے مخلوق کو محض ربوبیت کے تقاضا سے پیدا کیا ہے۔ ہر ایک شخص مان لے گا کہ بُوٹا لگانا پھر آب پاشی کرنا اور اس کی خبر گیری رکھنا اور ثمر دار درخت ہونے تک محفوظ رکھنا ایک بڑا احسان ہے۔ پس انسان اور اُس کی حالت اور غور و پرداخت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس قدر انقلابات اور تغیرات میں اس کی دستگیری فرمائی ہے۔

دوسرا پہلو جو مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ قبل از پیدائشِ وجود ایسے سامان ہوں کہ تمدنی زندگی اور قویٰ کے کام کے لیے پُورا پُورا سامان موجود ہو۔ دیکھو ابھی ہم پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ سامان پہلے ہی پیدا کر دیا۔ منوّر سُورج جو اَب چڑھا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے عام روشنی پھیلی ہوئی ہے اور دن چڑھا ہوا ہے اگر نہ ہوتا۔ کیا ہم دیکھ سکتے تھے یا روشنی کے ذریعہ جو فوائد و منافع ہمیں پہنچ سکتے ہیں ہم کس ذریعہ سے حاصل کر سکتے تھے؟ اگر سُورج اور چاند یا اور کسی قسم کی روشنی نہ ہوتی تو بینائی بے کار ہوتی، اگرچہ آنکھوں میں ایک قوت دیکھنے کی ہے، مگر وُہ بیرونی اور خارجی روشنی کے بدوں محض نکمّی ہے۔ پس یہ کس قدر احسان ہے کہ قویٰ سے کام لینے کے لیے اُن ضروری سامانوں کو پہلے سے مہیّا کر دیا اور پھر یہ کس قدر رحمت ہے کہ ایسے قویٰ دیئے ہیں اور ان میں بالقوّہ ایسی استعدادات رکھ دی ہیں جو انسان کی تکمیل اور وصُول اِلَی الغایۃ کے لیے از بس ضروری ہیں۔ دماغ میں، اعصاب میں، عُروق میں ایسے خواص رکھے ہیں کہ انسان اُن سے کام لیتا ہے اور اُن کی تکمیل کر سکتا ہے، اس لیے کہ قوتوں کی تکمیل کا سامان ساتھ ہی پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو اندرونی نظام کا حال ہے کہ ہر ایک قوت اُس منشاء اور مفاد سے پوری مناسبت رکھتی ہے، جس میں انسان

کی فلاح ہے اور بیرونی طور پر بھی ایسا ہی انتظام رکھا ہے کہ ہر شخص جس قسم کا حرفہ رکھتا ہے اس کے مناسبِ حال ادویات و آلات قبل از وجود مہیا کر رکھے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی جوتا بنانے والا ہے تو اس کو چمڑہ اور دھاگہ نہ ملے تو وہ کہاں سے لائے اور کیونکر اپنے حرفہ کی تکمیل کرے۔ اسی طرح درزی کو اگر کپڑا نہ ملے تو کیونکر سیئے۔ اسی طرح ہر متنفس کا حال ہے۔ طبیب کیسا ہی حاذق اور عالم ہو، لیکن اگر ادویہ نہ ہوں تو وہ کیا کر سکتا ہے۔ بڑی سوچ اور فکر سے ایک نسخہ لکھ دے گا، لیکن بازار سے وہ دوا نہ ملے، تو کیا کرے گا۔ کس قدر فضل ہے کہ ایک طرف علم دیا ہے اور دوسری طرف نباتات، جمادات، حیوانات جو مرکبوں کے مناسبِ حال تھے پیدا کر دیئے ہیں اور ان میں قسم قسم کے خواص رکھے ہیں جو ہر زمانہ میں نا اندیشہ ضروریات کے کام آسکتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی غیر مفید پیدا نہیں کی اور جس کے خواص محدود ہوں۔ یہاں تک کہ پشو اور جُوں تک بھی غیر مفید نہیں، لکھا ہے کہ اگر کسی کا پیشاب بند ہو تو بعض وقت جُوں کو احلیل میں دینے سے پیشاب جاری ہو جاتا ہے۔ انسان ان اشیاء کی مدد سے کہاں تک فائدہ اُٹھاتا ہے۔ کوئی تصور کر سکتا ہے؟ پھر چوتھی بات پاداشِ محنت ہے۔ اس کے لیے بھی خدا کا فضل درکار ہے۔ مثلاً انسان کس قدر محنت و مشقت سے زراعت کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد اُس کے ساتھ نہ ہو تو کیونکر اپنے گھر میں غلہ لا سکے۔ اسی کے فضل و کرم سے اپنے وقت پر ہر ایک چیز ہوتی ہے، چنانچہ اب قریب تھا کہ اس خشک سالی میں لوگ ہلاک ہو جاتے، مگر خدا نے اپنے فضل سے بارش کر دی اور بہت سے حصۂ مخلوق کو سنبھال لیا۔ غرض اولاً بالذات اکمل اور اعلیٰ مستحق تعریف کا خدا تعالیٰ ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی دُوسرے کا ذاتی طور پر کوئی بھی استحقاق نہیں۔

سورۃ النّاس میں تین حقوق کا بیان

اگر کسی دُوسرے کو استحقاق تعریف کا ہے تو صرف طفیلی طور پر ہے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا رحم ہے کہ باوجودیکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، مگر طفیلی طور پر بعض کو اپنے محامد میں شریک کر لیا ہے۔ جیسے اس سُورۃ شریفہ میں بیان فرمایا ہے: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۔ (الناس: ۲ تا ۷) اس میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی مستحقِ حمد کے ساتھ عارضی مستحقِ حمد کا بھی اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل ہو، چنانچہ اس سُورۃ میں تین قسم کے حق بیان فرمائے ہیں۔

فرمایا: "تم پناہ مانگو اللہ کے پاس جو جامع جمیع صفاتِ کاملہ کا ہے اور جو ربّ ہے اور جو ملک ہے لوگوں کا پھر جو معبود و مطلوبِ حقیقی ہے لوگوں کا۔ یہ سُورۃ اس قسم کی ہے کہ اس میں اصل توحید کو تو قائم رکھا ہے، مگر ضمناً یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ دُوسرے لوگوں کے حقوق بھی ضائع نہ کریں جو ان اسماء کے مظہر ظلّی طور پر ہیں۔ ربّ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ گو حقیقی طور پر خدا ہی پرورش کرنے والا اور تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔

رُبوبیت کے دو مظہر والدین اور رُوحانی مُرشد

لیکن عارضی اور ظلّی طور پر دو اور بھی وجود ہیں جو رُبوبیت کے مظہر ہیں۔ ایک جسمانی طور پر، دُوسرا روحانی طور پر۔ جسمانی طور پر والدین ہیں اور رُوحانی طور پر مُرشد اور ہادی ہیں۔ دُوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بھی ذکر فرمایا ہے۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (بنی اسرائیل: ۲۴) یعنی خدا نے یہ چاہا ہے کہ کسی دُوسرے کی بندگی نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔ حقیقت میں کیسی رُبوبیت ہے کہ انسان بچہ ہوتا ہے اور کسی قسم کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس حالت میں ماں کیا کیا خدمات کرتی ہے اور والد اس حالت میں ماں کی تہمات کا کسطرح متکفل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ناتواں مخلوق کی خبر گیری کے لیے دو محل پیدا کر دیئے ہیں اور اپنی محبت کے انوار سے ایک پرتو محبت کا اُن میں ڈال دیا، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ماں باپ کی محبت عارضی ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت حقیقی ہے۔ اور جبتک قلوب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اتقاء نہ ہو تو کوئی فردِ بشر خواہ وہ دوست ہو یا کوئی برابر کے درجہ کا ہو یا کوئی حاکم ہو کسی سے محبت نہیں کر سکتا اور یہ خدا کی کمال رُبوبیت کا راز ہے کہ ماں باپ بچوں سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ اُن کے تکفل میں ہر قسم کے دُکھ شرح صدر سے اُٹھاتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی زندگی کے لیے مرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ پس خدا تعالیٰ نے تکمیلِ اخلاقِ فاضلہ کے لیے ربّ الناس کے لفظ میں والدین اور مُرشد کی طرف ایما فرمایا ہے تاکہ اس مجازی اور مشہود سلسلہ شکر گذاری سے حقیقی ربّ اور ہادی کی شکر گذاری میں لے لیے جائیں۔ اسی راز کے حل کی یہ کلید ہے کہ اس سُورۃ شریفہ کو رَبّ الناس سے شروع فرمایا ہے۔ اِلٰہ الناس سے آغاز نہیں کیا؛ چونکہ مُرشد رُوحانی تربیت خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق اُس کی توفیق و ہدایت سے کرتا ہے۔ اس لیے وہ بھی اس میں شامل ہے۔ پھر دُوسرا ٹکڑا اس میں مَلِکِ الناس ہے۔ تم پناہ مانگو خدا کے پاس جو تمہارا بادشاہ ہے۔ یہ ایک اور اشارہ ہے تا لوگوں کو متمدن دُنیا کے اُصول سے واقف کیا جاوے اور مہذب بنایا جاوے۔ حقیقی طور پر تو اللہ تعالیٰ ہی بادشاہ ہے، مگر اس میں اشارہ ہے کہ ظلّی طور پر دُنیا میں بھی بادشاہ ہوتے ہیں اور اسی لیے اس میں اشارۃً مَلِکِ وقت کے حقوق کی نگہداشت کی طرف بھی ایما ہے۔ یہاں کافر اور مشرک اور موحد بادشاہ کسی قسم کی قید نہیں بلکہ عام طور پر ہے۔ کسی مذہب کا بادشاہ ہو۔ مذہب اور اعتقاد کے جتنے خُدا ہیں۔ قرآن میں جہاں جہاں خدا نے مُحسن کا ذکر فرمایا ہے وہاں کوئی شرط نہیں لگائی کہ وہ مُسلمان ہو اور مُوحد ہو اور فلاں سلسلہ کا ہو بلکہ عام طور پر مُحسن کی نسبت فرمایا خواہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمان: ۶۱) کہ کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا بھی ہو سکتا ہے۔

سکھوں کا زمانہ ایک آتشی تنور تھا

اب ہم اپنی جماعت کو اور تمام سُننے والوں کو بڑی صفائی اور وضاحت سے سُناتے ہیں کہ سلطنتِ انگریزی ہماری مُحسن ہے۔ اُس نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ جس کی عمر ۶۰ یا ۷۰ برس کی ہوگی وہ خُوب جانتا ہوگا کہ ہم پر سکھوں کا ایک زمانہ گذرا ہے اس

وقت مسلمانوں پر جس قدر آفتیں تھیں وُہ پوشیدہ نہیں ہیں۔ ان کو یاد کر کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے اور دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اس وقت مُسلمانوں کو عبادات اور فرائضِ مذہبی کی بجاآوری سے جو اُن کی جان سے عزیز تر ہیں، روکا گیا تھا۔ بانگِ نماز جو نماز کا مقدمہ ہے اس کو باآوازِ بلند پکارنے سے روکا گیا تھا۔ اگر کبھی موذن کے مُنہ سے بے ساختہ اللہ اکبر باآوازِ بلند نکل جاتا تو اس کو مارا جاتا تھا۔ اسی طرح پر مُسلمانوں کے حلال و حرام کے معاملہ میں بے جا تصرف کیا گیا تھا۔ ایک گائے کے مقدمہ میں ایک دفعہ پانچ ہزار غریب مُسلمان قتل کیے گئے۔ بٹالہ کا واقعہ ہے کہ ایک سید وہیں کا رہنے والا باہر سے دروازہ پر آیا۔ وہاں گائیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے تلوار کی نوک سے ذرا ہٹایا اور ایک گائے کے چمڑے کو خفیف سی خراش پہنچ گئی۔ وہ بے چارہ پکڑا گیا۔ اور اس امر پر زور دیا گیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ آخر بڑی سفارشوں کے بعد اُس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر اب دیکھو کہ ہر قوم و مذہب کو کیسی آزادی ہے۔ ہم صرف مُسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں۔ فرائضِ مذہبی اور عبادات کے بجالانے میں سلطنت نے پوری آزادی دے رکھی ہے اور کسی کے مال و جان و آبرو سے کوئی ناحق تعرّض نہیں۔ برخلاف اُس پُرفتن وقت کے کہ ہر ایک شخص کیسا ہی اُس کا حساب پاک ہو، اپنی جان و مال پر لرزتا رہتا تھا۔ اب اگر کوئی خود اپنا چلن خراب کرے اور اپنی بے اندامی اور ارتکابِ جرائم سے خود مستوجبِ عقوبت ٹھہر جائے، تو اور بات ہے۔ یا خود ہی سُوءِ اعتقاد اور غفلت کی وجہ سے عبادت میں کوتاہی کرے تو جُدا امر ہے، لیکن گورنمنٹ کی طرف سے ہر طرح کی پُوری آزادی ہے۔ اِس وقت جس قدر عابد بننا چاہو بنو کوئی روک نہیں۔ گورنمنٹ خود معابد مذہبی کی حُرمت کرتی ہے اور اُن کی مرمت وغیرہ پر ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتی ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں اس کے خلاف یہ حال تھا کہ مسجدوں میں بھنگ گھُٹتی تھی اور گھوڑے بندھتے تھے جس کا نمونہ خود یہاں قادیان میں موجود ہے اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے نمونے ملیں گے۔ لاہور میں آجتک کئی ایک مسجدیں سکھوں کے قبضہ میں ہیں۔ آج اس کے مقابل میں گورنمنٹ انگلشیہ ان بزرگ مکانوں کی ہر قسم کی واجب عزت کرتی ہے اور مذہبی مکانات کی تکریم اپنے فرائض میں سے سمجھتی ہے جیسا کہ انہی دنوں حضور وائسرائے لارڈ کرزن صاحب بہادر بالقابہ نے دہلی کی جامع مسجد میں جُوتا پہن کر جانے کی مخالفت اپنی عملی حالت سے ثابت کر دی اور قابلِ اقتدا نمونہ بادشاہانہ اخلاقِ فاضلہ کا دیا اور اُن کی ان تقریروں سے جو وقتاً فوقتاً اُنھوں نے مختلف موقعوں پر کی ہیں، صاف معلوم ہو گیا ہے کہ وہ مذہبی مکانات کی کیسی عزت کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ گورنمنٹ نے کہیں مناداۃ نہیں کی کہ کوئی باآوازِ بلند بانگ دے یا روزہ نہ رکھے۔ بلکہ اُنھوں نے ہر قسم کی تغذیہ کے سامان مہیا کیے ہیں جس کا سکھوں کے ذلیل زمانہ میں نام و نشان تک نہ تھا۔ برف، سوڈا واٹر اور بسکٹ ڈبل روٹی وغیرہ ہر قسم کی غذائیں بہم پہنچائیں اور ہر قسم کی سہولت دی ہے۔ یہ ایک غیبی امداد ہے جو ان لوگوں سے ہمارے شعائرِ اسلام کو پہنچی ہے۔ اب اگر کوئی خود روزہ نہ رکھے تو یہ اور بات ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمان خود شریعت کی توہین کرتے ہیں۔ چنانچہ دیکھو۔ جنھوں نے اِن دِنوں روزے رکھے ہیں، وُہ کچھ دُبلے نہیں ہو گئے اور جنھوں نے استخفاف کے ساتھ اس

مہینہ کو گذارہ ہے، وہ کچھ موٹے نہیں ہو گئے۔ اُن کا بھی وقت گذر گیا۔ اِن کا بھی زمانہ گذر گیا۔ جاڑے کے روزے تھے۔ صرف غذا کے اوقات کی ایک تبدیلی تھی۔ سات آٹھ بجے نہ کھائی چار پانچ بجے کھالی۔ باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی بہتوں نے شعائر اللہ کی عظمت نہیں کی اور خدا تعالیٰ کے اس واجب التکریم مہمان ماہِ رمضان کو بڑی حقارت سے دیکھا۔ اِس قدر آسانی کے مہینوں میں رمضان کا آنا ایک قسم کا معیار تھا اور مطیع و عاصی میں فرق کرنے کے لیے یہ روزے میزان کا حکم رکھتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آسانی تھی۔ سلطنت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے۔ طرح طرح کے پھل اور غذائیں میسر آتی ہیں۔ کوئی آسائش و آرام کا سامان نہیں، جو آج مہیا نہ ہو سکتا ہو۔ باینہمہ جو پرواہ نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دلوں میں خدا پر ایمان نہیں رہا۔ افسوس خدا کا ایک ادنیٰ بھنگی کے برابر بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ گویا یہ خیال ہے کہ خدا سے کبھی واسطہ ہی نہ ہوگا اور نہ اس سے کبھی پالا پڑے گا اور اُس کی عدالت کے سامنے جانا ہی نہیں۔ کاش مُنکر غور کریں اور سوچیں کہ کروڑوں سورجوں کی روشنی سے بھی بڑھ کر خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں۔ افسوس کی جگہ ہے کہ ایک جُوتے کو دیکھ کر یقینی طور پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُسکا کوئی بنانے والا ہے، مگر یہ کس قدر بدبختی ہے کہ خدا تعالیٰ کی بے انتہا مخلوق کو دیکھ کر بھی اُس پر ایمان نہ ہو۔ یا ایسا ایمان ہو جو نہ ہونے میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہم پر بہت رحمتیں ہیں۔ ازاں جُملہ ایک یہ ہے کہ اس نے ہمیں جلتے ہوئے تنور سے نکالا۔ سکھوں کا زمانہ ایک آتشی تنور تھا اور انگریزوں کا قدم رحمت و برکت کا قدم ہے۔ مَیں نے سُنا ہے کہ جب اوّل ہی اوّل انگریز آئے تو ہوشیار پور میں کسی مؤذن نے اونچی اذان کہی؛ چونکہ ابھی ابتدا تھی اور ہندوؤں اور سکھوں کا خیال تھا کہ یہ بھی اُونچی اذان کہنے پر روکیں گے۔ یا اُن کی طرح اگر گائے کو کسی سے زخم لگ جاوے، تو اُس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ اس اُونچی اذان کہنے والے مؤذن کو پکڑ لیا۔ ایک بڑا ہجوم ہو گیا اور ڈپٹی کمشنر کے سامنے وُہ لایا گیا۔ بڑے بڑے رئیس مہاجن جمع ہوئے اور کہا حضور! ہمارے آٹے بھرشٹ ہو گئے۔ ہمارے برتن ناپاک ہو گئے۔ جب یہ باتیں اُس انگریز کو سُنائی گئیں تو اسے بڑا تعجب ہوا کہ کیا بانگ میں ایسی خاصیت ہے کہ کھانے کی چیزیں ناپاک ہو جاتی ہیں۔ اس نے سررشتہ دار سے کہا کہ جب تک تجربہ نہ کر لیا جاوے اس مقدمہ کو نہ کرنا چاہیئے؛ چنانچہ اُس مؤذن کو حکم دیا کہ تُو پھر اُسی طرح بانگ دے وُہ ڈرا کہ شاید دُوسرا جُرم نہ ہو، مگر جب اُس کو تسلی دی گئی اُس نے اسی قدر زور سے بانگ دی۔ صاحب بہادر نے کہا کہ ہم کو تو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ سررشتہ دار سے پُوچھا کہ تم کو کوئی ضرر پہنچا۔ اُس نے بھی کہا کہ حقیقتاً کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ آخر اُس کو چھوڑ دیا گیا اور کہا گیا۔ جاؤ جس طرح چاہو بانگ دو۔ اللہ اکبر یہ کس قدر آزادی ہے اور کس قدر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ پھر ایسے احسان پر اور ایسے انعامِ صریح پر بھی اگر کوئی دل گورنمنٹ انگریزی کا احسان محسوس نہیں کرتا۔ وہ دل بڑا کافر نعمت اور نمک حرام اور سینہ سے چیر کر نکال ڈالنے کے لائق ہے۔

مذہبی آزادی خود ہمارے اس گاؤں میں جہاں ہماری مسجد ہے۔ کارداروں کی جگہ تھی۔ ہمارے بچپن کا زمانہ تھا، لیکن مَیں نے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے کہ جب انگریزی دخل ہو گیا تو چند روز تک

وُہی قانون رہا۔ ایک کاردار آیا ہوا تھا اس کے پاس ایک مُسلمان سپاہی تھا وُہ مسجد میں آیا اور مؤذن کو کہا کہ بانگ دے۔ اس نے وہی گُنگنا کر اذان دی۔ سپاہی نے کہا کہ کیا تم اسی طرح پر بانگ دیتے ہو۔ مؤذن نے کہا ہاں! اسی طرح دیتے ہیں۔ سپاہی نے کہا کہ نہیں کوٹھے پر چڑھ کر اُونچی آواز سے اذان دے اور جس قدر زور سے ممکن ہے وُہ دے۔ وُہ ڈرا، آخر اُس نے زور سے بانگ دی۔ تمام ہندو اکٹھے ہوگئے اور مُلّاں کو پکڑ لیا۔ وہ بے چارہ بہت ڈرا اور گھبرایا کہ کاردار مجھے پھانسی دے دے گا۔ سپاہی نے کہا کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں۔ آخر سنگدل چھُری مار برہمن اس کو پکڑ کر کاردار کے پاس لے گئے اور کہا۔ مہاراج! اس نے ہم کو بھرشٹ کر دیا۔ کاردار جانتا تھا کہ سلطنت تبدیل ہوگئی ہے اور اب وُہ سکھا شاہی نہیں رہی، مگر ذرا دُبی زبان سے پُوچھا کہ تُو نے اُونچی آواز سے بانگ کیوں دی؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اُس نے نہیں مَیں نے بانگ دی۔ کاردار نے کہا۔ کم بختو! کیوں شور ڈالتے ہو۔ لاہور میں تو اب کھُلے طور پر گائے ذبح ہوتی ہے۔ تم ایک اذان کو ہوتے ہو۔ جاؤ چُپکے ہو کر بیٹھ رہو۔ الغرض یہ واقعی اور سچی بات ہے جو ہمارے دل سے نکلتی ہے۔ جس قوم نے ہم کو تحت الثریٰ سے نکالا ہے۔ اس کا احسان ہم نہ مانیں یہ کس قدر ناشکری اور نمک حرامی ہے۔

پریس کی سہولت

اس کے علاوہ بڑی جہالت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بڈھے کے شاہ نے بیان کیا کہ مَیں نے اپنے اُستاد کو دیکھا ہے کہ وہ بڑے تضرع سے دُعا کرتے تھے کہ صحیح بخاری کی ایک دفعہ زیارت ہو جائے اور بعض اوقات اس خیال سے کہ کہاں ممکن ہے دُعا کرتے کرتے اُن کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ اب وُہی بخاری دو چار روپیہ میں امرتسر اور لاہور سے ملتی ہے۔ ایک مولوی شیر محمد صاحب تھے کہیں دو چار ورق احیاء العلوم کے اُن کو مِل گئے۔ کتنی مدت تک ہر نماز کے بعد نمازیوں کو بڑی خوشی اور فخر سے دکھایا کرتے تھے کہ یہ احیاء العلوم ہے اور تڑپتے تھے کہ پوری کتاب کہیں سے مِل جائے۔ اب جا بجا احیاء العلوم مطبوعہ موجود ہے۔ غرض انگریزی قدم کی برکت سے لوگوں کی دینی آنکھ بھی کھُل گئی ہے اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس سلطنت کے ذریعہ دین کی کس قدر اعانت ہوتی ہے کہ کسی سلطنت میں ممکن ہی نہیں۔ پریس کی برکت اور قسم قسم کے کاغذ کی ایجاد سے ہر قسم کی کتابیں تھوڑی تھوڑی قیمت پر میسّر آسکتی ہیں اور پھر ڈاک خانہ کے طفیل سے کہیں سے کہیں گھر بیٹھے بٹھلائے پہنچ جاتی ہیں اور یُوں دین کی صداقتوں کی تبلیغ کی راہ کس قدر سہل اور صاف ہوگئی ہے۔

مذہبی آزادی کے فوائد

پھر منجملہ اور برکات کے جو تائید دین میں اس گورنمنٹ کے عہد میں مِلی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ عقلی قویٰ اور ذہنی طاقتوں میں بڑی ترقی ہوئی ہے اور چونکہ گورنمنٹ نے ہر ایک مذہب والے کو اس کے مذہب کی اشاعت کی آزادی دی ہے۔ اس طرح پر لوگوں کو ہر ایک مذہب کے اصُول اور دلائل پرکھنے اور اُن پر غور کرنے کا موقع مِل گیا ہے۔ اسلام پر جب مختلف مذہب والوں نے حملے کئے، تو اہلِ اسلام کو اپنے مذہب کی تائید اور صداقت کے لیے اپنی مذہبی کتابوں پر غور کرنے کا موقع مِلا اور اُن کی عقلی قوتوں میں ترقی ہوئی۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جیسے جسمانی قویٰ ریاضت کرنے سے بڑھتے ہیں۔ ایسے ہی رُوحانی قویٰ بھی ریاضت سے نشوونما پاتے ہیں۔ جیسے گھوڑا چابک سوار کے نیچے اگر دُرست ہوتا ہے۔ اسی طرح سے انگریزوں کے آنے سے مذہب کے اصولوں پر غور کرنے کا موقع ملا اور تدبر کرنے والوں کو استقامت اور استحکام مذہب حق میں زیادہ مل گیا اور جس جس موقع پر قرآن کریم کے مخالفوں نے انگشت رکھی، وہیں سے غور کرنے والوں کو ایک گنج معارف کا ملا اور اس آزادی کی وجہ سے علم کلام نے مُعتد بہ ترقی کی اور وُہ مخصوصاً اِس جگہ ہوئی ہے۔ اب اگر روم یا شام کا رہنے والا خواہ وُہ کیسا ہی عالم و فاضل کیوں نہ ہو، آجاوے تو وُہ عیسائیوں کے یا آریوں کے اعتراضات کا کافی جواب نہ دے سکے گا۔ کیونکہ اُس کو ایسی آزادی اور وسعت کے ساتھ مختلف مذاہب کے اصُولوں کے موازنہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ غرض جیسے جسمانی طور پر گورنمنٹ انگلشیہ سے مُلک میں اَمن ہوا۔ ایسے ہی رُوحانی اَمن بھی پُوری طرح پھیلا۔ چونکہ ہمارا تعلق دینی اور رُوحانی باتوں سے ہے اس لیے ہم تو زیادہ تر ان اُمور کا ذکر کریں گے جو فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں گورنمنٹ کی طرف سے ہم کو بطور احسان ملے ہیں۔

عبادات بجالانے کی شرائط

پس یاد رکھنا چاہیے کہ انسان پُوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ عبادات کو تب ہی بجالا سکتا ہے کہ اس میں چار شرطیں موجود ہوں:

اوّل[1] صحت۔ اگر کوئی شخص ایسا ضعیف ہو کہ چارپائی سے اُٹھ نہ سکے وہ صوم وصلوٰۃ کا کیا پابند ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر حج زکوٰۃ وغیرہ بہت سے ضروری اُمور کی بجاآوری سے قاصر رہے گا۔ اب دیکھنا چاہیے کہ گورنمنٹ کے طفیل سے ہم کو صحت جسمانی کے بحال رکھنے کے لیے کس قدر سامان ملے ہیں۔ ہر بڑے شہر اور قصبہ میں کوئی نہ کوئی ہسپتال ضرور ہے جہاں مریضوں کا علاج نہایت دل سوزی اور ہمدردی سے کیا جاتا ہے اور دوا غذا وغیرہ مُفت دی جاتی ہے۔ بعض بیماروں کو ہسپتال میں رکھ کر ایسے طور پر اُن کی نگہداشت و خورد و پرداخت کی جاتی ہے کہ کوئی اپنے گھر میں بھی ایسی آسانی اور سہولت اور آرام کے ساتھ علاج نہیں کر سکتا۔ حفظانِ صحت کا ایک الگ محکمہ بنا رکھا ہے، جس پر کروڑ ہا روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ قصبات اور شہروں کی صفائی کے بڑے بڑے سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ گندے پانی اور مواد ردیہ مضر صحت کے دفع کرنے کے لیے الگ انتظام ہیں۔ پھر ہر قسم کی سریع الاثر ادویہ تیار کر کے بہت کم قیمت پر مہیا کی جاتی ہیں یہانتک کہ ہر ایک آدمی چند دوائیں اپنے گھر میں رکھ کر بوقتِ ضرورت علاج کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے میڈیکل کالج جاری کر کے طبی تعلیم کو کثرت سے پھیلایا۔ یہانتک کہ دیہات میں بھی ڈاکٹر ملتے ہیں۔ بعض خطرناک امراض چیچک، ہیضہ، طاعون وغیرہ کے دفعیہ کے لیے الگ محکمے ہیں۔ جو ابھی طاعون کے متعلق جس قدر کارروائی گورنمنٹ کی طرف سے عمل میں آئی ہے وہ بہت ہی کچھ شکر گذاری کے قابل ہے۔ غرض صحت کے لحاظ سے گورنمنٹ نے ہر قسم کی ضروری امداد دی ہے اور اس طرح پر عبادت کے لیے پہلی اور ضروری شرط کے پُورا کرنے کے واسطے بہت بڑی مدد دی ہے۔

دوسری[2] شرط ایمان ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اور اُس کے احکام پر ایمان ہی نہ رہا ہو اور اندر ہی اندر بے دینی اور الحاد

کا جذام لگ گیا ہو۔ پھر بھی تعمیلِ احکام آسمانی نہیں ہوتی۔ جیسے بہت لوگ کہتے ہیں "ایہہ جگ مٹھا تے اگلا کن ڈٹھا" افسوس ہے۔ دو آدمیوں کی شہادت پر ایک مجرم کو پھانسی مل سکتی ہے، بلکہ باوجود یکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور بے انتہا ولیوں کی شہادت موجود ہے، لیکن ابھی تک اس قسم کا الحاد ان لوگوں کے دلوں سے نہیں گیا۔ ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے متعدد نشانوں اور معجزات سے اَنَا الْمَوْجُوْد کہتا ہے۔ مگر یہ کمبخت کان رکھتے ہوئے بھی نہیں سُنتے۔ غرض یہ شرط بھی بہت بڑی ضروری شرط ہے۔ اس لیے بھی ہمیں گورنمنٹ انگلشیہ کا شکر گذار ہونا چاہیے۔ کیونکہ ایمان اور اعتقاد پختہ کرنے کے لیے عام تعلیم مذہبی کی ضرورت تھی اور مذہبی تعلیم کا انحصار مذہبی کتابوں کی اشاعت سے وابستہ تھا۔ پریس، ڈاک خانہ کی برکت سے ہر قسم کی مذہبی کتابیں مل سکتی ہیں اور اخبارات کے ذریعہ تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ سعید الفطرت لوگوں کے لیے بڑا بھاری موقعہ حاصل ہے کہ ایمان و اعتقاد میں رسوخ حاصل کریں۔ ان باتوں کے علاوہ جو ضروری اور اشد ضروری بات ایمان کے رسوخ کے لیے ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں جو اس شخص کے ہاتھ پر سرزد ہوتے ہیں جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے اور اپنے طرزِ عمل سے گمشدہ صداقتوں اور معرفتوں کو زندہ کرتا ہے۔ سو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے اِس زمانہ میں جس کو پھر ایمان زندہ کرنے کے لیے مامور کیا اور اس لیے بھیجا کہ تا لوگ قوتِ یقین میں ترقی کریں، وہ بھی اسی مبارک گورنمنٹ کے عہد میں آیا۔ وہ کون؟ وہی جو تم میں کھڑا بول رہا ہے۔ چونکہ یہ مسلّم بات ہے کہ جب تک پورے طور پر ایمان نہ ہو نیکی کے اعمال علیٰ الوجہ الاتم بجا نہیں لا سکتا۔ جس قدر کوئی پہلو یا کنگرہ ایمان کا گرا ہوا ہے اسی قدر عمل انسان میں سُست اور کمزور ہو گا۔ اس بنا پر وہی وہ کہلاتا ہے جس کا ہر پہلو سالم ہو اور وہ کسی پہلو سے کمزور نہ ہو۔ اس کی عبادات اکمل اتم طور پر صادر ہوتی ہوں۔ غرض دوسری شرط ایمان کی سلامتی ہے۔

تیسری شرط انسان کے لیے طاقتِ مالی ہے۔ مساجد کی تعمیر اور امورِ متعلقۂ اسلام کی بجاآوری مالی طاقت پر منحصر ہے۔ اس کے سوا تمدنی زندگی اور تمام امور کا اور خصوصاً مساجد کا انتظام بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ اب اس پہلو کے لحاظ سے گورنمنٹ انگلشیہ کو دیکھو۔ گورنمنٹ نے ہر قسم کی تجارت کو ترقی دی۔ تعلیم پھیلا کر ملک کے باشندوں کو نوکریاں دیں اور بڑے بڑے عہدے دیئے۔ سفر کے وسائل بہم پہنچا کر دوسرے ملکوں میں جا کر روپیہ کمانے میں مدد دی، چنانچہ ڈاکٹر، پلیڈر، عدالتوں کے عہدہ دار۔ سررشتہ تعلیم وغیرہ بہت سے ذریعوں سے لوگ معقول روپیہ کماتے ہیں اور تجارت کرنے والے سوداگر قسم قسم کے تجارتی مال سے ولایت اور دور دراز ملکوں افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں جا کر مالا مال ہو کر آتے ہیں۔ غرض روزگار عام کر دیا اور روپیہ کمانے کے بہت سے ذریعے پیدا کر دیئے۔

چوتھی شرط امن ہے۔ یہ امن کی شرط انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس کا انحصار علی الخصوص سلطنت پر رکھا گیا ہے۔ جس قدر سلطنت نیک نیت اور اس کا دل کھوٹ سے پاک ہو گا اسی قدر یہ شرط زیادہ صفائی سے پوری ہو گی۔ اب اس زمانہ میں امن کی شرط اعلیٰ درجہ پر پوری ہو رہی ہے۔ میں خوب

یقین رکھتا ہوں کہ سکھوں کے زمانہ کے دن انگریزوں کے زمانہ کی راتوں سے بھی کم درجہ پر تھے۔ یہاں سے قریب ہی بٹوٹی ایک گاؤں ہے۔ وہاں اگر کوئی عورت جایا کرتی تھی، تو رو رو کر جایا کرتی تھی کہ خدا جانے پھر واپس آنا ہوگا یا نہیں[1]۔ اب یہ حالت ہے کہ زین کی انتہا تک چلا جاوے، کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ سفر کے وسائل ایسے آسان کر دیئے ہیں کہ ہر ایک قسم کا آرام حاصل ہے۔ گویا گھر کی طرح ریل میں بیٹھا ہوا یا سویا ہوا جہاں چاہے چلا جاوے۔ مال و جان کی حفاظت کے لیے پولیس کا وسیع صیغہ موجود ہے۔ حقوق کی حفاظت کے لیے عدالتیں کھلی ہیں۔ جہاں تک چاہے چلا جاوے۔ یہ کس قدر احسان ہیں جو ہماری عملی آزادی کا موجب ہوتے ہیں۔ پس اگر ایسی حالت میں جبکہ جسم و رُوح پر بے انتہا احسان ہو رہے ہیں۔ ہم میں صُلح کاری اور شکر گذاری کا مادّہ پیدا نہیں ہوتا، تو تعجب کی بات ہے۔ جو مخلوق کا شکر نہیں کرتا۔ وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں ادا کر سکتا۔ وجہ کیا ہے؟ اِس لیے کہ وُہ مخلوق بھی تو خدا ہی کا فرستادہ ہوتا ہے اور خدا ہی کے ارادہ کے تحت میں چلتا ہے۔ الغرض یہ سب اُمور جو مَیں نے بیان کیے ہیں ایک نیک دل انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ ایسے مُحسن کا شکر گذار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار اپنی تصنیفات میں اور اپنی تقریروں میں گورنمنٹ انگلشیہ کے احسانوں کا ذکر کرتے ہیں، کیونکہ ہمارا دل واقعی اُس کے احسانات کی لذّت سے بھرا ہوا ہے۔ احسان فراموش نادان اپنی منافقانہ فطرتوں پر قیاس کر کے ہمارے اس طریقِ عمل کو جو صدقِ اخلاق سے پیدا ہوتا ہے، جُھوٹی خوشامد پر حمل کرتا ہے۔

سچی توحید

اب مَیں پھر اُس اصل بات کی طرف عود کر کے بتلانا چاہتا ہوں کہ پہلے اس صُورت میں خدا تعالیٰ نے رب النّاس فرمایا پھر ملک النّاس آخر میں اِلٰہ النّاس فرمایا۔ جو اصلی مقصُود اور مطلُوب انسان کا ہے۔ اِلٰہ کہتے ہیں مقصُود، معبُود، مطلوب کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ہی ہیں کہ لَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَلَا مَقْصُوْدَ لِیْ وَلَا مَطْلُوْبَ لِیْ اِلَّا اللّٰہُ۔ یہی سچی توحید ہے کہ ہر مدح و ستائش کا مستحق اللہ تعالیٰ کو ہی ٹھہرایا جاوے۔

خنّاس کون ہے؟

پھر فرمایا مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (النّاس: ۵)۔ یعنی وسوسہ ڈالنے والے خنّاس کے شر سے پناہ مانگو۔ خنّاس عربی میں سانپ کو کہتے ہیں جسے عبرانی میں نحاش کہتے ہیں، اس لیے کہ اُس نے پہلے بھی بدی کی تھی۔ یہاں ابلیس یا شیطان نہیں فرمایا۔ تاکہ انسان کو اپنی ابتدا کی ابتلا یاد آوے کہ کس طرح شیطان نے ان کے اَبَوَین کو دھوکا دیا تھا۔ اُس وقت اُس کا نام خنّاس ہی رکھا گیا تھا۔ یہ ترتیب خدا نے اس لیے اختیار فرمائی ہے تاکہ انسان کو پہلے واقعات پر آگاہ کرے کہ جس طرح

---

[1] سکھوں کے جور و ظلم کی یہ نشانی اب تک قائم ہے کہ باوجودیکہ اب راستے صاف اور اَمن سے پُر ہیں، لیکن پھر بھی اکثر جب کوئی سفر کو جاتا ہے تو رو رو کر بچھڑتا ہے۔ (ایڈیٹر)

شیطان نے خدا کی اطاعت سے انسان کو فریب دے کر رُوگردان کیا، ویسے ہی وہ کسی وقت مَلِکِ وقت کی اطاعت سے بھی عاصی اور رُوگردان نہ کرا دے۔ یُوں انسان ہر وقت اپنے نفس کے اِرادوں اور منصوبوں کی جانچ پڑتال کرتا رہے کہ مجھ میں مَلِکِ وقت کی اطاعت کس قدر ہے اور کوشش کرتا رہے اور خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا رہے کہ کسی مَدخل سے شیطان اُس میں داخل نہ ہو جائے۔ اب اِس سُورۃ میں جو اطاعت کا حکم ہے، وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہے، کیونکہ اصلی اطاعت اُسی کی ہے، مگر والدین، مُرشد، ہادی اور بادشاہِ وقت کی اطاعت کا بھی حکم ہے، کیونکہ اُن کی اطاعت کا حکم خدا ہی نے دیا ہے اور اطاعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ خنّاس کے قابُو سے بچ جاؤ گے۔ پس پناہ مانگو کہ خنّاس کی وسوسہ اندازی کے شر سے محفوظ رہو، کیونکہ مومن ایک ہی سُوراخ سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا۔ ایک بار جس راہ سے مصیبت آئے دوبارہ اُس میں نہ پھنسو۔ پس اس سُورۃ میں صریح اشارہ ہے کہ بادشاہِ وقت کی اطاعت کرو۔ خنّاس میں خواص اسی طرح ودیعت رکھے گئے ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ نے درخت پانی آگ وغیرہ چیزوں اور عناصر میں خواص رکھے ہیں۔ عنصر کا لفظ اصل میں عَنْصَرٌ ہے۔ عربی میں ص اور س کا بدل ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ چیز اسرارِ الٰہی میں سے ہے۔ درحقیقت یہاں آکر انسان کی تحقیقات رُک جاتی ہے۔ غرض ہر ایک چیز خدا ہی کی طرف سے ہے۔ خواہ وہ بسائط کی قسم سے ہو خواہ مرکبات کی قسم سے۔ جبکہ یہ بات ہے کہ ایسے بادشاہوں کو بھیج کر اُس نے ہزارہا مشکلات سے ہم کو چھڑایا اور ایسی تبدیلی بخشی کہ ایک آتشی تنور سے نکال کر ایسے باغ میں پہنچا دیا۔ جہاں فرحت افزا پودے ہیں اور ہر طرف ندیاں جاری ہیں اور ٹھنڈی خوش گوار ہوائیں چل رہی ہیں۔ پھر کس قدر ناشکری ہوگی اگر کوئی اُس کے احسانات کو فراموش کر دے۔ خاص کر ہماری جماعت کو جس کو خدا نے بصیرت دی ہے اور اُن میں نفاق نہیں ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے جس سے تعلق پیدا کیا ہے اُس میں نفاق نہیں ہے شُکرگذاری کا بڑا عمدہ نمونہ بننا چاہیے۔

جماعتِ احمدیہ کی ایمانی فراست

مجھے کامل یقین ہے کہ میری جماعت میں نفاق نہیں ہے اور میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں اُن کی فراست نے غلطی نہیں کی، اس لیے کہ مَیں درحقیقت وُہی ہوں جس کے آنے کو ایمانی فراست نے لینے پر متوجہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ گواہ اور آگاہ ہے کہ مَیں وہی صادق اور امین اور موعود ہوں جس کا وعدہ لوگوں کو ہمارے سیّد و مولیٰ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دیا گیا تھا، مگر جنھوں نے مجھ سے تعلق پیدا نہیں کیا وُہ اس نعمت سے محرُوم ہیں۔ فراست گویا ایک کرامت ہے۔ یہ لفظ فراستِ بِفَتْحِ الفاء بھی ہے اور بِکَسْرِ الفاء بھی۔ زَبر کے ساتھ اس کے معنی ہیں، گھوڑے پر چڑھنا۔ مومن فراست کے ساتھ اپنے نفس کا چابک سوار ہوتا ہے۔ خدا کی طرف سے اس کو نُور ملتا ہے، جس سے وُہ راہ پاتا ہے۔ اسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وُہ نُوراللہ سے دیکھتا ہے۔ غرض ہماری جماعت کی فراستِ حقّہ کا بڑا ثبوت یہ ہے

کہ انھوں نے خدا کے نور کو شناخت کیا۔

نیکی کرنیوالوں کے ساتھ نیکی کرو

اسی طرح میں امید رکھتا ہوں کہ ہماری جماعت عملی حالت میں ترقی کرے گی، کیونکہ وہ منافق نہیں اور وہ ہمارے مخالفوں کے اس طرزِ عمل سے بالکل پاک ہے کہ جب حکام سے ملتے ہیں تو اُن کی تعریفیں کرتے ہیں اور جب گھر میں آتے ہیں تو کافر بتلاتے ہیں۔ سُنو اور یاد رکھو کہ خدا اس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتا۔ تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو اور محض خدا کے لیے رکھتے ہو۔ نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرو اور بدی کرنے والوں کو معاف کرو۔ کوئی شخص صدیق نہیں ہو سکتا، جبتک کہ وہ کرنگ نہ ہو۔ جو منافقانہ چال چلتا ہے اور دورنگی اختیار کرتا ہے، وُہ آخر پکڑا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ دروغ گورا حافظہ نباشد۔ اس وقت میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وُہ یہ ہے کہ سلاطین کو اکثر ہمیں پیش آتی ہیں اور وہ بھی رعایا کے ہی بچاؤ اور حفاظت کے لیے ہوتی ہیں۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو سرحد پر کئی بار جنگ کرنی پڑی ہے۔ گو سرحدی لوگ مُسلمان ہیں، مگر ہمارے نزدیک وہ حق پر نہیں ہیں۔ اُن کا انگریزوں کے ساتھ جنگ کرنا کسی مذہبی حیثیت اور پہلو سے دُرست نہیں ہے اور نہ وہ حقیقتاً مذہبی پہلو سے لڑتے ہیں۔ کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ گورنمنٹ نے مُسلمانوں کو آزادی نہیں دے رکھی۔ بیشک دے رکھی ہے اور ایسی آزادی دے رکھی ہے، جس کی نظیر کابل اور نواحِ کابل میں وہ کبھی نہیں مل سکتی۔ امیر کے حالات اچھے سُننے میں نہیں آتے۔ ان سرحدی مجنونوں کے لڑنے کی کوئی وجہ بجز پیٹ کے نہیں ہے۔ دس بیس روپے مل جاویں تو وہ غازی بن غرق ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ظالم طبع ہیں جو اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

بادشاہ اور محسن کے حقوق

اسلام بادشاہِ وقت اور محسن کے حقوق قائم کرتا ہے۔ یہ دنی الطبع لوگ اپنے پیٹ کی خاطر حدُود اللہ کو توڑتے ہیں اور ان کی رذالت اور سفاہت اور سفاکی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک روٹی کے لیے بآسانی ایک انسان کا خُون کر دیتے ہیں۔ ایسا ہی آجکل ہماری گورنمنٹ کو ٹرانسوال کی ایک چھوٹی سی جمہوری سلطنت کے ساتھ مقابلہ ہے۔ وہ سلطنت پنجاب سے بڑی نہیں ہے اور یہ سراسر اُس کی حماقت ہے کہ اس قدر بڑی سلطنت کے ساتھ مقابلہ شروع کیا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے۔ ہر ایک مُسلمان کا حق ہے کہ انگریزوں کی کامیابی کے لیے دُعا کرے۔ ہم کو ٹرانسوال سے کیا غرض جس کے ہم پر ہزاروں احسان ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اُس کی خیر خواہی کریں۔ ایک ہمسایہ کے اتنے حقوق ہیں کہ اُس کی تکلیف سُن کر اس کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، تو کیا اب ہمارے دلوں کو سرکار انگلشیہ کے وفادار سپاہیوں کے مصائب پڑھ کر صدمہ نہیں پہنچتا۔ میرے نزدیک وہ بڑا سیاہ دل ہے جسے گورنمنٹ کے دُکھ اپنے دُکھ معلوم نہیں ہوتے۔ یاد رکھو۔ جذام کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جذام جسم کو لگ جاتا ہے، جس کو کوڑھ کہتے ہیں۔ اور ایک جذام روح کو لگ جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ایک شخص بازار میں رہا کرتا تھا۔ اگر کوئی مقدمہ کسی پر ہو جاتا، تو پُوچھا کرتا تھا کہ مقدمہ کی کیا صورت ہے؟ اگر کسی نے کہہ دیا

کہ وُہ بُری ہوگیا یا اچھی صورت ہے، تو اس پر آفت آجاتی اور چُپ ہو جاتا۔ اگر کوئی کہہ دیتا کہ فرد قرار دادِ جُرم لگ گئی، تو بہت خوش ہوتا اور اُس کو پاس بٹھا کر سارا قصّہ سُنتا۔ غرض بعض آدمیوں کی فطرت میں بداندیشی کا مادّہ ہوتا ہے کہ وہ بُری خبریں سُننا چاہتے ہیں اور کسی کی بُرائی پر خوش ہوتے ہیں۔ چونکہ شیطان کی سیرت اُن کے اندر ہوتی ہے۔ پس بدخواہی کسی انسان کی بھی اچھی نہیں۔ چہ جائیکہ محسن کی ہو، لہٰذا میں اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ وہ ایسے لوگوں کا نمونہ اختیار نہ کریں، بلکہ پوری ہمدردی اور سچی خیر خواہی کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کی کامیابی کے لیے دُعا کریں اور عملی طور پر بھی وفاداری کے نمونے دکھائیں۔

محسن کا شکر کرو ہم یہ باتیں کسی صُلح یا انعام کی خاطر نہیں کرتے۔ ہم کو صُلح اور انعامات اور دُنیاوی خطابات سے کیا غرض۔ ہماری نیّات کو علیم خدا خوب جانتا ہے کہ ہمارا کام محض اُس کے لیے اور اُسی کے امر سے ہے۔ اُس نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ محسن کا شکر کرو۔ ہم اس شکر گذاری میں اپنے مولا کریم کی اطاعت کرتے ہیں اور اسی سے انعام کی امید رکھتے ہیں۔ سو تم جو میری جماعت ہو۔ اپنی محسن گورنمنٹ کی خوب قدر کرو۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ٹرانسوال کی جنگ کے لیے ہم دُعا کریں۔

[اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے نہایت جوش اور خلوص کے ساتھ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور سب حاضرین نے جن کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی۔ دُعا کی۔[1]]

۱۱ اپریل ۱۹۰۰ء

یوم العرفات کو دُعا [یوم العرفات کو علی الصّبح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بذریعہ ایک خط کے حضرت مولانا نورالدّین صاحب کو اطلاع دی]

"میں آج کا دن اور رات کا کسی قدر حصّہ اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے دُعا میں گذارنا چاہتا ہوں، اس لیے وہ دوست جو یہاں موجود ہیں۔ اپنا نام معہ جائے سکونت لکھ کر میرے پاس بھیج دیں، تاکہ دُعا کرتے وقت مجھے یاد رہے۔"

[اس پر تعمیلِ ارشاد میں ایک فہرست احباب کی ترتیب دے کر حضورؑ کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ اس کے بعد اور احباب باہر سے آگئے۔ جنھوں نے زیارت و دُعا کے لیے بے قراری ظاہر کی اور رقعے بھیجنے شروع کر دیئے۔ حضورؑ نے دوبارہ اطلاع بھیجی کہ:

"میرے پاس اب کوئی رقعہ وغیرہ نہ بھیجیے۔ اس طرح سخت ہرج ہوتا ہے۔"

مغرب و عشاء میں حضورؑ تشریف لائے جو جمع کر کے پڑھی گئیں۔ بعد فراغت فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبرہ صفحہ ۳ تا ۱۰ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۰ء

"چونکہ میں خدا تعالیٰ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آج کا دن اور رات کا حصّہ دُعاؤں میں گذاروں۔ اس لیے میں جاتا ہوں تاکہ تخلفِ وعدہ نہ ہو۔"

یہ فرما کر حضورؑ تشریف لے گئے اور دُعاؤں میں مشغول ہو گئے۔ دُوسری صُبح عید کے دن مولوی عبدالکریم صاحب نے اندر جا کر تقریر کرنے کے لیے خصُوصیت سے عرض کی۔ اس پر حضورؑ نے فرمایا: "خدا نے ہی حکم دیا ہے۔" اور پھر فرمایا کہ:

"رات الہام ہوا ہے کہ مجمع میں کچھ عربی فقرے پڑھو۔ میں کوئی اور مجمع سمجھتا تھا۔ شاید یہی مجمع ہو۔"

خُطبہ الہامیہ کا نشان

یہ خُطبہ جو اللہ تعالیٰ کے القاء و ایماء کے موافق حضورؑ نے عربی زبان میں پڑھا یہ خُطبہ آیات اللہ میں سے ایک زبردست آیت اور لاانظیر نشان ہے جو ایک عظیم الشان گروہ کے سامنے پُورا ہوا۔ اور "خُطبہ الہامیہ" کے نام سے شائع فرمایا گیا۔

جب حضرت اقدسؑ عربی خُطبہ پڑھنے کے لیے تیار ہوئے، تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی نورالدین صاحب کو حکم دیا کہ وہ قریب تر ہو کر اس خُطبہ کو لکھیں۔ جب حضرات مولوی صاحبان تیار ہو گئے، تو حضورؑ نے یَا عِبَادَ اللّٰہِ کے لفظ سے عربی خطبہ شروع فرمایا۔ اثناءِ خُطبہ میں حضرت اقدسؑ نے یہ بھی فرمایا:

"اب لکھو پھر یہ لفظ جاتے ہیں۔"

جب حضرت اقدسؑ خُطبہ پڑھ کر بیٹھ گئے، تو اکثر احباب کی درخواست پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب اُس کا ترجمہ سُنانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس سے پیشتر کہ مولانا موصوف ترجمہ سُنائیں، حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

"اس خُطبہ کو کل عرفہ کے دن اور عید کی رات میں جو میں نے دُعائیں کی ہیں۔ ان کی قبولیت کے لیے نشان رکھا گیا تھا کہ اگر میں یہ خُطبہ عربی زبان میں ارتجالاً پڑھ گیا، تو وہ ساری دُعائیں قبول بھی جائیں گی۔ الحمدللہ کہ وہ ساری دُعائیں بھی خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق قبول ہو گئیں۔"

سجدۂ شکر اور اس کی قبولیت

ابھی مولانا عبدالکریم صاحب ترجمہ سُنا ہی رہے تھے کہ حضرت اقدسؑ فرطِ جوش کے ساتھ سجدۂ شکر میں جا پڑے۔ حضورؑ کے ساتھ تمام حاضرین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اُٹھا کر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"ابھی میں نے سُرخ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے کہ "مُبارک" یہ گویا قبولیت کا نشان ہے۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۶۔ صفحہ ۵ و ۶ پرچہ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۰ء

۱۲ر اپریل ۱۹۰۰ء

حضرت اقدسؑ کی دلی آرزو

حضرتِ اقدس امامِ ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلی آرزو اور تمنا رہتی ہے کہ ہمارے احباب کو یہاں دارالامان میں بار بار آنے کا موقع ملے اور اس طرح پر یہاں رہ کر ہر ایک شخص کو اپنے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطنی اور تجلیۂ رُوح کے لیے عملی ہدایتیں مل سکیں۔ اس غرض کے پورا کرنے کے لیے آپؑ نے سال میں تین جلسے مقرر کر رکھے ہیں۔ عیدین اور بڑے دن کی تعطیلوں میں۔ روئداد جلسہ عیدالاضحیہ درج ذیل ہے:

آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ کی عیدالاضحیہ سے مناسبت

فرمایا:

"آج عیدالضحیٰ کا دن ہے اور یہ عید ایک ایسے مہینے میں آتی ہے، جس پر اسلامی مہینوں کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی پھر محرم سے نیا سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک بہتر کی بات ہے کہ ایسے مہینہ میں عید کی گئی ہے۔ جس پر اسلامی مہینہ کا یا زمانہ کا خاتمہ ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنے والے مسیح سے بہت مناسبت ہے۔ وہ مناسبت کیا ہے؟ ایک یہ کہ ہمارے نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخر زمانہ کے نبی تھے اور آپؐ کا وجود باجود اور وقت بعثت گویا عیدالضحیٰ کا وقت تھا، چنانچہ یہ امر مسلمانوں کا بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ آپؐ نبیِ آخر الزمان تھے اور یہ مہینہ بھی آخر الشہور ہے اس لیے اس مہینہ کو آپؐ کی زندگی اور زمانہ سے مناسبت ہے۔

دوسری مناسبت۔ چونکہ یہ مہینہ قربانی کا مہینہ کہلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ جیسے آپ لوگ بکری، اونٹ، گائے، دُنبہ ذبح کرتے ہو ایسا ہی وہ زمانہ گذرا ہے، جب آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوتے۔ حقیقی طور پر عید الضحیٰ وہی تھی اور اُسی میں ضحیٰ کی روشنی تھی۔

قربانی کی حقیقت

یہ قربانیاں اس کا لب نہیں۔ پوست ہیں۔ رُوح نہیں جسم ہیں۔ اس سہولت اور آرام کے زمانے میں ہنسی خوشی سے عید ہوتی ہے اور عید کی انتہا ہنسی خوشی اور قسم قسم کے تعیشات قرار دیئے گئے ہیں۔ عورتیں اسی روز تمام زیورات پہنتی ہیں۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہیں۔ مرد عمدہ پوشاکیں پہنتے ہیں اور عمدہ سے عمدہ کھانے بہم پہنچاتے ہیں اور یہ ایسا مسرت اور راحت کا دن سمجھا جاتا ہے کہ بخیل سے بخیل انسان بھی آج گوشت کھاتا ہے۔ خصوصاً کشمیریوں کے پیٹ تو بکروں کے مدفن ہو جاتے ہیں۔ گو اور لوگ بھی کمی نہیں کرتے۔ الغرض ہر قسم کے کھیل کُود۔ لہو و لعب کا نام عید سمجھا گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ

حقیقت کی طرف مُطلق توجہ نہیں کی جاتی۔

عید الاضحیہ کی حقیقت

درحقیقت اُس دن میں بڑا سِرّ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس قربانی کا بیج بویا تھا اور مخفی طور پر بویا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے لہلہاتے کھیت دکھائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے میں خدا تعالیٰ کے حُکم کی تعمیل میں دریغ نہ کیا۔ اس میں مخفی طور پر یہی اشارہ تھا کہ انسان ہمہ تن خدا کا ہو جائے اور خدا کے حکم کے سامنے اُس کی اپنی جان، اپنی اولاد، اپنے اقرباء اعزّا کا خُون بھی خفیف نظر آوے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہر ایک پاک ہدایت کا کامل نمونہ تھے کیسی قُربانی ہوئی۔ خُونوں سے جنگل بھر گئے۔ گویا خُون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ باپوں نے اپنے بچوں کو، بیٹوں نے اپنے باپوں کو قتل کیا۔ اور وُہ خوش ہوتے تھے کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قیمہ قیمہ اور ٹکڑے ٹکڑے بھی کیے جاویں، تو اُن کی راحت ہے۔ مگر آج غور کر کے دیکھو کہ بجُز ہنسی اور خوشی اور لہو ولعب کے رُوحانیت کا کونسا حصّہ باقی ہے۔ یہ عید الاضحیہ پہلی عید سے بڑھ کر ہے اور عام لوگ بھی اُس کو بڑی عید تو کہتے ہیں، مگر سوچ کر بتلاؤ کہ عید کی وجہ سے کس قدر ہیں۔ جو اپنے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رُوحانیت سے حصّہ لیتے ہیں اور اُس روشنی اور نور کو لینے کی کوشش کرتے ہیں جو اس مُنجی میں رکھا گیا ہے۔ عیدِ رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے اور ذاتی مجاہدہ ہے اور اس کا نام بذل الروح ہے۔ مگر یہ عید جس کو بڑی عید کہتے ہیں، ایک عظیم الشان حقیقت اپنے اندر رکھتی ہے اور جس پر افسوس! کہ توجہ نہیں کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے جس کے رحم کا ظہور کئی طرح پر ہوتا ہے۔ اُمّتِ مُحمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہ بڑا بھاری رحم کیا ہے کہ اور اُمّتوں میں جس قدر باتیں پوست اور قشر کے رنگ میں تھیں، اُن کی حقیقت اس اُمّتِ مرحومہ نے دکھلائی ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں جو خدا تعالیٰ کی یہ چار صفات بیان ہوئی ہیں کہ ربّ العالمین، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین اگرچہ عام طور پر یہ صفات اس عالم پر تجلّی کرتی ہیں، لیکن اُن کے اندر حقیقت میں پیشگوئیاں ہیں جن پر کہ لوگ بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ

صفاتِ الٰہیہ کے حقیقی مظہر صرف آنحضرتؐ تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صفتوں کا نمونہ دکھایا۔ کیونکہ کوئی حقیقت بغیر نمونہ کے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ ربّ العالمین کی صفت نے کس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نمونہ دکھایا؟ آپؐ نے عین ضعف میں پرورش پائی۔ کوئی موقع مدرسہ مکتب کا نہ تھا، جہاں آپؐ اپنے رُوحانی اور دینی قویٰ کو نشو ونما دے سکتے۔ کبھی کسی تعلیم یافتہ قوم سے ملنے کا موقع ہی نہ ملا۔ نہ کسی موٹی سوٹی تعلیم کا ہی موقع پایا اور نہ فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کے حاصل کرنے کی فرصت ملی۔ پھر دیکھو کہ باوجود ایسے مواقع کے نہ ملنے کے قرآن شریف ایک ایسی نعمت آپؐ کو دی گئی، جس کے علُومِ عالیہ اور حقّہ کے سامنے کسی اور علم کی ہستی ہی کچھ نہیں۔ جو انسان ذرا سی سمجھ اور فکر کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھے گا،

اس کو معلوم ہو جاوے گا کہ دُنیا کے تمام فلسفے اور علوم اُس کے سامنے ہیچ ہیں اور سب حکیم اور فلاسفر اس سے بہت پیچھے رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر دو عظیم الشان نبی گذرے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دُوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ مگر ان دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ اُن میں کسی کی نسبت نبی اُمّی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ یہ تحدّی اور دعویٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہوا؛ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (الشوریٰ: ۵۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو گویا شہزادوں کی طرح تعلیم پائی تھی اور فرعون کی گود میں شاہانہ نشوونما پایا۔ اُن کے لیے اتالیق مقرر کیے گئے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی اتالیق مقرر ہوتے تھے اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فقر نہ ملتا، تو گویا فرعون کے بعد گدی نشین آپؑ ہی تھے اور اگر خدا کا فضل نہ ہوتا، تو نعوذ باللہ آپؑ کو فرعون بھی بننا تھا۔

یاد رہے کہ فرعون کا لفظ بُرا نہیں۔ اصل میں شاہانِ مصر کا یہ لقب تھا۔ جس طرح پر قیصر و کسریٰ شاہانِ رُوم و ایران کا لقب تھا اور جس طرح پر آج زارِ روس اور سلطانِ رُوم کا لقب ہے۔ میرا مطلب اس بیان سے صرف یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ یہ دُوسرا سلسلہ نہ شروع کر دیتا، تو ضرور تھا کہ وہی تخت نشین ہوتے اور یہ بھی سچی بات ہے کہ گو موسیٰؑ کی ماں کو بھی ایک دَرد اور دُکھ پہنچا تھا کہ جیتی جان کو دریا میں ڈالا لیکن اُس کی راحت اور مسرت کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ جب کہ خود خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ کی واپسی کا اس کو وعدہ دیا تھا۔ الغرض مُوسیٰؑ کی تعلیم تو یُوں شاہانہ رنگ میں ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھی باقاعدہ ہوئی۔ میرے پاس ایک یہودی مصنف کی کتاب ہے۔ اُس نے صاف اور واضح طور پر لکھا ہے، بلکہ مسیح کے اُستاد کا نام تک بتایا ہے اور پھر رَدّ بھی کی ہے کہ اسی وقت سے توریت اور صحفِ انبیاء کے مضامین انکو پسند آتے تھے اور جو کچھ انجیل میں ہے وہ صحفِ انبیاء سے زائد نہیں۔ اس نے بتلایا ہے کہ ایک مدت دراز تک وہ یہود کے شاگرد رہے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کسی یہودی، نصاریٰ ہندی سے پُوچھو کہ آپؐ نے بھی کہیں تعلیم پائی تھی، تو وہ صاف کہے گا کہ ہرگز نہیں!!! کتنی بڑی ربُوبیت کا مظہر ہے۔ انسان جب بچپن کی حالت سے آگے نکلتا ہے جو بلوغ سے پہلے ہے تو عام طور پر مکتب میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ یہ پہلا قدم ہوتا ہے، مگر آپؐ کی زندگی کا پہلا قدم ہی گویا اعجاز تھا۔ چونکہ آپؐ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تھا۔ اس لیے آپؐ کے وجود میں حرکات و سکنات میں بھی اعجاز رکھ دیئے تھے۔ آپؐ کی طرزِ زندگی کہ الف۔ بے تک نہیں پڑھا اور قرآن جیسی بےنظیر نعمت لائے اور ایسا عظیم الشان معجزہ اُمّت کو دیا۔ پہلے نبی آتے اور ایک خاص وقت تک دُنیا میں رہ کر چل دیتے۔ اور دین وہیں کا لعدم ہو گیا۔ اور خدا کو ان کا محو کرنا ہی منظور تھا، مگر اس دین کے اطلال و آثار کا قیام منظور تھا اور چونکہ کوئی دین معجزات کے بدُوں رہ نہیں سکتا؛ ورنہ چند روز تک سماعی باتوں پر یقین رہتا ہے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ ایسا

جہاں مٹھاتے اگلا کن ڈھٹا" اس لیے خدا نے چاہا کہ اسلام کے ساتھ زندہ معجزہ ہو۔

صداقتِ اسلام کا نشان

کس قوت اور تحدی اور تعیین سے بتایا گیا تھا اور اس ذریعہ سے اسلام کا نور اب تک درخشاں ہے، چنانچہ اس زندہ نور کی تصدیق کے لیے اس زمانہ میں ہی دیکھو کہ لیکھرام کے قتل ہونے سے پیشتر کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو جاوے گا۔ غور کرو کہ وقت، مدت، صورتِ موت کا بتا دینا کیا انسان کے اپنے اختیار میں ہے اور پھر وہ اسی طرح مارا گیا جیسا کہ دعویٰ کیا گیا تھا۔ جب یہ پیش گوئی کی گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کروڑہا انسانوں میں مشہور ہوگئی۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ ہر قوم و ملت کے لوگ اس سے واقف ہوگئے۔ یہانتک کہ عام بازاری لوگوں سے لے کر گورنمنٹ تک کو اطلاع ہوگئی اور خود آریوں نے بڑے زور و شور کے ساتھ مشتہر کیا اور جہاں لیکھرام خود جاتا اس پیشگوئی کا ذکر کرتا اور شہرت دیتا اور جب پیشگوئی پوری ہوئی تو ایک عام شور برپا ہوگیا۔ یہاں تک کہ ہماری بھی خانہ تلاشی ہوئی۔ تاکہ اس کی صداقت اور شہرت اس خاص ذریعہ سے اور بھی ہو اور یہ نشان ہمیشہ صفحۂ دہر پر ثبت رہے۔ پھر مقدمات کے دوران میں سرکاری کاغذات اور مثلوں میں اس پیشگوئی کے متعلق بیانات اور کاغذات درج اور شامل ہوئے۔ الغرض یہ ایسا عظیم الشان نشان ہے جس کی نظیر کوئی قوم دکھلا نہیں سکتی۔ کیا کسی انسانی طاقت اور فراست کا کام ہے کہ وہ کسی کی نسبت چار دن کی خبر بھی دے کہ فلاں وقت پر فلاں موت سے مر جاوے گا۔ مگر یہاں چھ سال پہلے وقت، صورتِ موت وغیرہ سے اطلاع دی گئی، حالانکہ وہ تیس برس کا ایک مضبوط جوان آدمی تھا اور اس نے بھی تو میری نسبت کہا کہ میں تین سال کے اندر ہیضہ سے مر جاؤں گا اور میں اس کی نسبت عمر میں بہت بڑا اور ضعیف اور قریباً دائم المریض تھا، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کی چمکار دکھلائی اور اس کو ہلاک کر کے اپنے سچے دین کی صداقت پر مُہر کر دی۔

آریوں میں خداشناسی نہیں

اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو آریہ کہلاتے ہیں۔ اصلاً خدا کو پہچانتے ہی نہیں۔ پھر اُن میں خداشناسی اور خدابینی اور خدانمائی کی قوت کیونکر پیدا ہو۔ اُن کا تو پہلا قدم ہی غلط ہے۔ اُن کے نزدیک تو مرنا جینا، عورت یا مرد ہونا۔ بکری یا بیل بننا یہ سب کچھ شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ جبکہ یہ جنم اور اشیاء اعمال ہی کا نتیجہ ہیں تو پھر خدا کیا اور اس کے وجود کے اثبات کے لیے نئے نئے نشان اور معجزات کیا اور اُن کی ضرورت ہی کیا رہی۔ ان کا مذہب ہے کہ خدا پیدا کرنے والا نہیں۔ بلکہ صرف جوڑنے جاڑنے والا ہے۔ جیسے معمار یا کمہار ہوتے ہیں۔ مادہ موجود تھا۔ ارواح بھی اتفاق سے موجود تھیں۔ پرمیشر نے جھٹ جوڑ جاڑ کر مخلوق بنالی۔ نعوذ باللہ۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ جبکہ ارواح اور ذرات قدیم سے موجود ہیں، تو اس پر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کے بُدوں نہ ہو، بلکہ طبعی طور پر دلیل تو یہ ملتی ہے کہ اشیاء کو طبعی طور پر تجاذب کی طرف میلان ہوتا ہے۔ اگر یہ تجاذب اور کشش نہ ہو۔ تو نہ اینٹ بن سکے اور نہ مکان رہ سکے اور نہ کوئی

اور چیز دُنیا میں موجود بوجود رہ سکے۔ پس جبکہ آریہ لوگوں کے عقیدہ کے موافق رُوح اور مادہ قدیم سے ہیں اور طبعیات سے دلیل ملتی ہے کہ یہ تجاذب کا خاصہ ہے تو آریوں کو پرمیشر سے تو فراغت اور فرصت ہوگئی۔ اب آریہ کے پاس پرمیشر کے ہونے کا کیا ثبوت اور نشان ہے۔

ایک طرف تو یہ ناپاکی ہے کہ خدا ہی کا پتہ نہیں اچھ جائیکہ خدا بینی اور خدا نمائی کی راہیں بیان کر سکیں۔ پھر یہ ظلم عظیم کہ ہر قسم کی چیزوں میں رُوحیں اعمال کا بدلہ پانے کے لیے آتی ہیں کبھی سؤر بنتے ہیں کبھی کتا کبھی بلی وغیرہ۔

تناسخ اس پر سوال ہوتا ہے کہ اگر کسی کی ماں مرجائے جبکہ وہ ابھی بچہ ہی تھا۔ اور اس نے دُوسری کسی جگہ پر جنم لیا اور جب دونوں بلوغ کو پہنچے اور باہم رشتہ ناطہ ہو کر بیاہ ہوگیا اور ہم بستری ہو کر اولاد کا سلسلہ چلا۔ اس سے تو بڑی بے شرمی اور پرلے درجہ کی بے حیائی کی بنیاد پڑی اور نہایت قابلِ شرم مذہب یہ مذہب ٹھہر گیا۔ پرمیشر نے کوئی فہرست تو دی نہیں کہ اس قسم کے نشان سے ماں بہن شناخت ہو جائے گی اور حق تو یہ تھا کہ وید کے ذمہ یہ فرض تھا کہ جہاں اُس نے یہ پاکیزگی اور اخلاق کی جڑھ کاٹنے والا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اگر اُسے کوئی سُوجھ اور سوچ بچار کی طاقت ہوتی تو ساتھ ہی علامات بھی بیان کر دیتا۔ جس سے ایسے رشتوں سے اجتناب کرنے کی کلید ہاتھ میں آریوں کے آجاتی، مگر ضروری تھا کہ وید کی تعلیم کی پیشانی پر نقص کا داغ لگا رہتا تاکہ ہر زمانہ میں تدبر کرنے والے اس کے بطلان میں پہچانے جاسکیں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ نانی اور نانی کی بھی پڑنانی تک کے رشتہ میں ناطہ نہیں کرتے۔ اور ہم لوگوں میں جو چچا یا ماموں کی بیٹی سے رشتہ کرتے ہیں۔ اس پر اعتراض کرتے ہیں، مگر دُوسری طرف آپ ماں بہن کے بیاہ لانے پر کوئی دلیل نہیں دیتے۔ یا تو ہزاروں کوس چلے گئے۔ یا ماں بہن بیاہ لائے۔ کسی قوم میں ایسا اندھیر نہیں۔ افسوس ان کے پرمیشر نے اُن کو ناپاکی میں توڈال دیا اور پھر کوئی فہرست بھی نہ دی اور نہ بتلایا کہ فلاں گدھے یا بیل سے کام نہ لینا۔ یہ تیرے فلاں رشتہ دار ہیں۔ اور فلاں فلاں علامت والی عورت سے رشتہ نہ کرنا کہ وہ تیری حقیقی ماں یا دادی یا خالہ یا بہن یا بھتیجی جنم لے کر دوبارہ آئی ہے۔ اصل میں یہ لوگ تو معذور ہیں۔ یہ سارا ظلم پرمیشر کی گردن پر ہے جس نے فہرست نہ دی۔

نیوگ پھر تیسری ناپاکی جو ویدوں کی تعلیم کا عرق اور گُلِ سرسبد بتائی گئی ہے۔ نیوگ ہے۔ جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک عورت جیتے جاگتے خاوند کے رُوبرو گیارہ آدمیوں سے ہمبستر ہو سکتی ہے۔ اگر مرد عورت جوان ہوں اور چند سال شادی پر گذر جائیں اور اولاد نہ ہو، تو دُوسرے کا نطفہ لینے کے لیے عورت اُس سے ہمبستر ہو۔ اس لیے کہ بدُوں اولاد کے سُرگ کا ملنا محال ہے۔ اور دیوّث شوہر کو لازم ہے کہ بیرج دانا کے لیے عمدہ معجونات اور لطیف مقویات تیار کرائے تاکہ وُہ تھک نہ جائے اور کوئی ضعف اُسے لاحق نہ ہو جائے اور وید کی رُو سے بستر، رضائی اور چارپائی سب اُسی کی ہو۔ اور غذا بھی اُسی کی کھاوے اور نصف بچے بھی لے لے۔ سوچو!

یہ کیسا خاوند ہے کہ ایک کو مٹھڑی میں آپ دیوث ہے اور دُوسری کو مٹھڑی میں اس کی بیاہتا بیوی غیر مرد سے مُنہ کالا کرا رہی ہے اور آریہ ان کی حرکات کی آوازیں سُنتا ہے اور دل میں خوش ہو رہا ہے کہ اب اِس پانی سے اُس کی امید کی کھیت ہرا بھرا ہو جائے گا۔ حیف ایسے مذہب پر! خدا پر یہ ظلم!! عزت و آبرو پر یہ ظلم!!! ویدا ایسے کاموں کی اجازت دیتا ہے کہ ناپاک سے ناپاک آدمی بھی اُن کے ارتکاب سے شرم کرتے ہیں۔ دیانند نے لکھا ہے کہ یہ شُبھ کرم یعنی مبارک کام بیچ میں ترک ہو گیا تھا۔ اب آریہ ورت کے آریہ جاری کریں کہ اس میں ثواب ملتا ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ اس کو طول دیں۔ آریوں کی کتب مذہبی اور معتقدات کو کوئی دیکھے اور خود انہی بزرگوں سے پُوچھ دیکھے۔ امید ہے کہ بڑے فخر سے اس فعل عجیب کی خُوبیاں بیان کریں گے۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیم

اِن تمام مذاہب کو سامنے رکھ کر اور ان کی تعلیمات اور عقائد کی خُوب چھان بین کر کے اسلام کی ضرورت اور عزت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے عظیم فضل کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ اُس نے اسلام کو ایسے ناپاک عقیدوں سے پاک رکھا اور اُس کی تعلیم کے ہر شعبہ میں کمال اور اعجاز کا جلوہ دکھایا؛ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں قصاص پر بڑا زور تھا کہ دانت کے بدلے دانت، کان کے بدلے کان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ہو اور مسیح علیہ السلام کی تعلیم میں اس بات پر زور تھا کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے۔ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دُوسری بھی پھیر دے۔ کوئی ایک کوس بیگار میں لے جائے، تو دو کوس چلا جاوے۔ کُرتہ مانگے تو چادر بھی دے دے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب ہم کو دکھلاؤ کہ کیا کوئی پادری اِس پر عمل بھی کرتا ہے۔ کوئی کسی پادری کے مُنہ پر طمانچہ مار کر دیکھ لے۔ یقیناً دوسرا گال پھیرنے کی بجائے کچہری میں گھسیٹ کر لے جائے گا اور ہر قسم کے جھوٹ اور فریب سے سزا دلانے کی فکر کریگا، مگر اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی بلکہ وہ پاک تعلیم دی جو دنیا کی جان ہے اور انسان فطرتاً اس پر عمل کرتا ہے اور وہ یہ ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۱)

یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے، لیکن اگر کوئی عفو کرے، مگر وہ عفو بے محل نہ ہو، بلکہ اس عفو سے اصلاح مقصود ہو، تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ مثلاً اگر چور کو چھوڑ دیا جاتے تو وہ دلیر ہو کر ڈاکہ زنی کریگا۔ اس کو سزا ہی دینی چاہیے۔ لیکن اگر دو نوکر ہوں اور ایک اُن میں سے ایسا ہو کہ ذرا سی چشم نمائی ہی اُس کو شرمندہ کر دیتی اور اس کی اصلاح کا موجب ہوتی ہو، تو اُس کو سخت سزا مناسب نہیں۔ مگر دُوسرا عمداً شرارت کرتا ہے، اس کو عفو کریں تو بگڑتا ہے۔ اُس کو سزا ہی دی جاوے۔ تو بتاؤ مناسب حکم وُہ ہے جو قرآن کریم نے دیا ہے یا وہ جو انجیل پیش کرتی ہے؟ قانونِ قدرت کیا چاہتا ہے؟ وہ تقسیم ورڈیٹ محل چاہتا ہے۔ یہ تعلیم کہ عفو سے اصلاح مدِنظر ہو، ایسی تعلیم ہے جس کی نظیر نہیں اور اسی پر آخر متمدن انسان کو چلنا پڑتا ہے اور یہی تعلیم ہے جس پر عمل کرنے سے انسان میں قوتِ اجتہاد اور تدبر

اور فراست بڑھتی ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ہر طرح کی شہادت سے دیکھو اور فراست سے غور کرو۔ اگر عفو سے فائدہ ہو تو معاف کرو، لیکن اگر خبیث اور شریر ہے تو پھر جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا پر عمل کرو۔ اسی طرح پر اسلام کی دوسری پاک تعلیمات ہیں جو ہر زمانہ میں روزِ روشن کی طرح ہیں۔ آفتاب پر بھی کسی وقت بادل آجاتا ہے اور بظاہر ایک قسم کا دھندلا سا نظر آتا ہے، لیکن اسلام کا چہرہ اس سے بھی مصفّا ہے۔ عدمِ معرفت نے لوگوں کو اندھا کر دیا ہے اور بُغض کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے موتیا بند کی حالت سے بھی گئے گزرے ہیں۔ پھر کیا فیصلہ کریں۔

عیسائیت کے عقائد

جس قدر مذہب دُنیا میں موجود ہیں۔ سب کے سب بے برکت اور بے نُور اور مُردہ ہیں اور پاک تعلیم سے بے بہرہ محض ہیں۔ ہندوؤں نے مذہب کا وہ نمونہ دکھایا۔ عیسائیوں نے یہ نمونہ دکھایا کہ ایک عاجز بندہ کو خدا بنا دیا۔ جس نے یہودیوں جیسی تباہ حال قوم سے جو ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ: ۶۲) کی مصداق تھی۔ ماریں کھائیں اور آخر صلیب پر لٹکایا گیا اور اُن کے عقیدہ کے موافق ملعُون ہو کر اِيْلِيْ اِيْلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِيْ کہتے ہوئے جان دے دی۔ غور تو کرو کیا ایسی صفات والا کبھی خدا ہو سکتا ہے۔ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ وہ خود خدا ہو۔ عیسائی دکھاتے ہیں کہ اُس کی وہ ساری رات کی پُرسوز دُعا محض بے اثر گئی۔ اس سے زیادہ بے برکتی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے اور اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دُوسروں کے لیے شفیع ہو سکتا ہے۔ ہم کو یاد نہیں کہ دو گھنٹے بھی دُعا کے بِلے ہوں اور وُہ دُعا قبول نہ ہوئی ہو۔ ابن اللہ بلکہ خود خدا کا معاذ اللہ یہ حال ہے کہ ساری رات رو رو کر چلا چلا کر خود بھی دُعا کرتا رہا اور دُوسروں سے بھی دُعا کراتا رہا اور کہتا رہا کہ اے خدا تیرے آگے کوئی چیز اَنہونی نہیں۔ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ ٹل جائے۔ مگر وُہ دُعا قبول ہی نہیں ہوئی۔ اگر کوئی کہے کہ وُہ کفّارہ ہونے کے واسطے آئے تھے، اس لیے یہ دُعا قبول نہیں ہوئی ہے ہم کہتے ہیں کہ جب اُن کو معلوم تھا کہ وُہ کفّارہ کے لیے آئے ہیں۔ پھر اس قدر بُزدلی کے کیا معنی ہیں۔ اگر ایک افسر طاغُون کی ڈیوٹی پر بھیجا جائے اور وہ کہدے کہ یہاں خطرے کا محل ہے۔ مجھے فلاں جگہ بھیج دو تو کیا وہ احمق نہ سمجھا جائے گا۔ جبکہ مسیح کو معلوم تھا کہ وہ صرف کفّارہ ہی ہونے کو بھیجے گئے ہیں۔ تو اس قدر لمبی دعاؤں کی کیا ضرورت تھی؟ ابھی کیا کفّارہ زیرِ تجویز امر تھا یا ایک مقرر شدہ امر تھا۔ غرض ایک داغ ہو۔ دو داغ ہوں جس پر بے شمار داغ ہوں، کیا وُہ خدا ہو سکتا ہے؟ خدا تو کیا وُہ عظیم الشان انسان بھی نہیں ہو سکتا۔

یہودیت

یہودی بے چارے خود ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کے مصداق۔ اُن کی وُہ حالت تھی کہ صورت بیں حالش پرس۔ دُنیا پرستی کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ ہمارے یہاں ایک اسرائیلی محمد سلمٰن مُسلمان ہوا ہے اُس سے پُوچھو۔ یہودیوں نے کھانے پینے کے سوا اور کوئی مقصُود ہی نہیں رکھا۔ خدا کی قدرت ہے جب ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کی حالت آئی تو وہ افعال بھی آگئے جو ذلّت کے جالب اور ذلّت کے نتائج تھے۔ اگر وُہ

تائب ہو جاتے تو پھر ضُرِبَتْ کیونکر صادق آتا۔ اس پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شامتِ اعمال اُن کے گلے کا ہار ہی رہے گی۔ مردِ صالح کے ساتھ ذلّت اور بے رزقی نہیں ہوتی۔ خدا کا نام عزیز ہے۔ خدا میں ہو کر زندگی بسر کرنیوالا ذلیل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہودیوں کی زندگی اگر ناپاکیوں کا مجموعہ نہ تھی تو پھر ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کی مار اُن پر کیونکر پڑتی؟ اس پر خُوب غور کرو۔ اس کے اندر یہ مخفی اسرار ہیں اور پتہ ملتا ہے کہ یہودی قوم کے اطوار بگڑ جائیں گے۔

اب اِن مذاہب پر نظر ڈال کر صدقِ دل سے بتاؤ کہ کیا اسلام کے سوا کوئی اور طریق ہے، جس سے تمہارے دِل ٹھنڈے ہو سکتے ہیں۔ کیا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کے مصداق یہودیوں سے کوئی روشنی اور نُور پا سکتے ہو؟ کیا ایسے عیسائی جو ایک عاجز کمزور ناتواں نامُراد انسان کو خدا بناتے ہیں، کوئی کامیابی کسی کو دے سکتے ہیں، جس کی اپنی ساری رات کی دُعائیں اکارت اور بیسُود گئی ہیں، وُہ دوسروں کی دعاؤں پر کون سے ثمرات مُرتّب کر سکتا ہے؟ جو خود اِلٰہِیْ اِلٰہِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ کہہ کر اقرار کرتا ہے کہ خدا نے اُسے چھوڑ دیا، وُہ دوسروں کو کب خدا سے مِلا سکتا ہے؟

زندہ برکات صرف اسلام میں ہیں

دیکھو اور غور سے سُنو! یہ صرف اسلام ہی ہے جو اپنے اندر برکات رکھتا ہے اور انسان کو مایُوس اور نامُراد ہونے نہیں دیتا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مَیں اُس کے برکات اور زندگی اور صداقت کے لیے نمونہ کے طور پر کھڑا ہوں۔ کوئی عیسائی نہیں جو یہ دکھا سکے کہ اسکا کوئی تعلق آسمان سے ہے۔ وہ نشانات جو ایمان کے نشان ہیں اور مومن عیسائی کے لیے مقرر ہیں۔ کہ اگر پہاڑ کو کہیں تو جگہ سے ٹل جاوے۔ اب پہاڑ تو پہاڑ۔ کوئی عیسائی نہیں جو ایک اُلٹی ہوئی جُوتی کو سیدھا کر دکھاوے۔ مگر مَیں نے اپنے پُرزور نشانوں سے دکھایا ہے اور صاف صاف دکھایا ہے کہ زندہ برکات اور زندہ نشانات صرف اسلام کے لیے ہیں۔ مَیں نے بیشمار اشتہار دیئے ہیں اور ایک مرتبہ سولہ ہزار[16] اشتہار شائع کیے۔ اب ان لوگوں کے ہاتھ میں بجُز اس کے اور کچھ نہیں کہ جھُوٹے مقدمات کیے اور قتل کے الزام دیئے۔ اور اپنی طرف سے ہمارے ذلیل کرنے کے منصُوبے گانٹھے، مگر عزیز خدا کا بندہ ذلیل کیونکر ہو سکتا ہے جس میں ان لوگوں نے ہماری ذلّت چاہی۔ اُسی ذلّت سے ہمارے لیے عزّت نکلی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (الجمعہ: ۵) دیکھو۔ اگر کلارک کا مقدمہ نہ ہوتا تو ابواء کا الہام کیونکر پُورا ہوتا۔ جو مقدمہ سے بھی پہلے سینکڑوں انسانوں میں شائع ہو چکا تھا۔ یہ اسلام ہی ہے جس کے ساتھ معجزات اور ثبوت ہیں۔ اسلام دُوسرے چراغ کا محتاج نہیں، بلکہ خود ہی چراغ ہے اور اس کے ثبوت ایسے اعلیٰ بدیہیات ہیں کہ اُن کا نمونہ کسی مذہب میں نہیں۔ غرض اسلام کی کوئی تعلیم ایسی نہ ہوگی جس کا نمونہ موجُود نہ ہو۔

آنحضرتؐ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہیں

مَیں نے سُورۃ الفاتحہ (جس کو اُمّ الکتاب اور مثانی بھی کہتے ہیں اور قرآن شریف کی عکسی تصویر اور خلاصہ ہے) کے صفاتِ اربعہ

میں دکھانا چاہا ہے کہ وُہ چاروں نمونے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں اور خدا تعالیٰ نے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں اُن صفاتِ اربعہ کا نمونہ دکھایا۔ گویا وہ صفات دعویٰ تھیں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بطور دلیل کے ہے؛ چنانچہ ربُوبیت کا آپؐ کے وجود میں کیسا ثبوت دیا کہ مکّہ کے جنگلوں کا سرگردان اور دس برس تک حیران پھرنے والا جس کے لیے کوئی راہ کھُلی نظر نہ آتی تھی۔ اُس کی تربیت کا کس کو خیال تھا کہ اسلام رُوئے زمین پر پھیل جائے گا اور اُس کے ماننے والے ۹۰ کروڑ تک پہنچیں گے۔ مگر آج دیکھو کہ دُنیا کا کوئی آباد قطعہ ایسا نہیں جہاں مُسلمان نہیں۔ پھر الرحمٰن کی صفت کو دیکھو جس کا منشاء یہ ہے کہ عمل کے بدُوں کامیابی اور ضرور وسائل کے سامان بہم پہنچانے کیسی رحمانیت تھی کہ آپؐ کے آنے سے پیشتر ہی استعدادیں پیدا کر دیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچّوں کی طرح کھیلتا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو کافروں کے گھر میں پیدا ہوا تھا اور ایسا ہی اور بہت سے صحابہ آپؐ کے ساتھ ہو گئے۔ گویا اُن کو آپؐ کے لیے رحمانیتِ الٰہی نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا اور اس قدر اُمور رحمانیت کے اسلام کے ساتھ ہیں کہ ہم اُن کو مفصّل بیان بھی نہیں کر سکتے۔ اُمیّت رحمانیت کو چاہتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا (الجمعۃ: ۳) رحمانیت کا منشاء اس ضرب المثل سے خُوب ظاہر ہے:

"کردے کرادے اور اُٹھانے والا ساتھ دے"

اور یہ ظہورِ اسلام کے ساتھ ہوا۔ اسلام گویا خدا کی گود میں بچّہ ہے۔ اُس کا سارا کام کاج سنوارنے والا اور اُس کے سارے لوازم بہم پہنچانے والا خود خدا ہے۔ کسی مخلوق کا بارِ احسان اُس کی گردن پر نہیں۔ اسی طرح رحیم جو محنتوں کو ضائع نہ کرے۔ اُس کے خلاف یہ ہے کہ محنت کرتا ہے اور ناکام رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رحیمیت کا اظہار دیکھو۔ کیسے واضح طور پر ہوا۔ کوئی ایسی لڑائی نہیں جس میں فتح نہ پائی ہو۔ تھوڑا کام کر کے بہت اجر پایا۔ بجلی کے کوندنے کی طرح فتوحات چمکیں۔ فتوحات الشام، فتوحات المصر ہی دیکھو۔ صفحۂ تاریخ میں کوئی ایسا انسان نہیں جس نے صحیح معنوں میں کامیابی پائی ہو۔ جیسے کامیابیاں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں۔

صحابہؓ نے دنیا میں کامیابی حاصل کی

پھر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا سزا کا مالک، اچھے کام کرنے والوں کو جزا دی جاوے؛ اگرچہ کامل طور پر یہ آخرت کے لیے ہے اور سب قومیں جزا و سزا کو آخرت ہی پر ڈالتی ہیں، مگر خدا تعالیٰ نے اس کا نمونہ اسلام کے لیے اس دُنیا میں رکھا۔ ابوبکرؓ جو دوپہر کی دُھوپ میں گھر بار مال و متاع چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور جس نے ساری جائداد کو دیکھ کر کہدیا۔ بَرباد شُد، بَرباد باشد۔ سب سے انقطاع کر کے ساتھ ہی ہو لیا تھا۔ اُس نے یہ مزہ پایا کہ آپؐ کے بعد سب سے پہلا خلیفہ بلافصل یہی ہوا۔ حضرت عمرؓ جو صدق اخلاص سے بھر گئے تھے اُنھوں نے یہ مزہ پایا کہ اُن کے بعد خلیفہ ثانی ہوئے۔ غرض اس طرح پر ہر ایک صحابی نے پُوری عزت پائی۔ قیصر و کسریٰ کے اموال اور شاہزادیاں

اُن کے ہاتھ آئیں۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی کسریٰ کے دربار میں گیا۔ ملازمانِ کسریٰ نے سونے چاندی کی کرسیاں بچھوا دیں اور اپنی شان و شوکت دکھائی۔ اُس نے کہا کہ ہم اس مال کے ساتھ فریفتہ نہیں ہوتے۔ ہم کو تو وعدہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کے کڑے بھی ہمارے ہاتھ آجائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وُہ کڑے ایک صحابی کو پہنا دیئے تاکہ وُہ پیشگوئی پوری ہو۔

اِسلام کا جادۂ اعتدال

مذہبِ اسلام چونکہ اعتدال پر واقع ہوا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیم یہی دی ہے اور مغضوب اور ضالین سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ ایک سچا مُسلمان نہ مغضوب ہو سکتا ہے نہ ضالین کے زُمرہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ مغضوب وُہ قوم ہے جس پر خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا۔ چونکہ وہ خود غضب کرنے والے تھے، اس لیے خدا کے غضب کو کھینچ لائے اور وُہ یہودی ہیں اور ضال سے مُراد عیسائی ہیں۔

غضب کی کیفیت قوتِ سبعی سے پیدا ہوتی ہے اور ضلالت وہمی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور وہمی قوت حد سے زیادہ محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ بیجا محبت والا انسان بہک جاتا ہے حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ اس کا مبدء اور منشا قوتِ وہمی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چادر کو بیل سمجھتا ہے اور رسّی کو سانپ بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر نے اپنا معشوق ایسا قرار نہیں دیا، جو دُوسروں سے بڑھ کر نہ ہو۔ ہر ایک کے واہمہ نے نئی تصویر ایجاد کی۔

قوتِ وہمی میں جوش ہو کر انسان جادۂ اعتدال سے نکل جاتا ہے، چنانچہ غضب کی حالت میں درندہ کا جوش بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً کتا پہلے آہستہ آہستہ بھونکتا ہے پھر کوٹھا سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ آخر کار درندے طیش میں آکر نوچتے اور پھاڑ کھاتے ہیں۔ یہود نے بھی اسی طرح ظلم و تعدی کی بُری عادتیں اختیار کیں اور غضب کو حد تک پہنچا دیا۔ آخر خود مغضوب ہو گئے۔ قوتِ وہمی کو جب استیلاء ہوتا ہے، تو انسان رسّی کو سانپ بناتا اور درخت کو ہاتھی بتلاتا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ قوت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ اسی واسطے عیسائی مذہب اور بُت پرستی کا بڑا سہارا عورتیں ہیں۔ غرض اسلام نے جادۂ اعتدال پر رہنے کی تعلیم دی جس کا نام اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ ہے۔

مَیں اب چند فقرے عربی میں سُناؤں گا۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مجمع میں کچھ عربی فقرے بولنے کا حکم دیا تھا۔ پہلے مَیں نے خیال کیا کہ شاید کوئی اور مجمع ہوگا۔ جس میں یہ خدا کی بات پُوری ہو، مگر خدا تعالیٰ مولوی عبدالکریم صاحب کو جزائے خیر دے کہ اُنھوں نے تحریک کی اور اس تحریک سے زبردست قوت دل میں پیدا ہوئی۔ اور اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور نشان آج پورا ہو۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ صفحہ ۲-۸ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء

[مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور! کچھ جماعت کے باہمی اتفاق و محبت پر بھی فرمایا جاوے۔
اس پر حضرت اقدسؑ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :

باہم اتفاق و محبت

"جماعت کے باہم اتفاق و محبت پر مَیں پہلے بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالیٰ نے مُسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی۔ کہ تم وجود واحد رکھو؛ ورنہ ہوا نکل جائے گی۔ نماز میں ایک دُوسرے کے ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لیے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی طاقت کی طرح ایک کی خیر دُوسرے میں سرایت کرے گی۔ اگر اختلاف ہو، اتحاد نہ ہو۔ تو پھر بے نصیب رہو گے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دُوسرے کے لیے غائبانہ دُعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی ایسا ہو۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ اگر انسان کی دُعا منظور نہ ہو، تو فرشتہ کی تو منظور ہی ہوتی ہے۔ مَیں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔

مَیں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو۔ دُوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وُہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لیے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (آل عمران: ۱۰۴) یاد رکھو! تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو! جبتک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وُہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے، وُہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وُہ مصیبت اور بلا میں ہے۔ اُس کا انجام اچھا نہیں۔ مَیں ایک کتاب بنانے والا ہوں۔ اس میں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائیں گے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازیگر نے دس گز کی چھلانگ ماری ہے۔ دُوسرا اُس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے اور اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بغض کا جُدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پُوری نہ ہو گی۔ وُہ ضرور ہو گی۔ تم کیوں صبر نہیں کرتے۔ جیسے طبّی مسئلہ ہے کہ جبتک بعض امراض میں قلع قمع نہ کیا جاوے، مرض دفع نہیں ہوتا۔ میرے وجُود سے انشاء اللہ ایک صالح جماعت پیدا ہو گی۔ باہمی عداوت کا سبب کیا ہے۔ بخل ہے، رعونت ہے، خود پسندی ہے اور جذبات ہیں۔ مَیں نے بتلایا ہے کہ مَیں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کر دُوں گا۔ جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے۔ جو ایسے ہیں وُہ یاد رکھیں کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں۔ جبتک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں۔ مَیں کسی کے سبب سے اپنے اُوپر اعتراض لینا نہیں چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو، وُہ خشک ٹہنی ہے۔ اُس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے۔ خشک ٹہنی دُوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چُوستی ہے، مگر وُہ اُس کو سرسبز نہیں کر سکتا، بلکہ وُہ شاخ دُوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔ پس ڈرو میرے ساتھ وہ نہ رہے گا جو اپنا علاج نہ کرے گا۔ چونکہ یہ سب باتیں مَیں کتاب میں مفصل

لکھوں گا۔ اس لیے اب میں چند عربی فقرے کہہ کر فرض ادا کرتا ہوں[1]۔

۲۔ دو انگریزوں کا قتل

علاقہ پشاور میں اِن دنوں کسی سفاک پٹھان نے دو بے گناہ انگریزوں کو قتل کر دیا۔ اس پر ایک مجمع میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"یہ جو دو انگریزوں کو مار دیا ہے۔ یہ کیا جہاد کیا ہے؟ ایسے نابکار لوگوں نے اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان لوگوں کی ایسی خدمت کرتا اور ایسے عمدہ طور پر ان سے برتاؤ کرتا کہ وہ اُس کے اخلاق اور حسنِ سلوک کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔ مومن کا کام تو یہ ہے کہ اپنی نفسانیت کو کچل ڈالے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ایک کافر سے لڑے۔ حضرت علیؓ نے اُس کو نیچے گرا لیا اور اُس کا پیٹ چاک کرنے کو تھے کہ اُس نے حضرت علیؓ پر تھوکا۔ حضرت علیؓ یہ دیکھ کر اُس کے سینے پر سے اُتر آئے۔ وہ کافر حیران ہوا اور پوچھا کہ اے علیؓ! یہ کیا بات ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میرا جنگ تیرے ساتھ خدا کے واسطے تھا، لیکن جب تُو نے میرے مُنہ پر تھوکا، تو میرے نفس کا بھی کچھ حصّہ مِل گیا۔ اس پر میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ کے اس فعل کا اس پر بڑا اثر ہوا۔

میں جب کبھی اِن لوگوں کی بابت ایسی خبریں سُنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم سے بہت دُور جا پڑے ہیں اور بے گناہ انسانوں کا قتل ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔

بعض مولوی مجھے اس لیے دجّال کہتے ہیں کہ میں انگریزوں کے ساتھ محاربہ جائز نہیں رکھتا مگر مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ لوگ مولوی کہلا کر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ انگریزوں نے تمہارے ساتھ کیا بُرائی کی ہے۔ اور کیا دُکھ دیا ہے۔ شرم کی بات ہے کہ وہ قوم جس کے آنے سے ہم کو ہر قسم کی راحت اور آرام ملا۔ جس نے آکر ہم کو سکھوں کے خونخوار پنجہ سے نجات دی اور ہمارے مذہب کی اشاعت کے لیے ہر قسم کے مواقع اور سہولتیں دیں۔ اُن کے اِحسان کا یہ شکر ہے کہ بے گناہ انگریزی افسروں کو قتل کر دیا جائے؟ میں تو صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو خونِ ناحق سے نہیں ڈرتے اور محسن کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سخت جوابدہ ہیں۔ اِن مولویوں کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع کریں اور ناواقف اور جاہل لوگوں کو فہمائش کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیرِ سایہ وہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اس کے عطیات سے ممنونِ منّت اور مرہونِ احسان ہیں اور یہ مبارک سلطنت نیکی اور ہدایت پھیلانے میں کامل مددگار ہے۔ پس اُس کے خلاف محاربہ کے خیالات رکھنے سخت بغاوت ہے اور یہ قطعی حرام ہے۔ وہ اپنے قلم اور زبان سے جاہلوں کو سمجھائیں اور اپنے دین کو بدنام کر کے دُنیا کو ناحق کا ضرر نہ پہنچائیں۔ ہم تو گورنمنٹ برطانیہ کو آسمانی برکت سمجھتے

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۴ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء

ہیں اور اُس کی قدر کرنا اپنا فرض۔

افسوس ہے مولویوں نے خود تو اس کام کو کیا نہیں اور ہم نے جب ان جاہلانہ خیالات کو دلوں سے مٹانا چاہا، تو ہم کو دجّال کہا۔ صرف اِس واسطے کہ ہم محسن گورنمنٹ کے شکر گذار ہیں۔ مگر اُن کی مخالفت ہمارا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ ہم نے بیسیوں رسالے اس مضمون کے عربی، فارسی، اُردو، انگریزی میں شائع کیے اور ہزاروں اشتہار مختلف بلاد وامصار میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ گورنمنٹ سے ہم کوئی عزّت چاہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اس کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہم کو اس خدمت کے بجالانے میں تکلیف بھی ہو تو ہم پروا نہیں کرتے، کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ احسان کی جزا احسان ہے۔ پس پوری اطاعت اور وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کی مسلمانوں کا فرض ہے۔"[1]

مئی ۱۹۰۰ء

انبیاء میں ہمدردی کا جوش

نبی کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ قوّتِ قدسی ہوتی ہے اور اُن کے دل میں لوگوں کی ہمدردی، نفع رسانی اور عام خیر خواہی کا بیتاب کر دینے والا جوش ہوتا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء: ۴) یعنی کیا تُو اپنی جان کو ہلاک کر دیگا اس خیال سے کہ وُہ مومن نہیں ہوتے؟ اِس کے دو پہلو ہیں ایک کافروں کی نسبت کہ وُہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ دُوسرا مسلمانوں کی نسبت کہ اُن میں وُہ اعلیٰ درجہ کی رُوحانی قوّت کیوں پیدا نہیں ہوتی۔ جو آپؐ چاہتے ہیں، چونکہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ اس لیے صحابہ کی ترقیاں بھی تدریجی طور پر ہوئی تھیں، مگر انبیاء کے دل کی بناوٹ بالکل ہمدردی ہی ہوتی ہے اور پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جامع جمیع کمالاتِ نبوّت تھے۔ آپؐ میں یہ ہمدردی کمال درجہ پر تھی۔ آپؐ صحابہ کو دیکھ کر چاہتے تھے۔ کہ پوری ترقیات پر پہنچیں۔ لیکن یہ عروج ایک وقت پر مقدر تھا۔ آخر صحابہ نے وہ پایا جو دُنیا نے کبھی نہ پایا تھا۔ اور وہ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔

سارا مدار مجاہدہ پر ہے

سارا مدار مجاہدہ پر ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) جو لوگ ہم میں ہو کر کوشش کرتے ہیں۔ ہم اُن کے لیے اپنی تمام راہیں کھول دیتے ہیں۔ مجاہدہ کے بدُوں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظر میں چور کو قطب بنا دیا۔ دھوکے میں پڑے ہوتے ہیں اور ایسی ہی باتوں نے لوگوں کو

---

[1] الحکم جلد ۴۔ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰ - ۱۱ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء

ہلاک کر دیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی کی جھاڑ پھونک سے کوئی بزرگ بن جاتا ہے۔

جو لوگ خدا کے ساتھ جلدی کرتے ہیں، وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دُنیا میں ہر چیز کی ترقی تدریجی ہے۔ رُوحانی ترقی بھی اسی طرح ہوتی ہے اور بُدوں مجاہدہ کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور مجاہدہ بھی وہ ہو جو خدا تعالیٰ میں ہو۔ یہ نہیں کہ قرآن کریم کے خلاف خود ہی بے فائدہ ریاضتیں اور مجاہدہ جوگیوں کی طرح تجویز کر بیٹھے۔ یہی کام ہے، جس کے لیے خدا نے مجھے مامور کیا ہے تا کہ میں دُنیا کو دکھلا دُوں کہ کس طرح پر انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ نہ سب محروم رہتے ہیں اور نہ سب ہدایت پاتے ہیں[1]۔"

۱۴/ مئی سنہ ۱۹۰۰ء

صُحبتِ صالحین کی غرض

بات یہ ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنے کے طریق کو ہم نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے کہ مُردوں کی طرف رجُوع کرتے ہیں اور زندوں سے دُور بھاگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں لوگ اُن کی نبوت کا اِنکار کرتے رہے اور جس روز انتقال کر گئے تو کہا کہ آج نبوت ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی مُردوں کے پاس جانے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ بلکہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: ۱۱۹) کا حکم دے کر زندوں کی صُحبت میں رہنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بار بار یہاں آنے اور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ اور ہم جو کسی دوست کو یہاں رہنے کے واسطے کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محض اس کی حالت پر رحم کر کے ہمدردی اور خیر خواہی سے کہتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایمان دُرست نہیں ہوتا جب تک انسان صاحبِ ایمان کی صُحبت میں نہ رہے اور یہ اس لیے کہ چونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں ہر قسم کی طبیعت کے موافقِ حال تقریر ناصح کے مُنہ سے نہیں نکلا کرتی۔ کوئی وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس کی سمجھ اور فہم کے مطابق اُس کے مذاق پر گفتگو ہو جاتی ہے۔ جس سے اُس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے اور اگر آدمی بار بار نہ آئے اور زیادہ دِنوں تک نہ رہے، تو ممکن ہے کہ ایک وقت ایسی تقریر ہو جو اُس کے مذاق کے موافق نہیں ہے۔ اور اُس سے اُس میں بَددلی پیدا ہو اور وُہ حُسنِ ظن کی راہ سے دُور جا پڑے اور ہلاک ہو جاوے۔

غرض قرآن کریم کے منشاء کے موافق تو زندوں ہی کی صُحبت میں رہنا ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۱۶ صفحہ ۶ مورخہ یکم مئی سنہ ۱۹۰۰ء

مدد خدا تعالیٰ سے ہی مانگنی چاہیئے

اور استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اسی پر قرآن کریم نے زور دیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ: ۵) پہلے صفاتِ الٰہی ربّ، رحمٰن، رحیم، مالکِ یوم الدین کا اظہار فرمایا۔ پھر سکھایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنی عبادت بھی تیری کرتے ہیں اور استمداد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ کسی انسان، حیوان، چرند پرند غرضیکہ کسی مخلوق کے لیے، نہ آسمان پر نہ زمین پر، یہ حق نہیں ہے، مگر ہاں دُوسرے درجہ پر ظلی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردانِ خدا کو دیا گیا ہے۔ ہم کو نہیں چاہیئے کہ کوئی بات اپنی طرف سے بنالیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمُودہ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اندر اندر رہنا چاہیئے۔ اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ اور یہ امر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے بھی بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس کے پہلے حصّے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا محبوب و معبُود اور مطلُوب اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہیئے۔

رسالتِ محمّدیہ کی حقیقت

دُوسرے حصّے سے رسالتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا اظہار ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ رسالت میں ایک امر ظاہر ہوتا ہے اور ایک مخفی ہوتا ہے مثلاً لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک کلمہ ہے جسے رسالت مآب نے بایں الفاظ لوگوں کو پہنچایا ہے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ یعنی رسالت کا کام صرف پہنچا دینا تھا۔ مگر رسالت کے یہ ظاہری معنی ہیں۔ ہم جب اور زیادہ غور کرکے بطُون کی طرف جاتے ہیں، تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ بطور ایک جُزوِ غیر منفک کے شامل ہوتی ہے۔ یہ صُورت ابلاغ تک ہی محدود نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوّتِ قدسیہ کے زور سے اس تبلیغ کو با اثر بنانے میں لانظیر نمونہ دکھایا ہے۔

نبی کی مادرانہ عطوفت

اور قرآن کریم سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ آپؐ کو کس قدر سوزش اور گداز کی لگی ہوئی تھی، چنانچہ فرمایا۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء: ۴) یعنی کیا تُو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا اس فکر میں کہ یہ مومن کیوں نہیں بنتے۔ یہ سچی بات ہے کہ ہر نبی صرف لفظ لے کر نہیں آتا، بلکہ اپنے اندر وُہ ایک دَرد اور سوز و گداز بھی رکھتا ہے، جو اپنی قوم کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ دَرد اور اضطراب کبھی بناوٹ سے نہیں ہوتا، بلکہ فطرتاً اضطراری طور پر اس سے صادر ہوتا ہے، جیسے ایک ماں اپنے بچے کی پرورش میں مصروف ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ کی طرف سے اُس کو حکم بھی دیا جاوے کہ اگر وُہ اپنے بچے کو دُودھ نہ بھی دے اور اس طرح پر اُس کے ایک دو بچے مر بھی جاویں تو اس کو معاف ہیں اور اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ تو کیا بادشاہ کے ایسے حکم پر کوئی ماں خوش ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ بادشاہ کو گالیاں دے

گی اور دُودھ دینے سے رُک سکتی ہی نہیں۔ یہ بات اس کی طبیعت میں طبعًا موجود ہے اور دُودھ دینے میں اس کو کبھی بھی بہشت میں جانا یا اُس کا معاوضہ پانا مرکوز اور ملحوظ نہیں ہوتا اور یہ جوش طبعی ہے جو اُس کو فطرت نے دیا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی، تو چاہیے تھا کہ جانوروں کی مائیں بکری، بھینس یا گائے یا پرندوں کی مائیں اپنے بچوں کی پرورش سے علیحدہ ہو جاتیں۔ ایک فطرت ہوتی ہے، ایک عقل ہوتی ہے اور ایک جوش ہوتا ہے۔ ماؤں کا اپنے بچوں کی پرورش میں مصروف ہونا یہ فطرت ہے۔ اسی طرح پر مامورین جو آتے ہیں اُن کی فطرت میں بھی ایک بات ہوتی ہے۔ وُہ کیا؟ مخلوق کے لیے دلسوزی اور بنی نوع انسان کی خیرخواہی کے لیے ایک گداز بخش۔ وہ طبعی طور پر چاہتے ہیں کہ لوگ ہدایت پا جاویں اور خدا تعالیٰ میں زندگی حاصل کریں۔

پس یہ وُہ سِرّ ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے دُوسرے حصّہ میں یعنی اظہارِ رسالتِ محمدیہ میں رکھا ہوا ہے۔ جیسے پیغام پہنچانے والے عام طور پر پیغام پہنچا دیتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو۔ گویا وُہ تبلیغ صرف کان ہی تک محدود ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے مامورینِ الٰہی کان تک بھی پہنچاتے ہیں اور اپنی قدسی قوت کے زور اور ذریعہ سے دل تک بھی پہنچاتے ہیں اور یہ بات کہ جذب اور عقدِ ہمت ایک انسان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آجاتا ہے اور ظلّ اللہ بنتا ہے۔ پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لیے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کُل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے آپؐ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے؛ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ (التوبہ: ۱۲۸) یعنی یہ رسُول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ اس پر سخت گراں ہیں اور اُسے ہر وقت اس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں۔ ان ساری باتوں کو یکجائی طور پر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ مدد دیتا ہے۔ پھر دُوسرے درجہ پر مامُور من اللہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جوش ڈالا ہے اور وہ اِسی جوش اور تقاضائے فطرت کے ساتھ مخلوق کی بہتری میں ہر ایک قسم کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے ماں اپنے بچے کو دُودھ دیتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس لیے کہ والدہ کا نفس مزکّی نہیں ہے اور یہ مزکّی النفس لوگ ہوتے ہیں۔ انھیں کو صادقین اس آیت کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں فرمایا گیا ہے۔

منعم علیہ گروہ

اب میں سُورۃ فاتحہ کی طرف رُجوع کر کے کہتا ہوں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (الفاتحہ: ۶) میں اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی راہ طلب کی گئی ہے اور میں نے کئی مرتبہ یہ بات بیان کی ہے کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں چاروں گروہوں کا ذکر ہے۔ نبی۔ صدیق، شہید، صالح۔ پس جبکہ ایک مومن یہ دُعا مانگتا ہے، تو ان کے اخلاق اور عادات اور علوم کی درخواست کرتا ہے۔ اس پر اگر ان

چار گروہوں کے اخلاق حاصل نہیں کرتا، تو یہ دُعا اُس کے حق میں بے ثمر ہوگی اور وُہ بے جان لفظ بولنے والا حیوان ہے۔ یہ چار طبقے ان لوگوں کے ہیں، جنھوں نے خدا تعالیٰ سے علُوم عالیہ اور مراتبِ عظیمہ حاصل کئے ہیں۔ نبی وہ ہوتے ہیں جن کا تبتّل اِلَی اللہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وُہ خدا سے کلام کرتے اور وحی پاتے ہیں اور صدیق وہ ہوتے ہیں جو صِدق سے پیار کرتے ہیں۔ سب سے بڑا صِدق لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور پھر دُوسرا صِدق مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ وُہ صِدق کی تمام راہوں سے پیار کرتے ہیں اور صِدق ہی چاہتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو شہید کہلاتے ہیں۔ وُہ گویا خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ شہید وُہی نہیں ہوتا جو قتل ہو جائے۔ کسی لڑائی یا وبائی امراض میں مارا جائے، بلکہ شہید ایسا قوی الایمان انسان ہوتا ہے، جس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہ ہو۔ صالحین وہ ہوتے ہیں جن کے اندر سے ہر قسم کا فساد جاتا رہتا ہے۔ جیسے تندرست آدمی جب ہوتا ہے، تو اُس کی زبان کا مزہ بھی دُرست ہوتا ہے۔ پُورے اعتدال کی حالت میں تندرست کہلاتا ہے۔ کسی قسم کا فساد اندر نہیں رہتا۔ اسی طرح پر صالحین کے اندر کسی قسم کی رُوحانی مرض نہیں ہوتی اور کوئی مادہ فساد کا نہیں ہوتا۔ اُس کا کمال اپنے نفس میں نفی کے وقت ہے اور شہید، صدیق، نبی کا کمال ثبوتی ہے۔ شہید ایمان کو ایسا قوی کرتا ہے۔ گویا خدا کو دیکھتا ہے۔ صدیق عملی طور پر صِدق سے پیار کرتا اور کذب سے پرہیز کرتا ہے اور نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ رواتے الٰہی کے نیچے آجاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کمال کسی دُوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتے اور مولوی یا علماء کہتے ہیں کہ بس ظاہری طور پر کلمہ پڑھ لے اور نماز روزہ کے احکام کا پابند ہو جاوے۔ اس سے زیادہ ان احکام کے ثمرات اور نتائج کچھ نہیں اور نہ ان میں کچھ حقیقت ہے۔ یہ بڑی بھاری غلطی ہے اور ایمانی کمزوری ہے۔ اُنھوں نے رسالت کے مدّعا کو نہیں سمجھا۔

مامُورین کی غرض

اللہ تعالیٰ جو مامُوروں اور مُرسلوں کو خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے بھیجتا ہے۔ کیا اس لیے بھیجتا ہے کہ لوگ اُن کی پرستش کریں۔ نہیں۔ بلکہ اُن کو نمونہ بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے بادشاہ اپنے مُلک کے کاریگروں کو کوئی تلوار دے تو اس کی مُراد یہی ہے کہ وُہ بھی ویسی تلوار بنانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو مامُور اور مُرسل ہوتے ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ سے متّصف بناتا ہے۔ اور دُنیا کی طرف مامُور کرتا ہے، تا لوگ اُن کے اخلاق اور کمالات سے حصّہ لیں اور اسی طرز و روش پر چلیں۔ کیونکہ یہ لوگ اُس وقت تک فائدہ پہنچاتے ہیں، جبتک زندہ ہوں۔ گذرنے کے بعد تبتّل ہو جاتا ہے۔ اس واسطے صُوفی لوگ کہتے ہیں کہ زندہ بلی مُردہ شیر سے بہتر ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: اَلٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ (ھود: ۲) الف سے مراد اللہ اور لٓ سے مراد جبرائیل اور ر سے مُراد رسل ہیں۔

چونکہ اس میں یہی قصہ ہے کہ کونسی چیزیں انسانوں کو ضروری ہیں، اس لیے فرمایا کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ یہ کتاب ایسی ہے کہ اُس کی آیات پکّی اور استوار ہیں۔

اِستحکامِ کتاب اللہ

قرآن کریم کی تعلیموں کو اللہ تعالیٰ نے کئی طرح پر مستحکم کیا، تاکہ کسی قسم کا شک نہ رہے۔ اور اسی لیے شروع میں فرمایا لَا رَیْبَ فِیْہِ (البقرہ: ۳) یہ استحکام کئی طور پر کیا گیا ہے۔

اوّلاً۔ قانونِ قدرت سے استواری اور استحکام قرآنی تعلیموں کا کیا گیا۔ جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے، قانونِ قدرت اُس کو پوری مدد دیتا ہے۔ گویا جو قرآن میں ہے، وُہی کتابِ مکنُون میں ہے۔ اِس کا راز انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہی وُہ سِرّ ہے جو لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (الواقعۃ: ۸۰) میں رکھا گیا ہے۔ غرض پہلے قرآنی تعلیم کو قانونِ قدرت سے متحکم کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہٗ لاشریک بتلائی۔ جب ہم قانونِ قدرت میں نظر کرتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ ضرور ایک ہی خالق و مالک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دل بھی اسے ہی مانتا ہے اور دلائلِ قدرت سے بھی اسی کا پتہ لگتا ہے، کیونکہ ہر ایک چیز جو دُنیا میں موجود ہے وہ اپنے اندر کُردیت رکھتی ہے۔ جیسے پانی کا قطرہ اگر ہاتھ سے چھوڑیں، تو وہ کُروی شکل کا ہوگا اور کُروی شکل توحید کو مُستلزم ہے اور یہی وجہ ہے کہ پادریوں کو بھی ماننا پڑا کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی وہاں کے رہنے والوں سے توحید کی پرسش ہوگی۔ چنانچہ پادری فنڈر نے اپنی تصنیفات میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم دُنیا میں نہ بھی ہوتا، تب بھی ایک ہی خدا کی پرستش ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کا بیان صحیح ہے، کیونکہ اُس کا نقش انسانی فطرت اور دل میں موجود ہے اور دلائلِ قدرت سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ برخلاف اس کے انجیلی تثلیث کا نقش نہ دل میں ہے نہ قانونِ قدرت اس کا مؤیّد ہے۔

یہی معنے ہیں کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ کے۔ یعنی قانونِ قدرت سے اُس کی تعلیموں کو ایسا مستحکم اور استوار کیا گیا ہے کہ مُشرک و عیسائی کو بھی ماننا پڑا کہ انسان کے مادۂ فطرت سے توحید کی باز پرس ہوگی۔

دوسری وجہ استحکام کی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں، کوئی نبی، کوئی مامور دُنیا میں ایسا نہیں آتا جس کے ساتھ تائیداتِ الٰہی شامل نہ ہوں اور یہ تائیدات اور نشانات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت پُرشوکت اور پُرقوت تھے۔ آپؐ کے حرکات سکنات میں، کلام میں نشانات تھے۔ گویا آپؐ کا وجُود از سرتاپا نشاناتِ الٰہی کا پُتلا تھا۔

تیسرا اِحکام نبی کا پاک چال چلن اور راستبازی ہے یہ منجملہ ان باتوں کے ہے جو عقلمندوں کے نزدیک امین ہونا بھی ایک دلیل ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس سے دلیل پکڑی۔

چوتھا احکام جو ایک زبردست وجہ استواری اور استحکام کی ہے۔ نبی کی قوتِ قدسیہ ہے۔ جس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے طبیب خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے کہ میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں اور اس کو سند بھی خواہ فوکِ زبان ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر لوگوں کو اُس سے فائدہ نہ پہنچے تو یہی کہیں گے کہ اُس کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے۔ اسی طرح پر نبی کی قوتِ قدسی جس قدر زبردست ہو۔ اُسی قدر اُس کی شان اعلیٰ اور بلند ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم کے استحکام کے لیے یہ پشتیبان بھی سب سے بڑا پشتیبان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اس درجہ پر پہنچی ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دیکھیں، تو معلوم ہوگا کہ کسی نے آپؐ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا۔ یہودی دُنیا کے کُتے ہیں۔ عیسائیوں کو دیکھو تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے چشمے سے دُور جا پڑے۔ کوئی حضرت مریمؑ کی پرستش کرتا ہے۔ کوئی مسیحؑ کو خدا جانتا ہے اور دُنیا پرستی ہی شب و روز کا شغل اور کام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت کو اگر دیکھا جاوے، تو وہ ہمہ تن خدا ہی کے لیے نظر آتے ہیں اور اپنی عملی زندگی میں کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُبارک اور کامیاب زندگی کی تصویر یہ ہے کہ آپؐ ایک کام کے لیے آئے اور اُسے پُورا کر کے اس وقت دُنیا سے رُخصت ہوئے جس طرح بندوبست والے پُورے کاغذات پانچ برس میں مرتب کر کے آخری رپورٹ کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اُس دن سے لے کر جب قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر: ۳) کی آواز آئی۔ پھر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (النصر: ۲) اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: ۴) کے دن تک نظر کریں، تو آپؐ کی لانظیر کامیابی کا پتہ ملتا ہے۔ اِن آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ خاص طور پر مامُور تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو اپنی زندگی میں وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو اُن کی رسالت کا منتہا تھی۔ وہ ارضِ مقدس اور مُوعود سرزمین کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکے، بلکہ راہ ہی میں فوت ہو گئے۔ کافر کب مان سکتا ہے۔ اور ایک بے ایمان آدمی راہ میں فوت ہو جانے اور وعدہ کی زمین میں نہ پہنچ سکنے کی وجوہات کب سننے لگا۔ وُہ تو یہی کہے گا کہ اگر مامُور تھے، تو وہ وعدے زندگی میں کیوں پُورے نہ ہوئے۔ سچی بات یہی ہے کہ سب نبیوں کی نبوت کی پردہ پوشی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی۔

تصویر یسُوع

ایسا ہی مسیح علیہ السلام کی زندگی پر نظر کرو۔ ساری رات خود دُعا کرتے رہے۔ دوستوں سے کراتے رہے۔ آخر شکوہ پر اُتر آئے اور اِيْلِيْ اِيْلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِيْ بھی کہہ دیا یعنی اے میرے خدا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ اب ایسی حسرت بھری حالت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مامُور من اللہ ہے۔ جو نقشہ پادریوں نے مسیح کی آخری حالت کا جما کر دکھایا ہے، وُہ تو بالکل مایُوسی بخشتا ہے۔

لافیں تو اتنی تھیں کہ خدا کی پناہ اور کام کچھ بھی نہ کیا۔ ساری عُمر میں کُل ایک سو بیس آدمی تیار کیے اور وہ بھی ایسے پست خیال اور کم فہم جو خدا کی بادشاہت کی باتوں کو سمجھ ہی نہ سکتے تھے اور سب سے بڑا مصاحب جس کی بابت یہ فتویٰ تھا کہ جو زمین پر کرے، آسمان پر ہوتا ہے اور بہشت کی کنجیاں جس کے ہاتھ میں تھیں، اُسی نے سب سے پہلے لعنت کی۔ اور وہ جو امین اور خزانچی بنایا ہوا تھا جس کو چھاتی پر لٹاتے تھے، اُسی نے تیس رُوپے لے کر پکڑوا دیا۔ اب ایسی حالت میں کب کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسیح نے واقعی مامور یت کا حق ادا کیا۔

اور اس کے مقابل ہمارے نبی کریمؐ کا کیسا پکا کام ہے اس وقت سے جب سے کہا کہ میں ایک کام کرنے کے لیے آیا ہوں جبتک یہ نہ سُن لیا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ: ۴) آپ دُنیا سے نہ اُٹھے۔ جیسے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اس دعوے کے مناسبِ حال یہ ضروری تھا کہ کُل دُنیا کے مکر و مکاید متفق طور پر آپ کی مخالفت میں کیے جاتے۔ آپ نے کس حوصلہ اور دلیری کے ساتھ مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا کہ فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا (ہود: ۵۶) یعنی کوئی دقیقہ مکر کا باقی نہ رکھو۔ سارے فریب کر استعمال کرو۔ قتل کے منصوبے کرو۔ اِخراج اور قید کی تدبیریں کرو، مگر یاد رکھو سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ (القمر: ۴۶) آخر فتح میری ہے۔ تمہارے سارے منصوبے خاک میں مِل جائیں گے۔ تمہاری ساری جماعتیں منتشر اور پراگندہ ہو جاویں گی اور پیٹھ دے نکلیں گی۔ جیسے وہ عظیم الشان دعویٰ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کسی سے نہیں کیا اور جیسے فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا کہنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ یہ بھی کسی کے مُنہ سے نہ نکلا سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یہ الفاظ اسی کے مُنہ سے نکلے جو خدا تعالیٰ کے سائے کے نیچے اُلوہیت کی چادر میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔

غرض ان وجُوہات پر ایک اجنبی آدمی بھی نظر ڈالے تو اُس کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے صاف اور واضح طور پر کتاب اللہ کو مضبوط و مستحکم فرمایا ہے۔ اگر کوئی قانونِ قدرت پر نظر کرتا ہے، تو قول اور فعل کو باہم مطابق پاتا ہے۔ پھر اگر خوارق پر نظر کرتا ہے تو اِس قدر کثرت سے ہیں کہ حدِ شمار سے باہر ہیں۔ یہانتک کہ آپ کا قول و فعل اور حرکات و سکنات سب خوارق ہیں۔ قوتِ قدسیہ کو دیکھتا ہے تو صحابہ کرامؓ کی پاک تبدیلی حیرت میں ڈالتی ہے۔ پھر کامیابی کو دیکھتا ہے تو دُنیا بھر کے مامورُوں اور مُرسلوں سے بڑھ کر تھے۔

اِن وجُوہاتِ احکامِ آیات کے علاوہ میرے نزدیک اور بھی بہت سے وجُوہات ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اَلرّ کے لفظ سے پتہ لگتا ہے کہ یہ لفظ مجددوں اور مُرسلوں کے سلسلۂ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔ اب اس سلسلہ میں آنیوالے مجددوں کے خوارق اُن کی کامیابیوں، ان کی پاک تاثیروں وغیرہ وجُوہات احکامِ آیات کو کون بھی نہیں سکتے۔

متبعین کی کامیابیاں متبوع کی ہی کامیابیاں ہوتی ہیں

اور یہ سب خوارق اور کامیابیاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے متبعین مجددوں کے ذریعہ سے ہوئیں اور قیامت تک ہوں گی، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کامیابیاں ہیں۔ غرض ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ مُردوں سے استمداد خدا تعالیٰ کی منشاء کے موافق نہیں۔ اگر مُردوں سے مدد کی ضرورت ہوتی، تو پھر زندوں کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہزاروں ہزار جو اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں، اس کا کیا مطلب تھا؟ مجددین کا سلسلہ کیوں جاری کیا جاتا؟ اگر اسلام مُردوں کے حوالے کیا جاتا تو یقیناً سمجھو کہ اس کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔ یہودیوں کا مذہب مُردوں کے حوالے کیا گیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ عیسائیوں نے مُردہ پرستی سے بتلاؤ کیا پایا؟ مُردوں کو پُوجتے پُوجتے خود مُردہ ہو گئے۔ نہ مذہب میں زندگی کی رُوح رہی نہ ماننے والوں میں زندگی کے آثار باقی رہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک مُردوں ہی کا مجمع ہو گیا۔

اسلام کا حیّ و قیوم خدا

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا حیّ و قیوم خدا ہے۔ پھر وہ مُردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔ وہ حیّ و قیوم خدا تو بار بار مُردوں کو جلاتا ہے۔ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید: ۱۸) تو کیا مُردوں کے ساتھ تعلق پیدا کر کر جلاتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اسلام کی حفاظت کا ذمہ اسی حیّ و قیوم خدا نے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کہہ کر اُٹھایا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے اور مُردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔

قرآنِ کریم کی تفصیل

پھر فرمایا ثُمَّ فُصِّلَتْ۔ ایک تو وہ تفصیل ہے، جو قرآنِ کریم میں ہے۔ دُوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف و حقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔ ہر زمانے میں نئے معارف اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ فلسفی اپنے رنگ میں، طبیب اپنے مذاق پر، صُوفی اپنے طرز بیان کرتے ہیں اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم و خبیر خدا نے رکھی ہے۔ حکیم اس کو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا علم مطلوب ہو وہ کامل طور پر ہو اور پھر عمل بھی کامل ہو۔ ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنے محل و موقع پر رکھ سکے۔ حکمت کے معنی وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّهٖ اور خبیر مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ایسا وسیع علم کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتب ٹھہرایا تھا اور اس کا زمانہ قیامت تک دراز تھا۔ وہ خُوب جانتا تھا کہ کس طرح پر یہ تعلیمیں ذہن نشین کرنی چاہئیں، چنانچہ اسی کے مطابق تفاصیل کی ہیں۔ پھر اس کا سلسلہ جاری رکھا کہ جو مجدد و مصلح احیاءِ دین کے لیے آتے ہیں، وہ خود مفصّل آتے ہیں۔

قرآن کریم کا خلاصہ اور مغز

اس کے بعد ایک عجیب بات سوال مقدّر کے جواب کے طور پر بیان کی ہے یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں۔ ان کا خُلاصہ اور

مغز کیا ہے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ (ہود: ۳) خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علّتِ غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت: ۵۷)۔

عبادت کی حقیقت

عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت، کجی کو دُور کرکے دل کی زمین کو ایسا صاف بنادے، جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مَوْہٌ مُعَبَّدٌ جیسے سُرمہ کو باریک کرکے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر، پتھر، ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا رُوح ہی رُوح ہو۔ اس کا نام عبادت ہے؛ چنانچہ اگر یہ دُرستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے، تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے اور اگر زمین کی کی جاوے، تو اس میں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری، کنکر، پتھر نہ رہنے دے، تو اس میں خدا نظر آئے گا۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے درخت اُس میں پیدا ہو کر نشو و نما پائیں گے اور وُہ اثمارِ شیریں و طیب ان میں لگیں گے۔ جو اُكُلُهَا دَآئِمٌ (الرعد: ۳۶) کے مصداق ہوں گے۔ یاد رکھو کہ یہ وہی مقام ہے، جہاں صُوفیوں کے سلوک کا خاتمہ ہے۔ جب سالک یہاں پہنچتا ہے، تو خدا ہی خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ اس کا دل عرشِ الٰہی بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس پر نزُول فرماتا ہے۔ سلوک کی تمام منزلیں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں کہ انسان کی حالتِ تعبّد دُرست ہو، جس میں رُوحانی باغ لگ جاتے ہیں اور آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہے۔ اسی مقام پر پہنچ کر انسان دُنیا میں جنّت کا نمونہ پاتا ہے اور یہاں ہی هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرہ: ۲۶) کہنے کا حظ اور لُطف اُٹھاتا ہے۔

غرض حالتِ تعبّد کی درستی کا نام عبادت ہے، پھر فرمایا: اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (ھود: ۳) چونکہ یہ تعبّدِ تام کا عظیم الشّان کام انسان بُدوں کسی اُسوۂ حسنہ اور نمونۂ کاملہ کے اور کسی قوّتِ قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں اسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں۔ اگر میری اطاعت کرو گے اور مجھے قبول کرو گے تو تمہارے لیے بڑی بڑی بشارتیں ہیں۔ کیونکہ مَیں بشیر ہوں اور اگر رَدّ کرتے ہو تو یاد رکھو کہ مَیں نذیر ہو کر آیا ہوں۔ پھر تم کو بڑی بڑی عقوبتوں اور دُکھوں کا سامنا ہوگا۔

بہشت اور جہنّم

اصل بات یہ ہے کہ بہشتی زندگی اِسی دُنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر کورانہ زیست جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسُول سے بالکل الگ ہو کر بسر کی جائے جہنّمی زندگی کا نمونہ ہے اور وہ بہشت جو مرنے کے بعد ملے گا، اسی بہشت کا اصل ہے۔ اور اسی لیے تو بہشتی لوگ نعمائے جنّت کا حظ اُٹھاتے وقت کہیں گے۔ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرہ: ۲۶) دُنیا میں انسان کو جو بہشت

حاصل ہوتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس : ۱۰) پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ جب انسان عبادت کا اصل مفہوم اور مغز حاصل کر لیتا ہے، تو خدا تعالیٰ کے انعام واکرام کا پاک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور جو نعمتیں آئندہ بعد مُردن ظاہری۔ مرئی اور محسوس طور پر ملیں گی وُہ اب رُوحانی طور پر پاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جبتک بہشتی زندگی اسی جہان سے شروع نہ ہو۔ اور اس عالم میں اُس کا حظ نہ اُٹھاؤ۔ اُس وقت تک میسر نہ ہو اور تسلی نہ پکڑو، کیونکہ وُہ جو اس دُنیا میں کچھ نہیں پاتا اور آئندہ جنت کی امید کرتا ہے وہ طمع خام کرتا ہے۔ اصل میں وُہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) کا مصداق ہے۔ اس لیے جبتک ماسوی اللہ کے کنکر اور سنگریزے زمین دل سے دُور نہ کر لو اور اُسے آئینہ کی طرح مُصفّا اور سُرمہ کی طرح باریک نہ بنا لو۔ صبر نہ کرو۔

مُرشدِ کامل کی ضرورت

ہاں یہ سچ ہے کہ انسان کبھی مُزکّی النفس کی امداد کے بغیر اس سلوک کی منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اس کے انتظام وانصرام کے لیے اللہ تعالیٰ نے کامل نمونہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا اور پھر ہمیشہ کے لیے آپؐ کے سچے جانشینوں کا سلسلہ جاری فرمایا، تاکہ ناعاقبت اندیش برہمنوں کا رَدّ ہو۔ جیسے یہ امر ایک ثابت شدہ صداقت ہے کہ جو کسان کا بچہ نہیں ہے۔ نلائی (گوڈی دینے) کے وقت اصل درخت کو کاٹ دے گا۔ اسی طرح پر یہ زمینداری جو رُوحانی زمینداری ہے۔ کامل طور پر کوئی نہیں کر سکتا، جب تک کسی کامل انسان کے ماتحت نہ ہو۔ جو تخم ریزی، آبپاشی، نلائی کے تمام مرحلے طے کر چکا ہو۔ اسی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ مُرشدِ کامل کی ضرورت انسان کو ہے۔ مُرشدِ کامل کے بغیر انسان کا عبادت کرنا اسی رنگ کا ہے، جیسے ایک نادان وناواقف بچہ ایک کھیت میں بیٹھا ہوا اصل پودوں کو کاٹ رہا ہے اور اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ وُہ گوڈی کر رہا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ عبادت خود ہی آجائے گی نہیں جبتک رسُول نہ سکھلائے۔ انقطاع اِلی اللہ اور تمثّلِ تام کی راہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

اِستغفار اور توبہ

پھر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کام کیونکر حل ہو۔ اس کا علاج خود ہی بتلایا وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ (ھود : ۴) یاد رکھو کہ یہ دو چیزیں اس اُمّت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے، دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لیے۔ قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دُوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صُوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے وَرزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کو اُٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ رُوح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت لینی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔ غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان اُن جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنے ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ اُن پر غالب آوے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سمّی مادہ ہے۔ جس کا موکل شیطان ہے اور دُوسرا تریاقی مادہ ہے۔ جب انسان تکبّر کرتا ہے اور اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے اور تریاقی چشمہ سے مدد نہیں لیتا۔ تو سمّی قوت غالب آجاتی ہے، لیکن جب اپنے تئیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسُوس کرتا ہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی رُوح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور یہی استغفار کے معنی ہیں یعنی یہ کہ اس قوت کو پاکر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔

غرض اِس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت پر یُوں قائم رہو۔ اوّل۔ رسُول کی اطاعت کرو۔ دُوسرے ہر وقت خدا سے مدد چاہو۔ ہاں پہلے اپنے ربّ سے مدد چاہو۔ جب قوت مل گئی تو تُوبُوْٓا اِلَیْہِ یعنی خدا کی طرف رجُوع کرو۔

اِستغفار کو توبہ پر تقدّم حاصل ہے

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدّم ہے، کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خُدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادۃُ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا، تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دیگا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لیے اُس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی۔ جس کا نام تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ ہے۔ اس لیے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لیے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا سے اِستمداد چاہے۔ سالک جبتک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا، کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔ اگر استغفار نہ ہو، تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے، تو نتیجہ یہ ہوگا۔ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (ھود: ۴) سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پاؤ گے۔ ہر ایک شخص کے لیے ایک دائرہ ہے۔ جس میں وہ مدارجِ ترقی کو حاصل کرتا ہے۔ ہر ایک آدمی نبی، رسُول، صدّیق شہید نہیں ہو سکتا۔

غرض اس میں شک نہیں کہ تفاضلِ درجات امرِ حق ہے۔ اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اُمور پر مؤاظبت کرنے سے ہر ایک سالک اپنی اپنی استعداد کے موافق درجات اور مراتب کو پائے گا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا وَیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ (ھود: ۴) لیکن اگر زیادت لیکر آیا ہے، تو خدا تعالیٰ اس مجاہدہ میں اس کو زیادت دے دے گا اور اپنے فضل کو پائے گا، جو طبعی طور پر اُس کا حق ہے۔ ذی الفضل کی اضافت ملکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محروم نہ رکھے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ہم نے کوئی ولی بنانا ہے؟ جو ایسا کہتے ہیں وہ دنی الطبع کافر ہیں۔ انسان کو مناسب ہے کہ قانونِ قدرت کو ہاتھ میں لے کر کام کرے۔

مُردہ سے مدد مانگنا جائز نہیں

اب ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنے کا خدا نے کہیں ذکر نہیں کیا، بلکہ زندوں ہی کا ذکر فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا جو اسلام کو زندوں کے سپرد کیا۔ اگر اسلام کو مُردوں پر ڈالتا تو نہیں معلوم کیا آفت آتی۔ مُردوں کی قبریں کہاں کم ہیں۔ کیا ملتان میں تھوڑی قبریں ہیں؟ گردوگرما گداوگورستان؛ اُس کی نسبت مشہور ہے۔ میں بھی ایک بار ملتان گیا۔ جہاں کسی قبر پر جاؤ مجاور کپڑے اُتارنے کو گرد ہو جاتے ہیں۔ پاک پٹن میں مُردوں کے فیضان سے دیکھ لو کیا ہو رہا ہے؟ اجمیر میں جاکر دیکھو۔ بدعات اور محدثات کا بازار کیا گرم ہے غرض جب مُردوں کو دیکھو گے اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ اُن کے مشاہدہ میں سوا بدعات اور ارتکابِ مناہی کے کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے جو صراطِ مستقیم فرمایا ہے وہ زندوں کی راہ ہے، مُردوں کی راہ نہیں پس جو چاہتا ہے کہ خدا کو پائے اور حیّ و قیّوم خدا کو ملے، تو وہ زندوں کو تلاش کرے، کیونکہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے نہ مُردہ۔ جن کا خدا مُردہ، جن کی کتاب مُردہ۔ وہ مُردوں سے برکت چاہیں، تو کیا تعجب ہے۔ لیکن اگر سچا مُسلمان جس کا خدا زندہ خدا، جس کا نبی زندہ نبی، جس کی کتاب زندہ کتاب ہے اور جس دین میں ہمیشہ زندوں کا سلسلہ جاری ہو اور ہر زمانہ میں ایک زندہ انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان پیدا کرنے والا آتا ہو، وہ اگر اُس زندہ کو چھوڑ کر بوسیدہ ہڈیوں اور قبروں کی تلاش میں سرگردان ہو تو البتہ تعجب اور حیرت کی بات ہے!!!

زندوں کی صُحبت تلاش کرو

پس تم کو چاہیے کہ تم زندوں کی صُحبت تلاش کرو اور بار بار اُس کے پاس آکر بیٹھو۔ ہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ میں تاثیر نہیں ہوتی۔ سنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوئی۔ جو سلسلہ منہاج نبوّۃ پر قائم ہوگا۔ اس میں بھی تدریجی ترقی کا قانون کام کرتا ہوگا۔ پس چاہیے کہ صحابہؓ کی طرح اپنے کاروبار چھوڑ کر یہاں آکر بار بار اور عرصہ تک صُحبت میں رہو تاکہ تم دیکھو جو صحابہؓ نے دیکھا اور پاؤ جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پایا۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے؛

یا توُں لوڑ مقدمی یا توُں اللہ نوُں لوڑ

تم دیکھتے ہو کہ میں بیعت میں یہ اقرار لیتا ہوں کہ دین کو دُنیا پر مقدّم رکھوں گا۔ یہ اس لیے تاکہ میں دیکھوں کہ بیعت کنندہ اس پر کیا عمل کرتا ہے؟ ذرہ سی نئی زمین کسی کو مِل جاوے تو وہ گھر بار چھوڑ کر وہاں جا بیٹھتا ہے اور ضروری ہوتا ہے کہ وہ وہاں رہے تا وہ زمین آباد ہو۔ محمد حسین جیسے کو بھی بار میں جاکر ٹھہرنے کی ضرورت آپڑی۔

پھر ہم جو ایک نئی زمین اور ایسی زمین دیتے ہیں جس میں اگر صفائی اور محنت سے کاشت کی جاوے، تو ابدی پھل لگ سکتے ہیں۔ کیوں یہاں آکر لوگ گھر نہیں بناتے اور اگر اس بے احتیاطی کے ساتھ اس زمین کو کوئی لیتا ہے کہ بیعت کے بعد یہاں آنا اور چند روز ٹھہرنا بھی دوبھر اور مشکل معلوم دیتا ہے تو پھر اُس کی فصل کے پکنے اور بار آور ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زمین رکھا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید: ۱۸) زمیندار کو کس قدر تردد کرنا پڑتا ہے بیل خریدتا ہے۔ ہل چلاتا ہے۔ تخم ریزی کرتا ہے۔ آبپاشی کرتا ہے۔ غرضیکہ بہت بڑی محنت کرتا ہے اور جب تک خود دخل نہ دے کچھ بھی نہیں بنتا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص نے پتھر پر لکھا دیکھا۔ "زرع زر ہی زر ہے" کھیتی تو کرنے لگا، مگر نوکروں کے سپرد کر دی لیکن جب حساب لیا۔ کچھ وصول ہونا تو درکنار کچھ واجب الادا ہی نکلا۔ پھر اُس کو اس موقعہ پر شک پیدا ہوا تو کسی دانشمند نے سمجھایا کہ نصیحت تو سچی ہے، لیکن تمہاری بے وقوفی ہے۔ خود متہم بنو، تب فائدہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح پر ارضِ دل کی خاصیت ہے جو اُس کو بے عزتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کو خدا تعالیٰ کا فضل اور برکت نہیں ملتی۔ یاد رکھو، مَیں جو اصلاحِ خلق کے لیے آیا ہوں جو میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فضل کا وارث بنتا ہے، لیکن مَیں صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ جو سرسری طور پر بیعت کر کے چلا جاتا ہے اور پھر اُس کا پتہ بھی نہیں ملتا کہ کہاں ہے اور کیا کرتا ہے۔ اُس کے لیے کچھ نہیں ہے وہ جیسا تہی دست آیا تھا۔ تہی دست جاتا ہے۔

یہ فضل اور برکت صحبت میں رہنے سے ملتی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہؓ بیٹھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ۔ گویا صحابہؓ خدا کا رُوپ ہو گئے۔ یہ درجہ ممکن نہ تھا کہ اُن کو ملتا۔ اگر دُور ہی بیٹھے رہتے۔ یہ بہت ضروری مسئلہ ہے۔ خدا کا قرب، بندگانِ خدا کا قرب ہے اور خدا تعالیٰ کا ارشاد كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: ۱۱۹) اس پر شاہد ہے۔ یہ ایک سِرّ ہے جس کو تھوڑے ہی جو سمجھتے ہیں۔ مامور من اللہ ایک ہی وقت میں ساری باتیں کبھی بیان نہیں کر سکتا، بلکہ وُہ اپنے دوستوں کے امراض کی تشخیص کر کے حسبِ موقع اُن کی اصلاح بذریعہ وعظ و نصیحت کرتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً وہ اُن کے امراض کا ازالہ کرتا رہتا ہے۔ اب جیسے آج میں ساری باتیں بیان نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی ایسے ہوں، جو آج ہی تقریر سُن کر چلے جاویں اور بعض باتیں اس میں اُن کے مذاق اور مرضی کے خلاف ہوں، تو وُہ محروم گئے، لیکن جو متواتر یہاں رہتا ہے۔ وُہ ساتھ ساتھ ایک تبدیلی کرتا جاتا ہے اور آخر اپنے مقصد کو پالیتا ہے۔ ہر ایک آدمی سچی تبدیلی کا محتاج ہے۔ جس میں تبدیلی نہیں ہے، وُہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى کا مصداق ہے۔

جماعت میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو

مجھے بہت سوز و گداز رہتا ہے کہ جماعت میں ایک پاک تبدیلی ہو۔ جو نقشہ اپنی جماعت کی تبدیلی کا میرے دل

میں ہے وُہ ابھی پیدا نہیں ہوا اور اس حالت کو دیکھ کر میری وہی حالت ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ (الشعراء: ۴) مَیں نہیں چاہتا کہ چند الفاظ طوطے کی طرح بیعت کے وقت رَٹ لیے جاویں۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ تزکیۂ نفس کا علم حاصل کرو کہ ضرورت اسی کی ہے۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیحؑ کی وفات حیات پر جھگڑے اور مباحثہ کرتے پھرو۔ یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ اسی پر بس نہیں ہے۔ یہ تو ایک غلطی تھی جس کی ہم نے اصلاح کر دی، لیکن ہمارا کام اور ہماری غرض ابھی اس سے بہت دُور ہے اور وُہ یہ ہے کہ تم اپنے اندر ایک تبدیلی پیدا کرو اور بالکل ایک نئے اِنسان بن جاؤ، اس لیے ہر ایک کو تم میں سے ضروری ہے کہ وُہ اس راز کو سمجھے اور ایسی تبدیلی کرے کہ وہ کہہ سکے کہ مَیں اور ہوں۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً جبتک ایک مدت تک ہماری صحبت میں رہ کر یہ نہ سمجھے کہ مَیں اور ہو گیا ہوں، اسے فائدہ نہیں پہنچا۔

فطرت اور عقلی حالت اور جذبات کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل ہو جاوے، تو کچھ بات ہے؛ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ دُنیا کے اشغال چھوڑ دو۔ خدا تعالیٰ نے دُنیا کے شغلوں کو جائز رکھا ہے، کیونکہ اس راہ سے بھی ابتلا آتا ہے اور اسی ابتلا کی وجہ سے انسان چور، قمار باز، ٹھگ، ڈکیت بن جاتا ہے اور کیا کیا بُری عادتیں اختیار کر لیتا ہے، مگر ہر ایک چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ دینوی شغلوں کو اس حد تک اختیار کرو کہ وہ دین کی راہ میں تمہارے لیے مدد کا سامان پیدا کر سکیں اور مقصُود بالذات اس میں دین ہی ہو۔ پس ہم دینوی شغلوں سے بھی منع نہیں کرتے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ دن رات دُنیا کے دھندوں اور بکھیڑوں میں منہمک ہو کر خدا تعالیٰ کا خانہ بھی دُنیا ہی سے بھر دو۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ محرومی کے اسباب بہم پہنچاتا ہے اور اس کی زبان پر تراوعویٰ ہی رہ جاتا ہے۔ الغرض زندوں کی صحبت میں رہو تا کہ زندہ خدا کا جلوہ تم کو نظر آوے۔"

۹ر جولائی ۱۹۰۰ء

دُعا بہترین ہمدردی ہے

یاد رکھو۔ ہمدردی تین قسم کی ہے۔ اوّل جسمانی، دوم مالی، تیسری قسم ہمدردی کی دُعا ہے۔ جس میں نہ صرفِ زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے، کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے۔ جبکہ اس میں طاقت بھی ہو۔ مثلاً ایک ناتواں مجروح مسکین اگر کہیں پڑا تڑپتا ہو، تو کوئی شخص جس میں خود طاقت اور توانائی نہیں ہے، کب اُس کو اٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بیکس و بے بس، بے سر و سامان انسان بھوک

(الحکم جلد نمبر ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۵-۱۲ مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۰۲ء

سے پریشان ہو تو جبتک مال نہ ہو۔ اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت بلکہ جبتک انسان انسان ہے، وہ دُوسرے کے لیے دُعا کرسکتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا فیض بہت وسیع ہے اور اگر اس ہمدردی سے انسان کام نہ لے، تو سمجھو بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔

مَیں نے کہا ہے کہ مالی اور جسمانی ہمدردی میں انسان مجبور ہوتا ہے، مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی میں مجبور نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دُعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے جس قدر دُعا وسیع ہوگی اسی قدر فائدہ دُعا کرنے والے کو ہو گا اور دُعا میں جس قدر بخل کرے گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دُور ہوتا جاوے گا اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت وسیع ہے جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے۔

لمبی عمر پانے کا نسخہ

دُوسروں کے لیے دُعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دُوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجُود ہوتے ہیں، اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) اور دُوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جاسکتی ہے۔ وُہ یہی دُعا کی خیر جاری ہے۔ جبکہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دُعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دُنیا میں خیر کا مُوجب ہوتا ہے۔ اس کی عُمر دراز ہوتی ہے اور جو شر کا موجب ہوتا ہے۔ وُہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں شیر سنگھ چڑیوں کو زندہ پکڑ کر آگ پر رکھا کرتا تھا۔ وہ دو برس کے اندر ہی مارا گیا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وُہ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اسی طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دُوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

سائل کو جھڑکنا نہیں چاہیئے

بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ سائل کو دیکھ کر چڑ جاتے ہیں اور کچھ مولویت کی رگ ہو، تو اس کو بجائے کچھ دینے کے سوال کے مسائل سمجھانا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر اپنی مولویت کا رُعب بٹھا کر بعض اوقات سخت سُست بھی کہہ بیٹھتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کو عقل نہیں اور سوچنے کا مادہ نہیں رکھتے، جو ایک نیک دل اور سلیم الفطرت انسان کو ملتا ہے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ سائل اگر باوجُود صحت کے سوال کرتا ہے، تو وُہ خود گناہ کرتا ہے۔ اس کو کچھ دینے میں تو گناہ لازم نہیں آتا، بلکہ حدیث شریف میں لَوْ اَتَاکَ رَاکِبًا کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے تو بھی کچھ دے دینا چاہیے اور قرآن شریف میں وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ: ۱۱) کا ارشاد آیا ہے۔

کہ سائل کو مت جھڑک۔ اس میں یہ کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ فلاں قسم کے سائل کو مت جھڑک اور فلاں قسم کے سائل کو جھڑک۔ پس یاد رکھو کہ سائل کو نہ جھڑکو، کیونکہ اس سے ایک قسم کی بد اخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلدی ناراض نہ ہو۔ یہ شیطان کی خواہش ہے کہ وہ اس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے اور بدی کا وارث بنا دے۔

ایک نیکی سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے

غور کرو کہ ایک نیکی کرنے سے دوسری نیکی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح پر ایک بدی دُوسری بدی کا موجب ہو جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز دوسری کو جذب کرتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے یہ تجاذب کا مسئلہ ہر فعل میں رکھا ہوا ہے۔ پس جب سائل سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا اور اس طرح پر اخلاقی صدقہ دے دے گا، تو قبض دُور ہو کر دُوسری نیکی بھی کرے گا اور اُس کو کچھ دے بھی دے گا۔

اخلاق نیکیوں کی کلید ہے

اخلاق دوسری نیکیوں کی کلید ہے۔ جو لوگ اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے وُہ رفتہ رفتہ بے خیر ہو جاتے ہیں۔ میرا تو یہ مذہب کہ دُنیا میں ہر ایک چیز کام آتی ہے۔ زہر اور نجاست بھی کام آتی ہے۔ اسٹرکنیا بھی کام آتا ہے۔ اعصاب پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ مگر انسان جو اخلاقِ فاضلہ کو حاصل کر کے نفع رساں ہستی نہیں بنتا۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی بھی کام نہیں آ سکتا۔ مُردار حیوان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی تو کھال اور ہڈیاں بھی کام آ جاتی ہیں۔ اُس کی تو کھال بھی کام نہیں آتی۔ اور یہی وہ مقام ہوتا ہے۔ جہاں انسان بَلْ هُمْ اَضَلُّ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے، کیونکہ نیکیوں کی ماں اخلاق ہی ہے۔

خیر کا پہلا درجہ جہاں سے انسان قوت پاتا ہے۔ اخلاق ہے۔ دو لفظ ہیں۔ ایک خَلق اور دُوسرا خُلق۔ خَلق ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق باطنی پیدائش کا۔ جیسے ظاہر میں کوئی خُوب صُورت ہوتا ہے اور کوئی بہت ہی بدصُورت۔ اسی طرح پر کوئی اندرونی پیدائش میں نہایت حسین اور دِلرُبا ہوتا ہے اور کوئی اندر سے مجذُوم اور مبرُوص کی طرح مکرُوہ۔ لیکن ظاہری صُورت چونکہ نظر آتی ہے، اس لیے ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ بدصُورت اور بدوضع ہو، مگر چونکہ اس کو دیکھتا ہے اس لیے اُس کو پسند کرتا ہے اور خُلق کو چونکہ دیکھا نہیں، اس لیے اُس کی خُوبی سے ناآشنا ہو کر اُس کو نہیں چاہتا۔ ایک اندھے کے لیے خوبصورتی اور بدصُورتی دونوں ایک ہی ہیں۔ اسی طرح پر وہ انسان

جس کی نظر اندرونہ تک نہیں پہنچتی، اس اندھے ہی کی مانند ہے۔ خلق تو ایک بدیہی بات ہے۔ مگر خُلق ایک نظری مسئلہ ہے۔ اگر اخلاقی بدیاں اور ان کی لعنت معلوم ہو۔ تو حقیقت کھُلے۔ غرض اخلاقی خُوب صورتی ایک ایسی خُوب صُورتی ہے، جس کو حقیقی خُوب صورتی کہنا چاہیے بہت تھوڑے ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں۔ اخلاق نیکیوں کی کلید ہے۔ جیسے باغ کے دروازے پر قفل ہو۔ دُور سے پھل پھُول نظر آتے ہیں، مگر اندر نہیں جا سکتے۔ لیکن اگر قفل کھُول دیا جاوے، تو اندر جاکر پُوری حقیقت معلوم ہوتی ہے اور دل و دماغ میں ایک سرُور اور تازگی آتی ہے۔ اخلاق کو حاصل کرنا گویا اس قفل کو کھول کر اندر داخل ہونا ہے۔

ترکِ اخلاق ہی بدی اور گُناہ ہے

کسی کو اخلاق کی کوئی قوت نہیں دی گئی، مگر اس کو بہت سی نیکیوں کی توفیق ملی۔ ترکِ اخلاق ہی بدی اور گناہ ہے۔ ایک شخص جو مثلاً زنا کرتا ہے۔ اُس کو خبر نہیں کہ اُس عورت کے خاوند کو کس قدر صدمہ عظیم پہنچتا ہے۔ اب اگر یہ اُس تکلیف اور صدمہ کو محسُوس کر سکتا اور اس کو اخلاقی حِصّہ حاصل ہوتا، تو ایسے فعلِ شنیع کا مُرتکب نہ ہوتا۔ اگر ایسے نابکار انسان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس فعلِ بد کے ارتکاب سے نوعِ انسان کے لیے کیسے کیسے خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں تو ہٹ جاتا۔ ایک شخص جو چوری کرتا ہے۔ کمبخت ظالم اتنا بھی تو نہیں کرتا کہ رات کے کھانے کے واسطے ہی چھوڑ جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک غریب کی کئی سالوں کی محنت کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور جو کچھ گھر میں پاتا ہے۔ سب کا سب لے جاتا ہے۔ ایسی قبیح بدی کی اصل جڑ کیا ہے؟ اخلاقی قوت کا نہ ہونا۔ اگر رحم ہوتا اور وہ یہ سمجھ سکتا کہ بچے بھوک سے بلبلائیں گے۔ جن کی چیخوں سے دشمن کا بھی کلیجہ لرزتا ہے اور یہ معلوم کر کے کہ رات سے بھوکے ہیں اور کھانے کو ایک سُوکھا ٹکڑا بھی نہیں ملا، تو پتّا پانی ہو جاتا ہے۔ اب اگر ان حالتوں کو محسوس کرتا اور اخلاقی حالت سے اندھا نہ ہوتا، تو کیوں چوری کرتا۔ آئے دن اخبارات میں دردناک موتوں کی خبریں پڑھنے میں آتی ہیں کہ فلاں بچّہ زیور کے لالچ سے مارا گیا۔ فلاں جگہ کسی عورت کو قتل کر ڈالا۔ مَیں خود ایک مرتبہ اسیسر ہو کر گیا تھا۔ ایک شخص نے بارہ آنے یا ۱۴ آنہ (سوا روپیہ) میں ایک بچّہ کا خُون کیا تھا۔ اب سوچ کر دیکھو کہ اگر اخلاقی حالت دُرست ہو تو ایسی مصیبتیں کیوں آئیں؟ ممکن ہے کہ اپنے جیسے انسان پر مصیبت آئے

اور یہ محسوس نہ کرے۔

چارپایوں جیسے خصائل

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمد : ۱۳)

چارپایوں کی طرح کھاتے ہیں۔ اس کے کئی پہلو ہیں:

اوّل چارپایہ کیفیت اور کمیت میں فرق نہیں کرسکتا اور جو کچھ آگے آتا ہے اور جس قدر آتا ہے، کھاتا ہے۔ جیسے کُتّا اس قدر کھاتا ہے کہ آخر قے کرتا ہے۔

دُوسرا یہ کہ انعام حلال اور حرام میں تمیز نہیں کرتے۔ ایک بیل بھی یہ تمیز نہیں کرتا کہ یہ ہمسایہ کا کھیت ہے۔ اس میں نہ جاؤں۔ ایسا ہی ہر ایک امر جو کھانے کے لحاظ سے ہو نہیں کرتا۔ کُتّے کو ناپاکی پاکی کے متعلق کوئی لحاظ نہیں اور پھر چارپایہ کو اعتدال نہیں۔

یہ لوگ جو اخلاقی اصُولوں کو توڑتے ہیں اور پروا نہیں کرتے کہ گویا انسان نہیں۔ پاک پلید کا تو یہ حال، عرب میں مُردے کُتّے کھا لیتے تھے۔ ابتک اکثر ممالک میں یہ حال ہے کہ چُوہوں اور کُتّوں اور بلیوں کو بڑے لذیذ کھانے سمجھ کر کھایا جاتا ہے۔ چُوہڑے چمار مُردار خور قومیں یہاں بھی موجود ہیں۔

پھر یتیموں کا مال کھانے میں کوئی تردد و تامل نہیں۔ جیسے یتیم کا گھاس گائے کے سامنے رکھ دیا جاوے۔ بلا تردد کھائے گی۔ ایسا ہی ان لوگوں کا حال ہے یہی معنے ہیں وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد ۱۳) ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ غرض یاد رکھو کہ دو پہلو ہیں۔ ایک عظمتِ الٰہی کا جو اُس کے خلاف ہے، وُہ بھی اخلاق کے خلاف ہے اور دُوسرا شفقت علی خلق اللہ کا۔ پس جو نوعِ انسان کے خلاف ہو۔ وُہ بھی اخلاق کے برخلاف ہے۔ آہ! بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان باتوں پر جو انسان کی زندگی کا اصل مقصد اور غرض ہیں۔ غور کرتے ہیں۔

خود ساختہ وظائف و اذکار

بڑے بڑے صوفیوں، سجادہ نشینوں نے اپنا کمال اس میں سمجھ رکھا ہے کہ بڑے لمبے چوڑے وظائف اور اذکار و اشغال خود ہی تجویز کر لیے ہیں۔ اور اُن میں پڑ کر اصل کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ پھر بڑے سے بڑا کام کیا تو یہ کر لیا کہ چلّہ کرتے ہیں۔ کچھ جَو ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیتے ہیں جو دُودھ یا کوئی اور چیز پہنچا آتا ہے۔ ایک تنگ و تاریک گندی سی کوٹھڑی یا غار ہوتی ہے اور اس میں پڑے رہتے ہیں۔ خدا جانے وہ اس میں کس طرح رہتے ہیں۔ پھر بُری بُری حالتوں میں باہر نکلتے ہیں۔ یہ اسلام رہ گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان چلّہ کشیوں سے اسلام اور مُسلمانوں یا عام لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اور اس میں اخلاق میں کیا ترقی ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِّ شان

سب عزّتوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت ہے۔ جس کا کُل اسلامی دُنیا پر اثر ہے۔

آپؐ ہی کی غیرت نے پھر دُنیا کو زندہ کیا۔ عرب جن میں زنا، شراب اور جنگ جوئی کے سوا کچھ رہا نہ تھا اور حقوق العباد کا خُون ہو چکا تھا۔ ہمدردی اور خیر خواہیٔ نوعِ انسان کا نام و نشان تک مِٹ چکا تھا اور نہ صرف حقوق العباد ہی تباہ ہو چکے تھے بلکہ حقوق اللہ پر اِس سے بھی زیادہ تاریکی چھا گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پتھروں، بوٹیوں اور ستاروں کو دی گئی تھیں۔ قِسم قِسم کا شِرک پھیلا ہوا تھا۔ عاجز انسان اور انسان کی شرمگاہوں تک کی پُوجا دُنیا میں ہو رہی تھی۔ ایسی حالتِ مکروہ کا نقشہ اگر ذرا دیر کے لیے ایک سلیم الفطرت انسان کے سامنے آجاوے، تو وہ ایک خطرناک ظُلمت اور ظُلم و جور کے بھیانک اور خوفناک نظّارہ کو دیکھے گا۔ فالج ایک طرف گِرتا ہے، مگر یہ فالج ایسا فالج تھا کہ دونوں طرف گِرا تھا۔ فسادِ کامل دُنیا میں بَرپا ہو چکا تھا۔ نہ بَحر میں امن و سلامتی تھی اور نہ بَر پر سکون و راحت۔ اب اس تاریکی اور ہلاکت کے زمانہ میں ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھتے ہیں۔ آپؐ نے آکر کیسے کامل طور پر اس میزان کے دونوں پہلو درست فرمائے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اپنے اصلی مرکز پر قائم کر دکھایا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اخلاقی طاقت کا کمال اس وقت ذہن میں آسکتا ہے۔ جبکہ اُس زمانہ کی حالت پر نگاہ کی جاتے۔ مخالفوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو جس قدر تکالیف پہنچائیں اور اس کے بالمقابل آپؐ نے ایسی حالت میں جب کہ آپؐ کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل تھا۔ ان سے جو کچھ سلوک کیا، وہ آپؐ کی علوِّ شان کو ظاہر کرتا ہے۔

ابوجہل اور اس کے دُوسرے رفیقوں نے کونسی تکلیف تھی، جو آپؐ کو اور آپؐ کے جاں نثار خادموں کو نہیں دی۔ غریب مسلمان عورتوں کو اُونٹوں سے باندھ کر مخالف جہات میں دوڑایا اور وُہ چیری جاتی تھیں محض اس گُناہ پر کہ وُہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کیوں قائل ہوئیں۔ مگر آپؐ نے اس کے مقابل صبر و برداشت سے کام لیا۔ اور جبکہ مکّہ فتح ہوا، تو لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (یوسف: ۹۳) کہہ کر معاف فرمایا۔ یہ کس قدر اخلاقی کمال ہے۔ جو کسی دُوسرے نبی میں نہیں پایا جاتا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

غرض بات یہ ہے کہ اخلاقِ فاضلہ حاصل کرو کہ نیکیوں کی کلید اخلاق ہی ہیں۔[1]

۱۶/ جولائی ۱۹۰۰ء **دو لطیف شعر**

ہر کہ روشن شُد دل و جان و دُروں از حضرتش
کیمیا باشد بسر بردن دمے در صُحبتش

چیست دُنیا چوں شبِ تار و زماں ابرِ سیاہ
آفتابی رہنما یک ساعتی در خدمتش

---

[1] (الحکم جلد ۴ نمبر ۲۵ صفحہ ۱-۵ مورخہ ۹/ جولائی ۱۹۰۰ء)

عُزیر نبی کی دوبارہ زندگی کا راز اور مسئلہ وفات وحیات مسیحؑ

مسیح علیہ السّلام کی وفات کے مُنکر اپنے دلائل میں حضرت عُزیرؑ کی زندگی کا سوال پیش کرتے ہیں کہ

وہ سو برس مرکر پھر زندہ ہوا۔

مگر یاد رہے کہ یہ احیاء بعد الاماتت ہے اور احیاء کی کئی قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی آدمی مرنے کے بعد ایسے طور پر زندہ ہو جاوے کہ قبر پھٹ جاوے اور وہ اپنا بوریا بدھنا ستر بستر اُٹھا کر دُنیا میں آجاوے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایک نئی زندگی بخشے۔ جیسے اہل اللہ کو ایک دُوسری زندگی دی جاتی ہے۔ جس طرح پر ایک شخص نے خدا سے ڈر کر کہا تھا کہ میری راکھ اُڑا دی جاوے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اُس کو زندہ کیا۔ یہ راکھ کا اکٹھا کرنا بھی ایک جسمانی زندگی تھی۔ مرنے کے بعد جو زندگی ملتی ہے۔ وہاں تو راکھ کا اکٹھا کرنا نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ سب کچھ ہوا، مگر اپنے گھر تو نہ آیا۔ مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تسلّی کے لیے ایک بات باقی ہے کہ ہم تجھ کو لوگوں کے لیے نشان بنا دیں گے۔ مَیں نے کہا تھا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ لوگوں کے سمجھے ہوئے کے موافق نشان ہو اور ایسا ہو کہ قبر پھٹ جاوے اور مُردہ نکل آوے۔ یہ غلط بات ہے۔

بعض آدمی حُجّۃ اللہ آیات اللہ کہلاتے ہیں۔ بعض وجُود ہی نشان ہوتے ہیں۔ بعض کے مرنے کے بعد نشان قائم رہتے ہیں۔ یہ بیان کرنا ضروری تھا کہ اس اعتراض کا منشاء کیا ہے۔ جس راہ کو ہم نے اختیار کیا ہے، اس کے خلاف ہے۔ ہمارے مخالفوں کا مسیحؑ کی نسبت تو یہ اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہی آسمان پر گئے اور زندہ ہی واپس آئیں گے۔ عزیرؑ کے قصّہ سے اس کو کیا تعلّق اور کیا مشابہت ہے؟

یہ مشابہت تو تب ہوتی کہ اگر معترض کا یہ مذہب ہوتا کہ مسیح علیہ السّلام قبر پھٹ کر نکلیں گے۔ جبکہ ان کا یہ مذہب ہی نہیں تو پھر تعجّب کی بات ہے کہ اس قصّہ کو جو قیاس مع الفارق ہے، کیوں پیش کرتے ہیں؟

اُن کے معتقدات میں تو یہ ہے کہ کوئی اور شخص مسیحؑ کا ہم شکل بن کر پھانسی ملا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام زندہ ہی اسی جسم سمیت اور اسی لباس میں آسمان پر اُٹھائے گئے اور پھر یہ بھی تو نہیں بتلاتے کہ وہ آسمان پر بیٹھے کرتے کیا ہیں؟ بہشت میں نجّاری کا کام ہی کرتے اور بہشتیوں کے لیے تخت بناتے۔ خیر ہم کو اس سے بحث نہیں ہے، مگر جو نقشہ پیش کرتے ہیں اس کو عزیرؑ کے قصّہ سے کیا تعلّق اور نسبت ہے؟

غرض اس سلسلہ میں یعنی مسیحؑ کے قصّہ میں عُزیرؑ کا قصّہ داخل کرنا غلطِ مبحث ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ عزیرؑ کے قصّہ کو مسیح کے آنے نہ آنے سے کچھ تعلّق نہیں ہے۔ ہاں اگر رنگِ سوال اور ہو تو اور بات ہے یعنی عزیرؑ کیوں زندہ ہوا؟ ہم اس قسم کی حیات کے مُنکر ہیں اور سارا قرآن اوّل سے آخر تک مُنکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو تجویز بندوں کے لیے رکھی ہے کہ خدا تعالیٰ، اُس کے فرشتوں اُس کی کتابوں وغیرہ پر ایمان رکھ

کر خاتمہ اس طرح پر ہوتا ہے کہ فرشتہ ملک الموت آکر قبضِ رُوح کر لیتا ہے اور پھر اور واقعات پیش آتے ہیں منکر نکیر آتے ہیں۔ اعمال آتے ہیں۔ پھر کھڑکی نکالی جاتی ہے۔ پھر قرآن کریم کہتا ہے کہ مُوتی قیامت ہی کو اٹھیں گے.... یَبْعَثُ اللّٰہُ الْمَوْتٰی معالم میں لکھا ہے کہ رُجُوعِ مُوتی نہیں ہوتا۔

ایک اہم نکتہ قرآن کریم کے دو حصے ہیں۔ کوئی بات قصہ کے رنگ میں ہوتی ہے۔ اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں ہوتے ہیں۔

بہ حیثیت ہدایت جو پیش کرتا ہے اس کا منشاء ہے کہ مان لو جیسے اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ (البقرہ:۱۸۵) اب صوم شتر مرغ کی بیٹ کو کہتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ احکام میں صفائی ہوتی ہے جبکہ اس ہدایت کے سلسلہ میں یہ فرمایا کہ ملک الموت آتا ہے اور پھر رفع ہوتا ہے اور حدیث میں اس کی تائید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے: فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ (الزمر:۴۳) یعنی جس نفس پر موت کا حکم دے دیتا ہے۔ اُس کو واپس آنے نہیں دیتا۔ دیکھو۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ قصہ کے رنگ میں نہیں بلکہ ہدایت کے رنگ میں ہے۔

جو لوگ قصص اور ہدایت میں تمیز نہیں کرتے، اُن کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنے کے مُوجب ہوتے ہیں اور گویا اپنی عملی صورت میں قرآن کریم کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کی نسبت تو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (النساء:۸۳) اور عدمِ اختلاف اُس کے منجانبِ اللہ ہونے کی دلیل ٹھہرائی گئی ہے، لیکن یہ ناعاقبت اندیش قصص اور ہدایات میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے اس کو مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہ ٹھہراتے ہیں۔ افسوس ان کی دانش پر!!!

ان لوگوں سے پوچھنا چاہیے کہ مقدم ہدایات ہیں یا قصص؟ اور اگر دونوں میں تناقض پیدا ہو تو مقدم کس کو رکھو گے؟ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو مر جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے اور ترمذی میں حدیث موجود ہے کہ ایک صحابی شہید ہوئے۔ اُنھوں نے عرض کی کہ یا الٰہی! مجھے دنیا میں پھر بھیجو، تو خدا تعالیٰ نے جواب یہی دیا۔ قَدْ سَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّیْ (الحدیث) حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء:۹۶)۔

اب قرآن کریم موجود ہے۔ اُس کی شرح حدیث شریف میں صاف الفاظ میں موجود ہے۔ اُس کے مقابلہ میں ایک خیالی اور فرضی کہانی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟

ہم پُوچھتے ہیں کہ اس کے بعد کیا چاہتے ہو۔ ہم قرآن اور حدیث پیش کرتے ہیں۔ پھر عقلِ سلیم اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے۔ ہماری طرف سے خود ساختہ بات ہوتی تو تم قصہ پیش کر دیتے، مگر یہاں تو ہدایت اور اس کی تائید میں حدیث پیش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اور کیا چاہیے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ (یونس:۳۳)

قصوں کے حقائق بتانے خدا تعالیٰ کو ضرور نہیں، اُن پر ایمان لاؤ اور اُن کی تفاسیر حوالہ بخدا کرو۔

قوم کے لیے تو اعرابی بھی پُوچھتے تھے۔ ہر آیت میں حق ظاہر ہوتا ہے۔

قصّوں میں یہ بات ضرور نہیں۔ مثلاً اب یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مخالف بُت پرستوں کا حُلیہ بھی بتا دیا جاوے۔ اس قسم کے خیالات سُوءِ ادبی پر مبنی ہوتے ہیں۔ غرض یاد رکھو کہ قصصِ قرآنی میں یہُودہ چھیڑ چھاڑ دُرست نہیں ہے۔ انسان پابندِ ہدایت نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ تصریح نہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہدایتوں کو آسان کر دیا۔ اسی طرز پر اللہ تعالیٰ نے یہ صراحت کی ہے کہ مُردے واپس نہیں آتے۔

ہمارے مخالفوں میں اگر دیانت اور خدا ترسی ہو، تو عزیر کا قصّہ بیان کرتے وقت ضرور ہے کہ وہ ان آیات کو بھی ساتھ رکھیں۔ جس میں لکھا ہے کہ مُردے واپس نہیں آتے۔ پھر ہم بطریقِ تنزّل ایک اور جواب دیتے ہیں۔

اس بات کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ قصّوں کے لیے اجمالی ایمان کافی ہے۔ ہدایات میں چونکہ عملی رنگ لانا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے اُس کا سمجھنا ضروری ہے۔ ماسوا اس کے یہ جو لکھا ہے کہ سو برس تک مُردہ رہے اَمَاتَ کے معنے اَنَامَ بھی آئے ہیں اور قوتِ نامیہ اور حسیّہ کے زوال پر بھی موت کا لفظ قرآن کریم میں بولا گیا ہے۔ بہرحال ہم سونے کے معنے بھی اصحابِ کہف کے قصہ کی طرح کر سکتے ہیں۔ اصحابِ کہف اور عزیر کے قصّہ میں فرق اتنا ہے کہ اصحابِ کہف کے قصّہ میں ایک کتّا ہے اور یہاں گدھا ہے اور نفس کُتّے اور گدھے دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا نے یہودیوں کو گدھا بنایا ہے اور کُتّے کو بلعم کے قصّہ میں بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نفس پیچھا نہیں چھوڑتا۔ جو بیہوش ہوتا ہے اُس کے ساتھ کُتّا ہوگا یا گدھا۔

غرض دُوسرے طریق پر جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اَمَاتَ کے معنی اَنَامَ کرتے ہیں اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ سَو برس چھوڑ کر کوئی دو لاکھ برس تک سویا رہے، ہماری بحث یہ ہے کہ رُوح ملک الموت لے جاوے پھر واپس دُنیا میں نہیں آتی۔ سونے میں بھی قبضِ رُوح تو ہوتا ہے، مگر اس کو ملک الموت نہیں لے جاتا۔

اور عرصہ دراز تک سوتے رہنا ایک ایسا امر ہے کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہندوؤں کی کتابوں میں دَم سادھنے (حبسِ دم کرنے) کی ترکیبیں لکھی ہوتی ہیں اور جوگ ابھیاس کی منزلوں میں دَم سادھنا بھی ہے۔ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ اخبارات میں لکھا تھا کہ ریل کی سڑک تیار ہوتی تھی کہ ایک سادھو کی کٹیا نکلی ایسا ہی اخبارات میں ایک لڑکے کی بیس سال تک سوتے رہنے کی خبر گشت کر رہی تھی۔ غرض یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں ہے کہ ایک آدمی سو سال تک سویا رہے۔

لَمْ یَتَسَنَّهْ کی حقیقت

پھر یہ لفظ لَمْ یَتَسَنَّهْ قابلِ غور ہے اور موجودہ زمانہ کے تجربہ پر لحاظ کرنے کے بعد لَمْ یَتَسَنَّهْ کی حقیقت سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

ایک ثقہ آدمی لکھتا ہے کہ مَیں نے گوشت کھایا ہے جو میری پیدائش سے ۳۰ برس پہلے کا پکا ہوا تھا۔ ہُوا نکال

کر بند کر لیا گیا تھا۔

اب ولایت یورپ اور امریکہ سے ہر روز ہزاروں لاکھوں بوتلوں میں لَمْ یَتَسَنَّہ کھانے پکے پکائے چلے آتے ہیں۔ لَمْ یَتَسَنَّہْ کا اثر تو ہندوؤں کے جوگ پر پڑتا ہے اور آج کل کی علمی بلند پروازیوں کی حقیقت کھولتا ہے کہ قرآن کریم میں پہلے سے درج ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے ہوا کے ایک خاص اثر سے کھانا مر جاتا ہے۔ اسی طرح انسان پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ اب اگر خاص ترکیب سے کھانے کو اس ہوا کے اثر سے محفوظ رکھ کر زندہ رکھا جاتا ہے، تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں یہ حقیقت بھی کھل جائے کہ انسان پر کھانے کی طرح عمل ہو سکتا ہے۔ یہ علوم ہیں۔ اُن کے ماننے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

آجکل کی تحقیقات اور علمی تجربوں نے ایسے موزے بنا لیتے ہیں کہ انسان اُن کو پہن کر دریا پر چل سکتا ہے اور ایسے کوٹ ایجاد ہو گئے ہیں کہ آگ یا بندوق کی گولی اُن پر اپنا اثر نہیں کر سکتی۔ اسی طرح سے لَمْ یَتَسَنَّہْ کی حقیقت جو قرآن کریم کے اندر مرکوز ہے، علمی طور پر بھی ثابت ہو جائے، تو کیا تعجب ہے؟ ہوا کا اثر کھانے کو تباہ کرتا ہے اور انسان کے لیے بھی ہوا کا بڑا تعلق ہے۔ ہوا کے دو حصے ہیں۔ ایک قسم کی ہوا اندر جاتی ہے، تو اندر تازگی پیدا ہوتی ہے۔ دُوسری دم کے ساتھ باہر آتی ہے۔ جو جلی ہوئی متعفن ہوا ہوتی ہے۔ غرض اگر لَمْ یَتَسَنَّہْ والی بات نکل آوے۔ تو ہمارا تو کچھ بھی حرج نہیں۔ بلکہ جسقدر علوم طبعی پھیلتے جاتے ہیں اور پھیلیں گے اسی قدر قرآن کریم کی عظمت اور خوبی ظاہر ہوگی۔

ہم تو آئے دن دیکھتے ہیں کہ ولایت کے پکے ہوئے شوربے اور گوشت ہندوستان میں آتے ہیں اور بگڑتے نہیں۔ ولائتی ادویات ہزاروں میل سے آتی ہیں اور مہینوں برسوں پڑی رہتی ہیں، خراب نہیں ہوتی ہیں۔ مجھے ایک شخص نے بتلایا کہ اگر انڈے کو سرسوں کے تیل میں رکھ چھوڑیں، تو نہیں بگڑتا۔

اس طرح پر ممکن ہے کہ انسان کے شباب اور طاقتوں پر بھی اثر پڑے بعض مسلمانوں نے بھی دم سادھنے کی کوشش کی ہے۔ خود میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں دن میں دو بار سانس لیتا ہوں۔ یہ عملی شہادت ہے کہ ہوا کو سڑنے میں دخل ہے اس قسم کی ہوا سے جب بچا جاوے تو انسان کی عمر بڑھ جاوے، تو حرج کیا ہے اور عمر کا بڑھانا ان لیس تو کیا حرج ہے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر حکمتیں ایجاد ہوتی ہیں یا تو طبعی طور پر خدا نے قاعدہ رکھا ہوا ہے یا عناصر کے نظام میں بات رکھی ہوتی ہے۔ کوئی محقق دیکھ کر بات نکال لیتا ہے۔ ہم کو اس پر کوئی بحث نہیں ہے۔

ہمارا تو مذہب یہ ہے کہ عُلومِ طبعی جس قدر ترقی کریں گے اور عملی رنگ اختیار کریں گے۔ قرآن کریم کی عظمت دُنیا میں قائم ہوگی[1]۔

۱۷ر اگست ۱۹۰۰ء

مولانا عبدالکریمؓ کا خُطبہ اور حضرت اقدسؑ کی تعریف

مولانا عبدالکریمؓ صاحب نے جو خطبہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۰ء کو پڑھا۔ حضرت اقدسؑ نے اُس کی تعریف فرمائی۔ مولانا نے دوبارہ اس خُطبہ کو اپنے قلم سے لکھا ہے اور کہا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میری یہ دل کی باتیں قبول کا شرف پائیں گی۔ کل صُبح کی اذان سے قبل میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے داہنے کان کے ساتھ بہت سے ٹیلیفون لگے ہیں۔ اور مختلف شہروں سے مختلف دوستوں کی طرف سے آوازیں آرہی ہیں کہ "جو کچھ آپ ہمارے مسیح موعودؑ کی نسبت کہتے ہیں۔ ہم اُس کو خُوب سمجھتے ہیں"۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں"۔ تحدیث بالنعمت کے طور پر میں یہ بھی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعد نماز جمعہ حضرت اقدسؑ سے کچھ عرض کرنے کے لیے اندر گیا۔ بعد اِدھر اُدھر کے ذکر کے میں نے خُطبہ کی نسبت حضورؑ سے پُوچھا۔ فرمایا:

"یہ بالکل میرا مذہب ہے جو آپ نے بیان کیا"۔ اور فرمایا

"یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ معارفِ الٰہیہ کے بیان میں بلند چٹان پر قائم ہوگئے"[2]۔

۲۵-۲۶ر اگست ۱۹۰۰ء کی درمیانی شب

کسی زبردست نشان کا پیش خیمہ

جمعہ کے دن لاہور اسٹیشن پر سب مختلف المشارب لوگ جو ہمارے بغض میں ایک گھاٹ پانی پینے لگ گئے ہیں۔ یُوں جمع ہوگئے اور پیر صاحب گولڑوی کو سوار کرا کر شہر کے اندر سے اس طرح پر تبرا کرتے گزرے جیسے روافض سینہ پیٹتے اور قدوسیوں کو کوستے جاتے ہیں۔ بطلان نے اسی طرح رونق پیدا کرلی جیسے اُس دن جبکہ

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۲۶ صفحہ ۱-۴ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۰۰ء

[2] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۴ ۲ر اگست ۱۹۰۰ء

دوجہاں کے سردار کو مکّہ سے نکالا گیا تھا اور کفارِ قریش نے چند روز کے لیے چراغاں کرکے جھوٹی خوشی منائی تھی۔ آج حق کو جھوٹا کہا جارہا ہے اور راستی پاؤں تلے کچلی جارہی ہے اور بہت سے شقی چاروں طرف سے اُٹھے ہیں۔ آج وُہ الہام پُورا ہوا، جو کچھ مدت ہوئی شائع کیا تھا۔

"وُہ بیت الصدق کو بیت التزویر بنانا چاہتے ہیں"

رات حضرت مرسل اللہ علیہ السلام اس امر پر دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا:

"ان شوروں سے ہم پر کیا رُعب پڑ سکتا ہے۔ ہمیں تو یہ سارے شور ایک تمہید معلوم ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی اُس نصرت کی آمد کے لیے جو دیر سے معرضِ التوا میں ہے۔ عادت اللہ ہمیشہ یُوں ہی ہے کہ جب تکذیب شدت سے ہوتی ہے، تو غیرتِ الٰہی اسی قدر نصرت کے لیے جوش مارتی ہے۔ آتھم کے شور پر جو ہماری تکذیب اور اہانت ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی غیرت نے بہت جلد لیکھرام کا نشان ظاہر کیا۔ اسی طرح ہم قوی اُمید رکھتے ہیں کہ یہ شورِ تکذیب پیش خیمہ ہے کسی زبردست نشان کا۔ ممکن ہے کہ کوئی بدقسمت اس شور کے رُعب میں آکر کٹ جائے۔ اُس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ سنّت اللہ یہی ہے"[1]

اگست ۱۹۰۰ء

حقیقی نفع رساں اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے

دُنیا میں لوگ حکّام یا دُوسرے لوگوں سے کسی قسم کا کوئی نفع اُٹھانے کی ایک خیالی امید پر اُن کو خوش کرنے کے واسطے کس کس قسم کی خوشامد کرتے ہیں۔ یہانتک کہ ادنیٰ ادنیٰ درجہ کے اردلیوں اور خدمت گاروں تک کو خوش کرنا پڑتا ہے؛ حالانکہ اگر وُہ حاکم راضی اور خوش بھی ہو جاوے، تو اس سے صرف چند روز تک یا کسی موقعِ مخصوص پر نفع پہنچنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اس خیالی امید پر انسان اُس کے خدمتگاروں کی ایسی خوشامدیں کرتا ہے کہ مَیں تو ایسی خوشامدوں کے تصوّر سے بھی کانپ اُٹھتا ہوں اور میرا دل ایک رنج سے بھر جاتا ہے کہ نادان انسان اپنے جیسے انسان کی ایک وہمی اور خیالی امید پر اس قدر خوشامد کرتا ہے۔ مگر اُس مُعطیِ حقیقی کی جس نے بدُوں کسی معاوضہ کے اور التجا کے اس پر بے انتہا فضل کیے ہیں۔ ذرا بھی پروا نہیں کرتا؛ حالانکہ اگر وہ انسان اُس کو نفع پہنچانا بھی چاہے تو کیا؟ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی نفع خدا تعالیٰ کے بدُوں پہنچ ہی نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ اس سے پیشتر کہ وہ نفع اُٹھاتے، نفع پہنچانے والا یا خود یہ اس دنیا سے اُٹھ جائے یا کسی ایسی خطرناک مرض میں

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء (مکتوبات کریمیہ پہلا خط)

مبتلا ہو جائے کہ کوئی حظ اور فائدہ ذاتی اس سے اُٹھا نہ سکے۔ غرض اصل بات یہی ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انسان کے شاملِ حال نہ ہو۔ انسان کسی سے کوئی فائدہ اٹھا ہی نہیں سکتا۔ پھر جبکہ حقیقی نفع رساں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ پھر کس قدر بے حیائی ہے کہ انسان غیروں کے دروازے پر ناک رگڑتا پھرے۔ ایک خداترس مومن کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وُہ اپنے جیسے انسان کی ایسی خوشامد کرے جو اُس کا حق نہیں ہے۔ متقی کے لیے خود اللہ تعالیٰ ہر ایک قسم کی راہیں نکال دیتا ہے اُس کو ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے کہ کسی دُوسرے کو علم بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا ولی اور مربّی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے جو دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتے ہیں۔ اُن کے ساتھ وہ رأفت اور محبت کرتا ہے؛ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ (بقرہ: ۲۰۸)

خدا تعالیٰ کے بندے کون ہیں؟

یہ وُہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا، اپنے مال کو اُس کی راہ میں صرف کرنا اُس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں، مگر جو لوگ دُنیا کی املاک و جائداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں، وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں، مگر حقیقی مومن اور صادق مُسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دے، تاکہ وہ حیاتِ طیبہ کا وارث ہو؛ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اس الٰہی وقف کی طرف ایماء کر کے فرماتا ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۱۱۳) اس جگہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرُو غرض جو کچھ اس کے پاس ہے۔ خدا ہی کے لیے وقف کرے اور دُنیا اور اُس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے۔

حصُولِ دُنیا میں مقصود بالذّات دین ہو

کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ انسان دُنیا سے کچھ غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ دُنیا کے حصول سے منع کرتا ہے، بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بُزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دُنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں وُہ اس کے مراتبِ عالیہ کا موجب ہوتے ہیں، کیونکہ اُس کا نصب العین دین ہوتا ہے اور دُنیا، اُس کا مال و جاہ دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دُنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ بلکہ حصُولِ دُنیا میں اصل غرض دین ہو اور ایسے طور پر دُنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وُہ دین کی خادم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دُوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لیے سواری اور زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے تو اس کی اصل غرض منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتا ہے نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اس طرح پر انسان دُنیا کو حاصل

کرے، مگر دین کا خادم سمجھ کر۔

اللہ تعالیٰ نے جو یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (البقرہ: ۲۰۲) اس میں بھی دُنیا کو مقدم کیا ہے لیکن کس دُنیا کو؟ حسنۃ الدُّنیا کو جو آخرت میں حسنات کا موجب ہو جائے۔ اس دُعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ مومن کو دُنیا کے حصول میں حسنات الآخرۃ کا خیال رکھنا چاہیے اور ساتھ ہی حسنۃ الدنیا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصولِ دُنیا کا ذکر آگیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصولِ دُنیا کے لیے اختیار کرنے چاہئیں۔ دُنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خوبی ہی ہو۔ نہ وُہ طریق جو کسی دوسرے بنی نوع انسان کی تکلیف رسانی کا موجب ہو۔ نہ ہم جنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔ ایسی دنیا بے شک حسنۃ الآخرۃ کا موجب ہوگی۔

سُست نہ بنو

پس یاد رکھو کہ جو شخص خدا کے لیے زندگی وقف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وُہ بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے سُستی اور کسل اُس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمار بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے تو میرے باپ نے جواب دیا کہ میں بڈھا ہوں۔ کل مر جاؤں گا۔ پس اُس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگائے۔ پھر میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مِل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ سُست نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ حصولِ دنیا سے منع نہیں کرتا، بلکہ حسنۃ الدنیا کی دُعا تعلیم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے بلکہ اُس نے صاف فرمایا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم: ۴۰) اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ جدّ و جُہد سے کام کرے، لیکن جس قدر مرتبہ مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا کہ دُنیا کو مقصود بالذات نہ بنا لو۔ دین کو مقصود بالذات ٹھہراؤ اور دُنیا اس کے لیے بطور خادم اور مرکّب کے ہو۔ دولت مندوں سے بسا اوقات ایسے کام ہوتے ہیں کہ غریبوں اور مُفلسوں کو وہ موقع نہیں مِلتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں خلیفہ اوّل نے جو بڑے ملک التجار تھے مُسلمان ہو کر لانظیر مدد کی اور آپ کو یہ مرتبہ مِلا کہ صدیق کہلائے اور پہلے رفیق اور خلیفۂ اوّل ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان

لکھا ہے کہ جب آپ تجارت سے واپس آئے تھے اور ابھی مکہ میں نہ پہنچے تھے کہ راستہ میں ہی ایک شخص مِلا۔ اس سے پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ اس نے کہا کہ اور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تمہارے دوست نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے وہیں کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے تو سچا ہے؛ چنانچہ

جب مکّے میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ملے اور آپؐ سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ نے واقعی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں اور اُسی وقت مشرّف باسلام ہو گئے[1]۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قبولِ اسلام کے لیے کسی اعجاز کی ضرورت نہ پڑی۔ اعجاز بینی کے خواہشمند وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کو تعارفِ ذاتی نہیں ہوتا، لیکن جس کو تعارفِ ذاتی ہو جاوے، اُسے اعجاز کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ نہیں مانگا کیونکہ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حالات سے واقف تھے اور خوب جانتے تھے کہ وہ راستباز اور امین ہے جھوٹا اور مفتری نہیں، چونکہ کسی انسان پر کبھی افترا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتا۔

پس یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نشان صرف اس لیے مانگا جاتا ہے کہ اس بات کے امکان کا اندیشہ گزرتا ہو کہ شاید جھوٹ ہی بولا ہو، مگر جب یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ مدّعی صادق اور امین ہے۔ پھر نشان بینی کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ جو لوگ نشان دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ راسخ الایمان نہیں ہو سکتے بلکہ ہر وقت خطرہ کے محل میں رہتے ہیں۔ ایمان بالغیب کے ثمرات اُن کو نہیں ملتے۔ کیونکہ ایمان بالغیب کے اندر ایک فعل نیکی کا حُسنِ ظنّ بھی ہے۔ جس سے وہ جلد باز بے نصیب رہ جاتا ہے جو نشان دیکھنے کے لیے جلدی کرتا اور زور دیتا ہے۔ مسیح علیہ السّلام کے حواریوں نے نزُولِ مائدہ کے لیے زور دیا تو خدا تعالیٰ نے ان کو زجر بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم تو مائدہ نازل کریں گے، لیکن بعد نزُولِ مائدہ جو انکار کرے گا، اس پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ قرآن شریف میں اس قصّہ کے ذکر سے یہ فائدہ ہے کہ تا بتلایا جاوے کہ بہتر ین ایمان کونسا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نشانات یُوں تو اجلیٰ بدیہیات سے ہوتے ہیں، لیکن اُن کے ساتھ ایک طرف اتمامِ حجّت منظور ہوتا ہے اور دُوسری طرف ابتلائے اُمّت۔ اس لیے بعض امُور ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ساتھ ایک ابتلا رکھتے ہیں اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ نشان مانگنے والے لوگ مستعجل اور حُسنِ ظنّ سے حصّہ نہ رکھنے والے ہوتے ہیں اور اُن کی طبیعت میں ایک احتمال اور شک پیدا کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ تب ہی تو وہ نشان مانگتے ہیں۔ اس لیے جب نشان دیکھتے ہیں، تو پھر بیہودہ طور پر اس کی تاویلیں کرنی شروع کر دیتے ہیں اور اس کو کبھی سحر کہتے ہیں، کبھی کچھ نام رکھتے ہیں۔ غرض وہ ہم پیدا کرنے والی طبیعت اُن کو امرِ حق سے دُور لے جاتی ہے۔ اس لیے مَیں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم وُہ ایمان پیدا کرو جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کا ایمان تھا۔ رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ اس میں حُسنِ ظنّ اور صبر ہے اور وہ بہت سے برکات اور ثمرات کا منتج ہے۔ اور نشان دیکھ کر ماننا

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۲۹ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۶/ اگست ۱۹۰۰ء

اور ایمان لانا اپنے ایمان کو مشروط بنانا ہے۔ یہ کمزور ہوتا ہے اور عموماً بار آور نہیں ہوتا۔ ہاں جب انسان حُسنِ ظن کے ساتھ ایمان لاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے مومن کو وُہ نشان دکھاتا ہے جو اُس کے ازدیادِ ایمان کا موجب اور انشراحِ صدر کا باعث ہوتا ہے، خود اُن کو نشان اور آیت اللہ بنا دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقتراحی نشان کسی نبی نے نہیں دکھلائے۔ مومن صادق کو چاہیے کہ کبھی اپنے ایمان کو نشان بینی پر مبنی نہ کرے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت

میں پھر اصل بات کی طرف رُجوع کر کے کہتا ہوں کہ دولتمند اور متمول لوگ دین کی خدمت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ: ۴) متقیوں کی صفت کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ یہاں مال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع کا ہمدرد اور خادم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انحصار دو ہی باتوں پر ہے۔ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ۔ پس مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں شفقت علیٰ خلق اللہ کی تعلیم ہے۔

ایک دفعہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روپیہ کی ضرورت بتلائی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا کُل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے پُوچھا ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے۔ تو جواب میں کہا۔ اللہ اور رسُول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصف لے آئے۔ آپؐ، صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمرؓ! گھر میں کیا چھوڑ آئے۔ تو جواب دیا کہ نصف۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر و عمر کے فعلوں میں جو فرق ہے، وُہی اُن کے مراتب میں فرق ہے۔

دُنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی واسطے علمِ تعبیر الرؤیا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دیا ہے تو اس سے مُراد مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی اتقاء اور ایمان کے حصُول کے لیے فرمایا: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران: ۹۳) حقیقی نیکی کو ہرگز نہ پاؤ گے جب تک تم عزیز ترین چیز نہ خرچ کرو گے، کیونکہ مخلوقِ الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے اور ابنائے جنس اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دُوسرا جزو ہے جس کے بدُوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے۔ دُوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دُوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لیے ایثار ضروری شے ہے اور اس آیت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔

پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ کل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے۔

انبیاء علیہم السّلام کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں

مَیں یہاں ایک ضروری امر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السّلام کو ضرورتیں کیوں لاحق ہوتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اُن کو کوئی ضرورت پیش نہ آوے۔ مگر یہ ضرورتیں اس لیے لاحق ہوتی ہیں تاکہ للّٰہی وقف کے نمونے مثال کے طور پر قائم ہوں اور ابوبکرؓ کی زندگی کا وقف ثابت ہو اور دُنیا میں خدائے مقتدر کی ہستی پر ایمان پیدا ہو اور ایسے للّٰہی وقف کرنے والے دُنیا کے لیے بطور آیت اللہ کے ٹھہریں اور اس مخفی لذّت اور محبت پر دُنیا کو اطلاع ملے، جس کے سامنے مال و دولت جیسی محبُوب اور مرغوب شے بھی آسانی اور خوشی کے ساتھ قربان ہو سکتی ہے اور پھر مال و دولت کے خرچ کے بعد للّٰہی وقف کو مکمّل کرنے کے واسطے وہ قوّت اور شجاعت ملے کہ انسان جان جیسی شے کو بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں دینے سے دریغ نہ کرے۔

غرض انبیاء علیہم السّلام کی ضرورتوں کی اصل غرض دُنیا کی جھوٹی محبّتوں اور فانی چیزوں سے مُنہ موڑنے کی تعلیم دینے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا کرنے اور ابنائے جنس کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایثار کی قوّت پیدا کرنے کے واسطے ہوتی ہے؛ ورنہ یہ پاک گروہ خزائنُ السّمٰوات والارض کے مالک کی نظر میں چلتا ہے۔ ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ وُہ ضرورتیں تعلیم کو کامل کرنے اور انسان کے اخلاق اور ایمان کے رسُوخ کے لیے پیش آتی ہیں۔[1]

یقین کا کامل مرتبہ

مفسّر کہتے ہیں کہ یقین سے مُراد موت ہے، مگر موت رُوحانی مراد ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ اس کا مقصُود بالذّات کیا ہو۔ جس کی تلاش کرنے کے لیے یہاں ایماء اور اشارہ ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ وُہ روحانی موت ہو یا روحانی زندگی تمہاری زندگی خدا ہی کی راہ میں وقف ہو۔ مومن کو لازم ہے کہ اس وقت تک عبادت سے نہ تھکے اور سُست نہ ہو۔ جب تک یہ جھوٹی زندگی بھسم نہ ہو جاوے اور اس کی جگہ نئی زندگی جو اَبدی اور راحت بخش زندگی ہے، اُس کا سلسلہ شروع نہ ہو جاوے اور جب تک اس عارضی حیات دنیا کی سوزش اور جلن دُور ہو کر ایمان میں ایک لذّت اور رُوح میں ایک سکینت اور استراحت پیدا نہ ہو۔ یقیناً سمجھو کہ جب تک انسان اس حالت تک نہ پہنچے۔ ایمان کامل اور ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ تو عبادت

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۰ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء

کرتا رہ جب تک کہ تجھے یقینِ کامل کا مرتبہ حاصل نہ ہو اور تمام حجاب اور ظلماتی پردے دُور ہو کر یہ سمجھ میں نہ آجائے کہ اب میں وُہ نہیں ہوں جو پہلے تھا۔ بلکہ اب تو نیا ملک، نئی زمین، نیا آسمان ہے اور میں بھی کوئی نئی مخلوق ہوں۔ یہ حیاتِ ثانی وہی ہے جس کو صوفی بقاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رُوح کا نفخ اُس میں ہوتا ہے۔ ملائکہ کا اُس پر نزول ہوتا ہے۔ یہی وُہ راز ہے جس پر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ مُردہ اور میت کو زمین پر چلتا ہوا دیکھے تو وہ ابوبکرؓ کو دیکھے۔ اور ابوبکرؓ کا درجہ اُس کے ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اس بات سے ہے جو اُس کے دل میں ہے۔

ایمان ایک راز ہے

مگر یاد رکھو۔ ایمان ایک راز ہوتا ہے جو مومن اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو مخلوق میں سے اس مومن کے سوا دُوسرا نہیں جان سکتا اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ کی حقیقت یہی ہے بعض اوقات وُہ لوگ جو علومِ حقہ اور معارفِ الٰہیہ سے بہرہ وَر نہیں ہوتے۔ کسی مومن کے ان تعلقات کے عدمِ علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کو ہوتے ہیں۔ اُس کی بعض حالتوں مثلاً معاملاتِ رزق و معاش پر حیرت اور تعجب ظاہر کرتے ہیں اور کبھی یہ تعجب اُن کو بدظنی اور گمراہی تک لے جاتا ہے، اس لیے اُن کی نظر اپنے ہی محدود اسباب پر ہوتی ہے۔ اور وہ اس راز اور سِرّ سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ رکھتا ہے۔ ناواقف ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دوست اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اس راز کو ایسا بنائیں جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کریں

غرض یہ ہے کہ انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کرے۔ میں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لیے وقف کر دی اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دے دی۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لیے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کر دیتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں، تو اُن کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔

یاد رکھو کہ یہ خسارہ کا سودا نہیں ہے، بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر اُن کو اطلاع ملتی جو خدا کے لیے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے۔ کیا وُہ اپنی زندگی کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: ۱۱۳) اس للّٰہی وقف کا اَجر اُن کا رَبّ دینے والا ہے۔ یہ وقف ہر قسم کے ہموم و غموم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے۔

مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ جبکہ ہر ایک انسان بالطبع راحت اور آسائش چاہتا ہے اور ہموم و غموم اور کربِ افکار

سے خواستگارِ نجات ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کو ایک مجرب نسخہ اس مرض کا پیش کیا جاوے تو اس پر توجہ ہی نہ کرے۔ کیا للّٰہی وقف کا نسخہ ۱۳۰۰ برس سے مجرب ثابت نہیں ہوا؟ کیا صحابہ کرامؓ اسی وقف کی وجہ سے حیاتِ طیبہ کے وارث اور ابدی زندگی کے مستحق نہیں ٹھہرے؟ پھر اب کونسی وجہ ہے کہ اس نسخہ کی تاثیر سے فائدہ اٹھانے میں دریغ کیا جاوے۔

بات یہی ہے کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذّت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے۔ ناواقف محض ہیں؛ ورنہ اگر ایک شمہ بھی اس لذّت اور سُرور سے اُن کو مِل جاوے، تو بے انتہا تمنّاؤں کے ساتھ وہ اس میدان میں آئیں۔

اپنا ذاتی تجربہ اور وصیت

میں خود جو اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے میں نے اس راحت اور لذّت سے حظّ اٹھایا ہے۔ یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لیے اگر مَر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذّت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے۔

پس میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوش عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے، بلکہ تکلیف اور دُکھ ہوگا۔ تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رک نہیں سکتا، اس لیے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچا دُوں آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وُہ اُسے سُنے یا نہ سُنے! اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیاتِ طیبہ یا ابدی زندگی کا طلبگار ہے، تو وُہ اللہ کے لیے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وُہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اُس کی رُوح بول اُٹھے۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (بقرہ: ۱۳۲) جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا، خدا میں ہو کر نہیں مرتا وُہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لیے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں۔ پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اِس فعل کو اپنے لیے پسند کرتے اور خدا کے لیے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں[1]

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے لیے زندگی وقف نہیں کرتا۔ تو وُہ یاد رکھے کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنّم

---

[1] الحکم نمبر ۳۱ جلد ۴ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۳۱/اگست ۱۹۰۰ء

کو پیدا کیا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ بعض خام خیال کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہر ایک آدمی کو جہنم میں ضرور جانا ہوگا۔ یہ غلط ہے۔ یہ غلط ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ تھوڑے ہیں جو جہنم کی سزا سے بالکل محفوظ ہیں اور یہ تعجب کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا: ۱۴)

جہنم کی حقیقت

اب سمجھنا چاہیے کہ جہنم کیا چیز ہے؟ ایک جہنم تو وُہ ہے۔ جس کا مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے اور دُوسرے یہ زندگی بھی اگر خدا تعالیٰ کے لیے نہ ہو، تو جہنم ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کا تکلیف سے بچانے اور آرام دینے کے لیے متولی نہیں ہوتا۔ یہ خیال مت کرو کہ کوئی ظاہر دولت یا حکومت، مال و عزت، اولاد کی کثرت کسی شخص کے لیے کوئی راحت یا اطمینان، سکینت کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور وُہ دمِ نقد بہشت ہی ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ اطمینان اور وُہ تسلی اور وہ تسکین جو بہشت کے انعامات میں سے ہے، ان باتوں سے نہیں ملتی وُہ خدا ہی میں زندہ رہنے اور مرنے سے مل سکتی ہے۔ جس کے لیے انبیاء علیہم السلام خصوصاً ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی یہی وصیت تھی کہ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (البقرہ: ۱۳۳) لذاتِ دُنیا تو ایک قسم کی ناپاک حرص پیدا کر کے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی ہیں۔ استسقاء کے مریض کی طرح پیاس نہیں بجھتی۔ یہاں تک کہ وُہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پس یہ بے جا آرزوؤں اور حسرتوں کی آگ بھی منجملہ اسی جہنم کی آگ کے ہے جو انسان کے دل کو راحت اور قرار نہیں لینے دیتی، بلکہ اُس کو ایک تذبذب اور اضطراب میں غلطاں و پیچاں رکھتی ہے۔ اس لیے میرے دوستوں کی نظر سے یہ امر ہرگز پوشیدہ نہ رہے کہ انسان مال و دولت یا زن و فرزند کی محبت کے جوش اور نشے میں ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ نہ ہو جاوے کہ اُس میں اور خدا میں ایک حجاب پیدا ہو جاوے۔ مال اور اولاد اسی لیے تو فتنہ کہلاتی ہے۔ اُن سے بھی انسان کے لیے ایک دوزخ تیار ہوتا ہے اور جب وُہ اُن سے الگ کیا جاتا ہے تو سخت بے چینی اور گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے اور اس طرح پر یہ بات کہ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (الھمزۃ: ۷،۸) منقول رنگ میں نہیں رہتا بلکہ معقول شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس یہ آگ جو انسانی دل کو جلا کر کباب کر دیتی ہے اور ایک جلے ہوئے کوئلے سے بھی سیاہ اور تاریک بنا دیتی ہے۔ یہ وُہی غیر اللہ کی محبت ہے۔

دو چیزوں کے باہم تعلق اور رگڑ سے ایک حرارت پیدا ہوتی ہے اسی طرح پر انسان کی محبت اور دُنیا اور دُنیا کی چیزوں کی محبت کی رگڑ سے الٰہی محبت جل جاتی ہے اور دل تاریک ہو کر خدا سے دُور ہو جاتا اور ہر قسم کی بے قراری کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جبکہ دُنیا کی چیزوں سے جو تعلق ہو وُہ خدا میں ہو کر ایک تعلق ہو اور اُن کی محبت خدا کی محبت میں ہو کر ہو۔ اُس وقت باہمی رگڑ سے غیر اللہ کی محبت جل جاتی ہے اور اس کی جگہ ایک روشنی اور نور بھر دیا جاتا ہے۔ پھر خُدا کی رضا اُس کی رضا اور اس کی رضا خدا کی رضا کا منشاء ہو جاتا ہے۔ اس حالت پر پہنچ کر خدا کی محبت

اس کے لیے بمنزلہ جان ہوتی ہے اور جس طرح زندگی کے واسطے لوازم زندگی ہیں۔ اُس کی زندگی کے واسطے خدا اور صرف خدا ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی خوشی اور راحت خدا ہی میں ہوتی ہے۔ پھر دُنیاداروں کے نزدیک اگر اسے کوئی رنج اور کرب پہنچے تو پہنچے لیکن اصل یہی بات ہے کہ اس ہم و غم میں بھی وہ اطمینان اور سکینت سے الٰہی لذت لیتا ہے جو کسی دُنیادار کی نظر میں بڑے سے بڑے فارغ البال کو بھی نصیب نہیں۔

برخلاف اس کے جو کچھ حالت انسان کی ہے، وہ جہنم ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کے سوا زندگی بسر کرنا یہ بھی جہنم ہے۔

پھر حدیث شریف سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ تپ بھی حرارتِ جہنم ہی ہے۔ امراض اور مصائب جو مختلف قسم کے انسان کو لاحق حال ہوتے ہیں۔ یہ بھی جہنم ہی کا نمونہ ہے اور یہ اس لیے کہ تا دُوسرے عالم پر گواہ ہوں اور جزا و سزا کے مسئلہ کی حقیقت پر دلیل ہوں اور کفارہ جیسے لغو مسئلہ کی تردید کریں۔ مثلاً جذام ہی کو دیکھو کہ اعضاء گر گئے ہیں اور رقیق مادّہ اعضاء سے جاری ہے۔ آواز بیٹھ گئی ہے۔ ایک تو یہ بجائے خود جہنم ہے۔ پھر لوگ نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں۔ عزیز سے عزیز بیوی، فرزند، ماں باپ تک کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ بعض اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ بعض اور خطرناک امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پتھریاں ہو جاتی ہیں اور پیٹ میں رسولیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ ساری بلائیں اس لیے انسان پر آتی ہیں کہ وہ خدا سے دُور ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور اُس کے حضور شوخی اور گستاخی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کی عزت اور پروا نہیں کرتا ہے۔ اُس وقت ایک جہنم پیدا ہو جاتا ہے۔

اب پھر میں اصل مطلب کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے جہنم کے لیے اکثر انسانوں جنوں کو پیدا کیا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ جہنم اُنھوں نے خود ہی بنا لیا ہے۔ اُن کو جنت کی طرف بُلایا جاتا ہے۔ پاک دل پاکیزگی سے باتیں سُنتا ہے اور ناپاک خیال انسان اپنی کورانہ عقل پر عمل کر لیتا ہے پس آخرت کا جہنم بھی ہوگا اور دُنیا کے جہنم سے بھی مخلصی اور رہائی نہ ہوگی، کیونکہ دُنیا کا جہنم تو اس جہنم کے لیے بطور دلیل اور ثبوت کے ہے۔[1]

وعظ کا منصب

نااہل پلید لوگ سچی اور حق و حکمت کی بات سُن ہی نہیں سکتے اور جب کبھی کوئی بات معرفت اور حکمت کی اُن کے سامنے پیش کی جائے تو وہ اس پہ توجہ نہیں کرتے بلکہ لاپرواہی سے ٹال دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وُہ لوگ جو حق کہیں وہ بھی تھوڑے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو حق کہنے والے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ گویا ہے ہی نہیں۔ علی العُموم واعظ وعظ کہتے ہیں، لیکن اُن کی اصل غرض اور مقصود

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۳ صفحہ ۶ و ۷ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۰ء

صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے کچھ وصول کریں اور دُنیا کما دیں۔ یہ غرض جب اُس کی باتوں کے ساتھ ملتی ہے تو حقانیت اور للّٰہیت کو اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے اور وہ لذّت اور معرفت کی خوشبو جو کلامِ الٰہی کے سُننے سے دل و دماغ میں پہنچتی اور رُوح کو معطّر کر دیتی ہے وُہ خود غرضی اور دُنیا پرستی کے تعفّن میں دَب کر رہ جاتی ہے اور اسی مجلس میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں۔ میاں یہ ساری باتیں ٹکڑا کمانے کی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اکثر لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ذریعۂ معاش قرار دے لیا ہے لیکن ہر ایک ایسا نہیں ہے۔

ایسے پاک دل انسان بھی ہوتے ہیں جو صرف اس لیے خدا اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے وُہ مامور ہیں اور اُس کو فرض سمجھتے ہیں اور وُہ چاہتے ہیں کہ اُس طرح پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں۔ وعظ کا منصب ایک اعلیٰ درجہ کا منصب ہے اور وہ گویا شانِ نبوّت اپنے اندر رکھتا ہے، بشرطیکہ خدا ترسی کو کام میں لایا جاوے۔

وعظ کہنے والا اپنے اندر خاص قسم کی اصلاح کا موقعہ پالیتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کے سامنے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کم از کم اپنے عمل سے بھی ان باتوں کو کر کے دکھا دے جو وہ کہتا ہے۔

بہر حال اگر ایک آدمی اپنی ہی غرض و منشاء کے لیے کوئی بھلی بات کہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس سے اس لیے اعراض کیا جاوے کہ وہ اپنی کسی ذاتی غرض کی بنا پر کہہ رہا ہے۔ وہ بات جو کہتا ہے وہ تو بجائے خود ایک عمدہ بات ہے۔ نیک دل انسان کو لازم ہے کہ وُہ اس بات پر غور کرے جو وُہ کہہ رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان اغراض و مقاصد پر بحث کرتا رہے جن کو ملحوظ رکھ وعظ کہہ رہا ہے۔ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گر نوشت است پند بر دیوار

قائل کی بجائے قول کی طرف دیکھو

یہ بالکل سچی بات ہے کہ قول کی طرف دیکھو۔ قائل کی طرف خیال مت کرو۔ اس طرح پر انسان سچائی کے لینے سے محروم رہ سکتا ہے اور اندر ہی اندر ایک عُجب و نخوت کا بیج پرورش پا جاتا ہے، کیونکہ یہ اگر صرف سچائی اور صداقت کا طالب ہے تو پھر دُوسروں کی عیب شماری سے اس کو کیا غرض۔

واعظ اپنے لیے کوئی ایک بات نکال لے، مگر تم کو اس سے کیا غرض۔ تمہارا مقصودِ اصلی تو طلبِ حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ بے موقع، بے محل، بے ربط بات شروع کر دیتے ہیں اور پند و نصیحت کرتے وقت اُمورِ مقتضائے وقت کا ذکر نہیں کرتے اور نہ ان امراض کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جن میں مخاطب مبتلا ہوتے ہیں بلکہ اپنے

سوال کو ہی مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ بیان کو اگر غور سے دیکھتے، تو اُن کو وعظ کہنے کا بھی ڈھنگ آجاتا۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ سب سے بہتر نیکی کونسی ہے۔ آپؐ اُس کو جواب دیتے ہیں کہ سخاوت۔ دُوسرا آکر یہی سوال کرتا ہے، تو اُس کو جواب ملتا ہے۔ ماں باپ کی خدمت۔ تیسرا آتا ہے۔ اُس کو جواب کچھ اور ملتا ہے۔ سوال ایک ہی ہوتا ہے۔ جواب مختلف۔ اکثر لوگوں نے یہاں پہنچ کر ٹھوکر کھائی ہے اور عیسائیوں نے بھی ایسی حدیثوں پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں، مگر احمقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مفید اور مُبارک طرزِ جواب پر غور نہیں کی۔

اس میں سِرّ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قسم کا مریض آتا تھا۔ اُس کے حسبِ حال نسخہ شفا بتلا دیتے تھے جس میں مثلاً بخل کی عادت تھی اس کے لیے بہترین نیکی یہی ہو سکتی تھی کہ اُس کو ترک کرے۔ جو ماں باپ کی خدمت نہیں کرتا تھا، بلکہ اُن کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اُس کو اسی قسم کی تعلیم کی ضرورت تھی کہ وہ ماں باپ کی خدمت کرے۔

جماعت کو نصیحت

طبیب کے لیے جیسا ضروری ہے کہ تشخیص عمدہ طور پر کرے۔ اسی طرح پر واعظ کے منصب کا یہ فرض ہے کہ وعظ و پند سے پہلے اُن لوگوں کے امراض کو مدِنظر رکھے جن میں وہ مبتلا ہیں۔ مگر مشکل تو یہی ہے کہ یہ فراست اور یہ معرفت حقانی واعظ کے سوا دُوسرے کو ملتی ہی کم ہے اور یہی وجہ ہے کہ ملک میں باوصفیکہ سینکڑوں ہزاروں واعظ پھرتے ہیں لیکن عملی حالت ملک کی دن بدن پستی کی طرف جا رہی ہے۔ ہر قسم کی اعتقادی، ایمانی، اخلاقی غلطیاں اور کمزوریاں اپنا اثر کرتی جاتی ہیں۔ یہ اس لیے کہ وعظوں میں حقانیت نہیں رُوح نہیں۔ یہ سب کچھ ہے، مگر میں اس وقت اپنے دوستوں کو پھر یہی بتلانا چاہتا ہوں کہ چونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے دلوں میں طلبِ حق کی پیاس کو محسوس کیا ہے۔ وہ راستی اور صداقت کے لینے میں مضائقہ نہ کریں۔ گو واعظ مختلف رنگوں اور پیرایوں میں اپنا سوال ہی پیش کرے، مگر تم کو نہیں چاہیے۔ کہ صرف اس ایک وجہ سے اصل حکمت کو چھوڑ دو، کیونکہ وُہ جو ان کے سوال کو سُن کر ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وُہ بھی تو غلطی پر ہے۔ کیا کسی لعل اور گوہرِ نایاب کو محض اس لیے پھینک دیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی بدبُودار اور میلی کچیلی ٹلی (دھجی پھریرے کی) میں بندھا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اِس کے سوا اگر واعظ سوال کرتا ہے۔ تو کیا تمھیں خبر نہیں کہ تمہیں تو یہ حکم دیا گیا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ: ۴) اور سائل خواہ گھوڑے پر ہی سوار ہو کر آیا ہو، پھر بھی واجب نہیں کہ اُس کو رَدّ کیا جاوے۔ تیرے لیے یہ حکم ہے کہ تو اس کو جھڑک نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے اُس کو

بھی حکم دیا ہے کہ وُہ سوال نہ کرے۔ وُہ اپنی خلاف ورزیوں کی خود سزا پائے گا۔ لیکن تمہیں یہ مناسب نہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے ایک واجب العزت حکم کی نافرمانی کرو۔ غرض اُس کو کچھ دے دینا چاہیئے۔ اگر پاس ہو اور اگر پاس کچھ نہ ہو تو نرم الفاظ سے اُس کو سمجھا دو۔"[1]

بدظنی فساد اس سے شروع ہوتا ہے کہ انسان ظنونِ فاسدہ اور شکوک سے کام لینا شروع کرے۔ اگر نیک ظن کرے تو پھر کچھ دینے کی توفیق بھی مل جاتی ہے۔ جب پہلی ہی منزل پر خطا کی تو پھر منزلِ مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔ بدظنی بہت بُری چیز ہے۔ انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان خدا پر بدظنی شروع کر دیتا ہے۔

اگر بدظنی کا مرض نہ بڑھ گیا ہوتا، تو بتلاؤ اُن مولویوں کو جنھوں نے میری تکفیر اور ایذا دہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ کونسی وجُوہ کفر کی اور میری تکذیب کی نظر آئی تھیں۔ مَیں نے پکار پکار کر اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہا کہ مَیں مُسلمان ہوں۔ قرآن کریم کو خاتم الکتبُ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتا ہوں۔ اور اسلام کو ایک زندہ مذہب اور حقیقی نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی مقادیر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہوں۔ اسی قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتا ہوں۔ اتنی ہی نمازیں پڑھتا ہوں۔ رمضان کے پورے روزے رکھتا ہوں۔ پھر وُہ کون سی نرالی بات تھی جو اُنھوں نے میرے کفر کے لیے ضروری سمجھی۔ صریح ظُلم ہے۔ وُہ اپنے گندے اعمال اور زندگی کو نہیں دیکھتے۔ وُہ زمین اور آسمان پر غور اور تدبر کر کے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان مصنوعات کا خالق ہے بیکھرام کے نشان سے مولویوں نے کیا فائدہ اُٹھایا؟

آتھم کا نشان پھر آتھم کی پیشگوئی سے کیا فائدہ حاصل کیا۔ اللہ اللہ کیسی صاف نکلی بلکہ اُس کو مشکوک کرنے کی سعی کی؛ حالانکہ اُس میں اگر کوئی الزام باقی ہے تو آتھم پر جس نے اپنی خاموشی اور ہمارے مُطالبات کے جواب نہ دینے سے اُس کی سچائی پر مُہر کر دی۔ جبکہ اس میں صریح شرط موجود تھی۔ پھر ایک قانونی طبیعت کا آدمی بھی اُس کے وُہی معنی کرے گا۔ ایک یہ کہ اگر شرط کی رعایت کرے تو بچ رہے۔ وُرنہ مرجاوے۔

پھر بچ جانے کی صُورت میں مومن کو چاہیے تھا کہ وہ اِس امر کو تنقیح طلب قرار دیتا کہ آیا اُس نے رعایت کی یا نہیں؟

یاد رکھو۔ یہاں تو صریح اور صاف شرط موجود تھی کہ بشرطیکہ حق کی طرف رُجوع نہ کرے، لیکن بعض اندازی پیشگوئیاں

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۴ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۰ء

ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بظاہر اُن میں کوئی شرط نہیں ہوتی اور حقیقت میں وُہ مشروط ہوتی ہیں۔ یونسؑ نبی کا قصّہ صاف موجود ہے۔ تفسیروں میں دیکھ لو کیا لکھا ہوا ہے؟ باوصیکہ ایک ایسی نظیر قرآن شریف اور کتبِ سابقہ میں موجود ہے۔ لیکن ہمارے معاملہ میں اسی بدظنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ایک مقررہ قانون کی بھی پروا نہیں کرتے؛ حالانکہ اُس میں صریح شرط موجود ہے اور اُس کا زندہ رہنا اور بچ جانا اس اَمر کی دلیل ہے کہ اُس نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا مگر اس شرط سے فائدہ اٹھانے کے ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر دلائل ہیں جو ایک موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ ہماری طرف سے متواتر اشتہار پر اشتہار جاری ہوئے اور اس کی دعوت کی گئی کہ تم قسم کھاؤ اور اگر جھوٹی قسم کی یاداش میں ایک سال کے اندر ہلاک نہ ہو جاؤ، تو میں اپنے آپ کو جھوٹا قرار دُوں گا اور اس قسم کے لیے چار ہزار روپے تک کا انعام بھی دینا چاہا اور یہ بھی ثابت کر کے دکھلایا کہ بائیبل سے ایسی قسم کا کھانا گناہ نہیں بلکہ انکار کرنا گناہ ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر ہم جھوٹے ہیں، تو ہم پر نالش کرو۔ پادریوں نے بھی اس کو اکسایا اور ترغیب دی کہ تم نالش کرو، لیکن اِس قدر کوششوں پر بھی وُہ میدان میں نہ آیا اور اپنی خاموشی اور اسلام پر نکتہ چینی اور اس کے خلاف تحریروں کی اشاعت سے رُک کر اُس نے بتلا دیا کہ حقیقت میں پیشگوئی کے موافق اُس نے شرط سے فائدہ اٹھایا۔

پیشگوئی میں شرط کا موجود ہونا خود ایک پیشگوئی ہے۔ اگر اُس نے شرط سے فائدہ نہیں اُٹھانا تھا تو اس کو مشروط کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے۔

اب ایک متدیّن اور خدا ترس کو چاہیے کہ سوچے کہ آیا آتھم نے رجُوع الی الحق کی شرط سے فائدہ اٹھایا ہے یا نہیں اور قسم کھانا خلافِ شرع تھا تو کلارک اور پریم داس وغیرہ عیسائیوں نے قسم کھائی تھی یا نہیں۔ علاوہ ازیں ہم نے تو ثابت کر کے دکھا دیا تھا کہ فیصلہ صحیحہ کے لیے قسم کھانا عیسائی پر واجب ہے۔

غرض یہ پیشگوئی مشروط تھی۔ وہ سراسیمہ رہا۔ شہر بہ شہر پھرتا رہا۔ اگر اس کو خداوند مسیح پر پورا یقین اور بھروسہ ہوتا تو پھر اس قدر گھبراہٹ کے کیا معنی؟ لیکن ساتھ ہی جب اس نے اخفاءِ حق کیا اور ایک دنیا کو گمراہ کرنا چاہا، کیونکہ اخفاءِ حق بعض ناواقفوں کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر ہو سکتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے صادق وعدہ کے موافق ہمارے آخری اشتہار سے سات مہینے کے اندر اس کو دُنیا سے اُٹھا لیا اور جس موت سے وہ ڈرتا اور بھاگتا پھرتا تھا اُس نے اُس کو آلیا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آتھم کے معاملہ میں لوگوں کو کیا مشکل پیش آسکتی ہے۔ اس قدر قوی قرائن موجود ہیں۔ اور پھر انکار!!! قرائنِ قویہ سے تو عدالتیں مجرموں کو پھانسی دے دیتی ہیں۔ غرض یہ آتھم کا ایک بڑا نشان تھا اور براہین احمدیہ میں اس فتنہ کی طرف صاف اور واضح لفظوں میں الہام درج ہو چکا ہے۔

نشان مہوتسو

پھر جلسہ مذاہب کا نشان ایک بڑا نشان ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور بہت سے دوست اِس بات کے گواہ ہیں اور وہ قسم کھا کر بتلا سکتے ہیں کہ قبل از وقت

ان کو بتلا دیا گیا تھا اور اشتہار چھاپ کر شائع کر دیا گیا تھا کہ ہمارا مضمون بالا رہا اور ٹھیک اسی الہام کے موافق یہ نشان ہزار ہا انسانوں کے رُوبرو پُورا ہوا اور اردو انگریزی اخبارات نے متفق اللفظ ہو کر اقرار کیا کہ ہمارا مضمون سب سے بڑھ کر رہا۔

بَرَیت کا نشان پھر جو مقدمہ ہم پر اقدامِ قتلِ عمد کا قائم ہوا جس میں ڈاکٹر کلارک جیسے لوگ شامل تھے اور مولوی محمد حسین نے بھی جا کر گواہی دی اور رام بھجدت وکیل مشہور آریہ بھی پیروی مقدمہ کے لیے آیا۔ کئی سَو آدمی اس امر کے گواہ موجود ہیں کہ کس طرح پر قبل از وقت اس مقدمہ کی ساری کیفیت اور صورت سے اطلاع دی گئی اور آخر بَرَیت کی بھی اطلاع دے دی جو اللہ تعالیٰ نے اِبْرَاء (بے قصور ٹھہرانا) کے الہام سے خبر دی تھی۔

یہ خدا کے غیب کی باتیں ہیں۔ کیا انسانی طاقت میں ہے کہ اس طرح پر پیشگوئی کر سکے اور ایسے وقت میں کہ ابھی مقدمہ کا نام و نشان بھی نہیں۔ اُس کا سارا نقشہ کھینچ کر دکھلایا جاوے۔

لیکھرام کا نشان پھر لیکھرام کا نشان ایک شمشیر برہنہ کی طرح تھا۔ پانچ سال پیشتر بذریعہ اشتہارات فریقین کی طرف سے یہ پیشگوئی شائع کی گئی اور خود لیکھرام جہاں جاتا، اس پیشگوئی کو سُناتا اس میں کوئی شرط نہ تھی اور وُہ صاف تھی۔ اگر وُہ زندہ رہتا تو بے شک قیامت برپا ہو جاتی لیکن یہ تب ہوتا۔ اگر خدا تعالیٰ کی باتیں نہ ہوتیں۔ بے شک پھر انجام رسوائی کے ساتھ ہوتا۔ کیا محمد حسین چُپ رہتا؟ اب بھی جبکہ یہ نشان پُورا ہو گیا اور لاکھوں انسانوں نے اس پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ وہ کہتا ہے کہ جماعت کے کسی آدمی نے قتل کر دیا ہو گا۔ افسوس یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ وُہ مُرید کیسا خوش اعتقاد ہو گا، جو ایسے پیر پر بھی اعتقاد رکھ سکتا ہے جو اسے قتل کی ترغیب دے اور اپنی پیشگوئیوں کو اپنی صداقت کا معیار قائم کرے اور پھر اُن کے پورا کرنے کے لیے مُریدوں کو ناجائز وسائل اختیار کرنے کی تعلیم دے؟ شرم ہے ایسے خیالات پر۔

جو لوگ اس قسم کا خیال رکھتے ہیں وہ گویا ہماری نیک نہاد، انصاف پرور اور ہوشیار گورنمنٹ کو بھی بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ گورنمنٹ نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکھرام کے قتل کے متعلق اُس نے پُوری سرگرمی سے تحقیقات کی، لیکن ہمارا اور ہماری جماعت کا دامن اُس خون سے بالکل پاک صاف ثابت ہوا۔

افسوس یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ کیا لیکھرام نے میرے کسی باپ اور دادا کو قتل کر دیا تھا؟ اس نے میری ذات کو کسی قسم کی تکلیف اور ایذا نہیں دی۔ ہاں اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر وہ گستاخانہ حملے کیے اور وہ بے ادبیاں کیں کہ میرا دل کانپ اُٹھا اور میرا جگر پارہ پارہ ہو گیا۔ مَیں نے اُس کی بے ادبیوں اور شوخیوں کو ٹکڑے ہوئے ہوئے دل کے ساتھ خدا کے حضور پیش کیا۔ اس نے اِن شوخیوں اور گستاخیوں کے

عوض میں اس کی نسبت مجھے یہ پیشگوئی عطا فرمائی۔ پھر اس پیشگوئی میں اُس کی موت، وقت، صورتِ موت وغیرہ اُمور کو بخوبی بتلایا گیا تھا۔ ہاتھ کا نشان بنایا جانا اور "بترس از تیغ بُرانِ محمدؐ" کہنا یہ سب اُمور واضح طور پر درج ہیں۔ اب کوئی بتلائے کہ کیا اس وقت کہ جبکہ وہ ابھی چوبیس پچیس برس کا نوجوان تھا، پانچ سال پیشتر اس وقت کی اطلاع دینا انسانی منصوبہ کا دخل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ انسانی طاقت، انسانی فہم و فراست سے بالاتر اور بالاتر ہے۔[1]

نشانات کی ضرورت

اب بتلاؤ کہ کیا یہ نشانات اپنی صداقت اور ثبوت میں کسی اور خارجی دلیل کے محتاج ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ معجزات میں سے ایک ہی کافی ہے؛ چنانچہ جب اُن سے معجزہ مانگا گیا، تو یہی کہتے رہے کہ یونسؑ نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہ دیا جاوے گا۔

میں نے پہلے بتلا دیا ہے کہ جو لوگ اندرونی حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے نشانات کی کچھ بڑی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ صرف رحم کر کے اُن کے مزید اطمینان اور اپنی ہستی منوانے کے لیے نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ مجھ کو تعجب پر تعجب اور حیرت پر حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اولیاء اللہ کے معجزات کے قائل ہیں اور ایسے خوارق ان کے بیان کرتے ہیں۔ جن کے لیے نہ کوئی دلیل ہے نہ عقلی یا نقلی ثبوت ہے اور وہ بطور کتھا اور کہانی کے اُن کے زمانہ کے بہت عرصہ بعد لوگوں میں مشہور ہوئے ہیں۔

شیعہ ہی سے اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معجزات مانگو، تو وہ اس قدر بیان کریں گے کہ گنتے گنتے تھک جائیں، مگر ثبوت جب مانگیں تو کچھ بھی نہیں۔ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خوارق بکثرت بیان کیے جاتے ہیں، مگر ان کی کسی کتاب میں منقول نہیں ہیں۔ اب لوگ خدا سے ڈریں اور سوچ کر جواب دیں کہ جو باتیں صدہا سال بعد لکھی گئی ہیں، اُن کی تو تصدیق کی جاتی ہے، لیکن جو آنکھوں سے دیکھے گئے ہیں، اُن کی تکذیب کی جاتی ہے۔ افسوس یہ لوگ اتنا بھی تو نہیں سوچتے کہ خبر معائنہ کے برابر نہیں ہوتی۔ سُنی ہوئی بات کسی واقعہ صحیحہ کی برابری نہیں کر سکتی۔ اب میرے نشانات دیکھ کر جو ان نشانوں کی تکذیب کی جاتی ہے۔ یہ میری تکذیب نہیں یہ واقعاتِ صحیحہ کی تکذیب ہے۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔

یہ یاد رکھو کہ یہ مصیبت اس لیے آئی ہے کہ تقویٰ اور طہارت اُٹھ گیا اور قانونِ الٰہی یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت اُٹھ جاتی ہے اور دلوں میں رِقّت اور رُوح میں گدازش نہیں رہتی۔ اس وقت مُنذر نشان

---

[1] الحکم نمبر ۳۵ جلد ۴ صفحہ ۳-۲ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۰ء

پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مقام تو ڈرنے کا تھا، مگر افسوس ان لوگوں نے اندھے اور بہرے ہو کر ان نشاناتِ الٰہیہ کو (جو تفرع اور ابتہال پیدا کر سکتے تھے۔ ایمان میں ایک نئی زندگی بخش سکتے تھے) چھوڑ دیا اور صُمٌّ بُکْمٌ ہو کر گزر گئے۔ ایسے لوگوں کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فتویٰ لگ چکا ہے۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ (البقرہ:۱۹)

ہماری جماعت کا فرض

مگر ہماری جماعت جس نے مجھے پہچانا ہے کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان نشانات کو باسی نہ ہونے دیں۔ اس سے قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ ان نشانات کو پوشیدہ نہ رکھے اور جس نے دیکھے ہیں وہ اُن کو بتلا دے جو غائب ہیں، تاکہ برائیوں سے بچیں اور خدا پر تازہ ایمان پیدا کریں اور ان نشانات کو عمدہ براہین سے سجا سجا کر پیش کریں۔ یاد رکھو! خدا کے دلائل اور براہین کو جو غور سے نہیں دیکھتے، وہ اندھے ہوتے ہیں اور حق کو دیکھ نہیں سکتے اور اُن کے سننے کے کان نہیں ہوتے۔ یہ لوگ چارپائے بلکہ اُن سے بھی بدتر ہوتے ہیں اور خدا اُن کی زندگی کا متکفل نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ مومن اور متقی کی زندگی کا ذمہ دار ہے۔ هُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (الاعراف: ۱۹۷) اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے دُور اور چارپایوں کے مشابہ ہیں اُن کی زندگی کا کفیل نہیں۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ کوئی آدمی ذبح ہوتے ہوئے بکروں کے سر پر بھی بیٹھ کر روتا ہے؟ پھر جو لوگ بکروں سے بھی گئے گذرے ہیں، ان کی زندگی کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟

جانوروں کی زندگی دیکھ لو کہ محنتیں اُن سے لی جاتی ہیں اور ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ پس جو انسان خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی ضمانت نہیں رہتی؛ چنانچہ فرمایا قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ (الفرقان: ۷۸) یعنی اگر تم اللہ کو نہ پکارو، تو میرا رب تمہاری پرواہی کیا رکھتا ہے۔

"یاد رکھو جو دنیا کے لیے خدا کی عبادت کرتے ہیں یا اس سے تعلق نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کچھ پروا نہیں کرتا۔"[1]

یکم ستمبر ۱۹۰۰ء

خدا کی صفتِ غناء کا تقاضا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے غناءِ ذاتی پر بہت مؤثر اور ڈر دلانے والی تقریر فرمائی۔ فرمایا:

"اگرچہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ مگر خدا تعالیٰ کسی کا محکوم رہنا نہیں چاہتا۔ اس کی صفتِ غناء ہر دم تقاضا کرتی ہے کہ انسان کبھی ایمن اور مطمئن ہو کر نہ بیٹھ رہے۔ اس کا منشا ہے کہ انسان

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۰ء

خوف و ہراس میں اوقات بسر کرے تاکہ ذلِ عبودیت کی حالت قائم رہے۔"

فرمایا: "ہیضہ خدا تعالیٰ کی تلوار ہے۔ بہت بہت دعائیں مانگو کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس گاؤں کو محفوظ رکھے۔ اس لیے کہ مخالفوں کے نزدیک اور جگہوں کے لوگ تو شہید ہوتے ہیں۔ مگر خدا نہ کرے جو یہاں پڑے تو یہی کہیں گے کہ ان پر غضبِ آلٰہی پڑا۔"[1]

۳ ستمبر ۱۹۰۰ء

تحفہ گولڑویہ کے متعلق الہامی بشارت تحفہ گولڑویہ میں بڑے بڑے دقائق معارف بیان ہوئے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک الہام ہوا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ رسالہ بڑا بابرکت ہوگا، اسے پورا کرو۔ اور پھر الہام ہوا۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

چونکہ مضامین کی آمد بہت ہے اور وہ چاہتی ہے کہ درمیانی سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے کہ ٹوٹنے میں بسا اوقات پیش آمدہ مضمون فوت ہو جاتا ہے، مناسب ہے کہ جمعرات تک پھر نمازیں ظہر و عصر جمع کر کے پڑھی جائیں۔"

چنانچہ رسول کریمؐ کی وہ پیشگوئی نُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ یوں ثابت اور پوری ہوگئی۔[2]

۴ ستمبر ۱۹۰۰ء

بڑا ثواب حضرتؑ نے ایک دن مولانا عبدالکریم صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا: کہ

"اب تو آپ بھی ہمارے ساتھ گالیوں میں شامل ہو گئے۔ بڑا ثواب ہے۔"[3]

۷ ستمبر ۱۹۰۰ء

ایک الہام حضرتؑ کو کل دردِ سر کے وقت بار بار یہ الہام ہوا:

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء (از مکتوبات کریمیہ نمبر ۳)

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء (مکتوبات کریمیہ نمبر ۳)

[3] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء

"اِنِّیْ مَعَ الْاُمَرَاءِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً"

یعنی میں امیروں کے ساتھ تیری طرف اچانک آؤں گا

(اس الہام سے بشارت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اب امیروں کو اس آسمانی سلسلہ کی طرف توجہ دلانی چاہتا ہے۔)

۸ ستمبر ۱۹۰۰ء

کلامِ الٰہی کے تین طریقے

رات مولانا نورالدین صاحبؓ نے اس آیت کے معنے پوچھے۔ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ (الشوریٰ: ۵۲) مولوی صاحب نے عرض کی کہ اس آیت پر بہت سا جھگڑا ہوا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"قبل اس کے کہ اس آیت کے حل کی طرف ہم متوجہ ہوں۔ ہم عملاً دیکھتے ہیں کہ تین ہی طریقے ہیں خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے۔ چوتھا کوئی نہیں ① رؤیا ② مکاشفہ ③ وحی" پھر نمازِ عشاء کا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:

"مولوی صاحب! اس آیت کے معنی خوب کھل گئے۔ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے مُراد رؤیا کا ذریعہ ہے۔ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ کے معنی یہ ہیں کہ اس پر استعارے غالب رہتے ہیں۔ جو حجاب کا رنگ رکھتے ہیں۔ اور یہی رؤیا کی ہیئت ہے۔

یُرْسِلَ رَسُوْلًا سے مراد مکاشفہ ہے۔ رسُول کا تمثّل بھی مکاشفہ میں ہی ہوتا ہے اور مکاشفہ کی حقیقت ہی ہے کہ وہ تمثّلات ہی کا سلسلہ ہوتا ہے"

اس کے بعد بڑے جوش اور خوشی سے فرمایا:

"قرآنِ کریم کیسے کیسے حقیقی اور عظیم علوم بیان فرماتا ہے۔ اِس آیت کے ہم رنگ انجیل و توریت میں تو ڈھونڈ کر بتاؤ"

مولوی صاحب نے پوچھا تھا۔ اس تفسیر سے پہلے کہ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے یہ مطلب ہو کہ خدا تعالیٰ کا نظر آنا کوئی ضروری نہیں۔ فرمایا:

"یہ مطلب نہیں۔ یہ معنی ہی رؤیا کے ہیں اور لفظ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ نے تو حقیقت رویا کے فلسفہ کی بیان کی ہے[1]"

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء مکتوبات کریمیہ نمبر ۵

۸ ستمبر ۱۹۰۰ء

ابتلاء موجبِ رحمت ہوتے ہیں

شیخ رحمت اللہ صاحب کا خط دربارہ کسی ابتلاء کے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچا جس پر حضورؑ نے فرمایا:

"میں اس ابتلاء میں اُن کے لیے بہت دُعا کرتا ہوں۔ اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ درحقیقت ابتلاء بڑی رحمت کا موجب ہوتے ہیں کہ ایک طرف عبودیت مُضطر ہوکر اور چاروں طرف سے کٹ کر اُسی اکیلے سبب ساز کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اُدھر سے اُلوہیت اپنے فضلوں کے لشکر لے کر اُس کی تسلی کے لیے قدم بڑھاتی ہے۔ میں ہمیشہ یہ سنّتِ انبیاء علیہم السّلام اور سنّت اللہ میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر اس گرامی جماعت کی رأفت و رحمت ابتلاء کے وقت اپنے خدام کی نسبت جوش مارتی ہے۔ آرام و عافیت کے وقت وُہ حالت نہیں ہوتی۔"[1]

۹ ستمبر ۱۹۰۰ء

صبر کی تلقین

حضرتِ اقدسؑ نے قبل از نماز ظہر بڑی لطیف تقریر فرمائی اور مولانا عبدالکریم صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا: کہ

"جو کچھ ہو رہا ہے۔ ارادۂ الٰہی کے موافق ہو رہا ہے۔ ضروری تھا کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ان آثار کی صداقت پر مُہر لگا دیتے ـــ جن میں لکھا ہے کہ مہدیِ موعود کے وقت بڑا شور برپا ہوگا اور اس کو سلف و خلف کے عقائد کے خلاف باتیں بنانے والا کہہ کر کافر ٹھہرایا جائے گا۔ اس وقت ہمارے احباب کو ایسا ہی صبر کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ نے مکّہ معظّمہ میں کیا۔ کوئی حرکت اُن سے ایسی سرزد نہ ہوئی جو انھیں حُکّام تک پہنچاتی۔ اس وقت کسی پر بھروسہ نہ کریں۔ کہ فلاں شخص ہماری مدد کریگا۔ یاد رکھیں۔ اس وقت خداوند جلّ و عُلا کے سوا کوئی ولی و نصیر نہیں۔"[2]

اولیاء اللہ سے جنگ کا نتیجہ

ایک شخص کسی شیخ عبدالرحمٰن کشمیری بازار کا شائع کیا ہوا لمبا چوڑا اشتہار لے کر حضرتِ اقدسؑ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت اقدسؑ نے اس پر فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء۔ مکتوباتِ کریمیہ نمبر ۵

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء مکتوباتِ کریمیہ نمبر ۱۴

"اب ہماری باتیں اِن لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتیں اور درحقیقت جبتک آسمان سے نُور نازل ہوکر قلُوب کو باہم نہ بنائے۔ کوئی نہ سمجھا سکتا ہے، اور نہ کوئی سمجھ ہی سکتا ہے۔ یہ ایام ابتلا کے ایام ہیں۔" پھر فرمایا:

"کیا یہی سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اولیاء سے جنگ کرنے کے سبب سے نہ صرف ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے بلکہ عقلیں بھی سلب ہو جاتی ہیں۔ اس وقت جو بولتا ہے یہی بولتا ہے اور بیسیوں خط اطراف سے اس مضمون کے آتے ہیں کہ مہر علی شاہ نے مرزا صاحب کی ساری شرطیں منظور کرلیں۔ پھر وہ مقابلہ کے لیے کیوں نہ آتے۔ اللہ اللہ۔ ایک طوفانِ بے تمیزی برپا ہے۔ کوئی غور کرتا ہی نہیں کہ اصل بات کیا ہے۔"[1]

۱۵ ستمبر ۱۹۰۰ء

کلام الٰہی کے اقسام

مطابق بستم جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ بعد اداءِ نمازِ مغرب شرفِ دیدارِ مبارک حضرت اقدسؑ حاصل گردید۔ فرمُودند:

"کلامِ الٰہی بر سہ قسم است وحی، رؤیا، کشف۔ وحی آنکہ بلا واسطۂ شخصے بر قلبِ مُطہرۂ نبوی فرود آمد و آں کلام اجلیٰ و روشن مے باشد۔ نظیرش بیان فرمودند کہ مثلاً حافظ صاحب نابینا کہ پیشِ ما نشستہ اند۔ در سماعِ کلامِ ما ہرگز غلطی نے خورند و نے دانند کہ آواز مسموع کلام غیرِ ما باشد۔ اگرچہ از چشمِ ظاہر ما را نے بینند۔ دیگر رُویا و منام ست۔ کہ آں کلام رنگین و لطیف و کنایہ دارد و ذوی الوجُوہ است۔ چُوں دیدنِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوارین در دستِ مبارکِ خویش یا معائنہ فرمودن یکے زوجہ مُطہرہ خود را اطُولُ یَدَین و دیدنِ بقرہ وغیرہ ایں چنیں کلامِ الٰہی تعبیر طلب است۔ سوم کشف است و آں تمثل است خواہ بصُورتِ جبرائیل باشد یا فرشتہ یا دیگر اشیاء۔ پس آیت شریفہ خواندند اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا (الشوریٰ: ۵۲) ارشاد شد کہ سوائے اُمورِ ثلاثہ مذکورہ کلامِ الٰہی را طریقے نیست۔"

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء

بیماری میں الٰہی مصالح

عصر کے وقت فرمایا:

"طبیعت بہت علیل ہے۔ دُعا کرنی چاہیئے۔"

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء مکتوبات کریمہ نمبر ۴۔

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۱ء۔ مکتوبہ مولوی محمد سعید حیدرآبادی۔

اس پر مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ آپ وُہ ہیں، جن کی نسبت خدا تعالیٰ کہہ چکا ہے اَنْتَ اَلْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ دَقْتُہٗ۔ مَیں اُمید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو آپ کے درجات کی ترقی بہت ہی منظور ہے کہ ایک طرف تو آپ کے سپرد اس کثرت سے کام کر دیئے ہیں کہ ان کے تصور سے قوی سے قوی زہرہ آدمی کی پیٹھ ٹوٹ جاتی ہے اور اُس پر اس قدر بیماریوں کا ہجوم۔ مُسکرا کر فرمایا:

"ہاں یہ تو ہمیں یقین ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے مصالح ملحوظ ہیں۔"

احمد بیگ کے متعلق پیشگوئی

احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض کے متعلق فرمایا:

"اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے خوف سے غور کرے کہ چار شخصوں کی موت کی نسبت ہماری پیشگوئی تھی۔ جن میں سے تین ہلاک ہو چکے ہیں اور ایک (داماد) باقی ہے، تو اُس کی رُوح کانپ جائے گی کہ کس دلیری سے اور کیوں وہ اعتراض کر سکتا ہے۔ اسے سمجھ لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے مصالح اس میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ راستبازوں کے مخالفوں کی عُمریں بھی اُن کے کارخانہ کی رونق کے لیے لمبی کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ قادر تھا کہ ابوجہل اور اس کے اَمثال پر مکّہ معظمہ میں یک جا اور ناگہاں بجلی پڑ جاتی اور بہت بڑی ایذا پہنچانے سے قبل اُن کا استیصال ہو جاتا، مگر اُن کا تار و پود درہم برہم نہ ہوا۔ جب تک بدر کا یوم نہ آیا۔ اگر ایسی ایسی کارروائیاں جلد جلد پوری ہو جائیں، تو نبی بہت جلد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاوے اور وہ گرمیٔ ہنگامہ کیونکر رنگ آرائے چہرۂ ہستی ہو، جس کے قیام کے بغیر طرح طرح کے علوم اور حکمتیں بروئے کار نہیں آسکتیں۔ خدا تعالیٰ صادق کو نہیں اُٹھاتا، جبتک اُس کا صادق ہونا آشکار نہ کر دے اور اُن الزاموں سے اُس کی تطہیر نہ کر دے، جو ناعاقبت اندیش اُس پر لگاتے ہیں۔"

بعد نماز عشا فرمایا:

مہدی اور دجّال کے متعلق احادیث

مَیں آج کنز العمال کو دیکھ رہا تھا۔ مہدی اور دجّال کی نسبت ۸۵ حدیثیں اُس میں جمع کی گئی ہیں۔ سب حدیثوں میں یہی ہے کہ وُہ آتے ہی یُوں خونریزی کرے گا اور یُوں خلقِ خدا کے خُون سے رُوئے زمین کو رنگین کرے گا۔ خدا جانے اِن لوگوں کو جو ان احادیث کے وضّاع تھے۔ سفّاکی کی کس قدر پیاس اور خلقِ خدا کی جان لینے کی کتنی بھُوک تھی اور اس وقت عقلیں کس قدر موٹی اور سطحی ہو گئی تھیں۔ یہ بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی کہ اصُولِ تبلیغ اور ماموریت کے قطعاً خلاف ہے کہ کوئی مامُور آتے ہی بلا اتمامِ حجّت کے تیغ زنی شروع کر دے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو آخری زمانہ کو حضرت خیرالانام رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے اتنا دُور قرار دیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جتنا بُعد زمانۂ نبوت سے ہوگا۔ اتنی ہی غفلت اور کسل اور اعراض عن اللہ کا مرض شدید ہوگا۔ بایں ہمہ آخری زمانہ کا مُصلح اور مامُور ایسا شخص قرار دیا ہے، جو آتے ہی تلوار سے کام لے اور اتمامِ حجت کا ایک لفظ بھی مُنہ پر نہ لائے۔ وُہ مصلح ہی کیا ہوا۔ وہ خونریز مُفسد ہوا۔

افسوس آتا ہے کہ اس قدر تناقضات کا مجموعہ وُہ حدیثیں ہیں کہ اس سے زیادہ ہفوات اور لغویات میں بھی تناقض ممکن نہیں، مگر ان لوگوں کی دانشیں اُن کی بیہودگی کی تہ تک نہ جاسکیں۔

فرمایا: مَیں ان حدیثوں کو پڑھ کر کانپ اُٹھا اور دل میں گزرا اور بڑے درد کے ساتھ گزرا کہ اگر اب خدا تعالیٰ خبر نہ لیتا اور یہ سلسلہ قائم نہ کرتا۔ جس نے اصل حقیقت سے خبر دینے کا ذمہ اٹھایا ہے، تو یہ مجموعہ حدیثوں کا اور تھوڑے عرصہ کے بعد بے شمار مخلوق کو مُرتد کر دیتا۔ ان حدیثوں نے تو اسلام کی بیخکنی اور خطرناک ارتداد کی بنیاد رکھ دی ہوئی ہے۔ جبکہ حدیثیں یونہی نامُراد رہتیں اور اُن کی بے بنیاد پیشگوئیاں جو محض دروغِ بے فروغ اور باطل افسانے ہیں اور کچھ مدت کے بعد آنے والی نسلوں کے سامنے اسی طرح نامُراد پیش ہوتیں۔ تو صاف شک پڑ جاتا کہ اسلام بھی اور جھوٹے مہابھارتی مذہبوں کی طرح بڑا کتھوں پر مبنی اور بے سروپا مذہب ہے۔

اور آئندہ نسلیں سخت ہنسی اور استہزاء سے اِس بات کے کہنے کا بڑی دلیری سے موقع پاتیں کہ دجّال کو خدا بنانے والا! اور خُدا کی صفاتِ کاملہ متجمعہ سے پُورا حصّہ دینے والا مذہب بھی کبھی مذہبِ حق اور مذہبِ توحید کہلانے کا استحقاق رکھ سکتا ہے۔[1]

اشاعتِ ہدایت کی تکمیل مسیح موعودؑ کے ذریعہ مقدر ہے

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس قسم کی اصلاح ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ بُعدِ زمانہ ہی بجائے خود بہت کچھ قابلِ رحم حالت ہوتی ہے اور اُس پر تو اس وقت ہزاروں اور فتنے اور آفتیں بھی ہوں گی پھر قتال سے کیا فائدہ؟

اخیر میں یہ بھی لکھ دیا ہے لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات قرآن ہی سے ہے جب ہم اس ترتیب کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو ہی مقصد بیان فرمائے ہیں۔ یعنی تکمیلِ ہدایت اور تکمیلِ اشاعتِ ہدایت۔ اوّل الذکر کی تکمیل چھٹے دن یعنی جمعہ کے دن ہوئی۔ جبکہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ (المائدہ: ۴) نازل ہوئی اور دُوسری تکمیل کے لیے بالاتفاق مانا گیا ہے کہ وہ مسیح ابنِ مریم یعنی مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہوگی۔ سب مفسّرین نے بالاتفاق لکھ دیا ہے کہ آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ صفحہ ۱-۳ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء خط مولانا عبدالکریم صاحب

بِالْهُدٰی (الصف : ۱۰) کی تکمیل مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہوگی اور جبکہ ہدایت کی تکمیل چھٹے دن ہوئی تو اشاعتِ ہدایت کی تکمیل بھی چھٹے دن ہی ہونی چاہیے تھی اور قرآنی دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے۔ گویا مسیح موعود چھٹے ہزار میں ظاہر ہوگا۔

مہدی کی حدیثوں کی نسبت فرمایا کہ سلطنت کے خیال سے وضع کی گئی تھیں۔

قرآن ہی پڑھنے کے قابل ہے۔ کیونکہ قرآن کے معنی ہی یہ ہیں۔ آریوں نے قرآن کریم کے الفاظ نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ الفاظ پر اعتراض کئے ہیں؛ حالانکہ خود وید میں اِندر کو بڑا مکار لکھا ہے۔[1]

قرآن کے نام میں پیشگوئی

اگر ہمارے پاس قرآن نہ ہوتا اور حدیثوں کے یہ مجموعے ہی مایۂ نازِ ایمان و اعتقاد ہوتے، تو ہم قوموں کو شرمساری سے مُنہ بھی نہ دکھا سکتے۔

مَیں نے قرآن کے لفظ میں غور کی۔ تب مجھ پر کُھلا کہ اس مُبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ وُہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے لائق کتاب ہوگی۔ جبکہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اُس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لیے اور بُطلان کا استیصال کرنے کے لیے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔ فُرقان کے بھی یہی معنے ہیں۔ یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اِس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی۔ اس لیے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دُوسری کتابوں پر ہی رات دن جُھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے تاسف کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتناء اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظُلمت ٹھہر نہ سکے گی۔"[2]

۱۴؍ اکتوبر ۱۹۰۰ء

خلقِ آدمؑ اور زُحل کی تاثیرات

صُبح کی سیر کے وقت حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ مورخہ ۲۶؍ جولائی ۱۹۰۸ء

[2] الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ صفحہ ۵ مورخہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۰۰ء (خط مولانا عبدالکریم صاحب)

آدم علیہ السلام عصر کے وقت چھٹے دن پیدا ہوا تھا۔ اُس وقت مُشتری کا دورہ ختم ہوکر زُحل کا شروع ہونے والا تھا۔ چونکہ زُحل کی تاثیرات خونریزی اور سفاکی ہیں، اس لیے ملائکہ نے اس خیال سے کہ یہ زُحل کی تاثیرات کے اندر پیدا ہوگا۔ یہ کہا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (البقرہ: ۳۱) اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس طرح انسان ارضی تاثیرات اور بُوٹیوں کے خواص سے واقف ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آسمانی مخلوق آسمانی تاثیرات سے باخبر ہوتی ہے۔

بہترین دُعا

پھر فرمایا: اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں جہاں اَلرَّبّ۔ اَلرَّحْمٰن۔ اَلرَّحِیْم۔ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (الفاتحہ ۲، ۳، ۴) کے حسن و احسان کی طرف تحریک ہوتی ہے۔ وہاں انسان کی عاجزی اور بے کسی بھی ساتھ ہی محرک ہوتی ہے۔ اور وہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہا اُٹھتا ہے۔ بہترین دُعا وہ ہوتی ہے جو تمام خیروں کی جامع ہو اور مانع ہو تمام مضرات کی۔ اس لیے اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی دُعا میں حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے کُل مُنعَم علیہم لوگوں کے انعامات کے حصُول کی دُعا ہے۔ اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں ہر قسم کی مضرتوں سے بچنے کی دُعا ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

اسلام کی نسبت جو کہتے ہیں کہ تلوار سے پھیلا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اسلام نے تلوار اس وقت تک نہیں اُٹھائی جبتک کہ سامنے تلوار نہیں دیکھی۔ قرآن شریف میں صاف طور پر لکھا ہے کہ جس قسم کے ہتھیاروں سے دشمن اسلام پر حملہ کرے، اسی قسم کے ہتھیار استعمال کرو۔ مہدی کے بارہ میں کہتے ہیں کہ آکر تلوار سے کام لے گا۔ یہ صحیح نہیں۔ اب تلوار کہاں ہے جو تلوار نکالی جاوے۔ پھر افسوس تو یہ ہے کہ باوجود یکہ مسیح ان لوگوں کے مسلّمات کو تسلیم کرے گا اور فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اُترے گا، مگر پھر بھی اس پر کُفر کا فتویٰ دیا جائے گا۔ جیسا کہ کتابوں سے ثابت ہے بلکہ ایک شخص اُٹھ کر کہہ دیگا۔ ..... اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ ان دلائل سے باخبر ہوں تاکہ کسی محفل میں اُن کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی اور یعقوب علی صاحب اور چند دوست ایسی کتابیں سوال و جواب کے طور پر تالیف کریں جو ہمارے مقاصد کو لیے ہوئے ہوں اور مدرسہ میں رائج کی جاویں۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء

۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضرت اقدس علیہ السلام حسب معمول سیر کو تشریف لے گئے اور فرمایا:

کشف اور الہام کی درمیانی حالت

"بہت دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات بتلاتے ہیں۔ میں اس کو سنتا ہوں، مگر آپؐ کی صورت نہیں دیکھتا ہوں۔ غرض یہ ایک حالت ہوتی ہے جو بین الکشف والالہام ہوتی ہے۔"

مسیح موعودؑ کے دو نشان

رات کو آپؑ نے مسیح موعودؑ کے متعلق یہ فرمایا ہے:

"یَضَعُ الْحَرْبَ وَیُصَالِحُ النَّاسَ۔ یعنی ایک طرف تو جنگ و جدال اور حرب کو اٹھا دے گا۔ دوسری طرف اندرونی طور پر مصالحت کرا دے گا۔ گویا مسیح موعودؑ کے لیے دو نشان ہوں گے۔ اوّل بیرونی نشان کہ حرب نہ ہوگی۔ دوسرا۔ اندرونی نشان کہ باہم مصالحت ہو جاوے گی۔ پھر اس کے بعد فرمایا: سَلْمَانٌ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ سلمان یعنی دو صلحیں اور پھر فرمایا عَلٰی مَشْرَبِ الْحَسَنِ یعنی حضرت حسنؓ میں بھی دو ہی صلحیں تھیں۔ ایک صلح تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ کر لی۔ دوسری صحابہؓ کی باہم صلح کرا دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود حسنی المشرب ہے۔ حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مہدی حسنی ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا۔ حسنؓ کا دودھ پئے گا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مہدی آپؐ کی آل میں سے ہوگا۔ یہ مسئلہ اس الہام سے حل ہو گیا اور مسیح موعودؑ کا جو مہدی بھی ہے کام بھی معلوم ہو گیا۔ پس وہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ آتے ہی تلوار چلائے گا اور کافروں کو قتل کریگا، جھوٹے ہیں۔ اصل بات یہی ہے جو اس الہام میں بتلائی گئی ہے کہ وہ دو صلحوں کا وارث ہوگا۔ یعنی بیرونی طور پر بھی صلح کرے گا اور اندرونی طور پر بھی مصالحت ہی کرا دے گا اور آل کا لفظ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آل چونکہ وارث ہوتی ہے۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کے وارث یا آل وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اُن کے علوم کے رُوحانی وارث ہوں۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ کُلُّ تَقِیٍّ وَنَقِیٍّ آلِیْ۔

آیت مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ کی تفسیر

مولوی جمال دین صاحب ساکن سیدوالہ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پوچھی مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ (البقرہ:۱۰۳) فرمایا:

بعض نابکار قومیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو بُت پرست کہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اُن کی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف واقعات پر بحث کرتا ہے اور قرآن کُل دُنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے۔ جیسے فرمایا ہے۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ اور یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً (البیّنۃ ۳) پس قرآن کریم کے معنی کرتے وقت خارجی قصّوں کو نہ لیں، بلکہ واقعات کو مدِّنظر رکھنا چاہیے۔ مثلاً قرآن کریم نے

جو سُورۃ فاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِیْمِ۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اسماء سے شروع کیا ہے، تو اُس میں کیا راز تھا۔ چونکہ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اُس کی صفات رَبّ، رحیم، رحمٰن، مالکِ یومِ الدّین سے مُنکر تھیں، اس لیے اس طرز کو لیا۔ یہ یاد رکھو کہ جس نے قرآن کریم کے الفاظ اور فقرات کو جو قانونی ہیں، ہاتھ میں نہیں لیا۔ اُس نے قرآن کا قدر نہیں سمجھا۔

اب دیکھو یہاں خَالِقُ الْعَالَمِیْنَ نہیں فرمایا۔ بلکہ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فرمایا۔ اور ربّ العالمین اس لیے بھی فرمایا تاکہ یہ ثابت کرے کہ وہ بسائط اور عالمِ امر کا بھی رَبّ ہے۔ کیونکہ بسیط چیزیں امر سے ہیں اور مرکّب خلق سے اس لیے کہ بعض قومیں رُبوبیت کی مُنکر ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو جو کچھ ملتا ہے۔ مثلاً اگر دُودھ ملتا ہے، تو اگر ہم کوئی گناہ کرکے گائے یا بھینس وغیرہ کی جُون میں نہ جاتے، تو دُودھ ہی نہ ہوتا اور خلق چونکہ قطع و بُرید کرنے کا نام ہے۔ اس لیے اس موقعہ پر رَبّ العَالمین کو جو اُس سے افضل تر ہے۔ بیان فرمایا۔ اسی طرح پر رحمانیت۔ رحیمیت کے مُنکر دُنیا میں موجود ہیں۔

غرض قرآن کریم مذاہبِ باطلہ کے عقائدِ فاسدہ کو مدِّ نظر رکھ کر ایک سلسلہ شروع فرماتا ہے۔ اسی طرح پر اس قصّہ میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کی بریّت منظور ہے اور اُن کو اس ناپاک الزام سے بَری کرنا مقصود ہے جو اُن پر لگایا جاتا ہے کہ وُہ بُت پرست تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ۔ سلیمان نے کفر نہیں کیا۔[1]

۲۰/ اکتوبر ۱۹۰۰ء

۲ دو قسم کی مخلوق

مولوی جمال الدین صاحب سیدوالہ نے اپنے واقعات سنائے جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

"آج میں اَیَّدَہٗ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ:۸۸) کی بحث لکھتا تھا جس میں مَیں نے بتایا ہے کہ مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ رُوح القدس کے فرزندوہ تمام سعادت منداور راستباز لوگ ہیں جن کی نسبت قرآن شریف میں اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ (الحجر: ۴۳) وارد ہے اور قرآن کریم سے دو قسم کی مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ اوّل وُہ جو رُوح القدس کے فرزند ہیں اور بن باپ پیدا ہونا کوئی خصوصیت نہیں۔ دوم شیطان کے فرزند۔"[2]

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۷/ نومبر ۱۹۰۰ء

[2] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء

۲۱ر اکتوبر ۱۹۰۰ء

ایک اہم پیشگوئی

صُبح کی سیر میں علماءِ سُوء کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ

"کوئی ایسا آدمی ہو جو اُن کو جا کر سمجھا دے اور کہے کہ تم کوئی نشان لے کر صدقِ دل سے دیکھو"۔ پھر فرمایا "یہ لوگ کم ہی امید ہے کہ رجوع کریں، مگر جو آئندہ ذرّیت ہوگی، وہ ہماری ہی ہوگی"[1]

۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۰ء

دوزخ عارضی ہے اور بہشت دائمی

صُبح کی سیر میں بہشت و دوزخ کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: کہ

قرآن شریف میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت کا ذکر فرمایا ہے، وہاں بہشت کے انعامات کی نسبت عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود: ۱۰۹) فرمایا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امید نہ رہتی اور مایوسی پیدا ہوتی۔ اس لیے کہ بہشت کے دوامی انعاموں کو دیکھ کر مسرّت بڑھتی ہے اور دوزخ کے ایک معیّن عرصہ تک ہونے سے امید پیدا ہوتی ہے۔ جیسے ایک شاعر نے اس کو یوں بیان کیا ہے ؎

گویند کہ بحشر جُستجو خواہد بود
واں یارِ عزیزِ تُند خو خواہد بود
از خیرِ محض شرّے نیاید ہرگز
خوش باش کہ انجام نکو خواہد بود

ہمارا ایمان یہی ہے کہ دوزخ میں انسان ایک عرصہ تک رہیں گے، پھر نکل آئیں گے۔ گویا جن کی اصلاح نبوّت سے نہیں ہو سکی، اُن کی اصلاح دوزخ کرے گا۔ حدیث میں آیا ہے۔ يَأْتِيْ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ۔ یعنی جہنّم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی متنفّس نہیں ہوگا اور نسیمِ صبا اُس کے دروازوں کو کھٹکھٹائے گی[2]۔

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۰ء

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۱ء

معجزات کے اقسام معجزاتِ مسیحؑ پر گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا: کہ

"معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ دعائیہ، ارہاصیہ اور قوتِ قدسیہ کے معجزات ارہاصیہ میں دُعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوتِ قدسیہ کے مُعجزات ایسے ہوتے ہیں، جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں اُنگلیاں رکھ دی تھیں اور لوگ پانی پیتے چلے گئے یا کنویں میں لعابِ مبارک گرا دیا اور اس کا پانی میٹھا ہوگیا۔ مسیحؑ کے مُعجزات اس قسم کے بھی تھے۔ خود ہم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"[1]

۲۴ / اکتوبر ۱۹۰۰ء

علمِ توجّہ اور توجّہ انبیاءؑ میں فرق توجّہ اور انبیاء علیہم السلام کی دُعا میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ وہ توجّہ جو سمریزم والے کرتے ہیں، وہ ایک کسب ہے اور وہ توجّہ جو دُعا سے پیدا ہوتی ہے ایک موہبتِ الٰہی ہے۔ نبی جبکہ بنی نوع کی ہمدردی سے متاثر ہو جاتا ہے، تو خدا تعالیٰ اُس کی فطرت کو ہمہ توجّہ بنا دیتا ہے اور اُس میں قبولیت کا نفخ رکھ دیتا ہے"[2]

مقربانِ الٰہی کی علامت

؎ آں خدائے کہ از و اہلِ جہاں بے خبراند
برمن اُو جلوہ نمودست گر اہلی بپذیر
(مسیح موعودؑ)

"یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں سے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں، مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ اُن سے محبت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے تو اُن دلوں سے پردہ اُٹھا دے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجُود پر یقین نہیں رکھتا اور ایک دُھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اُس کے وجُود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ پردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمۂ الٰہیہ کے اور کسی صورت میں میسّر نہیں آسکتا۔ پس

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۴ صفحہ ۴ مورخہ ۲۶ / جولائی ۱۹۰۸ء

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ / مئی ۱۹۰۱ء

انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اُس دن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا تعالیٰ اُس کو مخاطب کرکے اَنَا الْمَوْجُوْد کی اس کو خود بشارت دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلہ یا محض منقول خیالات تک محدود نہیں رہتی، بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا اُس کو دیکھتا ہے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اُسی دن اُس کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جلّ شانہٗ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے اور پھر دوسری علامت خدا تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں، بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ اُن کی دُعائیں جو ظاہری امیدوں سے بڑھ کر ہوں، قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے اُن کو اطلاع دیتا ہے۔ تب اُن کے دل تسلی پکڑ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا قادر خدا ہے جو ہماری دُعائیں سُنتا ہے اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی پتہ لگتا ہے؛ اگرچہ جگانے اور متنبہ کرنے کے لیے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواب آسکتی ہے۔ مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اور ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقربوں ہی سے ہوتا ہے اور جب مقرب انسان دُعا کرتا ہے، تو خدا تعالیٰ اپنی خدائی کے جلال کے ساتھ اس پر تجلّی فرماتا ہے اور اپنی رُوح اُس پر نازل کرتا ہے اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اس کو قبولِ دُعا کی بشارت دیتا ہے اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اُس کو نبی یا مُحدّث کہتے ہیں۔

سچے مذہب کی علامت

اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے استباز پیدا ہوتے ہیں جو محدّث کے درجہ تک پہنچ جائیں جن سے خدا تعالیٰ آمنے سامنے کلام کرے اور اسلام کی حقیقت اور حقانیت کی اوّل نشانی یہی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو پیدا ہوتے ہیں تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدہ : ۳۱) سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبول مذہب کا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نور صرف اسلام میں ہے۔ دُوسرے مذاہب اس روشنی سے بے نصیب ہیں اور ان مذاہب کے بُطلان کے لیے یہی دلیل ہزار دلائل سے بڑھ کر ہے کہ مُردہ ہرگز زندہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ اندھا سوجاکھے کے ساتھ پُورا اتر سکتا ہے۔ (دنعم ما قیل)

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

"یہ عاجز تو محض اس غرض کے لیے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ تمام مذاہبِ موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے اور دار النجاۃ میں داخل ہونے

کے لیے دروازہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ

"میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے یہ ثابت ہے کہ انسان اِن صفات کو اپنے اندر لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ساری صفتیں سزاوار ہیں، جو ربّ العالمین ہے۔ یعنی ہر عالم میں۔ نُطفہ میں مُضغہ وغیرہ سارے عالموں میں۔ غرض ہر عالم میں۔ پھر رحمٰن ہے پھر رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ اب اِیَّاکَ نَعْبُدُ جو کہتا ہے، تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت صفات کا پرتو انسان کو اپنے اندر لینا چاہیے۔ کمالِ عبد انسان کا یہی ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاوے اور جبتک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جاوے نہ تھکے نہ ہارے۔ اس کے بعد خود ایک کشش اور جذب پیدا ہو جاتا ہے جو عبادتِ الٰہی کی طرف اُسے لے جاتا ہے اور وُہ حالت اُس پر وارد ہو جاتی ہے جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (النحل: ۵۱) کی ہوتی ہے۔"[1]

۳۰ اکتوبر ۱۹۰۰ء حسبِ معمول حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام سیر کو تشریف لے گئے، راستہ میں فرمایا:

نبوّت اور قرآن شریف کی کلید

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوّت اور قرآن شریف کی۔ جو شخص میرے دعویٰ کو سمجھ لے گا، نبوّت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اُس کو اطلاع دی جائے گی اور جو میرے دعویٰ کو نہیں سمجھتا۔ اُس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہو سکتا۔

اِتّباعِ امام

قرآن شریف میں جو یہ آیت آئی ہے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (الغاشیہ: ۱۸) یہ آیت نبوّت اور امامت کے مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے بڑی مُعاون ہے۔ اُونٹ کے عربی زبان میں ہزار کے قریب نام ہیں اور پھر ان ناموں میں سے ابل کے لفظ کو جو لیا گیا ہے۔ اس میں کیا سِرّ ہے؟ کیوں اِلَی الْجَمَلِ بھی تو ہو سکتا تھا؟

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمل ایک اُونٹ کو کہتے ہیں اور ابل اسمِ جمع ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو چونکہ تمدّنی اور اجماعی حالت کا دکھانا مقصود تھا اور جَمَل میں جو ایک اونٹ پر بولا جاتا ہے۔ یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء

تھا، اس لیے ابل کے لفظ کو پسند فرمایا۔ اُونٹوں میں ایک دُوسرے کی پیروی اور اطاعت کی قوت رکھی ہے۔ دیکھو۔ اُونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے اور وہ کس طرح پر اُس اُونٹ کے پیچھے ایک خاص انداز اور رفتار سے چلتے ہیں۔ اور وہ اُونٹ جو سب سے پہلے بطور امام اور پیشرو کے ہوتا ہے۔ وُہ ہوتا ہے جو بڑا تجربہ کار اور راستہ سے واقف ہو۔ پھر سب اُونٹ ایک دُوسرے کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے ہیں اور اُن میں سے کسی کے دل میں برابر چلنے کی ہوس پیدا نہیں ہوتی جو دُوسرے جانوروں میں ہے۔ جیسے گھوڑے وغیرہ میں۔ گویا اُونٹ کی سرشت میں اتباعِ امام کا مسئلہ ایک مانا ہوا مسئلہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کہہ کر اس مجموعی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ اُونٹ ایک قطار میں جا رہے ہوں۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ تمدّنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے واسطے ایک امام ہو۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ قطار سفر کے وقت ہوتی ہے۔ پس دُنیا کے سفر کو قطع کرنے کے واسطے جب تک ایک امام نہ ہو انسان بھٹک بھٹک کر ہلاک ہو جاوے۔

پھر اونٹ زیادہ بارکش اور زیادہ چلنے والا ہے۔ اس سے صبر و برداشت کا سبق مِلتا ہے۔

پھر اُونٹ کا خاصہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے۔ غافل نہیں ہوتا۔ پس مومن کو بھی ہر وقت اپنے سفر کے لیے تیار اور محتاط رہنا چاہیے اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔ (البقرہ : ۱۹۸)۔

اُنْظُرْ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھنا بچوں کی طرح دیکھنا نہیں ہے، بلکہ اس سے اِتباع کا سبق مِلتا ہے کہ جس طرح پر اُونٹ میں تمدّنی اور اتحادی حالت کو دکھایا گیا ہے۔ اور ان میں اِتباعِ امام کی قوت ہے۔ اسی طرح پر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِتباعِ امام کو اپنا شعار بنا دے، کیونکہ اُونٹ جو اس کے خادم ہیں اُن میں بھی یہ مادہ موجود ہے۔

"کَیْفَ خُلِقَتْ" میں ان فوائدِ جامع کی طرف اشارہ ہے جو ابل کی مجموعی حالت سے پہنچتے ہیں۔[1]

تناسخ "تناسخ کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی سخت توہین کا باعث ہے اور اخلاقی قوتوں کو خاک میں ملا دینے والا ہے، کیونکہ جب یہ مان لیا گیا کہ دُنیا میں جو کچھ مِلتا ہے، وہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے تو پھر یہ بھی ساتھ ہی ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ خدا بالکل معطّل پڑا ہوا ہے۔ کیونکہ خالق کے متعلق یہ مان لیا گیا ہے کہ وُہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا اور ایک ذرّہ کا بھی خالق نہیں اور اُدھر یہ مانا گیا ہے کہ دُنیا میں جو کچھ مِلتا ہے وُہ

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۲ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۰ء

اپنے عملوں ہی سے ملتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایسے بُرے عمل نہ کرے کہ وہ گائے یا بھینس کی جُون میں جاوے یا بھیڑ بکری بنے تو پھر دُودھ ہی نہ ملے اور اسی طرح پر کچھ بھی نہیں مِل سکتا۔ پھر ایسا خدا جو نہ کچھ پیدا کرتا ہے اور نہ کسی کو کچھ دیتا ہے۔ وہ ایک معطل خدا نہ ہوا تو اور کیا ہوا؟ پھر اس تناسخ کے مسئلہ سے اخلاقی قوتوں پر یہ بڑی زد پڑتی ہے کہ انسان میں جو غیرت کی قوت رکھی گئی ہے اس کا ستیاناس ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی ایسی فہرست وید نے نہیں دی کہ فُلاں شخص فلاں جُون میں چلا گیا ہے۔ تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ ایک آدمی کسی وقت اور کسی جُون میں اپنی ماں بہن سے بھی شادی کرکے بچے پیدا کرے یا باپ گھوڑا بن جاوے اور بیٹا اس پر سوار ہوکر چابکوں سے اُس کی خبر لے۔ غرض کہ یہ مسئلہ بہت ہی بُرے اور ناپاک نتیجوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ تناسخ ہی کیا کم تھا جو آریوں نے نیوگ بھی ویدوں میں سے نکال لیا۔"[1]

۳ر نومبر ۱۹۰۰ء

نکاتِ عشرہ

۱۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ رحمانیت و رحیمیت

رحمانیت کا مظہرِ تام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ محمدؐ کے معنے ہیں بہت تعریف کیا گیا۔ اور رحمان کے معنی ہیں بلا مُزد و بن مانگے بلا تفریق مومن و کافر کو دینے والا اور یہ صاف بات ہے کہ جو بن مانگے دے گا۔ اُس کی تعریف ضرور کی جائے گی۔ پس محمدؐ میں رحمانیت کی تجلی تھی اور اسمِ احمدؐ میں رحیمیت کا ظہور تھا۔ کیونکہ رحیم کے معنے ہیں۔ محنتوں اور کوششوں کو ضائع نہ کرنے والا اور احمدؐ کے معنے ہیں تعریف کرنے والا اور یہ بھی عام بات ہے کہ وہ شخص جو کسی کا عُمدہ کام کرتا ہے، وُہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اس کی محنت پر ایک بدلہ دیتا ہے اور اُس کی تعریف کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے احمدؐ میں رحیمیت کا ظہور ہے۔ پس اللہ محمد (رحمٰن) احمد (رحیم) ہے۔ گویا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم الشان صفات رحمانیت و رحیمیت کے مظہر تھے۔"

۲۔ دُنیا ایک ریل گاڑی

"دُنیا ایک ریل گاڑی ہے اور ہم سب کو عُمر کے ٹکٹ دیئے گئے ہیں۔ جہاں جہاں کسی کا سٹیشن آتا جاتا ہے اس کو اُتار دیا جاتا ہے یعنی وہ مرجاتا

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۲ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۰ء

ہے۔ پھر انسان کس زندگی پر خیالی پلاؤ پکاتا اور لمبی اُمیدیں باندھتا ہے۔"

۳۔ معراج کا سِرّ

"معراج انقطاعِ تام تھا اور سِرّ اس میں یہ تھا کہ تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطۂ نفسی کو ظاہر کیا جاوے۔ آسمان پر ہر ایک رُوح کے لیے ایک نقطہ ہوتا ہے۔ اس سے آگے وُہ نہیں جاتی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطۂ نفسی عرش تھا اور رفیقِ اعلےٰ کے معنے بھی خدا ہی کے ہیں۔ پس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہے۔"

۴۔ نماز تعویذ ہے

"نماز انسان کا تعویذ ہے۔ پانچ وقت دُعا کا موقعہ ملتا ہے۔ کوئی دُعا تو سُنی جائے گی۔ اس لیے نماز کو بہت سنوار کر پڑھنا چاہیے اور مجھے یہی بہت عزیز ہے۔"

۵۔ فاتحہ کی سات آیات کی حکمت

"سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں اسی واسطے رکھی ہیں کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ پس ہر ایک آیت گویا ایک دروازہ سے بچاتی ہے۔"

۶۔ اصل جنّت

"اعلیٰ درجے کی خوشی خُدا میں ملتی ہے۔ جس سے پرے کوئی خوشی نہیں ہے۔ جنّت پوشیدہ کو کہتے ہیں اور جنّت کو جنّت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نعمتوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اصل جنّت خدا ہے جس کی طرف تردّد منسُوب ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے بہشت کے اعظم ترین انعامات میں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبہ: ۷۲) ہی رکھا ہے۔ انسان انسان کی حیثیت سے کسی نہ کسی دُکھ اور تردّد میں ہوتا ہے، مگر جس قدر قُربِ الٰہی حاصل کرتا جاتا ہے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ سے رنگین ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اصل سُکھ اور آرام پاتا ہے، جس قدر قربِ الٰہی ہوگا۔ لازمی طور پر اُسی قدر خدا کی نعمتوں سے حصّہ لے گا اور رفع کے معنے اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

نجاتِ کامل خدا ہی کی طرف مرفُوع ہو کر ہوتی ہے اور جس کا رفع نہ ہو وہ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف: ۱۷۷) ہو جاتا ہے۔ پس رفعِ مسیحؑ سے مراد اُن کے نجات یافتہ ہونے کی طرف ایما ہے اور یہ رُوحانی مراتب ہیں جن کو ہر ایک آنکھ دیکھ نہیں سکتی کہ کیونکر ایک انسان آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔"

۷۔ نزول سے مُراد

"نزُول سے مُراد عزّت و جلال کا اظہار ہوتا ہے۔ پس ہمارا نزُول بھی یہی شان رکھتا ہے۔ پھر نزُول سے پہلے منارہ کا وجود تو خود ہی ہو جائے گا۔ نزول سے مُراد محض بعثت نہیں ہوتی۔"

۸۔ سورۃ فاتحہ کی جامع تفسیر

الحمدللہ سے قرآن شریف اسی لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی طرف ایما ہو اِهْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے پایا جاتا ہے کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں، تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

دُعا کامل تب ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خیر کی جامع ہو اور ہر شر سے بچاوے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں سارے خیر جمع ہیں۔ اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں سب شروں حتّٰی کہ دجالی فتنہ سے بچنے کی دُعا ہے۔ مَغْضُوْب سے بالاتفاق یہُودی اور الضَّآلِّيْنَ سے نصاریٰ مراد ہیں۔ اب اگر اس میں کوئی رمز اور حقیقت نہ تھی، تو اس دُعا کی تعلیم سے کیا غرض تھی؟ اور پھر ایسی تاکید کہ اس دُعا کے بدُوں نماز ہی نہیں ہوتی اور ہر رکعت میں اُس کا پڑھا جانا ضروری قرار دیا۔ بھید اس میں یہی تھا کہ یہ ہمارے زمانہ کی طرف ایما ہے۔ اس وقت صراطِ مستقیم یہی ہے جو ہماری راہ ہے۔"

۹۔ مسیح کی شبیہہ کا افسانہ

"کہتے ہیں کہ مسیح کی شبیہہ کو سُولی دی گئی۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ اس میں حصرِ عقلی یہی بتاتا ہے کہ وہ شخص جو مسیح کی شبیہہ بنایا گیا، یا دُشمن ہوگا یا دوست۔ اگر وُہ دشمن تھا تو ضرور تھا کہ وُہ شور مچاتا کہ مَیں مسیح نہیں ہوں اور میرے فلاں رشتہ دار موجود ہیں۔ میرا اپنی بیوی کے ساتھ فلاں راز ہے۔ مسیح کو مَیں ایسا سمجھتا ہوں۔ غرض وُہ شور مچا کر اپنی صفائی اور بَرِیّت کرتا؛ حالانکہ کسی تاریخ صحیح سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جو شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا، اُس نے شور مچا کر رہائی حاصل کر لی تھی۔

اور اگر وُہ مسیح کا دوست اور حواری ہی تھا۔ پھر صاف بات ہے کہ وہ مومن باللہ تھا اور وُہ صلیب پر مرنے کی وجہ سے بلا وجہ ملعُون ہوا اور خدا نے اُس کو ملعُون بنایا۔ رہی یہ بات کہ مصلُوب ملعُون کیوں ہوتا ہے؟ یہ عام بات ہے کہ جو چیز کسی فرقہ سے تعلق رکھتی ہے، وہ اُس کے ساتھ منسوب ہو جاتی ہے۔ سُولی کو مجرموں کے ساتھ تعلق ہے جو گویا کاٹ دینے کے قابل ہوتے ہیں اور خدا کا تعلق مجرم کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا۔ یہی لعنت ہے۔ اس وجہ سے وُہ لعنتی ہوتا ہے۔

اس لیے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک مومنِ نامکمل وہ گناہ ملعُون قرار دیا جاوے پس یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اصل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کی کہ مسیح کی حالت غشی وغیرہ سے ایسی ہوگئی جیسے مُردہ ہوتے ہیں۔

۱۰۔ انبیاء خبیث امراض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

"انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے مامُور خبیث اور ذلیل بیماریوں سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً آتشک ہو، جذام ہو یا اور کوئی ایسی ذلیل مرض۔ یہ بیماریاں خبیث لوگوں ہی کو ہوتی ہیں اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ (النور: ۲۷) اس میں عام لفظ رکھا ہے اور نکات بھی عام ہیں۔ اس لیے ہر خبیث

مرض سے اپنے مامُوروں اور برگزیدوں کو بچا لیتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ مومن پر جھوٹا الزام لگایا جاوے اور وہ بُری نہ کیا جاوے۔ خصوصاً مُصلح اور مامور اور یہی وجہ ہے کہ مُصلح یا مامُور حسَبِ نَسَب کے لحاظ سے بھی ایک اعلیٰ درجہ رکھتا ہے؛ اگرچہ ہمارا مذہب یہی ہے اور یہی سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک تکریم اور تعظیم کا معیار صرف تقویٰ ہی ہے اور ہم یہ مانتے ہیں کہ چوہڑا بھی مُسلمان ہو کر اعلیٰ درجہ کا قرب اور درجہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہاں کسی خاص قوم یا ذات کے لیے فضل مخصُوص نہیں ہے، مگر سنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ جس کو مامُور یا مُصلح مقرر فرماتا ہے، اُس کو ایک اعلیٰ خاندان میں ہونے کا شرف دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ لوگوں پر اُس کا اثر پڑے اور کوئی طعنہ نہ دے سکے۔[1]

۱۵ر نومبر ۱۹۰۰ء

نبی اور ولی کی عبادات میں فرق

خیانت اور ریاکاری دو ایسی چیزیں ہیں کہ اُن کی رفتار بہت ہی سُست اور دھیمی ہے۔ اگر کسی زاہد کو فاسق کہہ دیا جاوے تو اُسے ایک لذّت آجائے گی اس واسطے کہ وُہ راز جو اُس کے اور اُس کے محبُوب و مَولیٰ کے درمیان ہے وُہ مخفی معلوم دے گا۔ صُوفی کہتے ہیں کہ خالص مومن جبکہ عَین عبادت میں مصروف ہو اور وُہ اپنے آپ کو پوشیدہ کر کے کسی حجرہ یا کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے بیٹھا ہو۔ ایسی حالت میں اگر کوئی شخص اس پر چلا جاوے تو وُہ ایسی طرح شرمندہ ہو جائے گا، جیسے ایک بدکار اپنی بدکاری کو چھپاتا ہے جیسے کہ اس قسم کے مومن کو کسی کے فاسق کہنے سے ایک لذّت آتی ہے۔ اسی طرح دیانت دار کو کسی کے بددیانت کہنے سے جوش میں نہیں آنا چاہیے۔

ہاں! انبیاءؑ میں ایک قسم کا استثناء ہوتا ہے، کیونکہ اگر وُہ اپنی عبادت اور افعال کو چھپائیں، تو دُنیا ہلاک ہو جاوے۔ مثلاً اگر نبی نے نماز پڑھ لی ہو اور کوئی کہے کہ دیکھو۔ اس نے نماز نہیں پڑھی، تو اُس کو چُپ رہنا مناسب نہیں ہوتا اور اس کو بتلانا پڑتا ہے کہ تم غلط کہتے ہو۔ مَیں نے نماز پڑھ لی ہے۔ اس لیے کہ اگر وُہ نہ کہے، دُوسرے لوگ دھوکہ میں پڑ کر ہلاک ہو سکتے ہیں۔ پس نبیوں کو ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی عبادات کا ایک حصّہ ظاہر طور پر کریں۔ اور لوگوں کو دکھانا مقصُود ہوتا ہے تاکہ ان کو سکھاویں۔ یہ ریا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ خضر نے ایسے کام کیوں کئے۔ جن میں شریعت کی خلاف ورزی کا مظنّہ تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خضر صاحب شریعت نہ تھا، ولی تھا۔

---

[1] بروایت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب در مجمع

تشحیذ الاذہان مندرجہ الحکم جلد ۵ نمبر ۶ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۱ء

انبیاء علیہم السلام کے لیے دونوں حصّے ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن کو مِنْ وَّعَلَانِیَتِہٖ نیکی کرنے کا حکم ہوتا ہے۔"

میرے پاس آؤ اور میری سُنو!

"میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں ہے بلکہ میری حیثیت سُنَنِ انبیاء کی سی حیثیت ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مُسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں، ایک دَم میں طے ہو سکتی ہیں جو خدا کی طرف سے مامُور ہو کر حَکَم بن کر آیا ہے۔ جو معنے قرآن شریف کے وُہ کرے گا، وہی صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وُہ صحیح قرار دے گا، وُہی حدیث صحیح ہوگی۔

ورنہ شیعہ سنّی کے جھگڑے آج تک دیکھو کب طے ہونے میں آئے ہیں شیعہ اگر تبرّا کرتے ہیں، تو بعض ایسے بھی ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت کہتے ہیں۔

بر خلافت دلش بسے مائل
لیک بوبکر شُد دراں حائل

مگر مَیں کہتا ہوں کہ جب تک یہ اپنا طریق چھوڑ کر مجھ میں ہو کر نہیں دیکھتے۔ یہ حق پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ان لوگوں کو اور یقین نہیں تو اتنا تو ہونا چاہیے کہ آخر مرنا ہے اور مرنے کے بعد گند سے تو کبھی نجات نہیں ہو سکتی۔ سبّ وشتم جب ایک شریف آدمی کے نزدیک پسندیدہ چیز نہیں ہے، تو پھر خدائے قدّوس کے حضور عبادت کب ہو سکتی ہے؟ اسی لیے تو مَیں کہتا ہوں کہ "میرے پاس آؤ، میری سُنو تا کہ تمہیں حق نظر آوے۔" مَیں تو سارا ہی چولہ اُتارنا چاہتا ہوں۔ سچّی توبہ کر کے مومن بن جاؤ۔ پھر جس امام کے تم منتظر ہو، مَیں کہتا ہوں کہ وُہ مَیں ہوں۔ اس کا ثبوت مجھ سے لو۔ اس لیے مَیں نے اس خلیفہ بلافصل کے سوال کو عزّت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ مَیں ایسے گندے سوال کو کیا کروں۔ انہیں گندوں کو نکالنے کے واسطے تو خدا نے مجھے بھیجا ہے۔

دیکھو! سُنّی اُن کی حدیثوں کو لغو ٹھہراتے ہیں۔ یہ اپنی حدیثوں کو مرفُوع متّصل اور اَئمہ سے مَروی قرار دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ سب جھگڑے فضول ہیں۔ اب مُردہ باتوں کو چھوڑو اور ایک زندہ امام کو شناخت کرو کہ تمہیں زندگی کی رُوح ملے۔ اگر تمہیں خدا کی تلاش ہے، تو اُس کو ڈھونڈو جو خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آیا ہے۔ اگر کوئی شخص خُبث کو نہیں چھوڑتا، تو کیا ہم اندھے ہیں؟ منافق کے دل کی بدبُو نہیں سُونگھتے۔ ہم انسان کو فوراً تاڑ جاتے ہیں۔ کہ اس کی بات اس بناء پر ہے۔ پس یاد رکھو۔ خدا نے یہی راہ پسند کی ہے جو مَیں بتاتا ہوں اور یہ اَقرب راہ اُسی نے نکالی ہے۔ دیکھو جو ریل جیسی آرام دہ سواری کو چھوڑ کر ایک لنگڑے مریل ٹٹو پر سوار ہوتا ہے، وہ منزل پر پہنچ نہیں سکتا۔ افسوس! یہ لوگ خدا کی باتوں کو چھوڑ کر زید بکر کی باتوں پر مرتے ہیں۔ اُن سے پوچھو کہ وہ حدیثیں کس نے دی ہیں؟

مَیں تو بار بار یہی کہتا ہوں کہ ہمارا طریق تو یہ ہے کہ نئے سِرے سے مُسلمان بنو۔ پھر اللہ تعالیٰ اصل حقیقت خود کھول دے گا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر وُہ امام جن کے ساتھ یہ اس قدر محبت کا غلو کرتے ہیں زندہ ہوں، تو اُن سے سخت بیزاری ظاہر کریں۔

جب ہم ایسے لوگوں سے اعراض کرتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا اعتراض کیا، جس کا جواب نہ آیا اور پھر بعض اوقات اشتہار دیتے پھرتے ہیں۔ مگر ہم ایسی باتوں کی کیا پروا کر سکتے ہیں۔ ہم کو تو وہ کرنا ہے، جو ہمارا کام ہے۔

اس لیے یاد رکھو کہ پُرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے اُس کو چھوڑتے ہو اور مُردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔"[1]

۸ر دسمبر ۱۹۰۰ء

ایک الہام اور اپنی وحی پر یقین

فرمایا: "کل رات میری اُنگلی کے پوٹے میں دَرد تھا اور اِس شدّت کے ساتھ دَرد تھا کہ مجھے خیال آیا تھا کہ رات کیونکر بسر ہوگی۔ آخر ذرا سی غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا۔ اور سَلَامًا کا لفظ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ معًا دَرد جاتا رہا ایسا کہ کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔"

نیز فرمایا کہ:

"ہم کو تو خدا تعالیٰ کے اس کلام پر جو ہم پر وحی کے ذریعہ نازل ہوتا ہے۔ اس قدر یقین اور علیٰ وجہ البصیرۃ یقین ہے کہ بیت اللہ میں کھڑا کر کے جس قسم کی چاہو۔ قسم دے دو۔ بلکہ میرا تو یقین یہاں تک ہے کہ اگر مَیں اس بات کا انکار کروں، یا وہم بھی کروں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں تو معًا کافر ہو جاؤں۔"[2]

۱۳ر دسمبر ۱۹۰۰ء

نصرتِ الٰہی فیصلہ کُن قاضی ہے

الٰہی بخش لاہوری مخالف کی کتاب "عصائے موسیٰ" تمام و کمال پڑھ کر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کی فضولیات کو چھوڑ کر چند گھنٹوں کا کام ہے اس کا جواب دے دینا لیکن مَیں

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۱ صفحہ ۲-۱ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۰ء

[2] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۰ء

محض ترحم سے کچھ مدت تک اس کو چھوڑ دیتا ہوں کہ وُہ لوگ بھی خوش ہولیں آخر پُرانے رفیق تھے۔ سچے جھوٹے میں نصرتِ الٰہی فرق کرتی ہے۔

نیز اس اثنا میں بہت سے لوگوں کے فہم اور عقلیں اور ایمان ہمیں معلوم ہو جائیں گے کہ کون کون اس پر ریویو کرتا ہے۔ اور کیا کرتا ہے۔ اور کون کون اس کے وسوسوں سے متاثر ہوتا ہے۔ بہر حال مصلحت یہی ہے کہ ایک وقت تک اس سے اغماض کیا جاوے۔

یہ مت سمجھو کہ ہمارے حق میں یہ کتاب شر ہے یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نے اس سے ہماری بڑی خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ آخری فیصلہ کی راہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں اور تائیدوں کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ جو اعتراض اُس نے ہم پر کئے ہیں، وُہی نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتیات پر کرتے ہیں۔ آخر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲،۳) نے فیصلہ کر دیا کہ سارے جُزوی اعتراض باطل تھے۔ حضرت موسیٰؑ پر آریوں نے کیا کیا اعتراض کیے کہ فرعونیوں کا مال اُنھوں نے غبن کیا اور بچے مارے اور یہ کیا اور وُہ کیا۔ مگر نصرتِ الٰہی نے غرقِ فرعون اور آپؑ کی نجات سے فیصلہ کر دیا کہ حق کس طرف تھا۔ غرض نصرتِ الٰہی آخرکار بڑا فیصلہ کُن قاضی ہوتی ہے۔

ہمارے اور اُن کے درمیان یہی نصرتِ الٰہی اور تائیداتِ سماوی فیصلہ کُن ہوں گی۔[1]

۲۲ر دسمبر ۱۹۰۰ء

وقت کی قدر کرو ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ڈاکٹر صاحب! ہمارے دوست دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ ہم کو کوئی حجاب نہیں اور دُوسرے وُہ جن کو ہم سے حجاب ہے، اس لیے اُن کے دل کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور ہم کو بھی ان سے حجاب رہتا ہے۔ جن لوگوں سے ہم کو کوئی حجاب نہیں ہے۔ اُن میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے وُہ دوست جن کو ہم سے کچھ حجاب نہیں رہا، وُہ ہمارے پاس رہیں۔ کیونکہ موت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہم سب کے سب عمر کی ایک تیز رفتار گاڑی پر سوار ہیں اور مختلف مقامات کے ٹکٹ ہمارے پاس ہیں۔ کوئی دس برس کی منزل پر اُتر جاتا ہے۔ کوئی بیس۔ کوئی تیس اور بہت ہی کم ۸۰ برس کی منزل پر۔ جبکہ یہ حال ہے تو پھر کیا بدنصیب وہ انسان ہے کہ وہ اُس وقت

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۵ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۰ء از خط مولانا عبدالکریم صاحب۔

کی جو اُس کو دیا گیا ہے۔ کچھ قدر نہ کرے اور اُس کو ضائع کر دے۔

نماز میں دُعا اور تضرع

"انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے۔ وہ شخص جو خدا کے حضور نماز میں گریاں رہتا ہے، امن میں رہتا ہے۔ جیسے ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں چیخ چیخ کر روتا ہے اور اپنی ماں کی محبت اور شفقت کو محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح پر نماز میں تضرع اور ابتہال کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑانے والا اپنے آپ کو ربوبیت کی عطوفت کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ یاد رکھو اُس نے ایمان کا حظ نہیں اُٹھایا جس نے نماز میں لذت نہیں پائی۔ نماز صرف ٹکروں کا نام نہیں ہے۔ بعض لوگ نماز کو تو دو چار چونچیں لگا کر جیسے مُرغی ٹھونگیں مارتی ہے ختم کرتے ہیں اور پھر لمبی چوڑی دُعا شروع کرتے ہیں، حالانکہ وُہ وقت جو اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے کے لیے ملا تھا۔ اُس کو صرف ایک رسم اور عادت کے طور پر جلد جلد کرنے میں گزار دیتے ہیں اور حضورِ الٰہی سے نکل کر دُعا مانگتے ہیں۔ نماز میں دُعا مانگو۔ نماز کو دُعا کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھو۔

فاتحہ۔ فتح کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ مومن کو مومن اور کافر کو کافر بنا دیتی ہے یعنی دونوں میں ایک امتیاز پیدا کر دیتی ہے اور دل کو کھولتی، سینہ میں ایک انشراح پیدا کرتی ہے، اس لیے سورۃ فاتحہ کو بہت پڑھنا چاہیے اور اس دُعا پر خوب غور کرنا ضروری ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ وُہ ایک سائل کامل اور محتاجِ مطلق کی صورت بنا دے اور جیسے ایک فقیر اور سائل نہایت عاجزی سے کبھی اپنی شکل سے اور کبھی آواز سے دُوسرے کو رحم دلاتا ہے۔ اسی طرح سے چاہیے کہ پُوری تضرع اور ابتہال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور عرضِ حال کرے۔

پس جب تک نماز میں تضرع سے کام نہ لے اور دُعا کے لیے نماز کو ذریعہ قرار نہ دے ـــــ نماز میں لذت کہاں"؟

اپنی زبان میں دُعا

"یہ ضروری بات نہیں ہے کہ دعائیں عربی زبان میں کی جاویں؛ چونکہ اصل غرض نماز کی تضرع اور ابتہال ہے، اس لیے چاہیے کہ اپنی مادری زبان میں ہی کرے۔ انسان کو اپنی مادری زبان سے ایک خاص اُنس ہوتا ہے اور پھر وُہ اس پر قادر ہوتا ہے۔ دُوسری زبان سے خواہ اس میں کس قدر بھی دخل اور مہارتِ کامل ہو، ایک قسم کی اجنبیت باقی رہتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ اپنی مادری زبان ہی میں دُعائیں مانگے"۔

موت سے بے فکر نہ ہوں

کسی کو کیا معلوم ہے کہ ظہر کے بعد عصر کے وقت تک زندہ رہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ یکدفعہ ہی دورانِ خُون بند ہو کر جان نکل جاتی ہے۔ بعض دفعہ چنگے بھلے آدمی مر جاتے ہیں۔ وزیر محمد حسن خاں صاحب ہوا خوری کر کے آئے تھے اور خوشی خوشی زینے پر چڑھنے لگے۔ ایک دو زینے چڑھے ہوں گے کہ چکر آیا، بیٹھ گئے۔ لوگ نے کہا کہ میں سہارا دُوں۔ کہا نہیں۔

پھر دو تین زینے چڑھے پھر چکر آیا اور اسی چکر کے ساتھ جان نکل گئی۔ ایسا ہی غلام محی الدین کونسلی کشمیر کا ممبر یکدفعہ ہی مرگیا۔ غرض موت کے آجانے کا ہم کو کوئی وقت معلوم نہیں کہ کس وقت آجاوے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ اس سے بے فکر نہ ہوں۔ پس دین کی فخواری ایک بڑی چیز ہے جو سکرات الموت میں سرخرو رکھتی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (الحج: ۲) ساعت سے مراد قیامت بھی ہوگی۔ ہم کو اس سے انکار نہیں، مگر اس میں سکرات الموت ہی مراد ہے، کیونکہ انقطاعِ تام کا وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے محبوبات اور مرغوبات سے یک دفعہ الگ ہوتا ہے اور ایک عجب قسم کا زلزلہ اُس پر طاری ہوتا ہے۔ گویا اندر ہی اندر وہ ایک شکنجہ میں ہوتا ہے، اس لیے انسان کی تمام تر سعادت یہی ہے کہ وہ موت کا خیال رکھے اور دُنیا اور اُس کی چیزیں اس کی ایسی محبوبات نہ ہوں جو اس آخری ساعت میں علیحدگی کے وقت اُس کی تکالیف کا موجب ہوں۔ دنیا اور اس کی چیزوں کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے ؎

ایں ہمہ را بہ کُشتنت آہنگ
گاہ بصلح کُشند و گاہ بجنگ

قرآنِ کریم نے اس مضمون کو اس آیت میں ادا کردیا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: ۲۹) اَموالکم میں عورتیں داخل ہیں۔ عورت چونکہ پردہ میں رہتی ہے، اس لیے اس کا نام بھی پردہ ہی میں رکھا ہے اور اس لیے بھی کہ عورتوں کو انسان مال خرچ کرکے لاتا ہے۔ مال کا لفظ مائل سے لیا گیا ہے۔ یعنی جس کی طرف طبعاً توجہ اور رغبت کرتا ہے۔ عورت کی طرف بھی چونکہ طبعاً توجہ کرتا ہے، اس لیے اس کو مال میں داخل فرمایا ہے۔ مال کا لفظ اس لیے رکھا تاکہ عام محبوبات پر حاوی نہ ہو؛ ورنہ اگر صرف نساء کا لفظ ہوتا، تو اولاد اور عورت دو چیزیں قرار دی جاتیں۔ اور اگر محبوبات کی تفصیل کی جاتی، تو پھر دسؔ جزو میں بھی ختم نہ ہوتا۔ غرض مال سے مُراد كُلُّ مَا يَمِيْلُ اِلَيْهِ الْقَلْبُ ہے۔ اولاد کا ذکر اس لیے کیا کہ انسان اولاد کو جگر کا ٹکڑا اور اپنا وارث سمجھتا ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے محبوبات میں ضد ہے۔ دونوں باتیں ایک جا جمع نہیں ہوسکتیں۔

بیوی سے حُسنِ سلوک

اس سے یہ مت سمجھو کہ پھر عورتیں ایسی چیزیں ہیں کہ ان کو بہت ذلیل اور حقیر قرار دیا جاوے۔ نہیں نہیں۔ ہمارے ہادیٔ کامل رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے۔ جس کا اپنے اہل کے ساتھ عمدہ سلوک ہو۔ بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور معاشرت اچھی نہیں۔ وہ نیک کہاں۔ دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کرسکتا ہے۔ جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو۔ اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک غصہ سے بھرا ہوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی

بات پر ناراض ہو کر اس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگی ہے اور بیوی مر گئی ہے، اس لیے اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: ۲۰) ہاں اگر وہ بے جا کام کرے، تو تنبیہہ ضروری چیز ہے۔

انسان کو چاہیے کہ عورتوں کے دل میں یہ بات جما دے کہ وہ کوئی ایسا کام جو دین کے خلاف ہو کبھی بھی پسند نہیں کر سکتا اور ساتھ ہی وہ ایسا جابر اور ستم شعار نہیں کہ اس کی کسی غلطی پر بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

خاوند عورت کے لیے اللہ تعالیٰ کا مظہر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ پس مرد میں جلالی اور جمالی رنگ دونوں موجود ہونے چاہئیں۔ اگر خاوند عورت کو کہے کہ تُو اینٹوں کا ڈھیر ایک جگہ سے اُٹھا کر دُوسری جگہ رکھ دے۔ تو اس کا حق نہیں ہے کہ اعتراض کرے۔

مُرشد اور مرید کا تعلق

ایسا ہی قرآن کریم اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کے ساتھ مُرید کا تعلق ایسا ہونا چاہیے۔ جیسا عورت کا تعلق مرد سے ہو۔ مُرشد کے کسی حکم کا اِنکار نہ کرے اور اُس کی دلیل نہ پوچھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶، ۷) فرمایا ہے کہ منعم علیہ کی راہ کے مقید رہیں۔ انسان چونکہ طبعاً آزادی کو چاہتا ہے پس حکم کر دیا کہ اس راہ کو اختیار کرے۔ تجربہ کار ڈاکٹر اگر غلطی بھی کرے، تو جاہل کے علاج سے بہتر ہے۔

ایک جاہل کے پاس اگر اعلیٰ درجہ کے تیز اَوزار ہیں، لیکن ہاتھ حاذق ڈاکٹر کا نہ ہو تو وُہ اَوزار کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے ؎

اگر دستِ سلیمانی نہ باشد
چہ خاصیت دہد نقشِ سلیماں

پس قرآن کریم ایک تیز ہتھیار ہے، لیکن اس کے استعمال کے لیے اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی تائیدات سے فیض یافتہ ہو۔

یہ ضروری بات ہے کہ دل پاک ہو، لیکن ہر جگہ یہ دولت میسر نہیں آ سکتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو پیدا کیا، مگر ہر شخص نبی نہیں ہوتا اور وہ تعداد کم ہے۔

آدم کہلانے کی حقیقت

آدم ہی ایک ہے جو نُطفہ کے بغیر پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح میرا یہ الہام ہے۔ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔

یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کو کسی کی بیعت اور مُریدی کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ جیسے آدم کو خدا نے اپنے

جمالی اور جلالی ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ یہ خلیفۃ اللہ بھی اسی کے ہاتھ کا تربیت یافتہ اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان سلسلوں سے الگ رکھا جو منہاجِ نبوت کے خلاف ہیں۔ اب جبکہ یہ حال ہے کہ دل کی پاکیزگی کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک منہاجِ نبوت پر آتے ہوتے پاک انسان کی صحبت میں نہ بیٹھے۔ اس کی صحبت کی توفیق نہیں مل سکتی جب تک اوّلاً انسان یہ یقین نہ کرے کہ وہ ایک مرنے والی ہستی ہے۔ یہی ایک بات ہے جو اس کو صادق کی صحبت کی توفیق عطا فرما دے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے، تو اُس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر واعظ یہ ہے کہ وہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹) کی حقیقت کو سمجھ لے۔

صحابہ کرامؓ کا رنگ پیدا کریں

صحابہ کرامؓ کی حالت کو دیکھو کہ اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ جو کچھ اُنھوں نے کیا۔ اسی طرح پر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہی رنگ اپنے اندر پیدا کریں۔ بدُوں اس کے وہ اس اصل مطلب کو جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں۔ پا نہیں سکتے۔ کیا ہماری جماعت کو زیادہ حاجتیں اور ضرورتیں لگی ہوئی ہیں جو صحابہؓ کو نہ تھیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وُہ رسُول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپؐ کی باتیں سُننے کے واسطے کیسے حریص تھے اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعودؑ کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وُہ صحابہؓ کی جماعت سے ملنے والی ہے۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعۃ: ۴) مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعودؑ والی جماعت ہے۔ اور یہ گویا صحابہؓ کی ہی جماعت ہوگی اور وہ مسیح موعودؑ کے ساتھ نہیں۔ درحقیقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہیں کیونکہ مسیح موعودؑ آپؐ ہی کے ایک جمال میں آئے گا اور تکمیلِ تبلیغِ اشاعت کے کام کے لیے وہ مامُور ہوگا۔

اس لیے ہمیشہ دل غم میں ڈُوبتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو بھی صحابہؓ کے انعامات سے بہرہ ور کرے۔ ان میں وُہ صدق و وفا، وُہ اخلاص اور اطاعت پیدا ہو۔ جو صحابہؓ میں تھی۔ یہ خدا کے سوا کسی سے ڈرنے والے نہ ہوں۔ متقی ہوں، کیونکہ خدا کی محبت متقی کے ساتھ ہوتی ہے اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ[1] (البقرہ: ۱۹۵)

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۰ء

ایمان بالغیب

نواب عماد الملک فتح نواز جنگ سید مہدی حسین صاحب بار ایٹ لاء جو کہ علیگڈھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ بڑے شوق اور اخلاص سے حضرت اقدسؑ کی خدمت

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۶ صفحہ ۱-۳ مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰ء

میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

"ہر ایک قدم جو صدق اور تلاشِ حق کے لیے اٹھایا جاوے، اس کے لیے بہت بڑا ثواب اور اجر ملتا ہے، مگر عالمِ ثواب مخفی عالم ہے جس کو دُنیا دار کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

بات یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ باوجود آشکارا ہونے کے مخفی اور نہاں در نہاں ہے اور اس لیے الغیب بھی اس کا نام ہے۔ اسی طرح پر ایمان بالغیب بھی ایک چیز ہے جو گو مخفی ہوتا ہے، مگر عامل کی عملی حالت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے۔ اگر خدا پر ایمان ہو، تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں میں وہ صدق و حق کی تلاش اور پیاس نہیں پائی جاتی جو ایمان کا خاصہ ہے۔

ایمان کی قوت

خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا۔ مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لیے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک ہی سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے، تو وُہ کونسی بات تھی کہ اس طرح پر ایک بیکس ناتواں انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو کوئی ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اِس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور وُہ چکنا چُور کر ڈالے گا، اسی طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے، مگر کوئی اور آنکھ بھی تھی جس نے اِن مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا اور اس راہ میں مَر جانا اس کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔ اُس نے وُہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دُور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوت تھی جو ان ساری تکلیفوں اور دُکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کر شمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے۔ جس کو ناتواں اور بیکس کہتے تھے۔ اس نے اس ایمان کے ذریعہ اُن کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا، پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دُنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وُہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوتِ ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا، نہیں کیا۔ ایمان نے اُن کو وہ قوت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنیٰ سی بات تھی اور اہلِ اسلام میں جبکہ ابھی کوئی بیّن نتائج نظر نہ آتے تھے۔ دیکھو! کس قدر مسلمانوں نے دشمنوں کے ہاتھوں سے کیسی کیسی تکلیفیں اور مصیبتیں محض لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کے بدلے برداشت کیں۔ ایک وُہ زمانہ تھا کہ سر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی اور یا ایک یہ زمانہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مخالف اس قسم کی اذیتیں نہیں دیتے۔ ایک عادل گورنمنٹ کے سائے میں رہتے ہیں سلطنت

کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی۔ علومِ دین حاصل کرنے کے پورے سامان میسّر ہیں۔ ارکانِ مذہبی ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک سجدہ کا کرنا بارِ گراں معلوم ہوتا ہے۔ غور تو کرو، کہاں سر اور کہاں صرف ایک سجدہ! اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ایمان کیسا انحطاط کی حالت میں ہے۔

وضو اور نماز

اور پھر ایسی حالت میں کہ نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبّی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اطبّاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی ہر روز مُنہ نہ دھوئے تو آنکھ آجاتی ہے اور یہ نزُول الماء کا مقدمہ ہے اور بہت سی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بتلاؤ کہ وضو کرتے ہوئے کیوں موت آتی ہے۔ بظاہر کیسی عمدہ بات ہے۔ مُنہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا ہوتا ہے۔ مسواک کرنے سے مُنہ کی بدبُو دُور ہوتی ہے۔ دانت مضبوط ہو جاتے اور دانتوں کی مضبوطی غذا کے عمدہ طور پر چبانے اور جلد ہضم ہو جانے کا باعث ہوتی ہے۔ پھر ناک صاف کرنا ہوتا ہے۔ ناک میں کوئی بدبُو داخل ہو، تو دماغ کو پراگندہ کر دیتی ہے۔ اب بتلاؤ کہ اس میں برائی کیا ہے۔ اس کے بعد وُہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجات لے جاتا ہے اور اس کو اپنے مطالب عرض کرنے کا موقع ملتا ہے۔ دُعا کرنے کے لیے فرصت ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ نماز میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے؛ اگرچہ بعض نمازیں تو پندرہ منٹ سے بھی کم میں ادا ہو جاتی ہیں۔ پھر بڑی حیرانی کی بات ہے کہ نماز کے وقت کو تضیعِ اوقات سمجھا جاتا ہے۔ جس میں اِس قدر بھلائیاں اور فائدے ہیں اور اگر سارا دن اور ساری رات لغو اور فضُول باتوں یا کھیل اور تماشوں میں ضائع کر دیں تو اس کا نام مصروفیت رکھا جاتا ہے۔ اگر قوی ایمان ہوتا، قوی تو ایک طرف اگر ایمان ہی ہوتا، تو یہ حالت کیوں ہوتی اور یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔

ناصح سے تنفّر

باوجود اس کے کہ اس قدر ایمانی حالت گر گئی ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی اس کمزوری کو محسوس کرا کے اس کا علاج کرنا چاہے اور وہ راہ بتائے جس پر چل کر انسان خدا سے ایک قوّت اور شجاعت پاتا ہے، تو اس کو کافر اور دجّال کہا جاتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان کا ایک نتیجہ یقین نہیں کر سکتے۔ تو کم از کم فرض ہی کر لیں۔ فرض پر بھی تو بڑے بڑے نتائج مرتّب ہو جاتے ہیں۔ دیکھو۔ اقلیدس کا سارا مدار فرض ہی پر ہے، اس سے بھی کس قدر فوائد پہنچتے ہیں۔ بڑے بڑے علُوم کی بناء اوّلاً فرض پر ہی ہوتی ہے پس اگر ایمان کو بھی فرض کر کے ہی اختیار کر لیتے۔ تب بھی یقین ہے کہ وہ خالی ہاتھ نہ رہتے، مگر یہاں تو یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ سرے ہی سے اس کو ایک بے معنی شے سمجھتے ہیں۔

صحابہؓ کا ایمان

مَیں پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں کہ اُنھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اپنی عملی حالت میں دکھایا کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی ہے اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے۔ اُنھوں نے اپنی آنکھ سے ہاں آنکھ سے

ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ہے؛ ورنہ بتاؤ تو سہی کہ وہ کیا بات تھی، جس نے ان کو ذرا بھی پروا نہیں ہونے دی کہ قوم چھوڑی، ملک چھوڑا، جائیدادیں چھوڑیں۔ احباب اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا۔ وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا۔ اور ایک خدا پر بھروسہ کر کے اُنھوں نے وُہ کر کے دکھایا کہ اگر تاریخ کی وَرق گردانی کریں، تو انسان حیرت اور تعجب سے بھر جاتا ہے۔ ایمان تھا اور صرف ایمان تھا۔ اور کچھ نہ تھا؛ ورنہ بالمقابل دُنیا داروں کے منصوبے اور تدابیر اور پوری کوششیں اور سرگرمیاں تھیں پر وُہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کی تعداد، جماعت، دولت سب کچھ زیادہ تھا، مگر ایمان نہ تھا اور صرف ایمان ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اور کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے۔ مگر صحابہؓ نے ایمانی قوت سے سب کو جیت لیا۔ اُنھوں نے جب ایک شخص کی آواز سُنی جس نے باوصفیکہ اُمّی ہونے کی حالت میں پرورش پائی تھی، مگر اپنے صدق اور امانت اور راستبازی میں شہرت یافتہ تھا جب اُس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ یہ سُنتے ہی ساتھ ہو گئے اور پھر دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے چلے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی بات تھی۔ جس نے اُن کی یہ حالت بنا دی اور وہ ایمان تھا۔ یاد رکھو! خدا پر ایمان بڑی چیز ہے۔

خدا تعالیٰ کی ہستی

انگریزی اور مغربی قومیں دُنیا کی تلاش اور خواہش میں لگی ہوئی ہیں۔ ابتدا میں ایک موہُوم اور خیالی امید پر کام شروع کرتے ہیں۔ سینکڑوں جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ آخر ایک بات پا ہی لیتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس اور تعجب اُن پر ہے، جو کہتے ہیں۔ خدا نہیں مل سکتا۔ کس نے مجاہدہ اور سعی کی اور پھر خدا کو نہیں پایا؟ خدا تو ملتا ہے اور بہت جلد ملتا ہے۔ لیکن اس کے پانے والے کہاں؟؟؟

اگر کوئی یہ شُبہ پیش کرے کہ خدا نہیں ہے، تو یہ بڑی بیہودہ بات ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی نادانی اور بیوقوفی نہیں ہے، جو خدا کا انکار کیا جاوے۔ دنیا میں دو گواہوں کے کہنے سے عدالت ڈگری دے دیتی ہے۔ چند گواہوں کے بیان پر جان جیسی عزیز چیز کے خلاف عدالت فتویٰ دے دیتی ہے اور پھانسی پر لٹکا دیتی ہے۔ حالانکہ شہادتوں میں جعل اور سازش کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہوتا ہے۔ لیکن خدا کے متعلق ہزاروں لاکھوں انسانوں نے جو اپنی قوم اور مُلک میں مسلّم راستباز نیک چلن تھے۔ شہادت دی ہو، اسے کافی نہ سمجھا جاوے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور ہٹ دھرمی کیا ہوگی کہ لاکھوں مقدسوں کی شہادت موجود ہے اور پھر اُنھوں نے اپنی عملی حالت سے بتا دیا ہے اور خونِ دِل سے یہ شہادت لکھ دی ہے کہ خدا ہے اور ضرور ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی اِنکار کرتا ہے، تو وُہ بیوقوف ہے اور پھر عجیب تو یہ بات ہے کہ کسی معاملہ میں رائے دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علم ہو۔ جس شخص کو علم ہی نہیں، وہ رائے دینے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ رائے زنی کرے تو کیا وہ احمق اور بیوقوف نہ کہلائے گا ضرور کہلائے گا بلکہ دوسرے دانشمند اس کو شرمندہ کریں گے کہ احمق جبکہ تجھے واقفیت ہی نہیں، تو

پھر تُو رائے کس طرح دیتا ہے۔ اس طرح پر جو خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ نہیں ہے۔ ان کا کیا حق ہے کہ وہ رائے دیں جبکہ الٰہیات کا علم ہی ان کو نہیں ہے اور انھوں نے کبھی مجاہدہ ہی نہیں کیا ہے۔

ہاں اُن کو یہ کہنے کا حق ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ایک خدا پرست کے کہنے کے موافق تلاشِ حق میں قدم اٹھاتے اور خدا کو ڈھونڈتے۔ پھر اگر ان کو خدا نہ ملتا تو بے شک کہہ دیتے کہ خدا نہیں ہے لیکن جب کہ انھوں نے کوئی کوشش اور مجاہدہ نہیں کیا ہے، تو ان کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ غرض خدا کا وجود ہے اور وہ ایک ایسی شے ہے کہ جس قدر اس پر ایمان بڑھتا جاوے۔ اسی قدر قوت ملتی جاتی ہے اور وُہ نہاں در نہاں ہستی نظر آنے لگتی ہے یہاں تک کہ کھُلے کھُلے طور پر اس کو دیکھ لیتا ہے اور پھر یہ قوت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی ایک بات ہے جس کی تلاش دنیا کو ہونی چاہیے۔ مگر آج یہ قوتیں دُنیا میں نہیں رہی ہیں۔

اسلام کی ترقی یورپ کی اتباع میں نہیں

اسلام جو یہ ایمانی قوت لے کر آیا تھا، بہت ضعیف ہو گیا ہے اور عام طور پر مسلمانوں نے محسوس کر لیا ہے کہ وہ کمزور ہیں؛ ورنہ کیا وجہ ہے کہ آئے دن جلسے اور مجلسیں ہوتی رہتی ہیں اور نت نئی انجمنیں بنتی جاتی ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وُہ اسلام کی حمایت اور امداد کے لیے کام کرتی ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ان مجلسوں میں قوم قوم تو پکارتے ہیں۔ قومی ترقی قومی ترقی کے گیت تو گاتے ہیں، لیکن کوئی مجھ کو یہ بتائے کہ کیا پہلے زمانے میں جب قوم بنی تھی۔ وُہ یُورپ کے اتباع سے بنی تھی؟ کیا مغربی قوموں کے نقشِ قدم پر چل کر اُنھوں نے ساری ترقیاں کی تھیں۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ ہاں اسی طرح ترقی کی تھی۔ تو بیشک گناہ ہوگا اگر ہم اہلِ یُورپ کے نقشِ قدم پر نہ چلیں۔

لیکن اگر ثابت نہ ہو اور ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ اسلام کے اُصولوں کو چھوڑ کر، قرآن کو چھوڑ کر جس نے ایک وحشی دُنیا کو انسان اور انسان سے باخدا انسان بنایا۔ ایک دنیا پرست قوم کی پیروی کی جائے۔ جو لوگ اسلام کی بہتری اور زندگی مغربی دنیا کو قبلہ بنا کر چاہتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو قرآن کریم کے ماتحت چلتے ہیں۔

قرآن کو چھوڑ کر کامیابی ایک ناممکن اور محال امر ہے اور ایسی کامیابی ایک خیالی امر ہے جس کی تلاش میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں۔ صحابہ کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھو۔ دیکھو انھوں نے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اور دین کو دُنیا پر مقدم کیا۔ تو وہ سب وعدے جو اللہ تعالیٰ نے اُن سے کئے تھے۔ پُورے ہو گئے۔ ابتدا میں مخالف ہنسی کرتے تھے کہ باہر آزادی سے نکل نہیں سکتے۔ اور بادشاہی کے دعوے کرتے ہیں۔ لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گُم ہو کر وہ پایا جو صدیوں سے ان کے حصّے میں نہ آیا تھا۔ وُہ

قرآن کریم اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ۔ اور اُن ہی کی اطاعت اور پیروی میں دن رات کوشاں تھے۔ اُن لوگوں کی پیروی کسی رسم و رواج تک میں بھی نہ کرتے تھے، جن کو کفّار کہتے تھے۔ جبتک اسلام اس حالت میں رہا وہ زمانہ اقبال اور عروج کا رہا۔ اس میں سِرّ یہ تھا۔ ع

خدا داری چہ غم داری

مُسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کی کلید بھی ایمان تھا۔ صلاح الدین کے مقابلہ پر کس قدر ہجوم ہوا تھا۔ لیکن آخر اس پر کوئی قابُو نہ پا سکا۔ اس کی نیت اسلام کی خدمت تھی۔ غرض ایک مدّت تک ایسا ہی رہا۔ جب بادشاہوں نے فسق و فجور اختیار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا غضب ٹُوٹ پڑا اور رفتہ رفتہ ایسا زوال آیا جس کو اب تم دیکھ رہے ہو۔ اب اس مرض کی جو تشخیص کی جاتی ہے، ہم اس کے مخالف ہیں۔ ہمارے نزدیک اس تشخیص پر جو علاج کیا جاوے گا، وہ زیادہ خطرناک اور مُضر ثابت ہوگا۔ جبتک مُسلمانوں کا رجُوع قرآن شریف کی طرف نہ ہوگا، اُن میں وہ ایمان پیدا نہ ہوگا۔ یہ تندرُست نہ ہوں گے۔ عزّت اور عروج اُسی راہ سے آئے گا جس راہ سے پہلے آیا۔

دین کو دُنیا پر مقدّم رکھیں

میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مُسلمان سُست ہو جاویں۔ اسلام کسی کو سُست نہیں بناتا۔ اپنی تجارتوں اور ملازمتوں میں بھی مصروف ہوں، مگر میں یہ نہیں پسند کرتا کہ خدا کے لیے ان کا کوئی وقت بھی خالی نہ ہو۔ ہاں تجارت کے وقت پر تجارت کریں اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت کو اُس وقت بھی مدِّنظر رکھیں، تاکہ وہ تجارت بھی ان کی عبادت کا رنگ اختیار کرے۔ نمازوں کے وقت پر نمازوں کو نہ چھوڑیں۔ ہر معاملہ میں کوئی ہو دین کو مقدّم کریں۔ دُنیا مقصُود بالذّات نہ ہو۔ اصل مقصود دین ہو۔ پھر دُنیا کے کام بھی دین ہی کے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ اُنھوں نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی خدا کو نہیں چھوڑا۔ لڑائی اور تلوار کا وقت ایسا خطرناک ہوتا ہے کہ محض اس کے تصوّر سے ہی انسان گھبرا اُٹھتا ہے۔ وہ وقت جبکہ جوش اور غضب کا وقت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ دُعاؤں سے کام لیا۔ اب یہ بدقسمتی ہے کہ یُوں تو ہر طرح سے زور لگاتے ہیں۔ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں۔ جلسے کرتے ہیں کہ مُسلمان ترقی کریں۔ مگر خدا سے ایسے غافل ہوتے ہیں کہ بھول کر بھی اس کی طرف توجّہ نہیں کرتے۔ پھر ایسی حالت میں کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ ان کی کوششیں نتیجہ خیز ہوں جبکہ وہ سب کی سب دُنیا ہی کے لیے ہیں۔ یاد رکھو جب تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ دل و جگر میں سرایت نہ کرے اور وجود کے ذرّہ ذرّہ پر اسلام کی روشنی اور حکومت نہ ہو کبھی ترقی نہ ہوگی۔ اگر تم مغربی قوموں کا نمونہ پیش کرو کہ وہ ترقیاں کر رہے ہیں۔ اُن کے لیے اور معاملہ ہے۔ تم کو کتاب دی گئی ہے۔ تم پر حجّت پوری ہو چکی ہے۔ اُن کے لیے الگ معاملہ اور مؤاخذہ کا دن ہے۔ تم اگر کتاب اللہ کو چھوڑ دو گے، تو

تمھارے لیے اسی دُنیا میں جہنّم موجود ہے۔

ایسی حالت میں قریبًا ہر شہر میں مُسلمانوں کی بہتری کے لیے انجمنیں اور کانفرنسیں ہوتی ہیں، لیکن کسی ہمدردِ اسلام کے مُنہ سے یہ نہیں نکلتا کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ۔ اس پر عمل کرو۔ اگر کہتے ہیں تو بس یہی کہ انگریزی پڑھو، کالج بناؤ، بیرسٹر بنو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں رہا۔ حاذق طبیب بھی دس دن کے بعد اگر دوا فائدہ نہ کرے تو اپنے علاج سے رُجوع کر لیتے ہیں۔ یہاں ناکامی پر ناکامی ہوتی جاتی ہے اور اس سے رُجوع نہیں کرتے۔ اگر خدا نہیں ہے تو اس کو چھوڑ کر بے شک ترقی کریں گے لیکن جبکہ خدا ہے اور ضرور ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکتے اس کی بے عزتی کر کے اس کی کتاب کی بے اَدبی کر کے چاہتے ہیں کہ کامیاب ہوں اور قوم بن جاوے کبھی نہیں۔

ہماری رائے تو یہی ہے جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔ ترقی کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا کو پہچانیں اور اس پر زندہ ایمان پیدا کریں۔ اگر ہم ان باتوں کو ان دُنیا پرستوں کی مجلس میں بیان کریں، تو وُہ ہنسی میں اڑا دیں۔ مگر ہم کو رحم آتا ہے کہ افسوس یہ لوگ اُس کو نہیں دیکھ سکتے جو ہم دیکھتے ہیں۔ آپ کو چونکہ خدا تعالیٰ نے موقعہ دیا ہے کہ اس قدر دُور دراز کا سفر اختیار کر کے اور راستہ کی تکلیف اُٹھا کر آئے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر ایمانی قوّت کی تحریک نہ ہوتی تو اس قدر تکلیف برداشت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے اور اس قوّت کو ترقی دے تاکہ آپ کو وہ آنکھ عطا ہو کہ آپ اس روشنی اور نُور کو دیکھ سکیں جو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دُنیا پر نازل کیا ہے۔

بعض اوقات انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ کہیں جاتا ہے اور پھر جلد چلا آتا ہے۔ مگر اس کے بعد اس کی رُوح میں دُوسرے وقت اضطراب ہوتا ہے کہ کیوں چلا آیا۔ ہمارے دوست آتے ہیں اور اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جلد چلے جاتے ہیں لیکن پیچھے ان کو حسرت ہوتی ہے کہ کیوں جلد واپس آئے۔

(یہاں مولوی سیّد مہدی حسین صاحب نے کہا کہ میرا بھی یقیناً یہی حال ہوگا۔ اگر مَیں نواب محسن الملک صاحب اور دُوسرے دوستوں کو تار نہ دے چکا ہوتا۔ تو مَیں اور ٹھہرتا)

بہرحال مَیں نہیں چاہتا کہ آپ تخلّفِ وعدہ کریں اور جبکہ اُن کو اطلاع دے چکے ہیں، تو ضرور جانا چاہیے لیکن میں امید کرتا ہوں کہ آپ پھر آئیں گے۔ مَیں محض للہ اور نصیحتًا کہتا ہوں کہ آپ ایک دو ہفتہ تک کم از کم کسی دُوسرے موقعہ پر یہاں رہ جائیں تو آپ کو بہت فائدہ ہوگا۔ آپ وہ باتیں سُنیں گے۔ جن کے سُنانے کے لیے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت اس وقت کافر یہی رائے لگاتے تھے۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ۔ (صٓ: ۷) میاں یہ تو دوکانداری ہے۔ مخالف جس کو صُحبت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کو صحیح رائے نہیں ملتی اور دُور سے رائے لگانا صحیح نہیں، کیونکہ جب تک وہ پاس نہیں آتا اور حالات پر اطلاع نہیں پاتا، کیونکر صحیح رائے حاصل کر سکتا ہے۔

یہ سلسلہ منہاجِ نبوت پر قائم ہوا ہے

میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بنیاد اس وقت ایک سلسلۂ آسمانی کی رکھی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ سلسلہ بالکل منہاجِ نبوت پر قائم ہوا ہے۔ اس کا پتہ اس طرز پر لگ سکتا ہے، جس طرح پر انبیاء علیہم السلام کے سلسلوں کی حقانیت معلوم ہوئی۔ اور وُہ راہ ہے صحبت میں صبر اور حُسنِ ظن سے رہنے کی۔ مخالفوں کو چونکہ اسباب نہیں ملتے اس لیے وہ صحیح رائے اور یقینی نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتے۔ انسان جبتک ان طرح طرح کے خیالات اور راؤں کے پردوں کو چیر کر نہیں نکل آتا، اسکو سچی معرفت قوت اور مردانگی نہیں مل سکتی۔ خوش قسمت وہی انسان ہے جو ایسے مردانِ خدا کے پاس رہ کر (جن کو اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر بھیجتا ہے) اس غرض اور مقصد کو حاصل کرے جس کے لیے وہ آتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ تھوڑے ہوتے ہیں، لیکن ہوتے ضرور ہیں۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا: ۱۴) اگر تھوڑے نہ ہوتے تو پھر بے قدری ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ سونا چاندی لوہے اور ٹین کی طرح عام نہیں ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ مخالف بھی ہوں کیونکہ سنّت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ہر شخص جو خدا کی طرف قدم اٹھاتا ہے، اس کے لیے امتحان ضروری رکھا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت: ۳) امتحان خدا کی عادت ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ عالم الغیب خدا کو امتحان کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اپنی سمجھ کی غلطی ہے اللہ تعالیٰ امتحان کا محتاج نہیں ہے۔ انسان خود محتاج ہے تاکہ اس کو اپنے حالات کی اطلاع ہو اور اپنے ایمان کی حقیقت کھلے۔ مخالفانہ رائے سُن کر اگر مغلوب ہو جاوے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ قوت نہیں ہے۔ جس قدر علوم و فنون دُنیا میں ہیں بدوں امتحان ان کو سمجھ نہیں سکتا۔ خدا کا امتحان یہی ہے کہ انسان سمجھ جاوے کہ میری حالت کیسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مامُور من اللہ کے دشمن ضرور ہوتے ہیں جو ان کو تکلیفیں اور اذیتیں دیتے ہیں۔ توہین کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں سعید الفطرت اپنی روشن ضمیری سے اُن کی صداقت کو پا لیتے ہیں۔ پس مامُوروں کے مخالفوں کا وجود بھی اس لیے ضروری ہے۔ جیسے پھولوں کے ساتھ کانٹے کا وجود ہے۔ تریاق بھی ہیں، تو زہریں بھی ہیں۔ کوئی ہم کو کسی نبی کے زمانہ کا پتہ دے۔ جس کے مخالف نہ ہوتے ہوں اور جنہوں نے اس کو دوکاندار، ٹھگ، جھوٹا مُفتری نہ کہا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام پر بھی افترا کر دیا۔ یہانتک کہ ایک پلید نے تو زنا کا اتہام لگا دیا اور ایک عورت کو پیش کر دیا۔ غرض اُن پر ہر قسم کے افترا کیے جاتے ہیں تا لوگ آزمائے جاویں۔ (اور یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ خدا کے لگائے ہوئے پودے ان نابکاروں کی پھُونکوں سے معدوم کیے جاویں) یہی ایک نشان اور تمیز ہوتی ہے اُن کے خدا کی طرف سے ہونے کی کہ مخالف کوشش کرتے ہیں کہ وُہ نابُود ہو جاویں اور وہ بڑھتے اور پھولتے ہیں۔ ہاں جو خدا کی طرف سے نہ ہو۔ وہ آخر معدوم اور نیست و نابُود ہو جاتا ہے۔ لیکن جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے، وہ کسی کی کوشش سے نابُود نہیں ہو سکتا۔ وہ کاٹنا چاہتے ہیں اور یہ بڑھتا ہے۔ اس سے صاف

معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا کا ہاتھ ہے جو اس کو تھامے ہوتے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر عظیم الشان معجزہ ہے کہ ہر طرف سے مخالفت ہوتی تھی۔ مگر آپ ہر میدان میں کامیاب ہی ہوتے تھے۔ صحابہؓ کے لیے یہ کیسی دل خوش کرنے والی دلیل تھی۔ جب وہ اس نظارے کو دیکھتے تھے۔

اسلام کیا ہے؟ بہت سی جانوں کا چندہ ہے۔ ہمارے آباء و اجداد چندہ ہی میں آئے۔ اب اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ وہ اسلام کو کل مذہبوں پر غالب کرے۔ اُس نے مجھے اسی مطلب کے لیے بھیجا ہے اور اسی طرح بھیجا ہے، جس طرح پہلے مامور آتے رہے۔ پس آپ میری مخالفت میں بھی بہت سی باتیں سُنیں گے اور بہت قسم کے منصوبے پائیں گے، لیکن میں آپ کو نصیحتاً للہ کہتا ہوں کہ آپ سوچیں اور غور کریں کہ یہ مخالفتیں مجھے تھکا سکتی ہیں۔ یا اُن کا کچھ بھی اثر مجھ پر ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ کا پوشیدہ ہاتھ ہے جو میرے ساتھ کام کرتا ہے؛ ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا؟ مجھے شہرت طلب کہا جاتا ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اس فرض کے ادا کرنے میں مجھے کس قدر گالیاں سُننی پڑی ہیں۔ گران گالیوں کو جو دیتے ہیں اور اُن تکلیفوں کو جو پہنچاتے ہیں۔ ایک لحظہ کے لیے بھی پرواہ یا خیال نہیں کرتا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور اگر میں خدا کی طرف سے آیا نہ ہوتا۔ تو میری یہ مخالفت بھی ہرگز نہ ہوتی۔ آپ کا اس قدر دُور دراز کا سفر اختیار کر کے پھر تکالیفِ راہ برداشت کر کے آنا اللہ تعالیٰ کے حضور ایک اجر رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور توفیق دے کہ آپ اس سلسلہ کی طرف توجہ کر سکیں جو خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ آمین[1]"

۲۸ر دسمبر ۱۹۰۰ء

سعید اور شقی بعد نمازِ جمعہ عام مجمع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مفصلہ ذیل تقریر فرمائی:

"دیکھو، میں محض للہ مختصر طور پر چند باتیں سناتا ہوں۔ میری طبیعت اچھی نہیں اور زیادہ باتوں کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے نیک اور پاک فطرت عطا فرمائی ہے اور جن کی استعدادیں عمدہ ہیں۔ وہ بہت باتوں کے محتاج نہیں ہوتے اور ایک اشارہ ہی سے اصل مقصد اور مطلب کو سمجھ لیتے اور بات کو پا لیتے ہیں۔ ہاں جو لوگ اچھی فطرت اور عمدہ استعداد نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور قدرت پر اعتقاد نہیں ہے، وہ تو اپنی اغراض کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ ایسی پستی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر سب انبیاء علیہم السلام اکٹھے ہو کر ایک ہی وعظ

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲-۶ مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۰ء

کے منبر پر چڑھ کر نصیحت کریں، انھیں تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

یہی وہ سِرّ ہے کہ ہر نبی اور مامور کے وقت دو فرقے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کا نام سعید رکھا ہے اور دُوسرا دُوجوشقی کہلاتا ہے۔ دونوں فرقے وعظ و نصیحت کے لحاظ سے یکساں طور پر انبیاء علیہم السّلام کے سامنے تھے اور اس پاک گروہ نے کبھی کسی سے بُخل نہیں کیا۔ پورے طور پر حقِ نصیحت ادا کیا۔ جیسے سعیدوں کے لیے ویسے اشقیاء کے لیے۔ مگر سعید قوم کان رکھتی تھی جس سے اس نے سُنا۔ آنکھیں رکھتی تھی جس سے دیکھا، دل رکھتی تھی جس سے سمجھا، مگر اشقیاء کا گروہ ایک ایسی قوم تھی جس کے کان نہ تھے جو سُنتی اور آنکھیں نہ تھیں، جس سے دیکھتی۔ نہ دل تھے جس سے سمجھتی اسی لیے وُہ محروم رہی۔

مکّہ کی مٹی ایک ہی تھی جس سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوجہل پیدا ہوئے۔ مکّہ وہی مکّہ ہے جہاں اب کروڑوں انسان ہر طبقہ اور درجہ کے دُنیا کے ہر حصّہ سے جمع ہوتے ہیں۔ اسی سرزمین سے یہ دونوں انسان پیدا ہوئے۔ جن میں سے اوّل الذکر اپنی سعادت اور رُشد کی وجہ سے ہدایت پاکر صدّیقوں کا کمال پاگیا اور دُوسرا شرارت، جہالت بیجا عداوت اور حق کی مخالفت میں شہرت یافتہ ہے۔

یاد رکھو۔ کمال دو ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک رحمانی، دُوسرا شیطانی۔ رحمانی کمال کے آدمی آسمان پر ایک شہرت اور عزّت پاتے ہیں۔ اسی طرح شیطانی کمال کے آدمی شیاطین کی ذرّیت میں شہرت رکھتے ہیں۔

غرض ایک ہی جگہ دونوں تھے۔ پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی سے کچھ فرق نہیں کیا۔ جو کچھ حکم اللہ تعالیٰ نے دیا۔ وُہ سب کا سب یکساں طور پر سب کو پہنچا دیا۔ مگر بدنصیب بدقسمت محروم رہ گئے اور سعید ہدایت پاکر کامل ہو گئے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے بیسیوں نشان دیکھے۔ انوار و برکاتِ الٰہیہ کو مشاہدہ کیا، مگر اُن کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔

اب ڈرنے کا مقام ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے ابوجہل کو محروم رکھا۔ اس نے ایک عظیم الشان نبی کا زمانہ پایا جس کے لیے نبی ترستے گئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر آخر تک ہر ایک کی تمنا تھی، مگر انھیں وہ زمانہ نہ ملا۔ اس بدبخت نے وُہ زمانہ پایا۔ جو تمام زمانوں سے مُبارک تھا، مگر کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے اور خوف کا مقام ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والی آنکھ نہ ہو۔ اس کی سُننے والا کان نہ ہو اور اُس کے سمجھنے والا دل نہ ہو۔ کوئی شخص کسی نبی اور مامور کی باتوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ اصل یہی ہے کہ سرشت میں دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے قویٰ عمدہ ہیں اور وہ سعادت اور رُشد کے پاجانے کے لیے استعدادوں سے یُوں بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے ایک عطر کا شیشہ لبریز ہوتا ہے۔ تیل اور بتی سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ صرف ایک ذرا سی آگ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ایک ادنیٰ سی تحریک اور رگڑ سے روشن ہو اٹھتی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ تھا جس کی فطرت میں سعادت کا تیل اور بتی پہلے سے موجود تھے۔ اس لیے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم نے اس کو فی الفور متاثر کر کے روشن کر دیا۔ اُس نے آپؐ سے کوئی بحث نہیں کی۔ کوئی نشان اور معجزہ نہ مانگا۔ معًا سُن کر صرف اتنا ہی پُوچھا کہ کیا آپؐ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں، تو بول اُٹھے کہ آپؐ گواہ رہیں۔ مَیں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

حُسنِ ظنّ اور صبر

یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ سوال کرنے والے بہت کم ہدایت پاتے ہیں۔ ہاں حُسنِ ظنّ اور صبر سے کام لینے والے ہدایت سے پُورے طور پر حصّہ لیتے ہیں۔ اس کا نمونہ ابوبکرؓ اور ابوجہل دونوں موجود ہیں۔ ابوبکرؓ نے جھگڑا نہ کیا اور نشان نہ مانگے، مگر اس کو وہ دیا گیا جو نشان مانگنے والوں کو نہ ملا۔ اس نے نشان پر نشان دیکھے اور خود ایک عظیم الشان نشان بنا۔ ابوجہل نے حجت کی اور مخالفت اور جہالت سے باز نہ آیا۔ اس نے نشان پر نشان دیکھے، مگر دیکھ نہ سکا۔ آخر خود دُوسروں کے لیے نشان ہو کر مخالفت ہی میں ہلاک ہوا۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ جس کی فطرت میں نُورِ ایمان ہے۔ انہیں زیادہ گوئی کی ضرورت نہیں۔ وُہ ایک ہی بات سے مطلب پر پہنچ جاتے ہیں۔ اُن کے دل میں ایک روشنی ہوتی ہے۔ وُہ معًا آواز کے سنتے ہی منوّر ہو جاتے ہیں اور وُہ الٰہی قوّت جو اُن کے اندر ہوتی ہے، اس آواز کو سُن کر جوش میں آجاتی ہے اور نشوونما پاتی ہے۔ جن میں یہ قوّت نہیں رہتی۔ وُہ محروم رہ کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہی طریق شروع سے چلا آیا ہے۔ اب ہر شخص کو خوف کرنا چاہیے کہ اگر کسی زمانہ میں اصلاح کے لیے مامُور پیدا ہوتا ہے تو جو لوگ اپنے اندر اس مامُور کے لیے قبولیت اور ایمان کا رنگ پاتے ہیں، وُہ مبارک ہیں۔ لیکن جو اپنے دل میں قبض پاتا ہے اور دل ماننے کی طرف رجُوع نہیں کرتا۔ اس کو ڈرنا چاہیے کہ یہ انجامِ بد کے آثار ہیں اور محرومی کے اسباب۔

یقیناً سمجھ لو۔ اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ جو حق کے قرائن اور دلائل دیکھ کر نہیں مانتا اور حُسنِ ظنّ اور صبر سے کام نہیں لیتا اور تلاشِ ردّ میں رہتا ہے۔ عمدہ سے عمدہ نشان اور قوی سے قوی دلائل اس کے پاس آتے ہیں مگر وُہ ان کو کو دیکھ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ ردّ کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ تو اس کو ڈرنا چاہیے کہ یہ اشقیاء والی عادت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اس جماعت نے کبھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنا اور مامور من اللہ کی آواز ان کے کان میں پہنچی۔ وہ مخالفت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فکرِ معکوس اور بخل اور بے جا عداوت کی وجہ سے اس کی تردید کی فکر میں لگ گئے۔ پھر اسی پر بس نہیں کی۔ انسان چونکہ ترقی کرتا ہے۔ دوستی ہو یا دشمنی۔ آخر بڑے بڑے مقابلوں اور ناپاک منصوبوں تک نوبت پہنچ کر ہلاکت کی گھڑی آجاتی ہے۔

ایسا ہی حال پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا۔ ایک گروہ نے ایمان میں وہ ترقی کی کہ بکریوں کی

طرح خدا کے حکم پاکر ذبح ہو گئے اور کچھ پروا نہیں کی کہ بیوی بچوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کو کچھ ایسی شرابِ محبت پلائی کہ لاپرواہ ہو کر جانیں دے دیں۔ یہ تصرف اس نظارہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح پر انھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔

بیعت کے مغز کو اختیار کرو

یہ مت خیال کرو کہ صرف بیعت کر لینے سے ہی خدا راضی ہو جاتا ہے۔ یہ تو صرف پوست ہے۔ مغز تو اس کے اندر ہے۔ اکثر قانونِ قدرت یہی ہے کہ ایک چھلکا ہوتا ہے اور مغز اس کے اندر ہوتا ہے۔ چھلکا کوئی کام کی چیز نہیں ہے۔ مغز ہی لیا جاتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں مغز ہوتا ہی نہیں اور مُرغی کے ہوائی انڈوں کی طرح جن میں نہ زردی ہوتی ہے نہ سفیدی جو کسی کام نہیں آسکتے اور روئی کی طرح پھینک دیئے جاتے ہیں۔ ہاں ایک دو منٹ تک کبھی بچے کے کھیل کا ذریعہ ہو تو ہو۔ اسی طرح پر وہ انسان جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ ان دونوں باتوں کا مغز اپنے اندر نہیں رکھتا، تو اُسے ڈرنا چاہیے کہ ایک وقت آتا ہے کہ وُہ اُس ہوائی انڈے کی طرح ذرا سی چوٹ سے چکنا چور ہو کر پھینک دیا جائے گا۔

اسی طرح جو بیعت اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اس کو ٹٹولنا چاہیے کہ کیا میں چھلکا ہی ہُوں یا مغز؟ جبتک مغز پیدا نہ ہو۔ ایمان، محبت، اطاعت، بیعت، اعتقاد، مریدی اور اسلام کا مدعی سچا مدعی نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضُور مغز کے سوا چھلکے کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ معلوم نہیں، موت کس وقت آجاوے، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ موت ضرور ہے۔ پس نرے دعویٰ پر ہرگز کفایت نہ کرو اور خوش نہ ہو جاؤ۔ وہ ہرگز ہرگز فائدہ رساں چیز نہیں۔ جبتک انسان اپنے آپ پر بہت سی موتیں وارد نہ کرے اور بہت سی تبدیلیوں اور انقلابات میں سے ہو کر نہ نکلے۔ وُہ انسانیت کے اصل مقصد کو نہیں پا سکتا۔

انسان کی حقیقت

انسان اصل میں اُنسان سے لیا گیا ہے یعنی جس میں دو حقیقی اُنس ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے اور دُوسرا اپنی نوع کی ہمدردی سے۔ جب یہ دونوں اُنس اس میں پیدا ہو جاویں۔ اس وقت انسان کہلاتا ہے اور یہی وہ بات ہے جو انسان کا مغز کہلاتی ہے اور اسی مقام پر انسان اولوالالباب کہلاتا ہے۔ جبتک یہ نہیں کچھ بھی نہیں۔ ہزار دعویٰ کر دکھاؤ، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اس کے نبی اور اس کے فرشتوں کے نزدیک ہیچ ہے۔

اسوۂ انبیاء علیہم السلام

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام انسانی نمونہ کے محتاج ہیں اور وہ نمونہ انبیاء علیہم السلام کا وجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ درختوں پر کلامِ الٰہی لکھا جاتا، مگر اس نے جو پیغمبروں کو بھیجا اور ان کی معرفت کلامِ الٰہی نازل فرمایا۔ اس میں سِرّ یہ تھا کہ تا انسان جلوۂ اُلوہیت کو دیکھے، جو پیغمبروں میں ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

پیغمبر اُلوہیت کے مظہر اور خدا نما ہوتے ہیں۔ پھر سچا مسلمان اور معتقد وہ ہوتا ہے۔ جو پیغمبروں کا مظہر بنے۔ صحابہ کرامؓ نے اس راز کو خوب سمجھ لیا تھا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ایسے گم ہوتے اور کھوئے گئے کہ ان کے وجود میں اور کچھ باقی رہا ہی نہیں تھا۔ جو کوئی ان کو دیکھتا تھا اُن کو محویت کے عالم میں پاتا تھا۔ پس یاد رکھو کہ اس زمانہ میں بھی جب تک وہ محویت اور وہ اطاعت میں گم شدگی پیدا نہ ہوگی جو صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ مُریدوں معتقدوں میں داخل ہونے کا دعویٰ تب ہی سچا اور بجا ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح پر اپنے ذہن نشین کر لو کہ جب تک یہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم میں سکونت کرے اور خدا تعالیٰ کے آثار تم میں ظاہر ہوں۔ اس وقت تک شیطانی حکومت کا عمل دخل موجود ہے۔

شیطان، جھوٹ، ظلم، جذبات، خون، طُولِ اَمل، ریا اور تکبّر کی طرف بُلاتا ہے اور دعوت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل اخلاقِ فاضلہ، صبر، محویت، فنافی اللہ، اخلاص، ایمان، فلاح یہ اللہ تعالیٰ کی دعوتیں ہیں۔ انسان ان دونوں تجاذب میں پڑا ہوا ہے۔ پھر جس کی فطرت نیک ہے اور سعادت کا مادہ اس میں رکھا ہوا ہے۔ وہ شیطان کی ہزاروں دعوتوں اور جذبات کے ہوتے ہوئے بھی اس فطرتِ رشید سعادت اور سلامت روی کے مادہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے اور خدا ہی میں اپنی راحت تسلّی اور اطمینان کو پاتا ہے۔

ایمان کے نشانات

مگر ہر چیز کے لیے نشان ضرور ہوتے ہیں۔ جبتک اُس میں وہ نشان نہ پائے جاویں، وہ معتبر نہیں ہو سکتی۔ دیکھو دواؤں کی طبیب شناخت کر لیتا ہے۔ بنفشہ، خیارشنبر تُربد میں اگر وہ صفات نہ پائے جائیں جو ایک بڑے تجربہ کے بعد ان میں متحقق ہوئے ہیں، تو طبیب ان کو ردّی کی طرح پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے نشانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جب ایمان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت یعنی جلال تقدّس کبریائی قدرت اور سب سے بڑھ کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حقیقی مفہوم داخل ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اندر سکونت اختیار کرتا ہے اور شیطانی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور گناہ کی فطرت مَر جاتی ہے۔ اس وقت ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور وہ روحانی زندگی ہوتی ہے یا یہ کہو کہ آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے۔ جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے اور رُوحانی زندگی کا تولّد ہوتا ہے، جیسے بچّہ کا تولّد ہوتا ہے۔

اسلام کا کامل خدا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اسی تولّد کی طرف ایما فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ (الفاتحہ: ۲تا۴) یہ چاروں صفات اللہ تعالیٰ کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی وہ خدا جس میں تمام محامد پائے جاتے ہیں۔ کوئی خوبی

خیال اور سوچ میں نہیں آسکتی، جو اللہ تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو بلکہ انسان کبھی بھی ان محامد اور خوبیوں کو جو اللہ کریم میں پائی جاتی ہیں کبھی بھی شمار نہیں کرسکتا۔ جس خدا نے اسلام دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہی کامل اور سچا خدا ہے اور اس لیے قرآن کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع فرمایا ہے۔ دُوسری قوموں اور کتابوں نے جس خدا کی طرف دُنیا کو دعوت کی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی عیب اپنے اندر رکھتا ہے۔ کسی کے ہاتھ نہیں، کسی کے کان نہیں، کوئی گونگا ہے کوئی کچھ۔ غرض کوئی نہ کوئی عیب اور روگ موجود ہے۔ مثلاً عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے۔ سوچنے والا انسان سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ ۱۹۰۰ برس کی مدت ان کے اس خیالی ڈھکوسلہ پر نہ گذر گئی ہوتی، تو کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اب صرف ایک بیہودہ بات کی کہ ۱۹۰۰ برس سے یہ مذہب چلا آتا ہے۔ کوئی دلیل مسیح کی خدائی کی نہیں ہے۔ مسیح کو خدا بنانے والوں کو باوجود اس فلسفہ دانی کے شرم آجاتی۔ اگر سوچتے کہ کیا کبھی عورت کے پیٹ سے معمولی طور پر پیشاب کی راہ پیدا ہونے والا۔ ضعیف و ناتواں بچہ جو کھانے پینے کا محتاج۔ پاخانہ اور پیشاب کی حاجتوں کا پابند، تمام انسانی حوائج کا اسیر اور محتاج ہو خدا ہوسکتا ہے؟ صرف اتنی ہی بات ہے کہ پُرانی بات ہو کر اُنھوں نے قائم مقام دلیل کے بنالی ہے۔ جیسے ہندوؤں کے خیال میں گنگا کے پانی میں سَت اور برکت خیالی طور پر رکھی ہوئی ہے، حالانکہ وہ ایک معمولی دریا ہے۔ جس میں مینڈک، کچھوے اسی طرح موجود ہیں، جیسے اور دریاؤں میں۔ اور اس میں مُردوں کی ہڈیاں ڈالی جاتی ہیں۔ اب اگر ایک ہندو سے اس کی دلیل پُوچھیں، تو وُہ یہی کہے گا کہ میرے دل میں دلیل ہے۔ بیان نہیں کرسکتا۔ ایسا ہی نادان آریوں نے جو پرمیشر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وُہ ایک مستری اور کاریگر سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ بُجز جوڑنے جاڑنے کے خالقیت کے اعلیٰ جوہر سے وہ بے بہرہ ہے۔ رُوح اور ذرّاتِ عالم پر اُس کا کوئی تصرف نہیں۔ کیونکہ اس نے اُن کو پیدا ہی نہیں کیا۔ وُہ کبھی اپنے بندوں کو نجات نہیں دے سکتا۔ کیونکہ پھر سارا کارخانہ ہی بگڑتا ہے اور ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ وُہ اپنے کسی مخلص بندے کی دُعا ہی نہیں سُن سکتا اور نہ کسی کو وہ اپنے فضل سے کچھ دے سکتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ کسی کو دیتا ہے، وُہ اُس کے ہی کرموں کا پھل ہوتا ہے۔ غرض ہر قوم نے اور کتاب نے جو خدا پیش کیا ہے اس کو دیکھ کر شرم آجاتی ہے۔ یہ فضیلت اور فخر اسلام کو ہی ہے۔ کہ اس کو ماننے والا کبھی شرمندہ نہیں ہوسکتا اُس نے کامل خدا کا پلّہ پکڑا ہے اور کامل ہی کے حضور جائے گا۔"[1]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے۔ پھر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے عظیم الشان احسان فرمایا۔ اگر آپؐ کا وجود باجود دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱ صفحہ ۲، ۴ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ء

میں نہ آتا۔ تو رام رام کہنے والوں کی طرح بہت سے جھوٹے اور بیہودہ اینٹ پتھر وغیرہ کے معبود بنائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور بُت پرستوں سے اُس نے نجات دی۔ یہی وہ راز ہے کہ یہ درجہ صرف اور صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن احسانوں کے معاوضہ میں ملا کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (الاحزاب : ۵۷)۔

اِدھر ہندوؤں نے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو خدا بنا رکھا تھا۔ اُس وقت کی حالت سے کوئی نہیں بتلا سکتا کہ موحد فرقہ کہاں رہتا تھا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے تقاضے کا پتہ لگتا ہے کہ کیونکر تاریکی کے وقت اُس کی غیرت ہدایت کا تقاضا کرتی ہے۔ ہندو رام رام اور عیسائی رَبُّنَا الْیَسُوْع رَبُّنَا الْیَسُوْع پکارتے تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو خدا کا نام لیتا۔ کروڑوں پردوں میں اللہ تعالیٰ کا جلالی اسم مخفی تھا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے جب احسان کرنا چاہا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ آپ کا نام محمدؐ تھا جس کے معنی ہیں نہایت ہی تعریف کیا گیا۔ جو باب تفعیل سے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اسی قدر قابلِ تعریف ٹھہرتا ہے جس قدر کام کرتا ہے۔ پہلے نبی خاص قوموں کے لیے آتے تھے اور ایک نقص یہ تھا کہ ایک عظیم الشان اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام جب آئے، تو وہ صرف بنی اسرائیل ہی کی گمشدہ بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے واسطے آئے اور یہودیوں کے پاس اس وقت توریت موجود تھی۔ وہی تورات کی تعلیمات عملدرآمد کے لیے کافی سمجھی گئی تھیں اور یہودی تورات کے احکام اور تعلیمات کے قائل اور ان پر قائم تھے۔ ہاں بعض اخلاقی کمزوریاں تھیں، جو اُن میں پیدا ہو گئی تھیں۔

اور یہ صاف بات ہے کہ صرف اخلاقی کمزوریوں کو دُور کرنا۔ اُن کے نقصانات کو بتلا دینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ایک معمولی درجہ کا آدمی بھی ایسا کر سکتا ہے اور اخلاقی واعظ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحؑ کا نام محمدؐ نہ رکھا گیا۔ کیوں؟ کہ ان کی خدمات ایسی اعلیٰ درجہ کی نہ تھیں اور اسی طرح پر موسیٰ علیہ السلام جب آئے گو وہ ایک شریعت لے کر آئے مگر ان کا بڑا کام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا ہی تھا؛ حالانکہ وہ قوم چار سو برس کی تلخیوں اور مصیبتوں کی وجہ سے بجائے خود اس بات پر آمادہ اور تیار تھی کہ کوئی ایسی تحریک ہو تو وہاں سے نکل کھڑے ہوں۔ مادّہ تیار تھا۔ صرف تحریک اور محرک کی ضرورت تھی۔ انسان جب کسی بیگار یا بے جا مشقت میں پکڑا جاوے، تو وُہ خود اس سے نجات پانی چاہتا ہے اور نکلنے کی خواہش کرتا ہے۔ پس جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں پریشان ہو رہے تھے اور اندر ہی اندر وہ اس سے رہائی پانے کی فکر میں تھے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر جب انہیں کہا کہ مَیں تم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلاؤں گا تو وُہ سب تیار ہو گئے۔ بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات کو بہ نظرِ غور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی اصل غرض موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی کیا تھی؟ بڑی بھاری غرض یہی تھی کہ وہ فرعون کی غلامی سے نکلیں؛ چنانچہ

رُوحانی اُمور اور خدا پرستی کے متعلق وہ ہمیشہ ٹھوکر کھاتے رہے اور بے جا گستاخیوں اور شوخیوں سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ : ۵۶) اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (المائدہ : ۲۵) جیسے کلمات کہنے اور ذرا سی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی کرنے سے باز نہ آئے اور بات بات میں ضد اور اعتراض سے کام لیتے۔ اُن کے حالات پر پوری نظر کے بعد صاف معلوم دیتا ہے کہ وہ صرف اور صرف فرعون کی غلامی سے ہی آزاد ہونا چاہتے تھے۔ خود اپنے آپ میں رہبری اور سرداری کی قوت نہ رکھتے تھے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کی بات سُنتے ہی تیار ہو گئے۔ چونکہ بہت تنگ آ چکے تھے اور مرتا کیا نہ کرتا اپنی سرخروئی اُنھوں نے اسی میں سمجھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکل پڑے، لیکن آخر موسیٰؑ کی کامیابیوں کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر بنے۔ غرض حضرت موسیٰؑ کو بہت محنت اور مشقت کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ قوم زندانِ غلامی میں گرفتار تھی اور تیار تھی کہ کوئی آئے، تو اسے قبول کر لیں۔ ایسی حالت میں کئی لاکھ آدمیوں نے ایک دن میں قبول کر لیا اور اُنھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ وہ کیسی قوم ہے اور موسیٰؑ کی تعلیم سے اُنھوں نے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ پس یہاں تک کہ اُن کو مصر سے نکال لینا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ اصلاح کا زمانہ جب آیا اور موسیٰؑ نے جب چاہا کہ ان کو خدا پرست قوم بنا کر وعدہ کی سرزمین میں داخل کریں۔ وُہ اُن کی شوخیوں اور گستاخیوں اور اندرونی بداعمالیوں میں گزرا۔ یہاں تک کہ خود حضرت موسیٰؑ بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہو سکے اس لیے ان کا نام بھی محمدؐ نہ ہو سکا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

غرض جہاں تک غور کرتے جاؤ۔ یہ پتہ لے گا کہ کوئی نبی اس مبارک نام کا مستحق نہ تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آ گیا اور وہ ایک خارستان تھا، جس میں نبی کریم نے قدم رکھا اور ظلمت کی انتہا ہو چکی تھی۔ میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کُل نبی جو اس وقت تک گزر چکے تھے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے۔ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے۔ اُن میں وہ دل اور وُہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبیؐ کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سُوءِ ادبی ہے تو وُہ نادان مجھ پر افترا کرے گا۔ مَیں نبیوں کی عزت اور حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں، لیکن نبی کریم کی فضیلت کُل انبیاء پر میرے ایمان کا جُزوِ اعظم ہے اور میرے رگ و ریشہ میں مِل ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دُوں۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے، جو نہ الگ الگ اور نہ مِل مِل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

سراپا محمدؐ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو اور اس بات پر پوری اطلاع ملے کہ اُس وقت دُنیا کی کیا حالت تھی اور آپؐ نے آکر کیا کیا؟ تو انسان وجد میں آکر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ اٹھتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں۔ یہ خیالی اور فرضی بات نہیں ہے۔ قرآن شریف اور دُنیا کی تاریخ اِس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ نبی کریمؐ نے کیا کیا۔ ورنہ وہ کیا بات تھی جو آپؐ کے لیے مخصوصًا فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب: ۵۷) کسی دُوسرے نبی کے لیے یہ صدا نہیں آئی۔ پُوری کامیابی پُوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دُنیا میں آیا جو مُحَمَّدٌ کہلایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عادت اللہ اسی طرح پر ہے۔ زمانہ ترقی کرتا ہے۔ آخر وہ زمانہ آگیا جو خاتم النبیین کا زمانہ تھا جو ایک ہی شخص تھا جس نے یہ کہا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) کہنے کو تو یہ چند لفظ ہیں۔ اور ایک اندھا کہہ سکتا ہے کہ معمولی بات ہے۔ مگر جو دل رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے اور جو کان رکھتا ہے، وہ سُنتا ہے۔ جو آنکھیں رکھتا ہے وُہ دیکھتا ہے کہ یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں۔ مَیں کہتا ہوں اگر یہ معمولی لفظ تھے، تو بتلاؤ کہ موسیٰ علیہ السّلام کو یا مسیح علیہ السّلام یا کسی نبی کو بھی یہ طاقت کیوں نہ ہوئی کہ وُہ یہ لفظ کہہ دیتا۔ اصل یہی ہے جس کو یہ قوت یہ منصب نہیں ملا وہ کیونکر کہہ سکتا ہے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ کسی نبی کو یہ شوکت یہ جلال نہ ملا جو ہمارے نبی کریمؐ کو ملا۔ بکری کو اگر ہر روز گوشت کھلاؤ، تو وُہ گوشت کھانے سے شیر نہ بن سکے گی۔ شیر کا بچہ ہی شیر ہوگا۔ پس یاد رکھو۔ یہی بات سچ ہے کہ اس نام کا مستحق اور واقعی حقدار ایک تھا۔ جو مُحَمَّدٌ کہلایا۔ یہ داوِ الٰہی ہے۔ جس کے دل و دماغ میں چاہے۔ یہ قوتیں رکھ دیتی ہے اور خدا خوب جانتا ہے کہ ان قوتوں کا محل اور موقعہ کونسا ہے۔ ہر ایک کا کام نہیں کہ اس راز کو سمجھ سکے اور ہر ایک کے مُنہ میں وُہ زبان نہیں جو یہ کہہ سکے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ جبتک رُوح القُدس کی خاص تائید نہ ہو۔ یہ کام نہیں نکل سکتا۔

رسُول اللہؐ میں وُہ ساری قوتیں اور طاقتیں رکھی گئی ہیں جو محمدؐ بنا دیتی ہیں تاکہ بالقوۃ باتیں بالفعل میں بھی آجاویں، اس لیے آپؐ نے یہ دعویٰ کیا کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ ایک قوم کے ساتھ جو مشقت کرنی پڑتی ہے۔ تو کس قدر مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایک خدمت گار شریر ہو تو اس کا دُرست کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخر تنگ اور عاجز آکر اس کو بھی نکال دیتا ہے۔ لیکن وہ کس قدر قابلِ تعریف ہوگا جو اسے دُرست کرلے اور پھر وہ تو بڑا ہی مردِ میدان ہے جو اپنی قوم کو دُرست کر سکے؛ حالانکہ یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں، مگر وہ جو مختلف قوموں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا۔ سوچو تو سہی کسقدر کامل اور زبردست قوٰی کا مالک ہوگا۔ مختلف طبیعت کے لوگ، مختلف عمروں، مختلف ملکوں، مختلف خیال، مختلف قویٰ کی مخلوق کو ایک ہی تعلیم کے نیچے رکھنا اور پھر ان سب

کی تربیت کرکے دکھا دینا اور وہ تربیت بھی کوئی جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی تربیت، خداشناسی اور معرفت کی باریک سے باریک باتوں اور اسرار سے پُورا واقف بنا دینا اور نری تعلیم ہی نہیں بلکہ عامل بھی بنا دینا یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ دُنیا کے لیے اجتماع بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں ذاتی مفاد اور دُنیوی لالچ کی ایک تحریک ہوتی ہے مگر کوئی یہ بتلائے کہ محض اللہ کے لیے پھر ایسے وقت میں کہ اس جلالی نام سے کُل دُنیا ناواقف ہو اور پھر ایسی حالت میں اس کا اقرار کرنا کہ دُنیا کی تمام مصیبتوں کو اپنے سر پر اُٹھا لینا ہو۔ کون کسی کے پاس آسکتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والے کی عظیم الشان قوت جذب کی نہ ہو کہ بے اختیار ہو ہو کر دل اُس کی طرف پکھج آویں اور وہ تمام تکلیفیں اور بلائیں ان کے لیے محسُوس اللذّات اور مُدرک الحلاوت ہو جاویں۔ اب رسُول اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کی جماعت کی طرف غور کرو تو پھر کیسا روشن طور پر معلوم ہوگا کہ آپؐ ہی اس قابل تھے کہ محمدؐ نام سے موسُوم ہوتے اور اس دعویٰ کو جیسا کہ زبان سے کیا گیا تھا۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً۔ اپنے عمل سے بھی کر دکھاتے؛ چنانچہ وُہ وقت آگیا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر ۲،۳) اس میں اس امر کی طرف صریح اشارہ ہے کہ آپؐ اس وقت دُنیا میں آئے جب دین اللہ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا اور عالمگیر تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور گئے اُس وقت کہ جبکہ اس نظارہ کو دیکھ لیا کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔

جب تک اس کو پُورا نہ کر لیا۔ نہ تھکے نہ ماندہ ہوئے۔ مخالفوں کی مخالفتیں، اعداء کی سازشیں اور منصوبے، قتل کرنے کے مشورے، قوم کی تکلیفیں آپؐ کے حوصلہ اور ہمت کے سامنے سب ہیچ اور بیکار تھیں اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جو آپؐ کو اپنے کام سے ایک لمحہ کیلئے بھی روک سکتی! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس وقت تک زندہ رکھا۔ جب تک کہ آپؐ نے وُہ کام نہ کر لیا جس کے واسطے آئے تھے۔ یہ بھی ایک سِرّ ہے کہ خدا کی طرف سے آنے والے جھوٹوں کی طرح نہیں آتے۔

اسی طرح پر آپ کے صدقِ نبوت پر آپؐ کی زندگی سب سے بڑا نشان ہے۔ کوئی ہے جو اس پر نظر کرے؟ آپؐ کو دُنیا میں ایسے وقت پر بھیجا کہ دُنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اُس وقت تک زندہ رکھا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ: ۴) کی آواز آپؐ کو نہ آگئی اور فوجوں کی فوجیں اسلام میں داخل ہوتی ہوئیں آپؐ نے نہ دیکھ لیں۔ غرض اِس قسم کی بہت سی وجوہ ہیں، جن سے آپؐ کا نام محمدؐ رکھا گیا۔

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم

پھر آپؐ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا۔ وُہ احمدؐ ہے؛ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے اسی نام کی پیشگوئی کی تھی۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی

اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (الصف : ۷) یعنی میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کی میں بشارت دیتا ہوں اور اس کا نام احمدؐ ہوگا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کی حد سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ اس لفظ سے صاف پایا جاتا ہے اور سچی بات بھی یہی ہے کہ کوئی اُسی کی تعریف کرتا ہے جس سے کچھ لیتا ہے اور جس قدر زیادہ لیتا ہے اسی قدر زیادہ تعریف کرتا ہے۔ اگر کسی کو ایک روپیہ دیا جاوے، تو وُہ اسی قدر تعریف کرے گا اور جس کو ہزار روپیہ دیا جاوے وہ اسی اندازہ سے کرے گا۔ غرض اس سے واضح طور پر پایا جاتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ خدا کا فضل پایا ہے۔ در اصل اس نام میں ایک پیشگوئی ہے کہ یہ بہت ہی بڑے فضلوں کا وارث اور مالک ہوگا۔

محمدؐ و احمدؐ

پھر آپؐ کے مبارک ناموں میں ایک سِرّ یہ ہے کہ محمدؐ اور احمدؐ جو دو نام ہیں۔ ان میں دو جُدا جُدا کمال ہیں۔ محمدؐ کا نام جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے۔ جو نہایت درجہ تعریف کیا گیا ہے اور اس میں ایک معشوقانہ رنگ ہے، کیونکہ معشوق کی تعریف کی جاتی ہے۔ پس اس میں جلالی رنگ ہونا ضروری ہے۔ مگر احمدؐ کا نام اپنے اندر عاشقانہ رنگ رکھتا ہے، کیونکہ تعریف کرنا عاشق کا کام ہے۔ وُہ اپنے محبُوب اور معشوق کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ اس لیے جیسے محمدؐ محبوبانہ شان میں جلال اور کبریائی کو چاہتا ہے، اسی طرح احمدؐ عاشقانہ شان میں ہو کر غُربت اور انکساری کو چاہتا ہے۔ اس میں ایک سِرّ یہ تھا کہ آپؐ کی زندگی کی تقسیم دو حصّوں پر کر دی گئی۔ ایک تو مکّی زندگی جو ۱۳ برس کے زمانہ کی ہے اور دُوسری وہ زندگی جو مدنی زندگی ہے اور وُہ ۱۰ برس کی ہے۔ مکّہ کی زندگی میں اسمِ احمدؐ کی تجلّی تھی۔ اس وقت آپؐ کی دن رات خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وُبکا اور طلبِ استعانت اور دُعا میں گزرتی تھی۔ اگر کوئی شخص آپؐ کی اس زندگی کے بسر اوقات پر پُوری اطلاع رکھتا ہو، تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ جو تضرّع اور زاری آپؐ نے اس مکّی زندگی میں کی ہے، وہ کبھی کسی عاشق نے اپنے محبُوب و معشوق کی تلاش میں کبھی نہیں کی اور نہ کر سکے گا۔ پھر آپؐ کی تضرّع اپنے لیے نہ تھی۔ بلکہ یہ تضرّع دُنیا کی حالت کی پوری واقفیت کی وجہ سے تھی۔ خدا پرستی کا نام و نشان چونکہ مِٹ چکا تھا اور آپؐ کی روح اور ضمیر میں اللہ تعالیٰ میں ایمان رکھ کر ایک لذّت اور سُرور آ چکا تھا اور فطرتاً دُنیا کو اس لذّت اور محبّت سے سرشار کرنا چاہتے تھے۔ ادھر دُنیا کی حالت کو دیکھتے تھے۔ تو اُن کی استعدادیں اور فطرتیں عجیب طرز پر واقع ہو چکی تھیں اور بڑے مشکلات اور مصائب کا سامنا تھا۔ غرض دُنیا کی اس حالت پر آپؐ گریہ وزاری کرتے تھے اور یہاں تک کرتے تھے کہ قریب تھا کہ جان نکل جاتی۔ اسی کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء : ۴) یہ آپؐ کی متضرّعانہ زندگی تھی اور اسمِ احمدؐ کا ظہور تھا۔ اس وقت آپؐ ایک عظیم الشّان توجّہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اِس توجہ کا ظہور مدنی زندگی اور اسمِ محمدؐ کی تجلّی کے وقت ہوا۔ جیسا کہ اس آیت سے پتہ لگتا ہے۔ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ (ابراہیم : ۱۶)۔

مامُورین پر ابتلاء

یہ سُنّت اللہ ہے کہ مامُور من اللہ ستائے جاتے ہیں۔ دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ مشکل پر مشکل اُن کے سامنے آتی ہے نہ اس لیے کہ وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ اس لیے کہ نصرتِ الٰہی کو جذب کریں۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ کی مکّی زندگی کا زمانہ مدنی زندگی کے بالمقابل دراز ہے۔ چنانچہ مکّہ میں ۱۳ برس گذرنے اور مدینہ میں دس برس۔ جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ ہر نبی اور مامُور من اللہ کے ساتھ یہی حال ہوا ہے کہ اوّل میں دُکھ دیا گیا۔ مکّار، فریبی، دوکاندار اور کیا کیا کہا گیا ہے۔ کوئی بُرا نام نہیں ہوتا جو اُن کا نہیں رکھا جاتا۔ وُہ نبی اور مامُور ہر ایک بات کی برداشت کرتے اور ہر دُکھ کو سہہ لیتے ہیں۔ لیکن جب انتہا ہو جاتی ہے تو پھر بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لیے دُوسری قوّت ظہور پکڑتی ہے۔ اسی طرح پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہر قسم کا دُکھ دیا گیا ہے اور ہر قسم کا بُرا نام آپؐ کا رکھا گیا ہے۔ آخر آپؐ کی توجہ نے زور مارا اور وُہ انتہا تک پہنچی جیسا اِسْتَفْتَحُوْا سے پایا جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوا۔ وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ تمام شریروں اور شرارتوں کے منصوبے کرنے والوں کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ توجہ مخالفوں کی شرارتوں کے انتہا پر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اوّل ہی ہو تو پھر خاتمہ ہو جاتا ہے!! مکّہ کی زندگی میں حضرتِ احدیت کے حضور گرنا اور چلّانا تھا اور وہ اس حالت تک پہنچ چکا تھا کہ دیکھنے والوں اور سُننے والوں کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ مگر آخر مدنی زندگی کے جلال کو دیکھو کہ وہ جو شرارتوں میں سرگرم اور قتل اور اخراج کے منصوبوں میں مصروف رہتے تھے۔ سب کے سب ہلاک ہوئے اور باقیوں کو اس کے حضور عاجزی اور منّت کے ساتھ اپنی خطاؤں کا اقرار کر کے معافی مانگنی پڑی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دیکھو کس قدر فائدہ پہنچا۔ ایک زمانہ میں یہ ایمان نہ لاتے تھے اور چار برس کا توقف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب مصلحت سمجھتا ہے کہ اس میں کیا سرّ ہے۔ ابوجہل نے کوشش کی کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جاوے جو رسول اللہؐ کو قتل کر دے۔ اس وقت حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور دلیر مشہور تھے اور شوکت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں مشورہ کر کے رسُول اللہ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور معاہدہ پر حضرت عمرؓ اور ابوجہل کے دستخط ہو گئے اور قرار پایا کہ اگر عمر قتل کر آویں تو اس قدر روپیہ دیا جاوے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک وقت رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ دُوسرے وقت وہی عمرؓ اسلام میں ہو کر خود شہید ہوتے ہیں۔ وہ کیا عجیب زمانہ تھا۔ غرض اس وقت یہ معاہدہ ہوا کہ مَیں قتل کرتا ہوں۔ اس تحریر کے بعد آپؐ کی تلاش اور تجسّس میں لگے راتوں کو پھرتے تھے کہ کہیں تنہا مل جاویں تو قتل کر دوں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ آپؐ تنہا کہاں ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا

نصف رات گزرنے کے بعد خانہ کعبہ میں جاکر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ سُنکر بہت ہی خوش ہوئے چنانچہ خانہ کعبہ میں آکر چھُپ رہے۔ جب تھوڑی دیر گذری تو جنگل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اور وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آواز تھی۔ اس آواز کو سُن کر اور یہ معلوم کرکے کہ وہ ادھر ہی کو آرہی ہے۔ حضرت عمرؓ اور بھی احتیاط کرکے چھُپے اور یہ ارادہ کرلیا کہ جب سجدہ میں جائیں گے، تو تلوار مارکر سر مبارک تن سے جُدا کردوں گا۔ آپؐ نے آتے ہی نماز شروع کردی۔ پھر اس کے آگے کے واقعات خود حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں اس قدر رو رو کر دُعائیں کیں کہ مجھ پر لرزہ پڑنے لگا۔ یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کہا سَجَدَ لَکَ رُوْحِیْ وَجَنَانِیْ یعنی اے میرے مولیٰ میری رُوح اور میرے دل نے بھی تجھے سجدہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دُعاؤں کو سُن کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ آخر میرے ہاتھ سے ہیبتِ حق کی وجہ سے تلوار گر پڑی۔ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت سے سمجھ لیا کہ یہ سچا ہے اور ضرور کامیاب ہوجائے گا۔ مگر نفسِ امّارہ بُرا ہوتا ہے۔ جب آپؐ نماز پڑھ کر نکلے۔ مَیں پیچھے پیچھے ہولیا۔ پاؤں کی آہٹ جو آپؐ کو معلوم ہوئی۔ رات اندھیری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا۔ کون ہے؟ مَیں نے کہا۔ عمرؓ۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ نہ تو رات کو پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ دن کو۔ اس وقت مجھے رسُول اللہؐ کی رُوح کی خوشبو آئی اور میری رُوح نے محسوس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بددُعا کریں گے۔ مَیں نے عرض کیا۔ یاحضرت! بددُعا نہ کریں۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ وُہ وقت اور وُہ گھڑی میرے اسلام کی تھی۔ یہانتک کہ خدا نے مجھے توفیق دی کہ مَیں مُسلمان ہوگیا۔

اب سوچو کہ اس تضرع اور بُکا میں کیسی تلوار مخفی تھی کہ جس نے عمرؓ جیسے انسان کو جو قتل کے لیے معاہدہ کرکے آتا ہے۔ اپنی ادا کا شہید کرلیا۔ اس توجہ اور زاری میں ایسی تلوار ہوتی ہے۔ جو سیف و سِنان سے بڑھ کر کام کرتی ہے۔ غرض وُہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی کا اسمِ احمدؐ کے ظہور کا زمانہ تھا، اس لیے مکّہ میں عاشقانہ رنگ کا جلوہ دکھایا۔ اپنے آپ کو خاک میں ملادیا اور ہزاروں موتیں اپنے آپ پر وارد کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اِس جوش، وفا، تضرع اور دُعا و بُکا کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ ان موتوں کے بعد وہ قوّت وہ زندگی آپؐ کو ملی کہ ہزاروں لاکھوں مُردوں کے زندہ کرنے والے ٹھہرے اور حاشر النّاس کہلائے اور ابتک اپنی قوتِ قدسی کے زور سے کروڑہا مُردوں کو زندہ کررہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔

پس اس مکّی زندگی اور عاشقانہ ظہور کے بعد جو اسمِ احمدؐ کی تجلّی تھی۔ دُوسرا دَور آپؐ کی جلالی زندگی اسمِ محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور کا معشوقانہ شان میں ہوا جبکہ مکّہ والوں کی دشمنی کی انتہا ہوچکی اور دُعاؤں اور

توجہ کی حد ہوگئی۔ نابکار مخالفوں کی عداوت حد سے بڑھ کر بیت اللہ سے نکال دینے کا باعث ہوئی اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ تعاقب کیا اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ تکلیف دہی اور ایذا رسانی کا باقی نہ رکھا، تو آپؐ مدینہ تشریف لائے اور پھر حکم ہوا کہ مداخلت کی جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور جلالِ الٰہی نے اسم محمدؐ کا جلوہ دکھانے کا ارادہ فرمایا، جس کا ظہور مدنی زندگی میں ہوا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں آنے کی غرض وغایت تو صرف یہ تھی کہ دُنیا پر اس خدا کا جلال ظاہر کریں، جو مخلوق کی نظروں اور دلوں سے پوشیدہ ہو چکا تھا اور اس کی جگہ باطل اور بیہودہ معبودوں، بتوں اور پتھروں نے لے لی تھی اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی اور جلالی زندگی میں جلوہ گری فرماتا اور اپنے دستِ قدرت کا کرشمہ دکھاتا۔

محبُوبِ الٰہی بننے کے لیے واحد راہ اطاعتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامل نمونہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور محبُوبِ الٰہی بننے کا ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمادیا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران : ۳۲) یعنی ان کو کہہ دو کہ تم اگر چاہتے ہو کہ محبُوبِ الٰہی بن جاؤ اور تمہارے گناہ بخش دیئے جاویں، تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔

کیا مطلب کہ میری پیروی ایک ایسی شے ہے جو رحمتِ الٰہی سے نا اُمید ہونے نہیں دیتی۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبُوب بنا دیتی ہے اور تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اسی صُورت میں سچا اور صحیح ثابت ہوگا کہ تم میری پیروی کرو۔

اِس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے کسی خود تراشیدہ طرزِ ریاضت و مشقت اور جپ تپ سے اللہ تعالیٰ کا محبُوب اور قُربِ الٰہی کا حقدار نہیں بن سکتا۔ انوار و برکاتِ الٰہیہ کسی پر نازل نہیں ہو سکتیں۔ جبتک وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کھویا نہ جاوے۔

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاوے اور آپؐ کی اطاعت اور پیروی میں ہر قسم کی موت اپنی جان پر وارد کرلے۔ اس کو وُہ نورِ ایمان، محبت اور عشق دیا جاتا ہے جو غیر اللہ سے رہائی دلا دیتا ہے۔ اور گناہوں سے رستگاری اور نجات کا موجب ہوتا ہے۔ اسی دُنیا میں وہ ایک پاک زندگی پاتا ہے۔ اور نفسانی جوش و جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے نکال دیا جاتا ہے۔ اِسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ۔ یعنی میں وُہ مُردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر

لوگ اُٹھائے جاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ وہ علوم جو مدارِ نجات ہیں یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہیں ہو سکتے، جو بتوسط روح القدس انسان کو ملتی ہے اور قرآن شریف کی یہ آیت صاف طور پر اور پکار کر یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ حیاتِ روحانی صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ملتی ہے اور وہ تمام لوگ جو بخل اور عناد کی وجہ سے نبی کریمؐ کی متابعت سے سرکش ہیں، وُہ شیطان کے سائے کے نیچے ہیں۔ اس میں اس پاک زندگی کی رُوح نہیں ہے جو بظاہر زندہ کہلاتا ہے لیکن مُردہ ہے جبکہ شیطان اُس کے دل پر سوار ہے۔

موت کو یاد رکھیں

افسوس اُس کو موت یاد نہیں ہے۔ موت کیا دُور ہے جس کی پچاس برس کی عمر ہو چکی ہے۔ اگر وہ زندگی پائے گا تو دو چار برس اور پائے گا یا زیادہ سے زیادہ دس برس۔ اور آخر مرنا ہوگا۔ موت ایک یقینی شے ہے جس سے ہرگز ہرگز کوئی بچ نہیں سکتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ روپیہ پیسہ کے حساب میں ایسے غلطاں پیچاں رہتے ہیں کہ کچھ حد نہیں۔ مگر عمر کا حساب کبھی بھی نہیں کرتے۔ بدبخت ہے وُہ انسان جس کو عُمر کے حساب کی طرف توجہ نہ ہو۔ سب سے ضروری اور حساب کے لائق جو شے ہے وہ عمر ہی تو ہے۔ ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور یہ حسرت لے کر دُنیا سے کُوچ کرے۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دُنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ جہنم کی زندگی بھی یہاں ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان حسرت کے ساتھ مرتا ہے، تو بہت بڑے جہنم میں ہوتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب چلا۔ ہیضہ، طاعُون، محرقہ، خفقان یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہوتا ہے، تو موت سے پہلے ایک موت وارد ہو جاتی ہے۔ جو دل اور رُوح کو فرسُودہ کر دیتی ہے۔ اور وُہ بھی حسرت ہوتی ہے۔ بعض امراض ایسے ہیں کہ دو منٹ میں دَم لینے نہیں دیتے اور جھٹ پٹ کام تمام کر دیتے ہیں جس نے ایک دن بھی مطالعہ کیا کہ مَیں مرنے والا جانور ہوں وہ اس عذاب سے بچنے کی فکر میں ہوا جو انسان کو حسرت کے رنگ میں کھا جاتا ہے۔

ہمارے عزیزوں میں سے ایک کو قولنج ہوئی۔ آخر پیشاب بند ہو کر سیاہ رنگ کی ایک قے ہوئی اور اس کے ساتھ ہی گردن لٹک گئی۔ اس وقت کہا کہ اب معلوم ہوا کہ دُنیا کچھ چیز نہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ دُنیا کوئی چیز نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سب جو اس وقت یہاں موجود ہیں، سالِ آئندہ میں بھی ضرور ہوں گے۔ بہت سے ہمارے دوست جو پچھلے سال موجود تھے، آج نہیں ہیں۔ اُنہیں کیا معلوم تھا کہ اگلے سال ہم نہ ہوں گے۔ اسی طرح اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ضرور ہوں گے اور کس کو معلوم ہے کہ مرنے والوں کی فہرست میں کس کس کا نام ہے۔ پس بڑا ہی مُورکھ اور نادان ہے وہ شخص جو مرنے سے پہلے خدا سے صُلح نہیں کرتا اور جھُوٹی برادری کو نہیں چھوڑتا۔

بدصحبت

انسان کو ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے ایک بدصحبت بھی ہے۔ دیکھو ابوجہل خود تو ہلاک ہوا، مگر اور بھی بہت سے لوگوں کو لے مرا۔ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے۔

اس کی صحبت اور مجلس میں بجز استہزا اور ہنسی ٹھٹھے کے اور کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ یہی کہتے تھے اِنْ هٰذَا اِلَّا شَیْءٌ یُّرَادُ۔ (صٓ ۷:) میاں یہ دوکاندار ہے۔

اب دیکھو اور بتلاؤ کہ جس کو دوکاندار اور ٹھگ کہا جاتا تھا، ساری دُنیا میں اسی کا نُور ہے یا کسی اور کا بھی! ابوجہل مرگیا اور اس پر لعنت کے سوا کچھ نہ رہا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بلند کو دیکھو کہ شب و روز بلکہ ہر وقت درود پڑھا جاتا ہے اور ۹۹ کروڑ مسلمان اس کے خادم موجود ہیں۔ اگر اب ابوجہل پھر آتا، تو اگر دیکھتا کہ جسے اکیلا مکہ کی گلیوں میں پھرتا دیکھتا تھا، جس کی ایذادہی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ جب ۹۹ کروڑ انسانوں کے مجمع کو دیکھتا حیران رہ جاتا اور یہ نظارہ ہی اس کو ہلاک کر دیتا۔ یہ ہے ثبوت آپؐ کی رسالت کی سچائی کا۔ اگر اللہ تعالیٰ ساتھ نہ ہوتا، تو یہ کامیابی نہ ہوتی۔ کس قدر کوششیں اور منصوبے آپؐ کی عداوت اور مخالفت کے کئے، مگر آخر ناکام اور نامُراد ہونا پڑا۔ اس ابتدائی حالت میں جب چند آدمی آپؐ کے ساتھ تھے کون دیکھ سکتا تھا کہ یہ عظیم الشان انسان دُنیا میں ہوگا اور ان مخالفوں کی سازشوں سے صحیح اور سلامت بچ کر کامیاب ہو جائے گا۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح پر ہے کہ انجام خدا کے بندوں کا ہی ہوتا ہے۔ قتل کی سازشیں، کفر کے فتوے، مختلف قسم کی ایذائیں ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (الصّف: ۹) یہ شریر کافر اپنے مُنہ کی پھونکوں سے نُور اللہ کو بجھانا چاہتے ہیں۔ اللہ اپنے نُور کو کامل کرنے والا ہے۔ کافر بُرا مناتے رہیں۔

مُنہ کی پھونکیں کیا ہوتی ہیں۔ یہی کسی نے ٹھگ کہہ دیا۔ کسی نے دوکاندار اور کافر بے دین کہہ دیا۔ غرض یہ لوگ ایسی باتوں سے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو بجھا دیں، مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکتے، نُور اللہ کو بجھاتے بجھاتے خود ہی جل کر ذلیل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لوگوں کے لشکر آسمان پر ہوتے ہیں۔ منکر اور زمینی لوگ اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر ان کو معلوم ہو جاوے اور وہ ذرا سا بھی دیکھ پائیں تو ہیبت سے ہلاک ہو جائیں، مگر یہ لشکر نظر نہیں آسکتے۔ جبتک انسان اللہ تعالیٰ کی چادر کے نیچے نہ آئے۔

سعادتِ عظمیٰ کے حصول کی راہ

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ سعادتِ عظمیٰ کے حصُول کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی راہ رکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاوے جیسا کہ اس آیت میں صاف فرما دیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۳۲) یعنی آؤ میری پیروی کرو، تاکہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رسمی طور پر عبادت کرو۔ اگر حقیقتِ مذہب یہی ہے، تو پھر نماز کیا چیز ہے اور روزہ کیا چیز ہے۔

خود ہی ایک بات سے رُکے اور خود ہی کرے۔ اسلام محض اس کا نام نہیں ہے۔ اسلام تو یہ ہے کہ بکرے کی طرح سر رکھ دے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا مرنا، میرا جینا، میری نماز، میری قربانیاں اللہ ہی کے لیے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنی گردن رکھتا ہوں۔ یہ فخر اسلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اوّلیت کا ہے۔ نہ ابراہیمؑ کو نہ کسی اور کو۔ یہ اسی کی طرف اشارہ ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ اگرچہ آپؐ سب نبیوں کے بعد آئے، مگر یہ صدا کہ میرا مرنا اور میرا جینا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دُوسرے کے مُنہ سے نہیں نکلی۔

مُسلمان کی حقیقت

اب دُنیا کی حالت کو دیکھو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے عمل سے یہ دکھایا کہ میرا مرنا اور جینا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یا اب دُنیا میں مسلمان موجود ہیں۔ کسی سے کہا جاوے کہ کیا تو مُسلمان ہے؟ تو کہتا ہے۔ الحمد للہ جس کا کلمہ پڑھتا ہے، اس کی زندگی کا اصُول تو خدا کے لیے تھا، مگر یہ دُنیا کے لیے جیتا اور دُنیا ہی کے لیے مرتا ہے اس وقت تک کہ غرغرہ شروع ہو جاوے، دُنیا ہی اس کی مقصُود، محبُوب اور مطلُوب رہتی ہے پھر کیونکر کہہ سکتا ہے کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں۔

یہ بڑی غور طلب بات ہے اس کو سرسری نہ سمجھو۔ مُسلمان بننا آسان نہیں ہے۔ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اسلام کا نمونہ جبتک اپنے اندر پیدا نہ کر لو مطمئن نہ ہو۔

یہ صرف چھلکا ہی چھلکا ہے۔ اگر بدُوں اتباع مُسلمان کہلاتے ہو۔ نام اور چھلکے پر خوش ہو جانا دانشمند کا کام نہیں ہے۔ لکھا ہے۔ کسی یہودی کو ایک مُسلمان نے کہا کہ تو مُسلمان ہو جا۔ اس نے کہا تو صرف نام پر ہی خوش نہ ہو جا۔ مَیں نے اپنے لڑکے کا نام خالد رکھا تھا اور شام سے پہلے ہی اُسے دفن کر آیا۔ پس حقیقت کو طلب کرو۔ نرے ناموں پر راضی نہ ہو جاؤ۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ انسان عظیم الشان نبیؐ کا امتی کہلا کر کافروں کی سی زندگی بسر کرے۔ تم اپنی زندگی میں محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دکھاؤ، وہی حالت پیدا کرو اور دیکھو اگر وہی حالت نہیں ہے، تو تم طاغوت کے پیرو ہو۔

غرض یہ بات اب بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبُوب ہونا انسان کی زندگی کی غرض و غایت ہونی چاہیے، کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کا محبُوب نہ ہو اور خدا کی محبت نہ ملے، کامیابی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اور یہ امر پیدا نہیں ہوتا، جبتک رسُول اللہؐ کی سچی اطاعت اور متابعت نہ کرو اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ پس تم وُہ اسلام اپنے اندر پیدا کرو، تاکہ تم خدا کے محبُوب بنو۔

اب مَیں پھر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حمد ہی سے محمدؐ اور احمدؐ نکلا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ گویا حمد کے دو مظہر ہوئے اور پھر الحمد للہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی چار

صفتیں رَبِّ الْعَالَمِین۔ الرَّحْمٰن۔ الرَّحِیْم۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن بیان کی ہیں۔

احمد اللہ کا مظہر

مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ الحمد اللہ کا مظہر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو ظہوروں محمدؐ اور احمدؐ میں ہوا۔ اب نبیؐ کامل صلی اللہ علیہ وسلّم کی ان صفاتِ اربعہ کو بیان کرکے صحابہ کرامؓ کی تعریف میں پُورا بھی کر دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ خلقی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے اس لیے فنا فی اللہ کے یہی معنے ہیں کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آجاوے۔

مظہرِ صفاتِ باریؐ صلی اللہ علیہ وسلّم

اب دیکھو کہ ان صفاتِ اربعہ کا عملی نمونہ صحابہ میں کیسا دکھایا۔ جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے، تو اُمّت کے لوگ ایسے تھے، جیسے بچّہ دُودھ پینے کا محتاج ہوتا ہے۔ گویا ربُوبیت کے محتاج تھے۔ وحشی اور درندوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ماں کی طرح دُودھ پلا کر اُن کی پرورش کی۔ پھر رحمانیت کا پرتو کیا۔ وُہ سامان دیئے کہ جن میں کوشش کو کوئی دخل نہ تھا۔ قرآن کریم جیسی نعمت اور رسول کریمؐ جیسا نمونہ عطا فرمایا۔ پھر رحیمیت کا ظہور بھی دکھلایا کہ جو کوششیں کیں ان پر نتیجے مرتب کیے۔ اُن کے ایمانوں کو قبول فرمایا اور نصاریٰ کی طرح ضلالت میں نہ پڑنے دیا، بلکہ ثابت قدمی اور استقلال عطا فرمایا۔ کوشش میں یہ برکت ہوتی ہے کہ خدا ثابت قدم کر دیتا ہے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ میں کوئی مُرتد نہ ہوا۔ دُوسرے نبیوں کے احباب میں ہزاروں ہوتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے تو ایک ہی دن میں پانسو مُرتد ہوگئے۔ اور جن پر بڑا اعتبار اور وثوق تھا، اُن میں سے ایک نے تو تیس درہم لے کر پکڑوا دیا اور دُوسرے نے تین بار لعنت کی۔

بات دراصل یہ ہے کہ مُربّی کے قویٰ کا اثر ہوتا ہے۔ جس قدر مُربّی قوی التاثیر اور کامل ہوگا، ویسی ہی اس کی تربیت کا اثر مستحکم اور مضبُوط ہوگا۔

نبی کریمؐ کی قوّتِ قُدسی کا ثبوت

یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوّتِ قُدسی کے کامل اور سب سے بڑھ کر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے کہ آپؐ کے تربیت یافتہ گروہ میں وُہ استقلال اور رسُوخ تھا کہ وُہ آپؐ کے لیے اپنی جان مال تک دینے سے دریغ نہ کرنے والے میدان میں ثابت ہوتے۔ اور مسیحؑ کے نقص کا یہ بدیہی ثبوت ہے کہ جو جماعت تیار کی، وہی گرفتار کرانے اور جان سے مروانے اور لعنت کرنے والے ثابت ہوتے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رحیمیت کا اثر تھا کہ صحابہؓ میں ثباتِ قدم اور استقلال تھا۔ پھر مالکِ یوم الدین کا عملی ظہور صحابہؓ کی زندگی میں یہ ہوا کہ خدا نے اُن میں اور اُن کے غیروں میں فُرقان رکھ دیا۔ جو معرفت اور خدا کی محبت دُنیا میں اُن کو دی گئی، یہ اُن کی دُنیا میں جزا تھی۔ اب قصّہ کوتاہ کرتا ہوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان صفاتِ اربعہ کی تجلّی چمکی۔

مسیح موعودؑ کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی

لیکن بات بڑی غور طلب ہے کہ صحابہؓ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو، جو پہلے گزر چکے بلکہ

ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے۔ وُہ بھی صحابہؓ ہی میں داخل ہے جو احمدؐ کے بروز کے ساتھ ہوں گے؛ چنانچہ فرمایا۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعۃ: ۴) یعنی صحابہؓ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو، بلکہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہؓ ہی ہوگی۔

اس آیت کے متعلق مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعودؑ کی جماعت ہے مِنْھُمْ کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ ثانی توجہ اور استفاضہ صحابہؓ ہی کی طرح ہوگا۔ صحابہؓ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی، مگر اُن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وُہ بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نیچے ہوں گے۔ اس لیے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے۔ جیسے ان صفاتِ اربعہ کا ظہور اُن صحابہؓ میں ہوا تھا، ویسے ہی ضروری ہے کہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کی مصداق جماعتِ صحابہ میں بھی ہو۔

اب دیکھو کہ صحابہ کو بدر میں نصرت دی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ نصرت ایسے وقت میں دی گئی جبکہ تم تھوڑے تھے۔ اس بدر میں کفر کا خاتمہ ہوگیا۔

واقعۂ بدر میں مسیح موعودؑ کے زمانہ کی پیشگوئی

بدر پر ایسے عظیم الشان نشان کے اظہار میں آئندہ کی بھی ایک خبر رکھی گئی تھی۔

اور وہ یہ کہ بدر چودھویں کے چاند کو بھی کہتے ہیں۔ اس سے چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے اظہار کی طرف بھی ایماء ہے اور یہ چودھویں صدی وہی صدی ہے جس کے لیے عورتیں تک کہتی تھیں کہ چودھویں صدی خیر و برکت کی آئے گی۔ خدا کی باتیں پوری ہوئیں اور چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے موافق اسمِ احمدؐ کا بروز ہوا اور وُہ میں ہوں۔ جس کی طرف اس واقعۂ بدر میں پیشگوئی تھی۔ جس کے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا۔ مگر افسوس کہ جب وہ دن آیا اور چودھویں کا چاند نکلا تو دو کاندار، خود غرض کہا گیا۔ افسوس اُن پر جنہوں نے دیکھا اور نہ دیکھا۔ وقت پایا اور نہ پہچانا۔ وہ مر گئے جو منبروں پر چڑھ چڑھ کر رویا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں یہ ہوگا اور وہ رہ گئے جو اب منبروں پر چڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ جو آیا ہے وہ کاذب ہے!!! ان کو کیا ہوگیا۔ یہ کیوں نہیں دیکھتے اور کیوں نہیں سوچتے۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بدر ہی میں مدد کی تھی اور وُہ مدد اَذِلَّۃٌ کی مدد تھی جس وقت تین سو تیرہ آدمی صرف میدان میں آئے تھے اور کُل دو تین لکڑی کی تلواریں تھیں۔ اور ان تین سو تیرہ میں زیادہ تر چھوٹے بچے تھے۔ اس سے زیادہ کمزوری کی حالت کیا ہوگی اور دوسری طرف ایک بڑی بھاری جمعیت تھی اور وہ سب کے سب چیدہ چیدہ جنگ آزمودہ اور بڑے بڑے جوان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف ظاہری سامان کچھ نہ تھا۔ اس وقت رسُول اللہ صلی علیہ وسلم نے اپنی جگہ دُعا کی اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَداً۔ یعنی اے اللہ! اگر آج تُو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔

آج وہی بدر والا معاملہ ہے

سُنو! مَیں بھی یقیناً اسی طرح کہتا ہوں کہ آج وہی بدر والا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ایک جماعت تیار کر رہا ہے۔ وہی بدر اور اَذِلَّۃٌ کا لفظ موجود ہے۔ کیا یہ جھُوٹ ہے کہ اسلام پر ذلّت نہیں آئی؟ نہ سلطنتِ ظاہری میں شوکت ہے۔ ایک یُورپ کی سلطنت مُنہ دکھاتی ہے، تو بھاگ جاتے ہیں اور کیا مجال ہے جو سر اُٹھائیں۔ اِس مُلک کا حال کیا ہے؟ کیا اَذِلَّۃٌ نہیں ہیں۔ ہندو بھی اپنی طاقت میں مُسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک ذلت ہے جس میں ان کا نمبر بڑھا ہوا نہیں ہے؟ جس قدر ذلیل سے ذلیل پیشے ہیں، وہ اُن میں پاؤ گے۔ ٹکر گدا مسلمانوں ہی میں ملیں گے۔ جیل خانوں میں جاؤ، تو جرائم پیشہ گرفتار مسلمان ہی پاؤ گے۔ شراب خانوں میں جاؤ، کثرت سے مسلمان۔ اب بھی کہتے ہیں۔ ذلّت نہیں ہوتی؟ کروڑ ہا ناپاک اور گندی کتابیں اسلام کے رد میں تالیف کی گئیں۔ ہماری قوم میں مغل سید کہلانے والے اور شریف کہلانے والے عیسائی ہو کر اسی زبان سے سیّد المعصُومین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کوسنے لگے۔ صفدر علی اور عمادالدین وغیرہ کون تھے؟ امہات المومنین کا مصنّف کون ہے؟ جس پر اس قدر واویلا اور شور مچایا گیا اور آخر کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ ذلّت نہیں ہوئی۔ کیا تم تب خوش ہوتے کہ اسلام کا رہا سہا نام بھی باقی نہ رہتا، تب محسوس کرتے کہ ہاں اب ذلّت ہوئی ہے!!!

آہ! مَیں تم کو کیونکر دکھاؤں جو اسلام کی حالت ہو رہی ہے۔ دیکھو! مَیں پھر کھول کر کہتا ہوں کہ یہی بدر کا زمانہ ہے۔ اسلام پر ذلّت کا وقت آچکا ہے، مگر اب خدا نے چاہا ہے کہ اس کی نُصرت کرے؛ چنانچہ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ مَیں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کے ساتھ تمام ملّتوں اور مذہبوں پر غالب کر کے دکھاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مُبارک زمانہ میں چاہا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ اب کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ جس طرح پہلے صحابہؓ کے زمانہ میں چاروں صِفات کی ایک خاص تجلّی ظاہر ہوئی تھی۔ اب پھر وہی زمانہ ہے اور ربُوبیّت کا وقت آیا ہے۔ نادان مخالف چاہتے ہیں کہ بچّہ کو الگ کر دیں، مگر خدا کی ربُوبیّت نہیں چاہتی۔ بارش کی طرح اس کی رحمت برس رہی ہے۔ یہ مولوی حامیٔ دین کہلانے والے مخالفت کر کے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو بُجھا دیں۔ مگر یہ نُور پورا ہو کر رہے گا۔ اسی طرح پر جس طرح پر اللہ نے چاہا ہے۔ یہ خوش ہوتے ہیں اور تسلیم کر لیتے ہیں۔ جب پادری اُٹھ اُٹھ کر کہتے ہیں کہ تمہارا نبی مر گیا اور زندہ نبی مسیح ہی ہے اور مَسِّ شیطان سے مسیح ہی بچا ہوا ہے۔ اور مسیح نے مُردوں کو زندہ کیا۔ یہ بھی تائید کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہاں چڑیاں بھی بنایا کرتے تھے۔ ایک شخص

موحد میرے پاس آیا۔ مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ مسیح جو چڑیاں بنایا کرتے تھے۔ اب تو وہ بہت ہوگئی ہوں گی۔ کیا فرق کرسکتے ہو؟ اس نے کہا۔ ہاں مِل جُل گئی ہیں۔ اس طرح پر ان لوگوں نے مسیح کو نصف خدائی کا دعویدار بنادیا ہے۔ ایسا ہی اُنھوں نے دجّال کی نسبت مان رکھا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اور یہ کرے گا اور وہ کرے گا۔ افسوس قرآن تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلوار سے تمام ان باطل معبُودوں کو قتل کرتا ہے، جن میں خدائی صفات مانی جاتی ہیں۔ پھر یہ دجّال کہاں سے نکل آیا۔ سورۂ فاتحہ میں یہودی اور عیسائی بننے سے بچنے کی دُعا تو سکھلائی۔ کیا دجّال کا ذکر خدا کو یاد نہ رہا تھا۔ جو اتنا بڑا فتنہ تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی عقل ماری گئی اور یہ اس کے مصداق ہیں۔ یکے بر سرِ شاخ و بُن مے برید۔

یہ لوگ جب اس طرح سے اسلام کو ذلیل کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) قرآن شریف کی عظمت کو قائم کرنے کے لیے چودھویں صدی کے سر پر مجھے بھیجا۔

کیا نہیں دیکھتے کہ کس طرح پر اس کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں۔ خسُوف و کسُوف رمضان میں ہوگیا۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مہدی موجود نہ ہو اور یہ مہدی کا نشان پورا ہو جاوے۔ کیا خدا کو دھوکا لگا ہے؟ پھر اُونٹ بیکار ہونے پر بھی مسیح نہ آیا۔ آسمان اور زمین کے نشان پُورے ہو گئے۔ زمانہ کی حالت خود تقاضا کرتی ہے کہ آنے والا آوے، مگر یہ تکذیب ہی کرتے ہیں۔ آنے والا آگیا۔ اُن کی تکذیب اور شور و بکا سے کچھ نہ بگڑے گا۔ ان لوگوں کی ہمیشہ سے اسی طرح کی عادت رہی ہے۔ خدا کی باتیں سچّی ہیں اور وُہ پُوری ہو کر رہتی ہیں۔

پس تم ان بدصُحبتوں سے بچتے رہو اور دُعاؤں میں لگے رہو اور اسلام کی حقیقت اپنے اندر پیدا کرو۔[1]

دسمبر ۱۹۰۰ء

حوّا کی پیدائش

فرمایا: "حوّا پسلی ہی سے بنائی گئی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لاتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی کہے کہ پھر ہماری پسلی نہ ہوتی۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ یہ قیاس قیاس مَعَ الفارق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اُوپر قیاس نہ کرو۔ مَیں اگر خدا تعالیٰ کو قادر اور عظیم الشان نہ دیکھتا تو یہ دُعاؤں کی قبولیت کے نمونے جو دیکھتا ہوں، نظر نہ آتے۔ دیکھو کپتان ڈگلس کے سامنے جو مقدمہ تھا اس میں کس کا

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۱-۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء

تصرف تھا۔ ڈاکٹر کلارک جیسا آدمی جو مذہبی حیثیت سے ایک اثر ڈالنے والا آدمی تھا۔ پھر اُس کے ساتھ آریوں کی طرف سے پنڈت رام بھجدت وکیل شریک ہوا اور مولوی محمد حسین جیسا دشمن بطور گواہ پیش ہوا۔ اور خود عبدالحمید کا یہ بیان کہ مجھے قتل کے لیے ضرور بھیجا تھا اور پھر اس کا یہ بیان اُمرتسر میں ہوا۔ ڈپٹی کمشنر کے سامنے بھی اس نے یہی کہا۔ اب یہ کس کا کام تھا کہ اس نے کپتان ڈگلس کے دل میں ڈالا کہ عبدالحمید کے بیان پر شُبہ کرے اور اصل حقیقت کے معلوم کرنے کے واسطے اسے دوبارہ پولیس کے سپُرد کرے۔ غرض جو کچھ اس مقدمہ میں ہوا، اس سے صاف طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُس کے تصرّف کا پتہ لگتا ہے۔ میرا مطلب اس مقدمہ کے بیان سے صرف یہ ہے کہ یہ بڑی نادانی اور گُناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسی پیمانہ سے ناپیں۔ جس سے ایک عاجز انسان زید بکر کو ناپا جاتے۔

پس یہ کہنا کہ آدمؑ کی پسلی نکال لی تھی اور حوّا اُس پسلی سے بنی تو پھر پسلی کہاں سے آگئی۔ سخت بے وقوفی اور اللہ تعالیٰ کے حضور سُوء ادبی ہے۔

یاد رکھو۔ یُورپی فلسفہ ضلالت سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ انسان پر کوئی ایسا وقت نہیں آیا کہ اُسے مٹی سے پیدا کیا ہو دُرست نہیں ہے۔ نوعی قِدم کا میں ہرگز ہرگز قائل نہیں ہوں۔ ہاں میں یہ مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے۔ کئی بار دُنیا معدوم ہوئی اور پھر از سرِ نو پیدا کر دی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جبکہ ایک مرجاتا ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ ایک وقت آوے کہ سب مرجاویں۔ قیامتِ کُبریٰ کے تو ہندو اور یونانی بھی قائل ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو محدود القویٰ ہستی سمجھتے ہیں۔ وہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الحج: ۷۵) میں داخل ہیں جو ایک حد تک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ یہ نیچریت کا شعبہ ہے۔

قرآن کریم تو صاف بتلاتا ہے اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (ھود: ۱۰۸) اور اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ: ۸۳) اللہ تعالیٰ کی ان ہی قدرتوں اور فوق الفوق طاقتوں نے میرے دل میں دُعا کے لیے ایک جوش ڈال رکھا ہے۔

قبولیتِ دُعا کا فلسفہ

دُعا بڑی چیز ہے! افسوس! لوگ نہیں سمجھتے کہ وُہ کیا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر دُعا جس طرز اور حالت پر مانگی جاوے، ضرور قبول ہو جانی چاہیے۔ اس لیے جب وُہ کوئی دُعا مانگتے ہیں اور پھر وُہ اپنے دل میں جمائی ہوئی صُورت کے مطابق اس کو پُورا ہوتا نہیں دیکھتے، تو مایُوس اور ناامید ہو کر اللہ تعالیٰ پر بدظن ہو جاتے ہیں؛ حالانکہ مومن کی یہ شان ہونی چاہیے کہ اگر بظاہر اسے اپنی دُعا میں مُراد حاصل نہ ہو، تب بھی ناامید نہ ہو۔ کیونکہ رحمتِ الٰہی نے اس دُعا کو اس کے حق میں مفید نہیں قرار دیا۔ دیکھو بچہ اگر ایک آگ کے انگارے کو پکڑنا چاہے تو ماں دوڑ کر اس کو پکڑ لے گی بلکہ اگر بچہ کی اس نادانی پر ایک تھپڑ بھی لگا دے، تو کوئی تعجب نہیں۔ اسی طرح مجھے تو ایک لذّت اور سُرور آجاتا

ہے۔ جب میں اس فلسفۂ دُعا پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ علیم وخبیر خدا جانتا ہے کہ کونسی دُعا مفید ہے۔

آدابِ دُعا

مجھے بارہا افسوس آتا ہے۔ جب لوگ دُعا کے لیے خطوط بھیجتے ہیں اور ساتھ ہی لکھ دیتے ہیں کہ اگر ہمارے لیے یہ دُعا قبول نہ ہوئی تو ہم جھوٹا سمجھ لیں گے۔ آہ! یہ لوگ آدابِ دُعا سے کیسے بے خبر ہیں۔ نہیں جانتے کہ دُعا کرنے والے اور کرانے والے کے لیے کیسی شرائط ہیں۔ اس سے پہلے کہ دعا کی جاوے یہ بدظنی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے ماننے کا احسان جتانا چاہتے ہیں اور نہ ماننے اور تکذیب کی دھمکی دیتے ہیں۔ ایسا خط پڑھ کر مجھے بدبُو آجاتی ہے اور مجھے خیال آجاتا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ دُعا کے لیے خط ہی نہ لکھتا۔

میں نے کئی بار اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور پھر مختصر طور پر سمجھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دوستانہ معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ دوستوں میں ایک سلسلہ تبادلہ کا رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں میں بھی اسی رنگ کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبادلہ یہ ہے کہ جیسے وُہ اپنے بندے کی ہزارہا دُعاؤں کو سُنتا اور مانتا ہے۔ اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ باوجودیکہ وُہ ایک ذلیل سے ذلیل ہستی ہے لیکن اس پر فضل ورحم کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کا حق ہے کہ یہ خدا کی بھی مان لے یعنی اگر کسی دُعا میں اپنے منشاء اور مُراد کے موافق ناکام رہے، تو خدا پر بدظن نہ ہو، بلکہ اپنی اس نامرادی کو کسی غلطی کا نتیجہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا پر انشراح صدر کے ساتھ راضی ہو جاوے اور سمجھ لے کہ میرا مولیٰ یہی چاہتا ہے۔

مومنوں کی آزمائش

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۔ (البقرہ: ۱۵۶) خوف سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈر ہی ڈر ہے۔ انجام اچھا ہے۔ اسی سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ پھر اَلْجُوْعِ فقر وفاقہ تنگ کرتا ہے۔ بعض وقت ایک کرتا پھٹ جاوے، تو دُوسرے کی توفیق نہیں ملتی۔ جُوْع کا لفظ رکھ کر عَطَش کا لفظ چھوڑ دیا ہے، کیونکہ یہ جوع میں داخل ہے۔

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ چور لے جاتے ہیں اور اتنا بھی نہیں چھوڑتے کہ صبح کی روٹی کھا سکیں۔ سوچو! کس قدر تکلیف اور آفت کا سامنا ہوتا ہے۔

پھر جانوں کا نقصان ہے۔ بچے مرنے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بھی نہیں رہتا۔ جانوں کے نقصان میں یہ بات داخل ہے کہ خود تو زندہ رہے اور عزیز و متعلقین مرتے جاویں، کس قدر صدمہ ایسے وقت پر ہوتا ہے ہمارا تعلق دوستوں سے اس قدر ہے کہ جس قدر دوست ہیں اور ان کے اہل وعیال ہیں۔ گویا ہمارے ہی ہیں۔

کسی عزیز کے جُدا ہونے سے اس قدر رنج ہوتا ہے کہ جیسا کسی کو اپنی عزیز سے عزیز اولاد کے مرجانے کا ہوتا ہے۔ ثمرات میں اولاد بھی داخل ہے اور محنتوں کے بعد آخر کی کامیابیاں بھی مُراد ہیں۔ اُن کے ضائع ہونے سے بھی سخت صدمہ ہوتا ہے۔ امتحان دینے والے اگر کبھی فیل ہوجاتے ہیں تو بارہا دیکھا گیا ہے کہ وہ خودکُشیاں کرلیتے ہیں۔ ایوب بیگ کی بیماری کی ترقی امتحان میں فیل ہوجانے سے ہی ہوئی۔ پہلے تو اچھا خاصا تندرست تھا۔

غرض اس قسم کے ابتلا جن پر آئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اُن کو بشارت دیتا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ یعنی ایسے موقع پر جہد کے ساتھ برداشت کرنے والوں کو خوشخبری اور بشارت ہے۔ کہ جب ان کو کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یاد رکھو کہ خدا کا خاص بندہ اور مقرب تب ہی ہوتا ہے کہ ہر مصیبت پر خدا ہی کو مقدم رکھے۔ غرض ایک وہ حصّہ ہوتا ہے جس میں خدا اپنی منوانا چاہتا ہے۔ دُعا کے معنی تو یہی ہیں کہ انسان خواہش ظاہر کرتا ہے کہ یُوں ہو۔ پس کبھی مولیٰ کریم کی خواہش مقدم ہونی چاہیے اور کبھی اللہ کریم اپنے بندہ کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔

دُوسرا محل معاوضہ کا یہ ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) اس میں تناقض نہیں ہے۔ جب جہات مختلف ہوں، تو تناقض نہیں رہا کرتا۔ اس محل پر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مانتا ہے۔

قبولیتِ دُعا کی شرط یہ خُوب یاد رکھو کہ انسان کی دُعا اس وقت قبول ہوتی ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے غفلت فسق و فجور کو چھوڑ دے۔ جس قدر قُربِ الٰہی انسان حاصل کریگا اسی قدر قبولیتِ دُعا کے ثمرات سے حصّہ لے گا۔ اسی لیے فرمایا : وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ (البقرہ : ۱۸۷) اور دُوسری جگہ فرمایا ہے : وَاُنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ (سبا : ۵۳) یعنی جو مجھ سے دُور ہو۔ اس کی دُعا کیونکر سُنوں۔ یہ گویا عام قانونِ قُدرت کے نظارہ سے ایک سبق دیا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا سُن نہیں سکتا۔ وُہ تو دل کے مخفی در مخفی ارادوں اور اُن ارادوں سے بھی واقف ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوتے، مگر یہاں انسان کو قُربِ الٰہی کی طرف توجّہ دلائی ہے کہ جیسے دُور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اسی طرح پر جو شخص غفلت اور فسق و فجور میں مبتلا رہ کر مجھ سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ جس قدر وُہ دُور ہوتا ہے اسی قدر حجاب اور فاصلہ اس کی دُعاؤں کی قبولیت میں ہوتا جاتا ہے کیا سچ کہا ہے ؎

پیدا است ندارا کہ بلند ہست جنابت

جیسے مَیں نے ابھی کہا گو خدا عالم الغیب ہے، لیکن یہ قانونِ قدرت ہے کہ تقویٰ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔

نوافل کی حقیقت

نادان انسان بعض وقت عدمِ قبولِ دُعا سے مُرتد ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ نوافل سے مومن میرا مقرب ہو جاتا ہے۔

ایک فرائض ہوتے ہیں، دُوسرے نوافل۔ یعنی ایک تو وہ احکام ہیں جو بطورِ حقِ واجب کے ہیں اور نوافل وہ ہیں جو زائد از فرائض ہیں اور وہ اس لیے ہیں کہ تا فرائض میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو، تو نوافل سے پوری ہو جاوے۔

لوگوں نے نوافل صرف نماز ہی کے نوافل سمجھے ہوئے ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ ہر فعل کے ساتھ نوافل ہوتے ہیں۔

انسان زکوٰۃ دیتا ہے تو کبھی زکوٰۃ کے سوا بھی دے۔ رمضان میں روزے رکھتا ہے کبھی اس کے سوا بھی رکھے۔ قرض لے تو کچھ ساتھ زائد دے۔ کیونکہ اس نے مروّت کی ہے۔

نوافل متمم فرائض ہوتے ہیں۔ نفل کے وقت دل میں ایک خشوع اور خوف ہوتا ہے کہ فرائض میں جو قصور ہوا ہے وُہ اب پُورا ہو جائے۔ یہی وُہ راز ہے جو نوافل کو قربِ الٰہی کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے گویا خشوع اور تذلّل اور انقطاع کی حالت اس میں پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے تقرّب کی وجہ میں ایامِ بیض کے روزے۔ شوال کے چھ روزے یہ سب نوافل ہیں۔

پس یاد رکھو کہ خدا سے محبتِ تام نفل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرماتا ہے کہ پھر مَیں ایسے مقرب اور مومن بندوں کی نظر ہو جاتا ہوں، یعنی جہاں میرا منشاء ہوتا ہے۔ وہیں اُن کی نظر پڑتی ہے۔

صادق موت کا بھروسہ نہیں رکھتا اور خدا سے غافل نہیں ہوتا۔ اُن کے کان ہو جاتا ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں اللہ کی یا اس کے رسُولؐ کی یا اس کی کتاب کی تحقیر اور ذلّت ہوتی ہے، وہاں سے بیزار اور ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وُہ سُن نہیں سکتے اور کوئی ایسی بات جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور حُکم کے خلاف ہو نہیں سُنتے اور ایسی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے ایسا ہی فسق و فجور کی باتوں اور سماع کے ناپاک نظاروں اور آوازوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ نامحرم کی آواز سُن کر بُرے خیالات کا پیدا ہونا زنا ء الاذن ہے۔ اسی لیے اسلام نے پردہ کی رسم رکھی ہے۔

مسیحؑ کا یہ کہنا کہ زنا کی نظر سے نہ دیکھ۔ کوئی کامل تعلیم نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں کامل تعلیم یہ ہے جو مبادی گناہ سے بچاتی ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور: ۳۱) یعنی کسی نظر سے بھی نہ دیکھیں کیونکہ دل اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کیسی کامل تعلیم ہے۔

پھر فرماتا ہے۔ کہ ہو جاتا ہوں اُس کے ہاتھ۔ بعض وقت انسان ہاتھوں سے بہت بے رحمی کرتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ مومن کے ہاتھ بے جا طور پر اعتدال سے نہیں بڑھتے۔ وُہ نامحرم کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ پھر فرماتا ہے کہ اُس

کی زبان ہو جاتا ہوں۔ اسی پر اشارہ ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم: ۴) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا، وُہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تھا اور آپؐ کے ہاتھ کے لیے فرمایا مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال: ۱۸) غرض نفل کے ذریعہ انسان بہت بڑا درجہ اور قُرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وُہ اولیاء اللہ کے زُمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر من عادلی ولیًّا فقد بارزنہ بالمحب۔ جو میرے ولی کا دشمن ہو، مَیں اس کو کہتا ہوں کہ اب میری لڑائی کے لیے تیار ہو جا۔ حدیث میں آیا ہے کہ خدا شیرنی کی طرح جس کا کوئی بچہ اُٹھائے جاوے اس پر جھپٹتا ہے۔

غرض انسان کو چاہیے کہ وُہ اس مقام کے حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ سعی کرتا رہے۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے کب آجاوے۔ مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔"[1]

سنہ ۱۹۰۰ء

کامل یقین والوں کو شیطان چھو نہیں سکتا

قاضی محمد عالم صاحب سکنہ قاضی کوٹ نے اپنی بیماری کے ایام میں قاضی ضیاء الدین صاحب سکنہ قاضی کوٹ کو جو قادیان میں تھے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں دُعا کے لیے عرض کرنے کو لکھا۔ جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

"مَیں ضرور دُعا کروں گا۔ آپ محمد عالم کو تسلی دیں۔ احمد شاہ کی طرف وہم کے طور پر بھی خیال نہ لے جاویں۔ واقعی وہ کچھ بھی نہیں۔ یہ وسوسہ شرک سمجھیں۔ عوام کا بہکانا، طعن و تشنیع جتنا اثر کرے گا۔ اُسی قدر اپنے راستہ کو خالی تصور کریں۔ کامل یقین والوں کو شیطان چھو بھی نہیں سکتا۔ میرا تو یقین ہے کہ حضرت آدمؑ کی استعداد میں بھی قدر تساہل تھا۔ تب ہی تو شیطان کو وسوسہ کا قابو مل گیا۔ واللہ اگر اس جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سا جوہر قابل کھڑا کیا جاتا تو شیطان کا کچھ بھی پیش نہ جاتا۔"

زندگانی کی خواہش گناہ کی جڑ ہے

"زندگانی کی زیادہ خواہش اکثر گناہوں کی اور کمزوریوں کی جڑ ہے۔ ہمارے دوستوں کو لازم ہے کہ مالکِ حقیقی کی رضا میں اوقاتِ عزیز بسر کرنے کی ہر وقت کوشش کریں۔ حاصل یہی ہے! ورنہ آج چل دینے اور مثلاً پچاس سال کے بعد کُوچ کرنے میں کیا فرق ہے۔ جو آج چاند و سُورج ہے وُہی اس دن ہوگا۔ جو انسان نافع اور اس کے

---

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۴۴۔ صفحہ ۲-۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۰ء

دین کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود بخود اُس کی عمر اور صحت میں برکت ڈال دیتا ہے اور شر الناس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ سو آپ سب کام ہر حال خدا میں ہو کر کریں۔ خود اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا۔

تیس سال سے زیادہ عرصہ گزرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ تیری عمر اسّی برس یا دو چار اُوپر یا نیچے ہوگی۔ اِس میں بھی بھید ہے کہ جو کام مجھے سپرد ہے۔ اس قدر مدت میں تمام کرنا منظور ہوگا، لہٰذا مجھے اپنی بیماری میں کبھی موت کا غم نہیں ہوا۔

مجھے خُوب یاد ہے کہ جن درختوں کے نیچے مَیں چھ سات سالہ عُمر میں کھیلا کرتا تھا۔ آج بعینہٖ بعض درخت اسی طرح ہرے بھرے سرسبز کھڑے ہیں، لیکن مَیں اپنے حال کو کچھ اور کا اور ہی دیکھتا ہوں۔ تم بھی اس کو تصوّر کر سکتے ہو۔

یہ طعن و تشنیع ہمعصروں کی غنیمت سمجھیں۔ اس میں اصلاحِ نفس متصوّر ہے۔ جب یہ نہ ہوں گے تو پھر خدمتِ مولیٰ کریم اور ہدیۂ قابلِ حضرتِ عزّت کیا ہوگا؟ آپ بیماری کا فکر کرتے ہیں۔ تمھارے پہلے بھائی یعنی صحابہؓ تو بیعت ہی جان قربان کرنے کی کرتے تھے اور ہر حال منتظر رہتے تھے کہ کب وُہ وقت آتا ہے کہ اپنے مالکِ حقیقی کے راستہ میں فدا ہوں۔ غرض ہر حال کیا صحت اور کیا بیماری۔ آپ مولیٰ کریم سے معاملہ ٹھیک رکھیں۔ سب کام اچھے ہو جائینگے۔[1]

۴ر جنوری ۱۹۰۱ء

ایک الہام کا پورا ہونا

حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کی طبیعت ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء کو کسی قدر ناساز ہوگئی تھی۔ اس کے متعلق حضرت اقدسؑ نے سیر کے وقت فرمایا۔ کہ

"چند روز ہوئے مَیں نے اپنے گھر میں کہا کہ مَیں نے کشف میں دیکھا ہے کہ کوئی عورت آئی ہے اور اس نے آکر کہا ہے کہ تمھیں (حضرت اماں جان مراد ہیں) کچھ ہوگیا ہے اور پھر الہام ہوا۔ اَصِحُّ زَوْجَتِیْ چنانچہ کل ۳ر جنوری ۱۹۰۱ء کو یہ کشف اور الہام پُورا ہوگیا۔ یکایک بے ہوشی ہوگئی اور جس طرح پر مجھے دکھایا گیا تھا۔ اسی طرح ایک عورت نے آکر بتا دیا۔"

صوم رمضان

فرمایا: رمضان کا مہینہ مبارک مہینہ ہے۔ دُعاؤں کا مہینہ ہے۔

"نیز فرمایا" میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں، تب روزہ چھوڑتا ہوں۔ طبیعت روزہ چھوڑنے

---

[1] بدر جلد ۱۲ نمبر ۲ مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء

کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں۔"

سادگی "یاد رکھو بچوں جیسی سادگی جبتک نہ ہو، اسوقت تک انسان نبیوں کا مذہب اختیار نہیں کر سکتا ہے۔"[1]

۱۱ر جنوری ۱۹۰۱ء

زندگی کا ستون حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کچھ علیل تھی۔ فرمایا:

"ہر چیز کا ستون ہوتا ہے۔ زندگی اور صحت کا ستون خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔"[2]

۱۲ر جنوری ۱۹۰۱ء

ایک شخص نے سنایا کہ دُور دُور سے آپ کی کتابوں کی مانگ آتی ہے۔ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے جو ہوا چلائی ہے۔ اپنی اپنی جگہ تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔"

علمی معجزات فرمایا: "معجزہ تو علم کا ہی بڑا ہوتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہی تھا جو اب تک قائم ہے۔" یہ ذکر تفسیر الفاتحہ کے لکھنے پر ہوا جو کہ حضرت صاحب (پیر مہر علیشاہ) گولڑوی وغیرہ علماء کے مقابلہ میں اشتہار دے کر لکھ رہے ہیں۔ فرمایا:

"عالم علم سے پہچانا جاتا ہے۔ ہمارے مخالفین میں دراصل کوئی عالم نہیں ہے۔ ایک بھی نہیں ہے؛ ورنہ کیوں مقابلہ میں عربی فصیح بلیغ تفسیر لکھ کر اپنا عالم ہونا ثابت نہیں کرتے۔ ایک آنکھوں والے کو اگر الزام دیا جاوے کہ تُو نابینا ہے تو وہ غصہ کرتا ہے۔ غیرت کھاتا ہے اور صبر نہیں کرتا۔ جبتک اپنے بینا ہونے کا ثبوت نہ دے۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنا عالم ہونا اپنا علم دکھا کر ثابت کریں۔"

فرمایا: "یہ جو کہا جاتا ہے کہ بہت سے عالموں نے اس سلسلہ کی مخالفت کی ہے۔ یہ غلط ہے۔ خدا نے اپنی تحدیوں

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۱ء

[2] الحکم نمبر ۳ جلد ۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۱ء

اور دعووں کے ساتھ علمی معجزات ہماری تائید میں دکھا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ مخالفوں میں کوئی عالم نہیں ہے اور یہ بات غلط ہے کہ عالموں نے ہماری مخالفت کی۔"

۱۵ر جنوری ۱۹۰۱ء

ایک عظیم معجزہ

فرمایا:

"آج رات کو الہام ہوا مَنَعَهُ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ۔ یعنی اس تفسیر نویسی میں کوئی تیرا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ خدا نے مخالفین سے سلب طاقت اور سلب علم کر لیا ہے؛ اگرچہ ضمیر واحد مذکر غائب ایک شخص مہر شاہ کی طرف ہے، لیکن خدا نے ہمیں سمجھایا ہے کہ اس شخص کے وجود میں تمام مخالفین کا وجود شامل کر کے ایک ہی کا حکم رکھا ہے۔ تاکہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور اعظم سے اعظم معجزہ ثابت ہو کہ تمام مخالفین ایک وجود یا کئی جان ایک قالب بن کر اس تفسیر کے مقابلہ میں لکھنا چاہیں تو ہرگز نہ لکھ سکیں گے۔"

فرمایا: "انسان کا کام انسان کر سکتا ہے۔ ہمارے مخالف انسان ہیں اور عالم اور مولوی کہلاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جو کام ہم نے کیا، وہ نہیں کر سکتے۔ یہی ایک معجزہ ہے۔ نبی اگر ایک سونٹا پھینک دے اور کہے کہ میرے سوا کوئی اس کو اٹھا نہ سکے گا۔ تو یہ بھی ایک معجزہ ہے؛ چہ جائیکہ تفسیر نویسی تو ایک علمی معجزہ ہے۔"

فرمایا: "یہ تفسیر رمضان شریف میں شروع ہوئی جیسا کہ قرآن شریف رمضان میں شروع ہوا تھا اور امید ہے کہ دو عیدوں کے درمیان ختم ہوگی۔ جیسا کہ شیخ سعدی نے کسی کے متعلق کہا ہے ؎

بروزِ ہمایون و سالِ سعید بتاریخِ فرخ میانِ دو عید

فرمایا: "قرآن شریف کے معجزہ فصاحت و بلاغت کے جواب میں ایک دفعہ پادری فنڈر نے حریری اور ابوالفضل اور بعض انگریزی کتابوں کو پیش کیا تھا۔ مدت کی بات ہے۔ ہم نے اس وقت بھی یہی سوچا تھا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو ان مصنفین کو کبھی یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ ان کا کلام بے مثل ہے، بلکہ وہ خود اپنی کم مائیگی کا ہمیشہ اقرار کرتے رہے ہیں اور قرآن شریف کی تعریف کرتے ہیں۔ دوسرا ان لوگوں کی کتابوں میں معنیٰ الفاظ کے تابع ہو کر چلتا ہے۔ صرف الفاظ جوڑے ہوتے ہوتے ہیں۔ قافیہ کے واسطے ایک لفظ کے مقابل دوسرا لفظ تلاش کیا جاتا ہے اور کلام میں حکمت اور معارف کا لحاظ نہیں ہوتا اور قرآن شریف میں التزام ہے حق اور حکمت کا۔ اصل میں اس بات کا نباہنا کہ حق اور حکمت کے کلمات کے ساتھ قافیہ بھی درست ہو۔ یہ بات تائید الٰہی سے حاصل ہوتی ہے؛ ورنہ انسانوں کے کلام ایسے ہوتے ہیں جیسا کہ حریری وغیرہ۔"

۱۹؍جنوری ۱۹۰۱ء

استغفار کلیدِ ترقیات ہے

ایک شخص نے اپنے قرض کے متعلق دُعا کے واسطے عرض کی۔ فرمایا:
"استغفار بہت پڑھا کرو۔ انسان کے واسطے غموں سے سُبک ہونے کے واسطے یہ طریق ہے نیز استغفار کلیدِ ترقیات ہے۔"

۲۰؍جنوری ۱۹۰۱ء

قرآن شریف میں مسیح موعود اور اُس کی جماعت کا ذکر

فرمایا: "قرآن شریف میں چار سُورتیں ہیں، جو بہت پڑھی جاتی ہیں۔ اُن میں مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کا ذکر ہے (۱) سُورۃ فاتحہ جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں ہمارے دعوے کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ اس تفسیر میں ثابت کیا جائے گا۔ (۲) سُورۃ جمعہ جس میں اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (الجمعۃ: ۴) مسیح موعودؑ کی جماعت کے متعلق ہے۔ یہ ہر جمعہ میں پڑھی جاتی ہے (۳) سُورۃ کہف جس کے پڑھنے کے واسطے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ اس کی پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں دجّال کا ذکر ہے۔ (۴) آخری سُورۃ قرآن کی جس میں دجّال کا نام خنّاس رکھا گیا ہے۔ یہ وُہی لفظ ہے جو عبرانی توریت میں دجّال کے واسطے آیا ہے۔ یعنی نحاش ۵ ۷۲۶۶۔ ایسا ہی قرآن شریف کے اور مقامات میں بھی بہت ذکر ہے۔"[1]

تفسیر سُورہ فاتحہ

تفسیر سُورۃ فاتحہ ابھی تک لکھنی شروع نہیں ہوئی اور دن تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ اس پر فرمایا:

"ابتک ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا لکھیں۔ تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہ اس کام کو شروع کیا گیا ہے۔ ہم موجودہ مواد پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ صرف خدا پر بھروسہ ہے کہ کوئی بات دل میں ڈالی جائے۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔ جب وُہ مواد اور حقائق جن کی تلاش میں مَیں ہوں، مجھے مِل گئے تو پھر اُن کو فصیح و بلیغ عربی میں لکھا جائے گا۔ چونکہ انسانوں کو ثواب حاصل کرنے کے واسطے فکر اُٹھانا چاہیے۔ اس واسطے ہم فکر کرتے ہیں۔ آگے جب کوئی بات خدا تعالیٰ القاء

---

[1] الحکم نمبر ۳ جلد ۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۲۴؍جنوری ۱۹۰۱ء

کرے۔ خدا سے دُعا مانگی جاتی ہے اور میرا تجربہ ہے کہ جب خدا سے مدد مانگی جاتی ہے، تو وُہ مدد دیتا ہے۔

[تفسیر سے پہلے جو تمہید حضرت مسیح موعودؑ نے لکھی ہے اس کے متعلق حضرت مولوی سیّد محمّد احسن صاحب نے عرض کی کہ پیر گولڑوی تفسیر نویسی سے پہلے ایک تقریر اور مباحثہ چاہتا تھا۔ سو اس تمہید میں یہ بھی ہو گیا۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور مولوی محمد اسمٰعیلؒ شہیدؒ کا ذکر درمیان میں آیا۔]

فرمایا :

"اِن لوگوں کی نیتیں نیک تھیں، وُہ چاہتے تھے کہ مُلک میں نماز اور اذان اور قربانی کی رکاوٹ جو کہ سکھوں نے کر رکھی تھی دُور ہو جائے۔ خدا نے اُن کی دُعا کو قبول کیا اور اس کی قبولیت کو سکھوں کے وقیعہ اور انگریزوں کو اس مُلک میں لانے سے کیا۔ یہ اُن کی دانائی تھی کہ اُنھوں نے انگریزوں کے ساتھ لڑائی نہیں کی، بلکہ سکھوں کو اس قابل سمجھا کہ اُن کے ساتھ جہاد کیا جاوے مگر چونکہ وہ زمانہ قریب تھا کہ مہدی موعود کے آنے سے جہاد بالکل بند ہو جائے۔ اس واسطے جہاد میں اُن کو کامیابی نہ ہوئی۔ ہاں بسبب نیک نیت ہونے کے اُن کی خواہش اذانوں اور نمازوں کے متعلق اس طرح پُوری ہو گئی کہ اس مُلک میں انگریز آ گئے۔"

پھر فرمایا :

مسیح موعود اور مہدی کے آنے کا وقت

"وقت دو ہوتے ہیں۔ ایک خارجی اور ایک اندرونی یعنی رُوحانی۔ خارجی وقت یہ ہے کہ حضرت رسُول کریمؐ اور ولیوں اور بزرگوں کے کشوف نے مسیح موعود اور مہدی کا وقت چودھویں صدی بتلایا اور اندرونی یعنی رُوحانی وقت یہ ہے کہ زمانہ کی حالت یہ بتلا رہی ہے کہ اس وقت مسیح آنا چاہیے۔ دونوں وقت اس جگہ آ کر مِل گئے ہیں۔"

---

۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء

جماعتِ احمدیہ کی وجہ تسمیہ

[اس جماعت کا نام احمدی رکھا جانے پر کسی نے سُنایا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ یہ نیا نام ہے۔ اس پر کچھ گفتگو ہوئی۔] فرمایا:

"لوگوں نے جو اپنے نام حنفی شافعی وغیرہ رکھے ہیں۔ یہ سب بدعت ہیں۔ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہی نام تھے۔ محمّد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرتؐ کا اسم اعظم محمّدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اللہ ہے۔ اسم اللہ دیگر کُل اسماء مثلاً حیّ، قیوم، رحمٰن، رحیم وغیرہ کا موصوف ہے۔ حضرت رسول کریمؐ

کا نام احمدؐ وہ ہے۔ جس کا ذکر حضرت مسیحؑ نے کیا یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف: ۷) ۔ مِنْۢ بَعْدِیْ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وُہ نبی میرے بعد بلا فصل آئے گا۔ یعنی میرے اور اس کے درمیان اور کوئی نبی نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ الفاظ نہیں کہے، بلکہ اُنھوں نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ (سورۃ الفتح : ۳۰) میں حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جب بہت سے مومنین کی معیت ہوئی جنھوں نے کفّار کے ساتھ جنگ کئے۔ حضرت موسیٰؑ نے آنحضرتؐ کا نام محمدؐ بتلایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ خود بھی جلالی رنگ میں تھے اور حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کا نام احمدؐ بتلایا۔ کیونکہ وہ خود بھی ہمیشہ جمالی رنگ میں تھے۔ اب چونکہ ہمارا سلسلہ بھی جمالی رنگ میں ہے۔ اس واسطے اس کا نام احمدی ہوا۔

"جمعہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا ہونے کا دن تھا اور یہی متبرک دن تھا۔ مگر پہلی اُمتوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے شنبہ کے دن کو اختیار کیا، کسی نے یکشنبہ کے دن کو۔ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل دن کو اختیار کیا۔ ایسا ہی اِسلامی فرقوں نے غلطی کھائی۔ کسی نے اپنے آپ کو حنفی کہا، کسی نے مالکی اور کسی نے شیعہ اور کسی نے سُنّی۔ مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو ہی نام تھے۔ محمدؐ اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مُسلمانوں کے دو ہی فرقے ہو سکتے ہیں۔ محمدی یا احمدی۔ محمدی اس وقت جب جلال کا اظہار ہو۔ احمدی اس وقت جب جمال کا اظہار ہو۔"

استغفار اور یقین

ایک شخص نے عرض کی کہ حضُور میرے لیے دُعا کریں کہ میرے اولاد ہو جاتے۔ آپؑ نے فرمایا :

"اِستغفار بہت کرو۔ اس سے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اولاد بھی دے دیتا ہے۔ یاد رکھو یقین بڑی چیز ہے۔ جو شخص یقین میں کامل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ خود اس کی دستگیری کرتا ہے[1]۔"

۱۲ر فروری ۱۹۰۱ء

خدا تعالیٰ پر بھروسہ

شام کے بعد فرمایا :

"ہم کو تو خدا پر اتنا بھروسہ ہے کہ ہم تو اپنے لیے دُعا بھی نہیں کرتے، کیونکہ وہ ہمارے حال کو خوب جانتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب کفّار نے آگ میں ڈالا تو فرشتوں نے آکر حضرت ابراہیمؑ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء

سے پُوچھا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا بَلٰی وَلٰکِنْ اِلَیْکُمْ لَا ہاں حاجت تو ہے، مگر تمہارے آگے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ فرشتوں نے کہا اچھا خدا تعالیٰ کے ہی آگے دُعا کرو، تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ عِلْمُہٗ مِنْ حَالِیْ حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ۔ وُہ میرے حال سے ایسا واقف ہے کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں[1]۔"

۱۴ر فروری ۱۹۰۱ء

ابتلاء اس بات پر ذکر کرتے ہوئے کہ مومنین پر تکالیف اور ابتلا آیا کرتے ہیں۔ فرمایا ہے:

ایک شخص حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی لڑکی کا آنحضرت کے ساتھ نکاح کے واسطے عرض کیا اور منجملہ اس لڑکی کی تعریف کے ایک یہ بات بھی عرض کی کہ وُہ اتنی عمر کی ہوئی ہے، مگر آجتک اِس پر کوئی بیماری وارد نہیں ہوئی۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ ان پر خدا کی طرف سے ضرور تکالیف اور ابتلاء آیا کرتے ہیں۔"

[احباب میں سے ایک کو مخالفین کی طرف سے بہت تکالیف پہنچی ہیں۔ اس نے اپنا حال عرض کیا۔ فرمایا:]

"آپ نے بہت تکالیف اُٹھائی ہیں۔ یہ بات آپ میں قابلِ تعریف ہے جس قدر ابتلاء ہوا ہے، اسی قدر انعام بھی ہوگا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔" (اَلَمْ نَشْرَح: ۷)

مخالفین سے برتاؤ بعض مخالفین جو ہمارے دوستوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اس کے ذکر میں اپنے دوستوں کو نرمی اور درگذر اور شرارت سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"مخالفوں کے مقابلہ میں جوش نہیں دکھانا چاہیے۔ خصوصاً جو جوان ہیں، ان کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں۔ ضروری ہے کہ تم جلدی جلدی میرے پاس آؤ۔ معلوم نہیں کہ تم کتنا زمانہ میرے بعد بسر کرو گے۔ پاس رہنے میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ انسان اگر رُو بخدا ہو، تو وُہ تفسیرِ مجسم ہوتا ہے اور پاس رہنے میں انسان بہت سی باتیں دیکھ لیتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۶ صفحہ ۱۲ پرچہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۱ء

اور سیکھ لیتا ہے۔

سفر کی تعریف

ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ مجھے دس پندرہ کوس تک اِدھر اُدھر جانا پڑتا ہے۔ مَیں کس کو سفر سمجھوں اور نمازوں میں قصر کے متعلق کس بات پر عمل کروں۔ مَیں کتابوں کے مسائل نہیں پوچھتا ہوں۔ حضرت امام صادقؑ کا حکم دریافت کرتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا:

"میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت دقتیں اپنے اُوپر نہ ڈال لے۔ عُرف میں جس کو سفر کہتے ہیں، خواہ وُہ تین کوس ہی ہو۔ اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ بعض دفعہ ہم دو دو تین تین میل اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں، مگر کسی کے دل میں خیال نہیں آتا کہ ہم سفر میں ہیں لیکن جب انسان اپنی گٹھڑی اٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ شریعت کی بِنا وقت پر نہیں ہے۔ جس کو تم عُرف میں سفر سمجھو، وُہی سفر ہے۔"

مسیح موعودؑ کی خاطر نمازیں جمع کیے جانے کی پیشگوئی

اور جیسا کہ خدا کے فرائض پر عمل کیا جاتا ہے۔ ویسا ہی اُس کی رُخصتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ فرض بھی خدا کی طرف سے ہیں اور رُخصت بھی خدا کی طرف سے۔

دیکھو۔ ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں۔ نمازوں کو جمع کرتے ہوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ بسبب بیماری کے اور تفسیر سورۂ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے ایسا ہو رہا ہے اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں تُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ کی حدیث بھی پُوری ہو رہی ہے کہ مسیح کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا، بلکہ کوئی اور ہوگا اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا۔ سو اب ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس دن ہم زیادہ بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں آ سکتے۔ اس دن نمازیں جمع نہیں ہوتیں اور اس حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار کے طریق سے یہ فرمایا ہے کہ اُس کی خاطر ایسا ہوگا۔ چاہیے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی عزت و تکریم کریں اور ان سے بے پرواہ نہ ہو دیں؛ ورنہ یہ ایک گناہِ کبیرہ ہوگا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو خفت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی اسباب پیدا کر دیئے کہ اتنے عرصہ سے نمازیں جمع ہو رہی ہیں؛ ورنہ ایک دو دن کے لیے یہ بات ہوتی، تو کوئی نشان نہ ہوتا۔ ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ لفظ اور حرف حرف کی تعظیم کرتے ہیں۔"

تفسیر سورۂ فاتحہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و محامد

تفسیر سُورۃ فاتحہ کے ذکر میں فرمایا:

"کہ اس کتاب میں حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور محامد اس قدر بیان ہونے شروع ہو گئے ہیں کہ ختم کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اگر دن پُورے نہ ہوتے۔ تو مَیں چاہتا نہ تھا کہ بند کروں"

ترقیات غیر متناہی ہیں

فرمایا: "بہشت میں بھی مومنوں کے لیے ترقیات ہوتی ہیں اور ترقیات انبیاء کے لیے بھی ہیں؛ ورنہ دُرود شریف کیوں پڑھا جاتا ہے۔ ہمارا مذہب ہے کہ ترقیات غیر متناہی ہیں"

صفاتِ جمالیہ

فرمایا: "سارے قرآن شریف کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اصل صفات بھی جمالی ہیں اور اصل نام خُدا بھی جمالی ہے۔ یہ تو کفّار لوگ اپنی ہی کرتُوتوں سے ایسے سامان بہم پہنچاتے ہیں کہ بعض وقت جلالی رنگ دکھانا پڑتا ہے۔ اس وقت چونکہ اس کی ضرورت نہیں اس واسطے ہم جمالی رنگ میں آئے ہیں"

مکہ معظمہ کے متعلق یادگاروں کے قائم کرنے کا ذکر درمیان آیا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا: کہ

"ہماری رائے میں ایک بڑا ہسپتال یا کالج یا شفاخانہ بننا چاہیے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم کارنامہ

فرمایا:

"مسیحؑ کو تو لوگ اتنی لمبی عمر دینے کے واسطے بے فائدہ سعی کرتے ہیں۔ اُن کی تھوڑی سی عمر نے کیا نتیجہ پیدا کیا ہے، جو بڑی عُمر کی خواہش کی جاوے۔ دُنیا صلیب پرستی سے بھر گئی ہے اور جا بجا شرک پھیل گیا ہے۔ ہاں اگر اتنی عمر کا پانا کسی کے واسطے ممکن ہوتا، تو حضرت رسُول کریمؐ اس کے مستحق تھے۔ جنہوں نے تھوڑی سی عمر میں ایک دُنیا موحدین سے بھر دی اور اُن کے دل میں خدا کی محبت کا سچا جوش بھر دیا"[1]

۱۵ر فروری ۱۹۰۱ء

کرکٹ جو قیامت تک کھیلی جائے گی

قادیان کے مدرسہ تعلیم الاسلام کے لڑکوں کا گیند بلّا کھیلنے میں میچ تھا۔ بعض بزرگ بھی بچوں کی خوشی بڑھانے

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۶ صفحہ ۱۳-۱۴ پرچہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۱ء

کے واسطے فیلڈ میں تشریف لے گئے۔ حضرتِ اقدسؑ کے ایک صاحبزادہ نے بچپن کی سادگی میں آپؑ کو کہا کہ ابا تم کیوں کرکٹ پر نہیں گئے۔ آپؑ اس وقت تفسیرِ فاتحہ لکھنے میں مصروف تھے۔ فرمایا:

"وُہ تو کھیل کر واپس آجائیں گے، مگر میں وُہ کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک قائم رہے گا۔"[1]

۱۶ر فروری ۱۹۰۱ء

فاتحہ خلف الامام

اس بات کا ذکر آیا کہ جو شخص جماعت کے اندر رکوع میں آکر شامل ہو اس کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرتِ اقدسؑ نے دُوسرے مولویوں کی رائے دریافت کی۔ مختلف اسلامی فرقوں کے مذاہب اس امر کے متعلق بیان کیے گئے۔ آخر حضرتؑ نے فیصلہ دیا اور فرمایا:

"ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو۔ ہر حالت میں اس کو چاہیے کہ سُورۃ فاتحہ پڑھے، مگر امام کو نہ چاہیے کہ جلدی جلدی سُورۃ فاتحہ پڑھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تاکہ مقتدی سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ یا ہر آیت کے بعد امام اتنا ٹھہر جائے کہ مقتدی بھی اس آیت کو پڑھ لے۔ بہرحال مقتدی کو یہ موقعہ دینا چاہیے کہ وہ سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ سُورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ وُہ اُمّ الکتاب ہے، لیکن جو شخص باوجود اپنی کوشش کے جو وہ نماز میں ملنے کے لیے کرتا ہے آخر رکوع میں ہی آکر ملا ہے اور اس سے پہلے نہیں مل سکا، تو اس کی رکعت ہوگئی؛ اگرچہ اس نے سُورۃ فاتحہ اس میں نہیں پڑھی۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے رکوع کو پالیا، اس کی رکعت ہوگئی۔ مسائل دو طبقات کے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ تو حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تاکید کی۔ نماز میں سُورۃ فاتحہ ضرور پڑھیں۔ وُہ اُمّ الکتاب ہے۔ اور اصل نماز وہی ہے، مگر جو شخص باوجود اپنی کوشش کے اور اپنی طرف سے جلدی کرنے کے رکوع میں ہی آکر ملا ہے، تو چونکہ دین کی بناء آسانی اور نرمی پر ہے اس واسطے حضرت رسُول کریمؐ نے فرمایا کہ اس کی رکعت ہوگئی۔ وُہ سُورۃ فاتحہ کا مُنکر نہیں ہے بلکہ دیر میں پہنچنے کے سبب رُخصت پر عمل کرتا ہے۔ میرا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ ناجائز کام میں مجھے قبض ہو جاتی ہے اور میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اُسے کروں اور یہ صاف ہے کہ جب نماز میں ایک آدمی نے تین حصّوں کو پُورا پالیا اور ایک حصّہ میں بہ سبب کسی مجبوری کے دیر میں مل سکا ہے، تو کیا حرج ہے۔ انسان کو چاہیے کہ رُخصت پر عمل کرے۔ ہاں جو شخص عمداً سُستی کرتا ہے اور جماعت میں شامل

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۷ صفحہ ۱۰ پرچہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء

ہونے میں دیر کرتا ہے، تو اُس کی نماز ہی فاسد ہے۔"[1]

۲۰ر فروری ۱۹۰۱ء

استغفار ایک شخص نے قرض کے واسطے دُعا کے لیے عرض کی۔ فرمایا :

"استغفار بہت پڑھا کرو۔"

عربی تفسیر کے لیے غیبی قوت تفسیر کے لکھنے کے متعلق فرمایا :

"دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اب تو ہم اس طرح جلدی جلدی لکھتے ہیں، جیسے اُردو لکھی جاتی ہے۔ بلکہ کئی دفعہ تو قلم برابر چلتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا لکھ رہے ہیں۔"[2]

غیروں کے پیچھے نماز کسی نے سوال کیا کہ جو لوگ آپؑ کے مُرید نہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے آپؑ نے اپنے مُریدوں کو کیوں منع فرمایا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا :

"جن لوگوں نے جلد بازی کے ساتھ بدظنی کر کے اس سلسلہ کو جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے، رد کر دیا ہے اور اس قدر نشانوں کی پروا نہیں کی اور اسلام پر جو مصائب ہیں، اس سے لاپروا پڑے ہیں۔ ان لوگوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدۃ: ۲۸) خدا صرف متقی لوگوں کی نماز قبول کرتا ہے۔ اس واسطے کہا گیا ہے کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھو جس کی نماز خود قبولیت کے درجہ تک پہنچنے والی نہیں۔"

مسیح موعودؑ کو نہ ماننے کا نتیجہ "قدیم سے بزرگانِ دین کا یہی مذہب ہے کہ جو شخص حق کی مخالفت کرتا ہے اس کا سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وُہ کافر ہے، مگر جو مہدی اور مسیح کو نہ مانے اس کا بھی سلبِ ایمان ہو جائے گا۔ انجام ایک ہی ہے۔ پہلے تخالف ہوتا ہے پھر اجنبیت پھر عداوت پھر غلُوّ اور آخر کار سلبِ ایمان ہو جاتا ہے۔"

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۹، صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۹، صفحہ ۱۰ پرچہ ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء

اخیار میں خونی دشمنی کبھی نہیں ہوتی

سوال ہوا کہ ابتدا میں بھی مسلمانوں کے درمیان آپس میں عداوت اور دشمنیاں ہوتی رہی ہیں اور اختلاف رائے بھی ہوتا رہا ہے، مگر باوجود اس کے ہم کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"یہ تو شیعوں کا مذہب ہے کہ صحابہؓ کے درمیان آپس میں ایسی سخت دشمنی تھی، یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ اس کی تردید فرماتا ہے کہ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (الحجر: ۴۸) برادریوں کے درمیان آپس میں دشمنیاں ہوا کرتی ہیں۔ مگر شادی، مرگ کے وقت وہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ اخیار میں خونی دشمنی کبھی نہیں ہوتی۔"

منعم علیہ کون ہیں

سوال ہوا کہ جو لوگ آپ کو کافر نہیں کہتے، مگر آپ کے مُرید بھی نہیں ہیں۔ اُن کا کیا حال؟ حضرت صاحبؑ نے فرمایا:

"وہ لوگ راہ و رسم اور تعلقات کس کے ساتھ رکھتے ہیں۔ آخر ایک گروہ میں اُن کو ملنا پڑے گا جس کے ساتھ انسان اپنا تعلق رکھتا ہے اُسی میں سے وہ ہوتا ہے۔"

سوال ہوا کہ جو لوگ آپ کو نہیں مانتے وہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے نیچے ہیں یا کہ نہیں؟

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:

"اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تو میں اپنی جماعت کو بھی شامل نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ خدا کسی کو نہ کہے جو کلمہ گو سچے دل سے قرآن پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو بشرطیکہ سمجھایا جاوے وہ اپنا اَجر پائے گا جس قدر کوئی مانے گا۔ اسی قدر ثواب پائے گا۔ جتنا اِنکار کرے گا۔ اتنی ہی تکلیف اٹھائے گا۔

مَیں قسماً کہتا ہوں کہ مجھے لوگوں کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جو ہمیں کافر نہیں کہتے۔ اُن کے دلوں کا خدا مالک ہے، مگر حضرت مسیحؑ کا خالق اور حیّ ماننا بھی تو ایک شرک ہے۔ اگر وہ کہیں کہ خدا کے اِذن سے کرتا تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اِذن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ دیا گیا۔ جو خُدا کے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے خدا اس کے ساتھ جنگ کرتا ہے جس کے ساتھ خدا جنگ کرے اس کا ایمان کہاں رہا؟[1]"

ایک الہام

۲۳ر فروری ۱۹۰۱ء۔ حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا۔ كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ۔

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ صفحہ ۸ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء

تفسیر اعجاز المسیح کی اعجازی شان

تفسیر اعجاز المسیح کے متعلق یہ ذکر تھا کہ مخالفین میں سے کسی کو خدا نے یہ طاقت نہیں دی کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"قرآن شریف کے ایک معجزہ ہونے کے متعلق دو مذہب ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ نے مخالفین سے صرفِ ہمت کر دیا۔ یعنی اُن لوگوں کو توفیق نہ ہوئی کہ اس وقت مقابلہ میں کچھ کر کے دکھلاتے اور دُوسرا مذہب جو کہ صحیح اور سچا اور پکا مذہب ہے اور ہمارا بھی وہی مذہب ہے۔ وہ یہ ہے کہ مخالف خود اس بات میں عاجز تھے کہ مقابلہ کر سکتے۔ اصل میں ان کے علم اور عقل چھینے گئے تھے۔ قرآن شریف کا معجزہ ہماری تفسیر القرآن کے معاملہ سے خوب سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہزاروں مخالف موجود ہیں جو عالم فاضل کہلاتے ہیں۔ کئی غیرت دلانے والے الفاظ بھی اشتہار میں لکھے گئے، مگر کوئی ایسا نہ کر سکا کہ اس نشان کا مقابلہ کرتا۔[1]"

۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء

صحیح بخاری اور مُسلم کی عظمت

صحیح بخاری کے متعلق فرمایا:

"یہی ایک کتاب ہے جو دُنیا کی تمام کتابوں میں سے قرآن شریف کے بہت مطابق اور سب سے افضل اور صحیح ہے۔ اُس کی دُوسری بہن گویا مُسلم ہے۔"

مسیح موعودؑ کی ایک جُزئی فضیلت

آیت کریمہ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ: ۵۱) پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"اس عطا میں زیادہ تر دو قسم کے آدمی ہیں۔ ایک بادشاہ، دُوسرے مامُور من اللہ۔ یعنی پہلے خدا نے ان کو مامُور بنایا ثُمَّ هَدٰی یعنی پھر تبلیغ کے تمام سامان اُن کے لیے مہیا کر دیتے، جیسا کہ خدا نے ریل، تار، ڈاک، مطبع وغیرہ تمام اسباب ہمارے واسطے مہیا کر دیئے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ تھے۔ ہمارے واسطے یہ ایک جُزئی فضیلت ہے اور خدا کا فضل ہے اور جُزئی فضیلت سے کسرِ شان کسی نبی کی لازم نہیں آتی۔"

اہل اللہ کا حال

فرمایا:

"تفسیر کا کام تو ختم ہو گیا اور ہم چاہتے تھے کہ دُوسرے ضروری کاموں کے شروع

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ پرچہ ۳ر مارچ ۱۹۰۱ء

کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کر لیتے، مگر جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں۔ مثنوی مولانا رُوم میں لکھا ہے کہ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اس کو ہر وقت کوئی مُکیاں مارتا رہے۔ ایسا ہی اہل اللہ کا حال ہوتا ہے کہ وُہ آرام نہیں کر سکتے۔ کبھی خدا ان پر محنت نازل کرتا ہے اور کبھی وُہ آپ کوئی ایسا کام چھیڑ بیٹھتے ہیں جس سے ان پر محنت نازل ہو۔

نہایت درجہ برکت کی بات یہ ہے کہ انسان خدا کے واسطے کسی کام میں لگا ہے جو دن بغیر کسی کام کے گزر جاتے وُہ گویا غم میں گزرتا ہے۔ اس سے زیادہ دُنیا میں کچھ حاصل نہیں کہ انسان خدا کے واسطے کام کرے اور خدا اس کے واسطے راستہ کھول دے اور اُسے مدد عطا فرمائے۔ مگر بغیر اخلاص کے تمام محنت بے فائدہ ہے۔ خالصتہً للہ کام کرنا چاہیے۔ کوئی اور غرض درمیان میں نہ آوے۔"[1]

۲۵ر فروری ۱۹۰۱ء

جماعت کو اہم نصیحت

اپنی جماعت کے لوگوں کو باہم محبت کرنے اور رُوحانی کمزوریوں کے سامنے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم کرتے ہوئے اور اُس دردِ دل کا اظہار کرتے ہوئے جو کہ آپ کو اپنی جماعت کی بہتری کے واسطے ہے فرمایا:

"مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وُہ اپنے میں سے کمزور اور بچے لوگوں پر رحم کریں۔ اُن کی کمزوری کو دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اُن پر سختی نہ کریں اور کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہ آئیں، بلکہ اُن کو سمجھائیں۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی بعض منافق آکر مِل جاتے تھے۔ پر حضرت رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے، چنانچہ عبداللہ ابنِ اُبی جس نے کہا تھا کہ غالب لوگ ذلیل لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے، چنانچہ سورۃ منافقون میں درج ہے اور اس سے مُراد اس کی یہ تھی کہ کفّار مُسلمانوں کو نکال دیں گے۔ اس کے مرنے پر حضرت رسُول کریمؐ نے اپنا کُرتہ اس کے لیے دیا تھا۔

مَیں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ مَیں دُعا کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں۔ دُعا کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دیکھو صحابہؓ کے درمیان بھی جو لوگ دُعا کے زمانہ کے تھے، یعنی مکّی زندگی کے۔ جیسی اُن کی شان تھی ویسی دُوسروں کی نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ جب ایمان لائے تھے، تو اُنھوں نے کیا دیکھا تھا۔ اُنھوں نے کوئی نشان نہ دیکھا تھا، لیکن وُہ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ پرچہ ۳ مارچ ۱۹۰۱ء

حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور اندرونی حالات کے واقف تھے۔ اس واسطے نبوت کا دعویٰ سُنتے ہی ایمان لے آئے۔ اسی طرح میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے دوست اکثر یہاں آیا کریں اور رہا کریں۔ گہرا دوست اور پُورا واقف بن جانے سے انسان بہت فائدہ اُٹھاتا ہے۔ معجزات اور نشانات سے ایسا فائدہ نہیں ہوتا۔ معجزات سے فرعون کو کیا فائدہ ہوا۔ معجزات کے ہزاروں مُنکر ہوتے ہیں۔ اخلاق کا کوئی منکر نہیں۔ طالب ہو کر اصلی اور جگری حالات کو دریافت کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ

آریہ لوگوں نے حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر اعتراض کیے ہیں، لیکن ان لوگوں کو آپؐ کے اصلی حالات اور اخلاقِ کریمہ کے صحیح جُزئیل جاتے تو یہ کبھی ایسی جرأت نہ کرتے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے دو پہلو دکھلائے۔ ایک مکی زندگی میں جبکہ آپؐ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے اور کچھ قوت نہ تھی۔ دُوسرا مدنی زندگی میں جبکہ آپؐ فاتح ہوئے اور وہی کفار جو آپؐ کو تکلیف دیتے تھے اور آپؐ اُن کی ایذا دہی پر صبر کرتے تھے۔ اب آپؐ کے قابُو میں آ گئے ایسا کہ جو چاہتے آپؐ ان کو سزا دے سکتے تھے، مگر آپؐ نے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر اُن کو چھوڑ دیا اور کچھ سزا نہ دی۔ ہمیں حضرت مسیحؑ پر ایمان ہے اور ان کے ساتھ محبت ہے۔ مگر یہ کہنے میں ہم لاچار ہیں کہ اُن کو اپنے مخالفین پر قدرت اور طاقت نہیں ہوئی۔ اور ان کو یہ موقع نہیں مِلا کہ دشمن پر قابُو پا کر پھر اپنے اخلاق کا اظہار کریں۔ اور اگر ان کو یہ موقع مِلتا، تو معلوم نہیں وُہ کیا کرتے۔ سچا مُسلمان وُہ ہے کہ دُوسروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آوے۔ میں دو باتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ ایک یہ کہ اپنی جماعت کے واسطے دُعا کروں۔ دُعا تو ہمیشہ کی جاتی ہے، مگر ایک نہایت جوش کی دُعا جس کا موقعہ کبھی مجھے مِل جائے۔ اور دوم یہ کہ قرآن شریف کا ایک خلاصہ ان کو لکھ دُوں۔

قرآن کریم کا اعجاز

قرآن شریف میں سب کچھ ہے، مگر جب تک بصیرت نہ ہو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ قرآن شریف کو پڑھنے والا جب ایک سال سے دُوسرے سال میں ترقی کرتا ہے، تو وُہ اپنے گذشتہ سال کو ایسا معلوم کرتا ہے کہ گویا وہ تب ایک طفلِ مکتب تھا۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں ترقی بھی ایسی ہے۔ جن لوگوں نے قرآن شریف کو ذوالوجُوہ کہا ہے۔ میں اُن کو پسند نہیں کرتا۔ اُنھوں نے قرآن شریف کی عزت نہیں کی۔

قرآن شریف کو ذوالمعارف کہنا چاہیے۔ ہر مقام میں سے کئی معارف نکلتے ہیں۔ اور ایک نکتہ دُوسرے نکتہ کا نقیض نہیں ہوتا، مگر زُود رنج، کینہ پرور اور غصہ والی طبائع کے ساتھ قرآن شریف کی مناسبت

نہیں ہے اور نہ ایسوں پر قرآن شریف کھلتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس قسم کی تفسیر بنا دوں۔ نرا فہم اور اعتقاد نجات کے واسطے کافی نہیں۔ جب تک کہ وہ عملی طور پر ظہور میں نہ آوے۔ عمل کے سوا کوئی قول جان نہیں رکھتا۔ قرآن شریف پر ایسا ایمان ہونا چاہیے کہ یہ درحقیقت معجزہ ہے اور خدا کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔ جب تک لوگوں میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے، گویا جماعت نہیں بنی۔ اگر کسی سے ایسی غلطی ہو کہ وہ صرف ایک غلط خیال کی وجہ سے ایک امر میں ہماری مخالفت کرتا ہے، تو ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہم اس پر ناراض ہو جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ کمزوروں پر رحم کرنا چاہیے۔ ایک بچہ اگر بستر پر پاخانہ پھیر دے اور ماں غصہ میں آکر اس کو پھینک دے، تو وہ خون کرتی ہے۔ ماں اگر بچہ کے ساتھ ناراض ہونے لگے اور ہر روز اس سے روٹھنے لگے۔ تو کام کب بنے۔ وہ جانتی ہے کہ یہ ہنوز نادان ہے۔ رفتہ رفتہ خدا اس کو عقل دے گا اور کوئی وقت آتا ہے کہ یہ سمجھ لے گا کہ ایسا کرنا نامناسب ہے۔ سو ہم ناراض کیوں ہوں۔ اگر ہم کذب پر ہیں، تو خود ہمارا کذب ہمیں ہلاک کرنے کے واسطے کافی ہے۔ ہم اس راہ پر قدم مارنے والے سب سے پہلے نہیں ہیں، جو ہم گھبرا جائیں کہ شاید حق والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوا کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سنت اللہ کیا ہے۔ سرورِ انبیاءؐ پر کروڑوں اعتراض ہوئے۔ ہم پر تو اتنے ابھی نہیں ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگِ اُحد میں آپؐ کو ۷۰ تلواریں لگی تھیں۔ صدق کا بیج ضائع نہیں ہوتا۔ ابوبکری طبیعت تو کوئی ہوتی ہے کہ فوراً مان لے۔ طبائع مختلف ہوتی ہیں، مگر نشان کے ساتھ کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ سکینتِ باطنی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ تصرفاتِ باطنی یک دفعہ تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر انسان ہدایت پاتا ہے۔ ہدایت اَمرِ ربّی ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔ میرے قابو میں ہو تو میں سب کو قُطب اور ابدال بنا دوں۔ مگر یہ اَمر محض خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہاں دُعا کی جاتی ہے۔

صُلح کی دعوت

ہم تیار ہیں کہ ہمارے مخالف ہمارے ساتھ صُلح کر لیں۔ میرے پاس ایک تھیلا اُن گالیوں سے بھرے ہوئے کاغذات کا پڑا ہے۔ ایک نیا کاغذ آیا تھا۔ وہ بھی آج میں نے اس میں داخل کر دیا ہے۔ مگر ان سب کو ہم جانے دیتے ہیں۔ اپنی جماعت کے ساتھ اگرچہ میری ہمدردی خاص ہے۔ مگر میں سب کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں اور مخالفین کے ساتھ بھی میری ہمدردی ہے۔ جیسا کہ ایک حکیم تریاق کا پیالہ مریض کو دیتا ہے کہ وہ شفا پا دے، مگر مریض غصہ میں آکر اس پیالہ کو توڑ دیتا ہے۔ تو حکیم اس پر افسوس کرتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ ہمارے قلم سے مخالف کے حق میں جو کچھ الفاظ سخت نکلتے ہیں۔ وہ محض نیک نیتی سے نکلتے ہیں۔ جیسے ماں بچہ کو کبھی سخت الفاظ بولتی ہے، مگر اس کا دِل دَرد سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ صادق اور کاذب کا معاملہ خدا کے نزدیک ایک نہیں ہوتا۔ خدا جس کو محبت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اس کے ساتھ اور دُوسروں کے ساتھ اس کا ایک سلوک نہیں ہوتا۔ کیا سب کے ساتھ اس کا معاملہ ایک ہی

رنگ کا ہے۔

مخالفین ہم سے صُلح کرلیں۔ مِلنا جُلنا شروع کردیں۔ بے شک اپنے اعتقاد پر رہیں۔ ملاقات سے اصلی حالات معلوم ہوجاتے ہیں۔ امرتسر کے بعض مخالف سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے مُنکر ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ ایسی بدظنی کا سبب یہی ہے کہ وُہ ہم سے بالکل الگ ہوگئے ہیں۔ اس قسم کا انقطاع تو کمزور لوگ کرتے ہیں کہ بالکل الگ ہو جائیں۔ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ اَوْلَا یُعْلٰی۔ تم ہم سے ڈرتے کیوں ہو۔ اگر ہم حقیر ہیں تو تم ہم پر غالب آجاؤ گے۔ اگر صُلح بھی نہیں کرتے، تو پھر مقابلہ میں آنا چاہیے۔ مقابلہ کے وقت خدا صادق کی مدد کرتا ہے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ (مجادلہ: ۲۲)

۲۶ر فروری ۱۹۰۱ء — امام مہدی کی شان

اُمّتِ محمدیہ میں پیغمبروں کا ظلّی سلسلہ

فرمایا: "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ظلّی سلسلہ پیغمبروں کا اس اُمّت میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم میں سارے انبیاء کا ذکر نہیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کثرت سے ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمّت میں بھی مثیلِ موسیٰؑ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مثیلِ عیسیٰ یعنی امام مہدی سب سے عظیم الشان اور خاص ذکر کے قابل ہیں۔"

۲۸ر فروری ۱۹۰۱ء

انبیاء سے اجتہادی غلطی کا صدور

فرمایا:

"اجتہادی غلطی سب نبیوں سے ہوا کرتی ہے اور اس میں سب ہمارے شریک ہیں اور یہ ضرور ہے کہ ایسا ہوتا تاکہ بشر خدا نہ ہوجائے۔ دیکھو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی یہ اعتراض بڑے زور شور سے یہود نے کیا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میں بادشاہت لے کر آیا ہوں اور وہ بات غلط نکلی۔ ممکن ہے کہ حضرت مسیح کو یہ خیال آیا ہو کہ ہم بادشاہ بن جائیں گے، چنانچہ تلواریں بھی خرید رکھی ہوئی تھیں، مگر یہ

لہ الحکم جلد ۵ نمبر ۹ صفحہ ۸ تا ۱۰ پرچہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۱ء

اُن کی اجتہادی غلطی تھی۔ بعد اس کے خدا نے مطلع کر دیا اور اُنھوں نے اقرار کیا کہ میری بادشاہت رُوحانی ہے۔ سادگی انسان کا فخر ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے جو کہا سو سادگی سے کہا۔ اس سے ان کی خفّت اور بے عزّتی نہیں ہوتی۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ سمجھا تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہوگی۔ مگر ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہوئی اور انگوروں کے متعلق آپؐ نے یہ سمجھا تھا کہ ابوجہل کے واسطے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ عکرمہ کے واسطے ہیں۔ انبیاء کے علم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی ہے۔ اس واسطے قرآن شریف میں آیا ہے قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) یہ آپؐ کا کمال اور قلب کی طہارت تھی جو آپؐ اپنی غلطی کا اقرار کرتے تھے۔ اس میں انبیاءؑ کی خفّت کچھ نہیں۔ ایک حکیم ہزاروں بیماروں کا علاج کرتا ہے۔ اگر ایک اُن میں سے مرجائے تو کیا حَرج ہے اس سے اُس کی حکمت میں کچھ داغ نہیں آجاتا۔ کبھی حافظِ قرآن کو پیچھے سے لُقمہ دیا جاتا ہے، تو اس سے یہ نہیں کہا جاتا کہ اب وُہ حافظ نہیں رہا۔ جو باتیں متواترات اور کثرت سے ہوتی ہیں اُن پر حکم لگایا جاتا ہے۔"

اخلاص والے کو خدا ضائع نہیں کرتا

فرمایا:

"اخلاص والے کو خدا ضائع نہیں کرتا۔ ہمارے حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس جنگل میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر خدا نے کیا کیا سامان بنا دیئے۔ ایک آدمی کا قابو کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کتنے آدمی آپؐ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ہمارے متعلق اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ آخر مُرید ہی ہوں گے تو ایسا کریں گے۔ اس زمانہ میں دیکھو لوگ کیسی بے عزّتی کرتے ہیں، مگر اِس زمانہ میں جو ثواب ہے وُہ پھر نہ ہوگا۔"

یکم مارچ ۱۹۰۱ء

نماز کا اخلاص سے تعلق

فرمایا:

"نماز دُعا اور اخلاص کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ مومن کے ساتھ کینہ جمع نہیں ہوتا۔ متقی کے سوا دُوسرے کے پیچھے نماز کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔"

۳/ مارچ ۱۹۰۱ء

کمال ختم نہیں ہوتا

فرمایا:

"ختمِ ایمان یا ختمِ کمال نہیں ہو جاتا۔ خدا کی جناب میں بُخل نہیں۔ جو رنگ

ایک پر چڑھتا ہے وُہ دُوسرے پر چڑھ سکتا ہے۔ اگر نبی کی بات دوسرے میں نہ آسکے، تو اس کا وجُود بے فائدہ ہو۔ ایک صُوفی ابن حزم نے لکھا ہے کہ مَیں نے حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے معانقہ کیا۔ یہاں تک کہ مَیں خود رسُول اللہ ہو گیا۔"[1]

مارچ ۱۹۰۱ء

ایک متلاشیٔ حق کا حضرت اقدسؑ کی خدمت میں آنا

چند روز سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک حق جُو ضلع گجرات سے آیا ہوا ہے۔ اس نے عرض کی کہ مجھے ابتدا ہی سے دھرم بھاؤ اپنے اندر محسوس ہوتا تھا اور اُس کے موافق میں اپنے خیال میں بعض نیکیاں بھی کرتا رہا ہوں، مگر مجھے دُنیا اور اس کے طلبگاروں کو اپنے اردگرد دیکھ کر بہت بڑی تکلیف محسُوس ہوتی ہے اور اپنے اندر بھی ایک کشمکش پاتا ہوں۔ مَیں ایک بار دریائے جہلم کے کنارے کنارے پھر رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب نظارہ پریم (محبت) کا دکھایا گیا تھا۔ جس سے مجھے ایک لذّت اور سُرور محسُوس ہوتا تھا جس طرف نظر اٹھاتا تھا آنند ہی آنند ملتا تھا۔ کھانے میں، پینے میں، چلنے میں، پھرنے میں، غرض ہر ایک حرکت میں ہر ادا میں پریم ہی پریم معلوم ہوتا تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد یہ نظارہ تو جاتا رہا، مگر اس کا بقیّہ ضرور دو ماہ تک رہا۔ یعنی اس نظارہ سے کم درجہ کا سُرور دینے والا نظارہ۔ اس وقت مَیں عجیب گھبراہٹ میں ہوں۔ مَیں نے بہت کوشش کی کہ مَیں اِس کو پھر پاؤں، مگر نہیں ملا۔ اسی کی طلب اور تلاش میں مَیں لاہور بابو ابناش چندر فورمین صاحب کے پاس آیا۔ جو برہم سماج کے سرگرم ممبر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وُہ مجھ سے بجز چند منٹ کے اور وُہ بھی اپنے دفتر میں ہی نہ مِل سکے۔ پھر مَیں پنڈت شِونرائن ستیانند اگنی ہوتری کے پاس گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ وُہ لوگ کسی قدر رُوحانیت کو محسوس کرتے ہیں۔ آخر مَیں کوئی دو مہینے تک ان کے ہائی سکول موگا میں بطور تھرڈ ماسٹر کام کرتا رہا اور اپنی اِصلاح میں لگا رہا۔ وہاں جانا میرا صرف اس مطلب کے لیے تھا کہ مَیں اپنی لائف کو بناؤں۔ اس عرصہ میں کچھ مختصر سا نظارہ نظر آنے لگا، مگر میری تسلّی اور اطمینان نہیں ہوا جس شانتی اور پریم کا مَیں خواہش مند اور جویا تھا وہ مجھے نہ ملا؛ اگرچہ مَیں صبر کے ساتھ وہاں رہنا چاہتا تھا، مگر بیمار ہو کر مجھے آنا پڑا۔ مَیں نے اپنے شہر میں شیخ مولا بخش صاحب کو ایک مرتبہ جلسۂ اعظم مذاہب والا آپ کا مضمون پڑھتے ہوئے سُنا۔ مَیں اپنے خیال میں مست اور متفکر جا رہا تھا کہ اُن

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۰ صفحہ ۹ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۱ء

کی آواز میرے کان میں پڑی۔ میری رُوح نے غیر معمولی طور پر محسوس کیا کہ اس کلام میں لائٹ (نُور) ہے اور یہ کہنے والا اپنے اندر روشنی ضرور رکھتا ہے۔ مَیں نے اس مضمون کو کئی مرتبہ پڑھا اور میرے دل میں قادیان آنے کی خواہش پیدا ہوئی، مگر لیکھرام کے قتل کے تازہ وقوعہ کے باعث لاہور میں مَیں اگر کسی مُسلمان سے پتہ پُوچھتا تھا، تو وُہ پتہ نہ بتاتا تھا۔ غالباً اس کو یہ وہم ہوتا ہوگا کہ شاید یہ مرزا صاحب کے قتل کو جاتا ہے۔ بہرحال میرے دل میں ایک کشمکش پیدا ہو رہی تھی۔ اب وہ میری آرزو پُوری ہوئی ہے اور مَیں اپنی زندگی کو بنانا چاہتا ہوں۔ اسی غرض کے واسطے حضُور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یُوں ارشاد فرمایا:

اسلام کی حقیقت

"حقیقت یہی ہے کہ انسان کو پوست اور چھلکے پر ٹھہرنا نہیں چاہیے اور نہ انسان پسند کرتا ہے کہ وُہ صرف پوست پر قناعت کرے، بلکہ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اور اسلام انسان کو اسی مغز اور رُوح پر پہنچانا چاہتا ہے جس کا وہ فطرتاً طلبگار ہے۔ یہ نام ہی ایسا نام ہے کہ اس کو سُن کر رُوح میں ایک لذت آتی ہے اور کسی مذہب کے نام سے کوئی تسلی رُوح میں پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً آریہ کے نام سے کون سی رُوحانیت نکالیں۔ اسلام سکینت، شانتی، تسلی کے لیے بنایا گیا ہے جس کے واسطے انسان کی رُوح بھُوکی پیاسی ہوتی ہے تاکہ اس کا نام سُننے والا سمجھ لے کہ اس مذہب کا سچے دل سے ماننے والا اور اس پر عمل کرنے والا خدا کا عارف ہے، مگر بات یہ ہے کہ اگر انسان چاہے کہ ایک دم میں سب کچھ ہو جائے اور معرفتِ الٰہی کے اعلیٰ مراتب پر یکدفعہ پہنچ جائے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر ایک کام تدریج سے ہوتا ہے۔ دیکھو کوئی علم اور فن ایسا نہیں جس کو انسان تامل اور توقف سے نہ سیکھتا ہو۔ ضروری ہے کہ سلسلہ وار مراتب کو طے کرے۔ دیکھو! زمیندار کو زمین میں بیج بو کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اوّل وہ اپنی عزیز شَے اناج کو زمین میں ڈال دیتا ہے۔ جس کو فوراً جانور چُگ جائیں یا مٹی کھا لے یا کسی اور طرح ضائع ہو جائے مگر تجربہ اس کو تسلی دیتا ہے۔ کہ نہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ یہ دانے جو اس طرح پر زمین کے سپرد کیے گئے ہیں۔ بارور ہوں گے اور یہ کھیت سرسبز لہلہاتا ہوا نظر آئے گا اور یہ خاک آمیختہ بیج رزق بن جائیں گے۔

اصلاح کے لیے صبر شرط ہے

اب آپ غور کریں کہ دنیاوی اور جسمانی رزق کے لیے جس کے بغیر کچھ دن آدمی زندہ بھی رہ سکتا ہے چھ مہینے درکار ہیں۔ حالانکہ وہ زندگی جس کا مدار جسمانی رزق پر ہے اَبدی نہیں، بلکہ فنا ہو جانے والی ہے۔ پھر رُوحانی رزق جو رُوحانی زندگی کی غذا ہے جس کو کبھی فنا نہیں اور وُہ ابدالآباد کے لیے رہنے والی ہے۔ دو چار دن میں کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک دم میں جو چاہے کر دے اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کے نزدیک کوئی چیز انہونی نہیں۔ اسلام نے ایسا خدا پیش ہی نہیں کیا جو مثلاً آریوں کے پیش کردہ پرمیشر

کی طرح نہ کسی رُوح (جیو) کو پیدا کر سکے، نہ مادہ کو اور نہ اپنے طلبگاروں کو اور صادقوں کو سچی شانتی اور ابدی مکتی دے سکے۔ نہیں بلکہ اسلام نے وُہ خدا پیش کیا ہے۔ جو اپنی قدرتوں اور طاقتوں میں بے نظیر اور لاشریک خدا ہے۔ مگر ہاں اس کا قانون یہی ہے کہ ہر ایک کام ایک ترتیب اور تدریج سے ہوتا ہے۔ اس لیے صبر اور حُسنِ ظن سے اگر کام نہ لیا جائے، تو کامیابی مشکل ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ پہلے بزرگ پھُونک مار کر آسمان پر پہنچا دیتے تھے۔ مَیں نے کہا کہ تم غلطی کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ کا یہ قانون نہیں ہے۔ اگر ایک مکان میں فرش کرنے لگو، تو پہلے ضروری ہوگا کہ اس میں کوئی حصّہ قابلِ مرمّت ہو تو اس کی مرمّت کی جائے۔ اور جہاں جہاں گندگی اور ناپاکی پڑی ہوئی ہو اس کو فینائل وغیرہ سے صاف کیا جائے۔ غرض بہت سی تدبیروں اور حیلوں کے بعد وہ اس قابل ہوگا کہ اس میں فرش بچھایا جائے۔ اسی طرح پر انسان کا دل اس سے پیشتر کہ خدا تعالیٰ کے رہنے کے قابل ہو۔ وہ شیطان کا تخت ہے اور سلطنتِ شیطان میں ہے۔ اب دُوسری سلطنت کے لیے اس شیطانی سلطنت کا قلع قمع ضروری ہے۔

نہایت ہی بدقسمت ہے وہ انسان جو حق کی طلب میں نکلے اور پھر حُسنِ ظن سے کام نہ لے۔ ایک گِل گو ہی کو دیکھو کہ اس کو مٹی کا برتن بنانے میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ دھوبی ہی کو دیکھو کہ وُہ ایک ناپاک اور میلے کچیلے کپڑے جب صاف کرنے لگتا ہے، تو کس قدر کام اس کو کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی کپڑے کو بھٹی پر چڑھاتا ہے کبھی اس کو صابن لگاتا ہے۔ پھر اس کی میل کچیل کو مختلف تدبیروں سے نکالتا ہے۔ آخر وہ صاف ہو کر سفید نکل آتا ہے اور جس قدر میل اس کے اندر ہوتی ہے، سب نکل جاتی ہے۔ جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لیے اس قدر صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ تو پھر کس قدر نادان ہے وہ شخص جو اپنی زندگی کی اصلاح کے واسطے اور دل کی غلاظتوں اور گندگیوں کو دُور کرنے کے لیے یہ خواہش کرے کہ یہ پھُونک مارنے سے نکل جائیں اور قلب صاف ہو جائے۔

یاد رکھو۔ اصلاح کے لیے صبر شرط ہے۔ پھر دُوسری بات یہ ہے کہ تزکیہ اخلاق اور نفس کا نہیں ہو سکتا، جبتک کہ کسی مزکّی نفس انسان کی صحبت میں نہ رہے۔ اوّل دروازہ جو کھُلتا ہے، وُہ گندگی دُور ہونے سے کھُلتا ہے۔ جن پلید چیزوں کو مناسبت ہوتی ہے وہ اندر رہتی ہیں۔ لیکن جب کوئی تریاقی صحبت مِل جاتی ہے، تو اندرونی پلیدی رفتہ رفتہ دُور ہونی شروع ہوتی ہے، کیونکہ پاکیزہ رُوح کے ساتھ جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں رُوح القدس کہتے ہیں تعلق نہیں ہو سکتا جبتک کہ مناسبت نہ ہو۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تعلق کب تک پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں! "خاک شو پیش از انکہ خاک شوی" پر عمل ہونا چاہیے۔ اپنے آپ کو اس راہ میں خاک کر دے اور پورے صبر اور استقلال کے ساتھ اس راہ میں چلے۔ آخر اللہ تعالیٰ اس کی سچی محنت کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اس کو وُہ نُور اور روشنی عطا کرے گا، جس کا وہ جویا ہوتا ہے۔ مَیں تو حیران ہو جاتا ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں

آتا کہ انسان کیوں دلیری کرتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا ہے۔

مجاہدہ میں نے جس شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے مجھ سے کہا کہ پہلے بزرگ پھونک مار کر خوش قطب بنا دیتے تھے۔ میں نے اس کو یہی کہا کہ یہ دُرست نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا قانون نہیں ہے۔ تم مجاہدہ کرو۔ تب اللہ تعالیٰ اپنی راہیں تم پر کھولے گا۔ اس نے کچھ توجہ نہ کی اور چلا گیا۔ ایک مدت کے بعد وہ پھر میرے پاس آیا، تو اس کو اس پہلی حالت سے بھی اَبتر پایا۔ غرض انسان کی بدقسمتی یہی ہے کہ وہ جلدی کا قانون تجویز کر لیتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ جلدی کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تو تدریج اور ترتیب ہے، تو گھبرا اٹھتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دہریّت ہو جاتا ہے۔ دہریّت کا پہلا زینہ یہی ہے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ یا تو بڑے بڑے دعوے اور خواہشیں پیش کرتے ہیں کہ یہ ہو جائیں اور وہ بن جائیں اور یا پھر آخر اَرذَل زندگی کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس کچھ مانگنے آیا۔ جوگی تھا۔ اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ گیا، فلاں مرد کے پاس گیا۔ آخر اس کی حالت اور اندازِ گفتگو سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ مانگ کر گذارہ کر لینا چاہیے۔ اصل اور سچی بات یہی ہے کہ صبر سے کام لیا جائے۔ سعدی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گر نباشد بہ دوست راہ بُردن
شرطِ عشق است در طلب مُردن

اللہ تعالیٰ تو اخیر حد تک دیکھتا ہے۔ جس کو کچا اور غدّار دیکھتا ہے۔ وہ اس کی جناب میں راہ نہیں پا سکتا۔

طلب گار باید صبور و حَمُول
کہ نشنیدہ ام کیمیا گر مَلُول

کیمیا گر باوجود یکہ جانتا ہے کہ اب تک کچھ بھی نہیں ہوا لیکن پھر بھی صبر کے ساتھ اس پھونکا پھانکی میں لگا ہی رہتا ہے۔ میرا مطلب اس سے یہی ہے کہ اوّل صبر کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ اگر رُشد کا مادہ ہے تو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ اصل غرض تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت پیدا ہو۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ محبت تو ایک دُوسرا درجہ ہے یا نتیجہ ہے۔ سب سے اوّل تو ضروری یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجُود پر یقین پیدا ہو۔ اس کے بعد رُوح میں خود ایک جذب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف کھچی چلی آتی ہے۔ جس جس قدر معرفت اور بصیرت بڑھے گی۔ اسی قدر لذّت اور سُرور بڑھتا جائے گا۔ معرفت کے بغیر تو کبھی لذت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ذوق شوق کا اصل مبداء تو معرفت ہی ہے۔

معرفت معرفت ہی ایک شے ہے جس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ معرفت اور محبت کے اجتماع سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے، وُہ سُرور ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ کسی خوبصورتی کا محض دیکھ لینا

ہی تو محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ جبتک اس کے متعلق معرفت نہ ہو۔ یقیناً سمجھو کہ محبت بدوں معرفت کے محال ہے۔ جو محبوب ہے اس کی معرفت کے بغیر محبت کیا؟ یہ ایک خیالی بات ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو ایک عاجز انسان کو خدا سمجھ لیتے ہیں۔ بھلا وہ خدا میں کیا لذت پا سکتے ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو خدا بنا رہے ہیں۔ اور اس پر خدا محبت ہے۔ خدا محبت ہے پکارتے پھرتے ہیں۔ اُن کی محبت حقیقی محبت نہیں ہو سکتی۔ ایک ادعائی اور خیالی محبت ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی بابت ان کو سچی معرفت ہی نصیب نہیں ہوئی۔

محبت الٰہی کے ذرائع

عقیدہ کی تصحیح ۔ نیک صحبت ۔ معرفت ۔ صبر و حسنِ ظن ۔ دُعا

پس سب سے پہلے پھر یہ ضروری ہے کہ اوّل تصحیح عقیدہ کرے۔ ہندو کچھ اور پیش کرتے ہیں۔ عیسائی کچھ اور ہی دکھاتے ہیں چینی کسی اور کو خدا پیش کرتے ہیں مسلمانوں کا وہی خدا ہے جس کو انھوں نے قرآن کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ جبتک اس کو شناخت نہ کیا جائے، خدا کے ساتھ کوئی تعلق اور محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ نرے دعوے سے کچھ نہیں بنتا۔ پس جب عقیدہ کی تصحیح ہو جاوے تو دُوسرا مرحلہ یہ ہے کہ نیک صحبت میں رہ کر اس معرفت کو ترقی دی جاوے اور دُعا کے ذریعہ بصیرت مانگی جاوے جس جس قدر معرفت اور بصیرت بڑھتی جاوے گی، اسی قدر محبت میں ترقی ہوتی جائے گی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ محبت بدوں معرفت کے ترقی پذیر نہیں ہو سکتی۔ دیکھو انسان ٹین یا لوہے کے ساتھ اس قدر محبت نہیں کرتا جس قدر تانبے کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر تانبے کو اس قدر عزیز نہیں رکھتا جتنا چاندی کو رکھتا ہے اور سونے کو اس سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے اور ہیرے اور دیگر جواہرات کو اور بھی عزیز رکھتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ اس کو ایک معرفت ان دھاتوں کی بابت ملتی ہے۔ جو اس کی محبت کو بڑھاتی ہے۔ پس اصل بات یہی ہے کہ محبت میں ترقی اور قدر و قیمت میں زیادتی کی وجہ معرفت ہی ہے۔ اس سے پیشتر کہ انسان سرور اور لذت کا خواہشمند ہو اس کو ضروری ہے کہ وہ معرفت حاصل کرے، لیکن سب سے ضروری امر جس پر ان سب باتوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ وہ صبر اور حسنِ ظن ہے۔ جبتک ایک حیران کر دینے والا صبر نہ ہو۔ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب انسان محض حق جوئی کے لیے تھکا نہ دینے والے صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور مجاہدہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کے موافق اس پر ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر سعی اور مجاہدہ کرتے ہیں۔ آخر ہم ان کی اپنی راہوں کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اُن پر دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یہ سچی بات ہے

کہ جو ڈھونڈتے ہیں وہ پاتے ہیں کسی نے خوب کہا۔ ع

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

خدا جوئی کے آداب

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے پاس آتا ہے اور کھڑا کھڑا بات کر کے چل دیتا ہے، وہ گویا خدا سے ہنسی کرتا ہے۔ یہ خدا جوئی کا طریق نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا قانون مقرر کیا ہے۔ پس اوّل شرط خدا جوئی کے لیے سچی طلب ہے۔ دُوسری صبر کے ساتھ اس طلب میں لگے رہنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے، اسی قدر تجربہ بڑھتا جاتا ہے۔ پھر معرفت کے لیے زیادہ دیر تک صحبت میں رہنا ضروری ہوا یا نہیں؟ مَیں نے بہت سے آدمی دیکھے ہیں۔ جو اپنی اوائل عمر میں دُنیا کو ترک کرتے اور چیختے اور چلاتے ہیں۔ آخر اُن کا انجام یہ دیکھا گیا کہ وہ دُنیا میں منہمک پائے گئے اور دُنیا کے کیڑے بن گئے۔ دیکھو بعض درختوں کو سنیر و پھل لگا کرتے ہیں۔ جیسے شہتوت کے درخت کو عارضی طور پر ایک پھل لگتا ہے۔ آخر وہ سارے کا سارا گر جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل پھل آتا ہے۔ اسی طرح پر خدا جوئی بھی عارضی طور پر اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر صبر اور حُسنِ ظن کے ساتھ صدقِ قدم نہ دکھایا جاوے، تو وہ عارضی جوش ایک وقت میں آکر یہی نہیں کہ فرو ہو جاتا ہے، بلکہ ہمیشہ کے لیے دل سے محو ہو جاتا ہے اور دُنیا کا کیڑا بنا دیتا ہے، لیکن اگر صدق و ثبات سے کام لیا جاوے تو اس عارضی جوش اور حق جوئی کی پیاس کے بعد واقعی اور حقیقی طور پر ایک طلب اور خواہش پیدا ہوتی ہے جو دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی راہ میں اگر مشکلات اور مصائب کا پہاڑ بھی آجائے تو وہ کچھ بھی پروا نہیں کرتا اور قدم آگے ہی بڑھاتا جاتا ہے۔ پس وہ انسان جو اس جوش اور خواہش کے وقت صبر سے کام لے اور سمجھ لے کہ اس کو آخر عمر تک نبھانا ہے۔ وہ بہت ہی خوش طالع ہوتا ہے اور جو چند تجربے کر کے رہ جاتا ہے اور تھک کر بیٹھ رہتا ہے تو اس کے ہاتھ میں صرف اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ وُہ کہتا پھرتا ہے کہ مَیں نے بہت سے باتونی دیکھے اور دو کاندار پائے ایک بھی حق نما اور خدا نما نہ ملا۔

پس میری تو یہ نصیحت ہے۔ مَیں نہیں جانتا (کہ ہر ایک جو میرے پاس آتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کے لیے آیا ہے اور خدا کو پانا چاہتا ہے) اُس کا کیا حال ہے۔ اس کی نیت کیسی ہے۔ مگر مَیں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ جو اللہ تعالیٰ کی تلاش میں قدم اُٹھاوے۔ سب سے اوّل اس کو لازم ہے کہ تصحیح عقائد کرے۔ یہ معلوم کرے کہ کس خدا کو وہ پانا چاہتا ہے۔ آیا اس خدا کی تلاش میں وہ ہے جو واقعی دُنیا کا خالق اور مالک خدا ہے اور جو تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں اور نقائص سے مبرّا ہے۔ یا کسی عورت کے پیٹ خدا کی تلاش میں ہے یا اور ایسے ہی کمزور اور ناتواں ۳۳ کروڑ خداؤں کا جویا ہے، کیونکہ اگر اصلی محبوب اور مقصود کنارے پر ہی پڑا

رہے، تو سمندر میں غوطہ زنی سے کیا حاصل ؟

میں مثال کے طور پر کہتا ہوں مثلاً عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح ابنِ مریم جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اسی طرح پر جس طرح عام انسان پیدا ہوتے ہیں اور کھاتا پیتا بگڑتا موتتا رہا ــــ وہ خدا ہے۔ اب یہ تو ممکن ہے کہ ایک شخص کو اس سے محبت ہو، لیکن انسانی دانش یہ کبھی تجویز نہیں کرتی کہ ایسا کمزور اور ناتواں انسان خدا بھی ہوتا ہے۔ یا یہ کہ عورتوں کے پیٹ سے بھی خدا پیدا ہوا کرتے ہیں۔ جبکہ پہلا ہی قدم باطل پر پڑا ہے، تو دُوسرے قدم کی حق پر پڑنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جو شعاعیں زندہ خدا، کامل صفات سے موصوف خدا کو مان کر دل پر پڑتی ہیں۔ وُہ ایک مرنے والی ہستی، منعف و ناتوانی کی تصویر پرستی سے کہاں ؟؟؟

اَلطَّالِبُ لَا مَذْهَبَ لَهٗ طالب کو تو سارے تعصب اور عقیدے چھوڑ دینے چاہئیں۔ پھر وہ سچے عقائد کی طلب میں لگے۔ تب بہتری کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے بنیادی اینٹ خدا ہونی چاہیے۔ تب آخری اینٹ بھی خدا ہی ہوگی۔ جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ عموماً بدقسمت انسان کی محرومی کا موجب ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ ہماری صحبت میں نہ رہیں اور چلے جائیں اور دو چار باتیں بھی کہہ دیں کہ وہاں کیا تھا، کچھ نہ ملا۔ تو بتائیے ہمارا اس میں کیا نقصان ہوگا۔ دُنیا میں اس قسم کی باتیں کرنے والے بہت ہیں، لیکن محروم و بدقسمت۔ دیکھو اقلیدس کی چند اشکال اگر ایک بچے کے سامنے رکھ دیں۔ ممکن ہے وہ بعض اشکال کو پسند کرے، لیکن اُن اشکال کی پسندیدگی ایسی نفع بخش تو نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ وہ ان کے نتائج سے بے خبر ہے اور نہیں جانتا کہ اُن سے کیا کیا فوائد پہنچ سکتے ہیں۔

میں نے اسلام پر اعتراض کرنے والے دیکھے بھی ہیں اور ان اعتراضوں کو جمع بھی کیا ہے جو اسلام پر کیے جاتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جہاں ان ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے وہیں حکمت کا خزانہ اور بیش بہا معارف اور حقائق کا دفینہ ہوتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں بجز نادانی اور کورچشمی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اعتراض کر کے اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ تاریک دماغ کے انسان ہیں اور کجرو طبیعت رکھتے ہیں؛ ورنہ وہ معارف اور حقائق کی معدن پر اعتراض نہ کرتے، اس لیے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نرمی اور تحمل کے ساتھ اصل حقیقت کی طلب میں لگیں۔

آپ خدا جوئی کے طالب ہیں۔ آپ کے لیے عمدہ طریق یہی ہے کہ آپ پہلے تصحیح عقائد کریں جس سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ وُہ خدا جس کی تلاش اور جستجو آپ کو ہے۔ ہے کیا چیز ؟ اس سے آپ کی معرفت کو ترقی ملے گی اور معرفت میں جو قوتِ جذب محبت کی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک محبت پیدا کرنے کا موجب ہو گی۔ بدوں اس کے محبت کا دعوےٰ سنیرو پھل کی طرح ہے جو چند روز کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔

یہ آپ یاد رکھیں اور ہمارا مذہب یہی ہے کہ کسی شخص پر خدا کا نور نہیں چمک سکتا، جبتک آسمان سے وہ نُور نازل نہ ہو۔ یہ سچی بات ہے کہ فضل آسمان سے آتا ہے۔ جب تک خود خدا اپنی روشنی اپنے طلبگار پر ظاہر نہ کرے۔ اس کی رفتار ایک کیڑے کی مانند ہوتی ہے اور ہونی چاہیے، کیونکہ وُہ قسم قسم کی ظلمتوں اور تاریکیوں اور راستہ کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہوتا ہے، لیکن جب اس کی روشنی اس پر چمکتی ہے، تو اس کا دل و دماغ روشن ہو جاتا ہے اور وُہ نُور سے معمور ہو کر برق کی رفتار سے خدا کی طرف چلتا ہے۔

حق جُو ؛ حضُور مَیں مذہب کا پابند نہیں ہوں۔

حضرت اقدسؑ ؛ اگر کوئی اپنی جگہ یہ فیصلہ کر کے آوے کہ مَیں نے کچھ ماننا ہی نہیں تو اس کو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور کہیں بھی کیا۔ لیکن اگر کوئی عقل رکھتا ہے تو اضطراراً اس کو ایک راہ پیدا کرنی پڑتی ہے۔

مذہب کیا ہے؟ مذہب کیا ہے؟ وہی راہ ہے جس کو وہ اپنے لیے اختیار کرتا ہے۔ مذہب تو ہر شخص کو رکھنا پڑتا ہے اور وُہ لامذہب انسان جو خدا کو نہیں مانتا اس کو بھی ایک راہ اختیار کرنی لازمی ہے اور وہی مذہب ہے۔ مگر ہاں امرِ غور طلب یہ ہونا چاہیے کہ جس راہ کو اختیار کیا ہے، کیا وُہ راہ وہی ہے جس پر چل کر اس کو سچی استقامت اور دائمی راحت اور خوشی اور ختم نہ ہونے والا اطمینان مل سکتا ہے۔؟

دیکھو! مذہب تو ایک عام لفظ ہے۔ اس کے معنے چلنے کی جگہ یعنی راہ کے ہیں اور یہ دین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے علُوم و فنون طبقات الارض، طبعی، طبابت، ہیئت وغیرہ میں بھی ان علُوم کے ماہرین کا ایک مذہب ہوتا ہے۔ اس سے کسی کو چارہ ہو سکتا ہی نہیں۔ یہ تو انسان کے لیے لازمی امر ہے۔ اس سے باہر ہو نہیں سکتا۔ پس جیسے انسان کی رُوح جسم کو چاہتی ہے۔ معانی الفاظ اور پیرایہ کو چاہتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو مذہب کی ضرورت ہے۔ ہماری یہ غرض نہیں ہے اور نہ ہم یہ بحث کرتے ہیں کہ کوئی اللہ کہے یا گاڈ کہے یا پرمیشر ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ جس کو وُہ پکارتا ہے۔ اس نے اس کو سمجھا کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ کوئی نام لو، مگر یہ بتاؤ کہ تم اسے کہتے کیا ہو؟ اس کے صفات تم نے کیا قائم کئے ہیں؟ صفاتِ الٰہی کا مسئلہ ہی تو بڑا مسئلہ ہے جس پر غور کرنا چاہیے۔

حق جو ؛ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب کا کام فطرت کو دُرست کرنا ہے۔

حضرت اقدسؑ ؛ اس وقت کوئی بادشاہ ہے مثلاً شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم ہے۔ اب اگر کسی اور کو کہیں بھی تو تکلفات سے کہیں گے، مگر ہو نہیں سکتا۔ ہم یہی تو چاہتے ہیں کہ اس حقیقی خدا کو شناخت کیا جاوے اور باقی سب تکلفات چھوڑ دیئے جائیں اس کا نام فطرت کی درستی ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے

اِسلام ہے کیا؟ اِسلام کا تو نام ہی اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ رکھا ہے۔ فطرتی مذہب اسلام ہی ہے، مگر ان باتوں کی حقیقت کب کھلتی ہے۔ جب انسان صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ کسی پاک صحبت میں رہے۔ ثابت قدمی میں بڑی برکتیں ہوتی ہیں۔ شہد ہی کی مکھی کو دیکھو کہ جب وہ ثابت قدمی اور محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگتی ہے تو شہد جیسی نفیس اور کارآمد شے تیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح پر جو خدا کی تلاش میں استقلال سے لگتا ہے وہ اُسکو پالیتا ہے نہ صرف پالیتا ہے، بلکہ میرا تو یہ ایمان ہے کہ وُہ اُس کو دیکھ لیتا ہے۔ ارضی علوم کی تحصیل میں کس قدر وقت اور روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے۔ یہ علوم روحانی علوم کی تحصیل کے قواعد کو صاف طور پر بتا رہے ہیں۔ ہمارا مذہب جو روحانی علوم کے مبتدی کے لیے ہونا چاہیے۔ یہ ہے کہ وُہ پہلے خدا کی ہستی، پھر اس کی صفات کی واقفیت پیدا کرے ایسی واقفیت جو یقین کے درجہ تک پہنچ جاوے۔ تب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفاتِ کاملہ پر اس کو اطلاع مل جاوے گی اور اس کی رُوح اندر سے بول اُٹھے گی کہ پُورے اطمینان کے ساتھ اُس نے خدا کو پالیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایسا ایمان پیدا ہو جائے کہ وُہ یقین کے درجہ تک پہنچ جاوے اور انسان محسوس کرلے کہ اس نے گویا خدا کو دیکھ لیا ہے اور اس کی صفات سے واقفیت حاصل ہو جاوے، تو گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت جو پہلے گناہ کی طرف جھکتی تھی اب ادھر سے ہٹتی اور نفرت کرتی ہے اور یہی توبہ ہے۔

اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کے بعد طبیعت گناہ سے متنفر ہو جاتی ہے۔ یہ بات آسانی اور صفائی سے سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو سنکھیا ہے یا اور زہریں ہیں یا بعض زہریلے جانور ہیں۔ انسان اُن سے کیوں ڈرتا ہے؟ صرف اس لیئے کہ تجربہ نے بتا دیا ہے کہ اس درجہ پر یہ زہر ہلاک کر دیتے ہیں۔ بہتوں کو زہر کھا کر ہلاک ہوتے دیکھا ہے، اسی لئے طبیعت اس طرف نہیں جا سکتی، بلکہ ڈرتی ہے۔ جبکہ یہ بات ہے پھر کیا وجہ ہے کہ قسم قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ اگر راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ہو تو جُھک کر اس کو اٹھالے گا؛ حالانکہ تھوڑے سے اعلان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ پیسہ کس کا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بارہ بارہ آنے پر معصوم بچوں کی جانیں لی جاتی ہیں۔ عدالتوں میں جا کر دیکھو۔ کس قدر خوفناک اور تاریک نظارہ نظر آئے گا۔ تھوڑی تھوڑی بات پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ خدا پر ایمان نہیں ہے۔ سانپوں اور زہروں سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے کہ اُن کو ہلاک مانتے ہیں اور اُن کے خطرناک ہونے پر ایمان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل ہو تو مَیں نہیں سمجھتا کہ کیوں گناہ سے نفرت پیدا نہ ہو۔

نیکی کے دو پہلو

انسان کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ بدی سے بچے اور نیکی کی طرف دوڑے۔ اور نیکی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ترکِ شر دوسرا افاضۂ خیر۔ ترکِ شر سے انسان کامل نہیں بن سکتا جبتک اس کے ساتھ افاضۂ خیر نہ ہو۔ یعنی دوسروں کو نفع بھی پہنچائے اس سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر تبدیلی کی ہے اور یہ مدارج تب حاصل ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان ہو اور اُن کا علم ہو۔ جب تک یہ بات نہ ہو۔ انسان بدیوں سے بھی بچ نہیں سکتا۔ دوسروں کو نفع پہنچانا تو بڑی بات ہے۔ بادشاہوں کے رُعب اور تعزیراتِ ہند سے بھی تو ایک حد تک ڈرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے پھر کیوں احکم الحاکمین کے قوانین کی خلاف ورزی میں دلیری پیدا ہوتی ہے۔ کیا اس کی کوئی اور وجہ ہے بجز اس کے کہ اُس پر ایمان نہیں ہے؟ یہی ایک باعث ہے۔

الغرض بدیوں سے بچنے کا مرحلہ تب طے ہوتا ہے۔ جب خدا پر ایمان ہو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہونا چاہیئے کہ اُن راہوں کی تلاش کرے جو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں نے اختیار کیں۔ وہ ایک ہی راہ ہے جس پر جس قدر راستباز اور برگزیدہ انسان دنیا میں چل کر خدا تعالیٰ کے فیض سے فیضیاب ہوئے۔ اس راہ کا پتہ یوں لگتا ہے کہ انسان معلوم کرے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ پہلا مرحلہ بدیوں سے بچنے کا تو خدا تعالیٰ کی جلالی صفات کی تجلّی سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ بدکاروں کا دشمن ہے۔

اور دوسرا مرتبہ خدا تعالیٰ کی جمالی تجلّی سے ملتا ہے اور آخر یہی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوت اور طاقت نہ ملے جس کو اسلامی اصطلاح کے موافق رُوح القدس کہتے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ ایک قوت ہوتی ہے، جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اُس کے نزول کے ساتھ ہی دل میں ایک سکینت آتی ہے اور طبیعت میں نیکی کے ساتھ ایک محبت اور پیار پیدا ہو جاتا ہے۔

جس نیکی کو دوسرے لوگ بڑی مشقت اور بوجھ سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ ایک لذت اور سرور کے ساتھ اس کو کرنے کی طرف دوڑتا ہے۔ جیسے لذیذ چیز بچہ بھی شوق سے کھا لیتا ہے۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے اور اس کی پاک رُوح اس پر اُترتی ہے۔ پھر نیکیاں ایک لذیذ اور خوشبودار شربت کی طرح ہوتی ہیں۔ وہ خوبصورتی جو نیکیوں کے اندر موجود ہے اس کو نظر آنے لگتی ہے اور بے اختیار ہو ہو کر ان کی طرف دوڑتا ہے۔ بدی کے تصور سے بھی اُس کی رُوح کانپ جاتی ہے۔

یہ اُمور اس قسم کے ہیں کہ ہم اُن کو الفاظ کے پیرایہ میں پورے طور سے ادا نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ قلب کی حالتیں ہوتی ہیں۔ محسوس کرنے سے ہی اُن کا ٹھیک پتہ لگتا ہے۔ اس وقت تازہ بتازہ اُنوار اس کو ملتے ہیں۔

رقتِ قلب

انسان صرف اس بات پر ہی ناز نہ کرے اور اپنی ترقی کی انتہا اسی کو نہ سمجھ لے کہ کبھی کبھی اس کے اندر رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ رقت عارضی ہوتی ہے۔ انسان اکثر دفعہ ناول پڑھتا ہے اور اس کے دردانگیز حصّہ پر پہنچ کر بے اختیار رو پڑتا ہے؛ حالانکہ وہ صاف جانتا ہے کہ یہ ایک جھوٹی اور فرضی کہانی ہے۔ پس اگر محض رو پڑنا یا رقت کا پیدا ہو جانا ہی حقیقی سُرور اور لذت کی جڑ ہوتی ہے۔ تو آج یورپ سے بڑھ کر کوئی بھی رُوحانی لذّت حاصل کرنے والا نہ ہوتا۔ کیونکہ ہزار ہا ناول شائع ہوتے اور لاکھوں کروڑوں انسان پڑھ کر روتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں ایک بات موجود ہے کہ ہنسی کے مقام پر ہنس پڑتا ہے اور رونے کے مقام پر رو بھی پڑتا ہے اور اُن سے مناسب موقع پر ایک لذت بھی اُٹھاتا ہے، مگر یہ لذت کوئی روحانی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی کسی عورت پر عاشق ہو جاتا ہے اور اپنے فسق ہی میں اُس کے ہجر کے شعر بنا بنا کر خوش ہوتا ہے اور روتا ہے۔ انسان کے اندر ایک طاقت ہے خواہ اُس کو محل پر استعمال کرے یا بے محل۔ پس اس طاقت پر ہی بھروسہ کر کے نہ بیٹھ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت اس لئے رکھی ہے کہ سچے سائل محروم نہ ہوں اور جب یہ برمحل استعمال ہو، تو ان کے لئے آنے والے رُوحانی مدارج کا ایک مقدمہ ہو اور یہ قویٰ کا کام دے۔

غرض یہ اُمور کہ کبھی رو پڑنا اور کبھی دُنیا کی دُوسری چیزوں اور تعلقات سے انقطاع کرنا یہ عارضی ہوتے ہیں۔ اُن پر اعتبار کر کے بے دست و پا نہ بننے۔

سچی معرفت کی بنیاد

وُہ امور جن پر سچی معرفت کی بِنا ہے، یہ ہیں کہ وہ خدا کی راہ میں اگر بار بار آزمایا جائے اور مصائب اور مشکلات کے دریا میں ڈالا جائے۔ تب بھی ہرگز نہ گھبرائے اور قدم آگے ہی بڑھائے۔ اس کے بعد اُس کی معرفت کا انکشاف ہوتا ہے اور یہی سچی نعمت حقیقی راحت ہوتی ہے۔ اس وقت دل میں رِقّت پیدا ہوتی ہے، مگر یہ رقت عارضی نہیں ہوتی، بلکہ سُرور اور لذت سے بھری ہوئی ہوتی ہے۔ رُوح پانی کے ایک مصفّٰی چشمہ کی طرح خدا کی طرف بہتی ہے۔ مُدعا یہ ہے کہ سمندر کے پہلے ایک سراب آتا ہے، وہ بھی سمندر ہی نظر آتا ہے۔ جو سراب کو دھوکا سمجھ کر آگے چلنے سے رہ جاتا اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے وہ ناکام اور نامراد رہتا ہے، لیکن جو ہمت نہیں ہارتا اور قدم آگے بڑھاتا ہے، وُہ منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مختلف کیفیتیں انسانی رُوح کے اندر رکھی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے اس رِقّت کی بھی ایک کیفیت ہے۔ کوئی فقط شعر خوانی یا خوش الحانی ہی سے متاثر ہو جاتا ہے۔ کوئی آگے چلتا ہے اور ان پر قانع نہ ہو کر صبر کے ساتھ اصل مرحلہ تک پہنچتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ سچائی کے طالب کے واسطے یہ شرط

ہے کہ جہاں سے اسے سچائی ملے لے لے۔ یہ ایک نُور ہے جو اس کی رہبری کرتا ہے۔ اس وقت دُنیا میں ایک کشاکش شروع ہے۔ آریہ اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ برہمو الگ بُلاتے ہیں۔ دیو سماج والے اپنی ہی طرف دعوت کرتے ہیں۔ عیسائی ہیں وہ عیسائیت ہی کو پیش کرتے ہیں۔ غرض ہر قوم اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اُن کے درمیان اختلاف کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوتا جاتا ہے۔

ہماری دعوت۔ خدا کی تلاش

مگر ہم جس بات کی دعوت کرتے ہیں اور جو کسی سچائی کے طلبگار کو بتلا سکتے ہیں وُہ یہ ہے کہ وُہ خدا کی تلاش کرے۔ مثلاً آریہ ہیں وہ تمام قدوسوں اور راستبازوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سچے سے سچا پریمی اور بھگت بھی کبھی نجات نہیں پا سکتا۔ ان کے اُصول کے موافق خدا نے ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اب بتاؤ کہ ایسے پرمیشر پر جو وُہ پیش کرتے ہیں کسی سچے طالب کی امید کیونکر وسیع ہو سکتی ہے اور کیونکر خدا کا جلال اور شوکت اُس کی رُوح پر ایک رِقت پیدا کر کے گناہ کی طرف جانے سے بچا سکتی ہے۔ جب وہ خیال کرتا ہے کہ اس نے تو میرے وجود کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ پھر جب یہ مانا گیا کہ وید کے سوا خدا نے کسی اور ملک کو اپنے کلام سے فیض ہی نہیں بخشا، تو کس قدر مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ الغرض ہماری نصیحت تو یہی ہے کہ جو سچائی کی تلاش میں قدم رکھتا ہے اس کی غرض اور غایت خدا کی تلاش ہو۔ پھر معارف اور حقائق کا دریا بہہ نکلتا ہے۔ جب اس کو سچے خدا پر جو ایک ہی خدا ہے سچا ایمان پیدا ہو جائے۔

حقائق اور معارف کا تعلق علُوم سے ہے

یاد رکھو حقائق اور معارف کا تعلق علُوم سے ہے جس قدر معرفت وسیع ہوگی، حقائق کھلتے جائیں گے۔ پس تحقیقات کرتے وقت دل کو بالکل پاک اور صاف کر کے کرے۔ جس قدر دل تعصب اور خود غرضی سے پاک ہو گا، اسی قدر جلد اصل مطلب سمجھ میں آ جائے گا۔ نُور اور ظُلمت میں جو فرق ہے اسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی جانتا ہے۔ سچی اور صحیح بات ایک ہی ہوتی ہے۔ پس دو لفظوں میں میری ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا خط دو نقطوں میں ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ اُمور ہیں جو قابلِ غور ہیں۔ آپ یہاں رہیں اور صبر و استقلال سے ٹھہریں۔ خدا کے فضل سے کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کو اس راہ کا پتہ ملے جو کروڑہا مقدّس انسانوں کا تجربہ شدہ ہے اور اب بھی جس کے تجربہ کار موجُود ہیں۔"

حق جُو کا حضرت اقدسؑ سے خلوص و عقیدت کا اظہار

حضرتِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تقریر کو یہاں ختم کیا۔ حق جُو

صاحب کچھ عرصہ تک قادیان میں رہے۔ اُنھوں نے حضرت اقدسؑ کی صحبت میں رہ کر جو فائدہ اٹھایا۔ اُس کے اظہار کے لیے ہم اُن کے ایک خط کو جو اُنھوں نے لاہور سے ہمارے نام بھیجا ہے یہاں درج کرتے ہیں :

مکرمی جناب شیخ صاحب۔ تسلیم۔

میری بے ادبی مُعاف فرماویں۔ مَیں قادیان سے اچانک کچھ وجوہات رکھنے پر چلا آیا۔ مَیں اب یہاں سوچوں گا کہ مجھے اپنی زندگی پر لوک کے لیے کس پہلُو میں گذارنی ہے۔ مَیں آپ کی جماعت کی جُدائی سے تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔

(۲) مَیں حضرت جی کے اخلاص کا حد درجہ مشکُور ہوں اور جو کچھ رُوحانی دان مجھے نصیب ہوا اور جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا۔ اُس کے لیے نہایت ہی مشکُور ہو رہا ہوں۔ مگر افسوس ہے دنیا میں سخت اندھکار ہے اور مَیں ایک ایک قدم پر گر رہا ہوں۔ سوائے صحبت کے اس حالت کو قائم رکھنا میرے لیے کٹھن و دشوار ہے۔

(۳) اس بات پر میرا یقین ہے کہ بے شک حضرت صاحب رُوحانی بھلائی کے طالبوں کے لیے اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کی صحبت میں مستقل طور پر رہنا بڑا ضروری ہے۔ دُنیا کی حالت ایسی ہے کہ موتیوں کو کیچڑ میں پھینکتے ہیں اور کوڑیاں جمع کرتے ہیں اور جو شخص موتی سنبھالنے لگے اس کے سر پر مٹی پھینک دیتے ہیں۔ ہائے افسوس کہ وہ کوڑیوں کو بھی موتی سمجھے بیٹھے ہیں۔ مَیں سخت گھبرایا ہوا ہوں۔ ہاں میں کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ میری حالت بہت بُری ہے۔ تمام جماعت کی خدمت میں آداب۔ خصوصاً حضرت صاحب کی خدمت میں مؤدّبانہ آداب عرض فرماویں اور میرے لیے حضرت صاحب اور تمام جماعت سے دُعا کراویں۔

آپ کا نیازمند
وزیر سنگھ

یہ خط حضرتِ اقدسؑ کے حضور پڑھ کر سنایا گیا۔ حضُور علیہ السلام نے ایڈیٹر الحکم کو مندرجہ ذیل جواب لکھ دینے کا حکم دیا :

"صبر اور استقلال کے ساتھ جبتک کوئی ہماری صحبت میں نہ رہے، وُہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ ان کو چاہیے کہ وُہ یہاں آجائیں اور ایک عرصہ تک ہمارے پاس رہیں۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۱ صفحہ ۹ تا ۱۱ پرچہ ۲۴/ مارچ ۱۹۰۱ء
〃 〃 ۱۲ 〃 ۸ تا ۹ 〃 ۳۱/ مارچ ۱۹۰۱ء
〃 〃 ۱۳ 〃 ۵ تا ۶ 〃 ۱۰/ اپریل ۱۹۰۱ء
〃 〃 ۱۴ 〃 ۱۱ تا ۱۲ 〃 ۱۷/ اپریل ۱۹۰۱ء

۷ مارچ ۱۹۰۱ء

الہامات اور حدیث النفس میں امتیاز

الہامات کے متعلق ذکر تھا کہ اس میں بہت مشکلات پڑتے ہیں۔ فرمایا:

"بعض لوگ حدیث النفس اور شیطان کے القاء کو الہام الٰہی سے تمیز نہیں کر سکتے اور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو بات آتی ہے وہ پُر شوکت اور لذیذ ہوتی ہے۔ دل پر ایک ٹھوکر مارنے والی ہوتی ہے۔ وہ خدا کی انگلیوں سے نکلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا ہم وزن کوئی نہیں وہ فولاد کی طرح گرنے والی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ ثقیل کے یہی معنی ہیں، مگر شیطان اور نفس کا القا ایسا نہیں ہوتا۔ حدیث النفس اور شیطان گویا ایک ہی ہیں۔ انسان کے ساتھ دو قوتیں ہمیشہ لگی ہوئی ہیں۔ ایک فرشتے اور دوسرے شیطان۔ گویا اس کی ٹانگوں میں دو رسّے پڑے ہوئے ہیں۔ فرشتہ نیکی میں ترغیب اور مدد دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ اور شیطان بدی کی طرف ترغیب دیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے یُوَسْوِسُ۔ ان دونوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ ظلمت اور نور ہر دو ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ عدمِ علم سے عدمِ شے ثابت نہیں ہو سکتا۔ ماسوائے اس عالم کے اور ہزاروں عجائبات ہیں۔ گو لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ہوں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں شیطان کے ان وساوس کا ذکر ہے جو کہ وہ لوگوں کے درمیان اِن دنوں ڈال رہا ہے۔ بڑا وسوسہ یہ ہے کہ رُبوبیت کے متعلق غلطیاں ڈالی جائیں۔ جیسا کہ امیر لوگوں کے پاس بہت مال و دولت دیکھ کر انسان کہے کہ یہی پرورش کرنے والے ہیں۔

شیطانی وساوس کا علاج

اس واسطے حقیقی ربّ الناس کی پناہ چاہنے کے واسطے فرمایا۔ پھر دُنیوی بادشاہوں اور حاکموں کو انسان مختارِ مطلق کہنے لگ جاتا ہے۔ اس پر فرمایا کہ مالک الناس اللہ ہی ہے۔ پھر لوگوں کے وساوس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مخلوق کو خدا کے برابر ماننے لگ پڑتے ہیں اور ان سے خوف و رجا رکھتے ہیں۔ اس واسطے اِلٰہ الناس فرمایا۔ یہ تین وساوس ہیں۔ ان کے دُور کرنے کے واسطے یہ تین تعوذ ہیں اور ان وساوس کے ڈالنے والا وہی خنّاس ہے جس کا نام توریت میں زبانِ عبرانی کے اندر ناحاش آیا ہے۔ جو حوّا کے پاس آیا تھا چھپ کر حملہ کرنے والا۔ اس سورۃ میں اُسی کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دجّال بھی جبر نہیں کرے گا بلکہ چھپ کر حملہ کرے گا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو۔ جیسا کہ پادریوں کا حملہ ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے کہ شیطان خود حوّا کے پاس گیا ہو۔ بلکہ جیسا کہ اب چھپ کر آتا ہے ویسا ہی تب بھی چھپ کر گیا تھا۔ کسی آدمی کے اندر وہ اپنا خیال بھر دیتا ہے اور وہ اُس کا قائم مقام ہو جاتا ہے کسی ایسے

مخالفِ دین کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی اور وُہ بہشت جس میں حضرت آدمؑ رہتے تھے، وہ بھی زمین پر ہی تھا۔ کسی بَدنے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا۔ قرآن شریف کی پہلی ہی سُورت میں جو اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ مغضُوب علیہم اور ضالّین لوگوں میں سے نہ بننا یعنی اے مسلمانو! تم یہُود اور نصاریٰ کے خصائل کو اختیار نہ کرنا۔ اس میں سے بھی ایک پیشگوئی نکلتی ہے کہ بعض مُسلمان ایسا کریں گے یعنی ایک زمانہ آوے گا کہ ان میں سے بعض یہود اور نصاریٰ کے خصائل اختیار کریں گے۔ کیونکہ حکم ہمیشہ ایسے امر کے متعلق دیا جاتا ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے بعض لوگ ہوتے ہیں۔"

قرآن خاص وحی ہے

فرمایا:

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کلام وحی ہوتا تھا مگر قرآن شریف ایک خاص وحی ہوتا۔ وُہ ایک نُور ہوتا۔"[1]

۱۰ر مارچ ۱۹۰۱ء

مشکلات کا واحد حل

ایک شخص نے اپنی بعض مشکلات کے حل کے واسطے دُعا کے لیے عرض کی۔ فرمایا:

"دُعا کریں گے۔"

وُہ شخص اپنے کاموں میں شاید کسی اور پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اس پر فرمایا: "انسان پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔ صرف خدا پر بھروسہ کرو ـــــ جب انسان پر بھروسہ کرو گے۔ تب ہی خالی رہو گے۔ اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اسلام یہی ہے کہ صرف خدا کے لیے ہو جاؤ۔ پھر سارے مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔"

فرمایا:

"خدا تعالیٰ کا جلال اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ دُنیا سے شِرک کو دُور کیا جائے، کیونکہ شِرک ایسا گناہ ہے جس کی نسبت خدا نے کہا ہے کہ یہ بخشا نہیں جائے گا۔ اس وقت بڑا شِرک یہی ہے کہ مسیحؑ کو خدا بنایا جاتا ہے۔"

فرمایا:

سُورۃ اخلاص میں فِتنۂ نصاریٰ کا رَدّ

"چونکہ نصاریٰ کا فِتنہ سب سے بڑا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک سُورۃ قرآن شریف کی تو ساری کی ساری صرف ان کے متعلق خاص کر دی ہے۔ یعنی سُورۃ اخلاص اور کوئی سُورۃ ساری کی ساری کسی قوم کے واسطے

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۱ء

خاص نہیں ہے۔ اَحَدٌ خدا کا اِسم ہے اور احد کا مفہوم واحد سے بڑھ کر ہے۔ صَمَد کے معنی ہیں ازل سے غنی بالذات جو بالکل محتاج نہ ہو۔ اقنومِ ثلثہ کے ماننے سے وُہ محتاج پڑتا ہے۔[1]

۱۱ر مارچ ۱۹۰۱ء

فرمایا:

"ساری خوشیاں ایمان کے ساتھ ہیں۔"[2]

۲۱ر مارچ ۱۹۰۱ء

وجد و سُرور کا رُوحانیت سے تعلق نہیں

فرمایا:

"بعض انسانوں کو دیکھو گے کہ کافیاں اور شعر سُن کر وجد و طرب میں آجاتے ہیں، مگر جب مثلاً ان کو کسی شہادت کے لیے بُلایا جاتے، تو عذر کریں گے کہ ہمیں معاف رکھو۔ ہمیں تو فریقین سے تعلق ہے۔ ہمیں اس معاملہ میں دخل نہ کرو۔ پس سچائی کا اظہار نہ کریں گے۔ ایسے لوگوں کے وجد و سُرور سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ جب کسی ابتلاء میں آجاتے ہیں، تو اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ اُن کا وجد و سُرور قابلِ تعریف نہیں۔ یہ وجد و سُرور ایک عارضی چیز اور طبعی امر ہے۔ بعض مُنکرینِ اسلام جن کو تمام پاکبازوں سے دلی عداوت ہے۔ وُہ بھی اس سُرور سے حصّہ لیتے ہیں۔ ایک متعصب ہندو مثنوی مولوی رُومی رحمۃ اللہ علیہ پڑھ کر سُرور حاصل کرتا تھا؛ حالانکہ وُہ دشمنِ اسلام تھا۔ کیا تم سانپ کو پاکباز مانو گے، جو بانسری سُنکر سُرور میں آجاتا ہے یا اُونٹ کو خدا رسیدہ قرار دو گے جو خوش الحانی سے نشہ میں آجاتا ہے۔ سچائی کا کمال جس سے خدا خوش ہوتا ہے وُہ یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنی وفاداری دکھائے۔ ایسے انسان کا تھوڑا عمل بھی دوسرے کے بہت عمل سے بہتر ہے۔ مثلاً ایک شخص کے دو نوکر ہیں۔ ایک نوکر دن میں کئی دفعہ اپنے مالک کی خدمت میں آکر سلام کرتا ہے اور ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ صفحہ ۹ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۱ء

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲ صفحہ ۱۰ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۱ء

دوسرا اس کے پاس بہت کم آتا ہے، مگر مالک پہلے کو بہت قلیل تنخواہ دیتا ہے اور دُوسرے کو بہت زیادہ۔ اس لیے کہ وُہ جانتا ہے کہ دُوسرا ضرورت کے وقت اُس پر جان بھی دینے کے لیے تیار ہے اور وفادار ہے اور پہلا کسی کے بہکانے سے مجھے قتل کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے گا۔ یا کم از کم مجھے چھوڑ کر کسی دُوسرے کی ملازمت اختیار کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ سے وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا، مگر پنج وقتہ نماز ادا کرتا ہے اور اشراق تک بھی پڑھتا ہے بلکہ کئی ایک اَوراد بھی تجویز کئے ہوتے ہیں، تو وُہ خدا تعالیٰ کی نظر میں ایک وفادار انسان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، کیونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ابتلاء کے وقت وفاداری نہیں دکھلائے گا۔ جب انسان وفاداری اختیار کرے گا، تو سُرور لازمی طور پر اس کو حاصل ہو جائے گا۔ جیسا کہ کھانا آتا ہے، تو دسترخوان بھی ساتھ آجاتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ کاملوں پر بھی بعض قبض کے وقت آجاتے ہیں، کیونکہ قبض کے وقت انسان کو سُرور کی قدر زیادہ ہوتی ہے اور اس کو زیادہ لذّت حاصل ہوتی ہے۔" فرمایا:

دوسرے کے متعلق رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کی جائے

"انسان دُوسرے شخص کی دل کی ماہیّت معلوم نہیں کر سکتا اور اس کے قلب کے مخفی گوشوں تک اس کی نظر نہیں پہنچ سکتی، اس لیے دُوسرے شخص کی نسبت جلدی سے کوئی رائے نہ لگائے، بلکہ صبر سے انتظار کرے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ اس نے خدا تعالیٰ سے عہد کیا کہ مَیں سب کو اپنے سے بہتر سمجھوں گا اور کسی کو اپنے سے کمتر خیال نہیں کروں گا۔ اپنے محبُوب کو راضی کرنے کے لیے انسان ایسی تجویزیں سوچتے رہتے ہیں۔ ایک دن اس نے ایک دریا کے پُل کے پاس جہاں سے بہت آدمی گذر رہے تھے ایک شخص بیٹھا ہوا دیکھا اور اس کے پہلو میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک بوتل اس شخص کے ہاتھ میں تھی۔ آپ پیتا تھا اور اُس عورت کو بھی پلاتا تھا۔ اُس نے اس پر بدظنی کی اور خیال کیا کہ مَیں اس بے حیا سے تو ضرور بہتر ہوں۔ اتنے میں ایک کشتی آئی اور معہ سواریوں کے ڈوب گئی۔ وہی شخص جو عورت کے پاس بیٹھا تھا، دریا میں سے سوائے ایک کے سب کو نکال لایا اور اس بدظن سے کہا کہ تُو مجھ پر بدظنی کرتا تھا۔ سب کو مَیں نکال لایا ہوں، ایک کو تُو نکال لا۔ خدا نے مجھے تیرے امتحان کے لیے بھیجا تھا اور تیرے دل کے ارادہ سے مجھے اطلاع دی۔ یہ عورت میری والدہ ہے اور بوتل میں شراب نہیں دریا کا پانی ہے۔ غرض انسان دُوسرے کی نسبت جلد رائے نہ لگائے۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۴ - ۱۵ پرچہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۱ء

۳۱ / مارچ ۱۹۰۱ء

تقریر حضرت اقدسؑ

بعثتِ مُرسلین کے متعلق خدا تعالیٰ کی ازلی سُنّت

"سب صاحب اس بات کو سُن لیں کہ چونکہ ہماری یہ سب کارروائی خدا ہی کے لیے ہے۔ وہ اس غفلت کے زمانہ میں اپنی حجت پوری کرنا چاہتا ہے جیسے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ زمین پر تاریکی پھیل گئی ہے تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو سمجھا دے اور قانون کے موافق حجت پوری کرے۔ اس لیے زمانہ میں جب حالات بدل جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رہتا۔ سمجھ کم ہو جاتی ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو مامُور کر دیتا ہے تاکہ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو سمجھائے اور یہی بڑا نشان اس کے مامُور ہونے پر ہوتا ہے کہ وہ لغو طور پر نہیں آتا ہے۔ بلکہ تمام ضرورتیں اس کے وجُود پر شہادت دیتی ہیں۔ جیسے ہمارے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا اعتقادی اور عملی حالت بالکل خراب ہوگئی تھی اور نہ صرف عرب کی بلکہ کلُ دنیا کی حالت بگڑ چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) اس فسادِ عظیم کے وقت خدا تعالیٰ نے اپنے کامل اور پاک بندہ کو مامُور کر کے بھیجا جس کے سبب سے تھوڑی ہی مدت میں ایک عجیب تبدیلی واقع ہوگئی۔ مخلوق پرستی کی بجائے خدا تعالیٰ پُوجا گیا۔ بداعمالیوں کی بجائے اعمالِ صالحہ نظر آنے لگے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں بھی دُنیا کی اعتقادی اور عملی حالت بگڑ گئی ہے اور اندرونی اور بیرونی حالت انتہا تک خطرناک ہوگئی ہے۔ اندرونی حالت ایسی خراب ہوگئی ہے کہ قرآن تو پڑھتے ہیں، مگر یہ معلوم نہیں کہ کیا پڑھتے ہیں۔ اعتقاد بھی کتاب اللہ کے برخلاف ہوگئے ہیں اور اعمال بھی۔ مولوی بھی قرآن کو پڑھتے ہیں اور عوام بھی، مگر تدبر نہ کرنے میں دونوں برابر ہیں۔ اگر غور کرتے تو بات کیسی صاف تھی۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مثیلِ موسیٰؑ پیدا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سلسلہ پیدا کرتا ہے۔ پھر جب اس سلسلہ پر ایک دراز عرصہ گذرنے کے بعد ایک قسم کا پردہ سا چھا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے بدلے میں اور سلسلہ اسی رنگ میں قائم کرتا ہے۔

قرآن شریف سے دو سلسلوں کا پتہ لگتا ہے۔ اوّل بنی اسرائیل کا سلسلہ جو موسیٰؑ سے شروع ہوا اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا، چونکہ یہود کی بداعمالیاں آخری حد تک پہنچ گئی تھیں اور اُن میں یہانتک شقاوت اور سنگدلی پیدا ہو گئی تھی کہ وُہ انبیاءؑ کے قتل تک مستعد ہوتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے غضب کی راہ سے اِس سلسلہ کو جس میں مُلوک اور انبیاءؑ تھے۔ حضرت عیسیٰؑ پر ختم کر دیا۔

مسیح کی بے باپ ولادت نشان ہے

مَیں ہمیشہ سے اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ پیدا ہوتے تھے۔ اور ان کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا اس بات پر کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان میں نبوّت کا خاتمہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ وعدہ تھا کہ بشرطِ تقویٰ نبوّت بنی اسرائیل کے گھرانے سے ہوگی، لیکن جب تقویٰ نہ رہا تو یہ نشان دیا گیا تاکہ دانشمند سمجھ لیں کہ اب آئندہ اس سلسلہ کا انقطاع ہوگا۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی نبوّت کا خاتمہ ہو گیا۔ پہلی کتابوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسماعیل میں بھی ایک سلسلہ اسی سلسلہ کا ہمرنگ پیدا ہوگا اور اس کے امام و پیشوا اور سردار محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ توریت میں بھی یہ خبر دی گئی تھی۔ قرآن شریف نے بھی فرمایا۔ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل: ۱۶) جیسے توریت میں مانند کا لفظ تھا۔ قرآن شریف میں کَمَا کا لفظ موجود ہے۔

آں حضرتؐ مثیلِ موسیٰؑ ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق مثیلِ موسیٰؑ ہیں۔ سُورۃ نُور میں بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ سلسلۂ محمدیہ موسویہ سلسلہ کا مثیل ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی انبیاء کا ذکر قرآن شریف نے نہیں کیا۔ ثُمَّ نَقَفَّيْنَا (المؤمن: ۷۹) کہہ دیا۔ یہاں بھی سلسلہ محمدیہ میں درمیانی خلفاء کا نام نہیں لیا۔ جیسے وہاں ابتدا اور انتہاء بتائی، یہاں بھی یہ بتا دیا کہ ابتدا مثیلِ موسیٰؑ سے ہوگی اور انتہا مثیلِ عیسیٰؑ پر۔ گویا خاتم الخلفاء وہی ہے جس کو دُوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں۔ مَوْعُود اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

آیت استخلاف میں مسیح موعود کی پیشگوئی

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (النور: ۵۶) میں خلفاء کے تقرر کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا، اسی وعدہ میں وُہ خاتم الخلفاء بھی شامل ہے اور نصِ قرانی سے ثابت ہوا کہ وہ مَوْعُود ہے۔ جو خط ایک نقطہ سے شروع ہوگا وُہ ختم بھی نقطہ پر ہی ہوگا۔ پس جیسے وہاں خاتم مسیح ہے، یہاں بھی خاتم الخلفاء ہے۔ اس لیے یہ اعتقاد اسی قسم کا ہے کہ اگر کوئی انکار کرے کہ اس اُمّت میں مسیح موعود نہ ہوگا وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس کا ایمان جاتا رہے گا۔ اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ اس میں تکلّف اور تصنّع اور بناوٹ کا نام نہیں ہے۔ پھر جو شک و شُبہ کرے وہ قرآنِ شریف کو چھوڑتا ہے۔

سورۃ فاتحہ میں منعمین کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی سورتوں میں بیان کر دیا ہے۔ اوّل تو یہی سُورۃ نور۔ دُوسری سورۃ فاتحہ جس کو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اس سُورۃ میں تین گذشتہ فرقے پیش کیے ہیں۔ ایک وہ جو اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کے مصداق ہیں۔ دُوسرے مَغْضُوْب، تیسرے ضَآلِّیْن۔ مغضوب سے یہ مخصوصًا مراد نہیں کہ قیامت میں ہی غضب ہوگا۔ کیونکہ جو کتاب اللہ کو چھوڑتا اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے اُن سب پر غضب ہوگا۔ مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود مراد ہیں اور الضّالین سے نصاریٰ۔ اب اس دُعا سے معلوم ہوتا ہے کہ منعم علیہ فرقہ میں داخل ہونے اور باقی دو سے بچنے کے لیے دُعا ہے اور یہ سنّت اللہ ٹھہری ہوئی ہے۔ جب سے نبوّت کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر کر رکھا ہے کہ جب وہ کسی قوم کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے، تو بعض اس کی تعمیل کرنے اور بعض خلاف ورزی کرنے والے ضرور ہوتے ہیں۔ پس بعض منعم علیہ بعض مغضوب اور بعض ضالّین ضرور ہوں گے۔

اب زمانہ بآوازِ بلند کہتا ہے کہ اس سُورۃ شریف کے موافق ترتیب آخر سے شروع ہو گئی ہے۔ آخری فرقہ نصاریٰ کا رکھا ہے۔ اب دیکھو کہ اس میں کس قدر لوگ داخل ہو گئے ہیں۔ ایک بشپ نے اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے کہ بتیس۳۲ لاکھ مُسلمان مُرتد ہو چکے ہیں اور یہ قوم جس زور شور کے ساتھ نکلی ہے اور جو جو طریق اُس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے اختیار کیے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم الشان فتنہ نہیں ہے۔ اب دیکھو کہ تین باتوں میں سے ایک تو ظاہر ہو گئی۔ پھر دُوسری قوم مغضُوب ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وقت بھی آگیا اور وُہ بھی پُورا ہو رہا ہے۔ یہودیوں پر غضبِ الٰہی اس دُنیا میں بھی بھڑکا اور طاعُون نے اُن کو تباہ کیا۔ اب اپنی بدکاریوں اور فسق و فجور کی وجہ سے طاعُون بکثرت پھیل رہی ہے۔ کتمانِ حق سے وہ لوگ جو عالم کہلاتے ہیں۔ نہیں ڈرتے۔ اب ان دونوں کے پورا ہونے سے تیسرے کا پتہ صاف ملتا ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جب چار میں سے تین معلوم ہوں، تو چوتھی شے معلوم کر لیتا ہے اور اس پر اس کو اُمید ہو جاتی ہے۔ نصاریٰ میں لاکھوں داخل ہو گئے۔ مغضُوب میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ منعم علیہ کا نمونہ بھی اب خدا دکھانا چاہتا ہے، جبکہ سورۃ فاتحہ میں دُعا تھی اور سُورۃ نور میں وعدہ کیا گیا ہے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سُورۃ نور میں دُعا قبول ہو گئی ہے۔ غرض اب تیسرا حصّہ منعم علیہ کا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کو روشن طور پر ظاہر کر دے گا اور یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے، جو ہو کر رہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ انسان کو ثواب میں داخل کرنا چاہتا ہے تاکہ وُہ استحقاقِ جنّت کا ثابت کر لیں۔ جیسا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ہوا۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ وُہ صحابہ کے بدُوں ہی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہر قسم کی فتوحات عطا فرماتا، مگر

نہیں۔ خدا نے صحابہ کو شامل کر لیا تا کہ وُہ مقبول ٹھہریں۔ اس سنّت کے موافق یہ بات ہماری جماعت کو پیش آگئی ہے کہ بار بار تکلیف دی جاتی ہے اور چندے مانگے جاتے ہیں۔

ہمارے دو ضروری کام

اس وقت ہمارے دو بڑے ضروری کام ہیں۔ ایک یہ کہ عرب میں اشاعت ہو، دُوسرے یُورپ پر اتمامِ حجّت کریں۔ عرب پر اس لیے کہ اندرونی طور پر وہ حق رکھتے ہیں۔ ایک بہت بڑا حصّہ ایسا ہوگا کہ اُن کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ خدا نے کوئی سلسلہ قائم کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ اُن کو پہنچائیں۔ اگر نہ پہنچائیں تو معصیت ہوگی۔ ایسا ہی یُورپ والے حق رکھتے ہیں کہ اُن کی غلطیاں ظاہر کی جاویں کہ وہ ایک بندہ کو خدا بنا کر خُدا سے دُور جا پڑے ہیں۔ یُورپ کا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ واقعی اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ کا مصداق ہوگیا ہے۔ طرح طرح کی ایجادیں صنعتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے تعجّب مت کرو کہ یُورپ ارضی علُوم وفنون میں ترقی کر رہا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب آسمانی علُوم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، تو پھر زمین ہی کی باتیں سُوجھا کرتی ہیں۔ یہ کبھی ثابت نہیں ہوا کہ نبی کلیں بھی بنایا کرتے تھے یا اُن کی ساری کوششیں اور ہمتیں ارضی ایجادات کی انتہا ہوتی تھیں۔

ایک قرآنی پیشگوئی کا ظہور

آج جو اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا کا زمانہ ہے۔ یہ مسیح موعُود ہی کے وقت کے لیے مخصوص تھا؛ چنانچہ اب دیکھو کہ کس قدر ایجادیں اور نئی کانیں نکل رہی ہیں۔ ان کی نظیر پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی ہے۔ میرے نزدیک طاعُون بھی اسی میں داخل ہے۔ اس کی جڑ زمین میں ہے۔ پہلا اثر چُوہوں پر ہوتا ہے۔ غرض اس وقت زمینی علوم کمال تک پہنچ رہے ہیں۔ تو ہینِ اسلام کی حد ہو چکی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پچاس ساٹھ سال میں جس قدر کتابیں، اخبار، رسالے توہینِ اسلام میں شائع ہوئے ہیں، کبھی ہوئے تھے؟ پس جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے، تو کوئی مومن نہیں بنتا۔ جب تک کہ اس کے دل میں غیرت نہ ہو۔ بے غیرت آدمی دیّوث ہوتا ہے۔

عبادت محبّت ہی کا دُوسرا نام ہے

اگر اسلام کی عزّت کے لیے دل میں محبّت نہیں ہے، تو عبادت بھی بے سُود ہے، کیونکہ عبادت محبّت ہی کا دوسرا نام ہے۔ وہ تمام لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جس پر کوئی سلطان نازل نہیں ہوا، وہ سب مشرک ہیں۔ سلطان تسلّط سے لیا گیا ہے جو دل پر تسلّط کرے اس لیے یہاں دلیل کا لفظ نہیں لکھا ہے۔

عبادت کیا ہے۔ جب انتہا درجہ کی محبّت کرتا ہے۔ جب انتہا درجہ کی اُمید ہو۔ انتہا درجہ کا خوف ہو۔

یہ سب عبادت میں داخل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کا اتنا ہی مفہوم نہیں ہے کہ سجدہ نہ کیا جاوے۔ نہیں۔ بلکہ اُس کے مختلف مدارج ہیں۔ اگر کوئی مال سے انتہاء درجہ کی محبت کرتا ہے، تو وہ اُس کا بندہ ہوتا ہے۔ خدا کا بندہ وُہ ہے جو خدا کے سوا اور چیزوں کی حدِ اعتدال تک رعایت کرتا ہے۔ اسلام میں محبتؔ و امید منع نہیں ہے، مگر ایک حد تک۔

اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ جو خدا سے محبت کرتے ہیں اُسی سے ڈرتے اسی سے امید رکھتے ہیں۔ وُہ ایک سُلطان رکھتے ہیں، لیکن جو نفس کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی سُلطان نہیں ہے جو محکم طور پر دل کو پکڑے۔ غرض انسان کا کوئی فعل اور قول ہو جبتک وُہ خدائی سُلطان کا پیرو نہ ہو۔ شرک کرتا ہے۔ پس ہم جو اپنی کارروائی کی دو طور پر اشاعت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں ہو سکتا کہ کس قدر سچے جوش اور خالصتہً لِلّٰہ اس کو پیش کرتے ہیں۔ ہمیں اتفاق نہیں ہوا کہ انگریزی میں لکھ پڑھ سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے، مگر اس میں مصلحت یہ تھی کہ تا دُوسروں کو ثواب کے لیے بلائیں؛ ورنہ میری طبیعت تو ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو کام مَیں خود کر سکتا ہوں۔ اُس کے لیے کسی دُوسرے کو کبھی کہتا ہی نہیں۔ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چار برس زندگی پاتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہٗ فوت ہو جاتے۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ فتح عظیم جس کا آپؐ کے ساتھ وعدہ تھا، حاصل کر چکے تھے۔ رَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر: ۳) دیکھ چکے تھے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ (المائدہ: ۴) ہو چکا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اُن کو محروم رکھے، بلکہ یہی چاہا کہ اُن کو بھی ثواب میں داخل کر دے۔ اسی طرح پر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو ہم کو اس قدر خزانے دے دیتا کہ ہم کو پروا بھی نہ رہتی۔ مگر خدا ثواب میں داخل کرتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ یہ سب جو بیٹھے ہیں یہ قسمیں ہی سمجھو، کیونکہ آخر مرنا ہے۔ پس ثواب حاصل کرنے کا وقت ہے۔ مَیں ان باتوں کو جو خُدا نے میرے دل پر ڈالی ہیں۔ سادہ اور صاف الفاظ میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس وقت ثواب کے لیے مستعد ہو جاؤ اور یہ بھی مت سمجھو کہ اگر اس راہ میں خرچ کریں گے، تو کچھ کم ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ کی بارش کی طرح سب کمیاں پُوری ہو جائیں گی۔ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ (الزلزال: ۸)۔

یاد رکھو۔ خدا کی توفیق کے بغیر دین کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ جو شخص دین کی خدمت کے واسطے شرح صدر سے اُٹھتا ہے۔ خدا اس کو ضائع نہیں کرتا۔ غرض خلاصہ یہ ہے کہ ایک پہلُو تو مَیں کر رہا ہوں، دُوسرے پہلو کو ہماری انگریزی خواں جماعت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اُنھوں نے یہ تجویز کی ہے کہ تجارت کے طریق پر یہ کام جاری ہو جائے۔ دین کی اشاعت ہو جائے گی اور اُن کا کوئی حرج نہ ہوگا۔ امید ہے کہ خدا

اس کا اَجر دے گا۔

مَیں یہ صرف اپنی جماعت کے اِرادوں کا ترجمہ کرتا ہوں۔ میرا منشاء تو اسی حد تک ہے کہ کسی طرح عرب اور دُوسرے ملکوں میں تبلیغ ہو جائے۔ یہ اُنھوں نے اپنی دانست میں سہل طریق مقرر کیا ہے جس کو تجارتی طریق پر سمجھ لیا جائے۔ تجارت کے اُمور ظنِ غالب ہی پر چلتے ہیں۔ بہرحال یہ اُن کا ارادہ ہے۔ میرے نزدیک جہاں تک یہ امر مذہب سے تعلق رکھتا ہے، تو مَیں اس کی حمایت کرتا ہوں۔ اگر یہ تجویز عمل میں نہ بھی آئے تب بھی یہ کام تو ہو جائے گا۔ بہرحال آپ غور کریں۔ اللہ تعالیٰ کو بہتر معلوم ہے۔"[1]

یکم اپریل ۱۹۰۱ء

معرفت اور بصیرت

"اکثر لوگوں کے خطوط آتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہم سے یہ سوال کیا اور ہم اس کا جواب نہ دے سکے۔ ایسی حالت میں انسان کچھ مذبذب اور کمزور ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو۔ آئے دن وساوس میں پڑنا ناقص معرفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ معرفت اور بصیرت تو ایسی شے ہے کہ انسان فرشتوں سے مصافحہ کر لیتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ معرفت جیسی کوئی طاقت نہیں ہے۔ پرندے کہاں تک اُڑ کر جاتے ہیں، لیکن معرفت والا انسان اُن سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور بہت دُور پہنچ جاتا ہے۔ پس اصل مدعا یہی ہے کہ ہمیں وہ یقین حاصل کرنا چاہیے جو اطمینان کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ بدُوں اس کے انسان بالکل اُدھورا اور ناقص ہے اور اس کی ترقی کے دروازے بند ہیں۔

مامُور من اللہ کی صُحبت ضروری ہے

ہماری جماعت کے لیے یہ امر ضروری پڑا ہوا ہے کہ وُہ اپنے وقتوں میں کچھ وقت نکال کر آئیں اور یہاں صُحبت میں رہ کر اس غفلت کی تلافی کریں جو غیبوبت کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہے اور اُن شبہات کو دُور کریں جو اس غفلت کا باعث ہوتے ہیں۔ اُن کا حق ہے کہ وُہ ان کو پیش کریں اور اُن کا جواب ہم سے سنیں۔ بھلا اگر کمزور بچہ جو ابھی دُودھ پینے اور ماں کے کنارِ عاطفت کا محتاج ہے۔ اس سے الگ کر دیا جائے تو تم اُمید کر سکتے ہو کہ وُہ بچ رہے گا۔ کبھی نہیں۔ اسی طرح بلوغ سے پیشتر کے کمال اور معرفت کا حال ہے۔ انسان کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔ مامُور من اللہ کی صُحبت اس کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اگر وُہ اس سے الگ ہو جاتے، تو

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴ صفحہ ۵ تا ۸ پرچہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء

اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔

مرکز میں بار بار آنے کی ضرورت

درحقیقت یہ ایک بہت ہی ضروری امر ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے اور وہ اس کو سمجھ لے کہ بار بار آنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ اس سے یہی نہ ہوگا کہ وہ اپنے نفس کو فائدہ پہنچائے گا، بلکہ بہتوں کو فائدہ پہنچا سکے گا، کیونکہ جبتک خود ایک معرفت اور بصیرت پیدا نہ ہو وُہ دُوسروں کو کیا راہ بتلائے گا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ بعض شریر الطبع لوگ ایسے آدمیوں کو جن کو بار بار آنے کی عادت نہیں کوئی سوال کرتے ہیں؛ چونکہ اُنھوں نے جوابات سُنے ہوئے نہیں ہوتے اور ساکت ہوکر زمرہ خود خفّت اُٹھاتے ہیں، بلکہ دُوسروں کے لیے جو دیکھنے سُننے والے ہوتے ہیں ٹھوکر کا موجب ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خفّت اور سکوت سے ایمان پر ایک زد پڑتی ہے اور اس میں کمزوری شروع ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان مغلوب ہو جاتا ہے، تو وُہ غالب کے اثر سے بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اُس کے دل کو وُہ اثر سیاہ کر دیتا ہے اور پھر قاعدہ کے موافق وہ تاریکی بڑھنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر اُسی میں اُس کو موت آجائے، تو وُہ جہنّم میں داخل ہوا۔ اِن ساری باتوں پر غور کر کے ایک دانشمند اس نتیجہ پر ضرور پہنچے گا کہ اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ان زہروں کے دُور کرنے کے واسطے جو رُوح کو تباہ کرتی ہیں کسی تریاقی صحبت کی ضرورت ہے۔ جہاں رہ کر انسان مُہلکات کا علم بھی حاصل کرتا ہے اور نجات دینے والی چیزوں کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی واسطے ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ بات ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اپنی جماعت کا امتحان سوالات کے ذریعہ سے لُوں؛ چنانچہ میں نے اس تجویز کا کئی بار ذکر بھی کیا ہے؛ اگرچہ ابھی مجھے موقعہ نہیں ملا، لیکن یہ بات میرے دل میں ہمیشہ رہتی ہے کہ ایک بار سوالات کے ذریعہ آزما کر دیکھوں کہ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں اس کے متعلق ان کو کہاں تک علم ہے اور اُنھوں نے ہمارے مقاصد اور اغراض کو کہاں تک سمجھا ہے۔ اور جو اعتراض اندرونی یا بیرونی طور پر کیے جاتے ہیں اُن کی مدافعت کہاں تک کر سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی بھی ایسے نکل آویں جن کے نفس منوّر ہو جاویں اور پُوری بصیرت اور معرفت کی روشنی انہیں مِل جائے تو وُہ بہت کچھ فائدہ پہنچا سکیں۔

یہ سلسلہ منہاجِ نبوّت پر قائم ہے

میں سولہ سترہ برس کی عُمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا ہوں اور اُن کے اعتراضوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے اپنی جگہ اُن اعتراضوں کو جمع کیا ہے، جو عیسائی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کرتے ہیں اُن کی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچی ہوئی ہے۔ لیکن جب میں ان لوگوں کے اعتراضوں کو پڑھتا ہوں جو میری ذات

کی نسبت کرتے ہیں، تو مَیں ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ ابھی ان اعتراضوں میں پُورا کمال نہیں ہوا، کیونکہ خاتم النبیین کی پاک ذات پر جب اِس قدر اعتراض کیے گئے ہیں تو ہم مخالفوں کا مُنہ کیونکر بند کر سکتے ہیں۔ پھر مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی ایسا اعتراض نہیں ہے جو اولوالعزم انبیاءؑ پر نہ کیا گیا ہو۔ اگر کسی کو اس میں شک ہو تو وہ میری ذات پر کوئی اعتراض کر کے دکھائے جو کسی پہلے نبی پر نہ کیا گیا ہو، مگر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ جس قسم کا اعتراض مجھ پر کیا جائے گا یا جواب تک ہوئے ہیں۔ اسی قسم کے اعتراض اُن پر ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ منہاجِ نبوت پر قائم ہوا ہے۔ اس لیے اس سلسلہ کی سچائی کے لیے وہی معیار ہے جو انبیاء علیہم السّلام کی صداقت کے لیے ہوتا ہے۔

کامل مومن

اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اُس سے بڑھ کر ہم کس کو شہادت میں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے۔ سولہ یا سترہ برس کی عُمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا رہا ہوں، مگر ایک طرفۃ العین کے لیے بھی اُن اعتراضوں نے میرے دل کو مذبذب یا متاثر نہیں کیا اور یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ مَیں جُوں جُوں ان کے اعتراضوں کو پڑھتا جاتا ہوں اسی قدر اُن اعتراضوں کی ذلّت میرے دل میں سماتی جاتی ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت اور محبّت سے دل عطر کے شیشہ کی طرح نظر آتا ہے۔ مَیں نے یہ بھی غور کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جس پاک فعل پر یا قرآن شریف کی جس آیت پر مخالفوں نے اعتراض کیا ہے، وہاں ہی حقائق اور حِکَم کا ایک خزانہ نظر آیا ہے جو کہ ان بدباطن اور خبیث طینت مخالفوں کو غیب نظر آیا ہے۔

سُنو! انسان کامل اس وقت تک نہیں ہوتا، جبتک کفار کی باتوں سے متاثر نہ ہونے والی فطرت حاصل نہ کرلے۔ اور یہ فطرت نہیں ملتی جب تک اُس شخص کی صحبت میں نہ رہے جو گمشدہ متاع کو واپس دلانے کے واسطے آیا ہے۔ پس جب تک کہ وُہ اُس متاع کو نہ لے لے اور اس قابل نہ ہو جائے کہ مخالف باتوں کا اُس پر کچھ بھی اثر نہ ہو، اُس وقت تک اُس پر حرام ہے کہ اس کی صحبت سے الگ ہو، کیونکہ وُہ اس بچّہ کی مانند ہے جو ابھی ماں کی گود میں ہے اور صرف دُودھ ہی پر اُس کی پرورش کا انحصار ہے۔ پس اگر وہ بچّہ ماں سے الگ ہو جاوے، تو فی الفور اُس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح اگر وہ صحبت سے علیحدہ ہوتا ہے تو خطرناک حالت میں جا پڑتا ہے۔ پس بجائے اس کے کہ دُوسروں کو دُرست کرنے کے لیے کوشش کر سکتا ہو۔ خود اُلٹا متاثر ہو جاتا ہے اور اَوروں کے لیے ٹھوکر کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے ہم کو دن رات جلن اور افسوس یہی ہے کہ لوگ بار بار یہاں آئیں اور دیر تک صحبت میں رہیں۔ انسان کامل ہونے کی حالت میں اگر ملاقات کم کر دے اور تجربہ سے دیکھ لے کہ قوی ہو گیا ہوں تو اس وقت اُسے جائز ہو سکتا ہے کہ ملاقات کم کر دے

کیونکہ بعید ہو کر بھی قریب ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب تک کمزوری ہے وہ خطرناک حالت میں ہے۔ دیکھو اس قدر لوگ عیسائی ہو گئے ہیں جن کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچتی ہے۔ میں نے ایک بشپ کے لیکچر کا خلاصہ پڑھا تھا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ ہم بیس لاکھ عیسائی کر چکے ہیں، تو یہ لوگ اس قسم کے تھے جو دُوسروں کے اعتراضات سے متاثر ہو گئے اور ایمان کمزور ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے مذہب کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے اور عیسائیت کو قبول کر لیا۔ سراج الدین عیسائی بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ کسی صادق کی صُحبت میں کامل زمانہ نہیں گزارتے اور طرح طرح کی خواہشوں کے اسیر اور پابند ہو کر اپنے مذہب اور ایمان جیسی قیمتی چیز کے بدلے عیسائیت خرید لیتے ہیں۔

غرض میرے دشمنوں اور مخالفوں کی تعداد ابھی ایسی خطرناک پیدا نہیں ہوئی جس قدر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اسلام میں سے نکل کر پیدا ہو گئے ہیں۔ صفدر علی اور عماد الدین وغیرہ نے کونسی کسر باقی رکھی ہے اور میں تو سچ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ مجھے اپنی دشمنی اور اپنی توہین یا عزت اور تعظیم کا تو کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ میرے لیے جو امر سخت ناگوار ہے اور ملالِ خاطر کا موجب ہمیشہ رہا ہے وہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل اور پاک انسان کی توہین کی جاتی ہے۔ اس صادقوں کے سردار سراسر صدق کو کاذب کہا جاتا ہے۔ یہ امر ہے جو میرے لیے ہمیشہ غم کا باعث رہا ہے۔ اس لیے میں اسی فکر میں رہتا ہوں کہ اس مزہ پرست قوم کے دجل اور مکر کو کھول کر ایسا دکھا دیا جائے کہ سب کھُلا کھُلا دیکھ لیں۔ کل مجھے خیال آیا کہ مسیح موعود کے کام میں یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ تو آیا ہے پر یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ کیوں آیا ہے۔ تو یہی سمجھ میں آیا کہ یہ تفننِ عبارت کے طور پر آیا ہے۔ وُہ لوگ جو مُرتد ہوئے ہیں۔ ان کے مادے چونکہ خراب تھے۔ اس لیے ایسے بداتفاق بھی ان کو پیش آتے گئے۔ یہاں تک کہ آخر مُرتد ہو گئے اور صرف اپنے نفس کے غلام ہو کر زندگی بسر کرنے لگے۔

تریاقی صُحبت

وُہ آدمی جو کسی تریاقی صُحبت میں رہے اور اس طرح رہے جو رہنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُس کو ایسے زہروں سے بچا لیتا ہے اور یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی یا آسمانی کتابوں کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ بہت صاف امر ہے۔ دیکھو۔ آنکھ میں بھی ایک روشنی اور نُور ہے، لیکن وُہ سورج کی روشنی کے بغیر دیکھ نہیں سکتی۔ آنکھ خدا نے دی ہے ساتھ ہی دوسری روشنی بھی پیدا کر دی ہے، کیونکہ یہ نُور دُوسرے نور کا محتاج ہے۔ اسی طرح اپنی عقل جب تک آسمانی نُور اور بصیرت اُس کے ساتھ نہ ہو کچھ کام نہیں دے سکتی۔ نادان ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ہم مجرد عقل سے بھی کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے جو طریق مقرر کیا ہے۔ اس کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو بہت سے اسرار اور اُمور ہیں جو مجھ پر کھولے گئے ہیں۔ اگر میں اُن کو بیان کروں تو خاص آدمیوں کے سوا جو صُحبت

میں رہتے ہیں باقی حیران رہ جائیں۔

پس ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت اور رونا آتا ہے جو کسی صادق کی پاک صحبت میں نہیں رہے ان لوگوں کو جو ذاتیات پر اعتراض کرتے ہیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ کوئی ایک اعتراض تو دکھائیں جو پہلے کسی نبی پر نہ کیا گیا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو اعتراض آریوں نے کیے ہیں، کیا وُہ ان اعتراضوں سے جو مجھ پر ہوئے بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ حضرت مسیحؑ پر یہودیوں نے جس قدر اعتراض کیے ہیں یا آریوں نے کئے ہیں۔ وہ دیکھو۔ کس قدر ہیں۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر جس قدر الزام لگائے جاتے ہیں، اُن کا تو شمار کرو۔

منہاجِ نبوّت پر قائم سِلسلہ کی مخالفت

ہاں منہاجِ نبوّت پر جو سِلسلہ قائم ہوگا۔ ضرور ہے کہ اس پر ایسے الزام لگائے جائیں۔ مگر آخر خدا تعالیٰ اپنے مامُور مقبول اور مطہّر کی تطہیر کر دیتا ہے اور دکھا دیتا ہے کہ وُہ ان الزاموں سے بالکل پاک ہے۔ مُعترض کی آنکھ اور دل نے دھوکا کھایا ہے۔ یہ لوگ جو اصل مقصد کو چھوڑ کر ذاتیات پر اعتراض کرنے لگے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ خدا کا فرستادہ اپنے ساتھ دلائل اور براہینِ پُرزور رکھتا ہے اس کی ہر ایک بات پکّی اور مُحکم ہوتی ہے اور ایسے تائیدی نشان اُس کے لیے ظاہر ہوتے ہیں کہ دُوسرے اُن سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ اس لیے مخالف جب کوئی راہِ گریز نہیں پاتے، تو رکیک عذر کرنے لگتے ہیں اور بیہُودہ مکتہ چینیاں شروع کرتے ہیں۔ جن میں سے اکثر تو افترا ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے اُمور اور معاملات ہوتے ہیں جو کہ ان کے قصورِ فہم کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر جب ہمارے مخالفوں نے دیکھا کہ جو بات ہے، وُہ معقول ہے اور دلائل اور براہین کے ساتھ موکّد کی جاتی ہے۔ پھر قرآن شریف ہمارے ساتھ ہے۔ احادیث ہمارے ساتھ ہیں۔ عقل اور قانونِ قدرت ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر ہزاروں آسمانی نشان ہماری تائید میں ظاہر ہوتے۔ وہ نشانات بھی جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی بیان فرمائے تھے، پُورے ہوئے اور اُن کے علاوہ اور صدہا نشانات خود ہمارے ہاتھ پر پُورے ہوئے۔

اب جبکہ یہ چاروں طرف سے گھر گئے یعنی زمانہ شہادت دے اُٹھا کہ اس وقت مامُور من اللہ کی ضرورت ہے اور ضرورتِ وقت اور واقعاتِ پیش آمدہ نے بتا دیا کہ یہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے۔ اس کی تائید بزرگانِ ملّت کے کشوف، رؤیا اور الہامات سے بھی ہوگئی اور قرآن شریف ہماری ہی تائید میں ثابت ہوا اور دن بدن اس سِلسلہ کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ تب ان مخالفوں نے یہ چال بدلی کہ اور تو

کہیں ہاتھ پڑنے کی جگہ باقی نہیں ہے ذاتیات پر ہی گفتگو شروع کر دی اس خیال سے کہ انسان جلد تر اس طرز سے متاثر ہو جاتا ہے، مگر کیا اِن احمقوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ عیسائی بھی ایسے ہی اعتراض کرتے ہیں۔ آریوں کی ایک چھوٹی سی کتاب میں نے دیکھی جو حضرت موسیٰؑ کے متعلق اُنھوں نے لکھی ہے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سے اعتراض کئے ہیں کہ بہت سے بچے انھوں نے قتل کرا دیئے۔ مصریوں کا مال لے گئے۔ وعدہ خلافی کی۔ جھوٹ بولا معاذ اللہ غرض کوئی بڑے سے بڑا گناہ نہیں، جو اُن کے ذمہ نہ لگایا گیا ہو۔ گویا وُہ اُن کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جب یہ لوگ نبوت کے طریق پر کامیاب نہیں ہوتے اور کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تو یہ ایسے ہی اعتراض کر دیا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کے متعلق جو کتاب پڑھی گئی تھی، اُس نے کیا کسر باقی رکھی ہے اور ایسا ہی وہ اخبار جو آزاد خیال لوگوں کا یہاں آتا ہے۔ وہ کس قدر ہنسی اُڑاتا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ صدق اور سچائی کے شعلے دم لینے نہیں دیتے، تو موٹی عقل والوں کو یہ لوگ دھوکا دینے لگتے ہیں اور اپنے خیال میں ایک حد تک یہ لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جس قدر عیسائی ہوتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے۔ جب تک انسان کو ان علوم پر اطلاع نہ ہو۔ جو تسلی اور اطمینان کا موجب ہوتے ہیں اور انسان کو یقین کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے خطرات اور توہمات کے پیش آنے کا اندیشہ ہی اندیشہ ہے۔

رُوحانی تعلق کا کمال

دُنیا میں دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی تعلقات۔ جیسے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کے تعلقات۔ دُوسرے رُوحانی اور دینی تعلقات۔ یہ دُوسری قسم کے تعلقات اگر کامل ہو جائیں، تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں۔ جب ایک عرصہ تک صحبت میں رہے۔ دیکھو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت صحابہؓ کی تھی، اس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ جو اُنھوں نے نہ وطن کی پروا کی اور نہ اپنے مال و املاک کی اور نہ عزیز و اقارب کی۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑی، تو انھوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیتے۔ وُہ شدائد و مصائب جو اُن کو پہنچ رہے تھے۔ اُن کے برداشت کرنے کی قوت اور طاقت اُن کو کیونکر ملی۔ اس میں یہی سِرّ تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، جو آپؐ لے کر آئے تھے اور پھر دُنیا اور اُس کی ہر ایک چیز اُن کی نگاہ میں خدا تعالیٰ کے لقاء کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہیں تھی۔

یاد رکھو جب سچائی پورے طور پر اپنا اثر پیدا کر لیتی ہے، تو وُہ ایک نُور ہو جاتی ہے جو ہر ایک تاریکی میں اُس کے اختیار کرنے والے کے لیے رہنما ہوتا ہے اور ہر مشکل میں بچاتا ہے۔

ذاتی حملے عجز کا ثبوت ہیں

ذاتی حملوں کا جو بُغض اور حسد کی بنا پر کئے جاتے ہیں اور سچائی کے مقابلہ سے عاجز آ کر کمینہ اور سفیہ لوگ کرتے ہیں، اُن پر ہی اثر ہوتا ہے جنھوں نے سچائی کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہوتا اور سچائی نے اُن کے دل کو منوّر نہیں کیا ہوتا۔

یہ بالکل سچی بات ہے کہ انسان اس حد تک پژمُردہ ہوتا ہے جبتک سچائی کو سمجھا ہوا نہیں۔ جُوں جُوں وُہ اُسے سمجھتا جاتا ہے اس میں ایک تازگی اور شگفتگی آتی جاتی ہے اور روشنی کی طرف آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بالکل سمجھ لیتا ہے پھر تاریکی اس کے پاس نہیں آتی ہے۔ تاریکی تاریکی کو پیدا کرتی ہے۔ اندرونی روشنی اور روشنی کو لاتی ہے۔ اسی واسطے تاریکی کو شیطان سے تشبیہہ دی ہے اور روشنی رُوح القدس سے مشابہ ہے۔ اسی طرح معرفت اور یقین کی روشنی جہاں قائم ہو جاتی ہے، وہاں تاریکی نہیں رہتی۔

اِستغفار اور دعاؤں میں لگ جاؤ

اس لیے مَیں کہتا ہُوں کہ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر کبھی یہاں آؤ۔ مُلک کی حالت خطرناک ہو رہی ہے۔ طاعُون بڑے زور کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے اور اُس کے دورے بعض اوقات ساٹھ ساٹھ، ستّر ستّر برس تک ہوتے رہتے ہیں اور شہروں کے شہر تباہ کر دیتی ہے۔ مولوی صاحب کے پاس ہی ایک خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گاؤں بالکل خالی ہو گئے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ایک دو سال میں رُخصت ہو جائے گی۔ یہ اپنا اثر کر کے جاتی ہے۔ پھر ہمارے مُلک سے دُور نہیں اس وقت پانچ ضلعے مبتلا ہو رہے ہیں۔

پس بے خوف ہو کر مت رہو۔ استغفار اور دُعاؤں میں لگ جاؤ اور ایک پاک تبدیلی پیدا کرو۔ اب غفلت کا وقت نہیں رہا۔ انسان کو نفس جھوٹی تسلی دیتا ہے کہ تیری عُمر لمبی ہوگی۔ موت کو قریب سمجھو۔ خدا کا وجود برحق ہے۔ جو ظُلم کی راہ سے خدا کے حقوق دُوسروں کو دیتا ہے، وُہ ذلّت کی موت دیکھے گا۔ اب جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں تین گروہ کا ذکر ہے۔ ان تین کا ہی مزہ چکھا دے گا۔ اس میں جو آخر تھے، وہ مُقدّم ہو گئے۔ یعنی ضالّین۔ اسلام وہ تھا کہ ایک شخص مُرتد ہو جاتا، تو قیامت برپا ہو جاتی تھی، مگر اب بیس لاکھ عیسائی ہو چکے ہیں اور خود ناپاک ہو کر پاک وجُود کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ پھر مغضوب کا نمونہ طاعُون سے دکھایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا گروہ ہوگا۔

یہ قاعدہ کی بات ہے اور خدا کی قدیم سے سُنّت چلی آتی ہے کہ جب وُہ کسی قوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ یہ کام نہ کرنا، تو اس قوم میں سے ایک گروہ ضرور خدا کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ کوئی قوم ایسی دکھاؤ کہ جس کو کہا گیا کہ تم یہ کام نہ کرنا اور اس نے نہ کیا ہو۔ خدا نے یہودیوں کو کہا کہ تحریف نہ کرو۔ اُنھوں نے تحریف کی۔ قرآن شریف کی نسبت یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰)

غرض دعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ انعمت علیہم کے گروہ میں داخل کرے۔"[1]

اپریل ۱۹۰۱ء

کشف و الہام کی حقیقت

منشی الٰہی بخش صاحب وغیرہ لوگوں کی اپنی بعض حالتوں سے دھوکا کھا جانے کی نسبت گفتگو تھی۔ اس پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"عام طور پر رؤیا اور کشوف اور الہام ابتدائی حالت میں ہر ایک کو ہوتے ہیں، مگر اس سے انسان کو یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ وہ منزلِ مقصود کو پہنچ گیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ فطرتِ انسانی میں یہ قوت رکھی گئی ہے کہ ہر ایک شخص کو کوئی خواب یا کشف یا الہام ہو سکے، چنانچہ دیکھا گیا کہ بعض دفعہ کفار، ہنود اور بعض فاسق فاجر لوگوں کو بھی خوابیں آتی ہیں اور بعض دفعہ سچی بھی ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود ان لوگوں کے درمیان اس حالت کا کچھ نمونہ رکھ دیا ہے جو کہ اولیاء اللہ اور انبیاء اللہ میں کامل طور پر ہوتا ہے تاکہ یہ لوگ انبیاء کا صاف انکار نہ کر بیٹھیں کہ ہم اس علم سے بے خبر ہیں۔ اتمامِ حجت کے طور پر یہ بات ان لوگوں کو دی گئی ہے، تاکہ انبیاء کے دعاوی کو سُنکر حریف اقرار کرے کہ ایسا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے، کیونکہ جس بات سے انسان بالکل ناآشنا ہوتا ہے اس کا وہ جلدی انکار کر دیتا ہے۔ مثنوی رُومی میں ایک اندھے کا ذکر ہے کہ اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ آفتاب دراصل کوئی شے نہیں لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر آفتاب ہوتا تو کبھی میں بھی دیکھتا۔ آفتاب بولا کہ اے اندھے! تو میرے وجود کا ثبوت مانگتا ہے۔ تو پہلے خدا سے دُعا کر کہ وہ تجھے آنکھیں بخشے۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ اگر وہ انسان کی فطرت میں یہ بات نہ رکھ دیتا تو نبوت کا مسئلہ لوگوں کو کیونکر سمجھ میں آتا۔ ابتدائی رویا یا الہام کے ذریعہ سے خدا بندہ کو بُلانا چاہتا ہے، مگر وہ اس کے واسطے کوئی حالت قابلِ تشفی نہیں ہوتی؛ چنانچہ بلعم کو الہامات ہوتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا رفع نہیں ہوا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں وُہ کوئی برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ابھی تک نہیں بنا تھا۔ یہاں تک کہ وُہ گر گیا ان الہامات وغیرہ سے انسان کچھ بن نہیں سکتا۔ انسان خدا کا بن نہیں سکتا جب تک کہ ہزاروں موتیں اُس پر نہ آویں اور بیضۂ بشریت سے وہ نکل نہ آئے۔

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۶ صفحہ ۱ تا ۲ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۱ء

اس راہ میں قدم مارنے والے انسان تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دین الجائز رکھتے ہیں یعنی بُڑھیا عورتوں کا سا مذہب نماز پڑھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور توبہ استغفار کر لیتے ہیں۔ انھوں نے تقلیدی امر کو مضبوطی سے پکڑا ہے اور اس پر قائم ہیں۔ دُوسرے وہ لوگ ہیں جو اس سے آگے بڑھ کر معرفت کو چاہتے ہیں اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں اور وفاداری اور ثابت قدمی دکھاتے ہیں اور اپنی معرفت میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتے ہیں اور کامیاب اور بامُراد ہو جاتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے دینِ العجائز کی حالت میں رہنا پسند نہ کیا اور اس سے آگے بڑھے اور معرفت میں قدم رکھا مگر اس منزل کو نباہ نہ سکے اور راہ ہی میں ٹھوکر کھا کر گر گئے۔ یہ وُہ لوگ ہیں جو نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے۔ ان لوگوں کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جس کو پیاس لگی ہوئی تھی اور اس کے پاس کچھ پانی تھا، پر وہ پانی بھی گدلا تھا تاہم وُہ پی لیتا تو مرنے سے بچ جاتا۔ کسی نے اُس کو خبر دی کہ پانچ سات کوس کے فاصلہ پر ایک چشمہ صاف ہے۔ پس اُس نے وُہ پانی جو اُس کے پاس تھا پھینک دیا اور وہ صاف چشمہ کے واسطے آگے بڑھا۔ پر اپنی بے صبری اور بدبختی اور ضلالت کے سبب وہاں نہ پہنچ سکا۔ دیکھو اُس کا کیا حال ہوا، وہ ہلاک ہو گیا اور اُس کی ہلاکت نہایت ہولناک ہوئی یا ان حالتوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک کنواں کھودا جا رہا ہے۔ پہلے تو وہ صرف ایک گڑھا ہے جس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ آنے جانے والوں کے واسطے اس میں گر کر تکلیف اُٹھانے کا خطرہ ہے۔ پھر وہ اور کھودا گیا یہاں تک کہ کیچڑ اور خراب پانی تک وہ پہنچا۔ پر وہ کچھ فائدہ مند نہیں۔ پھر جب وہ کامل ہوا اور اس کا پانی مصفّا ہو گیا، تو وہ ہزاروں کے واسطے زندگی کا مُوجب ہو گیا۔ یہ جو فقیر اور گدّی نشین بنے بیٹھے ہیں۔ یہ سب لوگ ناقص حالت میں ہیں۔ انبیاء مصفّا پانی کے مالک ہو کر آتے ہیں۔ جبتک خدا کی طرف سے کوئی کچھ لے کر نہ آوے، تب تک بے سُود ہے۔ الٰہی بخش صاحب اگر مُوسیٰ بنتے ہیں، تو ان سے پُوچھنا چاہیے کہ ان کے مُوسیٰ بننے کی علّتِ غائی کیا ہے۔ جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں، وہ مزدور کی طرح ہوتے ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچانے کے لیے قدم آگے بڑھاتے ہیں اور علُوم پھیلاتے ہیں اور کبھی تھکی محسوس نہیں کرتے اور سُست اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے۔[1]

۱۹ر اپریل ۱۹۰۱ء

۱۹ر اپریل ۱۹۰۱ء کو لاہور سے فورمن کالج اور امریکن مشن کے دو پادری مع ایک دیسی عیسائی کے قادیان

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۳-۱۴ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۱ء

آئے تھے۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ سے بھی ملے اور اُنھوں نے کچھ سوالات حضورؑ سے کیے جن کا جواب حضرت اقدسؑ دیتے رہے۔ ہم چونکہ بعد میں پہنچے تھے، اس لیے ابتدائی سوال اور اس کا جواب نہ لکھ سکے۔ ہمارے ایک بھائی نے اُسے لکھا تھا، مگر افسوس ہے کہ وُہ اس کو محفوظ نہ رکھ سکے اور وُہ کاغذ ان سے گُم ہوگیا۔ اگر بعد میں مل گیا، تو ہم اُسے بھی درج کر دیں گے۔ بہرِدست ہم اس مقام سے دَرج کرتے ہیں، جہاں سے ہم نے سُننا قلمبند کیا۔ (ایڈیٹر)۔

مامُورِ الٰہی خود نشان ہوتا ہے

نبیوں سے بہت نشانات مانگنے والوں نے نشان مانگے اُنھوں نے اُن کے جواب میں یہی کہا کہ عقلمند ایسے سوال نہیں کرتے بلکہ مسیح علیہ السّلام کے الفاظ میں تو ایسے موقع پر جیسا انجیل سے پتہ لگتا ہے، بہت سختی پائی جاتی ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جو شخص خدا کی طرف سے آتا ہے، وُہ نشانات لے کر آتا ہے۔ مَیں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ خود ایک نشان ہوتا ہے، لیکن تھوڑے ہوتے ہیں جو ان نشانات سے فائدہ اُٹھاتے اور اُن کو شناخت کرتے ہیں مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد دُنیا دیکھ لیتی ہے کہ وُہ کیسے عظیم الشان نشانات کے ساتھ آیا ہے۔ یقیناً سمجھ لیں کہ وُہ نہیں مرتا۔ جبتک دُنیا پر ثابت نہ کر دے کہ وہ صاحبِ نشان ہے۔

مامُورین کی دو قسمیں

سوال :۔ آپ کی سمجھ میں خدا کا کلام کیا ہے۔ یعنی کیا آپ بھی کچھ نوشتے چھوڑ جائیں گے۔ جیسے انجیل یا توریت ہے؟

جواب حضرت اقدسؑ :۔ "بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لوگ مامُور ہو کر دُنیا کی اصلاح کے واسطے آتے ہیں وہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صاحبِ شریعت ہوتے ہیں اور ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کہ وُہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے تھے اور مامُور ہو کر آئے تھے، مگر اُن کو ایک شریعت دی گئی جس کو آپ توراۃ کہتے ہیں اور مانتے ہیں کہ شریعت موسیٰؑ کی معرفت دی گئی۔

مگر ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے ہمکلام تو ہوتے ہیں اور ان صاحبِ شریعت نبیوں کی طرح وُہ بھی اصلاحِ خلق کے لیے آتے ہیں۔ اور اپنے وقت پر ضرورتِ حقّہ کے ساتھ آتے ہیں، مگر وُہ صاحبِ شریعت نہیں ہوتے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کہ وُہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اسی موسوی شریعت کے پابند تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی لغو کام نہیں کرتا۔ جب اُس کا زندہ کلام موجود ہو اور ایک مستقل شریعت وقت کی ضرورت کے موافق موجود ہو تو دُوسری کوئی شریعت نہیں دی جاتی، لیکن

ہاں اس وقت تو ایسا ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ جب اہلِ دُنیا کے دلوں سے خدا کی محبت سرد ہو جاتے اور اعمالِ صالحہ کی بجائے چند رسمیں رہ جاویں۔ تقویٰ اور اخلاقِ فاضلہ نہ رہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث کرتا ہے۔ جو اسی شریعت پر عملدرآمد کی ہدایت کرتا ہے اور اپنے عملی نمونہ سے اس شریعتِ حقہ کی کھوئی ہوئی عظمت اور بزرگی کو پھر لوگوں کے دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اس کے مناسبِ حال اس میں سب باتیں موجود ہوتی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف رکھتا ہے۔ کلامِ الٰہی کا مغز اُسے عطا ہوتا ہے اور شریعت کے اَسرار پر اُسے اطلاع دی جاتی ہے۔ وُہ بہت سے خوارق اور نشان لے کر آتا ہے۔ غرض ہر طرح سے معزّز اور مکرّم ہوتا ہے، مگر دُنیا اس کو نہیں پہچانتی۔ جیسے جیسے کسی کو آنکھیں ملتی جاتی ہیں وُہ اُس کو اسی حد تک شناخت کرتا جاتا ہے۔

مامورین کی مخالفت یہ امر انسانی عادت میں داخل ہے کہ جب کوئی نیا انسان اُس کے سامنے آتا ہے، تو آنکھیں اُس کو تاڑتی ہیں کہ یہ اُس کا قد ہے۔ یہ رنگ ہے، آنکھیں ایسی ہیں۔ صُورت شکل ایسی ہے۔ غرض سر سے لے کر پیر تک اس کو تاڑتا ہے۔ یہاں تک کہ نظریں محدود ہو کر آخر کار اس کا رُعب کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نبیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب وُہ آتے ہیں تو وہ معمولی انسان ہوتے ہیں۔ تمام حوائج بشری اور ضروریات اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ وُہ فوق الفوق باتیں بتاتے ہیں دُنیا کی نظر میں وہ اچنبھا ہوتی ہیں۔ اس لیے انکار کیا جاتا ہے۔ ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اُن سے ہنسی کی جاتی، ہر قسم کی تکالیف اور ایذا رسانی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے دل میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کی ہی بڑی عزّت کیوں نہ ہو، لیکن جس جگہ مَیں بیٹھا ہوں اگر آج اسی جگہ حضرت موسیٰؑ یا حضرت مسیحؑ ہوتے، تو وُہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے جس نظر سے مَیں دیکھا جاتا ہوں۔ یہی بھید ہے کہ ہر نبی کو دُکھ دیا گیا اور ضروری امر ہے کہ ہر ایک جو خدا کی طرف سے مامُور اور مُرسل ہو کر آوے وُہ اپنی قوم میں کیسا ہی معزّز اور امین اور صادق ہو، لیکن اُس کے دعوے کے ساتھ ہی اُس کی تکذیب شروع ہو جاتی اور اُس کی تذلیل اور ہلاکت کے منصوبے ہونے لگتے ہیں۔ مگر ہاں جیسے یہ لازمی اَمر ہے کہ اُن کی تکذیب کی جاتی، اُن کو دُکھ دیا جاتا ہے۔

یہ بھی سچی اور یقینی بات ہے کہ ایک وقت آجاتا ہے کہ ان کی جماعتیں مستحکم ہو جاتی ہیں۔ وُہ دنیا میں صداقت کو قائم کر دیتے ہیں اور راستبازی کو پھیلا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بعد ایک زمانہ آتا ہے کہ ایک دُنیا اُن کی طرف ٹوٹ پڑتی اور اُن تعلیمات کو قبول کر لیتی ہے، جو وہ لے کر آتے ہیں۔ گو اپنے زمانہ میں ان کو دُکھ دینے میں کوئی کسر نہ رکھی گئی ہو۔ اور نہیں رکھی جاتی۔ ہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ جھٹلوں

نے رَدّ کر دیا۔ وُہ دانشمند تھے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ صرف زمانہ کی خاصیت ہے کہ اُن کو دانشمند کہا جاتا ہے۔ ورنہ ان سے بڑھ کر بے وقوف اور سطحی خیال کے اور کون لوگ ہوں گے جو حق کو جھٹلا کر دانشمند بنتے ہیں۔ یہ ایک فطرت کی کجی ہوتی ہے۔ جو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح اُن کو ذلیل کیا جاوے۔ اسی طرح خیالی طور پر اس قسم کے مجمع کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہم جیت گئے اور خدا کے راستبازوں کے مقابلہ میں ہم کامیاب ہو گئے، حالانکہ وہی ذلیل نامُراد اور مغلوب ہوتے ہیں۔ آخر انجام دکھا دیتا ہے اور ایک روشن فیصلہ نمودار ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ راستباز کی کامیابی مخالفوں کی سفاہت اور جہالت پر مُہر کر دیتی ہے کہ وہ جس قدر اعتراض کرتے تھے اپنی نادانی سے کرتے تھے۔

مَیں یہ بار بار لکھ چکا ہوں کہ جو خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آتے ہیں۔ دُنیا اُن کو کم پہچانتی ہے۔ بجُز ان لوگوں کے جو دیکھنے کی آنکھیں رکھتے ہیں۔ ان کو دُوسرے دیکھ ہی نہیں سکتے، کیونکہ وُہ تو اُن ہی میں سے کھاتے پیتے حواسِ بشری کے رکھنے والے انسان ہوتے ہیں۔

مَیں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا

اور یہ بات کہ میرے نوشتے باقی رہیں گے۔ مَیں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آنے والے لوگوں کے دو طبقہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صاحبِ شریعت ہوتے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السّلام اور ایک وہ جو احیائے شریعت کے لیے آتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام۔ اسی طرح پر ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل شریعت لے کر آئے۔ جو نبوّت کے خاتم تھے۔ اس لیے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختمِ نبوّت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السّلام کے بعد ہم کسی دُوسری شریعت کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰؑ تھے۔ اسی طرح آپؐ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء یعنی مسیح موعود ہے۔ ضروری تھا کہ مسیح علیہ السّلام کی طرح آتا۔ پس مَیں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود ہوں۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے، بلکہ موسوی شریعت کے احیاء کے لیے آئے تھے۔ مَیں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا اور میرا دل ہرگز نہیں مان سکتا کہ قرآن شریف کے بعد اب کوئی اور شریعت آسکتی ہے، کیونکہ وُہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے شریعتِ محمدی کے احیاء کے لیے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔ میرے الہامات جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہوتے ہیں اور جو ہمیشہ لاکھوں انسانوں میں شائع کئے جاتے ہیں اور چھاپے جاتے ہیں اور ضائع نہیں کئے جاتے۔ وُہ ضائع نہ ہوں گے۔ اور

وُہ قائم رہیں گے۔

اشاعت مذہب کا بہترین طریق

سوال: آپ کی رائے میں مذہب کے پھیلانے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

جواب: "میرے نزدیک اشاعتِ مذہب کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ وُہ مذہب اپنی خوبیوں اور حُسن کی وجہ سے خود ہی روح کے اندر چلا جاوے اور اس کے لیے بیرونی کوشش کرنی نہ پڑے۔ مثلاً بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ اپنی روشنی کی وجہ سے خود بخود نظر آتی ہیں۔ جیسے سُورج، چاند، ستارے وغیرہ۔ اور ایک وہ چیزیں ہیں جو ان روشنیوں کے بغیر نظر ہی نہیں آسکتی ہیں۔ مثلاً چرند پرند وغیرہ کو ہم نہیں دیکھ سکتے، جب تک روشنی نہ آوے۔ پس سچا مذہب اپنی روشنی اور حقانیت و صداقت کے نُور سے خود بخود شناخت ہو کر رُوحوں میں اُترتا جاتا ہے اور دلوں کو اپنی طرف کھینچتا جاتا ہے۔ اسی لیے مَیں نے کہا تھا کہ تعلیم ایک بڑا نشان ہے۔ جس مذہب کے ساتھ تعلیم کا نشان نہیں ہوتا۔ اُس کے دُوسرے نشان فائدہ پہنچا نہیں سکتے۔ آسمانی تعلیم اپنے اندر ایک روشنی اور نُور رکھتی ہے۔ وُہ انسانی طریقوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک انسان جب بکلّی مر جاوے اور گندی زندگی سے نکل آوے۔ اس وقت وہ خدا میں زندگی پاتا ہے اور سچے مذہب کا نشان محسوس کرتا ہے، مگر خدا کے فضل کے سوا یہ کس کا کام ہے کہ گندی زندگی سے مر کر نئی زندگی پاوے۔ یہ اس خدا کے ہاتھ سے ہوتا ہے، جس نے دُنیا کو زندگی بخشی ہے۔ وُہ جس انسان کو مبعوث کرتا ہے، پہلے اُس کو یہ زندگی عطا کرتا ہے۔ وُہ بظاہر دُنیا میں ہوتا ہے اور دُنیا کے لوگوں سے ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اس دُنیا کا انسان نہیں ہوتا۔ وُہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ اُس کے مناسب حال تعلیم اس کو دیتا ہے۔ جس کو اسی مناسبت کے لوگ سیکھتے ہیں۔ اس میں گندہ نفس پرستی، ظُلم اور شہوانی خواہشات کو پُورا نہیں کیا جاتا، بلکہ وُہ پاک باتیں ہوتی ہیں جو انسان پر ایک موت وارد کر کے اُس کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہیں جس سے اس کو گناہ سوز فطرت مِل جاتی ہے۔ وہ ہر ایک قسم کی ناپاکی اور گندسے نفرت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ میں زندگی بسر کرنے میں راحت اور لذّت پاتا ہے۔ پس میرے نزدیک سچا مذہب اپنی اشاعت کا آپ ہی کفیل ہے۔ اس کے لیے کسی خارجی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اُس کی صداقت کے اظہار کا ذریعہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو خدا کی طرف سے اُسے لے کر آتے ہیں۔ مقابلہ کے وقت ان کو غلبہ مِلتا ہے، جو بطور نشان کے ہوتا ہے۔ اُن کی آمد اس وقت ہوتی ہے، جب دُنیا حق اور نُور کے لیے بھُوکی پیاسی ہوتی ہے۔ غرض عمدہ تعلیم اور کامِل نمونہ جو اس تعلیم کی عمدگی کا زندہ ثبوت ہوتا ہے، وہی اشاعت کا بہترین طریق ہے۔"

رُوحانی زندگی پانے کا طریق

سوال : ہم آپ کو بہت تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ یہ رُوحانی زندگی کس طرح مِل سکتی ہے؟

جواب : "خدا کے فضل سے"

سوال : ہمیں کچھ کہنا چاہیے کہ رُوحانی زندگی ہم کو مِل جاوے؟

جواب : ہاں۔ دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی نیک صحبت میں رہنا چاہیے۔ سب تعصبوں کو چھوڑ کر گویا دُنیا سے الگ ہو جاوے۔ جیسے جہاں طاعُون پڑی ہوئی ہو اور کوئی شخص وہاں سے الگ نہیں ہوتا ہے، تو وُہ خطرہ کی حالت میں ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی حالت کو بدل نہیں ڈالتا اور اپنی زمین میں تبدیلی نہیں کرتا اور الگ ہو کر نہیں سوچتا کہ کس طرح پاک زندگی پاؤں۔ اور خدا سے دُعا نہیں مانگتا وہ خطرہ کی حالت میں ہے۔ دُنیا میں کوئی نبی نہیں آیا، جس نے دُعا کی تعلیم نہیں دی۔ یہ دُعا ایک ایسی شَے ہے۔ جو عبُودیت اور ربُوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے۔ لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دُعا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ اُن مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔

دُعا کا ایک ایسا باریک مضمون ہے کہ اس کا ادا کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ جب تک انسان خود دُعا اور اس کی کیفیتوں کا تجربہ کار نہ ہو، وُہ اُس کو بیان نہیں کر سکتا۔ غرض جب انسان خدا تعالیٰ سے متواتر دُعائیں مانگتا ہے، تو وُہ اور ہی انسان ہو جاتا ہے۔ اس کی رُوحانی کدُورتیں دُور ہو کر اُس کو ایک قسم کی راحت اور سرُور ملتا ہے اور ہر قسم کے تعصّب اور ریاکاری سے الگ ہو کر وُہ تمام مشکلات کو جو اُس کی راہ میں پیدا ہوں برداشت کر لیتا ہے۔ خدا کے لیے اُن سختیوں کو جو دُوسرے برداشت نہیں کرتے وُہ نہیں کر سکتے۔ صرف اس لیے کہ خدا تعالیٰ راضی ہو جاوے برداشت کرتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ جو رحمٰن رحیم خدا ہے اور سراسر رحمت ہے، اُس پر نظر کرتا ہے اور اُس کی ساری کلُفتوں اور کدُورتوں کو سرُور میں بدل دیتا ہے۔

زبان سے دعویٰ کرنا کہ مَیں نجات پا گیا ہوں یا خدا تعالیٰ سے قوی رشتہ پیدا ہو گیا ہے، آسان ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وُہ کہاں تک ان تمام باتوں سے الگ ہو گیا ہے۔ جن سے الگ ہونا ضروری ہے۔ یہ سچّی بات ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے وُہ پا لیتا ہے۔ سچّے دل سے قدم رکھنے والے کامیاب ہو جاتے ہیں اور منزلِ مقصُود تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب انسان کچھ دین کا اور کچھ دُنیا کا ہوتا ہے۔ آخر کار دین سے الگ ہو کر دُنیا ہی کا ہو جاتا ہے۔ اگر انسان ربّانی نظر سے مذہب کو تلاش کرے تو تفرقہ کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے۔ مگر نہیں۔ یہاں مقصُود اور غرض یہ ہوتی ہے کہ میری بات رہ جائے۔ دو آدمی اگر بات کرتے ہیں، تو ہر ایک

اُن میں سے یہی چاہتا ہے کہ دُوسرے کو گرا دے۔ اس وقت تو چیونٹی کی طرح تعصب، ہٹ دھرمی اور ضد کی بلائیں لگی ہوئی ہیں۔ غرض مَیں آپ کو کہاں تک سمجھاؤں بات بہت باریک ہے اور دُنیا اس سے بے خبر ہے اور یہ صرف خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اس زمانہ میں دہریت کا زور

میرا مذہب یہ ہے کہ وُہ خدا جس کو ہم دکھانا چاہتے ہیں وُہ دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور دُنیا اس سے غافل ہے۔ اُس نے مجھ پر اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ جو دیکھنے کی آنکھ رکھتا ہے، وُہ دیکھے۔

دو قسم کے لوگ ہیں ایک وُہ جو خدا کو مانتے ہیں اور دُوسرے وُہ جو نہیں مانتے اور دہریہ کہلاتے ہیں۔ جو مانتے ہیں، اُن میں بھی دہریت کی ایک رگ ہے، کیونکہ اگر وہ خدا کو کامل یقین کے ساتھ مانتے ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس قدر فسق و فجور اور بے حیائی میں ترقی ہو رہی ہے۔ ایک انسان کو مثلاً سنکھیا یا سٹرکنیا دیا جاوے جبکہ اُس کو اس بات کا علم ہے کہ یہ زہر قاتل ہے، تو وُہ اُس کو کبھی نہیں کھائے گا۔ خواہ اس کے ساتھ تم اُسے کسی قدر لالچ بھی روپیہ کا دو۔ اِس لیے کہ اُس کو اس بات کا یقین ہے کہ مَیں نے اس کو کھایا اور ہلاک ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ گناہ سے ناراض ہوتا ہے اور پھر بھی اس زہر کے پیالے کو پی لیتے ہیں۔ جھوٹ بولتے، زنا کرتے ہیں، دُکھ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بارہ بارہ آنہ یا ایک روپیہ کے زیور پر معصوم بچوں کو مار ڈالتے ہیں۔ اس قدر بے باکی اور شرارت و شوخی کا پیدا ہونا سچے علم اور پُورے یقین کے بعد تو ممکن نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کو یہ ہرگز معلوم نہیں کہ یہ بدی کا زہر ہلاک کرنے میں سنکھیا یا سٹرکنیا کے زہر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر اُن کا ایمان اس بات پر ہوتا کہ خدا ہے اور وہ بدی سے ناراض ہوتا ہے اور اس کی پاداش میں سخت سزا ملتی ہے، تو گناہ سے بیزاری ظاہر کرتے اور بدیوں سے ہٹ جاتے، لیکن چونکہ گناہ کی زندگی عام ہوتی جاتی ہے اور بدی اور فسق و فجور سے نفرت کی بجائے محبت بڑھتی جاتی ہے۔ اس لیے مَیں یہی کہوں گا اور یہی سچ ہے کہ آج کل دہریہ مت پھیلا ہوا ہے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ ایک گروہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا ہے، مگر مانتا نہیں اور دُوسرا گروہ صاف انکار کرتا ہے۔ حقیقت میں دونوں ملے ہوئے ہیں۔

آمد کا مقصد

اس لیے میں خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے وُہ گناہ کی زہر سے بچ جاوے اور اس کی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہو جاوے۔ اُس پر موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی اُس کو ملے۔ گناہ سے لذت پانے کی بجائے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو۔ جس کی یہ صورت ہو جاوے وہ کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔

خدا خوب جانتا ہے کہ اس زمانہ میں یہی حالت ہو رہی ہے کہ خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اس منزل پر انسان کو پہنچا دے اور یہ فطرت اس میں پیدا کرے۔ ہم کسی خاص مذہب پر کوئی افسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بلا عام ہو رہی ہے اور یہ وبا خطرناک طور پر پھیلی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں۔ خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے بلکہ ملائکہ کا مسجود ہوتا ہے۔ نورانی ہو جاتا ہے۔

غرض جب اس قسم کا زمانہ دُنیا پر آتا ہے کہ خدا کی معرفت باقی نہیں رہتی اور تباہ کاری اور ہر قسم کی بدکاریاں کثرت سے پھیل جاتی ہیں۔ خدا کا خوف اُٹھ جاتا ہے اور خدا کے حقوق بندوں کو دیے جاتے ہیں، تو خدا تعالیٰ ایسی حالت میں ایک انسان کو اپنی معرفت کا نُور دے کر مامُور فرماتا ہے۔ اس پر لعن طعن ہوتا ہے اور ہر طرح سے اس کو ستایا جاتا اور دُکھ دیا جاتا ہے لیکن آخر وہ خدا کا مامُور کامیاب ہو جاتا اور دُنیا میں سچائی کا نُور پھیلا دیتا ہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامُور کیا اور اپنی معرفت کا نور مجھے بخشا۔ کوئی گالی نہیں جو ہم کو نہیں دی گئی۔ کوئی صُورت ایذا رسانی کی نہیں، جو ہمارے لیے نہیں نکالی گئی، مگر ہم ان ساری بدزبانیوں کو سُنتے ہیں اور ان ساری تکلیفوں کے برداشت کرنے کو ہر وقت آمادہ ہیں۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بناوٹ سے نہیں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ سُنیں، کیونکہ جس مسند پر ہمیں بٹھایا گیا ہے۔ اُس پر بیٹھنے والوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔

مسیح موعود کا کام

غرض اس سلسلہ کو قائم ہوئے پچیس سے زیادہ سال گزر گئے۔ یہ ایک بڑا حصۂ زندگی کا ہے۔ اس عرصہ میں ایک بچہ پیدا ہو کر بھی صاحبِ اولاد ہو سکتا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے عین وقت پر ہماری دستگیری کی اور مخلوق پر رحم فرمایا۔ چونکہ خود اس نے ایک غیر معمولی ہمت اور استقلال ہم کو دیا ہے۔ جو اپنے مامُوروں کو ہمیشہ دیا کرتا ہے۔ اس لیے اسی قوت اور طاقت کی وجہ سے ہم نہیں تھکتے۔ اور یہ ساری مخالفتیں جو اس وقت کی جاتی ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ ان کا نام و نشان مِٹ جاوے گا اور ہم امیدوار ہیں کہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت آسمان باتیں کر رہا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ زمین کے رہنے والوں میں ایک پاک تبدیلی ہو۔ جس طرح سے ہر ایک بادشاہ طبعًا چاہتا ہے کہ اُس کا جلال ظاہر ہو۔ اسی طرح منشاءِ الٰہی یُونہی ہو رہا ہے کہ اس کی عظمت و جبروت کا اہلِ دُنیا کو علم ہو اور وُہ خدا جو پوشیدہ ہو رہا ہے دُنیا پر اپنا ظہور دکھائے۔ اس لیے اس نے اپنا ایک مامُور بھیجا ہے تاکہ دنیا کا جذام جاتا رہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ تم نے آکر کیا بنایا۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دُنیا کو خود معلوم ہو جاوے گا، کہ کیا بنایا۔ ہاں۔ اتنا ہم ضرور کہتے ہیں کہ لوگ آکر ہمارے پاس گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اُن میں انکسار فروتنی پیدا

ہوتی ہے اور رذائل دُور ہو کر اخلاقِ فاضلہ آنے لگتے ہیں اور سبزہ کی طرح آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں اور اپنے اخلاق اور عادات میں ترقی کرنے لگتے ہیں۔ انسان ایک دم میں ہی ترقی نہیں کر لیتا، بلکہ دنیا میں قانونِ قدرت یہی ہے کہ ہر شئے تدریجی طور پر ترقی کرتی ہے۔ اس سلسلہ سے باہر کوئی شے ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ آخر سچائی پھیلے گی اور پاک تبدیلی ہوگی۔ یہ میرا کام نہیں ہے، بلکہ خدا کا کام ہے۔ اُس نے ارادہ کیا ہے کہ پاکیزگی پھیلے۔ دُنیا کی حالت مسخ ہو چکی ہے اور اُسے ایک کیڑا لگا ہوا ہے۔ پوست ہی پوست باقی ہے۔ مغز نہیں رہا، مگر خدا نے چاہا ہے کہ انسان پاک ہو جاوے اور اُس پر کوئی داغ نہ رہے۔ اسی واسطے اُس نے محض اپنے فضل سے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔"

مسیح موعود کی حقیقت

سوال: آپ کی کتابوں کے موافق آپ کا لقب مسیح موعود ہے۔ اس کے ٹھیک معنی کیا ہوتے ہیں؟

جواب: "اس راز کو سمجھنے کے واسطے یہ جاننا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ جس نے نبوتوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ نبوت کا ایک سلسلہ پہلے قائم کیا تھا۔ اس سلسلہ کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی سے ڈالی تھی۔ اُن سے پیشتر جو نبی دُنیا میں گذرے تھے۔ اُن کے آثار نہ رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ ہی تھے جن کی کتاب میں نوحؑ کا آدمؑ کا اور بعض دیگر انبیا علیہم السلام کا ذکر کیا گیا۔ غرض جیسے کسی خاندان کا مورثِ اعلیٰ ہوتا ہے۔ اسی طرح پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاندانِ نبوت کا مورثِ اعلیٰ ٹھہرایا اور توریت کے ذریعہ اُن کو اپنی شریعت دی۔ موسیٰؑ مردِ خُدا کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی خدمت کے لیے کہ اس میں زوال نہ ہو اور نبی بھیجتا رہا جو اس سلسلۂ موسویہ کے خادم ہوتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (جس کو آپ لوگ یسوع کہتے ہیں) اسی سلسلہ موسویہ کا مؤید بنا کر بھیجا۔ وہ اس سلسلہ کی آخری اینٹ تھے۔ جیسے آخری اینٹ مکان کو ختم کر دیتی ہے، اسی طرح پر حضرت مسیحؑ پر سلسلہ موسویہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس سلسلے کو خدا نے پُورا کیا اور ایک نئے سلسلہ کی بنیاد رکھی جو اسماعیلؑ کی نسل سے قائم ہوا اور سلسلہ محمدیہ کہلایا۔ جیسا کہ خود اسماعیلؑ کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور جیسا خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خبر دے دی تھی کہ بنی اسماعیل میں ایک سلسلہ موسویہ سلسلہ کی طرح قائم کیا جاوے گا۔ چونکہ بنی اسرائیل یعنی یہودیوں نے نہ اوّل کے ساتھ جو موسیٰ علیہ السلام تھے، اچھا سلوک کیا اور نہ آخری کے ساتھ جو مسیحؑ تھا، اچھا سلوک اور ایسا ہی نہ درمیانی نبیوں سے اچھا سلوک کیا۔ یہ قوم ایسی سنگدل اور

بے باک تھی کہ صفحۂ روزگار میں اُس کی نظیر نہ ملے گی۔ نبیوں کی تکذیب اور ایذا رسانی میں اس قوم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُنھوں نے خدا کے نورانی بندوں کی قدر نہیں کی۔ اس لیے حضرت عیسیٰؑ پر اس سلسلہ کو ختم کر دیا۔

مسیحؑ کی بن باپ ولادت میں قدرت کا اِنتباہ

یہ ختم رضامندی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ناراضگی کی وجہ سے تھا۔ خود حضرت مسیحؑ کی پیدائش بطور نشان کے تھی۔ یعنی وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا؛ چونکہ نسل باپ سے جاری ہوتی ہے، اس لیے حضرت عیسیٰؑ کو بن باپ پیدا کر کے خدا نے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا کہ تمہاری شامتِ اعمال کی وجہ سے اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

دو باتوں کا خود تم نے اعتراف کیا ہے۔ اوّل یہ کہ خدا نے اُن کو بدُوں باپ پیدا کیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ اُن کا باپ ہے، وُہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے اور خدا تعالیٰ کے اس نشان کی جو اُن کی پیدائش میں رکھا ہوا تھا۔ بے حُرمتی کرتا ہے۔

دُوسری بات جس کا تم کو اعتراف ہے، یہ ہے کہ وُہ آخری اینٹ تھے۔ اس کی مثال انجیل میں بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نے باغ لگایا۔ اس کے تیار ہونے پر نوکر کو بھیجا وغیرہ آخر تک۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظرِ مہر اور نظرِ رحم یہود پر نہ رہی تھی۔ پھر تیسری نشانی اس امر پر کہ سلسلہ موسویہ کا خاتمہ مسیحؑ پر ہو گیا، یہ ہے کہ اُن کا مُلک بھی چھن گیا۔

غرض مسیحؑ کا بن باپ پیدا ہونا بطور ایک نشانِ کتبہ کے تھا۔ اسی خاندان میں سے جو ایک ہی جُز رکھتا تھا اور جس میں آجتک نبی آتے رہے تھے۔ خدا نے ایک اور شاخ پیدا کر دی اور ایک دوسری بنیاد بنی اسماعیل میں سے ڈالی۔ یہود کی حکومت کی تباہی کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ نبوّت اور حکومت خدا نے اس قوم میں رکھ دی تھی، لیکن مسیحؑ کو جبکہ بن باپ پیدا کر کے یہ بتایا کہ تمھاری بداعمالیاں اور شوخیاں نبیوں کی تکذیب اور خدا تعالیٰ کے ماموروں سے عداوت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ اب تم بجائے منعم علیہم ہونے کے مغضوب ہوتے ہو اور نبوّت کے خاندان کے انقطاع کے لیے یہ نشان اُن کو دیا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے مسیحؑ کا کوئی باپ نہ ہوا یعنی اُس کو بن باپ پیدا کر کے بتایا کہ آئندہ نبوّت تم میں سے گئی۔

انتقالِ نبوّت

اور یہ انتقالِ نبوّت چونکہ خدا کے غضب کے سبب سے ہوا تھا۔ اس لیے حکومت جو نبوّت کے ساتھ دُوسرا فضل اس قوم کو ملا ہوا تھا، وہ بھی جاتا رہا۔ میرا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ ایک وُہ سلسلہ تھا جو سلسلہ موسویہ کہلاتا ہے اور جس کی آخری

اینٹ مسیح ابنِ مریمؑ ہے جن کی بن باپ پیدائش نے اس سلسلہ کے خاتمہ کی خبر دی اور خدا نے بنی اسماعیل میں اپنے وعدہ کے موافق ایک اور عظیم الشان سلسلہ موسوی سلسلہ کے ہمرنگ پیدا کیا؛ چنانچہ ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کے بانی ہوئے اور اس طرح پر مثیلِ موسیٰؑ قرار پائے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ایک سلسلہ کے بانی تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک سلسلہ کے بانی قرار پائے اور اس طرح پر بھی کہ جیسے فرعون پر موسیٰ علیہ السلام کو فتح ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آخر میں پوری کامیابی عطا ہوئی اور ابوجہل جو اس امت کا فرعون تھا۔ ہلاک ہوا۔ اور بھی بہت سے وجوہ مماثلت کے ہیں جن کو ہم اس وقت بیان نہیں کرتے۔

اُمتِ محمدیہؐ کا خاتم الخلفاء

کیونکہ اصل مطلب تو یہ بتانا ہے کہ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ کا مثیل ہے۔ پس جس طرح پر حضرت موسیٰ کا سلسلہ حضرت مسیحؑ پر آکر ختم ہوا۔ یہاں بھی ضرور تھا کہ خاتم الخلفا مسیح موعود ہی ہوتا۔ اور جیسے حضرت مسیحؑ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے۔ اسی طرح پر ضرور تھا کہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے والے مسیح موعود کا زمانہ بھی چودھویں صدی ہی ہوتا، تاکہ مشابہت پوری ہو۔ وُہ وقت اور یہ وقت دونوں مِل گئے۔ اور ایسا ہی خدا نے یہ بھی مقرر کر رکھا تھا کہ جیسے یہودی حضرت عیسیٰؑ کے وقت میں بہت ہی بگڑ گئے تھے اور ان کی اخلاقی ایمانی حالتیں مسخ ہوگئی تھیں اور حقیقت باقی نہ رہی تھی۔ ایسے وقت میں انجیل اُن کو حقیقت دکھانے کے لیے آئی تھی اور پاک باطنی اور اخلاقی قانون سے باخبر کرنے آئی تھی جس سے وہ لوگ بالکل بے خبر ہو چکے تھے۔ اسی طرح اس وقت زمانہ کا حال ہو رہا ہے۔ فسق و فجور کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ یورپ کی نمائشی تہذیب نے اخلاق کے تمام اعلیٰ اصولوں پر پانی پھیر دیا ہے اور دہریت کو پھیلا دیا ہے۔ مذہب جس شئے کا نام تھا، اُس کا نام و نشان مِٹ چکا ہے۔ یورپ کی قوموں کا ہی اگر یہ حال ہوتا تب بھی ضرور تھا کہ کوئی روحانی معلم آتا، مگر مسلمانوں کی حالت بھی بگڑ گئی۔ ان کے ایمانیات، اخلاق و عادات میں ایک عظیم زلزلہ آیا ہے۔ وہ اسلام کے صرف نام سے آشنا ہیں۔ اس کی حقیقت اور مغز سے بے خبر ہو رہے ہیں۔ اُن کی عملی اور علمی قوتیں کمزور ہوگئی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر قوموں نے اُن کے مذہب اور ایمان پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ جب ایسی حالت ہوگئی، تو خدا نے اپنے وعدہ کے موافق اور اس مشابہت اور مماثلت کے لحاظ سے جو سلسلہ محمدیہؐ کو سلسلہ موسویہ سے ہے۔ اس چودھویں صدی کے سر پر مجھے مسیح موعودؑ کے نام سے بھیجا۔ قرآن کریم میں خاتم الخلفاء کی پیشگوئی تھی اور یہی ذکر تھا کہ ایک مسیح اس اُمت میں آئے گا۔ اور انجیل میں مسیحؑ نے کہا کہ آخری زمانہ میں مَیں آؤں گا۔ وُہ مَیں ہی ہوں۔ اور اس کا راز خدا نے مجھ پر یہ کھولا

ہے کہ جو لوگ یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی خُو، خصلت اور اخلاق پر ایک اور شخص آتا ہے اور اُس کا آنا گویا اُسی شخص کا آنا ہوتا ہے اور یہ بات بے معنی اور بے سند بھی نہیں ہے۔ خود انجیل نے اس عُقدہ کو حل کیا ہے۔ یہود جو مسیح ابنِ مریمؑ سے پیشتر ایلیا نبی کے آنے کے منتظر تھے اور ملاکی نبی کی کتاب کے وعدہ کے موافق اُن کا حق تھا کہ وہ انتظار کرتے، لیکن چونکہ وُہ ظاہر بین اور الفاظ پرست تھے۔ اس لیے وہ حقیقت سے آشنا نہ ہوتے اور ایلیا ہی کا انتظار کرتے رہے جیسا کہ توریت اور نبیوں کی کتابوں میں لکھا تھا۔ جو وعدہ پر آتا ہے وہی موعود ہو۔ اُن کو یہ غلطی لگی کہ مسیح موعود سے پہلے ایلیا آئے گا۔ ان کی نظر چونکہ موٹی تھی وہ انتظار کرتے رہے کہ ایلیا پہلے آئے۔ چنانچہ ایک بار وُہ مسیحؑ کے پاس گئے اور اُنھوں نے یہ سوال کیا۔ آپ نے یہی جواب دیا کہ ایلیا تو آگیا اور وُہ یہی یُوحنا ہے۔ وُہ یُوحنا کے پاس گئے۔ اس سے پُوچھا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں ایلیا نہیں ہوں۔ چونکہ اُن کے دل پاک نہ تھے، اس لیے اس کو تناقض پر محمول کیا اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ یہ مسیح سچا مسیح نہیں ہے۔ حالانکہ مسیح علیہ السّلام نے جو کچھ کہا وُہ بالکل دُرست تھا اور اس میں کوئی تناقض نہ تھا۔ مسیح علیہ السّلام کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ یُوحنا جس کو مُسلمان لوگ یحییٰ کہتے ہیں۔ ایلیا کی خُو اور طبیعت اور قوّت پر آیا ہے، مگر اُنھوں نے یہ سمجھا کہ مسیح مُحی وہی ایلیا جو ایک بار پہلے آچکا تھا پھر آگیا ہے؛ حالانکہ خدا تعالیٰ کے قانونِ مقررہ کے یہ خلاف ہے۔ اس کا قانون یہی ہے کہ جو لوگ ایک بار اس دُنیا سے اٹھائے جاتے ہیں، پھر وُہ نہیں آتے۔ ہاں خدا تعالیٰ چاہے تو اُن کی خُو اور طبیعت پر کسی دوسرے بندے کو بھیج دیتا ہے اور شدّتِ مناسبت کے لحاظ سے وُہ دونوں دو جُدا جُدا انسان نہیں ہوتے، بلکہ ایک ہی ہوتے ہیں۔

مسیح کا ذاتی فیصلہ

غرض حضرت مسیح نے اپنے آنے سے پیشتر ایلیاہ کے آنے کے وعدہ اور عقدہ کو اس طرح حل کرکے ایک فیصلہ ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے جو خود مسیحؑ نے اپنی عدالت میں اپنی سچائی کے ثبوت میں اپنے سے پہلے ایک نبی کے دوبارہ آنے کے متعلق کیا ہے کہ کسی کے دوبارہ آنے سے مُراد اُس کی خُو اور طبیعت پر آنے والے سے ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ایلیاہ تو یُوں آیا۔ یعنی یُوحنا ہی اُس کی خُو اور طبیعت پر آگیا۔ لیکن مَیں خود ہی آؤں گا۔ اگر اس قسم کی صراحت اُنھوں نے کہیں انجیل میں کی ہے، تو وُہ بتانی چاہیے، مگر ایک بھی ایسا مقام نہیں ہے جہاں اُنھوں نے اپنی آمد اور ایلیاہ کی آمد میں تفریق کی ہو، بلکہ ایلیاہ کے قصّہ کا فیصلہ کرکے اپنی آمدِ ثانی کے مسئلہ کو بھی حل کر دیا۔ پس ایسی صُورت میں ہر ایک طالبِ حق کے لیے ضرور ہے کہ وُہ اس فیصلہ کے بعد چُوں چرا نہ کرے اور کوئی ایسی بحث نہ کرے جس میں وقت ضائع ہو، کیونکہ یہ تو بالکل ایک سیدھی سی بات ہے۔ مثلاً ایک آدمی کہے کہ ہر انسان کی دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں اور وہ دس بیس

انسان کیا ہر آنے والے انسان کو دکھا دے، مگر ایک اور ہو جو کہے کہ نہیں۔ دو نہیں پچاس آنکھیں ہوتی ہیں، لیکن وہ کسی کی پچاس آنکھیں دکھا دے نہیں تو کون صرف اُس کے کہنے ہی پر مان لے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ کی آمدِ ثانی ایلیاہ کے رنگ میں نہیں ہے۔ اُن کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو پچاس آنکھیں بتاتا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ مسیح کی آمدِ ثانی ایلیاہ ہی کے رنگ میں ہے۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میں تناسخ کے مسئلہ کو نہیں مانتا۔ میرا آنا ایلیاہ کے رنگ پر ہے۔ خدا نے مجھے مسیح کے رنگ پر بھیجا ہے اور اصلاحِ اخلاق کے لیے بھیجا ہے۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

نافہم مخالف یہ کہتے ہیں کہ جہاد کے ذریعہ اسلام پھیلایا جاتا ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام کی کامل تعلیم خود اس کی اشاعت کا موجب ہے۔ نفسِ اسلام کے لیے ہرگز کسی تلوار یا بندوق کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام کی گذشتہ لڑائیاں دفاعی لڑائیاں تھیں۔ اُنھوں نے غلطی اور سخت غلطی کھائی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وُہ جبراً مُسلمان بنانے کے واسطے تھیں۔ غرض میرا ایمان ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلایا جاتا، بلکہ اس کی تعلیم جو اپنے ساتھ اعجازی نشان رکھتی ہے خود دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے؛ چنانچہ جن لوگوں نے میری کتابوں کو پڑھا ہے اور میری کارروائی کو دیکھا ہے، وُہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری کارروائی مسیحؑ کے رنگ میں ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاقی قوتوں کی ترتیب کروں۔ چونکہ یہ سارا سلسلہ اور ساری کارروائی مسیحی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے میرا نام مسیح موعُود رکھا۔

مسیح موعود آگیا اور وہ میں ہوں

اب جبکہ میں نے اس حد تک بات کو پہنچایا ہے، تو میں جانتا ہوں کہ مسیحی بھی میرے مخالف ہوں گے، لیکن میں کسی کی مخالفت سے کب ڈر سکتا ہوں، جبکہ خدا نے مجھے مامُور کر کے بھیجا ہے۔ اگر یہ دعویٰ میری اپنی تراشی ہوئی بات ہوتی، تو مجھے ایک ادنیٰ سی مخالفت بھی تھکا کر بٹھا دیتی، مگر یہ میرے اپنے اختیار کی بات نہیں ہے ہر سلیم الفطرت کو جس طرح وہ چاہے سمجھانے کے لیے میں تیار ہوں اور اس کی تسلی کے لیے ہر جائز اور مسنُون راہ میں اختیار کر سکتا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہی وُہ زمانہ ہے جس کے لیے مُسلمان اپنے اعتقاد کے موافق اور عیسائی اپنے خیال پر منتظر تھے۔ یہی وُہ وقت تھا جس کا وعدہ تھا۔ اب آنے والا آگیا۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ خدا تعالیٰ اپنے بھیجے ہوئے لوگوں کی تائید میں زبردست نشان ظاہر کیا کرتا ہے اور دلوں کو منوا دیتا ہے۔ جو کچھ مسیح موعُود کے لیے مقدّر تھا، وُہ ہو گیا۔ اب کوئی مانے نہ مانے، مسیح موعُود آگیا اور وُہ میں ہوں۔"

سوال : اور کیا مشابہت ہے ؟
جواب : تعلیم میں مشابہت ہے۔

مسیح موعود کی رسالت کا نتیجہ

سوال : آپ کی رسالت کا نتیجہ کیا ہوگا ؟
جواب : " خدا تعالیٰ کے ساتھ جو رابطہ کم ہو گیا ہے اور دُنیا کی محبت غالب آ گئی ہے اور پاکیزگی کم ہو گئی ہے، خدا تعالیٰ اس رشتہ کو جو عبودیت اور اُلوہیت کے درمیان ہے پھر مستحکم کرے گا اور گمشدہ پاکیزگی کو پھر لائے گا۔ دُنیا کی محبت سرد ہو جائے گی "

سچے مذہب کی شناخت

سوال : جبکہ مختلف مذاہب ہیں پھر کس طرح پہچانیں کہ سچا مذہب خدا کی طرف سے کون ہے ؟
جواب : " یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ دُنیا میں ہر کھوٹے اور کھرے کے درمیان ایک امتیاز ہے۔ رات اور دن میں صریح فرق ہے۔ پھر سچا مذہب بھی کبھی مخفی رہ سکتا ہے ؟ خدا پاک ہے اور وہ محبت، رحمت کرنے والا ہے اور وُہ نفسانی اُمور جو گناہ کے کام ہیں۔ بدکاری، تعصب، تکبر اور تمام گناہ جو دل میں جمع ہوتے ہیں، پھر آنکھوں کے ذریعہ یا اور ذریعوں سے صدُور پاتے ہیں۔ اُن سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر یہ کیونکر مشکل ہو سکتا ہے کہ انسان یہ تمیز نہ کر سکے کہ خدا انسانوں کو پاک بنانا چاہتا ہے اور وُہ اُن سے گناہ کے صدُور کو پسند نہیں کرتا۔ پس جس مذہب کی تعلیم عملی طور پر ایسی فطرت عطا کرتی ہو کہ انسان خدا سے ڈر کر اس کی صفات کے نیچے رہ کر پاکیزگی اور محبت میں ترقی کرے اور گناہ سے بچے، وہی مذہب خدا کی طرف سے ہوگا۔ خدائی مذہب کے ساتھ اُس کی صداقت کے زندہ نشان ہوتے ہیں، جو ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں "

مسیحؑ کا واقعہ صلیب

سوال : آپ کا خیال مسیحؑ کی صلیب کی نسبت کیا ہے ؟
جواب : مَیں اس کو نہیں مانتا کہ وہ صلیب پر مرے ہوں بلکہ میری تحقیقات سے یہی ثابت ہوا ہے کہ وُہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے اور خود مسیح علیہ السلام بھی میری رائے سے متفق ہیں۔ حضرت مسیحؑ کا بڑا معجزہ یہی تھا کہ وُہ صلیب پر نہیں مریں گے، کیونکہ یونسؑ نبی کے نشان کا اُنھوں نے وعدہ کیا تھا۔ اب اگر یہ مان

لیا جائے جیسا کہ عیسائیوں نے غلطی سے مان رکھا ہے کہ وُہ صلیب پر مر گئے تھے تو پھر یہ نشان کہاں گیا اور یونسؑ نبی کے ساتھ مماثلت کیسی ہوئی؟ یہ کہنا کہ وُہ قبر میں داخل ہو کر تین دن کے بعد زندہ ہوئے۔ بہت بے ہودہ بات ہے۔ اس لیے کہ یونسؑ تو مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوئے تھے، نہ مر کر۔ یہ نبی کی بے ادبی ہے۔ اگر ہم اس کی تاویل کرنے لگیں۔ اصل بات یہی ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ ہر ایک سلیم الفطرت انسان کو واجب ہے کہ جو کچھ مسیحؑ نے صاف لفظوں میں کہا اس کو محکم طور پر پکڑیں۔ حضرت عیسیٰؑ پر ایک غشی کی حالت تھی۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اور اسباب اور واقعات بھی اس قسم کے پیش آ گئے تھے کہ وہ صلیب کی موت سے بچ جائیں؛ چنانچہ سبت کے شروع ہونے کا خیال۔ حاکم کا مسیح کے خون سے ہاتھ دھونا۔ اس کی بیوی کا خواب دیکھنا وغیرہ۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو سمجھا دیا ہے اور ایک بہت بڑا ذخیرہ دلائل و براہین کا دیا ہے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہرگز ہرگز صلیب پر نہیں مرے۔ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔ غشی کی حالت بجائے خود موت ہوتی ہے۔ دیکھو سکتہ کی حالت میں نہ نبض رہتی ہے نہ دل کا مقام حرکت کرتا ہے۔ بالکل مُردہ ہی ہوتا ہے، مگر پھر وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ مسیح کے نہ مرنے کے دو بڑے زبردست گواہ ہیں۔ اوّل تو یہ ہے کہ یہ ایک نشان اور معجزہ تھا۔ ہم نہیں چاہتے کہ اس کی کسرِ شان کی جائے اور وہ آدمی سخت حقارت اور نفرت کے لائق ہے جو اللہ تعالیٰ کے نشانات کو حقیر سمجھ لیتا ہے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ وہ صلیب پر مرے ہیں بلکہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے اور پھر اپنی طبعی موت سے مرنے کی تصدیق فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اگر انجیل کی ساری باتوں کو جو اس واقعہ صلیب کے متعلق ہیں بیجائی نظر سے دیکھیں، تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مسیح صلیب پر مرے ہوں۔ حواریوں کو ملنا، زخم دکھانا، کباب کھانا، سفر کرنا۔ یہ سب اُمور ہیں جو اس بات کی نفی کرتے ہیں؛ اگرچہ خوش اعتقادی سے ان واقعات کی کچھ بھی تاویل کیوں نہ کی جاوے، لیکن ایک منصف مزاج کہہ اُٹھے گا کہ زخم لگے رہے اور کھانے کے محتاج رہے یہ زندہ آدمی کے واقعات ہیں۔ یہ واقعات اور صلیب کے بعد کے دُوسرے واقعات گواہی دیتے ہیں اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ دو تین گھنٹہ سے زیادہ صلیب پر نہیں رہے اور وُہ صلیب اس قسم کی نہ تھی جیسے آج کل کی پھانسی ہوتی ہے جس پر لٹکاتے ہی دو تین منٹ کے اندر ہی کام تمام ہو جاتا ہے، بلکہ اس میں تو کیل وغیرہ ٹھونک دیا کرتے تھے۔ اور کئی دن زندہ رہ کر انسان بھوکا پیاسا مر جاتا تھا۔ مسیح کے لیے اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ وُہ صرف دو تین گھنٹہ کے اندر ہی صلیب سے اُتار لیے گئے۔ یہ تو وہ واقعات ہیں جو انجیل میں موجود ہیں۔ جو مسیحؑ کے صلیب پر نہ مرنے کے بیّنہ برحق

گواہ ہیں پھر ایک اور بڑی شہادت ہے جو اس کی تائید میں ہے۔ وُہ مرہم عیسیٰ ہے۔ جو طب کی ہزاروں کتابوں میں برابر درج ہے اور اس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ یہ مرہم عیسیٰ کے زخموں کے واسطے حواریوں نے تیار کی تھی۔ یہودیوں، عیسائیوں کی طبی کتابوں میں اس مرہم کا ذکر موجود ہے۔ پھر یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک اور امر پیدا ہو گیا ہے جس نے قطعی طور سے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح کا صلیب پر مرنا بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ وہ ہرگز ہرگز صلیب پر نہیں مرے اور وُہ ہے مسیح کی قبر۔

مسیح کی قبر

"مسیح کی قبر سری نگر خانیار کے محلہ میں ثابت ہو گئی ہے اور یہ وہ بات ہے جو دُنیا کو ایک زلزلہ میں ڈال دے گی، کیونکہ اگر مسیح صلیب پر مرے تھے، تو یہ قبر کہاں سے آگئی؟"

سوال: آپ نے خود دیکھا ہے؟

جواب: "میں خود وہاں نہیں گیا، لیکن میں نے اپنا ایک مخلص ثقہ مرید وہاں بھیجا تھا۔ وہ وہاں ایک عرصہ تک رہا اور اس کے متعلق پوری تحقیقات کر کے پانسو معتبر آدمیوں کے دستخط کرائے جنھوں نے اس قبر کی تصدیق کی۔ وہ لوگ اس کو شہزادہ نبی کہتے ہیں اور عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ آج سے گیارہ سو سال پہلے اکمال الدین نام ایک کتاب چھپی ہے وہ بعینہٖ انجیل ہے۔ وُہ کتاب یُوز آسف کی طرف منسوب ہے اُس نے اس کا نام بُشریٰ یعنی انجیل رکھا ہے۔ یہی تمثیلیں، یہی قصے، یہی اخلاقی باتیں جو انجیل میں ہیں پائی جاتی ہیں اور بسا اوقات عبارتوں کی عبارتیں انجیل سے ملتی ہیں۔ اب یہ ثابت شدہ بات ہے کہ وہ یُوز آسف کی قبر ہے۔

یُوز آسف

یُوز آسف وہی ہے، جس کو یسُوع کہتے ہیں۔ اور آسف کے معنی ہیں پراگندہ جماعتوں کو جمع کرنے والا۔ چونکہ مسیح علیہ السّلام کا کام بھی بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنا تھا اور اہلِ کشمیر بہ اتفاقِ اہلِ تحقیق بنی اسرائیل ہی ہیں۔ اس لیے اُن کا یہاں آنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ خود یُوز آسف کا قصّہ یورپ میں مشہور رہے، بلکہ یہاں تک کہ اٹلی میں اس نام پر ایک گرجا بھی بنایا گیا ہے اور ہر سال وہاں ایک میلہ بھی ہوتا ہے۔ اب اس قدر صَرف کثیر سے ایک مذہبی عمارت کا بنانا اور پھر ہر سال اس پر ایک میلہ کرنا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سرسری نگاہ سے دیکھی جائے۔ وُہ کہتے ہیں کہ یُوز آسف مسیح کا حواری تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات سچی نہیں ہے۔ یُوز آسف خود ہی مسیح تھا۔ اگر وہ حواری ہے تو یہ تمہارا فرض ہے کہ تم ثابت کرو کہ مسیح کے کسی حواری کا نام شہزادہ نبی تھا۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو صلیب کے واقعہ کا سارا پردہ ان سے کھل جاتا ہے۔ ہاں اگر مسیحی اس بات کے قائل نہ ہوتے، تو البتہ بحث بند ہو جاتی، لیکن جبکہ انھوں نے قبول کر لیا ہے کہ یُوز آسف ایک شخص ہوا

ہے اور اس کی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے اور اس نے بھی اپنی کتاب کا نام انجیل ہی رکھ لیا ہے اور جس طرح پر شہزادہ نبی مسیح کا نام ہے اس کو بھی شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اب غور کرنے کے قابل بات ہے کہ اگر یہ خود مسیح ہی نہیں تو اور کون ہے؟

خدا کے لیے سوچو۔ جو شخص دُنیا سے دل نہیں لگاتا اور سچائی سے پیار کرتا ہے اس کو تو ماننے میں ذرا بھی عُذر نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب مان لیا کہ یُوز آسف واقعی ایک شخص تھا جس کا مسیح سے تعلق تھا اور پھر اٹلی میں اُس کا گرجا بھی بنا دیا اور ہر سال وہاں میلہ بھی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی اقرار کر لیا کہ اس کی تعلیم انجیل ہی کی تعلیم ہے پھر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ وُہ خود مسیح نہیں ہے؟ یہ چار باتیں جب تسلیم کر لیں، تو مَیں ایک جزئے کر آپ ہی سے پُوچھتا ہوں کہ آپ جو کہتے ہیں کہ وہ حواری تھا۔ ثابت کر کے دکھاؤ کہ یُوز آسف کسی حواری کا بھی نام تھا۔ اور یُوز آسف تو یسوع سے بگڑا ہوا ہے۔ اب ایک ہی بات سے فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر یہ ثابت کر کے دکھایا جاوے کہ مسیحؑ کے کسی حواری کا نام یُوز آسف، شہزادہ نبی اور عیسیٰ صاحب ہے تو بے شک یہ قبر کسی حواری کی قبر ہوگی۔ اگر یہ ثابت نہ ہوا اور ہرگز ہرگز ثابت نہ ہوگا، تو پھر میری بات کو مان لو کہ اس قبر میں خود حضرت مسیحؑ ہی سوتے ہیں۔

مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ بُردباری کے ساتھ سنتے ہیں۔ جو بُردباری سے سُنتا ہے وہ تحقیق کر سکتا ہے جس قدر باتیں آپ نے سُنی ہیں، دُوسرے کم سنتے ہیں۔ آپ خدا کے لیے غور کریں کہ جس حالت میں یہ قصہ مشترک ہو گیا ہے کہ وہ حواریوں میں سے تھا۔ بہرحال تعلق تو مانا گیا اور پھر گرجا بنا دیا اور ہر سال میلہ ہونے لگا، تو اب آپ بتائیں کہ یہ ثبوت کس کے ذمہ ہے؟ اگر مسیحی تعلق نہ مان لیتے تو بارِ ثبوت بیشک میرے ذمے ہوتا۔ لیکن جب آپ لوگوں نے خود اس کو مان لیا ہے، تو مَیں آپ سے ثبوت مانگتا ہوں کہ کسی ایسے حواری کا پتہ دیں جو شاہزادہ نبی کہلایا ہو۔"

پادری صاحب: ہم آپ کی مہربانی اور خاطر داری کے لیے بہت مشکور ہیں۔

حضرت اقدسؑ: "یہ تو ہمارا فرضِ منصبی ہے۔ جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے۔ اس کو کرنا ضروری ہے۔"

[حضرت اقدس حجۃ اللہ کی یہ تقریر سُنکر مسٹر فضل نے (جو غالباً لاہور کی بک سوسائٹی میں ملازم ہیں اپنی قابلیت کے اظہار کے لیے زبان کھولی، لیکن اس سے بہتر ہوتا کہ وہ خاموش رہتے اور ان کی دانش اور غور طلب طبیعت کا راز نہ کھُلتا۔ حضرت اقدسؑ نے اس قدر طول طویل تقریر یُوز آسف کے متعلق فرمائی اور اُس کو تاریخی شہادتوں کے ساتھ موکد فرمایا۔ مگر مسٹر فضل کے سوال

پر نگاہ کی جائے کہ آپ کیا فرماتے ہیں]

مسٹر فضل : قبر کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت ملا ہے؟

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "گیارہ سو برس کی کتاب موجود ہے۔ خود عیسائیوں میں اس کا گرجا موجود ہے۔ وہاں میلہ ہوتا ہے اور ابھی آپ تاریخی ثبوت ہی پوچھتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہ تاریخی ثبوت نہیں تو کیا ہے؟ اور یہ بھی فرمایا کہ :

تم لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ صرف دھوکا دینا چاہتے ہو۔ مَیں ہر انسان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ پاک دل بنے۔ ریاکاری اور تعصب سے اپنے دل کو صاف کرے اور جہاں سے صداقت اور حکمت کی بات ملے، اُس کو نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کرے۔ مَیں ہر وقت سُننے کو تیار ہوں۔ اگر آپ صفائی سے جواب دیں کہ مسیح کے اس حواری کو اس وجہ سے شہزادہ نبی کہتے ہیں۔ اور اگر آپ کوئی جواب نہ دیں اور جواب ہے بھی نہیں اور صرف اعتقادی طور پر بتائیں کہ ہم ایسا مانتے ہیں، تو یہ ایسی بات ہے جیسے کسی ہندو سے پوچھیں کہ تم جو کہتے ہو کہ گنگا مہادیو کی جٹوں سے نکلتی ہے یا اس میں سَت ہے اور اس کے جواب میں صرف یہی کہے کہ مَیں اس کے دلائل تو نہیں دے سکتا، مگر ضرور مانتا ہوں کہ اس میں سَت ہے، تو یہ معقول بات نہ ہوگی۔ غرض مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں نے نہ اعتقاد کے طور پر بلکہ تحقیقات سے ثابت کر لیا ہے کہ یہ قبر واقعی حضرت مسیحؑ ہی کی قبر ہے۔ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں، تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ جرمنی میں ایسے مسیحی بھی ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر نہیں مرے۔ یہ بات بہت صاف ہے اور غور کرنے کے بعد اس میں کوئی شُبہ نہیں رہتا۔

انسان کا فرض

سوال : آپ کی سمجھ میں عیسائیوں کا فرض کیا ہے؟

جواب : ہر ایک انسان کا فرض یہ ہونا چاہیے کہ حق کی تلاش کرے اور حق جہاں اُسے ملے اس کو فوراً لے لے، عیسائیوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱ صفحہ ۱ تا ۴ پرچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۱ء
الحکم " ۵ " ۱۸ " ۱ تا ۴ " ۱۷ مئی ۱۹۰۱ء
الحکم " ۵ " ۱۹ " ۱ تا ۳ " ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء

اس کے بعد پادریوں نے مکرر حضرت اقدس کا شکریہ ادا کیا اور پھر کتب خانہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دفتر اخبار الحکم سے کچھ کتابیں لیں اور واپس چلے گئے۔

دو الہامات

۱۸ اپریل ۱۹۰۱ء کو آپ نے ایک الہام سُنایا تھا۔

سالِ دیگر را کہ مے داند حساب ✤ تا کجا رفت آنکہ با ما بود یار

۹ مئی ۱۹۰۱ء کو آپ نے یہ الہام سُنایا:

"آج سے یہ شرف دکھائیں گے ہم"

تفسیر نویسی

اس بات کا ذکر آیا کہ آج کل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس پر فرمایا:

"تفسیرِ قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے۔ مبارک اور سچا دخل اس کا ہے جو روح القدس سے مدد لے کر دخل دے، ورنہ علوم مروّجہ کا لکھنا دُنیا داروں کی چالاکیاں ہیں۔"

قبر کی پختگی کا مسئلہ

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میرا بھائی فوت ہو گیا ہے۔ مَیں اس کی قبر پکّی بناؤں یا نہ بناؤں؟

فرمایا: "اگر نمود اور دکھلاوے کے واسطے پکّی قبریں اور نقش و نگار اور گنبد بنائے جائیں، تو یہ حرام ہے۔ لیکن اگر خشتِ مُلّا کی طرح یہ کہا جائے کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچّی ہی اینٹ لگائی جائے تو یہ بھی حرام ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ عمل نیت پر موقوف ہے۔ ہمارے نزدیک بعض وجُوہ میں پکّی کرنا دُرست ہے۔ مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے۔ بعض جگہ قبریں سے میّت کو کتّے اور بجّو وغیرہ نکال لے جاتے ہیں۔ مُردے کے لیے بھی ایک عزّت ہوتی ہے۔ اگر ایسے وجُوہ پیش آجائیں تو اس حد تک کہ نمود اور شان نہ ہو بلکہ صدمہ سے بچانے کے واسطے قبر کا پکّا کرنا جائز ہے اللہ اور رسُول نے مومن کی لاش کے واسطے بھی عزّت رکھی ہے۔ ورنہ عزّت ضروری نہیں تو غسل دینے، کفن دینے، خوشبُو لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجُوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دو۔ مومن اپنے لیے ذلّت نہیں چاہتا۔ حفاظت ضروری ہے۔ جب تک نیّت

صحیح ہے۔ خدا تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرتا۔ دیکھو مصلحتِ الٰہی نے یہی چاہا کہ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا پختہ گنبد ہو اور کئی بزرگوں کے مقبرے پختہ ہیں۔ مثلاً نظام الدین، فرید الدین، قطب الدین، معین الدین رحمۃ اللہ علیہم یہ سب صُلحاء تھے۔

رسُومات ایک شخص کا تحریری سوال پیش ہوا کہ محرم کے دنوں امامین کی رُوح کو ثواب دینے کے واسطے روٹیاں وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:

"عام طور پر یہ بات ہے کہ طعام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، لیکن اُس کے ساتھ شرک کی رسُومات نہیں چاہئیں۔ رافضیوں کی طرح رسُومات کا کرنا ناجائز ہے۔"

بیعت کی حقیقت ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر آپ کو ہر طرح سے بزرگ مانا جائے اور آپ کے ساتھ صدق اور اخلاص ہو، مگر آپ کی بیعت میں انسان شامل نہ ہووے، تو اس میں کیا حرج ہے؟

فرمایا: "بیعت کے معنے ہیں اپنے تئیں بیچ دینا اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے جبکہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے، تو وہ بیعت کے لیے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے اور جبتک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے، تو انسان سمجھ لے کہ ابھی اس کے صدق اور اخلاص میں کمی ہے۔"

کشوف والہامات میں شیطان کا دخل اس بات کا ذکر آیا کہ لاہوری علماء نے الٰہی بخش ملہم سے یہ سوال کیا ہے کہ آیا تمہارا الہام تلبیسِ ابلیس سے معصوم ہے یا نہیں۔ جس کے جواب میں الٰہی بخش نے کہا کہ میرا الہام دخلِ شیطان سے پاک نہیں۔ اس پر حضرتِ اقدس امامِ معصومؑ نے فرمایا:

"یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس میں کیا سِرّ ہے اور کسی کا الہام یا کشف شیطان کے دخل سے کہاں تک پاک ہوتا ہے۔ انسان کے اندر دو قسم کے گناہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن سے انسان خدا کی نافرمانی دیدہ دانستہ کرتا ہے اور بے باکی سے گناہ کرتا ہے۔ ایسے لوگ مجرم کہلاتے ہیں۔ یعنی خدا سے ان کا بالکل قطع تعلق ہو جاتا ہے اور وہ شیطان کے ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ جو ہر چند بدی سے بچتے ہیں، مگر بعض دفعہ بسبب کمزوری کے کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ سو جس قدر انسان گناہوں کو چھوڑتا اور خدا کی طرف آتا ہے،

اسی قدر اس کے خواب اور کشف دخلِ شیطانی سے پاک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اُن تمام دروازوں کو بند کر دیتا ہے جو شیطان کے اندر آنے کے ہیں۔ تب اس میں سوائے خدا کے اور کچھ نہیں آتا۔ جب تم سُنو کہ کسی کو الہام ہوتا ہے، تو پہلے اُس کے الہامات کی طرف مت جاؤ۔ الہام کچھ شے نہیں، جب تک کہ انسان اپنے تئیں شیطان کے دخل سے پاک نہ کرے اور بے جا تعصبوں اور کینوں اور حسدوں سے اور ہر ایک خدا کو ناراض کرنے والی بات سے اپنے آپ کو صاف نہ کرے۔ دیکھو۔ اِس کی مثال ایسی ہے کہ ایک حوض ہے اور اس میں بہت سی نالیاں پانی کی گرتی ہیں۔ پھر ان نالیوں میں سے ایک کا پانی گندہ ہے تو کیا وہ سارے پانی کو گندہ نہ کر دے گا۔ یہی راز ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا گیا مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم: ۴، ۵) ہاں انسان کو ان کمزوریوں کے دُور کرنے کے واسطے استغفار بہت پڑھنا چاہیے۔ گناہ کے عذاب سے بچنے کیلئے استغفار ایسا ہے جیسا کہ ایک قیدی جُرمانہ دے کر اپنے تئیں قید سے آزاد کرا لیتا ہے۔ مگر استغفار سے خدا اس کو نیچے دبا دیتا ہے[1]۔"

---

۱۷ مئی ۱۹۰۱ء

بیعت لینے کا حکم

سوال ہوا۔ کیا آپ دُوسرے صُوفیا اور مشائخ کی طرح عام طور پر بیعت لیتے ہیں یا بیعت لینے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ فرمایا:

ہم تو امرِ الٰہی سے بیعت کرتے ہیں جیسا کہ ہم اشتہار میں بھی یہ الہام لکھ چکے ہیں کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ - (الفتح: ۱۱)

گناہ سے بچنے کا طریق

فرمایا: جذبات اور گناہ سے چھوٹ جانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا چاہیے۔ جب سب سے زیادہ خدا کی عظمت اور جبروت دل میں بیٹھ جائے، تو گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کے خوف دلانے سے بسا اوقات لوگوں کے دلوں پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ وُہ مر جاتے ہیں۔ تو پھر خوفِ الٰہی کا اثر کیونکر نہ ہو۔ چاہیے کہ اپنی عمر کا حساب کرتے رہیں۔ ان دوستوں اور رشتہ داروں کو یاد کریں جو انہیں میں سے نکل کر چلے گئے۔ لوگوں کی صحت کے ایام یونہی

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۲-۱۳ پرچہ ۱۷ مئی ۱۹۰۱ء

غفلت میں گزر جاتے ہیں۔ ایسی کوشش کرنی چاہیے کہ خوفِ الٰہی دل پر غالب رہے۔ جب تک انسان طُولِ اَمَل کو چھوڑ کر اپنے پر موت وارد نہ کرلے۔ تب تک اُس سے غفلت دُور نہیں ہوتی۔ چاہیے کہ انسان دُعا کرتا رہے یہاں تک کہ خدا اپنے فضل سے نُور نازل کر دے۔ جو یندہ یابندہ"

وفاتِ مسیح پر ایک لطیف استدلال

فرمایا: "حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب مسیحؑ آوے، اس کو میرا سلام کہنا۔ اس حدیث کے مطلب میں غور کرنا چاہیے۔ اگر مسیح علیہ السّلام زندہ آسمان پر موجود تھے تو خود حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی ملاقات معراج میں کی تھی اور نیز حضرت جبرئیلؑ ہر روز وہاں سے آتے تھے۔ کیوں نہ اُن کے ذریعہ سے اپنا سلام پہنچایا اور پھر حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی بعد از وفات آسمان پر گئے تھے اور وہاں ہی حضرت مسیحؑ بھی ہیں اور حضرت مسیحؑ کو تو خود رسول کریمؐ کے پاس سے ہو کر زمین پر اُترنا تھا۔ تو پھر اس کے کیا معنے ہوئے کہ زمین والے ان کو آنحضرتؐ کا سلام پہنچائیں۔ کیا اس صورت میں حضرت عیسیٰؑ اُن کو یہ جواب نہ دیں گے کہ میں تو خود ان کے پاس سے آتا ہوں تو تم یہ سلام کیسا دیتے ہو؟ یہ تو مثال ہوئی کہ گھر سے میں آؤں اور خبر بس تم دو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ کریمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کا یہی عقیدہ اور مذہب تھا کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے ہیں اور دُنیا میں واپس نہیں آسکتے اور آنے والا مسیح اسی اُمّت میں سے بُروزی رنگ میں ہوگا"

سچی لذّت اللہ تعالیٰ کی محبّت میں ہے

سوال ہوا کہ فواحشات کی طرف لوگ جلد جُھک جاتے ہیں اور اُن سے لذّت اُٹھاتے ہیں جن سے خیال ہو سکتا ہے کہ اُن میں بھی ایک تاثیر ہے۔ فرمایا:

"بعض اشیاء میں نہاں در نہاں ایک ظلِّ اصلی شئے کا آجاتا ہے۔ وُہ شئے طفیلی طور پر کچھ حاصل کر لیتی ہے۔ مثلاً راگ اور خوش الحانی، لیکن دراصل سچّی لذّت اللہ تعالیٰ کی محبّت کے سوا اور کسی شے میں نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دوسری چیزوں سے محبت کرنے والے آخر اپنی حالت سے توبہ کرتے اور گھبراتے اور اضطراب دکھاتے ہیں۔ مثلاً ہر ایک فاسق اور بدکار سزا کے وقت اور پھانسی کے وقت اپنے فعل سے پشیمانی ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے محبّت کرنے والوں کو ایسی استقامت عطا ہوتی ہے کہ وہ ہزار ایذائیں دیئے جائیں، مارے جائیں، قتل کیے جائیں، وہ ذرّہ جنبش نہیں کھاتے۔ اگر وُہ شے جو اُنھوں نے حاصل کی ہے

اصل نہ ہوتی اور فطرتِ انسانی کے ٹھیک مناسب نہ ہوتی، تو کروڑوں موتوں کے سامنے ایسے استقلال کے ساتھ وہ اپنی بات پر قائم نہ رہ سکتے۔

یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے اور فطرتِ انسانی کے نہایت قریب یہی بات ہے جو ان لوگوں نے اختیار کی ہے اور کم از کم بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں نے اپنے سوانح سے اس بات کی صداقت پر مُہر لگا دی ہے۔"

دُنیا کے قید خانہ ہونے کی حقیقت

فرمایا: "آئندہ زندگی میں مومن کے واسطے بڑی تجلّی کے ساتھ ایک بہشت ہے، لیکن اس دُنیا میں بھی اس کو ایک مخفی جنت ملتی ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ دُنیا مومن کے لیے سجن یعنی قید خانہ ہے۔ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ ابتدائی حالت میں جبکہ ایک انسان اپنے آپ کو شریعت کی حدُود کے اندر ڈال دیتا ہے اور وہ اچھی طرح اس کا عادی نہیں ہوتا، تو وہ وقت اس کے لیے تکلیف کا ہوتا ہے، کیونکہ وہ لامذہبی کی بے قیدی سے نکل کر نفس کے خلاف اپنے آپ کو احکامِ الٰہی کی قید میں ڈال دیتا ہے، مگر رفتہ رفتہ وہ اس سے ایسا اُنس پکڑتا ہے کہ وہی مقام اس کے لیے بہشت ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو قید خانہ میں کسی پر عاشق ہو گیا ہو۔ پس کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ قید خانہ سے نکلنا پسند کرے گا۔"

اپنی زبان میں دُعا

سوال ہوا کہ آیا نماز میں اپنی زبان میں دُعا مانگنا جائز ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"سب زبانیں خدا نے بنائی ہیں۔ چاہیے کہ اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ نماز کے اندر دُعائیں مانگے، کیونکہ اُس کا اثر دل پر پڑتا ہے تاکہ عاجزی اور خشوع پیدا ہو۔ کلامِ الٰہی کو ضرور عربی میں پڑھو اور اس کے معنی یاد رکھو اور دُعا بیشک اپنی زبان میں مانگو۔ جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں کرتے ہیں۔ وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ دُعا کا وقت نماز ہے۔ نماز میں بہت دعائیں مانگو۔"

---

۱۸ مئی ۱۹۰۱ء

ظالم حاکم

فرمایا: "اگر حاکم ظالم ہو تو اُس کو بُرا نہ کہتے پھرو، بلکہ اپنی حالت میں اصلاح کرو۔ خدا اس کو بدل دے گا یا اسی کو نیک کر دے گا، جو تکلیف آتی ہے وہ اپنی ہی بدعملیوں کے

سبب آتی ہے، ورنہ مومن کے ساتھ خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ مومن کے لیے خدا تعالیٰ آپ سامان مہیا کر دیتا ہے۔ میری نصیحت یہی ہے کہ ہر طرح سے تم نیکی کا نمونہ بنو۔ خدا کے حقوق بھی تلف نہ کرو اور بندوں کے حقوق بھی تلف نہ کرو۔"

۲۰ر مئی ۱۹۰۱ء

ضرورت سے زیادہ مساجد کی تعمیر

کہیں سے خط آیا کہ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں اور تبرکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

"ہم تو دے سکتے ہیں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں، مگر جبکہ خود ہمارے ہاں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں۔ جن کے مقابل میں اس قسم کے خرچوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے۔ تو ہم کس طرح شامل ہوں۔ یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجدِ اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ اس کے واسطے روپیہ بھیج کر ثواب میں شامل ہوں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے نہ وہ جو کہ اپنی بات کو مقدم رکھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس ایک شخص آیا کہ ہم ایک مسجد بنانے لگے ہیں۔ آپ بھی اس میں کچھ چندہ دیں۔ اُنھوں نے عُذر کیا کہ مَیں اس میں کچھ دے نہیں سکتا، حالانکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ دے دیتے۔ اس شخص نے کہا کہ ہم آپ سے بہت نہیں مانگتے صرف تبرکاً کچھ دے دیجئے۔ آخر اُنھوں نے ایک دونی کے قریب سکہ دیا۔ شام کے وقت وہ شخص دونی لے کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت یہ تو کھوٹی نکلی ہے۔ وُہ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا۔ خوب ہوا۔ دراصل میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ مَیں کچھ دُوں۔ مسجدیں بہت ہیں اور مجھے اس میں اسراف معلوم ہوتا ہے۔"[1]

۳ر جون ۱۹۰۱ء

رضائے الٰہی کے حصول کا طریق

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی تعریف میں جو فرمایا ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۱۹ صفحہ ۸ تا ۹ پرچہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۱ء

خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: ۲۲) اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ:

"ایک تو اس کے یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وُہ اترتا، تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور دُوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص محبتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اوّل تکبّر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیے کہ تمام تکبّر اور بڑائی کے خیالات کو دُور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دُوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر متصدّعاً ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جُدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی اس کے پہلے تعلقات جو موجبِ گندگی اور الٰہی ناراضمندی تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں اور اب اُس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے رہ جائیں۔"

آنحضرتؐ کی طرف سے مسیح موعود کو سلام

فرمایا: حضرت رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح موعُود کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا ہے اس میں ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ باوجُود لوگوں کی سخت مخالفتوں کے اور ان کے طرح طرح کے بداور جانستان منصُوبوں کے وہ سلامتی میں رہے گا اور کامیاب ہوگا۔ ہم کبھی اس بات پر یقین اور اعتقاد نہیں کر سکتے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی طور سے سلام فرمایا۔ آنحضرتؐ کے لفظ لفظ میں معارف و اسرار ہیں۔[1]"

تقویٰ کی حقیقت

فرمایا: "تقویٰ والے پر خدا کی ایک تجلّی ہوتی ہے وہ خدا کے سایہ میں ہوتا ہے، مگر چاہیئے کہ تقویٰ خالص ہو اور اس میں شیطان کا کچھ حصّہ نہ ہو ورنہ شرک خدا کو پسند نہیں اور اگر کچھ حصّہ شیطان کا ہو تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ سب شیطان کا ہے۔ خدا کے پیاروں کو جو دُکھ آتا ہے وہ مصلحتِ الٰہی سے آتا ہے؛ ورنہ ساری دُنیا اکٹھی ہو جائے، تو ان کو ایک ذرّہ بھر تکلیف نہیں دے سکتی؛ چونکہ وہ دُنیا میں نمونہ قائم کرنے کے واسطے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں تکالیف اُٹھانے کا نمونہ بھی وہ لوگوں کو دکھائیں؛ ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس سے بڑھ کر تردّد نہیں

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۱ صفحہ ۹ پرچہ ۱۰ر جون ۱۹۰۱ء

ہوتا کہ اپنے ولی کی قبضِ رُوح کروں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اُس کے ولی کو کوئی تکلیف آوے، مگر ضرورت اور مصالح کے واسطے وہ دُکھ دیئے جاتے ہیں اور اس میں خود ان کے لیے نیکی ہے، کیونکہ اُن کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کے لیے تکلیف اس قسم کی نہیں ہوتی۔ جیسی کہ یہود کو لعنت اور ذلت ہو رہی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اُس کی نارضگی کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ انبیاء شجاعت کا ایک نمونہ قائم کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اسلام کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی۔ مگر دیکھو۔ جنگِ حنین میں حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے۔ اس میں یہی بھید تھا کہ آنحضرتؐ کی شجاعت ظاہر ہو جبکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کے مقابلہ میں اکیلے کھڑے ہو گئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوں۔ ایسا نمونہ دکھانے کا کسی نبی کو موقعہ نہیں ملا۔ ہم اپنی جماعت کو کہتے ہیں کہ صرف اپنے پر وہ مغرور نہ ہو جائے کہ ہم نماز روزہ کرتے ہیں یا موٹے موٹے جرائم مثلاً زنا، چوری وغیرہ نہیں کرتے۔ ان خوبیوں میں تو اکثر غیر فرقہ کے لوگ مُشرک وغیرہ تمہارے ساتھ شامل ہیں۔

تقویٰ کا مضمون باریک ہے۔ اس کو حاصل کرو۔ خدا کی عظمت دل میں بٹھاؤ۔ جس کے اعمال میں کچھ بھی یا کمزوری ہو خدا اس کے عمل کو واپس اُلٹا اُس کے مُنہ پر مارتا ہے۔ متقی ہونا مشکل ہے۔ مثلاً اگر کوئی تجھے کہے کہ تُو نے قلم چرایا ہے تو تُو کیوں غصہ کرتا ہے۔ تیرا پرہیز تو محض خدا کے لیے ہے۔ یہ طیش اس واسطے ہوا کہ روبحق نہ تھا۔ جبتک واقعی طور پر انسان پر بہت سی موتیں نہ آجائیں وہ متقی نہیں بنتا۔ معجزات اور الہامات بھی تقویٰ کی فرع ہیں۔ اصل تقویٰ ہے۔ اس واسطے تم الہامات اور رویاء کے پیچھے نہ پڑو، بلکہ حصُولِ تقویٰ کے پیچھے لگو۔ جو متقی ہے، اُسی کے الہامات بھی صحیح ہیں اور اگر تقویٰ نہیں، تو الہامات بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ اُن میں شیطان کا حصّہ ہو سکتا ہے۔ کبھی کے تقویٰ کو اس کے مُلہم ہونے سے نہ پہچانو، بلکہ اس کے الہاموں کو اس کی حالتِ تقویٰ سے جانچو اور اندازہ کرو۔ سب طرف سے آنکھیں بند کر کے پہلے تقویٰ کے منازل کو طے کرو۔ انبیاء کے نمونہ کو قائم رکھو۔ جتنے نبی آئے، سب کا مدعا یہی تھا کہ تقویٰ کی راہ سکھلائیں۔ اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال: ۳۵) مگر قرآن شریف نے تقویٰ کی باریک راہوں کو سکھلایا ہے۔ کمال نبی کا کمالِ امّت کو چاہتا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ تھے، صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے آنحضرتؐ پر کمالاتِ نبوت ختم ہوتے۔ کمالاتِ نبوت ختم ہونیکے ساتھ ہی ختمِ نبوت ہوا۔ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہے اور معجزات دیکھنا چاہے اور خوارق عادت دیکھنا منظور ہو تو اُس کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی بھی خارقِ عادت بنالے۔ دیکھو امتحان دینے والے محنتیں کرتے کرتے مدقوق کی طرح بیمار اور کمزور ہو جاتے ہیں پس تقویٰ کے امتحان میں پاس ہونے کے لیے ہر ایک تکلیف اٹھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جب انسان اِس راہ پر قدم اُٹھاتا ہے، تو شیطان اُس پر بڑے بڑے حملے کرتا ہے، لیکن ایک حد پر پہنچ کر آخر شیطان ٹھہر جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی سفلی زندگی پر موت آکر وہ خدا کے زیرِ سایہ ہو جاتا ہے۔

وُہ مظہرِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ مختصر خلاصہ ہماری تعلیم کا یہی ہے کہ انسان اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دے۔

مسیح علیہ السلام کی بن باپ ولادت

حضرت مسیحؑ کے بے باپ پیدا ہونے کے متعلق ذکر تھا، فرمایا :

"ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا باپ تھا، وہ بڑی غلطی پر ہیں ایسے لوگوں کا خدا مُردہ خدا ہے اور ایسے لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی[1]۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا۔ ہم ایسے آدمی کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ تمھاری حالتیں ایسی ردّی ہوگئی ہیں کہ اب تم میں کوئی اس قابل نہیں جو نبی ہو سکے۔ یا اس کی اولاد میں سے کوئی نبی ہو سکے۔ اس واسطے آخری خلیفۂ مُوسوی کو اللہ تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا اور ان کو سمجھایا کہ اب نبوت تمہارے خاندان سے گئی۔ اسی کی مثل خدا تعالیٰ نے آج یہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ آخری خلیفہ محمدی یعنی مہدی و مسیح کو سیدوں میں سے نہیں بنایا، بلکہ فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک کو خلیفہ بنایا، تاکہ یہ نشان ہو کہ نبوتِ محمدی کی گدی کے دعویداروں کی حالتِ تقویٰ اب کیسی ہے۔"

فرمایا :

"انبیاء کا قاعدہ ہے کہ شخصی تدبیر نہیں کرتے۔ نوع کے پیچھے پڑتے ہیں۔ جہاں شخصی تدبیر آئی وہاں چنداں کامیابی نہ آئی؛ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ حال ہوا۔"

اِس زمانہ کا مجاہدہ

مدت کی بات ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس سلسلہ میں کوئی مجاہدہ مجھے بتلایئے۔ آپ نے فرمایا : "عیسائیت کے رَدّ میں کوئی کتاب لکھو۔"

تب حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کتاب فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب دو جلدیں لکھیں۔ پھر ایک دفعہ ایسا ہی مولوی صاحب نے حضرت اقدسؑ سے سوال کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: "آریوں کے رَدّ میں کتاب لکھو۔" تب مولوی صاحب نے تصدیق براہین احمدیہ لکھی اور فرمایا کہ ان ہر دو مجاہدوں میں مجھے بڑے بڑے فائدے ہوئے۔"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۲۴ رجون ۱۹۰۱ء)

---

[1] شاید نیچریوں نے اسی لحاظ سے کہ وہ مُردہ اور کمزور خدا ہے۔ دُعا اور استجابتِ دعا سے انکار کر دیا ہے۔ (سراج الحق نعمانی)

حضرت اقدسؑ کی ایک تقریر

جون ۱۹۰۱ء

پورے مسلمان بنو

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم دُنیا سے بالکل انقطاع کرکے اس کی طرف آ جاؤ گے وہ خود تمہارا متولی اور متکفل ہو جائے گا۔ جو آدمی تبتّل تام نہیں کرتا بلکہ کچھ دُو بدُ دنیا رہتا ہے اور کسی قدر رُو بہ خدا بھی رہتا ہے۔ وہ کبھی بھی مقصودِ اصلی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے نہ دین کی عزت مل سکتی ہے، نہ دُنیا کی۔ خدا تعالیٰ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم پورے مسلمان بنو۔ مسلمان کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ انقطاعِ کُلّی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مُسلمان کو مسلمان پیدا کرکے لاانتہا فضل کئے ہیں؛ بشرطیکہ وُہ غور کرے اور سمجھے۔ ایک ہندُو سے رام چندر کے خدا ہونے یا خدا تعالیٰ کے خالق ہونے پر بحث کرو۔ اس وقت تمہیں ایک لذّت اور سُرور آئے گا کہ تمہارا خدا کیسا قادرِ مُطلق، حیّ۔ مُمیت۔ خالقِ کُلِّ شَیْءٍ خدا ہے اور برخلاف اس کے جنھوں نے رام چندر جیسے کھانے پینے کے محتاج انسان کو خدا بنایا ہے۔ جب یہ کہیں گے کہ اُس کی بیوی کو راون نکال کرلے گیا، تو کس قدر شرم اُس خدا کے ماننے والوں کو دامنگیر ہوگی کہ عجیب خدا ہے جو اپنی بیوی کی بھی حفاظت نہیں کر سکا۔ ایسا ہی آریہ جب اپنے خدا کی یہ صفت مخالف سے سُنے گا کہ اس نے ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا اور وہ اپنے کسی بڑے سے بڑے پریمی اور بھگت کو بھی کبھی نجات نہیں دے سکتا۔ یا اُس نے ایسی شریعت انسانوں کے لیے بنائی کہ ایک مرد اپنی بیوی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں دُوسرے مرد سے اولاد پیدا کرنے کے واسطے ہمبستری کی اجازت دے سکتا ہے، تو اُسے کیسا شرمندہ ہونا پڑیگا۔ اگر اُس میں غیرت اور حیا کا کوئی مادہ باقی ہو لیکن مُسلمان کیسا خوش ہوگا اور اس کی اُمیدیں کیسی وسیع ہوں گی۔ جب اپنے خالق خَالِقِ کُلِّ شَیْءٍ اور قدّوس، سُبحان خدا کو پیش کرے گا۔

اخیار اور ابرار کا نام ابدالاباد تک زندہ رہتا ہے

پس یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا؛ چنانچہ فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (توبہ:۱۲۰) اخیار اور ابرار کا نام ابدالآباد تک زندہ رہتا ہے۔ گذشتہ زمانے کے بادشاہوں یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ برخلاف اس کے خدا تعالیٰ کے راستبازوں

اور برگزیدوں کی دُنیا تراش ہے۔ دیکھو ہمارے رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظمت دُنیا میں قائم ہے۔ ۹۴ کروڑ مسلمان آپ کے نام لینے والے موجود ہیں۔ جو ہر وقت آپ پر دُرود پڑھتے ہیں۔ کیا کوئی قیصر و کسریٰ پر بھی درود پڑھتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کس قدر عظمت ہو رہی ہے۔ یہانتک کہ نادانوں نے اپنی جہالت اور کم مائیگی کی وجہ سے ان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسولوں کا طبقہ مصائب اُٹھا کر دُنیا سے گذر گیا، مگر اُن کا خدا کے لیے دُنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر طرح طرح کے آلام و مصائب کے بار کو اُٹھا لینا ان کی عظمت کا باعث ہوگیا۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا کے محبوبوں کو تکالیف آتی ہیں۔ ان کی تکالیف میں ایک لطیف سِر ہوتا ہے۔ ان پر اس لیے سب سے زیادہ تکالیف اور مصائب نہیں آتی ہیں کہ تباہ ہو جائیں، بلکہ اس لیے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل اور پھول میں ترقی کریں۔ دیکھو دُنیا میں ہر جوہرِ قابل کے لیے خدا نے یہی قانون ٹھہرایا ہے کہ اوّل وہ صدمات کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے کسان زمین میں ہل چلا کر اس کا جگر پھاڑتا ہے اور اس مٹی کو باریک کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ہوا کے جھونکے اسے اِدھر اُدھر اڑائے لیے پھرتے ہیں۔ نادان خیال کرے گا کہ زمیندار نے بڑی غلطی کی جو اچھی بھلی زمین کو خراب کر دیا۔ مگر عقلمند خوب سمجھتا ہے کہ جب تک زمین کو اس درجہ تک نہ پہنچایا جاوے۔ وہ پھل پھول پیدا کرنے کی قابلیت سے کے جوہر نہیں دکھا سکتی۔ اسی طرح زمین میں بیج ڈال دیا جاتا ہے۔ جو خاک میں مل کر بالکل مٹی کے قریب قریب ہو جاتا ہے، لیکن کیا وہ دانے اس لیے مٹی میں ڈالے جاتے ہیں کہ زمیندار اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ نہیں نہیں وہ دانے اس کی نگاہ میں بہت ہی بیش قیمت ہیں۔ اس کی غرض ان کو مٹی میں گرانے سے صرف یہ ہے کہ وہ پھلیں اور پھولیں اور ایک ایک کی بجائے ہزار ہزار ہو کر نکلیں۔

جبکہ ہر جوہرِ قابل کے لیے خدا نے یہی قانون رکھا ہے وہ اپنے خاص بندوں کو مٹی میں پھینک دیتا ہے اور لوگ اُن کے اوپر چلتے ہیں اور پیروں کے نیچے کچلتے ہیں، مگر کچھ وقت نہیں گزرتا کہ وہ اُس سبزہ کی طرح (جو خس و خاشاک میں دبے ہوئے دانے سے نکلتا ہے) نکلتے ہیں۔ اور ایک عجیب رنگ اور آب کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جو ایک دیکھنے والا تعجب کرتا ہے۔ یہی قدیم سے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ سُنّت اللہ ہے کہ وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں، لیکن نہ اس لیے کہ غرق کیے جاویں بلکہ اس لیے کہ اُن موتیوں کے وارث ہوں جو دریائے وحدت کی تہ میں ہیں۔ وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں نہ اس لیے کہ جلائے جائیں بلکہ اس غرض کے لیے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشہ دکھایا جاوے۔ غرض ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور ہنسی کی جاتی ہے۔ اُن پر لعنت کرنا ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور اپنی نصرت کی چمکار دکھاتا ہے۔ اس وقت دُنیا کو ثابت ہو جاتا ہے اور غیرتِ الٰہی اس غریب کے لیے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلی میں اعداء

کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے اور آخر میں اُس کی باری آتی ہے۔ اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف: ۱۲۹) پھر خدا تعالیٰ کے ماموروں پر مصائب اور مشکلات کے آنے کا ایک یہ بھی بہتر ہوتا ہے۔ تا اُن کے اخلاق کے نمونے دُنیا کو دکھائے جاویں اور اس عظیم الشان بات کو دکھائے جو ایک معجزہ کے طور پر اُن میں ہوتی ہے وہ کیا؟

استقامت

استقامت ایک ایسی چیز ہے کہ کہتے ہیں اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ استقامت ہی تو تھی کہ خواب میں حکم ہوا کہ تو بیٹا ذبح کر حالانکہ خواب کی تعبیر اور تاویل بھی ہو سکتی تھی، مگر خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان اور دل میں ایسی قوت ہے کہ یہ حکم پاتے ہی مع تعمیل کے واسطے تیار ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے نوجوان بیٹے کو ذبح کرنے لگے۔ آج کل اگر کسی کا بچہ امراض میں مبتلا رہ کر مر جائے تو خدا تعالیٰ کی نسبت ہزار ہا شکوک پیدا ہو جاتے ہیں اور شکوہ و شکایت کے لیے زبان کھولتے ہیں، لیکن ایک ابراہیمؑ ہے کہ بیٹے کی محبت کو کچل ڈالا اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کو تیار ہو گیا۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ایسے آدمیوں کے کلمات طیبات قرار دیئے جاتے ہیں اور اُن کو ذریعۂ دُعا، اُن کے کپڑوں کو متبرک قرار دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی حوصلگی اور استقامت

یاد رکھو۔ مومنوں کا ایمان برنگِ انعام ہو جاتا ہے۔ اور اس سے عوام کو حصّہ نہیں دیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ زندگی جو مکہ میں گذری۔ اس میں جس قدر مصائب اور مشکلات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آئیں ہم تو ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ دل کانپ اٹھتا ہے جب ان کا تصور کرتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی حوصلگی، فراخدلی، استقلال اور عزم و استقامت کا پتہ لگتا ہے۔ کیسا کوہِ وقار انسان ہے کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹے پڑتے ہیں، مگر اس کو ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتے۔ وہ اپنے منصب کے ادا کرنے میں ایک لحہ سُست اور غمگین نہیں ہوا۔ وہ مشکلات اُس کے ارادے کو تبدیل نہیں کر سکیں۔ بعض لوگ غلط فہمی سے کہہ اٹھتے ہیں کہ آپؐ تو خدا کے حبیب مصطفےٰ اور مجتبیٰ تھے۔ پھر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آئیں؟ میں کہتا ہوں کہ پانی کے لیے جب تک زمین کو کھودا نہ جاوے۔ اس کا جگر پھاڑا نہ جاوے وہ کب نکل سکتا ہے۔ کتنے ہی گز گہرا زمین کو کھودتے چلے جائیں۔ تب کہیں جا کر خوشگوار پانی نکلتا ہے جو مایۂ حیات ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ لذّت جو خدا تعالیٰ کی راہ میں استقلال اور ثباتِ قدم دکھانے سے نہیں ملتی جبتک ان مشکلات اور مصائب میں سے ہو کر انسان نہ گزرے۔ وہ لوگ جو اس کوچہ سے بے خبر ہیں وہ ان مصائب کی لذّت سے کب آشنا ہو سکتے ہیں اور کب اُسے محسوس

کر سکتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم ہے کہ جب آپؐ کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی اندر سے ایک سُرور اور لذّت کا چشمہ پھوٹ نکلتا تھا۔ خدا پر توکل، اس کی محبت اور نصرت پر ایمان پیدا ہوتا تھا۔

محبت ایک ایسی چیز ہے کہ وہ سب کچھ کرا دیتی ہے۔ ایک شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو معشوق کے لیے کیا کچھ نہیں کر گذرتا۔ ایک عورت کسی پر عاشق تھی۔ اس کو کھینچ کھینچ کر لاتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، مار دیں کھاتی تھی۔ مگر وہ کہتی تھی کہ مجھے لذّت ملتی ہے جبکہ جھوٹی محبتوں فسق و فجور کے رنگ میں جلوہ گر ہونے والے عشق میں مصائب اور مشکلات کے برداشت کرنے میں ایک لذّت ملتی ہے تو خیال کرو کہ وہ جو خدا تعالیٰ کا عاشقِ زار ہو۔ اس کے آستانہ الوہیت پر نثار ہونے کا خواہش مند ہو، وہ مصائب اور مشکلات میں کس قدر لذّت پا سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حالت دیکھو۔ مکہ میں ان کو کیا کیا تکلیفیں پہنچیں بعض ان میں سے پکڑے گئے۔ قسم قسم کی تکلیفوں اور عقوبتوں میں گرفتار ہوئے۔ مرد تو مرد بعض مسلمان عورتوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ ان کے تصور سے بدن کانپ اُٹھتا ہے۔ اگر وہ مکہ والوں سے مل جاتے تو اس وقت وہ بظاہر ان کی بڑی عزت کرتے، کیونکہ وہ اُن کی برادری ہی تو تھے۔ مگر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو مصائب اور مشکلات کے طوفان میں بھی حق پر قائم رکھا۔ وہ وُہی لذّت اور سُرور کا چشمہ تھا جو حق کے پیار کی وجہ سے اُن کے سینوں سے پھوٹ نکلا تھا۔ ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب اُس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے کہا کہ میں وضو کرتا ہوں۔ آخر لکھا ہے کہ سر کاٹو تو سجدہ کرتا ہے۔ کہتا ہوا مر گیا۔ اس وقت اُس نے دُعا کی کہ یا اللہ! حضرتؐ کو خبر پہنچا دے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ تھے۔ جبرائیل نے جا کر السلام علیکم کہا اور آپؐ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع لی۔ غرض اس لذّت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے اور مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں۔ سچ پُوچھو تو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کہہ دیا جائے کہ یا نصرانی ہو جا یا قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت دیکھنا چاہیے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے۔ آیا وہ مرنے کے لیے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر وہ مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومنِ حقیقی ہے، ورنہ کافر ہے۔ غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذّت ہوتی ہے۔ بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب لذّت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گزارتے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ایک عجیب نمونہ ہے اور ایک پہلو سے ساری زندگی ہی تکالیف میں گزری۔ جنگِ حنین میں آپؐ اکیلے ہی تھے۔ لڑائی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی نسبت

رسُول اللہ ظاہر کرنا آپؐ کی کس درجہ کی شوکت، جرأت اور استقامت کو بتاتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ انسان جبتک اس کوچہ میں داخل نہ ہو مُلے سے لذّت ہی نہیں آتی۔ یہ ایک ایسی لذّت ہے جس کی طرف خدا تعالیٰ ہر مومن کو بُلاتا ہے۔ جس طرح اور لذّتوں کا مزا چکھتے ہو اس کا بھی مزا چکھو اور تلاش کرنے والے پا لیتے ہیں۔ اِس طرف سے اگر تکاہل اور تساہل ہوگا، تو اُدھر سے بھی حرکت نہ ہوگی۔ اِدھر سے مجاہدہ ہوگا، تو اُدھر سے بھی حرکت ہوگی۔ مجاہدہ ایک ایسی شے ہے کہ اس کے بدُوں انسان کسی ترقی کے بلند مقام کو پا نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۷۰) جو لوگ ہم میں ہوکر مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن پر اپنی راہیں کھولتے ہیں۔ غرض مجاہدہ کرو اور خدا میں ہوکر کرو تاکہ خدا کی راہیں تم پر کھُلیں اور ان راہوں پر چل کر تم اس لذّت کو حاصل کرسکو جو خدا میں ملتی ہے۔ اس مقام پر مصائب اور مشکلات کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ یہ وُہ مقام ہے جس کو قرآن شریف کی اِصطلاح میں شہید کہتے ہیں۔

شہادت کی حقیقت

لوگوں نے شہید کے معنی صرف یہی سمجھ رکھے ہیں کہ کسی کافر غیر مُسلم کے ساتھ جنگ کی اور اس میں مارے گئے، تو بس شہید ہوگئے۔ اگر اتنے ہی معنے شہید کے لیے جاویں، تو پھر مخالفوں کو بہت بڑی گنجائش اعتراض کی رہتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں اور آریوں نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا ہے؛ اگرچہ ان لوگوں کی سخت نادانی ہے کہ وہ بدُوں دریافت کئے اصل منشا کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ مگر ہم کو ان مولویوں پر بھی افسوس ہے، جنھوں نے قرآن شریف کے حقائق کو پیش نہیں کیا اور خیالی اور فرضی تفسیریں اور مصنوعی قصّے بیان کرکے اسلام کے پاک اور خوشنما چہرہ پر ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ جو خود اسلام کا محافظ اور ناصر ہے وُہ اب چاہتا ہے کہ اسلام کا پاک اور درخشاں چہرہ دکھایا جاوے؛ چنانچہ یہ سلسلہ جو اس نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الٰہی نصرت کا وقت آپہنچا اور اسلام کی عزّت اور جلال کے دن آگئے، کیونکہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں جو ہمارے شاملِ حال ہیں، یہ آج کسی مذہب کے پیرو کو نصیب نہیں اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کیا کوئی اہلِ مذہب ہے جو اسلام کے سوا اپنے مذہب کی حقانیت پر تائیدی اور سماوی نشان پیش کرسکے۔ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ جو قائم کیا ہے۔ یہ اُس کی حفاظت کے وعدہ کے موافق ہے جو اس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) میں کیا ہے۔

میرا مطلب یہ تھا کہ شہید کے معنی صرف یہی نہیں کہ غیر مُسلم کے ساتھ جنگ کرکے مَر جانے والا شہید

ہوتا ہے۔ ان معنوں نے ہی اسلام کو بدنام کیا اور اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر سرحدی نادان مُسلمان بے گناہ انگریزوں کو قتل کرنے میں ثواب سمجھتے ہیں؛ چنانچہ آئے دن ایسی وارداتیں سُننے میں آتی ہیں۔ پچھلے دنوں کسی سرحدی نے لاہور میں ایک میم کو قتل کر دیا تھا۔ ان احمقوں کو اتنا معلوم نہیں کہ یہ شہادت نہیں بلکہ قتلِ بے گناہ ہے۔ اسلام کا یہ منشاء نہیں ہے کہ وُہ فتنہ و فساد برپا کرے بلکہ اسلام کا مفہوم ہی صلح اور آشتی کو چاہتا ہے۔ اسلامی جنگوں پر اعتراض کرنے والے اگر یہ دیکھ لیتے کہ ان میں کیسے احکام جاری ہوتے تھے تو وہ حیران رہ جاتے۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ جزیہ دینے والوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور ان جنگوں کی بنا دفاعی اصُول پر تھی۔ ہمارے نزدیک جو جاہل پٹھان اس طرح پر بے گناہ انگریزوں پر جا پڑتے ہیں اور اُن کو قتل کرتے ہیں وہ ہرگز شہادت کا درجہ نہیں حاصل کرتے بلکہ وہ قاتل ہیں اور اُن کے ساتھ قاتلوں کا سا سلوک ہونا چاہیے۔

تو شہید کے معنی یہ ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ ایک خاص قسم کی اِستقامت مومن کو عطا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر مصیبت اور تکلیف کو ایک لذّت کے ساتھ برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶، ۷) میں مُنعَم علیہ گروہ میں سے شہیدوں کا گروہ بھی ہے اور اس سے یہی مراد ہے کہ استقامت عطا ہو، جو جان تک دے دینے میں بھی قدم کو ہلنے نہ دے۔[1]

۱۹ر جولائی ۱۹۰۱ء

صداقتِ نبوّت کی ایک قرآنی دلیل

حافظ محمد یوسف صاحب کا ذکر آیا کہ بعض باتوں پر اعتراض کرتے تھے۔ فرمایا:

"اُن کو تو سرے سے سب باتوں سے انکار ہے جبکہ قرآن شریف نے صداقتِ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لَوْ تَقَوَّلَ والی دلیل پیش کی ہے اور حافظ صاحب اس سے انکار کرتے ہیں تو پھر کیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر لوگوں کو سناتے اور اس کو میری طرف منسوب کرے اور کہے کہ یہ خدا کا کلام ہے؛ حالانکہ وُہ خدا کا کلام نہ ہو تو تُو ہلاک ہو جائے گا۔ یہی دلیلِ صداقت

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۴، ۲۵، صفحہ ۱-۲ پرچہ ۳۰ر جون ۱۹۰۱ء و ۱۰ر جولائی ۱۹۰۱ء

نبوتِ محمدیہ مولوی آل حسن صاحب اور مولوی رحمت اللہ صاحب نے نصاریٰ کے سامنے پیش کی تھی اور وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے اور اب یہی دلیلِ قرآنی ہم اپنے دعویٰ کی صداقت میں پیش کرتے ہیں۔ حافظ صاحب اور ان کے ساتھی اکبر بادشاہ کا نام لیتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی سراسر غلطی ہے۔ تَقَوَّلَ کے معنی ہیں جھوٹا کلام پیش کرنا۔ اگر اکبر بادشاہ نے ایسا دعویٰ کیا تھا، تو اس کا کلام پیش کریں، جس میں اس نے کہا ہو کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ یہ الہامات ہوئے ہیں۔ ایسا ہی روشن دین جالندھری اور دوسرے لوگوں کا نام لیتے ہیں، مگر کسی کے متعلق یہ پیش نہیں کر سکتے کہ اُس نے کونسے جھوٹے الہامات شائع کیے ہیں۔ اگر کسی کے متعلق ثابت شدہ معتبر شہادت کے ساتھ حافظ صاحب یا ان کے ساتھی یہ ثابت کر دیں کہ اس نے جھوٹا کلام خدا پر لگایا؛ حالانکہ خدا کی طرف سے وُہ کلام نہ ہو۔ اور پھر ایسا کرنے پر اس نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر عمر پائی ہو۔ یعنی ایسے دعوے پر وہ ۲۳ سال زندہ رہا ہو، تو ہم اپنی ساری کتابیں جلا دیں گے۔ ہمارے ساتھ کینہ کرنے میں ان لوگوں نے ایسا غلو کیا ہے کہ اسلام پر ہنسی کرتے ہیں اور خدا کے کلام کے مخالف بات کرتے ہیں۔ گو ان کی ایسی بات کرنے سے قرآن جھوٹا ہوتا ہو، پھر بھی ہم کو جھٹلاتے ہیں۔ مگر تعصب بُرا ہے۔ ایسی بات بولتے ہیں جس سے قرآن شریف پر زد ہو۔ ہمارا تو کلیجہ کانپتا ہے کہ مسلمان ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ ایک تو وہ مسلمان تھے کہ بظاہر ضعیف حدیث میں بھی اگر سچائی پاتے تو اس کو قبول کرتے اور مخالفوں پر حجت میں پیش کرتے اور ایک یہ ہیں کہ قرآن کی دلیل کو نہیں مانتے۔ ہم تو حافظ صاحب کو بُلاتے ہیں کہ شائستگی سے، خلق و محبت سے چند دن یہاں آکر رہیں۔ ہم اُن کا ہر جائز دینے کو تیار ہیں۔ نرمی سے ہمارے دلائل سُنیں اور پھر اپنا اعتراض کریں۔ مولوی احمد اللہ صاحب کو بھی بے شک اپنے ساتھ لائیں۔"

بابو محمد صاحب نے عرض کی کہ حافظ محمد یوسف صاحب اعتراض کرتے تھے کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے الحکم میں یہ کفر لکھا ہے کہ یہ وہ احمدِ عربی ہے۔ فرمایا:

"حافظ صاحب سے پُوچھو کہ براہینِ احمدیہ میں جو میرا نام محمدؐ لکھا ہے اور مسیح بھی لکھا ہے اور تم لوگ اس کو پڑھتے رہے اور اِس کتاب کی تعریف کرتے رہے اور اس کے ریویو میں لمبی چوڑی تحریریں کرتے رہے، تو اس کے بعد کونسی نئی بات ہوئی ہے۔ مولوی نذیر حسین دہلوی نے اس کتاب کے متعلق خود میرے سامنے کہا تھا کہ اسلام کی تائید میں جیسی عمدہ یہ کتاب لکھی گئی ہے، ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اِس وقت منشی عبدالحق صاحب بھی موجود تھے اور بابو محمد صاحب بھی موجود تھے۔ یہ وہ زمانہ براہین کا تھا جب کہ تم خود تسلیم کرتے تھے کہ اس میں کوئی بناوٹ وغیرہ نہیں۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا، تو کیا انسان کے لیے ممکن تھا کہ اتنی مدت پہلے سے اپنی پٹڑی جمائے اور ایسا لمبا منصوبہ سوچے۔ اب چاہیے کہ یہ لوگ اس نفاق

کا جواب دیں کہ اس وقت کیوں ان لوگوں کو یہی باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مہدی جو آنے والا ہے، اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام اور اس کی ماں کا نام میری ماں کا نام ہوگا اور وہ میرے خُلق پر ہوگا۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ وہ میرا مظہر ہوگا۔ جیسا کہ ایلیا نبی کا مظہر یوحنا نبی تھا۔ اس کو صوفی بروز کہتے ہیں کہ فلاں شخص موسیٰ کا مظہر اور فلاں عیسیٰ کا مظہر ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ سے وہ لوگ مُراد ہیں جو مہدی کے ساتھ ہونگے اور وہ لوگ قائم مقام صحابہ کے ہوں گے اور ان کا امام یعنی مہدی قائم مقام حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔"[1]

۲۰ر جولائی ۱۹۰۱ء

ذاتیات میں دخل تقویٰ کے خلاف ہے

منشی الٰہی بخش صاحب اور ان کے رفیق اور ان کی تصنیف عصاءِ موسیٰ کا ذکر تھا۔ کسی نے کہا کہ فلاں شخص ان لوگوں کے چال چلن کی نسبت ایسی بات کہتا تھا۔ فرمایا

"ہم اس میں نہیں پڑتے اور نہ ہم اس طرح ذاتیات میں دخل دیتے ہیں۔ یہ بات تقویٰ کے برخلاف ہے۔"

بابو محمد صاحب نے ذکر کیا کہ انھوں نے عصائے موسیٰ میں کئی باتیں واقعات کے برخلاف لکھی ہیں۔

اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"ہم نے ضرورۃ امام میں یہ ظاہر کیا تھا کہ ہمیں اُن پر حُسنِ ظن ہے مگر افسوس کہ انھوں نے اس طرح واقعات کے برخلاف امُور لکھ کر ہمارے اس حُسن ظن کو دُور کر دیا ہے۔ کسی دُوسرے شخص کی عبارت نقل کر کے الٰہی بخش صاحب میری نسبت اور میرے والد صاحب کی نسبت ہتک کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ وہ ایسے مُفلس تھے۔ تقویٰ کا خاصہ نہیں کہ محض جھوٹ نقل کرے۔ ناقل بھی تو ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر الٰہی بخش صاحب کے ساتھ ہمارے تعلقات ایسے پُرانے نہ ہوتے اور وہ ہمارے خاندان کے حالات سے واقفیت نہ رکھتے اور کسی دور علاقہ کے رہنے والے ہوتے اور سر لیپل گریفن کی کتاب رؤسائے پنجاب میں میرے والد صاحب کا ذکر نہ پڑھا ہوتا اور غدر میں سرکار انگریزی کو پچاس سواروں کی مدد کے حال سے وہ ناواقف ہوتے تو میں ان کو معذور سمجھتا۔

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۷ صفحہ ۶، ۷ پرچہ ۲۴ر جولائی ۱۹۰۱ء

مگر اب تو اُن کے تقویٰ کا خوب اندازہ ہوگیا۔"

فرمایا: "ساری کل انسان کی صحت اور ایمان کی خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

تحریر میں سختی

کسی نے ذکر کیا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی تحریر میں سختی ہوتی ہے۔ فرمایا: "ہر ایک امر کے لیے موقع ہوتا ہے۔ ایک مولوی کو عین مسجد میں بدکاری کرتے ہوئے دیکھے تو دیکھنے والا ضرور کہے گا کہ یہ بدذات ہے۔ دین کی بے عزتی کرتا ہے، مگر جو شخص نہیں جانتا کہ محل اور موقعہ کونسا ہے، وہ دھوکا کھاتا ہے۔ ایک شخص خواہ مخواہ افترا کرتا ہے۔ بہتان باندھتا ہے۔ گالیاں دیتا ہے۔ ایک نہ دو نہ تین بلکہ بیسیوں تک نوبت پہنچاتا ہے۔ خواہ مخواہ کہا جائے گا کہ یہ بے حیا ہے۔ جو شخص قرآن شریف کے لیے غیرت نہیں رکھتا، وہ کیا ہے؟ غصہ خدا نے بے جا نہیں بنایا۔ اس کا خراب استعمال بے جا ہے۔ کسی نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کفر کے وقت تم بڑے غصہ والے تھے۔ اب غصہ کا کیا حال ہے۔ فرمایا۔ غصہ تو اب بھی وہی ہے مگر پہلے اس کا استعمال بے جا تھا۔ اب ٹھکانہ پر لگ گیا ہے۔ یہ اعتراض تو صانع پر ہوتا ہے کہ اس نے غصہ کی قوت کیوں بنائی؟ دراصل کوئی بھی قوت بُری نہیں۔ بد استعمالی بُری ہے۔ قرآن شریف ہمیں انجیل کی طرح یہ حکم نہیں دیتا کہ خواہ مخواہ مار کھاتے رہو۔ ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ موقع دیکھو۔ اگر نرمی کی ضرورت ہے خاک سے مِل جاؤ۔ اگر سختی کی ضرورت ہے سختی کرو۔ جہاں عفو سے صلاحیت پیدا ہوتی ہو، وہاں عفو سے کام لو۔ نیک اور باحیا خدمتگار اگر قصور کرے، تو بخش دو۔ مگر بعض ایسے خبیثہ طبع ہوتے ہیں کہ ایک دن بخشو تو دُوسرے دن دُگنا بگاڑ کرتے ہیں وہاں سزا ضروری ہے اور عملی طور پر انجیل میں سختی دکھائی گئی ہے۔ جہاں حضرت مسیحؑ نے مخالفین کو بے ایمانوں اور سانپوں کے بچے کہا ہے۔ خدا نے بھی جھوٹے پر لعنت کی ہے اور دیگر اس قسم کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔"

مومن کی دو مثالیں

فرمایا: "قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مومن کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عورت سے ہے جو کہ اس قسم کے خاوند سے خدا کی پناہ چاہتی ہے۔ یہ اُن مومنوں کی مثال ہے جو نفسانی جذبات کے آگے گر جاتے ہیں اور غلطیاں کر بیٹھتے ہیں پچھتاتے ہیں، توبہ کرتے ہیں۔ خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان کا نفس فرعون سے خاوند کی طرح ان کو تنگ کرتا رہتا ہے۔ وہ لوگ نفسِ لوّامہ رکھتے ہیں۔ بدی سے بچنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ دوسرے مومن وُہ ہیں جو اس سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ وہ صرف بدیوں سے ہی نہیں بچتے بلکہ نیکیوں کو حاصل کرتے ہیں۔ اُن

کی مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے دی ہے اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوْحِنَا (تحریم ۱۳) ہر ایک مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے وہ بُروزی طور پر مریمؑ ہوتا ہے اور خدا اُس میں اپنی رُوح پھونک دیتا ہے جو کہ ابنِ مریم بن جاتی ہے۔ زمخشری نے بھی اس کے یہی معنے کیے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ اور اگر یہ معنی نہ کیے جاویں، تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مریمؑ اور ابنِ مریمؑ کے سوا مسِّ شیطان سے کوئی محفوظ نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ تمام انبیاء پر شیطان کا دخل تھا پس در اصل اس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک مومن جو اپنے تئیں اس کمال کو پہنچائے، خدا کی رُوح اس میں پھونکی جاتی ہے اور وہ ابنِ مریمؑ بن جاتا ہے اور اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ اس اُمّت میں ابنِ مریم پیدا ہوگا۔ تعجب ہے کہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام محمدؐ اور عیسیٰ اور موسیٰ اور یعقوب اور اسحاق اور اسماعیل اور ابراہیم رکھ لیتے ہیں اور اس کو جائز جانتے ہیں پر خدا کے لیے جائز نہیں جانتے کہ وہ کسی کا نام عیسیٰ یا ابنِ مریم رکھ دے۔"

امام بطور وکیل کے ہوتا ہے

کسی کے سوال پر فرمایا:

"مخالف کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔ پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے سے آدمی بخشا جاتا ہے۔ نماز تو تمام برکتوں کی کنجی ہے۔ نماز میں دُعا قبول ہوتی ہے۔ امام بطور وکیل کے ہوتا ہے۔ اس کا اپنا دل سیاہ ہو تو پھر وہ دُوسروں کو کیا برکت دے گا۔"

یہود کی ہٹ دھرمی

فرمایا: "یہود کہا کرتے ہیں کہ ہم تو قیامت کے دن خدا کے آگے ملاکی نبی کی کتاب رکھ دیں گے اور کہہ دیں گے کہ اس کتاب میں تُو نے فرمایا تھا کہ مسیح کے پہلے الیاس نبی آئے گا۔ اور تُو نے یہ نہیں کہا تھا کہ مثیلِ الیاس یا اس کا بُروز یوحنا کی شکل میں آئے گا۔ اب اگر یہ مسیح سچا ہے اور ہم نے اس کو نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور۔ یہی حال آج کل کے علماء کا ہے جو مسیح کے منتظر ہیں۔"

اس بات کا ذکر آیا کہ حضرت مسیحؑ نے جب یہود کو کہا کہ یُوحنا ہی الیاس ہے تو وہ یُوحنا کے پاس گئے اور معلوم نہیں کن الفاظ میں ان سے پوچھا کہ تو الیاس ہے؟ تو یُوحنا نے انکار کیا کہ میں الیاس نہیں ہوں اور اس طرح حضرت مسیحؑ کی تکذیب ہوئی۔ اس پر فرمایا۔

"معلوم نہیں کہ یہودیوں نے کس طرح سے دھوکے کی گفتگو کی ہوگی۔ یُوحنا کو کیا خبر تھی کہ یہ کیا شرارت

کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ غلط ہے کہ پیغمبر خدا کی طرح ہر وقت حاضر ناظر ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات سمجھی ہوتی تو آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ کے متعلق کیوں گھبراہٹ ہوتی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ سعدیؒ نے خوب لکھا ہے۔

کسے پرسید زاں پیر خردمند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مہرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برق جہاں است — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

موجودہ اناجیل اصلی نہیں

فرمایا: "موجودہ اناجیل کے اصلی نہ ہونے کے لیے ایک بڑی بھاری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک نبی کو ہم اُس کی قوم کی زبان میں اس کی طرف بھیجتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہود کی زبان عبرانی تھی، حالانکہ عبرانی میں اس وقت کوئی انجیل اصلی نہیں ملتی، بلکہ اصل یونانی کو قرار دیا جاتا ہے جو کہ سنت اللہ کے برخلاف ہے۔"

ابتلاء اور امتحان

فرمایا:

"دُنیوی بادشاہوں اور حاکموں نے جو اعلیٰ مراتب کے عطا کرنے کے واسطے امتحان مقرر کیے ہیں۔ یہی سُنت اللہ کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی بعد امتحانوں کے درجات عطا کرتا ہے۔ جن مصائب اور تکالیف کے امتحانات میں حضرت رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پاس ہوئے وہ دُوسرے کا کام نہ تھا۔"[1]

۲۶ر جولائی تا یکم اگست ۱۹۰۱ء

افراط و تفریط

کسی مقام پر ایسی کثرتِ بارش کا ذکر تھا جس سے بہت نقصان کا اندیشہ ہوا۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ "جیسا لوگ احکامِ الٰہی کے معاملہ میں افراط و تفریط کرتے

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۸ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ر جولائی ۱۹۰۱ء

ہیں۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ساتھ افراط و تفریط کا معاملہ کرتا ہے۔"

استغفار

ایک شخص نے پُوچھا کہ مَیں کیا وظیفہ پڑھا کروں۔فرمایا:

"استغفار بہت پڑھا کرو۔انسان کی دو ہی حالتیں ہیں۔یا تو وُہ گناہ نہ کرے یا اللہ تعالیٰ اس گناہ کے بد انجام سے بچالے۔سو استغفار پڑھنے کے وقت دونوں معنوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سے گذشتہ گناہوں کی پردہ پوشی چاہے اور دُوسرا یہ کہ خدا سے توفیق چاہے کہ آئندہ گناہوں سے بچائے۔مگر استغفار صرف زبان سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ دل سے چاہیے۔نماز میں اپنی زبان میں بھی دُعا مانگو یہ ضروری ہے۔"

ہر نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

فرمایا: "تقویٰ اختیار کرو۔تقویٰ ہر چیز کی جڑ ہے۔تقویٰ کے معنی ہیں ہر ایک باریک در باریک رگِ گناہ سے بچنا۔تقویٰ اس کو کہتے ہیں کہ جس امر میں بدی کا شُبہ بھی ہو، اس سے بھی کنارہ کرے۔"

فرمایا: "دل کی مثال ایک بڑی نہر کی سی ہے۔جس میں سے اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں۔جن کو سُوَا کہتے ہیں یا راجباہا کہتے ہیں۔دل کی نہر میں سے بھی چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں۔مثلاً زبان وغیرہ۔اگر چھوٹی نہر یا سوئے کا پانی خراب اور گندہ اور مَیلا ہو تو قیاس کیا جاتا ہے کہ بڑی نہر کا پانی خراب ہے۔پس اگر کسی کو دیکھو کہ اُس کی زبان یا دست و پا وغیرہ میں سے کوئی عُضو ناپاک ہے، تو سمجھو کہ اس کا دل بھی ایسا ہی ہے۔"

غیروں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کی حکمت

اپنی جماعت کا غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے متعلق ذکر تھا۔فرمایا:

"صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو۔بہتری اور نیکی اسی میں ہے۔اور اسی میں تمہاری نصرت اور فتحِ عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے۔دیکھو دُنیا میں رُوٹھے ہوئے اور ایک دُوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن مُنہ نہیں لگاتے اور تمہاری ناراضگی اور رُوٹھنا تو خدا کے لیے ہے۔تم اگر ان میں رَلے ملے رہے تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے، وہ نہیں رکھے گا۔پاک جماعت جب الگ ہو، تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے۔"

معراج

حضرت رسول کریمؐ کی معراج کی بابت کسی نے سوال کیا۔ فرمایا :

"سب حق ہے۔ معراج ہوئی تھی، مگر یہ فانی بیداری اور فانی اشیاء کے ساتھ نہ تھی، بلکہ وہ اور رنگ تھا۔ جبرئیل بھی تو رسول اللہؐ کے پاس آتا تھا اور نیچے اُترتا تھا۔ جس رنگ میں اس کا اُترنا تھا۔ اسی رنگ میں آنحضرتؐ کا چڑھنا ہوا تھا۔ نہ اُترنے والا کسی کو اُترتا نظر آتا تھا اور نہ چڑھنے والا کوئی چڑھتا ہوا دیکھ سکتا تھا۔ حدیث شریف میں جو بخاری میں آیا ہے۔ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ یعنی پھر جاگ اُٹھے۔"

بائبل اور سائنس

حضرت نوحؑ کی کشتی کا ذکر تھا۔ فرمایا :

"بائبل اور سائنس کی آپس میں ایسی عداوت ہے جیسی کہ دو سوکنیں ہوتی ہیں۔ بائبل میں لکھا ہے کہ وہ طوفان ساری دُنیا میں آیا اور کشتی تین سَو ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی اور اس میں حضرت نوحؑ نے ہر قسم کے پاک جانوروں میں سے سات جوڑے اور ناپاک میں سے دو جوڑے ہر قسم کے کشتی میں چڑھائے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اوّل تو اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا۔ جب تک پہلے رسُول کے ذریعہ سے اس کو تبلیغ نہ کی ہو۔ اور حضرت نوحؑ کی تبلیغ ساری دُنیا کی قوموں تک کہاں پہنچی تھی جو سب غرق ہو جاتے دوم اتنی چھوٹی سی کشتی میں جو صرف ۳۰۰ ہاتھ لمبی اور ۵۰ ہاتھ چوڑی ہو۔ ساری دنیا کے جانور، بہائم، چرند پرند سات سات جوڑے یا دو دو جوڑے کیونکر سما سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب میں تحریف ہے اور اس میں بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی ہیں۔ تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح علماء اسلام نے بھی ان باتوں کو اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے، مگر قرآن شریف ہی ان بے معنی باتوں سے پاک ہے۔ اس پر ایسے اعتراض وارد نہیں ہو سکتے۔ اس میں نہ تو کشتی کی لمبائی چوڑائی کا ذکر ہے اور نہ ساری دُنیا پر طوفان آنے کا ذکر ہے بلکہ صرف الارض یعنی وہ زمین جس میں نوحؑ نے تبلیغ کی۔ صرف اس کا ذکر ہے۔ لفظ ارارات جس پر نوحؑ کی کشتی ٹھہری اصل اری رِیت ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ میں پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتا ہوں۔ رِیت پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے لفظ جُودِی رکھا ہے۔ جس کے معنی ہیں میرا جود و کرم یعنی وہ کشتی میرے جود و کرم پر ٹھہری۔"

جہاد آخر الحیل ہے

فرمایا : "نادان مولوی ذرا ذرا بات پر جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں، حالانکہ جہاد تو آخر الحیل تھا۔ یہ اس کو اوّل الحیل بناتے ہیں۔ کوئی بدذات کسی

طرح بھی باز نہ آوے۔ تب حکم تھا کہ تلوار چلاؤ۔ اور یہ بات صاف ہے کہ جب تمام مسائل سُنائے جائیں۔ روشن دلائل دیئے جائیں۔ تبسپر بھی خدا کا نمک حرام، خدا کے نشانات کا نمک حرام باز نہ آوے اور دین میں سدِ راہ بنے تو ایسے کے لیے خس کم جہاں پاک کہنا بے جا نہیں۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تلوار نہیں اُٹھائی۔ صرف مدافعت کے لیے ایسا کیا گیا اور سچ یہ ہے کہ پہلے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُنھوں نے تلوار اُٹھائی، آخر وہ تلوار اُنھیں کی اُن پر پڑی۔"

ہم بحث کرنا نہیں چاہتے

ایک شخص نے کہلا بھیجا کہ میں ہندوستان سے کوئی مولوی اپنے ساتھ لاؤں گا، جو آپ کے ساتھ گفتگو کرے، مگر مولوی لوگ قادیان آنا پسند نہیں کرتے۔ آپ بٹالہ میں آجائیں۔ فرمایا:

"قادیان سے وہ لوگ اسی واسطے نفرت رکھتے ہیں۔ کہ میں قادیان میں ہوں۔ پھر اگر میں بٹالہ میں ہوا تو بٹالہ اُن کے لیے نفرت کا مقام بن جائے گا۔ قادیان میں وُہ ہمارے پاس نہ ٹھہریں۔ کسی اور کے پاس جہاں چاہیں قیام کریں۔ یہاں دہریئے موجود ہیں، ان کے پاس ٹھہریں۔ ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مطلب صرف سمجھا دینا ہے۔ اگر ایک دفعہ اُن کو تسلّی نہ ہووے۔ پھر سُنیں۔ پھر سُنیں۔"

وفاتِ مسیح علیہ السّلام

فرمایا: "اِس دُنیا سے اُس جہان میں جانے کے لیے مُردوں کے واسطے تو ایک راہ بنا ہوا ہے اور مُردے ہمیشہ جایا کرتے ہیں، مگر اس کے سوا اور کوئی دُوسری سڑک نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی اسی مُردوں والی سڑک کی راہ گئے، جو مُردوں میں جا بیٹھے؛ ورنہ حضرت یحییٰؑ کے پاس کیونکر جا بیٹھے۔"

تقویٰ کا اثر

"تقویٰ کا اثر اسی دُنیا میں متقی پر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صرف اُدھار نہیں نقد ہے۔ بلکہ جس طرح زہر کا اثر اور تریاق کا اثر بدن پر ہوتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ کا اثر بھی ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ - ۴ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء

یکم اگست ۱۹۰۱ء

صبر و استقلال

حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جناب مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ ربہٗ نے ایک شخص کو پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ شخص بہت سی گدیوں میں پھرا ہے اور بہت سے پیروں اور مشائخ کے پاس ہو آیا ہے۔ حضرتِ اقدسؑ نے مذکورہ شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:

"کہو کیا کہتے ہو"

شخص۔ حضور! مَیں بہت سے پیروں کے پاس گیا ہوں۔ مجھ میں بعض عیب ہیں۔ اوّل۔ مَیں جس بزرگ کے پاس جاتا ہوں، تھوڑے دن رہ کر پھر چلا آتا ہوں اور طبیعت اِس سے بداعتقاد ہو جاتی ہے۔ دوم۔ مجھ میں غیبت کرنے کا عیب ہے۔ سوم۔ عبادت میں دل نہیں لگتا اور بھی بہت سے عیب ہیں۔

حضرتِ اقدسؑ: مَیں نے سمجھ لیا ہے۔ اصل مرض تمہارا بے صبری کا ہے۔ باقی جو کچھ ہے اس کے عوارض ہیں۔ دیکھو انسان اپنے دنیا کے معاملات میں جبکہ بے صبر نہیں ہوتا اور صبر و اِستقلال سے انجام کا انتظار کرتا ہے۔ پھر خدا کے حضور بے صبری سے کر کیوں جاتا ہے۔ کیا ایک زمیندار ایک ہی دن میں کھیت میں بیج ڈال کر اس کے پھل کاٹنے کے فکر میں ہو جاتا ہے یا ایک بچّہ کے پیدا ہوتے ہی کہتا ہے کہ یہ اسی وقت جوان ہو کر میری مدد کرے۔ خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں اس قسم کی عجلت اور جلد بازی کی نظیریں اور نمونے نہیں ہیں۔ وُہ سخت نادان ہے جو اِس قسم کی جلد بازی سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس شخص کو بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنا چاہیے۔ جس کو اپنے عیب عیب کی شکل میں نظر آجاویں؛ ورنہ شیطان بدکاریوں اور بداعمالیوں کو خوش رنگ اور خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے۔ پس تم اپنی بے صبری کو چھوڑ کر صبر اور اِستقلال کے ساتھ خدا تعالیٰ سے توفیق چاہو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ بغیر اس کے کچھ نہیں ہے۔ جو شخص اہل اللہ کے پاس اس غرض سے آتا ہے کہ وہ پھُونک مار کر اصلاح کر دیں، وہ خدا پر حکومت کرنی چاہتا ہے۔ یہاں تو محکوم ہو کر آنا چاہیے۔ ساری حکومتوں کو جبتک چھوڑتا نہیں، کچھ بھی نہیں بنتا۔ جب بیمار طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ اپنی بہت سی شکایتیں بیان کرتا ہے۔ مگر طبیب شناخت اور تشخیص کے بعد معلوم کر لیتا ہے کہ اصل میں فلاں مرض ہے۔ وہ اس کا علاج شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے تمہاری بیماری بے صبری کی ہے۔ اگر تم اس کا علاج کرو، تو دوسری بیماریاں بھی خدا چاہے تو رفع ہو جائیں گی۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے کبھی مایوس نہ ہو۔ اور اس وقت تک طلب میں

لگاہے کہ جبتک غرغرہ شروع ہوجاوے۔ جبتک اپنی طلب اور صبر کو اس حد تک نہیں پہنچاتا۔ انسان بامُراد نہیں ہوسکتا اور یُوں خدا تعالیٰ قادر ہے وہ چاہے تو ایک دَم میں بامُراد کر دے۔ مگر عشقِ صادق کا یہ تقاضا ہونا چاہیے کہ وُہ راہِ طلب میں پویاں رہے۔ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

گر نباشد بدوست رہ بُردن شرطِ عشق است در طلب مُردن

مرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرض مستوی اور ایک مرض مختلف۔ مرض مستوی وہ ہوتا ہے جس کا دَرد وغیرہ محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاج کا تو انسان فکر کرتا ہے اور مرض مختلف کی چنداں پَروا نہیں کرتا۔ اسی طرح سے بعض گناہ تو محسوس ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اُن کو محسوس بھی نہیں کرتا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہر وقت انسان خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے۔ قبروں پر جانے سے کیا فائدہ۔ خدا تعالیٰ نے تو اصلاح کے لیے قرآن شریف بھیجا ہے۔ اگر پھونک مار کر اصلاح کر دینا خدا تعالیٰ کا قانون ہوتا تو پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک مکہ میں کیوں تکلیفیں اُٹھاتے۔ ابوجہل وغیرہ پر اثر کیوں نہ ڈال دیتے۔ ابُوجہل کو جانے دو۔ ابُوطالب کو تو آپؐ سے بھی محبت تھی۔ غرض بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ ہلاکت تک پہنچاتا ہے۔"

۲ر اگست ۱۹۰۱ء (دارالامان میں)

آج جُمعہ کا دن ہے۔ صُبح آٹھ بجے کے قریب ڈاکٹر رحمت علی صاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ چھاؤنی میاں میر تشریف لائے۔ جُمعہ کی نماز چھوٹی اور بڑی دونوں مسجدوں میں ادا ہوئی۔ صاحبزادہ مبارک احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت آج بحمداللہ نسبتاً بہت اچھی رہی۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس ایدہ اللہ بنصرہ حسبِ معمُول بعد نماز بیٹھے رہے۔ ایک شخص نے جو کئی دن سے دارالامان میں آیا ہوا تھا۔ ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے قرآن شریف کو ہاتھ میں لے کر کہا کہ یا امامِ پاک! یہ خدا کا کلام ہے۔ مَیں اس کو پیش کرتا ہوں اور تین سو روپیہ آپ سے مانگتا ہوں اور قرآن شریف کو بار بار حضرت اقدسؑ کے ہاتھ میں دیتا اور اصرار کرتا تھا کہ آپ اس کو رکھیں۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

اس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت

"ہم قرآن شریف ہی کی تعلیم دینے کو آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف تو اس لیے بھیجا ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے۔ اس میں کہیں نہیں لکھا کہ خدا کسی کو مجبور کرتا ہے۔ انسان کی ہر حالت خواہ وہ آرام کی ہو

یا تکلیف کی، گذر ہی جاتی ہے۔ کیونکہ وقت تو اُس کی پروا نہیں کرتا؛ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔ شبِ تنور گذشت وشبِ سمور گذشت۔ پھر انسان کیونکر اس کام کو مقدم نہ کرے جو اس کا اصل فرض ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی ضرورت آج اسلام کی زندگی کی ہے۔ اسلام ہر قسم کی خدمت کا محتاج ہے۔ اس کی ضرورتوں پر ہم کسی ضرورت کو مقدم نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے۔ ہم معصیت سمجھتے ہیں کہ اس کام کو چھوڑ دیں۔ دو بیمار ہوتے ہیں۔ ایک ان میں سے اگر مرجاوے تو کچھ حرج نہیں ہوتا، لیکن ایک ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ مرجاوے تو دُنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ بس یہی حالت اسلام کی ہو رہی ہے۔ آج سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور بن پڑے اسلام کی خدمت کی جاوے۔ جس قدر روپیہ ہو وہ اسلام کے احیاء میں خرچ کیا جاوے۔ مَیں اب تمہارے اس طرح پر قرآن شریف پیش کرنے کو کیا کروں۔ مَیں تمہارا فکر کروں یا قرآن شریف کا فکر کروں۔ میرے لیے تو قرآن ہی کا فکر مقدم پڑا ہوا ہے اور جو کام خدا نے میرے سپرد کیا ہے اُسے مَیں کیونکر چھوڑ دُوں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام کا کیا حال ہو گیا ہے۔ کوئی ناجائز کام کسی تاویل اور پناہ لینے سے روا نہیں ہو جاتا۔ تمہاری یہ قسم دراصل ناجائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص قتل کا مستوجب ہوا وہ بیت الحرام میں داخل ہو گیا۔ صرف اس خیال سے کہ اس کی شان میں آیا ہے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: ۹۸) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو وہیں قتل کیا جاوے۔ اس طرح اگر کوئی لوگوں کو قسمیں دے کر اپنے اغراض کو پُورا کرنے پر مجبور کرے تو وہ ساری دنیا کا کام آج تمام کر دیتا اور خدا کے احکام سے اَمان اُٹھ جاتا۔ اور ایسے طریقوں اور حیلوں سے آج اسلام کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ ہمارا یہ مذہب نہیں ہے کہ دینی حالت کا لحاظ نہ کریں اور اُس کی پروا نہ ہو۔ نہیں! بلکہ ہمارے نزدیک وہ سب سے مقدم ہے۔ تم نے جو طریق اختیار کیا ہوا ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ جائز نہیں رکھتا۔"

اس کے بعد ڈاکٹر رحمت علی صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا کہ کسی نے اعتراض کیا کہ مسیح کی نسبت آیا ہے وہ بہت مال دے گا۔ مَیں نے اس کو کہا کہ کس قدر مال اس نے دیا ہے کوئی لینے والا بھی ہو۔ دس ہزار ایک کتاب کے ساتھ ہے۔ پانچسو ایک کے ساتھ ہے۔ وغیرہ۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔

"ہاں درست ہے مگر قرآن شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے؛ چنانچہ فرمایا: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ پس قرآن شریف معارف اور علوم کے مال کا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال رکھا ہے۔ دُنیا کی برکتیں بھی اسی کے ساتھ آتی ہیں۔"

ازاں بعد پھر اسی قرآن فروش نے کہا کہ یا امام پاک! نبیوں نے تو خدا کے کلام کو واپس نہیں کیا۔ آپ تو امام پاک ہیں۔ آپ کیوں واپس کرتے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا:

"تم نے نبیوں کو کہاں دیکھا ہے"؟

اس نے کہا کہ یا حضرت آپ کو تو دیکھا ہے۔ فرمایا

"تم نے ہم کو بھی نہیں دیکھا۔ اگر تم دیکھتے تو ایسی بے جا حرکت نہ کرتے۔

[تھوڑی دیر کے بعد وہ چلا گیا۔ پھر ڈاکٹر رحمت علی صاحب کچھ اپنے مقامی حالات سُناتے رہے۔ اور گورنمنٹ انگلشیہ کا ذکر کرتے رہے کہ اس نے فوجوں میں نماز اور اپنے مذہب کی پابندیوں کے لیے پُورا وقت اور فرصت دے رکھی ہے؛ بشرطیکہ کوئی کہنے والا ہو۔ ہر مذہب کے لوگوں کے لیے ایک ایک مذہبی پیشوا مقرر کر رکھا ہے اور نماز کے اوقات میں کوئی کام نہیں رکھا۔ ہاں جُمعہ کی تکلیف ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا: کہ]

"یہ تکلیف بھی جاتی رہتی۔ اگر سب مِل کر درخواست کرتے، مگر ان کم بختوں نے ہندوستان کو دارُالحرب قرار دے کر جمعہ کی فرضیت کو ہی اُڑانا چاہا ہے۔ افسوس!"

احتیاطی نماز

پھر اُس شخص نے جس کا ذکر یکم اگست کی شام میں کیا کہ حضرت احتیاطی نماز کے لیے کیا حکم ہے۔ فرمایا:

"احتیاطی نماز کیا ہوتی ہے۔ جُمعہ کے تو دو ہی فرض ہیں۔ احتیاطی فرض کچھ چیز نہیں"

فرمایا: "لدھیانہ میں ایک بار میاں شہاب الدین بڑے پکے موحّد نے جمعہ کے بعد احتیاطی نماز پڑھی۔ مَیں نے ناراض ہو کر کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو بڑے پکے موحّد تھے۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے جُمعہ کی احتیاطی نہیں پڑھی، بلکہ مَیں نے مار کھانے کی احتیاطی پڑھی ہے"

مسیح موعود کے حنفی مذہب پر ہونے سے مُراد

اس کے بعد مولوی بہاؤالدین صاحب احمد آبادی نے پُوچھا کہ مکتوباتِ امامِ ربانی میں مسیح موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حنفی مذہب پر ہوگا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا:

"اس سے یہ مُراد ہے کہ جیسے حضرت امام اعظمؒ قرآن شریف ہی سے اِستدلال کرتے تھے، اسی طرح مسیح موعود بھی قرآن شریف ہی کے علوم اور حقائق کو لے کر آئے گا؛ چنانچہ اپنے مکتوبات میں دوسری جگہ اُنھوں نے اس راز کو کھول بھی دیا ہے اور خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ مسیح موعود کو قرآنی حقائق کا علم دیا جائے گا"

کیا مہدی جنگ اور خونریزی کرے گا

پھر یکم اگست والے سائل نے کہا کہ مہدی کی نسبت لکھا ہے کہ وُہ خون کرے گا۔ وغیرہ حضرتؑ نے فرمایا:

"میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا ہے۔ یاد رکھو مہدی کی نسبت جو حدیثیں ہیں۔ جن میں لکھا ہے کہ وُہ جنگ کرے گا۔ اور خونریزی کرے گا۔ اُن کی نسبت خود ان مولویوں نے لکھ دیا ہے کہ بہت سی حدیثیں ان میں موضوع ہیں اور قریباً سب کی سب مجروح ہیں۔ ہمارا یہ مذہب نہیں کہ مہدی آئے گا، تو خون کرتا پھرے گا۔ بھلا وُہ دین کیا ہوا جس میں سوائے جنگ اور جدال کے اور کچھ نہ ہو۔ جہاد کے مسئلہ کو بھی ان ناواقفوں نے نہیں سمجھا۔ قرآن شریف تو کہتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:۲۵۷) تو کیا اگر مہدی آکر لڑائیاں کرے گا، تو اکراہ فی الدین جائز ہوگا اور قرآن شریف کے اس حکم کی بے حرمتی ہوگی؟ اس کے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ وُہ اسلام کو زندہ کرے۔ یا یہ کہ اس کی توہین کرے؟ اگر دین میں لڑائیاں ہی ضرور ہوتی ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک مکہ میں رہ کر کیوں نہ لڑے۔ ہر قسم کی تکلیف اُٹھاتے رہے اور پھر بھی آپؐ نے ابتداء نہیں کی۔ ہمارا مذہب ہے کہ جبراً مسلمان کرنے کے واسطے لڑائیاں ہرگز نہیں کی ہیں، بلکہ وہ لڑائیاں خدا تعالیٰ کا ایک عذاب تھا۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آپ کو سخت تکالیف دی تھیں اور مسلمانوں کا تعاقب کیا اور ان کو تنگ کیا تھا۔ پس یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اسلام تلوار دکھاتا ہے۔ اسلام تو قرآن اور ہدایت پیش کرتا ہے۔ وُہ صلح اور امن لے کر آیا ہے اور دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جو اسلام کی طرح صلح پھیلاتا ہو۔

پس یہ غلط ہے کہ مہدی جنگ کرے گا۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں۔ بھلا اگر تلوار مار کر لوگوں کو ہلاک کر دیا اور ان کے املاک لُوٹ لیے تو اس سے فائدہ کیا ہوا۔ جس مہدی ہونے کا ہمارا دعویٰ ہے یہ تو قرآن شریف سے ثابت ہے۔ جیسے مُوسوی سلسلہ مسیح پر آکر ختم ہوا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک خاص مناسبت کی وجہ سے اس سلسلہ کو بھی ایک محمدی مسیح پر ختم کیا ہے۔ مہدی نام اُس کا اس لیے رکھا ہے کہ وہ براہِ راست خدا تعالیٰ سے ہدایت پائے گا۔ اور ایسے وقت میں آئے گا جبکہ دُنیا سے نورِ ہدایت اُٹھ گئے ہوں گے۔ پھر ایک لطیف تر بات ان دونوں سلسلوں کی مماثلت میں یہ ہے کہ جیسے مسیح مُوسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آیا تھا۔ یہاں بھی مسیح محمدی کی بعثت کا زمانہ چودھویں ہی صدی ہے اور جیسے مسیح موسوی یہودیوں کی سلطنت میں نہیں بلکہ رُومیوں کی سلطنت میں پیدا ہوا تھا اسی طرح محمدی مسیح بھی مُسلمانوں کی سلطنت میں نہیں بلکہ انگلش گورنمنٹ کی سلطنت میں پیدا ہوا ہے۔ غرض ہمارا ہرگز یہ مذہب نہیں ہے کہ مہدی آکر لڑائیاں کرتا پھرے گا اور خونریزی اس کا کام ہوگا۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ تا ۸ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء

۱۵ر اگست ۱۹۰۱ء دیوار کے مقدمہ کی فتحیابی پر فرمایا :

"اس دیوار کی وجہ سے قریباً ڈیڑھ سال راستہ بند رہ کر ایک محاصرہ ہم پر رہا ہے۔ اس کی خبر بھی حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جو حدیث میں موجود ہے۔"

اس بات پر کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح کا نزول ہوگا۔ فرمایا :

"جو شئے اُوپر سے یعنی آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ سب کی نظریں اس کی طرف پھر جاتی ہیں اور سب آسانی سے اس کو دیکھ سکتے ہیں اور وہ چیز جلد مشہور ہو جاتی ہے۔ پس اس لفظ میں ایک استعارہ ہے کہ مسیح کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دیگا کہ بہت جلد اُس کی شہرت ہوگی، چنانچہ یہ امر اس زمانہ کے اسباب ریل۔ ڈاک۔ مطبع وغیرہ سے ظاہر ہے۔"

قرآن شریف کی جامعیّت فرمایا : "کُل چیزیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اگر انسان عقلمند ہو تو اس کے لیے وہ کافی ہے۔" فرمایا :

"یورپین لوگ ایک قوم سے مُعاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی ترکیبِ عبارت ایسی رکھ دیتے ہیں کہ دراز عرصہ کے بعد بھی نئی ضرورتوں اور واقعات کے پیش آنے پر بھی اس میں استدلال اور استنباط کا سامان موجود ہوتا ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں آئندہ کی ضرورتوں کے مواد اور سامان موجود ہیں۔"

غضِّ بصر فرمایا : "مومن کو نہیں چاہیے کہ دریدہ دہن بنے یا بے محابا اپنی آنکھ کو ہر طرف اُٹھائے پھرے، بلکہ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور : ۳۱) پر عمل کر کے نظر کو نیچی رکھنا چاہیے اور بدنظری کے اسباب سے بچنا چاہیے۔"

تقلید کے متعلق مذہب ایک دفعہ ایک واعظ ایسے طرز پر حضرتؑ کے سامنے گفتگو کرتا تھا کہ گویا اس کے نزدیک حضرتؑ ابھی فرقہ وہابیہ کے طرفدار ہیں اور اپنے تئیں بار بار حنفی اور وہابیوں کا دشمن ظاہر کرتا تھا کہ حق کا طالب ہوں۔ اس پر حضرتؑ نے فرمایا :

"اگر کوئی محبت اور آہستگی سے ہماری باتیں سُنے تو ہم بڑی محبت کرنے والے ہیں اور قرآن اور حدیث

کے مطابق ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس طرح فیصلہ کرنا چاہے کہ جو امر قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ کے مطابق ہو اسے قبول کرے گا اور جو ان کے برخلاف ہوگا اسے رد کر دے گا۔ تو یہ امر ہمارا عین سُرور، عین مدعا ہے اور عین آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے۔ ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے، کیونکہ ہر ایک شخص مُجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا وہ اس لائق ہے کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے۔ قرآن شریف کے اسرار سوائے مُطہّر اور پاک لوگوں کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے ہمارے ہاں جو آتا ہے اسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کئے جو نہایت متقی اور صاحبِ تزکیہ تھے۔ آجکل کے لوگ جو بگڑے ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اماموں کی متابعت چھوڑ دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اوّل وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا اور علم دیا۔ دوم وہ جو اُن کی تابعداری کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں۔ کیونکہ اُن کو تزکیۂ نفس عطا کیا گیا تھا اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب تر کے ہیں۔ مَیں نے خود سُنا ہے کہ بعض لوگ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سخت کلامی کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔"

(از نوٹ بک مولوی شیر علی صاحب)

۱۵ر اگست ۱۹۰۱ء کی صُبح کو ایک الہام ہوا

وَاِنِّیْ اَرٰی بَعْضَ الْمَصَائِبِ تَنْزِلُ[1]

۲۶ر اگست ۱۹۰۱ء صبح بوقتِ سیر فرمایا:

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسی

"اچھی زندگی وُہ ہے جو عمدہ ہو؛ اگرچہ تھوڑی ہو۔ حضرت نوحؑ کے مقابلہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ تا ۴ پرچہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۱ء

کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر نہایت مفید تھی۔ تھوڑے سے عرصہ میں آپؐ نے بڑے بڑے مفید کام کئے۔ انبیاءؑ کے اقوال میں ایک اثر ہوتا ہے، وہ اپنے ساتھ قوتِ قدسیہ رکھتے ہیں۔ یہ قوت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ تھی۔ ایک آدمی کو راہ پر لانا کیسا مشکل ہوتا ہے، مگر آنحضرت کے طفیل کروڑوں آدمی راہ پر آگئے۔ اس وقت دُنیا میں تمام مذاہب کے مقابلہ پر سب سے زیادہ تعداد مُسلمانوں کی ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں نے مسلمانوں کی تعداد کم لکھی ہے، مگر محققین نے بڑے بڑے ثبوت دے کر اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ مُسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

کسی بات کا اثر دو طرح پر قائم رہتا ہے۔ اعتقاداً و عملاً۔ اعتقادی طور پر سارے مُسلمان کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر قائم ہیں اور عملی طور پر مثلاً سُوَر نہ رکھنا تمام مسلمانوں میں خواہ وہ کسی فرقہ یا مُلک کے ہوں سب میں نہایت قوت کے ساتھ اُس پر عمل ہوتا ہے۔ بدی کے ارتکاب میں سے جھوٹ بولنا سب سے زیادہ آسان اور جلدی ہو سکنے والا ہے۔ کیونکہ زنا۔ چوری وغیرہ کے واسطے قوت، مال، ہمت، دلیری چاہیے۔ مگر جھوٹ کے واسطے کسی چیز کی ضرورت نہیں، صرف زبان ہلا دینی پڑتی ہے۔ باوجود اس کے صحابہؓ میں جھوٹ ثابت نہیں۔ آنحضرتؐ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی جھوٹ نہیں بولا۔ دیکھو کتنا بڑا اثر ہے۔ لیکن اس کے مقابل حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں دیکھو۔ اپنے نبی کا عین گرفتاری کے وقت انکار کر دیا۔ ایک نے تیس روپے لے کر اُس کو پکڑوا دیا۔ ایک حواری کہتا ہے کہ مسیح نے ایسے نشان دکھائے کہ اگر لکھے جائیں، تو دُنیا میں نہ سمائیں۔ دیکھو یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ جو باتیں دُنیا میں ہوئیں اور ہونے کے وقت سما گئیں وہ بعد میں کیونکر نہ سما سکتیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں سب سے زیادہ قبول ہوئیں۔"

قبولیتِ دُعا کے شرائط

فرمایا: "قبولیتِ دُعا کے واسطے چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ تب کسی کے واسطے دُعا قبول ہوتی ہے۔

شرط اوّل یہ ہے کہ اتقاء ہو یعنی جس سے دُعا کروائی جاوے وہ دُعا کرنے والا متقی ہو۔ تقویٰ احسن و اکمل طور پر حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تھا۔ آپؐ میں کمالِ تقویٰ تھا۔ اصُول تقویٰ کا یہ ہے کہ انسان عبُودیت کو چھوڑ کر اُلوہیت کے ساتھ ایسا مِل جاوے، جیسا کہ لکڑی کے تختے دیوار کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی شے حائل نہ رہے۔ اُمور تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یقینی بدیہی یعنی ظاہری دیکھنے میں ایک بات بُری یا مجمل ہے۔ دوم یقینی نظری یعنی ویسا یقین تو نہیں۔ مگر پھر بھی نظری طور پر دیکھنے میں وہ امر اچھا یا بُرا ہو۔ سوم امورِ مشتبہ، یعنی ان میں شُبہ ہو کہ شاید یہ بُرے ہوں۔ پس متقی وہ ہے کہ اس احتمال اور شُبہ سے بھی بچے۔ اور تینوں مراتب کو طے کرے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ شبہ اور احتمال سے بچنے کے لیے

ہم دس باتوں میں سے نو باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہیے کہ احتمالات کا سدِ باب کیا جاوے۔ دیکھو ہمارے مخالفوں نے اس قدر تائیدات اور نشانات دیکھے ہیں کہ اگر اُن میں تقویٰ ہوتا تو کبھی روگردانی نہ کرتے۔ ایک کریم بخش کی گواہی ہی دیکھو جس نے رو رو کر اپنے بڑھاپے کی عمر میں جبکہ اس کی موت بہت قریب تھی یہ گواہی دی کہ ایک مجذوب گلاب شاہ نے پہلے سے مجھے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں پیدا ہوگیا ہے اور وُہ لُدھیانہ میں آوے گا اور تُو دیکھے گا کہ مولوی اس کی کیسی مخالفت کریں گے۔ اس کا نام غلام احمد ہوگا۔ دیکھو یہ کیسی صاف پیشگوئی ہے جو اس مجذوب نے کی۔ کریم بخش کے پابندِ صوم وصلوٰۃ ہونے اور ہمیشہ سچ بولنے پر سینکڑوں آدمیوں نے گواہی دی جیسا کہ ازالہ اوہام میں مفصل درج ہے۔

اب کیا تقویٰ کا یہ کام ہے کہ اس گواہی کو جھٹلایا جاوے۔ تقویٰ کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے اس میں ایک مصرعہ الہامی درج ہوا۔ وُہ شعر یہ ہے۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے　　اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس میں دوسرا مصرعہ الہامی ہے۔ جہاں تقویٰ نہیں وہاں حسنہ نہیں اور کوئی نیکی نیکی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۳) قرآن بھی ان لوگوں کے لیے ہدایت کا موجب ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ ابتدا میں قرآن کے دیکھنے والوں کا تقویٰ یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بخل سے قرآن شریف کو نہ دیکھیں بلکہ نورِ قلب کا تقویٰ ساتھ لے کر صدقِ نیت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔

دُوسری شرط قبولیتِ دُعا کے واسطے یہ ہے کہ جس کے واسطے انسان دُعا کرتا ہو، اس کے لیے دل میں درد ہو۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ (النمل: ۶۳)

تیسری شرط یہ ہے کہ وقتِ اصفیٰ میسر آوے۔ ایسا وقت کہ بندہ اور اس کے رب میں کچھ حائل نہ ہو۔ قرآن شریف میں جو لیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے کہ وُہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہاں لیلۃ القدر کے تین معنی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ رمضان میں ایک رات لیلۃ القدر کی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی ایک لیلۃ القدر تھا یعنی سخت جہالت اور بے ایمانی کی تاریکی کے زمانہ میں وہ آیا جبکہ ملائکہ کا نزول ہوا۔ کیونکر نبی دُنیا میں اکیلا نہیں آتا بلکہ وہ بادشاہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ لاکھوں کروڑوں ملائکہ کا لشکر ہوتا ہے۔ جو ملائک اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں۔ سوم۔ لیلۃ القدر انسان کے لیے اس کا وقتِ اصفیٰ ہے۔ تمام وقت یکساں نہیں ہوتے۔ بعض وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کو کہتے کہ اَرِحْنَا يَا عَائِشَةُ یعنی اے عائشہ مجھ کو راحت و خوشی پہنچا اور بعض وقت آپ بالکل دُعا میں مصروف ہوتے۔ جیسا کہ سعدیؒ نے کہا ہے۔

وقتے چنیں بُودے کہ جبرئیل و میکائیل پر دانختے و دیگر وقت با حفصہ و زینب درساختے جتنا جتنا انسان خدا کے قریب آتا ہے یہ وقت اسے زیادہ میسّر آتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ پوری مدت دُعا کی حاصل ہو یہاں تک کہ خواب یا وحی سے اللہ تعالیٰ خبر دے۔ محبت و اخلاص والے کو جلدی نہیں چاہیے، بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے۔[1]

ایک رویاء

۲۶ یا ۲۷ راگست ۱۹۰۱ء یا اس کے قریب ایک دن حضرت نے فرمایا:

"ہم نے رویاء میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے قے کی ہے اور اس پر کپڑا دے کر اُسے چھپاتا ہے۔"

کراماتِ اولیاء

ایک صاحب جن کے خاندان میں پیری مُریدی کا سلسلہ مدّت سے چلا آتا ہے اور ہزاروں اُن کے مُرید ہیں اور وُہ خود بھی پیر تھے۔ مگر اب ان سلسلوں کو ترک کر کے اس سلسلہ الٰہیہ میں شامل ہیں۔ انھوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ زمانۂ پیری میں ہم لوگوں کی اکثر جھوٹی کرامتیں مشہور تھیں۔ اور بہت لوگ ہمارے مُرید اور معتقد تھے۔ مَیں نے ایک دفعہ اپنے بھائی سے ذکر کیا اور دل میں کئی بار خطرہ گزرا کہ ہمارے والد صاحب کی جو کرامتیں مشہور ہیں وُہ بھی اس طرح کی ہوں گی جس طرح کی ہماری ہیں۔ پھر ہم نے سوچا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور دُوسرے بزرگوں کا بھی یہی حال ہوگا۔ غرض میں اسی خیال میں ترقی کرتا ہوا قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بدگمان ہو جاتا اور معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا بھی انکار کرتا کہ خوش قسمتی سے مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور حق مل گیا۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"بیشک ان گدّی نشینوں اور اس قسم کے پیروں کے ایمان خطرہ میں ہیں۔ لیکن اس قسم کی جھوٹی کرامتوں کے دکھلانے والے اور جھوٹی کرامتوں کے مشہور ہو جانے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ سب جھوٹے ہی ہیں۔ اور تمام سلسلہ اولیاء کا اور بزرگانِ دین کا سب مکاری اور فریب پر مبنی تھا بلکہ ان جھوٹے ولیوں کا وجُود اس بات کا ثبوت ہے کہ دُنیا میں سچّے ولی بھی ضرور ہیں، کیونکہ جبتک کوئی سچّی بات نہ ہو، تب تک کوئی جھوٹی بات نہیں بنائی جاتی۔ مثلاً اگر دُنیا میں سچّا اور اصلی سونا نہ ہوتا تو کیمیا گر کبھی جھوٹا سونا نہ بناتا۔ اگر سچّے ہیرے اور موتی

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲ صفحہ ۱۳-۱۴ پرچہ ۳۱ راگست ۱۹۰۱ء

کانوں سے نہ نکلتے تو جھوٹے ہیرے اور موتی بنانے کا کسی کو خیال نہ پیدا ہوتا۔ ان جھوٹوں کا ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ سچے ضرور ہیں۔

۲۸ر اگست ۱۹۰۱ء کی صبح کو حضرت نے فرمایا کہ :

آئندہ کے متعلق ایک نظارہ "ہمارے مخالف دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو مسلمان مُلّا مولوی وغیرہ دُوسرے عیسائی انگریز وغیرہ۔ دونوں اس مخالفت میں اسلام پر ناجائز حملے کرنے میں زیادتی کرتے ہیں۔ آج ہمیں ان دونوں قوموں کے متعلق ایک نظارہ دکھایا گیا اور الہام کی صورت پیدا ہوئی مگر اچھی طرح یاد نہیں رہا۔ انگریزوں وغیرہ کے متعلق اس طرح سے تھا کہ ان میں بہت سے لوگ ہیں جو سچائی کی قدر کریں گے اور مُلّا مولویوں وغیرہ کے متعلق یہ تھا کہ اُن میں سے اکثر کی قوت مسلوب ہو گئی ہے۔"

آدابِ دُعا دُعا کے متعلق ذکر تھا : فرمایا :

"دُعا کے لیے رِقّت والے الفاظ تلاش کرنے چاہئیں۔ یہ مناسب نہیں کہ انسان مسنون دُعاؤں کے ایسا پیچھے پڑے کہ اُن کو جنتر منتر کی طرح پڑھتا رہے اور حقیقت کو نہ پہچانے۔ اتباعِ سنّت ضروری ہے، مگر تلاشِ رِقّت بھی اتباعِ سنّت ہے۔ اپنی زبان میں جس کو تم خُوب سمجھتے ہو، دُعا کرو تاکہ دُعا میں جوش پیدا ہو۔ الفاظ پرست مخذُول ہوتا ہے۔ حقیقت پرست بننا چاہیے۔ مسنون دُعاؤں کو بھی برکت کے لیے پڑھنا چاہیے، مگر حقیقت کو پاؤ۔ ہاں جس کو زبانِ عربی سے موافقت اور فہم ہو وہ عربی میں پڑھے۔"

حُقّہ نوشی حُقّہ نوشی کے متعلق ذکر آیا۔ فرمایا :

"اس کا ترک اچھا ہے۔ ایک بدعت ہے۔ مُنہ سے بُو آتی ہے۔ ہمارے والد صاحب مرحوم اس کے متعلق ایک شعر اپنا بنایا ہوا پڑھا کرتے تھے جس سے اس کی بُرائی ظاہر ہوتی ہے۔"

۳ر ستمبر ۱۹۰۱ء

ایک رویاء فرمایا : "آج ہم نے رویاء میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا دربار ہے اور ایک مجمع ہے اور اس میں تلواروں کا ذکر ہو رہا ہے، تو میں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ سب سے بہتر اور

تیز تر وہ تلوار ہے جو تیری تلوار میرے پاس ہے۔ اس کے بعد ہماری آنکھ کھل گئی اور پھر ہم نہیں سوئے کیونکہ لکھا ہے کہ جب ایک مبشر خواب دیکھو، تو اس کے بعد جہاں تک ہو سکے نہیں سونا چاہیے اور تلوار سے مُراد یہی حربہ ہے۔ جو کہ ہم اس وقت اپنے مخالفوں پر چلا رہے ہیں جو آسمانی حربہ ہے۔"

فلسفی اور نبی

فرمایا: "فلسفی اور نبی میں یہ فرق ہے کہ فلسفی کہتا ہے کہ خدا ہونا چاہیے۔ نبی کہتا ہے خدا ہے۔ فلسفی کہتا ہے کہ دلائل ایسے موجود ہیں کہ خدا کا وجود ضرور ہونا چاہیے۔ نبی کہتا ہے کہ مَیں نے خدا سے کلام کیا ہے اور مجھے اس نے بھیجا ہے اور مَیں اس کی طرف سے اس کو دیکھ کر آیا ہوں[1]۔"

انبیاء کی کامیابی کا راز

نبی بخش بٹالوی کا ذکر آیا کہ اس نے مُصلح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ایک اخبار نکالنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"بعض لوگ انبیاء اور مرسلین من اللہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید ان لوگوں کی کامیابی بسبب ان کی لفاظیوں اور قوت بیانیوں اور فصاحتوں اور بلاغتوں کے ہے۔ آؤ ہم بھی ایسا ہی کریں اور اپنا سلسلہ جمالیں۔ مگر وہ لوگ غلطی کھاتے ہیں۔ انبیاء کی کامیابی بسبب اس تعلق کے ہوتی ہے جو اُن کا خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ آدمؑ سے لے کر آجتک کسی کو تقویٰ کے سوا فتح نہیں ہوئی۔

فتح کی کُنجی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فتح صرف اُسی کو ہو سکتی ہے جس کا بحر تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ تقویٰ کا پودا قائم ہو جائے، تو اس کے ساتھ زمین و آسمان اُلٹ سکتے ہیں۔" (ڈائری)

فرمایا: "مُسلمانوں پر افسوس ہے کہ اُنھوں نے یہ تو مان لیا کہ آخری زمانہ کے مُسلمان بھی یہود ہوں گے پر یہ نہ مانا کہ آخری زمانہ کا مسیح بھی انہیں میں سے ہوگا۔ گویا ان کے نزدیک اُمّتِ محمدیہ میں صرف شر ہی رہ گیا ہے اور خیر کچھ بھی نہیں۔"

کسی نے ذکر کیا کہ نبی بخش بٹالوی کہتا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنے خطبوں میں مرزا صاحب کے متعلق بڑا غلو کرتے ہیں اور اسی پر مرزا صاحب نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا درجہ بڑا ہے۔ فرمایا: "براہین احمدیہ کے زمانہ میں مولوی

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۳ صفحہ ۹ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

عبدالکریم صاحب کہاں تھے اس میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ اور "تیرا مخالف جہنم میں گرے گا" وغیرہ۔ مولوی عبدالکریم صاحب اس کے مقابل میں کیا کہہ سکتے ہیں، جو خدا نے کہا ہے۔"

فرمایا: "انبیاءؑ کے کلام میں الفاظ کم ہوتے ہیں اور معانی بہت۔"

فرمایا: "جس قدر دُعائیں ہماری قبول ہو چکی ہیں وُہ پانچہزار سے کسی صُورت میں کم نہیں۔"

شیطان مسیح موعودؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا

فرمایا: "شیطان نے آدم کو مارنے کا منصوبہ کیا تھا اور اس کا استیصال چاہا تھا۔ پھر شیطان نے خدا سے مُہلت چاہی اور اس کو مُہلت دی گئی۔ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر: ۳۹) بسبب اس مُہلت کے کسی نبی نے اس کو قتل نہ کیا۔ اُس کے قتل کا وقت ایک ہی مقرر تھا کہ وہ مسیح موعود کے ہاتھ سے قتل ہو۔ اب تک وُہ ڈاکوؤں کی طرح پھرتا رہا ہے، لیکن اب اس کی ہلاکت کا وقت آگیا ہے۔ اب تک اخیار کی قلت اور اشرار کی کثرت تھی۔ لیکن شیطان ہلاک ہوگا اور اخیار کی کثرت ہوگی اور اشرار چُوڑھے چماروں کی طرح ذلیل بطور نمونہ کے رہ جائیں گے۔"

اعمال کی دو قسمیں

فرمایا: "اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بہشت و دوزخ کی امید و بیم سے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو طبعی جوش سے ہوتے ہیں۔ دو باتیں مسلمانوں میں طبعی جوش کے طور پر اب تک موجود ہیں۔ ایک سُوَر کے گوشت کی حُرمت۔ خواہ مسلمان کیسا ہی فاسق ہو۔ سُوَر کے گوشت پر ضرور غیرت دکھائے گا اور دُوسرے حرمین شریف کی عزت۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ حرمین پر ہاتھ ڈالنے کی دلیری کرے۔"

شیطان کا وجود

اس بات کا ذکر ہوا کہ نیچری لوگ شیطان کے ہونے کے مُنکر ہیں۔

حضرت نے فرمایا:

"انسان کو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ اَلْحَقُّ بِالْاَمْن وہی لوگ ہیں جو خدا کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی ماہیت و حقیقت کو حوالہ بخُدا کرتے ہیں۔ اب دیکھو چار چیزیں غیر مرئی بیان ہوئی ہیں۔ خدا، ملائک،

ارواح، شیطان۔ یہ چاروں چیزیں لائیڈرک ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے خدا اور رُوح کو تو مان لیا جاتے اور ملائک اور شیطان کا انکار کیا جاتے؟ اس انکار کا نتیجہ تو رفتہ رفتہ حشرِ اجساد کا انکار اور الہام کا انکار اور خدا کا انکار ہو گا اور ہوتا ہے۔ بسا مرتبہ انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے مگر اسے جذبات کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں اور باوجود عقل اور سمجھ کے بے اختیار سا ہو کر فسق و فجور میں گرتا ہے۔ یہ کشاکش کیا ہے۔ خدا نے انسان کو اس مسافر خانہ میں بڑے بڑے قویٰ کے ساتھ بھیجا ہے۔ چاہیے کہ یہ اُن سب سے کام لے۔"[1]

---

۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

غیروں کے پیچھے نماز

سید عبداللہ صاحب عرب نے سوال کیا کہ میں اپنے مُلک عرب میں جاتا ہوں وہاں میں ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں۔

فرمایا: "مصدقین کے سوا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

عرب صاحب نے عرض کیا وہ لوگ حضور کے حالات سے واقف نہیں ہیں اور ان کو تبلیغ نہیں ہوئی۔

فرمایا: "ان کو پہلے تبلیغ کر دینا پھر یا وُہ مصدق ہو جائیں گے یا مکذب۔"

عرب صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے مُلک کے لوگ بہت سخت ہیں اور ہماری قوم شیعہ ہے۔

فرمایا: "تم خدا کے بنو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کا معاملہ صاف ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ آپ اس کا متولی اور متکفل ہو جاتا ہے۔"

اب اسلام کا مذہب پھیلے گا

فرمایا: "آج کل تمام مذاہب کے لوگ جوش میں ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اب ساری دُنیا میں مذہب عیسوی پھیل جائے گا۔ برہمو کہتے ہیں کہ ساری دُنیا میں برہموؤں کا مذہب پھیل جائے گا اور آریہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب سب پر غالب آجائے گا۔ مگر یہ سب جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان میں کسی کے ساتھ نہیں۔ اب دُنیا میں اسلام پھیلے گا اور باقی سب مذاہب اس کے آگے ذلیل اور حقیر ہو جائیں گے۔"

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۱ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

دُعا

فرمایا: "جو بات ہماری سمجھ میں نہ آوے یا کوئی مشکل پیش آوے تو ہمارا طریق یہ ہے کہ ہم تمام فکر کو چھوڑ کر صرف دُعا میں اور تضرع میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تب وہ بات حل ہو جاتی ہے۔"

قرآن شریف پر غور کی ضرورت

فرمایا: "افسوس ہے کہ لوگ جوش اور سرگرمی کے ساتھ قرآن شریف کی طرف توجہ نہیں کرتے جیسا کہ دُنیادار اپنی دنیاداری پر یا ایک شاعر اپنے اشعار پر غور کرتا ہے۔ ویسا بھی قرآن شریف پر غور نہیں کیا جاتا۔ بٹالہ میں ایک شاعر تھا۔ اس کا ایک دیوان ہے۔ اس نے ایک دفعہ ایک مصرعہ کہا۔

صبا شرمندہ مے گردد بروئے گُل نگہ کردن

مگر دُوسرے مصرعہ کی تلاش میں برابر چھ مہینے سرگردان و حیران پھرتا رہا۔ بالآخر ایک دن ایک بزاز کی دوکان پر کپڑا خریدنے گیا۔ بزاز نے کئی تھان کپڑوں کے نکالے، پر اس کو کوئی پسند نہ آیا۔ آخر بغیر کچھ خریدنے کے جب اُٹھ کھڑا ہوا، تو بزاز ناراض ہوا کہ تم نے اتنے تھان کھلوائے اور بے فائدہ تکلیف دی۔ اس پر اُس کو دُوسرا مصرعہ سُوجھ گیا۔ اور اپنا شعر اس طرح سے پُورا کیا۔

؎ صبا شرمندہ مے گردد بروئے گل نگہ کردن کہ رخسارِ غنچہ را وا کردن نتوانست تہ کردن

جس قدر محنت اس نے ایک مصرعہ کے لیے اٹھائی۔ اتنی محنت اب لوگ ایک آیتِ قرآنی کے سمجھنے کے لیے نہیں اُٹھاتے۔ قرآن جواہرات کی پیٹی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔"[1]

---

۱۲ ستمبر ۱۹۰۱ء

مسیح موعودؑ کی سچائی پر زمانہ کی شہادت

"اسلام کی موجودہ حالت خود بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی سلسلہ ایسا قائم کرے جو اس کو ان مشکلات سے نجات دے۔ زیرک اور دانشمند انسان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ جب زمین پر تیاری ہے تو آسمان پر کوئی تیاری نہ ہوگی؟ کیا مخالفوں نے اسلام کے نیست و نابود کرنے میں کوئی کمی چھوڑی ہے۔ پادریوں کی طرف دیکھو کہ انہوں نے کس قدر زور لگایا ہے۔ ان لوگوں کے ارادے ہیں اور ان کے نزدیک وہ امن جس کو یہ امن قرار دیتے ہیں اس

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۶ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء

وقت قائم ہو سکتا ہے کہ اسلام کا استیصال ہو جاوے۔ جو شخص قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی مانتا ہے۔ اسے سمجھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ وعدہ کیا تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کیا وہ اس وقت ان بے جا حملوں کے دفاع اور فرو کرنے کے لیے اس صدی کے سر پر اپنی سُنّتِ قدیمہ کے موافق کوئی آسمانی سلسلہ قائم نہ کرتا؟؟؟ اور پھر قرآن شریف میں جبکہ یہ صاف فرما دیا ہے کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح: ۷) تو کیا ضروری نہ تھا کہ ان تنگیوں کی جن میں آج اسلام مبتلا ہے۔ انتہا ہوتی؟ اور یُسر کی حالت پیدا ہوتی؟ بے شک ضرور تھا؛ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان پر غور کرنے سے ضروری طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ اس مصیبت اور تنگی کے وقت ضرور آسمان پر ایک سامان ہو چکا ہے اور تیاری ہو رہی ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ اسلام اپنی اصلی حالت اور صُورت میں نمایاں ہو اور مِٹ یا لکہ تباہ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی سنّتِ قدیم میں سے یہ امر بھی ہے کہ وُہ ظاہر نہیں فرماتا جب تک اس کا وقت نہ آجائے۔ مگر اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ تحریزی ہو رہی ہے۔ اندرونی مصائب کو ہی دیکھو کہ وہ کیا رنگ لا رہے ہیں۔ مُسلمانوں میں وحدت نہیں رہی جو کامیابی کا اصل الاصُول ہے۔ خوارج۔ شیعہ الگ ہیں۔ حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی الگ ہیں۔ صُوفیوں اور مشائخ میں الگ الگ تفرقہ شروع ہے۔ جیسا کہ چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی۔ قادری وغیرہ فرقوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ہر ایک اِن فرقہ والوں میں سے بجائے خود یہ خیال کرتا ہے اور کرتا ہوگا کہ اب اسی کا فرقہ کامیاب ہو جائے گا اور باقی سب کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ حنفی کہتے ہوں گے کہ سب حنفی ہی ہو جائیں گے۔ رافضیوں کے نزدیک ابھی رفض ہی کا زمانہ ہوگا۔ وجودی کہتے ہوں گے کہ سب وجودی ہی ہو جائیں گے۔ اصل میں یہ سب جھوٹے ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں خدا تعالیٰ سے استمزاج کر کے تو نہیں کی جاتیں، بلکہ اپنے ذاتی اور سطحی خیالات ہیں۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے ارادہ تک نہیں پہنچا۔ خدا تعالیٰ کے ارادے وہی ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ جو ظُلم اس وقت کتاب اللہ پر اندرونی یا بیرونی طور پر کیا گیا ہے۔ جو فرقہ اس ظلم کا انتقام لینے والا اور کتاب اللہ کے جلال اور عظمت کو ظاہر کرنے والا ہوگا، وہی خدا سے تائید پائے گا۔ اور اسی کی کامیابی خدا کے حضُور سے مقدر ہے۔ جو اس ظلم کی اصلاح کرے گا خواہ اس فرقہ کا کوئی نام ہو اگر وہ فرقہ دین کے لیے غیرت رکھتا اور کتاب اللہ کی عزت کے لیے اپنے ننگ و نام کو کھوتا ہے تو اس وقت ایک لذّت اور بصیرت کے ساتھ خود بخود روشن ہو جائے گا کہ یہی خدا تعالیٰ سے مدد یافتہ ہے۔ جو کچھ اس زمانہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کی بابت کچھ نہ پُوچھئے۔ بہت سے چور اور ڈاکو مل کر نقب زنی کر رہے ہیں۔ اور ایک خطرناک سازش اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف کی جا رہی ہے، مگر یہاں کچھ فکر ہی نہیں۔ اندرونی مفاسد نے مخالفوں کو موقعہ دے دیا ہے کہ وہ متاعِ اسلام کے لوٹ لینے میں دلیر ہو جائیں۔

میری رائے میں اندرونی مفاسد میں سے بہت کچھ حصہ علماء کے باعث سے پیدا ہوا ہے اور کچھ حصہ اُن لوگوں کی غلطیوں کا ہے جو اپنے آپ کو موحّد کہتے ہیں اور انھوں نے نری خشک لفاظیوں کا نام اسلام رکھ چھوڑا ہے اور ذرا بھی آگے نہیں بڑھتے۔ انھوں نے فیصلہ کر رکھا ہے جیسا عیسائیوں یا اور باطل پرستوں نے مان رکھا ہے کہ خدا کی طاقتیں پیچھے رہ گئی ہیں اور آگے نہیں ہیں گویا جو کچھ اُن کے ہاتھ میں ہے وُہ نرے قصّے اور کہانیاں ہی ہیں۔ جن میں حقیقت کی رُوح اور زندگی کا کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یُوں کہو کہ انہوں نے اسلام کا یہ مغز اور خلاصہ دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ صرف قصّوں کی پیروی کرو اور کچھ نہیں۔ جس قدر یہ ظلم اسلام پر کیا گیا ہے۔ اس کی نظیر اپنے رنگ میں بہت ہی کم ملے گی۔ کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب تھا اور ہے جو ہر زمانہ میں زندہ مذہب کہلا سکتا ہے، کیونکہ اس کے نشانات مُردہ مذاہب کی طرح پیچھے نہیں رہ گئے بلکہ اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ مگر ان خشک موحّدوں نے اس کو بھی مُردہ مذاہب کے ساتھ ملانے کی کوشش کی جبکہ اُس کے انوار و برکات کو ایک وقتِ خاص تک محدُود کر دیا۔ ابتداء میں جب اس فرقہ نے سر نکالا تو بعض طبیعتِ رسا والے بھی اُن کے پاس آتے تھے، مگر یہ کسی کو خیال پیدا نہ ہوا کہ ان کا تھیلا تو پڑتال کر کے دیکھے کہ ان کے پاس ہے کیا؟ جب خوب غور اور فکر سے اُن کی تلاشی لی گئی تو آخر یہی نکلا کہ ان کے پاس بجز رفع یدین یا آمین بالجہر یا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے اور ایسی ہی چند جزئی باتوں کے اور کچھ نہیں۔ اور وُہ اسی پر زور دیتے رہے۔ مثلاً امام کے پیچھے فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے قطع نظر اس کے کہ اس کے معانی پر اطلاع ہو یا نہ ہو۔ محمد حسین قریباً بیس برس تک اپنے رسائل میں انہیں مسائل پر زور دیتا رہا، لیکن آخر ما حصل یہی نکلا کہ اس پُرگوئی میں کوئی رُوحانیت نہیں ہے اور آخر ان تیز زبانوں کی مُنہ زوری ائمہ اربعہ کی تحقیر و تذلیل تک منتہی ہوتی ہے۔

ائمہ اربعہ برکت کا نشان تھے

میری رائے میں ائمہ اربعہ برکت کا نشان تھے۔ ان میں رُوحانیت تھی، کیونکہ رُوحانیت تقویٰ سے شروع ہوتی ہے اور وہ لوگ درحقیقت متقی تھے اور خدا سے ڈرتے تھے اور اُن کے دِل کلابُ الدّنیا سے مناسبت نہ رکھتے تھے۔

یاد رکھو یہ تقویٰ بڑی چیز ہے۔ خوارق کا صدُور بھی تقویٰ ہی سے ہوتا ہے اور اگر خوارق نہ بھی ہوں پھر بھی تقویٰ سے عظمت ملتی ہے۔ تقویٰ ایک ایسی دولت ہے کہ اس کے حاصل ہونے سے انسان خدا تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو کر نقشِ وجُود مٹا سکتا ہے۔ کمال تقویٰ کا یہی ہے کہ اس کا اپنا وجود ہی نہ رہے اور صیقل زدم آں قدر کہ آئینہ نماند کا مصداق ہو جائے۔ اصل میں یہی توحید اور یہی وحدتِ وجود تھی جس میں لوگوں نے غلطیاں کھا کر کچھ کا کچھ بنا لیا ہے۔ یہ کیا دین اور تقویٰ ہے کہ ایک ضعیف انسان اور بے چارہ بندہ ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے۔ اس سے بڑھ کر کیا گستاخی اور شوخی ہو سکتی ہے کہ انسان خدا بنے اور خدا کے بھید اور اسرار کے جاننے کا مدعی ٹھہرے۔

وجُودی فرقہ وجودیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ڈاکٹر انسان کی تشریح کرتا ہے اور اس کے دل و گُردہ وجگر کے بھید معلوم کرتا ہے۔ اسی طرح پر وجُودی نے خدا کا بھید معلوم کرنے کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ یہ نری غلطی اور گستاخی ہے۔ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت و جبرُوت سے ڈرنے والے ہوتے اور ان کے دل میں خدا کا خوف ہوتا تو ان کے لیے صرف آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (انعام : ۱۰۴) ہی کافی تھی۔ اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ : ۱۲) ہی بس تھا۔ مگر جو شخص خدا کے وجُود میں آگے سے آگے ہی چلا جاوے تو حیا اس کا نام نہیں ہے۔

وجُودی مذہب والوں نے کیا بنایا۔ انھوں نے کیا معلوم کیا جو ہم کو معلوم نہ تھا؟ بنی نوع کو انھوں نے کیا فائدہ پہنچایا؟ ان ساری باتوں کا جواب نفی میں دینا پڑے گا۔ اگر کوئی ضِد اور ہٹ سے کام نہ لے تو ذرا بتائے تو سہی کہ خدا تو محبت اور اطاعت کی راہ بتاتا ہے؛ چنانچہ خود قرآن شریف میں اس نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (البقرہ : ۲۰۱) کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ بیٹا باپ کی محبت میں فنا ہو کر خود باپ بن جائے۔ باپ کی محبت میں فنا تو ہو سکتا ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ ہی ہو جاوے۔ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ فنا نظری ایک ایسی شے ہے جو محبت سے ضرور پیدا ہوتی ہے، لیکن ایسی فنا جو درحقیقت بہانہ فنا کا ہو اور ایک جدید وجود کے پیدا کرنے کا باعث بنے کہ میں ہی ہوں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

جن لوگوں میں تقویٰ اور ادب ہے اور جنھوں نے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل : ۳۷) پر قدم مارا ہے وُہ سمجھ سکتے ہیں کہ وجُودی نے جو قدم مارا ہے وُہ حدِّ ادب سے بڑھ کر ہے۔ بیسیوں کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں، مگر ہم پُوچھتے ہیں کہ کیا کوئی وجُودی اس بات کا جواب دے سکتا ہے کہ واقعی وجُودی میں خدا ہے؟ یا تصور ہے؟ اگر خدا ہی ہے۔ تو کیا یہ ضُعف اور کمزوریاں جو آئے دن عاید حال رہتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی

نوٹ :۔ بناتے تو کیا خاک اُلٹے خرابی میں پڑ گئے۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر یہ وجُودی بجائے وحدتِ وجود کے کثرتِ وجود کا عقیدہ رکھتے اور خدا بننے کی کوشش نہ کرتے بلکہ مسیح بننے کی کوشش کرتے تاکہ یہ شرکِ عظیم جو دُنیا میں پھیل رہا ہے کچھ تو مٹتا اور ۴۰ کروڑ لوگوں میں سے جو رات دن رَبُّنَا الْمَسِيْحُ پکارتے ہیں کسی کی تو آنکھ کھُلتی کہ دُنیا میں کتنے مسیح ہو چکے ہیں اور ہوں گے اور قرآن کریم نے اس شرکِ اعظم کو توڑنے کے لیے مسیح ابنِ مریم بننے کا دروازہ کھول دیا ہے؛ چنانچہ سورۃ تحریم کی آخر کی آیات بوضاحتِ تمام کہہ رہی ہیں کہ پہلے زمانہ میں ایک ہی مسیح تھا مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے سارے مومنین مسیح ابن مریم ہو سکتے ہیں۔

صفات ہیں؟ فرزند یا بیوی بیمار ہو جاوے تو کچھ نہیں بنتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جاوے۔ مگر خدا تعالیٰ چاہے تو شفا دے سکتا ہے، حالانکہ وجُودی کے اختیار میں یہ امر نہیں ہے۔ بعض وقت مالی ضعف اور افلاس ستاتا ہے، بعض وقت گناہ اور فسق و فجور بے ذوقی اور بے شوقی کا مُوجب ہو جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کے شامل حال بھی یہ اُمور ہوتے ہیں؟ اگر خدا ہے تو پھر اس کے سارے کام کُنْ فَیَکُوْنُ سے ہونے چاہئیں؛ حالانکہ یہ قدم قدم پر عاجز اور محتاج ٹھوکریں کھاتا ہے۔ افسوس وجُودی کی حالت پر کہ خدا بھی بنا پھر اس سے کچھ نہ ہوا۔ پھر عجب تر یہ ہے کہ یہ خدائی اس کو دوزخ سے نہیں بچا سکتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ (الزلزال:۹) پس جب کوئی گناہ کیا تو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے جہنّم میں جانا پڑا اور ساری خدائی باطل ہو گئی۔ وجُودی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (الشوریٰ: ۸) جبکہ وہاں بھی انسانیت کے تجسّم بنے رہے، تو پھر ایسی فضُول بات کی حاجت ہی کیا ہے جس کا کوئی نتیجہ اور اثر ظاہر نہ ہوا۔ غرض یہ لوگ بڑے بیباک اور دلیر ہوتے ہیں اور چونکہ اس فرقہ کا نتیجہ اباحت اور بے قیدی ہے۔ اس لیے یہ فرقہ بڑھتا جاتا ہے۔ لاہور، جالندھر، ہوشیار پور اضلاع میں اس فرقہ نے اپنا زہر بہت پھیلایا ہے۔ غور کر کے اس کے نتائج پر نظر کرو: بجُز اباحت کے اور کچھ معلوم نہیں دیتا۔ یہ لوگ صَوم و صلوٰۃ کے پابند نہیں اور ہو بھی نہیں سکتے، کیونکہ خدا سے ڈرنا جس پر نجات کا مدار اور اعمال کا انحصار ہے وہ ان میں نہیں ہے۔ بعض بالکل دہریوں کے رنگ میں ہیں۔

غرض میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ بھی منجملہ ان فتنوں کے جو اس وقت پھیلے ہوئے ہیں ایک سخت فتنہ ہے۔ جس نے فسق و فجور کا دَر یا چلا دیا ہے اور اباحت اور دہریت کے دروازوں کو کھول دیا ہے۔ اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس وقت زندہ ہوتے، تو وہ ان کو دیکھ کر حیران ہوتے کہ یہ اسلام کہاں سے آیا۔ انسان کو کسی حالت میں مناسب نہیں ہے کہ وہ انسانیت کی حدود کو توڑ کر آگے نکل جاوے۔ کیا سچ کہا ہے ؎

بزُہد و ورع کوش و صِدق و صفا ولیکن میفزائے بر مُصطفٰے

غرض یہ فرقہ دِق کی طرح ہے۔ ایک شخص الٰہ آباد میں تھا۔ اس نے مجھ سے خط و کتابت کی۔ ایک دو مرتبہ کے خطُوط کی آمد و رفت کے بعد وُہ گالیوں اور بدزبانیوں پر اُتر آیا۔ ان لوگوں میں تزکیۂ نفس تو بڑی بات ہے عام اخلاقی حالت بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اصل یہ ہے کہ اخلاقِ فاضلہ اور تزکیۂ نفس کا مدار ہے تقویٰ اور خدا کا خوف جو بدقسمتی سے ان لوگوں میں نہیں ہوتا، کیونکہ وُہ تو خدا بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس جب وُہ انسانیت چھوڑ کر خدا بن گئے اور یہ ایک ثابت شدہ بات ہے کہ وُہ خدا تو بن سکتے ہی نہیں۔ پھر باقی یہ رہا کہ انسانیت چھوڑ کر شیطان بن گئے۔ اس لیے وہ بہت جلد برافروختہ ہو جاتے ہیں اور جہاں تک ان لوگوں کے حالات کی تحقیقات کرو گے ان میں اسلام کی پابندی نہیں ہوتی، اس لیے کہ خشیتِ الٰہی نہیں ہوتی اور ہیبت اُٹھ جاتی

ہے۔ آخر کار دہریوں کے ساتھ نشست و برخاست شروع کرتے ہیں۔ اور حدود اللہ کو توڑ کر بے قید ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ بڑا ہی خطرناک زہر ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت بایزید بسطامی یا خواجہ جنید بغدادی یا سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے کلمات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے جاہل یا تو اُن کو کفر کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یا ان کے اقوال کو فرقہ وحدۃ وجود کے لیے حجت پکڑتا ہے جیسے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور اَنَا اللّٰہُ فِیْ جُبَّتِیْ۔ یہ اُن کی غلط فہمی ہے جو وہ ان کے اقوال سے حجت پکڑتے ہیں۔ اوّل تو یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ ان کے مُنہ سے ایسے الفاظ نکلے بھی ہیں یا نہیں لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ واقعی اُنھوں نے ایسے الفاظ بیان فرمائے ہیں تو ایسے کلمات کا چشمہ عشق اور محبت ہے۔ مثلاً ایک عاشق جوشِ محبت اور محویتِ عشق میں کہہ سکتا ہے۔ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ محویت اور فنا اس قسم کی اور رنگ کی ہے جیسے ماں کو اپنے بچّہ کے ساتھ محبت کے رنگ میں ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اگر تھوڑی دیر بچّہ ماں کو نہ ملے تو اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا ہے اور ایک اضطراب اور گھبراہٹ محسوس کرتی ہے اور جُوں جُوں اس میں توقف اور دیر ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر اُس کا اضطراب بڑھتا جاتا ہے اور اسے بیہوش کر دیتا ہے۔ اب یہ اُس کی فنا اُس کے وجود سے بڑھ کر ہے۔ مگر وجُودی نے فنا میں ایک وجُود قائم کیا ہے۔ غرض ان بزرگوں کے مُنہ سے جو الفاظ اس قسم کے نکلے ہیں، جن کو وجُودیوں نے اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ وُہ اسی قسم کی محویت اور عشق و محبت کے غلبۂ تامّہ کا نتیجہ ہیں، جس کو ان لوگوں نے اپنی کم فہمی کے باعث کچھ کا کچھ بنا لیا ہے۔ اُن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جب عشق و محبت جوش مارتے ہیں، تو اس کے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ یہ اپنے آپ سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ استیلاءِ محبت میں اپنا وجود دکھائی دیتا ہی نہیں اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیا جاوے۔ یہانتک کہ وہ سرخ انگارے کی طرح ہو جاتے۔ اس حالت میں ایک دیکھنے والا لوہے کا ٹکڑا قرار نہیں دے گا، بلکہ وُہ اُس کو آگ ہی کا ایک انگارہ سمجھے گا اور وُہ بظاہر ہوتا بھی آگ ہی ہے۔ اس سے جلا بھی سکتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ لوہا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح پر آتشِ محبت اپنے عجائبات دکھاتی ہے۔ نادان ان عجائبات کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ ان پر غور کرے اور ان سے کوئی مفید نتیجہ حاصل کرے۔ ایک خیالی اثر دل پر قائم کر لیتا ہے اور اسی لیے یہ مشکلات ہیں کہ ہر شخص جس مذہب میں اپنی عمر کا ایک حصّہ گذارتا ہے وہ اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے جہاں اور غلطیوں اور کمزوریوں کا مواخذہ ہوگا، وہاں اس کا بھی مواخذہ ضرور ہوگا، کیونکہ خدا تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے۔ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) پھر مُنعم خدا والا کیونکر کہہ سکتا ہے کہ

مجھے واقعی یقین آگیا ہے۔ وہ اپنے اندر کون سے خواصِ ربّانی اور صفاتِ ربّانی محسوس کرتا ہے جو یہ فضول دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ جب قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا اور حوائجِ انسانی کی زنجیروں میں پابند اور جکڑا ہوا ہے۔ پھر اُسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مَنَم خدا کہے اور کہے کہ ہاں مجھے اپنے خدا ہونے پر یقین ہو گیا ہے۔ اگر وُہ ایسا کہے تو دُوسرا اُس کو دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ تو کیوں فضول اتنی شیخی مارتا ہے۔ اپنی عاجزی اور فروتنگی کو دیکھو۔ قرآن شریف میں خالق اور مخلوق میں صریح امتیاز رکھا ہوا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے قرآن شریف کو شروع کیا گیا ہے اور پھر مرنے کے بعد بھی ایک مرحلہ رکھا ہوا ہے۔ انسان جب خود اپنے حالات اور صفات کو ہی جان نہیں سکتا اور سمجھ نہیں سکتا۔ پھر یہ خدا کیسے بن سکتا ہے۔ اس کے علم کا محدود اور ناقص ہونا ہی اس کے مخلوق اور بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر یہ غور کرے۔

مسئلہ وحدتِ وجود

غرض یہ بڑا گند ہے۔ اور لوگ جو اس مسئلہ وحدتِ وجود کو مانتے ہیں بڑے گستاخ اور متکبر ہوتے ہیں۔ اپنی غلطیوں کو نہیں چھوڑتے اور غلطیوں کو چھوڑیں کیونکر۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو معاذ اللہ خدا سمجھتے ہیں۔ اگر خدا اور بندہ میں فرق کریں تو ان کو اپنی غلطیوں کی حقیقت پر اطلاع ملے۔ وُہ اپنے طفلانہ خیالات پر خوش ہیں، اس لیے قرآن شریف کے حقائق سے ان کو کوئی خبر نہیں ہو سکتی۔ یہ بہت بڑی خرابی ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ خرابی کب سے پیدا ہوئی ہے۔

میرے نزدیک سارے گدی نشینوں میں کوئی کم ہو گا جس کا یہ مذہب نہ ہو اور انہوں نے بزرگانِ دین کے اُن اقوال کو جو اُنھوں نے استیلائے محبت اور جوشِ عشق میں فرمائے تھے۔ فلسفہ بنا دیا۔ اصل میں فنائے نظری اور وجُودی مذہب میں یہ فرق ہے کہ اوّل الذکر فلسفہ نہیں رکھتا، وہ استیلائے عشق رکھتا ہے اور دُوسرا فیلسُوف بنتا ہے۔ یہ خدا کا دشمن اور مُنکر ہے اور اس کو خدا سے محبت نہیں کیونکہ جیسے فلسفی مُردہ کو تو چیر سکتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وُہ مُردہ کو کھا بھی لے۔ اسی طرح پر وحدتِ وجود کا قائل خدا تو بنتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو خدا سے محبت بھی ہے۔ جس کسی نے کتے یا بندر کی تشریح دیکھ لی ہے، اس کے لیے کب لازم آتا ہے کہ اس سے تعلق بھی ہو۔ یہ ایسے ہی مدعی ہیں۔ فیلسوف بنے ہوئے ہیں۔ مگر انھوں نے ثابت نہیں کیا کہ خدا سے اُن کا کوئی تعلق بھی ہے۔ اکابر کا وُہ طبقہ جنھوں نے آگے قدم بڑھایا ہے وُہ مقبُول بھی ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ اُن پر خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق غالب آگیا تھا۔ وہ قرآن شریف پر ایمان لائے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دریا میں تیرتے تھے۔ اسلام ان کا مذہب تھا۔ اس لیے اُن سے خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ کرشمے اور عجائبات ظاہر ہوئے۔۔۔۔ حقیقت یہی ہے کہ جب بندہ اپنے خالق کے ساتھ محبت و عشق میں ایک شدید تعلق پیدا کر لیتا ہے اس وقت اسے خدا تعالیٰ اپنی صفات سے ایک حظّ عطا کرتا ہے۔ کیونکہ خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

غرض یہ غلطیاں تو ان لوگوں کی ہیں جو خدا بنے ہیں اور انھوں نے اسلام کو سخت گزند پہنچایا ہے۔ مخالفوں نے اُن کے اقوال کو لے کر اسلام پر اعتراض کیے ہیں۔

ایک اور فتنہ پھر دُوسرا فتنہ اُن لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو موحّد کہتے ہیں۔ انھوں نے الفاظ پرستی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ لاہور میں ایک شخص سے بحث ہوئی۔ عبدالحکیمؔ اس کا نام تھا۔ اُس نے صاف کہہ دیا کہ حضرت عُمر بھی محدّث نہ تھے اور حدیث کے معنی یہ کئے کہ اگر محدّث ہوتا تو عُمرؓ ہوتا۔ یہ ترجمہ کر کے اس نے خدا پر الزام لگایا کہ اس نے اس اُمّت کے گویا آنسو پُونچھ دیئے اور کچھ نہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ کیا اس کر توُت پر وہ اس اُمّت کو خیر الامم قرار دیتے ہیں۔ جس میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک شخص بھی ایسا نہ ہوا جس کو خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کا شرف مِلا ہو اور جو اسلام کی صداقت کے لیے ایک زندہ نمونہ ٹھہرتا۔ ان لوگوں نے عملی طور پر گویا مان لیا ہے کہ اب نہ کسی کا خدا سے تعلق ہے نہ مکالمۃ اللہیہ کا شرف کسی کو حاصل ہے، دُعاؤں کی قبولیت کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی تو عورتوں تک کو بھی خُدا سے ہمکلام ہونے کا شرف مِلتا تھا۔ کیا اسلام میں کوئی مرد بنی اسرائیل کی عورتوں جیسا بھی نہیں ہے؟

اے اسلام کے نادان دوستو! ذرا غور تو کرو کہ اس سے اسلام پر کیسا حرف آتا ہے۔ کہ خدا نے اسی واسطے اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا تھا اور اسی وجہ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا تھا کہ آئندہ قیامت تک کوئی نشان ان کی صداقت پر قائم نہ ہوتا اور زندگی کے نشان مٹائے جاتے؟ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ جب ان لوگوں کے عقائد پر نظر کرتا ہوں۔ ان میں بجُز الفاظ کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور جو کچھ انہوں نے مان رکھا ہے اس سے مخالفوں کو بڑے بڑے اعتراض کرنے کا موقعہ ملا ہے؛ چنانچہ مسیح کے متعلق ہی جو کچھ ان کے عقائد ہیں وہ پوشیدہ نہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ مسیح مُردے زندہ کرتا تھا اور چڑیاں بھی بنایا کرتا تھا اور آج تک وہ آسمان پر بغیر کسی قسم کے زمانہ کے اثر ہونے کے بیٹھا ہوا ہے تو بتاؤ کہ اس کے خدا بنانے میں انہوں نے کیا باقی

نوٹ: جب اس مولوی عبدالحکیم سے فروری ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور حضرت اقدس امام علیہ السلام کی بحث ہوئی تھی۔ تو بفضلہ تعالیٰ خاکسار ایڈیٹر الحکم بھی اس بحث کے موقعہ پر شامل تھا۔ یہ شخص آخر مباحثہ کے پرچے لیکر چل دیا اور پھر بے حیائی سے ۱۹۰۰ء میں بمقام قادیان آیا۔ ہر چند اس کو سمجھایا مگر وہ راہ پر نہ آیا اور بیہودہ بکواس کرنے لگا۔ جب اس کو لاہور والا مباحثہ یاد دلایا اور ان کاغذات کو لے کر بھاگ جانیکا الزام اس کو دیا گیا تو پھر وعدہ کیا کہ میں اب وہ کاغذ طبع ہونیکے واسطے بھیج دوں گا۔ ایک مہینہ کے اندر اندر ایڈیٹر الحکم کے پاس کاغذ مباحثہ پہنچ جائیں گے۔ اگر نہ بھیجوں تو مجھے کاذب سمجھا جاوے۔ مگر اب ایک مہینہ چھوڑ ایک سال ختم ہونے کو آیا۔ آجتک اس نے وہ کاغذ نہ بھیجے۔ کاش اگر وہ کمبخت مہر پرچے بھیج دیتا تو حضرت اقدسؑ کی تقریروں کو شائع کر سکتے۔ بہرحال یہ اس عبدالحکیم کا ذکر ہے (ایڈیٹر)

رکھا۔ مَیں نے ایک موحد سے پوچھا کہ تم جو کہتے ہو کہ مسیح نے بھی کچھ جانور بنائے تھے اور وہ خدا کے بنائے ہوئے پرندوں میں مِل جل گئے۔ اب ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ یہ جانور مسیح کا بنایا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ غرض اِس قسم کے ان لوگوں کے عقائد ہیں۔ ہاں چالاکی سے ائمّہ اربعہ کو بُرا کہہ لیتے ہیں۔ مثلاً ایک امام کی بابت دُوہ الزام لگاتے ہیں کہ وُہ بڑے مالدار تھے اور زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ آخر سال پر سارا مال بیوی کو دے دیتے تھے اور پھر اپنی طرف منتقل کر لیتے تھے اس طرح پر گویا اس کو زکوٰۃ کے اثر سے بچا لیتے تھے۔ اس قسم کے مہمل سے افترا کرتے ہیں۔ انھوں نے بجز لفاظی کے اور کوئی فائدہ اسلام کو نہیں پہنچایا۔ اپنے طریقِ عمل سے اسلام کو مُردہ مذہب ثابت کرنا چاہا ہے جبکہ یہ کہہ دیا کہ اب کوئی ایسا مرد نہیں ہے جس کے ساتھ زندہ نشانات اسلام کی تائید میں ہوں۔ افسوس! ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوا۔ یہ کیوں نہیں سمجھتے؟ کیا قرآن میں جو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (فاتحہ: ۶-۷) تھا۔ یہ یُونہی ایک بے معنی اور بے مطلب بات تھی اور نرا ایک قصّہ ہی قصّہ ہے؟ کیا وہ انعام کچھ نہ تھا۔ خدا نے نرا دھوکہ ہی دیا ہے؟ اور وہ اپنے سچّے طالبوں اور صادقوں کو بدنصیب ہی رکھنا چاہتا ہے؟ کس قدر ظلم ہے اگر یہ خدا کی نسبت قرار دیا جائے کہ وُہ نِری لفاظی سے ہی کام لیتا ہے۔

حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں۔ قرآن شریف درحقیقت انسان کو ان مراتب اور اعلیٰ مدارج پر پہنچانا چاہتا ہے جو اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے مصداق لوگوں کو دیئے گئے تھے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوتا جب کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود نہ ہوں۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں کہ آریوں کی طرح خدا کا پرمی اور بھگت کتنی ہی دعائیں کرے اور رو رو کر اپنی جان کھوئے اور اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ اسلام خشک مذہب نہیں ہے۔ اسلام ہمیشہ ایک زندہ مذہب ہے اور اس کے نشانات اس کے ساتھ ہیں۔ پیچھے رہے ہوئے نہیں۔

غرض یہ بھی ایک بدنصیب گروہ ہے۔ یہ لوگ اپنا اصل مذہب نہیں بتاتے ہیں۔ ان کی خبر مشکل سے ہوتی ہے۔

احناف

رہے حنفی، ان میں بدقسمتی سے اقوالِ مُردہ اور بدعات نے دخل پا لیا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تو اعلیٰ درجہ کے متقی تھے، مگر اُن کے پیروؤں میں جب رُوحانیت نہ رہی تو انھوں نے اور بدعتوں کو داخل کر لیا اور تقلید میں انھوں نے یہاں تک غلو کیا کہ ان لوگوں کے اقوال کو جن کی عصمت کا قرآن دعویٰ نہیں کرتا، رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر بھی فضیلت دے دی اور اپنے اغراض و مقاصد کو مدِنظر رکھ کر امام صاحبؒ کے اقوال کی جس طرح چاہا تاویل کر لی۔ لُدھیانہ میں مَیں ایک دفعہ تھا تو نوابوں کے خاندان میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور باتوں ہی باتوں میں انہوں نے کہا کہ مَیں پکّا حنفی ہوں اور یہ بھی کہا کہ میرے چچا صاحب کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی حُسنِ عقیدت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مَالَا بُدَّ مِنْہُ میں

امام صاحبؒ کا یہ قول دیکھا کہ صرف جَو اور انگور اور دو اور یعنی چار قسم کی شراب حرام ہے، تو اُنھوں نے ولایت کی شراب منگوا کر اسّی ہزار روپیہ کی شراب پی تاکہ امام صاحبؒ کی سچی پیروی ہو جاوے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ثُمَّ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔

غرض اس قسم کی تاویلیں کر لیتے ہیں۔ عام طور پر شکایت کی جاتی ہے کہ جس قسم کا فتویٰ کوئی چاہے ان سے لے لے۔ حلالہ کا مسئلہ بھی انھوں نے ہی نکالا ہے۔ اگر کوئی عورت کو طلاق دے دے تو پھر جائز طور پر رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وُہ کسی دُوسرے سے نکاح کرے اور وُہ پھر اس کو طلاق دے؛ حالانکہ قرآن شریف میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا اور احادیث میں حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے۔

شافعی پھر ایک اور فرقہ شافعی مذہب والوں کا ہے۔ وُہ تو وحشیوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک مقولہ ہے۔ "شافعی سب کچھ معافی" یعنی نہ حِلّت وحُرمت کی ضرورت ہے نہ کچھ اور۔

چنانچہ ہمارے مُلک میں خانہ بدوش لوگ جو پھرا کرتے ہیں یہ اپنے آپ کو شافعی کہتے ہیں۔ ان کے اطوار اور چال چلن کو دیکھو۔ اَمرتسر میں ایک مُوحد رنڈی کی مسجد میں نماز پڑھایا کرتا تھا۔ اس نے میرے پاس ذکر کیا کہ وہ ایک مرتبہ بمبئی چلا گیا اور اتفاق سے شافعیوں کی مسجد میں چلا گیا۔ صُبح کی نماز کا وقت تھا۔ اس سے جب دریافت کیا تو اس نے کہہ دیا کہ مَیں شافعی ہوں اور جب اُنھوں نے اس کو نماز کے لیے امام بنایا اور اس نے شافعی مذہب کے موافق صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھی تو وہ لوگ بڑے ہی برافروختہ ہوئے۔ آخر بمشکل وہاں سے بچ کر نکلا۔ الغرض مذہبِ اسلام میں اندرُونی طور پر ایسے ایسے بہت سے فساد اور فِتنے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے اور بیرونی فسادوں کو آدمی دیکھے تو اور بھی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک پادریوں کے ہی فتنہ کو دیکھو تو گھبرا جاؤ۔ مختصر یہ کہ ان سارے فسادوں کا اجتماع بالبداہت بتا رہا ہے کہ اس وقت آسمانی سلسلہ کی ضرورت ہے اور اگر خدا اس وقت کوئی سلسلہ قائم نہ کرتا تو پھر خدا پر اعتراض ہوتا، مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے وقت پر ہماری دستگیری کی اور اس سلسلہ کو اپنی تائیدوں کے ساتھ قائم کیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔" [1]

---

۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء

تبتّل کی حقیقت

۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود ادام فیوضہم نے سیّد امیر علی شاہ صاحب ملہم سیالکوٹی کے استفسار

---

[1] الحکم جلد نمبر ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۱ تا ۳ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء
" " " ۳۶ " ۱ تا ۳ " ۳۰ " " ۱۹۰۱ء

پر بیان فرمائی۔ ان کو اپنی کسی رویا میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ تبتّل کے معنی حضرت اقدسؑ سے دریافت کریں۔ اس پر انہوں نے سوال کیا اور حضرت اقدسؑ نے اس کی تشریح فرمائی۔ (ایڈیٹر)

"میرے نزدیک رویا میں یہ بتانا کہ تبتّل کے معنی مجھ سے دریافت کئے جاویں۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ جو میرا مذہب اس بارہ میں ہے، وہ اختیار کیا جاوے۔ منطقیوں یا نحویوں کی طرح معنے کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ حال کے موافق معنے کرنے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک اُس وقت کسی کو مُتبتّل کہیں گے۔ جب وُہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دُنیا اور اس کی متعلقات و مکروہات پر مقدّم کرے۔ کوئی رسم و عادت، کوئی قومی اُصول اس کا رہزن نہ ہو سکے، نہ نفس رہزن ہو سکے، نہ بھائی نہ جورو، نہ بیٹا نہ باپ۔ غرض کوئی شے اور کوئی متنفس اس کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ میں اپنے اثر کے نیچے نہ لا سکے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصُول میں ایسا اپنے آپ کو کھوئے کہ اس پر فنائے اَتَم طاری ہو جائے اور اس کی ساری خواہشوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جاوے۔ دُنیا کے تعلّقات بسا اوقات خطرناک رہزن ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی رہزن حضرت حوّا ہوگئی۔ پس تبتّل تام کی صُورت میں یہ ضروری امر ہے کہ ایک سُکر اور فنا انسان پر وارد ہو، مگر نہ ایسی کہ وہ اسے خدا سے گم کرے بلکہ خدا میں گُم کرے۔

غرض عملی طور پر تبتّل کی حقیقت تب ہی کھُلتی ہے جبکہ ساری روکیں دُور ہو جائیں اور ہر ایک قسم کے حجاب دُور ہو کر عجبتِ ذاتی تک انسان کا رابطہ پہنچ جاوے اور فنائے اَتَم ایسی حاصل ہو جاوے۔ قیل و قال کے طور پر تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور انسان الفاظ اور بیان میں بہت کچھ ظاہر کر سکتا ہے، مگر مشکل ہے تو یہ کہ عملی طور پر اسے دکھا بھی دے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ یُوں تو ہر ایک خدا کو ماننے والا ہے۔ پسند بھی کرتا ہے اور کہہ بھی دیتا ہے کہ مَیں چاہتا ہوں کہ خدا کو سب پر مقدّم رکھوں اور مقدّم کرنے کا مدّعی بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب ان آثار اور علامات کا معائنہ کرنا چاہیں جو خدا کے مقدّم کرنے کے ساتھ ہی عطا ہوتے ہیں تو ایک مشکل کا سامنا ہوگا۔ بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جب اس مال اور جان دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اُن سے اُن کی جانوں اور مالوں یا اور عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہے؛ حالانکہ وہ اشیاء اُن کی اپنی بھی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی وہ مضائقہ کرتے ہیں۔ ابتداءً بعض صحابہ کو اس قسم کا ابتلا پیش آیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بنائے مسجد کے واسطے زمین کی ضرورت تھی۔ ایک شخص سے زمین مانگی تو اس نے کئی عُذر کر کے بتا دیا کہ میں زمین نہیں دے سکتا۔ اب وُہ شخص رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لایا تھا اور اللہ اور اس کے رسُول کو سب پر مقدّم کرنے کا عہد اس نے کیا تھا، لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آیا تو اس کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ گو آخر کار اس نے وہ قطعہ دے دیا۔ تو بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض بات سے نہیں ہو سکتا۔ جب تک عمل اس کے ساتھ نہ ہو۔

اور عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا جبتک امتحان ساتھ نہ ہو۔

ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا اور ایک شخص کو جسے خدا نے اپنا مامور کر کے دُنیا میں بھیجا ہے اور جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے، اپنا امام سمجھوں گا۔ اس کے فیصلے پر انشراحِ قلب کے ساتھ رضامند ہو جاؤں گا، لیکن اگر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد ہمارے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور انک پاتا ہے تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس نے تبتّل حاصل نہیں کیا اور وُہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو تبتّل کا مقام کہلاتا ہے، بلکہ اس کی راہ میں ہوائے نفس اور دنیوی تعلقات کی رکیں اور زنجیریں باقی ہیں اور ان حجابوں سے وہ باہر نہیں نکلا جن کو پھاڑ کر انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے۔ جبتک وُہ دنیا کے درخت سے کاٹا جا کر اُلوہیت کی شاخ کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا۔ اس کی سرسبزی اور شادابی محال ہے۔ دیکھو جب ایک درخت کی شاخ اس سے کاٹ دی جاوے تو وہ پھل پھُول نہیں دے سکتی خواہ اسے پانی کے اندر ہی کیوں نہ رکھو اور ان تمام اسباب کو جو پہلی صُورت میں اُس کے لیے مایۂ حیات تھے، استعمال کرو، لیکن وہ کبھی بھی بار آور نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جب تک ایک صادق کے ساتھ انسان کا پیوند قائم نہیں ہوتا وُہ رُوحانیت کو جذب کرنے کی قوت نہیں پا سکتا۔ جیسے وہ شاخ تنہا اور الگ ہو کر پانی سے سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی طرح پر یہ بے تعلق اور الگ ہو کر بار آور نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کو تبتّل ہونے کے لیے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے۔ اور ایک پیوند کی بھی۔

خدا کے ساتھ اُسے پیوند کرنا اور دُنیا اور اس کے تمام تعلقات اور جذبات سے الگ بھی ہونا پڑے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بالکل دُنیا سے الگ رہ کر یہ تعلق اور پیوند حاصل کرے گا۔ نہیں بلکہ دُنیا میں رہ کر پھر اس سے الگ رہے۔ یہی تو مردانگی اور شجاعت ہے اور الگ ہونے سے مراد یہ کہ دُنیا کی تحریکیں اور جذبات اس کو اپنا زیرِ اثر نہ کر لیں اور وُہ ان کو مقدم نہ کرے، بلکہ خدا کو مقدم کرے۔ دُنیا کی کوئی اور روک اس کی راہ میں نہ آوے اور اپنی طرف اس کو جذب نہ کر سکے۔ مَیں نے ابھی کہا ہے کہ دنیا میں بہت سی روکیں انسان کے لیے ہیں۔ ایک جورو یا بیوی بھی بہت کچھ رہزن ہو سکتی ہے۔ خدا نے اس کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ خدا نے صرف ایک نہی کی تعلیم دی تھی اس کا اثر پہلے عورت پر ہوا پھر آدمؑ پر ہوا۔

غرض تبتّل کیا ہے؟ خدا کی طرف انقطاع کر کے دُوسروں کو محض مُردہ سمجھ لینا۔ بہت سے لوگ ہیں جو ہماری باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ بجا اور دُرست ہے، مگر جب اُن سے کہا جاوے کہ پھر تم اس کو قبول کیوں نہیں کرتے۔ تو وُہ یہی کہیں گے۔ کہ لوگ ہم کو بُرا کہتے ہیں۔ پس یہ خیال کہ لوگ اُن کو بُرا کہتے ہیں۔ یہی ایک رگ ہے جو خدا سے قطع کراتی ہے، کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا خوف دل میں ہو اور اس کی عظمت اور جبروت کی حکومت

کے ماتحت انسان ہو۔ پھر اس کو کسی دوسرے کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کیا کہتا ہے کیا نہیں؟ ابھی اس کے دل میں لوگوں کی حکومت ہے نہ خدا کی۔ جب یہ مشرکانہ خیال دل سے دُور ہو جاوے پھر سب کے سب مُردے اور کیڑے سے بھی کمتر اور کمزور نظر آتے ہیں۔ اگر ساری دُنیا مل کر بھی مقابلہ کرنا چاہے تو ممکن نہیں کہ ایسا شخص حق کو قبول کرنے سے رُک جائے۔

تبتّل تام کا پورا نمونہ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے مامُوروں میں مشاہدہ کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح دُنیاداروں کی مخالفتوں کی باوجود پوری بے کسی اور ناتوانی کے پرواہ تک نہیں کرتے۔ اُن کی رفتار اور حالات سے سبق لینا چاہیے۔

بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ جو بُرا نہیں کہتے، مگر پورے طور پر اظہار بھی نہیں کرتے محض اس وجہ سے کہ لوگ بُرا کہیں گے کیا اُنکے پیچھے نماز پڑھ لیں؟ مَیں کہتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ ابھی تک اُن کے قبولِ حق کی راہ میں ایک ٹھوکر کا پتھر ہے اور وُہ ابھی تک اسی درخت کی شاخ ہیں جس کا پھل زہر ہلاہل اور ہلاک کرنے والا ہے۔ اگر وُہ دُنیاداروں کو اپنا معبُود اور قبلہ نہ سمجھتے تو ان حجابوں کو چیر کر باہر نکل آتے اور کسی کے لعن طعن کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے اور کوئی خوف شماتت کا انہیں دامنگیر نہ ہوتا، بلکہ وُہ خدا کی طرف دوڑتے۔ پس تم یاد رکھو کہ تم ہر کام میں دیکھ لو کہ اس میں خدا راضی ہے یا مخلوقِ خدا۔ جب تک یہ حالت نہ ہو جاوے کہ خدا کی رضا مقدم ہو جاوے اور کوئی شیطان رہزن نہ ہو سکے۔ اس وقت تک ٹھوکر کا اندیشہ ہے، لیکن جب دُنیا کی بُرائی بھلائی ہی نہ ہو بلکہ خدا کی خوشنودی اور ناراضگی اس پر اثر کرنے والی ہو یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسان ہر قسم کے خوف و حُزن کے مقامات سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری جماعت میں شامل ہو کر پھر اس سے نکل جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کا شیطان اس لباس میں ہنوز اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ عزم کرلے کہ آئندہ کسی وسوسہ انداز کی بات کو سُنوں گا ہی نہیں۔ تو خدا اسے بچا لیتا ہے..... ٹھوکر لگنے کا عموماً یہی سبب ہوتا ہے کہ دُوسرے تعلقات قائم تھے۔ اُن کو پرورش کے لیے ضرورت پڑی کہ ادھر سے سُست ہوں۔ سُستی سے اجنبیت پیدا ہوئی۔ پھر اس سے تکبّر اور پھر اِنکار تک نوبت پہنچی۔ تبتّل کا عملی نمونہ ہمارے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ آپؐ کو کسی کی مدح کی پرواہ نہ ذم کی۔ کیا کیا آپؐ کو تکالیف پیش آئیں، مگر کچھ بھی پروا نہیں کی۔ کوئی لالچ اور طمع آپؐ کو اس کام سے روک نہ سکا جو آپؐ خدا کی طرف سے کرنے کے لیے آئے تھے۔ جب تک انسان اس حالت کو اپنے اندر مشاہدہ نہ کرلے اور امتحان میں پاس نہ ہو لے۔ کبھی بھی بے فکر نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص متبتّل ہوگا متوکّل بھی وہی ہوگا۔ گویا متوکّل ہونے کے واسطے متبتّل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ جب تک اوروں کے ساتھ تعلقات ایسے ہیں کہ ان پر بھروسہ اور تکیہ کرتا ہے۔ اُس وقت تک خالصتہً اللہ پر توکل کب ہو سکتا ہے جب خدا کی طرف انقطاع کرتا ہے

تو وُہ دنیا کی طرف سے توڑتا ہے اور خدا میں پیوند کرتا ہے اور یہ تب ہوتا ہے جبکہ کامل توکّل ہو جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کامل متبتّل تھے۔ ویسے ہی کامل متوکّل بھی تھے اور یہی وجہ ہے کہ اتنے وجاہت والے اور قوم و قبائل والے سرداروں کی ذرا بھی پروا نہیں کی اور ان کی مخالفت سے کچھ بھی متاثر نہ ہوتے۔ آپؐ میں ایک فوق العادت یقین خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ اسی لیے اس قدر عظیم الشان بوجھ کو آپؐ نے اُٹھالیا اور ساری دنیا کی مخالفت کی اور ان کی کچھ بھی ہستی نہ سمجھی۔ یہ بڑا مؤثر ہے توکّل کا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اس لیے کہ اس میں خدا کو پسند کرکے دنیا کو مخالف بنالیا جاتا ہے۔ مگر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی جب تک گویا خدا کو نہ دیکھ لے۔ جبتک یہ امید نہ ہو کہ اس کے بعد دُوسرا دروازہ ضرور کھلنے والا ہے۔ جب یہ امید اور یقین ہو جاتا ہے تو وہ عزیزوں کو خدا کی راہ میں دشمن بنالیتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا اور دوست بنادے گا۔ جائیداد کھو دیتا ہے کہ اس سے بہتر ملنے کا یقین ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا ہی کی رضا کو مقدم کرنا تو تبتّل ہے اور پھر تبتّل اور توکّل توام ہیں۔ تبتّل کا راز ہے توکّل اور توکّل کی شرط ہے تبتّل۔ یہی ہمارا مذہب اس امر میں ہے۔[1]

---

۱۴ ستمبر ۱۹۰۱ء بعد مغرب

"اُمّ المؤمنین" کے لفظ کا استعمال

"اُمّ المؤمنین" کا لفظ جو مسیح موعودؑ کی بیوی کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سُن کر فرمایا:

"اعتراض کرنے والے بہت ہی کم غور کرتے اور اس قسم کے اعتراض صاف بتاتے ہیں کہ وہ محض کینہ اور حسد کی بناء پر کیے جاتے ہیں؛ ورنہ نبیوں یا ان کے اظلال کی بیویاں اگر اُمّہات المومنین نہیں ہوتی ہیں تو کیا ہوتی ہیں؟ خدا تعالیٰ کی سُنّت اور قانونِ قدرت کے اس تعامل سے بھی پتہ لگتا ہے کہ کبھی کسی نبی کی بیوی سے کسی نے شادی نہیں کی۔ ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے جو اعتراض کرتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین کیوں کہتے ہو؟ یہ پُوچھنا چاہیئے۔ کہ تم بتاؤ جو مسیح موعود تمہارے ذہن میں ہے اور جسے تم سمجھتے ہو کہ وہ آکر نکاح بھی کرے گا۔ کیا اس کی بیوی کو تم اُمّ المومنین کہو گے یا نہیں؟ مُسلم میں تو مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا ہے اور قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۷ صفحہ ۱ تا ۳ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء

کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ یہ لوگ میری مخالفت اور بغض میں ایسا تجاوز کرتے ہیں کہ مُنہ سے بات کرتے ہوئے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہوگا۔

جن لوگوں نے مسیح موعود کو شناخت کر لیا ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمودہ کے موافق اس کی شان کو مان لیا ہے ان کا ایمان تو خود بخود انہیں اس بات کے ماننے پر مجبُور کرے گا اور جو آج اعتراض کرتے ہیں یہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں بھی ہوتے، تب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آتے۔

یہ بات خُوب یاد رکھنی چاہیے کہ خدا کا مامُور جو ہدایت کرتا ہے اور رُوحانی اصلاح کا موجب ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت باپ سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ افلاطون حکیم لکھتا ہے کہ باپ تو رُوح کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے، مگر اُستاد زمین سے پھر آسمان پر پہنچاتا ہے۔ باپ کا تعلق تو صرف فانی جسم کے ہی ساتھ ہوتا ہے۔ مُرشد اور مُرشد بھی وہ جو خدا کی طرف سے ہدایت کے لیے مامُور ہوا ہو، اس کا تعلق رُوح سے ہوتا ہے جس کو فنا نہیں ہے۔ پھر جب وُہ رُوح کی تربیت کرتا ہے اور اس کی رُوحانی تولید کا باعث ہوتا ہے تو وُہ اگر باپ نہ کہلائے گا، تو کیا کہلائے گا؟ اصل یہی ہے کہ یہ لوگ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی باتوں پر بھی کچھ توجہ نہیں کرتے؛ ورنہ اگر ان کو سوچتے اور قرآن کو پڑھتے تو یہ مُنکرین میں نہ رہتے۔"

فوٹو بنوانے کی غرض

[پھر اعتراض کیا گیا کہ تصویر پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تصویر شیخ کی غرض سے بنوائی گئی ہے حضرت اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:]

"یہ تو دُوسرے کی نیّت پر حملہ ہے۔ مَیں نے بہت مرتبہ بیان کیا ہے کہ تصویر سے ہماری غرض کیا تھی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ہم کو بلادِ یُورپ خصوصًا لنڈن میں تبلیغ کرنی منظور تھی، لیکن چونکہ یہ لوگ کسی دعوت یا تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے جب تک داعی کے حالات سے واقف نہ ہوں اور اس کے لیے اُن کے ہاں علم تصویر میں بڑی بھاری ترقی کی گئی ہے۔ وہ کسی شخص کی تصویر اور اس کے خدوخال کو دیکھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں کہ اس میں راستبازی، قوتِ قدسی کہاں تک ہے؟ اور ایسا ہی بہت سے امور کے متعلق انہیں اپنی رائے قائم کرنے کا موقعہ مِل جاتا ہے۔ پس اصل غرض اور نیّت ہماری اس سے یہ تھی جس کو ان لوگوں نے جو خواہ نخواہ ہر بات میں مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو بُرے بُرے پیرایوں میں پیش کیا اور دُنیا کو بہکایا۔ مَیں کہتا ہوں کہ ہماری نیّت تو تصویر سے صرف اتنی ہی تھی۔ اگر یہ نفسِ تصویر کو ہی بُرا سمجھتے ہیں، تو پھر کوئی سکّہ اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ بہتر ہے کہ آنکھیں بھی نکلوا دیں کیونکہ اُن میں بھی اشیاء کا ایک انعکاس ہی ہوتا ہے۔

یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ افعال کی تہ میں نیّت کا بھی دخل ہوتا ہے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ پڑھتے ہیں۔

گر سمجھتے نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص محض ریاکاری کے لیے نماز پڑھے تو اس کو یہ کوئی مستحسن قرار دیں گے؟ سب جانتے ہیں کہ ایسی نماز کا فائدہ کچھ نہیں، بلکہ وبالِ جان ہے تو کیا نماز بُری تھی؟ اس کے بد استعمال نے اس کے نتیجہ کو بُرا پیدا کیا۔ اسی طرح پر تصویر سے ہماری غرض تو اسلام کی دعوت میں مدد لینا تھی۔ جو اہلِ یورپ کے مذاق پر ہو سکتی تھی۔ اس کو تصویرِ شیخ بنانا اور کچھ سے کچھ کہنا افترا ہے۔ جو مسلمان ہیں اُن کو اس پر غصہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ جو کچھ خدا اور رسُول نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اگر شائخ کا قول خدا اور رسُول کے فرمودہ کے موافق نہیں تو کالائے بد بریشِ خاوند۔ تصویرِ شیخ کی بابت پُوچھو تو اس کا کوئی پتہ نہیں۔ اصل یہ ہے کہ صالحین اور فانین فی اللہ کی محبت ایک عمدہ شے ہے لیکن حفظِ مراتب ضروری ہے۔

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

پس خدا کو خدا کی جگہ۔ رسُول کو رسُول کی جگہ سمجھو اور خدا کے کلام کو دستور العمل ٹھہرا لو۔ اس سے زیادہ قرآن شریف میں اور کچھ نہیں کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹) پس صادقوں اور فانی فی اللہ کی صحبت تو ضروری ہے اور یہ کہیں نہ کہا گیا کہ تم اُسے ہی سب کچھ سمجھو۔ اور یا قرآن شریف میں یہ حکم ہے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۲) اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مجھے خدا سمجھ لو، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر خدا کے محبُوب بننا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ اتباع کا حکم تو دیا ہے، مگر تصورِ شیخ کا حکم قرآن میں نہیں پایا جاتا۔"

تصورِ شیخ

سوال: جو تصورِ شیخ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم شیخ کو خدا نہیں سمجھتے۔

جواب: مانا کہ وہ ایسا کہتے ہیں، مگر بت پرستی تو شروع ہی تصور سے ہوتی ہے۔ بُت پرست بھی بڑھتے بڑھتے ہی اس درجہ تک پہنچا ہے۔ پہلے تصور ہی ہوگا۔ پھر یہ سمجھ لیا کہ تصور قائم رکھنے کے لیے بہتر ہے تصویر بنالیں اور پھر اس کو ترقی دیتے دیتے پتھر اور دھاتوں کے بُت بنانے شروع کر دیئے اور اُن کو تصاویر کا قائم مقام بنالیا۔ آخر یہاں تک ترقی کی کہ اُن کی روحانیت کو اور وسیع کر کے ان کو خدا ہی مان لیا۔ اب نرے پتھر ہی رکھ لیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ منتر کے ساتھ اُن کو درست کر لیتے ہیں اور پرمیشر کا حلول ان پتھروں میں ہو جاتا ہے۔ اس منتر کا نام انہوں نے آواہن رکھا ہوا ہے۔ مَیں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ مَیں نے ایک شخص کو دیا کہ اسے پڑھو، تو اس نے کہا کہ اس پر آواہن لکھا ہوا ہے۔ مجھے اس سے کراہت آئی۔ مَیں نے اُسے کہا کہ تُو مجھے دکھا۔ جب مَیں نے پھر ہاتھ میں لے کر دیکھا، تو اس پر لکھا ہوا تھا۔ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ جو ہوتا ہے، روحِ الٰہی کے نیچے ہوتا ہے۔ اسی لیے آدمؑ کے لیے فرمایا کہ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر: ۳۰) اسی طرح پر غلطیاں پیدا ہوتی گئیں۔ اصُول کو نہ سمجھا۔ کچھ کا کچھ

بگاڑ کر بنا لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ شرک اور بُت پرستی نے اس کی جگہ لے لی۔ ہماری تصویر کی اصل غرض وہی تھی جو ہم نے بیان کر دی کہ لنڈن کے لوگوں کو اطلاع ہو اور اس طرح پر ایک اشتہار ہو جاوے۔

قلب جاری ہونے کا مسئلہ

غرض تصورِ شیخ کا مسئلہ ہندوؤں کی ایجاد اور ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے چنانچہ قلب جاری ہونے کا مسئلہ بھی ہندوؤں ہی سے لیا گیا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی اصل غرض انسان کی پیدائش سے یہ ہوتی، تو پھر اتنی بڑی تعلیم کی کیا ضرورت تھی۔ صرف اجرائے قلب کا مسئلہ بتا کر اس کے طریقے بتا دیئے جاتے۔ مجھے ایک شخص نے معتبر روایت کی بنا پر بتایا کہ ہندو کا قلب رام رام پر جاری تھا۔ ایک مسلمان اس کے پاس گیا اس کا قلب بھی رام رام پر جاری ہو گیا۔ یہ دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ رام خدا کا نام نہیں ہے۔ دیانند نے بھی اس پر گواہی دی ہے۔ کہ یہ خدا کا نام نہیں ہے۔ قلب جاری ہونے کا در اصل ایک کھیل ہے جو سادہ لوح بھولا کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اگر لوٹا لوٹا کہا جاوے تو اس پر بھی قلب جاری ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو تو پھر وہی ہوتا ہے۔ یہ تعلیم قرآن نے نہیں دی ہے، بلکہ اس سے بہتر تعلیم دی ہے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء: ۹۰) خدا یہ چاہتا ہے کہ سارا وجود ہی قلب ہو جائے؛ ورنہ اگر وجود سے خدا کا ذکر جاری نہیں ہوتا تو ایسا قلب قلب نہیں بلکہ کلب ہے۔

خدا ہی چاہتا ہے کہ خدا میں فنا ہو جاؤ اور اس کے حدود و شرائع کی عظمت کرو۔ قرآن فنا نظری کی تعلیم دیتا ہے۔ میں نے آزما کر دیکھا ہے کہ قلب جاری ہونے کی صرف ایک مشق ہے جس کا انحصار صلاح و تقویٰ پر نہیں ہے۔ ایک شخص منٹگمری یا ملتان کے ضلع کا مجھے چیف کورٹ میں ملا کرتا تھا، اسے اجرائے قلب کی خوب مشق تھی۔ پس میرے نزدیک یہ کوئی قابلِ وقعت بات نہیں اور خدا تعالیٰ نے اس کو کوئی عزت اور وقعت نہیں دی۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اور قرآن شریف کی تعلیم کا مقصد صرف یہ تھا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ (الشمس: ۱۰) کپڑا جب تک سارا نہ دھویا جاوے وہ پاک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پر انسان کے سارے جوارح اس قابل ہیں کہ وہ دھوئے جائیں۔ کسی ایک کے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے سوا یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا کا سنوارا ہوا بگڑتا نہیں، مگر انسان کی بناوٹ بگڑ جاتی ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں اور اپنے تجربہ کی بنا پر گواہی دیتے ہیں کہ جب تک انسان اپنے اندر خدا تعالیٰ کی مرضی اور سنتِ نبویؐ کے موافق تبدیلی نہیں کرتا اور پاکیزگی کی راہ اختیار نہیں کرتا تو خواہ اس کے قلب سے ہی آواز آتی ہو، وہ زہر جو انسان کی رُوحانیت کو ہلاک کر دیتی ہے دُور نہیں ہو سکتی۔ رُوحانیت کی نشو و نما اور زندگی کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اِتباعِ رسولؐ ہے۔ جو لوگ قلب جاری ہونے کے شعبدے لیے پھرتے ہیں، انہوں نے

سنّتِ نبوی کی سخت توہین کی ہے۔ کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر کوئی انسان دُنیا میں گذرا ہے؟ پھر غارِ حرا میں بیٹھ کر وُہ قلب جاری کرنے کی مشق کیا کرتے تھے یا فنا کا طریق آپؐ نے اختیار کیا ہوا تھا؟ پھر آپؐ کی ساری زندگی میں کہیں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ آپؐ نے صحابہؓ کو یہ تعلیم دی ہو کہ تم قلب جاری کرنے کی مشق کرو اور کوئی ان قلب جاری ہونے والوں میں سے پتہ نہیں دیتا اور کبھی نہیں کہتا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بھی قلب جاری تھا۔ یہ تمام طریق جن کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ انسانی اختراع اور خیالات ہیں جن کا نتیجہ کبھی کچھ نہیں ہوا۔ قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے، تو یہ کہ خدا سے یُوں محبت کرو کہ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کے مصداق بنو۔ اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۲) پر عمل کرو اور ایسی فنا میں تم پر آجاوے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (المزمّل: ۹) کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کر لو۔ یہ اُمور ہیں جن کے حصُول کی ضرورت ہے۔ نادان انسان اپنی عقل اور خیال کے پیمانہ سے خدا کو ناپنا چاہتا ہے اور اپنی اختراع سے چاہتا ہے کہ اس سے تعلق پیدا کرے اور یہی ناممکن ہے۔

پس میری نصیحت یہی ہے کہ ان خیالات سے بالکل الگ رہو اور وہ طریق اختیار کرو جو خدا تعالیٰ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم نے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دکھایا کہ اسی پر چل کر انسان دُنیا اور آخرت میں فلاح اور فوز حاصل کر سکتا ہے اور صحابہؓ کو جس کی تعلیم دی۔ پھر وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدوں نے سنّتِ جاریہ کی طرح اپنے اعمال سے ثابت کیا اور آج بھی خُدا نے اسی کو پسند کیا۔ اگر خدا تعالیٰ کا اصل منشاء یہی ہوتا تو ضرور تھا کہ آج بھی جب اس نے ایک سلسلہ گمشدہ صداقتوں اور حقائق کے زندہ کرنے کے لیے قائم کیا یہی تعلیم دیتا اور میری تعلیم کا مُنتہا یہی ہوتا، مگر تم دیکھتے ہو کہ خدا نے ایسی تعلیم نہیں دی ہے، بلکہ وُہ تو قلبِ سلیم چاہتا ہے وُہ محسنوں اور متقیوں کو پیار کرتا ہے، اُن کا ولی ہوتا ہے۔ کیا سارے قرآن میں ایک جگہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وُہ ان کو پیار کرتا ہے کہ جن کے قلب جاری ہوں؟ یقیناً سمجھو کہ یہ محض خیالی باتیں اور کھیلیں ہیں جن کا اصلاحِ نفس اور رُوحانی اُمور سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ ایسے کھیل خدا سے بُعد کا موجب ہو جاتے ہیں اور انسان کے عملی حصّہ میں مُضر ثابت ہوتے ہیں، اس لیے تقویٰ اختیار کرو۔ سُنّتِ نبوی کی عزّت کرو اور اس پر قائم ہو کر دکھاؤ جو قرآن شریف کی تعلیم کا اصل فخر یہی ہے۔"

صوفیاء کا معاملہ

سوال: پھر صُوفیوں کو کیا غلطی لگی؟

جواب: اُن کو بحوالہ خدا کرو۔ معلوم نہیں انھوں نے کیا سمجھا اور کہاں سے سمجھا تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَہَا مَا کَسَبَتْ (البقرہ: ۱۳۵) بعض وقت لوگوں کو دھوکا لگتا ہے کہ وہ ابتدائی حالت کو انتہائی سمجھ لیتے ہیں۔ کیا معلوم ہے کہ انھوں نے ابتداء میں یہ کہا ہو پھر آخر میں چھوڑ دیا ہو یا کسی اور

ہی نے ان کی باتوں میں التباس کر دیا ہو اور اپنے خیالات ملا دیئے ہوں۔ اسی طرح پر توریت و انجیل میں تحریف ہو گئی۔ گذشتہ مشائخ کا اس میں نام بھی نہیں لینا چاہیے۔ ان کا تو ذکرِ خیر چاہیے۔ انسان کو لازم ہے کہ جس غلطی پر خدا اُسے مطلع کرے خود اس میں نہ پڑے۔ خدا نے یہی فرمایا ہے کہ شرک نہ کرو اور تمام عقل اور طاقت کے ساتھ خدا کے ہو جاؤ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔"

حبسِ دم

سوال: حبسِ دم کیا ہے؟

جواب: "یہ بھی ہندو جوگیوں کا مسئلہ ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔"[1]

---

۲۱ ستمبر ۱۹۰۱ء

[۲۱ ستمبر ۱۹۰۱ء کی شام کو جبکہ حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام حسبِ معمول مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر احباب کے زمرہ میں تشریف فرما ہوئے تو باتوں ہی باتوں میں کچھ طبی تحقیقاتوں کا سلسلہ چل پڑا اور اُن مغربی تجارب اور تحقیقاتوں کا ذکر ہونے لگا، جو عملِ جراحی کے متعلق یورپ و امریکہ والوں نے کی ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص منشی عبدالحق صاحب پٹیالوی نے اپنے ہاں اولادِ نرینہ ہونے کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ اس پر حضرتِ اقدس امام عالیمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مختصر سی لطیف تقریر فرمائی۔ جس کو ہم اپنے الفاظ اور طرز میں ادا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے:]

اولاد کی خواہش

"انسان کو سوچنا چاہیے کہ اسے اولاد کی خواہش کیوں ہوتی ہے؟ کیونکہ اس کو محض طبعی خواہش ہی تک محدود نہ کر دینا چاہیے کہ جیسے پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے، لیکن جب ایک خاص اندازہ سے گزر جاوے تو ضرور اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذّٰریٰت: ۵۷) اب اگر انسان خود مومن اور عبد نہیں بنتا ہے اور اپنی زندگی کے اصل منشاء کو پورا نہیں کرتا ہے اور پورا حقِ عبادت ادا نہیں کرتا بلکہ فسق و فجور میں زندگی بسر کرتا ہے اور گناہ پر گناہ کرتا ہے تو ایسے آدمی کی اولاد کے لیے خواہش کیا نتیجہ رکھے گی؟ صرف یہی کہ گناہ کرنے کے لیے وُہ اپنا ایک اور خلیفہ چھوڑنا چاہتا ہے۔ خود کو نسی کمی کی ہے جو اولاد کی خواہش کرتا ہے۔ پس جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لیے نہ ہو کہ وُہ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۹-۴۰ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ اکتوبر و ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۱ء

دیندار اور متقی ہو اور خدا تعالیٰ کی فرماں بردار ہو کر اُس کے دین کی خادم بنے بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی معصیت اور گناہ ہے اور باقیاتِ صالحات کی بجائے اس کا نام باقیاتِ سیئات رکھنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صالح اور خدا ترس اور خادمِ دین اولاد کی خواہش کرتا ہوں، تو اس کا یہ کہنا بھی نرا ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا۔ جب تک کہ وہ اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔ اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے اور مُنہ سے کہتا ہے کہ میں صالح اور متقی اولاد کی خواہش کرتا ہوں، تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذّاب ہے۔ صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وُہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ زندگی بنا دے تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہوگی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہوگی کہ اس کو باقیاتِ صالحات کا مصداق کہیں۔ لیکن اگر یہ خواہش صرف اس لیے ہو کہ ہمارا نام باقی رہے اور وہ ہمارے املاک و اسباب کی وارث ہو یا بڑی ہی نامور اور مشہور ہو۔ اس قسم کی خواہش میرے نزدیک شرک ہے۔

نیکی کرنے کا مقصد یاد رکھو کسی نیکی کو کبھی اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ اس نیکی کے کرنے پر ثواب یا اجر ملے گا۔ کیونکہ اگر محض اس خیال سے نیکی کی جاوے تو وہ اِبْتِغَاءَ لِمَرْضَاتِ اللّٰہِ۔ نہیں ہو سکتی، بلکہ اس ثواب کی خاطر ہوگی اور اس سے اندیشہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت اسے چھوڑ بیٹھے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہر روز ہم سے ملنے کو آوے اور ہم اُس کو ایک روپیہ دے دیا کریں، تو وہ بجائے خود یہی سمجھے گا کہ میرا جانا صرف روپے کے لیے ہے جس دن سے روپیہ نہ ملے اسی دن سے آنا چھوڑ دے گا۔ غرض یہ ایک قسم کا باریک شرک ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ نیکی کو محض اس لیے کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ خوش ہو اور اس کی رضا حاصل ہو اور اس کے حکم کی تعمیل ہو۔ قطع نظر اس کے کہ اُس پر ثواب ہو یا نہ ہو۔* ایمان تب ہی کامل ہوتا ہے جبکہ یہ وسوسہ اور وہم درمیان سے اُٹھ جاوے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (التوبہ : ۱۲۰) مگر نیکی کرنے والے کو اَجر مدِّنظر نہیں رکھنا چاہیے۔ دیکھو اگر کوئی مہمان یہاں محض اس لیے آتا ہے کہ وہاں آرام ملے گا۔ ٹھنڈے شربت ملیں گے یا تکلف کے کھانے ملیں گے۔ تو وہ گویا ان اشیاء کے لیے آتا ہے، حالانکہ خود میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی المقدور اس کی مہمان نوازی

---

* **نوٹ** : حضرت حجۃ اللہ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر مجھے یہ بھی بتایا جاوے اور یقین کرایا جاوے کہ اس کام کے کرنے پر سخت سے سخت عذاب دیا جاوے گا۔ تب بھی میں اپنی رُوح میں کوئی لغزش نہیں پاتا کہ وہ اس کام کو چھوڑ دے، کیونکہ محض عذاب یا ثواب میرے کام کی غرض نہیں ہے۔ مجھے تو خدا تعالیٰ نے طبعی طور پر ایک جوشِ فطرت عطا کیا ہے۔ جو اس کے احکام کی تعمیل کی طرف کشاں کشاں لیے جاتا ہے (ایڈیٹر)

میں کوئی کمی نہ کرے اور اس کو آرام پہنچا دے اور وہ پہنچاتا ہے، لیکن مہمان کا خود ایسا خیال کرنا اس کے لیے نقصان کا موجب ہے۔

اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر ہونی چاہیے

تو غرض مطلب یہ ہے کہ اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر ہونی چاہیے۔ اس لحاظ سے اور خیال سے نہ ہو کہ وہ ایک گناہ کا خلیفہ باقی رہے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھے کبھی اولاد کی خواہش نہیں ہوئی تھی؛ حالانکہ خدا تعالیٰ نے پندرہ یا سولہ برس کی عمر کے درمیان ہی اولاد دے دی تھی۔ یہ سلطان احمد اور فضل احمد قریباً اسی عمر میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور نہ کبھی مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دُنیا دار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں۔ غرض جو اولاد معصیت اور فسق کی زندگی بسر کرنے والی ہو۔ اس کی نسبت تو سعدیؒ کا یہ فتویٰ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے ؎

کہ پیش از پدر مُردہ بہ ناخلف

پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے، مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وُہ اولاد کی تربیت اور ان کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں، نہ کبھی اُن کے لیے دُعا کرتے ہیں اور نہ مراتبِ تربیت کو مدِنظر رکھتے ہیں۔

میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دُعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتدا میں جب وہ بَدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں، تو ان کو تنبیہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں۔ ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکا اپنے جرائم کی وجہ سے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اس آخری وقت میں اس نے خواہش کی کہ میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ جب اُس کی ماں آئی تو اُس نے ماں کے پاس جا کر اُسے کہا کہ میں تیری زبان کو چوسنا چاہتا ہوں۔ جب اُس نے زبان نکالی تو اُسے کاٹ کھایا۔ دریافت کرنے پر اُس نے کہا کہ اسی ماں نے مجھے پھانسی پر چڑھوایا ہے، کیونکہ اگر یہ مجھے پہلے ہی روکتی، تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں، مگر نہ اس لیے کہ وہ خادمِ دین ہو بلکہ اس لیے کہ دنیا میں ان کا کوئی وارث ہو اور جب اولاد ہوتی ہے تو اس کی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو دُرست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جو اقربِ تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور نیکیوں کی اُمید اس سے کیا ہو سکتی ہے؟ —

اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا

قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان : ۷۵) یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب ہی میسّر آسکتی ہے کہ وُہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عِبادُالرّحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شَے پر مقدّم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو ان کا امام ہی ہوگا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دُعا ہے[1]۔"

۳۰ر اکتوبر ۱۹۰۱ء

[ابھی مغرب کی اذان نہ ہوئی تھی کہ حضرت اقدس علیہ السّلام تشریف لے آئے۔ آپؑ کا چہرہ بشاشت اور مسرت سے پھُول کی طرح کِھلا ہوا تھا۔ چہرہ سے ایک جلال ٹپکتا تھا۔ آتے ہی فرمایا :]

مسیح کی شان میں افراط و تفریط کے خلاف غیرت کا اظہار

"آج مَیں نے ایک مضمون لکھنا شروع کیا ہے کہ مسیح علیہ السّلام کی نسبت بہت بڑا اِطراء کیا گیا ہے اور اُن کی شان میں اتنا غُلو کیا گیا کہ معاذ اللہ خدا ہی بنا دیا گیا ہے۔ ہم ان کی عزّت کرتے ہیں جیسے اور نبیوں کی عزّت کرتے ہیں اور خدا کا راستباز نبی مانتے ہیں، مگر اس غلُو اور اِطراء کو توڑنے کے لیے مَیں نے تجویز کیا ہے کہ اُن کے وُہ سارے سوانح یکجائی طور پر پیش کریں جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک وہ ساری باتیں جو اُن کی انسانیت کے اثبات پر گواہِ ناطق ہیں، پیش نہ کی جاویں۔ خیالی طور پر جو کچھ اُن کے مراتب میں غلُو کیا گیا ہے اُس کا استیصال نہ ہوگا اور یہ جوش خدا تعالیٰ نے مجھے محض اس لیے دیا ہے کہ مَیں دیکھتا ہوں اس اِطراء کا نتیجہ بہت بُرا ہوا ہے۔ نبی کریمؐ کی توہین کی گئی اور خدا تعالیٰ کے جلال و جبروت کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی گئی۔ اس لیے یہ سلسلہ میں سمجھتا ہوں بہت مفید ہوگا۔ چونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہماری نیّت نیک ہے اس لیے وہ واقعات جو ہم اس میں درج کریں گے، اس لیے نہیں ہوں گے کہ ہم خدانخواستہ اُن کی توہین کرتے ہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ اُن کی انسانیت ان کو دی جائے بلکہ ہم ان اعتراضوں کو جو یہودیوں اور فری تھنکروں نے اُن پر کیے ہیں۔ درج کرکے ان کا جواب دیں گے۔"

[اس کے بعد چونکہ اذان ہو چکی تھی۔ نماز مغرب ادا کی گئی۔ بعد نماز مغرب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا :]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ تا ۱۲ پرچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۱ء

اعجاز المسیح کی تصنیف

"یہ کتاب جو میں لکھ رہا ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہوگی چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہوئی ہے کہ اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِكَ اِلَّا فِیْ شُرَكَائِكَ۔ اس لیے مجھے پورا بھروسہ اور یقین ہے کہ میری دُعائیں کُل دُنیا سے زیادہ قبول ہوئی ہیں اور اسی لیے یہ کتاب ایک نشان ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکے گا۔ ہماری جماعت کے ہاتھ میں یہ زبردست نشان ہوگا۔ میں عربوں کے دعویٰ ادب و فصاحت و بلاغت کو بالکل توڑنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ جو اخبار نویس ہیں اور چند سطریں لکھ کر اپنے آپ کو اہلِ زبان اور ادیب قرار دیتے ہیں، وہ اس اعجاز کے مقابلہ میں قلم اٹھا کر دیکھ لیں۔ اُن کے قلم توڑ دیئے جاویں گے۔ اور اگر اُن میں کچھ طاقت ہے اور قوت ہے تو وہ اکیلے اکیلے یا سب کے سب مل کر اس کا مقابلہ کریں پھر انہیں معلوم ہو جائے گا اور یہ راز بھی کھل جائے گا جو یہ ناواقف کہا کرتے ہیں۔ کہ عربوں کو ہزار ہا روپے کے نوٹ دے کر کتابیں لکھائی جاتی ہیں۔ اب معلوم ہو جائے گا کہ کون عرب ہے، جو ایسی فصیح و بلیغ کتاب اور ایسے حقائق و معارف سے پُر لکھ سکتا ہے۔ جو کتابیں یہ ادب و انشاء کا دعویٰ کرنے والے لکھتے ہیں، اُن کی مثال پتھروں کی سی ہے کہ نرم، سخت، سیاہ، سفید پتھر جمع کر کے رکھے جائیں۔ مگر یہ تو ایک لذیذ اور شیریں چیز ہے۔ جس میں حقائق اور معارفِ قرآنی کے اجزاء ترکیب دیئے گئے ہیں۔ غرض جو بات رُوح القدس کی تائید سے لکھی جاوے اور جو الفاظ اُس کے القاء سے آتے ہیں وہ اپنے ساتھ ایک حلاوت رکھتے ہیں اور اس حلاوت میں ملی ہوئی شوکت اور قوت ہوتی ہے جو دُوسروں کو اس پر قادر نہیں ہونے دیتی۔ غرض یہ ایک بہت بڑا نشان ہوگا۔"

پھر اسی سلسلہ کلام میں کہ مسیح کی سوانح پر نکتہ چینیوں کو ہم لکھنا چاہتے ہیں اور یہودی اور فری تھنکروں کے اعتراضوں کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ فرمایا:

"اس طرز کے اختیار کرنے سے مدعا یہ ہے کہ مسیح کی خدائی باطل کی جاوے۔ یہ اعتقاد ظلمِ عظیم ہے اور مجھے تو، خدا کی قدرت ہے کہ شروع سے جبکہ ابھی میں طالب علم ہی تھا، اُس کی تردید کا ایک جوش خدا نے دیا تھا۔ گویا میری سرشت میں یہ بات رکھ دی تھی؛ چنانچہ جب پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتابیں شائع کیں تو ۱۸۵۹ء تا ۱۸۶۰ء کا ذکر ہے کہ مولوی گل علی شاہ صاحب کے پاس جو ہمارے والد صاحب نے خاص ہمارے لیے اُستاد رکھے ہوئے تھے، پڑھا کرتا تھا اور اس وقت میری عمر سولہ سترہ برس کی ہوگی تو اس کی میزان الحق دیکھنے میں آئی۔ ایک ہندو نے جو میرا ہم مکتب تھا، اس کی فارسی کو دیکھ کر اُس کی بڑی تعریف کی۔ میں نے اس کو بہت ملزم کیا اور بتایا کہ اس کتاب میں بجز نجاست کے اور کچھ نہیں ہے تو نرمی زبان پر جاتا ہے۔ اس وقت سے خدا نے اس جوش میں ترقی کی ہے اور میرے رگ و ریشہ میں یہ بات پڑی ہوئی ہے کہ اس افترا کے پُتلے کو تباہ کیا جاوے۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ آجکل جو نمازیں جمع کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے یہ فرمایا تھا کہ اُس

کے لیے نمازیں جمع کی جاویں گی۔ تو یہ عظیم الشان پیشگوئی پُوری ہو رہی ہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ سے مُبتلا رہتا ہوں، پھر بھی آج کل میری مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا ہوں؛ حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی جاتی ہے اور دورانِ سر کا دَورہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ مگر میں اس بات کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کام کو کئے جاتا ہوں؛ چونکہ دن چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور مجھے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ دن کدھر جاتا ہے۔ اُسی وقت عصر ہوتی ہے جب شام کی نماز کے لیے وضو کرنے کے واسطے پانی کا لوٹا رکھ دیا جاتا ہے۔ اس وقت مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کاش اتنا دِن اور ہوتا؛ حالانکہ اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں، مگر جب پاخانے کی حاجت بھی ہوتی ہے تو مجھے رنج ہی ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی اور ایسا ہی روٹی کے لیے جب کئی مرتبہ کہتے ہیں تو بڑا جبر کر کے جلد جلد چند لُقمے کھا لیتا ہوں۔ بظاہر تو میں روٹی کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہوں، مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کیا کھاتا ہوں۔ میری توجہ اور خیال اسی طرف لگا ہوا ہوتا ہے۔ پس یہ کام بہت ضروری ہے اور خدا چاہے تو ایک نشان ہوگا جس کی نظیر لانے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔"

[ناظرین! حضرت اقدسؑ کے اس جوش کا کسی قدر پتہ ان الفاظ سے مِل سکتا ہے جو آپؑ کو اعلائے کلمۃ الاسلام کے لیے حق نے عطا فرمایا ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس دُھن میں ہیں اور وُہ کس خیال میں۔ پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمانے لگے۔ کہ:]

"اگرچہ یہ کتاب بظاہر کوئی عجیب اور اعجاز نظر نہ آتی ہو، مگر اس کی اشاعت پر دُنیا کو معلوم ہو جائے گا۔ جب ہم نے مہوتسو کے لیے مضمون لکھنا شروع کیا تو ہمارے ایک دوست نے اپنے خیال کے موافق کچھ خوشی ظاہر نہ کی۔ مگر خدا تعالیٰ نے الہاماً خوشخبری دی کہ وہ مضمون بالا رہا؛ چنانچہ یہ اشتہار جلسہ سے پہلے ہی شائع کر دیا گیا۔ آخر جب وہ جلسہ میں پڑھا گیا تو اس کی عظمت اور اس کے حقائق کو سب نے تسلیم کیا یہاں تک کہ لاہور کے انگریزی اُردو اخبارات نے اس کے بالا رہنے کا اعتراف کیا۔ اسی طرح پر جب یہ کتاب شائع ہو کر باہر نکلے گی، تب پتہ لگے گا۔ میں نے ایک بار ایک شخص کو دہلی سے عِطر لانے کے لیے کہا وہ کہنے لگا کہ جب میں عطار کی دوکان پر گیا، تو جو عِطر وہ دکھاتا تھا، میں اس کو ہی واپس کر دیتا تھا۔ آخر عطار نے کہا، میاں تم یہاں دوکان میں بیٹھے ہو تمہیں پتہ نہیں لگتا۔ جب دوکان سے باہر لے کر جاؤ گے، تب اس عِطر کی حقیقت معلوم ہوگی؛ چنانچہ جب وہ عِطر لے کر آیا تو اس نے بیان کیا کہ جو گاڑیاں ہم سے پیچھے آتی تھیں ان کے سوار کہتے تھے کہ کس کے پاس عِطر ہے۔ گویا اس کی اتنی خوشبو تھی۔"

[اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ اپنے دعویٰ کی صداقت اور اپنے مامُور من اللہ ہونے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ

اپنے رابطہ کے ایسے شدید اور گاڑھا تعلق ہونے پر کہ کوئی دُوسرا آج زمین پر ویسا نہیں۔ اپنی دُعاؤں کی قبولیت پر کچھ فرماتے رہے۔ پھر مرزا غلام بخش صاحب ابوالعطاء کی کتاب "عسلِ مصفّٰی" سُننے لگے اور اس کے ضمن میں المسیح الدجال پر ایک پُرجوش اور لطیف تقریر فرمائی جو بالکل اچھوتی اور نئی تھی اور کسی تحریر میں ابھی تک نہیں آئی۔ یہ وُہ تقریر ہے جو دجال کی حقیقت اور اس کے خاص پُتلے کو ہر ایک کے سامنے کر دیا جائے گا۔ کوئی ہی ایسا بدبخت ہوگا جو اس کے بعد بھی مُنکر رہے۔"[1])

۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۱ء

فونوگراف کے ذریعہ تبلیغ

(حضرت اقدسؑ حسبِ معمول سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں فونوگراف کی ایجاد اور اس سے اپنی تقریر کو مختلف مقامات پر پہنچانے کا تذکرہ ہوتا رہا؛ چنانچہ یہ تجویز کی گئی کہ اس میں حضرت اقدسؑ کی ایک تقریر عربی زبان میں بند ہو جو چار گھنٹہ تک جاری رہے اور اس تقریر سے پہلے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی تقریر ایک انٹروڈکٹری نوٹ کے طور پر جس کا مضمون اس قسم کا ہو کہ انیسویں صدی مسیحی کے سب سے بڑے انسان کی تقریر آپ کو سُنائی جاتی ہے۔ جس نے خدا کی طرف سے مامُور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے نام سے دُنیا میں آیا ہے اور جس نے ارضِ ہند میں ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور جس کے ہاتھ پر ہزاروں تائیدی نشان ظاہر ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے جس کی ہر میدان میں نُصرت کی۔ وہ اپنی دعوت بلادِ اسلامیہ میں کرتا ہے۔ سامعین خود اس کے مُنہ سے سُن لیں کہ اُس کا کیا دعویٰ ہے اور اس کے دلائل اس کے پاس کیا ہیں۔ اس قسم کی ایک تقریر کے بعد پھر حضرت اقدسؑ کی تقریر ہوگی اور جہاں جہاں یہ لوگ جائیں اسے کھول کر سُناتے پھریں۔

سیر سے تشریف لاکر حضرت اقدسؑ نے قاضی یوسف علی صاحب نعمانی کو دیکھا اور اندر تشریف لے گئے۔ پھر ظہر کے وقت تشریف لائے، نمازیں جمع ہوئیں۔ آج اتفاق سے ڈاک میں حکیم محمد اجمل خانصاحب دہلوی کا خط اور حاذق الملک میموریل فنڈ کے کاغذات آپ کے پاس پہنچے۔ حضورؑ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر تبلیغ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جناب کو فرصت ہوگی تو اس پر ایک خط لکھیں گے جو الحکم میں طبع ہوگا۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۰ صفحہ ۵ - ۶ پرچہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۱ء

[2] " " ۵ " ۴۱ " ۱ " ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ء

یکم نومبر ۱۹۰۱ء بروز جمعۃ المبارک

حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی تطہیر

[حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نماز مغرب حسب معمول بیٹھ گئے۔ اردگرد خدام ارادت مندی کے ساتھ حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ آپؑ نے کل کے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ]

"مسیح علیہ السلام کی شان میں جس قدر اطراء کیا گیا ہے اور پھر جس قدر اُن پر حملے کرکے اُن کو گرایا گیا ہے۔ مَیں ان دونوں پہلوؤں کو صاف کرکے مسیح علیہ السلام کی شان کو اعتدال پر لانا چاہتا ہوں اور جو کچھ وہ تھے اس سے دُنیا کو اطلاع دینا بھی میرا کام ہے۔ آج میں اس پر بہت غور کرتا رہا کہ عیسائیوں نے جو مسیحؑ کو خدا بناتے ہیں باوجود خدا بنانے کے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور باتوں کے علاوہ ایک نئی بات مجھے معلوم ہوئی اور وہ یہ ہے کہ۔

تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ جس یُوسف کے ساتھ حضرت مریمؑ کی شادی ہوئی اس کی ایک بیوی پہلے بھی موجود تھی۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی شرارت سے اور حد سے بڑھی ہوئی شوخی سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش کو ناجائز قرار دیا اور انھوں نے یہ ظلم کیا کہ ایک تارکہ اور نذر دی ہوئی لڑکی کا اپنی شریعت کے خلاف نکاح کیا۔ اور پھر حمل میں نکاح کیا۔ اس طرح انھوں نے شریعتِ مُوسوی کی توہین کی اور بایں حضرت مسیحؑ کی پاک پیدائش پر نکتہ چینی کی اور ایسی نکتہ چینی جس کو ہم سُن بھی نہیں سکتے۔ اُن کے مقابلہ میں عیسائیوں نے کیا کیا۔ عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کی پیدائش کو تو بے شک اعتقادی طور پر رُوح القدس کی پیدائش قرار دیا اور خود خدا ہی کو مریمؑ کے پیٹ سے پیدا کیا، مگر تعددِ ازواج کو ناجائز کہہ کر وہی اعتراض اس شکل میں حضرت مریمؑ کی اولاد پر کر لیا اور اس طرح پر خود مسیحؑ اور ان کے دوسرے بھائیوں کی پیدائش پر حملہ کیا۔

واقعی عیسائیوں نے تعددِ ازواج کے مسئلہ پر اعتراض کرکے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ ہم تو حضرت مسیحؑ کی شان بہت بڑی سمجھتے ہیں اور اسے سچا اور خدا کا برگزیدہ نبی مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ آپؑ کی پیدائش باپ کے بدوں خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ تھی اور حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں۔ یہ قرآن کریم کا احسان ہے حضرت مریمؑ پر اور حضرت مسیحؑ پر جو ان کی تطہیر کرتا ہے اور پھر یہ احسان ہے اس زمانہ کے موعود امام کا کہ اس نے از سرِ نو اس تطہیر کی تجدید فرمائی۔"]

اس پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ لَاُرَیب "اُمّہات المومنین" کا عجیب جواب ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا انتقام۔

اس کے بعد پھر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

میں یہ سارے اعتراض جمع کر کے خود حضرت مسیحؑ کی طرف سے جواب دُوں گا اور ساتھ ساتھ نبی کریمؐ کا مقابلہ بھی مسیحؑ سے کرتا جاؤں گا۔"

اس کے بعد مفتی صاحب نے وُہ اعتراض پڑھ کر سُنائے جو فریقِ تھنکروں اور یہودیوں نے حضرت مسیحؑ پر کئے ہیں۔ ازاں بعد مرزا خدا بخش صاحب نے اپنی کتاب کا کچھ حصّہ سُنایا۔ پھر نماز عشاء ہوئی۔[1]

۲؍ نومبر ۱۹۰۱ء

ابنِ صیاد

فرمایا: "مجھے تعجب ہے کہ بے چارے ابنِ صیاد پر یہ ظلم کیا جاتا ہے کہ خوانخواہ اسے دجّال بنایا جاتا ہے؛ حالانکہ ساری عمر اس سے کوئی شرارت ظاہر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے مُسلمان ہو کر اپنی جان دی اور شہید ہوا اور حج کیا۔ مجھے تو یہ ظلم نظر آتا ہے اور اس لیے وُہ اس قابل ہے کہ اسے رضی اللہ عنہ کہا جاوے۔ یہ صرف بلا سوچے سمجھے موردِ اعتراض ٹھہرایا گیا ہے۔"

[اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ حضورؑ! رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہودیوں کو مدینہ سے نکال بھی دیا اور بعض کو قتل بھی کیا گیا، مگر ابنِ صیاد کو آپؐ نے نہیں نکالا۔ اگر وُہ ایسا ہی دجّال تھا جیسا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں، تو اسے کیوں چھوڑا؟]

پھر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

"حقیقت میں یہ اعتراض بہت صحیح ہے اور اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ میری رائے یہی ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان تھا۔ اس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تصدیق نبی الاین کہہ کر کی اور اُس کی ماں بھی معلوم ہوتا ہے مُسلمان تھی۔ یہ حضرت ابنِ صیاد رضی اللہ عنہ مظلوم ہیں۔"

۳؍ نومبر ۱۹۰۱ء

عیسیٰؑ اور یسُوعؑ میں فرق

حسبِ معمول بیٹھتے ہی حضرت مسیحؑ کا تذکرہ شروع ہو گیا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضورؑ عیسیٰ اور یسُوعؑ میں فرق ہے۔ عیسائی کبھی عیسیٰ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۱، ۳، ۴ پرچہ ۱۰؍ نومبر ۱۹۰۱ء

ابن مریم نہیں بولتے بلکہ بعض تو بُرا سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں یسوع ہے۔ عبرانی میں عین نہیں بولتے۔ یسو کہتے ہیں اور قرآن نے کہیں یسو کا تذکرہ نہیں کیا انجیل پر کہیں کتاب کا لفظ نہیں بولا گیا۔ اس پر جب یہ آیت پیش کی گئی کہ مسیح نے کہا ہے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ (مریم: ۳۱) تو اس کی لطیف تشریح فرمائی۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ سے مراد فہم کتاب ہے۔

---

۳ نومبر ۱۹۰۱ء

دُعا کے اصُول

(حضرت اقدس حسب معمول سیر کو نکلے سیٹھ احمد دین صاحب بھی ساتھ تھے۔ مولوی برہان الدین صاحب نے عرض کیا کہ سیٹھ صاحب کا ایک لڑکا ہوا تھا، وہ فوت ہو چکا ہے۔ حضور دُعا کریں۔)

فرمایا: "ہاں میں دُعا کروں گا۔ مگر ساری باتیں ایمان پر منحصر ہیں۔ ایمان جس قدر قوی ہو اسی قدر خدا تعالیٰ کے فضل سے حصّہ ملتا ہے۔ خدا کے پاس کیا نہیں۔ اگر ایمان قوی نہ ہو، تو انسان خدا سے بدظن ہو جاتا ہے اور پھر تعویذ گنڈے کرنے لگتا ہے اور غیر اللہ کی طرف جھک جاتا ہے پس مومن بننا چاہیے۔

دُعا کے لیے اصُول ہیں۔ میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی اپنی منواتا ہے اور کبھی مومن کی مانتا ہے۔ اس کے سوا چونکہ ہم تو علیم نہیں اور نہ اپنی ضرورتوں کے نتائج سے آگاہ ہیں، اس لیے بعض وقت ایسی چیزیں مانگ لیتے ہیں جو ہمارے لیے مُضر ہوتی ہیں پس وُہ دُعا تو قبول کر لیتا ہے اور جو دُعا کرنے والے کے واسطے مفید ہوتا ہے، وہ اُسے عطا کرتا ہے۔ جیسے ایک زمیندار کسی بادشاہ سے ایک اعلیٰ درجہ کا گھوڑا مانگے اور بادشاہ اس کی ضرورت کو سمجھ کر عمدہ بیل دے دے۔ تو اس کے لیے وہی مناسب ہو سکتا ہے۔ دیکھو ماں بھی تو بچے کی ہر خواہش کو پورا نہیں کرتی۔ اگر وُہ سانپ یا آگ کو لینا چاہے تو کب دیتی ہے؟ پس خدا تعالیٰ سے کبھی مایُوس نہیں ہونا چاہیے اور تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرنی چاہیے۔"

ریا

فرمایا: "ریا کی رفتار بہت دقیق ہوتی ہے اور وہ چیونٹی سے بھی باریک چلتی ہے۔ ہر تحسین اور توہین میں ریا کا ایک شعبہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مومن کو چاہیے، اگر کسی کی طرف سے کوئی نیکی اور فائدہ پہنچے اگر وہ اس کی تحسین سے پہلے خدا کی تعریف نہیں کرتا تو یہ بھی ریا میں داخل ہے۔ ایسا ہی کسی تکلیف یا بدی کے وقت ضروری ہے کہ خدا کی حکمت کو مدِنظر رکھے۔

مومن کا کمال تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان تعلقات کو جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسرے کو اس کا علم ہو۔ بلکہ بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ جب مومن خدا تعالیٰ کے ساتھ شدتِ ارتباط اور محبت کی وجہ سے گوشہ نشینی میں اپنی مناجات کر رہا ہو اس وقت کوئی اس کو دیکھ لے تو وہ اس سے زیادہ شرمندہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی زناکار عین زناکاری کے وقت پکڑا جاوے۔ پس ریاء سے بچنا چاہیے۔ اور اپنے ہر قول و فعل کو اس سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔"[1]

۴ر نومبر ۱۹۰۱ء (آج پھر حسب معمول حضرت اقدسؑ سیر کو نکلے۔ اکثر احباب حضور کے ہمراہ تھے۔ انگریزی رسالہ کا ذکر ہوتا رہا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا:)

"میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر وقت میرا گذرتا ہے، وہ سب عبادت ہی ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے دو چار رکعت تو اس میں کچھ دل حاضر ہوتا ہے کچھ غیر حاضر۔ مگر جس کام میں میں لگا ہوا ہوں اس کا اصل مقصد خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنا ہے۔ پھر سارا وقت حضورِ قلب میسر رہتا ہے اور کوئی دن نہیں جاتا کہ میں شام تک دو چار لطیف باتیں حاصل نہ کر لوں۔"

بائبل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک پیشگوئی

رات بہت بڑی گذر گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی طرف جو توراۃ میں ہے اور آجتک کسی نے اس پر توجہ نہیں کی۔ مگر خدا نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا۔ پس اسی وقت میں نے توراۃ نکالی اور اس کو دیکھا۔ جو لوگ علومِ الٰہیہ اور اس کے استعارات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اُن کو بیشک اس میں مزا آئے گا، مگر جو حقائق سے حصّہ نہیں رکھتے وہ اس پر ہنسی کریں گے۔

وُہ پیشگوئی اس طرح پر ہے۔ کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ جب ہاجرہؓ کو اور اسماعیلؑ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام چھوڑ آئے تو ان کے پاس ایک پانی کی مشک دے کر چھوڑ آئے۔ جب وہ ختم ہو گئی تو حضرت اسماعیلؑ پیاس کی شدت سے تڑپنے لگے اور قریب المرگ ہو گئے، تو حضرت ہاجرہؓ ان کی اس حالت کو نہ دیکھ سکی اور کچھ فاصلے پر جا بیٹھی۔ وہاں لکھا ہے کہ تیر کے پٹے پر اس وقت ہاجرہؓ چلائی اور خدا کے فرشتہ نے اُس کو پکارا اور کہا اے ہاجرہؓ مت ڈر۔ اُٹھ لڑکے کو اُٹھا۔ غرض پھر ہاجرہؓ کو ایک کنواں نظر آیا۔ جہاں سے اس نے مشک بھری۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ فرشتہ نے جو ہاجرہؓ کو کنواں دکھایا تھا۔ اسی میں ایک پیشگوئی تھی۔ اس پر میرے دل میں

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ء

فوراً یہ آیت گذری۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آل عمران: ۱۰۴) ابراہیمؑ کا پانی جب ختم ہو چکا تو اسماعیلؑ قریب المرگ ہو گیا۔ اس وقت خدا نے اُسے بچا لیا اور ایک اور کنواں پانی کا اُسے دیا گیا۔ عرب والے بھی اسماعیلؑ کی اولاد ہونے کے سبب سے گویا اسماعیل ہی تھے۔ جب ہدایت اور شریعت کا اُن میں خاتمہ ہو گیا اور قریب المرگ ہو گئے، تو خدا تعالیٰ نے ایک نئی شریعت اُن پر نازل کی اور یہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ غرض یہ پیشگوئی ہے جس کی طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی[1]۔"

۴ر نومبر ۱۹۰۱ء

المسیح الدجال کی حقیقت

فرمایا: "اصل بات یہ ہے کہ دجال بھی مسیح موعود کی طرح ایک موعود ہے۔ اس کا نام المسیح الدجال ہے۔ سورۃ تحریم میں جیسے مسیح موعود کے لیے بشارت اور نقص موجود ہے۔ اسی نص سے بطور اشارۃ النص کے دجال کے وجود پر ایک دلیلِ لطیف قائم ہوتی ہے۔ یعنی جیسے مریمؑ میں نفخِ رُوح سے ایک مسیح پیدا ہوا۔ اسی طرح اس کے بالمقابل ایک خبیث وجود کا ہونا ضروری ہے جس میں رُوح القدس کی بجائے خبیث رُوح کا نفخ ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بعض عورتوں کو رجا کی بیماری ہوتی ہے اور وُہ خیالی طور پر اس کو حمل ہی سمجھتی ہیں یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کی طرح سارے لوازم اُن کو پیش آتے ہیں اور چوتھے مہینے حرکت بھی محسوس ہوتی ہے، مگر آخر کو کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اسی طرح پر المسیح الدجال کے متعلق خیالات کا ایک بُت بنایا گیا ہے اور قوتِ واہمہ نے اس کا ایک وجود خلق کر لیا۔ جو آخر کار ان لوگوں کے اعتقاد میں ایک خارجی وجود کی صورت میں نظر آیا۔ المسیح الدجال کی حقیقت تو یہ ہے۔"

۵ر نومبر ۱۹۰۱ء

آنحضرتؐ کے نشانات

(نشانات کے متعلق آج صبح کی سیر میں یہ ذکر تھا کہ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۔ (الانبیاء: ۶) والی آیت پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نشانات آپ کے زمانہ میں غیر مُفید تھے۔ اس کے متعلق شام کو پھر فرمایا کہ:

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ پرچہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ء

اَدَلُّوْنَ کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ اب زمانہ ترقی کر گیا ہے پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونٹے کا سانپ بنا کر دکھاتے تو وہ بھلا کب مؤثر ہو سکتا تھا۔ اس قسم کے نشانات تو ابتدائے زمانہ میں کام آنے والے تھے۔ جیسے ایک چھوٹے بچے کے لیے جو پاجامہ سیا گیا ہے، وہ اس کے بالغ ہونے پر کب کام آ سکتا ہے۔ اسی طرح پر وہ زمانہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا، اس قسم کے نشانات کا محتاج نہ تھا بلکہ اس میں بہت ہی اعلیٰ درجے کے خوارق کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اپنے اندر ایک علمی سلسلہ رکھتے ہیں[1]۔"

۱۳ر نومبر ۱۹۰۱ء

ایمان کی حقیقت اور اثرات

فرمایا: "ایمان بڑی دولت ہے اور ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لیا جائے جبکہ علم ابھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اور ابھی شکوک و شبہات سے ایک جنگ شروع ہو۔ پس اسی حالت میں جو شخص تصدیقِ قلبی اور تصدیقِ لسانی سے کام لیتا ہے، وہ مومن ہے اور حضرتِ احدیت میں اس کا نام راستباز اور صادق رکھا جاتا ہے اور اس کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَوہبت کے طور پر معرفتِ تامہ کے مراتب اس پر کھولے جاتے ہیں اور اصل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے؛ چنانچہ قرآن شریف نے جہاں بہشت کا تذکرہ فرمایا ہے، وہاں پہلے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور پھر اعمالِ صالحہ کا اور اعمالِ صالحہ کی جزا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ (البقرہ: ۲۶) کہا ہے۔ یعنی ایمان کی جزا ہے جنّت اور اس جنّت کو ہمیشہ سرسبز رکھنے کے لیے چونکہ نہروں کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ نہریں اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہیں۔ اور اصل حقیقت یہی ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ اس دوسرے جہان میں انہارِ جاریہ کے رنگ میں متمثّل ہو جائیں گے۔

دُنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر انسان اعمالِ صالحہ میں ترقی کرتا ہے اور خُدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا ہے اور سرکشی اور حدود اللہ سے اعتداء کرنے کو چھوڑتا ہے، اسی قدر ایمان اس کا بڑھتا ہے اور ہر جدید عملِ صالح پر اس کے اطمینان میں ایک رسُوخ اور دل میں ایک قوت آ جاتی ہے۔ خدا کی معرفت میں اسے لذت آنے لگتی ہے اور پھر یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ مومن کے دل میں ایک ایسی کیفیت محبتِ الٰہی،

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۱ صفحہ ۴ پرچہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۱ء

عشقِ خداوندی کی۔ اللہ تعالیٰ ہی کی موہبت اور فیض سے پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کا سارا وجود اس محبت اور سُرور سے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے، لبالب پیالہ کی طرح بھر جاتا ہے اور انوارِ الٰہی اس کے دل پر بکلّی احاطہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی ظُلمت اور تنگی اور قبض دُور کر دیتے ہیں۔ اس حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں اُن کے لیے آتی ہیں۔ وُہ انہیں ایک لحظہ کے لیے پراگندہ دل اور منقبض خاطر نہیں کر سکتے، بلکہ وہ بجائے خود محسُوس اللذّات ہوتے ہیں۔ یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

بہشت اور دوزخ کی حقیقت

ایمان کے انواعِ اوّلیہ بھی ساتھ ہیں اور ایک اور آخری درجہ ہے جو مَوہبتِ الٰہی سے عطا کیا جاتا ہے۔ اس لیے بہشت کے بھی سات ہی دروازے ہیں اور آٹھواں دروازہ فضل کے ساتھ کھلتا ہے۔ غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہشت اور دوزخ جو اُس جہان میں موجود ہوں گی، وُہ کوئی نئی بہشت و دوزخ نہ ہوگی بلکہ انسان کے ایمان اور اعمال ہی کا وُہ ایک مظہر ہیں اور یہی اس کی سچّی فلاسفی ہے۔ وُہ کوئی ایسی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی، بلکہ انسان کے اندر ہی سے وہ نکلتی ہیں۔ مومن کے لیے ہر حال میں اسی دُنیا میں بہشت موجود ہوتا ہے۔ اسی عالم کا بہشت موجود دُوسرے عالم میں اس کے لیے بہشتِ موعُود کا حکم رکھتا ہے۔ پس یہ کیسی سچّی اور صاف بات ہے کہ ہر ایک کا بہشت اس کا ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ جن کی اس دُنیا میں لذّت شروع ہو جاتی ہے اور یہی ایمان اور اعمال دُوسرے رنگ میں باغ اور نہریں دکھائی دیتی ہیں۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اسی دُنیا میں باغ اور نہریں نظر آتی ہیں اور دُوسرے عالم میں بھی باغ اور نہریں کھُلے طور پر محسوس ہوں گی۔ اسی طرح پر جہنّم بھی انسان کی بے ایمانی اور بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ جیسے جنّت میں انگور انار وغیرہ پاک درختوں کی مثال دی ہے، ویسے ہی جہنّم میں زقّوم کے درخت کا وجود بتایا ہے۔ اور جیسے بہشت میں نہریں سلسبیل اور زنجبیل اور کافوری نہریں ہوں گی۔ اسی طرح جہنّم میں گرم پانی اور پیپ کی نہریں بتائی ہیں۔ اُن پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایمان منکسرالمزاجی اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح پر بے ایمانی متکبّر اور انانیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے نتیجہ میں زقّوم کا درخت دوزخ میں ہوا اور وہ بداعمالیاں اور شوخیاں جو اس تکبّر اور خود بینی سے پیدا ہوتی ہیں وُہ وہی کھولتا ہوا پانی یا پیپ ہوگی۔ جو دوزخیوں کو ملے گی۔

اب یہ کیسی صاف بات ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اسی طرح پر دوزخ کی زندگی بھی یہاں ہی سے انسان لے جاتا ہے۔ جیسا کہ دوزخ کے باب میں فرمایا۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزۃ، ۸) یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اس کا منبع ہے اور وُہ گناہ سے پیدا ہوتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آگ کی جڑ وُہ ہُموم غُموم اور

حسرتیں ہیں جو انسان کو آگھیرتی ہیں، کیونکہ تمام رُوحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ جیسے تمام رُوحانی سُرُوروں کا منبع بھی دل ہے اور دل ہی سے شروع ہونے بھی چاہئیں۔ کیونکہ دل ہی ایمان یا بے ایمانی کا منبع ہے۔ ایمان یا بے ایمانی کا شگوفہ بھی پہلے دل ہی سے نکلتا ہے اور پھر تمام بدن اور اعضاء پر اس کا عمل ہوتا ہے اور سارے جسم پر محیط ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ بہشت اور دوزخ اسی دُنیا سے انسان ساتھ لے جاتا ہے اور یہ بات بھُولنی نہ چاہیے کہ بہشت اور دوزخ اس جسمانی دُنیا کی طرح نہیں بلکہ ان دونوں کا مبداء اور منبع رُوحانی اُمور ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ عالمِ معاد میں وہ جسمانی شکل پر ضرور متشکل ہو کر نظر آئیں گے۔ یہ ایک بڑا ضروری مضمون ہے جس پر ساری قوموں نے دھوکا کھایا ہے اور اس کی حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی خدا ہی کا مُنکر ہو بیٹھا ہے اور کوئی تناسخ کا قائل ہو گیا۔ کسی نے کچھ تجویز کیا اور کسی نے کچھ۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا تو ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر بسط کے ساتھ بڑی بحث کریں۔ اسی کی مرضی اور توفیق پر موقوف ہے؛ ورنہ ہم تو ایک لفظ بھی بول نہیں سکتے۔"

حیات کی تین اقسام

فرمایا: "نباتی، حیوانی اور انسانی تین قسم کی جان مانی گئی ہے۔ بعض حکماء نباتات میں شعُور اور حِس کے بھی قائل ہیں؛ چنانچہ بہت سے اس قسم کے درخت اور پودے پائے گئے ہیں، جن پر مختلف اُمور اثر کرتے ہیں۔ مثلاً چھوئی موئی کا درخت۔ جب انسان اُسے ہاتھ لگاتا ہے فوراً مُرجھا جاتی ہے۔ اور اسی قسم کے بہت سے درخت ایسے ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک برزخ رکھا ہوا ہے۔ نباتات اور حیوانات کے درمیان وُہ نباتات جن میں حِس و شعور ہے وہ برزخ ہیں جو بہت بڑا حصّہ انسانی عقول کا رکھتے ہیں۔ اسی برزخ کے نہ سمجھنے سے بعض کو یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان بندر سے ترقی کر کے انسان بنا ہے؛ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ تمام برزخ جو مخلوقات میں موجود ہیں وُہ وحدتِ خلقی کی دلیل ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہیں اور افسوس ہے کہ ناواقف اور نااہل اس سے کوئی لُطف نہیں اُٹھا سکتے۔

بچہ جب بننے لگتا ہے تو ساری چیزیں اکٹھی ہی بنتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں پیدائشِ انسان کا مفصّل ذکر ہے۔ بعض لوگوں کی سمجھ میں جب اُس کی حقیقت نہ آئی، تو اعتراض کر دیا، مگر مشاہدہ سے یہی صحیح ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ مَیں نے ایک بار ایک انڈے کو توڑا اور اس کو ایک برتن میں ڈال دیا۔ مَیں اس کے وسط میں ایک نقطہ دیکھتا تھا۔ جو دل کی حرکت کی طرح حرکت کرتا تھا اور مَیں نے نہایت غور کے ساتھ جو دیکھا تو اس نقطہ سے مختلف جہات میں کچھ خطوط سے گئے ہوئے تھے۔ کوئی ان میں سے دماغ کی طرف تھا، کوئی جگر کی طرف وغیرہ۔

میں کئی منٹ تک یہ تماشہ دیکھتا رہا اور بعض عورتوں نے بھی اُس کو دیکھا۔ غرض قرآن نے جو کچھ اُس کی حقیقت بیان کی ہے، وُہ صحیح ہے۔

ہاں جو یہ برزخ ہیں یہ وحدتِ خلقی کی دلیل ہیں۔ اسی طرح پر انسان اور خدا کے درمیان بھی ایک برزخ ہے اور وُہ تجلیات ہیں، چنانچہ اس مقام اور مرتبہ کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (النجم: ۹، ۱۰) یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِ مرتبہ کا بیان ہے، کیونکہ یہ مرتبہ اس انسانِ کامل کو مل سکتا ہے جو عبودیت اور اُلوہیّت کی دونوں قوسوں کے درمیان ہو کر ایسا شدید اور قوی تعلق پکڑتا ہے۔ گویا ان دونوں کا عین ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو درمیان سے اُٹھا کر ایک مصفّا آئینہ کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور اس تعلق کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت سے یعنی اوپر کی طرف سے وہ تمام انوار و فیوضِ الٰہیہ کو جذب کرتا ہے اور دُوسری طرف سے وہ تمام فیوض بنی نوع کو حسبِ استعداد پہنچاتا ہے۔ پس ایک تعلق اس کا اُلوہیّت سے اور دُوسرا بنی نوع سے۔ جیسا کہ اس آیت میں صاف معلوم ہوتا ہے۔ یعنی پھر نزدیک سے (اللہ تعالیٰ سے) پھر نیچے کی طرف اُترا (یعنی مخلوق کی طرف اُترا یعنی مخلوق کی طرف تبلیغِ احکام کے لیے نزول کیا) پس وہ ان تعلقاتِ قرب کے مراتبِ تام کی وجہ سے دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا، بلکہ قوسِ اُلوہیّت اور عبودیّت کی طرف اس سے بھی زیادہ قرب ہو گیا، چونکہ دُنُوّ قرب سے ابلغ تر ہے۔ اس لیے خدا نے اس لفظ کو استعمال فرمایا اور یہی نقطہ جو برزخ بین اللہ و بین الخلق ہے۔ نفسی نقطہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے لیتے اور بنی نوع کو پہنچاتے ہیں، اس لیے آپؐ کا نام قاسم بھی ہے۔"

وضعِ عالم میں وحدت

فرمایا: "وضعِ عالم میں خدا تعالیٰ نے توحید کا ثبوت رکھ دیا ہے۔ وضعِ عالم میں کروی ہے۔ پانی، ستارے، آگ وغیرہ یہ چیزیں سب گول ہیں۔ چونکہ کُرہ میں وحدت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس میں جہات نہیں ہوتی ہیں۔ پس یہ وضعِ عالم میں توحیدِ الٰہی کا ثبوت ہے۔ پانی کا ایک قطرہ دیکھو تو وہ گول ہوگا۔ ایسا ہی اجرام بھی اور آگ بھی۔ آگ کی ظاہری حالت سے کوئی اگر کہے کہ یہ گول نہیں ہوتی تو یہ اُس کی غلطی ہے، کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ آگ کا شعلہ دراصل گول ہوتا ہے، مگر ہوا اس کو منتشر کرتی ہے۔

عیسائیوں نے بھی یہ بات مان لی ہے کہ جہاں تثلیث نہیں پہنچی۔ یعنی تثلیث کی تبلیغ نہیں ہوئی، وہاں اُن سے توحید کی بازپُرس ہوگی، کیونکہ وضعِ عالم میں توحید کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر خدا تین ہوتے تو ضرور تھا کہ سب اشیاء مثلث نما ہوتیں۔

وضع حائم کی کروّیت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آدم ہی سے شروع ہو کر آدم ہی پر سلسلہ ختم ہوتا ہے، کیونکہ محیط دائرہ کا خط جس نقطہ سے چلتا ہے۔ اس پر ہی جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے مسیح موعود جو خاتم الخلفاء ہے اس کا نام بھی خدا نے آدم ہی رکھا ہے؛ چنانچہ براہین احمدیہ میں درج ہے۔

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ

چونکہ مسیح موعود نئی طرز کا آدم ہے، اس لیے اس کے ساتھ شیطان بھی نئی طرز کا ہے[1]"

۱۴ر نومبر ۱۹۰۱ء

سچی شہادت کو چھپانا اچھا نہیں

فرمایا "دُنیا چند روزہ ہے۔ شہادت کو چھپانا اچھا نہیں۔ دیکھو بادشاہ کے پاس جب کوئی تحفہ لے کر جائے مثلاً سیب ہی ہو۔ اور سیب ایک طرف سے داغی ہو، تو وہ اس تحفہ پر کیا حاصل کر سکے گا۔ مخفی ہونے میں بہت سے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز با جماعت، بیمار کی عیادت، جنازہ کی نماز، عیدین کی نماز وغیرہ۔ یہ سب حقوق مخفی رہ کر کیونکر ادا کئے جا سکتے ہیں۔ مخفی رہنے میں ایمان کی کمزوری ہے۔ انسان اپنے ظاہری فوائد کو دیکھتا ہے، مگر وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ کیا تم ڈرتے ہو کہ سچی شہادت کے ادا کرنے سے تمہاری روزی جاتی رہے گی؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔ (الذّٰریات: ۲۳، ۲۴) تمہارا رزق آسمان میں ہے۔ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے۔ یہ سچ ہے۔ زمین پر خدا کے سوا کون ہے جو اس رزق کو بند کر سکے یا کھول سکے۔ فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۷) نیکوں کا وہ آپ والی بن جاتا ہے پس کون ہے جو مردِ صالح کو ضرر دے سکے؟ اور اگر کوئی مصیبت یا تکلیف انسان پر آپڑے۔ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ (الطلاق: ۳) جو خدا کے آگے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ خدا اس کے لیے ہر ایک تنگی اور تکلیف سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے اور فرمایا۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۴) وہ متقی کو ایسی راہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے رزق آنے کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ وعدوں کے سچا کرنے میں خدا سے بڑھ کر کون ہے۔ پس خدا پر ایمان لاؤ۔ خدا سے ڈرنے والے ہرگز ضائع نہیں ہوتے يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ یہ ایک وسیع بشارت ہے۔ تم تقویٰ اختیار کرو۔ خدا تمہارا کفیل ہوگا۔ اس کا جو وعدہ ہے، وہ سب

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۲۴ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۱ء

پورا کر دے گا۔ مخفی رہنا ایمان میں نقص ہے۔ جو مصیبت آتی ہے اپنی کمزوری سے آتی ہے۔ دیکھو آگ دُوسروں کو کھا جاتی ہے، پر ابراہیمؑ کو نہ کھا سکی۔ مگر خدا کی راہ بغیر تقویٰ کے نہیں کھُلتی۔

تقویٰ اختیار کرو معجزات دیکھنے ہوں تو تقویٰ اختیار کرو۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ہر وقت معجزات دیکھتے ہیں۔ دیکھو آج کل میں عربی کتاب اور اشتہار لکھ رہا ہوں۔ اس کے لکھنے میں سطر سطر میں مُعجزہ دیکھتا ہوں جبکہ میں لکھتا لکھتا اٹک جاتا ہوں تو مناسب موقع فصیح و بلیغ پُر معانی و معارف فقرات و الفاظ خدا کی طرف سے الہام ہوتے ہیں اور اس طرح عبارتیں کی عبارتیں لکھی جاتی ہیں؛ اگرچہ میں اس کو لوگوں کی تسلی کے لیے پیش نہیں کر سکتا۔ مگر میرے لیے یہ ایک کافی معجزہ ہے۔ اگر میں اس بات پر قسم بھی کھا کر کہوں کہ مجھ سے پچاس ہزار معجزہ خدا نے ظاہر کرایا تب بھی جھوٹ ہرگز نہ ہوگا۔ ہر ایک پہلو میں ہم پر خدا کی تائیدات کی بارش ہو رہی ہے۔ عجیب تر ان لوگوں کے دل ہیں جو ہم کو مُفتری کہتے ہیں۔ مگر وہ کیا کریں۔ ولی را ولی شناسد۔ کوئی تقویٰ کے بغیر ہمیں کیونکر پہچانے۔ رات کو چور چوری کے لیے نکلتا ہے۔ اگر راہ میں گوشہ کے اندر کسی ولی کو بھی دیکھے جو عبادت کر رہا ہو۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ بھی میری طرح کوئی چور ہے۔

خدا عمیق در عمیق چھُپا ہوا ہے اور ایسا ہی وہ ظاہر در ظاہر ہے۔ اس کا ظہور اتنا ہوا کہ وہ مخفی ہو گیا۔ جیسا سورج کہ اس کی طرف کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ خدا کا پتہ حق الیقین کے ساتھ نہیں پا سکتے، جبتک کہ تقویٰ کی راہ میں قدم نہ ماریں۔ دلائل کے ساتھ ایمان قوی نہیں ہو سکتا۔ بغیر خدا کی آیات دیکھنے کے ایمان پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ اچھا نہیں کہ کچھ خدا کا ہو اور کچھ شیطان کا ہو۔ صحابہؓ کو دیکھو کس طرح اپنی جانیں نثار کیں ابوبکرؓ جب ایمان لایا تو اس نے دُنیا کا کونسا فائدہ دیکھا تھا۔ جان کا خطرہ تھا اور ابتلا بڑھتا جاتا تھا، مگر صحابہ نے صدق خوب دکھایا۔ ایک صحابی کا ذکر ہے۔ وہ کملی اوڑھے بیٹھا تھا۔ کسی نے اس کو کچھ کہا۔ عمرؓ پاس سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ اس شخص کی عزت کرو۔ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ یہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور اس کے آگے پیچھے کئی کئی نوکر چلتے تھے۔ صرف دین کی خاطر اس نے سب سے ہجرت کی۔ دراصل یہ آنحضرتؐ کی رُوحانیت کا زور تھا جو صحابہ میں داخل ہوا۔ اُن کا کوئی جھوٹ ثابت نہیں۔ ہر امر میں ایک کشش ہوتی ہے۔ دیکھو دیوار کی اینٹوں میں ایک کشش ہے؛ ورنہ اینٹ اینٹ الگ ہو جاوے۔ ایسی ہی جماعت میں ایک کشش ہوتی ہے۔ یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر نبی کی جماعت میں سے کچھ لوگ مُرتد بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسا ہی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی جماعت کے ساتھ ہوا۔ ان لوگوں کا مادہ خبیث ہوتا ہے اور ان کا حصّہ شیطان کے ساتھ ہوتا ہے، مگر جو لوگ اس صداقت کے وارث ہوتے ہیں۔ وہ اس میں قائم رہتے ہیں۔

غرض خدا کی راہ میں شجاع بنو۔ انسان کو چاہیے۔ کبھی بھروسہ نہ کرے کہ ایک رات میں زندہ رہوں گا۔

بھروسہ کرنے والا ایک شیطان ہوتا ہے۔ انسان بہادر بنے۔ یہ بات زورِ بازو سے نہیں ملتی۔ دُعا کرے اور دُعا کرائے۔ صادقوں کی صحبت اختیار کرے۔ سارے کے سارے خدا کے ہو جاؤ۔ دیکھو کوئی کسی کی دعوت کرے اور بجس ٹھیکرے میں روٹی دے جائے۔ اسے کون کھائے گا، وُہ تو اُٹھا مار کھائے گا۔ باطن بھی سنوارو اور ظاہر بھی دُرست کرو۔ انسان اعمال سے ترقی نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ کا رتبہ سمجھنے سے ترقی کر سکتا ہے۔[1]

۱۶ر نومبر ۱۹۰۱ء

مُعجزہ اسلام کی پہلی اینٹ ہے

فرمایا: "افسوس ان لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے جس بات کو سمجھتے نہیں۔ اس میں یورپ کے فلاسفروں کی چند بے معنی کتابیں پڑھ کر دخل دیتے ہیں۔ معجزات اور مکالماتِ الٰہیہ ہی ایسی چیزیں ہیں جن کا مُردہ ملتوں میں نام و نشان نہیں ہے اور معجزہ تو اسلام کی پہلی اینٹ ہے اور غیب پر ایمان لانا سب سے اوّل ضروری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات دہریت کا نتیجہ ہیں۔ جو خطرناک طور پر پھیلتی جاتی ہے۔ سیّد احمد نے وحی کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھی۔ دل سے پھوٹنے والی وحی شاعروں کی مضمون آفرینی سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے روپیہ صرف کیا اور کوشش کی، مگر نتیجہ یہ نکلا۔ مولوی صاحب اُس کو ضرور خط لکھ دیں اور اسے بتائیں کہ معجزات اور مکالمات اور پیشگوئیاں ہی ہیں جنھوں نے اسلام کو زندہ مذہب قرار دیا ہے۔

فری میسنز FREE MASONS

فرمایا: "ہم کو کبھی کبھی خیال پیدا ہوتا تھا کہ فری میسن کی حقیقت معلوم ہو جاوے۔ مگر کبھی توجہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ ان حالات کو جو یہ اپنے لیکچر میں بیان کرتا ہے۔ سُن کر اس الہام کی جو مجھے ہوا تھا۔ ایک عظمت معلوم ہوتی ہے۔ اس الہام کا مضمون یہ ہے۔ کہ فری میسن اس کے قتل پر مسلط نہیں کیے جائیں گے۔ اس الہام میں بھی گویا فری میسن کی حقیقت کی طرف شاید کوئی اشارہ ہو کہ بعض ایسے اُمور میں جہاں کسی قانون سے کام نہ چلتا ہو، اپنی سوسائٹی کے اثر سے کام لیتے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ فری میسن کی مجلس میں ضرور بعض بڑے بڑے اہلکار اور عمائدِ سلطنت یہاں تک کہ بعض بڑے شاہزادے بھی داخل ہوں گے اور ان کا رُعب داب ہی مانع ہوتا ہوگا کہ کوئی اس کے اسرار کھول سکے؛ ورنہ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۲ صفحہ ۱۴ ر پرچہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۱ء

یہ کوئی معجزہ یا کرامت تو ہے نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصالحِ سلطنت کے لیے کوئی ایسا مجمع ہوتا ہوگا۔"

ایک مُنذر الہام

فرمایا: "آج ایک مُنذر الہام ہوا ہے اور اس کے ساتھ ایک خوفناک رویا بھی ہے۔ وُہ الہام یہ ہے۔ مَحْمُوْمٌ پھر نَظَرْتُ اِلَی الْمَحْمُوْمِ۔ پھر دیکھا کہ بکرے کی ران کا ٹکڑا چھت سے لٹکایا ہوا ہے۔"[1]

۱۷ر نومبر ۱۹۰۱ء

انقلابِ دنیا

فرمایا: "حضرت ابراہیم کا باپ آذر ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اَبٌ رکھا ہے۔ اس قسم کے انقلاب دُنیا میں ہوتے آئے ہیں۔ کبھی باپ صالح ہوتا ہے۔ بیٹا طالح ہوتا ہے۔ اور کبھی بیٹا صالح ہوتا ہے۔ باپ طالح ہوتا ہے۔ ہمارے پڑدادا صاحب بڑے مخیّر تھے اور باخدا بزرگ تھے؛ چنانچہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ان کو گولی کا اثر نہیں ہوتا۔ ایک وقت میں اُن کے دسترخوان پر ۵۰۰ آدمی ہوا کرتے تھے؛ اور اکثر حافظِ قرآن اور عالم ان کے پاس رہتے تھے۔ اور قادیان کے اردگرد ایک فصیل ہوتی تھی جس پر تین یا چار چھکڑے برابر برابر چلا کرتے تھے۔ خدا کی قدرت سکھوں کی تعدّی اور لوٹ کھسوٹ میں وہ سب سلسلہ جاتا رہا اور ہمارے بزرگ یہاں سے چلے گئے۔ پھر جب امن ہوا، تو واپس آئے۔"

سیّد

فرمایا: "سیّد با اعتبار اولادِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں کہلاتے، بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کی حیثیت سے کہلاتے ہیں۔"

تُرکوں کے ذریعہ سے اسلام کو قوّت حاصل ہوئی

فرمایا: "اگرچہ ہمارے نزدیک اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۴) ہی ہے اور ہمیں خواہ مخواہ ضروری نہیں کہ ترکوں کی تعریف کریں یا کسی اور کی، مگر سچی اور حقیقی بات کے اظہار سے ہم رُک نہیں سکتے۔ ترکوں کے ذریعہ سے اسلام کو بہت بڑی قوت حاصل ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ وُہ پہلے کافر تھے یہ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۲ صفحہ ۳، ۴ پرچہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۱ء

طعن دُرست نہیں۔ کوئی دو سو برس پہلے کافر ہوا، کوئی چار سو برس پہلے۔ یہ کیا ہے، آخر جو آج سید کہلاتے ہیں کیا ان کے آباء واجداد پر کوئی وقت کُفر کی حالت کا نہیں گذرا؟ پھر ایسے اعتراض کرنا دانشمندی نہیں۔

ہندوستان میں جب یہ مُغل آئے تو اُنھوں نے مسجدیں بنوائیں اور اپنا قیام کیا۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے اثر سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ اور اب تک حرمین شریفین ترکوں ہی کی حفاظت کے نیچے خدا نے رکھی ہوئی ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں خدا تعالیٰ نے دو ہی گروہ رکھے ہیں۔ ایک تُرک، دُوسرے سادات۔ تُرک ظاہری حکومت اور ریاست کے حقدار ہوئے اور سادات کو فقر کا مبداء قرار دیا گیا؛ چنانچہ صُوفیوں نے فقر اور رُوحانی فیوض کا مبداء سادات ہی کو ٹھہرایا ہے اور مَیں نے بھی اپنے کشوف میں ایسا ہی پایا ہے۔ دُنیا کا عروج ترکوں کو ملا ہے۔"

حضرت اقدسؑ یہ ذکر کر رہے تھے۔ ایک یُورپین صاحب بہادر اندر آئے اور ٹوپی اُتار کر مجلس میں آگے بڑھے اور بڑھتے ہی کہا:

ایک یُورپین سیّاح سے گفتگو

یورپین: السلام علیکم

اُن کے السلام علیکم کہنے پر مختلف خیال حاضرین کے دل میں گزرے۔ کسی نے ترک سمجھا اور کسی نے نومُسلم۔ صاحب موصُوف کو بیٹھے ہوئے ایک منٹ ہی گزرا ہوگا کہ خانصاحب نواب خاں صاحب تحصیلدار گجرات نے پُوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟

یورپین: مَیں سیّاح ہوں۔

خانصاحب: آپ کا وطن؟

یورپین: مَیں اتنی اُردو نہیں جانتا اور پھر سمجھ کر بولا۔ اوہاں انگلینڈ۔

اتنے میں مفتی محمد صادق صاحب آگئے۔ حضرت اقدسؑ کے ایماء سے وہ ترجمان ہوئے اور اس طرح پر حضرت اقدسؑ اور یورپین نووارد میں گفتگو ہوئی۔

حضرت اقدسؑ: آپ کہاں سے آئے ہیں؟

یُورپین: مَیں کشمیر سے کُلّو گیا تھا اور وہاں سے ہوکر اب یہاں آتا ہوں۔

حضرتؑ: آپ کا اصل وطن کہاں ہے؟

یُورپین: انگلینڈ۔ مَیں سیّاح ہوں۔ اور عرب اور کربلا بھی گیا تھا۔ اب مَیں یہاں سے مصر، الجیریا، کاریتھیج اور سوڈان کو جاؤں گا۔

حضرتؑ : آپ کے سفر کا کیا مقصد ہے ؟

یورپین : صرف دید، شنید، سیاحت۔

حضرتؑ : کیا آپ بحیثیت کسی پادری کے سفر کرتے ہیں ؟

یورپین : ہرگز نہیں۔

حضرتؑ : آپ کی دلچسپی زیادہ تر کس امر کے ساتھ ہے۔ کیا مذہب کے ساتھ یا علمی اُمور کی طرف یا پولیٹیکل اُمور کے ساتھ۔

یورپین : مَیں صرف نظارۂ عالم دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ کسی طرح دلِ مُضطر کو قرار ہو۔

حضرتؑ : آخر آپ کے سفر کی کوئی غرض بھی ہے ؟

یورپین : کوئی مدعا نہیں۔

حضرتؑ : کیا آپ فری میسن ہیں ؟

یورپین : مَیں ان میں یقین نہیں رکھتا۔ بلکہ مَیں اپنا آپ ہی بادشاہ ہوں اور آپ ہی اپنا لاج ہوں۔ مَیں سب کا دوست ہوں اور کسی کا دشمن نہیں۔

حضرتؑ : آپ کا نام کیا ہے ؟

یورپین : ڈی۔ ڈی۔ ڈکن۔

حضرتؑ : عیسائی فرقوں میں سے آپ کس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ؟

یورپین : مَیں کسی فرقہ کا پابند نہیں ہوں۔ میرا اپنا مذہب خاص ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس میں صداقتیں نہ ہوں۔ مَیں ان سب مذاہب میں سے صداقتوں کو لے کر اپنا ایک الگ مذہب بناتا ہوں۔

حضرتؑ : اگر آپ کا کوئی مذہب نہیں، تو یہ مجبُوعہ انتخاب بھی تو ایک مذہب ہی ہونا چاہیے۔

یورپین : ہاں اگر اسے مذہب کہنا چاہیے، تو میرا یہی مذہب ہے کہ مختلف صداقتیں لیتا ہوں۔

حضرتؑ : اچھا، جو مذہب آپ نے مختلف مذاہب کی صداقتوں کو لے کر جمع کیا ہے وُہ غلطیوں سے بالکل منزّہ ہے یا کوئی اور مذہب بھی ایسا آپ کے نزدیک ہے جو بالکل غلطیوں سے مبرّا ہو۔ ؟

یورپین : جو مذہب مَیں نے جمع کیا ہے۔ وُہ تعلیمیافتہ لوگوں کے لیے اچھا ہے اور وہ مسیحؑ کی اس تمثیل کے اس اُصول پر ہے۔ جو اس نے کسی مالدار آدمی کی بیان کی ہے کہ اس نے اپنے نوکروں کو کچھ روپیہ دیا۔ ان میں سے ایک نے تو اس روپیہ کو کسی مصرف میں لگایا اور کچھ بنایا۔ دُوسرے نے کچھ نہ کیا۔ پس خدا نے جو کچھ ہم کو دیا

ہے۔ اگر ہم اس سے کچھ بنائیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور جو کچھ نہیں بناتا، اس سے ناراض ہوتا ہے۔

حضرتؑ : اچھا! آپ کچھ روز یہاں قیام کریں گے؟ تاکہ آپ ہمارے مذہب سے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ فائدہ اٹھائیں۔

یورپین : مَیں ایک دن کے بعد واپس جانا چاہتا ہوں اور زیادہ سے زیادہ کل تک ٹھہر سکتا ہوں۔

حضرتؑ : آپ ایک ہفتہ تک نہیں ٹھہر سکتے؟

یورپین : نہیں۔ مَیں نہیں ٹھہر سکتا۔ مسٹر کینڈی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس بٹالہ میں میرے منتظر ہوں گے۔ میں اُنہیں آج آنے کو کہہ آیا، مگر خیر کل چلا جاؤں گا۔

حضرتؑ : جب آپ کسی کے نوکر نہیں اور اپنے آپ ہی بادشاہ ہیں اور صرف نظارۂ عالم کے لیے آپ نکلے ہیں، تو پھر کیوں آپ ایک ہفتہ تک نہیں ٹھہر سکتے؟

یورپین : یہ سچ ہے مگر مَیں نے اپنے پیشِ نظر کُل دنیا کا دیکھنا رکھا ہے۔ اگر مَیں اس طرح پر ٹھہرنے لگوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی دلچسپیاں مجھے ٹھہرا لیں گی۔

حضرتؑ : آپ کے چہرہ سے اچھے آثار نظر آتے ہیں اور آپ سمجھ دار اور زیرک معلوم ہوتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ ایک ہفتہ یہاں رہ جاویں اور ہماری باتوں کو سمجھ لیں۔ اگر آپ کا ارادہ ہو اور آپ پسند کریں، تو صاحب کو ایک چٹھی لکھ دی جاوے۔

یورپین : مَیں آپ کا بہت شکور ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ مَیں ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔

۱۷ر نومبر ۱۹۰۱ء کی شام

آنحضرتؐ کے نشانات کا ظہور

فرمایا: "ہمارا دعویٰ ہے کہ دُنیا میں کوئی آدمی ایسا پیش کرو کہ جس کے اس قدر نشانات جن کے کروڑوں گواہ ہوں پُورے ہوئے ہوں۔ ایک سو سے زیادہ عظیم الشان پیشگوئیاں کتاب (تریاق القلوب) میں درج کر دی گئی ہیں۔ جب یہ لوگ کسی کو پیش نہیں کر سکتے تو کہہ دیتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فضیلت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کو اتنی خبر نہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہاں فضیلت ہوئی۔ یہ بزرگی اور عظمت تو آپ ہی کی ہوئی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر تو کوئی چیز نہیں، بلکہ اُسی کے رنگ اور اُسی کی چادر میں سے یہ ظہور نشانات کا ہو رہا ہے اور اسی کے ہاتھ پر صادر ہو رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو اسباب اور سامان تبلیغ اور اشاعت

کے ہمیں میسر آئے ہیں اور اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں وہ پہلے نہیں ہوئے اور نہ مذاہب کا اس قدر زور ہوا بغرض یہ نشانات اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ الٰہی بخش کی پیش گوئیاں کیا حقیقت رکھ سکتی ہیں۔"

سچے موحد ہی خدا داد قویٰ سے کام لے سکتے ہیں

فرمایا: "جو قویٰ خدا تعالیٰ نے انسان کو دیئے ہیں۔ ان سب سے بجز سچے موحد کے کوئی دوسرا کام نہیں لے سکتا۔ شیعہ ترقی نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ تو اپنی ساری کوششوں کا منتہا امام حسینؓ کو سمجھ بیٹھے۔ ان کو رو لینا اور ماتم کر لینا کافی قرار دے لیا۔ ہمارے اُستاد ایک شیعہ تھے۔ گل علی شاہ اُن کا نام تھا۔ کبھی نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مُنہ تک نہ دھوتے تھے۔

(اس پر نواب صاحب نے آپؑ کی تائید میں بیان کیا کہ وہ میرے والد صاحب کے بھی اُستاد تھے اور وہاں جایا کرتے تھے۔ اور یہ واقعی سچ ہے کہ اُن کی مسجدیں غیر آباد ہوتی ہیں۔)

ہماری مسجد کا ایسا ہی حال تھا اور اب خدا کے فضل سے وُہ آباد ہو گئی ہے۔ اور لوگ نماز پڑھنے لگے ہیں۔"

اس پر حضرت اقدسؑ نے نواب صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

"وُہ کبھی کبھی آپ کے والد صاحب کا ذکر کیا کرتے تھے اور یہاں سے تین تین مہینے کی رُخصت لے کر مالیر کوٹلہ جایا کرتے تھے۔

مَیں نے غائبانہ بھی کئی مرتبہ ذکر کیا ہے اور میری فراست مجھے یہی بتاتی ہے (یہ نواب صاحب کی مسجد کے آباد ہونے اور نمازیوں کے آنے کے ذکر پر فرمایا) کہ راستی کو قبول کرنا اور پھر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈر جانا اور اُس کی طرف رجُوع کرنا آپ کے اور آپ کی اولاد کے اقبال کی نشانی ہے۔ بجز اس کے کہ انسان سچائی سے خدا کی طرف آئے۔ خُدا کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ خواہ وُہ کوئی ہو۔ مبارک دن ہمیشہ نیک بخت کو ملتے ہیں۔ یہ آثار صلاحیت، تقویٰ اور خدا ترسی کے جو آپ میں پیدا ہو گئے ہیں۔ آپ کے لیے اور آپ کی اولاد کے لیے بہت ہی مفید ہیں۔"

مخالفت ہمیشہ سچوں کی ہوتی ہے

فرمایا: "مجمل طور پر لکھا ہے کہ طاعُون ترقی پر ہے۔ میرا ارادہ ہے اور مولوی صاحب نے بھی کہا ہے کہ ایک بار پھر طاعُون کے متعلق ایک اشتہار دے دیا جاوے کہ لوگ رجُوع کریں اور سچی پاکیزگی اور تبدیلی پیدا کریں۔ دیکھا گیا ہے اور سُنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جس قدر زور ہوا ہے، سچوں پر ہی ہوا ہے۔ اُن کی مخالفت میں ساری طاقتیں خرچ کی گئی ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کتنا زور لگایا گیا۔ برخلاف اس کے مسیلمہ کذّاب

کوئی الفور مان لیا گیا۔ ایسا ہی حضرت مسیحؑ کے وقت میں بھی ہوا اور اب بھی ویسا ہی ہوا۔ جھوٹوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ راستباز پر حملہ کرتے ہیں اور اس کی مخالفت کے لیے سب مل بیٹھے ہیں۔"[1]

۱۸/ نومبر ۱۹۰۱ء

سیر سے واپسی پر حضرت اقدسؑ نے نواب صاحب کو خطاب کر کے فرمایا:

اعزّہ کو تبلیغ

"میں سُنتا رہتا ہوں کہ آپ اپنے اعزّہ کو وقتاً فوقتاً تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بہت ہی عمدہ بات ہے۔ ہر وقت انسان کو فکر کرنی چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو۔ عورتوں اور مردوں کو اس امرِ الٰہی سے اطلاع کر دیوے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اپنے قبیلہ کا شیخ اسی طرح سوال کیا جائے گا، جیسے کسی قوم کا نبی۔ غرض جو موقعہ مل سکے، اسے کھونا نہیں چاہیے۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: ۲۱۵) کا حکم ہوا، تو آپ نے نام بنام سب کو خدا کا پیغام پہنچا دیا۔ ایسا ہی میں نے بھی کئی مرتبہ عورتوں اور مردوں کو مختلف موقعوں پر تبلیغ کی ہے اور اب بھی کبھی گھر میں وعظ سُنایا کرتا ہوں۔

میں نے ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کے لیے ایک قصّہ کے پیرایہ میں سوال و جواب کے طور پر سارے مسائل آسان عبارت میں بیان کیے جاویں، مگر مجھے اس قدر فرصت نہیں ہو سکتی۔ کوئی اور صاحب اگر لکھیں، تو عورتوں کو فائدہ پہنچ جاوے۔"

فضول خرچی

فرمایا: "اُمراء بہت سے فضول خرچ رکھتے ہیں، جس سے آخر کو انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر وہ اعتدال کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں، تو کچھ حرج نہیں ہے۔ سُود کی بلا نے مسلمانوں کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ یہ بنیئے سُود در سُود دے کر آخر ساری جائدادوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔"

کثرتِ ازدواج کی اسلامی بناء

فرمایا: "اگرچہ عورت بجائے خود پسند نہیں کرتی کہ کوئی اور اس کی سوت آوے، مگر اسلام نے جس اصُول پر کثرتِ ازدواج کو رکھا ہے

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۳ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۲۴/ نومبر ۱۹۰۱ء

وہ تقویٰ کی بنا پر ہے۔ بعض وقت اولاد نہیں ہوتی اور بقائے نوع کا خیال انسان میں ایک فطرتی تقاضا ہے۔ اس لیے دوسری شادی کرنے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔ بعض اوقات پہلی بیوی کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور بہت سے اسباب اس قسم کے ہوتے ہیں۔ پس اگر عورتوں کو پورے طور پر خدا تعالیٰ کے احکام سے اطلاع دی جاوے اور انہیں آگاہ کیا جاوے۔ تو وہ خود بھی دوسری شادی کی ضرورت پیش آنے پر رضامند ہوتی ہیں۔"

ایک رویاء

فرمایا: "رات میں نے ایک رویاء دیکھی ہے۔ یعنی ۱۷ نومبر کی رات کو جس کی صبح کو ۱۸ نومبر تھی اور وہ رویاء یہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک سپاہی وارنٹ لے کر آیا ہے اور اس نے میرے ہاتھ پر ایک رسّی لپیٹی ہے، تو میں اُسے کہہ رہا ہوں کہ یہ کیا ہے مجھے تو اس سے ایک لذت اور سرور آرہا ہے۔ وہ لذت ایسی ہے کہ میں اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اسی اثنا میں میرے ہاتھ میں معاً ایک پروانہ دیا گیا ہے کسی نے کہا کہ یہ اعلیٰ عدالت سے آیا ہے۔ وہ پروانہ بہت ہی خوشخط لکھا ہوا تھا اور میرے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس پروانہ کو جب پڑھا، تو اس میں لکھا ہوا تھا۔ عدالتِ عالیہ نے اسے بری کیا ہے۔"

فرمایا: "اس سے پہلے کئی دن ہوئے۔ یہ الہام ہوا تھا:

رَشَنَ الْخُبْزُ (رَشَنَ ناخواندہ مہمان کو کہتے ہیں)"

---

۱۹ نومبر ۱۹۰۱ء

ختمِ نبوت کا منکر کون؟

فرمایا: "تعجب کی بات ہے یہ لوگ اسے دعویٰ جدید کہتے ہیں۔ براہین میں ایسے الہامات موجود ہیں جن میں نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی اور جَرِیُّ اللّٰهِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ وغیرہ ان پر غور نہیں کرتے اور پھر افسوس یہ نہیں سمجھتے کہ ختمِ نبوت کی مُہر مسیح اسرائیلی کے آنے سے ٹوٹتی ہے یا خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے۔ ختمِ نبوت کا انکار وہ لوگ کرتے ہیں جو مسیح اسرائیلی کو آسمان سے اُتارتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو کوئی دوسرا آیا ہی نہیں نہ نیا نبی نہ پرانا۔ بلکہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر دوسرے کو پہنائی گئی ہے اور وہ خود ہی آئے ہیں۔ کیا اگر ایک شیشہ میں حافظ صاحب اپنی تصویر دیکھیں، تو کیا عورتوں کو پردہ کر لینا چاہیے کہ یہ کون غیر محرم گھس آیا۔ آپ ان کو خوب مفصل اور واضح خط لکھیں۔"

حقیقت و استعارہ

پھر فرمایا: "انبیاء علیہم السلام کے آنے کے وقت لوگوں کے حالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ وُہ استعارات کو حقیقت پر محمول کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہی مصیبت اب ان کو پیش آئی ہے۔ یہ کوئی ایسا دجّال دیکھنا چاہتے ہیں جس کی آنکھ درحقیقت باہر نکلی ہوئی ہو اور پورے ستر گز کا اس کا گدھا ہو اور آسمان سے حضرت عیسیٰؑ کبوتر کی طرح منڈلاتے ہوئے اُتریں۔ یہ کبھی ہونا ہی نہ تھا۔ یہودیوں کو بھی حضرت عیسیٰؑ کے وقت یہی مصیبت پیش آئی۔ وُہ بھی یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ مسیح سے پہلے جیسا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہے آسمان سے ایلیاؑ اترے گا؛ چنانچہ جب مسیح آیا۔ تو اُنھوں نے یہی اعتراض کیا۔ مگر مسیحؑ نے ان کو جواب میں یہی کہا کہ ایلیا آچکا اور وہ یہی یحییٰ بن زکریا ہے۔ یہودی سمجھتے تھے کہ خود ایلیا آئے گا۔ اس لیے وُہ مُنکر ہوگئے؛ چنانچہ ایک یہودی کی کتاب میں نے منگوائی تھی۔ اس میں وہ صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مواخذہ کرے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر رکھ دیں گے کہ اس میں تو صاف لکھا ہوا ہے کہ ایلیا پہلے آسمان سے آئے گا۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ وُہ یحییٰ ہی ہوگا۔ اب ہمارا دعویٰ تو حضرت مسیحؑ کی ہائیکورٹ سے فیصلہ ہو گیا کہ جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہوتا ہے اس کی آمدِ ثانی کا یہ رنگ ہوتا ہے کہ اس کی خُو بُو اور خواص پر کوئی دُوسرا آتا ہے۔ یہی دھوکا اور غلطی ہمارے علماء کو لگی ہے۔ یہ اصل میں ایک استعارہ ہے جس کو اُنھوں نے حقیقت پر حمل کر لیا ہے۔ ایسا ہی دجّال اور اس کے دُوسرے لوازمات کو حقیقت بنایا۔

عیسائیوں نے بھی دھوکا کھایا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد فارقلیط کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ عیسائیوں نے رُوح القدس مراد لی؛ حالانکہ اس سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے۔ یہ لفظ فارقلیط فارق اور لیط سے مرکب ہے۔ لیط شیطان کو کہتے ہیں۔ (اور فارق کے معنی ہیں جُدا کرنیوالا یعنی شیطان کو دُور کرنے والا ۔ ناقل)

غرض یہ بڑی خطرناک غلطی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت لوگ کھاتے ہیں کہ استعارات کو حقیقت پر اور حقیقت کو استعارات پر محمول کر لیتے ہیں۔"

حضرت اُمّ المومنین کی ایک رویاء

[اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے جناب اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کی ایک رویاء سُنائی جو اُنھوں نے گذشتہ شب دیکھی۔ اور وہ یہ ہے:]

آپ نے دیکھا کہ دوپہر کے بعد ظہر جس وقت عموماً یکے بٹالہ سے آتے ہیں۔ میں (حضرت اقدسؑ) کچھ اسباب اور دوسرے لے کر گیا ہوں اور اُمّ المومنین کو دیتے ہیں کہ مرزا غلام قادر آگئے ہیں اور رحمت اللہ بھی ہے۔ اس پر اُمّ المومنین نے حضرتؑ سے دریافت کیا۔ اس خیال سے کہ ان کا گھر تو دُوسری طرف ہے اور ان کی بیوی بھی موجود

ہے جن سے حضرت اقدسؑ کو موجودہ صورت میں بالکل انقطاع ہے۔ کہ پھر اُن کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ دراصل وُہ مر گئے ہیں اور وہ دونوں گھروں کو دیکھنے کو آئے ہیں۔ اُمّ المؤمنین نے کہا کہ رحمت اللہ خاص آپ سے ملنے کو آیا ہے۔ پھر منظور علی ایک لڑکا ہے۔ وہ ایک کپڑوں کی پوٹلی اُس دُوسرے گھر میں ہمارے ہی مکان کی چیڑھیوں میں سے ہو کر اس طرف لے گیا ہے جس کو انھوں نے کھولا ہے تو وہ سیاہ بُوٹی اور سفید زمین کی ایک چھینٹ تھی۔ اس کے بعد اُن کا اور اسباب بھی اِدھر ہی آ گیا۔ تو معلوم ہوا کہ منظور علی اُدھر جو پوٹلی لے گیا تھا وُہ بھی غلطی سے لے گیا ہے دراصل اِدھر ہی کی تھی۔ پھر آنکھ کھُل گئی۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"میری اُس رویاء کے ساتھ جو کل سُنائی تھی۔ اس کے بعض اجزاء ملتے ہیں" اور فرمایا کہ "غلام قادر میں جو قادر کا لفظ ہے۔ اس کا تعلق دونوں گھروں سے ہے، مگر رحمت اللہ مخصوص اسی گھر سے ہے"

۲۰ر نومبر ۱۹۰۱ء

حُجّۃ اللہ کا مقام

فرمایا: "جب انسان حُجّۃ اللہ کے مقام پر ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہی اُس کے جوارح ہوتا ہے اور سچی بات ہے کہ جب خدا تعالیٰ سے انسان پُوری صُلح کر لیتا ہے اور اپنی مرضی اور تمام خواہشوں اور قوتوں کو اس کے ہی سپُرد کر دیتا ہے، تو خدا اس کی ساری طاقتیں ہو جاتا ہے۔ اُس کی مثال اُس لوہے کی سی ہو جاتی ہے۔ جو آگ میں ڈال دیا جاوے اور خوب گرم ہو کر آگ کی طرح سُرخ ہو جاوے پھر اُس میں اس وقت وہی خواص ہوتے ہیں جو آگ میں ہوتے ہیں"

خَیْرُ الْمَاکِرِیْن کے معنے

فرمایا: "میں نے غور کیا ہے کہ مکر کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح علیہ السلام کے لیے قرآن میں آیا ہے اور میرے لیے بھی یہ لفظ براہین میں آیا ہے گویا مسیح علیہ السلام کے قتل کے لیے بھی ایک مخفی منصوبہ کیا گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کیا گیا تھا اور یہاں بھی منصوبے ہوئے۔ اور اپنے طور پر آج کل بھی فرق نہیں کیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ کا مکر ان سب پر غالب آیا۔ مکر مخفی اور لطیف تدبیر کو کہتے ہیں۔ لیکھرام نے اپنے خطوط میں یہی لکھا تھا کہ خیر الماکرین سے میرے لیے کوئی نشان طلب کرو۔ جب خدا تعالیٰ باریک اسباب سے مجرم کو ہلاک یا ذلیل کرتا ہے اور اپنے بندہ کو جو راستباز ہوتا ہے، دشمن کے منصوبوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھتا ہے اس وقت اُس کا نام خیر الماکرین

بیان ہوتا ہے۔ یعنی ایسے اسباب مجرم کی سزا کے لیے مہیا کرتا ہے کہ جن اسباب کو وہ اپنے لیے کسی اور غرض سے مہیا کرتا ہے۔ پس وہی اسباب جو بہتری کے لیے بنتا ہے ہلاکت کا باعث بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کو ایسے طرز پر بچایا کہ وہ اسباب جو ان کی ہلاکت کے لیے جمع ہوئے تھے، ان کی زندگی کا موجب ثابت ہوئے۔ اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے کفارِ مکہ کے منصوبوں سے بچا لیا اور اسی طرح پر یہاں بھی اُس کا وعدہ ہے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ وہاں ہی محفوظ کیوں نہ رکھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سُنّت اللہ یہ نہیں ہے بلکہ خدا اپنا علم دکھانا چاہتا ہے اس لیے وہاں سے نکال لیتا ہے۔

مکر کی حد اُسی وقت تک ہے جبکہ وہ انسانی تدابیر تک ہو، مگر جب انسانی منصوبوں کے رنگ سے نکل گیا، پھر وُہ خارق عادت معجزہ ہوا۔ اگر ذرہ بھی ایمان کسی میں ہو تو وہ اِن اُمور کو صفائی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کے لیے ہجرت نہ ہو" [1]

end vol-2

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۴ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء

اِنڈیکس

مرتّبہ: سیّد عبدالحی

۱۔ کلید مضامین ۳

۲۔ تفسیر آیاتِ قرآنیہ..... ۳۵

۳۔ اسماء ۴۱

۴۔ مقامات ۶۳

المحتويات

١ - [illegible] ٦

٢ - [illegible] ٥٦

٣ - [illegible] ٦٢

٤ - [illegible] ٦٢

کلیدِ مضامین

ملفوظات

جلد ۱

آخرت

آخرت پر نظر رکھنے کی تلقین ۳۳، ۹۶، ۱۵۷، ۲۱۶

آخرت کے وجود پر تین دلائل ۱۵۹

آئندہ جہان کو محسوس کرنے کے لیے حواس کی تیاری اسی جہان میں ہوگی ۱۲

آخرت کی نعماء باغات اور نہروں کی حقیقت ۵۷۳

آریہ سماج نیز دیکھئے ہندو مذہب

آریوں کے عقائد پر تبصرہ ۱۳۰، ۳۲۹، ۳۹۵، ۴۵۹، ۴۶۸، ۵۱۴

تمام قدوسوں اور راستبازوں کو گالیاں دیتے ہیں ۴۰۱، ۴۶۸، ۴۸۴

اہم شخصیات بیکھرام - اندرمن اور الکھ دھاری ۲۵۷

آریوں نے خود بیکھرام سے متعلق پیشگوئی کو شہرت دی ۳۲۹

اپنی قوم کی تعلیم کے لیے لاکھوں روپے کے خرچ سے سکولوں اور کالجوں کی تعمیر ۴۴

آریوں کے بارہ میں حضور کی ایک رویاء ۱۸۳

اباحت

مسیلمہ کذاب اور عیسائیت کے اباحتی مسائل ۲۵۱

وجودی فرقہ کا نتیجۃً اباحت اور بے قیدی ہے ۵۴۶

ابتلاء

ابتلاء موجب رحمت ہوتے ہیں ۳۸۲

مومنوں اور متقیوں کے لیے ابتلاء ضروری ہے ۱۰، ۱۶، ۴۱۲، ۴۳۵، ۴۴۵

ابتلاء و آزمائش میں شہید کا رویہ ۲۵۵

ملازمتوں کے ابتلاء ۴

یہ ایام ابتلاء کے ایام ہیں ۳۸۳

ابدال

ابدال کا مقام اور اس کی حقیقت ۲۸۴

اجتہاد

اسلام کی تعلیم کے نتیجہ میں قوتِ اجتہاد بڑھتی ہے ۳۳۱

مومن اپنے نفس کا مجتہد ہوتا ہے ۲۹۰

ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے ذرا سا علم ہونے سے کوئی شایعت کے لائق نہیں ہو جاتا ۵۳۴

انبیاء سے اجتہادی غلطی کا صدور ۴۵۵

اجماع

صحابہؓ کے بعد اجماع کا دعویٰ باطل ہے ۲۹۴

(احمد بن حنبلؒ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر صحابہؓ کا اجماع ۲۹۳

احمدیت

جماعت احمدیہ کی وجہ تسمیہ ۴۴۳

پاک جماعت جب الگ ہو تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے ۵۲۵

منہاج نبوت پر قائم سلسلہ ۴۱۲، ۴۸۱، ۴۸۳

قرآن کریم کی چار سورتوں میں مسیح موعود اور ان کی جماعت کا ذکر ۴۴۲

خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے سلسلہ کا قیام ۵۱۸، ۵۵۱

ہماری جماعت کے حالات عیسیٰ بن مریم کی جماعت سے مشابہ ہیں ۱۳۵

جماعت کا مقام

اعلیٰ مقام ۹۴، ۲۹۴

جماعت کا ایمان ۲۱، ۲۱۹، ۳۲۲، ۴۰۵

جماعت کی وفاداری صدق اور مروت و ہمت کی تعریف ۲۲۴

ابتلاء کے وقت باہم رافت و رحمت ۳۸۲

جماعت احمدیہ کے لیے سلوک کی آسان راہ ۲۲۳

قیام کا مقصد

اللہ تعالیٰ کا اس سلسلہ کو قائم کرنے کا مقصد ۱۱۰، ۲۰۶، ۲۳۷

گمشدہ صداقتوں اور حقائق کو زندہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا سلسلہ ۵۵۹

سلسلہ کا قیام اور اس کی ذمہ داری ۳۸۵

بیعت میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کا مقصد ۳۵۱

ہماری جماعت کو اللہ تعالیٰ ایک نمونہ بنانا چاہتا ہے ۶

عقائد / تعلیمات

مسیح موعود علیہ السلام کے قیسیہ عقائد حق پر

جماعت ایمان رکھتی ہے ۳۷۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں ۲۲۶، ۴۹۰

کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟ ۱۴۲

ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے ۵۳۴

مخالفین اور ہمارے اعمال میں فرق ۲۲۸
غیروں کے پیچھے نماز پڑھنے کی مناہی اور
اس کی حکمت ۵۲۵ ، ۵۴۱ ، ۵۵۴
جماعت کے لیے دُعائیں
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی جماعت
کے لیے دُعا ۴۰۵ ، ۴۵۳
ہمارے دوستوں کو لازم ہے کہ وہ ہماری
دُعاؤں کو ضائع ہونے سے بچائیں ۶۸
جماعت کیلئے خصوصی نصائح
مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا تقاضا ۴۱۶ ، ۵۵۲
سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال
رکھیں ۹۳ ، ۱۲۴
میری دعا یا پر کاربند ہو کر نمونہ بنیں ۹۲ ، ۹۶ ، ۱۶۵
اطاعتِ امام کی اہمیت ۲۲۴
جماعت کے لیے خصوصی نصائح ۲۸ ، ۱۶۵
جماعت میں پاک تبدیلی کی خواہش ۱۵۷ ، ۳۵۱
سورۃ فاتحہ میں مذکورہ انعامات کو
نصب العین بنانا چاہیئے ۲۳۵
اخلاق کی درستی کی نصیحت ۹۵ ، ۱۵۲ ، ۵۱۰
۶۴ ، ۸۱ ، ۸۸
جماعت کے لیے اخلاقی نصاب ۱۳۵
ملازمت پیشہ احباب کے لیے
خصوصی نصائح ۱۷۳ ، ۱۷۴
اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانے کی تلقین ۳۴
مالکِ حقیقی کی رضا میں اوقاتِ عزیز
بسر کرنے کی تلقین ۴۳۸
صحابہ کرامؓ کا ایمان پیدا کرنے کی نصیحت
۲۷ ، ۲۴۸ ، ۳۶۶
ہر ایک شخص سفرِ آخرت کی تیاری رکھے ۳۲ ، ۹۶
دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی تاکید ۴۱۰
جماعت کو تقویٰ کی نصیحت ۶ ، ۲۲ ، ۶۸ ، ۲۰۰
اعمالِ صالحہ اختیار کرنے کی تلقین ۱۱۴
تم الہامات اور رویاء کے پیچھے نہ پڑ و بلکہ
حصولِ تقویٰ کے پیچھے لگو ۵۱۲
اپنے اعمال پر غرور نہ کرنے کی نصیحت ۵۱۲

تہجد اور دُعاؤں کی تلقین ۱۵۳
جماعت کو رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً
والی دعا بکثرت پڑھنے کی تلقین ۶
قرآنِ کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل
سے مصروف ہو جائیں ۳۸۶
اپنی اندرونی حالت کی اصلاح کی تلقین ۸ ، ۶۵
بے خوف ہو کر مت رہو استغفار اور
دُعاؤں میں لگ جاؤ ۴۸۵
جماعت کو ظاہری قیل و قال جو لیکچروں
میں ہوتی ہے پسند نہیں کرنی چاہیے ۲۶۵
باہمی اخوت و محبت کی تلقین ۲۳ ، ۱۴۴ ، ۳۳۶ ، ۴۵۲
جسم۔ درگذر اور نرم روی کی تعلیم
کی ضرورت ۱۳۵
والدین کی خدمت کی تلقین ۱۹۶
عورتوں سے حسنِ معاشرت کی تعلیم ۳۰۷
اِنتقال کر جانیوالے احبابِ جماعت کو
فراموش نہ کیا جائے ۱۵۶
حکام کی اطاعت ۱۶۸ ، ۳۰۴ ، ۳۲۲
مرکزِ احمدیت میں بار بار آنے کی تلقین ۱۵۲ ،
۲۰۵ ، ۳۰۱ ، ۳۲۶ ، ۳۵۰ ، ۴۰۵ ، ۴۴۵ ، ۴۵۳
۴۷۹ ، ۴۸۰ ، ۴۸۱ ، ۴۸۵
مرکز میں رہائش کی غرض دین ہو ۳۰۵
دین کے لیے وقفِ زندگی کی وصیت
۲۱۵ ، ۳۶۹ ، ۳۷۰
انگریزی دان طبقہ کے لیے خدمتِ دین
کا موقعہ ۲۵۶ ، ۴۷۸
سلسلہ کے دلائل سے واقفیت کی ضرورت
۱۹۴ ، ۳۷۹ ، ۳۸۷ ، ۴۸۰
عربی سیکھنے اور انگریزی پڑھنے کی نصیحت ۱۹۶
اشاعتِ اسلام کے لیے مالی قربانیوں
کی اہمیت ۱۵۲ ، ۴۷۸
مخالفین کے رویہ پر جماعت کو صبر کی
تلقین ۶ ، ۶۴ ، ۳۸۲ ، ۴۴۵
مخالفین کے لیے دعا سے کام لینے کی
نصیحت ۵

جماعت میں شامل ہو کر باہر نکل جانے
کے اسباب ۵۵۴
جماعت کے مستقبل کے متعلق بشارات
کامیابی کی بشارات ۱۸۱
جماعت میں بادشاہوں کے داخل ہونے
کے متعلق ایک کشف اور الہام ۳۰۶
وعدۂ عظیم میں شامل ہونے کے تقاضے ۶۵
مخالفت
شدید مخالفت کی وجوہ ۴۸۳
مخالفین کی جماعت پر بدظنی ۲۴۶
مخالفین کا گورنمنٹ کو بدظن کرنے کی کوشش ۱۳۵
اَحناف نیز دیکھئے عنوان اسلام اور مسلمان
تقلید میں غلو اور اپنے ائمہ کے اقوال کو
قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اقوال پر فضیلت دینا ۵۵۰
حلالہ کا مسئلہ ۵۵۰
اِخلاص
خدا تعالیٰ کے حضور اخلاص اور استغنا
کی قدر ہے تکلف اور بناوٹ کی نہیں ۲۷۳
اخلاص والے کو خدا ضائع نہیں کرتا ۴۵۶
بغیر اخلاص کے تمام محنت بے فائدہ ہے ۴۵۲
اخلاق دیکھئے خُلق
ادب
خدا جوئی کے آداب ۴۶۲
دُعا کے آداب ۴۳۵
اذان
سکھوں کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کی اذان
پر پابندی ۳۱۶
انگریزوں کے عہد میں اذان کی اجازت کا
ایک دلچسپ واقعہ ۳۱۷
سکھوں کا عہد گذر جانے پر اذان کی واگذاری
کا ایک واقعہ ۳۱۸
ارتقاء EVOLUTION نیز دیکھئے خَلق
ارتقاء کی حقیقت ۵۷۴

استعارہ

انبیاء علیہم السلام استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں ۲۹۳

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت لوگ حقیقت کو استعارہ اور استعارات کو حقیقت کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں ۵۸۶

استغفار

استغفار اور توبہ کی حقیقت ۳۴۸، ۵۲۵

استغفار کو توبہ پر تقدم حاصل ہے ۳۴۹

استغفار کی اہمیت ۱۹۷، ۲۰۲، ۴۳۲

کثرت سے استغفار کی تلقین ۳۴ و ۱۳۴، ۱۴۳ و ۲۶۸، ۴۸۵، ۵۰۷

قبض اور غفلت کا علاج استغفار ہے ۱۹۴، ۱۹۸

قرض سے نجات پانے کے لیے استغفار کی نصیحت ۴۴۹

حصولِ اولاد کیلئے استغفار کی تلقین ۴۴۴

نبی معصوم کا ستر بار استغفار ۳

اسمِ اعظم

اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ اعظم محمد ہے ۶۳، ۴۴۳

اُسوہ حسنہ

انسان نمونہ کا محتاج ہوتا ہے اور وہ نمونہ انبیاء علیہم السلام ہیں ۴۱۶

اصحاب الفیل

اصحاب الفیل کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک عظیم پیشگوئی ۱۱۰

اسوقت اصحاب الفیل کے رنگ میں اسلام پر حملہ کیا گیا ہے اور اس کا دفاع ہماری جماعت کے ذریعہ مقدر ہے ۱۱۰

اصحاب کہف ۳۶۰

افتراء

اللہ تعالیٰ الہام کا افتراء کرنے والوں کو کبھی مہلت نہیں دیتا ۱۹۹

اقامت صلوٰۃ نیز دیکھئے عبادت۔ نماز

متقی اور اقامتِ صلوٰۃ ۱۸

اطاعت

والدین۔ مُرشد اور بادشاہِ وقت کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شامل ہے ۳۲۲

جہاں تک ممکن ہو انسان اپنے مُرشد کے ہر رنگ ہو طریقوں میں اور اعتقادوں میں ۴

امام کی اطاعت کی اہمیت ۲۲۴

صحابہ رضی اللہ عنہم کی اطاعت ۱۲۱

اطمینان

نجات اطمینان کا ہی ایک مترادف لفظ ہے ۷۰

السلام علیکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو خصوصیت سے اپنا سلام پہنچانے کی وصیت کی۔ اویس قرنی کو اور مسیح کو ۱۹۵

استقامت

اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ ۵۱، ۶۴، ۵۱۶

اِستقامت کی حقیقت ۷۱

دل استقامت اور قلبی اطمینان کے لیے الہام کی ضرورت ۴۱

انبیاء علیہم السلام کی استقامت ۷۸، ۵۱۶

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنیوالوں کی استقامت ۱۶، ۵۰۸

شہید وہ شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے استقامت اور یکسوئی کی قوت پاتا ہے ۲۷۶

اِستقلال

صبر و استقلال کی اہمیت ۵۱۶، ۵۲۸

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا غیر معمولی استقلال اور ہمت ۴۹۴

اِسراف

امراء کو اسراف اور فضول خرچی سے بچنے کی تلقین ۵۸۴

اسلام

اسلام کے معنی اور حقیقت ۱۰۶، ۲۱۴

۳۶۴، ۴۵۸، ۵۱۹، ۵۳۲

خدا تعالیٰ اسلام کا مفہوم چاہتا ہے

نہ نام اور لفظ ۴۸

اسلام کی برتری ۱۸۶

دینِ فطرت ۴۶۵

زندہ مذہب ۱۴۳، ۳۲۹

۳۳۳، ۳۷۵، ۵۵۰، ۵۷۸

ایک پاکیزہ دین ۳۱۲

اسلام کے پاک اصول فلسفہ اور منطق سے بھی کامل المعیار ثابت ہوتے ہیں ۱۴۸، ۱۴۹

اسلام کا پیدا کردہ بے نظیر انقلاب ۱۴۴، ۱۸۰

اسلام کی رُوحانی شجاعت اور باطنی قوت کا کرشمہ ۳۸، ۹۲

دینِ اسلام میں تنگی اور حرج نہیں ۱۶۱

اسلام کا مضمون لا الٰہ الا اللہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے ۵

خدا پر بھروسا اسلام کا خاصہ ہے ۱۹۵

اہلِ اسلام کو روحانی علوم سے مناسبت ہے ۸۰

اسلام کی مظلومیت اور دوسری اقوام پر احسانات ۵

صداقت

حقیقت اور عقانیت کی اوّل نشانی ۳۹۲

تجا مذہب ہونے کی دلیل ۱۷۰، ۲۱۹

جدید تحقیقات سے اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ثابت ہوتی ہے ۱۹۹

عکرمہ بن ابی جہل کا اسلام کی صداقت کے لیے دلیل ٹھہرنا ۹۴

تعلیم

دُوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی پاکیزہ تعلیم ۳۲۱، ۳۲۵

صاف اور کامل تعلیم ۱۸۸، ۳۲۳

تعدد ازدواج کی حکمت ۱۸۷، ۵۸۳

اسلام کا پیش کردہ خدا اور اس کی صفات ۴۰، ۵۲، ۱۲۶، ۱۲۹، ۲۱۱، ۴۱۷، ۴۵۸

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ ۱۱۸، ۲۱۴، ۳۶۴

اسلامی پردہ اور اس کا فلسفہ ۲۱، ۲۹۷، ۴۲۷

صفائی اور پاکیزگی کے احکام کا فلسفہ ۱۶۴
احکاماتِ جنگ ۵۱۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کی حیثیت ۱۸۷، ۵۳۲
اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ۲۸۷، ۴۹۹
جہاد کا غلط تصور پھیلا کر مولویوں کا اسلام کو بدنام کرنا ۳۳۷
خلافِ اسلام کتابوں کی ضبطی کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا موقف ۱۵۸، ۱۵۹
اسلام پر جہاں اعتراض ہوتا ہے وہیں حکمت کا خزانہ اور معارف کا دفینہ ہوتا ہے ۳۶۳
جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا ہم ایسے آدمی کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں ۵۱۳

اندرونی اور بیرونی فتنے

اسلام میں اندرونی اور بیرونی فتنوں کی خبر ۲۹۵
موجودہ زمانہ میں اسلام کی حالت اور الٰہی نصرت کی ضرورت ۶۱، ۴۳۲، ۴۷۷، ۵۴۳
شیعہ، وجودی، موحد اور دُوسرے فرقوں کے فتنے ۹۶، ۵۴۹، ۵۵۱
مسلمانوں کے اندرونی مفاسد میں علماء کا حصہ ۵۴۴
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کے خلاف عظیم سازش ۴۶، ۵۴۳
پادریوں، فلاسفروں اور مورخین کے اسلام پر حملے ۳۰، ۳۸، ۱۱۱، ۱۴۳، ۱۹۸
اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کروڑوں کی تعداد میں دلآزار لٹریچر ۴۶، ۱۴۱، ۱۴۳، ۲۰۸
لاکھوں مُسلمانوں کا ارتداد ۱۰۹، ۲۰۸
مسیحیت باقی مذاہب کو چھوڑ کر صرف اسلام کے خلاف کیوں ہے؟ ۱۱۰، ۱۴۳

ثانیہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی حفاظت کا وعدہ ۱۷۹، ۳۴۶
اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی حفاظت ۴۶، ۵۹، ۶۱، ۶۲، ۱۴۹
اسلام کے اندرونی اور بیرونی فتنوں کیوقت اللہ تعالیٰ کا اس سلسلہ کو قائم فرمانا ۱۱۰، ۵۵۱
خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ مَیں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کے ساتھ تمام فتنوں اور مذہبوں پر غالب کر کے دکھاؤں ۶۲، ۲۲۰، ۴۳۲
اس زمانہ میں اسلام کی فتح کی صورت ۳۸
موجودہ زمانہ میں دُنیا سے اسلام منوانے میں مشکلات ۵۹
اس زمانہ میں ایک مسلمان کی سب سے بڑی عبادت ۱۴۲، ۲۹۱، ۵۳۰
اسلام کا دفاع
اس زمانہ میں اسلام کے دفاع اور اشاعت کے لیے رُوحانی مجاہدہ اور قلم کی ضرورت ۳۷، ۳۸
اشاعتِ اسلام کے لیے مالی قربانیوں کی ضرورت ۱۵۲
اسلام کی خدمت کا شرف حاصل کرنیکا طریق ۴۸
اسلام کی ترقی یورپ کی اتباع میں نہیں ہوگی ۴۰۹

مستقبل

اسلام کی کامیابی کی بشارات ۱۸۱، ۵۱۸
اب دُنیا میں اسلام پھیلے گا اور باقی سب مذاہب اس کے آگے ذلیل اور حقیر ہو جائیں گے ۵۴۱

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ

اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم اللہ ہے ۶۳، ۴۴۳
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ۳۲۱
اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۷۲
خدا تعالیٰ کا ذاتی اسم جو تمام جمیع صفاتِ کاملہ کا مستجمع ہے ۶۳، ۱۲۹
جامع صفات کاملہ اور ہر ایک نقص سے منزّہ ھی بالذات اور قائم بالذات ۷۲، ۳۱۲، ۳۱۴
اللہ تعالیٰ کے حالتِ غیب میں رہنے کی حکمت ۲۱۲
اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ کا ہی ہے ۳۴۰
اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی قسم کھانے کی حقیقت ۱۴۴

دلائلِ ہستیٔ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ۲۰۸، ۴۰۸
مصنوع سے صانع کے وجود پر دلالت ۳۳
وحدتِ خلقی سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ۵۷۴
جس نے اپنے وجود کو اور توحید کو اپنی کتاب قرآن کریم میں پر زور اور آسان دلائل سے ثابت کیا ہے ۳۳
اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور بے شمار دلیلوں کی شہادت ۳۲۰
مقربانِ بارگاہِ الٰہی دُنیا میں خدا کے وجود پر ایک نشان ہوتے ہیں اسی لیے یہ لوگ آیات اللہ کہلاتے ہیں ۲۱۳
ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے مقتدر نشانوں اور معجزات سے اَنَا الموجود کہتا ہے ۳۲۰
اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ثبوت اظہار علی الغیب ۲۰۹
موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی تازہ تجلّی کی ضرورت ۱۴۹
اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں ایسے نشانات عطا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے ۲۰۹

توحید

توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں رکھا ہوا ہے ۴۰
اسلام کی رُو سے ایک زمانہ گذرا ہے جب صرف خدا تھا وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ اور آئندہ بھی ایسا زمانہ آئے گا ۱۵۹
وحدتِ الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات پر تبصرہ ۷۴
قلبِ انسانی میں ماسوی اللہ کے بُت ۱۲۰
غیر اللہ کی محبت ایک عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے ۷۰، ۳۷۱
غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے

صریح خلاف ہے ۱۰۶

صفاتِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی اُمّہات الصفات ۱۲۵
سورۃ فاتحہ میں مخصوص صفاتِ الٰہی کے ذکر کی وجہ ۳۸۹
صفاتِ رحیمیت و رحمانیت ۲ ، ۸۱ ، ۱۲۶ ، ۳۹۵
ہدایت رحمانیتِ الٰہی سے ملتی ہے ۱۳۱
خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمانیت کا تقاضا ہے کہ اس نے دُنیا میں اپنے نبی بھیجے ۵۹
اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل ۲۲۵
اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو محض ربوبیت کے تقاضا سے پیدا کیا ہے ۳۱۳
والدین کی اولاد سے محبت خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا ایک راز ہے ۳۱۵
مبدء فیض ۱۵۱
انسان پر بے غرض احسانات ۳۱۳
اللہ تعالیٰ کا کانوں بھی رحمت ہے ۱۵۵
حیران کن تخلیق ۵۸
اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرفات ۷۴ ، ۴۴۲
تمام طاقتوں اور قوتوں کا مالک ۵۶ ، ۸۸
حی و قیوم ۳۴۶
اَحد اور صمد ۴۷۲
صفتِ غنا کا تقاضا ۸ ، ۳۷۹
ستار ۱۲۶ ، ۱۹۸
عزیز و حکیم ۷۸ ، ۳۳۳
حکیم و خبیر ۳۴۶
کریم ، رحیم اور بامروت ۲۵۵
مانگنا انسان کا خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالیٰ کا ۸۲
اللہ تعالیٰ کوئی کام بغیر اسباب کے نہیں کرتا ۶۱
جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا ہم اس کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں ۵۱۳
یا امر اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ دُعا اور صدقات کو عبث اور فضول رہنے دے ۱۰۰
اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (حدیث) ۳۶۹
باوجود وحدہٗ لاشریک ہونے کے فضلی طور پر بعض کو اپنے محامد میں شریک کر لیا ہے ۳۱۴
تمام اشیاء خواہ وہ ارضی ہیں یا سماوی اللہ تعالیٰ کی صفات کے اظلال اور آثار ہیں ۶۹
اہل اللہ کا ایک مقام جہاں ان سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر ربوبیت کے خواص رکھتے ہیں ۷۵
صفاتِ الٰہیہ کے حقیقی مظہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۳۲۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے کی غرض و غایت خدا کا جلال ظاہر کرنا تھا ۴۲۶
اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال ظاہر ہونے کی تمنا کی ضرورت ۲۶۲
سنّتِ الٰہی ۔ جب تکذیب شدت سے ہوتی ہے تو غیرتِ الٰہی اسی قدر نصرت کے لیے جوش مارتی ہے ۳۶۳
اخلاق فاضلہ ، صبر ، محویت ، فنافی اللہ ، اخلاص ، ایمان ، فلاح ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دعوتیں ہیں ۴۱۷
خیر الماکرین کے معنی ۵۸۷
اللہ تعالیٰ کے قہری نشانات کا مقصد ۷ ، ۱۶۰
سہل انگار اور سخت گذار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ۱۷

کلامِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کی مخفی طاقتیں کبھی وحی والہام کے سوا اپنا کرشمہ نہیں دکھلا سکتیں ۵۹
مکالمہ الٰہیہ کے بغیر خدا تعالیٰ پر سچا ایمان نہیں پیدا ہوتا ۔ ۳۹۱
اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کے تین طریق ۳۸۱ ، ۳۸۳

معرفتِ الٰہی

مذہب کی اوّل اینٹ خدا شناسی ہے ۱۱۱
اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانیکی تلقین ۳۳
رازی کا یہ قول بہت دُرست ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو اپنی عقل کے پیمانہ سے اندازہ کرنے کا ارادہ کرے وہ بے وقوف ہے ۵۶
بڑے بڑے فلاسفر محض عقل کے بھروسہ پر حقیقی خدا کو نہ پا سکے ۴۱
اللہ کی معرفت کے حصول کے ذرائع ۲۷۳
خُدا جوئی کے آداب ۴۶۲
اُمّتی اُمّتِ محمدیہ اپنے رب کو کس طرح پہچانے گی ۸۰
خدا کی تلاش میں استقلال سے لگا رہنے والا آخر خدا کو پا لیتا ہے ۴۶۵
خدا تعالیٰ کی معرفت کی لذت ۱۳۷
معرفت حاصل ہونے کے بعد دُنیا انسان کی نظر میں ۹۲

محبتِ الٰہی

محبتِ الٰہی کے ذرائع ۴۶۱
سچی لذت اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا اور کسی شئے میں نہیں ہے ۵۰۸
محبتِ الٰہی کے نتائج ۱۱۷ ، ۲۳۴
خدا تعالیٰ سے انبیاء کے عشق کی کیفیت ۲۴۲
عشق و محبت الٰہی کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کیفیت ۳۰۲
اللہ تعالیٰ کی خاطر سفر کی عظمت ۲۲۴

رضائے الٰہی

مجبور کو تو ذکر مقصد نہ ہوتے بغیر رضائے الٰہی اور محبتِ الٰہی حاصل نہیں کی جا سکتی ۵۱۱
اللہ تعالیٰ کی رضا ان لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو اس کی رضا اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں ۹۴
اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور غمگساری ۲۶۷
مبارک ہیں وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے

حصول کے لیے تکلیف کی پروا نہ کریں ۴۷
سچی خوش قسمتی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو
مُقدم کرو ۴ ، ۱۲۵
خدا کی رضاء کو مُقدم کرنا تبتّل ہے ۵۵۵

تعلق باللہ

خدا تعالیٰ سے سچا تعلق قائم کرنے کا
ذریعہ نماز ہے ۱۰۸ ، ۱۲۱
خدا تعالیٰ اور بندے کے باہمی تعلق
کی نوعیت ۲۱۶ ، ۵۵۳
انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے تعلق
کی انتہا ۷۷
اللہ تعالیٰ سے تعلق کے نتائج ۹۱
مقربانِ الٰہی کی علامت ۳۶۴ ، ۳۹۱
اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ (حدیث) ۱۲۱
اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء سے سلوک ۹
مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ (حدیث) ۵۶۰
دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والوں کے ساتھ
رأفت و محبت ۳۶۴
مومن کامل کی جان لینے میں خدا تعالیٰ کے
تردّد کی حقیقت ۱۱۷ ، ۱۱۹ ، ۵۱۲
خدا تعالیٰ کی طرف سعی کرنے والا کبھی ناکام
نہیں ہوتا ۹۱
جو اسلام کے لیے سینہ بریاں اور چشم گریاں
نہیں رکھتا خدا تعالیٰ اس کا ذمہ دار
نہیں ہوتا ۱۴۲
اللہ پر بھروسہ کی حقیقت ۲۴۴
خدا کو مت آزماؤ ۷۸
اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مفہوم ۱۴۷

اسلام اور دُوسرے مذاہب میں خدا تعالیٰ کا تصوّر

اسلام کا پیش کردہ خدا اور اس کی صفات
۴۰ ، ۵۲ ، ۱۲۶ ، ۱۲۹ ، ۲۱۱ ، ۴۱۷
اسلام کے خُدا کا دُوسرے مذاہب کے
خداؤں سے موازنہ ۵۱۴
عیسائیت میں خدا تعالیٰ اور اس کی
صفات کا تصوّر ۸۳ ، ۱۲۶ ، ۱۳۰ ، ۴۱۸
خدا تعالیٰ کی صفاتِ رحم و عدل سے عیسائیوں
کا غلط استدلال اور اس کا ردّ ۱۱۲
ہندو اور آریہ مذہب میں خدا کا تصوّر
۸۳ ، ۱۲۶ ، ۱۲۹ ، ۴۱۸
اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں اسلام اور
دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا موازنہ ۴۵۹

الہام نیز دیکھئے وحی

ہر شخص کی فطرت میں رویاء، کشف اور
الہام پانے کی قوت رکھی گئی ہے ۴۸۶
اللہ تعالیٰ کی مخفی طاقتیں وحی والہام کے سوا
اپنا کرشمہ نہیں دکھلا سکتیں ۵۹
قلبی اطمینان اور دلی استقامت کیلئے
الہام ضروری ہے ۴۱
نبوّت کے انوار و برکات کا وحی ولایت
کے رنگ میں ظہور ۵۹
متقیوں کے لیے سلسلہ الہامات ۱۰ ، ۴۲
کسی کے تقویٰ کو اس کے مُلہم ہونے پر نہ پہچانو
بلکہ اس کے الہاموں کو اس کی حالتِ تقویٰ
سے جانچو ۵۱۲
نزولِ الہام کی کیفیت ۳۰۳
الہامِ الٰہی سے پیدا ہونے والا سچا فلسفہ
کن کو ملتا ہے ؟ ۴۳
خدائی الہام کا معیار ۲۰۴
ماثور کے الہاموں اور کاہنوں کی پیشگوئیوں
میں فرق ۱۸۲
کشوف و الہامات میں شیطان کا دخل ۵۰۶
الہامِ الٰہی اور حدیث النفس میں امتیاز ۴۷۰
ملہم کے الہامات کی حیثیت ۴۸۶
اللہ تعالیٰ الہام کا افترا کرنے والے کو
مہلت نہیں دیتا ۱۹۹
الہام کے منکروں پر قرآن کریم کا اتمامِ حجت ۱۴۵
مولوی عبداللہ غزنوی کی محمد حسین کی نسبت
ایک الہام ۱۲۶

مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کیلئے

(دیکھئے اسماء میں غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود)

امامت

اِتّباعِ امام کی اہمیت ۳۹۴
حدیث اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَیْش
کی حقیقت ۳۰۰
ائمہ اربعہ کا بلند مقام ۵۴۴
اُمّت محمدیہ (نیز دیکھئے عنوانات اسلام، مسلمان)
اللہ تعالیٰ کے علم اور عقل کی حامل اتی امت
کے پیدا ہونے کی پیشگوئی ۸۰
جامع کمالات اُمّت ۲۲۶
علوم اُمّیہ سے سرفرازی کی بناء پر امت پر شُکر
واجب ہے ۸۰
امت محمدیہ میں خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق کا
بیّن ثبوت ۹۱
اس اُمّت کو دو چیزیں عطا کی گئی ہیں توبہ
اور استغفار ۳۴۸
اللہ تعالیٰ امت محمدیہ میں پیغمبروں کا
خلقی سلسلہ قائم کرنا چاہتا ہے ۴۵۵
عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ
(حدیث) ۲۳۱
وُہ امت کیسے خیر الامم کہلا سکتی ہے جس میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک
شخص بھی ایسا نہ ہوا ہو جسے خدا تعالیٰ سے
کلام کا شرف حاصل ہوا ہو ۵۴۹
ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے لیے آدمِ ثانی
تھے ۲۵۲
اس اُمّت کا فرعون ابوجہل تھا ۴۹۷
اُمّتِ محمدیہ کے بعض صلحاء کا ذکر ۵۰۶
سلسلہ موسویہ اور سلسلہ محمدیہ میں مماثلت
اور مسیح موعود کی بعثت کی خبر
۲۵ ، ۲۹ ، ۵۲۳ ، ۵۳۲
اس اُمّت کی دو اہم شخصیات مثیل موسیٰ
(محمدؐ) اور مثیل عیسیٰ (مہدی) ۴۵۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
پر اُمّت پر مصائب ۲۵۱
اُمّتِ مرحومہ کہلائے جانے

کی وجہ ۷۹ ، ۳۲۷
قرونِ ثلاثہ کے بعد کے زمانہ کا نام فیج اعوج
اور اس دور کے مسلمانوں کا مقام ۲۹۴
یہود کے تتبع میں ظاہر پرستی اختیار کرنے
کی پیشگوئی ۱۳۲
اُمتِ محمدیہ کے اندرونی فتنے ۵۴۵ تا ۵۵۱
امت میں تفرقہ کی وجہ سے جامعیت
اخلاق نہیں رہی ۸۵
فرقہ بندیوں کے بعد مسیح موعود کے بطور
حکم مبعوث ہونے کی خبر ۲۹ ، ۲۹۵
اُمتِ محمدیہ کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا منشا ۱۲
اُمت میں وفاتِ مسیح کے قائلین ۲۹۴

امر بالمعروف

امر بالمعروف میں انداز بیان نرم ہونا چاہیے ۲۸۱

امہات المومنین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات
کو امہات المومنین کہنے کی وجہ ۹۳

انجمن حمایت اسلام لاہور

احمد شاہ شائق نامی عیسائی کی دلآزار کتاب
امہات المومنین کی اشاعت پر انجمن کا
حکومت کی خدمت میں میموریل پیش کرنا ۱۷۵
حضور کا انجمن کے میموریل کی اصلاح فرمانا ۱۵۸

انجیل نیز دیکھئے عیسائیت

انجیل پر کہیں 'کتاب' کا لفظ نہیں بولا گیا ۵۷۹
انجیل کو اصل زبان کی طرف توجہ ہی
نہیں رہی ۱۷۹
موجودہ اناجیل کے اصل نہ ہونے کی
ایک دلیل ۵۲۴
انجیل یہود کو پاک باطنی اور اخلاقی قانون
سے باخبر کرنے آئی تھی ۴۹۷
فارقلیط کے متعلق مسیح کی پیشگوئی ۵۸۶
سلسلہ موسویہ میں مسیح کے آخری اینٹ
ہونے کی تمثیل ۴۹۶
اناجیل میں مسیح کے صلیب سے زندہ اُترنے
کے واضح قرائن ۲۲۲ ، ۵۰۱
انجیل میں مسیح کی آمدِ ثانی کا ذکر اور اس کا
مصداق ۴۹۷
اکمال الدین میں یوز آسف کی طرف منسوب
کتاب بشریٰ انجیل ہی ہے ۵۰۲

تعلیم

انجیل کی تعلیم مختص الزمان تھی ۵۳
توحید باری اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کی
رسالت کے خلاف مواد ۱۲ ، ۱۸۵
غیر معقول، ناقص اور ناقابل عمل تعلیمات
۲۰ ، ۳۹ ، ۱۸۶ ، ۲۸۹ ، ۲۹۱
انسانی قویٰ کے استیصال کی تعلیمات ۲۱
مسیح علیہ السلام کا نشانات طلب کرنے
والوں سے سختی کا ذکر ۴۸۸
انجیل کی رو سے حواریوں کی علمی اور عملی حالت ۱۸۰
تعدد ازدواج کے مسئلہ کو صراحت
بیان نہیں کیا گیا ۱۸۷
شہوت کی نظر سے نہ دیکھنے کے حکم کے نقائص ۲۹۷
تعلیم میں قرآن کریم سے موازنہ
۲۱ ، ۳۹ ، ۵۳ ، ۵۲۲

انسان

انسان کی حقیقت ۴۱۶
انسان کی پیدائش کی غرض اور مدعا
۷۱ ، ۱۱۶ ، ۱۱۸ ، ۲۳۵ ، ۴۲۹ ، ۵۰۴
خدا تعالیٰ اور انسان کا باہمی تعلق ۲۱۶
انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفتِ
رحمانیت کا ظہور ۸۲ ، ۳۱۳
مانگنا انسان کا خاصہ ہے اور استجابت
اللہ کا ۸۲ ، ۱۲۹
انسانِ کامل کی صفات ۷۴ ، ۲۷۰ ، ۳۹۳ ، ۴۸۱
انسان اور دوسرے حیوانات کے قویٰ
میں فرق ۱۲
اسلام نے انسانی قویٰ کے استیصال کی
بجائے ان کی تعدیل کی ہے ۲۲
انسان کے وجود میں دل، دماغ اور زبان
کا دائرہ کار ۲۶۹ ، ۲۷۰
انسان کا روحانی تولد ۴۱۷
انسان کی روحانی طاقتوں پر اس کے معبود
کا اثر ۱۳۶
خدا تعالیٰ کی راہ میں قدم مارنے والوں کے
تین گروہ ۴۸۷
انسانی روح پر ربانی واعظ کا اثر ۲۶۷
انسانی کائنات میں برائی پر پیشانی کا احساس ۸۸
انسانی نفس کی تین حالتیں امارہ۔ لوامہ
اور مطمئنہ ۶۴ ، ۶۸
کلام نفس ۲۳۸
روحانی اندھاپن ۱۳

تخلیق

انسان کی مٹی سے پیدائش ۴۳۴
نطفہ سے پیدائش ایک سربستہ راز ہے ۵۶
ضعیف البنیان اور کمزور ہستی ۸۸ ، ۲۴۴ ، ۲۶۳
رجوع موثی نہیں ہوتا ۳۵۹

فطرت

انسانی قویٰ اور فطرت خدا تعالیٰ کی فعلی
کتاب ہے ۱۸۶
انسان کا سینہ بیت اللہ اور دل حجرِ اسود ہے ۱۲۰
انسان بالطبع کمال کی پیروی کرنا چاہتا ہے ۱۳۹
انسان کی فطرت میں ایک خدا کی طرف
رجحان ۷۱ ، ۱۱۶ ، ۲۱۹
انسان عقل کی وجہ سے مکلف ہے ۳۹
انسان تمام اخلاق کی تبدیلی پر قادر ہے ۸۶
خدا تعالیٰ نے انسان کی قضاء و قدر کو مشروط
کر رکھا ہے اور یہ توبہ اور خشوع و خضوع سے
ٹل سکتی ہے ۱۰۰

انشراحِ صدر

ہم انشراحِ صدر کی کیفیت کو الفاظ میں
بیان نہیں کر سکتے ۱۲۰
مقام شہادت پر فائز انسان کا انشراحِ صدر
کے ساتھ خدا تعالیٰ سے تعلق ۲۵۶

اِنفاق

رزق سے مراد صرف مال نہیں ہے ۲۰

انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت ۲۸۹، ۳۶۷
متقی اور انفاق مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۱۹
انفاقِ رزق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ۲۰

انکسار
تذلل اور انکساری کی زندگی کوئی شخص اختیار نہیں کر سکتا جبتک اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہ کرے ۲۸
چوں بدولت بَرسی مست نگردی مردی ۳۰۶

انگریز
باوجود نیوی عقل رکھنے کے تثلیث اور اُلوہیت مسیح کو ماننا ۲۷۲
انگریزوں کے متعلق دکھایا جانا کہ ان میں بہت سے لوگ سچائی کی قدر کریں گے۔ ۵۳۸
سکھوں کے مظالم سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ اس سلطنت کو بڑی دُور سے لایا ۱۷۴
گورنمنٹ برطانیہ کے احسانات ۱۳۱، ۱۵۱، ۱۶۱، ۳۱۵، ۳۳۷
مذہبی آزادی اور عدل ۱۴۰، ۱۴۲، ۳۱۶، ۵۳۱
انگریز اور مغربی اقوام کی مادی ترقی کا راز ۴۰۰
کھیلوں اور کرتبوں میں حیرت انگیز ترقی ۲۵۸، ۲۷۱
انگریزوں کی مصنوعات کے پسندیدہ ہونے کی وجہ ۱۳۹
ہندوستانیوں پر انگریز معاشرت کا اثر ۲۹۶
ہم انگریزوں کی گورنمنٹ سے کوئی عزت نہیں چاہتے ۳۳۷
انگریز گورنمنٹ کا فرض تھا کہ وہ اسلام کے خلاف پادریوں کا دلآزار لٹریچر ضبط کرے ۱۴۱

انگریزی زبان
جماعت کو انگریزی زبان سیکھنے کی تلقین ۱۹۶
ہم نے انگریزی نہیں پڑھی وہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے ۲۵۶
انگریزی منطق کی بنا منطقِ استقرائی ہے ۱۴۸

اولاد
اولاد کی خواہش میں اصل بات یہ مدِنظر رکھنی چاہیے کہ وہ نیک اور دیندار اور عباد الرحمٰن ہو ۵۶۰، ۵۶۲، ۵۶۳
حصولِ اولاد کے لیے استغفار کی نصیحت ۴۴۴
اولاد پر والدین کی نیکیوں اور بدیوں کا اثر ۱۱۷، ۱۱۸
صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ انسان اپنی اصلاح کرے ۵۶۱
بچوں کو مادر شہر کہ میں داخل ہے ۳۰۸
اولاد کی نیک تربیت اور ان کے لیے دُعائیں کرنے کی تلقین ۵۶۲
اولاد کے لیے قرآن کریم کی دُعا ۵۶۲
دینی تعلیم و تربیت کا صحیح وقت طفولیت کا زمانہ ہے ۴۴
اولاد کے فتنہ ہونے کی حقیقت ۳۷۱
اپنی اولاد کو عیسائیوں اور آریوں سے بچائے رکھنے کی تلقین ۴۵
آیت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ میں ثمرات سے مراد اولاد بھی ہے ۲۵۵، ۴۳۶

اُولی الامر
اگر گورنمنٹ شریعت کے خلاف حکم نہ دے تو وہ مِنْكُمْ میں شامل ہے ۱۶۱

اُونٹ
اُونٹ کی فطرت سے اتباعِ امام کا سبق ۳۹۴
اونٹوں کے بیکار ہونے کی پیشگوئی کا پورا ہونا ۴۲۲

اہلِ حدیث
اہلِ حدیث کا اتفاق ہے کہ مسیح موعود کے آنے کی تمام علاماتِ صغریٰ و کبریٰ ایک حد تک پوری ہو چکی ہیں ۳۰

اہلِ کتاب
طعام اہلِ کتاب کا جواز ۹۷

ایثار
ایثار کی اہمیت ۳۶۷

ایمان
کفر اور ایمان کا تعلق دنیا سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہے ۱۲۲
ایمان ایک راز ہے ۳۶۹
اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر و نہی میں سچا ایمان ہے ۱۹۳
ایمان کی اقسام ۱
ایمان کا آخری درجہ ۳۶۶، ۵۶۳
ایمان دُرست نہیں ہوتا جبتک انسان صاحبِ ایمان کی صحبت میں نہ رہے ۳۳۹
خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اسی دن پیدا ہوتا ہے جب وہ انا الموجود کی بشارت دیتا ہے ۳۹۲
ایمان متکبر المزاجی اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ ۵۷۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا کرنا ہے ۶۱، ۲۱۸

ایمان کی فرضیت اور اہمیت
صرف مورثی ایمانی پر ایمان لانا ضروری ہے ۱۸۸
ایمان باللہ کی اہمیت ۲۰۸، ۲۲۶، ۳۲۰، ۵۶۹
کلامِ الٰہی پر ایمان کی فرضیت ۲۹۲
عبادت کے لیے ایمان شرط ہے ۳۱۹

ایمان کے اثرات
ایمان کی حقیقت اور اثرات ۵۷۲
ایمان کے نشانات ۴۱۷
حقیقی ایمان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صفات ۱۲۲، ۲۲۸، ۲۲۹، ۴۶۵، ۴۹۳
ایمان کی قوت ۴۰۶
مسلمانوں کی فتوحات اور کامیابیوں کی کلید ۴۱۰
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ۴۰۶، ۴۰۸
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان ۲۴۸، ۳۶۵

ایمان بالغیب
تمام نیکیوں اور راستبازیوں کا بڑا بھاری ذریعہ آخرت پر ایمان ہے ۳۴
متقی کا ایمان بالغیب سے تعلق ۱۸
ایمان بالغیب میں حسنِ ظن ۳۶۶
اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے ۴۰۶

کمزور ایمان

دلائل کے ساتھ ایمان قوی نہیں ہو سکتا ۵۷۷

معجزات و نشانات کے طلبگاروں کا ایمان ۳۶۶

قوتِ ایمان اور یقین کے بڑھانے کیلئے سُنی سنائی باتیں فائدہ نہیں دیتیں ۲۱۰

مُردوں کی طرف رجوع کرنا ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے ۳۳۹

سلبِ ایمان

سلبِ ایمان کی دو صورتیں ۲۲۹

اولیاء اللہ کا انکار سلبِ ایمان کا موجب ہوتا ہے ۱۲۳ ، ۱۴۹ ، ۲۲۹ ، ۳۸۳

مسیح موعود کو نہ ماننے سے سلبِ ایمان ہو جاتا ہے ۱۲۲ ، ۴۴۹

ب

بائیبل نیز دیکھئے ۔ انجیل ۔ تورات ، یہودیت اور عیسائیت کے عناوین

بائیبل اور سائنس کی آپس میں عداوت ۵۲۶

طوفانِ نوح کے بارہ میں بائیبل کا غلط بیان ۵۲۶

فارقلیط کی حقیقت ۵۸۶

بُت پرستی

بُت پرستی کی ابتداء ۵۵۷

بخشش

بخشش کی حقیقت ۳

بخل

بخل کے وسیع تر معنی ۹۳ ، ۲۸۹

باہمی عداوت کا ایک سبب ۳۳۶

بدظنی

بدظنی کی ہلاکتیں ۶۲ ، ۲۴۶ ، ۳۴۵ ، ۴۷۳

جب دُعا بظاہر قبول نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پر بدظنی نہیں کرنی چاہیے ۶۷

برزخ

انسان اور خدا کے درمیان برزخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے ۵۷۵

مخلوق کی مختلف انواع میں برزخ ۵۷۵

بُروز

مسئلہ بروز کی حقیقت ۲۹۴

مسئلہ بروز کو سمجھنے کی ضرورت ۳۰۰

صُوفیا کے نزدیک مسئلہ بروز ۵۲۱

ہر ایک مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے ۵۲۳

حضرت الیاس (ایلیاہ) کا بروزی یوحنا کی شکل میں آنے کا مسئلہ ۵۲۳

اس زمانہ میں بدی کے دو بروز الدجال اور یاجوج و ماجوج اور نیکی کے دو بروز مسیح بن مریم اور مہدی ۲۹۸ : ۲۹۹

برہمو سماج نیز دیکھئے ہندو مذہب

الہام کی ضرورت کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے نجات کا نور حاصل نہیں کر سکتے ۴۱

بصیرت

انسان خدا تعالیٰ سے سچی بصیرت مانگے ۸۳

بصیرت کی اہمیت ۴۲ ، ۸۶

بُغض

باہمی بغض و عداوت کے اسباب ۳۳۶

بغض کا جُدا ہونا مہدی کی علامت ہے ۳۳۶

بیعت

بیعت کی حقیقت ۴۳۹ ، ۵۰۶

فائدہ اور ضرورت ۲

بیعت کا تقاضا ۵۵۳

بیعت کے معنے کو اختیار کرو ۳ ، ۴۱۶

بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے ۲

ہم امرِ الٰہی سے بیعت کرتے ہیں (مسیح موعود) ۵۰۷

پ

پاکیزگی

ظاہری پاکیزگی کا باطن پر اثر ۱۶۲

پردہ

صحیح اسلامی پردہ اور اس کا فلسفہ ۲۱ ، ۲۹۷

اسلامی پردہ کی حکمت ۴۳۷

خاص حالات میں پردہ ۱۶۱

پندار

عجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے ۲۳

پیشگوئی

پیشگوئیوں کی اہمیت ۸۹ ، ۲۷۴ ، ۲۷۵

وعیدی پیشگوئیاں توبہ و استغفار سے ٹل سکتی ہیں ۱۶۶

پیشگوئی میں شرط کا موجود ہونا خود ایک پیشگوئی ہے ۳۷۶

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں

حضرت ہاجرہ و اسماعیلؑ کے ذکر میں آپؐ کے متعلق پیشگوئی ۵۷۰

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی پیشگوئیاں ۴۴۴

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اسم احمد کی پیشگوئی ۴۲۲

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

قرآن کے نام میں زبردست پیشگوئی ۳۸۶

ایک قرآنی پیشگوئی کا ظہور ۴۷۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت تک خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کی پیشگوئی ۱۱۰

بعض مسلمانوں کے یہود و نصاریٰ کے خصائل اختیار کرنے کی پیشگوئی ۴۷۱

امتِ محمدیہ میں ابن مریم پیدا ہونے کی پیشگوئی ۵۲۳

آیت استخلاف میں مسیح موعود کی پیشگوئی ۴۷۵

واقعہ بدر میں مسیح موعود کے زمانہ کی پیشگوئی ۴۳۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں

مسیح موعود کو بھیج کر اللہ تعالیٰ کا حضورؐ کی مبارک پیشگوئیوں کو کھولنا ۶۲

آپؐ کی پیشگوئیوں میں مسیح موعود کے القابات ۲۰۷

مسیح موعود کے لیے نمازیں جمع کی جانیگی ۴۴۹ ، ۵۴۳

امام مہدی کے لیے سورج اور چاند کو رمضان میں گرہن لگے گا ۸۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیح موعود کو سلام بھیجنے میں ایک پیشگوئی ۵۱۱

آخری زمانہ میں مسلمانوں کی ابتر حالت کے متعلق اخبار ۶۰، ۳۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا ہر زمانہ میں ثبوت ۲۷۴

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں

پیشگوئیوں کا عظیم الشان نشان مجھے عطا ہوا ہے ۱۸۲، ۲۷۵

آپؑ کی ایک سو سے زیادہ پیشگوئیوں کا تریاق القلوب میں ذکر ۵۸۲

مرزا احمد بیگ سے متعلق پیشگوئی کا پورا ہونا ۳۸۴

بترس از تیغ برّانِ محمد... کا پورا ہونا ۲۵۷، ۳۷۸

ایک وقت آتا ہے کہ ان (مخالفتوں) کا نام و نشان مٹ جائے گا ۴۹۴

جو آئندہ ذریت ہوگی ہماری ہی ہوگی ۳۹۰

ت

تبتّل

تبتّلِ تام کی حقیقت ۵۵۲، ۵۵۳

جو آدمی تبتّل تام نہیں کرتا وہ کبھی مقصودِ اصلی کو حاصل نہیں کر سکتا ۵۱۴

تبلیغ

تبلیغ میں مخاطب کے مذاق کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے ۵۵۷

حضرت اقدس کے سامنے فونوگراف کے ذریعہ تبلیغ کی تجویز ۵۶۶

اپنے رشتہ داروں عورتوں اور مردوں کو تبلیغ کرنے کی تلقین ۵۸۴

تثلیث نیز دیکھئے عیسائیت

عقیدہ تثلیث کا ردّ ۲۱۹، ۵۷۵

پادری فنڈر کا اعتراف کہ جن لوگوں تک تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی ان سے توحید پر مواخذہ ہوگا ۴۰، ۵۷۵

تذلّل

کمال تذلّل عبادت کا مقصود ہے ۱۰۴

تذلّل حاصل کرنے کا طریق ۲۸

کامل تذلّل اور فروتنی اختیار کرنے کے نتائج ۱۰۵

تربیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے اثرات ۴۳۰

تربیتِ اولاد کے بارہ میں مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات ۳۰۸، ۳۰۹

تربیتِ اولاد اور ان کے لیے دعائیں کرنے کی تاکید ۵۶۲

تُرک

تُرکوں کے ذریعہ اشاعتِ اسلام اور حرمین شریفین کی حفاظت ۵۷۹، ۵۸۰

تزکیۂ نفس

تزکیۂ نفس کی اہمیت ۸۵، ۱۲۰، ۲۸۳

تزکیۂ نفس کے حصول کا طریق ۴۵، ۵۴۶

مُزکّی کی صحبت کے بغیر تزکیۂ نفس اور تزکید اخلاق ناممکن ہے ۳۰۶، ۴۰۵، ۴۵۹

تزکیۂ نفس کے لیے چلّہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے ۱۲۱

تصوف

بعض اکابر صوفیاء کا ذکرِ خیر ۷۳، ۵۶۰

اکابر صوفیاء کی اعتقادی اور عملی حالت ۵۴۸

سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ اور اَللّٰہُ فِیْ جُبَّتِیْ کی اصل حقیقت ۵۴۷

کیا کسی مقام پر نماز ساقط ہو جاتی ہے؟ (فتوحاتِ مکیہ کی ایک عبارت کی تشریح) ۲۵۴

اِلٰہ سے مراد مقصود و معبود ۱۰۸

پیغمبروں کے ذریعہ جلوۂ اُلوہیت کا اظہار ۴۱۶

حُجّۃ اللہ کا مقام ۵۸۷

عبودیت اور ربوبیت کے باہم رشتہ کا خط ۱۰۳، ۵۷۰

سلوک اور اس کی انتہاء ۱۷، ۳۴۷

ابن حزم کا لکھنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا یہانتک کہ میں خود رسول اللہ ہوگیا ۴۵۷

مُرید اور مُرشد کا تعلق ۱۵۴

مسئلہ بُروز ۵۲۱

مسیح کی آمد بروزی ہے ۲۹۴

فنا فی نظری ۵۴۵، ۵۵۸

وحدتِ شہودی کا نظریہ ۷۳

حقیقی توحید اور وحدتِ وجود ۵۴۴

وجودی فرقہ کے عقائد پر تبصرہ ۱۱۷، ۵۴۵

استغفار اور توبہ کا مقام ۲، ۳۴۸

صوفیاء کے نزدیک مساوات رُوحانی فیوض کا مبدء ہیں ۵۸۰

صوفیاء کے خود ساختہ اور ہندووانہ وظائف و انکار ۲۸۳، ۳۵۶، ۵۵۸

تضرّع

نماز میں تضرع اور ابتہال ۴۰۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متضرعانہ زندگی ۴۲۳

تعبیر الرؤیاء

نمازِ عید شہر میں پڑھنے کی تعبیر ۱۵۵

نُور کے کپڑوں کا ملنا اور حضرت اقدس کے دیئے ہوئے مضامین کا نقل کرنے کی تعبیر ۱۶۹

ملکہ وکٹوریہ کے آنے کی تعبیر ۲۰۳

شربت سے مراد کامیابی ۱۸۱

بگڑ نکال کر پیش کرنے کی تعبیر ۱۵۵، ۳۹۶

خواب میں دانت اگر ہاتھ سے گرایا جائے تو وہ مُنذر ہوتا ہے ورنہ مبشر ۱۷۶

آریوں کے بارہ میں ایک خواب کی تعبیر ۱۸۳

تعدد ازدواج

حکمت اور ضرورت ۱۸۷

اسلام نے تعدد ازدواج کی بنیاد تقویٰ پر رکھی ہے ۵۸۴

عیسائیت کا تعدد ازدواج کو ناجائز کہنے کا نتیجہ ۵۶۷

تعلیم

مُسلمانوں کو بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلانا ۴۵

تعلیم میں تدریج ضروری ہے ۴۰

دینی تعلیم کا موزوں وقت زمانہ طفولیت ہے ۴۴

تفسیر

رُوح القدس کی مدد سے تفسیرِ قرآن ۵۰۵

مولویوں کا فرضی تفسیریں کر کے اسلام کو بدنام کرنا ۵۱۸

تقدیر

تقدیر کے معنی ۲۰۸

تقدیر کی دو قسمیں معلّق اور مُبرَم ۱۰۰

تقدیر کو اللہ بدل دیتا ہے ۱۵۵

تقریر

تقریر میں محض للّٰہیت مدِّنظر ہونی چاہیے ۲۶۵

ربّانی واعظ اور حقانی ریفارمر کی تقریر کا انسانی رُوح پر اثر ۲۶۷

تقلید

ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت ہے ۵۳۴

احناف کا تقلید میں غلو ۵۵۶

تقویٰ

تقویٰ کی حقیقت ۲۳، ۹۹، ۲۸۰، ۵۲۵

تقویٰ اور اتقا میں فرق ۱۴، ۱۸

تقویٰ اور صلاحیت کے مقامات کا فرق ۲۰

تقویٰ کے مراتب اور اجزاء ۵۰، ۲۸۷

تقویٰ کی شرائط ۱۵، ۲۲، ۵۲۱

تقویٰ کی اہمیت ۸، ۲۱، ۳۸، ۴۸، ۶۸، ۲۰۰، ۲۸۲، ۲۸۴، ۵۴۶

قبولیت دُعا کے لیے غیر منفک شرط ۶۸، ۵۳۵

مبشرات والہامات تقویٰ کی فرع ہیں ۱۲، ۵۴۴، ۵۷۷

کسی کے تقویٰ کو اس کے علم ہونے سے نہ پہچانو بلکہ اس کے الہاموں کو اس کی حالتِ تقویٰ سے جانچو ۵۱۲

تعلیم و تحریم کا معیار صرف تقویٰ ہے ۳۰۴، ۳۹۸

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اِتقا ہے

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے ۵۳۶

تقویٰ کی برکات ۸، ۴۵، ۴۹، ۵۱۱، ۵۲۷، ۵۷۶

قرآنی علوم کے انکشاف کے لیے تقویٰ شرط ہے ۱۵۱، ۲۸۲

تمہاری فتح تقویٰ سے ہے ۱۱۴، ۱۵۱، ۵۳۹

جماعت کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین ۶، ۲۲، ۶۸، ۹۹، ۱۷۱، ۲۰۰، ۵۱۲

تکبّر

۲۰۴، ۳۱۰، ۵۱۱، ۵۷۳

لہو، لعب اور تفاخر کا باہمی فرق ۹۷

تمدّن

تمدنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے لیے امام کی ضرورت ۳۹۴

تمسخر

تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر دیتا ہے ۱۷۴، ۱۸۸

تناسخ نیز دیکھئے ہندو مذہب

مسئلہ تناسخ کا رد ۳۹۴، ۴۹۹

مسئلہ تناسخ کا اخلاق پر اثر ۳۳۰، ۳۹۵

توبہ

توبہ کی حقیقت ۲، ۱۳۵، ۳۴۸

استغفار کو توبہ پر تقدم حاصل ہے ۳۴۹

توبہ و استغفار کا مجرب نسخہ ۱۹۷

توبۃ النصوح ۲۷۳، ۲۸۳

توبۃ النصوح کی تین شرائط ۸۷

بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے ۲، ۳۹۴

سچی توبہ کا نتیجہ ۸۷، ۲۳۴، ۲۸۳

توبہ سے قضاء و قدر ٹل سکتی ہے ۱۰۰، ۱۹۶

جب عذاب سر پر آ پڑے پھر توبہ عذاب سے نہیں چھڑا سکتی ۱۳۴

توحید

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ۳۲۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں توحید کی جامع تعلیم ہے ۱۲۵

حقیقی توحید ۱۰۷، ۱۵۸، ۳۲۱

قوانینِ قدرت سے توحید کا استدلال ۴۰، ۳۴۳، ۵۷۵

انسان کی فطرت میں توحید کی تعلیم ہے ۲۱۹

عیسائیوں کا اعتراف کہ جہاں تثلیث کی تبلیغ نہیں پہنچی وہاں توحید کے مطابق بازپُرس ہوگی ۴۰، ۵۷۵

حقیقی توحید اور وحدتِ وجود ۵۴۴

تورات نیز دیکھئے بائیبل

موسیٰ علیہ السلام کی معرفت دی گئی شریعت ۴۸۸

صرف بنی اسرائیل سے مخاطب ہے ۵۵

تورات میں بہشت اور دوزخ کا ذکر نہیں ملتا ۱۸۶

عبرانی تورات میں دجّال کے واسطے نحاس کا لفظ آیا ہے جو خناس کا مترادف ہے ۴۴۲

حضرت عیسیٰ نے تورات استاد سے سبقاً سبقاً پڑھی تھی ۲۶

تورات میں بنی اسماعیل میں نبوّت کی پیشگوئی ۴۷۵، ۵۷۰

قرآن کریم کی تعلیمات سے موازنہ ۵۳

توکّل

توکّل کی حقیقت ۲۴۴، ۴۷۱

متوکّل ہونے کے واسطے متبتّل ہونا شرط ہے ۵۵۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توکّل کا کامل نمونہ تھے ۵۵۵

ابراہیم علیہ السلام کا توکّل ۴۴۴

مسیح موعود علیہ السلام کے توکّل کی کیفیت ۲۱۹، ۴۴۴

توفّی

توفّی کے معنی ۲۹

تہجّد

تمام ابرار و اخیار کا طریق ۳۴

جماعت کو تہجد اور دُعاؤں کی تلقین ۱۴، ۱۳۲، ۲۸۱، ۱۵۳

ث

ثواب

حصولِ ثواب کی راہیں ۲۵۶

نیکی کو ثواب یا اَجر کی غرض سے نہیں کرنا چاہیے ۵۶۱

ج

جذب

جذب کی حقیقت اور اہلِ جذب کا مقام ۱۷

جلسہ اعظم مذاہب لاہور

پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مضمون کے بالا رہنے کا عظیم نشان ۳۲، ۳۴۶، ۵۶۵

ایک تلاشی سی آئی ڈی وزیر سنگھ کا اس مضمون سے متأثر ہونا ۴۵۷

جماعتِ احمدیہ دیکھئے احمدیت

جنت

بہشت اور دوزخ کی حقیقت ۴۴۷، ۵۴۳
جنت دائمی ہے اور دوزخ عارضی ۳۹۰
حقیقی جنت ۳۹۶
دنیوی بہشت ۳۴۷، ۵۰۹
وہ بہشت جس میں حضرت آدمؑ رہتے تھے زمین پر تھا ۴۷۱

جہاد

اسلامی جہاد کی حقیقت ۲۷
رِبَاطُ الْخَیْل کی حقیقت ۳۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تلوار نہیں اُٹھائی صرف مدافعت کیلئے ایسا کیا گیا ۵۲۷
جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شجاعت ۸۴
اسلام کے لیے جنگ کی دو قوتوں کا ظہور ۳۷
جہاد آخر الحیل ہے مولوی اس کو اوّل الحیل بناتے ہیں ۵۲۶
جہاد کا غلط تصور ۲۵۴، ۳۲۷، ۵۱۹
سید احمد اور شاہ اسماعیل شہید اور جہاد ۴۴۳
اس زمانہ کا جہاد ۱۴۱، ۱۵۰، ۱۵۱، ۳۰۱

جہنم نیز دیکھئے دوزخ اور عذاب

جہنم کی حقیقت ۳۷۱
جہنم کے دردناک عذاب کی حالت ۷۰، ۹۰
یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ (حدیث) ۳۹۰
خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ حرام کر دیتا ہے ۲۷۲، ۲۷۳

جھوٹ

جھوٹ کی مذمت ۲۴۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی نے جھوٹ نہیں بولا ۵۳۵

ح

حجت

یورپ اور نصاریٰ کے لیے معمولی معجزات اور کرامات کی بجائے حجت کی ضرورت ہے ۲۰۴

حجۃ اللہ

حجۃ اللہ کا مقام ۵۸۷

حدیث

جامع صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی عظمت ۲۰۷، ۴۵۱
اَثر کے طور پر لکھی گئی باتیں اگر ثبوتِ حقہ کے خلاف نہ ہوں تو ان پر ایمان لانا چاہیے ۱۸۸
اَرواح کے تعلقِ قبور کے بارہ میں احادیث میں جو کچھ آیا ہے صحیح اور دُرست ہے ۱۸۹
کنز العمال میں مہدی اور دجال کے متعلق احادیث ۳۸۴
مہدی کے متعلق موضوع احادیث کے دُور رس اثرات ۳۸۵، ۵۳۲
واضعین حدیث کی سفاکی ۳۸۴
ولی احادیث شریفہ کی جو تاویل کرتا ہے وہ صحیح ہوتی ہے کیونکہ وہ براہ راست بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لیتا ہے ۲۳۰

اس جلد میں مذکور احادیث

اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ ۳۰۰
اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ ۷۵، ۳۲۲
اِذَا اَھْلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ ۲۵۷
اَرِحْنَا یَا عَائِشَۃُ ۵۳۶
اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ ۲۷۰
اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ ۱۲۱، ۳۵۱
اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ ۴۳۲
لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا ۴۳۲
اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ ۴۲۶
اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ۳۶۹
اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۱۴۰، ۴۴۶، ۵۰۵، ۵۵۶، ۵۶۳
تُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ ۳۸۰، ۴۴۶
تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ۱۷، ۲۷۵، ۳۹۳، ۳۹۰
حُبِّبَ اِلَیَّ شَیْءٌ مِّنْ دُنْیَاکُمْ ۳۳۵
خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ ۴۰۳
عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ۲۳۱
اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ ۹۹
قَدْ سَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّیْ ۳۵۹
قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ ۹۵
کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ ۴۲۹
لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ ۲۱۴
لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِاَمِّ الْکِتَابِ ۴۴۸
لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی ۳۸۵
لَا یَزَالُ یَتَقَرَّبُ عَبْدِیْ بِالنَّوَافِلِ ۹
لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ۸۶
لَوْ اَتَاکَ رَاکِبًا ۳۵۳
لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ ۲۹۴
مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ ۱۰، ۲۲۹
مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْحَرْبِ ۴۳۸
مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ۵۶۰
یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ ۳۹۰
یَضَعُ الْحَرْبَ وَیُصْلِحُ النَّاسَ ۲۷، ۳۸۸، ۳۰، ۲۹۹، ۴۸۲

احادیث بالمعنی

ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ صرف خدا تھا وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ ..... اور آئندہ بھی ایسا زمانہ آئے گا ۱۵۹
زمانہ مستدیر ہو گیا ۵۴
نوافل سے مومن میرا مقرب ہو جاتا ہے ۴۲۷
جو شخص خدا تعالیٰ سے محبت کا رابطہ پیدا کرتا ہے خدا اس کے اعضاء ہو جاتا ہے ۷۵، ۱۱۷
اے عیسیٰ! میں تیرے بعد ایک قوم پیدا کرنیوالا ہوں جو نہ عقل رکھے گی نہ علم..... اور میں انہیں اپنا علم اور عقل دوں گا ۸۰
انسان کے علم کی مثال ایسے ہے جیسے سمندر کے کنارے ایک چڑیا پانی کی چونچ بھرے ۵۷

جس مذہب میں عمل نہیں وہ مذہب کچھ نہیں ۱۶۲
مُسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مُسلمان سلامت رہیں ۸۱
راستے سے کانٹا ہٹانا بھی کارِ ثواب ہے ۹۲
جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے ۴۰۵
اگر قلب کی اصلاح ہو جائے تو کُل جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے ۱۲۰
بخشش طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ کا بخش دینا ۳
جو شخص ناف سے نیچے کے عضو اور زبان کو شر سے بچاتا ہے اس کے بہشت کا ذمہ دار مَیں ہوں ۲۸۱
جو یقین سے اپنا ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دُعا رد نہیں کرتا ۹۲
مصیبت کے وارد ہونے سے پہلے جو دُعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے ۱۶۲
اپنے قبیلہ کا شیخ اسی طرح سوال کیا جائے گا جیسے کسی قوم کا نبی ۵۸۴
ظالم اپنے اہل و عیال پر بھی ظلم کرتا ہے کیونکہ ان پر اس کا بد اثر پڑتا ہے ۱۱۸
اگر اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے ۴۰۴
جس کے پاس زمین ہو اور وہ اس کا تردد نہ کرے اس سے مواخذہ ہوگا ۱۱۸
حلالہ کرنے والے پر لعنت ۵۵۱
اگر بچہ رحم میں ہو تو مرد اس کو نکال سکتا ہے ۱۶۱
باوجود حیت اللہ میں پناہ لینے کے قاتل کو قتل کرنے کا حکم ۵۳۰
دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے ۵۰۹
کوئی مرض ایسا نہیں جس کی دوا نہ ہو ۱۶۵
تپ بھی حرارتِ جہنم ہی ہے ۳۶۲
حدیثِ معراج میں ثُمَّ اسْتَیْقَظَ کے الفاظ ۵۲۶
مسجد کی طرف سب کھڑکیاں بند کی جائیں مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی مسجد کی طرف کھُلی رہے گی ۲۹۳
حضرت عائشہؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک امر دریافت فرمانا ۱۳۱
اگر اللہ تعالیٰ زمزم کا پانی نہ روکتا تو وہ تمام مکہ میں پھیل جاتا ۱۴۳
مریم اور ابن مریم کے سوا ہر شیطان سے کوئی محفوظ نہیں کی حقیقت ۵۲۳
مسیح و مہدی کے ظہور کا ذکر ۲۵
مسیح موعود کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام ۵۰۸
مہدی کی علامت کے لیے رمضان میں کسوف و خسوف ۸۹
مسیح موعود کا نام کا سر الصلیب ۱۳۳
آنے والا مسیح کافر اور دجال مُٹھ لیا جائیگا ۲۹
مسیح موعود کے زمانہ میں چالیس برس کے لیے موت دُنیا سے اُٹھ جائیگی" اس کا مطلب ۲۰۲
اگر تم دجال کو نہ مارو تب بھی وہ مر ہی جائیگا ۲۶۲
حدیث میں طاعون کا نام نغف رکھنے کی حکمت ۱۶۹
مہدی کے متعلق احادیث سلطنت کے خیال سے وضع کی گئی تھیں ۳۸۶

حدیث النفس

امام الٰہی اور حدیث النفس میں فرق ۴۷۰

حُقہ نوشی

اس کا ترک اچھا ہے ایک بدعت ہے ۵۲۸

حکمت

حکمت کے معنی ۴، ۸۳، ۱۲۳

حواری

حضرت مسیح کا واقعہ صلیب کے بعد حواریوں سے ملنا اور انہیں اپنے زخم دکھانا ۵۰۱
انجیل کی رُو سے حواریوں کی علمی اور ایمانی حالت ۲۶، ۱۸۰، ۲۲۴، ۲۲۹، ۳۴۵، ۵۳۵
نزولِ مائدہ کی درخواست پر زجر ۳۶۶

حیات

حیات کی تین قسمیں نباتی، حیوانی اور انسانی ۵۷۴

حیاتِ طیبہ

حیاتِ طیبہ پانے کا طریق ۳۷۰

خ

خاتم النبیین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی حقیقت ۱۸۶، ۱۸۹، ۲۲۷
خاتم النبیین کے بعد مجددین کی بعثت کا ستر ۱۳۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ہمارا ایمان ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۳۱، ۵۱۲
ختم نبوت کا منکر کون ہے؟ ۵۸۵

خدمتِ خلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دیہاتی عورتوں اور بچوں کے علاج پر وقت صرف فرمانا ۳۰۸

خسوف و کسوف

احادیث میں مذکور اس نشان کا پورا ہونا ۴۳۳

خشوع و خضوع

خشوع و خضوع سے اُٹھائے ہوئے ہاتھ خالی واپس نہیں ہوتے ۹۳
توبہ اور خشوع و خضوع سے قضاء و قدر ٹل سکتے ہیں ۱۰۰

خشیت

سچے علم کے نتیجہ میں خشیت اللہ پیدا ہوتی ہے ۱۲۵، ۱۹۵، ۲۳۲
سچی معرفت بغیر حقیقی خشیت کے حاصل نہیں ہو سکتی ۳۴
خشیت کے زیر اثر آنکھ سے بہنے والا ایک آنسو بھی دوزخ حرام کر دیتا ہے ۲۶۲، ۲۶۳

خطبہ الہامیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک عظیم نشان ۳۲۵

خلافت

خدا تعالیٰ کا خلیفہ روئے الٰہی کے نیچے ہوتا ہے ۲۰۲، ۵۵۷
اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کی حقیقت ۳۰۰
آیت استخلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر پوری ہوئی ۲۵۳

میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ میں ثقلین کا مدّاح اور خاکِ پا ہوں ۲۱۷

خلافت بلافصل ۳۹۹

اس عقیدہ کا رد کہ خلافت بارہ اماموں کے بعد ختم کر دی گئی ہے ۱۲

اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلوں میں خلافت کی مماثلت ۲۵ ، ۳۰

مسیح موعود سلسلۂ محمدیہ کے خاتم الخلفاء ہیں ۴۶۵ ، ۴۹۰ ، ۴۹۷

آخری خلیفہ محمدی کو فارسی الاصل سے ہونا ثابت کرنے کی حکمت ۵۱۳

خَلق

ارتقاء (EVOLUTION) کی حقیقت ۵۷۴

نوعِ قدیم کا میں ہرگز ہرگز قائل نہیں ۴۳۴

خلق آدم اور دُخل کی تاثیرات ۳۸۷

وحدتِ خلقی خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہے ۵۷۴

خُلق / اخلاق

خَلق اور خُلق ۳۵۴

اخلاق کی حقیقت ۸۳ ، ۲۸۹ ، ۳۵۶

تبدیلیٔ اخلاق کے متعلق فلاسفہ کے نظریات ۸۶ ، ۸۷ ، ۹۲

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (حدیث) ۲۷۵ ، ۳۹۳ ، ۳۹۶

ماموریں کی بعثت کی غرض اخلاقِ فاضلہ پیدا کرنا ہے ۳۴۲ ، ۴۹۹

اخلاقی کرامت ۹۰ ، ۹۲ ، ۳۵۴ ، ۳۵۷ ، ۴۵۳

مومن کو اپنے اخلاق اس درجہ تک پہنچانے چاہئیں کہ وہ متعدی ہو جائیں ۱۳۸

اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے ذرائع ۴۱ ، ۸۷ ، ۲۱۵ ، ۵۴۶

بعض اخلاقِ فاضلہ ۲۲ ، ۱۹۴ ، ۲۹۰ ، ۲۵۴

خلافِ اخلاق اعمال ۲۲ ، ۲۳ ، ۳۰۵

جماعت کو اعلیٰ اخلاق اپنانے کی تلقین ۴۸ ، ۶۴ ، ۸۸ ، ۹۵ ، ۱۱۶

جماعتِ احمدیہ کے لیے اخلاقی نصاب ۱۳۵

سالک کے دل میں اخلاق الٰہی منعکس ہوتے ہیں ۱۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۶۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونۂ اخلاق تھے ۱۱ ، ۸۴ ، ۱۳۲ ، ۳۵۷ ، ۴۵۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کا معجزہ ۵۱ ، ۶۳ ، ۸۹

خناس

خناس کون ہے ۲۲۱

خواب نیز دیکھئے رویا اور تعبیر الرویا

سچے خوابوں کی اہمیت ۱۲

متقیوں کو سچی خوابوں کے ذریعہ بشارات ملتی ہیں ۱۰

د

دارالحرب

انگریزوں کے عہد کا ہندوستان دارالحرب تھا یا نہیں ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ۱۵۱

مولویوں کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر جہاد کی فرضیت کو اُڑانے کی کوشش ۵۳۱

دجّال

کنز العمال میں مہدی اور دجّال کے بارہ میں ۱۸۵ احادیث اور ان کا مضمون ۳۸۴

سُورۃ فاتحہ میں دجّالی فتنہ سے بچنے کی دُعا ۳۹۷

سُورہ کہف کی پہلی اور آخری دس آیات میں دجّال کا ذکر ۴۴۲

سُورۃ الناس میں دجّال کا نام خناس رکھا گیا ہے۔ ۴۴۲

دجّال کے بارہ میں عوام مسلمانوں کے عقائد اور اس کے اثرات ۳۸۵ ، ۴۳۳

المسیح الدجال کی حقیقت ۲۹۵ ، ۲۹۶ ، ۵۷۱

فتنۂ دجّال کے ہندوستان میں ظہور کا اعتراف ۳۱

ابنِ صیاد دجّال نہیں تھے ۵۶۸

مسیح موعود کے ہاتھ سے دجّال کو اتمامِ حجت سے ہلاک کیا جائیگا ۳۰ ، ۲۶۲

درود شریف

درود کی حکمت ۴۴۷

دُعا

دُعا کی حقیقت ۱۲۸

دُعا اور قانونِ قدرت کا باہم تعلق ۷۵ ، ۱۰۷ ، ۱۲۷

عملی دُعا کرنے کی تلقین ۲۸

دُعا کی اہمیت

دُعا کی اہمیت ۸۲ ، ۱۵۶ ، ۳۵۲ ، ۴۶۱ ، ۴۹۲

سُورۃ فاتحہ کی دُعا کی اہمیت ۱۲ ، ۲۳۵ ، ۲۷۵

انسان خدا تعالیٰ سے سچی بصیرت مانگے ۱۲ ، ۳۴ ، ۸۳

ایک دُوسرے کے لیے غائبانہ دُعا کرنے کی تلقین ۳۳۶

دُوسروں کے لیے دُعا کرنے سے عُمر دراز ہوتی ہے ۳۵۳

اولاد کیلئے دُعائیں کرنے کی تلقین ۳۰۹ ، ۵۶۲

ڈاکٹروں کو مریضوں کے لیے دُعا کرنے کی تلقین ۱۶۵

دشمنوں اور مخالفین کے لیے دُعا ۶ ، ۶۴ ، ۳۵۳

شرائط

قبولیت دُعا کی شرائط ۶۸ ، ۸۰ ، ۲۱۵ ، ۴۳۶ ، ۵۲۵

دُعا کے اُصول ۵۶۹

دُعا کے لوازمات ۱۲۹

آدابِ دُعا ۶۸ ، ۸۳ ، ۴۳۵ ، ۵۳۸

دُعا میں گریہ وزاری کی اہمیت ۸ ، ۹۳ ، ۲۳۴

دُعاؤں کی توفیق کے لیے اضطراب اور بیقراری کی ضرورت ۱۴۹

غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح خلاف ہے ۱۰۶ ، ۳۵۰

جامع دُعا

جامع دُعا کی تعریف ۲۷۴ ، ۳۸۷ ، ۳۹۷

حَسَنَۃ الدُّنیا کی دُعا ۳۶۵

قبولیتِ دُعا

قبولیتِ دُعا کے قواعد و قوانین ۶۶ ، ۲۷۷

قبولیتِ دُعا کا فلسفہ ۴۳۴

خدا تعالیٰ کی راہ میں استقلال دکھانے والوں

کو ذریعۂ دُعا قرار دیا جاتا ہے ۵۱۶
یقین کے ساتھ کی گئی دُعا رد نہیں ہوتی (حدیث) ۹۲
مصیبت کے وارد ہونے سے پہلے جو دُعا کی جائے وُہ قبول ہوتی ہے (حدیث) ۱۷۲
قبولیت دُعا کا وقت ہو تو اللہ تعالیٰ ہی رقت اور سوز و گداز عطا کرتا ہے ۲۱۵، ۳۰۴
صبر اور صدق سے جب دُعا انتہا کو پہنچے تو وہ قبول ہو جاتی ہے (علی کرم اللہ وجہہ) ۱۰۱
اگر تقدیر معلق ہو تو دُعا اور صدقات اُسے ٹلا دیتے ہیں ۱۰۰
یُونسؑ کی قوم دُعا کے سبب عذاب سے بچ گئی ۱۵۵
اپنی دُعاؤں کی قبولیت اور کامیابیوں پر نازاں نہ ہو ۹۹
متقی کی بعض دُعاؤں کے حسب منشا قبول نہ ہونے کی حکمت ۶۷، ۱۰۰، ۱۵۵، ۲۷۸
خُدا کے مامورین کو کسی کی بددُعا ضرر نہیں پہنچا سکتی ۲۰۰
نیچریوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی ۱۲۷، ۵۱۳
دُعا کی قبولیت سے مایُوسی کا نتیجہ ۳

نماز اور دُعا

نماز کی اصل غرض اور مغز دُعا ہے ۱۰۶، ۲۴۴
نماز میں حصولِ لذت کے لیے دُعا کی ضرورت ۱۰۳
نماز میں اپنی مادری زبان میں بھی دُعا مانگو یہ بہت ضروری ہے ۴۰۱، ۵۰۹، ۵۲۵
نماز پڑھنے کے بعد طویل دعاؤں کا مسئلہ ۴۰۱، ۵۰۹

برکات و اثرات

دُعا کی برکات ۳، ۱۹۲
دُعا کے اثرات ۱۰۰، ۳۹۲
مجاہدہ اور دُعا سے اخلاق تبدیل کئے جا سکتے ہیں ۸۷
اعمالِ صالحہ کی توفیق پانے کے لیے دُعا کی تلقین ۹۵
طاعُون کے عذاب سے بچنے کے لیے دُعا، استغفار اور صدقات دینے کی تلقین ۱۳۴

انبیاء اور دُعائیں

یُوسف علیہ السلام کی دُعا ۲۵۳
مسیح علیہ السلام کی دُعا مائدہ میں مذکور ۷۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مستجاب دعا کی کیفیت اور اثر ۴۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا ۴۳۲

مسیح موعود علیہ السلام اور دُعا

آپ کی صداقت کے لیے قبولیتِ دُعا کا نشان ۶۶، ۱۲۸، ۱۸۲
ہزاروں دُعاؤں کی قبولیت ۹۳، ۱۸۴، ۵۴۰
خطبہ الہامیہ حضورؑ کی دُعاؤں کی قبولیت کا نشان ۳۲۵
دُعا پر یقین ۳۱۱
مَیں اتنی دُعا کرتا ہوں کہ دُعا کرتے کرتے ضعف کا غلبہ ہو جاتا ہے ۲۰۰
روزانہ اپنے احباب کے لیے دُعا فرمانا ۶۸، ۱۵۶، ۲۰۲، ۳۲۴، ۴۵۲، ۵۶۲
میری سب سے مقدم دُعا یہی ہوتی ہے کہ میرے دوستوں کو ہموم و غموم سے محفوظ رکھے ۶۶
ایسی دُعائیں جو آپ التزاماً روزانہ مانگتے تھے ۳۰۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دُعا ۱۵۳
اپنی جماعت کے لیے دُعا ۴۰۵
جماعت کو نماز کی آخری رکعت میں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً والی دُعا بکثرت پڑھنے کی تلقین ۶
ہمارے دوستوں کو لازم ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو ضائع ہونے سے بچائیں ۶۸

دل

مرکزِ قویٰ ۱۸۹
قلب اور دماغ کی ماہیت ۲۶۹
تمام رُوحانی سُرور اور تمام رُوحانی عذاب دل سے ہی شروع ہوتے ہیں ۵۷۴

دُنیا

حسنۃ الدنیا ۳۶۵
بہشتی اور دوزخی زندگی اسی دُنیا سے شروع ہوتی ہے ۵۷۳
حصولِ دُنیا میں مقصود بالذات دین ہو ۱۱۸، ۳۶۴
دُنیا کا سفارشے کرنے کے لیے امام کی ضرورت ۳۹۴
دنیوی خوشیوں کی حقیقت ۷۰، ۱۲۷، ۳۰۱
ہمہ تن دنیوی امور میں کھویا جانا خسارت آخرت کا موجب ہوتا ہے ۲۱۶، ۳۵۲
دُنیا مومن کے لیے بمنزلہ قید خانہ کا مطلب ۵۹۰۶۹
دُنیا کی بے ثباتی اور موت کو یاد رکھنے کی نصیحت ۱۹۰، ۴۲۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی حالت ۱۴۷

دوزخ نیز دیکھئے جہنم

بہشت اور دوزخ کی حقیقت ۲۴۱، ۵۷۳
دوزخ عارضی ہے اور بہشت دائمی ۳۹۰
خشیت سے متاثر ہو کر رونا دوزخ حرام کر دیتا ہے ۲۷۲، ۲۷۳

دھرم مہوتسو دیکھئے جلسہ اعظم مذاہب

دہریت

دہریت کا پہلا زینہ ۴۶۰
خدا تعالیٰ پر کمزور ایمان بھی دہریت ہے ۴۹۳
وجودی فرقہ اور نیچریت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی دہریت ۴۴، ۵۴۶

دین

دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی تاکید ۱۳۶، ۴۱۰
بچوں کو دینی تعلیم و تربیت دینے کا صحیح وقت ۴۴
دین العجائز ۱، ۱۵، ۴۸۷
خدمت دین کا شرف ۴۳، ۲۱۵، ۳۱۱
دین کی فخواری سکرات الموت میں سرخرو رکھتی ہے ۴۰۲
دینی خدمات میں مصروف لوگ خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتے ۲۶۳
دین کی خدمت کے لیے علوم جدیدہ کے حصُول کی ضرورت ۴۳
اشاعتِ دین میں مامور من اللہ دُوسروں کی مدد کیوں چاہتے ہیں ۱۰۸

ذ

ذکرِ الٰہی

ذکرِ الٰہی کرنے والے ہی عقلِ سلیم رکھتے ہیں ۴۱

صوفیاء کے خود ساختہ وظائف و اذکار ۱۲۱، ۲۳۶، ۳۵۶

ذوالسنین

مسیح موعود کے وقت ستارہ ذوالسنین کے ظہور کی پیشگوئی اور اس کا پورا ہونا ۳۱

ر

راحت

راحت اور سکون کی زندگی گذارنے کا نسخہ ۳۷۰

ربوبیت نیز دیکھئے عنوان اللہ

رُبوبیت انسان سے کیا تقاضا کرتی ہے ۱۳۷

عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ۱۰۲

ربوبیت کے دو مظہر۔ والدین اور رُوحانی مُرشد ۳۱۵

رِزق

رِزق کے وسیع معانی ۲۰، ۲۸۹

رِزقِ ابتلاء اور رِزقِ اصطفاء ۱۳۶

رسالت نیز دیکھئے نبوت

رسالت کی غرض ۱۸۰

رضا بالقضا

رضا بالقضا کے ثمرات ۳۰۴

رضائے الٰہی ۲۹، ۵۱۱

رِقت

رِقتِ قلب کی حقیقت ۴۶۷

تلاشِ رِقت بھی اتباعِ سنّت ہے ۵۳۸

رِقت بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے ۲۱۵

توبۃ النصوح کے وقت اہل اللہ کے ایک آنسو کی قیمت ۲۷۲، ۲۷۳

رمضان

رمضان کی حقیقت ۱۳۶

بابرکت اور واجب التکریم مہینہ ۲۱۷، ۴۳۹

رمضان المبارک میں کسوف وخسوف کا نشان ۳۰، ۸۹

تفسیر (اعجاز المسیح) رمضان شریف میں شروع ہوئی جیسا کہ قرآن شریف رمضان میں شروع ہوا تھا ۴۴۱

رمضان المبارک میں حضور کی مصروفیات ۳۱۱

رُوح

رُوح کے متعلق فلاسفہ کی غلطی ۱۹۰

رُوح کا قبر سے تعلق ۱۸۹، ۱۹۱

انبیاء کے لیے رُوحِ ناطق ۲۴۲

رُوح کی لذت صرف قرآن شریف میں ہے ۲۸۴

رُوحانی زندگی پانے کا طریق ۴۹۲

گناہ سے رُوح کا توام بگڑ جاتا ہے ۲۷۷

رُوح القدس ۴۵۹، ۵۷۱

ایک قوت جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے ۴۶۶

رُوح القدس کے فرزند ۳۸۹

روزہ

روزہ نہ رکھنے والوں پر اظہارِ افسوس ۳۱۷

رویاء

رویاء کی حقیقت ۳۸۱، ۳۸۳

انسان کی فطرت میں رویائے صادقہ دیکھنے کی صلاحیت ۴۸۶

رویائے صادقہ خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل ہیں۔ ۳۰۶

انسان کے تعلقات کی وسعت کے مطابق خواب کا سلسلہ بھی وسیع ہو جاتا ہے ۱۸۱

مبشر خواب دیکھنے کے بعد نہیں سونا چاہیے ۵۳۹

رویاء میں تبتّل کے معنی دریافت کرنے کا مطلب ۵۵۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند رویاء ۳۸۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض رویاء ۱۱۸، ۱۶۶، ۱۷۶، ۱۸۳، ۲۰۱، ۲۰۳، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۷۹، ۵۸۵

حضرت آتماں جان کی ایک رویاء ۵۸۶

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی ایک رویاء ۳۹۲

ڈاکٹر رحمت علی کی ایک رویاء ۵۳۰

مولوی عبداللہ غزنوی کا مولوی محمد حسین کے متعلق ایک رویاء ۱۲۶

زہبانیت

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ ۲۱۴

اسلام نے رَہبانیت سے منع فرمایا ہے ۱۱۸، ۳۶۳

ریاء

ریاء کی حقیقت ۱۴، ۵۶۹

ریاء اور علم کی جنگ ۱۵

ریاضت نیز دیکھئے عنوان مجاہدہ

مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت ۳۶، ۴۶

خود تراشیدہ ریاضتیں اور ان کے نتائج ۳۰۳، ۳۲۴

ز

زبان

زبان کی حفاظت ۲۸۰

عربی زبان کی فضیلت ۳۶

زبان کے بارہ میں یورپین لوگوں کی تحقیقاتیں ادھوری ہیں ۳۶

زُحل

آدم کی پیدائش اور زُحل کی تاثیرات ۳۸۷

زمانہ

ایک زمانہ میں صرف خدا تھا اور آئندہ بھی ایسا زمانہ آئے گا ۱۵۹

ماٴمور کی بعثت سے پہلے زمانہ کی حالت ۳۹۴

ضرورتِ زمانہ ایک ماٴمور مُصلح کو چاہتی ہے ۶۱، ۲۶۳، ۴۳۳، ۴۸۳

آخری زمانہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دیا جانا ۲۹۴

واقعہ بدر میں مسیح موعود کے زمانہ کی پیشگوئی ۴۳۱

آخری زمانہ میں دجال کے ظہور کی خبر ۲۹۵

چودھویں صدی کے بارہ میں امت کی توقعات ۴۳۱/۴۹۹

اس زمانہ میں ایمان بالغیب بہت کمزور حالت میں ہے ۴۰۶

اس زمانہ میں مسلمانوں اور ان کے علماء کا اعتقادی و عملی بگاڑ ۶۰، ۱۵۷، ۲۷۴، ۴۹۶

موجودہ زمانہ میں لاکھوں مسلمانوں کا ارتداد ۱۰۹
اِس زمانہ میں توہینِ اسلام کی حد ہو چکی ہے ۴۷۷
اِس زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت اسلام کی زندگی ہے ۵۳۰
اس زمانہ کا مجاہدہ ۵۱۳

س

سادات
سادات کا مقام ۵۸۰

ساعت
ساعت اور آخرت کے وجود پر تین دلائل ۱۵۹
ساعت سے مراد سکرات الموت ۴۰۳

سائل
سائل خواہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اسے رد نہ کیا جائے ۳۵۴، ۳۷۴

سائنس
جدید سائنسی تحقیقات سے اسلام کی صداقت اور آنحضرت کی عظمت ثابت ہوتی ہے ۱۹۹

ستارہ
ستاروں کی تاثیرات ۳۸۷

سرود
سرود اور موجودہ گدی نشین ۲۶۱

سکھ
سکھوں کا ظالمانہ دورِ حکومت ۳۱۶، ۳۲۱
مسلمانوں اور حضورؐ کے خاندان پر مظالم ۱۷۴، ۲۰۷، ۵۷۹
سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کا سکھوں سے جہاد ۴۴۳
مسلمانوں کی معاشرت پر سکھوں کا اثر ۲۹۶

سکینت
بغیر الہام کے سچی سکینت کا حاصل ہونا ناممکن ہے ۴۱
سکینت باطنی آسمان سے نازل ہوتی ہے ۴۵۴

سلوک
سلوک کی تعریف ۱۷
سلوک کی منازل طے کرنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ۳۴۸
سلوک کی آسان راہ ۲۳۳
سلوک کی تمام منزلوں کی انتہا ۳۴۷
راہِ سلوک میں مبارک قدم گروہ مجذوب اور سالک کا موازنہ ۱۷
قربِ الٰہی کا ایک مقام جہاں ناپختہ سالکوں نے ٹھوکر کھائی ہے ۱۱۷

سُنّت اللہ
ابتلاؤں کے بارہ میں سُنّت اللہ اور سنت انبیاء ۳۸۲
یہ سُنّت اللہ ہے کہ مامور من اللہ ستائے اور دُکھ دیئے جاتے ہیں ۴۲۴، ۵۱۵، ۵۸۳
مامور کو اعلیٰ خاندان میں سے مبعوث کرنے کے بارہ میں سُنّت اللہ ۳۹۸
ہر ایک نبی کو اس کی قوم کی زبان میں اس کی طرف بھیجا جاتا ہے ۵۲۴

سُنّتِ نبویؐ
سنتِ نبویؐ کی عزت کرو اور اس پر قائم ہو کر دکھاؤ ۵۵۹

سنسکرت
مُردہ زبان جس میں کوئی تصنیفات نہیں ہیں ۱۷۹

سُود
سُود کی بلا نے مسلمانوں کو بہت کمزور کر دیا ہے ۵۸۴

ش

شجاعت
شجاعت اور تہوّر میں فرق ۱۹۴
اسلام کے صدرِ اوّل میں اظہارِ شجاعت مقصود تھا ۳۷
کلمہ طیبہ شجاعت پیدا کرتا ہے ۲۵۹
حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت ۲۵۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا نمونہ ۲۵۱/۵۱۲
خدا کی راہ میں شجاع بنو ۵۷۷

شرک
حضرت مسیح کو خالق اور حی ماننا شرک ہے ۴۵، ۴۷۱
بچوں کو مارنا شرک میں داخل ہے ۳۰۸

شریعت
شریعت کا انحصار دو باتوں پر ہے ۳۶۷
تقویٰ شریعت کا خلاصہ ہے ۶۸
شرعی تکالیف کی حدود ۳۹
شریعت کے اسرار دقیقہ کے حل و انکشاف کے لیے صحیفہ قدرت کے بدیہات ۱۴۵
اندرونی شریعت کو یاد دلانے کی وجہ سے قرآن کریم کا نام ذکر رکھا گیا ہے ۶۰
باطنی شریعت ۲۱۹
صاحبِ شریعت اور غیر تشریعی انبیاء ۴۸۸، ۴۹۰
عیسائیوں کا شریعت کو رد کرنے کا نتیجہ ۳۹، ۱۴۸
ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل نہیں ہیں ۲۳۵/۴۹۰
میں کوئی نئی شریعت لیکر نہیں آیا ۴۹۰
(مسیح موعودؑ)

شق القمر
معجزہ شق القمر کو قانونِ قدرت کے خلاف قرار دینے والوں کا رد ۵۶

شکر
الحمد للہ کی حقیقت ۱۲۵
اصل شکر تقویٰ اور طہارت ہی ہے ۴۹
وجوبِ شکر ۸۰، ۹۴، ۹۸، ۱۴۱، ۳۲۱
احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے ۱۵۱
(مسیح موعودؑ)
جماعت کو شکر گزاری کا عمدہ نمونہ بننے کی نصیحت ۱۷۴، ۳۲۲
عادل حکومت کی شکر گزاری ۱۴۱، ۱۵۱، ۳۲۱

شہادت
شہادت کو چھپانا اچھا نہیں ۵۷۶
اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور بے شمار ولیوں کی شہادت ۳۲۰، ۴۰۸

شہید
مقامِ شہادت ۲۵۳
شہید کی تعریف ۲۲۶، ۲۷۶، ۳۴۲، ۵۱۹

ابتلاء و آزمائش میں شہید کا رویہ ۲۵۵

شیطان

شیطان کا وجود ۵۴۰
شیطان ہی خناس ہے ۳۲۱، ۴۷۰
تاریکی سے تشبیہ کی وجہ ۴۸۵
آدم کی ہلاکت اور استیصال کا منصوبہ کرنا ۱۱۹، ۵۴۰
شیطان کا سب سے بڑا وسوسہ ۳۴، ۴۷۰
شیطانی وساوس کا علاج ۴۷۰
کشوف والہامات میں شیطان کا دخل ۵۰۶
مسِّ شیطان کی حقیقت ۴۳۸، ۵۲۳
شیطان کے مسلمان ہو جانے کا مطلب ۱۴
شیطان کے فرزند ۳۸۹
مسیح موعود کے زمانہ میں نئی طرز کا شیطان ۵۷۶
مسیح موعود کے ہاتھ سے شیطان کی ہلاکت ۵۴۰

شیعیت

شیعوں سے حضرت اقدس کا خطاب ۳۹۹
خلاف اسلام عقائد اور ان کا رد ۱۲، ۹۶، ۴۵۰
شیعوں کے ترقی نہ کر سکنے کی وجوہ ۱۱۳، ۴۰۰، ۵۸۳
رافضیوں کی طرح رسومات کرنا ناجائز ہے ۵۰۶

ص

صالحیت

صالح کی تعریف ۳۴۲
مقام صالحیت ۱۸، ۲۵۶، ۲۷۷
مقام صلاحیت کی حقیقت ۲۰، ۱۱۹
مردِ صالح کے ساتھ ذلت اور بے رزقی نہیں ہوتی ۳۳۳
صالح آدمی کا اثر اس کی ذریت پر بھی پڑتا ہے ۱۱۷
رُوح کی صالحیت کا مدار اعتدال پر ہے ۱۲۰

صبر

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کی حقیقت ۱۲۳
صبر کی حقیقت میں صحبتِ صادقین ضروری ہے ۱۲۴
صبر کے ساتھ رُشد کی ضرورت ۴۶۰
صبر و استقلال کی اہمیت ۱۵، ۱۱۶، ۱۲۴، ۴۱۵، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۶۲، ۵۲۸
مخالفین کے رویہ پر جماعت کو صبر کی تلقین ۳۸۲
ایک عابد کے صبر و صدق کا واقعہ ۱۵

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

متفرق

صحابہ نے مدرسۂ تربیت پائی ۲۸، ۵۵۲
صحابہ کی شجاعت و ہمت کا باعث ۴۰۶
بدر میں صحابہ کی کمزور حالت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ۴۳۱
صحابہ کی کامیابیاں ۱۱۴، ۳۳۴
شیعوں کے نزدیک صحابہ معاذ اللہ مسلمان نہ تھے ۹۶
وفاتِ مسیح پر اجماع ۲۹۲، ۲۹۴
صحابہ کا دوسرا گروہ مسیح موعود کے رفقاء میں ۴۳۱
صحابہ کرام جیسا ایمان پیدا کرنے کی تلقین ۳۶۶، ۳۶۹

مقام

اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ ۱۲۱، ۳۵۱
(حدیث)
اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان کو رضی اللہ عنہم کہا ہے ۹۴
اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اربعہ کا صحابہ کی زندگیوں میں ظہور ۴۳۰
صحبتِ رسول کا فیض ۹۴، ۱۱۶، ۱۸۰، ۳۵۰، ۳۷۷
فتح مکہ میں شامل صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے ۱۲۰

امتیازی خصوصیات

دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا نمونہ ۱۴۲، ۴۰۹
صحابہ کا ایمان اور عملی حالت ۴۰۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوحانی تعلق کا کمال ۴۸۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غیرت ۱۰۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سرشاری ۲۸، ۴۱۶، ۴۱۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے کی شدید خواہش ۴۰۵
صحابہ رضوان اللہ علیہم کا رباط الخیل ۳۵
قائم اللیل اور صائم الدہر ۳۴
مشکل حالات میں بھی نماز پر دوام ۴۱۰
محبتِ الٰہی کی قوت سے شدید مظالم کی برداشت ۵۱۷
صدق و صفا کا بے مثال مقام ۲۶، ۲۲۴، ۲۵۰
بے نظیر جاں نثاری ۲۷، ۴۳۹
مالی قربانیاں ۱۳۷
ان میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا ۴۳۰
صحابہ کی آپس کی دشمنیوں کی تردید ۴۵۰
صحابہ میں سے کسی نے جھوٹ نہیں بولا ۵۳۵

صحبتِ صالحین

صحبت کا اثر ۴۵، ۴۲۷
رُوحانی تعلق کا کمال صحبت سے حاصل ہوتا ہے ۴۶۱، ۴۸۴، ۵۵۳
صحبتِ صادقین کی اہمیت ۱۲۴
صحبتِ صالحین کی غرض ۲۵۹، ۲۶۶، ۳۳۹، ۴۵۹
صادق ماٴمور کی تریاقی صحبت میں رہنے کی ضرورت ۳۰۶، ۳۵۲، ۴۰۵، ۴۶۵، ۴۸۰، ۵۴۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا صحابہ کرام پر اثر ۱۱۶، ۱۸۰، ۳۵۱، ۵۷۷
جماعت کو بار بار قادیان آکر صحبت میں رہنے کی تلقین ۱۲۴، ۴۶۹، ۴۷۹، ۴۸۱

صدق

سب سے بڑا صدق ۳۴۲
صدقِ مجسم قرآن شریف ہے اور پیکرِ صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے ۱۴۳
صدق کی اہمیت ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۷۳، ۳۸۹
صحبتِ صادقین کی اہمیت ۱۲۴، ۵۵۳
صادق، کاذب اور شقی و سعید کے چہروں میں فرق ۱۸۸
حضرت سید عبد القادر جیلانی کا صدق ۵۰، ۲۴۵
صادق اخلاص مند کے لیے عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ صحیحہ کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ۹۴
حضرت ابوبکرؓ کا صدق ۲۴۷
صدقِ کامل اسوقت تک جذب نہیں ہوتا جبتک توبۃ النصوح کے ساتھ صدق

کو نہ کھینچے ۲۷۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صدق و وفا ۲۳

صحابہ کرام کا صدق و صفا ۲۴۳

خُدا جوئی کے لیے صدق و ثبات کی ضرورت ۴۶۲

صبر اور صدق سے انتظار کو پہنچنے والی دُعا قبول ہوتی ہے (علیؓ) ۱۰۱

صحابہ کے نقشِ قدم پر چل کر صدق و وفا کے نمونے دکھاؤ ۲۴۸

صدقہ

خیرات اور صدقہ کی حقیقت ۱۵۵

تقدیرِ معلق دُعا اور صدقات سے ٹل جاتی ہے ۱۰۰

کثرت سے صدقات دینے کی تلقین ۱۳۵

صدیقیت

مقامِ صدیقیت کی حقیقت ۲۴۲

صدیق کی تعریف ۲۵۲ ، ۳۴۲

صدیقوں کی آخری اور کڑی منزل ۲۲

صدیق پر قرآنِ کریم کے معارف کا فیضان ہوتا ہے ۲۴۳ ، ۲۴۶ ، ۲۷۶

یُوسف علیہ السلام کا مقامِ صدیقیت ۲۵۳

مقامِ صدیقیت کے حصول کے ذرائع ۱۷ ، ۲۰۸ ، ۲۴۶ ، ۳۲۳

صدیق کے کمالات حاصل کرنے کے لیے ابوبکری خصلت اور فطرت پیدا کرنی پڑتی ہے ۲۴۷

صدیقوں اور محسنوں کی نماز نصیب ہونے کے لیے دُعا کی ضرورت ۱۰۴

صراطِ مستقیم

صراطِ مستقیم کی حقیقت ۱۲۰ ، ۱۳۱ ، ۲۷۹ ، ۳۳۵ ، ۳۴۰

اس وقت صراطِ مستقیم یہی ہے جو ہماری راہ ہے ۳۹۷

صفائی

ظاہری اور باطنی صفائی کی اہمیت ۱۶۴

بوعلی سینا کے نزدیک وبائی ایام میں گھریلو صفائی کی اہمیت ۱۶۸

صلیب

(نیز دیکھئے عیسائیت اور عیسیٰ بن مریم)

عیسائیت کا مدار صلیب پر ہے ۲۲۱

مسیح علیہ السلام کے صلیب سے زندہ اُتر آنے کے دلائل ۵۰۱

موجودہ زمانہ کے حالات ایک کاسرِ صلیب کے طلبگار ہیں ۲۶۳ ، ۲۹۵

ط

طاعون

مجھے بذریعہ الہام و رویا معلوم ہوا ہے کہ یہ وبا اس ملک میں زور سے پھیلے گی ۱۶۶

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں خوفناک طاعون ۱۶۱ ، ۴۸۵

علامات اور مرض کی نوعیت ۱۶۸

اس بیماری کے مادی اور رُوحانی اسباب ۱۶۲ ، ۱۷۰ ، ۴۷۶

حدیث سے اس امر کی تائید کہ طاعون کا باعث خاص جرثیم ہوتے ہیں ۱۶۹

وبا سے بچنے کی احتیاطی تدابیر ۱۶۳ ، ۱۶۸

طاعون کی وبا میں تہجد اور پانچوں نمازوں میں قنوت پڑھنے کی تلقین ۱۳۴

بتقریب جلسہ طاعون حضرت اقدس کی تقریر ۱۵۹

حکومت کی طرف سے طاعون کے علاج کے لیے قابلِ تعریف کوشش ۱۶۱ ، ۱۶۷ ، ۳۱۹

طب

انسانی پیرانہ سالی کی دو قسمیں ۸۶

انحطاط کا زمانہ تیسرے سال کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس عمر میں افراط و تفریط اچھی نہیں ہوتی ۱۷۷

اس امر کا امکان کہ آئندہ انسان پر عمل کر کے اسے محفوظ کیا جا سکے ۳۶۱

جس عضو سے چالیس دن تک کام نہ لیا جائے وہ بے کار ہو جاتا ہے ۱۵۰ ، ۱۷۳

انسان میں سمی اور تریاقی مادے ۳۴۹

کیلوس ۲۳۵

دورانِ خون کے جدید نظریہ سے اسلام کی تائید ۱۷۰

دانتوں کی صحت کے فوائد ۴۰۷

علاج

اسلام میں رعایتِ اسباب اور علاج معالجہ کا حکم ۱۶۵

قانونِ صحت میں حفظِ ماتقدم کی اہمیت ۱۶۳ ، ۱۶۵

امراض کو قلع قمع کرنے کی ضرورت ۳۳۶

موادِ ردیہ کو دُور کرنے کی اہمیت ۲۷۷

مرض کو زائل کرنے کے لیے جگری دست کی ضرورت ۲۷۳

فصد ۱۵۰

علاج کے ساتھ دُعا کی ضرورت ۱۶۵

نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے ۴۰۷

مختلف امراض کا رُوحانی سبب ۳۷۲

حضرت اقدسؑ کا غریب لوگوں کا مفت علاج فرمانا ۳۰۸

طاعون کے علاج کے لیے حضرت اقدس کا ایک دوائی تیار فرمانا ۱۶۹

درازیٔ عمر کا نسخہ ۳۵۳

مرہمِ عیسیٰ ۵۰۲

ایسٹرن سیرپ اور کچلہ متقوی اعصاب ہیں ۱۸۱

کافور اور جدوار کے خواص ۱۶۵

پیشاب کی بندش کا علاج ۳۱۴

امراض

مرض کی دو قسمیں۔ مرضِ مستوی اور مرضِ مختلف ۵۲۹

عورتوں میں رجاء کی بیماری ۵۷۱

آتشک جذام وغیرہ ۳۷۲ ، ۳۹۷

جان لیوا چھینک ۲۴۴

مراق کے اسباب ۵۶۵

نزول الماء کا مقدمہ ۴۰۷

متفرق

اللہ کے نشانوں میں سے یہ بھی ایک نشان ہے کہ بعض اوقات ادویات بے کار

ہو جاتی ہیں ۱۷۲
ڈاکٹروں کا محدود علم ۵۷
کوئی نسخہ حکمی نہیں (مرزا غلام قادیانی) ۱۹۹، ۳۰۲
طاعون کے بارہ میں اطبار کا اتفاق ۱۹۲
ہندو کے اطبار کا برسات کے متعلق قول ۲۰۱
طب اور علم جراحی میں مغرب کی ترقی ۵۶۰

ع

عباد الرحمٰن ۶۹

عبادت

عبادت کی حقیقت ۳۴۷، ۴۷۷
عبادت کا مقصود ۱۰۴
اللہ تعالیٰ کے مستحقِ عبادت ہونے کے دلائل ۷۲
انسان کی پیدائش کی غرض عبادت ہے ۱۱۸
یقینِ کامل حاصل ہونے تک عبادت کی ضرورت ۳۶۸
عبادات بجالانے کی شرائط ۱۱۶، ۱۲۲، ۳۱۹
غیر اللہ کی عبادت کا مفہوم ۴۷۸
عبادات اور صدقہ کی قبولیت کا راز ۴۶۲
عبادت میں لذت نہ آنے کی وجہ اور اس کا علاج ۱۰۳
آیا عبادت کی عادت پڑ جانے کے بعد بھی ثواب ملتا ہے؟ ۱۹
اقامتِ صلوٰۃ کی حقیقت ۱۸
نمازوں کے وقت پر ادا کرنے اور تہجد کی تاکید ۴
نبی اور ولی کی عبادات میں فرق ۴۹۸
میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر وقت میرا گذرتا ہے وہ سب عبادت ہی ہے ۵۷۰

عبودیت

کمالِ عبودیت ۳۹۳
تمام مخلوقات اپنی بناوٹ میں ہی عبودیت کا رنگ رکھتی ہیں ۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعترافِ عبودیت ۷۴
طریقِ عبودیت ۵۸، ۱۰۸
عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ۱۰۲، ۴۹۲
اُلوہیت اور عبودیت کے پختے رشتہ کے اوصاف ۲۷۱
وجودی صوفیاء نے عبودیت اور اُلوہیت کے باہم رشتہ پر ٹھوکر کھائی ہے ۷۳

عدد

پودہ کے عدد کی خصوصیت ۲۹، ۲۲۸
چودھویں صدی کی اہمیت ۱۰۹، ۴۳۱، ۴۹۷
سورۃ فاتحہ میں سات آیات کی حکمت ۳۹۶

عدمِ رجوع موتیٰ

مُردوں کے دُنیا میں واپس نہ آنے کا مسئلہ ۳۵۹

عذاب نیز دیکھئے عنوان جہنم اور دوزخ

جہنم کا دردناک عذاب ۹۰
عذاب سے پہلے رسول کی بعثت ۵۲۶
عذابِ الٰہی سے بچنے کا طریق ۱۰۱، ۱۳۴، ۱۵۷
یونسؑ کی قوم سے عذاب کا ٹل جانا ۱۵۵

عرب

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے ۵۷۱
بعثتِ نبویؐ کے وقت عربوں کی اخلاقی و رُوحانی حالت ۳۵۷
عربوں کی فتوحات تقویٰ کے نتیجہ میں تھیں ۱۱۴

عربی زبان

عربی زبان کے کمالات ۱۸۱
اُمّ الالسنہ ہونے کے بارہ میں ایک دلیل ۳۱
عربی زبان کی وسعت اور الٰہی تائید ۱۷۹
فصاحت و بلاغت سے خالی قافیہ بندی ۲۵۸

لغوی معارف

بابِ افتعال تصنع کے لیے آتا ہے ۱۱۹
آل کی حقیقت ۳۸۸
اُونٹ کے لیے ابل کے استعمال کا بہتر ۳۹۳
ابوالبشر اور حمأۃ المسنون کی توجیہ ۱۵۶
اماراتِ اور جودی کی وجہ تسمیہ ۵۲۶
اِلٰہ کے معنی ۳۲۱
اَمانت کے معنی ۳۶۰
صوت اور نون کے لغوی معارف ۱۵۵
نحاس کے معنی ۳۲۱
رَشْن ناخواندہ مہمان کو کہتے ہیں ۵۸۵
رفع اور نزول کے معنی ۳۹۶
طاعون۔ رجز اور نغف کے لغوی معانی ۱۹۳
عنصر کے معنی ۳۲۲
عیسیٰ کی وجہ تسمیہ ۲۹۹

عربی زبان اور مسیح موعود

حضرت اقدس کو تائیدِ الٰہی سے عربی زبان کا سکھایا جانا ۱۴۶، ۱۸۲
عربی تصنیفات کے ایک ایک لفظ پر دُعا کا اثر ۱۸۴
کثرت سے عربی تصانیف کی اشاعت ۱۷۹
جماعت کو عربی زبان سیکھنے کی تلقین ۱۹۶

عزم

توبہ کی لازمی شرط ۸۸

عفو

عفو اور سختی کے بارہ میں قرآن کریم کی متوازن تعلیم ۵۲۲
عفو میں موقعہ محل کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے ۲۹۰، ۳۲۱
عفو کے بارہ میں حضرت امام حسنؓ کا پاک نمونہ ۱۱۵

عقل

انسان عقل کی وجہ سے مکلف ہے ۳۹
عقلمند اور اولوالالباب ۱۲۱، ۱۵۹، ۱۵۷
عقلِ سلیم حاصل کرنے کے طریق ۴۵، ۴۶
عقل کے پیمانہ سے اللہ تعالیٰ کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا (رازی) ۴۱، ۵۶
رُوح سے متعلقہ امور کا فیصلہ عقل سے نہیں ہو سکتا ۱۹۰

عقیدہ

تصحیحِ عقیدہ کی اہمیت ۴۶۱، ۴۶۳
بغیر محنت کے محض اللہ کے فضل سے عقائدِ صحیحہ پانے پر شکر واجب ہے ۹۴

علم

علم کی تعریف ۶۹، ۴۶۸

حقائق الاشیاء کا علم انسان کے مختلف قویٰ سے ہوتا ہے ۱۹۰
علم کے مدارج ۱۳
حدیث میں انسانی علم کی مثال ۵۷
عالمِ ربّانی کی تعریف ۲۳۱
حقیقی علم خشیتِ الٰہی پیدا کرتا ہے ۱۴۹، ۱۹۵، ۲۳۲
کمالِ علم کا ثبوت کمالِ عمل سے ملتا ہے ۱۲۳
سچا علم قرآن شریف سے ملتا ہے ۲۳۱
قرآنی علوم کے حصول کے لیے تقویٰ شرط ہے ۲۸۲
علومِ ظاہری اور علومِ قرآنی میں فرق ۲۸۲
سائنسی علوم سے قرآن کریم کی تائید ہوگی ۳۶۱
علومِ جدیدہ کے حصول کی تلقین ۴۳
دُوسروں کو علم سکھانے کی تلقین ۲۸۹
دینی تعلیم زمانۂ طفولیت سے شروع کرنی چاہیے ۴۴
مرکز میں آئے بغیر تکمیلِ علمی مشکل ہے ۱۲۴
یکطرفہ علوم میں منہمک ہونے کا نتیجہ ۴۴
علم اور معرفت کا ایک باریک نکتہ ۲۷۱
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا کہنا ہی طریق عبودیت ہے ۵۸
عدمِ علم سے عدمِ شے لازم نہیں آتا ۴۷۰

علمِ توجیہ

مسمریزم اور انبیاء کی توجہ میں فرق ۳۹۱

عُمر

درازیٔ عمر کا نسخہ ۲۰۲، ۳۵۳، ۴۳۸
زندگانی کی زیادہ خواہش اکثر گناہوں اور کمزوریوں کی جڑ ہے ۴۳۸

عمل

اعمالِ صالحہ کی اہمیت و ضرورت ۴۲، ۴۸، ۹۴، ۱۱۴، ۱۲۹، ۱۷۲، ۲۴۹
اعمالِ صالحہ کی پہچان ۲۲۸
کسی عمل کا ثواب ضائع نہیں ہوتا ۹۲
اعمال میں اخفاء اچھا ہے ۱۴
کمالِ علم کا ثبوت کمالِ عمل سے ملتا ہے ۱۲۳
جس ایمان میں نشو و نما کا مادہ ہو اس پر اعمالِ صالحہ کے طیب اثمار لگتے ہیں ۱۲۲
قول و فعل میں مطابقت چاہیے ۴۲، ۱۲۴
اعمال کی دو قسمیں ۵۴۰
اعمالِ صالحہ کی توفیق پانے کے لیے دُعا کی تلقین ۹۵
اعمالِ صالحہ دُوسرے جہان میں انہار جاریہ کے رنگ میں متمثل ہوں گے ۵۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ صالحہ ۲۴

عورت

اسلام میں عورت اور مرد کی مساوات کا مطلب ۲۹۱
اسلامی پردہ ۲۹۷
خاوند عورت کے لیے اللہ تعالیٰ کا مظہر ہوتا ہے ۴۰۴
عورتوں سے حسنِ معاشرت کی تلقین ۳۰۷
بیوی سے حسنِ سلوک کی تاکید ۴۰۳
عورتوں کیلئے آسان زبان میں قصّہ کے طور پر سوال و جواب کے رنگ میں مسائل پر کتاب لکھنے کا ارادہ ۵۸۴
نبی کی تعلیم کا اثر پہلے عورت پر ہوا پھر آدم پر ۵۵۳
عورتوں کے عیسائی مذہب اور بُت پرستی کا سہارا ہونے کی وجہ ۳۳۵

عہد

عہد دوستی کی رعایت ۳۱۱

عیدالاضحیہ

عیدالاضحیہ کی حقیقت ۳۲۷
نبی آخر الزماں کی عیدالاضحیہ سے مناسبت ۳۲۶

عیدالفطر

عیدِ رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے ۳۲۷

عیسائیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کیوقت عیسائیت کی حالت ۱۴۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ میں اعراض ۲۵۹
حواریوں کی ایمانی حالت ۱۸۰
مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم پر عیسائیت کی زیادتیاں ۵۶۷
فارقلیط کی پیشگوئی کو سمجھنے میں غلطی کا ازالہ ۵۸۶
اباحت، بے عملی اور دُنیا پرستی ۲۵۱، ۲۹۰، ۳۴۴، ۳۴۶
عیسائیوں پر افتاد کی وجوہات ۱۴۸
اشاعتِ دین کے لیے عیسائیوں کی گرانقدر قربانیاں ۴۶: ۱۵۲
ہندوستانی مسلمانوں میں عیسائی تہذیب کے گہرے اثرات ۲۹۶، ۲۹۷
عیسائیوں کا پکا ہوا کھانا جائز ہے ۹۷

عقاید و تعلیمات

عیسائیت کا مدار صلیب پر ہے ۲۲۱
عقائد کی غیر معقولیت ۸۳، ۱۷۸، ۱۸۰
خُدا اور اس کی صفات کا تصور ۱۲۶، ۱۳۰
"خُدا محبت ہے" کا ادعائی نعرہ ۴۶۱
مسیح کی الوہیت کے بارہ میں غیر معقول عقاید ۳۳۲، ۳۱۸، ۳۶۳
سُورۃ اخلاص میں عیسائیت کے عقیدۂ الوہیت کا رد ۴۷۲
عقیدہ تثلیث کا رد ۲۱۹
مسیح کی ابنیت کا رد ۲۲۰
عیسائیوں کے فلسفہ رحم و عدل کا رد ۲: ۱۱۲
عیسائیوں کا اعتراف کہ جہاں تثلیث کی تبلیغ نہیں پہنچی وہاں توحید کے مطابق بازپرس ہوگی ۵۷۵
عقیدہ کفارہ اور اس کا رد ۳۹: ۱۱۱
کفارہ کا مسئلہ ماننے والوں کی پاک باطنی کی عملی نظیریں ۱۱۳
مسیح کو ملعون قرار دینے کا عقیدہ ۲۲۰
عیسائیوں کے نزدیک نسلِ شیطان سے پاک اور زندہ نبی صرف مسیح ہے ۴۳۲
معاشرت کے متعلق حضرت عیسیٰ کا کوئی نمونہ موجود نہیں ۲۴۰

کامل تعلیم کا فقدان ۴۳۷
ان کے مسلمہ بزرگوں میں تعددِ ازدواج پر عمل ۱۸۷
تعددِ ازدواج کو ناجائز کہہ کر حضرت مریم کی اولاد پر اعتراض ۵۶۷

عیسائیت ایک فتنۂ عظیمہ

اَلضَّالِّین سے مراد نصاریٰ ۱۳۲، ۲۹۷، ۴۷۶
عیسائیوں کا فتنہ اتم الفتن ہے ۱۰۹، ۱۳۳، ۲۹۶، ۴۷۱
فتنہ نصاریٰ ہی اَلدَّجّال کا بروز ہے ۲۹۶
انجیل کے حامیوں کی عیاری اور چالاکی ۳۹
عیسائیت قبول کرنے کی ترغیبات ۲۵۱

اسلام کے خلاف سرگرمیاں

تمام مذاہب میں صرف اسلام کے خلاف ہونے کی وجہ ۱۱۰، ۱۴۳
اسلام کے خلاف کروڑوں کتب کی اشاعت ۱۱۱، ۱۴۲، ۱۹۸، ۲۰۸
آنحضرت اور ازواجِ مطہرات کے خلاف دلآزار لٹریچر ۱۴۱، ۱۷۵، ۴۸۰
بیس لاکھ لوگوں کو عیسائی بنایا گیا ہے ۴۷۶، ۴۸۲

عیسائیت پر حجت

نصاریٰ کا غلبہ مسیح موعود کی آمد کی علامت ہے ۳۰
نصاریٰ کے لیے حجت کی ضرورت ۲۴۴
حضرت اقدس کا عیسائیوں کو نشان نمائی کا چیلنج ۱۱۱، ۲۷۵
مسئلہ وفاتِ مسیح سے عیسائیت کا ستون ٹوٹ جاتا ہے ۲۲۲

غ

غضِ بصر

غضِ بصر کی تفصیل ۵۳۳

غزوۂ حنین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جرأت، شجاعت اور استقامت ۵۱۲، ۵۱۷

غضب

غضب کی حقیقت اور نفسیاتی توجیہ ۳۳۵
خُدا نے غضب بے جا نہیں بنایا ۵۲۲
عارفوں اور صدیقوں کے لیے آخری منزل غضب سے بچنا ہے ۲۲
غضب اور پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے ۲۲

غیب

اللہ تعالیٰ کے حالتِ غیب میں رہنے کی حکمت ۲۱۲
ماموریں کو غیب پر اطلاع خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک ثبوت ہے ۲۰۹

غیرت

اس زمانہ میں اسلام اور آنحضرت کے لیے غیرت کا تقاضا ۴۵، ۱۴۲

ف

فراست

سچی فراست اور دانش اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ۴۱
ایمانی فراست کے ساتھ اللہ کا ایک نور ہوتا ہے ۲۷۱
انبیاء کے ساتھ فراستِ الٰہیہ کا رُعب ہوتا ہے ۷۶
مومن کی فراست سے ڈرو ۷۵، ۳۲۲
(حدیث)
جماعتِ احمدیہ کی ایمانی فراست ۳۲۲
ایک یہودی اور نجران کے عیسائیوں کی فراست ۲۵۹

فری میسنز (FREEMASONS)

حضرتِ اقدس کا الہام کہ فری میسنز آپ پر مسلط نہیں کئے جائیں گے ۵۷۸

فطرت

اسلام دینِ فطرت ہے ۳۶۵
قرآن کریم صحیفۂ فطرت میں چھپی ہوئی کتاب ہے ۶۰
انسانی قویٰ اور فطرت خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب ہے ۱۸۶
انسانی فطرت میں خدا تعالیٰ اور توحید کی طرف رجحان ۴۰، ۷۱، ۱۱۶، ۲۱۹
انسانی سرشت میں سعادت و رشد اور شقاوت ۳۱۴
انسانی فطرت ہر کمال کی پیروی کرنا چاہتی ہے ۱۳۹
فطرتِ انسانی میں کشوف و الہام کی قابلیت ۴۸۶
قویٰ کو فطرتی کاموں پر لگانے کے خوشگوار نتائج ۷۹
سچا مذہب انسانی قویٰ کا استیصال نہیں کرتا ۲۱
ابوبکر کی فطری سعادت ۲۴۷، ۴۱۵، ۴۵۴
فطرۃ اللہ کا مقلب شخص ۱۱۸
اُونٹ کی سرشت میں اتباعِ امام ۳۹۴
مادرانہ جوشِ عاطفت ۳۴۱

فقہ

فقہ کے بارہ میں مسیح موعود علیہ السلام کا موقف ۵۳۳/۵۳۴
ائمہ اربعہ برکت کا نشان تھے ۵۴۴
احناف اور شافعیوں کا مذہب ۵۵۰، ۵۵۱
فاتحہ خلف الامام ۴۴۸
نماز میں مادری زبان میں دُعا کی اہمیت ۵۰۹، ۵۲۵
نماز کے بعد دُعا کا مسئلہ ۴۰۱
دو نمازوں کے جمع کا جواز ۱۴۴
نمازوں کے قصر اور روزوں کے لیے سفر کی تعریف ۴۴۶
ایک قصبہ میں دو جگہ نماز جمعہ کی ادائیگی ۵۲۹
غیر احمدی کے پیچھے نماز کا مسئلہ ۴۴۹، ۴۵۶، ۵۲۳، ۵۲۵، ۵۲۱
مسیح موعود علیہ السلام کو بُرا نہ کہنے والوں کے پیچھے نماز ۵۵۴
مولویوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر جمعہ کی فرضیت کو ہی اڑانا چاہا ہے ۵۳۱
احتیاطی نماز ۵۳۱
سفر میں روزہ ۱۹۳
میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں ۴۳۹
بعض حالات میں مرد ڈاکٹر رحم سے بچہ نکال سکتا ہے ۱۰۱

امام اعظم کے نزدیک مخصوص قسم کی شراب ہی حرام ہے ۵۵۱
فوٹو کا جواز ۵۵۶
فقہ حنفی میں حلالہ کا مسئلہ ۵۵۰
احادیث میں حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے ۵۵۱
عقیقہ ۲۰۱
محرم کے دنوں میں امامین کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے واسطے روٹیاں دینا ۵۰۶
قبر کو پختہ بنانے کا مسئلہ ۵۰۵
غیر مُسلم کی دعوت اور نذر قبول کی جا سکتی ہے ۱۹۲
اہلِ کتاب اور ہندوؤں کے پکے ہوئے کھانے کے بارہ میں فتویٰ ۹۷

فلاح
فلاح کی حقیقت ۸۵
فلاحِ دارین حاصل کرنے کا طریق ۴۲ و ۹۸

فلسفہ
فلسفی اور نبی میں فرق ۵۳۹
کُنہ اشیاء تک پہنچنا کسی حکیم یا فلاسفر کے لیے ناممکن ہے ۵۷
رُوح سے متعلق معاملات کے بارہ میں فلاسفروں کی غلطی ۱۹۰
آجکل کے فلاسفر قلب کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ۲۶۹
آجکل کے تاریک دماغ فلاسفر دُعا کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ۱۲۸
قبولیتِ دُعا کا فلسفہ ۴۳۴
فلاسفہ کے نزدیک تبدیلی اخلاق کے متعلق دو نظریات ۸۷
یورپی فلسفہ ضلالت سے بھرا ہوا ہے ۲۳۱ و ۴۳۴
جدید فلسفہ بے دینی کیوں پیدا کرتا ہے؟ ۱۷۷
فلاسفروں کے اسلام پر حملے ۱۴۳

فنا
فنائے اَتم ۵۵۲
قرآن فنا نظری کی تعلیم دیتا ہے ۵۵۸

عشق کی محویت اور فنا ۵۴۷
فَانِی فِی اللّٰہ کا مقام ۲۴۴

فوٹوگراف
فرمایا یہ مطبعِ ناطق ہے ۱۹۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے فوٹوگراف کے ذریعہ تبلیغ کی تجویز ۵۶۶

فیجِ اعوج
احادیث میں فیجِ اعوج اور اس کے بعد مسیح و مہدی کے ظہور کی خبر ۲۵
لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ (حدیث) ۲۹۴

ق

قانون
قوانینِ صحت میں حفظِ ماتقدم کی اہمیت ۱۶۵
گورنمنٹ کے قوانین کے خلاف کرنا بغاوت ہے ۱۳۴
طاعون سے متعلق گورنمنٹ کے قانون کا جواز ۱۶۱
قانون سڈیشن سے صرف اسلام ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے ۱۱۱

قانونِ قدرت
قانونِ قدرت خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب اور قرآن شریف قولی کتاب ہے اور ان میں باہم مطابقت ہے ۱۳۵
قانونِ قدرت سے قرآنی تعلیمات کا استحکام ۳۴۳
قانونِ قدرت کی تحدید نہیں ہو سکتی ۵۶
کفارہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے ۱۱۴
قانونِ قدرت اور دُعا کا باہمی تعلق ۱۲۷
مُردوں کے دنیا میں واپس نہ آنے کا قانون ۴۹۸

قبر
قبر سے رُوح کا تعلق ۱۸۹
کشفِ قبور ۱۹۱، ۲۶۱

قرآن مجید
فرقان ۳۸۶
قولِ فصل ۱۴۶
ذکر اور کتابِ مکنون ہونے کی حقیقت ۶۰ و ۱۷۸
قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب اور قانونِ قدرت فعلی کتاب ہے اور ان میں باہم مطابقت ہے ۴۵
قرآن کریم کے لیے ظاہر اور بطن ۷۱
قرآن مجید کے تمام معارف سورۃ فاتحہ میں درج ہیں ۱۲۵
قرآن کریم کا خلاصہ اور مغز ۳۴۶ و ۴۴۷
نزول کی ضرورت ۱۴۶
نزولِ قرآن کے مقاصد اور عظمتِ غائی ۱۳، ۵۴، ۶۰، ۱۲۱، ۲۲۶، ۲۸۴، ۲۸۲، ۲۹۱، ۵۵۰

فضائل
جامع اور خاتم الکتب ۲۴، ۲۹، ۵۲، ۱۸۷، ۲۲۷، ۲۳۵، ۲۴۶، ۳۴۶، ۳۸۸، ۵۲۳
صدقِ مجسم ۲۴۳
سچے علوم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے ۲۳۱ و ۳۸۱
جس قدر علوم طبعی پھیلیں گے اسی قدر قرآن کریم کی عظمت اور خوبی ظاہر ہوگی ۲۶۱ و ۳۹۲
قرآن کریم میں مذکور عالی مضامین ۲۲ و ۱۴۹ و ۱۸۶
جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور توحید کو پُرزور اور آسان دلائل سے ثابت کیا ہے ۳۳
عقائد اور احکام عملی کو مدلل بیان کیا ہے ۵۵
اس کا ہر حکم معلل باغراض و مصالح ہے ۳۹
قرآنی تعلیم کا دامن قیامت تک وسیع ہے ۵۳
ہر قابلیت کے انسان کو تعلیم دیتا ہے ۱۴۴
قرآن کریم کے دو حصے قصص اور ہدایات ۳۵۹

اعجاز
اعجاز القرآن ۵۲
قرآنی اعجاز اور فضیلت ۵۵ و ۶۰ و ۲۵۸
قرآن شریف کے معجزہ ہونے کے متعلق دو مذہب ۴۵۱
معجزانہ فصاحت و بلاغت ۵۱، ۲۵۸، ۴۲۱
اس میں عدم اختلاف اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے ۳۵۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے ۴۴۰

قرآن کریم کی حفاظت

شیعوں کے نزدیک موجودہ قرآن شریف اصل نہیں ہے ۹۶

اللہ تعالیٰ اسلام اور قرآن کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے ۳۸ ، ۵۹

آدابِ تلاوت

آدابِ تلاوت ۲۸۵ ، ۵۳۶ ، ۵۴۲

تلاوت کی اصل غرض ۲۸۵

قرآن کریم کی تاثیر اور اس سے استفادہ کا طریق ۵۱۱

معارفِ قرآن کا حصول

ذوالمعارف ۵۲ ، ۴۵۳

معارفِ قرآنی کی وسعت ۲۴۳

قرآن کے معارف و حقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے ۳۴۶

قرآنی معارف کے حصول کی شرائط ۱۸۳ ، ۲۴۳ ، ۲۴۶ ، ۲۸۲ ، ۵۳۴

آدابِ تفسیر ۳۶۰ ، ۳۸۸ ، ۵۰۵

آثار میں ہے کہ آنیوالا مسیح قرآنی فہم و معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کرے گا ۲۵

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی ۳۹۳

مسیح موعود علیہ السلام کا مخالفین کو قرآنی دانی کا چیلنج ۱۸۳

تعلیم

قرآن شریف کی تعلیم کا مقصد ۵۵۸

قرآنی تعلیمات کے استحکام کی وجوہ ۳۴۳

قرآن کی بہادری تعلیم کی شہادت قانونِ قدرت کے ذرہ ذرہ کی زبان سے ادا ہوئی ہے ۴۱

قرآن کریم میں عملی اور علمی تکمیل کی ہدایت ہے ۱۲۱

عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید ۴۱

منکرینِ الہام پر اتمامِ حجت ۱۴۵

عفو اور سختی کے بارہ میں قرآن کریم کی متوازن تعلیم ۵۲۲

قرآن شریف میں مذکور قسموں کی فلاسفی ۱۴۰ ، ۱۴۳

قرآن کریم کی تیرہ آیات وفاتِ مسیح پر گواہ ہیں ۲۹۴

حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم پر احسان ۵۶۸

قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین ۳۸۶ ، ۴۰۹

کتاب اللہ کی عظمت و جلال کو ظاہر کرنے والے ہی خدا سے تائید یافتہ ہوں گے ۵۴۳

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

قرآنِ کریم کے نام میں زبردست پیشگوئی ۳۸۶

قرآنِ کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے ۲۷۴

سورۃ الفیل میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ۱۱۰

قرآنِ کریم کی چار سورتوں میں مسیح موعود اور اس کی جماعت کا ذکر ۴۴۲

مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ کے بارہ میں پیشگوئیاں اور ان کا پورا ہونا ۳۱

آنحضرت کی اس پیشگوئی کا اس زمانہ میں ظہور کہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا ۶۰

دوسری مذہبی کتب سے موازنہ

قرآنِ مجید اور دوسری الہامی کتابوں میں مابہ الامتیاز ۳۹

تورات اور قرآن کریم کی تعلیمات کا موازنہ ۵۴

انجیل سے تعلیمات میں موازنہ ۲۱ ، ۳۹ ، ۵۳

قربِ الٰہی

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ پر عمل قربِ الٰہی کے لیے ضروری ہے ۲۷۵

قربِ الٰہی کا ایک مقام جہاں ناپختہ سالکوں نے ٹھوکر کھائی ہے ۱۱۷

قربانی

قربانی کی حقیقت ۳۲۶

قرض

اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا مفہوم ۱۴۷

قریش

اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کی حقیقت ۳۰۰

قسم

قرآن شریف میں مذکور قسموں کی فلاسفی ۱۴۳

قرآن کریم میں مخلوق کی قسم کھانے کی حکمت ۱۴۰

غیر اللہ کی قسم کی مناہی کی وجہ ۱۴۴

کیا بائیبل کی رُو سے قسم کھانا منع ہے؟ ۳۷۶

مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے دعویٰ پر قسمیہ تحریر ۲۱۸ ، ۲۲۸

قلب نیز دیکھئے دل

آجکل کے فلاسفر قلب کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ۲۶۹

قلب ربّ العرش سے ایک مناسبت رکھتا ہے ۲۷۰

قلب کی قوتیں ۱۲۸ ، ۲۶۹

خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زین رکھا ہے ۳۵۱

اللہ تعالیٰ تو قلبِ سلیم چاہتا ہے ۵۵۹

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ (حدیث) ۲۷۰

قلب جاری ہونے کا مسئلہ ۵۵۰

قلم

اس زمانہ میں قلم کے جہاد کی ضرورت اور اہمیت ۲۸ ، ۳۷ ، ۱۴۱ ، ۱۵۰

اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو سُلطان القلم اور میرے قلم کو ذوالفقارِ علی فرمایا ہے ۱۵۱

قنوت

طاعون کے ایام میں پانچوں نمازوں میں قنوت پڑھنے کی تلقین ۱۳۴

ک

کانشنس

انسانی کانشنس میں برائی پر ندامت کا احساس ۸۸

کثرتِ ازدواج

اعتدال کی ہدایت ۱۵۴

کرامت

کرامت کی حقیقت ۹۲

اولیاء کی کرامات اپنے ساتھ انکشافات نہیں رکھتیں ۲۶۰

خُلقِ عظیم بڑی کرامت ہے ۸۹، ۹۲

مسیح موعود علیہ السلام کی ایک اخلاقی کرامت ۹۰

کرکٹ

مَیں دُعا کرکٹ کھیل رہا ہوں جو قیامت تک قائم رہے گا؟ ۴۴۸

کسوف وخسوف

آنے والے موعود کا نشان جو پُورا ہو چکا ہے ۳۰/۸۹

کشف

کشف کی حقیقت ۳۸۱، ۳۸۳

ہر انسان کی فطرت میں رویا و کشف اور الہام پانے کی قوت رکھی گئی ہے ۴۸۶

کشوف والہامات میں شیطان کا دخل ۵۰۶

اہلِ کشف نے اس صدی کو بعثتِ مسیح کا زمانہ قرار دیا ہے ۳۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض کشوف ۳۳، ۳۰۶، ۳۲۵، ۴۳۹

کشفِ قبور ۱۹۱، ۲۶۱

کفّارہ نیز دیکھئے عیسائیت

عیسائیوں کے عقیدۂ کفّارہ کی غیر معقولیت ۳۹، ۱۱۴، ۱۲۶، ۱۸۰

عقیدہ کفّارہ کے نتائج ۱۱۱

اگر مسیح کفّارہ کے لیے آئے تھے تو آپ نے موت کا پیالہ ٹالنے کی دُعا کیوں کی؟ ۳۳۲

کلامِ الٰہی

کلامِ الٰہی پر ایمان کی فرضیت ۲۹۲

کلامِ الٰہی کے تین طریقے ۳۸۱، ۳۸۳

مکالمہ الٰہیہ کے بغیر خدا تعالیٰ کے وجود پر پورا ایمان حاصل نہیں ہوتا ۳۹۱

کلمۃ اللہ

کلمۃ اللہ کی حقیقت ۲۶۱

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ کی اہمیت ۳۹۲، ۴۰۶، ۵۲۵

کلمہ طیبہ کی حقیقت ۳۴۰

کلمہ طیبہ شجاعت پیدا کرتا ہے ۲۵۹

گ

گدّی نشین

ہندوستان کے سجادہ نشینوں کی اخلاقی و رُوحانی حالت ۲۷۱، ۲۸۳، ۴۸۷، ۵۱۳، ۵۴۸

موجودہ گدّی نشین اور سرود ۲۶۱

ایک گدّی نشین کا کراماتِ اولیاء سے بدظن ہونا ۵۲۷

گناہ

اگر گناہ نہ ہوتا تو رعونت کا زہر انسان میں بڑھ جاتا ۳

گناہ کی تعریف ۷، ۲۳۸، ۲۹۹، ۳۵۵، ۴۳۸

گناہ سے بچنے کا طریق ۵۰۷

کامل ایمان اور خوفِ الٰہی گناہ سے بچاتے ہیں ۱۱۲، ۴۳۵، ۴۶۵

گناہ اور توبہ کا باہم تعلق ۳

ل

لعنت

لعنت کی حقیقت ۲۲۰

اعظم الحواریین پطرس کا اپنے آقا پر لعنت کرنا ۲۲۴

لہو ولعب

لہو، لعب اور تفاخر کا باہمی فرق ۹۷، ۱۳۷

لیلۃ القدر

لیلۃ القدر کے تین معنی ۵۳۶

م

مال

مال کی تعریف ۴۰۳

اشاعتِ اسلام کے لیے مالی قربانیوں کی ضرورت ۱۳۷، ۱۵۲

انفاق فی سبیل اللہ ۲۲۵، ۳۲۰، ۳۶۷

مال کے فتنہ ہونے کی وجہ ۲۷۹، ۳۷۱

نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ ۴۳۵

مامُور نیز دیکھئے عنوان نبی

تشریعی اور غیر تشریعی مامورین ۴۸۸

مامورین کی غرضِ بعثت ۳۲۰، ۳۴۲

مجدّدوں اور مُرسلوں کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے ۳۴۵

مامُور کی بعثت سے پہلے زمانہ کی حالت ۴۹۴

مامورین کے خصائص ۲۱، ۲۰۲، ۳۸۴، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۱۲، ۴۴۴، ۴۸۸، ۴۹۱، ۵۵۴

مامُور کے الہام اور کاہنوں کی غیب دانی میں فرق ۱۸۲

مامورین کی طلبِ امداد کا راز ۱۰۷

مامُورین پر مصائب کا ہجوم ۵۱۵

مامُور من اللہ کی مخالفت کی وجوہ ۱۳۹، ۲۸۳، ۴۸۹

مامُور سے مقابلہ کی تین ممکن صورتیں ۲۰۴

مامُور من اللہ کے مخالفین کا ایمان سلب ہو جاتا ہے ۱۲۲

مامُور من اللہ کی صُحبت میں رہنا ضروری ہے ۴۷۹

اس زمانہ میں مامُور مصلح کی ضرورت ۲۶۳

مَیں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کیا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مامُور کر کے بھیجا ہے ۲۲۸

مباہلہ

نجران کے عیسائیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ میں اعراض ۲۵۹

متقی نیز دیکھئے عنوان تقویٰ

مُتقی کی تعریف ۵۳۵

متقی کا مقام ۱۰، ۱۴، ۱۸، ۲۰، ۲۳، ۱۱۵

متقی کی صفات ۸، ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۱۹، ۲۱، ۶۸، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۴، ۳۶۴، ۳۶۹

متقی کی علامات ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۳، ۲۶۹

متقی بننے کے لیے مجاہدہ کی ضرورت ۱۱۹

مجاہدہ

مجاہدہ کی اہمیت ۱۷، ۷۴، ۸۵، ۸۷، ۵۱۸

مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت ۳۶، ۱۱۹، ۲۲۶، ۲۲۷، ۳۳۷، ۴۰۹، ۴۶۰

ثواب اس وقت تک ہے جبتک مجاہدات ہیں (عبدالقادر جیلانی) ۱۹

مجاہدہ میں استقامت شرط ہے ۱۶

اپنے تراشیدہ وظائف واَوراد سے

خدا تعالیٰ سے تعلق قائم نہیں ہوتا ۲۳۶، ۳۳۹

اس زمانہ کا مجاہدہ ۳۷، ۵۱۳

مجدّد

خاتم النبیین کے بعد مجددین کی بعثت کا ترتیب ۱۳۹

محدثین اور مجددین کے سلسلہ کی غرض ۱۴۸، ۳۴۶

مجددوں اور مرسلوں کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے ۳۴۵

مجدد ضرورتِ وقت کے لحاظ سے آیا کرتا ہے ۱۹۷، ۲۶۳

مجدد کی بعثت کا زمانہ صدی کا سر ہوتا ہے ۳۰

چودھویں صدی کے مجدد کا کام بحر الصلیب ہے ۱۰۹

محبت

عبادت محبت کا دوسرا نام ہے ۴۷۷

محبتِ الٰہی کے ذرائع ۴۹۱

محبتِ الٰہی کے نتیجہ میں مظالم برداشت کرنے کی قوت ۵۱۷

صالحین کی محبت میں حفظِ مراتب ضروری ہے ۵۵۷

محدّث

نبی اور محدث کی تعریف ۳۹۲

محدثین اور مجددین کے سلسلہ کی غرض ۱۴۸

مخالفت

مخالفت ہمیشہ سچوں کی ہی ہوتی ہے ۵۸۳

مامور من اللہ اور اس کی جماعت کی مخالفت کی وجوہ ۴۸۳، ۴۸۹

مذہب

مذہب کی حقیقت ۳۱۵، ۴۶۴

مذہب کی اوّل اینٹ خدا شناسی ہے ۱۱۱

سچے مذہب کی علامات ۲۱، ۱۷۲، ۲۱۹، ۳۹۲، ۴۹۱، ۵۰۰

مذہب اسلام کی حقانیت ۵، ۳۴۶، ۳۹۲، ۵۱۸

عیسائیت کا تمام مذاہب میں صرف اسلام کے خلاف ہونے کی وجہ ۱۴۳

اب دُنیا میں اسلام پھیلے گا اور باقی سب مذاہب اسکے آگے ذلیل اور حقیر ہو جائینگے ۵۴۱

روحانی بیتدی کے لیے چار مذہب ۴۶۵

انگریزوں کے عہدِ حکومت میں مذہبی آزادی ۱۴۲

سکھوں کے عہدِ حکومت میں مذہبی آزادی کا فقدان ۳۱۶

مذہبی آزادی کے فوائد ۳۱۸

اشاعتِ مذہب کا بہترین طریق ۴۱۹

مُرشد

مُرید اور مُرشد کا تعلق ۳۱۵، ۴۰۴، ۵۵۶

مُرشدِ کامل کی ضرورت ۳۴۸

مُرید

سچے مُرید کی اطاعت ۴۱۷

مریم عیسیٰ

مسیح کے صلیب سے زندہ اُتر آنے کا ایک ثبوت ۵۰۲

مسجد

مسجد مظہرِ اسرارِ الٰہی ہوتی ہے ۲۹۳

ضرورت سے زیادہ مساجد کی تعمیر اسراف ہے (ابوحنیفہ) ۵۱۰

یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے ۵۱۰

سکھوں کے عہد میں مساجد کی بے حرمتی ۴۱۶

مُسلمان نیز دیکھئے اُمتِ محمدیہ اور اسلام کے عناوین

دُنیا میں مُسلمانوں کی تعداد ۴۲۸، ۵۳۵

مُسلمانوں کی خصوصیات ۴۲، ۵۳۵، ۵۴۰

ائمہ اربعہ برکت کا نشان تھے ۵۴۳

سچے مُسلمان کی صفات ۴۸، ۸۱، ۱۰۶، ۱۵۹، ۱۹۵، ۳۰۴، ۴۱۷

سکھ عہدِ حکومت میں مُسلمانوں پر مظالم ۳۱۶

مُسلمان کے نزدیک خدا کا تصور ۱۲۹

اس زمانہ میں مُسلمان کے لیے سب سے بڑی عبادت ۱۱۱، ۱۴۱، ۲۶۱

آخری زمانہ کے مُسلمانوں کی دینی حالت کے متعلق اخبار نبوی ۲۹۵، ۴۷۱۰

اخلاقی اور رُوحانی پسماندگی ۶۱، ۴۲۹، ۴۳۲، ۴۴۲، ۴۹۷، ۵۳۹

مُسلمانوں کے ادبار کی وجوہات ۴۴، ۴۶، ۱۵۲، ۲۲۲، ۲۳۲، ۲۶۶، ۳۱۶، ۵۲۰

مُسلمانوں کے اندرونی مفاسد میں علماء کا حصّہ ۴۳۲، ۵۱۸، ۵۴۴

موجودہ مُسلمانوں کی بدعملیوں سے اسلام کی بدنامی ۴۹

اِس زمانہ میں مُسلمانوں میں اندرونی فتنے ۵۴۶ تا ۵۵۱

مسیح کے معجزات اور رفع ونزول کے بارہ میں عقائد ۱۵۶، ۲۰۶، ۲۲۱، ۲۸۶، ۳۰۰، ۵۴۹، ۵۸۶

مہدی کے بارہ میں ظاہر پرستی پر مبنی عقائد ۱۵۶، ۳۰۰

مُسلمانوں کے ترقی پانے کا طریق ۲۸۳، ۴۰۹

بیس لاکھ مُسلمان مُرتد ہو کر عیسائی ہو چکے ہیں ۴۵، ۱۰۹، ۴۷۶، ۴۸۲، ۴۸۵

عیسائیت قبول کرنے کی وجوہات ۲۵۱

بچوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ کی ضرورت ۴۵

مخالف علماء کے متعلق حضرت اقدس کو دکھایا گیا کہ ان میں سے اکثر کی قوت مسلوب ہو گئی ہے ۵۳۸

مسمریزم

مسمریزم اور انبیاء کی توجہ میں فرق ۳۹۱

مسیح موعود نیز دیکھئے غلام احمد قادیانی اور مہدی کے عنوانات

قرآن کریم میں مسیح موعود کی بعثت کا ذکر ۴۳۱، ۴۴۲، ۴۷۵، ۵۷۱

مسیح موعود کا ذکر اس قدر تواتر رکھتا ہے کہ جس تواتر سے انکار محال ہے ۲۹

اُمتِ محمدیہ میں مسیح موعود کی بعثت کی خبر ۲۵، ۱۳۳، ۲۹۵

مقصدِ بعثت ۳۰، ۶۲، ۱۹۷، ۲۰۴، ۲۹۹، ۵۴۰

مسیح موعود کی حقیقت ۱۰۹، ۴۹۵، ۵۷۶
مسیح موعود حسنی المشرب ہے ۳۸۸
ضرورتِ زمانہ ۳۰، ۲۰۸، ۴۸۳

پیشگوئی نزولِ مسیح کی حقیقت

نزول کی حقیقت ۵، ۵۳۳، ۵۸۶
چودھویں صدی کے سر پر آنے کی وجہ ۲۹، ۴۴۳، ۴۹۷
بحساب جمل "غلام احمد قادیانی" کے عدد پورے تیرہ سو نکلتے ہیں ۳۱
جائے ظہور ۳۱

علامات و خصائص

آپ کے زمانہ میں مغضوب علیہم اور ضالین کے گروہ ۱۳۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کو سلام کہنے میں ایک پیشگوئی ۵۱۱
آثار میں ہے کہ آنے والا مسیح قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا ۲۵
قوم کے ہاتھ سے ستائے جانے کی خبر ۲۹
لکھا ہے کہ لوگ کہیں گے اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ غَيَّرَ دِيْنَنَا ۳۸۷
يَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ کی حقیقت ۴۸۲
يَضَعُ الْحَرْبَ کی پیشگوئی ۲۷، ۱۵۶، ۳۸۸
حدیث تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ کا پورا ہونا ۳۸۰، ۴۴۶، ۵۶۴
مالِ تقسیم کرنے کی ایک توجیہ ۵۳۰

المسیح الدجال

المسیح الدجال کی حقیقت ۵۷۱

معتزلہ

مسیح کے آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے کے قائل نہیں ہیں ۲۹۴

معجزہ

معجزہ کی تعریف ۲۵۸، ۲۷۴، ۳۳۶، ۴۴۰، ۴۴۱
انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا مقصد ۵۸، ۱۶۰
اعجاز کی خوبی ۵۳، ۴۵۳
معجزات و نشانات کی ضرورت ۳۷۸، ۵۷۸
معجزات کی اقسام ۶۳، ۳۹۱
اہل اللہ سے اقتداری معجزات کا صدور ۷۵
معجزات دیکھنے ہوں تو تقویٰ اختیار کرو ۵۱۲، ۵۷۷
ابوبکری فطرت کے لیے معجزہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۲۴۸
معجزات اور نشانات کے طلبگاروں کا ایمان ۳۶۶
معجزات کا انکار نفسِ نبوت کے انکار پر منتج ہوتا ہے ۵۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے سلامت نکل آنے والے معجزہ کے منکرین کا رد ۵۶
حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء کے معجزات میں شُبہ کی گنجائش ۲۵۷
معجزہ شق القمر کے بارہ میں اعتراضات کا جواب ۵۶
قرآن کریم کا اعجاز ۵۳، ۵۶، ۱۶۰، ۱۸۱
سرسید احمد خاں قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے معجزہ کے منکر تھے ۵۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ۲۴، ۵۱، ۸۹، ۱۷۰، ۲۷۴، ۴۴۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداری معجزات کا زندہ ثبوت ۲۷۵
مسیح موعود علیہ السلام کا علمی معجزہ ۴۴۱، ۴۵۱، ۵۶۳
(عربی دانی) کا نشان قرآن کریم کے خوارق میں سے قلّی طور پر مجھے دیا گیا ہے ۱۸۲

معراج

معراج کا سِتہ ۳۹۶
معراج کے رُوحانی ہونے کی دلیل ۵۲۶
معراج وفاتِ مسیح پر گواہ ہے ۲۹۲، ۲۹۴، ۵۰۸

معرفت

معرفت کی ضرورت و اہمیت ۹۹، ۴۶۱، ۴۷۹
سچی معرفت کی بنیاد ۱، ۴۶۷
معرفت کے حصول کے ذرائع ۳۴، ۴۲، ۱۴۸، ۲۷۳، ۴۶۰
خدا تعالیٰ کی معرفت کی لذت ۱۳۷
معرفتِ الٰہی کے آثار ۱۴۶
معرفت کا ایک باریک نکتہ ۲۷۱
معرفتِ الٰہی کے موضوع پر حضور کا ایک سناتن دھرم کے سادھو سے مکالمہ ۲۱۰
ہماری جماعت کو تازہ معرفت ملتی ہے ۹۶

مغل

ہندوستان میں مغلوں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ۵۸۰
سلاطینِ مغلیہ بروزی طور پر قریش ہی ہیں ۲۰۰

مکالمۂ الٰہیہ

متقیوں کے لیے موردِ مکالمۂ الٰہیہ ہونے کی بشارت ۱۰، ۱۶، ۵۴۹
نبی اور محدث کیلئے مکالمۂ الٰہیہ کی کثرت شرط ہے ۳۹۲

ملائکہ

ملائکہ کی شان ۱۲۰
ملائکہ انسانِ کامل کو سجدہ کرتے ہیں ۲۷۰
دنیوی زندگی میں اولیاء پر ملائکہ کا نزول ۱۲
غیر انبیاء سے بھی اللہ کا فرشتہ کلام کرتا ہے ۱۷۳
فتح مکہ میں شامل دس ہزار صحابہ کو پہلی کتب میں ملائکہ قرار دیا گیا ہے ۱۲۰

منطق

انگریزی منطق کی بنا منطق استقرائی پر ہے ۱۷۸

مُنعَم علیہم

مُنعَم علیہم لوگوں کی چار قسمیں ۲۳۶، ۲۶۴، ۲۷۷، ۳۴۲
شہداء کا مقام ۲۵۳
مقامِ صالحیت ۲۵۶
دُعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے گروہ میں داخل کرے ۴۸۶
کیا مسیح موعود کو نہ ماننے والے مُنعَم علیہم میں شامل ہو سکتے ہیں؟ ۴۵۰

موت

مومن کو موت سے غافل نہیں رہنا چاہیے ۴۲۷، ۴۳۸، ۴۸۵
انسان خدا کا نہیں بن سکتا جبتک اس پر ہزاروں موتیں نہ آئیں ۴۸۶

مومن (نیز دیکھئے عنوانات مسلمان۔ متقی اور ایمان)

مومن کا مقام ۲۳۰ ، ۵۰۵

مومن کا کمال اور معراج ۲۳۱

کامل مومن کی علامت ۱۲ ، ۴۸۱

مومن کی صفات ۵۵ ، ۵۶ ، ۶۴ ، ۹۹ ، ۱۰۶ ، ۱۳۸ ، ۱۹۴ ، ۲۴۸ ، ۳۶۷ ، ۴۵۶

مومنوں کے تین مدارج ۲۵۲

مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون سے مومن کی مثال ۱۰۲ ، ۵۲۲

انبیاء کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے ۵۵۵

اللہ تعالیٰ کا عبد مومن کے ہاتھ پاؤں ہو جانے کا مطلب ۷۵

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ (الحدیث) ۷۵

مومن اور کافر کی کامیابی میں فرق ۹۸

مومنوں پر ابتلاء ۴۲۵

دُنیا کا مومن کے لیے جیل ہونے کا مطلب ۵۰۹

مہدی (نیز دیکھئے مسیح موعودؑ کا عنوان (اسمائی مرزا غلام احمد قادیانی)

مہدی کے ظہور کے متعلق احادیث ۲۹۵ ، ۳۸۴

مہدی کا مقام ۳۰۰ ، ۳۸۸ ، ۵۲۱

مہدی اور مسیح ایک ہی وجود ہیں ۲۵ ، ۴۵۵ ، ۴۵۵

مہدی کہلانے کی وجہ ۲۵ ، ۲۹۹ ، ۵۳۲

مہدی کے ظہور کا زمانہ ۴۴۳

مہدی کے ظہور پر سماوی اور ارضی نشانات کی خبر اور ان کا پورا ہونا ۳۰ ، ۳۱ ، ۸۹ ، ۴۳۳

مہدی کو فارسی الاصل لوگوں میں سے مبعوث کرنے کی حکمت ۵۱۳

لکھا ہے کہ مہدی موعود کو سلف و خلف کے عقاید کے خلاف بانی قرار دیکر کافر ٹھہرایا جائے گا ۳۸۲

مہدی کے متعلق شیعوں کا عقیدہ ۹۶

مہدی کے خونریزی کرنے کے متعلق جملہ احادیث موضوع اور مجروح ہیں ۳۸۶ ، ۵۳۲

مہدی کے بارہ میں تلوار سے کام لینے کا عقیدہ درست نہیں ۱۵۶ ، ۳۸۷

مہدی کے وقت بوجب حدیث یَضَعُ الْحَرْبَ لڑائی نہیں ہوگی ۲۷ ، ۱۵۶

بغض کا مٹنا مہدی کی علامت ہے ۳۳۶

مُہرِ نبوت

نشانات نبوت میں سے ایک نشان ہے ۱۸۹

جس پر ایمان لانا مسلمان پر فرض ہے

میت

میت کا احترام ۵۰۵

طعام کا ثواب میت کو پہنچتا ہے ۵۰۶

میموریل

عیسائیوں کی دلآزار کتاب اہانت المومنین کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا میموریل ۱۵۸

ن

نباتات

نباتات میں شعور اور حس ۵۷۴

نبوت

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ۱۰۱ ، ۳۲۰

نبوت کی تعریف ۸۹ ، ۲۴۳ ، ۳۹۲

صاحب شریعت اور غیر تشریعی انبیاء ۴۸۸

لوازم نبوت ۲۴۱

نبوت فضلِ الٰہی ہے ۲۳ ، ۵۹

متقی اور نبی کی شان میں فرق ۲۰

نبی اور فلسفی میں فرق ۵۳۹

نبی اور ولی کی عبادات میں فرق ۳۹۸

انبیاء اور آسمانی کتب کی ضرورت ۵۴ ، ۱۹۰ ، ۳۴۳ ، ۴۸۲

انبیاء کا مقام اور بعثت کی غرض ۱۳۹ ، ۱۴۸ ، ۳۱۶

دلائلِ صداقت ۱۴۷ ، ۲۶۳ ، ۴۸۶ ، ۵۱۹

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی ۳۹۳

مقام نبوت کی حقیقت ۲۳۷ ، ۲۳۹

انبیاء و رُسل کا مقام ۵۹ ، ۷۷ ، ۱۴۸ ، ۲۵۰ ، ۴۱۷ ، ۵۱۵

خصائص

ہر ایک نبی کو اس کی قوم کی زبان میں اس کی طرف بھیجا جاتا ہے (قرآن کریم) ۵۲۴

انبیاء کے لیے فترت وحی کی حکمت ۱۵۰

جزئی فضیلت سے کسرِ شان کسی نبی کی لازم نہیں آتی ۴۵۱

اجتہادی غلطی سب نبیوں سے ہوتی ہے ۴۵۵

انبیاء کے علم میں بھی تدریجی ترقی ہوتی ہے ۴۵۶

کُل انبیاء مجذوب ہی تھے ۱۷

نبی کلامِ نفس اور آفات سے پاک ہوتا ہے ۲۲۹

انبیاء اور مامورین خبیث امراض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں ۳۹۷

انبیاء کے ساتھ فراستِ الٰہیہ کا رُعب ہوتا ہے ۷۶

نبی کی قوتِ قدسی ۲۴۴ ، ۵۳۵

نبیوں پر اتیت غالب ہوتی ہے ۲۸۴

انبیاء علیہم السلام استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہیں ۲۹۳

نبیوں کا ایک نام آسمان پر ہوتا ہے جس سے لوگ آشنا نہیں ہوتے ۲۴۱

انبیاء کے بروز ۲۹۴

کسی نبی کے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ ۴۹۸

نبوت کے انوار و برکات کا وحیٔ ولایت کے رنگ میں ظہور ۵۹

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا مقصد ۱۵۸ ، ۱۶۰

معجزات میں شُبہ کی گنجائش ۲۵۷

مسمریزم اور انبیاء کی توجہ میں فرق ۳۹۱

پیغمبر ہر وقت حافظ نا ظر نہیں ہوتے ۵۲۴

انبیاء علیہم السلام کی وصیت ۳۷۱

اِبتلاؤں کے بارہ میں سُنّتِ انبیاء و سُنّت اللہ ۳۸۲

انبیاء و رسل پر مصائب کے آنے کی حکمت ۱۹۶ ، ۵۱۲ ، ۵۱۵

اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور یقین ۱۰۷

انبیاء تبتل کا پورا نمونہ ہوتے ہیں ۳۴۲، ۵۵۴
انبیاء علیہم السلام کی استقامت ۷۸
خدا تعالیٰ سے عشق کی کیفیت ۲۴۲
نبی کی مادرانہ عطوفت ۳۳۷، ۳۴۰
قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے ۵۵۵
انبیاء کی کامیابی کا راز ۵۳۹
مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کے معنے ۱۰۸
انبیاء علیہم السلام کی ضرورتوں کی غرض ۳۶۸
انبیاء بیوی بچے کیوں رکھتے ہیں؟ ۲۳۰
دُنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دُعا کی تعلیم نہیں دی ۴۹۲
انبیاء دُنیا کو رعایتِ اسباب سکھاتا چاہتے ہیں جو دُعا کا ایک شعبہ ہے ۱۰۷
جوگیوں کے طریقے سنتِ انبیاء نہیں ۲۳۶
زمانۂ نبوت سے دُوری کے نتائج ۳۸۵

مخالفت

نبی کے مخاطب سعید اور شقی ۴۱۴
نبیوں کی مخالفت اور اس کی حکمت ۴۱۲
نبوت کا انکار الوہیت کے انکار پر منتج ہوتا ہے ۵۹، ۱۴۸
نبی کے مخالفین سے اللہ تعالیٰ کا سلوک ۳۸۴
انبیاء اور مامورین کی مخالفت کا سبب ۱۲۹، ۴۸۹، ۵۸۶

بنی اسرائیل میں نبوت

سلسلہ موسویہ کے خادم انبیاء ۴۹۵
بنی اسرائیل میں بشرطِ تقویٰ نبوت جاری رہنے کا وعدہ تھا ۴۷۵
بنی اسرائیل سے نبوت کا انتقال ۴۷۵، ۴۹۶

نبوتِ محمدیہ

کوئی نبی محمد نام کا مستقل نہ تھا ۴۲۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء سے نسبت ۱۱۶، ۱۸۵
سب نبیوں کی نبوت کی پردہ پوشی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی ۱۸۶، ۳۴۴

ختمِ نبوت

ختمِ نبوت کی حقیقت ۱۸۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۳۵، ۵۱۲
عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (حدیث) ۲۳۱
مسلم میں تو مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا ہے ۵۵۵
یُوسف علیہ السلام کی وفات پر لوگوں نے کہا کہ آج نبوت ختم ہو گئی ۳۳۹
ختمِ نبوت کا منکر کون ہے؟ ۵۸۵

نجات

دارالنجات میں داخل ہونے کے لیے دروازہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے ۳۹۲، ۳۹۳
مقصد اور منشاء ۱۴۶
نجات پانے کے لوازم ۷۰، ۸۵، ۳۹۶
قوموں کو نجات دلانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کا موازنہ ۲۶
مدارِ نجات نصیحتیں ۲۸، ۲۹
وید پر عمل سے مُکتی یا نجات کی اُمید نہیں حاصل ہوتی ۱۲۱، ۱۳۰
برہمو لوگ الہام کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے سچا نور نجات کا حاصل نہیں کر سکتے ۴۱

نزُول

مسیح کی آمد کے سلسلہ میں نزول کی حقیقت ۵، ۲۹۴، ۳۹۶، ۵۳۲

نشان

مامورین نشانات لے کر آتے ہیں اور وہ خود بھی ایک نشان ہوتے ہیں ۴۸۸
مُنذر نشانات کے ظہور کی وجہ ۳۷۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات پہلے انبیاء سے اعلیٰ ہونے کی وجہ ۵۰۲
نشان طلب کرنے والوں کی محرومی ۴۱۵
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانات کی اشاعت کے بارہ میں جماعت کا فرض ۴۰۹

نصیحت

ناصح کے لیے ضروری امور ۳۷۳
بیرونِ مُلک جانے والوں کے لیے خصوصی نصائح ۱۵۳
ملازمت پیشہ احباب کیلئے خصوصی نصائح ۱۴۳، ۱۴۴
ایک خاص نصیحت ۲۸

نفخِ صور

قیامِ ساعت اور نفخِ صور ۱۵۹

نفس

انسانی نفس کی تین حالتیں امّارہ، لوّامہ اور مطمئنہ ۶۴، ۶۸، ۲۶۸
نفسِ مطمئنہ کی اہمیت اور علامات ۶۵، ۶۹، ۷۰، ۷۱
نفسِ امّارہ کی کمزوریوں کا علاج ۱۵، ۲۶۸
نفسانی لذات کی حقیقت ۲۶۶
کلامِ نفس اور اس کا علاج ۲۳۷، ۲۳۸
نفسِ زکیہ بچوں کا نفس ہوتا ہے ۲۶۸

نفل

نوافل کی حقیقت اور قربِ الٰہی کے ساتھ نوافل کے تعلق کا راز ۹، ۴۳۷

نماز نیز دیکھئے عبادت

نماز کی حقیقت ۱۸، ۱۰۱، ۲۸۷
نماز کی اہمیت اور مقام ۱۹، ۹۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۳۹۶، ۵۲۳
سچی نماز اور اس کے اثرات ۱۰۴، ۱۰۵
نمازوں میں التزام کی اہمیت ۴، ۴۲، ۴۱۰
کیا کسی مقام پر نماز ساقط ہو جاتی ہے؟ ۲۵۴
فتوحاتِ مکیہ کی ایک عبارت کی تشریح)
سچی نماز کے لوازمات ۲۶۲، ۲۸۶، ۴۰۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز جس نے حضرت عمرؓ کو ہلا کر رکھ دیا ۴۲۵
دُعا نماز کی اصل غرض ہے ۱۰۶، ۲۳۴، ۴۵۶، ۵۰۹
میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دُعا نہیں کرتا ۵۶۲

ارکانِ نماز کا فلسفہ ۱۰۴، ۲۸۸، ۳۳۶
اوقاتِ نماز کی حکمت اور ستر ۹۵
نماز اور وضو کے رُوحانی اور طبی فوائد ۴۰۷
نماز میں لذت نہ آنیکی وجہ اور اس کا علاج ۱۰۳
نماز میں وساوس ۱۹
ترکِ نماز کی ایک وجہ ۱۰۶
احتیاطی نماز ۵۳۱
سکھوں کے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کو نماز اور اذان سے روکا جاتا تھا ۳۱۶، ۴۴۳

مسائل

یتیمی نمازیں جمع نہیں ہو سکتیں ۴
مسیح موعود کے لیے نمازوں کے جمع ہونے کی پیشگوئی ۴۲۶، ۵۶۴
فاتحہ خلف الامام ۴۴۸
دورانِ نماز اپنی زبان میں دُعائیں مانگنی چاہئیں ۵۰۹، ۵۲۵
امام الصلوٰۃ ۵۲۳
غیر احمدیوں کے پیچھے نماز ۴۴۹، ۵۲۵، ۵۴۱، ۵۵۲

نیچریت

دہریت نما نیچریت کے پھیلنے کی وجہ ۴۴
نیچریوں کی ساری تگ و دو کا تجزیہ اور یورپ کی طرزِ معاشرت کی نقل ہے ۱۲۷
خدا تعالیٰ کو محدود القویٰ ہستی ماننا ۴۳۴
قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو معجزہ ماننے سے انکار ۵۱
دُعا کو ایک بدعت سمجھتے ہیں ۱۲۷
مسیح علیہ السلام کو بن باپ ماننے کا عقیدہ ۵۱۳
شیطان کے وجود کا انکار ۵۴۰
نیچری سوچ کا رد ۱۶۲
وفاتِ مسیح کا قائل ہونے کی وجہ سے ابتلاء سے بچنا ۲۹

نیکی

نیکی کی حقیقت ۴۷
نیکیوں کے دو حصے فرائض اور نوافل ۹
نیکی کے دو پہلو ترک شر اور افاضۂ خیر ۴۶۶
نیکیوں کی ماں اخلاق ہے ۳۵۴
نیکی کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو ۳۰۳، ۵۶۱
سب سے بہتر نیکی ۲۰۸، ۳۴۳
نیکی کے دو بروز مسیح بن مریم اور مہدی ۲۹۹

نیوگ

آریوں کے عقیدۂ نیوگ کی غیر معقولیت ۳۳۰

و

واقعات

ایک عابد کے صبر و ثبات کا واقعہ ۱۵
حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے سچ بولنے کا واقعہ ۵۰
بایزید بسطامی کی مجلس کا ایک واقعہ ۱۶
بوستان میں مذکور ایک بزرگ کا واقعہ ۶۴
ریاء کے بارہ میں ایک بزرگ کا واقعہ ۱۴
ایک آتش پرست کا واقعہ ۴۶

والدین

اولاد سے والدین کی محبت خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا راز ہے ۳۱۵
والدہ کی عزت اور خدمت ۱۹۵
مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھیں گے ۱۹۶
اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر ہونی چاہیے ۵۶۲
اولاد کی تربیت اور ان کے لیے دُعائیں کرنے کی تلقین ۵۶۲
اولاد کو دینی تعلیم کا موقعہ نہ دینے کا ظلم ۴۴
اپنے بچوں کو عیسائیوں اور آریوں کی صحبت سے بچاؤ ۴۵

وجد و سرور

وجد و سرور کا رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں ۴۷۲

وحی (نیز دیکھئے عنوان الہام)

وحی کی حقیقت ۳۸۳
رسول اللہ کا سارا کلام وحی تھا ۴۷۱
حضرتِ اقدس کا اپنی وحی کے من جانب اللہ ہونے پر کمال یقین ۴۰۰
فترتِ وحی کی حکمت ۱۴۹

وسوسہ

شیطان کا سب سے بڑا وسوسہ اور اس کا علاج ۳۴ و ۴۷۰

وضو

نماز اور وضو کے طبی فوائد ۴۰۷

وظیفہ

بہترین وظیفہ استغفار ہے ۵۲۵
متصوفین کے خود ساختہ وظائف و اذکار ۲۸۳، ۳۵۶، ۵۵۸

وعظ

وعظ کا منصب اپنے اندر شانِ نبوت رکھتا ہے ۳۷۲
حقانی واعظ اور اس کا اثر ۲۶۷، ۳۷۳
واعظ کے لیے لازم امور ۱۲۳، ۲۶۵، ۳۷۳
قابلِ رحم واعظ ۲۶۶
سب سے بڑا واعظ ۴۰۵

وفاتِ مسیح (نیز دیکھئے عنوان عیسیٰ بن مریم)

مسئلہ کی اہمیت ۲۲۲
عقیدہ حیاتِ مسیح کے نقصانات ۲۸۶
وفاتِ مسیح کے دلائل ۲۹، ۲۹۲

وقف

خدا تعالیٰ کے لیے وقف زندگی ۳۶۴، ۳۶۵
ظلی وقف کا معیار ۳۶۸
راحت اور سکون کی زندگی گزارنے کا نسخہ ۳۶۹ و ۴۷۰

ولایت

ولی کا مقام ۱۲، ۵۹، ۱۳۹، ۲۲۹، ۵۱۲
شیعوں کے نزدیک بارھویں امام پر ولایت ختم ہو گئی ہے۔ ۹۷
ولی بننے کے لیے ضروری امور ۹، ۱۶، ۲۳۲
جو لوگ کہتے ہیں "ہم نے کوئی ولی بننا ہے؟" ۳۵۰
وہ دنی الطبع کافر ہیں ۵۱۲
اولیاء کی تکالیف کی حکمت ۲۶۰
اولیاء کی کرامات اپنے ساتھ انکشاف نہیں رکھتیں

نبی اور ولی کی عبادت میں فرق ۳۹۸
ولی کی مخالفت خدا تعالیٰ سے اعلانِ جنگ ہے (حدیث) ۲۲۹، ۴۳۸
اولیاء اللہ کا انکار سلب ایمان کا موجب ہوتا ہے ۱۲۳، ۱۴۹، ۲۲۹، ۳۸۳

وہابیت

ہمارا مذہب وہابیت کے برخلاف ہے ۵۳۳
جزئی مسائل پر زور اور ائمہ اربعہ کی تحقیر و تذلیل ۵۴۴/۵۵۰

وید نیز دیکھئے ہندو مذہب
ویدوں کی رو سے خدا کا تصور ۱۲۶، ۱۲۹
تناسخ اور نیوگ کی غیر معقول تعلیمات ۳۹۵
وید پر عمل سے نجات اور مکتی کی امید نہیں ہو سکتی ۱۲۱

ہ

ہجرت

ہجرت میں رفاقت کیلئے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کا سبب ۲۵۰

ہدایت

ہدایت امر ربی ہے اس میں کسی کو دخل نہیں ۱۳۱/۴۵۴
ہدایت پانے کیلئے ضروری امور ۱۰۹، ۴۱۵
قرآن کریم میں عملی اور علمی تکمیل کی ہدایت ہے ۱۲۱

ہندو مذہب (نیز دیکھئے وید)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہندوؤں کی حالت ۱۴۷
خدا تعالیٰ کا تصور ۱۲۶، ۱۲۹، ۳۱۹، ۵۱۴
بُت پرستی کا فلسفہ ۵۵۷
ہندوؤں پر ان کے معبودوں کا اثر ۱۳۶
قیامت اور رُوح کے قبر سے تعلق کے بارہ میں عقائد ۱۹۱، ۴۳۴
اس وقت ہندو مذہب قصوں اور کہانیوں پر مشتمل ہے ۱۴۹
برہمنوں کے لیے خاص رعایات ۱۵۴
جوگیوں اور راہبوں کا قوتوں سے محروم ہو جانا ۱۵۰
برہمنوؤں کا رد ۱۴۵، ۳۴۸
معرفتِ الٰہی کے موضوع پر ایک ہندو سادھو سے گفتگو ۲۱۰
عیسائیت کا ہندو مذہب کے خلاف نہ ہونے کی وجہ ۱۴۳
اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے عظیم مالی قربانی ۱۵۲
ہندوؤں کی پکی ہوئی چیز کے کھانے کے متعلق فتویٰ ۹۷

ی

یاجوج و ماجوج

اس سے مراد آگ سے کام لینے والی مغربی اقوام ۲۹۶

یقین

یقین کامل کی حقیقت ۳۶۸
یقین کے مراتب ۲۱
آنحضرت کا خدا تعالیٰ پر فوق العادت یقین ۵۵۵
یقین میں کامل افراد سے اللہ تعالیٰ کا سلوک ۴۳۸، ۴۴۲
یقین کے ساتھ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھانے والے کی دُعا رد نہیں ہوتی (حدیث) ۹۲

یہودیت

موسیٰؑ کے زمانہ میں یہود میں طاعون ۱۹۲
کاہنوں کے لیے خاص مراعات ۱۵۴
مدینہ سے اخراج ۵۶۸
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کے مظاہر ۳۴۲
مغضوب علیہم ہونے کی وجہ ۱۳۲، ۳۹۷، ۴۷۶
پیغمبرزادگی ان کے کام نہیں آئی ۳۰۴
یہودیوں کا مذہب مُردوں کے حوالے کیا گیا ۳۴۶
ظلم و تعدی کا ارتکاب اور ظاہر پرستی ۱۵۶، ۳۳۵، ۴۹۵
عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت یہود کی حالت ۲۹، ۴۷۵، ۴۹۷
یہود سے نبوت کا بنی اسمٰعیل میں انتقال ۴۹۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا موقف ۲۸۵، ۳۰۵، ۴۵۵، ۵۸۶
عیسیٰ علیہ السلام۔ آپ کی والدہ اور آپ کے متبعین سے بدسلوکی ۸۵، ۱۳۵، ۲۲۰، ۵۶۷
مسیح بن مریم سے پہلے ایلیا نبی کے آنے کے منتظر تھے ۴۹۸
ایک یہودی کا کہنا کہ اگر خدا نے ہم سے مواخذہ کیا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دینگے ۵۲۳، ۵۸۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی ۳۲۸
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہود کو نشان نمائی کا چیلنج ۲۷۵

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ
ترتیب بلحاظ سُورۃ

الفاتحہ

فضائل سُورۃ فاتحہ ۴۰۱

اِس سُورۃ میں قرآنِ کریم کے تمام معارف درج ہیں ۱۲۵

اُمّ الکتاب اور مثانی۔ قرآن شریف کی مکمل تصویر اور خلاصہ ہے ۳۳۳

خاتم الکتاب اور اُمّ الکتاب ۱۲۵، ۲۲۵

جامع دُعا ۲۷۴، ۳۸۷

مخصوص صفاتِ الٰہی کے ذکر کی حکمت ۳۸۹

تفسیر سُورۃ فاتحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و محامد کا ذکر ۴۴۷

سُورۃ کی جامع تفسیر ۳۹۶

ہمارے دعویٰ کا ثبوت ہے ۴۳۲

اس سورت میں تین فرقوں مغضوب، ضال اور منعم علیہم کا ذکر ۴۷۶، ۴۸۵

اِس سُورۃ میں یہودی اور عیسائی بننے سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے ۴۳۳، ۴۷۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فصیح و بلیغ عربی میں سُورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنا ۴۴۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۲-۴) ۱۲۵، ۳۹۳

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۵، ۶) ۱۹، ۷۸، ۸۰، ۱۲۷، ۱۲۸، ۲۳۵، ۳۴۰

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ... وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۶، ۷) ۱۲، ۲۸، ۷۸، ۸۱، ۱۲۱، ۱۲۸، ۲۲۳، ۲۴۲، ۲۷۴، ۳۴۱، ۳۹۷، ۴۰۴، ۴۵۵، ۵۱۹، ۵۵۰

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۷) ۱۳۲، ۲۳۶، ۲۳۷، ۳۹۷، ۴۷۶

البقرۃ

اِس سُورۃ کے شروع میں علل اربعہ کا ذکر ۲۸۲

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲-۳) ۱۳، ۱۸، ۶۰، ۲۲۶، ۲۳۳، ۲۸۲، ۵۳۶

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۴) ۱۹، ۲۰، ۶۸، ۱۱۹، ۲۸۴، ۲۸۷، ۳۹۷

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ..... (۵) ۲۰/۲۹۲

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۶) ۱۸، ۲۲

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۱۹) ۶۹، ۳۷۹

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (۲۴) ۵۱

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (۲۶) ۳۴۷، ۵۴۲

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (۳۱) ۳۴، ۳۸۷

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ (۳۳) ۵۸

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۴۵) ۲۴۸

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (۵۶) ۴۲۰

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (۶۲) ۳۰۴، ۳۳۲

اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۸۸) ۳۸۹

مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (۱۰۳) ۳۸۸، ۳۸۹

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (۱۱۳) ۳۶۴

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۱۳) ۳۶۹

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳۲) ۳۶۰

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۳۳) ۳۶۱

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ (۱۳۵) ۵۵۹

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا (۱۳۶) ۲۹۴

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ..... الثَّمَرٰتِ (۱۵۶) ۱۶۱، ۲۵۵، ۴۳۵

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱۵۷) ۲۵۵

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۱۶۶) ۵۴۵، ۵۵۹

اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (۱۶۶) ۸۸

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا
أَوْ عَلَى سَفَرٍ (۱۸۵) ۱۹۳
أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (۱۸۵) ۳۵۹
وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي
قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانِ (۱۸۷)
۲۷۷، ۴۳۶
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۱۹۱) ۱۵۴
أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۱۹۵) ۴۰۵
لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (۱۹۶) ۲۵۴
فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى (۱۹۸) ۳۹۲
فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ (۲۰۰) ۵۴۵
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا
عَذَابَ النَّارِ (۲۰۲) ۶، ۳۶۵
وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (۲۰۸) ۳۶۴
حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ (۲۱۵) ۱۷
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ
(۲۲۳) ۲، ۱۶۴
مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
(۲۴۶) ۱۴۷، ۱۴۸
اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (۲۵۶) ۷۲
لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (۲۵۷) ۵۳۲
مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا
كَثِيرًا (۲۷۰) ۷۹، ۵۳۰
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (۲۸۷) ۳۹

آل عمران

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (۳۲) ۴۲۸، ۵۵۷
۵۵۹ و ۱۷، ۱۲۱، ۱۳۲، ۴۲۶
يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ
وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (۵۶) ۲۹، ۶۰،
۶۴، ۲۸۵، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۰۵
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ
(۹۳) ۴۷، ۳۶۷
مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (۹۸) ۵۳۰
كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ...
...وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ
فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (۱۰۳) ۳۳۶، ۵۴۱
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۱۱۰) ۱۱۶
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ (۱۱۵) ۲۸۱
وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ
عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۱۳۵) ۱۱۵
وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ
(۱۴۱) ۱۹، ۲۶۳
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۱۴۵)
۲۵۱، ۲۹۲، ۲۹۳
إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (۱۹۱) ۳۹، ۴۰
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا...
...رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۲) ۴۱، ۴۲
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا
وَرَابِطُوا (۲۰۱) ۳۵، ۴۸، ۵۰

النساء

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲۰) ۴۰۴
خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (۲۹) ۸۸، ۲۴۴، ۲۷۳
الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ
(۳۵) ۲۹۶
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (۴۶) ۲۹۵
أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ
مِنْكُمْ (۶۰) ۱۷۱
مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ
وَالصَّالِحِينَ (۷۰) ۲۳۶
لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
اخْتِلَافًا كَثِيرًا (۸۳) ۳۵۹
لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
سَبِيلًا (۱۴۱) ۱۱۴، ۲۸۵
كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (۱۵۹)

المائدة

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى (۳) ۱۰۷
الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (۴) ۱۸۹، ۲۹۳
۳۴۴، ۳۴۵، ۴۲۲ و ۴۲۸
إِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا
هَاهُنَا قَاعِدُونَ (۲۵) ۴۲۰
إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (۲۸)
۶۸ و ۲۷۸، ۳۰۴، ۳۴۹
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (۱۱۸) ۲۹، ۶۰، ۲۲۲، ۲۹۲

الأنعام

مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (۲۱) ۲۴۵
هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ (۵۱) ۷۶
وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ
مُّبِينٍ (۶۰) ۱۰
إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ (۸۰) ۱۰۶
لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (۱۰۳) ۵۴۵

الاعراف

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۱۲۹) ۵۱۶
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
جَمِيعًا (۱۵۹) ۵۴، ۷۷، ۳۴۵، ۴۲۱، ۴۲۲
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى (۱۷۲) ۴۰
لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ (۱۷۶)
۱۹، ۲۵، ۳۹۶ و ۴۸۶
بَلْ هُمْ أَضَلُّ (۱۷۹) ۳۵۴
هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (۱۹۷) ۱۰۸، ۳۴۹، ۵۷۹
وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (۲۰۰) ۶۴

الانفال

مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ
رَمَى (۱۸) ۷۵، ۴۳۸
أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (۲۹) ۴۰۳

مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۳۳) ۱۳۴
اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (۳۵) ۹، ۵۱۲
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۴۱) ۱۰۶
وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ
عَدُوَّ اللّٰهِ (۶۱) ۳۵
وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (۶۴) ۲۷

التوبہ

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۴۰) ۲۵۰
رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۷۲) ۳۹۶
كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۱۹) ۴۰۵، ۵۵۷
۱۲۴، ۱۲۵، ۲۴۶، ۳۳۹، ۳۵۱
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۲۰) ۵۶۱،
۹۱، ۵۱۴
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (۱۲۸) ۳۴۱

یونس

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (۳۳) ۳۵۹
اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۳) ۱۱
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۶۵) ۱۰

ھود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ اس
سورۃ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے ۱۱۵
اَلٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ
فُصِّلَتْ (۲) ۳۴۲، ۳۴۶
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ
وَّبَشِيْرٌ (۳) ۳۴۷
وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ
يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ
(۴) ۳۴۸، ۳۴۹
تُكْسَدُوْنَ فِيْهِ جَمِيْعًا (۵۶) ۳۴۵
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۰۸) ۳۴۴
عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۰۹) ۳۹۰
فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (۱۱۳) ۱۱۵
اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱۵) ۱۰۴

یوسف

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَيْهِ (۳۴) ۲۵۳
لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ
الْكٰفِرُوْنَ (۸۸) ۲۴۶
لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (۹۳) ۴۵۳۰
۸۵، ۳۵۷

الرعد

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا
مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۲) ۹۶، ۱۳۴، ۱۶۱
اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ
(۱۸) ۲۰۴، ۳۵۳
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (۳۲) ۶۸
اُكُلُهَا دَآئِمٌ (۳۶) ۳۴۷

ابراھیم

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ
عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (۸) ۸۰
اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۱) ۳۳
وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (۱۶) ۴۲۲

الحجر

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۰)
۴۶، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۹۸،
۳۴۶، ۴۳۳، ۴۸۵، ۵۱۸، ۵۴۳
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ (۲۲) ۵۳
نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (۳۰) ۲۴۰، ۵۵۷
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (۳۹) ۵۴۰
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (۴۳) ۳۸۹
نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (۴۸) ۴۵۰

النحل

يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۵۱) ۱۲۰، ۳۹۳
فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۷۰) ۲۷۶
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۹۱) ۲۱
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ
مُّحْسِنُوْنَ (۱۲۹) ۳۹، ۱۱۵، ۱۵۱، ۲۷۹

بنی اسرائیل

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (۲۴) ۳۱۵
لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (۳۷)
۲۲۸، ۵۴۵، ۵۴۷
مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
اَعْمٰى (۷۳) ۱۳، ۱۸،
۹۵، ۸۰، ۲۲۲، ۳۴۸، ۳۵۱
لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ (۸۹) ۵۱

الکھف

اس سورۃ کی پہلی اور پچھلی دس آیات
میں دجال کا ذکر ہے ۴۴۲
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ
اِلَّا كَذِبًا (۶) ۲۰۰
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱۱۰) ۷۴، ۷۶

مریم

اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ (۳۱) ۵۶۹
هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (۶۶) ۳۰۲

طٰہٰ

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ
ثُمَّ هَدٰى (۵۱) ۳۵۱
اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ
جَهَنَّمَ (۷۵) ۹۰
قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۱۱۵) ۴۵۶

الانبیاء

كَمَا اَرْسَلْنَآ اِلَى الْاَوَّلِيْنَ (۶) ۵۷۱
يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (۷۰) ۷۲
حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا
يَرْجِعُوْنَ (۹۶) ۳۵۹
مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۸)
۷۷، ۸۰، ۳۲۶

الحج

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (۲) ۴۰۲
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ
يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۳۸) ۳۴۴

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا (۴۰) ۲۷
مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ (۷۵) ۴۳۴

المومنون

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۲) ۲۲
إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۹۷) ۵۰

النّور

اس سورۃ میں ذکر ہے کہ سلسلہ محمدیہ
موسویہ سلسلہ کا مثیل ہے ۴۷۵
اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ (۲۷) ۳۹۷
قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (۳۱)
۵۵ ، ۴۳۷ ، ۵۳۳
وَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۵۶) ۲۵، ۳۰، ۴۷۵

الفرقان

يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (۶۵) ۱۸۰
وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (۷۳) ۱۵
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا
قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (۷۵) ۵۶۳
قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (۷۸)
۱۱۶ ، ۱۱۸ ، ۱۶۶ ، ۳۷۹

الشّعراء

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (۴)
۲۶۸ ، ۳۳۷ ، ۳۴۰ ، ۳۵۲ ، ۴۲۳
إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (۹۰) ۵۵۸
وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (۲۱۵) ۵۸۴

النّمل

أَمَّنْ يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ (۶۳) ۵۳۶

العنکبوت

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوا أَنْ يَّقُولُوا اٰمَنَّا
وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (۳) ۱۰، ۴۱۲
إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ
وَالْمُنْكَرِ (۴۶) ۱۰۵
أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (۵۲) ۲۰۵
وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۷۰)
۱۲ ، ۱۶۰ ، ۹۱ ، ۲۸ ، ۱۷۳ ، ۲۴۱
۳۳۷ ، ۳۶۱ ، ۵۱۸

الرّوم

يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۲۰) ۷۹
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۴۲)
۷۹ ، ۱۴۷ ، ۴۷۴
كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۴۸) ۱۱۴

الاحزاب

إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ..... إِنْ يُّرِيدُونَ إِلَّا
فِرَارًا (۱۴) ۳۰۱ ، ۳۰۲
لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲۲) ۲۳۶
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (۴۱) ۵۴
إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ (۵۷)
۲۳ ، ۴۱۹ ، ۴۲۱

سبا

قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (۱۴) ۳۶۱ ، ۴۱۲
وَأَنَّى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ (۵۳) ۴۳۶

فاطر

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (۱۱) ۱۱۴
إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۲۹) ۱۹۵ ، ۲۳۱

یٰسٓ

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (۸۰) ۵۷
إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُولَ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ (۸۳) ۴۳۴

الصّٰفّٰت

فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (۱۰۸) ۱۱۳

صٓ

إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ (۷) ۴۱۱ ، ۴۲۸
أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ (۴۶) ۴۲

الزمر

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (۴۳) ۳۵۹

المومن

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا (۵۲) ۱۰۷
اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (۶۱) ۶۷ ، ۱۰۰ ،
۱۰۷ ، ۱۲۹ ، ۲۵۵ ، ۲۷۷ ، ۴۳۶

لَمْ نَقُصُصْ (۷۹) ۴۷۵

حٰمٓ السجدہ

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ (۳۱) ۱۰
إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ
عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا
وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (۳۱)
۱۱ ، ۱۶ ، ۳۹۲
نَحْنُ أَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۳۲) ۱۲

الشوریٰ

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (۸) ۵۴۶
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (۱۲) ۵۴۵
جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا
وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ (۴۱) ۳۳۱
وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا
(۵۲) ۳۸۱ ، ۳۸۳
مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ (۵۳) ۳۲۸

الزخرف

وَالْأٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ (۳۶) ۱۳۹

محمّد

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى
لَّهُمْ (۱۳) ۱۱۶ ، ۱۸۰ ، ۳۵۶ ، ۳۵۸

الفتح

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ
مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (۲-۳) ۴۰۱
إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ (۱۱) ۵۰۷
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (۲۴) ۲۶۳
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗٓ أَشِدَّاءُ (۳۰) ۴۴۳

الحجرات

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (۱۲) ۲۳
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (۱۳) ۲۴۶
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (۱۴)
۲۳ ، ۱۳۵ ، ۳۰۴ ، ۵۷۹

قٓ

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ (۱۶) ۵۷

الذّٰریٰت

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (۱۱-۱۲) ۸۵

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (۲۳-۲۴) ۵۷۹

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۷) ۷۱، ۱۰۱، ۱۱۹، ۲۶۲، ۳۴۷، ۵۶۰

النّجم

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۴)

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۵) ۲۴۳، ۲۷۵، ۴۳۸، ۵۰۷

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (۹-۱۰) ۲۷۵، ۵۷۵

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۴۰) ۳۶۵

القمر

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (۴۶) ۳۴۵

الرّحمٰن

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (۶۱) ۳۱۵

الواقعة

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (۷۹) ۶۰، ۱۴۸

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۸۰)

۴۱، ۵۲، ۱۸۳، ۲۴۳، ۲۷۶، ۲۸۲، ۳۴۳

الحدید

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۱۸) ۱۷۳، ۳۴۶، ۳۵۱

المجادلة

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (۲۲) ۴۵۵

اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۲۳) ۴۷۰

الحشر

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (۲۲) ۵۱۰

الصّف

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۳) ۴۲، ۲۴۸

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۴) ۴۸

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۶) ۲۳۳

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (۷) ۴۲۲، ۴۴۴

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۴۲۸

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى (۱۰) ۳۸۵

مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (۱۵) ۱۰۷، ۱۰۸

الجمعة

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا (۳) ۳۳۴

اس میں دوسرین منہم مسیح موعود کی جماعت کے متعلق ہے ۴۴۲

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (۴)

۲۵، ۲۹، ۶۰، ۴۰۵، ۴۳۱، ۴۴۲

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (۵)

۲۴، ۸۰، ۳۳۳

المنافقون

لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ (۱۰) ۱۳۶

الطلاق

مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (۳-۴) ۸، ۲۶۹، ۵۷۶

التحریم

اس میں جہاں مسیح موعود کے متعلق بشارت موجود ہے وہاں اشارۃ النص کے طور پر المسیح الدجال کے وجود پر بھی دلیل قائم ہوتی ہے ۵۷۱

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (۱۳) ۵۲۳

الملک

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ (۳) ۹۷

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ (۱۱) ۲۷۰

القلم

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۵) ۵۱، ۶۴، ۸۴، ۸۹

الجنّ

لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (۲۷-۲۸) ۲۷۴

المزمّل

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا (۶) ۴۷۰

تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (۹) ۵۵۹

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۱۶)

۲۵، ۴۷۵

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ (۱۸-۱۹) ۲۶

المدثّر

قُمْ فَاَنْذِرْ (۳) ۳۴۴

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۶) ۱۶۴

الدّھر

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا (۵) ۲۸۰

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (۹) ۴۷، ۱۳۵

التکویر

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ .... (۵-۱۱) ۳۱

الطارق

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۱۲) ۱۴۵

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۱۳) ۱۴۶

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۱۴-۱۵) ۱۴۶

الغاشیة

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۱۸) ۳۹۳

الفجر

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ (۲۸-۲۹) ۶۹، ۷۰

الشمس

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (۱۰-۱۱) ۸۵، ۱۲۰، ۳۶۹، ۳۴۸، ۵۵۸

لَا يَخَافُ عُقْبٰىهَا (۱۶) ۱۲۴

الضّحیٰ

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (۴) ۱۵۰

اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱۱) ۳۵۳، ۳۷۴

اَلَمْ نَشْرَحْ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۲) ۱۲۰

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۷) ۹۵، ۴۴۵، ۵۴۳

البیّنۃ

یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ (۳-۴) ۲۵، ۵۲، ۳۸۸

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۹) ۱۱۶

الزلزال

اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۳) ۴۷۷

مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ (۸)

۹۱، ۱۱۳، ۱۴۸، ۲۲۹، ۴۷۸

مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (۹) ۱۹۶، ۵۲۶

العصر

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنوں کے نمونے بتائے ہیں ۱۱۶

اس سورۃ میں دو سلسلوں کا ذکر ۱۱۹

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۳-۴)

۱۱۹، ۱۲۳، ۱۴۰

الهمزة

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (۷-۸) ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۳

الفیل

اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے بارہ میں عظیم پیشگوئی ۱۱۰

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ (۲)

۱۱۰

النصر

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۲-۳)

۳۴۴، ۴۲۲، ۴۷۸

تبت

ابولہب اور حمالۃ الحطب کی لغوی حقیقت ۱۵۶

الاخلاص

چونکہ نصاریٰ کا فتنہ سب سے بڑا ہے اسلیے یہ ساری کی ساری سورۃ ان سے خاص کر دی ہے ۴۷۱

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲-۳) ۲۴

الناس

تفسیر ۳۱۴

اس سورۃ میں دجال کا نام خناس رکھا گیا ہے ۴۴۲

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ ... مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۲-۷) ۳۱۴، ۳۲۱

اسماء

ا

آتھم عبداللہ

آتھم کا نشان ۳۷۵

پیشگوئی میں موجود شرط سے فائدہ اُٹھانا ۳۷۶

ڈاکٹر کلارک کا آتھم کو اپنے مقدمہ میں بطور گواہ پیش نہ کرنا ۱۵۹

اس کے نشان کی تکذیب پر لیکھرام کا نشان ظاہر ہوا ۳۶۳

آدم علیہ السلام ۳۰، ۵۴، ۲۲۷، ۲۹۴، ۴۹۵

آپ جمعہ کے دن پیدا ہوئے تھے ۴۴۴

آپ کی پسلی سے حوّا کی پیدائش کا ذکر ۴۴۴

آپ کے متعلق خدا تعالیٰ کا فرمانا نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۵۵۷

نبوت کے امور آدم سے شروع ہوتے ۱۸۹

وضعِ عالم کی کرویت سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آدم سے شروع ہو کر آدم پر ہی سلسلہ ختم ہوتا ہے ۵۷۶

آپ کی استعداد میں کسی قدر تسابل تھا تب ہی تو شیطان کو وسوسہ کا قابو مل گیا ۴۳۸

شیطان نے آدم کو مارنے کا منصوبہ کیا تھا اور اس کا استیصال چاہا تھا ۵۴۰

حضرت حوّا آپ کی رہزن ثابت ہوئی ۵۵۲

خدا نے صرف ایک منی کی تعلیم دی تھی اس کا اثر پہلے عورت پر ہوا پھر آدم پر ہوا ۵۵۳

وہ بہشت جس میں آدم رہتا تھا زمین پر ہی تھا ۴۷۱

آپ سے لیکر آجتک کسی کو تقویٰ کے سوا فتح نہیں ہوئی ۵۳۹

آپ سے لیکر آخر تک ہر ایک کی تمنا تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں ۴۱۴

خلقِ آدم اور زحل کی تاثیرات ۳۸۶

ابوبکرؓ اسلام کے آدمِ ثانی ۲۵۲

آزر

ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اَبٌ ہی رکھا ہے ۵۷۹

آسیہ امرأۃ فرعون

موسیٰ کی مریم اور آسیہ سے مثال دینے کی حقیقت ۱۰۲

آل حسن مولوی

عیسائیوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں آیت نُوَتِّهٖ مَا تَوَلّٰى کی دلیل پیش کرنا ۵۲۰

ابراہیم علیہ السلام ۲۴۹ - ۳۶۰ - ۴۲۹

آپ کا باپ آزر ہی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اَبٌ رکھا ہے ۵۷۹

ابوالانبیاء ۲۳

آپ کا عظیم ابتلاء ۱۷۲

استقامت اور خدا تعالیٰ پر ایمان ۵۱۶

صدق و تقویٰ ۲۳

خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہونا ۳۲۷

آگ کا آپ پر اثر نہ کرنا ۵۷۷

آپ کا آگ سے سلامت نکلنے کے معجزہ کا انکار کرنے والوں کا ردّ ۵۶

خدا تعالیٰ پر بھروسہ ۴۴۴

آپ کی وصیت ۳۷۱

اپنے بیٹے کو دہلیز بدلنے کا حکم ۲۹۳

آپ کی نسل میں سے موعود آخر الزماں کے ظہور کے بارہ میں ایک نکتہ ۵۷۱

آپ کا بروز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۲۹۴

ابراہیم آدہم رحمۃ اللہ علیہ

دُنیا کی شوکتوں کو چھوڑنا ۹۲

ابناش چندر بابو فورمین

لاہور کی برہمو سماج کا سرگرم ممبر ۴۵۷

ابن حزم علیہ الرحمۃ

آپ نے لکھا ہے کہ مَیں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کیا یہانتک کہ مَیں خود رسول اللہ ہو گیا ۴۵۷

آپ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ ۲۹۴

ابن صیاد رضی اللہ عنہ

اس نے مسلمان ہو کر جان دی اور شہید ہوا۔ اس لیے وہ اس قابل ہے کہ اسے رضی اللہ عنہ کہا جائے۔ ۵۹۸

ابن عباس رضی اللہ عنہ

آپ کے نزدیک تَوَفّی کے معنی ۲۹

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفۂ اوّل ۴۷۸

اسلام کے لیے آدمِ ثانی ۲۵۲

خلیفۂ بلافصل ۳۲۴

صحبتِ رسولؐ کا فیض ۳۵۰

جو اپنی سعادت اور رُشد سے ہدایت پاکر صدیقوں کا کمال پا گیا ۴۱۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں آپ کا مقام ۳۶۹

آنحضرتؐ کا فرمان مسجد کی طرف سب کھڑکیاں بند کی جائیں صرف ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے ۲۹۳

ابوبکری فطرت ۲۴۷

فطرت کی سعادت ۴۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے متاثر ہو کر ایمان لانا ۲۴۸، ۳۴۳، ۴۵۲

آپ جب ایمان لائے تو کونسا دُنیا کا فائدہ دیکھا تھا؟ ۵۷۷

جماعت کو ابوبکر کا ایمان اپنانے کی نصیحت ۳۶۶

فہمِ قرآن ۲۹۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے اثبات پر خطبہ دینا ۲۹۲

وفاتِ مسیح کے قائل تھے ۲۹۴

فضائل ۲۵۲

لِلّٰہی وقف کا نمونہ ۳۶۸

بے نظیر صدق اور وفا ۲۴۷-۲۴۹

استقامت ۲۵۱

شجاعت ۲۵۱

مقام اور خدمتِ اسلام ۲۹۳

آپ کا مقام اور اسلام کے لیے بے نظیر خدمات ۳۶۵

صدیقِ اکبر ۲۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے گھر کا کُل اثاثہ پیش کر دینا ۲۷-۲۶۷

بے مثال مالی قربانی اور اس کا اجر ۱۳۷

حقِ رفاقت کی ادائیگی کا نمونہ ۲۴۸

ہجرت میں رفاقت کے لیے آپ کے انتخاب کا سِرّ ۲۵۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے دن رو رو کر دُعائیں کرنے کی وجہ دریافت کرنا ۸

شیعوں کے نزدیک آپ کا کردار ۲۹۹

ابوجہل ۴۲۸-۵۲۹

اس اُمت کا فرعون تھا ۴۹۷

آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ پر مظالم ۳۵۷

حضرت عمرؓ کے ساتھ مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کرنا ۴۲۴

اُحد کے مصائب کا بانی مبانی ۹۴

بیجا عداوت اور حق کی مخالفت ۴۱۴

شقاوت اور محرومی ۴۱۴، ۴۱۵

بے صبری ۱۲۴

اس کی ہلاکت کا باعث بُغض تھی ۴۲۷

یوم بدر تک مُہلت کی حکمت ۳۸۴

آنحضرت صلی اللہ کی ابوجہل کے متعلق ایک رویاء ۴۵۶

ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمۃ

آپ کا فرمودہ ایک نکتہ ۶۳

ابوحنیفہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ درجہ کے متقی ۵۵۰

آپ قرآن شریف سے استدلال کیا کرتے تھے ۵۳۱

ضرورت سے زیادہ مساجد کی تعمیر کو اسراف قرار دینا ۵۱۰

آپ کے حق میں سخت کلامی کرنیوالوں کو غلط قرار دینا ۵۳۴

ابورافع

مدینہ کا مشہور معاند یہودی ۲۵۸

ابوطالب ۵۲۹

آنحضرتؐ کے متعلق لوگوں کی شکایات سے تنگ آجانا ۲۸۱

ابوالفضل

مصنف آئینِ اکبری ۲۵۸، ۴۴۱

ابولہب

بے صبری ۱۲۴

ابولہب اور حمالۃ الحطب کی لُغوی حقیقت ۱۵۶

احمد بن حنبل امام علیہ الرحمۃ

آپ کے نزدیک صحابہ کے بعد اجماع کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے ۲۹۴

احمد بیگ مرزا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق اس کی موت ۳۸۴

احمد خاں سرسید۔ بانی علیگڑھ یونیورسٹی

وحی کی حقیقت کو نہ سمجھنا ۵۷۸

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو معجزہ نہیں تسلیم کرتے تھے۔ ۵۱

احمد شاہ شائق

مذہباً عیسائی۔ اس نے ایک دلخراش کتاب "اہمات المومنین" چھپوا کر ہندوستان کے نامور مسلمانوں کو بھجوائی تھی۔ ۱۷۵

احمد شہید سید

سکھوں کے ساتھ جہاد میں نیک نیت تھے ۴۴۳

احمداللہ مولوی

حافظ محمد یوسف صاحب کو اجازت ہے کہ ان کو بھی ساتھ لیتے آئیں ۵۲۰

احمد دین سیٹھ ۵۶۹

اسفندیار

فارسی ادب کے رزمیہ افسانوں کا مشہور کردار ۱۳۸

اسرائیل نیز دیکھئے بنی اسرائیل

اسرائیلی سلسلہ میں مسیح کی بعثت ۲۹

مسیح علیہ السلام کا فرمانا کہ میں صرف اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں ۵۴

اسماعیل علیہ السلام ۱۷۲

شدتِ پیاس اور اللہ تعالیٰ کا آپ کے لیے پانی کا انتظام فرمانا ۱۷۳، ۵۷۰

آپ کی نسل سے سلسلہ محمدیہ کا قیام ۴۹۵

اسماعیل کی نسل سے موعود آخر الزمان کے ظہور کے بارہ میں ایک نکتہ ۵۷۱

اسماعیلی سلسلہ میں مسیح کی بعثت اور اسرائیلی سلسلہ سے مشابہت ۲۹

اسماعیل محمد سید شہید علیہ الرحمۃ
سکھوں سے جہاد کرنے میں نیک نیت تھے ۴۴۳

افلاطون یونانی فلاسفر
تبدیلیٔ اخلاق کے متعلق افلاطون کا نظریہ ۸۷
مرتے وقت خدا کی تلاش۔ اس کی فلاسفی، دانائی اور دانش مندی اس کو وہ سچی سکینت نہیں دے سکی جو مومنوں کو حاصل ہے۔ ۴۱
ان کا قول "باپ تو رُوح کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے اور استاد زمین سے پھر آسمان پر پہنچاتا ہے ۵۵۶

اکبر جلال الدین
شہنشاہ ہندوستان ۵۲۰

اللہ دیا لدھیانوی مولوی
لوقا کے بارے میں آپ کو تحقیق کرنے کا حکم ۲۶۰

الٰہی بخش منشی لاہوری مصنف عصائے موسیٰ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک معاند دشمن ۲۰۰، ۴۰۰
اپنے رویاء والہامات سے دھوکہ کھانا ۴۸۶
اعتراف کہ اس کے الہامات میں شیطان کا دخل ہے ۵۰۶
موسیٰ ہونے کا دعویٰ ۴۸۶
مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے والد کے متعلق ہتک آمیز الفاظ استعمال کرنا ۵۲۱

الزبتھ
ملکۂ انگلستان ۱۳۸

الکھ دھاری
اسلام دشمن آریہ سماج کا اہم رکن ۲۵۷

اللہ تعالیٰ مضامین میں دیکھئے

الیاس علیہ السلام نیز دیکھئے ایلیاء
ملاکی کا لکھنا کہ مسیح سے پہلے الیاس آئیگا اور اس کی حقیقت ۵۲۳

امیر علی شاہ ملہم سیالکوٹی
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک خواب کی بنا پر تبتل کے معنی دریافت فرمانا ۵۵۱

اندرمن مراد آبادی
اسلام دشمن آریہ سماج کی ایک اہم شخصیت ۲۵۷

اویس قرنی رضی اللہ عنہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو السلام علیکم کی وصیت فرمائی اویس قرنی اور مسیح موعود کو ۱۹۵
والدہ کی خدمت گذاری ۱۹۵
حضرت عمرؓ کی آپ سے ملاقات ۱۹۶

ایبٹسن
ہندوستان کی مردم شماری پر موصوف کا تبصرہ ۴۹

ایڈورد ہفتم
شاہِ انگلستان ۴۶۴

ایشور کور رانی سکنہ دھام ضلع گورداسپور
عقیدت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کی دعوت کرنا ۱۹۲

ایلیا علیہ السلام (الیاسؑ)
ملاکی نبی کی کتاب میں ہے کہ مسیح کے ظہور سے پہلے ایلیا نبی آسمان سے اُترے گا ۵۸۶
یہود کا عقیدہ کہ مسیح موعود سے پہلے ایلیا آسمان سے نازل ہوگا ۱۵۶، ۴۹۸
آپ کا مظہر اور مثیل یوحنا نبی تھے ۱۳۲، ۵۲۱

ایوب بیگ
امتحان میں فیل ہونے سے بیماری میں اضافہ ۴۳۶

ب

باقر
دیکھئے محمد باقر۔ امام علیہ السلام

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ۷۳
دورانِ وعظ ایک مشائخ زادہ کے دل کے خیالات پر اطلاع پانا ۱۹
آپ کے ایسے کلمات جن کو جاہل کُفر کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کا سرچشمہ عشق و محبت ہے ۵۴۷

برہان الدین مولوی
حضور کی خدمت میں سیٹھ احمد دین کے لیے دُعائی درخواست کرنا ۵۶۹

بشیر الدین محمود احمد مرزا۔ المصلح الموعود
چار سال کی عمر میں ایک قیمتی مسودہ جلانے کا واقعہ ۳۰۷

بلعم باعور ۳۶۰
اس کے الہامات کی حیثیت ۴۸۶

بنی اسرائیل
بنی اسرائیل کا سلسلہ جو موسیٰ سے شروع ہوا اور حضرت عیسیٰ پر ختم ہوا ۴۷۴
مصر میں چار سو سال کی غلامی ۴۱۹
عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو اکٹھا کرنے آئے تھے ۴۱۹
بہ اتفاق اہلِ تحقیق اہلِ کشمیر بنی اسرائیل ہیں ۲۲۲-۵۰۲
ان کی عورتوں تک کو بھی خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا شرف ملتا تھا ۵۴۹
ان کو فرعون سے تو نجات مل گئی لیکن گناہوں سے نجات نہیں ملی ۲۶
رُوحانی اور اخلاقی حالت ۴۲۰
تمام انبیاء سے بدسلوکی کرنے والے ۴۹۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ ہونا اس بات کا نشان تھا کہ اب خاندان بنی اسرائیل میں نبوت کا خاتمہ ہے ۴۷۵، ۵۱۳
اللہ تعالیٰ کا ان کو چھوڑ کر بنی اسماعیل کو لے لینا ۱۶
عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (حدیث) ۲۳۱

بنی اسماعیل
بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف نبوت کا انتقال ۱۶، ۴۹۶
بنی اسماعیل میں سلسلۂ نبوت ۴۹۷

اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ بنی اسماعیل میں بھی بنی اسرائیل کے ہمرنگ ایک سلسلہ نبوت ہوگا جس کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ۴۷۵

بُوعلی سینا

آپ کے نزدیک وباء کے ایام میں گھر کی صفائی کی اہمیت ۱۶۸

بہاء الدین احمد آبادی۔ مولوی

مسیح موعود کے حنفی المذہب ہونے کے بارہ میں سوال ۵۳۱

پ

پریم داس (عیسائی)

قسم کھانا ۳۷۶

پطرس (حواری)

اپنے استاد (مسیح) پر لعنت کرنا ۲۲۴،۲۷

ٹ

ٹھاکرداس

عیسائیت قبول کرکے اسلام کی تردید میں کتابیں لکھنا ۱۱۰

ج

جالینوس

جس مرض کے علاج کا دعویٰ تھا اُسی مرض سے وفات ہوئی ۱۶۵

جبرائیل علیہ السلام ۳۸۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے آنا ۵۰۸، ۵۲۶

ایک شہید ہونے والے صحابی کا سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا ۵۱۷

شیعوں کے نزدیک جبرئیل وحی لانے میں غلطی کھا گیا تھا ۹۶

جگن ناتھ۔ سررشتہ دار

ایک ہندو نمازی اہلکار کا واقعہ بیان کرنا ۴۹

جلال الدین اکبر شہنشاہ ہندوستان ۵۲۰

جلال الدین رومی صاحب مثنوی ۴۷۲

جمال الدین مولوی ساکن سیدوالہ

حضرت اقدس سے مَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ کی تفسیر دریافت کرنا ۳۸۸

حضرت اقدس کی خدمت میں اپنے واقعات سُنانا ۳۸۹

جمال الدین میاں

وفد نصیبین کے ایک رکن ۲۲۴

جنید بغدادی خواجہ علیہ الرحمۃ

آپ کے جن کلمات کو کفر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ان کا سرچشمہ عشق و محبت ہے ۵۴۷

جیمل سنگھ سردار ۱۹۲

چ

چنگیز خان ۷

ح

حاتم

سخاوت میں مشہور عرب سردار ۱۳۸

حامد شاہ میر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کی ایک نظم سُن کر خوش ہونا اور اخبار میں چھپوانے کا ارشاد ۲۶

حامد علی خادم مسیح موعود علیہ السلام

حضور کا آپ سے عفو و درگذر ۳۰۲

حریری مشہور عرب نثر نگار ۴۴۱

حسن رضی اللہ عنہ

کمال عفو کا پاک نمونہ ۱۱۵

آپ کی دو صلحیں ۳۸۸

حسین رضی اللہ عنہ ۴۵

آپ کی شہادت ۹۷

رفاقت کا عہد کرنے والے ستر ہزار افراد کا مشکل وقت میں آپ کو تنہا چھوڑ جانا ۲۴۹

شیعہ اپنی ساری کوششوں کا منتہا آپ کو سمجھتے ہیں ۵۸۳

شیعوں کا آپ کے فدیہ کا سہارا لینا اور اس کے نتائج ۱۱۳

حفصہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا ۵۳۷

حوّا علیہا السلام

حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ۴۳۳

شیطان کا چھُپ کر آپ کے پاس آنا ۴۷۰

آپ حضرت آدم کی رہزن ہوئیں ۵۵۲

خ

خدا بخش

سکھوں کے زیر اثر اس نے اپنا نام خدا سنگھ رکھ لیا تھا ۲۰۸، ۲۹۶

خدا بخش مرزا ابوالعطا

حضرت اقدس کا آپ کی کتاب عسل مصفّٰی کو سُننا ۵۶۵، ۵۶۸

خدا بخش مرزا

وفد نصیبین کے ایک رکن ۲۲۴

خرقانی ابوالحسن علیہ الرحمۃ ۶۳

خضر علیہ السلام

خضر صاحب شریعت نہ تھا ولی تھا ۳۹۸

د

داؤد علیہ السلام

آپ کا فرمانا کہ میں نے کسی خدا پرست کو ذلیل نہیں دیکھا ۱۱۷

یہود کا اعتقاد تھا کہ مسیح موعود داؤد کے تخت پر بیٹھے گا ۱۵۶

دیانند پنڈت

بانی آریہ سماج ۲۱۰، ۲۵۷

اس کی گواہی کہ رام خدا کا نام نہیں ہے ۵۵۸

نیوگ کو مبارک کام قرار دیتا ہے ۳۳۱

ڈ

ڈکسن۔ ڈی۔ ڈی

انگلستان کا ایک سیاح جو ۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۵۸۰

ڈگلس کپتان
موصوف پر اللہ تعالیٰ کا خاص تصرف ۴۳۳
پادری مارٹن کلارک کے مقدمہ میں
موصوف کا عدل ۱۴۱
آپ کا انصاف اور دانائی ۲۰۷

ذ

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ ۷۳

ر

رازی دیکھئے فخرالدین
رام
رام خدا کا نام نہیں ۵۵۸
رام بھجدت ایڈووکیٹ
مقدمہ قتل میں حضور کے خلاف
مارٹن کلارک کی طرف سے وکالت ۴۳۴،۴۳۷
حضور سے ملاقات ۱۸۳
رام چندر جی
ہندوؤں کے نزدیک آپ خدا ہیں ۵۱۴
رام چندر
عیسائیت قبول کرنے والا ایک شخص
جس نے اسلام کے خلاف
کتابیں لکھیں ۱۱۰
راون
راجہ رامچندر کی بیوی کو نکال لینا ۵۱۴
رحمت اللہ شیخ
حضور کی خدمت میں دُعا کا خط ۳۸۲
آپ کی مالی قربانی پر جزائے خیر کی دُعا ۱۶۹
رحمت اللہ
حضرت اماں جان کا آپ کو رویا میں دیکھنا ۵۸۶
رحمت اللہ مولوی
عیسائیوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صداقت کے طور پر آیت
لَوْ تَقَوَّلَ پیش کرنا ۵۲۰
رحمت علی ڈاکٹر ہاسپیٹل اسسٹنٹ
میاں میر چھاؤنی
قادیان تشریف لانا ۵۲۹
حضور اقدس کی خدمت میں ایک
خواب بیان کرنا ۵۳۰

رستم
بہادری کے افسانوں کا مشہور کردار ۱۳۸
رستم علی منشی۔ کورٹ انسپکٹر دہلی
آپ کے ایک رویاء کی تعبیر ۱۵۵
روشن دین جالندھری ۵۲۰

ز

زبیدہ۔ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی
زبیدہ کی نہر ۱۲۴
زمخشری علامہ علیہ الرحمۃ
آپ کی طرف سے سورۃ تحریم میں مذکور
مومنوں کی مثال کی تشریح ۵۳۳
زینب اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا ۵۳۷

س

سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
حضرت ہاجرہ کو گھر سے نکالنے کی
فرمائش ۱۷۲،۱۷۳
سراج الحق نعمانی
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک
نکتہ پر آپ کا نوٹ ۵۱۳
سراج الدین عیسائی
مسلمانوں میں سے مُرتد ہو کر عیسائی ہونا ۴۸۲
سطیح
عرب کا مشہور کاہن ۱۸۲
سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ۔ نیز دیکھئے مصلح الدین
۱۵۶، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۲، ۳۷۳، ۴۴۱
۴۶۰، ۵۲۴، ۵۲۹، ۵۳۶
آپ کا یہ شعر سچا ہے
مکن تکیہ بر عمرِ ناپائدار
مباش ایمن از بازیٔ روزگار ۱۱۷
سُلطان احمد مرزا
پسر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۵۶۲
سلیمان علیہ السلام
مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ کی حقیقت ۳۸۸

ش

شبلی رحمۃ اللہ علیہ ۷۳
شجاع۔ شاہ
شوکتِ دنیا کو خدا تعالیٰ کی خاطر چھوڑ دینا ۹۲
شہاب الدین میاں
احتیاطی نماز کا قصہ ۵۳۱
شیث علیہ السلام
آپ بابیل کے بروز تھے ۲۹۴
شیر سنگھ ۳۵۳
شیر علی حضرت مولوی
آپ کی نوٹ بک سے منقول ملفوظات ۵۲۴
شیر محمد مولوی
آپ کو کہیں سے احیاء العلوم کے دو چار
وَرق مل گئے تھے ساری کتاب دیکھنے
کی تمنا ہی رہی ۳۱۸
شونرائن ستیانند۔ پنڈت۔ اگنی ہوتری ۴۵۷

ص

صدیق حسن خان۔ نواب بھوپال ۱۹۷، ۳۸۸
آپ نے لکھا ہے کہ مہدی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اور مہدی
کے ساتھی صحابہ کے قائم مقام ہونگے ۵۲۱
صفدر علی
مُسلمانوں میں سے بپتسمہ لے کر اسلام
کا شدید مخالف ہونا ۴۳۲، ۴۸۲
صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ
اس کی فتوحات اور کامیابیوں کی وجہ
اس کی خدمتِ اسلام کی نیت اور
اس کا ایمان تھا۔ ۴۱۰

ض

ضیاء الدین قاضی سکنہ قاضی کوٹ ۴۳۸

ع

عالمگیر شہنشاہ ہندوستان
حصولِ ثواب کی راہوں کی تلاش ۲۵۶
عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا
آنحضرتؐ کا فرمانا اَرِحْنَا يَا عَائِشَةُ ۵۳۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے متعلق اسوقت تک گھبراہٹ جبتک خدا تعالیٰ نے آیت نازل نہ فرمائی ۵۲۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال فرمانا ۱۳۱
آنحضرتؐ کا بوقتِ وفات آپؓ سے دریافت فرمانا کہ کیا گھر میں کچھ ہے؟ ۱۸،۲۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اُمت پر آنے والے مصائب کا ذکر فرمانا ۲۵۱

عبدالحق منشی پٹیالوی

مولوی نذیر حسین دہلوی نے جب براہین احمدیہ کی تعریف کی تھی تو یہ صاحب موجود تھے ۵۲۰
حضرت اقدس کی خدمت میں اولاد نرینہ کے حصول کے لیے دُعا کی درخواست ۵۶۰

عبدالحکیم مولوی

فروری ۱۸۹۲ء میں بمقام لاہور اس کی حضرتِ اقدس علیہ السلام سے بحث ہوئی تھی اور مباحثہ کے سارے پرچے لے کر بھاگ گیا تھا ۵۴۹

عبدالحمید

پادری ڈاکٹر مارٹن کلارک کے مقدمہ کا اہم گواہ ۱۴۱، ۴۳۴
عبدالحی مولانا ۔ لکھنوی ۱۹۷
عبدالرحمٰن مدراسی سیٹھ
قادیان سے واپسی کی اجازت طلبی ۳۱۱
عبدالرحمٰن شیخ ۔ کشمیری بازار لاہور
حضرتِ اقدس کے خلاف ایک اشتہار شائع کرنے والا ۳۸۲
عبدالعزیز شاہ مجدد علیہ الرحمۃ
خدا تعالیٰ کی خاطر دُنیا کو چھوڑ دینا ۹۲
عبدالقادر جیلانی سید رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۷
آپ کا نفس بڑا مطہر تھا ۴۹
آپ کے سچ بولنے کا واقعہ ۵۰، ۲۴۵

آپ کا قول کہ ثواب اس وقت تک ہے جبتک مجاہدات ہیں ۱۹
چور کو قُطب بنانے کی حقیقت ۳۳۷
آپ کے جن کلمات کو کُفر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ان کا سرچشمہ عشق و محبت ہے ۵۴۷
عوام میں مشہور آپ کے خوارق ۳۷۸
آپ کی کرامات آپ کی وفات کے دوسو سال بعد لکھی گئیں ۲۶۰
بعض شیعوں کا آپ کو گالیاں دینا ۹۷

عبدالکریم مولوی سیالکوٹی رضی اللہ عنہ

۱۵۳، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۱۴، ۲۱۵، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۸۶، ۵۲۰
"یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ معارفِ الٰہیہ کے بیان میں بلند چشان پر قائم ہو گئے (مسیح موعود) ۳۶۲
"اب تو آپ بھی ہمارے ساتھ گالیوں میں شامل ہو گئے۔ بڑا ثواب ہے" ۳۸۰ (مسیح موعود)
مسیح موعود علیہ السلام کو تائیدِ الٰہی سے عربی زبان سکھائے جانے کے گواہ ۱۸۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عیدالاضحیہ کے لیے خُطبہ پڑھنے کی درخواست کرنا ۳۲۵
آپ کے لیے دُعا کہ آپ نے خُطبہ عیدالاضحیہ کے لیے تحریک کی اور خدا کا نشان پُورا ہوا ۳۳۵
حضور کا آپ کو خُطبہ الہامیہ قلمبند کرنے کا حکم ۳۲۵
آپ کی درخواست پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جماعت کے باہمی اتفاق و محبت پر لیکچر ۳۳۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قیمہ تحریر پر آپ کا ایمان افروز تبصرہ ۲۱۸
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نکاتِ معرفت پر اظہارِ تحسین ۵۶۰
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ازدیادِ ایمان ۲۱۰
نبی بخش بٹالوی کا کہنا کہ آپ مرزا صاحب کے بارہ میں غلو کرتے ہیں ۵۲۹
مسیح موعود علیہ السلام کا وہ میموریل پڑھنا جو حضور نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے میموریل کی اصلاح کی غرض سے تحریر فرمایا تھا ۱۵۸
میر حامد شاہ صاحب کی ایک نظم سننا ۲۶۰
فونوگراف کے ذریعہ تبلیغ کی تجویز میں یہ بھی طے پایا کہ حضرت مولوی صاحب ابتداء میں انٹرڈوکٹری نوٹ پڑھ دینگے ۵۶۶
ایک طالبِ اصلاح کو حضور کی خدمت میں پیش کرنا ۵۲۸
حضور کی بیمازیوں اور کام کی کثرت پر اپنے جذبات کا اظہار ۳۸۴
آپ کی تحریر میں سختی کی شکایت کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے جواب ۵۲۲
حضور کا آپ کے ایک لیکچر کی تعریف فرمانا ۱۹۴
حضرت اقدس کا آپ کے خطبہ فسہ موزہ ۱۷ راگست کی تعریف فرمانا ۳۶۲
ایران کی موجودہ فارسی زبان میں عربی الفاظ کی کثرت کا ذکر ۱۷۸، ۱۷۹
ڈاکٹروں کے نزدیک ایک لاعلاج مرض کا مریض ۵۷
حضور کا آپ کو دوائی دینا ۱۸۱
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کے لیے پہرہ دینا کہ آپ کی نیند میں پچھے غلل نہ ڈالیں ۳۱۰
آپ کی ایک رویاء ۳۶۲

عبدالکریم پٹواری
ایک بڑھیا کا خط پڑھنے سے انکار ۳۰۵

عبداللہ آتھم (دیکھئے آتھم)

عبداللہ بن اُبَی
منافق ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے شفقت ۴۵۲
عبداللہ بن عبدالمطلب
آپ کے گھر میں ابراہیم علیہ السلام کے بروز کا ظہور ۲۹۴
عبداللہ عرب سید
غیروں کے پیچھے نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کرنا ۵۴۱
عبداللہ غزنوی
مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق آپ کا ایک الہام اور ایک رویاء ۱۲۶
عثمان بن عفان خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ
آپ کے عہد تک اسلامی سلطنت کا عالمگیر ہو جانا ۱۱۴
عُزیر علیہ السلام ۳۶۰
آپ کی دوبارہ زندگی کا مسئلہ ۳۵۸
عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ
مشرف باسلام ہونے کے بعد آپ کے اندر ایک عظیم روحانی اور اخلاقی انقلاب ۹۴
جنت کے انگوروں کے خوشوں والی رویا کی تعبیر آپ کا ایمان لانا تھا۔ ۴۵۶
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
خلیفہ چہارم ۲۵۰، ۵۷۹
دورانِ جنگ ایک کافر پر قابو پاکر اسے چھوڑ دینے کا واقعہ ۳۳۷
شیعوں کا آپ کے بارے میں اعتقاد ۳۹۹
آپ فرماتے ہیں کہ صبر اور صدق سے جب دُعا انتہا کو پہنچے تو وہ قبول ہو جاتی ہے ۱۰۱
شیعوں میں مشہور آپ کے معجزات ۳۷۸
عمادالدین پادری
مسلمانوں میں سے بپتسمہ لیکر اسلام کا شدید مخالف ہونا ۴۳۲، ۴۸۲
عمار بن خزیمہ رضی اللہ عنہ
آپ کی بیان کردہ ایک روایت ۳۶۵
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
خلیفہ ثانی ۲۹۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ اور بھیرِ قبولِ اسلام ۴۲۴
قبولِ اسلام کی مبارک گھڑی ۴۲۵
صُحبتِ رسولؐ کا فیض ۳۵۰
اپنا نصف اثاث البیت خدا کی راہ میں پیش کر دینا ۳۶۷
اپنے صدق و اخلاص کے نتیجہ میں خلیفہ ثانی ہونے ۳۳۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ کا صدمہ اور حضورؐ کو وفات شدہ تسلیم نہ کرنا ۲۵۱، ۲۹۲
آپ سے ایک شخص کا پُوچھنا کہ کفر میں تو آپ بڑے غصّے والے تھے اب کیا ہے؟ آپ کا جواب ۵۲۲
شبہ اور احتمال سے بچنے کے لیے آپ کا ایک قول ۵۳۵
آپ کے عہد میں شام میں طاعون اور آپ کی حفاظتی تدابیر ۱۶۸
حضرت عمرؓ کو اپنی زمین میں شجر کاری کی تلقین ۳۶۵
کسریٰ کے طلائی کڑے ایک صحابی کو پہنانا ۳۳۵
دُوسرے صحابہ کو ایک ایسے صحابی کا احترام کرنے کی تلقین جس نے اسلام کی خاطر اپنی امیرانہ حالت ترک کر دی تھی ۵۷۷
حضرت اویس قرنی سے ملاقات ۱۹۶
مولوی عبدالحکیم کا آپؓ کو محدّث قرار نہ دینا ۵۴۹
عیسیٰ بن مریم علیہ السلام
۲۲۷، ۲۴۹، ۲۹۳، ۴۵۵، ۵۷۷
عیسیٰ کا لفظ عوس سے ہے جو دفع شر کی طرف ایما ہے ۲۹۹
عیسیٰ کے معنی ہیں بچایا گیا ۳۰۱
عیسیٰ اور یسوع میں فرق ۵۶۸
پادریوں کے عقائد کی رُو سے یسوع کی تصویر ۳۴۴
آپ کی عظمت اور اس کا باعث ۵۱۵
اللہ تعالیٰ کے آپ کیساتھ چار وعدے اور ان کی ترتیب ۶۵، ۲۸۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ پر احسان ۱۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آپ کا مشن بہت آسان تھا ۲۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِنفاق میں موازنہ ۱۸۰
ایک حدیث میں ہے کہ اے عیسیٰ! مَیں تیرے بعد ایک اُمّت پیدا کرنے والا ہوں..... جو اُمّی ہوگی اور مَیں اسے اپنا علم اور عقل دونگا ۸۰
آپ نے اپنے بعد بلافصل احمد نبی کے آنے کی پیشگوئی فرمائی ۴۲۲، ۴۴۴
فارقلیط کی حقیقت ۵۸۶
بن باپ پیدائش
"ہمارا ایمان ہے کہ آپ کی پیدائش باپ کے بدوں خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ تھی (مسیح موعود) ۵۶۷
آپ کی بن باپ پیدائش اور اس کی حکمت ۵۱۳
آپ کا بے باپ پیدا ہونا ایک نشان تھا کہ اب بنی اسرائیل کے خاندان میں نبوت کا خاتمہ ہے۔ ۴۷۵، ۴۹۶
سلسلہ موسویہ کے آخری نبی
موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں سلسلہ موسویہ کے مؤیّد بنا کر بھیجے گئے ۲۹، ۴۹۵
آپ صاحبِ شریعت نبی نہیں تھے بلکہ موسوی شریعت کے پابند تھے اور

اس کے احیار کے لیے آئے تھے ۴۸۸، ۴۹۰
اُتْلُ مَا اُوْحِیَ الْکِتٰبِ سے مراد فہم کتاب ہے ۵۶۹
آپ کا فرمانا کہ میں صرف اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں ۵۴، ۴۱۹
بنی اسرائیل کے سلسلہ کا آپ پر ختم ہونا ۳۰، ۵، ۴۷، ۴۹۷، ۵۳۲

وفات

مسئلہ وفات کی اہمیت ۲۲۲
عقیدہ حیاتِ مسیح کے نقصانات ۲۸۶
آپ کی وفات کے دلائل ۲۹، ۲۹۲، ۲۹۴
قرآن کریم سے وفاتِ مسیح کا استدلال ۲۸۵
قرآن شریف میں آپ کا صاف اقرار فلما توفیتنی موجود ہے ۲۲۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کہ آپ نے طبعی موت سے وفات پائی ۵۰۱
آپ کا حضرت یحییٰ کے پاس (آسمان پر) بیٹھنا آپ کی وفات پر دلیل ہے ۲۹۲، ۵۲۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح موعود کو سلام بھیجنے سے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا استدلال ۵۰۸
معتزلہ آپ کے زندہ آسمان پر اُٹھائے جانے کے قائل نہیں ۲۹۴
آپ کی شبیہ کا افسانہ ۳۹۷
آپ کی حیات و وفات اور عزیر کے واقعہ میں باہم کوئی مشابہت نہیں ۳۵۸
آپ کو اتنی لمبی عمر دینا بے فائدہ ہے ۴۴۷

واقعہ صلیب کے بعد کے حقائق

آپ کے واقعہ صلیب اور بعد کی زندگی کے بارہ میں اصل حقائق ۲۲۲
نصیبین کے حاکم کا آپ کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دینا ۲۲۳
نصیبین میں آپ کے بعض آثار موجود ہیں ۲۲۱
جلال آباد (افغانستان) میں یُوزآسف نام سے مشہور آپ کا چبوترہ ۲۰۳
گیارہ سو سال پرانی کتاب اکمال الدین میں یُوزآسف اور ان کی کتاب بشریٰ سے مراد حضرت عیسیٰ اور آپ کی انجیل ہے ۵۰۲
سرینگر محلہ خانیار میں آپ کی قبر ۵۰۲
مرہم عیسیٰ جس کا ہزاروں طب کی کتابوں میں ذکر ہے آپ کے صلیب سے زندہ اُتر آنے کا ثبوت ہے ۵۰۲

رفع اور نزول

رفعِ عیسیٰ کی حقیقت ۳۰۵
رفعِ مسیح سے مراد ان کا نجات یافتہ ہونا ہے ۳۹۶
آپ کے دوبارہ نزول کے متعلق عام مسلمانوں کے عقائد ۲۰۶
نزول کی حقیقت ۲۹۴
آپ کے دوبارہ آنے کے لیے نزول کا لفظ ہے رجوع کا نہیں ۵

آمدِ ثانی

صوفیاء کے نزدیک آپ کی آمدِ ثانی بروزی ہے ۲۹۴
ختم نبوت کی مہر مسیح اسرائیل کے آنے سے ٹوٹتی ہے یا خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے؟ ۵۸۵
مثیلِ عیسیٰ ۴۷۵
آپ کی آمدِ ثانی ایلیا کے رنگ میں ہے ۴۹۹
کسی نبی کے دوبارہ آنے کے بارہ میں آپ کا فیصلہ ۴۹۸
آپ کا یہود کو جواب کہ ایلیا تو آچکا اور وہ یہی تھا ہے ۴۹۸، ۵۸۶

تعلیم اور نمونہ

آپ کی تعلیم میں بدی کا مقابلہ نہ کرنے پر زور ہے ۳۳۱
آپ کی اخلاقی تعلیم کی حکمتِ عملی ۱۳۵
انجیل کی یکطرفہ تعلیم پر آپ کا عمل بھی ثابت نہیں ۲۹۱
آپ کے اخلاق بالکل مخفی رہے ۸۵
آپ کے بزرگوں کا تعدد ازدواج پر عمل ۱۸۷
عیسائی معاشرت کے متعلق آپ کا کوئی نمونہ دُنیا کے سامنے پیش نہیں کرسکتے ۲۳۰
آپ کو یہ امر نصیب نہ ہوا کہ مخالفین نے آپ کو سلطنت پیش کی ہو ۱۱
آپ کو اپنے مخالفین پر قدرت حاصل نہیں ہوئی ۴۵۳
آپ کا اقرار کہ میری بادشاہت رُوحانی ہے ۴۵۶
آپ کی زنا کی نظر سے نہ دیکھنے کی تعلیم کامل تعلیم نہیں ہے ۴۳۷

مسیح اور اناجیل

اناجیل نے آپ کے مقام کو گرادیا ہے ۱۸۵
انجیل سے آپ کا کوئی ایسا خُلق ثابت نہیں جو اُولوالعزم انبیاء کی شان ہوتی ہے ۱۲

اُلوہیت و ابنیت

آپ کی اُلوہیت کا عیسائی عقیدہ ۳۴۴، ۴۱۸، ۴۶۳
اسوقت بڑا شرک یہی ہے کہ مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے ۴۷۱
اللہ اور ابن اللہ ہونے کا رد ۱۷۸، ۲۲۰، ۳۳۲
آپ کو خالق اور حی ماننا شرک ہے ۴۵۰، ۵۴۹

معجزات اور نشانات

آپ کے معجزات ۳۹۱
آپ کا فرمانا کہ یونس نبی کے نشان کے سوا اور کوئی نشان نہ دیا جائیگا ۳۷۸، ۵۰۰
آپ کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ صلیب پر نہیں مرے ۵۰۰
آپ کے زمانہ میں بھی ستارہ ذوالسنین ظاہر ہوا تھا ۳۱
نشانات طلب کرنے والوں سے سختی ۴۸۸، ۵۲۲

مزعومہ خصوصیات

آپ کی شان میں اِطراء اور غلو اور اس کے استیصال کا ارادہ ۵۶۳

آپ اسم محمدؐ کے مستحق نہیں تھے ۴۲۱

عیسائیوں کے نزدیک مَسِ شیطان سے پاک اور زندہ نبی صرف آپ ہیں ۴۳۲

عیسائیوں کا عقیدہ کہ آپ نے تمام گناہوں کا بوجھ اٹھا لیا اور اس کا رد ۱۱۲

کلمۃ اللہ ہونا آپ کی خصوصیت نہیں ہے ۲۷۱

رُوح القدس سے تائید یافتہ ہونا آپ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے ۳۸۹

آپ نے باقاعدہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اس لیے آپ اُمّی نہیں تھے ۲۴، ۳۲۸

آپ کی ایک اجتہادی غلطی ۴۵۵

حواریوں کا مقام

آپ کے صدق و وفا کا آپ کے ساتھیوں پر اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے موازنہ ۲۴

آپ کے حواریوں کی دینی و ایمانی حالت ۳۴۰، ۵۳۵

آپ کے حواریوں کا اخلاقی مقام ۲۶

آپ کے شاگردوں کی آپ سے بے وفائی ۲۴۹، ۲۵۰

آپ کی مشکلات کی ایک وجہ آپ کی جماعت کی کمزوری تھی ۲۲۴

نزولِ مائدہ کی درخواست پر حواریوں کو زجر ۳۶۶

مخالفت اور انکار

یہود ظاہر پرستی کی وجہ سے آپ کے مُنکر ہوئے ۱۳۲، ۱۵۶

آپ کے زمانہ میں یہود استعارات کو حقیقت کے رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے ۵۸۶

آپ کے انکار میں یہود کی ہٹ دھرمی کہ مسیح سے پہلے الیاس کا واپس آنا ضروری ہے ۵۲۳

آپ کے وقت بھی سچوں کی ہی مخالفت ہوئی جھوٹوں کو کسی نے نہ پوچھا ۵۸۴

جس جگہ میں بیٹھا ہوں اگر آج اس جگہ موسیٰ اور عیسیٰ بیٹھے ہوتے تو وہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے جس نظر سے میں دیکھا جاتا ہوں ۴۹۸

آپ پر یہود اور آریوں کے اعتراضات ۴۸۳، ۴۸۴

متفرق

آپ کی دُعائے مائدہ میں سبقت ۷۸

ایک خاص نقطہ نظر سے آپ کی سوانح لکھنے کا ارادہ ۵۶۳، ۵۶۴

غ

غلام احمد قادیانی۔ مسیح موعود و مہدی معہودؑ علیہ السلام

دعویٰ ماموریت

میرے دعویٰ کا فہم نبوتت اور قرآن شریف کو سمجھنے کی کلید ہے ۳۹۳

میں اس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر لکھتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث صحیحہ میں دی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں درج ہیں۔ وکفیٰ باللہ شھیداً ۲۱۸

خدا تعالیٰ گواہ اور آگاہ ہے کہ میں ہی صادق اور امین اور موعود ہوں جس کا وعدہ لوگوں کو ہمارے سید و مولیٰ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے دیا گیا تھا ۳۲۲

میں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کیا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر کے بھیجا ہے ۲۲۸

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مسیح موعود ہو کر آیا ہوں۔ چاہو تو قبول کرو چاہو تو رد کر دو ۱۳۳

اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلّم آیا جو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کا مصداق اور موعود ہے اور وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے ۶۰

خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا کہ میں دنیا کو دکھلاؤں کہ انسان خدا تعالیٰ تک کس طرح پہنچ سکتا ہے ۳۳۹

خُدا نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں اس نُور کو جو اسلام میں بستا ہے ان کو جو حقیقت کے جویاں ہیں دکھاؤں ۲۲۰

اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامور کیا اور اپنی معرفت کا نُور مجھے بخشا ۱۲۰، ۱۲۲، ۴۹۴

خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اسلام کو براہین اور حجج ساطعہ کے ساتھ تمام ملتوں اور مذہبوں پر غالب کر کے دکھاؤں ۴۳۲

مجھے ایک سماوی آدمی مانو ... جو مامور ہو کر حکم بن کر آیا ہے ۲۶۵، ۳۹۹

دا عظ من اللہ اور مامور من اللہ جو نہایت خیر خواہی اور سچی بھلائی اور پوری دلسوزی سے باتیں کرتا ہے ۳۳

آں خدائے کہ از داہل جہاں بے خبر اند بر من او جلوہ نمود است گر اہل بپذیر ۳۹۱

آپ کا مقام ۵۵۳

مُسلم میں مسیح موعود کو نبی ہی کہا گیا ہے ۵۵۵

آدم کہلانے کی حقیقت ۴۰۴، ۵۷۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد کا بروز ۴۳۱

براہین احمدیہ میں آپ کا نام محمدؐ اور مسیح ۵۲۰

سلسلہ محمدیہ کا خاتم الخلفاء ۴۷۵، ۴۹۰، ۴۹۷، ۵۸۶

محمدی سلسلہ محمدی مسیح پر آکر ختم ہوگا ۵۳۲

خدائی الہامات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں میں آپ کے مختلف خطابات ۲۰۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی وصیت فرمائی ایک قرنی اور مسیح کو ۱۹۵

اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا ۱۵۱

ایک زندہ علی تم میں موجود ہے ۴۰۰

آپ کی ایک جزئی فضیلت ۴۵۱
عید الاضحیہ سے مناسبت ۳۲۶
آپ کے دو مقام مہدی افاضۂ خیر کے
لیے اور مسیح دفعِ شر کے لیے ۲۹۹
خدا تعالیٰ نے میرا نام مسیح ابنِ مریم
بھی رکھا ۲۴۱ ، ۴۷۵
یسوع مسیح کے نام پر آنے والا
ابنِ مریم ۶۵
انجیل میں مسیح نے کہا کہ آخری زمانہ میں
مَیں آؤں گا وُہ مَیں ہی ہوں ۴۹۷
خدا نے مجھے مسیح کے رنگ پر بھیجا ہے
اور اصلاحِ خلق کے لیے بھیجا ہے ۱۲۲، ۴۹۹
جس طرح مسیح یہودی سلطنت میں نہیں
بلکہ رُومی سلطنت میں پیدا ہوا تھا محمدی
مسیح بھی مُسلمانوں کی سلطنت میں نہیں
ہوا ۵۳۲
بحساب جمل اس کے عدد پورے تیرہ سو
نکلتے ہیں ۳۱

بعثت کی غرض

بعثت کی غرض ۳۸ ، ۲۰۶ ، ۲۱۲ ، ۲۲۱
مَیں اِس لیے آیا ہوں تا لوگ قوتِ یقین
میں ترقی کریں ۱
بعثت کا مقصد زندہ خدا پر زندہ ایمان
پیدا کرنا ہے ۲۱۸ ، ۳۲۰
مَیں اِصلاحِ خلق کے لیے آیا ہوں جو
میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد
کے موافق فضل کا وارث بنتا ہے ۳۵۱
مَیں دو ہی مسئلے لیکر آیا ہوں خدا کی توحید
اور آپس میں محبت و ہمدردی ۳۳۶
بعثت کی غرض اور خلق اللہ کے لیے
آپ کا پیغام ۳۹۲
اشاعتِ ہدایت کی تکمیل مسیح موعود کے
ذریعہ ہوگی ۳۸۵
خدا تعالیٰ نے مجھے شریعتِ محمدی کے
احیاء کے لیے اس صدی میں خاتم الخلفاء
کے نام سے مبعوث فرمایا ہے ۴۹۰
اس نے مجھے اسلام کو کُل ملتوں پر
غالب کرنے کے لیے بھیجا ۴۱۳
مجھے اسی غرض سے بھیجا گیا ہے کہ ان
تائیدی نشانوں سے جو اسلام کا خاصہ
ہے۔ اسلام کی صداقت ظاہر
کروں ۲۲۰
اصل کام اور غرض ۳۵۲ ، ۴۹۴
لوگوں کو اپنی طرف بلانے کا مقصد ۲۱۳
جس کام میں مَیں لگا ہوا ہوں اس کا اصل
مقصد خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم
کرنا ہے ۵۷۰
ہمارے دو ضروری کام ہیں ایک عرب
میں اشاعت ہو اور دُوسرے یورپ پر
اتمامِ حجت کریں۔ ۴۷۷ ، ۴۷۹
بلادِ یورپ خصوصاً لندن میں تبلیغ کا عزم ۵۵۶

صداقت

صداقت کے دلائل ۱۹۹ ، ۲۰۴
اپنی صداقت پر یقین ۱۷۶
اپنی وحی کے من جانب اللہ ہونے پر کمال یقین ۴۰۰
وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کریگا ۳۰۲
محمد حسین بٹالوی کے گالیوں بھرے رسالہ
کے جواب میں تحریر فرمانا اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ
ھٰذَا الرَّجُلُ صَادِقًا فِیْ قَوْلِہٖ فَاَکْرِمْہُ
وَاِنْ کَانَ کَاذِبًا فَخُذْہُ ۱۷۵ ، ۱۷۶
آپ کی تائید میں کسوف خسوف کا نشان ۳۰
آسمانی اور زمینی نشانات کا پورا ہونا ۳۱ ، ۴۳۳
اگر ہم کذب پر ہیں تو خود ہمارا کذب ہمیں
ہلاک کرنے کے واسطے کافی ہے ۴۵۴
ہمارے دعویٰ الہام و مکالمہ الٰہیہ کو بیس سال
گذر چکے ہیں (۱۸۹۹ء) ۱۹۹
آپ کی حقانیت معلوم کرنے کیلئے صحبت میں
صبر اور حسنِ ظن سے رہنا ضروری ہے ۴۱۲

الہامات

میرے الہاموں سے قوم کا فائدہ اور
اسلام کا فائدہ ہے ۲۰۴
میرے الہامات جو خدا تعالیٰ کی طرف سے
مجھے ہوتے ہیں.... وہ ضائع نہ ہوں گے
اور وہ قائم رہیں گے ۴۹۰
اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم
اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا ۱۵۱
بہت دفعہ خدا کی طرف سے الہام ہوا کہ تم لوگ
متقی بن جاؤ اور تقویٰ کی باریک راہوں
پر چلو تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ ۲۰۰
ہمارے الہامات میں بھی آئندہ دو جاؤں
کا سخت اندیشہ ہے ۱۹۷
مجھے یہی الہام ہوا ہے (سورۃ الفیل کی
آیات) ۱۱۱
تحفہ گولڑویہ کے متعلق الہامی بشارت ۳۸۰

عربی الہامات

ا - اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِکَ ۶۶ ، ۶۷
اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِکَ اِلَّا فِیْ شُرَکَائِکَ ۵۶۴
اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ۴۰۴ ، ۵۰۶
اَصِحُّ زَوْجَتِیْ ۴۳۹
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ
مُّحْسِنُوْنَ مَیں گِن نہیں سکتا کہ یہ الہام
مجھے کتنی مرتبہ ہوا ہے ۱۵۱
اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ ۱۲۲ ، ۵۰۴
اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ ۳۷۹
اِنِّیْ مَعَ الْاَمْرَاءِ اٰتِیْکَ بَغْتَۃً ۳۸۱
ج - جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ ۵۸۵
ر - رَشَنَ الْخَبَرُ ۵۸۵
س - سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ ۳۸۸
ص - صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَکَانَ وَعْدُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا ۱۲۳
ع - عَلٰی مَشْرَبِ الْحَسَنِ ۳۸۸
ق - قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ
یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۵۴۰
قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۱۲۲
قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۳۹۰
ک - کَفَیْنَاکَ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ ۶۵۰

كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا ۴۰۰

م - مَحْمُوْمٌ - نَظَرْتُ اِلَى الْمَحْمُوْمِ ۵۸۹

مَنَعَهٗ مَانِعٌ مِّنَ السَّمَاءِ ۴۴۱

ھ - هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى ۵۸۵

و - وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۱۳۳

وَاِنِّيْ اَرٰى بَعْضَ الْمَنَاصِبِ تَنْزِلُ ۵۳۴

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۶۴

يَوْمَ تَاْتِيْكَ الْقَاشِيَةُ يَوْمَ تَشْجُوْكُمْ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۱۵۲

اُردو اور فارسی الہامات

آج سے یہ شرف دکھائیں گے ہم ۵۰۵

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے ۵۳۶

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے ۳۹۱، ۴۵۶

بترس از تیغ بُرّان محمد ۳۷۸

سال دیگر را کہ می داند حساب

تا کجا رفت آنکہ با ما بود یار ۵۰۵

فری میسن اس کے قتل پر مستطیل نہیں کیے جائینگے ۵۸۸

کون کہہ سکتا ہے اے بجلی! آسمان سے

مت گر ۱۳۴

"گورنر جنرل کی دُعاؤں کی قبولیت کا وقت آگیا" ۳۰۶

مضمون بالا رہا ۵۲۵

مَیں تجھے یہاں تک برکت دوں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے ۳۰۶

وہ بیت الصدق کو بیت التزویر بنانا چاہتے ہیں۔ ۳۶۳

رویاء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رویاء (پنجاب میں) سیاہ پودے لگاتے جانے والی رویاء کا ذکر ۱۱۸، ۱۶۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خواب اپنی ایک داڑھ نکالنا اور اس کی تعبیر ۱۷۶

سُرمہ چشم آریہ کے بارہ میں ایک رویا اور اسکی تعبیر ۱۸۳

حضور کی ۱۴ سال قبل کی ایک رویا کہ آپ کا چوتھا بیٹا ہوگا اور اسکا عقیقہ سوموار کو ہوگا اور اس کا پورا ہونا ۲۰۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ملکہ وکٹوریہ کو اپنے گھر دیکھنا ۲۰۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رویاء کہ ایک شخص نے قے کی ہے اور اس پر کپڑا دیکر اسے چھپایا ہے ۵۳۷

حضرت اقدس کا ایک رویا میں اللہ تعالیٰ سے فرمانا کہ سب سے بہتر اور تیز تر وہ تلوار ہے جو تیری تلوار میرے پاس ہے ۵۳۸

الہام مَحْمُوْم پھر نَظَرْتُ اِلَى الْمَحْمُوْمِ کے بعد دیکھا کہ بجرے کی ران کا ٹکڑا چھت سے لٹکایا ہوا ہے ۵۷۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رویاء کہ عدالت سے ایک پروانہ آیا ہے جس میں لکھا ہوا تھا کہ عدالتِ عالیہ نے اسے بُری کیا ہے ۵۸۵

الہامات۔ رویاء و کشوف

ایک کاغذ پر لکھا ہوا دیکھنا اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ۵۵۷

چوتھے بیٹے کے بارہ میں چودہ سال قبل کی ایک رویاء کا پورا ہونا ۲۰۱

آپ کی ایک رویاء جس میں آپنے دیکھا کہ بہت سی بھیڑیں ذبح کیلئے لٹائی گئی ہیں ۱۱۸

آپ کے الہامات کی خصوصیت ۲۰۴

میرے الہامات جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہوتے ہیں میرے الہامات ضائع نہیں ہوں گے وہ دائم رہیں گے ۴۹۰

اپنے اوپر نزولِ الہام کی کیفیت کا بیان ۳۰۳

عبودیت اور فروتنی کی حالت میں انوارِ الٰہی کے نزول کا ذاتی تجربہ ۱۳۱

آپ پر سورۃ الفیل کی آیات کا بطور الہام نزول ۱۱۱

کشف و الہام کی درمیانی حالت میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُننا ۳۸۸

اعجاز المسیح کی تصنیف میں سطر سطر پر معجزہ اور فصیح و بلیغ اور پُر معارف فقرات و الفاظ کا الہام ۵۶۴، ۵۷۷

تحفہ گولڑویہ کے بابرکت ہونے کے بارہ میں الہام ۳۸۰

آپ کا الہام کہ فری میسن آپ کے قتل پر مستطیل نہیں کئے جائیں گے ۵۸۸

تیئس سال سے زیادہ عرصہ گذرتا ہے کہ تجھے خُدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ تیری عمر اسی برس یا دو چار اوپر یا نیچے ہوگی (سنہ ۱۹۰۱ء) ۴۳۹

نشانات

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں ایسے نشانات عطا کئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے ۲۰۹

آپ کی صداقت کے چار نشانات ۳۱، ۳۲، ۱۸۲

آپ کا ایک دائمی اعجاز ۵۶۴

موتسو (جلسہ اعظم مذاہب) کا نشان ۳۷۶

آتھم کا نشان ۳۷۵

لیکھرام کا نشان ۳۷۷

بریت کا نشان ۳۷۷

قبولیتِ دُعا کا نشان ۱۸۲

مَیں قبولیتِ دُعا کے نمونے دکھانے کو تیار ہوں ۱۲۸

تیس ہزار دعاؤں کی قبولیت

نیز آپ کی عربی تصنیفات کے ایک ایک لفظ میں دُعا کا اثر ہے ۱۸۴

ہماری ہزارہا دُعائیں قبول ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ۹۳، ۵۴۰

میری دُعائیں کُل دُنیا سے زیادہ قبول ہوئی ہیں ۵۶۳

اظہار علی الغیب کا نشان ۱۸۲

پیشگوئیوں کا عظیم الشان نشان مجھے عطا ہوا ہے ۲۷۴

ہماری سب پیشگوئیاں اقتداری پیشگوئیاں ہیں ۲۵۸

آپ کی ایک سو سے زیادہ عظیم الشان

پیشگوئیوں کا تریاق القلوب میں ذکر ۵۸۲
خدائی وعدہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کا
پُورا ہونا ۱۳۴
دورانِ جلسہ ایک اخلاقی کرامت اور
اس کا اثر ۹۰
قرآنی معارف عطا کئے جانے کا نشان ۱۸۳
آپ کا ایک عظیم معجزہ۔ مخالفین کا تفسیر نویسی
میں عجز ۴۳۱
آپ کی تفسیر اعجاز المسیح کی اعجازی شان ۴۵۱
خطبہ الہامیہ کا نشان ۳۲۵
عربی تصانیف اور ایام الصلح کی تصنیف میں
خاص تائیداتِ الٰہیہ ۱۷۶
ڈاکٹر مارٹن کلارک کے مقدمہ میں آپ کی
برئیت کیلئے کپتان ڈگلس پر الٰہی تصرف ۴۴۴
قرآنِ کریم سے ہر صداقت دکھلانے کا
چیلنج ۱۸۷
یہود اور عیسائیوں کو نشان نمائی کا چیلنج ۲۷۵
ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اگر کسی آریہ یا پادری
کو اپنے مذہب کے کمالات اور خوبیاں بیان
کرنے کے لیے بُلایا جائے تو وہ ہمارے
مقابلہ میں ایک ساعت نہ ٹھہر سکے گا ۱۱۱

عقائد و تعلیم

آپ کے قسمیہ عقائد ۲۷۵
حنفی مذہب پر ہونے کی حقیقت ۵۳۱
مَیں کوئی نئی شریعت لیکر نہیں آیا ۴۹۰
مسیح علیہ السلام سے تعلیم میں مشابہت ۵۰۰
ہم جس بات کی دعوت کرتے ہیں وہ یہ
ہے کہ خدا کی تلاش کرو ۴۶۸
ہم قرآن شریف ہی کی تعلیم دینے آئے ہیں ۵۲۹
مختصر خلاصہ ہماری تعلیم کا یہی ہے کہ انسان
اپنی تمام طاقتوں کو خدا کی طرف لگا دے ۵۱۳
بیعت میں دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا
عہد لینے کا مقصد ۳۵۰
مَیں نبیوں کی عزت و حُرمت کرنا اپنے ایمان
کا جُزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریم کی فضیلت کُل
انبیاء پر میرے ایمان کا جزوِ اعظم ہے ۴۲۰
آپ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی عظمت اور محبت ۴۸۱
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور
جلال کے لیے خاص قسم کی غیرت لیکر آیا ہے ۴۶، ۱۰۹
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوعین پر
حضور کا کرب ۴۸۲
ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کامل شریعت لیکر آئے جو نبوت
کے خاتم تھے ۴۹۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما
کی مدح و فضیلت بیان فرمانا ۲۱۴
تزکیہ نفس کے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے والے روحانی
انعامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
اتباع کے بغیر نہیں مل سکتے ۱۳۲
اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہے ۵۸۲
مَیں ہمیشہ سے اس بات پر اعتقاد رکھتا ہوں
کہ حضرت عیسیٰ بے باپ پیدا ہوئے تھے ۴۷۵
ہمارا ایمان ہے کہ مسیح کی پیدائش باپ کے
بدوں خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ تھی ۵۶۷
جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ
پیدا نہیں کر سکتا ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام
سے خارج سمجھتے ہیں ۵۱۳
ہمارا نور قلب (حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ
بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ) کو صحیح قرار دیتا ہے ۲۳۱

سُلطان القلم

قلم سے ہم کو اذیت دی گئی اور قلم ہی ہمارا
حربہ ہے ۲۸
قلمی جہاد کا عزم ۳۸
ایک عربی تصنیف کا ارادہ ۲۲۳
کتاب کشف الغطاء کی تصنیف کا مقصد ۱۸۴
عربی زبان میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کا ارادہ ۴۴۲
کتاب اعجاز المسیح کے ذکر میں فرمایا۔ مَیں
عربوں کے دعویٰ ادب و فصاحت و بلاغت
کو بالکل توڑنا چاہتا ہوں ۵۶۴
ایک کتاب "تعلیم" لکھنے کی خواہش ۲۶۰
عورتوں کے لیے قصہ کے پیرایہ میں سوال و
جواب کے طور پر آسان عبارت میں تصنیف
کرنے کا ارادہ ۵۸۴
مسیح علیہ السلام کی نسبت اطراء و غلو کے
استیصال کے لیے حضور کا ارادہ ۵۶۳
مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے
میں ایک تصنیف کا ارادہ ۵۶۷
مَیں (یہودیوں اور فرنگی تھنکرز کے) پیرایہ
اعتراض جمع کر کے خود حضرت مسیح کی طرف سے
جواب دُوں گا ۵۶۸

اخلاق و عادات

شاہانہ اور تجربانی طبیعت ۵۷۴
مصروفیت کا حال ۵۶۵
رمضان المبارک میں حضور کی مصروفیات ۳۱۱
قبر سے رُوح کے تعلق کا ذاتی تجربہ ۱۹۱
اگر ہم چاہیں تو دعا پر توجہ کریں اور اس سے
سب حال دریافت کریں مگر ہماری طبیعت
اس امر سے کراہت کرتی ہے ۲۶۰
صُبح کی سیر کا معمول ۵۶۹، ۵۷۰
بعد نماز مغرب احباب میں تشریف
رکھنے کا معمول ۵۲۹، ۵۶۰
اپنی بیماریوں کی کثرت کے بارے میں فرمایا
اس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے مصالح
ہوں ۳۸۴
فوٹو بنوانے کی غرض ۵۵۶
مولوی کہلانے پر ناپسندیدگی ۶
عشق و محبت الٰہی کے بارہ میں آپ کی
کیفیت ۳۰۲
اللہ تعالیٰ کی قُدرت پر ایمان ۴۴۳
میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب
ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں ۴۳۹
محض ثواب یا عذاب میرے کام کی غرض
نہیں ہے ۵۶۱

میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر وقت میرا گذرتا ہے وہ سب عبادت ہی ہے ۴۷۰
امرِ الٰہی کی تعمیل ۳۱۱، ۵۰۷
توکل علی اللہ ۴۴۲
اس خسیس دُنیا کو خوش کرکے اپنے خدا کی دھتکار کی طاقت ہم کہاں رکھ سکتے ہیں ۲۱۵
ہم کو تو خدا پر اتنا بھروسہ ہے کہ ہم تو اپنے لیے دُعا بھی نہیں کرتے ۴۴۴
جب میرا کیسہ خالی ہوتا ہے تو جو ذوق و سرور اللہ تعالیٰ پر توکل کا اسوقت مجھے حاصل ہوتا ہے میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا ۲۱۶
خوفِ خدا ۳۰۶
دین کے لیے غیرت ۳۰۲
جب کوئی دینی ضروری کام آپڑے تو میں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کرلیتا ہوں جبتک وہ کام نہ ہو جائے ۳۱۰
جو شخص چاہے کہ ہم اس سے پیار کریں وہ ہمیں یقین دلادے کہ وہ خادمِ دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے ۳۱۱
وقفِ زندگی کی راحت و لذت کا ذاتی تجربہ ۳۷۰
ایک دینی خوشخبری پر حضور کا اس قدر خوش ہونا کہ اگر کوئی آپ کو کروڑوں روپے لاکر دیتا تو اتنا خوش نہ ہوتے ۲۰۳
میری حالت یہانتک پہنچ گئی ہے:
اب مجھے کوئی خواب بھی آتا ہے تو میں اسے اپنی ذات سے مخصوص نہیں سمجھتا بلکہ اسلام اور اپنی جماعت کے متعلق سمجھتا ہوں ۱۸۱
خدا تعالیٰ کی راہ میں لوہے کے کنگن پہننے پر آمادگی ۲۰۲
دُعا کے بارہ میں صاحبِ تجربہ ۶۷
مشکلات پیش آنے پر صرف دُعا اور تضرع میں مصروف ہونا ۵۴۲
آپ کی دُعائیں جن پر آپ التزام رکھتے تھے ۳۰۹
میں اتنی دُعا کرتا ہوں کہ دُعا کرتے کرتے ضُعف کا غلبہ ہو جاتا ہے ۲۰۰
میرا تو مذہب ہے کہ دُعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے ۳۵۳
آپ کی ایک دُعا ۱۵۳
میری سب سے مقدم دُعا یہی ہوتی ہے کہ میرے دوستوں کو ہموم و غموم سے محفوظ رکھے ۶۶
ہم نے اپنے دوستوں کے لیے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ وہ خواہ یاد دلائیں یا نہ دلائیں ان کی دینی اور دنیوی بھلائی کے لیے دُعا کی جاتی ہے ۶۸
میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دُعا نہیں کرتا ۵۶۲
اپنی جماعت کے لیے دُعا ۴۰۵
اپنے احباب کے لیے دُعا فرمانا ۱۵۶
میں آج کا دن اور رات کا کچھ قدر حصّہ اپنے اور اپنے دوستوں کیلئے دُعا میں گذارنا چاہتا ہوں ۳۲۴
خدمتِ دین کے سزاوار شخص کے لیے بھی اپنے دل میں دُعا کی تحریک پاتے تھے ۲۱۵
ہمدردیٔ خلائق کا جذبہ ۹۳، ۳۰۵
ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کُل مخلوق سے احسان کرو ۳۰۴
میری رُوح میں نہایت دِلسوزی اور سچی ہمدردی ہے ۹۰
اسلام اور اہلِ اسلام کی حمایت ۱۵۸
طالبانِ حق کے لئے درد دل کی کیفیت ۲۶۸
سائل کے لیے بے قراری اور اضطراب ۳۰۳
بچوں کی تربیت کے لیے ان سے سختی کی بجائے ان کے لیے دُعائیں فرمانا ۳۰۹
دیہاتی خواتین اور بچوں کا علاج فرمانا ۳۰۸
بیوی سے حُسنِ معاشرت ۳۰۷
دوستوں کے لیے دِلسوزی اور غمخواری ۶۶
ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے ۳۰۱
ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور دوستوں میں مشترک جانتے ہیں اور بڑی آرزو ہے کہ مل کر چند روز گذارہ کریں ۳۱۰
ہمارا تعلق دوستوں سے اسقدر ہے کہ جس قدر دوست ہیں اور ان کے اہل و عیال ہیں گویا ہمارے ہی ہیں ۴۳۵
ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی نے شراب پی ہو اور وہ بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومۃ لائم اسے اُٹھا کر لے آئیں گے ۳۱۱
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے لیے پیرہ دینا کہ پیچھے آپ کی نیند میں خلل نہ ڈالیں ۳۱۰
حضرت کا مولانا نورالدین صاحب کی عیادت فرمانا ۱۷۷
میں بڑی آرزو رکھتا ہوں اور دُعائیں کرتا ہوں کہ میرے دوستوں کی عمریں لمبی ہوں ۲۰۲
ہمیں اتفاق نہیں ہوا کہ انگریزی میں لکھ پڑھ سکتے اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے ۴۷۸
میں قسماً کہتا ہوں کہ مجھے لوگوں کے ساتھ کوئی عداوت نہیں ۴۵۰
مجھے اپنی دشمنی اور اپنی توہین یا عزت یا تنعیم کا تو کچھ بھی خیال نہیں ہے ۴۸۲
لوگوں کی گالیوں سے ہمارا نفس جوش میں نہیں آتا ۶
ہم ذاتیات میں دخل نہیں دیتے یہ تقویٰ کے خلاف ہے ۵۲۱
ہم بحث کرنا نہیں چاہتے ہمارا مطلب صرف سمجھا دینا ہوتا ہے ۵۲۷
میرا دل سخت ہو جاتا ہے ایسے شخص کے حال کو دیکھ کر جو حیفۂ دُنیا کی تڑپ میں گڑھتا ہے ۲۱۶

حیا ۳۰۸
غیر معمولی ہمت و استقلال ۴۹۴
خاکساری اور عجز و پسندی ۲۶۵، ۳۱۰
نیکی کا اخفاء ۳۰۲
جو کام میں خود کر سکتا ہوں اس کے لیے کسی دوسرے کو کبھی کہتا ہی نہیں ۴۰۸
وقت کی قدر ۳۱۰
کم خوری اور بھوک کی برداشت ۳۰۲
ہم دنیا میں کسی انسان کی خوشامد کر سکتے ہی نہیں ۱۵۱
احسان کی قدر کرنا ہماری سرشت میں ہے ۱۵۱
متکلفات سے پرہیز ۳۰۹
ہمارے ہاں مطلق تکلف نہیں ہے ۲۰۶
عفو و درگذر ۳۰۲
خادموں سے چشم پوشی ۳۰۸
بچوں سے درگذر اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا ۳۰۷
آپ کے عفو کا ایک واقعہ ۲۰۱

جماعت

نیز دیکھئے مضامین کے انڈیکس میں جماعت احمدیہ
مسیح موعود کی جماعت کا درجہ ۴۰۵
میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے ۴۲۳
جماعت نے اپنے اندر صحابہ کا رنگ پیدا کرنا ہے ۲۷، ۴۳۱
میں نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میں دعا کے ساتھ اپنی جماعت کی مدد کروں ۴۵۲
میں دو باتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں ایک یہ کہ اپنی جماعت کے واسطے دعا کروں اور دوم یہ کہ قرآن شریف کا ایک خلاصہ ان کو لکھ دوں ۴۵۳
جماعت کے نام نرمی اور خلق کی وصیت ۱۷۵
حضرت مولوی عبدالکریم کی درخواست پر جماعت کی باہمی محبت و اتفاق پر لیکچر ۳۳۶
دوستوں کو بار بار ملنے کی تلقین ۲۰۵
ہم نے بارہا اپنے دوستوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ بار بار یہاں آکر رہیں اور فائدہ اٹھائیں ۱۲۴
جماعت کے نوجوانوں کو خاص طور پر اپنے پاس آکر رہنے کی نصیحت ۴۰۱، ۴۴۵
جو لوگ خدا اور رسول کے موعود کے پاس نہ بیٹھیں وہ فلاح پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ۱۲۴
میری پیروی کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ ۱۲۰
میری باتوں کو استخفاف اور استہزاء کی نظر سے نہ دیکھیں ۱۸۸
ہم نے انگریزی نہیں پڑھی وہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے ۲۵۶

تاریخی واقعات

آپ کے پڑدادا کی سخاوت اور علم پروری ۵۷۹
والد اور بھائی کا آپ کی خوش نصیبی پر رشک ۲۱۶، ۲۱۷
اللہ تعالیٰ نے پندرہ یا سولہ برس کی عمر میں مجھے اولاد دیدی تھی ۵۶۲
سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیت کا مطالعہ ۴۸۱، ۴۸۲
زمانہ طالب علمی میں ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو الوہیت مسیح کی تردید کا ایک جوش عطا فرمادیا تھا ۵۶۴
میں خود ایک مرتبہ آسیس ہو کر گیا تھا ۳۵۵
میں بھی ایک دفعہ ملتان گیا ہوں ۳۵۰
مقدمہ دیوار میں فتح یابی ۵۳۳
طاعون کے علاج کے لیے ایک دوائی کی تیاری کا ذکر ۱۶۹
جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء کے موقعہ پر پہلی تقریر ۷
بتقریب جلسہ طاعون مورخہ ۲۷ مئی ۱۸۹۸ء
حضور کا خطاب فرمانا ۱۵۹
وفد نصیبین کے الوداع کے موقعہ پر حضور کی تقریر ۲۲۱
ایک یورپین سیاح ڈی ڈی ڈکسن سے گفتگو ۵۸۰
سناتن دھرم کے ایک سادھو سے معرفت الٰہی کے موضوع پر گفتگو ۲۱۰
ایک غیر مسلم خاتون رانی ایشر کور کی دعوت اور نذر قبول فرمانا ۱۹۲
عیسائیوں کی دلآزار کتاب امہات المومنین کے بارہ میں حضور کا انجمن حمایت اسلام کے میموریل کی اصلاح فرمانا ۱۵۸

مخالفت

اگر میں خدا کی طرف سے نہ آیا ہوتا تو میری یہ مخالفت بھی ہرگز نہ ہوتی ۴۱۳
جس جگہ میں بیٹھا ہوں اگر آج اس جگہ موسیٰ یا عیسیٰ بیٹھے ہوتے تو وہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے جس نظر سے میں دیکھا جاتا ہوں ۴۸۹
میری نسبت ایک بھی اعتراض ایسا نہیں ہے جو اولوالعزم انبیاء پر نہ کیا گیا ہو ۴۸۱
باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیرت اور حمیت رکھنے کے آپکی مخالفت ۱۰۹
ہمارے مخالف بھی ہمارے نوکر ہو جائیں کہ کسی نہ کسی رنگ میں ہماری بات مشرق و مغرب تک پہنچا دیتے ہیں ۲۶۴
شدید مخالفت کی وجوہ ۴۸۳
منکرین اور مخالفین کی روش اور طریق ۱۱۹، ۱۲۲
ہمارے مخالف بردباری کا دل لے کر نہیں آتے ۱۲۳
مخالفین کا آپ سے کینہ میں غلو ۵۲۰
مخالفین کی بدظنی ۳۷۵
نشانات کی تکذیب ۳۷۸
مولوی محمد حسین بٹالوی کا آپکے خلاف ضمانت برائے حفظ امن کا مقدمہ دائر کرنا ۱۹۲
مخالفین کی آپ سے مقابلہ کی تین صورتیں ۲۰۴
مخالفین پر سختی کی وجہ ۵
مخالفین کو قرآن دانی کا چیلنج ۱۸۳
مخالفین کو صلح کی دعوت ۳۵۵
ہمارے مخالفین میں دراصل کوئی عالم نہیں ہے ۴۲۰

مسیح موعود کو نہ ماننے کے نتائج ۱۲۲، ۴۴۹
آپ کے مخالفین کے مستقبل کے متعلق
ایک نظارہ ۵۳۸
خلافِ اسلام کتابوں کی ضبطی کے بارہ
میں حضور کا موقف ۱۵۹
غلام قادر مرزا برادر اکبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام
حضرت اماں جان کا آپ کو رویا میں
دیکھنا ۵۸۵، ۵۸۶
غلام محمد سیالکوٹی۔ ماسٹر ۱۷۷
غلام محی الدین ممبر کونسل کشمیر
اچانک وفات ۴۰۲
غلام مرتضیٰ مرزا والد ماجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام
آپ کو طب کا پچاس برس کا تجربہ تھا۔
آپ فرماتے تھے حکمی نسخہ کوئی نہیں ۱۶۶، ۳۰۳

ف

فارقلیط
فارقلیط کی حقیقت ۵۸۶
فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے فرمانا کہ میری
بیٹی ہونا تمہارے کام نہیں آئے گا ۳۰۴
سیدہ باعتبار اولادِ علیؓ نہیں بلکہ باعتبار
اولادِ فاطمہ سیدہ کہلاتے ہیں ۵۷۹
فخر الدین رازی امام
آپ کا قول کہ جو شخص خدا تعالیٰ کو عقل کے
پیمانہ سے اندازہ کرنے کا ارادہ کرے
وہ بے وقوف ہے ۵۶
فرعون ۲۵، ۲۶، ۴۱۹
حضرت موسیٰ کا آپ کی گود میں پرورش پانا ۳۲۸
موسیٰ علیہ السلام کی فرعون پر فتح ۴۹۷
ایک قسم کے مومنوں کی فرعون کی بیوی
سے مثال ۵۲۲
فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۶
فضل مسٹر
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات
کرنے والے عیسائیوں کے وفد کا ایک ممبر ۵۰۳
فضل احمد مرزا پسر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۵۶۲
فضل دین حکیم بھیروی رضی اللہ عنہ
حضورؑ کا آپ سے فرمانا آپ کا یہاں
بیٹھنا ہی جہاد ہے ۳۰۱
فلپ سڈنی۔ سر
مرتے وقت ایثار کا مظاہرہ ۱۳۸
فنڈر پادری
اسلام کے خلاف میزان الحق کی تصنیف ۵۶۴
قرآن شریف کے معجزہ فصاحت و بلاغت کے
مقابلہ میں تحریری اور ابوالفضل کو پیش کرنا ۴۴۱
اس امر کا اعتراف کہ جن لوگوں تک تثلیث
کی تعلیم نہیں پہنچی ان سے توحید کا مواخذہ
ہوگا ۴۰، ۲۱۹، ۳۴۳

ق

قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۶
قطب الدین مولوی رضی اللہ عنہ
وفد نصیبین کے ایک رکن ۲۲۴
روح کے قبر سے تعلق کے متعلق آپکا سوال ۱۸۹
قیصر
قیصر و کسریٰ ۵۱۴، ۵۱۵

ک

کبیر بھگت
"اچھا ہوا کہ ہم نے چماروں کے گھر جنم لیا" ۳۰۵
کرزن لارڈ۔ وائسرائے ہند
دہلی کی جامع مسجد میں جوتے اتار کر جانا ۳۱۱
کریم بخش
لدھیانہ کے وہ صاحب جنہوں نے گلاب شاہ
مجذوب کی شہادت بیان فرمائی ۵۳۶
کسریٰ
قیصر و کسریٰ ۵۱۴، ۵۱۵
کسریٰ کے سونے کے کڑے ایک صحابی
کو پہناتے گئے ۳۲۵
کعب (بن اشرف) مدینہ کا معاند یہودی ۲۵۸
کلارک
دیکھئے۔ مارٹن کلارک ہنری ڈاکٹر
کمال الدین خواجہ ۱۳۸
آپ کے ایل۔ ایل۔ بی کے امتحان میں
کامیابی پر حضرت اقدس کی تقریر ۹۷
آپ اس بات کے گواہ ہیں کہ جلسہ اعظم مذاہب
کے وقوع سے پہلے انہیں حضور کے مضمون
کے غالب رہنے کی خبر دی گئی تھی ۳۷۶
کمتے شاہ
ان کے استاد بڑی تضرع سے دعا کرتے
تھے کہ زندگی میں صحیح بخاری کی ایک دفعہ
زیارت ہو جائے ۲۰۷، ۳۱۸
کیشو داس لالہ تحصیلدار بٹالہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات
کے لیے حاضر ہونا ۲۱۸
کینیڈی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس بٹالہ ۵۸۲

گ

گریفن سر
مصنف رؤسائے پنجاب ۵۲۱
گلاب شاہ۔ ساکن ڈلہ
سکھوں کے زیر اثر گرنتھ پڑھنا ۲۹۶
گلاب شاہ مجذوب
لدھیانہ کے نواح کا ایک مجذوب جس
نے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں پیدا ہو گیا
ہے اور اس کا نام غلام احمد ہے ۵۳۶
گل علی شاہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے استاد جو مذہبًا
شیعہ تھے ۵۶۴، ۵۸۳

ل

لوط علیہ السلام
آپ کی قوم کا انجام ۹۶
لوقا
ان کے حالات پر تحقیق کرنے کا ارشاد ۲۶۰
لیکھرام پنڈت
آریہ سماج کا سرگرم پرچارک
۱۸۳، ۲۰۴، ۲۵۸، ۴۵۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

گستاخی اور اس کی سزا پانا ۲۵۷، ۳۷۷
اس کا مطالبہ تھا کہ خیر الماکرین خدا سے
میرے لیے نشان طلب کرو ۵۸۷
لیکھرام کا نشان اسلام کی صداقت کا
عظیم نشان ہے ۳۱، ۳۲۹، ۳۷۷
آتھم کے نشان کی تکذیب پر اس کا
نشان ظاہر ہوا ۳۶۳
لیکھرام کے نشان سے مولویوں نے کوئی
فائدہ نہیں اُٹھایا ۳۷۵
لیمار چنڈ پولیس آفیسر گورداسپور
جس نے کیپٹن ڈگلس کے حکم پر پادری
مارٹن کلارک کے کیس کی تفتیش کی ۱۴۱

م

مارٹن کلارک ہنری ۔ ڈاکٹر پادری ۱۸۳، ۳۳۳
مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف مقدمہ قتل
قائم کرنا ۱۴۴، ۳۷۷، ۴۳۴
اپنے مقدمہ کی کمزوری کو محسوس کرنا ۱۵۹
محمد حسین بٹالوی کا اس کے مقدمہ میں
اس کے حق میں گواہی دینا ۱۳۵
قسم کھانا ۳۷۶
مالک بن انس امام رضی اللہ عنہ
آپ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں ۲۹۴
مبارک احمد مرزا صاحبزادہ حضرت مسیح موعودؑ
منشاء الٰہی سے ایک پرانی خواب کے مطابق
آپ کا عقیقہ بروز سوموار ۲۹ جون ۱۸۹۹ء
کو ہوا ۲۰۱
آج ۲ اگست (۱۹۰۱ء) آپ کی طبیعت
اچھی رہی ۵۲۹
محسن الملک نواب ۴۱۱
محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
بائبل میں آپ کے متعلق بشارات
تورات میں حضرت ہاجرہ و اسماعیل کے ذکر
میں آپ کے متعلق ایک پیشگوئی ۵۷۰
فاران کی چوٹیوں سے سراجِ منیر کا طلوع ۶۱
فارقلیط کی حقیقت ۵۸۶

محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کا اسم اعظم محمد ہے ۴۴۳
محمد نام کا مستحق ۴۲۰، ۴۲۱
دُنیا میں ایک ہی کامل انسان گذرا ہے
جس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہے ۲۸۷
اِسْمُهٗ اَحْمَدُ ۴۲۲
آپ کے اسماء محمد اور احمد کی حکمت
۳۰۱، ۳۹۵، ۴۱۹، ۴۴۴
آپ کے مبارک اسماء محمد اور احمد کے اسرار ۴۲۳
آپ کی مکی زندگی اسم احمد کی تجلی تھی ۴۲۳
محمد اور احمد دونوں حمد سے نکلے ہیں ۴۲۹

مقام
صفاتِ الٰہیہ کے حقیقی مظہر ۳۲۷، ۴۳۰
اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اربعہ کے مظہر ۳۳۴
مظہرِ رحمانیت و رحیمیت ۳۹۵
ربوبیتِ تامہ کے مظہر ۷۷، ۳۲۸
رحمۃ للعالمین ۷۹، ۸۰
آپ کا نقطۂ نفسی عرش تھا ۳۹۶
مقام قاب قوسین پر فائز ۵۷۵
اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفیل میں آپ کو
کعبہ قرار دیا ہے ۱۱۰
نبی آخر الزمان کو عید الاضحیٰ سے مناسبت ۳۲۶
آپ کا زمانہ بھی لیلۃ القدر تھا ۵۳۶
اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ
عَلٰی قَدَمِیْ (حدیث) ۴۲۶
کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ
وَالطِّیْنِ (حدیث) ۴۲۹
سید المعصومین ۱۰۹
آپ کی فضیلت کُل انبیاء پر بسبب ایمان
کا مجرد اعظم ہے (مسیح موعود) ۴۲۰
آپ کا زمانہ پانے کے لیے انبیاء
تمنا کرتے رہے ۴۱۴
آپ کی انبیاء سے نسبت ۱۸۵
آپ کی ازواج کو امہات المومنین
کہنے کی وجہ ۹۳
بشیر اور نذیر ۳۴۷
انسان اعمال سے ترقی نہیں کر سکتا آنحضرتؐ
کا مرتبہ سمجھنے سے ترقی کر سکتا ہے ۵۷۸

خاتم النبیین
خاتم النبیین ۲۳۵، ۳۷۵
خاتم المومنین۔ خاتم العارفین اور خاتم النبیین ۲۲۷
آپ خاتم النبیین تھے، اس لیے آپ پر
کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے ۵۱۲
کمالاتِ نبوت کا دائرہ آپ پر ختم ہوا ۱۸۹
جامع جمیع کمالاتِ نبوت ۳۲۶، ۳۳۶، ۳۴۷
چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء
ٹھہرایا تھا اس لیے آپ کی حرکات و
سکنات میں بھی اعجاز رکھ دیئے تھے ۳۲۸
آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ایک پہلو ۲۳۱
آپ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا
جس کی نبوت پر آپ کی مُہر نہ ہو ۲۲۲
مُہرِ نبوت کے نشان سے استبعاد لازم
نہیں آتا ۱۸۸
آنحضرتؐ کی مُہرِ نبوت کے بارہ میں تفتیش
مناسب نہیں ۱۸۵

خصوصیات
بروز ابراہیم علیہ السلام ۲۹۴
مثیلِ موسیٰ علیہ السلام
۲۵، ۲۶، ۴۵۵، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۹۰، ۴۹۷
محمدی سلسلہ کی موسوی سلسلہ سے مماثلت ۵۳۲
بنی اسماعیل میں سلسلہ محمدیہ کے بانی۔
امام اور سوار ۴۷۵، ۴۹۷
رسولِ اُمتی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر مقام ۷۷
اُمتی ہونے کا دعویٰ اور تحدی ۳۲۸
ہادیٔ کامل اُمتی ۲۶
اُمتی ہونے کی حکمت ۲۸۴
باوجود اُمتی ہونے کے آپ کو تمام علوم
عطا کئے گئے ۹، ۳۲۷
آپ کا فرمانا کہ ہم اُمّی ہیں اور حساب

نہیں جانتے ۸۰
آپؐ کے لفظ لفظ میں معارف و اسرار ہیں ۵۱۱
آپؐ کا سارا کلام وحی تھا مگر قرآن شریف کا ایک خاص وحی ہے۔ ۴۷۱
آپؐ واحد نبی ہیں جن کو مخالفین نے سلطنت پیش کی ۱۱
آپؐ کے والد ماجد مشرک نہیں تھے ۲۲
کامل نمونہ ۲۴۰ ، ۳۴۸
آپؐ کی عظمت اور اس کا باعث ۵۱۵
سب عزتوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے ۳۵۶
پیکرِ صدق آپؐ کی مبارک ذات ہے ۲۴۳
وہ انسان کامل جو دُنیا میں صداقت اور راستی کی رُوح لیکر آیا ۶۵
باوجود کامل ہونے کے عبُودیت کا اعتراف ۷۴
آپؐ کا نام قاسم ہونے کی وجہ ۵۷۵
آپؐ کے انوار و برکات کی وسعت ۱۳۱
آپؐ کے ذریعہ قوموں کو آبِ حیات کی تقسیم ۱۷۳
زندہ رسُول ابدالآباد کے لیے صرف محمدؐ رسُول اللہ علیہ وسلم ہیں ۲۷۵
جن مصائب اور تکالیف کے امتحانات میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس ہوئے وہ دُوسرے کا کام نہ تھا ۵۲۴
اگر (آدم) کی جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سا جوہر قابل ہوتا تو شیطان کا کچھ بھی پیش نہ جاتا ۴۳۸
حضرت عائشہؓ کے متعلق آپ کی گھبراہٹ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ خدا کی طرح ہر وقت حاضر ناظر نہیں تھے ۵۲۴
بعض واقعات کا ذکر جو حضور کے اجتہاد کے مطابق واقع نہیں ہوئے ۴۵۶

بعثت کی غرض و غایت

دُنیا میں آنے کی غرض و غایت ۴۲۶
آپؐ کی بعثت کی غرض ۴۲۶
قرآن کی رُو سے آپ کی زندگی کے دو مقاصد ۳۸۵
اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی بعثت کا احسان ۴۱۸

صداقت

آپؐ کی صداقت کے متعلق ایک قرآنی دلیل ۵۱۹
آپؐ کے صدقِ نبوت پر سب سے بڑی دلیل ۴۲۲
آپؐ کی کامیاب اور مبارک زندگی ۳۴۴
آپؐ کی کامیابیاں ۳۳۴
آپؐ کی کامیابی کی نظیر کسی نبی کی زندگی میں نہیں ملتی ۱۱۶
آپؐ کی بعثت کے وقت عرب اور باقی دنیا کی اخلاقی اور رُوحانی حالت ۱۴۷، ۳۵۷، ۴۴۳
ایک شخص نے آپ کا چہرہ دیکھ کر کہا تھا کہ یہ جھوٹوں کا مُنہ نہیں ۱۸۸
حضرت ابوبکرؓ کا آپ پر حسن ظن ۲۴۸
ایک یہودی کا اپنی فراست سے آپؐ کے وجود میں نبوت کا نشان پانا ۲۵۹
آپؐ کا مکالمہ الٰہیہ کا زمانہ ۲۳ سال ہے ۱۹۹
قیامت تک آپ کی تائید و نصرت کے بارہ میں قرآن کریم کی پیشگوئی ۱۱۰

معجزات

آپؐ کے زمانہ کے مطابق اعلیٰ درجہ کے خوارق اور معجزات کی ضرورت تھی ۵۷۲
آپؐ کے معجزات مستقل اور دائمی ہیں ۲۷۴
آپؐ کے معجزات ۵۱
آپؐ کی زندگی کا پہلا ہی قدم اعجاز تھا ۳۲۸
آپؐ کی ہر حرکت و سکون نشان تھا ۳۴۳
آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم تھا ۴۴۰
آپؐ کا عظیم الشان معجزہ آپ کی تعلیم ہے ۱۸۸
حضورؐ کا سب سے بڑا معجزہ آپ کی اصلاح ۲۴
قوم کو نجات دلانے میں باقی انبیاء سے امتیاز ۲۶
آپؐ کے معقولی معجزات ۱۷۰
آپؐ کے اخلاقی معجزات ۶۳
آپؐ کو سب سے بڑا اور قوی اعجاز اخلاق کا دیا گیا تھا ۸۹
آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کا معجزانہ اثر ۵۱
قرآن کریم اور عربی زبان کا معجزہ ۱۸۱
آپؐ اس مرتبہ اعلیٰ پر پہنچے تھے جہاں اقتداری طاقت ملتی ہے ۷۴
آپؐ کی اقتداری معجزہ نمائی کا زندہ ثبوت ۲۷۵
بے نظیر تاثیر فی القلوب ۴۳
باوجود مخالفتوں کے آپؐ کی کامیابیاں ایک معجزہ ہیں ۴۱۳
عظیم الشان قوت جذب اور عظیم الشان کامیابیاں ۴۲۲
آپؐ کا پیدا کردہ بے نظیر رُوحانی انقلاب ۱۸۰
آپؐ کی بے مثال قوتِ قدسیہ ۱۱۵ ، ۳۴۴ ، ۵۳۵
آپؐ کی قوتِ قدسی کے نتیجہ میں آپؐ کی زندگی میں کوئی منافق نہ رہا ۱۱۶
آپؐ نے تھوڑی سی عمر میں ایک دُنیا موحدین سے بھر دی ۴۴۷
آپؐ کی قوت قدسی اور کامل تربیت ۴۳۰
آپؐ کے ہاتھ پر بڑے بڑے شریر آکر تائب ہوتے ۹۴

تزکیۂ نفس

آپؐ کی مطہر زندگی کا ثبوت ۲۸۴
کمال تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی کی دلیل ۷۵
آپؐ کا کمال اور قلب کی طہارت ۴۵۶
آپؐ کے شیطان کے مُسلمان ہونے کا مفہوم ۱۴
تبتّل تام کا عملی نمونہ ۵۵۴ ، ۵۵۵
آپؐ میں ایک فوق العادت یقین خدا تعالیٰ کی ذات پر تھا ۵۵۵
کمالِ عبودیت کا اظہار ۱۳۱
بدر کے روز باوجود فتح کی بشارت کے حضورؐ کا زار و زار دُعائیں فرمانا ۸
آپؐ کے اعمالِ صالحہ کی تعریف تحدیث سے بیرون تھی ۲۴

آپؐ کا طرزِ بیان اور طرزِ نصیحت ۳۷۴

خلقِ عظیم

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۶۴

سب سے اکمل نمونہ اور نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو جمیع اخلاق میں کامل تھے ۸۴

آپؐ کے اخلاق مشاہدہ اور تجربہ کی محک پر کامل المعیار ثابت ہوئے ۸۵

آپؐ کے اخلاقِ کریمہ ۴۵۳

آپؐ کے اخلاق کا کمال ۱۳۲، ۳۵۷

بنی نوع انسان کی حد درجہ ہمدردی اور غمگساری ۲۶۸

صحابہؓ کے لیے دُعائیں فرمانا ۲۸

مادرانہ عطوفت ۳۴۰

نبیٔ معصوم کا ستر بار استغفار ۳

فتح کے نتیجہ میں آپ کی صفت رحم و عفو کا ظہور ۱۲

گستاخ اور شوخ مخالفین کے مقابلہ میں خلقِ عظیم ۶۴

ایک حملہ آور اعرابی کو معاف فرما دینا ۶۳

منافقین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ۴۵۲

مصائب و شدائد میں کامل نمونہ اخلاق ۱۱

بے نظیر شجاعت ۸۴، ۲۵۱

آپؐ کی عالی حوصلگی اور استقامت ۵۱۶

غزوۂ حنین میں آپؐ کی جرأت، شجاعت اور استقامت ۵۱۲، ۵۱۷

بعض کہتے ہیں جنگِ اُحد میں آپؐ کو ۷۰ تلواریں لگیں ۴۵۴

آپؐ کی ہمت اور صدق و صفا اور اسکا اثر ۲۴

آپؐ کا فرمانا کہ سورۂ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے ۱۱۵

اِنفاقِ رزق میں آپ کا مقام ۲۰

بے مثال سخاوت کا ایک واقعہ ۶۳

سخاوت اور عفو ۸۵

بوقتِ وفات جو ایک دینار گھر میں تھا وہ بھی تقسیم کروا دیا ۱۸۰

آپؐ کی لوگوں سے طلبِ امداد کا ستر ۱۰۸

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اِنفاق میں موازنہ ۱۸۰

امرِ حق کے اظہار میں نہ رُکنا ۲۸۱

انبیاء پر احسانات

آپؐ نے آکر تمام انبیاء کو پاک ٹھہرایا ۱۸۶

سب نبیوں کی نبوت کی پردہ پوشی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ۳۴۴

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء پر احسان ۱۸۵، ۲۸۶

مکی اور مدنی زندگی

مکی زندگی کا جمالی دور ۴۲۵

مکہ میں تیرہ سال تک کا لیے اُٹھانا ۵۲۹

مدنی دور کی جلالی زندگی ۴۲۴

آپؐ نے خود تلوار نہیں اٹھائی صرف مدافعت کے لیے ایسا کیا گیا ۵۲۷

آپؐ کی جنگوں کی حیثیت ۵۳۲

آپؐ کی وفات کے سانحہ کے بعد اُمت پر مصائب ۲۵۱

صحابہؓ کا تعلق

آپؐ کے صحابہ کی وفا اور جاں نثاری ۲۷

صحابہؓ میں آپؐ کے لیے غیرت اور حمیت ۱۰۹

صحابہؓ کرام کا آپؐ سے رُوحانی تعلق ۴۸۴

ہجرت میں رفاقت کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمانے کا ستر ۲۵۰

آپؐ کی اِتباع و اطاعت کے ثمرات

آپؐ کی اطاعت کے ثمرات ۱۲۱

آپؐ کی اطاعت ہی سعادتِ عظمیٰ کی راہ ہے ۴۲۸

رُوحانیت کی نشوونما اور زندگی کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اور وہ اِتباعِ رسولؐ ہے ۵۵۸

سالک کے لیے آپؐ کی پیروی بنیادی شرط ہے ۱۷

آپؐ کی سچی اِتباع سے خدا ملتا ہے ۲۳۶

آپؐ کی پیروی خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے ۴۲۶

آپؐ کی اِتباع کے بغیر انسان رُوحانی انعامات حاصل نہیں کر سکتا ۱۳۲

آپؐ کے طرزِ زندگی کو اپنانے کی تلقین ۸۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجددین اور مسیح موعود

آپؐ کے بعد مجددین کی بعثت کا ستر ۱۳۹

آپؐ سے چودہ سو سال پر مسیح موعود کی بعثت ۲۹

آپؐ کا فرمانا کہ جب مسیح آئے تو اس کو میرا سلام کہنا ۵۰۸

مسیح موعود کو السلام علیکم کہنے کا ستر ۵۱۱

قیامت تک آپؐ کے متبعین کی کامیابیاں

آپؐ کی کامیابیاں ۳۴۶

مسیح موعود کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے نشانات حقیقت میں آپؐ کے ہی نشانات ہیں ۵۸۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلسل چھ گھنٹے حضورؐ کے محامد اور شمائل رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان فرمانا ۲۱۶

پیشگوئیاں۔ رویا و کشوف

آپؐ کا (کشف میں) سونے کے کڑے دیکھنا ۲۹۳

آپؐ کی چند رویا ۳۸۳

آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یمن کی طرف سے خوشبو آتی ہے ۱۹۵

آپؐ نے آخری زمانہ میں دو بروزوں کی خبر دی تھی ۲۹۴

آخری زمانہ میں دو عظیم فتنوں اور مسلمانوں کی حالت اور ان کی اصلاح کے لیے ایک شخص کی بعثت کی خبر ۲۹۵

مخالفت

آپؐ کی شدید مخالفت ۵۸۳

آپؐ کے جس فعل پر بھی مخالفوں نے اعتراض کیا ہے وہاں ہی حقائق اور حِکَم کا ایک

خزانہ نظر آیا ۴۸۱
ہجرت سے قبل کفار کی اکثریت آپؐ کے قتل پر متفق تھی ۱۴۹
یہود ظاہر پرستی کی وجہ سے آپؐ کے منکر ہوئے ۱۵۶
پادریوں کا اسلام اور حضورؐ کے خلاف دلآزار لٹریچر ۳۰، ۱۴۱
صحیح النسب سادات کا عیسائی بن کر حضورؐ کی شان میں گستاخیاں کرنا ۴۵
اس زمانہ میں آپؐ کی تکذیب میں کروڑوں کتابوں کی اشاعت ۱۰۹
یکھرام کا آپؐ کی شان میں حد سے زیادہ گستاخیوں کی سزا پانا ۲۵۷
آپؐ کے لیے غیرت اور حمیت کا تقاضا ۱۴۲
محمد دلدار چوہدری ساکن ہوگلھڑ ضلع سیالکوٹ
مولوی محمد حسین کا اس شخص کے ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اپنے ناواجب حملوں پر مشتمل رسائل بھیجنا۔ ۱۴۶
محمد اجمل خاں دہلوی حکیم
آپ کے خطاء اور حاذق الملک میموریل فنڈ کے کاغذات کا حضورؑ کی خدمت میں پہنچنا ۵۶۶
محمد اسحٰق سید ۴۸، ۴۴۳
محمد اروڑا منشی رضی اللہ عنہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایمان کے بارہ میں ایک سوال دریافت کرنا
محمد اسماعیل ڈاکٹر
"آپ ہمارے ان دوستوں میں سے ہیں جن سے ہمیں کوئی حجاب نہیں"۔ ۴۰۱
محمد افضل بابو
اہل کتاب کے کھانے کے متعلق آپ کا ایک سوال ۹۷
بیرون ملک جانے پر دعا کی درخواست اور حضورؑ کی نصائح ۱۵۳
محمد بابو
حافظ محمد یوسف کے اعتراض کا ذکر کرنا ۵۲۰
محمد باقر امام علیہ السلام
آپ کی فرمودہ حدیث درباره کسوف و خسوف کی وقت کم کرنے کی کوشش ۸۹
محمد حسن خان وزیر
اچانک وفات ۴۰۱
محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ
مولوی عبداللہ غزنوی کا آپ کے بارہ میں ایک الہام اور ایک رویاء ۱۲۹
آمین بالجہر۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ جزئی مسائل پر زور ۵۴۴
مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں لکھا کہ ان کو عربی کا صیغہ تک نہیں آتا ۱۸۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کے گالیوں بھرے رسالہ کے جواب میں تحریر فرمانا اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا الرَّجُلُ صَادِقًا فِیْ قَوْلِہٖ فَاَکْرِمْہُ وَاِنْ کَانَ کَاذِبًا فَخُذْہُ ۱۷۵
مسیح موعود کے قرآن دانی کے چیلنج پر خاموشی ۱۸۳
حضورؑ کے خلاف حفظِ امن کا مقدمہ دائر کرنا ۱۹۲
مارٹن کلارک کے مقدمہ میں مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف کیپٹن ڈگلس کی عدالت میں گواہی دینا ۱۳۵، ۲۰۷، ۳۴۷، ۴۳۴
بار میں ٹھہرنے کی ضرورت آپڑنا ۳۵۰
محمد حسین خلیفہ (شیعہ) ۱۱۳
محمد سعید میر حیدرآبادی ۳۸۳
حضرت اقدس کی خواہش کہ آپ جماعت کے عقائد کے بارہ میں سوال و جواب کے رنگ میں کتابیں مرتب کریں ۳۸۷
محمد سلمان اسرائیلی
یہودیوں میں سے اسلام قبول کرنیوالے ایک شخص ۳۴۲
محمد صادق مفتی رضی اللہ عنہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کو قلمبند کرنا ۲۰۶
آپ کی نوٹ بک سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات ۲
تین سال کے اندر طلب نشان والی پیشگوئی کا انگریزی ترجمہ پیش فرمانا ۲۵۶
حضورؑ کی خدمت میں حضرت مسیح پر یہودیوں اور فری تھنکروں کے اعتراضات پڑھ کر سنانا ۵۶۸
ایک یورپین سیاح سے گفتگو میں حضورؑ کے ایماء سے ترجمان مقرر ہونا ۵۸۰
حضورؑ کی خدمت میں ایک رویاء کا ذکر ۳۰۶
آپ کو لوحا کے بارے میں تحقیق کا حکم ۲۶۰
اپنی دو خوابیں حضور کو سنانا ۱۷۶
محمد عالم قاضی
حضرت اقدس کی خدمت میں دعا کی درخواست ۴۳۸
محمد علی خان نواب مالیر کوٹلہ
آپ کی صلاحیت تقویٰ اور خوش نصیبی کا ذکر ۵۸۳
محمد علی مولوی
انگریزی ترجمہ کی خدمت کا شرف ۲۵۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک کتاب لکھنے کا ارادہ اور یہ خواہش کہ مولوی محمد علی اس کا ترجمہ کریں ۲۶۰
محمد نواب خان تحصیلدار
آپ کی بیعت کا ذکر ۴ حاشیہ
محمد یوسف حافظ
دلیل لَوْ تَقَوَّلَ کے منکر ۵۱۹
محمود احمد بشیر الدین المصلح الموعود ۳۹۸
محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ۷۳
مریم علیہا السلام ۲۷۲
آپ کی شادی جس یوسف سے ہوئی اس کی پہلے بھی بیوی تھی ۵۶۷
عیسائیوں کا آپ کی پرستش کرنا ۳۴۴
مریم میں نفخ روح سے ایک مسیح پیدا ہوا ۵۶۱
مریم سے مومنوں کی مثال دینے کی حقیقت ۱۰۲، ۳۴۴
حدیث "مریم اور ابن مریم کے سوا ہر شیطان سے کوئی محفوظ نہیں" کی حقیقت ۵۲۳

مُسلم رضی اللہ عنہ
کوفہ میں ستر ہزار مسلمانوں سے حضرت امام حسین کی رفاقت کا عہد لینا ۲۴۹

مسیلمہ کذّاب ۲۵۲
اس کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھے اور اس کے مسائل اباحت کے مسائل تھے ۲۵۱
اس کی مخالفت کا نہ ہونا اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے ۵۸۳

مصلح الدین سعدی شیرازی نیز دیکھئے سعدی ۶۴، ۱۱۷، ۱۵۶، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۶، ۳۷۳، ۴۴۱، ۴۶۰، ۵۲۴، ۵۲۹، ۵۲۶

معاویہ
حضرت حسن کا آپ سے صلح کرنا ۳۸۸

معین الدین خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۶

ملاکی نبی علیہ السلام
ملاکی کی کتاب میں ایلیا نبی کے آسمان پر جانے اور مسیح سے پہلے نازل ہونے کی پیشگوئی ۴۹۶ / ۵۸۶
مسیح کو نہ ماننے کے متعلق یہود کی ہٹ دھرمی کہ ہم خدا کے سامنے ملاکی نبی کی کتاب رکھ دینگے جس میں لکھا ہے کہ مسیح سے پہلے ایلیا آئے گا ۵۲۳

منظور علی
حضرت اماں جان کا آپ کو رویا میں دیکھنا ۵۸۷

موسیٰ علیہ السلام ۴۵۵، ۵۷۷
آپ صاحبِ شریعت نبی تھے ۴۸۸، ۴۹۰
آپ کی بعثت کا مقصد بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا تھا ۴۱۹
آپ کی تعلیم میں قصاص پر زور ہے ۳۳۱
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کی پیشگوئی فرمانا ۴۴۴
سلسلۂ موسویہ کے مورثِ اعلیٰ ۴۴۲، ۴۹۵، ۴۹۷
آپ کے سلسلہ کا آخری خلیفہ آپ سے چودہ صدیاں بعد آیا ۲۹، ۳۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ سے مشابہت ۲۵، ۲۶، ۴۷۵
موسوی سلسلہ سے محمدی سلسلہ کی مماثلت ۵۳۲
آپ اسمِ محمد کے مستحق نہیں ٹھہرتے تھے ۴۲۱
آپ اُمّی نہیں تھے بلکہ آپ کی پرورش اور تعلیم شاہزادوں کی طرح ہوئی تھی ۳۲۸
اپنی موعود سرزمین اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکے ۳۴۴، ۴۲۰
آپ کے وقت یہود میں طاعون کی وبا ۱۶۲
آپ کے معجزات پر شک کی گنجائش ۲۵۷
آپ پر آریوں کے اعتراضات ۴۰۱، ۴۸۳، ۴۸۴
مخالفین کی طرف سے آپ پر زنا کا اتہام ۴۱۲
"جس جگہ میں بیٹھا ہوں اگر اس جگہ آج موسیٰ یا عیسیٰ بیٹھے ہوتے تو وہ بھی اسی نظر سے دیکھے جاتے جس نظر سے میں دیکھا جاتا ہوں" ۴۸۹

مولا بخش شیخ ۴۵۷

مہتاب شاہ ساکن ڈلہ
یہ سکھوں کے زیرِ اثر گرنتھ پڑھا کرتا تھا ۲۹۶

مہدی حسین سید ۔ نواب عماد الملک فتح نواز جنگ بار ایٹ لاء ۔ ٹرسٹی علیگڑھ کالج۔
حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضری ۴۰۵
حضرتِ اقدس کا آپ کو دوبارہ آنیکی نصیحت فرمانا ۴۱۱

مہر علی شاہ گولڑوی ۴۴۰
تفسیر نویسی سے پہلے ایک تقریر اور مباحثہ چاہتا تھا ۴۴۳
لوگوں کا کہنا کہ اس نے ساری شرطیں منظور کر لی تھیں ۳۸۳
لاہور میں استقبال اور مسیح موعود کے خلاف جلوس ۳۶۲
الہام مَنَعَهٗ مَانِعٌ مِّنَ السَّمَاءِ کا مصداق ۴۴۱

ن

ناصر نواب میر
حضور کو وارنٹ گرفتاری کی اطلاع دیتے ہوئے آپ پر رقت کا طاری ہونا ۲۰۲

نبی بخش منشی
صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کے عقیقہ کا انتظام آپ کے سپرد تھا ۲۰۱

نبی بخش بٹالوی مدعی مصلحیت ۵۳۹

نذیر حسین دہلوی سید
براہین احمدیہ کی تعریف کرنا ۵۲۰

نصرت جہاں بیگم حضرت اماں جان
آپ کی علالت اور پھر صحت یابی کے بارہ میں حضرت اقدس کا ایک کشف اور ایک الہام ۴۳۹

نظام الدین (اولیاء) رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۶

نواب خان تحصیلدار گجرات ۵۸۰

نوح علیہ السلام ۲۹۴، ۴۹۵
طوفانِ نوح صرف اس علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوح نے تبلیغ کی تھی ۵۲۶
آپ کی طویل عمر کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر لیکن زیادہ مفید عمر ۵۳۴

نورالدین حکیم حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ ۱۸۳، ۱۹۳، ۲۱۱، ۳۲۴
حسبِ ارشاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور مجاہدہ عیسائیت اور آریہ مذہب کے رد میں فصل الخطاب اور تصدیق براہین احمدیہ تصنیف فرمانا ۵۱۳
حضور کا ارشاد کہ آپ خطبۂ الہامیہ ساتھ ساتھ قلمبند فرمائیں ۳۲۵
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ کے معنی دریافت فرمانا ۳۸۱
ابنِ صیاد کے متعلق عرض کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ سے نہیں نکالا تھا ۵۶۸
آپ کے کتب خانہ میں خدیویہ لائبریری مصر کی سات جلدوں کی فہرست کا ذکر ۱۶۹
آپ کی علالت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کا عیادت فرمانا اور احتیاط کی نصیحت ۱۷۷
دھاریوال کے سفر میں حضور کی رفاقت ۱۹۲
آپ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا
ایک مسودہ گم ہو جانا ۳۰۸
نوشیرواں ۲۳۸
نوشیروانی انصاف ۲۰۷
و
وزیر سنگھ
ضلع گجرات کے رہنے والے ایک
متلاشی حق جو حضور کی خدمت میں ہدایت
کے طالب ہو کر آئے ۴۵۷
اپنے مکتوب میں حضرت اقدس سے
عقیدت کا اظہار ۴۶۹
وکٹوریہ قیصرہ ہند
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رویا میں
آپ کو اپنے گھر میں دیکھنا ۲۰۳
ولی اللہ شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
آپ نے اس صدی کو مسیح موعود کی بعثت
کا زمانہ قرار دیا ہے ۳۰
ہ
ہابیل علیہ السلام
لغوی معنی ۲۹۴
آپ کے بروز شیث علیہ السلام تھے ۲۹۴
ہاجرہ علیہا السلام
مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں آباد ہونا
اور آپ کی گریہ وزاری کے نتیجہ میں زمزم
کا ظہور ۱۷۳
حضرت اسماعیلؑ کی شدت پیاس کے وقت
فرشتہ کا آپ کو کنواں دکھانا اور اسکا مطلب ۵۷۰
ہلاکو خاں ۷
ہنری دیکھئے مارٹن کلارک ڈاکٹر
ی
یحییٰ بن زکریا علیہ السلام
حضرت مسیح نے آپ کو ہی ایلیاء کا بروز
قرار دیا ہے ۴۹۸، ۵۸۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحییٰ کے
ساتھ دیکھا تھا ۲۹۲، ۵۲۷
یزید بن معاویہ
یزید کے آنے کی خبر پر اہل کوفہ کا حضرت
امام حسین کو تنہا چھوڑ جانا ۲۴۹
دینی خدمات ۹۷
یسوع دیکھئے عیسیٰ بن مریم
عبرانی میں عین نہیں ہے اسلئے وہ یسوع بولتے
ہیں ۵۶۹
یعقوب علیہ السلام
آپ کی وصیت ۳۷۱
یعقوب علی عرفانی شیخ رضی اللہ عنہ ۳۲
حضور کی آپ سے خواہش کہ جماعت کے
عقائد کے متعلق سوال و جواب کے رنگ
میں کتابیں تالیف ہوں ۳۸۷
یوحنا علیہ السلام نیز دیکھئے یحییٰ علیہ السلام
حضرت مسیح نے یوحنا کو ہی ایلیا قرار دیا ۱۵۶، ۴۹۸
مثیل الیاس (ایلیا) یا ان کے بروز
اور مظہر ۵۲۱، ۵۲۳
الیاس ہونے سے انکار کی توجیہ ۵۲۳
یوزآسف علیہ السلام
یوزآسف سے مراد عیسیٰ علیہ السلام اور
آپ کی کتاب بشریٰ سے مراد انجیل ہے ۵۰۲
آپ مسیح علیہ السلام کے حواری نہیں تھے
بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام تھے ۵۰۳
اٹلی میں یوزآسف کا گرجا ۵۰۲
جلال آباد (افغانستان) میں یوزآسف
نبی کا چبوترہ ۲۰۳
یوسف علیہ السلام
آپ کا مقام صدیقیت ۲۵۳
زندگی میں لوگ آپ کی نبوت کا انکار کرتے
رہے اور جب وفات پا گئے تو کہا کہ آج
نبوت ختم ہو گئی ۳۳۹
یوسف نجار
حضرت مریم سے شادی سے پہلے بھی
ان کی ایک بیوی تھی ۵۶۷
یوسف بیگ مرزا
آپ کے محبت اور اخلاص کا ذکر ۲۲۶
یوسف علی نعمانی قاضی ۵۶۶
یونس علیہ السلام
دُرِّ منثور میں آپ کا ایک قول ۱۵۵
آپ کی انذاری پیشگوئی کا ٹل جانا ۱۵۵، ۳۷۶
مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکلنے کا نشان ۵۰۱
عیسیٰ علیہ السلام نے یونس نبی کا نشان
دکھانے کا وعدہ کیا تھا ۳۷۸، ۵۰۰
یہودا اسکریوطی حواری مسیح
مسیح علیہ السلام سے غداری ۱۸۰

* * *

مقامات

ا

آسٹریلیا ۳۲۰

اٹلی

اٹلی میں یوزآسف کا مقبرہ ۵۰۲، ۵۰۳

اجمیر

بدعات و محدثات ۳۵۰

اُحُد

اُحد کی مصیبت کے بانی مبانی عکرمہ اور ابوجہل تھے ۹۴

جنگ اُحد کی شدت ۸۴

ارارات

وہ پہاڑ جس پر (بائیبل کی رو سے) نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی ۵۲۶

افریقہ ۳۲۰

بابو محمد افضل کی افریقہ روانگی کے وقت حضور کی نصائح ۱۵۳

افغانستان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا افغانستان کے راستہ سے کشمیر آنا ۲۲۲

امیر کے حالات اچھے سُننے میں نہیں آئے ۳۲۳

الجیریا ۵۸۰

الہ آباد

یہاں رہنے والے وجودی فرقہ کے ایک شخص کی حضرتِ اقدس سے خط و کتابت

امرتسر ۴۹، ۱۶۷، ۳۱۸، ۵۵۱

امرتسری افغان ۱۴۳

بعض مخالفین کی بدظنیاں ۴۵۵

عبدالحمید ملزم مقدمہ قتل کا ڈپٹی کمشنر امرتسر کے سامنے بیان ۴۳۴

مقدمہ کلارک کے آریہ وکیل رام بھجدت کا حضور سے ملنا ۱۸۳

امریکہ

ربوبیت کے بھیدوں کو معلوم کر کے خدا سے آزاد ہونے کی کوشش ۲۹۸

یورپ اور امریکہ سے لَمْ یُمَسَّنَّہ خوراک کا آنا ۳۶۱

طِب اور عِلمِ علاج میں ترقی کا ذکر ۵۶۰

باوجود ارضی علوم میں ترقی کے ان کی رُوحانی اور اخلاقی حالت قابلِ شرم ہے ۲۸۳

آپ کے دعویٰ کی تشہیر ۲۱۲

انگلستان نیز دیکھئے برطانیہ اور لندن ۱۴۰

یہاں کے سیاح ڈی۔ڈی۔ڈکسن کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات ۵۸۰

ایران

موجودہ فارسی میں عربی کا کثرت سے استعمال ۱۷۸

ب

بابل

خدائی منشاء سے بابل کی بربادی ۱۷۳

بٹالہ ضلع گورداسپور (بھارت) ۱۹۲، ۵۲۷، ۵۸۶

سکھوں کے عہد میں گائے کو ذبح کرنے پر ایک سید کا ہاتھ کاٹا گیا تھا ۳۱۶

یہاں کا ایک شاعر جو چھ ماہ ایک مصرعہ کی تلاش میں رہا ۵۴۲

بدر

غزوۂ بدر کے موقعہ پر فتح کی بشارت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رو رو کر دُعائیں کرنا ۸

بریلی

ایک شخص کا یہاں سے حضور کو لکھنا کہ وہ اپنے دعویٰ پر قسمیہ بیان دیں ۲۱۷

بمبئی

طاعون کی وبا ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۷، ۵۵۱

بوٹر

مضافات قادیان میں ایک گاؤں کا نام ۳۲۱

بھیرہ ضلع سرگودھا (پاکستان)

حضرت حکیم فضل دین کا حضور سے بھیرہ واپس جانے کی درخواست کرنا ۳۰۱

پ

پاک پٹن

بدعات و محدثات ۳۵۰

پالم پور (بھارت)

طاعون کی وبا ۱۶۱

پٹی (ضلع امرتسر) ۱۸۳

پشاور

دو بے گناہ انگریزوں کا قتل ۳۳۷

پنجاب

سکھوں کے عہد میں پنجاب میں مسجدوں کی بے حُرمتی ۳۱۶

یہاں کے گدی نشینوں کا حال ۲۷۱

اس صوبہ میں قادیان نام کے دو مقامات ۳۱

مسیح موعود کی بعثت سے اہلِ پنجاب جوہرِ قابل بن رہے ہیں ۱۵۱

پنجاب کے لوگ جن حقائق و معارف سے آگاہ ہوتے جاتے ہیں دیگر اسلامی ممالک میں ان کا نام و نشان تک نہیں ہے ۱۵۰

طاعون کی وبا کا آنا اور اس سے بچنے کے رُوحانی طریق ۱۳۴

پُونا (بھارت) ۱۶۲

پیرس (فرانس) ۱۴۰
عقیدۂ کفارہ کے نتیجہ میں فسق و فجور کی کثرت ۱۱۳
عفت اور تقویٰ کی حالت ۱۸۷
ہوٹلوں میں غیر اخلاقی ماحول ۲۸۳، ۲۹۷

ٹ

ٹرانسوال ۳۲۳
جنگِ ٹرانسوال کی کامیابی کے لیے دُعا کی تحریک ۳۱۲

ث

ثور
ہجرت کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِس غار میں رُکنا ۲۵۰

ج

جالندھر
دجودی فرقہ کا اثر ۵۴۶
طاعون کی زد میں ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۷۲
یہاں پر ایک شخص کا ۱۸۹۱ء میں حضورؑ سے آپکی بعثت کی غرض دریافت کرنا ۱
اپنے عشقِ الٰہی کی کیفیت کے متعلق جالندھر میں فرمودہ ملفوظات ۳۰۲
جلال آباد (افغانستان)
یُوزآسف نبی کے چبوترہ کا انکشاف ۲۰۳
جہلم (دریا) ۴۵۷

ح

حجاز ۳۱
حراء غار ۵۵۹

خ

خانیار
سرینگر (کشمیر) کا وہ محلہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر موجود ہے ۵۰۲

د

دھاریوال ضلع گورداسپور
حضور کا قیام ۱۹۲
کارخانہ دیکھنے کی خواہش ۱۹۳
دھام ضلع گورداسپور
سفر کے دوران حضورؑ نے یہاں بھی قیام فرمایا تھا ۱۹۲
دہلی
حضورؑ کا ایک شخص کو عطا لانے کے لیے دہلی بھیجنا ۵۶۵
لارڈ کرزن وائسرائے ہند کی طرف سے دہلی کی جامع مسجد کا احترام ۳۱۶

ڈ

ڈلہ (نزد قادیان)
یہاں کے دو بھائی سکھوں کے زیرِ اثر گرنتھ پڑھا کرتے تھے ۲۹۶

ر

روم ۳۱۹
مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں فلسطین میں رُومیوں کی سلطنت ۱۳۵
سُلطانِ رُوم خلیفۃ المسلمین ۳۰۰
سُلطانِ رُوم کا ایک ادنیٰ اُمتی ہونیکے باوجود دبدبہ ۵

ز

زلفن قلعہ (ہالینڈ)
محاصرہ کے دوران سرفلپ سڈنی کا ایک طاقعہ ۱۳۸
زم زم
اگر اللہ تعالیٰ (زمزم) کا پانی نہ روکتا تو وُہ تمام ملک میں پھیل جاتا (حدیث) ۱۷۳

س

سرحد
مولویوں کا پھیلایا ہوا غازی - شہید اور جہاد کا غلط تصور ۲۵۴، ۳۲۳
سرینگر (کشمیر)
محلہ خانیار میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ۵۰۲
سوڈان ۵۸۰
سیالکوٹ
یہاں کے ایک اخبار میں لوقا کا ذکر ۲۶۰

ش

شام ۳۱۹
دو ہزار سال قبل یوزآسف نبی کے شام سے آنے کی روایت ۲۰۳
حضرت ابوبکرؓ کی شام کے تجارتی سفر سے واپسی ۲۴۷
فتوحات الشام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا ثبوت ۳۳۴
حضرت عمرؓ کے عہد میں شام میں طاعون اور آپ کی حفاظتی تدابیر ۱۶۸
ایک زمانہ میں طاعون کا طویل عرصہ رہنا ۱۶۳
پنجاب کے لوگ جن حقائق و معارف سے آگاہ ہوتے جاتے ہیں بلادِ شام اور دیگر ممالکِ اسلامیہ میں اسکا نام و نشان تک نہیں ہے ۱۵۰

ط

طائف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے جانے کا واقعہ ۱۱

ع

عراق
ایک زمانہ میں طویل عرصہ تک طاعون کا رہنا ۱۶۳
عرب ۱۸۶، ۵۴۱، ۵۸۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی اخلاقی اور رُوحانی حالت ۱۸۰، ۴۷۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت نے عرب کو خاموش کر دیا ۲۸۴
عرب میں احمدیت کی اشاعت کی ضرورت اور اس کی ترتیب ۴۷۶، ۴۷۹

ف

فاران
فاران کی چوٹیوں سے سراجِ منیر کا طلوع ۶۱

ق

قادیان دارالامان ۶، ۲۲۱، ۴۳۸
قدیم قادیان کا مخفف ہے ۳۱

قادیان کے گرد ایک فصیل ہوتی تھی جس پر تین یا چار چھکڑے برابر چلا کرتے تھے ۵۷۹
سکھوں کے عہد میں یہاں کی ایک مسجد کی بے حرمتی ۳۱۶
سکھوں کا عہد گذر جانے کے بعد بلند آواز سے اذان کا ایک واقعہ ۳۱۸
مولوی عبدالحکیم کا قادیان آنا ۵۴۹
لاہور سے ایف سی کالج اور امرتسر مشن کے پادریوں کا قادیان آنا ۴۸۷
وزیر سنگھ مستلاشی حق کی قادیان آنے کی خواہش ۴۵۸
وزیر سنگھ کا قادیان میں قیام ۴۶۹
لالہ کیشو داس تحصیلدار بٹالہ کا قادیان آکر حضورؑ سے ملاقات کرنا ۲۱۸
ایک سرکاری افسر کے آنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خطاب ۲۰۶
یہاں آنے میں مولویوں کی چھچھاہٹ کی وجہ ۵۲۷
یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے ۵۱۰
مدرسہ تعلیم الاسلام میں کرکٹ کا کھیل ۴۴۷
طاعون قادیان سے ۳۵ کوس کے فاصلہ پر ہے (۱۸۹۸ء) ۱۶۶
تجارت کی غرض سے یہاں آنا دُرست نہیں ۳۰۵
لُدھیانہ کے قریب بھی ایک گاؤں کا نام قادیان ہے ۳۱
قاضی کوٹ ۴۳۸
قدعہ
احادیث میں مسیح موعود کی جائے ظہور۔ یہ قادیان کا مخفف ہے ۳۱
قسطنطنیہ
ہمارا گذارہ نہ مکہ میں ہو سکتا ہے نہ قسطنطنیہ میں ۲۰۸

ک

کابل (افغانستان)
سرکار کابل کی طرف سے جلال آباد میں یُوزآسف نبی کے چبوترہ کیلئے جاگیر ۲۰۳
امیر کابل کا ادنیٰ امتی ہونیکے باوجود دبدبہ ۵
مذہبی آزادی کا فقدان ۳۲۳
کارتھیج ۵۸۰
کراچی
طاعون کی وبا کا پھیلنا ۱۶۱
کربلا ۵۸۰
کشمیر ۵۸۰
بنی اسرائیل کا یہاں بسنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ۲۲۱، ۲۲۲
بہ اتفاق اہل تحقیق اہل کشمیر بنی اسرائیل ہیں ۵۰۲
غلام محی الدین ممبر کونسل ۴۰۲
کعبہ
سورۃ الفیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ قرار دیا ہے ۱۱۰
کعبہ کو انسانی سینہ سے تشبیہ ۱۲۰
کلکتہ ۱۶۷، ۱۸۱
طاعون کی زد میں ۱۶۱
کلّو (بھارت) ۵۸۰
کنعان
حضرت ابراہیمؑ کو حکم کہ وہ اپنے بچے کو یہاں سے دُور لے جائیں ۱۷۲
زمعرشش بُوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہِ کنعانش ندیدی ۵۲۴
(سعدی)
کھنڈہ
دھاریوال ضلع گورداسپور کے قریب ایک گاؤں ۱۹۲

گ

گجرات
ضلع گجرات کے ایک متلاشی حق وزیر سنگھ کا حضور کی خدمت میں آنا ۴۵۷
گنگا (دریا) ۴۱۸
گورداسپور ۱۴۱
گولڑہ
پیر گولڑوی کا مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ۲۶۴

ل

لاہور ۱۶۷، ۳۱۸، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۶۹
سکھوں کے عہد سے یہاں کی بہت سی مساجد ابھی تک سکھوں کے قبضہ میں ہیں ۳۱۶
انگریزوں کی حکومت میں گائے کے ذبیحہ کی اجازت ۳۱۸
ایک انگریز عورت کا اسلام کے نام پر قتل ۵۱۹
وجودی فرقہ کا اثر ۵۴۶
مولوی عبدالحکیم سے لاہور میں فروری ۱۸۹۲ء میں حضرت اقدسؑ کی بحث ہوئی تھی اور یہ مباحثہ کے سارے پرچے لیکر بھاگ گیا تھا ۵۴۹
پیر صاحب گولڑہ کا استقبال اور حضورؑ کے خلاف سینہ کوبی کا جلوس ۳۶۲
لاہور سے ایف سی کالج اور امرتسر مشن کے پادریوں کا قادیان آنا ۴۸۷
یہاں کے اردو اور انگریزی اخبارات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مضمون "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے سب سے بالا رہنے کا اعتراف کیا ۵۶۵
حضرت مفتی محمد صادق حضورؑ کے ملفوظات اپنی نوٹ بک سے ہفتہ وار لاہور جاکر احباب کو سُناتے تھے ۲
لُدھیانہ
مجذوب گلاب شاہ کی پیشگوئی کہ عیسیٰ قادیان میں پیدا ہو گیا ہے اور وہ لُدھیانہ آئے گا ۵۳۶
لدھیانہ سے قریب ایک جگہ کا نام بھی قادیان ہے ۳۱
یہاں شہاب الدین کی احتیاطی نماز کا ذکر ۵۳۱
ایک حنفی العقیدہ نواب کا واقعہ ۵۵۰
لندن انگلستان
ہم کو بلاد یورپ خصوصاً لندن میں تبلیغ

کرنی منظور ہے ۵۵۶
عقیدہ کفارہ کے نتیجہ میں فسق و فجور کی کثرت ۱۱۳
عفت اور تقویٰ کی حالت ۱۸۷
ہائیڈ پارک میں علانیہ بدکاریاں ۱۱۴
پارکوں میں شرمناک نظارے ۲۸۳، ۲۹۷
لیل نزد دھاری وال ضلع گورداسپور
جہاں حضورؑ نے ایک مقدمہ کے دوران قیام فرمایا تھا ۱۹۲

م

مایر کوٹلہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اُستاد گل علی شاہ کا مایر کوٹلہ جانا ۵۸۳
مدینہ طیبہ
دارالہجرت ۴۵۶
حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے ایک شہید ہونے والے صحابی کا حضور کو مدینہ میں سلام پہنچنا ۵۱۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی بھی منافق مدینہ طیبہ میں باقی نہیں رہا ۱۱۶
یہود کا مدینہ سے اخراج ۵۶۸
پہلے زمانہ میں مکہ مدینہ کے فتووں کا اثر ہوتا تھا ۹۶، ۱۵۷
مصر ۵۸۰
زمصر شوش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہِ کنعانش ندیدی
(سعدی) ۵۲۴
بنی اسرائیل کا یہاں سے نکلنا ۴۲۰
فتوحاتِ مصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا ثبوت ہیں۔ ۳۳۴
کُتب خانہ خدیویہ کی فہرست کتب کا ذکر ۱۷۹
مکہ معظمہ ۲۴۸، ۳۸۴، ۴۲۸
حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کا آباد ہونا ۱۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اسم احمد کی تجلی تھی ۴۲۳، ۴۲۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ سال تک مکہ میں تکالیف اُٹھانا ۵۱۶، ۵۲۹
صحابہ کرام پر مظالم ۵۱۷
حضرت ابوبکرؓ کی شام سے مکہ واپسی ۲۴۷
آنحضرت کا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کو بتوں سے پاک فرمانا ۱۲۰
مکہ کی مٹی سے سعید اور شقی لوگوں کا پیدا ہونا ۴۱۴
نہ ہمارا مکہ میں گذارہ ہو سکتا ہے نہ قسطنطنیہ میں ۲۰۸
پہلے زمانہ میں مکہ مدینہ کے فتووں کا اثر ہوتا تھا ۹۶، ۱۵۷
مکہ معظمہ میں یادگاروں کی تعمیر کے ضمن میں فرمایا "ہماری رائے میں ایک بڑا ہسپتال یا شفاخانہ بننا چاہیئے ۴۴۷
ملتان ۵۵۸
مسیح موعود علیہ السلام کا ایک دفعہ ملتان جانا ۳۵۰
منٹگمری ۵۵۸
میاں میر چھاؤنی (لاہور) ۵۲۹

ن

ناصرہ (فلسطین)
حضرت عیسیٰ بن مریم کا گاؤں ۶۵
نصیبین (ترکی)
حضرت عیسیٰ کا نصیبین کے راستے افغانستان اور پھر کشمیر آنا ۲۲۲، ۲۲۳
یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض آثار موجود ہیں جن کا پتہ کرانے کے لیے حضور نے ایک وفد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ ۲۲۱، ۲۲۳

ہ

ہالینڈ
قلعہ زلفن کے محاصرہ میں سر فلپ سڈنی کا ایک واقعہ ۱۳۸
ہائیڈ پارک (لندن)
علانیہ فسق و فجور کی کثرت ۱۱۴
ہندوستان ۱۵۳، ۲۹۶، ۵۶۶
نصیبین کے راستے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہندوستان آمد ۲۲۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہندوستان کی مذہبی حالت ۱۴۷
مُغلوں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ۵۸۰
مُسلمانوں کی تعداد اور اسلام کی حالت ۴۶
یہاں کی (رُوحانی اور اخلاقی) اَبتر حالت ۲۹۸
یہاں کے گدّی نشینوں کا حال ۲۷۱
صاحبِ حجج الکرامہ نے لکھا ہے کہ فتنِ دجّال کا ظہور ہندوستان میں ہو رہا ہے ۳۱
مولویوں کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دینا ۵۳۱
ہمارے نزدیک ہندوستان بلحاظ حکومت دارالحرب نہیں لیکن قلم کے لحاظ سے دارالحرب ہے ۱۴۱، ۱۴۲
برطانوی راج کا فائدہ ۱۳۳
ہندوستانی نجموں کی نومبر ۱۸۹۹ء کے بارہ میں پیشگوئی ۱۶۷
مسیح موعود کی بعثت سے اہلِ ہندوستان جو ہر قابل بنتے جا رہے ہیں ۱۵۱
ہندوستان کی مردم شماری کے بارہ میں مسٹر ایبٹسن کا تجزیہ ۴۹
ہموں گلھڑ (ضلع سیالکوٹ) ۱۷۶
ہوشیارپور
انگریزوں کے ابتدائی عہد میں مُسلمانوں کو اذان کی اجازت ۳۱۰
وجودی فرقہ کا اثر ۵۴۶
طاعون کی زد میں ۱۴۱، ۱۴۲

ی

یمامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہوگی ۴۵۶
یمن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ مجھے یمن

کی طرف سے خوشبو آتی ہے ۱۹۵
ممکن ہے کہ یمن میں کوئی گاؤں قدعدہ ہو ۳۱

یورپ

یورپ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ کا مصداق ہوگیا ہے ۴۷۷
یورپ کی ساری ایجادات دماغی قوتوں کی مرہونِ منت ہیں دل کا اس سے تعلق نہیں ۲۷۰
ربوبیت کے بھیدوں کو معلوم کرکے خدا سے آزاد ہونے کی کوشش ۲۹۸
یورپی فلسفہ ضلالت سے بھرا ہوا ہے ۴۳۴
زبان کے بارہ میں یورپین لوگوں کی تحقیقات بالکل نکمی اور ادھوری ہیں ۳۶
یورپین اقوام کے معاہدات کی ترکیب عبارت ۵۳۳
عقیدۂ کفارہ کے نتیجہ میں بداخلاقیوں کی کثرت ۱۱۲
یورپ کی نمائشی تہذیب نے اخلاق کے تمام اصولوں پر پانی پھیر دیا ہے ۴۹۷
پردہ کی تعلیم نہ ہونے کے سبب وہاں کے معاشرہ کی حالت ۲۲
شراب اور زنا کی کثرت کا باعث ۲۹۸
باوجود ارضی علوم میں ترقیوں کے ان کی اخلاقی اور روحانی حالت قابلِ شرم ہے ۲۸۳
یورپ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کمزور حالت ۴۳۲
مسلمانوں کی ترقی یورپ کی اتباع سے نہیں ہوگی ۴۰۹
نیچریوں کی ساری آگ و دود کا نتیجہ یورپ کی طرزِ معاشرت کی نقل اُتارنا ہے ۱۲۷
ہم کو بلادِ یورپ خصوصاً لندن میں تبلیغ کرنی منظور ہے ۵۵۶
یورپ اور دیگر نصاریٰ پر معمولی معجزات اور کرامات کوئی اثر نہیں پڑے گا ان کے لیے محبت کی ضرورت ہے ۲۰۴، ۴۷۷
اپنے دعویٰ کی یورپ میں تشہیر ۲۱۲
اہلِ یورپ کو تبلیغ کرتے ہوئے ان کے مذاق کو مدِنظر رکھنا ۵۵۷
یورپ میں یُوزآسف کا قصہ مشہور ہے ۵۰۲
یورپ اور امریکہ سے لَمْ یَتَسَنَّہ کمانوں کی آمد ۳۶۱
طب اور عملِ جراحی میں ترقی کا تذکرہ ۵۶۰
یورپ کے منجموں کی نوبر ۱۸۹۹ء کے بارہ میں پیشگوئی ۱۶۷
طاعون کا طویل عرصہ تک رہنا ۱۶۳
ایک یورپین سیاح کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گفتگو ۵۸۰

یُونان

یُونانی اَپاہیج اور معذور بچوں کو مار دیتے تھے ۳۱۳

* * *

ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود

بانی جماعت احمدیہ

جلد دوم

شیطان چاہتا ہے کہ ہمارے ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کر دے مگر ایسا نہیں ہو گا۔

(بدر ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء و الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۶ء)

Published by
NAZARAT ISHA'AT RABWAH PAKISTAN

Printed by
ZIA - UL - ISLAM PRESS RABWAH.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ملفوظات

حضرت مسیح موعود

۳؍ نومبر ۱۹۰۱ء

نجات کی حقیقت

فرمایا: "ایک ضروری اور غور طلب سوال ہے، جس کو کُل دُنیا کی قوموں اور سب مذہبوں نے اپنی اپنی جگہ محسوس کیا ہے اور وُہ سوال یہ ہے کہ انسان کیونکر بچ سکتا ہے؟ یہ سوال حقیقت میں ہر انسان کے اندر سے پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ کس طرح پر نفس بے قابو ہو جاتا ہے اور مختلف قسم کے خیالات فاسدہ بدکاری کے آآ کر اس کو گھیر لیتے ہیں۔ ان گناہوں سے بچنے کے واسطے ہر قوم نے کوئی نہ کوئی ذریعہ قرار دیا ہے اور کوئی حیلہ نکالا ہے۔ عیسائیوں نے اس عام ضرورت اور سوال سے فائدہ اٹھا کر ایک حیلہ پیش کیا ہے کہ مسیح کا خُون نجات دیتا ہے۔

سب سے اوّل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نجات ہے کیا چیز؟ نجات کی حقیقت تو یہی ہے کہ انسان گناہوں سے بچ جاوے اور فاسقانہ خیالات آآ کر دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ ان کا سلسلہ بند ہو کر سچی پاکیزگی پیدا ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے گناہ سے بچنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس سے فائدہ اٹھا کر نجات طلب لوگوں کے سامنے یہ پیش کر دیا کہ مسیح کا خُون ہی ہے جو گناہوں سے بچا سکتا ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر مسیح کا خون یا کفارہ انسان کو گناہوں سے بچا سکتا ہے، تو سب سے پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کفارہ میں اور گناہوں سے بچنے میں کوئی رشتہ بھی ہے۔ یا نہیں؟ جب ہم غور کرتے ہیں تو صاف معلوم

ہوتا ہے کہ ان دونوں میں باہم کوئی رشتہ اور تعلق نہیں۔ مثلاً اگر ایک مریض کسی طبیب کے پاس آوے، تو طبیب اس کا علاج کرنے کے بجائے اُسے یہ کہدے تُو میری کتاب کا جُز لکھ دے۔ تیرا علاج یہی ہے۔ تو کون عقلمند اس علاج کو قبول کرے گا۔ پس مسیحؑ کے خُون اور گناہ کے علاج میں اگر یہی رشتہ نہیں ہے، تو اور کونسا رشتہ ہے۔ یا یوں کہو کہ ایک شخص کے سر میں درد ہوتا ہو اور دوسرا آدمی اس پر رحم کھا کر اپنے سر میں پتھر مارلے اور اس کے دردِ سر کا اُسے علاج تجویز کرلے۔ یہ کیسی ہنسی کی بات ہے۔ پس ہمیں کوئی بتاوے کہ عیسائیوں نے ہمارے سامنے پیش کیا کیا ہے۔ جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں وہ تو ایک قابلِ شرم بناوٹ ہے گناہوں کا علاج کیا؟ یسوع کی خودکشی جس کو گناہوں سے پاک ہونے کے واسطے کوئی حقیقی رشتہ بھی نہیں۔ ہم بارہا حیران ہوتے ہیں کہ حضرت مسیح کو یہ سُوجھی کیا؟ جو دوسروں کو نجات دلانے کے لیے آپ صلیب اختیار کی۔ اگر وہ اس صلیب کی موت سے (جو لعنت تک لے جاتی ہے اور عیسائیوں کے قول اور اعتقاد کے موافق کفارہ کے لیے لعنتی ہو جانا ضروری ہے کیونکہ وہ گُناہوں کی سزا ہے) اپنے آپ کو بچاتے اور کسی معقول طریق پر بنی نوع کو فائدہ پہنچاتے، تو وہ اس خودکشی سے بدرجہا بہتر اور مفید ہوتا۔

غرض کفارہ کے ابطال پر یہ زبردست دلیل ہے اور کفارہ میں باہم کوئی رشتہ نہیں۔ پھر دوسری دلیل اس کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ کفارہ نے اس فطری خواہش کو کہ گناہوں سے انسان بچ جاوے، کہاں تک پُورا کیا۔ اسکا جواب صاف ہے کہ کچھ بھی نہیں؛ چونکہ تعلق کوئی نہ تھا۔ اس لیے کفارہ گُناہوں کے اس جوش اور سیلاب کو روک نہ سکا۔ اگر کفارہ میں گناہوں سے بچانے کی کوئی تاثیر ہوتی، تو یورپ کے مرد و عورت گناہوں سے ضرور بچے رہتے۔ ہر قسم کے گناہ یورپ کے خواص و عوام میں پائے جاتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں میں جاکر دیکھ لے کیا ہوتا ہے۔ زنا کی کثرت خوف دلاتی ہے کہ کہیں زنا کے جواز کا ہی فتویٰ نہ ہو جاوے۔ گو عملی طور پر تو نظر آتا ہے۔ شراب کا استعمال اس قدر کثرت سے بڑھتا جاتا ہے۔ کہ کچھ روز ہوئے ایک عورت نے کسی ہوٹل میں پینے کو پانی مانگا، تو انہوں نے کہا کہ پانی تو برتن دھونے یا نہانے وغیرہ کے کام آتا ہے۔ پینے کے لیے تو شراب ہی ہوتی ہے۔ پس اب غور کرکے دیکھو کہ گناہ کے سیلاب کو روکنے کے واسطے خونِ مسیح کا تو بند کافی نہیں ہوا، بلکہ اپنی رَو میں اُس نے پہلے بندوں کو بھی توڑ دیا اور پوری آزادی اور اباحت کے قریب پہنچا دیا۔

گناہ سے بچنے کا طریق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفارہ تو بیشک گناہوں سے بچا نہیں سکتا۔ مگر کیا کوئی اور طریق ہے بھی جس سے انسان گناہوں سے بچ جاوے؟ مَیں کہتا ہوں کہ ہاں علاج ہے اور ضرور ہے اور وہ علاج یقینی علاج ہے، مگر جیسے سچّی باتوں کے ساتھ مشکلات ہوتی ہیں۔ ویسے ہی یہ علاج بھی مشکلات سے خالی نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ جھوٹ کے ساتھ مشکلات نہیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک کیمیاگر جو یہ کہتا ہے کہ مَیں ایک دم میں ایک ہزار کا دو ہزار بنا دیتا ہوں۔ وہ مشکلات اس فعل کے لیے نہیں رکھتا

لیکن ایک زمیندار کو کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یا ایک تاجر کو اپنے مال کو کس طرح خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے۔ ایسا ہی ایک ملازم قسم قسم کی پابندیوں اور ماتحتوں کے نیچے اگر کن مشکلات میں ہے۔ پس تم سہل باتوں سے ڈرو، جو پھونک مار کر سب کچھ بنا دینا چاہتے ہیں۔ وہ خطرناک عیار ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کا گناہ کا علاج تو بجز اباحت کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ عیسائی باش ہرچہ خواہی بکن۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے اعتقاد کی وجہ سے دہریت کی رگ پیدا ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسان گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے اور جس قدر تم الفار کی مہلک تاثیر کی ہیبت اس کو اس کے کھانے سے باز رکھتی ہے اس قدر بھی خدا کی ہیبت اس کو نافرمانی سے نہیں روکتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی عظمت اس کی ہیبت، جلال اور اقتدار سے بے خبر ہے۔ تب ہی تو نافرمانی اور سرکشی کو ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے اور نہیں ڈرتا۔ ادنیٰ درجہ کے حکام اور ان کے چپراسیوں تک کی نافرمانی سے اس کی جان گھٹ جاتی ہے، مگر خدا کی نافرمانی سے اس کے دل پر لرزہ نہیں پڑتا، کیونکہ خداشناسی کی معرفت اسے نہیں ملے گی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کا علاج جو ہم دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سوا اس کے دوسرا علاج نہیں ہے اور وہ یہی ہے کہ خدا کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔

خدا کی معرفت کاملہ

تمام سعادت مندیوں کا مدار خداشناسی پر ہے اور نفسانی جذبات اور شیطانی محرکات سے روکنے والی صرف ایک ہی چیز ہے۔ جو خدا کی معرفت کاملہ کہلاتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہے۔ وہ بڑا قادر ہے۔ وہ ذوالعذاب الشدید ہے۔ یہی ایک نسخہ ہے جو انسان کی متمردانہ زندگی پر ایک مجسم کرنے والی بجلی گراتا ہے۔ پس جبتک انسان اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کی حدود سے نکل کر عَرَفْتُ اللّٰہَ کی منزل میں قدم نہیں رکھتا۔ اس کا گناہوں سے بچنا محال ہے۔ اور یہ بات کہ ہم خدا کی معرفت اور اس کی صفات پر یقین لانے سے گناہوں سے کیونکر بچ جائیں گے۔ ایک ایسی صداقت ہے جس کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ ہمارا روزانہ تجربہ اس امر کی دلیل ہے کہ جس سے انسان ڈرتا ہے۔ اس کے نزدیک نہیں جاتا۔ مثلاً جبکہ یہ علم ہو کہ سانپ ڈس لیتا ہے اور اس کا ڈسا ہوا ہلاک ہو جاتا ہے، تو کون دانش مند ہے جو اس کے مُنہ میں اپنا ہاتھ دینا تو درکنار کبھی ایسے سوٹے کے نزدیک بھی جانا پسند کرے جس سے کوئی زہریلا سانپ مارا گیا ہو۔ اُسے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کے زہر کا اثر اس میں باقی نہ ہو۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں جنگل میں شیر ہے تو ممکن نہیں کہ وُہ اس میں سفر کر سکے یا کم از کم تنہا جا سکے۔ بچوں تک میں یہ مادہ اور شعور موجود ہے کہ جس چیز کے خطرناک ہونے کا ان کو یقین دلایا گیا ہے، وہ اس سے ڈرتے ہیں۔

پس جبتک انسان میں خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو، کوئی اور طریق خواہ کسی کی خودکشی ہو یا قربانی کا خون، نجات نہیں دے سکتا اور گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں کر سکتا۔ یقیناً یاد رکھو کہ گناہوں کا سیلاب اور نفسانی جذبات کا دریا بجز اس کے رُک ہی نہیں سکتا کہ ایک چمکتا ہوا یقین اس کو حاصل ہو کہ خدا ہے۔ اور اس کی تلوار ہے جو ہر ایک نافرمان پر بجلی کی طرح گرتی ہے۔ جبتک یہ پیدا نہ ہو گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لاتے کہ وہ نافرمانوں کو سزا دیتا ہے، مگر گناہ ہم سے دُور نہیں ہوتے۔ مَیں جواب میں یہی کہوں گا کہ یہ جھوٹ ہے اور نفس کا مغالطہ ہے۔ سچے ایمان اور سچے یقین اور گناہ میں باہم عداوت ہے جہاں سچی معرفت اور چمکتا ہوا یقین خدا پر ہو، وہاں ممکن نہیں کہ گناہ رہے۔

انسانی فطرت میں یہ خاصہ جبکہ موجود ہے کہ سچی معرفت نقصان سے بچا لیتی ہے جیسا کہ سانپ یا شیر یا زہر کی مثال سے بتایا گیا ہے پھر یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی دُور نہ ہو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان فری میسنوں میں محض ایک رُعب کا سلسلہ اُن کے اَسرار کے اظہار سے روکتا ہے اور کچھ نہیں۔ پھر خدا کی عظمت و جبروت پر ایمان گناہ سے نہیں بچا سکتا؟ بچا سکتا ہے اور ضرور بچا سکتا ہے۔

پس گناہ سے بچنے کے لیے حقیقی راہ خدا کی تجلیات ہیں اور اس آنکھ کو پیدا کرنا شرط ہے جو خدا کی عظمت کو دیکھ لے اور اس یقین کی ضرورت ہے جو گناہ کے زہر پر پیدا ہو۔ زمین سے تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آسمان اس تاریکی کو دُور کرتا ہے اور ایک روشنی عطا کرتا ہے۔ زمینی آنکھ بے نُور ہوتی ہے۔ جبتک آسمانی روشنی کا طلوع اور ظہور نہ ہو۔ اس لیے جبتک آسمانی نُور جو نشانات کے رنگ میں ملتا ہے کسی دل کو تاریکی سے نجات نہ دے انسان اس پاکیزگی کو کب پا سکتا ہے جو گناہ سے بچنے میں ملتی ہے۔ پس گناہوں سے بچنے کے لیے اس نور کی تلاش کرنی چاہیے جو یقین کی روشنی کے ساتھ آسمان سے اُترتا ہے اور ایک ہمت، قوت عطا کرتا ہے اور تمام قسم کے گرد و غبار سے دل کو پاک کرتا ہے۔ اس وقت انسان گناہ کے زہرناک اثر کو شناخت کر لیتا اور اس سے دُور بھاگتا ہے۔ جبتک یہ حاصل نہیں۔ گناہوں سے بچنا مُحال ہے۔ یہ طریق ہے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ اس پر اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے، تو بیشک ہر ایک شخص کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے سامنے اس کو بیان کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی عیسائی کے سامنے اس اصل کو بیان کرے اور پھر اس کا کوئی اعتراض سُن کر شرمندہ ہو۔ جو اعتراض اس پر ہو سکتا ہو، بیشک کیا جاوے۔"

صادق کا وجود خدا نما وجود ہوتا ہے

فرمایا: "بیشک یہ بات ہے جس کو مَیں خود بھی بیان کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات کہ ایسا یقین کیونکر پیدا ہو؟ اس کے لیے اتنا ہی

کہنا چاہتے ہیں کہ ایسے یقین کے خواہش مند کے لیے ضروری ہے کہ وُہ (کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:۱۱۹) سے حصّہ لے۔ صادق سے صرف یہی مراد نہیں کہ انسان زبان سے جھوٹ نہ بولے۔ یہ بات تو بہت سے ہندوؤں اور دہریوں میں بھی ہوسکتی ہے، بلکہ صادق سے مُراد وُہ شخص ہے جس کی ہر بات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اس کے ہر حرکات وسکنات و قول سب صِدق سے بھرے ہوئے ہوں۔ گویا یہ کہو کہ اس کا وجُود ہی صِدق ہوگیا ہو۔ اور اس کے اس صِدق پر بہت سے تائیدی نشان اور آسمانی خوارق گواہ ہوں۔ چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لیے جو شخص ایسے آدمی کے پاس جو حرکات وسکنات، افعال واقوال میں خدائی نمونہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ صحبتِ نیت اور پاک ارادہ اور مستقیم جستجو سے ایک مدّت تک رہے گا، تو یقین کامل ہے کہ وہ اگر دہریہ بھی ہو تو آخر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لے آئے گا، کیونکہ صادق کا وجود خدا نما وجود ہوتا ہے۔

انسان اصل میں اُنسان سے ہے۔ یعنی دو محبتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اُنس وُہ خدا سے کرتا ہے دُوسرا اُنس انسان سے۔ چونکہ انسان کو تو اپنے قریب پاتا اور دیکھتا ہے اور اپنی بنی نوع کی وجہ سے اس سے جھٹ پٹ متاثر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کامل انسان کی صحبت اور صادق کی معیّت اُسے وہ نُور عطا کرتی ہے۔ جس سے خدا کو دیکھ لیتا ہے اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

انسان کے دراصل دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک وجُود تو وُہ ہے جو ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے اور جسے ہم تم سب دیکھتے ہیں۔ جسے لے کر وہ باہر آجاتا ہے اور یہ وجود بلا کسی فرق کے سب کو ملتا ہے، لیکن ایک اور وجود بھی انسان کو دیا جاتا ہے۔ جو صادق کی صحبت میں تیار ہوتا ہے۔ یہ وجُود بظاہر ایسا نہیں ہوتا کہ ہم اُسے چھُو کر یا ٹٹول کر دیکھ لیں، مگر وہ ایسا وجود ہوتا ہے کہ اس وجود پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے۔ وُہ خیالات، وہ افعال اور حرکات جو اس سے پہلے صادر ہوتے تھے۔ یا دل میں گُذرتے تھے۔ یہ اُن سے بالکل الگ ہو جاتا ہے اور شبہات سے جو اس کے دل کو تاریک کئے رہتے تھے، ان سے اس کو نجات مِل جاتی ہے اور یہی وجود حقیقی نجات ہوتی ہے۔ جو سچّی پاکیزگی کے بعد ملتا ہے، کیونکہ جبتک شبہات سے نجات نہیں۔ اس کو تاریکی سے نجات نہیں اور سچّی پاکیزگی اُسے میسّر نہیں اور وُہ خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔ اس کی عظمت وہیبت کا اس کے دل پر اثر نہیں ہوسکتا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خدا کو دیکھ نہیں سکتا اور جو شخص اس دُنیا میں خدا کے دیکھنے سے بے نصیب ہے وُہ قیامت کو بھی محروم ہی ہوگا۔ جیسے خدا نے خود فرمایا ہے۔ مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی (بنی اسرائیل: ۷۳) اس سے یہ مُراد تو نہیں ہوسکتی کہ جو اس دنیا میں اندھے ہیں، وُہ قیامت کو بھی اندھے ہی ہوں گے، بلکہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ خدا کو ڈھونڈنے والوں کے دل نشانات سے ایسے منوّر کیے جاتے ہیں کہ وہ خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی عظمت وجبروت کا مشاہدہ کرتے ہیں، یہانتک

کہ دُنیا کی ساری عظمتیں اور بزرگیاں اُن کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتی ہیں اور اگر خدا کو دیکھنے کی آنکھیں اور اس کے دریافت کرنے کے حواس سے اِس دُنیا میں اُس کو حصّہ نہیں ملا تو اس دُوسرے عالم میں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

پس اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ وُہ ہے کسی غلطی کے بدُوں شناخت کرنا اور اسی دُنیا میں سچے اور صحیح طور پر اس کی ذات صفات کی معرفت حاصل کرنا ہی تمام روشنیوں اور تجلیات کی کلید ہے۔ اسی سے وہ آگ پیدا ہوتی ہے جو پہلے انسان کی گنہگار حالت پر موت وارد کرتی ہے اور اس کو جلا دیتی ہے اور پھر اس کو نُور عطا کرتی ہے۔ جس سے وہ گناہ کو شناخت کرتا اور اس کی زہر پر اطلاع پا کر اس سے ڈرتا اور دُور بھاگتا ہے۔ پس یہی وہ دو قسم کی آگ ہے جو ایک طرف گناہ کو جلاتی اور دُوسری طرف نیکیوں کی قدرت عطا کرتی ہے اور اس کا نام جلال اور جمال کی آگ ہے۔ کیونکہ گناہ سے تو جلالی رنگ اور ہیبت ہی سے بچ سکتا ہے۔ جب یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کی سزا میں شدید العذاب ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے، تو انسان پر ایک ہیبت طاری ہو جائے گی جو اس کو گناہ سے بچالے گی۔ اور جمال نیکیوں کی طرف جذب کرتا ہے۔ جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ہے۔ رَحْمٰنٌ ہے۔ رَحِيْمٌ ہے۔ تو بے اختیار ہو کر دل اُس کی طرف کھینچا جائے گا اور ایک سُرور اور لذت کے ساتھ نیکیوں کا صدور ہونے لگے گا۔ جیسے چاندی یا سونے کے صاف کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اسے کٹھالی میں ڈال کر خوب آگ روشن کی جاوے۔ اس سے اس کا وہ سارا میل کچیل جو ملا ہوا ہوتا ہے فی الفور الگ ہو جاتا ہے اور پھر اس کو عمدہ اور خوب صورت زیور کی شکل میں لانے کے واسطے جو کسی حسین کے لیے بنایا جائے اس بات کی ضرورت ہے کہ پھر آگ دے کر اُسے مفید مطلب بنایا جائے۔

جب تک وہ ان دونوں آگوں کے بیچ میں رکھا نہ جاوے، وہ خوبصورت اور درخشاں زیور کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح انسان جب تک جلالی اور جمالی آگ میں ڈالا نہ جائے وہ گناہ سوز فطرت لے کر نیک بننے کے قابل نہیں ہوتا۔

اس لیے پہلے گناہ جلایا جاتا ہے اور پھر جمالی آگ سے نیکی کی قوت عطا ہوتی ہے اور پھر فطرت میں ایک روشنی اور چمک آتی ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز بنا کر نیکی کی طرف جذب کرتی ہے۔ اس وقت ایک نئی پیدائش ملتی ہے۔

سُورۃ الدّہر میں اس پیدائش کی حالت کا بیان کافوری اور زنجبیلی شربت کی مثال سے دیا ہے؛ چنانچہ پہلے فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (الدّہر: ۶) یعنی مومن جو خدا کے نیک بندے ہیں وہ کافوری پیالے پیتے ہیں۔ کافُور کا لفظ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ کَفَرَ ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ اور کافور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ڈھانکنے والا۔ ایسے ہی طاعُون بھی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں طَاعُوْن اس لیے نام رکھا ہے کہ یہ اہلِ حق پر طعن کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور طاعُون اور دیگر امراض وبائی ہیضہ میں کافور ایک

عمدہ چیز ہے اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ غرض کافوری پیالے کا پہلے ذکر کیا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اوّل یہ بتایا جائے کہ کامل ہونے کے لیے کافوری پیالہ پہلے پینا چاہیے، تاکہ دُنیا کی محبت سرد ہو جائے۔ اور وُہ فسق و فجور کے خیالات جو دل سے پیدا ہوتے تھے اور جن کی زہر رُوح کو ہلاک کرتی تھی، دبائے جائیں اور اس طرح پر گناہ کی حالت سے انسان نکل آئے۔ پس چونکہ پہلے مَیلِ کچیل کا دُور ہونا ضروری تھا۔ اس لیے کافوری پیالہ پلایا گیا۔ اس کے بعد دُوسرا حصّہ زنجبیلی ہے۔

زنجبیل اصل میں دو لفظوں سے مرکب ہے۔ زَنَا اور جَبَل سے۔ اور زَنَا لُغتِ عرب میں اُوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جَبَل پہاڑ کو۔ اور اس مرکب لفظ کے معنی یہ ہوئے کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور یہ صاف بات ہے کہ ایک زہریلے اور وبائی مرض کے بعد انسان کو اعلیٰ درجہ کی صحت تک پہنچنے کے واسطے دو حالتوں میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ پہلی وہ حالت ہوتی ہے جبکہ زہریلے اور خطرناک مادے رُک جاتے ہیں اور اُن میں اصلاح کی صُورت پیدا ہوتی ہے اور زہریلے حملوں سے نجات ملتی ہے اور وہ مواد دبائے جاتے ہیں۔ مگر اعضاء بدستور کمزور ہوتے ہیں اور ان میں کوئی قوّت اور سکت نہیں ہوتی جس سے وہ کام کرنے کے قابل ہو۔ ایک ربودگی کی سی حالت ہوتی ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جس کو کافوری پیالے پینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حالت میں گناہ کا زہر دبایا جاتا ہے اور اس جوش کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے جو نفس کی سرکشی اور جوش کی حالت میں ہوتا ہے۔ مگر ابھی نیکی کرنے کی قوّت نہیں آتی۔

پس دوسری حالت جو زنجبیلی حالت ہے وُہ وہی ہے جبکہ صحت کامل کے بعد توانائی اور طاقت آجائے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں پر بھی چڑھ سکے اور زنجبیل بجائے خود چونکہ حرارتِ غریزی کو بڑھاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے اس ذکر سے بتایا کہ پہلے مومنوں کے گناہوں کی حالت پر موت آتی ہے اور پھر انہیں نیکی کی توفیق اور قوت ملتی ہے۔ گناہ کی حالت میں انسان پستی اور ذلّت میں ہوتا ہے اور جُوں جُوں گناہ کرتا جاتا ہے، نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے۔ لیکن جب گناہوں پر موت آتی ہے، تو وہ اس پستی کے گڑھے میں ہی پڑا ہوا ہوتا ہے۔ جب تک اوپر چڑھنے کے لیے اسے زنجبیلی شربت نہ ملے۔ پس نیکیوں کی توفیق عطا ہونے پر وہ پھر اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے اور یہ پہاڑی گھاٹیاں وُہی ہیں۔ جو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ (الفاتحہ: ۷) میں بیان ہوئی ہیں۔ خدا تعالےٰ کے راستبازوں اور منعم علیہم کی راہ ہی وُہ اصل مقصُود ہے جو انسان کے لیے خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ واحد ہے اور وحدت کو پیار کرتا ہے، اس لیے سب کام وحدت ہی کے ذریعہ کرتا ہے۔ وُہ اگر چاہتا، تو سب کو نبی بنا دیتا۔ مگر یہ امر وحدت کے خلاف تھا۔ اس لیے ایسا نہیں کیا، تاہم اس میں بُخل بھی نہیں ہے۔ ہر ایک شخص جو اس راہ کو اختیار کرنے کے لیے سچا مجاہدہ کرتا ہے وہ اس کا لُطف اور ذوق اُٹھا

لیتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اُمّت میں ابدال ہوتے ہیں جن کی فطرت کو بدلا دیا جاتا ہے اور یہ تبدیلی اتباعِ سُنّت اور دُعاؤں سے ملتی ہے۔

گناہ کی تعریف

فرمایا: "یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ گناہ کی تعریف میں اُنھوں نے دھوکا کھایا ہے۔ گناہ اصل میں جُناح سے لیا گیا ہے اور ج کا تبادلہ گ سے کیا گیا ہے۔ جیسے فارسی والے کر لیتے ہیں۔ اور جُناح اصل میں عمداً کسی طرف میل کرنے کو کہتے ہیں۔ پس گناہ ہے یہ مُراد ہے کہ عمداً بدی کی طرف میل کیا جاوے پس مَیں ہرگز نہیں مان سکتا کہ انبیاء علیہم السّلام سے یہ حرکت سرزد ہو اور قرآن شریف میں اس کا ذکر بھی نہیں۔ انبیاء علیہم السّلام سے گناہ کا صدور اس لیے ناممکن ہے کہ عارفانہ حالت کے انتہائی مقام پر وہ ہوتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ عارف بدی کی طرف میل کرے۔"

فرمایا: "عَصٰی سے تو عمد نہیں پایا جاتا، کیونکہ دوسری جگہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ: ۱۱۶) عصٰی سے یاد آیا میرا ایک فقرہ ہے۔ اَلْعَصَا عِلَاجُ مَنْ عَصٰی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جلالی تجلّیات ہی سے انسان گناہ سے بچ سکتا ہے۔"[1]

۱۸ر نومبر ۱۹۰۱ء۔ بوقت سیر صُبح ساڑھے آٹھ بجے۔

مسٹر ڈکسن سیاح کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت اقدسؑ: "ہماری دلی آرزو یہی ہے کہ آپ چند روز ہمارے پاس اور ٹھہریں تاکہ مَیں اسلام کی وُہ رُوحانی فلاسفی جو اس زمانہ میں مخفی تھی اور جو خدا نے مجھے عطا کی ہے، آپ کو سمجھاؤں۔"

مسٹر ڈکسن: "مَیں آپ کا ازبس ممنون ہوں، مگر آج مجھے جانا ہی چاہیے۔ مَیں نے کچھ کچھ سُن لیا ہے۔"

حضرت اقدسؑ: "چونکہ آپ کو چلے جانا ہے۔ اس لیے مَیں چاہتا ہوں کہ کچھ تو اپنے مقصد کو بیان کر دوں۔"

مسیح موعود کی بعثت کا مقصد

انبیاء علیہم السّلام کی دُنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۴ صفحہ ۹ تا ۱۲ پرچہ ۳۰ر نومبر ۱۹۰۱ء

" الحکم جلد ۵ " ۴۵ " ۱-۲ " ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۱ء

کو شناخت کریں اور اس زندگی سے جو انہیں جہنم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں۔ نجات پائیں۔ حقیقت میں یہی بڑا بھاری مقصد اُن کے آگے ہوتا ہے۔ پس اس وقت بھی جو خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور اس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ تو میرے آنے کی غرض بھی وہی مشترک غرض ہے جو سب نبیوں کی تھی۔ یعنی میں بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کیا ہے؟ بلکہ دکھانا چاہتا ہوں۔ اور گناہ سے بچنے کی راہ کی طرف رہبری کرتا ہوں۔ دُنیا میں لوگوں نے جس قدر طریقے اور حیلے گناہ سے بچنے کے لیئے نکالے ہیں اور خدا کی شناخت کے جو اصول تجویز کیے ہیں، وہ انسانی خیالات ہونے کی وجہ سے بالکل غلط ہیں اور محض خیالی باتیں ہیں جن میں سچائی کی کوئی رُوح نہیں ہے۔ میں ابھی بتاؤں گا اور دلائل سے واضح کروں گا کہ گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وُہ یہ ہے کہ اس بات پر کامل یقین انسان کو ہو جاوے کہ خدا ہے اور وہ جزا سزا دیتا ہے۔ جبتک اس اصول پر یقین کامل نہ ہو، گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں ہو سکتی۔ دراصل خدا ہے اور ہونا چاہیے۔ یہ دو لفظ ہیں۔ جن میں بہت بڑے غور اور فکر کی ضرورت ہے۔

پہلی بات کہ خدا ہے۔ یہ علم الیقین بلکہ حق الیقین کی تہ سے نکلتی ہے اور دُوسری بات قیاسی اور ظنی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو فلاسفر اور حکیم ہو وہ صرف، نظامِ شمسی اور دیگر اجرام اور مصنوعات پر نظر کر کے صرف اتنا ہی کہہ دے کہ اس ترتیبِ محکم اور بالغ نظام کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ ایک مدبر اور حکیم و علیم صانع کی ضرورت ہے، تو اس سے یقین کے اس درجہ پر ہرگز نہیں پہنچ سکتا جو ایک شخص خود اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر اور اس کی تائیدات کے چمکتے ہوئے نشان اپنے ساتھ رکھکر کہتا ہے کہ واقعی ایک قادرِ مطلق خدا ہے۔ وہ معرفت اور بصیرت کی آنکھ سے اُسے دیکھتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک حکیم یا فلاسفر جو صرف قیاسی طور پر خدا کے وجود کا قائل ہے۔ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی کے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ نری ضرورت کا علم کبھی بھی اپنے اندر وہ قوت اور طاقت نہیں رکھتا جو الٰہی رُعب پیدا کر کے اسے گناہ کی طرف دوڑنے سے بچالے اور اس تاریکی سے نجات دے جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے، مگر جو براہ راست خدا کا جلال آسمان سے مشاہدہ کرتا ہے وہ نیک کاموں اور وفاداری اور اخلاص کے لیے اس جلال کے ساتھ ہی ایک قوت اور روشنی پاتا ہے جو اس کو بدیوں سے بچالیتی اور تاریکی سے نجات دیتی ہے۔ اس کی بدی کی قوتیں اور نفسانی جذبات پر خدا کے مکالمات اور پُر رعب مکاشفات سے ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور وہ شیطانی زندگی سے نکل کر ملائکہ کی سی زندگی بسر کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اشارے پر چلنے لگتا ہے۔ جیسے ایک شخص آتش سوزندہ کے نیچے بدکاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو شخص خدا کی جلالی تجلیات کے نیچے آتا ہے۔ اس کی شیطنت مُر جاتی ہے اور اس کے سانپ کا سر کچلا جاتا ہے پس یہی وہ یقین اور معرفت ہوتی ہے۔ جس کو

انبیاء علیہم السلام آکر دُنیا کو عطا کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے وہ گناہ سے نجات پاکر پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسی طریق پر خدا نے مجھے مامور کیا ہے اور میرے آنے کی یہی غرض ہے کہ مَیں دُنیا کو دکھا دُوں کہ خدا ہے اور وُہ جزا سزا دیتا ہے اور یہ بات کہ محض اس یقین ہی سے انسان پاک زندگی بسر کر سکتا ہے اور گناہ کی موت سے بچ سکتا ہے۔ ایسی صاف ہے جس کے لیے ہم کو منطقی دلائل کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ خود انسان کی فطرت اور روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے لیے زبردست گواہ ہیں کہ جب تک یہ یقین کامل نہ ہو گا کہ خدا ہے اور وہ گناہ سے نفرت کرتا ہے اور سزا دیتا ہے کوئی اور حیلہ کسی صُورت میں کارگر ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن اشیاء کی تاثیرات کی عُمدگی کا ہم کو علم ہے ہم کیسے دوڑ دوڑ کر اُن کی طرف جاتے ہیں اور جن چیزوں کو اپنے وجُود کے لیے خطرناک زہریں سمجھتے ہیں، اُن سے کیسے بھاگتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو اس جھاڑی میں اگر ہمیں یقین ہو کہ سانپ ہے تو کیا کوئی بھی ہم میں سے ہو گا جو اس میں اپنا ہاتھ ڈالے یا قدم رکھ دے۔ ہرگز نہیں، بلکہ اگر کسی بِل میں سانپ کے ہونے کا معمولی وہم بھی ہو تو اُس طرف سے گذرنے میں ہر وقت مضائقہ ہو گا۔ طبیعت خود بخود اس طرف جانے سے رُکے گی۔ ایسا ہی زہروں کی بابت جب ہمیں علم پڑتا ہے۔ مثلاً اسٹرکنیا ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے تو کیسے اس سے بچتے اور ڈرتے ہیں۔ ایک محلہ میں طاعُون ہو تو اس سے بھاگتے ہیں اور وہاں قدم رکھنا آتشیں تنُور میں گرنا سمجھتے ہیں۔ اب وُہ بات کیا ہے جس نے دل میں خوف اور ہراس پیدا کیا ہے کہ کسی صورت میں بھی دل اس طرف کا ارادہ نہیں کرتا۔ وُہ وُہی یقین ہے جو اُس کی مُہلک اور مُضر تاثیرات پر ہو چکا ہے۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں ہم دے سکتے ہیں اور یہ ہماری زندگی میں روزمرہ پیش آتی ہیں۔

اب یہ بحثیں کہ گناہ سے بچنے کا یہ ذریعہ ہے یا فُلاں حیلہ ہے، بالکل بے سُود اور بے مطلب ہیں، کیونکہ جبتک الٰہی تجلیات کے رُعب اور گناہ کی زہر اور اس کے خطرناک نتائج کا پورا علم نہ ہو۔ ایسا علم جو یقینِ کامل تک پہنچ گیا ہو، گناہ سے نجات نہیں ہو سکتی۔

یہ ایک خیالی اور ایک بالکل بے معنی بات ہے کہ کسی کا خُون گناہ سے پاک کر سکتا ہے۔ خُون یا خودکشی کو گناہ سے کیا تعلق؟ وُہ گناہ کے زائل کرنے کا طریق نہیں۔ ہاں اس سے گُناہ پیدا ہو سکتا ہے اور تجربہ نے شہادت دی ہے کہ اس مسئلہ کو مان کر کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

گناہ سے بچنے کی سچّی فلاسفی

مَیں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ گناہ سے بچنے کی سچّی فلاسفی یہی ہے کہ گناہ کی ضرر دینے والی حقیقت کو پہچان لیں اور اس بات پر یقین کر لیں کہ ایک زبردست ہستی ہے جو گناہوں سے نفرت کرتی ہے اور گناہ کرنے والے کو سزا دینے پر قادر ہے۔

دیکھو اگر کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو اور اُس کا کچھ اسباب متفرق طور پر پڑا ہو، تو یہ کبھی جُرأت نہیں کرے گا کہ اسباب کا کوئی حصّہ چُرا لے خواہ چوری کے کیسے ہی قوی محرک ہوں اور وہ کیسا ہی بدعادت کا مبتلا ہو، مگر اس وقت اس کی ساری قوتوں اور طاقتوں پر ایک موت وارد ہو جائے گی اور اُسے ہرگز جرأت نہ ہو سکے گی اور اس طرح پر وُہ چوری سے ضرور بچ جائیگا۔ اس طرح پر ہر قسم کے خطا کاروں اور شریروں کا حال ہے کہ جب انہیں ایسی قوت کا پُورا علم ہو جاتا ہے جو اُن کی شرارت پر سزا دینے کے لیے قادر ہے تو وہ جذبات اُن کے دَب جاتے ہیں۔ یہی سچا طریق گناہ سے بچنے کا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ پر کامل یقین پیدا کرے اور اس کے جزا و سزا دینے کی قوت پر معرفت حاصل کرے۔ یہ نمونہ گناہ سے بچنے کے طریق کے متعلق خدا نے ہماری فطرت میں رکھا ہوا ہے، اس لیے مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس اُصول کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ کیا عجب آپ کو فائدہ پہنچے اور چونکہ آپ سفر کرتے رہتے ہیں اور مختلف آدمیوں سے ملنے کا آپ کو اتفاق ہوتا ہے۔ آپ اُن سے اسے ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ طریق جو مَیں پیش کرتا ہوں۔ آپ کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو مَیں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ جس قدر چاہیں جرح کریں۔ یہ میری طرف سے آپ کو ایک تحفہ ہے۔ اور مَیں ایسے تحفے دے سکتا ہوں۔

ہر شخص جو دُنیا میں آتا ہے۔ اس کا فرض ہونا چاہیے کہ دھوکے اور خطرہ سے بچے۔ پس گناہ کے نیچے ایک خطرناک اور تمام خطروں اور دھوکوں سے بڑھ کر ایک دھوکا ہے۔ مَیں آگاہ کرتا ہوں کہ اس سے بچنا چاہیے۔ اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ کیونکر بچنا چاہیے، اگرچہ اس سے پہلے ایک اور مسئلہ بھی ہے جو خدا کی ہستی کے متعلق ہے۔ مگر مَیں سردست اس کو چھوڑتا ہوں اور اس دوسرے مقصد کو لیتا ہوں جس کا ماحصل اور مدّعا یہ ہے کہ ہر ایک آدمی بجائے خود نیک بننا چاہتا ہے اور نیکی کو اچھا سمجھتا ہے۔ اختلاف اگر ہے تو ان طریقوں اور حیلوں میں ہے، جو نیکی کے حصُول کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، مگر مشترک طور پر نفس نیکی کو سب پسند کرتے اور چاہتے ہیں۔ جھوٹ بولنا کون پسند کرتا ہے۔ جذباتِ نفسانی سے بچنے کو اچھا کہتے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بدیوں کو بُری سمجھنے کے بھی ایک دُنیا ان میں گرفتار ہے اور گناہ کے سیلاب میں بہتی ہوئی جا رہی ہے۔ مَیں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ عیسائیوں نے انسان کو گنہگار زندگی کو ہلاک کر کے نیکی اور پاکیزگی کی زندگی کے حصُول کے لیے یہ راہ بتائی ہے کہ مسیح ہمارے لیے مر گیا اور ہمارے گناہوں کا بوجھ اس نے اٹھا لیا اور اس کے خُون سے ہم پاک ہو گئے، مگر مَیں دیکھتا ہوں اور آپ کو بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ مسیح کے خُون نے یورپ کی حالت پر کوئی نمایاں اثر اور تبدیلی پیدا نہیں کی، بلکہ ان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر نظر کر کے سخت افسوس ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی مرتاضانہ زندگی نہیں ہے بلکہ ایک آزادی اور اباحت کی زندگی ہے۔ کتنے ہی جو سرے سے خدا

ہی کے مُنکر ہیں اور بہت ہیں جو خدا کو مان کر اور مسیح کے خون پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اپنی حالت میں گرے ہوئے ہیں۔ شراب کی وہ کثرت ہے جو کئی کئی میل تک شراب کی دوکانیں چلی جاتی ہیں اور نامحرم عورتوں کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھنا تو کیا، ان کے دُوسرے اعضاء بھی نہ بچ سکے۔ مَیں عیسائیوں تک ہی اس گناہ کے سیلاب کو محدود نہیں کرتا۔ مَیں صاف کہتا ہوں کہ اس وقت دُنیا کی ساری قومیں اس زہر کو کھا رہی ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ مُسلمانوں نے باوجود یکہ اُن کے پاس ایک روشن کتاب تھی اور اس میں کسی کے خون کے ذریعہ اُن کو گناہ سے پاک کرنے کا وعدہ دے کر آزاد نہیں کیا گیا تھا، لیکن وہ بھی خطرناک طور پر اس بلا میں مبتلا ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو ان میں بھی یہی بلا موجود ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض قوموں نے جیسے آریہ ہیں نیوگ جیسے مسئلہ کو اپنے ایمانیات اور معتقدات میں داخل کر لیا۔ ایک مرد جبکہ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تو وہ اپنی بیوی کو دوسرے سے اولاد پیدا کرنے کی اجازت دے دے۔

خدا کی ہستی کے متعلق ذاتی تجربہ

غرض اس قسم کی ناپاک زندگی جو حقیقت میں گناہ کی لعنت ہے وُہ عام ہو رہی ہے اور وہ پاک زندگی جو گناہ سے بچ کر ملتی ہے۔ وہ ایک لعلِ تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے ہاں۔ خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں مجھے دیا ہے اور مجھے اس نے مامور کیا ہے کہ میں دُنیا کو اس لعلِ تاباں کے حصُول کی راہ بتا دُوں۔ اس راہ پر چل کر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص یقیناً یقیناً اس کو حاصل کرے گا اور وہ ذریعہ اور وہ راہ جس سے یہ ملتا ہے ایک ہی ہے۔ جس کو خدا کی سچی معرفت کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ مسئلہ بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے، کیونکہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔ فلاسفر جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دُوسرے مصنُوعات کی ترتیب ابلغ و محکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہیے، مگر مَیں اس سے بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں اور اپنے ذاتی تجربوں کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا ہے۔

اب اس میں صریح فرق ہے، مگر یہ فرق تب ہی نظر آسکتا ہے۔ جب آنکھ صاف ہو ایسی صاف آنکھ کے عطا ہونے پر انسان بنی نوع کے حقوق اور خدا کے حقوق میں تمیز کر کے انہیں محفوظ کر لیتا ہے اور یہ وہی آنکھ ہے جس کو خدا کے دیکھنے کی آنکھ کہتے ہیں۔ اس آنکھ کے ملنے پر وہ پاک زندگی شروع ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنے کا یہ ذریعہ تو کسی حالت میں دُرست نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے کو سزا ملے اور ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ زید کو پھانسی ملے اور بکر بچ جاوے، کیونکہ اس کے ابطال پر یہی دلیل کافی ہے کہ خارجی اُمور میں ہم اُس کی کوئی نظیر نہیں پاتے اور اس طریق سے بچ نہیں سکتے بلکہ دلیر ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کُتا ہے یہ بھیڑیا نہیں ہے۔ اصل میں اگر یہ بھیڑیا ہو اور ہم اس کو کُتا سمجھیں تو بھی ممکن ہی نہیں کہ اس سے ڈریں اور وہ خوف کریں جو ایک خونخوار بھیڑیے

سے کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ وہ بھیڑیا ہے۔ ہمارے علم میں وہ ایک کُتّا ہے، لیکن اگر یہ علم ہو کہ یہ بھیڑیا ہے، تو اس سے دُور بھاگیں گے اور اس سے بچنے کے لیے اچھی خاصی تیاری کریں گے۔ لیکن اگر یہ علم اور بھی وسیع ہو جاوے کہ یہ شیر ہے، تو بہت بڑا خطرہ پیدا ہوگا اور اس سے بچنے کے لیے اور بھی تیاری کریں گے۔ غرض جمیع قویٰ پر ہیبت اور تاثیر کے علم سے ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ پس اب یہ کیسی صاف صداقت ہے جس کو ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ پھر گناہوں سے بچنے کے واسطے کیا راہ ہو سکتی ہے؟

مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں اور میں ایسی صداقت پر قائم کیا گیا ہوں اور یہی حق ہے کہ جبتک خدائے قہار کی معرفت تام نہ ہو اور اس کی قوتوں اور طاقتوں کی ایک شمشیر برہنہ نظر نہ آجاوے انسان بدی سے بچ نہیں سکتا۔ بَدی ایک ایسا ملکہ ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور دل بے اختیار ہو ہو کر قابو سے نکل جاتا ہے۔ خواہ کوئی یہ کہے کہ شیطان حملہ کرتا ہے۔ خواہ کسی اور طرز پر اس کو بیان کیا جاوے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ آج کل بدی کا زور ہے اور شیطان اپنی حکومت اور سلطنت کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ بدکاری اور بے حیائی کے دریا کا بند ٹوٹ پڑا ہے اور وہ اطراف میں طُوفانی رنگ میں جوش زن ہے۔ پس کس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر مصیبت اور مشکل کے وقت انسان کا دستگیر ہوتا ہے اِس وقت اُسے ہر بلا سے نجات دے؛ چنانچہ اس نے اپنے فضل سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ دُنیا نے اس سیلاب سے بچنے کے واسطے مختلف حیلے نکالے ہیں اور جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے عیسائیوں نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ پھر اس کا علاج وہی ہے جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ مفید اور نفع رساں چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے اور مُضر اور نقصان رساں چیزوں سے دُور بھاگتا ہے اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ دیکھو سونے اور چاندی کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہے، تو اس کی طرف کیسی رغبت کرتا ہے اور کن کن محنتوں اور مشکلات سے بہم پہنچاتا ہے اور پھر کن حفاظتوں سے اسے رکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سونے چاندی کو تو پھینک دے اور اس کی بجائے مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے اُٹھا کر اپنے صندوقوں میں بند کر کے ان کی حفاظت کرنے لگے تو کیا ڈاکٹر اس کی دیوانگی کا فتویٰ نہ دیں گے۔ ضرور دیں گے۔ اسی طرح پر جب ہمیں یہ محسوس ہو جاوے کہ خدا ہے اور وہ بدی سے نفرت کرتا اور نیکی کو پیار کرتا ہے اور نیکیوں کو عزیز رکھتا ہے تو ہم دیوانہ وار نیکیوں کی طرف دوڑیں گے اور گناہ کی زندگی سے دُور بھاگیں گے۔ یہی ایک اصول ہے جو نیکی کی قوت کو طاقت بخشتا اور نیکی کے قویٰ کو تحریک دیتا ہے اور بدی کی قوتوں کو ہلاک کرتا اور شیطان کی ذریت کو شکست دیتا ہے۔

جب واقعی طور پر اس آفتاب کی طرح جو اس وقت دنیا پر چمکتا ہے خدا پر ہمیں یقین حاصل ہو جاوے اور ہم خدا کو گویا دیکھ لیں، تو یقیناً ہماری سفلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے ایک آسمانی

زندگی پیدا ہو جاتی ہے، جیسے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے راستبازوں کی زندگیاں تھیں۔

مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کی رحمت فرماں برداروں اور راستبازوں پر ہوتی ہے، جو خدا تعالےٰ کے حضور نیکی اور پاکیزگی کا تحفہ لے کر جاتے ہیں اور شرارتوں اور بدکاریوں سے اس لیے دُور رہتے ہیں کہ وُہ جانتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ سے بُعد اور حرماں کا مُوجب ہیں ایسے لوگ ایک چشمہ سے دھوئے جاتے ہیں جس کا دھویا ہوا پھر کبھی میلا اور ناپاک نہیں ہوتا اور انہیں وہ شربت پلایا جاتا ہے جس کا پینے والا کبھی پیاسا نہیں ہوتا۔ انہیں وہ زندگی عطا ہوتی ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ انہیں وہ جنت دیا جاتا ہے جس سے کبھی نکلنا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو اس چشمہ سے سیراب نہیں ہوتے اور خدا کے ہاتھوں سے جس کا مسح نہیں ہوتا، وہ خدا سے دُور جاتے ہیں اور شیطان کے قریب ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے خدا کی طرف آنا چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نہ ان میں تسلی کی کوئی راہ باقی ہے۔ نہ ان کے پاس دلائل ہیں اور نہ تاثیرات۔

مَیں خارق عادت اُمور کا مشاہدہ کرا سکتا ہوں

ایک عیسائی سے اگر پوچھا جائے کہ تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح کے خون سے میرے گناہ پاک ہو گئے ہیں، تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ وہ کون سے فوق العادت اُمور تجھ میں پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے ایک غیر معمولی خدا ترسی اور نیکوکاری کی رُوح تجھ میں پھُونک دی ہے تو وہ کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی مجھ سے پُوچھے، تو مَیں اس کو ان خارق عادت اُمور کا زبردست ثبوت دے سکتا ہوں۔ اور اگر کوئی طالب صادق ہو اور اس میں شتاب کاری اور بدظنی کی قوت بڑھی ہوئی نہ ہو، تو مَیں اُسے مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔

بعض اُمور ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے دلائل نہ بھی ملیں تو اُن کی تاثیرات بجائے خود انسان کو قائل کر دیتی ہیں اور وہی تاثیرات دلائل کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ کفارہ کے حق ہونے کے اگر دلائل عیسائیوں کے پاس نہیں ہیں جیسا کہ وُہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک راز ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ وُہ اُن تاثیرات کو ہی پیش کریں جو کفارہ کے اعتقاد نے پیدا کی ہیں۔ یُورپ کی اباحتی زندگی دُور سے ان تاثیرات کا نمونہ دکھا رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ کیا پیش کریں گے اور یہ ایک عقلمند کے سمجھ لینے کے واسطے کافی ہے کہ کیا اثر ہوا۔

ایک اور بات ہے، جو یاد رکھنے کے قابل ہے، جس پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض آدمیوں کو بڑے بڑے دھوکے لگے ہیں اور وُہ جادۂ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ اور وُہ یہ ہے کہ انسان کی پیدائش ایک قسم کی نہیں ہے۔

جیسا بُوٹیاں ہزاروں قسم کی ہوتی ہیں اور جمادات میں بھی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں۔ کوئی چاندی کی کان ہے، کوئی سونے کی، کوئی تانبے اور لوہے کی۔ اسی طرح پر انسانی فطرتیں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض انسان اس قسم کی فطرت رکھتے ہیں کہ وہ ایک گناہ سے نفرت کرتے ہیں اور بعض کسی اور قسم کے گناہ سے۔ مثلاً ایک آدمی ہے کہ وہ چوری تو کبھی نہیں کرتا، لیکن زناکاری اور اور قسم کی بے حیائی اور بے باکی کرتا ہے یا ایک زنا سے تو بچتا ہے، لیکن کسی کا مال مار لینے یا خون کر دینے کو گناہ ہی نہیں سمجھتا اور بڑی دلیری کے ساتھ ایسی بیہودہ بات اور افعال کا مرتکب ہوتا ہے غرض ہر ایک آدمی کو جو دیکھتے ہیں۔ تو اسے کسی نہ کسی قسم کے گناہ میں مبتلا پاتے ہیں اور بعض حصّوں میں اور بعض قسم کے گناہوں میں بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ پس جس قدر افراد انسانوں کے پائے جاتے ہیں۔ ان کی بابت ہم کبھی بھی قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ سب کے سب ایک ہی قسم کے گناہ کرتے ہیں بلکہ کوئی کسی میں مبتلا ہے کوئی دوسرے میں گرفتار ہے۔ کسی قوم کی بابت وہ مغرب میں ہو یا مشرق میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل گناہ سے بچی ہوتی ہے۔ صرف اس قدر تو مانیں گے کہ فلاں گناہ وہ نہیں کرتی، مگر یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ بالکل نہیں کرتی۔ یہ فطرت اور یہ قوت کہ بالکل گناہوں سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے۔ سچی تبدیلی کے بغیر کسی کو مل نہیں سکتی اور اسی تبدیلی کو پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔

مسیح موعود کا اہم کام

جو لوگ صدق دل اور اخلاص کے ساتھ صحت نیت اور پاک ارادہ اور سچی تلاش کے ساتھ ایک مدت تک ہماری صحبت میں رہیں، تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کی چمکار سے اُن کی اندرونی تاریکیوں کو دُور کر دے گا اور انہیں ایک نئی معرفت اور نیا یقین خدا پر پیدا ہوگا اور یہی وہ ذریعے ہیں جو انسان کو گناہ کے زہر کے اثر سے بچا لیتے ہیں اور اس کے لیے تریاقی قوت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وہ خدمت ہے جو ہمارے سپُرد ہوئی ہے اور اسی ایک ضرورت کو میں پُورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو انسان اس زنجیر اور قید سے نجات پانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جو گناہ کی زنجیریں ہیں۔ اُسے اسی طریق پر نجات ملے گی۔

پس اگر کوئی قصّے کہانیوں کو ہاتھ سے پھینک کر اور ان وہمی حیلوں اور خیالی ذریعوں کو چھوڑ کر کہ کسی کی خودکشی بھی گناہ سے بچا سکتی ہے۔ صدق اور اخلاص سے یہاں رہے تو وہ خدا کو دیکھے گا اور خدا کو دیکھ لینا ہی گناہ پر موت وارد کرتا ہے، ورنہ اتنی ہی بات پر خوش ہو جانا کہ فلاں گناہ مجھ میں نہیں یا فلاں عیب سے میں بچا ہوا ہوں۔ حقیقی نجات کا وارث نہیں بنا سکتا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی نے سٹرکنیا کھا کر موت حاصل کی اور کسی نے سَم الفار یا بادام کے زہر سے جان دیدی۔ ہم کو اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ عیسائیوں کے طریق نجات پر یا کسی اور مذہب کے پیش کردہ دستور پر کوئی لمبی چوڑی بحث کریں۔ تجربہ اور مشاہدہ خود گواہ ہے۔ ہم تو صرف وہی طریق بتانا چاہتے

ہیں۔ جو خدا نے ہمیں سمجھایا ہے۔ اور جس طریق پر ہمیں اطلاع دی ہے۔

پس گناہوں سے بچنے کا سچا طریق جو مجھے بتایا گیا ہے اور جس کو کل انبیاء کی پاک جماعت اپنے اپنے وقت پر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ انسانی جذبات پر انسان کو اسی وقت کامل فتح مل سکتی ہے اور شیطان اور اس کی ذریت کی شکست کا وہی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر ایک درخشاں یقین نازل ہو کہ خُدا ہے اور اس کی پاک صفات کے صریح خلاف ہے کہ کوئی گناہ کرے اور گنہگاروں پر اُس کا غضب بھڑکتا ہے اور پاکبازوں کو اس کا فضل و رحمت ہر بلا سے نجات دیتے ہیں اور یہ معرفت اور یہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اُن لوگوں کے پاس ایک عرصہ تک نہ رہیں جو خدا تعالیٰ سے شدید تعلق رکھتے ہیں اور خدا سے لے کر مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ بس یہی ہماری غرض ہے جو لے کر ہم دنیا میں آئے ہیں اور اسی کو ہم نے آپ کو سُنا دیا ہے۔ اب آپ اس پر غور کریں اور جو سوال آپ کا اس پر ہو وہ آپ بے شک کریں۔[1]"

۱۸ر نومبر ۱۹۰۱ء مسٹر ڈکسن۔ "کیا خدا اس جہان میں سزا دیتا ہے۔ یا دُوسرے جہان میں؟"

سزا و جزا کی حقیقت حضرت اقدسؑ: "میں نے آپ کے سوال کو سمجھ لیا ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت ہمیں بتایا ہے اور واقعاتِ صحیحہ نے جس کی شہادت دی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سزا و جزا کا قانون خدا نے ایسا مقرر کیا ہے کہ اس کا سلسلہ اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے اور جو شوخیاں اور شرارتیں انسان کرتا ہے، وہ بجائے خود انہیں محسوس کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ان کی سزا اور پاداش جو یہاں ملتی ہے، اس کی غرض تنبیہ ہوتی ہے تاکہ توبہ اور رجوع سے شوخ انسان اپنی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کا جو رشتہ ہے اس کو قائم کرنے میں جو غفلت اس نے کی ہے اس پر اطلاع پا کر اسے مستحکم کرنا چاہیے۔ اس وقت یا تو انسان اس تنبیہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی مدد سے چاہتا ہے اور یا اپنی شقاوت سے اس میں دلیر ہو جاتا ہے اور اپنی سرکشی اور شرارت میں ترقی کر کے جہنم کا وارث ٹھہر جاتا ہے۔ اس دنیا میں جو سزائیں بطور تنبیہ دی جاتی ہیں، ان کی مثال مکتب کی سی ہے۔ جیسے مکتب میں کچھ خفیف سی سزائیں بچوں کو ان کی غفلت اور سُستی پر دی جاتی ہیں۔ اس سے یہ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۶ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء

" " ۴۷ " ۱-۳ " ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

غرض نہیں ہوتی کہ علوم سے انہیں اُستاد محروم رکھنا چاہتا ہے، بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی غرض پر اطلاع دے کر آئندہ کے لیے زیادہ محتاط اور ہوشیار بنا دے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ جو شرارتوں اور شوخیوں پر کچھ سزا دیتا ہے، تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ نادان انسان جو اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے اپنی شرارت اور اُس کے نتائج پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت سے ڈر جاوے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ مَیں نے اپنی جماعت کے سامنے بارہا اس اَمر کو بیان کیا ہے اور اب آپ کو بھی بتاتا ہوں کہ جب انسان ایک کام کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک فعل اس کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کافی مقدار زہر کی کھالیں گے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ اس میں زہر کھانا یہ ہمارا اپنا فعل تھا۔ اور خدا کا فعل اس پر یہ ظاہر ہوا کہ اس نے ہلاک کر دیا۔ یا مثلاً یہ کہ اگر ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکیاں بند کر لیں، تو یہ ہمارا فعل ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ کوٹھڑی میں اندھیرا ہو جائے گا۔ اس طرح پر انسان کے افعال اور اس پر بطور نتائج اللہ تعالیٰ کے افعال کے صدور کا قانون دُنیا میں جاری ہے اور یہ انتظام جیسا کہ ظاہر سے متعلق ہے اور جسمانی نظام میں اس کی نظیریں ہم روز دیکھتے ہیں۔ اسی طرح پر باطن کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے اور یہی ایک اصول ہے جو قانونِ سزا کے سمجھنے کے واسطے ضروری ہے اور وہ یہی ہے کہ ہمارا ہر ایک فعل نیک ہو یا بد۔ اپنے فعل کے ساتھ ایک اثر رکھتا ہے۔ جو ہمارے فعل کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے۔

اب عذاب اور راحت کو جو گناہوں کی پاداش یا نیکیوں کی جزا میں دی جاتی ہے۔ ہم بہت جلد سمجھ سکتے ہیں اور مَیں پوری بصیرت اور دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس فلاسفی کے بیان کرنے سے دُوسرے تمام مذہب بالکل عاری اور تہی ہیں۔ اس بات کو ہر شخص جو خدا کو مانتا ہے۔ اقرار کرتا ہے کہ انسان خدا ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کی ساری خوشیوں کی انتہا ساری راحتوں کی غایت اسی میں ہو سکتی ہے کہ وہ سارے کا سارا خدا ہی کا ہو جاوے اور جو تعلق اُلوہیت اور عبُودیت میں ہونا چاہیے۔ یا یوں کہو کہ ہے۔ جب تک انسان اس کو مستحکم نہیں کرتا اور اسے حیز فعل میں نہیں لاتا۔ وُہ سچی خوشحالی کو پا نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے آنے کی یہی غرض ہوتی ہے اور وہ اسی اہم مقصد کو لے کر آتے ہیں کہ وہ انسان کو یہ گمشدہ متاع واپس دینا چاہتے ہیں۔ جو عبُودیت اور اُلوہیت کے درمیان رشتہ کی ہوتی ہے، مگر جب انسان خدا سے دُور ہٹ جاتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو اس محبت کی زنجیر سے الگ کر لیتا ہے جو خدا اور بندہ کے درمیان ہونی چاہیے اور یہ فعل انسان کا ہوتا ہے اور اس پر خدا کا یہ فعل ہوتا ہے کہ وُہ بھی اس سے دُور ہٹتا ہے۔ اور اسی بُعد کے لحاظ سے انسانی قلب پر تاریکی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی طرف سے دروازہ بند کرنے پر ظلمت اور تاریکی سے کمرہ بھر جاتا ہے اسی طرح پر خدا سے مُنہ پھیرنے سے اندرونہ انسانی ظلمت سے بھرنے لگتا ہے اور جُوں جُوں وہ دُور ہوتا جاتا ہے

ظُلمت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی ظُلمت ہے جو جہنم کہلاتی ہے، کیونکہ اسی سے ایک عذاب پیدا ہوتا ہے۔ اب اس عذاب سے اگر بچنے کے لئے وہ یہ سعی کرتا ہے کہ ان اسباب کو جو خدا تعالیٰ سے بُعد اور دُوری کا موجب ہوئے ہیں چھوڑ دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ رجوع کرتا ہے اور جیسے کھڑکیوں کے کھول دینے سے گئی ہوئی روشنی واپس آکر تاریکی کو دُور کر دیتی ہے۔ اسی طرح پر سعادت کا نور جو جاتا رہا تھا۔ وہ اسی انسان کو جو رجُوع کرتا ہے پھر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے پورا مستفید ہونے لگتا ہے۔

اور توبہ کی یہی حقیقت ہے جس کی نظیر ہم قانونِ قدرت میں صاف مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نبیوں کے زمانہ میں جو قوموں پر عذاب آتے ہیں۔ جیسے لُوطؑ کی قوم پر یا یہودیوں کو بخت نصر یا ٹیطس رُومی کے ذریعہ تباہ کیا گیا، تو ان عذابوں کا مُوجب محض اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عذابوں اور دکھوں کا موجب وُہ شرارتیں اور شوخیاں اور تکلیفیں ہوتی ہیں، جو وُہ نبیوں سے کرتے اور انہیں پہنچاتے ہیں۔ آخر ان کی شرارتیں اُن پر ہی لُوٹ کر پڑتی ہیں اور انہیں تباہ اور ہلاک کر دیتی ہیں۔ جس طرح پر سیاست اور ملکداری کے اُصولوں کی تہ میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ امنِ عامہ میں خلل انداز ہونے والوں کو وہ چور ہوں یا ڈاکو۔ باغی ہوں یا کسی اور جُرم کے مُجرم، محض اس لیے سزا دی جاتی ہے۔ تا آئندہ کے لیے امن ہو اور دوسروں کو اس سے عبرت۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ قانون رکھا ہوا ہے کہ وہ شریروں اور سرکشوں کو جو اس کے حدود اور اوامر کی پرواہ نہیں کرتے سزا دیتا ہے تاکہ حد سے نہ بڑھ جائیں۔ جنھوں نے حد سے بڑھنا چاہا خدا نے وہیں انہیں تنبیہہ کی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سزا اور تنبیہہ اس شخص کے لیے بھی جسے دی جاتی ہے اور دوسروں کے واسطے بھی جو عبرت کی نگاہ سے اُسے دیکھتے ہیں بطور رحمت ہے کیونکہ اگر سزا نہ دی جائے، تو امن اُٹھ جاتا اور انجام کار نتیجہ بہت ہی بُرا ہوتا۔ قانونِ قدرت پر نظر کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فطرتِ انسانی میں یہ بات رکھی ہوئی ہے اور اس فطرتی نقش ہی کی بنا پر قرآن نے یہ فرمایا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ: ۱۸۰) یعنی تمہارے تمدن کے قیام کے لیے قصاص کا ہونا ضروری ہے۔ اگر افعال کے کچھ نتائج ہی نہیں ہوتے، تو وُہ افعال کیا ہوئے اور ان سے کیا غرض مقصود ہوتی؟ غرض ضروری اور واقعی طور پر یہ سزائیں نہیں ہیں جو یہاں دی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک خلق ہیں اصل سزاؤں کا اور اُن کی غرض ہے عبرت۔

دُوسرے عالم کے مقاصد اور ہیں اور وہ بالاتر اور بالاتر ہیں۔ وہاں تو مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (الزلزال: ۹) کا انعکاسی نمونہ لوگ دیکھ لیں گے اور انسان کو اپنے مخفی در مخفی گناہوں اور عریضتوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ دنیا اور آخرت کی سزاؤں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ دُنیا کی سزائیں امن قائم کرنے اور عبرت کے لیے ہیں۔ اور آخرت کی سزائیں افعالِ انسانی کے آخری اور انتہائی نتائج ہیں۔ وہاں اُسے ضرور سزا ملنی ٹھہری کیونکہ اُس

نے زہر کھائی ہوئی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ بدوں تریاق وہ اُس زہر کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔

عاقبت کی سزا اپنے اندر ایک فلسفیانہ حقیقت رکھتی ہے جس کو کوئی مذہب بجز اسلام کے کامل طور پر بیان نہیں کر سکا۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل) یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہو وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی بدتر۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی آنکھیں اور اُس کے دریافت کرنے کے حواس اسی جہان سے انسان اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جو یہاں ان حواس کو نہیں پاتا وہاں وہ اُن حواس سے بہرہ ور نہیں ہوگا۔ یہ ایک دقیق راز ہے۔ جس کو عام لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر اس کے یہ معنی نہیں تو یہ تو پھر بالکل غلط ہے کہ اندھے اس جہان میں بھی اندھے ہوں گے۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو بغیر کسی غلطی کے پہچاننا اور اسی دنیا میں صحیح طور پر اُس کی صفات و اسماء کی معرفت حاصل کرنا آئندہ کی تمام راحتوں اور روشنیوں کی کلید ہے۔ اور یہ آیت اس امر کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اسی دنیا سے ہم عذاب اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس دنیا کی کورانہ زیست اور ناپاک افعال ہی اس دوسرے عالم میں عذاب جہنم کی صورت میں نمودار ہو جائیں گے اور وہ کوئی نئی بات نہ ہوں گے۔

جیسے ایک شخص گھر کے دروازے بند کر لینے سے روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور تازہ اور زندگی بخش ہوا اُسے نہیں مل سکتی۔ یا کسی زہر کے کھا لینے سے اُس کی زندگی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح پر جب ایک آدمی خدا کی طرف سے ہٹتا ہے اور گناہ کرتا ہے، تو وہ ایک ظلمت کے نیچے آکر عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ گناہ اصل میں جُناح تھا۔ جس کے معنی میل کرنے اور اصل مرکز سے ہٹ جانے کے ہیں۔ پس جب انسان خدا سے اعراض کرتا ہے اور اس کے نُور کے مقابل سے ہٹ جاتا ہے اور اس روشنی سے دُور ہو جاتا ہے جو صرف خدا کی طرف سے اترتی اور دلوں پر نازل ہوتی ہے، تو وہ ایک تاریکی میں مبتلا ہوتا ہے جو اس کے لیے عذاب کا موجب ہو جاتی ہے۔ پھر جس قسم کا یہ اعراض ہو، اُسی قسم کا عذاب اُسے دُکھ دیتا ہے۔ لیکن اگر انسان پھر اُسی مرکز کی طرف آنا چاہے اور اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دے جو ایسی روشنی کے پڑنے کا مقام ہے تو وہ پھر اس گمشدہ نُور کو پالیتا ہے، کیونکہ جیسے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے کمرہ میں روشنی کو ایسے وقت پا سکتے ہیں جب اس کی کھڑکیاں کھول دیں۔ ویسے ہی رُوحانی نظام میں مرکز اصلی کی طرف بازگشت کرنا ہی راحت کا موجب ہو سکتا ہے اور اس دُکھ درد سے بچاتا ہے جو اس مرکز کو چھوڑنے سے پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام توبہ ہے اور یہی ظلمت جو اس طرح پر پیدا ہوتی ہے، ضلالت اور جہنم کہلاتی ہے اور مرکز اصلی کی طرف رجوع کرنا جو راحت پیدا کرتا ہے، جنت سے تعبیر ہوتا ہے۔ اور گناہ سے ہٹ کر پھر نیکی کی طرف آنا جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جاوے اس بدی کا کفارہ ہو کر اُسے دُور کر دیتا ہے اور اس کے نتائج کو بھی سلب کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

السَّيِّاٰتِ (ھود : ۱۱۵) یعنی نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں؛ چونکہ بدی میں ہلاکت کی زہر ہے اور نیکی میں زندگی کا تریاق، اس لیے بدی کے زہر کو دُور کرنے کا ذریعہ نیکی ہی ہے۔ یا اسی کو ہم یُوں کہہ سکتے ہیں۔ عذاب راحت کی نفی کا نام ہے اور نجات راحت اور خوشحالی ہی کے حصُول کا نام ہے۔ اسی طرح پر جیسے بیماری اس حالت کا نام ہے۔ جب حالت بدن مجری طبیعت پر نہ رہے اور صحت وہ حالت ہے کہ اُمورِ طبیعہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوں۔ اور جیسے کسی ہاتھ پاؤں یا کسی عضو کے اپنے مقام خاص سے ذرا اِدھر اُدھر کھسک جانے سے درد شروع ہو جاتا ہے اور وہ عضو نکما ہو جاتا ہے اور اگر چندے اسی حالت پر رہے، تو پھر نہ خود بالکل بیکار ہو جاتا ہے بلکہ دُوسرے اعضا پر بھی اپنا بُرا اثر ڈالنے لگتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت روحانی ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے سامنے سے جو اس کی زندگی کا اصل مُوجب مایۂ حیات ہے، ہٹ جاتا ہے اور فطرتی دین کو چھوڑ بیٹھتا ہے، تو عذاب شروع ہو جاتا ہے اور اگر قلب مُردہ نہ ہو گیا ہو۔ اور اس میں احساس کا مادّہ باقی ہو۔ تو وُہ اس عذاب کو خوب محسُوس کرتا ہے اور اگر اس بگڑی ہوئی حالت کی اصلاح نہ کی جاوے، تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پھر ساری روحانی قوتیں رفتہ رفتہ نکمّی اور بیکار ہو جائیں اور ایک شدید عذاب شروع ہو جاوے۔ پس اب کیسی صفائی کے ساتھ یہ امر سمجھ میں آ جاتا ہے کہ کوئی عذاب باہر سے نہیں آتا، بلکہ خود انسان کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عذاب خدا کا فعل ہے۔ بیشک اس کا فعل ہے، مگر اسی طرح جیسے کوئی زہر کھائے تو خدا اُسے ہلاک کر دے پس خدا کا فعل انسان کے اپنے فعل کے بعد ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّشانہٗ اشارہ فرماتا ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزہ : ۷، ۸) یعنی خدا کا عذاب وہ آگ ہے، جس کو خدا بھڑکاتا ہے اور اس کا شعلہ انسان کے دل سے ہی اُٹھتا ہے۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہی ہے کہ عذاب کا اصل بیج اپنے وجود ہی کی ناپاکی ہے۔ جو عذاب کی صُورت اختیار کر لیتی ہے۔

بہشت کی نعماء کی حقیقت

اسی طرح بہشت کی راحت کا اصل سرچشمہ بھی انسان کے اپنے ہی افعال ہیں۔ اگر وہ فطرتی دین کو نہیں چھوڑتا۔ اگر وہ مرکز اعتدال سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا اور عبودیّت الوہیّت کے محاذ میں پڑی ہوئی اس کے انوار سے حصّہ لے رہی ہے تو پھر یہ اس عضو صحیح کی طرح ہے جو مقام سے ہٹ نہیں گیا اور برابر اس کام کو دے رہا ہے۔ جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اور اُسے کچھ بھی درد نہیں بلکہ راحت ہے۔

قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرہ : ۲۶) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کو خوشخبری دے دو۔ کہ وُہ ان باغوں کے وارث ہیں، جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں۔ اس آیت میں ایمان کو اللہ تعالیٰ نے باغ سے مثال

دی ہے اور اعمالِ صالحہ کو نہروں سے۔ جو رشتہ اور تعلق نہر جاری اور درخت میں ہے، وہی رشتہ اور تعلق اعمالِ صالحہ کو ایمان سے ہے۔ پس جیسے کوئی باغ ممکن ہی نہیں کہ پانی کے بدوں سرسبز اور ثمردار ہو سکے۔ اس طرح پر کوئی ایمان جس کے ساتھ اعمالِ صالحہ نہ ہوں بفید اور کارگر نہیں ہو سکتا۔ پس بہشت کیا ہے۔ وہ ایمان اور اعمال ہی کے مجسم نظارے ہیں۔ وہ بھی دوزخ کی طرح کوئی خارجی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا بہشت بھی اس کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ یاد رکھو اس جگہ پر جو راحتیں ملتی ہیں وہ وہی پاک نفس ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بنایا جاتا ہے۔ پاک ایمان پودہ سے مماثلت رکھتا ہے اور اچھے اچھے اعمال۔ اخلاق فاضلہ یہ اس پودہ کی آبپاشی کے لیے بطور نہروں کے ہیں۔ جو اس کی سرسبزی اور شادابی کو بحال رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں تو یہ ایسے ہیں جیسے خواب میں دیکھے جاتے ہیں۔ مگر اُس عالم میں محسوس اور مشاہدہ ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ لکھا ہے کہ جب بہشتی اُن انعامات سے بہرہ ور ہوں گے تو یہ کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرہ: ۲۶) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دُنیا میں جو دُودھ یا شہد یا انگور، انار وغیرہ چیزیں ہم کھاتے پیتے ہیں۔ وہی وہاں ملیں گی نہیں وُہ چیزیں اپنی نوعیت اور حالت کے لحاظ سے بالکل اور کی اور ہوں گی۔ ہاں صرف نام کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ اور اگرچہ ان تمام نعمتوں کا نقشہ جسمانی طور پر دکھایا گیا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ وہ چیزیں رُوح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت پیدا کرنے والی ہیں۔ اُن کا سرچشمہ رُوح اور راستی ہے۔ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ سے یہ مُراد لینا کہ وہ دُنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں، بالکل غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشاء اس آیت میں یہ ہے کہ جن مومنوں نے اعمال صالحہ کئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا۔ جس کا پھل وہ اس دُوسری زندگی میں بھی کھائیں گے اور وہ پھل چونکہ رُوحانی طور پر دُنیا میں بھی کھا چکے ہوں گے، اس لیے اس عالم میں اُس کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں اور یہ وہی رُوحانی ترقیاں ہوتی ہیں جو دنیا میں کی ہوتی ہیں، اس لیے وہ عابد و عارف ان کو پہچان لیں گے۔

مَیں پھر صاف کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ جہنم اور بہشت میں ایک فلسفہ ہے جس کا ربط باہم اسی طرح پر قائم ہوتا ہے جو مَیں نے ابھی بتایا ہے مگر اس بات کو کبھی بھی بھولنا نہیں چاہیے کہ دُنیا کی سزائیں تنبیہ اور عبرت کے لیے انتظامی رنگ کی حیثیت سے ہیں۔

سیاست اور رحمت دونوں باہم ایک رشتہ رکھتی ہیں اور اسی رشتہ کے اظلال یہ سزائیں اور جزائیں ہیں۔ انسانی افعال اور اعمال اسی طرح پر محفوظ اور بند ہوتے جاتے ہیں۔ جیسے فونوگراف میں آواز بند کی جاتی ہے۔ جبتک انسان عارف نہ ہو۔ اس سلسلہ پر غور کر کے کوئی لذت اور فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

معرفت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اوّل خداشناس ہو اور خداشناسی حاصل نہیں ہوتی جبتک

کسی خدا نما انسان کی مجلس میں صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ ایک کافی مدت تک نہ رہے۔ اس کے بعد وہ اس سلسلہ کو جو جزا سزا کا اور دُنیا اور عقبیٰ کا ہے۔ بڑی سہولت کے ساتھ سمجھ لے گا۔ اس بیان پر غور کرنے سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور بہشت کی فلاسفی جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے وہ کسی اور کتاب نے نہیں بتائی اور قرآن شریف کے مطالعہ سے یہ امر بھی کھل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو تدریجاً بیان فرمایا ہے، مگر یہ راز ان پر ہی کھلتا ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور پاک نفس لے کر سوچتے ہیں۔ کیونکہ کوئی عمدہ بات بدوں تکلیف کے نہیں ملتی ہے۔ یہ کہنا کہ ہر شخص اس راز پر کیوں اطلاع نہیں پاتا۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھو ہمارے حواس کے کام الگ الگ ہیں۔ مثلاً آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ زبان چکھ سکتی ہے اور بول سکتی ہے۔ کان سُن سکتے ہیں۔ گویا ہر ایک حواس میں سے اپنے اپنے فرائض اور قوت کے ذمہ دار ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کان کے پاس مصری کی ڈلی رکھ دی جائے۔ اور وہ اس کا ذائقہ بتا دے اور آنکھ خارجی آوازیں سُن لے۔ یا زبان دیکھ لے۔ پس اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی معرفت کے دقیق اسرار کو معلوم کرنے کے واسطے خاص قویٰ ہیں۔ وہی اُن پر اطلاع دے سکتے ہیں۔ اور یہ قویٰ دیئے تو سب کو گئے ہیں، لیکن اُن سے کام لینے والے بہت تھوڑے ہیں۔ ظن کا کوئی قوی اثر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفروں کی ایمانی حالت بہت ہی کمزور ہوتی ہے اور وہ ظنیات سے آگے نہیں بڑھتے۔ افلاطون جو بڑا مدبر اور دانشمند سمجھا جاتا تھا جب مرنے لگا، تو اُس نے یہی کہا کہ فلاں بُت پر اُس کے لیے ایک مُرغ چڑھا دینا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسا کمزور ایمان تھا۔ توحید پر قائم نہ ہوا۔

صحبتِ صالحین

پس وُہ عظیم ذریعہ جس سے ایک چمکتا ہوا یقین حاصل ہو اور خدا تعالیٰ پر بصیرت کے ساتھ ایمان قائم ہو۔ ایک ہی ہے کہ انسان ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو خدا تعالیٰ کے وجُود پر زندہ شہادت دینے والے ہوں۔ خود جنہوں نے اس سے سُن لیا ہے کہ وہ ایک قادرِ مطلق اور عالم الغیب تمام صفاتِ کاملہ سے موصُوف خدا ہے۔

ابتدا میں جب انسان ایسے لوگوں کی صحبت میں جاتا ہے، تو اس کی باتیں بالکل انوکھی اور نرالی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ بہت کم دل میں جاتی ہیں۔ گو دل ان کی طرف کھنچا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اندر کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے ان معرفت کی باتوں کی ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے جو کچھ گرد و غبار دل پر بیٹھا ہوتا ہے۔ صادق کی باتیں ان کو دُور کر کے اُسے جلا دینا چاہتی ہے۔ تا اس میں یقین کی قوت پیدا ہو۔ جیسے جب کبھی کسی آدمی کو مُسہل دیا جاتا ہے، تو دست اور دوائی پیٹ میں جا کر ایک گڑگڑاہٹ پیدا کر دیتی ہے اور تمام مواد ردیا اور فاسدہ کو حرکت اور جوش دے کر باہر نکالتی ہے۔ اسی طرح پر صادق ان ظنیات کو دُور کرنا چاہتا ہے اور سچے علوم اور اعتقادِ صحیحہ کی معرفت کرانی چاہتا ہے اور وہ باتیں اس دل کو جس نے بہت بڑا زمانہ ایک اور ہی دُنیا میں بسر کیا ہوا ہوتا ہے۔ ناگوار اور ناقابلِ عمل

معلوم ہوتی ہیں، لیکن آخر سچائی غالب آجاتی ہے اور باطل پرستی کی قوتیں مرجاتی ہیں اور حق پرستی کی قوتیں نشوونما پانے لگتی ہیں۔ پس مَیں اس نُور کو لے کر آیا ہوں اور دُنیا میں قوتِ یقین پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اس قوت کا پیدا ہونا صرف الفاظ اور باتوں سے نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ اُن نشانات سے نشوونما پاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقتدرانہ طاقت سے صادقوں کے ہاتھ پر ظہور پاتے ہیں۔

میرا مدعا یہی ہے کہ دوسری کلام نہ کروں جبتک ایک اَمر سُننے والے کے ذہن نشین نہ کرلُوں اور سُننے والا فیصلہ نہ کرلے کہ اس بات کو اُس نے سمجھ لیا ہے یا اس پر کوئی اعتراض کرے۔[1]"

سچی معرفت کیا ہے

"کیونکہ سوال کرنا بھی ایک قسم کا علم پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اَلسُّؤَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ مشہور ہے۔ پس مَیں اس کو بھی غنیمت سمجھتا ہوں کہ کسی کے دل میں امرِ حق کے متعلق سوال کرنے کی تحریک پیدا ہوجاوے۔

یقیناً یاد رکھو کہ سچی معرفت ہر ایک طالب حق کو جو مستقل مزاجی سے اس راہ میں قدم رکھتا ہے۔ مِل سکتی ہے۔ یہ کسی کے لیے خاص نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جو غفلت کرتا ہے اور صدقِ نیت سے اس کی جُستجو نہیں کرتا۔ اُس کا کوئی حصّہ نہیں ہے؛ ورنہ خدا تعالیٰ تو ہر ایک انسان کو اپنی معرفت کے رنگ سے رنگین کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کو خدا نے اپنی صُورت پر پیدا کیا ہے اور اسی لیے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) جن لوگوں نے ایک عورت کے بچے کو یا یوں کہو کہ انسان کو خدا بنایا ہے۔ انہوں نے نہ خدا کو سمجھا ہے۔ اور نہ انسان ہی کی حقیقت پر غور کی ہے۔ انسان کیا ہے؟ وہ گویا کُل مخلوقاتِ الٰہیہ کی ایک مجموعی صورت ہے جس قدر مخلوق دنیا میں جیسی بھیڑ، بکری وغیرہ موجود ہے۔ سب انسانی قویٰ کی انفرادی صورتیں ہیں۔

جیسے ایک مصنف جب کوئی کتاب لکھنی چاہتا ہے، تو پہلے متفرق نوٹ ہوتے ہیں پھر ان کو ترتیب دے کر ایک کتاب کی صُورت میں لے آتا ہے۔ اسی طرح پر کُل مخلوقات انسانی قویٰ کے خاکے ہیں۔ گویا یہ عملی صُورت بتاتی ہے کہ انسان اعلیٰ قویٰ لے کر آیا ہے۔ پس عیسائی مذہب انسانی قویٰ کی توہین کرتا ہے اور اُن کی تکمیل اور نشوونما کے لیے ایک خطرناک روک پیدا کر دیتا ہے، جبکہ وہ انسان کو خدا بنا کر اس کے خون پر نجات کا انحصار رکھ دیتا ہے۔

پس مَیں جو بات آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ وُہ یہی ہے کہ مَیں انسان کو گناہ سے بچنے کا حقیقی ذریعہ بتاتا ہوں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۳-۶ پرچہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۲ء

اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرنے کی راہ دکھاتا ہوں۔ یہی میرا مقصد ہے جس کو لے کر میں دنیا میں آیا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ اس کو سمجھ لیں اور خوب غور سے سمجھ لیں تاکہ جہاں کہیں آپ جائیں اور اپنے دوستوں میں بیٹھ کر اپنے سفر کے عجائبات سنائیں۔ وہاں ان کو یہ باتیں بھی بتائیں جو میں نے آپ کو سنائی ہیں۔

مسٹر ڈکسن: "میں نے آپ کا مدعا خوب سمجھ لیا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں کہیں میں جاؤں گا۔ میں یورپین لوگوں میں اس کا تذکرہ کروں گا۔"

حضرت اقدسؑ: ہم نے تو آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا کہ آپ میں انصاف ہے۔ ہماری دلی آرزو یہی تھی کہ آپ کچھ دنوں ہمارے پاس رہ جاتے تاکہ ہمیں پورا موقع ملتا کہ اپنے اصول آپ کو سمجھائیں اور آپ کو بھی غور کرنے اور بار بار پوچھنے کا موقع ملتا، مگر تاہم ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی غور کرنے والی طبیعت ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے گی۔ انسان کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا نمونہ یہی ہے کہ وہ راستی کے قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان محض ماں باپ کی تقلید کی وجہ سے باوجود یکہ اس میں صریح نقص دیکھتا ہے نہیں چھوڑتا۔ لیکن جو شخص سچے اخلاق اور اخلاقی جرأت سے حصہ رکھتا ہے۔ وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وہ صرف راستی کا خواہشمند ہے۔

بچپن میں دو قوتیں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ اوّل ہر ایک چیز اندر چلی جاتی ہے۔ دوم خوب یاد رہتی ہے۔ بچہ کبھی دلائل نہیں پوچھتا کہ کیوں یہ بات ہے، مگر اصل شجاعت یہی ہے کہ ان باتوں کو جو شیرِ مادر کی طرح پیتا ہے جب اُسے معلوم ہو جاوے کہ ان میں حقیقت اور معرفت کا رنگ اور قوت نہیں ہے تو انہیں چھوڑنے کے لیے فی الفور تیار ہو جاوے۔ تمام قویٰ کا بادشاہ انصاف ہے۔ اگر یہ قوت ہی انسان میں مفقود ہے تو پھر سب سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ انسان دُنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ وہ باطل کا ذخیرہ جمع کرے، بلکہ اُسے حقیقت شناس اور حق پرست ہونا چاہیے۔

دُنیا میں چونکہ باطل بھی ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ باطل پرست اسے سچ سے بھی زیادہ چمکدار دکھانا چاہیں، مگر دانشمند کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ اس کو لازم ہے کہ سچائی کو پورے طور پر پرکھے اور پھر قبول کرے۔

میرے نزدیک عام مذاہب کا اس وقت یہ حال ہے کہ گویا کل مذاہب کا ایک میدان لگا ہوا ہے اور ہر ایک بجائے خود کوشش کرتا ہے کہ اپنے مذہب کو سچا دکھائے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ رُوحانیت کو دیکھو کہ کس میں ہے۔ اور تائیدی نشان کون اپنے ساتھ رکھتا ہے اور کون سا مذہب ہے جو گناہ کے کیڑے کو ہلاک کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ میں آپ کو اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے، اسلام میں ملتی ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی کے خون سے اس کیڑے کو موت آوے، بلکہ خون پڑ کر تو اور

بھی کیڑے پیدا کرے گا، اس لیے خُون گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہرگز نہیں ہے۔ نجات اور پاکیزگی کی سچی اصل وہی ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے اور ساری دُنیا کو چاہیے کہ اُسی کو تلاش کریں۔[1]

۲۷ر نومبر ۱۹۰۱ء

اس تقریر کے ختم کرتے کرتے نہر کا پُل جو قادیان سے چار میل کے قریب ہے، آپہنچا۔ یہاں پہنچکر مسٹر ڈکن حضرت سے رخصت ہو کر بٹالہ کو چلے گئے اور حضرت اقدس واپس تشریف فرما ہوئے۔ (الحکم، ۱ر جنوری ۱۹۰۲ء)

اعجاز التنزیل فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس کے برگزیدوں، رسُولوں پر نازل ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وُہ عظیم الشان اعجاز اپنے اندر رکھتا ہے اور کوئی شخص تنہا یا دُوسروں کی مدد سے اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی صرف ہمت کر دیتا ہے اور اس طرح پر اس کا معجزہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وُہ بار بار مخالفوں کو اس کی مثال لانے کی دعوت اور تحدی کرتا ہے، لیکن کوئی اس کے مقابلہ کے لیے نہیں اُٹھ سکتا۔ قرآن شریف جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کامل معجزہ ہے۔ دُوسری کتابوں کی نسبت ہم نہیں دیکھتے کہ ایسی تحدی کی گئی ہو جیسی قرآن شریف نے کی ہے؛ اگرچہ ہم اپنے تجربہ اور قرآن شریف کے معجزہ کی بنا پر یہ ایمان لاتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر حال میں معجزہ ہوتا ہے، لیکن قرآن شریف کا اعجاز جس کاملیت اور جامعیت کے ساتھ معجزہ ہے۔ دُوسرے کو ہم اس جگہ پر نہیں رکھ سکتے، کیونکہ بہت سی وُجوہ اور صُورتیں اس کے معجزہ ہونے کی ہیں اور کوئی شخص اس کی مثال بنانے پر قادر نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ کلام ایسا معجزہ نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑے ہی گستاخ اور دلیر ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے اور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق بے مثل اور لانظیر ہے۔ پھر اس کے کلام کی نظیر کیسے ہو سکتی ہے؟ ساری دُنیا کے مدبّر اور صنّاع مِل کر اگر ایک تنکا بنانا چاہیں، تو بنا نہیں سکتے، پھر خدا کے کلام کا مقابلہ وہ کیسے کر سکتے؟

محض کلام کے اشتراک یا الفاظ کے اشتراک سے یہ کہہ دینا کہ کوئی معجزہ نہیں، نری حماقت اور اپنی موٹی عقل کا ثبوت دینا ہے، کیونکہ ان اعلیٰ مدارج اور کمالات پر ہر شخص اطلاع نہیں پا سکتا، جو باریک بین نگاہ دیکھ سکتی ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص کلام لعل کی طرح چمکتی ہے، لیکن بایں ہمہ قرآن شریف آپ کی خالص کلام سے بالکل الگ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۳ پرچہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۲ء

ہر چیز کے مراتب ہوتے ہیں۔ مثلاً کپڑا ہے۔ تو کھدر، ململ اور خاصہ لٹھا محض کپڑا ہونے کی حیثیت سے تو کپڑا ہی ہیں اور اس لحاظ سے کہ وُہ سفید ہیں۔ بظاہر ایک مساوات رکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ریشم بھی سفید ہوتا ہے، لیکن کیا ہر آدمی نہیں جانتا کہ ان سب میں جُدا جُدا مراتب ہیں اور اُن میں فرق پایا جاتا ہے۔

؎ اگر حفظ مراتب نہ کُنی زندیقی

پس جس طرح پر ہم سب اشیاء میں ایک امتیاز اور فرق دیکھتے ہیں۔ اسی طرح کلام میں بھی مدارج اور مراتب ہوتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جو دُوسرے انسانوں کے کلام سے بالاتر اور عظمت اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر ایک پہلو سے اعجازی حدُود تک پہنچتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ کے برابر وُہ بھی نہیں، تو پھر اور کوئی کلام کیونکر اس سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

یہ تو موٹی اور بدیہی بات ہے کہ جس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن شریف معجزہ ہے، لیکن اس کے سوا اور بھی بہت سے وجُوہِ اعجاز ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کلام اس قدر خوبیوں کا مجموعہ ہے جو پہلی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ خاتم النبیین کا لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا گیا ہے۔ بجائے خود چاہتا ہے اور بالطبع اسی لفظ میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ کتاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے، وُہ بھی خاتم الکتب ہو اور سارے کمالات اس میں موجُود ہوں اور حقیقت میں وہ کمالات اس میں موجُود ہیں۔

کیونکہ کلام الٰہی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصُول یہ ہے کہ جس قدر قوتِ قدسی اور کمال باطنی اس شخص کا ہوتا ہے۔ اسی قدر قوت اور شوکت اس کلام کی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور کمال باطنی چونکہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تھا جس سے بڑھ کر کسی انسان کا نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا، اس لیے قرآن شریف بھی تمام پہلی کتابوں اور صحائف سے اُس اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر واقع ہوا ہے، جہاں تک کوئی دوسرا کلام نہیں پہنچا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور قوتِ قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقاماتِ کمال آپؐ پر ختم ہو چکے تھے اور آپؐ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس مقام پر قرآن شریف جو آپؐ پر نازل ہوا کمال کو پہنچا ہوا ہے اور جیسے نبوّت کے کمالات آپؐ پر ختم ہو گئے اسی طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ آپؐ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپؐ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری جس قدر مراتب اور وجُوہ اعجاز کلام کے ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے اعتبار سے آپؐ کی کتاب انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے۔

یعنی کیا باعتبار فصاحت و بلاغت، کیا باعتبار ترتیب مضامین، کیا باعتبارِ تعلیم، کیا باعتبار کمالات تعلیم، کیا باعتباراتِ ثمراتِ تعلیم۔ غرض جس پہلُو سے دیکھو اسی پہلو سے قرآن شریف کا کمال نظر آتا ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے کسی خاص امر کی نظیر نہیں مانگی، بلکہ عام طور پر نظیر طلب کی ہے۔ یعنی جس پہلو

سے چاہو مقابلہ کرو۔ خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت، خواہ بلحاظ مطالب و مقاصد، خواہ بلحاظ تعلیم، خواہ بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ غرض کسی رنگ میں دیکھو، یہ معجزہ ہے۔ گو مُلّاں میری مخالفت کی وجہ سے اس امر کو قبول نہ کریں، لیکن اس سے قرآن شریف کے اعجاز میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ یہ لوگ جوشِ تعصب میں بعض وقت یہاں تک اندھے ہو جاتے ہیں کہ ادب کے کل طریقوں کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں۔ لودہانہ کے مباحثہ میں لَہٗ ظَھْرٌ وَّبَطْنٌ میں نے پیش کیا، تو مولوی محمد حسین کو جوش آگیا اور راوی کی مخالفت شروع کر دی۔ کیا خدا کے کلام سے محبت اور ارادت کا یہی تقاضا ہونا چاہیے تھا۔ یاد رکھو۔ الطریقۃ کلّھا ادب اگر اس کو دُرست نہ سمجھتا تھا، تو قرآن شریف کی محبت کی وجہ سے اس قدر مخالفت بھی تو جائز نہ تھی۔

قرآن شریف زندہ اعجاز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں

الغرض قرآن شریف ایک کامل اور زندہ اعجاز ہے اور کلام کا معجزہ ایسا معجزہ ہوتا ہے۔ کہ کبھی اور کسی زمانہ میں وہ پُرانا نہیں ہو سکتا اور نہ فنا کا ہاتھ اس پر چل سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اگر آج نشان دیکھنا چاہیں تو کہاں ہے؟ کیا یہودیوں کے پاس وہ عصا ہے اور اس میں کوئی قدرت اس وقت بھی سانپ بننے کی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض جس قدر معجزات کل نبیوں سے صادر ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی اُن معجزات کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایسے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ اور زندہ موجود ہیں۔ ان معجزات کا زندہ ہونا اور ان پر موت کا ہاتھ نہ چلنا صاف طور پر اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں۔ اور حقیقی زندگی یہی ہے جو آپؐ کو عطا ہوئی ہے۔ اور کسی دوسرے کو نہیں ملی۔ آپؐ کی تعلیم اسلئے زندہ تعلیم ہے کہ اس کے ثمرات اور برکات اس وقت بھی ویسے ہی موجود ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر موجود تھے۔ دُوسری کوئی تعلیم ہمارے سامنے اس وقت ایسی نہیں ہے جس پر عمل کرنے والا یہ دعویٰ کر سکے کہ اس کے ثمرات اور برکات اور فیوض سے مجھے حصّہ دیا گیا ہے اور میں ایک آیۃ اللہ ہو گیا ہوں۔ لیکن ہم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم، قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات کا نمونہ اب بھی موجود پاتے ہیں اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع سے ملتے ہیں۔ اب بھی پاتے ہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اسی لیے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ ہو اور ثابت کرے کہ وہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو تیرہ سو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے، چنانچہ صدہا نشان اس وقت تک ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہر قوم ہر مذہب کے سرگروہوں کو ہم نے دعوت کی ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں آکر اپنی صداقت کا نشان دکھائیں، مگر ایک بھی ایسا نہیں کہ جن سے

اپنے مذہب کی سچائی کا کوئی نمونہ عملی طور پر دکھائے۔

ہم خدا تعالیٰ کے کلام کو کامل اعجاز مانتے ہیں اور ہمارا یقین اور دعویٰ ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کے مقابل نہیں ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کا کوئی امر پیش کریں۔ وہ اپنی جگہ پر ایک نشان اور معجزہ ہے۔ مثلاً تعلیم ہی کو دیکھیں تو وہ عظیم الشان معجزہ نظر آتی ہے اور فی الواقع معجزہ ہے۔ ایسے حکیمانہ نظام اور فطری تقاضوں کے موافق واقع ہوئی ہے کہ دوسری تعلیم اس کے ساتھ ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن شریف کی تعلیم پہلی ساری تعلیموں کی متمم اور مکمل ہے۔ اس وقت صرف ایک پہلو تعلیم کا دکھا کر میں ثابت کرتا ہوں کہ قرآن شریف کی تعلیم اعلیٰ درجہ پر واقع ہوئی ہے اور معجزہ ہے۔ مثلاً توریت کی تعلیم (حالات موجودہ کے لحاظ سے کہو یا ضروریات وقت کے موافق) کا سارا زور قصاص اور بدلہ پر ہے۔ جیسے آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت اور بالمقابل انجیل کی ساری تعلیم کا سارا زور عفو، اور درگذر پر تھا اور یہاں تک اس میں تاکید کی کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی اس کی طرف پھیر دو۔ کوئی ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلے جاؤ۔ کُرتہ مانگے تو چغہ بھی دیدو۔ اسی طرح پر ہر باب میں توریت اور انجیل کی تعلیم میں یہ بات نظر آئے گی کہ توریت افراط کا پہلو لیتی ہے اور انجیل تفریط کا۔ مگر قرآن شریف ہر موقع اور محل پر حکمت اور وسط کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں دیکھو۔ جس بارہ میں قرآن کی تعلیم پر نگاہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ وہ محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے؛ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نفس تعلیم سب کا ایک ہی ہے لیکن اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ توریت اور انجیل میں سے ہر ایک کتاب نے ایک ایک پہلو پر زور دیا ہے، مگر فطرتِ انسانی کے تقاضے کے موافق صرف قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ یہ کہنا کہ توریت کی تعلیم افراط کے مقام پر ہے۔ اس لیے وہ خدا کی طرف سے نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے ایسی تعلیم بکار تھی۔ اور چونکہ توریت یا انجیل قانون مختص المقام کی طرح تھیں۔ اس لیے ان تعلیموں میں دُوسرے پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، لیکن قرآن شریف چونکہ تمام دُنیا اور تمام نوعِ انسان کے واسطے تھا، اس لیے اس تعلیم کو ایسے مقام پر رکھا جو فطرتِ انسانی کے صحیح تقاضوں کے موافق تھی اور یہی حکمت ہے کیونکہ حکمت کے معنی ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ یعنی کسی چیز کو اس کے اپنے محل پر رکھنا پس یہ حکمت قرآن شریف نے ہی سکھلائی ہے۔

توریت جیسا کہ بیان کیا ہے ایک بے جا سختی پر زور دے رہی تھی اور انتقامی قوت کو بڑھاتی تھی اور انجیل بالمقابل یہود کو عفو پر زور مارتی تھی۔ قرآن شریف نے ان دونوں کو چھوڑ کر حقیقی تعلیم دی۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے، لیکن جو شخص معاف کر دے اور اس معاف کرنے میں اصلاح مقصود ہو۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۷، نمبر ۱۵ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء

قرآن شریف کی تعلیم کا حکیمانہ نظام

"اب اس تعلیم پر نگاہ کرو کہ نہ یہ توریت کی طرح محض انتقام پر ہی زور دیتی ہے اور نہ انجیل کی طرح ایسے عفو پر جو بسا اوقات خطرناک نتائج کا موجب ہو سکتا ہے، بلکہ قرآن شریف کی تعلیم حکیمانہ نظام اپنے اندر رکھتی ہے۔ مثلاً ایک خدمتگار ہے جو بڑا شریف اور نیک چلن ہے۔ کبھی اس نے خیانت نہیں کی اور کوئی نقصان نہیں کیا۔ اگر اتفاقاً وہ چاء پلانے کے لئے آئے اور اس کے ہاتھ سے پیالیاں گر کر ٹوٹ جاویں تو اس وقت مقتضائے وقت کیا ہوگا۔ کیا یہ کہ اس کو سزا دیں یا معاف کر دیں۔ ایسی حالت میں ایسے شریف خدمت گار کو معاف کر دینا اس کے واسطے کافی سزا ہوگی، لیکن اگر ایک شریر خدمت گار جو ہر روز کوئی نہ کوئی نقصان کرتا ہے اس کو معاف کر دینا اور بھی دلیر کر دینا ہے اِس لئے اس کو سزا دینی ضرور ہوگی مگر انجیل یہ نہیں بتاتی۔ انجیل پر عمل کر کے تو گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اگر کوئی ہندوستان مانگے تو وہ انگلستان بھی اُس کے حوالے کرے۔ کیا عملی طور پر انجیل مانی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ گورنمنٹ کے سیاست مدن کے اصولوں پر مختلف محکموں کا قائم کرنا اور عدالتوں کا کھولنا، دشمن سے حفاظت کے لئے فوجوں کا رکھنا وغیرہ وغیرہ جس قدر اُمور ہیں انجیل کی تعلیم کے موافق نہیں ہیں اِس لئے کہ انجیل کی تعلیم کے موافق کوئی انتظام ہو سکتا ہی نہیں ہے۔

غرض قرآن شریف کی تعلیم جس پہلو اور جس باب میں دیکھو اپنے اندر حکیمانہ پہلو رکھتی ہے افراط یا تفریط اس میں نہیں ہے بلکہ وہ نقطۂ وسط پر قائم ہوئی ہے اور اسی لئے اُس اُمت کا نام بھی اُمَّةً وَّسَطًا (البقرۃ: ۱۴۴) رکھا گیا ہے۔ یہ بات کہ انجیل یا توریت کی تعلیم کیوں اعتدال اور وسط پر واقع نہیں ہوئی اُس سے خدا تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں آتا اور نہ اس تعلیم کو ہم خلافِ آئینِ حکمت کہہ سکتے ہیں کیونکہ حکمت کے معنی ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ۔ اس وقت کی حکمت کا تقاضا ایسی ہی تعلیم تھی۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ سزا کے وقت سزا دینا بھی حکمت ہے اور عفو کے وقت عفو ہی حکمت ہے۔ اسی طرح پر اس وقت طبائع کی حالت کچھ ایسی ہی واقع ہوئی تھی کہ تعلیم کو ایک پہلو پر رکھنا پڑا۔ بنی اسرائیل چار سو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے اور اس وجہ سے ان لوگوں کے عادات اور رسوم کا اُن پر بہت بڑا اثر پڑا ہوا تھا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کے اطوار و عادات اور آئینِ ملک داری کا اثر رعایا پر پڑتا ہے بلکہ اُن کے مذہب تک پر اثر جا پڑتا ہے اِسی لئے کہا گیا ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ چنانچہ سکھوں کے زمانہ میں عام لوگوں پر بھی یہ اثر پڑا تھا کہ عموماً لوگ ڈاکہ زن اور دھاڑوی ہو گئے تھے۔ ہری سنگھ وغیرہ برائیں ہی لوٹ لیا کرتے

تھے۔ اسی طرح پر فرعونیوں کی غلامی میں رہ کر بنی اسرائیل عدل کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اُن پر جو ہمیشہ ظلم ہوتا تھا وہ بھی اعتداء اور ظلم کر بیٹھے تھے۔ پس اُن کی اصلاح کے لئے تو پہلا مرحلہ یہی چاہیئے تھا کہ اُن کو عدل کی تعلیم سکھائی جاتی اِس لئے یہ تعلیم اُن کو دی گئی کہ آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت۔ اِس تعلیم پر وہ اِس قدر پختہ ہوگئے کہ پھر انہوں نے انتقام لینا ہی شریعت کی جان سمجھ لیا اور یہ مذہب ہو گیا کہ اگر بدلہ نہ لیں گے تو گنہگار ٹھہریں گے۔ اِس واسطے جب حضرت مسیح علیہ السّلام آئے اور انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی حالت ایسی ہوگئی ہے تو انہوں نے حد درجہ کے عفو کی تعلیم دی، کیونکہ جس قدر زور کے ساتھ وہ انتقام پر قائم ہو چکے تھے اگر اس سے بڑھ کر عفو کی تعلیم نہ دی جاتی تو وہ موثر ثابت نہ ہوتی، اِس لئے ان کی تعلیم کا سارا مدار اسی پر رہا۔ پس اُن اسباب اور وجوہ کے لحاظ سے یہ دونوں تعلیمیں اگرچہ اپنی جگہ ہی حکمت ہیں لیکن ان کو قانون مختص المقام یا قانون مختص الوقت کی طرح سمجھنا چاہیئے۔

قرآن شریف مستقل اور ابدی شریعت

ابدی اور دائمی قانون ——— خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مستقل اور دائمی ہوتے ہیں بعض آنی اور وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے صادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اپنی جگہ اُن میں بھی ایک استقلال ہوتا ہے مگر وہ آنی ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً سفر کے لئے نماز یا روزہ کے متعلق اور احکام ہوتے ہیں اور حالتِ قیام میں اور۔ باہر جب عورت نکلتی ہے تو وہ بُرقع لے کر نکلتی ہے گھر میں ایسی ضرورت نہیں ہوتی کہ بُرقع لے کر پھرتی رہے۔ اسی طرح پر توریت اور انجیل کے احکام آنی اور وقتی ضرورتوں کے موافق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت اور کتاب لے کر آئے تھے وہ کتاب مستقل اور ابدی شریعت ہے اِس لئے اِس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کامل اور مکمل ہے۔ قرآن شریف قانونِ مستقل ہے اور توریت، انجیل اگر قرآن شریف نہ بھی آتا تب بھی منسوخ ہو جاتیں کیونکہ وہ مستقل اور ابدی قانون نہ تھے۔

مَیں نے بعض احمقوں کو اعتراض کرتے سُنا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے پہلی کتابوں کو کیوں منسوخ کیا۔ کیا اُس کو علم نہ تھا پہلے ہی مکمل اور مستقل ابدی شریعت بھیجنی تھی۔ یہ اعتراض بالکل نادانی کا اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ کُلیہ قاعدہ نہیں ہے کہ ہر نسخ کے لئے ضروری ہے کہ علم نہ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہر نسخ میں عدم علم ثابت ہوتا ہے تو پھر اِس بات کا کیا جواب ہے کہ جو کپڑے برس یا دو برس کے بچے کو پہنائے جاتے ہیں کیوں وہی کپڑے پانچ، دس یا پچیس برس کے ایک جوان کو نہیں پہنائے

جاتے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ گز آدھ گز کا کرتہ ایک نوجوان کو پہنایا جاوے؟ یقیناً کوئی سلیم الطبع انسان اِس بات کو پسند نہیں کرے گا بلکہ وہ ایسی حرکت پر ہنسی اُڑائے گا۔ اب اِس مثال سے کیسی صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ ہر نسخ کے لئے عدم علم ثابت ہو۔ جب ہم بجائے خود معرضِ تغیر میں ہیں تو ہماری ضرورتیں اس تغیر کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہیں۔ پھر ان تبدیلیوں کے موافق جو نسخ ہوتا ہے وہ ایک علم اور حکمت کی بناء پر ہوا یا عدم علم پر۔ یہ اعتراض سراسر جہالت اور حُمق کا نشان ہے جیسے پیدا ہونے والے بچے کے مُنہ میں روٹی کا ٹکڑہ یا گوشت کی بوٹی نہیں دے سکتے اسی طرح پر ابتدائی حالت میں شریعت کے وہ اسرار نہیں مل سکتے جو اس کے کمال پر ظاہر ہوتے ہیں۔ طبیب ایک وقت خود مسہل دیتا ہے اور دوسرے وقت جبکہ اسہال کا مرض ہو اس کو قابض دوا دیتا ہے۔ ہر حالت میں ایک ہی نسخہ وہ کیسے رکھ سکتا ہے۔

غرض قرآن شریف حکمت ہے اور مستقل شریعت ہے اور ساری تعلیموں کا مخزن ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کا پہلا معجزہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے اور پھر دوسرا معجزہ قرآن شریف کا اس کی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں، چنانچہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ تحریم اور سورۂ نور میں کتنی بڑی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ساری پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان پر اگر ایک دانشمند آدمی خدا سے خوف کھا کر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہیں۔ کیا اُس وقت جبکہ ساری قوم آپؐ کی مخالف تھی اور کوئی ہمدرد اور رفیق نہ تھا یہ کہنا کہ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر: ۴۶) چھوٹی بات ہو سکتی تھی۔ اسباب کے لحاظ سے تو ایسا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ ان کا خاتمہ ہو جاوے گا مگر آپؐ ایسی حالت میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلت اور نامرادی کی پیشگوئیاں کر رہے ہیں اور آخر اسی طرح وقوع میں آتا ہے۔ پھر تیرہ سَو سال کے بعد قائم ہونے والے سلسلہ کی اور اُس وقت کے آثار و علامات کی پیشگوئیاں کیسی عظیم الشان اور لاانظیر ہیں۔ دُنیا کی کسی کتاب کی پیشگوئیوں کو پیش کر دیا۔ کیا مسیح کی پیشگوئیاں ان کا مقابلہ کر سکتی ہیں جہاں صرف اِتنا ہی ہے کہ زلزلے آئیں گے، قحط پڑیں گے، آندھیاں آئیں گی، مُرغ بانگ دے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اِس قسم کی معمولی باتیں تو ہر ایک شخص کہہ سکتا ہے اور یہ حوادثات ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں پھر اس میں غیب گوئی کی قوت کہاں سے ثابت ہو۔ اس کے مقابلہ میں قرآن شریف کی پیشگوئی دیکھو۔

جلیل القدر پیشگوئی

الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (الروم: ۲ تا ۵)

مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔ رُومی اپنی سرحد میں اہلِ فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں اور بہت

ہی جلد چند سال میں یقیناً غالب ہونے والے ہیں۔ پہلے اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم اور اُن کے اسباب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جس دن رُومی غالب ہوں گے۔ وہی دن ہوگا، جب مومن بھی خوشی کریں گے۔

اب غور کرکے دیکھو کہ یہ کیسی حیرت انگیز اور جلیل القدر پیشگوئی ہے۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی۔ جب مُسلمانوں کی کمزور اور ضعیف حالت خود خطرہ میں تھی۔ نہ کوئی سامان تھا نہ طاقت تھی۔ ایسی حالت میں مخالف کہتے تھے کہ یہ گروہ بہت جلد نیست و نابُود ہو جائے گا۔ مدت کی قید بھی اس میں لگادی اور پھر یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ کہہ کر دُوہری پیشگوئی بنادی یعنی جس روز رُومی فارسیوں پر غالب آئیں گے۔ اسی دن مسلمان بھی بامُراد ہوکر خوش ہوں گے؛ چنانچہ جس طرح یہ پیشگوئی کی تھی، اسی طرح بدر کے روز یہ پوری ہوگئی۔ اِدھر رُومی غالب ہوئے اور اُدھر مُسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اسی طرح سُورۂ یُوسف میں اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ کہہ کر اس سارے قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور پیش گوئی بیان فرمایا ہے۔

غرض جہاں تک دیکھا جاوے قرآن شریف کی پیشگوئیاں بڑے اعلیٰ درجہ پر واقع ہوئی ہیں۔ اور کوئی کتاب اس رنگ میں ان پیشگوئیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ یہ پیشگوئیاں ہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پُوری ہوگئی تھیں، بلکہ ان کا سلسلہ برابر جاری ہے؛ چنانچہ بہت سی پیشگوئیاں تھیں جو اب پُوری ہو رہی ہیں اور بہت ابھی باقی ہیں، جو آئندہ پُوری ہوں گی۔

منجملہ ان پیشگوئیوں کے جو اس وقت پوری ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ کی پیشگوئی ہے جو قرآن شریف کے اوّل سے شروع ہوکر آخر تک چلی گئی ہے؛ چنانچہ سُورۃ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہہ کر مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی اور پھر اس سُورۃ میں مغضوب اور ضالین دو گروہوں کا ذکر کرکے یہ بھی بتادیا کہ جب مسیح موعود آئے گا، تو اس وقت ایک قوم مخالفت کرنے والی ہوگی۔ جو مغضوب قوم یہودیوں کے نقش قدم پر چلے گی۔ اور ضالین میں یہ اشارہ کیا کہ قتلِ دجّال اور کسرِ صلیب کے لیے آئے گا، کیونکہ مغضوب سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ بالاتفاق مراد ہیں اور آخر قرآن شریف میں بھی شیطان کا ذکر کیا۔ جو اصل دجّال ہے اور ایسا ہی سُورۃ نُور کی آیت استخلاف میں مسیح موعود یا خاتم الخلفاء کی پیشگوئی کی اور اسی طرح سُورۃ تحریم میں صراحت کے ساتھ ظاہر کیا۔ کہ اس امت میں بھی ایک مسیح آنے والا ہے، کیونکہ جب مومنوں کی مثال مریم کی سی ہے، تو اس امت میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہو۔ جو مریم صفت ہو اور مریم میں نفخ رُوح ہوکر مسیح پیدا ہو، تو اس مومن میں جب نفخ رُوح ہوگا، تو وہ خود ہی مسیح ہوگا۔[1]

ان پیشگوئیوں کا ظہور جو اس سلسلہ کی صورت میں ہوا ہے تو کیا یہ چھوٹی سی بات ہے۔ یہ سلسلہ بہت

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء

بڑی پیشگوئی کا پورا ہونا ہے، جو تیرہ سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر جاری ہوئی۔ اس قدر مدت دراز پہلے خبر دینا یہ قیافہ شناسی اور اٹکل بازی نہیں ہو سکتی اور پھر یہ پیشگوئی اکیلی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہزاروں وہ آیات و نشانات ہیں جو اس وقت کے لیے پہلے سے بتا دیئے گئے تھے اور ان سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خود یہاں ہزاروں نشانات کا سلسلہ جاری کر دیا؛ چنانچہ کئی سو پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ جو قبل از وقت ملک میں شائع کی گئیں اور پھر وہ اپنے وقت پر پوری ہوئی ہیں۔ جن کو ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں۔ اب کیا قرآن کریم کا معجزہ اس کی پاک تعلیم کا نتیجہ اور اثر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیر انفاس کے ثمرات نہیں ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی طفیل ہے، کیونکہ یہ مسلم بات ہے۔

خارقے کز ولی مسموع است
معجزہ آں نبی متبوع است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خوارق اور معجزات

اس لیے جس قدر یہ نشانات اور آیات یہاں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خوارق اور معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف ہی کی پیشگوئیاں ہیں، کیونکہ آپ ہی کی اتباع اور قرآن شریف ہی کی تعلیم کے ثمرات ہیں۔ اور اس وقت کوئی اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کا پیرو اور متبع یہ دعویٰ کر سکتا ہو کہ وہ پیشگوئیاں کر سکتا ہے یا اس سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے اس پہلو سے قرآن شریف کا معجزہ تمام کتابوں کے اعجاز سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر ایک اور پہلو فصاحت بلاغت ایسی اعلیٰ درجہ کی اور مسلم ہے کہ انصاف پسند دشمنوں کو بھی اسے ماننا پڑا ہے۔ قرآن شریف نے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (البقرہ: ۲۴) کا دعوےٰ کیا۔ لیکن آج تک کسی سے ممکن نہیں ہوا۔ کہ اس کی مثل لا سکے۔ عرب جو بڑے فصیح و بلیغ بولنے والے تھے اور خاص موقعوں پر بڑے بڑے مجمع کرتے اور ان میں اپنے قصائد سناتے تھے۔ وہ بھی اس کے مقابلہ میں عاجز ہو گئے۔

اور پھر قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت ایسی نہیں ہے کہ اس میں صرف الفاظ کا تتبع کیا جاوے اور معانی اور مطالب کی پروا نہ کی جاوے، بلکہ جیسا اعلیٰ درجہ کے الفاظ ایک عجیب ترتیب کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح پر حقائق اور معارف کو اُن میں بیان کیا گیا ہے اور یہ رعایت انسان کا کام نہیں کہ وہ حقائق اور معارف کو بیان کرے اور فصاحت و بلاغت کے مراتب کو بھی ملحوظ رکھے۔

ایک جگہ فرماتا ہے۔ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ: ۳، ۴) یعنی اُن پر ایسے صحائف پڑھتا ہے۔ کہ جن میں حقائق و معارف ہیں۔ انشاء والے جانتے ہیں کہ انشاء پردازی میں پاکیزہ تعلیم اور اخلاق

فاصلہ کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے اور پھر ایسی موثر اور جاذب تعلیم دینا جو صفاتِ رذیلہ کو دُور کر کے بھی دکھا دے اور اُن کی جگہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں پیدا کر دے۔ عربوں کی جو حالت تھی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ سارے عیبوں اور بُرائیوں کا مجموعہ بنے ہوئے تھے اور صدیوں سے ان کی یہ حالت بگڑی ہوئی تھی، مگر کس قدر آپ کے فیوضات اور برکات میں قوت تھی کہ تیئیس ۲۳ برس کے اندر کُل مُلک کی کایا پلٹ دی۔ یہ تعلیم ہی کا اثر تھا۔

ایک چھوٹی سے چھوٹی سُورۃ بھی اگر قرآن شریف کی لے کر دیکھی جاوے تو معلوم ہوگا کہ اس میں فصاحت و بلاغت کے مراتب کے علاوہ تعلیم کی ذاتی خوبیوں اور کمالات کو اس میں بھر دیا ہے۔ سُورۃ اخلاص ہی کو دیکھو کہ توحید کے کُل مراتب کو بیان فرمایا ہے اور ہر قسم کے شرکوں کا رد کر دیا ہے۔ اسی طرح سُورۃ فاتحہ کو دیکھو کہ کس قدر اعجاز ہے۔ چھوٹی سی سُورۃ جس کی سات آیتیں ہیں، لیکن دراصل سارے قرآن شریف کا فن اور خلاصہ اور فہرست ہے۔ اور پھر اس میں خدا تعالیٰ کی ہستی، اس کے صفات۔ دُعا کی ضرورت، اس کی قبولیت کے اسباب اور ذرائع، مفید اور سُود مند دُعاؤں کا طریق، نقصان رساں راہوں سے بچنے کی ہدایت سکھلائی ہے، وہاں دُنیا کے کل مذاہب باطلہ کا رد بھی اس میں موجود ہے۔

اکثر کتابوں اور اہلِ مذہب کو دیکھو گے کہ وُہ دُوسرے مذہب کی برائیاں اور نقص بیان کرتے ہیں۔ اور دوسری تعلیموں پر نکتہ چینی کرتے ہیں، مگر ان نکتہ چینیوں کو پیش کرتے ہوئے یہ کوئی اہلِ مذہب نہیں کرتا کہ اس کے بالمقابل کوئی عُمدہ تعلیم بھی پیش کرے اور دکھائے کہ اگر میں فلاں بُری بات سے بچانا چاہتا ہوں، تو اس کی بجائے یہ اچھی تعلیم دیتا ہوں۔ یہ کسی مذہب میں نہیں، یہ فخر قرآن شریف ہی کو ہے کہ جہاں وہ دُوسرے مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور اُن کی غلط تعلیموں کو کھولتا ہے وہاں اصلی اور حقیقی تعلیم بھی پیش کرتا ہے جس کا نمونہ اس سُورۃ فاتحہ میں دکھایا ہے کہ ایک ایک لفظ میں مذاہب باطلہ کی تردید کر دی ہے۔

سُورۃ فاتحہ میں حُسن و احسان کا کمال

مثلاً فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ساری تعریفیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سزاوار ہیں۔ اب اس لفظ کو کہہ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا ہے، وہ تمام نقائص سے منزّہ اور تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف ہے، کیونکہ اللہ کا لفظ اسی ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں۔ اور کمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ یا بلحاظ حُسن کے یا بلحاظ احسان کے۔ پس وہ دونوں قسم کے کمال اس لفظ میں پاتے جاتے ہیں۔ دُوسری قوموں نے جو لفظ خدا تعالیٰ کے لیے تجویز کیے ہیں، وہ ایسے جامع نہیں ہیں۔ اور یہی لفظ اللہ کا دوسرے باطل مذاہب کے معبودوں کی ہستی اور ان کی صفات کے مسئلہ کی پُوری تردید کرتا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کو لو۔ وُہ جس کو اللہ مانتے ہیں۔ وُہ ایک عاجز ضعیف عورت کا بچہ ہے۔ جس کا نام یسوع ہے۔ جو معمولی بچوں کی طرح دُکھ درد کے ساتھ ماں کے پیٹ سے نکلا اور عوارض میں مبتلا رہا۔ بھوک پیاس کی تکلیف سے بے چین رہا اور سخت تکلیفیں اور دُکھ اسے اٹھانے پڑے۔

جس قدر ضعف اور کمزوریوں کے عوارض ہوتے ہیں، اُن کا شکار رہا۔ آخر یہودیوں کے ہاتھوں سے پٹتا گیا اور اُنھوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔

اب اس صورت کو جو یسُوع کی (عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے) انجیل سے ظاہر ہوتی ہے۔ کسی دانشمند کے سامنے پیش کرو۔ کیا وہ کہہ دے گا کہ بے شک اس میں تمام صفاتِ کاملہ پائی جاتی ہیں اور کوئی نقص اس میں نہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ انسانی کمزوریوں اور نقصوں کا پہلا اور کامل نمونہ اُسے ماننا پڑے گا، تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے والا کب ایسے کمزور مصلوب ملعون کو خدا مان سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عیسائیوں کے بالمقابل ایسے خدا کی طرف بُلاتا ہے، جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر آریہ مذہب کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پرمیشر وُہ ہے جس نے ذرّاتِ عالم اور ارواحِ عالم کو بنایا ہی نہیں بلکہ جیسے وُہ ازلی ابدی ہے، ویسے ہی ہمارے ذرّاتِ جسم وغیرہ بھی خدا کے بالمقابل اپنی ایک مستقل ہستی رکھنے والی چیزیں ہیں جو اپنے قیام اور بقاء کے لیے اُس کی محتاج نہیں ہیں، بلکہ ایک طرح وہ اپنی خدائی چلانے کے واسطے اُن چیزوں کا محتاج ہے۔ وُہ کسی چیز کا خالق نہیں۔ اور پھر اس بات کا سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہیں کہ جو خالق نہیں، وُہ مالک کیسے ہو سکتا ہے اور ایسا ہی اُن کا اعتقاد ہے کہ وُہ رازق، کریم وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے۔ اس کے کرموں کا پھل ملتا ہے۔ اس سے زائد اُسے کچھ مل سکتا ہی نہیں۔

اب بتاؤ! اس قدر نقص جس خدا میں پیش کیے جاویں۔ عقلِ سلیم کب اُسے تسلیم کرنے کے لیے رضامند ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جس قدر مذاہبِ باطلہ دُنیا میں موجود ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا جُملہ خدا تعالیٰ کے متعلق اُن کے کل غلط اور بے ہُودہ خیالات و معتقدات کی تردید کرتا ہے۔

فیضِ ربُوبیّت پھر اس کے بعد رَبُّ الْعَالَمِیْن کا لفظ ہے۔ جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ وُہ ذات جمیع صفاتِ کاملہ ہے۔ جو تمام نقائص سے منزّہ ہو اور حُسن و احسان کے اعلیٰ نکتہ پر پہنچا ہوا ہو تاکہ اس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں۔ اور رُوح کے جوش اور کشش سے اس کی عبادت کریں۔ اس لیے پہلی خُوبی احسان کی صفت رَبُّ الْعَالَمِیْن کے اظہار سے ظاہر فرمائی ہے۔ جس کے ذریعہ سے کل مخلوق فیضِ ربُوبیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے، مگر اُس کے بالمقابل باقی سب مذہبوں نے جو اس وقت موجود ہیں۔ اس صفت کا بھی انکار کیا ہے۔ مثلاً آریہ جیسا ابھی بیان کیا ہے۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ مِل رہا ہے وہ سب اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا کی ربُوبیت سے وہ ہرگز ہرگز بہرہ ور نہیں ہے، کیونکہ جب وہ اپنی رُوحوں کا خالق ہی خُدا کو نہیں مانتے اور ان کو اپنے بقاء و قیام میں بالکل غیر محتاج سمجھتے ہیں، تو پھر اس صفتِ ربُوبیت کا بھی انکار کرنا پڑا۔

ایسا ہی عیسائی بھی اس صفت کے مُنکر ہیں۔ کیونکہ وہ مسیح کو اپنا رب سمجھتے ہیں۔ اور ربنا المسیح ربنا المسیح کہتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جمیع مافی العالم کا رب نہیں مانتے، بلکہ مسیح کو اس کے فیضِ ربوبیت سے باہر قرار دیتے ہیں اور خود ہی اس کو رب مانتے ہیں۔ اسی طرح پر عام ہندو بھی اس صداقت سے منکر ہیں، کیونکہ وہ تو ہر ایک چیز اور دوسری چیزوں کو رب مانتے ہیں۔

برہم سماج والے بھی ربوبیت تامہ کے منکر ہیں۔ کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ سب یکبار کر دیا اور یہ تمام عالم اور اس کی قوتیں جو ایک دفعہ پیدا ہو چکی ہیں مستقل طور پر اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ان میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اب معطّل محض ہے۔ غرض جہاں تک مختلف مذاہب کو دیکھا جاوے اور ان کے اعتقادات کی پڑتال کی جاوے، تو صاف طور پر معلوم ہو جاوے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ربّ العالمین ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ یہ خوبی جو اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے اور جس کا مشاہدہ ہر آن ہو رہا ہے، صرف اسلام ہی بتاتا ہے اور اس طرح پر اسی ایک لفظ کے ساتھ ان تمام غلط اور بے ہودہ اعتقادات کی بیخ کنی کرتا ہے۔ جو اس صفت کے خلاف دوسرے مذاہب والوں نے خود بنا لیے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت الرحمٰن بیان کی ہے اور اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری خواہشوں کو اس کی دُعا یا التجا کے بغیر اور بدوں کسی عملِ حامل کے عطا کرتا ہے۔ مثلاً جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے قیام و بقاء کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ پیدا پیچھے ہوتا ہے لیکن ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے آجاتا ہے۔ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا وغیرہ وغیرہ یہ تمام اشیاء جو اس نے انسان کے لیے بنائی ہیں۔ یہ اس کی صفت رحمانیت ہی کے تقاضے ہیں، لیکن دوسرے مذہب والے یہ نہیں مانتے کہ وہ بلا مبادلہ بھی فضل کر سکتا ہے۔ آریہ تو سرے سے اس مسئلہ کو مانتے ہی نہیں جبکہ ربّ العالمین کے معنی بیان کرتے وقت بتایا ہے۔ عیسائیوں نے بھی کفارہ کا مسئلہ درست کرنے کے لیے یہی اعتقاد کر رکھا ہے کہ وہ بلا مبادلہ رحم نہیں کر سکتا، مگر آریوں سے تو یہ پوچھنا چاہیے کہ یہ زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی جو موجود ہے، کن گذشتہ کرموں کا پھل ہے؟[1]

صفتِ رحیمیت

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم بیان کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے، جس کا تقاضا ہے کہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا، بلکہ اُن

---

[1] الحکم جلد ۷، نمبر ۱۷، صفحہ ۱-۳ پرچہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۳ء

پر ثمرات اور نتائج مترتب کرتا ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہی نہ ہو کہ اُس کی محنت اور کوشش کوئی پھل لاوے گی، تو پھر وُہ سُست اور نکما ہو جاوے گا۔ یہ صفت انسان کی امیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رحیم قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اُس وقت کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا، تضرع اور اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضیع اعمال سے اُن کو محفوظ رکھتا ہے۔ رحمانیت تو بالکل عام تھی، لیکن رحیمیت خاص انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اور دُوسری مخلوق میں دُعا، تضرع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ اور قوت نہیں۔ یہ انسان ہی کو ملا ہے۔

صفتِ رحمانیت

رحمانیت اور رحیمیت میں یہی فرق ہے کہ رحمانیت دُعا کو نہیں چاہتی، مگر رحیمیت دُعا کو چاہتی ہے اور یہ انسان کے لیے ایک خلعتِ خاصہ ہے اور اگر انسان انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اُٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے۔ یہ صفت بھی تمام مذاہبِ باطلہ کے ردّ کے لیے کافی ہے، کیونکہ بعض مذاہب اباحت کی طرف مائل ہیں اور وہ مانتے ہیں کہ دُنیا میں ترقیات نہیں ہوتی ہیں۔ آریہ جبکہ اس صفت کے فیضان سے مُنکر ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا کب قائل ہو سکتا ہے۔ سید احمد خاں مرحوم نے بھی دُعا کا انکار کیا ہے اور اس طرح پر وُہ فیض جو دُعا کے ذریعہ انسان کو ملتا ہے۔ اس سے محروم رکھا ہے۔

صفتِ مالکیت یوم الدین

پھر اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بیان کی ہے۔ جو لوگ قیامت کے مُنکر ہیں۔ اس میں اُن کا ردّ موجود ہے۔ اس کی تفصیل قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحیمیت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ کامیابی کی راہ پیدا ہوتی اور ایک حق ہوتا ہے، مگر مالکیت یوم الدین وہ حق اور ثمرہ عطا کرتی ہے۔

اور فقرہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ تمام باطل معبُودوں کی تردید کرتا ہے اور مُشرکین کا ردّ اس میں موجود ہے۔ کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحہ: ۵) یعنی صفاتِ کاملہ والے خدا! جو رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔ رَحْمٰنِ۔ رَحِيْمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے، تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں۔ یہ ہر چہار صفات جو اُمّ الصفات کہلاتی ہیں۔ معبودانِ باطلہ میں کہاں پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ پتھروں یا درختوں یا حیوانات اور اور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اُن میں اِن صفات کو ثابت نہیں کر سکتے۔

* * *

خدا تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی کھلا ہے

اسی طرح اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اُن لوگوں کا رد ہے، جو دُعا اور اس کی قبولیت کے منکر ہیں۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں آجکل کے مولویوں کا رد ہے جو یہ مانتے ہیں کہ سب رُوحانی فیوض اور برکات ختم ہو گئے ہیں اور کسی کی محنت اور مجاہدہ کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا اور اُن برکات اور ثمرات سے حصّہ نہیں ملتا جو پہلے منعم علیہ گروہ کو ملتا ہے۔

یہ لوگ قرآن شریف کے فیوض کو اب گویا بے اثر مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیراتِ قدسی کے قائل نہیں، کیونکہ اگر اب ایک بھی آدمی اس قسم کا نہیں ہو سکتا۔ جو منعم علیہ گروہ کے رنگ میں رنگین ہو سکے تو پھر اس دعا کے مانگنے سے فائدہ کیا ہوا۔ مگر نہیں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی اور سخت غلطی ہے جو ایسا یقین کر بیٹھے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی اُسی طرح کھُلا ہے، لیکن وہ سارے فیوض اور برکات محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ملتے ہیں اور اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر یہ دعویٰ کرے کہ وُہ رُوحانی برکات اور سماوی انوار سے حصّہ پاتا ہے، تو ایسا شخص جھوٹا اور کذّاب ہے۔

سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی چند عبارتیں ایسی تھیں، جو قرآن کے رنگ کی تھیں، مولوی عبدالحی صاحب جنھوں نے اتباعِ سُنت کیا ہے اور مجھے اُن سے بہت محبت ہے۔ ان کا مذہب توحید کا تھا۔ وہ بدعات اور محدثات سے جُدا رہتے تھے۔ وہ اُن عبارتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کے موافق ہیں تو اس کا کیا جواب دیں، تو فرماتے ہیں کہ ولیوں کے کرامات اور خوارق انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی ہی طرح ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ قرآن ہی کا مُعجزہ ہے۔ اصل یہی ہے کہ کامل اتباعِ سنت کے بعد جو خوارق ملتے ہیں وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کے خوارق ہیں۔ اور اگر اب ان خوارق اور معجزات کا دروازہ بند ہو گیا ہے تو پھر معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بھاری ہتک ہوگی۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فرمایا اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (الکوثر: ۱) یہ اس وقت کی بات ہے کہ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کی اولاد نہیں ہے۔ معلوم نہیں اُس نے اَبتر کا لفظ بولا تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر: ۲) تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

رُوحانی طور پر جو لوگ آئیں گے، وہ آپؐ ہی کی اولاد سمجھے جائیں گے اور وہ آپؐ کے علوم و برکات کے وارث ہوں گے اور اس سے حصّہ پائیں گے۔ اس آیت کو مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب: ۴۱) کے ساتھ ملا کر پڑھو، تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی اولاد بھی نہیں تھی، تو پھر معاذ اللہ آپؐ اَبتر ٹھہرتے ہیں۔ جو آپؐ کے اَعْدا کے لیے ہے۔ اور

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو رُوحانی اولاد کثیر دی گئی ہے۔ پس اگر ہم یہ اعتقاد نہ رکھیں کہ کثرت کے ساتھ آپؐ کی رُوحانی اولاد ہوئی ہے، تو اس پیشگوئی کے بھی منکر ٹھہریں گے۔

اس لیے ہر حالت میں ایک سچے مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا اور ماننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات قدسی ابدالآباد کے لیے ویسی ہی ہیں، جیسی تیرہ سو۱۳۰۰ برس پہلے تھیں؛ چنانچہ ان تاثیرات کے ثبوت کے لیے ہی خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اب وہی آیات و برکات ظاہر ہو رہے ہیں جو اُس وقت ہو رہے تھے۔

سچی بات یہی ہے کہ اگر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ نہ ہوتا، تو سالک جو اپنے نفس کی تکمیل چاہتے ہیں، مر ہی جاتے۔ لاہور میں ایک مولوی عبدالحکیم صاحب سے مباحثہ ہوا تھا تو ہم نے اس کو یہی پیش کیا تھا کہ تم خدا تعالیٰ کے مکالمات سے کیوں ناراض ہوتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تو مُحدَّث تھے، تو اس نے صاف طور پر انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضی طور پر کہا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی محدث نہ تھے۔ یہ محال ہے کہ آئندہ کسی کو الہام ہو۔ ان کو اس پر بالکل ایمان نہیں ہے۔ وہ مکالمات کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کیے بیٹھے ہیں اور خدا تعالیٰ کو اُنھوں نے گونگا خدا مان لیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن شریف میں جو یہ آیا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (یونس : ۶۵) اس کا اُن کے نزدیک کیا مطلب ہے۔ اور جب ملائکہ ایسے مومنوں پر نازل ہوتے ہیں اور اُن کو بشارتیں دیتے ہیں، تو وہ بشارتیں کس کی طرف سے دیتے ہیں۔ اس اعتقاد پر پھر قرآن شریف کا اُن کو انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ سارا قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا ہوتا ہے۔ اگر یہ شرف ہی کسی کو نہیں ملتا۔ تو پھر قرآن شریف کی تاثیرات کا ثبوت کہاں سے ہوگا۔ اگر آفتاب دھندلا اور تاریک ہے تو اس کی روشنی پر کوئی کیا فرق کر سکے گا۔ اور کیا یہ کہہ کر فخر کرے گا کہ اس میں روشنی نہیں، بلکہ تاریکی ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا فیضان

اس طرح پر قرآن شریف کی تاثیرات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کی برکات کے لیے یہ اعتقاد کرنا کہ وہ ایک وقتِ خاص پر ایک شخص خاص ہی کے لیے تھے۔ آئندہ کے لیے ان کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بے ادبی اور توہین ہے اور نہ صرف قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی بلکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر اعتراض کرنا ہے۔

یاد رکھو کہ نبیوں کا وجود اس لیے دنیا میں نہیں آتا کہ وہ محض ریاکاری اور نمود کے طور پر ہو۔ اگر ان سے کوئی فیض جاری نہیں ہوتا اور مخلوق کو رُوحانی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تو پھر یہی ماننا پڑے گا کہ وہ صرف نمائش کے لیے ہیں۔

---

[1] الحکم جلد ۷، نمبر ۱۹ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء

اور اُن کا عدم وجود معاذ اللہ برابر ہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ دُنیا کے لیے بہت سی برکات اور فیوض کے باعث بنتے ہیں۔ اور اُن سے خیر جاری ہوتی ہے۔ جس طرح پر آفتاب سے ساری دُنیا فائدہ اٹھاتی ہے اور اس کا فائدہ کسی خاص حد تک جاکر بند نہیں ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کا آفتاب ہمیشہ چمکتا ہے اور سعادت مندوں کو فائدہ پہنچتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) یعنی اُن کو کہہ دو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ تو میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا۔ آپ کی سچی اطاعت اور اتباع انسان کو اللہ تعالےٰ کا محبُوب بنا دیتی ہے اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوتی ہے۔

پس جبکہ آپ کی اتباعِ کامل اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ایک محبُوب اپنے مُحب سے کلام نہ کرے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو باوجود محبُوب بنانے کے پھر بھی اس سے کلام نہیں کرتا، تو یہ محبُوب معاذ اللہ اَبکم ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ باطل معبُودوں کے لیے یہ نقص ٹھہراتا ہے کہ وہ کلام نہیں کرتے، مگر ہم یہ ثابت کرنے کو تیار ہیں اور اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کے آثار اور ثمرات ہر وقت پائے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ خدا جو ہمیشہ سے ناطق خدا ہے، اپنا لذیذ کلام دُنیا کی ہدایت کے لیے بھیجتا ہے اور قرآن شریف کے اعجاز کا ثبوت اس وقت بھی دے رہا ہے۔ یہ قرآن شریف ہی کا معجزہ ہے کہ جو ہم تحدی کر رہے ہیں کہ ہمارے بالمقابل قرآن شریف کے حقائق و معارف عربی زبان میں لکھو اور کسی کو یہ قدرت نہیں ہوتی کہ مقابلہ کے لیے نکل سکے۔ ہمارا مقابلہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے، کیونکہ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة : ۴) جو فرمایا گیا ہے۔ اس وقت جو تعلیم الکتاب والحکمت ہو رہی ہے اور ایک قوم کو اس وقت بھی صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ بنانا چاہتا ہے۔ اس کی اصل غرض یہی ہے کہ تا قرآن شریف کا معجزہ ثابت ہو۔

قرآن مجید بے مثل معجزہ ہے

ماحصل یہ ہے کہ قرآن شریف ایسا مُعجزہ ہے کہ نہ وہ اوّل مثل ہوا اور نہ آخر کبھی ہوگا۔ اس کے فیوض و برکات کا دور ہمیشہ جاری ہے۔ اور وہ ہر زمانہ میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا۔ علاوہ اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کا کلام اس کی ہمت کے موافق ہوتا ہے۔ جس قدر اس کی ہمت اور عزم اور مقاصد عالی ہوں گے۔ اسی پایہ کا وہ کلام ہوگا اور وحی الٰہی میں بھی یہی رنگ ہوتا ہے۔ جس شخص کی طرف اس کی وحی آتی ہے۔ جس قدر ہمت بلند رکھنے والا وہ ہوگا اسی پایہ کا کلام اسے ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت و استعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا۔ اس لیے آپ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رُتبہ کا ہے

کہ دُوسرا کوئی شخص اس ہمّت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہوگا، کیونکہ آپ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لیے نہ تھی۔ جیسے آپؐ سے پہلے نبیوں کی ہوتی تھی، بلکہ آپ کے لیے فرمایا گیا۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اور مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) جس شخص کی بعثت اور رسالت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو، اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ اس وقت اگر کسی کو قرآن شریف کی کوئی آیت بھی الہام ہو تو ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اس کے اس الہام میں اتنا دائرہ وسیع نہیں ہوگا، جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا تھا اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کی تعبیر میں معبّرین نے یہ اصُول رکھا ہے کہ وہ ہر شخص کی حیثیّت اور حالت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی غریب ہے، تو اس کی خواب اس کی ہمّت اور مقاصد کے اندر ہوگی۔ امیر کی اپنے رنگ کی اور بادشاہ کی اپنے رُتبہ کی۔ کوئی غریب اگر مثلاً یہ دیکھے کہ اس کے سر میں خارش ہوتی ہے، تو اس سے یہ مراد ہونے سے رہی کہ اس کے سر پر تاجِ شاہی رکھا جاوے گا، بلکہ اس کے لیے تو یہی مراد ہوگی کہ وُہ کسی سے جُوتے کھائے گا۔ جیسے استعدادوں کے دائرے مختلف ہیں۔ اسی طرح پر کلامِ الٰہی کے دوائر بھی مختلف ہیں۔

علاوہ ازیں خدا تعالیٰ کے کلام میں اور بھی بہت سے پہلو بے مثل کے ہوتے ہیں۔ وہ اس پہلو سے بے مثل نہیں ہوتا جس پہلو سے ہم خیال کرتے ہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام بدُوں تدبّر کے وحی ہے، مگر ہمارا کلام بعض اوقات تدبّر کا نتیجہ ہوتا ہے اور ہم اس میں اصلاح بھی کر دیتے ہیں۔ ہر ایک چیز نسبتاً بے نظیری پیدا کرتی ہے۔ دو مُرغ ہوں تو ایک اس کے مقابلہ میں اور اس کی نسبت سے بے نظیر کہلا سکتا ہے، لیکن ہاتھی کے مقابلہ میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں قرار پا سکتی۔

اسی طرح پر کرامات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے جبکہ رکھا ہوا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کلام کا اعجاز نہ رکھا جاوے۔ جیسے ہر زمانہ میں کرامات ہوتی رہی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اعجازی کلام کے ثبوت کے لیے کلام کا معجزہ بھی رکھا ہے۔ جیسے حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی وُہ چند سطریں معجزہ تھیں۔ اس زمانہ میں بھی قرآن شریف کے کلام کے اعجاز کے لیے کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح پر جیسے دُوسرے خوارق اور اور نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے نشانات اور خوارق کے ثبوت کے لیے دیئے گئے ہیں۔ جس جس قسم کے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو ملے تھے۔ اسی رنگ پر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے نشانات کو رکھا ہے، کیونکہ یہ سلسلہ اس نقشِ قدم پر ہے اور دراصل وہی سلسلہ ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بروزی آمد کی پہلے ہی سے پیشگوئی ہو چکی تھی اور اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (الجمعۃ: ۴) میں یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ پس جیسے آپ کو اس وقت کلام کا معجزہ اور نشان دیا گیا تھا۔ اور قرآن شریف جیسی لانظیر کتاب آپ کو ملی۔ اسی طرح پر اس رنگ میں آپؐ کی اس بروزی آمد میں بھی کلام کا نشان دیا گیا۔ دیکھ لو کس قدر تحدّی کے ساتھ غیرت دلانے والے الفاظ میں مقابلہ کے واسطے بُلایا

گیا ہے، مگر کسی کو ہمت اور حوصلہ بھی نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے ان کی ہمتوں کو سلب کر لیا ہے۔ اور ان کے علوم اور قابلیتوں کو چھین لیا۔ باوجودیکہ یہ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں اور اپنے علوم کی لاف زنیاں کرتے تھے، مگر اس مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے اُن سب کو ذلیل اور شرمندہ کیا۔

معجزہ شق القمر

دوسرا بڑا عظیم الشان معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق القمر تھا اور شق القمر دراصل ایک قسم کا خسوف ہی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ہوا۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے کسوف و خسوف کا ایک نشان دکھایا اور یہ مسیح موعود اور مہدی کے لیے مخصوص تھا۔ اور ابتدائے دُنیا سے کبھی اس رنگ میں یہ نشان نہیں دکھایا گیا تھا۔ یہ صرف مسیح موعود ہی کے زمانہ کے لیے رکھا گیا تھا اور احادیث میں آیات مہدی میں سے اُسے قرار دیا گیا ہے۔ جس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے ہی نام پر آئے گا۔ اس میں یہی نکتہ ہے کہ جو نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے۔ اس رنگ کے نشان یہاں بھی دیئے جانے ضروری تھے، کیونکہ یہ آمد آپ ہی کی ہے۔

ضرورت اعجاز

غرض قرآن شریف بدوں غور و خوض بدوں محو و اثبات اپنے اندر زندگی کی رُوح رکھتا ہے اور بدُوں کسی نسبتی لحاظ یا مقابلہ کے وہ مستقل اعجاز ہے اور اس وقت جو اعجاز کلام دیا گیا ہے۔ یہ گویا اُس اعجاز کو اس طرح پر دکھایا گیا ہے۔ جیسے ایک عمارت کو ایک نقشہ کے رنگ میں دکھایا جاتا ہے اور ایک شیشہ کو دُوسرے شیشہ میں دکھایا جاوے۔ مسلمانوں کے لیے یہ امر کس قدر رنج کا موجب ہوتا۔ اگر یہ مان لیا جاتا کہ کوئی خوارق اور نشانات اُن کو نہیں دیئے گئے، کیونکہ پچھلے نشانات آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے تو بطور کہانی کے ہو جاتے ہیں۔ سو انسانی فطرت تو تازہ بتازہ نشانات دیکھنا چاہتی ہے۔ مجھے ان خشک موحدوں پر افسوس ہی آتا ہے۔ جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب خوارق کا کوئی نشان نہیں اور نہ ان کی ضرورت ہے خشک زندگی سے تو مرنا بہتر ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کو بند کر دیا ہے۔ اور قفل لگا دیا ہے تو پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا تعلیم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک شخص کی مُشکیں باندھ دی جاویں اور پھر اس کو ماریں کہ تو اب چل کر کیوں نہیں دکھاتا۔ بھلا وہ کس طرح چل سکتا ہے۔ فیوض و برکات کے دروازے تو خود بند کر دیئے اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا ہر روز ہر نماز میں کئی مرتبہ مانگا کرو۔ اگر قانونِ قدرت یہ رکھا تھا کہ آپ کے بعد مُعجزات اور برکات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور کوئی فیض اور برکت کسی کو ملنا ہی نہیں تھا، تو پھر اس دُعا سے کیا مطلب۔

اگر اس دُعا کا کوئی اور نتیجہ نہیں تو پھر نصاریٰ کی تعلیم کے آثار اور نتائج اور اس تعلیم کے آثار اور نتائج میں کیا فرق ہوا۔ لکھا تو انجیل میں یہی ہے کہ میری پیروی سے تم پہاڑ کو بھی ہلا سکو گے مگر اب وہ جُوتی بھی سیدھی

نہیں کرسکتے۔ لکھا ہے کہ میرے جیسے معجزات دکھاؤ گے، مگر کوئی کچھ نہیں دکھا سکتا۔ لکھا ہے کہ زہر میں کھالو گے تو اثر نہ کریں گی، مگر اب سانپ ڈستے اور کتے کاٹتے ہیں۔ اور وہ ان زہروں سے ہلاک ہوتے ہیں اور کوئی نمونہ دُعا کا نہیں دکھا سکتے۔ ان کا وہ نمونہ دُعا کی قبولیت کا نہ دکھا سکنا ایک سخت حربہ اور حجت ہے۔

عیسائی مذہب کے ابطال پر کہ اس میں زندگی کی رُوح اور تاثیر نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ انھوں نے نبی کا طریق چھوڑ دیا۔

اب اگر ہم بھی اقرار کرلیں کہ اب نشانات اور خوارق نہیں ہوتے اور یہ دُعا جو سکھائی گئی ہے اس کا کوئی اثر اور نتیجہ نہیں، تو کیا اس کے معنی نہیں ہوں گے۔ کہ یہ اعمال معاذ اللہ بیفائدہ ہیں۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ جو دانا اور حکمت والا ہے۔ وہ نبوت کی تاثیرات کو قائم رکھتا ہے اور اب بھی اس نے اس سلسلہ کو اسی لیے قائم کیا ہے۔ تا وہ اس امر کی سچائی پر گواہ ہو۔ قرآن شریف کے جس قدر اعجاز معارف معجز کلامی کے میں نے جمع کیے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر کر رہا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے خوارق کا ثبوت ہو۔ یہی ایک ہتھیار اور حربہ ہے جو ہم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جس کے ساتھ ہم مذاہب باطلہ کے سحر کو توڑنا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن شریف کو زندہ کلام ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسے منتر بنانا نہیں چاہتے۔[1]

عالم آخرت کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ عالم آخرت درحقیقت دُنیوی عالم کا ایک عکس ہے اور جو کچھ دنیا میں رُوحانی طور پر ایمان اور ایمان کے نتائج اور کُفر اور کُفر کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ عالم آخرت میں جسمانی طور پر ظاہر ہو جائیں گے۔ اللہ جلّشانہ فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) یعنی جو اس جہان میں اندھا ہے، وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ ہمیں اس تمثیلی وجود سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے اور ذرا سوچنا چاہیے کہ کیونکر رُوحانی اُمور عالم رُویا میں متمثل ہو کر نظر آجاتے ہیں اور عالم کشف تو اس سے بھی عجیب تر ہے، کہ وجود عدم غیبت حس اور بیداری کے روحانی امور طرح طرح کے جسمانی اشکال میں انہیں آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ بسا اوقات عین بیداری میں ان رُوحوں سے مُلاقات ہوتی ہے، جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور وہ اس دینوی زندگی کے طور پر اپنے اصلی جسم میں اسی دنیا کے کپڑوں میں سے ایک پوشاک پہنے ہوئے نظر آتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان میں سے مقدس لوگ باذنہٖ تعالیٰ آئندہ کی خبریں دیتے ہیں اور وہ خبریں مطابق واقعہ نکلتی ہیں۔ بسا اوقات عین بیداری میں ایک شربت یا کسی قسم کا میوہ عالم کشف سے ہاتھ میں آتا ہے اور وہ کھانے میں نہایت لذیذ ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۷، نمبر ۲۰ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء

اور ان سب اُمور میں یہ عاجز خود صاحب تجربہ ہے۔ کشف کی اعلیٰ قسموں میں سے یہ ایک قسم ہے کہ بالکل بیداری میں واقع ہوتی ہے اور یہاں تک اپنے ذاتی تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ ایک شیریں طعام یا کسی قسم کا میوہ یا شربت غیب سے نظر کے سامنے آگیا ہے اور وُہ ایک غیبی ہاتھ سے مُنہ میں پڑتا جاتا ہے اور زبان کی قوّتِ ذائقہ اس کے لذیذ طعم سے لذّت اُٹھاتی جاتی ہے اور دُوسرے لوگوں سے باتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور حواسِ ظاہری بخوبی اپنا اپنا کام دے رہے ہیں۔ اور یہ شربت یا میوہ بھی کھایا جارہا ہے اور اس کی لذّت اور حلاوت بھی ایسی ہی کھلے کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ لذّت اس لذّت سے نہایت اَلطف ہوتی ہے اور یہ ہرگز نہیں کہ وہ وہم ہوتا ہے یہ صرف بے بنیاد تخیلات ہوتے ہیں، بلکہ واقعی طور پر وُہ خدا جس کی شان بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (یٰسٓ: ۸۰) ہے۔ ایک قسم کے خلق کا تماشہ دکھا دیتا ہے پس جبکہ اس قسم کے خلق اور پیدائش کا دنیا میں ہی نمونہ دکھائی دیتا ہے اور ہر ایک زمانہ کے عارف اس کے بارے میں گواہی دیتے چلے آتے ہیں، تو پھر وہ تمثلی خلق اور پیدائش جو آخرت میں ہوگی اور میزانِ اعمال نظر آئے گی اور پُل صراط نظر آئے گا اور ایسا ہی بہت سے اُمور رُوحانی جسمانی تشکل کے ساتھ نظر آئیں گے۔ اس سے کیوں عقلمند تعجب کرے۔ کیا جس نے یہ سلسلہ تمثلی خلق اور پیدائش کا دُنیا میں ہی عارفوں کو دکھا دیا ہے، اس کی قدرت سے یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں بھی دکھا دے، بلکہ ان تمثلات کو عالمِ آخرت سے نہایت مناسبت ہے، کیونکہ جس حالت میں اس عالم میں جو کمال انقطاع کا تجلّی گاہ نہیں ہے۔ یہ تمثلی پیدائش تزکیہ یافتہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے، تو پھر عالمِ آخرت میں جو اکمل اور اَتم انقطاع کا مقام ہے، کیوں نظر نہ آوے۔

یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیے کہ انسانِ عارف پر اسی دنیا میں تمام عجائبات کشفی رنگوں میں کھُل جاتے ہیں کہ جو ایک محبُوب آدمی قصّہ کے طور پر قرآن کریم کی اُن آیات میں پڑھتا ہے جو معاد کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔ سو جس کی نظر حقیقت تک نہیں پہنچتی وہ ان بیانات سے تعجب میں پڑ جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کے دل میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا عدالت کے دن تخت پر بیٹھنا اور ملائک کا صف باندھے کھڑے ہونا اور ترازو میں عملوں کا تُلنا اور لوگوں کا پُل صراط پر سے چلنا اور سزا جزا کے بعد موت کو بکرے کی طرح ذبح کر دینا اور ایسا ہی اعمال کا خوش شکل یا بدشکل انسانوں کی طرح لوگوں پر ظاہر ہونا اور بہشت میں دُودھ اور شہد کی نہریں چلنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں صداقت اور معقولیت سے دُور معلوم ہوتی ہیں۔

* * *

۳؍دسمبر ۱۹۰۱ء

جمع بین الصلوٰتین مہدی کی علامت ہے

سب صاحبوں کو معلوم ہو کہ ایک مدت سے خدا جانے قریباً چھ ماہ سے یا کم و بیش عرصہ سے ظہر اور عصر کی نماز جمع کی جاتی ہے۔ مَیں اس کو مانتا ہوں کہ ایک عرصہ سے جو مسلسل نماز جمع کی جاتی ہے، ایک نو وارد یا نَو مُرید کو (جس کو ہمارے اغراض و مقاصد کی کوئی خبر نہیں ہے) یہ شُبہ گذرتا ہوگا کہ کاہلی کے سبب سے نماز جمع کر لیتے ہونگے۔ جیسے بعض غیر مقلّد ذرا ابر ہوا یا کسی عدالت میں جانا ہوا، تو نماز جمع کر لیتے ہیں اور بلا مطر اور بلا عُذر بھی نماز جمع کرنا جائز سمجھتے ہیں، مگر مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم کو اس جھگڑے کی ضرورت اور حاجت نہیں اور نہ ہم اس میں پڑنا چاہتے ہیں کیونکہ مَیں طبعًا اور فطرتًا اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاتے اور نماز موقوتہ کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے؛ اگرچہ شیعوں نے اور غیر مقلدوں نے اس پر بڑے بڑے مباحثے کئے ہیں، مگر ہم کو اُن سے کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف نفس کی کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ سہل حدیثوں کو اپنے مفید مطلب پا کر اُن سے کام لیتے ہیں اور مشکل کو موضوع اور مجرُوح ٹھہراتے ہیں۔ ہمارا یہ مدعا نہیں، بلکہ ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہی رہا ہے کہ جو قرآن اور سُنّت کے مخالف نہ ہو۔ وہ اگر ضعیف بھی ہو، تب بھی اُس پر عمل کر لینا چاہیے۔

اس وقت جو ہم نمازیں جمع کرتے ہیں، تو اصل بات یہ ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی تفہیم، القا اور الہام کے بدُوں نہیں کرتا۔ بعض اُمُور ایسے ہوتے ہیں کہ مَیں ظاہر نہیں کرتا۔ مگر اکثر ظاہر ہوتے ہیں۔ جہانتک خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس جمع صلوٰتین کے متعلق ظاہر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بِمُجْتَمَعِ لَہُ الصَّلٰوۃُ کی بھی ایک عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو اب پُوری ہو رہی ہے۔ میرا یہ بھی مذہب ہے کہ اگر کوئی امر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق تو گو عُلمائے ظواہر اور محدثین اس کو موضوع یا مجرُوح ہی ٹھہراویں، مگر میں اس کے مقابل اور معارض کی حدیث کو موضُوع کہوں گا۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس کی صحت مجھ پر ظاہر کر دی ہے جیسے لَا مَھْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی والی حدیث ہے۔ محدثین اس پر کلام کرتے ہیں، مگر مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ میرا مذہب میرا ہی ایجاد کردہ مذہب نہیں، بلکہ خود یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ اہلِ کشف یا اہلِ الہام لوگ محدثین کی تنقیدِ حدیث کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے۔ خود مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ میں اس مضمون پر بڑی بحث کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ مامور اور اہلِ کشف محدثین کی تنقید کے پابند نہیں ہوتے ہیں تو جب یہ حالت ہے پھر مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ مَیں جو کچھ کرتا ہوں، خدا تعالیٰ کے القاء

اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ یہ پیشگوئی جو اس حدیث تُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ میں کی گئی ہے۔ یہ مسیح موعود اور مہدی کی ایک علامت ہے۔ یعنی وہ ایسی دینی خدمات اور کاموں میں مصروف ہوگا کہ اس کے لیے نماز جمع کی جاوے گی۔ اب یہ علامت جبکہ پوری ہوگئی اور ایسے واقعات پیش آگئے۔ پھر اس کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ نہ کہ استہزاء اور انکار کے رنگ میں۔

نشانِ صداقت پر علیٰ وجہ البصیرۃ گواہی

دیکھو! انسان کے اپنے اختیار میں اس کی موت فوت نہیں ہے۔ اب اس نشان کے پورا ہونے پر تو یہ لوگ رکیک اور نامعقول عذر تراشتے ہیں اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے اور حدیث کی صحت اور عدم صحت کو لے بیٹھے ہیں۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس نشان کے پورا ہونے سے پہلے ہماری موت آجاتی تو یہی لوگ اس حدیث کو جسے اب موضوع ٹھہراتے ہیں، آسمان پر چڑھا دیتے اور اس سے زیادہ شور مچاتے جو اب مچا رہے ہیں۔ دشمن اسی ہتھیار کو اپنے لیے تیز کر لیتا، لیکن اب جبکہ وہ صداقت کا ایک نشان اور گواہ ٹھہرتا ہے، تو اس کو تمتا اور لاشے قرار دیا جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کے لیے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے تو صدہا نشان دیکھے، مگر انکار پر انکار کیا اور صادق کو کاذب ہی ٹھہرایا۔ اور کس نشان کو انھوں نے مانا جو اس کی امید اُن سے رکھیں۔ کیا کسوف و خسوف کا کوئی چھوٹا نشان تھا؟ اس کے پورا ہونے سے پہلے تو اس کو نشان قرار دیتے رہے، مگر جب پورا ہوگیا تو اس کو بھی مشکوک کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال مخالفوں کی کور چشمی اور تعصب کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ اب رہی اپنی جماعت، خدا کا شکر ہے کہ اس کے لیے یہ کوئی ابتلا نہیں ہوسکتا، کیونکہ جس نے دمشق کے منارہ پر چڑھنے والے اور فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد پوش مسیح کے اُترنے کی حقیقت کو خدا کے فضل سے سمجھ لیا ہے اور جس نے خدا کی صفات والے دجال کا انکار کر کے دجّال کی حقیقتِ حال پر اطلاع پالی ہے اور ایسا ہی ابتلا الارض اور دجّال کے متعلق ان لوگوں کے خانہ ساز مجموعوں کو چھوڑا ہے۔ اور اس قدر باتوں پر جب وہ مجھ پر نیک ظن کرنے کے باعث الگ ہوگئے ہیں، تو یہ امر اُن کی راہ میں روک اور ابتلا کا باعث کیونکر ہوسکتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اب تک صرف حُسنِ ظن تک نہیں رہی، بلکہ خدا تعالیٰ نے ان کو معرفت اور بصیرت کے مقام پر پہنچا دیا ہے اور وہ دیکھ چکے ہیں کہ میں وہی ہوں جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا۔ ہاں! میں وُہی ہوں، جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا اور پھر خدا تعالیٰ نے اُن کی معرفت بڑھانے کے لیے منہاجِ نبوت پر اس قدر نشان ظاہر کئے کہ لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں، دوست و دشمن، دُور و نزدیک، ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کے گواہ ہیں۔ زمین نے اپنے نشانات الگ ظاہر کئے۔ آسمان نے الگ وہ علامات جو میرے لیے مقرر تھیں، وہ سب پوری ہوگئیں۔ پھر اس قدر نشانات کے بعد بھی اگر کوئی انکار کرتا ہے، تو وُہ ہلاک ہوتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک پر خدا نے

ایسا فضل کیا ہے کہ ایک بھی تم میں سے ایسا نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو۔ کیا کوئی ہے جو کہہ سکے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا؟ ایک بھی نہیں۔ پھر ایسی بصیرت اور معرفت بخشنے والے نشانوں کے بعد محمدؐ پر حُسنِ ظن ہی نہیں رہا، بلکہ میری سچائی اور خدا کی طرف سے مامور ہو کر آنے پر تم علیٰ وجہ البصیرۃ گواہ ہو اور تم پر حجت پوری ہو چکی ہے۔

پھر وہ بڑا ہی بدقسمت اور نادان ہوگا۔ جو اتنے نشانوں کے بعد اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر ابتلا میں پڑے جو اس کے ازدیادِ ایمان کا موجب اور باعث ہونی چاہیے جو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آنے والے موعود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ اس کے لیے نماز جمع کی جائے گی۔ پس تمہیں خدا کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ یہ نشان بھی پورا ہوتا ہوا تم نے دیکھ لیا، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے تو میں نے پہلے اس کی بابت ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ محدثین نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ اہلِ کشف اور مامور تنقید احادیث میں اُن کے اصولوں کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے، تو پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس حدیث کی صحت کو ظاہر کر دیا ہے تو اس پر زور دینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ محدثین خود ہی مانتے ہیں اور حدیث میں سونے کے کنگن پہننے کی سخت ممانعت ہے، مگر وہ کیا بات تھی کہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کو سونے کے کنگن پہنا دیئے، چنانچہ اس صحابی نے بھی انکار کیا۔ مگر وہ حضرت عمرؓ نے اُس کو پہنا کر ہی چھوڑے۔ کیا وہ اس حُرمت پر آگاہ نہ تھے؟ تھے اور ضرور تھے، مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر ہزاروں حدیثوں کو قربان کرنے کو تیار تھے۔ اب غور کا مقام ہے کہ جب ایک پیشگوئی کے پورا ہونے پر حُرمت کا جواز گرا دیا، تو بِلَا مَطَرٍ وَلَا عُذِرٍ والی بات پر انکار کیوں؟

ایک نکتۂ معرفت احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اپنے خواب کو بھی سچا کرنے کی کوشش کرو چہ جائیکہ نبی کریمؐ کی پیشگوئی۔ جس شخص کو ایسا موقعہ ملے اور وہ عمل نہ کرے اور اس کو پورا کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ وہ دشمنِ اسلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ جھوٹا ٹھہرانا چاہتا ہے اور آپؐ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقعہ دینا چاہتا ہے۔

صحابہؓ کا مذہب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر اپنی معرفت اور ایمان میں ترقی دیکھتے تھے اور وہ اس قدر عاشق تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو جاتے اور یہ پیشگوئی کے طور پر کہہ دیتے کہ فلاں منزل پر نماز جمع کریں گے اور اُن کو موقعہ مل جاتا تو وہ خواہ کچھ ہی ہوتا، ضرور جمع کر لیتے اور خود آنحضرتؐ کی طرف ہی دیکھو کہ آپؐ پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے کس قدر مشتاق تھے۔

ہم کو کوئی بتائے کہ آپؐ حدیبیہ کی طرف کیوں گئے۔ کیا کوئی وقت اُن کو بتایا گیا تھا اور کسی میعاد سے اطلاع دی گئی تھی، پھر کیا بات تھی؟ یہی وجہ تھی کہ آپؐ چاہتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پوری ہو جائے۔ یہ ایک باریک

ستر اور دقیق معرفت کا نکتہ ہے، جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا کہ انبیاء اور اہل اللہ کیوں پیشگوئیوں کے پورا کرنے اور ہونے کی ایک غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے نشانات پُورا کرنے کے لیے اہل اللہ کا نورِ قلب

جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں یا اہل اللہ ہوتے ہیں۔ اُن کو فطرۃً رغبت دی جاتی ہے کہ وُہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو پُورا کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہوتے ہیں۔ مسیحؑ نے اپنی جگہ داؤدی تخت کو بحالی والی پیشگوئی کے لیے کس قدر سعی اور کوشش کی کہ اپنے شاگردوں کو یہانتک حکم دیا کہ جس کے پاس تلواریں اور ہتھیار نہ ہوں وہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خرید لے۔ اب اگر اس پیشگوئی کو پُورا کرنے کی وہ فطری خواہش اور آرزُو نہ تھی جو انبیاء علیہم السلام میں ہوتی ہے، تو کوئی ہم کو بتائے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اور ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر یہ طبعی جوش نہ تھا، تو آپ کیوں حدیبیہ کی طرف روانہ ہوتے جبکہ کوئی میعاد اور وقت بتایا نہیں گیا تھا؟ بات یہی ہے کہ یہ گروہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی حُرمت اور عزت کرتا ہے اور چونکہ ان نشانات کے پورا ہونے پر معرفت اور یقین میں ترقی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ وُہ چاہتے ہیں کہ پُورے ہوں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نشان پورا ہوتا، تو سجدہ کیا کرتے تھے۔ جب تک دل دھوئے نہ جاویں اور ایمان حجاب اور زنگ کی تہوں سے صاف نہ کیا جاوے، سچا اسلام اور سچی توحید جو مدارِ نجات ہے، حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور دل کے دھونے اور حجبِ ظلمانیہ کے دُور کرنے کا آلہ یہی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں جن سے خود خدا تعالیٰ کی ہستی اور نبوت پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور جب تک سچا ایمان نہ ہو۔ جو کچھ کرتا ہے وُہ صرف رسُوم اور ظاہرداری کے طور پر کرتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بات تھی، تو میرا نورِ قلب کب اس کے خلاف کرنے کی رائے دے سکتا تھا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ یہ ہونا چاہیے تاکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پُوری ہو۔ ممکن تھا کہ ایسے واقعات پیش نہ آتے، لیکن جب ایسے اُمور پیش آگئے کہ جن میں معرُوفیت از بس ضروری تھی اور توجہ ٹھیک طور پر چاہیے تھی۔ تو اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آگیا۔ اور وُہ پوری ہوئی۔ اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ[1]۔

نمازوں کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے ایماء اور القاء سے تھا

میرا ان نمازوں کو جمع کرنا جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اشارہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ پرچہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء

اور ایمان القاسے تھا؛ حالانکہ مخالف تو خواہ مخواہ بھی جمع کر لیتے ہیں۔ مسجد میں بھی نہیں جاتے۔ گھروں ہی میں جمع کر لیتے ہیں۔ مولوی محمد حسین ہی کو قسم دے کر پوچھا جاوے کہ کیا اس نے کبھی حاکم کے پاس جاتے وقت نماز جمع کی ہے یا نہیں؟ پھر خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نشان پر کیوں اعتراض کیا جاوے۔ اگر تقویٰ اور خدا ترسی ہو۔ تو اعتراض کرنے سے پہلے انسان اپنے گھر میں سوچ لے کہ کیا کہتا ہوں اور اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہوگا اور کس پر پڑے گا۔

مسیح موعود کے ساتھ جلالی و جمالی اجتماع وابستہ ہیں

میں نے اس اجتہاد میں یہ بھی سوچا کہ ممکن تھا۔ ہم دس دن ہی میں کام کو ختم کر دیتے۔ جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا موجب اور باعث ہوا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی پسند کیا کہ جب یہ لوگ اپنے نفس کی خاطر دو مہینے نکال لیتے ہیں، تو پیشگوئی کی تکمیل کے لیے ایسی مدت چاہیے جس کی نظیر نہ ہو؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اگرچہ وہ مصالح ابھی تک نہیں کھلے، مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور مجھے امید ہے کہ ضرور کھلیں گے۔

دیکھو، ضعفِ دماغ کی بیماری بدستور لاحق ہے اور بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ موت قریب ہو جاتی ہے۔ تم میں سے اکثر نے میری ایسی حالت کو معائنہ کیا ہے اور پھر پیشاب کی بیماری عرصہ سے ہے۔ گویا دو اندر دو چادریں مجھے یہ پہنائی گئی ہیں۔ ایک اُوپر کے حصّہ بدن میں اور ایک نیچے کے حصّہ بدن میں۔ ان بیماریوں کی وجہ سے وقت صافی بہت کم ملتا ہے، مگر ان ایام میں خدا تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا کہ صحت بھی اچھی رہی۔ اور کام ہوتا رہا۔ مجھے تو افسوس اور تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جمع بین الصلوٰتین پر روتے ہیں؛ حالانکہ مسیح کی قسمت میں بہت سے اجتماع رکھے ہیں۔ کسوف و خسوف کا اجتماع ہوا۔ یہ بھی میرا ہی نشان تھا۔ اور وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: ۸) بھی میرے ہی لیے ہیں اور وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ: ۴) بھی ایک جمع ہی ہے، کیونکہ اوّل اور آخر کو ملایا گیا ہے اور یہ عظیم الشان جمع ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوض کی زندگی پر دلیل اور گواہ ہے۔ اور پھر یہ بھی جمع ہے کہ خدا تعالیٰ نے تبلیغ کے سارے سامان جمع کر دیتے ہیں؛ چنانچہ مطبع کے سامان، کاغذ کی کثرت، ڈاک خانوں، تار، ریل اور دُخانی جہازوں کے ذریعہ کل دُنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے اور پھر نت نئی ایجادیں اس جمع کو اور بھی بڑھا رہی ہیں، کیونکہ اسباب تبلیغ جمع ہو رہے ہیں۔ اب فونوگراف سے بھی تبلیغ کا کام لے سکتے ہیں اور اس سے بہت عجیب کام نکلتا ہے۔ اخباروں اور رسالوں کا اجراء غرض اس قدر سامان تبلیغ کے جمع ہوتے ہیں کہ اس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں ہم کو نہیں ملتی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اغراض میں سے ایک تکمیل دین بھی تھی۔ جس کے فرمایا گیا تھا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ: ۴) اب اس تکمیل میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک تکمیلِ ہدایت اور دُوسری تکمیلِ اشاعتِ ہدایت۔ تکمیلِ ہدایت کا زمانہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا پہلا زمانہ تھا اور تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ آپؐ کا دوسرا زمانہ ہے، جبکہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ: ۴) کا وقت آنے والا ہے۔ اور وہ وقت اب ہے یعنی میرا زمانہ یعنی مسیح موعود کا زمانہ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ ہدایت اور تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کے زمانوں کو بھی اس طرح پر ملایا ہے اور یہ بھی عظیم الشان جمع ہے اور پھر یہ بھی وعدہ ہے کہ سارے ادیان کو جمع کیا جائے گا اور ایک دین کو غالب کیا جائے گا۔ یہ بھی مسیح موعود کے وقت کی ایک جمع ہے، کیونکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف: ۱۰) مفسروں نے مان لیا ہے کہ مسیح موعود ہی کے وقت میں ہوگا۔

پھر یہ بھی کہ وہ امن کا زمانہ ہوگا کہ بھیڑیا اور بھیڑ ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ جیسا کہ اس وقت نظر آتا ہے ہمارے مخالفوں نے ہمارے قتل کے کس قدر منصوبے کیے، مگر وہ کیوں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی گورنمنٹ کے حُسنِ انتظام اور امن کی وجہ سے۔ پھر خدا نے یہ بھی ارادہ فرمایا ہوا تھا کہ اس زمانہ میں حقائق و معارف جمع کردے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جیسے ظہر و عصر جمع ہوتے ہیں کہ ظہر آسمان کے جلالی رنگ کا محل ہے اور عصر جمالی رنگ کا اور خدا تعالیٰ دونوں کا اجتماع چاہتا ہے اور چونکہ میرا نام اس نے آدم بھی رکھا ہے اور آدم کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو مَیں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ یعنی جلالی اور جمالی رنگ دونوں اس میں رکھے۔ اس لیے اس جگہ بھی جلال اور جمال کا اجتماع کر کے دکھا دیا۔

جلالی رنگ میں طاعون وغیرہ اللہ تعالیٰ کی گرفتیں ہیں اور انہیں سب دیکھتے ہیں اور جمالی رنگ میں اس کے انعامات اور مبشرانہ وعدے ہیں اور پھر میری دانست میں اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ایک اور جمع کی بھی خبر رکھی ہے جس کی خدا نے مجھے اطلاع دی اور وہ یہ ہے کہ میری پیدائش میں میرے ساتھ ایک لڑکی بھی اُس نے رکھی ہے اور پھر قومیت اور نسب میں بھی ایک جمع رکھی اور وہ یہ کہ ہماری ایک دادی سیدہ تھی۔ اور دادا صاحب اہلِ فارس تھے۔ اب بھی خدا نے اس قسم کی جمع ہمارے گھر میں رکھی کہ ایک صحیح النسب سیدہ میرے نکاح میں آئی۔ اسی طرح جیسے خدا نے ایک عرصہ پہلے بشارت دی تھی۔ اب غور تو کرو کہ خدا نے کس قدر اجتماع یہاں رکھے ہوئے ہیں۔ ان تمام جمعوں کو خدا نے مصلحتِ عظیمہ کے لیے جمع کیا ہے۔

مسیح موعود ہی حَکَم عَدل ہے

ہماری جماعت کے لیے تو یہ امر فوق الادب ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں پیش کریں یا اُن کے وہم میں بھی ایسی باتیں آئیں اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں جو کرتا ہوں، وہ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ پھر کیوں اس کو مقدم نہیں کرتے اور پیشگوئی سمجھ کر اس کی عزت نہیں کرتے، جیسے حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی پیشگوئی سمجھ کر ایک صحابی کو سونے کے کڑے پہنا دیئے۔ اب تم بتاؤ کہ اور کیا چاہتے ہو۔ خدا نے اس قدر نشان تمہارے لیے جمع کر دیئے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ پر ایمان ہو تو کوئی وہم اور خیال اس قسم کا پیدا نہیں ہو سکتا جس سے اعتراض کا رنگ پایا جائے اور اگر اس قدر

نشان دیکھتے ہوئے بھی کوئی اعتراض کرتا اور علیحدہ ہوتا ہو تو وہ بیشک نکل جائے اور علیحدہ ہو جاوے۔ اس کی خدا کو کیا پرواہ ہے۔ وُہ کہیں جگہ نہیں پا سکتا۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم عدل ٹھہرایا ہے۔ اور تم نے مان لیا ہے۔ پھر نشانہ اعتراض بنانا ضعفِ ایمان کا نشان ہے۔ حَکَمْ مان کر تمام زبانیں بند ہو جانی چاہئیں۔ اگر مخالفوں کا خیال ہو۔ تو انہوں نے اس سے پہلے کیا کچھ نہیں کہا۔ دجّال، بے ایمان، کافر، اکفر تک ٹھہرایا اور کوئی گالی باقی نہ رہی جو انہوں نے نہیں دی اور کوئی منصوبہ شرارت اور تکلیف دہی کا نہیں رہا، جو اُنھوں نے نہیں سوچا۔ پھر اور کیا باقی رہ گیا۔ جو غیروں کی پرواہ کرتا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ جبتک خُدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حَکَم کی بات کے سامنے اپنی زبانوں کو بند نہ کرو گے، وہ ایمان پیدا نہیں ہو سکتا، جو خدا چاہتا ہے اور جس غرض کے لیے اُس نے مجھے بھیجا ہے۔

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرا یہ عمل اپنی تجویز اور خیال سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تفہیم سے ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے لیے ہے۔ مَیں کسی اور حَکَم کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ جو چاہتا ہے اس کو قبول کرے اور جس کا دل مریض ہے وہ الگ ہو جائے۔ مَیں ایسے لوگوں کو صلاح دیتا ہوں کہ وُہ کثرت سے استغفار کریں اور خدا سے ڈریں۔ ایسا نہ ہو کہ خدا ان کی جگہ اور قوم لا دے۔

مسیح موعودؑ کے خلاف عُلماء سُوء کے فتوے اُس کی صداقت کی دلیل ہیں

ایک بار مجھے الہام ہوا تھا کہ کوئی شخص میری طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ هٰذَا الرَّجُلُ يُعِيْمُ الدِّيْنَ۔ یہ شخص دین کی جڑ مُہ اُکھاڑتا ہے۔ مَیں خوش ہوا کیونکہ آثار میں ایسا ہی لکھا ہے کہ مسیح اور مہدی کی نسبت ایسے فتوے دیئے جائیں گے۔ حجج الکرامہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور ابن عربی نے لکھا ہے کہ جب مسیح نازل ہوگا، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا۔ اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ غَيَّرَ دِيْنَنَا۔

اور مجدد صاحب کے مکتوباتِ دوم میں صاف لکھا ہے کہ مسیح جو کچھ بیان کرے گا وہ اسرارِ فامضہ ہوں گے اور لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے؛ حالانکہ وُہ قرآن سے استنباط کرے گا۔ پھر بھی لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے مسیح موعود کے ساتھ جمع کا ایک نشان ہے۔ عوام کے خیال کے موافق ایک تغیر بھی اس کے ساتھ ضروری ہے، کیونکہ وہ بحیثیت حَکَم ہونے کے تمام بدعات اور خرابیوں کو جو فیجِ اعوج کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ دُور کرے گا اور لوگ اُن کو تغیرِ دین کے نام سے یاد کریں گے۔

مَیں پُوچھتا ہوں کہ اگر تم مخالفوں سے ڈرتے ہو تو پھر مجھے قبول کرنے کا کیا فائدہ ہوا۔ میری مخالفت میں کافر اور دجّال ٹھہراتے گئے۔ اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا؟ اور پھر اگر یہی بات ہے کہ اس کو تغیرِ دین کہتے ہیں، تو بتاؤ کہ مَیں

نے جہاد کی حُرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ اور شائع کر دیا ہے کہ دین کے لیے تلوار اُٹھانا حرام ہے۔ پھر اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ہمارے مخالف تو یَضَعُ الْجِزْیَۃَ کہتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ یَضَعُ الْحَرْبَ دُرست ہے۔ غرض اگر اب یہ چاہیں کہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے بچ جائیں، یہ مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ جبتک پُورے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ پس اب یک دیگیر محکم گیر پر عمل کرو۔

حَکَم و عدل کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو

جو شخص ایمان لاتا ہے۔ اسے اپنے ایمان سے یقین اور عرفان تک ترقی کرنی چاہیے نہ یہ کہ وہ پھر ظن میں گرفتار ہو۔ یاد رکھو۔ ظن مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (یونس: ۳۷) یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بامُراد کر سکتی ہے۔ یقین کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر انسان ہر بات پر بدظنی کرنے لگے، تو شاید ایک دم بھی دُنیا میں نہ گذار سکے۔ وہ پانی نہ پی سکے کہ شاید اس میں زہر ملا دیا ہو۔ بازار کی چیزیں نہ کھا سکے۔ کہ ان میں ہلاک کرنے والی کوئی شے ہو۔ پھر کس طرح وہ رہ سکتا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے۔ اسی طرح پر انسان رُوحانی امور میں اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اب تم خود یہ سوچ لو اور اپنے دلوں میں فیصلہ کر لو کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اور مجھے مسیح موعود حَکَم۔ عَدل مانا ہے، تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدورت یا رنج آتا ہے، تو اپنے ایمان کا فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے، کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہوگا، لیکن اگر تم نے پختے دل سے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح موعود واقعی حَکَم ہے تو پھر اس کے حُکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو۔ اور اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک باتوں کی عزت اور عظمت کرنے والے ٹھہرو۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی شہادت کافی ہے۔ وُہ تسلی دیتے ہیں کہ وُہ تمہارا امام ہوگا، وُہ حَکَم عَدل ہوگا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوتی تو پھر کب ہوگی۔ یہ طریق ہرگز اچھا اور مُبارک نہیں ہو سکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنیاں بھی ہوں۔ میں اگر صادق نہیں ہوں، تو پھر جاؤ اور صادق تلاش کرو اور یقیناً سمجھو کہ اس وقت اور صادق نہیں مِل سکتا۔ اور پھر اگر کوئی دُوسرا صادق نہ ملے اور نہیں ملے گا تو پھر میں اتنا حق مانگتا ہوں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دیا ہے۔

جن لوگوں نے میرا انکار کیا ہے اور جو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں انھوں نے مجھے شناخت نہیں کیا اور جس نے مجھے تسلیم کیا اور پھر اعتراض رکھتا ہے، وُہ اور بھی بدقسمت ہے کہ دیکھ کر اندھا ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ معاصرت بھی رُتبہ کو گھٹا دیتی ہے، اس لیے حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ نبی بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کو اہلِ وطن سے کیا کیا تکلیفیں اور صدمے اُٹھانے پڑے تھے۔ سو یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک سُنت چلی آتی ہے۔ ہم اس سے الگ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہم کو جو کچھ

اپنے مخالفوں سے سُننا پڑا۔ یہ اسی سُنت کے موافق ہے۔ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (الحجر: ۱۲)
افسوس اگر یہ لوگ صاف نیت سے میرے پاس آتے تو مَیں ان کو وہ دکھاتا جو خدا نے مجھے دیا ہے اور وہ خدا خود ان پر اپنا فضل کرتا اور انہیں سمجھا دیتا، مگر اُنھوں نے بُخل اور حسد سے کام لیا۔ اب مَیں ان کو کس طرح سمجھاؤں۔

جب انسان سچے دل سے حق طلبی کے لیے آتا ہے، تو سب فیصلے ہو جاتے ہیں، لیکن جب بدگوئی اور شرارت مقصود ہو، تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ مَیں کب تک ان کے فیصلے کرتا رہوں گا۔

حجج الکرامہ میں ابنِ عربی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ جب آئے گا، تو اسے مُفتری اور جاہل ٹھہرایا جائیگا۔ اور یہاں تک بھی کہا جاوے گا کہ وہ دین کو تغیّر کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس قسم کے الزام مجھے دیئے جاتے ہیں۔ ان شبہات سے انسان تب نجات پا سکتا ہے، جب وہ اپنے اجتہاد کی کتاب ڈھانپ لے اور اس کی بجائے وُہ یہ فکر کرے کہ کیا یہ سچا ہے یا نہیں۔ بعض اُمور بیشک سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ غیبوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وُہ حُسنِ ظن اور صبر اور استقلال سے ایک وقت کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر اصل حقیقت کو کھول دیتا ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت صحابہ سوال نہ کرتے تھے، بلکہ منتظر رہتے تھے کہ کوئی آکر سوال کرے تو فائدہ اُٹھاتے تھے، ورنہ خود خاموش سر تسلیم کئے بیٹھے رہتے تھے اور جرأت سوال کرنے کی نہ کرتے تھے۔ میرے نزدیک اصل اور اسلم طریق یہی ہے کہ ادب کرے۔ جو شخص آدابِ النبی کو نہیں سمجھتا اور اس کو اختیار نہیں کرتا۔ اندیشہ ہوتا ہے کہ وُہ ہلاک نہ کیا جائے۔

یقین کے مدارج

وُہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں، جو ایک ہی دن میں حق الیقین کے درجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ایک ظن ہوتا ہے اور ایک یقین۔ ظن صرف خیالی بات ہوتی ہے اور اس کی صحت اور سچائی پر کوئی حُکم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں احتمال کذب کا ہوتا ہے لیکن یقین میں ایک سچائی کی روشنی ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یقین کے بھی مدارج ہیں۔ ایک علم الیقین ہوتا ہے۔ پھر عین الیقین اور تیسرا حق الیقین۔ جیسے دُور سے کوئی آدمی دُھواں دیکھتا ہے، تو آگ کا یقین کرتا ہے اور یہ علم الیقین ہے اور جب جا کر دیکھتا ہے، تو وہ عین الیقین ہے اور جب ہاتھ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وُہ جلاتی ہے، تو وہ حق الیقین ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی ابھی ظن سے مخلصی نہیں ہوئی؛ جبکہ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جو امُور خدا کی طرف سے آتے ہیں، ان کے ساتھ ابتلاء ضرور ہوتے ہیں۔ پھر مَیں کیونکر ابتلاء کے بغیر آسکتا تھا۔ اگر ابتلاء نہ ہوتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل میں سے آجاتے، تاکہ ان کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملتا کہ آنے والے کے لیے لکھا ہے کہ وہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور اسی طرح حضرت مسیحؑ کے وقت ایلیا ہی آجاتا، تاکہ ان کو ٹھوکر نہ لگتی۔ ایک یہودی فاضل نے اس پر بڑی کتاب لکھی ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ

ایلیا نہیں آیا۔ اور اگر خدا ہم سے بھی پُوچھے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب پیش کر دیں گے۔

اس قدر معجزات جو حضرت مسیح سے صادر ہوئے بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے، ایلیا کو بھی زندہ کر کے لے آتے۔ ایمانًا بتاؤ کہ ایلیا کا ابتلا بڑا تھا یا نمازوں کو جمع کرنے کا ابتلا جس نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا۔ اب اس قدر لوگ جو گمراہ ہوئے اور مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنکر رہے، تو اس کا باعث وہی ایلیا کا ابتلا ہی ہے یا کچھ اور۔ غرض ابتلا کا آنا ضروری ہے، مگر سچا مومن کبھی اُن سے ضائع نہیں کیا جاتا۔ اِس قسم کے لوگوں نے کسی زمانہ میں بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں انہوں نے فائدہ اُٹھایا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔

مَیں نے عام طور پر شائع کیا کہ استجابتِ دُعا کا مجھے نشان دیا گیا ہے۔ جو چاہے میرے مقابلہ پر آئے۔ مَیں نے کہا کہ جو مجھے حق پر نہیں سمجھتا، وُہ میرے ساتھ مباہلہ کرے۔ مَیں نے یہ بھی شائع کیا کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف کا ایک نشان مجھے عطا ہوا، اس میں مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ مگر ایک بھی ایسا نہ ہوا جو میرے سامنے آتا اور میری دعوت کو قبول کر لیتا۔ پھر خدا نے مجھے بشارت دی کہ یَنْصُرُکَ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ اور اس کا ثبوت دیا کہ ہر میدان میں مجھے کامیاب کیا۔ پس اگر ان نشانات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس کی تسلّی نہیں ہوتی پھر وہ کسی اور کے پاس جاوے یا کسی عیسائی کے پاس جاوے اور تسلّی کرے اگر کر سکتا ہے، لیکن سچائی کو چھوڑ کر تسلّی کہاں؟

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: ۳۳)

ایسے لوگ لَا مِنَ الْاَحْیَاءِ وَلَا مِنَ الْاَمْوَاتِ کے مصداق ہوتے ہیں۔ غرض نمازوں کے جمع کرنے میں یہ راز اور سِرّ تھا اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آیا یہ سُستی اور کسل کی وجہ سے تھا یا ایک معقول اور مُبارک طریق پر۔

یاد رکھو کہ اس قدر نشانات دیکھ کر بھی جسے کوئی شک و شُبہ گذر سکتا ہے، تو اُسے ڈرنا چاہیے کہ شیطان عَدُوٌّ مُبِین ساتھ ہے۔ مَیں جس راہ کی طرف بُلاتا ہوں۔ یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر غوثیت اور قطبیت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام ہوتے ہیں۔ جو لوگ مجھے قبول کرتے ہیں۔ ان کی دین و دُنیا بھی اچھی ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (آل عمران: ۵۶) درحقیقت وہ زمانہ آتا ہے کہ اُن کو اُمّیت سے نکال کر خود قوّتِ بیان عطا کرے گا اور وہ مُنکروں پر غالب ہوں گے، لیکن جو شخص دلائل اور نشانات کو دیکھتا ہے اور پھر دیانت، امانت، انصاف کو ہاتھ سے چھوڑتا ہے، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ (الانعام: ۲۲)

تم بہت سے نشانات دیکھ چکے ہو اور حروف تہجی کے طور پر اگر ایک نقشہ تیار کیا جاوے، تو کوئی حرف باقی نہ رہے گا کہ اس میں کئی کئی نشان نہ آئیں۔ تریاق القلوب میں بہت سے نشان جمع کئے گئے ہیں اور تم نے اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھے۔

صادق کو نشان کی ضرورت نہیں

اب وقت ہے کہ تمہارے ایمان مضبوط ہوں اور کوئی زلزلہ اور آندھی تمہیں ہلا نہ سکے بعض تم میں ایسے بھی صادق ہیں کہ اُنہوں نے کسی نشان کی اپنے لیے ضرورت نہیں سمجھی۔ گو خدا نے اپنے فضل سے ان کو سینکڑوں نشان دکھا دیئے۔ لیکن اگر ایک بھی نشان نہ ہوتا، تب بھی وہ مجھے صادق یقین کرتے اور میرے ساتھ تھے؛ چنانچہ مولوی نورالدین صاحب کسی نشان کے طالب نہ ہوئے۔ انہوں نے سُنتے ہی آمنّا کہہ دیا اور فاروقی ہو کر صدیقی عمل کر لیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شام کی طرف گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو راستہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی وہیں اُنھوں نے تسلیم کر لیا۔"

حضرت اقدسؑ نے اس قدر تقریر فرمائی تھی کہ مولانا مولوی نُورالدین صاحب حکیم الامّت ایک جوش اور صدق کے نشہ سے سرشار ہو کر اُٹھے اور کہا کہ مَیں اس وقت حاضر ہوا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا کہہ کر اقرار کیا تھا۔ اب مَیں اس وقت صادق امام مسیح موعود اور مہدی معہود کے حضور وہی اقرار کرتا ہوں کہ مجھے کبھی ذرا بھی شک اور وہم حضور کے متعلق نہیں گزرا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے اسباب ایسے ہیں۔ جن کا ہمیں علم نہیں۔ اور مَیں نے ہمیشہ اس کو آدابِ نبوّۃ کے خلاف سمجھا ہے کہ کبھی کوئی سوال اس قسم کا کروں۔ مَیں آپ کے حضور اقرار کرتا ہوں۔ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِکَ مَسِیْحًا وَّمَہْدِیًّا۔[1]

اس تقریر کے ساتھ ہی حضرت اقدسؑ نے بھی اپنی تقریر ختم کر دی

۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

سیدنا حضرت امام آخرالزمان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

"ایک بہت ہی ضروری امر ہے جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں؛ اگرچہ میری طبیعت بھی اچھی نہیں ہے لیکن کل نواب صاحب جو جانیوالے ہیں۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں بیان کر دوں تاکہ وہ بھی سُن لیں اور جماعت کے دُوسرے لوگ بھی سُن لیں اور وُہ یہ ہے :

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض

کہ تمام انبیاء علیہم السّلام جو دُنیا میں آئے ہیں؛ اگرچہ انھوں نے جو احکام دُنیا کو سُنائے وہ مبسُوط اور مُطوّل تھے اور بہت کچھ جُزئیات بھی بیان کر دیں اور تمام اُمور جو توحید، تہذیب، معاملات اور معاد کے متعلق ہوتے ہیں۔ غرض جس قدر اُمورِ انسان کو چاہئیں، ان سب کے متعلق وہ ہر قسم کی ہدائتیں اور تعلیمیں لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ باوجود ان ساری جُزئی تعلیموں اور ہدایتوں کے ہر ایک نبی کی اصل غرض اور مقصد یہ رہا ہے کہ لوگ گناہوں سے نجات پاکر اور ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے بکلّی نفرت کر کے خدا ہی کے لیے ہو جاویں۔ انسانی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد بھی یہی ہے کہ وُہ خدا کے لیے ہو جاتے۔ اس لیے انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کی غرض اسی مقصد کی طرف انسان کو رہبری کرنا ہوتا ہے تاکہ وُہ اپنی گم گشتہ متاع اور مقصد کو پھر حاصل کرے۔ گناہ اگرچہ بہت ہیں اور ان کے بہت سے شعبے اور شاخیں ہیں۔ یہانتک کہ ہر ادنیٰ قسم کی غفلت بھی گناہ میں داخل ہے۔ لیکن عظیم الشان گناہ جو اس مقصدِ عظیم کے بالمقابل انسان کو اصل مقصد سے ہٹانے کے لیے پڑا ہوا ہے، وُہ شرک ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد یہ ہے کہ وُہ خدا ہی کے لیے ہو جاتے اور گناہ اور اس کے محرکات سے بہت دُور رہے اس لیے کہ جُوں جُوں بدقسمت انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے، اسی قدر اپنے اصل مدعا سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ آخر گرتے گرتے ایسی سفلی جگہ پر جا پڑتا ہے جو مصائب اور مشکلات اور ہر قسم کی تکلیفوں اور دکھوں کا گھر ہے جس کو جہنّم بھی کہتے ہیں۔

دیکھو انسان کا اگر کوئی عضو اپنی اصل جگہ سے ہٹا دیا جائے۔ مثلاً بازُو ہی اگر اُتر جاوے یا ایک انگلی یا انگوٹھا ہی اپنے اصلی مقام سے ہٹ جاوے، تو کس قدر درد اور کرب پیدا ہوتا ہے۔ یہ جسمانی نظارہ رُوحانی اور اُخروی عالم کے لیے ایک زبردست دلیل ہے اور جہنّم کے وجُود پر ایک گواہ ہے۔ گناہ یہی ہوتا ہے کہ انسان اس مقصد سے جو اس کی پیدائش سے رکھا گیا ہے، دُور ہٹ جاوے۔ پس اپنے محل سے ہٹنے میں صاف درد کا ہونا ضروری ہے۔

شرک سے بچو

شرک ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر جہنّم کا وارث بنا دیتا ہے۔ شرک کی کئی قسم ہیں۔ ایک تو وہ موٹا اور صریح شرک ہے جس میں ہندو، عیسائی، یہُود اور دوسرے بُت پرست لوگ گرفتار ہیں جس میں کسی انسان یا پتھر یا اور بے جان چیزوں یا قوتوں

یا خیالی دیویوں اور دیوتاؤں کو خدا بنا لیا گیا ہے، اگرچہ یہ شرک ابھی تک دُنیا میں موجود ہے، لیکن یہ زمانہ روشنی اور تعلیم کا کچھ ایسا زمانہ ہے کہ عقلیں اس قسم کے شرک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئی ہیں۔ یہ جُدا امر ہے کہ وہ قومی مذہب کی حیثیت سے بظاہر ان بے ہودگیوں کا اقرار کریں، لیکن در اصل بالطبع لوگ ان سے متنفر ہوتے جاتے ہیں، مگر ایک اور قسم کا شرک ہے جو مخفی طور پر زہر کی طرح اثر کر رہا ہے اور وہ اس زمانہ میں بہت بڑھتا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد بالکل نہیں رہا۔

رعایت اسباب اور توکل

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے اور نہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ اسباب کی رعایت بالکل نہ کی جاوے کیونکہ خدا تعالیٰ نے رعایتِ اسباب کی ترغیب دی ہے اور اس حد تک جہاں تک یہ رعایت ضروری ہے۔ اگر رعایتِ اسباب نہ کی جاوے تو انسانی قوتوں کی بیحرمتی کرنا اور خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان فعل کی توہین کرنا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ بالکل رعایتِ اسباب کی نہ کی جاوے، ضروری ہوگا کہ تمام قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں بالکل بے کار چھوڑ دیا جاوے اور ان سے کام نہ لیا جاوے۔ اور اُن سے کام نہ لینا اور ان کو بے کار چھوڑ دینا خدا تعالیٰ کے فعل کو لغو اور عبث قرار دینا ہے۔ جو بہت بڑا گناہ ہے۔ پس ہمارا یہ منشاء اور مذہب ہرگز نہیں کہ اسباب کی رعایت بالکل ہی نہ کی جاوے، بلکہ رعایتِ اسباب اپنی حد تک ضروری ہے۔ آخرت کے لیے بھی اسباب ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری اور بدیوں سے بچنا اور دوسری نیکیوں کو اختیار کرنا اس لیے ہے کہ اس عالم اور دوسرے عالم میں سُکھ ملے، تو گویا یہ نیکیاں اسباب کے قائم مقام ہیں۔

اسی طرح پر یہ بھی خدا تعالیٰ نے منع نہیں کیا کہ دنیوی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے اسباب کو اختیار کیا جاوے۔ نوکری والا نوکری کرے۔ زمیندار اپنی زمینداری کے کاموں میں رہے۔ مزدور مزدوریاں کریں تا وہ اپنے عیال و اطفال اور دُوسرے متعلقین اور اپنے نفس کے حقوق کو ادا کر سکیں۔ پس ایک جائز حد تک یہ سب دُرست ہے اور اس کو منع نہیں کیا جاتا، لیکن جب انسان حد سے تجاوز کر کے اسباب ہی پر پُورا بھروسہ کرے اور سارا دارومدار اسباب پر ہی جا ٹھہرے تو یہ وہ شرک ہے جو انسان کو اُس کے اصل مقصد سے دُور پھینک دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں سبب نہ ہوتا، تو میں بھوکا مر جاتا۔ یا اگر یہ جائداد یا فُلاں کام نہ ہوتا، تو میرا بُرا حال ہو جاتا۔ فلاں دوست نہ ہوتا تو تکلیف ہوتی۔ یہ اُمور اس قسم کے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ جائداد یا اور اسباب و احباب پر اس قدر بھروسہ کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ سے بکلّی دُور جا پڑے۔ یہ خطرناک شرک ہے، جو قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: ۲۳) اور فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۴) اور فرمایا مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳،۴) اور فرمایا۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۷) قرآن شریف اس قسم کی آیتوں سے بھرا پڑا ہے کہ وہ متقیوں کا متولی اور متکفل ہوتا ہے تو پھر جب انسان اسباب پر تکیہ اور توکل کرتا ہے، تو گویا خدا تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کرتا ہے اور ان اسباب کو ان صفات سے حصّہ دیتا ہے اور ایک اور خدا اپنے لیے ان اسباب کا تجویز کرتا ہے؛ چونکہ وہ ایک پہلو کی طرف جھکتا ہے۔ اس سے شرک کی طرف گویا قدم اٹھاتا ہے۔ جو لوگ حکام کی طرف جھکے ہوتے ہیں اور اُن سے انعام یا خطاب پاتے ہیں۔ اُن کے دل میں اُن کی عظمت خدا کی سی عظمت داخل ہو جاتی ہے۔ وہ اُن کے پرستار ہو جاتے ہیں اور یہی ایک امر ہے جو توحید کا استیصال کرتا ہے اور انسان کو اُس کے اصل مرکز سے ہٹا کر دُور پھینک دیتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اسباب اور توحید میں تناقض نہ ہونے پاوے، بلکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر رہے اور کارِ توحید پر جا ٹھہرے۔ وہ انسان کو یہ سکھانا چاہتے ہیں۔ کہ ساری عزّتیں، سارے آرام اور حاجات براری کا متکفل خدا ہی ہے۔ پس اگر اس کے مقابل میں کسی اور کو بھی قائم کیا جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ دو مِندّوں کے تقابل سے ایک ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس لیے مقدم ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید ہو۔ رعایت اسباب کی جاوے۔ اسباب کو خدا نہ بنایا جاوے۔ اسی توحید سے ایک محبت خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مُحسنِ حقیقی وہی ہے۔ ذرّہ ذرّہ اُسی سے ہے۔ کوئی دوسرا درمیان نہیں آتا۔ جب انسان اس پاک حالت کو حاصل کرے۔ تو وہ مُوحِّد کہلاتا ہے۔ غرض ایک حالت توحید کی یہ ہے کہ انسان پتھروں یا انسانوں یا اور کسی چیز کو خدا نہ بنائے، بلکہ ان کو خدا بنانے سے بیزاری اور نفرت ظاہر کرے اور دوسری حالت یہ ہے کہ رعایت اسباب سے نہ گذرے۔

موحِّد اپنے نفس اور وجود کی نفی کرتا ہے

تیسری قسم یہ ہے کہ اپنے نفس اور وجود کے اغراض کو بھی درمیان سے اُٹھا دیا جاوے اور اس کی نفی کی جاوے۔ بسا اوقات انسان کے زیرِ نظر اپنی خوبی اور طاقت بھی ہوتی ہے کہ فلاں نیکی مَیں نے اپنی طاقت سے کی ہے۔ انسان اپنی طاقت پر ایسا بھروسہ کرتا ہے کہ ہر کام کو اپنی ہی قوّت سے منسُوب کرتا ہے۔ انسان موحِّد تب ہوتا ہے کہ جب اپنی طاقتوں کی بھی نفی کر دے۔

لیکن اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان جیسا کہ تجربہ دلالت کرتا ہے۔ عموماً کوئی نہ کوئی حصّہ گناہ کا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بعض موٹے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض اوسط درجہ کے گناہوں میں اور بعض باریک در باریک قسم کے گناہوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جیسے بخل، ریاکاری یا اور اسی قسم کے گناہ کے

حلقوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جب تک ان سے رہائی نہ ملے، انسان اپنے گمشدہ انوار کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیتے ہیں۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں کہ ان کی بجاآوری ہر ایک کو میسّر نہیں ہے۔ مثلاً حج۔ یہ اس آدمی پر فرض ہے جسے استطاعت ہو۔ پھر راستہ میں امن ہو۔ پیچھے جو متعلقین ہیں۔ اُن کے گذارہ کا بھی معقول انتظام ہو اور اسی قسم کی ضروری شرائط پوری ہوں تو حج کر سکتا ہے ایسا ہی زکوٰۃ ہے۔ یہ وُہی دے سکتا ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔ ایسا ہی نماز میں بھی تغیرات ہو جاتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کی حقیقت

لیکن ایک بات ہے جس میں کوئی تغیر نہیں۔ وہ ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اصل یہی بات ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے مکملات ہیں۔ توحید کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک عبادات کی بجاآوری نہ ہو۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والا اس وقت اپنے اقرار میں سچا ہوتا ہے کہ عملی پہلو سے بھی وہ ثابت کر دکھائے کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی محبُوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ جب اس کی یہ حالت ہو اور واقعی طور پر اس کا ایمانی اور عملی رنگ اس اقرار کو ظاہر کرنے والا ہو، تو وُہ خدا تعالیٰ کے حضور اس اقرار میں جھوٹا نہیں۔ ساری مادی چیزیں جل گئی ہیں اور ایک فنا اُن پر اس کے ایمان میں آگئی ہے۔ تب وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُنہ سے نکالتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو اس کا دوسرا جُزو ہے وُہ نمونہ کے لیے ہے۔ کیونکہ نمونہ اور نظیر سے ہر بات سہل ہو جاتی ہے انبیاء علیہم السّلام نمونوں کے لیے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کمالات کے نمونوں کے جامع تھے۔ کیونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپؐ میں جمع ہیں۔

محمدؐ جامع جمیع کمالات

آپؐ کا نام اسی لیے محمدؐ ہے کہ اس کے معنی ہیں، نہایت تعریف کیا گیا۔ محمدؐ وُہ ہوتا ہے جس کی زمین و آسمان پر تعریف ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دُنیا کے لوگوں نے ان کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا انہیں ذلیل سمجھا اور بخیالِ خویش ذلیل کیا، لیکن آسمان پر اُن کی عزت اور تعریف ہوتی ہے۔ وُہ خدا تعالیٰ کے حضور راستباز ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ دُنیا ان کی تعریف کرتی ہے۔ ہر طرف سے واہ واہ ہوتی ہے، مگر آسمان اُن پر لعنت کرتا ہے۔ خدا اور اس کے فرشتے اور مقرب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تعریف نہیں کرتے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان دونوں جگہ میں تعریف کیے گئے اور یہ فخر اور فضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملا ہے۔ جس قدر پاک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بھی کئی لاکھ آدمیوں کی قوم مل گئی، مگر وہ ایسے مستقل مزاج یا ایسی پاکباز اور عالی ہمت قوم نہ تھی جیسی صحابہ

کی تھی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ قوم موسیٰ کا یہ حال تھا کہ رات کو مومن ہیں تو دن کو مُرتد ہیں۔ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کا حضرت موسیٰؑ اور اُس کی قوم کے ساتھ مقابلہ کرنے سے گویا کُل دُنیا کا مقابلہ ہوگیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو جماعت ملی وہ ایسی پاکباز اور خدا پرست اور مخلص تھی کہ اس کی نظیر کسی دُنیا کی قوم اور کسی نبی کی جماعت میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں اُن کی بڑی تعریفیں آئی ہیں۔ یہانتک فرمایا۔ اللہُ اللہُ فِیْ اَصْحَابِیْ اور قرآن کریم میں بھی ان کی تعریف ہوئی۔ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ (الفرقان: ۶۵)

موسیٰؑ کی جماعت جن مشکلات اور مصائب طاعون وغیرہ کے نیچے آئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تیار کردہ جماعت اس سے ممتاز اور محفوظ رہی اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوتِ قدسیہ اور انفاسِ طیبہ اور جذبِ الی اللہ کی قوت کا پتہ لگتا ہے کہ کیسی زبردست قوتیں آپؐ کو عطا کی گئی تھیں، جو ایسا پاک اور جانثار گروہ اکٹھا کر لیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے جو جاہل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یُونہی لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں۔ جبتک ایک قوت جذب اور کشش کی نہ ہو، کبھی ممکن نہیں ہے کہ لوگ جمع ہو سکیں۔ میرا مذہب یہی ہے کہ آپؐ کی قوتِ قدسی ایسی تھی کہ کسی دُوسرے نبی کو دُنیا میں نہیں ملی۔ اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوتِ جذب بہت زبردست تھی اور پھر آپؐ کی باتوں میں وُہ تاثیر تھی کہ جو سُنتا تھا وہ گرویدہ ہو جاتا تھا۔ جن لوگوں کو آپؐ نے کھینچا، ان کو پاک صاف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کی تعلیم ایسی سادہ اور صاف تھی کہ اس میں کسی قسم کے گورکھ دھندے اور معمّے تثلیث کی طرح نہیں ہیں؛ چنانچہ نیپولین کی بابت لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور کہا کرتا تھا کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اس نے تثلیث کی تکذیب کی ہے۔ غرض آپؐ وہ دین لائے جو سیدھا سادہ ہے جو خدا کے سامنے یا انسان کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ قانونِ قدرت اور فطرت کے ساتھ ایسا وابستہ ہے کہ ایک جنگلی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ تثلیث کی طرح کوئی لاینحل عُقدہ اس میں نہیں جس کو نہ خدا سمجھ سکے نہ اور نہ ماننے والے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں۔ تثلیث قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے بُت پرستی اور اوہام پرستی کرے اور عقل و فکر کی قوتوں کو بالکل بیکار اور معطّل چھوڑ دے حالانکہ اسلام کی توحید ایسی ہے کہ ایک دنیا سے الگ تھلک جزیرہ میں بھی وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ دینِ عیسائی جو پیش کرتے ہیں یہ عالمگیر اور مکمّل دین نہیں ہو سکتا اور نہ انسان اس سے کوئی تسلّی یا اطمینان پا سکتا ہے۔ مگر اسلام ایک ایسا دین ہے جو کیا باعتبار توحید اور اعمالِ حسنہ اور کیا تکمیل مسائل، سب سے بڑھ کر ہے۔ ہزاروں قسم کی بدکاریاں یہودیوں میں جو موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ تھے پائی جاتی ہیں اور مسیحؑ کے حواریوں کا ذکر بھی کرنا نہیں چاہتے کہ جن میں سے ایک نے چند کھوٹے درہم لے کر اپنے آقا کو پکڑوا دیا اور ایک نے لعنت کی اور کسی نے بھی وفاداری کا نمونہ نہ دکھایا لیکن صحابہؓ کی حالت کو دیکھتے ہیں، تو ان میں کوئی جھوٹ بولنے والا بھی

نظر نہیں آتا۔ ان کے تصور میں بھی بجز روشنی کے کچھ نظر نہیں آتا، حالانکہ جب عرب کی ابتدائی حالت پر نگاہ کرتے ہیں، تو وہ تحت الثریٰ میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بُت پرستی میں منہمک تھے۔ یتیموں کا مال کھانے اور ہر قسم کی بدکاریوں میں دلیر اور بے باک تھے۔ ڈاکوؤں کی طرح گذارہ کرتے تھے۔ گویا سر سے پیر تک نجاست میں غرق تھے۔ پھر میں پوچھتا ہوں وُہ کونسا اسم اعظم تھا جس نے اُن کی جھٹ پٹ کایا پلٹ دی اور ان کو ایسا نمونہ بنا دیا جس کی نظیر دُنیا کی قوموں میں ہرگز نہیں ملتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر اور کوئی بھی معجزہ پیش نہ کریں، تو اس حیرت انگیز پاک تبدیلی کے مقابلہ میں کسی خود ساختہ خدا کا ہی کوئی معجزہ ہمیں دکھائے۔ ایک آدمی کا دُرست کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو ایک قوم تیار کی گئی کہ جنھوں نے اپنے ایمان اور اخلاص کا وہ نمونہ دکھایا کہ بھیڑ بکری کی طرح اس سچائی کے لیے ذبح ہو گئے جس کو انھوں نے اختیار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ زمینی نہ رہے تھے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، ہدایت اور مؤثر نصیحت نے ان کو آسمانی بنا دیا تھا۔ قُدسی صفات ان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ دُنیا کی خباثتوں اور ریاکاریوں سے وُہ ایسے سُبک اور ہلکے پھلکے کر دیئے گئے تھے کہ ان میں پرواز کی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ وُہ نمونہ ہے جو ہم اسلام کا دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، اسی صلاح اور ہدایت کا باعث تھا جو اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مُحمد رکھا۔ جس سے زمین پر بھی آپؐ کی ستائش ہوئی، کیونکہ آپؐ نے زمین کو امن، صلحکاری اور اخلاق فاضلہ اور نیکوکاری سے بھر دیا تھا۔

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر اخلاق ثابت ہوتے ہیں، وہ کسی اور نبی کے نہیں، کیونکہ اخلاق کے اظہار کے لیے جبتک موقع نہ ملے کوئی اخلاق ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً سخاوت ہے۔ لیکن اگر روپیہ نہ ہو، تو اس کا ظہور کیونکر ہو۔ ایسا ہی کسی کو لڑائی کا موقع نہ ملے تو شجاعت کیونکر ثابت ہو۔ ایسا ہی عفو، اس صفت کو وہ ظاہر کر سکتا ہے۔ جسے اقتدار حاصل ہو۔ غرض سب خُلق موقع سے وابستہ ہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ یہ کس قدر خدا کے فضل کی بات ہے کہ آپؐ کو تمام اخلاق کے اظہار کے موقعے ملے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ موقعہ نہیں ملے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخاوت کا موقع ملا۔ آپؐ کے پاس ایک موقع پر بہت سی بھیڑ بکریاں تھیں۔ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکری جمع ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی اس قدر نہیں۔ آپؐ نے سب کی سب اس کو بخش دیں۔ وہ اسی وقت ایمان لے آیا۔ کہ نبی کے سوا اور کوئی اس قسم کی عظیم الشان سخاوت نہیں کر سکتا۔ مکہ میں جن لوگوں نے دُکھ دیئے تھے۔ جب آپؐ نے مکہ کو فتح کیا تو آپؐ چاہتے تو سب کو ذبح کر دیتے، مگر آپؐ نے رحم کیا اور لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہدیا۔ آپؐ کا بخشنا تھا کہ سب مسلمان ہو گئے۔ اب اس قسم کے عظیم الشان اخلاق فاضلہ کیا کسی نبی میں

پاتے جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ وُہ لوگ جنھوں نے آپؐ کی ذاتِ خاص اور عزیزوں اور صحابہؓ کو سخت تکلیفیں دی تھیں اور ناقابلِ عفو ایذائیں پہنچائی تھیں۔ آپؐ نے سزا دینے کی قوت اور اقتدار کو پاکر فی الفور اُن کو بخش دیا؛ حالانکہ اگر اُن کو سزا دی جاتی، تو یہ بالکل انصاف اور عدل تھا، مگر آپؐ نے اس وقت اپنے عفو اور کرم کا نمونہ دکھایا۔ یہ وُہ اُمور تھے کہ علاوہ معجزات کے صحابہ پر مؤثر ہوتے تھے۔ اس لیے آپؐ اسم بامسمّیٰ مُحمّدؐ ہوگئے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور زمین پر آپؐ کی حمد ہوتی تھی اور اسی طرح آسمان پر بھی آپؐ کی تعریف ہوتی تھی۔ اور آسمان پر بھی آپؐ محمدؐ تھے۔ یہ نام آپؐ کا اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ کے دُنیا کو دیا ہے۔ جبتک انسان اس قسم کے اخلاق اپنے اندر پیدا نہیں کرتا، کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتا۔ جبتک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور طرزِ عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنادے؛ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۲) یعنی محبوبِ الٰہی بننے کے لیے ضروری ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے۔ سچّی اتباع آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنا ہوتا ہے، مگر افسوس ہے کہ آج کل لوگوں نے اتباع سے مراد صرف رفع یدین۔ آمین بالجہر اور رفع سبابہ ہی لے لیا ہے۔ باقی امور کو جو اخلاق فاضلہ آپؐ کے تھے۔ اُن کو چھوڑ دیا۔ یہ منافق کا کام ہے کہ آسان اور چھوٹے اُمور کو بجالاتا ہے اور مشکل کو چھوڑتا ہے۔ سچّے مومن اور مخلص مسلمان کی ترقیوں اور ایمانی درجوں کا آخری نقطہ تو یہی ہے کہ وہ سچّا متبع ہو اور آپؐ کے تمام اخلاق کو حاصل کرے جو سچائی کو قبول نہیں کرتا۔ وُہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ کروڑوں مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور مسجدیں بھی بھری ہوئی نظر آتی ہیں، مگر کوئی برکت اور ظہور ان مسجدوں کے بھرے ہوتے ہوئے سے نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ جو کیا جاتا ہے۔ محض رسُوم اور عادات کے طور پر کیا جاتا ہے۔ وہ سچّا اخلاص اور وفا جو ایمان کے حقیقی لوازم ہیں۔ ان کے ساتھ پائے نہیں جاتے۔ سب عمل ریاکاری اور نفاق کے پردوں کے اندر مخفی ہوگئے ہیں۔ جُوں جُوں انسان ان کے حالات سے واقف ہوتا جاتا ہے۔ اندر سے گند اور خبث نکلتا آتا ہے۔ مسجد سے نکل کر گھر کی تفتیش کرو تو یہ رنگ اسلام نظر آئیں گے۔ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک کوٹھا ہزار من گندم سے بھرا ہوا خالی ہوگیا۔ اگر چُوہے اس کو نہیں کھا گئے، تو وہ کہاں گیا۔ پس اسی طرح پر پچاس برس کی نمازوں کی جب برکت نہیں ہوئی۔ اگر ریا اور نفاق نے ان کو باطل اور حبط نہیں کیا، تو وہ کہاں گئیں۔ خدا کے نیک بندوں کے آثار ان میں پائے نہیں جاتے۔ ایک طبیب جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے۔ اگر وہ نسخہ اس کے لیے مفید اور کارگر نہ ہو، تو چند روز کے تجربہ کے بعد اس کو بدل دیتا ہے اور پھر تشخیص کرتا ہے لیکن ان مریضوں پر تو وہ نسخہ استعمال کیا گیا ہے جو ہمیشہ مفید اور زُود اثر ثابت ہوا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں

نے نسخہ کے استعمال میں غلطی اور بدپرہیزی کی ہے۔ یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ارکانِ اسلام میں غلطی تھی اور نماز، روزہ حج، زکوٰۃ موثر علاج نہ تھا کیونکہ اس نسخہ نے ان مریضوں کو اچھا کیا جن کی نسبت لاعلاج ہونے کا فتویٰ دیا گیا تھا۔

خودتراشیدہ وظائف

میں جانتا ہوں کہ جن لوگوں نے ان ارکان کو چھوڑ کر اور بدعتیں تراشی ہیں۔ یہ اُن کی اپنی شامتِ اعمال ہے، ورنہ قرآن شریف تو کہہ چکا تھا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ: ۴) اکمالِ دین ہو چکا تھا اور اتمامِ نعمت بھی خدا کے حضور پسندیدہ دین اسلام ٹھہر چکا تھا۔ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ خیر کی راہ چھوڑ کر اپنے طریقے ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے اور وظائف اور کافیاں پڑھنا یا اعمالِ صالحہ کے بجائے قسم قسم کے ذکر اذکار نکال لینا یہ لذتِ رُوح کے لیے نہیں ہے، بلکہ لذتِ نفس کی خاطر ہے۔ لوگوں نے لذتِ نفس اور لذتِ رُوح میں فرق نہیں کیا اور دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے، حالانکہ وہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اگر لذتِ نفس اور لذتِ رُوح ایک ہی چیز ہے تو میں پُوچھتا ہوں کہ ایک بدکار عورت کے گانے سے بدمعاشوں کو زیادہ لذت آتی ہے۔ کیا وہ اس لذتِ نفس کی وجہ سے عارف باللہ اور کامل انسان مانے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ جن لوگوں نے خلافِ شرع اور خلافِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم راہیں نکالی ہیں ان کو یہی دھوکا لگا ہے کہ وُہ نفس اور رُوح کی لذت میں کوئی فرق نہیں کر سکتے، ورنہ وُہ ان بیہودگیوں میں رُوح کی لذت اور اطمینان نہ پاتے۔ ان میں نفسِ مطمئنہ نہیں ہے جو بُلّھے شاہ کی کافیوں میں لذت کے جویاں ہیں۔ رُوح کی لذت قرآن شریف سے آتی ہے[1]۔

"اپنی شامتِ اعمال کو نہیں سوچا اُن اعمالِ خیر کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے، ترک کر دیا اور ان کی بجائے خودتراشیدہ دُرود وظائف داخل کر لیے اور چند کافیوں کا حفظ کر لینا کافی سمجھا گیا۔ بُلّھے شاہ کی کافیوں پر وجد میں آجاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کا جہاں وعظ ہو رہا ہو، وہاں بہت ہی کم لوگ جمع ہوتے ہیں، لیکن جہاں اس قسم کے مجمع ہوں وہاں ایک گروہ کثیر جمع ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کی طرف سے یہ کم رغبتی اور نفسانی اور شہوانی امور کی طرف توجہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ لذتِ رُوح اور لذتِ نفس میں ان لوگوں نے کوئی فرق نہیں سمجھا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض ان رقص و سُرود کی مجلسوں میں دانستہ پگڑیاں اُتار لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں صاحب کی مجلس میں بیٹھتے ہی وجد ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بدعتیں اور اختراعی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جنھوں نے نماز سے لذت نہیں اٹھائی اور اس ذوق سے محروم ہیں۔ وُہ رُوح کی تسلی اور اطمینان کی حالت

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۷ صفحہ ۵-۸ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۲ء

ہی کو نہیں سمجھ سکتے اور نہیں جانتے کہ وہ سرور کیا ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اس قسم کی بدعتیں مسلمان کہلا کر نکالتے ہیں، اگر روح کی خوشی اور لذت کا سامان اسی میں تھا تو چاہیے تھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو عارف ترین اور اکمل ترین انسان دنیا میں تھے، وہ بھی اسی قسم کی کوئی تعلیم دیتے۔ یا اپنے اعمال سے ہی کچھ کر دکھاتے۔ میں ان مخالفوں سے جو بڑے بڑے مشائخ اور گدی نشین اور صاحبِ سلسلہ ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ کیا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درود و وظائف اور چلہ کشیاں، اُلٹے سیدھے طلسمات بھول گئے تھے۔ اگر معرفت اور حقیقت شناسی کا یہی ذریعہ اصل تھے۔ مجھے بہت ہی تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآنِ شریف میں یہ پڑھتے ہیں۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ:۴) اور دوسری طرف اپنی ایجادوں اور بدعتوں سے اس تکمیل کو توڑ کر ناقص ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ایک طرف تو یہ ظالم طبع لوگ مجھ پر افترا کرتے ہیں کہ گویا میں ایسی مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جو صاحبِ شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا الگ نبوت ہے، مگر دوسری طرف یہ اپنے اعمال کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے کہ جھوٹی نبوت کا دعویٰ تو خود کر رہے ہیں۔ جب کہ خلافِ رسول اور خلافِ قرآن ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ اب اگر کسی کے دل میں انصاف اور خدا کا خوف ہے، تو کوئی مجھے بتائے کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور عمل پر کچھ اضافہ یا کم کرتے ہیں۔ جبکہ اسی قرآن شریف کے بموجب ہم تعلیم دیتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا امام اور حکم مانتے ہیں۔ کیا اَرّہ کا ذکر میں نے بتایا ہے اور پاس انفاس اور نفی و اثبات کے ذکر اور کیا کیا اور کیا کیا میں سکھاتا ہوں۔ پھر جھوٹی اور مستقل نبوت کا دعویٰ تو یہ لوگ خود کرتے ہیں اور الزام مجھے دیتے ہیں۔

ختمِ نبوت کی حقیقت

یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔ جبتک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ کچھ نہیں۔ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بزُہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

ہمارا مدعا جس کے لیے خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لیے خدا تعالیٰ نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو ان لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعہ قائم کی ہیں۔ ان ساری گدیوں کو دیکھ لو اور عملی طور پر مشاہدہ کرو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت پر ہم ایمان لاتے ہیں یا وہ؟

یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختمِ نبوت سے خدا تعالیٰ کا اتنا ہی منشاء قرار دیا جائے کہ مُنہ سے ہی خاتم النبیین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جو تم خود پسند کرو اور اپنی ایک الگ شریعت بنالو۔ بغدادی نماز، معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس کا کہیں پتہ لگتا ہے۔ اور ایسا ہی "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہ" کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو۔ کیا شریعتِ اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے؟ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ کیا ان باتوں کو مان کر ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ میں نے خاتم النبیین کی مُہر کو توڑا ہے۔ اصل اور سچی بات یہی ہے کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لاکر آپ کے طرزِ عمل اور نقشِ قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے، تو پھر میرے آنے ہی کیا ضرورت ہوتی۔ تمہاری اِن بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو ان جھوٹی نبوتوں کے بُت کو توڑ کر نیست و نابود کرے۔ پس اسی کام کے لیے خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ غوث علی پانی پتی کے ہاں شاکت مت کا ایک منتر رکھا ہوا ہے جس کا وظیفہ کیا جاتا ہے اور ان گدی نشینوں کو سجدہ کرنا یا ان کے مکانات کا طواف کرنا، یہ تو بالکل معمولی اور عام باتیں ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اسی لیے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں۔ ایک شخص جو کسی کا عاشق کہلاتا ہے۔ اگر اس جیسے ہزاروں اور بھی ہوں تو اس کے عشق و محبت کی خصوصیت کیا رہی۔ تو پھر اگر یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق میں فنا ہیں۔ جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو یہ کیا بات ہے کہ ہزاروں خانقاہوں اور مزاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ تو جاتے نہیں۔ مگر اجمیر اور دُوسری خانقاہوں پر ننگے سر اور ننگے پاؤں جاتے ہیں۔ پاک پٹن کی کھڑکی میں سے گذر جانا ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ کسی نے کوئی جھنڈا کھڑا کر رکھا ہے۔ کسی نے کوئی اور صُورت اختیار کر رکھی ہے۔ ان لوگوں کے عُرسوں اور میلوں کو دیکھ کر ایک سچے مُسلمان کا دل کانپ جاتا ہے کہ یہ انھوں نے کیا بنا رکھا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو اسلام کی غیرت نہ ہوتی اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران : ۲۰) خدا کا کلام نہ ہوتا اور اس نے نہ فرمایا ہوتا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) تو بیشک آج وہ حالت اسلام کی ہو گئی تھی کہ اس کے مِٹنے میں کوئی بھی شُبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور اس کی رحمت اور وعدۂ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بُروز کو پھر نازل کرے اور اس زمانہ میں آپ کی نبوت کو نئے سرے سے زندہ کر کے دکھا دے، چنانچہ اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور مجھے مامور اور مہدی بنا کر بھیجا۔

آج دو قسم کے شرک پیدا ہو گئے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کو نابود کرنے کی بیحد سعی کی ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہوتا، تو قریب تھا کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ دین کا نام و نشان مٹ جاتا، مگر چونکہ اُس نے وعدہ کیا ہوا تھا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) یہ وعدہ حفاظت چاہتا تھا کہ جب غارت گری کا موقعہ ہو، تو وُہ خبر لے۔ چوکیدار کا کام ہے کہ وُہ نقب دینے والوں کو پُوچھتے ہیں۔ اور دُوسرے جرائم والوں کو دیکھ کر اپنے منصبی فرائض عمل میں لاتے ہیں۔ اسی طرح پر آج چونکہ فتن جمع ہو گئے تھے اور اسلام کے قلعہ پر ہر قسم کے مخالف ہتھیار باندھ کر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ منہاجِ نبوۃ قائم کرے۔ یہ مواد اسلام کی مخالفت کے دراصل ایک عرصہ دراز سے پک رہے تھے اور آخر اب پھوٹ نکلے۔ جیسے ابتدا میں نُطفہ ہوتا ہے اور پھر ایک عرصہ مقررہ کے بعد بچہ بن کر نکلتا ہے۔ اسی طرح پر اسلام کی مخالفت کے بچہ کا خروج ہو چکا ہے اور اب وہ بالغ ہو کر پُورے جوش اور قوت میں ہے، اس لیے اس کو تباہ کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک حربہ نازل کیا اور اس مکروہ شرک کو جو اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا ہو گیا تھا، دُور کرنے کے لیے اور پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے کے واسطے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اور میں بڑے دعوے اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اس کو قائم کیا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنی تائیدوں اور نُصرتوں سے جو اس سلسلہ کے لیے اس نے ظاہر کی ہیں، دکھا دیا ہے۔

عادۃ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب بگاڑ حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اصلاح کے لیے کسی کو پیدا کر دیتا ہے۔ ظاہر نشان تو اس کے صاف ہیں۔ کہ صدی سے انیس ۱۹ برس گذر گئے اور اب تو بیسواں سال بھی شروع ہو گیا۔ اب دانشمند کے لیے غور کا مقام ہے کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھ گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر صدی کے سر پر مجدد کے مبعوث کرنے کا وعدہ الگ ہے۔ اور قرآن شریف اور اسلام کی حفاظت اور نُصرت کا وعدہ الگ۔ زمانہ بھی حضرت کے بعد مسیح کی آمد کے زمانہ سے پُوری مشابہت رکھتا ہے۔ جو نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موعود کے آنے کے مقرر کیے ہیں، وُہ پورے ہو چکے ہیں۔ تو پھر کیا اب تک بھی کوئی مُصلح آسمان سے نہیں آیا؟ آیا اور ضرور آیا۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق عین وقت پر آیا۔ مگر اس کی شناخت کرنے کے لیے ایمان کی آنکھ کی ضرورت ہے۔[1]

جماعت کے قیام کی غرض

"پھر عقلمند کو ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ جب وہ ان تمام اُمور کو جو بیان کیے جاتے ہیں، یکجائی نظر سے دیکھے گا۔ اب میرا مدعا اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۵ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء

منشاء اس بیان سے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اس کی تائید میں صدہا نشان اس نے ظاہر کیے ہیں۔ اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ یہ جماعت صحابہؓ کی جماعت ہو اور پھر خیر القرون کا زمانہ آجاوے۔ جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں چونکہ وہ آخرین منہم میں داخل ہوتے ہیں، اس لیے وہ جھوٹے مشاغل کے کپڑے اُتار دیں۔ اور اپنی ساری توجہ خدا تعالیٰ کی طرف کریں۔ فیج اعوج (ٹیڑھی فوج) کے دشمن ہوں۔ اسلام پر تین زمانے گذرے ہیں۔ ایک قرون ثلاثہ اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ جس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْہُمْ۔ یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں اور تیسرا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے ملحق ہے بلکہ حقیقت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ فیج اعوج کا ذکر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی فرماتے تو یہی قرآن شریف ہمارے ہاتھ میں ہے اور اٰخَرِیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ (الجمعۃ: ۴) صاف ظاہر کرتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی ہے جو صحابہ کے مشرب کے خلاف ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ اس ہزار سال کے درمیان اسلام بہت ہی مشکلات اور مصائب کا نشانہ رہا ہے۔ معدودے چند کے سوا سب نے اسلام کو چھوڑ دیا اور بہت سے فرقے معتزلہ اور اباحتی وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔

ہم کو اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ اسلام کی برکات کا نمونہ موجود نہ ہو۔ گروہ ابدال اور اولیاء اللہ جو اس درمیانی زمانہ میں گذرے ان کی تعداد اس قدر قلیل تھی کہ ان کروڑوں انسانوں کے مقابلہ میں جو صراطِ مستقیم سے بھٹک کر اسلام سے دُور جا پڑے تھے۔ کچھ بھی چیز نہ تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی آنکھ سے اس زمانہ کو دیکھا اور اس کا نام فیج اعوج رکھ دیا۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک اور گروہ کثیر کو پیدا کرے جو صحابہ کا گروہ کہلائے، مگر چونکہ خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہی ہے کہ اس کے قائم کردہ سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوا کرتی ہے اس لیے ہماری جماعت کی ترقی بھی تدریجی اور کَخُشْبٍ (کھیتی کی طرح) ہوگی۔ اور وہ مقاصد اور مطالب اس بیج کی طرح ہیں، جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ وہ مراتب اور مقاصدِ عالیہ جن پر اللہ تعالیٰ اس کو پہنچانا چاہتا ہے، ابھی بہت دُور ہیں۔ وُہ حاصل نہیں ہو سکتے ہیں، جبتک وُہ خصوصیت پیدا نہ ہو جو اس سلسلہ کے قیام سے خدا کا منشاء ہے۔ توحید کے اقرار میں بھی خاص رنگ ہو۔ تبتّل اِلی اللہ ایک خاص رنگ کا ہو۔ ذکرِ الٰہی میں خاص رنگ ہو۔ حقوقِ اخوان میں خاص رنگ ہو۔

انبیاء کی بعثت کی غرض

تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض مشترک یہی ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی سچی اور حقیقی محبت قائم کی جاوے اور بنی نوع انسان اور اخوان کے حقوق اور محبت میں ایک خاص رنگ پیدا کیا جاوے، جبتک یہ باتیں نہ ہوں تمام اُمور صرف رسمی ہوں گے۔

خدا تعالیٰ کی محبت کی بابت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن بعض اشیاء بعض سے پہچانی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک درخت کے نیچے پھل ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے اُوپر بھی ہوں گے، لیکن اگر نیچے کچھ بھی نہیں۔ تو اُوپر کی بابت کب یقین ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر بنی نوع انسان اور اپنے اخوان کے ساتھ جو یگانگت اور محبت کا رنگ ہو اور وہ اس اعتدال پر ہو جو خدا نے قائم کیا ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی محبت ہو۔ پس بنی نوع کے حقوق کی نگہداشت اور اخوان کے ساتھ تعلقات بشارت دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا رنگ بھی ضرور ہے۔

دیکھو دُنیا چند روزہ ہے اور آگے پیچھے سب مرنے والے ہیں۔ قبریں مُنہ کھولے ہوئے آوازیں مار رہی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی نوبت پر جا داخل ہوتا ہے۔ عمر ایسی بے اعتبار اور زندگی ایسی ناپائدار ہے کہ چھ ماہ اور تین ماہ تک زندہ رہنے کی امید کیسی۔ اتنی بھی امید اور یقین نہیں کہ ایک قدم کے بعد دُوسرے قدم اٹھانے تک زندہ رہیں گے یا نہیں۔ پھر جب یہ حال ہے کہ موت کی گھڑی کا علم نہیں اور یہ پکی بات ہے کہ وُہ یقینی ہے ٹلنے والی نہیں۔ تو دانشمند انسان کا فرض ہے کہ ہر وقت اُس کے لیے تیار رہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ: ۱۳۳) ہر وقت جبتک انسان خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف نہ رکھے۔ اور ان پر دو حقوق کی پُوری تکمیل نہ کرے، بات نہیں بنتی۔ جیسا کہ مَیں نے کہا ہے کہ حقوق بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دُوسرے حقوق العباد۔

اور حقوقِ عباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وُہ جو دینی بھائی ہو گئے ہیں۔ خواہ وُہ بھائی ہے یا باپ، یا بیٹا۔ مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے۔ اور ایک عام بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اُسی کی عبادت کی جاوے اور یہ عبادت کسی غرض ذاتی پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ اگر دوزخ اور بہشت نہ بھی ہوں، تب بھی اس کی عبادت کی جاوے اور اس ذاتی محبت میں جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہونی چاہیے کوئی فرق نہ آوے۔ اس لیے ان حقوق میں دوزخ اور بہشت کا سوال نہیں ہونا چاہیے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جبتک دشمن کے لیے دُعا نہ کی جاوے پُورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لیے دُعا کرو، تو قبول نہیں کروں گا۔ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے لیے دُعا کرنا یہ بھی سُنّتِ نبوی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سے مُسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے اکثر دُعا کیا کرتے تھے۔ اس لیے بُغض کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔ اور حقیقتہً موذی نہیں ہونا چاہیے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا۔ جس کے واسطے دو تین مرتبہ دُعا نہ کی ہو۔ ایک بھی ایسا

نہیں اور یہی مَیں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے اور ناحق تُخل کی راہ سے دشمنی کی جاوے، ایسا ہی بیزار ہے۔ جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔ ایک جگہ وہ فصل نہیں چاہتا اور ایک جگہ وصل نہیں چاہتا۔ یعنی بنی نوع کا باہمی فصل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل۔ اور یہ وہی راہ ہے کہ منکروں کے واسطے بھی دُعا کی جاوے۔ اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے۔ اس لیے جبتک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی۔ اُس میں اور اس کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری امر ہے کہ جو شخص ایک کے ساتھ دین کی راہ سے دوستی کرتا ہے اور اس کے عزیزوں سے کوئی ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کے ساتھ نہایت رفق اور ملائمت سے پیش آنا چاہیے اور اُن سے محبت کرنی چاہیے۔ کیونکہ خدا کی یہ شان ہے۔

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تمہیں چاہیے کہ تم ایسی قوم بنو جس کی نسبت آیا ہے فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ یعنی وہ ایسی قوم ہے کہ ان کا ہم جلیس بدبخت نہیں ہوتا۔ یہ خلاصہ ہے ایسی تعلیم کا جو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ میں پیش کی گئی ہے[1]۔

۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک عیسائی حق جُو کی گفتگو

منشی عبدالحق صاحب قصوری طالب علم بی۔ اے کلاس لاہور نے

جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے۔ الحکم اور حضرت اقدس علیہ السلام کی بعض تحریروں کو پڑھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وُہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ اللہ نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو مہینہ تک یہاں قادیان میں آکر رہیں، چنانچہ انہوں نے دارالامان کا قصد کیا۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر یہاں آپہنچے۔ پس اس عنوان کے نیچے ہم جو کچھ لکھیں گے۔ سرِدست اُنہی کے متعلق ہوگا۔

پہلی ملاقات ؛ حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعداء کی طبیعت۔ بوجہ کثرتِ کار

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۵ پرچہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۲ء

جو آجکل حضورؑ رات کے بہت بڑے حصّہ تک اس میں مصروف رہتے تھے، کیونکہ ایک طرف میگزین کے لیے مضمون ترجمہ کے واسطے دینا تھا۔ دوسری طرف المنار کے لیے موعودہ رسالہ لکھ رہے تھے۔ پھر قریباً دو سو سے زائد عظیم الشان نشانوں اور پیشگوئیوں کے نقشہ کی ترتیب کے لیے ان پیشگوئیوں اور نشانوں کو مُرتّب اور جمع کر رہے تھے۔ دو تین روز سے ناساز تھی، مگر مہمانوں اور اس نو وارد حق جو مہمان کے لیے آج آپؑ نے سیر کو تشریف لے جانے کا ارشاد فرمایا؛ چنانچہ ۹ بجے کے قریب آپؑ باہر کو تشریف لے چلے۔ باہر نکلتے ہی مُنشی عبدالحق صاحب عیسائی کو حضورؑ کے سامنے پیش کر دیا گیا اور جو کچھ گفتگو ہوئی، اُسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

حضرت اقدسؑ: "آپ کو عیسائی ہوئے کتنا عرصہ گزرا اور کیا اسباب پیش آتے تھے، جو آپ عیسائی ہو گئے؟"

مُنشی عبدالحق: "مجھے عیسائی ہوئے اس دسمبر میں تین سال ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بعض عیسائی میرے دوست تھے اور اُن سے میل ملاقات رہتی تھی اور فیروزپور میں پادری نیوٹن صاحب تھے۔ وُہ بھی بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ یہی اسباب میرے عیسائی ہونے کے ابتدا میں پیدا ہوئے تھے۔"

حضرت اقدسؑ: "یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ دو مہینے کے واسطے یہاں آ گئے۔ بظاہر یہ بات آپ کی حق جُوئی کی نشانی ہے۔"

مُنشی عبدالحق: "جناب مَیں کالج سے نام کٹوا کر آیا ہوں، رُخصت نہیں ملتی تھی۔"

حضرت اقدسؑ: "یہ تو اور بھی ہمت کا کام ہے۔ میرے نزدیک بہتر اور مناسب طریق جو آپ کے لیے مفید ہو سکتا ہے، اب یہ ہے کہ آپ اُن اعتراضات کو جو اسلام پر رکھتے ہیں اور اہم ہیں سلسلہ وار لکھ لیں اور ایک ایک کر کے پیش کریں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جواب دیتے رہیں گے اور جس جواب سے آپ کی تسلّی نہ ہو اُسے آپ بار بار پُوچھ لیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ اس سے مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ مگر ان اعتراضوں میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ ایسے ہوں کہ کُتبِ سابقہ میں اس قسم کے اعتراضوں کا نام و نشان نہ ہو؛ ورنہ تضیعِ اوقات ہی ہوگا۔ جب آپ اعتراض کر چکیں گے۔ پھر ہم آپ کو اسلام کی خُوبیاں بتائیں گے۔ کیونکہ یہ دو ہی کام ہیں۔ ایک آپ کریں اور ہمیں مدد دیں۔ دُوسرا ہم خود کریں گے۔"

اِسلام کی جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں

"تبدیلِ مذہب کے دو باعث ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا باعث وُہ جزئیات ہوتی ہیں، جن کو غلط فہمی اور غلط بیانی سے کچھ کا کچھ بنا دیا جاتا ہے اور اصُولِ مذہب کو اس کے مقابلہ میں بالکل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً اسلام کی بابت جب عیسائی لوگ کسی سے گفتگو کرتے ہیں، تو اسلامی جنگوں پر کلام کرنے لگتے ہیں؛ حالانکہ خود اُن کے گھر میں یشوع اور موسیٰ کے جنگوں کی نظیریں موجود ہیں۔ اور جب وہ اسلامی جنگوں سے کہیں بڑھ کر

موردِ اعتراض ٹھہر جاتے ہیں، کیونکہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلامی جنگ بالکل دفاعی جنگ تھے۔ اور ان میں وُہ شدّت اور سخت گیری ہرگز نہ تھی، جو موسیٰ اور یشُوع کے جنگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر وُہ یہ کہیں کہ موسیٰ اور یشُوع کی لڑائیاں عذابِ الٰہی کے رنگ میں تھیں، تو ہم کہتے ہیں کہ اسلامی جنگوں کو کیوں عذابِ الٰہی کی صُورت میں تسلیم نہیں کرتے۔ موسوی جنگوں کو کیا ترجیح ہے۔ بلکہ ان اسلامی جنگوں میں تو موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں بڑی بڑی رعایتیں دی گئی ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ چونکہ وہ لوگ نوامیسِ الٰہیہ سے ناواقف تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر موسیٰ علیہ السّلام کے مخالفوں کے مقابلہ میں بہت بڑا رحم فرمایا، کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔ پھر اسلامی جنگوں میں موسوی جنگوں کے مقابلہ میں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے خادموں کو مکّہ والوں نے برابر تیرہ سال تک خطرناک ایذائیں اور تکلیفیں دیں اور طرح طرح کے دکھ اُن ظالموں نے دیئے۔ چنانچہ ان میں سے کئی قتل کیے گئے اور بعض بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے؛ چنانچہ تاریخ پڑھنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ بیچاری عورتوں کو سخت شرمناک ایذاؤں کے ساتھ مار دیا۔ یہانتک کہ ایک عورت کو دو اُونٹوں سے باندھ دیا اور پھر ان کو مختلف جہات میں دوڑا دیا اور اس بیچاری کو چیر ڈالا۔ اس قسم کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں کو برابر تیرہ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کی پاک جماعت نے بڑے صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کیا۔ اس پر بھی اُنھوں نے اپنے ظُلم کو نہ روکا اور آخرکار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قتل کا منصُوبہ کیا گیا۔ اور جب آپؐ نے خدا تعالیٰ سے اُن کی شرارت کی اطلاع پاکر مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ پھر بھی اُنھوں نے تعاقب کیا اور آخر جب یہ لوگ پھر مدینہ پر چڑھائی کر کے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے حملہ کو روکنے کا حکم دیا، کیونکہ اب وُہ وقت آ گیا تھا کہ اہلِ مکّہ اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی پاداش میں عذابِ الٰہی کا مزہ چکھیں؛ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جو پہلے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے، تو عذابِ الٰہی سے ہلاک کیے جائیں گے۔ وُہ پُورا ہوا۔ خود قرآن شریف میں ان لڑائیوں کی یہ وجہ صاف لکھی ہے۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ (الحج ۴۰-۴۱) یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ جن کے قتل کے لیے مخالفوں نے چڑھائی کی (اس لیے اجازت دی گئی) کہ ان پر ظُلم ہوا۔ اور خدا تعالیٰ مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وُہ مظلُوم ہیں جو ناحق اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ یہ وُہ آیت ہے جس سے اسلامی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر جس قدر رعایتیں اسلامی جنگوں میں دیکھو گے۔ ممکن نہیں کہ مُوسوی یا یشُوعی لڑائیوں میں اس کی نظیر مل سکے۔ موسوی لڑائیوں میں لاکھوں بیگناہ بچّوں کا مارا جانا، بوڑھوں اور عورتوں کا قتل، باغات اور درختوں کا جلا کر خاک سیاہ کر دینا، توراۃ سے ثابت ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے باوصفیکہ ان شریروں سے

وہ سختیاں اور تکلیفیں دیکھی تھیں جو پہلے کسی نے نہ دیکھی تھیں۔ پھر ان دفاعی جنگوں میں بھی بچوں کو قتل نہ کرنے، عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارنے، راہبوں سے تعلق نہ رکھنے اور کھیتوں اور ثمردار درختوں کو نہ جلانے اور عبادتگاہوں کے مسمار نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اب مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کس کا پلہ بھاری ہے۔

غرض یہ ہیہودہ اعتراض ہیں۔ اگر انسان فطرتِ سلیمہ رکھتا ہو تو وہ مقابلہ کر کے خود حق پا سکتا ہے۔ کیا موسیٰؑ کے زمانہ میں اور خدا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور۔ اسرائیلی نبیوں کے زمانہ میں جیسے شریر اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بھی حد سے نکل گئے تھے۔ پس اسی خدا نے جو رؤف و رحیم بھی ہے۔ پھر شریروں کے لیے اس میں غضب بھی ہے، اُن کو ان جنگوں کے ذریعے جو خود اُنھوں نے ہی پیدا کی تھیں، سزا دے دی۔ لوطؑ کی قوم سے کیا سلوک ہوا۔ نوحؑ کے مخالفوں کا کیا انجام ہوا۔ پھر مکہ والوں کو اگر اس رنگ میں سزا دی، تو کیوں اعتراض کرتے ہو۔ کیا کوئی عذاب مخصوص ہے کہ طاعون ہی ہو یا پتھر برسائے جائیں۔ خدا جس طرح چاہے عذاب دے دے۔

سُنّتِ قدیمہ اس طرح پر جاری رہی ہے۔ اگر کوئی ناعاقبت اندیش اعتراض کرے، تو اُسے موسیٰؑ کے زمانہ اور جنگوں پر اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ نبی کریمؐ کے زمانہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ آجکل عقل کا زمانہ ہے اور اب یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھ سکتے، کیونکہ جب کوئی مذاہب سے الگ ہو کر دیکھے گا، تو اُسے صاف نظر آجائے گا کہ اسلامی جنگوں میں اوّل سے آخر تک دفاعی رنگ مقصود ہے اور ہر قسم کی رعائتیں روا رکھی ہیں، جو موسیٰؑ اور یشوع کی لڑائیوں میں نہیں ہیں۔ ایک آریہ کی کتاب میری نظر سے گذری۔ اس نے موسوی لڑائیوں پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں، مگر اسلامی جنگوں پر اسے کوئی موقع نہیں ملا۔ مجھ سے جب کوئی آریہ یا ہندو اسلامی جنگوں کی نسبت دریافت کرتا ہے۔ تو اُسے میں نرمی اور ملاطفت سے یہی سمجھاتا ہوں کہ جو مارے گئے وُہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے۔ جب اُن کے مظالم کی انتہا ہو گئی تو آخر اُن کو سزا دی گئی اور ان کے حملوں کو روکا گیا۔

مجھے پادریوں کے سمجھانے اور اُن سے سمجھنے والوں پر سخت افسوس ہے کہ وہ اپنے گھر میں موسیٰؑ کی لڑائیوں پر تو غور نہیں کرتے اور اسلامی جنگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں اور سمجھنے والے اپنی سادہ لوحی سے اُسے مان لیتے ہیں۔ اگر غور کیا جاوے، تو موسوی جنگوں کا اعتراض حضرت مسیحؑ پر بھی آتا ہے، کیونکہ وہ توریت کو مانتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کو خدا کا نبی تسلیم کرتے تھے۔ اگر وہ ان جنگوں اور ان بچوں اور عورتوں کے قتل پر راضی نہ تھے، تو انھوں نے اُسے کیوں مانا۔ گویا وہ لڑائیاں خود مسیح نے کیں اور ان بچوں اور عورتوں کو خود مسیح نے ہی قتل کیا۔

اور اصل یہ ہے کہ خود مسیح علیہ السلام کو لڑائیوں کا موقع ہی نہیں ملا؛ ورنہ وہ کم نہ تھے۔ انہوں نے تو اپنے

شاگردوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑے بیچ کر تلواریں خریدیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ اگر قرآن شریف ہماری رہنمائی نہ کرتا، تو ان نبیوں پر سے امان اُٹھ جاتا۔ قرآن شریف کا احسان ہے تمام نبیوں پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ اُنہوں نے آکر ان سب کو اس الزام سے بَری کر دکھایا۔

قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو، تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کی یہی تعلیم ہے کہ کسی سے تعرض نہ کرو۔ جنھوں نے سبقت نہیں کی اُن سے احسان کرو اور ابتداء کرنیوالوں اور ظالموں کے مقابلہ میں بھی دفاع کا لحاظ رکھو۔ حَد سے نہ بڑھو۔ اسلام کی ابتداء میں ایسی مشکلات درپیش تھیں کہ ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک کے مسلمان ہونے پر مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے تھے اور ہزاروں فتنے بپا ہوتے تھے اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس امن عامّہ کے قیام کے لیے مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر ہندو اس پر اعتراض کرتے تو کچھ تعجب اور افسوس کی جا نہ تھی، مگر خود جن کے گھر میں اس سے بڑھ کر اعتراض آتا ہے۔ اُن کو اعتراض کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے اس قسم کے اعتراض کرنے میں بڑا ظلم کیا ہے۔ کیا ان میں ایسا ہی ایمان ہے۔ پھر منجملہ اور جزئیات کے غلامی کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ قرآن شریف نے غلاموں کے آزاد کرنے کی تعلیم دی ہے اور تاکید کی ہے اور جو اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اس قسم کے جُزئیات کو یہ لوگ محلِ اعتراض ٹھہرا کر ناواقف لوگ اور آزاد طبع نوجوانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پس آپ کو مناسب ہے کہ آپ اعتراض کرتے وقت اس امر کا بڑا بھاری لحاظ کریں کہ اسے گناہ اور محلِ اعتراض ٹھہرائیں جو خدا نے گناہ قرار دیا ہو، نہ وہ جو کہ پادری تجویز کریں۔ مَیں سولہ سترہ سال کی عمر سے ان سے ملتا تھا۔ مگر اس نُور کی وجہ سے جو خدا نے مجھے دیا تھا میں ہمیشہ سمجھ لیتا تھا کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں۔[1]"

تعدّدِ ازدواج

"اسی طرح پر تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر اعتراض کر دیتے ہیں، مگر مجھے سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان نادانوں نے یہ اعتراض کرتے وقت اس بات پر ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ اس کا اثر خود اُن کے خداوند پر کیا پڑتا ہے۔ مجھے سخت رنج آتا ہے جب مَیں دیکھتا ہوں کہ پادریوں کے اس اعتراض نے حضرت عیسیٰؑ پر سخت حملہ کیا ہے۔ کیونکہ جس کے گھر میں حضرت مریمؑ گئی تھیں۔ اس کے پہلے بیوی تھی۔ پھر یہ اولاد کیسی قرار دی جائے گی۔ علاوہ ازیں جبکہ مریمؑ نے اور اس کی ماں نے یہ عہد خدا کے حضور کیا ہوا تھا کہ اس کا نکاح نہ کروں گی پھر وہ کیا آفت اور مشکل پیش آئی تھی جو نکاح کر دیا۔ بہتر ہوتا کہ رُوح القدس کا بچہ مقدس ہیکل میں ہی جنتی۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے گھر میں نگاہ نہیں کی۔ ورنہ اس قوم کا فرض تھا کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے والے یہی ہوتے۔ کیونکہ ان کے ہاں نظائر

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۴ تا ۶ پرچہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۲ء

موجود تھے، مگر جیسے اس وقت کو اُنھوں نے کھو دیا۔ آج بھی یہ مسیح موعود کو قبول نہیں کرتے، حالانکہ ایلیا کا قصہ اُن میں موجود ہے اور اسی پر مسیح کی صداقت کا سارا معیار ہے۔ اگر مسیح واقعی مُردوں کو زندہ کرتے تھے، تو کیوں پھُونک مار کر ایلیا کو زندہ نہ کر دیا، یہُود ابتلا سے بچ جاتے اور خود مسیح کو بھی ان تکالیف اور شکلات کا سامنا نہ ہوتا، جو ایلیا کی تاویل سے پیش آئیں۔ ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ وہ اس میں صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مسیحؑ کے انکار کا سوال کرے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دیں گے۔ کہ کیا اس میں نہیں لکھا کہ مسیحؑ سے پہلے ایلیا آئے گا۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ یُوحنّا آئے گا۔ اس پر اس نے بڑی بحث کی ہے۔ اور پھر لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ہم سچے ہیں یا نہیں۔ الغرض اس قسم کی جُزئیات کو یہ لوگ بدنما صورت میں پیش کر کے دھوکا دیتے ہیں۔ آپ اپنے اعتراضوں کے انتخاب میں ان اُمور کو مدِنظر رکھیں جو میں نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔

دین کا معاملہ بہت بڑا اہم اور نازک معاملہ ہے اس میں بہت بڑی فکر اور غور کی ضرورت ہے۔ اس میں وُہ پہلو اختیار کرنا چاہیے، جو مُشترک اُمّت کا ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی ایسی بات قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی، جس کے نظائر موجود نہ ہوں۔ مثلاً ایک شخص کہے کہ ایک صندوق میں ایک ہزار روپیہ رکھا تھا اور وُہ جادُو کے ذریعہ ہوا ہو کر اُڑ گیا، تو اُسے کون مانے گا۔ اسی طرح پر عیسائیوں کے معتقدات کا حال ہے۔ آپ اپنے اعتراض مرتب کر کے پیش کریں اور انشاء اللہ ہم جواب دیں گے۔"

تثلیث اور کفّارہ

منشی عبدالحق صاحب: "اگر آپ تثلیث اور کفّارہ کو توڑ کر دکھا دیں گے، تو میں شاید اور کچھ نہ پوچھوں گا۔"

حضرت مسیح موعودؑ: "تثلیث اور کفّارہ کی تردید کے دلائل تو ہم انشاء اللہ اتنے بیان کریں گے کہ جو ان کے ابطال کے لیے کافی سے بڑھ کر ہوں گے، مگر میری رائے میں جو ترتیب مَیں نے آپ کو اشارہ کی ہے۔ اس پر چلنے سے بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ اس وقت میں غلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن میں مختصر اور اشارہ کے طور پر اتنا کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت تین قومیں یہود، مسلمان اور عیسائی موجود ہیں۔ ان میں سے یہود اور مسلمان بالاتفاق توحید پر ایمان لاتے ہیں، لیکن عیسائی تثلیث کے قائل ہیں۔ اب ہم عیسائیوں سے پُوچھتے ہیں کہ اگر واقعی تثلیث کی تعلیم حق تھی۔ اور نجات کا یہی اصل ذریعہ تھا تو پھر کیا اندھیر مچا ہوا ہے کہ توریت میں اس تعلیم کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہودیوں کے اظہار لے کر دیکھ لو۔ اس کے سوا ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ کہ یہودیوں کے مختلف فرقے ہیں اور بہت سی باتوں میں اُن میں باہم اختلاف ہے، لیکن توحید کے اقرار میں ذرا بھی اختلاف

نہیں۔ اگر تثلیث واقعی مدارِ نجات تھی تو کیا سارے کے سارے فرقے ہی اس کو فراموش کر دیتے اور ایک آدھ فرقہ بھی اس پر قائم نہ رہتا۔ کیا یہ تعجب خیز امر نہ ہوگا کہ ایک عظیم الشان قوم جس میں ہزاروں ہزار فاضل ہر زمانہ میں موجود رہے اور برابر مسیح علیہ السلام کے وقت تک جن میں نبی آتے رہے، ان کو ایسی تعلیم سے بالکل بے خبری ہو جاوے جو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت انہیں ملی ہو اور مدارِ نجات بھی وہی ہو۔ یہ بالکل خلافِ قیاس اور بے ہودہ بات ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ خود تراشیدہ عقیدہ ہے۔ نبیوں کے صحیفوں میں اس کا کوئی پتہ نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ یہ حق کے خلاف ہے۔ پس یہودیوں میں توحید پر اتفاق ہونا اور تثلیث پر کسی ایک کا بھی قائم نہ ہونا صریح دلیل اس امر کی ہے کہ یہ باطل ہے؛ حالانکہ خود عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں بھی تثلیث کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے اور یونی ٹیرین فرقہ ابتک موجود ہے۔ میں نے ایک یہودی سے دریافت کیا تھا کہ توریت میں کہیں تثلیث کا بھی ذکر ہے اور یا تمہارے تعامل میں کہیں اس کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اس نے صاف اقرار کیا کہ ہرگز نہیں۔ ہماری توحید وہی ہے، جو قرآن مجید میں ہے اور کوئی فرقہ ہمارا تثلیث کا قائل نہیں۔ اس نے یہ کہا کہ اگر تثلیث پر مدارِ نجات ہوتا، تو ہمیں جو توریت کے حکموں کو چوکھٹوں اور آستینوں پر لکھنے کا حکم تھا، کہیں تثلیث کے لکھنے کا بھی ہوتا۔ پھر دوسری دلیل اس کے ابطال پر یہ ہے کہ باطنی شریعت میں اس کے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے۔ باطنی شریعت بجائے خود توحید چاہتی ہے۔ پادری قدّر صاحب نے اپنی کتابوں میں اعتراف کر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے جزیرہ میں رہتا ہو، جہاں تثلیث نہیں پہنچی اس سے توحید ہی کا مطالبہ ہوگا، نہ تثلیث کا۔ پس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باطنی شریعت توحید کو چاہتی ہے، نہ تثلیث کو۔ کیونکہ تثلیث اگر فطرت میں ہوتی تو سوال اس کا ہونا چاہیے تھا۔

پھر تیسری دلیل اس کے ابطال پر یہ ہے کہ جس قدر عناصر خدا تعالیٰ نے بناتے ہیں، وہ سب کُروی ہیں۔ پانی کا قطرہ دیکھو۔ اجرامِ سماوی کو دیکھو، زمین کو دیکھو۔ یہ اس لیے کہ کُرویت میں ایک وحدت ہوتی ہے۔ پس اگر خدا میں تثلیث تھی تو چاہیے تھا کہ مثلث نما اشیاء ہوتیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ بارِ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے۔ جو تثلیث کا قائل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے دلائل دے۔ ہم جو کچھ توحید کے متعلق یہودیوں کا تعامل باوجود اختلاف فرقوں کے اور باطنی شریعت میں اس کا اثر ہونا اور قانون قدرت میں اُن کی نظیر کا ملنا بتاتے ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد اگر کوئی تقویٰ سے کام لے تو وہ سمجھ لے گا کہ تثلیث پر جس قدر زور دیا گیا ہے وہ صریح ظلم ہے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کبھی غیر تسلی کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ اس لیے پگڈنڈیوں کے بجائے شاہراہ پر چلنے والے سب سے زیادہ ہوتے ہیں اور اس پر چلنے والوں کے لیے کسی قسم کا خوف و

خطرہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ کی شہادت قوی ہوتی ہے۔ پس جب دنیا میں یہ ایک روزمشاہدہ میں آئی بات ہے۔ پھر آخرت کی راہ قبول کرنے میں انسان کیوں غیر تسلی کی راہ اختیار کرے جس کے لیے کوئی کافی اور معتبر اور سب سے بڑھ کر زندہ شہادت موجود نہ ہو۔ اس وقت دُنیا میں ہزاروں راہیں نکالی گئی ہیں، مگر سیدھا اور مبارک وہی ہے جو دُنیا کے لالچوں کو چھوڑ کر محض خدا کے لیے فقر و فاقہ اختیار کر کے خدائی راہ پر چلنے کی تلاش میں نکلے اور جو خلوصِ نیت سے اُسے ڈھونڈتا ہے وہ اس کو پالیتا ہے۔"

کسرِ صلیب

عیسائی مذہب کے استیصال کے لیے ہمارے پاس تو ایک دریا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ یہ طلسم ٹوٹ جاوے اور وہ بُت جو صلیب کا بنایا گیا ہے گر پڑے۔

اور اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے مبعوث نہ بھی فرماتا تب بھی زمانہ نے ایسے حالات اور اسباب پیدا کر دیئے تھے کہ عیسائیت کا پول کھل جاتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی غیرت اور جلال کے یہ صریح خلاف ہے کہ ایک عورت کا بچہ خدا بنایا جاتا جو انسانی حوائج اور لوازم بشریہ سے کچھ بھی استثناء اپنے اندر نہیں رکھتا۔

مَیں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مَیں نے کامل تحقیقات کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا۔ اصل یہ ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتار لیا گیا تھا اور وہاں سے بچ کر وہ کشمیر میں چلا آیا۔ جہاں اس نے ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی اور اب تک اس کی قبر خانیار کے محلہ میں یُوزآسف یا شہزادہ نبی کے نام سے مشہور ہے۔

اور یہ بات ایسی نہیں ہے جو محکم اور مستحکم دلائل کی بنا پر نہ ہو بلکہ صلیب کے جو واقعات انجیل میں لکھے ہیں خود ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ سب سے اوّل یہ ہے کہ خود مسیحؑ نے اپنی مثال یُونسؑ سے دی ہے۔ کیا یُونسؑ مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوئے تھے یا مر کر اور پھر یہ کہ پیلاطُوس کی بیوی نے ایک ہولناک خواب دیکھا تھا جس کی اطلاع پیلاطُوس کو بھی اس نے کر دی اور وہ اس فکر میں ہو گیا کہ اُس کو بچایا جاوے اور اسی لیے پیلاطُوس نے مختلف پیرایوں میں مسیح کے چھوڑ دینے کی کوشش کی اور آخر کار اپنے ہاتھ دھو کر ثابت کیا کہ مَیں اس سے بَری ہوں اور پھر جب یہودی کسی طرح ماننے والے نظر نہ آئے تو یہ کوشش کی گئی کہ جمعہ کے دن بعد عصر آپؑ کو صلیب دی گئی اور چونکہ صلیب پر بھوک پیاس اور دُھوپ وغیرہ کی شدّت سے کئی دن رہ کر مصلُوب انسان مرجایا کرتا تھا، وہ موقع مسیح کو پیش نہ آیا، کیونکہ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا کہ جمعہ کے دن غروب ہونے سے پہلے اُسے صلیب پر سے نہ اُتار لیا جاتا۔ کیونکہ یہودیوں کی شریعت کی رُو سے یہ سخت گناہ تھا کہ کوئی شخص سبت یا سبت سے پہلے رات صلیب پر رہے۔ مسیح چونکہ جمعہ کی آخری گھڑی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ اس لیے بعض واقعات آندھی وغیرہ کے پیش آجانے سے فی الفور

اُتار لیا گیا۔ پھر دو چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان کی ہڈیاں تو توڑ دی گئی تھیں، مگر مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئی تھیں۔

پھر مسیح کی لاش ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دی گئی جو مسیح کا شاگرد تھا اور اصل تو یہ ہے کہ خود پیلاطوس اور اس کی بیوی بھی اس کی مُرید تھی؛ چنانچہ پیلاطوس کو عیسائی شہیدوں میں لکھا ہے اور اس کی بیوی کو ولیہ قرار دیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر مرہم عیسیٰ کا نسخہ ہے، جس کو مسلمان، یہودی، رُومی اور عیسائی اور مجوسی طبیبوں نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہ مسیح کے زخموں کے لیے تیار ہوا تھا اور اس کا نام مرہم عیسیٰ، مرہم حواریین اور مرہم رسل اور مرہم شلیخا وغیرہ بھی رکھا۔ کم از کم ہزار کتاب میں یہ نسخہ موجود ہے اور یہ کوئی عیسائی ثابت نہیں کر سکتا کہ صلیبی زخموں کے سوا اور بھی کوئی زخم مسیح کو لگے تھے۔ اور اس وقت حواری بھی موجود تھے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ تمام اسباب اگر ایک جا جمع کیے جاویں، تو صاف شہادت نہیں دیتے کہ مسیح صلیب پر سے زندہ بچ کر اتر آیا تھا۔ اس پر اس وقت ہم کو کوئی لمبی بحث نہیں کرنی ہے۔ یہودیوں کے جو فرقے متفرق ہو کر افغانستان یا کشمیر میں آ گئے تھے، وُہ ان کی تلاش میں اِدھر چلے آئے اور پھر آخر کشمیر ہی میں اُنھوں نے وفات پائی۔ اور یہ بات انگریز محققوں نے بھی مان لی ہے کہ کشمیری دراصل بنی اسرائیل ہیں؛ چنانچہ برنیر نے اپنے سفرنامہ میں یہی لکھا ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہوتا ہے اور واقعاتِ صحیحہ کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرے، بلکہ زندہ اُتر آئے، تو پھر کفارہ کا کیا باقی رہا۔

پھر سب سے عجیب تر یہ بات ہے کہ عیسائی جس عورت کی شہادت پر مسیح کو آسمان پر چڑھاتے ہیں وہ خود ایک اچھے اور شریف چال چلن کی عورت نہ تھی۔[1]"

تلاشِ حق کے آداب

"یاد رکھو کہ ایک فعل انسان کی طرف سے اوّلاً سرزد ہوتا ہے۔ پھر اس میں جو اثر یا خاصیت مخفی ہو۔ خدا تعالیٰ کا ایک فعل اس پر مترتب ہو کر اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ مثلاً جب ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکی کو بند کر لیتے ہیں، تو یہ ہمارا فعل ہے اور اس پر خدا تعالیٰ کا فعل یہ سرزد ہوتا ہے کہ اس کوٹھڑی میں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت بند ہو کر تاریکی ہو جائے گی۔ پس یہ ایک عادت اللہ اور قدیم سے اسی طرح پر چلی آتی ہے اور اس میں کوئی تغیر تبدّل نہیں ہو سکتا ہے کہ انسانی فعل پر خدا کی طرف سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جیسے یہ نظام ظاہری ہے۔ اندرونی انتظام میں بھی یہی قانون ہے جو شخص صاف دل ہو کر تلاشِ حق کرتا ہے اور اگر کچھ نہیں تو کم از کم سلب عقائد ہی کی حالت میں آتا ہے تو وہ سچائی کو

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء

ضرور پالیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے دل میں پہلے سے ایک بات کا فیصلہ کر لیتا ہے اور ضد اور تعصب کے حلقوں میں گرفتار دل لے کر آتا ہے، تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس کا معاندانہ جوش بڑھ کر فطرت کے انوار کو دبا لیتا ہے اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی توفیق نہیں پاتا۔ پس خدا تعالیٰ سے پاکیزگی اور ہدایت کے پانے کے لیے خود بھی اپنے اندر ایک پاکیزگی کو پیدا کرنا چاہیئے اور وہ یہی ہے کہ انسان بخل اور تعصب کو چھوڑ دے اور اپنے نفس کو ہرگز دھوکا نہ دے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ جو شخص تلاش حق کا دعویٰ کر کے نکلتا ہے اور پھر اپنی جگہ پہلے ہی کسی مذہب کے اصول کو فیصلہ کر کے قطعی بھی قرار دے لیتا ہے، وہ دُنیا کا طالب ہوتا ہے۔ جو دُنیا کی فتح و شکست پر مرتا ہے۔ مَیں اس بات کا قائل نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کو مانتا ہے۔ نہیں میرے نزدیک وُہ دہریہ ہے۔ پاک دل جو کسی کی زجر و توبیخ کی پروا نہیں کرتا اور جو اقرار کر لینے میں ندامت اور شرمساری نہیں پاتا۔ وہی ہوتا ہے جو حق کو پالیتا ہے۔ ایسے ہی دل پر خدا کے انوار نازل ہوتے ہیں۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو ضائع نہیں کرتا جو اس کی جستجو میں قدم رکھتا ہے۔ وُہ یقیناً ہے اور جیسے ہمیشہ سے اس نے اَنَا الْمَوْجُود کہا ہے اب بھی کہتا ہے۔ جس طرح پر حضرت مسیحؑ پر وحی ہوتی تھی، اسی طرح اب بھی ہوتی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں یہ نرا دعویٰ نہیں اس کے ساتھ روشن دلائل ہیں کہ پہلے کیا تھا جو اَب نہیں۔ اب بھی وہی خدا ہے جو سدا سے کلام کرتا چلا آیا ہے، اس نے اب بھی دُنیا کو اپنے کلام سے منوّر کیا ہے۔"

کفّارہ

ایک اور ضروری بات ہے جو مَیں کہنی چاہتا ہوں اور وہ کفّارہ کے متعلق ہے۔ کفّارہ کی اصل غرض تو یہی بتائی جاتی ہے کہ نجات حاصل ہو اور نجات دُوسرے الفاظ میں گناہ کی زندگی اور اس کی موت سے بچ جانے کا نام ہے، مگر مَیں آپ ہی سے پُوچھتا ہوں کہ خدا کے لیے انصاف کر کے بتاؤ کہ گناہ کو کسی کی خودکُشی سے فلسفیانہ طور پر کیا تعلق ہے۔ اگر مسیح نے نجات کا مفہوم یہی سمجھا اور گناہوں سے بچانے کا یہی طریق انہیں سُوجھا، تو پھر نعوذ باللہ ہم ایسے آدمی کو تو رسُول بھی نہیں مان سکتے کیونکہ اس سے گُناہ رُک نہیں سکتے۔ آپ کو یورپ کے حالات اور لنڈن اور پیرس کے واقعات اچھی طرح معلوم ہوں گے۔ بتاؤ کونسا پہلو گناہ کا ہے جو نہیں ہوتا۔ سب سے بڑھ کر زنا تورات میں لکھا ہے، مگر دیکھو کہ یہ سیلاب کس زور سے ان قوموں میں آیا ہے جن کا یقین ہے کہ مسیح ہمارے لیے مرا۔ اس خودکشی کے طریق سے تو بہتر یہ تھا کہ مسیح دُعا کرتا کہ اور بھی عمر ملے تاکہ وہ نصیحت اور وعظ ہی کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا۔ مگر یہ سُوجھی تو کیا سُوجھی ؟۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے جو مَیں نے پیش کی تھی اور اب تک کسی عیسائی نے اس کا جواب نہیں دیا اور وہ یہ ہے کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا۔ اب لعنت کے معنوں کے لیے عبرانی یا عربی کے

لغات نکال کر دیکھ لو کہ ملعُون کسے کہتے ہیں۔ لعنت کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ لعین شیطان کا نام ہے اور ملعون وہ شخص ہوتا ہے جس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور وہ خدا سے دُور ہو۔ اب عیسائیوں نے بالاتفاق اپنے عقیدہ میں داخل کر لیا ہے کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا؛ چنانچہ تین دن کے لیے اسے ہاویہ میں بھی رکھتے ہیں۔ اب یہ لعنتی قربانی جو ان کے عقیدہ کے موافق ہوئی۔ نجات سے کیا تعلق اس کا ہوا۔

غرض جس قدر اس پر غور کرتے جائیں گے، اسی قدر اس کی حقیقت کھلتی جائے گی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اصل میں مسیح کے متعلق عیسائیوں اور یہودیوں دونوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ عیسائیوں نے تو یہانتک افراط کی ایک عاجز انسان کو جو ایک ضعیفہ عورت کے پیٹ سے عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا خدا بنالیا۔ اور پھر گرایا بھی تو یہانتک کہ اسے ملعون بنایا اور ہاویہ میں گرایا۔ یہودیوں نے تفریط کی یہانتک کہ معاذ اللہ اسے ولد الزنا قرار دیا اور بعض انگریزوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا اور سارا الزام حضرت مریمؑ پر لگایا۔ مگر قرآن شریف نے آکر دونوں قوموں کی غلطیوں کی اصلاح کی۔ عیسائیوں کو بتایا کہ وہ خدا کا رسُول تھا۔ خدا نہ تھا۔ اور وہ ملعُون نہ تھا۔ مرفُوع تھا۔ اور یہودیوں کو بتایا کہ وہ ولد الزنا نہ تھا بلکہ مریمؑ صدیقہ عورت تھی۔ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کی وجہ سے اس میں نفخِ رُوح ہوا تھا۔ یہی افراط و تفریط اس زمانہ میں بھی ہوئی ہے اور خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ میں ان کی اصل عزت کو قائم کروں۔ مسلمان ناواقفی سے انہیں انسانی صفات سے بڑھ کر قرار دینے میں غلطی کرتے ہیں اور ان کی موت کے راز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ عیسائی مصلوب قرار دے کر ملعُون بناتے ہیں۔ پس اب وقت آیا ہے کہ مسیحؑ کے سر پر سے وہ الزام دُور کیے جاویں جو ایک بار محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور کیے تھے۔ پس اسلام کا کس قدر احسان مسیح پر ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان باتوں پر پورا غور کریں گے۔ میں آپ کو بار بار یہی کہتا ہوں کہ جبتک آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہ آوے اسے آپ بار بار پوچھیں، ورنہ یہ اچھا طریق نہیں ہے کہ ایک بات کو آپ سمجھیں نہیں اور کہدیں کہ ہاں سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ سراج الدین جو یہاں آیا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اس نے آپ کو کچھ کہا تھا۔

منشی عبدالحق صاحب: "ہاں وہ مجھے منع کرتے تھے کہ وہاں مت جاؤ کچھ ضرورت نہیں ہے جب ہم نے ایک سچائی کو پالیا پھر کیا ضرورت ہے کہ اور تلاش کرتے پھریں اور یہ بھی انہوں نے کہا تھا کہ جب میں آیا تھا تو وہ مجھے تین میل تک چھوڑنے آئے تھے اور پسینہ آیا ہوا تھا۔

(ایڈیٹر) سلیم الفطرت لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی شفقت اور ہمدردی پر غور کریں اور اس جوش کا اندازہ کریں جو اس کی فطرت میں کسی رُوح کو بچا لینے کے لیے ہے۔ کیا تین میل تک جانا محض ہمدردی ہی کیلئے نہ تھا۔ ورنہ میاں سراج الدین سے کیا غرض تھی۔ اگر فطرت سلیم ہو تو آپ کے اس جوشِ ہمدردی ہی سے حق

کا پتہ پالے۔ ہمارے لیے ایسا سچا جوش رکھنے والے تجھ پر خدا کا سلام۔ سلامت بر تو اے مرد سلامت)

حضرت مسیح موعودؑ: "اس پر سینہ سے اس نے یہ مُراد لی کہ گویا جواب نہیں آیا۔ افسوس! آپ اس سے پُوچھتے تو سہی کہ پھر وہ یہاں رہ کر نمازیں کیوں پڑھتا تھا اور کیا اس نے نہیں کہا تھا کہ میری تسلی ہوگئی۔ میرے سامنے ہو تو مَیں اس کو حلف دے کر پُوچھوں۔ سامنے ہونے سے کچھ تو شرم آجاتی ہے۔"

منشی عبدالحق: "مَیں نے نمازوں کا حال پُوچھا تھا۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ ہاں مَیں پڑھا کرتا تھا اور آخر مَیں نے کہہ دیا تھا کہ مَیں کسی سرد مقام پر جاکر فیصلہ کروں گا۔ اور یہ بھی مسٹر سراج الدین نے کہا تھا کہ مرزا صاحب شہرت پسند ہیں۔ مَیں نے چار سوال پُوچھے تھے، ان کا جواب چھاپ دیا۔"

حضرت اقدسؑ: "اس میں تو شہرت پسندی کی کوئی بات نہیں۔ ہم کیوں حق کو چھپاتے۔ اگر چھپاتے تو گنہگار ٹھہرتے اور معصیت ہوتی۔ خدا نے جب مجھے مامور کرکے بھیجا ہے۔ تو پھر مَیں حق کا اظہار کروں گا اور جو کام میرے سپرد ہوا ہے، اسے مخلوق کو پہنچاؤں گا اور اس بات کی مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی شہرت پسند کہے یا کچھ اور۔ آپ اُن کو پھر خط لکھیں کہ وُہ یہاں کچھ دن اور رہ جاویں۔"

(الغرض ان باتوں میں آپ مکان کے قریب پہنچ گئے اور اس وقت حضرت اقدسؑ نے منشی عبدالحق صاحب کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان آرام وہی پا سکتا ہے جو بے تکلف ہو۔ پس آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو۔ مجھے بلا تکلف کہہ دیں۔ پھر جماعت کو مخاطب کرکے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے اور کوشش کرتا رہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔)[1]

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

مامُور من اللہ کا نشان

حضرت مسیح موعودؑ: "مامُور اگر ان اُمور کی جو اس پر کھولے جاتے ہیں، اشاعت نہ کرے، تو مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وُہ مخلوق پر ظلم کرتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے سپرد کردہ فرض کو انجام نہیں دیتا۔ مامُور کا ایک یہ بھی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۲ء

نشان ہے کہ وہ اشاعتِ حق سے نہیں رُکتا اور ہمیں افسوس ہوتا ہے جب انجیل میں ایسے فقرات دیکھتے ہیں جن میں مسیح اپنے آپ کو چھپانے اور کسی پر ظاہر نہ کرنے کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دیتا ہے۔ مامُور من اللہ میں ایک شجاعت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ کبھی بھی اپنے پیغام پہنچانے اور اشاعتِ حق میں نہیں ڈرتا۔ شہادت حقہ کا چھپانا سخت گُناہ ہے۔ پس مَیں کیونکر اس حقیقت کو چھپا سکتا ہوں۔ جو خدا نے مجھ پر کھولی ہے۔ میرے نزدیک یہ طریق بہت ہی مناسب ہے جو یہ اس طرح پر مرتّب ہو جایا کرے۔ آپ نے اب دوبارہ سُن لیا ہے۔ اس پر غور کریں اور جو کچھ آپ کو شک باقی ہو بیشک پُوچھ لیں۔"

مسٹر عبدالحق: "مَیں اس پر مزید غور کروں گا۔"

حضرت مسیح موعودؑ: "مَیں آپ کی اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ جلدی نہیں کی۔ آپ بیشک چار پانچ روز تک اس پر کافی غور کر لیں۔"

مسٹر عبدالحق: "مَیں نے آج ایک سوال قرآن شریف کی ضرورت پر سوچا تھا، مگر وُہ اس تقریر میں آچکا۔ مَیں ایک یہ سوال بھی پُوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجیل میں تحریف ہو گئی ہے۔ اگر کوئی یہ پُوچھے کہ اصل کہاں ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟"

حضرت مسیح موعودؑ: "یہ سوال آپ کا ایک نیا سوال ہے اور پہلے سوالوں سے الگ ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تداخل نہ ہو۔ مَیں اس سوال کا جواب بیان کروں گا، مگر اوّل مناسب یہی ہے کہ آپ اپنے سوالوں کے جواب پر غور کر کے اور جو کچھ ان کے متعلق پُوچھنا ہو پُوچھ لیں۔ سو جب وُہ طے ہو جائیں، پھر مَیں آپ کے اس سوال کا جواب دُوں گا۔ مگر تداخل کو مَیں مناسب نہیں سمجھتا۔ جیسے تداخل طعام دُرست نہیں ہے۔ یعنی ایک کھانا کھایا پھر کچھ اور کھا لیا۔ پھر کچھ اور۔ اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ سُوءِ ہضم ہو کر ہیضہ یا قے یا کسی اور بیماری کی نوبت آئے۔ اسی طرح تداخل کلام منع ہے۔ تداخلِ کلام سے کوئی بات محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اور انسان اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، بلکہ وہ وقت بالکل ضائع چلا جاتا ہے۔ میری عین مراد یہی ہے کہ یہ سوالات آپ کے با ترتیب ہوں اور ہر سوال کی ایک مد رکھی جاوے اور اس کو دوسرا سوال قرار دے لیا جاوے۔ اس وقت میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں غلط مبحث کر کے اپنا وقت ضائع کروں اور آپ کو فائدہ سے محروم رکھوں، بلکہ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کو پورا فائدہ پہنچاؤں جو میرے امکان اور طاقت میں ہے اور اس کے لیے میری رائے میں یہی طریق مناسب ہے جو اختیار کیا گیا ہے۔ مَیں اس سوال کا جواب دیتے وقت آپ کو بتاؤں گا کہ تحریف کے خیالات شروع میں مُسلمانوں سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ انجیل کے ماننے والوں ہی کی طرف سے ان خیالات کی ابتدا ہوئی ہے اور مَیں اس کو جیسا مَیں نے کہا ہے۔ اور دُوسرے وقت پر رکھتا ہوں۔ جب آپ پہلے سوالوں کے

جوابات سمجھ لیں گے۔

جو لوگ بحث مباحثہ کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں اور تلاشِ حق اُن کا مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہی جلسہ میں سب کچھ طے کر لینا چاہتے ہیں۔ مَیں اس کو مذہبی قمار بازی کہتا ہوں۔ جیسے قمار باز اپنی چابکدستی اور چالاکی سے ہاتھ مارنا چاہتے ہیں، اسی طرح پر یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور ہم نے تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ اصل بات کو چھپاتے ہیں۔ اور فرضی اور خیالی باتیں پیش کرتے ہیں۔ پس مَیں اس کو بہت ہی بُرا سمجھتا ہوں کہ انسان مذہبی قمار بازی کیلئے دست دراز ہو اور خدا کا ذرا بھی خوف اور حیا نہ کر کے اپنی چالاکیوں سے کام لے۔ یہ مذہبی قمار بازی کب ہوتی ہے جب دُنیا کی ہار جیت اور خیالی فتح و شکست مدِنظر ہو اور احباب اور ہمعصروں کی نگاہ میں واہ واہ سُننے اور فتحیاب کہلانے کا خیال دل میں ہو۔ یہ قمار بازی دُنیا کی قمار بازی سے بہت ہی بڑھ کر نقصان رساں ہے، کیونکہ اس میں تو صرف مال کا زیاں ہے، مگر اس قمار بازی میں دین اور دُنیا دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اخلاقی اور رُوحانی قوتیں جو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات کا وارث بنا سکتی ہیں، ہار دی جاتی ہیں۔ اور اس متاع کے ہارنے سے جو رنج پیدا ہوتا ہے وہ اَبدی ہوتا ہے۔ پس اس قمار بازی کے خیال کو کبھی پاس بھی آنے نہیں دینا چاہیے۔ اگر مقصدِ عظیم یہ ہو کہ راستبازوں کے نور سے حصّہ ملے کبھی کوئی شخص اس نُور کو نہیں پا سکتا اور اس متاع کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ جو فطرت سلیم اس کے پاس ہے۔ جبتک حق کو نہ چاہے اور حق جوئی اور پھر قبولِ حق کے لیے ساری دُنیا کو اس کے سامنے مُردہ قرار نہ دے لے اور ان اُمور کے لیے خدا تعالیٰ سے ایک عہد نہ کرے۔ جو ایسا عہد خدا تعالیٰ سے نہیں کرتا وہ خدا کو مان کر بھی دہریہ ہے۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے امراض کا بحران ہوتا ہے۔ اسی طرح پر مختلف ملتوں اور مذہبوں کے بحران کے یہ ایام ہیں۔ شیطان کی بھی یہ آخری جنگ ہے۔ اس لیے وہ اپنے تمام آلات حرب و ضرب لے کر حق کے مقابلہ میں نکلا ہے۔ اور وہ پُورے زور اور پُوری طاقت سے کوشش کرتا ہے کہ حق پر غلبہ پاوے، مگر خود اسے بھی یقین کامل ہے کہ اس کی ساری کوشش بے سُود اور بے فائدہ ہوگی اور بہت جلد وہ وقت آتا ہے کہ شیطان مارا جاوے گا اور ملائک کی فتح ہوگی، مگر بایں ہمہ وہ اپنی پُوری طاقت سے اس وقت میدان میں آیا ہے اور اس کے بالمقابل حق بھی ہے اور اس کے سامان اور ہتھیار بھی آسمان سے نازل ہو رہے ہیں۔ چونکہ اس وقت دونوں میدان میں ہیں۔ پس تم کو واجب ہے کہ حق کا ساتھ دو۔

حق کی شناخت کے نشان

اور مَیں نے بارہا اس امر کو بیان کیا ہے اور اب پھر بتاتا ہوں کہ حق کی شناخت کے واسطے تین نشان ہیں۔ ان پر اگر تم اس کو جسے حق کہا جاتا ہے، پرکھ لوگے تو تم کو شیطان دھوکا نہ دے سکے گا، ورنہ اس نے اپنی طرف سے

التباس حق و باطل کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اور وہ نشان یہ ہیں۔ اوّل نصوصِ صریحہ یعنی جو معتقدات ہم رکھتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کا نام و نشان خدا تعالیٰ کی کتاب میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کے متعلق منقولی شہادت یعنی نصوص صریحہ قطعیہ نہ ہوں، تو خود سوچنا چاہیئے کہ اس کو کہاں تک وقعت دی جا سکتی ہے۔ مثلاً جیسے کیمیا گر کہتا ہے کہ میں اکہتر ہزار کا دس ہزار کر دیتا ہوں تو کیا ضروری نہیں کہ ہمیں علم ہو کہ پہلے کتنے ایسے بزرگ گزرے ہیں لیکن جب ہم اس پر غور کریں گے، تو معلوم ہوگا کہ ہزاروں نے ایسی باتوں میں آکر نقصان اٹھایا ہے۔ ہمارے اسی علاقہ میں ایک کیمیا گر اسی طرح پر دو آدمیوں کو ایک ہی وقت میں ٹھگ کر لے گیا۔ غرض پہلا نشان نصوصِ صریحہ کا ہے۔ اس کے ذریعہ اگر ہم عیسائیوں کے عقائد کو پرکھنے لگیں، تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ نرا ملمع ہے۔ حق کی چمک اس میں نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے کل بیان کیا تھا کہ تثلیث اور یسوع کی خدائی کی بابت اگر یہودیوں سے پوچھا جاوے اور انکی کتابوں کو ٹٹولا جاوے، تو صاف جواب ہے کہ وہ کبھی تثلیث کے قائل نہ تھے۔ اور نہ کبھی انہوں نے کسی جسمانی خدا کی بابت اپنی کتاب میں پڑھا تھا۔ جو کسی عورت کے پیٹ سے عام بچوں کی طرح حیض کے خون سے پرورش پاکر نو مہینے کے بعد پیدا ہونے والا ہو۔ اور انسانوں کے سارے دکھ خسرہ چیچک وغیرہ جو انسانوں کو ہوتے ہیں اُٹھا کر آخر یہودیوں کے ہاتھ سے مار کھاتا ہوا صلیب پر چڑھایا جاوے گا اور پھر ملعون ہو کر تین دن ہاویہ میں رہے گا۔ یا باپ بیٹا روح القدس کے مجموعہ اور مرکب خدا ہی کا ذکر اُن کی کتابوں میں کہیں ہوتا۔ اگر ہے تو ہم عیسائیوں سے ایک عرصہ سے سوال کرتے رہے ہیں۔ وہ دکھائیں۔ برخلاف اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے مجملہ اور اعتراضوں کے جو اُس پر کیے۔ سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ یہ خدا کا بیٹا اور خدا بنتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اگر یہودیوں نے توریت اور نبیوں کے صحیفوں میں یہ تعلیم پائی تھی کہ دنیا میں خود خدا اور اس کے بیٹے بھی ماریں کھانے کے لیے آیا کرتے ہیں اور انھوں نے دس پانچ کو دیکھا تھا۔ تو پھر انکار کی وجہ کیا ہو سکتی تھی؟ اصل حقیقت یہی ہے کہ اس معیار پر یہ عقیدہ کبھی پورا نہیں اُتر سکتا، اس لیے کہ اس میں حقانیت کی رُوح نہیں ہے۔

دوسرا طریق شناختِ حق اور اہلِ حق کا یہ ہے کہ عقلِ سلیم بھی ان کی مُمدّ اور معاون ہو۔ عقل ایسی چیز ہے کہ اگر اسے چھوڑ دو۔ تو دین اور دُنیا دونوں کے کاموں میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ اب عقل کے معیار پر اس کو کسا جاوے تو وہ دُور سے ان عقائد کو رَد کرتی ہے۔ کیا عقل کے نزدیک یہ بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے کہ ایک عاجز مخلوق بھی جس میں انسانیت کے سارے لوازم اور بشری کمزوریوں کے سارے نمونے موجود ہیں، خدا ہو سکتا ہے۔ کیا عقل اس بات کو ایک لمحہ کے لیے بھی روا رکھ سکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق

کو کوڑے مارے اور خدا کے بندے اپنے قادر خدا کے مُنہ پر تھوکیں اور اس کو پکڑیں اور سُولی پر کھینچیں اور وُہ یہ ساری ذلّت دیکھ کر اور خدا ہو کر اپنی رُسوائی کا تماشہ دکھاتا ہے؟ کیا عقل مان لیتی ہے کہ ایک عورت کا بچہ جو نو مہینے تک پیٹ میں رہے اور خونِ حیض کھاوے اور آخر عام بچوں کی طرح چلّاتا ہوا شرمگاہ سے پیدا ہو وہ خدا ہوتا ہے۔ کیا کسی دل کو اس پر اطمینان ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خدا کہلا کر ساری رات موت سے بچنے کے لیے دُعا کرتا رہے۔ اور قبول نہ ہو۔ ایسا ہی کبھی عقل یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ کسی کی خودکشی سے دوسرے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر مسیح کے روٹی کھانے سے حواریوں کے پیٹ بھر جاتے تھے اور عقل کے نزدیک یہ جائز ہے تو شاید یہ بھی صحیح ہو کہ کسی کے دردِ سر کا علاج اپنے سر میں پتھر مارنا بھی ہے۔

تیسرا ذریعہ شناخت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی سچے مذہب کو ضائع نہیں کرتا اور اہلِ حق کو ہرگز نہیں چھوڑتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا باغ ہے اور کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کہ ایک شخص باغ لگا کر اپنے باغ کی طرف سے بالکل لاپروا ہو جاوے، نہیں بلکہ اس کی آبپاشی، شاخ تراشی اور حفاظت وغیرہ تمام اُمور کا جو اس کی سرسبزی اور شادابی کے لیے ضروری ہیں، پُورا اہتمام کرتا ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ اپنے راستبازوں اور دی ہوئی صداقتوں کی تائید کے لیے ہمیشہ تازہ بتازہ تائیدات دیتا رہتا ہے جن کی روشنی میں صادق چلتا ہے اور شناخت کیا جاتا ہے۔

عیسائیت میں کوئی زندہ نشان نہیں

اب عیسائیوں کے عقائد اور مذہب کو اس معیار پر بھی آزما کر دیکھ لو کہ ان میں بجُز بوسیدہ ہڈیوں اور مُردہ باتوں کے اور کیا رکھا ہے۔ بالاتفاق وہ مانتے ہیں کہ اُن میں آج ایک بھی ایسا شخص نہیں جو اپنے مذہب کی صداقت اور خونِ مسیح کی سچائی پر اپنے نشانات کی مُہر لگا سکے۔ یہ تو بڑی بات ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ انجیل کے قرار دادہ نشانوں کے موافق تو شاید ایمان دار ہونا بھی ایک امر محال ہوگا۔

اچھا! زندہ نشانات کو تو جانے دو۔ عیسائی مذہب جو اپنے تائیدی نشانوں کے لیے مسیح کی قبر کا پتہ دیتا ہے کہ اس نے فلاں قبر سے مُردہ اُٹھایا تھا۔ وہ بجُز قصّوں کے اور کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے مَیں نے بارہا کہا ہے کہ یہ سلبِ امراض کے عجوبے جو بعض ہندو سنیاسی بھی کرتے ہیں اور اس ترقی کے زمانہ میں مسمریزم والے بھی دکھاتے ہیں۔ آج کوئی معجزات کے رنگ میں نہیں مان سکتا اور پیشگوئی ہی ایک ایسا زبردست نشان ہے، جو ہر زمانہ میں قابلِ عزت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسیح کی جو پیشگوئیاں انجیل میں درج ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ قحط پڑیں گے، زلزلے آئیں گے۔ مُرغ بانگ دے گا۔ وغیرہ۔ اب ہر ایک گاؤں میں جا کر دیکھو کہ ہر وقت مُرغ بانگ دیتے ہیں یا نہیں اور قحط اور زلزلے

بالکل معمولی باتیں ہیں، جو آجکل کے مدبر تو اس سے بھی بڑھ کر بتا دیتے ہیں کہ فلاں وقت طوفان آئے گا۔ فلاں وقت بارش شروع ہوگی۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو دیکھو کہ کس طرح پر چھ سو سال پہلے کہا کہ ایک آگ نکلے گی جو سبزہ کو چھوڑے گی۔ اور پتھر کو گلا دے گی اور وُہ پُوری ہوئی۔ اس قسم کی درخشاں پیشگوئیاں تو پیش کریں۔ مَیں نے ایک ہزار روپیہ کا انعام کا اشتہار مسیح کی پیشگوئیوں کے لیے دیا تھا، مگر آج تک کسی عیسائی نے ثابت نہ کیا کہ مسیح کی پیشگوئیاں ثبوت کی قوت اور تعداد میں میری پیشگوئیوں سے بڑھ کر ہیں۔ جن کا گواہ سارا جہان ہے۔

مسیح کے معجزات جو قصص کے رنگ میں ہیں ان سے کوئی فوق العادت تائید الٰہی کا پتہ نہیں لگتا۔ جبکہ آج اس سے بڑھ کر طبّی کرشمے اور عجائبات دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ خود انجیل میں ہی لکھا ہے کہ ایک تالاب تھا۔ جس میں ایک وقت پر غسل کرنے والے شفا پا لیتے تھے۔ اور اب تک یورپ کے بعض ملکوں میں ایسے چشمے پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے ہندوستان میں بھی بعض چشموں یا کنوؤں کے پانی میں ایسی تاثیر ہوتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ ایک کنوئیں کے پانی سے جُذامی اچھے ہونے لگے۔ اب عیسائی مذہب کے کن تائیدی نشانوں کو ہم دیکھیں۔ پھپھولوں کا یہ حال ہے اور اب کوئی دکھا نہیں سکتا۔

اسی طرح پر ہی اگر مان لینا ہے تو ہندوؤں نے کیا قصور کیا ہے[1]۔ کہ اُن کے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو نہ مانا جائے اور پورانوں کے قصّوں کو تسلیم نہ کیا جائے۔ دیانند نے ایک جدید طریق نکال کر ہندوؤں کے مذہب پر تو ہاتھ صاف کیا کہ رام کا نام وید میں نہیں ہے، مگر خود جو کچھ ویدوں کا خلاصہ پیش کیا وہ بھی ایک گند نکالا۔

مذہب کا خلاصہ

مذہب کا خلاصہ دو ہی باتیں ہیں اور اصل میں ہر مذہب کا خلاصہ ان دو ہی باتوں پر آکر ٹھہرتا ہے یعنی حق اللہ اور حق العباد۔ مگر ان دونوں ہی کے متعلق اس نے گند پیش کیا اور اُسے وید کی تعلیم کا عطر بتایا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حق دو ہی ہیں۔ ایک خدا کے حقوق کہ اُسے کس طرح پر ماننا چاہیے اور کس طرح اُس کی عبادت کرنی چاہیے۔ دوم بندوں کے حقوق یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ کیسی ہمدردی اور مواسات کرنی چاہیے۔ دیانند نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ میں پھر بتاؤں گا۔ پہلے یہ ظاہر کر دُوں کہ عیسائیوں نے بھی ان دونوں اصولوں میں سخت بیہودہ پن ظاہر کیا ہے۔ حق اللہ میں تو دیکھ لیا کہ انھوں نے اس خدا کو چھوڑ دیا۔ جو مُوسیٰؑ اور دیگر راستبازوں اور پاکیزہ لوگوں پر ظاہر ہوا تھا اور ایک عاجز انسان کو خدا بنا لیا اور حقوق العباد

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۶-۴ پرچہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء

کہ وُہ مٹی پلید کی کہ کسی طرح پر وہ دُرست ہونے میں نہیں آتے۔

انجیل کی ساری تعلیم ایک ہی طرف جُھکی ہوئی ہے اور انسان کی کل قوتوں کی مربّی نہیں ہوسکتی۔ اوّل تو کفّارہ کا مسئلہ مان کر پھر حقوق العباد کے اتلاف سے بچنے کے لیے کوئی وجہ ہی نہیں مِل سکتی ہے کیونکہ جب یہ مان لیا گیا ہے کہ مسیح کے خُون نے گناہوں کی نجاست کو دُور کر دیا ہے اور دھو دیا ہے، حالانکہ عام طور پر بھی خُون سے کوئی نجاست دُور نہیں ہوسکتی ہے، تو پھر عیسائی بتائیں کہ وہ کونسی بات ہے جو حقیقت میں انہیں روک سکتی ہے کہ وُہ دنیا میں فساد نہ کریں اور کینہ کر یقین کریں۔ چوری کرنے، بیگانہ مال لینے، ڈاکہ زنی، خُون کرنے، جھوٹی گواہی دینے پر کوئی سزا نہ ملے گی۔ اگر باوجود کفّارہ پر ایمان لانے کے بھی گُناہ گُناہ ہی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کفّارہ کے کیا معنی ہیں۔ اور عیسائیوں نے کیا پایا۔

غرض حقوق العباد کو پورے طور پر ادا کرنے اور بجالانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوتوں کا مالک بنا کر بھیجا تھا اور اس سے منشا یہی تھا کہ اپنے محل پر ہم ان قوتوں سے کام لے کر نوعِ انسان کو فائدہ پہنچائیں۔ مگر انجیل کا سارا زور حلم اور نرمی ہی کی قوت پر ہے، حالانکہ یہ قوت بعض موقعوں پر زہرِ قاتل کی تاثیر رکھتی ہے۔

روحانی زندگی کی ترکیب

اس لیے ہماری یہ تمدّنی زندگی جو مختلف طبائع کے اختلاط اور ترکیب سے بنی ہے۔ اپنی ترکیب اور صُورت ہی میں بالطبع یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے تمام قوی کو محل اور موقع پر استعمال کریں، لیکن انجیل محل اور موقع شناسی کو تو پسِ پُشت ڈالتی ہے اور اندھا دُھند ایک ہی امر کی تعلیم دیتی ہے۔ کیا ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینا عملی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ اور کُرتہ مانگنے والے کو کُچھ دینے والے آپ نے بھی دیکھے ہیں اور کیا کوئی آدمی جو انجیل کی تعلیم کا عاشقِ زار ہو، کبھی گوارا کرسکتا ہے کہ کوئی شریر اور نابکار انسان اس کی بیوی پر حملہ کرے تو وہ لڑکی بھی پیش کردے؟ ہرگز نہیں۔

جس طرح پر ہم کو اپنے جسم کی صحت اور صلاحیت کے لیے ضرور ہے کہ مختلف قسم کی غذائیں موسم اور فصل کے لحاظ سے کھائیں اور مختلف قسم کے لباس پہنیں ویسے ہی رُوح کی صلاحیت اور اس کی قوتوں اور خواص کے نشوونما کے واسطے لازم ہے کہ اس قاعدہ کو مدِّنظر رکھیں۔ جسمانی تمدّن میں جس طرح پر گرم سرد۔ نرم سخت۔ حرکت وسکون کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی صحت کے لیے مختلف قوتوں کا عطا ہونا ایسی صاف دلیل اس امر کی ہے کہ رُوح کی بھلائی کے لیے ان سے کام لینا ضروری ہے اور اگر ان مختلف قوتوں سے ہم کام نہیں لیتے یا نہ لینے کی تعلیم دیتے ہیں تو ایک خدا ترس اور غیور انسان کی نگاہ میں ایسا معلّم خدا

کی توہین کرنے والا ٹھہرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے اس طریق سے یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا نے یہ قوتیں لغو پیدا کی ہیں۔ پس اگر انجیل ایک ہی قوت پر زور دیتی ہے۔ تو میں آپ سے انصافاً پوچھتا ہوں کہ خدا سے ڈر کر بتائیں کہ یہ خدا کے اس فعل کی ہتک نہیں ہے کہ اُس نے مختلف قوتیں اور استعدادیں انسان کی رُوح میں رکھ دی ہیں۔

انجیل ایک ہی قوت پر زور دیتی ہے

اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ صرف نرمی اور حلم ہی کی قوت سے ساری قوتوں کا نشوونما ہو سکتا ہے۔ تو اس کی دانشمندی میں کوئی شک کرے گا۔ بجائیکہ خود خدا کی صفات بھی مختلف ہیں اور ان سے مختلف افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اور خود کوئی عیسائی پادری ہم نے ایسا نہیں دیکھا کہ مثلاً سردی کے ایام میں بھی گرمی ہی کے لباس سے کام لے۔ اور دیسی غذاؤں پر گذارہ کرے یا ساری عمر ماں ہی کا دُودھ پیتا رہے۔ یا بچپن ہی کے چھوٹے چھوٹے کُرتے پاجامے پہنا کرے۔ غرض اس قسم کی تعلیم پیش کرتے ہوئے شرم آجاتی ہے۔ اگر ایمان اور خدا کا خوف ہو۔ اگر نرمی اور حلم ہی کافی تھا، تو پھر کیا یہ مصیبت پڑی کہ انجیل کے ماننے والوں کو دیوانی، فوجداری جرائم کی سزاؤں کے لیے قانون بنانے پڑے اور سیاست اور ملک داری کے آئین کی ضرورت ہوئی۔ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیرنے والوں کو فوجوں اور پولیس کی کیا ضرورت!! خدا کے لیے کوئی غور کرے۔ پس اس اصول نے تمام حقوق العباد پر پانی پھیر دیا ہے۔ جبکہ ساری قوتوں ہی کا خون کر دیا۔

اسلام کل انسانی قویٰ کا متکفل ہے

اب اس کے مقابل میں دیکھو کہ اسلام نے کیسی تعلیم دی اور کس طرح پر ساری قوتوں اور طاقتوں کا تکفل فرمایا۔ اسلام نے سب سے اوّل یہ بتایا ہے کہ کوئی قوت اور طاقت جو انسان کو دی گئی ہے۔ فی نفسہٖ وہ بُری نہیں ہے۔ بلکہ اس کی افراط یا تفریط اور بُرا استعمال اُسے اخلاقِ ذمیمہ کی ذیل میں داخل کرتا ہے اور اس کا برمحل اور اعتدال پر استعمال ہی اخلاق ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو دُوسری قوموں نے نہیں سمجھا۔ اور قرآن نے جس کو بیان کیا ہے۔ اب اس اصول کو مدِنظر رکھ کر وہ کہتا ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ (الشوریٰ:۴۱) یعنی بدی کی سزا تو اسی قدر بدی ہے لیکن جس نے عفو کیا اور اس عفو میں اصلاح بھی ہو۔ عفو کو تو ضرور رکھا ہے، مگر یہ نہیں کہ اس عفو سے شریر اپنی شرارت میں بڑھے یا تمدّن اور سیاست کے اصولوں اور انتظام میں کوئی خلل واقع ہو۔ بلکہ ایسے موقع پر سزا ضروری ہے۔ عفو اصلاح ہی کی حالت میں روا رکھا گیا ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ تعلیم انسانی اخلاق کی متمم اور مکمل ہو سکتی ہے یا نرے طمانچے کھانے۔ قانونِ قدرت بھی پکار کر اسی کی تائید کرتا ہے اور عملی طور پر بھی اس کی ہی تائید ہوتی ہے۔ انجیل پر عمل کرنا ہے، تو پھر آج ساری عدالتیں بند کر دو اور دو دن کے لیے پولیس اور پہرہ اُٹھا دو۔ تو دیکھو کہ انجیل کے ماننے سے

کس قدر خون کے دریا بہتے ہیں۔ اور انجیل کی تعلیم اگر ناقص اور ادھوری نہ ہوتی، تو سلاطین کو جدید قوانین کیوں بنانے پڑتے۔

آریوں کے عقائد

غرض یہ حقوق العباد پر انجیل کی تعلیم کا اثر ہے۔ اب میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ دیانند نے جو وید کا خلاصہ ان دونوں اصولوں کے رُو سے پیش کیا ہے وہ کیا ہے۔ حق اللہ کے متعلق تو اُس نے یہ ظلم کیا ہے کہ مان لیا ہے کہ خدا کسی چیز کا بھی خالق نہیں ہے، بلکہ ذرات اور ارواح خود بخود ہی اس کی طرح ہیں۔ وہ صرف اُن کا جوڑنے جاڑنے والا ہے، جس کو عربی زبان میں مؤلف کہتے ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر حق اللہ کا اتلاف اور کیا ہوگا کہ اس کی ساری صفات ہی کو اُڑا دیا اور عظیم الشان صفتِ خالقیت کا زور سے انکار کیا گیا جبکہ وہ جوڑنے جاڑنے والا ہی ہے۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ ایک وقت مر بھی جاوے گا، تو اس سے مخلوق پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ جب اُس نے اُسے پیدا ہی نہیں کیا، تو وہ اپنے وجود کے بقا اور قیام میں قائم بالذات ہیں۔ اُس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جوڑنے جاڑنے سے اس کا کوئی حق اور قدرت ثابت نہیں ہوتی۔ جبکہ اجسام اور رُوحوں میں مختلف قوتیں اتصال اور انفصال کی بھی موجود ہیں۔ رُوح میں بڑی بڑی قوتیں ہیں۔ جیسے کشف کی قوت۔ انسانی رُوح جیسی یہ قوت دکھا سکتا ہے اور کسی کا رُوح نہیں دکھا سکتا۔ مثلاً گائے یا بیل کا۔ اور افسوس ہے کہ آریہ ان ارواح کو بھی معہ اُن کی قوتوں اور خواص کے خدا کی مخلوق نہیں سمجھتا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب یہ اشیاء اجسام اور ارواح خود بخود قائم بالذات ہیں اور ان میں اتصال اور انفصال کی قوتیں بھی موجود ہیں تو وجود باری پر اُن کے وجود سے کیا دلیل لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سوٹا ایک قدم چل سکتا ہے۔ دُوسرے قدم پر اس کے نہ چلنے کی کیا وجہ؟

وجودِ باری پر دو ہی قسم کے دلائل ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کے وجود کی طرف ہم انتقال ذہن کا کرتے ہیں۔ وُہ تو یہاں مفقود ہے، کیونکہ اس نے کچھ پیدا ہی نہیں کیا۔ کچھ پیدا کیا ہو تو اس سے وجود خالق پر دلیل پیدا کریں اور یا دوسری صورت خوارق اور معجزات کی ہوتی ہے۔ اس سے وجودِ باری پر زبردست دلیل قائم ہوتی ہے، مگر اس کے لیے دیانند نے اور سب آریوں نے اعتراف کیا ہے کہ وید میں کسی پیشگوئی یا خارق عادت امر کا ذکر نہیں اور معجزہ کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اب بتاؤ کہ کونسی صورت خدا کی ہستی پر دلیل قائم کرنے کی اُن کے عقیدہ کے رُو سے رہی۔ اور پھر اُن کا ایسا خدا ہے کہ کوئی ساری عمر کتنی ہی محنت و مشقت سے اُس کی عبادت کرے، مگر اس کو ابدی نجات ملے گی ہی نہیں۔ ہمیشہ جُونوں کے چکر میں اُسے چلنا ہوگا۔ کبھی کیڑا مکوڑا اور کبھی کچھ کبھی کچھ بننا ہوگا۔

حقوق العباد کے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ اُن میں زنگ کا مسئلہ موجود ہے کہ اگر ایک عورت کے اپنے خاوند سے اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ کسی دوسرے مرد سے ہمبستر ہو کر اولاد پیدا کرے اور کھانے پینے مقویات اور بستر وغیرہ کے سارے اخراجات اُس بیرج داتا کے اس خاوند کے ذمہ ہوں گے، جو اپنی عورت کو اُس سے اولاد لینے کی اجازت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر قابلِ شرم اور کیا بات ہوگی۔ یہ تو مختصر سا نمونہ ہے۔ یہاں قادیان میں پنڈت سومراج ایک مدرس تھا جو آریہ ہے۔ اُس کو مَیں نے ایک جماعت کے رُوبرو بلایا جس میں بعض ہندو بھی تھے۔ اور اُس سے یہ مسئلہ پُوچھا۔ تو اس نے کہا ہاں جی کیا مضائقہ ہے۔ اب ہمیں تو اُسکے مُنہ سے یہ سُنکر تعجب ہی ہوا۔ دُوسرے ہندو رام رام کرنے لگے۔ مَیں نے سُنکر کہا کہ بس آپ جایئے۔ غرض یہ ہے اُن میں حقوق العباد کا لحاظ۔

مسٹر عبدالحق صاحب : مَیں نے آپ کی کتاب "آریہ دھرم" پڑھی ہے۔

حضرت مسیح موعود : ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سچا مذہب اور سچا عقیدہ اِن تین نشانوں یعنی۔ نصوص، عقل اور تائیدِ سماوی سے شناخت کیا جاتا ہے اور عیسائی مذہب کی بابت میں نے مختلف پہلوؤں سے مختصر طور پر آپ کو دکھایا ہے کہ اس معیار پر پُورا نہیں اُترتا۔ یہودیوں کی کتابوں میں اس تثلیث اور کفارہ کا کوئی پتہ نہیں اور کبھی وہ بیٹے خدا کے منتظر ہی نہ تھے اور عقل دُور سے دھکے دیتی ہے۔ نشانات کا یہ حال کہ ایمانداروں کے نشان کا پایا جانا بھی مشکل ہے۔ ایک بار فتح مسیح نام ایک عیسائی نے کہا تھا کہ مجھے الہام ہوتا ہے۔ مَیں نے جب اُسے کہا کہ تُو پیشگوئی کر تو گھبرایا اور مجھے کہا کہ ایک مضمون بند لفافہ میں رکھا جاوے اور آپ اس کا مضمون بتاویں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع دی کہ تو اس کو قبول کرلے۔ جب مَیں اُس کو بھی قبول کرلیا، تو کئی سَو آدمیوں کے مجمع میں آخر پادری وائٹ بریخٹ نے کہا کہ یہ فتح مسیح جھوٹا ہے۔ غرض حق ایک ایسی چیز ہے کہ اپنے ساتھ نصوص اور عقل کی شہادت کے علاوہ خود کی شہادت بھی رکھتا ہے اور یہ شہادت سب سے بڑھ کر ہوتی ہے اور یہی ایک نشان مذہب کی زندگی کا ہے، کیونکہ جو مذہب زندہ خدا کی طرف سے ہے اس میں ہمیشہ زندگی کی رُوح کا پایا جانا ضروری ہے تا اس کے زندہ خدا سے تعلق ہونے پر ایک روشن نشان ہو۔ مگر عیسائیوں میں یہ ہرگز نہیں ہے؛ حالانکہ اس زمانہ میں جو سائنس اور ترقی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ ایسے خارق عادت نشانوں کی بڑی بھاری ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلائل ہوں۔ اب اس وقت اگر کوئی عیسائی مسیح کے گذشتہ معجزات جن کی ساری رونق تالاب کی تاثیر دُور کر دیتی ہے سُنا کر اُس کی خدائی منوانا چاہے تو اس کے لیے لازمی بات ہے کہ وہ خود کوئی کرشمہ دکھائے، ورنہ آج کوئی منطق یا فلسفہ ایسا نہیں ہے جو ایسے انسان کی خدائی ثابت کر دکھائے جو ساری رات روتا رہے اور اُس کی

دُعا بھی قبول نہ ہو اور جس کی زندگی کے واقعات نے اُسے ایک ادنیٰ درجہ کا انسان ثابت کیا ہو۔ پس میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس میں سچا ہوں اور تجربہ اور نشانات کی ایک کثیر تعداد نے میری سچائی کو روشن کر دیا ہے کہ اگر یسوع مسیح ہی زندہ خدا ہے اور وہ اپنے صلیب برداروں کی نجات کا باعث ہوا ہے اور اُن کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، باوجود یکہ اس کی خُود دُعا قبول نہیں ہوئی تو کسی پادری یا آہب کو میرے مقابلہ پر پیش کرو کہ وُہ یسوع مسیح سے مدد اور توفیق پاکر کوئی خارق عادت نشان دکھائے میں اب میدان میں کھڑا ہوں اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں اپنے خدا کو دیکھتا ہوں وہ ہر وقت میرے سامنے میرے ساتھ ہے۔ میں پکار کر کہتا ہوں مسیح کو مجھ پر زیادت نہیں، کیونکہ میں نُورِ محمدی کا قائم مقام ہوں جو ہمیشہ اپنی روشنی سے زندگی کے نشان قائم کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ تسلی پانے کے لیے اور زندہ خدا کو دیکھنے کے لیے ہمیشہ رُوح میں ایک تڑپ اور پیاس ہے اور اُس کی تسلی آسمانی تائیدوں اور نشانوں کے بغیر ممکن نہیں اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ عیسائیوں میں یہ نُور اور زندگی نہیں ہے بلکہ یہ حق اور زندگی میرے پاس ہے۔ میں ۲۶ برس سے اشتہار دے رہا ہوں اور تعجب کی بات ہے کہ کوئی عیسائی پادری مقابلہ پر نہیں آتا۔ اگر ان کے پاس نشانات ہیں تو وہ کیوں انجیل کے جلال کے لیے پیش نہیں کرتے۔ ایک بار میں نے سولہ ہزار اشتہار انگریزی اُردو میں چھاپ کر تقسیم کیے۔ جن میں سے اب بھی کچھ ہمارے دفتر میں ہوں گے۔ مگر ایک بھی نہ اُٹھا جو یسوع کی خدائی کا کرشمہ دکھاتا اور اس بُت کی حمایت کرتا۔ اصل میں وہاں کچھ ہے ہی نہیں، کوئی پیش کیا کرے۔ مختصر یہ کہ حق کی شناخت کے لیے یہ تین ہی ذریعے ہیں اور عیسائی مذہب میں تینوں مفقود ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اچھا موقع مل گیا ہے اور آپ یہاں آ گئے ہیں۔ ان تقریروں کی ترتیب سے بہت فائدہ ہوگا۔ آپ ان کو خوب غور سے سن لیا کریں اور پھر جب آپ کو اس میں کچھ کلام باقی نہ ہو تو اس پر دستخط کر دیا کریں تاکہ ہمارا یہ وقت رائگاں نہ جاوے اور سُود مند ثابت ہو۔ سراج الدین کے لیے جو وقت ہم نے دیا ہے اگر اس طرح پر تقریر لکھی جاتی تو ایک حجت رہتی۔ اُس نے اپنے عمل سے دُوسروں کو بھی بدظنی کا موقع دیا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص جب ایک جگہ سچائی کو چھوڑتا ہے وہ دوسری جگہ سچائی سے کیونکر پیار کر سکتا ہے۔

مسٹر عبدالحق: ہاں مجھے دستخط کرنے میں کیا عُذر ہو سکتا ہے اور میرا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ: بات یہ ہے کہ ساری جرأت دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دل صاف ہے تو اُسے کوئی بات روک نہیں سکتی۔

مسٹر عبدالحق: میں نے جب یہاں آنے کا ارادہ کیا تو ایک عیسائی سے ذکر کیا، تو اس نے آپ کو گالی دی۔ اور مجھے یہ ناگوار معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ یہ تو بُری بات ہے گالی دینے کے کیا معنے۔ اس نے کہا کہ وہ ہمارا دشمن

ہے۔ مَیں نے کہا۔ انجیل میں تو لکھا ہے کہ دشمنوں سے پیار کرو۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ دشمنوں کو گالیاں دو۔ پھر مَیں نے مسٹر سراج دین سے اس کا ذکر کیا اُنھوں نے بھی اُس کو اچھا نہ سمجھا۔ بعض آدمیوں کی حالت یہانتک پہنچی ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ: گالیاں دیتے ہیں اس کی تو مجھے پروا نہیں ہے۔ بہت سے خطوط گالیوں کے آتے ہیں۔ جن کا مجھے محصول بھی دینا پڑتا ہے اور کھولتا ہوں، تو گالیاں ہوتی ہیں۔ اشتہاروں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور اب تو کھُلے لفافوں پر گالیاں لکھ کر بھیجتے ہیں۔ مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ اور خدا کا نُور کہیں بجھ سکتا ہے ہمیشہ نبیوں، راستبازوں کے ساتھ ناشکروں نے یہی سلوک کیا ہے ہم جس کے نقشِ قدم پر آئے ہیں مسیح ناصری اس کے ساتھ کیا ہوا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا۔ ابتک ناپاک طبع لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ میں تو بنی نوع انسان کا حقیقی خیر خواہ ہوں۔ جو مجھے دشمن سمجھتا ہے وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے (اتنے میں مکان کے قریب پہنچ گئے اور حضرتؑ نے پھر فرمایا کہ) آپ مہمان ہیں آپ کو جس چیز کی تکلیف ہو، مجھے بے تکلف کہیں۔ کیونکہ مَیں تو اندر رہتا ہوں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو کیا ضرورت ہے۔ آجکل مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض اوقات خادم بھی غفلت کر سکتے ہیں۔ آپ اگر زبانی کہنا پسند نہ کریں، تو مجھے لکھ کر بھیج دیا کریں۔ مہمان نوازی تو میرا فرض ہے[1]۔"

تیسری ملاقات

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

مسٹر عبدالحق: "کفارہ کا مسئلہ تو مَیں نے سمجھ لیا ہے تثلیث کا رد کریں۔"

حضرت مسیح موعودؑ: "مَیں نے سب سے پہلے اسی لیے آپ کو کہا تھا کہ آپ اپنے اعتراض پیش کریں جو اسلام پر ہوتے ہیں اور خود اپنی تقریر کے ضمن میں جہاد، غلامی، تعددِ ازدواج پر کچھ باتیں کی تھیں تاکہ آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع ملے۔

میری رائے میں طالبِ حق کا فرض ہے کہ جو بات اس کے دل میں خلجان کرے اس کو فوراً پیش کر دے؛ ورنہ وہ ایمان کو کمزور کرے گی اور رُوحانی قوتوں پر بُرا اثر ڈالے گی۔ جیسے کوئی خراب غذا کھائے تو وہ اندر جا کر خرابی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۲-۳ پرچہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۲ء
الحکم جلد ۶ نمبر ۵ صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۷ر فروری ۱۹۰۲ء

پیدا کرتی ہے اور قے یا دست کی صورت میں نکلتی ہے۔ اسی طرح کوئی گندہ عقیدہ اندر رہ کر فساد کرنے سے نہیں رُکتا۔ اور اُس کا فساد یہی ہے کہ انسان کے اخلاق چال چلن پر بُرا اثر ہو جاتا ہے اور وہ ایک مجذوم کی مانند بن جاتا ہے۔

پس جو چیز آپ کے دل میں کھٹکے آپ اُسے پوچھیں اور تثلیث کے رد میں مختصراً میں کہہ چکا ہوں اور اب میں آپ سے اُس کے دلائل سُننا چاہتا ہوں، کیونکہ اُس کا بارِ ثبوت آپ پر ہے جو اسے مدارِ نجات ٹھہراتے ہیں اور ایک گروہ کثیر سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً ایک شخص ایک معمولی بات کے خلاف جو دُنیا نے مانی ہے کہ انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اور زبان سے چکھتا اور بولتا ہے اور کانوں سے سُنتا ہے یہ کہے کہ انسان آنکھ سے بولتا ہے اور کان سے دیکھتا ہے تو قانون کی رُو سے ثبوت اس کے ذمہ ہے۔

اسی طرح پر تثلیث کا تو کوئی قائل نہیں یہودی جو ابراہیمی سلسلہ میں ہیں وہ اس سے انکار کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔ برخلاف اس کے توحید کی تعلیم ہے اور نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ پانی میں غرض کہیں بھی دُوسرا خدا تجویز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

پھر میں نے قانونِ قدرت سے آپ کو ثابت کر دکھایا کہ توحید ہی ماننی چاہیے۔ پھر باطنی شریعت میں توحید کے نقوش ہیں۔ اب آپ جو نقل، عقل اور باطنی شریعت کے خلاف کہتے ہیں کہ خدا ایک نہیں، بلکہ تین ہیں تو یہ ثبوت آپ ہی کے ذمہ ہے۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہمیں تو فقط اس کے سُننے ہی کا حق ہے۔ کیونکہ نبیوں اور راستبازوں کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں اور خدا نے میرے دل کو اس سے پاک بنایا ہے کہ اس میں بے انصافی ہو۔ اس کا بارِ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ رکیک تاویلوں سے کام نہیں چلتا اور نہ اُن سے تسلی ہو سکتی ہے۔ آپ خود دل میں انصاف کریں کہ راستباز کے بغیر کوئی وہ کام نہ کرے گا جو میں کرتا ہوں۔

پس آپ جس قدر مفصل اس پر لکھ سکیں وہ لکھ کر سُنا دیں، مگر اتنا یاد رکھیں کہ دعویٰ اپنے نفس میں ابہام رکھتا ہے۔ بعض آدمیوں کو یہ دھوکا لگ جاتا ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں فرق نہیں کر سکتے۔ دعوے کے لیے دلیل ایک روشن چراغ ہوتی ہے۔ پس دعویٰ اور دلیل میں فرق کر لینا ضروری ہے۔[1] (اس پر مسٹر عبدالحق نے کہا کہ میں کل لکھ کر سُنا دونگا اور حضرت اقدس تشریف لے گئے۔)

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۳ پرچہ ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء

چوتھی مُلاقات

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۱ء

آج احباب بہت کثرت سے آگئے تھے۔ اور لاہور، وزیرآباد، راولپنڈی، علاقہ کابل، جموں گوجرانوالہ، امرتسر، کپورتھلہ، لودھانہ، سانبھر وغیرہ مقامات سے اکثر دوست آچکے تھے حضرت اقدسؑ حسب معمول سیر کو نکلے اور خدام کے زمرہ میں یہ نُورِ خدا چلا۔ احباب کا پروانوں کی طرح ایک دُوسرے پر گرنا بھی بجائے خود دیکھنے والے کے لیے ایک عجیب نظارہ تھا۔ الغرض مسٹر عبدالحق صاحب نے کل کے حضرت اقدسؑ کے ارشاد کے موافق ایک مختصر سی تحریر پڑھ کر سُنائی جو اُن کے اپنے خیال میں تثلیث اور مسیح کی اُلوہیت کے دلائل پر مشتمل تھی۔ اس کو سُن لینے کے بعد حضرت اقدسؑ نے اپنا سلسلۂ کلام یُوں شروع فرمایا:۔

تثلیث و اُلوہیتِ مسیح اصل بات یہ ہے کہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے اور اس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کرسکتا کہ ہر آدمی جس غلطی میں مبتلا ہے یا جس خیال میں گرفتار ہے وہ اس کے لیے اپنے پاس کوئی نہ کوئی وجوہاتِ رکیکہ ضرور رکھتا ہے، مگر دانشمند اور سلیم فطرت انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اُن کی توزین کرکے اصل نتیجہ کو جو سچائی ہوتی ہے تلاش کرنے لگتا ہے۔ اب اسی اصول کے موافق عیسائیوں نے بھی اپنے اس عقیدہ تثلیث کے موافق کچھ باتیں بنا رکھی ہیں۔ جن کو وہ دلائل قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں مگر ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلائل کیا وقعت رکھ سکتے ہیں اور ان میں کہاں تک قوت اور زور ہے۔ جس حال میں عیسائیوں میں ایسے فرقے بھی موجود ہیں جو مسیح کی اُلوہیت اور خدائی کے قائل نہیں اور نہ تثلیث ہی کو مانتے ہیں۔ جیسے مثلاً یُونی ٹیرین تو کیا وہ اپنے دلائل اور وجوہات انجیل سے بیان نہیں کرتے وہ بھی تو انجیل ہی پیش کرتے ہیں۔ اب اگر صراحتاً بلا تاویل انجیل میں مسیح کی اُلوہیت یا تثلیث کا بیان ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ یُونی ٹیرین فرقہ اس سے انکار کرتا ہے، حالانکہ وہ انجیل کو اسی طرح مانتا ہے جس طرح دوسرے عیسائی۔

جو پیشگوئیاں توریت کی پیش کی جاتی ہیں ان کے متعلق بھی ان لوگوں نے کلام کی ہے اور ایک یُونی ٹیرین کی بعض تحریریں بھی میرے پاس اب تک موجود ہیں۔ کیا اُنھوں نے اُن کو نہیں پڑھا اور نہیں سمجھا۔ قرآن شریف نے کیا خوب کہا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم: ۳۳)۔

میری مُراد اس کے بیان کرنے سے صرف یہ ہے کہ تاویلاتِ رکیکہ اور ظنّی باتیں تو ایک باطل پرست بھی پیش کرتا ہے، مگر کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس پر پورا غور کریں۔ یونیٹرین لوگوں نے تثلیث پرستوں کے بیانات ان پیشگوئیوں کے متعلق سن کر کہا ہے کہ یہ قابلِ شرم باتیں ہیں جو پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور تثلیث اور الوہیت مسیح کا ثبوت اسی قسم کا ہو سکتا ہے تو پھر بائبل سے کیا ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک محقق کے لیے غور طلب بات یہ ہے کہ وہ ان کو پڑھ کر ایک تنقیح طلب قرار دے اور پھر اندرونی اور بیرونی نگاہ سے اس کو سوچے۔ اب ان پیشگوئیوں کے متعلق جہاں تک میں کہہ سکتا ہوں یہ امر قابلِ غور ہیں۔

اوّل۔ کیا ان پیشگوئیوں کی بابت یہودیوں نے بھی (جن کی کتابوں میں یہ درج ہیں) یہی سمجھا ہوا تھا کہ ان سے تثلیث پائی جاتی ہے یا مسیح کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوم۔ کیا مسیح نے خود بھی تسلیم کیا کہ یہ پیشگوئیاں میرے ہی لیے ہیں اور پھر اپنے آپ کو اُن کا مصداق قرار دے کر مصداق ہونے کا عملی ثبوت کیا دیا؟ اب اگرچہ یہ ایک لمبی بحث بھی ہو سکتی ہے کہ کیا درحقیقت وہ پیشگوئیاں اصل کتاب میں اسی طرح درج ہیں یا نہیں، مگر اس کی کچھ چنداں ضرورت نہ سمجھ کر ان دو تنقیح طلب اُمور پر نظر کرتے ہیں۔

یہودیوں نے جو اصل وارثِ کتابِ توریت ہیں اور جن کی بابت خود مسیح نے کہا ہے کہ وہ موسیٰؑ کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ کبھی بھی ان پیشگوئیوں کے یہ معنے نہیں کئے جو آپ یا دُوسرے عیسائی کرتے ہیں اور وہ کبھی بھی مسیح کی بابت یہ خیال رکھ کر کہ وہ تثلیث کا ایک جزو ہے منتظر نہیں، چنانچہ میں نے اس سے پہلے بہت واضح طور پر اس کے متعلق سُنایا ہے اور عیسائی لوگ محض زبردستی کی راہ سے ان پیشگوئیوں کو حضرت مسیح پر جاتے ہیں جو کسی طرح بھی نہیں جمتی ہیں، ورنہ علماء یہود کی کوئی شہادت پیش کرنی چاہیے کہ کیا وہ اس سے یہی مراد لیتے ہیں جو تم لیتے ہو۔

پھر انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو (وہ کوئی بہت بڑی کتاب نہیں) اُس میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت مسیح نے ان پیشگوئیوں کو پورا نقل کر کے کہا ہو کہ اس پیشگوئی کے رُو سے میں خدا ہوں اور یہ میری اُلوہیت کے دلائل ہیں، کیونکہ بزادعویٰ تو کسی دانشمند کے نزدیک بھی قابلِ سماعت نہیں ہے اور یہ بجائے خود ایک دعویٰ ہے کہ ان پیشگوئیوں میں مسیح کو خدا بنایا گیا ہے۔ مسیح نے خود کبھی دعویٰ نہیں کیا تو کسی دُوسرے کا خواہ مخواہ اُن کو خدا بنانا عجیب بات ہے۔

اور پھر اگر بفرضِ محال کیا بھی ہو تو اس قدر تناقض اُن کے دعویٰ اور افعال میں پایا جاتا ہے کہ کوئی عقلمند اور خدا ترس اُن کو پڑھ کر انہیں خدا نہیں کہہ سکتا، بلکہ کوئی بڑا عظیم الشان انسان کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ انجیل کے اس دعویٰ کو رد کرنے کے لیے تو خود انجیل ہی کافی ہے، کیونکہ کہیں مسیح کا اقرار ثابت نہیں۔ بلکہ جہاں اُن کو موقع ملا تھا کہ وہ اپنی خدائی منوا لیتے وہاں اُنہوں نے ایسا جواب دیا کہ ان ساری پیشگوئیوں کے مصداق ہونے سے گویا انکار

کر دیا اور ان کے افعال اور اقوال جو انجیل میں درج ہیں وہ بھی اسی کے مؤید ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ خدا کے لیے تو یہ ضرور ہے کہ اُس کے افعال اور اقوال میں تناقض نہ ہو، حالانکہ انجیل میں صریح تناقض ہے۔ مثلاً مسیح کہتا ہے کہ باپ کے سوا کسی کو قیامت کا علم نہیں ہے۔ اب یہ کیسی تعجب خیز بات ہے کہ اگر باپ اور بیٹے کی عینیت ایک ہی ہے تو کیا مسیح کا یہ قول اس کا مصداق نہیں کہ دروغ گو را حافظہ نباشد، کیونکہ ایک مقام پر تو دعویٰ خدائی اور دوسرے مقام پر الوہیت کے صفات کا انکار اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجیل میں مسیح پر بیٹے کا لفظ آیا ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انجیل محرف یا مبدل ہے۔ بائبل کے پڑھنے والوں سے یہ ہرگز مخفی نہیں ہے کہ اس میں بیٹے کا لفظ کس قدر عام ہے۔ اسرائیل کی نسبت لکھا ہے کہ اسرائیل فرزند من است بلکہ نخست زادۂ من است اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ اور خدا کی بیٹیاں بھی بائبل سے ثابت ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے کہ تم خدا ہو۔ اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا۔ اب ہر ایک منصف مزاج دانشمند غور کر سکتا ہے کہ اگر ابن کا لفظ عام نہ ہوتا، تو تعجب کا مقام ہوتا۔ لیکن جبکہ یہ لفظ عام ہے اور آدمؑ کو بھی شجرۂ ابناء میں داخل کیا گیا ہے اور اسرائیل کو نخست زادہ بتایا گیا ہے اور کثرتِ استعمال نے ظاہر کر دیا ہے کہ مقدسوں اور راستبازوں پر یہ لفظ حسنِ ظن کی بناء پر بولا جاتا ہے۔ اب جبتک مسیح پر اس لفظ کے اطلاق کی خصوصیت نہ بتائی جاوے کہ کیوں اس اپنیت میں وہ سارے راستبازوں کے ساتھ شامل نہ کیا جاوے اس وقت تک یہ لفظ کچھ بھی مفید اور مؤثر نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب یہ لفظ عام اور قومی محاورہ ہے تو مسیح پر اُن سے کوئی نرالے معنے پیدا نہیں کر سکتا۔ میں اس لفظ کو مسیح کی خدائی یا ابنیت یا الوہیت کی دلیل مان لیتا، اگر یہ کسی اور کے حق میں نہ آیا ہوتا۔

میں سچ سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کے خوف سے کہتا ہوں کہ ایک پاک دل رکھنے والے اور سچے کانشنس والے کے لیے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہو سکتی اور ان الفاظ کی کچھ بھی وقعت نہیں ہو سکتی، جبتک یہ ثابت کر کے نہ دکھایا جاوے کہ کسی اور شخص پر یہ لفظ کبھی نہیں آئے اور یا آئے تو بیّن قرائن مگر مسیح ان وجوہاتِ قویہ کی بنا پر اوروں سے ممتاز اور خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ تو دورنگی ہے کہ مسیح کے لیے یہی لفظ آئے تو وہ خدا بنایا جاوے اور دوسروں پر اس کا اطلاق ہو تو وہ بندے کے بندے۔

اگر یہ اعتقاد کیا جاوے کہ خدا خود ہی آکر دنیا کو نجات دیا کرتا ہے یا اس کے بیٹے ہی آتے ہیں، تو پھر دَور لازم آئے گا۔ اور ہر زمانہ میں نیا خدا یا اس کے بیٹوں کا آنا ماننا پڑے گا۔ جو صریح خلاف بات ہے۔

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ وہ کیا نشانات تھے جن سے حقیقتاً مسیح کی خدائی ثابت ہوتی۔ کیا معجزات؟ اوّل تو سرے سے ان معجزات کا کوئی ثبوت ہی نہیں کیونکہ انجیل نویسوں کی نبوت ہی کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر ہم اس سوال کو درمیان میں نہ بھی لائیں اور اس بات کا لحاظ نہ کریں کہ انہوں

نے ایک محقق اور چشم دید حالات لکھنے والے کی حیثیت سے نہیں لکھے۔ تب بھی ان معجزات میں کوئی رونق اور قوت نہیں پائی جاتی جبکہ ایک تالاب ہی کا قصّہ مسیح کے سارے معجزات کی رونق کو دُور کر دیتا ہے اور مقابلتاً جب ہم انبیاء سابقین کے معجزات کو دیکھتے ہیں، تو وہ کسی حالت میں مسیح کے معجزات سے کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ بائبل کے مطالعہ کرنے والے خُوب جانتے ہیں کہ پہلے نبیوں سے مُردوں کا زندہ ہونا ثابت ہے، بلکہ بعض کی ہڈیوں سے مُردوں کا لگ کر بھی زندہ ہونا ثابت ہے؛ حالانکہ مسیح کے خیالی معجزات میں ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ مسیح کی لاش نے کوئی مُردہ زندہ نہیں کیا پھر بتاؤ کہ مسیح کو کون سی چیز خدا بنا سکتی ہے؟

کیا پیشگوئیاں؟ ان کی حقیقت مَیں نے پہلے بتا دی ہے کہ مسیح کی پیشگوئیاں پیشگوئی کا رنگ ہی نہیں رکھتی ہیں جو باتیں پیشگوئی کے رنگ میں مندرج ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک معمولی آدمی بھی اُن سے بہتر باتیں کہہ سکتا ہے اور قیافہ شناس تدبیر کی پیشگوئیاں اُن سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ مَیں علی الاعلان کہتا ہوں کہ اگر اس وقت مسیح ہوتے، تو جس قدر عظیم الشان تائیدی نشان پیشگوئیوں کے رنگ میں اب خدا نے میرے ہاتھ پر صادر کیے ہیں، وُہ ان کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتے اور اپنی پیشگوئیوں کا کہ زلزلے آئیں گے۔ مری اور قحط پڑیں گے یا مُرغ بانگ دیگا کبھی مارے ندامت کے نام نہ لیتے۔

پھر آپ ہی ہمیں بتائیں کہ کس طرح پر ہم مسیح کو مانیں کہ وہ خدا تھا۔ خدائی کا دعویٰ اُن میں نہیں صُحف سابقہ کی پیشگوئیوں کے اپنے متعلق ہونے کا اُنھوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ اپنے متعلق ہونے کا کوئی ثبوت دیا۔ پھر سلبِ صفاتِ خدائی کو ہم ان میں دیکھتے ہیں۔ قیامت کی بابت انہیں اقرار ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ باپ اور بیٹے کے باوجود متحد فی الوجود ہونے کے ایک کا عالِم دوسرے کا جاہل ہونا قابلِ لحاظ ہے۔ تقدّس کا یہ حال کہ خود کہتا ہے کہ مجھے نیک نہ کہو۔ صرف باپ ہی کو نیک ٹھہراتا ہے۔ پھر یہ اختلاف بھی باپ بیٹے کی عینیت کے خلاف ہے۔ صرف ابن کا لفظ اُن کی خدائی کو ثابت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حقیقت اور مجاز میں باہم تفریق کرنے کے ہم مجاز نہیں ہو سکتے۔ کہ کہدیں کہ یہاں تو حقیقت مُراد ہے اور فلاں جگہ مجاز ہے۔ یہی لفظ یا اس سے بھی بڑھ کر جب دُوسرے انبیاء اور راستبازوں اور قاضیوں پر بولا جاوے، تو وہ نرے آدمی ہیں اور مسیح پر بولا جاوے، تو وُہ خود خدا اور ابن بن جاویں۔ یہ تو انصاف اور راستی کے خلاف ہے۔ اور پھر گویا نئی شریعت اور نئی کتاب بنانا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

پادریوں نے خیالی اور فرضی طور پر مسیح کی خدائی کے ثبوت کے لیے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں، مگر آجتک ایک بھی رسالہ یا تحریر اُن کی میری نظر سے نہیں گزری اور کوئی پادری میں نے نہیں دیکھا۔ جس نے مسیح کے معجزات کے چہرہ سے تالاب کے قصّہ کے داغ کو دُور کیا ہو اور جب تک انجیل میں یہ قصّہ درج

ہے۔ یہ داغ اُٹھ نہیں سکتا۔ مَیں بار بار آپ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو دیکھو۔ رہا پولوس جس کی باتوں سے خدائی نکالی جاتی ہے۔ وُہ اپنے چال چلن کے لحاظ سے بجائے خود غیر معتبر اور اس کے لیے مسیح کی کوئی پیشگوئی نہیں۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ ایک دانشمند اُسے خدا کس طرح مان کے ایسے خدا کی کوئی پرستش کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ مسیح کی زندگی اس کی پُوری ناکامی اور نامُرادی کی تصویر ہے۔ آج وُہ زندہ ہوتے تو اُن کو وہ نشانات دیکھ کر جو اِس مسیح کے ہاتھ پر صادر ہو رہے ہیں شرمندہ ہونا پڑتا۔ کیا یہی قبولیتِ دُعا ہوتی ہے کہ ساری رات چلّاتا رہا اور کسی نے بھی نہ سُنا اور آخری ساعت میں خدا کا شکوہ کرتا ہوا رخصت ہوا کہ اِیلی اِیلی لِمَا سَبَقْتَنِیْ۔

خدا نے مجھے مامُور کر کے بھیجا اور تائیدی نشانات دکھائے

اِسوقت جو خدا نے مجھے مامُور کر کے بھیجا ہے اور جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے ہیں اُن کی نظیر تو پیش کرو۔ مثلاً یہی ڈگلس کا مقدمہ جو دیندار پادریوں کی کوشش اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیر دینے کی تعلیم دینے والوں کی طرف سے کیا گیا۔ کئی سَو آدمی اس بات کے گواہ موجود ہیں کہ کس طرح پر قبل از وقت کُل واقعات سے اطلاع دی گئی اور خدا نے کس طرح ہر قسم کی ذلّت سے محفوظ رکھا۔

پہلے امرت سر میں جب یہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ تو ڈپٹی کمشنر نے چالیس ہزار کی ضمانت کے ساتھ وارنٹ جاری کر دیا، مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ اُسے جاری نہ کر سکا۔ وہ اس کی کتاب میں رہ گیا۔ پیچھے جب اُسے یہ معلوم کرایا گیا کہ ایسے وارنٹ کا اجرا نا جائز ہے تو اُس نے گورداسپور تار دی کہ وارنٹ روکا جاوے، مگر وہاں پہنچا ہی نہ تھا۔ آخر یہ مقدمہ چلا۔ عیسائیوں نے ہر طرح سے میرے سزا دلانے میں سعی کی، مگر خدا نے اپنی قدرت کا نشان دکھایا۔ اور میری اہانت چاہنے والوں کی اہانت کی۔ ڈگلس صاحب نے نہایت عزت و احترام سے مجھے بُلایا اور کُرسی دی حالانکہ مجھے ان باتوں کی ایک ذرّہ بھی پروا نہیں۔ آریہ اور بعض مسلمان بھی اُن کے شریک تھے۔ پنڈت رام بھجدت پلیڈر جو آریہ ہے وُہ بلا فیس آتا تھا اور اُس نے مجھے خود کہا کہ وُہ اس لیے شریک ہوا ہے کہ لیکھرام کے قاتل کا پتہ مِل جاوے۔ محمد حسین گواہ ہو کر آیا اور کُرسی مانگ کر بہت ذلیل ہوا۔ آخر جب ساری کارروائی ہو چکی اور عبدالحمید نے صاف اقرار کر لیا کہ مجھے قتل کے لیے بھیجا ہے۔ پُوری مِسل مرتب ہو جانے پر خدا نے اپنی قدرت کی چمکار دکھائی اور ڈگلس کے دل میں ڈال دیا کہ یہ سب جھُوٹ ہے۔ اُس نے کپتان لیمار چنڈ کو کہا کہ میرا دل اطمینان نہیں پاتا۔ پھر عبدالحمید سے دریافت کرو۔

آخر عبدالحمید نے اصل راز بتا دیا کہ مجھے سکھایا گیا تھا۔ پھر ڈپٹی کمشنر کو تار دیا گیا اور نتیجہ وہی ہوا جس کی خبر مقدمہ کے نام و نشان سے بھی پہلے تمام شہروں میں شائع ہو چکی تھی۔ ایسا ہی لیکھرام کا نشان اور صدہا نشان ہیں۔

جماعت کے لحاظ سے بھی اگر دیکھا جاوے تو مسیح ناکام اُٹھا۔ حواریوں نے سامنے قسمیں کھائیں اور لعنت کی۔ اِدھر یہ حال ہے کہ ہمارے ایک مخلص دوست عبدالرحمٰن نام کابل کے نواح کابل میں رہتا تھا۔ محض ہماری وجہ سے ایک سال تک قید رکھا گیا کہ وُہ توبہ کرے، مگر اُس نے موت کو انکار پر ترجیح دی۔ آخر کہتے ہیں کہ اُسے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا تھا اور جیسا اُس نے کہا تھا مرنے کے بعد ایک نشان اُس کا ظاہر ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی متاع پولوس کی باتوں پر ہار دیتے ہیں علاوہ بریں انجیل کا ایک بہت بڑا حصّہ بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ مثلاً جب مسیح کو یہودیوں نے اس کے اس کُفر کے بدلے میں کہ یہ ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پتھراؤ کرنا چاہا، تو اُس نے صاف کہا کہ کیا تمھاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ تم خدا ہو۔ اب ایک دانشمند خوب سوچ سکتا ہے کہ اس الزام کے وقت تو چاہیے تھا۔ مسیح اپنی پوری برئیت کرتے اور اپنی خدائی کے نشان دکھا کر انہیں ملزم کرتے اور اس حالت میں کہ ان پر کفر کا الزام لگایا گیا تھا، تو اُن کا فرض ہونا چاہیے تھا کہ اگر وُہ فی الحقیقت خُدا یا خُدا کے بیٹے ہی تھے۔ تو یہ جواب دیتے کہ یہ کفر نہیں بلکہ مَیں واقعی طور پر خدا کا بیٹا ہوں اور میرے پاس اس کے ثبوت کے لیے تمہاری ہی کتابوں میں فُلاں فُلاں موقع پر صاف لکھا ہے کہ مَیں قادرِ مطلق عالم الغیب خُدا ہوں اور لاؤ مَیں دکھا دُوں اور پھر اپنی قدرتوں طاقتوں سے ان کو نشاناتِ خدائی بھی دکھا دیتے اور وہ کام جو انھوں نے خدائی کے پہلے دکھاتے تھے ان کی فہرست الگ دیدیتے۔ پھر ایسے بیّن ثبوت کے بعد کس یہودی فقیہہ یا فریسی کی طاقت تھی کہ انکار کرتا۔ وُہ تو ایسے خدا کو دیکھ کر سجدہ کرتے۔ مگر برخلاف اس کے آپ نے کیا تو یہ کیا کہ کہہ دیا کہ تمھیں خُدا لکھا ہے۔ اب خدا ترس دل سے کر غور کرو کہ یہ اپنی خدائی کا ثبوت دیا یا ابطال کیا۔ غرض یہ باتیں ایسی ہیں کہ اُن کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ مَیں اس کو آپ ہی کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔ توراۃ۔ اسلام۔ قانونِ قدرت۔ باطنی شریعت تو توحید کی شہادت دیتے ہیں اور عیسائی یسُوع کی خدائی کے یہ دلائل دیتا ہے کہ کتب سابقہ میں اس کی بشارتیں ہیں (جن کو یہودیوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ خود خدا یا اس کے کسی بیٹے کے لیے ہیں، بلکہ وُہ مسیح کے آنے سے پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں) اور پھر انجیل کے بعض اقوال بتاتے ہیں کہ اس کا یہ حال ہے کہ اصل کا پتہ ہی نہیں، کیونکہ اصل زبان مسیح کی عبرانی تھی اور خود مسیح اپنی الگ انجیل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مسیح نے کہیں اپنی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہودیوں کے پتھراؤ کرنے پر اور اس کُفر کے الزام پر ان کا قومی اور کتابی محاورہ پیش کر کے نجات پائی۔ اپنی خدائی کا کوئی قوی ثبوت نہ دیا۔ اور اپنے سے کبھی فوق العادت کام کو نہ دکھایا یا معجزات کا وُہ حال، پیشگوئیوں کی وہ حالت، علم کی یہ صورت کہ اتنا پتہ نہیں کہ انجیر کے درخت کو اس وقت پھل نہیں ہوگا، اختیار کا یہ حال کہ اُسے لگا نہیں سکا، ساعت کا علم نہیں دے سکتا، ضعف و ناتوانی اتنی کہ طمانچے اور کوڑے کھاتا ہوا صلیب پر چڑھتا ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ خُدا کا بیٹا ہے تو اُتر آ۔ اُترنا تو درکنار اُلٹا

کچھ جواب بھی نہیں دے سکتا۔ چال چلن کا وُہ حال کہ اُستاد بھی عاق کر دیتا ہے اور یہودیوں کے الزامات کئی پُشت تک اُوپر ہوتے ہیں اور کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔[1]

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۱ء

مسیح کے حالات از روئے بائبل

اور پھر مسیح کے حالات کو پڑھو تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ شخص کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ نبی بھی ہو۔ چہ جائیکہ خدا یا خدا کا بیٹا۔

تدبیر عالم اور جزا سزا کے لیے عالم الغیب ہونا ضروری ہے اور یہ خدا کی عظیم الشان صفت ہے، مگر میں ابھی دکھا آیا ہوں کہ اُسے قیامت تک کا علم نہیں اور اتنی بھی اُسے خبر نہ تھی کہ بے موسم انجیر کے درخت کے پاس شدتِ بھوک سے بے قرار ہو کر پھل کھانے کو جاتا ہے اور درخت کو جسے بذاتِ خود کوئی اختیار نہیں ہے کہ بغیر موسم کے بھی پھل دے سکے، بددُعا دیتا ہے۔ اوّل تو خُدا کو بھوک لگنا ہی تعجب خیز امر ہے۔ اور یہ خوبی صرف انجیلی خدا ہی کو حاصل ہے کہ بھوک سے بے قرار ہوتا ہے۔ پھر اس پر لطیفہ یہ بھی ہے کہ آپ کو اتنا علم بھی نہیں ہے کہ اس درخت کو پھل نہیں ہے اور پھر اگر یہ علم نہ تھا تو کاش کوئی خدائی کرشمہ ہی وہاں دکھاتے اور بے بہار پھل اس درخت کو لگا دیتے۔ تا دُنیا کے لیے ایک نشان ہو جاتا، مگر اس کی بجائے بددُعا دیتے ہیں۔ اب ان باتوں کے ہوتے یسُوع کو خدا بنایا جاتا ہے؟ میں آپ کو سچی خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تکلف سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں اپنی دو حیثیتیں بتاتا ہے۔ باپ بھی اور بیٹا بھی۔ خدا بھی اور انسان بھی۔ کیا ایسا شخص دھوکہ نہیں دیتا ہے۔

انجیل کے جن مقامات کا آپ ذکر کرتے ہیں وہاں سیاق و سباق پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کی خدائی کے ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، کیونکہ وہ تو اُس کی انسانیت ہی کو ثابت کرتے ہیں اور انسانیت کے لحاظ سے بھی اُسے عظیم الشان انسانوں کی فہرست میں داخل نہیں کرتے۔ جب اُسے نیک کہا گیا تو اُس نے انکار کیا۔ اگر اس کی رُوح میں بقول عیسائیاں کامل تطہیر اور پاکیزگی تھی۔ پھر وُہ یہ بات کیوں کہتا ہے کہ مجھے نیک نہ کہو۔ علاوہ بریں یسُوع کی زندگی پر بہت سے اعتراض اور الزام لگائے گئے ہیں اور جس کا کوئی تسلی بخش جواب آجتک ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

ایک یہودی نے یسُوع کی سوانحعمری لکھی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ یسوع ایک لڑکی پر

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۲ء

عاشق ہوگیا تھا اور اپنے اُستاد کے سامنے اس کے حُسن وجمال کا تذکرہ کر بیٹھا، تو اُستاد نے اُسے عاق کر دیا اور انجیل کے مطالعہ سے جو کچھ مسیح کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ وہ آپ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ کس طرح پر وہ نامحرم نوجوان عورتوں سے ملتا تھا اور کس طرح پر ایک بازاری عورت سے عطر ملواتا تھا۔ اور یسوع کی بعض نانیوں اور دادیوں کی جو حالت بائبل سے ثابت ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ ان میں سے تین جو مشہور و معروف ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ بنت سبع، راحاب، تمر۔ اور پھر یہودیوں نے اس کی ماں پر جو کچھ الزام لگائے ہیں۔ وُہ بھی اِن کتابوں میں درج ہیں۔ ان سب کو اگر اکٹھا کر کے دیکھیں، تو اس کا یہ قول کہ مجھے نیک نہ کہو۔ اپنے اندر حقیقت رکھتا ہے اور یہ فروتنی یا انکسار کے طور پر ہرگز نہ تھا۔ جیسا بعض عیسائی کہتے ہیں۔ اب میں پُوچھتا ہوں کہ جس شخص کے اپنے ذاتی چال چلن کا یہ حال ہو اور حسب نسب کا یہ تو کیا خدا ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے تقدس کے صریح خلاف ہیں۔ خدا اپنی قدرت سے کبھی الگ نہیں ہوا۔ اور یسُوع کی نسبت صاف معلوم ہے کہ پورا ناتواں اور بے علم تھا۔ پھر یسوع کی راستبازی میں کلام ہے۔ پہلے کہا کہ میں داؤد کا تخت قائم کرنے کے واسطے آیا ہوں اور حواریوں کو پکڑے بیچ کر تلواریں خرید نے کی بھی تعلیم دی، لیکن جب دال گلتی نظر نہ آئی تو اس کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آسمانی بادشاہت ہے کیا داؤد کا تخت آسمانی تھا۔

اصل یہ ہے کہ ابتدا میں اُسے خیال نہ تھا کہ کوئی مخبری کی جاوے گی، لیکن آخر جب مخبری ہوئی اور عدالتوں میں طلبی ہوئی، تو آنکھ کھلی اور آسمانی سلطنت پر اُسے ٹالا۔

بھلا اس قسم کے ضُعف اور بے علمی اور ایسے چال چلن کے ہوتے ہوئے کہیں خدا بننا۔ کہیں بیٹا کہلانا اور انسان ہونا یہ ساری باتیں ایک ہی وقت میں جمع ہو جاتیں کس قدر حیرت کو بڑھانے والی ہیں۔

پولُوس کا کردار

باقی رہا پولُوس کا اجتہاد یا اُس کے اقوال۔ جن لوگوں نے پولوس کے چال چلن پر غور کی ہے اور جیسا کہ اس کے بعض خطوط کے فقرات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ہر مذہب والے کے رنگ میں ہو جاتا تھا۔ تمہیں خوب معلوم ہے اور اس کے حالات میں آزاد خیال لوگوں نے لکھا ہے کہ اچھے چال چلن کا آدمی نہ تھا۔ بعض تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایک کاہن کی لڑکی پر عاشق تھا اور ابتدا میں اُس نے بڑے بڑے دُکھ عیسائیوں کو دیئے اور بعد میں جب کوئی راہ اُسے نہ ملی اور اپنے مقصد میں کامیابی کا کوئی ذریعہ اُسے نظر نہ آیا تو اس نے ایک خواب بنا کر اپنے آپ کو حواریوں کا جھمدار بنا لیا۔ خود عیسائیوں کو اِس کا اعتراف ہے کہ وہ بڑا سنگدل اور خراب آدمی تھا اور یُونانی بھی پڑھا ہوا تھا۔ مَیں نے جہاں تک غور کی ہے مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ ساری خرابی اس لڑکی ہی کے معاملہ کی تھی اور عیسائی مذہب کے ساتھ اپنی دشمنی کا اہل کرنے کے لیے اس نے یہ طریق آخری سوچا کہ اپنا اعتبار جمانے کے لیے ایک خواب سُنا دی اور عیسائی ہوگیا اور پھر یسُوع کی تعلیم کو اپنے طرز پر ایک نئی تعلیم کے

رنگ میں ڈال دیا۔ مَیں کہتا ہوں کہ عیسائی مذہب کی خرابی اور اس کی بدعتوں کا اصل بانی یہی شخص ہے اور اس کے سوا مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہ شخص ایسا ہی عظیم الشان تھا اور واقعی یسُوع کا رسول تھا اور اس قدر انقلاب عظیم کا موجب ہونے والا تھا کہ خطرناک مخالفت کے بعد پھر یسُوع کا رسُول ہونے کو تھا تو ہمیں دکھاؤ کہ اس کی بابت کہاں پیشگوئی کی گئی ہے کہ ان صفات والا ایک شخص ہوگا اور اُس کا نام ونشان دیا ہو اور یہ بھی بتایا ہو کہ وُہ یسُوع کی خدائی ثابت کریگا؛ ورنہ یہ کیا اندھیر ہے کہ پطرس کے لعنت کرنے اور یہوداہ اسکریوطی کے گرفتار کرانے کی پیشگوئی تو یسُوع صاحب کردیں اور اتنے بڑے عیسوی مذہب کے مجتہد کا کچھ بھی ذکر نہ ہو۔

اِس لیے اس شخص کی کوئی بات بھی قابلِ سند نہیں ہوسکتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ کون سے دلائل ہیں۔ وہ بجائے خود نِرے دعوے ہی دعوے ہیں۔ مَیں بار بار یہی کہتا ہوں اور اس لیے مکرّر سہ مکرّر اس بات کو بیان کرتا ہوں کہ آپ سمجھ لیں کہ انجیل ہی کو یسُوع کی خدائی کے ردّ کرنے کے لیے آپ پڑھیں۔ وہ خود ہی کافی طور پر اس کی تردید کر رہی ہے۔ اگر وُہ خدا تھا تو کیوں اس نے بالکل نرالی طرز کے معجزات نہ دکھائے۔ مَیں نے تحقیق کر لیا ہے کہ اُن کے معجزات کی حقیقت سلبِ امراض سے کچھ بھی بڑھی ہوئی نہ تھی جس میں آجکل یورپ کے مسمریزم کرنے والے اور ہندو اور دُوسرے لوگ بھی مشّاق ہیں اور خیالات ایسے بیہودہ اور سطحی تھے کہ صرع کے مریض کو کہتا ہے کہ اس میں جنّ گھُسا ہوا ہے؛ حالانکہ اگر صرع کے مریض کو کونین، کُچلہ، فولاد دیں اور اندر دماغ میں رسولی نہ ہو تو وُہ اچھا ہو جاتا ہے۔ بھلا جنّ کو مرگی سے کیا تعلق۔ چونکہ یہودیوں کے خیالات ایسے ہو گئے تھے۔ ان کی تقلید پر اُس نے بھی ایسا ہی کہہ دیا۔ اور یا یہ کہ جیسے آجکل جادُو ٹونے کرنیوالے کرتے ہیں کہ بعض ادویات کی سیاہی سے تعویذ لکھ کر علاج کرتے ہیں اور بیماری کو جنّ بتاتے ہیں۔ ویسے ہی اس نے کہہ دیا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ مسیح کے معجزات کو مُسلمانوں نے بھی غور سے نہیں دیکھا اور عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اور اُن سے سُن سُن کر اُن کے معنے غلط کر لیے ہیں۔ مثلاً اکمہ کا لفظ ہے۔ جس کے معنے شب کور کے ہیں۔ اور اب معنے یہ کر لیے جاتے ہیں کہ مادر زاد اندھوں کو شفا دیا کرتے تھے؛ حالانکہ اکمہ وہ مرض ہے کہ جس کا علاج بکرے کی کلیجی کھانا بھی ہے اور اس سے بھی یہ اچھے ہو جاتے ہیں۔

یسُوع کی عاجزی

یسُوع ضُعف، ناتوانی، بیکسی اور نامرادی کی سچّی تصویر ہے اور عام کمزوریوں میں انسانوں کا شریک ہے۔ کوئی امر خاص اس میں پایا نہیں جاتا۔ کُتب سابقہ کی پیشگوئیوں کا جو ذخیرہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں صدہا اختلاف ہے۔ اوّل تو خود یہودیوں میں اُن کے وہ معنی ہی نہیں جو عیسائی کرتے ہیں۔ اور دوسرے ان تفسیروں کی تفسیروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وُہ پوری ہو چکی ہوئی ہیں۔ ایک شخص عرصہ ہوا میرے پاس آیا تھا۔ آخر خدا نے اس پر اپنا فضل کیا اور وہ مُسلمان ہو گیا اور مُسلمان

ہی مرا۔ اس کے واسطے یہودیوں کو لکھا تھا اور اُن سے دریافت کیا تھا اور اصل وارث تو یہودی ہی ہیں کہ جو ہمیشہ نبیوں سے تعلیم پاتے چلے آئے تھے۔ انہی کا حق تو ہے کہ وہ اس کی صحیح تفسیر کریں اور خود مسیح نے بھی فقیہوں اور فریسیوں کی بات ماننے کا حکم دیا ہے گو اُن کے عمل سے منع کیا ہو۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں اختلاف یہ ہے اوّل الذکر ان سے ابنیت اور اُلوہیت نکالتے ہیں اور آخر الذکر کہتے ہیں پوری ہو چکی ہیں۔ انصاف کی رُو سے وہی حق پر ہیں۔ جنھوں نے ہمیشہ نبیوں سے تعلیم پائی اور ان باتوں کی تجدید سے ایمان تازہ کیے اور برابر چودہ سو برس تک خدا کی باتیں سُنتے آئے تھے۔ حضرت مسیح موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو سال بعد یعنی چودھویں صدی میں آئے تھے اور جیسے اس زمانہ میں مسیح دیا گیا تھا۔ کہ تا موسوی جنگوں کے اعتراض کو اپنی تعلیم سے دُور کر دے اور خاتمہ جنگ و جدال پر نہ ہو۔ ویسے ہی اس اُمت کے لیے مثیل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے چودھویں صدی پر مسیح موعود مبعوث کیا گیا تا اپنی پاک تعلیم کے ذریعہ جہاد کے غلط خیال کی اصلاح کر دے اور ثابت کر دے کہ اسلام تلوار سے ہرگز نہیں پھیلایا گیا، بلکہ اسلام اپنے حقائق اور معارف کی وجہ سے پھیلا ہے۔

غرض یہودی پیشگوئیوں کی بحث میں غالب آجائیں گے اور حق اُن کے ساتھ ہے۔ اور یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ یہودی معقول بات کہتے ہیں۔ جیسے ایلیا کے بارے میں اُنھوں نے کہا ہے اور ایسا ہی اس بارے میں اُن کے ہاتھ میں شہادتوں کا ایک زبردست سلسلہ ہے۔ اور اگر کوئی چاہے تو اُن کی کتابیں اب بھی منگوا کر دکھا سکتے ہیں۔ یہی میں نے سراج الدین کو بھی کہا تھا۔

دیکھو انسان ایک برتن کو لیتا ہے تو اسے بھی دیکھ بھال کر لیتا ہے۔ پھر ایمان کے معاملہ میں اتنی لاپروائی کیوں کی جاتی ہے؟ پس یہ پیشگوئیاں تو یوں رَدّ ہوئیں۔ اب باقی رہے انجیل کے اقوال تو سب سے پہلے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اصل انجیل ہی اُن کے ہاتھ میں نہیں ہے تو کیوں یہ امر قرین قیاس نہ مانا جائے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے، کیونکہ مسیح اور اس کی ماں کی زبان عبرانی تھی جس مُلک میں رہتے تھے۔ وہاں عبرانی بولی جاتی تھی۔ صلیب کی آخری ساعت میں مسیح کے مُنہ سے جو کچھ نکلا وہ عبرانی تھا یعنی۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ اب بتاؤ کہ جب اصل انجیل ہی کا پتہ ندارد ہے، تو اس ترجمہ پر کیا دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے اصل انجیل پیش کرو۔ اس صورت میں تو عیسائی یہودیوں سے بھی گر گئے، کیونکہ انہوں نے اپنی اصل کتاب کو تو گم نہیں کیا۔

پھر انجیل میں مسیح نے کہا ہے کہ "میری انجیل" اب اس لفظ پر غور کرنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسودہ انجیل کا کوئی مسیح نے بھی لکھا ہو اور یہ تو نبی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ خدا کی وحی کو محفوظ کرے اور اس کی حفاظت کا کام دُوسروں پر نہ ڈالے کہ وُہ جو چاہیں سو لکھ لیں۔

پولوس کی بابت میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ جس کی تحریروں یا تقریروں پر اپنی خدائی کا انحصار تھا۔ تعجب کی

بات ہے کہ خدا ہو کر اس کے واسطے مُنہ سے ایک لفظ بھی پیشگوئی کا نہ نکلا، بلکہ چاہیے تھا کہ وصیت نامہ لکھ دیتے کہ پولوس اس مذہب کا جمعدار کیا جاوے گا اور جب یہ نہیں تو پھر اس کو کیا حق حاصل تھا کہ وہ خود بخود مجتہد بن بیٹھا۔ اس کو یہ سارٹیفکیٹ ملا کہاں سے تھا؟ یہی وجہ ہے کہ یہ عیسوی مذہب نہیں بلکہ پولوسی ایجاد ہے۔ غرض صدق اور اخلاص بڑی نعمت ہے جس کو خدا دے۔ مختصر یہ کہ خُدا بہتر جانتا ہے اور مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ مَیں تو اپنے دشمن کا بھی سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوں۔ کوئی میری باتوں کو سُنے بھی۔ یہ جو کچھ مَیں نے کہا ہے۔ آپ اس پر غور کریں اور اس پر جو کچھ باقی رہ جاوے اُسے بیان کریں۔

[حضرت اقدسؑ نے اپنی تقریر کو اس مقام پر ختم کر دیا تھا کہ خاکسار ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ مسٹر عبدالحق صاحب نے اپنی تقریر میں عمادالدین کے حوالہ سے ایک بات تثلیث کے ثبوت میں کہی ہے کہ وضو کرتے وقت تین دفعہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ یہ تثلیث کا نشان ہے۔ اس پر بھی کچھ فرمایا جاوے۔] فرمایا :

"یہ تو بالکل بیہودہ اور کچی باتیں ہیں۔ اس طرح پر ثبوت دینا چاہو تو جتنے مرضی ہو خدا بنالو۔ عمادالدین کی ان باتوں پر پادری رجب علی نے ایک ریویو لکھا تھا اور اس نے بڑا واویلا کیا تھا کہ ایسی باتوں سے عیسائیت کی توہین ہوتی ہے؛ چونکہ وُہ کچھ ظریف طبع تھا کہ عمادالدین سے تثلیث کے ثبوت میں یہ بات رہ گئی اور پھر ایسی مثال دی جو قابلِ ذکر نہیں۔

اس نے لکھا کہ عمادالدین بالکل ایک جاہل آدمی تھا۔ مَیں نے اُس کو اُردو کی عبارت کا مطلب بیان کرنے ہی کی دعوت کی تھی جس کا جواب نہ دے سکا۔ اور "نورالحق" کا جواب آجتک نہ ہوا؛ حالانکہ پانچہزار روپیہ انعام بھی تھا۔ ایسی باتیں تو پیش کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ دیکھو آخر مرنا ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ دین کے معاملہ میں بڑی غور و فکر درکار ہے اور پھر خدا کا فضل[1]"

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۷، صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۲۱ فروری ۱۹۰۲ء

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء بعد از نماز عصر

تقریر

مامورمن اللہ کی باتیں توجہ سے سُننی چاہئیں

سب کو متوجہ ہو کر سُننا چاہیے اور پورے غور اور فکر کے ساتھ سُنو، کیونکہ یہ معاملہ ایمان کا معاملہ ہے۔ اس میں غفلت سُستی اور عدم توجہ بہت بُرے نتیجے پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ ایمان میں غفلت سے کام لیتے ہیں اور جب ان کو مخاطب کر کے کچھ بیان کیا جاوے، تو غور سے اس کو نہیں سُنتے ہیں۔ ان کو بولنے والے کے بیان سے خواہ وہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا مفید اور مؤثر کیوں نہ ہو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ کان رکھتے ہیں، مگر سُنتے نہیں۔ دل رکھتے ہیں پر سمجھتے نہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو کچھ بیان کیا جاوے اُسے توجہ اور بڑی غور سے سُنو۔ کیونکہ جو توجہ سے نہیں سُنتا ہے وہ خواہ عرصہ دراز تک فائدہ رساں وجود کی صحبت میں رہے اُسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

جب خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو دُنیا میں مامور کر کے بھیجتا ہے تو اس وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وُہ جو اُن کی باتوں پر توجہ کرتے اور کان دھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اُسے پُورے غور سے سنتے ہیں۔ یہ فریق وہ ہوتا ہے جو فائدہ اٹھاتا ہے اور سچی نیکی اور اس کے برکات و ثمرات کو پالیتا ہے۔ دُوسرا فریق وُہ ہوتا ہے جو اُن کی باتوں کو توجہ اور غور سے سُننا تو ایک طرف رہا۔ اُن پر ہنسی کرتے اور اُن کو دُکھ دینے کے لیے منصوبے سوچتے اور کوششیں کرتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو اس وقت بھی اسی قاعدہ کے موافق دو فریق تھے۔ ایک وُہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سُنا اور پُورے غور سے سُنا اور پھر آپؐ کی باتوں سے ایسے متاثر ہوئے اور آپؐ پر ایسے فدا ہوئے کہ والدین اور اولاد۔ احباب اور اعزہ غرض دُنیا میں جو چیز انہیں عزیز ترین ہو سکتی تھی۔ اس پر آپؐ کے وجود کو مقدم کر لیا۔ اچھے بھلے آرام سے بیٹھے تھے۔ برادری کے تعلقات اور احباب کے تعلقات سے اپنے خیال کے موافق لُطف اُٹھا رہے تھے۔ مگر اس پاک وجود کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہی وُہ سارے رشتے اور تعلق اُن کو چھوڑنے پڑے اور اُن سے الگ ہونے میں اُنہوں نے ذرا بھی تکلیف محسوس نہ کی، بلکہ راحت اور خوشی سمجھی۔ اب غور کرنا چاہیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ کیا چیز تھی؟ جن سے ان لوگوں کو اپنا ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی جانیں دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ اپنے تمام دنیوی مفاد اور منافع اور تمام

قومی اور ملکی تعلقات کو قطع کرنے کے لیے آمادہ ہوئے۔ نہ صرف آمادہ بلکہ انہوں نے قطع کر کے اور اپنی جانوں کو دے کر دکھا دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ کس خلوص اور ارادت سے ہوتے تھے۔ بظاہر آپ کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھا جو ایک دُنیا دار انسان کے لیے تحریص اور ترغیب کا موجب ہو سکے۔ خود آپ نے ہی یتیمی میں پرورش پائی تھی تو وہ اوروں کو کیا دکھا سکتے تھے۔

انبیاء کو حق اور بخشش دی جاتی ہے

مَیں کہتا ہوں کہ بیشک آپؐ کے پاس کوئی مال و دولت اور دنیوی تحریص و ترغیب کا ذریعہ نہ تھا اور ہرگز نہ تھا، لیکن آپؐ کے پاس وہ زبردست چیزیں جو حقیقی اور اصلی، موثر اور جاذب ہیں تھیں۔ وہی اُنھوں نے پیش کیں اور انھوں نے ہی دُنیا کو آپؐ کی طرف کھینچا۔ وہ تھیں حق اور بخشش۔ یہ دو چیزیں ہی ہوتی ہیں۔ جن کو انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں۔ جبتک یہ دونوں موجود نہ ہوں انسان کسی ایک سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ پہنچا سکتا ہے۔ حق ہو بخشش نہ ہو کیا حاصل؟ بخشش ہو لیکن حق نہ ہو۔ اس سے کیا فائدہ؟ بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں اور دُنیا میں موجود ہیں کہ اُن کی زبان پر حق ہوتا ہے، مگر دیکھا گیا ہے کہ وہ حق مفید اور موثر ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں؟ وُہ حق صرف اُن کی زبان پر ہے اور دل اس سے آشنا نہیں اور وُہ بخشش جو دل کی قبولیت کے بعد پیدا ہوتی ہے اُس کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے وُہ جو کچھ کہتا ہے جس اوپرے دل سے کہتا ہے اسی طرح پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔

سچی بخشش، حقیقی جذب اور واقعی تاثیر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس حق کو جسے وہ بیان کرتا ہے، نہ صرف آپ قبول کرے، بلکہ اس پر عمل کر کے اس کے چمکتے ہوئے نتائج اور ثمرات کو اپنے اندر رکھتا ہو۔ جبتک انسان خود سچا ایمان ان اُمور پر جو وہ بیان کرتا ہے، نہیں رکھتا اور سچے ایمان کے اثر یعنی اعمال سے نہیں دکھاتا۔ وہ ہرگز ہرگز موثر اور مفید نہیں ہوتے۔ وُہ باتیں صرف بدبُودار ہونٹوں سے نکلتی ہیں جو دوسروں کے کان تک پہنچنے میں اور بھی بدبُودار ہو جاتی ہیں، بلکہ مَیں یہ کہتا ہوں کہ یہ ظالم و سفاک حق کا یُوں بھی خون کرتے ہیں کہ چونکہ اس کے برکات اور درخشاں ثمرات اُن کے ساتھ نہیں ہوتے اسلئے سننے والے محض خیالی اور فرضی باتیں سمجھ کر ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور یُوں دوسروں کو محروم کر دیتے ہیں۔

غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ شخص جو دُنیا کی اصلاح اور بہتری کا مدعی ہے جبتک اپنے ساتھ حق اور بخشش نہ رکھتا ہو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور وُہ لوگ جو توجہ اور غور سے اسکی بات کو نہیں سُنتے وہ اُن سے بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ جو بخشش اور حق بھی رکھتے ہوں۔

رُوحانی رات اور دن

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اور اس قانونِ قدرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں

ہوتی۔ اسی طرح دُنیا پر اس قسم کے زمانے آتے رہتے ہیں کہ کبھی رُوحانی طور پر رات ہوتی ہے اور کبھی طلوعِ آفتاب ہوکر نیا دن چڑھتا ہے، چنانچہ پچھلا ایک ہزار جو گذرا ہے رُوحانی طور پر ایک تاریک رات تھی جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فسیح احوج رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ ایک دن ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (حج: ۴۸) اس ہزار سال میں دنیا پر ایک خطرناک ظُلمت کی چادر چھائی ہوئی تھی۔ جس میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو ایک ناپاک کیچڑ میں ڈالنے کے لیے پوری تدبیروں اور مکاریوں اور حیلہ جوئیوں سے کام لیا گیا ہے اور خود ان لوگوں میں ہر قسم کے شرک اور بدعات ہو گئے جو مُسلمان کہلاتے تھے، مگر اس گروہ کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْہُمْ۔ یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ غرض جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ ہزار سالہ رات تھی جو گذر گئی۔ اب خدا تعالیٰ نے تقاضا فرمایا کہ دُنیا کو روشنی سے حصّہ دے اس شخص کو جو حصّہ لے سکے، کیونکہ ہر ایک اس قابل نہیں ہے کہ اس سے حصّہ لے۔

چنانچہ اُس نے مجھے اس صدی پر مامُور کر کے بھیجا ہے تاکہ میں اسلام کو زندہ کروں۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پُورے طور پر اور اصلی معنوں میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ وہ بہتوں کو مخلص نہ بنا سکے۔ ذرا سی غیر حاضری میں قوم بگڑ گئی باوجودیکہ ہارُونؑ ابھی ان میں موجود تھے۔ اور قوم نے گوسالہ پرستی اختیار کی اور ساری عمر قسم قسم کے شکوک و شبہات پیش کرتے رہے۔ کبھی بھی انشراح قلب کے ساتھ ساری قوم باوجود بہت سے نشانوں کے دیکھنے کے مخلص نہ ہو سکی۔ اور ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناکام رہے۔ یہانتک کہ حواری بھی جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے۔ بگڑ گئے اور بعض مرتد ہو کر لعنتیں کرنے لگے۔ فقیہ اور فریسی جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھنے والے تھے اُن کو نصیب نہ ہوا کہ اس آسمانی نُور سے حصّہ لیتے اور ان سچائی کی باتوں کو جو حضرت مسیح علیہ السلام لے کر آئے تھے، قبول کرتے اور توجہ سے سُنتے۔ اگرچہ کہا جائے گا کہ ان کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ جو مسیح کی علامتوں اور نشانات کے متعلق پیشگوئیوں کے رنگ میں تھیں۔ لیکن اگر توجہ کرتے اور رشید ہوتے اور ان کو قوتِ حاسّہ ملی ہوتی، تو ضرور فائدہ اُٹھا لیتے اور زور دیکر مشکلات سے نکل جاتے۔ ان اُمور اور واقعات پر نگاہ کرنے سے طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ انسان اپنے ہی حربہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ جو لوگ توجہ نہیں کرتے اور اس کے وجُود کو بے سُود اور فضول قرار دیتے ہیں اور اس کی پاکیزہ باتوں پر کوئی غور نہیں کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وُہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسا میں نے شروع میں کہا تھا کہ توجہ اور غور سے سُننا چاہیے اور جو لوگ توجہ اور غور سے نہیں سُنتے وہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو کان رکھتے ہوئے نہیں سُنتے۔ اسی طرح پر میں اب یُوں کہتا ہوں کہ

یہی وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں پر قفل لگے ہوتے ہوتے ہیں اور جن کے کانوں اور آنکھوں پر پردے ہوتے ہیں۔ اس لیے وُہ خدا تعالیٰ کے مامُوروں اور مُرسلوں کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور اُن سے فائدہ نہ اٹھا کر محروم ہو جاتے ہیں اور آخر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔"

مامُورین کی باتوں سے فائدہ اٹھانیوالے لوگ

لیکن جو حُسنِ ظن سے کام لے کر صبر اور استقلال کے ساتھ اس کی باتوں کو متوجہ ہو کر سُنتے ہیں وُہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ آخر سچائی کی چمک خود اُن کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔ اُن کی آنکھیں کھُل جاتی ہیں اور اُن کے کانوں میں نئی سُننے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دل فکر کرتا ہے اور عمل کا رنگ پیدا کر دیتا ہے جس سے وُہ سُکھ پاتے ہیں۔

دُنیا ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو نیکی اور بھلائی کا موقع ملے اور وُہ اُس کو کھو دے تو اس موقع کے ضائع کرنے سے اس کو ہم و غم ہوتا ہے اور ایک درد محسُوس کرتا ہے۔ اس طرح پر جنھوں نے انبیاء علیہم السّلام کا زمانہ پایا اور اس موقع کو کھو دیا، وُہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اہلِ دُنیا اس سے بے خبر ہیں اگر اہلِ دُنیا کو مُردوں کے حالات پر اطلاع ہو سکتی اور مُردے دُنیا میں دوبارہ آکر اپنے حالات سُنا سکتے تو سب کے سب فرشتوں کی سی زندگی بسر کرنے والے ہوتے اور دُنیا میں گناہ پر موت طاری ہو جاتی لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اور اس معاملہ کو پردہ اور خفا میں رکھا ہے، تاکہ نیکی کا اجر اور ثواب ضائع نہ ہو جاوے۔ دیکھو اگر امتحان سے پہلے سوالات کو شائع کر دیا جاوے تو ان کے جوابات میں لیاقت کیا معلوم ہو سکتی ہے؟ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے جو مواخذہ کا طریق رکھا ہے، اس کو افراط و تفریط سے بچا کر رکھا ہے۔

ایمانیات میں خفاء

اگر اللہ تعالیٰ سارے پردے کھول دیتا اور کوئی امر مخفی اور پوشیدہ نہ ہوتا اور مُردے آ آ کر کہہ دیتے کہ جنّت و نار سب حق ہیں تو بتاؤ کہ کوئی دہریہ اور بُت پرست رہ سکتا تھا؟

مثلاً اگر یہاں ہی کے دو چار مُردے آکر حقیقت بتا دیں اور اپنے پوتوں اور عزیزوں کو بتائیں تو کوئی روگردان رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اب اگر کوئی آفتاب پر ایمان لاوے کہ یہ ہے اور روشنی دیتا ہے تو بتاؤ اس ایمان کا کوئی ثواب اسے مِل سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ نے ایمان کی قدر و قیمت اور نیکی کی جزا کے لیے یہ پسند فرمایا ہے کہ کچھ خفا بھی ہو۔ دانشمند آدمی سعادت پاتا ہے۔ بیوقوف اس سے محروم رہ جاتا ہے اور پھر کوئی ایمانی امر ایسا نہیں ہے جس میں حقیقت اور فلسفہ نہ ہو۔ اس خفا میں عظیم الشّان فلسفہ ہے۔ جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے کہ اگر ایسا انکشاف ہوتا کہ کوئی چیز مخفی نہ رہ جاتی۔

معاد کا حال، خدا کی رضا کا پتہ معلوم ہو جاتا، تو نیکی نیکی نہ رہتی اور نہ اس کی کوئی قدر ہوتی۔ مشہود محسوس چیزوں پر ایمان لانے سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ مسجد پر یا درخت یا آفتاب پر ایمان لانیوالا اور ان کے وجود کا اعتراف کرنے والا بھی جزا کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن جو مخفی کو معلوم کر کے ایمان لاتا ہے۔ وہ بیشک قابلِ تعریف فعل کا کرنے والا ٹھہرتا ہے اور مدح اور تعریف کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جب بالکل انکشاف ہو گیا۔ پھر کیا؟ اسی طرح پر اگر کوئی ۲۹ دن کے ہلال کو دیکھتا ہے تو بیشک اس کی نظر قابلِ تعریف ہوگی، لیکن اگر کوئی چودہ دن کے بعد جبکہ بدر ہو گیا اور عالمتاب روشنی نظر آتی ہے لوگوں کو کہے کہ آؤ میں تمہیں چاند دکھاؤں میں نے دیکھ لیا ہے تو وہ مسخرہ اور فضول گو ٹھہرایا جائیگا۔

غرض قابلیت فراست سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا نے کچھ چھپایا ہے اور کچھ ظاہر کیا ہے۔ اگر بالکل ظاہر کرتا تو ایمان کا ثواب جاتا رہتا اور اگر بالکل چھپاتا تو سارے مذاہب تاریکی میں دبے رہتے اور کوئی بات قابلِ اطمینان نہ ہو سکتی اور آج کوئی مذہب والا دوسرے کو نہ کہہ سکتا کہ تو غلطی پر ہے اور نہ مواخذہ کا اصول قائم رہ سکتا تھا، کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق تھی، مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲۸۷)

پس خدا کا فضل ہے کہ ہلکا سا امتحان رکھا ہوا ہے جس میں بہت مشکلات نہیں! باوجودیکہ وہ عالم ایسا اَدق ہے کہ جو جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انوار و برکات کا ایک سلسلہ رکھا ہے جس سے اس دُنیا ہی میں پتہ لگ جاتا ہے اور وُہ مخفی اُمور متحقق ہو جاتے ہیں[1]۔

سِرّ الٰہی آج کل کے فلاسفروں نے مُردوں کے واپس آنے کی بہت تحقیقات کی ہے۔ امریکہ میں ایک شخص کو مار کر دیکھا کہ آیا مرنے کے بعد شعور باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اُس شخص کو جس پر یہ تجربہ کرنا چاہا۔ کہدیا گیا کہ تم نے آنکھ کے اشارے سے بتا دینا، مگر جب وہ ہلاک کیا گیا، تو کچھ بھی نہ کر سکا، کیونکہ یہ ایک سِرّ الٰہی ہے جس کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ انسان جب حد سے گزرتا ہے تو سِرّ کی تلاش کی فکر میں ہوتا ہے۔ مغربی دُنیا میں جو زمینی تحقیقات میں لگی ہوئی ہے وُہ ہر فلسفہ میں ادب سے دُور نکل جاتی ہے اور انسانی حدُود کو چھوڑ کر آگے قدم رکھنا چاہتی ہے، مگر بے فائدہ۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن امور کو جو ایمانیات سے متعلق ہیں نہ تو اس قدر چھپایا ہے کہ تکلّف کی حد تک پہنچ جائیں اور نہ اس قدر ظاہر کیا ہے کہ ایمان ایمان ہی نہ رہے اور کوئی فائدہ اس پر مترتّب نہ ہو سکے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۱۰/مارچ ۱۹۰۲ء

اسلام ایک زندہ مذہب

بادجود ان ساری باتوں کے آج اسلام کے لیے خوشی کا دن ہے کہ معمورۂ عالم میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ اپنی روشن ہدایتوں اور عملی سچائیوں کے ساتھ زندہ نشانات اور زندہ برکات کا ایک زبردست معجزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے، جس کے مقابلہ کی کبھی میں طاقت نہیں۔

یہ بات کہ اسلام اپنی پاک تعلیم اور اس کے زندہ نتائج کے ساتھ اس وقت معمورۂ عالم میں ممتاز ہے۔ نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کے ذریعہ اس سچائی کو ثابت کر دیا ہے اور کل مذاہب و ملل کو دعوت حق کر کے اس نے بتا دیا ہے کہ فی الحقیقت اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور جسے ابھی تک شک ہو وہ میرے پاس آئے اور ان خوبیوں اور برکات کو خود مشاہدہ کرے، مگر طالب صادق بن کر آئے نہ جلد باز معترض ہو کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں دُنیا میں ظاہر ہوئے اور خدا تعالیٰ کے جلال اور گم گشتہ توحید کو زندہ کرنے کے لیے آپ مبعوث ہوئے۔ اس زمانہ ہی کی حالت پر اگر کوئی سعادت مند سلیم الفطرت غور کن دل لیکر فکر کرے، تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ کی حالت ہی آپؐ کی سچائی پر ایک روشن دلیل ہے اور دانشمند اس وقت ہی کو دیکھ کر اقرار کرے اور معجزہ بھی طلب نہ کرے۔

پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتاب "میزان الحق" میں یہ سوال کیا ہے کہ کیا سبب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خدا تعالیٰ نے اُن کو نہ روکا؟ اس سوال کا پھر آپ جواب دیتا ہے کہ اُس وقت چونکہ عیسائی بگڑ گئے تھے۔ اُن کے اخلاق اور اعمال بہت خراب تھے۔ اُنھوں نے سچی راست بازی کا طریق چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تنبیہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اس لیے آپؐ کو نہ روکا۔ اس سے یہ نادان عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا تو اعتراف نہیں کرتا، بلکہ معترض کی صورت میں اس کو پیش کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کیا اس وقت کے حسب حال کسی مصلح کی ضرورت تھی یا یہ کہ ایک کا جو ایک ہاتھ کاٹا ہوا ہے تو دُوسرا بھی کاٹا جاوے جو بیمار ہے پتھر مار کر مار دیا جاوے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کے رحم کے مناسب حال ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ اس وقت جیسا کہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں وہ تاریکی کا زمانہ تھا اور دیانتمند نے اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہے کہ ہندوستان میں بُت پرستی ہو رہی تھی۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کُل معمورۂ عالم میں ایک خطرناک تاریکی چھائی ہوئی تھی، جس کا اعتراف ہر قوم اور ملت کے مورخوں اور محققوں نے کیا ہے۔ اب ایسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود بے ضرورت نہ تھا۔

بلکہ وُہ کل دنیا کے لیے ایک رحمت کا نشان تھا؛ چنانچہ فرمایا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) یعنی اے نبی کریم ہم نے تمھیں تمام عالم پر رحمت کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کو تو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس وقت آدمیت کی کیا حالت ہے اور کس خطرناک بُت پرستی کے تاریک غار میں گرا ہوا ہے۔ یہانتک کہ انسان کی شرمگاہ کی پرستش بھی اِن دیدَ کے ماننے والوں میں مروج تھی اور نہ آپ کو معلوم تھا کہ بلادِ شام کے عیسائیوں کا کیا حال ہے۔ وُہ کس قسم کی انسان پرستی میں مصروف ہو کر اخلاق اور اعمالِ صالحہ کی قیود سے نکل کر بالکل تاریک زندگی بسر کر رہے تھے اور نہ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ ایران اور مصر میں کیا ہو رہا ہے؛ غرض آپؐ تو ایک جنگل میں پیدا ہوتے تھے۔ نہ اس وقت کوئی تاریخ مدون ہوئی تھی جو آپؐ نے پڑھی ہوتی۔ نہ کسی مدرسہ اور مکتب میں آپؐ نے تعلیم پائی تھی، جو معلومات وسیع ہوتے اور نہ کوئی اور ذرائع لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے تھے جیسے تاریا اخبار یا ڈاک خانے وغیرہ۔

آپؐ کو تو دُنیا کے بگڑ جانے کی اطلاع صرف خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی۔ جب یہ آیت اُتری ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ دریاؤں سے مُراد وُہ لوگ ہیں، جن کو پانی دیا گیا یعنی شریعت اور کتاب اللہ ملی اور جنگل سے مُراد وہ ہیں، جن کو اس سے حصّہ نہیں ملا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب بھی بگڑ گئے اور مُشرک بھی۔ الغرض آپؐ کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ دُنیا میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

دلائلِ صداقت

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو پیدا کیا تا تاریکی کو دُور کریں۔ ایسے پرفتن زمانہ میں (کہ چاروں طرف فسق و فجور کی ترقی تھی اور شرک و دہریت کا زور تھا کہ نہ اعتقاد ہی دُرست تھے اور نہ اعمالِ صالحہ اور نہ اخلاق ہی باقی رہے تھے) آپؐ کا پیدا ہونا بجائے خود آپؐ کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ کاش کوئی اس پر غور کرے۔ عقلمند اور سلیم الفطرت انسان ایسے وقت پر آنیوالے مُصلح کی تکذیب کے لیے کبھی جلدی نہیں کر سکتا۔ اور کم از کم اس کو اتنا تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ وقت پر آیا ہے۔ وبا، طاعون اور ہیضہ کی شدت کے وقت اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں ان کے علاج کے لیے آیا ہوں، تو کیا اس قدر تسلیم کرنا نہیں پڑیگا کہ یہ شخص ضرورت کے وقت پر آیا ہے؟ بیشک ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے لیے پہلی دلیل یہی ہے کہ آپؐ جس وقت تشریف لائے، وُہ وقت چاہتا تھا کہ مَردے از غیب بیرون آید و کارے بکند۔ اسی کی طرف قرآنِ کریم نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے: بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

پس یاد رکھو کہ مامُور من اللہ کی شناخت کی پہلی دلیل یہی ہوتی ہے کہ اس وقت اور موقع پر نگاہ کی جاوے کہ کیا اس وقت کسی مردِ آسمانی کے آنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟

ایک شخص اگر نہروں کی موجودگی اور متعدد کنوؤں کے ہوتے ہوئے پھر ان میں ہی کنواں لگاتا ہے، تو صاف کہنا پڑیگا کہ یہ وقت اور روپیہ کا خُون کرتا ہے، لیکن اگر وہ کسی ایسے جنگل میں جہاں کوئی کنواں نہیں ہے۔ کنواں لگاتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ اُس نے خیر جاری کے لیے یہ کام کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے جسمانی جنگل میں پیدا ہوئے، ویسے ہی رُوحانی جنگل بھی تھا۔ مکہ میں اگر جسمانی اور رُوحانی نہریں نہ تھیں، تو دُوسرے مُلک رُوحانی نہر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے تھے اور زمین مُردہ ہو چکی تھی جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید: ۱۸) یعنی یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ زمین سب کی سب مر گئی تھی۔ اب خدا تعالیٰ نئے سرے اس کو زندہ کرتا ہے۔ پس یہ زبردست دلیل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی کہ آپؐ ایسے وقت میں آئے کہ ساری دُنیا عام طور پر بدکاریوں اور بداعتقادیوں میں مبتلا ہو چکی تھی اور حق و حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے خالی ہو گئی تھی۔

پھر دُوسری دلیل آپؐ کی سچائی کی یہ ہے کہ آپؐ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھائے گئے۔ جب وُہ اپنے فرضِ رسالت پورے طور پر ادا کر کے کامیاب اور بامُراد ہو چکے۔ حقیقت میں جیسے مامُور من اللہ کے لیے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ آیا وُہ وقت پر آیا ہے یا نہیں؟ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وُہ کامیاب ہوا یا نہیں۔ اُس نے اُن بیماروں کو جن کے علاج کے لیے وُہ آیا، اچھا بھی کیا یا نہیں؟[1]

عربوں کی اخلاقی اور رُوحانی حالت

زیادہ تفصیل کی اس مقام پر ضرورت نہیں، کیونکہ اس مجمع میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو بخوبی علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کا کیا حال تھا۔ کوئی بدی ایسی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔ جیسے کوئی ہر میعنہ اور امتحان کو پاس کر کے کامل اُستاد ہر فن کا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر وہ بدیوں اور بدکاریوں میں ماہر اور پُورے تھے۔ شرابی، زانی، یتیموں کا مال کھانے والے، قمار باز۔ غرض ہر برائی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، بلکہ اپنی بدکاریوں پر فخر کرنیوالے تھے۔ اُن کا قول تھا۔ مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا (الجاثیۃ: ۲۵) ہماری زندگی اسی قدر ہے کہ یہاں ہی مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ حشر نشر کوئی چیز نہیں۔ قیامت کچھ نہیں۔ جنت کیا ہے اور جہنم کیا؟ قرآن شریف کے احکام جن بدیوں اور برائیوں سے روکتے ہیں وہ سب بموجب طور پر ان میں موجود تھیں۔ ان کی حالت کا نقشہ ہے۔ جس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ وُہ کیا تھے۔ ایک موقع پر فرماتا ہے۔ يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ (محمد: ۱۳) کھاتے ہیں اور متمتع اُٹھاتے ہیں یعنی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۳، ۴ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۲ء

اپنے پیٹ کی اور دوسری شہوات میں مبتلا اور اسیر ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب انسان جذباتِ نفس اور دیگر شہوات میں اسیر اور مبتلا ہو جاتا ہے تو چونکہ وہ طبعی تقاضوں کو اخلاقی حالت میں نہیں لاتا اس لئے ان شہوات کی غلامی اور گرفتاری ہی اس کے لئے جہنم ہو جاتی ہے اور اُن ضرورتوں کے حصول میں مشکلات کا پیش آنا اس پر ایک خطرناک عذاب کی صورت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جس حال میں ہیں گویا جہنم میں مبتلا ہیں۔

قرآنِ مجید قصّوں کا مجموعہ نہیں

یہ بات ہرگز ہرگز بھُول جانے کے قابل نہیں ہے کہ قرآن شریف جو خاتم الکتب ہے۔ دراصل قصّوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اپنی غلط فہمی اور حق پوشی کی بناء پر قرآن شریف کو قصّوں کا مجموعہ کہا ہے۔ اُنھوں نے حقائق شناس نظرت سے حصّہ نہیں پایا؛ ورنہ اس پاک کتاب نے تو پہلے قصّوں کو بھی ایک فلسفہ بنا دیا ہے اور یہ اس کا احسانِ عظیم ہے، ساری کتابوں اور نبیوں پر؛ ورنہ آج ان باتوں پر ہنسی کی جاتی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس علمی زمانہ میں جبکہ موجوداتِ عالم کے حقائق اور خواص الاشیاء کے علوم ترقی کر رہے ہیں۔ اس نے آسمانی علوم اور کشفِ حقائق کے لیے ایک سلسلہ کو قائم کیا۔ جس نے ان تمام باتوں کو جو فیج اعوج کے زمانہ میں ایک معمولی قصّوں سے بڑھ کر وقعت نہ رکھتی تھی اور اس سائنس کے زمانہ میں اُن پر ہنسی ہو رہی تھی۔ علمی پیرایہ میں ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔

بہشت و دوزخ کی حقیقت

پہلے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل خیالی اور سادہ طور پر بہشت و دوزخ کو رکھا گیا تھا۔ حضرت مسیحؑ نے پھانسی پانے والے چور کو یہ تو کہہ دیا کہ آج ہم بہشت میں جائیں گے، مگر بہشت کی حقیقت پر کوئی نکتہ بیان نہ فرمایا۔ ہم اس وقت اس سوال کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ عیسائیوں کے انجیلی عقیدے اور بیان کے موافق وُہ بہشت میں گئے یا ہاویہ میں، بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ بہشت کی حقیقت اُنھوں نے کچھ بیان نہیں کی۔ ہاں یُوں تو عیسائیوں نے اپنے بہشت کی مساحت بھی کی ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف کسی تعلیم کو قصّے کے رنگ میں پیش نہیں بلکہ وہ ہمیشہ ایک علمی صُورت میں اُسے پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسی بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) یعنی جو اس دُنیا میں اندھا ہے، وُہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ کیا مطلب کہ خدا تعالیٰ اور دُوسرے عالم کے لذّات کے دیکھنے کے لیے اسی جہان میں حواس اور آنکھیں ملتی ہیں۔ جس کو اس جہان میں نہیں ملیں، اس کو وہاں بھی نہیں ملیں گے۔ اب یہ امر انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اِن حواس اور آنکھوں کے حاصل کرنے کے واسطے اسی عالم میں کوشش اور سعی کرے تاکہ دُوسرے عالم میں بینا اُٹھے۔ ایسا ہی عذاب کی حقیقت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزۃ : ۷،۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک آگ ہے۔ جس کو وُہ بھڑکاتا ہے اور انسان کے دل ہی پر اس کا شعلہ بھڑکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عذابِ الٰہی اور جہنّم کی اصل جڑ انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اور گندے ارادے اور عزم اس جہنّم کا ایندھن ہیں۔ اور پھر بہشت کے انعامات کے متعلق نیک لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا (الدھر: ۷) یعنی اس جگہ نہریں نکال رہے ہیں۔ اور پھر دُوسری جگہ مومنوں اور اعمالِ صالحہ کرنیوالوں کی جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اب مَیں پُوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ان باتوں کو قصّہ قرار دے سکتا ہے۔ یہ کیسی سچّی بات ہے۔ جو یہاں آباشی کرتے ہیں وہی پھل کھائیں گے۔ غرض قرآن شریف اپنی ساری تعلیموں کو علوم کی صورت اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے اور یہ زمانہ جس میں خدا تعالیٰ نے ان علومِ حقّہ کی تبلیغ کے لیے اِس سلسلہ کو خود قائم کیا ہے۔ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے۔

قرآن کریم کے احسانات

پس یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے۔ جو اِن کی تعلیموں کو جو قصّہ کے رنگ میں تھیں علمی رنگ دیدیا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصّوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جبتک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے، کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وُہ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (الطارق: ۱۴، ۱۵) وُہ میزان، مہیمن، نُور اور شفاء اور رحمت ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو پڑھتے اور اُسے قصّہ سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا، بلکہ اس کی بے حُرمتی کی ہے۔ ہمارے مخالف کیوں ہماری مخالفت میں اس قدر تیز ہوتے ہیں؟ صرف اسی لیے کہ ہم قرآن شریف کو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سراسر نور، حکمت اور معرفت ہے، دکھانا چاہتے ہیں۔ اور وُہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایک معمولی قصّے سے بڑھ کر وقعت نہ دیں۔ ہم اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم پر کھول دیا ہے کہ قرآن شریف ایک زندہ اور روشن کتاب ہے۔ اس لیے ہم ان کی مخالفت کی کیوں پرواہ کریں۔ غرض مَیں بار بار اس امر کی طرف ان لوگوں کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشفِ حقائق کے لیے قائم کیا ہے کیونکہ بُدوں اس کے عملی زندگی میں کوئی روشنی اور نُور پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور مَیں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خُوبی دنیا پر ظاہر ہو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اس کام کے لیے مامُور کیا ہے۔ اس لیے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نرا قصّہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔

بہشت اور دوزخ کی حقیقت

اب مَیں پھر اصل مطلب کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے بہشت اور دوزخ کی جو حقیقت بیان کی ہے کسی دوسری کتاب

نے بیان نہیں کی۔ اس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ اسی دُنیا سے یہ سلسلہ جاری ہوتا ہے؛ چنانچہ فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن: ۴۷) یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اس کے واسطے دو بہشت ہیں۔ یعنی ایک بہشت تو اسی دُنیا میں مل جاتا ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا خوف اُس کو برائیوں سے روکتا ہے اور بدیوں کی طرف دوڑنا دل میں ایک اِضطراب اور قلق پیدا کرتا ہے۔ جو بجائے خود ایک خطرناک جہنم ہے، لیکن جو شخص خدا کا خوف کھاتا ہے تو وہ بدیوں سے پرہیز کر کے اس عذاب اور دَرد سے تو دم نقد بچ جاتا ہے جو شہوات اور جذباتِ نفسانی کی غلامی اور اسیری سے پیدا ہوتا ہے اور وُہ وفاداری اور خُدا کی طرف جھکنے میں ترقی کرتا ہے جس سے ایک لذّت اور سُرور اُسے دیا جاتا ہے اور یُوں بہشتی زندگی اِسی دُنیا سے اُس کے لیے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر اس کے خلاف کرنے سے جہنمی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر دلیل

اس وقت میرا صرف یہ مطلب ہے کہ مَیں اس دُوسری دلیل کی طرف تمہیں متوجہ کروں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر خدا تعالیٰ نے دی ہے یعنی یہ کہ آپؐ جس کام کے لیے آئے تھے، اس میں پُورے کامیاب ہو گئے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ جب آپؐ تشریف لائے تو آپؐ نے ہزارہا مریضوں کو مرض کے آخری درجہ میں پایا۔ جو اُن کی موت تک پہنچ گیا تھا، بلکہ حقیقت میں وہ مَر ہی چکے تھے جیسا کہ اس وقت کی تاریخ کے پتہ سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر انصافاً کوئی سوچے کہ اپنے خدمت گار کے عیب دُور نہیں کر سکتے تو جو شخص ایک بگڑی ہوئی قوم کی ایسی اِصلاح کر دے کہ گویا وُہ عیب اُس میں تھے ہی نہیں تو اس سے بڑھ کر اس کی صداقت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مُسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی؛ ورنہ یہ ایسے روشن دلائل ہیں کہ دُوسرے نبیوں میں اُس کے نظائر بہت ہی کم ملیں گے۔ مثلاً جب ہم آپؐ کے بالمقابل حضرت مسیحؑ کو دیکھتے ہیں، تو کسقدر افسوس ہوتا ہے کہ وُہ چند حواریوں کی بھی کامل اصلاح نہ کر سکے اور ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے۔ یہانتک کہ بعض کو شیطان بھی کہا۔ وہ ایسے لالچی تھے کہ یہوداہ اسکریوطی جو مسیح کا خزانچی تھا۔ بسا اوقات اس تھیلی میں سے جو اُس کے پاس رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی چُرا بھی لیا کرتا تھا۔ آخر اسی لالچ نے اُسے مجبُور کیا کہ وہ تیس درہم لیکر اپنے اُستاد اور مُرشد کو گرفتار کرا دے۔ اِدھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی طرف دیکھتے ہیں تو اُنھوں نے اپنی جانیں دے دینی آسان سمجھیں، بجائے اس کے کہ اُن میں غدّاری کا ناپاک حصّہ پایا جاتا۔ یُورپین مؤرخوں تک کو اس اَمر کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں جو اُنس وفاداری اور اطاعت

اپنے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اس کی نظیر کسی دُوسرے نبیوں کے متبعین میں نہیں ملتی ہے خصوصاً مسیح علیہ السلام تو اس مقابلہ میں بالکل تہی دست ہیں۔ اب جبکہ اس قدر غلو اُن کی شان میں کیا گیا ہے اور باوجود کمزوریوں کی ان مثالوں اور واقعات کے ہوتے ہوئے جو انجیل میں موجود ہیں، اُن کو خدا بنایا گیا ہے۔ ان کی قوتِ قدسی اور جذب وکشش کا یہ نمونہ پیش کیا گیا ہے کہ وہ چند حواریوں کو بھی دُرست نہ کر سکے، تو اور اُن سے کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ عیسائی جب حواریوں کی اعتقادی اور عملی کمزوریوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مسیحؑ کے بعد اُن میں قوت اور طاقت آگئی تھی اور وُہ کامل نمونہ ہو گئے تھے، مگر یہ جواب کیسا مضحکہ خیز اور عُذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کہ چراغ کی موجودگی میں تو کوئی روشنی نہیں۔ چراغ کے بُجھ جانے کے بعد روشنی ہو گئی۔ کیا خُوب !!!

ایک نبی کے سامنے تو وہ پاک صاف نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہو گئے ؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ مسیح اپنی قوتِ قُدسی کے لحاظ سے اور بھی کمزور اور ناتواں تھا۔ معاذ اللہ یہ ایک نحوست تھی کہ جبتک حواریوں کے سامنے رہی وُہ پاک نہ ہو سکے اور جب اُٹھ گئی، تو پھر رُوح القدس سے معمُور ہو گئے۔ تعجب !!

بہت سے انگریز مصنفوں نے بھی اِس مضمون پر قلم اُٹھایا ہے اور رائے ظاہر کی ہے کہ مسیح نے ایک گروہ پایا تھا جو پہلے سے توریت کے مقاصد پر اطلاع پا چکے تھے اور فقیہوں فریسیوں سے خدا کی باتیں سُنتے تھے۔ اگر وُہ راستباز اور پاکباز ہوتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی اور چودہ سو برس تک لگاتار ان میں وقتاً فوقتاً نبی اور رسُول آتے رہے، جو خدا کے احکام اور حدُود سے انہیں اطلاع دیتے رہے۔ گویا اُن کے نُطفہ میں رکھا ہوا تھا کہ وُہ خُدا کو مانیں اور خُدا کے حدُود کی عظمت کریں اور بدکاری سے بچیں۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وُہ اس تعلیم سے جو مسیح انہیں دینا چاہتا تھا۔ بے خبر ہوتے۔

مسیح اگر انہیں دُرست بھی کر دیتے تب بھی یہ کوئی بڑی قابلِ تعریف بات نہ تھی، کیونکہ ایک طبیب کے کامل علاج کے بعد اگر کوئی دُوسرا اچھا کر دے، تو یہ خُوبی کی بات نہیں۔ اس لیے بفرضِ محال اگر مسیح نے کوئی فائدہ پہنچایا بھی ہو تو بھی یہ کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہاں کسی فائدہ کی نظیر بھی نظر نہیں آتی۔ یہوداہ نے تیس روپیہ لے کر اُستاد کو بیچ لیا اور پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر لعنت کی اور دُوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اُحد اور بدر میں آپؐ کے سامنے سر دیدیئے۔ اب انصاف کا مقام ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئے ہوتے اور قرآن شریف نہ ہوتا تو ایسے نبی کی بابت کیا کہتے جس کی تعلیم اور قوتِ قُدسی کے نمونے یہوداہ اسکریوطی اور پطرس ہیں۔

قوتِ قُدسی کا یہ حال اور تعلیم ایسی اُدھوری اور ناقص کہ کوئی دانشمند اُسے کامل نہیں کہہ سکتا اور نہ صرف

یہی بلکہ انسان کی تمدنی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو اُس سے کوئی تعلق ہی نہیں اور پھر لُطف یہ کہ اُس کے کوئی تاثیرات باقی نہیں ہیں۔

دعویٰ ایسا کیا کہ عقل، کانشنس، قانونِ قدرت اور متقدمین کے عقائد اور مسلّمات کے صریح خلاف۔ ان انگریز مصنفوں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اگر قرآن نہ آتا، تو بہت بُری حالت ہوتی۔ اُنھوں نے اعتراف کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں، وحشیوں کو دُرست کیا اور پھر ایسے صادق اور وفادار لوگ تیار کیے کہ اُنھوں نے اس کی رفاقت میں کبھی اپنے جان و مال کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اِس قسم کی وفاداری اور اطاعت، ایثار اور جانثاری پیدا نہیں ہو سکتی جبتک مقتدا اور متبوع میں اعلیٰ درجہ کی قوّتِ قدسی اور جذب نہ ہو۔ پھر لکھتا ہے کہ عربوں کو سچی راستبازی ہی نہ سکھائی گئی تھی، بلکہ اُن کی دماغی قوتوں کی بھی تربیت کی تھی۔ حواری تو ایک گاؤں کا بھی انتظام نہ کر سکتے تھے، مگر صحابہؓ نے دُنیا کا انتظام کر کے دکھا دیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے والدین نے حکومت اور سلطنت کی تھی اور اس لیے وُہ انتظامِ مُلک داری اور قوانینِ سیاست سے آگاہ تھے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور قرآن شریف کی کامل تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف اُس نے اُن کو فرشتے بنا دیا اور دُوسری طرف وہ عقلِ مجسّم ہو گئے۔[1]

بقیہ تقریر ۲۷ دسمبر ۱۹۰۱ء

آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کا کمال

یہ کیسی بدیہی اور صاف بات ہے کہ ایک طبیب اگر ناقابلِ علاج مریضوں کو اچھا کر دے، تو اس کو طبیبِ حاذق ماننا پڑیگا اور جو اس پر بھی اس کی حذاقت کا اقرار نہ کرے، اس کو بجُز احمق اور نادان کے اور کیا کہیں گے۔ اسی طرح پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاکھوں مریضانِ گناہ کو اچھا کیا؛ حالانکہ ان مریضوں میں سے ہر ایک بجائے خود ہزارہا قسم کی رُوحانی بیماریوں کا مجموعہ اور مرض تھا۔ جیسے کوئی بیمار کہے سر درد بھی ہے۔ نزول ہے۔ استسقا ہے۔ وجع المفاصل ہے۔ طحال ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو جو طبیب ایسے مریض کا علاج کرتا ہے اور اس کو تندرست بنا دیتا ہے۔ اس کی تشخیص اور علاج کو صحیح اور حکمی ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ایسا ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو اچھا کیا اُن میں ہزاروں رُوحانی امراض تھے۔ جس جس قدر اُن کی کمزوریوں اور گناہ کی حالتوں کا تصوّر کر کے پھر اُن کی اِسلامی حالت میں تغیّر اور تبدیلی کو ہم دیکھتے ہیں۔ اسی قدر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء

اور قوتِ قدسی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ضد اور تعصب ایک الگ امر ہے جو اپنی تاریکی کی وجہ سے سچائی کے نُور کو دیکھنے کی قوت کو سلب کر دیتا ہے لیکن اگر کوئی دل انصاف سے خالی نہیں اور کوئی سرعقلِ صحیح سے حصّہ رکھنے والا ہے تو اس کو صاف اقرار کرنا پڑیگا کہ آپؐ سے بڑھ کر عظیم الشان پاکیزگی کی طرف تبدیلی کرا دینے والا انسان دُنیا میں نہیں گذرا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ۔

اب بالمقابل ہم پُوچھتے ہیں کہ مسیح نے کس کا علاج کیا؟ اُنھوں نے اپنی رُوحانیت اور عقدِ ہمت اور قوتِ قُدسی کا کیا کرشمہ دکھایا؟

زبانی باتیں بنانے سے تو کچھ فائدہ نہیں جبتک عملی رنگ میں اُن کا نمونہ نہ دکھایا جاوے جبکہ اس قدر مبالغہ اُن کی شان میں کیا گیا ہے کہ بایں ضعف و ناتوانی اُن کو خدا کا منصب دیدیا گیا ہے۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ اُن کی عام رحمت اپنا اثر دکھاتی اور اقتداری قوت کوئی نیا نمونہ پیش کرتی کہ گناہ کی زندگی پر دُنیا میں موت آجاتی اور فرشتوں کی زندگی بسر کرنے والوں سے دُنیا معمُور ہو جاتی، مگر یہ کیا ہوگیا کہ چند خاص آدمی بھی جو آپ کی صحبت میں ہمیشہ رہتے تھے، دُرست نہ ہو سکے۔

عیسائی اپنے خدا یسُوع کا مقابلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنے بیٹھ جاتے ہیں، مگر تعجب ہے کہ انہیں شرم نہیں آتی کہ وُہ اس طرز پر کبھی ایک قدم بھی چلنا گوارا نہیں کرتے۔ اور اس طریق پر وُہ آنحضرت صلعم سے آپ کا مقابلہ کریں، تو انہیں معلوم ہو جاوے۔

انبیاء اخلاق اللہ کا پُورا نمونہ ہوتے ہیں

یاد رکھو کہ نبی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں اور اپنی عملی حالت سے دکھا دیتے ہیں کہ وُہ اِخلاق اللہ کا پُورا نمونہ ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ دُنیا میں جس قدر اشیاء خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لیے مُفید ہیں۔ جیسے درخت بنایا ہے۔ اس کے پتّے، اس کا سایہ، اس کی چھال، اس کی لکڑی، اس کا پھل۔ غرض اس کے سارے حصّے کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ بخش ہیں۔ سُورج کی روشنی سے انسان بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے اور اسی طرح پر تمام چیزیں ہیں جو انسان کے لیے مفید اور نفع رساں ہیں، مگر ہم کو عیسائیوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ انھوں نے ایک عاجز انسان کو خدا اور خدا کا بیٹا بھی قرار دیا۔ مگر اس کا کوئی فائدہ دُنیا پر ثابت نہیں کر سکتے اور کوئی اُس کی مقتدرانہ تجلی کا نمونہ ان کے ہاتھ میں نظر نہیں آتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اُن کا ابن اللہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ہوتا، مگر جب اس کی سوانحعمری پر غور کرتے ہیں تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ بڑی خودکشی اور دُوسروں کی مصیبت دیکھ کر اپنی جان پر کھیل جانا یہ کیا دانشمندی اور مصلحت ہے اور اس سے ان مصیبت زدوں کو کیا فائدہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ

انصاف اور ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیح کو بالکل ناکامیاب ماننا پڑتا ہے کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کا موقع ملا ہے مسیح کو نہیں ملا ہے۔ اور یہ اُن کی بدقسمتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسیح کو کامل نمونہ ہم کہہ نہیں سکتے۔ انسان کے ایمان کی تکمیل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اوّل یہ دیکھنا چاہیے کہ جب وُہ مصائب کا تختۂ مشق ہو اُس وقت وہ خدا تعالیٰ سے کیسا تعلق رکھتا ہے؟ کیا وہ صدق، اخلاص، استقلال اور سچی وفاداری کے ساتھ اِن مصائب پر بھی انشراحِ صدر سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو تسلیم کرتا اور اس کی حمد و ستائش کرتا ہے یا شکوہ و شکایت کرتا ہے۔ اور دُوسرے جب اس کو عُروج حاصل ہو اور اقبال کو فروغ ملے۔ تو کیا اِقتدار اور اقبال کی حالت میں وہ خدائے تعالیٰ کو بھُول جاتا ہے اور اس کی حالت میں کوئی قابلِ اعتراض تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے یا اسی طرح خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا اور اس کی حمد و ستائش کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو عفو کرتا اور اُن پر احسان کر کے اپنی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کو کسی نے مارا ہے۔ اگر وُہ اس پر قادر ہی نہیں ہوا کہ اس کو سزا دے سکے اور اپنا انتقام لے۔ پھر بھی وُہ کہے کہ دیکھو میں نے اس کو کچھ بھی نہیں کہا، تو یہ بات اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی اور اس کا نام بُردباری اور تحمل نہیں رکھ سکتے کیونکہ اُسے قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ ایسی حالت ہے کہ گالی کے صدمہ سے بھی رو پڑے تو یہ تو مستورتی بی ازبے چادری کا معاملہ ہے۔ اس کو اخلاق اور بُردباری سے کیا تعلق!!!

مسیح کے اخلاق کا نمونہ اسی قسم کا ہے۔ اگر انہیں کوئی اقتداری قوت ملتی اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی توفیق انہیں ہوتی پھر اگر وُہ اپنے دشمنوں سے پیار کرتے اور اُن کی خطائیں بخش دیتے، تو بیشک ہم تسلیم کر لیتے کہ ہاں اُنھوں نے اپنے اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ دکھایا، لیکن جب یہ موقعہ ہی اُن کو نہیں ملا تو پھر انہیں اخلاق کا نمونہ ٹھہرانا صریح بے حیائی ہے۔ جبتک دونوں پہلو نہ ہوں خلق کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اب مقابلہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ جب مکّہ والوں نے آپؐ کو نکالا اور تیرہ برس تک ہر قسم کی تکلیفیں آپؐ کو پہنچاتے رہے۔ آپؐ کے صحابہؓ کو سخت سخت تکلیفیں دیں۔ جن کے تصوّر سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اُس وقت جیسے صبر اور برداشت سے آپؐ نے کام لیا، وہ ظاہر بات ہے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کے حکم سے آپؐ نے ہجرت کی اور پھر فتح مکّہ کا موقع ملا تو اُس وقت ان تکالیف اور مصائب اور سختیوں کا خیال کر کے جو مکّہ والوں نے تیرہ سال تک آپؐ پر اور آپؐ کی جماعت پر کی تھیں آپؐ کو حق پہنچتا تھا کہ قتلِ عام کر کے مکّہ والوں کو تباہ کر دیتے اور اس قتل میں کوئی مخالف بھی آپؐ پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ ان تکالیف کے لیے وہ واجب القتل ہو چکے تھے۔ اس لیے اگر آپؐ میں قوتِ غضبی ہوتی تو وُہ بڑا عجیب موقع انتقام کا تھا کہ وہ سب گرفتار ہو چکے

تھے۔ مگر آپؐ نے کیا کیا؟ آپؐ نے اُن سب کو چھوڑ دیا اور کہا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ مکہ کی مصائب اور تکالیف کے نظارہ کو دیکھو کہ قوت و طاقت کے ہوتے ہوئے کس طرح پر اپنے جانستاں دشمنوں کو معاف کیا جاتا ہے۔ یہ ہے نمونہ آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کا جس کی نظیر دُنیا میں پائی نہیں جاتی۔

محض انکارِ رسُل کی سزا اِس دُنیا میں نہیں ملتی

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مکہ والوں نے آپؐ کی بڑی تکذیب نہیں کی تھی۔ بڑی تکذیب جو محض سادگی کی بناء پر ہوتی ہے اِس دُنیا میں اللہ تعالیٰ سزائیں نہیں دیتا ہے لیکن جب مکذّب شرافت اور انسانیت کے حدُود سے نکل کر بے حیائی اور دریدہ دہنی سے اعتراض کرتا ہے اور اعتراضوں ہی کی حد تک نہیں رہتا، بلکہ ہر قسم کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی کے منصوبے کرتا ہے اور پھر اس کو حد تک پہنچاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اپنے مامُور و مرُسل کے لیے وہ ان ظالموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ جیسے نُوحؑ کی قوم کو ہلاک کیا۔ یا لُوطؑ کی قوم کو۔ اس قسم کے عذاب ہمیشہ اُن شرارتوں اور مظالم کی وجہ سے آتے ہیں۔ جو خدا کے مامُوروں اور اُن کی جماعت پر کیے جاتے ہیں؛ ورنہ بڑی تکذیب کی سزا اس عالم میں نہیں دی جاتی۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور اُس نے ایک اور عالم عذاب کے لیے رکھا ہے۔ عذاب جو آتے ہیں۔ وہ تکذیب کو ایذا کے درجے تک پہنچانے سے آتے ہیں اور تکذیب کو استہزاء اور ٹھٹھے کے رنگ میں کر دینے سے آتے ہیں۔ اگر نرمی اور شرافت سے یہ کہا جاوے کہ مَیں نے اس معاملہ کو سمجھا نہیں۔ اس لیے مجھے اس کے ماننے میں تامل ہے تو یہ انکار عذاب کو کھینچ لانیوالا نہیں ہے، کیونکہ یہ تو صرف سادگی اور کمی علم کی وجہ ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر نُوحؑ کی قوم کا اعتراض شریفانہ رنگ میں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نہ پکڑتا۔ ساری قومیں اپنی کرتوتوں کی پاداش میں سزا پاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو لوگ قرآن سُننے کے لیے آتے ہیں۔ اُن کو امن کی جگہ تک پہنچا دیا جاوے خواہ وہ مخالف اور مُنکر ہی ہوں۔ اِس لیے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ نہیں۔ جیسے فرمایا۔ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ۔ (البقرہ: ۲۵۷)۔

لیکن اگر کوئی قتل کریگا یا قتل کے منصوبے کریگا اور شرارتیں اور ایذا رسانی کی سعی کرتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ سزا پاوے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ مجرمانہ حرکات پر ہر ایک پکڑا جاتا ہے۔ پس مکہ والے بھی اپنی شرارتوں اور مجرمانہ حرکات کے باعث اس قابل تھے کہ اُن کو سخت سزائیں دی جاتیں اور اُن کے وجُود سے اس ارضِ مقدس اور اس کے گرد و نواح کو صاف کر دیا جاتا، مگر یہ رحمۃٌ للعالمین اور اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کا مصداق اپنے واجب القتل دشمنوں کو بھی پُوری قوت اور مقدرت کے ہوتے ہوئے کہتا ہے۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔

اناجیل کا یسُوع

اب پادری ہمیں بتائیں کہ مسیح کے اس خُلق کو ہم کہاں ڈھونڈیں؟ انکی زندگی میں آپؐ کا نمونہ کہاں سے لائیں جبکہ وُہ اُن کے عقیدے کے موافق ماریں ہی

کھاتا رہا اور جس کو سر رکھنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ (اگر ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہم خدا کے ایک نبی اور مامور کی نسبت یہ گمان کریں کہ وہ ایسا ذلیل اور مفلوک الحال تھا) انسان کا سب سے بڑا نشان اُس کا خلق ہے، لیکن ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم دینے والے معلم کی عملی حالت میں اُس خُلق کا ہمیں کوئی پتہ نہیں لگتا۔

دُوسروں کو کہتا ہے کہ گالی نہ دو، مگر یہودیوں کے مقدس فریسیوں اور فقیہوں کو حرامکار، سانپ اور سانپ کے بچے آپ ہی کہتا ہے۔ یہودیوں میں بالمقابل اخلاق پائے جاتے ہیں۔ وہ اُسے نیک اُستاد کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ اُن کو حرامکار کہتے ہیں اور کُتّوں اور سُوَروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ فقیہہ اور فریسی نرم نرم الفاظ میں کچھ پُوچھتے ہیں اور وہ دُنیوی وجاہت کے لحاظ سے بھی رُومی گورنمنٹ میں کُرسی نشین تھے۔ اُن کے مقابلہ میں اُن کے سوالوں کا جواب تو بہت ہی نرمی سے دینا چاہیے تھا اور خُوب اُن کو سمجھانا چاہیے تھا، حالانکہ یہ بجائے سمجھانے کے گالی پر گالی دیتے چلے جاتے ہیں۔ کیا اس کا نام اخلاق ہے۔ مَیں بار بار کہتا ہوں کہ اگر قرآن شریف نہ ہوتا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئے ہوتے تو مسیح کی خدائی اور نبوت تو ایک طرف شاید کوئی دانشمند ان کو کوئی عالی خیال اور وسیع الاخلاق انسان ماننے میں بھی تامّل کرتا۔ یہ قرآن شریف کا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عام ہے تمام نبیوں پر اور خصوصاً مسیح پر کہ اُس نے اُن کی نبوت کا ثبوت خود دیا۔

پھر ایک اور پہلو سے بھی مسیح کی خدائی کی پڑتال کرنی چاہیے کہ اخلاقی حالت تو خیر یہ تھی ہی کہ یہود کے معزز بزرگوں کو آپ گالیاں دیتے تھے، لیکن جب ایک وقت قابو آگئے تو اس قدر دُعا کی جس کی کوئی حد نہیں مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ ساری رات کی دُعا عیسائیوں کے عقیدے کے موافق بالکل ردّ ہوگئی اور اُس کا کوئی بھی نتیجہ نہ ہوا، اگرچہ خدا کی شان کے ہی یہ خلاف تھا کہ وہ دُعا کرتے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنی اقتداری قوت کا کوئی کرشمہ اُس وقت دکھا دیتے۔ جس سے بیچارے یہود اقرار اور تسلیم کے سوا کوئی چارہ ہی نہ دیکھتے، مگر یہاں اُلٹا اثر ہو رہا ہے۔ اور

او خود گم است کرا رہبری کُند

کا معاملہ نظر آتا ہے۔ دُعائیں کرتے ہیں۔ چیختے ہیں چلاتے ہیں۔ مگر افسوس وہ دُعا سُنی نہیں جاتی اور موت کا پیالہ جو صلیب کی لعنت کے زہر سے لبریز ہے، نہیں ٹلتا۔ اب کوئی اُس خدا سے کیا پائے گا جو خود مانگتا ہے اور اُسے دیا نہیں جاتا۔ ایک طرف تو خود تعلیم دیتا ہے کہ جو مانگو سو ملے گا۔ دُوسری طرف خود اپنی ناکامی اور نامُرادی کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اب انصاف سے ہمیں کوئی بتائے کہ کسی پادری کو کیا تسلّی اور اطمینان ایسے خدائے ناکام میں مِل سکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں

غرض جس پہلو سے مسیح کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں دعویٰ خدائی کیا جاوے، تو صاف نظر آتا ہے کہ مسیح کو آپؐ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک عظیم الشان کامیاب زندگی ہے۔

آپؐ کیا بلحاظ اپنے اخلاقِ فاضلہ کے اور کیا بلحاظ اپنی قوتِ قدسی اور عقدِ ہمت کے اور کیا بلحاظ اپنی تعلیم کی خوبی اور تکمیل کے اور کیا بلحاظ اپنے کامل نمونہ اور دعاؤں کی قبولیت کے غرض ہر طرح اور ہر پہلو میں چمکتے ہوئے شواہد اور آیات اپنے ساتھ رکھتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ایک غبی سے غبی انسان بھی بشرطیکہ اُس کے دل میں بیجا ضد اور عداوت نہ ہو۔ صاف طور پر مان لیتا ہے کہ آپؐ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا کامل نمونہ اور کامل انسان ہیں، لیکن جب کوئی مسیح کے حالات پر نظر کرتا ہے۔ تو ایک دانشمند اور منصف مزاج انسان کو تامل ہوتا ہے کہ ایسے انسان کو جو مہذب اور شریفانہ باتوں کا جواب گالی سے دیتا ہے۔ نیک اُستاد کہنے والوں کو سانپ اور سانپ کے بچے اور حرامکار کہتا ہے۔ خدا تو ایک طرف صرف نبی ہی تسلیم کرے۔

مسیح پر ایمان لانے میں یہود کی مشکلات

اِن ساری باتوں کے علاوہ یہود کو ایک اور بڑی عجیب مشکل درپیش تھی۔ جس میں بظاہر وہ حق پر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ تھی کہ ملاکی نبی کی کتاب میں وہ پڑھ چکے تھے کہ مسیحؑ کے آنے سے پہلے ایلیا کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ جبتک وُہ نہ آوے مسیح نہ آوے گا۔ اب اُن کے سامنے کسی کے دوبارہ آنے کی نظیر موجود نہیں اور ایلیا کا آسمان سے اُترنا وہ اپنی کتابوں میں پڑھتے آئے تھے۔ اُنھوں نے ایلیا کو آتے دیکھا نہیں۔ مسیح نے آنے کا دعویٰ کیا۔ اُسے تسلیم کریں، تو کیونکر۔ مسیح نے جو فیصلہ ایلیا کے آنے کا کیا کہ وُہ یُوحنّا کے رنگ میں آگیا۔ یہودیوں کے پاس بظاہر اس کے انکار کے لیے وجوہات تھیں، کیونکہ اُن کو ایلیا کا وعدہ دیا گیا تھا، نہ مثیل ایلیا کا۔ اور اس سے پہلے کوئی واقعہ اس قسم کا نہ ہوا تھا۔ اس لیے اُن کو مسیح کا انکار کرنا پڑا۔

ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اُس نے بڑے زور سے اس امر پر بحث کی ہے اور پھر اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ایسی صورت میں ہم کیا کریں۔ بلکہ اُس نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہمیں اسکے متعلق باز پُرس کرے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیں گے۔

غرض ایک مشکل تو یہودیوں کو یہ پیش آئی کہ مسیح مصلوب ہوگیا اور صلیب کی لعنت نے ان کے کذب پر ایک اور رنگ چڑھا دیا۔ کیونکہ وہ توریت میں پڑھ چکے تھے کہ جھوٹا نبی صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور وُہ

ملعون ہوتا ہے۔ پس انھوں نے یہ خیال کیا کہ ایک طرف تو ایلیا آیا نہیں اور یہ مسیح ہونے کا مدعی ہے اور ایلیا کے قصے پر جو فیصلہ دیتا ہے، وہ بظاہر ملاکی نبی کی کتاب کے مخالف ہے، اس لیے کاذب کی مخالفت اور خود مسیح کے طرزِ عمل اور سلوک نے یہودیوں کو اور بھی برافروختہ کر دیا تھا۔ جب وہ اُن کو حرامکار۔ سانپ اور سانپ کے بچے کہہ کر پکارتے تھے۔ پس اُنھوں نے صلیب کے لیے کوشش کی اور جب صلیب پر چڑھا دیا تو ان کے پہلے خیال کو اور بھی مضبوطی ہو گئی، کیونکہ اُنہوں نے دیکھا کہ یہ صلیب پر لٹکایا جا کر لعنتی ہو گیا ہے۔ اس لیے سچا نہیں ہے۔

اب اُنہوں نے یہ یقین کر لیا کہ جب یہ خود لعنتی ہو گیا، تو دُوسروں کا شفیع کیسے ہو سکتا ہے۔ صلیب نے اُس کے کاذب ہونے پر مُہر لگا دی۔ دو گواہوں کے ساتھ انسان پھانسی پا سکتا ہے۔ اُنھوں نے اُس وقت بھی کہا کہ اگر تُو سچا ہے تو اُتر آ مگر وُہ اُتر نہ سکا۔ اِس امر نے ان کو اور بدظن کر دیا۔[1]

بقیہ تقریر ۲۷ دسمبر ۱۹۰۱ء

لعنت کا مفہوم

عیسائی چونکہ لعنت کے مفہوم اور منشاء سے ناواقف تھے، اس لیے مسیح کو ملعون قرار دیتے وقت اُنھوں نے کچھ نہیں سوچا کہ اُس کا انجام آخر کیا ہوگا؟ علاوہ بریں چونکہ عربی سے اُنہیں بغض تھا، اس لیے عبرانی میں بھی پُوری مہارت حاصل نہ کر سکے۔ یہ دونوں زبانیں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور عربی جاننے والے کے لیے عبرانی کا پڑھنا سہل تر ہے، مگر عیسائی بوجہ بُغض عبرانی لُغت سے بھی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

لعنت کا مفہوم یہ ہے کہ.... کوئی خدا تعالیٰ سے سخت بیزار ہو جاوے اور خدا تعالیٰ اس سے بیزار ہو جاوے۔ عیسائیوں کے اپنے مطبع کی چھپی ہوئی لُغت کی کتابیں جو بیروت سے آتی ہیں۔ ان میں بھی لعنت کے یہی معنے لکھے ہوئے ہیں۔ اور لعین شیطان کو کہتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کی سمجھ پر سخت افسوس آتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے مطلب کی خاطر ایک عظیم الشان نبی کی سخت بیحرمتی کی ہے اور اس کو لعین ٹھہرایا ہے اور اُنھوں نے اُس پر کچھ بھی توجہ نہیں کی کہ لعنت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جبتک دِل خدا سے برگشتہ نہ ہووے۔ ملعون نہیں ہو سکتا۔ اب کسی عیسائی سے پُوچھو کہ کیا عربی اور عبرانی لُغت میں لعنت کے یہ معنی متفق علیہ ہیں یا نہیں؟ پھر اگر دل میں شرارت اور ہٹ دھرمی نہیں ہے اور محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے تو کیا ایک لعنت ہی کا مضمون عیسائی مذہب کے استیصال کے لیے کافی نہیں ہے؟ اوّل غور کرے کہ جب یہ بات مسلّم تھی اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء

پہلے توراۃ میں کہا گیا تھا کہ وُہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وُہ لعنتی ہے اور وُہ کاذب ہے۔ تو بتاؤ جو خود ملعون اور کاذب ٹھہر گیا۔ وُہ دُوسروں کی شفاعت کیا کرے گا؟

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جب سے ان عیسائیوں نے خُدا کو چھوڑ کر اُلوہیت کا تاج ایک عاجز انسان کے سر پر رکھ دیا ہے۔ اندھے ہو گئے ہیں اُن کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایک طرف اُسے خدا بناتے ہیں۔ دُوسری طرف صلیب پر چڑھا کر اُسے لعنتی ٹھہراتے ہیں اور تین دن کے لیے ہاویہ میں بھی بھیجتے ہیں۔ کیا وُہ دوزخ میں دوزخیوں کو نصیحت کرنے گئے تھے۔ یا اُن کے لیے وہاں جا کر کفارہ ہونا تھا؟

حضرت مریمؑ کے یُوسف سے نکاح پر اعتراضات

مختصر یہ کہ اس قسم کے فساد موجود ہیں۔ اب اصل مطلب یہ ہے کہ یہی نہیں بلکہ کوئی بھی اخلاقی حالت مسیح کی ثابت نہیں۔ صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارے سے مانا گیا ہے۔ اگر انجیل کی بنا پر ہی ماننا پڑتا تو پھر ان مشکلات میں پڑ کر کون تسلیم کر سکتا ہے۔ عیسائیوں نے اور انجیل نے تو اور بھی داغ لگائے ہیں۔ یہودی جس قسم کے الزام لگاتے ہیں ان کے تو بیان کرنے سے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیر قوم تو اس کی ماں کو بھی متہم کرتی ہے۔ ایک اور خطرناک معاملہ ہے جس کا جواب عیسائیوں کے پاس ہرگز نہیں ہے اور وُہ یہ ہے کہ مریم کی ماں نے عہد کیا تھا کہ وُہ بیت المقدس کی خدمت کرے گی اور تارکہ رہے گی نکاح نہ کرے گی۔ اور خود مریم نے بھی یہ عہد کیا تھا کہ مَیں ہیکل کی خدمت کروں گی۔ باوجود اس عہد کے پھر وہ کیا بلا اور آفت پڑی کہ یہ عہد توڑا گیا اور نکاح کیا گیا۔ اُن تاریخوں میں جو یہودی مصنفین نے لکھی ہیں اور باتوں کو چھوڑ کر بھی اگر دیکھا جاوے تو یہ لکھا ہے کہ یُوسف کو مجبُور کیا گیا کہ وہ نکاح کرے اور اسرائیلی بزرگوں نے اُسے کہا کہ ہر طرح تمہیں نکاح کرنا ہوگا۔ اب اس واقعہ کو مدِنظر رکھ کر دیکھو کہ کس قدر اعتراض واقع ہوتے ہیں۔

اوّل۔ جب عہد باندھا گیا تھا تو پھر خدا کی ماں اور نانی نے اپنے عہد کو کیوں توڑا؟

دوم۔ جبکہ عیسائیوں کے نزدیک کثرت ازدواج زناکاری ہے تو وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں کہ یُوسف کی پہلی بیوی بھی تھی اور مریم دُوسری بیوی تھی۔ کیا وہ اپنے آپ یہ الزام اپنی مقدس کنواری پر قائم نہیں کرتے؟

سوم۔ جبکہ حمل ہو چکا تھا تو پھر حمل میں نکاح کیوں کیا گیا؟

یہ تین زبردست اعتراض ہیں جو اس پر ہوتے ہیں۔ اور باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ جب فرشتہ نے اگر مریم کو بشارت دی تھی کہ تیرے پیٹ میں خدا آتا ہے تو اُسے چاہیے تھا کہ شور مچا دیتی اور دُنیا کو آگاہ کرتی کہ خدا کا استقبال کرنے کو تیار ہو جاؤ، وُہ میرے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ پھر اس کو چھُپایا کیوں گیا۔ ہم اس قسم

کے اعتراضوں کو سرِدست چھوڑ دیتے ہیں، لیکن جو تین بڑے اعتراض اُوپر کیے گئے ہیں، اُن کا جواب عیسائیوں کے پاس حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے۔

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مریم کو ہیکل میں پیٹ ہوگیا تھا اور مریم نے یہ سمجھا کہ لوگوں کو اگر بتایا گیا کہ مجھے فرشتہ نے آکر بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے، تو لوگ ٹھٹھا کریں گے اور کہیں گے کہ اس کو بیاہ کے خواب آتے ہیں۔ کوئی بدکار ٹھہرائے گا۔ لیکن جب پیٹ چھُپ نہ سکا اور چرچا ہونے لگا تو آخر سب کو فکر پڑی۔ اگر پہلے سے بتا دیتی جب فرشتہ نے آکر کہا تھا، تو شاید اس قدر شور نہ ہوتا۔ لیکن اُنھوں نے یہی سمجھا کہ اس وقت اگر بتایا تو یہی کہیں گے کہ خاوند مانگتی ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کنواری لڑکی ذرا سا بھی کوئی ذکر کر بیٹھے۔ تو لوگ اس کی نسبت یہی نتیجہ نکال لیتے ہیں بس وہ ڈرتی رہی اور یہی اس نے سوچا کہ خاموش رہوں، لیکن چار پانچ مہینے کے بعد جب پیٹ بڑھا اور پردہ نہ رہ سکا۔ تو پھر رہا نہ گیا۔ تو ہیکل کے بزرگوں کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ مریم حاملہ ہے اور انہیں فکر پیدا ہوئی اور جیسا کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شریف خاندان کی لڑکی حاملہ ہو جاوے، تو جھٹ پٹ اس کا نکاح کر دیتے ہیں تاکہ ناک نہ کٹ جاوے۔ ان بزرگوں کو بھی یہی فکر پیدا ہوئی، کیونکہ وہ اصل واقعہ سے بالکل بے خبر اور ناآشنا تھے، اس لیے اُنھوں نے اِن باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ اس نکاح سے عہد شکنی کا ارتکاب ہوگا یا دُوسری شادی کی وجہ سے بقول یسوع مسیح یہ زنا کاری ٹھہرے گی۔ یا حاملہ کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ عزیزوں نے بھی سمجھا کہ اگر اب خاموشی کی گئی اور نکاح نہ کیا گیا، تو ناک کٹ جاتے گی۔ اس لیے یہ نکاح کر دیا گیا جس پر اس قدر اعتراض ہوتے ہیں۔

اناجیل کی مبالغہ آرائی

مگر غور طلب سوال یہ ہے کہ ان انجیل نویسوں نے اس واقعہ پر کیوں دیانتداری کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی۔ یہ دیانتداری کے خلاف ہے۔ ایک جگہ ایک انجیل نویس لکھتا ہے کہ یسوع نے اس قدر کام کیے کہ اگر وہ لکھے جاتے تو دُنیا میں نہ سما سکتے مگر اس عقلمندی کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ اس ایک ہی جملہ نے انجیل کی ساری حقیقت کھول دی کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے ایسی مبالغہ آمیز باتیں ہیں۔ کیونکہ یہ کیسی ہنسی کی بات ہے کہ جو کام تین برس میں ہو سکتے ہیں وہ دُنیا میں نہیں سما سکتے۔ جب محدود زمانہ میں سما گئے تو پھر مکانی طور پر کیوں محدود نہیں ہو سکتے۔

اس قسم کے رَدّی مواد سے بھرا ہوا عیسائی مذہب کا پھوڑا ہے۔ پھوڑوں کے پھُوٹنے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ نصرانی مذہب بھی ایک پھوڑا ہے جو اندر پیپ سے بھرا ہوا ہے، اس لیے باہر سے چمکتا ہے۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ یہ ٹوٹ جاوے اور اس کی اندرُونی غلاظت ظاہر ہو جاوے۔

* * *

انگریزی گورنمنٹ کے عہد میں مذہبی آزادی

ابھی سکھوں کا زمانہ گزرا ہے جس میں شائستگی بالکل جاتی رہی تھی۔ عالم باعمل نہ رہے تھے۔ اگر کسی کو شبہات پڑتے اور وہ سوال کرتا، تو اس کو واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا جاتا۔ یہ زمانہ ایسا ہی ہو گیا تھا، مگر اب خدا تعالیٰ نے فضل کیا کہ ایک مہذب اور شائستہ علم دوست گورنمنٹ کو ہم پر حکمران کیا جس نے عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کرنی چاہی ہے اور مذہبی آزادی کی برکت سے ساری قوموں کو مستفید کیا۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ مذہب کے متعلق سوال کرنیوالوں سے کوئی سختی نہیں کی جاتی اور ہر ایک سائل کو جواب دیا جاتا ہے۔

مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض

جب زمانہ نے اِس قسم کی ترقی کی اور اشاعتِ حق کے سارے سامان اور ذریعے پیدا ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کُل اُمتوں پر غالب کرنے کے لیے مجھے مامور کر کے بھیجا۔

حقیقی محی اموات۔ صلی اللہ علیہ وسلم

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دُنیا میں بھیجا تھا، اُس وقت کُل تری خشکی فساد سے بھر چکی تھی۔ آپؐ نے آکر بہت سے بگڑے ہوؤں کو بنا دیا۔ یہ بات سرسری نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہے، بلکہ اس میں بڑے بڑے حقائق ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بزرگی کا پتہ لگتا ہے، کیونکہ بجز اعلیٰ درجہ کے مقدس راستباز کے کوئی دُوسرے کو دُرست نہیں کر سکتا۔ جس کی اپنی قوتِ قدسی کمال کے درجہ پر نہ پہنچی ہوئی ہو اور ایسی قوت اس میں پیدا نہ ہو چکی ہو۔ جو ساری ناپاکیوں کے اثر کو زائل کر دے وہ دُوسروں کو دُرست نہیں کر سکتا۔ یُوں تو ہر ایک نبی نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کی اصلاح کی اور اس کو دُرست کیا۔ مگر جس شان اور مرتبہ کی اصلاح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اُس کو کسی اور کی اصلاح نہیں پہنچ سکتی بلکہ اُس کے مقابل میں دوسری اصلاحیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ٹیڑھی قوم کو پُورے طور سے دُرست نہ کر سکے اور حضرت مسیح چند حواریوں کی ہستی تبدیل نہ کر سکے۔ اس لیے جب اس مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جاوے تو صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہی ہے جس نے لاکھوں کروڑوں مُردوں کو زندہ کیا۔ مُحیی اگر ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح مُردے زندہ کیا کرتا تھا۔ جس نے اپنے چند حواری بھی زندہ نہ کیے اُن کے پاس ہمیشہ مُردے ہی رہے۔ مَیں ہمیشہ حیران ہوا کرتا ہوں اور حقیقت میں یہ حیران ہونے کی بات ہے کہ وہ حیات کیسی ہے جس کے ساتھ فنا لگی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ ہی غلط ہے جو کہے کہ فلاں شخص زندہ کرتا ہے۔ اگر زندہ کرنے کا مفہوم اور مطلب اور نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کیوں فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ محاورہ ہی اور ہے، ورنہ اِس سے تو تناقض لازم آتا ہے کہ ایک طرف کہے کہ زندہ نہیں

ہوتا اور دُوسری طرف کہہ دے کہ زندہ ہو جاتا ہے۔

اگر مسیح سچ مچ مُردہ زندہ کرتا تھا۔ تو قرآن شریف ضرور اس کی نسبت فرماتا کہ یحی المتوفی کیونکہ توفی کا لفظ وہاں آتا ہے جہاں قبضِ رُوح ہو۔ موت تو اس سے پہلے بھی آسکتی ہے اور توفی کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاوے کہ مرنے کے بعد رُوح باقی رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آجاتی ہے۔ کس قدر حیرت اور افسوس کی جگہ ہے کہ معجزاتِ مسیح پر بحث کرتے ہوئے لوگ پوری توجہ نہیں کرتے۔ قرآنِ کریم کو اگر غور سے پڑھ لیتے اور سُنّت اللہ پر نظر کرتے تو یہ مسئلہ سمجھ میں آجانا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

انبیاء کے معجزات زمانہ کے مناسبِ حال ہوتے ہیں

صحیح تاریخ ایک عمدہ مُعلّم ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ہر نبی کے معجزات اس رنگ کے ہوتے ہیں جس کا چرچا اور زور اُس کے وقت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے وقت سحر کا بہت بڑا زور تھا، اس لیے اُن کو جو معجزہ دیا گیا وہ ایسا تھا کہ اُس نے اُن کے سحر کو باطل کر دیا اور ہمارے نبی کریم کے وقت میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا، اس لیے آپؐ کو قرآنِ کریم بھی ایک معجزہ اسی رنگ کا ملا۔ یہ رنگ اسی لیے اختیار کیا کہ شعراء جادُو بیان سمجھے جاتے تھے اور اُن کی زبان میں اتنا اثر تھا کہ وہ جو چاہتے تھے چند شعر پڑھ کر کرا لیتے تھے۔ جیسے آج کل جوش دلانے کے لیے انگریزوں نے باجا رکھا ہوا ہے۔ ان کے پاس زبان تھی جو دلیری اور حوصلہ پیدا کر دیتی تھی۔ ہر حربہ میں وہ شعر سے کام لیتے تھے اور فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ (الشعراء: ۲۲۶) کے مِصداق تھے۔ اس لیے اُس وقت ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ اپنا کلام بھیجتا۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمایا اور اسی کلام کے رنگ میں اپنا معجزہ پیش کر دیا۔ جبکہ اُن کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ .... (البقرہ: ۲۴) تم جو اپنی زباندانی کا دم مارتے اور لاف زنی کرتے ہو اگر کوئی قوت اور حوصلہ ہے تو اس کلام کے معجزہ کے مقابل کچھ پیش کر کے دکھاؤ، لیکن باوجود اس کے کہ وُہ جانتے تھے کہ اگر کچھ نہ بنایا (خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب تحدّی کر دی گئی ہے کہ تم ہرگز ہرگز بنا نہ سکو گے) تو مُلزم ہو کر ذلیل ہو جائیں گے۔ پھر بھی وُہ کچھ پیش نہ کر سکے۔ اگر وُہ کچھ بناتے اور پیش کرتے تو صحیح تاریخ ضرور شہادت دیتی، مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی نے کچھ بنایا ہو۔ پس خدا تعالیٰ نے اُس وقت اُسی رنگ کا معجزہ دکھایا تھا۔

سلبِ امراض کا معجزہ

ایسا ہی یہودیوں میں سلبِ امراض کا نسخہ چلا آتا تھا۔ ہندوؤں میں بھی ہے۔ مُسلمانوں میں بھی ہے۔ عیسائیوں میں بھی ہے۔ بلکہ انگریزوں میں تو آجکل یہ علم بہت ترقی کر گیا ہے۔ اس سے نبوت کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ نبوت سے اس کا کوئی تعلق

ہے کیونکہ یہ صرف مشق پر موقوف ہے اور ہر شخص جو مشق کرے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی ہو یا دہریہ غرض کوئی بھی ہو وہ مشق کرنے سے اس میں مہارت پیدا کر سکتا ہے۔ اس لیے اس سلب امراض کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام بات ہے تو حضرت مسیح کے وقت میں چونکہ اس کا زور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی رنگ کا معجزہ حضرت مسیح کو دے دیا۔ یہ خاصیت ہر انسان میں موجود ہے کہ وہ توجہ کرتا ہے۔ توجہ کرنے کے ساتھ ایک چیز اُس کے دل سے اُٹھ کر پڑتی ہے، چنانچہ مسیح نے کہا کہ کس نے مجھے چھوا ہے کہ میری قوت نکلی ہے۔ سلب امراض والے بھی یہی کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسیح کے معجزات اس رنگ میں آکر بہت ہی کمزور اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسیح کے معجزات پر ایک اور بڑا اعتراض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک تالاب ایسا تھا کہ لوگ اس کے پانی کے ہلنے کا انتظار کیا کرتے تھے[1]

اور وہ مانتے تھے کہ اس کو فرشتہ ہلاتا ہے۔ پس جو سب سے پہلے اس میں اُتر پڑتا۔ وہ اچھا ہو جاتا تھا اور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مسیح اس تالاب پر اکثر جایا کرتے تھے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مسیح نے بیماروں کے علاج کا کوئی نسخہ اس تالاب کی مٹی وغیرہ سے ہی تیار کیا ہو۔ تالاب کے اس قصہ نے جو اناجیل میں درج ہے۔ مسیحی معجزات کی حقیقت کو اور بھی مشتبہ کر دیا ہے اور ساری رونق کو دُور کر دیا ہے۔ اسی لیے عماد الدین جیسے عیسائیوں کو ماننا پڑا ہے کہ تالاب والا قصہ الحاقی ہے۔ لیکن انجیل کے ان نادان دوستوں نے اتنا خیال نہیں کیا کہ اس باب کو محض الحاقی کہہ دینے سے مسیحی معجزات کی گئی ہوئی رونق نہیں آسکتی۔ بلکہ انجیل کو اور بھی مشتبہ قرار دینا ہے۔ کیونکہ پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ جس انجیل میں ایک باب الحاقی ہو اور حصہ اُس کا الحاقی نہ ہو اور جبکہ نسب نامہ کو الحاقی کہنے والے بھی موجود ہیں۔ پھر اس تالاب جیسے چشمے اور ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یورپ کے اکثر ممالک میں ایسے چشمے ہیں جہاں جا کر اکثر مریض شفا پاتے ہیں۔ کشمیر میں بھی بعض چشموں کا پانی ایسا ہی ہے جن میں گندھک کا پانی اور نمک اور اور اس قسم کے اجزاء ملے ہوئے ہوتے ہیں پس وہ معجزہ نما تالاب مسیح کے سارے معجزات پر پانی پھیرتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مسیح کا اس تالاب پر جانا اور اس کی مٹی کا آنکھوں پر لگانا اور اپنے پاس رکھنا بھی بیان کیا جاتا ہے اور پھر عماد الدین اُسے الحاقی مانتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک حصہ الحاقی مان کر پھر آسمانی کہتے ہوئے اُسے شرم نہیں آتی۔

مسیح کی لکھی ہوئی انجیل نہیں۔ حواریوں کی زبان عبرانی میں نہیں۔ تیسری مصیبت یہ ہے کہ الحاقی بھی ہے اور پھر آخر یہ کہ تعلیم اُدھوری اور ناقص اور نامعقول ہے اور اُسے پیش کیا جاتا ہے کہ نجات کا اصلی ذریعہ یہی ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۲ء

اُلوہیت مسیح معجزات کا تو یہ حال ہے، پیشگوئیوں کا یہ حال ہے کہ ایسی پیشگوئیاں ہر مدبر شخص تو درکنار عام لوگ بھی کر سکتے ہیں کہ لڑائیاں ہوگی۔ قحط پڑیں گے۔ مُرغ بانگ دے گا۔ ان پیشگوئیوں پر نظر کرو تو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ان کو یہودی خدائی کا ثبوت کب تسلیم کر سکتے تھے۔ خدائی کے لیے تو وہ جبروت اور جلال چاہیے جو خدا کے حسب حال ہے لیکن یسُوع اپنی عاجزی اور ناتوانی میں ضرب المثل ہے۔ یہانتک کہ ہوائی پرندوں اور لومڑیوں سے بھی ادنیٰ درجہ پر اپنے آپ کو رکھتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ کس بنا پر اس کی خدائی تسلیم کی جاوے۔ کس کس بات کو پیش کیا جاوے۔ ایک صلیب ہی ایسی چیز ہے جو ساری خدائی اور نبوت پر پانی پھیر دیتی ہے کہ جب مصلُوب ہو کر ملعُون ہو گیا تو کاذب ہونے میں کیا باقی رہا۔ یہودی مجبُور تھے۔ ان کی کتابوں میں کاذب کا یہ نشان تھا۔ اب وُہ صادق کیونکر تسلیم کرتے؟ جو خود خدا سے دُور ہو گیا وُہ اوروں کے گناہ کیا اٹھائے گا۔ عیسائیوں کی اس خوش اعتقادی پر سخت افسوس آتا ہے کہ جب دل ہی ناپاک ہو گیا تو اور کیا باقی رہا۔ وُہ دُوسروں کو کیا بچائیگا۔ اگر کچھ بھی شرم ہوتی اور عقل و فکر سے کام لیتے تو مصلُوب اور ملعُون کے عقیدے کو پیش کرتے ہوئے یسُوع کی خدائی کا اقرار کرنے سے اُن کو موت آجاتی۔ اب کسرِ صلیب کے سامان کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں اور عیسائی مذہب کا باطل ہونا ایک بدیہی مسئلہ ہو گیا ہے۔ جس طرح پر چور پکڑا جاتا ہے تو اوّل اوّل وہ کوئی اقرار نہیں کرتا اور پتہ نہیں دیتا مگر جب پولیس کی تفتیش کامل ہو جاتی ہے تو پھر ساتھی بھی نکل آتے ہیں اور عورتوں بچوں کی شہادت بھی کافی ہو جاتی ہے۔ کچھ کچھ مال بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کو بے حیائی سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہاں مَیں نے چوری کی ہے۔ اسی طرح پر عیسائی مذہب کا حال ہوا ہے صلیب پر مرنا یسُوع کو کاذب ٹھہراتا ہے۔ لعنت دل کو گندہ کرتی اور خدا سے قطع تعلق کرتی ہے۔ اور اپنا قول کہ یونسؑ کے معجزہ کے سوا اور کوئی معجزہ نہ دیا جاوے گا۔ باقی معجزات کو رد کرتا اور صلیب پر مرنے سے بچنے کو معجزہ ٹھہراتا ہے۔ عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ انجیل میں کچھ حصہ الحاقی بھی ہے۔ یہ ساری باتیں مِل مِلا کر اس بات کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہیں جو یسُوع کی خدائی کی دیوار کو جوریت پر بنائی گئی تھی بالکل خاک سے ملا دیں اور سرِ دست میں اس کی قبر نے صلیب کو بالکل توڑ ڈالا۔ مرہم عیسیٰ اس کے لیے بطور شاہد ہو گئی۔ غرض یہ ساری باتیں جب ایک خوبصورت ترتیب کے ساتھ ایک دانشمند سلیم الفطرت انسان کے سامنے پیش کی جاویں، تو اُسے صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر نہیں مرا۔ اس لیے کفارہ جو عیسائیت کا اصل الاصُول ہے، بالکل باطل ہے۔

مسیح موعود کی بعثت کی غرض پس یاد رکھو کہ یہ وہ حقائق ہیں جو اس وقت خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسیح موعودؑ پر کھولے ہیں۔ مَیں پکار کر کہتا ہوں کہ اب خدا کا وقت آگیا ہے۔ جو کچھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا تھا۔ اُس کے پورا

ہونے کا وقت آپہنچا کہ مسیح موعود صلیب کو توڑے گا۔ اس سے یہ مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی کہ وہ صلیبیں توڑتا پھرے گا کیونکہ اگر صلیب توڑنے ہی سے کوئی مسیح موعود ہو سکتا ہے تو پھر صلاح الدین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں بہت سی صلیبیں توڑی گئی تھیں۔ علاوہ بریں صلیب کے اس طرح پر توڑنے سے کچھ فائدہ نہیں اگر ایک لکڑی کی صلیب توڑی جاوے تو دس اور بن سکتی ہیں۔ چاندی سونے کی بن جاتی ہیں مگر نہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے لیے جو کسرِ صلیب مقرر کیا، تو اس سے یہ ہرگز مُراد نہیں تھی کہ ان صلیبوں کو توڑتا پھرے گا کیونکہ اس سے ظالم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ پس جو لوگ یہ اعتقاد کرتے ہیں، وُہ دین کو بدنام کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کو اس جسمانی جنگ سے بُری رکھا ہے اور اس کے لیے یہ مقرر کیا کہ یضع الحرب تاکہ اس دُودھ میں مکھی نہ پڑ جاوے۔

مسیح موعود دُنیا میں آیا تاکہ دین کے نام سے تلوار اُٹھانے کے خیال کو دُور کرے اور اپنی حجج اور براہین سے ثابت کر دکھائے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی اشاعت میں تلوار کی مدد کا ہرگز محتاج نہیں۔ بلکہ اس کی تعلیم کی ذاتی خُوبیاں اور اُس کے حقائق و معارف و حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کی زندہ تائیدات اور نشانات اور اس کا ذاتی جذب ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ اس کی ترقی اور اشاعت کا مُوجب ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ تمام لوگ آگاہ رہیں جو اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کا اعتراض کرتے ہیں کہ وُہ اپنے اس دعویٰ میں جھُوٹے ہیں۔ اسلام کی تاثیرات اپنی اشاعت کے لیے کسی جبر کی محتاج نہیں ہیں۔ اگر کسی کو شک ہے تو وُہ میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ اسلام اپنی زندگی کا ثبوت براہین اور نشانات سے دیتا ہے۔

اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ ان تمام اعتراضوں کو اسلام کے پاک وجُود سے دُور کر دے جو خبیث آدمیوں نے اس پر کئے ہیں۔ تلوار کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا اعتراض کرنے والے اب سخت شرمندہ ہوں گے۔ یہ کہنا کہ سرحدی غازی آئے دن فساد کرتے ہیں۔ جہاد کے خیال سے یہ ایک بیہودہ بات ہے۔ اور ان مُفسدوں کو غازی کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ اگر کوئی جاہل مُسلمان اُن کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی رکھتا ہے اس خیال سے کہ وُہ جہاد کرتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ اسلام کا دشمن ہے جو مُفسد کا نام غازی رکھتا ہے اور اسلام کے بدنام کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔

یہودیوں کے لیے خدا نے جو مسیح پیدا کیا تھا اُس کی غرض بھی یہی تھی کہ یہودیوں کی اس آلائش کو دھو ڈالے جو جبر کے ساتھ اشاعتِ مذہب کی اُن سے منسوب کی گئی تھی۔ اسی طرح پر چودھویں صدی میں جو مسیح موعود خدا نے اسلام کو دیا ہے، اس کی غرض اور مقصود بھی یہی ہے کہ اسلام کو اس اعتراض سے صاف کرے کہ اسلام کو جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے، اس لیے اس کا پہلا کام یہی ہے کہ وُہ لڑائی نہ کرے گا۔

انگلستان اور فرانس اور دیگر ممالک یورپ میں یہ الزام بڑی سختی سے اسلام پر لگایا جاتا ہے کہ وہ جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے۔ مگر افسوس اور سخت افسوس ہے کہ وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں نہیں معلوم کہ کیا وہ مذہب جو فتح پاکر بھی گرجے نہ گرانے کا حکم دیتا ہے کیا وہ جبر کر سکتا ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ ان مخالفوں نے جو اسلام کے نادان دوست ہیں یہ فساد ڈالا ہے۔ انھوں نے خود اسلام کی حقیقت کو سمجھا نہیں اور اپنے خیالی عقائد کی بنا پر دوسروں کو اعتراض کا موقعہ دیا۔ جو کچھ عقائد ان احمقوں نے بنا رکھے ہیں اُن سے نصاریٰ کو خوب مدد پہنچی ہے۔ اگر یہ لوگ جہاد کی صورت میں دھوکا نہ دیتے یا منہ کھاتے تو کبھی کو اعتراض کا موقع ہی نہیں مل سکتا تھا، مگر اب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے پاک اور درخشاں چہرہ سے یہ سب گرد و غبار دُور کرے اور اس کی خوبیوں اور حُسن و جمال سے دُنیا کو اطلاع بخشے؛ چنانچہ اسی غرض اور مقصد کے لیے اس وقت جبکہ اسلام دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے بیکس اور یتیم بچہ کی طرح ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنا یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور مجھے بھیجا ہے۔ تا میں عملی سچائیوں اور زندہ نشانات کے ساتھ اسلام کو غالب کروں۔[1]

۲۷ دسمبر ۱۹۰۱ء (بقیہ تقریر)

دَابَّةُ الْاَرْض

ان لوگوں نے اپنی راؤں اور خیالوں کو داخل کر کے اصل امر کو بدنما بنانے کی کوشش کی ہے ان کی وہی مثال ہے مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ۔ (سبا: ۱۵) یعنی سلیمان کی موت پر دلالت کرنے والا کوئی امر نہ تھا۔ یہ ساری شرارت گویا دابۃ الارض کی تھی کہ اس نے عصا کھا لیا اور وہ گر پڑا۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے۔ یہ قصے اور داستانیں نہیں ہیں بلکہ یہ حقائق اور معارف ہیں۔ اسلام راستی کا عصا تھا۔ جو اپنے سہارے کھڑا تھا اور اس کے سامنے کوئی آدمیہ ہندو عیسائی دم نہ مار سکتا تھا، لیکن جب یہ دابۃ الارض پیدا ہوئے اور انھوں نے قرآن کو چھوڑ کر موضوع روایتوں پر اپنا انحصار رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہونے شروع ہو گئے۔ دابۃ الارض کے معنے اصل میں یہ ہیں کہ ایک دیمک ہوتی ہے جس میں کوئی غیر نہیں جو لکڑی اور مٹی وغیرہ کو کھا جاتی ہے۔ اس میں فنا کا مادہ ہے اور اچھی چیز کو فنا کرنا چاہتی ہے۔ اس میں آتشی مادہ ہے۔

اب اس کا مطلب یہ ہے کہ دابۃ الارض اس وقت کے علماء ہیں جو جھوٹے معنے کرتے ہیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو حد سے بڑھاتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ کی

---

[1] الحکم جلد ۱۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۱۳ء

صفات سے متصف قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اُن کو حیّ اور شافی۔ عالم الغیب۔ غیر متغیر وغیرہ مانتے ہیں۔ اور ایسا ہی اسلام پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وہ تلوار کے بدوں نہیں پھیلا۔ بھوپال کے ایک مُلّا بشیر نے مجھے دجّال کہا، حالانکہ یہ لوگ خود دجّال ہیں جو مجھے کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ حق کو چھپاتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ غرض عصائے اسلام جس کے ساتھ اسلام کی شوکت اور رُعب تھا اور جس کے ساتھ اُمن اور سلامتی تھی اس دابۃ الارض نے گرا دیا۔ پس جیسے وہ دابۃ الارض تھا یہ اس سے بدتر ہیں[1]۔ اس سے تو صرف ملک میں فتنہ پڑا تھا، مگر ان سے دین میں فساد پیدا ہوا اور ایک لاکھ سے زائد لوگ مُرتد ہو گئے۔ ایک وُہ وقت تھا کہ اگر ایک مُرتد ہو جاتا، تو گویا قیامت آ جاتی تھی یا اب یہ حال ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مُرتد ہو گیا اور کسی کو خیال بھی نہیں۔ کئی کروڑ کتابیں اسلام کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ہجو میں لکھی گئی ہیں، لیکن کسی کو عبرت بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور دین کو ایک ایسی چیز قرار دیدیا ہے جس کا نام بھی مہذب سوسائٹی میں لیا جانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پر جو اعتراض طبعی فلسفہ کے رنگ میں کیے جاتے ہیں۔ اُن کا جواب یہ لوگ نہیں دے سکتے اور کچھ بھی بتا نہیں سکتے؛ حالانکہ اسلام پر جو اعتراض عیسائی کرتے ہیں، وہ خود ان کے اپنے مذہب پر ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا اعتراض جہاد پر کیا جاتا ہے، لیکن جب غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراض خود عیسائیوں کے مسلمات پر پڑتے ہیں۔ اسلام نے جہاد کو اٹھایا اسلام پر اعتراض نہیں۔ ہاں وہ اپنے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لڑائیوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اور خود عیسائیوں میں جو مذہبی لڑائیاں ہوتی ہیں اور ایک فرقہ نے دُوسرے فرقہ کو قتل کیا۔ آگ میں جلایا اور دُوسری قوموں پر جو کچھ ظلم و ستم کیا۔ جیسا کہ سپین میں ہوا۔ اس کا کوئی جواب ان عیسائیوں کے پاس نہیں ہے اور قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

یہ بات بہت دُرست ہے کہ اسلام اپنی ذات میں کامل، بے عیب اور پاک مذہب ہے لیکن نادان دوست اچھا نہیں ہوتا۔ اس دابۃ الارض نے نادان دوست بن کر اسلام کو جو صدمہ اور نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی تلافی بہت ہی مشکل ہے، لیکن اب خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کا نُور ظاہر ہو اور دُنیا کو معلوم ہو جاوے کہ سچا اور کامل مذہب جو انسان کی نجات کا متکفل ہے۔ وہ صرف اسلام ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے

---

[1] دابۃ الارض کے معنی طاعون کے بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (النمل: ۸۳) یعنی جب لوگوں پر حجت پوری ہو جائے گی۔ تو ہم اُن کے لیے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو لوگوں کو اس واسطے کاٹے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ تُكَلِّمُهُمْ کے معنی اقرب الموارد میں صاف کاٹنے کے کئے ہیں۔

فرمایا :

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم اُفتاد

لیکن ان ناعاقبت اندیش نادان دوستوں نے خدا تعالیٰ کے اس سلسلہ کی قدر نہیں کی، بلکہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ نور نہ چمکے یہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر وُہ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (الصف : ۹)

گالیوں کا جواب گالیوں سے نہ دیں

یہ مجھے گالیاں دیتے ہیں، لیکن مَیں اُن کی گالیوں کی پروا نہیں کرتا اور نہ اُن پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ وُہ اس مقابلہ سے عاجز آ گئے ہیں اور اپنی عاجزی اور فرومائیگی کو بجز اس کے نہیں چھپا سکتے کہ گالیاں دیں۔ کُفر کے فتوے لگائیں، جھوٹے مقدمات بنائیں اور اور قسم قسم کے اِفترا اور بہتان لگائیں۔ وُہ اپنی ساری طاقتوں کو کام میں لا کر میرا مقابلہ کریں اور دیکھ لیں کہ آخری فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ مَیں اُنکی گالیوں کی اگر پروا کروں تو وہ اصل کام جو خدا تعالیٰ نے مجھے سپرد کیا ہے، رہ جاتا ہے۔ اس لیے جہاں مَیں ان کی گالیوں کی پروا نہیں کرتا، مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُن کو مناسب ہے کہ اُن کی گالیاں سُن کر برداشت کریں اور ہرگز ہرگز گالی کا جواب گالی سے نہ دیں۔ کیونکہ اس طرح پر برکت جاتی رہتی ہے۔ وُہ صبر اور برداشت کا نمونہ ظاہر کریں اور اپنے اخلاق دکھائیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ عقل اور جوش میں خطرناک دشمنی ہے۔ جب جوش اور غصہ آتا ہے، تو عقل قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن جو صبر کرتا ہے اور بُردباری کا نمونہ دکھاتا ہے اُس کو ایک نُور دیا جاتا ہے جس سے اس کی عقل و فکر کی قوتوں میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر نُور سے نُور پیدا ہوتا ہے۔ غصہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل و دماغ تاریک ہوتے ہیں۔ اس لیے پھر تاریکی سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

اسلام کی قدر کرو

مَیں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ اسلام کی جو حالت اسوقت ہو رہی ہے اور یہ مختلف فرقہ بندیاں جو آئے دن ہوتی رہتی ہیں اور مخالف اس پر دلیر ہو رہے ہیں اور بیباکی سے حملے اور اعتراض کرتے ہیں۔ یہ سب اسی دابۃ الارض کا فساد ہے۔ اُنھوں نے ہی عیسائیوں کو مدد دی ہے مگر اب خدا کا شکر کرو کہ اُس نے عین وقت پر دستگیری فرمائی ہے۔ اور اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ اس لیے تم کو مناسب ہے کہ اس فضل کو جو تم کو دیا گیا ہے۔ ضائع نہ کرو اور ادب کی نگاہ سے دیکھو اور اس مدد اور نصرت کی جو تمہیں دی گئی ہے قدر کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ خدا کی مدد بدوں اور اُس کے بُلائے بغیر کوئی شخص راستی سے اور پُوری قوت سے ایک امر کو بیان نہیں کر سکتا۔ بغیر اس کے دلائل ملتے ہی نہیں اور طرزِ بیان نہیں دیا جاتا اور

یہ بھی خدا کا خاص فضل ہوتا ہے کہ اس طرزِ بیان سے نیکی کی قوت رکھنے والے اُس شخص کو جو خدا کی قوت اور طاقت پاکر رُوح القدس سے بھر کر بولتا ہے شناخت کر لیتے ہیں۔ پس تم پر یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں یہ قوت عطا کی اور شناخت کی آنکھ دی۔ اگر وُہ یہ فضل نہ کرتا، تو جیسے اور لوگ پردوں میں ہیں اور گالیاں دیتے ہیں، تم بھی اُن میں ہی ہوتے۔ جس چیز نے تم کو کھینچا ہے وُہ محض خدا کا فضل ہے۔ جیسے میاں عبدالحق ہی کو دیکھو کہ خدا کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو یہ کیونکر اس عیش کی جگہ سے نکل سکتے تھے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے پاس کئی ناصح بھی جمع ہوتے اور اُنھوں نے منع بھی کیا کہ قادیان مت جاؤ۔ بلکہ ایک نے گالی بھی دی۔ حالانکہ گالی دینا اُن کے مذہب میں منع ہے اور عام طور پر تہذیب اور شائستگی کے بھی خلاف ہے۔ لیکن ان تمام باتوں پر خدا کا فضل غالب آ گیا اور اُن کو کھینچ لایا۔ اُن کو بدی کے اسباب ہی میسّر نہ آئے، ورنہ اگر یہ بدی کر لیتے تو پھر ابتلا پیش آ جاتا، مگر خدا نے ہر طرح سے بچایا۔ خدا کا فضل مستحدث نہیں ہوتا۔ جس پر وہ اپنا کرم کرتا ہے اُسے ہر طرح سے بچا لیتا ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم مُسلمان ہیں۔ اسلام بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو اور شکر کرو۔ اس کے اندر فلاسفی ہے جو زبان سے کہہ دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔

اِسلام کی حقیقت

اِسلام اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آ جانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچّی اور کامل اطاعت ہے۔ مُسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالیٰ کے حضور رکھ دیتا ہے بدُوں کسی امید پاداش کے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ[1] (البقرۃ:۱۱۳) یعنی مُسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجُود کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے وقف کر دے اور سپُرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصُود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اور تمام نیکیاں اور اعمالِ حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ بمشقت اور تکلّف کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذّت اور حلاوت کی کشش ہو۔ جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کر دے۔

حقیقی مسلمان اللہ تعالیٰ سے پیار کرتا ہے یہ کہہ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبُوب و مولا پیدا کرنے والا اور مُحسن ہے اس لیے اُس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔ سچّے مسلمان کو اگر کہا جاوے کہ ان اعمال کی پاداش میں کچھ بھی نہیں ملے گا اور نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے اور نہ آرام ہیں نہ لذّات ہیں تو وہ اپنے اعمالِ صالحہ اور محبتِ الٰہی کو ہرگز ہرگز چھوڑ نہیں سکتا، کیونکہ اُس کی عبادات اور خدا تعالیٰ سے تعلّق اور اُس کی فرماں برداری اور اطاعت ہیں فنا کسی پاداش یا اجر کی بناء اور امید پر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ وہ حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی کی شناخت اُس کی محبت اور اطاعت کے لیے بنائی گئی ہے اور کوئی غرض اور مقصد اُس کا ہے ہی نہیں۔ اسی لیے وہ اپنی خداداد

---

[1] ۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۲ء

قوتوں کو جب ان اغراض اور مقاصد میں صرف کرتا ہے تو اس کو اپنے محبوبِ حقیقی ہی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ بہشت و دوزخ چیز اس کی اصلاً نظر نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے اس امر کا یقین دلا دیا جاوے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان تکلیفوں اور بلاؤں کو ایک لذت اور محبت کے جوش اور شوق کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہے اور باوجود ایسے یقین کے جو عذاب اور دکھ کی صورت میں دلایا جاوے کبھی خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک قدم باہر نکلنے کو ہزار بلکہ لاانتہا موت سے بڑھ کر اور دکھوں اور مصائب کا مجموعہ قرار دیتی ہے۔ جیسے اگر کوئی بادشاہ عام اعلان کرائے کہ اگر کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ نہ دے گی، تو بادشاہ اس سے خوش ہو کر انعام دیگا۔ تو ایک ماں کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اس انعام کی خواہش اور لالچ میں اپنے بچے کو ہلاک کرلے۔ اسی طرح ایک سچا مسلمان خدا کے حکم سے باہر ہونا اپنے لیے ہلاکت کا موجب سمجھتا ہے، خواہ اس کو اس نافرمانی میں کتنی ہی آسائش اور آرام کا وعدہ دیا جاوے۔

پس حقیقی مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی فطرت حاصل کی جاوے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کسی جزا اور سزا کے خوف اور امید کی بنا پر نہ ہو بلکہ فطرت کا طبعی خاصہ اور جزو ہو کر ہو پھر وہ محبت بجائے خود اس کے لیے ایک بہشت پیدا کر دیتی ہے اور حقیقی بہشت یہی ہے۔ کوئی آدمی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جبتک وہ اس راہ کو اختیار نہیں کرتا ہے۔ اس لیے میں تم کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اسی راہ سے داخل ہونے کی تعلیم دیتا ہوں کیونکہ بہشت کی حقیقی راہ یہی ہے۔

مہدی کا زمانہ ــــ ایک عظیم الشان جمعہ

خدا تعالیٰ نے جو اتمامِ نعمت کی ہے وہ یہی دین ہے جس کا نام اسلام رکھا ہے۔ پھر نعمت میں جمعہ کا دن بھی ہے جس روز اتمامِ نعمت ہوا۔ یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ پھر اتمامِ نعمت جو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف : ۱۰) کی صورت میں ہوگا وہ بھی ایک عظیم الشان جمعہ ہوگا۔ وہ جمعہ اب آگیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ جمعہ مسیح موعود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اس لیے کہ اتمامِ نعمت کی صورتیں دراصل دو ہیں ــــ اوّل تکمیلِ ہدایت۔ دوم تکمیلِ اشاعتِ ہدایت۔ اب تم غور کر کے دیکھو۔ تکمیلِ ہدایت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کامل طور پر ہو چکی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا کہ تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کا زمانہ دوسرا زمانہ ہو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروزی رنگ میں ظہور فرماویں اور وہ زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے۔ یہی وجہ کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف : ۱۰) اس شان میں فرمایا گیا ہے۔ تمام مفسرین نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔ درحقیقت اظہارِ دین اسی وقت ہو سکتا ہے

جبکہ کُل مذاہب میدان میں نکل آویں اور اشاعتِ مذہب کے ہر قسم کے مفید ذریعے پیدا ہو جائیں اور وُہ زمانہ خُدا کے فضل سے آگیا ہے اپنانچہ اس وقت پریس کی طاقت سے کتابوں کی اشاعت اور طبع میں جو جو سہولتیں میسّر آئی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ ڈاکخانوں کے ذریعہ سے کل دُنیا میں تبلیغ ہو سکتی ہے۔ اخباروں کے ذریعہ سے تمام دُنیا کے حالات پر اطلاع ملتی ہے۔ ریلوں کے ذریعہ سفر آسان کر دیئے گئے ہیں۔ غرض جس قدر آئے دن نئی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں اسی قدر عظمت کے ساتھ مسیح موعود کے زمانہ کی تصدیق ہوتی جاتی ہے اور اظہارِ دین کی صورتیں نکلتی آتی ہیں۔ اس لیے یہ وقت وہی وقت ہے جس کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہہ کر فرمائی تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے جو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ : ۴) کی شان کو بلند کرنے والا اور تکمیل اشاعتِ ہدایت کی صورت میں دوبارہ اتمامِ نعمت کا زمانہ ہے اور پھر یہ وُہی وقت اور جمعہ ہے جس میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعۃ : ۴) کی پیشگوئی پُوری ہوتی ہے۔ اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا ہے اور ایک جماعت صحابہ کی پھر قائم ہوئی ہے۔ اتمامِ نعمت کا وقت آپہنچا ہے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو اس سے آگاہ ہیں اور بہت ہیں جو ہنسی کرتے اور ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں، مگر وہ وقت قریب ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق تجلّی فرمائیگا اور اپنے زور آور حملوں سے دکھا دیگا کہ اس کا نذیر سچّا ہے۔

جماعت کو نصیحت

مَیں سچ کہتا ہوں کہ یہ ایک تقریب ہے جو اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کے لیے پیدا کر دی ہے۔ مبارک وہی ہیں جو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تم لوگ جنھوں نے میرے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے۔ اس بات پر ہرگز ہرگز مغرور نہ ہو جاؤ کہ جو کچھ تم نے پانا تھا پا چکے۔ یہ سچ ہے کہ تم اِن منکروں کی نسبت قریب تر بہ سعادت ہو جنھوں نے اپنے شدید انکار اور توہین سے خدا کو ناراض کیا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ تم نے حُسنِ ظن سے کام لے کر خدا تعالیٰ کے غضب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کی۔ لیکن سچّی بات یہی ہے کہ تم اس چشمہ کے قریب آپہنچے ہو جو اس وقت خدا تعالیٰ نے اَبدی زندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہاں پانی پینا ابھی باقی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے توفیق چاہو کہ وہ تمھیں سیراب کرے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے بدُوں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ جو اس چشمہ سے پئے گا وہ ہلاک نہ ہوگا، کیونکہ یہ پانی زندگی بخشتا ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے اور شیطان کے حملوں سے محفوظ کرتا ہے۔ اس چشمہ سے سیراب ہونے کا کیا طریق ہے؟ یہی کہ خدا تعالیٰ نے جو دو حق تم پر قائم کیے ہیں اُن کو بجا لاؤ اور پورے طور پر ادا کرو۔ ان میں سے ایک خدا کا حق ہے دُوسرا مخلوق کا۔

* * *

توحید اپنے خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھو جیسا کہ اس شہادت کے ذریعہ تم اقرار کرتے ہو اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی محبوب مطلوب اور مطاع اللہ کے سوا نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا پیارا جملہ ہے کہ اگر یہ یہودیوں عیسائیوں یا دوسرے مشرک بُت پرستوں کو سکھایا جاتا اور وہ اس کو سمجھ لیتے، تو ہرگز ہرگز تباہ اور ہلاک نہ ہوتے۔ اسی ایک کلمہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اُن پر تباہی اور مصیبت آئی اور اُن کی رُوح مجذوم ہو کر ہلاک ہو گئی۔[1]

ایسا ہی فرمایا۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ (الاخلاص: ۲ تا ۵) یعنی کہہ دو کہ وُہ خدا ایک ہے۔ ھو خدا کا نام ہے۔ وہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ کھانے پینے کی اس کو ضرورت نہ زمان یا مکان کی حاجت نہ کسی کا باپ نہ بیٹا اور نہ کوئی اس کا ہمسر۔ اور بے تغیر ہے۔ یہ چھوٹی سی سُورت قرآن شریف کی ہے جو ایک سطر میں آجاتی ہے، لیکن دیکھو کس خُوبی اور عمدگی کے ساتھ ہر قسم کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی گئی ہے۔

حصر عقلی میں شرک کے جس قدر قسم ہو سکتے ہیں اُن سے اُس کو پاک بیان کیا ہے۔ جو چیز آسمان اور زمین کے اندر ہے۔ وہ ایک تغیر کے نیچے ہے، مگر خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ اب یہ کیسی صاف اور ثابت شدہ صداقت ہے۔ دماغ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نورِ قلب جس کی شریعت دل میں ہے۔ اس پر شہادت دیتا ہے۔ قانونِ قدرت اسی کا موید و مصدق ہے۔ یہانتک کہ ایک ایک پتہ اس پر گواہی دیتا ہے۔ پس اس کو شناخت کرنا ہی عظیم الشان بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ چھوٹی سی سُورت نازل کی یہ ایسی ہے کہ اگر توریت کے سارے دفتر کی بجائے اُس میں اسی قدر ہوتا تو یہود تباہ نہ ہوتے اور انجیل کے اتنے بڑے مجموعہ کو چھوڑ کر اگر یہی تعلیم اُن کو دی جاتی تو آج دُنیا کا ایک بڑا حصہ ایک مُردہ پرست قوم نہ بن جاتا۔

مگر یہ خدا کا فضل ہے جو اسلام کے ذریعہ مُسلمانوں کو ملا اور اس فضل کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ جس پہلو سے دیکھو۔ مُسلمانوں کو بہت بڑے فخر اور ناز کا موقع ہے۔ مُسلمانوں کا خدا پتھر، درخت، حیوان، ستارہ، یا کوئی مُردہ انسان ہے، بلکہ وُہ قادرِ مطلق خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے پیدا کیا اور حیّ و قیوم ہے۔

مُسلمانوں کا رسُول وُہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی نبوت اور رسالت کا دامن قیامت تک دراز ہے۔ آپؐ کی رسالت مُردہ رسالت نہیں، بلکہ اس کے ثمرات اور برکات تازہ بتازہ ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں جو

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۷ مئی ۱۹۰۲ء

اس کی صداقت اور ثبوت کی ہر زمانہ میں دلیل ٹھہرتے ہیں۔

چنانچہ اس وقت بھی خدا نے ان ثبوتوں اور برکات اور فیوض کو جاری کیا ہے اور مسیح موعود کو بھیج کر نبوتِ محمدیہ کا ثبوت آج بھی دیا ہے اور پھر اُس کی دعوت ایسی عام ہے کہ کُل دُنیا کے لیے ہے۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اور پھر فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۸)

کتاب دی تو ایسی کامل اور ایسی محکم اور یقینی کہ لَا رَیْبَ فِیْہِ (البقرہ: ۳) اور فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (البینۃ: ۴) اور اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ۔ قَوْلٌ فَصْلٌ۔ مِیْزَانٌ۔ مُھَیْمِنٌ۔

غرض ہر طرح سے کامل اور مکمل دین مسلمانوں کا ہے جس کے لیے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ: ۴) کی مُہر لگ چکی ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے مسلمانوں پر کہ وہ ایسا کامل دین جو رضاء الٰہی کا موجب اور باعث ہے رکھ کر بھی بے نصیب ہیں اور اس دین کے برکات اور ثمرات سے حصّہ نہیں لیتے بلکہ خدا تعالیٰ نے جو ایک سلسلہ ان برکات کو زندہ کرنے کے لیے قائم کیا تو اکثر انکار کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے اور لَسْتَ مُرْسَلًا اور لَسْتَ مُؤْمِنًا کی آوازیں بلند کرنے لگے۔

یاد رکھو خدا تعالیٰ کی توحید کا اقرار محض ان برکات کو جذب نہیں کر سکتا جو اس اقرار اور اُس کے دوسرے لوازمات یعنی اعمالِ صالحہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ توحید اعلیٰ درجہ کی جزو ہے جو ایک سچے مسلمان اور ہر خدا ترس انسان کو اختیار کرنی چاہیے، مگر توحید کی تکمیل کے لیے ایک دُوسرا پہلو بھی ہے اور وہ محبتِ الٰہی ہے یعنی خدا سے محبت کرنا۔

قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مقصد اور مدّعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا وحدہٗ لاشریک ہے، ایسا ہی محبت کی رُو سے بھی اس کو وحدہٗ لاشریک یقین کیا جاوے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا اصل منشاء ہمیشہ یہی رہا ہے، چنانچہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جیسے ایک طرف توحید کی تعلیم دیتا ہے ساتھ ہی توحید کی تکمیل محبت کی ہدایت بھی کرتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ یہ ایک ایسا پیارا اور پُرمعنی جُملہ ہے کہ اس کی مانند ساری توراۃ اور انجیل میں نہیں اور دُنیا کی کسی اور کتاب نے کامل تعلیم دی ہے۔

اللہ کے معنی ہیں ایسا محبُوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے۔ گویا اسلام کی یہ اصل محبت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ جو توحید بدُوں محبت کے ہو وہ ناقص اور ادھوری ہے۔

محبتِ الٰہی اور اپنی جماعت کو نصائح

خدا کے ساتھ محبت کرنے سے کیا مُراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین۔ جورو۔ اپنی اولاد۔ اپنے نفس۔ غرض ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لیا جاوے، چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ

اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (البقرہ : ۲۰۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔ اب یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ تعلیم نہیں دی کہ تم خدا کو باپ کہا کرو بلکہ اس لیے یہ سکھایا ہے کہ نصاریٰ کی طرح دھوکہ نہ لگے اور خدا کو باپ کر کے پکارا نہ جائے اور اگر کوئی کہے کہ پھر باپ سے کم درجہ کی محبت ہوئی، تو اس اعتراض کے رفع کرنے کے لیے اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا رکھ دیا۔ اور اگر اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا نہ ہوتا تو یہ اعتراض ہو سکتا تھا، مگر اب اس نے اُس کو حل کر دیا۔ جو کہتے ہیں وہ کیسے گرے کہ ایک عاجز کو خدا کہہ اُٹھے۔

بعض الفاظ ابتلا کے لیے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نصاریٰ کا ابتلا منظور تھا۔ اس لیے اُن کی کتابوں میں انبیاء کی یہ اصطلاح ٹھہر گئی، مگر چونکہ وُہ حکیم اور علیم ہے اس لیے پہلے ہی سے لفظ اَبٌ کو کثیر الاستعمال کر دیا۔ مگر نصاریٰ کی بدقسمتی کہ جب مسیح نے یہ لفظ بولا تو انہوں نے حقیقت پر حمل کر لیا اور دھوکا کھا لیا؛ حالانکہ مسیح نے یہ کہہ کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ تم الٰہ ہو اس شرک کو مٹانا چاہا، مگر نادانوں نے پروا نہ کی۔ اور اُن کی اس تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی اُن کو ابن اللہ قرار دے ہی لیا۔

یہودیوں کو بھی اس قسم کا ابتلا آیا۔ چونکہ مُوذی قوم تھی۔ اُن کی درخواست پر مَنّ و سلویٰ نازل ہوا۔ کیونکہ یہ طاعُون پیدا کرنے کا مقدمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جانتا تھا کہ وُہ حد سے نکل جائیں گے اور اُن کی سزا طاعُون تھی۔ اس لیے پہلے سے وُہ اسباب رکھ دیتے۔

میں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں کہ اصل توحید کو قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے پُورا حصّہ لو۔ اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جبتک عملی حصّہ میں کامل نہ ہو۔ نری زبان سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مصری کا نام لیتا رہے، تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ وُہ شیریں کام ہو جائے یا اگر زبان سے کسی کی دوستی کا اعتراف اور اقرار کرے۔ مگر مصیبت اور وقت پڑنے پر اس کی امداد اور دستگیری سے پہلو تہی کرے، تو وہ دوست صادق نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی طرح پر اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا بڑا زبانی ہی اقرار ہو اور اُس کے ساتھ محبت کا بھی زبانی ہی اقرار موجود ہو تو کچھ فائدہ نہیں، بلکہ یہ حصّہ زبانی اقرار کی بجائے عملی حصّہ کو زیادہ چاہتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ زبانی اقرار کوئی چیز نہیں ہے۔ نہیں۔ میری غرض یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو۔ اور یہی اسلام ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔ پس جو اس وقت اس چشمہ کے نزدیک نہیں آیا۔ جو خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لیے جاری کیا ہے وہ یقیناً بے نصیب رہتا ہے۔ اگر کچھ لینا ہے اور مقصد کو حاصل کرنا ہے تو طالب صادق کو چاہیے کہ وُہ چشمہ کی طرف بڑھے اور آگے قدم رکھے اور اس چشمۂ جاری کے کنارے اپنا مُنہ رکھ دے اور یہ ہو نہیں سکتا جبتک خدا تعالیٰ

کے سامنے غیرت کا چولہ اُتار کر آستانہ ربوبیت پر نہ گر جاوے اور یہ عہد نہ کرے کہ خواہ دُنیا کی وجاہت جاتی رہے اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، تو بھی خدا کو نہیں چھوڑے گا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کا یہی عظیم الشان اخلاص تھا کہ بیٹے کی قربانی کے لیے تیار ہو گیا۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے کہ ابراہیم بنو۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ:

ولی پرست نہ بنو - بلکہ ولی بنو

اور پیر پرست نہ بنو۔ بلکہ پیر بنو

تم اُن راہوں سے آؤ۔ بیشک وہ تنگ راہیں ہیں۔ لیکن اُن سے داخل ہو کر راحت اور آرام ملتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اس دروازہ سے بالکل ہلکے ہو کر گزرنا پڑے گا۔ اگر بہت بڑی گٹھڑی سر پہ ہو تو مشکل ہے۔ اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس گٹھڑی کو جو دُنیا کے تعلقات اور دُنیا کو دین پر مقدم کرنے کی گٹھڑی ہے، پھینک دو۔ ہماری جماعت خدا کو خوش کرنا چاہتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کو پھینک دے۔ تم یقیناً یاد رکھو کہ اگر تم میں فاداری اور اخلاص نہ ہو تو تم جھوٹے ٹھہرو گے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور راستباز نہیں بن سکتے۔ ایسی صورت میں دشمن سے پہلے وُہ ہلاک ہو گا جو وفاداری کو چھوڑ کر غداری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ فریب نہیں کھا سکتا اور نہ کوئی اُسے فریب دے سکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تم سچا اخلاص اور صدق پیدا کرو۔

تم پر خدا تعالیٰ کی حجت سب سے بڑھ کر پُوری ہوئی ہے۔ تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا ہے۔ پس تم خدا تعالیٰ کے الزام کے نیچے ہو، اس لیے ضروری ہے کہ تقویٰ اور خشیت تم میں سب سے زیادہ پیدا ہو۔

ذوالقرنین خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں مختلف طریقوں اور پہلوؤں سے اس سلسلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے اور بتایا ہے یہانتک کہ ہر ایک قصہ میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً ذوالقرنین کا قصہ ہے اس میں اس کی پیشگوئی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف گیا تو اُسے آفتاب غروب ہوتا نظر آیا یعنی تاریکی پائی اور ایک گدلا چشمہ اس نے دیکھا۔ وہاں پر ایک قوم تھی۔ پھر مشرق کی طرف چلتا ہے تو دیکھا کہ ایک ایسی قوم ہے جو کسی اوٹ میں نہیں اور وُہ دُھوپ میں جلتی ہے۔ تیسری قوم ملی جس نے یاجوج ماجوج سے بچاؤ کی درخواست کی۔ اب یہ بظاہر تو قصہ ہے، لیکن حقیقت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اس زمانہ سے متعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دیتے ہیں اور بعض مخفی رکھے ہیں۔ اس لیے کہ انسان اپنے قویٰ سے کام لے۔ اگر انسان نرے منقولات سے کام لے تو وہ انسان نہیں ہو سکتا۔ ذوالقرنین اس لیے نام رکھا کہ وُہ دو صدیوں کو پائے گا۔ اب جس زمانہ میں خدا نے مجھے بھیجا ہے سب صدیوں کو بھی جمع کر دیا ہے

کیا یہ انسانی طاقت میں ہے کہ اس طرح پر دو صدیوں کا صاحب ہو جائے۔

ہندوؤں کی صدی بھی پائی اور عیسائیوں کی بھی مفتی صاحب نے تو کوئی ۱۶ یا ۱۷ صدیاں جمع کر کے دکھائی تھیں۔

غرض ذوالقرنین کے معنے ہیں دو صدیاں پانے والا۔ اب خدا تعالیٰ نے اس کے لیے تین قوموں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ پہلی قوم جو مغرب میں ہے اور آفتاب وہاں غروب ہوتا ہے اور وہ تاریکی کا چشمہ ہے۔ یہ عیسائیوں کی قوم ہے۔ جس کا آفتاب صداقت غروب ہو گیا اور آسمانی حق اور نُور ان کے پاس نہیں رہا۔

دُوسری قوم اس کے مقابل میں وہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے، مگر آفتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ یہ مسلمانوں کی قوم ہے، جن کے پاس آفتابِ صداقت قرآن شریف اس وقت موجود ہے۔ مگر دابۃ الارض نے اُن کو بے خبر بنا دیا ہے۔ اور وہ اس سے اُن فوائد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ بجز جلنے اور دُکھ اُٹھانے کے جو ظاہر پرستی کی وجہ سے اُن پر آیا۔ پس یہ قوم اس طرح پر بے نصیب ہو گئی۔ اب ایک تیسری قوم ہے جس نے ذوالقرنین سے التماس کی کہ یاجُوج ماجُوج کے رُخ بند کر دے تاکہ وہ اُن کے حملوں سے محفوظ ہو جاویں۔

وہ ہماری قوم ہے جس نے اخلاص اور صدق دل سے مجھے قبول کیا۔ خدا تعالیٰ کی تائیدات سے میں ان حملوں سے اپنی قوم کو محفوظ کر رہا ہوں، جو یاجُوج ماجُوج کر رہے ہیں پس اس وقت خدا تعالیٰ تم کو تیار کر رہا ہے تمہارا فرض ہے کہ سچی توبہ کرو اور اپنی سچائی اور وفاداری سے خدا کو راضی کرو۔ تاکہ تمہارا آفتاب غروب نہ ہو اور تاریکی کے چشمہ کے پاس جانے والے نہ ٹھہرو اور نہ تم اُن لوگوں سے بنو جنہوں نے آفتاب سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ پس تم پُورا فائدہ حاصل کرو اور پاک چشمہ سے پانی پیو تا خدا تم پر رحم کرے۔

بدقسمت انسان

وہ انسان بدقسمت ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان لا کر وفاداری اور صبر کے ساتھ اُن کا انتظار نہیں کرتا اور شیطان کے وعدوں کو یقینی سمجھ بیٹھتا ہے، اس لیے کبھی بے دل نہ ہو جاؤ اور تنگی اور عُسر کی حالت میں گھبراؤ نہیں۔ خدا تعالیٰ خود رزق کے معاملہ میں فرماتا ہے: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: ۲۳)۔

انسان جب خدا کو چھوڑتا ہے تو پھر شیطان کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ انسان بہت ہی بڑی ذمہ داری کے نیچے ہوتا ہے، جو خدا تعالیٰ کی آیات اور نشانات کو دیکھ چکا ہو۔ پس کیا تم میں سے کوئی ہے جو یہ کہے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ بعض نشان اس قسم کے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں انسان اُن کے گواہ ہیں۔ جو ان نشانوں کی قدر نہیں کرتا اور اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کو دشمن سے پہلے ہلاک کرے گا کیونکہ وہ شدید العقاب بھی ہے۔ جو اپنے آپ کو درست نہیں کرتا وہ نہ

صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بلکہ اپنے بیوی بچوں پر بھی ظلم کرتا ہے کیونکہ جب وہ خود تباہ ہو جائے گا تو اس کے بیوی بچے بھی ہلاک اور خوار ہوں گے۔ خدا تعالیٰ اسی کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶) مرد چونکہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) کا مصداق ہے اس لیے اگر وہ لعنت لیتا ہے تو وہ لعنت بیوی بچوں کو بھی دیتا ہے اور اگر برکت پاتا ہے تو ہمسایوں اور شہر والوں تک کو بھی دیتا ہے۔ اس وقت کل ملک میں طاعون کی آگ لگ رہی ہے۔ وہ لوگ غلطی کر رہے ہیں، جو اس کو ملعون کہتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اس وقت ایک خاص کام کے لیے مامور کیا گیا ہے۔ اس کا علاج خدا تعالیٰ نے مجھے یہی بتایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) یہ طاعون بدکاریوں اور فسق و فجور اور میرے انکار اور استہزاء کا نتیجہ ہے اور یہ رُک نہیں سکتا جب تک لوگ اپنے اعمال میں پاک تبدیلی نہ کریں اور سب و شتم سے زبان کو نہ روکیں۔ پھر فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ۔ اس گاؤں کو پریشانی اور انتشار سے حفاظت میں لے لیا۔ کیا اس گاؤں میں ہر قسم کے لوگ چوہڑے، چمار، دہریہ اور شراب پینے والے اور بیچنے والے اور اور قسم کے لوگ نہیں رہتے، مگر خدا نے میرے وجود کے باعث سارے گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس ہلاک افترا اور موت الکلاب سے اُسے محفوظ رکھا۔ جو دوسرے شہروں اور قصبوں میں ہوتی ہے۔ غرض یہ خدا تعالیٰ کے نشان ہیں، ان کو عبرت اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو اور اپنی ساری قوتوں کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے نیچے استعمال کرو۔ تو بادر استغفار کرتے رہو تا خدا تعالیٰ تم پر اپنا فضل کرے۔

۲۸ دسمبر ۱۹۰۱ء

مُرشد اور مُرید کے تعلقات

مُرشد اور مرید کے تعلقات اُستاد اور شاگرد کی مثال سے سمجھ لینے چاہئیں۔ جیسے شاگرد اُستاد سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح مُرید اپنے مُرشد سے۔ لیکن شاگرد اگر اُستاد سے تعلق تو رکھے مگر اپنی تعلیم میں قدم آگے نہ بڑھائے تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہی حال مُرید کا ہے۔ پس اس سلسلہ میں تعلق پیدا کر کے اپنی معرفت اور علم کو بڑھانا چاہیے۔ طالب حق کو ایک مقام پر پہنچ کر ہرگز ٹھہرنا نہیں چاہیے ورنہ شیطان لعین اور طرف لگا دے گا اور جیسے بند پانی میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر مومن اپنی ترقیات کے لیے سعی نہ کرے، تو وہ گر جاتا ہے۔ پس سعادتمند کا فرض ہے کہ وہ طلبِ دین میں لگا رہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان کامل دُنیا

لہ الحکم جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۲۴ مئی ۱۹۰۲ء

میں نہیں گزرا، لیکن آپ کو بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) کی دُعا کی تعلیم ہوئی تھی۔ پھر اور کون ہے جو اپنی معرفت اور علم پر کامل بھروسہ کر کے ٹھہر جاوے اور آئندہ ترقی کی ضرورت نہ سمجھے۔ جُوں جُوں انسان اپنے علم اور معرفت میں ترقی کرے گا اُسے معلوم ہوتا جاوے گا کہ ابھی بہت سی باتیں حل طلب باقی ہیں بعض اُمور کو وہ ابتدائی نگاہ میں (اُس بچے کی طرح جو اقلیدس کے اشکال کو محض بیہودہ سمجھتا ہے) بالکل بیہودہ سمجھتے تھے، لیکن آخر وہی اُمور صداقت کی صُورت میں اُن کو نظر آئے۔ اس لیے کس قدر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کو بدلنے کے ساتھ علم کو بڑھانے کے لیے ہر بات کی تکمیل کی جاوے۔ تم نے بہت ہی بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر اس سلسلہ کو قبول کیا ہے۔ اگر تم اس کی بابت پُورا علم اور بصیرت حاصل نہیں کرو گے، تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوا تمہارے یقین اور معرفت میں قوت کیونکر پیدا ہوگی۔ ذرا ذرا سی بات پر شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور آخر قدم کو ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے۔

دین کو ہر حال میں دُنیا پر مقدم کرنا چاہیے

دیکھو دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اسلام قبول کر کے دُنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں معروف ہو جاتے ہیں شیطان اُن کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی منع ہے۔ نہیں۔ صحابہؓ تجارتیں بھی کرتے تھے، مگر وُہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اِسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچا علم جو یقین سے اُن کے دلوں کو لبریز کر دے۔ اُنھوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگاتے۔ کوئی امر اُن کو سچائی کے اظہار سے نہیں روک سکا۔

میرا مطلب اس سے صرف یہ ہے کہ جو بالکل دُنیا ہی کے بندے اور غلام ہو جاتے ہیں۔ گویا دنیا کے پرستار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر شیطان اپنا غلبہ اور قابُو پا لیتا ہے۔ دُوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین کی ترقی کی فکر میں ہو جاتے ہیں۔ یہ وُہ گروہ ہوتا ہے جو حِزب اللہ کہلاتا ہے اور جو شیطان اور اس کے لشکر پر فتح پاتا ہے۔ مال چونکہ تجارت سے بڑھتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی طلبِ دین اور ترقی دین کی خواہش کو ایک تجارت ہی قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے۔ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الصف : ۱۱) سب سے عمدہ تجارت دین کی ہے، جو دردناک عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پس میں بھی خدا تعالیٰ کے اِن ہی الفاظ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

میں زیادہ اُمید اُن پر کرتا ہوں جو دینی ترقی اور شوق کو کم نہیں کرتے۔ جو اس شوق کو کم کرتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ شیطان ان پر قابُو نہ پالے۔ اس لیے کبھی سُست نہیں ہونا چاہیے۔ ہر امر کو جو سمجھ میں نہ آئے پُوچھنا چاہیے تاکہ معرفت میں زیادت ہو۔ پُوچھنا حرام نہیں۔ بہ حیثیت انکار کے بھی پُوچھنا چاہیے اور عمل ترقی

کے لیے بھی جو علمی ترقی چاہتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کریں۔ اگر بعض معارف سمجھ نہ سکے تو دُوسروں سے دریافت کر کے فائدہ پہنچائے۔

قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہہ میں بڑے بڑے نایاب اور بے بہا گوہر موجود ہیں۔ جب تم کسی عیسائی سے ملو گے، تو دیکھو گے کہ اُن میں فقاروں اور مٹھے والوں کی طرح دیانت مفقود نظر آئے گی۔ یُوں تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کے ترجمہ سے واقف ہیں۔ مگر اُنھوں نے مشق تو کی ہے لیکن اُن میں رُوحانیت نہیں ہے اور اس کا ہمیں بارہا تجربہ ہوا ہے۔ جب اُن کو بلایا گیا، تو اُنھوں نے گریز کی ہے۔ اگر واقعی اُن میں رُوحانیت ہے اگر واقعی ان کی معرفت اور علم یقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وُہ گریز کرتے ہیں؟

لاہور کے بشپ کا فرار

دیکھو لاہور کے بشپ صاحب نے لاہور میں بڑے اہم مضامین پر لیکچر دیئے اور اپنی قرآن دانی اور حدیث دانی کے ثبوت کے لیے بڑی کوشش کی، لیکن اُسے ہم نے دعوت کی تو باوجود بیچ پاتو نیر نے بھی اس کو شرمندگی دلائی، مگر وُہ صرف یہ کہکر کہ ہمارا دشمن ہے مقابلہ سے بھاگ گیا۔ ہم کو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بشپ صاحب تو مسیح کی تعلیم کا کامل نمونہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اپنے دشمنوں کو پیار کرو پر اُن کا پُورا عمل ہوتا۔ اگر میں اُن کا دشمن بھی ہوتا؛ حالانکہ میں سچ کہتا ہوں۔ اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نوعِ انسان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور دوست میں ہوں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں اُن تعلیمات کا دشمن ہوں جو انسان کی رُوحانی دشمن ہیں اور اس کی نجات کی دشمن ہیں۔ غرض بشپ صاحب کو کئی بار اخباروں نے اس معاملہ میں شرمندہ کیا، مگر وہ سامنے نہ آئے۔ عیسائیوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو سادہ دیکھتے ہیں تو چھوٹا ہے تو بیٹا بنا کر، اور بڑا ہے تو باپ بنا کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اگر وہ حالات سے واقف ہے تو پھر اس سے بُغض کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب خدا سے تعلق توڑ بیٹھتے ہیں تو مخلوق سے سچی ہمدردی کیونکر پیدا ہو۔ مگر ہماری جماعت خاص ہے اس کو عام مسلمانوں کی طرح نہ سمجھیں۔

دَآبَّۃ الارض

یہ مسلمان دابۃ الارض ہیں اور اس لیے اس کے مخالف ہیں جو آسمان سے آتا ہے۔ جو زمینی بات کرتا ہے وُہ دابۃ الارض ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ رُوحانی اُمور کو دُنیوی دریافت کرتے ہیں جن میں مناسبت ہو، چونکہ ان میں مناسبت نہ تھی اس لیے اُنھوں نے عصائے دین کو کھا لیا۔ جیسے سلیمانؑ کے عصا کو کھا لیا تھا۔ اور اس سے آگے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب جنوں کو یہ پتہ لگا تو اُنھوں نے سرکشی اختیار کی۔ اسی طرح پر جب عیسائی قوم نے جب اسلام کی یہ حالت دیکھی۔ یعنی اس دابۃ الارض نے اس عصائے راستی کو کمزور کر دیا تو ان قوموں کو اس پر وار کرنے کا موقع دیدیا۔

جن وُہ ہے جو چھپ کر وار کرے اور پیار کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں۔ وُہی پیار جو حوا سے آدم نحاش نے کیا تھا۔ اس پیار کا انجام وہی ہونا چاہیے جو ابتدا میں ہوا۔ آدمؑ پر اس سے مصیبت آئی۔ اُس وقت گویا وہ خدا سے بڑھ کر خیر خواہ ہوگیا۔ اسی طرح پر یہ بھی وہی حیاتِ ابدی پیش کرتے ہیں، جو شیطان نے کی تھی۔ اس لیے قرآن شریف نے اوّل اور آخر کو اس پر ختم کیا۔ اس میں یہ سِر تھا کہ تا بتایا جاوے کہ ایک آدم آخر میں بھی آنے والا ہے۔ قرآن شریف کے اوّل یعنی سورۃ فاتحہ کو وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر ختم کیا۔ یہ امر تمام مفسّر بالاتفاق مانتے ہیں کہ ضالین سے عیسائی مُراد ہیں اور آخر جس پر ختم ہوا وہ یہ ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ (الناس: ۲ تا ۷) سورۃ الناس سے پہلے قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں خدا تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اس طرح پر گویا تثلیث کی تردید کی۔ اس کے بعد سورۃ الناس کا بیان کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ پس آخری وصیت یہ کی کہ شیطان سے بچتے رہو۔ یہ شیطان وہی نحاش ہے جس کو اس سورۃ میں خنّاس کہا۔ جس سے بچنے کی ہدایت کی۔ اور یہ جو فرمایا کہ رب کی پناہ میں آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جسمانی اُمور نہیں ہیں بلکہ رُوحانی ہیں۔ خدا کی معرفت، معارف اور حقائق پر پختے ہو جاؤ تو اس سے بچ جاؤ گے۔ اس آخری زمانہ میں شیطان اور آدم کی آخری جنگ کا خاص ذکر ہے۔ شیطان کی لڑائی خدا اور اُس کے فرشتوں سے آدم کے ساتھ ہو کر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کو پُورے سامان کے ساتھ اُترے گا اور خدا کا مسیح اس کا مقابلہ کرے گا۔ یہ لفظ مسیح ہے جس کے معنی خلیفہ کے ہیں۔ عربی اور عبرانی میں حدیثوں میں مسیح لکھا ہے اور قرآن شریف میں خلیفہ لکھا ہے۔ غرض اس کے لیے مقدر تھا کہ اس آخری جنگ میں خاتم الخلفاء۔ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو، کامیاب ہو۔

سورۃ العصر میں دُنیا کی تاریخ

سُورۃ العصر میں دُنیا کی تاریخ موجود ہے جس پر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام سے مجھ کو اطلاع دی ہے اور یہ اصلی اور سچی تاریخ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کس قدر زمانہ گذرا ہے۔ پس اس حساب سے اب ساتویں ہزار سے کچھ سال گذر گئے اور خاتم الخلفاء چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہوا تاکہ اوّل را بآخر نسبتے دارد کا مصداق ہو۔ آدم بھی چھٹے دن پیدا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس چھ دن کے چھ ہزار ہوئے اور پھر آدم کی پیدائش چھٹے دن کے آخر میں ہوئی تھی۔ اس لیے خاتم الخلفاء چھٹے ہزار کے آخر میں ہوا۔ اور ساتویں میں جنگ ہے۔

٭ ٭ ٭

حق اور باطل کی آخری جنگ

اس جنگ سے توپ و تفنگ کی لڑائی مراد نہیں، بلکہ یہ عیسائیت اور الٰہی دین کی آخری جنگ ہے۔ عیسائیت نے زمینی خدا بنا لیا ہے اور یہ وہی خدا یا خیالی خدا ہے جیسے بہت سی عورتیں ایک وہمی حمل رجا کا کر لیتی ہیں۔ یہانتک کہ پیٹ میں وہمی طور پر حرکت بھی معلوم ہوتی ہے اور پیٹ بڑھتا بھی ہے۔ اسی طرح پر فرضی مسیح بنا لیا گیا ہے، جسے خدا سمجھا گیا ہے۔ غرض سچے مسیح کے مقابل وہ کھڑا ہے۔ اب یہ لڑائی ان دونوں میں شروع ہے اور خدا اس میں اپنا چمکتا ہوا ہاتھ دکھلائے گا۔

چالیس کروڑ سے بھی زائد انسان عیسائی ہو چکے ہیں۔ جب اوّل ہی اوّل یہ لوگ آئے تو مولوی ان کے حملوں اور اعتراضوں سے محض ناواقف تھے۔ اُن کو پورا علم نہ اُن کے اعتراضوں کا تھا اور نہ قرآن شریف کے حقائق ہی سے آگاہ تھے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کے پاس اقبال اور تالیف قلوب کے ذریعے تھے۔ اس لیے اُن کی ترقی ہوتی گئی۔ مگر اب اُن میں ایک بھی نہیں جو اسکی تنزل کو دیکھ سکے۔ اب ان کا عہد ختم ہونے والا ہے اور مختصر طور پر جعلی فرضی خدا کو سمجھ لیں گے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ عیسائیوں کا تا نانا آریہ اور سناتن سے بھی بودا ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے ساری بنیاد حیاتِ مسیح پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی ساری عمارت گر جاتی ہے۔ یہ بات اس زمانہ میں کہ وہ زندہ آسمان پر گیا ہے، کوئی مان نہیں سکتا جبکہ دلائل قطعیہ اور لالت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ وہ مر گیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب تو لاش کے دکھا دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ کیونکہ (سرینگر) کشمیر میں اس کی قبر واقعاتِ مسیحیہ کی بنا پر ثابت ہو گئی ہے۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے کون عقلمند یہ قبول کر سکتا ہے اور اُس کی موت کے ساتھ ہی صلیب، کفارہ، لعنت وغیرہ ساری باتیں علوم یقینیہ کی طرح غلط ثابت ہو جائیں گی۔ ان ساری باتوں کے علاوہ یہ مذہب ایسا کمزور ہے کہ جو پہلو اس نے اختیار کیا ہے وہی بودا۔ ایک لعنت ہی کے پہلو کو دیکھو۔ اگر اس پہلو کو اختیار نہ کرتے، تو بہتر تھا۔ کیونکہ جب یہ سچی بات ہے کہ لعنت کا تعلق دل سے ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ملعون خدا کا اور خدا ملعون کا دشمن ہو جاوے اور خدا سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے اور وہ خدا سے برگشتہ ہو جاوے تو پھر کیا باقی رہا۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح کو شیطان لے پھرا۔ اگر جسمانی طور پر شیطان لیے پھرا ہوتا تو مسیح تماشہ دکھا سکتے تھے۔ اس کا کوئی معقول جواب تو نہیں دے سکے۔ کسی یہودی کو شیطان کہہ دیا اور پھر تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا۔ غرض اب عیسائی مذہب کے خاتمہ کا وقت آگیا ہے۔

پس تم اپنی ہمت اور سرگرمی میں سُست نہ ہو۔ بہت سے مسلمان کہلا کر دوسرے امور میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ مگر تم خدا سے ڈرو اور سچی تبدیلی اور تقویٰ طہارت پیدا کرو۔ اس راہ میں سُست ہونا

شیطان کو لعنت لگا کر ایمان کا مال لے جانے کا موقع دینا ہے۔

اس وقت وہی خدا جو آدم پر ظاہر ہوا تھا۔ اور دُوسرے نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا ہے وہی مجھ پر ظاہر ہوا ہے اس وقت خدا نے موقعہ دیا ہے کہ تم اپنے معلومات کو بڑھا سکو۔ اس لیے جو بات سمجھ میں نہ آئے اُس کو فوراً پُوچھ لینا چاہیے جو سمجھنے سے پہلے کہتا ہے کہ سمجھ لیا۔ اس کے دل پر ایک چھالا سا پڑ جاتا ہے۔ آخر وُہ ناسُور ہو کر بہہ نکلتا ہے۔ مَیں تھکتا نہیں ہوں، خواہ کوئی ایک سال تک پُوچھتا رہے پس اس موقع کی قدر کرو۔ میری باتوں کو سُنو اور سمجھو اور اُن پر عمل کرو۔ پھر خادمِ دین بنو۔ سچائی کو ظاہر کرو۔ خُدا سے محبت کرنا اور مخلوق سے ہمدردی کرنا۔ یہ دونوں باتیں دین کی ہیں۔ ان پر عمل کرو[1]

۸ر جنوری ۱۹۰۲ء

ابتلاء اور ہم وغم کا فائدہ

فرمایا:

"اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا۔ مگر بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ اس پر بعض عجیب وغریب اوقات اور حالتیں آتی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک ہم وغم کی بھی حالت ہے۔ ان اختلاف حالات اور تغیر وتبدیل اوقات سے اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قُدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے:

؎ اگر دُنیا بیک دستور ماندے
بسا اسرار ہا مستور ماندے

جن لوگوں کو کوئی ہم وغم دُنیا میں نہیں پہنچتا اور جو بجائے خود اپنے آپ کو بڑے ہی خوش قسمت اور خوشحال سمجھتے ہیں، وُہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار اور حقائق سے ناواقف اور ناآشنا رہتے ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ مدرسوں میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ یہ بھی لازم رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک لڑکے ورزش بھی کریں۔ اس ورزش اور قواعد وغیرہ سے جو سکھائی جاتی ہے۔ سررشتہ تعلیم کے افسروں کا یہ منشا تو ہو نہیں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۲ء

سکتا کہ اُن کو کسی لڑائی کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وُہ وقت ضائع کیا جاتا ہے اور لڑکوں کا وقت تکمیل کو دیا جاتا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اعضاء جو حرکت کو چاہتے ہیں۔ اگر اُن کو بالکل بیکار چھوڑ دیا جائے تو پھر اُن کی طاقتیں زائل اور ضائع ہو جاویں اور اس طرح پر اُس کو پُورا کیا جاتا ہے۔ بنا ہر ورزش کرنے سے اعضاء کو تکلیف اور کبھی قدرتکان اُن کی پرورش اور صحت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح پر ہماری فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ تکلیف کو بھی چاہتی ہے تاکہ تکمیل ہو جاوے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہوتا ہے۔ جو وہ انسان کو بعض اوقات ابتلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اِس سے اُس کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی ہیں۔ جس شخص کو خدا پر یقین نہیں ہوتا اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ذرا سی تکلیف پہنچنے پر گھبرا جاتے ہیں اور وُہ خودکشی میں آرام دیکھتا ہے، مگر انسان کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اس پر اس قسم کی ابتلاء آویں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین بڑھے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لیکن جن کو تفرقہ اور ابتلاء نہیں آتا ان کا حال دیکھو کہ کیسا ہوتا ہے۔ وہ بالکل دُنیا اور اس کی خواہشوں میں منہمک ہو گئے ہیں۔ اُن کا سر اُوپر کی طرف نہیں اُٹھتا۔ خدا تعالیٰ کا ان کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ یہ وُہ لوگ ہیں جنھوں نے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیا اور بجائے اس کے ادنیٰ درجہ کی باتیں حاصل کیں، کیونکہ ایمان اور عرفان کی ترقی اُن کے لیے وہ راحت اور اطمینان کا سامان پیدا کرتے جو کسی مال دولت اور دُنیا کی لذت میں نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ ایک بچہ کی طرح آگ کے انگارہ پر خوش ہو جاتے ہیں اور اس کی سوزش اور نقصان رسانی سے آگاہ نہیں، لیکن جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور جن کو ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کرتا ہے اُن پر ابتلاء آتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی ابتلاء نہیں آیا، وُہ بدقسمت ہیں۔ وُہ ناز و نعمت میں رہ کر بہائم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی زبان ہے، مگر وُہ حق بول نہیں سکتی۔ خدا کی حمد و ثنا اس پر جاری نہیں ہوتی، بلکہ وُہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے کے لیے اور مزہ چکھنے کے واسطے ہے۔ اُن کی آنکھیں ہیں، مگر وُہ قدرت کا نظارہ نہیں دیکھ سکتیں، بلکہ وُہ بدکاری کے لیے ہیں۔ پھر اُن کو خوشی اور راحت کہاں سے میسّر آتی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جس کو ہم دغم پہنچتا ہے۔ وُہ بدقسمت ہے۔ نہیں۔ خدا اُس کو پیار کرتا ہے۔ جیسے مرہم لگانے سے پہلے چیرنا اور جراحی کا عمل ضروری ہے۔ غرض یہ انسانی فطرت میں ایک امر واقع شدہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ دُنیا کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا کیا بلائیں اور حوادث آتے ہیں۔ ابتلاؤں میں ہی دعاؤں کے عجیب و غریب خواص اور اثر ظاہر ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارا خدا تو دُعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔

* * *

مجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام پیش کرتا ہے

دُنیا میں جس قدر قومیں ہیں۔ کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا جو جواب دیتا ہو اور دُعاؤں کو سُنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے رُوبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اُس سے دُعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسُوع کو خدا مانا ہے۔ وُہ میری دُعا کو سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا خدا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (المومن : ۶۱) تم مجھے پُکارو میں تم کو جواب دُوں گا اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے اور دُعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جاوے گا۔

قرآن شریف میں ایک مقام پر ان لوگوں کے لیے جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں اور گوسالہ کو خدا بناتے ہیں۔ آیا ہے۔ اَلَا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا (طٰہٰ : ۹۰) کہ وُہ اُن کی بات کا کوئی جواب اُن کو نہیں دیتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خدا بولتے نہیں ہیں وہ گوسالہ ہی ہیں۔ ہم نے عیسائیوں سے بارہا پُوچھا ہے کہ اگر تمہارا خدا ایسا ہی ہے جو دُعاؤں کو سُنتا ہے اور اُن کے جواب دیتا ہے، تو بتاؤ وہ کس سے بولتا ہے؟ تم جو یسوع کو خدا کہتے ہو۔ پھر اُس کو بُلا کر دکھاؤ۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسوع کو پُکاریں۔ وہ یقیناً کوئی جواب نہ دے گا، کیونکہ وہ مرگیا۔

عیسائیوں کو ملزم کرنے والا سوال

عیسائیوں کو مُلزم کرنے کے واسطے اس سے بڑھ کر کوئی تیز ہتھیار نہیں ہے۔ اُن سے پہلا سوال یہی ہونا چاہیے کہ کیا وہ ناطق خُدا ہے یا غیر ناطق؟ اگر غیر ناطق ہے تو اُس کا گونگا ہونا ہی اُس کے ابطال کی دلیل ہے۔ لیکن اگر وُہ ناطق ہے تو پھر اس کو ہمارے مقابل پر بُلا کر دکھاؤ اور اس سے وہ بولیاں بُلواؤ جن سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ انسان کی مقدرت اور طاقت سے باہر ہیں یعنی عظیم الشان پیشگوئیاں اور آئندہ کی خبریں۔

مگر وہ پیشگوئیاں اس قسم کی ہی نہیں ہونی چاہییں جو یسُوع نے خود اپنی زندگی میں کی تھیں کہ مرغ بانگ دے گا۔ یا لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے بلکہ ایسی پیشگوئیاں جن میں قیافہ اور فراست کو دخل نہ ہو بلکہ وہ انسانی طاقت اور فراست سے بالاتر ہوں۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی پادری یہ کہنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا کہ خدائے قادر کے مقابلہ میں ایک عاجز اور ضعیف انسان یسُوع کی اقتداری پیشگوئیاں پیش کر سکے۔ غرض یہ مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اُن کا خدا دُعاؤں کا سننے والا ہے۔

دُعاؤں کے نتائج میں تاخیر اور توقّف کی وجہ

کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک طالب نہایت رقت اور درد کے ساتھ دُعائیں کرتا ہے، مگر وُہ دیکھتا ہے کہ ان دُعاؤں کے نتائج میں ایک تاخیر اور توقف واقع ہوتا ہے۔ اِس کا سبب کیا ہے؟ اس میں یہ نُکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اوّل تو جس قدر اُمور دنیا میں ہوتے ہیں، اُن میں ایک قسم کی تدریج پائی جاتی ہے۔ دیکھو ایک بچّہ کو انسان بننے کے لیے کس قدر مرحلے اور منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ ایک بیج کا درخت بننے کے لیے کس قدر توقف ہوتا ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے اُمور کا نفاذ بھی تدریجاً ہوتا ہے۔ دوسرے اس توقف میں یہ مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے عزم اور عقدِ ہمت میں پُختہ ہو جاوے اور معرفت میں استحکام اور رسُوخ ہو۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر انسان اعلیٰ مراتب اور مدارج کو حاصل کرنا چاہتا ہے اُسی قدر اُس کو زیادہ محنت اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے پس استقلال اور ہمت ایک ایسی عمدہ چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو انسان کامیابی کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے مشکلات میں ڈالا جاوے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (الم نشرح : ۷) اسی لیے فرمایا ہے۔

دُنیا میں کوئی کامیابی اور راحت ایسی نہیں ہے جس کے ابتدا اور اوّل میں کوئی رنج اور مشکل نہ ہو۔ ہمت کو نہ ہارنے والے مستقل مزاج فائدہ اُٹھا لیتے ہیں اور پکّے اور ناواقف راستہ میں ہی تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پنجابی میں کسی نے کہا ہے۔

ایہو ہیگی کیمیا جے دن تھوڑے ہو

پس جب خدا پر سچّا ایمان ہو کہ وہ میری دُعاؤں کو سُننے والا ہے تو یہ ایمان مشکلات میں بھی ایک لذیذ ایمان ہو جاتا ہے اور غم میں ایک اعلیٰ یاقوتی کا کام دیتا ہے۔ ہموم و غموم کے وقت اگر انسان کو کوئی پناہ نہ ہو تو دل کمزور ہو جاتا ہے اور آخر وہ مایُوس ہو کر ہلاک ہو جاتا اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوتا، بلکہ بہت سے ایسے بدقسمت یورپ کے مُلکوں میں خصوصاً پائے جاتے ہیں۔ جو ذرا سی نامرادی پر گولی کھا کر مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خودکشی کرنا خود اُن کے مذہب کی موت اور کمزوری کی دلیل ہے۔ اگر اُس میں کوئی قوت اور طاقت ہوتی تو اپنے ماننے والوں کو ایسی یاس اور نامرادی کی حالت میں نہ چھوڑتا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ پر اُسے ایمان ہے اور اُس قادر کریم ہستی پر یقین رکھتا ہے کہ وہ دُعائیں سُنتا ہے، تو اس کے دل میں ایک طاقت آتی ہے۔

حقیقتِ دُعا

یہ دُعائیں حقیقت میں بہت قابلِ قدر ہوتی ہیں اور دُعاؤں والا آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ نادانی اور سُوءِ ادب ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ لڑنا چاہے۔ مثلاً یہ دُعا کرے کہ رات کے پہلے حصّہ میں سُورج نکل آوے۔ اس قسم کی دُعائیں گستاخی میں

داخل ہوتی ہیں۔ وُہ شخص نقصان اُٹھاتا ہے اور ناکام رہتا ہے جو گھبرانے والا اور قبل از وقت چاہنے والا ہو۔ اگر بیاہ کے دس دن بعد مرد و عورت یہ خواہش کریں کہ اب بچہ پیدا ہو جائے، تو یہ کیسی حماقت ہوگی۔ اس وقت تو اسقاط کے خون اور پھچھڑوں سے بھی بے نصیب رہے گی۔ اسی طرح جو سبزہ کو نمو نہیں دیتا وہ دانہ پڑنے کی نوبت ہی آنے نہیں دیتا۔

مَیں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار اور شرح و بسط کے ساتھ دُعا کے مضمون پر ایک رسالہ لکھوں۔ مسلمان دُعا سے بالکل ناواقف ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو بدقسمتی سے ایسا موقعہ ملا کہ دعا کریں، مگر انھوں نے صبر اور استقلال سے چونکہ کام نہ لیا اس لیے نامراد رہ کر سید احمد خانی مذہب اختیار کر لیا کہ دُعا کوئی چیز نہیں۔ یہ دھوکا اور غلطی اسی لیے لگتی ہے کہ وہ حقیقتِ دُعا سے محض ناواقف ہوتے ہیں اور اس کے اثر سے بے خبر اور اپنی خیالی امیدوں کو پُورا نہ ہوتے دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ دُعا کوئی چیز نہیں اور اس سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔

دُعا ربُوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے۔ اگر دُعاؤں کا اثر نہ ہوتا تو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔[1]

۸ر جنوری ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

قبولیتِ دُعا ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل ہے

اللہ تعالیٰ کی شناخت کی یہ زبردست دلیل اور اُس کی ہستی پر بڑی بھاری

شہادت ہے کہ محو و اثبات اُس کے ہاتھ میں ہے۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ۔ (الرعد: ۴۰)

دیکھو اجرامِ سماوی کتنے بڑے اور عظیم الشان نظر آتے ہیں اور اُن کی عظمت کو دیکھ کر ہی بعض نادان اُن کی پرستش کی طرف جُھک پڑے ہیں اور اُنھوں نے اُن میں صفاتِ الٰہیہ کو مان لیا ہے۔ جیسے ہندو یا اور دُوسرے بُت پرست یا آتش پرست وغیرہ جو سُورج کی پُوجا کرتے ہیں اور اس کو اپنا معبُود سمجھتے ہیں۔ کیا وُہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سُورج اپنے اختیار سے چڑھتا ہے یا چھپتا ہے؟ ہرگز نہیں اور اگر وُہ کہیں بھی تو وہ اس کا کیا ثبوت دے سکتے ہیں۔ وُہ ذرا سُورج کے سامنے یہ دُعا تو کریں کہ ایک دن وہ نہ چڑھے یا دوپہر کو مثلاً چھُپ جاوے تاکہ معلوم ہو کہ وُہ کوئی اختیار اور ارادہ بھی رکھتا ہے۔ اُس کا ٹھیک وقت پر طلوع اور غروب تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کوئی اختیار اور ارادہ نہیں ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۵ صفحہ ۳ تا ۳ پرچہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۰۲ء

ارادہ کا مالک تب ہی معلوم ہوتا ہے کہ دُعا قبول ہو اور کرنے والے امر کو کرے اور نہ کرنے والے کو نہ کرے۔
غرض اگر قبولیتِ دُعا نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے تھے اور ہوئے اور حقیقت میں جو لوگ قبولیتِ دُعا کے قائل نہیں ہیں اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائے گا، وُہ خدا ہی کا قائل نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ کی شناخت کا یہی طریق ہے کہ اس وقت تک دُعا کرتا رہے جبتک خدا اس کے دل میں یقین نہ بھر دے اور انا الحق کی آواز اس کو نہ آجاوے۔

قبولیت دعا کے لیے صبر شرط ہے

اس میں شک نہیں کہ اس مرحلہ کو طے کرنے اور اس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت سے مشکلات ہیں اور تکلیفیں ہیں۔ مگر ان سب کا علاج صرف صبر سے ہوتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے۔ شعر ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

یاد رکھو کوئی آدمی کبھی دُعا سے فیض نہیں اُٹھا سکتا۔ جبتک وہ صبر میں حد نہ کر دے اور استقلال کے ساتھ دُعاؤں میں نہ لگا رہے۔ اللہ تعالیٰ پر کبھی بدظنی اور بدگمانی نہ کرے۔ اُس کو تمام قدرتوں اور ارادوں کا مالک تصور کرے۔ یقین کرے پھر صبر کے ساتھ دعاؤں میں لگا رہے۔ وہ وقت آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دعاؤں کو سُنے گا اور اُسے جواب دے گا۔ جو لوگ اس نسخہ کو استعمال کرتے ہیں، وُہ کبھی بدنصیب اور محروم نہیں ہو سکتے بلکہ یقیناً وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور طاقتیں بے شمار ہیں۔ اُس نے انسانی تکمیل کے لیے دیر تک صبر کا قانون رکھا ہے۔ پس اس کو وُہ بدلتا نہیں اور جو چاہتا ہے کہ وہ اس قانون کو اُس کے لیے بدل دے۔ وُہ گویا اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتا اور بے ادبی کی جرأت کرتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ بے صبری سے کام لیتے ہیں اور مداری کی طرح چاہتے ہیں کہ ایکدم میں سب کام ہو جائیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بے صبری کرے تو بھلا بے صبری سے خدا تعالیٰ کا کیا بگاڑے گا۔ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ بے صبری کر کے دیکھ لے وہ کہاں جائے گا۔
مَیں اِن باتوں کو کبھی نہیں مان سکتا اور درحقیقت یہ جھوٹے قصے اور فرضی کہانیاں ہیں کہ فُلاں فقیر نے پھونک مار کر یہ بنا دیا اور وُہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنت اور قرآن شریف کے خلاف ہے اس لیے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔
ہر امر کے فیصلہ کے لیے معیار قرآن ہے۔ دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیارا بیٹا یوسف علیہ السلام جب بھائیوں کی شرارت سے اُن سے الگ ہو گیا، تو آپؑ چالیس برس تک اُس کے لیے دُعائیں کرتے رہے۔

اگر وُہ جلد باز ہوتے تو کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوتا۔ چالیس برس تک دُعاؤں میں لگے رہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان رکھا۔ آخر چالیس برس کے بعد وہ دُعائیں کھینچ کر یوسف علیہ السلام کو لے ہی آئیں۔ اس عرصہ دراز میں بعض ملامت کرنے والوں نے یہ بھی کہا کہ تو یوسف کو بے فائدہ یاد کرتا ہے۔ مگر اُنھوں نے یہی کہا کہ میں خدا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیشک اُن کو کچھ خبر نہ تھی، مگر یہ کہا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف:۹۵) پہلے تو اتنا ہی معلوم تھا کہ دعاؤں کا سلسلہ لمبا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر دعاؤں میں محروم رکھنا ہوتا، تو وہ جلد جواب دے دیتا، مگر اس سلسلہ کا لمبا ہونا قبولیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کریم سائل کو دیر تک بٹھا کر کبھی محروم نہیں کرتا بلکہ بخیل سے بخیل بھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ بھی سائل کو اگر زیادہ دیر تک دروازہ پر بٹھائے، تو آخر اس کو کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دعاؤں کے زمانہ کی درازی پر وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ (یوسف:۸۵) قرآن میں خود دلالت کر رہی ہیں۔ غرض دعاؤں کے سلسلہ کے دراز ہونے سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہر نبی کی تکمیل بھی جُدا جُدا پیرایوں میں کرتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اسی غم میں رکھی تھی۔

مختصر یہ کہ دُعا کا یہ اصُول ہے جو اس کو نہیں جانتا وہ خطرناک حالت میں پڑتا ہے اور جو اس اصول کو سمجھ لیتا ہے اس کا انجام اچھا اور مبارک ہوتا ہے۔

متقی کے لیے مصائب ترقی کا باعث ہوتے ہیں

اور جو لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اُن کو پکڑتا بھی ہے تو پھر جان لینے ہی کے لیے پکڑتا ہے۔ مگر مومن کے حق میں اُس کی یہ عادت نہیں ہے۔ اُن کی تکالیف کا انجام اچھا ہوتا ہے اور انجام کار متقی کے لیے ہی ہے۔ جیسے فرمایا:

اَلْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (القصص:۸۴)

اُن کو جو تکالیف اور مصائب آتے ہیں۔ وہ بھی ان کی ترقیوں کا باعث بنتی ہیں تاکہ ان کو تجربہ ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ پھر ان کے دن پھیر دیتا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے شکنجہ کے دن آتے ہیں۔ اس پر بہائمی زندگی کا اثر نہیں رہتا۔ اس پر ایک موت ضرور آجاتی ہے اور خدا شناسی کے بعد وُہ لذتیں اور ذوق جو بہائمی سیرت میں معلوم ہوتے تھے، نہیں رہتے بلکہ اُن میں تلخی اور کدورت و کراہت پیدا ہوتی ہے اور نیکیوں کی طرف توجہ کرنا ایک معمولی عادت ہو جاتی ہے پہلے جو نیکیوں کے کرنے میں طبیعت پر گرانی اور سختی ہوتی تھی وہ نہیں رہتی۔

پس یاد رکھو جبتک نفسانی جوشوں سے بھری ہوئی مرادیں ہوتی ہیں۔ اس وقت تک خدا اُن کو مصلحتاً الگ

رکھتا ہے اور جب رجوع کرتا ہے تو پھر وہ حالت نہیں رہتی۔ اس بات کو کبھی مت بھولو کہ دنیا روزے چند آفرکار باخداوند۔ اتنا ہی کام نہیں کہ کھا پی لیا اور بہائم کی طرح زندگی بسر کر لی۔ انسان بہت بڑی ذمہ داریاں لے کر آتا ہے۔ اس لیے آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور اُس کی تیاری ضروری ہے۔ اس تیاری میں جو تکالیف آتی ہیں وہ رنج و تکلیف کے رنگ میں نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر بھیجتا ہے جن کو دونوں بہشتوں کا مزہ چکھانا چاہتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن: ۴۷) مصائب آتے ہیں تاکہ ان عارضی امور کو جو تکلف کے رنگ میں ہوتے ہیں نکال دے۔ مولوی رُومی نے کیا اچھا کہا ہے۔

عشق اوّل سرکش و خُونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

سید عبدالقادر جیلانی بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب مومن، مومن بننا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ اس پر دُکھ اور ابتلا آویں اور وہ یہاں تک آتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو قریب موت سمجھتا ہے اور پھر جب اس حالت تک پہنچ جاتا ہے تو رحمتِ الٰہیہ کا جوش ہوتا ہے۔ تو

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا (الانبیاء: ۷۰)

کا حکم ہوتا ہے۔ اصل اور آخری بات یہی ہے بگزر شنیدہ ای کہ خداداری چہ غم داری۔[1]

۹ر جنوری ۱۹۰۲ء

آیاتِ مُبین میرے نزدیک آیاتِ مبین وُہ ہوتی ہیں، مخالف جن کے مقابلہ سے عاجز ہو جائے خواہ وُہ کچھ ہی ہو۔ جس کا مخالف مقابلہ نہ کر سکے وہ اعجاز ٹھہر جائے گا۔ جبکہ اس کی تحدی کی گئی ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اقتراح کے نشانوں کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ نبی کبھی جرأت کر کے یہ نہیں کہے گا کہ تم جو نشان مجھ سے مانگو میں وہی دکھانے کو تیار ہوں۔ اس کے مُنہ سے جب نکلے گا یہی نکلے گا اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (العنکبوت: ۵۱) اور یہی اس کی صداقت کا نشان ہوتا ہے۔ کم نصیب مخالف اس قسم کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ معجزات سے انکار کیا گیا ہے، مگر وُہ آنکھوں کے اندھے ہیں۔ اُن کو معجزات کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی، اس لیے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ اور نہ ذاتِ باری کی عزت اور جبروت کا ادب اُن کے دل پر ہوتا ہے۔ ہمارا خدا تعالیٰ پر کیا حق ہے کہ ہم جو کہیں وُہ وہی کر دے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۲۰۱ پرچہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۲ء

یہ سُوءِ ادب ہے اور ایسا خدا خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ اس کا فضل ہے کہ اُس نے ہم کو امید اور حوصلہ دلایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) یہ نہیں کہا کہ تم جو مانگو گے وہی دیا جاوے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض اقتراحی نشانات مانگے، تو آپ نے یہی خدا کی تعلیم سے جواب دیا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا - (بنی اسرائیل : ۹۴) خدا کے رسُول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے اور وہ آدابِ الٰہی کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ باتیں منحصر ہیں معرفت پر۔ جس قدر معرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت دل پر مستولی ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر معرفت انبیاء علیہم السلام ہی کی ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کی ہر بات اور ہر ادا میں بشریت کا رنگ جُدا نظر آتا ہے اور تائیداتِ الٰہیہ الگ نظر آتی ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے جب چاہتا ہے، وہ دُنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھُلا ہوا ہو کہ جیسے سُورج تو پھر ایمان کیا رہا اور اُس کا ثواب کیا؟ ایسی صُورت میں کون بدبخت ہوگا جو انکار کرے گا۔ نشان بیّن ہوتے ہیں لیکن ان کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ اور یہ وقت نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے شقی اور فاسق اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اُس وقت تک ایمان ہے۔ جبتک اس میں کوئی پہلو اِخفا کا بھی ہو، لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتا دے کہ اس میں یہ ہے، تو اس کی فراست قابلِ تعریف ہو سکتی ہے، لیکن جب مُٹھی کھول کر دکھا دی اور پھر کسی نے کہا کہ میں بتا دیتا ہوں تو کیا ہوا۔ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے، تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے، لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ میں نے چاند دیکھ لیا۔ وہ چڑھا ہوا ہے۔ تو لوگ اُسے پاگل کہیں گے۔ غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بند کرے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ یا ویسا ہونا چاہیے۔ اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اِخفا کے ہوں کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اُس میں عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی کھلی باتیں ہوں گی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آ سکتا۔ چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو پس اقتراحی نشانات سے اس لیے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سوءِ ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔

ایک پرانا الہام ابتدائے جنوری ۱۹۰۲ء کو ایک عرب صاحب آئے ہوئے تھے۔ بعض لوگ ان کے متعلق مختلف رائیں رکھتے تھے۔ حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۹ر جنوری کی شب کو اس کے متعلق الہام ہوا۔

قَدْ جَرَتْ عَادَةُ اللّٰهِ اَنَّهٗ لَا
يَنْفَعُ الْاَمْوَاتَ اِلَّا الدُّعَاءُ

اس وقت رات کے تین بجے ہوں گے۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ اس وقت پر میں نے دُعا کی تو یہ الہام ہوا، فَكُلُّهُ مِنْ كُلِّ بَابٍ وَلَنْ يَنْفَعَهُ اِلَّا هٰذَا الدَّوَاءُ (اَیْ الدُّعَاءُ)۔ اور پھر ایک اور الہام اسی عرب کے متعلق ہوا کہ فَيَتَّبِعُ الْقُرْاٰنَ اِنَّ الْقُرْاٰنَ كِتَابُ اللّٰهِ كِتَابُ الصَّادِقِ۔

چنانچہ ۹ جنوری ۱۹۰۲ء کی صبح کو جب آپؑ سیر کو نکلے تو حضرت اقدسؑ نے عربی زبان میں ایک تقریر فرمائی۔ جس میں سلسلہ محمدیہ اور موسویہ کی مشابہت کو بتایا اور پھر سورۂ نُور کی آیت استخلاف اور سورہ تحریم سے اپنے دعاوی پر دلائل پیش کیے اور قرآن شریف اور احادیث کے مراتب بتائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب صاحب جو پہلے بڑے جوش سے بولتے تھے بالکل صاف ہو گئے اور انہوں نے صدقِ دل سے بیعت کی اور ایک اشتہار بھی شائع کیا اور بڑے جوش کے ساتھ اپنے ملک کی طرف بغرض تبلیغ چلے گئے، چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا۔ ہم نے اس کی عزت و عظمت کے لحاظ سے ضروری سمجھا کہ گو پرانا الہام ہے۔ لیکن چونکہ آجتک یہ سلسلہ اشاعت میں نہیں آیا۔ اس کو شائع کر دیا جاوے۔

* * *

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں ؟

اس سوال کا جواب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام نے ایک بار اپنی ایک مختصر سی تقریر میں دیا ہے۔ فرمایا:

"نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں۔ جس کے اعمال بجائے خود خارق کے درجہ تک پہنچ جائیں مثلاً ایک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرتا ہے۔ وہ ایسی وفاداری کرے کہ اُس کی وفا خارق عادت ہو جاوے۔ اُس کی محبت اسکی عبادت خارق عادت ہو۔ ہر شخص ایثار کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے، لیکن اس کا ایثار خارق عادت ہو۔ غرض اُس کے اخلاق۔ عبادات اور سب تعلقات جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اپنے اندر ایک خارق عادت نمونہ پیدا کریں۔ تو چونکہ خارق عادت کا جواب خارق عادت ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشانات ظاہر کرنے لگتا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ اس سے نشانات کا صدور ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے اعمال کو اس درجہ تک پہنچائے کہ ان میں خارق عادت نتائج کے جذب کی قوت پیدا ہونے لگے۔

انبیاء علیہم السلام میں یہی ایک نرالی بات ہوتی ہے کہ ان کا تعلق اندرونی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ اُن کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی۔ پس اس کے مقابلہ میں ربوبیت اپنی تجلی اور اظہار بھی اسی حیثیت اور رنگ کا کرتی ہے۔

عبودیت کی مثال عورت کی سی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حیا اور شرم کے ساتھ رہتی ہے اور جب مرد بیباک بن جاتا ہے، تو وُہ علانیہ جاتا ہے۔ اسی طرح پر عبودیت پردہ خفا میں ہوتی ہے۔ لیکن اُلوہیت جب اپنی تجلی کرتی ہے تو پھر وہ ایک دیتی امر ہو جاتا ہے اور ان تعلقات کا جو ایک سچے مومن اور عبد اور اس کے رب میں ہوتے ہیں۔ خارق عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہی راز ہے اور چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے آپؐ کے معجزات ہی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء (شب)

طاعُون اور لوگوں کی حالت

طاعُون کی خبریں سُن کر فرمایا:

"یہ خدا کی طرف سے کس قدر تنبیہ ہے اگر اب بھی دل بیدار نہ ہوں اور اب بھی خدا سے صلح کا عہد باندھنے کے لیے مُستعد نہ ہوں تو کیسی بدقسمتی ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اب بھی خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور فسق و فجور اور شوخیوں سے باز نہیں آتے۔ اگر کسی کے اولاد اور عزیزوں پر آفت آجاوے، تو ساری باتیں رہ جائیں۔ پھر کس شیخی اور بھروسہ پر انسان خدا سے اس قدر سرکشی کرتا ہے؟ وُہ اُس کی حکومت سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ جب یہ حال ہے تو سب سے بہتر اور محفوظ طریق عذاب الٰہی سے بچنے کا تو خود اُس کی ہی پناہ میں آنا ہے۔ وُہ احمق ہے جو خدا کے حدُود کو توڑ کر نکلتا ہے اس لیے کہ امان پاوے وہ مصیبت کو بلاتا ہے اور عذاب کو جذب کرتا ہے۔ اب وقت ہے کہ مُسلمان اپنے ایمان اور توبہ کی تجدید کریں۔ یہ وقت آیا ہے کہ خدا اپنا وجود دکھانا چاہتا ہے اور اپنی ہستی کو منوانا چاہتا ہے۔

ایمان باللہ کے تین ذرائع اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کی تین صُورتیں ہیں اور خدا تعالیٰ نے وُہ تینوں ہی سُورۃ فاتحہ میں بیان کر دی ہیں:

اوّل۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حُسن کو دکھایا ہے جبکہ جمیع محامد کے ساتھ اپنے آپ کو مُتّصف کیا ہے۔ یہ

---

[1] الحکم جلد ۶، نمبر ۱۲، صفحہ ۲، ۳ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۲ء

قاعدہ کی بات ہے کہ خوبی بجائے خود دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ خوبی میں ایک مقناطیسی جذب ہے جو دلوں کو کھینچتی ہے جیسے موتی کی آب، گھوڑے کی خوبصورتی، لباس کی چمک دمک، غرض یہ حُسن پھولوں۔ پتوں، پتھروں حیوانات۔ نباتات۔ جمادات کسی چیز میں ہو اس کا خاصہ ہے کہ بے اختیار دل کو کھینچتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے پہلا مرحلہ اپنی خدائی ستوائے کا حُسن کا رکھا ہے جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرمایا۔ کہ جمیع اقسام حمد و ستائش اسی کے لیے سزاوار ہیں۔

پھر دُوسرا درجہ احسان کا ہوتا ہے۔ انسان جیسے حُسن پر مائل ہوتا ہے، ویسے ہی احسان پر بھی مائل ہوتا ہے۔ اس لیے پھر اللہ تعالیٰ نے رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنُ۔ الرَّحِیْمُ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ صفات کو بیان کر کے اپنے احسان کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن اگر انسان کا مادہ ایسا ہی خراب ہو اور وہ حُسن اور احسان سے بھی سمجھ نہ سکے تو پھر تیسرا ذریعہ سورۃ فاتحہ میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کہہ کر متنبہ کیا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ تو حُسن سے فائدہ اٹھاتے اور جو اُن سے کم درجہ پر ہوں وہ احسان سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن جو ایسے ہی پلید طبع ہوں اُن کو اپنے جلال اور غضب سے متوجہ کیا ہے۔ یہودیوں کو مغضوب کہا ہے اور ان پر طاعون ہی پڑی تھی۔ خدا تعالیٰ نے سُورۃ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ یا یوں کہو کہ طاعون کے عذاب شدید سے ڈرایا ہے۔ شیطان بیباک انسان پر ایسا سوار ہے کہ وُہ سن لیتے ہیں، مگر عمل نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ جذبات اور شہوات پر ایک موت وارد ہو کر اُنہیں بالکل سرد کر دے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا مشکل ہے۔ اب تو غضب الٰہی کے نمونے خطرناک ہیں۔ ابھی تین مہینے باقی ہیں خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔

مخالفین کے لیے لمحۂ فکریہ

مخالفوں کی خطرناک فحش تحریروں پر فرمایا:

کہ ہمارے اور اُن کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے اور ان افعال کو جو ہم کر رہے ہیں دیکھتا ہے۔ وہ خود فیصلہ کر دیگا اور سچائی پر اپنی مُہر کر دے گا۔ ہم کو تو یہ تعجب آتا ہے کہ اگر یہ لوگ تقویٰ اور خدا ترسی سے کام لیتے تو خوف کے محل اور مقام سے ڈر جاتے اور مخالفت میں اس قدر زبان درازی نہ کرتے۔ وہ دیکھتے کہ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ مسیح موعود نازل ہو؟ کیا صلیب کا غلبہ نہیں؟ کیا اسلام کی توہین اور تضحیک نہیں کی جاتی؟ وہ دیکھتے کہ صدی میں سے ۱۳ سال گذر گئے اور کوئی مدعی کھڑا نہ ہوا، جو درماندہ اسلام کی حمایت کے لیے میدان میں آتا۔

پھر ضرورت اور وقت ہی پر اپنی نگاہ محدود نہ کرتے اگر وہ غور کرتے تو اُن کو معلوم ہوتا کہ آسمان نے

صاف شہادت دیدی اور کسوف خسوف ظاہر ہوگیا جو عظیم الشان نشان مقرر ہو چکا تھا۔ تائیدی نشانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے وہ اُسے دیکھتے اور سلسلہ کی ترقیات پر غور کرتے اور سوچتے کہ کیا مفتری اسی طرح ترقی کیا کرتے ہیں؟

ان سب اُمور پر بچائی نظر کے بعد تقویٰ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قدر بیّن شواہد ہوتے ہوئے بھی اگر ان کی نگاہ تاریک تھی۔ تو وہ خاموش ہو جاتے اور صبر سے انتظار کرتے کہ انجام کیا ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو شورِ عظیم میری مخالفت میں برپا کیا گیا اور گندی گالیاں دی گئیں جن کی نظیر پہلے مخالفوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔

حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ آیات پوری ہو گئی ہیں اور پھر اپنی اولاد کو سلام کی وصیت کرتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو خود بھی ان مخالفت کرنے والوں ہی کے ہمراہ ہوتے۔ یہ لوگ کب ماننے والے ہوتے ہیں جبتک وہی نظارہ آنکھوں سے نہ دیکھ لیں جو خیالی طور پر دل میں فرض کر رکھا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے میری مخالفت میں کریں مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں کیونکہ یہ میرا مقابلہ نہیں۔ یہ تو خدا سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اگر میری اپنی مرضی پر ہوتا۔ تو میں تخلیہ کو بہت پسند کرتا تھا۔ مگر میں کیا کر سکتا تھا جبکہ خدا تعالیٰ نے ہی ایسا پسند کیا۔ یہ مقابلہ کریں۔ گر دیکھ لیں گے کہ خدا کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک طرفۃ العین میں سالہا سال کی کارروائی کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں خوشی ہے کہ ان کی مخالفت سے ذرا بھی رنج نہیں ہوتا، کیونکہ ہمارا خدا ایسا خدا ہے جو ساری خوبیوں سے متصف ہے جیسا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں ہم کو پہلے ہی بتایا گیا ہے۔ پھر خدا داری چہ غم داری ہمیں ان کی مخالفت کا کیا فکر؟

ہم کیوں بے حوصلہ ہوں؟ کیا معلوم ہے کہ اُس نے اِس مخالفت کے طوفان کے انجام میں کیا مقدر رکھا ہے؟؟؟ یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراہیم: ۱۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انبیاء اور رُسل آتے ہیں وہ ایک وقت تک صبر کرتے ہیں اور مخالفوں کی مخالفت جب انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو ایک وقت توجہ تام سے اقبال علی اللہ کر کے فیصلہ چاہتے ہیں اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ اِسْتَفْتَحُوْا سنت اللہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ اس وقت فیصلہ چاہتے ہیں اور اس فیصلہ چاہنے کی خواہش ان میں پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب گویا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہم اپنے مخالفوں کی مخالفت کی کیا پروا کریں۔ یہ مخالفت درحقیقت بہ نسبت اپنے فرضِ منصبی کو سرانجام دیتے ہیں۔ ابتدا ان کی ہوتی ہے اور انجام متقیوں کا۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (الاعراف: ۱۲۹)

لہ الحکم جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۲ء

۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء

عصمت اور شفاعت

(ایڈیٹر کے اپنے الفاظ میں)

فرمایا:

"تعجب ہے کہ عیسائی لوگ شفاعت کے لیے عصمت کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں نری عصمت شفاعت کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ شفاعت تب ہو سکتی ہے جبکہ شفیع معصوم ہو اور پھر وہ ابن اللہ ہو اور پھر صلیب پر لٹکایا جا کر ملعون ہو۔ جبتک یہ تثلیث عیسائی مذہب کے عقیدہ کے موافق قائم نہ ہو۔ شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر وُہ عصمت عصمت ہی کیوں پکارتے ہیں۔ کیا اگر کوئی معصوم اُن کے سامنے پیش کیا جاوے یا ثابت کر دیا جاوے تو وُہ مان لیں گے کہ وہ شفیع ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عیسائی عقیدہ کے موافق یہ ضروری ہے کہ وہ خدا بھی نہ ہو بلکہ ابن اللہ ہو اور وہ مصلوب ہو کر جب تک ملعون نہ ہو لے۔ ہرگز ہرگز وہ شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ جبکہ یسوع خود خدا تھا اور اس لیے علۃ العلل تھا اور اس نے کل جہان کے گناہ بھی اپنے ذمے لیے پھر وہ معصوم کیونکر ہوا اور گناہوں کا تذکرہ ہم چھوڑتے ہیں جو یہودی مورخوں اور فری تھنکروں (آزاد خیال) نے ان کی انجیل سے ثابت کیے ہیں، لیکن جب اس نے خود گناہ اُٹھا لیے اور پوجہ علت العلل ہونے کے سارے گناہوں کا کرانے والا وہی ٹھہرا، تو پھر اسے معصوم قرار دینا عجیب دانش مندی ہے۔ پھر خدا کا نام معصوم نہیں۔ کیونکہ معصوم وُہ ہے جس کا کوئی دوسرا عاصم ہو۔ خدا کا نام عاصم ہے۔ اس لیے جب شفاعت کے لیے ابنیت کی ضرورت ہے اور اُس کے لیے بھی مصلوبیت کی لعنت ضروری ہے تو یہ سارا تانا بانا ہی بنائے فاسد برفاسد کا مصداق ہے۔

حقیقی اور سچی بات یہ ہے جو میں نے پہلے بھی بیان کی تھی کہ شفیع کے لیے ضرورت ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ سے تعلق کامل ہو۔ تاکہ وہ خدا سے فیض کو حاصل کرے اور پھر مخلوق سے شدید تعلق ہو تاکہ وُہ فیض اور خیر جو وہ خدا سے حاصل کرتا ہے مخلوق کو پہنچا دے۔ جبتک یہ دونوں تعلق شدید نہ ہوں شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر اسی مسئلہ پر تیسری بحث قابلِ غور یہ ہے کہ جب تک نمونے نہ دیکھے جائیں کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور ساری بحثیں فرضی ہیں۔ مسیح کے نمونہ کو دیکھ لو کہ چند حواریوں کو بھی دُرست نہ کر سکے۔ ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے بلکہ بعض کو شیطان بھی کہا اور انجیل کی رُو سے کوئی نمونہ کامل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالمقابل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مل نمونہ ہیں کہ کیسے رُوحانی اور جسمانی طور پر انھوں نے عذابِ الیم سے چھڑایا اور

گناہ کی زندگی سے اُن کو نکالا کہ عالم ہی پلٹ دیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کی شفاعت سے بھی فائدہ پہنچا۔ عیسائی جو مسیح کو مثیل موسیٰ قرار دیتے ہیں تو یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ موسیٰ کی طرح اُنھوں نے گناہ سے قوم کو بچایا ہو۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کے بعد قوم کی حالت بہت ہی بگڑ گئی۔ اور اب بھی اگر کسی کو شک ہو تو لنڈن یا یورپ کے دوسرے شہروں میں جاکر دیکھ لے کہ آیا گناہ سے چھڑا دیا ہے یا پھنسا دیا ہے اور یوں کہنے کو تو ایک چوہڑا بھی کہہ سکتا ہے کہ بالمیک نے چھڑایا بگریہ..... نرے دعوے ہی دعوے ہیں جن کے ساتھ کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ پس عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح چھوڑانے کے لیے آیا تھا۔ ایک خیالی بات ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے بعد قوم کی حالت بہت بگڑ گئی اور رُوحانیت سے بالکل دُور جا پڑی۔

ہاں سچا شفیع اور کامل شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنھوں نے قوم کو بُت پرستی اور ہر قسم کے فسق و فجور کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے نکال کر اعلیٰ درجہ کی قوم بنا دیا اور پھر اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں آپ کی پاکیزگی اور صداقت کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ نمونہ بھیج دیتا ہے اس کے بعد استغفار کا مسئلہ بھی قابل غور ہے۔ عیسائیوں نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس پاک اصول پر بھی نکتہ چینی کی ہے، حالانکہ یہ انسان کی طبعی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن شریف نے دو نام پیش کئے ہیں۔ اَلْحَیّ اور اَلْقَیُّوم۔ الحی کے معنی ہیں خود زندہ اور دُوسروں کو زندگی عطا کرنے والا۔ القیوم خود قائم اور دُوسروں کے قیام کا اصلی باعث۔ ہر ایک چیز کا ظاہری یا ملی قیام اور زندگی انہیں دونوں صفات کے طفیل سے ہے۔ پس حیّ کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے جیسا کہ اس کا مظہر سُورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے اور اَلْقَیُّوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے۔ اس کو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔

حیّ کا لفظ عبادت کو اس لیے چاہتا ہے کہ اس نے پیدا کیا ہے اور پھر پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا۔ جیسے مثلاً معمار جس نے عمارت کو بنایا ہے اُس کے مر جانے سے عمارت کا کوئی حرج نہیں ہے، مگر انسان کو خدا کی ضرورت ہر حال میں لاحق رہتی ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ خدا سے طاقت طلب کرتے رہیں اور یہی استغفار ہے۔ اصل حقیقت تو استغفار کی یہ ہے۔ پھر اس کو وسیع کر کے اُن لوگوں کے لیے کیا گیا کہ جو گناہ کرتے ہیں کہ اُن کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھا جاوے، لیکن اصل یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں سے بچایا جاوے پس جو شخص انسان ہو کر استغفار کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب دہریہ ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۴-۵ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۲ء

۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء

مُخالفانہ تحریروں کا جواب

مخالف جو گالیاں دیتے ہیں اور گندے اور ناپاک اشتہار شائع کرتے ہیں۔ ہم کو اُن کا جواب گالیوں سے کبھی دینا نہیں چاہیے۔ ہم کو سخت زبانی کی ضرورت نہیں، کیونکہ سخت زبانی سے برکت جاتی رہتی ہے، اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ اپنی برکت کو کم کریں۔ اُن کو تو مخاطب کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بجائے خود واجب الرحم ہیں۔ ہاں فضول باتوں کو نکال کر اگر کسی معقول اعتراض کا جواب عوام کو دھوکہ سے بچانے کے لیے دیا جاوے تو نامناسب نہیں۔ اگر ہم ان کے مقابل پر سخت زبانی کا استعمال کریں۔ تو یہ تو اپنے مرتبہ کا بھی تذلل ہے۔ اگر کبھی کوئی سخت لفظ استعمال کیا گیا ہے تو وہ حق کی لازمی مرارت ہے جو دوا کے طور پر ہے جس کی نظیر انجیل اور نبیوں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ ریس اور تقلید کرنا انبیاء کا کام نہیں۔ نام تو وہی ہوتا ہے جو آسمان پر رکھا جاتا ہے۔ کسی کے خالم۔ کافر کہنے سے کیا بنتا ہے۔ زمینی ناموں کا آخر خاتمہ ہو جاتا ہے اور آسمانی نام ہی رہ جاتے ہیں پس دُنیا کے کیڑوں کے ناموں کی کیا پروا؟ اُس نام کی قدر کرو جو آسمان پر نیک لکھا جاوے۔

مسیح کے دو زرد چادروں میں نزول

زرد چادروں سے مُراد اگر یہی ہو جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں تو پھر عام ہندو جوگیوں اور مسیح میں مابہ الامتیاز کیا ہوگا۔ اصل میں خدا کی چادر اپنے الگ معنی رکھتی ہے اور وُہ وہی ہیں جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہوتے ہیں کہ دو زرد چادروں سے مُراد دو بیماریاں ہیں جو مجھے لاحق حال ہیں۔

آدابِ تبلیغ

دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ عوام۔ متوسط درجے کے۔ اُمراء۔ عوام عموماً کم فہم ہوتے ہیں۔ اُن کی سمجھ موٹی ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اُمراء کے لیے سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے، کیونکہ وہ نازک مزاج ہوتے ہیں اور جلد گھبرا جاتے ہیں اور اُنکا تکبّر اور تعلّی اور بھی سدِّراہ ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کے ساتھ گفتگو کرنے والے کو چاہیے کہ وُہ اُن کے طرز کے موافق اُن سے کلام کرے یعنی مختصر مگر پُورے مطلب کو ادا کرنے والی تقریر ہو۔ قَلَّ وَدَلَّ مگر عوام کو تبلیغ کرنے کے لیے تقریر بہت ہی صاف اور عام فہم ہونی چاہیے۔ رہے اوسط درجہ کے لوگ۔ زیادہ تر یہ گروہ اس قابل ہوتا ہے کہ ان کو تبلیغ کی جاوے۔ وُہ بات کو سمجھ سکتے ہیں اور اُن کے مزاج میں وہ تعلّی اور تکبّر اور نزاکت بھی نہیں

ہوتی جو اُمرار کے مزاج میں ہوتی ہے، اس لیے ان کو سمجھانا بہت مشکل نہیں ہوتا۔

بعثت انبیاء پر لوگ کس طرح ہدایت پاتے ہیں

جب انبیاء علیہم السلام مامور ہو کر دُنیا میں آتے ہیں تو لوگ تین ذریعوں سے ہدایت پاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ تین ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ظالم، مقتصد، سابق بالخیرات۔

اوّل درجے کے لوگ تو سابق بالخیرات ہوتے ہیں جنکو دلائل اور معجزات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ ایسے صاف دل اور سعید ہوتے ہیں کہ مامور کے چہرہ ہی کو دیکھ کر اس کی صداقت کے قائل ہو جاتے ہیں اور اُس کے دعویٰ کو ہی سُن کر اس کو بے رنگ و دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ اُن کی عقل ایسی لطیف واقع ہوئی ہوتی ہے کہ وُہ انبیاء کی ظاہری صُورت اور اُن کی باتوں کو سُن کر قبول کر لیتے ہیں۔

دُوسرے درجہ کے لوگ مقتصدین کہلاتے ہیں جو ہوتے تو سعید ہیں، مگر اُن کو دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور وُہ شہادت سے مانتے ہیں۔

تیسرے درجہ کے لوگ جو ظالمین ہیں ان کی طبیعت اور فطرت کچھ ایسی وضع پر واقع ہوتی ہے کہ وُہ بجز ماریکھانے اور سختی کے مانتے ہی نہیں۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جبر سے پھیلا ہے وہ تو بالکل جھوٹے ہیں، کیونکہ اسلامی جنگیں دفاعی اصول پر تھیں، مگر ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ تیسرے درجہ کے لوگوں یعنے ظالمین کے لیے ایک طریق رکھا ہوا ہے جو بظاہر جبر کہلاتا ہے اور ہر نبی کے وقت میں عوام کی ہدایت جبر کے کسی نہ کسی پیرایہ میں ہوئی ہے، کیونکہ دُور بین سے دیکھنے والے کا مقابلہ مجرّد آنکھ سے دیکھنے والا نہیں کر سکتا۔ جب استعدادیں مختلف ہیں تو پھر سب کے لیے ایک ہی ذریعہ کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔

بڑے مقبول اور مقرب اور رسالت کی سچی خلافت حاصل کرنے والے وہی ہوتے ہیں۔ جو سابق بالخیرات ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سی ہے کہ آپؓ نے کوئی معجزہ اور نشان طلب نہیں کیا۔ سُنتے ہی ایمان لے آئے۔

اور حقیقت میں یہ سچ بھی ہے اس لیے کہ جس شخص کو مامور کی اخلاقی حالت کی واقفیت ہو اس کو معجزہ اور نشان کی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلایا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس: ۱۷) سابقین کو تو یہ صورت پیش آتی ہے کہ وہ اپنی فراستِ صحیحہ سے ہی تاڑ جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو بہت سے لوگ آپؐ کو دیکھنے آئے۔ ایک یہودی

بھی آیا اور اس سے جب لوگوں نے پوچھا تو اُس نے یہی کہا کہ یہ مُنہ تو جھوٹوں کا نہیں ہے اور مقتصد لوگ وہ ہوتے ہیں جو دلائل اور معجزات کے محتاج ہوتے ہیں اور تیسری قسم ظالمین کی ہے جو سختی سے مانتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کبھی طاعون سے اور کبھی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور دُوسروں کے لیے عبرت گاہ بنے۔ یہ ایک قسم کا جبر ہے جو اس تیسری قسم کے لیے خدا تعالیٰ نے رکھا ہوا ہے اور سلسلہ نبوت میں یہ لازمی طور پر پایا جاتا ہے۔

مامُور من اللہ شفیع ہوتا ہے

مامُور من اللہ کی دعاؤں کا کُل جہان پر اثر ہوتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک باریک قانون ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ جن لوگوں نے شفیع کے مسئلہ سے انکار کیا ہے انھوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ شفیع کو قانونِ قدرت چاہتا ہے۔ اُس کو ایک تعلق شدید خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اور دُوسرا مخلوق سے۔ مخلوق کی ہمدردی اس میں اس قدر ہوتی ہے کہ یُوں کہنا چاہیے کہ اُس کے قلب کی بناوٹ ہی ایسی ہوتی ہے کہ وُہ ہمدردی کے لیے جلد متاثر ہو جاتا ہے اس لیے وُہ خدا سے لیتا ہے اور اپنی عقد ہمت اور توجہ سے مخلوق کو پہنچاتا ہے اور اپنا اثر اُس پر ڈالتا ہے۔ اور یہی شفاعت ہے۔

انسان کی دُعا اور توجہ کے ساتھ مصیبت کا رفع ہونا یا معصیت اور ذنوب کا کم ہونا یہ سب شفاعت کے نیچے ہے۔ توجہ سب پر اثر کرتی ہے خواہ مامُور کو اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا نام بھی یاد ہو نہ ہو۔[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

مامُور کی صُحبت

شریعت کی کتابیں حقائق اور معارف کا ذخیرہ ہوتی ہیں۔ لیکن حقائق اور معارف پر کبھی پُوری اطلاع نہیں مل سکتی جبتک صادق کی صُحبت اخلاص اور صدق سے اختیار نہ کی جاوے۔ اسی لیے قرآن شریف فرماتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:۱۱۹) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اتقاء کے مدارج کامل طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جبتک صادق کی معیت اور صُحبت نہ ہو، کیونکہ اس کی صُحبت میں رہ کر وُہ اس کے انفاسِ طیّبہ عقد ہمت اور توجہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۲۴ر مارچ ۱۹۰۲ء

قبول ہونے والی دُعا کا راز

دُعا جب قبول ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دل میں ایک جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ خود ہی ایک دُعا سکھاتا ہے اور الہامی طور پر اُس کا پیرایہ بتا دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ۔ (البقرہ: ۳۸) اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو قبول ہونے والی دُعائیں خود الہاماً سکھا دیتا ہے۔

بعض اوقات ایسی دُعا میں ایسا حصّہ بھی ہوتا ہے جس کو دُعا کرنے والا ناپسند کرتا ہے، مگر وُہ قبول ہو جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کے مصداق ہے۔ عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (البقرہ: ۲۱۷)

مامُور من اللہ کی سچّی ہمدردی

مامُور من اللہ جب آتا ہے تو اس کی فطرت میں سچی ہمدردی رکھی جاتی ہے اور یہ ہمدردی عوام سے بھی ہوتی ہے اور جماعت سے بھی۔ اِس ہمدردی میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے کہ آپؐ کُل دنیا کے لیے مامُور ہو کر آئے تھے اور آپؐ سے پہلے جس قدر نبی آئے وہ محقق القوم اور محقق الزمان کے طور پر تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل دُنیا اور ہمیشہ کے لیے نبی تھے، اس لیے آپؐ کی ہمدردی بھی کامل ہمدردی تھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء: ۴) اس کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ کیا تُو ان کے مومن نہ ہونے کی فکر میں اپنی جان دے دیگا۔ اِس آیت سے اس درد اور فکر کا پتہ لگ سکتا ہے جو آپؐ کو دُنیا کی تباہ حالت دیکھ کر ہوتا تھا کہ وہ مومن بن جاوے۔ یہ تو آپؐ کی عام ہمدردی کے لیے ہے اور یہ معنے بھی اِس آیت کے ہیں کہ مومن کو مومن بنانے کی فکر میں تو اپنی جان دے دیگا۔ یعنی ایمان کو کامل بنانے میں۔

اِسی لیے دُوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (النساء: ۱۳۷) بظاہر تو یہ تحصیل حاصل معلوم ہوتی ہوگی، لیکن جب حقیقتِ حال پر غور کی جاوے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کئی مراتب ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ تکمیل چاہتا ہے۔

غرض مامُور کی ہمدردی مخلوق کے ساتھ اس درجہ کی ہوتی ہے کہ وُہ بہت جلد اُس سے متاثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے مامُوروں کے درمیان دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ مامُور تو اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوتا ہی ہے، لیکن بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ بھی مامُور کا رسُول ہو جاتا ہے۔ یہ ایک باریک بھید ہے جس کو ہر شخص جلدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ صُورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مامور اپنی جماعت کو اپنی منشاء کے موافق نہیں دیکھتا تو اس کے دل میں ایک دَرد پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایک ٹھوکر لگتی ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ تمثیلی طور پر بعض افراد کو اُن کے عیوب اُن پر ظاہر کر دیتا ہے اور کبھی اس فعل کا علم مامُور اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے

انسان دونوں کو ہوتا ہے اور کبھی ایک ہی کو۔

(ہم اس عقدہ کو حل کرنے کے لیے ذرا مثال کے طور پر سمجھا دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے بلکہ قریباً ہر ایک شخص پر اس قسم کے واقعات گزرے ہوں گے کہ جب کبھی وہ کسی گناہ کی حالت میں گرفتار ہونے کو ہوا ہے تو رؤیا میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُس نے زیارت کی اور اس گناہ کی حالت سے بچ گیا۔ اس قسم کے تمثلات وہ ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ مامور کا رسول ہو کر اپنا فیض پہنچاتا ہے[1])

بغیر تاریخ کے ۱۹۰۲ء

قضا اور دُعا

قدر اور جبر پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی ہیں، مگر تعجب کی بات ہے کہ لوگ اس پر کیوں بحث کرتے ہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد ہی اس قسم کی بحثوں کی بنیاد پڑی ہے؛ ورنہ انسانیت یہ چاہتی تھی کہ ان پر توجہ نہ کی جاوے۔ جب رُوحانیت کم ہوگئی تو اس قسم کی بحثوں کا بھی آغاز ہوگیا۔

جس شخص کا یہ ایمان نہ ہو کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ: ۸۳) مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اُس نے خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور ایسا ہی اس شخص نے بھی شناخت نہیں کیا جو اس کو علیم بذات الصدور اور حی وقیوم کہ دُوسروں کی حیات وقیام اسی سے ہے اور وہ مدبّر بالارادہ ہے مدبّر بالطبع نہیں مانتا جو فلاسفروں کا عقیدہ ہے۔ غرض ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ بات قریب بہ کُفر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ کوئی حرکت یا سکون یا ظُلمت یا نُور بدُوں خدا کے ارادے کے ہو جاتا ہے اس پر ثبوت اوّل قانونِ قدرت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں، دو کان ایک ناک دیئے ہیں۔ اتنے ہی اعضا لے کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح عُمر ہے اور بہت سے اُمور ہیں جو ایک دائرہ کے اندر محدود ہیں۔ بعض کے اولاد نہیں ہوتی۔ بعض کے لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ غرض یہ اُمور خدا تعالیٰ کے قدیر ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

پس ہمارا مذہب یہ ہے کہ خدا کی اُلوہیت اور رُبوبیت ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے؛ اگرچہ احادیث میں آیا ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۷، پرچہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء

بدی شیطان یا نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ بدی جس کو بدی سمجھا جاوے، مگر بعض بدیاں ایسی ہیں کہ اُن کے اسرار اور حکم اور مفہوم سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ جیسے آدم کا دانہ کھانا۔ غرض ہزارہا اسرار ہیں جو مستحدثات کا رنگ دکھانے کے لیے کر رکھے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران: ۱۴۶) موت میں رُوحانی اور جسمانی دونوں باتیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ لغو ہو جاتا ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کوئی ایسی فہرست پیش کرو جس میں لکھا ہو کہ فلاں شقی ہے۔

انبیاء علیہم السلام جب دعوت کرتے تو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی اثر مترتب ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی دُعا کے ساتھ بھی۔ اللہ تعالیٰ قضا و قدر کو بدل دیتا ہے اور قبل از وقت اِس تبدیلی کی اطلاع بھی دیدیتا ہے۔ اس وقت ہی دیکھو کہ جو رجوع لوگوں کا اِس سلسلہ کی طرف اب ہے۔ براہین احمدیہ کے زمانہ میں کب تھا۔ اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

مَیں نے خود عیسائیوں کی کتابیں پڑھی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ایک طرفۃ العین کے لیے بھی عیسائی مذہب کی سچائی کا خیال میرے دل میں نہیں گزرا وُہ قرآن شریف کی اس تعلیم پر کہ خدا کے ہاتھ میں ضلالت اور ہدایت ہے اعتراض کرتے ہیں، لیکن اپنی کتابوں کو نہیں پڑھتے۔ جن میں لکھا ہے کہ شریر جہنم کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یا مثلاً یہ لکھا ہے کہ فرعون کا دل سخت ہونے دیا۔ اگر لفظوں پر ہی اعتراض کرنا ہو تو عیسائی ہمیں بتائیں اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟

بد دیانت آدمی سے تو مرے ہوئے کُتّے سے بھی زیادہ بدبُو آتی ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ان پادریوں کا اسلام پر ایسا اعتراض نہیں ہے جو توریت اور انجیل کے وَرق وَرق پر صاف صاف نہ آتا ہو۔ ایسا ہی رگ وید اور پارسیوں اور سناتنیوں کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔

قرآن شریف نے اِن امور کو جن سے احمق معترضوں نے جبر کی تعلیم نکالی ہے۔ محض اس عظیم الشان اصُول کو قائم کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ہر ایک امر کا مبدء اور مرجع وہی ہے وہی علّت العلل اور مسبّب الاسباب ہے۔ یہ غرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسائط اٹھا کر اپنے علّت العلل ہونے کا ذکر فرمایا ہے؛ ورنہ قرآن شریف کو پڑھو اس میں بڑی صراحت کے ساتھ اُن اسباب کو بھی بیان فرمایا جس کی وجہ سے انسان مکلّف ہو سکتا ہے۔

علاوہ بریں قرآن شریف جس حال میں اعمالِ بد کی سزا ٹھہراتا ہے اور حدُود قائم کرتا ہے۔ اگر قضا و قدر میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہ تھی اور انسان مجبورِ مطلق تھا، تو ان حدُود و شرائع کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف دہریوں کی طرح تمام اُمور کو اسباب طبیعہ تک محدود رکھنا نہیں چاہتا بلکہ خالص توحید پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے دعا کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور نہ قضا و قدر کے تعلقات کو جو دُعا کے ساتھ ہیں تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جو لوگ دُعا سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے راہ کھول دیتا ہے۔ وُہ دُعا کو ردّ نہیں کرتا۔ ایک طرف دُعا ہے۔ دُوسری طرف قضا و قدر۔ خدا نے ہر ایک کے لیے اپنے رنگ میں اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ اور رُبوبیت کے حصّہ کو عبودیت میں دیا گیا ہے اور فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) مجھے پکارو میں جواب دُوں گا۔ مَیں اس لیے ہی کہا کرتا ہوں کہ ناطق خدا مسلمانوں کا ہے لیکن جس خدا نے کوئی ذرّہ پیدا نہیں کیا یا جو خود یہودیوں سے طمانچے کھا کر مر گیا وہ کیا جواب دیگا۔

تو کار زمین را نکو ساختی
کہ با آسمان نیز پرداختی

جبر اور قدر کے مسئلہ کو اپنی خیال اور فرضی منطق کے معیار پر کسنا دانشمندی نہیں ہے۔ اس بحر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا بیہودہ ہے۔ اُلوہیت اور ربوبیت کا کچھ تو ادب بھی چاہیے اور یہ راہ تو ادب کے خلاف ہے کہ اُلوہیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے۔ الطریقۃ کلھا ادب۔

قضا و قدر کا دُعا کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ دُعا کے ساتھ معلق تقدیر ٹل جاتی ہے۔ جب مشکلات پیدا ہوتے ہیں تو دُعا ضرور اثر کرتی ہے۔ جو لوگ دُعا سے مُنکر ہیں، اُن کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ قرآن شریف نے دُعا کے دو پہلو بیان کئے ہیں۔ ایک پہلو میں اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور دُوسرے پہلو میں بندے کی مان لیتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (البقرہ : ۱۵۶) میں تو اپنا حق رکھ کر منوانا چاہتا ہے۔ نُون ثقیلہ کے ذریعہ سے جو اظہارِ تاکید کیا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہے کہ قضائے مبرم کو ظاہر کریں گے تو اس کا علاج اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (البقرہ : ۱۵۷) ہی ہے۔ اور دُوسرا وقت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی امواج کے جوش کا ہے وہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) میں ظاہر کیا ہے۔

پس مومن کو اِن دونوں مقامات کا پورا علم ہونا چاہیے۔ صُوفی کہتے ہیں کہ فقر کامل نہیں ہوتا، جبتک محل اور موقع کی شناخت حاصل نہ ہو بلکہ کہتے ہیں کہ صوفی دُعا نہیں کرتا۔ جبتک کہ وقت کو شناخت نہ کرے۔

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُعا کے ساتھ شقی سعید کیا جاتا ہے، بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شدید الاختفا امور مشبہ بالمبرم بھی دُور کیے جاتے ہیں۔

الغرض دُعا کی اس تقسیم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور کبھی وہ مان لیتا ہے۔

یہ معاملہ گویا دوستانہ معاملہ ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عظیم الشان قبولیت دُعاؤں کی ہے۔ اس کے مقابل رضا اور تسلیم کے بھی آپ اعلیٰ درجہ کے مقام پر ہیں۔

چنانچہ آپ کے گیارہ بچے مر گئے، مگر آپ نے کبھی سوال نہ کیا کہ کیوں؟ جو لوگ فقراء اور اہل اللہ کے پاس آتے ہیں۔ اکثر اُن میں سے محض آزمائش اور امتحان کے لیے آتے ہیں۔ وُہ دُعا کی حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں، اس لیے پورا فائدہ نہیں ہوتا۔ عقلمند انسان اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دُعا نہ ہوتی تو اہل اللہ مر جاتے۔ جو لوگ دُعا کے منافع سے محروم ہیں ان کو دھوکا ہی لگا ہوا ہے کہ وہ دُعا کی تقسیم سے ناواقف ہیں۔

میرا جب سب سے پہلا لڑکا فوت ہوا تو اس کو ایک سخت غشی کی حالت تھی۔ گھر میں اُس کی والدہ نے جب دیکھا کہ حالت نازک ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو امید نہیں اب جانبر ہو۔ مَیں اپنی نماز کیوں ضائع کروں، چنانچہ وُہ نماز میں مصروف ہو گئے اور جب نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا تو اُس وقت چونکہ انتقال ہو چکا تھا۔ میں نے کہا کہ لڑکا مر گیا ہے انہوں نے پورے صبر اور رضا کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

خُدا جس امر میں نامُرادی کرتا ہے، اُس نامُرادی پر صبر کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اسی صبر کا نتیجہ ہے کہ خدا نے ایک کی بجائے چار لڑکے عطا فرمائے۔

الغرض دُعا بڑی دولت ہے۔ بے صبر ہو کر دُعا نہ کرے، بلکہ دُعاؤں میں لگا رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے۔"

قرآن مجید میں فتنۂ دجّال کا ذکر

اوّل بآخر نسبتے دارد

قرآن شریف کو سُورۃ فاتحہ سے شروع کر کے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ (الفاتحہ: ۷) پر ختم کیا ہے، لیکن جب ہم مُسلمانوں کے معتقدات پر نظر کرتے ہیں، تو دجّال کا فتنہ اُن کے ہاں عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ دجّال کا ذکر ہی بھُول گیا ہو۔ نہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ دجّال کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔ سُورۃ فاتحہ میں جو دو فتنوں سے بچنے کی دُعا سکھائی ہے۔ اوّل غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ غیر المغضوب سے مراد باتفاق جمیع اہلِ اسلام یہود ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت اُمّت پر آنے والا ہے جبکہ وُہ یہود سے تشابہ پیدا کرے گی اور وُہ زمانہ مسیح موعُود ہی کا ہے۔ جبکہ اس کے انکار اور کُفر پر اسی طرح زور دیا جائے گا جیسا کہ حضرت مسیح ابنِ مریم کے کُفر پر یہودیوں نے دیا تھا۔ غرض اس دُعا میں یہ سکھایا گیا کہ یہود کی طرح مسیح موعُود کی توہین اور تکفیر سے ہم کو بچا اور دُوسرا عظیم الشان فتنہ جس کا ذکر سُورۃ فاتحہ میں کیا ہے اور

جس پر سُورۃ فاتحہ کو ختم کر دیا ہے وہ نصاریٰ کا فتنہ ہے جو وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں بیان فرمایا ہے اب جب قرآن شریف کے انجام پر نظر کی جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں فتنوں کے متعلق کھلی کھلی شہادت دیتا ہے۔ مثلاً غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کے مقابل میں سُورۃ تَبَّتْ یَدَا ہے۔ مجھے بھی فتویٰ کُفر سے پہلے یہ الہام ہوا تھا۔ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ اَوْقِدْ لِیْ یَا هَامَانُ لَعَلِّیْ اَطَّلِعُ عَلٰی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ۔ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ مَا کَانَ لَهٗ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْهَا اِلَّا خَآئِفًا وَمَا اَصَابَکَ فَمِنَ اللّٰهِ۔ یعنی وہ زمانہ یاد کر جبکہ مکفّر تجھ پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا۔ اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر پڑ سکتا ہو۔ کہے گا کہ میرے لیے اس فتنہ کی آگ بھڑکا۔ تا میں دیکھ لوں کہ یہ شخص جو موسیٰ کی طرح کلیم اللہ ہونے کا مدعی ہے۔ خدا اس کا معاون ہے یا نہیں اور میں تو اُسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگیا اور آپ بھی ہلاک ہوگیا۔ اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس میں دخل دیتا، مگر ڈر ڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے گا وہ خدا کی طرف سے ہے۔

غرض سُورۃ تبت میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سُورہ اخلاص ہے اور اس کے بعد کی دونوں سُورتیں سورۃ الفلق اور سُورۃ الناس ان دونوں کی تفسیر ہیں۔ اِن دونوں سورتوں میں اس تیرہ وتار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے جبکہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر۔ ...مغضوب علیہم کا فتنہ پیدا ہوگا اور عیسائیت کی ضلالت اور ظلمت دُنیا پر محیط ہونے لگے گی۔ پس جیسے سُورۃ فاتحہ میں جو ابتدائے قرآن ہے۔ اِن دونوں بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دُعا سکھائی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دُعا تعلیم کی۔ تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ اوّل بآخر نسبتے دارد۔

سورۃ فاتحہ میں جو اِن فتنوں کا ذکر ہے وہ کئی مرتبہ بیان کیا ہے مگر قرآن شریف کے آخر میں جو اِن فتنوں کا ذکر ہے وہ بھی مختصر طور پر سمجھ لو۔

الضالین کے مقابل آخر کی تین سُورتیں ہیں۔ اصل تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ ہے اور باقی دونوں سُورتیں اس کی شرح ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کا ترجمہ یہ ہے کہ نصاریٰ سے کہدو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔

پھر سُورۃ الفلق میں اس فتنہ سے بچنے کے لیے یہ دُعا سکھائی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ یعنی تمام مخلوق کے شر سے اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو ربّ الفلق ہے یعنی صُبح کا مالک ہے۔ یا روشنی ظاہر کرنا اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ ربّ الفلق کا لفظ بتاتا ہے کہ اس وقت عیسائیت کے فتنہ اور مسیح موعود کی تکفیر اور توہین کے فتنہ کی اندھیری رات احاطہ کرے گی۔ اور پھر کھول کر کہا کہ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور میں اس اندھیری رات کے شر سے جو عیسائیت کے فتنہ اور مسیح موعود کے انکار کے فتنہ کی شبِ تار ہے، پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (الفلق: ۵) اور میں ان زنانہ سیرت لوگوں کی شرارت سے پناہ مانگتا ہوں جو گنڈوں

پر پھونکیں مارتے ہیں۔ گرہوں سے مُراد وہ معضلات اور مشکلات شریعتِ محمدیہ ہیں جن پر جاہل مخالف اعتراض کرتے ہیں اور ان کو ایک پیچیدہ صورت میں پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں اور یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو پادری اور ان کے وُدسرے پس خوردہ کھانے والے اور دوسرے وہ ناواقف اور ضدی مُلّاں ہیں جو اپنی غلطی کو تو چھوڑتے نہیں اور اپنی نفسانی پھونکوں سے اس صاف دین میں اور بھی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں اور زنانہ خصلت رکھتے ہیں کہ خدا کے مامُور و مُرسل کے سامنے آتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی شرارتوں سے پناہ مانگتے ہیں اور ایسا ہی اِن حاسدوں کے حسد سے پناہ مانگتے ہیں اور اس وقت سے پناہ مانگتے ہیں جب وہ حسد کرنے لگیں۔

اور پھر آخر سُورۃ میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کی دُعا تعلیم فرمائی ہے۔ جیسے سُورۃ فاتحہ کو الضالین پر ختم کیا تھا۔ ویسے آخری سُورۃ میں بھی خناس کے ذکر پر ختم کیا تاکہ خناس اور ضالین کا تعلق معلوم ہو۔ اور آدم کے وقت میں بھی خناس جس کو عبرانی زبان میں نحاش کہتے ہیں۔ جنگ کے لیے آیا تھا۔ اس وقت بھی مسیح موعُود کے زمانہ میں جو آدم کا مثیل بھی ہے۔ ضروری تھا کہ وہی نحاش ایک دوسرے لباس میں آتا اور اسی لیے عیسائیوں اور مسلمانوں نے باتفاق یہ بات تسلیم کی ہے کہ آخری زمانہ میں آدم اور شیطان کی ایک عظیم الشان لڑائی ہوگی۔ جس میں شیطان ہلاک جاوے گا۔ اب ان تمام امور کو دیکھ کر ایک خدا ترس آدمی ڈر جاتا ہے۔ کیا یہ میرے اپنے بنائے ہوئے اُمور ہیں جو خدا نے جمع کر دیئے ہیں۔

کس طرح پر ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو رکھا ہوا ہے۔ ولا الضالین پر سُورۃ فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وُہ سُورتیں رکھیں۔ جن کا تعلق سورۃ فاتحہ کے انجام سے ہے۔

ادھر مسیح اور آدم کی مماثلت ٹھہرائی اور مجھے مسیح موعود بنایا، تو ساتھ ہی آدم بھی میرا نام رکھا۔

یہ باتیں معمولی باتیں نہیں ہیں۔ یہ ایک علمی سلسلہ ہے جس کو کوئی رَدّ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے اس کی بنیاد رکھی ہے۔

شفیع کون ہو سکتا ہے

شفیع کا لفظ شفع سے نکلا ہے۔ جس کے معنے جفت کے ہیں۔ اس لیے شفیع وہ ہو سکتا ہے جو دو مقامات کا مظہرِ اتم ہو۔ یعنی مظہرِ کامل لاہوت اور ناسوت کا ہو۔ لاہوتی مقام کا مظہرِ کامل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کا خدا کی طرف صعود ہو۔ وہ خدا سے حاصل کرے اور ناسوتی مقام کے مظہر کا یہ مفہوم ہے کہ مخلوق کی طرف اس کا نزول ہو جو خدا سے حاصل کرے وہ مخلوق کو پہنچا دے اور مظہرِ کامل ان مقامات کا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم: ۹-۱۰)

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدوں کامل حصہ مقام لاہوت کا کسی نبی میں نہیں

آیا۔ اور ناسوتی حصّہ چاہتا ہے بشری لوازم کو ساتھ رکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ ساری باتیں پوری پائی جاتی ہیں۔ آپ نے شادیاں بھی کیں۔ بچے بھی ہوئے، دوستوں کا زمرہ بھی تھا۔ فتوحات کر کے اختیاری قوتوں کے ہوتے ہوئے انتقام چھوڑ کر رحم کر کے بھی دکھایا۔ جبتک انسان کے پیرایہ پورے نہ ہوں، وہ پُوری ہمدردی نہیں کر سکتا۔ اس حصّہ اخلاق فاضلہ میں وہ نامکمل رہے گا۔ مثلاً جس نے شادی ہی نہیں کی وہ بیوی اور بچوں کے حقوق کی کیا قدر کر سکتا ہے اور اُن پر اپنی شفقت اور ہمدردی کا کیا نمونہ دکھا سکتا ہے۔ رہبانیت ہمدردی کو دُور کر دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت کو نہیں رکھا۔ غرض کامل شفیع وہی ہو سکتا ہے جس میں یہ دونوں حصّے کامل طور پر پائیں جائیں؛ چونکہ یہ ایک ضروری امر تھا کہ شفیع ان دونوں مقامات کا مظہر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے ہی اس سلسلہ کا ظل قائم رکھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کو جب پیدا کیا تو لاہوتی حصّہ تو اس میں یوں رکھ دیا۔ جب کہا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ (الحجر: ۳۰) اور ناسوتی حصّہ یوں رکھا کہ حوّا کو اس سے پیدا کیا۔

یعنی جب رُوح پھونکی تو ایک جوڑ آدم کا خدا تعالیٰ سے قائم ہوا۔ اور جب حوّا نکالی تو دُوسرا جوڑ مخلوق کے ساتھ ہو۔ نے کی وجہ سے ناسوتی ہو گیا۔ پس جبتک یہ دونوں حصّے کامل طور پر کامل انسان میں نہ پائے جائیں وہ شفیع نہیں ہو سکتا۔ جیسے آدم کی پسلی سے حوّا نکلی اسی طرح کامل انسان سے مخلوق نکلتی ہے۔

تصویر اور نماز

ایک شخص نے دریافت کیا کہ تصویر کی وجہ سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی۔ جواب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"کفار کے تتبع پر تو تصویر ہی جائز نہیں۔ ہاں نفس تصویر میں حرمت نہیں بلکہ اس کی حُرمت اضافی ہے۔ اگر نفس تصویر مُفسد نماز ہو تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا پھر روپیہ پیسہ نماز کے وقت پاس رکھنا مفسد نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب اگر یہ دو کہ روپیہ پیسہ کا رکھنا اضطراری ہے۔ میں کہوں گا کہ کیا اگر اضطرار سے پاخانہ آجاوے تو وہ مفسد نماز نہ ہوگا۔ اور پھر وضو کرنا نہ پڑے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ تصویر کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس سے کوئی دینی خدمت مقصود ہے یا نہیں۔ اگر یُونہی بے فائدہ تصویر رکھی ہوئی ہے اور اس سے کوئی دینی فائدہ مقصود نہیں تو یہ لغو ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المومنون: ۴) لغو سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے لیکن ہاں اگر کوئی دینی خدمت اس ذریعے سے بھی ہو سکتی ہو تو منع نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ علوم کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

مثلاً ہم نے ایک موقعہ پر عیسائیوں کے مثلث خدا کی تصویر دی ہے جس میں رُوح القدس بشکل کبوتر دکھایا گیا ہے اور باپ اور بیٹے کی بھی جُدا جُدا تصویر دی ہے۔ اس سے ہماری یہ غرض تھی کہ تا تثلیث کی تردید کر کے دکھائیں کہ اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے وہی حقیقی خدا ہے جو حی وقیوم ازلی وابدی غیر متغیر اور تجسم سے پاک ہے۔ اس طرح پر اگر خدمتِ اسلام کے لیے کوئی تصویر ہو، تو شرع کلام نہیں کرتی کیونکہ جو امور خادمِ شریعت ہیں ان پر اعتراض نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس کُل نبیوں کی تصویریں تھیں۔ قیصرِ رُوم کے پاس جب صحابہ گئے تھے، تو اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اس کے پاس دیکھی تھی۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ نفسِ تصویر کی حُرمت نہیں بلکہ اس کی حُرمت اضافی ہے جو لوگ بطور پرستش تصویریں رکھتے اور بناتے ہیں وہ حرام ہے۔ شریعت ایک پہلو سے حرام کرتی ہے اور ایک جائز طریق پر اُسے حلال ٹھہراتی ہے۔ روزہ ہی کو دیکھو رمضان میں حلال ہے لیکن اگر عید کے دن روزہ رکھے تو حرام ہے۔ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی

حُرمت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بالنفس حرام ہوتی ہے، ایک بالنسبت۔ جیسے خنزیر بالکل حرام ہے۔ خواہ وہ جنگل کا ہو یا کہیں کا۔ سفید ہو یا سیاہ، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہر ایک قسم کا حرام ہے۔ یہ حرام بالنفس ہے لیکن حرام بالنسبت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص محنت کر کے کسبِ حلال سے روپیہ پیدا کرے، تو حلال ہے لیکن اگر وہی روپیہ قمار بازی سے حاصل کرے تو حرام ہوگا۔ بخاری کی پہلی ہی حدیث ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

ایک خونی ہے اگر اس کی تصویر اس غرض سے لے لیں کہ اس کے ذریعہ اس کو شناخت کر کے گرفتار کیا جائے تو یہ نہ صرف جائز ہوگی، بلکہ اس سے کام لینا فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک شخص اسلام کی توہین کرنے والے کی تصویر بھیجتا ہے تو اس کو اگر کہا جائے۔ حرام کام کیا ہے تو یہ کہنا اُوذی کا کام ہے۔

یاد رکھو اسلام بُت نہیں بلکہ زندہ مذہب ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آجکل ناسمجھ مولویوں نے لوگوں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ دیا ہے۔

آنکھوں میں ہر شے کی تصویر بنتی ہے۔ بعض پتھر ایسے ہیں کہ جانور اُڑتے ہیں تو خود بخود اُن کی تصویر اُتر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام مصور ہے۔ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ (اٰل عمران: ۷) پھر بلا سوچے سمجھے کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہی ہے جو مَیں نے بیان کی ہے کہ تصویر کی حُرمت غیر حقیقی ہے کسی محل پر ہوتی ہے اور کسی پر نہیں۔ غیر حقیقی حُرمت میں ہمیشہ نیت کو دیکھنا چاہیے۔ اگر نیت شرعی ہے تو حرام نہیں، ورنہ حرام۔

حدیثوں ہی پر تکیہ نہ کرو۔ اگر قرآن شریف پر حدیث کو مقدم کرتے ہو تو پھر گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام

لگاتے ہو کہ کیوں اُنھوں نے احادیث کو خود جمع نہیں کرایا، کیونکہ آپؐ نے کوئی حکم احادیث کے جمع کرنے کو نہیں فرمایا؛ حالانکہ قرآن شریف کو آپؐ خود لکھواتے اور سناتے تھے بعض صحابہ نے احادیث کو اپنے طور پر جمع کیا، لیکن آخر انہوں نے جلا دیا جب سبب دریافت کیا تو یہی بتایا کہ آخر راویوں سے سُنی ہیں ممکن ہے ان میں کمی بیشی ہوئی ہو۔ اپنے ذمے کیوں بوجھ لیں۔ پس قرآن کو مقدم کرو اور حدیث کو قرآن پر عرض کرو۔ حکم نہ بناؤ۔[1]

۱۲ر فروری ۱۹۰۲ء

ضروری اعلان

حضرت مسیح موعود ادام اللہ فیوضہم نے ارشاد فرمایا ہے کہ الحکم کے ذریعہ اپنے تمام دوستوں کو اطلاع دی جاوے کہ چونکہ طاعون پنجاب کے اکثر حصوں میں زور کے ساتھ پھیل گیا ہے اور پھیلتا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ امر قرینِ مصلحت نہیں کہ ایسا مجمع ہو جس میں دُور دراز علاقوں کے لوگ بھی شامل ہوں۔ اس لیے عیدالاضحیہ پر جو تجویز امتحان کی قرار پائی تھی وہ کسی دُوسرے وقت کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔ وہ لوگ جن کے شہروں اور دیہات میں طاعون شدت کے ساتھ پھیل گیا ہے، اپنے شہروں سے دوسری جگہ نہ جائیں۔ اپنے مکانوں کی صفائی کریں اور انہیں گرم رکھیں اور ضروری تدابیر حفظِ ماتقدم کی عمل میں لائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سچی توبہ کریں اور پاک تبدیلی کر کے خدا تعالیٰ سے صلح کریں۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں دعائیں مانگیں۔ ہر ایک قسم کے فسق و فجور خیانت اور غلط کاری کی راہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اپنی حالت کی سچی تبدیلی ہی خدا کے اس عذاب سے بچا سکے گی۔ وَنِعْمَ مَا قِيلَ۔

خورتاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم
زمیں طاعون ہمی آرد پئے تخویفِ انذارے
بہ تشویش قیامت مانداں تشویش گر بینی
علاجے نیست بہر دفع آں جز حُسن کردارے[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۳ تا ۶ پرچہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۱ پرچہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۲ء

۱۲ر فروری ۱۹۰۲ء (ایڈیٹر کے اپنے الفاظ میں)

معراج کے اسرار

معراج میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کو مختلف آسمانوں پر دیکھا ہے۔ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ زمانی طور پر بتایا ہے۔ سب سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو ابوالانبیاء تھے۔ دکھایا ہے اور دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، چونکہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کا زمانہ مشترک تھا، اس لیے ان کو اکٹھے بٹھایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے درجے پر تھے، اس لیے دوسرے آسمان پر ان کو دکھایا اور آدم کو پہلے آسمان پر دکھایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدم تھے۔ اس لیے آپ کو پہلے آسمان پر دکھایا گیا۔

مذہب ایک سائنس ہے

اس وقت خدا تعالیٰ نے مذہبی امور کو قصے اور کتھا کے رنگ میں نہیں رکھا ہے، بلکہ مذہب کو ایک سائنس (علم) بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ زمانہ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے جبکہ ہر بات کو علمی رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ میں اس لیے ہی بھیجا گیا ہوں کہ ہر اعتقاد کو اور قرآن کریم کے قصص کو علمی رنگ میں ظاہر کروں۔

ذوالقرنین اور مسیح موعود

یہ زمانہ چونکہ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے اور خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق اور معارف مجھ پر کھول رہا ہے۔ ذوالقرنین کے قصے کی طرف جو میری توجہ ہوئی تو مجھے یہ سمجھایا گیا ہے کہ ذوالقرنین کے پیرایہ میں مسیح موعود ہی کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذوالقرنین اس لیے رکھا ہے کہ قرن چونکہ صدی کو کہتے ہیں اور مسیح موعود دو قرنوں کو پائے گا، اس لیے ذوالقرنین کہلائے گا۔ چونکہ میں نے تیرھویں اور چودھویں صدی دونوں پائی ہیں اور اسی طرح پر دوسری صدیاں ہندوؤں اور عیسائیوں کی بھی پائی ہیں۔ اس لحاظ سے تو ذوالقرنین ہے۔ اور پھر اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قومیں پائیں۔ اوّل وہ جو غروبِ آفتاب کے پاس ہے اور کیچڑ میں ہے۔ اس سے مُراد عیسائی قوم ہے جس کا آفتاب ڈوب گیا ہے۔ یعنی شریعتِ حقّہ اُن کے پاس نہیں رہی۔ رُوحانیت مرگئی اور ایمان کی گرمی جاتی رہی۔ یہ ایک کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دُوسری قوم وہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے اور جُھلسنے والی دھوپ ہے۔ یہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ہے۔ آفتاب یعنی شریعت حقّہ اُن کے پاس موجود ہے، مگر یہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے، کیونکہ فائدہ تو حکمتِ عملی

سے اُٹھایا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً روٹی پکانا۔ وہ گو آگ سے پکائی جاتی ہے، لیکن جبتک اس کے مناسب حال انتظام اور تدبیر نہ کی جاوے وہ روٹی تیار نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح پر شریعت حقہ سے کام لینا بھی ایک حکمت عملی کو چاہتا ہے۔ پس مسلمانوں نے اس وقت باوجودیکہ اُن کے پاس آفتاب اور اس کی روشنی موجود تھی اور ہے لیکن کام نہیں لیا اور مفید صورت میں اس کو استعمال نہیں کیا اور خدا کے جلال اور عظمت سے حصّہ نہیں لیا۔

اور تیسری وُہ قوم ہے جس نے اس سے فریاد کی کہ ہم کو یاجُوج ماجُوج سے بچا۔ یہ جہادی قوم ہے جو مسیح موعود کے پاس آئی اور اُس نے اس سے استفادہ کرنا چاہا ہے۔ غرض آج ان قصوں کا علمی رنگ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصّہ پہلے بھی کسی رنگ میں گزرا ہے، لیکن یہ سچی بات ہے کہ اس قصّہ میں واقعہ آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا جو آج اس زمانہ میں پُورا ہو گیا۔

اَلْھُدٰی اور اَلْحَقّ سے مُراد

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (الفتح : ۲۹) پر سوچتے سوچتے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دو لفظ ھدیٰ اور حق کے رکھے ہیں۔ ھدیٰ تو یہ ہے کہ اندر روشنی پیدا کرے۔ متمانہ رہے۔ یہ گویا اندرونی اصلاح کی طرف اشارہ ہے، جو مہدی کا کام ہے اور حق کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خارجی طور پر باطل کو شکست دیوے! چنانچہ دوسری جگہ آیا ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ۔ اور خود اس آیت میں بھی فرمایا ہے۔ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔ یعنی اس رسُول کی آمد کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ حق کو غلبہ دے گا۔ یہ غلبہ تلوار اور تفنگ سے نہیں ہو گا بلکہ وجوہ عقلیہ سے ہو گا۔

یاد رکھو کہ پاک صاف عقل کا خاصہ ہے کہ وہ قصّوں پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اسرار کو کھینچ لاتی ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو حکمت دی گئی، اُن کو خیر کثیر دی گئی ہے۔

اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کے معنے

آجکل ہمارے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ طاعون کی طرف زیادہ ہے اور چونکہ یہ لوگ عارف تر ہوتے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی غنا برذاتی سے خائف تر بھی ہوتے ہیں۔ عموماً سیر اور بعد شام طاعون پر کچھ نہ کچھ تقریر ہو جاتی ہے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ کا جو الہام ایک عرصہ سے آنحضرتؐ کو ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ میں اس کے معنی یقیناً یہی سمجھتا ہوں کہ وہ افراتفری اور قیامت خیز نظارہ جو طاعون کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ قادیان کو ضرور محفوظ رکھے گا، اگرچہ یہ امر ممکن ہی ہو کہ کوئی کیس خدانخواستہ یہاں ہو

جائے، مگر للّٰہ کا وعدہ کے متعلق ہے اتاہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور وعدہ کے موافق یقین ہے کہ وہ ہمیں تشویش اور سخت اضطراب سے ضرور محفوظ رکھے گا۔[1]

---

۲۳ مارچ ۱۹۰۲ء

مامورمن اللہ کے مکذبین سے خدا تعالیٰ کا معاملہ

مامورمن اللہ کی صحبت میں رہنے والے لوگ بہت کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ایک حد تک علم صحیح اس تعلق کے متعلق جو مامورمن اللہ اور خدا تعالیٰ میں ہوتا ہے حاصل کرتے ہیں، مگر وہ کامل علم جو اس مامور کو دیا جاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اور خدا تعالیٰ کا علم تو پھر اور ہی رنگ رکھتا ہے۔ جب مامور کی تکذیب اور انکار حد تک پہنچ جاتا ہے تو پھر ٹھیک اسی طرح جیسے زمیندار جب فصل پک جاتی ہے تو اس کے کاٹنے کے واسطے درانتی کو درست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی مکذبوں کے لیے تیاری کرتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے حجت پوری کر چکا ہے۔ اس لیے اب ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ خاموشی سے آسمانی ہتھیار اور حربے کو دیکھے۔ دنیا میں ہم یہ قانون دیکھتے ہیں کہ جب ایک حاکم کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں مظلوم ہے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ جس کا علم سب سے زیادہ صحیح اور یقینی ہے جو ہر حال کا بینا ہے، کیوں اس مظلوم صادق کی مدد نہ کرے گا۔ جو محض اس لیے ستایا گیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر یہ کہا کہ میں خدا کی طرف سے اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ ان کی مدد کرتا ہے، لیکن ہاں یہ سنت اللہ ہے کہ وہ صبر سے کام لیتا ہے۔ یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کو اس تکذیب اور انکار کی خبر نہیں کفر ہے۔ وہ تو ابتدا سے جانتا ہے کہ کیا کیا جاتا ہے۔

اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے دو فریق ہو گئے ہیں۔ جس طرح ہماری جماعت شرح صدر سے اپنے آپ کو حق پر جانتی ہے۔ اسی طرح مخالف اپنے غلو میں ہر قسم کی بے حیائی اور جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں۔ شیطان نے ان کے دلوں میں جما دیا ہے کہ ہماری نسبت ہر قسم کا افترا اور بہتان ان کے لیے جائز ہے اور نہ صرف جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔ اس لیے اب ضروری ہے کہ ہم اپنی کوششوں کو ان کے مقابلے میں بالکل چھوڑ دیں اور خدا تعالیٰ کے فیصلہ پر نگاہ کریں۔ جس قدر وقت ان کی بیہودگیوں اور گالیوں کی طرف

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۴ پرچہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء

توجہ کرنے میں ضائع کریں بہتر ہے کہ وہی وقت استغفار اور دعاؤں کے لیے دیں۔

خوش قسمت ہے وُہ انسان جو متقی ہے

ہماری جماعت کو یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اس امر کو مدنظر رکھیں جو میں بیان کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ اگر کوئی خیال آتا ہے، تو یہی آتا ہے کہ دُنیا میں تو رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے خوبصورتی کے لحاظ سے ہوتے ہیں، بعض خاندان یا دولت کے لحاظ سے اور بعض طاقت کے لحاظ سے لیکن جناب الٰہی کو ان امور کی پروا نہیں۔ اُس نے تو صاف طور پر فرما دیا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (الحجرات: ۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی معزز و مکرم ہے جو متقی ہے۔ اب جو جماعت اتقیاء ہے خدا اس کو ہی رکھے گا اور دوسری کو ہلاک کرے گا۔ یہ نازک مقام ہے اور اس جگہ پر وُہ کھڑے نہیں ہو سکتے کہ متقی بھی وہیں رہے اور شریر اور ناپاک بھی وہیں۔ ضرور ہے کہ متقی کھڑا ہو اور خبیث ہلاک کیا جاوے اور چونکہ اس کا علم خدا کو ہے کہ کون اُس کے نزدیک متقی ہے۔ پس یہ بڑے خوف کا مقام ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو متقی ہے اور بد بخت ہے وہ جو لعنت کے نیچے آیا ہے۔

الٰہی اور شیطانی الہام میں فرق

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ ان میں علماء بھی ہیں، ملہم بھی ہیں تو یہ ایک خیالی بات ہے اور اس سے کوئی فائدہ اس مقصد کو نہیں پہنچ سکتا جو انسانی ہستی کا ہونا چاہیے۔ یاد رکھو وہ امر جس پر خدا راضی ہوتا ہے جبتک وہ نہ ہو نہ علم صحیح ہوتا ہے نہ الہام مفید۔ جو شخص پاخانہ کے پاس کھڑا ہے۔ پہلے تو اُسے بدبُو ہی آئے گی۔ پھر اگر عطر اس کے پاس کیا جاوے تو وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ جبتک خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہ ہو کچھ نہیں ملتا۔ اور خدا سے قرب کرنے والی بات صرف تقویٰ ہے۔ سچی آواز سُننے کے لیے متقی بننا چاہیے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو انہیں آجاوے الہام ہی سمجھتے ہیں؛ حالانکہ اضغاث احلام بھی ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں انہیں سنائی دیتی ہیں، وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں اُن کو آوازیں آتی ہوں گی، مگر ہم ہر آواز کو خدا تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے، جبتک اس کے ساتھ وہ انوار اور برکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ان الہام کے دعویٰ کرنے والوں کو اپنے الہاموں کو اس کسوٹی پر پرکھنا چاہیے اور اس بات کو بھی اُنہیں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ بعض آوازیں بڑی شیطانی ہوتی ہیں۔ اس لیے ان آوازوں پر ہی فریفتہ ہو جانا دانشمند انسان کا کام نہیں، بلکہ جبتک اندرونی نجاست اور گند دُور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جاوے۔ جو دُنیا ایک مُردے ہوئے کیڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آوے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر قول و فعل میں مقصود ہو اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان

اپنے اللہ کی آواز کو سُنتا ہے۔ اور وُہ آواز حقیقت میں اسی کی ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت یہ تمام نجاستوں سے پاک ہوگیا ہوتا ہے۔

غرض نری آوازیں اور چند رسمی کتابوں کے پڑھ لینے سے فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ فیصلہ کی اصل اور سچی راہ وہی ہے جس کو تائیداتِ الٰہیہ کہتے ہیں۔ اُن سے ہی فیصلہ ہوتا ہے اور خدا ہی کا حربہ فیصلہ کرتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور ایسے مقام پر کھڑا ہے جو نجاست سے بالکل الگ ہے۔ وہ وہی پاک آواز سنتا ہے جو حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام نے سُنیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنکو سُنا تھا۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان آوازوں کی صداقت اور عملی ظہور کے لیے انسانی ہاتھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ ان کی چمکار دکھاتا ہے! اگرچہ یہ بہت ہی باریک باتیں ہیں جو معرفت کے اسرار میں داخل ہیں، تاہم خوشبو اور بدبُو اپنے مختلف نظاروں سے شناخت کی جاسکتی ہے۔ اچھے درخت کو کئی طرح پہچان لیتے ہیں۔ پتوں سے بھی شناخت کر لیتے ہیں۔ مَیں نے ایکبار الائچی کا درخت انبالہ میں دیکھا اور ایک پتّا اس کا لیکر سُونگھا، تو اس میں الائچی کی خوشبو موجود تھی! اگرچہ ابھی اس کے تین درجے باقی تھے، مگر خوشبو موجود تھی۔ دانشمند انسان بہت سے قرائن سے امرِ واقعی کو معلوم کر لیتا ہے۔ نجابت بھی ہزاروں پردوں میں چھپی رہتی ہے اور تقویٰ بھی ہزاروں پردوں میں مخفی رہتا ہے، مگر اُن کے آثار اور قرائن سے بخوبی پتہ لگ سکتا ہے۔ صُوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے کوئی آدمی عین بدکاری کی حالت میں پکڑا جاوے تو اسے بہت ہی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ ایسے ہی ایک متقی جب اپنے تقویٰ کے سیر و عبادت میں مصروف ہو اور کوئی اجنبی اس پر گزرے تو اس کو بھی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ شرمندگی کے موجبات تو ایک ہی ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری کو امر مستور رکھنا چاہتا ہے اور متقی اپنے تقویٰ کو۔ غرض تقویٰ کے امور بہت پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ اصل تو یہ ہے کہ اس متر کی ملائکہ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر دُوسرے کو کیسے مل سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق تقویٰ کا تھا اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ جس قدر سمجھتا تھا اس کو کسی دُوسرے نے ہرگز نہیں سمجھا، نہ حضرت ابوبکر نے اُسے سمجھا نہ حضرت علی نے اور نہ کسی اور نے۔ آپ کا انقطاع تام اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔ اور مخلوق کو مرے ہوئے کیڑے سے ہیچ سمجھنا ایک ایسا امر تھا جو دوسروں کو نظر نہ آ سکتا تھا، مگر خدا تعالیٰ کی تائیدوں کو دیکھ کر لوگ یہ نتیجہ ضرور نکالتے تھے کہ جیسا خدا تعالیٰ سے سچا اور قوی تعلق اُس نے پیدا کیا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اس سے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

قرآن کریم اور انجیل کی تعلیمات کا موازنہ

کیسی عظیم الشان بات ہے کہ آپ کو کوئی مقام ذلت کا کبھی نصیب نہیں ہوا، بلکہ ہر میدان میں آپ ہر طرح

معزز و مکرم ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن بالمقابل اگر مسیح کی حالت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کیسی ذلت پر ذلت نصیب ہوئی ہے۔ بسا اوقات ایک عیسائی شرمندہ ہو جاتا ہوگا۔ جب وہ اپنے اس خدا کی حالت پر غور کرتا ہوگا جو اُنھوں نے فرضی اور خیالی طور پر بنایا ہوا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوئی ہے کہ عیسائی اس تعلیم کو جو انجیل میں بیان ہوئی ہے اور اس خدا کو جس کے واقعات کسی قدر انجیل سے ملتے ہیں۔ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے ترجیح کیونکر دیتے ہیں۔ مثلاً یہی تعلیم ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دو۔ اب اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرو تو صاف نظر آجائے گا کہ یہ کیسی بودی اور نکمی تعلیم ہے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن سے بچے خوش ہو جاتے ہیں۔ بعض سے متوسط درجے کے لوگ اور بعض سے اعلیٰ درجے کے لوگ۔

انجیل کی تعلیم صرف بچوں کا کھلونا ہے کہ جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو اس قدر قویٰ عطا فرمائے ہیں۔ ان سب کا موضوع اور مقصود یہی ہے کہ وہ طمانچے کھایا کرے؟ انسان انسان تب ہی بنتا ہے کہ وہ سارے قویٰ کو استعمال کرے، مگر انجیل کہتی ہے کہ سارے قویٰ کو بیکار چھوڑ دو اور ایک ہی قوت پر زور دیتے جاؤ۔ بالمقابل قرآن شریف تمام قوتوں کا مربّی ہے اور ہر محل ہر قوت کے استعمال کی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ مسیح کی اس تعلیم کی بجائے قرآن شریف فرماتا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی بدی کی سزا تو اسی قدر بدی ہے، مگر عفو بھی کرو تو ایسا عفو کہ اس کے نتیجہ میں اصلاح ہو۔ وہ عفو بے محل نہ ہو۔ مثلاً ایک فرمانبردار خادم ہے اور کبھی کوئی خیانت اور غفلت اپنے فرض کے ادا کرنے میں نہیں کرتا، مگر ایک دن اتفاقاً اس کے ہاتھ سے گرم چائے کی پیالی گر جاوے اور نہ صرف پیالی ہی ٹوٹ جاوے بلکہ کسی قدر گرم چائے سر پر بھی پڑ جاوے، تو اس وقت یہ ضروری نہیں کہ آقا اس کو سزا دے بلکہ اس کے حسب حال سزا یہی ہے کہ اس کو معاف کر دیا جاوے۔ ایسے وقت پر موقع شناس آقا تو خود شرمندہ ہو جاتا ہے کہ اس بیچارے نوکر کو شرمندہ ہونا پڑے گا، لیکن کوئی شریر نوکر اس قسم کا ہے کہ وہ ہر روز نقصان کرتا ہے اگر اس کو عفو کر دیا جاتے تو وہ اور بھی بگڑے گا۔ اس کو تنبیہ ضروری ہے۔ غرض اسلام انسانی قویٰ کو اپنے اپنے موقع اور محل پر استعمال کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور انجیل اندھا دھند ایک ہی قوت پر زور دیتی چلی جاتی ہے۔ مگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

غرض حفظ مراتب کا مقام قرآن شریف نے رکھا ہے کہ وہ عدل کی طرف لے جاتا ہے۔ تمام احکام میں اس کی یہی صورت ہے۔ مال کی طرف دیکھو۔ نہ مُمسک بناتا ہے نہ مُسرف۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کا نام ہی اُمَّةً وَّسَطًا رکھ دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح علیہ السلام

پھر دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب کو دیکھنا چاہیے

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کے دل کی بات تو بادشاہ ہی جانتا ہے مگر جس پر وہ اسرار ظاہر کرتا ہے یا اپنی رضامندی کے آثار جس پر دکھاتا ہے ضروری ہے کہ ہم اس کو مقرب کہیں۔ اسی طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہم دیکھتے ہیں تو آپ کے قرب کا مقام وہ نظر آتا ہے جو کسی دوسرے کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ وہ عطایا اور انعام جو آپ کو دیئے گئے ہیں سب سے بڑھ کر ہیں اور جو اسرار آپ پر ظاہر ہوئے اور کوئی اس حد تک پہنچا ہی نہیں۔ قرآن شریف ہی کو دیکھ لو۔ کہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئیاں اس میں موجود ہیں۔ حضرت مسیح کا مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ یہ نادان عیسائی کس شیخی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا مقابلہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ حضرت مسیح کا تو دعویٰ ہی بجائے خود محدود ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ (آل عمران: ۱۱۳) کی مصداق آپ کی دعوت کی مخاطب قوم تھی۔ یہ دعویٰ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی نمبرداری یا پتی داری کا دعویٰ کرے۔ اب اُن کی ہمت استقلال اور توجہ اسی دعویٰ کی نسبت سے ہونی چاہیے۔ دوسری طرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اب اس ہمت اور بلند نظری اور توجہ کا مقابلہ کرو۔ کیا یہی خدائی کی شان ہے کہ یہودیوں کے چار گھروں کے سوا اور کسی کی اصلاح کے لیے بھی نہیں آئے۔

خدا کے حسبِ حال تو ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی دعوت کا میدان بڑا وسیع ہوتا۔ خیر بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لیے ہی دعوت سہی۔ مگر اب یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ اس میں کامیابی کیا ہوئی۔ غور کیا جاوے اور انجیل واقعات پر نگاہ کی جاوے تو یہ راز بھی کھل جاتا ہے کہ آپ کو ہر میدان میں ذلیل ہونا پڑا۔ دشمنوں پر کامیابی نہ ملی۔ انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا اور قصہ پاک ہوا۔

اس خدا کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جاتا ہے۔ آپ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ آپ کے دشمن آپ پر کبھی قابو اور غلبہ نہ پا سکے اور آپ کے سامنے ہی ہلاک ہوئے۔ آپ کو بھیجا ایسے وقت میں گیا جبکہ زمانہ آپ کی ضرورت کو خود ثابت کرتا تھا۔ اور اُٹھائے ایسے وقت گئے جبکہ کامل اصلاح ہو چکی اور آپ اپنے فرض منصبی کو پوری کامیابی کے ساتھ ادا کر چکے اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: ۴) کی آواز آپ نے سُن لی۔

پھر مسیح کی طرف دیکھو آپ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں اور ایلی ایلی لما سبقتنی کی فریاد کرتے ہیں۔ یہودا اسکریوطی تیس روپیہ پر اپنے پاک اُستاد کو پکڑوا چکا ہے اور پطرس صاحب لعنت بھیج رہے ہیں۔ مسیح کے لیے وہ نظارہ کیسا یاسی بخش ہے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کے جاں نثار رفیق کس طرح پر اپنی جانیں آپ کے قدموں پر قربان کر رہے ہیں۔ ایسے وفادار اور فرمانبردار اصحاب اور رفیق کس کو ملے اور یہ وفاداری اور اطاعت

میں فنا کہ اپنی جانوں تک کے دے دینے میں دریغ نہ کیا۔ آپؐ کی ذاتی قوتِ قدسی کا ثبوت ہے جو مقابلہ کرنے سے مسیح میں کچھ بھی نظر نہیں آتی۔

قرآن کریم اور بائیبل

پھر اسرار کی طرف نگاہ کرو۔ جس قدر اسرار اور رموز قرآن شریف میں ہیں توراۃ اور انجیل میں وہ کہاں؟ پھر قرآن شریف تمام امور کو صرف دعویٰ ہی کے رنگ میں بیان نہیں کرتا جیسے کہ توراۃ یا انجیل جو دعویٰ ہی دعویٰ کرتی ہیں، بلکہ قرآن شریف استدلالی رنگ رکھتا ہے۔ کوئی بات وہ بیان نہیں کرتا جس کے ساتھ اس نے ایک قوی اور مستحکم دلیل نہ دی ہو۔ جیسی قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت اپنے اندر ایک جذب رکھتی ہے۔ جس طرح پر اس کی تعلیم میں معقولیت اور کشش ہے ویسے ہی اس کے دلائل مؤثر ہیں۔ غرض میرا مطلب ان ساری باتوں سے یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر کامل اور مؤثر نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی وارث جماعت

اسی طرح پر اب بھی وہی خدا ہے جس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان اور انعام کئے اور اسی طرح پر اب بھی اس کے فضل اور برکات کے انعام ہو رہے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو فریق اس حق کی مخالفت کرتا ہے اور اُسے مُفتری کہتا ہے وُہ جس قدر مخالفت چاہیں کریں۔ مخالف الہام سُنائیں ان کو آخر معلوم ہو جائے گا کہ غالب وہی ہوتا ہے جس کو خدا نے اپنا نُور اور فضل دے کر بھیجا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت اور عادت کے موافق اُس قوم پر اپنا فضل کرے گا جس کو اُس نے منتخب کیا ہے۔ وہی دُنیا پر پھیلے گی اور وہی قرآن شریف، اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی وارث ہوگی۔

مومنین کے تین طبقے

دُنیا میں ہمیشہ انسانوں کے تین طبقے ہوتے ہیں۔ سابق بالخیرات۔ مقتصد اور ظالم۔ سابقین کو نشانات اور معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو قرائن اور حالات موجودہ سے پہچان لیتے ہیں۔ مقتصدین کو کچھ حصّہ روشن دماغی کا ملا ہوا ہوتا ہے اور کچھ تاریکی کا۔ اس لیے وہ دلائل اور معجزات کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر تیسرا طبقہ جو ظالمین کا ہوتا ہے وہ چونکہ بہت ہی غبی اور بلید ہوتے ہیں۔ بجُز مار کھانے کے وُہ نہیں مانتے۔ یہ ایک قسم کا جبر ہوتا ہے۔ جو ہر مذہب حق میں پایا جاتا ہے، کیونکہ ظالمین بجُز اس کے سمجھ نہیں سکتے۔ حضرت مسیح کے لیے طیطاؤس رُومی کا اتفاق ہوگیا۔ موسیٰ کی قوم جو پہلے ہی سے مُدّت دریاؤں اور فرعون کی سختیوں سے نالاں تھی اُس نے حضرت موسیٰ کی دعوت کو قبول کر لینا اپنی نجات کا مُوجب سمجھا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ اُن کی اصلاح کے لیے وقتاً فوقتاً اُن پر عذاب بھیجتا رہا۔ کبھی طاعُون کبھی زلزلے مختلف طریق پر اُنہیں منوایا اور اسی طرح ہوتا رہا ہے۔

غرض یہ ایک سُنّت اللہ ہے کہ ظالمین کو اللہ تعالیٰ اس طریق پر سمجھاتا ہے کیوں؟ یہ فرقہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور غنی بھی۔ اس وقت بھی یہ فرقہ زیادہ ہے۔ جو نشانات خدا نے ظاہر کئے ان پر بھی جرح کرتے ہیں۔ کسوف وخسوف کی حدیث کو مجروح قرار دیدیا۔ یکھرام کی پیشگوئی پر اعتراض کر دیا۔ ہر نشان جو ظاہر ہوتا ہے اعتراض کر دیتے ہیں، مگر خدا تو سب کا مُرشد ہے اس نے تیسری صورت اور آخری حجت اختیار کی ہے جو طاعون ہے۔

طاعون کا علاج۔ توبہ۔ استغفار اور تہجد

طاعون کا علاج توبہ و استغفار ہی ہے۔ یہ کوئی معمولی بلا نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی سے نازل ہوئی ہے۔

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری جماعت میں سے کسی کو نہ ہو۔ صحابہ میں سے بھی بعض کو طاعون ہو گئی تھی لیکن ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے حضور تضرع اور زاری کرتا ہے اور اس کے حدود و احکام کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے جلال سے ہیبت زدہ ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے۔ وہ خدا کے فضل سے ضرور حصّہ لے گا۔ اس لیے ہماری جماعت کو چاہیے کہ وُہ تہجد کی نماز کو لازم کر لیں۔ جو زیادہ نہیں۔ وہ دو ہی رکعت پڑھ لے، کیونکہ اس کو دُعا کرنے کا موقع بہرحال مل جائیگا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے، کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔ جبتک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو۔ اس وقت تک ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے۔؟ پس اس وقت کا اُٹھنا ہی ایک دردِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیتِ دُعا کا موجب ہو جاتے ہیں، لیکن اگر اٹھنے میں سُستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دُور کر دیتی ہے۔ لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔ پھر ایک اور بات بھی ضروری ہے جو ہماری جماعت کو اختیار کرنی چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ زبان کو فضول گوئیوں سے پاک رکھا جاوے۔ زبان وجود کی ڈیوڑھی ہے اور زبان کو پاک کرنے سے گویا خدا تعالیٰ وجود کی ڈیوڑھی میں آجاتا ہے جب خدا تعالیٰ ڈیوڑھی میں آگیا، تو پھر اندر آنا کیا تعجب ہے؟

پھر یاد رکھو کہ حقوق اللہ اور حقوقِ عباد میں دانستہ ہرگز غفلت نہ کی جاوے۔ جو اِن امور کو مدِّنظر رکھ کر دعاؤں سے کام لے گا۔ یا یُوں کہو کہ جسے دُعا کی توفیق دی جاوے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس پر اپنا فضل کریگا اور وہ بچ جاوے گا۔ ظاہری تدابیر صفائی وغیرہ کی منع نہیں ہیں۔ بلکہ بر توکل زانوئے اشتر ببند۔ پر عمل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے معلوم ہوتا ہے، مگر یاد رکھو کہ اصل صفائی وہی ہے جو فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ (الشمس: ۱۰) ہر شخص اپنا فرض سمجھ لے کہ وہ اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ مجھے الہام ہوا تھا۔

اَیَّامُ غَضَبِ اللّٰہِ۔ غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا

یہ طاعون کے متعلق ہے مگر وہی خدا کے فضل کا امیدوار ہو سکتا ہے جو سلسلہ دُعا۔ توبہ اور استغفار کا نہ توڑے اور عمداً گناہ نہ کرے۔

گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور خدا کے غضب کو بھڑکاتی ہے۔ گناہ سے صرف خدا تعالےٰ کا خوف اور اس کی محبت ہٹاتی ہے۔ طاعون بھی گناہوں سے بچانے کے لیے ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ سعید کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ بعض کے حالات سُنے ہیں کہ اُنھوں نے دُعا کی کہ کوئی ہیبت ناک نظارہ ہو تاکہ دل میں رقت اور دَرد پیدا ہو۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہیبت ناک نظارہ ہو گا کہ لاکھوں بچے یتیم کیے جاتے ہیں۔ بیواؤں سے گھر بھر جاتے ہیں۔ ہزاروں خاندان بے نام و نشان ہو جاتے ہیں اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ وُہ انبیاء علیہم السّلام کو ایسے موقعوں پر ہمیشہ بچا لیتا ہے جبکہ بلائیں عذابِ الٰہی کی صُورت میں نازل ہوں پس اس وقت خدا کا غضب بڑھا ہوا ہے اور حقیقت میں یہ خدا کے غضب کے ایّام ہیں، اس لیے کہ خدا کے حدود و احکام کی بے حُرمتی کی جاتی ہے اور اس کی باتوں پر ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ پس اس سے بچنے کے لیے یہی علاج ہے کہ دُعا کے سلسلہ کو نہ توڑو۔ اور توبہ و استغفار سے کام لو۔ وہی دُعا مفید ہوتی ہے جبکہ دل خدا کے آگے پگھل جاوے اور خدا کے سوا کوئی مفر نظر نہ آوے۔ جو خُدا کی طرف بھاگتا ہے اور اضطرار کے ساتھ امن کا جویاں ہوتا ہے وُہ آخر بچ جاتا ہے[1]۔

۵ اپریل ۱۹۰۲ء:۔

شام کو چند آدمی بیعت کیلئے آئے ہُوئے تھے۔ آپ نے بعد بیعت بظاہر ان کو خطاب کر کے کل جماعت کو یُوں ہدایت فرمائی:۔

استغفار کرتے رہو اور موت کو یاد رکھو۔ موت سے بڑھ کر اور کوئی بیدار کرنے والی چیز نہیں ہے۔ جب انسان سچے دل سے خدا کی طرف رجُوع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرتا ہے۔

جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے گناہ بخش دیتا ہے پھر بندے کا حساب چلتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی ذرا سا بھی گناہ کرے تو وہ ساری عمر اس کا کینہ اور دشمنی رکھتا ہے اور گو زبانی معاف کر دینے کا اقرار بھی کرے لیکن پھر بھی جب اُسے موقع ملتا ہے تو اپنے اس کینہ اور عداوت کا اس سے اظہار کرتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ ہی ہے کہ جب بندہ سچے دل سے اس کی طرف آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کی سزا کو معاف کر دیتا اور رجُوع بہ رحمت فرماتا ہے۔ اپنا فضل اس پر نازل کرتا ہے اور اس گناہ کی سزا معاف کر دیتا ہے اس لیے تم بھی اب ایسے ہو کر جاؤ کہ تم وُہ ہو جاؤ جو پہلے نہ تھے۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ خدا جو یہاں ہے وہاں بھی ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ جب تک تم یہاں ہو۔ تمہارے دلوں میں رقت اور خدا کا خوف ہو اور جب پھر اپنے گھروں میں جاؤ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳ تا ۶ پرچہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء

تو بے خوف اور نڈر ہو جاؤ۔ نہیں بلکہ خدا کا خوف ہر وقت تمہیں رہنا چاہیے۔ ہر ایک کام کرنے سے پہلے سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض۔ نماز بڑی ضروری چیز ہے اور مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لیے نہیں کہ مُکریں ماری جاویں یا مُرغ کی طرح کچھ ٹھونگیں مار لیں۔ بہت لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کے کہنے سُننے سے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔

نماز خدا تعالیٰ کی حضوری ہے اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے اور اُس سے اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکب صُورت کا نام نماز ہے۔ اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدِّنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ پس نماز بہت ہی اچھی طرح پڑھو۔ کھڑے ہو۔ تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف بتا دے کہ تم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے اور نمازوں میں اپنے دین اور دُنیا کے لیے دُعا کرو۔"

طاعون ایک غضبِ الٰہی ہے

طاعون جو دُنیا میں آئی ہے اور اُس نے لاکھوں انسانوں کو زیرِ زمین کر دیا ہے، جس سے لاکھوں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں بلکہ کئی گھر بالکل تباہ ہو گئے اور خاندانوں کے خاندان بے نام و نشان ہو گئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک غضب ہے جو انسانوں کی غفلت اور حد سے بڑھی ہوئی شرارت اور انکار کی وجہ سے آیا ہے۔

خدا تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب انسان غافل ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس وقت خدا کا غضب جوش میں آتا ہے۔ اِس وقت بھی دُنیا کی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ کچھ تو خود گمراہ ہی تھے اور غفلت اور سُستی ان میں آ گئی تھی۔ سچے مذہب کے سچے عقائد کو چھوڑ بیٹھے تھے اور تمام اعمالِ صالحہ کی جگہ صرف چند رسُومات نے لے لی تھی۔ اس پر پادریوں نے اور بھی مٹی پلید کی۔ اُنھوں نے مختلف ذریعوں سے اس بیہودہ مذہب کو جس میں ایک عاجز انسان کو جو مر گیا ہے خدا بنایا گیا۔ لوگوں کے سامنے عجیب عجیب رنگ دے کر پیش کیا اور اس کے خُون کو گناہوں کا کفارہ قرار دے کر بیباک زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی۔ حیلہ جُو طبیعتوں کو ایک بہانہ مِل گیا اور بہت سے مُرتد ہو گئے اور اکثروں نے دین کی عظمت کو دل سے دُور کر دیا۔ پادریوں کے اس فتنہ کے ساتھ ہی یہ نقص پیدا ہوا کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی وضع نے بھی ایک قسم کی نصرانیت پھیلا دی جبکہ سروں میں آزادی ہی آزادی کا خیال بھر گیا۔

ادھر یورپ کے فلسفہ اور طبیعات نے اپنی جدید تحقیقاتیں جو پیش کیں تو علماء نے اپنی کم معرفت اور علومِ حقہ سے بیخبری کے باعث اور بھی نقصان اسلام کو پہنچایا۔ ان میں سے بعض نے تو قرآن کریم کی تعلیمات کی اس فلسفہ سے

دب کر ایسی تاویلیں شروع کر دیں جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے منشار کے صریح خلاف تھیں اور بعض نے سرے سے ان علومِ جدیدہ کے پڑھنے والوں کے اعتراضوں پر ان کو کفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی تعلیم نے جو آزادی پھیلا دی تھی۔ اُس نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہوئے بچوں کو بالکل بیباک کر دیا اور پھر ایک اور آفت یہ آئی کہ مسلمانوں میں سستی اور غفلت تو پیدا ہو ہی چکی تھی۔ سچے عقائد کو چھوڑ کر قسم قسم کی بدعتیں اور سلسلے خدا تعالیٰ کے سچے دین اور سلسلے کے خلاف پیدا کئے گئے اور مشرکانہ تعلیمات اور وظائف قائم کر لیے گئے۔

ان ساری آفتوں کے ہوتے ہوئے جب خدا تعالیٰ نے اپنے قدیم قانون کے موافق محض اپنے فضل سے ایک بندہ بھیج دیا جو ان ساری مصیبتوں کا چارہ گر اور مداوا تھا۔ ان لوگوں نے ناحق اسے تکلیف دی، اس کی مخالفت کے لیے اُٹھے۔ جب ان کی مخالفت اور شرارت حد سے بڑھ گئی اور خدا تعالیٰ کے حضور ان کی شوخیاں اور گستاخیاں اور بے جا ضد اور عداوت سے ملا ہوا انکار قابلِ سزا ٹھہر گیا، تو اس نے اپنے وعدہ کے موافق اس بندہ کی تائید کے لیے طاعون بھیجا۔ ہمیشہ دُعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ اس مرض سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے۔ طاعون کوئی معمولی مرض نہیں ہے اور نہ اس کے فَورہ کا کوئی خاص نظام ہے بلکہ بعض اوقات یہ سالہائے دراز تک اپنا سلسلہ جاری رکھتی ہے اور اس وقت تو طاعون خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص کام کے لیے مامور کی گئی ہے۔ وہ لوگ غلطی اور گناہ کرتے ہیں جو طاعون کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ خدا کا فرشتہ ہے جو اس کے بندے کی سچائی پر ایک گواہی قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔[1]

طاعون کی شدت اور اُس کے متعلق پیشگوئیاں

پس ہمیشہ دُعا کرتے رہو کہ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ بظاہر طاعون ہر ایک گاؤں کا دورہ کرے گی۔ یہ نہ سمجھو کہ کوئی باقی رہ جاوے گا۔ وہی بچ سکتا ہے جو توبہ اور استغفار میں مصروف ہے۔ اس لیے اس وقت ضروری ہے کہ اپنی جان اور اپنی بیوی بچوں پر رحم کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کے غضب کے دن ہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی بدکاریاں اور شوخیاں اس حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں کہ جب وہ خدا کے غضب سے ہلاک ہوتا ہے، تو اس لعنت اور غضب کا اثر اُس کی اولاد تک بھی پہنچتا ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس : ۱۶) عقبٰہا سے اولاد اور پسماندگان مراد ہیں۔ جہاں جہاں طاعون پھیلا ہے۔ لوگ کُتوں کی طرح مرتے ہیں۔ بعض مُردہ چوہوں کی طرح بدبُودار ہو جاتے ہیں۔ کوئی اُن کو اُٹھا بھی نہیں سکتا اور ان کے جنازوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر قبروں میں ڈالتے ہیں۔ بہت سے خطوط طاعون زدہ علاقوں اور گاؤں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء

سے آئے ہیں۔ جن میں لکھا ہوا تھا کہ کوئی جنازہ نہیں پڑھتا۔ مُرداروں کی طرح مُردوں کو گڑھے کھود کر ڈال دیا جاتا ہے، مگر تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ خدا تعالیٰ کا یہ غضب کیوں آیا؟

مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو لوگ آتے ہیں۔ جب اُن کی باتوں کو لوگ نہیں مانتے اور شرارت اور شوخی سے اُن کا انکار کر کے ایذا رسانی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر خدا تعالیٰ کا غضب کسی نہ کسی رنگ میں جوش میں آتا ہے! چنانچہ پہلے نبیوں کے وقت میں کسی قوم کو کسی عذاب سے ہلاک کیا۔ کسی کو کسی سے، اگر اس وقت جو مسیح موعود کا زمانہ ہے خدا تعالیٰ نے اس شرارت اور شوخی سے ملے ہوئے انکار کی سزا کے لیے طاعون کو مقرر کیا ہے: چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کا نشان طاعون قرار دیا اور انجیل میں بھی اسی کی صداقت موجود ہے۔ براہینِ احمدیہ میں بھی آج سے پچیس برس پیشتر خدا تعالیٰ نے طاعون کے پھیلنے کی خبر دی تھی۔ چونکہ انکار حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور انکار کے ساتھ شرارت اور ایذا رسانی بھی ہے اور قسم قسم کے طعن کیے جاتے ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ نے طاعون ہی کو سزا کے لیے بھیجا۔ اور یہ بات کہ مامُور من اللہ کی تکذیب اور ایذا رسانی پر عذاب کیوں آتا ہے ایسی صاف ہے کہ تم اس کی مثال ایسی سمجھ سکتے ہو جیسے سرکار کسی چپڑاسی کو معاملہ وصول کرنے کے لیے بھیجے، حالانکہ وہ چپڑاسی پانچ چھ روپیہ ماہوار کا ملازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کو معاملہ نہ دے یا شرارت کر کے اس کو دُکھ دے تو گورنمنٹ سارے گاؤں کو سزا دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے خواہ اس میں کیسے ہی معزز اور دولتمند زمیندار بھی ہوں۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے مامُوروں کی بے عزتی کی جاوے، تو خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اُس کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے۔ اس وقت وہ شریروں کو سزا دینے کے لیے اپنے بندے کی حمایت میں نشان ظاہر کرتا ہے۔

مسیح موعود کی بعثت کی غرض

پھر مَیں یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آتے ہیں وہ کوئی بُری بات تو کہتے ہی نہیں۔ وہ تو یہی کہتے ہیں کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور مخلوق سے نیکی کرو۔ نمازیں پڑھو اور جو غلطیاں مذہب میں پڑ گئی ہوئی ہیں، انہیں نکالتے ہیں، چنانچہ اس وقت جو مَیں آیا ہوں، تو مَیں بھی اُن غلطیوں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہوں جو فیج اعوج کے زمانہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو خاک میں ملا دیا گیا ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور اہم اور اعلیٰ تعلیم توحید کو مشکوک کیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عیسائی کہتے ہیں کہ یسُوع زندہ ہے اور تمہارے نبی صلعم زندہ نہیں ہیں اور وُہ اس سے حضرت عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ دو ہزار برس سے زندہ چلے آتے ہیں۔ نہ زمانہ کا کوئی اثر اُن پر ہوا۔ دُوسری طرف مسلمانوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ بیشک مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور دو ہزار برس سے اب تک اسی طرح موجود ہے۔ کوئی تغیر و تبدل اس کی حالت اور صورت میں نہیں ہوا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا دل کانپ جاتا ہے، جب میں ایک مسلمان مولوی کے منہ سے یہ لفظ سنتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے۔ زندہ نبی کو مُردہ رسول قرار دیا گیا۔ اس سے بڑھ کر بے حرمتی اور بے عزتی اسلام کی کیا ہوگی، مگر یہ غلطی خود مسلمانوں کی ہے، جنھوں نے قرآن شریف کے صریح خلاف ایک نئی بات پیدا کر لی۔ قرآن شریف میں مسیح کی موت کا بڑی وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے، لیکن اصل میں اس غلطی کا ازالہ میرے ہی لیے رکھا تھا، کیونکہ میرا نام خدا نے حکم رکھا ہے۔ اب جو اس فیصلہ کے لیے آوے وہی اس غلطی کو نکالے۔ دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ پر خدا اُس کو قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس قسم کی باتوں نے دُنیا کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

مگر اب وقت آگیا ہے کہ یہ سب جھوٹ ظاہر ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ نے جس کو حکم کر کے بھیجا اس سے یہ باتیں مخفی نہیں رہ سکتی ہیں۔ بھلا دائی سے پیٹ چھُپ سکتا ہے۔ قرآن نے صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ آخری خلیفہ مسیح موعود ہوگا اور وُہ آگیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس پر نکیر کا فقیر رہے گا۔ جو فیج اعوج کے زمانہ کی ہے تو وہ نہ صرف خود نقصان اٹھائے گا بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانے والا قرار دیا جاوے گا۔ اور حقیقت میں اس غلط اور ناپاک عقیدہ نے لاکھوں آدمیوں کو مُرتد کر دیا ہے۔ اس اصول نے اسلام کی سخت ہتک کی ہے اور رسول اللہ صلعم کی توہین۔ جب یہ مان لیا کہ مُردوں کو زندہ کرنے والا، آسمان پر جانے والا۔ آخری انصاف کرنے والا یسوع مسیح ہی ہے تو پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معاذ اللہ کچھ بھی نہ ہوئے؛ حالانکہ اُن کو رحمۃ للعالمین کہا گیا اور وہ کافۃ الناس کے لیے رسول ہو کر آئے۔ خاتم النبیین وہی ہوتے۔ ان لوگوں کا جنھوں نے مسلمان کہلا کر ایسے بیہودہ عقیدہ رکھتے ہیں، یہ بھی مذہب ہے کہ اس وقت جو پرندے موجود ہیں اُن میں کچھ مسیح کے ہیں اور کچھ خدا تعالیٰ کے نعوذ باللہ من ذٰلک۔ میں نے ایک بار ایک معتقد سے سوال کیا کہ اگر اس وقت دو جانور پیش کیے جاویں اور پُوچھا جاوے کہ خدا کا کونسا ہے اور مسیح کا کونسا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا کہ اِن جُل ہی گئے ہیں[1]۔

پھر وہ دین جو خدا تعالیٰ کی توحید کا سرچشمہ تھا اور جس کی حمایت اور آبیاری کے لیے زمین صحابہ کے پاک خُون سے سُرخ ہو گئی تھی۔ اسی کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں نے ایک عورت کے بچہ کو عیسائیوں کا متبع کر کے خدا بنا دیا اور خدا کی صفات کو اس میں قائم کر دیا۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی غیرت اور جلال کے لیے یہ سلسلہ قائم کیا اور اُس نے اس نبی ناصری کے نمونہ پر (جس کو نادان مُسلمانوں نے خدائی صفات سے متصف کرنا چاہا ہے) مجھے بھیجا ہے، مگر ان لوگوں نے جو ضد اور تعصب سے خالی نہ تھے بلکہ اُن کے دل ان تاریک

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۸ پرچہ ۱۰ جون ۱۹۰۲ء

ضلالت سے سیاہ ہو چکے تھے، میری مخالفت کی اور اس مخالفت کو شرارت اور ایذا رسانی کی حد تک پہنچایا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے لیے غیرت رکھتا ہے، طاعون کو بھیجا۔ اور یہ اس وقت ہوا ہے جب ہر قسم کی حجت پوری ہو چکی۔ عقلی دلائل اُن کے سامنے پیش کیے گئے۔ نصوص قرآنیہ حدیثیہ سے اُن پر حجت پوری کی اور آخر خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانات بھی کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ ہر قسم کے نشان اُن کو ملے، مگر انھوں نے اُنکو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اُن پر ٹھٹھا کیا۔ اس لیے آخری علاج طاعون رکھا گیا۔ یہ وہ نشان ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آج سے کئی برس پہلے براہین میں بھی کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بھی مسیح موعود کے زمانہ کا یہ ایک نشان رکھا ہے۔ اس سے وہی بچیں گے جو توحید اختیار کریں گے اور عاجز انسان کو خُدا نہ بنائیں گے۔ اور خدائی صفات سے اس کو متصف نہ ٹھہرائیں گے اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسُول کی قدر کریں گے۔

مسئلہ وفاتِ مسیح کی اہمیت

سب سے پہلی بات جو یاد رکھنی چاہیے، وُہ وفاتِ مسیح کا ہی مسئلہ ہے۔ یہ لوگ بعض وقت دھوکا دیتے ہیں کہ وفاتِ مسیح کی بحث کی ضرورت ہی کچھ نہیں، حالانکہ اصل جڑ یہی ہے۔ اس مسئلہ سے عیسائیوں کی ساری کارروائی باطل ہوتی ہے اور حضرت مسیح کی خدائی کی ٹانگ ٹوٹتی ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر برخلاف اور نبیوں کی وفات کے بہت ہی بڑا زور دیا ہے۔ اور تیس سے بھی زیادہ آیتوں میں اس مضمون کو بیان کیا؛ چنانچہ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ وغیرہ آیتوں میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بیوقوف کہتے ہیں کہ وفات نہیں ہوئی بلکہ خدا نے آسمان پر اُٹھا لیا۔ یہ غلطیاں ہیں جو کتاب اللہ کے خلاف دین کی ہتک کے لیے لوگوں نے از خود پیدا کر لی ہیں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی صفات عاجز انسان کو دی جاویں۔ پھر کس شَے پر یہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے کہ یہ اقرار کیا جاوے کہ کچھ مخلوق خدا کی ہے اور کچھ مسیح کی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے عقائد بنا کر ان لوگوں نے اسلام کی ہتک کی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور خدا تعالیٰ کی مخالفت کی ہے۔

خالص توحید اسلام نے سکھائی

اسلام وُہ مصفّا اور خالص توحید لے کر آیا تھا جس کا نمونہ اور نام و نشان بھی دوسرے ملتوں اور مذہبوں میں پایا نہیں جاتا۔ یہاں تک کہ میرا ایمان ہے کہ اگرچہ پہلی کتابوں میں بھی خدا کی توحید بیان کی گئی ہے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض اور منشاء بھی توحید ہی کی اشاعت تھی۔ لیکن جس اسلوب اور طرز پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

توحید لے کر آئے اور جس نہج پر قرآن نے توحید کے مراتب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کا ہرگز پتہ نہیں ہے۔ پھر جب ایسے صاف چشمہ کو اُنھوں نے کدر کرنا چاہا ہے، تو بتاؤ۔ اسلام کی توہین میں کیا باقی رہا۔ اس پر اُن کی بدقسمتی یہ ہے کہ جب اُن کو وہ اصل اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے پیش کیا جاتا ہے اور قرآن شریف کے ساتھ ثابت کر کے دکھایا جاتا ہے کہ تم غلطی پر ہو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح مانتے آئے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا اتنی بات کہہ کر یہ اپنے آپ کو بری کر سکتے ہیں؟ نہیں! بلکہ قرآن شریف کے موافق اور خدا تعالیٰ کی سنّتِ قدیم کے مطابق اس قول سے بھی ایک حجت اُن پر پوری ہوتی ہے۔ جب کبھی کوئی خدا کا مامور اور مُرسل آیا ہے تو مخالفوں نے اس کی تعلیم کو سُن کر یہی کہا ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (مومنون: ۲۵)

مجدّدین کی ضرورت

تعجب کی بات ہے کہ تجدید کا قانون یہ روزمرہ دیکھتے ہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد کپڑے بھی میلے ہو جاتے ہیں اور اُن کے دُھلانے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن کیا پوری صدی گزر جانے کے بعد بھی مجدد کی ضرورت نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاحِ خلق کے لیے آتا ہے، کیونکہ صدی کے اس درمیانی حصّہ میں بہت سی غلطیاں اور بدعتیں دین میں شامل کر لی جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کبھی پسند نہیں فرماتا کہ اس کے پاک دین میں خرابی رہ جاوے، اس لیے وُہ ان کی اصلاح کی خاطر مجدّد بھیج دیتا ہے؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین پھر تابعین پھر تبع تابعین کے زمانے کیسے مبارک زمانے تھے۔ ان تین زمانوں کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیر القرون فرمایا ہے۔ بعد اس کے نیکی اور خیر میں کمی آتی رہی اور غلطیاں پیدا ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ بہت ہی خطرناک غلطیاں پیدا ہوگئیں۔ یہ وُہ زمانہ ہے جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے، جس میں جھوٹ کثرت سے پھیل گیا اور جس کی بابت آپؐ نے فرمایا۔ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ۔

ظہور مہدی و مسیح موعود کی غرض

اب اس زمانہ کے بعد خدا نے چاہا ہے کہ ان غلطیوں کو دُور کرے اور اسلام کا حقیقی چہرہ پھر دنیا کو دکھائے اور شرک اور مُردہ انسان کی پرستش کو دُور کرے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزی طور پر ظہور ہوا۔ اور آپؐ کی عظمت کو مسیح کے مقابلہ میں ظاہر کرنے کے لیے خدا کی غیرت نے چاہا کہ احمدؐ کے غلام کو مسیح سے افضل قرار دیا۔

اسی بات کے لیے سُورج چاند کو رمضان میں مقررہ تاریخوں پر پیشگوئی کے موافق گرہن لگا۔ یہ مولوی جب تک یہ واقع نہ ہوا تھا۔ مہدی کی علامتوں میں بڑے زور شور سے منبروں پر چڑھ چڑھ کر اس کو بیان کرتے تھے۔

لیکن اب جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے وقت پر اس نشان کو ظاہر کر دیا تو میری مخالفت کے لیے یہ خدا تعالیٰ کے اس جلیل الشان نشان کی بے حُرمتی کرتے ہیں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک پیشگوئی کی توہین کرتے ہوئے حدیثوں کو جھوٹا قرار دیتے ہیں !!! افسوس۔

اِسی طرح پر یہود کے بڑے بڑے مولوی فقیہ اور فریسی کرتے تھے جب حضرت مسیح آئے اُنھوں نے بھی انکار کیا۔ یاد رکھو حق میں ایک خوشبو ہوتی ہے اور وہ خود بخود پھیل جاتی ہے اور خدا اس کی حمایت کرتا ہے جب خدا تعالیٰ نے مجھے مامُور کیا تھا۔ اس وقت میں اکیلا تھا اور کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا، مگر اب پچاس ہزار سے بھی زیادہ انسان اس سلسلہ میں شامل ہیں اور اطراف عالم میں اس دعویٰ کا شور مچ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر ساتھ نہ ہوتا اور اُس کی طرف سے یہ سلسلہ نہ ہوتا، تو اس کی تائید کیونکر ہو سکتی تھی اور یہ سلسلہ قائم کیونکر رہ سکتا تھا؟

مخالفت کی وجہ

اور پھر یہ نہیں کہ اس طریق میں سب کو خوش کیا گیا تھا، نہیں بلکہ سب سے مخالفت اور سب کو ناراض کیا گیا۔ عیسائی الگ ناراض اور سب سے بڑھ کر ناراض ہیں، جبکہ اُن کو سُنایا گیا کہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کرنے آیا ہوں اور اُن کو دعوت کی گئی کہ تمہارا یسُوع مسیح جس کو تم نے خدا بنایا ہے اور جس کی صلیبی موت پر جو تمہارے نزدیک لعنتی موت ہے تمہاری نجات منحصر ہے، وُہ تو ایک عاجز انسان تھا اور وہ کشمیر میں مرا پڑا ہے۔ عیسائی اگر ناراض تھے تو اور کسی قوم کے ساتھ بھی صُلح نہ رہی۔ آریوں کے ساتھ الگ مخالفت، جبکہ اُن کے نیوگ، تناسخ اور دُوسرے معتقدات کی ایسی تردید کی گئی کہ جس کا جواب اُن سے کبھی نہ ہو سکے گا۔ اور آخر خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بیّن نشان کے ساتھ اُن پر حجت پوری کی اور اگر باہر والے ناراض تھے۔ تو مسلمان ہی خوش ہوتے، مگر تم دیکھ لو کہ ان لوگوں کی جب غلطیاں نکالی گئیں۔ اُن کے مشائخ پیر، زادوں مولویوں اور دُوسرے لوگوں کی بدعتوں اور مشرکانہ رسُومات کو ظاہر کیا گیا اور اُن کے خانہ ساز عقائد کو کھولا گیا تو یہ سب سے بڑھ کر دشمن ثابت ہوئے۔ اب ان سب لوگوں کی مخالفت کے ہوتے ہوئے اس سلسلہ کا ترقی کرنا۔ اور دن بدن بڑھنا بتاؤ خدا کی تائید کے بغیر ہو سکتا ہے؟ کیا انسانی منصوبوں سے یہ عظیم الشان سلسلہ چل سکتا ہے؟

انسان کی عادت میں داخل ہے کہ جب اسکی عادت اور عقیدہ کے خلاف کہا جاوے تو وہ مخالف ہو جاتا ہے اور ناراض ہو جاتا ہے۔ ایک ہندو کو جب گنگا کے خلاف ذرا سی بات بھی کہی جاوے تو وہ دشمن بن جاتا ہے پھر کُل مذاہب کے خلاف کہا گیا۔ وُہ کیوں ناراض نہ ہوتے اور اس پر اگر خدا کی طرف سے یہ کام نہ ہوتا تو تباہ ہو جاتا۔ اِس قدر مخالفت کے ہوتے ہوئے اُس کا سرسبز ہونا ہی اس کے خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔

پھر عام پیروں اور مشائخ کی طرح نہیں کہ نذر و نیاز سے ہی کام ہے خواہ وُہ چوری کی ہی ہو۔ اور کچھ بھی خدا تعالیٰ کی سچی شریعت کے متعلق نہیں بتلاتے، بلکہ بتاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ وُہ اس قدر جرأت نہیں کر سکتے کہ ایک جز

مُرید کو چوری کرنے سے منع کر سکیں یا سود خوار یا بدکار کو اس کے عیبوں سے آگاہ کر سکیں۔ دُنیا کے گدی نشینوں اور مہنتوں کا اس طرح پر گذارہ نہیں ہو سکتا۔

یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے

یہ خدا ہی کے سلسلہ میں برکت ہے کہ وہ دشمنوں کے درمیان پرورش پاتا اور بڑھتا ہے[1]۔

اُنھوں نے بڑے بڑے منصوبے کئے۔ خون تک کے مقدمے بنوائے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں ہوتی ہیں، وہ ضائع نہیں ہو سکتیں۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے۔ اگر انسانی ہاتھوں اور انسانی منصوبوں کا نتیجہ ہوتا تو انسانی تدابیر اور انسانی مقابلے اب تک اُس کو نیست و نابود کر چکے ہوتے انسانی منصوبوں کے سامنے اس کا بڑھنا اور ترقی کرنا ہی اس کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ پس جس قدر تم اپنی قوتِ یقین کو بڑھاؤ گے، اسی قدر دل روشن ہوگا۔

دُعا کے آداب

قرآن شریف کو پڑھو اور خدا سے کبھی نا اُمید نہ ہو۔ مومن خدا سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ کافروں کی عادت میں داخل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہمارا خدا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ خدا ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھو اور نمازوں کو سنوار سنوار کر پڑھو اور اس کا مطلب بھی سمجھو۔ اپنی زبان میں بھی دُعائیں کرو۔ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو، بلکہ اُس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔ نماز کو اسی طرح پڑھو جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ البتہ اپنی حاجتوں اور مطالب کو مسنون اذکار کے بعد اپنی زبان میں بیشک ادا کرو اور خدا تعالیٰ سے مانگو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے نماز ہرگز ضائع نہیں ہوتی۔ آجکل لوگوں نے نماز کو خراب کر رکھا ہے۔ نمازیں کیا پڑھتے ہیں ٹکریں مارتے ہیں۔ نماز تو بہت جلد جلد مُرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر پڑھ لیتے ہیں اور پیچھے دُعا کے لیے بیٹھے رہتے ہیں۔ نماز کا اصل مغز اور رُوح تو دُعا ہی ہے۔ نماز سے نکل کر دُعا کرنے سے وہ اصل مطلب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں جاوے اور اس کو اپنا عرضِ حال کرنے کا موقع بھی ہو، لیکن وہ اس وقت تو کچھ نہ کہے لیکن جب دربار سے باہر جاوے تو اپنی درخواست پیش کرے۔ اسے کیا فائدہ۔ ایسا ہی حال ان لوگوں کا ہے جو نماز میں خشوع خضوع کے ساتھ دُعائیں نہیں مانگتے۔ تم کو جو دعائیں کرنی ہوں، نماز میں کر لیا کرو۔ اور پورے آدابِ الدعا کو ملحوظ رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے شروع ہی میں دُعا سکھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی دُعا کے آداب بھی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۲ صفحہ ۲-۵ پرچہ ۱۷ جون ۱۹۰۲ء

بتا دیتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ دُعا ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل دُعا نماز ہی میں ہوتی ہے، چنانچہ اس دُعا کو اللہ تعالیٰ نے یُوں سکھایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ الیٰ آخرہ۔ یعنی دُعا سے پہلے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جاوے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے رُوح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو، اس لیے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ سب کو پیدا کرنیوالا اور پالنے والا۔ الرَّحْمٰنِ۔ جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے۔ الرَّحِيْمِ۔ پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ ہر بدلہ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پُورا اور کامل موحد تب ہی ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو مالک یوم الدین تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو حکام کے سامنے جا کر ان کو سب کچھ تسلیم کر لینا یہ گناہ ہے اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو حاکم بنایا ہے۔ اُن کی اطاعت ضروری ہے، مگر اُن کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔ انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ پھر یہ کہو۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیے اور وہ نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے۔ اس دُعا میں ان تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو مانگا گیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا، جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ غرض یہ مختصر طور پر سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح پر سمجھ سمجھ کر ساری نماز کا ترجمہ پڑھ لو اور پھر اسی مطلب کو سمجھ کر نماز پڑھو۔ طرح طرح کے عرف رٹ لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ یقیناً سمجھو کہ آدمی میں سچی توحید آ ہی نہیں سکتی، جبتک وہ نماز کو طوطے کی طرح پڑھتا ہے۔ رُوح پر وہ اثر نہیں پڑتا اور ٹھوکر نہیں لگتی جو اس کو کمال کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔ عقیدہ بھی یہی رکھو کہ خدا تعالیٰ کا کوئی ثانی اور ند نہیں ہے اور اپنے عمل سے بھی یہی ثابت کر کے دکھاؤ۔

سلسلہ احمدیہ کے برحق ہونے کا ثبوت

خدا تعالیٰ کی زبردست گواہیاں ہر بات میں ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اوّل گواہی اس کی کتاب کی ہے جو قرآن شریف ہے۔ قرآن شریف میں جو کچھ لکھا ہے، وہ سب صحیح اور سچ ہے اور ہم ایمان لاتے اور یقین کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس اس کو مانو۔ اور دوسری گواہی اس کے کام کی ہے۔ زمین و آسمان اپنی شہادتوں سے اس کی سچائی کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو جو قائم کیا ہے اور مجھے جو پیدا کیا ہے تو اس میں بھی ان دونوں گواہیوں کو ساتھ رکھا ہے۔

اوّل۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے کا بڑی صفائی کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر کیا

اور تیس آیتوں میں کھول کھول کر اُس کی موت بیان کی۔

دوم۔ قرآن شریف نے یہ بھی تعلیم دی کہ حقیقی مُردے کبھی واپس نہیں آسکتے۔

سوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ ٹھہرا کر یہ تعلیم دی کہ جس طرح سلسلہ موسوی میں رسُول آتے رہے محمدی سلسلہ میں بھی اس کا نمونہ اور نظیر ہوگی۔ گویا اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کے نام پر مسیح کے نام سے آئے گا۔

چنانچہ ان وعدوں کے موافق جب خدا نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا تو میری تائید میں زمین اور آسمان نے بھی اپنی شہادت کو ادا کر دیا۔

یعنی زمین کی حالت بجائے خود ایسی ہوگئی کہ وہ پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ خدا کا مامور اور مُصلح اسوقت آئے۔ وُہ ہر قسم کے فساد سے لبریز ہوگئی تھی۔ اسلام پر خطرناک حملے شروع ہو چکے تھے۔ آسمان نے اپنے نشانوں سے میری شہادت دی، چنانچہ جس طرح پر پہلے کہا گیا تھا، اُسی طرح اپنے وقت پر کسوف وخسوف ہوگیا۔ زمین کے دُوسرے نشانات میں سے طاعون بھی ایک بڑا نشان ہے۔ غرض جو کچھ تسلی کے لیے ضروری تھا۔ وہ خدا نے سب پُورا کر دیا۔ اگر کسی کو خبر نہیں تو اُسے چاہیے کہ ان کتابوں کو جو ہم نے لکھی ہیں پڑھے یا سُنے کہ کیونکر خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کو وقت پر پورا کیا ہے۔ بغیر علم کے انسان اندھا ہوتا ہے اور جہالت ایک موت ہے۔ پس اس نابینائی اور موت سے بچنا چاہیے۔ خدا کے نشانات سمندر کی طرح بہہ رہے ہیں۔ ایک زبردست اور کھُلا کھُلا نشان طاعون کا ہے جو خدا تعالیٰ نے طعنہ کرنے والوں اور سفیہوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ وُہ بھی پورا ہوگیا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس وقت غضب میں ہے۔ اُس کی باتوں پر ہنسی کی گئی۔ اس کے نشانوں کو ذلیل قرار دیا گیا، اس لیے خدا کے قہر کے دن آگئے۔ اب دیکھو گے کہ وہ کیا کرے گا۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ یہ الہام پورا ہو رہا ہے۔

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

اس لیے اب وہ وقت ہے کہ نیکبخت کو بھی ڈرنا چاہیے، کیونکہ خدا بے نیاز ہے۔ موت کو یاد رکھو کہ یہ دن خدا کے غضب کے ہیں۔ نمازوں پر پکے ہو جاؤ۔ تہجد پڑھو اور عورتوں کو بھی نماز کی تاکید کرو۔

طاعُون قہرِ الٰہی ہے

غرض یہ طاعُون خدا کا قہر ہے۔ عقلمند وہی ہے جو ہوا پہچان لے اور خدا کی باتوں پر صدق دل سے ایمان لے آئے۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ جو اس وقت

عذاب دے رہا ہے۔ وہ ایک خاص کام کے لیے عذاب دے رہا ہے۔ ہمارے سلسلہ کی بابت مولویوں صوفیوں یا سجادہ نشینوں سے بات کرو تو وہ پہلے ہی گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ اب دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کا صبر کتنا بڑا صبر ہے کہ ہزار برس سے اُوپر ہونے کو آیا ہے کہ خدا کے پاک نبیوں اور راستبازوں اور برگزیدوں کو گالیاں دی جاتی ہیں اور اُن کی تحقیر اور ذلت کے لیے ہر قسم کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں آخر اُس نے ان سب نبیوں اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کو قائم کرنے کے لیے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور جب سے یہ قائم ہوا۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو پہلے راستبازوں کے ساتھ ہوا تھا، مگر آخر خدا تعالیٰ نے ان حد سے بڑھے ہوئے بیباکوں اور شوخ چشموں کا علاج کرنا چاہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ بہت حلیم ہے، مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے۔ شعر ؎

ہاں مشو مغرور بر حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مرترا

میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ سعید الفطرت ہوتے ہیں جو پہلے ہی مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی دُور اندیش اور باریک بین ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ایک بیوقوف ہوتے ہیں۔ جب سر پر آپڑتی ہے تب کچھ چونکتے ہیں۔ اس لیے تم اس سے پہلے کہ خدا کا غضب آجاوے، دُعا کرو اور اپنے آپ کو خدا کی پناہ اور حفاظت میں دیدو۔ دُعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب دل میں دَرد اور رقت پیدا ہو اور مصائب اور غضب الٰہی دُور ہو، لیکن جب بلا سر پر آئی ہے بیشک اس وقت بھی ایک درد پیدا ہوتا ہے، مگر وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کرو گے اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لیے گریہ و بکا کرو گے تو تمہارے خاندان اور تمہارے بچے طاعون کے عذاب سے بچائے جائیں گے۔ اگر دنیاداروں کی طرح رہو گے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ تم نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔

بیعت اگر دل سے نہیں تو کوئی نتیجہ اس کا نہیں۔ میری بیعت سے خدا دل کا اقرار چاہتا ہے۔ پس جو سچے دل سے مجھے قبول کرتا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے۔ غفور و رحیم خدا اُس کے گناہوں کو ضرور بخش دیتا ہے۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے نکلا ہے۔ تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک

گاؤں میں اگر ایک آدمی نیک ہو، تو اللہ تعالیٰ اس نیک کی رعایت اور خاطر سے اس گاؤں کو تباہی سے محفوظ کر لیتا ہے، لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے، مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں کو کسی نہ کسی نہج سے بچا لیتا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اگر ایک بھی نیک ہو تو اس کے لیے دوسرے بھی بچائے جاتے ہیں۔

جیسے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ ہے کہ جب لُوط کی قوم تباہ ہونے لگی، تو اُنھوں نے کہا کہ اگر سَو میں سے ایک ہی نیک ہو تو کیا تباہ کر دے گا۔ کہا نہیں۔ آخر ایک تک بھی نہیں کروں گا۔ فرمایا، لیکن جب بالکل حد ہی ہو جاتی ہے تو پھر لَا یَخَافُ عُقْبٰهَا۔ خدا کی شان ہوتی ہے۔ پلیدوں کے عذاب پر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ اُن کی بیوی بچوں کا کیا حال ہوگا اور صادقوں اور راستبازوں کے لیے کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا کی رعایت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کو حکم ہوا تھا کہ ان بچوں کی دیوار بنا دو۔ اس لیے کہ اُن کا باپ نیک بخت تھا۔ اور اس کی نیک بختی کی خدا نے ایسی قدر کی کہ پیغمبر راج مزدور ہوئے۔ غرض ایسا تو رحیم کریم ہے، لیکن اگر کوئی شرارت کرے اور زیادتی کرے تو پھر بہت بُری طرح پکڑتا ہے۔ وہ ایسا غیور ہے کہ اس کے غضب کو دیکھ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ دیکھو لُوط کی بستی کو کیسے تباہ کر ڈالا۔

اس وقت بھی دنیا کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو کھینچ لائی ہے۔ تم بہت اچھے وقت آ گئے ہو۔ اب بہتر اور مناسب یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو بدلا لو۔ اپنے اعمال میں اگر کوئی انحراف دیکھو تو اُسے دُور کرو۔ تم ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے نہ خدا کا۔ یاد رکھو جو مخلوق کا حق دباتا ہے اُس کی دُعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ظالم ہے۔[1]

اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کرو

اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود الگ ہو اور تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ۔ جو کچھ تم پہلے تھے وہ نہ رہو۔ یہ مت سمجھو کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے محتاج ہو جاؤ گے یا تمہارے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ نہیں۔ خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا۔ اس پر کبھی بُرے دن نہیں آ سکتے۔ خدا جس کا دوست اور مددگار ہو۔ اگر تمام دنیا اس کی دشمن ہو جاوے تو کچھ پرواہ نہیں۔ مومن اگر مشکلات میں بھی پڑے تو وہ ہرگز تکلیف میں نہیں ہوتا بلکہ وہ دن اس کے لیے بہشت کے دن ہوتے ہیں۔ خدا کے فرشتے ماں کی طرح اسے گود میں لے لیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خدا خود اُن کا محافظ اور ناصر ہو جاتا ہے۔ یہ خدا جو ایسا خدا ہے کہ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۲ تا ۴ پرچہ ۲۴ جون ۱۹۰۲ء

ہے وہ عالم الغیب ہے وہ حیّ و قیوم ہے۔ اس خدا کا دامن پکڑنے سے کوئی تکلیف پا سکتا ہے؟ کبھی نہیں ۔ خدا تعالیٰ اپنے حقیقی بندے کو ایسے وقتوں میں بچا لیتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ آگ میں پڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ نکلنا کیا دنیا کے لیے حیرت انگیز امر نہ تھا۔ کیا ایک خطرناک طوفان میں حضرت نوحؑ اور آپ کے رفقاء کا سلامت بچ رہنا کوئی چھوٹی سی بات تھی۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ اور خود اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت کے کرشمے دکھائے ہیں۔ دیکھو مجھ پر خون اور اقدامِ قتل کا مقدمہ بنایا گیا۔ ایک بڑا بھاری ڈاکٹر جو پادری ہے وہ اس میں مدعی ہوا۔ اور آریہ اور بعض مسلمان اُس کے معاون ہوئے لیکن آخر وہی ہوا جو خدا نے پہلے سے فرمایا تھا۔ ابراء (بے قصور ٹھہرانا)

پس یہ وقت ہے کہ تم توبہ کرو اور اپنے دلوں کو پاک صاف کرو۔ ابھی طاعون تمہارے گاؤں میں نہیں۔ یہ خدا کا فضل و کرم ہے۔ اس لیے توبہ کا وقت ہے۔ اور اگر مصیبت سر پر آپڑی اس وقت توبہ کیا فائدہ دے گی۔ جموں، سیالکوٹ اور لدھیانہ وغیرہ اضلاع میں دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک طوفان برپا ہے اور قیامت کا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ اس قدر خوفناک موتیں ہوئی ہیں کہ ایک سنگدل انسان بھی اس نظارہ کو دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتا۔ چھوٹا سا بچہ پاس پڑا ہوا تڑپ رہا اور بلبلا رہا ہے۔ ماں باپ سامنے مرتے ہیں۔ کوئی خبر گیر نہیں ہے بہت عرصہ کا ذکر ہے کہ میں نے ایک رویا دیکھی تھی کہ ایک بڑا میدان ہے۔ اس میں ایک بڑی نالی کھدی ہوئی ہے جس پر بھیڑیں لٹا کر قصاب ہاتھ میں چھری لئے ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ آسمان کی طرف منہ کیے ہوئے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔ میں پاس ٹہل رہا ہوں۔ اتنے میں میں نے پڑھا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) یہ سنتے ہی انہوں نے جھٹ چھری پھیر دی۔ بھیڑیں تڑپتی ہیں اور وہ قصاب انہیں کہتے ہیں کہ تم ہو کیا۔ گویہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ وہ نظارہ اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

غرض خدا بے نیاز ہے، اُسے صادق مومن کے سوا اور کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور بعد از وقت دُعا قبول نہیں ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اُس وقت اُسے راضی کرنا چاہیے، لیکن جب اپنی سیہ کاریوں اور گناہوں سے اُسے ناراض کر لیا اور اس کا غضب اور غصہ بھڑک اُٹھا۔ اُس وقت عذابِ الٰہی کو دیکھ کر توبہ استغفار شروع کی اس سے کیا فائدہ ہوگا جب سزا کا فتویٰ لگ چکا۔

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شہزادہ بھیس بدل کر نکلے اور کسی دولت مند کے گھر جا کر روٹی یا کپڑا پانی مانگے اور وہ باوجود مقدرت ہونے کے اس سے مسخری کریں اور ٹھٹھے مار کر نکال دیں۔ اور وہ اسی طرح سارے گھر پھرے، لیکن ایک گھر والا اپنی چارپائی دے کر بٹھائے اور پانی کی بجائے شربت اور خشک روٹی کی بجائے

پلاؤ دے اور پھٹے ہوئے کپڑوں کی بجائے اپنی خاص پوشاک اس کو دے تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ چونکہ دراصل تو بادشاہ تھا۔ اب ان لوگوں سے کیا سلوک کرے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کمبختوں کو جنھوں نے باوجود مقدرت ہونے کے اس کو دھتکار دیا اور اس سے بدسلوکی کی سخت سزا دے گا اور اس غریب کو جس نے اس کے ساتھ اپنی ہمت اور طاقت سے بڑھ کر سلوک کیا وہ دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ خدا کہے گا کہ میں بھوکا تھا۔ مجھے کھانا نہ دیا۔ میں ننگا تھا۔ مجھے کپڑا نہ دیا۔ میں پیاسا تھا، مگر مجھے پانی نہ دیا۔ وہ کہیں گے کہ یارب العالمین کب؟ وہ فرمائے گا۔ فلاں جو میرا حاجتمند بندہ تھا۔ اس کو دینا ایسا ہی تھا، جیسا مجھ کو۔ اور ایسا ہی ایک شخص کو کہے گا کہ تو نے روٹی دی کپڑا دیا۔ وہ کہے گا کہ تُو تو ربّ العالمین ہے کب گیا تھا کہ میں نے دیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں بندہ کو دیا تھا۔

غرض نیکی وہی ہے جو قبل از وقت ہے۔ اگر بعد میں کچھ کرے تو کچھ فائدہ نہیں۔ خدا نیکی قبول نہیں کرتا جو صرف فطرت کے جوش سے ہو۔ کشتی ڈوبتی ہے تو سب روتے ہیں، مگر وہ رونا اور چلانا چونکہ تقاضۂ فطرت کا نتیجہ ہے اس لیے اس وقت سُود مند نہیں ہو سکتا اور وہ اس وقت مفید ہے جو اس سے پہلے ہوتا ہے جبکہ امن کی حالت ہو۔

یقیناً سمجھو کہ خدا کو پانے کا یہی گر ہے جو قبل از وقت چوکنا اور بیدار ہوتا ہے۔ ایسا بیدار کہ گویا اس پر بجلی گرنے والی ہے اس پر ہرگز نہیں گرتی۔ لیکن جو بجلی کو گرتے دیکھ کر چلاتا ہے۔ اُس پر گرے گی اور ہلاک کرے گی۔ وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے۔

اسی طرح پر جب طاعون گھر میں آگئی اس وقت اگر توبہ و استغفار شروع کیا تو وہ طاعون کا خوف ہے نہ خُدا کا۔ اس کا بُت طاعون ہے خدا معبود نہیں۔ اگر خدا سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ یہ مت سمجھو کہ طاعون گرمی میں ہٹ جاتی۔ سردی میں پھر یہ ہی بلا آن موجود ہوتی ہے۔ بعض وقت اس کا دورہ ستر ستر برس تک ہوتا ہے۔ یہود پر بھی یہی بلا پڑی تھی۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ میں اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے کہ ان یہودیوں کی راہ سے بچاؤ جن پر طاعون پڑی تھی۔ پس قبل از وقت عاجزی کرو گے، تو ہماری دعائیں بھی تمہارے لیے نیک نتیجے پیدا کریں گی۔ لیکن اگر تم غافل ہو گئے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کو ہر وقت یاد رکھو اور موت کو سامنے موجود سمجھو۔ زمیندار بڑے نادان ہوتے ہیں۔ اگر ایک رات بھی امن سے گزر جاوے تو بے خوف ہو جاتے ہیں۔

دیکھو تم لوگ کچھ محنت کر کے کھیت تیار کرتے ہو تو فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ اسی طرح پر امن کے دن محنت کے لیے ہیں۔ اگر اب خدا کو یاد کرو گے تو اس کا مزہ پاؤ گے۔ اگرچہ زمینداری اور دُنیا کے کاموں کے

مقابلہ میں نمازوں میں حاضر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے اور تہجد کے لیے اور بھی، مگر اب اگر اپنے آپ کو اس کا عادی کر لو گے، تو پھر کوئی تکلیف نہ رہے گی۔ اپنی دعاؤں میں طاعون سے محفوظ رہنے کی دعا ملا لو۔ اگر دعائیں کرو گے تو وہ کریم رحیم خدا احسان کرے گا۔

دعائیں کرنے کے لیے نصیحت

دیکھو اب کام تم کرتے ہو۔ اپنی جانوں اور اپنے کُنبہ پر رحم..... کرتے ہو۔ بچوں پر تمہیں رحم آتا ہے جس طرح اب اُن پر رحم کرتے ہو۔ یہ بھی ایک طریق ہے کہ نمازوں میں اُن کے لیے دعائیں کرو۔ رکوع میں بھی دعا کرو۔ پھر سجدہ میں دُعا کرو۔ کہ اللہ تعالےٰ اس بلا کو پھیر دے اور عذاب سے محفوظ رکھے۔ جو دعا کرتا ہے۔ وہ محروم نہیں رہتا۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ دُعائیں کرنے والا غافل پلید کی طرح مارا جاوے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کبھی پہچانا ہی نہ جاوے۔ وہ اپنے صادق بندوں اور غیروں میں امتیاز کر لیتا ہے۔ ایک پکڑا جاتا ہے۔ دوسرا بچایا جاتا ہے۔ غرض ایسا ہی کرو کہ پورے طور پر تم میں سچا اخلاص پیدا ہو جاوے۔ [1]

۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء

دعا نہ کرنا سوءِ ادبی ہے

انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں یہی رہا ہے کہ وہ پیشگوئیوں کے دیئے جانے پر بھی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سچا ایمان رکھ کر بھی دعاؤں کے سلسلہ کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے۔ اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غنا ذاتی پر بھی ایمان لاتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا کی شان لَا یُبَالِیْ ہے اور یہ سُوءِ ادب ہے کہ دُعا نہ کی جاوے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اضطراب سے دعا کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور! اب دُعا نہ کریں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو فتح کا وعدہ دیا ہے، مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں مصروف رہے

بعض نے اس پر تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ہر کہ عارف تر باشد خائف تر باشد۔ وہ معرفت آپ کو اللہ تعالیٰ کے غنا ذاتی سے ڈراتی تھی۔ پس دُعا کا سلسلہ ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء

مسیح موعود کی دُعاؤں کی عظمت

۱۰ر اپریل ۱۹۰۲ء صبح کی سیر میں فرمایا۔ کہ

"مَیں آج کل طاعون سے قادیان کے محفوظ رہنے کے لیے بہت دعائیں کرتا ہوں اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے فرمائے ہیں، لیکن یہ سُوءِ ادب اور انبیاء کے طریق سے دُور ہے کہ خدا کی لَایُدْرَکُ شان اور غِنَاءِ ذاتی سے خوف نہ کیا جاوے۔ آج پہلے وقت ہی یہ الہام ہوا۔

دِلم می بلرزد چُو یاد آورم
مُناجات شوریدہ اندر حرم

شوریدہ سے مُراد دُعا کرنے والا ہے اور حرم سے مراد جس پر خدا نے تباہی کو حرام کر دیا ہو۔ اور دلم بلرزد خدا کی طرف ہے۔ یعنی یہ دعائیں قوی اثر ہیں میں انھیں جلدی قبول کرتا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا نشان ہے۔ دلم بلرزد بظاہر ایک غیر محل سا محاورہ ہو سکتا ہے، مگر یہ اسی کے مشابہ ہے جو بخاری میں ہے کہ مومن کی جان نکالنے میں مجھے تردّد ہوتا ہے۔

توریت میں جو پچھتانا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ دراصل وہ اسی قسم کے محاورہ ہیں جو اس سلسلہ کی ناواقفی کی وجہ سے لوگوں نے نہیں سمجھے۔ اس الہام میں خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت اور رحمت کا اظہار ہے اور حرم کے لفظ میں گویا حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔ (حرم کے لفظ پر اس وقت خاکسار ایڈیٹر نے عرض کیا تھا۔ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور بھی اس لفظ حرم کی تصدیق کرتا ہے اور اب ہم کہتے ہیں کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کا الہام بھی اسی کا مؤید ہے۔ یاد آورم اسی طرح ہے جیسے اُذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: ۱۵۳)۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اللہ تعالیٰ جو قرض مانگتا ہے تو اس سے یہ مُراد نہیں ہوتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو حاجت ہے اور وہ محتاج ہے۔ ایسا وہم کرنا بھی کُفر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جزا کے ساتھ واپس کروں گا۔ یہ ایک طریق ہے اللہ تعالیٰ جس سے فضل کرنا چاہتا ہے۔

باپ کی شکل پر خدا تعالیٰ کو دیکھنا

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے رَاَیْتُ رَبِّیْ عَلٰی صُوْرَةِ اَبِیْ یعنی مَیں نے اپنے رب کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ مَیں نے بھی اپنے والد صاحب کی شکل پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ان کی شکل بڑی

بارُعب تھی۔ انہوں نے ریاست کا زمانہ دیکھا ہوا تھا، اس لیے بڑے بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھے۔ غرض میں نے دیکھا کہ وہ ایک عظیم الشان تخت پر بیٹھے ہیں اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ خدا تعالیٰ ہے۔ اس میں سِرّ یہ ہوتا ہے کہ باپ چونکہ شفقت اور رحمت میں بہت بڑا ہوتا ہے اور قُرب اور تعلق شدید رکھتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا باپ کی شکل میں نظر آنا اس کی عنایت تعلق اور شدت محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلئے قرآن شریف میں بھی آیا ہے کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ (البقرہ: ۲۰۱) اور میرے الہامات میں یہ بھی ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ۔ یہ قرآن شریف کی اسی آیت کے مفہوم اور مصداق پر ہے۔

الہام

۱۰ر اپریل کو الہام ہوا : "افسوس صد افسوس"۔

اور ۱۱ر اپریل کو الہام ہوا : "رگرائے عالم جاودانی شد"

بعثتِ مسیح موعود کا اصل منشاء

"ہمارا اصل منشاء اور مدعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اور آپ کی عظمت کو قائم کرنا۔ ہمارا ذکر تو ضمنی ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جذب اور افاضہ کی قوت ہے اور اسی افاضہ میں ہمارا ذکر ہے۔"[1]

۱۷ر اپریل ۱۹۰۲ء

طاعون سے متعلق ایک اعتراض کا جواب

بعد از نماز مغرب فرمایا :

طاعون کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اکثر غریب مرتے ہیں اور اُمراء اور ہمارے بڑے بڑے مخالف ابھی تک بچے ہوئے ہیں، لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ ائمۃ الکفر اخیر میں پکڑے جایا کرتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ کے وقت جس قدر عذاب پہلے نازل ہوئے۔ اُن سب میں فرعون بچا رہا، چنانچہ قرآن شریف میں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷، صفحہ ۶ - ۷ پرچہ ۱۰ر مئی ۱۹۰۲ء

بھی آیا کہ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا (الرعد : ۴۲) یعنی ابتدا عوام سے ہوتا ہے اور پھر خواص پکڑے جاتے ہیں اور بعض کے بچانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے آخر میں توبہ کرنی ہوتی ہے یا اُن کی اولاد میں سے کسی نے اسلام قبول کرنا ہوتا ہے۔

مسیح موعود کا مقام

فرمایا : کمالاتِ متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسُول کریمؐ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسُولِ کریمؐ سے ظلّی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ اور اسی لیے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نُوح، داؤد یُوسف، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہ ہے، چنانچہ ابراہیم ہمارا نام اس واسطے ہے کہ حضرت ابراہیم ایسے مقام میں پیدا ہوئے تھے کہ وُہ بُت خانہ تھا اور لوگ بُت پرست تھے۔ اور اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ قسم قسم کے خیالی اور وہمی بتوں کی پرستش میں مصروف ہیں اور وحدانیت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ پہلے تمام انبیاء ظلّ تھے۔ نبی کریمؐ کی خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریمؐ کے ظلّ ہیں۔ مولانا رُوم نے خوب فرمایا ہے۔

نامِ احمدؐ نام جملہ انبیاء است
چوں بیاید صد نود ہم پیش ما است

نبی کریمؐ نے گویا سب لوگوں سے چندہ وصول کیا اور وہ لوگ تو اپنے اپنے مقامات اور حالات پر رہے پر نبی کریمؐ کے پاس کروڑوں روپے ہو گئے۔

ہندو اسلام کی طرف توجہ کریں گے

فرمایا : معلوم ہوتا ہے کہ اس عالمگیر طوفانِ وبا میں یہ ہندوؤں کی قوم بھی اسلام کی طرف توجہ کرے، چنانچہ جب ہم نے باہر مکان بنوانے کی تجویز کی تھی۔ تو ایک ہندو نے ہم کو آکر کہا تھا کہ ہم تو قوم سے علیحدہ ہو کر آپ ہی کے پاس باہر رہا کریں گے اور نیز دو دفعہ ہم نے رویا میں دیکھا کہ بہت سے ہندو ہمارے آگے سجدہ کرنے کی طرح جھکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اوتار ہیں اور کرشن ہیں اور ہمارے آگے نذریں دیتے ہیں اور ایک دفعہ الہام ہوا ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو۔ تیری استتی گیتا میں موجود ہے۔ لفظ رودر کے معنے نذیر اور گوپال کے معنے بشیر کے ہیں۔

اُمّتِ محمدی کی شان

فرمایا: عیسائیوں نے جو شور مچایا تھا کہ عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتا تھا۔ اور وُہ خدا تھا۔ اس واسطے غیرتِ الٰہی نے جوش مارا کہ دُنیا میں طاعُون پھیلائے اور ہمارے مقام کو بچائے تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ اُمّتِ محمدی کا کیا شان ہے کہ احمدؐ کے ایک غلام کی اس قدر عزت ہے۔ اگر عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتا تھا، تو اب عیسائیوں کے مقامات کو اِس بلا سے بچائے۔ اس وقت غیرتِ الٰہی جوش میں ہے، تاکہ عیسیٰ کی کسرِ شان ہو۔ جس کو خدا بنایا گیا ہے۔

چہ خوش ترانہ زد ایں مطرب مقام شناس
کہ درمیان غزل قولِ آشنا آورد

قرآن میں مسیح کی معصُومیت کے ذکر کی وجہ

قرآن شریف اور احادیث میں جو حضرت عیسیٰ کے نیک اور معصوم ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ دُوسرا کوئی نیک یا معصوم نہیں بلکہ قرآن شریف اور حدیث نے ضرورتاً یہود کے مُنہ کو بند کرنے کیلئے یہ فقرے بولے ہیں کہ یہود نعوذ باللہ مریم کو زنا کار عورت اور حضرت عیسےٰ کو ولدالزنا کہتے تھے۔ اس لیے قرآن شریف نے اُن کا ذب کیا ہے کہ وہ ایسا کہنے سے باز آویں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی برکات

فرمایا: حضرت رسُول کریمؐ کے ہزاروں جسمانی برکات بھی تھے۔ آپؐ کے جُبّہ سے بعد وفات آپؐ کے لوگ برکات چاہتے تھے۔ بیماریوں میں لوگوں کو شفا دیتے تھے اور بارش نہ ہوتی تو دُعا کرتے تھے اور بارش ہو جاتی تھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ آپؐ کے اصحابی تھے۔ بہتوں کی جسمانی تکلیفات آپؐ کی دُعاؤں سے دُور ہو جاتی تھیں۔ عیسیٰ کو نبی کریمؐ کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جس کے ساتھ چند آدمی تھے اور ان کا حال بھی انجیلوں سے ظاہر ہے کہ وہ کس مرتبہ رُوحانیت کے تھے۔

اِس اُمّت کا فرعون

فرمایا: ابوجہل اس اُمّت کا فرعون تھا، کیونکہ اس نے بھی نبی کریمؐ کی چند دن پرورش کی تھی جیسا کہ فرعونِ مصری نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی تھی۔ اور ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب نے ابتداء میں براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی۔

ایک الہام کی تشریح

حضرت اقدسؑ نے اپنا ایک پرانا الہام سُنایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ اور فرمایا کہ:

اس میں ہم کو حضرت یحییٰؑ کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحییٰؑ کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

اذان کے وقت کوئی اور نیکی کا کام کرنا

ایک شخص اپنا مضمون اشتہار دربارہ طاعون سُنا رہا تھا۔ اذان ہونے لگی۔ وہ چُپ ہوگیا۔ فرمایا:

"پڑھتے جاؤ۔ اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے۔

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کی ممانعت

ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرے اہل خانہ اور بچے ایک ایسے مقام میں ہیں جہاں طاعون کا زور ہے۔ میں گھبرایا ہوا ہوں اور وہاں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا:

"مت جاؤ۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ: ۱۹۶) پچھلی رات کو اٹھ کر اُن کے لیے دُعا کرو۔ یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تم خود جاؤ۔ ایسے مقام پر جانا گناہ ہے۔"

قرآنی الفاظ میں الہامات کی حکمت

حضرت اقدس کو الہام ہوا۔ اَنْتَ مَعِیْ وَاَنَا مَعَکَ۔ اِنِّیْ بَایَعْتُکَ بَایَعَنِیْ رَبِّیْ۔ فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ قرآن شریف کو حل کیا جائے اس واسطے اکثر الہامات جو قرآن شریف کے الفاظ میں ہوتے ہیں۔ ان کی ایک عملی تفسیر ہو جاتی ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہی زندہ اور بابرکت زبان ہے اور تاکہ ثابت ہو جائے کہ تیرہ سو سال اس سے قبل ہی اسی طرح یہ خدا کا کلام نازل ہوا۔

قرآن مجید میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئیاں

فرمایا کہ :

اس آیت قرآن کریم میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی ہے۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (المرسلات: ۲ تا ۷)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو آہستہ چلتی ہیں۔ یعنی پہلا وقت ایسا ہوگا کہ کوئی کوئی واقعہ طاعون کا ہو جایا کرے۔ پھر وہ زور پکڑے اور تیز ہو جاوے۔ پھر وہ ایسی ہو کہ لوگوں کو پراگندہ کرے۔ اور پریشان خاطر کر دے۔ پھر ایسے واقعات ہوں کہ مومن اور کافر کے درمیان فرق اور تمیز کر دیں۔ اس وقت لوگوں کو سمجھ آجائے گی کہ حق کس امر میں ہے۔ آیا اس امام کی اطاعت میں یا اس کی مخالفت میں۔ یہ سمجھ میں آنا بعض کے لیے صرف حجت ہوگا۔ (عذراً) یعنی مرتے مرتے اُن کا دل اقرار کر جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے اور بعض کے لیے (نُذْراً) یعنی ڈرانے کا موجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے بدیوں سے باز آویں۔[1]

---

۱۸ / اپریل ۱۹۰۲ء

الہامات

فرمایا کہ آج رات کو یہ الہام ہوا :

اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ
وَمَنْ یَّلُوْمُہٗ اَلُوْمُ
اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ

یعنی میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ اُس کی مدد کروں گا اور جو اس کو ملامت کرے گا۔ اُس کو ملامت کروں۔ روزہ افطار کروں گا اور روزہ رکھوں گا یعنی کبھی طاعون بند ہو جائے گی اور کبھی زور کرے گی۔

نماز جمعہ کے بعد انجمن حمایت اسلام کا اشتہار دربارہ دعا برائے دفعیہ طاعون آپ کو دکھایا گیا۔ جس کی تحریک پر آپ نے طاعون کا مختصر اردو اشتہار لکھا۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۷ تا ۹ پرچہ ۲۴ / اپریل ۱۹۰۲ء

بدگو بدباطن مخالف سے اعراض مناسب ہے

قادیان میں ایک بدگو بدباطن مخالف آیا ہوا تھا۔ اس نے احباب میں سے ایک کو بُلایا۔ وہ اس کے ساتھ بات کرنے کو گیا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ :

"ایسے خبیث مفسد کو اتنی عزت نہیں دینی چاہیے۔ کہ اُس کے ساتھ تم میں سے کوئی بات کرے۔"

خوابوں کو جمع کرنے کے لیے ارشاد

فرمایا کہ: "مختلف لوگوں کو جو رویا ہوئے ہیں۔ کہ قادیان میں طاعون نہیں ہوگی۔ ان خوابوں کو جمع کر کے شائع کر دینا چاہیے۔"

اصل مقصد تقدیس رسُول ہے

مولوی محمد احسن صاحب ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ ان کو فرمایا کہ :

"اصل میں ہمارا منشاء یہ ہے کہ رسُول کریم کی تقدیس ہو اور آپ کی تعریف ہو۔ اور ہماری تعریف اگر ہو تو رسول اللہ کے ضمن میں ہو۔"

سلفِ صالحین کے متعلق مسلک

فرمایا: "وفاتِ مسیح یا ایسے مسائل کے متعلق پہلے لوگ جو کچھ کہہ آئے ان کے متعلق ہم حضرت موسیٰ کی طرح یہی کہتے ہیں کہ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (الاعراف : ۱۸۸) یعنی گذشتہ لوگوں کے حالات سے اللہ تعالیٰ بہتر واقف ہے۔ ہاں حال کے لوگوں کو ہم نے کافی طور پر سمجھا دیا ہے اور حجت قائم کر دی ہے۔"

ایک الہام کی تشریح

فرمایا: "خدا تو چور کا بھی دشمن ہے۔ اگر میں مفتری ہوتا، تو وہ مجھے اتنی مہلت کیوں دیتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی عادت

میں سے ہے کہ موافق مخالف ہر طرح کے لوگ دُنیا میں ہوں تاکہ ایک نظارۂ قدرت ہو۔ جن دنوں لڑکی پیدا ہوئی تھی اور لوگوں نے غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے شور مچایا کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ اُن دنوں میں یہ الہام ہوا تھا:

دشمن کا بھی خوب وار نکلا
تِس پر بھی وہ وار پار نکلا

یعنی مخالفوں نے تو یہ شور مچایا ہے کہ پیشگوئی غلط نکلی، مگر جلد فہیم لوگ سمجھ جائیں گے اور ناواقف شرمندہ ہوں گے۔

فرمایا: مکہ والوں کو جب فتح کا وعدہ دیا گیا۔ تو اُن کو ۱۳ سال اس کے انتظار میں گذر گئے۔ مگر آخر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا دن آگیا اور دشمن ہلاک ہو گئے، اور نہ وُہ کہا کرتے تھے مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ (السجدہ: ۲۹)

ابتلا تمحیص کے لیے آتے ہیں

فرمایا: اللہ تعالیٰ تمحیص کرنا چاہتا ہے تاکہ جیسا دوسرے پیروں کا حال ہے۔ ہمارے پاس بھی ہر طرح کے گندے اور ناپاک لوگ شامل نہ ہو جاویں۔ اس واسطے اس قسم کے ابتلا بھی درمیان میں آجاتے ہیں۔

۲۶ر اپریل ۱۹۰۲ء

سوالات متعلقہ
بعض فقہی سوالات کے جوابات

ایک شخص نے عرض کی کہ زید پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ:

"جو زیور استعمال میں آتا ہے اور مثلاً کوئی بیاہ شادی پر مانگ کر لے جاتا ہے تو دے دیا جاوے، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے"۔

سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اُس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

"اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا اور سمجھتا تھا، تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا، تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے؛ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔"

سوال ہوا، کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ فرمایا:

"پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے تو وہ بھی منافق ہے۔ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

فرمایا: "اگر کوئی ایسا آدمی جو تم میں سے نہیں اور اُس کا جنازہ پڑھنے اور پڑھانے والے غیر لوگ موجود ہوں اور وُہ پسند نہ کرتے ہوں کہ تم میں سے کوئی جنازہ کا پیش امام بنے اور جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایسے مقام کو ترک کرو اور اپنے کسی نیک کام میں مصروف ہو جاؤ۔"[1]

۲۷ر اپریل ۱۹۰۲ء

موجودہ عیسائیت درحقیقت پولوسی مذہب ہے

فرمایا: "جیسا کہ یہودی فاضل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ موجودہ مذہب نصاریٰ جس میں شریعت کا کوئی پاس نہیں۔ اور سؤر کھانا اور غیر مختون رہنا وغیرہ تمام باتیں شریعت موسوی کے مخالف ہیں۔ یہ باتیں اصل میں پولوس کی ایجاد ہیں۔ اور اس واسطے ہم اس مذہب کو عیسوی مذہب نہیں کہہ سکتے بلکہ دراصل یہ پولوسی مذہب ہے اور ہم تعجب کرتے ہیں کہ حواریوں کو چھوڑ کر اور اُن کی رائے کے برخلاف کیوں ایسے شخص کی باتوں پر اعتبار کر لیا گیا تھا، جس کی ساری عمر یسوع کی مخالفت میں گذری تھی۔ مذہب عیسوی میں پولوس کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ بابا نانک صاحب کی اصل باتوں کو چھوڑ کر قوم سکھ گورو گوبند سنگھ کی باتوں کو پکڑ بیٹھی ہے۔ کوئی سند ایسی مل نہیں سکتی جس کے مطابق عمل کر کے پولوس جیسے آدمی کے خطوط اناجیل اربعہ کے ساتھ شامل کیے جا سکتے تھے۔ پولوس خواہ مخواہ معتبر بن بیٹھا تھا۔ ہم اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتے۔ جو خواہ مخواہ صحابی بن بیٹھا ہو۔"[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷، پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷، پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

۲۸/اپریل ۱۹۰۲ء

اشتہار دافع البلا کی اشاعت کے لیے شیخ یعقوب علی صاحب کی امداد

اشتہار دافع البلاء کے متعلق حضرتؑ بہت تاکید کر رہے تھے کہ اس کو بہت جلد شائع کیا جائے۔ مگر مطبع میں ہفتہ کے اندر آٹھ سو چھپ سکتا ہے۔ اس پر شیخ یعقوب علی صاحب نے عرض کی کہ اخبار الحکم کے ہر دو پرچہ ہم دو دن کے لیے خالی کروا دیتے ہیں۔ حضرتؑ نے بہت پسند فرمایا اور حکم دیا کہ ایسا کیا جاوے تاکہ یہ اشتہار وقت پر جلد شائع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ اُن کے مطبع سے اس طرح وقتاً فوقتاً حضرت کے زیادہ ضروری کاموں میں نصرت ملتی رہتی ہے۔

الہام

حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا: اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ فرمایا:

دار کے معنے نہیں کھلے کہ اس سے مراد صرف یہ گھر ہے یا قادیان میں جتنے ہمارے سلسلہ کے متعلق گھر ہیں۔ مثلاً مدرسہ اور مولوی صاحب کا گھر وغیرہ۔

۲۹/اپریل ۱۹۰۲ء

چراغ الدین جمونی کا توبہ نامہ

ظہر کے وقت فرمایا:

میاں چراغ الدین جمّوں والے نے اپنا توبہ نامہ بھیج دیا ہے۔ یہ اُن کی بڑی سعادت ہے اور ہم مانتے ہیں کہ انھوں نے دراصل کوئی افترا نہیں کیا تھا بلکہ حدیث نفس اور اضغاث احلام سے ایک دھوکا لگ جاتا ہے۔ شیخ یعقوب علی الحکم میں شائع کر دیں کہ سب لوگ اُن کو اپنا بھائی سمجھیں اور خُلق کے ساتھ اُن سے پیش آویں۔

۲۸/اپریل کے الہام کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:

"ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارا گھر اتنا بڑا ہو تاکہ سارے جماعت والے اس کے اندر آجاتے۔"

عیسائیوں کے باہمی اختلافات

عیسائیوں کے باہمی اختلافات کا ذکر تھا اور ایک کتاب پڑھی جا رہی تھی جس میں یہ ذکر ہے کہ موجودہ مذہب عیسوی اصل میں پولوس نے فریب دہی سے بنایا ہے مسیح کا یہ مذہب نہ تھا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

"دیکھو یہ لوگ آپ ہی عیسائیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، کیونکہ لکھا ہے کہ اگر مسیح دجال کو نہ مارے گا تب بھی وہ گل گل کر مر جائے گا"[1]

۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

الہام

فرمایا: آج رات کو الہام ہوا:

لَوْلَا الْاَمْرُ لَهَلَكَ الشَّرُّ

یعنی اگر سنت اللہ اور امر الٰہی اس طرح پر نہ ہوتا کہ ائمۃ الکفر آخر میں ہلاک ہوا کریں۔ تو اب بھی بڑے بڑے مخالف جلد تباہ ہو جاتے۔ لیکن چونکہ بڑے مخالف جو ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک خوبی اور عزم اور ہمت اور لوگوں پر حکمرانی اور اثر ڈالنے کی ہوتی ہے۔ اس واسطے اُن کے متعلق یہ امید بھی ہوتی ہے کہ شاید لوگوں کے حالات سے عبرت پکڑ کر توبہ کریں اور دین کی خدمت میں اپنی قوتوں کو کام میں لاویں۔

فرمایا: اس بات میں بڑی لذت ہے کہ انسان خدا کے وجود کو سمجھے کہ وہ ہے اور رسُول کو برحق جانے انسان کو چاہیے کہ اپنے گزارے کے مطابق اپنی معیشت کو حاصل کرے اور دُنیا کی بہت مُرادیا بیوی کی خواہش کے پیچھے نہ پڑے"[2]

۵ر مئی ۱۹۰۲ء

الہامات

رات کے تین بجے حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا:

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷ - ۸ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ

یعنی میں وار کے اندر رہنے والوں کی حفاظت کروں گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے تکبر کے ساتھ علو کیا۔

فرمایا: علو دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جائز ہوتا ہے اور دوسرا ناجائز۔ جائز کی مثال وہ علو ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تھا اور ناجائز کی مثال وہ علو تھا جو فرعون میں تھا۔

اور فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد یہ الہام ہوا:

اِنِّیْ اَرَی الْمَلَآئِکَۃَ الشِّدَادَ

یعنی میں سخت فرشتوں کو دیکھتا ہوں جیسا کہ مثلاً ملک الموت وغیرہ ہیں۔

فرمایا کہ: خدا کے غضب شدید سے بغیر تقویٰ و طہارت کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ پس سب کو چاہیے کہ تقویٰ و طہارت کو اختیار کریں اور اگر کوئی فاسق اور فاجر وار میں داخل ہو جائے، تو اُس کا بچ رہنا یقینی کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں اس میں پھر بھی ایک قسم کی خصوصیت کی گئی ہے۔ کیونکہ جو لوگ علو استکبار نہ کریں۔ اُن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ میں یہ امر نہیں۔ وہاں انتشار اور بچل شدید سے بچنے کا وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا امر نہیں کرتا۔ جس سے لوگوں کو جرأت پیدا ہو جائے اور گناہ کی طرف جھکنے لگیں۔ متکبر علو کرنے والوں کے استثناء کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک کافر نے حضرت رسول کریمؐ کے زمانہ میں بیت اللہ کی پناہ لی تھی۔ تو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ کہ اس کو اسی جگہ قتل کر دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر مُفسد کو پناہ نہیں دیتا۔

اس گاؤں میں دراصل اس قسم کے سخت دل اور مخالف دینِ اسلام لوگ موجود ہیں کہ اگر اس سلسلہ کا اکرام نہ ہوتا تو یہ سارا گاؤں ہلاک ہو جاتا۔ اور اب بھی اگرچہ ممکن ہے کہ بعض وارداتیں ہوں، مگر تاہم اللہ تعالیٰ ایک مابہ الامتیاز قائم رکھے گا۔

سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کے سُود کا حکم

ایک شخص نے ایک لمبا خط لکھا کہ سیونگ بنک کا سُود اور دیگر تجارتی کارخانوں کا سُود جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس کے ناجائز ہونے سے اسلام کے لوگوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور جبتک کہ اس کے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے اور ہر قسم کے ہرج اور فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش نہ کیے جاویں ہم اس کے

متعلق اپنی رائے دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں طریق روپیہ کمانے کے پیدا کیے ہیں۔ مُسلمان کو چاہیے کہ اُن کو اختیار کرے اور اس سے پرہیز رکھے۔ ایمان صراطِ مستقیم سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح سے ٹال دینا گناہ ہے۔ مثلاً اگر دنیا میں سؤر کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ہو جاوے تو کیا مُسلمان اس کی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس کو چھوڑنا اسلام کے لیے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے تب ہم فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (الانعام: ۱۴۶) کے نیچے لاکر اس کو جائز کہدیں گے مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں اور یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔ ہم فی الحال بڑے بڑے عظیم الشان امور دینی کی طرف متوجہ ہیں۔ ہمیں تو لوگوں کے ایمان کا فکر پڑا ہوا ہے۔ ایسے ادنیٰ امور کی طرف ہم توجہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم بڑے عالیشان مہمات کو چھوڑ کر ابھی سے ایسے ادنیٰ کاموں میں لگ جائیں تو ہماری مثال اس بادشاہ کی ہوگی جو ایک مقام پر ایک محل بنانا چاہتا ہے، مگر اس جگہ بڑے شیر اور درندے اور سانپ ہیں اور نیز مکھیاں اور چیونٹیاں ہیں۔ پس اگر وہ پہلے درندوں اور سانپوں کی طرف توجہ نہ کرے اور ان کو ہلاکت تک نہ پہنچائے اور سب سے پہلے کھیوں کے فنا کرنے میں مصروف ہو تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس سائل کو لکھنا چاہیے کہ تم پہلے اپنے ایمان کا فکر کرو اور دو چار ماہ کے واسطے یہاں آکر ٹھہرو، تاکہ تمہارے دل و دماغ میں روشنی پیدا ہو اور ایسے خیالات میں نہ پڑو۔[1]

---

۲۶ مئی ۱۹۰۲ء

جماعت کو مباحثوں اور مقابلوں کی ممانعت

۲۶ مئی ۱۹۰۲ء کو ۹ بجے دن کے خدام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مختلف باتوں کے تذکرہ کے اثناء میں فرمایا:

"میں بڑی تاکید سے اپنی جماعت کو جہاں کہیں وہ ہیں منع کرتا ہوں کہ وہ کسی قسم کا مباحثہ مقابلہ اور مجادلہ نہ کریں۔ اگر کہیں کسی کو کوئی درشت اور ناملائم بات سُننے کا اتفاق ہو، تو اعراض کرے۔ میں بڑے وثوق اور سچے ایمان سے کہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری تائید میں آسمان پر خاص تیاری ہو رہی ہے۔ ہماری طرف سے ہر پہلو کے لحاظ سے لوگوں پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس لیے اب خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کارروائی کے کرنے کا ارادہ فرمایا ہے جو وہ اپنی سنتِ قدیم کے موافق اتمام حجت کے بعد کیا کرتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۲ء

اگر ہماری جماعت کے لوگ بدزبانیوں اور فضول بحثوں سے باز نہ آئیں گے، تو ایسا نہ ہو کہ آسمانی کارروائی میں کوئی تاخیر اور روک پیدا ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہمیشہ اس کا عتاب ان لوگوں پر ہوتا ہے جن پر اس کے فضل اور عطایات بے شمار ہوں اور جنھیں وہ اپنے نشانات دکھا چکا ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا کہ انہیں عتاب یا خطاب یا ملامت کرے جن کے خلاف اس کا آخری فیصلہ نافذ ہونا ہوتا ہے، چنانچہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (الاحقاف : ۳۶) اور فرماتا ہے۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (القلم : ۴۹) اور فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ (الانعام : ۳۶) الآیہ۔ یہ محبت آمیز عتاب اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد فیصلہ کفار کے حق میں چاہتے تھے، مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور سُنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے، لیکن آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ کے دشمنوں کو ایسا کچلا اور پیسا کہ اُن کا نام و نشان مٹا دیا۔ اسی طرح پر ممکن ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ طرح طرح کی گالیاں، افترا پردازیاں اور بدزبانیاں خدا تعالیٰ کے پہلے سلسلے کی نسبت سنکر اضطراب اور استعجال میں پڑیں۔ مگر انھیں خدا تعالیٰ کی اس سنت کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برتی گئی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ اس لیے میں پھر اور بار بار تاکید حکم کرتا ہوں کہ جنگ و جدال کے مجموعوں تحریکوں اور تقریبوں سے کنارہ کشی کرو۔ اس لیے کہ جو کام تم کرنا چاہتے ہو یعنی دشمنوں پر حجت پوری کرنا۔ وہ اب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

تمہارا کام اب یہ ہونا چاہیے کہ دعاؤں اور استغفار اور عبادت الٰہی اور تزکیہ و تصفیہ نفس میں مشغول ہو جاؤ۔ اس طرح اپنے تئیں مستحق بناؤ خدا تعالیٰ کی عنایات اور توجہات کا جن کا اس نے وعدہ فرمایا ہے؛ اگرچہ خدا تعالیٰ کے میرے ساتھ بڑے بڑے وعدے اور پیشگوئیاں ہیں جن کی نسبت یقین ہے کہ وہ پوری ہوں گی، مگر تم خواہ نخواہ اُن پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ ہر قسم کے حسد۔ کینہ۔ بغض۔ خصومت اور کبر اور رعونت اور فسق و فجور کی ظاہری اور باطنی راہوں اور کسل اور غفلت سے بچو اور خوب یاد رکھو کہ انجام کار ہمیشہ متقیوں کا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف: ۱۲۹) اس لیے متقی بننے کی فکر کرو۔

سلسلہ احمدیہ کی عزت و عظمت

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ذکر کیا کہ حضور کی بیماری کی شدت میں میرے دل میں بہت رقت پیدا ہوئی، تو میں نے بہت دعا کی کہ مولا کریم اسلام کی عزت قرآن کی عزت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بالآخر تیری اپنی عزت اور جلال کے اظہار کا بھی اس وقت یہی ذریعہ ہے۔ تو اس پر فرمایا:

بیماری کی شدت میں جبکہ یہ گمان ہوتا تھا کہ رُوح پرواز کر جائے گی۔ مجھے بھی الہام ہوا۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔

یعنی اے خدا اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اس کے بعد اس زمین میں تیری پرستش کبھی نہ ہوگی۔

فرمایا: یقیناً یاد رکھو۔ یہ سلسلہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا، تو دُنیا میں نصرانیت پھیل جاتی اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی توحید قائم نہ رہتی۔ یا یہ مسلمان ہوتے جو اپنے ناپاک اور جھوٹے عقیدوں کے ساتھ نصرانیت کو مدد دیتے ہیں اور اُن کے معبود اور خدا بنائے ہوئے مسیح کے لیے میدان خالی کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب کسی ہاتھ اور طاقت سے نابُود نہ ہوگا۔ یہ ضرور بڑھے گا اور پھُولے گا اور خدا کی بڑی بڑی برکتیں اور فضل اس پر ہوں گے۔ جب تمہیں خدا کے زندہ اور مبارک وعدہ ہر روز ملتے ہیں اور وہ تسلی دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری دعوت زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ پھر ہم کسی کی تحقیر اور گالی گلوچ پر کیوں مضطرب ہوں[1]۔

۳۰ر مئی ۱۹۰۲ء

مامورین کی تمجید اور مدح وثنا کی حقیقت

۳۰ر مئی ۱۹۰۲ء کی شام کو مختلف باتوں کے تذکرہ میں یہ ذکر شروع ہوا کہ لوگ جناب کے اس فقرہ پر کہ میں مسیحؑ اور حسینؑ سے بڑھ کر ہوں، بہت جھلا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خواہ مخواہ بلا کسی قسم کے استحقاق کے اپنے تئیں محامد۔ مناقب اور صفاتِ محمودہ سے موصوف کرنا چاہتے ہیں۔ گو وہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی کی چادر آپ اوڑھ لیں۔ ایسے لوگ لعنتی ہوتے ہیں۔

دُوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو طبعاً ہر قسم کی مدح وثنا اور منقبت سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے اختیار پر چھوڑ دیئے جاویں تو دل سے پسند کرتے ہیں کہ گوشۂ گمنامی میں زندگی گذار دیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور باریک حکمتوں کی بنا پر اُن کی تعریف اور تمجید کرتا ہے اور درحقیقت ہونا بھی اسی طرح چاہیے۔ کیونکہ جن لوگوں کو وہ مامور کر کے بھیجتا ہے۔ اُن کی ماموریت سے اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس کی حمد وثنا اور جلال

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۵ پرچہ ۳۱ر مئی ۱۹۰۲ء

دُنیا میں ظاہر ہو۔ اگر ان مامُوروں کی نسبت وہ یہ کہے کہ فلاں مامُور جسے میں نے مبعُوث کیا ہے ایسا نکما بزدل نالائق کمینہ بسفلہ اور ہر قسم کے فضائل سے عاری اور بیگانہ ہے تو کیا خدا تعالیٰ کی اس کے ذریعہ سے کوئی صفت قائم ہو سکے گی۔ حقیقت میں خدا کا ان کی تمجید اور مدارج اور فضائل بیان کرنا اپنے ہی جلال اور عظمت کی تمہید کے لیے ہوتا ہے۔

وہ تو اپنے نفس سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور ہر قسم کے مدح و ذم سے بے پروا ہوتے ہیں؛ چنانچہ سالہا سال اس سے پہلے جبکہ نہ کوئی مقابلہ تھا نہ گروہ پیش میں کوئی مجمع تھا۔ نہ یہ مجلس اور اس کی کوئی تمہید تھی اور نہ دُنیا میں کوئی شہرت تھی۔

خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میری نسبت یہ فرمایا کہ :

یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ۔ نَحْمَدُکَ وَنُصَلِّیْ۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَاِفْتِخَارًا لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ یَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَۃُ عَلٰی شَفَتَیْکَ۔ اِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ یَرْفَعُ اللّٰہُ ذِکْرَکَ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ یَا اَحْمَدِیْ اَنْتَ مُرَادِیْ وَمَعِیَ غَرَسْتُ کَرَامَتَکَ بِیَدِیْ۔ یَا اَحْمَدُ یُتِمُّ اسْمُکَ وَلَا یُتِمُّ اِسْمِیْ۔ بُوْرِکْتَ یَا اَحْمَدُ وَکَانَ مَا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ حَقًّا فِیْکَ۔ شَانُکَ عَجِیْبٌ وَاَجْرُکَ قَرِیْبٌ۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اَنْتَ وَجِیْہٌ فِیْ حَضْرَتِیْ اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ۔ اَلْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ مَعَکَ کَمَا ھُوَ مَعِیْ۔ وَسِرُّکَ سِرِّیْ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی زَادَ مَجْدُکَ۔ سَلَامٌ عَلَیْکَ جُعِلْتَ مُبَارَکًا۔ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُکَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وَفَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ وَدَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ وَاِنَّ عَلَیْکَ رَحْمَتِیْ فِی الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ۔ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِنِّیْ۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ وَیَمْشِیْ اِلَیْکَ۔ خَلَقَ اٰدَمَ فَاَکْرَمَہٗ۔ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ اَنْتَ مَعِیْ وَاَنَا مَعَکَ خَلَقْتُ لَکَ لَیْلًا وَّنَھَارًا۔ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَا یَعْلَمُھَا الْخَلْقُ۔ وَیَعْصِمُکَ اللّٰہُ وَلَوْ لَمْ یَعْصِمُکَ النَّاسُ یَعْصِمُکَ اللّٰہُ اَنْتَ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ۔ کَمِثْلِکَ دُرٌّ لَّا یُضَاعُ۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ وَاِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَنْصَارِکَ۔ وَاَنْتَ اِسْمِیَ الْاَعْلٰی وَاَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ وَاَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ الْمَحْبُوْبِیْنَ۔ عَلَیْکَ بَرَکَاتِیْ وَسَلَامِیْ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ مَظْھَرُ الْحَقِّ۔ وَاَنْتَ مِنِّیْ مَبْدَءُ الْاَمْرِ۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

فرمایا۔ میں اپنے قلب کو دیکھ کر یقین کرتا ہوں کہ کل انبیاء علیہم السلام طبعاً ہر قسم کی تعریف اور مدح و ثنا سے

کراہت کرتے تھے، مگر جو کچھ خدا تعالیٰ نے اُن کے حق میں بیان فرمایا ہے اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے الفاظ نہیں خدا تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی عزت اور جلال اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت اور جلال کو خاک میں ملا دیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت حسینؓ کے حق میں ایسا غلو اور اطرا کیا گیا ہے کہ اس سے خدا کا عرش کانپتا ہے۔

اب جبکہ کروڑ ہا آدمی حضرت عیسیٰ کی مدح و ثنا سے گمراہ ہو چکے ہیں اور ایسا ہی بے انتہا مخلوق حضرت حسینؓ کی نسبت غلو اور اطرا کر کے ہلاک ہو چکی ہے تو خدا کی مصلحت اور غیرت اس وقت یہی چاہتی ہے کہ وہ تمام عزتوں کے کپڑے جو بیجا طور پر اُن کو پہنائے گئے تھے۔ اُن سے اُتار کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کو پہنائے جاویں پس ہماری نسبت یہ کلمات درحقیقت خدا تعالیٰ کی اپنی عزت کے اظہار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لیے ہیں۔

فرمایا: مَیں صاف کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب اور تمام صفاتِ جمیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کروں۔ میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دُنیا میں قائم ہو۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ یہ بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف راجع ہیں۔ اس لیے کہ مَیں آپؐ کا ہی غلام ہوں اور آپؐ ہی کے مشکوٰۃِ نبوت سے نُور حاصل کرنے والا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں۔ اسی سبب سے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ مَیں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مامُور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مردود اور مخذُول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مُہر لگ چکی ہے۔ اس بات پر کہ کوئی شخص وصول اِلی اللہ کے دروازہ سے آ نہیں سکتا ہے۔ بجُز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔[1]"

---

۳۱ رمئی سنہ ۱۹۰۲ء

شرک کی اقسام شرک تین قسم کا ہے۔ اوّل یہ کہ عام طور پر بُت پرستی۔ درخت پرستی وغیرہ کی جاوے۔ یہ سب سے عام اور موٹی قسم کا شرک ہے۔ دوسری قسم شرک کی یہ ہے کہ اسباب پر

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۳۱ رمئی سنہ ۱۹۰۲ء

حد سے زیادہ بھروسہ کیا جاوے کہ فلاں کام نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم شرک کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بھی کوئی شے سمجھا جاوے۔ موٹے شرک میں تو آجکل اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں کوئی گرفتار نہیں ہوتا۔ البتہ اس مادی ترقی کے زمانہ میں شرک فی الاسباب بہت بڑھ گیا ہے۔ طاعون کے پھیلنے پر یہ کوئی خیال نہیں کرتا کہ شامتِ اعمال سے پھیلی ہے اور اور اسباب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

نماز عربی زبان میں پڑھنی چاہیے

نماز اپنی زبان میں نہیں پڑھنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے جس زبان میں قرآن شریف رکھا ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ہاں اپنی حاجتوں کو اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے سامنے بعد سنون طریق اور اذکار کے بیان کر سکتے ہیں، مگر اصل زبان کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ عیسائیوں نے اصل زبان کو چھوڑ کر کیا پھل پایا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا۔

قرآن مجید میں طاعون کے متعلق پیشگوئی

قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے کوئی جگہ باقی نہ رہے گی۔ جیسے فرمایا ہے۔ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا۔ الآیۃ (بنی اسرائیل ۱ ۵۹) اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی قریہ مس طاعون سے باقی نہ رہے۔ اس لیے قادیان کی نسبت یہ فرمایا۔ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ۔ یعنی اس کو انتشار اور افراتفری سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سزائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک بالکلیتہ ہلاک کرنے والی۔ جس کے مقابلہ میں فرمایا۔ لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ۔ یعنی یہ مقام ہلاک سے بچایا جائے گا۔

دوسری قسم کی سزا بطور تعذیب ہوتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے قادیان کو ہلاکت سے محفوظ رکھا ہے اور تعذیبی سزا ممنوع نہیں بلکہ ضروری ہے۔

آیات اللہ

دانے کا کیا وجود ہوتا ہے، لیکن جمع کیے جاویں تو سیری کا موجب ہو جاتا ہے۔ ایک سیر خام میں قریباً پندرہ ہزار کے دانہ ہوتے ہیں۔ جس سے ایک آدمی بخوبی سیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر آیات اللہ کو اگر جمع کیا جاوے اور قدر کی جاوے تو وہ روحانی سیری کا موجب ہو جاتی ہیں۔ ہمارے نشانات کو اگر یکجائی طور پر دیکھا جاوے تو ان کی قوت اور شوکت معلوم ہوتی ہے۔

ایک نشان

آج کل جو ایک پہاڑ کی وجہ سے جزائر غرب الہند میں سینٹ پیری اور مارٹینک ہلاک ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لوط کی بستی پر بھی اسی طرح پتھر برسے جیسے کوہ آتش فشاں سے پڑتے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ موجودہ واقعہ جو ہلاکت کا ہوا ہے۔ یہ مسیح کے زمانہ کا ایک نشان ہے۔

قرآن کے ذریعہ توریت کی اصلاح

ہم قرآن کریم کے ذریعہ توریت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ توریت کے ذریعہ قرآن کی اصلاح کرنا نہیں چاہتے توریت کا مقابلہ ہی قرآن سے کیا ہے۔ جہاں قرآن اور توریت کا اختلاف ہے وہاں صاف نظر آتا ہے کہ توریت میں ایک گند اور جھوٹ ہے جو بعد میں ملایا گیا ہے۔

انبیاء اور مامورین کی ابتداء

انبیاء اور مامور ہمیشہ کمزور ہی آتے ہیں۔ ابتداء میں حقیر اور ذلیل نظر آتے ہیں۔ فلسفی اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن آخر خدا تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔ [1]

۱۴ر جون ۱۹۰۲ء

مُردوں کا جی اُٹھنا

ہم خدا تعالیٰ کے اسی قانون قدرت کو مانتے ہیں جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ جو مُردہ ایسے ہیں کہ قبر میں رکھے جاتے ہیں۔ اور اُن کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اُن کی نسبت قرآن شریف کا یہی فتویٰ ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر ۴۳) مگر برنگ دیگر غیر حقیقی موت میں احیا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات خود ہمارے ساتھ بھی پیش آئے ہیں۔ چنانچہ مبارک کے متعلق اس قسم کی موتیں فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ سے نہیں۔ اور وہ یہ احیاء ہے جس پر ہم ایمان لاتے ہیں کہ مُردہ جی اُٹھتا ہے۔

طرز خدا تعالیٰ نے جو قانون باندھا ہے اُسے ہم مانتے ہیں۔ اگر اس پر اعتبار نہ کریں اور یقین نہ لائیں تو

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۸ پرچہ ۳۱ر مئی ۱۹۰۲ء

امان اُٹھ جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت جو کتاب اللہ میں درج ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی صفات کے خلاف نہیں کرتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ قادر ہے تو کیا خودکشی بھی کر لیتا ہے؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے۔ کہ کبھی نہیں کیونکہ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (الحشر: ۲۵) کوئی صفت اس سے منسوب نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی صفاتِ قدیمہ کے خلاف نہیں کرتا۔ غرض احیائے موتیٰ اور قانونِ قدرت کے متعلق ہمارا یہی مذہب ہے کہ ہم اس احیاء کے قائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان کیا ہے اور وہ قانونِ قدرت ہمارا امام ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ یورپ کا فلسفہ اور اس کی محدود تحقیقاتیں ہمارے لیے رہبر نہیں ہو سکتی ہیں۔

ہمارا خدا قادر خدا ہے

ہم اپنے خدا تعالیٰ پر یہ قوی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے صادق بندہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ اس کو جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ایک آگ نہیں اگر ہزار آگ بھی ہو تو وہ جلا نہیں سکتی۔ صادق اُس میں ڈالا جاوے تو ضرور بچ جاوے گا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلہ میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ آگ میں ڈالا جاوے، تو ہمارا یقین ہے کہ آگ جلا نہیں سکے گی اور اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالا جاوے تو وہ کھا نہ سکیں گے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق کی مدد نہ کر سکے، بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے جو اپنے بندوں اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دُعا بھی ایک فضول شئے ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ مَیں خدا تعالیٰ کی نسبت بیان کرتا ہوں اس کی قوتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ در کروڑ درجے بڑھ کر ہیں جن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے، تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپ کو جلا نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی محض اس بنا پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی۔ انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب ان سب دشمنوں کو مخاطب کر کے یہ کہہ دیا۔ فَكِيدُونِي جَمِيعًا (ھود: ۵۶) تم سب مکر کر کے دیکھ لو میں اس کو ضرور بچا لوں گا۔ پھر اگر کوئی یہ وہم بھی کرے کہ آگ میں ڈالتے تو معاذ اللہ جل جاتے یہ کفر ہے قرآن شریف سچا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں وہ کوئی بھی حیلہ اور فریب آپ کی جان لینے کے لیے کرتے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اُن کے گزند سے محفوظ رکھتا جیسا کہ محفوظ رکھ کر دکھا دیا۔ خواہ وہ صلیب کا مکر کرتے خواہ آگ میں ڈالنے کا۔ غرض کوئی بھی کرتے۔ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وعدے کے موافق صادق ثابت ہوتے۔ جیسا کہ ہوئے۔ جس طرف ہم اپنی جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خدا شناسی کا ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں

کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جاوے گا۔

تبلیغ کا جوش

ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالےٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ لوگوں کو بچالیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے تبلیغ کریں اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں۔

مسیح کی قبر کی اشاعت یورپ میں

یورپ اور دوسرے ملکوں میں ہم ایک اشتہار شائع کرنا چاہتے ہیں جو بہت ہی مختصر ایک چھوٹے سے صفحے کا ہو تاکہ سب اُسے پڑھ لیں۔ اس کا مضمون اتنا ہی ہو کہ مسیح کی قبر سرینگر کشمیر میں ہے۔ جو واقعاتِ صحیحہ کی بنا پر ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق مزید حالات اور واقفیت اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو ہم سے کرے۔ اس قسم کا اشتہار ہو جو بہت کثرت سے چھپوا کر شائع کیا جاوے۔

مضرِ صحت چیزیں مضرِ ایمان ہیں

حدیث میں آیا ہے وَمِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ تَرْكُ مَالَا يَعْنِيْهِ یعنی اسلام کا حُسن یہ بھی ہے کہ جو چیز ضروری نہ ہو وہ چھوڑ دی جاوے۔

اسی طرح پر یہ پان۔ حُقہ۔ زردہ (تمباکو) افیون وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں۔ بڑی سادگی یہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اگر کوئی اور بھی نقصان اُن کا بفرض محال نہ ہو، تو بھی اس سے ابتلا آجاتے ہیں اور انسان مشکلات میں پھنس جاتا ہے۔ مثلاً قید ہو جاوے تو روٹی تو ملے گی لیکن بھنگ چرس یا اور منشی اشیاء نہیں دی جاویں گی۔ یا اگر قید نہ ہو کسی ایسی جگہ میں ہو جو قید کے قائم مقام ہو تو پھر بھی مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ عمدہ صحت کو کسی بے ہودہ سہارے سے کبھی ضائع کرنا نہیں چاہیے۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مضرِ صحت چیزوں کو مُضرِ ایمان قرار دیا ہے اور ان سب کی سردار شراب ہے۔

یہ سچی بات ہے کہ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے۔ افیون کا نقصان بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ طبعی طور پر یہ شراب سے بھی بڑھ کر ہے اور جس قدر قویٰ لے کر انسان آیا ہے اُن کو ضائع کر دیتی ہے۔

بید مشک اور کیوڑہ کا استعمال

منشی الٰہی بخش اور اُس کے دوسرے رفیق اعتراض کرتے ہیں کہ میں بید مشک اور کیوڑہ کا استعمال کرتا ہوں یا اور اس قسم کی دوائیاں کھاتا ہوں۔ تعجب ہے کہ حلال اور طیب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر وہ غور کر کے دیکھتے اور مولوی عبداللہ غزنوی کی حالت پر نظر رکھتے تو میرا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شرم آجاتی۔ مولوی عبداللہ کو بیویوں کا استغراق تھا، اس لیے انڈے اور مُرغ کثرت سے کھاتے تھے۔ یہانتک کہ آخیر عمر میں شادی کرنا چاہتے تھے میری شہادت مل سکتی ہے کہ مجھے کیوڑہ وغیرہ کی ضرورت کس وقت پڑتی ہے۔ مَیں کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں جب دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے یا جب دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ بجز اس کے مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے جب بہت محنت کرتا ہوں تو یکدفعہ ہی دورہ ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ غش آجاوے اس وقت علاج کے طور پر استعمال کرنا پڑتا ہے اور اسی لیے ہر روز باہر سیر کو جاتا ہوں۔

مگر مولوی عبداللہ جو کچھ کرتے تھے یعنی مُرغ۔ انگور۔ انڈے وغیرہ جو استعمال کرتے تھے اس کی وجہ کثرت ازدواج تھی اور کوئی سبب نہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کو استعمال کرتے تھے مگر وہ خدا کی راہ میں فدا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی گھبراتے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مار کر کہتے کہ اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو سارا جہان دشمن تھا۔ پھر اگر اُن کے لیے کوئی راحت کا سامان نہ ہو، تو یہ خدا کی شان کے ہی خلاف ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے کہ جیسے کافور کے ساتھ دوچار مرچیں رکھی جاتی ہیں کہ اُڑ نہ جائے۔

اسلام کا آئندہ غلبہ

اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ تعلیم اور تربیت کے لیے کرتا ہے، چونکہ شوکت کا زمانہ دیر تک رہتا ہے اور اسلام کی قوت اور شوکت میدانوں تک رہی اور اُس کے فتوحات دُور دراز تک پہنچے۔ اس لیے بعض احمقوں نے سمجھ لیا کہ اسلام جبر سے پھیلایا گیا۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ: ۲۵۷) اس امر کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لیے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم الخلفاء کو پیدا کیا اور اس کا کام يَضَعُ الْحَرْبَ رکھ کر دوسری طرف لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف: ۱۰) قرار دیا۔ یعنی وہ اسلام کا غلبہ بالکہ بالحجت اور براہین سے قائم کرے گا اور جنگ و جدال کو اُٹھا دے گا۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کا انتظار کرتے ہیں۔

اسلام کا عظیم الشان اعجاز

اسلام کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ وہ اس کی حقانیت اور روشنی ہے وہ کسی پہلو سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ تمام حقائق اور صداقتیں اسلام میں موجود ہیں۔ ہر ایک پہلو سے کامل۔ سب کے حملوں کا جواب دیتا ہے اور دوسروں پر ایسا حملہ کرتا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

درازیٔ عمر کا راز

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو۔ لیکن بہت ہی کم ہیں وہ لوگ جنہوں نے کبھی اس اصول اور طریق پر غور کی ہو جس سے انسان کی عمر دراز ہو۔ قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں۔ اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو درازیٔ عمر کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے مفید ہیں۔ حالانکہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت۔ دوسرے بنی نوع سے ہمدردی۔ لیکن یہاں یہ پہلو اس لیے اختیار کیا ہے کہ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اوّل مرتبہ خدا تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے۔ اس میں انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچائے۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ اُن کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت کرے جیسا کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (العصر: ۴) سے پایا جاتا ہے۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لیے اُس کو چاہیے کہ محنت اور کوشش کر کے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاوے۔ ہمدردیٔ خلائق یہی ہے کہ محنت کر کے دماغ خرچ کر کے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے تاکہ عمر دراز ہو۔ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ (الرعد: ۱۸) کے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے جو دراصل اس وسوسہ کا جواب ہے کہ عابد کے مقابل نفع رساں کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور عابد کی کیوں نہیں ہوتی؟ اگرچہ میں نے بتایا ہے کہ کامل عابد وہی ہو سکتا ہے، جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، لیکن اس آیت میں اور بھی صراحت ہے اور وہ آیت یہ ہے۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ (الفرقان: ۷۸) یعنی ان لوگوں کو کہہ دو۔ کہ اگر تم لوگ رب کو نہ پکارو تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ عابد کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ عابد زاہد جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ بنوں اور جنگلوں میں رہتے اور تارک الدنیا تھے۔ ہمارے نزدیک وہ بودے اور کمزور تھے۔ کیونکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اس حد تک پہنچ جاوے کہ اللہ اور اس کے رسول کی کامل معرفت ہو جاوے وہ کبھی خاموش رہ سکتا ہی نہیں۔ وہ اس ذوق اور لذت سے سرشار ہو کر دوسروں کو اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

یقین ایک ایسی شے ہے جو انسان کو ایک قوت اور شجاعت عطا کرتا ہے۔ یقین معلومات سے بڑھتا ہے اور جب معلومات وسیع ہوں تو یقین کی قوت سے ایک ماتحت اپنے افسر کے سامنے اپنے مقصد کو بیان کرنے سے نہیں ڈرتا لیکن اگر معلومات کم ہوں تو یقین میں بھی ایک قسم کی کمزوری ہوگی اور پھر خواہ وہ افسر بھی ہو تو اُسے بھی دبنا پڑتا ہے۔

یہ صحیح بات ہے کہ زندگی اور طاقت تب پیدا ہوتی ہے جب پورا علم ہو۔ اس وقت انسان اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالتا ہوا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ جیسے صحابہ جو یقین اور معرفت کے نور سے بھر کر دل میں ایک قوت اور شجاعت رکھتے تھے۔ وہ بادشاہوں کے سامنے کس دلیری سے جا بولے۔ یقین ایسی چیز ہے جو موت کو بھی آسان کر دیتا ہے۔ اسی لیے شہادت کی موت سہل اور آسان ہے۔

اگر ایک پکے مسلمان کو قتل کی دھمکی دی جاوے، تو وہ قتل اس کو سہل معلوم ہوگا یقین ایک روحانی مسکن ہے۔ شہادت کی موت والا دُنیا اور طول امل کو طاق پر رکھ دیتا ہے۔ غرض انسان کو یقین حاصل کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ فلسفہ اور طبیعیات میں ترقی کرے۔

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

جس نے حکمتِ ایمان نہیں پڑھی وہ مُردہ پرست ہی رہا۔

ہر نیا دن موت کے قریب کرتا ہے

جوں جوں انسان بڈھا ہوتا جاتا ہے دین کی طرف بے پروائی کرتا جاتا ہے۔ یہ نفس کا دھوکا اور سخت غلطی ہے، جو موت کو دُور سمجھتا ہے۔ موت ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے اور وہ قریب ہی قریب ہے۔ ہر ایک نیا دن موت کے زیادہ قریب کرتا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض آدمی اوائل عمر میں بڑے نرم دل تھے، لیکن آخر عمر میں آکر سخت ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ نفس دھوکا دیتا ہے کہ موت ابھی بہت دُور ہے، حالانکہ بہت قریب ہے۔ موت کو قریب سمجھو، تاکہ گناہوں سے بچو۔

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ انسان اگر پکے دل سے اخلاص لے کر رجوع کرے تو وہ غفور رحیم ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یہ سمجھنا کہ کس کس گنہگار کو بخشے گا۔ خدا تعالیٰ کے حضور سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس کی رحمت کے خزانے وسیع اور لاانتہا ہیں۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ اس کے دروازے کسی پر

بند نہیں ہوتے۔ انگریزوں کی نوکریوں کی طرح نہیں کہ اتنے تعلیم یافتہ کو کہاں سے نوکریاں ملیں۔ خدا کے حضور جس قدر پہنچیں گے سب اعلیٰ مدارج پائیں گے۔ یہ یقینی وعدہ ہے۔ وہ انسان بڑا ہی بدقسمت اور بدبخت ہے جو خدا تعالیٰ سے مایوس ہو اور اس کی نزع کا وقت غفلت کی حالت میں اس پر آجاوے۔ بیشک اسوقت دروازہ بند ہو جاتا ہے[1]۔

۱۴ر جون ۱۹۰۲ء

علم نور ہے اور جہالت حجاب اکبر

یاد رکھو لغزش ہمیشہ نادان کو آتی ہے شیطان کو جو لغزش آئی وہ علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ نادانی سے آئی۔ اگر وہ علم میں کمال رکھتا تو لغزش نہ آتی۔ قرآن شریف میں علم کی مذمت نہیں، بلکہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۹) ہے۔ اور نیم ملّاں خطرۂ ایمان مشہور مثل ہے۔ پس میرے مخالفوں کو علم نے ہلاک نہیں کیا، بلکہ جہالت نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) پس اگر علم کوئی معمولی اور چھوٹی سی چیز ہوتی تو یہ دُعا آپ کو تعلیم نہ کی جاتی۔ اور پھر فرمایا۔ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ: ۲۷۰) غرض ساری سعادتیں علم صحیح کی تحصیل میں ہیں، یہ جس قدر لوگ نصرانی ہوئے ہیں۔ وُہ جہالت کے سبب ہوئے۔ اگر علم کامل ہوتا تو انسان کو خدا نہ بناتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنمی کہیں گے۔ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک: ۱۱) یہ جو کہتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ الْحِجَابُ الْاَکْبَرُ یہ غلط ہے۔ اَلْجَھْلُ الْحِجَابُ الْاَکْبَرُ۔ علم نُور ہے وہ حجاب نہیں ہو سکتا، بلکہ جہالت حجاب اکبر ہے۔ خدا کا نام علیم ہے اور پھر قرآن میں آیا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمان: ۲، ۳) اسی لیے ملائکہ نے کہا۔ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ: ۳۳) مختصر یہ کہ یاد رکھو کہ ساری زہریں نادانی میں ہیں۔ جہالت سچ مچ ایک موت ہے۔ تمام اطباء اور ڈاکٹر اور دُوسرے لوگ جو غلطی کھاتے ہیں وہ قصور علم کی وجہ سے کھاتے ہیں۔ انبیاء علم لے کر آتے ہیں۔ جب دُنیا میں ظلمت چھا جاتی ہے اور مخلوق شیطان ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں رہتا اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تجدید کے لیے بھیجتا ہے[2]۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۲ تا ۴ پرچہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ پرچہ ۱۷ر جولائی ۱۹۰۲ء

موت مومن کے لیے خوشی کا باعث ہے موت کے متعلق ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"موت سے نہیں ڈرنا چاہیے، مگر خدا کے غضب سے بچنا چاہیے، کیونکہ موت تو بہرحال آنے والی ہے۔"

"موت نہیں ٹلتی۔ مگر جو خدا کے دین کے خادم ہوں۔ اعلائے کلمۃ اللہ چاہتے ہوں ان کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ جو اپنی زندگی کھانے پینے تک محدود رکھتے ہیں، اُن کا خدا ذمہ دار نہیں۔

"موت مومن کے لیے خوشی کی باعث ہے، کیونکہ وہ ایک مرکب ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچاتی ہے۔"

"قربِ الٰہی کے حصول کی دو چیزیں ہیں۔ اوّل متجا ایمان۔ دوم اعمالِ صالحہ۔ عیسائی مذہب میں دونوں باتیں نہیں ہیں۔ اصولِ ایمان کی جگہ کفارہ نے لے لی اور اس کے ساتھ ہی اعمالِ صالحہ حذف ہوئے۔ کیونکہ ضرورت نہ رہی۔"[1]

اسلامی عبادات عبادات کے دو حصے تھے۔ ایک وہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے جوڑنے کا حق ہے۔ خدا تعالیٰ کا خوف انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتا ہے اور اُس کی رُوح گداز ہو کر اُلوہیت کی طرف بہتی ہے اور عبودیت کا حقیقی رنگ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔

دُوسرا حصہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے اسی لیے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ: ۱۶۶) اور دُنیا کی ساری محبتوں کو غیر فانی اور آنی سمجھ کر حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دیا جاوے۔

یہ دو حق ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی نسبت انسان سے مانگتا ہے۔ ان دونوں قسم کے حقوق کے ادا کرنے کے لیے یُوں تو ہر قسم کی عبادت اپنے اندر ایک رنگ رکھتی ہے، مگر اسلام نے دو مخصوص صورتیں عبادت کی اس کے لیے مقرر کی ہوئی ہیں۔

خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں کہ بظاہر اُن کا جمع ہونا بھی محال نظر آتا ہے کہ ایک شخص جس سے خوف کرے اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ایک الگ رنگ رکھتی ہے جس قدر انسان خدا کے خوف میں ترقی کرے گا۔ اسی قدر محبت زیادہ ہوتی جاوے گی اور جس قدر محبت الٰہی میں ترقی کرے گا۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ پرچہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۲ء

اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور برائیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائے گا۔

پس اسلام نے ان دونوں حقوق کو پورا کرنے کے لیے ایک صورت نماز کی رکھی جس میں خدا کے خوف کا پہلو رکھا ہے اور محبت کی حالت کے اظہار کے لیے حج رکھا ہے۔ خوف کے جس قدر ارکان ہیں وہ نماز کے ارکان ہیں بخوبی واضح ہیں کہ کس قدر تذلل اور اقرار عبودیت اس میں موجود ہے۔ اور حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں۔ بعض وقت شدت محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے۔ کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔ سیالکوٹ میں ایک عورت ایک درزی پر عاشق تھی۔ اسے بہتیرا پکڑ کر رکھتے تھے۔ وہ کپڑے پھاڑ کر چلی آتی تھی۔ غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کے لباس میں ہوتا ہے۔ وہ حج میں موجود ہے۔ سر منڈایا جاتا ہے۔ دوڑتے ہیں۔ محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے۔ جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے۔ پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ اسلام نے پورے طور پر ان حقوق کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔ نادان ہے وہ شخص جو اپنی نابینائی سے اعتراض کرتا ہے۔[1]

یکم اگست ۱۹۰۲ء

دارالامان کی ایک شام

بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعود حسب معمول تشریف فرما ہوئے۔ سید ناصر شاہ صاحب جموں سے تشریف لائے تھے۔ کئی سال بعد آئے تھے۔ وہ پاؤں دبانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ

"آپ بیٹھ جائیے۔"

سید صاحب جوش ارادہ اور حسن عقیدت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ دیر تک قدم مبارک کو دباتے رہیں آپ نے پھر کمال لطف اور پیار سے فرمایا۔ کہ

"آپ بیٹھ جائیں"

اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ۔ یہ سُنکر سید صاحب اُوپر شہ نشین پر بیٹھ گئے۔

جناب مولوی عبدالکریم صاحب نے استفسار کیا کہ آج جناب نے کیا لکھا ہے۔ مولانا ممدوح کی غرض اس قسم کے استفسار سے محض ایک تحریک کرنا ہوتی ہے کہ حضرت امام کچھ بطور خلاصہ بیان فرما دیں۔ فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۳ پرچہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء

"آج تو میں پچھلا مسودہ دیکھتا رہا، کیونکہ کاتب لکھ رہا ہے۔"

اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے پھر قصیدوں کی بابت جو حضرت حجۃ اللہ اس کتاب کے ساتھ منسلک فرمادیں گے۔ فرمایا:

"وہ آخر میں لگاتے جائیں گے نثر میں اس کے تداخل کی ضرورت نہیں۔ اس لیے بعد ہی میں اُن کو پورا کرونگا"

فرمایا:

اعجاز المسیح

فیصلہ بہت ہی آسان تھا، اگر یہ لوگ فیصلہ کرنے والے ہوتے۔ اب ان کو کیا معلوم ہے کہ جب میں عربی لکھتا ہوں تو کس طرح افواج کی طرح الفاظ اور فقرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہاں ان کو پتہ لگ جاتا اگر یہ مقابلہ کرتے اور کچھ لکھنے کے لیے قلم اُٹھاتے۔ یہ جو سرقہ کا بیہودہ الزام لگاتے ہیں ہماری طرف سے اُن کو اجازت ہے کہ ساری دُنیا کی کتابوں سے سرقہ کرلیں۔ مگر جب علمی مضمون کو ادا ہی نہیں کرسکتے اور معارف سے آگاہ ہی نہیں تو نئے الفاظ اور جملوں کے سرقہ سے کیا ہوگا۔ الفاظ کے معانی کے تابع علمی رنگ میں کسی مضمون کو یہ لوگ ہرگز لکھ نہیں سکتے۔ یہ تو وہی مثال ہے کہ ایک شخص معمار ہو اور اینٹیں چُرا کر جمع کرلیں اور بس۔ مگر محض اینٹیں چُرانے سے تو عمارت تیار نہیں ہوسکتی۔ سرقہ کا الزام تو تحریری پر بھی لگایا گیا۔ یہ لوگ الفاظ کی تتبع کرتے ہیں، مضمون کا نہیں کرسکتے؛ چنانچہ تحریری کی بابت بھی مشہور ہے کہ جب اُسے ایک اظہار لکھنے کے لیے کہا گیا تو نہ لکھ سکا۔ یہ قرآن شریف ہی کا معجزہ ہے کہ عبارت بھی فصیح و بلیغ ایسی ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور مضامین بھی عالی اور علمی ہے۔

اس پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک بار میرے دل میں آیا کہ میں کوشش کرکے مقامات تحریری کی طرح مسجع عبارت میں فرضی قصے لکھ سکتا ہوں؟ آخر یہ بات کھل گئی کہ الفاظ اپنے اغراض کے ماتحت کرکے افسانے لکھ لینے آسان ہیں۔ مگر حقائق و معارف اور واقعات فصیح و بلیغ عبارت میں لکھنا قریب محال ہے۔ فرمایا:

"یہی تو معجزہ قرآن شریف کا ہے۔"

پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ:

"فیصلہ کی کیسی آسان راہ تھی۔ یہ جو مشہور کرتے ہیں کہ گولڑی کے مقابلے میں لاہور نہ آئے۔ ہم نے کہا تھا کہ تفاول کے طور پر قرآن کہیں سے کھول کر اس کی تفسیر بالمقابل لکھنی چاہیے۔ اس کا جواب اس وقت گولڑی نے یہ دیا کہ پہلے عقائد پر تقریر کرکے مولوی محمد حسین کا فیصلہ مان لو۔ اگر وہ کہہ دے کہ یہ عقیدہ غلط ہے تو مع میرے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ پھر تفسیر لکھو۔ اب بتاؤ یہ کیا فیصلہ ہوا۔ اس پر کہتے ہیں کہ لاہور نہیں آئے۔"

حضرت حکیم الامت نے سید علی حایری لاہوری شیعہ کے رسالہ کا ذکر کیا کہ اس میں حضرت امام حسینؓ کی فضیلت

پر بحث کرتے ہوئے ..... لکھا ہے کہ بارہ امام نُورِ الٰہی سے پیدا ہوئے تھے جس کا ظاہری ثبوت یہی ہے کہ اُن کا سایہ نہ تھا۔ پس جبکہ وُہ نُورِ الٰہی سے بنے تھے تو پھر اُن پر کسی کو فضیلت کیسی! اور پھر لکھا ہے کہ قرآن شریف کی چودہ منزلیں ہیں۔ یہ تقسیم اپنے طور پر کی ہے کہ لوحِ محفوظ پر آیا۔ پھر جبرائیل کے پاس، علی ہذا القیاس۔ (اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ :

کیا چودھویں منزل یہ نہیں لکھی کہ آخر حضرت عثمان کے پاس محرّف مبدّل ہوگیا۔ چودھویں منزل تو ان کے اعتقاد کے موافق یہی ہوگی نا۔

اور مدینہ منوّرہ سے کربلا چودہ منزل ہیں۔ اس سے حضرت حسین کی فضیلت قرآن سے ثابت ہوگئی۔ غرض اس قسم کے لغویات اس میں بھرے ہیں۔ اور ایک جگہ باب کی کتاب ہی ثبوت کے لیے کافی قرار دیدی ہے۔

اور ایک مقام پر لکھا ہے کہ غایت المقصود پڑھ کر اتنے ہزار مرزائی مومن ہوگئے۔ اس پر مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی کہ گولڑوی کہتا ہے کہ میری کتاب پڑھ کر اتنے ہزار نے توبہ کی یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو تعداد کم بتاتے ہیں اور پھر ہزاروں نکل کر ان میں بھی شامل ہو جاتے ہیں اور ختم نہیں ہوتے۔

حضرت حجۃ اللہ نے ہنس کر فرمایا :

"یہ عجیب حساب ہے جو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا نام رکھا جاوے۔ اربعہ ہے یا کیا کہ جس قدر کم ہوتے جاویں وہ بڑھتے جاویں۔"

حضرت اقدسؑ نے ضمناً ایڈیٹر الحکم سے خطاب کر کے اشاعت السنّۃ کے متعلق دریافت فرمایا کہ ابھی شائع ہوا یا نہیں۔ عرض کی گئی کہ اشتہار اشاعت کے بعد کچھ کم معلوم نہیں ہوا۔ اسی کے ضمن میں دہلی کے ایک پنجابی کاتب والے اخبار کا ذکر ایڈیٹر نے کیا کہ اس میں ایک نوٹ لکھ کر گویا ۱۴ مختلف مقامات پر نالش کی دھمکی دی ہے۔

پھر ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک لڑکے کا خواب بتلایا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :

رویاء ہمت اور استعداد کے مطابق ہوتی ہے

ہر شخص کی خواب اس کی ہمت اور استعداد کے موافق ہوتی ہے۔ معبّرین نے یہی لکھا ہے۔

ضمناً میاں جان محمد صاحب مرحوم امام مسجد قادیان کی ایک رویاء کا تذکرہ فرمایا۔ پھر فرمایا :

خدا تعالیٰ کا فیضان ظرف اور استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے لیکن جیسے روشنی صاف اور روشن چیز پر جیسے شیشہ ہے بہت صفائی سے پڑتی ہے اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے فیضان کا حال ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بہت ہی بلند تھی۔ اس لیے قرآن شریف جیسا کلام آپ پر نازل ہوا۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی صاف تصویر نظر آتی ہے۔ اور کتابوں میں دھندلی سی روشنی پڑتی ہے۔ مسیح ہی کو دیکھ لو کہ اسرائیل کی قوم ہی پیشِ نظر ہے۔ مگر قرآن شریف کسی خاص قوم کو خطاب نہیں کرتا۔ شروع ہی سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (الفاتحہ : ۲) کہتا ہے اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بلند ہمت اور عام دعوت ہے کہ کہتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف : ۱۵۹) مگر انجیل میں اسرائیل ہی کا ذکر ہے۔ جو پیشگوئیاں ہیں وُہ بھی اُن ہی کے متعلق ہیں۔ اسی سبب سے یہودیوں کو ٹھوکر لگی اور خدا کے وعدوں کے مصداق اپنی ہی قوم کو سمجھ کر تمام قوموں سے بے تعلق اور غافل ہو گئے اور خدا کے وعدوں کے ایفاء کی آخری منزل اسی دنیا کو خیال کر کے قیامت سے بے خبر اور بہتیرے مُنکر ہو گئے۔ اور فرمایا :

"ہمت بلند ہونی چاہیے، چنانچہ لکھا ہے۔ ہمت بلند دار کہ دادار کردگار[1]"

ان باتوں میں ہی اذان ہو گئی۔ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے اُٹھے اور بعد نماز تشریف لے گئے۔

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کریں جو اعمالِ صالحہ کی قوت عطا کرتا ہے اور گناہ سوز فطرت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اعمالِ صالحہ کبھی نہیں ہو سکتے جبتک اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان اور معرفت پیدا نہ ہو۔ ہر ایک عمل معرفت صحیح اور عرفان کامل کے بعد اعمالِ صالحہ کی مد میں آتا ہے۔ لوگ جو کچھ اعمال صالحہ کرتے ہیں یا صدقات و خیرات کرتے ہیں یہ رسم اور عادت کے طور پر کرتے ہیں۔ اُس معرفت کا نتیجہ نہیں ہوتے جو ایمان علی اللہ کے بعد پیدا ہوتی ہے، چونکہ دُنیا کی نیکیاں اور بظاہر اعمال صالحہ رسم اور عادت کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور دُنیا خدا شناسی اور خدا رسی کے مقاموں سے دُور ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے جو اگر دُنیا کو خُدا تعالیٰ پر ایمان لانے کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔ باقی تمام امور اسی ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اصل غرض انبیاء کے بعثت کی یہی ہوتی ہے کہ وُہ انسان کو اس کی زندگی کے اصل منشاء عبُودیت تامہ سے آگاہ کریں اور خدا تعالیٰ پر عرفان بخش ایمان لانے کی تعلیم دیں۔

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

انبیاء علیہم السلام تھوڑے ہوتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر آیا کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء

کو رسم اور عادت سے نجات دینے اور سچا اخلاص اور ایمان حاصل کرنے کی یہ راہ بتائی ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (التوبہ : ۱۱۹) یہ سچی بات ہے۔ اس کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ جس نے نبی کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا۔ رسم اور عادت کی غلامی سے انسان اسی وقت نکل سکتا ہے۔ جب وہ عرصہ دراز تک صادقوں کی صحبت اختیار کرے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے۔

مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد : ۱۸) حقیقت یہی ہے کہ جو شخص دُنیا کے لیے نفع رساں ہو۔ اس کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ اس پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھوٹی تھی۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اوّل اس لیے کہ انسانی زندگی کا اصل منشاء اور مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا۔ آپؐ دُنیا میں اس وقت آئے جبکہ دنیا کی حالت بالطبع مصلح کو چاہتی تھی اور پھر آپؐ اُس وقت اُٹھے۔ جب پوری کامیابی اپنی رسالت میں حاصل کر لی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ : ۴) کی صدا کسی دوسرے آدمی کو نہیں آئی اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر : ۲،۳) پُوری کامیابی کا نظارہ اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب جس حال میں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے طور پر کامیاب ہو کر اُٹھے، پھر یہ کہنا کہ آپؐ کی عمر تھوڑی تھی سخت غلطی ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوض اَبدی ہیں اور ہر زمانہ میں آپؐ کے فیوض کا دروازہ کھُلا ہوا ہے۔ اس لیے آپؐ کو زندہ نبی کہا جاتا ہے اور حقیقی حیات آپؐ کو حاصل ہے۔ طُولِ عمر کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اور اس آیت کے موافق آپؐ ابدالآباد کے لیے زندہ رہے۔

مسیح علیہ السّلام کی وفات کے دو گواہ

مسیح علیہ السّلام کی وفات پر دو زبردست گواہیاں علاوہ اور گواہوں کی شہادت کے موجود ہیں۔ جن کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اوّل خدا تعالیٰ کی شہادت جیسے یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران ۵۶) فرمایا ہے۔ اور پھر دوسری شہادت رسُول اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کی ہے۔ آپؐ نے یحییٰ علیہ السّلام کے ساتھ حضرت مسیحؑ کو دیکھا۔ اب ان دو گواہوں کے خلاف یہ کہنا کہ وہ زندہ ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

رجُوع کا لفظ صعُود کے بعد ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ مسیح کے معہ وجود عنصری آسمان پر چڑھنے کو ثابت کرتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ مسیح کا رجُوع ثابت کریں، کیونکہ نزول کے لیے صعُود لازم نہیں ہے۔

صدق و وفا

حدیث میں آیا ہے کہ صوم و صلوٰۃ سے درجہ نہیں ملتا، بلکہ اُس بات سے جو انسان کے دل میں ہے یعنی صدق و وفا۔ خدا یہی چاہتا ہے کہ عمل صالح ہو اور اس کا اخفا ہو ریاکاری نہ ہو۔

صدق بڑی چیز ہے اس کے بغیر عمل صالحہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ اپنی سُنّت نہیں چھوڑتا اور انسان اپنا طریق نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس لیے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) خدا تعالیٰ میں ہو کر جو مجاہدہ کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔

وحدت الوجود

بُت پرست بھی وجودیوں کی طرح اپنے بُتوں کو مظاہر ہی مانتے ہیں۔ قرآن شریف اس مذہب کی تردید کرتا ہے۔ وہ شروع ہی میں یہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اگر مخلوق اور خالق میں کوئی امتیاز نہیں، بلکہ دونوں برابر اور ایک ہیں تو ربّ العالمین نہ کہتا اب عالم تو خدا تعالیٰ میں داخل نہیں کیونکہ عالم کے معنے ہیں مَا يُعْلَمُ بِهٖ اور خدا تعالیٰ کے لیے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۴) موجودات کو جو وہ عین اللہ کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف نے عین اور غیر کی کوئی بحث نہیں کی۔ محی الدین ابن عربی سے جو منسوب کرتے ہیں کہ اس نے لکھا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ عَيْنُهَا یہ بات صحیح ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل: ۳۷) جب انسان کو کچھ خبر نہیں، پھر بتاؤ کہ غیب کہاں رہی۔ یہ تو پکی بات ہے کہ صفات کسی چیز کے اس سے الگ نہیں ہوتے۔ خواہ وہ کہیں چلی جاوے۔ پانی کو خواہ لندن لے جاؤ، آخر وہ پانی رہے گا۔ جب انسان خدا ہو تو اس کی صفات اس سے کیوں الگ ہونے لگیں۔ خواہ کسی حالت میں ہو۔

استحالہ کے ساتھ اس کے صفات معدوم ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک چیز کا بقا تو اس کے صفات ہی کے ساتھ ہے۔ اگر ایک پھول کے صفات اُس کے ساتھ نہیں تو وہ پھول کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس اگر انسان خدا ہے تو پھر اسکی خدائی کے صفات اس کے ساتھ ہونے ضروری ہیں۔ اگر صفات نہیں، تو پھر نادانی سے اُسے خدا بنایا جاتا ہے۔

انسان ایسی ایسی مصیبتوں اور مشکلات میں گرفتار ہوتا ہے کہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے اور ایسا سرگرداں ہوتا ہے کہ کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ہزاروں آرزوئیں اور تمنائیں ایسی ہوتی ہیں کہ پوری ہونے میں نہیں آتیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے ارادے بھی اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ پورے نہ ہوں۔ اس کی شان تو یہ ہے۔ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ: ۸۳)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو انسان کو اپنے ارادوں میں نامراد کرتا ہے۔ وہ کوئی الگ اور

طاقتور ہستی ہے۔ اگر دونوں ایک ہوتے تو یہ نامرادی نہ ہونے پاتی۔ یہ باتیں قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور خطرناک گستاخی کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اعتراض کرنا کہ پھر دنیا کہاں سے بنائی۔ بے ادبی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو قادر مان لیا، پھر ایسے اعتراضات کیوں کیے جاویں۔ آریہ بھی اس قسم کے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کو اپنی قوت اور طاقت کے پیمانہ سے ناپنا چاہتے ہیں۔

پھر دیکھو۔ وجودیوں کے بڑے بڑے مُوئی مرے ہیں اور مرتے ہیں۔ اگر وہ خدا تھے تو ان کو تو اس وقت خدائی کا کرشمہ دکھانا چاہیے تھا۔ نہ یہ کہ عاجز انسان کی طرح تڑپ کر جان دیدی۔ یاد رکھو انسان کی سعادت یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں اپنا دخل نہ دے، بلکہ اپنی عبُودیت کا اعتراف کرے۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے اور مذہب ہے کہ ایک فوق الفوق قادر ہستی ہے جو ہم پر کام کرتی ہے۔ جدھر چاہتی ہے لے جاتی ہے۔ وُہ خالق ہے ہم مخلوق ہیں۔ وہ حیّ قیوم ہے اور ہم ایک عاجز مخلوق۔ قرآن شریف میں جو حضرت سلیمان اور بلقیس کا ذکر ہے کہ اس نے پانی کو دیکھ کر اپنی پنڈلی سے کپڑا اُٹھایا۔ اس میں بھی یہی تعلیم ہے جو حضرت سلیمان نے اس عورت کو دی تھی۔ وہ دراصل آفتاب پرستی کرتی تھی۔ اس کو اس طریق سے اُنھوں نے سمجھایا کہ جیسے یہ پانی شیشہ کے اندر چل رہا ہے۔ دراصل اُوپر شیشہ ہی ہے۔ اسی طرح پر آفتاب کو روشنی اور ضیاء بخشنے والی ایک اور زبردست طاقت ہے۔

اور یہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ قرآن شریف غیریّت اُٹھانے آیا تھا۔ اس کو وجُودیوں نے سمجھا نہیں — قرآن شریف ایک اتحاد عام مُسلمانوں میں قائم کرتا ہے نہ یہ کہ خالق اور مخلوق کو متحد فی الذات کر دے۔ نظائر کے بغیر تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پس ایسی کوئی مثال وجودیوں کو پیش کرنی چاہیے جس سے معلوم ہو جاوے کہ خالق اور مخلوق ایک ہی ہیں۔ انسان گناہ سے محبت کرتا ہے۔ پھر وہ عین خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔ وجودی کہتے ہیں کہ تم نے غیریّت سے شریک بنالیا۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ہم تو مخلوق مانتے ہیں۔ کوئی الگ خدا تو تجویز نہیں کرتے اور پھر مخلوق بھی ایسی مانتے ہیں جس پر سارا ہی تصرف خدا تعالیٰ کا ہے، کیونکہ وہ حیّ وقیوم خدا ہے۔ جس کے سہارے سے زندگی قائم ہے۔ خدا تعالیٰ اس قسم کا حیّ وقیوم نہیں ہے کہ جیسے معمار کی عمارت کو ضرورت نہیں ہوتی کہ معمار اس کے ساتھ زندہ رہے یعنی اگر معمار مر جاوے تو عمارت کو اس کے مرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ مخلوق کسی صورت میں اس کے سہارے سے الگ ہو ہی نہیں سکتی۔ بلکہ اور مخلوق کی زندگی اور قیام کا اصلی ذریعہ وہی ہے۔ ہم عین غیر کی بحث میں ہرگز نہیں پڑتے۔ قرآن شریف نے ان اصطلاحوں کو کبھی بیان نہیں کیا۔ جو تعلقات خالق اور مخلوقات کے اُس نے بیان کیے ہیں۔ ان سے باہر جانا گستاخی اور بے ادبی ہے۔

شیخ محی الدین سے پہلے اس وحدتِ وجود کا نام و نشان نہ تھا۔ ہاں وحدتِ شہودی تھی یعنی خدا تعالیٰ کے مشاہدہ میں اپنے آپ کو فانی سمجھنا۔ وحدتِ شہودی میں "من تو شدم تو من شدی" استیلائے محبت کا تقاضا تھا۔ وجودیوں نے اس سے تجاوز کر کے وہ کام کیا جو ڈاکٹر اور فلاسفر کرتے ہیں کہ وہ خدائی کے حصہ دار بنتے ہیں۔ اور دیکھا گیا ہے کہ یہ وحدت وجود والے عموماً بے حیا ہوتے ہیں اور نماز روزہ کی ہرگز پرواہ نہیں کرتے۔ یہانتک کہ کنجروں (کنچنوں) کے ساتھ بھی تعلقات رکھتے ہیں۔ ان کو کوئی پرہیز اور حذر نہیں ہوتا۔ شہود کی حقیقت تو یہی ہے۔ کہ جیسے لوہے کو آگ میں ڈالا جاوے اور وہ اس قدر گرم ہو جاوے کہ سرخ آگ کی طرح ہو جاوے۔ اس وقت اگرچہ آگ کے خواص اس میں پائے جاتے ہیں؛ تاہم وہ آگ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح جس شخص کو خدا تعالےٰ سے تعلقات قوی اور شدید ہوتے ہیں اور فنا فی اللہ کے درجہ پر ہوتا ہے، تو اس سے بسا اوقات خارق عادت معجزات صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر ایک قسم کی اقتداری قوت کا نمونہ رکھتے ہیں۔ لوگ اپنی غلط فہمی اور کمزوری سے یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ شاید یہ خدا ہو۔ شہودی حالت میں اکثر امور اُن کی مرضی کے موافق ہو جاتے ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلوں کو خدا تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ: ۴) اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ (النصر: ۲) کی صدا آپ کو آگئی۔[1]

---

۴ راگست ۱۹۰۲ء

۴ راگست کی شام کو بعد نماز مغرب حجۃ اللہ حسب معمول تشریف فرما ہوئے۔ خدام پروانہ وار اردگرد تھے۔ ایک نوجوان نے عرض کی کہ میں اپنا خواب بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا:

"کل صبح کو بیان کرو۔ مسنون طریق یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صبح ہی کو خواب سنا کرتے تھے۔"

ایک زبردست نشان

اثنائے کلام میں اس امر پر تذکرہ ہوا کہ فینی ساکن بھیں نے اعجاز المسیح کا جواب لکھنا چاہا تھا، جو خدائے تعالیٰ کے وعدے کے موافق جو اعجاز المسیح کے ٹائیٹل پیج پر درج ہے۔ بامراد نہ ہو سکا، بلکہ اس دنیا سے اٹھ گیا۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:

"یہ کس قدر زبردست نشان ہے خدا کی طرف سے ہماری تصدیق اور تائید میں کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۸-۹ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ سلسلہ جیسا کہ ہمارے مخالف مشہور کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا۔ تو چاہیے تھا کہ فیضی نے جو لوگوں کی نفع رسانی کا کام شروع کیا تھا اس میں اس کی تائید کی جاتی، لیکن اس طرح پر اس کا جوانا مرگ ہو جانا صاف ثابت کرتا ہے کہ اس سلسلہ کی مخالفت کے لیے قلم اُٹھانا لوگوں کی نفع رسانی کا کام نہ تھا۔ کم از کم ہمارے مخالفوں کو بھی اتنا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی نیت نیک نہ تھی، ورنہ کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کی تائید نہ کی اور اس کو مُہلت نہ ملی کہ اس کو تمام کر لیتا۔

میرے اپنے الہام میں بھی یہ ہے وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ تیئس برس سے زیادہ عرصہ ہوا جب میں تپ سے سخت بیمار ہوا۔ اس قدر شدید تپ مجھے چڑھی ہوئی تھی کہ گویا بہت سے انگارے سینے پر رکھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اس اثنائے میں مجھے الہام ہوا۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض مخالفِ اسلام بھی لمبی عمر حاصل کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کا وجود بھی بعض رنگ میں مفید ہی ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل بدر کی جنگ تک زندہ رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر مخالف اعتراض نہ کرتے تو قرآن شریف کے تیس سپارے کہاں سے آتے۔ جس کے وجود کو اللہ تعالیٰ مفید سمجھتا ہے اسے مُہلت دیتا ہے۔ ہمارے مخالف بھی جو زندہ ہیں۔ وہ مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے وجود سے بھی یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق و معارف عطا کرتا ہے۔ اب اگر مہر علیشاہ اتنا شور نہ مچاتا تو نزول مسیح کیسے لکھا جاتا۔

اس طرح پر جو دُوسرے مذاہب باقی ہیں ان کے بقاء کا بھی یہی باعث ہے تاکہ اسلام کے اصولوں کی خُوبی اور حُسن ظاہر ہو۔ اب دیکھ لو کہ نیوگ اور کفارہ کے اعتقاد والے مذہب اگر موجود نہ ہوتے تو اسلام کی خوبیوں کا امتیاز کیسے ہوتا۔ غرض مخالف کا وجود اگر مفید ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے مُہلت دیتا ہے[1]۔

چونکہ حضرت کی طبیعت آج کسی قدر ناساز تھی اور گرمی بھی زیادہ تھی اس کے بعد جلد نماز عشاء ادا کر لی گئی۔

---

۶ راگست ۱۹۰۲ء

۶ راگست کی شام کو حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے۔ پیر گولڑوی کی اس پُرفن کارروائی کا ذکر تھا جو اس نے اپنی کتاب سیف چشتیائی کی تالیف میں کی ہے اور جس کا راز اگلی اشاعت میں بالکل کھول دیا جاوے گا اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۱ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

دنیا کو دکھایا جاوے گا کہ کفن کھسوٹ مصنف بھی دُنیا میں ہیں۔ اس کے بعد امریکہ کے مشہور مفتری مدعی الیاس ڈوئی کا اخبار پڑھا گیا جو مفتی محمد صادق صاحب ایک عرصہ سے سُنایا کرتے ہیں۔ ڈوئی نے اپنے مخالف قوموں بادشاہوں اور سلطنتوں کی نسبت پیشگوئی کی ہے کہ وہ تباہ ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت اقدسؑ کی رگِ غیرت و حمیت دینی جوش میں آئی اور فرمایا کہ :

"مفتری کذاب اسلام کا خطرناک دشمن ہے۔ بہتر ہے اُس کے نام ایک کھُلا خط چھاپ کر بھیجا جاوے اور اس کو مقابلہ کے لیے بُلایا جاوے۔ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی سچا مذہب نہیں ہے اور اسلام ہی کی تائید میں برکات اور نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اگر یہ مفتری میرا مقابلہ کرے گا، تو سخت شکست کھائے گا اور اب وقت آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے افترا کی اس کو سزا دے۔"

غرض یہ قرار پایا کہ ۷ راگست کو حضرت اقدسؑ ایک خط اس مفتری کو لکھیں اور اسے نشان نمائی کے میدان میں آنے کی دعوت کریں۔ یہ خط انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر مختلف اخبارات میں بھی شائع ہو گا اور بھیجا جاوے گا۔"

الہام

نزول المسیح جو آجکل لکھ رہے ہیں۔ اور پیر گولڑی کی کتاب سیف چشتیائی بھی زیرِ نظر ہے۔ اس پر کسی قدر توجہ کرنے سے یہ الہام ہوا :

اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ الْقَدِیْرُ۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ

---

۷ راگست ۱۹۰۲ء

۷ راگست کی صبح کو حسب معمول سیر کو نکلے۔ ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ حضور امسال شکاگو کی طرز پر ایک مذہبی کانفرنس جاپان میں ہونے والی ہے۔ جس میں مشرقی دُنیا کے مذاہب کے سرکردہ ممبروں کا اجتماع ہو گا۔ اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیوں پر لیکچر دیئے جائیں گے۔ کیا اچھا ہو اگر حضور کی طرف سے اس تقریب پر کوئی مضمون لکھا جائے اور اسلام کی خوبیاں اس جلسہ میں پیش کی جاویں۔ ہماری جماعت کی طرف سے کوئی صاحب جیسے مولوی محمد علی صاحب ہیں، چلے جائیں۔ جاپان کے مصارف بھی بہت نہیں ہیں اور جاپان والوں

نے ہندوستانیوں کو دعوت کی ہے بلکہ وہ ہندوستان سے جانے والوں کے لیے اپنا الگ جہاز بھیجنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ :

بیشک ہم تو ہر وقت تیار ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کب ہوگی اور اس کے قواعد کیا ہیں، تو ہم اسلام کی خوبیوں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرکے دکھا سکتے ہیں اور اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو کہ ہر میدان میں کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ مذہب کے تین جزو ہیں۔ اوّل خداشناسی۔ مخلوق کے ساتھ تعلق اور اس کے حقوق اور اپنے نفس کے حقوق۔ جس قدر مذاہب اس وقت موجود ہیں بجز اسلام کے جو ہم پیش کرتے ہیں سب نے بے اعتدالی کی ہوئی ہے۔ پس اسلام ہی کامیاب ہوگا۔

ذکر کیا گیا کہ وہاں بدھ مذہب ہے اس کا ذکر بھی اس مضمون میں آجانا چاہیے۔ فرمایا :

بدھ مت بدھ مذہب دراصل سناتن دھرم ہی کی شاخ ہے۔ بدھ نے جو اوائل میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ اور قطع تعلق کر لیا، شریعتِ اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ اسلام نے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے اور مخلوق سے تعلق رکھنے میں کوئی تناقض بیان نہیں کیا۔ بدھ نے اوّل ہی قدم پر غلطی کھائی ہے اور اس میں دہریت پائی جاتی ہے۔ مجھے اس بات سے بھی تعجب نہیں ہوتا کہ ایک کتا مردار کیوں کھاتا ہے جس قدر تعجب اس بات سے ہوتا ہے کہ انسان انسان ہو کر اپنی جیسی مخلوق کی پرستش کیوں کرتا ہے۔ اس لیے اس وقت جب خدا نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے تو سب سے اوّل میرا فرض ہے کہ خدا کی توحید قائم کرنے کے لیے تبلیغ اور اشاعت میں کوشش کروں۔ پس مضمون تیار ہو سکتا ہے اور وہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ پہلے قواعد آنے چاہئیں۔

پھر فرمایا کہ :

اس مضمون کے پڑھنے کے لیے اگر مولوی عبدالکریم صاحب جائیں تو خوب ہے۔ اُن کی آواز بڑی بارُعب اور زبردست ہے اور وہ انگریزی لکھا ہوا ہو۔ تو اُسے خوب پڑھ سکتے ہیں اور ساتھ مولوی محمد علی صاحب بھی ہوں اور ایک اور شخص بھی چاہیے۔ اَلثَّرِیْدُ ثُمَّ الطَّرِیْدُ۔

پھر اس سلسلہ کلام میں فرمایا :

زمانہ میں باوجود استغراق دُنیا کے مذہب کی طرف بھی توجہ ہو گئی ہے اور مذہبی چھیڑ چھاڑ کا ایسا سلسلہ جاری ہو گیا ہے کہ پہلے کبھی ایسا موقع نہیں ملا۔

پھر اس ذکر پر کہ انجمن حمایت اسلام کو بعض اخباروں نے توجہ دلائی ہے کہ وہ کوئی آدمی بھیجیں۔ فرمایا :

ہمارے مخالف اسلام کو کیا پیش کریں گے۔ جبکہ اسلام کی خوبیوں کا خود ان کو اعتراف نہیں ہے۔ اوّل

خدا تعالیٰ کی توحید اسلام نے بڑے زور سے قائم کی مگر جب یہ مسیح میں خدائی صفات کو قائم کرتے اور مانتے ہیں تو توحید کہاں رہی۔ پھر برکات اسلام کا فخر ہے، مگر یہ لوگ اس سے بھی منکر ہیں۔ اگر پچھلے قصے پیش کریں تو سناتن والے بھی کر سکتے ہیں۔ اسلام تو اس پھل کی طرح تھا جو تازہ بتازہ ہو۔ جس کے کھانے سے لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے، مگر اب ان لوگوں نے وہ حالت کر دینی چاہی ہے جیسے ایک سڑا ہوا پھل ہو۔ جس کی بدبو دماغ کو خراب کر دے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اسلام کو تازہ ہی رکھا ہے اور اس لیے کہ ہمارے کوئی دوسرا اس کو پیش نہیں کر سکتا۔ آج اسلام کو وہی کامیاب کر سکتا ہے جو بیان کرتے کرتے مسیح کو قبر تک پہنچا دے۔

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ :

خدا تعالیٰ نے جو براہین میں وعدہ کیا تھا یَنْصُرُکَ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ۔ یعنی اللہ بہت سے میدانوں میں تیری مدد کرے گا۔ ابتک جس قدر میدان ہمارے سامنے آئے خدا تعالیٰ نے فتح دی۔[1]

---

۸ راگست ۱۹۰۲ء کی شام

امریکہ کے ڈاکٹر ڈوئی کے نام حضرت مسیح موعودؑ کی چٹھی کا خلاصہ

حضرت اقدس علیہ السلام نے مولوی محمد علی صاحب کو وہ چٹھی دی۔ جو ڈاکٹر ڈوئی امریکہ کے مشہور عیسائی مفتری کے نام لکھی ہے۔ چنانچہ وہ چٹھی پڑھ کر سنائی گئی۔ اس چٹھی کو ہم انشاء اللہ اخیر ستمبر ۱۹۰۲ء تک الحکم میں شائع کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ تاہم حاصل بالمطلب کے طور پر اتنا اب بھی لکھ دیتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے اس چٹھی میں ایک عظیم الشان فیصلہ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ ہمارے ناظرین اخبار کو غالباً معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر ڈوئی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عہد نامہ کا رسول ہے۔ وہ الیاس پیغمبر ہے جس کا آنا مسیح سے پہلے ضروری تھا اور اس نے اپنے اخبار میں یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ سلطنت و انسان وہ قوم ہلاک ہو جائے گی جو اس کو رسول نہیں مانتے اور مسلمانوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور اس پیشگوئی میں ہماری گورنمنٹ کو بھی داخل کر لیا ہے۔ اور تمام دنیا کی سلطنتوں کو شامل کیا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے اس چٹھی کے ذریعہ ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت کی ہے کہ :

اب فیصلہ کا طریق آسان ہے۔ اس قدر مسلمانوں کے ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مسیح موعودؑ جس کا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۴ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

ڈاکٹر ڈوئی انتظار کرتا ہے آگیا ہے وُہ مَیں ہوں پس میرے ساتھ مقابلہ کرکے یہ فیصلہ ہوسکتا ہے کہ کون کاذب اور مفتری ہے۔ ڈاکٹر ڈوئی اپنے مُریدوں میں سے ایک ہزار آدمی کے دستخط دیگر ایک قسم اس طرح شائع کرے کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب اور مُفتری ہے وہ راستباز اور صادق سے پہلے ہلاک ہو جاوے۔ پس پھر کاذب کی موت خود ایک نشان ہو جاوے گا۔

یہ خلاصہ اس چٹھی کا جس میں اور بھی بہت سے حقائق ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمیشہ کے لیے ثابت کر دیا جاوے کہ یہ غلط خیال ہے کہ تلوار کبھی مذہب کا فیصلہ نہیں کرسکتی ہے۔ یعنی مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے ضمن میں حضرت مسیح کی موت اور آپ کی قبر پر بحث کی ہے۔ اور ان واقعات کی بناء پر جو انجیل میں درج ہوئے ہیں۔ ثابت کیا ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرے، بلکہ وہاں سے بچ کر نکل کھڑے ہوئے اور کشمیر میں آکر فوت ہوئے۔

اس چٹھی کے ختم کرنے کے بعد مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے ایک فارسی نظم غازی و گولڑوی کے جواب میں پڑھی جو دوسری جگہ درج ہے۔ پھر مولوی جمال الدین صاحب سیکھوانی والے نے ایک پنجابی نظم تصدیق المسیح میں جو سوہل کے خیالوں کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے۔ پڑھ کر سُنائی، جس میں حضرت حجۃ اللہ کی صداقت کا معیار آپ کی عظیم الشان کامیابیاں اور دشمنوں کی نامُرادیاں مذکور تھیں۔ ان نظموں کے پڑھے جانے کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔

---

۹ راگست ۱۹۰۲ء

قیصر کی تاجپوشی سیر میں مختلف تذکروں کے بعد قیصر ہند کی تاجپوشی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ:

رعیت کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ شاہ ایڈورڈ ہفتم ہندوستان کے سرپرست ہوتے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ نوجوان بادشاہ کی نسبت بوڑھا بادشاہ رعایا کے لیے بہت ہی مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ نوجوان اپنے جذبات اور جوش کے نیچے کبھی کبھی رعایا کے حقوق اور نگہداشت کے طریقوں میں فروگذاشت کر بیٹھتا ہے، مگر عمر رسیدہ بادشاہ اپنی عمر کے مختلف حصّوں میں گذر جانے کے باعث تجربہ کار ہوتا ہے۔ اس کے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ رعایا کے لیے بہت ہی مفید اور خیر خواہ ہوتا ہے۔

۹ر اگست ۱۹۰۲ء کی شام

حضرت اقدس نماز مغرب سے فارغ ہو کر حسب معمول بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کپورتھلہ سے آئے ہوئے دو تین احباب نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد ایک صاحب کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ قاری ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ سناؤ۔ چنانچہ انھوں نے حضرت اقدس کے ارشاد کے موافق سورۂ مریم کا ایک رکوع نہایت ہی عمدہ طور پر پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد قاری صاحب سے حضرت اقدس معمولی امور دریافت فرماتے رہے۔ ازاں بعد قاری صاحب نے عرض کی کہ حضور بہت عرصہ سے مجھے اس امر کا اشتیاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مجھے ہو جائے۔ اس لیے آپ کوئی وظیفہ مجھے بتا دیجئے کہ ایک جھلک ہو جاوے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا: زیارت رسولؐ اصل مقصد نہیں۔

زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھو۔ آپ نے میری بیعت کی۔ جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد کو مدنظر رکھے جو بیعت سے ہیں۔ یہ امر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے۔ اصل منشاء اور مدعا سے دور ہیں۔ انسان کا اصل منشاء یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن شریف میں بھی یہ اصل مقصد نہیں رکھا گیا، بلکہ فرمایا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران: ۳۲) اصل غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ جب انسان آپ کی اتباع میں کھویا جاتا ہے، تو ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ ضمناً زیارت بھی ہو جاوے۔ جیسے کوئی میزبان کسی کی دعوت کرتا ہے، تو وہ اس کے لیے عمدہ کھانے لاتا ہے لیکن ان کھانوں کے ساتھ وہ ایک دسترخوان بھی لے آتا ہے۔ ہاتھ بھی دُھلائے جاتے ہیں، حالانکہ اصل مقصد تو کھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کرتا ہے۔ وہ اس کو اپنا مقصد ٹھہراتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی زیارت کا ہو جانا بھی کسی وقت ممکن ہے۔ دیکھو بہت سے لوگ یہاں جو بیعت کرنے کے لیے آتے ہیں وہ مجھے دیکھتے ہیں لیکن اگر ان میں وہ تبدیلی جو میری اصل غرض ہے اور جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں، نہیں ہوتی تو میرے دیکھنے سے اُن کو کیا فائدہ ہوا۔

اس طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے اور اس کی کچھ بھی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جس نے گو سارے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہو، مگر وہ سچا اخلاص وفاداری اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان خشیت اللہ اور تقویٰ اس کے دل میں نہ ہو۔ پس یاد رکھو نری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے جو پہلی دعا سکھلائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶، ۷) اگر اللہ تعالیٰ

کا اصل مقصود زیارت ہوتا تو وہ اِھْدِنَا کی جگہ اَرِنَا صُوَرَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی دُعا تعلیم فرماتا۔ جو نہیں کیا گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھ لو کہ آپ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہو جاوے۔ گو آپ کو معراج میں سب کی زیارت بھی ہو گئی۔ پس یہ امر مقصود بالذات ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اصل مقصد پیچھے اتباع ہے۔

سُورۃ فاتحہ کی دُعا چونکہ سُورہ فاتحہ کا ذکر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ:

اِس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ اوّل منعم علیہم۔ دوم مغضوب، سوم ضالین۔ مغضوب سے مُراد بالاتفاق یہُود ہیں اور ضالین سے نصاریٰ۔ اب تو سیدھی بات ہے کہ کوئی دانشمند باپ بھی اپنی اولاد کو وہ تعلیم نہیں دیتا جو اس کے لیے کام آنے والی نہ ہو۔ پھر خدا تعالیٰ کی نسبت یہ کیونکر روا رکھ سکتے ہیں کہ اس نے ایسی دُعا تعلیم کی ہے کہ جو پیش آنے والے اُمور نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ اُمور سب واقعہ ہونے والے تھے۔ مغضوب سے مُراد یہود ہیں اور دوسری طرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمّت کے بعض لوگ یہودی صفت ہو جائیں گے۔ یہانتک کہ ان سے تشبّہ اختیار کریں گے کہ اگر یہودی نے ماں سے زنا کیا ہو تو وہ بھی کریں گے۔ اب وہ یہودی جو خدا تعالیٰ کے عذاب کے نیچے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی زبان سے اُن پر لعنت پڑی تھی۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ وہ وقت اب آگیا ہے۔ میری مخالفت میں یہ لوگ ان سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔

رشوت کی تعریف اس کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک سوال اکثر آدمی دریافت کرتے ہیں کہ اُن کو بعض وقت ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جبتک وہ کسی اہلکار وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ اُن کا کام نہیں ہوتا اور وہ تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ فرمایا:

میرے نزدیک رشوت کی یہ تعریف ہے کہ کسی کے حقوق کو زائل کرنے کے واسطے یا ناجائز طور پر گورنمنٹ کے حقوق کو دبانے یا لینے کے لیے کوئی مابہ الاحتفاظ کسی کو دیا جائے، لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ کسی دُوسرے کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو اور نہ کسی دُوسرے کا کوئی حق ہو صرف اس لحاظ سے کہ اپنے حقوق کی حفاظت میں کچھ دے دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں اور یہ رشوت نہیں، بلکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم راستہ پر چلے جاویں اور سامنے کوئی کُتّا آجاوے تو اس کو ایک ٹکڑا روٹی کا ڈال کر اپنے طور پر جاویں اور اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

استفتاء قلب اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ بعض معاملات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ اصل میں حق پر کون ہے۔ فرمایا:

ایسی صورتوں میں استفتاء قلب کافی ہے۔ اس میں شریعت کا حصہ رکھا گیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر اگر زیادہ غور کی جاوے تو امید ہے قرآن شریف سے بھی کوئی نقص مل جاوے۔

بعد نماز عشاء حضور تشریف لے گئے۔

---

۱۰ اگست ۱۹۰۲ء

۱۰ اگست کی سیر میں شیعوں کے لاہوری مجتہد سید علی حائری کے دوسرے اشتہار یا رسالہ کا تذکرہ تھا جس میں علی حائری نے لغو اور بے معنی طریق پر حضرت امام حسین کی فضیلت کو کل انبیاء پر ثابت کرنے کی بالکل کوشش بیہودہ کی ہے اور ضمناً اس امر پر بھی ذکر ہوا کہ ہمارے مخالفین مکذبین کا جو انجام ہوا ہے۔ وہ ایک زبردست نشان ہے۔ مثلاً غلام دستگیر کا اپنی کتاب میں مباہلہ کرنا اور پھر اس کے چند روز بعد مرجانا۔ یا مولوی اسمٰعیل علیگڈھی کا مباہلہ کرنا اور ہلاک ہونا۔ ایسا ہی لدھیانہ کے اوّل المکذبین مولوی عبدالعزیز کا تباہ ہونا یا دوسرے مخالفوں کا مختلف اذیتوں اور تکلیفوں میں مبتلا اور اس سلسلہ کا کامیاب اور بامراد ہونا یہ عظیم الشان نشان ہے۔

سچا سکھ پھر باتوں ہی باتوں میں جناب نواب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ مومن ہی دنیا و آخرت میں سچا سکھ پاتا ہے۔ جس پر وہ شخص کہنے لگا کہ پھر سب سے بڑے مومن تو انگریز ہیں۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ وہ عنوان ہے جو ہم نے اس نوٹ کے حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ

یہ بات غلط ہے کہ سچا سکھ یا راحت کفار کو حاصل ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ شراب جیسی چیزوں کے ایسے غلام ہیں اور اُن کے حوصلے کیسے پست ہیں۔ اگر اطمینان اور سکینت ہو تو پھر خودکشیاں کیوں کرتے ہیں۔ ایک مومن کبھی خودکشی نہیں کر سکتا۔ جیسے شراب اور دوسرے نشہ بظاہر غم غلط کرنے والے مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے بہتر غم غلط کرنے والا اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے۔ یہ مومن ہی کے لیے ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (الرحمان : ۴۷)۔

مخلوق پرست دانشمند کہاں! حضرت امام حسین کی فضیلت کے دلائل یا دعاوی جو سید علی حائری نے بیان کیے ہیں۔ اُن کے تذکرے پر حضرت اقدس نے ایک موقعہ پر فرمایا۔ کہ:

مخلوق پرست کبھی دانشمند نہیں ہو سکتے۔ اور اب تو زمانہ بھی ایسا آگیا ہے۔ علمی تحقیقات اور ایجادوں نے خود دلوں پر ایک اثر کیا ہے اور لوگ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ یہ خیالی اُمور ہیں۔[1]

۱۰/۱۱ راگست سنہ ۱۹۰۲ء

ایک قریشی صاحب کئی روز سے بیمار ہو کر دارالامان میں حضرت حکیم الامت کے علاج کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے متعدد مرتبہ حضرت حجۃ اللہ کے حضور دُعا کے لیے التجا کی۔ آپ نے فرمایا:

"ہم دُعا کریں گے"

تیمارداری ۱۰ راگست کی شام کو اس نے بذریعہ حضرت حکیم الامت التماس کی کہ میں حضور مسیح موعود کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، مگر پاؤں کے متورم ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ حضرت نے خود ۱۱ راگست کو اُن کے مکان پر جا کر دیکھنے کا وعدہ فرمایا؛ چنانچہ وعدہ کے ایفاء کے لیے آپ سیر کو نکلتے ہی خدام کے حلقہ میں اس مکان پر پہنچے جہاں وہ فروکش تھے۔ آپ کچھ دیر تک مرض کے عام حالات دریافت فرماتے رہے۔ ازاں بعد بطور تبلیغ فرمایا کہ

قبولیتِ دُعا کی شرط میں نے دُعا کی ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ نری دُعائیں کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ جبتک اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امر نہ ہو۔ دیکھو اہلِ حاجت لوگوں کو کس قدر تکالیف ہوتی ہیں۔ مگر حاکم کے ذرا کہہ دینے اور توجہ کرتے سے وُہ دور ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امر سے سب کچھ ہوتا ہے۔ میں دُعا کی قبولیت کو اس وقت محسوس کرتا ہوں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور اذن ہو، کیونکہ اس نے اُدْعُوْنِیْٓ تو کہا ہے مگر اَسْتَجِبْ لَکُمْ بھی ہے۔

یہ ضروری بات ہے کہ بندہ اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرے اور اندر ہی اندر خدا تعالیٰ سے صُلح کر لے اور یہ معلوم کرے کہ وہ دُنیا میں کس غرض کے لیے آیا ہے۔ اور کہاں تک اس غرض کو پُورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبتک انسان اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض نہیں کرتا۔ اس وقت تک کسی تکلیف میں مُبتلا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انسان تبدیلی کرے۔ تو خدا تعالیٰ پھر رجُوع برحمت کرتا ہے۔ اس وقت طبیب کو بھی سُوجھ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر کوئی امر مشکل نہیں، بلکہ اس کی تو شان ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰسٓ: ۸۳)۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ پرچہ ۱۷ راگست سنہ ۱۹۰۲ء

ایک بار میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک ڈپٹی انسپکٹر پنسل سے ناخن کا میل نکال رہا تھا جس سے اس کا ہاتھ وَرم کر گیا۔ آخر ڈاکٹر نے ہاتھ کاٹنے کا مشورہ دیا۔ اس نے معمولی بات سمجھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ اسی طرح ایک دفعہ میں نے پنسل کو ناخن سے بنایا۔ دوسرے دن جب میں سیر کو گیا، تو مجھے اس ڈپٹی انسپکٹر کا خیال آیا اور ساتھ ہی میرا ہاتھ وَرم کر گیا۔ میں نے اسی وقت دُعا کی اور الہام ہوا۔ اور پھر دیکھا تو ہاتھ بالکل دُرست تھا۔ اور کوئی وَرم یا تکلیف نہ تھی۔ غرض بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب اپنا فضل کرتا ہے، تو کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی، مگر اس کے لیے ضروری شرط ہے کہ انسان اپنے اندر تبدیلی کرے۔ پھر جس کو وہ دیکھتا ہے کہ یہ نافع وجُود ہے، تو اس کی زندگی میں ترقی دے دیتا ہے۔ ہماری کتاب میں اس کی بابت صاف لکھا ہے وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) ایسا ہی پہلی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں درج ہے۔

انسان بہت بڑے کام کے لیے بھیجا گیا ہے، لیکن جب وقت آتا ہے اور وُہ اس کام کو پورا نہیں کرتا۔ تو خدا اس کا تمام کام کر دیتا ہے۔ خادم کو ہی دیکھ لو کہ جب وُہ ٹھیک کام نہیں کرتا، تو آقا اس کو الگ کر دیتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ اس وجود کو کیونکر قائم رکھے، جو اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا۔

ہمارے مرزا صاحبؑ پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔ اُن کا قول تھا کہ اُن کو کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا۔ سچ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے اِذن کے بغیر ہر ایک ذرّہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کبھی مفید نہیں ہو سکتا۔ توبہ و استغفار بہت کرنی چاہیے۔ تا خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ جب خدا تعالیٰ کا فضل آتا ہے، تو دُعا بھی قبول ہوتی ہے۔ خدا نے یہی فرمایا ہے کہ دُعا قبول کروں گا۔ اور کبھی کہا کہ میری قضاء و قدر مانو۔ اس لیے میں تو جب تک اِذن نہ ہو بے کم امید قبولیت کی کرتا ہوں۔ بندہ نہایت ہی ناتواں اور بے بس ہے۔ پس خدا کے فضل پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

حُکّام اور برادری سے سلوک

چوہدری عبداللہ خاں صاحب نمبردار مہلول پور نے سوال کیا کہ حکام اور برادری سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔

ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ سب سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی سچی اطاعت کرنی چاہیے، کیونکہ وہ حفاظت کرتے ہیں۔ جان اور مال اُن کے ذریعہ امن میں ہیں اور برادری کے ساتھ بھی نیک سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ

---

* حضرت اقدسؑ کے والد مرحوم و مغفور۔

برادری کے بھی حقوق ہیں؛ البتہ جو متقی نہیں اور بدعات و شرک میں گرفتار ہیں اور ہمارے مخالف ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے؛ تاہم اُن سے نیک سلوک کرنا ضرور چاہیے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو۔ جو دُنیا میں کسی سے نیکی نہیں کرسکتا، وہ آخرت میں کیا اجر لے گا۔ اس لیے سب کے لیے نیک اندیش ہونا چاہیے۔ ہاں مذہبی اُمور میں اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ جس طرح پر طبیب ہر مریض کی خواہ ہندو ہو یا عیسائی یا کوئی ہو سب کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔ اسی طرح پر نیکی کرنے میں عام اُصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفار کو قتل کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے بہ سبب بلاوجہ قتل کرنے مُسلمانوں کے مجرم ہو چکے تھے۔ اُن کو جو سزا ملی مجرم ہونے کی حیثیت سے تھی۔ محض انکار اگر ساوگی سے ہو اور اس کے ساتھ شرارت اور ایذا رسانی نہ ہو، تو وہ اس دُنیا میں عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔

رشوت

رشوت ہرگز نہیں دینی چاہیے۔ یہ سخت گناہ ہے، مگر میں رشوت کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ جس سے گورنمنٹ یا دوسرے لوگوں کے حقوق تلف کیے جاویں۔ میں اس سے سخت منع کرتا ہوں۔ لیکن ایسے طور پر بطور نذرانہ یا ڈالی اگر کسی کو دی جاوے جس سے کسی کے حقوق کے اتلاف مدنظر نہ ہو، بلکہ اپنی حق تلفی اور شر سے بچنا مقصود ہو۔ تو یہ میرے نزدیک منع ہے۔ اور میں اس کا نام رشوت نہیں رکھتا۔ کسی کے ظلم سے بچنے کو شریعت منع نہیں کرتی، بلکہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ۔ (البقرہ: ۱۹۶) فرمایا ہے۔

خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرو

خانصاحب نواب خاں صاحب جاگیردار مالیر کوٹلہ نے ایک شخص کا ذکر کیا کہ وہ ارادت کا اظہار کرتا ہے۔ مگر چاہتا ہے کہ اس کی توجہ نماز کی طرف ہو جائے۔ فرمایا کہ:

یہ لوگ خدا تعالیٰ سے ایسی شرطیں کیوں کرتے ہیں۔ پہلے خود کو شش کرنی چاہیے۔ قرآن میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ مقدم ہے۔ خدا تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ اگر وہ خود کوشش کرنا چاہتے ہیں، تو مہینے تک یہاں آکر رہیں۔ خدا نے فرمایا ہے۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹) یہاں وُہ نماز پڑھنے والوں کو دیکھیں گے باتیں سُنیں گے۔

خدا تعالیٰ تو غنی ہے۔ اگر ساری دُنیا اُس کی عبادت نہ کرے تو اس کو کیا پرواہ ہے۔ ہزاروں موتیں انسان قبول کرے تو خدا کو خوش کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرو یہ اچھا طریق نہیں۔

حدیث

حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ اوّل وہ جو صراحتاً بلا تاویل ہماری ممد اور مُعاون ہیں۔ جیسے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ۔ لَامَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی وغیرہ۔ اور دوم کچھ اس قسم کی ہیں۔ جو ہمارے مخالف پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ذرا سی توجہ سے ان کا مضمون اور مفہوم ہمارے مطابق ہو جاتا ہے اور بعض بالکل محرّف و مبدّل قرآن شریف کے خلاف اقوالِ مَردُود ہیں۔ ہم اُن کو رد کر دیں گے۔

خدا تعالیٰ کی آواز تو ہمیشہ آتی ہے، مگر مُردوں کی نہیں آتی۔ اگر کہیں کسی مردے کی آواز آتی ہے تو خدا کی معرفت۔ یعنی خدا تعالیٰ کوئی خبر اُن کے متعلق دے دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی ہو خواہ نبی ہو یا صدیق یہ حال ہے۔ کہ آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور اہل و عیال کے درمیان ایک حجاب رکھ دیتا ہے۔ وہ سب تعلق قطع ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے: فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ (المومنون:۱۰۲) کہف والا قصہ ہماری راہ میں نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے اُن کو سُلایا ہو اور پھر جگایا ہو، تو ہمارا کوئی حرج نہیں۔ مسیح کی وفات سے اس کو کیا تعلق؟ مسیح کے لیے کہاں وعدہ آیا ہے۔

فضیلت کا مسئلہ

امام حسینؓ پر میری فضیلت کا ذکر سُنکر یونہی غصہ میں آتے ہیں۔ قرآن نے کہاں امام حسین کا نام لیا ہے۔ زیدؓ کا ہی نام لیا ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو چاہیے تھا کہ حسین کا نام بھی لے دیا جاتا۔ اور پھر مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کہہ کر اور بھی ابوت کا خاتمہ کر دیا۔ اگر اِلَّا حُسَیْنٌ کہہ دیا ہوتا تو شیعہ کا ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے لاپروا ہوتے ہیں۔ اُن کی تمنا بھی یہ نہ تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی تمنا بھی پوری کر دیتا ہے۔

مخالفین سے معانقہ

قبل از نماز ظہر حضرت اقدسؑ سے دریافت کیا گیا کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا اور معانقہ کرنا جائز ہے؟ فرمایا:

میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں یہ غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔ وہ لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ہم اُن سے معانقہ کریں۔ قرآن شریف ایسی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے

جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی باتوں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اور پھر یہ لوگ خنزیر خور ہیں۔ اُن کے ساتھ کھانا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی ماں بہن کو گالیاں دے، تو کیا وہ روا رکھے گا کہ اس کے ساتھ مل کر بیٹھے اور معانقہ کرے۔ پھر جب یہ بات نہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں اور گالیاں دینے والوں سے کیوں اس کو جائز رکھا ہے۔

۱۱ر اگست ۱۹۰۲ء

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کی فضیلت مسیحؑ اور اُن کے حواریوں پر

بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام معمول کے موافق خدام کے حلقہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ :

قرآن شریف کے ایک مقام پر غور کرتے کرتے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت اور کامیابی معلوم ہوئی جس کے مقابل میں حضرت مسیحؑ بہت ہی کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ سُورۃ مائدہ میں ہے کہ نزول مائدہ کی درخواست جب حواریوں نے کی تو وہاں صاف لکھا ہے کہ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (المائدہ : ۱۱۴) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس قدر معجزات مسیح کے بیان کئے جاتے ہیں اور جو حواریوں نے دیکھے تھے۔ ان سب کے بعد اُن کا یہ درخواست کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اُن کے قلوب پہلے مطمئن نہ ہوئے تھے۔ ورنہ یہ الفاظ کہنے کی اُن کو کیا ضرورت تھی۔ وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا۔ مسیح کی صداقت میں بھی اس سے پہلے کچھ شک ہی سا تھا۔ اور وہ اس جھاڑ پھونک کو معجزہ کی حد تک نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ ایسے مطمئن اور قوی الایمان تھے کہ قرآن شریف نے ان کی نسبت رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البیّنۃ : ۹) فرمایا۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ اُن پر سکینت نازل فرمائی۔ یہ آیت مسیح علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت کھولتی ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم کرتی ہے۔ صحابہ کا کہیں ذکر نہیں کہ اُنھوں نے کہا کہ ہم اطمینانِ قلب چاہتے ہیں، بلکہ صحابہ کا یہ حال کہ اُن پر سکینت نازل ہوئی۔ اور یہود کا یہ حال يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ : ۱۴۷) ان کی حالت بتائی۔ یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یہانتک کھل گئی تھی کہ وُہ اپنے بیٹوں کی طرح شناخت کرتے تھے اور نصاریٰ کا یہ حال کہ ان کی آنکھوں سے آپ کو دیکھیں تو آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ یہ مراتب مسیح کو کہاں نصیب!

اس پر عرض کیا گیا کہ حضور! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی احیائے موتیٰ کی کیفیت کے متعلق اطمینان چاہا تھا۔ کیا اُن کو بھی پہلے اطمینان نہ تھا؟ فرمایا:

انبیاءؑ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مکتب میں تعلیم پانے والے ہوتے ہیں اور تلامیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے۔ اس لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن شریف میں آیا ہے۔ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان: ۳۳) پس میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی حالت کیسی ہوتی ہے جس دن نبی مامور ہوتا ہے اُس دن اور اُس کی نبوت کے آخری دن میں ہزاروں کوس کا فرق ہو جاتا ہے۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کہا۔ ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے جس کی نسبت قرآن شریف نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم: ۳۸) وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ (البقرہ: ۱۲۵) پھر یہ اعتراض کس طرح پر ہو سکتا ہے۔

کیا ایک بچہ مثلاً مبارک (سلمہٗ ربہٗ) جو آج مکتب میں بٹھایا وہ ایم۔ اے یا بی۔ اے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی بھی حالت ہوتی ہے کہ ان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ میں باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے وہ تمام آیات جو حضرت مسیحؑ سے متعلق ہیں میرے لیے نازل کی ہیں اور میرا نام مسیح رکھا اور آدم۔ داؤد۔ سلیمان غرض تمام انبیاء کے نام رکھے، مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں جبتک خود اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت پر یہ راز نہ کھول دیا۔ حواریوں نے جو اطمینانِ قلب چاہا ہے وہ ان سب نشانات کے بعد ہے جو وہ دیکھ چکے تھے، اس لیے وہ اعتراض کے نیچے ہیں کہ ان کو ضرور شک تھا۔

آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ نص ہے مسیحؑ کے عدم نزول پر

اس کے بعد امریکہ کے مشہور کاذب اور مُفتری ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کا خلاصہ برادر مفتی محمد صادق صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ اُس کے سُننے کے بعد حضرت حجۃ اللہ نے پھر ذکر کیا کہ:

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ: ۱۱۸) سورۂ مائدہ کی آیت پر آج پھر غور کرتے ہوئے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیح سے یہ سوال ہوا کہ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو الٰہ بنا لو تو وہ اپنی بریت کے لیے جواب دیتے ہیں کہ مَیں نے تو وہی تعلیم دی تھی جو تُو نے مجھے دی تھی اور جبتک مَیں اُن میں رہا، اُن کا نگران تھا اور جب تُو نے مجھے وفات دے دی۔ تو تُو اُنپر

نگران تھا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ دوبارہ دُنیا میں آئے تھے۔ اور یہ سوال ہوا تھا قیامت میں تو اس کا یہ جواب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اُن کو تو یہ جواب دینا چاہیے تھا کہ ہاں بیشک میرے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد اُن میں شرک پھیل گیا تھا، لیکن پھر دوبارہ جاکر تو میں نے صلیبوں کو توڑا۔ فلاں کافر کو مارا۔ اُسے ہلاک کیا، اُسے تباہ کیا۔ نہ یہ کہ وہ یہ جواب دیتے۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۔ (المائدہ: ۱۱۸) اس جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو ہرگز ہرگز خود دُنیا میں نہیں آنا ہے اور یہ نص ہے اُن کے عدم نزول پر۔

۱۲ر اگست ۱۹۰۲ء (بوقت شام)

حضرت جری اللہ فی حُلَلِ الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ادائے نماز کے بعد جلوس فرما ہوئے۔ فرمایا کہ:

چونکہ یہ کتاب نزول المسیح تمام مسائل کی جامع کتاب بنانی چاہتا ہوں۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ ہمارے چند احباب میری کتابوں کے مضامین کی ایک ایک فہرست بنا دیں، تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ کون کون سے مضامین اس میں آچکے ہیں۔

اس کے بعد ایڈیٹر الحکم نے الحکم کا وہ نمبر پیش کیا جو ۲۴ر جولائی ۱۹۰۱ء کا چھپا ہوا ہے اور جس میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ایک خط مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھوکے والے کے نام حضرت حجۃ اللہ المسیح الموعود کے ایماء سے لکھا تھا اور جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اگر تُو حضرت اقدس کے برخلاف نام لیکر کوئی مخالف الہام پیش کریگا، تو ہلاک ہو جاوے گا۔ غرض وہ مضمون ناظرین الحکم پڑھ چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف وجوہِ کفر

اس کے بعد حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ مولوی محمد حسین صاحب کا ایک رسالہ آیا ہے۔ جس میں چینیاں والی مسجد میں قیامت کے عنوان سے آپ نے ایک مضمون لکھا ہے۔ جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف ہے۔ لکھتے لکھتے ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ہم اس کو پرافٹ آف قادیان کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی کفر کا فتویٰ دیتے ہیں؛ چنانچہ اس کے نیچے پھر کفر کا فتویٰ مرتب کیا ہے۔

اس پر حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ: وجوہ کفر کیا ہیں؟

مولوی چکڑالوی کہتا ہے کہ حدیث کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ حدیث کا پڑھنا ایسا ہے۔ جیسا کہ کُتے کو ہڈی کا چسکا ہو سکتا ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ قرآن لانے میں اس سے بڑھ کر نہیں جیسا کہ ایک چپڑاسی یا مذکوری کا درجہ پروانہ سرکاری لانے میں ہوتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا :

ایسا کہنا کفر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بے ادبی کرتا ہے۔ احادیث کو ایسی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کفار تو اپنے بُتوں کے جنتر منتر کو یاد رکھتے ہیں۔ تو کیا مُسلمانوں نے اپنے رسولؐ کی باتوں کو یاد نہ رکھا۔ قرآن شریف کے پہلے سمجھنے والے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور اس پر آپؐ عمل کرتے تھے اور دُوسروں کو عمل کراتے تھے۔ یہی سُنّت ہے اور اسی کو تعامل کہتے ہیں۔ اور بعد میں ائمہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اس سُنّت کو الفاظ میں لکھا اور جمع کیا اور اس کے متعلق تحقیقات اور چھان بین کی۔ پس وہ حدیث ہوئی۔ دیکھو بخاری اور مُسلم کو کیسی محنت کی ہے۔ آخر اُنھوں نے اپنے باپ دادوں کے احوال تو نہیں لکھے۔ بلکہ جہاں تک بس چلا صحت و صفائی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یعنی سنّت کو جمع کیا اور اکثر حدیثوں مثلاً بخاری کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں برکت اور نُور ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہیں۔ مثلاً اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی حدیث کیسے صاف ظاہر کرتی ہے کہ مسیح تم میں سے ہوگا۔ اور یہ عیسائیوں کا رد ہے۔ کیونکہ عیسائی فخر کرتے تھے۔ کہ عیسٰی پھر آئے گا اور دینِ عیسوی کو بڑھائے گا۔ لیکن آنحضرتؐ نے سُنایا کہ ہم نے اس کو آسمان پر دیگر فوت شُدہ لوگوں میں دیکھا اور پھر فرمایا کہ جو آنیوالا مسیح ہے وُہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ ہوگا۔ غرض احادیث کے متعلق ایسا کلمہ نہیں بولنا چاہیے۔ ہاں اس معاملہ میں غلو بھی نہیں کرنا چاہیے کہ اس کو قرآن اور تعامل سے بڑھ کر سمجھا جائے، بلکہ جو کچھ قرآن اور سنّت کے مطابق حدیث میں ذکر ہوا ہو۔ اس کو ماننا چاہیے، کیونکہ جب حدیث کی کتابیں نہ تھیں تب بھی لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور تمام شعائر اسلام بجالاتے تھے۔

پس قرآن شریف کے بعد تعامل یعنی سنّت ہے۔ اور پھر حدیث ہے۔ جو اُن کے مطابق ہو۔

مولوی محمد حسین نے پہلے اپنے رسالہ اشاعت السُّنّہ میں ایسا ہی ظاہر کیا تھا کہ جو لوگ خُدا سے وحی اور الہام پاتے ہیں وُہ اپنے طور پر براہِ راست احادیث کی صحت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت قواعد علم حدیث کی رُو سے ایک حدیث موضوع ہوتی ہے اور اُن کے نزدیک صحیح اور ایک حدیث صحیح قرار دی ہوئی اُن کے نزدیک موضوع۔ غرض بات یہ ہے کہ قرآن اور سُنّت اور حدیث تین مختلف چیزیں ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق حضرت اقدس کا ایک پرانا خواب

اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنا پرانا خواب مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق بیان فرمایا۔ جو کہ کتاب سراج منیر کے آخر میں درج ہے۔ اور فرمایا کہ:

یہ بات ۹۴ء یا ۹۵ء کی ہے جب ہم نے یہ رویا دیکھا تھا کہ ہم نے جماعت کرائی ہے اور نماز عصر کا وقت ہے۔ اور ہم نے قرأت پہلے بلند آواز سے کی ہے۔ پھر ہم کو یاد آیا۔ اور اس کے بعد ہم نے محمد حسین سے کہا کہ ہم خدا کے سامنے جائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں ہر بات میں صفائی ہو۔ اگر ہم نے آپ کے متعلق کچھ سخت الفاظ کہے ہوں تو آپ معاف کر دیں۔ اس نے کہا میں معاف کرتا ہوں۔ پھر ہم نے کہا ہم بھی معاف کرتے ہیں۔ پھر ہم نے دعوت کی اور اس نے عذر خفیف کے ساتھ اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اور ایک شخص سلطان بیگ نام چبوترہ پر قریب الموت تھا۔ اور ہم نے کہا کہ ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ اس کے مرنے کے وقت یہ واقعہ ہو اور ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ بہاؤ الدین کے مرنے کے وقت یہ بات ہو۔

اس خواب کے بعد فرمایا:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ خواب میں تعینات شخصیہ ضروری نہیں۔

پھر حضرت اقدسؑ نے مولوی محمد حسین صاحب کے ان دنوں کی حالت کا ذکر کیا۔ جب وہ بات بات میں خاکساری دکھلاتے اور قدم قدم پر اخلاص رکھتے تھے اور جوتے اُٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھتے تھے اور وضو کراتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں مولویت کو نہیں چاہتا۔ مجھے اجازت دو تو میں قادیان میں آ رہا ہوں اور فرمایا: کہ

کسی وقت کا اخلاص اور خدمت انسان کے کام آجاتا ہے۔ شاید ان وقتوں کا اخلاص ہی ہو جو بالآخر مولوی محمد حسین صاحب کو اس سلسلہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے۔ کیونکہ وہ بہت ٹھوکریں کھا چکے ہیں۔ اور آخر دیکھ چکے ہیں کہ خدا کے کاموں میں کوئی حارج نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: کہ

ایسا ہی اجتہادی طور پر ہمیں بعض لوگوں پر بھی حسن ظن ہے کہ وہ کسی وقت رجوع کریں۔ کیونکہ ایک دفعہ الہام ہوا تھا کہ:

"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں۔ وسوسہ پڑ گیا ہے۔ پر مٹی نظیف ہے۔ وسوسہ نہیں رہے گا۔ مٹی رہے گی"

اس کے بعد چند مختلف باتیں ہو کر نماز عشاء ادا کی گئی۔

۱۳؍اگست ۱۹۰۲ء

نماز مغرب کے بعد حضرت اقدس نے کل کی تجویز کی تکمیل کے لیے فرمایا:

مخالفین کے اہم اعتراضات جمع کر لینے کا ارشاد

بہت بہتر ہو کہ اگر مخالفین کی کل کتابیں جمع کر کے اُن کے اہم اعتراضات کو یکجا کر لیا جاوے تاکہ اُن کا جواب بھی ہماری اس کتاب میں آجاوے اور یہ کتاب تمام مسائل کی جامع ہو جاوے۔

اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب نے اس چٹھی کے مضمون کا تتمہ پڑھ کر سُنایا جو امریکہ کے مشہور کاذب مفتری الیاس ڈاکٹر ڈوئی کے نام مقابلہ کے لیے لکھی گئی ہے۔

خلاصہ تتمہ چٹھی بنام الیاس ڈاکٹر ڈوئی

اس تتمہ کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت اقدسؑ نے اس میں لکھا ہے کہ

صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار وہ امر کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو مختلف قوموں میں بطور امرِ مشترک ہو۔ مثلاً سلبِ امراض کا طریق ہے۔ جس پر ڈاکٹر ڈوئی لاف زنی کیا کرتا ہے کہ فلاں شخص اچھا ہو گیا۔ اور فلاں نے صحت پائی۔ یہ طریق اس قسم کا ہے کہ اس کے لیے راستباز اور متقی ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ چہ جائیکہ یہ کسی کے مامور ہونے پر گواہ ہو سکے۔ کیونکہ سلبِ امراض کا طریق ہندوؤں یہودیوں عیسائیوں میں یکساں پایا جاتا ہے اور مسلمانوں میں بھی بعض لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ جب امراضِ سلب کے معجزات دکھاتے تھے۔ اس وقت بعض یہودی بھی اس قسم کے کام کرتے تھے اور ایک تالاب بھی ایسا تھا جس میں غسل کرنے سے بعض مریض اچھے ہو جاتے تھے۔

غرض حضرت حجۃ اللہ نے پہلے اس میں یہ ظاہر کیا کہ جو امر مختلف قوموں میں مشترک ہے اور جس کے لیے نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں۔ صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار نہیں ہو سکتا۔ پھر اس امر پر بحث کی ہے کہ:

اس کی ایک صورت ہے کہ کچھ بیمار لے کر بطور قرعہ اندازی صادق اور کاذب کو تقسیم کر دیئے جائیں ایسی صورت میں صادق کے حصّہ کے مریض بمقابلہ کاذب زیادہ اچھے ہوں۔ اس امر کے بیان میں یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طریق کو اپنے ملک میں اپنے مخالفوں کے سامنے مَیں نے پیش کیا ہے، مگر کوئی مقابلہ کے لیے نہ آیا۔

پھر حضرت اقدس نے ڈوئی کی اس تحدی پر بحث کی ہے جو اس نے اپنے مخالفوں کے لیے کی ہے کہ میرے مخالف ہلاک ہو جائیں گے خصوصاً مسلمان۔ حضرت حجۃ اللہ نے بڑے پُر زور اور پُر شوکت الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ :

کُل مُسلمانوں کو ہلاک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں یہ امر مشکوک ہو سکتا ہے۔ اس کو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ مسلمان ہلاک تو ہو ہی جائیں گے مگر پچاس یا ساٹھ سال کے اندر۔ اور وہ خود اس عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا۔ پھر کون اس سے پُوچھنے والا ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ سارے مسلمانوں کو چھوڑ کر میرے مقابلہ میں آئے اور میں عیسائیوں کے خود ساختہ خدا کی نسبت تمام مسلمانوں سے زیادہ کراہت اور نفرت رکھتا ہوں۔ یہانتک کہ اگر کُل مسلمانوں کی نفرت عیسائیوں کے خُدا کی نسبت ترازو کے ایک پلّہ میں رکھ دی جاوے اور میری نفرت ایک طرف تو میرا پلّہ اس سے بھاری ہوگا۔ اور میں ایسے شخص کو جو عورت کے پیٹ سے نکل کر خُدا ہونے کا دعویٰ کرے بہت ہی بڑا گنہگار اور ناپاک انسان سمجھتا ہوں، مگر ہاں میرا یہ مذہب ہے کہ مسیح ابنِ مریم رسُول اس الزام سے پاک ہے۔ اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ میں اسے اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں، اگرچہ خدا تعالیٰ کا فضل مجھ پر اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور وہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے، اس کے کام سے بہت ہی بڑھ کر ہے، تاہم میں اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں اور میں نے اُسے بارہا دیکھا ہے۔ ایک بار میں نے اور مسیحؑ نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا۔ اس لیے میں اور وُہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔

غرض اس طرح پر حضرت حجۃ اللہ نے بلحاظ اپنے کام اور ماموریت کے اور خدا تعالیٰ کے ان فضلوں اور احسانوں کے جو حضرت مسیح موعود کے شاملِ حال ہیں تحدیث بالنعمت اور تبلیغ کے طور پر ذکر فرمایا اور یہانتک کہا کہ

"میں خُدا سے ہُوں اور مسیح مجھ سے ہے"

ان امُور کے پیش کرنے کے بعد آپ نے پھر پُر شوکت اور تحدی کے ساتھ اس کو مقابلہ کے لیے دعوت کی ہے۔ کہ

اگر وُہ سچا ہے تو اُسے چاہیے کہ مقابلہ کے لیے نکلے اور یہ دُعا کرے کہ

ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے وہ صادق کے سامنے ہلاک ہو

یہ خلاصہ ہے اس تتمہ کا جو ہم نے اپنے طور پر لکھا ہے۔ اصل چٹھی ستمبر کے آخیر تک انشاء اللہ شائع ہو سکے گی۔

آج کی ڈائری میں ایک امر ہم نے فروگذاشت کیا تھا۔ اسے یہاں درج کر دینا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مبارک احمد سلمہ اللہ الاحد کے ایک کبوتر کو بلی نے پکڑا جو ذبح کر لیا گیا۔ فرمایا کہ:

اس وقت میرے دل میں تحریک ہوئی کہ گویا عیسائیوں کے خدا کو ہم نے ذبح کر کے کھا لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ:

انگریز بھی کبوتر کا شکار کرتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی قربانیوں میں بھی شاید اس کا تذکرہ ہے بہرحال کبوتر ہمیشہ کھائے جاتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عیسائیوں کے خدا ذبح ہوتے ہیں۔ کیا یہ بھی کفارہ تو نہیں ہے۔[1]

۱۶ر اگست ۱۹۰۲ء بوقت شام

رزق میں قبض و بسط حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ادائے نماز مغرب حسب معمول حلقۂ خدام میں بیٹھ گئے۔ کسی شخص نے ایک رقعہ دیا۔ جو دفتر میگزین میں محرر کی اسامی کے لیے سفارش کی خواہش پر مشتمل تھا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ:

قبض و بسط رزق کا سر ایسا ہے کہ انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک طرف مومنوں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وعدے کیے ہیں۔ مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۴) یعنے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اُس کے لیے اللہ کافی ہے۔ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳،۴) جو اللہ تعالیٰ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اُس کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذاریات: ۲۳) اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے کہ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (الذاریات: ۲۴) آسمان اور زمین کے رب کی قسم ہے کہ یہ وعدہ سچ ہے۔ جیسا کہ تم اپنی زبان سے بول کر انکار نہیں کر سکتے۔ جبکہ اس قسم کے وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ پھر باوجود ان وعدوں کے دیکھا جاتا ہے کہ کئی آدمی ایسے دیکھے جاتے ہیں جو صالح اور متقی اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶-۱۲ پرچہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۲ء

نیک بخت ہوتے ہیں اور ان کا شعائرِ اسلام صحیح ہوتا ہے، مگر وُہ رزق سے تنگ ہیں۔ رات کو ہے تو دن کو نہیں۔ اور دن کو ہے تو رات کو نہیں۔

جُملہ معترضہ یہاں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ جب مَیں پہلے یہاں آیا۔ تو حضور علامات المقربین ایک رسالہ لکھ رہے تھے۔ واپسی پر گجرات ٹھہرا، تو ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ آج کل مرزا صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (الانفطار: ۱۴) کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ کفار آرام میں نہیں؟ سارا دن بگھیاں چلتی رہتی ہیں۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا: کہ

آپ کے اس آیت کے پڑھنے سے ایک اور آیت یاد آگئی۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ (الرحمان: ۴۷)۔

غرض یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں، مگر تجربہ دلالت کرتا ہے کہ یہ اُمور خُدا کی طرف منسُوب نہیں ہو سکتے۔ ہمارا یہ مذہب کہ وہ وعدے جو خدا تعالیٰ نے کئے ہیں کہ متقیوں کو خود اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔ یہ سب سچے ہیں۔ اور سلسلہ اہل اللہ کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی ابرار میں سے ایسا نہیں ہے۔ کہ بھُوکا مرا ہو۔ مومنوں نے جن پر شہادت دی اور جن کو اتقیا مان لیا گیا۔ یہی نہیں کہ وُہ فقر و فاقہ سے بچے ہوئے تھے۔ گو اعلیٰ درجہ کی خوشحالیاں نہ ہُوں، مگر اس قسم کا اضطراری فقر و فاقہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ عذاب محسوس کریں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیار کیا ہوا تھا۔ مگر آپ کی سخاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود آپ نے اختیار کیا ہوا تھا، نہ کہ بطور سزا تھا۔ غرض اس راہ میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ بظاہر متقی اور صالح ہوتے ہیں مگر رزق سے تنگ ہوتے ہیں۔ ان سب حالات کو دیکھ کر آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے تو سب سچے ہیں، لیکن انسانی کمزوری ہی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

یورپ کی پُرآسائش زندگی جنّت نہیں

حضرت مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب نے پھر ذکر کیا کہ لندن سے ایک شخص نے مجھے خط لکھا ہے کہ لندن آکر دیکھو کہ جنّت عیسائیوں کو حاصل ہے یا مسلمانوں کو۔ مَیں نے اس کو جواب لکھا کہ سچی عیسائیت مسیح اور اس کے حواریوں میں تھی اور سچا اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں تھا۔ پس ان دونوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ اس پر حضرت حجّۃ اللہ نے بہ تسلسل کلام سابق پھر ارشاد فرمایا:

ان رُوحانی اُمور میں ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ نتیجہ نکال لے۔ یہ لوگ جو لندن جاتے ہیں۔ وُہ

دعوٰی جاکر دیکھتے ہیں کہ بڑی آزادی ہے۔ شراب خوری کی اس قدر کثرت ہے کہ ساٹھ میل تک شراب کی دکانیں چلی جاتی ہیں۔ زنا اور غیر زنا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ کیا یہ بہشت ہے؟ بہشت سے یہ مُراد نہیں ہے۔ دیکھو۔ انسان کی بھی بیوی ہے اور وہ تعلقات زوجیت رکھتا ہے اور پرندوں اور حیوانوں میں بھی یہ تعلقات ہوتے ہیں، مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لطافت اور ادراک بخشا ہے۔ انسان جن حواس اور قویٰ کے ساتھ آیا ہے۔ اُن کے ساتھ وہ ان تعلقات زوجیت میں زیادہ لُطف اور سُرور حاصل کرتا ہے۔ بمقابلہ حیوانات کے جو ایسے حواس اور ادراک نہیں رکھتے ہیں۔ اور اسی لیے وُہ اپنے جوڑے کی کوئی رعایت نہیں رکھتے جیسے کتے۔

پس اگر انسان حواس کے ساتھ سرور حاصل نہیں کر سکتے بلکہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر اُن میں اور حیوانوں میں کیا فرق ہوا۔ یہ جو فرمایا ہے۔ کہ مومن کے لیے ہی جنت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا ہے کہ سچی راحت دُنیا کی لذات سے تب پیدا ہوتی ہے جب تقویٰ ساتھ ہو۔ جو تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے اور حلال و حرام کی قید کو اُٹھا دیتا ہے وہ تو اپنے مقام سے نیچے گر جاتا ہے اور حیوانی درجہ میں آجاتا ہے۔

لندن میں جب ہائیڈ پارک میں حیوانوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں اور کوئی شرم و حیا ایک دوسرے سے نہیں کیا جاتا۔ تو پھر ایک شخص انسانیت کو ضبط رکھ کر دیکھے تو ایسی بہشت اور راحت سے ہزار توبہ کرے گا کہ ایسی رنڈیوں اور بے غیرت جماعت سے خدا بچائے۔ ایسی جماعت کو جو ایسی زندگی بسر کرتی ہے بہشت میں سمجھنا حماقت ہے۔ اصل یہی ہے کہ بہشت کی کلید تقویٰ ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ پر بھروسہ نہیں اُسے سچی راحت کیونکر مل سکتی ہے۔ بعض آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں کہ جن کو خُدا پر بھروسہ نہیں اور ان کے پاس روپیہ تھا وہ چوری چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی زبان بند ہو گئی۔ اور اُن (کفار) کو جو بہشت میں کہا جاتا ہے۔ اُن کی خودکشیوں کو دیکھو کہ کس قدر کثرت سے ہوتی ہیں۔ تھوڑی تھوڑی باتوں پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ضعیف القلب اور پست ہمت ہوتے ہیں کہ غم کی برداشت ان میں نہیں ہے۔ جس کو غم کی برداشت اور مصیبت کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس کے پاس راحت کا سامان بھی نہیں ہے۔ خواہ ہم اس کو سمجھا سکیں یا نہ سمجھا سکیں اور کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ راحت آتی ہے تو صرف تقویٰ ہی سے آتا ہے۔ جو متقی ہوتا ہے اس کے دل میں راحت ہوتی ہے اور ابدی سُرور ہوتا ہے۔ دیکھو ایک دوست کے ساتھ تعلق ہو۔ تو کس قدر خوشی اور راحت ہوتی ہے لیکن جس کا خُدا سے تعلق ہو اُسے کس قدر خوشی ہوگی۔ جس کا تعلق خدا سے نہیں ہے۔ اُسے

کیا امید ہو سکتی ہے۔ اور امید ہی تو ایک چیز ہے جس سے بہشتی زندگی شروع ہوتی ہے۔

ان مہذب ممالک میں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں کہ جن سے پایا جاتا ہے کہ کوئی راحت نہیں۔ ذرا راحت کا میدان گم ہوا اور جھٹ خودکشی کر لی، لیکن جو تقویٰ رکھتا ہے اور خدا سے تعلق رکھتا ہے اُسے وُہ جاودانی خوشی حاصل ہے جو ایمان سے آتی ہے۔

دُنیا کی تمام چیزیں معرضِ تغیر و تبدل میں ہیں۔ مختلف آفات آتی رہتی ہیں۔ بیماریاں حملے کرتی ہیں کبھی بچے مرجاتے ہیں۔ غرض کوئی نہ کوئی دُکھ یا تکلیف رہتی ہے۔ اور دُنیا جائے آفات ہے۔ اور یہ امور سکھ کی نیند انسان کو سونے نہیں دیتے۔ جس قدر تعلقات وسیع ہوتے ہیں، اسی قدر آفتوں اور مصیبتوں کا میدان وسیع ہوتا ہے اور یہ آفتیں اور بلائیں انسان کے منزلی تعلقات میں ایک غم کو پچاس بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر اکیلا ہو تو غم کم ہو۔ مگر جب بچے، بیوی، ماں باپ، بہن بھائی اور دُوسرے رشتہ دار رکھتا ہے۔ تو پھر ذرا سی تکلیف ہوئی اور یہ آفت میں پڑا۔ اس قدر مجموعہ کے ساتھ تو اُس وقت راحت ہو سکتی ہے۔ جب کسی کو کوئی بیماری اور آفت نہ ہو اور کوئی تکلیف میں نہ ہو۔

صرف مال مُوجبِ راحت نہیں ہے

یہ بات بھی غلط ہے کہ مال سے راحت ہو۔ نرے مال سے راحت نہیں ہے۔ اگر مال ہے صحت اچھی نہیں۔ مثلاً معدہ خراب ہے۔ تو وُہ کیا بہشتی زندگی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بھی راحت کا باعث نہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ جو خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہی ہر پہلو سے بہشتی زندگی رکھتا ہے کیونکہ اللہ قادر ہے کہ وہ بلائیں اور آفتیں نہ آئیں اور مالی اضطرار بھی نہ ہو۔ یا آئیں تو دل میں ایسی قوت اور ہمت بخش دے کہ وہ اُن کا پورا مقابلہ کر سکے۔

جس قدر پہلو انسان کی عافیت کے لیے ضروری ہے وہ کسی بادشاہ کیلئے بھی ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ وُہ سب ایک ہی کے ہاتھ میں ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ جسے چاہے دیدے۔

بعض لوگ اس قسم کے دیکھے گئے ہیں کہ روپیہ پیسہ سب کچھ موجود ہیں۔ مگر مسلول مدقوق ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی انھیں تلخ معلوم ہوتی ہے۔ پس ان کروڑوں آفات کا جو انسان کو لگی ہوئی ہیں۔ کون بندوبست کر سکتا ہے۔ اور اگر رنج بھی ہو تو صبرِ جمیل کون دے سکتا ہے؟ اللہ ہی ہے جو عطا کرے۔

صبر بھی بڑی چیز ہے۔ جو بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں کے وقت بھی غم کو پاس نہیں آنے دیتا۔ بعض امیر ایسے ہوتے ہیں کہ عافیت اور راحت کے زمانہ میں بڑے مغرور اور متکبر ہوتے ہیں اور ذرا

رنج آگیا۔ تو بچوں کی طرح چلّا اٹھے۔ اب ہم کس کا نام لے سکتے ہیں کہ اس پر حوادث نہ آئیں اور متعلقین کو رنج نہ پہنچے؟ کسی کا نام نہیں لے سکتے۔ یہ بہشتی زندگی کس کی ہو سکتی ہے۔ صرف اُس شخص کی جس پر خدا کا فضل ہو۔

بہشتی زندگی اس لیے یہ بڑی غلطی ہے جو یُونہی کسی کے سفید کپڑے دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ وُہ بہشتی زندگی رکھتے ہیں۔ اُن سے جاکر پُوچھو تو معلوم ہو کہ کتنی بلائیں سُناتے ہیں۔ صرف کپڑے دیکھ کر یا بگھیوں پر سوار ہوتے دیکھ کر شراب پیتے دیکھ کر ایسا خیال کر لینا غلط ہے۔ ماسوا اس کے اباحتی زندگی بجائے خود جہنم ہے۔ کوئی ادب اور تعلق خدا سے نہیں۔ اس سے بڑھ کر جہنمی زندگی کیا ہوگی۔ کتا خواہ مُردار کھائے خواہ بدکاری کرے۔ کیا وُہ بہشتی زندگی ہوگی؟ اسی طرح پر جو شخص مُردار کھاتا ہے اور بدکاریوں میں مُبتلا ہے۔ حرام و حلال کے مال کو نہیں سمجھتا۔ یہ لعنتی زندگی ہے۔ اس کو بہشتی زندگی سے کیا تعلق۔

یہ سچ ہے۔ کہ بہشتی زندگی یہی ہوتی ہے، مگر اُن کی جن کو خدا پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اس لیے وُہ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (الاعراف: ۱۹۷) کے وعدہ کے موافق خدا تعالیٰ کی حفاظت اور تولّی کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور جو خدا تعالیٰ سے دُور ہے۔ اس کا ہر دن ترساں ولرزاں ہی گذرتا ہے۔ وہ خوش نہیں ہو سکتا۔ سیالکوٹ میں ایک شخص رشوت لیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں ہر وقت زنجیر ہی دیکھتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ بُرے کام کا انجام بَد ہی ہونا چاہیے۔ اس لیے بدی ایسی چیز ہے کہ روح اس پر راضی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر بدی میں لذت کہاں۔ ہر بُرے کام پر آخر دل پر ٹھوکر لگتی ہے اور ایک کثافت انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ کیا حماقت کی اور اپنے اوپر لعنت کرتا ہے۔ ایک شخص نے تو بارہ آنے کے عوض میں ایک بچہ مار دیا تھا۔

غرض زندگی بجز اس کے کوئی نہیں کہ بدی سے بچے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ مصیبت سے پہلے جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے مصیبت کے وقت خُدا اس کی مدد کرتا ہے۔ جو پہلے سویا ہوا ہے وہ مصیبت کے وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے۔ شعر

خیال زُلفِ تو جستن نہ کار خاماں است
کہ زیرِ سلسلہ رفتن طریق عیاری است

خدا تعالیٰ غنی ہے۔ بیکانیر وغیرہ میں جو قحط پڑے، تو لوگ بچوں تک کو کھا گئے۔ یہ اسی لیے ہوا کہ وُہ کسی کے ہو کر نہیں رہے۔ خدا کے ہو کر رہتے تو بچوں پر یہ بلا نہ آتی۔ حدیث شریف اور قرآن مجید

سے ثابت ہے اور ایسا ہی پہلی کتابوں سے بھی پایا جاتا ہے کہ والدین کی بدکاریاں بچوں پر بھی بعض وقت آفت لاتی ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (الشمس: ۱۶) جو لوگ لاابالی زندگی بسر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو دُنیا میں جو اپنے آقا کو چند روز سلام نہ کرے تو اس کی نظر بگڑ جاتی ہے۔ تو جو خدا سے قطع کرے پھر خدا اس کی پرواہ کیوں کرے گا۔ اسی پر وُہ فرماتا ہے کہ وُہ اُن کو ہلاک کر کے اُن کی اولاد کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو متقی صالح مرجاوے اس کی اولاد کی پروا کرتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے بھی پتہ لگتا ہے۔ وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا۔ (الکہف: ۸۳) اس باپ کی نیکی اور صلاحیت کے لیے خضر اور موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو مزدور بنا دیا کہ وہ ان کی دیوار درست کر دیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا کیا درجہ ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے لڑکوں کا ذکر نہیں کیا چونکہ ستّار ہے۔ اس لیے پردہ پوشی کے لحاظ سے اور باپ کے محلِ مدح میں ذکر ہونے کی وجہ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

پہلی کتابوں میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے۔ کہ سات پُشت تک رعایت رکھتا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مَیں نے کبھی متقی کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ غرض نشاط خدا کا رزق ہے جو غیر کو نہیں ملتا۔[1]

۱۸/ اگست ۱۹۰۲ء کی شام

بیعت کی حقیقت

مرزا اعظم بیگ کے پوتے مرزا احسن بیگ نے بیعت کی درخواست کی۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بیعت اگلے جمعہ کو کر لینا مگر یہ یاد رکھو کہ بیعت کے بعد تبدیلی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد اپنی حالت میں تبدیلی نہ کی جاوے۔ تو پھر یہ استخفاف ہے۔ بیعت بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ درحقیقت وہی بیعت کرتا ہے، جس کی پہلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہر ایک امر میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے تعلقات معدوم ہو کر نئے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ جب صحابہؓ مسلمان ہوتے تو بعض کو ایسے امور پیش آتے تھے کہ احباب

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۲۴/ اگست ۱۹۰۲ء

رشتہ دار سب سے الگ ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوجہل کے ساتھ اسلام سے پہلے ملتے تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے منصوبہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے اور کچھ روپیہ بھی بطور انعام مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ اس کام کے لیے منتخب ہوتے؛ چنانچہ انھوں نے اپنی تلوار کو تیز کیا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حضرت عمر کو پتہ ملا کہ آدھی رات کو آپ کعبہ میں آکر نماز پڑھتے ہیں۔ چنانچہ یہ کعبہ میں آکر چھپ رہے۔ اور اُنھوں نے سنا کہ جنگل کی طرف سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آتی ہے اور وہ آواز قریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں آداخل ہوتے اور آپؐ نے نماز پڑھی۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ آپؐ نے سجدہ میں اس قدر مناجات کی کہ مجھے تلوار چلانے کی جرأت نہ رہی؛ چنانچہ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوتے تو آپؐ آگے آگے چلے۔ پیچھے پیچھے میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور آپؐ نے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا کہ عمر۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اے عمر! نہ تو دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ رات کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ آپؐ بددعا کریں گے۔ اسلئے میں نے کہا کہ حضرت آج کے بعد میں آپؐ کو ایذا نہ دوں گا۔ عربوں میں چونکہ وعدہ کا لحاظ بہت بڑا ہوتا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ نے یقین کرلیا، مگر دراصل حضرت عمر کا وقت آپہنچا تھا۔ آنحضرتؐ کے دل میں گذرا کہ اس کو خدا ضائع نہیں کرے گا؛ چنانچہ حضرت عمر مسلمان ہوتے اور پھر وہ دوستیاں وہ تعلقات جو ابوجہل اور دوسرے مخالفوں سے تھے یکلخت ٹوٹ گئے اور ان کی جگہ ایک نئی اخوت قائم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ ملے اور پھر ان پہلے تعلقات کی طرف کبھی خیال تک نہ آیا۔

غرض اس سلسلہ میں جو ابتلاؤں کا سلسلہ ہوتا ہے۔ بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور بہت سی موتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ ان انسانوں میں جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان میں بعض بزدل بھی ہوتے ہیں۔ شجاع بھی ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بزدل ہوتے ہیں کہ صرف قوم کی کثرت کو دیکھ کر ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان بات کو تو پورا کر لیتا ہے۔ مگر ابتلاء کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۳) یعنی کیا لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ایمان لائیں اور امتحان نہ ہو۔ غرض امتحان ضروری شے ہے۔ اس سلسلہ میں جو داخل ہوتا ہے وہ ابتلا سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ہمارے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ ایک طرف ہیں اور باپ الگ۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۹ پرچہ ۲۴ راگست ۱۹۰۲ء

۱۹ر اگست ۱۹۰۲ء کی شام

دلائل صداقت

متقی کا منہ تو ایسے بند ہوتا ہے جیسے منہ میں روڑے ڈالے ہوئے ہوں۔ متقی کبھی کفر کا دائرہ وسیع کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ ایمان کا دائرہ وسیع کرنا چاہتا ہے۔ ان مخالف مولویوں کی نسبت میرا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں صفائی نہیں ہے۔ اور ملونی سے ضرور بھرے ہوئے ہیں۔ مگر یہ میرے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ ان سے یہ کمینہ پن ظاہر ہوگا۔ جو انھوں نے اب میری مخالفت میں ظاہر کیا ہے۔

چونکہ عمر گذرتی جاتی ہے جیسے برف ڈھلتی ہے اس لیے ہر روز یہ خیال آتا ہے کہ کوئی آدمی ایسا ہو جو اُن کے پاس جاوے اور اُن کو فیصلہ کی راہ پر لاوے اور بتائے کہ ایک وہ وقت تھا کہ اللہ تعالےٰ میری دُعا کی نقل فرماتا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا (الانبیاء: ۹۰) اور رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (البقرہ: ۲۶۱) وُہ زمانہ کہاں کہ دو آدمی ثابت کرنے مشکل ہیں۔ اور یا اب یہ زمانہ ہے کہ فوجوں کی فوجیں آرہی ہیں۔ قبل از وقت کہ جیسا کہا تھا وہ کر دیا اور کر رہا ہے اور لوگوں کی نظر میں عجیب۔ اگر کوئی سمجھنے والا ہو تو اُسے معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا نے اپنی سُنّت قدیمہ کے موافق کیا اور جس طرح رسل آتے ہیں وُہ اسی طرح پہچانے جاتے ہیں۔ مجھے ان ہی آثار اور نشانات کے ساتھ شناخت کرو جو خُدا کی طرف سے آتے ہیں۔ وُہ خدا کی محکم ہدایات کے خلاف نہیں کرتے۔ ایسا نہیں کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیں۔ دُوسرے وُہ ایسے وقت میں آتے ہیں۔ کہ وہ ضرورت کا وقت ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ تائید الٰہی کے بدُوں نہیں ہوتے۔ صریح نظر آتا ہے کہ خُدا تائید کرتا ہے۔

سچائی معلوم کرنے کی تین راہیں

جہانتک میں خیال کرتا ہوں۔ سچائی کے تین ہی راہ ہیں۔ اوّل نصوص قرآنیہ و حدیثیہ۔ دوسرے عقل اور تیسرے خدا تعالیٰ کے تائیدات۔ ان تینوں ذریعوں سے جو چاہے ہم سے ثبوت لے، مگر انسان بن کر نہ سفلہ پن کی طرح۔ ہم سب کو دعوت دیتے ہیں خواہ سو روپیہ روز خرچ ہو جاوے۔ اگر آدمیت سے پوچھ لیں۔ اب دُور بیٹھے ہیں۔ نہ کتاب ہے۔ نہ غور ہے۔ نہ فکر ہے۔ سفلہ لوگوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر کام کرتے ہیں۔ یہ طریق تو تقویٰ کے خلاف ہے۔ اگر کوئی انسان ایسا ہو جو اُن پر رُعب داب رکھتا ہو وہ انہیں جاکر سمجھاتے۔ دُنیا دار لوگ اگر اُن کو کہیں تو اُن سے ڈرتے ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی ایسا دنیادار ہو جس کو اس طرف توجہ ہو اور ان کو سمجھائے اور یہی خیال کرے۔ کہ اسلام میں پھوٹ پڑ رہی ہے اس کو ہی دُور کیا جاوے۔ غرض ہم تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ راہ پر آویں۔ اور ہماری مخالفت

کرکے تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تائید کر رہا ہے۔ پرنالہ کا پانی تو ایک اینٹ سے بند کر سکتے ہیں، مگر آسمان کا کون بند کر سکتا ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ چراغ کو تو پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں۔ مگر چاند سورج کو تو کوئی پھونک مار کر بجھا دے۔ خدا کے کام اونچے ہیں۔ انسان کی وہاں پیش رفت نہیں جاتی۔ وہاں نہ غبارہ جاوے اور نہ ریل۔ یہ بھی عظمتِ الٰہی ہے۔ تعالیٰ شانہٗ کا مصداق ہے۔ آسمانی امور اونچے ہیں۔ وہ تو آگے ہی آگے جاتے ہیں۔

عذاب سے متعلق خدا تعالیٰ کی سُنّت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے گاؤں سے آٹھ آدمیوں نے خط بھیجا ہے کہ اگر سچے ہو تو ہم پر عذاب نازل ہو جاوے۔ فرمایا:

خدا تعالیٰ کے کام میں جلدی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دکھ دیئے گئے اور بعض ایسے بیباک اور شریر تھے جو کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر پتھر برسیں۔ مگر اسی وقت تو اُن پر پتھر نہ برسے۔ خدا تعالیٰ کی سُنّت یہ نہیں کہ اسی وقت عذاب نازل کرے۔ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو گالیاں دے تو کیا اسی وقت اس پر عذاب آجاوے گا۔ عذاب اپنے وقت پر آتا ہے جبکہ جُرم ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکھرام ایک آریہ تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت گالیاں دیا کرتا تھا۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس کی شرارتوں اور شوخیوں کے بدلے اس کو سزا دی۔ اور وہی زبان چھُری ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوئی جس سے وہ ٹکڑے کیا گیا۔ پس خدا تعالیٰ کی یہ سنّت نہیں ہے کہ وہ اُسی وقت عذاب دے۔ یہ لوگ کیسے بیوقوف اور بدقسمت ہوتے ہیں۔ عذاب مانگتے ہیں۔ ہدایت نہیں مانگتے۔

خدا کے نزدیک قومیت کا لحاظ نہیں

اسی شخص نے کہا کہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ سید ہو کر اُمتی کی بیعت کرتے ہو؟ فرمایا:

خدا تعالیٰ نہ محض جسم سے راضی ہوتا ہے نہ قوم سے۔ اس کی نظر ہمیشہ تقویٰ پر ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگی رکھنے والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔ یہ بالکل جھوٹی باتیں ہیں۔ کہ میں سید ہوں یا مغل ہوں یا پٹھان اور شیخ ہوں۔ اگر بڑی قومیت پر فخر کرتا ہے تو یہ فخر فضول ہے۔ مرنے کے بعد سب قومیں جاتی رہتی ہیں خدا تعالیٰ کے حضور قومیت پر کوئی نظر نہیں اور کوئی شخص محض اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو کہا ہے کہ اے فاطمہؓ تو اس بات پر ناز نہ کر کہ تو پیغمبر زادی ہے۔ خدا کے نزدیک قومیت کا لحاظ نہیں۔ وہاں جو مدارج ملتے ہیں وہ تقویٰ کے

لحاظ سے ملتے ہیں۔ یہ قومیں اور قبائل دُنیا کا عُرف اور انتظام ہیں۔ خدا تعالیٰ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ ہی مدارجِ عالیہ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر کوئی سیّد ہو اور وُہ عیسائی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے اور خُدا کے احکام کی بیحُرمتی کرے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آلِ رسُول ہونے کی وجہ سے نجات دے گا اور وہ بہشت میں داخل ہو جاوے گا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران : ۲۰) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سچا دین جو نجات کا باعث ہوتا ہے۔ اسلام ہے۔ اگر کوئی عیسائی ہو جاوے یا یہودی ہو۔ یا آریہ ہو وہ خدا کے نزدیک عزت پانے کے لائق نہیں۔ خُدا تعالیٰ نے ذاتوں اور قوموں کو اڑا دیا ہے۔ یہ دُنیا کے انتظام اور عُرف کے لیے قبائل ہیں۔ مگر ہم نے خُوب غور کر لیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضُور جو مدارج ملتے ہیں ان کا اصل باعث تقویٰ ہی ہے جو متقی ہے وُہ جنّت میں جائے گا۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے فیصلہ کر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز متقی ہی ہے۔ پھر یہ جو فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (المائدہ : ۲۸) کہ اعمال اور دُعائیں، متقیوں کی قبول ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ مِنَ السَّیِّدِین۔ پھر متقی کے لیے تو فرمایا۔ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق : ۳،۴) یعنی متقی کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے۔ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیا جاتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ کہ یہ وعدہ سیّدوں سے ہوا ہے یا متقیوں سے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ متقی ہی اللہ تعالیٰ کے ولی ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ بھی سیّدوں سے نہیں ہوا۔ ولایت سے بڑھ کر اور کیا رُتبہ ہوگا۔ یہ بھی متقی ہی کو ملا ہے۔ بعض نے ولایت کو نبوّت سے فضیلت دی ہے اور کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوّت سے بڑھ کر ہے۔ نبی کا وجود در اصل دو چیزوں سے مرکّب ہوتا ہے۔ نبوّت اور ولایت۔ نبوّت کے ذریعہ وہ احکام اور شرائع مخلوق کو دیتا ہے۔ اور ولایت اس کے تعلقات کو خُدا سے قائم کرتی ہے۔

پھر فرمایا ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (البقرہ : ۳) ھُدًی لِّلسَّیِّدِیْن نہیں کہا۔ غرض خدا تعالیٰ تقویٰ چاہتا ہے۔ ہاں سیّد زیادہ محتاج ہیں۔ کہ وُہ اس طرف آئیں کیونکہ وہ متقی کی اولاد ہیں۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے آئیں نہ کہ خدا تعالیٰ سے لڑیں کہ یہ سادات کا حق تھا۔ وُہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (الجمعۃ : ۵)

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے یہودی کہتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل کو نبوّت کیوں ملی۔ وُہ نہیں جانتے۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ۔ (آلِ عمران : ۱۴۱) خدا تعالیٰ سے اگر کوئی مقابلہ کرتا ہے۔ تو وہ مردود

ہے۔ وہ ہر ایک سے پوچھ سکتا ہے۔ اُس سے کوئی نہیں پُوچھ سکتا۔[1]

اگست ۱۹۰۲ء[2]

اخلاقِ الٰہیہ

سُورۃ فاتحہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہے اور اس میں سب سے پہلی صفت رَبُّ الْعَالَمِیْنَ بیان کی ہے۔ جس میں تمام مخلوقات شامل ہے۔ اسی طرح پر ایک مومن کی ہمدردی کا میدان سب سے پہلے اتنا وسیع ہونا چاہیے کہ تمام چرند پرند اور کُل مخلوق اس میں آجاوے۔ پھر دُوسری صفت رحمٰن کی بیان کی ہے۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تمام جاندار مخلوق سے ہمدردی خصوصاً کرنی چاہیے۔ اور پھر رحیم میں اپنی نوع سے ہمدردی کا سبق ہے۔ غرض اس سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ گویا خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں جن سے بندہ کو حصّہ لینا چاہیے۔ اور وہ یہی ہے کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے تو اس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہیے۔ اگر دُوسرا شخص جو اس کا رشتہ دار ہے یا عزیز ہے۔ خواہ کوئی ہے اس سے بیزاری نہ ظاہر کی جاوے اور اجنبی کی طرح اس سے پیش نہ آئیں بلکہ ان حقوق کی پروا کریں جو اس کے تم پر ہیں۔ اس کو ایک شخص کے ساتھ قرابت ہے۔ اور اس کا کوئی حق ہے تو اس کو پُورا کرنا چاہیے۔

اخلاقِ عالیہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک اپنے اخلاق دکھلائے ہیں کہ بعض وقت ایک بیٹے کے لحاظ سے جو سچا مسلمان ہے منافق کا جنازہ پڑھ دیا ہے بلکہ اپنا مبارک کُرتہ بھی دے دیا ہے۔ اخلاق کا دُرست کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جبتک انسان اپنا مطالعہ نہ کرتا رہے۔ یہ اصلاح نہیں ہوتی۔ زبان کی بداخلاقیاں دشمنی ڈال دیتی ہیں۔ اس لیے اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہیے۔ دیکھو کوئی شخص ایسے شخص کے ساتھ دشمنی نہیں کرسکتا جس کو وہ اپنا خیرخواہ سمجھتا ہے۔ پھر وہ شخص کیسا بیوقوف ہے جو اپنے نفس پر بھی رحم نہیں کرتا اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے جبکہ وہ اپنے قویٰ سے عمدہ کام نہیں لیتا اور اخلاقی قوتوں کی تربیت نہیں کرتا۔ ہر شخص کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی سے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۹ - ۱۰ پرچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء

[2] اخبار میں یہ مضمون بلا تاریخ لکھا گیا ہے۔ اس پرچہ میں آخری تاریخ جس کی ڈائری درج کی گئی ہے ۱۹ اگست ۱۹۰۲ء ہے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ تقریر ۱۹ اگست اور ۲۴ اگست کے مابین کسی تاریخ کو ہوئی ہوگی۔ (شمس)

سے پیش آنا چاہیے؛ البتہ وہ شخص جو سلسلہ عالیہ یعنی دین اسلام سے علانیہ باہر ہو گیا ہے اور وہ گالیاں نکالتا اور خطرناک دشمنی کرتا ہے۔ اس کا معاملہ اور ہے۔ جیسے صحابہ کو مشکلات پیش آئے اور اسلام کی توہین انہوں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے سُنی۔ تو پھر باوجود تعلقات شدیدہ کے اُن کو اسلام مقدم کرنا پڑا۔ اور ایسے واقعات پیش آئے۔ جن میں باپ نے بیٹے کو یا بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ مراتب کا لحاظ رکھا جاوے۔

گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی

ایک شخص ہے جو اسلام کا سخت دشمن ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے وہ اس قابل ہے کہ اُس سے بیزاری اور نفرت ظاہر کی جاوے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کا ہو کہ وہ اپنے اعمال میں سُست ہے تو وہ اس قابل ہے کہ اس کے قصور سے درگذر کیا جاوے اور اس سے ان تعلقات پر زد نہ پڑے جو وہ رکھتا ہے۔

جو لوگ بالجہر دشمن ہو گئے ہیں اُن سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستی نہیں کی بلکہ ابوجہل کا سر کٹنے پر سجدہ کیا۔ لیکن جو دوسرے عزیز تھے۔ جیسے امیر حمزہ جن پر ایک وحشی نے حربہ چلایا تھا۔ تو باوجودیکہ وہ مسلمان تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری نظر سے الگ چلا جا، کیونکہ وہ قصہ آپؐ کو یاد آگیا۔ اس طرح پر دوست دشمن میں پوری تمیز کر لینی چاہیے اور پھر اُن سے علیٰ قدر مراتب نیکی کرنی چاہیے۔

کمزور بھائیوں کا بار اٹھاؤ

اصل بات یہ ہے کہ اندرونی طور پر ساری جماعت ایک درجہ پر نہیں ہوتی۔ کیا ساری گندم تخم ریزی سے ایک ہی طرح نکل آتی ہے۔ بہت سے دانے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو چڑیاں کھا جاتی ہیں۔ بعض کسی اور طرح قابلِ ثمر نہیں رہتے۔ غرض اُن میں سے جو ہونہار ہوتے ہیں۔ اُن کو کوئی ضائع نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کے لیے جو جماعت تیار ہوتی ہے وہ بھی کزرع ہوتی ہے۔ اسی لیے اس اصول پر اُس کی ترقی ضروری ہے۔ پس یہ دستور ہونا چاہیے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جاوے اور ان کو طاقت دی جاوے۔ یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں۔ ایک تیرنا جانتا ہے اور دُوسرا نہیں۔ تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ دُوسرے کو ڈوبنے سے بچا دے یا اس کو ڈوبنے دے۔ اُس کا فرض ہے کہ اس کو غرق ہونے سے بچائے۔ اسی لیے قرآن شریف میں آیا ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ: ۳) کمزور بھائیوں کا بار اُٹھاؤ۔ عملی ایمانی اور مالی کمزوریوں

میں بھی شریک ہو جاؤ۔ بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جبتک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے اور اس کی یہی صورت ہے کہ اُن کی پردہ پوشی کی جاوے۔ صحابہ کو یہی تعلیم ہوئی کہ نئے مسلموں کی کمزوریاں دیکھ کر نہ چڑو، کیونکہ تم بھی ایسے ہی کمزور تھے۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے اور محبت ملائمت کے ساتھ برتاؤ کرے۔ دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جو ایک دُوسرے کو کھائے اور جب چار مل کر بیٹھیں۔ تو ایک اپنے غریب بھائی کا گلہ کریں اور نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور کمزوروں اور غریبوں کی حقارت کریں اور اُن کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں چاہیے۔ بلکہ اجماع میں چاہیے کہ قوت آجاوے اور وحدت پیدا ہو جاوے جس سے محبت آتی ہے اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف لوگ جو ہماری ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتے ہیں۔ معمولی باتوں کو اخباروں میں بہت بڑی بنا کر پیش کر دیتے ہیں اور خلق کو گمراہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر اندرونی کمزوریاں نہ ہوں تو کیوں کسی کو جرأت ہو کہ اس قسم کے مضامین شائع کرے اور ایسی خبروں کی اشاعت سے لوگوں کو دھوکا دے۔ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جاوے اور یہ تب ہوتا ہے کہ جب ہمدردی، محبت اور عفو اور کرم کو عام کیا جاوے۔ اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جاوے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دل شکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں۔ یہاں مدرسہ ہے مطبع ہے مگر کیا اصل اغراض ہمارے یہی ہیں۔ یا اصل اُمور اور مقاصد کے لیے بطور خادم ہیں؟ کیا ہماری غرض اتنی ہی ہے کہ یہ لڑکے پڑھ کر نوکریاں کریں یا کتابیں بیچتے رہیں۔ یہ تو سفلی اُمور ہیں ان سے ہمیں کیا تعلق۔ یہ بالکل ابتدائی امور ہیں۔ اگر مدرسہ چلتا رہے تب بھی بنظر ظاہر بیس برس تک بھی یہ اس حالت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو اس وقت علیگڈھ کالج کی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک دم میں اسے علیگڈھ کالج سے بھی بڑا بنا دے۔ مگر ہماری ساری طاقتیں اور قوتیں اسی ایک امر میں خرچ ہو جانی ضروری نہیں ہیں۔

اخوت و ہمدردی کی نصیحت

ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جبتک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جو پوری طاقت دی گئی ہے۔ وہ کمزور سے محبت کرے۔ مَیں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے، تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا، بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے، حالانکہ چاہیے تو یہ کہ اس کے لیے دُعا کرے۔ محبت کرے اور اُسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے۔ مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا

ہے۔ اگر عفو نہ کیا جائے۔ ہمدردی نہ کی جاوے۔ اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کرے پردہ پوشی کی جاوے۔ جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہو اور اس سے کوئی قصور سرزد ہو تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھا یا جاتا ہے۔ بھائی کی پردہ پوشی کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں؟ دُنیا کے بھائی اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے میں مرزا نظام الدین وغیرہ کو دیکھتا ہوں کہ ان کی اباحت کی زندگی ہے۔ مگر جب کوئی معاملہ ہو تینوں اکٹھے ہو جاتے ہیں فقیری بھی الگ رہ جاتی ہے۔ بعض وقت انسان جانور۔ بندر یا کتے سے بھی سیکھ لیتا ہے۔ یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہ کو بھی یہی طریق نعمتِ اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وُہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وُہ اخوت ان کو نہ ملتی جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ملی۔ اسی طرح پر خُدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کریگا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی اُمیدیں ہیں۔ اُس نے وعدہ کیا ہے۔ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ (آل عمران: ۵۶) میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں۔ ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسروں کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے دُوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔ اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے جس میں امیر غریب بچے جوان بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں ان کو فقیر اور ذلیل نہ سمجھیں، کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں گو باپ جُدا جُدا ہوں مگر آخر تم سب کا رُوحانی باپ ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔

جھوٹ کی مذمّت

بدکاری فسق و فجور سب گناہ ہیں۔ مگر یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ شیطان نے جو یہ جال پھینکا ہے اُس سے بجز خُدا کے فضل کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ بعض وقت یُونہی جھوٹ بول دیتا ہے مثلاً بازیگر نے دس ہاتھ چھلانگ ماری ہو تو محض دوسروں کو خوش کرنے کے لیے یہ بیان کر دیتا ہے کہ چالیس ہاتھ کی ماری ہے۔ اس قسم کی شرارتیں شیطان نے پھیلا رکھی

ہیں اس لیے چاہیے کہ تمہاری زبانیں تمہارے قابو میں ہوں۔ ہر قسم کے لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرنیوالی ہوں۔ جھوٹ اس قدر عام ہو رہا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ دروغ گو۔ مولوی، قصہ گو۔ واعظ اپنے بیانات کو سجانے کے لیے خُدا سے نہ ڈر کر جھوٹ بول دیتے ہیں۔ اور اس قسم کے اور بہت سے گناہ ہیں جو ملک میں کثرت کے ساتھ پھیلے ہوتے ہیں[1]۔

قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج: ۳۱) دیکھو یہاں جھوٹ کو بُت کے مقابل رکھا ہے۔ اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بُت ہی ہے؛ ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بُت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز متاع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہانتک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے، تو جلدی سے دُور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں۔ تب جاکر سچ بولنے کی عادت اُن کو ہوگی۔

کثرتِ گناہ اور اس کا علاج

اسی طرح پر اور قسم قسم کی بدکاریاں اور شرارتیں ہو رہی ہیں۔ غرض دنیا میں گناہ کے سیلاب کا طوفان آیا ہوا ہے اور اس دریا کا گویا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ گناہ جو کیڑوں کی طرح چل رہے ہیں۔ کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ جس سے یہ بلا دُور ہو جائے اور دُنیا جو خباثت اور گناہ کے زہر اور لعنت سے بھر گئی ہے۔ کسی طرح پر صاف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کو قریباً تمام مذہبوں اور ملتوں نے محسوس کیا اور اپنی اپنی جگہ پر وہ کوئی نہ کوئی علاج بھی گناہ کا بتاتے ہیں۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس زہر کا تریاق کسی کے پاس نہیں۔ اُن کے علاج استعمال کر کے مرض بڑھا ہے گھٹا نہیں۔

مثال کے طور پر ہم عیسائی مذہب کا نام لیتے ہیں۔ اس مذہب نے گناہ کا علاج مسیح کے خون پر ایمان لانا رکھا ہے کہ مسیح ہمارے بدلے یہودیوں کے ہاتھوں صلیب لٹکایا جاکر جو ملعون ہو چکا ہے۔ اس کی لعنت نے ہم کو برکت دی۔ یہ عجیب فلاسفی ہے کہ جو کسی زمانہ اور عمر میں سمجھی نہیں جا سکتی۔ لعنت برکت کا موجب کیونکر ہو سکتی ہے اور ایک کی موت دوسرے کی زندگی کا ذریعہ کیونکر ٹھہرتی ہے؟ ہم عیسائیوں کے اس طریق علاج کو عقلی دلائل کے معیار پر بھی پرکھنے کی ضرورت نہ سمجھتے۔ اگر کم از کم عیسائی دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء

میں یہ نظر آتا کہ وہاں گناہ نہیں ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہاں حیوانوں سے بھی بڑھ کر ذلیل زندگی بسر کی جاتی ہے۔ تو ہم کو اس طریق انسداد گناہ پر اور بھی حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ کفارہ نہ ہوا ہوتا۔ جس نے اباحت کا دریا چلا دیا۔

اور پھر اس کو معافی گناہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اسی طرح پر دوسرے لوگوں نے جو طریقے نجات کے ایجاد کئے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن سے گناہ کی زندگی پر کبھی موت وارد ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شریر اور خطاکار قومیں معجزات دیکھ کر پیشگوئیاں دیکھ کر باز نہیں آئیں۔ حضرت موسیٰ کے معجزات کیا کم تھے۔؟ کیا بنی اسرائیل نے کھلے کھلے نشان نہ دیکھے تھے، مگر بتاؤ کہ اُن میں وُہ تقویٰ اور خدا ترسی اور نیکی جو حضرت موسیٰؑ چاہتے تھے کامل طور پر پیدا ہوئی۔ آخر ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ:۶۲) کے مصداق وہ قوم ہوگی۔ پھر حضرت مسیح کے معجزات دیکھنے والے لوگوں کو دیکھو کہ اُن میں کہاں تک نیکی اور پرہیزگاری اور وفاداری کے اصولوں کی رعایت تھی۔ اُن میں سے ہی ایک اٹھا اور اے ربّی تجھ پر سلام کہتے ہوئے پکڑوا دیا۔ اور دُوسرے نے سامنے لعنت کی۔ ان ساری باتوں کو دیکھ کر پھر سوال ہوتا ہے کہ وُہ کیا شئے ہے۔ جو انسان کو واقعی گناہ سے روک سکتی ہے۔؟

میرے نزدیک خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت ایسی چیز ہے جو انسان کی گناہ کی زندگی پر موت وارد کرتی ہے۔ جب سچا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے تو پھر دُعا کے لیے تحریک ہوتی ہے اور دُعا وہ چیز ہے جو انسان کی کمزوریوں کا جبر نقصان کرتی ہے۔ اس لیے دُعا کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن:۶۱) بعض وقت انسان کو ایک دھوکا لگتا ہے کہ وہ عرصہ دراز تک ایک مطلب کے لیے دُعا کرتا ہے اور وُہ مطلب پُورا نہیں ہوتا تب وہ گھبرا جاتا ہے؛ حالانکہ گھبرانا نہ چاہیے۔ بلکہ طلبگار باید صبور و محمول۔ دُعا تو قبول ہو جاتی ہے، لیکن انسان کو بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ اپنی دُعا کے انجام اور نتائج سے آگاہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے لیے وہ کرتا ہے جو مفید ہوتا ہے۔ اس لیے نادان انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ میری دُعا قبول نہیں ہوئی؛ حالانکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مفید تھا۔ کہ وہ دُعا اس طرح پر قبول نہ ہو بلکہ کسی اور رنگ میں ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بچہ اپنی ماں سے آگ کا سُرخ انگارہ دیکھ کر مانگے تو کیا دانشمند ماں اُسے دیدے گی؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح پر دُعا کے متعلق کبھی ہوتا ہے۔ غرض دعائیں کرنے سے کبھی تھکنا نہیں چاہیے۔ دُعا ہی ایسی چیز ہے جو خدا کی طرف سے ایک قوت اور نُور عطا کرتی ہے۔ جس سے انسان بدی پر غالب آجاتا ہے۔

صداقت کے دلائل اور نشانات

مجھے بارہا اس امر کا خیال آیا کہ ہماری جماعت یہ افسوس نہیں کر سکتی کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے کچھ نہیں دکھایا ہے۔ بلکہ یہاں تو اس قدر ثبوت اور نشانات اس نے جمع کر دیئے ہیں کہ سلسلۂ نبوت میں اس کی نظیر بہت تھوڑی ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی پہلو ثبوت کا خالی نہیں رکھا۔ نصوص قرآنیہ و حدیثیہ ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور عقل اور قانونِ قدرت ہمارے مؤید و معاون ہیں۔ آسمانی تائیدات اور شواہد ہمارے ساتھ ہیں۔ پھر کسی پہلو میں کمی نہیں۔ مَیں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ اپنی جماعت کی سہولت اور آسانی کے لیے تین قسم کی ترتیبیں اپنے دعاوی دلائل کے متعلق دوں اور پھر وہ ترتیب شدہ نقشہ چھاپ دیا جائے۔ ایک نقشہ تو حروفِ تہجی کی ترتیب پر اُن نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کا ہو جو ہمارے مؤید ہیں۔ دُوسرا نقشہ عقلی دلائل اور قانونِ قدرت کے شواہد کا ہو۔ یہ بھی حروف تہجی کی ترتیب سے ہو۔ ایسا ہی تیسرا نقشہ نشانات اور تائیداتِ سماویہ کا ہو جو ہمارے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کئے تھے۔ یا خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ مثلاً اُن کی ترتیب یُوں سمجھئے:

(الف)

۱۔ اِبْرَاء

اس سے ابراء کا نشان لو۔ یہ وہ نشان ہے جو مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے سامنے پُورا ہوا۔ امرتسر کے ایک پادری ڈاکٹر کلارک نے مجھ پر اقدامِ قتل کا مقدمہ بنایا تھا کہ عبدالحمید نام ایک شخص کو گویا مَیں نے اُس کے قتل کے لیے بھیجا ہے۔ یہ مقدمہ مسٹر ڈگلس کے سامنے پیش ہوا۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدہ اور پیشگوئی کے موافق مجھے بَری کیا۔ جیسا کہ پہلے الہام ابراء (بے قصور ٹھہرانا) ہو چکا تھا۔ جو لوگ اس وقت یہاں ہمارے پاس موجود تھے۔ اور دوسرے مقامات کے لوگ بھی اس امر کے گواہ ہیں، کیونکہ مولوی عبدالکریم صاحب کی عادت ہے کہ جب کوئی الہام وہ سُنتے ہیں اُسے فوراً بذریعہ خطوط پھیلا دیتے ہیں۔ اس طرح پر یہ الہامات جو اس مقدمہ کے نام و نشان سے بھی پہلے ہوئے تھے۔ ہماری اپنی جماعت میں پورے طور پر اشاعت پا چکے تھے اور وُہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مقدمہ سے پہلے اِنْ هٰذَا اِلَّا تَهْدِيْدُ الْحُكَّامِ اور صادق آں باشد کہ ایّامِ بلا (الخ) وغیرہ الہام ہوئے تھے۔ اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تھی کہ ابراء (بے قصور ٹھہرانا)

ایک دانشمند اور سلیم الفطرت اس عظیم الشان نشان سے بہت بڑا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں نہ ہو تو اور بات ہے، مگر خدا ترس اور متقی آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہ پیشگوئی اس طرز کی نہیں

ہے جیسے راول ہاتھ دیکھ کر اناپ شناپ بتا دیتے ہیں۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو قبل از وقت ہزار ہا انسانوں میں مشتہر ہوئیں اور آخر اسی طرح ہوا ؛ ورنہ کیا کسی کے خیال اور وہم میں یہ بات آسکتی تھی کہ مسل پورے طور پر مرتب ہو جاوے اور عبدالحمید اپنا اظہار بھی دے کہ ہاں مجھے بھیجا ہے۔ آخری وقت پر جو فیصلہ لکھنے کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسٹر ڈگلس کے دل میں القاء کیا کہ یہ مقدمہ بناوٹی ہے اور اس کے دل کو غیر مطمئن کر دیا ؛ چنانچہ اس نے کپتان لیمار چنڈ کو (جو ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا) کہا کہ میرا دل اس سے تسلی نہیں پاتا۔ بہتر ہے کہ تم اس مقدمہ کی تفتیش کرو اور عبدالحمید سے اصل حالات معلوم کرو ؛ چنانچہ جب کپتان لیمار چنڈ نے اس سے پوچھا، تو اس نے پھر وہی پہلا بیان دیا، مگر جب کپتان صاحب نے اُسے کہا کہ تو سچ سچ بتا عبدالحمید رو پڑا اور اقرار کیا کہ مجھے تو سکھایا گیا تھا اب بتاؤ کہ کیا یہ انسان کا کام ہے۔ کیا ہر روز یہ لوگ مقدمات میں اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ واقعات پر فیصلے دیتے ہیں۔ یا دل کی تسلیوں کو دیکھتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو وُہ وعدہ کر چکا تھا وہی ہونا تھا۔ پس ابراء کا نشان عظیم الشان نشان ہے جو الف کی مد میں ہے۔

۲۔ اٰوٰی

اور پھر اسی طرح اس مد میں اٰوٰی کا نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے قادیان کو طاعون کی افراتفری سے محفوظ رکھنے کے متعلق دیا ہے۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ ملک میں طاعون کثرت سے پڑا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ قادیان کے انتشار اور موت الکلاب سے محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے۔ کہ اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یعنی اس گاؤں پر خصوصیت سے فضل رہے گا۔ اٰوٰی کے اصل معنے یہ ہیں کہ اُسے منتشر نہ کیا جاوے اور جبکہ عام طور پر قانوناً یہ امر روا رکھا گیا ہے کہ کسی گاؤں کو جبراً باہر نہ نکالا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ افراتفری اور موت الکلاب جو دُوسرے شہروں میں پڑی ہے اس سے خدا تعالیٰ قادیان کو محفوظ رکھے۔ یعنی یہاں طاعون جارف نہ ہوگی۔

۳۔ اَبْنَاء

پھر اسی طرح الف کے مد میں اَبْنَاء کا نشان ہے۔ کتابوں اور اشتہاروں کو پڑھو تو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک کی پیدائش سے پہلے ایک اشتہار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ لڑکا پیدا ہوگا ؛ چنانچہ ان اشتہاروں کے موافق یہ لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہانتک کہ تعداد بھی بتا دی کہ چار لڑکے ہوں گے اور چوتھے لڑکے کی بابت یہ بھی اعلان کر دیا کہ عبدالحق نہ مریگا جبتک چوتھا لڑکا پیدا ہونے کی خبر نہ سُن لے۔ ایسے ہی مولوی صاحب (مولوی نورالدین صاحب) کے بیٹے کی بابت جب سعداللہ نے اعتراض کیا تو خدا تعالیٰ نے میری دُعاؤں کے بعد مجھے بشارت

دی کہ مولوی صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کے بدن پر پھوڑوں کے نشان کا بھی پتہ دیا گیا اور اس کا علاج بھی بتایا گیا۔ اب کیا اشتہار پہلے سے نہیں دیا گیا تھا؟ اب دیکھ لو کہ اس اشتہار کے موافق وہ بچہ عبدالحی نام مولوی صاحب کے گھر میں پیدا ہوگیا۔ اور اس کے پھوڑوں کے نشانات بھی ہیں۔ یہ وہی خصوصیتیں ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کے وقت ہوا کرتی ہیں۔

۴۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

پھر اس کے ساتھ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ کا نشان ہے۔ یہ بہت پرانا الہام ہے اور اُس وقت کا ہے جبکہ میرے والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا۔ میں لاہور گیا ہوا۔ مرزا صاحب کی بیماری کی خبر جو مجھے لاہور پہنچی میں جمعہ کو یہاں آگیا۔ تو درد گردہ کی شکایت تھی۔ پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔ اس وقت تخفیف تھی۔ ہفتہ کے دن دوپہر کو حقہ پی رہے تھے اور ایک خدمتگار پنکھا کر رہا تھا۔ مجھے کہا کہ اب آرام کا وقت ہے تم جاکر آرام کرو۔ میں چوبارہ میں چلا گیا۔ ایک خدمتگار جمال نام میرے پاؤں دبا رہا تھا۔ تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ الہام ہوا۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ اور معاً اس کے ساتھ یہ تفہیم ہوئی۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ لفظ پہلے آئے یا تفہیم۔ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس حادثہ کی جو غروب آفتاب کے بعد ہونے والا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ عزا پرسی کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ ایک مصیبت بھی آتی ہے اور خدا اُس کی عزا پرسی بھی کرتا ہے؛ چونکہ ایک نیا عالم شروع ہونے والا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے قسم کھائی۔ مجھے یہ دیکھ کر خدا تعالیٰ کا عجیب احسان محسوس ہوا کہ میرے والد صاحب کے حادثہ انتقال کی وہ قسم کھاتا ہے۔ اس الہام کے ساتھ ہی پھر معاً میرے دل میں بشریت کے تقاضے کے موافق یہ خیال گزرا۔ اور میں اس کو بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتا ہوں کہ چونکہ معاش کے بہت سے اسباب ان کی زندگی سے وابستہ تھے۔ کچھ انعام انہیں ملتا تھا۔ اور کچھ اور مختلف صورتیں آمدنی کی تھیں۔ جس سے کوئی دو ہزار کے قریب آمدنی ہوتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ اب وہ چونکہ ضبط ہو جائیں گے، اس لیے ہمیں ابتلا آئے گا۔ یہ خیال تکلف کے پر نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے میرے دل میں گزرا۔ اور اس کے گزرنے کے ساتھ ہی پھر یہ الہام ہوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؛ چنانچہ یہ الہام میں نے ملا وامل اور شرمپت کی معرفت ایک انگشتری میں اسی وقت لکھوا لیا تھا۔ جو حکیم محمد شریف کی معرفت امرتسر بنوائی تھی اور وہ انگشتری میں کھدا ہوا الہام موجود ہے۔

اب دیکھ لو کہ اس وقت سے لے کر آج تک کیسا تکفل کیا۔ اگر کسی کو شک ہو تو ملا وامل اور شرمپت سے پوچھ لے۔ محمد شریف کی اولاد موجود ہے۔ شاید وہ مہر کن بھی موجود ہو۔ تکفل بڑھتا گیا ہے یا نہیں جس

جس قدر ضرورتیں پیش آتی گئی ہیں۔ خود اس نے اپنے وعدہ کے موافق تکمیل کیا ہے اور کرتا ہے اب بتاؤ کہ کیا یہ کوئی چھوٹا سا نشان ہے۔ اس طرح پر الف میں اور بہت سے نشان آسکتے ہیں۔

(ب)

پھر اب (ب) کی مد میں دیکھو۔ ۱ بشیر ہے۔ یہ لڑکا بشیر جو اب موجود ہے اس کی بابت پہلے اشتہار ہوا تھا اور اس اشتہار کے موافق یہ پیدا ہوا۔ پھر اس کی آنکھوں سے اس قدر پانی جاری تھا کہ آنکھیں بڑی کی طرح سُرخ ہوگئی تھیں۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ آنکھوں کو خطرناک نقصان نہ پہنچے۔ اس وقت میں نے دُعا کی تب الہام ہوا بَرِیْقٌ طِفْلِیْ بَشِیْرٌ۔ بہت سے لوگ اس الہام کے بھی گواہ موجود ہیں، کیونکہ میں الہام پوشیدہ تو رکھتا ہی نہیں ہوں۔ بریق کے معنے ہیں آنکھوں کا اچھا ہونا؛ چنانچہ ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ یہ بالکل اچھا ہوگیا۔

۲۔ بشمبر داس اسی طرح ب کی مد میں بشمبر داس کو داخل کرتے ہیں۔ بشمبر داس قادیان کا بسنے والا ایک ہندو تھا اور ایک خوشحال برہمن جو اُس وقت پٹواری تھا۔ یہ دونوں ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوئے۔ جس میں خوشحال کو دو سال اور بشمبر داس کو ایک سال کی قید کی سزا ہوئی۔ شرمپت رائے نے آکر مجھے دُعا کے واسطے کہا اور میں نے دُعا کی تو میں نے کشف میں دیکھا۔ کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اس کی نصف قید کاٹ دی ہے۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ مسل واپس آکر نصف قید رہ جاوے گی اور خوشحال اپنی پُوری سزا بھگتے گا۔ یہ خبر میں نے پہلے ہی شرمپت کو دیدی۔ وہ اب تک زندہ موجود ہے اور اگر اس کو قسم دیکر پُوچھا جاوے، تو وہ انکار نہ کرے گا۔ غرض آخر جس طرح پر میں نے خبر دی تھی اور مجھے دکھایا گیا تھا۔ وہی ظہور میں آیا۔ یعنی مسل واپس آئی۔ اور اس میں بشمبر کی نصف سزا رہ گئی۔ وہ نصف قید بھگت کر رہا ہوا۔ اس پر شرمپت نے کہا کہ تم چونکہ متقی ہو اس لیے دُعا قبول ہوگئی۔ چونکہ اسلام کے ساتھ ان لوگوں کو بُغض اور عداوت ہے۔ اس لیے شرارت سے اسلام کی تعریف نہ کی۔ اس مقدمہ میں جب اپیل کیا گیا تو رات کو علی محمد نام ایک شخص آیا اور اُس نے آکر خبر دی کہ وہ بری ہوگئے ہیں۔ مجھے یہ خبر سُنکر تعجب ہوا، کیونکہ میں نے مذکورہ بالا پیشگوئی کی تھی۔ اس تردد میں جب میں نے نماز پڑھی تو نماز ہی میں الہام ہوا۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ وہ رات تو اسی طرح گزر گئی۔ اور میں نے مزید تحقیقات نہ

---

۱ الحکم جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۲ تا ۴ پرچہ ۳۱ اگست ۱۹۰۲ء۔

کی لیکن صبح کو اصل حال معلوم ہوگیا کہ اپیل رد ہو گئے تھے جس سے یہ غلط نتیجہ نکال لیا گیا کہ وہ بَری ہو گئے ہیں۔ آخر جیسا کہ مَیں نے کہا ہے اسی طرح پیشگوئی کے موافق اپیل واپس آئی اور اس میں بشیر کی قید نصف رہ گئی اور خوشحال کو پوری سزا بھگتنی پڑی۔

اب بتاؤ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسے زبردست نشان ہیں۔ ابتک ان واقعات کے زندہ گواہ موجود ہیں۔ اُن سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ کیا قبل از وقت ان کو بتایا گیا تھا یا نہیں؟ اور پھر ٹھیک پیشگوئی کے موافق ان کا ظہور ہوا ہے یا نہیں؟ پھر اسی طرح جھنڈا سنگھ نامی ایک زمیندار کے ساتھ درخت کاٹنے کا مقدمہ تحصیل میں دائر تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ ڈگری ہو جائے گی جب کوئی دس بارہ دن ہوئے، تو لوگوں نے بٹالہ سے آکے کہا کہ وہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے اور خود اس نے بھی آکر بطور مسخرہ کہا کہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ مجھے اس خبر کے سُننے سے اتنا غم ہوا کہ کبھی کسی ماتم سے بھی نہیں ہوا۔ مَیں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ڈگری کی خبر دی تھی، یہ کیا کہتے ہیں۔ وہ اسامی تھے اور ہم مالک تھے اور مالک کی اجازت کے بغیر وہ درخت کاٹنے کے مجاز نہ تھے۔ مختلف قسم کے پندرہ یا سولہ آدمی اس مقدمہ میں تھے۔ مجھے بہت ہی غم محسوس ہوا۔ اور مَیں جیسے کوئی مبہوت ہو جاتا ہے، سراسیمہ ہو کر سجدہ میں گر پڑا۔ اور دُعا کی تب ایک بلند آواز سے الہام ہوا "ڈگری ہوئی ہے مسلمان ہے" یعنی آیا اور رہے کئی۔ صبح کو جب تحصیل گیا تو وہاں جا کر ایک شخص سے جو حاکم کا سررشتہ تھا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کیا فلاں مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اُس میں تو ڈگری ہوئی ہے۔ پھر مَیں نے اس سے کہا کہ اُنھوں نے گاؤں میں مشہور کیا ہے کہ وُہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس خبر میں وہ بھی پتے ہیں۔ جب حافظ ہدایت علی صاحب فیصلہ لکھنے لگے تو مَیں کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جب باہر سے آیا، تو اُنھوں نے روبکار مجھے دی کہ یہ مقدمہ خارج کر دیا ہے۔ سررشتہ دار کہتا ہے کہ تب مَیں نے اُن کو کہا کہ تم نے غلطی کی ہے۔ اس نے کہا نہیں مَیں نے کمشنر کا فیصلہ جو اُنھوں نے پیش کیا تھا دیکھ لیا ہے۔ مَیں نے اُن کو کہا کہ فنانشل کمشنر کا فیصلہ بھی تو دیکھنا تھا۔ پھر اُسے معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ جو اس نے کیا تھا وہ غلط ہے۔ اس نے روبکار لے کر پھاڑ کر پھینک دی اور دوسری روبکار لکھی جس میں ڈگری کا فیصلہ دیا اور اس طرح پر پیشگوئی جو خدا تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے بتلائی تھی پُوری ہوئی۔ اس پیشگوئی کے بھی بہت سے لوگ گواہ ہیں۔ اور ابتک موجود ہیں۔

(ث)

۱۔ ثَمَانِیْنَ حَوْلًا۔ پھر ث میں ثَمَانِیْنَ حَوْلًا کی پیشگوئی ہے۔ اس پیشگوئی پر ایک زمانہ

گزر گیا۔ کوئی شخص ایک دم کے لیے بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں زندہ رہوں گا۔ لیکن ایک خاص تعداد سالوں تک کی خبر دے دینا کیا یہ انسانی طاقت کا کام ہے۔ اور پھر میرے جیسے آدمی کے لیے تو یہ قیافہ سے بھی ممکن نہیں۔ جس کو دو بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ باوجود ان بیماریوں اور ضعفوں کے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ دینا کہ تیری اسّی برس کے قریب عمر ہوگی۔ کیسا عجیب ہے۔ اور حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے اس قسم کی خبر ہو سکتی ہے، ورنہ عاجز انسان کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ پیشگوئی بھی پوری شدہ ہی سمجھ لیجئے، کیونکہ بہت عرصہ اس پر گذر گیا ہے اور میری عمر اب ساٹھ سے متجاوز ہو چکی ہے۔

۲۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ — پھر صف ہی کی مد میں ایک اور پیشگوئی ہے۔ جو اس سے بھی عجیب تر اور عظیم الشان ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ اس سے ایک عظیم الشان جماعت کے قائم کرنے کی خبر دینا ہے۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی، اس وقت ایک آدمی بھی ہم کو نہیں جانتا تھا اور کوئی یہاں آتا جاتا نہ تھا۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے۔ لیکن اب دیکھ لو کہ ستر ہزار سے زیادہ آدمی اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ خاص قادیان میں ایک کثیر جماعت موجود ہے۔ پھر کیا یہ کوئی جھوٹ بات ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔ اور بھی صف کی مد میں پیشگوئیاں ہیں مگر میں اس وقت صرف مثال کے طور پر ایک دو بیان کرتا ہوں۔

ج

۱۔ جنازہ — اسی طرح ج کی مد میں جنازہ کا الہام ہے۔ جب ہمارے بڑے بھائی صاحب مرزا غلام قادر مرحوم فوت ہوئے، تو ان کے مرنے سے پہلے جنازہ کا الہام ہوا تھا۔

۲۔ جمال الدین — اور اسی طرح جمال الدین کے متعلق بھی الہام ہوا تھا۔ خواجہ جمال الدین صاحب جب اپنے امتحان منصفی میں فیل ہوئے، تو میں نے دعا کی۔ الہام ہوا سیغفرلہٗ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ان کو جگہ دیدی۔

۳۔ جمع بین الصلوٰتین — پھر ج کی مد میں جَمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ کی پیشگوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے لیے ایک نشان ٹھہرایا ہے۔ اس پیشگوئی کو پورا کرنا اختیاری امر نہیں ہے۔ موت سر پر ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ خود اس کی تکمیل کر رہا ہے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بھی نہیں کرتا ہے۔ اس پیشگوئی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے کیونکہ لکھا ہے کہ یُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ۔ یعنی اس کے لیے نماز جمع کی جائے گی۔ ایسے امور جمع ہو جائیں گے کہ اس کے لیے نمازیں جمع کرنی پڑیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو میں اپنا اعتقاد رکھتا ہوں اس کو میں کسی کے دل میں نہیں ڈال سکتا۔ میں ایک پتے مسلمان کے لیے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان امور کے ساتھ جو آپ کی نبوت کے لیے بطور شہادت ہوں۔ محبت کی جاوے۔ ان میں سے یہ پیشگوئیاں بھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کشفی کیسی تیز ہے۔ اور آپ کی نگاہ کیسی دور تک پہنچنے والی تھی کہ آپ نے سارا نقشہ اس زمانہ کا کھینچ کر دکھایا۔ ہم اس پیشگوئی کو جو یُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ ہے۔ بہت ہی بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کے پورا ہونے پر ہمیں ایک راحت اور لذت آتی ہے جو دوسرے کے آگے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ لذت خواہ جسمانی ہو، خواہ روحانی۔ ایک ایسی کیفیت اور اثر ہے جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کمال درجہ کی عزت اور صداقت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ پورا ہوا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ امور جو جمع نماز کے موجب ہوتے ہیں۔ خود ہم نے پیدا کر لیے ہیں یا خدا تعالیٰ نے یہ تقریب پیدا کر دی ہے؟ صحابہ نے اس پیشگوئی کو سنا مگر پوری ہوتے نہیں دیکھا اور اب جو پیشگوئی پوری ہوئی اور انہیں اس کی خبر ملتی ہے تو انہیں کیسی لذت آتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جیسا اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے ہم ایک لطف اور لذت اٹھا رہے ہیں۔ آسمان پر بھی ایک لذت ہے۔ اس لیے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ بعض زمینی امور ایسے ہوتے ہیں کہ آسمان پر ان کی خبر دی جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں جو کچھ ہوتا ہے، اس کی خبر دی جاتی ہے اور اس کا انتشار ہوتا ہے۔ غرض یہ بڑی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کو حقیر سمجھنا کفر ہے یہ دوہرا نشان ہے۔ ایک طرف ہماری صداقت کیلئے کیونکہ ہمارے لئے یہ نشان رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہ آپ کی فرمائی ہوئی پیشگوئی پوری ہوئی۔ لوگ ناواقفی اور جہالت سے اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ یہ امر بہت ہی قابل غور ہے۔ کیا ہم نے خود ایسے امر پیدا کر لیے ہیں کہ نمازیں جمع کی جائیں؟ پھر جب یہ امر سب خدا کی طرف سے ہیں تو پھر اعتراض کرنا ہی بڑی حماقت اور خبث ہے جو لوگ اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں وہ مجھ پر نہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ نماز جمع نہ ہوگی، بلکہ ایک اچھی میعاد تک نماز جمع ہوتی رہے گی، کیونکہ ایک آدھ مرتبہ جمع کرنے کا اتفاق تو دوسرے مسلمانوں کو بھی ہو جاتا

ہے۔ پس یہ خدا کا زبردست نشان ہے جو ہماری اور ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زبردست گواہ ہے۔

(ح)

۱۔ حیات خاں ایسا ہی پھر ح کی مد میں حیات خاں کا مقدمہ ہے۔ بہت سے لوگ اس امر کے گواہ ہیں۔ یہانتک کہ اکثر ہندوؤں کو بھی معلوم ہے اور میرے لڑکے فضل احمد اور سلطان احمد بھی اس میں گواہ ہیں۔ سردار حیات خاں ایک دفعہ کسی مقدمہ میں معطل ہو گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر مرحوم نے مجھے کہا کہ ان کے لیے دعا کرو۔ میں نے دعا کی تو مجھے دکھایا گیا کہ کرسی پر بیٹھا عدالت کر رہا ہے۔ میں نے کہا یہ تو معطل ہو گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس جہاں میں معطل نہیں ہوا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بحال ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کی اطلاع دی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پھر بحال ہو گیا۔

۲۔ حَانَ اَنْ تُعَانَ ایسا ہی حَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ یہ پیشگوئی بھی ہیں موجود ہے۔ کوئی ثابت کرے کہ اس الہام کے وقت کتنی جماعت تھی۔ یا میں ہوتا تھا یا میاں شمس الدین جو براہین احمدیہ کے مسودے لکھا کرتا تھا، مگر اب خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق لاکھوں کروڑوں انسانوں میں اس کو پورا کیا اور کر رہا ہے۔ ہر نیا دن اس پیشگوئی کی شان اور عظمت کو بڑھا رہا ہے جوں جوں یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

(خ)

خسُوف وکسوف پھر خ ہے۔ اس میں خسوف کسوف کی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اس کو دیکھو کہ تیرہ سو برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا نشان مقرر کیا تھا کہ اس کے وقت میں رمضان کے مہینہ خسوف اور کسوف ہوگا اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ نشان ابتدائے آفرینش سے لے کر کبھی نہیں ہوا۔ کس قدر عظیم الشان نشان ہے جس کی نظیر آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مہدی کے وقت تک پائی نہیں جاتی۔ اب جو تجھے جو دجال اور کذاب کہا جاتا ہے۔ کیا کاذب اور دجال کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ نشان مقرر کیا تھا۔ کیا خدا تعالیٰ کو بھی دھوکا لگ گیا کہ ایک تو مجھے صدی کے سر پر بھیجا۔

اور پھر وہ تمام نشانات اور علامات بھی قائم کر دیئے جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے وقت کے مقرر تھے۔ صلیب کا غلبہ بھی میرے وقت میں ہی ہو گیا۔ اور پھر خسوف و کسوف کا نشان بھی پورا کر دیا۔ اس قدر لمبا سلسلہ خدا نے دھوکے کا رکھا۔ خدا تعالیٰ کی شان اس سے منزہ ہے۔ کہ وہ کسی کو دھوکا دے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت تو چاہتی تھی کہ کسی راستباز اور صادق کے ساتھ ان کی تائید کی جاتی نہ کہ کاذب اور مفتری کو بھیجا جاتا۔ اور پھر یہ کہ کاذب کے وقت میں نشان وہ پورے کئے جو صادق کے لیے مقرر تھے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہ ہوگی؟ اصل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق جبکہ اسلام بہت کمزور ہو گیا تھا اور بالکل رسم پرستی اور نام کے طور پر رہ گیا تھا اور جبکہ نصاریٰ کا فتنہ حد سے بڑھ گیا تھا۔ اور انہوں نے اسلام کے ذلیل کرنے کے لیے ہر قسم کے منصوبے کئے اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہونے کے لیے بل بل کر اور اکیلے اکیلے زور لگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی گئی۔ یہاں تک کہ آپ کو معاذ اللہ جھوٹا نبی کہا گیا۔ اور خطرناک الزام آپ کی پاک ذات پر لگائے اور کوئی دقیقہ اسلام کی ہتک اور بے عزتی کا باقی نہ رکھا گیا۔ اور اپنے مذہب میں اس قدر غلو کیا۔ کہ ایک ضعیفہ عورت کے بچہ کو خدائی کے تخت پر بٹھایا۔ اور ایک انسان کو خدا بنا کر پھر اس کو مقہور قرار دے کر اس کی لعنت و برکت کا ذریعہ بنایا، تو خدا تعالیٰ نے جو غیور خدا ہے۔ ایک عاجز انسان کو اپنے وعدہ کے موافق قائم کیا اور اس کی تائید اور نصرت کی۔ اس کے لیے ان نشانوں کو پورا کیا جو اس وقت کے لیے مقرر تھے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور توہین کا انتقام لینے والا ٹھہرایا۔ اور وہ اس طرح پر کہ جس عاجز انسان مسیح ابن مریم کو خدا ٹھہرایا گیا تھا۔ غیرت الٰہی نے اس کو مسیح ابن مریم سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا اور مسیح موعود اس کا نام رکھا۔ مسیح موعود کا مسیح ابن مریم سے افضل ہونا خود یہود و نصاریٰ کے مسلمات سے ہے۔ عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی آمد ثانی پہلی آمد کے مقابل میں جلالی ہوگی۔ پہلی آمد ناکامی کی تھی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے۔ غرض خدا نے مجھے مسیح موعود ٹھہرایا اور میرے نشانات کو قوت اور تعداد میں مسیح کے نشانات سے بہت بڑھ کر ثابت کیا۔ اگر کسی عیسائی کو شک ہو تو قوت ثبوت اور تعداد کے لحاظ سے میرے نشانوں کا اور مسیح کے نشانوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ ان نشانوں میں سے ہی یہ خسوف و کسوف کا نشان ہے جو اپنے وقت پر میری صداقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ٹھہرنے کے لیے پورا ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ پٹیالہ میں ایک مولوی تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ خسوف کسوف کا نشان پورا ہو گیا۔ تو اس نے ہاتھ مار مار کر کہا کہ اب خلقت گمراہ ہوگی۔ اب خلقت گمراہ ہوگی۔ مگر اس احمق سے کوئی اتنا پوچھے کہ خدا تعالیٰ نے جب وہ نشان پورا کیا۔ جو صادق کے لیے مقرر تھا۔ پھر لوگ گمراہ ہوں گے یا ہدایت پائیں گے۔ خسوف و کسوف کا نشان بہت بڑا نشان ہے۔

(د)

۱۔ دیانند پھر دَ کے مدمیں دیانند کے مرنے کی خبر ہے۔ اس کو زندگی میں مرنے سے پہلے یہ خبر بذریعہ ایک رجسٹری شدہ خط کے اس کو دی گئی تھی۔ اور شرمپت اور ملاوامل موجود ہیں۔ ان کو قسم دے کر پوچھا جاوے کہ کیا یہ مرنے سے پہلے یہ خبر دی گئی تھی یا نہیں؟

۲۔ دلیپ سنگھ اور اسی مدمیں دلیپ سنگھ کے ناکام ہونے کی پیشگوئی ہے۔ ابھی اُس کے آنے کی کوئی خبر بھی نہیں تھی[1]

بلا تاریخ

سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے اسباب اور معصوم بنانے کے اسباب جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئے تھے وہ کسی دوسرے نبی کو کبھی نہیں ملے۔ اسی لیے عصمت کے مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام اور درجہ پر ہیں۔ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ خود کوئی کبھی معصوم نہیں بن سکتا، بلکہ معصوم بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ جس شخص کو کثیر التعداد مال مل گیا ہے۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ چوری کرتا پھرے، لیکن جس پر خدا کی مار ہے اور گویا روٹیوں کا محتاج ہے اس سے تو ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ اگر پاخانہ میں کوڑی پڑی ہوئی ہو تو وہ اُس کے اٹھانے میں بھی کوئی مضائقہ اور دریغ نہ کرے گا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کا بہت بڑا فضل تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء: ۱۱۴) اور اصل یہ ہے کہ انسان پر جو بھی فضل ہے وہی ہے۔ پس جس شخص پر خدا تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہو اور جس کو کُل دُنیا کے لیے مبعوث کیا گیا ہو۔ اور جو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ہو کر آیا ہو۔ اُس کی عصمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ عظیم الشان بلندی پر جو شخص کھڑا ہے ایک نیچے کھڑا ہوا اس سے مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔ مسیح کی ہمت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں تک محدود ہے۔ پھر اس کی عصمت کا درجہ بھی اس حد تک ہونا چاہیے۔ لیکن جو شخص کل عالم کی نجات اور رستگاری کے واسطے آیا ہے۔ ایک دانشمند خود سوچ سکتا ہے کہ اس کی تعلیم کیسی عالمگیر صداقتوں پر مشتمل ہوگی اور اسی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء

لیے وہ اپنی تعلیم اور تبلیغ میں کس درجہ کا معصوم ہوگا۔

حضرت مسیح ایک بار چھوڑ ہزار بار کہیں کہ میں خدا ہوں، لیکن کون ان کی خدائی کا اعتراف کر سکتا ہے۔ جبکہ انسانیت کا اقبال بھی آپ کے وجود میں نظر نہیں آتا۔ دشمنوں کے نرغہ میں آپ پھنس جاتے ہیں اور اُن سے طمانچے کھاتے ہوئے صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ باوجود یکہ وہ طعن کرتے ہیں کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب سے اُتر آ۔ مگر آپ خاموش ہیں اور کوئی خدائی کرشمہ نہیں دکھاتے۔ برخلاف اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خسرو پرویز نے منصوبہ کیا اور آپ کو گرفتار کر کے قتل کرنا چاہا۔ مگر اس رات خود ہی ہلاک ہو گیا۔ اور ادھر حضرت مسیح کو ایک معمولی چپراسی پکڑ کر لے جاتا ہے۔ تائیدِ الٰہی کا کوئی پتہ نہیں ملا۔

غرض جس قدر ان امور کی تنقیح کی جاوے گی، اسی قدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارجِ عالیہ معلوم ہوں گے اور آپ ایک بلند مینار پر کھڑے دکھائی دیں گے اور مسیح آپ سے مقابلہ کرنے میں بہت ہی نیچے کھڑے ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور فضیلت کیا ہوگی کہ تیرہ سو برس بعد اپنے اَنفاسِ قدسیہ سے وہ ایک انسان کو تیار کرتے ہیں، جو مسیح ابنِ مریم پر فضیلت پاتا ہے۔ بلحاظ اپنے کام اور کامیابی کے یعنی مسیح موعود سے مقابلہ کرنے میں بھی مسیح اپنی کامیابی اور بعثت کے لحاظ سے کم ہے۔ کیونکہ محمدی مسیح محمدی کمالات کا جامع ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام نبیوں کے کمالات یکجا جمع تھے۔ اس لیے مسیح موعود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزی ظہور ہے۔ اُن کمالات کو اپنے اندر رکھتا ہے اور اپنی دعوت کی وجہ سے مسیح ابنِ مریم سے بڑھ کر ہے۔ شعر

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

مسیح ناصری کا آسمان پر جانا

مسیح کو جو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے تو سوال ہو سکتا ہے کہ وہ آسمان پر کیوں چڑھے؟ کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ عقل اس کے لیے تین شقیں تجویز کرتی ہے۔ اور ان تینوں صورتوں میں مسیح کا صعود ثابت نہیں ہو سکتا۔

شق اوّل: صلیب کی لعنت سے بچنے کے لیے۔ کیونکہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا جاوے، وہ ملعون ہوتا ہے۔ اب اگر مسیح کے صعود الی السماء سے یہ غرض تھی۔ کہ وہ لعنت سے بچے رہیں، تو اس رفع کے لیے ضروری ہے کہ پہلے موت ہو۔ کیونکہ یہ رفع وہ ہے، جو قربِ الٰہی کا مفہوم ہے۔ اور بعد موت ملتا ہے۔ اسی لیے۔ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران: ۵۶) کہا گیا۔ اور یہ وہی رفع ہے جو اِرْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر: ۲۹) میں خدا نے

بیان فرمایا ہے۔ اور مُفَتَّحَۃً لَّھُمُ الْاَبْوَابُ (ص: ۵۱) سے پایا جاتا ہے۔ غرض اس رفع کے لیے جو لعنت سے بچنے کے لیے ہو اور جو قربِ الٰہی کے معنوں میں ہو، کیونکہ لعنت کی ضد رفع تو وہی ہے جس سے قربِ الٰہی ہو۔ یہ تو بجز موت کے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ چونکہ موت کے قائل نہیں۔ اس لیے ان کے اعتقاد کے موافق مسیح کو اس رفع سے کوئی رفع نہیں ہوا، کیونکہ یہ رفع انسان کی آخری زندگی کا نتیجہ ہے اور یہ ان کو حاصل نہیں ہوا۔ پس ان شق کے لحاظ سے قرآن کا آسمان پر چڑھنا باطل ہوا۔

دُوسری غرض رفع سے یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت مسیح کوئی نشان دکھانا چاہتے تھے، مگر یہودی جن کو نشان دکھانا مقصود تھا۔ وہ اب تک مُنکر ہی چلے آتے ہیں۔ انھوں نے عین صلیب کے وقت نشان مانگا تو ان کو کوئی نشان دکھایا نہ گیا۔ پھر ایک نشان جو اُن کو دکھانا مقصود تھا وہ بجز شاگردوں کے کسی اور کو نہ دکھایا گیا۔ کیسا یہ تعجب کی بات نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صلیب پر جب ان سے نشان مانگا گیا تھا تو اس وقت نشان دکھاتے یا کہہ دیتے کہ میں آسمان پر اُڑ جانے کا نشان تم کو دکھاؤں گا۔ اور صعود کے دن سب کو پکار کر کہہ دیتے۔ کہ آؤ اب دیکھ لو میں آسمان پر جاتا ہوں۔ پھر جب اس قسم کا کوئی واقعہ یہودیوں نے نہیں دیکھا اور وُہ اب تک ہنسی اُڑاتے ہیں اور خطرناک اعتراض کرتے ہیں، تو یہ غرض بھی ثابت نہ ہوئی۔

مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں ہمارے نشانوں کو دیکھو کہ کیسے واضح اور صاف ہیں اور لاکھوں انسان اُن میں سے بعض کے گواہ ہیں۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام ۲۲ برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے درج ہے یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اب اس کی بابت محمد حسین ہی سے پُوچھو کہ جب اس نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا کس قدر لوگ یہاں آتے تھے اور کہاں سے آتے تھے اور اب تو آنیوالے لوگوں کی بابت ہم سے دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پولیس کا ایک کانسٹیبل یہاں رہتا ہے جو آنیوالے مہمانوں کی ایک فہرست تیار کر کے اپنے افسروں کے پاس بھیجا کرتا ہے۔ ان کے کاغذات کو جا کر کوئی دیکھ لے تو اُسے معلوم ہو جاوے گا کہ یہ پیشگوئی کس شان اور عظمت سے پوری ہو رہی ہے یہانتک کہ ہر شخص آنے والا اس پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا حصہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ دیکھ لو کہاں کہاں سے تحفے تحائف چلے آتے ہیں۔ اور روپیہ آتا ہے۔ اس کے لیے بھی ڈاک خانہ کے کاغذات اور محکمہ ریلوے کے رجسٹر شہادت کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔ اب ان نشانوں کا ذرا مسیح کے نشانوں سے مقابلہ تو کر کے دکھاؤ۔ وہاں تو یہودی ڈھائی دیتے ہیں کہ ہم نے کچھ بھی نہیں دیکھا اگر یہودی دیکھتے تو کیوں اِنکار کرتے اور یہاں مخالف تک اس بات کے گواہ ہیں اور صدہا نشان اس قسم کے ہیں۔ جن کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاوے، تو کئی کتابوں کی ضرورت پڑے۔

تیسرا شق مسیح کے صعود کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی غرض فرار کی تھی۔ یہ بالبداہت باطل ہے۔ کیا زمین پر کوئی جگہ نہ تھی۔ اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ: ۶۲) کے مصداق یہودیوں سے پھرا تنا خوف ہوا کہ پہلے آسمان پر بھی نہ ٹھہر سکے۔ غرض جس پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھا جاوے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ایک ہی صورت ہے کہ انہوں نے اپنی طبعی موت سے جان دی اور پھر دوسرے مقربوں کی طرح خدا نے ان کا رفع کر دیا۔ بغیر اس کے اور کوئی صورت ایسی نہیں جو اعتراض سے خالی ہو۔

مسیح ناصری توجہ سے سلب امراض فرماتے تھے

علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں۔ دوا سے، غذا سے، عمل سے، پرہیز سے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی جس سے سلب امراض ہوتا ہے، وہ توجہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اسی توجہ سے سلب امراض کیا کرتے تھے۔ اور یہ سلب امراض کی قوت مومن اور کافر کا امتیاز نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کے لئے نیک چلن ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ نبی کی توجہ کسی نہیں ہوتی۔ وہی ہوتی ہے۔ آجکل ڈوئی جو بڑے بڑے دعوی کرتا ہے۔ یہ بھی وہی سلب امراض ہے۔ توجہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سلب ذنوب بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور مسیح علیہ السلام کی توجہ میں یہ فرق ہے کہ مسیح کی توجہ سے تو سلب امراض ہوتا تھا، مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے آپؐ کی قوت قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ دُعا بھی توجہ ہی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ توجہ کا سلسلہ کڑیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جو لوگ حکیم اور ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ ان کو اس فن میں مہارت پیدا کرنی چاہیے۔ مسیح کی توجہ چونکہ زیادہ تر سلب امراض کی طرف تھی۔ اسلئے سلب ذنوب میں وہ کامیابی نہ ہونے کی وجہ یہی تھی۔ کہ جو جماعت اُنہوں نے تیار کی وُہ اپنی صفائی نفس اور تزکیہ باطن میں ان مدارج کو پہنچ نہ سکی جو جلیل الشان صحابہ کو ملی۔ اور یہانتک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی بااثر تھی کہ آج اس زمانہ میں بھی تیرہ سو برس کے بعد سلب ذنوب کی وہی قوت اور تاثیر رکھتی ہے جو اس وقت میں رکھتی تھی۔ مسیح اس میدان میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کافر اور مومن کی رؤیا میں فرق

اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کا مادہ ہر شخص میں رکھ دیا ہے کیونکہ اگر یہ مادہ نہ رکھا ہوتا، تو پھر حجت پوری نہ ہو سکتی۔ اس لیے جو نبی آتا ہے اس کی نبوت اور وحی والہام کے سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں ایک ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ ودیعت خواب ہے۔ اگر کسی کو کوئی خواب سچی کبھی نہ

آتی ہو، تو وُہ کیونکر مان سکتا ہے کہ الہام اور وحی بھی کوئی چیز ہے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ: ۲۸۷) اس لیے یہ مادہ اس نے سب میں رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ ایک بدکار اور فاسق فاجر کو بھی بعض وقت سچی رؤیا آجاتی ہے اور کبھی کبھی کوئی الہام بھی ہو جاتا ہے۔ گو وُہ شخص اس کیفیت سے کوئی فائدہ اُٹھا دے یا نہ اُٹھا دے۔ جبکہ کافر اور مومن دونوں کو سچی رؤیا آجاتی ہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ عظیم الشان فرق تو یہ ہے کہ کافر کی رؤیا بہت ہی کم سچی نکلتی ہے اور مومن کی کثرت سے سچی نکلتی ہے۔ گویا پہلا فرق کثرت اور قلت کا ہے۔ دُوسرے مومن کے لیے بشارت کا حصّہ زیادہ ہے۔ جو کافر کی رؤیا میں نہیں ہوتا۔ سوم مومن کی رؤیا مصفّا اور روشن ہوتی ہے۔ بخلاف کافر کی رؤیا مصفّا نہیں ہوتی۔ چہارم مومن کی رؤیا اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

جماعت کے واعظین کی صفات

یہ امر بہت ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں۔ لیکن اگر دُوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں۔ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں، تاکہ ان کے نیک نمونوں کا اثر دُوسروں پر پڑے۔ عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے۔ جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں، مگر خود اس پر عمل نہیں، وُہ دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے، بلکہ اُن کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سُننے والے جب دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والا خود عمل نہیں کرتا۔ تو وُہ ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اس لیے سب سے اوّل جس چیز کی ضرورت واعظ کو ہے وُہ اُس کی عملی حالت ہے۔ دُوسری بات جو اُن واعظوں کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کو صحیح علم اور واقفیت ہمارے عقائد اور مسائل کی ہو۔ جو کچھ ہم دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کو انھوں نے پہلے خود اچھی طرح پر سمجھ لیا ہو اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں کہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ ہوں۔ اور جب کسی نے کوئی اعتراض کیا تو گھبرا گئے کہ اب اس کا کیا جواب دیں۔ غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان میں زبان اور دل ہو۔ یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے خوف و ہراس کے اظہارِ حق کے لیے بول سکیں اور حق گوئی کے لیے اُن کے دل پر کسی دولتمند کا تمول یا بہادر کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کر سکے۔ یہ تین چیزیں جب حاصل ہو جائیں۔ تب ہماری جماعت کے واعظ مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ شجاعت اور ہمت ایک کشش پیدا کرے گی کہ جس سے دل اس سلسلہ کی طرف کھچے چلے آئیں گے، مگر یہ کشش اور جذب دو چیزوں کو چاہتی ہے جن کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اوّل پورا علم ہو۔ دوم تقویٰ ہو۔ کوئی علم بدوں تقویٰ کے کام نہیں دیتا ہے اور تقویٰ بدوں علم کے نہیں ہو سکتا۔ سنّت اللہ یہی ہے۔ جب انسان پُورا علم حاصل کرتا ہے، تو اسے حیا اور شرم بھی دامنگیر ہو جاتی ہے۔ پس ان تینوں باتوں میں ہمارے واعظ کامل ہونے چاہئیں۔ اور یہ میں اس لیے چاہتا ہوں کہ اکثر ہمارے نام خطوط آتے ہیں۔ فلاں سوال کا جواب کیا ہے؟ فلاں اعتراض کرتے ہیں اس کا کیا جواب دیں؟ اب ان خطوط کے کس قدر جواب لکھے جاویں۔ اگر خود یہ لوگ علم صحیح اور پُوری واقفیت حاصل کریں اور ہماری کتابوں کو غور سے پڑھیں تو وہ ان مشکلات میں نہ رہیں۔

ہماری جماعت کو عمل کی ضرورت ہے

یاد رکھو ہماری جماعت اس بات کے لیے نہیں ہے جیسے عام دُنیا دار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسے بدقسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے کہ پوچھو تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائر اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ یہ نکمّی حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور دُنیا کی اس حالت نے ہی تقاضا کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اصلاح کے لیے کھڑا کیا ہے۔ پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر بھی اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل سے میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سُود ہے، تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنے ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض و مقاصد کو پورا کرو۔ اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اسی طرح عمل کرو۔ جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا اور صحابہ نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو اور اس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہو سکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جاوے یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ عمل کے بدوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدم کے وقت سے شروع ہوئی۔ کوئی نبی دُنیا میں نہیں آیا جس نے اس دعوت کی خبر نہ دی ہو پس اس کی قدر کرو اور اس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ اہل حق کا گروہ تم ہی ہو۔

سچا ہادی خیانت نہیں کرسکتا

جو شخص خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری کو دُور کرے۔ سچا ہادی کبھی خیانت نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس طرز اور چال پر کوئی چلے خواہ اس کی زندگی اللہ اور اس کے رسُول کے حکم کے خلاف ہی ہو وہ پسند کرے، تو سمجھ لو کہ وہ خُدا کی طرف سے اصلاح کے لیے نہیں آیا۔ بلکہ شیطان اس کا مُعین ہے۔ سچا ہادی جو دیکھتا ہے اس کی اصلاح کرتا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ کسی کی ذلت اور رُسوائی نہیں کرنا چاہتا، مگر مریض کے امراض کو شناخت کر کے ان کا علاج بتاتا ہے۔

خدمتِ دین بھی عمر بڑھاتی ہے

جو لوگ دین کے لیے سچا جوش رکھتے ہیں۔ اُن کی عمر بڑھائی جاوے گی اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت عمریں بڑھا دی جاویں گی۔ اس کے معنی یہی مجھے سمجھائے گئے ہیں کہ جو لوگ خادمِ دین ہونگے اُن کی عمریں بڑھائی جاویں گی۔ جو خادم نہیں ہوسکتا وہ بڈھے بیل کی مانند ہیں۔ کہ مالک جب چاہے اُسے ذبح کر ڈالے۔ اور جو سچے دل سے خادم ہے۔ وہ خُدا کا عزیز ٹھہرتا ہے اور اس کی جان لینے میں خدا تعالیٰ کو تردد ہوتا ہے۔[1] اس لیے فرمایا وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ (الرعد: ۱۸)۔

۲۶ر اگست ۱۹۰۲ء

آپ حج کیوں نہیں کرتے

شیخ ابو سعید محمد حسین بٹالوی کے خط کا جواب الحکم کی گذشتہ اشاعت میں کسی قدر بسط سے شائع ہو چکا ہے، لیکن اتمامِ حجت اور ایک نکتہ معرفت کے لیے اتنا اور عرض کرنا ضروری سمجھا ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب وہ خط پڑھا گیا۔ اور یہ اعتراض پیش کیا گیا کہ آپ کیوں حج نہیں کرتے؟ تو فرمایا کہ:

میرا پہلا کام خنزیروں کا قتل اور صلیب کی شکست ہے۔ ابھی تو میں خنزیروں کو قتل کر رہا ہوں۔ بہت سے خنزیر مر چکے ہیں۔ اور بہت سے سخت جان ابھی باقی ہیں۔ اُن سے فرصت اور فراغت تو ہو لے۔

شیخ بٹالوی صاحب اگر انصاف سے کام لیں، تو اُمید ہے یہ لطیف جواب انھیں تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ کیوں شیخ صاحب! ٹھیک ہے نا! پہلے خنزیروں کو قتل کر لیں؟

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۵ تا ۸ پرچہ ۳۱ر اگست ۱۹۰۲ء

بغیر تاریخ

ابتلا کی حالت میں خدا سے روٹھنا نہیں چاہیے

ایک دوست کو دشمنوں نے سخت تکلیف دی اور ان کی شکایتیں بھی افسرانِ بالا دست سے کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو وہاں سے تبدیل ہونا پڑا۔ انہوں نے اس کے متعلق دعا کے لیے عرض کیا کہ اس سے دشمن خوش ہوں گے یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق جو فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

خدا کے ساتھ روٹھنا نہیں چاہیے اور خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنا کہ اس نے ہماری نصرت نہیں کی سخت غلطی ہے۔ سبھوں پر ابتلا آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک کیسی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ طائف میں گئے تو پتھر پڑے۔ اس وقت جبکہ آپ کے بدن سے خون جاری تھا۔ آپ نے کیسا صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا۔ اور کیا پاک الفاظ فرمائے کہ یا اللہ میں یہ سب تکلیفیں اس وقت تک اٹھاتا رہوں گا۔ جبتک تو راضی ہو۔ امتحان کا ہونا ضروری ہے۔ نبیوں اور صادقوں پر ابتلا آتے ہیں۔ حضرت مسیح کو دیکھو کہ کیسا ابتلا آیا۔ اَیْلِیْ اَیْلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ۔ کہنا پڑا۔ یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ غرض مومن کو گھبرانا نہیں چاہیے اور خدا سے روٹھنا نہیں چاہیے۔

اس مضمون پر ایک لمبی تقریر حضرت اقدس نے فرمائی جس کا خلاصہ آپ ہی کے اشعار میں یہ ہے:

صادق آں باشد کہ ایام بلا — بے گذارد با محبت با وفا (الحامی)
گر قضا را عاشقے گردد اسیر — بوسد آں زنجیر را کز آشنا

ڈائری سے اقتباس

تقویٰ سے اکرام ہوتا ہے

مولوی غلام حسن صاحب سب جج پشاور سے تشریف لائے عند الملاقات حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:

"خدا کا شکر ہے کہ مولوی صاحب باوجود ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے کے ہر دلعزیز ہیں۔"[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۱۶ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء

اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور تقویٰ اور رزق حلال ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو معزز بناتی ہیں۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:

حقیقت میں تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کا اکرام ہوتا ہے۔

طاعون کا ٹیکہ اور اسباب پرستی کی ممانعت

طاعون کے ٹیکہ کا ذکر تھا۔ اس کے متعلق ایک مبسوط اشتہار تقویۃ الایمان کے نام سے عنقریب شائع ہوتا ہے جو چھپ رہا ہے۔ وہ الحکم کی کسی اشاعت میں انشاء اللہ کامل طور پر چھپے گا۔ اسی ذکر کے اثناء میں اور اسی کے متعلق ایک لطیف بات فرمائی۔ کہ:

دیکھو ایک زمیندار ہے اس کی زمین بارانی ہے اور ایک دوسرا ہے جس نے رات دن محنت کر کے کنوئیں سے آبپاشی کی ہے اور اپنے کھیتوں کو بھر لیا ہے۔ مگر آسمان پر یکایک بادل ہوئے اور بارانی زمین والے تمام کھیت بھر گئے۔ اب دونوں میں سے زیادہ شکر گذار کون ہوگا؟ کیا وہ جس نے رات دن ایک محنت کر کے اپنے کھیت بھرے ہیں یا وہ جو آسمان کی طرف دیکھتا رہا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ جو رات کو سویا ہوا تھا اور صبح اُٹھ کر دیکھا، تو کھیتوں کو لبالب پایا۔

اس طرح پر ٹیکہ کے متعلق ایک تو ہم ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اور ایک وہ ہیں جو اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

اسباب سے اللہ تعالیٰ نے منع تو نہیں فرمایا، مگر اس قدر محو فی الاسباب نہ ہونا چاہیے کہ شرک کی حد تک پہنچ جاوے۔ اسباب سے جائز فائدہ اعتدال کی حد تک ضرور اُٹھانا چاہیے، مگر شرک فی الاسباب نہ ہونے پائے اور یہ شرک اسباب اسباب سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

ہزاروں ہزار مخلوق جانتی ہے کہ جب ٹیکا کرانے والوں کو فائدہ ہوگا۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے، تو وہ شخص کس قدر خوش ہوگا اور کتنا بڑا نشان ہوگا جو یہ کہے گا کہ اوروں کو ٹیکہ نے فائدہ کیا اور مجھ کو خدا نے۔ وَلِنِعْمَ مَا قِيلَ۔ تُرا کشتی آورد و ما را خدا۔

جس راہ پر ہم چلتے ہیں یہ مرحلہ دُور ہے۔ ہم اسباب کو چھوڑتے نہیں، لیکن اُن کو پرستے بھی نہیں۔ خدا نے اپنے فضل سے ایک نشان دیا ہے۔ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اگر وہ ہم پر ظاہر نہ کرتا تو کچھ بات نہ تھی۔ لیکن اب اس نشان کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کی قدر کریں۔ ہر ایک شخص اپنے صدق ثبات

اور قدر کو دیکھ کر ہم کسی کو منع نہیں کرتے۔

اسباب پرستی، پتھر پرستی سے بڑھ کر ہے۔ پتھروں کی پوجا اگر محرقہ ہے، تو اسباب پرستی تپ دق ہے جس نے دُنیا کو ہلاک کر دیا ہے۔ یاد رکھو جو اسباب میں دل لگاتا ہے، وُہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

الدار دالوں کی حفاظت کا قوی ذمہ خُدا نے لے لیا ہے، مگر ایک دار تو وُہ ہے جو خس و خاشاک و خاک کا بنا ہوا در و دیوار والا گھر ہے اور ایک وہ جو ہمارے منشاء کے موافق رُوحانی طور پر اپنی تبدیلی کرتا ہے۔ وُہ بھی ہمارے دار میں ہے۔

برکت کا نشان میرے پاس ایک شیشی مُشک کی ہے جس میں سے مَیں کھایا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ جب کبھی چیز کے سلسلہ کو منقطع کرنا نہیں چاہتا، تو جس طرح چاہے اس کو برکت دیدے۔ مَیں نے گھر والوں سے کہا کہ لاؤ اس شیشی کو میں برکت دیتا ہوں، چنانچہ مَیں نے اُس میں پھونک ماردی۔ ڈاک کے وقت فضل الٰہی ایک شیشی لایا۔ مَیں نے سمجھا کہ کوئی دوائی ہے اور رکھ دی۔ مگر فجر کو جب اسے کھول کر دیکھا، تو وہ مُشک نکلا۔ مَیں نے اس کو بُلا کر پُوچھا کہ کس نے بھیجی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کاغذ گم ہو گیا اس شیشی پر بھی مُرسل و فرستندہ کا نام نہیں۔ یہ نور نہ خدا تعالیٰ نے برکت کا دیا ہے۔ مَیں نے گھر میں خود پھونک ماری اور دُوسرے دن وُہ شیشی آگئی۔ یہ خُدا کے عجیب کام ہیں، جو آجکل ظاہر ہو رہے ہیں[1]۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

---

۳۰ ستمبر ۱۹۰۲ء

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔ آدم زاد کی پرستش کرنے میں کوئی ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہے۔ ایک بیٹے کی پرستش کرتا ہے تو دوسرا ماں کو بھی خدا بناتا ہے اور اس معاملہ میں وہ عقلمندی سے کام لیتا ہے جب بیٹا خُدا ہے، تو ماں تو ضرور خدا ہونی چاہیئے۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ انسان پرستی کا شہتیر ٹوٹ جاوے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۵-۱۶ پرچہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء

اصل تبلیغ توکل علی اللہ سے ہوتی ہے

مفتی محمد صادق صاحب کو فرمایا جبکہ انہوں نے مسٹر ویب کا ایک خط سنایا کہ:

اُن کو لکھ دو کہ عمر گذرتی جاتی ہے جو کرنا ہے اب کر لو۔ دن بدن قویٰ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ دس برس پہلے جو قویٰ تھے وہ آج کہاں ہیں؟ گذشتہ کا حساب کچھ نہیں۔ آئندہ کا اعتبار نہیں۔ جو کچھ کرنا ہو آدمی کو موجودہ وقت کو غنیمت سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اب اسلام کی خدمت کر لو۔ اوّل واقفیت پیدا کرو کہ ٹھیک اسلام کیا ہے؟ اسلام کی خدمت جو شخص درویشی اور قناعت سے کرتا ہے۔ وہ ایک معجزہ اور نشان ہو جاتا ہے جو جمعیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا مزا نہیں آتا، کیونکہ توکل علی اللہ کا پورا لطف نہیں رہتا اور جب توکل پر کام کیا جاوے تو خدا مدد کرتا ہے اور یہ باتیں روحانیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب روحانیت انسان کے اندر پیدا ہو تو وہ وضع بدل دیتا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح پر صحابہؓ کی وضع بدل دی۔ یہ سارا کام اس کشش نے کیا جو صادق کے اندر ہوتی ہے۔ یہ خیالات باطل ہیں کہ کئی لاکھ روپیہ ہو تو کام چلے۔ خدا تعالےٰ پر توکل کر کے جب ایک کام شروع کیا جاوے اور اصل غرض اس کے دین کی خدمت ہو تو وہ خود مددگار ہو جاتا ہے اور سارے سامان اور اسباب بہم پہنچاتا ہے۔

خواجہ کمال الدین صاحب

خواجہ کمال الدین صاحب کے ذکر پر فرمایا کہ

بڑے سیدھے اور مخلص ہیں اور حقیقت میں مردانگی یہی ہے کہ جب تعلق پکڑے۔ تو آخر تک نبھا دے۔ یک در گیر و محکم گیر۔

بینظیر مجلس اور تائیدِ اسلام

یہ مجلس خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے جس میں بیٹھ کر خدا نظر آتا ہے۔ جو راستہ ہم صاف کرتے ہیں۔ مشرق مغرب میں کہیں چلے جاؤ کسی جگہ وہ بات نہیں ملے گی۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا جب ایک یا دو باتیں اسلام کی تائید میں پیدا نہ ہوتی ہوں۔ (۱۹۰۲-۹-۳۰)

بلا تاریخ

سچے مذہب کے پیروؤں کیساتھ خدا ہوتا ہے

جو لوگ سچے مذہب کے پیرو ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ ان ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کے اور اُن کے غیروں میں ایک امتیاز ہوتا ہے۔ جو تائید وہ اسلام کی کرتا ہے، وہ دُوسروں کی نہیں کرتا۔ اسلام کا خدا اپنے کلام کے ساتھ ایک شرف عطا کرتا ہے جو اور کسی کو نہیں ملتا اور اس طرح پر وہ قدرت کے نشان دکھاتا ہے اور کوئی ان کا مقابلہ نہیں سکتا۔ ہاں باتیں بنانے والے بہت ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ انسان کے تابع ہو، بلکہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے تابع ہوں۔

بلا تاریخ

آج ہمیں کوئی دکھائے کہ اسلام کے سوا کونسا مذہب ہے جو اللہ اور اس کی مخلوق کے لیے پاک ہدایت کرتا ہے۔

بلا تاریخ

دُنیا کی بے ثباتی اور مصائب

دُنیا ایسی ہے کہ یہ آرام کی جگہ نہیں، بلکہ ایک خارستان ہے۔ خوشی کی جگہ نہیں۔ اس کے ساتھ آلام وابستہ لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے خاندان میں پچاس کے قریب آدمی تھے۔ وہ قریباً سب کے سب خاک کے نیچے چلے گئے۔ بچوں بیویوں میں ابتلا آتے ہیں۔ اس سے بھی انسان کو سبق ملتا ہے۔ اس پر دُنیا کی بے ثباتی اور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ انسان چونکہ دو محبتوں کا مجموعہ ہے، کیونکہ انسان اصل میں اُنسان ہے۔ اس لیے اُنس، شفقت کا مادہ زیادہ ہے۔ اگر اس میں یہ قوتیں نہ ہوتیں تو پھر بچوں اور دوسرے کمزور لوگوں کی پرورش کیونکر کرتا؟ حقوق کا ادا کرنا، دوستی کے تعلقات یہ سب اُنس کو چاہتے ہیں۔

دوستوں کے لیے فکر و غم

اس طرح پر میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے اس قدر میرے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں اور متعلقین کا غم اور فکر بڑھ رہا ہے اور ہر روز کسی نہ کسی عزیز یا دوست کی تکلیف کی کوئی نہ کوئی خبر آجاتی ہے تو میں اس سے سخت کرب اور بے آرامی میں رہتا ہوں اور بعض وقت تو یہاں تک حالت ہوتی ہے کہ نیند بھی نہیں آتی۔ یہ سچی بات ہے کہ جس قدر تعلقات بڑھتے ہیں اسی قدر غم اور فکر بڑھتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال لکھتے ہیں

کہ وُہ کہتے ہیں کہ میں بڑا خوش ہوں، کیونکہ بے تعلق ہوں مگر یہ کوئی فضیلت اور خُوبی نہیں ہے۔ اس سے اخلاق کے سارے شعبے مکمل نہیں ہوتے۔ یہ نقص کی بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بچے مرے تھے آپ نے جو ثبات قدم اور رضا بالقضا کا کامل نمونہ دکھایا کسی اور کی زندگی میں کہاں ملتا ہے[1]؟

یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء

صُبح کی سیر

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول حلقہ خدام میں سیر کو نکلے۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے ایک مختصر سا انٹروڈکشن اپنی جدید تصنیف کا (جو سائیں مہر شاہ گولڑی کے متعلق آپ لکھ رہے ہیں) سُنانا شروع کیا جس میں سائیں جی کے سرقہ مضمون کُشتۂ اعجاز المسیح محمد حسن بیمیں اور اعجاز المسیح کا جواب باوجود سرقہ مضامین کے اُردو زبان میں بشکل سیف چشتیائی لکھنے سے سائیں جی کی قلعی کھولی ہے کہ اس سے وُہ الزام بھی سائیں جی پر قائم ہوگیا کہ عربی تفسیر نویسی کی دعوت میں واقعی لاجواب ہوگیا تھا۔ اور اُسے کوئی قوت اور قابلیت نہیں جو حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں آتا، ورنہ کیا وجہ ہے کہ اعجاز المسیح کا جواب اُردو میں لکھا حالانکہ خانہ نشین ہوکر لکھا ہے۔ بہرحال یہ لطیف اور ملیح دیباچہ سنایا گیا۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر، ۵)

شہر سے باہر نکلتے ہی اونٹوں کی ایک قطار کھڑی تھی۔ آپؑ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، کہ یہ بعینہٖ ریل گاڑی کی طرح ایک سلسلہ ہے اور کوئی جانور نہیں جس کو آگے پیچھے اس طرز سے باندھیں۔ گاڑیاں بھی اسی طرح باندھی جاتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قدر فرمایا تھا۔ خاکسار ایڈیٹر اس کو وسیع کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر بات کا سلسلہ اور نہ چلا دیا جاتا تو امید تھی کہ اس نقطہ پر بات آجاتی کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ کی پیشگوئی پوری ہوگئی ہے۔ خصوصاً یہ نظارہ عرب میں اور بھی زیادہ حیرت انگیز اور مسرت بخش ہوگا۔ جبکہ ان جنگلوں اور ریگستانوں میں جہاں یہ جہاز بیابان چلا کرتا تھا۔ اب اس جگہ ریل گاڑی چلتی نظر آتے

---

[1] الحکم جلد ۷، نمبر ۳۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء

گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوتی دکھائی دے گی۔

دو دھاری تلوار

گولڑوی کی کتاب سیفِ چشتیائی کے متعلق فرمایا۔ کہ:

اس نے دوہرا کام کیا۔ فیضی کی موت کا ہماری پیشگوئی کے موافق ہونا اس سے ثابت ہوگیا۔ اور گولڑی کی پردہ دری ہوگئی۔ اگر فیضی زندہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اصلاح کرتا۔ یا اس ارادہ سے ہی باز آجاتا۔ مگر موت نے پیشگوئی کے موافق اُسے آلیا اور گولڑوی اس کی کچی ہانڈی کھانے بیٹھ گیا اور نہ خیال کیا کہ اس کی ہر بات کی خود بھی تو تحقیق کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی پردہ دری کرالی۔ اور محمد حسن کی بھی۔

مسیح علیہ السلام بن باپ تھے

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے انبالہ سے آئے ہوئے ایک خط کا تذکرہ کیا۔ کہ کشتی نوح کے اس حصہ کو پڑھ کر جو الحکم میں شائع ہوا ہے۔ انبالہ سے ایک مخلص دوست لکھتے ہیں کہ مسیح کے بھائی بہنوں کا جو حضرت اقدس نے ذکر کیا ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یوسف گویا مسیح کا باپ بھی تھا؟ فرمایا:

ہم مسیح کو بن باپ پیدا ہوا مانتے ہیں اور ہماری کتابوں۔ رسالوں اور اخبار کی بہت سی تحریروں میں لکھا جا چکا ہے۔ اور ہم اس بات کو کیا کریں کہ یہ تاریخی غلطی مسلمانوں میں پیدا ہوئی ہے جو صحیح تاریخ سے ثابت ہے کہ مریم کا یوسف کے ساتھ نکاح ہوگیا تھا۔ اور پھر اس سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ ہم نے تو اس اولاد کا ذکر کیا ہے اور اسی قسم کی غلطی واقعہ صلیب کے متعلق ہے۔ مسیح کو صلیب دیئے جانے کے دردناک قصے موجود ہیں۔ اور ان علماء کے نزدیک وہ چھت پھاڑ کر اُڑ گئے۔ اب اس میں کس کا قصور ہے۔ یہ تو ان کو بالکل خدا بنانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بشریت ان کے پاس نہ آجاوے۔

اور ایسا ہی حضرت مریم کو ساری عمر بتول ٹھہرانا کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا۔ بڑی غلطی ہے۔ ان تاریخی اُمور سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ مسیح کی نسبت ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے۔

مریم علیہا السلام۔ محصنہ ہونے کی حقیقت

مولوی مبارک علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس امر کی تائید میں کہ مریم علیہا السلام نے ساری عمر نکاح نہیں کیا۔ یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ قرآن میں آیا ہے۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء: ۹۲) محصنات تو قرآن شریف میں خود نکاح والی عورتوں پر بولا گیا ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۵) اور اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کے معنے تو یہ ہیں۔ کہ اس نے زنا سے اپنے آپ کو

محفوظ رکھا۔ یہ کہاں سے نکلا کہ اس نے ساری عمر نکاح ہی نہیں کیا۔

مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

مسیح کے اٰیۃُ اللہ ہونے میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ اٰیۃ اللہ ہی ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیت تھے۔ مسیح کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں۔ عُزیر بھی اٰیۃُ اللہ تھے۔

مخالفوں کی طرف سے ہمارا حصّہ

ان مخالفوں کی طرف سے ہمارے حصّہ میں تو گالیاں ہی آئی ہیں۔ اب اس رسالہ کشتی نوح کو پڑھ کر بھی بہت سی باتیں بنائیں گے اور گالیاں دیں گے۔ کوئی فریبی اور مکّار کہے گا۔ کوئی کچھ۔

محمّدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء

ابن مریم پر فضیلت کے دعویٰ کو یہ لوگ بڑی بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صریح وحی سے مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ محمّدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر ہے اور غور کر کے دیکھ لو ہر ایک بات اس سلسلہ کی موسوی سلسلہ سے بڑی ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام صرف بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُل دُنیا کے لیے مبعوث ہوئے اور فرمایا گیا۔ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیاء: ۱۰۸) پھر آپؐ کی تائیدات موسیٰ علیہ السّلام کی تائیدات سے بڑھ کر۔ آپؐ کے اعجازی نشان بڑھ کر۔ آپؐ کو جو کتاب دی گئی، وُہ موسیٰ کی کتاب سے بڑھ کر۔ ہمیشہ کے لیے۔ غرض کُل سامان بڑھ کر۔ کامیابیاں بڑھ کر۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر نہ ہو؟ ہم ایسے نبی کے وارث ہیں جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا: ۲۹) کے لیے رسُول ہو کر آیا۔ جس کی کتاب کا خدا محافظ اور جس کے حقائق و معارف سب سے بڑھ کر ہیں۔ پھر ان معارف اور حقائق کو پانے والا کیوں کم ہے؟

پھر وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ: ۴) جو فرمایا گیا ہے یہ مسیح موعود کے زمانہ کے لیے ہے اور اس کے منہم کے وہی معنی ہیں جو اِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ میں مِّنْكُمْ سے مراد ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وُہ گروہ بھی صحابہ ہی کا گروہ ہے حضرت عیسیٰ کے لیے یہ کہاں؟

اور پھر حضرت عیسیٰ اگر اسی شان سے آتے جس شان سے وہ پہلے آئے تو وہ وہ کام نہ کر سکتے جو

مسیح موعودؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ٹھہرایا ہے۔ اُن کا دائرہ بہت تنگ اور چھوٹا تھا۔ اور مسیح موعود کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان سب اُمور پر جب نگاہ کی جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود (مسیح محمدی) ابنِ مریم (مسیح موسوی) سے بڑھا ہوا ہے۔ اور خود عیسائیوں نے بھی مسیح کی آمدِ ثانی کو پہلی آمد کے مقابلہ میں بڑھ کر مانا ہے۔

خدا تعالیٰ کا ایک احسان

خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ انگریزوں کی سلطنت میں ہمیں پیدا کیا، ورنہ اگر اسلامی سلطنت ہوتی، تو ان مولویوں ہی کے قابو میں ہوتی۔ جو قتل کے فتوے اور کفر کے فتوے دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انگریزوں کو مسیح دیا۔ جنھوں نے کل مذاہب کو آزادی دیدی۔ اور ہمارے لیے ملک بھی چُن کر مقرر کیا۔ کل مذاہب کی کھچڑی جہاں موجود ہے۔ ہم یہاں وُہ کام کر سکتے ہیں، جو مکہ مدینہ میں ہرگز نہ سکتے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کی خوشامد کرتے ہیں۔ بلکہ ہم هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمان : ۶۱) پر عمل کرتے ہیں۔ خوشامد وہ کرتے ہیں جو اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ مانتے اور سُلطان روم کے لیے امیرالمومنین ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر دل میں کچھ رکھتے ہیں اور زبان سے کچھ کہتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وُہ خدا تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری کے لیے اور محض خوشامد اور نفاق سے۔

(اس قدر بیان فرما کر پھر حضرت تشریف لے گئے)

نمازِ ظہر اور عصر کے وقت کوئی بات قابلِ نوٹ نہیں۔ حضرت حجۃ اللہ علی الارض تشریف لائے اور بعد ادائے نماز تشریف لے گئے۔[1]

یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

حسبِ معمول حضرت امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ادائے نماز مغرب شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ خُدام ایک دُوسرے سے پہلے جگہ لینے کے لیے گرے پڑتے تھے۔ آخر جب سب اپنی اپنی جگہ جہاں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۰ - ۱۱ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء

کسی کو لی بیٹھ گئے۔ تو حضرت حجۃ اللہ نے کشتی نوح کی اشاعت کے متعلق فرمایا کہ
اُمید ہے جمعہ تک اشاعت ہو جائیگی۔

اور پھر انگریزی سلطنت کے متعلق قریباً وہی گفتگو فرمائی جو ضیح کی سیر میں فرمائی تھی۔ ہاں اتنا اضافہ اور کیا کہ:
چونکہ مسیح ابن مریم کے ساتھ ہمیں مشابہت ہے۔ اُن کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۔ (المومنون: ۵۱) یعنی واقعہ صلیب کے بعد ان کو ایک اُونچے ٹیلہ پر جگہ دی۔ جہاں آرام کی جگہ اور پانی کے چشمے تھے۔ اصل یہ ہے کہ اس جگہ یعنی واقعاتِ مسیح ابن مریم میں تو صرف ظل تھا اور یہاں اصل ہے۔ ہم کو ایسی جگہ پناہ دی جہاں یہودیوں کا بس نہیں چل سکتا۔ یعنی سلطنتِ انگلشیہ کے ماتحت۔ اب یہاں یہودی حملہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے یہ پناہ کی جگہ ہے۔ اور حقائق و معارف کے چشمے یہاں بہ رہے ہیں۔

اتنے میں آسمان پر مغرب کی طرف سے ایک غبار سا اُٹھا۔ کبھی کبھی اس آندھی میں بجلی کے کوندنے کی چمک بھی نظر آتی تھی۔ بعض احباب نے چاہا کہ نیچے چلیں۔ حضور نے فرمایا:
دیکھ لو جو امر آسمان پر ہوتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔

جناب میر صاحب نے عرض کی کہ حضور غور کر کے دیکھا جاوے تو پہلے زمانہ کی نسبت خدا کا فضل اب بہت زیادہ ہے۔ فرمایا:۔
وہ زمانہ اس آخری زمانہ کا نمونہ تھا اور بطور ارہاص تھا۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم عصائے موسیٰ کا قائمقام تھا جو مذاہب مخالفہ کو کھانے والا ہے اور حقیقت بھی یونہی ہے۔ قرآن شریف کے مقابل پر کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی ایک رویاء۔

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی ایک رؤیا سنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سیالکوٹ کے بازار میں ایک آریہ بڑے کلے تھلے والا وعظ کرتا ہے۔ اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ وید کی دعاؤں کی طرف توجہ کرو۔ مجھے یہ سُنکر جوش اور غیرت آئی اور میں نے کہا بیشک وید میں دُعائیں تو ہیں، مگر اُن کی قبولیت اور مستجاب الدعوت لوگوں کی علامات کا کوئی نشان بتاؤ۔ وید میں کہاں ہے۔ اس پر وہ بہت ہی چھوٹا سا ہو گیا۔ یہ خواب مبارک اور آریہ پر فتح کی دلیل ہے۔

فرمایا:
حقیقت میں خدا سے بے نصیب جانا ہی بڑا بھاری دوزخ ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

حکایت ست کہ از روزگار ہجران است

اصل یہ ہے کہ جب انسان دُنیا کو مقدم کر لیتا ہے خواہ جان و مال کے لیے یا دولت و ملوک کے لیے پھر اس کو دین کی طرف آنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے دین کو طلب کیا ہے۔ وُہ اس مقام پر اس وقت تک نہیں پہنچے جب تک انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مقدم نہیں کر لیا۔ اور منقطعین اور مُتبتّلین میں داخل نہیں ہوئے

شعر

سخن از نست کہ ما بے تو نخواہیم حیات
بشنو اے پسر سخن گیر و سخن باز رساں

قرآن شریف نے جو کہا ہے۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ (البقرہ : ۱۸۷) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کا جواب ملتا ہے۔ پس وید کی دُعائیں بے ثمر ہیں، جن کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ بلکہ ساری دُعائیں اُلٹی ہی پڑتی ہیں۔

مسیح کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ آج میں تعبیر الرؤیا پڑھ رہا تھا۔ ایک مقام پر مجھے بہت ہی لُطف آیا۔ لکھا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسیٰ کو خواب میں دیکھے۔ تو وہ دلالت کرتا ہے کہ نقل مکان کرے گا۔ (ایڈیٹر علم تعبیر الرؤیا کی رُو سے یہ کیسا عجیب استدلال ہے۔ اس امر پر کہ مسیح اپنے ملک سے کشمیر میں ضرور آئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ قرآن اور حدیث ان کی مؤید ہوں۔)

مفتی محمد صادق صاحب آج کل ایک کتاب سُنا رہے ہیں۔ جو داستان مسیح کہنی چاہیے۔ اس میں واقعہ صلیب کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ اور ان اسرار سے پتہ لگتا ہے جو مسیح کے صلیب پر سے زندہ اُتار لیے جانے کے مؤید ہیں۔ مفتی صاحب نے عرض کی کہ حضور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ جب مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا حکم ہو چکا۔ اور پیلاطوس اور اس کی بیوی کے چھوڑ دینے کی تدابیر میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو پیلاطوس کی بیوی نے کہا کہ ہمیں عملی تدابیر میں لگ جانا چاہیے اور اس کے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے بعد آندھی کا زور بڑھ گیا اور بارش کا اندیشہ ہوا۔ اس لیے نماز عشاء ادا کر لی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔

۲/ اکتوبر ۱۹۰۲ء

آج حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ کی بارات روڑکی کو قادیان سے علی الصباح روانہ ہوئی۔ اس بارات میں حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب اور جناب مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب اور جناب سید السادات میر ناصر نواب صاحب اور آپ کے صاحبزادہ میر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر نور محمد صاحب اور صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ راہ میں مسنون طریق پر جناب میر ناصر نواب صاحب کو امیر قافلہ بنایا گیا۔ اسی روز عشاء کی نماز روڑکی میں ادا کی گئی۔ جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جن کے ہاں بارات جانی تھی اسٹیشن ریلوے روڑکی پر معہ اپنے دوستوں کے استقبال کے لیے تشریف لائے اور تمام لوازمات تواضع جو ہونے چاہیئے تھے۔ نہایت خندہ پیشانی اور شرح صدر سے ادا کئے۔

موت سے عبرت حضرت اقدس حسب معمول وقت مقررہ پر سیر کو نکلے۔ ابتدائے گفتگو میں فرمایا:

ہزارہا بدبخت لوگوں سے قبریں بھری پڑی ہیں۔ ہزاروں نامراد بادشاہ ان میں ہیں۔ ہزاروں ہی بے نصیب اُن میں پڑے ہیں۔ انسان اگر اپنے ہی خاندان کی موت پر قیاس کرے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ عمر کا سلسلہ اپنے خاندان سے معلوم کر سکتا ہے۔ بعض خاندان ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی عمریں پچاس تک پہنچتی ہیں۔ ناگپور اور ممالک متوسطہ کی طرف عمریں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس طرف بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض خاندانوں کی عمریں چھوٹی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ بھید کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ انگریز محقق ناحق ٹکریں مارتے پھرتے ہیں کہ زمینداروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ یا دماغی محنت کرنے والوں کی۔ یہ صرف خیالی باتیں ہیں۔

انسان کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بعض حیوانات کی عمریں بہت بڑی ہوتی ہیں مثلاً کچھوے کی عمر پانچ ہزار برس تک ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو عربی میں غلیم کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ گویا ہمیشہ ہی جوان رہتا ہے۔ سانپ کی عمر بھی بڑی ہوتی ہے۔ ہزار ہزار برس تک۔

مرضیٔ مولیٰ

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

خُدا تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے وُہ ہو کر رہتا ہے۔ چاروں طرف سے ایسے اسباب جمع ہوتے ہیں اور ایسا زور اور دباؤ آکر پڑتا ہے کہ آخر وہ کام ہو ہی جاتا ہے۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے جو بعض اوقات مُسلمان ہوتے۔ خدا تعالےٰ کی مرضی اس طرح پر تھی۔ چاروں طرف سے ایسا زور آکر پڑا کہ بجز اسلام کے چارہ نہ رہا۔

خُدا کی مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے

مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ مختلف مذہب کے لوگ یک جا جمع نہیں ہو سکتے۔ سُنّۃ اللہ کا نہ سمجھنا بھی ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ بعض وقت بلا کو ہم ٹلا دیتے ہیں، تو انسان بیباک ہو کر کہتا ہے کہ بلا ٹل گئی اور پھر شوخیاں کرنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ پکڑتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔ پس اگر طاعون کم ہو جاوے تو اس سے دلیر نہیں ہونا چاہیے۔ خُدا تعالیٰ کی مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

مسیح موعود کے وقت میں وَبا کا پھیلنا عیسائیوں اور مُسلمانوں کے نزدیک تو مسلّم ہی ہے۔ ہندو بھی مانتے ہیں کہ آخری دنوں میں ایک وَبا ہوگی اور اس وقت آنے والے کا نام رودر گوپال ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرقوں میں جیسے آخری دنوں میں ایک موعود کے آنے کا عقیدہ مشترک ہے ویسے ہی یہ بھی مانا گیا ہے کہ اس وقت وبا پڑے گی۔

آدابِ دُعا

پس دُعاؤں سے کام لینا چاہیے اور خدا تعالیٰ کے حضُور استغفار کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں ہے۔ ایک شخص اگر عاجزی اور فروتنی سے اس کے حضُور نہیں آتا وہ اس کی کیا پرواہ کر سکتا ہے۔ دیکھو اگر ایک سائل کسی کے پاس آجاوے اور اپنا عجز اور غربت ظاہر کرے، تو ضرور ہے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک ہو۔ لیکن ایک شخص جو گھوڑی پر سوار ہو کر آوے اور سوال کرے اور یہ بھی کہے کہ اگر نہ دو گے تو ڈنڈے ماروں گا۔ تو بجز اس کے کہ خود اس کو ڈنڈے پڑیں اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ خُدا تعالیٰ سے اَڑ کر مانگتا ہے اور اپنے ایمان کو مشروط کرنا بڑی بھاری فلطی اور ٹھوکر کا موجب ہے۔ دُعاؤں میں استقلال اور صبر ایک الگ چیز ہے اور اَڑ کر مانگنا اور بات ہے۔ یہ کہنا کہ میرا فلاں کام اگر نہ ہوا تو میں انکار کر دُوں گا یا یہ کہ دُوں گا یہ بڑی نادانی اور شرک ہے اور آدابُ الدُّعا سے ناواقفیت ہے۔ ایسے لوگ دُعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں۔ قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ہر ایک دُعا تمہاری مرضی کے موافق میں قبول کر دوں گا۔ بیشک یہ ہم مانتے ہیں

کہ قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) لیکن ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اسی قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (البقرہ : ۱۵۶) الآیۃ۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اگر تمہاری مانتا ہے تو لَنَبْلُوَنَّکُمْ میں اپنی منوانی چاہتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا احسان اور اس کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندہ کی بھی مان لیتا ہے، ورنہ اس کی اُلوہیت اور ربوبیت کی شان کے یہ ہرگز خلاف نہیں کہ اپنی ہی منواتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ جو فرمایا۔ تو اس مقام پر وہ اپنی منوانا چاہتا ہے کبھی کسی قسم کا خوف آتا ہے اور کبھی بھوک آتی ہے۔ اور کبھی مالوں پر کمی واقع ہوتی ہے۔ تجارتوں میں خسارہ ہوتا ہے اور کبھی ثمرات میں کمی ہوتی ہے۔ اولاد ضائع ہوتی ہے اور ثمرات برباد ہو جاتے ہیں اور نتائج نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں خدا تعالیٰ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اُس وقت خدا اپنی شانِ حکومت دکھانا چاہتا ہے اور اپنی منوانا چاہتا ہے۔ اس وقت صادق اور مومن کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ نہایت اخلاص اور انشراح صدر کے ساتھ خُدا کی رضا کو مقدم کر لیتا ہے اور اس پر خوش ہو جاتا ہے۔ کوئی شکوہ اور بدظنی نہیں کرتا۔ اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ۔ (البقرہ : ۱۵۶) پس صبر کرنے والوں کو بشارت دو۔ یہ نہیں فرمایا کہ دُعا کرنیوالوں کو بشارت دو، بلکہ صبر کرنے والوں کو۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اگر بظاہر اپنی دعاؤں میں ناکامی دیکھے تو گھبرا نہ جاوے بلکہ صبر اور استقلال سے خدا تعالیٰ رضا کو مقدم کرے۔ اہل اللہ کو نظر آجاتا ہے کہ یہ کام ہونہار ہے۔ پس جب وہ یہ دیکھتے ہیں تو دُعا کرتے ہیں، ورنہ قضا و قدر پر راضی رہتے ہیں۔ اہل اللہ کے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ جب کسی بلا کے آثار دیکھتے ہیں تو دُعا کرتے ہیں، لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضا و قدر اس طرح پر ہے، تو صبر کرتے ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کی وفات پر صبر کیا۔ جن میں سے ایک بچہ ابراہیم بھی تھا۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ دو قسمیں رکھ دی ہیں اور یہ اس کی سُنّت ٹھہر چکی ہے اور یہ بھی اس نے فرمایا ہے۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الفتح : ۲۴) پھر کس قدر غلطی ہے جو انسان اس کے خلاف چاہے۔ میں نے بارہا بتایا ہے کہ انسان نے خُدا کے ساتھ دوستانہ معاملہ رکھا ہے کبھی ایک دوست دُوسرے کی مان لیتا ہے اور کبھی اپنی منواتا ہے۔ اور دُعا بندہ اور خدا میں بھائی کی طرح ہیں۔ اگر انسان یہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کمزور رعایا کی طرح ہر بات مان لے۔ تو یہ نقص ہے۔ ماں بھی بچہ کی ہر بات نہیں مان سکتی۔ کبھی بچہ آگ کی انگاریاں مانگتا ہے۔ تو وہ کب دیتی ہے۔ یا مثلاً آنکھیں دُکھتی ہوں تو اُسے زنک یا اور کوئی دوا ڈالنی ہی پڑتی ہے۔ اس طرح پر بندہ چونکہ تکمیل کا محتاج ہے۔ اُسے ناروں

کی ضرورت ہے تاکہ وہ صدق و صفا اور ثبات میں کامل ثابت ہو۔

پھر دُعا کرانے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صابر ہو۔ جلد باز نہ ہو۔ جو ذرا سی بات پر دجال بکنے کو تیار رہے۔ پس وہ کیا فائدہ اٹھائے گا۔ اسے تو چاہیے کہ صبر کے ساتھ انتظار کرے۔ اور حُسنِ ظن سے کام لے۔

جب خدا تعالیٰ نے لَنَبْلُوَنَّكُمْ فرمایا ہے، تو صبر کرنے والوں کے لیے بشارت دی اور اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ بھی فرمایا۔ میرے نزدیک اس کے یہی معنی ہیں کہ قبولیت دُعا کی ایک راہ نکال دیتا ہے۔ حکام کا بھی یہی حال ہے کہ جس پر ناراض ہوتے ہیں اگر وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتا اور شکوہ اور بدظنی نہیں کرتا تو اسے ترقی دیدیتے ہیں۔ قرآن شریف سے صاف پایا جاتا ہے کہ ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ابتلا آویں۔ جیسے فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف اٰمنا کہنے سے چھوڑے جائیں اور وہ فتنوں میں نہ پڑیں۔

انبیاء علیہم السلام کو دیکھو۔ اوائل میں کس قدر دُکھ ملتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف دیکھو کہ آپ کو مکی زندگی میں کس قدر دُکھ اٹھانے پڑے۔ طائف میں جب آپ گئے تو اس قدر آپ کے پتھر مارے کہ خون جاری ہوگیا۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ کیسا وقت ہے۔ مَیں کلام کرتا ہوں اور لوگ منہ پھیر لیتے ہیں اور کہا کہ اے میرے ربّ! میں اس دُکھ پر صبر کروں گا جبتک کہ تو راضی ہو جاوے۔

اولیاء اور اہل اللہ کا یہی مسلک اور عقیدہ ہوتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں کہ عشق کا خاصہ ہے کہ مصائب آتے ہیں۔

اُنہوں نے لکھا ہے۔ ؎

عشقا! برآ! تو مغز گرداں خوردی
با شیر دلاں چہ رستمی با کردی
اکنوں کہ بما روئے نبرد آوردی
ہر چند کہ داری نکنی نامردی

مصائب اور تکالیف پر اگر صبر کیا جاوے اور خدا تعالیٰ کی قضا کے ساتھ رضا ظاہر کی جاوے تو وہ مشکلکشائی کا مقدمہ ہوتی ہے۔

ہر بلا کیں قوم را او دادہ است
زیر آں یک گنج پنہادہ است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تکالیف کا نتیجہ تھا کہ مکہ فتح ہوگیا۔ دُعا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ شرط باندھنا بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ جن مقدس لوگوں نے خدا کے فضل اور فیوض کو حاصل کیا۔ انہوں نے اس طرح حاصل کیا کہ خدا کی راہ میں مر مر کر فنا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ جو دس دن کے بعد گمراہ ہو جانے والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نفس پر خود گواہی دیتے ہیں جبکہ لوگوں سے شکوہ کرتے ہیں۔ کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔

ہم لوگوں کی شامت اعمال کو روک نہیں سکتے۔ وہ لوگ نامراد رہیں گے۔ جو ولی اور مامور کا یہ معیار ٹھہراتے ہیں کہ اس کی ہر دُعا اسی طرح قبول ہو جائے گی جس طرح وہ چاہتے ہیں۔ اور جو ولی یا مامور ہونے کا مدعی ایسا دعویٰ کرے وہ بھی کذاب ہے۔ حضرت یعقوبؑ چالیس برس تک دُعا کرتے رہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کی مکی زندگی میں مصائب بڑھتے رہے۔ کیا آپ دُعا نہ کرتے ہوں گے؟ جو لوگ آسمانی علوم سے ناواقف ہیں وہ ان اسرار کو نہیں سمجھ سکتے۔ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور وہ اندھا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اسلام میرے لیے مبارک نہیں، اس لیے مُرتد ہو گیا۔ ایسے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ مَیں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ فتوحات کے لیے دعا کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لیے شہادت مقدر ہے اگر تو صبر نہ کرے گا تو اخیار ابرار کے دفتر سے تیرا نام کٹ جائے گا۔

نماز بھی ظہر ہی سے شروع ہوتی ہے جو زوال کا وقت ہے۔ یہانتک کہ غروب تک بالکل تاریکی میں جا پڑتا ہے اور رات میں دُعائیں کرتا ہے۔ یہانتک کہ صبح میں سے جا حصّہ لیتا ہے۔ نماز کی تقسیم بھی بتاتی ہے کہ خدا نے اس تقسیم میں ایک صبح اور باقی چار ایسی رکھی ہیں جو تاریکی سے حصّہ رکھتی ہیں اور نہ ممکن تھا کہ اقبال تک ختم ہو جاتیں۔

ایسا ہی سُورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ایسے فقرے ہیں جو اس وقت منشاء کو ظاہر کرتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے صاف پایا جاتا ہے کہ کچھ نہیں چاہتے۔ تیری عبادت کرتے ہیں اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے دعا کرتے ہیں۔ گویا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور لَئِنْ شَکَرْتُمْ کو ملا ہے۔ نَعْبُدُ تو یہی ہے کہ بھلائی اور برائی کا خیال نہ رہے سب امید و امانی ہو۔ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں دُعا کی تعلیم ہے۔

بوقتِ ظہر

خواجہ غلام فرید صاحب کا ذکرِ خیر

خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے کا ذکر ہوا ؛ فرمایا

اس نے اپنے خط میں بڑی صفائی سے لکھ دیا تھا کہ میں آپ کے دعویٰ کا مصدق ہوں۔ اور میں نے کبھی ساری عمر یہ نہیں کی۔ یہ ایسا کام تھا جو دوسرے گدی نشینوں سے نہیں ہوا۔ اور کسی نے خط کا جواب تک نہیں دیا اور کسی کو ایسی توفیق نہیں ملی۔ میرے خیال میں وہ نیکی جو اس کی طبیعت میں سخاوت تھی اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ اس تصدیق کی توفیق ملی۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا۔ وہ اسلام لانے سے پہلے بڑا سخی تھا۔ اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے اسلام سے پہلے جو سخاوت کی ہے، اس کا بھی کوئی اجر ملے گا۔ فرمایا۔ وہی روپیہ تو تجھے اسلام میں کھینچ لایا ہے۔

بوقتِ عصر

حافظ محمد یوسف ضلعدار کے اشتہار کا ذکر

حافظ محمد یوسف ضلعدار کی باسی کڑھی کو پھر اُبال آیا۔ تحفہ گولڑویہ کی اشاعت پر اس نے اشتہار دیا ہے کہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا (الحاقہ : ۴۵) پر جو اس سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ کوئی ایسا مفتری پیش کرو جس نے خدا پر تقوّل کیا ہو اور اپنے ان مفتریات کو شائع کیا ہو اور پھر اس نے ۲۳ برس کی مہلت پائی ہو۔ تو پانچ سو روپیہ انعام دیا جاوے گا۔ اس طرح پر قطع الوتین ایک لغو سا اشتہار کسی امرتسری عطار نے دیا تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے اشتہار میں اسی کا حوالہ دیکر اس بوجھ کو گردن سے اتارا۔ اور ندوہ کے جلسہ میں حضرت کو بُلایا ہے حضرت جحۃ اللہ نے تجویز فرمایا کہ اس کے متعلق ایک مختصر اشتہار ندوہ کو مخاطب کر کے لکھا جاوے۔ چونکہ وہ اشتہار الگ طبع ہونا ہے جو کسی وقت اکھم میں شائع ہو جاوے گا۔ انشاء اللہ العزیز اس لیے ضرورت نہیں کہ اس مضمون کا اعادہ یہاں اپنے لفظوں میں کیا جاوے۔

دربارِ شام

ہمارے لیے خدا تعالیٰ کی عدالت کافی ہے

آج شیخ عبدالرشید صاحب زمیندار و تاجر میرٹھ جو آج ہی آئے تھے حضرت اقدسؑ سے نماز سے فارغ ہوتے ہی ملے۔ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ان کو حضرت سے انٹروڈیوس کرایا۔ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ کے متعلق ذکر آنے پر شیخ عبدالرشید صاحب نے عرض کی کہ میں نے تو ارادہ کیا تھا کہ بذریعہ عدالت اس کے سخت توہین آمیز پر نوٹس لوں۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:

"ہمارے لیے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں۔"

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم سنائی جو بہت لطیف اور معنی خیز ہے خصوصاً عورتوں کے لیے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ عورتوں کے افادہ کے لیے اس کو الگ چھاپ دیں۔

بعد نماز عشاء آج کا دربار ختم ہوا۔

۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

ندوہ کے لیے ایک اشتہار

آج جمعہ کا دن ہے۔ حضرت اقدس کا معمول ہے کہ جمعہ کو سیر کو تشریف نہیں لے جاتے۔ بلکہ نماز جمعہ کی تیاری کے لیے مسنون طریق پر غسل، حجامت، تبدیلی لباس، حناوغیرہ امور میں مصروف رہتے ہیں۔ اس لیے سیر کو تشریف نہیں لے گئے۔ جمعہ سے پیشتر ندوہ کے لیے ایک اشتہار لکھا جو کل ۱۲ر اکتوبر کو عصر کے وقت تجویز کیا تھا۔ اگرچہ یہ اشتہار صرف ایک صفحہ کا تجویز کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم اور کلام میں وہ قوت اور روانگی دی ہے کہ جو اعجازی رنگ سے رنگین ہے اس لیے بجائے ایک صفحہ کے کئی صفحے ہو گئے۔

بین المغرب و العشاء

رسالہ اسلام انصاری

شیخ عبدالحق صاحب نومسلم نے اپنے ایک جدید رسالہ کا کچھ حصہ سنایا۔ اس غرض سے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس

رسالہ کا کوئی نام تجویز کریں۔ یہ رسالہ شیخ صاحب نے ایک عیسائی کے ٹریکٹ سچا اسلام نام کے جواب میں لکھا ہے۔ جس میں اس نے عیسائیت کو سچا اسلام قرار دیا ہے۔ حضرت اقدس نام تجویز کرنا چاہتے تھے۔ کہ چند آدمیوں نے بیعت کی درخواست کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ :

بیعت کے بعد اس کا نام تجویز کرتا ہوں۔

چنانچہ بیعت کے لیے وہ آدمی پیش ہوئے اور آپؑ نے اُن سے بیعت توبہ لی۔ اور پھر اس رسالہ کا نام اسلام نصاریٰ یا اسلام النصاریٰ تجویز فرمایا اور یہ تقریر فرمائی :

اس رسالہ کا نام اسلام النصاریٰ رکھو۔ اور اصل رسالہ سے پہلے ایک چھوٹا سا مقدمہ لکھو کہ سچا اسلام تو یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً خدا تعالیٰ کو اپنی ساری طاقتیں سپرد کر دی جاویں اور اس کے احکام کے آگے گردن رکھی جاوے۔ کوئی اس کا شریک نہ ٹھہرایا جاوے اور ہر قسم کی بدراہی سے دُور رہیں۔ مگر یہ لوگ تو اس خدا سے دُور ہیں۔ جو اسلام نے بتایا اور کل نبیوں نے جس کی تعلیم دی۔ یہودی تو ابھی مرنہیں گئے۔ اُن سے پوچھو کہ وُہ کس خدا کو مانتے ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ توریت نے اس خدا کو بیان کیا ہے جو قرآن نے بتایا ہے۔ وہ انجیل کے خدا کو کب مانتے ہیں جو مریم کا بیٹا ہے جس کو عیسائیوں نے خُدا بنایا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مقدمہ میں یہ بیان کیا جاوے کہ حقیقی اسلام کیا چیز ہے؟ عقل اور روشنیٔ قلب کس کو تسلیم کرتی ہے۔ کیا عیسائیت یا اسلام کو؟

پھر اس میں عیسائی مذہب کی خرابیاں دکھاؤ کہ انجیل نے کیا تعلیم دی ہے۔ مثلاً طلاق ہی کا مسئلہ دیکھو کہ انجیل میں لکھا ہے کہ جو طلاق دیتا ہے وُہ زنا کرتا اور زنا کراتا ہے، لیکن اب واقعات اور ضرورتوں نے اُن کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کریں، چنانچہ امریکہ میں قانون بنایا گیا۔ ایسا ہی شراب کا مسئلہ ہے۔ جس کے بغیر عشاء ربانی کامل نہیں ہوتی، مگر اس کی خرابیاں دیکھو کیسی ہیں۔ اور ولایت کا یہ حال ہے کہ وہاں سادہ پانی پینے والے پر ہنسی ہوتی ہے اور پینے کے قابل صرف شراب سمجھی جاتی ہے اور پانی کو تو کپڑے ہی دھونے کے قابل قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح پر اس کی تعلیم پر ایک مختصر سی نظر کرو۔ اُن کے کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ دکھانے کے دانت بھی خراب ہیں۔ جب دکھانے کے دانتوں کا یہ حال ہے تو کھانے کے تو اور بھی خراب ہوں گے۔ کوئی چیز بھی عمدہ نہیں۔ خدا بنایا تو ایسا اور اعتقاد تجویز کئے تو ایسے تعلیم دی تو ایسی کہ اگر ایک ہفتہ اس تعلیم پر عمل کرنے کے لیے عدالتیں بند کر دی جائیں تو پتہ لگ جاوے۔ اس شخص نے سچا اسلام نام رکھ کر دراصل اسلام کو گالی دی ہے۔ کیونکہ اس نے اسلام کو

جھوٹا قرار دیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی نصرانیت کی قلعی کھولی جاوے۔ اباحتی زندگی کو اسلام ٹھہراتے ہیں۔ جو کچھ گند اس کتاب کے اندر ہے۔ وہ اس نام ہی سے ظاہر ہے۔ پس نصاریٰ کے اسلام کی حقیقت ضرور کھولنی چاہیے۔ اسلام کا لفظ صرف قرآن نے ہی اختیار کیا ہے اور کسی نے یہ نام اختیار نہیں کیا۔

مسیح کی آمدِ ثانی

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے کسی مارکوئیس نام عیسائی نے بذریعہ خط دریافت کیا ہے۔ کہ اس کے کیا معنے ہیں جو متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ :

اس کا جواب لکھ دیا جاوے اور اس سے پوچھا جاوے کہ یہ جو انجیل میں لکھا ہے۔ کہ چور کی طرح آؤں گا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مسیح کا نام منافق بھی ہے۔ کہیں بادلوں میں آنا لکھا ہے اور کہیں چور کی طرح۔ ہم تو حکم ہو کر آتے ہیں۔ پہلے ان ساٹھ ستر اناجیل کا تو فیصلہ ہو لے کہ کون اُن میں سے سچی ہے اور کون جھوٹی۔ ہم تو ایسے وقت آتے ہیں کہ اس آیت کو پیش کرتے ہوئے بھی ان کو شرم آنی چاہیے۔ کیونکہ انکے حساب کے موافق تو مسیح کی آمد پر بیس برس گذر گئے۔ اب تو قانونی معیاد بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہی۔ اس لیے بعض اب مایوس ہو کر کلیسیا ہی کو مسیح کی آمد ٹھہراتے ہیں اور اسی قسم کی بیجا اور رکیک تاویلیں کرتے ہیں۔ پس اب جبکہ ان کے حساب اور اعتقاد کے موافق اب سچے مسیح کو بھی قدم رکھنے کو جگہ نہیں تو پھر فرشتوں کے ساتھ آنا اور وہ جلالی آمد تو غلط ہی ٹھہری۔ چور کی طرح آنا ہی صحیح ثابت ہوا۔ پہلے اپنے گھر میں اناجیل کا فیصلہ کر لیں۔ جھوٹے مسیح جو لکھا ہے تو اب تو سچے کا وقت بھی گذر گیا۔ تم خود بتاؤ کہ یہ زمانہ سچے مسیح کا ہے یا جھوٹے مسیح کا۔ تمہارے بزرگوں نے مان لیا ہے۔ اسی لئے جو عقلمند ہیں وہ اس مضمون کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اس صدی سے آگے نہ کوئی مسلمان گیا ہے، نہ عیسائی۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ تمام کشوف اور الہام جو مسیح کے متعلق ہیں وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے۔ لدھیانہ میں بھی ایک مرتبہ ایک عیسائی نے یہ سوال کیا تھا، مگر وہ ایسا لاجواب ہوا کہ آخر اس نے اعتراف کر لیا اور بعض عیسائی اس سے ناراض بھی ہو گئے۔

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم وفاتِ مسیح پر پڑھی۔ بعد نماز عشاء

دربار ختم ہوا۔

۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

سیر

آج کی سیر میں طاعون کے متعلق اِدھر اُدھر کی مختلف باتیں ہوتی رہیں۔

ظہر تحفۃ الندوہ کے متعلق جو جدید اشتہار حضرت حجۃ اللہ نے لکھا ہے۔ وہ ایک جزو کے قریب ہوگیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ:

اب اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کتاب میں ایک برکت ہوتی ہے۔ لوگ اشتہار کو اشتہار سمجھ کر پرواہ نہیں کرتے۔ اس پر ٹائیٹل پیج لگایا جاوے۔ برہنہ مرد کب اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ٹائیٹل پیج اس کا لباس ہے۔ اور اس کا نام تحفۃ الندوہ رکھ دو۔

آج تحفہ غزنویہ بھی شائع ہوگیا۔ چونکہ ندوہ کا اجلاس قریب ہے اور کشتی نوح کی اشاعت میں بھی جلدی ہے۔ کثرتِ کام کی وجہ سے جو چار پریسوں پر ہو رہا ہے۔ سب پتھر رُکے پڑے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کشتی نوح کی اشاعت میں دیر نہ ہو جاتے۔ فرمایا:۔

ٹیکہ کے متعلق جو ہمارا اصل منشاء تھا وہ الحکم کے ذریعہ شائع ہوگیا اور گورنمنٹ تک بھی پہنچ گیا اگر یہ رسالہ دو روز توقف سے بھی شائع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (الحکم ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۲ء)

بین المغرب والعشاء

طاعون کا ذکر بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ اور طاعون کا ذکر چلنے پر فرمایا:

خواہ کچھ ہی ہو اگر کوئی چاہے کہ یہ بلا ارضی تدابیر سے ٹل جاوے تو یہ محال ہے۔ خدا کا ایک قانون ہے کہ جس قدر کوئی قابل قدر ہے اُسی قدر اُسے بچایا جاتا ہے۔ دیکھو شہروں میں جو بکرے ذبح ہوتے ہیں۔ وہ ان بکروں مکوڑوں سے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ جو پاؤں کے نیچے آکر ہر روز مارے جاتے ہیں۔ اور بکروں کی نسبت گائے زیادہ مفید ہے وہ اس کی نسبت کم ذبح ہوتی ہیں۔ اور اُونٹ اس سے زیادہ مفید ہے وہ اس کی نسبت کم ذبح ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر قابل قدر جانور ہے اسی قدر کم ذبح ہوتا ہے۔ انسان ان سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔ اس پر وہ چھری نہیں چلتی جو اُن جانوروں پر چلائی جاتی

ہے۔ پھر ان انسانوں میں سے بھی جو سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ اور یہ وُہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا سچا تعلق رکھتے اور اپنے اندرونہ کو صاف رکھتے ہیں۔ اور نوعِ انسان کے ساتھ خیر اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ اور خدا کے سچے فرماں بردار ہیں؛ چنانچہ قرآن شریف سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) اس کے مفہومِ مخالف سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ دُوسروں کی پرواہ کرتا ہے اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو سعادت مند ہوتے ہیں۔ وہ تمام کسر جو ان کے اندر سے نکل جاتی ہیں جو خدا سے دُور ڈال دیتی ہیں اور جب انسان اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے صلح کر لیتا ہے، تو خدا اس کے عذاب کو بھی ٹلا دیتا ہے۔ خدا کو کوئی ضد تو نہیں؛ چنانچہ اس کے متعلق بھی صاف طور پر فرمایا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ (النساء: ۱۴۸) یعنی خدا نے تم کو عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ اگر تم دیندار ہو جاؤ۔ طاعون بڑا خطرناک عذاب ہے۔ بیوی بچے ہی نہیں تباہ ہوتے بلکہ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ جنازہ کا بھی کوئی انتظام نہیں ہو سکتا مرنے والا تو مر جاتا ہے دُوسرے جو زندہ رہتے ہیں۔ وُہ بھی مفقود العقل اور زندہ درگور ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ گھر والے مُردہ کو باہر پھینک آئے ہیں اور کتوں نے اس کو کھایا۔ اور وہ بھی طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ اس خوفناک مرض میں تعہدِ خدمت کا بھی نہیں ہو سکتا۔ تیمارداروں کو نفرت اور خوف ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ۔ (الفرقان: ۷۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا منشاء یہ ہے کہ جیسے تم نے میرے شعار کو چھوڑ دیا۔ میں تمہاری بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تجہیز و تکفین بھی ایک شعار ہے۔ اور اب تو یہ رسم ہو گئی ہے اور اس سے بڑھ کر نہیں۔ مُلّا آتا ہے تو اس کی غرض چادر لینا ہوتا ہے۔ جنازہ کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کا ایک لفظ آگے نہیں جاتا۔ بلکہ وُہ تو یہی سوچتا رہتا ہے۔ کہ کچھ نمک۔ دانے اور پیسے ملیں گے۔ اور پھر دیکھتا ہے کہ مُردہ کے کپڑوں سے کوئی حصّہ ملے گا۔ غرض یہ تو مال تک بھی پیچھا نہیں چھوڑتے اپنے حقوق ہی جتاتے رہتے ہیں۔

جماعت ایک کنبہ ہے

حضرت اقدسؑ یہاں تک بیان کر چکے تھے کہ ایک تار آگیا۔ یہ تار مولوی غلام علی صاحب رہتاسی کی طرف سے تھا کہ میں بیمار ہو گیا ہوں۔ میرے لیے ڈولی نہ بھیجو۔ کچھ عرصہ تک حضرت مولوی صاحب کی بیماری کا ذکر کرتے رہے اور حالات پوچھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ:

ہماری جماعت جو اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے۔ سب آپس میں بھائی ہیں۔ اس لیے اتنے بڑے کنبہ میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی نہ کوئی دردناک آواز نہ آتی ہو۔ جو گزر گئے وہ بھی بڑے ہی مخلص تھے۔

جیسے ڈاکٹر بوڑے خاں رئیس خصیلت علی شاہ۔ ایوب بیگ منشی جلال الدین خدا ان سب پر رحم کرے۔

طاعون بیدار کرنے کا ذریعہ ہے

طاعون بھی ایک طرح اچھی ہی ہے، کیونکہ یہ غفلت سے بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ سر پر نہ ہو، تو اس زمانہ میں شاید خوف ہی نہ رہے۔ بڑے بڑے مُوذی طبع مفسد لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ جہاں ہیضہ زور سے پڑتا ہے۔ تو ان کے بھی خُون خشک ہو گئے ہیں اور اپنے اپنے طور پر ڈر گئے ہیں۔ بعض دانشمند کہتے ہیں کہ نفس چونکہ باز نہیں آتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی محرک ہی ہو۔ اس دنیا کا انجام کار خاتمہ ہونا ہے اور دُوسرا عالم بھی یقینی ہے اور وہ زندگی کا عالم ہے۔ خواہ پہلی بار ہی اگر وہاں جاکر آنکھ کھلی اور بُرے آثار ہُوں تو پھر بڑے مشکلات ہیں۔ یہ بھی خُدا کا بڑا رحم ہے، جو اس مردُود ملک پر طاعون کا تازیانہ بھیج دیا۔ جس سے غفلت دُور ہوتی ہے۔ خدا کی سُنّت ہے کہ جب انسان بہت ہی سخت دل ہو جاوے تو ایسے عذاب بھیج دیتا ہے۔ انسان معمولی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر اب جیسے ایک بڈھا اپنے آپ کو قریب بہ قبر سمجھتا ہے۔ ویسے ہی بیس برس کا نوجوان بھی۔ غفلت اور شہوات کا نشہ ایسی چیز ہے کہ جب معمولی موت سے انسان نے سبق نہ لیا تو طاعون بھیج دی جو عذاب کی شکل میں ہلاک کر رہی ہے۔

الاستفتاء من ندوۃ العلماء

اس کے بعد مولانا مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا عربی قصیدہ سُنایا جو مندرجہ حاشیہ عنوان سے اُنھوں نے دو تین گھنٹہ میں لکھا ہے۔ جب وُہ قصیدہ پڑھ چکے تو مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے پنجابی نظم سُنائی اور بعد نماز عشاء دربار ختم ہوا۔

۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

صبح کی سیر

اشاعتِ کُتب

نزول المسیح اور کشتی نوح کے متعلق تذکرہ پر فرمایا۔ کہ کشتی نوح الگ بھی تقسیم ہو اور نزول المسیح کے ہمراہ بھی۔ کیونکہ تقسیم کے وقت ہر ایک اپنی اپنی الگ سمت اختیار کرتا ہے۔ دُنیا میں یہ دونوں قوتیں جاذبہ اور مجذوبہ ہیں۔ اور ان کا اثر بھی برابر جاری ہے۔ اس لیے اس قسم کی تقسیم سے یہ فائدہ ہوگا۔ کہ جو رُوحیں صرف تعلیم کی تلاش میں ہیں۔ ان کی سیری اس تعلیم

کو پڑھ کر ہوگی۔ اور بعض رُوحیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ثبوت کی تلاش میں ہیں۔ اُن کو نزُول المسیح میں پورا ثبوت ملے گا۔ اور اس سے فائدہ پہنچے گا۔ بعض صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ امام کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے لیے بھی یہ مفید ہوگی پس یہ دو قسم کی اشاعت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

المؤمن اور الناس ثبوت اِس قسم کے دیئے ہیں کہ اللہ اکبر! یہانتک کہ مشہودات اور محسوسات سے ایمان کی تقویت ہوتی ہے، لیکن جو ایمانی فراست سے حصّہ رکھتے ہیں۔ وُہ پہلے ہی سمجھ لیتے ہیں۔ جو لوگ حق قبول کرتے ہیں وہ اسی وقت فراست والے کہلاتے ہیں۔ جب وہ اوّل ہی اوّل قبول کرتے ہیں۔ خدا جو مومنوں کی تعریف کرتا ہے اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (البیّنۃ: ۹) کہتا ہے، اس لیے کہ اُنھوں نے اپنی فراست سے پہلے رسُول اللہ کو مان لیا۔ لیکن جب کثرت سے لوگ داخل ہونے لگے۔ اور انکشاف ہوگیا۔ اس وقت داخل ہونے والے کا نام الناس رکھا۔ اس حالت میں تو گویا منع کرتا ہے یہ کہہ کر قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ (الحجرات: ۱۵) یعنی یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔ ایمان اس وقت ہوتا ہے جب ابتلاء کے موقع آویں۔ جن پر ایمان لانے کے بعد ابتلا کے موقعے نہیں آتے۔ وہ اَسْلَمْنَا میں داخل ہیں۔ اُنھوں نے تکلیف کا نشانہ ہو کر نہیں دیکھا، بلکہ وُہ اقبال اور نصرت کے زمانہ میں داخل ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ فخر کا نام اور خطاب ان کو نہ ملا۔ بلکہ الناس ان کا نام رکھا، کیونکہ وہ ایسے وقت میں داخل ہوتے جب کام چل پڑا۔ اور رسُول اللہؐ نے اپنی صداقت کی روشنی دکھلائی۔ اس وقت دُوسرے مذاہب حقیر نظر آتے، تو سب داخل ہوگئے۔

انبیاء کا استغفار نبی بہت بڑی ذمّہ داری لے کر آتا ہے۔ اس لیے جب وہ اپنے کام کو کر چکتا ہے اور تبلیغ کر کے رُخصت ہونے کو ہوتا ہے۔ تو وہ وقت اس کا گویا خدا تعالیٰ کو چارج دینے کا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ جس پر اپنا فضل کرتا ہے اس پر استغفار کا لفظ بولتا ہے۔ اسی طریق کے موافق رسُول اللہؐ کو بھی ارشادِ الٰہی ہوتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ (النصر: ۴) خدا تعالیٰ ہر ایک نقص سے پاک ہے اور جو کچھ سہو بشریت کی رُو سے اس ذمہ داری کے کام میں ہوا ہے..... تو اس سے استغفار چاہو۔ جس کے سپرد ہزاروں کام ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مقاصد عظیم الشان لے کر آئے تھے۔ غرض یہ ایک چارج تھا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیا۔ اور جس میں آپ کی پوری کامیابی کی طرف پہلے اشارہ کر دیا۔ اور یہ سُورہ گویا آنحضرتؐ کی وفات کا ایک پروانہ تھا۔ یہ

بھی یاد رکھو کہ انبیاء کی زندگی اسی وقت تک ہوتی ہے جبتک مصائب کا زمانہ رہے۔ اس کے بعد جب فتح و نصرت کا وقت آتا ہے۔ تو وہ گویا اُن کی وفات کا ایک پروانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وُہ اس کام کو کر چکے ہوتے ہیں جس کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ اور اصل تو یہ ہے۔ کہ کام تو اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں۔ مُفت میں ثواب لینا ہوتا ہے۔ جو شخص اس میں بھی خود غرضی۔ سُستی۔ ریا کی آمیزش کرے۔ وہ اصل ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کی تائید میں

ایک عرصہ ہوا میں نے خواب دیکھا تھا کہ گویا میرنا صر نواب ایک دیوار بنا رہے ہیں۔ جو فصیلِ شہر ہے۔ میں نے اس کو جو دیکھا تو خوف آیا، کیونکہ وہ قدِ آدم بنی ہوئی تھی۔ خوف یہ ہوا کہ اس پر آدمی چڑھ سکتا ہے۔ مگر جب دُوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ قادیان بہت اونچی کی گئی ہے، اس لیے یہ دیوار دوسری طرف سے بہت اونچی ہے اور یہ دیوار گویا ریختہ کی بنی ہوئی ہے۔ فرش کی زمین بھی پختہ کی گئی ہے۔ اور غور سے جو دیکھا تو وُہ دیوار ہمارے گھروں کے اِردگرد ہے۔ اور ارادہ ہے کہ قادیان کے اردگرد بھی بنائی جاوے۔ شاید اللہ رحم کرکے ان بلاؤں میں تخفیف کردے۔[1]

قادیان میں چند موتیں

آج معمولی موسمی عوارض بخار وغیرہ سے یہاں کے چوڑھوں اور دُوسری اقوام میں دو موتیں ہوگئی تھیں۔ اس کا ذکر آیا۔ فرمایا:

ایسی موتیں محرقہ تپ سے بھی ہوتی ہیں۔ طاعون کے حملے ہی الگ ہوتے ہیں۔ کوئی جنازہ پڑھنے اور اُٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ بعض وقت ایک گھر میں جب یہ بلا داخل ہوتی ہے، تو اس گھر کے گھر صاف کر دیتی ہے۔ اور عورتوں بچوں تک کو تو ہوتی ہی ہے۔ جانوروں کو بھی ہو جاتی ہے۔

بلاؤں اور خوف کی افادیت

طاعون بجائے خود انسان کے ایمان کے پرکھے جانے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اب طاعون تو مان نہ مان میں تیرا مہمان ہو کر آئی ہے۔ اگر طاعون نہ ہوتی تو سچے مُسلمان کا پتہ لگنا ہی مشکل ہوتا۔ جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہ اس وقت طاعون کو دیکھ کر جلد تبدیلی کرتے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ معمولی موتیں جو ہر روز ہوتی رہتی ہیں۔ یہ گو انسان کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر وہ ان سے عبرت حاصل کرے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ وہ ناکافی ہیں اور وہ دُنیا کے تعلقات پر موت وارد کرنے کے لیے اس قدر مفید اور مؤثر مناسبت نہیں ہوتی ہیں جس قدر کہ اب طاعون۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معمولی موتیں اب معمولی موتیں ہونے کی وجہ

---

[1] :۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۱ تا ۱۶۔ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء۔

سے اس قدر خوفناک نہیں رہی ہیں۔ لیکن اب طاعون کے حملوں سے ایک عالمگیر خوف چھا گیا ہے اور یہ وقت ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو اپنا ماویٰ و ملجا بنایا جاوے۔ غور کر کے دیکھو۔ کہ کس قدر وحشت ہو سکتی ہے۔ جب ایک گھر میں دو چار مُردے پڑے ہوں اور کوئی اٹھانے والا بھی موجود نہ ہو۔ غرض طاعون اب انسان کا جوہر کھول کر دکھا دیتی ہے۔ مصیبت اور مشکلات بھی انسان کے ایمان کے پرکھنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت : ۳)۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں جماعت کو بہت زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ موت سب سے بڑھ کر مُنذرات میں سے ہے۔ جو تبدیلی اس نظارہ موت سے ہو سکتی ہے۔ وہ دوسری مُنذرات سے نہیں ہوتی۔

خدا تعالیٰ جو تبدیلی چاہتا ہے وہ اسی طرح ہوتی ہے۔ یہ وقت ہے کہ لوگ خُدا کی طرف رجوع کریں۔ اور اس سے دُعائیں مانگیں کہ ایک پاک تبدیلی انہیں عطا ہو۔ جن لوگوں کی پاک تبدیلی خدا تعالیٰ دعاؤں سے چاہتا ہے۔ ان کی تبدیلی اس طرح پر ہوتی ہے کہ اُن پر بلائیں اور خوف آتے ہیں۔ جیسے فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ۔ الآیۃ (البقرہ : ۱۵۶) اگر انسان کے افعال سے گناہ دُور ہو جاوے تو شیطان چاہتا ہے کہ آنکھ، کان، ناک تک ہی رہے اور جب وہاں بھی اُسے قابو نہیں ملتا۔ تو پھر وہ یہاں تک کوشش کرتا ہے کہ اور نہیں تو دل ہی میں گناہ رہے۔ گویا شیطان اپنی لڑائی کو اختتام تک پہنچاتا ہے، مگر جس دِل میں خُدا کا خوف ہے، وہاں شیطان کی حکومت نہیں چل سکتی۔ شیطان آخر اس سے مایوس ہو جاتا ہے اور الگ ہوتا ہے اور اپنی بڑائی میں ناکام و نامُراد ہو کر اسے اپنا بوریا بستر باندھنا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں کہ وہ نفسانی قیدوں اور ناجائز خیالات سے الگ ہونا نہیں چاہتے اور کوئی بات ان پر مؤثر نہیں ہوتی۔ آخر خدا تعالیٰ اُن پر یوں رحم کرتا ہے۔ کہ بعض ابتلا آجاتے ہیں، تو وہ آہستہ آہستہ اُن سے باز آجاتے ہیں۔

قوموں کا باہمی جدال

اس وقت عام طور پر قوموں کا مناظرہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش آگیا ہے مگر اس میں فتح و نصرت اُسی کو ملے گی جو خدا کے نزدیک تقویٰ والی ہو اور زبان کو سنبھال کر رکھے۔ بندوں پر ظلم نہ کرے۔ ان کے حقوق کی رعایت کرے۔ سفر میں، حضر میں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور رعایت کرے تو خدا تعالیٰ اس کی رعایت کرتا ہے۔ جب وہ تقویٰ دیکھتا ہے تو وہ خود اس کا ولی اور مددگار ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ

کا کسی کے ساتھ کوئی جسمانی رشتہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ خود انصاف ہے اور انصاف کو دوست رکھتا ہے۔ وہ خود عدل ہے عدل کو دوست رکھتا ہے۔ اس لیے ظاہری رشتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ جو تقویٰ کی رعایت کرتا ہے اسے وہ اپنے فضل سے بچا لیتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اور اسی لیے اُس نے فرمایا: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۴) پس اس مناظرہ میں متقی ہی کامیاب ہوگا۔

طائف عرب کی تجارتی اشیاء کا ذکر ہوتا رہا۔ اور طائف کے ذکر پر فرمایا کہ:

وہ گویا اس ریگستان میں بہشت کا نمونہ ہے۔

اسی ذکر میں یہ بھی کہا گیا۔ کہ

عرب میں بازاروں میں ہر ایک چیز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ہر وقت جس قدر چاہو میسر آسکتی ہے۔

برات کے ساتھ باجا بجانا میاں اللہ بخش صاحب امرتسری نے عرض کیا کہ حضور یہ جو براتوں کے ساتھ باجے بجاتے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا:

فقہاء نے اعلان بالدّف کو نکاح کے وقت جائز رکھا ہے اور یہ اس لیے کہ پیچھے جو مقدمات ہوتے ہیں تو اس سے گویا ایک قسم کی شہادت ہو جاتی ہے۔ ہم کو مقصود بالذات لینا چاہیے۔ اعلان کے لیے یہ کام کیا جاتا ہے۔ یا کوئی اپنی شیخی اور تعلّی کا اظہار مقصود ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض چپ چپاتی شادیوں میں نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی جب مقدمات ہوتے ہیں تو اس قسم کے سوال اُٹھائے گئے ہیں۔ غرض ان خرابیوں کو روکنے کے لیے اور شہادت کے لیے اعلان بالدّف جائز ہے اور اِس صورت میں باجا بجانا منع نہیں ہے، بلکہ نسبتوں کی تقریب پر جو شکّر وغیرہ بانٹتے ہیں۔ دراصل یہ بھی اسی غرض کے لیے ہوتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو خبر ہو جاوے اور پیچھے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔ مگر اب یہ اصل مطلب مفقود ہو کر اس کی جگہ صرف رسم نے لے لی ہے اور اس میں بھی بہت سی بائیں اور پیدا کی گئی ہیں۔ پس ان کو رسوم نہ قرار دیا جاوے بلکہ یہ رشتہ ناطہ کو جائز کرنے کے لیے ضروری امور ہیں۔ یاد رکھو جن امور سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، شرع اس پر ہرگز زد نہیں کرتی۔ کیونکہ شرع کی خود یہ غرض ہے کہ مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

آتشبازی اور تماشا وغیرہ یہ بالکل منع ہیں، کیونکہ اس سے مخلوق کو کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں ہے۔ اور باجا بجانا بھی اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ یہ غرض ہو کہ اس نکاح کا عام اعلان ہو جاوے۔

اور نسب محفوظ رہے، کیونکہ اگر نسب محفوظ نہ رہے تو زنا کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جس پر خدا نے بہت ناراضی ظاہر کی ہے۔ یہاں تک کہ زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اعلان کا انتظام ضروری ہے، البتہ ریاکاری، فسق فجور کے لیے یا صلاح و تقویٰ کے خلاف کوئی منشا ہو تو منع ہے۔

شریعت کا مدار نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ : ۲۸۷) باجا کے متعلق حرمت کا کوئی نشان بجز اس کے کہ وہ صلاح و تقویٰ کے خلاف اور ریاکاری اور فسق و فجور کے لیے ہے، پایا نہیں جاتا اور پھر اعلان بالدف کو فقہاء نے جائز رکھا ہے اور اصل اشیاء حلت ہے، اس لیے شادی میں اعلان کے لیے جائز ہے۔

شادی کے موقعہ پر لڑکیوں کا گانا

پھر یہ سوال کیا گیا کہ لڑکی یا لڑکے والوں کے ہاں جو جوان عورتیں مل کر گھر میں گاتی ہیں۔ وہ کیسا ہے؟

فرمایا :

اصل یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح پر ہے۔ اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں، تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو لڑکیوں نے مل کر آپ کی تعریف میں گیت گائے تھے۔

مسجد میں ایک صحابی نے خوش الحانی سے شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے ہیں۔ تو آپؐ نے منع نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے ایک بار اس کے شعر سنے تو آپؐ نے اس کے لیے "رحمت اللہ" فرمایا۔ اور جس کو آپؐ یہ فرمایا کرتے تھے وہ شہید ہو جایا کرتا تھا۔ غرض اس طرح پر اگر فسق و فجور کے گیت نہ ہوں، تو منع نہیں۔ مگر مردوں کو نہیں چاہیے کہ عورتوں کی ایسی مجلسوں میں بیٹھیں۔ یہ یاد رکھو کہ جہاں ذرا بھی مظنۂ فسق و فجور کا ہو وہ منع ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

یہ ایسی باتیں ہیں کہ انسان خود ان میں فتویٰ لے سکتا ہے جو امر تقویٰ اور خدا کی رضا کے خلاف ہے، مخلوق کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ منع ہے۔ اور پھر جو اسراف کرتا ہے، وہ سخت گناہ کرتا ہے۔ اگر ریاکاری کرتا ہے، تو گناہ ہے۔ غرض کوئی ایسا امر جس میں اسراف، ریا، فسق، ایذائے خلق کا شائبہ ہو وہ منع ہے اور جو اُن سے صاف ہو وہ منع نہیں، گناہ نہیں۔ کیونکہ اصل اشیاء کی حلت ہے۔

ہر ایک کا کام نہیں کہ دین کے لیے بات کرے، پہلے خود متقی ہونا چاہیے تاکہ

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

کا مصداق ہو۔

منطقی بات بدبودار ہوتی ہے کیونکہ اس میں نرے داؤ پیچ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے منطقیانہ طریق کو چھوڑ کر عارفانہ تقریر کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔

---

۵ راکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

آج بعد عصر حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ الاحد کی برات رُڑکی سے واپس آئی تھی۔ اس موقعہ پر ایڈیٹر الحکم نے اپنی احمدی جماعت کی طرف سے ایک مبارکباد کا خاص پرچہ شائع کیا جو برات کے دارالامان پہنچتے ہی شائع کیا گیا تھا۔

واقعہ صلیب کے بعد مسیح کی زندگی کے متعلق پطرس کی شہادت

قبل نماز مغرب جب حضرت جری اللہ فی

حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو رُڑکی سے آتے ہوئے احباب ملے جو برات میں گئے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے (جو حضرت اقدس کے سلسلہ میں ایک درخشندہ گوہر ہیں اور جو عیسائیوں کی کتابوں کو پڑھ کر ان میں سے سلسلہ عالیہ کے مفید مطلب مضامین کے اقتباس کرنے کا بے حد شوق اور جوش رکھتے ہیں) پطرس کے متعلق سنایا۔ کہ رُڑکی میں پادریوں سے مل کر میں نے اس سوال کو حل کیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر ۳۰ یا ۴۰ سال کے درمیان تھی — ناظرین کو اس سوال "عمر پطرس کی ضرورت" کے لیے ہم الحکم کا وہ نوٹ یاد دلاتے ہیں۔ جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ بعض کاغذات اس قسم کے ہیں۔ جن میں پطرس لکھتا ہے کہ میں نے مسیح کی وفات کے تین سال بعد ان کو لکھا ہے۔ اور اب میری عمر ۹۰ سال کی ہے۔ گویا مسیح نے جب وفات پائی، تو پطرس کی عمر ۸۷ سال کی ہوئی اور واقعہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ تو اب اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح واقعہ صلیب کے بعد کم از کم ۴۷ سال تک بموجب اس تحریر کے زندہ رہا۔ اور پطرس ان کے ساتھ رہا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ صلیب پر مسیح نہیں مرا، بلکہ طبعی

موت سے مرا ہے اور نہ آسمان پر اس جسم کے ساتھ اٹھایا گیا، کیونکہ راس الحواریین پطرس اس کی موت کا اعتراف کرتا ہے اور موت کا وقت دیتا ہے۔

مفتی صاحب نے یہ عظیم الشان خوشخبری حضرت کو سنائی۔ پھر نماز مغرب ادا ہوئی۔

بعد نماز مغرب

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے اخلاص اور نورِ فراست کا ذکر

۳ بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ

حسب معمول شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ بیٹھتے ہی حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب نے مبارکباد دی اور عرض کیا کہ حضور ڈاکٹر صاحب کو بہت ہی مخلص پایا ہے۔ کوئی بات انہوں نے نہیں کی۔ یہی کہا ہے کہ جو حکم دیا ہے وہ کرو۔ بھائیوں میں سے بھی کوئی شریک نہیں ہوا۔ فرمایا:

خدا تعالیٰ نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے اور یہ تقریب پیدا کر دی کہ مخالف بھائیوں سے قطع تعلق ہو جاوے۔

پھر مولوی صاحب نے عرض کی کہ باوجودیکہ کوئی تکلف کی بات نہ تھی، مگر وہ بڑی ہی خاطر و تواضع سے پیش آئے اور اسی میں اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ فرمایا:

اُن میں اہلیت اور زیرکی بہت ہے۔

اس پر حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور جب الحکم میں میرا ایک خطبہ فَلَا وَرَبِّكَ پر شائع ہوا تو انہوں نے بڑھتے ہی اخلاص اور صدق سے خط لکھا کہ اس کو پڑھ کر میرا ایمان بڑا قوی اور تازہ ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا

مَیں نے دیکھا ہے کہ اُن میں نورِ فراست ہے۔ وہ باپ سے بھی اس معاملہ میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

حافظ محمد یوسف اور قطع الوتین

حافظ محمد یوسف کا ذکر آگیا کہ:

اس نے اشتہار دیا ہے اور اس میں قطع الوتین کا حوالہ دیا ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی ہے کہ ایک مفتری کو بھی وہ تسلیم کرتا ہے کہ ۲۳ برس تک زندہ رہتا ہے؛ حالانکہ

خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کا یہ عملی زمانہ مقرر کیا ہے۔ ایک انسان کو اگر لکھا جاوے کہ تیری شکل جانور جیسی ہے اس کی توہین ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت نبوت کو کذاب کی طرح کہنا سخت بے ادبی ہے۔ آپ کی پاک زندگی کو مومن کبھی کسی ناپاک انسان کی زندگی سے مشابہت نہیں دے سکتا۔ آپ کی آمد اس وقت ہوئی جب دنیا فسق و فجور اور فساد سے بھری ہوئی تھی اور آپ اس وقت دُنیا سے رخصت ہوئے جب آپ پورے کامیاب ہو گئے اور سب کام کر لیے۔ اس اشتہار کا جواب لکھنا ضروری تھا۔ اس لیے میں نے ایک رسالہ مختصر سا بنا دیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر ٹائیٹل پیج بھی لگا دیا جاوے۔ بائیبل میں بھی چھوٹے چھوٹے صحیفے موجود ہیں۔ اس میں چونکہ ندوہ کو تبلیغ ہے، اس لیے اس کا نام تحفۃ الندوۃ رکھ دیا ہے۔

مبارک بشارت

اب بہتر ہے کہ اس کے پیچھے ایک مبارک بشارت لکھ دی جاوے کہ عیسائیوں کے محققین کی تحریروں سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عیسےٰ صلیب کے واقعہ کے بعد بھی زندہ رہے جیسا کہ پطرس کی اس تحریر سے جو ملی ہے معلوم ہوا۔

اس تحقیقات سے ہر ایک محقق کو خوش ہونا چاہیے کیونکہ یہ ان کاغذات سے ثابت ہوئی ہے جو مسیح کے خاص حواری پطرس کے لکھے ہوئے ہیں۔

دُنیا میں اس وقت ایک عام تحریک ہو رہی ہے اور آئے دن ایک نہ ایک بات ہماری تصدیق اور تائید میں نکلتی آتی ہے۔ یہ خدا کا کام ہے۔ اب دیکھ لو کہ یہ کاغذ نکل آتے ہیں جو پطرس کے لکھے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت ان کو پڑھ کر خوش ہوگی اور ان کا ایمان بڑھے گا۔

خاتم النبیین کے معنے

خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی مُہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب مُہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔

ہماری تعلیم

کشتی نوح میں میں نے اپنی تعلیم لکھ دی ہے اور اس سے ہر ایک شخص کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔ چاہیے کہ ہر ایک شہر کی جماعت جلسے کر کے سب کو یہ سُنا دے۔ ایک مستعد اور فارغ شخص کو بھیجا جاوے جو پڑھ کر سُنا دے اور اگر یونہی تقسیم کرنے لگو تو غالباً پچاس ہزار ہو کافی نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس ترکیب سے اس کی اشاعت بھی ہو جائے گی اور وہ وحدت جو ہم چاہتے ہیں جماعت میں پیدا ہونے لگے گی۔

دو گروہ خدا تعالیٰ نے دو گروہ بنا دیئے ہیں۔ جیسے صدر اسلام میں تھے۔ ایک منعفاء اور غرباء کا گروہ ہے اور دُوسرے وہ جو نفسانیت رکھتے ہیں۔

دربارِ شام

۶ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ الارض حسب معمول شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔

میاں غلام رسول حجام امرتسر نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا۔ کہ مخالف کس طرح پر ان کو تکلیفیں دیتے ہیں۔ اور اس نے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ غلام محمد لڑکا جس نے یہاں سے جاکر ایک گندہ اشتہار شائع کیا ہے وہ سخت تکلیف میں ہے۔

ایک ہندو فقیر کوٹ کپورہ سے آیا ہوا تھا۔ جو آج صبح بھی ملا تھا۔ اس وقت پھر اس نے سلام کیا۔ حضرت اقدس نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ:

یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہیے۔

چنانچہ ایک شخص کو حکم دیا گیا اور وہ ایک ہندو کے گھر اس کو کھانا کھلانے لے گیا۔

میاں غلام رسُول نے پھر اپنی تکالیف کا ذکر کیا اور کہا کہ امرتسر کے مخالفوں نے باہم اتفاق کر کے یہ سازش کی ہے کہ جن گھروں میں میں کھانا پکانے جایا کرتا تھا۔ اُن کو بند کر دیا ہے کہ وہ مجھ سے کھانا نہ پکوائیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا:

صبر کرنا چاہیے۔ خبر ہے کہ تمہارے لیے کتنے گھر خُدا نے رکھے ہیں؟ اور اُن سے دو چند سہ چند تم کو مل جائیں گے۔ طاعون شروع ہو گئی ہے اور وہ ابھی ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اس لیے تم ان باتوں کا ذکر ہی نہ کرو کہ گھر چھوٹ گئے ورنہ ثواب جاتا رہے گا۔

طاعون کی اقسام

طاعون کے ذکر پر فرمایا:

تین قسم کی طاعون ہے۔ اوّل صرف تپ چڑھتا ہے اور گلٹی نکلتی ہے۔ بعد بعض ایسے ہیں کہ سخت تپ ہی ہوتا ہے۔ اور بعض ایسی ہوتی ہے کہ نہ تپ ہے نہ کچھ اور بس خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

مچھلی کی ہڈی گلے میں پھنس جانے کا علاج

جناب نواب صاحب کے لڑکے کے گلے میں ایک ہڈی کا ٹکڑا پھنس گیا تھا۔

مولوی صاحب اس کے علاج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جب نواب صاحب کے ساتھ واپس آئے۔ تو انھوں نے ذکر کیا۔ کہ ہڈی پھنس گئی تھی اور شکر ہے کہ نکل گئی۔ فرمایا:

مچھلی کی ہڈی کا علاج تو سہل ہے کہ دہی سرکہ ملا کر پلایا جاوے، تو فوراً نکل جاتی ہے۔

اور فرمایا کہ:

خدا کا فضل قدم قدم پر انسان کو مطلوب ہے اگر اس کا فضل نہ ہو تو یہ جی نہیں سکتا۔

مسیح موعود کا ذکر قرآن کریم میں

مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے دھرم کوٹ میں جو ان کا مباحثہ ہوا تھا اس کا مختصر سا تذکرہ کیا اور مہر نبی بخش صاحب بٹالوی کا بھی ذکر کیا کہ وہ وہاں آئے تھے اور انھوں نے ایک مختصر سی تقریر کی تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ وہ بار بار یہ اعتراض کرتے تھے کہ مرزا صاحب کا نام قرآن سے نکال کر دکھاؤ۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

وہ احمق نہیں جانتے کہ اگر خدا تعالیٰ ایسے صاف طور پر کہتا تو اختلاف کیوں ہوتا؟ یہودی اسی طرح تو ہلاک ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ اگر خدا اس طرح پر پردہ برانداز کلام کرے تو ایمان ایمان ہی نہ رہے۔ فراست سے دیکھنا چاہیے کہ حق کیا ہے؟ ہماری تائید میں تو اس قدر دلائل ہیں کہ فراست والا سیر ہو کر کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

یاد رکھو کہ گفتگو کرتے وقت ضروری ہے کہ پہلے مذہب متعین کر لو۔

اس پر حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے عرض کیا کہ گورداسپور میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کچھ سوال کئے۔ میں نے کہا تم نے کسی راستباز کو دنیا میں مانا ہے یا نہیں۔ جن دلائل سے اس کو مانا ہے اسی دلیل سے حضرت اقدس پر آئیے۔ پھر خاموش ہو گیا۔

فرمایا:

یہ لوگ جو بار بار پوچھتے ہیں کہ قرآن میں کہاں نام ہے؟ ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد رکھا ہے۔ بُوْرِكْتَ يَا اَحْمَدُ وغیرہ بہت سے الہام ہیں۔ میرا نام محمد رکھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اور احمد نام پر ہی ہم بیعت لیتے ہیں۔ کیا یہ نام قرآن شریف میں نہیں ہیں؟ پھر جن قدر میرے نام آدم۔ عیسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان

وغیرہ رکھے ہیں۔ وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ ماسوا اس کے یہ سلسلہ اپنے ساتھ ایک علمی ثبوت رکھتا ہے۔ اگر ان علمی امور کو یکجائی طور پر دیکھا جاوے، تو آفتاب کی طرح اس سلسلہ کی سچائی روشن نظر آتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے میرے سارے نبیوں کے نام رکھے ہیں اور آخر جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ کہہ دیا ہے۔

مقامِ خاتم النبیین ہم جس طرح پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اور پھر یہ کہتے ہیں کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یہ بالکل سچی بات ہے ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چشمۂ افاضیت مانتے ہیں۔ ایک چراغ اگر ایسا ہو جس سے کوئی دوسرا روشن نہ ہو۔ وہ قابلِ تعریف نہیں ہے، مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم ایسا نُور مانتے ہیں کہ آپ سے دوسرے روشنی پاتے ہیں۔

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (الاحزاب: ۴۱) یہ بالکل درست ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ کی جسمانی ابوت کی نفی کی۔ لیکن آپ کی رُوحانی ابوت کا استثناء کیا ہے۔ اگر یہ مانا جائے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپ کا نہ کوئی جسمانی بیٹا ہے نہ رُوحانی تو پھر اس طرح پر معاذ اللہ یہ لوگ آپؐ کو اَبتر ٹھہراتے ہیں، مگر ایسا نہیں۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر: ۲ تا ۴) اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت کی آیت میں فرمایا ہے کہ جسمانی طور پر آپؐ اَب نہیں، مگر رُوحانی سلسلہ آپؐ کا جاری ہے۔ لٰکن ماقات کے لیے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ آپؐ خاتم ہیں۔ آپؐ کی مُہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے۔

ہم خود بخود نہیں بن گئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق جو بنایا وُہ بن گئے۔ یہ اس کا فعل اور فضل ہے۔ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ خُدا نے جو وعدے نبیوں سے کیے تھے۔ ان کا ظہور ہوا ہے۔ براہین میں یہ الہام اس وقت سے درج ہے۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَكَانَ اَمْرًا مَّفْعُوْلًا۔ وغیرہ اس قسم کے بیسیوں الہام ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہوا تھا۔ اس میں ہمارا کچھ تصرف نہیں۔ کیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ وعدے فرمائے ہم حاضر تھے؟ جس طرح خدا تعالیٰ مُرسل بھیجتا ہے، اسی طرح اس نے یہاں اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ آئندہ کے لیے اگر اس قسم کے جلسے گفتگو کے ہوں، تو سوالات پہلے قلمبند ہونے چاہئیں تاکہ ان کے جوابات دیکھ لیے جائیں، کیونکہ ہم تو ان بحثوں کا سلسلہ بند کر چکے ہیں۔

کیونکہ یہ کوئی بیٹر بازی نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پہلے سے مُرتب ہو جاوے۔

حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضُور نے جو لکھا ہے کہ سورۂ نُور سے نُور

حاصل کرو۔ یہ ایک لطیف نکتہ معرفت ہے۔

ایک شخص نے سوال لکھ کر بھیجا تھا کہ میرے دادا نے مکان کے ایک حصّہ ہی کو مسجد بنایا تھا۔ اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی تو کیا اس کو مکان میں ملا لیا جاوے؟ فرمایا

"ہاں۔ ملا لیا جاوے۔"[1]

زاں بعد بعد نمازِ عشاء اجلاس ختم ہوا

۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (بعد نماز عصر)

مولوی کرم الدین کی دھمکی کا جواب

مولوی کرم الدین صاحب جہیں نے سائیں مہر علی شاہ گولڑوی کے پردہ دری والے مضمون کو پڑھ کر اور سُن کر ایک خط لکھا جس میں انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اب جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا میں کروں گا۔ فرمایا:

اُن کو لکھ دو کہ تمہاری دھمکی تم پر ہی پڑے گی۔ جو دُوسرے مولویوں پر پڑا ہے، وہی تم پر پڑے گا۔ ہماری باتیں آسمانی ہیں۔ ہم منصوبہ نہیں سوچتے۔ یہ نامردی ہے۔ کہ تم نے نام تک نہیں لکھا۔

دربارِ شام

مختلف مسائل پر گفتگو

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت بعارضہ زکام ناساز تھی۔ بعد ادائے نماز مغرب جب آپ اجلاس فرما ہوئے تو ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب بقیہ مشورہ عرض کرتے رہے۔ پھر مولانا مولوی محمد علی صاحب نے منشی مظہر علی صاحب کا خط سُنایا جو میگزین کو پڑھ کر اس سلسلہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مزید اطمینان کے لیے چاہا تھا کہ ایک مقدمہ متدائرہ کے انجام کے متعلق حضرت اقدس جواب دیں۔ آپ نے سنّتِ انبیاء کے موافق جو اقتراحی معجزات مانگنے والوں کو جواب دینا چاہیے۔ جواب دیا اور فرمایا: کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۷ تا ۱۰ پرچہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

خدا تعالیٰ نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے۔
اس کے بعد مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے اپنا ایک لطیف مضمون سُنایا۔
پھر ٹیکہ طاعون پر مختلف باتیں ہوتی رہیں۔
اور طاعون کے ذکر آنے پر آپ نے اپنی پیشگوئی کو دہرایا کہ
براہین میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۔ اور پھر نذیر نام رکھا اور کہا کہ زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ یہی زور آور حملے ہیں۔ انسان جب کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا، تو غافل ہوتا ہے۔ لیکن جب زلزلہ کی طرح ہلایا جاتا ہے۔ پھر تبدیلی کرنا چاہتا ہے۔ جیسے فرعون کا حال ہوا۔

دوزخ

حدیث آتش دوزخ کہ گفت واعظ شیخ
حدیث آتش روزگار ہجران است

خدا تعالیٰ سے جب انسان جدائی لے کر جاتا ہے، تو اس کے تمثلات دوزخ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں کذب نہیں ہے۔ مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ مُجْرِمًا (طٰہٰ : ۷۵) سچ فرمایا ہے۔ جب انسان عذاب اور درد میں مبتلا ہے؛ اگرچہ وہ زندہ ہے، لیکن مُردوں سے بھی بدتر ہے وہ زندگی جو مرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے وہ صلاح اور تقویٰ کے بدوں نہیں مل سکتی۔ جس کو تپ چڑھی ہوئی ہے اسے کیونکر زندہ کہہ سکتے ہیں۔ سخت تپ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ رات ہے یا دن ہے۔

شدھی اور شودر

مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے عرض کیا کہ روڑکی میں بعض مُسلمان آریہ ہو گئے ہیں۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ تمہیں کوئی نفع پہنچا۔ اور اب شدھ ہو کر تم کس وَرن میں ہوتے۔ اُس نے کہا کہ شودر ہیں۔ پھر دُوسرے آریہ سے پُوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اس نے کہا کہ مَیں بھی شودر ہوں۔ مَیں نے کہا کہ کیا آپ اپنی لڑکی ان کو دے سکتے ہیں۔ خاموش ہی ہو گیا۔

پگٹ اور ڈوئی

مسٹر پگٹ کے متعلق ایک نوٹ فری تھنکر سے سنایا گیا کہ لوگوں نے اس پر حملہ کیا۔ پولیس نے بچا دیا۔ اور پھر مسٹر ڈوئی کا اخبار سُنایا گیا۔ اس نے

ایک فقرہ لکھا ہے کہ مسیح نے دو ہزار سوروں کو شیطان میں ڈال دیا۔ تو گویا سُور کے لیے موزوں جگہ شیطان ہے اور پھر سُور کیلئے بہترین جگہ تمہارا پیٹ ہے۔

انجیل کی ایک تمثیل انجیل میں ایک خمیر کی مثال ہے جس کو ناظرین کی دلچسپی کے لیے ہم انجیل متی کے ۱۳/۳۳ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ مثال ڈوئی نے بیان کی ہے اور اِس پر حجۃ اللہ نے مختصر سی تقریر کی۔ وہ ذیل میں درج ہوگی۔ وُہ مثال انجیل میں یُوں لکھی ہے۔

"اس نے ایک اور تمثیل انہیں سُنائی کہ آسمان کی بادشاہت اُس خمیر کی طرح ہے جسے کسی عورت نے لیکر تین پیمانہ آٹے میں ملا دیا۔ اور ہوتے ہوتے سب خمیر ہوگیا" فرمایا :

اگر یہ صحیح ہے تو یہ پیشگوئی ہے۔ عورت سے مراد دُنیا ہے اور مسیح سے لے کر اس وقت تک تین ہی پیمانے ہوتے ہیں۔ یعنی خود مسیح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وقت یہ سلسلہ۔ ہم نے جو تعلیم لکھی ہے — اور کشتیٔ نُوح میں چھپی ہے۔ اس کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تین پیمانوں کو ایک کیا گیا ہے۔ عورت سے مراد دُنیا ہے۔ گو دُنیا نے طبعًا تقاضا کیا کہ یہ سلسلے اس طرح پر قائم ہوں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو پیش کر کے مسیح کی تعلیم کے زوائد کو نکال دیا ہے۔ براہین کے الہامات میں مجھے اور مسیح ابن مریم کو ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے کہا گیا ہے۔[1]

اس کے بعد نماز عشاء کا دربار ختم ہوا۔

۸ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (صُبح کی سیر)

یاجُوج ماجُوج یاجُوج ماجُوج کے تذکرہ پر فرمایا کہ :

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (الانبیاء : ۹۷) کے بعد وُہ خُدا سے جنگ کریں گے۔ اب گویا یہ خُدا سے جنگ ہے۔ یہ استعارہ ہے کہ جب اقبال یہاں تک پہنچ جاوے کہ کوئی سلطنت ان کے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۷ صفحہ ۱۱—۱۲ پرچہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

مقابل نہ ٹھہرے تو پھر خدا سے جنگ کرنی چاہیں گے۔

خُدا سے جنگ یہی ہے کہ نہ ان میں تضرّع اور زاری ہے اور نہ دُعا کی حقیقت پر نظر ہو بلکہ اسباب اور تدابیر پر پُورا بھروسہ ہو۔ اور قضا و قدر کا مقابلہ کیا جاوے۔ ڈوئی کے سامنے جو ہمارا مقدمہ تھا۔ اس میں بھی خُدا نے یہی فرمایا کہ ہم گویا اتر کر لڑے۔ اِنَّا تَجَالَدْنَا فَانْقَطَعَ الْعَدُوُّ وَاَسْبَابُهٗ۔ اور اس میں دونوں دشمن ناکام اور نامراد رہے۔

جب قضاء قدر اٹل ہو تو پھر جو کوئی اس کا مقابلہ کرتا ہے، تو گویا خُدا سے لڑائی کرتا ہے۔ یُورپ کی سلطنتوں اور خاص کر ہماری سلطنت کا بہت بڑا اقبال ہے۔ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلطنت میں طاعُون جاوے گی۔ ان کو خُدا کے تصرّف پر یقین نہیں۔ پہلے بادشاہوں کا یہی حال تھا کہ جب کوئی آفت رعایا پر آتی تو خود اُن میں تضرّع کی حالت پیدا ہوتی اور وہ دُعائیں کرتے اور کراتے اور صدقات سے کام لیتے۔ مگر آج کل تدابیر اور اسباب ہی پر سارا بھروسا ہے۔ دُعاؤں کو لغو اور بیہودہ شے سمجھا گیا ہے۔

اور اصل تو یہ ہے کہ قضاء قدر کا سارا سلسلہ تو سچے خُدا پر ایمان لانا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا مان لیا۔ پھر اس سلسلہ پر کیوں ایمان لاتے۔

افیون کی مَضرّت

فرمایا :-

جو لوگ افیون کھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موافق آگئی ہے۔ وُہ موافق نہیں آتی۔ دراصل وُہ اپنا کام کرتی رہتی ہے اور قویٰ کو نابود کر دیتی ہے۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بشارت دی ہے یہ سچ ہے اور یہ ایک نشان ہے اس کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ کسی علاج سے منع نہیں کرتا، بلکہ شہد اور مشک وغیرہ کا خود ذکر کرتا ہے۔ اس لیے اگر ٹیکا ضروری ہوتا تو سب سے پہلے ہم کو حکم ہوتا۔ خود گورنمنٹ کو بھی اس پر پورا وثوق نہیں ہے۔ یہ الہام جو اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ہے اس میں ڈرایا بھی ہے جبکہ اس نے فرمایا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ هَدَوْا بِاسْتِكْبَارٍ۔ جو لوگ فسق کی پرواہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے الگ ہیں۔ اور جن لوگوں کی زندگی کا درجہ ختم ہو گیا ہے وہ بھی الگ ہیں۔ اور سب سے آخر یہ بات ہے کہ نسبتاً جو اُن میں ہیں وُہ

محفوظ رہیں گے۔ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں میں ایک فرق رکھ دیتا ہے اور ان میں فاروق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اس زندگی پر کیا مزہ ہے جو حشائش پر ہاتھ مارتا ہے۔ وہی زندگی بہشتی زندگی اور قابلِ قدر زندگی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے تمسک ہو؛ ورنہ حشائش پر ہاتھ مارنے والوں کی زندگی کی تو ایسی مثال ہے جیسے بلی کے بچہ کے پیچھے کتا ہو اور وہ چوہے کے بل پر ہاتھ مارتا پھرے۔

کیا انسان ابتداء میں وحشی تھا

جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے ان سے اس امر پر گفتگو کی۔ کہ انسان پہلے وحشی تھا اور وہ پھر ترقی کرتے کرتے تہذیب کے درجہ پر پہنچا ہے۔ فرمایا کہ:

جب ہم انسان کو مہذب دیکھتے ہیں تو کیوں اس کی جڑ تہذیب نہ بتائیں۔ قرآن شریف سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۔ (التین: ۵-۶) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے وحشی بن گئے۔ مَیں کہتا ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ کو پہلا نمونہ عمدہ دکھانا چاہیئے تھا یا خراب اور اَوَّلُ الدَّنِّ دُرْدٌ کا مصداق۔ خُدا نے بُرا بنایا تھا اور پھر گھس گھس کر خود عمدہ بن گیا۔ خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور توہین ہے۔

مثنوی سے ایک مثال

اس کی تو وہی مثال ہے جو مثنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور خود ہی تجویز کر لیا کہ پہلے مزاج پُوچھوں گا۔ وُہ کہے گا۔ اچھا ہے۔ مَیں کہوں گا۔ الحمد للہ اور پھر مَیں پُوچھوں گا۔ آپ کیا کھاتے ہیں۔ تو چونکہ وہ بیمار ہے یہی کہے گا کہ مونگ کی دال کھاتا ہوں۔ مَیں کہوں گا بہت اچھا۔ اور پھر پُوچھوں گا طبیب کون ہے۔ وہ کہے گا کہ فلاں ہے۔ مَیں کہوں گا۔ خُوب ہے۔ دستِ شفا ہے۔ لیکن جب وہاں گئے۔ تو

بہرہ۔ (مریض سے) آپ کا مزاج کیسا ہے؟

مریض۔ مَر رہا ہوں۔

بہرہ۔ الحمد للہ۔

بہرہ۔ (مریض سے) آپ کی غذا کیا ہے؟

مریض۔ خُونِ جگر۔
بہرہ۔ بہت اچھی غذا ہے۔
بہرہ۔ (مریض سے) طبیب کون ہے؟
مریض۔ ملک الموت۔
بہرہ۔ طبیب اچھا ہے۔ دستِ شفا ہے۔
ان لوگوں کی بھی کچھ ایسی ہی حالت ہے

کشتی نوحؑ قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے۔ کہ جب نوح کا بیٹا طوفان میں غرق ہونے لگا۔ تو نوحؑ نے کہا کہ تو آجا۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے تیرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ گویا وہ نادان اپنے اسباب اور تدابیر سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ آج تجھے خُدا سے کوئی بچانے والا نہیں۔ اسی طرح پر میرے الہام میں بھی یہی ہے کہ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۔ اور اس مسجد مبارک کے لیے فرمایا من دخلہٗ کان اٰمنًا یہ دلالت کرتے ہیں۔ کہ ایک طوفانِ عظیم آنے والا ہے اور اس میں وہی لوگ بچیں گے۔ جو میری کشتی میں سوار ہوں گے۔ اور اب اِنِّیْ اُحَافِظُ (الخ) بھی اس کا مؤید ہے۔ اور وُہ طاعُون کا طُوفان ہے اور براہین میں اس کی طرف اشارہ کرکے صاف فرمایا۔ اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ اس وقت جو اس میں سوار ہوتے ہیں اور اپنی تبدیلی کرتے ہیں وہ بچ جائیں گے۔

طاعُون فرمایا:

زمانہ کی رسم کے موافق اب لوگ طاعون کو کہتے ہیں کہ یہ معمولی بات ہے۔ یہ ایک قسم کا عام ارتداد ہے جو پھیل رہا ہے۔ جو لوگ ڈاکٹر ہوتے ہیں، وُہ نیم دہریہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے علاج اور اسباب پر اس قدر توکل اور تکیہ کیے ہوتے ہوتے ہیں۔ کہ خُدا سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔

پنجاب میں طاعون کا حملہ بہت بڑھ کر ہے۔ بمبئی کراچی کا کوئی اوسط اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کھاتا۔ اور یہ بہت بڑھی ہوئی تعداد موت کی ہے۔

پنجاب پر طاعون کا حملہ کیوں ہو رہا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ خُدا نے یہاں ایک

سلسلہ قائم کیا ہے، تو اوّل المکذبین یہی لوگ ہوئے ہیں۔ اور انھوں نے ہی کُفر کے فتوے دیئے ہیں۔ بعض آدمیوں نے کہا کہ یہ طاعون گویا ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ یہ آواز کوئی نئی آواز نہیں۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو بھی کہا گیا تھا۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (الاعراف : ۱۳۲) مگر مجھے یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ طاعون کو ہماری شامت اعمال کا نتیجہ بتاتے ہیں لیکن مبتلا خود ہوتے ہیں؛ حالانکہ اگر ہماری شامتِ اعمال ہی تو چاہیے تھا کہ طاعون کی خبر تم کو دی جاتی۔ مگر یہ کیا ہوا کہ خبر بھی ہم کو دی گئی اور موتیں تم میں ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ ہماری حفاظت کا وعدہ کیا جاتا اور اسے ایک نشان ٹھہرایا جاتا ہے۔ کچھ تو خُدا سے ڈرو۔

خدا کے نذیر کے لیے زور آور حملے

خُدا تعالیٰ کے نزدیک نذیر وہ ہوتا ہے جو خدا اس کے لیے تائیدی نشان جن میں اس کے مخالفوں کے لیے خوف ہو۔ اُوپر سے نازل کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زور آور حملے طاعون کے ہیں جن سے ہر راہ بند کی جاتی ہے اور مُنہ سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا۔

نَدْوَہ

ندوہ کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا :

اصل یہ ہے کہ متقی کے لیے تو بولنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ کہ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرۃ : ۷۳) یہ لوگ جو امرت سر میں آتے ہیں ان کی بھی جھوٹی تہذیب نہ رہے، بلکہ اس کی حقیقت کھُل جاوے۔ یاد رکھو مداہنہ سے حق نہیں پھیلتا۔ بلکہ رہی سہی برکت بھی جاتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص ڈر کر کہ یہ علماء کی جماعت ہے ان کے ساتھ ہو جاوے۔ ہم کو اُس کی پرواہ نہیں۔ جن لوگوں کے لیے سعادت مقدر ہے، ان کا حرج نہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا آپ محافظ ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ بعض خبیث فطرت مرتد ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اور مسیح کے وقت میں بھی مرتد ہوئے۔

احمق نہیں جانتے کہ ہماری طرف سے بات ہوتی تو یہ شوکت کب رہتی۔ طاعون ہی کے ذریعہ سے دس ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو وہ خود اس سلسلہ کو ہلاک کر دیتا۔ آخری حیلے ان لوگوں کے رشتوں ناطوں اور جنازوں کے متعلق ہوتے ہیں۔ مکّہ والوں نے بھی کئے تھے۔

مگر جیسے وہاں پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان سے الگ ہیں۔ ویسے ہی یہاں بھی۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورہ کیا گیا تھا۔ اس کا نام دار الندوہ تھا۔ وہ بھی آخری حیلہ تھا اور یہ بھی آخری حیلہ ہے۔

۴ مرتسر مکہ کی طرح ہو رہا ہے۔ گندے اشتہار وہاں ہی سے شائع ہوتے ہیں۔ ابوجہل کے اخوان و انصار وہاں موجود ہیں اور دار الندوہ کی کمی تھی۔ وہ بھی آگیا۔

بعد عصر

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر جب حضرت اقدسؑ اندر تشریف لے گئے۔ تو لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل جو قادیان کے آریوں میں پرانے آریہ ہیں اور حضرت اقدسؑ کی اکثر پیشگوئیوں کے گواہ ہیں۔ اپنے اکثر احباب کو لے کر حضرت اقدس کی ملاقات کو آگئے۔ آپ نے ان میں سے ایک شخص معمر سفید ریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

کشمکش کی زندگی

دُنیا کی کشمکش کی زندگی میں لذت نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کسی کو بیٹھے بٹھائے گذارہ دیدے تو کچھ ضرورت نہیں کہ انسان اہل حکومت کے پاس جاوے۔ ان لوگوں کے پاس جانا یہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہے۔ ان لوگوں کی حالت خارش کی طرح ہے۔ کہ جو ایک مرض ہے اور کھجلانے والوں کو اس میں ایک لذت ملتی ہے۔ لیکن وہ شخص احمق ہی ہوگا جو اس لذت کو پسند کرے۔ اسی طرح حکام کے دروازوں پر جانا ایسا ہی ہے۔ گوشہ نشینی کی زندگی ایک قسم کی بہشتی زندگی ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

بچپن میں جو بچوں کو مدرسہ میں بٹھاتے ہیں۔ اس کی کشمکش ساری عمر یاد رہتی ہے۔ اُستاد کی حکومت کے نیچے ایک قسم کی تلخی معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت تک بھی یاد ہے کہ چھٹی کے دن کے بعد یعنی ہفتہ کو جو مدرسہ کا جانا ہوتا تھا، تو سخت ناگوار گذرا کرتا تھا۔ اور تو کچھ یاد نہیں رہا، مگر یہ درد ضرور یاد ہے کہ مدرسہ جانا ایک درد محسوس ہوا کرتا تھا، کیونکہ مرض کے خلاف بھی ایک درد ہی ہوا کرتا ہے۔ اور جو لوگ حکام کے دروازوں پر جاتے ہیں جیسے ذیلدار وغیرہ یا اور اسی قسم کے لوگ یہ عجیب عجیب قسم کے ابتلاء میں پھنس جاتے ہیں۔ بعض کو رشوت لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ آدمی بڑا ہی خوش نصیب ہے اور اس کو خُدا

کا شکر کرنا چاہیے جو کسی حکومت کے نیچے نہیں اور جسے فکر نہیں کہ رات کو یا دن کو کوئی آواز آئے گی۔ بعض لوگ اسیسر ہونے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں، مگر میں نے دیکھا ہے کہ وہ بڑے پابند ہوتے ہیں۔ ایک بار ایک اسیسر کو جو اپنے وقت پر نہیں آیا تھا۔ سزا ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں شادی پر یا کہیں اور گیا تھا۔ حاکم نے اُسے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہ تھا۔ کہ میں اسیسر ہوں اور سزا دے دی۔ آخر چیف کورٹ نے اس کو بری کر دیا۔ غرض اس قسم کے مصائب اور مشکلات ہوتی ہیں اور پھر ان بیچاروں کی حالت تا تریاق از عراق آوردہ شود کی مصداق ہو جاتی ہے خواہ اپیل میں بری ہو جاویں۔ مگر وہ بے عزتی اور مصائب کا ایک بار تو مُنہ دیکھ لیتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے سعدی نے : ؎

کس نیاید بخانۂ درویش
کہ خراج بوم و باغ گذار

جس قدر انسان کشمکش سے بچا ہوا ہو اسی قدر اس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ کشمکش والے کے سینہ میں آگ ہوتی ہے اور وُہ مصیبت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس دُنیا کی زندگی میں یہی آرام ہے کہ کش مکش سے نجات ہو۔ کہتے ہیں ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔ راستہ میں ایک فقیر بیٹھا تھا جس نے بشکل اپنا ستر ہی ڈھانکا ہوا تھا۔ اُس نے اُس سے پوچھا کہ سائیں جی کیا حال ہے؟ فقیر نے اُسے جواب دیا کہ جس کی ساری مُرادیں پُوری ہو گئی ہوں۔ اس کا حال کیسا ہوتا ہے؟ اُسے تعجب ہوا کہ تمہاری ساری مُرادیں کس طرح حاصل ہو گئی ہیں۔ فقیر نے کہا جب ساری مُرادیں ترک کر دیں، تو گویا سب حاصل ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب یہ سب حاصل کرنا چاہتا ہے تو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ لیکن جب قناعت کر کے سب کو چھوڑ دے، تو گویا سب کچھ ملنا ہوتا ہے۔ نجات اور مُکتی یہی ہے کہ لذت ہو دُکھ نہ ہو۔ دُکھ والی زندگی تو نہ اِس جہان کی اچھی ہوتی ہے اور نہ اُس جہان کی۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں، وُہ گویا اپنی کھال اُتارتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ زندگی تو بہر حال ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ برف کے ٹکڑہ کی طرح ہے خواہ اس کو کیسی ہی صندوقوں اور کپڑوں میں لپیٹ کر رکھو، لیکن وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر خواہ زندگی کے قائم رکھنے کی کچھ بھی تدبیریں کی جاویں۔ لیکن یہ سچی بات ہے کہ وُہ ختم ہوتی جاتی ہیں۔ اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق آتا ہی جاتا ہے۔ دُنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں۔ طبیب بھی ہیں۔ مگر کسی نے عمر کا نسخہ نہیں لکھا۔ جب لوگ بڈھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کو خوش کرنے کو بعض لوگ آجاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟ ساٹھ برس کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ رحمت علی ایک مذکوری تھا۔ اس کا بیٹا فقیر علی مُنصف ہو گیا تھا اور لوگ اس وجہ سے اس کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔ ڈپٹی قائم علی نے ایک دفعہ اس سے پُوچھا

تمہاری کیا عمر ہے؟ اس نے کہا کہ ۵۵ سال کی ہوگی؛ حالانکہ وہ ۶۵ سال کا تھا۔ قائم علی نے اس کو کہا کہ کیا ہوا۔ ابھی تو بچے ہو۔ خود بھی وہ یہی عمر بتایا کرتا تھا۔ مَیں نے کہا کہ ۵۵ کا سال بڑا مشکل ہے۔ یہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ غرض انسان عمر کا خواہشمند ہو کر نفس کے دھوکوں میں پھنسا رہتا ہے۔ دُنیا میں عمریں دیکھتے ہیں کہ ۶۰ کے بعد تو قویٰ بالکل گداز ہونے لگتے ہیں۔ بڑا ہی خوش قسمت ہوتا ہے جو ۸۰ یا ۸۲ تک عمر پائے اور قویٰ بھی کسی حد تک اچھے رہیں؛ ورنہ اکثر نیم سودائی سے ہو جاتے ہیں۔ اُسے نہ تو پھر مشورہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ اس میں عقل اور دماغ کی کچھ روشنی باقی رہتی ہے۔ بعض وقت ایسی عمر کے بڈھوں پر عورتیں بھی ظلم کرتی ہیں کہ کبھی کبھی روٹی دینی بھی بھُول جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ درجوانی کار دو جہانی کن۔ اور مشکل یہ ہے کہ انسان جوانی میں مست رہتا ہے اور مرنا یاد نہیں رہتا۔ بُرے بُرے کام اختیار کرتا ہے اور آخر میں جب سمجھتا ہے تو پھر کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ غرض اس جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

نشان زندگانی تا بسی سال
چو چل آمد فرو ریزد پَر و بال

انحطاط عمر کا ۴۰ سال سے شروع ہو جاتا ہے۔ ۳۰ یا ۳۵ برس تک جس قدر قد ہونا ہوتا ہے، وُہ پورا ہو جاتا ہے اور بعد اس کے بڈھے ہو کر پھُولنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھُولنے کا نتیجہ فالج ہو جاتا ہے۔

شرمپت اس وقت جانے لگا۔ فرمایا:

بیٹھو! ان کے ساتھ جانا۔ یہ شرطِ وفا نہیں۔

پھر حضرت اقدس نے اسی سلسلہ سابقہ میں فرمایا کہ:

جس قدر ارادے آپ نے اپنی عمر میں کئے ہیں۔ اُن میں سے بعض پُورے ہوتے ہوں گے، مگر اب سوچ کر دیکھو کہ وہ ایک بُلبُلہ کی طرح تھے جو فوراً معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور ہاتھ پتے کچھ نہیں پڑتا۔ گذشتہ آرام سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے تصور سے دُکھ بڑھتا ہے۔ اس سے عقلمند کے لیے یہ بات نکلتی ہے کہ انسان ابن الوقت ہو۔ رہی زندگی انسان کی جو اس کے پاس موجود ہے۔ جو گذر گیا۔ وہ وقت مر گیا۔ اس کے تصورات بے فائدہ ہیں۔ دیکھو جب ماں کی گود میں ہوتا ہے اُس وقت کیا خوش ہوتا ہے۔ سب اُٹھاتے ہوتے پھرتے ہیں۔ وُہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا بہشت ہے۔ اور اب یاد کر کے دیکھو کہ وُہ زمانہ کہاں؟

سعدی کہتا ہے ؎

من آنگہ سر تاجور داشتم
کہ بر فرقِ فضلِ پدر داشتم

اگر بر وجودم نشستے مگس
بہ پریشاں شد خاطرے چند کس

یہ زمانے پھر کہاں مل سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ چلا جاتا تھا۔ چند چھوٹے لڑکوں کو دیکھ کر رو پڑا۔ کہ جب سے اس مجت کو چھوڑا، دُکھ پایا ہے۔ پیرانہ سالی کا زمانہ بُرا ہے۔ اس وقت عزیز بھی چاہتے ہیں کہ مر جاوے اور مرنے سے پہلے قویٰ مر جاتے ہیں۔ دانت گر جاتے ہیں۔ آنکھیں جاتی رہتی ہیں۔ اور خواہ کچھ ہی ہو۔ آخر پتھر کا پُتلا ہو جاتا ہے شکل تک بگڑ جاتی ہے۔ اور بعض ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ آخر خودکشی کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات جن دُکھوں سے بھاگنا چاہتا ہے۔ یکدفعہ ان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اولاد ٹھیک نہ ہو تو اور بھی دُکھ اٹھاتا ہے۔ اس وقت سمجھتا ہے کہ غلطی کی اور عمر یُونہی گذر گئی۔ مگر .... دوہرا ؎

آگے کے دن پاچھے گئے ہر خدا سے کیو نہ ہیت
اب پچتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

عقلمند وہی ہے جو خدا کی طرف توجہ کرے۔ خُدا کو ایک سمجھے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ ہم نے آزما کر دیکھا ہے۔ نہ کوئی دیوی نہ دیوتا۔ کوئی کام نہیں آتا۔ اگر یہ صرف خدا کی طرف نہیں جھکتا تو کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔ اگر کوئی آفت آجاوے، تو کوئی نہیں پُوچھتا۔ انسان پر ہزاروں بلائیں آتی ہیں۔ پس یاد رکھو کہ ایک پروردگار کے سوا کوئی نہیں وُہی ہے جو ماں کے دل میں بھی محبت ڈالتا ہے۔ اگر اس کے دل کو ایسا پیدا نہ کرتا، تو وہ بھی پرورش نہ کر سکتی۔ اس لیے اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

تحفۃ الندوۃ

۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء یوم جمعہ

فرمایا:

ندوہ میں لوگ اتمام حجت کی غرض سے ہم نے بھیجے ہیں۔ ورنہ کچھ بہتری کی امید ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان کے اغراض عوام سے وابستہ ہیں۔ یہاں تو ان کو تحفۃ الندوہ دے کر بھیجا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو نزول المسیح دلی میں بھیجیں گے۔ والسلام۔

الحکم جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۱۴-۱۵- پرچہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء یوم شنبہ

جلدی میں رائے قائم نہ کریں

ایک صاحب نووارد کو جن کا نام مولوی حامد حسین صاحب تھا۔ مخاطب کر کے فرمایا:

بہتر ہے۔ کہ آپ پانچ سات دن یہاں قیام کریں۔ اتنا عزم اور جلد واپس چلا جانا ٹھیک نہیں۔ بنیادی کاموں میں لوگ کتنی تحقیقات اور چھان بین کرتے ہیں۔ حقیقت میں جو شخص جلدی رائے قائم کر لیتا ہے۔ وُہ دُوسروں کو بھی ابتلاء میں ڈالتا ہے۔ پس خلاف واقعہ رائے ظاہر کرنا خون کرنے کے برابر ہے۔ بہت باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جوں جوں انسان ان پر زیادہ غور کرتا ہے، اسی قدر نتیجہ عمدہ نظر آتا جاتا ہے۔

انسان کو سچائی تک پہنچنے کے واسطے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل خداداد عقل اور فہم ہو۔ دوم خُداداد سمجھ اور سعادت ہو۔ جن لوگوں کو مناسبت نہیں ہوتی۔ ان کے دِلوں میں کراہت اور اِعتراض ہی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ گذشتہ لوگوں میں سے اکثر لوگوں نے راستبازوں کا اِنکار کیا۔

آپ دُور دراز سے آئے ہیں اور آپ کو آتے ہی ایک روک بھی پیدا ہو گئی۔ اور ہم نے تو ایک ہی روک کا ذکر سُنا ہے۔ مخالفانہ گفتگو کے بجز اِحقاق حق نہیں ہوتا۔ بہت لوگ منافقانہ طور پر ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ تم خُوب جی کھول کر اعتراض کرو۔ ہم پورے طور پر جواب دینے کو تیار ہیں۔

سچے مذہب کی شناخت

مولوی حامد حسین صاحب کی طرف سے سوال ہوا کہ تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کو صحیح خیال کر رہے ہیں۔ ہم فیصلہ کس طور سے کریں؟ فرمایا:

بات یہ ہے کہ آجکل بلکہ ہمیشہ سے سچے مذہب کی شناخت کے لیے ضروری ہے۔ کہ دو باتیں اُس میں موجود ہوں۔ اوّل کہ اس کی تعلیم پاک ہو۔ اور تعلیم پر انسان کی عقل اور کانشنس کا کوئی اعتراض نہ ہو۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ خُدا کے امور ناپاک ہوں۔ دوم۔ اس کے ساتھ تائیداتِ سماویہ کا سلسلہ ایسا وابستہ ہو کہ جس کے ساتھ انسان خُدا کو پہچان سکے اور اس کی تمام صفات کا مشاہدہ کرے تاکہ گناہ سے بچ سکے۔ گو انسان سچے مذہب میں ہی داخل ہو مگر اگر اس کے ساتھ کشتی نہیں تو وہ ایسے چشمہ کی مثل ہے کہ جو ایسی جگہ واقع ہے جس کے اردگرد پہاڑ یا دیوار یا ایسا خارستان ہے کہ وہاں ہم کسی طرح پہنچ نہیں سکتے۔ پس ایسا چشمہ ہمارے لیے فضول ہے۔ غرض ضروری شرط یہ ہے کہ اس قدر اسباب موجود ہوں۔ جن سے کسی طرح

پر معرفت الٰہی پیدا ہو جاوے۔ یہ بات بھی بدیہی ہے کہ انسان کو زیادہ مصیبت اس بات کی ہے کہ طرح طرح کے مصائب شدائد کسل وغیرہ کیڑے ایسے لگے ہوئے ہیں کہ اس کو کھاتے اور خُدا سے روکتے ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے انسان اور خُدا کے درمیان ایک بُعد پڑا ہوا ہے۔

پس اس مذہب میں ایسے وسائل ہوں جو اس کو روز بروز کھینچتے جاویں اور کامل یقین پیدا کر کے خُدا سے ملا دیں۔

دُنیا تو یہی سمجھتی ہے کہ کیا ہم خُدا کے مُنکر ہیں۔ لیکن اس کے اعمال کہتے ہیں کہ ضرور وُہ منکر ہے۔ مَیں نے اس بات کا ذکر اکثر کتابوں میں بھی کیا ہے۔ دیکھو۔ اگر ایک سُوراخ میں سانپ ہو۔ تو کیا ایک شخص اس بات کو جان کر اس سُوراخ کے قریب جاوے گا یا اس میں ہاتھ ڈالے گا؟ ایک بَن میں بہت درندے رہتے ہیں۔ کیا باوجود علم کے اس بَن میں کوئی جاوے گا؟ ایک زہریلے کھانے کو علم پاکر کھاوے گا؟ پس معلوم ہوا کہ یہ امر یقین کے لوازم میں سے ہے کہ جس چیز کو وُہ مُہلک سمجھتا ہے، اس کے قریب نہ جاوے۔ پس ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر حقوق انسانی کو چھینتا ہے، تلف کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، چوری کرتا ہے، بدمعاشی کرتا ہے، غصہ اعتدال پر ہے وغیرہ وغیرہ پھر پیرانہ سالی اس کو ان گناہوں سے چھُڑاتی ہے۔ پر جبتک جسمانی قویٰ اس کے ساتھ ہیں۔ ہر ایک قسم کی بدکاریاں کرتا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خُدا پر ایمان نہیں۔ ہر ایک شخص اپنے نفس سے گواہی لے سکتا ہے کہ جیسا اس کا حق ہے اعتدال پر چلنے کا۔ ویسا وہ نہیں چلتا۔ پس بڑا مقصود یہ ہے کہ یہ جو بے اعتدالیاں انسان سے ظہور میں آتی ہیں۔ اُن پر غور کرے کہ اُن کا کیا سبب ہے۔ تو آخر معلوم ہو گا کہ جیسا خُدا سے ڈرنا چاہیے۔ وُہ پُورا پُورا نہیں ہے۔

بعض دفعہ احسان سے اور بعض دفعہ خوف سے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ جیسے نسبتاً شریر لوگ ایام امراضِ طاعون و ہیضہ میں نمازیں شروع کر دیتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ جہاں دو باتیں پائی جاویں۔ تعلیم پاک اور رفتہ رفتہ خُدا تک پہنچ جانا۔ وہی سچا مذہب ہے۔ اور یہ دونوں ذریعے ایسے ہیں کہ سوائے اسلام کے کہیں نہیں ملیں گے۔ جن خدا کو اسلام پیش کرتا ہے۔ اس صفائی سے اور کسی مذہب نے پیش نہیں کیا۔ ایک طرف تو اسلام کی تعلیم اعلیٰ ہے۔ دُوسری طرف ایک شخص دس دن بھی تبدیلی کرے تو اس پر انوار و برکات نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ آج کل اسلام کے بہت فرقے ہو گئے ہیں۔ گویا گھر گھر ایک فرقہ بنا ہوا ہے۔ اس سے تشویش ہو گئی ہے۔ ایک طرف شیعہ ہیں کہ حُسینؓ کو مثل لات کے بنا رکھا ہے۔ تو ایک شخص کہہ دے گا کہ کہاں جاؤں۔ شیعہ حُسین پرست بنے ہوتے ہیں۔ خوارج علی کو گالیاں دیتے ہیں۔ درمیان میں اہلِ سنّت ہیں؛ اگرچہ بظاہر اُن کا اعتدال نظر آتا ہے۔ مگر اب اُنھوں نے ایسے قابلِ شرم اعتقاد بنا رکھے ہیں کہ وُہ شرک

تک پہنچ گئے ہیں۔ مثلاً مسیح کو خالق بنا رکھا ہے۔ احیائے موتےٰ کرنیوالا مانا ہوا ہے۔

پس پاک مذہب وہی ہے جو قرآن کا معیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے؛ اگرچہ انسان بظاہر گھبراتا ہے کہ اس پاک مذہب کو میں کس طرح پاؤں۔ مگر یاد رکھو کہ جوینده یابنده۔ صبر اور تقویٰ ہاتھ سے نہ دے؛ ورنہ خدا تعالےٰ غنی ہے۔ اس کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ پس انسان خدا کے سامنے خاکسار بنے، تو اس پر لطف اور احسان کرتا اور اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ توبہ، دُعا، استغفار کرے اور کبھی نہ گھبراوے۔ ہر ایک شخص بیمار ہے۔ اور کبھی صحت نہیں پا سکتا جبتک خدا کو نہ دیکھ لے۔ پس ہر وقت اُداس اور دل برداشتہ رہے اور تمام تعلقات کو توڑ کر خدا سے تعلق پیدا کرے؛ ورنہ اس وقت تک جبتک کہ خُدا سے نہیں ملایہ گندہ اور نجس ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ الآیۃ (بنی اسرائیل:۷۳)

خدا پر یقین بڑی دولت ہے۔ پس اندھا وہی ہے جس کو اسی دُنیا میں خُدا پر پُورا یقین حاصل نہیں ہوا۔ پس جب اس کا حُسن، جمال، جلال اس پر ظاہر ہوگا، تو خُدا کی تجلّی ہوگی۔ اور پھر یہ دیکھ کر ممکن نہیں کہ گناہ کی طرف انسان رجوع کر سکے۔ پس گناہ بھی تبھی کرتا ہے۔ جب اس کو خدا پر شک پڑ جاتا ہے۔ پس جو شخص نفس کا خیر خواہ ہے اس کو تو خدا پر یقین ہونا چاہیے۔ مسیح کے زمانہ میں تو گناہ کی کمی تھی، مگر کفارہ نے دنیا کو گناہ سے پُر کر دیا۔

انسان اپنی کوشش سے کچھ نہیں کر سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم سب اندھے ہو۔ مگر جس کو خدا آنکھیں دے۔ تم سب بہرے ہو مگر جس کو خُدا کان دے وغیرہ وغیرہ۔ پس جب انسان کو خُدا ہدایت دینے لگتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ پس جبتک دل کا واعظ نہ ہو۔ تسلّی نہیں ہو سکتی۔ پس دینی امور میں جبتک تقویٰ نہ ہو رُوح القدس سے تائید نہیں ملے گی۔ وُہ شخص ضرور ٹھوکر کھا کر گرے گا۔

اس دین کی جڑ تقویٰ اور نیک بختی ہے اور یہ ممکن نہیں جبتک خدا پر یقین نہ ہو۔ اور یقین سوائے خدا کے اور سے ملتا نہیں۔ اسی لیے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰)

پس انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی پر نظر ڈالے اور اپنی حالت پر رحم کرے کہ میں نے دُنیا میں کیا بنایا۔ سوچے اور ظاہری الفاظ کی پیروی نہ کرے۔ اور دُعا میں مشغول رہے تو اُمید ہے کہ خُدا اس کو اپنی راہ دکھا دے گا۔ نیک دل لے کر خدا کے سامنے کھڑا ہو۔ اور رو رو کر دُعائیں مانگے۔ تضرّع اور عاجزی کرے۔ تب ہدایت پاوے گا۔

ایک فرقہ وہ بھی ہے جو ہماری باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ اس سے ہماری بحث نہیں۔ اُن کی سرشت میں انکار ہے۔ وہ موت کے بعد اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

سعادت مند کو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ پتھر پر لوہا مارنے سے آگ اس لیے نکلتی ہے کہ آگ پتھر میں

موجود ہے اور وہ صرف ضرب کا محتاج تھا، مگر جس کے اندر موجود نہیں۔ اس میں سے کیا نکلے گا۔

ہر ایک نیکی تب قبول ہوتی ہے جب اس کے اندر تقویٰ ہو؛ ورنہ قبول نہیں ہوتی۔ زندگی تو برف کے ٹکڑے کی مثال رکھتی ہے۔ ہزاروں پردوں میں رکھو۔ پگھلتی جاوے گی۔

اصل میں مخالف کی بات کا امتحان مخالف سے پوچھ کر ہوتا ہے۔ مَیں نے تو اپنا مسلک بیان کر دیا ہے۔ میرے پاس بہت سے عیسائی آیا کرتے تھے۔ اب نہیں آتے۔ مَیں تو ان کو ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ زندہ مذہب ثابت کرو۔ مُردہ تو ہمیں اُٹھانا پڑے گا اور زندہ ہم کو اُٹھا دے گا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ یورپ، امریکہ میں سولہ ہزار اشتہار رجسٹری کرا کر بھیجا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

ہمارا خدا زندہ ہے۔ ہماری آواز سنتا ہے۔ ہمیں جواب دیتا ہے۔ پس ہم صلیب پر چڑھے ہوئے خدا کو کیوں مانیں۔ یہ لوگ شریر ہوتے ہیں اور ان کے پاس باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں۔ مَیں پندرہ برس کا تھا جب سے اُن کے اور میرے درمیان مباحثات شروع ہیں۔ اُن کے پاس صرف اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ اور ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں اور جاہلوں اور بدنصیبوں کو ان اعتراضات سے شک پڑ جاتے ہیں۔ دُوسری طرف یہ لوگ اس کو طمع دُنیاوی دے کر ابتلا میں ڈال کر مُرتد کر لیتے ہیں۔ مَیں نے سُنا ہے کہ ۲۹ لاکھ آدمی کو اُنھوں نے ہند میں مُرتد کیا ہے پس اسلام کا سخت دشمن یہی مذہب ہے۔

آریہ لوگ ہیں۔ مگر ان کے ساتھ تو زمینی سلطنت بھی یار نہیں۔ وہ کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ایک اخبار نے اپنی تحقیقات لکھی ہیں۔ کہ آریہ مذہب کے ہونے سے ہندو بہت مسلمان ہو رہے ہیں۔ مرتے بھی بہت ہیں اور مذہب بھی بہت چھوڑتے جاتے ہیں۔ پس یہ مذہب تو کچھ چیز نہیں۔

طاعون کو دیکھا ہے کہ پہلے ہنود میں آتی ہے۔ بمبئی، سیالکوٹ، جالندھر وغیرہ میں پہلے ہنود سے شروع ہوئی اور جب مسلمانوں میں گئی۔ تو بھی ہنود کو شامل کر لیا۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

نو وارد صاحب نے وجودی فرقہ کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:

میرے نزدیک یہ بات بھی تدبر کرنے کے لائق ہے۔ یہی وجود اور شہود۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ وہاں قدم رکھنا غلطی اور جرأت ہے جہاں انسان قدم رکھنے کا مستحق نہیں۔

وجودی فلسفی رنگ کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس طرح ڈاکٹر مُردہ پھاڑ کر اس کا اندر دیکھ لیتا ہے مَیں نے اسی طرح خُدا کو دیکھ لیا ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَشْیَاءَ وَهُوَ عَیْنُهَا یہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ شہودی مذہب استیلاء محبت کا نام ہے۔ جیسے لوہا اگر آگ میں نہایت سُرخ کیا جاوے

تو اس صورت میں کوئی دیکھنے والا اگر اس کو آگ کہہ دے تو ایک صورت سے معذور ٹھہر سکتا ہے۔ کیونکہ آگ اس پر مستولی ہوئی ہوتی ہے۔ کسی کا شعر ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

غرض شہودی مذہب کی یہ بنا ہے کہ انسان خدا کے وجود سے بہت بہرہ ور ہو سکتا ہے جب خدا اور مخلوق کی محبت ایک دل میں آکر جمع ہوتی ہے تو انسان پر ایک نیا رنگ چڑھتا ہے اور اس حالت میں وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ گویا بالکل خدا میں کھویا گیا ہے اور اپنے تئیں محو دیکھتا ہے اور خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ وجودی ایک حقیقت کا طلبگار ہوتا ہے۔ اس کو محبت سے کچھ تعلق نہیں۔ جیسے آج کل کے وجودیوں کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ میں خدا ہوں۔

شہود والا کہتا ہے کہ انسان انسان ہے اور خدا خدا یعنی شہود کے طور پر اپنے تئیں طالب اور خدا میں کھویا ہوا پاتا ہے۔

اگر انسان کو خدا بننا تھا تو یا تو اس جہان میں خدا بنتا یا آخرت میں خدا بنتا۔ مگر ثابت ہے کہ یہاں بھی انسان ہے اور وہاں بھی۔ یہ جامہ تو اس کے اوپر سے اُترتا نظر نہیں آتا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنا رنگ رکھتا ہے۔ بہت لوگ قوالی میں ہی لذت اٹھاتے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ عارفانہ مشرب نہیں۔ پس اگر اس کی کوئی دلیل دنیا میں ہوتی، تو چاہیے تھا کہ کوئی آدمی تو ایسا نظر آتا جس میں خدائی کے صفات ہوتے۔

دنیاوی لوگوں کے من گھڑت خدا اور خدا کے مرسل بندہ کا مقابلہ یوں ہو سکتا ہے کہ مسیح کو تو خدا مانا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک مرسل تھے۔ پس مقابلتاً دیکھو کہ مسیح کو تو پکڑ لیا گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے والا خود مر گیا۔ پس انصاف کرو کہ ایک شخص انسان کہلاتا ہے اور اپنا کام خدا پر چھوڑتا۔ اس کو پکڑنے والا خود مارا جاتا۔ یہودی جس کی صفت میں آیا ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ۔ (البقرہ : ۶۲) وہ اس خدا کہنے والے کو ایک ہی گھنٹہ میں گرفتار کر لیتے اور مارنے کو تیار ہو جاتے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ محض خدائی تھی تو اس کو جانے دو۔ جہانتک ہم دیکھتے ہیں۔ خدا ہم سے باتیں کرتا ہے اور خوارق اور معجزات دکھلاتا ہے۔ پر پھر بھی ہم انسان ہیں۔ دیوار کا وجود ایک الگ چیز ہے۔ اور دھوپ کا وجود الگ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ (اِلیٰ آخر السُّورۃ) (الفاتحہ)
یہ ساری باتیں چاہتی ہیں کہ کوئی رب ہے اور کوئی چیز مخلوق بھی ہے۔ پس ہم کو اپنی خدائی کا ثبوت دیں۔ خُدا نے انسان کو مخلوق پیدا کیا ہے اور دُنیا میں بھی مخلوق بنایا ہے۔ پھر ہم چاند سُورج وغیرہ کو کس طرح خُدا مان لیں۔

تمام انبیاء سے خوف ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں کچھ بھی خدائی کا رنگ ہوتا، تو خوف کیوں آتا۔

میری جماعت میں بھی ایک شخص مولوی احمد جان صاحب وجودی تھے۔ کبھی اُنہوں نے مجھ سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور ساری عمر اسی میں گذار دی۔

ہم کسی کے زرخرید نہیں۔ ہم تو اَسلم اور روشن تر راہ اختیار کرتے ہیں۔ وجودیوں کے کوئی دشمن نہیں۔ ہم تو ان کو قابلِ رحم سمجھتے ہیں۔

اس پر نوواردِ صاحب نے آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (الحدید: ۴) وحدتِ وجود کے ثبوت میں پیش کی۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا ہے کہ اس کی تفصیل بعض آیت کی بعض سے ہوتی ہے۔ اوّل کی تفسیر یہ ہے کہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ۔ اٰخِرُ کے معنے کیے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ (الرحمان: ۲۷) ہم تو انہی معنوں کو پسند کریں گے۔ جو خُدا نے بتلائے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ کے یہودی صوم وصلوٰۃ کے تو پابند ہی نہیں اور قرآن کو کبھی کھول کر دیکھا ہی نہیں۔ ہاں میں اپنے اس ملک کی بات کرتا ہوں۔ جس میں جالندھر، بٹالہ، ہوشیارپور، سیالکوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کو میں نے شراب خوروں، بھنگیوں اور دہریوں کی مجلس میں اکثر دیکھا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ وجودی وُہ ہے کہ جو خُدا کا نام بھی نہ لے بلکہ جو کچھ ہے مخلوق ہے۔ پس یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ وجودی وُہ ہے جس کو لوگ دہریہ کہتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنے قول وفعل کا خود ذمہ دار ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ حدیث ہے۔ اور حدیث اور توریت سے ثابت ہے کہ خُدا تھا اور زمین اور آسمان وغیرہ میں سے کچھ نہ تھا۔ یہ مسلّم مسئلہ ہے تمام اہلِ کتاب کا۔ پس ہمارا اختیار نہیں کہ مروڑ کر اور معنی کریں۔ بعض آدمی مذاق کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ مگر مذاق بھی ایک قسم کا زہر ہے۔ ہمیں مذاقی معنے پسند نہیں کرنا چاہئیں۔ بلکہ توریت، قرآن اور حدیث کو دیکھنا چاہیے وہ یہی کہتی ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ ان موجودہ چیزوں میں سے ایک بھی نہ تھی۔

میرے خیال میں وحدتِ وجود بھی مذاق سے پیدا ہوا ہے۔ کُل کتبِ گذشتہ سے یہی معنی ثابت ہوتے ہیں اور اس کی تفصیل قرآن اور توریت میں موجود ہے۔ اوّل تو ان بحثوں کی حاجت نہیں۔ انسان کے واسطے پہلے تو یہی امر ضروری ہے کہ اجمالی طور پر خُدا پر ایمان لاوے۔ جب اس کا ایمان پیدا ہوگا، تو خود بخود اس پر حقائق کھلتے جاویں گے۔

دیکھو۔ ایک مرض میں قوتِ ذائقہ جاتی رہتی ہے۔ تُرشی، میٹھا، کڑوا، نمکین وغیرہ سب کچھ بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قوتِ حاسہ بھی کام دے رہی ہے۔ ایک قوت ناک میں ہوتی ہے جس کے وہ نہیں رہتی اس کو اَخشَم کہتے ہیں۔ بعض کے کانوں کی قوت ماری جاتی ہے۔ پس جب اس طرح بعض قوتیں جاتی رہتی ہیں۔ تو اسی طرح بعض اوقات دینی قوتیں بھی بے حس ہو جاتی ہیں۔ اور انسان سیّد احمد خاں کی طرح دُعا کا قبول ہونا اور ایسی باتیں ناممکن خیال کر بیٹھتا ہے۔

قبولیتِ دُعا کا ثبوت

دُعا کے قبول ہونے پر ہمارا کامل ایمان ہے۔ اور ہم نے اس کا نتیجہ بھی دیکھا ہے۔ کہ لیکھرام کے قتل سے پہلے پانچ سال میں نے خبر دی تھی۔

میں نے سیّد احمد خاں کو لکھا تھا کہ میں نے لیکھرام کے واسطے دُعا کی ہے، تو مجھے خبر دی گئی ہے کہ تیری دُعا قبول ہو گئی ہے اور خدا تعالیٰ اس کو ہیبت ناک موت سے مارے گا۔ یہی نمونہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ دُعا قبول نہ ہوتی، تو تمہارے دعویٰ کا ثبوت ہوا۔ اور اگر قبول ہو گئی تو تم اس عقیدہ سے توبہ کرنا۔ اور وُہ لیکھرام کی موت دیکھ کر فوت ہوا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ (الانعام: ۱۰۴) آنکھیں تو اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اور وُہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے۔ جب وجودی ہو گیا۔ تو پھر باقی کیا رہ گیا۔

اصل میں یہ سب مذاقی باتیں ہیں۔ ثبوت تو وہ ہے جس کا نمونہ انسان دکھلا دیوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ کے مصائب پر ذرا غور کرو۔

ان باتوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اوّل خُدا سے تعلق پیدا کرو۔ جب انسان کسی گھر میں داخل ہوتا ہے، تو اندر کے حالات کا آپ ہی پتہ لگ جاتا ہے۔ جبتک گھر سے ہزاروں کوس دُور ہے تو اندر کے حالات کس طرح بتلا سکے گا۔ یہ مناسب ہے کہ چند روز ہمارے پاس رہیں اور خاص ہمارے سلسلہ

کے متعلق جو اعتراض ہوں وہ بیان کریں۔

تو کارے زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ہم نے بعض آدمی ایسے دیکھے ہیں جو کہتے ہیں کہ اجی اس جھگڑے کو جانے دو۔ رَفعِ یَدَین اور اُنگلی کے اُٹھانے کا فیصلہ کر دو۔ مگر یہ اپنا اپنا مذاق ہوتا ہے۔

نو وارد صاحب کی طرف سے سوال ہوا کہ سایہ کا وجود ہے کہ نہیں یعنی اس کی ذات ہے کہ نہیں۔

فرمایا: وجود کے معنی ہیں مَا یُوجَدُ یعنی جو چیز پائی جاوے اِس کی ہَوِیَّت ہو یا نہ ہو۔ آپ آئینہ دیکھتے ہیں، اس میں چہرہ نظر آتا ہے۔ ہَوِیَّت تو نہیں یعنی ایک مستقل شَے قائم بالذات۔ پس ہویت تو نہیں لیکن وجود ہے۔ وجود اَور ہے اور ہَوِیَّت اور ہے۔

آفتاب نے جہاں ظِل ہے وہاں بھی دھُوپ ڈالنی ہے۔ مگر ایک چیز نے درمیان آکر ظِل پیدا کر دیا ہے۔ آفتاب اور ظِل کے درمیان جبتک اوٹ نہ ہو سایہ نہیں ہو سکتا۔

خیر آپ کو بھی اس وجودیت سے کچھ مذاق ہے اور ہم آپ کے مذاق کے خلاف ہیں۔

کُن کا اطلاق پھر سوال ہوا کہ کُن کا اطلاق کہاں آتا ہے۔ فرمایا:

بات یہ ہے کہ آپ کئی مرتبہ خوابوں میں طرح طرح کے تمثّلات دیکھا کرتے ہوں گے اور بظاہر آپ جانتے ہیں کہ ان کا وجود کچھ نہیں۔ حکماء نے بھی لکھا ہے۔ پس جس طرح ہمارے تصورات ہوتے ہیں اسی طرح خُدائی صفات میں سے اس کے تصورات بھی ہیں۔ پس جو تصوّر آتا ہے۔ اگر انسانی ہے تو وہ ہیچ ہے اور اگر خُدا کا ہے تو اس سے مخلوق پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر خُدا کی کُنہ میں ہم دخل نہیں دے سکتے۔ اَسْلَم طریق یہی ہے کہ انسان لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ پر ایمان رکھے۔ کہ میرا منصب نہیں کہ خدا کی کل صفات کو مَیں دیکھ لُوں اور ان کی تحقیقات کر لُوں۔

طبیب بیان کرتے ہیں کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے۔ مگر یہ نہیں بتلا سکتے کہ پانی سرد کیوں ہے اور آگ گرم کیوں ہے۔ فلاسفر بھی یہاں کُنہِ اشیاء میں آکر عاجز رہ گئے ہیں۔ یہاں اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ پر چلے کہ ہم خُدا پر چھوڑ دیں۔

بعض اکابر محی الدین العربی وغیرہ کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ یہ بحث فضول ہے۔ بہت امور مرنے کے بعد معلوم ہوں گے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی نہیں معلوم ہوں گے۔

محی الدین بھی قائل ہیں کہ انسان متقی ہو۔ اور خدا پر ایمان لانے والا ہو تو نجات پائے گا۔[1]

۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

بعد ادائے نماز مغرب حسب معمول حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ الرحیم نے شحنہ ہند کے ایڈیٹر کا ایک کارڈ سنایا۔ جس میں اس نے اپنا ایک خواب لکھا تھا۔ کہ گویا وہ قادیان آیا ہے اور حضرت اقدس کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ سر پاؤں سے لگا ہوا ہے۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:

انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں

تعبیر الرؤیا میں یہ صاف لکھا ہے۔ کہ جو لوگ مامورین کو بُری صورت میں دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔

مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب کے والد مرحوم نے ایک بار مجھ سے ذکر کیا۔ کہ ایک ہندوان کے پاس آیا کرتا تھا۔ جو اسلام سے رغبت رکھتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ کشمیر سے آیا اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اب میں پکا ہندو ہو گیا ہوں۔ لیکن پھر عرصہ کے بعد جو اس کو دیکھا تو وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ جب اس سے وجہ پوچھی۔ تو اس نے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تاریک کوٹھڑی میں دیکھا اور اس میں آگ جل رہی تھی (لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ) گویا خبیث نے اس کو دوزخ سمجھا۔ اور اور اس کے گرد پادریوں کو دیکھا۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ پادری حق پر ہیں۔ اور آپؐ (معاذ اللہ) مغلوب ہو رہے ہیں۔ مولوی صاحب کو تعبیر کا علم نہ تھا۔ مجھ سے جب انہوں نے کہا تو میں نے کہا کہ اس کی یہی تعبیر ہے۔ جو حالت اس شخص کی ہوتی ہے چنانچہ تعطیر الانام میں ایسا ہی لکھا ہے۔ کہ جب کسی نبی مامور و مرسل کو روحی حالت میں دیکھتا ہے۔ مثلاً مجذوم دیکھتا ہے یا برہنہ دیکھتا ہے یا یہ کہ وہ بُری غذا کھاتے ہیں، تو سب اس کے اپنے ہی حالات ہوتے ہیں۔ انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں اور اس کی اصلی صورت دکھا دیتے ہیں۔ اور یہ بات ہماری اپنی تجربہ کردہ ہے۔ کہ جب کوئی آدمی کسی مامور و مرسل کو بُری حالت میں دیکھتے ہیں تو جلدی ہی ان کی وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی عقوبت کے دن قریب ہوتے ہیں۔ یہ میرے مجربات سے ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۴ تا ۸ پرچہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

نو وارد مولوی حامد حسین صاحب نے کہا کہ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک شخص نے ایسا ہی کہا کہ میں نے ایسی شکل پر دیکھا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ یہ تمہاری اپنی شکل ہے۔

اس کے بعد خاکسار ایڈیٹر الحکم نے جلسہ ندوۃ العلماء پر جو کارروائی کی تھی، اس کا تذکرہ کیا جس کو سُنکر حضرت حجۃ اللہ محظوظ ہوئے۔

پھر مولوی عبداللہ صاحب نے اس روئداد کے تتمہ کے طور پر مولوی محمد حسین صاحب کا کچھ ذکر کیا۔ اور مولوی مبارک علی صاحب نے اپنا ایک واقعہ سُنایا۔ یہ سب امور جلسہ ندوہ کے متعلق ہمارے اپنے مضامین میں آئیں گے۔ ازاں بعد مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے آبزرور میں سے پاپونیر کا نقل کیا ہوا ایک مذہب نئے عنوان سے پڑھا جس میں ڈاکٹر ڈوئی کو جو دعوت کی گئی ہے۔ اس پر ریمارک تھا۔ پھر بعد نماز عشاء اجلاس ختم ہوا۔[1]

صبح کی سیر

۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۲ء

۱۔ حضرت حجۃ اللہ علی الارض حسب معمول سیر کو نکلے۔ چند آدمیوں نے اپنے خواب سُنائے۔ آپ نے فرمایا:

باطل میں جو تیاریاں حق کی طرف آنے کے لیے ہو رہی ہیں۔ اُس کے نظارے دکھائے جاتے ہیں۔ رؤیا کا بھی عجیب عالم ہوتا ہے۔ جن باتوں کا نام و نشان نہیں ہوتا وہ وجود میں لائی جاتی ہیں۔ معدوم کا موجود اور موجود کا معدوم دکھایا جاتا ہے اور عجیب عجیب قسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ آدمی کا جانور اور جانور کے آدمی دکھائے جاتے ہیں۔

۲۔ ہمارے موجودہ مخالفوں اور دس برس پہلے کے مخالفوں میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ پہلے تو اپنے عقیدوں کو پتے ہی سمجھتے تھے۔ مگر اب صرف نفاق سے کہتے ہیں جو کہتے ہیں؛ ورنہ ان عقائد کی غلطیوں کو دل میں تسلیم کر چکے ہیں (جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ) (النمل: ۱۵)۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۸-۹ پرچہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ایک شخص جو اپنے تئیں سچا سمجھتا ہے۔ وُہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے مگر اب یہ بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اور اسی لیے اگر خواہ کمی ہزار روپیہ کا اشتہار دیا جاوے۔ یہ اپنے آپ کو مدِمقابل ہو کر نشانہ نہ بنائیں گے۔

۳۔ مخالفوں کی کمی اور اپنی روز افزوں ترقی پر فرمایا :

یہ فوق العادۃ ترقی نہ ہوا گر تغیر واقع نہ ہوا ہو۔ اُن کا خزانہ کم ہو رہا ہے اور ہمارا بڑھ رہا ہے۔ اگر اُن کے پاس اپنی سچائی کے دلائل ہیں۔ تو یہ لوگوں کو روک لیں۔ اگر کوئی بڑا سیلاب آیا ہوا ہو اور کسی کا گھر تباہ ہو رہا ہو اور اس کے پاس سامان بھی ہو۔ تو کیا وہ اس کے روکنے کی سعی نہ کرے گا۔

ہمارے پاس جو ہر روز بیعت کے لیے آتے ہیں ان میں سے ہی آتے ہیں۔ آسمان سے تو نہیں آتے۔

۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسہ کی تقریب پر فرمایا کہ

اشاعت رسالوں کی خوب ہوگئی۔ بہت اچھا ہوا۔ بہت سے لوگ واقف ہو جائیں گے اور ان کو پڑھ لیں گے۔ دہلی کے جلسہ سے پہلے نزول المسیح بھی تیار ہو جاوے تو اچھا ہے۔

۵۔ ایڈیٹر الحکم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :

میاں نبی بخش صاحب عُرف عبدالعزیز صاحب نمبردار بٹالہ کا توبہ نامہ جو اُس نے بھیجا ہے۔ الحکم میں چھاپ دیا جاوے۔

اور ساتھ اپنا ایک رویا بھی جسے بارہا آپ نے فرمایا ہے۔ سُنایا کہ

مَیں نے ایک بار اس کے متعلق دیکھا تھا کہ گویا اسی راستہ ہم سیر کو نکلے ہیں تو اس بڑ کے درخت کے نیچے جو میراں بخش حجام کی حویلی کے پاس ہے۔ نبی بخش سامنے سے آکر ملا ہے اور اس نے مصافحہ کیا ہے۔ یہ رویا۔ اُن دنوں کی ہے جب وہ مخالفت کے اشتہار چھپواتا پھرتا تھا۔

جماعت کی ترقی اور اس کے متعلق براہین احمدیہ میں پیشگوئیاں

۶۔ جماعت کی ترقی پر اور مولوی محمد حسین کے ابھی تین سو تیرہ ہی کتے رہنے پر فرمایا کہ :

بڑے زور سے ترقی ہو رہی ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا قادر ہے کہ ایک دم میں تین سو تیرہ سے تین لاکھ تیرہ ہزار کر دے۔ یہ ترقی محمد حسین کے لیے تو اعجاز ہے۔ اگر وہ سوچے اور سمجھے براہین احمدیہ کو پڑھے۔ یہ کتاب مَیں نے اب تو نہیں بنائی۔ جس میں لکھا ہوا ہے کہ تیرے ساتھ فوجیں ہوں گی۔ باوجود مولویوں کی اس قدر مخالفت کے پھر اس قوم کا ترقی کرنا کیا معجزہ نہیں۔ جبکہ وہ اپنے ارادوں میں عاجز آ گئے۔ کس قدر جدّوجہد ان لوگوں نے ہمارے نابود کرنے کے لیے کی۔ گورنمنٹ تک سے چاہا کہ کسی نہ کسی طرح سے ہم کو پھنسائیں۔

مگر خدا تعالیٰ نے ایسی زور شور سے ترقی کی جس قدر زور انہوں نے مخالفت میں لگایا۔ اب تو بات صاف ہو گئی ہے۔ مردم شماری کے کاغذات سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری جماعت تین سو تیرہ سے یا ایک لاکھ کے قریب۔

طاعون نے ان کو دو طرح گھٹایا ہے۔ کچھ مرتے ہیں اور اکثروں کو ادھر ملایا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو بیج اچھی طرح بویا جاوے اور وقت پر بارش بھی ہو وہ دیکھتے ہی دیکھتے نشو و نما پاتا اور ترقی کرتا ہے۔ دلوں کو کھینچنا اور قائم رکھنا یہ خدا کا کام ہے۔ ان مخالفوں کو اگر اب ابو سفیان کی طرح نظارہ کرایا جاوے تو حیران ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنی فوج دکھائی اور عباس کو کہا کہ ان کے پاس ٹھہر کر دکھاؤ اور جب اس نے وہ نظارہ کیا تو اس نے کہا کہ تیرا بھتیجا بڑا بادشاہ ہو گیا ہے۔ مگر اُس کو جواب دیا گیا کہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔

براہین احمدیہ کے زمانہ پر غور کیا جاوے۔ جب وہ چھپ رہی تھی۔ اب تو نہیں بنائی گئی۔ اس وقت کے الہامات اس میں درج ہیں۔ جو انگریزی میں بھی ہیں اور عربی میں بھی۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ وَ انْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ ۔ ایک مخلوق ہماری طرف رجوع کرے گی۔ تو کہا جائے گا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ۔ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا۔ عربی میں بڑا عجیب فقرہ کہ زمانہ کا رجوع ہماری طرف ہو گا۔ اور آخری فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہو گا۔ غرض بڑی بڑی پیشگوئیاں ہیں۔ جیسے یہ کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملوک کو بھی اس طرف توجہ ہو گی۔ اور ان میں بھی اس سلسلہ کی اشاعت ہو گی۔ ملوک اور رؤسا کے کان حق کے سننے سے بہرے ہوتے ہیں۔ نہ خود ان کو عادت ہوتی ہے اور نہ ان کے پاس والے ایسے ہوتے ہیں۔ ان کے مصاحب اور پاس رہنے والے بدوضع لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی سد دُنیا کا باعث سمجھتے ہیں۔ اگر وہ دین کی طرف توجہ کریں۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ یہ برکت ڈھونڈنے والے بیعت میں داخل ہوں گے۔ اور ان کے بیعت میں داخل ہونے سے گویا سلطنت بھی اس قوم کی ہو گی۔

پھر مجھے کشفی رنگ میں وہ بادشاہ دکھائے بھی گئے۔ وُہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور چھ سات سے کم نہ تھے۔ اصل یہ ہے کہ خدا کے کام تدریجی ہوتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی گلیوں میں تکلیف اُٹھاتے پھرتے تھے۔ اس وقت کون خیال کر سکتا تھا اس شخص کا مذہب دُنیا میں پھیل جائے گا۔

علم خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کا دائرہ بھی اشاعتِ اسلام کے متعلق اتنا نہ تھا، جتنا اب ہے۔ وہ تو یقین کرتے تھے کہ ہم فتح پائیں گے۔ میرا مذہب تو یہ ہے۔ خدا تعالیٰ

ہی علیم وخبیر ہے۔ ضروری نہیں کہ پیغمبروں پر بھی تفصیلی حالات ظاہر کیے جائیں۔ وہ جتنا علم چاہتا ہے دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس وقت آئیں تو اسلام کی اس قدر وسیع اشاعت اور ترقی کو دیکھ کر حیران ہو جائیں۔

صداقت کے چار قسم کے ثبوت

۷۔ اپنے تائیدی ثبوتوں کے متعلق فرمایا کہ:

اب وہ اس کثرت سے ہو گئے ہیں کہ گنے بھی نہیں جاتے۔ ہر روز زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ مجھے بارہا خیال آیا ہے کہ اگر کبھی رئیس کو یہ خیال پیدا ہو تو جس ترتیب سے خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کو ظاہر کیا ہے۔ وہ ایک جلسہ کر کے اس ثبوت کو ہم سے لے۔ یہ ثبوت چار قسم کے ہیں اگر عقل کو بھی اس میں داخل کر لیا جاوے۔

(۱) نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ۔ (۲) آیاتِ ارضیہ وسماویہ۔ (۳) ضرورت مشہودہ ومحسوسہ۔ (۴) دلائل عقلیہ۔

اس ترتیب سے اگر عیسائیوں کے اس جلسہ کی طرح (جو پندرہ دن تک امرت سر میں ہوتا رہا) ایک جلسہ کیا جاوے اور قیصر سوم کی طرح جس نے ایک مذہبی جلسہ کیا تھا مذہب کی تحقیقات کے لحاظ سے نہ سہی بطور تماشا ہی کوئی کر کے دیکھے۔ اس طرح پر آہستگی سے منہاجِ نبوت پر ہمارے ثبوت سُن لیے جاویں تو بہت بڑا مفید نتیجہ نکلے۔ بے شک جس طریق پر حضرت موسےٰ کی نبوت یا حضرت عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کو پرکھا جاوے۔

۸۔ ایک بار حضرت نے پیشگوئیوں کے نقشہ کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ پھر وہ نقشہ تیار ہوا۔ اس کے متعلق یاددہانی کرائی گئی تو فرمایا کہ:

وُہ پیشگوئیاں اب نزول المسیح میں چھپ رہی ہیں۔ ان کی عبارات کا چست کرنا بھی ضروری تھا۔ اب اس سے نقشہ بھی مرتب ہو سکتا ہے۔

آتھم کا رجوع الی الحق

(۹) آتھم کی پیشگوئی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے۔ فرمایا کہ:

ہماری جماعت کو یہ مسائل مستحضر ہونے چاہئیں۔ آتھم کے رجوع کے متعلق یاد رہے کہ پیشگوئی سُنتے ہی اس نے اپنی زبان نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھا اور کانپا اور زرد ہو گیا۔ ایک جماعتِ کثیر کے سامنے

اس کا یہ رجوع دیکھا گیا۔ پھر اس پر خوف غالب ہوا۔ اور وہ شہر بشہر بھاگتا پھرا۔ اس نے اپنی مخالفت کو چھوڑ دیا اور کبھی اسلام کے مخالف کوئی تحریر شائع نہ کی۔ جب انعامی اشتہار دے کر قسم کے لیے بُلایا گیا، تو وہ قسم کھانے کو نہ آیا۔ اخفائے شہادتِ حقہ کی پاداش میں اس پیشگوئی کے موافق جو اس کے حق میں کی گئی تھی۔ وہ ہلاک ہوگیا۔ یہ باتیں اگر عیسائی منصف مزاج کے سامنے پیش کی جاویں تو اس کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ غرض اس طرح پر مسائل کو یاد رکھنا ایک فرض ہے اور کتابوں کا دیکھنا ایک ضروری امر ہوتا ہے۔

رفع کے معنے

۱۰۔ رفع کے متعلق جو اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ رفع سے یہودی تو یہی معنے سمجھے ہوئے تھے کہ جس پر لعنت پڑے، اس کا رُوح آسمان پر نہیں جاتا۔ اُن کا یہ مذہب کب تھا کہ نجات کے لیے آسمان پر جانا ضروری ہے۔ پس یہودیوں کی اصل غرض مسیح کو صلیب دینے سے یہ تھی۔ ان کے جسم سے ان کو کیا کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اسی اختلاف کا رفع کرنا اور ان کی غلط فہمی کو رفع کرنا مقصود تھا۔ اب اگر رفع سے جسمانی مراد ہے تو یہودیوں کے اس الزام کی برئیت کہاں ہے؟ اس طرح پر ہر قسم کے اعتراضوں کا جواب پہاڑوں کی طرح یاد ہونا چاہیے۔ مستعد جواب دینا ہر ایک کا کام نہیں اگر پکا جواب نہ ہو تو ؎ عذر نامعقول ثابت میکند الزام را۔ کا معاملہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کے تو ایسے دلائل دے دیئے ہیں۔ کہ اگر یاد ہوں تو پھر کوئی شکل نہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے بعد پھر امتحان کی صورت رکھی جاوے۔ رؤسا میں سے کسی کو خیال آوے کہ اسلام میں پھوٹ پڑ رہی ہے اور وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے اور ایک جلسہ کر کے فیصلہ کرلے۔

۱۱۔ فرمایا:

طاعون کے متعلق سارے نبی پیشگوئی کرتے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون شدت سے پھیلے گی۔[1]

۱۳؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ندوۃ العلماء اور اصلاح کا صحیح طریق

۱۹۰۲ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ بمقام امرتسر ہوا تھا۔ اس جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے رسل بغرض تبلیغ بھیجے تھے۔ ۱۳ر اکتوبر کو جلسہ سے واپس آنے پر بعض اور لوگ بھی دارالامان آئے۔ سلسلہ کلام میں ندوہ کے متعلق ذکر آیا کہ وہ بحث مباحثہ سے الگ رہ کر اصلاح چاہتے ہیں۔ اس پر فرمایا:

اگر ندوہ کا دعویٰ اصلاح ہے تو امر تنقیح طلب یہ ہے کہ اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اور کن راہوں سے ہو رہی ہے اور اسلام پر کیا حملہ ہو رہا ہے؟ اس کی مدافعت اور انسداد کی تدابیر کا سوال بے محل اور ایسا دعویٰ خیالی دعویٰ ہوگا۔

پھر قابل غور امر یہ ہے کہ ان ساری خرابیوں کا انسداد ارضی طاقت سے ہو سکتا ہے یا آسمانی تائیدات سے؟ اگر ندوہ والے چاہتے ہیں کہ لوگ پڑھ کر یعنی انگریزی تعلیم حاصل کر کے نوکر ہو جائیں اور ان کو ملازمت کے لیے آسانیاں ہوں تو یہ دین کا کام نہیں ہے۔ یہ تو قوم کو غلام بنانے کی تدابیر ہیں۔ اور اگر ان کی غرض دینی اصلاح ہے تو پھر یاد رکھیں کہ ؎

خدا را بخدا تواں شناخت

اس اصل کو چھوڑ کر جو شخص چاہتا ہے کہ دینی اصلاح ہو جاوے۔ وہ کبھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس خشک اور خیالی اصلاح سے کیا فائدہ ہوگا۔ جس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں نہیں ہیں۔ وہ باتیں جو نری لفاظی کے طور پر بیان کی جاویں یا قصہ اور کہانی کی طرح گذشتہ امور پر جس کا حوالہ ہو۔ ان کی پہلے سے کیا کمی ہے جو ایک خاص جماعت اپنا وقت اور غریب مسلمانوں کا روپیہ لے کر صرف کرے اور نتیجہ کچھ بھی نہ ہو۔ میں اس قسم کی کارروائیوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ ایسی باتوں سے ریاکاری اور نفاق کی بو آتی ہے۔ کیونکہ یہ طریق اس مطلب اور غرض کے حصول سے کوسوں دور ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے اور جس طرح دنیا کی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ وہ رنگ اس میں موجود نہیں ہے۔

اصلاح کا طریق ہمیشہ وہی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور ایماء سے ہو۔ اگر ہر شخص کی خیالی تجویزوں اور منصوبوں سے بگڑی ہوئی قوموں کی اصلاح ہو سکتی تو پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے وجود کی کچھ حاجت نہ رہتی جبتک کامل طور پر ایک مرض کی تشخیص نہ ہو اور پھر پورے وثوق کے ساتھ اس کا علاج معلوم نہ ہو لے کامیابی علاج میں نہیں ہو سکتی۔

اسلام کی جو حالت نازک ہو رہی ہے وہ ایسے ہی طبیبوں کی وجہ سے ہو رہی ہے جنھوں نے اس کی مرض کو تو تشخیص نہیں کیا اور جو علاج اپنے خیال میں گذرا اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر شروع کر دیا۔ مگر

یقیناً یاد رکھو کہ اس مرض اور علاج سے یہ لوگ محض ناواقف ہیں۔ اس کو وہی شناخت کرتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اسی غرض کے لیے بھیجا ہے اور وہ میں ہوں۔

اصلاحِ احوال کے لیے آسمانی تدابیر کی ضرورت ہے

اسلام کے اندر ایک خطرناک پھوڑا ہو گیا ہے اور ایک جذام باہر کی طرف سے اُسے لگ رہا ہے۔ اندرونی پھوڑے کا باعث خود مسلمان ہوئے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات اور اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور رائے کے موافق اس میں اصلاح اور ترمیم شروع کر دی۔ وہ باتیں جو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھیں آج عبادت قرار دی گئی ہیں اور زہد و ریاضت کا بہت بڑا مدار انہیں پر رکھا گیا ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر بیرونی دشمنوں کو بھی موقع ملا اور وہ تیر و تفنگ لے کر اسلام پر حملہ آور ہوئے اور اس کے پاک وجود کو چھلنی کر دیا اور اسے ایسی مکروہ ہیئت میں دشمنوں نے دکھانا شروع کر دیا کہ غیر تو غیر تھے ہی اپنوں کو بھی متنفر کر دیا۔ ہر شخص نے اپنی طرز پر اس کی تصویر کو بھیانک بنانے کی فکر کی۔ ایسی صورت میں زمینی حربہ اور ارضی تدابیر کام نہیں دے سکتی ہیں۔ اس کے لیے آسمانی حربہ اور آسمانی تدابیر کی حاجت ہے۔ اس لیے جب تک آسمانی کشش اور آسمانی تائیدات کسی کو نہ دی جاویں کامیابی ہو نہیں سکتی۔ ضرورت انبیاء کا یہی بڑا بھاری ثبوت ہے۔ کیونکہ اگر بگڑے وقت اصلاح دنیا ہو سکتی تو ہر زمانہ میں فلاسفر اور دانشمند مدبر ہوتے ہی رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ ہو گذرے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں لیکن وہ فلاسفر اور ریفارمر خدا تعالیٰ سے اس قدر دُور جا پڑے ہیں کہ ان کے نزدیک شاید خدا تعالیٰ کا نام لینا بھی ایک گناہ اور غلطی قرار دیا گیا ہے۔ پھر بتاؤ کہ یہ فلسفہ اور یہ اصلاح تمہیں کہاں تک لے جائے گی؟ اس سے کسی بہتری کی امید رکھنا خطرناک غلطی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے یہی سنت رکھی ہے کہ اصلاح کے واسطے نبیوں کو مامور کر کے بھیجا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جب آتے ہیں تو بظاہر دنیا میں ایک فسادِ عظیم نظر آتا ہے۔ بھائی بھائی سے باپ بیٹے سے جُدا ہو جاتا ہے۔ ہزاروں ہزار جانیں بھی تلف ہو جاتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت طوفان سے ان کے مخالفوں کو تباہ کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت اور دُوسرے کئی عذاب وارد ہوئے اور فرعون کے لشکر کو غرق کیا گیا۔

غرض خوب یاد رکھو کہ قلوب کی اصلاح اسی کا کام ہے جس نے قلوب کو پیدا کیا ہے۔ نرے کلمات اور چرب زبانیاں اصلاح نہیں کر سکتی ہیں۔ بلکہ ان کلمات کے اندر ایک رُوح ہونی چاہیے۔ پس

جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا اور اس نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ہدایت آسمان سے آتی ہے تو اس نے کیا سمجھا؟

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ کا جب سوال ہوگا تو پتہ لگے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ ؎

خدا را بخدا تواں شناخت

اور یہ ذریعہ بغیر امام نہیں مل سکتا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانوں کا مظہر اور اس کی تجلیات کا مورد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ۔ یعنی جس نے زمانہ کے امام کو شناخت نہیں کیا۔ وہ جہالت کی موت مرگیا۔[1]

۱۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

دُعا بعد نماز مولوی سید محمود شاہ صاحب نے جو سہارنپور سے تشریف لائے ہوتے ہیں حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب آپ نماز مغرب سے فارغ ہوکر شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ یہ عرض کیا کہ میں نے آج تحفہ گولڑویہ اور کشتی نوح کے بعض مقامات پڑھے ہیں۔ میں ایک امر جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ فروعی ہے لیکن پوچھنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ عموماً بعد نماز دعا مانگتے ہیں، لیکن یہاں نوافل تو خیر دعا بعد نماز نہیں مانگتے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

اصل یہ ہے کہ ہم دُعا مانگنے سے تو منع نہیں کرتے اور ہم خود بھی دُعا مانگتے ہیں۔ اور صلوٰۃ بجائے خود دُعا ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ ہندوستان میں یہ عام بدعت پھیلی ہوئی ہے کہ تعدیلِ ارکان پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھتے اور ٹھونگے دار نماز پڑھتے ہیں۔ گویا وہ نماز ایک ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ایک بوجھ ہے۔ اس لیے اس طریق سے ادا کیا جاتا ہے، جس میں کراہت پائی جاتی ہے؛ حالانکہ نماز ایسی شے ہے کہ جس سے ایک ذوق، اُنس اور سُرور بڑھتا ہے۔ مگر جس طریق پر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے حضورِ قلب نہیں ہوتا اور بے ذوقی اور بے لطفی پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو یہی نصیحت کی ہے کہ وہ بے ذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نماز نہ پڑھیں، بلکہ حضورِ قلب کی کوشش کریں جس

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴؍مئی ۱۹۰۵ء

سے اُن کو سُرور اور ذوق حاصل ہو۔ عام طور پر یہ حالت ہو رہی ہے کہ نماز کو ایسے طور سے پڑھتے ہیں کہ جس میں حضورِ قلب کی کوشش نہیں کی جاتی، بلکہ جلدی جلدی اس کو ختم کیا جاتا ہے اور خارج نماز میں بہت کچھ دُعا کے لیے کرتے ہیں اور دیر تک دُعا مانگتے رہتے ہیں؛ حالانکہ نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دُعا کی جاوے اور اسی لیے اُمُّ الدُّعَا عَلَیْہِ، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دُعا مانگی جاتی ہے۔ انسان کبھی خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا۔ جبتک کہ اقام الصلوٰۃ نہ کرے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اس لیے فرمایا کہ نماز گری پڑتی ہے مگر جو شخص اقامُ الصَّلٰوۃ کرتے ہیں۔ تو وہ اس کی رُوحانی صورت سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو پھر وُہ دُعا کی محویت میں ہو جاتے ہیں۔ نماز ایک ایسا شربت ہے کہ جو ایک بار اُسے پی لے اُسے فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ فارغ ہی نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ اس سے سرشار اور مست رہتا ہے۔ اس سے ایسی محویت ہوتی ہے کہ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اسے چکھتا ہے تو پھر اس کا اثر نہیں جاتا۔

مومن کو ہمیشہ اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت دعائیں کرنی چاہئیں۔ مگر نماز کے بعد جو دعاؤں کا طریق اس ملک میں جاری ہے وہ عجیب ہے۔ بعض مساجد میں اتنی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں کہ آدھ میل کا سفر ایک آدمی کر سکتا ہے۔ مَیں نے اپنی جماعت کو بہت نصیحت کی ہے کہ اپنی نماز کو سنوارو یہ بھی دُعا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کورے کے کورے ہی رہتے ہیں۔ کوئی اثر روحانیت اور خشوع و خضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی نمازوں کے لیے ویل آیا ہے۔ دیکھو جس کے پاس اعلیٰ درجہ کا جوہر ہو تو کیا کوڑیوں اور پیسوں کے لیے اسے پھینک دینا چاہیے۔ ہرگز نہیں۔ اوّل اس جوہر کی حفاظت کا اہتمام کرے اور پھر پیسوں کو بھی سنبھالے۔ اس لیے نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھے

سوال: الحمد شریف بیشک دُعا ہے مگر جن کو عربی کا علم نہیں۔ اُن کو تو دُعا مانگنی چاہیے۔

حضرت اقدس: ہم نے اپنی جماعت کو کہا ہوا ہے کہ طوطے کی طرح مت پڑھو۔ سوائے قرآن شریف کے جو ربِّ جلیل کا کلام ہے اور سوائے ادعیہ ماثورہ کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھیں۔ نماز بابرکت نہ ہوگی جب تک اپنی زبان میں اپنے مطالب بیان نہ کرو۔ اس لیے ہر شخص کو جو عربی زبان نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ اپنی زبان میں اپنی دُعاؤں کو پیش کرے اور رکوع میں سجود میں سُنُون تسبیحوں کے بعد اپنی حاجات کو عرض کرے۔ ایسا ہی التحیات میں اور قیام اور جلسہ میں۔ اس لیے میری جماعت کے لوگ اس تعلیم کے موافق نماز کے اندر اپنی زبان میں دُعائیں کر لیتے ہیں۔ اور ہم بھی کر لیتے ہیں؛ اگرچہ ہمیں تو عربی

اور پنجابی یکساں ہی ہیں۔ مگر مادری زبان کے ساتھ انسان کو ایک ذوق ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی زبان میں نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنے مطالب اور مقاصد کو بارگاہ رب العزۃ میں عرض کرنا چاہیے۔ میں نے بارہا سمجھایا ہے کہ نماز کا تعہد کرو جس سے حضور اور ذوق پیدا ہو۔ فریضہ تو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ باقی نوافل اور سُنن کو جیسا چاہو طُول دو۔ اور چاہیے کہ اس میں گریہ و بکا ہو، تاکہ وہ حالت پیدا ہو جاوے جو نماز کا اصل مطلب ہے۔ نماز ایسی شے ہے کہ سیئات کو دُور کر دیتی ہے۔ جیسے فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود: ۱۱۵) نماز کُل بدیوں کو دُور کر دیتی ہے۔ حسنات سے مراد نماز ہے، مگر آج کل یہ حالت ہو رہی ہے کہ عام طور پر نمازی کو مکار سمجھا جاتا ہے، کیونکہ عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں۔ یہ اسی قسم کی ہے جس پر خدا نے واویلا کیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی نیک اثر اور نیک نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ بڑے الفاظ کی بحث میں پسند نہیں کرتا۔ آخر مر کر خدا تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ دیکھو ایک مریض جو طبیب کے پاس جاتا ہے اور اس کا نسخہ استعمال کرتا ہے۔ اگر دس بیس دن تک اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ تشخیص یا علاج میں کوئی غلطی ہے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ سالہا سال سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور اس کا کوئی اثر محسوس اور مشہود نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تو پچاس پچاس برس تک نماز پڑھنے والے دیکھے گئے ہیں کہ بدستور دُو بدنیا اور سفلی زندگی میں منہمک نظر آتے ہیں۔ اور انہیں نہیں معلوم کہ وہ نمازوں میں کیا پڑھتے ہیں اور استغفار کیا چیز ہے۔ اس کے معنوں پر بھی انہیں اطلاع نہیں ہے۔ طبیعتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو عادت پسند ہوتی ہیں۔ جیسے اگر ہندو کا کسی مسلمان کے ساتھ کپڑا بھی چھو جائے تو وہ اپنا کھانا پھینک دیتا ہے، حالانکہ اس کھانے میں مسلمان کا کوئی اثر سرایت نہیں کر گیا۔ زیادہ تر اس زمانہ میں لوگوں کا یہی حال ہو رہا ہے کہ عادت اور رسم کے پابند ہیں۔ اور حقیقت سے واقف اور آشنا نہیں ہیں۔ جو شخص دل میں یہ خیال کرے کہ یہ بدعت ہے کہ نماز کے پیچھے دُعا نہیں مانگتے بلکہ نمازوں میں دُعائیں کرتے ہیں۔ یہ بدعت نہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادعیہ عربی میں سکھائی تھیں جو اُن لوگوں کی اپنی مادری زبان تھی اسی لیے ان کی ترقیات جلدی ہوئیں۔ لیکن جب دوسرے ممالک میں اسلام پھیلا تو وہ ترقی نہ رہی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ اعمال رسم و عادت کے طور پر رہ گئے۔ ان کے نیچے جو حقیقت اور مغز تھا وہ نکل گیا۔ اب دیکھ لو مثلاً ایک افغان نماز تو پڑھتا ہے، لیکن وہ اثرِ نماز سے بالکل بے خبر ہے۔ یاد رکھو رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز۔ صلوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قُرب کا کوئی قریب ذریعہ نہیں۔ یہ قرب کی کنجی ہے۔ اسی سے کشوف ہوتے ہیں۔ اسی

سے الہامات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کو اچھی طرح سمجھ کر ادا نہیں کرتا۔ تو وہ رسم اور عادت کا پابند ہے اور اس سے پیار کرتا ہے۔ جیسے ہندو گنگا سے پیار کرتے ہیں۔ ہم دعاؤں سے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا تو سب سے بڑھ کر دعاؤں کی قبولیت پر ایمان ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) فرمایا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نماز کے بعد دُعا کرنا فرض نہیں ٹھہرایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی التزامی طور پر مسنون نہیں ہے۔ آپ سے التزام ثابت نہیں ہے۔ اگر التزام ہوتا اور پھر کوئی ترک کرتا تو یہ معصیت ہوتی۔ تقاضائے وقت پر آپ نے خارج نماز میں بھی دُعا کر لی۔ اور ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ آپ کا سارا ہی وقت دُعاؤں میں گزرتا تھا۔ لیکن نماز خاص خزینہ دعاؤں کا ہے جو مومن کو دیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا فرض ہے کہ جبتک اس کو دُرست نہ کرے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ کیونکہ جب نفل سے فرض جاتا رہے تو فرض کو مقدم کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ذوق اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر خارج نماز بے شک دعائیں کرے ہم منع نہیں کرتے۔ ہم تقدیم نماز کی چاہتے ہیں اور یہی ہماری غرض ہے۔ مگر لوگ آج کل نماز کی قدر نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے بہت بُعد ہو گیا۔ مومن کے لیے نماز معراج ہے اور وہ اس سے ہی اطمینانِ قلب پاتا ہے، کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنی عبودیت کا اقرار، استغفار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود۔ غرض وہ سب امور جو روحانی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ موجود ہیں۔ ہمارے دل میں اس کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، جن کو الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ بعض سمجھ لیتے ہیں اور بعض رہ جاتے ہیں۔ مگر ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تھکتے نہیں۔ کہتے جاتے ہیں۔ جو سعید ہوتے ہیں اور جن کو فراست دی گئی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں۔

عربی کی بجائے اپنی زبان میں نماز پڑھنا درست نہیں

سائل : ایک شخص نے رسالہ لکھا تھا کہ ساری نماز اپنی ہی زبان میں پڑھنی چاہیے۔

حضرت اقدسؑ : وہ اور طریق ہوگا۔ جس سے ہم متفق نہیں۔ قرآن شریف بابرکت کتاب ہے اور ربِ جلیل کا کلام ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ہم نے تو ان لوگوں کے لیے دعاؤں کے واسطے کہا ہے جو اُمّی ہیں۔ اور پورے طور پر اپنے مقاصد عرض نہیں کر سکتے ان کو چاہیے کہ اپنی زبان میں دُعا کر لیں۔ ان لوگوں کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ فتح محمد ایک شخص تھا۔ اس کی چچی بہت بڈھی ہو گئی تھی۔ اس نے کلمہ کے معنے پوچھے تو اس کو کیا معلوم تھا کہ کیا ہیں۔ اس نے بتائے تو اس عورت نے پوچھا

کہ محمدؐ مرد تھا کہ یا عورت تھی۔ جب اس کو بتایا گیا کہ وہ مرد تھا، تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگی۔ کہ پھر کیا میں اتنی عمر تک بیگانے نے مرد ہی کا نام لیتی رہی ؟
یہ حالت مسلمانوں کی ہو گئی ہے۔ [1]

مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے جب حضرت حجۃ اللہؑ تقریر ختم کر چکے تو مستفسر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صاحب سفر السعادت نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا کی حدیث ثابت نہیں۔

حدیث پر میرا مذہب اس پر پھر حضرت اقدس نے سلسلہ کلام یوں شروع کیا کہ :

میرا مذہب یہ ہے کہ حدیث کی بڑی تعظیم کرنی چاہیے، کیونکہ یہ آنحضرتؐ سے منسوب ہے۔ جبتک قرآن شریف سے متعارض نہ ہو۔ تو مستحسن یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے، مگر نماز کے بعد دعا کے متعلق حدیث سے التزام ثابت نہیں۔ ہمارا تو یہ اصول ہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاوے۔ جو قرآن شریف کے مخالف نہ ہو۔

اس کے بعد دو تین آدمیوں نے بیعت کی درخواست کی اور آپ نے بیعت میں داخل کیا۔

مسٹر پگٹ مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے مسٹر پگٹ اور فرانس کے ایک جدید مدعی مسیحیت کے متعلق ولایت کے اخبار فری تھنکر سے دو نوٹ پڑھ کر سنائے۔ اور مفتی محمد صادق صاحب نے ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کے بعض پیراگراف سنائے ؛

جان الیگزینڈر ڈوئی ڈوئی کے ذکر پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :

یہ وہ شخص ہے جس نے الیاس ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو عہد نامہ کا رسول کہتا ہے۔ ہم نے اس کو دعوت کی ہے کہ اگر تو یسوع مسیح کو خدا سمجھتا ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ میں خدا کی طرف سے مسیح موعود ہو کر آیا ہوں۔ پس تو اس قسم کی دعا کر کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ یہ جوش مجھے زیادہ اس لیے آیا ہے کہ اس نے تمام مسلمانوں کے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ یہ شخص اسلام کا بڑا دشمن ہے۔ یہ زمانہ اس قسم کا آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے وسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے۔ اور وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر : ۸) کی پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ اب سب مذاہب میدان

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱۱-۱۲ پرچہ ۲۴ / اکتوبر ۱۹۰۲ء

میں نکل آئے ہیں۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ ان کا مقابلہ ہو۔ اور ان میں ایک ہی سچا ہوگا اور غالب آئے گا۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصف: ۱۰) اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ مقابلہ مذاہب کا شروع ہوگیا ہے۔ اور اس مذہبی کشتی کا سلسلہ نری زبان تک ہی نہیں رہا، بلکہ قلم نے اس میں سے سب سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ لاکھوں مذہبی رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ اس وقت مختلف مذاہب خصوصاً نصاریٰ کے جو حملے اسلام پر ہو رہے ہیں۔ جو شخص ان حالات سے واقفیت رکھتا ہے اور اسے ان پر سوچنے کا موقع ملا ہے تو وہ ان ضرورتوں کو دیکھ کر بے اختیار ہو کر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ وقت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے اسلام کی طرف زیادہ توجہ کرے۔ جو شخص اسلام پر ان حملوں کی رفتار کو دیکھتا ہے، تو وہ اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے، لیکن جس کو کوئی خبر ہی نہیں ہے وہ ان نقصانوں کی بابت کیا کہہ سکتا ہے جو اسلام کو پہنچائے گئے ہیں۔ مسلمانوں نے نادان دوست کے رنگ میں اور غیر مذاہب والوں خصوصاً عیسائیوں نے دشمنی کے لباس میں؛ وہ تو یہی کہتا ہے کہ اسلام کا کیا بگڑا ہے؟ مگر اسے معلوم نہیں کہ اسلام کی ظاہری اور جسمانی صورت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ وہ قوت اور شوکت اسلامی سلطنت کو نہیں۔ اور دینی طور پر یہی وہ بات جو مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینۃ: ۶) میں سکھائی گئی تھی اس کا نمونہ نظر نہیں آتا ہے۔

اندرونی طور پر اسلام کی حالت بہت ضعیف ہوگئی ہے اور بیرونی حملہ آور چاہتے ہیں کہ اسلام کو نابود کر دیں۔ اُن کے نزدیک مسلمان کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں۔ ان کی غرض اور ارادے یہی ہیں کہ وہ اسلام کو تباہ کر دیں اور مسلمانوں کو ہلاک کریں۔ اگر ایک سچے مسلمان کو ان ارادوں پر اطلاع ملے جو یہ لوگ اسلام کے خلاف کرتے ہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ ان کے تصور کے صدمہ ہی سے مر جاوے۔ اب خدا کی کتاب کے بغیر اور اس کی تائید اور روشن نشانوں کے سوا اُن کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اور اسی غرض کے لیے خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔

عیسائیت کا فتنہ ہی دجال کا فتنہ ہے

دجال بھی کتاب ہی کا پیرو ہونا چاہیے؛ ورنہ دجل کیا کیا۔ یہ تحریف کرتے ہیں۔ پہلے حاشیہ پر لکھتے ہیں پھر ان مطالب کو متن میں داخل کرتے ہیں اور اس طرح پر آئے دن ان کی تحریف کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دُنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں۔ جس میں انہوں نے انجیل کا ترجمہ نہیں کیا۔ اور اپنے باطل عقیدوں کی اشاعت نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور رسالوں کے ذریعہ بہت بڑی خباثت اور گند کو پھیلایا ہے۔ ان کی نیتیں اسلام کے لیے ہرگز بخیر نہیں ہیں۔ آدم سے لیکر اس وقت تک ایسے مُغْوِی اور مُضِل پیدا نہیں ہوئے۔ جیسی کہ یہ قوم ہے۔ روپیہ۔ قوت۔ شوکت جو آج ان کو ملا ہے اور کسی کو نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ قوم اسلام کے معدوم کرنے

میں کس قدر کوشش کرتی ہے۔ اور کیا کیا طریقے انہوں نے اختیار کئے ہیں؟ اور اپنے ارادوں اور کوششوں میں کہاں تک کامیابی اس نے حاصل کی ہے؟ اب اس سوال کا جواب سوچ کر ہمیں بتائیے کہ جب یہ عظیم الشان فتنہ اور اسلام کے لیے دشمن ہے تو پھر اس کی پیش گوئی بھی تو ضرور ہونی چاہیے تھی۔ پھر وہ کہاں ہے؟

قرآن شریف میں وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو کہا۔ اگر دجال کوئی الگ چیز تھی تو چاہیے تھا وَلَا الدَّجَّال بھی کہا ہوتا۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے متعلق تمام مفسر متفق ہیں کہ ان سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ جب پانچ وقت نمازوں میں ان فتنوں سے بچنے کے لیے دعا کی تعلیم کی گئی ہے کہ الضالین سے نہ کرنا۔ اور نہ مغضوب قوم میں سے بنانا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا اور اہم فتنہ یہی تھا جو اُمّ الفتن کہنا چاہیے۔

مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی ثابت ہوتا ہے

اور باتوں کو جانے دو۔ واقعات بھی تو کچھ چیز ہیں متشابہات کی بحث میں نہ پڑو۔ مگر یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ پیشگوئیوں کے وہ معنے ہوتے ہیں جو واقعات کی رُو سے صحیح ثابت ہو جائیں۔ اب تیرہ سو برس گذر گئے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ کوئی کشف اور الہام چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتا۔ سب گویا بالاتفاق یہی مانتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی سے آگے نہیں۔ خود عیسائی قوموں میں مسیح موعود کی بعثت کا وقت یہی سمجھا اور مانا جاتا ہے اور ضروریاتِ مشہودہ محسوسہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ آنے والے کے لیے یہی وقت ہے۔ وہ علامات اور نشانات جو مقرر کئے گئے تھے۔ سب اپنے اپنے وقت پر پورے ہو گئے۔ یاجوج ماجوج بھی مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء: ۹۷) کا نظارہ دکھا رہے ہیں اور دجال بھی اپنے دجل اور فریب سے ایک عالم کو ہلاک کر رہا ہے۔ مگر فرضی دجال جو مسلمانوں کے تخیل میں ہے۔ اس کا ابھی نام و نشان نہیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں تو لکھا ہوا ہے کہ:

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (آل عمران: ۵۶)

وَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (المائدہ: ۱۵)

وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (المائدہ: ۶۵)۔

یعنی قیامت تک عیسائیوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود آکر عیسائیوں سے لڑائی کرے گا۔ میں کہتا ہوں کہ پھر وہ دجال کہاں گیا۔ جس کی بابت کہتے ہیں کہ حرمین کے سوا اس کا دخل ساری جگہ

ہوگا۔ اس تناقض کا جواب ان کے پاس کیا ہے۔ دجّال تو کھوٹ کرنے والا ہے۔ اس لیے اس کے معنے تاجر کے بھی ہیں۔ سونے کا نام بھی دجّال ہے اور شیطان کا بھی اصل یہی ہے کہ نصاریٰ کی قوم جو اسلام کی تخریب کے ۔ ے ہے اور طرح طرح کے مشن قائم کر کے اسلام کو نابود کرنا چاہتی ہے اور حق و باطل میں التباس کرتی ہے اور اپنی کتابوں میں تحریف کرتی ہے۔ یہی وہ گروہ ہے، جس پر دجّال کا اطلاق ہوا ہے۔ کیونکہ دجّال تو گروہ کا نام ہے۔ اور جو فتور اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ عام طور پر محسوس ہو چکا ہے۔ جو بازار ارتداد کا یہاں گرم ہے، وہ مصر اور دُوسرے ممالک میں بھی ہو رہا ہے۔ تو اب ایک دانشمند سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرضی دجّال سے بچایا تو اس قریب تر آنے والی آفت کا کوئی سامان نہیں کیا؟ اور اس کا ذکر تک بھی نہ کیا؟ یہ غلط ہے۔ خدا نے ذکر کیا اور اس سے بچایا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی گروہ دجّال ہے۔ لغت میں گروہ ہی کے معنے ہیں۔ یہی تحریف و تبدیل کرتے ہیں۔ قرآن شریف کا اگر ترجمہ کرتے ہیں وہ بھی ایسا۔ اسلام کو معدوم کرنا اپنا فرض اور تدعار کھتے ہیں۔ اور یہ گروہ نرے پادریانہ رنگ میں ہی اسلام پر حملہ آور نہیں بلکہ فلسفیانہ رنگ میں بھی حملہ کرتا ہے اور اپنی ذرّیت کو ایسی طرز پر تعلیم دینا چاہتا ہے۔ کہ اعمال میں سُست ہو جاویں۔ ناول ہیں تو اس طریق پر بھی اُن کو اسلام سے دُور ہٹانا چاہتا ہے۔ اور فسق و فجور کی زندگی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور تاریخ ہے تو اس رنگ میں بھی بداعتقادی اور بدظنی پھیلانے کا خواہشمند ہے۔ غرض ہر پہلو سے اسلام سے بیزار کرانا چاہتا ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ جو لوگ ان کی پالیسی سے آگاہ ہیں اور اُن کے مکائد اور اغراض کا علم رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی مخالفت کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ شفاخانوں کے اجراء سے بھی یہی غرض ہے۔ غرض جو پیرایہ اختیار کرتے ہیں۔ اس میں اسلام کی مخالفت اصل مدعا ہوتا ہے۔ اور ارتداد ملّت فائی ہوتی ہے۔ یہ اس قدر طریق لیے پھرتے ہیں۔ کہ فرضی دجّال کے وہم و خیال میں بھی نہ ہوں گے۔

پھر بڑی غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے ابتدا میں بھی ان کا ہی ذکر کیا جیسے کہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ پر سورہ فاتحہ کو ختم کیا۔ اور پھر قرآن شریف کو بھی اسی پر تمام کیا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے لے کر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس: ۲) تک غور کرو۔ اور وسط قرآن میں بھی ان کا ہی ذکر کیا۔ اور تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ (مریم: ۹۱) کہا۔ بتاؤ اس دجّال کا بھی کہیں ذکر کیا۔ جس کا ایک خیالی نقشہ اپنے دلوں میں بنائے بیٹھے ہیں۔ پھر حدیث میں آیا ہے کہ دجّال کے لیے سورۃ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھو۔ اس میں بھی ان کا ہی ذکر ہے اور احادیث میں ریل کا بھی ذکر ہے۔ غرض جہاں تک غور کیا جاوے۔ بڑی وضاحت کے ساتھ یہ امر ذہن میں آجاتا ہے کہ دجّال سے مراد یہی نصاریٰ کا گروہ ہے۔

دَابَّةُ الْاَرْض

دابۃ الارض کے دو معنے ہیں۔ ایک تو وہ علماء جن کو آسمان سے حصّہ نہیں ملا۔ وُہ زمین کے کیڑے ہیں۔ دوسرے دابۃ الارض سے مراد طاعون ہے۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ (سبا: ۱۵) قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ جبتک انسان میں رُوحانیت پیدا نہ ہو۔ یہ زمین کا کیڑا ہے۔ اور طاعون کی نسبت بھی سب نبیوں نے پیشگوئی کی تھی۔ کہ مسیح کے وقت پھیلے گی۔ تُكَلِّمُ النَّاسَ۔ تکلیم کاٹنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور خود قرآن شریف نے ہی فیصلہ کردیا ہے۔ اس سے آگے لکھ دیا ہے کہ وہ اس لیے لوگوں کو کاٹے گی۔ کہ ہمارے مامور پر ایمان نہیں لاتے۔

یہ غور کرنے کے مقام ہیں۔ اب زمانہ قریب آگیا ہے اور لوگ سمجھ لیں گے۔ طاعون بڑا بھاری کتب مقدسہ اور احادیث میں مسیح موعود کا نشان ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت میں بھی ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے مجھے جو کچھ طاعون کی نسبت فرمایا ہے۔ اُسے میں نے مفصل لکھ دیا ہے۔ یہ میرا نشان ہے جس قدر اس کا تعلق پنجاب سے ہے، دوسرے حصّہ ملک سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ اصل جڑ اس کی پنجاب میں مخفی ہے۔ سہارن پور وغیرہ میں جو لوگ اس سلسلہ کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ پنجاب کی طرف سے تکفیر کا فتویٰ تیار ہوا ہے اور پنجاب والوں نے پیش دستی کی ہے اور تہمتیں لگا کر بدنام کیا ہے۔ مگر اب جو یہ بلا آئی ہے۔ سوچکر دیکھو تو دشمن اسی طریق سے مانے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو یہ خیال کرتے ہو کہ وہ زمین میں دفن ہوئے اور حضرت عیسٰی کی نسبت یہ عقیدہ کہ وہ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور پھر یہ کہ مسیح مُردے زندہ کرتے تھے اور وہ خالق تھے اور اُنھوں نے پرندے بنائے یہاں تک کہ لاکھوں کروڑوں پرندے اب بھی موجود ہیں۔ مَیں نے ایک اہل حدیث سے پوچھا کہ اگر دو جانور پیش کیے جاویں، تو کیا آپ فرق کرسکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں۔ کہ یہ مسیح کا ہے اور وہ خُدا کا ہے۔ اس نے یہی کہا کہ اب رَل مِل گئے ہیں، اس لیے تمیز نہیں ہوسکتی۔ پھر جب حضرت عیسٰی کو خالق مانتے ہیں۔ حی مانتے ہیں۔ عالم الغیب مانتے ہیں۔ اور بقول اُن کے قرآن میں اُن کی موت کا بھی کہیں ذکر نہیں تو پھر خُدا بنانے میں کیا شک رہا۔ تعجب کی بات ہے کہ وہی مُتَوَفِّيْكَ کا لفظ حضرت مسیح کی نسبت آئے۔ تو اس کے معنے ہوں جسم سمیت آسمان پر اُٹھانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آئے تو کہہ دیا جائے کہ اس کے معنے ہیں مرنا۔ اب غور کرکے بتاؤ کہ عیسائیوں کو کتنا بڑا موقع اور ہتھیار حملہ کرنے کا آپ دے دیا ہے۔ اگر عیسائی سوال کریں تو پھر ان کے پاس کیا جواب ہے۔ آپ نہ پڑھ سکیں گے کہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ یا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کیونکہ اس کے معنے انہوں نے آسمان پر زندہ اٹھانے کے کئے ہیں۔ پھر کس آیت سے ان کی وفات ثابت کریں گے اور خدائی کو باطل کریں گے۔

یقیناً سمجھو کہ ان ہتھیاروں سے ان پر فتح نہیں پاسکتے۔ ان پر فتح اور کسرِ صلیب کے لیے وہی ہتھیار اور

حربہ ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ بیشک مسلمانوں کو اس کی پروا نہیں کہ اسلام پر کیا آفت آ رہی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کو پروا ہے جس کا باغ ہے اس کو پروا ہے۔ اس کا باغ کاٹا جاتا ہے اور جلایا جاتا ہے۔ اس کی غیرت نے اس کی حفاظت کے لیے تقاضا کیا ہے۔ اور اب ایک سلسلہ خود اس نے قائم کیا ہے اور کوئی نہیں ہے جو اس کو روک سکے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

★ (۳۱ر اگست ۱۹۰۱ء کو جناب بابو غلام مصطفیٰ صاحب میونسپل کمشنر وزیر آباد' قادیان دارالامان آئے تھے اس تقریب پر حضرت حجۃ اللہ علی الارض علیہ السلام نے بطور تبلیغ مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ جو الحکم کی اس اور اگلی اشاعتوں میں درج ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو خیر الرفیق۔ ایڈیٹر)

نئی بات سُنتے ہی اس کی مخالفت نہ کریں

اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا اور تمام پہلوؤں پر توجہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سنتا اس وقت تک پرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا اس لئے جب آدمی کسی نئی بات کو سنے تو اسے یہ نہیں چاہئے کہ سنتے ہی اسکی مخالفت کے لئے تیار ہو جاوے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اس کے سارے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے خوف کو مد نظر رکھ کر تنہائی میں اس پر سوچے۔ میں جو کچھ اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ کوئی معمولی اور سرسری نگاہ سے دیکھنے کے قابل بات نہیں بلکہ بہت بڑی اور عظیم الشان بات ہے میری اپنی بنائی ہوئی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بات ہے اس لئے جو اس کی تکذیب کے لئے جرات اور دلیری کرتا ہے وہ میری تکذیب نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر دلیر ہوتا ہے مجھے اس کی تکذیب سے کوئی رنج نہیں ہو سکتا البتہ اس پر رحم ضرور آتا ہے کہ نادان اپنی نادانی سے خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔

ہر صدی کے سر پر مجدد کا ظہور

یہ بات مسلمانوں میں ہر شخص جانتا ہے اور غالباً کسی کو بھی اس سے بے خبری نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے

★ یہاں سے سابقہ ایڈیشن کی جلد چہارم شروع ہوتی ہے۔

جو دین کے اس حصہ کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہوئی ہوتی ہے یہ سلسلہ مجددوں کے بھیجنے کا اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق ہے جو اس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) میں فرمایا ہے پس اس وعدہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے موافق جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر فرمائی تھی یہ ضروری ہوا کہ اس صدی کے سر پر جس میں سے انیس برس گذر گئے کوئی مجدد اصلاح دین اور تجدید ملت کے لئے مبعوث ہوتا اس سے پہلے کہ کوئی خدا تعالیٰ کا مامور اس کے الہام اور وحی سے مطلع ہو کر اپنے آپ کو ظاہر کرتا۔ مستعد اور سعید فطرتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ صدی کے سر آ جانے پر نہایت اضطراب اور بے قراری کے ساتھ اس مرد آسمانی کی تلاش کرتے اور اس آواز کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے جو انہیں یہ مژدہ سناتی کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے موافق آیا ہوں۔

چودھویں صدی کا مجدّد

یہ سچ ہے کہ چودھویں صدی پر اکابر امت کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور تمام کشوف اور رؤیا اور الہامات اس امر کی طرف ایما کرتے تھے کہ اس صدی پر آنے والا موعود عظیم الشان انسان ہو گا جس کا نام احادیث میں مسیح موعود اور مہدی آیا ہے مگر میں کہوں گا کہ جب وہ وقت آگیا اور آنے والا آگیا تو بہت تھوڑے وہ لوگ نکلے جنہوں نے اس کی آواز کو سنا غرض یہ بات کوئی نرالی اور نئی نہیں ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا ہے پس اس وعدہ کے موافق ضروری تھا کہ اس صدی میں بھی جو انیس سال تک گذر چکی ہے مجدد آئے اب اس دوسرے پہلو کو دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا اس وقت اسلام کے لئے کوئی آفات اور مشکلات ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو کسی مامور کے لئے داعی ہیں جب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر اس وقت دو قسم کی آفتیں آئی ہیں۔ اندرونی اور بیرونی۔

اسلام کی اندرونی حالت

اندرونی طور پر یہ حالت اسلام کی ہو گئی ہے کہ بہت سی بدعتیں اور شرک بجی توحید کی بجائے پیدا ہو گئے ہیں اعمال صالحہ کی جگہ صرف چند رسومات نے لے لی ہے قبر پرستی اور پیر پرستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ بجائے خود ایک مستقل شریعت ہو گئی ہے مجھ کو ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ مجھ کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ اس امر کو انہوں نے نہیں سمجھا کہ

میں کیا کہتا ہوں مگر اپنے گھر میں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ نبوت کا دعویٰ تو انہوں نے کیا ہے جنہوں نے اپنی شریعت بنا لی ہے کوئی بتائے کہ وہ وِرد اور وظائف جو سجادہ نشین اور مختلف گدیوں والے اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں میں نے ایجاد کئے ہیں؟ یا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنت پر عمل کرتا ہوں اور اس پر ایک نقطہ یا شوشہ بڑھانا کفر سمجھتا ہوں۔

اور ہزار ہا قسم کی بدعات ہر فرقہ اور گروہ میں اپنے اپنے رنگ کی پیدا ہو چکی ہیں تقویٰ اور طہارت جو اسلام کا اصل منشاء اور مقصود تھا جس کے لئے آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مصائب برداشت کیں جن کو بجز نبوت کے دل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا وہ آج مفقود و معدوم ہو گیا ہے۔ جیل خانوں میں جا کر دیکھو کہ جرائم پیشہ لوگوں میں زیادہ تعداد کن کی ہے زنا، شراب اور اتلافِ حقوق اور دوسرے جرائم اس کثرت سے ہو رہے ہیں کہ گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔ اگر مختلف طبقاتِ قوم کی خرابیوں اور نقائص پر مفصل بحث کی جاوے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاوے۔ ہر دانشمند اور غور کرنے والا انسان قوم کے مختلف افراد کی حالت پر نظر کر کے اس صحیح اور یقینی نتیجہ پر پہنچ جاوے گا کہ وہ تقویٰ جو قرآن کریم کی علتِ غائی تھا جو اکرام کا اصل موجب اور ذریعہ شرافت تھا آج موجود نہیں۔ عملی حالت جس کی اشد ضرورت تھی کہ اچھی ہوتی اور جو غیروں اور مسلمانوں میں ما بہ الامتیاز تھی سخت کمزور اور خراب ہو گئی ہیں

بیرونی آفات، عیسائی مذہب کی طرف سے اسلام کی مخالفت

بیرونی حصہ میں دیکھو کہ جس قدر مذاہب مختلفہ موجود ہیں ان میں سے ہر ایک اسلام کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اسلام کا سخت دشمن ہے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کی ساری کوشش اس ایک امر میں صرف ہو رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور جس طرح ممکن ہو اسلام کو نابود کیا جاوے اور اس توحید کو جو اسلام نے قائم کی تھی جس کے لئے اس کو بہت سی جانوں کا کفارہ دینا پڑا تھا، اسے ناپید کر کے یسوع کی خدائی کا دنیا کو قائل کرایا جاوے اور اس کے خون پر یقین دلایا جاوے جو بے قیدی، آزادی اور اباحت کی زندگی کو پیدا کرتا ہے اور اس طرح پر وہ پاک غرض تقویٰ و طہارت و عملی پاکیزگی کی جو اسلام کا مدعا تھا، مفقود کی جاوے۔ عیسائی پادریوں نے اپنی ان اغراض میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو مرتد کر لیا اور بہت سے ہیں جن کو نیم عیسائی بنا دیا ہے اور بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو ملحدانہ طبیعت رکھتے ہیں اور اپنی طرز بود و باش اور رفتار و گفتار میں عیسائیت کے اثر سے متاثر ہیں۔ نوجوانوں کی ایک جماعت

اور مخلوق ہے جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئی ہے اور کالجوں میں اسکی تربیت ہوئی۔ وہ خدا تعالیٰ کے کلام کی بجائے فلسفہ اور طبیعیات کی قدر کرتی ہے اور اس کو مقدم اور ضروری سمجھتی ہے اسلام اس کے نزدیک عرب کے جنگلوں کے حسب حال تھا۔ ان باتوں اور حالتوں کو جب میں دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں' میں دوسروں کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا' مگر میرے دل پر سخت صدمہ ہوتا ہے کہ آج اسلام ان مشکلات اور آفتوں میں پھنسا ہوا ہے اور مسلمانوں کی اولاد کی یہ حالت ہو رہی ہے جو وہ اسلام کو اپنے مذاق ہی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو الٰہی حدود سے باہر تو نہیں ہوئے حلال کو حرام نہیں کرتے مگر وضع قطع لباس پسند کرتے ہیں انہوں نے ایک قدم نصرانیت میں رکھا ہوا ہے اب صاف سمجھ آتا ہے کہ اندرونی طور پر وہ بدعات اور مشرکانہ رسوم ہیں اور بیرونی طور پر یہ آفتیں۔ خصوصاً صلیبی مذہب نے جو نقصان پہنچایا ہے اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر ایک آدمی بھی اس سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی اور یا اب یہ حالت ہے کہ مرتدوں کی انتہا ہی نہیں رہی۔

خدا تعالیٰ کی خاص تجلی کی ضرورت

اب ان تمام امور کو یکجائی طور پر کوئی عقلمند سوچے اور خدا کے لئے غور کرے کہ کیا خدا کی خاص تجلی کی ضرورت نہیں؟ کیا ابھی تک اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ حفاظت کے پورا ہونے کا وقت نہیں آیا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) اگر اس وقت اس کی مدد اور تجلی کی ضرورت نہیں تو کوئی ہمیں بتائے کہ وہ وقت کب آئے گا۔ غور کرو اور سوچو کہ ایک طرف تو واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس قسم کی ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی فرمائے اور اپنے دین کی نصرت عملی سچائیوں اور آسمانی تائیدات سے کر کے دکھاوے دوسری طرف صدی نے مہر لگادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق (جو اس کے برگزیدہ اور افضل الرسل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا کہ ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے مجدد بھیجا جاوے گا) کوئی مجدد آنا چاہئے۔ صدی میں سے انیس برس گذر گئے مگر اب تک باوجود ان ضرورتوں کے پیدا ہو جانے کے بھی کوئی مامور مبعوث نہیں ہوا تو پھر خدا کے لئے غور کرو کہ اس میں اسلام کا کیا باقی رہتا ہے؟ کیا اس سے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے وعدہ کا خلاف ثابت نہ ہو گا؟ کیا اس سے ارسال مجدد کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باطل نہ ہو گی؟ کیا یہ نہ پایا جائے گا۔ کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ اس پر ایسی آفتیں آئیں اور خدا تعالیٰ کو اس کے لئے غیرت نہ آئی۔

پیشگوئی اور بشارات کے موافق خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا

اب کوئی ہمارے دعویٰ کو چھوڑے اور الگ رہنے دے مگر ان باتوں کو سوچ کر جواب دے۔ میری تکذیب کرو گے تو اسلام کو ہاتھ سے تمہیں دینا پڑے گا مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی کیونکہ عین ضرورت کے وقت' خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی بشارت کے موافق خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں سچی ہیں ظالم طبع ہے وہ انسان جو ان کی تکذیب کرتا ہے[1]

اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے

اب میرا یہ دعویٰ کہ اس صدی پر میں تجدید دین کے لئے بھیجا گیا ہوں صاف ہے میں زور سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے اور اس پر بائیس برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے اس قدر عرصہ تک میری تائیدوں کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت ہے تم لوگوں پر۔ کیونکہ میں نے جو مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ میں فسادوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں' حدیث اور قرآن کی بناء پر کیا ہے اب جو لوگ میری تکذیب کریں گے وہ میری نہیں اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں گے۔ ان کو کوئی حق تکذیب کا نہیں پہنچتا۔ جب تک وہ میری جگہ دوسرا مصلح پیش نہ کریں کیونکہ زمانہ اور وقت بتاتا ہے کہ مصلح آنا چاہئے۔ کیونکہ ہر جگہ مفاسد پیدا ہو چکے ہیں۔ اور قرآن شریف کہتا ہے کہ کہ ایسی آفتوں کے وقت حفاظت قرآن کے لئے مامور آتا ہے اور حدیث کہتی ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجا جاتا ہے پھر ضرورتیں موجود ہیں اور یہ وعدے حفاظت اور تجدید دین کے الگ ہیں تو ان ضرورتوں اور وعدوں کے موافق آنے والے کی تکذیب کی تو دو ہی صورتیں ہیں یا کوئی اور مصلح پیش کیا جاوے یا ان وعدوں کی تکذیب کی جاوے۔

حفاظتِ دین کی ضرورت

بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ سخت غلطی کرتے ہیں دیکھو جو شخص باغ لگاتا ہے یا عمارت بناتا ہے تو کیا اس کا فرض نہیں ہوتا یا وہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

نہیں چاہتا کہ اس کی حفاظت اور دشمنوں کی دست برد سے بچانے کے لئے ہر طرح کوشش کرے؟ باغات کے گرد کیسے کیسے احاطے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور مکانات کو آتشزدگیوں سے بچانے کے لئے نئے نئے مصالحے تیار ہوتے ہیں۔ اور بجلی سے بچانے کے لئے تاریں لگائی جاتی ہیں یہ امور اس فطرت کو ظاہر کرتے ہیں جو بالطبع حفاظت کے لئے انسانوں میں ہے پھر کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے؟ بے شک حفاظت کرتا ہے اور اس نے ہر بلا کے وقت اپنے دین کو بچایا ہے۔ اب بھی جبکہ ضرورت پڑی اس نے مجھے اسی لئے بھیجا ہے۔ ہاں یہ امر حفاظت کا مشکوک ہو سکتا یا اس کا انکار ہو سکتا تھا۔ اگر حالات اور ضرورتیں اس کی موید نہ ہوتیں۔ مگر کئی کروڑ کتابیں اسلام کے رد میں شائع ہو چکی ہیں اور ان اشتہاروں اور دو ورقہ رسالوں کا تو شمار ہی نہیں جو ہر روز اور ہفتہ وار اور ماہوار پادریوں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں ان گالیوں کو اگر جمع کیا جاوے جو ہمارے ملک کے مرتد عیسائیوں نے سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک ازواج کی نسبت شائع کی ہیں تو کئی کوٹھے ان کتابوں سے بھر سکتے ہیں اور اگر ان کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھا جائے تو وہ کئی میل تک پہنچ جائیں۔ عمادالدین۔ صفدر علی اور شائق وغیرہ نے جیسی تحریریں شائع کی ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ عماد الدین کی تحریروں کے خطرناک ہونے کا بعض انصاف پسند عیسائیوں کو بھی اعتراف ہے چنانچہ لکھنؤ سے جو ایک اخبار شمس الاخبار نکلا کرتا تھا اس میں اسکی بعض کتابوں پر یہ رائے لکھی گئی تھی کہ اگر ہندوستان میں پھر کبھی غدر ہو گا تو ایسی تحریروں سے ہو گا ایسی حالتوں میں بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا کیا بگڑا ہے اس قسم کی باتیں وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کو یا تو اسلام سے کوئی تعلق اور درد نہیں اور یا وہ لوگ جنہوں نے حجروں کی تاریکی میں پرورش پائی ہے اور ان کو باہر کی دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے پس ایسے لوگ اگر ہیں تو ان کی کچھ پروا نہیں ہاں وہ لوگ جو نور قلب رکھتے ہیں جن کو اسلام کے ساتھ محبت اور تعلق ہے اور زمانہ کے حالات سے آشنا ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ وقت کسی عظیم الشان مصلح کا وقت ہے۔

مامورِ الٰہی ہونے کی شہادتیں

غرض اس وقت میرے مامور ہونے کی بہت سی شہادتیں ہیں۔ اول۔ اندرونی شہادت' دوم بیرونی شہادت' سوم صدی کے سر پر مجدد کی نسبت حدیث صحیح۔

چہارم۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) کا وعدۂ حفاظت

اب پانچویں اور زبردست شہادت میں اور پیش کرتا ہوں اور وہ سورہ نور میں وعدۂ استخلاف

ہے اس میں اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور : ۵۶) اس آیت میں وعدۂ استخلاف کے موافق جو خلیفے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہوں گے وہ پہلے خلیفوں کی طرح ہوں گے اسی طرح قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ فرمایا گیا ہے جیسے فرمایا :- اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل : ۱۶) اور آپ مثیل موسیٰ استثناء کی پیشگوئی کے موافق بھی ہیں پس اس مماثلت میں جیسے كَمَآ کا لفظ فرمایا گیا ہے ویسے ہی سورہ نور میں كَمَا کا لفظ ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مشابہت اور مماثلت تامہ ہے موسوی سلسلہ کے خلفاء کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آکر ختم ہوگیا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے اس مماثلت کے لحاظ سے کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ چودھویں صدی میں ایک خلیفہ اسی رنگ و قوت کا پیدا ہو جو مسیح سے مماثلت رکھتا ہو اور اس کے قلب اور قدم پر ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس امر کی اور دوسری شہادتیں اور تائیدیں نہ بھی پیش کرتا تو یہ سلسلہ مماثلت بالطبع چاہتا تھا کہ چودھویں صدی میں عیسوی بروز آپؐ کی امت میں ہو ورنہ آپؐ کی مماثلت میں معاذاللہ ایک نقص اور ضعف ثابت ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس مماثلت کی تصدیق اور تائید فرمائی بلکہ یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ مثیل موسیٰ' موسیٰ سے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تر ہے

مسیح موعود کی آمد کا مقصد

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اپنی کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ توریت کو پورا کرنے آئے تھے اسی طرح پر محمدی سلسلہ کا مسیح اپنی کوئی شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے اور اس تکمیل کے لئے آیا ہے جو تکمیل اشاعتِ ہدایت کہلاتی ہے

تکمیل اشاعتِ ہدایت کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اتمام نعمت اور اکمال الدین ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول' تکمیل ہدایت۔ دوسری تکمیل اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت من کل الوجوہ آپؐ کی آمد اول سے ہوئی اور تکمیل اشاعت ہدایت آپؐ کی آمد ثانی سے ہوئی کیونکہ سورۃ جمعہ میں جو اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ (الجمعۃ : ۷) والی آیت آپؐ کے فیض اور تعلیم سے ایک اور قوم کے تیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک بعثت اور ہے اور یہ بعثت بروزی رنگ میں ہے جو اس وقت ہو رہی ہے پس یہ

وقت تکمیل اشاعت ہدایت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشاعت کے تمام ذریعے اور سلسلے مکمل ہو رہے ہیں چھاپہ خانوں کی کثرت اور آئے دن ان میں نئی باتوں کا پیدا ہونا' ڈاکخانوں' تار برقیوں' ریلوں' جہازوں' کا اجرا اور اخبارات کی اشاعت' ان سب امور نے مل ملا کر دنیا کو ایک شہر کے حکم میں کر دیا ہے پس یہ ترقیاں بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ترقیاں ہیں کیونکہ آپ کی کامل ہدایت کے کمال کا دوسرا جزو تکمیل اشاعت ہدایت پورا ہو رہا ہے۔ اور یہ اسی کے موافق ہے جیسے مسیحؑ نے کہا تھا کہ میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ اور میں کہتا ہوں کہ میرا ایک کام یہ بھی ہے تکمیل اشاعت ہدایت کروں۔ غرض یہ عیسوی مماثلت بھی ہے۔

مسیح موسوی اور مسیح محمدی میں مماثلت

علاوہ بریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو آفتیں پیدا ہو گئی تھیں اسی قسم کی یہاں بھی موجود ہیں۔ اندرونی طور پر یہودیوں کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ اور تاریخ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ توریت کے احکام انہوں نے چھوڑ دیئے تھے اور اس کی بجائے طالمود اور بزرگوں کی روایتوں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں بھی ایسی ہی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی بجائے روایتوں اور قصوں پر زور مارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سلطنت کے لحاظ سے بھی ایک مماثلت ہے۔ اس وقت رومی گورنمنٹ تھی اور اس وقت برٹش گورنمنٹ ہے جس کے عدل وانصاف کا عام شہرہ ہے۔ اور یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ بھی چودھویں صدی میں آئے تھے اور اس وقت بھی چودھویں صدی ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور سر بھی ہے جو مماثلت کو مکمل کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اخلاقی تعلیم پر زور دیتے تھے اور موسوی جہادوں کی اصلاح کرنے آئے تھے۔ انہوں نے کوئی تلوار نہیں اٹھائی۔ مسیح موعود کے لئے بھی یہی مقرر تھا۔ کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو تعلیم کی عملی سچائیوں سے قائم کرے اور اس اعتراض کو دور کرے جو اسلام پر اسی رنگ میں کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے۔ یہ اعتراض مسیح موعود کے وقت میں بالکل اٹھا دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام کے زندہ برکات اور فیوض سے اس کی سچائی کو دنیا پر ظاہر کرے گا اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ جیسے آج اس ترقی کے زمانہ میں بھی اسلام محض اپنی پاک تعلیم اور اس کے برکات اور ثمرات کے لحاظ سے موثر اور مفید ہے۔ ایسا ہی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مفید اور موثر پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زندہ مذہب ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آنے والے مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا یَضَعُ الْحَرْبَ وہ لڑائیوں کو اٹھا دے

گا۔اب ان ساری شہادتوں کو جمع کرو اور بتاؤ کہ کیا اس وقت ضرورت نہیں کہ کوئی آسمانی مرد نازل ہو؟ جب یہ مان لیا گیا کہ صدی پر مجدد آنا ضروری ہے تو اس صدی پر مجدد تو ضرور ہو گا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت موسیٰ علیہ السلام سے ہے تو اس مماثلت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اس صدی کا مجدد مسیح ہو کیونکہ (مسیح) چودھویں صدی پر موسیٰ کے بعد آیا تھا اور آجکل چودھویں صدی ہے

چودہ کے عدد کو روحانی تغیر سے مناسبت ہے

چودہ کے عدد کو بڑی مناسبت ہے چودھویں صدی کا چاند مکمل ہوتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران : ۱۲۴) میں اشارہ کیا ہے یعنی ایک بدر تو وہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفوں پر فتح پائی اس وقت بھی آپؐ کی جماعت قلیل تھی اور ایک بدر یہ ہے۔ بدر میں چودھویں صدی کی طرف اشارہ ہے اس وقت بھی اسلام کی حالت اَذِلَّةٌ کی ہو رہی ہے سو ان سارے وعدوں کے موافق اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے

آنیوالے موعود کی ایک علامت

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنے والے موعود کے وقت دنیا ظلم اور زُور سے بھری ہوئی ہوگی۔ ظلم اور زُور سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت حکومت ظالم ہوگی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں آنے والے مسیح کے وقت میں ضروری ہے کہ سلطنت عادل ہو اور امن ہو اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی عادل اور امن دوست گورنمنٹ اس نے عطا کی ہے جس کی نظیر آج دنیا کی کسی سلطنت میں نہیں ملتی ہے جیسے مسیحؑ کے زمانہ میں رومی گورنمنٹ جو اپنے عدل و انصاف کے لئے مشہور تھی مگر ہماری گورنمنٹ رومی گورنمنٹ سے بدرجہا بہتر اور بڑھ چڑھ کر عادل ہے یہاں تک کہ اس مقدمہ میں جو پادری ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مجھ پر ہوا تھا کپتان ڈگلس نے جو ان دنوں گورداسپور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ باوجودیکہ بعض کوتاہ اندیشوں کا یہ خیال تھا..... کہ ایک معزز پادری کی طرف سے مقدمہ ہے لیکن اس انصاف پسند حاکم نے اصلیت کو نکال لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ بعض ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کی چالاکی کا نتیجہ تھا۔ کپتان ڈگلس جو آج کل دہلی میں ڈپٹی کمشنر ہیں ہمیشہ تک اس عدیم المثال انصاف کے باعث مشہور رہیں گے اور یہ تو گورنمنٹ کے ایک عہدہ دار کی مثال ہے اور ایسی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں غرض احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ موعود آئے گا تو دنیا ظلم اور زُور سے بھری ہوئی

ہوگی اس کا مطلب یہی ہے کہ اس وقت دنیا میں شرک اور فُور کا بہت زور ہو گا چنانچہ اس وقت دیکھ لو کیسی بت پرستی، صلیب پرستی، مردہ پرستی اور قسم قسم کی پرستش ہو رہی ہے اور حقیقی اور سچے خدا کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے[1]

ایک مصلح کی ضرورت

اب ان تمام امور کو یک جا کر کے دانشمند غور کرے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں کیا وہ اس قابل ہے کہ سرسری نگاہ سے اسے رد کر دیا جائے؟ یا یہ کہ اس پر پورے غور اور فکر سے کام لیا جاوے۔ جو کچھ ہمارا دعویٰ ہے کیا یہ صدی کے سر پر ہے یا نہیں؟ اگر ہم نہ آتے تب بھی ہر ایک عقلمند اور خدا ترس کو لازم تھا کہ وہ کسی آنے والے کی تلاش کرتا۔ کیونکہ صدی کا سر آگیا تھا اور اب تو جب کہ بیس برس گزرنے کو ہیں اور بھی زیادہ فکر کی ضرورت تھی موجودہ فساد پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ کوئی شخص اصلاح کے لئے آنا چاہئے۔ عیسائیت نے وہ آزادی اور بے قیدی پھیلائی ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور مسلمانوں کے بچوں پر جو اس کا اثر ہوا ہے اسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے بچے ہی نہیں ہیں۔

کاسر الصلیب مسیح موعود کا ہی دوسرا نام ہے

ساری باتوں کو چھوڑ دو اس صلیبی فتنہ ہی کی اصلاح کے لئے جو شخص آئے گا اس کا نام کیا رکھا جائے گا؟ یہ فتنہ بالطبع اپنی اصلاح کرنے والے کا نام کاسر الصلیب رکھتا ہے اور یہ مسیح موعود کا دوسرا نام ہے قرآن اور حدیث نے مختلف طریقوں پر اس مضمون کو ادا کیا ہے اور آنے والے موعود کی بشارت دی ہے۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ کیونکہ جب انسان ناقص طور پر سمجھتا ہے گویا کچھ نہیں سمجھتا لیکن جب کامل غور اور فکر کے بعد ایک بات کو سمجھ لیتا ہے پھر مشکل ہوتا ہے کہ کوئی اسے گمراہ کر سکے۔ اس لئے میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس سوال کو حل کرنے کی خوب فکر کریں۔ یہ معمولی اور چھوٹی سی بات نہ سمجھیں بلکہ یہ ایمان کا معاملہ ہے جنت اور دوزخ کا سوال ہے۔

مسیح موعود کی تکذیب اور انکار کا نتیجہ

میرا انکار میرا انکار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے کیونکہ جو میری تکذیب کرتا ہے وہ میری تکذیب سے پہلے معاذاللہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا ٹھہرا لیتا ہے

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء

جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے باوجود وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) کے ان کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ کیا جب کہ وہ اس امر پر بظاہر ایمان لاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ موسوی سلسلہ کی طرح محمدیؐ سلسلہ میں بھی خلفاء کا سلسلہ قائم کرے گا۔ مگر اس نے معاذ اللہ اس وعدہ کو پورا نہیں کیا اور اس وقت کوئی خلیفہ اس امت میں نہیں اور نہ صرف یہاں تک ہی بلکہ اس بات سے بھی انکار کرنا پڑے گا کہ قرآن شریف نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے معاذ اللہ۔ کیونکہ اس سلسلہ کی اتم مشابہت اور مماثلت کے لئے ضروری تھا کہ اس چودھویں صدی پر اسی امت میں سے ایک مسیح پیدا ہوتا اسی طرح پر جیسے موسوی سلسلہ میں چودھویں صدی پر ایک مسیح آیا۔ اور اسی طرح پر قرآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلانا پڑے گا جو اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ : ۴) میں ایک آنے والے احمدی بروز کی خبر دیتی ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کی بہت سی آیتیں ہیں جن کی تکذیب لازم آئے گی بلکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاسِ تک سارا قرآن چھوڑنا پڑے گا پھر سوچو کہ میری تکذیب کوئی آسان امر ہے یہ میں از خود نہیں کہتا بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھے چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا وہ زبان سے نہ کرے مگر اپنے عمل سے اس نے سارے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔

اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ بے شک میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے اور میرے اقرار سے خدا تعالیٰ کی تصدیق ہوتی اور اس کی ہستی پر قوی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اب کوئی اس سے پہلے کہ میری تکذیب اور انکار کے لئے جرأت کرے۔ ذرا اپنے دل میں سوچے اور اس سے فتویٰ طلب کرے کہ وہ کس کی تکذیب کرتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں تکذیب ہوتی ہے؟ اس طرح پر کہ آپؐ نے جو وعدہ کیا تھا کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا۔ وہ معاذ اللہ جھوٹا نکلا۔ پھر آپ نے اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ فرمایا تھا وہ بھی معاذ اللہ غلط ہوا ہے اور آپ نے جو صلیبی فتنہ کے وقت مسیح کے آنے کی بشارت دی تھی وہ بھی معاذ اللہ غلط نکلی کیونکہ فتنہ تو موجود ہو گیا مگر وہ آنے والا امام نہ آیا۔ اب ان باتوں کو جب کوئی تسلیم کرے گا عملی طور پر کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذب ٹھہرے گا یا نہیں؟

پس پھر میں کھول کر کہتا ہوں کہ میری تکذیب آسان امر نہیں۔ مجھے کافر کہنے سے پہلے خود کافر

بننا ہو گا مجھے بے دین اور گمراہ کہنے میں دیر ہو گی مگر پہلے اپنی گمراہی اور روسیاہی کو مان لینا پڑے گا مجھے قرآن و حدیث کا چھوڑنے والا کہنے سے پہلے خود قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینا پڑے گا اور پھر بھی وہی چھوڑے گا۔ میں قرآن وحدیث کا مصدق و مصداق ہوں۔ میں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں میں کافر نہیں بلکہ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ کا مصداق صحیح ہوں اور جو کچھ میں کہتا ہوں خدا نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ سچ ہے۔

خدا تعالیٰ سے فیصلہ طلب کریں

جس کو خدا پر یقین ہے جو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق مانتا ہے اس کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ میرے منہ سے سنکر خاموش ہو جائے لیکن جو دلیر اور بے باک ہے اس کا کیا علاج؟ خدا خود اس کو سمجھائے گا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ خدا کے واسطے اس امر پر غور کریں اور اپنے دوستوں کو بھی وصیت کریں کہ وہ میرے معاملے میں جلدی سے کام نہ لیں۔ بلکہ نیک نیتی اور خالی الذہن ہو کر سوچیں اور پھر خدا تعالیٰ سے اپنی نمازوں میں دعائیں مانگیں کہ وہ ان پر حق کھول دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر انسان تعصب اور ضد سے پاک ہو کر حق کے اظہار کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا تو ایک چلّہ نہ گزرے گا کہ اس پر حق کھل جائے گا مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان شرائط کے ساتھ خدا تعالیٰ سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اس طرح پر اپنی کم سمجھی یا ضد و تعصب کی وجہ سے خدا کے ولی کا انکار کر کے ایمان سلب کرا لیتے ہیں کیونکہ جب ولی پر ایمان نہ رہے تو ولی جو نبوت کے لئے بطور میخ کے ہے۔ اسے پھر نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے اور نبی کے انکار سے خدا کا انکار ہوتا ہے اور اسطرح پر بالکل ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

ایک مصلح کی ضرورت

اس وقت ضروری ہے کہ خوب غور کر کے دیکھا جاوے کہ کیا عیسائی فتنہ نہیں ہے جو مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء : ۹۷) کا مصداق ہو کر لاکھوں انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور مختلف طریق اس نے اپنی اشاعت کے رکھے ہیں۔ اب وقت ہے کہ اس سوال کا جواب دیا جاوے کہ اس فتنہ کی اصلاح کرنے والے کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا رکھا ہے؟ صلیب کا زور تو دن بدن بڑھ رہا ہے اور ہر جگہ اس کی چھاؤنیاں قائم ہوتی جاتی ہیں مختلف مشن قائم ہو کر دور دراز ملکوں اور اقطاعِ عالم میں پھیلتے جاتے ہیں اس لئے اگر اور کوئی بھی ثبوت اور دلیل نہ ہوتی تب بھی طبعی طور پر ہم کو ماننا پڑتا کہ اس وقت ایک مصلح کی ضرورت ہے جو اس فساد کی آگ

کو بجھائے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو صرف ضروریات محسوسہ مشہودہ تک ہی نہیں رکھا بلکہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ سلم کی عظمت و عزت کے اظہار کے لئے بہت سی پیشگوئیاں پہلے سے اس وقت کے لئے مقرر رکھی ہوئی ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس وقت ایک آنے والا مرد ہے اور اس کا نام مسیح موعود اور اس کا کام کسر صلیب ہے اب اس ترتیب کے ساتھ ہر ایک سلیم الفطرت کو اتنا تو ماننا پڑے گا کہ بجز اس تسلیم کے چارہ نہیں کہ کوئی مرد آسمانی آوے اور اس کا کام اس وقت کسر صلیب ہی ہونا چاہئے۔

کسرِ صلیب کی حقیقت

لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کسر صلیب مسیح موعود کا کام ہو گا اس کا کیا مطلب ہے کیا وہ لکڑی کی صلیب کو توڑے گا؟ اور اس سے فائدہ کیا ہو گا؟ صاف ظاہر ہے کہ لکڑی کی صلیب کو اگر توڑتا پھرے گا تو یہ کوئی عظیم الشان کام نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی معتد بہ فائدہ ہو سکتا ہے اگر وہ لکڑی کی صلیب توڑے گا تو اس کی بجائے سونے چاندی اور دھاتوں کی صلیبیں عیسائی بنا لیں گے اور اس سے کیا نقصان ہوا اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور یزید اور صلاح الدین نے بہت سی صلیبیں توڑیں تو کیا وہ اس ایک امر سے مسیح موعود بن گئے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ لکڑی کی صلیب جو بعض عیسائیوں نے لٹکائی ہوئی ہے مسیح موعود توڑتا پھرے گا بلکہ اس کے اندر ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کی تائید میں حدیث کا ایک اور لفظ یَضَعُ الْحَرْبَ آیا ہے یعنی مسیح موعود لڑائیوں کو اٹھا دے گا اب ہمیں کوئی سمجھاوے کہ ایک طرف تو مسیح موعود کا یہ کام ہے کہ وہ لڑائی کے سلسلہ کو یکدفعہ اٹھا دے اور دین کے لئے لڑائی کا نام لینا حرام سمجھا جاوے اور دوسری طرف یہ بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ زمانہ امن کا زمانہ ہو گا اور سلطنت عادل سلطنت ہو گی جس سے اور بھی تقویت ہوتی ہے اس بنشاء کی کہ اس وقت لڑائیاں حرام ہوں گی۔ اچھا، لڑائیاں ہوں گی نہیں اور صلیب توڑنا مسیح موعود کا کام ہے پھر سوچ کر دیکھو کہ ہمارے اس دعویٰ کی تائید صاف طور پر ہوتی ہے یا نہیں کہ صلیب توڑنے سے یہ لکڑی یا پیتل وغیرہ کی صلیبیں (جو عیسائی شرک کے طور پر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں) توڑنا مراد نہیں ہے بلکہ یہ لفظ ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہی ہے جو ہم لے کر آئے ہیں ہم نے صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ اس وقت جہاد حرام ہے کیونکہ جیسے مسیح موعود کا وہ کام ہے یَضَعُ الْحَرْبَ بھی اس کا کام ہے۔ اس کام کی رعایت سے ہم کو

ضروری تھا کہ جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر کریں پس ہم کہتے ہیں کہ اس وقت دین کے نام سے تلوار یا ہتھیار اٹھانا حرام اور سخت گناہ ہے ہم کو ان وحشی سرحدیوں پر افسوس آتا ہے کہ وہ آئے دن جہاد کے نام سے بعض واردا تیں کر کے جو دراصل اپنا پیٹ پالنے کے لئے کرتے ہیں اسلام کے نام کو بدنام کرتے ہیں اور امن میں خلل انداز ہوتے ہیں ایک سچے مسلمان کو ان وحشیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہئے تو پھر یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کے کیا معنی ہیں؟ توجہ سے سننا چاہئے کہ مسیح موعود کی بعثت کا وقت غلبہ صلیب کے وقت ٹھہرایا گیا ہے اور وہ صلیب کو توڑنے کے لئے آئے گا اب مطلب صاف ہے کہ مسیح موعود کی آمد کی غرض عیسوی دین کا ابطالِ کلی ہو گا اور وہ حجت اور براہین کے ساتھ جن کو آسمانی تائیدات اور خوارق اور بھی قوی کر دیں گے اور صلیب پرستی کے مذہب کو باطل کر کے دکھا دے گا اور اس کا باطل ہونا دنیا پر روشن ہو جائے گا اور لاکھوں روحیں اعتراف کریں گی کہ فی الحقیقت عیسائی دین انسان کے لئے رحمت کا باعث نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ ہماری ساری توجہ اس صلیب کی طرف لگی ہوئی ہے۔ صلیب کی شکست میں کیا کوئی کسر باقی ہے؟ موت مسیح کے مسئلہ نے ہی صلیب کو پاش پاش کر دیا ہے کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح صلیب پر مرا ہی نہیں بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے کشمیر میں آکر مرا۔ تو کوئی عقلمند ہمیں بتائے کہ اس سے صلیب کا باقی کیا رہتا ہے۔ اگر تعصب نے اور ضد نے بالکل ہی انسان کے دل کو تاریک اور اس کی عقل کو ناقابل فیصلہ نہ بنا دیا ہو تو ایک عیسائی کو بھی یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ اس مسئلہ سے عیسائی دین کا سارا تار و پود ادھڑ جاتا ہے[1]

مسیح موعود کا ظہور غلبۂ صلیب کے وقت مقدر تھا

غرض یہ بات بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ اس وقت بھیجے گا جب صلیب کا غلبہ ہو گا جس سے مراد یہ ہے کہ صلیبی دین کا فتنہ بڑھا ہوا ہو گا اس کی اشاعت اور توسیع کے لئے ہر ایک قسم کے حیلوں کو کام میں لایا جائے گا اور دنیا میں وہ ظلم و زُور جس کا دوسرے لفظوں میں شرک اور مردہ پرستی نام ہو سکتا ہے' پھیلایا جاوے گا اس وقت اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھیجے گا اس کا کام یہی ہو گا کہ اس ظلم و زُور سے دنیا کو پاک کرے اور مردہ پرستی اور صلیب پرستی کی لعنت سے دنیا کو بچائے اس طرح پر وہ صلیب کو توڑے گا۔ بظاہر یہ تناقض معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاموں میں سے یَضَعُ الْحَرْبَ بھی لکھا ہے کہ وہ لڑائیاں نہ کرے گا اور صلیب کے توڑنے میں لڑائیوں کی

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳۰۴ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء

ضرورت ہے یہ تناقض سطحی خیال کے آدمیوں کو نظر آتا ہے جنہوں نے مسیح موعود کی آمد اور بعثت کی غرض کو ہرگز نہیں سمجھا حالانکہ یَضَعُ الْحَرْبَ کا لفظ ہی کسر صلیب کی حقیقت کو بتاتا ہے کہ اس سے مراد جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے لکڑی یا دوسری چیزوں کی صلیبوں کو توڑنا نہیں بلکہ صلیبی ملت کی شکست ہے اور ملت کی شکست بینہ اور براہین سے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (الانفال : ۴۳)

بہرحال ہمارے مخالف علماء جو مخالفت میں اس قدر غلو کرتے ہیں اگر ٹھنڈے دل سے اور خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین رکھ کر ان باتوں کو سوچتے تو یقیناً ان کو اس کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ وہ میرے پیچھے ہو لیتے وہ دیکھتے کہ صدی کا سر آگیا۔ بلکہ اس میں سے انیس سال گزرنے کو آگئے ہیں اور صدی پر مجدد کا آنا ضروری ہے ورنہ اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

عیسائیت کا عظیم فتنہ

اور جب وہ نصاریٰ کے فتنہ پر نظر کرتے تو ان کو نظر آتا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی آفت اور فتنہ اسلام کے لئے کبھی پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے ایسا خطرناک فتنہ کبھی نہیں اٹھا۔ فلسفیانہ رنگ میں الگ، طبعی رنگ میں الگ مذہب پر زد ہے۔ ہر شخص جو کسی فن میں کسی علم میں کوئی دسترس رکھتا ہے وہ اسی پہلو سے اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے مرد، عورتیں واعظ ہیں اور وہ مختلف تدابیر سے اسلام سے بیزاری پیدا کرنی چاہتے ہیں اور عیسائیت کی طرف لوگوں کو مائل کرتے ہیں۔ شفاخانوں میں جاؤ تو دیکھو گے کہ دوا کے ساتھ عیسوی دین کا وعظ ضرور کیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بعض عورتیں یا بچے علاج کے لئے شفاخانہ میں داخل ہو گئے ہیں اور پھر ان کا پتہ اس وقت تک نہیں ملا جب تک وہ عیسائی بن کر ظاہر نہیں کئے گئے۔ سادھوؤں کے رنگ میں وعظ کرتے ہیں۔ غرض کوئی طریقہ وسوسہ اندازی کا ایسا نہیں جو اس قوم نے اختیار نہ کیا ہو۔ اب اس فتنہ پر ان کی نگاہ ہوتی۔ تو ان کو ماننا پڑتا کہ اس فتنہ کی اصلاح و مدافعت کے لئے کوئی شخص خدا کی طرف سے ضرور آنا چاہئے۔ قرآن شریف سے بے توجہی اور لاپرواہی پر نظر کرتے تو کہتے کہ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) کے وعدہ کے موافق ضرور کوئی محافظ قرآن اس وقت آنا چاہئے اور پھر سلسلہ خلافت موسوی اور سلسلہ خلافت محمدی کی مشابہت پر نظر ہوتی تو ماننا پڑتا کہ اس وقت چودھویں صدی میں ایک خاتم الخلفاء ضرور آنا چاہئے۔

اس طرح پر ایک نہیں بہت سی باتیں تھیں جو ان لوگوں کی ہدایت اور راہبری کا موجب بن

سکتی تھیں مگر نفس پرستی کی وجہ سے تعصب اور ضد سے انہوں نے ان پر غور نہیں کیا اور مخالفت اختیار کی۔ ان امور کا جو میں پیش کرتا ہوں وہی انکار کر سکتا ہے جو گھر سے باہر نہیں نکلتا اور حجروں ہی میں پرورش پاتا ہے جو شخص کہتا ہے فتنہ نہیں ہوا تو میں اس کو متعصب ہی نہیں سمجھتا بلکہ وہ بے ادب اور گستاخ ہے جس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عزت و تکریم کا خیال نہیں ہے اور اس سے بے خبر محض ہے۔ مگر عقلمند اور دین سے واقف سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس فتنہ کو خفیف نہیں سمجھا اور حقیقت میں خفیف نہیں۔ میں بار بار اس امر پر اسی لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو اس امر پر اطلاع ملے۔ ان کا ایک ایک پرچہ اگر دیکھا جاوے تو وہ ایک ایک لاکھ نکلتا ہے وہ وسائل اشاعت اور تبلیغ کے جو اب پیدا ہو گئے ہیں پہلے کہاں تھے؟ اس سے پہلے رد اسلام میں ایک رسالہ تو دکھاؤ۔ مگر اس صدی میں اگر ان رسالوں اور اخباروں اور کتابوں کو جو اسلام کے خلاف لکھے گئے ہیں' ایک جگہ جمع کرو تو ان کا اونچا ڈھیر کئی میل تک چلا جاوے بلکہ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہ اونچا ڈھیر دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی اونچائی سے بھی بڑھ جاوے اور اگر ان کو برابر سطح پر رکھا جاوے تو کئی میل لمبی لائن ہو۔ اس وقت اسلام شہیدان کربلا کی طرح دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے اور اس پر بھی افسوس ہے کہ مخالف کہتے ہیں کہ کسی شخص کی ضرورت نہیں۔ ہم مجادلہ کرنے والے سے بات کرنا نہیں چاہتے اور اس سے بحث کرنا بجز تضیع اوقات اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں جو طالب حق ہو وہ ہمارے پاس آئے اور یہاں رہے اور پھر ہر طرح اس کی تسلی اور اطمینان کو تیار ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ پائے نہیں جاتے بلکہ مخالف تو دو چار دس منٹ میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا مذہبی قمار بازی ہے اس طرح پر حق کھل نہیں سکتا۔ آپ خود سوچیں کہ عیسائیت اسلام کو مغلوب کرنے کے واسطے کس قدر زور لگا رہی ہے کلکتہ کے بشپ نے لندن جا کر جو تقریر کی ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی آدمی گورنمنٹ انگلشیہ کا سچا خیر خواہ اور وفادار نہیں ہو سکتا جب تک وہ عیسائی نہ ہو۔ ایسی تقریروں اور بحثوں سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عیسائی بنانے کے لئے کس قدر کوشش یہ لوگ کرنی چاہتے ہیں اور ان کی نیت میں کیا ہے؟ وہ صاف چاہتے ہیں کہ کوئی مسلمان نہ رہ جاوے۔ عیسائی مشنریوں نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جس قدر اسلام ان کی راہ میں روک ہے اور کوئی مذہب ان کی راہ میں روک نہیں ہے مگر یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے غیور ہے اس نے سچ فرمایا ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) اس نے اس وعدہ کے موافق اپنے ذکر کی محافظت فرمائی اور مجھے مبعوث کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے موافق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے اس نے مجھے صدی چہاردہم کا مجدد کیا۔ جس کا نام کاسر الصلیب بھی رکھا ہے

اگر ہم اس دعویٰ میں غلطی پر ہیں تو پھر سارا کاروبار نبوت کا ہی باطل ہو گا اور سب وعدے جھوٹے ٹھہریں گے اور پھر سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہو گی کہ خدا تعالیٰ بھی جھوٹوں کی حمایت کرنے والا ثابت ہو گا (معاذاللہ) کیونکہ ہم اس سے تائیدیں پاتے ہیں اور اس کی نصرتیں ہمارے ساتھ ہیں۔

نزولِ مسیح اور دجّال سے متعلق عام خیالات اور اصل حقیقت

اب ایک شخص کو بطور وسوسہ کے یہ اعتراض گذرتا ہے کہ مسیح آسمان سے اترے گا اور اس کے ہاتھ میں ایک حربہ ہو گا اور وہ دجال کو جس کے ہاتھ میں خدائی کی ساری قوتیں ہوں گی اور روئیوں کا پہاڑ اس کے ساتھ ہو گا وہ قتل کرے گا اور آسمان سے تو یونہی اتر آئے گا مگر دمشق کے منارہ پر آکر سیڑھی کے بغیر نہ اترے گا اور دجال مردوں کو زندہ کرے گا وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو نزول المسیح کے متعلق ان لوگوں نے بنا رکھی ہیں اور دجال کے لئے کہتے ہیں کہ وہ کانا ہو گا مگر دجال اس کے لئے یہ نہیں کہہ سکے گا کہ وہ اس لئے کانا ہے کہ وحدہٗ لا شریک ہے اور سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہے اب ان باتوں پر اگر دانشمند غور کرے تو خود اس کو ہنسی آئے گی کہ کیا کہتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ خیالی امور نہیں بلکہ یقینی باتیں ہیں جن کے ساتھ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ ہیں اور تائیدات الٰہیہ بھی ہیں جو آج نہیں سمجھتا وہ آخر سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نور کو کوئی بجھا نہیں سکتا۔

پیشگوئیوں میں استعارات کا استعمال

یاد رکھو۔ الفاظ کے معنے کرنے میں بڑی غلطی کھاتے ہیں۔ بعض وقت الفاظ ظاہر پر آتے ہیں اور بعض اوقات استعارہ کے طور پر آتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بی بی فوت ہوں گی۔ اور آپؐ کے سامنے ساری بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے بھی شروع کر دیئے اور آپؐ نے منع بھی نہ فرمایا۔ لیکن جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کے معنے کھلے کہ لمبے ہاتھوں والی سے مراد اس بی بی سے تھی جو سب سے زیادہ سخی تھی۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے اگر ظاہر معنے کئے جائیں تو کچھ بھی مطلب نہیں نکل سکتا۔ جیسے فرمایا

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳)

اب آپ وزیر آباد میں ہی حافظ عبدالمنان سے جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے' دریافت کریں کہ کیا اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھایا

جائے گا؟ یا ظاہر پر اس سے مراد نہیں لی جاتی' کچھ اور مطلب ہے۔ یقیناً اس کو یہی کہنا پڑے گا۔ کہ بیشک اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر اندھا اور نابینا قیامت کو بھی اندھا اور نابینا اٹھے بلکہ اس سے مراد معرفت اور بصیرت کی نابینائی ہے

جب یہ ثابت ہے کہ الفاظ میں استعارات بھی ہوتے ہیں اور خصوصاً پیشگوئیوں میں۔ تو پھر مسیح کے نزول کے متعلق جو پیشگوئیوں میں الفاظ آئے ہیں' ان کو بالکل ظاہر ہی پر حمل کر لینا کونسی دانشمندی ہے؟ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ظاہر پرستی سے کام لیتے ہیں اور ظن سے کام لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم : ۲۹) اور بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات : ۱۳)

پس اگر بدظنی سے کام لیتے ہیں اور ظاہر معنوں ہی پر حمل کرتے ہیں تو پھر نابینوں کو تو نجات سے جواب ہوگا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ناحق ایک ایسی بات پر زور دیتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں کی زبان سے محض ناواقف ہیں اگر واقف ہوتے تو سمجھتے کہ پیشگوئیوں میں کس قدر استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں تو اس سے مراد جھوٹے نبی تھے اور جب آپؐ کو گائیوں کا ذبح ہونا دکھایا گیا تو اس سے مراد صحابہؓ کی شہادت تھی۔ اور یہ کوئی خاص بات نہیں عام طور پر قانون الٰہی رؤیا اور پیشگوئیوں کے متعلق اس قسم کا ہے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ کی رؤیا جو قرآن شریف میں ہے کیا اس سے سورج اور چاند اور ستارے مراد تھے؟ یا عزیز مصر کی رؤیا جس میں گائیاں دکھائی گئی تھیں اس سے فی الواقعہ گائیں مراد تھیں یا کچھ اور؟ اس قسم کی ایک دو نہیں ہزاروں ہزار شہادتیں ملتی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ نزول المسیح کے معاملہ میں یہ لوگ ان کو بھول جاتے ہیں اور ظاہر الفاظ پر زور دینے لگتے ہیں ان معاملات میں اختلاف کی جڑ دو ہی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ مجاز اور استعارہ کو چھوڑ کر اس کو ظاہر پر حمل کر لیا جائے اور جہاں ظاہر مراد ہے وہاں استعارہ قرار دیا جائے۔ اگر پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہو جاوے گا۔

عہدنامہ قدیم وجدید میں استعارات کا استعمال اور یہود کا ابتلاء

یہودیوں کو یہی مشکل اور آفت تو پیش آئی کیونکہ حضرت مسیح کے لئے لکھا تھا کہ اس کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی بڑی صراحت سے درج ہے۔ یہودی اس پیشگوئی کے موافق منتظر تھے۔ کہ ایلیا آسمان سے آوے لیکن جب مسیح آگیا اور ایلیا آسمان سے

نہ اترا تو وہ گھبرائے[1]

اور یہ ابتلا ان کو پیش آگیا کہ ایلیا کا آسمان سے آنا مسیح کے آنے سے پہلے ضروری ہے اب انصاف شرط ہے۔ اگر یہ فیصلہ کسی جج کے سامنے پیش ہو تو وہ بھی یہودیوں ہی کے حق میں ڈگری دے گا کیونکہ یہ صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ ایلیا آئے گا اور اس سے پہلے کوئی نظیر اس قسم کے بروز کی ان میں موجود نہ تھی جو مسیح نے یوحنا کو ایلیا بنایا۔ اب اگرچہ ہم ان کتابوں کی بابت تو یہی کہتے ہیں کہ لَا تُصَدِّقُوْا وَلَا تُكَذِّبُوْا لیکن یہ بھی ساتھ ہی ضروری بات ہے کہ قرآن شریف میں یہ آیا ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل : ۴۴) علاوہ بریں اس قصہ ایلیا کی قرآن شریف نے کہیں تکذیب اور تردید نہیں کی اور یہودی اور عیسائی دونو قومیں بالاتفاق اس کو صحیح مانتی ہیں۔ اگر یہ قصہ صحیح نہ ہوتا۔ تو عیسائیوں کا حق تھا کہ وہ بول پڑتے اور اس کی تکذیب کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر اس قصہ کو غلط کہا جائے تو عیسائیوں کے لئے مشکلات سے نجات اور مخلصی ہے۔ جو اس کو صحیح مان کر ان کو پیش آتی ہیں لیکن جبکہ انہوں نے تکذیب نہیں کی اور اس کو صحیح تسلیم کرلیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ہم بلا وجہ تکذیب پر آمادہ ہوں۔ حق یہی ہے کہ یہودیوں میں یہ خبر صحیح موجود تھی کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا

مسیح علیہ السلام کا فیصلہ

اور اسی لئے جب مسیح آگیا تو وہ مشکلات میں پڑے اور انہوں نے مسیح سے ایلیا کے متعلق سوال کیا اور مسیح نے یوحنا کی صورت میں اس کے آنے کو تسلیم کرلیا۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو سب سے پہلے مسیح کا یہ حق تھا کہ وہ بجائے اس کہ یہ کہتے کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے' یوں جواب دیتے کہ کوئی ایلیا آنے والا نہیں ہے مسیح نے اگر اس کو صحیح تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ یوحنا کی شکل میں ایلیا کو نہ اتارتے۔ یہ چھوٹی اور معمولی سی بات نہیں۔ مسیح کا یہودیوں کے اس اعتراض کو مان کر اس کا جواب دینا بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ بجائے خود اس امر کو صحیح اور یقینی سمجھتے تھے۔ یہودیوں کا یہ عذر بہرحال قابل پذیرائی تھا اور مسیح نے اس کو قبول کرکے یہی جواب دیا ہے کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ اب اگر استعارات کوئی چیز نہیں اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں یہ جزو اعظم نہیں ہوتے تو پھر جیسے یہودیوں نے حضرت مسیح کی اس تاویل کو تسلیم نہیں کیا' یہ بھی انکار کریں کہ وہ فیصلہ صحیح نہیں تھا کیونکہ یہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ ایلیا والے قصہ کی مسلمان تکذیب تو کر نہیں سکتے کیونکہ قرآن شریف نے کہیں اس

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۲۴ مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۳ء

کی تکذیب نہیں کی اور تکذیب کے اول حقدار تو حضرت مسیحؑ اور ان کے متبعین ہو سکتے ہیں جبکہ یہ بات ہے کہ استعارات کوئی چیز نہیں اور ہر پیشگوئی لازماً اپنے ظاہری الفاظ ہی پر پوری ہوتی ہے تو پھر ان کو گویا ماننا پڑے گا یہودیوں کی طرح کہ مسیح ابھی نہیں آئے گا اور جب مسیح کے آنے کا بھی انکار ہی ہوا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کرنا پڑا اور اس طرح پر اسلام ہاتھ سے جاتا ہے اسی لئے میں بار بار اس امر پر زور دیتا ہوں کہ میری تکذیب سے اسلام کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اس صورت میں عقلمند سوچ سکتا ہے کہ ایلیا کے دوبارہ آنے کے قصہ کے رنگ میں مسیح کی آمد ثانی ہے اور انکا فیصلہ گویا چیف کورٹ کا فیصلہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ نامراد رہتا ہے اگر حضرت عیسیٰؑ نے خود آنا تھا تو صاف لکھ دیتے کہ میں خود ہی آؤں گا۔ یہودی بھی تو اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ایلیا کا مثیل آنا تھا تو کیوں خدا نے یہ نہ کہا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا۔ غرض جس قدر یہ مقدمہ ایلیا کا ہے اس پر اگر ایک دانشمند صفائی اور تقویٰ سے غور کرے تو صاف سمجھ آجاتا ہے کہ کسی کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہوتی ہے اور وہ کس رنگ میں آیا کرتا ہے۔ دو شخص بحث کرتے ہیں ایک نظیر پیش کرتا ہے اور دوسرا کوئی نظیر پیش نہیں کرتا تو بتاؤ کس کا حق ہے کہ اس کی بات مان لی جاوے؟ یہی کہنا پڑے گا کہ ماننے کے قابل اسی کی بات ہے جو دلائل کے علاوہ اپنی بات کے ثبوت میں نظیر بھی پیش کرتا ہے اب ہم تو ایلیا کا فیصلہ شدہ مقدمہ جو خود مسیح نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے بطور نظیر پیش کرتے ہیں یہ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو دو چار ایسے شخصوں کے نام لے دیں جن کی آسمان سے اترنے کی نظیریں موجود ہیں سچ کے حق میں کوئی نہ کوئی نظیر ضرور ہوتی ہے اس مقدمہ میں تنقیح طلب امر یہی ہے کہ جب کسی کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہو تو کیا اس سے اس شخص کا پھر آنا مراد ہوتا ہے یا اس کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور اس کی آمد ثانی سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی اس کا مثیل آئے گا اگر اس تنقیح طلب امر میں ان کا دعویٰ سچا ہے کہ وہ شخص خود ہی آتا ہے تو پھر حضرت عیسیٰ پر جو الزام عائد ہوتا ہے اسے دور کر کے دکھائیں۔ اول یہ ان کا فیصلہ فراست صحیحہ سے نہیں ہوا۔ اور دوسرے معاذاللہ وہ جھوٹے نبی ہیں کیونکہ ایلیا تو آسمان سے آیا ہی نہیں وہ کہاں سے آگئے؟ اس صورت میں فیصلہ یہودیوں کے حق میں صادر ہو گا اس کا جواب ہمارے مخالف مسلمان ہم کو ذرا دے کر تو دکھائیں۔ لیکن یہ ساری مصیبت ان پر اس ایک امر سے آتی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم استعارہ نہیں مانتے اصل بات یہی ہے اور وہی فیصلہ حق ہے جو مسیح نے دیا ہے کہ ایلیا کے آنے سے مراد یہ تھی کہ اس کی خو اور طبیعت پر اس کا مثیل آئے گا اس کے خلاف ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ مشرق یا مغرب میں پھرو اور اس کی نظیر لاؤ کہ دوبارہ آنے والا خود ہی آیا کرتا ہے۔

اس اعتقاد کو دل میں جگہ دو گے تو نتیجہ وہی ہوگا۔ کہ اسلام ہاتھ سے جائے گا۔ مسیح کو یہودیوں نے اسی وجہ سے جھوٹا قرار دیا۔ کیا ہمارے مخالف مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ اس کو جھوٹا قرار دیں؟ پھر ایک اور اعتراض اسی قصہ کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مسیح مردوں کو زندہ کرتے تھے یا وہ قدرتیں اور طاقتیں ان میں موجود تھیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے ایلیا کو زندہ نہ کرلیا یا آسمان سے بہ اختیار خود نہ اتار لیا۔

میرے مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے میرے مخالفوں کو ضرور ہے کہ وہ اس قضیہ کو صاف کرلیں جو مسیح کو پیش آیا اور جس کا فیصلہ انہوں نے میرے حق میں کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ بہت سی باتیں پیشگوئیوں کے طور پر نبیوں کی معرفت لوگوں کو پہنچتی ہیں۔ اور جب تک وہ اپنے وقت پر ظاہر نہ ہوں۔ ان کی بابت کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جب ان کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقت کھلتی ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس پیشگوئی کا یہ مفہوم اور منشا تھا۔ اور جو شخص اس کا مصداق ہو یا جس کے حق میں ہو اس کو اس کا علم دیا جاتا ہے جیسے فقیہ اور فریسی برابر ایلیا کے دوبارہ آنے کا قصہ پڑھتے رہتے تھے اور وہ نہایت شوق کے ساتھ اس کا انتظار کرتے رہے لیکن اس کی حقیقت اور اصلیت کا علم ان کو اس وقت عطا نہ ہوا جب تک کہ خود آنے والا مسیحؑ جس کے آنے کا وہ نشان تھا، نہ آگیا۔ پس یہ علم مسیح کو ملا اور اس نے آکر فیصلہ کیا کہ ایلیا کی آمد سے یہ مراد ہے۔

اسی طرح پر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں چالیس سال تک روتے رہے آخر جا کر آپ کو خبر ملی تو کہا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف : ۹۵) ورنہ اس سے پہلے آپ کا یہ حال ہوا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ (یوسف : ۸۵) تک نوبت پہنچی اسی کے متعلق کیا اچھا کہا ہے ؎

کسے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی؟ [1]

ابتلاء اور آزمائش کی غرض

یہ بیہودہ باتیں نہیں ہیں بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ جاری ہوا ہے یہی قانون چلا آیا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۲۱ مورخہ ۷ر فروری ۱۹۰۳ء

قبل از وقت ابتلا ضرور آتے ہیں تا کچوں اور پکوں میں امتیاز ہو اور مومنوں اور منافقوں میں بین فرق نمودار ہو اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۳) یہ لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا ہی کہنے پر نجات پا جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کا کوئی امتحان نہ ہو۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں بھی امتحان اور آزمائش کا سلسلہ موجود ہے جب دنیاوی نظام میں یہ نظیر موجود ہے تو روحانی عالم میں یہ کیوں نہ ہو۔ بغیر امتحان اور آزمائش کے حقیقت نہیں کھلتی۔ آزمائش کے لفظ سے یہ بھی دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو جو عَالِمُ الْغَیْبِ اور یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَیٰ ہے امتحان یا آزمائش کی ضرورت ہے اور بدوں امتحان یا آزمائش کے اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ایسا خیال کرنا نہ صرف غلطی بلکہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کا انکار ہے۔ امتحان یا آزمائش کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ تا حقائق مخفیہ کا اظہار ہو جاوے اور شخص زیر امتحان پر اس کی حقیقتِ ایمان منکشف ہو کر اسے معلوم ہو جاوے کہ وہ کہاں تک اللہ کے ساتھ صدق و اخلاص و وفا رکھتا ہے اور ایسا ہی دوسرے لوگوں کو اس کی خوبیوں پر اطلاع ملے۔ پس یہ خیال باطل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جو امتحان کرتا ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اس کو علم نہیں اس کو تو ذرہ ذرہ کا علم ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی کی ایمانی کیفیتوں کے اظہار کے لئے اس پر ابتلا آویں اور وہ امتحان کی چکی میں پیسا جاوے کسی نے کیا اچھا کہا ہے

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

ابتلاؤں اور امتحانوں کا آنا ضروری ہے بغیر اس کے کشف حقائق نہیں ہوتا یہودی قوم کے لئے یہ ابتلا جو مسیح کی آمد تھا بہت ہی بڑا تھا اور جب کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے ضرور ہے کہ وہ ابتلاؤں کو لے کر آوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی توریت میں مثیلِ موسیٰ والی موجود ہے لیکن کیا کہنے والے نہیں کہتے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے پورا نام لیکر نہ بتایا اور سارا پتہ نہ دیدیا کہ وہ عبداللہ کے گھر میں آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوگا اور اسماعیلی سلسلہ سے ہوگا تیرے بھائیوں کا لفظ کیوں کہہ دیا؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر ایسی ہی صراحت سے بتا دیا جاتا تو پھر ایمان ایمان نہ رہتا دیکھو اگر ایک شخص پہلی رات کا چاند دیکھ کر بتا دے تو وہ تیز نظر کہلا سکتا ہے لیکن اگر کوئی چودھویں کا چاند دیکھ کر کہہ دے کہ میں نے بھی چاند دیکھ لیا ہے تو کیا لوگ اس پر ہنسیں گے نہیں؟ یہی حال خدا تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کی شناخت کے وقت ہوتا ہے جو لوگ قرائنِ قویہ سے شناخت کر لیتے اور ایمان لے آتے ہیں وہ اول المومنین ٹھہرتے ہیں ان کے مدارج اور مراتب

بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کا صدق آفتاب کی طرح کھل جاتا ہے اور ان کی ترقی کا دریا بہہ نکلتا ہے تو پھر ماننے والے عوام الناس کہلاتے ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے ایک قانون سلسلہ نبوت کے متعلق چلا آتا ہے۔ اور اس کے اپنے ماموروں کے ساتھ یہی سنت ہے تو میں اس سے الگ کیونکر ہو سکتا ہوں پس اگر ان لوگوں کے دل میں بخل اور ضد نہیں تو میری بات سنیں اور میرے پیچھے ہولیں پھر دیکھیں کہ کیا خدا تعالیٰ ان کو تاریکی میں چھوڑتا ہے یا نور کی طرف لے جاتا ہے؟ میں یقین رکھتا ہوں کہ جو صبر اور صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ ہلاک نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ وہ اسی زندگی سے حصہ لے گا جس کو کبھی فنا نہیں۔ اس قدر لوگ جو میرے ساتھ ہیں اور جو اب اس وقت موجود ہیں کیا ان میں سے ایک بھی ہے جو یہ کہے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا ایک نہیں سینکڑوں نشان خدا تعالیٰ نے دکھائے ہیں مگر نشانات پر ایمان کا حصر کرنا یہ ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جایا کرتا ہے جس کا دل صاف ہے اور خدا ترسی اس میں ہے اس کے سامنے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کا ہی فیصلہ پیش کرتا ہوں وہ مجھے سمجھاوے کہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں (کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا آنا ضروری ہے) جو کچھ مسیح نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہودی تو اپنی کتاب پیش کرتے تھے کہ ملاکی نبی کے صحیفہ میں ایلیا کا آنا لکھا ہے مثیل ایلیا کا ذکر نہیں۔ مسیح یہ کہتے ہیں کہ آنے والا یہی یوحنا ہے چاہو تو قبول کرو اب کسی منصف کے سامنے فیصلہ رکھو اور دیکھو کہ ڈگری کس کو دیتا ہے وہ یقیناً یہودیوں کے حق میں فیصلہ دے گا مگر ایک مومن جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا کے فرستادے کس طرح آتے ہیں وہ یقین کرے گا کہ مسیح نے جو کچھ کہا اور کیا وہی صحیح اور درست ہے اب اس وقت وہی معاملہ ہے یا کچھ اور؟ اگر خدا کا خوف ہو تو پھر بدن کانپ جاوے یہ کہنے کی جرات کرتے ہوئے کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے افسوس اور حسرت کی جگہ ہے کہ ان لوگوں میں اتنا بھی ایمان نہیں جتنا کہ اس شخص کا تھا جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور جس نے یہ کہا اگر یہ کاذب ہے تو خود ہلاک ہو جائے گا۔ میری نسبت اگر تقویٰ سے کام لیا جاتا تو اتنا ہی کہہ دیتے اور دیکھتے کہ کیا خدا تعالیٰ میری تائیدیں اور نصرتیں کر رہا ہے یا میرے سلسلہ کو مٹا رہا ہے۔

قرآن کریم کے مقابلہ میں سنت اور حدیث کا درجہ

میری مخالفت میں ان لوگوں نے قرآن شریف کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں قرآن شریف پیش کرتا ہوں اور یہ اس کے مقابلہ میں احادیث کو پیش کرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ احادیث اس درجہ پر نہیں ہیں جو قرآن شریف کا درجہ ہے اور نہ ہم احادیث کو کلام اللہ کا درجہ دے سکتے ہیں احادیث

تیسرے درجہ پر ہیں اور بالاتفاق مانی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ ظن کے لئے مفید ہیں اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم : ۲۹)

اصل میں تین چیزیں ہیں قرآن سنت اور احادیث۔ قرآن خدا تعالیٰ کی پاک وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور سنت وہ اسوہ حسنہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے موافق قائم کر کے دکھایا قرآن اور سنت یہ دونو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام تھے کہ ان کو پہنچا دیا جاوے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب تک احادیث جمع نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک بھی شعائر اسلام کی بجا آوری برابر ہوتی رہی ہے۔ اب دھوکا یہ لگا ہے کہ یہ لوگ احادیث کو اور سنت کو ایک کر دیتے ہیں حالانکہ یہ ایک چیز نہیں ہیں۔ پس احادیث کو جب تک قرآن اور سنت کے معیار پر پرکھ نہ لیں ہم کسی درجہ پر رکھ نہیں سکتے۔ لیکن یہ ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ حدیث بھی جو اصول حدیث کی رو سے کیسی ہی کمزور اور ضعیف ہو لیکن قرآن یا سنت کے خلاف نہیں تو وہ واجب العمل ہے۔ مگر ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ نہیں محدثین کے اصول تنقید کی رو سے جو صحیح ثابت ہو۔ وہ خود قرآن اور سنت کی کیسی ہی مخالف ہو اس کو مان لینا چاہئے۔ اب عقلمند غور کریں۔ اور خدا کا خوف دل میں رکھ کر فکر کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے' ان کے یا میرے۔ میں خدا کے کلام اور اس کے پاک رسول کے عمل کو مقدم کرتا ہوں اور یہ ان لوگوں کی باتوں اور خیالی اصولوں کو مقدم کرتے ہیں جنہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ یہ اصول تنقید احادیث کے ہم نے خدا کی وحی اور الہام سے قائم کئے ہیں۔

اگر یہی بات ہے کہ احادیث کے لئے قرآن اور سنت کے علاوہ کوئی اور معیار ہے جو محض اپنی دانش اور عقل سے قائم کیا گیا ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ سُنیوں کی پیش کردہ احادیث یا شیعوں کی پیش کردہ احادیث صحیح نہ مانی جاویں۔ کیوں ایک فریق دوسرے کو رد کرتا ہے۔ اس کا جواب ہمیں کوئی کچھ نہیں دیتا۔ ان ساری باتوں سے بڑھ کر اور ایک بات ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں یہ اقرار کیا ہے کہ اہل کشف جو لوگ ہوتے ہیں وہ احادیث کی صحت کے لئے محدثین کے اصول تنقید احادیث کے پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ بعض اوقات ایک صحیح حدیث کو ضعیف ٹھہرا سکتے ہیں یا ضعیف کو صحیح کیونکہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اطلاع پاتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر مسیح موعود جو حکم ہو کر آئے گا کیا اس کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ احادیث کی صحت اس طریق پر کر سکے؟ کیا وہ خدا تعالیٰ سے فیض نہ پا سکے گا؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے محروم ہوگا؟ اگر اس کو یہ مقدرت نہ ہوگی تو پھر بتاؤ کہ ایسا حکم کس کام کا اور مصرف کا ہوگا؟

اس لئے احادیث کو یہ لوگ جب غلط کرنے لگیں تو اس امر کو کبھی بھولنا نہ چاہئے کہ قرآن اور سنت سے اس کو الگ کر لیا جاوے ہمارے ضلع میں حافظ ہدایت علی صاحب ایک عہدہ دار تھے مجھے اکثر ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا ایک بار انہوں نے کہا کہ میں ان کتابوں کو جن میں مسیح اور مہدی کے آنے کا ذکر ہے دیکھ رہا تھا۔ ان میں ہزاروں نشانیاں قائم کر رکھی ہیں چونکہ یہ ساری نشانیاں تو پوری ہونے سے رہیں اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اس وقت جھگڑا ہی پڑے گا یہ لوگ اس وقت ماننے سے رہے جب تک وہ سارے نشان پورے نہ ہو لیں اور وہ نشان یک دفعہ پورے ہونے سے رہے حقیقت میں ان کی فراست صحیح نکلی اس وقت وہی ہوا انکار ہی کیا گیا۔

پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارات کا استعمال

اصل بات یہی ہے جس کو میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ پیشگوئیوں کا بہت بڑا حصہ مجازات اور استعارات کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ ظاہری رنگ میں بھی پورا ہو جاتا ہے یہی ہمیشہ سے قانون چلا آیا ہے اس سے تو ہم انکار نہیں کر سکتے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اگر ساری حدیثیں پوری ہوئی ہیں یعنی جو سُنیوں کی ہیں وہ بھی اور جو شیعوں کی ہیں وہ بھی بعلیٰ ہذا القیاس تمام فرقوں کی تو یقیناً یاد رکھو کہ پھر نہ کبھی مسیح ہی آئے گا اور نہ مہدی۔

دیکھو میری ضرورت سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی جب آپ تشریف لائے۔ اب بتاؤ کہ کیا اس وقت سب نے آپ کو تسلیم کر لیا؟ اور کیا وہ سارے نشانات جو توریت یا انجیل میں آپ کے لئے رکھے گئے تھے پورے ہو گئے تھے؟ خدا کے واسطے سوچو جواب دو۔ اگر وہ ساری روائتیں جو ان میں چلی آتی تھیں اور وہ ساری نشانیاں جو ان کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں، پوری ہو گئی تھیں پھر یہودیوں کو کیا ہو گیا تھا جو انہوں نے انکار کر دیا کبھی ساری نشانیاں پوری نہیں ہوتیں کیونکہ ایسی بہت سی ہوتی ہیں جو خود تجویز کر لی جاتی ہیں اور بہت سی ایسی ہوتی ہیں جو کچھ اور مطلب اور مفہوم رکھتی ہیں جب سب راستبازوں کے وقت ان کا انکار کیا گیا اور یہی عذر پیش کیا گیا کہ نشانات پورے نہیں ہوئے تو اس وقت اگر انکار کیا گیا تو اسی سنت پر انہوں نے قدم مارا ہے میں کسی کی زبان انکار تو بند نہیں کر سکتا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ وہ میرے عذرات کو سن کر جواب دیں یونہی باتیں بنانا تو طریق تقویٰ کے خلاف ہے۔

اِس سلسلہ کو منہاجِ نبوت پر آزمائیں

منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو آزمائیں اور پھر دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے خیالی اصولوں

اور تجویزوں سے کچھ نہیں بنتا اور نہ میں اپنی تصدیق خیالی باتوں سے کرتا ہوں میں اپنے دعویٰ کو منہاج نبوت کے معیار پر پیش کرتا ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ اسی اصول پر اس کی سچائی کی آزمائش نہ کی جاوے۔

جو دل کھول کر میری باتیں سنیں گے میں یقین رکھتا ہوں کہ فائدہ اٹھاویں گے اور مان لیں گے لیکن جو دل میں بخل اور کینہ رکھتے ہیں ان کو میری باتیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گی ان کی تو اُحول جیسی مثال ہے جو ایک کے دو دیکھتا ہے اس کو خواہ کسی قدر دلائل دیئے جائیں کہ دو نہیں ایک ہی ہے وہ تسلیم ہی نہیں کرے گا کہتے ہیں کہ ایک احول خدمت گار تھا آقا نے کہا کہ اندر سے آئینہ لے آؤ وہ گیا اور واپس آکر کہا کہ اندر تو دو آئینے پڑے ہیں کونسا لے آؤں آقا نے کہا کہ ایک ہی ہے دو نہیں اُحول نے کہا تو کیا میں جھوٹا ہوں؟ آقا نے کہا کہ اچھا ایک کو توڑ دے جب توڑا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ درحقیقت میری غلطی تھی مگر ان اُحولوں کا جو میرے مقابل ہیں کیا جواب دوں؟[1]

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بار بار اگر کچھ پیش کرتے ہیں تو احادیث کا ذخیرہ جس کو خود یہ ظن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھاتے۔ ان کو معلوم نہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ ان کے رطب و یابس امور پر لوگ ہنسی کریں گے۔

یہ ہر ایک طالب حق کا حق ہے کہ وہ ہم سے ہمارے دعویٰ کا ثبوت مانگے۔ اس کے لئے ہم وہی پیش کرتے ہیں جو نبیوں نے پیش کیا۔ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ، عقلی دلائل یعنی موجودہ ضرورتیں جو مصلح کے لئے مستدعی ہیں۔ پھر وہ نشانات جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے میں نے ایک نقشہ مرتب کر دیا ہے۔ اس میں ڈیڑھ سو کے قریب نشانات دیئے ہیں۔ جن کے گواہ ایک نوع سے کروڑوں انسان ہیں۔ بیہودہ باتیں پیش کرنا سعادتمند کا کام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا تھا کہ وہ حکم ہو کر آئے گا۔ اس کا فیصلہ منظور کرو۔ جن لوگوں کے دل میں شرارت ہوتی ہے۔ وہ چونکہ ماننا نہیں چاہتے ہیں اس لئے بیہودہ حجتیں اور اعتراض پیش کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ آخر خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میں افترا کرتا۔ تو وہ مجھے فی الفور ہلاک کر دیتا۔ مگر میرا سارا کاروبار اس کا اپنا کاروبار ہے۔ اور میں اسی کی طرف سے آیا ہوں۔ میری تکذیب اس کی تکذیب ہے۔ اس لئے وہ خود میری سچائی ظاہر کر دے گا۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۶ ص ۱ تا ۳۔ ۲۴ فروری ۱۹۰۳ء

پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنے کا نتیجہ

جو لوگ پیشگوئیوں کی حقیقت کو نہ سمجھ کر مجاز اور استعارہ کو ظاہر پر حمل کرنا چاہتے ہیں آخر ان کو انکار کرنا پڑتا ہے جیسے یہودیوں کو یہی مصیبت پیش آئی اور اب عیسائیوں کو پیش آرہی ہے اور اس کی آمد ثانی کے متعلق اکثر یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ کلیسیا ہی سے مراد تھی سارے نشانات عام لوگوں کے خیال کے موافق کبھی پورے نہیں ہوا کرتے ہیں تو پھر انبیاء کے وقت اختلاف اور انکار کیوں ہو۔ یہودیوں سے پوچھو کہ کیا وہ یہ مانتے ہیں کہ مسیح کے آنے کے وقت سارے نشانات پورے ہو چکے تھے؟ نہیں یاد رکھو قانون قدرت اور سنت اللہ اس معاملہ میں یہی ہے جو میں پیش کرتا ہوں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب : ۶۳)

انسانی خیالات انسانی تاویلات اور قیاسات بالکل صحیح اور قطعی اور یقینی نہیں ہوسکتے ان میں غلطی کا احتمال ہے ایک امر کے واقع ہونے سے پہلے جو رائے قائم کی جائے۔ اس پر قطعیت کا حکم نہیں لگا سکتے۔ لیکن جب وقت آتا ہے تو سارے پردے کھل جاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ آنے والے کا نام حَکَم رکھا گیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس وقت اختلاف عام ہوگا تب ہی تو اس کا نام حَکَم رکھا گیا پس سچی بات وہی ہو سکتی ہے جو حَکَم کے منہ سے نکلے۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ وہ قرآن کی طرف توجہ کرے گا کیونکہ حدیث کو تو لوگوں کا ہاتھ لگا ہوا ہے مگر قرآن شریف خدا تعالیٰ کا لا تبدیل کلام ہے جس پر کسی انسانی ہاتھ نے کوئی کام نہیں کیا اب خدا تعالیٰ کا کلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جو پہلا اور ابدی معجزہ تھا اس کو پیش کیا جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں اقوال پیش کئے جاتے ہیں کیا یہ تعجب اور افسوس کی بات نہیں؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ خدا کے فضل سے سمجھدار اور فہیم معلوم ہوتے ہیں کیا حدیث کا وہ مرتبہ ہو سکتا ہے جو قرآن شریف کا ہے؟ اگر حدیث کا وہی مرتبہ ہے جو قرآن شریف کا ہے تو پھر نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ آپؐ نے اپنا فرض ادا نہ کیا کیونکہ قرآن شریف کا اہتمام تو آپ نے کیا مگر حدیث کا کوئی اہتمام نہ ہوا اور نہ آپ نے اپنے سامنے کبھی حدیث کو لکھوایا۔ کیا کوئی مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار ہو سکتا ہے جو کہے کہ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض رسالت ادا نہیں کیا یہ مسلمان کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ بڑے بے دین اور ملحد کا کام ہوگا پھر سوچ کر دیکھو کہ کیا حدیث کو آپ نے اپنے سامنے مرتب کروایا یا قرآن شریف کو؟ صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف ہی کو آپ نے اپنے بعد چھوڑا کیونکہ تعلیم قرآن ہی تھا ہاں یہ سچ ہے کہ آپ

نے اپنی سنت کو بھی قرآن کے ساتھ رکھا اور اصل یہی ہے کہ نبی دو ہی باتیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سنت۔ حدیث ان دونوں سے الگ شیئے ہے اور یہ دونو حدیث کی محتاج نہیں ہیں ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی حدیث پر بھی عمل کرلینا چاہیئے خواہ وہ محدثین کے نزدیک موضوع ہی ہو۔ اگر قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ ہم تو یہاں تک حدیث کی عزت کرتے ہیں لیکن اس کو قرآن پر قاضی اور حَکَم نہیں بنا سکتے۔ آپؐ نے نہیں فرمایا کہ میں تم میں حدیث چھوڑتا ہوں بلکہ فرمایا کتاب اللہ چھوڑتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ انہوں نے نہیں کہا کہ حدیث کافی ہے؟

کتاب اللہ کا فیصلہ

اب کتاب اللہ کو کھول کر دیکھ لو وہ فیصلہ کرتی ہے پہلی ہی سورۃ کو پڑھو جو سورۃ فاتحہ ہے جس کے بغیر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو اس میں کیا تعلیم دی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ : ۶،۷) اب صاف ظاہر ہے کہ اس دعا میں مغضوب اور ضالین کی راہ سے بچنے کی دعا ہے مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور ضالین سے عیسائی۔ اگر اس امت میں یہ فتنہ اور فساد پیدا نہ ہونے والا تھا۔ تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو الدَّجَّال کا تھا مگر یہ نہیں کہا وَلَا الدَّجَّال کیا خدا تعالیٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟ اصل یہ ہے کہ یہ دعا بڑی پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے۔ ایک وقت امت پر ایسا آنیوالا تھا کہ یہودیت کا رنگ اس میں آجاوے گا۔ اور یہودی وہ قوم تھی جس نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا پس یہاں جو فرمایا کہ یہودیوں سے بچنے کی دعا کرو اس کا یہی مطلب ہے کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا اور ضالین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دعا جو تعلیم کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا دجال کا فتنہ اس سے الگ نہ ہوگا ورنہ اگر الگ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی نام لیا جاتا اب سارے گرجوں میں جا کر دیکھو کہ کیا یہ فتنہ خطرناک ہے یا نہیں؟ اسی طرح قرآن شریف کو غور سے پڑھو اور سوچو کہ کیا اس نے یہ وعدہ نہیں کیا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰)

اور پھر آیت استخلاف میں ایک خاتم الخلفاء کا وعدہ دیا گیا ان سب امور کو یکجائی نظر سے اس طرح پر دیکھو!

اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف نے توریت کی پیشگوئی کے موافق مثیل

موسیٰ تسلیم کیا ہے اس مماثلت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جس طرح پر موسوی خلفاء کا سلسلہ قائم ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک سلسلہ خلافت قائم ہو۔ اگر اور کوئی بھی دلیل اس کے لئے نہ ہو تب بھی یہ مماثلت بالطبع یہ چاہتی ہے کہ ایک سلسلہ خلفاء کا ہو۔

دوم۔ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ایک سلسلہ خلافت قائم کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس سلسلہ کو پہلے سلسلہ خلافت کے ہمرنگ قرار دیا جیسا کہ فرمایا كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور : ۵۶) اب اس وعدہ استخلاف کے موافق اور اس مماثلت کے لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ جیسے موسوی سلسلہ خلافت کا خاتم الخلفاء مسیح تھا ضرور ہے کہ سلسلہ محمدیہ کے خلفاء کا خاتم بھی ایک مسیح ہی ہو۔

سوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔

چہارم۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد تجدید دین کے لئے بھیجا جاتا ہے اب اس صدی کا مجدد ہونا ضروری تھا اور مجدد کا جو کام ہوتا ہے وہ اصلاح فسادات موجودہ ہوتا ہے پس جو فساد اور فتنہ اس وقت سب سے بڑھ کر ہے وہ عیسائی فتنہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس صدی کا جو مجدد ہو وہ کاسر الصلیب ہو۔ جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہے۔

پنجم۔ موسوی خلافت کی مماثلت کے لحاظ سے بھی خاتم الخلفاء سلسلہ محمدیہ کا چودھویں ہی صدی میں ہونا ضروری ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں مسیح علیہ السلام آئے تھے۔

ششم۔ جو علامات مسیح موعود کی مقرر تھیں ان میں سی بہت سی پوری ہو چکیں جیسے کسوف و خسوف کا رمضان میں ہونا جو دو مرتبہ ہو چکا۔ حج کا بند ہونا۔ ذوالسنین ستارہ کا نکلنا۔ طاعون کا پھوٹنا۔ ریلوں کا اجرا۔ اونٹوں کا بیکار ہونا وغیرہ۔

ہفتم۔ سورہ فاتحہ کی دعا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنے والا اسی امت میں سے ہوگا غرض ایک دو نہیں۔ صدہا دلائل اس امر پر ہیں کہ آنے والا اسی امت میں سے آنا چاہئے اور اس کا یہی وقت ہے اب خدا تعالیٰ کے الہام اور وحی سے میں کہتا ہوں وہ جو آنے والا تھا وہ میں ہوں۔ قدیم سے خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت پر جو طریق ثبوت کا رکھا ہوا ہے وہ مجھ سے جس کا جی چاہے لے لے۔

نشاناتِ صداقت

جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے ہیں ان کو دیکھ لو۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب ان

مخالفوں کی حالت پر نظر کرتا ہوں کہ جن امور کو بطور نشان پیش کیا کرتے تھے اب وہ جب پورے ہو گئے تو ان کی صحت پر اعتراض کرنے لگے مثلاً کسوف خسوف والی پیشگوئی کو اب کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں مگر ان سے پوچھے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے صحیح ثابت کر دیا۔ کیا اب وہ ان کے کہنے سے جھوٹی ہو جائے گی؟ افسوس تو یہ ہے کہ اتنا کہتے ہوئے ان کو شرم نہیں آتی کہ اس سے ہم مسیح موعود کی تکذیب نہیں کرتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں میری تصدیق اور تائید کے لئے ایک کسوف خسوف ہی نہیں ہزارہا دلائل اور شواہد ہیں اور اگر ایک نہ بھی ہو تو کچھ بگڑتا نہیں۔ مگر اس سے تو یہ پایا جائے گا کہ یہ پیشگوئی غلط ہوئی۔ افسوس یہ لوگ میری مخالفت میں سید الصادقین کی پیشگوئی کو باطل کرنا چاہتے ہیں ہم اس پیشگوئی کو بڑے زور سے پیش کرتے ہیں یہ ہمارے آقا کی صداقت کا نشان ہے۔

پس حدیث جس کو تم ظن کی سیاہی سے لکھتے تھے واقعہ نے اس کی صداقت کو یقین تک پہنچا دیا اب اس سے انکار کرنا بے ایمانی اور لعنت ہے۔ موضوع احادیث میں کیا محدثین یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے چور پکڑ لیا ہے نہیں بلکہ یہی کہیں گے کہ کسی کا حافظہ درست نہیں یا راست باز ہونے میں کلام ہے مگر محدثین نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ایک حدیث اگر ضعیف بھی ہو مگر اس کی پیشگوئی پوری ہو جاوے تو وہ صحیح ہوتی ہے پھر اس معیار پر کیونکر کوئی یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

پس یاد رکھو کہ آنے والا یا تو نصوص صریحہ سے پرکھا جاتا ہے' وہ اس کی تائید کرتی ہیں اور پھر عقل چونکہ بدوں نظیر نہیں مان سکتی عقلی نظائر اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی تائیدیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اگر کسی کو کوئی شک و شبہ ہو تو وہ میرے سامنے آئے اور ان طریقوں سے جو منہاج نبوت پر ہیں میری سچائی کا ثبوت مجھ سے لے۔ میں اگر جھوٹا ہوں تو بھاگ جاؤں گا۔ مگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انیس برس پہلے مجھے کہا

يَنْصُرُكَ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ

پس جس طرح نبیوں یا رسولوں کو پرکھا گیا' مجھے پرکھ لو اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس معیار پر مجھے صادق پاؤ گے۔ یہ باتیں میں نے مختصر طور پر کہی ہیں ان پر غور کرو اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو وہ قادر ہے کوئی راہ کھول دے گا اس کی تائید اور نصرت صادق ہی کو ملتی ہے۔ فقط[1]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء

نواب محمد علی خان صاحب کے ایک سوال کے جواب میں تقریر

جب حضرت صاحبزادہ بشیر احمد۔ شریف احمد اور مبارکہ بیگم کی آمین ہوئی اس وقت جیسا کہ حضرت حجتہ اللہ کا معمول ہے کہ خدا تعالیٰ کے انعام و عطایا پر شکریہ کے طور پر صدقات دیتے ہیں آپ نے شکریہ کے طور پر ایک دعوت دی اس پر حضرت نواب صاحب قبلہ نے ایک سوال کیا کہ حضور یہ جو آمین ہوئی ہے یہ کوئی رسم ہے یا کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت حجتہ اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا وہ ہم یہاں درج کرتے ہیں[1] (ایڈیٹر الحکم)

شُبہ کا ازالہ کروانا صفائیٔ قلب کا نشان ہے

فرمایا جو امر یہاں پیدا ہوتا ہے اس پر اگر غور کیا جاوے اور نیک نیتی اور تقویٰ کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر سوچا جاوے تو اس سے ایک علم پیدا ہوتا ہے۔ میں اس کو آپ کی صفائی قلب اور نیک نیتی کا نشان سمجھتا ہوں کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھ لیتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو نکالتے نہیں اور پوچھتے نہیں جس سے وہ اندر ہی نشو ونما پاتا رہتا ہے اور پھر اپنے شکوک وشبہات کے انڈے بچے دے دیتا ہے اور روح کو تباہ کر دیتا ہے ایسی کمزوری نفاق تک پہنچا دیتی ہے کہ جب کوئی امر سمجھ میں نہ آوے تو اسے پوچھا نہ جاوے اور خود ہی ایک رائے قائم کر لی جاوے۔ میں اس کو داخل ادب نہیں کرتا کہ انسان اپنی روح کو ہلاک کر لے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر سوال کرنا مناسب نہیں اس سے منع فرمایا گیا ہے لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ (المائدہ : ۱۰۲) اور ایسا ہی اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ آدمی جاسوسی کر کے دوسروں کی برائیاں نکالتا رہے یہ دونو طریق برے ہیں لیکن اگر کوئی امر اہم دل میں کھٹکے تو اسے ضرور پیش کر کے پوچھ لینا چاہئے یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص خراب غذا کھا لے اور وہ پیٹ میں جا کر خرابی پیدا کرے اور اس سے جی متلانے لگے تو چاہئے کہ فوراً قے کر کے اس کو نکال دیا جائے لیکن اگر وہ اس کو نکالتا نہیں تو پھر وہ آلات ہضم میں فتور پیدا کر کے صحت کو بگاڑ دے گی جیسے ایسی غذا کو فوراً نکالنا چاہئے اسی طرح جو بات دل میں کھٹکے اسے جلد باہر نکال دو۔

غرض میں اس کو آپ کی سعادت کی نشانی سمجھتا ہوں کہ آپ جو بات سمجھ میں نہ آوے اسے

---

[1] یہ مبارک تقریب نومبر ۱۹۰۱ء میں ہوئی تھی۔

پوچھ لیتے ہیں اور اس کو اعتراض بن جانے کا موقع نہیں دیتے۔

بخاری کی پہلی حدیث یہ ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال نیت ہی پر منحصر ہیں صحت نیت کے ساتھ کوئی جرم بھی جرم نہیں رہتا۔ قانون کو دیکھو اس میں بھی نیت کو ضروری سمجھا ہے۔ مثلاً ایک باپ اگر اپنے بچے کو تنبیہہ کرتا ہو کہ تو مدرسہ جا کر پڑھ اور اتفاق سے کسی ایسی جگہ چوٹ لگ جاوے کہ بچہ مرجاوے تو دیکھا جاوے گا کہ یہ قتل عمد مستلزم سزا نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کی نیت بچے کو قتل کرنے کی نہ تھی تو ہر ایک کام میں نیت پر بہت بڑا انحصار ہے اسلام میں یہ مسئلہ بہت سے امور کو حل کر دیتا ہے۔

پس اگر نیک نیتی کے ساتھ محض خدا کے لئے کوئی کام کیا جاوے اور دنیا داروں کی نظر میں وہ کچھ ہی ہو تو اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔

تحدیثِ نعمت کے آداب

یاد رکھو کہ انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں دعا کا طالب رہے اور دوسرے اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ : ۱۲) پر عمل کرے۔ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی تحدیث کرنی چاہئے اس سے خدا تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کیلئے جوش پیدا ہوتا ہے تحدیث کے یہی معنے نہیں ہیں کہ انسان صرف زبان سے ذکر کرتا رہے بلکہ جسم پر بھی اس کا اثر ہونا چاہئے مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ وہ عمدہ کپڑے پہن سکتا ہے لیکن وہ ہمیشہ میلے کچیلے کپڑے پہنتا ہے اس خیال سے کہ وہ واجب الرحم سمجھا جاوے یا اس کی آسودہ حالی کا حال کسی پر ظاہر نہ ہو ایسا شخص گناہ کرتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم کو چھپانا چاہتا ہے اور نفاق سے کام لیتا ہے دھوکہ دیتا ہے اور مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے یہ مومن کی شان سے بعید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب مشترک تھا۔ آپ کو جو ملتا تھا پہن لیتے اعراض نہ کرتے تھے جو کپڑا پیش کیا جاوے اسے قبول کر لیتے تھے لیکن آپ کے بعد بعض لوگوں نے اسی میں تواضع دیکھی کہ رہبانیت کی جزو ملا دی۔ بعض درویشوں کو دیکھا گیا ہے کہ گوشت میں خاک ڈال کر کھاتے تھے۔ ایک درویش کے پاس کوئی شخص گیا اس نے کہا کہ اس کو کھانا کھلا دو اس شخص نے اصرار کیا کہ میں تو آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا آخر جب وہ اس درویش کے ساتھ کھانے بیٹھا تو اس کے لئے نیم کے گولے تیار کر کے آگے رکھے گئے اس قسم کے امور بعض لوگ اختیار کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اپنے باکمال ہونے کا یقین دلائیں مگر اسلام ایسی باتوں کو کمال میں داخل نہیں کرتا اسلام کا کمال تو تقویٰ ہے جس سے ولایت

ملتی ہے جس سے فرشتے کلام کرتے ہیں خدا تعالیٰ بشارتیں دیتا ہے ہم اس قسم کی تعلیم نہیں دیتے کیونکہ اسلام کی تعلیم کے منشا کے خلاف ہے قرآن شریف تو كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ (المومنون : ۵۲) کی تعلیم دے اور یہ لوگ طیب عمدہ چیز میں خاک ڈال کر غیر طیب بنا دیں۔ اس قسم کے مذاہب اسلام کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے ہیں یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافہ کرتے ہیں ان کو اسلام سے اور قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ خود اپنی شریعت الگ قائم کرتے ہیں۔ میں اس کو سخت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوہ حسنہ ہیں ہماری بھلائی اور خوبی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو' آپ کے نقش قدم پر چلیں اور اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

عورتوں سے حسن معاشرت

اسی طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہک گئے ہیں قرآن شریف میں لکھا ہے عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء : ۲۰) مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے

دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے دین کا کوئی اثر ہی ان پر نہیں ہوتا اور وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی ہیں اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا اور کنیزکوں اور بہائم سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں غرض بہت ہی بری طرح سلوک کرتے ہیں یہاں تک کہ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اتار دی دوسری پہن لی۔ یہ بڑی ہی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں آپ کی زندگی میں دیکھو کہ آپ عورتوں سے کیسی معاشرت کرتے تھے میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے آنحضرت اللہ صلی علیہ وسلم کی پاک زندگی کو مطالعہ کرو تا تمہیں معلوم ہو کہ آپؐ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپ بڑے بارعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپ کو کھڑا کرتی تو آپ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے آپ سودے خود خرید لایا کرتے تھے ایک بار آپؐ نے کچھ خریدا تھا ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور مجھے دے دیں آپ

نے فرمایا کہ جس کی چیز ہو اس کو ہی اٹھانی چاہئے اس سے یہ نہیں نکالنا چاہئے کہ آپ لکڑیوں کا گٹھا بھی اٹھا کرلایا کرتے تھے غرض ان واقعات سے یہ ہے کہ آپ کی سادگی اور اعلیٰ درجہ کی بے تکلفی کا پتہ لگتا ہے آپؐ پا پیادہ ہی چلا کرتے تھے اس وقت یہ کوئی تمیز نہ ہوتی تھی کہ کوئی آگے ہے یا پیچھے۔ جیسا کہ آج کے وضعدار لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ کوئی آگے نہ ہونے پائے یہاں تک سادگی تھی کہ بعض اوقات لوگ تمیز نہیں کرسکتے تھے کہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی داڑھی سفید تھی لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کوئی خادمانہ کام کیا اور اس طرح پر سمجھا دیا کہ آپ پیغمبر ہیں تب معلوم ہوا[1]

• بعض وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑے بھی ہیں ایک مرتبہ آپ آگے نکل گئے اور دوسری مرتبہ خود نرم ہو گئے تا کہ حضرت عائشہ آگے نکل جائیں اور وہ آگے نکل گئیں اسی طرح پر یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بار کچھ حبشی آئے جو تماشہ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا تماشہ دکھایا اور پھر عمر حضرت رضی اللہ عنہ جب آئے تو وہ حبشی ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔

غرض جب انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو غور سے مطالعہ کرتا ہے تو اسے بہت کچھ پتہ ملتا ہے۔ لیکن بعض احمق کور باطن ایسے بھی ہیں جو آپ کی زندگی پر تدبر تو کرتے نہیں اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولتے ہیں یہ حال عیسائیوں اور آریوں کا ہے۔

---

[1] از ایڈیٹر: حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی بعینہ اس قسم کی ہے۔ آپ سیر کو نکلتے ہیں تو کوئی تمیز نہیں ہوتی کہ کوئی آگے نہ بڑھے بلکہ بسا اوقات جلیل القدر اصحاب کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ خاک اڑتی ہے اور حضرت اقدس پیچھے ہیں مگر حضرت حجۃ اللہ نے کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں فرمایا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیچھے سے لوگ چلے آتے ہیں اور اعلیٰ حضرتؑ کو ٹھوکر لگ گئی ہے یا جوتی نکل گئی ہے یا چھڑی گر گئی ہے مگر کبھی کسی نے نہیں دیکھا یا سنا ہوگا کہ آپ نے کوئی ملال ظاہر کیا ہو یا کسی خاص وضع کو پسند کیا ہو۔ مسجد میں بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صحابہ کے زمو میں بیٹھے ہیں اور کوئی اجنبی آیا ہے تو اس نے بڑھ کر مولانا عبدالکریم صاحب یا حضرت حکیم الامت سے اول مصافحہ کیا اور حضرت صاحب آپ کو سمجھا تو ان بزرگوں نے زبان سے بتایا کہ حضرت صاحب یہ ہیں غرض شان محمدی کا سارا نمونہ آپ میں نظر آتا ہے جس کو شک ہو وہ یہاں آکر اور رہ کر دیکھ لے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۳ صفحہ ۲)

سُنّت اور بدعت میں فرق

غرض اس وقت لوگوں نے سنت اور بدعت میں سخت غلطی کھائی ہوئی ہے اور ان کو ایک خطرناک دھوکہ لگا ہوا ہے وہ سنت اور بدعت میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر خود اپنی مرضی کے موافق بہت سی راہیں خود ایجاد کر لی ہیں اور ان کو اپنی زندگی کے لئے کافی راہنما سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ان کو گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں جب آدمی سنت اور بدعت میں تمیز کر لے اور سنت پر قدم مارے تو وہ خطرات سے بچ سکتا ہے لیکن جو فرق نہیں کرتا اور سنت کو بدعت کے ساتھ ملاتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے وہ بالکل واضح اور بین ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کر کے دکھا دیا ہے آپؐ کی زندگی کامل نمونہ ہے لیکن باوجود اس کے ایک حصہ اجتہاد کا بھی ہے جہاں انسان واضح طور پر قرآن شریف یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کوئی بات نہ پا سکے تو اس کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے مثلاً شادیوں میں جو بھاجی دی جاتی ہے اگر اس کی غرض صرف یہی ہے کہ تا دوسروں پر اپنی شیخی اور بڑائی کا اظہار کیا جاوے تو یہ ریا کاری اور تکبر کے لئے ہو گی اس لئے حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص محض اسی نیت سے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا عملی اظہار کرے اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ پر عمل کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے سلوک کرنے کے لئے دے تو یہ حرام نہیں۔ پس جب کوئی شخص اس نیت سے تقریب پیدا کرتا ہے اور اس میں معاوضہ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا غرض ہوتی ہے تو پھر وہ ایک سو نہیں خواہ ایک لاکھ کو کھانا دے منع نہیں۔ اصل مدعا نیت پر ہے نیت اگر خراب اور فاسد ہو تو ایک جائز اور حلال فعل کو بھی حرام بنا دیتی ہے ایک قصہ مشہور ہے۔

ایک بزرگ نے دعوت کی اور اس نے چالیس چراغ روشن کئے بعض آدمیوں نے کہا کہ اسقدر اسراف نہیں کرنا چاہئے اس نے کہا کہ جو چراغ میں نے ریا کاری سے روشن کیا ہے اسے بجھا دو کوشش کی گئی ایک بھی نہ بجھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل ہوتا ہے اور دو آدمی اس کو کرتے ہیں ایک اس فعل کو کرنے میں مرتکبِ معاصی کا ہوتا ہے اور دوسرا ثواب کا۔ اور یہ فرق نیتوں کے اختلاف سے پیدا ہو جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک شخص مسلمانوں کی طرف سے نکلا جو اکڑ اکڑ کر چلتا تھا اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا کہ یہ وضع خدا تعالیٰ کی نگاہ میں معیوب ہے مگر

اس وقت محبوب ہے کیونکہ اس وقت اسلام کی شان اور شوکت کا اظہار اور فریق مخالف پر ایک رعب پیدا ہوتا ہے پس ایسی بہت سی مثالیں اور نظیریں ملیں گی جن سے آخر کار جا کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بالکل صحیح ہے۔

اسی طرح پر میں ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ کوئی راہ ایسی نکلے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اظہار ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان پیدا ہو۔ ایسا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے اور نیکیوں کے قریب کرتا ہے۔

آمین کی تقریب

میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لا انتہا فضل اور انعام ہیں ان کی تحدیث مجھ پر فرض ہے پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا اس تقریب پر میں چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکریہ بھی ہو لکھ دوں میں جیسا کہ ابھی کہا ہے کہ اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک سمجھا اور میں نے مناسب جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کر دوں[1]

ہر کام میں نیت تقویٰ کی ہونی چاہیئے

پس یہ میری نیت اور غرض تھی۔ چنانچہ جب میں نے اس کو شروع کیا اور یہ مصرعہ لکھا ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

تو دوسرا مصرعہ الہام ہوا ؎

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہوا ہے قرآن شریف تقویٰ ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علت غائی ہے اگر انسان تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہو سکتی ہیں چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے سعدی کہتا ہے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ ص ۱-۲ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

ریاء الناس کے لئے خواہ کوئی کام بھی کیا جاوے اور اس میں کتنی ہی نیکی ہو وہ بالکل بے سود اور الٹا عذاب کا موجب ہو جاتا ہے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے فقراء خدا تعالیٰ کے لئے عبادت کرنا ظاہر کرتے ہیں مگر دراصل وہ خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخلوق کے واسطے کرتے ہیں انہوں نے عجیب عجیب حالات ان لوگوں کے لکھے ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ عزت میں فرق آئے گا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر میلے رکھیں گے تو عزت میں فرق آئے گا اس لئے امراء میں داخل ہونے کے واسطے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنیں مگر اُن کو رنگ لیتے ہیں ایسا ہی اپنی عبادتوں کو ظاہر کرنے کے لئے عجیب عجیب راہیں اختیار کرتے ہیں مثلاً روزہ کے ظاہر کرنے کے واسطے وہ کسی کے ہاں کھانے کے وقت پر پہنچتے ہیں اور وہ کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کھایئے میں نہیں کھاؤں گا مجھے کچھ عذر ہے اس فقرہ کے یہ معنے ہوتے ہیں مجھے روزہ ہے اس طرح پر حالات ان کے لکھے ہیں پس دنیا کی خاطر اور اپنی عزت اور شہرت کے لئے کوئی کام کرنا خدا تعالیٰ کی رضامندی کا موجب نہیں ہو سکتا اس زمانہ میں بھی دنیا کی ایسی ہی حالت ہو رہی ہے ہر ایک چیز اپنے اعتدال سے گر گئی ہے عبادات اور صدقات سب کچھ ریاکاری کے واسطے ہو رہے ہیں اعمال صالحہ کی جگہ چند رسوم نے لے لی ہے اس لئے رسوم کے توڑنے سے یہی غرض ہوتی ہے کہ کوئی فعل یا قول قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف اگر ہو تو اسے توڑا جائے۔ جبکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور ہمارے سب اقوال اور افعال اللہ تعالیٰ کے نیچے ہونے ضروری ہیں پھر ہم دنیا کی پروا کیوں کریں؟ جو فعل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اس کو دور کر دیا جاوے اور چھوڑا جاوے جو حدود الٰہی اور وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں ان پر عمل کیا جاوے کہ احیاء سنت اسی کا نام ہے اور جو امور وصایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہ ہوں یا اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں اور نہ ان میں ریاکاری مدنظر ہو بلکہ بطور اظہار شکر اور تحدیث بالنعمۃ ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں۔ ہمارے علماء سابقہ تو یہاں تک بعض اوقات مبالغہ کرتے ہیں کہ میں نے سنا ایک مولوی نے ریل کی سواری کے خلاف فتویٰ دیا اور ڈاکخانہ میں خط ڈالنا بھی وہ گناہ بتاتا تھا اب یہاں تک جن لوگوں کے حالات پہنچ جاویں ان کے پاگل ہونے یا نیم پاگل ہونے میں کیا شک باقی رہا؟ یہ حماقت ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ میرا فلاں فعل اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کے موافق ہے یا خلاف ہے

اور جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ کوئی بدعت تو نہیں اور اس سے شرک تو لازم نہیں آتا اگر ان امور میں سے کوئی بات نہ ہو اور فساد ایمان پیدا نہ ہو تو پھر اس کے کرنے میں کوئی ہرج نہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا لحاظ رکھ لے۔ میں نے بعض مولویوں کی نسبت ایسا بھی سنا ہے کہ صرف و نحو وغیرہ علوم کے پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ علوم نہ تھے پیچھے سے نکلے ہیں اور ایسا ہی بعض نے توپ یا بندوق کے ساتھ لڑنا بھی گناہ قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے احمق ہونے میں شک کرنا بھی غلطی ہے قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ جیسی تیاری وہ کریں تم بھی ویسی ہی تیاری کرو یہ مسائل دراصل اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں نیت کا بہت بڑا دخل ہے غرض ہمارا یہ فعل اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ محض اس کی شکر گزاری کے اظہار کے لئے ہے۔

ہمیشہ حُسنِ ظن سے کام لینا چاہیئے

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں کوئی کام ہوتا ہے اور جو لوگ حسن ظنی سے کام نہیں لیتے یا اسرار شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں بعض وقت ان کو ابتلا آجاتا ہے اور وہ کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں کبھی ایسا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کہانیاں سنا رہے ہیں اس وقت اگر کوئی نادان اور نااہل آپ کو دیکھے اور آپ کے اغراض کو مد نظر نہ رکھے تو اس نے ٹھوکر ہی کھانی ہے۔ یا ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور دوسری بیوی نے آپ کے لئے شوربہ کا پیالہ بھیجا تو حضرت عائشہؓ نے اس پیالہ کو گرا کر پھوڑ دیا۔ اب ایک ناواقف حضرت عائشہ کے اس فعل پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے افعال پر نظر نہیں کرتا ایسے امور پیش آتے ہیں جو دوسرے علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اعتراض سے پہلے انسان کو چاہئے کہ حسن ظن سے کام لے اور چند روز تک صبر سے دیکھے پھر خود بخود حقیقت کھل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت مہمان آئی اور ان دنوں میں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ چند بیبیوں سے نماز ساقط ہوگئی تھی اس نے کہا کہ یہاں کیا آنا ہے کوئی نماز ہی نہیں پڑھتا حالانکہ وہ معذور تھیں اور عنداللہ ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا مگر اس نے بغیر دریافت کئے اور سوچے ایسا کہہ دیا۔

حضرت اماں جان کا عظیم نمونہ

تزکیہ دل میں ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کچھ نہیں بنتا۔ حالانکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ جب پہلا بشیر پیدا ہوا تھا۔ اس کی شکل مبارک سے بہت ملتی

تھی- وہ بیمار ہوا اور شدت سے اس کو بخار چڑھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی حالت نازک ہو گئی- اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نماز پڑھ لوں- ابھی نماز ہی پڑھتے تھے کہ بچہ فوت ہو گیا- نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا حال ہے- میں نے کہا- کہ اس کا تو انتقال ہو گیا- اس وقت میں نے دیکھا کہ انہوں نے بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ : ۱۵۷) اسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں اٹھائے گا جب تک اس بچہ کا بدلہ نہ دے لے- چنانچہ اس کے فوت ہونے کے قریباً چالیس دن بعد محمود پیدا ہوا- اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ بچے پیدا ہوئے-

نماز کا مغز دُعا ہے

غرض ظنون فاسدہ والا انسان ناقص الخلقت ہوتا ہے چونکہ اس کے پاس صرف رسمی امور ہوتے ہیں اس لئے نہ اس کا دین درست ہوتا ہے نہ دنیا- ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نماز کے مطالب سے نا آشنا ہوتے ہیں اور ہرگز نہیں سمجھتے کہ کیا کر رہے ہیں نماز میں تو ٹھونگے مارتے ہیں لیکن نماز کے بعد دعا میں گھنٹہ گھنٹہ گذار دیتے ہیں تعجب کی بات ہے کہ نماز جو اصل دعا کے لئے ہے اور جس کا مغز ہی دعا ہے اس میں وہ کوئی دعا نہیں کرتے- نماز کے ارکان بجائے خود دعا کے لئے محرک ہوتے ہیں- حرکت میں برکت ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے کوئی مضمون نہیں سوجھتا جب ذرا اٹھ کر پھرنے لگتے ہیں تو مضمون سوجھ گیا اس طرح پر سب اعمال کا حال ہے اگر ان کی اصلیت کا لحاظ اور مغز کا خیال نہ ہو تو وہ ایک رسم اور عادت رہ جاتی ہے اسی طرح پر روزہ میں خدا کے واسطے نفس کو پاک رکھنا ضروری ہے لیکن اگر حقیقت نہ ہو تو پھر یہ رسم ہی رہ جاتی ہے-

خدا تعالیٰ کے فضلوں پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے

یقیناً یاد رکھو کہ جو خدا تعالیٰ کے فضل پر خوش نہیں ہوتا اور اس کا عملی اظہار نہیں کرتا وہ مخلص نہیں ہے میرے خیال میں اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے فضل پر سال بھر تک گاتا رہے تو وہ سال بھر ماتم کرنے والے سے اچھا ہے جو امور قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف ہوں یا ان میں شرک یا ریا ہو اور ان میں اپنی شیخی دکھائی جاوے وہ امور اثم میں داخل ہیں اور منع ہیں دف کے ساتھ شادی کا اعلان کرنا بھی اسی لئے ضروری ہے کہ آئندہ اگر جھگڑا ہو تو ایسا اعلان بطور گواہ ہو جاتا ہے ایسا ہی اگر کوئی شخص نسبت اور ناطہ پر شکر وغیرہ اس لئے تقسیم کرتا ہے کہ وہ ناطہ پکا ہو جائے تو گناہ نہیں- لیکن اگر یہ خیال نہ ہو بلکہ اس سے مقصد صرف اپنی شہرت اور شیخی ہو تو پھر یہ

جائز نہیں ہوتے۔ اسی طرح میرے نزدیک باجے کی بھی حلت ہے اس میں کوئی امر خلاف شرع نہیں دیکھتے بشرطیکہ نیت میں خلل نہ ہو۔ نکاحوں میں بعض وقت جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور وراثت کے مقدمات ہو جاتے ہیں جب اعلان ہو گیا ہوا ہوتا ہے تو ایسے مقدمات میں انفصال سہل اور آسان ہو جاتا ہے اگر نکاح گم و صم ہو گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی تو پھر وہ تعلقات بعض اوقات قانوناً ناجائز سمجھے جا کر اولاد محروم الارث قرار دے دی جاتی ہے ایسے امور صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہیں کیونکہ ان سے شرع کے قضایا فیصل ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں بعض وقت ان کے عقیقہ پر ہم نے دو دو ہزار آدمی کو دعوت دی ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہماری غرض اس سے یہی تھی کہ تا اس پیشگوئی کا جو ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے کی گئی تھی بخوبی اعلان ہو جاوے۔

بدظنی

بد ظنی سے حبطِ اعمال ہو جاتا ہے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھوں گا ایک بار وہ دریا پر گیا تو اس نے دیکھا ایک جوان عورت ہے اور ایک مرد بھی اس کے ساتھ ہے اور دونو بڑی خوشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں وہاں اس نے دعا کی کہ الٰہی میں اس شخص سے تو بہتر ہوں کیونکہ اس نے حیا چھوڑ دیا ہے اتنے میں کشتی آئی سات آدمی تھے وہ غرق ہو گئے وہ شخص جس کو اس نے شرابی سمجھا تھا دریا میں کود پڑا اور چھ کو بچا لایا اور ایک باقی رہا تو اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے ایسا گمان کیا تھا اب ایک باقی ہے اسے نکال لا اس وقت اس نے سمجھا کہ یہ تو مجھے ٹھوکر لگی۔ آخر اس سے اصل معاملہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں تیرے لئے خدا کا مامور ہوں یہ عورت میری والدہ ہے اور جس کو تو شراب کہتا ہے یہ اس دریا کا پانی ہے اور یہاں میں خدا تعالیٰ کے بٹھائے سے بیٹھا ہوں۔

غرض حسن ظن بڑی عمدہ چیز ہے اس کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام پر اس کا شکر کرنا کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا جب تک محض اس کی رضا ہی مطلوب ہو اور دنیا کی شیخی اور نمود غرض نہ ہو۔[1]

---

۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر میں)

فرمایا :-

"دل اللہ کے قابو میں ہیں جب تک وہ سمجھانے پر نہ آئے دل کب کھلتا ہے اور کان کب

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء

سنتے ہیں"

"منجملہ اسلام کی بہتری کے نشانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑے آدمی دیندار ہو جائیں اور یہ وقت پر مقدر ہے"

ریلوے مسیح موعود کی نشانی ہے

فرمایا :-

حقیقت میں یہ ریلوے مسیح موعود کا ایک نشان ہے قرآن شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر : ۵)

فرمایا :-

دینداری تو تقویٰ کے ساتھ ہوتی ہے یہ لوگ اگر غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ میں ریل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر اس سے ریل مراد نہیں تو پھر ان کا فرض ہے کہ وہ حادثہ بتائیں کہ جس سے اونٹ ترک کئے جاویں گے پہلی کتابوں میں بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آمد و رفت سہل ہو جائے گی۔

اصل تو یہ ہے کہ اس قدر نشانات پورے ہو چکے ہیں کہ یہ لوگ اس میدان سے بھاگ ہی گئے ہیں جیسے کسوف خسوف رمضان میں کیا اس طریق پر نہیں ہوا جیسا کہ مہدی کی آیات کے لئے مقرر تھا؟ اسی طرح ابتدائے آفرینش سے ایسی سواری بھی نہیں نکلی ہے۔

فرمایا :-

علامات دلالت کرتی ہیں کہ مسیح موعود پیدا ہو گیا ہے اگر یہ لوگ ہم کو نہیں مانتے تو پھر کسی اور کی تلاش کریں اور بتائیں کہ کون ہے کیونکہ جو نشانات اس کے مقرر کئے تھے وہ تو سب کے سب پورے ہو گئے۔

ظہورِ مہدیؑ سے متعلق احادیث کا مرتبہ

محمد حسین اور صدیق حسن نے لکھا ہے کہ مہدی کی حدیثیں مجروح ہیں مہدی اور مسیح گویا ایک شعر کے دو مصرعے ہیں جب ایک مصرعہ ٹوٹ گیا تو پھر دوسرا وزن پورا کرنے کے لئے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ان کے لئے بڑی مشکلات ہیں عادت اللہ اسی طور پر جاری ہے کہ جب کوئی بات اس کی طرف سے پیدا ہوتی ہے تو لوگ اس کو تعجب انگیز ہی سمجھتے ہیں یہودی اپنے خیال میں انتظار ہی کرتے رہے اور آنے والا مسیح اور وہ نبی گذر بھی گئے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے

مخالفوں کے ہاتھ میں مسیحؑ کی وفات[1] کے متعلق کیا ہے جس سے ان کو پوری تسلی ملتی ہے۔"

سہ سالہ پیشگوئی سے مُراد

[ایک صاحب شاہ جہان پور سے آنے والے نے پوچھا کہ سہ سالہ پیشگوئی سے کیا مراد ہے؟]

فرمایا :-

ان تین سال کے اندر بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں وہ سب اسی کے ماتحت ہیں اور پھر یہ طاعون والی عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کے ذریعہ قریباً دس ہزار لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوئے اور ابھی اڑھائی مہینے باقی ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اور کوئی خاص عظیم الشان نشان بھی دکھادے جو ان سب سے بڑھ کر ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوتے رہے لیکن مخالف یہی کہتے رہے فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (الانبیاء : ۶)

یہ کتاب جو اَب لکھی جا رہی ہے ہر قسم کے معجزات کا مجموعہ ہے استجابت دعا کا نمونہ اس میں موجود ہے خوارق اور پیشگوئیوں کا یہ مجموعہ ہے کوئی غور کر کے دیکھے کہ کیا طاعون ہم نے خود بنا لیا ہے اور پھر اعجاز المسیح چھوٹا نشان ہے؟

"مَنَعَهُ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ" بھی اسی کے ساتھ ہے

نماز میں سُستی دُور کرنے کا علاج

[علی گڑھ کے ایک طالب علم نے اپنی حالت کا ذکر کیا کہ نماز میں سستی ہو جاتی ہے اور میرے ہم مجلسوں نے اس پر اعتراض کیا اور ان کے اعتراض نے مجھے بہت کچھ متاثر کیا ہے اس لئے حضور کوئی علاج اس سستی کا بتائیں]

فرمایا :-

جب تک خوف الٰہی دل پر طاری نہ ہو گناہ دور نہیں ہو سکتا اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں تک موقعہ ملے ملاقات کرتے رہو ہم تو اپنی جماعت کو قبر کے سر پر رکھنا چاہتے ہیں کہ قبر ہر وقت مدنظر ہو لیکن جو اس وقت نہیں سمجھے گا وہ آخر خدا تعالیٰ کے قہری نشان سے سمجھے گا۔

طاعون کا نشان۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آخری دنوں میں آسمان سے ایک وبا نازل کرے گا اور اس سے

---

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے "حیات" چاہئے۔(مرتب)

ہلاک کردے گا ان دنوں میں جب موت کا بازار گرم ہو اور خدا تعالیٰ کی گرفت کا سلسلہ شروع ہو جائے پھر توبہ کرے اور سمجھے کہ زندگی ناچیز ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ توبہ اور خدا تعالیٰ سے خوف اس وقت مفید ہوتا ہے جبکہ خدا کا عذاب نہ آگیا ہو خدا تعالیٰ سے دور تر وہ ہے جو آنکھ کا اندھا اور دل کا سخت ہو اگر طاعون نہ آتی تو بھی ایک دانشمند اور سعید الفطرت کے لئے یہ سبق کافی تھا کہ لوگوں کے باپ دادا مرگئے اور مرتے جاتے ہیں اور یہاں کوئی ہمیشہ رہ نہیں سکتا۔ لیکن اب تو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعہ مجھے اطلاع دی کہ اَلْاَمْرَاضُ تُشَاعُ وَالنُّفُوْسُ تُضَاعُ مرضیں پھیلیں گی اور جانیں جائیں گی اور ایسا ہی فرمایا غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا میں سخت غضب میں بھر گیا ہوں یاد رکھو کہ یہ ساری باتیں ہونے والی ہیں اور ان کے آثار تم دیکھتے ہو پس لازم ہے کہ انسان ایسی حالت بنائے رکھے کہ فرشتے بھی اس سے مصافحہ کریں ہماری بیعت سے تو یہ رنگ آنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی ہیبت اور جلال دل پر طاری رہے جس سے گناہ دور ہوں۔ اگر ان پیشگوئیوں پر کسی کو ایمان نہ ہو تو کم از کم اتنا ہی سمجھ لے کہ اب تو ڈاکٹروں کی شہادت سے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ خطرناک بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جبکہ ایسا خوفناک نمونہ پیدا ہو گیا ہے تو وہ شخص کیسا ہی بدنصیب ہے جو اس وقت بھی غفلت سے زندگی بسر کرتا ہے۔

اس بات پر تمام کتابوں کا اتفاق ہے اور سب لوگ مانتے ہیں کہ آخری دنوں میں طاعون آئے گی سارے نبی اس کی خبر دیتے آئے ہیں اور یہ جو لکھا ہے کہ آخری دنوں میں توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا' اس کے یہی معنے ہیں کہ جب موت نے آکر پکڑ لیا پھر کیا فائدہ توبہ سے ہو گا؟ پکڑا ہوا تو درندہ بھی عاجز ہوتا ہے خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور خدا کا خوف اور خشیت کی پابندیٔ نماز سے شناخت ہوتی ہے دیکھو انسان گورنمنٹ کے احکام کی کس قدر پابندی کرتا ہے پھر آسمانی گورنمنٹ کے احکام کی جس کو زمینی گورنمنٹ سے کوئی نسبت ہی نہیں کیوں قدر نہیں کرتا؟ یہ بڑا ہی خطرناک وقت ہے طاعون ایک عذاب الٰہی ہے اس سے ڈرو اور اچھا نمونہ دنیا کو دکھاؤ اگر کوئی شخص سلسلہ میں ہو کر برا نمونہ دکھاتا ہے تو اس سے سلسلہ پر کوئی اعتراض نہیں آتا کیونکہ سمندر میں تو ہر ایک چیز ہوتی ہے لیکن وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اسے شرمندہ ہونا پڑے گا اس واسطے بہت دعائیں کرنی چاہئیں تا کہ خدا تعالیٰ غفلت سے بیدار کرے۔ سستیوں اور غفلتوں سے گناہ آتے ہیں اور پھر خدا کے خوف کا نقشہ آنکھوں سے جاتا رہتا ہے پس وہی سعید سعادت کے دامن کے اندر ہے جو اس خطرناک وقت میں ٹھٹھے کرنے والوں کی مجلس میں نہ بیٹھے اور خدا سے تنہائی میں دعائیں کرے اور اس سے ڈرے کہ ایسا نہ ہو رات کو یا دن کے کسی حصہ میں اس کا عذاب آجائے۔

قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ایک مصلح کی ضرورت

[پھر اسی نوجوان نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ سوال بھی مجھ سے کیا کہ قرآن شریف تو محرف مبدل نہیں ہوا کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟]

فرمایا کہ :-

کیا خدا کی طرف سے کسی کے آنے کی ضرورت کا ایک یہی باعث ہے کہ قرآن شریف محرّف مبدّل ہو اور علاوہ بریں قرآن شریف کی معنوی تحریف تو کی جاتی ہے جبکہ اس میں لکھا ہے کہ مسیح مرگیا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور تحریف کیا ہوتی ہے؟ یہ لوگ تحریف تو کر رہے ہیں اور پھر مسلمانوں کی عملی حالت بہت ہی خراب ہو رہی ہے نیچریوں ہی کو دیکھو۔ انہوں نے کیا چھوڑا ہے بہشت دوزخ کے وہ قائل نہیں۔ وحی اور دعا اور معجزات کے وہ منکر ہیں انہوں نے یہودیوں کے بھی کان کاٹے یہاں تک کہ تثلیث میں بھی نجات مان لی۔ یہ حالت ہو چکی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ کسی آنے والے کی ضرورت نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ دنیا تو گناہ سے بھر گئی ہے مگر ان کی حالت ایسی مسخ ہوئی ہے کہ وہ محسوس ہی نہیں کرتے کہ کسی مصلح کی بھی ضرورت ہے مگر عنقریب وقت آتا ہے کے خدا تعالیٰ ان کو معلوم کرائے گا اور اس کے غضب کا ہاتھ اب نکلتا آتا ہے۔

زمانہ تو ایسا تھا کہ رو رو کر راتیں کاٹتے مگر ان کی شوخی سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی بدبخت ہیں۔

گناہ سے بچنے کا ذریعہ

گناہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف دل پر ہو اور جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنا خوف ڈال دیتا ہے محبت بھی ایک ذریعہ گناہ سے بچنے کا ہے مگر یہ بہت اعلیٰ مقام ہے مگر خوف ایک عام ذریعہ ہے جس سے جوان بھی ڈر جاتا ہے خصوصاً ان دنوں میں بلکہ بعض طبیبوں کا قول ہے کہ جوانوں کو بوڑھوں کی نسبت طاعون کا زیادہ خطرہ ہے کیونکہ خون میں زیادہ جوش ہوتا ہے پس یہ دن جن کو خدا کے قہر کے دن کہا جاتا ہے دراصل خدا تعالیٰ کے رحم کے دن ہیں کیونکہ انسان کو بیدار کرنے والے اور غفلت کی زندگی سے نکالنے والے ہیں چونکہ لوگ غفلت اور گناہ سے باز نہ آتے تھے خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کی چمکار دکھائی۔ یقیناً یاد رکھو کہ اب دن برے آتے جاتے ہیں جیسا کہ سب نبیوں نے خبر دی تھی خدا تعالیٰ نے اپنا پاک کلام مجھ پر یہی بھیجا کہ اب عقوبت کے دن آتے جاتے ہیں جو اس وقت دعا کرے گا اور زور لگائے گا کہ نمازوں میں اس کو رونا آئے اور

اس کا دل نرم ہو جائے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا جب شدت عذاب ہو اور اس وقت ڈرنے لگتا ہے تو پھر شریر اور حق شناس میں کیا فرق ہوا؟

غرض اس وقت کے تعلقات جو خدا تعالیٰ سے قائم کرو گے وہ کام آئیں گے کیا اچھا کہا ہے حافظ نے ۔

چو کارے عمر ناپید است بارے آں اولیٰ
کہ روزے واقعہ پیش نگارے خود باشیم

اور ایک یہ بھی علاج ہے گناہوں سے بچنے کا کہ کشتی نوح میں جو نصائح لکھی ہیں ان کو ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرو۔

دربارِ شام

حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب کی طبیعت کل ناساز تھی آج الحمدللہ اچھی تھی حضرت اقدس نے حال دریافت فرمایا اور پھر فرمایا کہ :۔

ہم نے جو تصرفات اللہ کے دیکھے ہیں اس سے تو بعض وقت دواؤں کا بھی خیال نہیں آتا بعض وقت ہم کو دوا سے شفا ہوئی اور بعض وقت محض دعا سے۔ میں نے دعا کی کہ بدون دوا کے شفا دے تو پھر اذن ہوا کہ ہم نے شفا دی اور شفا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ سنتا اور جواب دیتا ہے

اس خدا پر ایمان لانے سے کیا مزا جو قریب قریب بتوں کے ہو نہ سنتا ہو اور نہ جواب دے اس خدا پر ایمان لانے سے مزا آتا ہے جو قدرتوں والا خدا ہے جو ایسے خدا پر ایمان نہیں لاتا اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور تصرفات پر ایمان نہیں رکھتا اس کا خدا بت ہے۔ اصل میں خدا تو ایک ہی ہے مگر تجلیات الگ ہیں جو اس بات کا پابند ہے اس سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے اور جو متوکل ہے اس سے وہی۔

اگر خدا تعالیٰ ایسا ہی کمزور ہوتا تو پھر نبیوں سے بڑھ کر کوئی ناکام نہ ہوتا کیونکہ وہ اسباب پرست نہ تھے بلکہ خدا پرست اور متوکل تھے[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

۱۶ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (دربارِ شام)

ایک رؤیا

[بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے تو آپ نے بیٹھتے ہی اپنی ایک رؤیا سنائی کہ]

میں نے اپنے والد صاحب کو خواب میں دیکھا (دراصل ملائکہ کا تمثل تھا مگر آپ کی صورت میں) آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی ہے گویا مجھے مارنے کے لئے ہے میں نے کہا۔ کوئی اپنی اولاد کو بھی مارتا ہے؟ جب میں یہ کہتا ہوں تو ان کی آنکھیں پُر آب ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ تو میں یہی کہتا ہوں۔ آخر دو تین بار جب اسی طرح ہوا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

فرمایا :-

اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک الہام میں یوں بھی فرمایا ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ۔ اور یہ قرآن شریف کی ایک آیت کے موافق بھی ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ[1] (المائدۃ : ۱۹)

ختمِ نبوّت غیر اُمّتی نبی کے آنے کو مانع ہے

ختم نبوت بھی ایک عجیب سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ نبوت کو بھی قائم رکھتا ہے اور اسی کے استفادہ سے ایک سلسلہ جاری کرتا ہے یہ تو ایک علمی بات ہے مگر کجا یہ کہ اس سلسلہ کو الٹ پلٹ کر دوسرے نبی کو لایا جاوے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور ارادہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا نبی آوے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ شریعت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ خواہ شریعت نہ بھی رکھتا ہو تب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آپ کے سوا اور آپ کے استفادہ سے الگ ہو کر نہیں آسکتا۔ ساری براہین احمدیہ اس قسم کی باتوں سے بھری پڑی ہے اور بہت سے الہام اس کے ممد و معاون ہیں۔

علاوہ اس کے كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ (النور : ۵۶) میں جو استخلاف کا وعدہ ہے یہ بھی اسی امر پر صاف دلیل ہے کہ کوئی پرانا نبی اخیر تک نہ آوے ورنہ "كَمَا" باطل ہوتا ہے اللہ

---

[1] اس میں یہ اشارہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور حفاظت حضرت موعودؑ کے ساتھ دائمی اور مثل والد کے اولاد سے ہے (یہ تشریحی نوٹ ایڈیٹر کا اپنا معلوم ہوتا ہے۔ مرتب)

تعالیٰ نے کَمَا کے نیچے تو مثیل کو رکھا ہے عین کو نہیں رکھا پھر یہ کس قدر غلطی اور جرات ہے کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ایک بات اپنی طرف سے پیدا کرلی جائے اور ایک نیا اعتقاد بنا لیا جائے اور پھر کَمَا میں مدت کی بھی تعیین ہے کیونکہ مسیحؑ موسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی میں آیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ آنے والا محمدیؐ مسیح بھی چودھویں صدی میں آئے غرض یہ آیت ان تمام امور کو حل کرتی ہے۔ اگر کوئی سوچنے والا ہو۔

ابنِ مریم کے آنے سے مُراد

ابن مریم کا سوال بھی خدا تعالیٰ نے بڑی صفائی سے حل کیا ہوا ہے سورہ التحریم میں اس راز کو کھول دیا ہے کہ مومن مریم صفت ہوتا ہے اور پھر اس میں نفخ روح ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے اسی ترتیب سے پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس میں نفخ روح ہوا اب مریم کے حمل سے جیسے مسیح پیدا ہوا۔ جو اسی روح القدس کے نفخ کا نتیجہ تھا اسلئے یہاں خود مسیح بنادیا۔ براہین احمدیہ کو قرآن شریف کی اس آیت کے ساتھ جو سورۃ تحریم میں بیان ہوئی رکھ کر دیکھو اور پھر اس ترتیب پر غور کرو کہ جو براہین میں رکھی ہے کہ پہلے نام مریم رکھا پھر نفخ روح کیا اور پھر یَا عِیْسٰی کہہ کر پکارا اس آیت کی تفسیر کے لئے بھی دراصل یہی زمانہ تھا زمانہ بھی ایک قسم کی عقیم کی صورت پر ہوتا ہے۔

اور روح اللہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیح کا تبریہ منظور تھا کیونکہ بعض اولاد میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس واسطے روح اللہ کہہ کر اس الزام کو دور کیا غرض حضرت مریم کے متعلق جس قدر واقعات قرآن شریف میں ہیں وہی الہام یہاں بھی موجود ہیں یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا (مریم : ۲۴) دراصل جس قسم کی گھبراہٹ مریم کو تھی اسی قسم کا جوش اب بھی یہودیوں میں پیدا ہوا ہے اور ایسا ہی اَنّٰی لَکَ ھٰذَا بھی براہین میں درج ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلوی کی وفات کی خبر آنے پر الہام

مولوی نذیر حسین دہلوی کے مرنے کی خبر آئی تو زبان پر اس کے لئے جاری ہوا

مَاتَ ضَالٌّ مَاتَ آثِمًا[1]

---

[1] چنانچہ اس الہام سے اس کی وفات کی تاریخ بھی نکلتی ہے مَاتَ ضَالٌّ مَاتَ آثِمًا : ۱۳۲۰ھ

مسیح ناصری کے متعلق مروّجہ عقائد کا نتیجہ

[ایک شخص نبی بخش نام ساکن بٹالہ نے آپؑ کو لکھا کہ میں عیسائیوں سے بحث کرنے لگا ہوں حضور نے اس کو لکھا کہ]

تم عیسائیوں سے کیا مباحثہ کرو گے؟ ان کی ساری باتیں تو تم خود مانتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر سمجھتے ہو۔ غیب دان' مردوں کو زندہ کرنے والا کہتے ہو۔ اور پھر تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ صرف وہی مسِّ شیطان سے پاک ہے غرض اس قسم کے جب تمہارے عقائد ہیں تو پھر ان سے کیا بحث کرنی چاہتے ہو؟ اس سلسلہ کے بغیر اور کوئی صورت عیسائیوں سے مباحثہ کی نہیں رہی۔ ہمارے مخالفوں نے تو اقبالی ڈگری کرا لی ہوئی ہے اور ان کے تمام عقائد باطلہ کی تائید کی ہوئی ہے۔

مسیح علیہ السلام کے رُوْحٌ مِّنْہُ ہونے کی حقیقت

مسیح کو جو روح اللہ کہتے ہیں اور عیسائی اس پر ناز کرتے ہیں کہ یہ مسیح کی خصوصیت ہے یہ ان کی صریح غلطی ہے ان کو معلوم نہیں کہ قرآن شریف میں مسیح پر روح اللہ کیوں بولا گیا اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے مسیح ابن مریم پر خصوصیت کے ساتھ بہت بڑا احسان کیا ہے جو ان کا تبریہ کیا ہے بعض ناپاک فطرت یہودی حضرت مسیح کی ولادت پر بہت ہی ناپاک اور خطرناک الزام لگاتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ بعض ولد اس قسم کے ہوتے ہیں کہ شیطان ان کی پیدائش میں شریک ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کے دامن کو ان اعتراضوں سے پاک کرنے کے لئے اور اس اعتراض سے بچانے کے لئے جو ولد شیطان کا ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں رُوْحٌ مِّنْہُ (النساء : ۱۷۲) کہا۔ اس سے خدائی ثابت کرنا حماقت ہے کیوں کہ دوسری جگہ حضرت آدم کے لئے نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر : ۳۰) بھی تو آیا ہے۔ یہ صرف تبریہ کیا ہے جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں وہ ان سے بحث خاک کریں گے[1]

۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

(بعد از نماز مغرب)

[میاں احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ سے حسب الحکم حضرت اقدسؑ تشریف لائے

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۶، ۷ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

ان کے اتنی جلدی تشریف لانے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ]:-

ریل بھی ایک عجیب شئے ہے ایک خارق عادت طور پر انسان کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے۔

(ایک شخص نے اپنی آنکھوں کے مرض سے شفا پانے کے لئے دعا کی درخواست کی۔)

حضرت اقدسؑ نے فرمایا :-

"اچھا کریں گے۔" پھر فرمایا کہ :-

آنکھ کان ناک وغیرہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ انعام کی بھی کیا عجیب راہ اختیار کی ہے۔ اگر ایک آنکھ جاتی رہے تو کس قدر بلا نازل ہوتی ہے۔

پنجاب میں طاعون کی ترقی

پھر حضرت اقدسؑ نے نواب محمد علی خان صاحب سے طاعون کا حال مالیرکوٹلہ کی طرف دریافت فرمایا۔ نواب صاحب نے جواب دیا کہ کچھ شروع ہے مگر کم۔ اب کے دفعہ رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ ہفتہ کل ہندوستان میں تو کم ہے مگر خاص پنجاب میں بہت ترقی پر ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

"پنجاب ہی بگڑا ہوا ہے کوئی اس کا سِرّ تو دریافت کرے۔"

فرمایا :-

"حکماء نے لکھا ہے کہ اَلطَّاعُوْنُ هُوَالْمَوْتُ جس کے آثار ردی ظاہر ہوں۔ رنگ سیاہ ہو جائے اور جلد جلد موت ہو تو وہ بلائے آسمانی ہوتی ہے۔ ورنہ مشابہ بالطاعون گلٹیوں کا ہونا اور بخار کا ہونا طاعون نہیں۔ ایک دفعہ ہمارے سب بچوں کو گلٹیاں نکل آئیں صرف اینٹ گرم کر کے سینکتے رہے۔ سب کو آرام ہو گیا۔

طاعون تو ایک سِرّ مخفی کی طرح ہے۔ ورنہ بعض اوقات اس کے عوارض ہو کر پھر انسان کو کچھ نہیں ہوتا"۔

احمد دین صاحب اپیل نویس نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ سرکار نے یہ قانون پاس کیا ہے کہ اگر ایک محلّہ میں ایک مریض کو طاعون ہو اور اس محلّہ کے پانچ کس یہ کہیں کہ اسے نکالا جائے اور پانچ صد یہ کہیں کہ نہ نکالو تو ان پانچ کی رائے پر عملدرآمد ہوگا۔ اور اگر مریض یا اس کے ورثاء اس کی خلاف ورزی کریں تو زیر دفعہ ۱۸۸ وہ مجرم گردانے جائیں گے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

ایک طرح سے گورنمنٹ نے اپنے سر سے بلا اتار کر رعایا پر ڈال دی ہے۔ محلّہ میں اکثر عداوت

وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ خواہ لوگ ایک مبتلائے بخار کو طاعون کہہ کر نکال دیں۔

الدّار کی حفاظت

فرمایا :۔

آج میری زبان پر پھر یہ الہام جاری تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا مِنِ اسْتِکْبَارٍ[1]

اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا ہمیشہ ساتھ ہی ہوتا ہے۔ خدا معلوم اس کے کیا معنے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ متنبہ رہیں۔ تقویٰ پر قائم رہیں۔ ایک علو تو اس رنگ میں ہوتا ہے جیسے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ : ۱۲) اور ایک علو شیطان کا ہوتا ہے جیسے اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ (البقرہ : ۳۵) اور اس کے بارے میں ہے اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (ص : ۷۶) یہ اس سے سوال ہے کہ تیرا علو تکبر کے رنگ میں ہے یا واقعی ہے۔ خدا تعالیٰ کے بندوں کے واسطے بھی اعلیٰ کا لفظ آیا اور ہمیشہ آتا ہے جیسے اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (طٰہٰ : ۶۹) مگر یہ تو انکسار سے ہوتا ہے اور وہ تکبر سے ملا ہوا ہوتا ہے[2]

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک شاگرد کا غلط فتویٰ

شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگردوں میں سے ایک کا ذکر ہوا فرمایا کہ :۔

ایک دفعہ وہ شاید بٹالہ میں تھے تو ایک نے حقہ کا فتویٰ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا (حالانکہ غلط تھا) کہ حقہ دو قسم کا ہے ایک وہ جو نلکیوں میں ہوتا ہے دس دس دن تک پانی نہیں بدلتے اسے غسل نہیں دیتے وہ تو حرام ہے اور دوسرا جس کا پانی بدلتا رہتا ہے اور اسے غسل دیتے رہتے ہیں وہ

---

[1] الحکم میں اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ لکھا ہے (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] علو کے ذکر میں الحکم میں مندرجہ ذیل مضمون بیان ہوا ہے :۔

علو جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو دیا جاتا ہے وہ انکسار کے رنگ میں ہوتا ہے اور شیطان کا علو استکبار سے ملا ہوا تھا دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا تو آپؐ نے اسی طرح اپنا سر جھکایا اور سجدہ کیا جس طرح ان مصائب اور مشکلات کے دنوں میں جھکاتے اور سجدے کرتے تھے جب اسی مکہ میں آپؐ کی ہر طرح سے مخالفت کی جاتی اور دکھ دیا جاتا تھا جب آپؐ نے دیکھا کہ میں کس حالت میں یہاں سے گیا تھا اور کس حالت میں اب آیا ہوں تو آپؐ کا دل خدا کے شکر سے بھر گیا اور آپؐ نے سجدہ کیا

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حلال ہے۔

مُردوں کے قبروں سے نکلنے کی تعبیر

پھر اس کے بعد مفتی محمد صادق صاحب ایک انگریزی کتاب حضرت اقدس کو سناتے رہے جس میں ایک موقعہ پر یہ بھی تھا کہ جب مسیح کو صلیب دی گئی تو اس وقت مردے قبروں میں سے نکلے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :۔

عالم رؤیا میں مردہ کے قبر سے نکلنے کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ کوئی گرفتار آزاد ہو ممکن ہے کہ کسی نے اس وقت عالم کشفی میں یہ دیکھا ہو ورنہ یہ اپنے ظاہری معنوں میں ہرگز نہیں ہوا

طاعون کی کیا مجال ہے کہ اس کے پاس آئے

احباب میں سے ایک نے ذکر سنایا کہ آج قادیان میں ٹیکہ والے آئے تھے باہر باغ میں انہوں نے سب کو بلایا اور ایک لمبی تقریر کی جس میں ٹیکہ کے فوائد لوگوں کو بتلائے انجام یہ ہوا کہ سب نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ ہم ٹیکے لگوائیں گے۔ تقریر کرنے والے صاحب رائے پرتاپ سنگھ تھے انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے مرزا صاحب کو بھی تاکید کرنی تھی مگر چونکہ انہوں نے ماننا نہیں اور ڈھنگ بنایا ہوا ہے اس لئے سردست ان کی خدمت میں کچھ نہیں کہتا پھر کسی وقت موقعہ ہوا تو کہوں گا میں یہاں پر نہ آتا مگر چونکہ متواتر طور پر رپورٹ پہنچی کہ چوڑھوں میں طاعون ہے اس لئے آنا پڑا

اس پر حکیم نورالدین صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں نمالی چوڑھی آتی ہے میں نے اس سے طاعون کا حال دریافت کیا تھا کہنے لگی کہ طاعون تو ہے نہیں ایک لڑکی مری ہے وہ کئی دنوں سے بیمار تھی اب کہتے ہیں کہ طاعون سے مری۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

چوڑھوں میں ہمیشہ کبھی نہ کبھی ایسی موتیں ہوتی رہتی ہیں ایک دفعہ اسی موسم میں پچاس آدمی ہیضہ سے مرگئے تھے حالانکہ طاعون وغیرہ نہ تھی اور چوڑھوں کا محلہ تو ہم سے ایسا ہی دور ہے جیسے کہ ننگل۔ بھینی[1] یہ لوگ زبردستی اسے الحاق کرتے ہیں (آخر کار چوڑھوں کی موت کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ ان لوگوں نے مردہ مویشی اس وقت کھائے جب کہ وہ متعفن ہو گئے تھے)

پھر بیان کیا گیا کہ ٹیکہ والوں نے سردست کل اکابرین ہندو، مسلمان کے دستخط کرائے ہیں شاید کل

---

[1] ننگل۔ بھینی۔ قادیان کے متصل دو گاؤں۔

یا پرسوں پھر آویں گے حضرت اقدس نے فرمایا :۔
ہمارے دستخط کشتی نوح میں ہیں جو خدا کے ساتھ سیدھا اور راست ہو گا تو طاعون کی کیا مجال کہ اس کے پاس آوے۔

پھر جماعت کو مخاطب کر کے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
صحابہؓ میں طاعون ہوتا رہا ہے ہاں انبیاء کو ہرگز نہیں ہوا۔ اگر کوئی اس پر سوال کرے تو جواب یہی ہے کہ ہر ایک رنگ جدا ہے ثابت کرو کہ کوئی نبی طاعون سے مرا ہو ورنہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کس قدر فتنہ برپا ہوتا یہ کبھی نہیں ہوا کہ یہودیوں کو طاعون ہوا ہو تو موسیٰؑ کو بھی ساتھ ہوا ہو ورنہ سارے یہودی مرتد ہو جاتے۔

طاعون کا علاج

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ٹیکہ بھی علاج نہیں اور اللہ تعالیٰ کا حفاظت کا وعدہ ہے تو پھر مرہم عیسیٰ اور جدوار کا استعمال کیوں بتلایا ہے

حضرت صاحب نے فرمایا کہ :۔
جو علاج اللہ تعالیٰ بتلاوے وہ تو اسی حفاظت میں داخل ہے کہ اس نے خود ایک طریق حفاظت بھی ساتھ بتلا دیا اور انشراح صدر سے ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر ٹیکہ میں خیر ہوتی تو ہم کو اس کا حکم کیا جاتا اور پھر دیکھتے کہ سب سے اول ہم ہی کرواتے اگر خدا تعالیٰ آج ہی بتلا دے کہ فلاں علاج ہے یا فلاں دوا مفید ہے تو کیا ہم اسے استعمال نہ کریں گے؟ وہ تو نشان ہو گا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود کس قدر متوکل تھے مگر ہمیشہ لوگوں کو دوائیں بتلاتے تھے اگر ہم عوام الناس کی طرح ٹیکہ کروائیں تو خدا پر ایمان نہ ہوا پہلے یہ تو فیصلہ کیا جائے کہ آیا ہم نے ۲۲ برس پہلے طاعون کی اطلاع دی۔ کہ جس وقت طاعون کا نام و نشان تک نہ تھا اور پھر ہر ۵ برس بعد اس کے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی خبر دی جاتی رہی ہے پھر پنجاب کے متعلق خبر دی حالانکہ اس وقت کوئی مقام اس میں مبتلا نہ تھا۔ پھر ایک دم پنجاب کے ۲۳ ضلعوں میں پھیل گئی وہ تمام کتابیں جن میں یہ بیان ہیں خود گورنمنٹ کے پاس موجود ہیں اگر ٹیکہ میں کوئی خیر ہوتی تو خدا خود ہمیں بتلاتا اور ہم اس وقت سب سے پہلے ٹیکہ لگوانے میں اول ہوتے مگر جب گورنمنٹ نے اختیار دیا ہے تو یہ اختیار رہے گویا خدا تعالیٰ ہی نے ہمیں دیا ہے کہ جبراً اٹھوا دیا ہے۔

طاعون کے سلسلہ میں جماعت کو نصیحت

ہماری جماعت کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہی نہ ہو کہ وہ اس دعویٰ بیعت پر نازاں رہیں بلکہ ان

کو اپنے اندر تبدیلی کرنی چاہئے دیکھو طاعون کئی بار موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر پڑی اب دشمن تو خوش ہوتے ہوں گے مگر موسیٰ علیہ السلام کو کس قدر شرمساری ہوئی ہو گی لکھا ہے کہ بلعم کی بد دعا کی وجہ سے اسی(۸۰) ہزار وبا سے مر گئے تھے [1] گرچہ اور لوگ بھی گنہ گار تھے مگر موسیٰ علیہ السلام کی قوم اس وقت دوہری ذمہ دار تھی بہت کم لوگ ہیں جو کہ دلوں کو صاف کرتے ہیں اگر ایک پاخانہ میں سے پاخانہ تو اٹھا لیا جاوے مگر اس کے چند ایک ریزے باقی رہیں تو کسی کا دل گوارا کرتا ہے کہ اس میں روٹی کھاوے اسی طرح اگر پاخانہ کے ریزے دل میں ہوں تو رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے [2]

اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا کا لفظ ہمیشہ دل میں خطرہ ڈالتا ہے کہ قضا و قدر مقدر ہے بارہا قرآن شریف کو پڑھو [3] اور اپنی اصلاح کرو اگر ہماری جماعت میں سے کسی کو طاعون ہوا تو مخالف ہی

---

[1] الحکم میں ہے یہ سب ابتلاء ان کی اپنی بد کاریوں کا نتیجہ تھا اور انہوں نے اس طرح پر اپنے عمل سے گویا موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کیا پس تم اپنے آپ کو درست کرو تا کہ ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی سلسلہ کو بدنام کرنے والا ٹھہرے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] اسی ذکر میں الحکم میں مزید لکھا ہے :-

میرے واسطے یہ ایک نشان ہے اور میں اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اور اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً مگر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہ نرے دعویٰ پر ہی نہ رہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو درست کرے اور اپنی اصلاح کرے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اور تقویٰ اور طہارت اختیار نہیں کرتا وہ گویا اس سلسلہ کا دشمن ہے جو اس کو بدنام کرنا چاہتا ہے اور یہ سلسلہ خود خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لئے اپنے عمل سے وہ گویا خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی کیا پروا کرے گا اسے تو اپنے سلسلہ کی عظمت منظور ہے وہ ایسے لوگوں سے جو اس کے لئے دشمنی کا کام کریں سلسلہ کو صاف کر دے گا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[3] الحکم میں لکھا ہے :-

الہام میں جو یہ آیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ یہ بڑا منذر اور ڈرانے والا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بار بار کشتی نوح کو پڑھو اور قرآن شریف کو پڑھو اور اس کے موافق عمل کرو کسی کو کیا معلوم ہے کہ کیا ہونے والا ہے تم نے اپنی قوم کی طرف سے جو لعنت ملامت لینی تھی لے چکے۔ لیکن اگر اس لعنت کو لے کر خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی تمہارا معاملہ صاف نہ ہو اور اس کی رحمت اور فضل کے نیچے نہ آؤ تو پھر کس قدر مصیبت اور مشکل ہے اخباروں والے کس قدر شور مچاتے ہیں اور ہماری مخالفت میں ہر پہلو سے زور لگاتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا

شور ڈالیں گے کہ دیکھو ٹیکہ نہ کرایا تو ہلاک ہوئے اور اگر وہ بچے رہے تو نہیں گے خدا کے کام اور حفاظت سے حصہ لینے والا وہ شخص ہے جو اپنے دل میں سمجھ لے کہ میں نے تبدیلی پیدا کرلی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہو جائے۔ جس طرح انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے تھے[1]

عذاب شدید آنے والا ہے فرق سے فرق ہوتا ہے اگر بیعت کے وقت وعدہ اور ہے اور پھر عمل اور ہے تو دیکھو کتنا فرق ہے اگر تم خدا سے فرق رکھو گے تو وہ تم سے فرق رکھے گا اگر ہماری جماعت میں سو آدمی مرجائیں تو ہم یہی کہیں گے کہ ان کے دلوں میں فرق تھا کیونکہ ہمیں کسی کے اندرونہ کا کیا حال معلوم ہے عیسیٰ اور موسیٰ کے وقت کیا ہوا[2]

ہم دواؤں کی تاثیرات سے منکر نہیں ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ادھر تم نے ٹیکہ نہ کرایا اور اگر چند ایک لوگ مبتلائے طاعون ہوئے تو وہ لوگ کس قدر ہنسیں گے جنہوں نے ٹیکہ کرایا ہو گا مگر بڑا بے وقوف ہے جو کہ اس دوا کو بھی نہ پیوے اور پھر اس دوا سے بھی محروم رہے کہ اس کا معاملہ

تعالیٰ کے کام بابرکت ہوتے ہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ اس برکت سے حصہ لینے کے لئے ہم اپنی اصلاح اور تبدیلی کریں اس لئے تم اپنے ایمانوں اور اعمال کا محاسبہ کرو کہ کیا ایسی تبدیلی اور صفائی کرلی ہے کہ تمہارا دل خدا تعالیٰ کا عرش ہو جائے اور تم اس کی حفاظت کے سایہ میں آجاؤ۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

---

[1] اسی ذکر میں الحکم میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :-

میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ایسے پاک صاف ہو جاؤ جیسے صحابہ نے اپنی تبدیلی کی انہوں نے دنیا کو بالکل چھوڑ دیا گویا ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اسی طرح تم اپنی تبدیلی کرو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] الحکم میں ہے

رُوبدُنیا نہ رہو بلکہ خدا ہی کی طرف متوجّہ ہو جاؤ

خدا تعالیٰ کا شدید عذاب آنے والا ہے اور وہ خبیث اور طیب میں ایک امتیاز کرنے والا ہے وہ تمہیں فرقان عطا کرے گا جب دیکھے گا کہ تمہارے دلوں میں کسی قسم کا فرق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی بیعت میں تو اقرار کرتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا مگر عمل سے وہ اس کی سچائی اور وفاء عہد ظاہر نہیں کرتا تو خدا کو اس کی کیا پرواہ ہے اگر اس طرح پر ایک نہیں سو بھی مرجائیں تو ہم یہی کہیں گے کہ اس نے اپنے اندر تبدیلی نہیں کی اور وہ سچائی اور معرفت کے نور سے جو تاریکی کو دور کرتا اور دل میں یقین اور لذت بخشتا ہے' دور رہا اور اس لئے ہلاک ہوا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

خدا کے ساتھ ٹھیک نہ ہو تو وہ گویا دونو طرف سے محروم رہا [1] پھر اگر ہماری جماعت میں سے کسی کو طاعون ہو گا تو اس کا اثر اس کے ایمان پر بھی پڑے گا وہ خیال کرے گا کہ میں تو بیعت میں تھا مجھے کیوں طاعون ہوئی خدا کسی کی ظاہری صورت کو نہیں دیکھتا وہ اس منشاء کو دیکھتا ہے جو انسان نے اپنے دل میں بنایا ہوا ہے خدا کے ساتھ صفائی ایک مشکل کام ہے طاعون اگرچہ مومن کے واسطے ایک خوشی ہے مگر چونکہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ تمہاری شامت سے آئی ہے اس لئے اگر یہ جماعت اسی طرح تباہ ہو جس طرح دوسرے تباہ ہوتے ہیں تو پھر تو ان کو خوب ثبوت مل جائے گا کہ واقعی ہماری شامت سے آئی ہے اور اگر ٹیکہ لگوانے والے بھی ہلاک ہوں اور تم بھی ہلاک ہو تو پھر بھی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ اس لئے تبدیلیاں پیدا کرنی چاہئیں کشتی نوح میں میں نے بہت کچھ کہنا تھا مگر انشاء اللہ پھر کسی دوسرے موقعہ پر لکھا جائے گا۔ اتنا لکھا بھی کافی ہے۔

مجھے یہ فکر ہے کہ وہ مثل نہ ہو "یکے نقصان مایہ ودیگر شماتت ہمسایہ"۔ ایک تو مریں اور پھر

---

[1] الحکم میں ہے

دیکھو ٹیکہ والے اپنی جگہ اسباب پر پنجہ مارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بچ جاویں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ اس سے فائدہ بھی اٹھاویں لیکن وہ جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اگر وہ اس دوا کو جو ہم پیش کرتے ہیں استعمال نہیں کرتے ہیں اور اس ٹیکہ کو جو خدا نے ان کے لئے تجویز کیا ہے استعمال نہیں کرتے تو افسوس ہے کہ وہ اس ٹیکہ سے بھی جو گورنمنٹ نے تیار کیا ہے محروم رہے اس سے تو بہتر تھا کہ وہ ٹیکہ ہی کرا لیتے کیونکہ اگر وہ پورا ایمان اور اس کے موافق عمل نہیں رکھتے تو خدا تو ان کی پروا نہ کرے گا اور پھر ان کی موت حسرت کی موت ہو گی اور اس سے ان کے ایمان کو اور بھی صدمہ پہنچے گا۔ خدا تعالیٰ صورت کو نہیں دیکھتا وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ آیا اس نے میرے منشاء کے موافق اپنے آپ کو بنایا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی طاعون سے مرے اور اسے کہا جائے کہ وہ جماعت میں تھا تو یہ ایک دھوکا اور مغالطہ ہو گا وہ حقیقت میں اس سے الگ تھا ورنہ ایک موت تو دوسری موت کا کفارہ ہوتی ہے اگر اس کے اپنے جذبات اور نفسانی خواہشوں پر موت آچکی تھی اور وہ دنیا کے فریبوں اور مکاریوں سے الگ ہو چکا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہلاک کیا جاتا ہے اس کا ہلاک کیا جانا ہی اس امر کی دلیل ٹھہرے گی کہ وہ اس سے الگ تھا۔

طاعون سے مرنا بے شک شہید ہوتا ہے مگر اس وقت خدا تعالیٰ نے اس کو ایک نشان ٹھہرایا ہے اس لئے اگر طاعون سے جماعت تباہ ہو جاوے تو پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ یہ ہماری شامت سے آئی ہے جیسا کہ بعض ظالم طبع لوگوں نے مجھے اس قسم کے خطوط لکھے مگر انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کی شامت سے اور کن کے لئے آئی ہے مگر جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

جھوٹے کہلا کر مریں اگر ایک طرف مخالفوں کی ہزار موت ہو تو وہ نام نہ لیں گے اور ہمارا ایک بھی مرے تو ڈھول بجائیں گے خدا نے صورت تو نہیں دیکھنی۔ اس نے دل دیکھنا ہے مگر لوگ تو ظاہر دیکھتے ہیں اور جس شخص کا نام رجسٹر بیعت میں ہے اسے جماعت میں خیال کرتے ہیں وہ تو رجسٹر میں صرف نام دیکھیں گے لیکن اگر خدا کے رجسٹر میں نام نہیں ہے تو ہم کیا کر سکیں گے خدا نے ترقی کا موقعہ خوب دیا ہے نفس کو لگام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسا وقت ہو سکتا ہے اس وقت سے غافل نہ رہنا چاہئے اور محنت کرنی چاہئے۔

سالک اور مجذوب کی تعریف

وہ انسان جو آپ محنت کرتا ہے اسے سالک کہتے ہیں اور جسے خود خدا دیوے۔ وہ مجذوب ہوتا ہے اور جو سویا رہے تو اسے کوئی کیا کرے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [1] بات سن کر صرف کان تک رکھنے سے فائدہ نہیں ہوتا جب تک دل کو خبر نہ ہو انسان ایک دو کاموں سے سمجھ لیتا ہے کہ میں نے خدا کو راضی کر لیا۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی۔

اطاعت کی حقیقت

اطاعت ایک بڑا مشکل امر ہے صحابہ کرامؓ کی اطاعت' اطاعت تھی کہ جب ایک دفعہ مال کی ضرورت پڑی تو حضرت عمرؓ اپنے مال کا نصف لے آئے اور ابو بکرؓ اپنے گھر کا مال و متاع فروخت کر کے جس قدر رقم ہو سکی لے آئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے سوال کیا کہ تم گھر میں کیا چھوڑ آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نصف۔ پھر ابو بکرؓ سے دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اسکا رسول گھر چھوڑ آیا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جس قدر تمہارے مالوں میں فرق ہے اسی قدر تمہارے اعمال میں فرق ہے۔

---

[1] الحکم میں ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد : ۱۲) خدا نے میرے الہام میں جو طاعون کے متعلق ہے یہ آیت رکھی ہے جو اس امر کی طرف راہبری کرتی ہے کہ تبدیلی کی بڑی ضرورت ہے یہ بڑی ہی خوفناک بات ہے کہ انسان سن کر کانوں تک ہی رہنے دے اور دل تک نہ پہنچے بڑا ہی ظالم وہ شخص ہے جو ظاہری حالت پر خوش ہو جاتا ہے اور سچی اطاعت کی حالت نہیں دکھاتا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

کیا اطاعت ایک سہل امر ہے [1] جو شخص پورے طور پر اطاعت نہیں کرتا وہ اس سلسلہ کو بدنام کرتا ہے حکم ایک نہیں ہوتا بلکہ حکم تو بہت ہیں جس طرح بہشت کے کئی دروازے ہیں کہ کوئی کسی سے داخل ہوتا ہے اور کوئی کسی سے داخل ہوتا ہے اسی طرح دوزخ کے کئی دروازے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم ایک دروازہ تو دوزخ کا بند کرو اور دوسرا کھلا رکھو ہمارے لئے تو دوہرا وقت ہے گورنمنٹ بھی ایک طرح سے مخالف ہے کیونکہ اگر گورنمنٹ کو ہم پر ایمان ہوتا [2] تو وہ ہم سے کہتی کہ دعا کرو۔ ادھر اخباروں نے شور مچایا ہے کہ ہم گورنمنٹ کی مخالفت کی لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں پس خوب یاد رکھو جس طرح دنیا میں ایک عام قانون قدرت خدا کا ہے کہ تریاق اگر ہندو کھائے تو اسے بھی دست آئیں گے اور اگر مسلمان کھائے تو اسے بھی دست آئیں گے اسی طرح آفتاب مہتاب کی روشنی سے ہر ایک قوم مشترکہ فائدہ اٹھاتی ہے اور ایک خاص قانون ہے جو مومنین کے ساتھ برتا جاتا ہے وہ بہت لذیذ اور شیریں ہے اور بہت سے پھلوں سے بھرا ہوا ہے اور ان پھلوں کے درمیان شیرہ بھرا ہوا ہے نہ کہ نشتر [3]

---

[1] الحکم میں ہے :-

اطاعت کوئی چھوٹی سی بات نہیں اور سہل امر نہیں یہ بھی ایک موت ہوتی ہے جیسے ایک زندہ آدمی کی کھال اتاری جائے ویسی ہی اطاعت ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] الحکم میں ہے :-

یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور ہماری جماعت خصوصیت کے ساتھ بڑی ذمہ داری کے نیچے ہے گورنمنٹ کو بھی ٹیکہ سے جواب دیا اور خود اصلاح بھی نہ کرے تو اس کے لئے سخت خطرہ ہے گورنمنٹ تو ہم پر ایمان نہیں رکھتی جو ہمارے آسمانی ٹیکہ سے فائدہ اٹھائے مگر تم جو اس سلسلہ کو خدا کی طرف سے مانتے ہو اگر عمل نہ کرو گے تو خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ٹھہرو گے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[3] الحکم میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان ہوا ہے

خدا تعالیٰ نے ایک خاص قانون اپنے برگزیدوں اور راست بازوں کے لئے رکھا ہوا ہے وہ ایسا ٹیکہ ہے کہ اس میں نہ نشتر کی ضرورت ہے نہ اس میں تپ آتا ہے جب کوئی اس کی شرائط کو پورا کرنے والا ہو۔ تو وہ خدا کے سایہ میں آجاتا ہے تم اسے اختیار کرو تا تم ضائع نہ ہو۔ ہر شخص جو اس کو سمجھے وہ دوسرے کو سمجھا دے اور حاضر غائب کو پہنچا دے تا کہ کوئی دھوکا نہ کھائے۔ یاد رکھو محض اسم نویسی سے کوئی جماعت میں داخل نہیں جب تک وہ حقیقت کو اپنے اندر پیدا نہ کرے۔ آپس میں محبت کرو' اتلاف حقوق نہ کرو اور خدا کی راہ میں دیوانہ کی طرح ہو جاؤ تا کہ خدا تم پر فضل کرے اس سے کچھ باہر نہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

ہر ایک کو واجب ہے کہ خوب سمجھے اور اپنے بھائی کو سمجھاوے اور گھروں میں عورتوں کو سمجھاوے حاضر غائب کو بتلاوے۔ دھوکا کھانے والے بہت ہوں گے کیونکہ ابتدائی حالت ہے اسم نویسی کروا کر کوئی خیال نہ کرے کہ صرف اتنے ہی فعل سے وہ خدا کی حفاظت میں آگیا۔[1]

---

۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ (بوقت سیر)

الدار کی حفاظت کے متعلق الہام

فرمایا کہ :-

آج کوئی پہر رات باقی ہوگی کہ الہام ہوا :-

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ۔

اور یہ بھی الہام ہوا مگر اصل لفظ یاد نہیں کہ ایمان کے ساتھ نجات ہے۔

یعنی اِنِّیْ اُحَافِظُ کو ایک آیت بنا دیں گے اور کہ علاج ہمارے ہی پاس ہے مجھے اس سے بڑی خوشی ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کچھ کھلا کھلا دکھانا چاہتا ہے اب گویا بڑا معاملہ ہے ایک قوم تمنا سے ٹیکہ کراتی ہے دوسری طرف ہم ہیں جو بالکل خدا پر چھوڑتے ہیں جس وقت مجھے یہ الہام ہوا اس وقت میں نے گھر میں پوچھا کہ تم کو بھی کوئی خواب آیا ہے کیونکہ دیکھا ہے کہ میرے الہام کے ساتھ ان کو بھی کوئی مصدق خواب آجایا کرتا ہے انہوں نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا بکس ادویہ کا چراغ لایا ہے[2] اور شیخ رحمت اللہ صاحب نے روانہ کیا ہے جب کھولا گیا تو دیکھا کہ ہزارہا شیشیاں اس میں دوا کی ہیں کوئی بڑی کوئی چھوٹی۔ تب گھر میں تعجب کیا کہ کبھی کدائیں[3] دس بارہ شیشیاں منگوائی جاتی تھیں مگر یہ ہزارہا شیشیاں کیوں منگوائی گئیں۔

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

[2] اخبار الحکم نے مزید یہ لکھا ہے

حکیم فضل الدین اور ہمرو دائی پاس کھڑی ہیں (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[3] "کدائیں" پنجابی لفظ ہے جو کبھی کبھار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (مرتب)

یہ خواب بھی عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ کی تصدیق کرتا ہے مجھے بتلایا گیا ہے ان کو دکھلایا گیا۔[1]

اَسباب سے استفادہ جائز ہے

علاج حرام تو نہیں اب دیکھو انگریزوں نے ریل بنائی ہے ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تار ایجاد کی ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تیلیاں آگ جلانے کی ولایت سے آتی ہیں اسی طرح اگر ان کی دوا ہو اور ہم استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں جو خدا بتلا دیوے وہ عارج نشان نہیں ہے اگر ٹیکہ کروا کر کہیں کہ نشان ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم کو علیحدہ رکھا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کوئی مخفی امر ہے جو بعد ازاں معلوم ہو گا ورنہ ہم ان کی چیزیں اور ادویہ استعمال کرتے ہی ہیں۔[2]

عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک طاعونی کیڑے کا طبیعت میں تعلق نہ ہو تب تک طاعون نہیں ہوتی اور دوسری طرف آپ وہ کیڑے داخل کرتے ہیں اور چیچک کے ساتھ اس کا قیاس مع الفارق ہے چیچک کا مادہ تو شیر مادر کے ساتھ آتا ہے مگر اس میں ظن کیا گیا ہے کہ بہت سی طبائع میں مادہ موجود ہی نہیں ہوتا صرف اس ظن پر ٹیکہ لگایا جاتا ہے کسی طرح وہ مادہ نہ آجائے۔

مولوی محمد احسن صاحب نے ذکر کیا کہ حضور تُخْرِجُ الصُّدُوْرُ اِلَی الْقُبُوْرِ کا آغاز تو ہو گیا کیونکہ ادھر مولوی نذیر حسین دہلوی فوت ہوئے ادھر فتح علی شاہ فوت ہوا

حضرت اقدس نے فرمایا :-

ہاں۔ آپ نے خوب سمجھا

---

[1] الحکم میں مزید یہ لکھا ہے

خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کیسا عجیب تواردہے ادھر الہام میں رَحْمَةً مِّنَّا ہے ادھر رؤیا میں دکھایا گیا ہے کہ رحمت اللہ نے بھیجا ہے اور پھر حکیم فضل الدین کی بیوی مریم کا پاس ہونا۔ چراغ کا لانا سب مبشرات ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰۔ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] الحکم میں ہے :-

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ قرآن شریف میں صاف ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر : ۶) اس لئے ضروری ہے کہ صفائی کا التزام رکھا جاوے۔ خدا کی شان ہے کہ یورپ کی ہم ضد ہا چیزیں استعمال کرتے ہیں تار، پریس، ریل اور بہت سی اشیاء حتیٰ کہ دیا سلائی سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں مگر خدا کی کوئی عظیم الشان حکمت ہے کہ ہم کو ٹیکہ کی طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ فرمایا عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ اور عندی کو مقدم کر کے اور بھی تاکید کا رنگ پیدا کیا کہ معالجات میرے ہی پاس ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

نجات ایمان کے ساتھ ہے

بعض رؤساء لاہور کے ٹیکہ لگوانے پر جو راضی ہوئے ہیں یہ امر ان کی شجاعت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ مُنَوِّر ہے کہ سرکار راضی ہو ہاتھ بٹایا جاوے ابھی تک ہماری جماعت کو تو گورنمنٹ کا مخالف ہی خیال کیا جائے گا بڑی ضرورت خدا شناسی کی ہے سب امور خدا کے بعد ہیں جیسے ہم نے ابھی بتلایا کہ نجات ایمان کے ساتھ ہے[1]

پھر ساکنان قادیان کے ٹیکہ لگوانے پر فرمایا :-

یہ ہمارے لئے مفید ہے کیونکہ فاسق فاجر لوگ بھی ہیں اور ظاہری اسباب میں سے ٹیکہ بھی ہے

جب یہ لوگ اپنے ظنوں (یعنی ٹیکہ) پر یقین رکھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے یقین پر یقین نہ رکھیں۔

پھر مفتی محمد صادق صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

ان سابقہ نوشتوں میں یہ تو لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں طاعون ہوگی مگر یہ بھی لکھا ہے کہ نہیں کہ جس طرح کے الہامات جیسے "اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ" اور دوسرے ہمیں ہوئے ہیں ان کا بھی کوئی ذکر ہے کہ نہیں؟

مفتی صاحب نے کہا کہ دیکھ کر عرض کروں گا۔

---

[1] (الحکم سے)

جیسا کہ آج کی رؤیا سے معلوم ہوتا ہے درحقیقت نجات ایمان سے ہے اور خدا شناسی کی اس وقت بڑی ضرورت ہے کیونکہ خدا شناسی کے بغیر گناہ کی ناپاک زندگی پر موت وارد نہیں ہوتی اور خدا شناسی کا پہلا زینہ یقین ہے خدا تعالیٰ اور اس کی عجیب در عجیب قدرتوں اور طاقتوں پر سچا ایمان اور یقین معرفت کا نور عطا کرتا ہے اور دل میں اس سے ایک قوت پیدا ہوتی ہے پھر انسان اس قوت کے ساتھ گناہ کا مقابلہ کر سکتا ہے دیکھو یہ لوگ ظنوں (یعنی ٹیکہ وغیرہ) پر ایک قسم کا یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم اپنے یقین پر بھی یقین نہ رکھیں؟ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بالکل سچ ہے اور وہ ہو کر رہے گا کوئی طاقت اور قوت اس کو روک نہیں سکتی یہ عجیب زمانہ ہے واقعات خطرناک پیش آرہے ہیں اور اس وقت کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ مگر خدا تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کی حمایت کرے گا اور مَنْ فِی الدَّارِ کی حفاظت کا نشان دکھائے گا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

پھر فرمایا کہ :-

اِنَّهٗ اَوَی الْقَرْیَة میں قریہ کا لفظ ہے قادیان کا نام نہیں ہے اور قَرْیَة قِیْر سے نکلا ہے جس کے معنے جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں وہ لوگ جو آپس میں مواکلت رکھتے ہوں اس میں ہندو اور چوڑھے بھی داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہمارے ساتھ مل کر کھاتے ہی نہیں۔ قریہ سے مراد وہ حصہ ہوگا جس میں ہمارا گروہ رہتا ہے۔

مسیح موعود کے اپنی جماعت کو طُور پر لیجانے کا مطلب

پھر ذکر ہوا کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جائے گا۔

حضرت اقدس نے فرمایا :-

اس کے یہ معنے ہیں۔ تجلی گاہ حق میں لے جانا[1] یعنی قرب اور بیت کے مقام پر لے جائے گا کہ جس سے جماعت کی تبدیلی ہوتی ہے کہ ایک طرف تو طاعون کو دیکھ کر اور دوسری طرف ہماری تعلیم کو دیکھ کر وہ خدا تعالیٰ کی تجلیات کو نظر میں رکھیں گے عظیم الشان معاملہ آپڑا ہے گورنمنٹ نے ہر ایک فرقہ کو لپیٹ لیا ہے

مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ حضور یہ لوگ پہلے اعتراض کرتے تھے کہ ہم گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں مگر اب کیا کہیں گے کیا یہ کارروائی ٹیکہ کی خوشامد سے ہے کہ جس سے ہم نے اتفاق نہیں کیا۔

نواب محمد علی خان صاحب نے کہا کہ ٹیکہ بھی کہاں تک لگے گا

---

[1] (الحکم سے)

یہ جو لکھا ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جائے گا اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنی قوم کو طہارت اور تقویٰ کی بلند چٹان پر کھڑا کرے گا کیونکہ طور تجلی گاہ حق ہے اس لئے مسیح اپنی جماعت کو قرب اور بیت کے مقام پر لے جائے گا۔ کوہ طور پر جیسا میں نے ابھی کہا ہے تجلی اور بیت حق کی جگہ ہے جہاں تبدیلی ہوتی ہے اور انسان گناہ سے بچ جاتا ہے پس یہ ایک تقریب پیش آگئی ہے کہ انسان اپنی تبدیلی کرے اور خدا کا قرب اس کی بیت سے تلاش کرے خدا کا خوف اور بیت گناہوں سے بچائے گی اور اس سے تقویٰ اور طہارت میں ترقی ہوگی جو قرب حق کا ذریعہ ٹھہرے گی بیت حق کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے طاعون کو ایک ذریعہ اور سامان ٹھہرا دیا ہے بڑا ہی بد قسمت ہے وہ انسان جو اس بلا اور طوفان میں بھی خدا سے نہیں ڈرتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

اس پر حضرت اقدس نے ہنس کر فرمایا :-
وہی مثال ہے جس کا ذکر مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی ماں بدکار تھی اس نے اسے مار ڈالا لوگوں نے کہا کہ ماں کو کیوں مار ڈالا؟ اس کے دوستوں کو مارنا تھا اس نے جواب دیا کہ ایک کو مارتا دو کو مارتا آخر کتنوں کو مارتا؟ اس لئے اسے ہی مارنا مناسب تھا یہی حال ٹیکہ کا ہے۔

طاعون کا دَورہ

میرے نزدیک طاعون کے جتنے عدد ہیں اتنے ہی سال تک اس کا دورہ ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں لوگ خدا سے لڑائی کریں گے تو اب یہ خدا سے لڑائی ہی ہے لوگ خود کہیں گے کہ خدا سے لڑ رہے ہیں۔

ہمارا الہام بھی ہے کہ اَجَھِّزُ جَیْشِی یعنی میں اپنا لشکر تیار کر رہا ہوں ہمیں یہ تو خوشی ہے کہ سمجھ دار لوگ خوب خبردار ہو جاویں گے خدا کی قدرت ہے کہ وہی وقت آگیا ہے اور وہی موسم ہے جس کا ذکر تھا اور اس پر خدا تعالیٰ نے گواہی بھی دے دی اب یہ نہ مانیں تو اصل میں خدا کا انکار ہے یہ لوگ ہمارے آگے حدیثیں پیش کرتے ہیں حالانکہ اس نے حکم ہو کر آنا ہے پھر ان کو حکم تو یہ ہے کہ تم کو بولنا نہ چاہئے جو حکم کہے وہ مان لو تقویٰ ہوتا تو یہ لوگ کبھی نہ بولتے اگر فی الواقعہ ہی ان کے ہاتھ میں کوئی حدیث ہوتی تو پھر اسے غایت مرتبہ ظن کا ہوتا مگر اصل میں ان لوگوں کو یقین ہی نہیں ہے۔

مگر کیا قساوت قلبی ہے کہ جس قدر گندی اور فحش باتیں ہیں اور تحقیر اور توہین ممکن تھی اور جہاں تک ان کا ہاتھ پڑتا تھا وہ تمام افترا بنائے۔ صرف چند ایک باتیں گورنمنٹ کے قانون کے ڈر سے اُن سے باقی رہ گئی ہیں۔ اکا لئے جو ہوئے۔

پھر میاں احمد دین صاحب عرائض نویس درجہ اول ساکن گوجرانوالہ سے حضرت اقدس بعض قانونی وجوہات پر گفتگو فرماتے رہے ایک مقام پر فرمایا کہ

قانون بھی ایک موم کی ناک ہوتا ہے اس لئے کچی بات ہرگز نہ پیش کرنی چاہئے اور ایسی کچی بات کے پیش کرنے سے تو اس کا پیش نہ کرنا ہی اچھا ہے

ایک نومسلم پشاوری کا ذکر

نماز مغرب کے بعد حکیم نورالدین صاحب نے ایک نو مسلم پشاوری کا حال سنایا جو گزشتہ ماہ میں پشاوری جماعت کے ساتھ پشاور سے آیا تھا اور حضرت سے بیعت کی تھی ان نو مسلم صاحب کو

اہل اسلام پشاور نے امدادی چندہ کر کے ایک دکان کھول دی تھی حکیم صاحب نے بیان کیا کہ آج اس کا خط آیا ہے کہ مسلمانوں نے جو امدادی طور پر چندہ سے مجھے دکان کھول دی تھی وہ اب اس لحاظ سے ضبط کرلی ہے کہ میں قادیان گیا اور بیعت کی۔

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

ابتلاء ہے۔ صبر کرنا چاہئے۔

پھر آج صبح جو گفتگو حفاظت الٰہی کے وعدوں کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام نے سیر میں کی تھی اس کا اعادہ حکیم نورالدین صاحب سے کیا اور اپنے الہام اور گھر کا خواب سنایا اس گفتگو میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا :۔

سعید فرقہ جو کہ عذاب سے نجات پانے والا ہے وہ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (الفاتحہ : ۷) ہے اور جو عذاب میں مبتلا ہونے والا ہے وہ مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ (الفاتحہ : ۷) ہے۔ مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ اور ضَآلِّيۡنَ میں وہی فرق ہے جو ایک مریض محرقہ اور دق میں ہوتا ہے کہ ایک جلدی ہلاک ہو جاتا ہے اور ایک آہستہ آہستہ ہلاکت تک پہنچتا ہے مگر انجام کار دونو ہلاک ہوتے ہیں کوئی آگے کوئی پیچھے۔

کتبِ سابقہ میں حفاظتِ الٰہی کا وعدہ

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے حسب الحکم حضرت اقدسؑ وہ تمام حوالہ جات کتب سابقہ کے سنائے جن کا ارشاد حضرت اقدس نے آج صبح کی سیر میں کیا تھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے۔

زبور ۹۱ :۔

"وہ جو حق تعالیٰ کے پردہ تلے سکونت کرتا ہے سو قادر مطلق کے سایہ تلے رہے گا میرا خدا جس پر میرا توکل ہے یقیناً وہ تجھ کو صیاد کے پھندے سے اور مہلک وبا سے رہائی دے گا۔ وہ تجھے اپنے پروں تلے چھپائے گا..... اور نہ اس وبا سے جو اندھیرے میں چلتی ہے اور نہ اس مری سے جو دوپہر کو ویران کرتی ہے تیرے آس پاس ایک ہزار گر جاویں گے اور دس ہزار تیرے دہنے ہاتھ پر لیکن وہ تیرے نزدیک نہ آوے گی تو نے حق تعالیٰ کو اپنا مسکن تیار کیا اس لئے تجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی اور کوئی وبا تیرے خیمے کے پاس نہ پہنچے گی"۔

لالہ شرمپت کا حسنِ ظن

پھر حضرت اقدسؑ نے ذکر سنایا کہ

شرمپت آریہ میرے پاس مشورہ لینے آیا تھا کہ مجھے بخار سا معلوم ہوتا ہے۔ جسم گرم ہے۔ ٹیکہ کراؤں یا نہ۔ میں نے کہہ دیا کہ نہ کراؤ کیونکہ اس میں تو حرارت اور زیادہ ہوگی

فرمایا :۔

ان لوگوں کا دستور ہے کہ مجھ سے ہمیشہ مشورہ دریافت کرتے ہیں بلکہ لیکھرام کے قتل کے دنوں میں ایک دفعہ یہ دوا پوچھنے آیا تو میں نے کہا کہ اس وقت تو تم ہمیں دشمن جانتے ہو کہ اس کے قاتل ہم ہیں۔ ہماری دوا تم کو لینی مناسب نہیں ہے مگر اس نے کہا کہ ہم کو یقین ہے آپ دوا دے دیں۔

ایک الہام

فرمایا :۔

رات کو مجھے ایک اور فقرہ الہام ہوا تھا بھول گیا تھا اب یاد آیا ہے وہ یہ ہے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ

مخالفین سے شفقت

اس کے بعد میاں احمد دین صاحب عرائض نویس گوجرانوالہ نے مقدمہ کے متعلق کچھ گفتگو حضرت اقدس علیہ السلام اور آپ کے موجودہ احباب سے کی حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک مقام پر فرمایا :۔ کہ

ہماری مراد سزا سے نہیں ہے کہ اسے سزا ضرور ہو۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جیسے یوسف کی حقیقت عزیز مصر کے سامنے کھل گئی تھی ویسے ہی ہماری بھی حقیقت کھل جائے۔ یوسف نے جیل خانہ سے باہر قدم نہیں نکالا جب تک اپنا با عصمت ہونا ثابت نہ کرا دیا۔[1]

۱۹ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ (بوقت سیر)

دابۃ الارض کی حقیقت

حسب معمول حضرت اقدسؑ سیر کے لئے باہر تشریف لائے اور نواب محمد علی خان صاحب کے

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

مکان کے آگے آکر تھوڑی دیر نواب صاحب کا انتظار فرماتے رہے جب نواب صاحب تشریف لائے تو روانہ ہوئے اور فرمایا کہ :-

نئی تحقیقات نے دابۃ الارض کی بہت تائید کی ہے اور اس کے معنے کھول دیئے ہیں کہ وہ یک کیڑا ہی ہے اور پھر یہ بھی کہ بہت باریک ہے جیسے کہ سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ہے تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ (سبا : ۱۵) باریک ہی تھا تو اندر اندر کھاتا رہا اور پتہ نہ لگا اور تُكَلِّمُهُمْ (النمل : ۸۳) سے مراد بھی یہی ہے کہ طاعون ہو کیونکہ ایک اور مقام پر قرآن شریف میں ہے کہ ہم ہر ایک قریہ کو قیامت سے پہلے ہلاک کریں گے یا عذاب میں مبتلا کریں گے۔

مغضوب علیہ اور ضال کا فرق

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا آخر جیسے موت ہے اسی طرح وَالضَّآلِّيْنَ کا بھی آخر موت ہے مگر آہستہ آہستہ۔ کیونکہ ضلالت کے معنے ہیں راستے سے بھٹک جانا۔ بھٹکتے پھرنا۔ آخر انسان کو جب کوئی راہ نہ ملا تو مر ہی جائے گا ریگستانوں وغیرہ میں لوگ راستہ بھول کر مر ہی جاتے ہیں۔ لیکھرام مَغْضُوْبِ عَلَيْهِ تھا اور آتھم ضَالّ کہ ایک جلدی مر گیا اور ایک آہستہ آہستہ سسکتا ہوا مرا اور آریہ بھی یہود میں داخل ہیں ان کا هَوَنْ وغیرہ تمام رسوم یہود سے ملتی ہیں بعض نے لکھا ہے کہ برہمن، مصر جی اسی لئے کہلاتے ہیں کہ یہ لوگ مصر سے آئے تھے

ایک نفسیاتی نکتہ

ایک شخص کی حالت پر حضور نے فرمایا کہ :-

جوش والا آدمی درست ہونے کے لائق بہت ہوتا ہے مگر منافق نہیں ہوتا۔

سرسید احمد خان کی رائے

ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ سرسید احمد صاحب سے ایک دفعہ جب میری کتابوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ ان میں ذرہ خیر نہیں ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلوی کا ذکر

مولوی نذیر حسین دہلوی متوفی کے ذکر پر بعض احباب نے یہ کہا کہ قوم اور برادری کی محبت ہی نے دراصل اسے اخفاء حق کے لئے مجبور کیا ہوا تھا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :-

محبت دین کی ہی محبت ہوتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی برادری، قوم اور رشتہ داریاں

تھیں مگر صحابہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ دین کے دشمن ہیں تو اپنے ہاتھوں سے ان کو ہلاک کیا اگر ان میں (نذیر حسین میں) تقویٰ ہوتا تو ایسے سخت دل کے لکھے ہوئے خط نہ پہنچتے یہ کہدیتے کہ تقویٰ اجازت نہیں دیتا یہ تمام امور تقویٰ کے خلاف ہیں کہ قرآن شریف بین دلائل سے وفات مسیح ثابت کرتا ہے جیسے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ : ۱۱۸) اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران:۱۴۵) پھر خود پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معراج میں ان کو مردوں میں دیکھنا اور پھر تمام فرقے اسلام کے اور صوفی موت کو مانتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں سب سے پہلا اتفاق اسی امر پر ہوا کہ کل انبیاء فوت ہو چکے ہیں صرف قوم اور برادری کو مد نظر رکھ کر (نذیر حسین) نے انکار کیا

سنا تھا کہ نذیر حسین کہتا تھا کہ مجھے ایک ایسی بات یاد ہے کہ اگر بتاؤں تو ہزاروں آدمی مرزا صاحب کے مرید ہو جاویں وہ تو ہزاروں داخل کراتا ہی رہ گیا یہاں لاکھوں داخل ہو گئے۔

حجرہ نشین لوگوں کو نہ تو آسمانی منطق نصیب ہوتی ہے اور نہ زمینی۔

مولوی اسمٰعیل شہید صاحب آئے تو سنکر دبھی گئے اور شیخ سلیمان سے ملے شاید جہاد کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ فقیر نے اپنے ہاتھ سے چڑیا بھی نہیں ماری تلوار کیسے اٹھاوے گا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ۳۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے تھے

پھر فرمایا کہ :۔

اب تو میں یقین کرتا ہوں کہ وہ (نذیر حسین) ہماری جماعت میں داخل ہوا۔ کئی مرتبہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی زندگی میں تو قائل نہ ہوا مگر جب فوت ہو گیا تو ہماری جماعت میں داخل ہوا۔

محمد حسین بٹالوی کا عقیدہ

محمد حسین بٹالوی کے ذکر پر فرمایا کہ :۔

اس عمارت کے دو کونے ہیں ایک مہدی اور ایک مسیح۔ مہدی کی نسبت وہ کہہ چکا تھا کہ کوئی حدیث بھی جرح سے خالی نہیں ہے جب ایک کونہ گر گیا تو دوسرا کس کام کا۔ اسی لئے ہمارا انکار کر دیا یہ مسئلہ ایک مرکب شے ہے جیسے ایک پیالہ اگر اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ جائے تو باقی کس کام کا۔ اور ایک پہلو سے محمد حسین ہمارے مفید مطلب ہوا کہ مہدی کی تردید کر چکا۔

(بوقت نماز ظہر)

مقدمہ بازی اچھی نہیں ہوتی

حکیم فضل دین صاحب کے مقدمہ پر حضرت اقدسؑ غور فرماتے رہے اور بہت سی باتیں سننے کے بعد حضور نے فرمایا کہ :-

مقدمہ وہ بہت منحوس ہوتا ہے جس کا انجام بخیر نظر نہ آوے اور صاف وہ مقدمہ ہوتا ہے جس کے آثار فتح و نصرت کے جلد نظر آجاویں مقدمہ بازی اچھی نہیں ہوتی۔ بار بار حکام کے پاس جانا، ان کے متھے لگنا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ مردار بعد بگذار صلح کرلو۔

قرآن کے حکم کی تعمیل میں کوئی تکلیف نہیں

ایک صاحب نے کہا کہ حضور کو بھی شہادت کے لئے جانے کی تکلیف ہوگی اس نے اسی لئے آپ کی شہادت لکھائی ہے کہ یہ لوگ تکالیف کو دیکھ کر صلح کرلیں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

ہمیں کوئی تکلیف نہیں قرآن کا حکم ہے کہ جب گواہی کے لئے بلایا جاوے تو جاؤ۔ میں کوئی بے دست و پا تو ہوں نہیں۔ ہمیشہ پیدل بٹالہ آیا جایا کرتا تھا۔ یہ تو کوئی بات نہیں چلنے پھرنے کی عادت ہے مگر یہ ایک منحوس بے حیثیت سا مقدمہ نظر آتا ہے مومن کو اپنی عزت کا پاس بھی کرنا چاہئے گندے آدمیوں سے یہ جگہ پر تھی معلوم نہیں کہ خدا کو کیوں یہ جگہ پسند آئی

(نمازِ عصر سے پیشتر)

نماز عصر سے پیشتر مولوی عبدالکریم صاحب نے اخویم عبدالعزیز صاحب کا خط سنایا جو سہارنپور سے آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ یہاں کے لوگوں میں ایک عجیب ولولہ اور شوق قادیان پہنچنے کا پیدا ہو رہا ہے۔

(نمازِ مغرب سے پہلے)

عصمتِ انبیاء

کسی پادری نے عصمت انبیاء کے متعلق چند ایک اعتراضات مولوی محمد علی صاحب کے پاس روانہ کئے ہوئے تھے اور نوح کا گنہگار ہونا بھی لکھا تھا کہ اس نے خلاف منشاء ایزدی اپنے بیٹے کے لئے دعا کی یہ اعتراض مولوی صاحب نے نماز مغرب سے پہلے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش

کیے۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔

کیا وجہ ہے کہ اس نے مسیح کا ذکر نہ کیا کہ ایک انجیر کے درخت کی طرف گیا اور جانتا تھا کہ اس میں پھل نہیں ہے پھر وہ جانتا تھا کہ صلیب ملنی ہے اور دعائیں کرتا رہا کہ مجھے نجات ملے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ثبوت میں فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس : ۱۷) کی دلیل پیش کرتے ہیں اس کے مقابلہ کا ایک فقرہ بھی انجیل میں نہیں ہے اور پیغمبر خدا کی تمام عمر کا یہ حوالہ ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس : ۱۷)

استغفار کے اصل معنے تو یہ ہیں کہ یہ خواہش کرنا کہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو یعنی میں معصوم رہوں اور دوسرے معنے جو اس سے نیچے درجے پر ہیں کہ میرے گناہ کے بد نتائج جو مجھے ملنے ہیں میں ان سے محفوظ رہوں[1]

مسیح تو خود کنجریوں سے تیل ملواتا رہا۔ اگر استغفار کرتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔

(بعد از نماز مغرب)

پھر اس کے بعد اذان ہو کر نماز مغرب ہوئی اور حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا کہ :۔

الزامی جواب

مفتی محمد صادق صاحب جو کتاب سنایا کرتے ہیں جس میں مشیعہ عورت اور مشیع یہودی عاشق سلومی کا ذکر ہے کہ وہ عورت سلومی مشیع کو چھوڑ کر یسوع کے شاگردوں میں جا ملی۔ اس لئے اس مشیع نے یہ سارا منصوبہ صلیب کا بنایا گویا ایک عورت کے واقعہ نے ان کی صلیب تک نوبت پہنچائی۔

جس طرح بد ظنیاں ان لوگوں نے نکالی ہیں ویسے ہی ہمارا بھی حق ہے ان کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا گناہ ہے مگر ایک بازاری عورت عطر ملتی ہے تیل بالوں کو لگاتی ہے بالوں میں کنگھی کرتی ہے اور یہ مہنت کی طرح بیٹھے ہوئے مزے سے سب کرواتے جاتے ہیں یہ بھی پوچھو کہ گناہ ہے یا نہیں۔ ان کو لازم تھا کہ اعتراض نہ کرتے جو واقعات ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں وہی پیش کرنے پڑتے ہیں اور کیا جواب دیویں۔ یہ کوئی چھوٹا اعتراض نہیں ہے کہ ان کو کنجریوں سے کیا تعلق تھا اور اگر کہو کہ اس کنجری نے توبہ کی تھی تو کنجری کی توبہ کا اعتبار کیا۔ ایک طرف توبہ کرتی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ہیں ایک طرف پھر موڑھے پر بازار میں جا بیٹھتی ہیں۔

پھر شراب کو دیکھو کہ تمام گناہوں کی جڑھ ہے اس کی تخم ریزی مسیح نے کی۔ شراب کے جائز رکھنے سے کروڑہا لوگوں کی گردن پر چھری پھر گئی جب انسان نشہ کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر چھوڑنا مشکل ہے یہ نشہ بھی کیا شیئے ہے۔ کہ ایک طرف زندگی کو کھا جاتا ہے دوسری طرف زندگی کا شہتیر بھی ہے نشہ والوں کو نشہ نہ ملے تو موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

ایک نشہ کا سائل

ایک دفعہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے تین دن سے نشہ نہیں ملا اس کی حالت بہت ردی تھی اور نشہ کے لئے مجھ سے پیسہ طلب کرتی تھی میں نے تعجب کیا کہ یہ نہ روٹی کا سوال کرتی ہے نہ کپڑے کا اور نشہ کے لئے بے قرار ہے۔ اسے عادت ہو گی اور اب اس کی زندگی کا گویا جزو ہو گیا ہے اس لئے اس کو اپنے بیان میں سچا جان کر میں نے ایک پیسہ اسے دے دیا۔

اس موقعہ پر حضرت اقدس نے حکیم نورالدین صاحب سے سوال کیا کہ کتنے عرصہ کے بعد انسان کسی نشہ کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ پھر اسے چھوڑ نہیں سکتا اور مجبور ہو جاتا ہے حکیم صاحب نے کہا کہ کسی جگہ شاید نظر سے تو نہیں گزرا مگر چالیس دن میں ایسا ہو سکتا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

ہر ایک شیئے کے لئے چالیس دن ہی ہیں بات یہ ہے کہ شراب اور اس کے بہن بھرا (بھنگ افیون وغیرہ) ایسی خراب شیئے ہیں کہ ان سے مٹی پلید ہوتی ہے مگر پھر وہ مذہب کیسے اچھا ہو سکتا ہے جس میں ایسی تعلیم ہو ہاں ایک صورت ہے یہ نشہ چھوٹ سکے کہ بیمارخانہ میں بند ہوں داروغہ بھی ایسا ہو کہ کسی سے سازش نہ کرے پھر شاید یہ عادت چھوٹ جاوے۔

فرمایا کہ :-

یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھا مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی۔

شائد کوئی یہ اعتراض کرے کہ اوائل اسلام میں تو حرمت تھی نہیں۔ ۱۳ برس کے بعد حرمت ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اسلام تو آہستہ آہستہ صفائی کرتا جاتا تھا اور قوم بن رہی تھی جب قوم بن گئی تو حکم آگیا ابتداء میں تو صحابہؓ کو یہ مصیبت تھی کہ پانی بھی بھولا ہوا ہو گا شراب کا کیا ذکر ہے۔

ماموریت کا مقصد

ایک علی عابری نامی شیعہ کے رسالہ کا ذکر ہوا جس میں مصنف نے ہمارے مقابلہ میں اہل سنت کو خطاب کیا ہے کہ تم اور ہم ایک ہیں حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ :-

سنیوں کو تو ایک کر لیا اب ان کو چاہئے کہ خارجیوں کو بھی ایک کریں ان کا بھی حق ہے پھر کبھی مل کر علیؓ اور عثمانؓ کو گالیاں دے لیا کریں اور کبھی وہ ابو بکرؓ و عمرؓ کو دے لیا کریں ہمیں خدا نے اس لئے مامور کیا ہے کہ جو حد سے زیادہ شانیں خدا کی مخلوق کی بنائی ہوئی ہیں ان کو دور کریں اس کے حصہ دار سنی بھی ہیں ان میں بھی شرک بہت پھیلا ہوا ہے۔

تازہ الہامات

پھر حضرت نے آج کے الہامات سنائے کہ :-

آج یہ الہام ہوئے

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَکَ۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفُوْا عِرْضَکَ۔ اِنِّیْ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ۔"

فرمایا کہ :-

خدا تعالیٰ ہمیں اکیلا کمزور ضعیف پا کر ہماری حمایت پر آسمان سے تار بھیج دیتا ہے۔[1]

۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۴ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

حسب معمول حضرت اقدسؑ سیر کے لئے نکلے اور طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :-

اس موسم میں آجکل عموماً گلٹیاں بغل وغیرہ میں نکلا کرتی ہیں مگر جب تک ان کے ساتھ کوئی زہریلا مادہ نہ ہو تب تک طاعون نہیں کہلاتی۔

عیسائیوں کے چار سوالوں کا جواب

ایک شخص کے چار سوال دہلی سے آئے تھے جو کہ عیسائیوں کی طرف سے اس پر ہوئے تھے وہ شیخ یعقوب علی صاحب نے پڑھ کر سنائے۔

---

[1] البدر جلد ۳ صفحہ ۱۰ مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۴ء

کلمہ اللہ کی حقیقت

اول سوال اس مضمون پر تھا کہ انجیل میں لکھا ہے کہ اول کلام تھا اور کلام سے خدا ہوا اور خدا کی روح سے مسیح پیدا ہوا اور قرآن نے بھی اسے کلمہ فرمایا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :۔

کلمہ تو میرے الہام میں میرا نام بھی رکھا گیا ہے تم اس کے معنے بتلاؤ پھر ہم اس کے بتلائیں گے اگر کہو کہ الہام سچا نہیں تو آؤ اول اس کا فیصلہ کرلیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ (اعراف : ۱۵۹) مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ (لقمان : ۲۸) تو معلوم ہوا کہ قضاء و قدر کا نام بھی کلمہ ہے روح کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ روح الشیطان اور روح اللہ پہلا لفظ ولد الزنا اور دوسرا اصیل پر بولا جاتا ہے

قرآن کریم کے مصدق ہونے کی حقیقت

دوسرا سوال اس مضمون کا تھا کہ جو قرآن جو انجیلوں کا مصدق ہے تو کیا اناجیل صحیح ہیں؟

فرمایا کہ :۔

مصدق کے معنے قرآنی طور پر یہ ہیں کہ جو کچھ صحیح تھا اس کی تو نقل کردی اور جو نہیں لیا وہ غلط تھا پھر انجیلوں کا آپس میں اختلاف ہے اگر قرآن نے تصدیق کی ہے تو بتلاؤ کونسی انجیل کی کی ہے قرآن نے یوحنا متی وغیرہ کی انجیل کی کہیں تصدیق نہیں کی۔ہاں پطرس کی دعا کی تصدیق کی ہے اسی طرح کونسی توریت کہیں جس کی تصدیق قرآن نے کی۔ پہلے توریت تو ایک بتاؤ قرآن تو تمہاری توریت کو محرف بتلاتا ہے اور تم میں خود اختلاف ہے کہ توریت مختلف ہیں۔

قرآن کریم کا خطاب

تیسرا سوال۔ قرآن نے خود رسول اللہ کو کہا اِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ (یونس : ۹۵)

فرمایا :۔

اول یہ بتلاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا کہ ماں باپ کی عزت کرو ان کے والدین کہاں تھے ہاں یہ شک کا لفظ اول مسیح پر وارد ہو سکتا ہے کیونکہ اگر وہ قربان اور فدیہ ہونے کے واسطے ہی آیا تھا اور یہ قطعی فیصلہ تھا تو اس نے کیوں کہا کہ اے خدا یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے معلوم ہوا کہ اسے ضرور شک تھا قرآن میں جہاں شک کا لفظ ہے ہر ایک مخاطب کی طرف ہے نہ کہ

خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خدا نے ہمیں قاعدہ بتلایا ہے کہ جو بات قرآن کے مطابق ہو اس پر عمل کرو اور جو مخالف ہو اسے رد کر دو۔

کلمہ والی بات تو ہم تھوڑے دنوں تک خود شائع کرنے والے ہیں یہ تو کلمہ کلمہ لئے پھرتے ہیں اور یہاں خود میرا الہام ہے اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ۔

شریعت شارح کی محتاج ہے

جو مامور ہو کر آتا ہے اس کی ذاتیات سے الہام وابستہ نہیں ہوتے وہ تو شریعت کا شارح ہوتا ہے جس طرح حضرت مسیح کے وقت شریعت شارح کی محتاج تھی اسی طرح اس وقت بھی شریعت شارح کی محتاج ہو رہی تھی کیونکہ جس طرح اس وقت یہود کے ۷۲ فرقے تھے اسی طرح اسلام کے ۷۲ فرقے ہو گئے۔ اب خدا ان سب کو ملا کر ایک بنانا چاہتا ہے۔

شیطان کی آخری جنگ

رات کے تین بجے کے قریب مجھے الہام ہوا :-

وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ لِلسِّلْسِلَةِ السَّمَاوِیَّةِ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ۔ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وَالْخَیْرُ كُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِیْنَ۔

معلوم ہوتا ہے کہ آدمی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جانتے تو نہیں مگر ان میں ابھی انسانیت ہے دوسرے وہ جن کے آنکھ کان فہم وغیرہ سب جاتے رہتے ہیں اور حجارہ میں داخل ہیں وہ بھی جہنم میں داخل ہوں گے جو کہ سمجھے ہوئے تو ہیں مگر بعض تعلقات دنیاوی کی وجہ سے وہ قبول نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی تجویز ہے اور اس کو ابھی مخفی رکھا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترقی ہونے والی ہے اور اللہ کریم کچھ چشم نمائی کرنے والے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ ہمارے ارادہ میں ہے وہ ہو چکا۔ اب ٹل نہیں سکتا لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ یہ براہین کا میرا الہام ہے مجھے خدا نے اس لئے بھیجا ہے کہ ان اہل کتاب کو بینہ دکھلا کر دم بخود کیا جاوے عنقریب سمجھ لیویں گے کہ ان کو کوئی مفر نہیں۔ مسلمانوں نے تو اقبالی ڈگری اپنے اوپر عیسائیوں کو دیدی۔ آؤ وہ فیصلہ ہمارے ساتھ بھی کرو جو انبیاء کے ساتھ ہونا چاہئے تاکہ آسمان سے اس کا فیصلہ ہو۔ تم کہتے ہو مسیح کلمۃ اللہ ہے ہم کہتے ہیں ہمیں خدا نے اس سے بھی زیادہ درجہ دیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ مسلمان تم کو کافر کہتے ہیں تو دیکھو تم کو رومن

کیتھولک کافر کہتے ہیں اور تم ان کو کافر کہتے ہو اور ڈوئی سب کو کافر کہتا ہے میرے پاس تو خدا کی گواہی ہے اور اس کے نشانات ہیں نہ کسوف و خسوف تھا۔ نہ جماعت تھی' نہ اس کی ترقی تھی نہ طاعون تھی یہ سب باتیں مجھے قبل از وقت بتلائی گئیں اس ملک پر اتفاقاً افلاس کا سخت صدمہ آیا اور اس وجہ سے بہت سے بھوکے اور خبیث طبع لوگ جو نرے روٹی کے طالب تھے اس عیسائی فرقہ میں چند روپیوں کے لالچ میں شامل ہو گئے

اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دانیال اور حزقیل نبی کی کتابوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ایک آخری جنگ ہے جو کہ شیطان کی لڑائی کہلاتی ہے اور خود شیطان نے تو لڑائی کرنی نہیں بلکہ انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہو رہی ہے پس ایسی لڑائیوں سے یہ ہمارے مخالفین کو خفتی بنا دیویں گے اور آخر بات ہم پر ہی آکر پڑے گی ان ہمارے مخالفوں کا یہ مذہب ہے کہ کلمتہ اللہ اور روح اللہ خالق اور مسِ شیطان سے بری اور آسمان سے دوبارہ دنیا میں واپس آنے والا یہ سب صفات حضرت مسیح ہی میں ہیں۔کمبخت اخدا جانے کہاں کے کہاں چلے جاتے ہیں پھر کہتے ہیں

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پھر یہ مصرعہ تو حضرت مسیح کے بارہ میں لکھنا چاہئے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان لوگوں کے خیال کے موافق آنحضرتؐ تو قتل دجال سے دست بردار ہو گئے کیونکہ مسیح نے آکر جو قتل کرنا ہوا اور اول حصہ بھی مسیح کا ہوا اور آخر حصہ بھی مسیح کا۔

ابتداء میں کلمہ تھا اور کلمہ خدا کا کلام تھا وغیرہ وغیرہ یہ سب الحاقی عبارتیں ہیں ان کے پاس الحاقی عبارتیں ہوئیں اور ہماری پاس اصل۔ آخر پر ان کا یہی جواب ہوتا ہے کہ مرزائیوں سے بات نہ کرو ایک درخت کی چھوٹی اور کمزور شاخ تو ایک چڑیا کو بھی ناز سے اپنے اوپر بٹھا لیتی ہے لیکن اگر اس کے اوپر مور بیٹھنا چاہے تو ایک سیکنڈ کے لئے برداشت نہیں کر سکتی۔

زمانہ اور قرائن کے لحاظ سے دیکھو کہ جو باتیں تم مسیح پر چسپاں کرتے ہو وہ پورے طور پر ہم پر چسپاں ہوتی ہیں قیمتی پیشگوئیاں آمد ثانی پر تھیں وہ سارے کا سارا تھیلا ہم نے چھین لیا۔ آمدِ اول میں تو ساری ذلت اور مار کھانے والی پیشگوئیاں ہیں اور جلال اور عظمت والی تو آمد ثانی پر تھیں جو کہ ہم کو ملیں۔

ایک تفسیری نکتہ

عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (الزخرف : ۸۶) پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

یہ بات واقعی ہے اور قرآن پاک سے بھی ثابت ہے کہ ساعۃ سے اس جگہ مراد یہودیوں کی

تباہی کا زمانہ ہے یہ وہی زمانہ تھا اور جس ساعت کے یہ لوگ منتظر ہیں اس کا تو ابھی کہیں پتہ بھی نہیں ہے ایک پہلو سے اول مسیح کے وقت یہودیوں نے بدبختی لے لی اور دوسرے وقت میں نصاریٰ نے بدبختی کا حصہ لے لیا مسلمانوں نے بھی پوری مشابہت یہود سے کرلی۔ اگر ان کی سلطنت یا اختیار ہوتا تو ہمارے ساتھ بھی مسیح والا معاملہ کرتے۔

نشانوں کے ظہور کا وقت

جس طرح کھانگڑ بھینس کا دودھ نکالنا بہت مشکل ہے اسی طرح خدا کے نشان بھی سخت تکلیف کی حالت میں اترا کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء : ۶۲) وہ ایسا سخت مشکل کا وقت تھا کہ آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی ان کو موت ہی موت نظر آتی تھی سامنے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ اس وقت موسیٰؑ نے جواب دیا كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (الشعراء : ۶۳)

پس ایسی ضرورتوں اور ابتلا کے اوقات میں نشان ظاہر ہوا کرتے ہیں جبکہ ایک قسم کی جان کندنی پیش آجاتی ہے چونکہ خدا کا نام غیب ہے اس لئے جب نہایت ہی اشد ضرورت آبنتی ہے تو امورِ غیبیہ ظاہر ہوا کرتے ہیں لیکھرام کے قتل کی طرز اور وضع اور وقت اور تاریخ وغیرہ سب کچھ کس صفائی سے بتلایا گیا۔ مگر بے ایمانوں کے واسطے تھوڑا سا شبہ اور ایمان والوں کے واسطے تھوڑی سی بات ایمان کے لئے باقی رکھ لی تھی بے ایمانی کی بات ہی ہوئی جو کہا کہ شاید ان کی جماعت میں سے کسی نے اس کو قتل کردیا ہو۔

(بعد از نماز مغرب)

بعد ادائے نماز مغرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول اجلاس فرما ہوئے تو قادیان میں جو چوڑھوں میں چند آدمی مرگئے ہیں بہ ایں وجہ کہ ان ایام میں انہوں نے کئی ہلاک شدہ بھینسیں کھائی تھیں ان کا ذکر ہو کرتے ہوئے آخر طاعون کا تذکرہ ہو پڑا فرمایا :-

خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو

ایک بار مجھے الہام ہوا تھا کہ خدا قادیان میں نازل ہوگا اپنے وعدہ کے موافق اور پھر یہ بھی تھا۔ "اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"

فرمایا :-

طاعون کے خوفناک نتائج یہ بھی ہیں کہ آخر کو جنگل بنا دیتی ہے

اس پر حکیم نورالدین صاحب نے کہا کہ حضور میں نے پڑھا ہے کہ جو یہ نئی آبادی بار میں ہوئی ہے اس میں پرانی آبادیوں کے نشانات ملے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ یہ قطعات آباد تھے اور طاعون سے ہلاک ہوئے تھے

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

خواہ موذی طبع لوگ ہزاروں ہی مرجاویں مگر میرا جی یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو اور دنیا کو خدا کا پتہ لگے اور ثبوت ملے کہ کوئی قادر خدا بھی موجود ہے اس وقت دہریت اور الحاد بہت پھیلا ہوا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے بے پرواہی ظاہر کی جاتی ہے اور جن لوگوں نے بظاہر خدا تعالیٰ کا اقرار بھی کیا ہے انہوں نے یا تو خطرناک شرک کیا ہے جیسے عیسائی اور دوسرے بت پرست مشرک اور پھر جنہوں نے بظاہر توحید کا اقرار بھی کیا ہے جیسے مسلمان انہوں نے بھی دراصل شرک اختیار کر رکھا ہے اور مسیح کو خدا کی صفات سے متصف ٹھہرا رکھا ہے علاوہ بریں خدا تعالیٰ کی حکومت کے نشان ان کے اعمال سے ثابت نہیں ہوتے۔ اعمال میں سستی اور بیباکی اور گناہوں پر دلیری پائی جاتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف دلوں پر نہیں رہا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس بے باکی کے دور کرنے میں بے شک ہزاروں ظالم طبع لوگ ہلاک ہوں تا کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر ایمان لانے والے ہوں۔ دیہات کے لوگ تو جنگل کے وحشیوں کی طرح ہیں مگر شہروں میں جو تعلیم یافتہ ہیں ان کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور اپنے اعمال کی اصلاح اور تبدیلی کا جوش نہیں ہے باپ دادا سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سن لیا اسی کو کافی سمجھا۔ اعمال کی پروا نہیں۔

یہ جو الہام ہو چکا ہے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ اگر منتشر کرنے کا قانون منسوخ نہ ہوتا تو اس مفہوم کو اس الہام میں داخل سمجھا جا سکتا مگر اب جبکہ سب جگہ قانون منسوخ ہو گیا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہی ہے جیسا کہ دوسرے الہام لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکَ الْمُقَامُ سے پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک شوکت بھی ہے اور چشم نمائی ہے جیسے ایک مجرم کو جج ۳ سال کی سزا دے اور ساتھ ہی کہدے کہ اصل میں ۱۴ سال قید کی سزا کے لائق تھا مگر عدالت رحم کر کے ۳ سال سزا دیتی ہے اسی طرح پر یہ الہام ظاہر کرتا ہے کہ دراصل یہ جگہ بھی ایسی ہی تھی

کہ ہلاک کی جاتی مگر خدا تعالیٰ اپنے سلسلہ کا اکرام ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اسی اکرام کی وجہ سے اسے ہلاکت سے بچا لیا اور اس طرح پر یہ نشان ٹھہرا۔

جماعت کو نصیحت

میری نصیحت اس وقت جماعت کو یہ ہے کہ یہ دن بڑے سخت اور ہولناک ہیں اس لئے جہاں تک ہو سکے اپنے دلوں کو اور آنکھوں کو برے جذبات سے روکیں اور اپنے اعمال اور چال چلن میں خاص تبدیلی پیدا کریں یہ وقت خاص تبدیلی کا ہے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا ہے پس اس وقت خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرو میں نے سنا ہے کہ ایک شخص عین شادی کے دن طاعون سے مر گیا۔ دنیا کی بے ثباتی کی یہ کیسی عبرت بخش مثال ہے اگر دانشمند غور کرے تو ایک طرح سے یہ دن بڑے عجیب ہیں ان پر نظر کرنے سے موت یاد آتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا ہوتا ہے اور یقین ہی ایک ایسی شے ہے جو اعلیٰ درجے کی لذت اور سرور صادق الیقین کو بخشتا ہے جو کسی اور کو میسر نہیں آسکتے خدا شناسی کے مسئلہ پر اس وقت ہزاروں قسم کے حجاب اور گرد و غبار پڑے ہیں اور وہ یقین جو لذت بخش نتائج اپنے ساتھ رکھتا ہے وہ نہیں رہا اور وہ سرور جو دنیا کے تعلقات میں پیدا ہونے والے رنج و غم کو دور کرتا ہے اس وقت نہیں بلکہ یہ حالت ہو رہی ہے کہ اکسیر مل جاوے تو مل جاوے لیکن ایسے آدمی اس زمانہ میں ملنے مشکل ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایسا یقین رکھتے ہوں جس نے ان کی ساری قوتوں اور جذبات پر ایسا اثر کیا ہو اور ایسی معرفت عطا کی ہو جس سے ان کے گناہ کی زندگی پر موت وارد ہو چکی ہو میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے دلوں کا ملنا بہت مشکل ہے جو ایمان اور اس کے لذت بخش نتائج کی معرفت سے بھرے ہوئے ہوں

ضرورتیں تو اس وقت بہت سی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ہاتھ دکھائے اور اپنی چمکار سے دنیا کو روشن کرے مگر سب سے بڑی ضرورت ایسی معرفت اور یقین کا پیدا کرنا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ طاعون اسی کو پورا کر رہی ہے ٹیکہ کا علاج اس وقت تک آخری سمجھا گیا لیکن اگر یہ علاج ٹھیک نہ ہوا تو پھر مشکل ہو گی ابھی تک اس کا پورا تجربہ بھی نہیں ہوا۔ جب تک ایک عدد کثیر نہ ہو کیا کہہ سکتے ہیں مثلاً لاہور میں ۵۰ یا ۶۰ ہزار آدمی ٹیکہ لگوائے اور پھر ایک دو جاڑے ان پر امن سے گذر جاویں تو کچھ پتہ ملے لیکن اگر چھ ماہ کے بعد اس کا اثر زائل ہو جاوے تو اور ہر ششماہی کے بعد یہ نسخہ گلے پڑا تو پھر تو کچھ نہیں احادیث میں جو آیا ہے کہ آخر خدا سے لڑائی کریں گے یہ اس قسم کی جنگ ہو گی جو خدا تعالیٰ کی قضا و قدر کے مقابلہ کے لئے ہر قسم کی تیاری کی جاوے گی میرے الہام میں جو اِنِّیْ اُجْھِزُ الْجَیْشَ آیا ہے اس سے مراد طاعون ہی ہے اور ایسا ہی

حضرت مسیح نے اپنی آمد کا زمانہ نوح کے زمانہ کی طرح قرار دیا ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے میرا نام بھی نوح رکھا ہے اور وَاصْنَعِ الْفُلْكَ کا الہام ہوا اور لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ بھی فرمایا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عظیم الشان طوفان آنے والا ہے اور پھر اس طوفان میں میری بنائی ہوئی کشتی ہی نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اب طاعون وہی طوفان ہے اور خدا کا زور آور حملہ اور اس کی چمکار ہے یہی وہ سیف اہلاک ہے جس کا براہین میں ذکر ہوا ہے طبیبوں اور ڈاکٹروں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس کا کوئی نظام مقرر نہیں ہے کہ گرمی میں کم ہوتی ہے یا سردی میں۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہوں میں گرمیوں میں بھی اس کی کثرت میں فرق نہیں آیا غرض اس کا علاج بجز استغفار اور دعا اور اعمال میں پاکیزگی اور طہارت کے اور کیا ہو سکتا ہے[1]

---

۲۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

(بوقت سیر)

کوئی ۷ بجے کے قریب حضرت اقدسؑ سیر کے لئے تشریف لائے۔ کپور تھلہ سے چند ایک احباب آئے ہوئے تھے حضرت اقدسؑ نے ان سے ملاقات کی۔ اور طاعون کا حال اس طرف کا دریافت کیا اس سے پیشتر حضرت اقدسؑ قادیان کے شمال کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے مگر آج آپ نے حکم صادر کیا کہ اس طرف (یعنی مشرقی طرف) چلئے۔ گویا آج اس مشرقی زمین کے بخت بیدار ہوئے جس پر حضرت اقدسؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدم پڑنے تھے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

آج بھی وہی مضمون زیر بحث رہا جس پر گذشتہ ایام میں بحث تھی کہ عیسائی جو دوسرے نبیوں کو گنہگار ٹھہراتے ہیں مسیح کے گناہوں کو کیوں چھپاتے ہیں فرمایا کہ

ان کو (عیسائیوں کو) بحث میں ذلت اور ندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ دوسرے پر حملہ کرنے سے پیشتر اپنے گھر کی صفائی تو کرلیں۔ اگر موسیٰؑ کے قتل پر اعتراض ہے تو وہ توریت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے مگر مسیح کو کیا ہوا کہ انجیل نازل ہو رہی ہے اور کنجری سے تیل ملوا رہا ہے پھر موسیٰؑ کا فعل ارادتاً نہ تھا۔ نہ اس کو مارنے کا ارادہ تھا اس لئے قتل کا الزام غلط ہے میں

---

[1] البدر جلد ۱ صفحہ ۱۰ تا ۱۲ مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۲ء نیز الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء

نے خود دیکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک بیل کو ڈنڈا مارا اور وہ مرگیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا چونکہ یہ ایک اتفاقیہ امر تھا آخر عدالت نے اسے چھوڑ دیا۔

بَلَغَ اَشُدَّهٗ سے مراد وہ نبوت لیتے ہیں اس سے مراد نبوت نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ جب ہوش آیا اَشُدَّ بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وحی کی اَشُدَّ اور دوسری جسمانی اَشُدَّ موسیٰ نے مکا مارا۔ اتفاقیہ ایسی جگہ لگ گیا کہ موت واقع ہوگئی۔

مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ الہام کا سلسلہ بعد بپتسمہ لینے کے شروع ہوا اور روح القدس بھی پیچھے ہی اترا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :۔

پھر یوں کہو کہ مسیح کے برکات کا سرچشمہ یحییٰ ہی تھا۔ یحییٰ پاکیزگی بلا روح القدس نہیں مل سکتی یحییٰ بھی اس پر ایمان نہیں لایا وہ کہتا تھا کہ میں آنے والے سے اول آیا ہوں مگر اس نے ان کو مسیح نہیں مانا اور اسی لئے جب اس سے پوچھا گیا کہ تو ایلیاء ہے تو اس نے انکار کر دیا نیک نیتی کے ساتھ اسے (یحییٰ کو) کچھ امور پیش آگئے اس نے خیال کیا ہوگا کہ جب اس نے خود میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو یہ مسیح کیسے ہوگا۔ ان (عیسائیوں) پر سخت مشکلات ہیں بے وقوف ہیں جو اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔

پھر حضرت اقدسؑ نے مفتی محمد صادق صاحب کو حکم دیا کہ :۔

ملک صدق کا حال دیکھنا جس نے حضرت ابراہیمؑ کو تحفہ اور سوغات دیئے تھے کیونکہ یہ تین آدمیوں کو مسیح کے علاوہ بے گناہ کہا کرتے ہیں ایک ملک صدق۔ دوسری مریم تیسرے یحییٰ۔ ان کے نزدیک تو مسیح اور مریم ہی مسِ شیطان سے پاک ہیں مگر قرآن نے مساوی رکھا ہے کہ ہر ایک راستباز مسِ شیطان سے پاک ہے کچھ تمہیں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام پر آگئی تھیں کہ یہودی لوگ ان کو مس شیطان سے منسوب کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے اور الزام لگاتے تھے اس لئے ان کا ذَبّ ضروری تھا ان پر سخت الزامات تھے اور اب تک وہی چلے آتے ہیں سو خدا نے وہی (الزام) اتارے۔ دوسروں (نبیوں) پر اس قدر الزام نہ تھے اس لئے ان کے ایسے ذکر کی ضرورت نہ تھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کا خاصہ ہے کہ جیسے جیسے یہ بہت پیچھے پڑے ہیں اس طرف سے بہت سی باتیں نکلتی آتی ہیں لوگ کہا کرتے ہیں کہ "فقیراں دی بددعا لگ جاندی ہے" اسی طرح عیسیٰ کی بددعا ان کو لگ گئی جو وہ دیا کرتے تھے کہ تم بے ایمان ہو یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب بات انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو بے ایمانوں سے جواب تو بن نہیں آتا اس لئے آخر خاموش ہو کر پیچھا چھوڑاتے ہیں۔

اندرونی مخالفوں کا ذکر

اندرونی مخالفوں کی حالت پر فرمایا کہ :-

اگر یہ کوئی تحریر نہیں کرتے تو دس بارہ آدمی مل کر آویں کہ ہمیں حق کی طلب ہے اور آدمیت کی بحث کریں جس میں چند ایک منصف مزاج بھی موجود ہوں اور تمام باتوں پر سنجیدگی سے غور کریں کہ حقیقت کھل جاوے مگر یہ لوگ ایسی بات کبھی نہیں چاہتے دراصل یہ لوگ اب سرد ہو گئے ہیں اپنی حفاظتوں کو مقدم رکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ان (مرزائیوں) سے نہ ملے۔ ان کو جانے دو۔

پھر مولوی غلام قادر صاحب بھیروی کے ذکر ازکار دیگر احباب کرتے رہے کہ وہ وہابیوں کے سخت دشمن ہیں بلکہ ایک دفعہ میاں نجم الدین نے جب آپ کی بیعت کی تو اس نے طعنہ مارا کہ دیکھو تم نے وہی بات مانی جو ہم منواتے تھے اور اس نے حضور کی مخالفت میں کبھی نہ قلم اٹھایا نہ زبان کھولی بلکہ وہ اس سلسلہ کو اسلئے پسند کرتا تھا کہ وہابیوں کی خوب خبر لی۔

پیشہ وروں کی نماز نمائی پر فرمایا کہ :-

یہ لوگ نماز نمائی بغیر رہ نہیں سکتے ضرور کرتے ہیں۔

قبل و بعد از نماز مغرب

وَسِّعْ مَكَانَكَ

مغرب کی اذان سے پیشتر ہی حضرت اقدس بالائی مسجد میں تشریف لے آئے اور جس مکان کی خر کے متعلق حضور نے کشتی نوح میں اشتہار دیا ہے اس کا ذکر کرتے رہے کہ :-

توسیع مکان کی بہت ضرورت ہے جہاں تک ہو سکے جلدی فیصلہ کرنا چاہئے۔

پھر اذان ہوئی اور نماز ادا کر کے حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے۔ ایک خط اخبار عام کے کارپردازوں کی طرف سے حضرت اقدس کی خدمت میں آیا تھا جس کا راقم ایک شخص رحمت مسیح نامی بٹالہ سے تھا اس خط میں لکھا تھا کہ قادیان میں سخت طاعون پھوٹی ہے دھڑا دھڑ لوگ مر رہے ہیں مرزا صاحب کی جماعت بھی بہت طاعون سے تباہ ہو چکی ہے خود مرزا صاحب بھی مبتلائے طاعون ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اخبار عام نے اس خط کو بجنسہٖ حضرت اقدس کے پاس تصدیق کے لئے روانہ کر دیا تھا اس کا

ذکر حضرت اقدسؑ نے کیا۔ راقم خط کے متعلق کہا کہ

حُسنِ ظنی

بعض لوگ شدید فتنہ پردازی سے ایسا کرتے ہیں کہ ایک خط لکھ کر دوسرے مخالف کا نام اس پر لکھ دیا کرتے ہیں اس لئے کہ کیا معلوم کہ کس کا لکھا ہوا ہے میں نے اخبار عام کو لکھ دیا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے صرف چند ایک اموات چوڑھوں میں ہوئی ہیں سو ان کا باعث بھی مشکوک ہے کچھ ڈنگر مرے تھے وہ چوڑھوں نے کھائے پھر جن لوگوں نے ان کو کھایا وہی مرے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ طاعون سے مرے۔

آخرین کا اخلاص

پھر تین صاحبوں نے حضرت اقدس سے بیعت کی جس میں ایک صاحب سید اختر الدین احمد ساکن کٹک بنگال بھی تھے مولوی عبدالکریم صاحب نے احمد حسین صاحب آمدہ از کٹک کی طرف سے ایک کرنسی نوٹ اور کچھ زیورات حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ زیورات ان کی اہلیہ مرحومہ کی طرف سے تھے جن کی وصیت تھی کہ یہ خاص حضرت اقدس کی خدمت میں دینی خدمت کے لئے دیئے جائیں حضرت اقدس نے ان کے اخلاق کی تعریف کی اور فرمایا کہ :۔

خدا ان کو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (الجمعہ : ۴) میں ملاوے[1]

---

[1] الحکم میں ۱۴ر اکتوبر۔ دربار شام کے زیر عنوان اس کی تفصیل یوں درج ہے :۔

"کٹک سے دو بھائی آئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے نہایت اخلاص سے اپنی مرحومہ بیوی کا زیور حضور کی خدمت میں پیش کیا کیونکہ مرحومہ اس کی وصیت کر گئی تھی۔ مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے اس پر عرض کیا کہ بڑے ہی اخلاص اور شہادت کا نشان ہے فرمایا :۔

اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کہہ کر جو خدا تعالیٰ اس جماعت کو صحابہؓ سے ملاتا ہے تو صحابہؓ کا سا اخلاص اور وفاداری اور ارادت ان میں بھی ہونی چاہئے صحابہؓ نے کیا کیا جس طرح پر انہوں نے خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار کو دیکھا اسی طریق کو انہوں نے اختیار کیا یہاں تک کہ اس کی راہ میں جانیں دے دیں وہ جانتے تھے کہ بیویاں بیوہ ہوں گی بچے یتیم رہ جائیں گے لوگ ہنسی کریں گے مگر انہوں نے اس امر کی ذرہ پروا نہ کی۔ انہوں نے سب کچھ گوارا کیا مگر اس ایمان کے اظہار سے نہیں رکے جو وہ اللہ اور اس کے رسول پر لائے تھے حقیقت میں ان کا ایمان بڑا قوی تھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اب دیکھ لو کہ ایک تو وہ گروہ تھا جس نے اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں کچھ چیز نہ سمجھا اور ایک عیسائی جو مسیح کے کفارہ پر ناز کرتے ہیں اور ایک جان دینے پر گھمنڈ کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی غلط نکلی ہے مقابلہ کر کے دیکھو کہ صحابہ کی وفاداری اور استقلال جانوں کے دینے میں کیا تھا اور خود مسیح کا کیسا؟ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام

صحابہ کرام کے ذکر پر فرمایا کہ :-

شیعہ سب و شتم تو کرتے ہیں مگر ان کا (صحابہؓ کا) کام دیکھو کہ جیسے خدا کی مرضی تھی ویسے ہی اسلام کو پھیلا کر دکھا دیا خوب جانتے تھے کہ بیویاں مریں گی' بچے ذبح ہوں گے اور ہر ایک قسم کی تکلیف شدید ہو گی مگر پھر بھی خدا کے کام سے منہ نہ موڑا۔ یہی فقرہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک جماعت وہ ہے کہ اپنا نحب (ذمہ) ادا کر چکے ہیں جیسے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب : ۲۴) کیسا سرٹیفکیٹ ہے کہ بعض نے میری راہ میں جان دے دی ایک جان وہ جس پر عیسائی پھڑک رہے ہیں اور پیچھے سے یہ معلوم ہوا کہ وہ بھی نہیں دی گئی

استغفار کی حقیقت

ہم نے تحقیق کر لی ہے کہ استغفار کے یہ معنے ہیں کہ انسانی قویٰ جو کر قوت کر رہے ہیں ان کا افراط و تفریط یعنی بے محل استعمال نا فرمانی ہوتا ہے تو خدا کا لطف و کرم مانگنا کہ تو رحم کر اور ان کے استعمال کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھ یعنی اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے۔ مسیح بھی خدا تعالیٰ کی مدد کے محتاج تھے اگر کوئی اس طرح نہیں سمجھتا تو وہ مسلمان نہیں۔

بڑا فنا فی اللہ وہ ہے جو کہ ہر آن میں خدا کی امداد چاہتا ہے جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ : ۵)

پھر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اپنی فینی ایک انگریزی عیسائی پرچہ میں سے حضرت اقدس کو ایک مضمون سنایا جو ایک مسلمان کے قلم سے استغفار کے متعلق نکلا ہوا تھا جس میں اس نے اپنی نادانی سے ایک عیسائی کو یہ جواب دیا تھا کہ استغفار کا حکم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس سے امت مقصود ہے کہ آپ کی امت استغفار کرے۔

اس عیسائی پرچہ کے ایڈیٹر نے اس پر اعتراض کیا ہوا تھا کہ اگر یہ حکم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس لئے ہوا کہ امت کو تعلیم دیں تو امت کے روبرو پڑھ کر سنا دینا کافی تھا مگر ایک دن میں ستر ستر اور سو سو بار استغفار کرنے اور پھر تمائی میں کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ نادانی سے نہیں سمجھتے اس مسلمان شخص نے تو خود عیسائیوں کو اعتراض کا موقعہ دے دیا ہے اور یہ اس کی کم فہمی ہے۔ کہ اس نے خود استغفار کا مطلب نہیں سمجھا اس سے مراد تو

ترقی مراتب ہے۔

پھر ایک اور مسلمان کا مضمون اسی پرچہ میں سے سنایا جس نے لفظ ذنب کے متعلق لکھا ہوا تھا اور حضرت اقدسؑ کے مضمون مندرجہ انگریزی میگزین میں سے اس کا جواب اقتباس شدہ تھا اس شخص نے اپنے جواب میں اس انگریزی میگزین کا حوالہ بھی دے دیا تھا اس سے حضرت اقدس بہت خوش ہوئے کیونکہ اس ترتیب سے علاوہ جواب معقول ہونے کے اس سلسلہ کی یہ تائید ہوئی کہ تیرہ چودہ ہزار آدمیوں میں میگزین کا اشتہار ہو گیا جن کے پاس یہ عیسائی پرچہ جاتا ہے۔

بپتسمہ کا ظاہر اور حقیقت

پھر عیسائیوں کے بپتسمہ دینے کے وقت جو پانی وغیرہ چھڑکا جاتا ہے اور بعض ان کے فرقے اس وقت نئے دیندار کو ایک چھوٹے سے حوض میں دھکا دے دیتے ہیں اس کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

پانی کا لحاظ تو ہر ایک نے رکھا ہے ان لوگوں نے تالاب وغیرہ رکھا ہے اور قرآن نے گریہ وبکا کا پانی رکھا ہے۔ وہ ظاہر پر گئے ہیں اور قرآن شریف حقیقت پر گیا ہے جیسے تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ : ۸۴)

عیسائیت اور شریعت

عیسائی پرچہ اپی فینی میں قرآن کریم پر شریعت کے متعلق حملہ کیا ہوا تھا اور اس کے مقابل پر انجیل کو مبارک بتلایا ہوا تھا جس نے شریعت کو لعنت کہا ہے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

جب ان میں شریعت کوئی نہیں ہے تو اگر ان کو کہا جائے کہ نجاست کھاؤ تو کھا سکتے ہیں اور ماں کے ساتھ زنا کریں تو کر سکتے ہیں پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ کپڑا کیوں پہنتے ہیں۔ کیونکہ ان کو مذہب (شریعت) سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ برائے نام گناہ گناہ کرتے ہیں اور اصل میں چاہتے ہیں کہ ہر ایک گناہ کو چالاکی سے ہضم کر لیں جب ہر ایک قسم کی بدکاری کرنے پر وہ تیار ہیں تو پھر گناہ کیا شئے ہے اگر باکرہ ہمشیرہ یا لڑکی کو نکاح میں لادیں تو وہ حرام نہیں ہے اگر کہیں سابقہ کتب میں حرام ہے تو وہ ان کے نزدیک منسوخ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں

آنحضرت صلی اللہ علی وسلم کی جنگوں پر فرمایا کہ
وہ تو جائز طور پر جن کو مارنا تھا مار چکے مگر ان لوگوں (عیسائیوں) نے لاکھوں خون ناجائز طور پر کئے عیسائی مذہبی جنگوں سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر خون ناحق ہوئے ہیں[1]

اسلامی جنگیں بالکل دفاعی لڑائیاں تھیں جب کفار کی تکالیف اور شرارتیں حد سے گذر گئیں تو خدا تعالیٰ نے ان کو سزا دینے کے لئے یہ حکم دیا مگر عیسائیوں نے جو مختلف اوقات میں مذہب کے نام سے لڑائیاں کی ہیں ان کے پاس خدا تعالیٰ کی کونسی دستاویز اور حکم تھا جس کی رو سے وہ لڑتے تھے ان کو تو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کا حکم تھا[2]

عُسر اور یُسر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم

انسان کا خلق اس کی فتح اور کامیابی کے متعلق ہوتا ہے کہ جو کچھ صبر وغیرہ اخلاق فاضلہ مصیبت اور بلا کے وقت دکھلاتا ہے وہی فتح اور اقبال کے وقت دکھلاوے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کے وقتوں پر اخلاق دکھانے کا موقع ملا جو خلق عظیم تنگی اور بلا کے وقت آپ نے مکہ میں دکھلائے تھے وہی آپ نے بادشاہ ہو کر دکھلایا۔

حضرت مسیح کا کوئی شعبہ مخلق کا دکھلاؤ وہ تو اس سے بالکل فارغ ہیں بلا ثبوت تو جوگی بھی مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے نفس کو مارا ہوا ہے ستر بی بی از بے چادری۔ مسیح نے تو امام حسین علیہ السلام جتنا حوصلہ بھی نہ دکھلایا کیونکہ ان کو مفر کی گنجائش تھی اگر چاہتے تو جا سکتے تھے مگر جگہ سے نہ ہلے۔ اور سینہ سپر ہو کر جان دی اور مسیح کو تو مفر ہی کوئی نہ تھا یہودیوں کی قید میں تھے حوصلہ کیا دکھلاتے[3]

---

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

(بوقت سیر)

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور مشرقی جانب آپ نے چلنے کا حکم

---

[1] البدر ۷ نومبر ۱۹۰۲ء [2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

[3] البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۲ تا ۱۳ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء

دیا فرمایا کہ :-

اس طرف جنگل ہے ادھر ہی چلئے۔ جلد جنگل میں نکل جاتے ہیں۔

انبیاء کی پیشگوئیوں کا امتیاز

نزول المسیح کے متعلق مفتی محمد صادق صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :-

پیشگوئی کا جس قدر تکرار ہو گا وہ ایک نیا نشان ہو گا خدا کا عمیق علم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن باتوں کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ ان کی قبل از وقت خبر دے دیتا ہے اس کا علم غیوبیت سے پتہ لگتا ہے جو کہ طاقتوں اور قدرتوں کے ساتھ بھرا ہوا ہوتا ہے اس علم میں غیب بھی ہوتا ہے اور طاقت بھی۔ نجومی جھوٹا ہوتا ہے اس کے ساتھ طاقت نہیں ہوتی مگر انبیاء کی خبروں میں طاقت ہوتی ہے جیسے دشمن کا ادبار اور اپنا اقبال دشمن کو شکست اور اپنی فتح۔ جو اسے نجومی کے ساتھ ملاتے ہیں وہ دھوکا کھاتے ہیں کیونکہ اس میں صراحت ہوتی ہے کہ وہ (نبی) ایسا وجود ہے کہ دشمن کو پامال کرنا چاہتا ہے یہ چھیڑ چھاڑ جو عیسائیوں (کے اعتراضوں) کی ہوتی ہے آخر کسی حد تک بڑھتی جاوے گی مگر آخر کار فیصلہ ہو گا۔ خدا تو ایک دم میں فیصلہ کر سکتا ہے مگر وہ تماشہ دیکھنا چاہتا ہے زمین میں کشمکش رہتی ہے مگر آخر کار فرشتہ آکر ہاتھ مارتا ہے تو فیصلہ ہو جاتا ہے۔[1]

ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی

پھر ڈوئی اور پگٹ کا ذکر ہوا کہ اسے اس ماہ کے آخر میں ہمارا رسالہ مل جاوے گا فرمایا :-

معلوم نہیں اخبار میں ذکر کرے یا چپ رہے اس کے چپ رہنے سے معلوم ہو گا کہ وہ جسے خدا بنا رہا ہے اسے کچھ جرات بھی ہے کہ نہیں۔ اگر ذکر نہ کیا تو معلوم ہو گا کہ اس عقیدہ میں اسے خود کھٹکا ہے جس جگہ اس نے ہاتھ ڈالا ہے اس کا اسے خود علم نہیں جو توحید پر نہیں ہوتا اسے اس کا قلب خود جھوٹا ثابت کرتا ہے ان لوگوں نے ہزاروں بحثیں کیں اور جلسے بھی کئے مگر

---

[1] الحکم میں یوں مذکور ہے :-

فرمایا۔

عیسائیوں کی چھیڑ چھاڑ ذہبی رنگ میں بہت بڑھ گئی ہے اور قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ بہت بڑھے گا آخر خدا تعالیٰ مقابلہ کرے گا اور دکھا دے گا کہ آخری فتح توحید ہی کی ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

اب تک کوئی ایسی بات نہ ثابت کر سکے کہ حضرت مسیح کو انسان سے برتر کچھ خصوصیت ہے۔
ٹھاکر داس نے بھی مان لیا ہے کہ انجیل کتب سابقہ کا خلاصہ ہے کوئی نئی نہیں ہے مسیح صرف مصلوب ہونے کو آیا تھا۔
ڈوئی کے نزدیک انسان حقہ' شراب اور سور کھانے سے تو کافر ہو جاتا ہے مگر انسان کو خدا بنانے سے نہیں ہوتا۔ دوسرے مشرک تو مثل چوہوں کے ہیں ان سے تو وہ نفرت کرتا ہے اور جو بڑا بھاری مشرک ہاتھی کی مثل ہے اسے قبول کیا ہوا ہے قوم کو چونکہ اس شرک میں بہت ہی گرفتار دیکھا اس لئے دلیری نہ کر سکا کہ ان کی مخالفت کرے (مسیح کو خدا ماننے میں)

پگٹ

پگٹ کے ذکر پر فرمایا کہ
یہ لوگ بہت ہی گھبرائے ہوئے ہیں کہ آخر گھبرا گھبرا کر مسیح کو منگوا رہے ہیں۔ ڈوئی و پگٹ کے دعاوی کی اشاعت پر فرمایا کہ
ان کی شہرت کا باعث اخبار ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں پنجاب کے اخبار تو گویا برائے نام ہیں وہاں تو ایک دن میں لاکھوں کو خبر ہو جاتی ہے۔
ڈوئی کی نسبت اگر ہمارے مقابلہ پر پگٹ آئے تو بہت اثر ہو گا دجال ایک گروہ کا نام ہے اور مسیح سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا کہ خدا کی کتابوں کو توڑ موڑ کر اپنے منشا کے مطابق بنا لیا اور پھر فلسفہ کے رنگ میں خدائی کا دعویٰ کیا ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاگرد استاد سے پڑھ رہا تھا سبق میں مثال آئی "ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا" شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ زید نے عمرو کو کیوں مارا؟ استاد نے کہا کہ صرف ایک مثال ہے شاگرد نے کہا نہیں یہ تو اصل واقعہ ہے سبب بتلائیے کہ مار تک نوبت کیوں پہنچی؟ آخر استاد نے دیکھا کہ یہ پیچھا نہیں چھوڑتا اس نے کہا کہ اب مجھے مار کا سبب یاد آگیا ہے کہ عمرو نے و کا حرف چرا لیا ہے اور اپنے نام کے ساتھ لگا لیا ہے تب شاگرد نے کہا اب ٹھیک ہے باعث تو معلوم ہو گیا۔
فرمایا کہ :-
پگٹ کو ضرور چٹھی لکھنی چاہئے اگر مقابلہ کرے تو خوب اثر ہو گا اور لوگ بھی توجہ کریں گے۔
مفتی صاحب نے کہا کہ چٹھی لکھ دی ہوئی ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-
بہ نسبت امریکہ کے ولایت والوں کو ہم سے بہت واسطہ ہے اس کا اگر مقابلہ ہو اور وہ مقابلہ لکھا جاوے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نشان ظاہر کر دے ڈوئی نے تو کم مرتبہ اختیار کیا ہے مثل

غلاموں کے۔ اگر وہ (پنکٹ) ذرہ دلیر بنے تو یہ (ڈوئی) قابو میں آیا ہوا ہے کیونکہ وہ اس کی مقررہ معیاد کے اندر آگیا ہے۔ کہدیوے کہ مسیح پانی کی طرح پگھل کر آسمان سے آیا ہے اور میرے اندر رچ گیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دجال کے متعلق جب سوال ہوا کہ کیا وہ ایسے اعلیٰ درجہ والا ہو گا کہ چاند سورج سب پر اختیار پاوے گا اور مردے زندہ کرے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جھوٹ ہے اسے رتی بھر اختیار نہ ہو گا صرف مکر اور حیلہ ہی ہو گا۔

فرمایا :-

ڈوئی نے ایک بات عجیب کی ہے کہ معجزات مسیح کی مٹی پلید کر دی۔ سلب امراض کے معجزے ہی مسیح کی نسبت ان کے ہاتھ میں تھے ویسے ہی ڈوئی بھی کرتا ہے اور جب کوئی اعتراض کرے کہ تمہاری لڑکی اچھی نہ ہوئی تو جواب دیتا ہے کہ مسیح سے بھی فلاں فلاں مریض اچھا نہ ہوا۔

کیسے منحوس معجزے تھے کہ جو شخص ان کے نزدیک کافر ہے وہ بھی معجزے دکھلا سکتا ہے حالانکہ موسیٰؑ کی طرح نہ اس نے سوٹے کو سانپ بنایا اور نہ کچھ اور۔

بس یہی استدلال کافی ہے کہ زہے خدائی کہ ایک کافر نے بھی وہی بات کر کے دکھا دی۔ سلب امراض کوئی شئے نہیں ہے یہودی بھی کر سکتے ہیں اور فاسق فاجر جو خدا کی راہ سے غافل ہیں وہ بھی کر سکتے ہیں ڈوئی سے پوچھا جائے کہ مسیح کے معجزات تو وہی ہیں جو تو کر رہا ہے اور تو ان لوگوں کے نزدیک کافر ہے اب بتلا کہ مسیح کے وہ معجزات کونسے ہیں جو اس کی خدائی پر دلیل ہیں؟

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں ایرانی لوگ مشرک تھے اور قیصر روم جو کہ عیسائی تھا دراصل موحد تھا اور مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا اور جب اس کے سامنے مسیح کا وہ ذکر جو قرآن میں درج ہے پیش کیا گیا تو اس نے کہا میرے نزدیک مسیح کا درجہ اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں جو قرآن نے بتلایا ہے حدیث میں بھی اس کی گواہی بخاری میں موجود ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی کلام ہے جو کہ توریت میں ہے اور اسکی حیثیت نبوت سے بڑھ کر نہیں ہے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (الروم : ۲ تا ۵) یعنی روم اب مغلوب ہو گیا ہے مگر تھوڑے عرصہ میں (۹ سال میں) پھر غالب ہو گا عیسائی لوگ نہایت شرارت سے کہتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونو طاقتوں کا اندازہ کر لیا تھا اور پھر فراست سے یہ پیشگوئی کر دی تھی۔

مسیح کا سلبِ امراض کا معجزہ

ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مسیح بھی بیماروں کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا جو اچھے ہونے کے قابل نظر آتے تھے ان کا سلب امراض کر دیتا۔ اس طرح تو سارے معجزات ان کے ہاتھ سے جاتے ہیں یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (الروم:۵) اس دن مومنوں کو دو خوشیاں ہوں گی ایک تو جنگ بدر کی فتح دوسرے روم والی پیشگوئی کے پورا ہونے کی۔

منتر جنتر بھی سلب امراض ہی ہے مگر بڑا خبیث کام ہے اس لئے اسلام میں اس کی بجائے خدا پر توقع کا حکم دیا گیا ہے اور صرف روحانی امراض کے لئے سلب رکھا گیا ہے جیسے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس : ۱۰) حضرت مسیح تو روحانی امراض کا سلب نہ کر سکے اس لئے گالیاں دیئے چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلب امراض کا نمونہ صحابہ ہیں[1]

صحابہ کا مقام اور شیعوں پر محبت

اسی طرح آزمائش کرو کہ خدا اور رسول کی راہ میں کس نے صدق دکھلایا۔ آپس کی رنجشیں خانگی امور ہوتے ہیں ان کا اثر ان (صحابہ) پر نہیں پڑ سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (الحجر : ۴۸) اور عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (الحجر : ۴۸)۔ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ آئندہ زمانہ میں آپس میں رنجشیں ہوں گی لیکن غِلّ ان کے سینوں میں سے ہم کھینچ لیں گے وہ بھائی بھائی ہوں گے تختوں پر بیٹھنے والے۔ اب شیعوں سے پوچھو کہ اس وقت زمانہ نبوی میں تو کوئی رنجش نہ تھی اور اگر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آپس میں صلح کرا دیتے آخر یہ بات آئندہ زمانہ میں ہونے والی تھی ورنہ اس طرح پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے صلح کی کوشش تو کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔

---

[1] الحکم میں مضمون کا یہ حصہ ڈائری نویس نے تفصیل سے یوں لکھا ہے :۔

سلب امراض سے جن لوگوں کو مسیح نے عیسائیوں کے قول کے موافق زندہ کیا وہ آخر مر گئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کے نیچے لا کر جن کو زندہ کیا وہ ابد الاباد تک زندہ رہے صحابہ کا مقابلہ حواریوں سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نہیں جو صحابہ کی اس حالت کا جو قرآن نے بیان کی ہے کہ خدا کی راہ میں انہوں نے جان و مال سے دریغ نہ کیا' مقابلہ کر سکے انہوں نے خدا اور رسول کی راہ میں جو صدق دکھلایا وہ لا نظیر ہے۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۴۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۰ء)

یہ بات شیعہ پر بڑی دلیل ہے وہ صرف دو آدمیوں کا نام لیتے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آیت تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی نہ علیؓ پر اور نہ کسی اور پر۔ اگر کہو کہ اس وقت ہی غلبہ تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذباللہ صحابہ ایسے سخت دل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار کہا اور سمجھایا مگر کسی نے آپ کا کہنا نہ مانا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ تو بڑی بے ادبی ہے۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ بعد کی خبر ہے مگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ کوئی شے نہیں اسی لئے فرماتا ہے کہ تم اس پر خیال نہ کرو یہ بشریت کے اختلاف ہیں ہم ان کو بھائی بھائی بنا دیویں گے خدا تعالیٰ ہی نے یہ پیشگوئی کی کہ ایسا ہو گا بعض آپس میں لڑیں گے پھر سب سے آخر جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے نیز فرمایا

وہ وہی گروہ تھے کہ جنہوں نے آپؐ کی صحبت نہ پائی مگر آپؐ کو دیکھ لیا ایسے لوگ تیسرے طبقہ میں ہیں اور بعض ان میں سے مرتد بھی ہو گئے تھے ان کی نسبت ہے کہ آپؐ (بروز قیامت) خدا تعالیٰ کو کہیں گے کہ یہ تو ایمان لائے تھے خدا تعالیٰ کہے گا مَا تَدْرِیْ یعنی تجھ کو علم نہیں کیونکہ وہ لوگ آپ کی صحبت میں بہت قلیل رہے تھے اور وہی تھے جو پیچھے بعض ان میں سے مرتد بھی ہو گئے اور زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے قتل ہوئے تھے اہل اسلام خود اس قسم کے مرتد مانتے ہیں جو صحابہ کہلاتے تھے مگر یہ تو قرآن ہے جو بتلاتا ہے کہ جو آپس میں موحدین ہوں گے ان میں بھی تفرقہ ہو گا ایک وہ موحد تھے جنہوں نے کم وقت پایا اور پھر ان کی نسبت قرآن شریف نے کہا ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات : ۱۵) یعنی (یوں کہو کہ) ہم نے مقابلہ چھوڑ دیا لیکن ان کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا انہی کی طرف اشارہ ہے وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر : ۳) کجا صحابہ کی شان اور کجا یہ لوگ ایک گروہ جان دے چکا۔ خدا نے روح القدس سے اس کی تائید کی۔

بعض وقت غیر محل پر ذکر کرنے سے ایک عالم بھی گھبرا جاتا ہے جیسے اگر کوئی شیعہ کہے کہ..... کون ہے تو خدا نے بتلا دیا کہ یہ لوگ جو پیچھے آئے تھے اور داخل اسلام ہوئے تھے۔

(مغرب وعشاء)

اَلدَّار کی توسیع

مجوزہ مکان کی تعمیر کے واسطے میر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ لکڑی کا بندوبست بہت جلد کرنا

چاہئے اور مولوی عبدالکریم صاحب کو تاکید کی کہ
احباب کی توجہ چندہ کی طرف مائل کرنی چاہئے اور تاکید کرنی چاہئے کیونکہ یہ کام بغیر چندہ کے نہیں ہو سکتا۔
(اس مکان کی تعمیر کرنے کی علت غائی یہ ہے کہ توسیع مکان ہو جائے گی تو زیادہ احباب اس میں رہ سکیں گے اور خصوصیت کے ساتھ جو الہام اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ہے وہ تمام اس حفاظت خاص سے حصہ گیر ہو سکیں گے)
مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط حامد سنو صاحب (ایک نو مسلم انگریز) کا پڑھ کر سنایا۔ اس میں راقم نے اس امر پر تعجب کیا ہوا تھا کہ میگزین کی انگریزی مولوی محمد علی صاحب کی ہوتی ہے اور نیز راقم نے ایک کتاب تصنیف کی تھی اس کے متعلق بیان تھا کہ اگر اجازت ہو تو وہ حضرت اقدس کے نام مبارک پر طبع کی جاوے۔ حضرت اقدس نے کہا کہ
اول وہ کتاب آجاوے دیکھ کر پھر رائے قائم کی جاوے گی۔
اور اس پر حضرت اقدس نے یہ بھی تجویز فرمایا کہ

ایک اہم ارشاد

اپنے عقائد کی ایک مختصر فہرست چھاپ دی جاوے کہ عقیدہ کے ہر پہلو کا اس میں بیان ہو معجزات۔ فرشتے۔ وحی۔ حیات و وفات مسیح وغیرہ تاکہ جب کسی کو اپنے عقائد کی اطلاع دینی ہو تو جھٹ وہ روانہ کر دی جائے۔
میر ناصر نواب صاحب کی تائید پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ
مولوی محمد علی صاحب کا ایسی عمدہ انگریزی لکھنا ایک خارق عادت امر ہے چنانچہ انگریزوں نے بھی خیال کیا ہے کہ ہم نے کوئی یورپین رکھا ہوا ہے جو کہ انگریزی رسالہ لکھتا ہے۔
مولوی محمد علی صاحب نے بیان کیا کہ یہ خدا کا فضل ہی ہے ورنہ اس سلسلہ سے پیشتر میرا ایک حرف تک کہیں شائع نہیں ہوا۔

گناہ کی تعریف

مفتی محمد صادق صاحب حسب الارشاد حضرت اقدس ایک عیسائی کی کتاب سے گناہ کی حقیقت سناتے رہے اس کتاب میں ایک جگہ گناہ کی تعریف یہ لکھی تھی کہ جو امر کانشنس یا شریعت کے خلاف ہو وہ گناہ ہے

حضرت اقدس نے فرمایا :-

قرآن شریف میں بھی ہے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک : ۱۱) یعنی اگر ہم شریعت پر چلتے یا کانشنس پر ہی عمل کرتے تو اصحٰب السّعیر سے نہ ہوتے۔

موسیٰ پر الزام مکا مارنے کا جو عیسائی لگاتے ہیں' اس کی نسبت فرمایا کہ

وہ گناہ نہیں تھا ان کا ایک اسرائیلی بھائی نیچے دبا ہوا تھا طبعی جوش سے انہوں نے ایک مکا مارا وہ مرگیا جیسے اپنی جان بچانے کے لئے اگر کوئی خون بھی کردے تو وہ جرم نہیں ہوتا۔ موسیٰ کا قول جو قرآن شریف میں ہے هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (القصص : ۱۶) یعنی قبطی نے اس اسرائیلی کو عمل شیطان (فاسد ارادہ) سے دبایا ہوا تھا۔

پھر اس کتاب میں خود غرضی کو گناہ کہا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہر ایک خود غرضی گناہ میں داخل نہیں ہے جیسے کھانا پینا وغیرہ جبتک کہ وہ خلاف کانشنس یا شریعت نہ ہو جب خدا کے حکم کو توڑ کر کوئی شہوات کی خواہش کرے تو گناہ ہے اور جو (اشارہ مسیح) اپنے نفس کے لئے نجات چاہتا ہے یہ خود غرضی ہے کہ نہیں؟

مسیح کے گناہ اٹھانے پر فرمایا کہ

اس نے تمام کے گناہ اُٹھا کر پھر گناہ کیا کہ اس کو معلوم تھا کہ دعا قبول نہ ہوگی مگر پھر بھی کرتا ہی رہا۔[1]

---

۲۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر)

قرآن کریم کا مقام

اس سلسلہ مضمون میں فرمایا کہ :-

مسلمانوں میں قرآن کی عظمت نہیں رہی۔ شیعہ ہیں وہ ائمہ کے اقوال کو مقدم کرتے ہیں اور دوسرے فریق حدیثوں کے ظنی سلسلہ کو قرآن پر قاضی بناتے ہیں۔

اسی ذکر میں عبداللہ چکڑالوی اور محمد حسین کی بحث کا ذکر آگیا فرمایا :-

چکڑالوی نے تفریط کی ہے اور حدیث کو بالکل لاشئے سمجھا ہے اور محمد حسین افراط کی طرف گیا ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو لاشئے سمجھتا ہے۔

---

[1] البدر جلد نمبر ۲ ص ۱۴-۱۵ مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۲ء

کتاب اللہ، سُنّت اور حدیث

پھر آپ نے واضح اور بین طور پر اس مضمون پر کلام کیا کہ

ہمارے نزدیک تین چیزیں ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور تیسرے حدیث۔ ہمارے مخالفوں نے دھوکہ کھایا ہے کہ سنت اور حدیث کو باہم ملایا ہے ہمارا مذہب حدیث کے متعلق یہی ہے کہ جب تک وہ قرآن اور سنت کے صریح مخالف اور معارض نہ ہو اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے خواہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف سے ضعیف کیوں نہ ہو جبکہ ہم اپنی زبان میں دعائیں کر لیتے ہیں تو کیوں حدیث میں آئی ہوئی دعائیں نہ کریں جبکہ وہ قرآن شریف کے مخالف بھی نہیں۔ قرآن شریف پر حدیث کو قاضی بنانا سخت غلطی ہے اور قرآن شریف کی بے ادبی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بڑھیا نے حدیث پیش کی تو انہوں نے یہی کہا کہ میں ایک بڑھیا کے لئے قرآن شریف نہیں چھوڑ سکتا۔ ایسا ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کسی نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے ماتم کرنے سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ قرآن میں تو آیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (انعام : ۱۶۵) پس قرآن پر حدیث کو قاضی..... بنانے میں اہل حدیث نے سخت غلطی کھائی۔

اصل بات یہ ہے کہ اپنی موٹی عقل کی وجہ سے اگر کوئی چیز قرآن میں نہ ملے تو اس کو سنت میں دیکھو اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جن باتوں میں ان لوگوں نے قرآن کی مخالفت کی ہے خود ان میں اختلاف ہے ان کی افراط تفریط نے ہم کو سیدھی اور اصل راہ دکھا دی جیسے یہودیوں اور عیسائیوں کی افراط اور تفریط نے اسلام بھیج دیا۔

پس حق بات یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعہ تواتر دکھا دیا ہے اور حدیث ایک تاریخ ہے اس کو عزت دینی چاہئے سنت کا آئینہ حدیث ہے۔

یقین پر ظن کبھی قاضی نہیں ہوتا کیونکہ ظن میں احتمال کذب کا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قابل قدر ہے انہوں نے قرآن کو مقدم رکھا ہے۔

نزول اور ختم نبوت کی حقیقت

احادیث میں مسیح موعود کے لئے نزول من السماء نہیں لکھا نزول کا لفظ ہے اور یہ ظلی معنی رکھتا ہے نہ کہ حقیقی۔ نزیل لغت میں مسافر کو کہتے ہیں کیا وہ آسمان سے اترتا ہے بہرحال قرآن ہر میدان میں فتح یاب ہے۔ آپؐ کو خاتم النبیین ٹھہرایا اور اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ

کہہ کر مسیح موعود کو اپنا بروز بتا دیا ہے۔

معراج ایک کشف تھا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اسی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف اس کو رد کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی رؤیا کہتی ہیں۔

حقیقت میں معراج ایک کشف تھا جو بڑا عظیم الشان اور صاف کشف تھا اور اتم اور اکمل تھا کشف میں اس جسم کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ کشف میں جو جسم دیا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا بلکہ بڑی بڑی طاقتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور آپؐ کو اسی جسم کے ساتھ جو بڑی طاقتوں والا ہوتا ہے معراج ہوا۔

پھر آپ نے اس امر کی تائید میں چند آیات سے استدلال کیا کہ جسم آسمان پر نہیں جاتا یہ باتیں قریباً پہلے ہم بار بار درج کر چکے ہیں بخوف طوالت اعادہ نہیں کرتے۔

مسیح کی پیدائش اور خارق عادت اُمور

مسیح کی پیدائش کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا کی سنت دو طرح پر ہوتی ہے ایک کثرتی جیسے عموماً عورت سے دودھ نکلتا ہے مگر بعض اوقات نر سے بھی نکلا کرتا ہے ایسے واقعات دنیا میں ہوئے ہیں یہ قلیل الوقوع واقعات خارق عادت کہے جاتے ہیں

---

۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

برادر مکرم محمد یوسف صاحب اپیل نویس نے اپنے گاؤں میں بعض لوگوں کے شکوک کے رفع کرنے کے واسطے بعض احباب کو حضرت اقدس کے ایما سے لے جانا چاہا اس کی تجویز ہوئی کہ مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی سرور شاہ صاحب کو بھیجا جاوے۔

لہ الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

مسیح کی عصمت

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے رسالہ بے گناہی مسیح سنایا۔
اس کے ضمن میں مندرجہ ذیل نکات آپ نے بیان فرمائے :-
قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے اسماء مفعول کے لفظ میں نہیں جیسے قدوس تو ہے مگر معصوم نہیں لکھا کیونکہ پھر بچانے والا اور ہوگا۔
اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور وجودیوں سے جب کبھی مجھے کلام کرنے کا موقع ملا ہے میں نے یہی کہا ہے کہ خدا کا نام موجود نہیں لکھا کیونکہ موجود بمعنی مُدْرَك ہے اور خدا تعالیٰ کی شان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام : ۱۰۴) اور پھر یہ لفظ صحابہ میں بھی نہیں بولا گیا۔
فرمایا :-
جیسے مسیح پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کو صلیب پر چڑھایا گیا ایسا واقعہ کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوا۔ گناہ کا کمال کفر پر جا کر ہوتا ہے اور مسیح پر یہودیوں نے کفر کا فتویٰ لگایا (ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں نے برخلاف اس کے آپ کو اَلْاَمِیْن اور اَلْمَامُوْن کہا۔ مسیح کے مخالفوں کا ان کی نسبت کفر کا فتویٰ دینا اور آپؐ کے مخالفوں کا آپ کو اَلْاَمِیْن کہنا رتبہ اور درجہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا فرق بتاتا ہے[1]

---

۲۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء

مولوی جمال الدین صاحب ساکن سید والا نے سوال کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بابت جو آیا ہے کہ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (آل عمران : ۴۲) کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ کلام نہ کریں گے۔ فرمایا :-
اس سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ لَا تَسْتَطِيْعَ نہیں کہا۔

معجزہ کی حقیقت

سلیمان علیہ السلام کے لئے جو آیا ہے کہ لوہا نرم کر دیا اس سے کیا مراد ہے؟

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

فرمایا :-

تدابیر مشہودہ سے الگ ہو کر جو فعل ہوتا ہے اس میں اعجازی رنگ ہوتا ہے معجزات جن باتوں میں صادر ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان میں شریک ہوتے ہیں مگر نبی ان تدابیر اور اسباب سے الگ ہو کر وہی فعل کرتا ہے اس لئے وہ معجزہ ہوتا ہے اور یہی بات یہاں سلیمانؑ کے قصہ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کیا لوگ قصائد نہ کہتے تھے؟ کہتے تھے مگر آنحضرت صلی علیہ وسلم نے جو کلام فصیح و بلیغ پیش کیا تو وہ جوڑ توڑ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی سے تھا اس لئے معجزہ تھا کہ درمیان اسباب عادیہ نہ تھے۔ آپ نے کوئی تعلیم نہ پائی تھی اور بدوں کوشش کے وہ کلام آپ نے پیش کیا۔ غرض اسی طرح لوہا نرم کرنے کا معجزہ ہے کہ اس میں اسباب عادیہ نہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اور معنی بھی ہوں مشکلات صعب سے بھی مراد لوہا ہوتا ہے۔ وہ حضرت سلیمان پر آسان ہو گئیں مگر اصل اعجاز کا کسی حال میں انکار نہیں کرتے ورنہ اگر خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان نہ ہو تو پھر خدا کو کیا مانا؟

ہم اس کو خارق عادت نہیں مان سکتے جو قرآن شریف کے بیان کردہ قانون قدرت کے خلاف ہو۔ مثلاً ہم احیاء موتی حقیقی کا کیوں انکار کرتے ہیں؟ اس لئے کہ قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر : ۴۳)

اسی طرح ہم یہ نہیں مان سکتے کہ خدا اپنے جیسا کوئی اور خدا بھی بنا لیتا ہے کیونکہ یہ اس کی توحید کے خلاف ہے یا یہ کہ وہ خود کشی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی صفت حی و قیوم کے خلاف ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور یہاں ہی دوزخ بہشت ہوگا' ہم نہیں مان سکتے۔ اسکی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحہ : ۴) کے خلاف ہے اور اس کے خلاف جا ٹھیرتا ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الشوری : ۸) ایسا ہی ہم مان نہیں سکتے کہ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر بھی چڑھ سکتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا کہ تو آسمان پر چڑھ جا' آپ نے یہی فرمایا

سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۴)

ایسا ہی مُردے اگر واپس آسکتے تو چاہئے تھا کہ قرآن شریف ان کے لئے کوئی خاص قانون وراثت بیان کرتا اور فقہ میں کوئی باب اس کے متعلق بھی ہوتا غرض جو امور قرآن شریف کے بیان کردہ قانون کے خلاف ہیں ہم ان کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم کا متن

پوچھا گیا کہ قرآن کا جو نزول ہوا ہے وہ یہی الفاظ ہیں یا کس طرح؟

فرمایا :-

یہی الفاظ ہیں اور یہی خدا کی طرف سے نازل ہوا قرات کا اختلاف الگ امر ہے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (الحج : ۵۳) میں لَا مُحَدَّثٍ قرأت شاذہ ہے اور یہ قرأت حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے جس طرح نبی اور رسول کی وحی محفوظ ہوتی ہے اسی طرح محدث کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے

جبرائیل علیہ السلام کا نزول

پوچھا گیا جبرائیل کا نزول قلب پر ہوتا تھا یا آواز آتی تھی فرمایا :-

اس میں بحث کی کچھ ضرورت نہیں جبرائیل کا تعلق قلب ہی سے ہوتا ہے اور قرآن شریف میں یہ لفظ آیا بھی ہے مگر یہ عالم الگ ہی ہوتا ہے قرآن شریف جو تمام کتابوں اور علوم کا خاتمہ کرتا ہے اس لئے وہ بڑی اقویٰ وحی ہے اور شدت کے ساتھ اس کا نزول تھا۔

اسلام فطرتی مذہب ہے

ایک شخص نے اپنی رؤیا سنائی جس میں یہ آیت تھی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم : ۳۱)

فرمایا :-

اس کے معنی یہی ہیں کہ اسلام فطرتی مذہب ہے انسان کی بناوٹ جس مذہب کو چاہتی ہے وہ اسلام ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اسلام میں بناوٹ نہیں ہے اس کے تمام اصول فطرت انسانی کے موافق ہیں۔ تثلیث اور کفارہ کی طرح نہیں ہیں کہ جو سمجھ میں نہیں آسکتے۔ عیسائیوں نے خود مانا ہے کہ جہاں تثلیث نہیں گئی وہاں توحید کا مطالبہ ہوگا کیونکہ فطرت کے موافق توحید ہی ہے اگر قرآن شریف نہ بھی ہوتا۔ تب بھی فطرت انسانی توحید ہی کو مانتی۔ کیونکہ وہ باطنی شریعت کے موافق ہے ایسا ہی اسلام کی کل تعلیم باطنی شریعت کے موافق ہے برخلاف عیسائیوں کی تعلیم کے جو مخالف ہے دیکھو حال ہی میں امریکہ میں طلاق کا قانون خلاف انجیل پاس کرنا پڑا۔

یہ دقت کیوں پیش آئی اس لئے کہ انجیل کی تعلیم فطرت کے موافق نہ تھی۔

مسیح کو صلیب پر لٹکائے جانے کے دلائل

سوال کیا گیا کہ مسیح کو صلیب پر چڑھانا قرآن سے کہاں ثابت ہوتا ہے؟

فرمایا

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء : ۱۵۸) یہ واقعہ عیسائیوں اور یہودیوں کے متواترات سے ہے قرآن شریف اس کا انکار کیوں کرنے لگا تھا قرآن یا حدیث صحیح میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ مسیح چھت پھاڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ یہ صرف خیالی امر ہے کیونکہ اگر مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا اور وہ کوئی اور شخص تھا۔ تو دو صورتوں سے خالی نہیں یا دوست ہو گا یا دشمن۔ پہلی صورت میں مسیح نے اپنے ہاتھ سے ایک دوست کو ملعون بنایا جس لعنت سے خود بچنا چاہتا تھا اس کا نشانہ دوست کو بنایا۔ یہ کون شریف پسند کر سکتا ہے پس وہ حواری تو ہو نہیں سکتا اگر دشمن تھا تو چاہئے تھا کہ وہ دہائی دیتا اور شور مچاتا کہ میں تو فلاں شخص ہوں مجھے کیوں صلیب دیتے ہو میری بیوی اور رشتہ داروں کو بلاؤ میرے فلاں اسرار ان کے ساتھ ہیں تم دریافت کر لو۔

غرض اس تواتر کا انکار فضول ہے اور قرآن شریف نے ہرگز اس کا انکار نہیں کیا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن شریف نے تکمیل صلیب کی نفی کی ہے جو لعنت کا موجب ہوتی تھی۔ نفس صلیب پر چڑھائے جانے کی نفی نہیں کی اس لئے مَاقَتَلُوْهُ کہا اگر یہ مطلب نہ تھا تو پھر مَاقَتَلُوْهُ کہنا فضول ہو جائے گا یہ ان کے تواترات میں کہاں تھا؟ یہ اس لئے فرمایا کہ صلیب کے ذریعہ قتل نہیں کیا پھر مَاصَلَبُوْهُ سے اور صراحت کی اور لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے اور واضح کر دیا کہ وہ زندہ ہی تھا یہودیوں نے مردہ سمجھ لیا۔

اگر آسمان پر اٹھا لیا جاتا تو خدا تعالیٰ کی قدرت پر ہنسی ہوتی کہ اصل مقصود تو بچانا تھا یہ کیا تماشا کیا کہ دوسرے آسمان سے پہلے بچا ہی نہ سکا۔ چاہئے تھا کہ ایک یہودی کو ساتھ لے جاتے اور آسمان سے گرا دیتے تاکہ ان کو معلوم ہو جاتا۔

فرمایا :-

رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم:۵۸) میں ان کو ماننا پڑا ہے کہ ادریسؑ مر گیا۔ صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ اگر حضرت ادریس کو ایسا مانیں تو پھر ان کے بھی واپس آنے کا عقیدہ رکھنا پڑتا ہے جو صحیح نہیں تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے تَوَفّٰی موجود ہے[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

(بوقت صبح کی سیر)

یروشلم اور بیت المقدس سے مُراد

اس تذکرہ پر کہ عیسائیوں اور یہودیوں میں پھر اس امر کی تحریک ہو رہی ہے کہ ارض مقدس کو ترکوں سے خرید لیا جاوے مختلف باتوں کے دوران میں فرمایا :-

یروشلم سے مراد در اصل دارالامان ہے یروشلم کے معنی ہیں وہ سلامتی کو دیکھتا ہے یہ سنت اللہ ہے کہ وہ پیشگوئیوں میں اصل الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس سے مراد اس کا مفہوم اور مطلب ہوتا ہے

اسی طرح پر بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ ہے ہماری اس مسجد کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ رکھا ہے کیونکہ اقصیٰ یا باعتبار بعد زمانہ کے ہوتا ہے اور یا بعد مکان کے لحاظ سے اور اس الہام میں اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات زمانی کو لیا ہے اور اس کی تائید وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ الجمعہ : ۴) سے بھی ہوتی ہے اور بَارَكْنَا حَوْلَهٗ کا اس زمانہ کی برکات سے ثبوت ملتا ہے جیسے ریل گاڑی اور جہازوں کے ذریعہ سفروں کی آسانی اور تار و ڈاک خانہ کے ذریعہ سلسلہ رسل ورسائل کی سہولت اور ہر قسم کے آرام و آسائش قسم قسم کی کلوں کے اجراء سے ہوتے جاتے ہیں اور سلطنت بھی ایک امن کی سلطنت ہے۔

بنی اسرائیل

بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کا دیا ہوا لقب ہے اسرائیل کے معنے ہیں جو خدا سے بے وفائی نہیں کرتے اس کی اطاعت اور محبت کے رشتہ میں منسلک قوم۔ حقیقی اور اصلی طور پر اسلام کے یہی معنی ہیں بہت سی پیشگوئیوں میں جو اسرائیل نام رکھا ہے یہ قلت فہم کی وجہ سے لوگوں کو سمجھ نہیں آئی ہیں۔ اسرائیل سے مراد اسلام ہی ہے اور وہ پیشگوئیاں اسلام کے حق میں ہیں۔

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:۱۰۶)

فرمایا :-

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اَلْاَرْض سے مراد جو شام کی سرزمین ہے یہ صالحین کا ورثہ ہے اور جو اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے خدا تعالیٰ نے یَرِثُهَا فرمایا

یَمْلِکُھَا نہیں فرمایا اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وارث اس کے مسلمان ہی رہیں گے اور اگر یہ کسی اور کے قبضہ میں کسی وقت چلی بھی جاوے تو قبضہ اسی قسم کا ہو گا جیسے راہن اپنی چیز کا قبضہ مرتہن کو دے دیتا ہے یہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کی عظمت ہے ارض شام چونکہ انبیاء کی سر زمین ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا کہ وہ غیروں کی میراث ہو۔

یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء : ۱۰۶) فرمایا صالحین کے معنے یہ ہیں کہ کم از کم صلاحیت کی بنیاد پر قدم ہو۔

مومنوں کے مدارج

مومن کی جو تقسیم قرآن شریف میں کی گئی ہے اس کے تین ہی درجے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔ یہ ان کے مدارج ہیں ورنہ اسلام کے اندر یہ داخل ہیں۔ ظالم وہ ہوتا ہے کہ ابھی اس میں بہت غلطیاں اور کمزوریاں ہیں اور مقتصد وہ ہوتا ہے کہ نفس اور شیطان سے اس کی جنگ ہوتی ہے مگر کبھی یہ غالب آجاتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے کچھ غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور صلاحیت بھی۔ اور سابق بالخیرات وہ ہوتا ہے جو ان دونوں درجوں سے نکل کر مستقل طور پر نیکیاں کرنے میں سبقت لے جاوے اور بالکل صلاحیت ہی ہو۔ نفس شیطان کو مغلوب کر چکا ہو قرآن شریف ان سب کو مسلمان ہی کہتا ہے۔

ہماری جماعت ہی کو دیکھ لو کہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور یہ سب کی سب ہمارے مخالفوں ہی سے نکل کر بنی ہے اور ہر روز جو بیعت کرتے ہیں یہ ان میں ہی سے آتے ہیں ان میں صلاحیت اور سعادت نہ ہوتی تو یہ کس طرح نکل کر آتے۔ بہت سے خطوط اس قسم کی بیعت کرنے والوں کے آتے ہیں کہ پہلے میں گالیاں دیا کرتا تھا مگر اب توبہ کرتا ہوں مجھے معاف کیا جاوے۔ غرض صلاحیت کی بنیاد پر قدم ہو تو وہ صالحین میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

مسیح کا جنازہ

بعد ادائے نماز مغرب جب ہمارے سیدو مولیٰ شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے تھے تو ڈاکٹر سید عبدالستار صاحب رعیہ نے عرض کی کہ ایک شخص منشی رحیم بخش عرضی نویس بڑا سخت مخالف تھا مگر اب تحفہ گولڑویہ پڑھ کر اس نے مسیح کی موت کا تو اعتراف کر لیا ہے اور یہ بھی مجھ سے کہا کہ مسیح کا جنازہ پڑھیں۔ میں نے تو یہی کہا کہ بعد استصواب و استمزاج حضرت اقدس جواب دوں گا۔ فرمایا :۔

جنازہ میت کے لئے دعا ہی ہے کچھ حرج نہیں۔ وہ پڑھ لیں۔

اَلْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

ہمارے ناظرین منشی شاہدین صاحب سٹیشن ماسٹر مردان سے خوب واقف ہیں وہ اس سلسلہ میں قابل قدر شخص ہیں تبلیغ و اشاعت کا سچا شوق رکھتے ہیں جہاں جاتے ہیں ایک جماعت ضرور بنا دیتے ہیں الحکم کے خاص معاونین میں سے ہیں بہرحال ناظرین یہ بھی جانتے ہیں کہ مردان میں بعض شریرالنفس لوگوں کی طرف سے ان کو سخت ایذائیں دی گئیں اور آخر ان کی شرارت سے ان کی تبدیلی ہوگئی۔ حضرت اقدس کے حضور جب ان کی تکالیف اور مصائب کا ذکر ہوا تھا تو آپ نے صبر اور استقامت کی تعلیم دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر خدا تعالیٰ نے اظہار حق کیا افسران بالا دست نے بدوں کسی قسم کی تحریک کے جو منشی صاحب کی طرف سے کی جاتی۔ از خود اس مقدمہ کی تفتیش کی اور انجام کار منشی شاہدین صاحب ترقی پر گوجر خان ایک عمدہ سٹیشن پر تبدیل ہوئے اور ان کے متعلق بہت ہی اطمینان بخش رائے افسروں نے قائم کی غرض جب منشی صاحب کی اس کامیابی کا ذکر ہوا فرمایا :-

عاقبت متقی کے لئے ہے

برگردن او بماند ما بگذشت والا معاملہ ہوگیا خدا تعالیٰ نیک نیت حاکم کو اصلیت سمجھا دیتا ہے اگر اصلیت نہ سمجھیں تو پھر اندھیر پیدا ہو۔

بغداد کی تباہی

بغداد وغیرہ کی تباہی کے ذکر پر جو ہلاکو نے کی۔ فرمایا کہ :-

بدکاری حد سے بڑھ گئی تھی۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس طرح پر انکو تباہ کیا لکھا ہے کہ آسمان سے آواز آتی تھی "اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ" "

فرمایا۔ صادق مخالفوں کی شرارت اور ایذا رسانی سے اگر مارا بھی جاتا ہے تو وہ شہید ہوتا ہے مگر وہ ناعاقبت اندیش طاعون کا شکار ہونے کو باقی رہ جاتے ہیں جو ان کی شامت اعمال سے آتی ہے۔

اذان ایک عمدہ شہادت ہے

اذان ہو رہی تھی آپ نے فرمایا :-

کیسی عمدہ شہادت ہے جب یہ ہوا میں گونجتی ہوئی دلوں تک پہنچتی ہے تو اس کا عجیب اثر پڑتا ہے دوسرے مذاہب کے جس قدر عبادت کے لئے بلانے کے طریق ہیں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر

سکتے انسانی آواز کا مقابلہ دوسری مصنوعی آوازیں کب کر سکتی ہیں؟

جماعت کیلئے غلبہ کا وعدہ

اپنی جماعت کے ذکر پر فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے لئے وعدہ فرمایا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور خدا کے وعدے سچے ہیں ابھی تو تخم ریزی ہو رہی ہے ہمارے مخالف کیا چاہتے ہیں؟ اور خدا تعالیٰ کا کیا منشاء ہے یہ تو ان کو ابھی معلوم ہو سکتا ہے اگر وہ غور کریں کہ وہ اپنے ہر قسم کے منصوبوں اور چالوں میں ناکام اور نامراد رہتے ہیں اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف کیا چاہتے تھے؟ ان کا تو یہی مدعا اور مقصد تھا کہ اس جماعت کو نابود کر دیں مگر دیکھو انجام کیا ہوا؟ اگر اس اعجاز کامیابی کو جو ہمارے نبی کو حاصل ہوئی ابوجہل اس وقت دیکھے تو اس کو پتہ لگے۔ کس قدر فوق العادۃ ترقی مخالفوں کی مخالفت اور شرارت کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے کر کے دکھائی۔ یہی معاملہ یہاں ہے اگر یہ مخالف نہ ہوتے تو ایسی اعجازی ترقی یہاں بھی نہ ہوتی یعنی اس ترقی میں اعجازی رنگ نہ رہتا کیونکہ اعجاز تو مقابلہ اور مخالفت سے ہی چمکتا ہے ایک طرف تو ہمارے مخالفوں کی یہ کوششیں ہیں کہ وہ ہم کو نابود کر دیں ہمارا سلام تک نہیں لیتے اور غائبانہ ذکر بھی نفرت سے کرتے ہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ حیرت انگیز طریق پر اس جماعت کو بڑھا رہا ہے یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

کیا یہ ہمارا فعل ہے یا ہماری جماعت کا؟ نہیں یہ خدا تعالیٰ کا ایک فعل ہے جس کی تہ اور سِر کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اب ان کو کس قدر تعجب ہوتا ہو گا کہ چند سال پہلے جس جماعت کو بالکل کمزور اور ذلیل اور ضعیف سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ چند آدمی شامل ہیں اب اس کا شمار ایک لاکھ سے بھی بڑھ گیا ہے اور کوئی (دن) نہیں جاتا کہ بذریعہ خطوط اور خود حاضر ہو کر لوگ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوتے یہ خدا کا کام ہے اور اس کی باتیں عجیب ہوتی ہیں[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۲ء

۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

(بوقت صبح کی سیر)

طاعون

حسب معمول آپ حلقہ خدام میں سیر کو نکلے طاعون کا تذکرہ شروع ہونے پر فرمایا کہ :-

قرآن شریف میں اس کو رِجْزٌ مِّنَ السَّمَآءِ (البقرہ:۶۰) کہا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پر انسانی ہاتھ نہیں پڑ سکتا اور نہ زمینی تدابیر اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ ورنہ یہ عذاب آسمانی نہ رہے۔

طاعون جو اس کا نام رکھا ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے فاروق۔ جب طعن اور تکذیب حد سے گذر جاتی ہے تو پھر اس کی پاداش میں طاعون آتی ہے اور پھر صفائی کر کے ہی قہر الٰہی بس کرتا ہے۔

دَآبَّةُ الْاَرْض اور طاعون میں تعلق

عرض کیا گیا کہ دَآبَّةُ الْاَرْض (سبا : ۱۵) اور رِجْزٌ مِّنَ السَّمَآءِ میں کیا تعلق ہے؟

فرمایا :-

امر تو آسمانی ہی ہوتے ہیں یعنی اس طاعون کا امر آسمان سے آتا ہے اور وہ انسانی ہاتھوں سے بالا تر امر ہوتا ہے اور اس کا معالجہ بھی آسمان ہی سے آتا ہے دَآبَّةُ الْاَرْض طاعون کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے کیڑے تو زمینی ہی ہوتے ہیں۔

طاعونی موت شہادت ہوتی ہے

عرض کیا گیا کہ طاعون سے مرنا شہادت بتاتے ہیں۔ تو پھر عذاب کیونکر ہوا

فرمایا جو لوگ طاعون سے مرنا شہادت بتاتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ طاعونی موت تو عذاب الٰہی ہی ہے لیکن جو حدیث میں آیا ہے کہ اگر مومن ہو کر طاعون میں مرجاوے تو شہادت ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ نے گویا ہر مومن کی پردہ پوشی کی ہے۔ کثرت سے اگر مرنے لگیں تو شہادت نہ رہے گی۔ پھر عذاب ہو جائے گا شہادت کا حکم شاذ کے اندر ہے کثرت ہمیشہ کافروں پر ہوتی ہے۔

اکثر یہ ایسی ہی شہادت اور برکت والی بات تھی تو اس کا نام رِجْزٌ مِّنَ السَّمَآءِ نہ رکھا جاتا اور کثرت سے مومن مرتے اور انبیاء ابتلاء ہوتے مگر کیا کوئی کسی نبی کا نام لے سکتا ہے؟ ہرگز

نہیں پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شاذ مومن اس سے مرجاوے تو اللہ تعالیٰ اپنی ستاری سے اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور اس کے لئے کہا گیا کہ وہ شہادت کی موت مرتا ہے ماسوا اس کے میں نے بارہا کہا ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن شریف کے متعارض ہو اور اس کی تاویل قرآن شریف کے موافق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہئے حکم ہمیشہ کثرت پر ہوتا ہے شاذ تو معدوم کا حکم رکھتا ہے۔

دربارِ شام

بعد ادائے نماز مغرب اول چند آدمیوں نے بیعت کی پھر مفتی محمد صادق صاحب نے ڈوئی کے اخبار سے چند پیراگراف سنائے فرمایا :-

یہ لغو اور کفر تو ہوتا ہے مگر اس سے تحریک ہو جاتی ہے اور تحریک بچہ کے بازیچہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

یہی اعتراض میری سچائی کا گواہ ہے

ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے منشی رحیم بخش عرضی نویس کا خط پیش کیا جس میں دو سوال لکھے تھے پہلا سوال یہ تھا کہ براہین میں مسیح کی آمد ثانی کا اقرار تھا کہ وہی مسیح آئے گا پھر اس کے خلاف دعویٰ کیا گیا یہ تنزل بیانی قابل اعتبار نہیں ہوگی فرمایا :-

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہم نے ایسا لکھا ہے اور ہمیں یہ بھی دعویٰ نہیں ہے کہ ہم عالم الغیب ہیں ایسا دعویٰ کرنا ہمارے نزدیک کفر ہے اصل بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہ آوے ہم کسی امر کو جو مسلمانوں میں مروج ہو چھوڑ نہیں سکتے۔

براہین احمدیہ کے وقت اس مسئلہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں توجہ نہیں دلائی۔ پھر جبکہ ایک چرخہ کاتنے والی بڑھیا بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی اور جانتی تھی کہ مسیح دوبارہ آئے گا تو ہم اس کو کیسے چھوڑ سکتے تھے جب تک کہ خدا کی طرف سے صریح حکم نہ آجاتا اس لئے ہمارا بھی یہی خیال تھا۔ مخالفوں کی بے ایمانی ہے کہ ایک خیال کو وحی یا الہام بنا کر پیش کرتے ہیں براہین میں یہ بات عامیانہ اعتقاد کے رنگ میں ہے نہ یہ کہ اس کی نسبت وحی کا دعویٰ کیا گیا ہو مگر جب خدا تعالیٰ نے ہم پر بذریعہ وحی اس راز کو کھول دیا اور ہم کو سمجھایا اور یہ وحی تواتر تک پہنچ گئی تو ہم نے اس کو شائع کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ کسی امر پر اطلاع دیتا ہے تو وہ اس سے ہٹ جاتے ہیں یا اختیار کرتے ہیں۔ دیکھو۔ ایک عائشہ رضی اللہ عنہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول کوئی اطلاع نہ ہوئی یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت عائشہؓ اپنے والد کے

گھر چلی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کہا کہ اگر ارتکاب کیا ہے تو توبہ کرلے ان واقعات کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو کس قدر اضطراب تھا مگر یہ راز ایک وقت تک آپ پر نہ کھلا لیکن جب خدا تعالیٰ نے اپنی وحی سے تبریہ کیا اور فرمایا اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ..... وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ (النور : ۲۷) تو آپ کو اس افک کی حقیقت معلوم ہوئی اس سے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی فرق آتا ہے؟ ہرگز نہیں وہ شخص ظالم اور ناخدا ترس ہے جو اس قسم کا وہم بھی کرے۔ اور یہ کفر تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عالم الغیب ہیں۔ عالم الغیب ہونا خدا کی شان ہے۔ یہ لوگ سنت انبیاء علیہم السلام سے اگر واقف اور آگاہ ہوں تو اس قسم کے اعتراض ہرگز نہ کریں افسوس ہے کہ ان کو گلستان بھی یاد نہیں جہاں حضرت یعقوب کی حکایت لکھی ہے ۔

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر یک حال ماندے
سر دست از دو عالم بر فشاندے

یہ سچی بات ہے اور ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے دکھائے بغیر نہیں دیکھتے اور اس کے سنائے بغیر نہیں سنتے اور اس کے سمجھائے بغیر نہیں سمجھتے۔ اس اعتراف میں ہمارا فخر ہے ہم نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ہم عالم الغیب ہیں ہم نے انہیں خیالات کے مسلمانوں میں نشو و نما پایا تھا ایسا ہی مہدی و مسیح کے متعلق ہمارا علم تھا مگر جب خدا تعالیٰ نے اصل راز ہم پر کھولا اور حقیقت بتا دی تو ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور نہ خود چھوڑا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی طرف اسی کے حکم سے دعوت دی اور اس کو چھڑایا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جس امر کو نادان اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے اسی میں ہمارا فائدہ اور ہماری تائید ہوتی ہے دیکھو براہین میں ایک طرف مجھے مسیح موعود ٹھہرایا ہے اور وہ تمام وعدے جو آنے والے مسیح کے حق میں ہیں میرے ساتھ کئے

اور دوسری طرف ہم اپنے اسی قلم سے مسیح کے دوبارہ آنے کا اقرار کرتے ہیں اب ایک دانشمند اور خدا ترس مسلمان اس معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اگر یہ دعویٰ ہمارا افتراء ہوتا اور ہم نے از خود بنایا ہوتا یا منصوبہ بازی ہوتی تو اس قسم کا اقرار ہم اس میں کیوں کرتے یہ سادگی صاف بتاتی ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے ہم کو علم دیا اسے ہم نے ظاہر کیا بظاہر یہ کاروائی متناقض ہے مگر ایک سعید فطرت انسان کے لئے ایک روشن تر دلیل ہے کیونکہ جب تک خدا تعالیٰ نے ہم پر نہیں کھولا باوجودیکہ ہمارے ساتھ وہی وعدے جو مسیح موعود کے ساتھ کئے جاتے اور اسی براہین میں میرا نام مسیح رکھا جاتا ہے اور هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ (الاٰیۃ) الہام ہوتا ہے مگر اسی قلم سے میں لکھتا ہوں کہ مسیح موعود دوبارہ آئے گا ہم نے قِیَامُ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہ کو نہیں چھوڑا جب تک کہ آفتاب کی طرح کھل نہیں گیا یہی اعتراض ہماری سچائی کا گواہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلے پہل وحی آئی تو آپ نے یہی فرمایا خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ بیوی کہتی ہے کَلَّا لَا وَاللّٰہِ اور پھر بیوی نے کہا کہ آپ ضعفاء کے مددگار ہیں آپ کو خدا ضائع نہیں کرے گا پھر خدا تعالیٰ نے جب آپ پر امر نبوت کو واضح طور پر کھول دیا تو آپ نے تبلیغ اور اشاعت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مومن اس مقام کو جہاں ہوتا ہے نہیں چھوڑتا جب تک خدا نہ چھڑائے۔

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ضمناً عرض کیا کہ تعجب کی بات ہے ایک قوم اور بھی تو ہے جس نے خدا کے اس راستباز اور صادق مسیح موعود کو تسلیم کیا ہے اور وہ اس پر ایمان لائی ہے اس کے سامنے کیا یہ باتیں نہیں ہیں؟ ہیں مگر ان کو ان پر کوئی اعتراض نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایمان بڑھتا اور اس کی سچائی پر ایک عرفانی رنگ کی دلیل پیدا ہوتی ہے حضرت اقدس نے سن کر فرمایا

بے شک یہ تو سچائی کی دلیل ہے نہ اعتراض۔ کیونکہ ماننا پڑے گا کہ تصنع سے یہ دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ خدا کے حکم اور وحی سے کیا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ کی آمد کے واقعات کو ہی تو اس میں بیان کیا بلکہ میرا نام عیسیٰ رکھا اور لکھا کہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ میرے حق میں ہے اور ادھر کوئی توجہ نہیں۔ پس اس سے صاف ثابت ہے کہ اگر میرا یہ کام ہوتا تو اس میں دوبارہ آنے کا اقرار نہ ہوتا۔ یہ اقرار ہی بتاتا ہے کہ یہ خدا کا کام ہے

اس پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اس نکتہ سے خاص ذوق اٹھا کر عرض کیا کہ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو قرآن شریف کی حقانیت پر پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ آنحضرت کا کلام ہوتا تو اس میں زینب کا قصہ نہ ہوتا۔ حضرت اقدس نے پھر اس سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

اب کونسی نئی بات ہے جس کا ذکر براہین میں نہیں ہے براہین کو طبع ہوئے پچیس برس کے قریب ہو

گزرے ہیں اور اس وقت کے پیدا ہوئے بچے بھی اب بچوں کے باپ ہیں اس میں ساری باتیں درج ہیں بناوٹ کا مقابلہ اس طرح پر ہو سکتا ہے؟ کیا تیس برس پہلے ایک شخص ایسا منصوبہ کر سکتا ہے؟ جبکہ اسے اتنا بھی یقین نہیں کہ وہ اس قدر عرصہ تک زندہ رہے گا۔ پھر کیونکر میں اپنا نام اتنے سال پہلے از خود عیسیٰ رکھ سکتا تھا اور ان کاموں کو جو اس کے ساتھ منسوب تھے اپنے ساتھ منسوب کرتا۔ ہاں اس سے منصوبہ بے شک پایا جاتا اگر میں اس وقت لکھ دیتا کہ آنے والا میں ہی ہوں مگر اس وقت نہیں کہا باوجودیکہ هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی کا اعتراف کیا ہے کہ میرے حق میں ہے یہ خدا کا کام تھا کہ مسیح کا دعویٰ تو اس میں بیان کیا گیا مگر اس کو چھپایا اور زبان سے یہ نکلوا دیا کہ وہ آئے گا میں حلفاً" یہ کہتا ہوں کہ آج جو دعویٰ کیا گیا ہے براہین میں یہ سارا موجود ہے ایک لفظ بھی کم و بیش نہیں ہوا اگر اس میں الہامات نہ ہوتے تو اعتراض کی گنجائش ہوتی گو اس وقت بھی اعتراض فضول ہوتا کیونکہ وہ دعویٰ وحی سے نہیں تھا بلکہ اپنی ذاتی رائے تھی خدا تعالیٰ نے یہ اس لئے کیا تا ظنون اور جعل سازی کے وہم دور ہوں۔

مسیح موعود کے قریشی ہونے کی حقیقت

دوسرا سوال ان کا اس امر پر تھا کہ آپؑ نے مسیح موعود کو لکھا ہے کہ وہ قریش میں سے نہیں اور پھر بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قریشی ہے اس کی مطابقت کیونکر ہو؟

فرمایا :-

مسیح موعود کو جس طرز پر ہم کہتے ہیں کہ وہ قریش میں سے نہیں وہ اس اعتبار سے نہیں جیسے قریش ہیں اہل فارس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں سے ٹھہرایا ہے اور میرا الہام بھی ہے سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ اسی نام سے مجھے اہل بیت میں داخل کیا ہے داخل کرنا اور بات ہے اور ہونا اور۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ہے اہل فارس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت اور قریش سے ٹھیرایا ہے اسلئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلام سے قریش اور اہل بیت میں ہوں۔

اس پر حضرت حکیم الامتہ نے يُسْلَبُ الْمُلْكُ مِنْ قُرَيْشٍ کا ذکر کر کے عرض کیا کہ حضور ہم قریشیوں سے ملک چھینا گیا مگر کسی نے ہماری قوم سے غور نہیں کی کہ کیوں ایسا ہوا؟ تکبر کا اتنا بڑا خطرناک مرض ہماری قوم میں ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ سید کی لڑکی کسی دوسرے کے گھر میں دینا کفر سمجھا گیا ہے اس پر میر صاحب نے کہا کہ ہم سے کوئی پوچھا کرتا ہے تو اس کو یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی ایک بہن تھی کوئی ہمیں بتائے

وہ کس سید کو دی گئی تھی۔

بروز کی حقیقت

پھر بروز کے متعلق سلسلہ کلام یوں شروع ہوا

فرمایا :-

نیکوں اور بدوں کے بروز ہوتے ہیں۔ نیکوں کے بروز میں جو موعود ہے وہ ایک ہی ہے یعنی مسیح موعود۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ : ۶و۷) سے نیکوں کا بروز اور ضَآلِّيْن سے عیسائیوں کا بروز اور مَغْضُوْب سے یہودیوں کا بروز مراد ہے اور یہ عالم بروزی صفت میں پیدا کیا گیا ہے جیسے پہلے نیک یا بد گزرے ہیں ان کے رنگ اور صفات کے لوگ اب بھی ہیں خدا تعالیٰ ان اخلاق اور صفات کو ضائع نہیں کرتا۔ ان کے رنگ میں اور آجاتے ہیں جب یہ امر ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ابرار اور اخیار اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا جب یہ سلسلہ ختم ہو جاوے گا تو دنیا کا بھی خاتمہ ہے لیکن وہ موعود جس کے سپرد عظیم الشان کام ہے وہ ایک ہی ہے کیونکہ جس کا وہ بروز ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی ایک ہی ہے۔

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

حضرت حکیم الامتہ نے مولوی ابو رحمت حسن صاحب کا ذکر سنایا کہ وہ بڑے اخلاص سے خط لکھتے ہیں اور انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اس آیت پر مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تہذیب کے خلاف ہے فرمایا کہ

جو خدا تعالیٰ کو خالق سمجھتے ہیں تو کیا اس خلق کو لغو اور باطل قرار دیتے ہیں جب اس نے ان اعضاء کو خلق کیا اس وقت تہذیب نہ تھی خالق مانتے ہیں اور خلق پر اعتراض نہیں کرتے تو پھر اس ارشاد پر اعتراض کیوں؟ دیکھنا یہ ہے کہ زبان عرب میں اس لفظ کا استعمال ان کے عرف کے نزدیک کوئی خلاف تہذیب امر ہے جب نہیں تو دوسری زبان والوں کا حق نہیں کہ اپنے عرف کے لحاظ سے اسے خلاف تہذیب ٹھہرائیں۔ ہر سوسائٹی کے عرفی الفاظ اور مصطلحات الگ الگ ہیں۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ تا ۱۰ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

۲۹ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(صبح کی سیر)

دُرِّ حکمت

طاعون کے ذکر پر ضمناً فرمایا :-

(۱) خدا کے کام عجیب ہوتے ہیں لوگ مغرور ہو کر مطمئن ہو جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ پھر پکڑتا ہے۔

(۲) نادان انسان ذرا سی خوشی پر تکبر سے باتیں کرتا ہے مگر آخر فتح اسی کی ہوتی ہے جس کے ساتھ خدا ہو۔

(۳) اسلام نے ہمیشہ نصرانیت کی سرکوبی کی ہے اور اب وہ وقت ہے کہ ان کے عقائد کی پردہ دری ہو گئی ہے اور اس کے بعد کسی کو حوصلہ نہ ہو گا کہ انسان کے بچہ کو خدا بنائے۔

فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور مطیع فرمان تھے کہ کسی نبی کے شاگردوں میں ایسی نظیر نہیں ملتی اور خدا کے احکام پر ایسے قائم تھے کہ قرآن شریف ان کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے لکھا ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہوا تو جس قدر شراب برتنوں میں تھی وہ گرا دی گئی اور کہتے ہیں کہ اس قدر شراب بہی کہ نالیاں بہ نکلیں اور پھر کسی سے ایسا فعل شنیع سرزد نہ ہوا اور وہ شراب کے پکے دشمن ہو گئے دیکھو یہ کیسا ثبات اور استقلال علی الطاعت تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس وفاداری۔ محبت اور ارادت اور جوش سے انہوں نے کی کبھی کسی نے نہیں کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی بار پتھراؤ کرنا چاہتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تو ایسے کمزور اور ضعیف الاعتقاد تھے کہ خود عیسائیوں کو تسلیم کرنا پڑا ہے اور حضرت مسیح آپ انجیل میں ست اعتقاد ان کا نام رکھتے ہیں انہوں نے اپنے استاد کے ساتھ سخت غداری کی اور بے وفائی کا نمونہ دکھایا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں الگ ہو گئے ایک نے گرفتار کرا دیا دوسرے نے لعنت بھیج کر انکار کر دیا۔

مگر صحابہؓ ایسے ارادت مند اور جاں نثار تھے کہ خود خدا تعالیٰ نے ان کی شہادت دی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جانوں تک دینے میں دریغ نہیں کیا اور ہر صفت ایمان کی ان میں پائی جاتی ہے عابد' زاہد' سخی' بہادر اور وفادار' یہ شرائط ایمان کی کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتیں۔

جس قدر مصائب اور تکالیف صحابہؓ کو ابتدائے اسلام میں اٹھانی پڑیں ان کی نظیر بھی کسی اور

قوم میں نہیں ملتی۔اس بہادر قوم نے ان مصیبتوں کو برداشت کرنا گوارا کیا لیکن اسلام کو نہیں چھوڑا ان مصیبتوں کی انتہا آخر اس پر ہوئی کہ ان کو وطن چھوڑنا پڑا اور نبی کریمؐ کے ساتھ ہجرت کرنی پڑی اور جب خدا تعالیٰ کی نظر میں کفار کی شرارتیں حد سے تجاوز کر گئیں اور وہ قابل سزا ٹھہر گئیں تو خدا تعالیٰ نے انہیں صحابہؓ کو مامور کیا کہ اس سرکش قوم کو سزا دیں چنانچہ اس قوم کو جو مسجدوں میں دن رات اپنے خدا کی عبادت کرتی تھی اور جس کی تعداد بہت تھوڑی تھی جس کے پاس کوئی سامان جنگ نہ تھا مخالفوں کے حملوں کو روکنے کے واسطے میدان جنگ میں آنا پڑا۔ اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔

پھر ان جنگوں میں یہ چند سو کی جماعت کئی کئی ہزار کے مقابلہ میں آئی اور ایسی بہادری اور وفا داری سے لڑی اگر حواریوں کو اس قسم کا موقع پیش آتا تو ان میں سے ایک بھی آگے نہ ہوتا۔ ایک ذرا سے ابتلا پر وہ اپنے آقا کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو ایسے معرکوں میں ان کا ٹھہرنا ایک ناممکن بات ہے مگر اس ایمان دار اور وفادار قوم نے اپنی شجاعت اور وفا داری کا پورا نمونہ دکھایا اور جو کچھ جوہر انہوں نے دکھائے وہ سچے ایمان اور یقین کے نتائج تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو کہا کہ بڑھ کر دشمن پر حملہ کرو تو انہوں نے کیا شرمناک جواب دیا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (المائدۃ : ۲۵) تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ صحابہؓ کی لائف میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں جنہوں نے یہ کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ایسی قوت اور شجاعت اور وفاداری کا جوش کیونکر پیدا ہو گیا تھا؟ یہ سب ایمان اور یقین کا نتیجہ تھا جو آپؐ کی قوت قدسی اور تاثیر کا اثر تھا آپ نے ان کو ایمان سے بھر دیا تھا۔

مسیح کے حواریوں کا ایمان

مسیح کے حواریوں میں جو ایمانی قوت پیدا نہیں ہوئی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان کے معجزات پر کوئی قوی ایمان اور بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ اصل بات یہی ہے جیسا کہ بعض عیسائی مصنفوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ حواری دنیا دار اور سطحی خیال کے آدمی تھے انہیں یہ خیال تھا کہ یہ بادشاہ ہو جائے گا۔ تو ہم کو عہدے ملیں گے ان کا تعلق ایک لالچ کے رنگ میں مسیح کے ساتھ تھا اس لئے وہ ایمانی قوت اور عرفانی مذاق ان میں پیدا نہ ہوا۔ اگر وہ معجزات مسیح کو دیکھتے کہ مردوں کو زندہ کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسے عجوبے دیکھ کر بھی ایمان میں قوت نہ آئے۔ حقیقت یہی ہے کہ مسیح سے سلبِ امراض وغیرہ کے نشانات جو دیکھتے تھے وہ ایسے عام تھے کہ یہودی بھی

کرتے تھے اور ایک تالاب پر بھی مریض جا کر اچھے ہو جایا کرتے تھے اس لئے ان باتوں نے معجزات مسیح کی کوئی عظمت دل میں پیدا نہ کی اور وہ نور یقین و معرفت جو گناہوں کو زائل کرتا ہے ان میں پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے یہودا اسکریوطی جو مسیح کا خزانچی تھا اور جس کے پاس ایک ہزار روپیہ کی تھیلی رہتی تھی اس میں سے چرا لیا کرتا تھا اور اسی لالچ نے اس کو تیس درہم لے کر گرفتار کرانے پر آمادہ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح

مسیح کے پاس تو ایک ہزار کی تھیلی رہتی تھی اور تعجب ہے کہ باوجودیکہ ایک ہزار روپیہ پاس رہتا تھا پھر بھی کہتے ہیں کہ ابن آدم کو سر رکھنے کو جگہ نہیں۔ آنحضرت کی یہ حالت تھی کہ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا وہ سخاوت کر دیا کرتے تھے ایک بار آپ کے گھر میں..... ایک مہر تھی آپؐ نے اس کو لیکر تقسیم کر دیا۔

مسیح کا شوق جہاد

پادری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں پر اعتراض کرتے ہیں اپنے گھر میں نگاہ نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں بالکل دفاعی تھیں مگر مسیح کو اس قدر شوق تھا کہ اس نے شاگردوں کو کہا کہ کپڑے بیچ کر بھی ہتھیار خریدو۔ اصل میں مسیح کا لڑائیاں نہ کرنا "مسترنی بی از بے چادری" کا مصداق ہے اگر انہیں موقع ملتا تو وہ ہرگز تامل نہ کرتے۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم سے جو انہوں نے ہتھیاروں کے خریدنے کی دی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کس قدر شوق تھا اور داؤد کے تخت کی وراثت کا خیال لگا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپؐ نے ان مخالفوں سے جنہوں نے سخت ایذائیں دی ہوئی تھیں اور جو اب واجب القتل ٹھہر چکے تھے پوچھا تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے انہوں نے کہا تو کریم ابن کریم ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ اچھا میں نے تم سب کو بخش دیا آپ کے اس رحم و کرم نے ان پر ایسا اثر کیا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے حضرت مسیح کو اپنے ایسے اخلاق کے اظہار کا موقع ہی نصیب نہیں ہوا اور حواریوں کے لئے تو مسیح کا آنا ایک قسم کا ابتلا تھا کیونکہ ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا اور انہوں نے کچھ نہ سیکھا۔

مسیح ناصری اور مسیح محمدی

فرمایا:۔

جو کامیابی اور اثر مسیح ابن مریم کا ہوا وہ تو صاف ظاہر ہے اور جس کمزوری اور ناکامی کے

ساتھ انہوں نے زندگی بسر کی وہ انجیل کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتی ہے مگر مسیح موعود جیسے اپنے زبردست اور قوت قدسیہ کے کامل اثر والے متبوع کا پیرو ہے اسی طرح پر اس کی عظمت اور بزرگی کی شان اس سے بڑھی ہوئی ہے جو کامیابیاں اور نصرتیں اس جگہ خدا نے ظاہر کی ہیں مسیح کی زندگی میں ان کا نشان نہیں۔ نہ معجزات میں' نہ پیشگوئیوں میں' نہ تعلیم میں۔ غرض جیسے آنحضرتؐ اپنے مثیل موسیٰؑ سے ہر پہلو میں بڑھے ہوئے تھے اور گویا آپ اصل اور موسیٰؑ آپ کا ظل تھے اسی طرح مسیح موعود موسوی مسیح سے نسبت رکھتا ہے۔

نصرانیت کا اثر

نصرانیت کا اثر آج کل عام ہو رہا ہے بعض تو بالکل مرتد ہو گئے ہیں اور بعض نے اور نہیں تو فیشن میں ہی ان کی تتبع کر لیا ہے۔

نیکی اور بدی کی کشش

فرمایا :-

انسان کے اندر نیکی اور بدی کی ایک کشش ہے آدمی نیکی کرتا ہے مگر نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں نیکی کرتا ہے اسی طرح ایک شخص بدی کی طرف جاتا ہے لیکن اگر اس سے پوچھا جاوے تو کدھر جاتا ہے تو وہ نہیں بتا سکتا۔ مثنوی رومی میں ایک حکایت اس کشش پر لکھی ہے کہ ایک فاسق آقا کا ایک نیک غلام تھا صبح کو جو مالک نوکر کو لے کر بازار سودا خریدنے کو نکلا تو راستہ میں اذان کی آواز سن کر نوکر اجازت لے کر مسجد میں نماز کو گیا اور وہاں اسے ذوق اور لذت پیدا ہوا تو بعد نماز ذکر میں مشغول ہو گیا آخر آقا نے انتظار کر کے اس کو آواز دی اور کہا کہ تجھے اندر کس نے پکڑ لیا نوکر نے کہا کہ جس نے تجھے اندر آنے سے باہر پکڑ لیا غرض ایک کشش لگی ہوئی ہے اسی کی طرف خدا نے اشارہ فرمایا ہے كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل:۸۵)

---

۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(صبح کی سیر)

الہام

"نتیجہ خلاف امید ہے"

لہ الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ کالم ۳ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی گئی۔
آج کی سیر میں متفرق مقامی اور آنی امور پر سلسلہ گفتگو شروع رہا اور ختم ہوا۔

(دربارِ شام)

ضرورت عمل کی ہے

۱۔ میاں نبی بخش نمبردار پنڈوری نے عرض کی کہ حضور میں کچھ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں۔ فرمایا :۔
علم کیا، اصل ضرورت عمل کی ہے

قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہ

۲۔ ایک شخص نے ملازمت چھوڑ کر تجارت کے متعلق مشورہ پوچھا۔ فرمایا:
نوکری چھوڑنی نہیں چاہئے قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہ بھی ضروری ہے بلا وجہ ملازمت کو چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔

طلبِ حق کیلئے ضروری امور

۳۔ ایک ہندو نوجوان نے (جو اپنا نام طالب حق رکھتا تھا) عرض کی کہ میں ایک عرصہ سے طلب حق چاہتا ہوں مگر مجھے ابھی تک وہ راہ نہیں ملی۔ فرمایا :۔
طلب حق کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے اول عقل سلیم چاہئے بعض لوگ طلب حق تو چاہتے ہیں مگر غبی اور بلید طبع ہوتے ہیں اور قوت فیصلہ نہیں رکھتے اس لئے جو کچھ سمجھایا جاوے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور کل مذاہب ان کے سامنے پیش کئے جاویں تو وہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان میں سے حق کس کے ساتھ ہے یہ بیماری ہے طبیبوں نے اس کو سوفسطائی عقل لکھا ہے ان پر وہم غالب ہوتا ہے اس لئے اول طالب حق کے واسطے ضروری ہے کہ وہم غالب نہ ہو۔
دوم۔ قبول حق کے لئے جرأت رکھتا ہو بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ حق کو سمجھ تو لیتے ہیں مگر برادری کے تعلقات نہیں ٹوٹتے ایسے لوگ بزدل ہوتے ہیں یہ بزدلی بھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔
پہلے پہل جو بچہ مدرسے میں بھیجا جاتا ہے اس کے سامنے تو ابجد ہی پیش کی جاتی ہے۔ کوئی بڑی کتاب نہیں رکھی جاتی اسی طرح مذہب کی پرکھ میں پہلے بتدأ موٹے موٹے اصولوں میں مقابلہ

کر کے دیکھ لینا چاہئے کہ مذہب حق کونسا ہے ؟ مجھے تعجب آتا ہے کہ اس وقت مذاہب کا مقابلہ ہو رہا ہے اور امر حق صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور اس ہند ہی میں سب مذاہب موجود ہیں سناتن' عیسائی' آریہ' مسلمان وغیرہ بڑے بڑے یہی مذہب ہیں۔

مذہب کی جڑ خداشناسی ہے

مذہب کی پہلی جزو اور جڑھ خدا شناسی ہے جس کا پہلا قدم ہی غلط اور بے ٹھکانے ہے دوسرا قدم اس کا کب ٹھکانے پر پڑے گا اب اس اصل پر مذہب کو شناخت کرلو۔

سناتن دھرم

سناتن دھرم کو لو انہوں نے کوئی جڑی بوٹی پتھر درخت چاند سورج غرض مخلوق میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کی پرستش نہیں کی اور جس کو خدا نہیں بنایا اب جس مذہب کا خداشناسی کے متعلق یہ عقیدہ ہو۔ اس کو علوم حقہ سے حصہ کب مل سکتا ہے؟ اس کی اخلاقی حالتیں کیونکر درست ہو سکتی ہیں؟ وہ توریل کو بھی دیکھیں تو اسے بھی سجدہ کرنے کو تیار ہیں۔ اور اسے خدا ماننے لگتے ہیں۔

آریہ دھرم

پھر ان لوگوں میں ایک اور فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اصلاح یافتہ فرقہ سمجھتا ہے اور اس کو آریہ کہتے ہیں۔

آریہ کی خدا شناسی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے بر خلاف وید کے خدا کی توحید کا زبانی اقرار تو کیا ہے گو وید اگنی وایو وغیرہ کی پرستش کی گئی ہے لیکن یہ لوگ اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بتوں کی پوجا نہیں کرتے مگر خدا شناسی میں باوجود اس اقرار کے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور وہ یہ کہ وہ خدا کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے اور صرف جوڑنے جاڑنے والا مانتے ہیں جب خدا کی اس عظیم الشان صفت سے انکار کیا گیا تو ایسا ناقص اور ادھورا خدا کب کسی کے ماننے میں آسکتا ہے پھر انہوں نے خدا کی دوسری صفتوں کا بھی انکار کیا مثلاً وہ مانتے ہیں کہ وہ کسی انسان کو کوئی چیز عطا نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کے عملوں کی ہی پاداش ملتی ہے پھر انہیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اگر گناہ نہ ہوتا تو دنیا کا کام نہ چل سکتا کیونکہ گائے' بکری' بھینس اور دوسری آرام دہ مخلوق نہ ہو سکتی اس قسم کا خدا انہوں نے مانا ہے گویا خدا شناسی کے مقام سے یہ مذہب بھی گرا ہوا ہے۔

عیسائیت

پھر ایک اور مذہب ہے جس کی اشاعت کے لئے کروڑہا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور وہ عیسائی مذہب ہے اس میں خدا شناسی کی اور بھی ردی حالت ہے وہ اول تو سرے سے خدا ہی کو تین مانتے ہیں اور یہ ایسا مسئلہ ان کے نزدیک ہے کہ وہ سمجھ میں آہی نہیں سکتا اور پھر ان تین میں سے ایک عاجز انسان بھی ہے جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا اور جس کی ساری عمر جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے ایک کرب اور اضطراب میں گذری۔ ماریں کھاتا رہا اور آخر یہودیوں نے اس کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا اب اگر خدا کا یہی نمونہ ہے تو کون اس پر ایمان لا سکتا ہے؟

اسلام

مگر اسی خدا شناسی کے متعلق جو تعلیم اسلام نے دی ہے وہ ایسی صاف ہے کہ ہر عقلمند کو اس کے ماننے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ اللہ وہ ہے جو تمام اوصاف حمیدہ سے موصوف اور تمام نقصوں سے مبرا ہے وہ تمام اشیاء کا خالق اور مالک ہے وہ رحمان اور رحیم ہے۔ اسلام کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا ہمسر نہیں بناتا۔ وہ خالق اور مخلوق میں فرق بتاتا ہے۔

اب اس اصل میں جب مقابلہ کیا جاوے تو کیسے صاف اور واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی مذہب اس اصل میں اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

دوسری اصل

پھر مذہب کی دوسری جزو یا اصل یہ ہے کہ وہ مخلوق کے حقوق کیسے قائم کرتا ہے اس اصل میں بھی دوسرے مذاہب سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ آریہ مذہب نے تو ایسا ظلم کیا ہے کہ بجز بے غیرتی کے اور معلوم نہیں ہوتا۔ اس نے نیوگ کی تعلیم دی ہے کہ جس شخص کے گھر میں اولاد نہ ہو تو وہ اپنی عورت کو دوسرے شخص سے ہم بستر کرا دے اور اولاد حاصل کر لے اب اس سے بڑھ کر پاکیزگی اور غیرت کا خون کیا ہو گا کہ ایک شخص کو جس کی بدقسمتی سے دو چار سال تک اولاد نہیں ہوئی، کہہ دیا جاوے تو اپنی بیوی کو دوسرے آدمی سے ہم بستر کرا لے یہ کیسی شرمناک بات ہے۔ یہاں قادیان میں ایک شخص موجود ہے اس سے جب نیوگ کی بابت پوچھا گیا تو اس نے یہی کہا کیا مضائقہ ہے۔

اب کوئی عقلمند اس تعلیم کو کب گوارہ کر سکتا ہے میں نے پڑھا تھا ایک بنگالی آریہ ہو گیا ایک برہمو نے جب اس پر نیوگ کی حقیقت کھولی تو اس نے ستیارتھ پرکاش کو پھاڑ کر مارا اور کہا کہ یہ

مذہب قبول کرنے کے لائق نہیں۔

عیسائیوں نے مخلوق پر یہ ظلم کیا کہ کفارہ کی تعلیم دے کر شریعت کو لعنت کہہ کر نیکی کا دروازہ ہی بند کر دیا اور قوائے انسانی کی بے حرمتی کی۔ جب کہہ دیا کہ کوئی نیکی کر ہی نہیں سکتا۔ مگر اسلام مخلوق کے حقوق کو جائز اور مناسب مقام پر قائم کرتا ہے وہ ایسی تعلیم نہیں دیتا جو نیوگ کے پیرایہ میں دی گئی وہ انسانی قویٰ کی بے حرمتی نہیں کرتا اور انسان کو کفارہ کی تعلیم دے کر سست نہیں بنانا چاہتا اس نے شریعت کو لعنت نہیں بنایا بلکہ انسانی طاقتوں کے اندر اسے رکھا اس طرح معاملہ تو بالکل صاف ہے اگر وہم نہ ہو اور قبول حق میں کوئی روک نہیں ہو سکتی اگر بزدلی نہ ہو۔

سائل :۔ ان مذاہب کی بابت تو مجھے پہلے سے اعتراض ہیں مگر اسلام کی کتابیں میں نے نہیں پڑھی ہیں۔ فرمایا:

آپ قرآن شریف کو پڑھیں اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ وہ خدا کی نسبت کیا تعلیم دیتا ہے اور مخلوق کی نسبت کیا؟ ان دونوں تعلیموں کو اگر آدمی غور سے دیکھ لے تو حق کھل جاتا ہے۔

پھر مفتی صاحب نے میور صاحب کی ایک تصنیف سنائی جو اس نے مسلمانوں سے مناظرہ کرنے کے متعلق ہدایات پر لکھی ہے پھر چند لوگوں نے بیعت کی پھر طالب حق نے عرض کیا کہ مجھے خواب آیا تھا کہ تو مسیح کے پاس جا اور اس سے پوچھ اگر وہ کہے کہ میں مسیح ہوں تو پھر جو وہ کہے مان لے۔

فرمایا :۔

ہم تو سالہا سال سے اس دعویٰ کی اشاعت کر رہے ہیں اور خدا نے صدہا نشان اس کی تائید میں دکھائے ہیں جن کو خدا نے سعادت اور فہم دیا ہے وہ سمجھ لیتے ہیں جس کو ان سے حصہ نہیں وہ محروم رہ جاتا ہے۔

فرمایا :۔

حق شناسی کی راہ میں اگر وہم اور بزدلی نہ ہو تو کوئی مشکل نہیں۔ مشرق اور مغرب میں تلاش کرو۔ اسلام کے سوا حق نہیں ملے گا مجھے تعجب ہے کہ لوگ ایک پیسہ کی چیز لیتے ہیں تو اسے خوب دیکھ بھال کر لیتے ہیں مگر مذہب کے معاملہ میں توجہ نہیں کرتے اگر انسان توہمات میں گرفتار نہ ہو تو آجکل مذہب کے حسن قبح کو معلوم کرنے میں کوئی مشکل نہیں' مقابلہ کر کے دیکھ لو اگر سچا مسلمان انسان ہو جاوے تو پاک ہو جاتا ہے دوسرے مذاہب میں یہ نہیں۔ کیا ایک عیسائی پاک ہو سکتا ہے؟ جس کو کفارہ پر ایمان لاتے ہی عشاء ربانی میں شراب استعمال کرنی پڑتی ہے یا انجیل پر عمل کر کے وہ پاکیزگی میں ترقی کر سکتا ہے؟ جس کی رو سے منع نہیں کہ غیر مردوں کے ساتھ عورتیں

بڑے بڑے جلسوں میں جیسا کہ ناچتی ہیں نہ ناچیں۔ یہ تو قرآن ہی تعلیم دیتا ہے کہ تو نامحرم کو مت دیکھ۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ کیا عقل ہے جو تاریکی کو روشنی سمجھتی ہے یہ امر دیگر ہے کوئی سچا متبع نہ ہو لیکن جو وید یا انجیل کا سچا متبع ہے اس کو اس کی تعلیم پر عمل کر کے پورا نمونہ دکھانا ہوگا اب اگر وید کے سچے متبع کی تصویر کھینچیں تو ضروری ہوگا کہ وہ وایو اور اگنی کو خدا کہے اور اولاد نہ ہوتی ہو تو نیوگ کرالے مگر جو قرآن پر عمل کرتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ خدا کو مانے اور ہر قسم کی بے حیائی اور ناپاکی سے دور رہے اور فسق و فجور سے بچے۔ عورتیں پاک دامن ہوں۔ اب ان دونوں تصویروں پر غور کر لو اصل میں ایک شخص جس دین کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ حقیقی نام اس وقت حاصل کرتا ہے جب اس کا سچا متبع ہو اور پابند مذہب ہو۔ آپ قرآن کا ایک جز بھی پڑھیں گے تو معلوم ہو جاوے گا۔[1]

---

۱۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

بعد ادائے نماز مغرب اولاً چند آدمیوں نے بیعت کی۔ پھر میاں نبی بخش صاحب نمبردار چک نمبر ۱۰۸ نے دعا کی درخواست کی کہ حضور کی محبت ہمارے دل میں بڑھے۔

فرمایا :-

خدا کا فضل

خدا تعالیٰ نے جو اخلاص اور توجہ عطا کی ہے خود اس نے ابتدا کی ہے اس لئے شکر کرو کہ وہ اور بھی بڑھا دے یہ محض اسی کا فضل ہے جو اس نے حق شناسی کی توفیق دی ورنہ اگر دل سخت کر دے تو انسان رجوع نہیں کر سکتا یہ اسی کے فضل سے ہوتا ہے جو یقین اور اخلاص عطا کرتا ہے اور اس کے شکر پر اس کو بڑھاتا ہے پس شکر کرو کہ اس کا فضل اور بھی ترقی کرے نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا تکرار بہت کرو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ خدا کے فضل اور گمشدہ متاع کو واپس لاتا ہے۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۹۔ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

یکم نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

(بوقت سیر)

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے نکلے تمام راہ مولوی فتح دین صاحب حضرت اقدس کے مخاطب رہے حضرت اقدس بار بار ان کے ذہن نشین یہ امر کراتے رہے کہ مباحثات میں ہمیشہ دیگر طریق استدلال چھوڑ کر اس طریق کو اختیار کرنا چاہئے کہ قرآن شریف مقدم ہے اور احادیث ظن کے مرتبہ پر ہیں قرآن شریف سے جو امر ثابت ہو اس کو کوئی حدیث خواہ پچاس کروڑ ہوں ہرگز رد نہیں کر سکتیں چونکہ اس گفتگو میں میاں فتح دین صاحب بھی بعض اوقات احادیث سے اپنے استنباط جو کہ انہوں نے اپنی منظوم کتاب میں درج کئے ہیں مفصل حضرت اقدس کو سناتے رہے اور حضرت اقدس مختلف طور پر ان کو سمجھاتے رہے اس لئے ہم حضرت اقدس کے کلمات کو مختصراً یہاں درج کرتے ہیں

اسلام کا مدار قرآن شریف پر ہے

ان لوگوں سے پوچھنا چاہئے کہ تم خود قائل ہو کہ اصح کتاب قرآن شریف ہے احادیث ۱۵۰ برس بعد جمع ہوئیں پھر ان میں باہم تناقض ہے ایک میں مہدی کا ذکر ہے ایک میں ہے لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى ایک طرف مہدی کی حدیث ضعیف لکھی ہے پھر کہتے ہیں کہ مسیح اوپر سے اترے گا تو ایک طرح سے ایک ٹانگ ٹوٹ گئی جب قرآن شریف بار بار اوپر کے آنے سے منع کرتا ہے تو حدیث جو کسی طرح سے خواہ حقیقتاً خواہ استعارہ کے طور پر قرآن شریف کے برابر نہ آسکے تو وہ ہر حال میں نا قابل اعتبار ٹھہرے گی ورنہ اس طرح اسلام درہم برہم ہو جائے گا۔ تمام ستون اور مدار اسلام کا قرآن شریف پر ہے جب قرآن شریف میں ہے کہ عیسیٰ فوت ہو گئے تو پھر انکار کیسا؟

"فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" (المائدہ : ۱۱۸) کی نسبت آپ مولوی فتح دین صاحب کو سمجھاتے رہے پھر احادیث کے بیان کی طرف رجوع کر کے فرمایا

اگر ان کا حدیث پر اس قدر اعتبار ہے تو رفع یدین کی جو چودہ سو احادیث آئی ہیں اس پر کیوں نہیں عمل کرتے ہمارا مسئلہ خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق ہے جیسے یہ آمد مسیح کے منتظر ہیں ویسے ہی یہودی الیاس کے منتظر تھے۔ پیغمبر کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کا علم اتنا وسیع ہو جیسے خدا کا ہے یہ پیغمبر پر جائز ہے کہ بعض امور کی تفصیل اس پر نہ کھل سکے۔ جیسے کہ بہت سے آخرت کے امور ہیں کہ انسان کو مرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ لوگ اپنے علم پر کیوں اس

قدر باتیں کرتے ہیں یہودیوں کو الیاس کی انتظار تھی مسیح نے کہا یحییٰ الیاس ہے خواہ قبول کرو خواہ نہ کرو پھر اسی وقت جا کر یحییٰ سے دریافت کیا اور دریافت بھی ایسے الفاظ میں کیا ہو کہ اسے یہی جواب دینا پڑا کہ میں وہ الیاس نہیں۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بار بار احادیث پیش کرتے ہیں اور ان میں سے نزول کو لیتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر اسی مسیح نے آنا تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کا حلیہ کیوں الگ بتلایا اور کہا کہ آنے والے مسیح کو تم اس طرح پہچانو۔ اس کی کیا ضرورت تھی؟

مباحثہ میں بھی اصول رکھا جاوے کہ قرآن شریف مقدم ہے یہ منوا کر ان سے کہا جاوے کہ تقدم قرآن تو اب مقبولہ فریقین ہے باقی امور اسی سے فیصلہ کر لو اگر حدیثوں پر سارا مدار ہے تو قرآن کی کیا ضرورت ہے جو کہتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ جھوٹے دھوکے ہیں

اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف : ۶۲) کے یہ معنے ہیں کہ یہودیوں کے ادبار اور ذلت کی نشانی مسیح کے آنے کا وقت تھا اور جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الزخرف : ۶۰) بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ سَاعَة کے معنی آخرت کے بھی ہیں اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء : ۱۶۰) کے معنے یہ کرتے ہیں کہ وہ (مسیح) اب تک زندہ موجود ہیں جب آویں گے تو کل اہل کتاب ایمان لاویں گے اس کے متعلق ابو ہریرہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ تفسیر مظہری میں اس کے اوپر کس قدر مطاعن ہیں۔ یہ کہنا کہ کل اہل کتاب اس وقت ایمان لاویں گے' غلط ہے قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت تک کافر موجود رہیں گے قرآن شریف کو ہر حالت میں مقدم رکھنا چاہئے قرآن کے نصوص قطعیہ بالکل فیصلہ کر دیتے ہیں

سورۃ تحریم میں ہے کہ مسیح بن مریم اسی امت میں سے ہو گا سورۃ النور میں ہے کہ تمام خلیفے اسی امت میں سے ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کا نام حکم رکھا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بہت فرقے ہوں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غلطیاں کثرت سے ہوں گی۔

نزول کی حقیقت

قرآن مجید میں نزول کی معنے مختلف مقامات پر مختلف ہیں اگر اعتراض ہو کہ پھر نزول کا لفظ

استعمال ہی کیوں ہوا کوئی اور لفظ حدیث میں کیوں نہ آیا تو جواب یہ ہے کہ مسلم کی ایک حدیث میں مبعوث کا لفظ بھی آیا ہے نزول کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کہ اس وقت کل برکات اور فیوض اٹھ جاویں گے اور پھر آسمان سے نازل ہوں گے قرآن شریف میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے کہ ہم نے آپ کو آسمان سے نازل کیا اور آسمان ہی سے پانی بھی اترتا ہے اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو کنوئیں بھی پانی نہیں دیتے لمبے قحطوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان لوگوں کو وصیت تھی کہ میرے بعد بخاری کو ماننا؟ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تو یہ تھی کہ کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم قرآن کے بارے میں پوچھے جائیں گے نہ کہ زید اور بکر کے جمع کردہ سرمایہ کے بارے میں۔ یہ سوال ہم سے نہ ہوگا کہ تم صحاح ستہ وغیرہ پر ایمان کیوں نہ لائے؟ پوچھا تو یہ جائے گا کہ قرآن پر ایمان کیوں نہ لائے؟

بحث کے اصول

بحث کے قواعد ہمیشہ یاد رکھو۔ اول قواعد مرتب ہوں۔ پھر سوال مرتب ہوں کتاب اللہ کو مقدم رکھا جائے احادیث ان کے اقرار کے بموجب خود ظنیات ہیں یعنی صدق اور کذب کا ان میں احتمال ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ ممکن ہے کہ سچ ہو اور ممکن ہے کہ جھوٹ ہو لیکن قرآن شریف ایسے احتمالات سے پاک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن شریف تک ہی ہے پھر آپ فوت ہو گئے اگر یہ احادیث صحیح ہوتیں اور مدار ان پر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما جاتے کہ میں نے احادیث جمع نہیں کیں فلاں فلاں آوے گا تو جمع کرے گا تم ان کو ماننا۔

سُنّت اور حدیث

پس اول قرآن کو مقدم کیا جاوے اس کے بعد سنت۔ سنت یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو احکام آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود کر کے دکھلا دیا جیسے نماز پڑھ کر بتا دی کہ صبح کی یوں ہوتی ہے شام کی یوں۔ جیسے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف سے استنباط کئے۔ ویسے ویسے آپ بتلاتے رہے اور جو آپ کے اقوال تھے ان کا نام حدیث ہے ایک سنت یہ بھی تھی کہ آپ فوت ہو گئے قرآن شریف میں ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران : ۱۴۵) یعنی سب رسول فوت ہو گئے آپ بھی فوت ہوں گے چنانچہ خدا کی بات پوری ہو گئی اور آپ فوت ہو گئے[1]

---

[1] الحکم میں لکھا ہے :- اپنی سنت سے ثابت کر دیا کہ باقی نبی بھی فوت ہو گئے

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ کالم اول مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

نزولِ مسیح

ہمارے ہاتھ میں تو ایک نظیر ہے اگر یہ پوچھیں کہ جو تاویل (نزول مسیح کی) تم پیش کرتے ہو کسی نے آگے بھی کی ہے تو ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کے بارے میں تم کو مصیبت پڑی ہے (یعنی مسیح کے) اس نے خود یہ تاویل کی ہے اس کو بھی اس وقت مصیبت پڑی تھی تو ہماری جماعت میں داخل ہو کر آخر اس کی رہائی ہوئی۔ نظیر بھی کوئی شیئے ہوتی ہے خدا تعالیٰ بھی اپنی سنت بطور نظیر [1] کے پیش کیا کرتا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ آجاتے تو کوئی حرج نہ تھا آپؐ نے کوئی خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا نہ آپؐ خدا بنائے گئے مگر خدا نے مسیح کے منہ سے نکلوا کر اقرار کروا لیا کہ دوبارہ آنے کے یہ معنے ہوتے ہیں کوئی بادشاہ وہ طریق اختیار نہیں کرتا جس سے اس کی بادشاہی میں خلل آوے پھر خدا کیوں ایسا طریق اختیار کرے جس سے اسکی خدائی میں بٹہ لگے۔

مومن کو اللہ رسوائی کی موت نہیں دیتا

پھر مولوی فتح دین صاحب نے کہا کہ ہم لوگ بڑے خطا کار ہیں کئی فاسد خیال آتے رہتے ہیں اور طاعون کا زور ہو رہا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میں یہ یقیناً جانتا ہوں کہ جس کو دل سے خدا تعالیٰ سے تعلق ہے اسے وہ رسوائی کی موت نہیں دیتا ایک بزرگ کا قصہ کتب میں لکھا ہے کہ ان کی بڑی دعا تھی کہ وہ طوس کے مقام میں فوت ہوں ایک کشف میں انہوں نے دیکھا کہ میں طوس میں ہی مروں گا پھر وہ کسی دوسرے مقام میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اپنے شاگردوں کو وصیت کی کہ اگر میں مرگیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو بتلایا کہ میری بڑی دعا تھی کہ میں طوس میں مروں مگر اب پتہ لگتا ہے کہ وہ قبول نہیں ہوئی اس لئے میں مسلمانوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا

---

[1] الحکم میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے

ہمارا آنا اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے موافق ہے اور اس کی نظیر موجود ہے یہودی الیاس کے آنے کے منتظر تھے مگر جب انہوں نے مسیح کے سامنے یہ سوال کیا کہ ایلیاء کہاں ہے تو اس نے اس کا آنا بروزی رنگ ہی میں بتایا اور یوحنا کی نسبت کہا کہ آنے والا ایلیاء یہی ہے چاہو تو قبول کرو یہودیوں نے اس کو تسلیم نہ کیا کیونکہ ان کے ہاں پہلے کوئی نظیر نہ تھی اب یہ فیصلہ تو خود مسیح ہی کا کیا ہوا ہے جس کے لئے اب یہ اس قدر ٹکریں مارتے ہیں

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ کالم اول مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اچھے ہو گئے اور پھر طوس گئے وہاں بیمار ہو کر مرے اور وہیں دفن ہوئے اس لئے مومن بننا چاہئے مومن ہو تو خدا رسوائی کی موت نہیں دیتا اور دل کے خیالات پر مواخذہ نہیں ہوتا جب تک کہ انسان عزم نہ کرلے ایک چور اگر بازار میں جاتا ہوا ایک صراف کی دوکان پر روپوں کا ڈھیر دیکھے اور اسے خیال آئے کاش کہ میرے پاس بھی اس قدر روپیہ ہو اور پھر اسے چرانے کا ارادہ کرے مگر قلب اسے لعنت کرے اور وہ باز رہے تو وہ گنہگار نہ ہو گا اور اگر پختہ ارادہ کرلے کہ اگر موقع ملا تو ضرور چرا لوں گا تو گنہگار ہوگا آدمؑ کے قصہ میں بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہی وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ:۱۱۶) یعنی ہم نے اس کی عزیمت نہیں پائی عَصٰٓى اٰدَمُ (طٰہٰ:۱۲۲) کے معنی ہیں کہ صورت عصیان کی ہے مثلاً آقا ایک غلام کو کہے کہ فلاں رستے جا کر فلاں کام کر آؤ وہ اگر اجتہاد کرے اور دوسرے راہ سے جاوے تو عصیان تو ضرور ہے مگر وہ نافرمان نہ ہو گا صرف اجتہادی غلطی ہوگی جس پر مواخذہ نہیں۔

خرگوش حلال ہے

پھر کسی نے خرگوش کے حلال ہونے پر حضرت اقدس سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ
اصل اشیاء میں حلت ہے حرمت جب تک نص قطعی سے ثابت نہ ہو تب تک نہیں ہوتی۔

حدیث کا مقام

حدیث کے متعلق ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ بھی ہو تو اس پر عمل کرلیا جائے جب تک وہ مخالف قرآن نہ ہو۔

پھر سنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ
امام اعظم علیہ الرحمتہ نے رفع یدین پر کیوں عمل نہ کیا۔ کیا اس وقت حدیث کے راوی نہ تھے راوی تو تھے مگر چونکہ یہ سنت اس وقت ان کو نظر نہ آئی اس لئے انہوں نے عمل نہیں کیا۔ مولویوں کی بدقسمتی ہے کہ یہود و نصاریٰ محرف و مبدل توریت کو لئے پھرتے ہیں اور یہ بجائے قرآن کے حدیثوں کو لئے پھرتے ہیں۔

غیر از جماعت کی نماز جنازہ

نماز جنازہ کا ذکر ہونے پر آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منافق کو کُرتہ دیا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی ممکن ہے اس نے غرغرہ کے وقت توبہ کرلی ہو مومن کا کام ہے کہ حسن ظن رکھے اسی لئے نماز جنازہ کا جواز رکھا ہے کہ ہر ایک کی پڑھ لی جائے ہاں اگر کوئی سخت معاند ہو یا فساد کا اندیشہ ہو تو پھر نہ پڑھنی چاہئے ہماری جماعت کے سر پر فرضیت نہیں ہے بطور احسان کے ہماری جماعت دوسرے غیر از جماعت کا جنازہ پڑھ سکتی ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبۃ:۱۰۴) اس میں صَلٰوۃ سے مراد جنازہ کی نماز ہے اور سَكَنٌ لَّهُمْ دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا گنہگار کو سکینت اور ٹھنڈک بخشتی ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سے دو فائدے

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ:۱۱۸) سے دو فائدے ہماری جماعت کو اٹھانے چاہئیں ایک تو یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں کہتے ہیں کہ میری وفات کے بعد میری امت بگڑی ہے جس کی مجھ کو خبر نہیں ہے پس اگر عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک فوت نہیں ہوئے تو پھر یہ بھی مان لینا چاہیے کہ ابھی تک عیسائی صراط مستقیم پر ہیں اور بلحاظ دین کے ان میں کوئی فساد نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس آیت کا اطلاق ان پر ان کے دوبارہ آنے کے بعد ہے تو اس صورت میں مسیح علیہ السلام (نعوذ باللہ) بہت کذاب ٹھہرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہے اور اپنی قوم کی بد اعتقادی کی حالت دیکھ کر انہوں نے اس کی اصلاح کی اور صلیب کو توڑا اور خنزیروں کو قتل کیا اور پھر باوجود کامل علم کے خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں ہے۔

مباحثہ مدّ کی روئیداد

عصر کی نماز سے پیشتر حضرت اقدس نے مجلس فرمائی سید سرور شاہ صاحب اور عبداللہ صاحب کشمیری جو کہ موضع مد میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے بخیر و عافیت واپس آئے اور حضرت اقدس سے نیاز حاصل کیا اور وہاں کے جلسہ مباحثہ کی تفصیل سنانے لگے حضرت اقدس نے اختصاراً ان تمام باتوں کا اعادہ فرمایا جو کہ آپ نے سیر میں فرمائی تھیں کہ مباحثہ میں ہماری جماعت کو کیا پہلو اختیار کرنا چاہئے اور پھر تمام کیفیت مباحثہ سننے کے لیے شام کا وقت مقرر ہوا۔ نماز مغرب کے بعد حضرت اقدس نے جلوس فرماتے ہی حکم صادر فرمایا کہ مباحثہ موضع مد کی کاروائی

سنائی جائے چنانچہ عبداللہ کشمیری صاحب سنانے لگے سب سے اول حضرت اقدس کو اس پر کمال افسوس ہوا کہ فریقین نے صرف بیس بیس منٹ اپنے اپنے دعاوی کے متعلق دلائل لکھنے کے لئے قبول کئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ایسی صورت میں ہرگز مباحثہ قبول نہیں کرنا چاہئے تھا یہ تو ایک قسم کا خون کرنا ہے جب ہم مدعی ہیں تو ہمیں اپنے دعاوی کے دلائل کے واسطے تفصیل کی ضرورت ہے جو کہ وقت چاہتی ہے اور جب دلائل لکھے جاتے ہیں تو توجہ ہوتی ہے اس میں فیضان الٰہی ہوتا ہے اس کا ہم کیا وقت مقرر کرسکتے ہیں کہ کب تک ہو۔

غرضیکہ حضرت اقدس نے اس بات کو بالکل ناپسند فرمایا کہ وقت میں کیوں تنگی اختیار کی گئی پھر عبداللہ صاحب کشمیری نے وہ تمام تحریریں پڑھ کر سنائیں روئیداد سننے کے بعد حضرت اقدس پھر انہیں امور کا بار بار اعادہ فرماتے رہے جو کہ سیر میں مناظرہ اور مباحثہ کے متعلق فرمائے تھے تاکہ سامعین کے ذہن نشین وہ باتیں ہو جائیں[1]

---

۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

تتمہ کے حالات مباحثہ پر تبصرہ

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور آتے ہی پھر اس مناظرہ کے متعلق حضور نے گفتگو شروع فرمائی جس کی کارروائی گذشتہ شب درج ہو چکی ہے

آپ نے فرمایا کہ

آج کل ان مولویوں کا دستور ہے کہ چالیس' پچاس جھوٹ ایک دفعہ ہی بیان کر دیتے ہیں اب ان کا فیصلہ تین چار منٹ میں دوسرا فریق کس طرح کرے پادریوں کا بھی یہی طریق ہے۔ کہ ایک دم اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں ایسے وقت میں یہ طریق اختیار کرنا چاہئے کہ ایک اعتراض چن لیویں اور اول اس پر فیصلہ کر کے پھر آگے چلیں اور دوسرا اعتراض لے لیں۔ اول قواعد مقرر کئے جائیں یہ امر بھی دیکھا جائے کہ منہاج نبوت کو (دوسرا فریق) مانتا ہے یا نہیں۔ اس نے (مولوی ثناء اللہ) بار بار عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کا تکرار کیا کہ وہ پوری نہ ہوئی۔ اگر منہاج نبوت کا فیصلہ اولاً کر لیا جاتا تو اس طرح کا دھوکا وہ کب دے سکتا تھا۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۸-۱۹ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء

وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے

یونسؑ نبی کی پیشگوئی موجود تھی اس میں کوئی شرط بھی نہ تھی اور در منثور میں بھی حدیث ہے کہ یونسؑ نے کہا لَنْ اَرْجِعَ کَذَّابًا یعنی میں جھوٹا کہلا کر واپس نہ جاؤں گا۔ دیکھو۔ اس میں کوئی شرط نہ تھی وعید میں خدا تعالیٰ کو حق لازم نہیں آتا کہ ضرور عذاب نازل کرے۔

دیکھا جاتا ہے کہ جب بلا آتی ہے تو صدقہ خیرات کرنے سے ٹل جاتی ہے صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ ایسی بلا کا قبل از وقت بیان نہیں ہوتا نہ اس کی کوئی پیشگوئی ہوتی ہے اور پیشگوئی میں بلا کا قبل از وقت بیان کر دیا جاتا ہے بہرحال وہ بھی خدا تعالیٰ کے علم میں تو قبل از وقت ہی ہوتی ہے قرآن شریف میں بار بار ذکر ہے کہ ہم نے فلاں قوم کی ہلاکت کا ارادہ کیا مگر جب انہوں نے توبہ کی تو پھر عذاب ہلاکت ٹل گیا توریت میں بھی ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بار بار عذاب ٹلتا رہا وعید میں تخلف جائز ہے۔ اہل کتاب کا کوئی ایسا فرقہ نہیں جو اسے نہ مانتا ہو۔ ہندو بھی مانتے ہیں کہ صدقہ سے بلا ٹل جاتی ہے جب ٹل گئی تو پیشگوئی بدل گئی قرآن مجید میں بھی ہے یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (المومن : ۲۹) یعنی عذابی پیشگوئیوں کا بعض حصہ تو پورا ہو گا اور بعض بوجہ توبہ استغفار ٹل جائے گا

نبی سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے

منہاج نبوت کو دیکھا جائے تو صریح نظر آتا ہے کہ انبیاء سے اجتہادوں میں غلطیاں ہوئی ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم ابھی نہیں مرو گے کہ میں واپس آجاؤں گا تو یہ ان کا اجتہاد تھا مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کے آنے سے یہ مراد نہ تھی بلکہ دوسرے کا آنا مراد تھا اور ممکن ہے کہ الیاس کا بھی یہ خیال ہو کہ میں ہی واپس آؤں گا اسی طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کا سفر کیا تو حضرت عمرؓ کو ابتلا آیا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد اس طرف دلالت کرتا تھا کہ ہم فتح کر لیویں گے مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے سمجھا تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہو گی مگر یہ بات درست نہ نکلی کیونکہ یہ آپ کا اپنا اجتہاد تھا کیونکہ خدا تعالیٰ پر لازم نہ تھا کہ ہر ایک باریک امر آپ کو بتلا دے پس بحث مباحثہ میں اول مخالف سے منہاج نبوت کو قبول کروا کر اس پر دستخط کروا لینے چاہئیں۔

پھر آتھم والی پیشگوئی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے یہ تو نہیں لکھا کہ بشرطیکہ مسلمان ہو جاوے اس سے پہلے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال لکھ چکا تھا اور یہی وجہ مباحثہ کی تھی پھر جب میں نے پیشگوئی سنائی تو اس نے اسی وقت کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہا کہ توبہ توبہ میں تو دجال نہیں کہتا۔

عذابوں کے نزول کی وجہ

یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ صرف عیسائی ہونا یا بت پرست ہونا اس امر کا موجب نہیں ہوتا کہ دنیا میں عذاب آوے ایسے عذابوں کے لئے تو قیامت کا دن مقرر ہے عذاب ہمیشہ شوخیوں پر آتا ہے اگر ابو جہل وغیرہ شرارتیں نہ کرتے تو عذاب نازل نہ ہوتا۔ نرا باطل مذہب پر پابند ہونے پر نہ کوئی عذاب آتا ہے نہ کوئی پیشگوئی۔ ہمیشہ زیادہ شوخیوں پر پیشگوئیاں ہوتی ہیں یہود کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اسی لئے کہا کہ انہوں نے شوخیاں کیں گستاخیاں کیں اور ان پر غضب وارد ہوئے لیکن ضَآلِّيْن کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ نہ کہا حالانکہ آخرت میں تو عذاب یہود کو بھی ہونا ہے اور نصاریٰ کو بھی۔ مگر چونکہ انہوں نے شوخی نہ کی۔ اس لئے دنیا میں ان پر غضب نازل نہیں ہوا انسان کیسے ہی بت پرست یا انسان پرست کیوں نہ ہو مگر جب تک شرارت نہ کرے عذاب نہیں آتا اگر ان باتوں پر بھی عذاب دنیا ہی میں آجائے تو پھر قیامت کو کیا ہوگا یہودیوں پر عذاب اسی لئے آئے کہ انہوں نے پیغمبروں کو دکھ دیئے ان کے قتل کے منصوبے کئے ان کی گستاخیاں کیں۔ کافروں کے لئے اصل زنداں تو قیامت ہی ہے اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دنیا میں کیوں عذاب آتا ہے تو جواب یہی ہے کہ شوخیوں کی وجہ سے آتا ہے۔

فرمایا۔

عوام الناس سے ہمیشہ موٹی موٹی باتیں کرنی چاہئیں خدا تعالیٰ نے جو معجزات نبوت کی جزو رکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام فائدہ اٹھائیں کیونکہ خواص کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے لئے تو حقائق اور معارف ہی کافی ہیں عوام کو چونکہ یہ معرفت نہیں ہوتی اس لئے ان کے خوش کرنے کو معجزات رکھے گئے ہیں۔

مرکزی اخبارات کو محتاط رہنے کی ہدایت

نماز عصر کے بعد حضرت اقدس نے الحکم اور البدر کے ایڈیٹروں کو بلا کر تاکید فرمائی کہ وہ

مضامین قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہا کریں ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں درج ہو جاوے یا کسی الہام کے الفاظ غلط شائع ہوں تو اس سے معترض لوگ دلیل پکڑیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مضامین مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو دکھا لیا کریں اس میں آپ کو بھی فائدہ ہے اور تمام لوگ بھی غلطیوں سے بچتے ہیں۔

مباحثہ مدّ

نماز مغرب کے بعد حسب دستور جلوس فرما کر مباحثہ موضع مد کے حسن وقبح پر تذکرہ فرمایا

یہ مولوی لوگ عوام کو بھڑکانے کے واسطے عجیب عجیب حیلے گھڑتے ہیں اور حق رسی سے ان کو کوئی کام نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ ولد الزنا میں حیا کا مادہ نہیں ہوتا اسی لئے خدا تعالیٰ نے نکاح کی بہت تاکید فرمائی ہے[1]

۲ر نومبر ۱۹۰۲ء

صبح کی سیر

عربی نویسی میں مقابلہ

اس امر کا تذکرہ تھا کہ بعض نادان ملاں جب ہر طرح مقابلہ سے عاجز آجاتے ہیں اور ان پر اتمام حجت کے لئے کہا جاتا ہے کہ فصیح بلیغ عربی نویسی میں مقابلہ کرلو تو یہ کہہ کر پیچھا چھوڑاتے ہیں کہ ان کتابوں میں غلطیاں ہیں حضور نے فرمایا کہ

غلطیاں نکالنے کا جو دعویٰ کرتے ہیں اس میں تو یہ امر بجائے خود تنقیح طلب ہے کہ جو غلطی انہوں نے نکالی ہے خود ان کی اپنی ہی غلطی تو نہیں مولوی محمد حسین صاحب نے جب عَجِبْتُ لِاَمْرِیْ پر اعتراض کیا تھا کہ صلہ لام نہیں بلکہ مِنْ آتا ہے تو اسے کیسا شرمندہ ہونا پڑا بالمقابل لکھ کر تو بتائیں۔ دعوت تو بالمقابل لکھنے کی ہے نہ غلطیاں نکالنے کی اور پھر ایسی حالت میں یہ بہانہ کب چل سکتا ہے جب نکالی ہوئی غلطیوں میں خود ان کی ہی غلطیاں ہوں[2]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۰-۲۱ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۲ء

۳؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

مباحثات کا طریق

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور سیر کے دوران اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ

مباحثات میں ہمیشہ یہ امر مد نظر رکھنا چاہئے کہ فریق مخالف اپنی روباہ بازی سے سامعین کو دھوکا نہ دے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سامعین کے باطل عقائد کے موافق یہ لوگ ہماری طرف سے ایسی باتیں ان کو سناتے ہیں کہ جن سے وہ لوگ معاً بھڑک جاویں اور برانگیختہ ہو جاویں ایسی صورت میں پھر خواہ ان کے آگے کچھ ہی کہو وہ لوگ ایک نہیں سنتے جیسے مولوی صاحب نے کل اپنا ذکر سنایا تھا۔

پھر طریق بحث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

بلاغت کا کمال یہ بھی ہے کہ ایک بات دوسرے کے دل تک پہنچائی جائے ورنہ اگر کوئی کلام اس قابل ہو کہ آب زر سے لکھا جائے مگر متکلم اسے سمجھ نہیں سکتا تو پھر وہ فصیح نہیں کہلائے گا اس لئے کلام کرنے والے کو یہ تمام پہلو مد نظر رکھنے چاہئیں۔

مکذبوں کے ذریعہ ہی حقائق و معارف کھلتے ہیں

فرمایا :-

کافروں کے لئے درمیانی خوشی ہوتی ہے اور انجام کی خوشی متقیوں کے لئے ہوتی ہے خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ایک دم میں سب کا خاتمہ کر سکتا ہے مگر وہ رونق چاہتا ہے جب تک مکذب نہ ہوں تو پھر مصدق کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے مکذبوں کے ذریعہ ہی حقائق و معارف کھلتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی محبت اور نصرت کا پتہ ملتا ہے اگر ایک شخص کے دل میں ماں کی محبت ہے تو اس کا کسی کو علم نہ ہو گا مگر جب کوئی اسے ماں کی گالی دے تو جھٹ اسے غصہ آجائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ ماں کی محبت اس کے دل میں ہے۔

ایک علمی معجزہ

فرمایا :-

ان ہمارے مخالفوں کو غلطیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جب تک وہ اپنا منصب عربی دانی کا

ثابت نہ کریں تب تک ان کو غلطی نکالنے کا حق نہیں ہے اعتراض کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اول زبان پر پورا احاطہ ہو اگر ان لوگوں کو عربی زبان کا علم ہے تو ہم جو دس سال سے رسالے لکھ لکھ کر مقابلہ پر بلا رہے ہیں انہوں نے آج تک دس سطریں ہی دکھائی ہوتیں۔ ورنہ جہالت سے تکذیب کرنے سے کیا بنتا ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہ لوگ بالمقابل لکھ نہیں سکتے ورنہ املا کرانا کیا مشکل امر ہے مگر ہمارے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے ان کی زبانوں کو بند کردیا ہے۔

فرمایا :-

دل میں بات بٹھانے کے واسطے بھی ایک ڈھب ہوتا ہے کیونکہ اب تلوار کی لڑائی تو ہے نہیں۔ زبانوں کی ہے اس لئے زبان کی تلوار جب مارے تو اوچھی نہ مارے۔ ایسی خوب مارے کہ دو ٹکڑے ہو جائیں میں نے بارہا ارادہ کیا ہے کہ یہ لوگ میرے زانو بہ زانو بیٹھ کر عربی لکھیں مگر دل فتویٰ دیتا ہے کہ یہ لوگ کبھی مقابلہ پر نہیں آئیں گے کیونکہ ان کے دلوں پر رعب پڑ گیا ہے تو اب جبکہ شکار ہمارے نزدیک نہیں آتا تو ہمیں چاہئے کہ دور سے بذریعہ بندوق کے نشانہ بنائیں۔

مباحثہ متمد میں ہماری فتح ہوئی

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔ متمد کے مباحثہ کا ذکر ہوتا رہا فرمایا کہ :-

درحقیقت تو ہم نے فتح پالی ہے صرف اتنی بات ہے کہ وہ دیہات کے لوگ تھے ان کو ان باریک باتوں کی سمجھ نہیں آئی مجھے خوشبو آتی ہے کہ آخر کار فتح ہماری ہے دسمبر کے آخر تک جو نشان ظاہر ہونے والے ہیں شاید یہ بھی ان میں سے ایک عظیم الشان نشان ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے جیسا کہ فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص : ۸۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تیرہ برس تک مکروہات ہی پہنچتے رہے۔

عصر کی نماز کے لئے حضور تشریف لائے تو اس وقت بھی مباحثہ مد کے متعلق ہی ذکر فرماتے رہے حضور نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کے برگزیدوں کی یہ عجیب حالت ہوتی ہے کہ جب ایک بات کی طرف توجہ ہو جائے تو پھر رات دن اسی کی طرف توجہ رہتی ہے گویا کہ بالکل اس میں مستغرق ہیں اور دنیا ما فیہا کی خبر نہیں۔

مہمان تکلف نہ کیا کریں

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول جلوس فرما ہوئے تو میر صاحب نے عبدالصمد صاحب آمدہ از کشمیر کو آگے بلا کر حضور کے قدموں کے نزدیک جگہ دی اور حضرت اقدس سے عرض کی کہ ان کو یہاں ایک تکلیف ہے کہ یہ چاولوں کے عادی ہیں۔ اور یہاں روٹی ملتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص : ۸۷) ہمارے مہمانوں میں سے جو تکلف کرتا ہے اسے تکلیف ہوتی ہے اس لئے جو ضرورت ہو کہہ دیا کرو۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ ان کے لئے چاول پکوا دیا کرو۔

مباحثہ مدّ کا ذکر

پھر حضرت اقدس مباحثہ مد کا ذکر فرماتے رہے حضور نے فرمایا کہ

اس دن ہم نے مناسب سمجھا تھا کہ یہ مباحثہ کی کاروائی الحکم وغیرہ میں نہ چھپے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔

سرسید کا یورپ کی طرف میلان

سید احمد صاحب کے یورپ کی طرف میلان پر فرمایا کہ

انسان جس شیئے کی طرف پوری رغبت کرتا ہے تو پھر اسی کی طرف اس کا میلان طبعی ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ مجبور ہوتا ہے۔

ڈوئی کا ذکر

پھر ڈوئی کا اخبار مفتی محمد صادق صاحب سناتے رہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس لئے سنتے ہیں کہ کہیں غیرت آجاتی ہے اور بعض اوقات کوئی عجیب تحریک ہو جاتی ہے۔

ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے

اس کے بعد ذکر چل پڑا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے حضرت اقدس کو تمام

مقابلہ کی تحریروں میں مدد دیتا رہا ہے کہ اکثر اوقات حضرت اقدس بیمار تھے اور میعاد مقابلہ نزدیک آ گئی تو پھر اسی حالت میں بڑی سختیوں سے راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر کتابیں لکھیں۔ حضور نے فرمایا کہ

میں تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا اگر خدا تعالیٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو۔ بارہا لکھتے لکھتے دیکھا ہے ایک خدا کی روح ہے جو تیر رہی ہے قلم تھک جایا کرتی ہے مگر اندر جوش نہیں تھکتا طبیعت محسوس کیا کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

ڈوئی کا ذکر

پھر ڈوئی کی کسی بات پر فرمایا کہ

اس کے وجود سے شیطان کا وجود ثابت ہوتا ہے وہ بھی انسان کو اسی طرح فریفتہ کرتا ہے۔[1]

۴ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

(بوقت سیر)

علاقہ جہلم سے دو شخص بہت ضعیف العمر حضرت اقدس کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے بوجہ ضعیف العمری کے وہ چل نہیں سکتے تھے حضرت اقدس ان کی خاطر ٹھہر گئے اور ان کے حالات دریافت فرماتے رہے۔

آیت مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا کی تفسیر

پھر حضور مشرق کی طرف سیر کو چلے سید سرور شاہ صاحب نے حضرت اقدس سے سوال کیا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک رسول اپنی امت کے حالات سے لاعلمی ظاہر کرے گا جیسے قرآن شریف میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا (المائدہ : ۱۱۰) تو پھر اس آیت کے مفہوم کے مطابق اگر مسیح بھی اپنی امت کے حالات سے لاعلمی ظاہر کریں اگرچہ وہ آخر زمانہ میں پھر آکر چالیس برس ان لوگوں میں گذار بھی جائیں تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کاذب کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لاعلمی انبیاء کی ان کی اس امت کے بارے میں ہوتی ہے جو ان کی وفات کے بعد ہوتی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۰-۲۱ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

ہے مسیح بھی کہتا ہے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (المائدہ : ۱۱۸) تو پھر اگر ان کو علم نہیں تو وہ شہید کس طرح ہوئے اور کس بات کے ہوئے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حالات سے تو لاعلمی ظاہر کر سکتے ہیں مگر صحابہ کرام کی نسبت نہیں کر سکتے کیونکہ آپؐ کو ان کے حالات معلوم تھے اور آپؐ ان میں رہتے تھے اس قسم کی لاعلمی سے وہی لاعلمی مراد ہے یعنی اس امت کا ذکر جو کہ نبی کے بعد آیا کرتی ہے یا بہت آخری وقت پر آتی ہے کہ اسے نبی کی صحبت سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔

ایک تعبیر

پھر ایک صاحب نے خواب سنایا کہ میں نے رات کو ہاتھی خواب میں دیکھا اور یہ کہ حضرت اقدس اس کے سر کو تیل لگا رہے ہیں حضرت اقدس نے تعبیر بیان فرمائی کہ
رات کے وقت ہاتھی دیکھنا عمدہ ہوتا ہے اور تیل لگانا بھی زینت ہے یہ بھی اچھا ہے۔

مرکز سے عربی رسالہ جاری کرنے کی خواہش

حضرت اقدس کے گذشتہ ایما پر عبداللہ عرب صاحب نے کشتی نوح کے چند ورق کا جو ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا وہ حضرت اقدس کو سناتے رہے حضرت اقدس نے فرمایا
اگر یہ مشق کر لیں کہ اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کر لیا کریں تو ہم ایک عربی پرچہ یہاں سے جاری کر دیں۔

شرم

پھر شرم کے ذکر پر فرمایا کہ
ایک شرم انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے اور ایک شرم جنت میں لے جاتی ہے جو شخص شرم کی وجہ سے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اس کے لئے شرم دوزخ ہے۔

مولویوں کی حالت

پھر آجکل کے معترض مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ
ان لوگوں نے بالکل پادریوں کا ڈھنگ اختیار کیا ہوا ہے جیسے وہ جب ملتے ہیں تو سب کچھ

چھوڑ چھاڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم شروع کر دیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ ہمارے معاملہ میں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی تماشہ دیکھ رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کفار کیا کچھ نہ کرتے تھے اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسی وقت کفار کو تباہ کر دیتا مگر اس نے ایسا نہ کیا کچھ عرصہ ان کی ناز برداری کرتا رہا۔

ایک پیشگوئی کا پورا ہونا

پھر سید سرور شاہ صاحب سے حضرت اقدس کچھ گفتگو ان کے سفر امرتسر کے متعلق کرتے رہے ایک مقام پر فرمایا کہ

ہم نے مالی انعامات دے دے کر ان لوگوں کو اپنے مقابلہ پر بلایا مگر یہ لوگ نہ آئے مگر ہم دینے سے تھکے نہیں ابھی اور دیں گے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں گے تو گویا اپنے ہاتھوں سے ایک اور پیشگوئی ہمارے حق میں پوری کر دیں گے وہ یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ مسیح موعود مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے تو اگر انکار کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کو پورا کرتے ہیں۔

مذہبی گفتگو کا طریق

فرمایا :۔

گفتگوئیں ایسے مقامات پر ہونی چاہئیں جہاں روساء بھی جلسہ میں ہوں اور تہذیب اور نرم زبانی سے ہر ایک بات کریں کیونکہ دشمن جب جانتا ہے کہ محاصرہ میں آگیا تو وہ گالی اور درشت زبانی سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے طالب حق بن کر ہر ایک کو بات کرنی چاہئے اور یہ امر سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ : ۲۲) اگر ہم حق پر نہیں ہیں تو ہم غالب نہ ہوں گے ہم نے ان کو کئی بار لکھا ہے کہ سب متفق ہو جائیں کوئی عیب نہیں ہے۔ ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے ان تمام مولویوں میں سے بہت ایسے ہیں کہ عربی لکھتے ہیں بلکہ اشعار بھی کہتے ہیں مگر ہمارے مقابل پر خدا تعالیٰ ان کی زبان بند کر دیتا ہے اور ان کو ایسا امر پیش آتا ہے کہ چپ رہ جاتے ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس حسب دستور شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے سید عبداللہ عرب صاحب نے ایک رسالہ ایک شیعہ علی حائری کے رد میں عربی زبان میں لکھا تھا جس کا نام سبیل

الرشاد رکھا تھا حضرت اقدس کو سناتے رہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی کرتے جاؤ تاکہ تم کو مشق ہو مگر عرب صاحب کو جرات نہ ہوئی کہ اتنی مجلس میں ترجمہ ٹوٹے پھوٹے اردو میں سنا دیں اس رسالہ میں ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مسیح کے بارہ میں یہود کا موقف

مجھے اس جگہ ان کے الفاظ سے یہ تحریک ہوئی ہے کہ یہود لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو دو وجہ سے ملعون ٹھہراتے تھے ایک ان کو ولدالزنا کہہ کر۔ دوسرا مصلوب کرنے کے لحاظ سے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کے ولدالزنا ہونے کا ذَبّ کیا ہے تو چاہئے تھا کہ ان کے مصلوب ہونے کا بھی ذَبّ کرتا۔ جسم کے ساتھ آسمان پر جانا تو ایک الگ تھلگ امر ہے اول ذَبّ دلالت کرتا ہے کہ دوسرا بھی ذبّ ہو۔

اولادالشیطان

پھر یہ بات بیان ہوئی کہ اہل شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ولدالزنا کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ حسینؓ اور بارہ اماموں کی بھی محبت رکھتا ہو۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

توریت میں بھی ایسے ہی لکھا ہے اور اسی لئے وہ مسیح کو ملعون کہتے تھے اس بات کی اصل قرآن شریف میں بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس میں تخصیص کی ہے ایک اولاد الرحمان اور ایک اولاد الشیطان۔ کیونکہ جب شیطان نطفہ میں شریک ہو گیا تو پھر اس کے قویٰ میں یہ بات بطور جزو کے آگئی۔

ایک مقام پر ہے بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (القلم : ۱۴) یعنی یہ ولدالزنا ہے اور تجربہ بتلاتا ہے کہ ولدالزنا شرارت سے باز نہیں آیا کرتے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ

پھر اس رسالہ میں مَا قَتَلُوْهُ (النساء ۱۵۸) کے لفظ پر حضرت اقدس کو یہ تحریک ہوئی کہ مَا قَتَلُوْهُ پر سوال ہوتا ہے کہ یہود کیوں قتل کرتے تھے ان کی کیا غرض تھی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء : ۱۵۹) یعنی قَتَلْنَا سے ان کی مراد لَعَنَّا تھی۔

ایک لطیف نکتہ

اہل عرب میں چونکہ ایک ہزار سے آگے شمار نہیں ہے حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان دنیا کی طرف نہ تھا ورنہ دوسری دنیا دار قوموں کی طرح لاکھوں کروڑوں تک گنتی وہ بھی رکھتے۔
وہ رسالہ سن کر حضرت اقدس نے تعریف کی کہ
عمدہ لکھا ہے اور معقول جواب دیئے ہیں[1]

۵ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

(بوقت سیر)

خاتمہ بالخیر چاہیئے

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے۔ آتے ہی قاضی میر حسین صاحب مدرس عربی مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے والد ماجد مسمی غلام شاہ صاحب تاجر اسپاں سے ملاقات ہوئی انہوں نے حضرت اقدس کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور نذر پیش کی حضرت اقدس ان کے حالات دریافت فرماتے رہے معلوم ہوا کہ آپ کی اسی سال سے زیادہ عمر ہے انہوں نے درخواست کی میرے خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائی جاوے حضرت اقدس نے فرمایا کہ
بس یہی بڑی بات ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو کسی نے نوح علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ آپ تو قریب ایک ہزار سال کے دنیا میں رہ کے آئے ہیں بتلایئے کیا کچھ دیکھا۔ نوحؑ نے جواب دیا کہ یہ حال معلوم ہوا ہے کہ جیسے ایک دروازے سے آئے اور دوسرے سے چلے گئے تو عمر کا کیا ہے لمبی ہوئی تو کیا تھوڑی ہوئی تو کیا خاتمہ بالخیر چاہیئے۔
پھر ایک بڑ کے درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ
ہم سے تو یہ درخت ہی اچھا ہے ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس کے تلے ہم کھیلا کرتے تھے یہ اسی طرح ہے اور ہم بڈھے ہو گئے ہیں یہ سال بہ سال پھل بھی دیتا ہے۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۱-۲۲ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

مباحثہ مدّ کسی فتح کی بنیاد نظر آتا ہے

محمد یوسف صاحب اپیل نویس نے عرض کیا کہ حضور موضع مد کے مباحثہ میں ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب تمہاری آنکھیں کیوں نہیں اچھی کر دیتے حضرت اقدس نے فرمایا :-

جواب دینا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اندھا تھا جیسے قرآن مجید میں لکھا ہے عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۔ (عبس : ۲-۳) وہ کیوں نہ اچھا ہوا حالانکہ آپ تو افضل الرسل تھے اور بھی اندھے تھے ایک دفعہ سب نے کہا کہ یا حضرت ہمیں جماعت میں شامل ہونے کی بہت تکلیف ہوتی ہے آپ نے حکم دیا کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کے لوگوں کو ضرور آنا چاہئے۔

فرمایا۔

شریر آدمیوں کا کام ہے کہ آنکھ' کان' ٹانگ وغیرہ کاٹ کر پھر کلام کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں یہ مباحثہ بھی ہمارے لئے ایک فتح حدیبیہ کی صلح کی طرح کسی فتح کی بنیاد ہی نظر آتا ہے۔

جماعت کا اخلاص

پھر فرمایا کہ

ہماری جماعت جان ومال سے قربان ہے اگر ہمیں ایک لاکھ کی ضرورت ہو تو وہ مہیا کر سکتے ہیں اول بار عوام الناس نے علمی باتوں کو نہ سمجھا اس لئے اب اللہ تعالیٰ نشانوں سے سمجھاتا ہے۔

مولویوں کی حالت

زمانہ کے مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ :

ایسے مولویوں کے ہوتے ہوئے دین کے استیصال کے پادریوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

نبی سے اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے

پھر اعتراضوں پر فرمایا

کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر وہ ٹیکس لگاتے ہیں جو اول انبیاء کو معاف کرتے ہیں ان سے بھی

اجتہادی غلطیاں ہوتی رہیں۔ ہاں وحی میں غلطی نہیں ہوتی پھر اگر اجتہاد کو بھی غلطی سے مبرا خیال کرتے ہیں تو وہ اجتہاد کیوں نام رکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہؓ کو کھجوروں کے درختوں کے متعلق کچھ ہدایات دیں پھر جب نتیجہ وہ نہ نکلا تو آپؐ نے فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ تو کیا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی فرق آگیا ہے؟ اول ان سے پوچھا جائے کہ وہ کہاں تک اجتہاد میں معصومیت روا رکھتے ہیں۔

عربی کا ترجمہ آسان کام نہیں

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا ذکر ہوتا رہا ماحصل یہ تھا کہ عربی زبان کا ترجمہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے بعض وقت ایک لفظ کے معنے ایک ایک سطر میں جا کر پورے ہوتے ہیں اور اس کا ترجمہ کرنا بھی ایک معجزہ ہوتا ہے۔

طاعون کا ٹیکہ

عصر کے وقت حضرت اقدس نے تشریف لا کر خبر سنائی کہ

گوجرانوالہ سے ایک کارڈ آیا ہے جس میں خبر ہے کہ ٹیکہ کا عمل گورنمنٹ نے بند کر دیا ہے اس خبر کی تصدیق یہاں بھی ہوئی ہے لالہ شرمپت میرے پاس آئے تھے انہوں نے کہا کہ گورداسپور میں بھی ٹیکہ کے جلسے بند ہو گئے ہیں اور دوائی ٹیکہ تمام واپس منگوائی گئی ہے۔

دیہات کیلئے منظوم پنجابی لٹریچر کی ضرورت

بعد نماز مغرب مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے ایک پنجابی نظم سنانے کی درخواست کی جس میں انہوں نے الفاظ بیعت اور شرائط بیعت کو منظوم کیا ہوا تھا جب وہ سنا چکے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ تیار کر کے چھاپا جاوے اور یہ گاؤں بہ گاؤں لوگوں کو سناتے پھریں تاکہ خلق خدا کو ہدایت ہو تو یہ بہت مفید ہو۔

کتاب "کشتی نوح" اور اخبارات

پھر کشتی نوح پر اخباروں کے ریمارک کی نسبت فرمایا کہ

اول اخباروں نے کیسی مخالفت کی کہ گویا ہم نے گورنمنٹ کی راہ میں پتھر ڈال دیئے ہیں۔ لیکن سول ملٹری گزٹ کی تعریف کی کہ اس نے کوئی چنداں مخالفت ہماری اس امر میں نہیں کی اور نہ بے ادبی کا طریق اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ گورنمنٹ کے بڑے مزاج دان ہوتے ہیں گورنمنٹ کے لئے رعایا مثل بچوں کے ہے ایک ماں کی طرح حد انسانیت تک خبر گیری ضروری ہے اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ ٹیکہ سے کوئی مفید تجربہ حاصل نہیں ہوا تو پھر طاعون کا کوئی علاج نہیں آخر نظر آسمان کی طرف ہونی چاہئے خدا نے قوموں کو سزا دینے کے لئے اسے رکھا ہے توریت میں بھی اس کا ذکر ہے قرآن مجید میں بھی ہے بلکہ قرآن مجید میں تو چوہوں کا بھی ذکر ہے خدا کی عجیب قدرتوں کے دن ہیں جو قسمت والے ہوں گے وہ خدا پر ایمان لاویں گے۔

صحابہؓ کا زُہد

پھر عبداللہ عرب صاحب اپنی تصنیف روشیعہ میں سناتے رہے ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

صحابہ کرامؓ کو جو برابر بھی دنیا کی خواہش نہ تھی ان کا مدعا یہ تھا کہ خوں بہا کر بھی رسول اللہ کے پیرو بن جاویں۔

پھر ایک مقام پر فرمایا کہ

سر الشہادتین (کتاب) میں میں نے ایک دفعہ پڑھا کہ جب مسلم (امام حسینؓ[1]) دروازہ کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (الاعراف:۹۰) اور اسی وقت ان کا سر کاٹا گیا یہ بات مجھ کو بڑی بے محل معلوم ہوئی۔

پھر عبداللہ عرب صاحب اپنے تقیہ کے حالات سناتے رہے پھر انہوں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اس گند سے ان کو نجات دی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے جب تک انسان کی آنکھ نہ کھلے انسان کیا کر سکتا ہے[2]

---

[1] نقل مطابق اصل [2] البدر جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۲-۲۳ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۰۴ء

۶ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

بعد نماز مغرب حضرت اقدس علیہ السلام شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے فرمایا :-
آج میں نے کام میں بہت توجہ کی۔ سر میں درد تھا ریزش بھی ہے اور گلا بھی پکا ہوا ہے جیسے کسی نے چیرا ہوا ہو۔ اور مریض بھی بہت آئے اگرچہ حکیم نورالدین صاحب کو علاج کے لئے مقرر کیا ہوا ہے مگر بعض اپنے اعتقاد کے خیال سے مجھ سے ہی علاج کراتے ہیں۔

دُنیا کی بے ثباتی

پھر دنیا کی بے ثباتی پر فرمایا کہ
چند روزہ زندگی ہے۔ اس کا نظارہ کیا ہے۔ کون ہے جو اپنے خویش و اقارب کی موت کا نظارہ نہیں دیکھتا۔
اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بے ثبات کر رکھا ہے جو آیا ہے اس کے اوپر جانا سوار ہے ہزار دو ہزار برس کی عمر ہوتی تب بھی کیا ہوتا۔ مگر انسان کی عمر تو چیل اور گدھ جتنی بھی نہیں ہے اگر یہ مضمون دل کے اندر چلا جائے تو اس کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم ادھم اور شاہ شجاع وغیرہ پر ایسا اثر پڑا کہ اپنے اپنے تختوں سے نیچے اتر پڑے۔[1]

۷ر نومبر ۱۹۰۲ء

بٹالہ کا سفر

بعد نماز فجر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ جانے کے لئے تیار ہوئے ہر ایک شخص حضور کے ہمراہ جانے کے لئے بے قرار تھا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ :
چونکہ آج ہی واپس آجانا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں کہ سب لوگ ساتھ جاویں۔

آپ نے ایک اور طالب علم کو جو پاپیادہ ہمراہ تھا فرمایا :-
تم کو تو یونہی تکلیف ہوئی تھوڑی دیر شاید ٹھہرنا ہو گا سفر کی کوفت میں تم خواہ مخواہ ہمارے شریک ہو گئے۔[2]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء [2] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

ایک نومسلم کو نصیحت

بٹالہ کے سفر کے دوران حضرت اقدس شیخ عبدالرحمان صاحب قادیانی سے ان کے والد صاحب کے حالات دریافت فرماتے رہے اور نصیحت فرمائی کہ

ان کے حق میں دعا کیا کرو ہر طرح اور حتی الوسع والدین کی دلجوئی کرنی چاہئے اور ان کو پہلے سے ہزار چند زیادہ اخلاق اور اپنا پاکیزہ نمونہ دکھلا کر اسلام کی صداقت کا قائل کرو۔ اخلاقی نمونہ ایسا معجزہ ہے کہ جس کی دوسرے معجزے برابری نہیں کرسکتے سچے اسلام کا یہ معیار ہے کہ اس سے انسان اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر ہو جاتا ہے اور وہ ایک ممیز شخص ہوتا ہے شاید خدا تعالیٰ تمہارے ذریعہ ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔ اسلام والدین کی خدمت سے نہیں روکتا۔ دنیوی امور جن سے دین کا حرج نہیں ہوتا ان کی ہر طرح سے پوری فرماں برداری کرنی چاہئے دل و جاں سے ان کی خدمت بجا لاؤ۔

بٹالہ کے سفر کے دوران

زندگی کا بھروسہ نہیں

راستہ میں مولوی قطب الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو کہ شاہ پور کی طرف ایک مریض کے علاج کے لئے گئے تھے مگر وہ مریض ان کے پہنچنے پر فوت ہوگیا یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا انسان کا کیا ہے زندگی کا بھروسہ نہیں جہاں تک ہو سکے آنے والے سفر کی تیاریوں میں مصروف ہونا چاہئے ساری بیماریوں کا علاج ہے مگر یہ موت ایسی بیماری ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں[1]

بٹالہ پہنچ کر اس باغ میں جو کچہری کے سامنے ہے ڈیرا کیا اور حوائج ضروریہ کے بعد کاغذ طلب کیا۔ فرمایا کہ راہ میں چند شعر کہے ہیں ان کو لکھ لوں چنانچہ مفتی صاحب نے اپنی نوٹ بک پیش کی اور آپ لکھنے لگے۔ کھانا ساتھ ہی تھا حکم دیا کہ پہلے کھانا کھا لیا جاوے

منشی محمد یوسف صاحب اپیل نویس مردان سے مخاطب ہو فرمایا کہ

آپ ایک دینی جہاد کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے گا[2]

---

[1] البدر جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۰۴ء

[2] البدر میں ہے

منشی محمد یوسف صاحب کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

آپ دلگیر نہ ہوں آپ ایک دینی جہاد میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس سلسلہ کو ایسا پھیلا دے گا کہ یہ سب پر

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

میں نے ایڈیٹر الحکم کو حکم دیا ہے کہ وہ سارا مباحثہ الحکم میں چھاپ دیں جو زائد کاپیاں آپ کو مطلوب ہوں ان سے لے لیں زائد اخراجات آپ کو برداشت نہ کرنے پڑیں گے اور ثواب بھی ہو گیا

اور فرمایا کہ

آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلدی اس سلسلہ کو پھیلا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اس سلسلہ کو دنیا میں پھیلائے۔

ضمناً فرمایا کہ :-

کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا جس قدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے یہ خدا کا فعل ہے اور عجیب۔ یہ خدا کا نشان اور اعجاز ہے۔

مسیح ناصریؑ کے متعلق صحابہ کرامؓ کا عقیدہ

فرمایا :-

یہ صحیح نہیں ہے کہ صحابہؓ حضرت مسیح کی اس شان کے قائل تھے جو خدائی کے ناواقف مسلمانوں نے ان کی بنا رکھی ہے اگر وہ مسیح کو اسی شان سے مانتے کہ وہ حقیقی مردے زندہ کرتے تھے اور حی و قیوم تھے تو ایک بھی مسلمان نہ ہوتا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ان کی صفات کو یقین کرتے تو وہ اخلاص اور وفاداری ان میں پیدا نہ ہوتی۔

حضرت مسیح علیہ السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان

فرمایا :-

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپؐ نے ان کا تبریہ کیا اور ان الزاموں سے پاک کیا جو ان پر ناپاک یہودی لگاتے تھے جو یہودی مسلمان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

غالب ہوں گے اور آجکل کے موجودہ ابتلا سب دور ہو جائیں گے خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ ہر ایک کام بتدریج ہو۔ کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا جس قدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا نشان۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

ہوتا تھا کتنی بڑی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا اسے پہلے اقرار کرنا پڑتا۔[1] فرمایا :-

عیسائی مذہب ایسا ہے کہ اس کو پیدا ہوتے ہی صدمہ پہنچا جیسے کوئی لڑکی پیدا ہوتے ہی اندھی ہو ایسا ہی اس مذہب کا حال ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر احسان کیا اور اس کو پاک کیا۔

نبی کا ہر سفر حکمتِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے

بٹالہ آنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ

ہمارا یہاں آنا تو کوئی اور ہی حکمت رکھتا ہے ورنہ یہ شہادت کیا اور شہادت بھی لا علمی کی۔[2]

اس پر آپ نے فرمایا کہ

دو بزرگ ابوالقاسم اور ابو سعید نام تھے۔ اتفاق سے دونو ایک جگہ اکٹھے ہو گئے ان کے ایک مرید نے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال ہے اتفاق سے دونو ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ سوال یہ پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مدینہ میں آئے تھے اس کی وجہ کیا تھی؟ ابوالقاسم نے کہا کہ بات اصل میں یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض

---

[1] (البدر سے) مسیح علیہ السلام کے ذکر پر فرمایا کہ

ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے احسانات ہیں کہ آپ نے ہر طرح کے الزامات سے ان کو بری کیا جو کہ یہودی لوگ ان پر لگاتے تھے۔ ورنہ وہ تو بچارے جس دن پیدا ہوئے اسی دن لوگوں کی لعنت کے مورد ہوئے کیا یہودیوں نے ان کے ساتھ تھوڑی کی ہے ابتدا بھی ان کی لعنت سے ہے اور انتہا بھی لعنت سے ہے دراصل تو ان کا مصدق کوئی نظر نہیں آتا۔ یہود تو لعنت کرتے ہی تھے جو حواری تھے وہ بھی لعنت کرتے تھے ایک نے ان میں سے تین بار لعنت کی پھر چھوڑ کر چلے گئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے مصدق بنے۔ کہ ہر ایک عیب سے ان کی برئت کی بھلا اس سے بڑھ کر کیا احسان ہو سکتا ہے کہ بجائے لعنت کے رحمت کا خطاب ان کو دلایا اب کروڑوں مسلمان رَحْمَةُ اللّٰهِ کا لفظ ان کے لئے بولتے ہیں (البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۶ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] (البدر سے)

"ہمارا اس جگہ آنا بھی حکمت الٰہی پر مبنی ہے ورنہ یہ شہادت ایک ایسا معاملہ ہے جس کا جواب ہمارے پاس سوائے لا علمی کے اور کچھ نہیں" (البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

کمالات مخفی تھے ان کا بروز اور ظہور وہاں آنے سے ہوا۔
ابو سعید نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے وہاں آئے تھے کہ بعض ناقص[1] ابھی موجود تھے ان کی تکمیل کے لئے آئے۔
گویا دونو نے اپنے اپنے رنگ پر اپنی انکساری کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کی تکریم کی اسی طرح ہمارے یہاں آنے کی غرض تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ میاں نبی بخش سے ملاقات ہو گئی کچھ تبلیغ ہو جائے گی بہت لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

شہادت کا چھپانا گناہ ہے

شہادت کے تذکرہ پر فرمایا کہ
شہادت کا چھپانا گناہ ہے اور جب سرکار بلائے تو ضرور حاضر ہونا چاہئے شہادت سے جب کسی کی بھلائی ہو اور حق کھل جاوے تو کیوں ادا نہ کرے۔
ہر جگہ جو انسان قدم رکھتا ہے اس میں خدا کی حکمت ہوتی ہے زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک آسمان پر تحریک اور مقدر نہ ہو[2]
ایک سائل نے آکر کچھ مانگا آپ نے میر صاحب کو حکم دیا کہ
اس کو کچھ دے دیں اور جو آجائیں ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔

عیسائیوں سے مباحثات

ایک مولوی صاحب جو عیسائیوں سے مباحثات کے بہت شائق تھے انہوں نے حضور کا نیاز حاصل کیا حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

---

[1] (البدر سے)
"بعض لوگ مدینہ میں ناقص تھے اور معرفت کے پیاسے تھے ان کو کامل کرنے اور ان کے دلوں کی پیاس بجھانے کے لئے آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے"

---

[2] (البدر سے)
شہادت تو ایک بہانہ تھا ورنہ اصل غرض اللہ تعالیٰ کی بعض لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا سو وہ پہنچ گیا۔
(البدر جلد نمبر ۳ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۹۰۴ء)

اب آپ لوگوں کے وہ پرانے ہتھیار کام نہیں دیتے وہ کند ہو گئے ہیں اور ان سے اسلام کو الٹا ضرر پہنچتا ہے انتیس لاکھ کے قریب مسلمان مرتد ہو چکے ہیں۔

فرمایا :۔

مباحثات کا اثر بحیثیت مجموعی دیکھنا چاہئے فرداً فرداً کچھ پتہ نہیں لگا کرتا۔

منشی نبی بخش صاحب نے ایک عیسائی کا سوال پیش کیا کہ وہ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء : ۳۵) سے مسیح کی الوہیت ثابت کرتے ہیں۔

عیسائی لوگ اس آیت سے استدلال کر کے ان لوگوں کے سامنے الوہیت مسیح ثابت کرتے ہیں جس کا ان لوگوں سے کچھ جواب بن نہیں آتا۔ عیسائی اس آیت سے مسیح علیہ السلام کو بشریت سے الگ کر کے ان کو قائل کرتے ہیں کہ جب وہ زندہ آسمان پر ہیں تو بہرحال الوہیت کے رنگ میں ہیں اگر مسیح علیہ السلام بشر ہوتے تو فوت ہو گئے ہوتے۔

فرمایا :۔

یہ سوال تو ان کا بڑا معقول ہے ان مولویوں کو چاہئے کہ اس کا جواب دیں اب دیکھئے کہ مسلمانوں کے دو چار جلسوں میں یہ سوال پیش ہو اور مولوی اس کے جواب میں ساکت رہیں اور قاصر رہیں تو پھر اسلام کی ذریت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے ایسے ایسے سوالوں کے بعد اگر مسلمان مرتد نہ ہوں تو کیا کریں؟

اس کے علاوہ ان لوگوں کے ایسے عقیدے ہیں کہ اگر ان کا عیسائیوں کو پتہ لگ جائے تو بحث کرنے کو ڈنکے کی چوٹ بلائیں یہ لوگ تو خطرناک ہیں ان لوگوں نے اگر مسیح کو خدا نہیں بنایا تو خدا بنانے میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی ان لوگوں کا تو وہی حال ہے جس طرح کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص مرا تو نہیں۔ ہاں مگر اس کی نبض بھی نہیں چلتی سانس بھی نہیں لیتا پیٹ بھی پھول گیا ہے حرکت بھی نہیں کرتا غرض ساری علامات مردوں کی ہیں مگر مرا نہیں۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے کہ مسیح کو خدا نہیں کہتے مگر خدائی کی ساری صفات کو ان میں جمع کر دیتے ہیں ان عیسائیوں کا ہم کیا رد کریں ہمارے تو یہ اندرونی عیسائی ہی امت پر چھری چلا رہے ہیں[1]

الحکم میں درج ہے فرمایا کہ

بے شک ان لوگوں پر جو مسیح کو زندہ آسمان پر بٹھاتے ہیں یہ سوال بڑا معقول ہے انسان اپنے

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

اقرار سے پکڑا جاتا ہے ان مسلمانوں نے خود اقرار کر لیا ہے کہ مسیح زندہ ہے اور آسمان پر بیٹھا ہے اور ایسا ہی اس کے معجزات خالق طیور ہونا بہت سی باتیں ہیں جن سے عیسائیوں کو مدد ملی ہے ہم عیسائیوں کو کیا روئیں ہمارے گھر میں خود یہ مسلمان اسلام پر چھری چلا رہے ہیں۔

الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ کے معنی

لالہ کاہن چند صاحب مختار عدالت پٹالہ (جو توحید پسند ہندو ہیں) نے آپ سے الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ کی تشریح و تفسیر کے متعلق سوال کیا۔

فرمایا :-

اس کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا۔ یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے اس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے

اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا مِنْكَ اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے کہ میری توحید میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا ایک وقت آتا ہے کہ زمین فسق و فجور اور شر و فساد سے بھر جاتی ہے لوگ اسباب پرستی میں ایسے فنا اور منہمک ہوتے ہیں کہ گویا خدا کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔

ایسے وقتوں میں خدا تعالیٰ اپنے اظہار کے واسطے ایک بندہ اپنی طرف سے بھیج دیتا ہے ہندوؤں نے جو اوتار کا مسئلہ مانا ہے یہ بھی اسی کا ہمرنگ ہے گویا خدا تعالیٰ ان کے اندر مجازی طور پر بولتا ہے۔

اس زمانہ میں اسباب پرستی اور دنیا پرستی اس طرح پھیل گئی ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور ایمان نہیں رہا دہریت اور الحاد کا زور ہے جو کچھ حالت اس وقت زمانے کی ہو رہی ہے اس پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ بزبان حال پکار رہا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔

عملی حالت ایسی کمزور ہو گئی ہے کہ کھلی بے حیائی اور فسق و فجور بڑھ گیا ہے یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ دلوں سے خدا تعالیٰ پر ایمان اور اس کی ہیبت اٹھ گئی ہے اور کوئی یقین اس ذات پر نہیں۔ ورنہ کیا بات ہے کہ انسان کو اگر معلوم ہو جاوے کہ اس سوراخ میں سانپ ہے۔ تو وہ کبھی اس میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا پھر یہ بے حیائی اور فسق و فجور۔ اتلاف حقوق جو بڑھ گیا ہے کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رہا۔ یا یہ کہو کہ خدا گم ہو گیا ہے اس

وقت خدا تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ارادہ فرمایا اور مجھے مبعوث کیا اس لئے مجھے کہا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔

اور اس کے یہی معنے ہیں کہ میرا جلال اور میری توحید و عظمت کا ظہور تیرے ذریعہ ہو گا چنانچہ وہ نصرتیں اور تائیدیں جو اس نے اس سلسلہ کی کی ہیں اور جو نشانات ظاہر ہوئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی ہستی اس کی توحید اور عظمت کے اظہار کے ذریعے ہیں

یہ امر کوئی ایسا امر نہیں کہ مشتبہ یا مشکوک ہو بلکہ تمام مذاہب میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے کہ ایک وقت خدا تعالیٰ کے ظہور کا آتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ خدا اس وقت گم ہوا ہوا سمجھا جاتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس کی ہستی اور توحید اور صفات پر ایمان نہیں رہتا اور عملی رنگ میں دنیا دہریہ ہو جاتی ہے اس وقت جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کا مظہر قرار دیتا ہے وہ اس کی ہستی' توحید اور جلال کے اظہار کا باعث ٹھہرتا ہے اور وہ اَنَا مِنْکَ کا مصداق ہوتا ہے

اگر کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی ذریعہ کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ سچ ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اس نے اس عالم اسباب میں ایسا ہی پسند فرمایا ہے۔ دیکھو۔ پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے مگر یہ پیاس اور بھوک پانی اور کھانے کے بغیر فرو نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جس قدر قوتیں اور طاقتیں ہیں اور ان کے تقاضے ہیں وہ اسی طرح پورے ہوتے ہیں دنیا کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور انتظام کے لئے اس نے بادشاہوں اور حکومت کے سلسلہ کا نظام رکھا ہے جو شریروں کو سزا دیتے اور مخلوق کے حقوق ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا خود اتر کر تو نہیں آتا۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ وہی حفاظت کرتا ہے اور شریروں کی شرارت سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے۔

اسی طرح روحانی نظام کے لئے بھی اس کا ایسا ہی قانون ہے۔ سچی پاکیزگی اور طہارت اور وہ ایمان جس سے معرفت۔ بصیرت اور یقین پیدا ہو' خدا ہی کی طرف سے آتا ہے اور اس کا مامور لے کر آتا ہے اور وہ ذریعہ ٹھہرتا ہے خدا کے جلال اور عظمت کا۔ اور وہ اس وقت آتا ہے جب دنیا میں سچی پاکیزگی نہیں رہتی اور خدا تعالیٰ سے دوری اور بعد ایسا ہوتا ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں اور جب دنیا کے ہاتھ میں صرف پوست رہ جاتا ہے اور مغز نہیں رہتا تب خدا تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ذریعہ اپنا ظہور فرماتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اس نے مجھے بھیجا ہے اس لئے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔

بابو کاہن چند۔ آپ نے اپنے رسالہ میں اور معنے کئے ہیں؟

فرمایا :-

ہم نے اور معنے کبھی نہیں کئے ہم تو ہمیشہ یہی معنے کرتے ہیں آپ نے بھی یہ سوال ہم سے کیا تھا اور اس کو یہی جواب دیا گیا تھا انسان کو چاہئے کہ انصاف ہاتھ سے نہ دے یہ تو حلاوت کی بات ہے انسان اس سے اپنا ایمان بڑھاتا ہے اگر یہ بات نہ ہو تو پھر یہ سلسلہ ہی ختم ہو جاتا۔ آجکل لوگ خدا تعالیٰ کے قائل نہیں رہے بلکہ دہریہ ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے جلال کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک انسان کو دنیا میں بھیجا ہے۔

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (البقرہ: ۲۹) کی تشریح

پنڈت صاحب کے چلے جانے کے بعد ایک شخص نے آیت كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ (البقرۃ : ۲۹) کے معنے پوچھے۔

فرمایا :-

انسان پر ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ نطفہ ہوتا ہے اور اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا پھر مدارجِ ستہ سے گذر کر اس پر ایک موت آتی ہے اور پھر اسے ایک احیاء دیا جاتا ہے یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ ہر حیات سے پہلے ایک موت ضرور آتی ہے۔

اس آیت میں صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ان پر ایسا گذرا ہے کہ وہ بالکل مردہ تھے یعنی ہر قسم کی ضلالت اور ظلمت میں مبتلاء تھے پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ زندگی عطا ہوئی اور پھر ان کی تکمیل اور ایک موت ان پر وارد ہوئی جو فنا فی اللہ کی موت تھی اس کے بعد ان کو بقا باللہ کا درجہ ملا اور ہمیشہ کے لئے زندگی پائی۔

ایک حدیث کا ذکر

ایک حدیث مولوی فتح الدین صاحب نے پیش کی جس کی تاویل کر کے اسے مسیح موعود پر چسپاں کیا جاتا تھا۔

فرمایا :-

کیا ضرورت ہے اس بات کی خدا تعالیٰ نے کھلی کھلی تائیدیں ہمارے لئے رکھ دی ہیں کیا مِنَّا كُمْ عَلَامَةً ہمارے مخالفین کے لئے کافی نہیں ایک بخاری کا مِنْكُمْ (اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ) مسلم کا مِنْكُمْ (اَكْرَمَكُمْ مِنْكُمْ) اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا مِنْكُمْ (وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ) (النور : ۵۶)

بیعت کرنے والے ہمارے بدن کے جزو ہو گئے

منشی نعمت علی صاحب نے کھانے کے لئے عرض کیا۔ فرمایا :-
تکلف کی کیا ضرورت ہے ہم کھانا کھا چکے ہیں جب تم لوگوں نے بیعت کر لی تو گویا ہمارے بدن کے جزو ہو گئے پھر الگ کیا رہ گیا یہ باتیں تو اجنبی کے لئے ہوتی ہیں۔

جماعت کی اعجازی ترقی

جماعت کی اعجازی ترقی کے ذکر پر فرمایا کہ
ہماری طرف سے کوئی سعی نہیں کی جاتی ہمارے واعظ نہیں بایں ہمہ اس قدر ترقی ہو رہی ہے کہ عقل حیران ہے اور اصل یہ ہے کہ اگر ہماری سعی اور کوشش سے کچھ ہوتا تو شائد شرک ہوتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ممالک مغربی و شمالی میں جہاں ہم کو تین آدمیوں کا بھی علم نہیں مردم شماری کے رو سے نوسو سے زائد آدمی ہیں اور یہ جماعت اب ایک لاکھ سے بھی بڑھ گئی ہے یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں۔ خود مخالف محرک ہو رہے ہیں بعض لوگوں کے خطوط آئے ہیں کہ محمد حسین کے رسالوں میں کوئی مضمون دیکھتے تھے تو ان سے معلوم ہوا کہ آپ حق پر ہیں اور بعض ایسے خطوط بھی آئے ہیں کہ کوئی فقیر ایک کتاب لایا تھا وہ کتاب چھوڑ گیا اور اس کا پتہ نہیں۔
غرض اس پر ذکر فرماتے رہے کہ
مخالفوں نے ہر طرح مخالفت کی مگر خدا نے ترقی کی۔ یہ سچائی کی دلیل ہے کہ دنیا ٹوٹ کر زور لگا دے اور حق پھیل جاوے۔ اب ہمارے مقابل کونسا دقیقہ مخالفت کا چھوڑا گیا مگر آخر ان کو ناکامی ہی ہوئی ہے یہ خدا کا نشان ہے اس میں دو چیزوں نے بڑی مدد دی۔ طاعون نے بیعت کرنے والوں کو بڑھایا اور مردم شماری نے تصدیق کی[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
حق کی یہ بھی ایک پہچان ہے اور اس کی شناخت کا یہ ایک عمدہ معیار ہے کہ دنیا اپنے سارے ہتھیاروں سے اس کی مخالفت پر ٹوٹ پڑے جان سے' مال سے' اعضاء سے' عزت سے

---

[1] الحکم ۱۰ر نومبر ۱۹۰۴ء

اور اندرونی اور بیرونی لوگ اور اپنے اور پرائے گویا سب ہی اس کی مخالفت پر کھڑے ہو جائیں اور پھر بھی وہ حق آگے ہی آگے قدم رکھتا جائے اور کوئی روک اس کی ترقی کو روک نہ سکے چنانچہ قرآن شریف میں ہے فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ (ہود : ۵۶) سو اس معیار سے ہمارے سلسلہ کو پرکھا جائے تو ایک طالب حق کے واسطے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا دیکھو نہ ہمارا کوئی واعظ ہے نہ لیکچرار اور دشمن کیا بیرونی اور کیا اندرونی سب اکٹھے ہو کر ہمارے تباہ کرنے کی کوشش میں لگے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں ہمیں کامیاب کیا اور دشمن ذلیل ہوئے کفر کے فتوے لگائے قتل کا مقدمہ کیا غرضیکہ انہوں نے کوئی دقیقہ ہماری بربادی کا اٹھا نہ رکھا مگر کیا خدا تعالیٰ سے کوئی جنگ کر سکتا ہے؟ ہماری ترقی کے خود مخالف ہی باعث اور محرک ہیں بہت لوگوں نے انہیں کے رسائل سے اطلاع پا کر ہماری بیعت کی۔ اگر واعظ وغیرہ ہماری طرف سے ہوتے تو ہمیں ان کا بھی مشکور ہونا پڑتا اور یہ بھی ایک شعبہ شرک کا ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا ایک آبپاشی اور تخم ریزی تو کسان کرتا ہے اور ایک خود خدا کرتا ہے ہم اور ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی تخم ریزی اور آبپاشی سے ہیں۔ خدا کے لگائے ہوئے پودا کو کون اکھاڑ سکتا ہے[1]

مختلف باتوں کے دوران فرمایا :-

قبول حق کے لئے قوت اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اس کی توفیق کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

انبیاء کے معجزات

فرمایا :-

انبیاء نے کبھی تماشے نہیں دکھائے البتہ جب ان پر شدائد اور مصائب آتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے تماشہ دکھایا کرتا ہے۔ جیسے قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء : ۷۰) سے معلوم ہوتا ہے ایسا ہی ہم پر قتل کا مقدمہ بھی ایک نار تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔

ایک خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ

انبیاء بھی قینچی کا کام کرتے ہیں ایک طرف سے قطع کرتے ہیں اور دوسری طرف پیوست کرتے ہیں۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

صحابہ کرامؓ پاک صاف رہتے تھے

کسی شخص نے کہا کہ صحابہؓ کے کپڑے میلے کچیلے ہوتے تھے پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے فرمایا :-
یہ جھوٹ ہے میلے کچیلے ہونا اور بات ہے اور پیوند ہونے اور بات ہے قرآن شریف میں آیا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر ۶) پس پاک صاف رہنا ضروری ہے ایسا ہی قرآن شریف میں فرمایا لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ [1] (الواقعہ : ۸۰)

۸ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

ہر احمدی کیلئے تین نصائح

مونگھیر سے محمد رفیق صاحب بی اے اور محمد کریم صاحب تشریف لائے ہوئے تھے دونوں نے نماز فجر کے وقت حضرت اقدس سے بیعت کی۔ بیعت کر چکے تو حضور نے فرمایا کہ
ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تا کہ واقفیت ہو اور کشتی نوح کی تعلیم پر ہمیشہ عمل کرتے رہا کرو اور ہمیشہ خط بھیجتے رہو۔

مخالف باپ کیلئے دعا کی نصیحت

ظہر کے وقت حضور نے ایک نو وارد صاحب سے ملاقات کی اور ان کو تاکید کی کہ وہ اپنے والد کے حق میں جو سخت مخالف ہیں دعا کیا کریں انہوں نے عرض کی کہ حضور میں دعا کیا کرتا ہوں اور حضور کی خدمت میں بھی دعا کے لئے ہمیشہ لکھا کرتا ہوں حضرت اقدس نے فرمایا کہ
توجہ سے دعا کرو باپ کی دعا بیٹے کے واسطے اور بیٹے کی باپ کے واسطے قبول ہوا کرتی ہے اگر آپ بھی توجہ سے دعا کریں تو اس وقت ہماری دعا کا بھی اثر ہو گا۔

مسیح موعود کی صداقت کے متعلق خوابیں

لاہور سے ایک شخص کا خط آیا کہ اسے خواب میں حضرت اقدس کی نسبت بتلایا گیا ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۳ تا ۱۴ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء

آپ سچے ہیں اس شخص کی ارادت ایک فقیر کے ساتھ تھی جو کہ داتا گنج بخش کے مقبرہ کے پاس رہا کرتا ہے اس شخص نے اس فقیر سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ مرزا صاحب کی اتنے عرصہ سے ترقی ہونا ان کی سچائی کی دلیل ہے پھر ایک اور مست فقیر وہاں تھا اس نے کہا بابا ہمیں بھی پوچھ لینے دو دوسرے دن اس نے بتلایا کہ خدا نے کہا کہ مرزا مولا ہے پہلے فقیر نے کہا کہ مولانا کہا ہوگا کہ وہ تیرا اور میرا ہم جیسے سب کا مولا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آجکل خواب اور رؤیا بہت ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگوں کو خوابوں کے ذریعہ اطلاع دے خدا تعالیٰ کے فرشتے اس طرح پھرتے ہیں جیسے آسمان میں ٹڈی ہوتی ہے وہ دلوں میں ڈالتے پھرتے ہیں کہ مان لو مان لو۔

پھر ایک اور شخص کا حال بیان کیا جس نے حضور کے رد میں کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ تو تو رد لکھتا ہے اور اصل میں مرزا صاحب سچے ہیں۔

ساعت کا علم کسی کو نہیں

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے اور ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ

اصل قیامت کا علم تو سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی نہیں اور وہاں سَاعَۃ کا لفظ ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے عورتوں کے حمل کی میعاد نو ماہ دس دن ہوتی ہے جب نو ماہ پورے ہو جائیں تو اب باقی دس دنوں میں کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ کونسے دن وضع حمل ہو گا گھر کا ہر ایک فرد بچہ جننے کی گھڑی کا منتظر رہتا ہے اسی لئے قیامت کا نام سَاعَۃ رکھا ہے کہ اس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔

خدا تعالیٰ کی کتابوں میں اس کی جو علامات ہیں ممکن ہے کہ ان سے کوئی آدمی قریب قریب اس زمانہ کا پتہ بھی دیدے مگر اس سَاعَۃ کی کسی کو خبر نہیں ہے جیسے وضع حمل کی ساعت کی کسی کو خبر نہیں۔ ایک ڈاکٹر سے بھی پوچھو تو وہ بھی کہے گا نو ماہ اور دس دن۔ مگر جونہی نو ماہ گزریں پھر فکر رہتی ہے کہ دیکھیں کون سے دن اور کونسی گھڑی ہو کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال بعد قیامت قریب ہے اب چھ ہزار سال تو گذر گئے ہیں قیامت تو قریب ہو گی مگر اس گھڑی کی کسی کو خبر

نہیں۔

کشمیر سے ایک پرانے صحیفہ کی برآمدگی

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط سنایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کشمیر سے ایک پرانا صحیفہ ایک پادری نے حاصل کیا ہے جو کہ دو ہزار سال کا ہے اس میں مسیح کی آمد اور اس کے منجی ہونے کی پیشگوئی ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بعض وقت پادری لوگ عیسوی مذہب کی عظمت دل نشین کرانے کے واسطے ایسی مصنوعات سے کام لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا معیار یہ ہے کہ اگر اس صحیفہ میں تثلیث کا ذکر ہو تو سمجھنا چاہئے کہ مصنوعی ہے کیونکہ خود عیسویت کی ابتدا میں تثلیث کا عقیدہ نہ تھا بلکہ بعد میں وضع ہوا ہے۔

عیسیٰ اصل ہے یا یسوع

پھر اس امر پر تذکرہ ہوتا رہا کہ قدیم اور اصل لفظ عیسیٰ ہے یا یسوع۔ حضور نے فرمایا کہ پرانا نام عیسیٰ ہی ہے تمام عرب میں عیسیٰ کا لفظ ہے یسوع کا ذکر پرانے عرب اشعار میں بھی نہیں پایا جاتا چونکہ عیسیٰ نبی تھے اس لئے مصلحتاً انہوں نے کسی موقعہ پر عیسیٰ کو بدل کر یسوع بنا لیا ہو یہ بھی تعجب ہے کہ آج تک کسی اور نبی کا نام نہیں الٹا صرف انہی کا الٹا اور مذہب انہیں کا الٹا ایسا ہی کسی کا شعر ہے۔ ؎

نہ ہو کیونکر ہمارا کام الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

اس کے بعد حکیم نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ ساری اناجیل میں کہیں عیسیٰ کا نام نہیں آیا یسوع کا آیا ہے[1]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷ بابت ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

۹ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اعجاز احمدی اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے لکھی گئی ہے

حسب معمول نماز مغرب کے بعد حضور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے اور جو مضمون مشمولہ قصائد عربی[1] آج کل زیر تحریر ہے اس کے متعلق زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

اس کی نسبت دل گواہی دیتا ہے۔ کہ یہ بالکل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا)

آپ بھی دیکھیں گے تو پتہ لگ جائے گا جس طرح کلمہ کی گواہی دی جاتی ہے اسی طرح اس کی بھی گواہی دی جاتی ہے کہ یہ منجانب اللہ ہے یہ حالت بھی ہوتی رہی ہے کہ ذرا اونگھ آئی اور ایک شعر الہام ہو گیا اسی طرح کئی اشعار اس میں الہامی ہیں وحی جلی بھی ہوتی ہے اور خفی بھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ دل میں مضمون پڑ جاتا ہے اور میں لکھتا جاتا ہوں گویا یہ میری طرف سے نہیں ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) خدا تعالیٰ کی مدد سے اس قدر یقین ہے کہ یہ کاروبار ایک دن میں ہو سکتا تھا دیر تو اس لئے لگتی ہے کہ دوبارہ دیکھنا پڑتا ہے کاپی وغیرہ بھی صحیح کرنا فرض ہے ہر ایک بات میں دیکھا گیا ہے کہ سب سامان خدا تعالیٰ نے اول ہی سے کئے ہوئے ہیں قصیدوں میں واقعات کا نبھانا ایک مشکل امر ہوا کرتا ہے شاعر ایسا نہیں کر سکتے ان کو قافیہ ردیف کے لئے بالکل بے جوڑ باتیں اور الفاظ لانے پڑتے ہیں (اس مقام پر عربی کے دو فقرے مقامات حریری سے پڑھے جن میں محض تلازم شعر کے لئے بالکل بے تعلق باتیں ذکر کی ہوتی تھیں اس کے بالمقابل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص : ۲-۳) کو دیکھو[2]

قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت کے دعویٰ پر بعض نادان آریہ اور عیسائی کہدیتے ہیں کہ مقامات حریری وغیرہ بھی فصیح و بلیغ ہیں مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان میں یہ دعویٰ کہاں کیا گیا ہے اور ان کتابوں میں کہاں پر یہ بتصریح لکھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تحدی کے مقابلہ میں ہیں اور علاوہ ازیں ان کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنا بالکل لغو ہے کیونکہ قرآن شریف میں حقائق و معارف کو

---

[1] مراد اعجاز احمدی۔(مرتب)

[2] البدر جلد ۱ نمبر ۴-۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

بیان کیا گیا ہے اور ان کتابوں میں صرف لفظوں کا اتباع کیا گیا ہے۔واقعات سے کوئی غرض ہی نہیں رکھی گئی[1]

مبائعین کی خوش قسمتی

آج کے مبائعین میں سے ایک نے کچھ اظہار محبت کے کلمات کہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ جو بڑے بڑے مولوی تھے ان کے لئے خدا نے دروازے بند کر دیئے اور آپ کے لئے کھول دیئے خدا تعالیٰ کا آپ لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے دعا کی درخواست پر فرمایا کہ

میں اپنے دوستوں کے لئے پنج وقتہ نمازوں میں دعا کرتا ہوں اور میں تو سب کو ایک سمجھتا ہوں۔

ایک پنجابی نظم

اس کے بعد ایک امرتسری دوست نے اپنی پنجابی نظم سنائی۔جس میں انہوں نے اپنے ایک خواب کا ذکر اور حضرت اقدس کی زیارت کا شوق اور بیعت کی کیفیت اور حضرت اقدس کے فیوض و برکات کا ذکر درد دل اور دلکش پیرایہ میں کیا ہوا تھا حضرت اقدس خود بار بار زبان مبارک سے فرماتے تھے کہ

"درد اور رقت سے لکھا ہوا ہے"

سیّد احمد شہید کے شروع کردہ کام کا اتمام

ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہند میں دو واقعہ ہوئے ہیں ایک سید احمدؒ صاحب کا اور دوسرا ہمارا۔ ان کا کام لڑائی کرنا تھا انہوں نے شروع کردی مگر اس کا اتمام ہمارے ہاتھوں مقدر تھا جو کہ اب اس زمانہ میں بذریعہ قلم ہو رہا ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جو نامرادی تھی وہ چھ سو برس بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے رفع ہوئی۔ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ وہ کامیابی اب ہوئی۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء

دجّال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہیں

دجال کے یک چشم ہونے پر فرمایا کہ
میں نے اس کی نسبت یہ بھی سنا یا دیکھا ہے کہ اس کی دونو آنکھیں ہی عیب دار ہوں گی۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ ایک چشم گل اور دیگر بالکل۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے دو کتابوں پر غور کرنی تھی ایک توریت' دوسرے قرآن مجید۔ سو قرآن مجید کے متعلق تو آنکھ رہی نہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے اور توریت پر بھی کچھ دھندلی سی نظر ہے کہ اسے اپنی تائید میں برائے نام رکھتے ہیں[1]

۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

فجر کے وقت مولوی محمد علی صاحب شاعر سیالکوٹی سے فرمایا کہ
آپ کو مختلف مقامات دیہات میں تبلیغ کے لئے پھرنا ہوگا
جسے مولوی صاحب نے بطیب خاطر منظور کیا۔

اعجاز احمدی

ظہر کی نماز سے پیشتر حضرت اقدس نے مضمون زیر قلم[2] پر فرمایا کہ:
کلام کا معجزہ آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک چار ہزار برس ہوئے ہیں سوائے قرآن مجید کے اور کسی نے نہیں دکھایا اور نہ کسی نے دیکھا۔ چونکہ یہ معجزہ ایک ہی کتاب کے متعلق ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر زور ڈالا جائے کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ کیا ان مخالف لوگوں کے پاس قلم نہیں؟ وقت نہیں یا الفاظ نہیں؟ میرا تو ایمان ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا نشان ہے اور ایک آفتاب کی طرح نظر آتا ہے میں اسے بیان نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ ہی نے سب کچھ کروایا ورنہ ہم تو سب کچھ چھوڑ بیٹھے تھے مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال : ۱۸)

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷-۲۸ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

[2] مراد اعجاز احمدی (مرتب)

کشتی نوح کی مشابہت کثرت سے کی جائے

خواجہ کمال الدین صاحب نے نماز مغرب سے پیشتر حضرت اقدس کا نیاز حاصل کیا اور پشاور اور کوہاٹ کا ذکر سنایا کہ وہاں پر اکثر اشتہارات جو کہ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ میں حضور کی مخالفت میں شائع ہوئے ہیں اس نظر سے پڑھے جاتے ہیں کہ گویا وہ حضور کے اشتہارات ہیں اسی مغالطہ سے سرحد کے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق یہ خیالات ذہن نشین ہیں کہ نعوذ باللہ جناب نے رؤسے اپنے خدام کو معاف کر دیئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہے اور کہا ہے کہ نعوذ باللہ وہ ایک جھوٹے نبی تھے میں ان سے افضل ہوں غرض یہ اشتہار اس وضع اور عنوان سے لکھے ہوئے ہیں کہ عوام الناس کو دھوکا لگتا ہے اور یہی خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کا مضمون اور آپ کی تحریر ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

کشتی نوح وہاں کثرت سے تقسیم کر دی جائے یہی کافی ہے

خواجہ صاحب نے کہا ایک ذی وجاہت شخص کو میں نے دیکھا ہے کہ اس نے اسے پڑھ کر کہا کہ کتاب (کشتی نوح) تو عمدہ ہے اگر آخر میں مکان کے چندہ کا ذکر نہ ہوتا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ کیا تم سے بھی ایک پیسہ مرزا صاحب نے مانگا ہے؟ یا تم نے دیا ہے؟ حضرت مرزا صاحب نے تو ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو ان سے تعلق ارادت رکھتے ہیں۔ کیا اگر ایک باپ اپنے بیٹوں سے دو ہزار اس لئے طلب کرے کہ اسے ایک مکان بنانا ہے تو کیا یہ فعل اس کا قابل اعتراض ہو گا؟ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

مخالفین کے اشتہارات ترقی میں مانع نہیں

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ سب باتیں تو ہیں لیکن اندر ہی اندر ترقی ہو رہی ہے خدا تعالیٰ کا فضل ہے اس طرح کے اشتہارات جو مخالفین کی طرف سے شائع ہوتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی کارروائی میں مضر معلوم نہیں ہوتے کیونکہ جب تک تپش نہ ہو بارش نہیں ہوتی۔ ہم سب پر بدظنی نہیں کرتے انہیں میں سے لوگ نکلنے شروع ہو جاتے ہیں کئی خط اس طرح کے آتے ہیں کہ ہم پہلے مخالف تھے گالیاں دیتے تھے مگر اب ایک راہ چلتے سے اشتہار دیکھ کر بیعت کرتے ہیں اس سے پیشتر بھی یہ کارروائیاں چپ چاپ نہیں ہوئیں۔ مکہ میں کیا ہوتا رہا خدا تعالیٰ تماشا دیکھتا ہے کیا کفار امن سے رہتے تھے وہ بھی

ہمیشہ ہروقت لڑائیوں اور فسادوں میں رہتے تھے ابو جہل ہی کو دیکھو کہ بدر کی جنگ میں مباہلہ بھی کرلیا اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ مِنَّا اَقْطَعَ لِلرَّحِمِ اَفْسَدَ فِی الْاَرْضِ فَاَحْنُہُ الْیَوْمَ یعنی ہم دونوں میں سے جو زیادہ قطع رحم کرتا ہے اور زمین میں فساد ڈالتا ہے اس کو آج ہی ہلاک کر پھر اسی دن وہ قتل ہو گیا اس کو تو یہی خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد برپا کر دیا ہے بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا ہے اور ہر روز کا فتنہ برپا ہے لوگ آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے ناحق ان کو چھیڑ دیا ہے اس کا اسی بناء پر یہ خیال تھا کہ یہ ضرور مفسد ہے۔

ایک فتنہ لعنت ہوتا ہے اور ایک فتنہ رحمت ہوتا ہے کوئی نبی نہیں آیا جس نے فتنہ نہیں ڈالا ہمیشہ نوبت جدائی اور فساد کی پہنچتی رہی۔ پھر آخر انہیں میں سے جو نیک تھے اللہ تعالیٰ ان کو لے آتا رہا۔ دنیا میں ہمارے اس سلسلہ کے متعلق گھر گھر شور ہے بعض آدمی رافضیوں سے بڑھ گئے ہیں لعنت کی تسبیح رات دن پھیرتے ہیں اور انہی مخالفوں میں سے بعض ایسے نکلے ہیں کہ جان قربان کرنے کو تیار ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں ہماری طرف سے کوشش ہی کیا ہوئی ہے آسمان پر ایک جوش ہے وہی کشاں کشاں لوگوں کو لا رہا ہے۔

عیسائیوں کا مذہب

اس کے بعد ایک شخص نظم سناتے رہے ایک مقام پر عیسائیوں کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ اتنا فلسفہ اور ہیئت پڑھ کر ڈوبے ہوئے ہیں چوڑھوں کا بھی کچھ مذہب ہوتا ہے کہ کچھ بات پیش کرتے ہیں مگر یہ تو بالکل ہی ڈوبے ہوئے ہیں۔

خواب میں گالیاں دینے کی تعبیر

پھر ایک صاحب نے ایک خواب سنایا۔ ایک شخص اسے گالیاں دے رہا ہے حضور نے تعبیر فرمائی کہ

خواب میں جو شخص گالیاں دینے والا ہوتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے اور جس کو گالی دی جاتی ہے وہ غالب ہوتا ہے[1]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۸ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

۱۱ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

دینی کاموں کیلئے دن رات ایک کر دو

ظہر کے وقت حضور تشریف لائے اور احباب کو فرمایا کہ
یہ وقت بھی ایک قسم کے جہاد کا ہے میں رات کے تین تین بجے تک جاگتا ہوں اس لئے ہر ایک کو چاہئے کہ اس میں حصہ لے اور دینی ضرورتوں اور دینی کاموں میں دن رات ایک کر دے۔

کلام کا نشان دائمی ہوتا ہے

کلام کی فصاحت اور بلاغت پر فرمایا کہ
دوسری قسم کے جس قدر نشانات ہوتے ہیں وہ تو غائب ہو جاتے ہیں مگر اس طرح کا نشان ہمیشہ قائم رہتا ہے بھلا اب موسیٰ کے سانپ کو کوئی دکھا سکتا ہے؟ مگر کلام کا معجزہ اور نشان ایسا ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نتیجہ نکالتے ہیں کہ فلاں شخص (مرد خدا) نے یہ کلام بطور نشان کے پیش کیا اور مخالف کچھ نظیر نہ لا سکے اور کچھ جواب نہ بن آیا۔

حافظ محمد یوسف کی نیش زنی

نماز مغرب سے پیشتر میر ناصر نواب صاحب نے امرتسر سے آکر بیان کیا کہ حافظ محمد یوسف صاحب ملے تھے اور ان سے باتیں ہوئیں آخر وہ نیش زنی پر اتر آئے حضرت اقدس نے فرمایا۔
اگر ہم کاذب ہیں تو ہم ادنیٰ سے ادنیٰ جو آدمی ہے اس سے بھی بدتر ہیں۔ کاذب کی حقیقت ہی کیا ہوتی ہے۔

فارقلیط اور احمدؐ

نماز کے بعد مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے بیان کیا کہ ایک شخص نے فارقلیط کے بارے میں یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کے معنے میگزین میں حق و باطل میں تمیز کرنے والا کے کئے گئے ہیں پھر یہ معنے لفظ احمد پر کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فارقلیط سے مراد احمد ہے لفظ احمد کی پیشگوئی کا ذکر کتب سابقہ میں کہاں ہے؟

خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نے فرمایا کہ

ہمارے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ موجودہ کتب توریت وغیرہ سے یہ لفظ نکال کر دکھائیں جب قرآن مجید نے ان کتب کو محرف و مبدل قرار دیا ہے تو ہم کہاں سے نکالیں؟ جب فارقلیط ہی محرف ہے تو ممکن ہے کوئی اور بھی لفظ ہو جس کے معنے احمد کے ہوں۔

لسان العرب میں لکھا ہے کہ فارقلیط لفظ فارق اور لیط کا مرکب ہے فارق بمعنی فرق کرنے والا اور لیط بمعنے شیطان۔ یعنی شیطان کو الگ کر دینے والا دوسری یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام فارقلیط بھی ہے کیونکہ آپ صاحب فرقان ہیں اور فرقان کے معنے فرق کرنے والا کے ہیں اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ میں لفظ شیطان ہے جو لیط کا معنے ہے اس طرح آپ کا نام فارقلیط بھی ہو گیا اور احمد کے معنے بہت تعریف کرنے والا کے ہیں تو آپ سے بڑھ کر اور کون ہو گا جو توحید کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کی شیطنت کو دور کرے فارقلیط بننے کے واسطے احمد ہونا ضروری ہے احمد وہ ہے جو دنیا میں سے شیطان کا حصہ نکال کر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنے والا ہو فارقلیط کا منشاء دوسرے الفاظ میں احمد ہے۔

کرشن اور رامچندر کی پرستش

مدراس سے ایک ہندو عقیدت مند آئے حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ

آپ کے شہر میں کرشن اور رامچندر اور پتھر کے بتوں کی بھی پرستش ہوتی ہے؟ لالہ صاحب نے جواب دیا کہ ہاں لوگ کرتے ہیں مگر میں نہیں کرتا۔

مدراس سے ہندو کا آنا بھی نشان ہے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

اب ان کا دور دراز مقام سے آنا بھی یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کا مصداق ہے اگر ایسے نشانوں کو ہم جمع کریں تو دس ہزار سے بھی زیادہ نکلتے ہیں اور گواہ بھی محمد حسین کافی ہے۔

آتھم کا رجوع

آتھم کے تذکرہ پر فرمایا

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ میں نے اسی وقت مباحثہ میں سنا دیا تھا کہ اس مباحثہ اور پیشگوئی

کی بنیاد یہ ہے کہ آتھم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دجال رکھا تو اسی وقت "آتھم نے توبہ توبہ کر کے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ مرزا صاحب مجھے ناحق مارتے ہیں میں نے تو دجال نہیں کہا" (مولوی عبدالکریم صاحب نے کہا مجھے یہ الفاظ خوب یاد ہیں) کیا یہ اس کا عمل رجوع تھا یا نہیں؟

لنڈن میں جھوٹے مسیح پگٹ کے بعد سچے مسیح کا قدم ہوگا

مفتی محمد صادق صاحب نے ایک خط مسٹر پگٹ مدعی مسیح کو لندن میں لکھ کر مزید حالات اس کے دعویٰ کے دریافت کئے تھے جس کے جواب میں اس کے سکرٹری نے دو اشتہار اور ایک خط روانہ کیا تھا وہ حضرت اقدس کو سنائے۔ پگٹ کے اشتہار کا جو عنوان انگریزی لفظوں میں تھا اس کے معنے ہیں کشتی نوح۔

حضرت اقدس نے فرمایا :-

اب ہماری کشتی نوح جھوٹی پر غالب آجائے گی یورپ والے کہا کرتے تھے کہ جھوٹے مسیح آنے والے ہیں سو اول لنڈن میں جھوٹا مسیح آگیا اس کا قدم اس زمین میں اول ہے بعد ازاں ہمارا ہوگا جو کہ سچا مسیح [1] ہے اور یہ جو حدیثوں میں ہے کہ دجال خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرے گا تو موٹے رنگ میں اب اس قوم نے وہ بھی کر دکھایا ڈوئی امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور پگٹ لندن میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اور اپنے آپ کو خدا کہتا ہے پگٹ کا خدا ہونا دوسرے لفظوں میں یہ گویا انجیل کی شرح آئی ہے اسے ایک فائدہ ہوا ہے کہ مسیح کو خدا ماننے سے چھوٹ گیا کیونکہ آپ جو ساری عمر کے لئے خود خدا ہو گیا۔ [2]

---

[1] الحکم کے الفاظ یہ ہیں :-

پگٹ نے مفتی محمد صادق صاحب کو ان کے خط کے جواب میں دو نوٹس بھیجے جو پڑھ کر سنائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا :- معقول باتوں کی قدر ہوتی ہے اور وہ رہ جاتی ہیں لیکن جاہلانہ باتوں کی رونق دو تین سطروں میں جاتی رہتی ہے۔ جھوٹے نبیوں اور مسیحوں کا قدم پہلے لندن میں رکھا گیا اور سچے مسیح کی آواز اس کے بعد لندن میں پہنچے گی۔

(الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۸-۲۹ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

۱۲ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

آخری زمانہ کی علامات

بعد نماز مغرب مفتی محمد صادق صاحب نے سنایا کہ ایک انگریزی رسالہ میں لکھا ہے کہ ان ایام میں دنیا میں مختلف مقامات پر بڑی کثرت سے زلزلے آرہے ہیں اور آتشین مادے زمین سے نکل رہے ہیں اور زمین اونچی ہوتی جارہی ہے فرانس کے محققین نے لکھا ہے کہ دنیا کی قدیم سے قدیم تواریخ میں زمین کے اس عظیم تغیر کی کہیں خبر نہیں ملتی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یوں تو زمین سے ہمیشہ کانیں نکلتی رہتی ہیں اور آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں مگر اب خصوصیت سے ان زلزلوں کا آنا اور زمین کا اٹھنا یہ آخری زمانہ کی علامتوں میں سے ہے اور اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (الزلزال : ۳) اسی طرف اشارہ ہے زمانہ بتلا رہا ہے کہ وہ ایک نئی صورت اختیار کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خاص تصرفات زمین پر کرنا چاہتا ہے۔

اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ

حکیم نورالدین صاحب نے عرض کی کہ لوہا آج تک اس کثرت سے زمین سے نکلا ہے کہ اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک اور ہمالہ پہاڑ بن جائے۔ لوہے کی کانوں کی آج تک تہہ نہیں ملی کہ کہاں تک نیچے ہی نیچے نکلتا آتا ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے بھی سونا اور چاندی کو چھوڑ کر اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (حدید : ۲۶) ہی فرمایا ہے (یعنی یہی بنی نوع انسان کے لئے زیادہ نفع رساں ہے)

کلام کے معجزہ کی اہمیت

پھر کلام کے معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ

صفحہ روزگار میں یاد رکھنے کے لئے جیسے یہ نشان ہوتا ہے اور کوئی نہیں۔ یہ بھی ایک ختم نبوت کا نشان تھا اب بھی قرآن شریف کو جو کوئی دیکھے گا تو اسے معجزہ ہی نظر آئے گا اگر موسیٰ علیہ

السلام کا سونٹا بھی اسی شان کا ہوتا تو چاہئے تھا کہ وہ بھی کسی صندوق میں آج تک محفوظ چلا آتا اور یہودی لوگ اس کی زیارت کرواتے کہ یہ موسیٰ کا سونٹا ہے جسے انہوں نے سانپ بنایا تھا یہی حال مسیح کے مریضوں کی صحت کا ہے اب تو عیسائی لوگ پچھتاتے ہوں گے کہ کاش عیسیٰ علیہ السلام کوئی کتاب ہی بنا کر چھوڑ جاتے مگر یہ خاصہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی نبی کا نہیں۔

نیّت پر ثواب

مدراس سے جو لالہ صاحب آئے ہوئے تھے ان کی نسبت حضرت اقدس اور حکیم صاحب اور مولوی صاحب یہ تذکرہ کرتے رہے کہ اس شخص کے دل میں کیا شوق ہے کہ اتنی دور دراز مسافت طے کر کے زیارت کے لئے آیا ہے حالانکہ یہ شخص نہ ہماری باتیں سمجھ سکتا ہے نہ انگریزی جانتا ہے حضور نے فرمایا

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت پر ثواب دے دیتا ہے[1]۔

۱۳ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

نوتعلیم یافتہ ملحدین

بعد نماز مغرب نئی روشنی کے تعلیم یافتہ جو کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کے احکام کو جواب دیئے بیٹھے ہیں ان کے ذکر پر حضور نے فرمایا کہ

وہ خدا جس میں ساری راحتیں مخفی ہیں وہ ان سے بالکل دور ہو گیا ہے جیسے کروڑہا کوس دور ہے اس صورت میں ان کا پھر خدا تعالیٰ سے کیا تعلق؟ اور جن کو یہ مہذب کہتے ہیں ان کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔ (گویا خدائی کا منصب و قالب سب ان کو دے دیا ہے) حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔

ایک شخص نے ذکر کیا کہ علی گڑھ کے ایک طالب علم نے اپنی فیس میں ایک مضمون لکھا

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی گناہ سے خالی نہ تھے اگرچہ اور انبیاء سے بزرگ تر ہیں جن کے گناہ ان سے زیادہ تھے

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

اصل میں یہ لوگ مذہب سے خارج ہیں خدا تعالیٰ کا خوف مطلق نہیں۔ صرف کنبہ کا ہے۔

وہابیوں کی ظاہر پرستی

اس کے بعد حضرت اقدس نے وہابیوں کے اخلاق اور ادب رسول پر اپنا ایک ذکر سنایا کہ ایک دفعہ جب آپ امرتسر میں تھے تو غزنوی گروہ کے چند مولویوں نے آپ کو چائے دی چونکہ حضرت اقدس کے دائیں ہاتھ میں بچپن سے ضرب آئی ہوئی ہے اور ہڈی کو صدمہ پہنچا ہوا ہے آپ نے بائیں ہاتھ سے پیالی لی تو اس پر غزنوی صاحبان نے فوراً بلا وجہ دریافت کئے کہنا شروع کیا کہ یہ خلاف سنت ہے آپ نے ان کو سمجھایا کہ آداب اور روحانیت بھی سنت ہے پھر ان کو اصل وجہ بتلا دی گئی اس کے بعد ان لوگوں نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کی ہے اس قدر نہ چاہئے تھی ہم تو ان کو اسی قدر مانتے ہیں جس قدر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ یونس بن متی سے بھی زیادہ نہیں ہے۔

فرمایا :۔

جسمانی طور پر جس قدر ترقیات آج تک ہوئی ہیں کیا وہ پہلے زمانوں میں تھیں؟ اسی طرح روحانی ترقیات کا سلسلہ ہے کہ ہوتے ہوتے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں جب ان (وہابیوں) کی یہ حالت ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسی سچی محبت کر سکتے ہیں اور کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

فرمایا کہ

میرا دل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے یہ خواہش کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرا نام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں۔ ہمیشہ لفاظی کی بو آتی رہی ہے یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں ہے مولوی محمد حسین صاحب نے خود حدیث کی نسبت اپنے اشاعت السنہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک صاحب الہام

یا اہل کشف صحیح حدیث کو ضعیف یا ضعیف کو صحیح قرار دے سکتا ہے کیونکہ وہ کشفی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصحیح کرا لیتا ہے مگر تاہم میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ میں اپنے کشوف یا الہامات پر تحمل نہیں کرتا جب تک قرآن اور سنت اور صحیح حدیث اس کے ساتھ نہ ہو۔ محمد حسین صاحب سے پوچھا جائے کہ جب عبداللہ صاحب غزنوی احادیث میں اس طرح دخل دے سکتے ہیں تو پھر حَکَمْ نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسے ہر رطب ویابس ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

باقی رہنے والی دوستی

شحنہ ہند نے جو مخالفت مولوی محمد حسین صاحب کی کی ہے اس پر فرمایا کہ

جو لوگ اپنی نفسانی اغراض کے پرستار ہوتے ہیں ان میں دوستی نہیں ہوتی اگر ہو تو جلد جاتی رہتی ہے خدا کے واسطے دوستی ہو تو وہ باقی رہتی ہے وہ ذات پاک قدوس ہے وہی دلوں میں پاکیزگی بھرتا ہے اور سینوں کو کدورتوں سے صاف کرتا ہے۔

تقویٰ اور استقامت اختیار کرو

شیخ فضل حق صاحب نو مسلم پشاور سے آئے تھے ان کی موجودہ حالت پر فرمایا کہ

اوائل میں جو سچا مسلمان ہوتا ہے اسے صبر کرنا پڑتا ہے صحابہؓ پر بھی ایسے زمانے آئے ہیں کہ پتے کھا کھا کر گذارا کیا بعض وقت روٹی کا ٹکڑا بھی میسر نہیں آتا تھا کوئی انسان کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ بھلائی نہ کرے جب انسان تقویٰ اختیار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے واسطے دروازہ کھول دیتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق : ۳-۴) خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اس سے سب کچھ حاصل ہو گا استقامت چاہئے انبیاء کو جس قدر درجات ملے ہیں استقامت سے ملے ہیں۔ خالی خشک نمازوں اور روزوں سے کیا ہو سکتا ہے؟

بیعت پر آخر دم تک قائم رہو

اسکے بعد تین احباب نے بیعت کی حضرت اقدس نے ان کو فرمایا :۔

جو بیعت کی ہے اس پر آخر دم تک قائم رہو۔ تب خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

ہم کسی کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا وہ اس کو نجات دے گا اس لئے تقویٰ اختیار کرو۔

فرمایا :۔

ہماری جماعت دراصل مطعون تو ہو چکی ہے کہ مخالفین کا نشانہ بنی ہوئی ہے اس طرح سے طاعون اپنا کام اس میں کر چکی ہے۔

ناول نویسی

ایک صاحب نے حکیم صاحب کی معرفت کہا کہ اگر بعض واقعات حقّہ کو ناول کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو یہ امر معیوب تو نہیں۔

فرمایا :۔

اس میں معصیت نہیں ہے مطالب کو سمجھانے کے واسطے ہمیشہ زید و بکر کا ذکر فرضی طور پر رکھ لیتے ہیں خود تعزیرات ہند میں مثالیں موجود ہیں[1]

۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

اِس زمانہ کا جہاد

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے رخصت طلب کی اور عرض کیا کہ میں جا کر صرف چند روز گھر پر رہوں گا پھر وہ بہ وہ پھر کر پنجابی نظم کے پیرایہ میں حضور کے سلسلہ کی تبلیغ اور اتمام حجت کروں گا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

یہ بہت عمدہ کام ہے اور اس زمانہ کا یہی جہاد ہے جو لوگ پنجابی سمجھتے ہیں آپ ان کے لئے

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

بہت مفید کام کرتے ہیں۔

نجات خدا کے فضل سے ہوتی ہے

سید سرور شاہ صاحب نے مدراس سے آنے والے ہندو لالہ بڈھا پا کی طرف سے یہ عرض کی کہ رات کو انہوں نے ایک سوال کیا کہ اسلام کے سوا غیر مذاہب کے لوگ جو نیکی کرتے ہیں کیا ان کو نجات ہے کہ نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

نجات اپنی کوشش سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوا کرتی ہے اس فضل کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنا قانون ٹھہرایا ہوا ہے وہ اسے کبھی باطل نہیں کرتا وہ قانون یہ ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ آل عمران : ۳۲) اور وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:۸۶) اگر اس پر دلیل پوچھو تو یہ ہے کہ نجات ایسی شیئے نہیں ہے کہ اس کے برکات اور ثمرات کا پتہ انسان کو مرنے کے بعد ملے بلکہ نجات تو وہ امر ہے کہ جس کے آثار اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں کہ نجات یافتہ آدمی کو ایک بہشتی زندگی اسی دنیا میں مل جاتی ہے دوسرے مذاہب کے پابند بکلی اس سے محروم ہیں اگر کوئی کہے کہ اہل اسلام کی بھی یہی حالت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اسی لئے اس سے بے نصیب ہیں کہ کتاب اللہ کی پابندی نہیں کرتے اگر ایک شخص کے پاس دوا ہو اور وہ اسے استعمال نہ کرے اور لاپروائی دکھائے تو وہ بہرحال اس کے فوائد سے محروم رہے گا یہی حال مسلمانوں کا ہے کہ ان کے پاس قرآن مجید جیسی پاک کتاب موجود ہے مگر وہ اس کے پابند نہیں ہیں مگر جو لوگ خدا تعالیٰ کے کلام سے اعراض کرتے ہیں وہ ہمیشہ انوار و برکات سے محروم رہتے ہیں پھر اعراض بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صوری' ایک معنوی' یعنی ایک تو یہ ہے کہ ظاہری اعمال میں اعراض ہو اور دوسرے یہ کہ اعتقاد میں اعراض ہو اور انسان کو انوار و برکات سے حصہ نہیں مل سکتا جب تک وہ اسی طرح عمل نہ کرے جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبۃ:۱۱۹) بات یہی ہے کہ خمیر سے خمیر لگتا ہے اور یہی قاعدہ ابتداء سے چلا آتا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ کے ساتھ انوار و برکات تھے جن میں سے صحابہؓ نے بھی حصہ لیا پھر اسی طرح خمیر کی لاگ کی طرح آہستہ آہستہ ایک لاکھ تک ان کی نوبت پہنچی اور اس سے بڑھ کر دلیل یہ ہے کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں برکات نہیں ہیں اور اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں رکھا ہوا کیا ہے؟

ہندوؤں کو دیکھو وہ بت پرست ہیں عیسائیوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم بت پرست نہیں ہیں تو جب ہم اس کی تفتیش کریں گے تو ثابت کر دیں گے۔ آریہ لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں خود کلام خدا کا متبع نہ ہونا اور یہ دعویٰ کرنا کہ میں خدا سے مل جاؤں گا یہ بھی گمراہی ہے جیسے حدیث میں ہے کہ اے لوگو تم سب اندھے ہو مگر جسے میں آنکھیں دوں جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کے کلام کے سوا نجات پالوں گا وہ بھی مشرک ہے نجات کی کنجی تو خدا کے ہاتھ میں ہے وہی جس کے لئے چاہے اس کے دروازے کھول دے خدا تعالیٰ بار بار یہی فرماتا ہے کہ رسول کی پیروی کرو اگر ایک باغ ہو اور اس میں لاکھوں پھل ہوں مگر جب تک باغبان اجازت نہ دے تو کوئی اس میں سے ایک پھل بھی نہیں کھا سکتا اسی طرح بازاروں میں کئی قسم کی اشیاء ہوتی ہیں اور ہزاروں ہوتی ہیں مگر مالک کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا اسی طرح خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو حاصل کرنے کا یہی ایک طریق ہے اور یہ آدم علیہ السلام سے اسی طرح چلا آتا ہے اس میں بحث کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر ایک نور اور معرفت کی نظیر اور جگہ مل ہی نہیں سکتی۔

حقیقی کرامت

فرمایا :-

انسان کا سب سے پہلا معجزہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اسے تقویٰ بخشے جو دل پلید ہوتے ہیں ان کا بیان کرنا ہی بے فائدہ ہے اگر کوئی ہمارے پاس آکر ایک کاغذ کا کبوتر بنا کر دکھا دے تو کیا اسے ہم کرامت سمجھ لیں گے؟ بات یہی ہے کہ انسان کی زندگی پاک ہو فراست ہو اور تقویٰ ہو[1]

معجزہ کی حقیقت

دوسرا سوال یہ تھا کہ معجزہ کی قسم کے بعض امور اور لوگ بھی دکھاتے ہیں۔

فرمایا

میں قصوں کو نہیں سنتا یہ جو فرانس یا کسی اور جگہ کے قصے سنائے جاتے ہیں یہ کافی نہیں سب سے پہلا معجزہ تو یہ ہے کہ انسان پاک دل ہو بھلا پلید دل کیا معجزہ دکھا سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا دل نہ ہو تو کیا ہے؟ ضروری ہے کہ متقی ہو اور اس میں دیانت ہو اگر یہ نہیں تو پھر کیا ہے؟ تماشے دکھانے والے کیا کچھ نہیں کرتے جالندھر میں ایک شخص نے بعض

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

شعبدے دکھائے اور اس نے کہا کہ میں مولویوں سے ان کی بابت کرامت کا فتویٰ لے سکتا ہوں مگر وہ خود جانتا تھا کہ ان کی اصلیت کیا ہے بعد میں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو گیا اس نے توبہ کی۔

جن ملکوں کے قصے بیان کئے جاتے ہیں وہاں اگر معجزے دکھانے والے ہوتے تو یہ فسق و فجور کے دریا وہاں نہ ہوتے۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دل پر ایک پاک اثر ڈالتے ہیں اور اس کی ہستی کا یقین دلاتے ہیں مگر یہ شعبدے انسان کو گمراہ کرتے ہیں ان کا خدا شناسی اور معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی پاک تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں اس لئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے[1]

۱۵ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

تائیداتِ الٰہیہ کا ذکر

ظہر کے وقت حضرت اقدس ان تائیدات الٰہی کا ذکر فرماتے رہے جو ان ایام میں حضور کے شامل حال ہوتی جاتی ہیں اور باعث فتح۔نصرت و اقبال بن رہی ہیں۔(یعنی اعجاز احمدی کی معجزانہ تصنیف اور اس کے بالمقابل مخالفوں کی شرمساری۔) بعد ادائے نماز مغرب حضور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے۔

طاعون کا علاج

بعض مریضوں کے حالات اور ان میں فوری تیز جلابوں سے جو عمدہ نتائج پیدا ہوئے تھے ان کا ذکر حکیم نورالدین صاحب کرتے رہے حضرت اقدس نے اس کی تائید میں فرمایا کہ :-

جب بمبئی میں طاعون کثرت سے پھیلی تو وہاں سے زین الدین محمد ابراہیم صاحب انجینئر نے مجھے لکھا تھا کہ یہ ایک بارہا تجربہ شدہ اور مفید علاج دیکھا گیا ہے کہ طاعون کے آثار نمودار ہوتے ہی پانچ یا چھ تولہ کے قریب میگنیشیا سالٹ مریض کو پلا دیا گیا ہے تو اسے پھر بفضل خدا ضرور آرام آگیا ہے[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء

[2] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

۱۶ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ترجمہ کا فائدہ

ظہر کے وقت حضرت اقدس نے کچھ عرصہ مجلس فرمائی مولوی محمد احسن صاحب امروہی ایک نظر اعجاز احمدی پر کر رہے تھے چونکہ یہ کتاب رات کو چھپی تھی اس لئے بعض جگہ سہو کاتب سے غلطی رہ گئی تھی اور بعض جگہ نقطہ وغیرہ لگانا یا دور کرنا رات کو اندھیرے میں رہ گیا تھا اس کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ کوئی غلطی نہیں ہوا کرتی کیونکہ ساتھ ہی ترجمہ ہے اگر کوئی لفظ عربی ہے اور نقطہ وغیرہ کی غلطی ہے تو نیچے دیا ہوا ترجمہ اس کی صحت کرتا ہے اور اگر ترجمہ میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو پھر اصل عبارت عربی موجود ہے اس سے اس کی صحت ہو جاتی ہے۔

وہی شخص فائدہ اُٹھائے گا جو سچّا تقویٰ اختیار کرے گا

نماز مغرب کے بعد اعجاز احمدی کے بارے میں اور اس کے اثر کے متعلق مختلف احباب ذکر کرتے رہے پھر سید عبداللہ صاحب عرب نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ میرے اطراف میں درد ہوتا رہتا ہے۔ طاعون کا خطرہ ہے اگر حضور اپنا کرتہ عطا فرمائیں تو میں اسے پہنے رہوں حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ہم کرتہ تو دے دیں گے مگر بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا کرتہ نہ ہو تو پھر کوئی شئے کام نہیں آتی دیکھو میں جانتا ہوں کہ گو بار بار اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری اور میری جماعت کی اس ذلت کی موت سے حفاظت فرمائے گا۔ مگر رسمی مسلمان یا رسمی بیعت والے کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے جب تک کہ ہمارے ساتھ والے کو حقیقی تقویٰ نصیب نہ ہو۔ ایک مسلمان نے ایک دفعہ ایک یہودی کو کہا کہ تو مسلمان ہو جا اس یہودی نے کہا کہ تو اگرچہ مسلمان ہے مگر تو کوئی عمدہ آدمی نہیں ہے اس لئے تم صرف صورت پر ناز نہ کرو بلکہ حقیقت کام آتی ہے۔ سنو۔ ہمارے ہاں ایک دفعہ ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام خالد رکھا گیا جس کے معنے ہیں ہمیشہ رہنے والا اور پھر اسی دن اسے دفن کر آئے وہ مر گیا اور خالد کا لفظ اس لڑکے کے کوئی کام نہیں آیا۔ اسی طرح ہمیشہ انسان کے کام میں حقیقت اور روحانیت ہی کام دے گی۔

میرا دل ہرگز یہ قبول نہیں کرتا کہ ہماری جماعت میں جو سچا تقویٰ اور طہارت بھی رکھتا ہو

اور جسے خدا تعالیٰ سے سچا تعلق بھی ہو تو پھر خدا اسے ذلت کی موت مارے۔ اگرچہ طاعون مختلف وقتوں میں آتی رہی ہے مگر ہر زمانہ کا حکم الگ الگ ہے بعض وقتوں میں ایسا کوئی آدمی نہ تھا جو اس وقت تم میں بول رہا ہے پس ایسے وقت خدا تعالیٰ فرق کرنا چاہتا ہے اور وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جو خدا تعالیٰ کے منشاء کو سمجھ کر سچا تقویٰ اختیار کرے گا اور خدا سے کوئی فرق نہ رکھے گا خدا تعالیٰ نے ہمیں خوب سمجھا دیا ہے کہ جو دل سعی اور فرق کرنے والے ہیں ان سے یہ عذاب خدا تعالیٰ نے پھیر دیا ہے اس لئے ایک متقی کب اس میں شریک ہو سکتا ہے اگر ہماری جماعت میں کوئی موت طاعون کی ہو تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس میں کوئی نوع غفلت کی تھی میرے وہم اور خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ خدا تعالیٰ پر بد ظنی کی جائے کہ وہ مخلف الوعد ہو۔

اپنے اردگرد ایک دیوارِ رحمت بنالو

پس راتوں کو اٹھ کر روؤ۔ دعائیں مانگو اور اس طرح سے اپنے اردگرد ایک دیوار رحمت بنالو خدا تعالیٰ رحیم کریم ہے وہ اپنے خاص بندہ کو ذلت کی موت کبھی نہیں مارتا۔ (اگر خدا نخواستہ ہماری جماعت میں سے کسی کو ذلت کی موت آئی تو لوگ اعتراض کریں گے کیونکہ اگر ہم اشتہار نہ دیتے تو کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملتا مگر اب تو ہم نے خود مشتہر کیا ہے اسلئے لوگ ضرور اعتراض کریں گے۔) پس تم کو چاہئے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو مجھے امید ہے کہ جو پورے درد والا ہو گا اور جس کا دل شرارت سے دور نکل گیا ہے خدا اسے ضرور بچائے گا توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ مجھے الہام ہوا تھا۔

"آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"

حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کا بندہ ہو گا اسے طاعون نہیں ہو گی اور جو شخص ضرر اٹھائے گا اپنے نفس سے اٹھائے گا اگر تم خدا سے صفائی نہیں کرتے تو کوئی طبیب تمہارا علاج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوا فائدہ بخش سکتی ہے یہ ذمہ داری صرف خدا کا فعل ہے دل کا پاک و صاف کرنا بھی ایک موت ہوتی ہے جب تک انسان محسوس نہ کرے کہ میں اب وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا تب تک اسے سمجھنا چاہئے کہ میں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جب اسے معلوم ہو کہ میں اب گندی زندگی جہالت اور طولِ امل سے بہت دور آگیا ہوں تو سمجھے کہ اب میں نے تقویٰ پر قدم رکھا ہوا ہے۔ نفس بہت دھوکے دیتا ہے بیگانے مال کی خواہش رکھتا ہے حسد سے دوسرے کے مال کا زوال اور نقصان چاہتا ہے۔ تو یہ باتیں آخری اور نفس سے نکلنے کی ہوتی ہیں۔ اور یہ وہی آخری وقت ہے

خدا کا خوف ایسی شئے ہے کہ انسان کو خصی کر دیتا ہے۔

ایک رؤیا

نماز عشاء کے بعد حضور پھر تھوڑی دیر کے لئے شہ نشین پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ
مجھے رؤیا ہوا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی سر سے ننگا میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آیا ہے اس سے مجھے سخت بدبو آتی ہے میرے پاس آکر کہتا ہے کہ میرے کان کے نیچے طاعون کی گلٹی نکلی ہوئی ہے میں اسے کہتا ہوں کہ پیچھے ہٹ جا۔ پیچھے ہٹ جا۔
آپ نے فرمایا کہ :۔

اس کے ساتھ تفہیم الٰہی کوئی نہیں ہوئی۔[1]

۱۷ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

اعجاز احمدی اور مخالفین

حضرت اقدسؑ آٹھ بجے کے قریب سیر کے لئے تشریف لائے اور قادیان کی مشرقی طرف چلے۔ اعجاز احمدی کا ذکر ہوتا رہا۔ کہ یہ مخالف اب اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ ہاں بعض یہ کہیں گے کہ اگر ہم چاہیں تو اس کا جواب لکھ سکتے ہیں اس پر نواب محمد علی خاں صاحب نے ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر سنایا کہ دہلی میں ایک مولوی نے اعجاز المسیح کو دیکھ کر یہی کہا تھا کہ اگر چاہیں تو ہم اس کا جواب لکھ سکتے ہیں مگر کون وقت ضائع کرے حضرت اقدس نے فرمایا کہ
یہ وہی مثال ہے کہ ایک شخص نے مشتہر کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے جو شیر کو مار لیتی ہے بشرطیکہ وہ چاہے۔
فرمایا
یہی حیلہ کریں گے اگر ہم چاہتے تو جواب لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ارادہ نہیں کرتے یہی ان کا حیلہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ
اعجاز احمدی کا اردو حصہ بھی ہمارے تمام رسالوں کا نچوڑ ہے۔ پھر فرمایا کہ
ابھی کیا خبر ہے کہ ہماری جماعت کے کون کون پوشیدہ لوگ ان کے درمیان ہیں وقت آئے

---

[1] البدر جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۳ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء

گا۔ تو سب آجائیں گے اس کی مثال ایک شرابی کی مثال ہے کہ وہ جب تک بیہوش ہوتا ہے تو سب کچھ کہتا رہتا ہے پھر جب ہوش آئے تو سنبھل جاتا ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی حسد اور تعصب کی شراب کی بیہوشی ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کا انجام

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اگر آخر کار ہماری جماعت میں داخل ہوں تو ان تصانیف اور دیگر تحریروں میں ان کی جو گت بن چکی ہے وہ صفحہ روزگار پر یادگار رہے گی۔ حضور نے فرمایا کہ

یہ تمام ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا خدا کی شان ہے کہ اس کے جو ارادے ہمیں ذلت پہنچانے کے تھے وہ تمام اس پر الٹ پڑے خود اسکی اپنی جماعت میں اس کی عزت نہ ہوئی۔

خدا تعالیٰ کی قدرتیں

فرمایا :۔

خدا کی قدرتیں عجیب ہیں جس کو چاہے عزت عنایت کرے یہ تمام اسکی لہریں ہیں انسان کی غلطی ہے کہ ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتا ہے جس قدر وہ لذات چاہتا ہے خدا تعالیٰ قادر ہے کہ حلال ذریعہ سے پہنچاوے۔ کوئی دوست کسی کی ایسی پاسداری نہیں کرتا جیسے وہ کرتا ہے اس کے خلق اسباب میں عجیب مزا آتا ہے۔ قتل کے مقدمہ پر نظر ڈالو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سب میں پھوٹ ڈال دی۔ میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ اگر حاکم کے سامنے بھی آدمی جاوے تو اسے ہرگز نہ کوسے کیونکہ اگر خدا کو یہ راضی کرتا ہے تو خدا خود اس حاکم کے دل کو اس کی طرف پھیر دے گا سب کچھ اسی کے پنجہ میں ہے جسے جس طرف چاہے پھیر دے۔ اس رنگ میں ایک مزا وجودی مذہب کا آجاتا ہے مگر ان کا قدم ذرا آگے پھسلا ہوا ہے لیکن اگر یہاں تک قدم نہ پڑے تو پھر توحید کا بھی مزا نہیں آتا۔

سب سے زیادہ ضروری شے خدا کی ہستی پر یقین ہے

فرمایا :۔

دراصل لوگوں کو شبہات پڑ گئے ہیں اس لئے وہ گناہ سے پرہیز نہیں کرتے ہر ایک میں کچھ نہ

کچھ غفلت کا حصہ رہ جاتا ہے۔ خدا اب چاہتا ہے کہ یہ لوگ سمجھ لیں جس طرح نوحؑ کے زمانہ میں ان کے بیٹے نے کہا تھا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم طاعون سے بچنے کے لئے ٹیکہ کی پناہ میں آجائیں گے مگر نہیں جانتے کہ سب سے زیادہ ضروری شئے خدا کی ہستی پر یقین ہے بغیر اس یقین کے اعمال میں برکات ہرگز پیدا نہیں ہوتیں۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چلو ذرا ہم بھی چلتے چلیں۔ اگر لوگ آج ہی توحید پر قائم ہو جائیں تو آج ہی یہ بلا (طاعون) جاتی رہتی ہے خدا تعالیٰ انسان کے اعمال کو دیکھتا ہے کہ وہ توحید پر قائم ہیں کہ نہیں بہت سے عمل توکل کے برخلاف اور توحید کے برخلاف ہوتے ہیں خواہ وہ کسی طرح سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے مگر وہ اس میں جھوٹا ہوتا ہے اور یہی فسق ہے آج کل جس قدر اسباب پر بھروسہ کیا جاتا ہے اس کی نظیر زمانہ سابق میں نہیں ملتی اگرچہ ان وقتوں میں بھی فسق فجور ہوتا تھا مگر خدا کا خوف بھی دلوں میں ہوتا تھا ایک وقت آتا ہے کہ لوگ یَامَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا کہیں گے مگر اس وقت وہ سب ناس ہی رہ جائیں گے جیسے رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر : ۳) مگر ایسے وقت پر ان لوگوں کو ایماں چنداں فائدہ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِیْمَانُھُمْ (السجدۃ : ۳۰) اس سے طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِھَا کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ توبہ قبول نہ ہوگی بلکہ یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے بخشے تو بخشے ان کی توبہ کوئی حقیقت نہ رکھے گی۔ یہ امر خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوگا جیسے فرمایا اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ (ہود : ۱۰۹) مگر مومنوں کے حق میں فرمایا۔ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود : ۱۰۹)

طاعون مامور ہے اور لوگوں کیلئے ایک تازیانہ ہے

فرمایا :-

طاعون بھی مامور ہے اس کا کیا قصور ہے جیسے اگر ایک شخص سپاہی ہو تو خواہ اسے اپنے حقیقی بھائی کے نام وارنٹ ملے اسے اس کو گرفتار ہی کرنا پڑے گا کیونکہ فرض منصبی ہے میں تو خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ لوگوں کو سیدھا کرنے کا اب وقت آگیا ہے خدا کی رحمت عظیم ہے کہ اپنی طرف سے خود ہی ایک تازیانہ مقرر کر دیا کہ یہ لوگ غافل نہ رہیں۔ اب یہ لوگ سالک نہ ہوئے بلکہ مجذوب ہوئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود دستگیری کی ہماری جماعت میں ہماری طرف سے نصائح کا سلسلہ تو جاری تھا مگر اس کا اثر کچھ کم ہی ہوتا تھا اب اس نے طاعون کا تازیانہ چلایا کیونکہ طاعون

کو دیکھ کر ان لوگوں کے دل متاثر ہوں گے اور ان نصائح کو خوب سمجھیں گے اب ان لوگوں کے لئے ایک عمدہ موقعہ اولیاء اور اصفیاء بننے کا ہے ورنہ آرام کے زمانہ میں ان نصائح کا کیا اثر ہوتا۔ بعض وقت انسان مار کھانے سے درست ہوتا ہے اور بعض وقت مار دیکھنے سے۔ زنا کی سزا کے لئے بھی خدا نے کہا ہے کہ لوگوں کو دکھا کر دی جائے۔ اسی طرح دوسروں کو تازیانہ پڑ رہا ہے اور ہماری جماعت دیکھ رہی ہے بہت سے آدمی تھے جنہوں نے ہمارے منشاء اور ارادہ کو آجتک نہیں سمجھا تھا مگر اب خدا دوسروں کو تازیانہ لگا کر ان کو سمجھا رہا ہے طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النور : ۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طائفہ میں کوئی کسر ہوگی۔ اس کی اصلاح اس طرح سے ہو جائے گی کہ وہ دوسرے کو سزا ملتی دیکھ کر اپنی اصلاح کریں گے اور اس میں کل مومنوں کو بھی نہیں کہا بلکہ ایک طائفہ کو کہا ہے۔

ایک رؤیا

اس کے بعد فرمایا کہ :-

رات میں نے خواب میں کچھ بارش ہوتی دیکھی ہے یونی ترشح سا ہے اور قطرات پڑ رہے ہیں مگر بڑے آرام اور سکون سے۔

ایمان کی حفاظت سرگرمی سے ہوتی ہے

فرمایا :-

سرگرمی انسان کے اندر ہو تو ایمان رہتا ہے ورنہ نہیں۔ کافور کے ساتھ کالی مرچ اس لئے رکھتے ہیں کہ کافور نہ اڑے۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کالی مرچ میں تیزی ہوتی ہے وہ اسے اڑنے سے بچائے رکھتی ہے[1]

۱۸ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

ایک عظیم الشان رؤیا

فجر کی نماز کے بعد فرمایا کہ

نماز فجر سے کوئی بیس یا پچیس منٹ پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک زمین خریدی ہے کہ اپنی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴۵ صفحہ ۳۴-۳۵ مورخہ ۲۸ر نومبر/۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

جماعت کی میتیں وہاں دفن کیا کریں تو کہا گیا کہ اس کا نام بہشتی مقبرہ ہے جو اس میں دفن ہو گا بہشتی ہو گا۔

پھر اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ کشمیر میں کسر صلیب کے لئے یہ سامان ہوا ہے کہ کچھ پرانی انجیلیں وہاں سے نکلی ہیں میں نے تجویز کی کہ کچھ آدمی وہاں جائیں اور وہ انجیلیں لائیں تو ایک کتاب ان پر لکھی جائے۔ یہ سن کر مولوی مبارک علی صاحب تیار ہوئے کہ میں جاتا ہوں۔ مگر اس مقبرہ بہشتی میں میرے لئے جگہ رکھی جائے میں نے کہا کہ خلیفہ نورالدین کو بھی ساتھ بھیج دو۔

یہ خواب حضرت اقدس نے سنایا اور فرمایا کہ

اس سے پیشتر میں نے تجویز کی تھی کہ ہماری جماعت کی میتوں کے لئے ایک الگ قبرستان یہاں ہو سو خدا تعالیٰ نے آج اس کی تائید کر دی اور انجیل کے معنے بشارت کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہاں سے کوئی بڑی بشارت ظاہر کرے اور جو شخص وہ کام کر کے لائے گا وہ قطعی بہشتی ہو گا۔

(بوقت ظہر و عصر)

ایک نشان

چند ایک احباب مع مولوی عبد الستار صاحب جو آج تشریف لائے تھے ان سے حضور نے ملاقات فرمائی ان کے تحفے تحائف لے کر جو انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کئے تھے فرمایا کہ

ان کا آنا بھی ایک نشان ہے اور اس الہام یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کو پورا کرتا ہے۔

کشمیر میں قبرِ مسیح

مغرب کی نماز با جماعت ادا کر کے حضرت اقدس حسب معمول مسجد کے شمال مغربی کونہ میں بیٹھ گئے اور فجر کی خواب پر حضرت اقدس اور اصحاب کبار تذکرہ کرتے رہے[1] حضور نے فرمایا کہ کشمیر میں مسیح کی قبر کا معلوم ہونے سے بہت قریب ہی فیصلہ ہو جاتا ہے اور سب جھگڑے طے

---

[1] فجر والے خواب پر تذکرہ سے پہلے الحکم میں ایک اور واقعہ لکھا ہے جو یہ ہے:۔
مولوی عبد اللہ صاحب کشمیری کی علالت طبع کا ذکر آگیا کہ ان کو اضطراب بہت ہے۔ فرمایا کیوڑہ اور گاؤزبان بہت مفید ہے اور فرمایا بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

ہو جاتے ہیں اگر فراست نہ بھی ہو تو بھی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ آسمان بات کون سی ہے۔ اب آسمان پر جانے کو کون سمجھے جو باتیں قرین قیاس ہوتی ہیں وہی صحیح نکلتی ہیں آج تک خدا کے اعلام سے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا تھا۔ مگر اب خود ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اب تخم ریزی تو ہوئی ہے امید ہے کہ کچھ اور امور بھی ظاہر ہوں گے عادت اللہ اسی طرح ہے یہ خواب بالکل سچا ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی آمیزش نہیں ہے۔ مجھے اس وقت خواب میں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بڑا عظیم الشان کام ہے جیسے کسی کو لڑائی پر جانا ہوتا ہے اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ ہماری فراست نے خطا نہیں کی۔ یہ عقدہ اللہ تعالیٰ حل کر دے تو صدہا برسوں کا کام ایک ساعت میں ہو جائے اور عیسائیوں اور ان مولویوں کے گھروں میں ماتم پڑ جائے۔

ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور پھر تو سارے انگریز رجوع باسلام ہو جائیں فرمایا :-

دنیا میں ایک حرکت ہے اس کی مثال تو یہ ہے کہ جیسے تسبیح کا (دھاگہ ٹوٹ کر) ایک دانہ نکل جائے تو باقی بھی نہیں ٹھہرتے خواہ پادری پیٹتے ہی رہ جائیں تمام انگریز ٹوٹ پڑیں گے اللہ تعالیٰ کے داؤ ایسے ہی ہوتے ہیں مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران : ۵۵)

پھر ڈوئی کا اخبار آپ نے سنا اور فرمایا کہ

پگٹ کی شہرت ڈوئی سے بہت زیادہ ہے[1]

۱۹ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

(بوقت سیر)

يَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (مریم : ۳۴) اس آیت پر فرمایا کہ

ان مولویوں کو حسرت ہی ہو گی کہ اُبْعَثُ کا لفظ کیوں آیا کاش اُنْزَلُ کا لفظ ہوتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کیوڑہ تو میرے پاس بہت اعلیٰ درجہ کا ہے جو سید رضوی صاحب نے حیدر آباد دکن سے بھیجا ہے مگر گاؤ زبان نہیں۔ کیوڑہ میں لائے دیتا ہوں۔

چنانچہ حضور اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد کیوڑہ کی بوتل لے آئے۔

(نوٹ از ایڈیٹر) یہ ہمدردی یہ ہمت جس میں سستی اور غفلت نام کو نہیں۔ کسی عام انسان کا خاصہ نہیں ہو سکتی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴۵ صفحہ ۳۵ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

پگٹ شیطان کا مظہر

اس کے بعد پگٹ کا ذکر ہوا کہ

ان لوگوں کو اس لئے دعویٰ کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے کہ قوم نے مان لیا ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ مسیح آئے ورنہ اگر قوم کی کثرت رائے اس طرف ہوتی کہ وہ وقت دور ہے تو یہ دعویٰ نہ کرتا۔ شیطان کے بھی مظہر ہوتے ہیں شیطان نے اس زمانہ میں اپنے مظہر کے لئے پگٹ کو ہی پسند کیا ہے۔

فوٹوگرافی کا جواز اور اس کی ضرورت

فرمایا:۔

فی زمانہ تصویر کی ان لوگوں کے بالمقابل کس قدر حاجت ہے۔ ہر ایک رزم بزم میں آجکل تصویر سے اثر ڈالا جاتا ہے۔ پگٹ کی بھی تصویر شائع ہوئی ہے فوٹو کے بغیر آجکل جنگ (روحانی) ناقص ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح کے ہتھیار مخالف تیار کریں تم بھی ویسے ہی تیار کرو اس سے فوٹو کا جواز ثابت ہے بندوقوں اور توپوں سے جنگ کرنے کا جواز بھی اسی طرح کیا گیا ہے ورنہ آگ سے مارنا تو حرام ہے جہاں ضرورت حقہ محرک اور مستدعی ہوتی ہے یا اس کے متعلق الہام ہوتا ہے اس مقام پر تصویر کی حرمت کی سند پیش کرنا حماقت ہے جبرائیل نے خود حضرت عائشہؓ کی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی۔

مولوی محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسی ہی ضرورت پیش آئی ہوگی حضرت اقدس نے فرمایا :۔

ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

پھر فرمایا :۔

ایک حرمت حقیقی ہوتی ہے ایک غیر حقیقی جو غیر حقیقی ہوتی ہے وہ اسبابِ داعیہ سے اٹھ جاتی ہے۔

انسان انسان میں فرق

سیر کے دوران راستہ میں ایک سائل بلک بلک کر سوال کر رہا تھا۔ فرمایا :۔

ایک یہ بھی انسان ہے اور ہم بھی ایک انسان ہیں۔ کس طرح یہ ہر ایک دروازہ پر گرتا اور

سوال کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا تو ایسا کبھی نہ رہتا۔

می تواند شد مسیحا می تواند شد یہود

پگٹ کا نام

پھر فرمایا :-

پگٹ کے نام کا جو سر ہے اس میں خنزیر کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ یہ عیسائیوں کا خدا آسمان پر جاتا ہے کہ زمین میں دفن ہوتا ہے دراصل خدا تعالیٰ کو ان لوگوں پر سخت غیرت ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ ایسے لوگ ہوں۔ اس حساب سے تو موسیٰؑ اور دوسرے کل نبی معاذاللہ اس (پگٹ) کے بندے ہوئے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک ہی سلطنت کے نیچے دو مدعی۔ ایک جھوٹا ایک سچا جیسے طاعون ہمارے لئے مفید پڑی ہے ویسے ہی پگٹ نے گردن نکالی ہے جو کچھ اول مقرر ہو چکا ہے ضرور ہے کہ وہ تمام ظاہر ہو جاوے۔

ڈوئی کے ذکر پر فرمایا :-

جو دولت کی مشکلات میں پھنسا ہے اسے دین میں کب راہ مل سکتی ہے۔

زندوں کا توسل جائز ہے

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما ہوئے۔ ایک سوال پوچھا گیا کہ آیا دعا کے بعد یہ کلمات کہنے کہ یا الٰہی تو میری دعا کو بطفیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبول فرما۔ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

شریعت میں توسل احیاء کا جواز ثابت ہوتا ہے بظاہر اس میں شرک نہیں ہے ایک حدیث میں بھی ہے[1]

---

[1] الحکم میں یوں ہے کہ

"فرمایا۔ احیاء کا توسل جائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ بارش کی دعا کی گئی تھی"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴/ نومبر ۱۹۰۲ء)

لفظ اٰوی کی حقیقت

فرمایا :-

قرآنی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اٰوی کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ اول کوئی مصیبت واقع ہو۔ اسی طرح الہام اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ چاہتا ہے کہ ابتداء میں خوفناک صورتیں ہوں۔ اصحاب کہف کی نسبت بھی یہی فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ (الکہف : ۱۷) اور وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ (المؤمنون:۵۱) ان تمام مقامات سے یہی مطلب ہے کہ قبل اس کے کہ خدا تعالیٰ آرام دے مصیبت اور خوف کا نظارہ پیدا ہوگا اور لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ بھی اسی کے ساتھ ملتا ہے۔

اوائل عمر کی بیعت

ایک لڑکے کی بیعت کے ذکر پر فرمایا کہ

اوائل عمر کے لوگوں کی بیعت میں مجھے تردد ہوتا ہے جب تک انسان کی عمر چالیس برس کی نہ ہو تب تک ٹھیک انسان نہیں ہوتا۔ اوائل عمر میں تلوّن ضرور آتا ہے میرا ارادہ نہیں ہوتا کہ ایسی حالت میں بیعت لوں مگر بدیں خیال کہ دل آزارگی نہ ہو بیعت لے لیتا ہوں۔ انسان جب چالیس برس کا ہوتا ہے تو اسے موت کا نظارہ یاد آجاتا ہے اور جس کے قریب ابھی موت کا خوف ہی نہیں اس کا کیا اعتبار۔

مسلمان بادشاہوں نے عربی زبان کی ترویج نہ کرکے معصیت کی

اس کے بعد یہ ذکر ہوتا رہا کہ آج تک بہت تھوڑے ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس امر کو محسوس کیا اور حسرت کی کہ کیوں ہندوستان کے شاہان اسلام نے اس ملک میں سوائے عربی کے دوسری زبانوں کو رواج دیا حالانکہ عربی ایک بڑی وسیع زبان تھی جس میں ہر ایک مطلب مکمل طور پر بیان ہو سکتا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو یہ اسلام کی ایک بڑی امداد ہوتی مگر نہ معلوم کہ کیوں کسی کو خیال نہ آیا۔ اس سے ایک نقص یہ بھی پیدا ہوا کہ ہندوستان کی اسلامی ذریت کو اس وجہ سے کہ ان کو اپنی مذہبی زبان کا علم نہیں۔ قرآن شریف اور دیگر علوم عربیہ سے بہت کم مَسّ ہے۔

حضرت اقدس بھی ان باتوں کی تائید فرماتے رہے اور فرمایا کہ

یہ ان سے ایک معصیت ہوئی۔

رسالت اور نبوّت

پھر رسالت اور نبوت کے مضمون پر حضرت اقدس علیہ السلام فارسی میں تقریر فرماتے رہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ مے فرماید مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب : ۴۱) لٰکن اینجا برائے استدراک آمدہ ست چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ کس را پدر نیست۔ پس ہماں اعتراض کہ بر دشمناں کردہ شدہ وگفتہ کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر : ۴) بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لازم مے آید گویا کہ خدا تعالیٰ تصدیق معترض مے کند برائے ازالہ ایں وہم فرمودہ است وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی ہیچ ابدال و قطب و اولیاء بجز ختم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخواہد شد۔ حکام را ہمیں حالت است کہ اگر بر کاغذ مہر سرکاری نشود صحیح نمے دانند۔ ہر کسے را کہ الہام ومکالمہ الٰہی مے شود از مہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مے شود وازیں معنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ را پدر است۔ در یک معنے نفی نبوت مے شود و در یک معنے اثبات نبوت مے شود اگر بگوئیم کہ سلسلہ افادات نبوی منقطع شدہ واکنوں کسے را الہام و مکالمہ و مخاطبہ الٰہی نمے شود ہمہ اسلام تباہ میشود۔ سلسلہ ما را ایں مثال است کہ اگر کسے در آئینہ صورت مے بیند آنچہ در شیشہ نظرے آید چیزے دیگر نیست ہماں

لہ ترجمہ از مرتب:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ لکن یہاں استدراک کے لئے آیا ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے باپ نہیں ہیں پس وہی اعتراض جو دشمنوں نے آپ پر کیا تھا اور کہا تھا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ آنحضرتؐ پر لازم آتا ہے گویا خدا تعالیٰ معترض کی تصدیق کرتا ہے اس وہم کا ازالہ کرنے کے لئے فرمایا کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی اب ابدال قطب اور اولیاء میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگے بغیر نہیں ہو گا دنیا میں بھی حکام کی یہی حالت ہے کہ اگر کاغذ پر سرکاری مہر نہ ہو تو وہ اسکو صحیح نہیں سمجھتے ہر وہ شخص جس کو الہام یا مکالمہ الٰہی کا شرف حاصل ہوتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے ہی حاصل ہوتا ہے اور ان معنوں کی رو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام لوگوں کے باپ ہیں۔ ایک معنی سے نبوت کی نفی کی گئی ہے اور ایک معنی سے نبوت کا اثبات کیا گیا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ سلسلہ افادات نبوی منقطع نہیں ہوا اور اب الہام اور مکالمہ الٰہی کا شرف نہ ملے گا تو اسلام تباہ ہو جائے گا۔ ہمارے

ہست کہ پیش شیشہ است۔ ایں مردماں دریں آیت کریمہ غور نمے کنند و من خوب مے دانم کہ ایں ہمہ عقیدہ مے دارد کہ سلسلہ مکالمات الٰہیہ منقطع شدہ است۔ کلام بمعنے وحی است در قرآن ہم ذکر الہام نیامدہ بلکہ ذکر وحی آمدہ و قطعیت الہام و وحی یک معنے دارد و نمے پندارند کہ اگر ایں سلسلہ منقطع شود باقی از برکات اسلام چہ مے ماند۔ پس ہمیں معنے است کہ گفتم در مثال آئینہ و ظل کہ ظل ہمہ نقوش اصل در خود دارد و ظل نبوت ہمیں طور است البتہ آں نبوت منقطع است کہ بلاتوسل و سلسلہ رسول اللہ آید و ہر کسے کہ ازیں انکار مے کند کافر میشود و از دین خارج مے شود اگر دین بایں طور مردہ است کدام توقع نجات باید داشت اگر انسان اندریں عالم تکمیل معرفت نکند چہ دلیل دارد کہ در روز آخرت خواہد کرد بجز ایں صورت کہ ما پیش مے کنیم دیگر صورت نیست مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) از بسیار مقامات قرآن معلوم مے شود کہ ایں امت خیر امت است پس کدام خیر است کہ در امت موسوی الہام مکالمہ وغیرہ مے شدی و در ایں امت نمے شود و کدام مشابہت اینہاں را با امت موسوی خواہد

سلسلہ کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی آئینہ میں اپنی صورت دیکھے تو جو آئینہ میں نظر آئے گا وہ کوئی اور چیز نہ ہوگی بلکہ وہی کچھ ہوگا جو آئینہ کے سامنے ہے۔

یہ لوگ اس آیت پر غور نہیں کرتے اور میں خوب جانتا ہوں کہ یہ سب عقیدہ رکھتے ہیں کہ مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ کلام وحی کے معنوں میں ہے۔ قرآن میں الہام کا ذکر نہیں ہے بلکہ وحی کا ذکر ہے اور الہام اور وحی قطعی طور پر ایک ہی معنے رکھتے ہیں اور یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو اسلام کی برکات میں سے کیا باقی رہ جائے گا پس یہی معنے ہیں جو میں نے اس مثال میں بیان کئے ہیں جو آئینہ اور اس کے عکس کے ہے کہ ظل (عکس) ہمیشہ اپنے اصل کے تمام نقوش اپنے اندر رکھتا ہی اور نبوت کا ظل بھی اسی طرح ہے البتہ وہ نبوت منقطع ہو گئی ہے جو بلا توسل اور سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر آتی ہے۔ اور ہر شخص جو اس سے انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور دین سے خارج ہو جاتا ہے اگر دین اس طرح مردہ ہے تو نجات کی توقع کہاں کی جانی چاہئے۔

اگر انسان اس عالم میں معرفت کی تکمیل نہ کرے تو اس کے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ آخرت کے دن اس کی تکمیل کرے گا سوائے اس صورت کے جو ہم پیش کرتے ہیں دوسری کوئی صورت نہیں۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى قرآن کریم کے کئی مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت خیر امت ہے پس خیر کہاں؟ جب کہ امت موسوی میں تو الہام اور

بود۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکمیل کنندہ ایں عالم اند یعنی کمال ایں عالم بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ختم شدہ و ایں معنے ختم نبوت است کہ کسے دیگر نبی نمے شود حتی کہ مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر نبوت او نشود چنانکہ مثال آں دریں دنیا دیدہ بود کہ ہیچ پروانہ سرکاری تصدیق نمے شود حتی کہ مہر سرکاری براو نبود۔ پس ازیں آیت معلوم میشود کہ اللہ تعالیٰ بطور جسمانی نفی ابوت مے فرمائد و بطور روحانی اثبات نبوت میکند بہرحال ایمان باید آورد کہ برکات وافادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم جاری است۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۲)

دریں آیت معنی محبت چیست ایں معنے ہرگز نیست کہ خدا ہر کسے را کہ محبت میکند دریں عالم او را کور ے دارد۔ اگر ایں دوناں را عقل بودے میدانندے۔ انسان ہماں باشد کہ طالب مغز شود نہ کہ پوست ہمہ ابدال طالب مغز شدہ اند ایمان ہمیں است کہ ایشاں میخواہند کہ چشم آنہا بینا شود نہ کہ کور باعث مغضوب شدن اہل اسلام چیست ہمیں کہ از زبان میگویند کہ ایمان آوردیم و در دل ہیچ شیئے نیست وہمیں معنے ایں آیت است مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ

مکالمہ مخاطبہ الٰہی ہوتا رہے اور اس امت میں نہ ہو اور اس امت کی امت موسوی سے مشابہت کہاں ہو سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے تکمیل کرنے والے ہیں یعنی اس عالم کا (روحانی) کمال آپ پر ختم ہو گیا ہے اور یہی معنے ختم نبوت کے ہیں کہ اور کوئی نبی نہیں ہو گا جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اس کی نبوت پر نہ ہو۔ چنانچہ اس کی مثال اس عالم دنیاوی میں ہی دیکھی جا سکتی ہے کسی بھی سرکاری پروانہ کی اس وقت تک تصدیق نہیں ہوتی جب تک اس پر سرکاری مہر نہ ہو۔ پس اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی **ابوت** کی نفی فرماتا ہے اور روحانی طور پر نبوت کا اثبات کرتا ہے بہرحال ایمان رکھنا چاہئے کہ برکات وافادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہیں۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اس آیت میں محبت کے کیا معنے ہیں؟ یہ معنے ہرگز نہیں ہیں کہ خدا جس کسی سے محبت کرتا ہے اس دنیا میں اس کو اندھا رکھتا ہے اگر ان کم ظرف لوگوں کو عقل ہوتی تو جانتے کہ انسان وہ ہوتا ہے کہ جو مغز کا طالب ہو نہ کہ چھلکے کا۔ سارے کے سارے ابدال ہمیشہ طالب مغز ہوئے ہیں۔ ایمان یہی ہے کہ وہ اس بات کے طالب رہیں کہ ان کی آنکھیں بینا ہوں نہ کہ اندھی۔ اہل اسلام کے مغضوب ہونے کا باعث کیا ہے؟ یہی کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ایمان لائے اور دل میں کچھ بھی نہیں اور یہی معنے اس آیت

(الحج : ۷۵) وہمیں نابینائی کہ ذکر کردیم موجب فسق و فجور است و برائے ہمیں بینائی خداوند تعالیٰ ایں سلسلہ را قائم کردہ است کہ باز آں بینائی کہ رفتہ ہست پیدا شود خدا ے خواہد ــــــــــــ کہ ثابت کند کہ آں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ست و افادۂ آں ہم زندہ است اگر ایں نبود کدام فرق در نصاریٰ و اسلام است' آں مردہ و ایں ہم مردہ۔ آں قصہ و حکایت است ایں ہم قصہ و حکایت است اندریں صورت فیصلہ چگونہ شود۔ خدا تعالیٰ ارادہ فرماید کہ آں برکات سماویہ بنماید و اگر مردے مثل آں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نمے آید چگونہ بنماید ایں ہمہ کار خدا است ما بندگانیم و ہیچ امید فتح و شکست نداریم۔ او خوب مے داند کہ کدام شوریدہ است بہر مصلحتے کہ خواہد خواہد کرد۔[1]

۲۰ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

پگٹ کے متعلق ایک رؤیا

فرمایا:

رات کو میں نے پگٹ کے متعلق دعا کی اور صبح بھی کی۔ مجھے یہ دکھایا گیا کہ کسی نے مجھے چار پانچ کتابیں دی ہیں جن پر لکھا ہوا تھا۔ تسبیح تسبیح تسبیح بعد اس کے الہام ہوا اَللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اِنَّھُمْ لَا یُحْسِنُوْنَ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موجودہ حالت خراب

کے ہیں مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اور یہی وہ نابینائی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے جو فسق و فجور کا موجب ہے اور اسی بینائی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ وہ بینائی جو چلی گئی ہے اس کو واپس لائے خدا چاہتا ہے کہ یہ ثابت کرے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور ان کا افادہ بھی زندہ ہے اگر یہ نہ ہو تو نصاریٰ اور اسلام میں کیا فرق رہ جاتا ہے وہ بھی مردہ یہ بھی مردہ۔ وہ بھی قصہ اور کہانی۔ اور یہ بھی قصہ و کہانی اس صورت میں فیصلہ کس طرح ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ برکات سماویہ کا اظہار کرے اور اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی انسان نہ آئے تو کس طرح ظاہر کرے۔ یہ سارا کام تو خدا کا ہے ہم تو بندے ہیں فتح و شکست کی کوئی امید نہیں رکھتے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ کون شوریدہ سر ہے اور اپنی جس مصلحت سے چاہے گا اسے کرے گا۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے اور یا یہ کہ آئندہ توبہ نہ کریں گے اور یہ معنے بھی اس کے ہیں لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ اور یہ مطلب بھی اس سے ہے کہ اس نے یہ کام اچھا نہیں کیا اللہ تعالیٰ پر یہ افتراء اور منصوبہ باندھا اور اَللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا حقیقت میں یہ بڑی شوخی ہے کہ خدائی کا دعویٰ کیا جائے۔

وہابیوں اور چکڑالویوں کا افراط و تفریط

چکڑالوی کا ذکر آنے پر معلوم ہوا کہ اس نے نماز میں بھی کچھ رد و بدل کی ہے التحیات اور درود شریف کو نکال دیا ہے اور بھی بعض تبدیلیاں کی ہیں۔ حضرت اقدس نے چکڑالوی کے فتنہ کو خطرناک قرار دیا اور آپ کی رحمت اور رحیمیت اسلامی نے تقاضا کیا کہ اس کے متعلق ایک اشتہار بطور محاکمہ کے لکھا جاوے جس میں یہ دکھایا جائے کہ اس نے اور مولوی محمد حسین نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو صراط مستقیم پر رکھا ہے۔

فرمایا :- نبی ہمیشہ دو چیزیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سنت۔ ایک خدا کا کلام ہوتا ہے اور دوسرے سنت۔ یعنی اس کتاب پر خود عمل کر کے دکھا دیتے ہیں دنیا کے کام بھی بغیر اس کے نہیں چل سکتے دقیق مسائل جو استاد بتاتا ہے پھر اس کو حل کر کے بھی دکھا دیتا ہے پس جیسے کلام اللہ یقینی ہے سنت بھی یقینی ہے۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر کھڑا رکھا ہے وہابیوں نے افراط کی اور قرآن پر حدیث کو قاضی ٹھہرایا اور قرآن کو اس کے آگے مستغیث کی طرح کھڑا کر دیا اور چکڑالوی نے تفریط کی کہ بالکل ہی حدیث کا انکار کر دیا۔ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے اس کی اصلاح ضروری ہے ہم کو خدا تعالیٰ نے حَکَم ٹھہرایا ہے اس لئے ہم ایک اشتہار کے ذریعہ اس غلطی کو ظاہر کریں گے اور مضمون پیچھے لکھیں گے۔ اول خویش بعد درویش جس راہ پر خدا تعالیٰ نے ہم کو چلایا ہے اس پر اگر غور کیا جائے تو ایک لذت آتی ہے قرآن شریف نے کیا ٹھیک فیصلہ فرمایا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ : ۷) یہ ایک قسم کی پیشگوئی ہے جو ان وہابیوں کے متعلق ہے اور سنت کی نفی کرنے والوں کے لئے فرمایا اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[1] (آل عمران : ۳۲)

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۳ء

۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

لندن میں اوّل ولد الاسلام

حضرت اقدس اول شیخ رحمت اللہ صاحب سے ان کے حالات سفر دریافت فرماتے رہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ کیا آپ پگٹ سے ملنے گئے تھے شیخ صاحب نے سنایا کہ ہم نے بہت کوشش کی مگر وہ ہم سے ملا نہیں۔ شیخ صاحب کو ایک اور فرزند ان کی یورپین منکوحہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے جس کا نام حضرت اقدس کے ارشاد کے مطابق عبداللہ رکھا گیا ہے اس کے حالات دریافت فرمانے کے بعد فرمایا کہ :-

لنڈن میں وہ اول ولد الاسلام ہے۔

بعد ازاں طاعون اور ٹیکہ کا ذکر ہوتا رہا۔ حضور نے فرمایا :-

آخر کار آسمانی ٹیکہ ہی رہ جائے گا۔[1]

جمعہ پڑھ کر فرمایا :-

رات میں نے محمد حسین اور چکڑالوی کے متعلق جو مضمون لکھا تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ دونوں (یعنی چکڑالوی اور مولوی محمد حسین) میرے سامنے موجود ہیں تو میں نے ان کو کہا کہ خُسِفَ الْقَمَرُ وَالشَّمْسُ فِیْ رَمَضَانَ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اور آلاء سے مراد میں خود ہوں۔[2]

۲۵ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بعد ادائے نماز مغرب لوگوں کا دستور ہے کہ وہ پروانہ وار گرتے ہیں اور ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک قدم آگے ہو جاؤں تا کہ حضرت اقدس کے دہن مبارک سے جو کلمات طیبات نکلتے ہیں وہ اچھی طرح سن سکوں یہ کشمکش دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ

"آپس میں مل جل کر بیٹھ جاؤ جس قدر تم آپس میں محبت کرو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تم سے محبت

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۱ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

کرے گا"۔

مضمون زیر قلم کی نسبت ایک استفسار پر فرمایا کہ

یونہی امتحاناً" میں نے دیکھنا چاہا تھا کہ کچھ لکھ سکتا ہوں کہ نہیں مگر چند ہی حرف لکھنے کے بعد سر کو چکر آگیا اور میں گرنے کے قریب ہو گیا۔

مصری اخبار اللواء کے اعتراض کا جواب

مصر کے اخبار اللواء نے کشتی نوح میں مندرجہ آیت ۱۱ کا ذکر کر کے اعتراض کیا تھا کہ یہ لوگ قرآن کو نہیں سمجھتے اور ان کو پتہ نہیں کہ مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا وَلَهٗ دَوَاءٌ حدیث میں ہے اس پر ایمان نہیں لاتے۔ حضور نے فرمایا کہ

اس نے ہمارے مطلب کو نہیں سمجھا اور پہلی آیت کو دیکھ کر صرف اپنے اندرونی بغض کی وجہ سے ایک شاعرانہ مذاق میں مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ ہم دواؤں سے کب انکار کرتے ہیں ہم تو قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شئے میں فوائد رکھے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس (طاعون) کے متعلق ہمیں قبل از وقت سمجھا دیا ہے کہ یہ اس کا حقیقی علاج ہے اور یہ امر اس نے ہمیں بطور نشان کے دیا ہے تو اب ہم نشان کو کیسے مشتبہ کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی نشان دے تو اسکی بے قدری کرنا صرف معصیت ہی نہیں بلکہ کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

حفظ مراتب کا لحاظ ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آتا یا افراط ہے یا تفریط۔

خیر اب اس کے مقابلہ میں بھی لکھنے کا عمدہ موقعہ مل گیا ہے بہتر ہے کہ ایک اشتہار میں مختصراً اپنے دعاوی اور دلائل لکھ دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بہانے ڈھونڈتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب تبلیغ کا کوئی عمدہ ذریعہ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ اسی طرح دشمنوں کے ہاتھوں سے تبلیغ کراتا تھا کوئی شاعر آتا تو شعر کہہ جاتا لوگ برے برے پیراؤں میں آپؐ کا ذکر کرتے مگر سعید روحیں انہیں کے الفاظ سے آپ کی طرف کھچی چلی آتیں۔ یہ ہمیشہ سنت اللہ ہے۔

سعادت کے نشان

بٹالہ میں طاعون کا ذکر سن کر فرمایا کہ

یہ سرزمین بہت گندی ہے خوف ہے کہیں تباہ نہ ہو جائے۔ اللہ کا رحم ہے اس شخص پر جو امن کی حالت میں اسی طرح ڈرتا ہے جس طرح کسی مصیبت کے وارد ہونے پر ڈرتا ہے جو امن کے وقت خدا تعالیٰ کو نہیں بھلاتا۔ خدا تعالیٰ اسے مصیبت کے وقت نہیں بھلاتا اور جو امن کے زمانہ کو عیش میں بسر کرتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت دعائیں کرنے لگتا ہے تو اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں جب عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے پس کیا ہی سعید وہ ہے جو عذاب الٰہی کے نزول سے پیشتر دعا میں مصروف رہتا ہے صدقات دیتا ہے اور امر الٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرتا ہے۔ اپنے اعمال کو سنوار کر بجالاتا ہے یہی سعادت کے نشان ہیں درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح سعید اور شقی کی شناخت بھی آسان ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ جو علاج فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے

فرمایا :۔

اصل میں انسان جوں جوں اپنے ایمان کو کامل کرتا ہے اور یقین میں پکا ہوتا جاتا ہے توں توں اللہ تعالیٰ اس کے واسطے خود علاج کرتا ہے۔ اس کو ضرورت نہیں رہتی کہ دوائیں تلاش کرتا پھرے وہ خدا تعالیٰ کی دوائیں کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ خود اس کا علاج کرتا ہے بھلا کوئی دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ فلاں دوا سے فلاں مریض ضرور ہی شفا پا جائے گا ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دوا الٹا ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ بعض وقت تشخیص میں غلطی ہوتی ہے بعض وقت دواؤں کے اجزاء میں غلطی ہو جاتی ہے۔ غرض حتمی علاج نہیں ہو سکتا ہاں خدا تعالیٰ جو علاج فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات ذرا مشکل ہے کامل ایمان کو چاہتی ہے اور یقین کے پہاڑ سے پیدا ہوتی ہے ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ خود معالج ہوتا ہے مجھے یاد ہے ایک دفعہ دانت میں سخت درد تھا میں نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا علاج ہے اس نے کہا کہ موٹا علاج مشہور ہے۔ علاجِ دنداں اخراجِ دنداں۔ اس کا یہ فقرہ میرے دل پر بہت گراں گذرا کیونکہ دانت بھی ایک نعمت الٰہی ہے اسے نکال دینا ایک نعمت سے محروم ہونا ہے اسی فکر میں تھا کہ غنودگی آئی اور زبان پر جاری ہوا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اس کے ساتھ

ہی معاً" درد ٹھہر گیا اور پھر نہیں ہوا غرضیکہ لوگ اعتراض کے واسطے دوڑتے ہیں حقیقت کے واسطے نہیں دوڑتے اور نہ اسے دیکھتے ہیں۔ اعتراض کی صورت کوئی نظر آجائے تو اس کے واسطے عید ہو جاتی ہے ہم نے کشتی نوح میں کہاں لکھا ہے کہ دوائیں لغو محض ہیں۔ ٹیکہ نہ کروانے کی صاف وجہ لکھی ہے کہ چونکہ ہمیں آسمانی ٹیکہ لگایا گیا ہے جو کہ ایک نشان ہے اس لئے اس مادی علاج کو خدا تعالیٰ کے نشان میں مشترک کر کے ہم شرک کے مرتکب ہونا نہیں چاہتے حقائق اپنے اپنے محل پر ہی چسپاں ہو سکتے ہیں دیکھئے روزہ کیسے خدا تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا موجب ہے لیکن اگر کوئی عید کے دن روزہ رکھے تو کیا وہ ثواب کا مستحق ہو گا یا کسی عذاب کا؟ ان لوگوں نے ہمارے متعلق ذرا سوچ سے کام نہیں لیا اگر تقوی اور نیک نیتی سے کام لیتے اور سوچتے تو اتنا غوغا نہ کرتے بلکہ ان کو حق سمجھ آجاتا اور وہ ہلاک نہ ہوتے خدا تعالیٰ نیک نیت کو ضائع نہیں کرتا۔

موضع مدّ میں میاں محمد یوسف صاحب کا بائیکاٹ

حضرت اقدس کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ موضع مد میں محمد یوسف صاحب کا پانی بند کرنے اور تعلقات لین دین، گفتگو، سلام پیام سب ترک کرنے کی تحریک جاری ہے اس لئے ان کے گھرانے کو سخت تکلیف ہے فرمایا کہ :-

خدا تعالیٰ آسمان پر دیکھتا ہے ان کو اس کا اجر دے گا اور تکلیف دینے والوں کو سزا دے گا یونہی ان کو چھوڑتا نہیں۔

جنّات

جنات کے وجود اور ان کی معرفت اشیاء منگوانے اور کھانے کا سوال ہوا حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اس پر ہمارا ایمان ہے۔ عرفان نہیں نیز جنات کی ہمیں اپنی عبادت، معاشرت، تمدن، اور سیاست وغیرہ امور میں ضرورت ہی کیا ہے۔

خدا تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمدہ فرمایا ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ انسانی عمر بہت تھوڑی ہے سفر بڑا کڑا اور لمبا ہے اس واسطے زادراہ لینے کی تیاری کرنی

چاہئے بیہودہ محض اور لغو کاموں میں پڑے رہنا مومن کی شان سے بعید ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی صلح کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی طاقت ور نہیں۔ بات یہ ہے کہ نرے الفاظ اور باتوں سے کچھ نہیں بنتا جب تک خدا تعالیٰ اپنے فضل سے دلوں میں نہ گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی ہر مرض کا علاج ہوتا ہے میرے نزدیک یہ عالمگیر موت جو آتی ہے اس کا علاج بجز ایمان کے صیقل کرنے اور یقین کی جلا کے ہرگز ممکن نہیں۔

طاعون کا علاج

یہ (طاعون) زمینی چیز نہیں ہے کہ زمین اس کا علاج کر سکے یہ آسمان سے آتی ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا یہ رِجْزٌ مِّنَ السَّمَآءِ (العنکبوت : ۳۵) ہے سابقہ انبیاء کے وقت بھی یہ بطور عذاب کے ایک نشان ہوتا رہا ہے پس اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے ایمان کو اس کی انتہائی غایت تک پہنچا دو۔ اس کے آنے سے پیشتر خدا تعالیٰ سے صلح کرو۔ استغفار کرو۔ توبہ کرو۔ دعاؤں میں لگو۔ اس (مرض طاعون) کی کوئی دوائی نہیں ہے مرض ہو تو دوا ہو۔ یہ تو ایک عذاب الٰہی اور قہر ایزدی ہے۔ بجز تقویٰ کے اس کا اور کیا علاج ہے؟ یاد رکھو کہ اگر گھر بھر میں ایک بھی متقی ہو گا تو خدا تعالیٰ اس کے سارے گھر کو بچائے گا بلکہ اگر اس کا تقویٰ کامل ہے تو وہ اپنے محلے کا بھی شفیع ہو سکتا ہے اگرچہ متقی مر بھی جائے تو وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے مگر ایسے وقت میں جبکہ یہ موت ایک قہر الٰہی کا نمونہ ہے اور بطور نشان کے دنیا پر آئی ہے میرا دل ہرگز شہادت نہیں دیتا کہ کوئی متقی اس ذلت کی موت سے مرے۔ متقی ضرور بچایا جائے گا۔

کشتی نوح کا بار بار مطالعہ کرو اور اس کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ

میں نے بارہا اپنی جماعت کو کہا ہے کہ تم نرے اس بیعت پر ہی بھروسہ نہ کرنا۔ اس کی حقیقت تک جب تک نہ پہنچو گے تب تک نجات نہیں۔ قشر پر صبر کرنے والا مغز سے محروم ہوتا ہے اگر مرید خود عامل نہیں تو پیر کی بزرگی اسے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ جب کوئی طبیب کسی کو نسخہ دے اور وہ نسخہ لے کر طاق میں رکھ دے تو اسے ہرگز فائدہ نہ ہوگا کیونکہ فائدہ تو اس پر لکھے ہوئے عمل کا نتیجہ تھا۔ جس سے وہ خود محروم ہے کشتی نوح کا بار بار مطالعہ کرو اور اس کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس : ۱۰) یوں تو ہزاروں چور، زانی، بدکار، شرابی، بدمعاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر کیا وہ در حقیقت ایسے ہیں؟ ہرگز نہیں امتی وہی ہے جو آپ کی تعلیمات پر پورا کاربند ہے۔

طاعون

یہ طاعون کوئی مرض نہیں ہے صرف لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے آئی ہے تم اس کے سیدھا کرنے سے سیدھے نہ بنو بلکہ خدا تعالیٰ کے واسطے سیدھے ہو جاؤ تا کہ شرک سے بری رہو۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے صرف غریب لوگ ہی مرتے ہیں۔ یہ ایک اور بد قسمتی ہے بجائے عبرت پکڑنے کے الٹا اعتراض کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ صرف بیماری ہے اس کو نماز روزے اور نیکی بدی سے کیا تعلق ہے۔ ڈاکٹروں سے علاج کروانا چاہئے غرضیکہ بے باکی کی یہاں تک نوبت پہنچی ہوئی ہے اور طاعون تو خدا کا ایک آئینہ ہے جس میں خدا اپنا چہرہ دکھائے گا۔ یاد رکھو کہ طاعون کا نام خدا نے رحمت نہیں رکھا کہ اس سے مرنے والا شہید ہو۔ یہ تو زمانہ تحدی کا ہے بطور نشان کے آئی ہے مومن اور غیر مومن میں فرق کر کے جائے گی۔ اس کا نام رجز ہے اور میرے الہام میں بھی اسے غضب کہا گیا ہے آج سے تیرہ سو برس پیشتر قرآن مجید میں اس کی خبر ہے اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ...الخ (النمل : ۸۳) یعنی جب گمراہی اور ضلالت کا زمانہ ہو گا ایسے وقت میں لوگوں کا ایمان خدا پر صرف بچوں کے کھیل کی طرح ہو گا۔ تب ہم ان میں ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا غرض یہ (طاعون) خدا تعالیٰ کا ایک قہر ہے جس سے بچنے کے واسطے ہر ایک کو لازم ہے کہ اپنی نجات کا آپ سامان کرے[1]

۲۶ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

خدا تعالیٰ کی طرف رجوع

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ چند ایک نووارد احباب نے بیعت کی اس کے بعد طاعون کے ذکر پر فرمایا :-

جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو لاپروا ہے خدا تعالیٰ اس سے لاپروا ہے اب اس وقت بھی جو نہ سمجھے تو اس کی قسمت ہی بد ہے۔

چند نوجوانوں کا اخلاص

بیعت میں تین نوجوان ایسے بھی شامل تھے جو کہ صرف ایک دن کی رخصت پر آئے تھے عصر

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵، صفحہ ۳۸-۳۹ مورخہ ۲۸ر نومبر، ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

کے وقت قادیان پہنچے اور اگلے روز انہوں نے کیمپ میں حاضر ہونا تھا۔
ان کے اس اخلاص اور محبت پر فرمایا کہ
باوجودیکہ فوجی نوکر ہیں مگر خدا تعالیٰ نے دین کی محبت دل میں ڈال دی ہے صدق اور اخلاص لے کر آئے ہیں خدا تعالیٰ ہر ایک کو یہ نصیب کرے۔

سر درد کا علاج

ایک صاحب نے عرض کی کہ میرے سر میں درد رہتا ہے گرمی کے وقت سخت تکلیف رہتی ہے دعا فرمائی جائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا علاج بھی کیا ہے؟ اس نے عرض کی ہاں کیا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا کہ

ہڈیوں کا شوربہ پیا کرو۔ ہڈیاں ایسی لیں جن میں کچھ گوشت چمٹا ہوا ہو ان کو ابال کر شوربہ ٹھنڈا کرو کہ چربی جم جائے۔ اس چربی کو نکال دو۔ باریک رومال پانی میں تر کر کے شوربہ اس میں چھانو کہ چربی اس میں لگ جائے اور خالص شوربہ رہ جائے وہ پیا کرو ہم دعا بھی کریں گے۔

صبر بھی ایک عبادت ہے

پھر اس شخص نے عرض کی کہ میرے گاؤں میں ایک مولوی جو مدرسہ میں ملازم ہے سخت مخالف ہے اور مجھے بہت تکلیف دیتا ہے حضور دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس کی تبدیلی وہاں سے کر دے۔ حضرت اقدس نے اس موقعہ پر تبسم فرمایا اور پھر اسے اس طرح سمجھایا کہ

اس جماعت میں جب داخل ہوئے ہو تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تکالیف نہ پہنچیں تو پھر ثواب کیونکر ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ (۱۳) برس دکھ اٹھائے تم لوگوں کو اس زمانے کی تکالیف کی خبر نہیں اور نہ وہ تم کو پہنچیں ہیں مگر آپ نے صحابہؓ کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار سب دشمن فنا ہو گئے۔ ایک زمانہ قریب ہے کہ تم دیکھو گے کہ یہ شریر لوگ بھی نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اس پاک جماعت کو دنیا میں پھیلائے۔ اب اسوقت یہ لوگ تمہیں تھوڑے دیکھ کر دکھ دیتے ہیں مگر جب یہ جماعت کثیر ہو جائے گی تو یہ سب خود ہی چپ ہو جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ دکھ نہ دیتے اور دکھ دینے والے پیدا نہ ہوتے مگر خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ سے صبر کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی مدت صبر کے بعد دیکھو گے کہ کچھ بھی نہیں ہے جو شخص دکھ دیتا ہے یا تو توبہ کر لیتا ہے یا فنا ہو جاتا ہے۔ کئی خط اس طرح کے آتے ہیں

کہ ہم گالیاں دیتے تھے اور ثواب جانتے تھے لیکن اب توبہ کرتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں صبر بھی ایک عبادت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ صبر والوں کو وہ بدلے ملیں گے جن کا کوئی حساب نہیں ہے۔ یعنی ان پر بے حساب انعام ہوں گے۔ یہ اجر صرف صابروں کے واسطے ہے۔ دوسری عبادت کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ جب ایک شخص ایک کی حمایت میں زندگی بسر کرتا ہے تو جب اسے دکھ پر دکھ پہنچتا ہے تو آخر حمایت کرنے والے کو غیرت آتی ہے اور وہ دکھ دینے والے کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہے اور دکھ اٹھانے سے ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ صبر جیسی کوئی شیئے نہیں ہے۔

یہ زمانہ مامور من اللہ کے آنے کا ہے

زمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

عجیب بات ہے کہ ہندو بھی کہتے ہیں کہ یہ زمانہ ایک بڑے اوتار کا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ نزول مسیح میں کوئی شخص چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتا۔ (یعنی جس قدر مکاشفات اور اخبار ہیں وہ تمام چودھویں صدی تک کی خبر دیتی ہیں) ترقی قمر بھی چودہ تک ہی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے قرآن شریف میں ہے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (یٰس : ۴۰)

قرآن کریم کی ایک خاصیت

ایک حافظ نے درخواست کی کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کی میری منزل ٹھہر جائے مگر ناکامیاب ہی رہتا ہوں۔ دعا فرمایئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

قرآن خود یہ خاصیت رکھتا ہے کہ اس نقص کو رفع کر دے محبت سے پڑھتے رہو ہم بھی دعا کریں گے[1]

۲۸ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

اعجاز احمدی کے متعلق جعفر زٹلی کے اعتراض کا جواب

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما ہوئے جعفر زٹلی نے اپنے اخبار

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۹ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

میں لکھا تھا کہ یہ بیان غلط ہے کہ اعجاز احمدی پانچ دن میں تیار ہوئی بلکہ اس کا مسودہ ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا۔ صرف مدّ کے واقعات کا تھوڑا سا مضمون ان ایام میں بنا لیا ہے۔ اس سفید جھوٹ پر حضرت تبسم فرماتے رہے اور تعجب کرتے رہے کہ ان لوگوں کو اس قدر جھوٹ پر جھوٹ کی کس طرح جرأت ہوتی ہے پھر فرمایا کہ :-

ہر ایک بات کے واسطے فیصلہ ہوتا ہے جب تک خدا تعالیٰ ان لوگوں پر اول سبقت نہ کرے ہم بھی نہیں کرتے۔

صداقت کے دلائل کی بُنیاد

اس کے بعد حضرت اقدس نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ :-

اگر طبیعت درست ہو جائے تو نزول مسیح کو مکمل کر کے ایک رسالہ بزبان فارسی تحریر کیا جائے جس میں دلائل کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی جائے جن کو ہر ایک نبی پیش کرتا رہا ہے اول نصوص۔ دوسرے معجزات۔ تیسرے عقل۔

عادت ایک زنگ ہے

پھر فرمایا:-

مشکل یہ ہے کہ عادت بھی ایک زنگ ہے جب دل پر بیٹھ جائے تو ہزارہا دلائل ہوں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا جیسے ایک ہندو کے دل میں گنگا کی جو عظمت بیٹھی ہے اس سے دلائل پوچھو تو کچھ نہ دے گا صرف عادت کے طور پر اس کی بزرگی ہی مانتا جائے گا۔ اسی طرح نزول مسیح کے بارے میں ان لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ یہی مانتے ہیں کہ اسی جسم کے ساتھ آسمان سے آئے گا۔ یہ مرض بھی دق کی طرح لگا ہے لیکن میں اس پر خوش ہوں کہ میرا خدا ہر ایک شئے پر قادر ہے۔ وہ اس مرض کے دفعیہ کے ہزارہا سامان پیدا کرے گا۔

جمعہ کی تعطیل

جمعہ کی تعطیل کے لئے ایک میموریل دربار دہلی کی تقریب پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں پیش کرنے کی تجویز حضرت اقدس نے کی ہے جو کہ عنقریب شائع ہو گا۔

جماعت کی ترقی

اس کے بعد جماعت کی ترقی کا ذکر ہوا کہ:۔

یہ ایک عظیم الشان امر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین سالوں میں ظاہر کیا ہے۔ ان تین سالوں سے پیشتر ہماری جماعت صرف کئی سو تھی اور اب ان تین سالوں میں ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی باوجودیکہ ہر طرف سے مزاحمت ہوتی رہی مخالفت میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ اور ناخنوں تک زور لگایا۔[1]

۲۹ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

(بوقت سیر)

ٹیکہ طاعون کے منفی نتائج

آٹھ بجے کے قریب حضرت اقدس تشریف لائے اور احباب کے ہمراہ سیر کو چلے۔ گذشتہ شب سول ملٹری گزٹ اور پایونیئر کے حوالہ سے ٹیکہ طاعون کے خطرناک نتائج جو حضرت اقدس کو سنائے گئے تھے کہ ملکوال میں انیس موتیں ٹیکہ لگنے کے باوجود ہوئیں۔ اس پر فرمایا کہ

یہ بھی خدا تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے ہماری کشتی نوح میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آسمانی ٹیکہ کے علاوہ اور اس کے مقابلہ پر کسی اور طرح سے زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے تو ہمارا دعویٰ جھوٹا۔

اس ٹیکہ کے انتظام پر گورنمنٹ کا لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے (مگر نتیجہ ظاہر ہے۔)

اس میں بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہماری کشتی نوح پر بڑے بڑے متعصب اخباروں نے حتّٰی کہ مصر کے اَللِّواء نے بھی مخالفت میں مضمون درج کیا کیا ان کی روسیاہی ہوئی یا نہیں؟ حق کا رعب ایسا ہوتا ہے کہ منہ بند ہو جاتے ہیں اب دیکھیں کہ اَللِّواء کیا لکھے گا اور اب بھی شرمندہ ہو گا یا نہیں؟

ایک دو دن اور ٹھہر جائیں اور دیکھ لیں۔ ذرا طبیعت ٹھیک ہو جائے تو ان موتوں کے مفصل حالات دریافت کر کے پھر اَللِّواء کو پیش کئے جائیں یہ اس کے لئے ایک بڑا تازیانہ ہو گا یہ اللہ تعالیٰ کی طاقتیں ہیں اور اسی کا کام ہے۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۹ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

سلسلہ کی تائید

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے چمکانے اور ہمارے اس سلسلہ کی تائید میں اس قدر کثرت کے ساتھ زور دے رہا ہے پھر بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یہ بھی ایک عادت اللہ ہے کہ مکذبین کی تکذیب خدا تعالیٰ کے نشانات کو کھینچتی ہے۔ جب ان کی تکذیب ٹھنڈی ہو جائے گی تو یہ نشانات بھی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ برسات میں جس قدر گرمی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر بارش زور سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت کا نظارہ دکھلا دیا ہے اس نے کیا کیا کچھ کیا ہے ہماری تائید میں آسمان کو چھوڑا نہ زمین کو، مگر ان لوگوں نے کسی سے فائدہ نہ اٹھایا ہمیشہ سے ان لوگوں کا خیال تھا کہ صدی کے سر پر کوئی آیا کرتا ہے اس صدی میں سے بیس سال گزر گئے مگر آج تک ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اب تو قیامت کا سامنا باقی ہے اور تو کوئی کسر باقی نہیں۔ ایک مخالف نے ایک دفعہ مجھے خط لکھا کہ آپ کی مخالفت میں لوگوں نے کچھ کمی نہیں کی مگر ایک بات کا جواب ہمیں نہیں آتا کہ باوجود اس مخالفت کے آپ ہر بات میں کامیاب ہی ہوتے جاتے ہیں یہ تائید کیوں ہوتی ہے؟

ایمان کی لذت

ایمان کی لذت بھی یہی ہے کہ خدا کی نصرتوں کو انسان آنکھوں سے دیکھ لے تب آنکھیں کھلتی ہیں جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ سچ یہی ہے تو پھر اس پر مرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے جب تک [1] خدا تعالیٰ کی نصرتیں چمک کر ظاہر نہیں ہوتیں اس وقت تک تو تذبذب میں رہتا ہے مگر جب ان کی چمکار نظر آتی ہے تو سینہ کی غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کا تزکیہ نفس کرنے لگا ہے اولیاء خدا تعالیٰ کے وفادار بندے ہی ہوا کرتے ہیں اور کون ہوتے ہیں۔

---

[1] الحکم میں اس جگہ مزید مضمون بیان ہوا ہے جو البدر میں نہیں البدر کی باقی ڈائری الحکم کی نسبت زیادہ مفصل ہے مگر ذیل کا مضمون اس میں نہیں الحکم میں لکھا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "دو پہلو غور کے لائق ہیں اول یہ کہ بیس سال ہوئے جبکہ ہمارے پاس ایک بھی شخص نہ تھا اور اس وقت یہ پیشگوئی ہو رہی تھی کہ تیرے ساتھ ایک جماعت کثیر ہو گی۔ دوم۔ مخالفوں کو بار بار کہا جاتا ہے کہ جسقدر شرارتیں اور مکر و فریب تم کر سکتے ہو کرو۔ پھر ہم اس کو بیدھا کر دکھا دیں گے جیسے فرمایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَانْتَهٰى اَمْرُ الزَّمَانِ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ یعنی اس وقت ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ ہماری جماعت اور ہمارا سلسلہ سچا نہ تھا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

فرمایا۔ یہ بھی ایک الہام ہے کہ

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

طاعون بھی ایک آگ ہے حدیث میں آیا ہے کہ بہشتی ایک دفعہ دوزخ کی سیر کو جائیں گے اور ایک پیر آگ پر رکھیں گے کہ آگ کس طرح جلاتی ہے تو آگ کہے گی اے مومن ذرا پیچھے ہٹ جا تو تو مجھے بجھاتا ہے۔

ایک رؤیا

عصر کی نماز سے پیشتر آپ نے تھوڑی دیر مجلس فرمائی اور ایک خواب بیان فرمایا۔ جو حضور نے قریباً دو ہفتے قبل دیکھا تھا وہ خواب یہ ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

میں ایک مقام پر کھڑا ہوں۔ ایک شخص آکر چیل کی طرح جھپٹا مار کر میرے سر سے ٹوپی لے گیا پھر دوسری بار حملہ کر کے آیا کہ میرا عمامہ لے جائے مگر میں اپنے دل میں مطمئن ہوں کہ نہیں لے جا سکتا۔ اتنے میں ایک نحیف الوجود شخص نے اسے پکڑ لیا مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ یہ شخص دل کا صاف نہیں ہے۔ اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو قادیان کا رہنے والا تھا اس نے بھی اسے پکڑ لیا میں جانتا تھا کہ موخرالذکر ایک مومن متقی ہے پھر اسے عدالت میں لے گئے تو حاکم نے اسے جاتے ہی چار یا چھ یا نو ماہ کی قید کا حکم دیا۔

غیروں کی مساجد میں نماز

ایک شخص نے بعد نماز مغرب بیعت کی اور عرض کیا کہ الحکم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ غیراز جماعت کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ فرمایا:۔

ٹھیک ہے اگر مسجد غیروں کی ہے تو گھر میں اکیلے پڑھ لو۔ کوئی حرج نہیں اور تھوڑی سی صبر کی بات ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مسجدیں برباد کر کے ہمارے حوالہ کر دے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کچھ عرصہ صبر کرنا پڑا تھا۔

عذاب کے بارہ میں عادت اللہ

موجودہ حالت میں ہندوؤں کے طاعون سے زیادہ مرنے پر فرمایا کہ :۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا

(الرعد : ۴۲) یعنی ہم دور دور سے زمین کو گھٹاتے چلے آتے ہیں یہ عادت اللہ ہے کہ اول عذاب ایسے لوگوں سے شروع ہوتا ہے جو دور دور ہوتے ہیں اور ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ بیوقوف یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف انہیں کے لئے ہے ہمارے لئے نہیں مگر عذاب لپک کر ان تک پہنچتا ہے جن کو خبر نہیں ہوتی اور بے پروا ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کی اس میں حکمتیں ہوتی ہیں وہ چاہتا ہے کہ یہ لوگ اور شوخی کرلیں لوگوں کو اس طاعون کی خبر نہیں ہے وہ مجھے لکھتے ہیں اور اشتہاروں میں شائع کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک مرض ہے جس کا علاج ہو سکتا ہے اب ان پر لازم ہے کہ ڈاکٹروں سے علاج کروائیں۔ آخر سول (CIVIL) نے لکھ دیا کہ ہم کہاں تک اس پر پردہ ڈالیں خود گورنمنٹ کو بھی اس ٹیکہ سے تکلیف پہنچی ہے۔

طاعون کی اقسام

فرمایا:۔

طاعون تین قسم کی ہے ایک خفیف جس میں صرف گلٹی نکلتی ہے اور تپ نہیں ہوتا۔ دوسری اس سے تیز کہ اس میں گلٹی کے ساتھ تپ بھی ہوتا ہے تیسری سب سے تیز اس میں تپ نہ گلٹی۔ بس آدمی سویا اور مرگیا ہندوستان کے بعض دیہات میں ایسا ہی ہوا ہے کہ دس آدمی رات کو سوئے تو صبح کو مرے ہوئے پائے گئے۔ اس کا اصل باعث طعن ہے یہ لوگ ٹھٹھہ کرتے ہیں مگر ان کو پتہ لگ جائے گا جو مخالف بکواس کیا کرتے ہیں ان پر یک لخت پتھر نہیں پڑا کرتے اول ان کو دور سے آگ دکھائی جاتی ہے تا کہ وہ توبہ کریں۔

خدا تعالیٰ اِس وقت اپنا چہرہ دکھلانا چاہتا ہے

شیخ نور احمد صاحب نے عرض کی حضور اب بھی مخالف کہتے ہیں کہ ہمیں طاعون کیوں نہیں ہوتی۔ فرمایا :۔

قرآن میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ خود عذاب طلب کرتے تھے کبھی یہ نہیں کہتے کہ دعا کرو کہ ہمیں ہدایت ہو جائے طاعون ہی مانگتے ہیں دراصل یہ لوگ دہریہ ہیں خدا پر ان لوگوں کو ایمان نہیں ہے خدا تعالیٰ اس وقت اپنا چہرہ دکھلانا چاہتا ہے۔ اس وقت جس قدر عیاشی، فسق و فجور۔ حقوق العباد میں خصم وغیرہ ہو رہے ہیں کیا اس کی کوئی حد ہے۔ ہمیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکانداروں کی طرح ایک دوکاندار ہے مگر عنقریب خدا تعالیٰ ان کو بتلا دے گا کہ دکان تو ہے مگر خدا تعالیٰ کی دکان ہے ایک صریح کشمکش آسمان سے ہے اور صریح خدا تعالیٰ کے ارادے معلوم ہیں کہ

وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

قادیان آنے والا ہر تحفہ اور نذر ایک نشان ہے

میرا ایک پرانا الہام ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ اَمْرَکَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا براہین کے وقت سے اسے دیکھو کہ کیسا برابر ایک سلسلہ چلا آرہا ہے میں اس امر پر ایک دفعہ غور کرتا رہا کہ

یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

ان دونو الہاموں میں کیا مناسبت ہے تو معلوم ہوا کہ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جب اس قدر لوگ آویں گے تو ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی چاہئے تو آگے بتلایا کہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

یعنی وہ کھانے دانے بھی اپنے ہمراہ لائیں گے قادیان کے لوگ خوب واقف ہیں کہ اس وقت کیا حالت تھی۔ کیا یہ انسان کا کام ہے کہ مدت دراز کے بعد جو بات ہونے والی تھی وہ اس قدر پیشتر بتلائی گئی۔ اس لئے جو شخص آتا ہے اور جو تحفہ اور نذر وہ لاتا ہے ہر ایک ایک نشان ہوتا ہے اور اگر اس طرح سے ہم حساب کریں تو نشانات پچاس لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

تکالیف کے ازالہ کا طریق

ایک شخص نے اپنی خانگی تکالیف کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ :-

پورے طور پر خدا تعالیٰ پر توکل، یقین اور امید رکھو تو سب کچھ ہو جائے گا اور ہمیں خطوط سے ہمیشہ یاد کراتے رہا کرو ہم دعا کریں گے[1]

۳۰ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

تقویٰ

آٹھ بجے کے قریب حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لائے۔ طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا وجود ثابت ہو رہا ہے مجھے تو اسی میں مزا آتا ہے ساری جڑھ تقویٰ اور طہارت

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے اسی سے ایمان شروع ہوتا ہے اور اسی سے اس کی آبپاشی ہوتی ہے۔اور نفسانی جذبات دبتے ہیں۔

سلسلہ کی ترقی

پھر اعجاز احمدی اور اپنے سلسلہ کی بے نظیر ترقی پر فرمایا کہ:۔

اگر کذاب کا یہ حال ہے تو پھر صدق کی مٹی پلید ہے ان لوگوں میں ایسی رو ہیں بھی ہیں۔جن پر ایک سخت انقلاب آئے گا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوسفیان ایک بڑا ضعیف القلب اور کم فراست والا آدمی تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر فتح پائی تو اسے کہا کہ تجھ پر واویلا[1]

اس نے جواب میں کہا کہ اب سمجھ آگئی ہے کہ تیرا خدا سچا ہے اگر ان بتوں میں کچھ ہوتا تو یہ ہماری اس وقت مدد کرتے۔ پھر جب اسے کہا گیا کہ تو میری نبوت پر ایمان لاتا ہے؟ تو اس نے تردد ظاہر کیا اور اس کی سمجھ میں توحید آئی۔ نبوت نہ آئی۔ بعض مادے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں فراست کم ہوتی ہے جو توحید کی دلیل تھی وہی نبوت کی دلیل تھی مگر ابو سفیان اس میں تفریق کرتا رہا۔ اسی طرح سعید لوگوں کے دلوں میں اثر پڑ جائے گا سب ایک طبقہ کے انسان نہیں ہوتے۔ کوئی اول جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ کوئی اوسط درجہ کے۔ کوئی آخری درجہ کے۔

میری ایک پرانی وحی ہے یَخِرُّوْنَ عَلَی الْاَذْقَانِ سُجَّدًا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا اِنَّا کُنَّا خَاطِئِیْنَ یعنی پیچھے آنے والے یہ کہیں گے ان کے لئے آگے خوشخبری بھی ہے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ محمد حسین کو فرعون کہا گیا ہے اور نذیر حسین کو ہامان۔ ہامان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اسی طرح نذیر حسین بے نصیب گیا اور میرا استنباط یہ ہے کہ جس طرح فرعون نے اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس : ۹۱) کہا تھا ویسے ہی یہ (محمد حسین) بھی کہے گا۔ محی الدین صاحب ابن عربی نے لکھا ہے

---

[1] الحکم سے:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ابھی ایسی رو ہیں بھی ہیں کہ جب ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ جب ایک انقلاب نظر آئے گا۔ جیسے ابو سفیان میں فراست کم تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو کہا کیا تو اب بھی نہیں سمجھتا؟ تجھ پر واویلا۔ تجھے اب تک پتہ نہیں لگا کہ یہ انسانی ہاتھ کا کام نہیں"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

کہ قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کہ فرعون جہنم میں جاوے گا یہ ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جہنم میں ڈالا۔ شائد یہ رعایت اس کے ساتھ اس لئے ہو کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا۔ پرورش کیا۔ تعلیم دلوائی' تربیت کی مگر ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے کی تربیت کا ذریعہ نہیں ملا۔ صرف خدا تعالیٰ نے ہی کی۔

نماز اور استغفار دل کی غفلت کا علاج ہیں

سیر سے واپس ہوتے ہوئے ایک حافظ صاحب نے آپ سے مصافحہ کیا اور عرض کی کہ میں نابینا ہوں ذرا کھڑے ہو کر میری عرض سن لیں۔ حضور کھڑے ہو گئے اس نے کہا میں آپ کا عاشق ہوں اور چاہتا ہوں کہ غفلت دور ہو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

نماز اور استغفار دل کی غفلت کے عمدہ علاج ہیں نماز میں دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں دوری ڈال۔ صدق سے انسان دعا کرتا رہے تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت منظور ہو جائے جلدی کرنی اچھی نہیں ہوتی۔ زمیندار ایک کھیت بوتا ہے تو اسی وقت نہیں کاٹ لیتا۔ بے صبری کرنے والا بے نصیب ہوتا ہے نیک انسان کی یہ علامت ہے کہ وہ بے صبری نہیں کرتا۔ بے صبری کرنے والے بڑے بڑے بد نصیب دیکھے گئے ہیں۔ اگر ایک انسان کنواں کھودے اور بیس ہاتھ کھودے اور ایک ہاتھ رہ جائے تو اس وقت بے صبری سے چھوڑ دے تو اپنی ساری محنت کو برباد کرتا ہے اور اگر صبر سے ایک ہاتھ اور بھی کھود لے تو گوہر مقصود پالیوے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ذوق اور شوق اور معرفت کی نعمت ہمیشہ دکھ کے بعد دیا کرتا ہے اگر ہر ایک نعمت آسانی سے مل جائے تو اس کی قدر نہیں ہوا کرتی۔ سعدی نے کیا عمدہ کہا ہے ؎

گر نباشد بدوست راہ بردن
شرط عشق است درطلب مردن

مخالفتِ نفس بھی ایک عبادت ہے

مخالفت نفس بھی ایک عبادت ہے انسان سویا ہوا ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ اور سو لے مگر وہ مخالفت نفس کر کے مسجد چلا جاتا ہے تو اس مخالفت کا بھی ایک ثواب ہے اور ثواب نفس کی مخالفت تک ہی محدود ہوتا ہے ورنہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو پھر ثواب نہیں۔ عبدالقادر

جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آدمی عارف ہو جاتا ہے تو اس کی عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ جب نفس مطمئنہ ہو گیا تو ثواب کیسے رہا؟ نفس کی مخالفت کرنے سے ثواب تھا وہ اب رہی نہیں۔

بے صبر نہیں ہونا چاہیئے

قرآن شریف میں ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمان : ۴۶) یعنی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور اس کا درجہ ثواب کا نہ رہا تو یہ بات بے صبری سے نہیں ملتی۔ انسان کو یہاں تک صبر کرنا چاہئے کہ اس کا دل یقین کرلے کہ میرے جیسا کوئی صابر نہیں۔ آخر خدا تعالیٰ مہربان ہو کر دروازہ کھول دیتا ہے اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو تمام عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ عبادات ترک کر دیتا ہے بلکہ یہ معنے ہیں کہ عبادات کی بجا آوری میں اسے جو تکلیف ہوتی تھی وہ ساقط ہو جاتی ہے اب عبادات محبوبات نفس میں شامل ہو گئیں جیسے کھانا پینا وغیرہ اس کی محبوبات نفس تھیں ایسا ہی نماز، روزہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ جیسا وفادار اور کوئی نہیں۔ دوستی اور اخلاص کا حق جیسے وہ ادا کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا انسان بڑے جوش والا ہے وہ صبر سے حقوق ادا نہیں کر سکتا جلدی بے صبر نہیں ہونا چاہئے۔

صحبت کا اثر

فرمایا:۔

ہماری جماعت کو چاہئے کہ وقتاً "فوقتاً" ہمارے پاس آتے رہیں اور کچھ دن یہاں رہا کریں۔ انسان کا دماغ جیسے خوشبو سے حصہ لیتا ہے ویسے ہی بدبو سے بھی حصہ لیتا ہے اسی طرح زہریلی صحبت کا اثر اس پر ہوتا ہے۔

مخالفین کی موجودہ حالت پر فرمایا کہ

مکہ معظمہ کی حالت کا تو کسی نے معائنہ نہیں کیا مگر اب اس وقت کی حالت دیکھ کر پتہ لگتا ہے کہ ایسا ہی حال اس وقت تھا۔

مکہ کے دو عمر

ابو جہل کو فرعون کہا گیا ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ تو فرعون سے بڑھ کر ہے فرعون نے تو آخر کہا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس : ۹۱) مگر یہ آخر تک ایمان نہ لایا [1] مکہ میں سارا فساد اسی کا تھا اور بڑا متکبر اور خود پسند۔ عظمت اور شرف کو چاہنے والا تھا اس کا اصلی نام بھی عمر تھا اور یہ دونو عمر مکہ میں تھے خدا کی حکمت کہ ایک عمر کو کھینچ لیا اور ایک بے نصیب رہا اس کی روح تو دوزخ میں جلتی ہو گی اور حضرت عمرؓ نے ضد چھوڑ دی تو بادشاہ ہو گئے۔

سورۃ الکوثر کی تفسیر

فرمایا:۔

جیسے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر : ۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے ایسا ہی میرا بھی الہام ہے۔

یہ کم بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی اور روحانی طور پر ہر دو طرح ابتر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر : ۲) یہاں کوثر کا قرینہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہے نَحَر اولاد کے لئے ہوتا ہے کہ جب عقیقہ ہوتا ہے تو قربانیاں دیتے ہیں۔ پس اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہ روحانی ہوئی نہ جسمانی تو نحر کس کے لئے آیا؟

عبداللہ غزنوی کا الہام

اس وقت قرآن کی عظمت بالکل دلوں میں نہیں رہی عبداللہ غزنوی صاحب کا بھی ایک کشف ہے جو اس کے متعلق تھا کہ اس میں ان کو الہام ہوا تھا کہ هٰذَا كِتَابِیْ وَعِبَادِیْ۔ فَاقْرَأْ كِتَابِیْ عَلٰی عِبَادِیْ۔

---

[1] الحکم سے "مرتے وقت سر کاٹنے والے کو کہا کہ ذرا گردن لمبی کر کے کاٹنا تا کہ دوسروں سے یہ سر بڑا دکھائی دے۔ گویا مرتے دم تک تکبر نہ چھوڑا" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ

حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے غصہ والے ہوتے تھے اب غصہ مسلمان ہونے سے دور ہو گیا فرمایا۔ دور تو نہیں ہوا مقتصد ہو گیا ہے اور اب اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے[1]

---

۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

برطانیہ اور کابل

فرمایا:۔

گورنمنٹ انگلشیہ نے بڑی آزادی دے رکھی ہے اور ہر قسم کا امن ہے مگر کابل میں تو لوگ ایک طرح سے اسیر اور مقید ہیں۔ وہ باہر جانا چاہیں تو ان پر کئی قسم کی پابندیاں ہیں اور بے ہودہ نگرانیاں کی جاتی ہیں خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اسی لئے اس مبارک سلطنت کے ماتحت رکھا۔

فرمایا :۔

جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں وہ مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔

فرمایا :۔

جو خدا کی پروا نہیں کرتا وہ برباد ہو جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے انکار کیا یہ آثار اچھے نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات انصاف پسند کافر کو ظالم کلمہ گو کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے اس سلسلہ کے لئے گورنمنٹ انگلشیہ کے سوا دوسری حکومتیں سخت مضر ہیں۔ ان میں امن نہیں ہے[2]

یکم دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے تو آتے ہی فرمایا کہ

آج ہی کے دن سیر ہے کل سے انشاء اللہ روزہ شروع ہو گا۔ تو چار پانچ دن تک سیر بند رہے گی تاکہ طبیعت روزے کی عادی ہو جائے اور تکلیف محسوس نہ ہو۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۰-۵۱ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء [2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۳ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء

مخالفین کی طرف سے اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کی تیاری

اعجاز احمدی کی نسبت ایڈیٹر صاحب الحکم نے سنایا کہ شحنہ ہند نے لکھا ہے۔ کہ شروع سال میں اس کا جواب اعجازی طور پر شائع ہو گا اور اس نے تین ہزار روپیہ لوگوں سے طلب کیا ہے کہ اس روپے سے وہ کتاب تصنیف کر کے شائع کرے اور دس ہزار روپے انعام حاصل کرلے اس طرح سے تیرہ ہزار روپیہ لینا چاہتا ہے حضرت نے فرمایا :-

کیمیا گر دھوکہ باز اسی طرح سے نادانوں کو دھوکہ دے کر لوٹا کرتے ہیں۔

مخالفت

مخالفت کے ذکر پر فرمایا کہ

اس سے تحریک ہو کر نشان ظاہر ہوتے ہیں اور مخالفوں کی تحریک ایسی ہے جیسے کل (مشین) سے کنواں نکالا جائے ورنہ موافقین جو آمنا کہہ کر چپ کر گئے۔ ان سے کیا تحریک ہو سکتی ہے اعجاز احمدی سے خود لوگ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ قرآن دانی اور عربیت کی اصل جڑھ انہیں لوگوں میں (احمدیہ مشن میں) ہے کیونکہ وہ نتیجہ نکال لیں گے کہ جن کی عربی دانی یہ ہے کہ اس کی مثل لوگ نہیں لا سکتے تو ضرور ہے کہ قران دانی بھی انہیں میں ہو۔

ایک تفسیری نکتہ

اعجاز احمدی میں بہت سی پیشگوئیاں بھی ہیں اور اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرۃ : ۲۴) اس میں من مثلہ کے معنے بھی اکثر مفسرین نے کئے ہیں کہ اگر مقابلہ میں کوئی لکھ کر لائیں تو پیشگوئیاں بھی اسی طرح ہوں جیسے قرآن شریف میں ہیں[1]

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

فرمایا :-

مخالف مامور کی عمر کو بڑھاتے ہیں اور وہ گویا سلسلہ نبوت کی رونق کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کی مخالفت سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے جب مخالفت اٹھ جاتی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے تو گویا مامور بھی اپنا کام کر چکتا ہے اور وہ فتح یاب ہو کر اٹھایا جاتا ہے۔
دیکھو جب تک کفار مکہ کی مخالفت کا زور شور رہا اس وقت تک بڑے بڑے اعجاز ظاہر ہوئے لیکن جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر : ۲) کا وقت آیا اور یہ سورۃ اتری تو گویا آپ کے انتقال کا وقت قریب آگیا۔ فتح مکہ کیا تھی آپ کے انتقال کا ایک مقدمہ تھی۔ غرض ان مخالفانہ تحریکوں سے بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ہماری جماعت ان مخالفوں ہی میں سے نکل کر آتی ہے اور اگر یہ مخالفت نہ ہوتی تو اس زور شور سے تحریک اور تبلیغ نہ ہوتی۔[1]

وجودی فرقہ کی حالت

فرمایا :-
ایک ذرہ حرکت اور سکون نہیں کر سکتا جب تک آسمان پر اول حرکت نہ ہو۔ ذلت وجودی کی اس سے ہے کہ وہ اس مقام پر لغزش کھا جاتا ہے۔ طریق تادب یہ تھا کہ وہ اس مقام پر ٹھہر جاتے اور جو فرق عبد اور معبود کا ہے اس سے آگے نہ بڑھتے۔ مگر وہ ایسے طریق پر ہیں کہ عملی حالت میں رہے جاتے ہیں نماز روزہ سے آخر کار فارغ ہو بیٹھتے ہیں۔ بھنگ وغیرہ مسکرات استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ دہریت میں اور ان میں انیس بیس کا فرق ہے اور ان کی بیباکی دلالت کرتی ہے کہ اس فرقہ میں خیر نہیں ہے عیسائیوں نے ایک کو خدا بنا کر آگ لگائی اور انہوں نے ہر ایک وجود کو خدا بنایا۔ ہندوؤں پر بھی ان کا بد اثر پہنچا ہے حرمت کی پروا نہیں ہے۔ اس لئے مناہی وغیرہ سب جائز رکھتے ہیں۔ صورت پرست ہوتے ہیں نامحرموں پر بد نظری کرتے ہیں اس زمانہ کا بگاڑ سخت ہے۔

اصل تقویٰ دُنیا سے اُٹھ گیا ہے

فرمایا :-
اصل تقویٰ جس سے انسان دھویا جاتا ہے اور صاف ہوتا ہے اور جس کے لئے انبیاء آتے ہیں وہ دنیا سے اٹھ گیا ہے کوئی ہو گا جو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس : ۱۰) کا مصداق ہو گا۔ پاکیزگی اور طہارت عمدہ شئے ہے انسان پاک اور مطہر ہو تو فرشتے اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ لوگوں میں اس کی قدر نہیں ہے ورنہ ان کی لذات کی ہر ایک شئے حلال ذرائع سے ان کو ملے۔ چور چوری کرتا ہے کہ مال ملے لیکن اگر وہ صبر کرے تو خدا تعالیٰ اسے اور سے مالدار کر دے۔ اسی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء

طرح زانی زنا کرتا ہے اگر صبر کرے تو خدا تعالیٰ اس کی خواہش کو اور راہ سے پوری کردے جس میں اس کی رضا حاصل ہو۔ حدیث میں ہے کہ کوئی چور چوری نہیں کرتا مگر اس حالت میں کہ وہ مومن نہیں ہوتا اور کوئی زانی زنا نہیں کرتا مگر اس حالت میں کہ وہ مومن نہیں ہوتا۔ جیسے بکری کے سر پر شیر کھڑا ہو تو وہ گھاس بھی نہیں کھا سکتی تو بکری جتنا ایمان بھی لوگوں کا نہیں ہے اصل جڑ اور مقصود تقویٰ ہے جسے وہ عطا ہو تو سب کچھ پا سکتا ہے بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ انسان صغائر اور کبائر سے بچ سکے انسانی حکومتوں کے احکام گناہوں سے نہیں بچا سکتے۔ حکام ساتھ ساتھ تو نہیں پھرتے کہ ان کو خوف رہے۔ انسان اپنے آپ کو اکیلا خیال کر کے گناہ کرتا ہے ورنہ وہ کبھی نہ کرے اور جب وہ اپنے آپ کو اکیلا سمجھتا ہے اس وقت وہ دہریہ ہوتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے دیکھتا ہے ورنہ اگر وہ یہ سمجھتا تو کبھی گناہ نہ کرتا تقویٰ سے سب شئے ہے قرآن نے ابتدا اسی سے کی ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ : ۵) سے مراد بھی تقویٰ ہے۔ کہ انسان اگرچہ عمل کرتا ہے مگر خوف سے جرأت نہیں کرتا کہ اسے اپنی طرف منسوب کرے اور اسے خدا کی استعانت سے خیال کرتا ہے اور پھر اسی سے آئندہ کے لئے استعانت طلب کرتا ہے

تقویٰ کے ثمرات

پھر دوسری سورت بھی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سے شروع ہوتی ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ سب اسی وقت قبول ہوتا ہے جب انسان متقی ہو۔ اس وقت خدا تمام داغی گناہ کے اٹھا دیتا ہے۔ بیوی کی ضرورت ہو تو بیوی دیتا ہے۔ دوا کی ضرورت ہو تو دوا دیتا ہے۔ جس شئے کی حاجت ہو وہ دیتا ہے اور ایسے مقام سے روزی دیتا ہے کہ اسے خبر نہیں ہوتی۔

ایک اور آیت قرآن شریف میں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدۃ : ۳۱) اس سے بھی مراد متقی ہیں ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی ان پر زلزلے آئے۔ ابتلا آئے۔ آندھیاں چلیں مگر ایک عہد جو اس سے کر چکے اس سے نہ پھرے۔ پھر آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے ایسا کیا اور صدق اور وفا دکھلائی۔ تو اس کا اجر یہ ملا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی ان پر فرشتے اترے اور کہا کہ خوف اور حزن مت کرو تمہارا خدا متولی ہے۔ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۲) اور بشارت دی کہ تم خوش ہو اس جنت سے۔ اور اس جنت سے یہاں مراد

دنیا کی جنت ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن : ۴۷) پھر آگے ہے نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حم السجدۃ : ۳۲) دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے ولی اور متکفل ہیں۔

مومن کی دنیوی زندگی

بعض لوگ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ کی آیت کے معارض ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں اَلدُّنْيَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِ اس کے اصل معنے یہ ہیں کہ مومن کئی قسم کے ہوتے ہیں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر : ۳۳) مقتصد سے مراد نفس لوامہ والے ہیں اور یہ (دنیا کی) تکالیف نفس لوامہ تک ہی ہوتی ہیں کہ اس میں انسان کے ساتھ کشاکش نفس امارہ کی ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ راحت اور آرام کی یہ بات اختیار کر اور لوامہ وہ نہیں کرتا۔ اس وقت انسان مجاہدہ کرتا ہے اور نفس امارہ کو زیر کرتا ہے اور اس طرح جنگ ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ امارہ شکست کھا جاتا ہے اور پھر نفس مطمئنہ رہ جاتا ہے۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر : ۲۸،۲۹) یعنی تو میری جنت میں داخل ہو جا اور اسی وقت ہو جا اور مومن کی جنت خود خدا ہے یعنی جب وہ خدا کے بندوں میں داخل ہوا تو خدا تو انہیں میں ہے۔ اور وہ اس کے عباد میں آگیا تو اب اس حالت میں وہ سجن کہاں رہا؟ ایک مرتبہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ تکالیف میں ہوتا ہے جیسے جب کنواں کھودا جائے تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ پانی نکل آئے مطمئنہ ہونا اصل میں پانی نکالنا ہے۔ جب پانی نکل آیا۔ اب کھودنے کی ضرورت نہیں ہے تو اس آیت میں ظالم سے مراد نفس امارہ والے اور مقتصد سے مراد نفس لوامہ والے اور سابق بالخیرات سے مراد نفس مطمئنہ والے ہیں۔

پوری تبدیلی زندگی میں جب تک نہ آوے تب تک جنگ رہتی ہے اور لوامہ تک یہ جنگ ہے جب یہ ختم ہوئی تو پھر دار النعیم میں آجاتا ہے۔ اس وقت اس کا ارادہ خدا کا ارادہ اور اس کی مرضی خدا کی مرضی ہوتی ہے اور وہ ان باتوں میں لذت اٹھاتا ہے جن سے خدا خوش ہوتا ہے۔ ایک عارف جس کی خدا سے ذاتی محبت ہو جائے تو اگر خدا اسے بتلا بھی دے کہ تو دوزخی ہے خواہ عبادت کر خواہ نہ کر تو اس کی خوشی اسی میں ہوگی کہ خواہ دوزخ میں جاؤں مگر میں ان عبادات سے رک نہیں سکتا جیسے افیونی کو جب افیون کی عادت ہو جاتی ہے تو اسے کیسی ہی تکالیف ہوں اور خواہ وہ گھلتا ہی جائے مگر افیون کو نہیں چھوڑتا۔ جس طرح دنیا میں نوجوانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کو

ایک دھن جب لگ جائے تو خواہ والدین کتنا روکیں منع کریں مگر وہ کسی کی نہیں سنتے اور اس دھن کی خوشی میں تکالیف کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ ایسا ہی اس مومن عارف کامل کا حال ہوتا ہے کہ اسے اس بات کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اجر ملے گا یا نہیں۔ یہ مقام آخری مقام ہے جہاں سلوک کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں۔ اس حالت میں اس کا جوش کسی سہارے پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک انسان کسی سہارے سے کام کرتا ہے تو ممکن ہے شیطان اس میں کسی وقت دخل دیوے۔ مگر یہاں ذاتی محبت کے مقام میں سہارا نہیں ہوتا جیسے ماں اور بچے کے جو تعلقات ذاتی محبت کے ہیں ان میں انسان تفرقہ نہیں ڈال سکتا۔ ماں کی فطرتی محبت ایک دوسرے سے ملاتی ہے مثل مشہور ہے "ماں مارے اور بچہ ماں ماں پکارے" اسی طرح اہل اللہ خدا کی مار کھا کر کہاں جا سکتے ہیں۔ بلکہ مار پڑے تو وہ ایک قدم اور بڑھاتے ہیں دوسرے تعلقات میں خدا کی محبت کا جلال زور کے ساتھ نازل نہیں ہوتا جیسے انسان کسی کو اپنا نوکر سمجھتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ نوکری اسی لئے کرتا ہے کہ اس کی اجرت ملے تو اسکی طرف محبت کامل سے التفات نہیں ہوتا اور وہ ایک نوکر شمار ہوتا ہے۔ مگر جب کوئی شخص خدمت کرتا ہے اور آقا کو معلوم ہو کہ یہ نوکری کی خواہش سے نہیں کرتا تو آخر کار بیٹوں میں شمار ہوتا ہے۔

خدا بڑا خزانہ ہے۔ خدا بڑی دولت ہے۔

استغفار کی حقیقت

غفلت غیر معلوم اسباب سے ہے۔ بعض وقت انسان نہیں جانتا اور ایک دفعہ ہی زنگ اور تیرگی اس کے قلب پر آجاتی ہے۔ اس لئے استغفار ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ زنگ اور تیرگی نہ آوے۔ عیسائی لوگ اپنی بیوقوفی سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے سابقہ گناہوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اصل معنے اس کے یہ ہیں کہ گناہ صادر ہی نہ ہوں ورنہ اگر استغفار سابقہ صادر شدہ گناہوں کی بخشش کے معنے رکھتا ہے تو وہ بتلاویں کہ آئندہ گناہوں کے نہ صادر ہونے کے معنوں میں کونسا لفظ ہے۔ غفر اور کفر کے ایک ہی معنے ہیں۔ تمام انبیاء اس کے محتاج تھے جتنا کوئی استغفار کرتا ہے اتنا ہی معصوم ہوتا ہے۔ اصل معنے یہ ہیں کہ خدا نے اسے بچایا معصوم کے معنے مستغفر کے ہیں۔

عیسائیت

عیسویت کی ترقی پر فرمایا کہ :-

جو ترقی انہوں نے کرنی تھی وہ کر چکے پورے طور پر انسان کو خدا بنا لیا۔ اگر انسان خدا بن سکتا ہے تو پگٹ سے کیوں ناراض ہیں۔ بہت خدا مل جائیں گے تو طاقت زیادہ ہوگی۔

بغیر عذر کے دعوت رَدّ کرنا اچھی بات نہیں

ایک خادم نے عرض کی کہ ایک تقریب پر اس کے ہاں خوشی ہے اور کچھ کھانے کا انتظام کیا گیا ہے حضور بھی شام کو تشریف لا کر کھانا وہیں تناول فرماویں تو عین سعادت ہے۔

فرمایا :-

دعوت راحت کے واسطے ہوتی ہے۔ مجھے ایسی مرض ہے کہ دن کے آخری حصہ میں وہ عود کرتی ہے اور میں بالکل چل پھر نہیں سکتا۔ اسی لئے دیکھتے ہو کہ پھرنے کا وقت صبح کا رکھا ہے ابھی ابھی نماز سے پیشتر پاؤں سرد ہو رہے تھے تو میں دوا پی کر آیا ہوں خیال آتا ہے کہ گھڑی گھڑی کیا کہوں کہ سرد ہو رہا ہوں اس لئے افتاں خیزاں آجاتا ہوں۔ اس لئے شام کو میں جا نہیں سکتا ورنہ دعوت کا رد کرنا تو اچھی بات نہیں ہے مگر جب بیمار ہو تو انسان مجبور ہے۔

ماہِ رمضان کی عظمت اور اُس کے رُوحانی اثرات

مغرب کی نماز سے چند منٹ پیشتر ماہ رمضان کا چاند دیکھا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کی نماز گذار کر مسجد کی سقف پر چاند دیکھنے تشریف لے گئے اور چاند دیکھنے کے بعد پھر مسجد میں تشریف لائے۔

فرمایا کہ :-

رمضان گذشتہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل گیا تھا۔

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" (البقرۃ : ۱۸۶) سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد

یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔ پس اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ : ۱۸۶) میں یہی اشارہ ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جوانی کے ایام میں میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ روزہ رکھنا سنت اہل بیت ہے۔ میرے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ سلمان یعنی الصلحان کہ اس شخص کے ہاتھ سے دو صلح ہوں گی۔ ایک اندرونی اور دوسری بیرونی ـــ اور یہ اپنا کام رفق سے کرے گا نہ کہ شمشیر سے اور میں جب مشرب حسین پر نہیں ہوں کہ جس نے جنگ کی بلکہ مشرب حسن پر ہوں کہ جس نے جنگ نہ کی تو میں نے سمجھا کہ روزہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ میں نے چھ ماہ تک روزے رکھے۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ انوار کے ستونوں کے ستون آسمان پر جا رہے ہیں یہ امر مشتبہ ہے کہ انوار کے ستون زمین سے آسمان پر جاتے تھے یا میرے قلب سے لیکن یہ سب کچھ جوانی میں ہو سکتا تھا اور اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا تھا۔

نشاط و جوانی تا بہ سی سال
چہل آمد فرو ریزد پر و بال

اب جب سے چالیس سال گزر گئے دیکھتا ہوں کہ وہ بات نہیں۔ ورنہ اول میں بٹالہ تک کئی بار پیدل چلا جاتا تھا اور پیدل آتا اور کوئی کسل اور ضعف مجھے نہ ہوتا اور اب تو اگر پانچ چھ میل بھی جاؤں تو تکلیف ہوتی ہے چالیس سال کے بعد حرارت غریزی کم ہونی شروع ہو جاتی ہے خون کم پیدا ہوتا ہے اور انسان کے اوپر کئی صدمات رنج و غم کے گزرتے ہیں۔ اب کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اگر بھوک کے علاج میں زیادہ دیر ہو جائے تو طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے۔

عباداتِ مالی و عباداتِ بدنی

خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں۔ ایک عبادات مالی دوسرے عبادات بدنی۔ عبادات مالی تو اسی کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جن کے پاس نہیں وہ معذور ہیں اور عبادات بدنی کو بھی انسان عالم جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ ساٹھ سال جب گزرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آجاتا ہے۔ (کسی نے) یہ ٹھیک کہا ہے کہ پیری و صد عیب۔ اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اس کی برکت

بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔

موئے سفید از اجل آرد پیام

انسان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجا لاوے۔ روزہ کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ البقرة : ۱۸۵) یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔

فدیہ کی غرض

ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے۔ تا کہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شئے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ (انسان) دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ۔ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ۔ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔

روزہ کی فرضیت

اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کردے جو شخص کہ روزے سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت درد دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا۔ اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لیے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ مجو نہ ہو تو خدا تعالیٰ اسے ہرگز

ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔

یہ ایک باریک امر ہے کہ اگر کسی شخص پر (اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے) روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہو گا اور وہ ہو گا تو ایسا شخص جو خدا تعالیٰ کی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے۔ کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور میں اس کا منتظر تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزے سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جس طرح اہل دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کرتے ہیں اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ صحیح نہیں۔ تکلفات کا باب بہت وسیع ہے اگر انسان چاہے تو اس (تکلف) کی رو سے ساری عمر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا تعالیٰ اسے ثواب سے زیادہ بھی دیتا ہے کیونکہ درد دل ایک قابل قدر شئے ہے۔ حیلہ جو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شئے نہیں۔ جب میں نے چھ ماہ روزے رکھے تھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیاء کا مجھے (کشف میں) ملا۔ اور انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں اپنے نفس کو اس قدر مشقت میں ڈالا ہوا ہے' اس سے باہر نکل۔ اسی طرح جب انسان اپنے آپ کو خدا کے واسطے مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کی طرح رحم کر کے اسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہوا ہے۔

خدا تعالیٰ کی شفقت

یہ لوگ ہیں کہ تکلف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں۔ اس لئے خدا ان کو دوسری مشقتوں میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں اور دوسرے جو خود مشقت میں پڑتے ہیں ان کو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا تعالیٰ اس کے نفس پر شفقت کرے کیونکہ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے واسطے جہنم ہے اور خدا تعالیٰ کی شفقت جنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو کہ جو آگ میں گرنا چاہتے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ آگ سے بچاتا ہے۔ اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ سلم ہے اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔ اس سے انکار

نہ کرے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عصمت کی فکر میں خود لگتے تو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ : ۶۸) کی آیت نازل نہ ہوتی۔ حفاظت الٰہی کا یہی سر ہے[1]
(اوپر کی تقریر فارسی زبان میں تھی میں نے افادۂ عام کی خاطر اردو میں ترجمہ کر کے لکھی۔ایڈیٹر)

۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

مولوی ثناء اللہ کی حیلہ جوئی

عصر کے وقت جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات پیش کی گئی کہ ثناء اللہ لکھتا ہے کہ میری موت کی پیشگوئی کرو تو حضور نے فرمایا کہ :-

یہ حیلہ ہے ورنہ وہ جانتا ہے کہ ہم حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ موت کی پیشگوئی نہ کریں گے اس لئے دیدہ دانستہ لکھتا ہے۔ ورنہ ہم نے جو لکھ دیا ہے وہ خود حسب شرائط شائع کر دے کہ جو کاذب ہے وہ پیشتر مر جائے۔ اسے اس طرح لکھنے سے کیوں خوف آتا ہے اس طرح نہ لکھنا اور ہمیں لکھنا کہ پیشگوئی کریں یہ صرف حیلہ جوئی ہے[2]

۳ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ
بعد از نماز مغرب

استغفار کی حقیقت

ماسٹر عبدالرحمان صاحب نو مسلم تھرڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان عیسائی پرچہ اپیی نینی سے ایک مضمون سناتے رہے۔ جو کسی نے لفظ ذنب کے معانی پر مخالفانہ رنگ میں لکھا ہے کہ لفظ ذنب ایک ایسا لفظ ہے جو کہ قرآن میں کبائر گناہ پر بولا گیا ہے اور مرزا صاحب اس کے معانی کو وسعت دے کر جب یہ لفظ نبیوں کے حق میں آوے تو اس کے اور معنے کرتے ہیں اور جب عوام الناس پر بولا جائے تو اور معنے کرتے ہیں اور یہ لفظ اپنے معانی پر استعمال ہوتا ہے کہ گذشتہ گناہ جو انسان کر چکا ہے اس کی معافی طلب کی جائے۔ اس سے اس نے استدلال کیا ہے کہ ضرور ہے کہ

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۰ تا ۵۳ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء [2] البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء

پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گناہ سرزد ہوئے ہوں۔

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اگر استغفار کے یہ معنے ہیں کہ گذشتہ گناہوں سے معافی ہو تو پھر بتلائیں کہ آئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کے لئے کون سا لفظ ہے۔ گناہ سے حفاظت یعنی عصمت تو انسان کو استغفار سے ملتی ہے۔ کہ انسان خدا تعالیٰ سے چاہے کہ ان قویٰ کا ظہور اور بروز ہی نہ ہو۔ جو معاصی کی طرف کھینچتے ہیں۔ کیونکہ جیسے انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ گذشتہ گناہ اس کے بخشے جائیں اسی طرح اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ آئندہ اس کے قویٰ سے گناہ کا ظہور و بروز نہ ہو۔ یہ مسئلہ بھی قابل دعا کے ہے۔ ورنہ یہ کیا بات ہے کہ جب گناہ میں مبتلا ہو تو اس وقت تو دعا کرے اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کی دعا نہ کرے۔ اگر انجیل میں یہ دعا نہیں ہے تو پھر وہ کتاب ناقص ہے۔ انجیل میں یہ لکھا ہے کہ مانگو تو دیا جائے گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار مانگا آپ کو دیا گیا۔ مسیح نے نہ مانگا ان کو نہ دیا گیا۔ غرضیکہ طبعی تقسیم قرآن مجید نے کی ہے کہ گناہ سے حفاظت کے ہر ایک پہلو کو دیکھ کر استغفار کا لفظ رکھا ہے کیونکہ انسان دونو راہ کا محتاج ہے کبھی گناہ کی معافی کا اور کبھی اس امر کا کہ وہ قویٰ ظہور و بروز نہ کریں۔ ورنہ یہ کب ممکن ہے کہ قویٰ خدا تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر خود بخود بچے رہیں وہ کتاب کامل ہے عقل اور ضرورت خود دونو قسم کی دعا کا تقاضا کرتی ہے۔

پھر دیکھو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی کے ہاتھ پر توبہ بھی نہیں کی کہ آپ کا گنہگار ہونا ثابت ہو۔ مگر مسیح نے تو یحییٰ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی۔ ان سے تو یحییٰ ہی اچھا رہا جس نے کسی کی بیعت نہ کی۔ اب بتلاؤ کس کا گنہگار ہونا ثابت ہے۔ اگر مسیح گناہ سے صاف تھا تو اس نے غوطہ کیوں لگایا اور پھر روح القدس کا کبوتر ابتدا ہی سے کیوں نہ نازل ہوا؟

پھر استغفار کے معانی پر حضرت اقدس اور آپ کے برگزیدہ احباب وہ آیات قرآنی تلاش کر کے سناتے رہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کی دعا آئندہ خطاؤں سے حفاظت کے لئے ہے اور پھر تلاش کرتے کرتے انجیل سے بھی ایسی آیات نکل آئیں جس میں مسیح علیہ السلام نے آئندہ گناہ سے بچنے کے لئے دعا مانگی ہوئی ہے[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء

۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ
بعد از نماز مغرب

ایک احمدی کا اخلاص

مدراس میں ایک مخلص حضرت اقدس کے غیبۂ عاشق ہیں۔ ایک کذاب نے ان کو خبر سنائی کہ قادیان میں طاعون ہے حالانکہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ طاعون وہاں نہ آئے گی۔ ان کے ایمان نے اس شنید پر یہ تقاضا کیا کہ ایک تار حضرت اقدس کی خدمت میں روانہ کیا جو اس مجلس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں درج تھا کہ اس خبر کے سننے سے میرے ایمان میں ترقی ہوئی ہے اور قادیان میں طاعون اس لئے آئی ہے کہ خدا تعالیٰ سچے مومنوں اور دوسرے لوگوں میں تمیز کر کے دکھلانا چاہتا ہے اور جو جو خبریں ان کو غلط پہنچی ہیں۔ ہر ایک ان کی زیادت ایمان کا باعث ہوئی ہیں حضرت اقدس نے ان کے اخلاص کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ :-

ان کو اصل واقعات سے اطلاع دے کر اس شخص کا کذاب ہونا جتلا دیا جائے۔[1]

۷ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اسم اعظم

ظہر کے وقت تشریف لا کر حضرت اقدس نے بیان فرمایا کہ :-

رات کو میری ایسی حالت تھی کہ اگر خدا تعالیٰ کی وحی نہ ہوتی تو میرے اس خیال میں کوئی شک نہ تھا کہ میرا آخری وقت ہے۔ ایسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر میں ہوں اور وہ کوچہ سربستہ سا معلوم ہوتا ہے کہ تین بھینسے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے میری طرف آیا تو میں نے اسے مار کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرا آیا تو اسے بھی ہٹا دیا۔ پھر تیسرا آیا اور وہ ایسا پرزور معلوم ہوتا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ اب اس سے مفر نہیں ہے خدا تعالیٰ کی قدرت کہ مجھے اندیشہ ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک طرف پھیر لیا میں نے اس وقت غنیمت سمجھا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر نکل جاؤں میں وہاں سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے گا۔ مگر میں نے پھر کر نہ دیکھا اس وقت خواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پر مندرجہ ذیل

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۴ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء

دعا القا کی گئی :-

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ

اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے اور یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھے گا ہر ایک آفت سے اسے نجات ہو گی۔

ایک آریہ میرے پاس دوا لینے آیا کرتا ہے۔ میں نے اسے یہ خواب سنائی تو اس نے کہا کہ مجھے بھی لکھ دو۔ میں نے لکھ دیا اور اس نے یاد کر لیا۔

ایک اَور رؤیا

اس خواب کے بعد پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گھوڑے کا سوار ملا۔ جب میں گھر کے قریب آیا تو ایک شخص نے میرے ہاتھ پر پیسے رکھے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اس میں دونی چونی بھی ہو گی۔ آگے آیا تو دیکھا کہ فجو (فضل نشاں) کشمیری عورت بیٹھی ہے۔ پھر جب مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ہزارہا آدمی بیٹھے ہیں اور کپڑے سب کے پرانے معلوم ہوتے ہیں۔ مسجد میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہوا ہے اس کی بڑی سی چارپائی ہے یہ معلوم نہیں کہ کس کا جنازہ ہے۔

مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت اقدس تشریف لے گئے اور کوئی ایک گھنٹہ بعد مسجد میں تشریف لائے فرمایا کہ

آج جو خواب میں الہام سے کلمات بتلائے گئے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان کو نماز میں دعا کے طور پر پڑھا جائے اور میں نے خود تو پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔

سُوءِ ظَنّ کرنا اچھا نہیں

بد ظنی پر آپ نے فرمایا کہ :-

دوسرے کے باطن میں ہم تصرف نہیں کر سکتے اور اس طرح کا تصرف کرنا گناہ ہے۔ انسان ایک آدمی کو بد خیال کرتا ہے اور پھر آپ اس سے بد تر ہو جاتا ہے۔ کتابوں میں میں نے ایک قصہ پڑھا ہے کہ ایک بزرگ اہل اللہ تھے انہوں نے ایک دفعہ عہد کیا کہ میں اپنے آپ کو کسی سے اچھا نہ سمجھوں گا ایک دفعہ ایک دریا کے کنارے پہنچے (دیکھا) کہ ایک شخص ایک جوان عورت کے ساتھ کنارے پر بیٹھا روٹیاں کھا رہا ہے اور ایک بوتل پاس ہے اس میں سے گلاس بھر بھر کر پی رہا ہے ان کو دور سے دیکھ کر اس نے کہا کہ میں نے عہد تو کیا ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا نہ خیال

کروں۔ مگر ان دونوں سے تو میں اچھا ہی ہوں۔ اتنے میں زور سے ہوا چلی اور دریا میں طوفان آیا۔ ایک کشتی آرہی تھی وہ غرق ہو گئی وہ مرد جو کہ عورت کے ساتھ روٹی کھا رہا تھا اٹھا اور غوطہ لگا کر چھ آدمیوں کو نکال لایا اور ان کی جان بچ گئی پھر اس نے اس بزرگ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے آپ کو مجھ سے اچھا خیال کرتے ہو۔ میں نے تو چھ کی جان بچائی ہے اب ایک باقی ہے اسے تم نکالو۔ یہ سن کر وہ بہت حیران ہوا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ میرا ضمیر کیسے پڑھ لیا اور یہ معاملہ کیا ہے؟ تب اس جوان نے بتلایا کہ اس بوتل میں اسی دریا کا پانی ہے شراب نہیں ہے اور یہ عورت میری ماں ہے اور میں ایک ہی اس کی اولاد ہوں۔ قویٰ اس کے بڑے مضبوط ہیں اس لئے جوان نظر آتی ہے۔ خدا نے مجھے مامور کیا تھا کہ میں اسی طرح کروں تا کہ تجھے سبق حاصل ہو۔

پھر فرمایا کہ :-

خضر کا قصہ بھی اسی بناء پر معلوم ہوتا ہے سوء ظن جلدی سے کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ تصرف فی العباد ایک نازک امر ہے اس نے بہت سی قوموں کو تباہ کر دیا کہ انہوں نے انبیاء اور ان کے اہل بیت پر بد ظنیاں کیں۔[1]

۸ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

ایک رؤیا

عصر کی نماز سے قبل حضور علیہ السلام نے ایک رؤیا سنائی فرمایا

میں دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر وضو کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ زمین پولی ہے اور اس کے نیچے ایک غار سی چلی جاتی ہے میں نے اس میں پاؤں رکھا تو دھنس گیا اور خوب یاد ہے کہ پھر میں نیچے ہی نیچے چلا گیا۔ پھر ایک جست کر کے میں اوپر آگیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہوا میں تیر رہا ہوں اور ایک گڑھا ہے مثل دائرے کے گول اور اس قدر بڑا جیسے یہاں سے نواب صاحب کا گھر۔ اور میں اس پر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر تیر رہا ہوں سید محمد احسن صاحب کنارہ پر تھے۔ میں نے ان کو بلا کر کہا کہ دیکھ لیجئے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو پانی پر چلتے تھے اور میں ہوا پر تیر رہا ہوں اور میرے خدا کا فضل ان سے بڑھ کر مجھ پر ہے۔ حامد علی میرے ساتھ ہے اور اس گڑھے پر ہم نے کئی پھیرے کئے۔ نہ ہاتھ نہ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں اور بڑی آسانی سے ادھر ادھر تیر رہے ہیں ایک

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۴ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء

بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔

بعد از نماز مغرب

بات وہ کرنی چاہیئے جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو

ایک شخص امرتسری نے حضرت اقدس کو بہت فحش اور گندی گالیاں دی تھیں۔ ایک باغیرت اور مخلص خادم نے اس کا جواب درشتی سے دینا چاہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

جوش کے مقابلہ پر جوش ہو تو فساد کا باعث ہوتا ہے اور بات وہ کرنی چاہئے جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو۔ اگر ہم بدی کا جواب اس حد تک کی بدی سے دیویں تو پھر ہمارے کاروبار میں برکت نہیں رہتی۔ جوش اور اشتعال کے وقت کے لکھے ہوئے مضامین میں فصاحت اور بلاغت جاتی رہتی ہے۔ فصاحت اور بلاغت نرمی کا بیٹا ہے جس قدر نرمی ہوگی۔ اسی قدر عبارت فصیح ہوگی اہل حق کو درہم برہم نہ ہونا چاہئے۔ گندی بات قابل جواب ہی نہیں ہوا کرتی۔

احباب سے حضورؑ کی شفقت

اصحاب کبار میں سے ایک نے ایک شئے طلب کی۔ حضرت اقدس اسی وقت خود اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور وہ شئے لا کر دی۔[1]

۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بعد از نماز ظہر

رسل بابا امرتسری کی موت

حضرت اقدس علیہ السلام کو بذریعہ خط معلوم ہوا کہ رسل بابا امرتسر میں بعارضہ طاعون فوت ہو گیا ہے اس پر آپ مولوی محمد علی صاحب کے کمرہ میں آکر گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا کہ :-

گذشتہ شب کو مجھے یہ الہام ہوا ہے سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا اِبْرَاهِیْمُ۔

پھر اس کے بعد الہام ہوا

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۵ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء

سَلَامٌ عَلٰی اَمْرِكَ صِرْتَ فَائِزًا

یعنی اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ تیرے کاروبار پر سلامتی ہو اور تو با مراد ہو گیا

اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت آگیا تو آپ نے مسجد میں تشریف لا کر یہ الہام پھر سنایا اور رسل بابا کی موت پر ذکر ہوتا رہا کہ

تُخْرَجُ الصُّدُوْرُ اِلَی الْقُبُوْرِ کا الہام بھی اس پر صادق آتا ہے اور الہام میں صدور کا لفظ ہے جو کہ جمع پر دلالت کرتا ہے اور جمعہ کے دن جب میں بیمار تھا تو مجھے یہ الہام ہوا تھا۔

یَمُوْتُ قَبْلَ یَوْمِیْ هٰذَا

یعنی یہ میرے اس دن سے پیشتر مرے گا۔ یوم سے مراد جمعہ کا دن ہے جو کہ اصل میں خدا کا دن ہے

سلسلہ کی خارق عادت ترقی

پھر فرمایا کہ

ان تین سالوں میں خارق عادت ترقی ہوئی ہے۔ براہین میں یہ پیشگوئی ہے کہ میں تمہارے لئے فوج تیار کروں گا وہ انہی تین سالوں میں تیار ہوئی۔

بعد از مغرب

دمشق کی خصوصیت

دمشق کے لفظ پر فرمایا کہ :-

اصل میں تثلیث کی جڑھ دمشق ہے۔ یہ راز کی بات ہے اور سمجھنے کے قابل ہے مگر ہمارے مخالف خیال نہیں کرتے۔ دمشق سے مشرقی طرف اترنے کے یہی معنے ہیں کہ وہ تثلیث کا استیصال کرے گا۔ مشرق ہمیشہ غرب پر غالب ہوتا ہے[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۵ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء

۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

(مابین مغرب وعشاء)

حالات کے مطابق دُعا کے الفاظ میں تبدیلی

میر ناصر نواب صاحب نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ دعا رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ والی جو الہام ہوئی ہے اگر اس میں بجائے واحد متکلم کے جمع متکلم کا صیغہ پڑھ کر دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا جائے تو حرج تو نہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا۔

کوئی حرج نہیں ہے[1]

۱۱ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

بدن تکلیف اُٹھانے کیلئے ہے

بکثرت مضمون نویسی اور کاپی وغیرہ دیکھنے میں جو تکلیف انسان کو ہوتی ہے اس کو مدنظر رکھ کر ایک خادم نے (ظہر کے وقت) اس تکلیف میں حضور کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

بدن تو تکلیف کے واسطے ہے۔ اور کس لئے ہے۔

مصری اخبار اَللِّوَاء کا جواب

بعد ازیں فرمایا کہ :-

اَللِّوَاء کے متعلق مضمون لکھ رہا ہوں نیچے فارسی ترجمہ بھی کر دیا ہے تاکہ اس کی اشاعت اِتْمَامًا لِلْحُجَّةِ بخارا۔ سمرقند وغیرہ ممالک میں بھی ہو جائے۔

پھر حضور فرمانے لگے کہ میں وہ مضمون لا کر بطور نمونہ سناتا ہوں چنانچہ آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے اور مضمون لا کر اس کا عربی مسودہ اور فارسی ترجمہ سناتے رہے۔ فرمایا کہ :-

اس مضمون کو میں نے تین طرح پر تقسیم کیا ہے۔ اول۔ اجمال رکھا ہے۔ دوم۔ تفصیل کی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے کہ کیوں اس امر کی ضرورت پڑی کہ ٹیکہ سے ہم پرہیز کریں اور وجہ بتلائی ہے کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے اور لوگ گالیاں دیتے اور سب و شتم کرتے ہیں۔ سوم۔ خدا تعالیٰ نے اب تک کیا تفریق کر کے دکھائی ہے۔ اور مخالفوں کی مخالفت کے کیا نتائج ہوئے۔

آسمانی اور زمینی نشان

عشاء سے قبل قدرے مجلس کی اور اخبارات انگریزی سنتے رہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ :۔
خدا تعالیٰ جو نشانات دکھاتا ہے اشتہاری دکھلاتا ہے۔ کسوف و خسوف بھی اشتہاری تھا اور وہ آسمانی تھا۔ اب یہ طاعون بھی اشتہاری ہے اور یہ زمینی ہے۔ اگر آج سے ایک ہزار برس پیشتر تک کی تواریخ پنجاب دیکھتے جاؤ تو جیسی طاعون اب ہے اس کی نظیر نہ ملے گی ابھی تو اس کے پاؤں جمے ہیں۔ اگر یہ سرسری ہوتی تو اس کا دورہ ختم ہو جاتا۔ موت اور خوف بھی خدا تعالیٰ کے رعب کا نظارہ ہے اور اصلاح کا وقت ہے ہر ایک قسم کی قبیح رسم خود بخود دور ہو جائے گی۔ ابھی تو کارروائی شروع ہے کسی کا قول ہے ۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا[1]

۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

خود نماز جنازہ پڑھانا

حضور علیہ السلام نے جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کیا۔ بعد ادائے جمعہ، نماز جنازہ ایک احمدی بھائی مرحوم کی حضرت اقدس نے پڑھائی۔

ایک الہام

عصر کے وقت تشریف لا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
یہ الہام ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور عجیب اور مبشر فقرہ تھا۔ وہ یاد نہیں رہا۔
یُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَآءِ[2]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء [2] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء

۱۳ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

ایک ہندو تاجر کی حضرت اقدسؑ سے عقیدت

عصر کے وقت نماز سے پیشتر ایک ہندو صاحب سوداگر پارچہ امرتسری نے آکر حضرت اقدس سے نیاز مندانہ طور پر نیاز حاصل کیا اور استفسار پر اس نے جواب دیا کہ ہم امرتسر میں ایک بڑے سوداگر ہیں۔ اس طرف تمام علاقہ میں ہماری دوکان سے کپڑا آتا ہے میں اپنی آسامیوں سے روپیہ وصول کرنے آیا تھا میرے بھائی نے کہا تھا کہ حضور کی قدم بوسی کرتا آؤں۔

پھر عصر کی نماز ہوئی اور ہندو صاحب الگ ایک گوشہ میں بیٹھے رہے۔ بعد نماز وہ پھر نیاز حاصل کرکے اور دست بوسی کرکے رخصت ہوئے۔

بجلی چمکنے کی تعبیر

مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا جس میں انہوں نے بجلی دیکھی تھی۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

شائد کوئی تیس برس کا عرصہ گزرا ہوگا کہ میں نے بھی ایک خواب دیکھا کہ اب جس مقام پر مدرسہ کی عمارت ہے وہاں بڑی کثرت سے بجلی چمک رہی ہے بجلی چمکنے کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ وہاں آبادی ہوگی۔[1]

۱۴ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ظہر کے وقت حضرت اقدس (علیہ السلام) تشریف لائے تو لاہور اور برما سے آئے ہوئے احباب نے نیاز حاصل کیا۔

دانت درد کا علاج

ایک صحابی کے دانت میں سخت درد تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

اس کے لئے مجرب علاج یہ ہے کہ ایک بوٹی بنام کارابارا نہر کے کنارے ہوتی ہے بارہا آزمایا ہے کہ جب اسے لے کر منہ میں رکھا اور چبایا اور اس کا اثر دانت پر پہنچا کیسا ہی سخت درد کیوں

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء

نہ ہو آرام آجاتا ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کارا بارا اور کاربالک ایک ہی شئے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

یہ عربی لفظ قَلَعَ وَبَرَا ہوگا نہ کہ کاربالک

قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ

مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک شہادت پر گورداسپور جانا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں یہاں سے باہر جانا نہیں چاہتا مگر اب تو اللہ تعالیٰ لے چلا ہے خود تو میں نہیں جاتا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ یہی تو ہے۔

طاعون کا علاج

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :۔

اس کے لئے جونک کا لگوانا اور زیادہ مقدار میں مگنیشیا کا جلاب دے کر پھر کیوڑہ اور نربسی وغیرہ مصفی خون ادویہ کا استعمال کرنا بہت مفید اور مجرب ہے کیونکہ اس میں خونی و سوداوی مواد ہوتے ہیں۔ یہ ان دونو کا علاج ہے[1]

۱۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

سردرد اور متلی کا علاج

نماز مغرب ادا فرما کر حضرت اقدس تشریف لے جانے لگے تو مفتی محمد صادق صاحب نے سر درد اور متلی وغیرہ کی شکایت کی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

آج شب کو کھانا نہ کھانا اور کل روزہ نہ رکھنا۔ سکنجبین پی کر اس سے قے کردو

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۹ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء

صفائی رکھنے کی تاکید

پھر مفتی صادق صاحب کے مکان کی نسبت دریافت کر کے فرمایا کہ :۔
اس کے مالکوں کو کہو کہ روشندان نکال دیں اور آج کل گھروں میں خوب صفائی رکھنی چاہئے کپڑوں کو بھی ستھرا رکھنا چاہئے۔ آج کل دن بہت سخت ہیں اور ہوا زہریلی ہے اور صفائی رکھنا تو سنت ہے۔ قرآن شریف میں بھی لکھا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر : ۶۵)

(یہ کلام حضرت کا ہم نے بالواسطہ سن کر لکھا ہے۔ (ایڈیٹر)

بیعت کے ساتھ عملِ صالح ضروری ہے

بعد از مغرب

تین اشخاص نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی بعد بیعت آپ نے مبائعین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

آدمی کو بیعت کر کے صرف یہی نہ ماننا چاہئے کہ یہ سلسلہ حق ہے اور اتنا ماننے سے اسے برکت ہوتی ہے آج کل بلا کا زمانہ ہے طاعون ہر طرف پھیل رہی ہے صرف ماننے سے اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوتا جب تک عمل اچھے نہ ہوں۔ کوشش کرو کہ جب اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہو تو نیک بنو۔ متقی بنو۔ ہر ایک بدی سے بچو۔ یہ وقت دعاؤں سے گذارو۔ رات اور دن تضرع میں لگے رہو جب ابتلا کا وقت ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب بھی بھڑکا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں دعا۔ تضرع۔ صدقہ خیرات کرو۔ زبانوں کو نرم رکھو۔ استغفار کو اپنا معمول بناؤ۔ نمازوں میں دعائیں کرو۔ مثل مشہور ہے کہ منتیں کرتا ہوا کوئی نہیں مرتا۔ نرا ماننا انسان کے کام نہیں آتا اگر انسان مان کر پھر اسے پس پشت ڈال دے تو اسے فائدہ نہیں ہوتا پھر اسکے بعد یہ شکایت کرنی کہ بیعت سے فائدہ نہیں ہوا بے سود ہے۔ خدا تعالیٰ صرف قول سے راضی نہیں ہوتا۔

عملِ صالح کی تعریف

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی رکھا ہے عمل صالح اسے کہتے ہیں جس میں ایک ذرہ بھر فساد نہ ہو۔ یاد رکھو کہ انسان کے عمل پر ہمیشہ چور پڑا کرتے ہیں وہ

کیا ہیں۔ ریا کاری (کہ جب انسان دکھاوے کے لئے ایک عمل کرتا ہے) عُجب (کہ وہ عمل کر کے اپنے نفس میں خوش ہوتا ہے) اور قسم قسم کی بد کاریاں اور گناہ جو اس سے صادر ہوتے ہیں۔ ان سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ عمل صالح وہ ہے جس میں ظلم۔ عجب۔ ریا۔ تکبر اور حقوق انسانی کے تلف کرنے کا خیال تک نہ ہو جیسے آخرت میں انسان عمل صالح سے بچتا ہے۔ ویسے ہی دنیا میں بھی بچتا ہے اگر ایک آدمی بھی گھر بھر میں عمل صالح والا ہو تو سب گھر بچا رہتا ہے۔ سمجھ لو کہ جب تک تم میں عمل صالح نہ ہو۔ صرف ماننا فائدہ نہیں کرتا۔ ایک طبیب نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ لے کر اسے پیوے اگر وہ ان دواؤں کو استعمال نہ کرے اور نسخہ لے کر رکھ چھوڑے تو اسے کیا فائدہ ہو گا۔

استغفار کی ضرورت

اب اس وقت تم نے توبہ کی ہے اب آئندہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس توبہ سے اپنے آپ کو تم نے کتنا صاف کیا اب زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ تقویٰ کے ذریعہ سے فرق کرنا چاہتا ہے۔ بہت لوگ ہیں کہ خدا پر شکوہ کرتے ہیں اور اپنے نفس کو نہیں دیکھتے انسان کے اپنے نفس کے ظلم ہی ہوتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کو گناہ کی خبر ہوتی ہے اور بعض ایسے کہ ان کو گناہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے استغفار کا التزام کرایا ہے کہ انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا ہو اسے علم ہو یا نہ ہو اور ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔ آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف : ۲۴) یہ دعا اول ہی قبول ہو چکی ہے غفلت سے زندگی بسر مت کرو جو شخص غفلت سے زندگی نہیں گذارتا ہرگز امید نہیں کہ وہ کسی فوق الطاقت بلا میں مبتلا ہو کوئی بلا بغیر اذن کے نہیں آتی جیسے مجھے یہ دعا الہام ہوئی رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ۔

سب اس کے ہاتھ میں ہے

یہاں تک آپ نے تقریر فرمائی تھی کہ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب گورداسپور سے آگئے اور حالات سفر سناتے رہے۔ سفر میں ہر قسم کے عوارض اور شکایت سے محفوظ رہنے پر

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ہمارا ایمان ہے کہ سب اس کے ہاتھ میں ہے خواہ اسباب سے کرے خواہ بلا اسباب۔[1]

۱۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

طاعون اور مخالفین کا ایک عذر

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس کچھ عرصہ بیٹھے رہے اور ایک شخص طاعون کے حالات سناتا رہا کہ جب لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ تم مسیح موعود کو مان لو تو اس سے محفوظ رہو گے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کو کیوں نہ مانیں جو اس کے ایک بندے کو جا کر مانیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ابو جہل اور اسکے ساتھی بھی یہی کہا کرتے تھے۔

آئینہ کمالاتِ اسلام کا اثر ایک عرب پر

ظہر کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب نے جناب ابو سعید عرب صاحب تاجر برنج رنگون برما کے حالات حضرت کو سنائے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ اول اول عرب صاحب ایک بڑے آزاد مشرب اور نیچریت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے پھر کتاب آئینہ کمالات اسلام کسی طرح ان کی نظر سے گزری تو اس نے اس سلسلہ کی طرف توجہ دلائی اور حقیقت اسلام ان پر منکشف ہوئی۔ حضرت صاحب پھر خود عرب صاحب سے ان کے حالات دریافت کرتے رہے اور پوچھا کہ آپ کتنے دن تک رہ سکتے ہیں۔ عرب صاحب نے بیان کیا کہ میں نے کلکتہ سے سیکنڈ کلاس کا واپسی کا ٹکٹ لیا ہے جس کی میعاد جنوری ۱۹۰۳ء تک ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

میری بڑی خوشی ہے کہ آپ اس دن تک ٹھہریں جب تک کہ ٹکٹ اجازت دیتا ہے۔

اس پر عرب صاحب نے بڑی نیازمندی سے عرض کی کہ کرایہ کی فکر نہیں میں زیادہ بھی ٹھہر سکتا ہوں۔ پھر عرب صاحب اپنی مذہبی زندگی کی کیفیت حضرت اقدس کو سناتے رہے کہ میں اس مشرب کا آدمی تھا کہ خدا کے وجود پر بھی ایمان نہ تھا یہی خیال تھا کہ کھانا ہے اور کمانا ہے۔ آئینہ کمالات اسلام نے آخر اس غلطی سے نجات دے کر حضور کی محبت کا تخم دل میں جمایا۔ اس پر

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۱ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

حقیقی لذّات خُدا میں ہیں

خدا ہی کی تلاش کرو۔ حقیقی لذت خدا ہی میں ہے۔ جو لذات اس دنیا سے لے جاوے گا وہی اس کے ساتھ رہیں گے۔ ایک دہریہ جب مرے گا تو اسے یہی خیال ہو گا کہ میں وہیں ہوں اور صرف جسم جدا ہوا ہے اس کو حسرت ہی حسرت رہے گی۔ جسم کے اندھے اچھے ہیں اور قابل رحم ہیں بہ نسبت اس کے کہ دل کے اندھے ہوں۔ سید احمد خان نے تفریط کی راہ لی۔ اور ان (وہابیوں) نے افراط کی طرح طرح کی بدنما باتیں پیش کیں۔ انسان ان کو کہاں تک قبول کرتا۔ کوئی راہ تسلی اور سکینت کی نہ تھی۔ کہ انسان مانتا۔

دین کا سارا حصہ ایسا نہیں ہوتا کہ انسان اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ ایک حصہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود خدا سمجھا دے۔ پھر جو سمجھنے والے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں بٹھاتا جاتا ہے۔ انسان کو پوری سعادت تک پہنچانے کے واسطے خدا تعالیٰ نے اور حواس رکھے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر دین کو انسان سمجھ نہ سکتا اور اس وقت میں حقیقی طور پر انسان خدا پر ایمان لاتا ہے۔ خدا پر ایمان اس کا ہے جسے خدا نے ہی ایمان دیا ہو برہمو کی طرح زمین اور آسمان کو دیکھ کر پھر خدا کی ضرورت کو ماننا تو گویا اپنی طرف سے ایک خدا تجویز کرنا ہے اور اس طرح سے گویا خود انسان کا احسان خدا پر ہے کہ اس نے خدا کا پتہ لگایا۔ اصل میں اس روز سے انسان کو سچی زندگی حاصل ہوتی ہے جس دن سے وہ خدا پر احسان نہیں رکھتا بلکہ خدا کا اپنے اوپر احسان مانتا ہے کہ اس نے خود اپنے وجود سے اسے خبر دی اور اسی دن سے سفلی زندگی سے انسان کو نجات حاصل ہوتی ہے جس دن خدا کہے کہ میں غالب ہوں اور اس دن سے وہ ترک گناہ پر قادر ہو گا۔ یہی وہ سلسلہ ہے جس سے انسان کو کامل یقین خدا پر حاصل ہوتا ہے مگر ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا میں بھی ہر ایک شخص انعام و اکرام کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام بھی خواص پر ہوتے ہیں۔

ایک چینی قیافہ شناس کی گواہی

عرب صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک چینی آدمی کے روبرو میں نے آپ کی تصویر کو

پیش کیا وہ بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ آخر بولا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے پھر میں نے اور تصاویر بعض سلاطین کی پیش کیں مگر ان کی نسبت اس نے کوئی مدح کا کلمہ نہ نکالا اور بار بار آپ کی تصویر کو دیکھ کر کہتا رہا کہ یہ شخص ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں۔

طاعون کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہے

نماز مغرب کے بعد طاعون کا ذکر ہوا فرمایا کہ:۔

اب اس کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہے عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ (الہام حضرت اقدسؑ) اور اب یہ آیت بالکل صادق آگئی ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا (بنی اسرائیل : ۵۹) یعنی ہم کوئی گاؤں نہ چھوڑیں گے کہ اس کو ہلاک نہ کریں۔ اسی طرح اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارے ہاں طاعون نہیں آئی اور جہاں اب تک نہیں آئی تو آخر آنے والی ہے[1]

۱۷ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

علو اور تکبر سے مراد

نماز فجر سے پیشتر حضور علیہ السلام نے تھوڑی دیر مجلس فرمائی اور اِنِّیْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا وَاسْتَكْبَرُوْا[2] کے متعلق فرمایا کہ

اس میں علو اور تکبر سے یہ مراد نہیں ہے کہ مال و وجاہت کا تکبر ہو بلکہ ہر ایک شخص جو کہ عاجزی اور تذلل سے خدا کے سامنے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتا اور اس کے احکام کو نہیں مانتا وہ اس میں داخل ہے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔

جماعت کو نیک اور پاک تبدیلی پیدا کرنے کی نصیحت

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو نواب صاحب نے طاعون پر

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء

[2] پہلے الہام کے الفاظ اِسْتَكْبَرُوْا کی بجائے مِنِ اسْتَكْبَارٍ آچکے ہیں۔ (مرتب)

کچھ ذکر کیا جس پر حضور نے ذیل کی تقریر فرمائی۔

ہماری جماعت کو واجب ہے کہ اب تقویٰ سے کام لے اور اولیاء بننے کی کوشش کرے۔ اس وقت زمینی اسباب کچھ کام نہ آوے گا اور نہ منصوبہ اور حجت بازی کام آئے گی۔ دنیا سے کیا دل لگانا ہے اور اُس پر کیا بھروسہ کرنا ہے یہ ہی امر غنیمت ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح کی جائے اور اس کا یہی وقت ہے۔ ان کو یہی فائدہ اٹھانا چاہئے کہ خدا سے اسی کے ذریعہ سے صلح کرلیں۔ بہت مرضیں ایسی ہوتی ہیں کہ دلالہ کا کام کرتی ہیں اور انسان کو خدا سے ملا دیتی ہیں۔ خاص ہماری جماعت کو اس وقت وہ تبدیلی یک مرتبہ ہی کرنی چاہئے جو کہ اس نے دس برس میں کرنی تھی اور کوئی جگہ نہیں ہے جہاں ان کو پناہ مل سکتی ہے اگر وہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے دعائیں کریں تو ان کو بشارتیں بھی ہو جائیں گی۔ صحابہ ؓ پر جیسے سکینت اتری تھی ویسے ان پر اترے گی صحابہؓ کو انجام تو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا ہوگا مگر دل میں یہ تسلی ہو جاتی تھی کہ خدا تعالیٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔

دراصل سکینت اسی تسلی کا نام ہے۔ جیسے میں اگر طاعون زدہ ہو جاؤں اور گلے تک میری جان آجائے تو مجھے ہرگز یہ وہم نہیں ہوگا کہ میں ضائع ہو جاؤں گا اس کی کیا وجہ ہے؟ صرف وہی تعلق جو میرا خدا کے ساتھ ہے وہ بہت قوی ہے انسان کے لئے ٹھیک ہونے کا یہ مفت کا موقع ہے راتوں کو جاگو۔ دعائیں کرو۔ آرام کرو (لیکن) جو کسل اور سستی کرتا ہے وہ اپنے گھر والوں اور اولاد پر ظلم کرتا ہے کیونکہ وہ تو مثل جڑھ کے ہے اور اہل و عیال اس کی شاخیں ہیں۔ تھوڑے ابتلا کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے لکھا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت:۳)

ابتلاؤں کی غرض

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف تو مکہ میں فتح کی خبریں دی جاتی تھیں اور ایک طرف ان کو جان کی بھی خیر نظر نہ آتی تھی اگر نبوت کا دل نہ ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔ یہ اسی دل کا حوصلہ تھا۔ بعض ابتلا صرف تبدیلی کے واسطے ہوتے ہیں۔ عملی نمونے ایسے اعلیٰ درجے کے ہوں کہ ان سے تبدیلیاں ہوں اور ایسی تبدیلی ہو کہ خود انسان محسوس کرے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو کہ پہلے تھا بلکہ میں ایک اور انسان ہوں۔ اس وقت خدا تعالیٰ کو راضی کرو حتیٰ کہ تم کو بشارتیں ہوں۔ کل لکھتے ہوئے ایک پرانا الہام نظر پڑا اَيَّامُ غَضَبِ اللّٰهِ غَضِبَتْ غَضَبًا شَدِيْدًا نُنْجِيْ اَهْلَ السَّعَادَةِ یہاں اہل سعادت سے مراد وہ شخص ہے جو عملی طور پر صدق دکھلاتا ہے خالی زبان تک ایمان کا ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے صحابہؓ نے صدق دکھلایا کہ ہتھیلی پر جانیں

رکھ لیں۔ اور بال بچوں تک کو قربان کیا مگر ہم آج ایک شخص کو اگر کہیں کہ سو کوس چلا جا تو وہ عذر کرتا ہے حتیٰ کہ آبرو عزت کا معاملہ پیش کرتا ہے اور کاروبار کا ذکر کرتا ہے کہ کسی طرح جانے سے رہ جائے مگر انہوں (صحابہؓ) نے جان' مال' آبرو' عزت سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں آفت آئی حالانکہ ہم نے بیعت کی تھی مگر ہم نے بارہا جماعت کو کہا ہے کہ نری بیعت اور صرف زبان سے ماننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چاہئے کہ خدا میں گداز ہو کر ایک نیا وجود بن جائے' سارا قرآن دیکھو کہ کہیں بھی صرف اٰمَنُوْا نہیں لکھا ہے ہر جگہ عمل صالح کا ساتھ ہی ذکر ہے۔ غرضیکہ خدا ایک موت چاہتا ہے اور میرا تجربہ ہے کہ خدا مومن پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں کرتا کہ ایک موت تو اسکی خدا کے واسطے ہو اور دوسری دنیا کی لعن طعن کے واسطے۔ ایسے نازک وقت میں چاہئے کہ جماعت سمجھ جائے اور ایک تیر کی طرح سیدھی ہو جائے۔ اگر ہزاروں آدمی بھی طاعون سے مرجائیں تو میں ہرگز خدا کو ملزم نہ کروں گا اور یہی کہوں گا کہ انہوں نے احسان کا پہلو چھوڑ دیا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبہ:۱۲۰)

بعض خوابوں کی تعبیرات

بوقت عشاء ایک شخص نے بیعت کی چند ایک احباب نے اپنے اپنے خواب سنائے جس میں سے ایک خواب یہ تھا کہ حضرت اقدس ہاتھی پر سوار ہیں اور وہ آپ کے حکم میں چلتا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

جو ہاتھی میں نے خواب میں دیکھا تھا اس کی بھی ایسی ہی حالت تھی اور اس سے مراد طاعون ہے کہ ہم اس پر سوار ہیں۔

ایک دوست نے خواب میں بیستی روٹی دیکھی اس کی تعبیر میں فرمایا کہ :۔

اس سے مراد کچھ تکلیف ہے[1]

۱۸ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

الہامات

بوقت ظہر حضرت اقدس اپنے الہامات کی تکرار فرماتے رہے جو کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ترقی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء

کی نسبت تھے اور فرمایا کہ:۔
یہ بھی ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ مگر وہ وقت ابھی نہیں آیا۔

سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے

ابو سعید عرب صاحب آمدہ از رنگون نے عرض کی کہ ایک صاحب برما میں کہتے تھے کہ اگر میرزا صاحب صرف قرآن کی تفسیر لکھیں اور اپنے دعاوی کا ذکر اس میں ہرگز نہ کریں تو میں بہت سا روپیہ صرف کر کے اسے طبع کروا سکتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے ابتدا ہی میں ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ:۵ تا ۷)
اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کون سا فرقہ تھا تمام فرقے اسلام کے اس پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی ہو جائے گی تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہو گا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے۔

متفرق امور

مغرب کی نماز ادا فرما کر حضور تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے آکر ایک صحابی کو فرمایا کہ:۔
اللواء پر جو مضمون لکھا ہے وہ مطبع میں چلا گیا ہے ایک دو کاپیاں نکلیں تو آپ کو دکھا دیں گے۔

شفقت کا نمونہ

ایک صاحب کے دانت میں درد تھا اس کے لئے حضرت اقدس نے کارابارا (ایک بوٹی) منگوائی تھی وہ اندر مکان میں تھی جناب میر صاحب نے کہا کہ ان کے دانت میں درد ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
میں ابھی جا کر وہ سب بوٹی لا دیتا ہوں
مریض نے کہا حضور کو زحمت ہو گی حضرت اقدس نے اس پر تبسم فرمایا اور کہا کہ
یہ کیا تکلیف ہے

اور اسی وقت اندر جا کر حضور وہ رومال لے آئے جس میں وہ بوٹی تھی اور مریض کے حوالہ کی۔

لوہے کی قلم اور تلوار

اصحاب میں سے ایک نے عرض کی کہ آیت لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید : ۲۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ حدید نے اپنا فعل باس شدید کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کہ اس سے سامان جنگ وغیرہ تیار ہو کر کام آتا تھا مگر اس کے فعل مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کا وقت یہ مسیح اور مہدی کا زمانہ ہے کہ اس وقت تمام دنیا حدید (لوہے) سے فائدہ اٹھا رہی ہے (جیسا کہ ریل' تار' دخانی جہاز' کارخانوں اور ہر ایک قسم کے سامان لوہے سے ظاہر ہے)

حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ :-

میں بھی سارے مضمون لوہے کے قلم ہی سے لکھتا ہوں۔ مجھے بار بار قلم بنانے کی عادت نہیں ہے۔ اس لئے لوہے کے قلم استعمال کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے سے کام لیا ہم بھی لوہے ہی سے لے رہے ہیں اور وہی لوہے کی قلم تلوار کا کام دے رہی ہے۔

(حضرت اقدس جس قلم سے لکھا کرتے ہیں وہ ایک خاص قسم کا ہوتا ہے جس کی نوک آگے سے داہنی طرف کو مڑی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی شکل تلوار کی سی ہوتی ہے۔ ایڈیٹر)

---

۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

الہام

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آج یہ الہام ہوا ہے :-

اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْ

اپنا نمونہ ٹھیک بناویں

بعد ادائے نماز خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک خواب سنائی جس میں دیکھا کہ زلزلہ آیا

ہوا ہے۔

فرمایا کہ :۔

یہی طاعون زلزلہ ہے۔ میں جماعت کو کہتا ہوں کہ یہ قیامت ہے جو آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے گا مگر صرف اتنی بات پر خوش نہ ہوں کہ بیعت کی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اٰمَنُوْا کے ساتھ عمل صالح کی تاکید ہے۔ اگر بعض آدمی جماعت میں سے ایسے ہوں کہ جن کو خدا کی پروا نہیں اور اس کے احکام کی عزت نہیں کرتے تو ایسے آدمیوں کا ذمہ دار نہ خدا ہے اور نہ ہم۔ ان کو چاہئے کہ اپنا اپنا نمونہ ٹھیک بناویں زلزلہ تو آرہا ہے۔

بعد نماز مغرب

تین رؤیا

حضور نے اپنی تین رؤیاء سنائیں جو کہ آپ نے پے در پے دیکھی تھیں۔

(اول) کہ ایک شخص نے ایک روپیہ اور پانچ چھوہارے رؤیاء میں دیئے۔ اس کے بعد پھر غنودگی ہوئی تو دیکھا کہ تریاق القلوب کا ایک صفحہ دکھایا گیا ہے جس پر عَلٰی شُکْرِ الْمَصَائِبِ لکھا ہوا ہے جس کے یہ معنے ہوئے کہ ھٰذِہٖ صِلَۃٌ عَلٰی شُکْرِ الْمَصَائِبِ۔ گویا یہ روپیہ اور چھوہارے شکر المصائب کا صلہ ہے۔ تیسری دفعہ پھر کچھ ورق دکھائے گئے جن پر بیٹوں کے بارے میں کچھ لکھا ہوا تھا اور جو اس وقت یاد نہیں۔

الہامی دُعائیں واحد متکلم کے صیغہ کو بصورت جمع پڑھنا

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا جس میں سوال تھا کہ دعا الہامیہ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کو صیغہ جمع متکلم میں پڑھ لیا جائے یا نہ۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اصل میں الفاظ تو الہام کے یہی ہیں (یعنی واحد متکلم) اب خواہ کوئی کسی طرح پڑھ لیوے۔ قرآن مجید میں دونو طرح دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ واحد کے صیغہ میں بھی جیسے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (نوح : ۲۹)

اور جمع کے صیغہ میں بھی جیسے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(البقرہ : ۲۰۲) اور اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے جیسے اس ہماری الہامی دعا میں فَاحْفَظْنِیْ سے یہی مراد نہیں ہے کہ میرے نفس کی حفاظت کر بلکہ نفس کے متعلقات اور جو کچھ لوازمات ہیں سب ہی آجاتے ہیں۔ جیسے گھر بار، خویش و اقارب۔ اعضاء و قویٰ وغیرہ۔

ایک عیسائی کمیٹی کے نزدیک مسیح کے ظہور کا یہی وقت ہے

مفتی محمد صادق صاحب ولایت کی ایک عیسائی کمیٹی کا ایک مضمون سناتے رہے جس میں مسیح کی دوبارہ آمد پر بہت کچھ لکھا تھا کہ وقت تو یہی ہے سب نشان پورے ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی نہ آیا تو پھر قیامت تک نہ آوے گا۔

اس مضمون کو سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اس نے بعض باتیں بالکل صاف اور سچی لکھی ہیں اور اس نے ضرورت زمانہ کو اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ بے شک اب ایک تختہ الٹنے لگا ہے اور دوسرا تختہ شروع ہو گا جس طرح یہ لوگ اس زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں بلکہ اکثر ان کے انتظار کے بعد اب بے امید بھی ہو گئے ہیں اور اکثروں نے تاویلوں سے آمد ثانی کے معنے ہی اور کر لئے ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق تمام پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور زمانہ کی نازک حالت ایک ہادی کو چاہتی ہے۔ اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق بھی یہی وقت ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ کل اہل مکاشفات اور ملہمین کے کشوف اور الہام اور رؤیاء مسیح کے بارے میں چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتے۔

مولوی مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑ دیں گے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور اب تو مولوی لوگوں نے وہ خطبے وغیرہ پڑھنے چھوڑ دیئے ہیں جن سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اب تو وہ نام بھی نہ لیں گے اور اگر کوئی ذکر کرے تو کہیں گے کہ مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑو۔[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء

۲۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

عصر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو فرمایا کہ:۔

اخبار عام میں ان مقدموں کے حالات شائع ہو گئے ہیں اور ہمارے مقدمہ کو کھول کر نہیں بیان کیا بلکہ دبی زبان سے بیان کیا ہے۔ پھر ذکر کیا کہ یہ الہام یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَکَ۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفُوْا عِرْضَکَ۔ اس کی ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ ان واقعات کے متعلق ہیں تخطیف کے معنے اچک کر لے جانا ہے۔

قادیان کے اخبارات کی افادیت

قادیان کے اخباروں کے متعلق فرمایا کہ:۔

یہ بھی وقت پر کیا کام آتے ہیں۔ الہامات وغیرہ جھٹ چھپ کر ان کے ذریعہ شائع ہو جاتے ہیں ورنہ اگر کتابوں کی انتظار کی جاوے تو ایک ایک کتاب کو چھپنے میں کتنی دیر لگ جاتی ہے اور اس قدر اشاعت بھی نہ ہوتی۔

یورپ میں بے دینی پھیلے گی

عشاء سے قبل یورپ کی لامذہبی کے متعلق فرمایا کہ :۔

عیسائی مذہب کی عمارت تو گرنی شروع ہو گئی ہے عنقریب سوائے پادریوں کے اور سب لا مذہب کہلائیں گے[1]

۲۱ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اعتکاف کے متعلق بعض ہدایات

مغرب اور عشاء کے درمیان مجلس فرمائی۔ ڈاکٹر عباداللہ صاحب امرتسری اور خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر (جو دونو معتکف تھے) ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

اعتکاف میں یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اندر ہی بیٹھا رہے اور بالکل کہیں آئے جائے ہی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ صفحہ ۷۴ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

نہ۔ (مسجد کی) چھت پر دھوپ ہوتی ہے وہاں جا کر آپ بیٹھ سکتے ہیں کیونکہ نیچے یہاں سردی زیادہ ہے اور ضروری بات کر سکتے ہیں۔ ضروری امور کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور یوں تو ہر ایک کام (مومن کا) عبادت ہی ہوتا ہے۔

تلوار کا استعمال صرف دفاع کی خاطر تھا

پھر جہاد کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

اب تلوار سے کام لینا تو اسلام پر تلوار مارنا ہے اب تو دلوں کو فتح کرنے کا وقت ہے اور یہ بات جبر سے نہیں ہو سکتی۔ یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تلوار اٹھائی بالکل غلط ہے تیرہ برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام صبر کرتے رہے پھر باوجود اس کے کہ دشمنوں کا تعاقب کرتے تھے مگر صلح کے خواستگار ہوتے تھے کہ کسی طرح جنگ نہ ہو اور جو مشرک قومیں صلح اور امن کی خواستگار ہوتیں ان کو امن دیا جاتا اور صلح کی جاتی۔ اسلام نے بڑے بڑے پیچوں سے اپنے آپ کو جنگ سے بچانا چاہا ہے جنگ کی بنیاد کو خود خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ بہت مظلوم ہیں اور ان کو ہر طرح دکھ دیا گیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ اجازت دیتا ہے کہ یہ بھی ان کے مقابلہ میں لڑیں۔ ورنہ اگر تعصب ہوتا تو یہ حکم پہنچتا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ دین کی اشاعت کے واسطے جنگ کریں لیکن ادھر حکم دیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:۲۵۷) یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے اور ادھر جب غایت درجہ کی سختی اور ظلم مسلمانوں پر ہوئے تو پھر مقابلہ کا حکم دیا۔

کمالات مجاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں نہ کسی کے خون سے

دین اسلام ایسا دین ہے کہ اگر خدا ہمیں عمر اور فرصت دے تو چند ایام میں ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا میٹھا اور بہترین دین ہے۔ کمالات تو انسان کو مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں مگر جن کو سہل نسخہ مسیح کے خون کا مل گیا وہ کیوں مجاہدات کریں گے۔ اگر مسیح کے خون سے کامیابی ہے تو پھر انکے لڑکے امتحان پاس کرنے کے واسطے کیوں مدرسوں میں محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں چاہئے کہ وہ صرف مسیح کے خون پر بھروسہ رکھیں اور اسی سے کامیاب ہوویں اور کوئی محنت نہ کریں اور مسلمانوں کے بچے محنتیں کر کر کے اور ٹکریں مار مار کر پاس ہوں۔ اصل بات یہ ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم : ۴۰) اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب اپنے نفس کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے فسق و فجور وغیرہ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر وہ یقین کی حالت

پر پہنچ کر ان کو صیقل کر سکتا ہے لیکن جب خون مسیح پر مدار ہے تو مجاہدات کی کیا ضرورت ہے ان کی جھوٹی تعلیم سچی ترقیات سے روک رہی ہے۔ سچی تعلیم والا دعائیں کرتا ہے کوششیں کرتا ہے آخر دوڑتا دوڑتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہوا منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ جب یہ بات ان کو سمجھ آئے گی کہ یہ سب باتیں (خون مسیح پر بھروسہ) قصہ کہانی ہیں اور ان سے اب کوئی آثار اور نتائج مرتب نہیں ہوتے اور ادھر سچی تعلیم کی تخم ریزی کے ساتھ برکات ہوں گی تو یہ لوگ خود سمجھ لیں گے انسان کھیتی کرتا ہے اس میں بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک ملازم ہے تو اسے بھی محنت کا خیال ہے غرضیکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر کوشش میں لگا ہے اور سب کا ثمو کوشش پر ہی ہے۔ سارا قرآن کوشش کے مضمون سے بھرا پڑا ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ[1] (النجم : ۴۰) ان لوگوں کو جو ولایت میں خون مسیح پر ایمان لا کر بیٹھے ہیں کوئی پوچھے کہ کیا حاصل ہوا۔ مردوں یا عورتوں نے خون پر ایمان لا کر کیا ترقی حاصل کی۔ یہ باتیں ہیں جو بار بار ان کے کانوں تک پہنچانی چاہئیں یہ قصہ جھوٹا ہے کہ خدا پیٹ میں رہا۔ پھر اسے خسرہ وغیرہ نکلا ہو گا۔ طفولیت کے عالم میں ماں بھی کوئی دھول دھپا مار بیٹھی ہو گی۔ لڑکوں میں کھیلتا ہو گا وہاں بھی مار کھاتا ہو گا۔ اب اس نظارہ کو کوئی دیکھے کہ بڑا ہو کر بھی مار کھاتا رہا اور چھوٹا تھا تو بھی طمانچے پڑتے رہے[2]

۲۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

بوقت ظہر

حقیقی طاعون

طاعون کے ذکر پر فرمایا :۔

بعض طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تک سرسام اور غشی نہ ہو تو صرف گلٹی کے ساتھ

---

[1] الحکم سے :۔

مجاہدات پر اللہ تعالیٰ کی راہیں کھلتی ہیں اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے جیسے فرمایا :۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (الشمس : ۱۰) اور وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰)

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ ص ۱۰ مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] البدر جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۷۴۔۷۵ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

جو بخار ہوتا ہے اس سے اگر کوئی مرجائے تو اس کا نام طاعون نہیں بلکہ خاص طاعون کے دنوں میں یہ مرض مشابہ بالطاعون ہوا کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی طاعون کا لفظ ایسی موتوں پر نہیں آسکتا جس میں صرف گلٹی اور بخار ہو۔ اور دوسرے علامات طاعون نہ ہوں۔

ایک اِلہام

پھر فرمایا کہ:۔

گزشتہ شب کو دو یا تین بجے یہ الہام ہوا اور بڑے زور سے ہوا

يَأْتِيْ عَلَيْكَ زَمَنٌ كَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰى

اتنے برس سے یہ سلسلہ ہمارا جاری ہے مگر یہ الہام کبھی نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر تیاری ہوئی ہے[1]

مسیح بمعنی سیاح

مولویوں کے احادیث پیش کرنے پر فرمایا کہ:۔

ان پر ایسا وثوق تو نہیں ہوتا جیسے کلام الٰہی پر کیونکہ خواہ کچھ ہی ہو، پھر بھی وہ مس انسان سے تو خالی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ جس کی تنقیہ کرتا جائے وہ صحیح ہوتا جائے گا۔ اگر احادیث میں نزول مسیح کا ذکر تھا تو دیکھئے قرآن شریف میں وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرۃ : ۸۸) موجود ہے جو کہ اصل حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ مولویوں نے اس بات کو نہیں سمجھا اور اور طرف دوڑتے رہے۔ مسیح کے معنے بہت سیر کرنے والا ہیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ جب وہ آسمان پر ہے تو اس نے سیر کہاں کی ہوگی اور لفظ مسیح کے معنے اس پر کیسے صادق آئیں گے۔ ایک طرف اسے آسمان پر بٹھاتے ہیں دوسری طرف سیاح کہتے ہیں تو اس کی سیاحت کا وقت کونسا ہوا[2]

---

[1] مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو طور پر لے جائے گا۔ شاید اس کا تعلق اس سے ہو۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

[2] مسیح کے ذکر کے سلسلہ میں الحکم میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔
فرمایا:۔ خدا تعالیٰ نے جیسے بنی اسرائیل میں ایک مسیح رکھا تھا اور اس کے لئے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرۃ ۸۸) فرمایا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

مسیح بن باپ پیدا ہوئے

مغرب و عشاء کے درمیان حضرت اقدس تشریف لائے تو مکرم ابو سعید عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح کی ولادت کے متعلق کیا بات ہے وہ بن باپ کس طرح پیدا ہوئے؟ حضرت اقدس نے جواباً فرمایا :-

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (البقرۃ : ۱۱۸) ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے اور قرآن شریف سے یہی ثابت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے واسطے ایک نشان تھے جو ان کی شامت اعمال سے اس رنگ میں پورا ہوا۔ زبور اور دوسری کتابوں میں لکھا تھا کہ اگر تم نے اپنی عادت کو نہ بگاڑا تو نبوت تم میں قائم رہے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ اپنی عادت کو بدل لیں گے۔ اور شرک و بدعت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے اپنی حالت کو بگاڑا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق یہ تنبیہی نشان ان کو دیا اور مسیح کو بن باپ پیدا کیا۔

بن باپ پیدا ہونے کا سرّ

اور بن باپ پیدا ہونے کا سر یہ تھا کہ چونکہ سلسلہ نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس طرح سے گویا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اسرائیلی خاندان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی کیونکہ وہ پورے طور سے اسرائیلی خاندان سے نہ رہے۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف : ۷) میں بشارت ہے۔ اس کے دو ہی پہلو ہیں یعنی ایک تو آپ کا وجود ہی بشارت تھا کیونکہ بنی اسرائیل کے خاندان سے نبوت کا خاتمہ ہو گیا دوسرے زبان سے بھی بشارت دی۔ یعنی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

علیہ وسلم کے سلسلہ میں بھی ایک مسیح رکھا ہوا تھا مگر مسلمانوں نے اس کو نہ سمجھا اور آسمان سے انتظار کرنے لگے۔

افسوس ہے کہ ان کو اتنی سمجھ نہ آئی کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس سے پائی جاتی ہے کہ مسیح اسرائیلی آوے۔ یا یہ کہ آپ ہی کی امت میں سے آوے یہاں بھی اسی طرح مسیح کا آنا ضروری تھا جیسے بنی اسرائیل میں ایک مسیح آیا۔

فرمایا:۔ براہین میں جو مسیح کی دوبارہ آمد کا ذکر کیا گیا اور پھر وہ تمام وعدے اور آیات میرے حق میں ہیں جو مسیح موعود کے لئے ہیں اور پھر میں اقرار کرتا ہوں کہ مسیح دوبارہ آئے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ بناوٹ کی راہ سے نہیں کیا گیا اور اس قسم کے واقعات تمام نبیوں کے واقعات میں پائے جاتے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

آپ کی پیدائش میں بھی بشارت تھی اور آپ کی زبانی بھی۔ انجیل میں بھی مسیح نے باغ کی تمثیل میں اس امر کو بیان کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مالک باغ کے بیٹے کی جگہ ٹھہرایا ہے۔ بیٹے کا محاورہ انجیل اور بائبل میں عام ہے۔ اسرائیل کی نسبت آیا ہے کہ اسرائیل فرزند من بلکہ نخست زادہ من است۔ آخر اس تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ بیٹے کے بعد وہ مالک خود آکر باغبانوں کو ہلاک کردے گا اور باغ دوسروں کے سپرد کر دے گا۔ یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ نبوت ان کے خاندان سے جاتی رہی۔ پس مسیح کا بن باپ پیدا ہونا اس امر کا نشان تھا۔

پھر سوال کیا گیا کہ مسیح کے بن باپ پیدا ہونے پر عقلی دلیل کیا ہے؟ فرمایا :-

آدم کے بن باپ پیدا ہونے پر کیا دلیل ہے اور عقلی امتناع بن باپ پیدا ہونے میں کیا ہے۔ عقل انسان کو خدا سے نہیں ملاتی بلکہ خدا سے انکار کراتی ہے۔ پکا فلسفی وہ ہوتا ہے جو خدا کو نہیں مانتا۔ بھلا آپ سوچ کر دیکھیں کہ اس بات میں عقل ہمیں کیا بتلاتی ہے کہ جو کچھ ہم بول رہے ہیں یہ کہاں جاتا ہے کیا کسی جگہ بند ہوتا ہے یا یونہی ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ عقل کے جس قدر ہتھیار ہیں وہ سب نکمے ہیں۔ مگر ہم خدا تعالیٰ کے وعدوں اور نشانوں کو دیکھتے ہیں تب یقین کرتے ہیں کہ خدا ہے۔ ایک فلسفی اگر بہت خوض اور تدبر کے بعد کوئی نتیجہ نکالے گا تو وہ صرف اس قدر کہ ایک خدا ہونا چاہئے مگر ہے اور ہونا چاہئے میں بہت بڑا فرق ہے مثلاً اگر ہم کہیں کہ اگر دو آنکھیں ہمارے آگے ہیں تو دو پیچھے کی طرف بھی ہونی چاہئیں تھیں تا کہ انسان پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا اور اگر کوئی دشمن پیچھے سے حملہ کرنا چاہتا تو وہ اپنی حفاظت کر سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پیچھے کی طرف آنکھیں نہیں ہیں۔ اسی طرح ہے اور ہونا چاہئے میں بہت فرق ہے۔ غرضیکہ عقل سے بالکل خدا تعالیٰ کا وجود ثابت نہیں ہو سکتا۔

عقل کی حیثیت

عرب صاحب نے کہا کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل کے خلاف نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا :-

یہ سچ ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ عقل بالکل نکمی شئے ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے روٹی کے ساتھ سالن کی۔ اس کے سہارے انسان کھانا خوب کھا لیتا ہے۔ ایسے ہی عقل ہے کہ اس سے (ذرا معرفت خدا) میں مزا آجاتا ہے ورنہ یوں (خالی) عقل اس میدان میں بڑی نکمی ہے۔ خدا کی معرفت دوسرے حواس سے ہے کہ اس میں یہ عقل کوئی کام نہیں کرتی۔ نہ تسلی دیتی ہے ایک

ناکارہ ہتھیار کی طرح ہے۔

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ہم تو مان لیں مگر دوسرے آدمی کو کیسے سمجھائیں کہ اور حواس ہیں؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

غیر کو ہم یہ جواب دیں گے کہ جو لوگ ایسی بات کے اہل ہیں ان کی صحبت میں رہو۔ پھر پتہ لگے گا کہ ان حواس کے علاوہ اور حواس بھی انسان کے اندر ہیں۔ خدا کی معرفت کا ان سے پتہ لگتا ہے اور بھی امور ہیں جن پر انسان ایمان لاتا ہے [1] مثلاً روح۔ ملائک۔ اب عقل ان کے متعلق کیا بتلا سکتی ہے۔ روح کے بقا اور ملائکہ کے متعلق کیا دلیل لاؤ گے۔ کوئی شئے ظاہری طور پر ثابت شدہ تو ہے نہیں۔ آپ ہی بتلاویں کہ خدا' روح' ملائک ان تین میں عقل نے کیا فیصلہ کیا ہے جو کچھ کیا ہے سب اٹکل ہے۔ اصل بات کوئی نہیں اگر کہو کہ علت العلل کے سلسلہ سے خدا کی معرفت تامہ ہوتی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ علت اور معلول کے سلسلہ کو تو دہریہ بھی مانتے ہیں۔ مگر پھر خدا کو نہیں مانتے۔ فلسفہ میں جو ذرا کچے رہتے ہیں وہ خدا کا نام لیتے ہیں ورنہ پکا فلسفی ضرور دہریہ ہوتا ہے۔

حکیم نورالدین صاحب نے اس مقام پر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجوسی لوگ اس دور تسلسل کو چرخہ اور زنجیر کہتے ہیں اور انہیں سے یہ مسئلہ لیا گیا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ہم تو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے وجود جیسا اور کوئی وجود روشن ہی نہیں ہے۔ اس مقام پر حکیم

---

[1] الحکم میں اس جگہ حواس کا مضمون یوں درج ہے

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان حواس کے ذریعہ ہم ان باتوں کو محسوس کرلیں جن کے لئے دوسرے حواس ہیں۔ کیا کان آنکھ کا کام دے سکتے ہیں یا زبان کانوں کا کام دے سکتی ہے پھر کس قدر غلطی ہے کہ اس امر پر زور دیا جائے۔ خدا شناسی کے لئے حواس اور ہیں اور ان کے ذریعہ ہی ان امور پر جو ان محسوسات سے ماوراء ہیں ایمان پیدا ہوتا ہے عقل مند ان چیزوں پر جیسے ملائک ہیں' خدا ہے' روح کا بقا ہے۔ ان پر عقلی دلائل تلاش نہیں کرتا بلکہ اس راہ سے ایمان لاتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے۔ فلاسفر صرف اٹکل بازی سے کام لیتے ہیں وہ قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں انکار کر دیتے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۲ مورخہ ۱۲۳ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

نورالدین صاحب نے عرض کی کہ ایک دہریہ کا یہ مقولہ ہے کہ خدا کی ایک ہستی ضرور ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گلاب کا پھول ہوتا ہے اور ایک اس کی جڑھ ہوتی ہے جس سے وہ پھول نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا تو بمثل جڑھ کے ہے اور ہم پھول ہیں مگر پھول جڑھ سے زیادہ عمدہ اور مفید ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم خدا سے افضل اور برتر ہیں دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اگر انکار ہو سکتا ہے تو مخلوق کے وجود کا ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ کی ذات کا تصرف ہر آن اس کے ہر ذرہ ذرہ پر اس قدر ہے کہ گویا اس کی ہستی کچھ شئے ہی نہیں اور بلا اس کے تصرف کے ہم نہ کچھ بول سکتے ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ جو طالب حق ہے وہ ہماری صحبت میں رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ایسی ہی ذات ہے جن صفات سے قرآن شریف میں لکھا ہے۔ ان صفات سے ہم اسے ثابت کر کے دکھا دیں گے۔ بڑی نادانی کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کی بات کو وہ دوسرے عالم کے حواس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک حواس دوسرے حواس کا کام نہیں لے سکتے مثلاً آنکھ ناک کا اور کان آنکھ کا کام نہیں دے سکتے۔ جب خارج میں یہ حالت ہے تو باطن میں وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ایک اور حواس ملتے ہیں۔ تب یہ اللہ تعالیٰ کو شناخت کر سکتا ہے۔ بجز اس کے ہرگز نہیں کر سکتا۔ ایک دہریہ سے یہ سوال ہے کہ قبل از وقت طاقت اور اقتدار سے بھری ہوئی پیشگوئیاں جو ہم کرتے ہیں یہ کہاں سے ہوتی ہیں؟

اگر کہو یہ کوئی علم ہی ہے تو اس علم کے ذریعہ وہ بھی کر سکتا ہے کر کے دکھائے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ ایک زبردست طاقت ہے جو الہام کر رہی ہے یہ پیشگوئیاں جو غیبوبیت کے رنگ اور طاقت اور اقتدار کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کوئی نشان (خدا پر ایمان لانے کے واسطے) نہیں ہے نہ آسمان نہ زمین اور نہ کوئی اور شیئے۔ ان پر نظر کر کے جو نتیجہ نکالیں گے اور جو بات پیش کریں گے وہ ظنی ہوگی۔ یہی ایک بات (پیشگوئی والی) یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

لیکھرام کو قتل کروانے کے الزام کا جواب

عرب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ لیکھرام کو خود اپنے کسی جماعت کے آدمی کے ذریعہ سے مروا ڈالا ہے۔ اس پر فرمایا کہ:۔

ہمارے ساتھ ہزارہا جماعت ہے اگر ان میں سے کسی کو کہوں کہ تم جا کر مار آؤ۔ تو یہ میری

پیروی اور بیعت کا سلسلہ کب چل سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی چل سکتا ہے کہ صفائی ہو اور پیروؤں کو معلوم ہو کہ پاک باطنی کی تعلیم دی جاتی ہے اور جب ہم خود ہی قتل کے منصوبے لوگوں کو سمجھائیں تو یہ کاروبار کیسے چل سکتا ہے؟ اب یہ اس قدر گروہ ہے کوئی ان میں سے بولے کہ ہم نے کس کو اور کب کہا تھا کہ جا کر اس کو مار ڈالے۔

یہ سلسلہ منہاجِ نبوّت پر چل رہا ہے

پھر عقل کے شیدائیوں کی نسبت فرمایا کہ :-

جس طور سے ہم سمجھتے ہیں اور منہاج نبوت پر یہ سلسلہ چل رہا ہے اس کے بغیر آسکتی- یہ لوگ خواہ دہریہ ہوں یا نہ ہوں مگر بے بہرہ ضرور ہیں- پاک زندگی' استقامت' توکل پورے طور پر نصیب نہیں ہوتا اور بڑے دنیادار ہوتے ہیں-

یتیم پوتے کا مسئلہ

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ شریعت اسلام میں پوتے کے واسطے کوئی حصہ وصیت میں نہیں ہے- ایک شخص کا پوتا اگر یتیم ہے تو جب یہ شخص مرتا ہے تو اس کے دوسرے بیٹے حصہ لیتے ہیں اور اگرچہ وہ یتیم بھی اس کے بیٹے کی اولاد ہے مگر وہ محروم رہتا ہے-

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

دادے کو اختیار ہے کہ وصیت کے وقت اپنے پوتے کو کچھ دیدے بلکہ جو چاہے دیدے اور باپ کے بعد وارث بیٹے قرار دیئے گئے ہیں کہ تا ترتیب بھی قائم رہے اور اگر اس طرح نہ رکھا جاتا تو پھر ترتیب ہرگز قائم نہ رہتی کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ پوتے کا بیٹا بھی وارث ہو جاوے اور پھر آگے اس کے اولاد ہو تو وہ وارث ہو- اس صورت میں دادے کا کیا گناہ ہے- یہ خدا کا قانون ہے اور اس سے حرج نہیں ہوا کرتا ورنہ اس طرح تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور جس قدر سلاطین ہیں وہ بھی آدم کی اولاد ہیں تو ہم کو چاہئے کہ سب کی سلطنتوں سے حصہ بٹانے کی درخواست کریں- چونکہ بیٹے کی نسبت سے آگے پوتے میں جا کر کمزوری ہو جاتی ہے اور آخر ایک حد پر آکر تو برائے نام رہ جاتا ہے- خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس طرح کمزوری نسل میں اور ناطہ میں ہو جاتی ہے اس لئے یہ قانون رکھا ہے- ہاں ایسے سلوک اور رحم کی خاطر خدا تعالیٰ نے ایک اور قانون رکھا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء : ۹) (یعنی جب ایسی تقسیم کے وقت بعض خویش و اقارب موجود ہوں اور یتیم اور مساکین تو انکو کچھ دیا کرو) تو وہ پوتا جس کا باپ مرگیا ہے وہ یتیم ہونے کے لحاظ سے زیادہ مستحق اس رحم کا ہے اور یتیم میں اور لوگ بھی شامل ہیں (جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا) خدا تعالیٰ نے کسی کا حق ضائع نہیں کیا مگر جیسے جیسے رشتہ میں کمزوری بڑھتی جاتی ہے حق کم ہوتا جاتا ہے[1]

۲۳ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

ایک رؤیا

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس نے رؤیا سنائی :-

میں کسی اور جگہ ہوں اور قادیان کی طرف آنا چاہتا ہوں ایک دو آدمی ساتھ ہیں۔ کسی نے کہا۔ راستہ بند ہے ایک بڑا بحر زخار چل رہا ہے۔ میں نے دیکھا تو واقعی کوئی دریا نہیں بلکہ ایک بڑا سمندر ہے اور پیچیدہ ہو ہو کر چل رہا ہے جیسے سانپ چلا کرتا ہے۔ ہم واپس چلے آئے کہ ابھی راستہ نہیں اور یہ راہ بڑا خوفناک ہے۔

چین میں عربی کتب بھیجنے کے متعلق گفتگو

ظہر سے پیشتر حضرت اقدس نے مجلس فرمائی اور فرمایا کہ:-

چین میں اہل اسلام عربی زبان سے واقف ہیں کہ نہیں اور وہاں عربی کتب روانہ کرنے کے متعلق حضرت اقدس ابو سعید عرب صاحب سے گفتگو کرتے رہے پھر اشاعت کے متعلق حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

صحابہ کرامؓ نے کیا کیا کام کئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مومنوں کی جانیں خرید لیں اور اب اس وقت اللہ تعالیٰ نے بہت سی مشکلات کو دور کر دیا ہے۔

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

ایک الہام

اس کے بعد فرمایا کہ:-

رات کو الہام ہوا ہے:-

اِنَّہٗ کَرِیْمٌ تَمْشِیْ اَمَامَکَ وَعَادٰی مَنْ عَادٰی

یعنی وہ کریم ہے وہ تیرے آگے آگے چلتا ہے۔ جس نے تیری عداوت کی (گویا) اس کی عداوت کی۔

قرآنی ترتیب کا ایک سِرّ

فرمایا :

کل جو الہام ہوا تھا یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰی یہ اسی الہام کے آگے معلوم ہوتا ہے جہاں ایک الہام کا قافیہ جب دوسرے الہام سے ملتا ہے خواہ وہ الہامات ایک دوسرے سے دس دن کے فاصلہ سے ہوں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں کا کوئی تعلق آپس میں ضرور ہے یہاں بھی موسیٰ اور عادیٰ کا قافیہ ملتا ہے اور پھر توریت میں بھی اس قسم کا مضمون ہے کہ خدا نے موسیٰ کو کہا کہ تو چل میں تیرے آگے چلتا ہوں۔

رسُول کی قومی زبان میں الہام

بعض لوگ جہالت سے اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ ہر ایک قوم کی زبان میں الہام ہونا چاہئے جیسے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ (ابراہیم : ۵) مگر تم کو عربی میں ہی کیوں ہوتے ہیں؟

تو ایک تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا سے پوچھو کہ کیوں ہوتے ہیں اور اس کا اصل سر یہ ہے کہ صرف تعلق جتلانے کی غرض سے عربی میں الہامات ہوتے ہیں کیونکہ ہم تابع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ عربی تھے۔ ہمارا کاروبار سب طفیلی ہے اور خدا کے لئے ہے۔ پھر اگر اسی زبان میں الہام نہ ہو تو تعلق نہیں رہتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ عظمت دینے کے واسطے عربی میں الہام کرتا ہے اور اپنے دین کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جس بات کو ہم ذوق کہتے ہیں اسی پر وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اصل متبوع کی زبان کو نہیں چھوڑتا۔ اور جس حال میں یہ سب کچھ اسی

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر ہے اور اسی کی تائید ہے تو پھر اس سے قطع تعلق کیوں کر ہو۔ اور بعض وقت انگریزی' اردو' فارسی میں بھی الہام ہوتے ہیں تاکہ خدا تعالیٰ جتلا دیوے کہ وہ ہر ایک زبان سے واقف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فارسی زبان میں الہام

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوا تھا کہ کسی اور زبان میں الہام کیوں نہیں ہوتا تو آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے فارسی زبان میں الہام کیا "ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم" آخر کار خدا کی رحمت کاروبار کرے گی اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے یہود نے کہا تھا کہ پیغمبر آخر زمان بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہئے تھا اور جس قدر نبی آئے ہیں سب کے بارے میں اسی طرح شبہات پڑتے رہے ہیں۔ عیسیٰؑ کے وقت یہود کو کس قدر شبہات آئے۔ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت میں بھی پڑے کہ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ آیا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہی مخفی رکھا جاتا ہے کہ ایمان بالغیب کی حقیقت رہے ورنہ پھر ایمان پر ثواب کیا مرتب ہو۔

حَکَم کا کام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حکم ہوگا جس کے یہ معنے ہیں کہ سچی بات پیش کرے گا اور رطب و یابس کو اٹھا دے گا اور احادیث تو ذخیرہ ظنوں کا ہے شیعہ' وہابی' سنی وغیرہ جو تہتر فرقے اہل اسلام کے ہیں۔ سب احادیث کو ہی پیش کرتے ہیں اور حکم کا کام ہے۔ وہ ان میں تحقیق کرے اور جو سچی بات ہو اسے قبول کرے ورنہ پھر ہر ایک فرقہ کا حق ہے کہ اسے مجبور کرے کہ میری مان۔ اور اسے کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک کی پیش کردہ احادیث کو تم بلا اعتراض مان لیتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی حدیثوں کو بھی ویسے ہی نہ مانا جائے۔ پھر اس صورت میں وہ آنے والا حکم کیا رہا۔ حکم کا لفظ بتلا رہا ہے کہ ایسے وقت میں کچھ لیا جاتا ہے اور کچھ چھوڑا جاتا ہے۔

موزوں پر مسح

موزوں پر مسح کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

سوتی موزوں پر بھی مسح جائز ہے اور آپ نے اپنے پائے مبارک کو دکھلایا جس میں سوتی موزے تھے کہ میں ان پر مسح کر لیا کرتا ہوں۔

اس زمانہ میں آخر دُعاؤں کے ساتھ مقابلہ ہوگا

ہمارے پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب تیرہ سال تک تلوار نہ اٹھائی تو مہدی کو کیسے حق پہنچتا ہے کہ جس حالت میں تیرہ سو سال سے لوگ دین سے ناواقف ہو گئے ہیں آتے ہی ان پر تلوار اٹھا لیوے اور اس سے اسے کیا فائدہ ہو گا؟ اگر امام مہدی نے لڑائی کے لئے آنا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنی سنت قدیمہ کے موافق پہلے مسلمانوں کی قوم کو جنگ آزمائی سے آگاہ کر دیتا اور ان کی طبائع کا میلان جنگ کی طرف ہوتا اور ایسے اسباب ہوتے کہ مسلمان جنگ میں مشاق ہوتے مگر اہل اسلام کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنگ سے کوئی انس نہیں اور جس قدر آج کل مہدی کے نام سے مدعی ہو کر یورپ کی اقوام سے جنگ کر چکے ہیں۔ ان تمام نے شکستیں کھائی ہیں ان تمام باتوں اور اسباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی جنگ سے ہرگز نہیں ہے۔ یقین رکھو کہ جسمانی تلواروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے گا۔ خود مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس زمانہ میں آخر دعاؤں کے ساتھ مقابلہ ہو گا۔ جن کو نہ یہ روک سکتے ہیں اور نہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور یہی دعائیں ہوں گی کہ جن سے مخالفوں میں روحانی تبدیلی ہو جائے گی۔

یاجوج ماجوج کے لمبے کانوں سے مُراد

یاجوج ماجوج کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

ان کے لمبے کانوں سے مراد جاسوسی کی مشق ہے جیسے اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ تار کا سلسلہ اور اخبار وغیرہ سب اسی میں ہیں۔

موجودہ علامات سے عقلمند جانتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ جنگ کا ہوتا تو مسلمانوں کو نہرو آزمائی کے سامان میسر آتے اور ان میں قوت اور برکت بڑھتی مگر اہل اسلام تو دن بدن تنزل پر ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ اگر ان کو سامان جنگ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ یورپ کی سلطنتوں سے منگواتے ہیں اور خود نہیں تیار کر سکتے۔[1]

---

۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

دُنیا اور آخرت کی حسنات

عشاء کی نماز سے قبل جب حضرت اقدس نے مجلس فرمائی تو سید ابو سعید صاحب عرب نے

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۱۰ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ دعا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۲) کے کیا معنے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

انسان اپنے نفس کی خوشحالی کے واسطے دو چیزوں کا محتاج ہے۔ ایک دنیا کی مختصر زندگی اور اس میں جو کچھ مصائب' شدائد' ابتلا وغیرہ پیش آتے ہیں۔ ان سے امن میں رہے۔ دوسرے فسق وفجور اور روحانی بیماریاں جو اسے خدا سے دور کرتی ہیں ان سے نجات پاوے تو دنیا کا حسنہ یہ ہے کہ کیا جسمانی اور کیا روحانی دونو طور پر یہ ہر ایک بلا اور گندی زندگی اور ذلت سے محفوظ رہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ ایک ناخن میں ہی درد ہو تو زندگی بیزار ہو جاتی ہے میری زبان کے نیچے ذرا درد ہے اس سے سخت تکلیف ہے اسی طرح جب انسان کی زندگی خراب ہوتی ہے جیسے بازاری عورتوں کا گروہ کہ ان کی زندگی کیسی ظلمت سے بھری ہوئی اور بہائم کی طرح ہے کہ خدا اور آخرت کی کوئی خبر نہیں تو دنیا کا حسنہ یہی ہے کہ خدا ہر ایک پہلو سے خواہ وہ دنیا کا ہو خواہ آخرت کا ہر ایک بلا سے محفوظ رکھے اور فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً میں جو آخرت کا پہلو ہے وہ بھی دنیا کے حسنہ کا ثمرہ ہے۔ اگر دنیا کا حسنہ انسان کو مل جاوے تو وہ فال نیک آخرت کے واسطے ہے یہ غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا حسنہ کیا مانگنا ہے آخرت کی بھلائی ہی مانگو۔ صحت جسمانی وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے انسان کو آرام ملتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ آخرت کے لئے کچھ کر سکتا ہے اور اس لئے ہی دنیا کو آخرت کی مزرعہ کہتے ہیں کہ در حقیقت جسے خدا دنیا میں صحت' عزت' اولاد اور عافیت دیوے اور عمدہ عمدہ اعمال صالحہ اس کے ہوں تو امید ہوتی ہے کہ آخرت بھی اس کی اچھی ہوگی۔

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل : ۸۵) بات بہت عمدہ ہے کہ انسان نیکی اور پاکیزگی کی طرف جھک جاوے۔ دنیا میں مختلف فطرتیں ہوتی ہیں جس حد تک ایک سعید پہنچ جاتا ہے۔ اس حد تک ہر ایک انسان نہیں پہنچتا۔ بعض کھوپریاں ایسی ساخت کی ہوتی ہیں کہ اس کھوپری والے انسان سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ایک نیک ہوتا ہے وہ بدوں کی مجلس میں جا بیٹھے تو اسے کچھ حظ نہیں آتا۔ اسی طرح ایک بد نیکوں کی محفل سے کوئی حظ حاصل نہیں کرتا۔ گویا ایک سمندر درمیان میں حائل ہے۔ کہ نہ ادھر کا آدمی ادھر جا سکتا ہے اور نہ ادھر کا ادھر آسکتا ہے۔ ایک ہماری جماعت ہے کہ جو کہیں مان لیتی ہے اور ہر طرح تیار ہیں اور خوب سمجھے ہوئے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ جب تک ہمیں دجال کافر و فیسو نہ کہہ لیں اور گالیاں نہ دے لیں ان کو صبر نہیں

آتا۔ کیا ان کی آنکھیں نہیں یا کان نہیں یا دماغ نہیں۔ سب کچھ ہے مگر کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔[1]

۲۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

ایک الہام

ظہر کے وقت جب حضرت اقدس تشریف لائے تو فرمایا کہ :۔

رات کے وقت الہام ہوا ہے

اِنِّیْ صَادِقٌ صَادِقٌ وَسَیَشْھَدُ اللّٰہُ لِیْ

یعنی میں صادق ہوں صادق ہوں عنقریب اللہ میری شہادت دے گا۔

خبر نہیں کہ کس امر کے متعلق ہے۔ یہ مقدمہ جو اس وقت جہلم میں ہوا ہے یہ تو ایک چھوٹی سی اور شخصی بات ہے اصل مقدمہ ہمارا تو وہ ہے جو کروڑہا آدمیوں کے ساتھ ہے اور جو قیامت تک نفع پہنچانے والا ہے۔

نماز مغرب کے بعد بیرون جات سے تشریف لائے ہوئے احباب نے حضور سے نیاز حاصل کیا۔طاعون کا حال نووارد احباب سے حضور دریافت فرماتے رہے۔

اَللِّوَاء کے اعتراض کا فصیح و بلیغ جواب

مصر کے اخبار اَللِّوَاء کے اعتراض پر حضور نے عربی میں جو رسالہ تحریر فرمایا ہے اس کی فصاحت پر مولوی عبدالکریم اور مولوی نورالدین صاحبان کلام کرتے رہے کہ انشاء اللہ بہت ہی سعید روحیں عرب میں ہوں گی جو اسے دیکھ کر عاشق زار ہو جائیں گی۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ میں حیران ہو ہو جاتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ سجدہ کروں پھر حیران ہوتا کہ کون کون سے لفظ پر سجدہ کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ہمارا مطلب یہی ہے کہ چونکہ ہر وقت موقعہ نہیں ہوتا اکثر کام اردو زبان میں ہوتا ہے اس لئے دو ہزار چھپوا لیا جاوے جہاں کہیں عرب میں بھیجنے کی ضرورت ہوئی بھیج دیا۔ مخالفت میں بھی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

ہمارے لئے برکت ہوتی ہے اور جو لکھتا ہے ہماری خیر کے لئے لکھتا ہے ورنہ پھر تحریک کیسے ہو۔

عیسائیت اختیار کرنے والے مسلمان

لوگوں کے عیسائی ہونے کے ذکر پر فرمایا کہ :-

اصل سچی بات یہی ہے کہ بجز ان لوگوں کے جن کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے سعادت رکھی ہے اور وہ احقاقِ حق چاہتے ہیں باقی سب اکل و شرب کے واسطے عیسائی ہوتے ہیں اور اسلام سے ان کو کوئی مناسبت نہیں رہتی۔

اسلام میں تقویٰ، طہارت، پاکیزگی، صوم و صلوٰۃ وغیرہ سب بجا لانا پڑتا ہے وہ لوگ اسے بجا نہیں لا سکتے حقیقت اسلام کی طرف نظر کی جاوے تو جن کی فطرت میں عیاشی بھری ہوئی ہے ان کو لے کر (یعنی مسلمان کر کے) ہم کیا کریں۔ جہاں کہیں ان کی نفسانی اغراض پوری ہوں گی وہ وہاں ہی رہیں گے ان کو مذہب اسلام سے کیا کام۔ جب ان کی اغراض میں فرق آئے پھر وہاں سے چلے جائیں گے۔ ایسے لوگ بہت ہیں مگر ان کے لانے سے کیا فائدہ؟ اس شخص کو لانا چاہئے جسے اول پچھانا جائے کہ اس کے اندر اسلام کو قبول کرنے کا مادہ موجود ہے تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کر سکے گا اور ذرا سے ابتلا سے گھبرا نہ جائے گا تو ایسا شخص اگر مشرف باسلام ہو وے تو اس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ میری طبیعت بیزار ہوتی ہے خواہ کوئی ہندو میرے پاس آوے یا عیسائی۔ مگر دنیا کے گند سے بھرا ہوا ہو کہ جب ذکر کرتا ہے تو دنیا کا اور جو خیال ہے دنیا کا۔ تو ایسے آدمی کو مسلمان کر کے کیا کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایسا ہی تھا۔ جو لوگ متقی نہ رہے آخر وہ کافر ہو گئے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ تقویٰ میں ترقی کرے[1]

---

[1] الحکم میں ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء کی ڈائری کا آخری حصہ ذرا مفصل الفاظ میں یوں ہے :-

ہمارے کام کے تو وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اسلامی احکام کی پابندیوں کا بوجھ اٹھا سکیں اور تقویٰ و طہارت سے تزکیہ نفس کریں۔ اس لئے بہت بھرتی بھرنے کی کوئی ضرورت نہیں پس کوئی ایسا شخص خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی ہمارے پاس آتا ہے اور اس کی خواہشوں میں گند بھرا ہوا ہے کہ جب ذکر کرتا ہے دنیا کا اور نفسانی اغراض کا وہ ہمارے مطلب کا کیسے ہو سکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اکرام متقی ہی کا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ صفحہ ۲ ر جنوری ۱۹۰۳ء

۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

سفر کریں تو دین کی نیت سے کریں

عصر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو احباب میں سے ایک نے خواجہ کمال الدین صاحب کی وساطت سے سوال کیا کہ دربار دہلی میں شامل ہونے کا بہت شوق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہو آؤں۔ میں تو دل کو بہت روکتا ہوں مگر پھر بھی خیال غالب رہتا ہے کہ ہو آؤں۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

ہو آویں کیا حرج ہے۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جنید بغدادی علیہ الرحمتہ کو ایک دفعہ خیال آیا کہ سفر کو جانا چاہئے پھر سوچا کس واسطے جاؤں تو سمجھ میں نہ آیا کہ کس ارادہ اور نیت سے جانا چاہتے ہیں اس لئے پھر ارادہ ترک کیا حتیٰ کہ سفر کا خیال غالب آیا اور آپ جب اسے مغلوب نہ کر سکے تو اس کو ایک تحریک الٰہی خیال کر کے نکل پڑے اور ایک طرف کو چلے۔ آگے جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص بے دست و پا پڑا ہے۔ اس نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ اے جنید! میں کتنی دیر سے تیرا منتظر ہوں تو دیر لگا کر کیوں آیا۔ تب آپ نے کہا کہ اصل میں تیری ہی کشش تھی جو مجھے بار بار مجبور کرتی تھی تو اسی طرح ہر ایک امر میں ایک کشش قضا و قدر میں مقدر ہوتی ہے وہ پوری نہ ہو تو آرام نہیں آتا۔ آپ سفر کریں تو دین کی نیت سے کریں دنیا کی نیت سے جو سفر ہوتا ہے وہ گناہ ہوتا ہے اور انسان تب ہی درست ہوتا ہے کہ ہر ایک بات میں کچھ نہ کچھ اس کا رجوع دین کا ہو۔ ہر ایک مجلس میں اس نیت سے جاوے کہ کچھ پہلو دین کا حاصل ہو۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مکان بنوایا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ وہاں تشریف لے چلیں تو آپ کے قدموں سے برکت ہو۔ جب وہاں حضرت گئے تو آپ نے ایک دریچہ دیکھا پوچھا کہ یہ کیوں رکھا ہے اس نے عرض کی کہ ہوا ٹھنڈی آتی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و مکرم وہی ہے جو متقی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے نزدیک جو مکرم ہے وہی ہمارے نزدیک مکرم ہو سکتا ہے اور وہ متقی ہوتا ہے اس کے سوا منافق۔ ہم اپنی جماعت کے لئے یہی چاہتے ہیں کہ وہ تقویٰ میں ترقی کرے اور اگر باہر سے کوئی آوے تو وہ ایسا ہونا چاہئے جو متقی بننا چاہتا ہو ورنہ بدنام کرنے والا نہ ہو۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ نیت کرلیتا کہ اذان کی آواز سنائی دے تو ہوا بھی ٹھنڈی آتی رہتی اور ثواب بھی ملتا۔

سفر سے پہلے استخارہ اور اس کا طریق

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

آپ استخارہ کرلیں۔ استخارہ اہل اسلام میں بجائے مہورت کے ہے چونکہ ہندو شرک وغیرہ کے مرتکب ہو کر شگن وغیرہ کرتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے ان کو منع کر کے استخارہ رکھا۔ اس کا طریق یہ ہے کہ انسان دو نفل پڑھے۔ اول رکعت میں سورۃ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الکافرون : ۲تا۷) پڑھ لے اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ (سورۃ الاخلاص : ۲تا۵) التحیات میں یہ دعا کرے۔

"یا الٰہی میں تیرے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت مانگتا ہوں کیونکہ تجھی کو سب قدرت ہے مجھے کوئی قدرت نہیں اور تجھے ہی سب علم ہے مجھے کوئی علم نہیں اور تو ہی چھپی باتوں کا جاننے والا ہے الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے حق میں بہتر ہے بلحاظ دین اور دنیا کے تو تو اسے میرے لئے مقدر کردے اور آسان کردے اور اس میں برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے دین اور دنیا میں شر ہے تو تو مجھ کو اس سے باز رکھ"۔

اور اگر وہ امر اس کے لئے بہتر ہوگا تو خدا تعالیٰ اس کے لئے اس کے دل کو کھول دے گا ورنہ طبیعت میں قبض ہو جائے گی۔ یہ دل بھی عجیب شئے ہے جیسے ہاتھوں پر انسان کا تصرف ہوتا ہے کہ جب چاہے حرکت دے۔ دل اس طرح اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ ایک وقت میں ایک بات کی خواہش کرتا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے نہیں چاہتا۔ ہوائیں اندر سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلتی ہیں[1]

ایک حق جو پنڈت سے مکالمہ

دو تین روز سے لاہور کے ایک معزز اور قدیمی رئیس خاندان کے ایک پنڈت صاحب دارالامان میں تشریف لائے ہوئے تھے حضرت اقدس کی زیارت اور آپ سے استفادہ ان کا منشاء تھا۔ ۲۶ دسمبر کی شام کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کا جو مکالمہ ہوا اسے ہم ذیل میں درج

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

کرتے ہیں (ایڈیٹر)

گناہ سوز فطرت کیونکر پیدا ہو

حضرت اقدسؑ۔ آپ نے کون کونسی کتاب دیکھی ہے؟

پنڈت صاحب۔ مثنوی مولانا روم صاحب اپنشد اور کئی مذہبی فقراء کی کتابیں مگر انسان کا اپنے نفس پر قابو پانا مشکل ہے یہ بالضرور انسان کو گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔

حضرت اقدسؑ۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح طبیب کے پاس کوئی بیمار جاتا ہے تو اس وقت تک وہ اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ یہ تشخیص نہ کرلے کہ مرض کا اصل سبب کیا ہے اور جب وہ مرض کا اصل سبب معلوم کرلیتا ہے تو پھر وہ اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ لیکن جب تک پورے پورے طور پر مرض کی تشخیص نہیں ہولیتی تو وہ عمدہ طور پر اس کا علاج نہیں سوچ سکتا۔ ٹھیک یہی حال گناہ کا ہے کیونکہ گناہ ایک روحانی بیماری ہے جب تک اس کی ماہیت معلوم نہیں ہوتی۔ اس وقت تک انسان گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ انسان گناہ کی طرف کیوں جھکتا ہے اور یہ گناہ کا خیال پیدا ہی کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اس وقت تک انسان گناہ کرتا ہے جب تک وہ خدا سے بے خبر رہتا ہے بھلا کیا کوئی شخص جو چوری کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک جاگتا ہو اور روشنی بھی ہو یا اس وقت کرتا ہے؟ جبکہ گھر کا مالک سویا ہوا ہو اور ایسا اندھیرا ہو کہ کچھ دکھائی نہ دیتا ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت چوری کرتا ہے جب وہ یقین کرتا ہے کہ مالک بے خبر ہے اور روشنی نہیں ہے۔ اسی طرح پر ایک شخص جو گناہ کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ خدا سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اس کو اس پر کچھ یقین نہیں ہوتا نہ اس وقت جبکہ اس کو یقین ہو کہ خدا ہے۔ اور وہ اس کے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کو سزا دے سکتا ہے اور یہ علم ہو کہ اگر میں کوئی کام اس کی خلاف مرضی کروں گا تو وہ اسکی سزا دے گا۔ جب یہ علم اور یقین خدا کی نسبت ہو تو پھر گناہ کی طرف میل اور توجہ نہیں ہو سکتی۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ میں ہمیشہ اس کے ماتحت ہوں اور وہ میری بد اعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے اور میرے اعمال کو دیکھتا ہے پھر جرات نہیں کر سکتا۔ جیسے ایک بھیڑ کو بھیڑیئے کے سامنے باندھ دیا جاوے تو کسی دوسرے کے کھیت کی طرف جانا درکنار اس کے سامنے کتنا ہی گھاس کھانے کے لئے ڈالا جاوے تو وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی کیونکہ ایک خوف جان اس پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔ پس جبکہ خوف ایک وحشی جانور تک اپنا اتنا اثر کر سکتا ہے کہ وہ کھانا تک چھوڑ دیتا ہے تو پھر انسان جب اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے اسی

طرح سمجھے۔ اور یقین کرے کہ وہ دیکھتا ہے اور گناہ پر سزا دیتا ہے تو اس یقین کے بعد گناہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ صاعقہ کی طرح اس پر گرے گا اور تباہ کر دے گا۔

پس یہ خوف جو خدا تعالیٰ کو بزرگ و برتر اور قدرت والا ماننے سے پیدا ہوتا ہے اس کو گناہ سے بچائے گا اور یہ سچا ایمان پیدا کرے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

گناہِ کبیرہ و صغیرہ

ایک گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں جیسے چوری کرنا' زنا' ڈاکہ' وغیرہ موٹے موٹے گناہ کہلاتے ہیں دوسرے صغیرہ جو بلحاظ بشریت کے انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں باوجودیکہ انسان اپنے آپ میں بڑا ہی بچتا اور محتاط رہتا ہے مگر بشریت کے تقاضے سے بعض ناسزا امور اس سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جو دوسری قسم کے گناہ ہیں۔ اسی طرح پر گناہ کے دور ہونے کے بھی دو ذریعے ہیں۔ اول وہ ذریعہ ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غلبہ خوف کے سبب سے دور ہو جاتے ہیں یعنی استیلاء خوف الٰہی ایک بھی ایسی شئے ہے جو گناہوں کو دور کرتی ہے اور ان سے بچاتی ہے۔ یہ ذریعہ ایسا ہے جیسے پولیس کے خوف سے انسان قانون کی خلاف ورزی سے بچتا ہے۔ پھر دوسرا ذریعہ گناہوں سے بچنے کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اطلاع پانے کے بعد اس کی محبت بڑھتی ہے اور پھر اس محبت سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ان دونوں ذریعوں سے بھی گناہ دور ہوتے ہیں۔

ایک اور قسم کے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ گناہ ان سے سرزد نہ ہو مگر وہ کچھ ایسے غفلت میں پڑ جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ گناہ ہو ہی جاتے ہیں لیکن یہ امر انسان کی فطرت اور رگ و ریشہ میں رچا ہوا ہے کہ وہ شدت خوف سے بچتا ہے جیسے میں نے کہا کہ شیر کے سامنے اگر بکری کو باندھ دیں تو گھاس نہیں کھا سکتی یا حاکم کے سامنے کوئی انسان اکڑ کر کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اس کے سامنے نہایت عاجزی اور احتیاط سے خاموش کھڑا ہو گا۔ یہ احتیاط اور عجز اور خوف اور حاکم کے رعب اور حکومت کا نتیجہ ہے لیکن یہی نتیجہ محبت سے بھی پیدا ہوتا ہے جب ایک شخص اپنے محسن کے سامنے جاتا ہے تو وہ اس کے احسان کو یاد کر کے خود بخود نرم اور محتاط ہو جاتا ہے اور ایک حیا اس کی آنکھوں میں پیدا ہوتا ہے۔ محسن کے ساتھ محبت بڑھتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کا قرضہ ادا کر دے تو وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے پھر اس محبت کے تقاضے سے وہ اس کی خلاف ورزی اور خلاف مرضی کرنا نہیں چاہتا یہ فرمانبرداری اور اطاعت محبت ذاتی سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح پر انسان کو اگر خدا تعالیٰ کے احسانات کا علم ہو جو اس پر اس نے کئے ہیں تو وہ اس کی محبت ذاتی کی وجہ سے گناہوں سے بچے گا اور پھر کوئی تحریک اس طرف نہیں لے جا سکتی اس کی

ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیوے اگر تم اس بچے کو دکھ دو گی اور دودھ نہ دو گی یہاں تک کہ اگر وہ بچہ مر بھی جاوے تو تم کو کوئی سزا نہ ملے گی بلکہ ہم انعام دیں گے تو وہ ہرگز ہرگز اس کی تعمیل نہ کرے گی اور ایسا کرنا پسند نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ اس کی فطرت میں بچہ کے ساتھ محبت کا ایک جوش ہے اور یہ جوش محبت ذاتی کا جوش ہے پس انسان جب خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کی محبت کرنے لگتا ہے تو پھر اس سے جو نیکیاں صادر ہوتی ہیں اور وہ گناہوں سے بچتا ہے تو وہ کسی طمع یا خوف سے نہیں بلکہ اسی محبت ذاتی کے تقاضے سے۔

محبت ذاتی کا یہ نشان ہے کہ اگر محبت ذاتی والے کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کی پاداش میں اس کو بجائے بہشت کے دوزخ ملے گا یا اسے معلوم ہو کہ ان پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو گا اور بہشت دوزخ کوئی چیز ہی نہیں جس کے خوف یا جس کی طمع کے لئے وہ احکام کی بجا آوری کرے تب بھی اس کی محبت میں کوئی فرق نہ آئے گا کیونکہ یہ خوف اور رجاء کے پہلوؤں کو دور کر کے فطرت کا رنگ پیدا کرتی ہے محبت ذاتی کا یہ خاصہ ہے کہ جب انسان کے اندر نشوونما پاتی ہے تو ایک آگ پیدا کر دیتی ہے جو اندر کی نجاستوں کو جلا کر صاف کرتی ہے یہ آگ ان نجاستوں کو جلاتی ہے جن کو بیم و رجاء جلا نہ سکتے تھے پس یہ مقام انسان کے لئے تکمیل کا مقام ہے اور اس جگہ تک اسے پہنچنا ضروری ہے۔

پنڈت صاحب۔ میں خدا کا منکر نہیں ہوں اور نہ اس کا ہٹھ ہونے کا منکر۔

حضرت اقدس۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے ایک وہ ایمان ہے جو صرف زبان تک محدود ہے اور اس کا اثر افعال اور اعمال پر کچھ نہیں۔ دوسری قسم ایمان باللہ کی یہ ہے کہ عملی شہادتیں اس کے ساتھ ہوں پس جب تک یہ دوسری قسم کا ایمان پیدا نہ ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک آدمی خدا کو مانتا ہے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کو مانتا بھی ہو اور پھر گناہ بھی کرتا ہو۔ دنیا کا بہت بڑا حصہ پہلی قسم کے ماننے والوں کا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر یہ دیکھتا ہوں کہ اس اقرار کے ساتھ ہی وہ دنیا کی نجاستوں میں مبتلا اور گناہ کی کدورتوں سے آلودہ ہیں پھر وہ کیا بات ہے کہ وہ خاصہ جو ایمان باللہ کا ہے اس کو حاضر ناظر مان کر پیدا نہیں ہوتا؟ دیکھو! انسان ایک ادنیٰ درجہ کے چوہڑے چمار کو حاضر ناظر دیکھ کر اس کی چیز نہیں اٹھاتا پھر اس خدا کی مخالفت اور اسکے احکام کی خلاف ورزی میں دلیری اور جرأت کیوں کرتا ہے جس کی بابت کہتا ہے مجھے اس کا اقرار ہے میں اس بات کو مانتا ہوں کہ دنیا کے اکثر لوگ ہیں جو اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں کوئی پرمیشر کہتا ہے

کوئی گاؤ کہتا ہے کوئی اور نام رکھتا ہے۔ مگر جب عملی پہلو سے ان کے اس ایمان اور اقرار کا امتحان لیا جاوے اور دیکھا جاوے تو کہنا پڑے گا کہ وہ نرا دعویٰ ہے جس کے ساتھ عملی شہادت کوئی نہیں۔

انسان کی فطرت میں یہ امر واقعہ ہے کہ وہ جس چیز پر یقین لاتا ہے اس کے نقصانات سے بچنے اور اس کے منافع کو لینا چاہتا ہے دیکھو سنکھیا ایک زہر ہے اور انسان جبکہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اس کی ایک رتی بھی ہلاک کرنے کو کافی ہے تو کبھی وہ اس کو کھانے کے لئے دلیری نہیں کرتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے پھر کیوں وہ خدا تعالیٰ کو مان کر ان نتائج کو پیدا نہیں کرتا جو ایمان باللہ کے ہیں۔ اگر سنکھیا کے برابر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس کے جذبات اور جوشوں پر موت وارد ہو جاوے مگر نہیں۔ یہ کہنا پڑے گا کہ نرا قول ہی قول ہے ایمان کو یقین کا رنگ نہیں دیا گیا ہے یہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے اور دھوکا کھاتا ہے جو کہتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔

پس پہلا فرض انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے اس ایمان کو درست کرے جو وہ اللہ پر رکھتا ہے یعنی اس کو اپنے اعمال سے ثابت کر دکھائے کہ کوئی فعل ایسا اس سے سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے احکام کے خلاف ہو۔

یہ دھوکا جو انسان کو لگتا ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے باوجودیکہ عملی شہادت اس ایمان کے ساتھ نہیں ہوتی درحقیقت یہ بھی ایک قسم کی مرض ہے جو خطرناک ہے مرض دو قسم کی ہوتی ہے ایک مرض مختلف ہوتی ہے یہ وہ ہوتی ہے جس کا درد محسوس ہوتا ہے جیسے سر درد یا درد گردہ وغیرہ۔ دوسری قسم کی مرض مرض مستوی کہلاتی ہے اس مرض کا درد محسوس نہیں ہوتا اور اس لئے مریض ایک طرح اس کے علاج سے تساہل اور غفلت کرتا ہے جیسے برص کا داغ ہوتا ہے بظاہر کوئی درد یا دکھ محسوس نہیں ہوتا لیکن آخر کو یہ خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے پس خدا پر ایسا ایمان جو عملی شہادتیں ساتھ نہیں رکھتا ہے ایک قسم کی مرض مستوی ہے۔ صرف رسم و عادت کے طور پر مانتا ہے یا یہ کہ باپ دادا سے سنا تھا کہ کوئی خدا ہے اس لئے مانتا ہے اپنی ذات پر محسوس کر کے کب اس نے اللہ کا اقرار کیا؟ یہ اقرار جس دن اس رنگ میں پیدا ہوتا ہے ساتھ ہی گناہوں کے میل کچیل کو جلا کر صاف کر دیتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں جب تک آثار ظاہر نہ ہوں' ماننا نہ ماننا برابر ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور یقین کے بغیر ثمرات ظاہر نہیں ہو سکتے دیکھو جن خطرات کا انسان کو یقین ہوتا ہے ان کے نزدیک ہرگز نہیں جاتا مثلاً یہ خطرہ ہو کہ گھر

کا شہتیر ٹوٹا ہوا ہے تو وہ کبھی بھی اس کے نیچے جانے اور رہنے کی دلیری نہ کرے گا یا یہ معلوم ہو کہ فلاں مقام پر سانپ رہتا ہے اور وہ رات کو پھرا بھی کرتا ہے تو کبھی یہ رات کو اٹھ کر وہاں نہ جائے گا کیونکہ اسکے نتائج کا قطعی اور یقینی علم رکھتا ہے پس اگر خدا کو مان کر ایک پیسہ کے سنکھیا جتنا بھی اثر اور یقین نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ کچھ بھی نہیں مانتا اور اصل یہ ہے کہ ساری خرابی کی جڑھ گیان کی کوتاہی ہے۔

پنڈت صاحب۔ میرا اصل منشاء تو یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر تو ایمان ہے مگر پھر بھی گناہ ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس۔ آپ کیوں کہتے ہیں کہ ایمان ہے۔ ایمان تو انسان کے نفسانی جذبات کو مردہ کر دیتا ہے اور گناہ کی قوتوں کو سلب کر دیتا ہے۔ آپ کو یہ سوال کرنا چاہئے کہ گناہ سے بچنے کا کیا علاج ہے میں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی ہو۔ ایمان روشنی ہے اس کے سامنے گناہ کی ظلمت رہ نہیں سکتی بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ دن بھی چڑھا ہوا ہو اور رات کی تاریکی بھی بدستور موجود ہو یہ نہیں ہو سکتا پس اصل سوال یہ رہ جاتا ہے کہ گناہ سے کیونکر بچیں اس کا علاج وہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا ہو۔

پنڈت صاحب۔ بے شک میرا یہ کہنا کہ میں خدا کو مانتا ہوں اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے

حضرت اقدس۔ پس یہی اصل بات ہے جب تک عملی شہادتیں ساتھ نہ ہوں یہ نفس کا دھوکا ہے جو کہتا ہے کہ مانتا ہوں سچا ایمان گناہ کو باقی نہیں رہنے دیتا اور سچا ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ آپ یاد رکھیں جو مریض طبیب کے پاس جاتا ہے تو طبیب اس کی مرض کو تشخیص کر کے ایک علاج بتا دیتا ہے اس کا فرض ہے کہ بیمار کو متنبہ کر دے علاج کرنا نہ کرنا مریض کا اپنا اختیار ہے وہ یہ بتا دے گا کہ داغ لگانے کی جگہ ہے تو داغ دو یا جونک لگاؤ وغیرہ یعنی جو علاج ہو وہ بتا دے گا اسی طرح پر ہم اصل علاج بتا دیتے ہیں کرنا نہ کرنا ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور نہ ان حواس سے ہم اس کو محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ اگر وہ ان محسوسات میں سے ہوتا جن کے لئے یہ حواس ہیں تو بے شک وہ نظر آجاتا یا محسوس ہو سکتا مگر ان حواس میں سے کوئی حس اس کے لئے بکار نہیں۔ اس کی شناخت کے خاص وسائل ہیں اور اور حواس ہیں گو حکیموں برہموؤں اور فلاسفروں نے بجائے خود ٹکریں ماری ہیں لیکن وہ سب غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ ایمان جو انسان کی زندگی میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دیتا ہے ان کو نصیب نہیں ہوا جب خود ان کی یہ حالت ہے تو وہ دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں جو خود مشکلات میں مبتلا ہیں اور جن کو خود سکینت

اور اطمینان نہ ہو وہ اوروں کے لئے کیا اطمینان کا موجب ہوں گے اس سلسلہ کی راہ کے چراغ دراصل انبیاء علیہ السلام ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ نور ایمان حاصل کرے اس کا فرض ہے کہ اس راہ کی تلاش کرے اور اس پر چلے بدوں اس کے ممکن نہیں کہ معرفت اور سچا گیان مل سکے جو گناہ سے بچاتا ہے اور ہر ایک شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس شئے کا اتباع اس وقت حقیقی ایمان اور گیان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان سچائی پر قدم مارنے لگتا ہے تو اس کو مشکلات اور ابتلا پیش آتے ہیں برادری اور قوم کا ڈر اسے دھکاتا ہے لیکن اگر وہ فی الحقیقت سچائی سے پیار کرتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے تو وہ ان ابتلاؤں سے نکل جاتا ہے ورنہ ابتلا اس کا نفاق ظاہر کر دیتا ہے۔ مومن کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دیوانہ بنے کسی ننگ و عار کی سچائی کے لئے پروا نہ کرے جب تک وہ ان قیود کا پابند ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست
دل چو دادی یوسفے را راہ کنعاں را گزیں[1]

---

۲۷ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

دربار دہلی کے موقعہ پر میموریل کی اشاعت

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے عرض کی کہ دربار دہلی پر جو میموریل روانہ کرنا ہے وہ طبع ہو کر آگیا ہے حضور نے حکم دیا کہ

اسے کثرت سے تقسیم کیا جائے کیونکہ اس سے ہماری جماعت کی عام شہرت ہوتی ہے اور ہمارے اصولوں کی واقفیت اعلیٰ حکام کو ہوتی ہے اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ایک پادری کی تصنیف

عصر کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپ کو خبر دی گئی کہ ایک پادری صاحب بنام گرسنورڈ نے ایک کتاب اپنے زعم میں آپ کے دعویٰ کی تردید میں لکھی ہے اس کا نام رکھا ہے "میرزا غلام احمد قادیان کا مسیح اور مہدی" مگر حضور کے دعویٰ اور دلائل کو خوب مفصل بیان کیا ہے اور اس کی اشاعت امریکہ میں بہت کی گئی ہے اس پر ذکر ہوتا رہا کہ اللہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء

تعالیٰ نے ایک اشاعت کا ذریعہ بنایا ہے اس کی وہی مثال ہے کہ ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

پھر تو ہم کو بھی ضرور لکھنا چاہئے جب انہوں نے بطور ہدیہ کے کتاب ہمیں بھیجی تو ہمیں بھی ہدیہ بھیجنا چاہئے یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں۔ مخالفوں کی توجہ سے بہت کام بنتا ہے میں نے آزمایا ہے کہ جہاں مخالف ٹھوکر کھاتا ہے وہاں ہی ایک بڑی حکمت کی بات ہوتی ہے۔

جو بات سمجھ نہ آئے دریافت کر لینی چاہیئے

حسب دستور حضرت اقدس قبل از نماز عشاء تشریف لائے ایک خادم کی نسبت ایک شخص کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس نے نعوذ باللہ حضرت کے کسی فعل پر اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا جب اس بیچارے کو خبر ہوئی تو اس نے مولانا عبدالکریم صاحب کی خدمت میں آکر اصل واقعہ بتلایا اور عرض کی' راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ میرا ایمان ہے کہ حضور کا ہر فعل' فعل الٰہی ہے جس پر اعتراض کرنا سخت درجہ کا کفر اور ضلالت ہے مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اٹھ کر اصل واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں گذارش کیا اور خود اس خادم نے بھی عرض کی جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اوائل میں جماعت میں ایسی بات ہوا کرتی ہے اسی طرح جب پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو آپؐ نے کچھ زمین ایک صحابی سے خریدنی چاہی تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے لڑکوں کے لئے رکھی ہے حالانکہ سب کچھ تو آپؐ کے ہاتھ پر فروخت کر چکا ہوا تھا آخر وہی اصحاب تھے کہ جنہوں نے سب دینی ضرورتوں کو مقدم رکھا اور اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ ہمیشہ خیال رکھے کہ بعض امور تو سمجھ میں آسکتے ہیں اور بعض نہیں آسکتے تو جو سمجھ میں نہ آیا کریں ان کو پس پشت نہ کیا جاوے وہ دریافت کر لینے چاہئیں۔ نیکی اسی کا نام ہے ورنہ حبطِ اعمال ہو جاتا ہے یہ ہمارا معاملہ اور کاروبار سب خدا کا ہے ہمارے نفس کو اس میں دخل نہیں ہم نے اس خطا کو بخشا اور معاف کیا۔[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱ مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء

۲۸ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ہر ایک ہلاکت کی راہ سے پرہیز کیا جائے

ظہر کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک احمدی بھائی کی طرف حضرت اقدس کو توجہ دلائی کہ جن کے دانت میں کرکٹ کھیلنے سے ضرب آگئی تھی اور نیچے کا لب بالکل پھٹ گیا تھا حضرت اقدس نے فرمایا

تعجب ہے کہ دیدہ دانستہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا جاتا ہے اس جگہ کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ ہر ایک قسم کے شر اور بدعت میں اپنے آپ کو ڈالا جائے بلکہ یہ ہے کہ ہر ایک ہلاکت کی راہ سے پرہیز کیا جائے۔ لیاقت علمی اور شئے ہے۔ کیا اگر انسان کو کوئی کھیل نہ آتی ہو تو اس کی لیاقت میں فرق آجاوے گا جن لوگوں کی یہ کھیل ایجاد ہے وہ تو مست ہیں ان کو تلفِ جان کی پروا نہیں مگر ہمیں تو پروا ہے۔

تعبیر رؤیا میں ناموں کا بڑا دخل ہے

مغرب و عشاء کے درمیان چند ایک احباب نے اپنی اپنی رؤیا سنائیں ناموں کی نسبت آپ نے فرمایا کہ

خوابوں میں ناموں کے الفاظ پر بڑا دارومدار ہوتا ہے تفاؤل کے واسطے ہمیشہ نام کے معانی کی طرف غور کرنا چاہئے۔ لمبا سلسلہ نہ دیکھے نام کو دیکھ لے۔

خواب میں دشمن سے بھاگنے کی تعبیر

خواب میں دشمن سے بھاگنا۔ اس پر فرمایا کہ

اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دشمن پر فتح ہوگی۔ اس کی نظیر میں معبروں نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو پیش کیا ہے کہ موسیٰ فرعون سے بھاگے وہ دشمن تھا انجام کار آپ ہی فرعون پر غالب آئے[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱ مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء

غیر معمولی ملاقات

قبل دوپہر حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور بعض احباب کو شرف قدم بوسی حاصل ہوا جناب ابو سعید عرب صاحب نے اپنے بعض احباب کا تذکرہ کیا کہ اور گونہ افسوس ظاہر کیا کہ ان کو سلسلہ کی آگاہی اور اطلاع نہیں۔ حضرت حجۃ اللہ نے اس تحریک پر ایک مختصر سی تقریر فرمائی ہم بعد میں پہنچے تھے تاہم ابھی سلسلہ تقریر کا شروع ہی ہوا تھا ہم نے ایسی طرز پر اس کو قلمبند کیا ہے کہ یہ سلسلہ ناتمام نظر نہ آئے گا انشاء اللہ العزیز۔ (ایڈیٹر الحکم)

دُنیا دارالحجاب ہے

فرمایا :-

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالحجب رکھا ہے کچھ چھپایا ہے کچھ ظاہر کیا ہے اس نے دنیا میں اپنے نبی اور رسول بھیجے مگر اپنا منہ چھپایا اس نے کتابیں اور شریعتیں نازل کیں مگر کسی نے ان کتابوں کو اترتے ہوئے نہیں دیکھا نبیوں کی معرفت پیشگوئیاں کیں بعض ان میں سے پوری ہو گئیں اور کچھ باقی رہ گئیں وہ لوگ جن کی نظر دنیا کی سطح سے اوپر نہیں جاتی انہوں نے ان باتوں کو دیکھ کر اعتراض کیا اور کہہ دیا کہ فلاں بات پوری نہیں ہوئی مگر انہیں اللہ تعالیٰ کی اس سنت پر اطلاع نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ کہ تا ایمان داروں اور جلد بازوں میں امتیاز ہو ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے کہ اسے جو کچھ قیامت کو کرنا ہے وہ اسی دنیا میں کر کے دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ : ۲۸۵) ہے مگر پھر ایمان ایمان نہ رہتا اور نہ اس کے ثمرات میسر ہوتے جو لوگ ایمان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور اس کو سمجھ نہیں سکتے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت کچھ نہ کچھ مخفی رہنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود : ۱۰۶) دونو فریق اسی سے بنتے ہیں سعید جلد بازی نہیں کرتے بلکہ حسن ظن اور صبر سے کام لے کر ایمان لاتے ہیں اور جو شقی ہوتے ہیں وہ جلد بازی سے کام لے کر اعتراض کرتے ہیں جو لوگ منہاج نبوت کو نہیں چھوڑتے وہ ٹھوکر نہیں کھاتے اور کوئی ایسا اعتراض نہیں کرتے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا جو پہلوں پر نہ ہوا ہو۔ جو کوئی مجھ پر اعتراض کرے گا وہ دین سے خارج ہو کر اعتراض کرے گا۔

عرب صاحب نے حضرت حجتہ اللہ کے جذب کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں ۱۸۹۴ء میں لاہور آیا۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھے ایک کتاب آپ کی تصدیق میں اور ایک مولوی نے آپ کی تردید میں دی مگر میں نے دونو وہیں کسی کو دے دیں اور پروا نہ کی۔ مجھے کہا گیا کہ قادیان آؤں مگر میں نہ آیا اور اب خدا کی شان ہے کہ وہ اس قدر فاصلہ (رنگون) سے مجھے لایا اور اس قدر خرچ کثیر کر کے مجھے آنا پڑا۔

معرفتِ الٰہی سے نماز میں ذوق پیدا ہوتا ہے

عرب صاحب نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر دل نہیں ہوتا۔

فرمایا :-

جب خدا کو پہچان لوگے تو پھر نماز ہی نماز میں رہو گے۔ دیکھو یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ خواہ کوئی ادنیٰ سی بات ہو جب اس کو پسند آجاتی ہے تو پھر دل خواہ نخواہ اس کی طرف کھنچا جاتا ہے اسی طرح پر جب انسان اللہ تعالیٰ کو شناخت کر لیتا ہے اور اسکے حسن و احسان کو پسند کرتا ہے تو دل بے اختیار ہو کر اسی کی طرف دوڑتا ہے اور بے ذوقی سے ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے اصل نماز وہی ہے جس میں خدا کو دیکھتا ہے اس زندگی کا مزا اسی دن آسکتا ہے جبکہ سب ذوق اور شوق سے بڑھ کر جو خوشی کے سامانوں میں مل سکتا ہے تمام لذت اور ذوق دعا ہی میں محسوس ہو۔ یاد رکھو کوئی آدمی کسی موت و حیات کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا خواہ رات کو موت آجاوے یا دن کو۔ جو لوگ دنیا سے ایسا دل لگاتے ہیں کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں وہ اس دنیا سے نامراد جاتے ہیں وہاں ان کے لئے خزانہ نہیں ہے جس سے وہ لذت اور خوشی حاصل کر سکیں۔

جہنّم و جنّت کی حقیقت

انسان جس لذت کا خوگر فتہ اور عادی ہو جب وہ اس سے چھڑائی جائے تو وہ ایک دکھ اور درد محسوس کرتا ہے اور یہی جہنم ہے پس جبکہ ساری لذتیں دنیا کی چیزوں میں محسوس کرنے والا ہو تو ایک دن یہ ساری لذتیں تو چھوڑنی پڑیں گی پھر وہ سیدھا جہنم میں جاوے گا۔ لیکن جس شخص کی ساری خوشیاں اور لذتیں خدا میں ہیں اس کو کوئی دکھ اور تکلیف محسوس نہیں ہو سکتی وہ اس دنیا کو چھوڑتا ہے تو سیدھا بہشت میں ہوتا ہے۔

دل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں

اصل بات یہ ہے کہ دل اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے اور اس کو سمجھ آجاتی ہے کہ سچا سرور اور خوشحالی اس میں ہے کہ خدا کو پہچانا جائے دیکھو میں اس وقت یہ بات تو کر رہا ہوں مگر میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ دلوں تک اس کو پہنچا بھی دوں یہ خدا ہی کا کام ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے اور بیدار کرتا ہے۔ باقی تمام جوارح آنکھ' ہاتھ' وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں۔ مگر دل اس کے اختیار میں نہیں ہے اس وقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہئے جب تک دل مسلمان نہ ہو جاوے جب تک وہ لہو ولعب سے لذت حاصل کرتا ہے اس کے مسلمان ہونے کا وہی وقت ہے جب وہ دنیوی حیثیت سے دل برداشتہ ہو گیا ہے اور دنیا کی لذتیں اور خوشیاں ایک تلخی کا رنگ دکھائی دیتی ہیں جب یہ حالت ہو تو پھر انسان اپنے آپ کو مشاہدہ کرتا ہے کہ میں وہ نہیں رہا ہوں۔ بلکہ اور ہو گیا ہوں پھر دل میں ایک کشش پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لذت حاصل کرتا ہے اور ایسی محبت اسے نماز سے ہو جاتی ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے یہ ہے اصل جڑھ ایمان کی۔ مگر یہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے ہم اس بات کا نمونہ نہیں بتا سکتے اور نہ الفاظ میں اس کو سمجھا سکتے ہیں کیونکہ الفاظ حقیقت کے قائم مقام نہیں ہوتے اس لئے جو یہ حالت آتی ہے تو پھر انسان اپنی گذشتہ زندگی پر حسرت وافسوس کرتا ہے کہ وہ یونہی ضائع ہو گئی کیوں پہلے ایسی حالت مجھ پر نہ آئی۔

نماز کی حقیقت

نماز کیا چیز ہے۔ نماز دراصل رب العزۃ سے دعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ عافیت اور خوشی کا سامان مل سکتا ہے جب خدا تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرے گا اس وقت اسے حقیقی سرور اور راحت ملے گی اس وقت سے اس کو نمازوں میں لذت اور ذوق آنے لگے گا جس طرح لذیذ غذاؤں کے کھانے سے مزا آتا ہے اسی طرح پھر گریہ وبکا کی لذت آئے گی اور یہ حالت جو نماز کی ہے پیدا ہو جائے گی اس سے پہلے جیسے کڑوی دوا کو کھاتا ہے تاکہ صحت حاصل ہو اسی طرح بے ذوقی نماز کو پڑھنا اور دعائیں مانگنا ضروری ہیں اس بے ذوقی کی حالت میں یہ فرض کر کے کہ اس سے لذت اور ذوق پیدا ہو یہ دعا کرے

نماز میں لذت و ذوق حاصل کرنے کی دعا

کہ اے اللہ تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کیسا اندھا اور نابینا ہوں اور میں اس وقت بالکل مردہ حالت میں ہوں میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز آئے گی تو میں تیری طرف آجاؤں گا اس وقت مجھے کوئی روک نہ سکے گا لیکن میرا دل اندھا اور ناشناسا ہے تو ایسا شعلہ نور اس پر نازل کر کہ تیرا انس اور شوق اس میں پیدا ہو جائے تو ایسا فضل کر کہ میں نابینا نہ اٹھوں اور اندھوں میں نہ جا ملوں۔

جب اس قسم کی دعا مانگے گا اور اس پر دوام اختیار کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ ایک وقت اس پر ایسا آئے گا کہ اس بے ذوقی کی نماز میں ایک چیز آسمان سے اس پر گرے گی جو رقت پیدا کر دے گی۔

خدا تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کا مفہوم

عرب صاحب نے عرض کیا کہ خدا آسمان پر ہے فرمایا

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (طٰہٰ : ۹) اس نے اپنے آپ کو علو ہی سے منسوب کیا ہے پستی کی طرف اس کو منسوب نہیں کر سکتے سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ (الانعام : ۱۰۱) علو کو ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور کشفی صورتوں میں آسمان سے نور نازل ہوتا ہوا دیکھا ہے ہم اس کی کنہ اور کیفیت نہ بیان کر سکیں مگر یہ سچی بات ہے کہ اس کو علو ہی سے تعلق ہے بعض امور آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور بعض نہیں۔ ہر صورت میں فلسفہ کام نہیں آتا پس اصل بات یہی ہے کہ ایک وقت ایسی حالت انسان پر آتی ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ آسمان سے اس کے دل پر کچھ گرا ہے جو اسے رقیق کر دیتا ہے اس وقت نیکی کا بیج اس میں بویا جائے گا۔[1]

---

۲۹ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

مغرب اور عشاء کے درمیان حضور تشریف لائے تو آکر فرمایا

روزے ایک یا دو اب رہ گئے ہیں بڑی آسانی سے گذر گئے۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء

بوقتِ ضرورت جمع صلوٰتین

ایک صاحب نے ذکر کیا کہ ان کا افسر سخت مزاج تھا روانگی نماز میں اکثر چیں بجبیں ہوا کرتا تھا حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے شرارتوں کے وقت جمع صلوٰتین رکھا ہے ظہر و عصر نمازیں ایسی حالت میں جمع کر کے پڑھ لیں۔

پنجابیوں کے ساتھ انگریزوں کا حُسنِ ظن

بعض انگریز حکام کی قدر شناسی پر فرمایا کہ

زمانہ بدل گیا ہے اور پنجابیوں کے ساتھ انگریزوں کی ساری قوم کا حسن ظن ہے اور بعض ایسے انگریز ہوتے ہیں کہ ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ ماتحت کو فائدہ پہنچاویں تاکہ وہ ان کو یاد رکھے۔

مصر میں تبلیغ

ایک احمدی حج کو جاتے ہوئے کچھ عرصہ مصر میں مقیم رہے اور ابھی تک وہیں ہیں اور حضرت اقدس کی کتب کی اشاعت کر رہے ہیں انہوں نے لکھا تھا کہ اگر حکم ہو تو میں اس سال حج ملتوی رکھوں اور مجھے اور کتب ارسال ہوں تو ان کی اشاعت کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ان کو لکھ دیا جاوے کہ کتابیں روانہ ہوں گی ان کی اشاعت کے لئے مصر میں قیام کریں اور حج انشاء اللہ پھر اگلے سال کریں (مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ)

رُوحانی سَیر کی طرف متوجّہ ہوں

ابو سعید صاحب عرب کو کمال شوق دلی کے جلسہ کا تھا کہ وہاں کی رونق دیکھیں چنانچہ انہوں نے اجازت بھی چاہی تھی اور حضرت اقدس نے اجازت دے بھی دی تھی مگر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دعائے استخارہ کر لو چنانچہ دعا سے پھر ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ عرب صاحب دلی جانے سے رک گئے اور اب بھی یہاں ہی ہیں

حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا

فرمایئے اب دلی جانے کا خیال ہے یا نہیں؟

عرب صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ حضور اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا۔

حضور نے فرمایا کہ

اب دوسری سیروں کو چھوڑ کر روحانی سیروں کی طرف متوجہ ہوجاویں یہ آپ کی سعادت کی علامت ہے کہ اتنی دور سے اس جلسہ کے واسطے آئے اور یہاں ٹھہر گئے اور اس قدر مقابلہ نفس کا کیا۔ ہر ایک کو طاقت نہیں ہوتی کہ جذب نفس کے ساتھ کشتی کرے۔ آپ نے جن کو وہاں جاکر دیکھنا تھا ان کی صورتیں انسانوں کی ہی ہوں گی مگر دل کا کیا پتہ کہ وہ بھی انسانوں کے ہوں گے یا نہیں لوگ باوجود اسکے کہ ابتلاؤں میں مبتلا ہیں مگر تکبر ان کے دماغ سے نہیں گیا ہم سے تمسخر وغیرہ اسی طرح ہے اور دلی والے پنجابیوں کو توبیل کہتے ہیں (جس کے معنے پنجابی میں ڈھگا ہے) ان کے خیالوں میں صرف دنیا کی زندگی ہے مگر جو لوگ بہروپیوں کے رنگ میں بولتے ہیں ان کو پاک عقل نہیں ملتی[1]

۳۱ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

مغرب اور عشاء کے درمیان حضور علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔

نمازِ جمعہ کیلئے تین آدمی ہونا ضروری ہیں

ایک صاحب نے بذریعہ خط استفسار فرمایا تھا کہ وہ صرف اکیلے ہی اس مقام پر حضرت اقدس سے بیعت ہیں جمعہ تنہا پڑھ لیا کریں یا نہ پڑھا کریں حضرت نے فرمایا کہ

جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے اگر دو آدمی مقتدی اور تیسرا امام اپنی جماعت کے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ لیا کریں وَاِلَّا نہ (سوائے احمدی احباب کے دوسرے کے ساتھ جماعت اور جمعہ جائز نہیں)

شہرت پسندی سے اجتناب

ایک صاحب نے عرض کی حضور نے جہلم تاریخ مقدمہ پر جانا ہے اگر اجازت ہو تو اشتہار

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۳ مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء

دیدیا جائے تاکہ ہر ایک اسٹیشن پر لوگ زیارت کے لئے آجائیں فرمایا کہ
جو ہمیں ملنے والے ہیں وہ تو اکثر آتے جاتے رہتے ہیں اور جو لوگ جماعت میں داخل نہیں ہیں ان کے لئے سر درد خریدنے سے کیا فائدہ؟ میری طبیعت کے یہ امر برخلاف ہے اگر وہ اہل ہوتے تو خود یہاں آتے اب اس طرح ان سے ملاقات تو وقت کا ضائع کرنا ہے۔

خُلق اور خَلق

ایک نووارد صاحب نے عرض کی کہ حضرت خلق کے کیا معنے ہیں
حضرت اقدس نے فرمایا کہ
خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں خَلق تو ظاہری حسن پر بولا جاتا ہے اور خُلق باطنی حسن پر بولا جاتا ہے باطنی قویٰ جس قدر مثل عقل، فہم، سخاوت، شجاعت، غضب وغیرہ انسان کو دیئے گئے ہیں ان سب کا نام خُلق ہے اور عوام الناس میں آج کل جسے خلق کہا جاتا ہے جیسے ایک شخص کے ساتھ تکلف کے ساتھ پیش آنا اور تصنع سے اس کے ساتھ ظاہری طور پر بڑی شیریں الفاظی سے پیش آنا تو اس کا نام خلق نہیں بلکہ نفاق ہے۔

خُلق سے مراد یہ ہے کہ اندرونی قویٰ کو اپنے اپنے مناسب مقام پر استعمال کیا جائے جہاں شجاعت دکھانے کا موقعہ ہو وہاں شجاعت دکھاوے جہاں صبر دکھانا ہے وہاں صبر دکھائے۔ جہاں انتقام چاہئے وہاں انتقام لے۔ جہاں سخاوت چاہئے وہاں سخاوت کرے۔ یعنی ہر ایک محل پر ہر ایک قویٰ کو استعمال کرے نہ گھٹایا جائے نہ بڑھایا جائے۔ یہاں تک کہ عقل اور غضب بھی جہاں تک کہ اس سے نیکی پر استقامت کی جاوے خُلق ہی میں داخل ہے اور صرف ظاہری حواس کا نام ہی حواس نہیں ہے بلکہ انسان کے اندر بھی ایک قسم کے حواس ہوتے ہیں ظاہری حواس تو حیوانوں میں بھی ہوتے ہیں مثلاً اگر ایک بکری گھاس کھا رہی ہے اور دوسری بکری آجائے تو پہلی بکری کے اندر یہ ارادہ پیدا نہ ہوگا کہ اسے بھی ہمدردی سے گھاس کھانے میں شریک کرے۔ اسی طرح شیر میں اگرچہ زور اور طاقت تو ہوتی ہے مگر ہم اسے شجاع نہیں کہہ سکتے کیونکہ شجاعت کے واسطے محل اور بے محل دیکھنا بہت ضروری ہے انسان اگر جانتا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے یا اگر میں وہاں جاؤں گا تو قتل ہو جاؤں گا تو اس کا وہاں نہ جانا ہی شجاعت میں داخل ہے اور پھر اگر محل اور موقعہ کے لحاظ سے مناسب دیکھے کہ میرا وہاں جانا ضروری ہے خواہ جان خطرہ میں پڑتی ہو۔ تو اس مقام پر جانے کا نام شجاعت میں داخل ہے۔ جاہل آدمیوں سے جو

بعض وقت بہادری کا کام ہوتا ہے حالانکہ ان کو محل بے محل دیکھنے کی تمیز نہیں ہوتی اس کا نام تہور ہوتا ہے کہ وہ ایک طبعی جوش میں آجاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کام کرنا چاہئے تھا کہ نہیں۔ غرضیکہ انسان کے نفس میں یہ سب صفات مثل صبر' سخاوت' انتقام' ہمت' بخل' عدم بخل' حسد' عدم حسد ہوتی ہیں اور ان کو اپنے محل اور موقعہ پر صرف کرنے کا نام خلق ہے۔ حسد بہت بری بلا ہے لیکن جب موقعہ کے ساتھ اپنے مقام پر رکھا جاوے تو پھر بہت عمدہ ہوجاوے گا۔ حسد کے معنی ہیں دوسرے کا زوال نعمت چاہنا لیکن جب اپنے نفس سے بالکل محو ہو کر ایک مصلحت کے لئے دوسرے کا زوال چاہتا ہے تو اس وقت یہ ایک محمود صفت ہو جاتی ہے جیسے کہ ہم تثلیث کا زوال چاہتے ہیں۔

ملائک اور شیطان کا عقلی ثبوت

انسان کے اندر دو ملکے خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں ایک فرشتہ اور ایک شیطان۔

نووارد صاحب نے سوال کیا کہ فرشتہ اور شیطان کا عقلی ثبوت کیا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ کے قویٰ میں کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بد کاری کی طرف تحریک ہوتی ہے یا نہیں؟ نووارد صاحب نے کہا کہ ہاں۔ پھر فرمایا کہ

کبھی بھوکے انسان کو دیکھ کر رحم بھی آجاتا ہے اور رحم کی تحریک ہوتی ہے؟

نووارد صاحب نے کہا کہ ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ

جب تحریک ہوتی ہے تو محرک کوئی اندر ہے جو تحریک کرتا ہے کیونکہ تحریک کے لئے محرک کا ہونا ضروری ہے اور انسان خود اس کا محرک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حالت مفعول میں ہے تو پھر فاعل کیسے ہوگا (کیونکہ تحریک کا عمل اس پر ہوتا ہے اس لئے انسان مفعول ہے) تو اس نیکی کے محرک کو ہم فرشتہ اور بدی کے محرک کو شیطان کہتے ہیں۔ شریعت کا علم بہرحال ہم سے بڑھ کر ہے جن امور کے ہم زیر اثر ہیں شریعت نے ان کی تفصیل کر دی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم نہ مانیں یہ سب کچھ انسان کو محسوس ہوتا ہے اور ابھی آپ نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد ایک شئے رہتی ہے آپ اسے مانتے ہیں اس کا نام روح ہے اسے علم بھی ہوتا ہے انسان کتاب یاد کرتا ہے اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس کے علم میں کوئی فرق نہیں آتا اس سے ثابت ہے کہ علم روح کی صفت ہے نہ کہ جسم کی۔ ورنہ ضرور تھا کہ ہاتھ کاٹنے سے اس کے علم میں فرق آجاتا۔ اب

ایک دہریہ جو کہ روح کا قائل نہیں ہے اس کے نزدیک تو پھر جسم کا حصہ کاٹنے سے علم کا کچھ حصہ ضرور جاتا رہتا اگر کہو کہ مجنون بھول جاتا ہے تو یہ بات غلط ہے مجنون ہرگز بھولتا نہیں ہے بلکہ ہر ایک شئے کا علم اس کے اندر مخفی ہوتا ہے جب اس کے جنون کی اصلاح ہو تو فوراً وہ علم آجاتا ہے جیسے آگ پتھر میں مخفی ہوتی ہے کہ رگڑ سے تو ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال مجنون کا ہوتا ہے ہم خود دیکھتے ہیں کہ ایک بات کرتے کرتے ایک لفظ ایسا وقت پر بھول جاتا ہے کہ ہرچند اس وقت یاد کریں مگر یاد نہیں آتا پھر دوسرے وقت خود ہی یاد آجاتا ہے (گویا ایک وقت ہر ایک بات کا علم نہ ہونے سے اس بات کا عدم علم ہرگز ثابت نہیں ہوتا) تو مخفی ہونا اور شئے ہے اور محو اور نابود ہونا اور شئے ہے آجکل کے فلسفی لوگ ان باتوں میں سے بعض کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے (تو اب جیسی غیر مرئی شئے خدا اور روح ہے ویسے فرشتے ہیں) مگر فرشتوں کو نہیں مانتے تو یہ ان کی حماقت ہے پھر جو روح کو مانتے ہیں کیا ہمیں دکھلا سکتے ہیں کہ روح کیا شئے ہے۔ انسان اگر مرتا ہے تو خواہ اسے کسی لوہے کے قالب میں ہی بند کردیں کہ جس میں ہوا کا بھی دخل نہ ہو مگر پھر بھی مرتے وقت کوئی ایسی شئے نظر نہ آوے گی کہ ہم کہیں کہ اسی کا نام روح ہے۔ اور کہاں سے جان نکلتی ہے پھر اسی طرح انڈے میں کیا بتلا سکتے ہیں کہ کہاں سے داخل ہوتی ہے بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ انڈے میں بچہ مرا ہوا ہوتا ہے گویا روح داخل ہو کر پھر نکل بھی گئی اور نظر بھی کسی کو نہ آئی تو یہ ایک بھید ہے جس کی حقیقت کیا سمجھ آسکتی ہے ہرگز سمجھ میں نہیں آتی۔

دلائل کی دو اقسام

دلائل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اِنّی اور ایک لِمّی۔ کھوج نکال کر جاننا اس کا نام لمی ہے اور انی یہ ہے کہ آثار سے معلوم کرلینا جیسے قارورہ کو دیکھ کر طبیب گرمی تپ وغیرہ کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ یہ انی ہے اور تپ وغیرہ دیکھ کر قارورہ کی نسبت یہ سمجھ لینا یہ لمی ہے۔ تو روح میں لمیت ہم دریافت نہیں کرسکتے مگر آثار بتلاتے ہیں کہ ایک شئے ہے تو اس طرح کے عجائبات کثیر ہیں۔

ظاہری اور باطنی رویت

اسی طرح ایک رویت آنکھ میں ہے کہ ہر ایک شئے کو دیکھتی ہے مگر ایک دیوار کے پیچھے ایک شئے ہوتی ہے تو نہیں دیکھ سکتی آنکھ کیوں نہیں دیوار کے پیچھے دیکھ سکتی اس کے دلائل کیا بیان ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک رویت روح میں ہے کہ بیٹھے بٹھائے دور تک دیکھ لیتی ہے خواہ وہ تین چار دیواریں درمیان میں حائل ہوں مگر اسے پروا نہیں ہوتی وہ اس شئے کو یہاں بیٹھے اس طرح دیکھتی

ہے جیسے کھلی روشنی میں ایک شیئے نظر آتی ہے۔

اس پر نووارد صاحب حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے اور تعجب ظاہر کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا

خود ہم نے کئی دفعہ اس طرح دیکھا ہے کہ تین دیواریں درمیان میں حائل ہیں مگر ہم نے وہ شیئے دیکھ لی۔ خبر نہیں کہ اس وقت کیا ہوتا ہے دیوار مطلق رہتی ہی نہیں اور انہیں آنکھوں سے اس وقت سب کچھ نظر آتا ہے۔

اس مقام پر حضرت اقدس نے ایک واقعہ سنایا کہ

ایک دفعہ ایک خاکروبہ نے ایک جگہ سے میلا اٹھایا اور اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا۔ میں جو مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا مجھے نظر آیا کہ اس نے ایک حصہ چھوڑ دیا ہے تو میں نے اس خاکروبہ سے کہا۔ وہ سن کر حیران ہوئی کہ اس نے اندر بیٹھے کیسے دیکھ لیا میں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ باوجود میلے کے سر پر موجود ہونے کے نہیں دیکھ سکتی حالانکہ مجھے اس قدر دور دراز فاصلہ سے دکھلا دیا۔

نووارد صاحب نے عرض کی کہ پھر یہ بات اور اس رویت روحانی کا کیسے پتہ لگے اور سمجھ میں آوے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بہت دیر صحبت میں رہے تو سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کی نظیر یہ پیشگوئیاں بھی ہیں جو ہم کرتے ہیں کیونکہ جو علوم پیش از وقت خدا بتلاتا ہے وہ بھی تو ایک قسم کی دیوار کے پیچھے ہیں جو کہ درمیان میں حائل ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد اس نے گرنا ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ قبل از وقت دکھلا دیتا ہے اور اسی عالم میں یہ سب عجائبات ہیں۔ کل یا پرسوں ایک نیچری کا خط آیا کہ میرے نزدیک تو انسان کے واسطے خدا شناسی ممکن ہی نہیں ہے تو بات یہی ہے کہ جب روحانی حصہ نہ دیا جاوے تب تک کیا پتہ لگتا ہے۔ انسان کا خاصہ علم ہی ہے اگر علم نہ ہو تو صرف جسد ہی ہوا۔

رفع حجاب کے دو طریق

دو آدمی سعید ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کا اللہ تعالیٰ بالذات رفع حجاب کرتا ہے اور اپنی خدائی طاقتوں سے اپنی ہستی ان پر کھول دیتا ہے۔ دوسرے وہ جو ایسے آدمیوں کی صحبت میں رہ کر ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرامؓ کی جماعت کہ ان کے تمام حجاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رفع ہوئے اور عظیم الشان نشانوں سے خدا نے ان پر اپنی ہستی کو کھول دیا اور کامل معرفت ان کو ملی مگر بے ہودہ فلسفیوں سے ہرگز ممکن نہیں کہ یہ ایمانی حالت ان کو نصیب ہو۔

ایمان تو ایک چولہ بدل کر دوسرا اسے پہنا دیتا ہے اور اسے ایک فوق العادت طاقت دی جاتی ہے کوئی فلاسفر نہیں گذرا کہ جسے یہ طاقت ملی ہو۔ افلاطون وغیرہ بھی اس سے بے نصیب رہے پاکیزگی کی وراثت بجز انبیاء کے نہیں آئی اور فلسفیوں وغیرہ میں بجز تکبر کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

دنیا کی مصنوعات میں زیادہ تر مشغول ہونے سے دین کے پہلو میں ضرور کمزوری ہوا کرتی ہے سچی بات یہی ہے کہ انسان لمبی صحبت میں رہے چند ایک نمونے جب اسے مل جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

خوابوں کی تعبیر

خواب میں نماز پڑھنے اور شیرینی کھانے کی تعبیر میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کسی وقت چاہے گا تو نماز میں حلاوت عطا کرے گا

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ خواب میں پڑھنے پر فرمایا کہ کسی دشمن پر فتح ہوگی

خوابوں کی تعبیر ہر ایک کے حال کے مطابق ہوتی ہے

فرمایا :-

خوابوں کی تعبیر ہر ایک کے حال کے موافق مختلف ہوا کرتی ہے ایک دفعہ ابن سیرین کے پاس ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کوڑے کے ڈھیر پر ننگا کھڑا ہوں۔ ابن سیرین نے کہا کہ اگر کوئی اور شخص کافر یا فاسق اس خواب کو بیان کرتا تو میں اس کی تعبیر اور بیان کرتا۔ مگر تو اس تعبیر کے لائق نہیں ہے اس لئے سن کہ کوڑے اور کھاد سے مراد تو دنیا ہے جس میں تو موجود زندہ ہے اور ننگے ہونے سے مراد یہ ہے کہ تیرے صفات حسنہ سب لوگوں پر کھلے ہیں کیونکہ ننگا ہونے سے انسان کا سب ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح لوگ تیری خوبیاں دیکھ رہے ہیں تو مطلب اس سے یہ ہے کہ صالح آدمی کے خواب کی تعبیر اور ہوتی ہے اور شقی کی اور۔

پیدائش کے اسرار

پھر اس کے بعد روح کا ذکر چلا اور ایک شخص نے اس کے متعلق سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

جس شئے نے پیدا ہونا ہوتا ہے تو روح کی استعداد اس شئے میں ساتھ ساتھ چلی آتی ہے۔

جیسے جیسے وہ تیار ہوتی جاتی ہے اور جب وہ عین لائق ہوتی ہے تو خدا اس پر فیضان کرتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون : ۱۵) میں نے ایک انڈے کو ایک دفعہ پیالی میں ڈالا دیکھا تو اس کی زردی اور سفیدی پانی کی طرح ہوئی ہوئی تھی۔ اور اس کے درمیان میں ایک نقطہ خون کا خشخاش کے دانہ کی طرح تھا اور اس کی کئی تاریں کوئی کسی طرف کو اور کوئی کسی طرف کو نکلی ہوئی تھیں اور سوائے اس نقطہ کے اور کوئی حرکت اس میں نہ تھی تو میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ خلق اشیاء کا سلسلہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ اول سر بنایا۔ پھر ہاتھ پاؤں وغیرہ بلکہ اس کی کارروائی یکساں ہوتی ہے اور سب کچھ پہلے سے ہی ہوتا ہے صرف نشوونما پاتا جاتا ہے میں نے بعض دائیوں کو کہا ہوا تھا کہ جو بچے اسقاط ہوا کریں تو دکھایا کرو تو میں نے بعض بچے دیکھے ان کے بھی سب اعضاء وغیرہ بنے بنائے تھے خدا کا یہ خلق معمار کی طرح نہیں کہ اول دیواریں بنائیں پھر چوبارہ بنایا پھر اوپر اور کچھ بنایا بلکہ چار ماہ کے بعد جب روح کی تکمیل ہوتی ہے تو اس وقت اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اس پر صادق آتا ہے تو بچہ حرکت کرنے لگتا ہے۔

تکمیل کے مراتب ستّہ

جیسے دنیا کے سات دن ہیں یہ اشارہ اسی طرف ہے کہ دنیا کی عمر بھی سات ہزار برس ہے اور یہ کہ خدا نے دنیا کو چھ دن میں بنا کر ساتویں دن آرام کیا اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ ہر شیئے چھ مراتب ہی طے کر کے مرتبہ تکمیل کا حاصل کرتی ہے نطفہ میں بھی اسی طرح چھ مراتب ہیں کہ انسان اول سلسلہ میں طین ہوتا ہے پھر نطفہ' پھر علقہ' پھر مضغہ' پھر عظاما' پھر لحما' پھر سب کے بعد اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کچھ نہیں آتا بلکہ اندر سے ہی ہر ایک نشوونما پاتی ہے۔

رُوح سے متعلق آریوں کے عقیدہ کا رَدّ

آریوں کا یہ اصول کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح اندر سے نکل کر آکاش میں رہتی ہے رات کو اوس کے ساتھ مل کر کسی پتہ یا گھاس پر پڑتی ہے وہ پتہ یا گھاس کوئی کھا لیتا ہے تو اس کے ساتھ وہ روح بھی کھا لی جاتی ہے جو کہ پھر دوسری جاندار شے میں نمودار ہوتی ہے اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بچہ خلق اور خلق میں ماں باپ ہر دو سے حصہ لیتا ہے اور جیسے جسمانی حصہ لیتا ہے ویسے ہی روحانی بھی لیتا ہے تفاوت مراتب کے لحاظ سے تناسخ کی ضرورت کو ماننا غلطی ہے یہ تو ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے نباتات میں بھی ہم تفاوت مراتب کو دیکھتے ہیں اور اسی طرح انسانوں میں

بھی۔

آریوں کے دیگر عقائد

جس قدر بادشاہ اور راجے ہیں اگر وہ لوگ اس آرام کے ساتھ ایک مشقت عبادت کی نہ ملاویں گے تو وہ سخت عذاب پاویں گے۔ خدا تعالیٰ نے بعض کو خود مشقت دے دی ہے اور بعض کو نہیں۔ جو لوگ دنیا میں دولت رکھتے ہیں اور عیاشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان سے حساب ہوگا جیسے ایک انسان سرد پانی پیتا ہے مگر اپنے بھائی کو نہیں دیتا تو سزا پائے گا۔ جس حال میں کہ آگے جاکر سب کمی بیشی پوری ہو جانی ہے تو پھر اعتراض کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں کہ خدا ہے۔ کشف و کرامات کے منکر ہیں۔ روح اور پرمانو کو انادی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف جوڑ جاڑ پرمیشر کرتا ہے ہم کہتے ہیں کہ جب روح اپنی صفات میں پرمیشر کی محتاج نہیں ہے اور نہ ذرات (پرمانو) پرمیشر کے محتاج ہیں تو پھر جوڑنے میں اس کی کیوں احتیاج ہوئی؟ بلکہ جیسے وہ خود اپنے وجود اور صفات میں خود بخود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپس میں جڑ نہ سکتی ہوں؟ جب ایک انسان کا بدن اپنا ہے کپڑے اپنے ہیں تو پہننے کے واسطے دوسرے کی کیا ضرورت ہوئی؟ عیسائیوں کی طرح ان کے ہاتھ میں بھی اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ اسلام پر کثرت ازدواج کا اعتراض کرتے ہیں حالانکہ کرشن کی کئی ہزار بیویاں تھیں[1]

یکم جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

ہدیہ عید

حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عید کی مبارک صبح کو جو الہام بطور ہدیہ عید سنایا اور اس کے متعلق جو اشتہار شائع کیا گیا ہے اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں وَھُوَ ھٰذَا:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ

وحی الٰہی کی ایک پیشگوئی جو پیش از وقت شائع کی جاتی ہے چاہئے کہ ہر ایک شخص اس کو

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۳ء

خوب یاد رکھے۔

اول ایک خفیف خواب[1] جو کشف کے رنگ میں تھا مجھے دکھایا گیا کہ میں نے ایک لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے اور چہرہ چمک رہا ہے پھر وہ کشفی حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل ہو گئی چنانچہ وہ تمام فقرات وحی الٰہی کے جو بعض اس کشف سے پہلے اور بعض بعد میں تھے ذیل میں لکھے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

يُبْدِئُ لَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْئًا۔ اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ۔ بِشَارَةٌ تَلَقَّاهَا النَّبِيُّوْنَ۔

ترجمہ:۔

خدا جو رحمان ہے تیری سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ ظہور میں لائے گا خدا کا امر آرہا ہے تم جلدی نہ کرو یہ ایک خوشخبری ہے جو نبیوں کو دی جاتی ہے۔

صبح پانچ بجے کا وقت تھا یکم جنوری ۱۹۰۳ء و یکم شوال ۱۳۲۰ھ روز عید جب میرے خدا نے مجھے یہ خوشخبری دی۔ اس سے پہلے ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور وحی ہوئی تھی جو میری طرف سے حکایت تھی اور وہ یہ ہے :۔

اِنِّیْ صَادِقٌ صَادِقٌ وَسَيَشْهَدُ اللّٰهُ لِیْ

ترجمہ:۔

میں صادق ہوں صادق ہوں عنقریب خدا تعالیٰ میری گواہی دے گا۔

یہ پیشگوئیاں باواز بلند پکار رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا امر میری تائید میں ظاہر ہونے والا ہے جس سے میری سچائی ظاہر ہو گی اور ایک وجاہت اور قبولیت ظہور میں آئے گی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کا نشان ہو گا تا دشمنوں کو شرمندہ کرے اور میری وجاہت اور عزت اور سچائی کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دے۔

نوٹ :۔ چونکہ ہمارے ملک میں یہ رسم ہے کہ عید کے دن صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرتے ہیں سو میرے خداوند نے سب سے پہلے یعنی قبل از صبح پانچ بجے مجھے اس عظیم الشان پیشگوئی کا ہدیہ بھیج دیا ہے۔ اس ہدیہ پر ہم شکر کرتے ہیں اور ناظرین کو یہ بھی خوشخبری دیتے ہیں کہ ہم عنقریب ان نشانوں کے متعلق بھی ایک اشتہار شائع کریں گے جو اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک گذشتہ

---

[1] فجر کی نماز کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ السلام نے تشریف لاتے ہی یہ رؤیا سنائی اور فرمایا کہ ان کو آج ہی شائع کر دیا جائے۔ (بدر ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء)

سالوں میں ظہور میں آچکے ہیں۔

المشتہر

مرزا غلام احمد قادیانی

یکم جنوری ۱۹۰۳ء[1]

قادیان میں عید الفطر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نماز عید سے پیشتر احباب کے لئے میٹھے چاول تیار کروائے اور سب احباب نے مل کر تناول فرمائے۔ گیارہ بجے کے قریب خدا کا برگزیدہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ سادے لباس میں ایک چوغہ زیب تن کئے مسجد اقصیٰ میں تشریف لایا جس قدر احباب تھے انہوں نے دوڑ کر حضرت اقدس کی دست بوسی کی اور عید کی مبارک باد دی۔

اتنے میں حکیم نورالدین صاحب تشریف لائے اور آپ نے عید کی نماز پڑھائی اور ہر دو رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پیشتر سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے ساتھ حضرت اقدس علیہ السلام نے گوش مبارک تک حسب دستور اپنے ہاتھ اٹھائے

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام تشریف لائے تو کمر کے گرد ایک صافہ لپٹا ہوا تھا۔

فرمایا کہ

کچھ شکایت درد گردہ کی شروع ہو رہی ہے اس لئے میں نے باندھ لیا ہے ذرا غنودگی ہوئی تھی اس میں الہام ہوا ہے۔

تا عود صحت

فرمایا کہ

صحت تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جب تک وہ ارادہ نہ کرے کیا ہو سکتا ہے۔

ہمت بلند رکھنی چاہیئے

عصر کے بعد حضور نے مجلس فرمائی سید ناصر شاہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

ہمت بلند رکھنی چاہیئے انسان اگر دنیوی امور میں ہمت ہار دے تو دینی امور میں بھی ہار دیتا ہے یہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

عجیب چیز ہے کیونکہ گواہی دیتی ہے کہ قویٰ ٹھیک ہیں جو لوگ کم ہمت ہوں ان میں پست خیالی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجدوں کے ملاں جو ہوتے ہیں ان کو دیکھو۔ ایک بار ہمارے میرزا صاحب مرحوم کے پاس یہاں کا ایک ملاں شکایت لایا کہ ہمارے جو گھر باہم تقسیم ہوئے ہیں تو مجھے چھوٹے قد کے آدمیوں کے گھر ملے ہیں اور ان کے مرنے سے بہت چھوٹا کفن ملا ہے یہاں تک حالت ان لوگوں کی گر جاتی ہے کہ ایک ملاں نے نماز جنازہ غلط پڑھی جب کہا گیا تو جواب دیا کہ اس کی مشق نہیں رہی۔

غرض دنیا کے ہر معاملہ میں ہمت نہ کی تو دین میں بھی پست ہمتی پیدا ہو جاتی ہے۔

پیشہ ور نماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز درست نہیں

میرے نزدیک جو لوگ پیشہ کے طور پر نماز پڑھاتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست نہیں وہ اپنی جمعرات کی روٹیوں یا تنخواہ کے خیال سے نماز پڑھاتے ہیں اگر نہ ملے تو چھوڑ دیں معاش اگر نیک نیتی کے ساتھ حاصل کی جائے تو عبادت ہی ہے جب آدمی کسی کام کے ساتھ موافقت کرلے اور پکا ارادہ کرلے تو تکلیف نہیں ہوتی وہ سہل ہو جاتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

مغرب کے بعد ایک صاحب نے اپنا خواب سنایا جس میں انہوں نے انگوٹھی دیکھی۔
تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔
انگوٹھی سے مراد یہ ہے کہ انسان اسی حلقہ میں آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تمثّل رؤیا میں دیکھنا

سید عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ماں کی شکل پر دیکھا[1] مگر میں نے (یعنی خود حضرت اقدس نے) ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ یہ تمام اللہ

---

[1] سلسلہ خواب میں ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کا تمثل بصورت حضرت مسیح موعود علیہ السلام دیکھنا بیان کیا اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمثلات ہوتے ہیں۔
(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

تعالیٰ کے تمثلات ہوتے ہیں ورنہ وہ تو تجسم سے پاک ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اپنے شانہ پر دیکھا۔

ایک الہام کی تشریح

آج کے الہامات میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُبْدِيْ لَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْئًا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مخفی ہے جو کہ ظاہر ہوگا خدا کے چھپانے میں بھی ایک عظمت ہوتی ہے اور خدا کا چھپانا ایسا ہے جیسے کہ جنّت کی نسبت فرمایا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ:۱۸)

(کوئی نہیں جانتا کہ کیسی کیسی قُرَّةِ اَعْيُنٍ ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے) درحقیقت چھپانے میں بھی ایک قسم کی عزت ہوتی ہے جیسے کھانا لایا جاتا ہے تو اس پر دستر خوان وغیرہ ہوتا ہے تو یہ ایک عزت کی علامت ہوتی ہے يُبْدِيْ لَكَ الرَّحْمٰنُ بھی دلالت کرتا ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ ظاہر کروں گا یعنی کوئی شیئے ہے کہ اس وقت چھپائی ہوئی ہے۔

جماعت نشانوں سے درست ہوگی

میں کہتا ہوں کہ میری جماعت نصائح سے درست نہ ہوگی بلکہ نشانوں سے درست ہوگی۔ دہریت کی جڑ جب اندر ہوتی ہے تو قاعدہ کی بات ہے کہ اثر نہیں ہوا کرتا خدا کو خدا کے ہی ذریعہ سے پہچان سکتے ہیں۔ دنیا میں جس شیئے کی معرفت انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی عظمت بھی اس پر کھل جاتی ہے اس وقت وہ اس سے متاثر ہوتا ہے جیسے دریا میں اپنے آپ کو دیدہ دانستہ نہیں ڈالتا۔ شیر سامنے ہو تو اس کے مقابل نہیں جاتا جس جگہ سانپ کا خطرہ ہو تو اس جگہ نہیں گھستا اور ایک مقام پر بجلی پڑتی ہو تو وہاں سے بھاگتا ہے ایک طرف تو یہ لوگ دعویٰ امت کا کرتے ہیں دوسری طرف کرتوت ایسی ہے کہ خدا کی پناہ تو اس کے کیا معنے ہوئے؟

ایک الہام

ایک میرا گزشتہ ایام کا الہام ہے یہاں ذکر کرنا یاد نہ رہا وہ یہ ہے۔

اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَةُ

مولانا عبدالکریم صاحب نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نیا اسم ہے آج تک کبھی نہیں سنا حضرت اقدس نے فرمایا۔

بیشک اسی طاعون کی نسبت جو الہامات ہیں وہ بھی ہیں جیسے اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ یہ بھی کیسے لطیف الفاظ ہیں گویا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ طاعون کے متعلق میرے دو کام ہوں گے کچھ حصہ چپ رہوں گا یعنی روزہ رکھوں گا اور کچھ افطار کروں گا اور یہی واقعہ ہم چند سال سے دیکھتے ہیں شدت گرمی اور شدت سردی کے موسم میں طاعون دب جاتی ہے گویا وہ اصوم کی حالت ہے اور فروری مارچ اکتوبر وغیرہ میں زور کرتی ہے وہ گویا افطار کا وقت ہوتا ہے اور اسی لطیف کلام میں سے ہے

اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَۃُ

نماز میں لذّت کے حصول کی شرائط

ایک نے عرض کی کہ نماز میں لذت کچھ نہیں آتی حضرت قدس علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز نماز بھی ہو۔ نماز سے پیشتر ایمان شرط ہے ایک ہندو اگر نماز پڑھے گا تو اسے کیا فائدہ ہو گا جس کا ایمان قوی ہو گا وہ دیکھے گا کہ نماز میں کیسے لذت ہے اور اس سے اول معرفت ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے آتی ہے اور کچھ اس کی طینت سے آتی ہے جو محمود فطرت والے مناسب حال اس کے فضل کے ہوتے ہیں اور اس کے اہل ہوتے ہیں انہیں پر فضل بھی کرتا ہے ہاں یہ بھی لازم ہے کہ جیسے دنیا کی راہ میں کوشش کرتا ہے ویسے ہی خدا کی راہ میں بھی کرے پنجابی میں ایک مثل ہے "جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا"

دُعا کی حقیقت

لوگ کہتے ہیں کہ دعا کرو۔ دعا کرنا مرنا ہوتا ہے اس پنجابی مصرعہ کے یہی معنے ہیں کہ جس پر نہایت درجہ کا اضطراب ہوتا ہے وہ دعا کرتا ہے دعا میں ایک موت ہے اور اس کا بڑا اثر یہی ہوتا ہے کہ انسان ایک طرح سے مرجاتا ہے مثلاً ایک انسان ایک قطرہ پانی کا پی کر اگر دعویٰ کرے کہ میری پیاس بجھ گئی ہے یا یہ کہ اسے بڑی پیاس تھی تو وہ جھوٹا ہے ہاں اگر پیالہ بھر کر پیوے تو اس بات کی تصدیق ہو گی۔ پوری سوزش اور گدازش کے ساتھ جب دعا کی جاتی ہے حتیٰ کہ روح گداز ہو کر آستانہ الٰہی پر گر جاتی ہے اور اسی کا نام دعا ہے اور الٰہی سنت یہی ہے کہ جب ایسی دعا ہوتی ہے تو خداوند تعالیٰ یا تو اسے قبول کرتا ہے اور یا اسے جواب دیتا ہے۔

خدا کا کلام فرمانا

اس مقام پر سائل نے کہا کہ جواب کیسے دیتا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ
بات کر کے بتلا دیتا ہے

سائل نے کہا کہ خدا کیسے بات کرتا ہے؟
فرمایا کہ

خدا کے فرشتے کلام کرتے ہیں اکثر دفعہ خدا کے فرشتوں نے ہمارے ساتھ کلام کی ہے مکالمات الٰہیہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان پر کلام جاری کر رہا ہے اور وہ ایسی طاقت اور شدت سے ہوتا ہے کہ جیسے ایک فولادی میخ دھنستی جاتی ہے ایسی لطافت ہوتی ہے کہ گویا خدا کا کلام ہے۔

نماز پڑھنے کا طریق

نماز پڑھو اور تدبر سے پڑھو اور ادعیہ ماثورہ کے بعد اپنی زبان میں دعائیں مانگنی مطلق حرام نہیں ہے جب گدازش ہو تو سمجھو کہ مجھے موقعہ دیا گیا ہے اس وقت کثرت سے مانگو اس قدر مانگو کہ اس نکتہ تک پہنچو کہ جس سے رقت پیدا ہو جاوے۔ یہ بات اختیاری نہیں ہوتی خدا تعالیٰ کی طرف سے ترشحات ہوتے ہیں۔ اس کوچہ میں اول انسان کو تکلیف ہوتی ہے مگر ایک دفعہ چاشنی معلوم ہو گی تو پھر سمجھے گا جب اجنبیت جاتی رہے گی اور نظارہ قدرت الٰہی دیکھ لے گا تو پھر پیچھا نہ چھوڑے گا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ تجربہ میں جب ایک دفعہ ایک بات تھوڑی سی آجاوے تو تحقیقات کی طرف انسان کی طبیعت میلان کرتی ہے اصل میں سب لذات خدا تعالیٰ کی محبت میں ہیں۔ ملعون لوگ (یعنی جو خدا سے دور ہیں) جو زندگی بسر کرتے ہیں وہ کیا زندگی ہے۔ بادشاہ اور سلاطین کی کیا زندگیاں ہیں مثل بہائم کے ہیں۔ جب انسان مومن ہوتا ہے تو خود ان سے نفرت کرتا ہے۔

صادقوں کی صحبت میں آجاؤ

دہلی کے جلسہ میں جو لوگ بڑے شوق سے جاتے ہیں سوائے اس کے کہ وہاں بعض مسخ شدہ شکلوں کو دیکھیں اور کیا دیکھیں گے یہ لوگ ایسے دور دراز خیالات میں آگر پڑے ہیں کہ جب فرشتہ آکر جان نکالے گا تو اس وقت ان کو حسرت ہوگی۔

ایمان لانے سے اور خدا کی عظمت کے دل میں ہونے کی اول نشانی یہ ہے کہ انسان ان تمام کو مثل کیڑوں کے خیال کرے ان کو دیکھ کر دل میں نہ ترسے کہ یہ فاخرہ لباس پہن کر گھوڑوں پر سوار ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کی زندگی بد اور کتوں کی سی زندگی ہے کہ مردار دنیا پر دانت مار رہے ہیں۔انسان کو اگر دیکھنے کی آرزو ہو تو ان کو دیکھیں۔ جو منقطعین ہیں اور خدا کی طرف آگئے ہیں اور خدا ان کو زندہ کرتا ہے ان کی زیارت سے مصائب دور ہوتے ہیں جو شخص رحمت والے کے پاس آوے گا تو وہ رحمت کے قریب تر ہو گا دنیا میں یہی بات غور کے قابل ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ : ۱۱۹) یعنی اے بندو تمہارا بچاؤ اسی میں ہے کہ صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

پھر نماز کی حلاوت کے سوال پر فرمایا کہ

نشوونما رفتہ رفتہ ہوا کرتا ہے یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں آگئے اگر خدا نہ چاہتا تو آپ کیا کرتے؟ ممکن تھا کہ اول دلی کی طرف جاتے تو وہاں سوائے لاف و گزاف کے کیا ساتھ لے جاتے یا چند ایک تماشے شعبدہ بازی کے دیکھ لیتے۔

سائل نے عرض کی کہ میرا خیال تھا کہ آپ ضرور جلسہ دہلی میں ہوں گے آپ کا کیمپ مع اپنی جماعت کے الگ ہو گا حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم ان باتوں سے ایسے متنفر ہیں کہ ان کے خیمے ہمارے نزدیک بھی ہوں تو ہم یہ خواہش کریں کہ خدا جلد تر ان کو یہاں سے اٹھا دے جیسے ایک مردار جب پاس پڑا ہو تو اسے جلدی اٹھوا دیتے ہیں کہ کہیں متعفن ہو کر بیماری کا باعث نہ ہو۔

سائل نے عرض کی کہ اس سے پیشتر مجھے بہت شوق جلسہ کا تھا مگر اب دو تین دن سے ذرا خیال تک بھی نہیں ہے حضور کی زیارت کو دل چاہتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

حق یہی ہے[1]

رؤیت ملائکہ

پھر سائل نے عرض کی کہ کیا ہم فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں؟

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

ہم ہر روز دیکھتے ہیں کبھی کشف میں۔ کبھی رؤیا میں۔ ایک حالت رؤیا کی ہوتی ہے وہ نیند میں ہوتی ہے اس میں غیبت حس ہوتی ہے کہ انسان سو کر کہیں کا کہیں سیر کرتا ہے اور مکان اس کا بدلتا ہے مگر کشف میں مکان نہیں بدلتا۔ کبھی غنودگی میں ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں اور باوجود غنودگی کے حصہ کے پھر بھی ایک آواز کو سنتا ہے۔ جانتا ہے کہ فلاں مکان میں ہوں ایک دفعہ میں نے فرشتوں کو انسان کی شکل میں دیکھا یاد نہیں کہ دو تھے یا تین آپس میں باتیں کرتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ تو کیوں اس قدر مشقت اٹھاتا ہے اندیشہ ہے کہ بیمار نہ ہو جائے میں نے سمجھا کہ یہ جو چھ ماہ کے روزے رکھے ہیں ان کی طرف اشارہ ہے (اس مقام پر حضرت اقدس نے اپنا واقعہ مجاہدہ اور ششماہی روزے کا بیان فرمایا جو کہ البدر نمبر ۱ میں زیر عنوان اسوہ حسنہ درج ہے)

فرمایا کہ

روزوں کو میں نے مخفی طور پر رکھا بعض دفعہ اظہار میں سلب رحمت کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے مخفی رکھنا اچھا ہوتا ہے چونکہ میں مامور تھا اس لئے کوئی مرض وغیرہ نہ ہوا ورنہ اگر کوئی اور ہوتا اور اس قدر شدت اٹھاتا تو ضرور مسلول مدقوق یا مجنون ہو جاتا۔

پھر ایک دفعہ مجھے ایک فرشتہ آٹھ یا دس سالہ لڑکے کی صورت میں نظر آیا اس نے بڑے فصیح اور بلیغ الفاظ میں کہا کہ خدا تعالیٰ تمہاری ساری مرادیں پوری کرے گا۔

اسی طرح ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک نالی شرقاً غرباً بہت لمبی صدہا میل تک کھدی ہوئی ہے اور اس کے اوپر صدہا بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور ہر ایک بھیڑ کے سر پر ایک قصاب ہاتھ میں چھری لئے ہوئے تیار بیٹھا ہے اور آسمان کی طرف ان کی نظر ہے جیسے حکم کا انتظار ہے میں اس وقت اس مقام پر مثل رہا ہوں اور ان کو دیکھ رہا ہوں ان کے نزدیک جاکر میں نے کہا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان : ۷۸)

انہوں نے اسی وقت چھریاں پھیر دیں کہ حکم ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ خلیفہ جو ہوتا ہے وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لئے میں نے جو آواز دی تو انہوں نے سمجھا کہ حکم ہو گیا اور جو آواز آسمان سے آنی تھی وہ میں نے کہی جب وہ بھیڑیں تڑپیں تو انہوں نے کہا کہ تم چیز کیا ہو میلا کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ ان ایام میں پچھتر ہزار آدمی ہیضہ سے مرا تھا ۱۸۸۲ء کا ذکر ہے۔

لیکھرام کے متعلق کشف

اس کے بعد حضرت اقدس نے لیکھرام کے متعلق کشف کا ذکر فرمایا جو کہ برکات الدعاء کے ٹائٹل پیج پر چھپا ہوا ہے۔

بعد ازیں فرمایا کہ

ایک دفعہ میں نے اسی لیکھرام کے متعلق دیکھا کہ ایک نیزہ ہے اس کا پھل بڑا چمکتا ہے اور لیکھرام کا سر کٹا پڑا ہوا ہے اسے نیزہ سے پرو دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ پھر یہ قادیان نہیں آوے گا (ان ایام میں لیکھرام قادیان میں تھا اور اس کے قتل سے ایک ماہ پیشتر کا یہ واقعہ ہے) فرمایا کہ

یہ عجائبات ہیں ختم ہونے میں نہیں آتے لیکھرام کے قتل کے وقت جب تلاشی میں کاغذات دیکھے گئے تو اس میں بہت سے خط نکلے جن میں لکھا تھا کہ وہ خبیث مارا گیا ہے اچھا ہوا کہ پیشگوئی پوری ہوئی اس میں جو پیشگوئی پوری کے الفاظ تھے وہ حکام کے ہر شک و شبہ کو دور کرتے تھے۔

تنہا احمدیوں کے لئے ہدایت

بعض احباب نے سوال کیا کہ کیا تنہا نماز پڑھ لیا کریں؟

فرمایا کہ

ہاں الگ اور تنہا پڑھ لیا کرو۔ یہ سلسلہ خدا کا ہے وہ چاہتا ہے کہ ان سے الگ رہو عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ خدا جماعت کردے گا۔[1]

۱۲ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

(بوقت سیر)

ایک الہام

فرمایا :- رات مجھے الہام ہوا

جَاءَنِیْ اَیْلٌ وَاخْتَارَ وَاَدَارَ اِصْبَعَهٗ وَاَشَارَ۔ یَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنَ الْعِدَا وَیَسْطُوْ

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

بِکُلِّ مَنْ سَطَا آئل جبریل ہے فرشتہ بشارت دینے والا۔
(ترجمہ) آیا میرے پاس آئل اور اس نے اختیار کیا (یعنی چن لیا مجھ کو) اور گھمایا اس نے اپنی انگلی کو اور اشارہ کیا کہ خدا تجھ کو دشمنوں سے بچائے گا اور ٹوٹ کر پڑے گا اس شخص پر جو تجھ پر اچھلا۔
فرمایا :۔
آئل اصل میں ایالت سے ہے یعنی اصلاح کرنے والا جو مظلوم کو ظالم سے بچاتا ہے یہاں جبریل نہیں کہا آئل کہا۔ اس لفظ کی حکمت یہی ہے کہ وہ دلالت کرے کہ مظلوم کو ظالموں سے بچاوے اس لئے فرشتہ کا نام آئل رکھ دیا پھر اس نے انگلی ہلائی کہ چاروں طرف کے دشمن۔ اور اشارہ کیا کہ یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنَ الْعِدَا وغیرہ۔
یہ بھی اس الہام سے جو پہلے ہوا تھا ملتا ہے کہ
اِنَّہٗ کَرِیْمٌ تَمْشِیْ اَمَامَکَ وَعَادٰی مَنْ عَادٰی وہ کریم ہے تیرے آگے آگے چلتا ہے جس نے تیری عداوت کی اس کی عداوت کی چونکہ آئل کا لفظ لغت میں نہ مل سکتا تھا یا زبان میں کم استعمال ہوتا ہوگا اس لئے الہام نے خود اس کی تفصیل کردی۔
(یہ گذشتہ چند روز کا الہام ہے)
جس طرح انبیاء کے صفات ہوتے ہیں اسی طرح ملائکہ کے بھی صفات ہوتے ہیں اور امید کے اجتہادی معنے جو کچھ ہم کریں اصل واقعہ تو اس وقت معلوم ہوگا جب وہ ظہور پذیر ہوگا۔
ایک نووارد[1] نے عرض کی کہ کاش مجھے بھی جبرائیل دکھایا جاتا فرمایا :۔
جب خدا آپ کو وہ آنکھیں عنایت کرے گا تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ (مریم : ۶۵) وہ تو خدا کے حکم سے نازل ہوتا ہے جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے رسالہ کفر کا لکھا تھا اور لوگوں کو بھڑکایا تھا کہ یہ مسلمان نہیں۔ ان کے جنازے نہ پڑھو مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن نہ کرو اس وقت لوگ بھڑکے اور ہماری مخالفت عام ہوگئی اور بغض و عداوت حد سے بڑھ گیا اس وقت میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ بھائی غلام قادر کی شکل پر ایک شخص آیا مگر فوراً مجھے معلوم کرایا گیا کہ یہ فرشتہ ہے میں نے کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہا

---

[1] الحکم میں نووارد کا لفظ نہیں بلکہ ابو سعید عرب صاحب کا نام لکھا ہے البدر میں بھی صرف اسی مقام پر "نووارد" لکھا ہے۔ آگے اس ڈائری میں عرب صاحب ہی لکھا ہے جس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ نووارد عرب صاحب ہی ہیں۔ (مرتب) (دیکھئے الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

جِئْتُ مِنَ الْحَضْرَۃِ[1]

میں جناب باری سے آیا ہوں چونکہ وہاں بہت لوگ معلوم ہوتے تھے میں نے اس سے الگ ہو کر ایک بات کرنے کی درخواست کی تو وہ علیحدہ ہو کر مجھے پوچھنے لگا میں نے کہا کہ لوگ تو مجھ سے الگ ہو گئے ہیں کہا کہ نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں معاً" میری حالت کشفی جاتی رہی۔

حدیث کا مرتبہ

فرمایا :-

سچی بات تو یہ ہے کہ صرف حدیث کو مدار شریعت رکھا جائے اور قرآن کو ترک کر دیا جائے تو یہ ایک تباہی کا نشان ہے جو حدیثیں قرآن کے موافق ہیں ان کی تو عزت کرو اور تعظیم کرو اور دوسری کو ترک کر دو۔

قیامت کے روز حشر کیسے ہوگا

عرب صاحب نے سوال کیا کہ قیامت کے دن لوگ جس طرح مرتے ہیں اسی طرح اول و آخر نمبوار حاضر ہوں گے یا ایک دم تمام متقدمین و متاخرین اکٹھے اٹھیں گے۔

فرمایا :-

الگ الگ ثابت نہیں سب اکٹھے اٹھیں گے ماننا پڑتا ہے کہ ہمارا خدا بڑا قادر ہے دیکھو نطفہ کیا چیز ہے اور پھر اس سے کس طرح انسان کامل بن جاتا ہے ہر شخص جو خدا کو ماننے والا ہے سورج چاند وغیرہ اجرام کو دیکھ کر کیا وہ بتلا سکتا ہے کہ کن چکروں پر یہ اسباب آیا تھا اور ان کا مصالحہ کہاں سے آیا تھا یہی ماننا پڑے گا اور پڑتا ہے کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ : ۸۳) پھر ہم کو ایسا ہی ماننا چاہئے کہ قیامت کے روز سب کا ایک دم مقابلہ کرا دے گا اور جن حسرتوں میں مومن مرگئے تھے اور ان کو معلوم نہ تھا کہ ہمارے مخالفوں کا کیا حال ہوا وہ ان کو دکھلا دیا جائے گا کہ دیکھو اے راست باز بندو! یہ منکرین کا حال ہے تب ان راستبازوں کو لذت آوے گی پس خدا کو ہم مان ہی نہیں سکتے جب تک کہ اس کو صاحب مقدرت کلی نہ مان لیں پہلے اس کے کاموں کو دیکھو ہم سب کو ماننا پڑتا ہے کہ ان کا کوئی فاعل ہے پھر کیا

---

[1] الحکم میں جِئْتُ مِنَ الْحَضْرَۃِ الْاُخْرٰی لکھا ہے (دیکھئے الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

وجہ کہ ایک حصہ میں اس کو ماننا اور ایک حصہ میں اس کا انکار کرنا اور شبہات میں پڑنا۔ یا تو پہلی دفعہ ہی انکار کرنا چاہئے یا بکلی ماننا چاہئے خدا کی صفات اور کام غیر محدود ہیں کیا دنیا کی ہزار ہا مخلوق اس بات کی کافی دلیل نہیں کہ خدا بڑا قوی خدا ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفات اَبدی ہیں

خدا کبھی معطل نہیں ہو گا ہمیشہ خالق، ہمیشہ رازق، ہمیشہ رب، ہمیشہ رحمان، ہمیشہ رحیم ہے اور رہے گا میرے نزدیک ایسے عظیم الشان جبوت والے کی نسبت بحث کرنا گناہ میں داخل ہے خدا نے کوئی چیز منوانی نہیں چاہی جس کا نمونہ یہاں نہیں دیا۔ ہم لڑکپن میں ایسا کرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ گلہری کو جب مار دیا جائے تو وہ بے حس و حرکت ہو جاتی ہے مگر پھر اگر اس کے سر کو گوبر میں دبا دیا جائے تو وہ زندہ ہو جایا کرتی ہے اسی طرح مکھی۔ یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی نیند اور غشی بھی موت ہی ہے۔[1]

قبر میں سوالات

عرب صاحب نے سوال کیا کہ فرشتہ مرنے کے بعد کس زبان میں سوال کرے گا؟

فرمایا :۔

ہمیں انگریزی، فارسی، اردو، عربی وغیرہ سب زبانوں میں الہام ہوتے ہیں فرشتہ ہر زبان بول سکتا ہے۔

سوال کیا کہ کیا فرشتہ یہی سوال کرے گا مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ اگر یہی سوال کرے گا تو اس کے جواب یاد کرلئے جائیں تو وہاں پاس ہو سکتے ہے

فرمایا :۔

نہیں یہ ایک ایمانی بات ہے یہی دو لفظ یاد کر کے دنیاوی امتحانوں کی طرح کبھی پاس نہیں ہو سکتے بلکہ انسان جس رنگ سے رنگین ہو گا وہی جواب اس کے منہ سے نکلے گا پھر لکھا ہے کہ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ قبر میں راحت یا رنج کا سامان مہیا کیا جائے گا۔

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے :۔

یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی غشی اور نیند کی سی حالت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی موت ہے یہ نمونہ ہے احیا موتی کا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

حشرِ اجساد

پھر عرب صاحب کے سوال پر فرمایا کہ

مرنے کے بعد مردے کا تعلق زمین سے ضرور رہتا ہے مومن کا تعلق ایک آسمان سے ہوتا ہے اور ایک زمین سے۔ اصل حساب و کتاب تو برزخ میں ہو جائے گا مگر مقابلہ کرانا باقی رہ جاوے گا وہ حشر کو ہوگا۔ ہزاروں انبیاء۔ دجال۔ کذاب۔ کفار۔ ملعون وغیرہ خطاب پاتے گئے قیامت میں اس لئے حشر ہو گا کہ ان کو عزت کی کرسی پر بٹھا کر اور مکذبوں کو ذلت کا عذاب دے کر دکھلایا جائے گا کہ دیکھو کون صادق اور کون کاذب تھا۔

سوال کیا کہ حشر کو جسم ہو گا یا نہیں اور یہی جسم ہو گا یا کوئی اور؟

فرمایا :-

حشر میں جسم دیئے جائیں گے یہ نہیں کہ یہی ہو گا یا کوئی اور۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ تین سال کے بعد پہلا انسانی جسم ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا قائم مقام نیا آجاتا ہے پھر ہمارا ایمان ہے کہ ایک بدن ملے گا مگر جس طرح اس علیم کے علم میں ہے ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ قادر ہے کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ اسے دیدے اور اس کے سوا اور جسم بھی عطا کرے سوائے ذات باری کے کسی کی یہ صفت نہیں کہ ہمیشہ ابدی رہے اور یہ طاقت خدا ہی انسان کو دے گا کہ پھر وہ ابدی بن جاوے[1]

پھر سوال کیا کیوں یہ مرتبہ صرف انسان کو ہی ملے گا اور حیوانات کو نہیں دیا جائے گا؟

فرمایا :-

اس پر ہم جھگڑ نہیں سکتے جیسے ایک شخص سخاوت کرتا ہے ایک فقیر کو وہ پیسہ دیتا ہے اور

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے۔

فرمایا :-

جسم تو ہوں گے مگر یہ نہیں لکھا کہ یہی یا اور۔ تین سال کے بعد پہلا جسم تو رہتا نہیں اس کا قائمقام جسم آجاتا ہے پس ہمارا یہ ایمان ہے کہ ایک جسم دیا جائے گا جیسا کہ اس علیم کے علم میں ہے وہ قادر ہے کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ ضرور لے اور ضرور لے گا اور اس حصہ کو بھی جلالی رنگ میں غیر فانی کردے سوائے ذات باری کے کسی دوسرے کی یہ صفت نہیں کہ ابدالاباد تک رہے انسان کو غیر فانی جسم دیا جائے گا یہ خدا کا علیہ ہو گا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

دوسرے کو روپیہ۔ مگر جس کو پیسہ ملا ہے وہ حق نہیں رکھتا کہ جھگڑا کرے بہشت والوں کو تو ابدی رہنا ہو گا اور حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ دوزخی ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے۔ جیسے فرمایا یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ کیونکہ وہ بھی آخر خدا کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہیں ان پر کوئی زمانہ ایسا آنا چاہئے کہ ان کو عذاب کی تخفیف دی جائے۔

یہ معرفت کی باتیں ہوتی ہیں جہنم سے نکلیں گے۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ بہشت میں مومنین کی طرح ان کو بھی حصہ ملے گا ہاں ان کے ماتھے پر دوزخ کا نشان ہو گا۔

پھر سوال کیا کہ بہشت والوں کو روز کا عیش و آرام بھی دکھ ہو جائے گا۔

فرمایا :۔

بہشت میں بھی ہر روز ایک تجدد ہوتا رہے گا اسی طرح دوزخیوں پر بھی لکھا ہے بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا (النساء:۔ ۵۷) مگر خدا کا تجدد بے پایاں ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا خدا کے کاموں میں انتہا نہیں۔ فرماتا ہے وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ (ق : ۳۶) یعنی زیادتی ہوتی رہے گی۔

پھر سوال کیا کہ میں نے آج تک روزہ نہیں رکھا اس کا کیا فدیہ دوں۔

فرمایا :۔

خدا ہر ایک شخص کو اس کی وسعت سے باہر دکھ نہیں دیتا۔ وسعت کے موافق گذشتہ کا فدیہ دے دو اور آئندہ عہد کرو کہ سب روزے ضرور رکھوں گا۔[1]

۳ر جنوری ۱۹۰۳ء

صبح کی سیر

اللہ اور رحمٰن

سیر کو نکلتے ہی سلسلہ کلام یُنَبِّئُکَ الرَّحْمٰنُ الہام سے شروع ہوا۔

فرمایا :۔

رحمان اپنے اندر بشارت رکھتا ہے چونکہ یہ بشارت تھی اس لئے اس الہام میں رحمان کا لفظ رکھا ہے۔ اور شَیْئًا کے لفظ میں کچھ اخفا تھا جو گو اس کی عظمت کے لئے ہے مگر ایک

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۲ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

اخفاء ضرور ہے اس لئے اس خیال سے کہ وہم پیدا نہ ہو پھر اور واضح الفاظ میں فرمایا۔

بِشَارَةٌ تَلَقَّاهَا النَّبِيُّوْنَ

يُبْدِيْ لَكَ الرَّحْمٰنُ میں لام بھی انتفاع کے لئے فرمایا دوسرے الہام وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں اللہ کا لفظ اس لئے رکھا کہ اللہ اپنے جلال کو چاہتا ہے اور اس عصمت میں اظہار جلال مقصود تھا اس لفظ کو استعمال فرمایا جو اسم اعظم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

اس ضمن میں فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبۃ: ۴۰) اس معیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی تعالیٰ اللہ عنہ بھی ہیں اور گویا کل جماعت آپ کی آگئی موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا بلکہ کہا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ (الشعراء : ۶۳) اس میں کیا سر تھا کہ انہوں نے اپنے ہی ساتھ معیت کا اظہار کیا؟ اس میں یہ راز ہے کہ اللہ جامع جمیع شیون کا ہے اور اسم اعظم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے ساتھ اسم اعظم کی معیت مع تمام صفات کے پائی جاتی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم شریر اور فاسق فاجر تھی۔ آئے دن لڑنے اور پتھر مارنے کو تیار ہو جاتی تھی اس لئے ان کی طرف معیت کو منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی ذات تک اسے رکھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور علو مدارج کا اظہار مقصود ہے۔

ایمان عرفان میں کیسے تبدیل ہوتا ہے

فرمایا :-

یہ پیشگوئیاں جو ہیں یہ ایمان کو قوی کر کے عرفان بنا دیتی ہیں۔ نری باتوں سے ایمان قوی نہیں ہو سکتا جب تک اس میں قوت کی شعاعیں نہ پڑیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان نشانات سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس ان پیشگوئیوں کو خوب کان کھول کر سننا چاہئے دوسرے وقت جب یہ پوری ہوتی ہیں تو ایمان کی تقویت کا باعث ہو کر اس کو عرفان بنا دیتی ہیں۔ اس لئے جو امر پیشگوئی پر مشتمل ہو میں اس کو ضرور سنا دیا کرتا ہوں اور میری غرض اس سے یہی ہوتی ہے۔ یہ ایک نور بخشتی ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور نازل نہ ہو انسان ظلمت میں پڑا رہتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

ابو سعید عرب صاحب نے اپنی رؤیا بیان کی کہ ایک کتا پیار سے کاٹتا ہے اور پھر اس نے ایک انڈا دیا جس کو انہوں نے توڑ ڈالا اور وہ بھاگ گیا ہے۔

فرمایا:۔

کتا ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں۔ جب وہ محبت سے کاٹے تو محبت ہے اور کتے سے مراد خفیف سا دشمن ہوتا ہے اس کے انڈے سے مراد اس کی ذریت ہے جب اس کو توڑ دیا تو گویا خفیف اور کمزور دشمن کی ذریت کو تلف کر دیا۔

توحید

فرمایا :۔ جس بادشاہ کے ہم زیر سایہ ہیں اس کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جانا یہ توہین ہے۔ بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاَمِيْرِ۔

مولوی محمد حسین اور اس کا رجوع

ابو سعید عرب صاحب نے اپنے ذوق سے بیان کیا کہ محمد حسین والی پیشگوئی یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا :۔

اس میں کیا شک ہے۔ زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ وہ رجوع کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی مقدر کیا تھا۔ اصل میں محمد حسین زیرک آدمی تھا۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ ابتداء سے اس میں ایک قسم کی خود پسندی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس طرح پر اس کا تنقیہ کر دے یہ اس کے لئے استفراغ ہے۔ براہین میں ایک الہام درج ہے جس میں اس کا فرعون نام رکھا گیا ہے۔ اس نے بھی آخر یہی کہا تھا کہ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ (یونس : ۹۱) اس لئے اس کے لئے بھی اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ کا وقت مقدر ہے۔

اس پر پوچھا گیا کہ وہ کیا امر ہے جس کی وجہ سے یہ آخری سعادت اس کے لئے مقدر ہے۔ فرمایا :۔

یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر اس نے ایک کام تو کیا ہے۔ براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا

اور وہ واقعی اخلاص سے لکھا تھا کیونکہ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ بعض اوقات میرے جوتے اٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھ دیا کرتا تھا اور ایک بار مجھے اپنے مکان میں اس غرض سے لے گیا کہ وہ مبارک ہو جاوے اور ایک بار اصرار کر کے مجھے وضو کرایا۔ غرض بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ میں قادیان ہی میں آکر رہوں۔ مگر میں نے اس وقت اسے یہی کہا تھا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اس کے بعد اسے یہ ابتلاء پیش آگیا۔ کیا تعجب ہے کہ اس اخلاص کے بدلے میں خدا تعالیٰ نے اس کا انجام اچھا رکھا ہو۔[1]

اس پر ایک بھائی نے سوال کیا کہ حضور اب اسے کیا سمجھیں۔ فرمایا۔

اب تو حکم حالت موجودہ ہی پر ہوگا۔ وہ دشمن ہی اس سلسلہ کا ہے۔ دیکھو جب تک نطفہ ہوتا ہے اس کا نام نطفہ رکھتے ہیں گو اس کا انسان بن جاوے مگر جوں جوں اس کی حالتیں بدلتی جاتی ہیں اس کا نام بدلتا جاتا ہے۔ مضغہ علقہ وغیرہ ہوتا ہے۔ آخر اپنے وقت پر جا کر انسان بنتا ہے۔ یہی حال اس کا ہے۔ سردست تو وہ اس سلسلہ کا مخالف اور دشمن ہے اور یہی اس کو سمجھنا چاہیے۔

پھر اس ضمن میں فرمایا کہ

سزا اور عذاب صرف کفر ہی کے باعث نہیں آتا۔ بلکہ فسق و فجور بھی عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیشہ صادقوں ہی کی نصرت اور تائید کرتا ہے

فرمایا:۔ کبھی کوئی جھوٹ اس قدر چل نہیں سکتا۔ آخر دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بدی کرنے والے جھوٹے اور فریبی اپنے جھوٹ میں تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پھر کیا کوئی ایسا مفتری ہو سکتا ہے جو برابر پچیس برس سے خدا تعالیٰ پر افترا کر رہا ہو اور تھکا نہ ہو اور خدا کو بھی اس کے لئے غیرت نہ آوے بلکہ اس کی تائید میں نشانات ظاہر کرتا رہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ صادقوں ہی کی نصرت اور تائید کرتا ہے۔

دیکھو یہ جو میری پیشگوئی ہے کہ میری عمر اسی برس کے قریب ہوگی کیا کوئی مفتری اس قسم کی

---

[1] البدر میں مزید یوں لکھا ہے:۔

"یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے نظارے ہوتے ہیں۔ ایک کتاب میں میں نے دیکھا کہ موسیٰ کے زمانہ میں ایک بہروپیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شکل پر سوانگ بنایا کرتا تھا جس وقت سب قوم فرعون کی غرق ہوئی تو وہ بچا رہا۔ حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا کہ چونکہ یہ تیرے چہرے جیسا چہرہ بنایا کرتا تھا اس لئے ہماری رحمت نے تقاضا نہ کیا کہ تیرے مثیل شکل کو غرق کریں"۔ (البدر جلد ۱ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱، جنوری ۱۹۰۳ء)

پیشگوئی کر سکتا ہے اور خصوصاً اس پر تیس برس گذر بھی گئے ہوں اور ایسا ہی اس وقت جب کوئی نہ جانتا تھا اور نہ یہاں آتا تھا۔ یہ کہا یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کیا یہ مفتری کر سکتا ہے کہ ایسا کہے اور پھر خدا بھی ایسے مفتری کی پروا نہ کرے بلکہ اس کی پیشگوئی پوری کرنے کو دور دراز سے لوگ بھی اس کے پاس آتے ہیں اور ہر قسم کے تحائف اور نقد بھی آنے لگیں۔ اگر یہ بات ہو کہ مفتری کے ساتھ بھی ایسے معاملات ہوتے ہیں۔ پھر نبوت سے ہی امان اٹھ جاوے۔ یہی نشان ہیں جو ہماری جماعت کی محبت اور اخلاص میں ترقی کا باعث ہو رہے ہیں۔ مفتری اور صادق کو تو اس کے منہ ہی سے دیکھ کر پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا :۔ سچائی کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ صادق کی محبت سعید الفطرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ احمق کو یہ راہ نہیں ملتی کہ نور کا حصہ لے۔ وہ ہر بات میں بدگمانی ہی سے کام لیتا ہے۔

فرمایا :۔ ہم کو تکلف اور تصنع کی حاجت نہیں۔ خواہ کوئی ہماری وضع سے راضی ہو یا ناخوش۔ ہمارا اپنا کوئی کام نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا اپنا کام ہے اور وہ خود کر رہا ہے۔

فرمایا :۔ جب انسان خدا کو چھوڑتا ہے تو پھر مکائد پر بھروسہ کرتا ہے۔

اپنی سچائی پر بصیرت

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مجوب ہونے کی حالت میں نہ چھوڑے گا۔ وہ سب پر اتمام حجت کر دے گا۔ یاد رکھو سماوی اور ارضی آدمیوں میں فرق ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ خود ان کی عزت کو ظاہر کرتا ہے اور ان کی سچائی کو روشن کر کے دکھاتا ہے۔ اور جو اس کی طرف سے نہیں آتے اور مفتری ہوتے ہیں وہ آخر ذلیل ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

پیشگوئیوں کے اسرار

پیشگوئیوں کے متعلق فرمایا کہ

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے اور اس کا کلام بہرحال سچا ہے۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ جسمانی رنگ میں پوری ہوتی ہیں کبھی روحانی رنگ میں۔ اور منہاج نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہوئی ہیں تو وہ صحابہؓ کا ذبح ہونا تھا۔ اور آپ نے دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں جو پھونک مارنے سے اڑ گئے ہیں۔ اس سے مراد جھوٹے پیغمبر تھے۔ پس خدا کا کلام کسی نہ کسی رنگ میں ضرور سچا ہے۔

جماعت کے ازدیادِ ایمان کے لئے نشانات کا ظہور

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ ہماری جماعت کا ایمان کمزور رہے۔ مہمان اگر نہ بھی چاہے تو بھی میزبان کا فرض ہے کہ اس کے آگے کھانا رکھدے۔ اسی طرح پر اگرچہ نشانوں کی ضرورت کوئی بھی نہ سمجھے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کے ایمان کو بڑھانے کے لئے نشانات ظاہر کر رہا ہے۔ یہ بھی سچی بات ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کو نشانوں کے ساتھ مشروط کرتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں نے مائدہ کا نشان مانگا تو یہی جواب ملا کہ اگر اس کے بعد کسی نے انکار کیا تو ایسا عذاب ملے گا جس کی نظیر نہ ہوگی۔

طالب کا ادب

پس طالب کا ادب یہی ہے کہ وہ زیادہ سوال نہ کرے اور نشان طلب کرنے پر زور نہ دے۔ جو اس آداب کے طریق کو ملحوظ رکھتے ہیں خدا ان کو کبھی بے نشان نہیں چھوڑتا۔ اور ان کو یقین سے بھر دیتا ہے۔ صحابہؓ کی حالت کو دیکھو کہ انہوں نے نشان نہیں مانگے۔ مگر کیا خدا نے ان کو بے نشان چھوڑا؟ ہرگز نہیں۔ تکالیف پر تکالیف اٹھائیں۔ جانیں دیں۔ اعداء نے عورتوں تک کو خطرناک تکلیفوں سے ہلاک کیا۔ مگر نصرت ہنوز نمودار نہ ہوئی۔ آخر خدا کے وعدہ کی گھڑی آگئی اور ان کو کامیاب کر دیا۔ اور دشمنوں کو ہلاک کیا۔ یہ سچی بات ہے کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی دن سارے نشان ظاہر کر دے تو پھر ایمان کا کوئی ثواب اور نتیجہ ہی نہ ہو۔ عرفان اگر یقین سے تو بھر دیتا ہے مگر اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ ان ساری ترقیوں کی جڑ ایمان ہی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان بڑی بڑی منزلیں طے کرتا اور سیر کرتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (بنی اسرائیل : ۲) سے یہی پایا جاتا ہے کہ جب کامل معرفت ہوتی ہے تو پھر اس کو عجیب و غریب مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو ادب سے اپنی خواہشوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ تمام منہاج نبوت اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پہلے نشان بھی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ابتلا ہوتے ہیں۔

صدیقی فطرت حاصل کریں

پس صدیقی فطرت حاصل کرنی چاہیے۔ انہوںؓ نے کونسا نشان مانگا تھا۔ شام سے مکہ کو آ

لہ مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

رہے تھے۔ راستہ ہی میں خبر ملی۔ وہیں یقین لے آئے۔ اس کی وجہ وہ معرفت تھی جو آپ کی تھی۔ معرفت بڑی عمدہ چیز ہے۔ جب انسان کسی کے حالات اور چال چلن سے پورا واقف ہو تو اس کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو معجزہ اور نشان کی کوئی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے حالات سے پورے واقف تھے۔ اس لئے سنتے ہی یقین کر لیا۔

تقویٰ اختیار کریں

فرمایا۔ ہمیں جس بات پر مامور کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ تقویٰ کا میدان خالی پڑا ہے تقویٰ ہونا چاہیے نہ یہ کہ تلوار اٹھاؤ۔ یہ حرام ہے۔ اگر تم تقویٰ کرنے والے ہوگے۔ تو ساری دنیا تمہارے ساتھ ہوگی۔ پس تقویٰ پیدا کرو۔ جو لوگ شراب پیتے ہیں یا جن کے مذہب کے شعائر میں شراب جزو اعظم ہے ان کو تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ نیکی سے جنگ کر رہے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو ایسی خوش قسمت دے اور انہیں توفیق دے کہ وہ بدیوں سے جنگ کرنے والے ہوں اور تقویٰ اور طہارت کے میدان میں ترقی کریں۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں ہو سکتی۔ اس وقت کل دنیا کے مذاہب کو دیکھ لو کہ اصل غرض تقویٰ مفقود ہے اور دنیا کی وجاہتوں کو خدا بنایا گیا ہے۔ حقیقی خدا چھپ گیا ہے اور سچے خدا کی ہتک کی جاتی ہے مگر اب خدا چاہتا ہے کہ وہ آپ ہی مانا جاوے اور دنیا کو اس کی معرفت ہو جو لوگ دنیا کو خدا سمجھتے ہیں وہ متوکل نہیں ہو سکتے۔

(اس سیر میں سے ہم نے مضمون غیر کو نکال کر آپ ہی کی تقریر کے مختلف فقروں کو یک جا جمع کر دیا ہے (ایڈیٹر)

جماعت کی تعداد

ظہر سے پہلے لودھیانہ سے آئے ہوئے احباب نے شرف نیاز حاصل کیا۔ قاضی خواجہ علی صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا کہ میں نے ان کو کہا تھا قادیان چلو۔

فرمایا :۔

اگر وہ یہاں آجاوے تو اس کو اصل حالات معلوم ہوں اور ہماری جماعت کی ترقی کا پتہ لگے وہ ابھی تک تین سو تک ہی کہتا ہے اور یہاں اب ڈیڑھ لاکھ سے بھی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ اگر شبہ ہو تو گورنمنٹ کے حضور درخواست کر کے ہماری جماعت کی الگ مردم شماری کرالیں۔ براہین

احمدیہ میں جو لکھا تھا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَانْتَهٰى اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَيْنَا۔ لَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ اب دیکھیں کہ وہ وقت آیا ہے یا نہیں۔ گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں جو میموریل ستمبر ۱۸۹۹ء میں بھیجا گیا تھا۔ اس میں صاف اس امر کی پیشگوئی ہے کہ یہ جماعت تین سال میں ایک لاکھ ہو جائے گی۔ اور وہ پوری ہو گئی بہت سے لوگ ایسے ضعفا و غرباء میں سے ہیں جو اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ مگر آنہیں سکتے۔

دُنیا کے بارہ میں دین دار کا رویّہ

فرمایا۔ دیندار آدمی دنیا داروں کی طرف رجوع کرنے میں اپنی ذلت اور توہین سمجھتا ہے۔ ایک صحابی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض تھے۔ اس وقت ایک بادشاہ نے اپنا سفیر اس کے پاس بھیجا اور چاہا کہ وہ اس کے پاس چلے آویں۔ صحابیؓ نے اس خط کو لے کر تنور میں پھینک دیا اور رونا شروع کر دیا کہ ایک طرف تو میری یہ حالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں اور دوسری طرف میں یہاں تک گر گیا کہ ایک کافر میرے ایمان پر طمع کرنے لگا۔ مجھ سے ضرور کوئی سخت معصیت ہوئی ہے۔ جس قدر زیادہ دینداری اور خدا پرستی ہوگی۔ اسی قدر اہل دنیا سے نفرت پیدا ہوگی۔

سلسلہ کی اشاعت

ہم کو جس قدر تکالیف دی گئی ہیں اور جس قدر سب و شتم کیا گیا ہے۔ یہ ہماری تبلیغ کے لئے ذریعہ ہو گیا ہے۔ جیسے جس قدر گرمی شدت سے ہو برسات بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ عرب کے لوگ عیش و عشرت اور ناپاک خواہشوں اور فعلوں میں مستغرق تھے۔ انہیں مذہب اور مذہبی مباحثات سے کیا کام تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں یوں کھڑے ہو گئے جیسے کوئی بڑا عاشق مذہب دیندار ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اس شور سے ساری قوموں میں جلد جلد آپ کی دعوت پھیل جائے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکالیف دیں مگر آخر وہی ہوا جو خدا تعالیٰ کا منشا تھا۔ اسی طرح پر یہاں دیکھ لو کہ کس قدر زور شور سے مخالفت ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو بدعات اور بدکاریوں میں مبتلا ہیں۔ اکثر ہیں جو کنجریوں کے پیر بنے ہوئے ہیں۔ اور بھنگ' چرس' مدک' تاڑی' گانجا' شراب وغیرہ پیتے ہیں یہ دہریہ ہوتے ہیں مگر کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے ہماری اس قدر مخالفت کی جاتی

ہے کہ ایک چھوٹے سے مسئلہ وفات وحیات مسیح پر وہ شور اٹھایا گیا جس کی حد نہیں رہی۔ قتل کے فتوے دیئے گئے۔ اس میں راز یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی اشاعت چاہتا ہے۔

دربارِ شام

بیعت کے بعد طاعون کا ذکر ہوا جس پر حضرت اقدس نے ایک لمبی تقریر طاعون کے متعلق فرمائی ہم کسی قدر تلخیص کے ساتھ اس کو ذیل میں لکھتے ہیں :۔

تقویٰ کی ضرورت

فرمایا :۔ جب تک انسان تقویٰ میں ایسا نہ ہو جیسے اونٹ کو سوئی کے ناکے سے نکالنا پڑے اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا۔ جس قدر زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ بھی توجہ فرماتا ہے۔ اگر یہ اپنی توجہ معمولی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی معمولی توجہ رکھتا ہے۔

طاعون کا عذاب

خدا تعالیٰ نے فرمایا غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا۔ یہ طاعون کے متعلق ہے اور پھر فرمایا اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَ اَنُوْمُ مَنْ یَّلُوْمُ اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ اور اس کو ملامت کروں گا جو ملامت کرتا ہے۔ میں روزہ کھولوں گا بھی اور روزہ رکھوں گا بھی۔ یہ سب الہام طاعون کے متعلق ہیں۔ ملامت ایک دل کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک زبان کے ساتھ۔ زبان کے ساتھ تو یہی ملامت ہے جو مخالف کرتے ہیں۔ لیکن دل کی ملامت یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ کرے جو ہم پیش کرتے ہیں اور ان پر عمل کے لئے تیار نہ ہو۔ روزہ رکھوں گا اور کھولوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک گویا طاعون کا زور گھٹ جائے گا۔ یہ روزے کے دن ہوں گے اور ایک وقت ایسا ہوگا کہ اس میں کثرت سے ہوگی۔ اب دیکھا گیا ہے کہ کثرت سردی اور کثرت گرمی میں اس کی شدت اور تیزی رک جاتی ہے۔ لیکن بہاری موسم فروری، مارچ اور ستمبر اکتوبر میں اس کا زور بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ دورے تھمنے والے نہیں ہیں خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دورے شدید ہیں۔ زمین پر خدا تعالیٰ سے غفلت اور سستی پھیل گئی ہے۔ نیکیوں کی طرف توجہ نہیں رہی۔ ایسی صورت میں کیا اس کا علاج ڈاکٹری اصولوں سے ہوگا یا کوئی اور علاج اثر پذیر ہو سکے گا جب تک خدا تعالیٰ کی مرضی نہ ہو؟

مت خیال کرو کہ ہمارا ملک یا شہر یا گاؤں ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ کل دنیا کے لئے مامور ہو کر آئی ہے اور اپنے وقت پر ہر جگہ پھرے گی۔ اس کے دورے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ بعض وقت لوگ ان وجوہات کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن یاد رکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور ایماء سے ہو رہا ہے۔ اب اس کے وجوہ موٹے ہیں۔ بائیس برس پہلے خدا تعالیٰ نے براہین میں مجھے اس کی خبر دی اور پھر متواتر وقتاً فوقتاً وہ اطلاع دیتا رہا۔ یہاں تک کہ جب ابھی پنجاب کے دو ضلعوں میں تھی تو اس نے مجھے بتایا کہ کل پنجاب اس کے اثر سے متاثر ہو جائے گا۔ اس وقت لوگوں نے اس پر ہنسی کی۔ مگر اب بتائیں کہ ان کی ہنسی کا کیا جواب ہوا؟ اجنبی لوگ اگر نہ مانیں تو نہ سہی مگر ہماری جماعت جو دن رات نشانات کو دیکھتی ہے اسے چاہیے کہ اپنی تبدیلی کرے۔ جو شخص امن کے زمانہ میں خدا سے ڈرتا ہے وہ بچایا جاتا ہے۔ ڈرنے والے زمانہ میں تو ہر ایک ڈرتا ہے جب سونٹا اٹھایا جاوے تو اس سے بھیڑ، بکری، کتا، بلی سب ڈرتے ہیں۔ انسان کی اس میں کون سی خوبی ہے۔ یہ تو اس حالت میں ان سے جا ملا۔ اس کی دانشمندی اور دوربینی کا یہ تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ پہلے ہی سے ڈرتا۔ بعض گاؤں میں سخت تباہی ہو چکی ہے یہاں تک کہ گھروں کے گھر مقفل ہو گئے۔ جب زور سے پڑتی ہے تو پھر کھا جانے والی آگ کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار بلاد شام میں پڑی تھی تو جانوروں تک کی صفائی اس نے کر دی تھی۔ یہ بڑی خطرناک بلا ہے۔ اس سے بے خوف ہونا نادانی ہے۔ حقیقی ایمان ایک موت ہے۔ جب تک انسان اس موت کو اختیار نہ کرے۔ دوسری زندگی مل نہیں سکتی۔

تقویٰ کی اہمیت

جو لوگ نری بیعت کر کے چاہتے ہیں کہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کو نفس نے دھوکا دیا ہے۔ دیکھو طبیب جس وزن تک مریض کو دوا پلانی چاہتا ہے۔ اگر وہ اس حد تک نہ پیوے تو شفا کی امید رکھنی فضول ہے۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ دس تولہ استعمال کرے اور یہ صرف ایک ہی قطرہ کافی سمجھتا ہے یہ نہیں ہو سکتا پس اس حد تک صفائی کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو جو خدا کے غضب سے بچانے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں پر رحم کرتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ انسان جب متقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے غیر میں فرقان رکھ دیتا ہے اور پھر اس کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے نہ صرف نجات بلکہ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق : ۴) پس یاد رکھو جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو مشکلات سے رہائی دیتا ہے اور انعام و اکرام بھی کرتا ہے اور پھر متقی خدا کے ولی ہو جاتے

ہیں۔ تقویٰ ہی اکرام کا باعث ہے کوئی خواہ کتنا ہی لکھا پڑھا ہوا ہو وہ اس کی عزت و تکریم کا باعث نہیں اگر متقی نہ ہو۔ لیکن اگر ادنیٰ درجہ کا آدمی بالکل امی ہو مگر متقی ہو وہ معزز ہوگا۔ یہ دن خداتعالیٰ کے روزہ کے ہیں۔ ان کو غنیمت سمجھو اس سے پہلے کہ وہ اپنا روزہ کھولے تم اس سے صلح کرلو اور پاک تبدیلی کرلو جنوری کا مہینہ باقی ہے فروری میں پھر وہی سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ایسی بلاؤں کا باعث صادق کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا۔ بعض صحابہؓ بھی اس مرض سے مرے ہیں لیکن وہ شہید ہوئے۔ جیسے لڑائیاں جو دشمنوں کی ہلاکت کا موجب تھیں ان میں مرنے والے صحابہؓ بھی شہید ہوئے تھے جو نیک آدمی مرجاتا ہے اس کو بشارت شہادت ملتی ہے جو بد آدمی مرتا ہے اس کا انجام جہنم ہے جو شخص نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور خداتعالیٰ سے پناہ مانگتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بچالیتا ہے۔ دیکھو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش واللہ اعلم پیغمبر گذرے ہیں۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی طاعون سے بھی ہلاک ہوا تھا۔ ہرگز نہیں۔ یہ بلا بھی مامور ہوتی ہے اور خداتعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتی ہے۔ اس کی مجال نہیں کہ بلا حکم کوئی کام کرے۔

(یہاں حضرت اقدس نے ہاتھی والی رؤیا سنائی جو کئی مرتبہ شائع ہوئی)

پھر فرمایا کہ

اگرچہ آج کل کسی قدر امن ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ وہ وقت خطرناک زور کا قریب ہے اس لئے ہماری جماعت کو ڈرنا چاہئے۔ اگر کسی میں تقویٰ ہو جیسا کہ خداتعالیٰ چاہتا ہے۔ تو وہ بچایا جائے گا۔ اس سلسلہ کو خداتعالیٰ نے تقویٰ ہی کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ تقویٰ کا میدان بالکل خالی ہے۔ پس جو متقی بنیں گے ان کو معجزہ کے طور پر بچایا جائے گا۔

عرب صاحب نے پوچھا جو لوگ حضور کو برا نہیں کہتے اور آپ کی دعوت کو نہیں سنا۔ وہ طاعون سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ فرمایا :۔

میری دعوت کو نہیں سنا تو خدا کی دعوت تو سنی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ پس جو تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے خواہ اس نے ہماری دعوت سنی ہو یا نہ سنی ہو کیونکہ یہی غرض ہے ہماری بعثت کی۔ اس وقت تقویٰ عنقا یا کبریت کی طرح ہوگیا ہے کسی کام میں خلوص نہیں رہا بلکہ ملونی ملی ہوئی ہے۔ خداتعالیٰ چاہتا ہے کہ اس ملونی کو جلا کر خلوص پیدا کرو۔ اس وقت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم : ۴۲) کا نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یورپ اور دیگر ممالک کی بگڑی ہوئی حالتوں کا علم نہ تھا۔ خداتعالیٰ کی وحی پر ایمان تھا اور اب

عرفان کی حالت پیدا ہو گئی ہے جو چاہے ان ممالک میں جا کر دیکھ لے[1]

۴ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

طاعون کا حتمی علاج

طاعون کے متعلق ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

ہمارا علاج کوئی کان دھر کر سنتا نہیں ہے مگر بہرحال آخری علاج یہی ہے۔ لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ ان کی نظر صرف اسباب پر رہتی ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ آسمان سے سب کچھ ہوتا ہے۔ جب تک وہاں نہ ہو زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ دہریت کا آج کل طبائع میں بہت زور ہے۔ اخباروں میں ہمارے بتلائے ہوئے علاج پر ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طاعون کو خدا سے کیا تعلق۔ ایک بیماری ہے جس کا علاج ڈاکٹروں سے کرانا چاہیے۔

ایک صاحب نے لوگوں کا یہ اعتراض پیش کیا کہ طاعون سے اکثر غریب ہی مرتے ہیں مخالف اور امیر نہیں مرتے۔ فرمایا۔

میرے الہاموں سے پایا جاتا ہے کہ ہم دور سے شروع ہوں گے۔ مکہ میں جب قحط پڑا تو اس میں بھی اول غریب لوگ ہی مرے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ابوجہل جو اس قدر مخالف ہے۔ وہ کیوں نہیں مرا؟ حالانکہ اس نے تو جنگ بدر میں مرنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتلا ہوا کرتا ہے اور یہ اس کی عادت ہے اور پھر اس کے علاوہ یہ اس کی مخلوق ہے۔ اس کو ہر ایک نیک و بد کا علم ہے۔ سزا ہمیشہ مجرم کے واسطے ہوا کرتی ہے۔ غیر مجرم کے واسطے نہیں ہوتی۔ بعض نیک بھی اس سے مرتے ہیں مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔ اور ان کو بشارت ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ سب کی نوبت آجاتی ہے۔ اب رسل بابا جو مرا۔ کیا وہ امیروں میں سے نہ تھا۔ ہمارا بھی مخالف تھا۔

عذاب کی اقسام

ایک شخص نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں طاعون کیوں نہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲ ص ۷ تا ۸ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء

پڑی ان کا بھی انکار ہوا تھا۔ فرمایا۔

یہ ضرور نہیں ہے کہ خدا ہر وقت ایک ہی رنگ میں عذاب دیوے۔ قرآن شریف میں عذاب کی کئی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ جیسے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (انعام : ۶۶)

جنگ و لڑائی وغیرہ کو بھی عذاب قرار دیا ہے۔ عذاب بہت اقسام کے ہوتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کے پاس عذاب کی ایک ہی قسم ہے؟ اور خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہر نشان میں ایک پہلو اخفا کا رکھتا ہے ورنہ وہ چاہے تو چن چن کر بڑے بڑے بدمعاش ہلاک کر دے سب لوگ ایک ہی دن میں سیدھے ہو جاویں۔

ایک الہام کی تشریح

مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ حضور اب اَلْيَوْمَ مَنْ يَّلُوْمُ کا الہام خوب پورا ہوا۔ حضور کے بتلائے ہوئے علاج پر لوگ کیا کیا باتیں بناتے تھے اور طریق ملامت ان لوگوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس ملامت کے بدلے میں کیسی ملامت کی ہے۔ جس ٹیکہ کو پیش کر کے ملامت کرتے تھے۔ اب خود ہی اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اسے (طاعون کو) کبھی بند نہ کروں گا جب تک توبہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ کا اصل مطلب تو طاعون سے اظہار ہے (یعنی ہلاک کرنے کا) مگر پھر رحم آتا ہے تو روزہ رکھ لیتا ہے (یعنی درمیان میں وقفہ دے دیتا ہے) کہ لوگ اگر چاہیں تو توبہ کر لیں۔ لوگوں سے اگرچہ ہمیں ہمدردی ہے مگر چونکہ لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہیں اس لئے اس کو یاد کرانے کے واسطے تنبیہہ کی ضرورت ہے جیسے ایک لحاف کے اندر کا استر بھی میلا اور پلید ہو اور باہر کا ابرہ بھی ویسے ہی خراب ہو۔ اسی طرح اب اندرونی اور بیرونی دونو حالتیں قابل اصلاح ہیں لوگوں کو یہ بات تعجب میں ڈال رہی ہے کہ ایسا ہوگا کہ خدا اپنی ہستی کو منواوے یہ ان کی غلطی ہے وہ اپنے وجود کو ضرور منواوے گا۔

آثار سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں جہاں طاعون پڑی ہوئی ہے ابھی تک لوگ اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ ابھی کل امرتسر سے ایک اشتہار آیا ہے کہ تین سالہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور اس پر استہزاء کیا ہے حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ انتظار کرتے کہ ہم کیا لکھتے ہیں کم از کم ہم سے دریافت

ہی کر لیتے کہ ہم کیا کہتے ہیں۔
لوگوں کو بھی شرم نہیں آتی جو کہ ان کے گالیوں سے بھرے ہوئے اشتہار پڑھتے ہیں کیا مولویوں کی پاکیزگی کا یہی نمونہ ہے ان لوگوں کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ مجھ پر چڑ کر نظم و نثر پڑھ دی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے خود ہی توڑے تو توڑے۔

اشاعت کا بہتر طریق

جہلم کے سفر کے متعلق فرمایا کہ
میری طبیعت ہمیشہ شور اور غوغا سے جو کثرت ہجوم کے باعث ہوتا ہے متنفر ہے ایسے لوگوں کے ساتھ مغز خوری کرنا بے فائدہ ہے وہی وقت انسان کسی علمی فکر میں صرف کرے تو خوب ہے خدا تعالیٰ نے ہماری اشاعت کا طریق خوب رکھا ہے۔ ایک جگہ بیٹھے ہیں نہ کوئی واعظ ہے نہ مولوی نہ لیکچرار جو لوگوں کو سناتا پھرے۔ وہ خود ہی ہمارا کام کر رہا ہے بیعت کرنے والے خود آرہے ہیں بڑے امن کا طریق ہے۔[1]

۵ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

مذہبی آزادی اور جہاد کی حقیقت

ظہر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو سرحد کے لوگوں کے جہاد کے بارے میں غلط فہمی کا ذکر چل پڑا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ
مذہبی امور میں آزادی ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ : ۲۵۷) کہ دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ اس قسم کا فقرہ انجیل میں کہیں بھی نہیں ہے۔ لڑائیوں کی اصل جڑ کیا تھی۔ اس کے سمجھنے میں ان لوگوں کو غلطی ہوئی ہے۔ اگر لڑائی کا ہی حکم تھا تو تیرہ برس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پھر ضائع ہی گئے کہ آپؐ نے آتے ہی تلوار نہ اٹھائی۔ صرف لڑنے والوں کے ساتھ لڑائیوں کا حکم ہے۔ اسلام کا یہ اصول کبھی نہیں ہوا۔ کہ خود ابتداء جنگ کریں۔ لڑائی کا سبب کیا تھا اسے خود خدا نے بتلایا ہے کہ ظُلِمُوْا

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۲ مورخہ ۲۳ و ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مظلوم ہیں تو اب اجازت دیتا ہے کہ تم بھی لڑو۔ یہ نہیں حکم دیا کہ اب وقت تلوار کا ہے تم زبردستی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرو۔ بلکہ یہ کہا کہ تم مظلوم ہو اب مقابلہ کرو۔ مظلوم کو تو ہر ایک قانون اجازت دیتا ہے کہ حفظ جان کے واسطے مقابلہ کریں۔

ایسے خیالات کی اشاعت کا الزام پادریوں پر نہیں ہے بلکہ اسے خود ملانوں نے اپنے اوپر پختہ کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ایک غافل شخص جسے دین کی حقیقت معلوم نہیں ہے اسے جبراً مسلمان کیا جائے۔ اب ایک بنیا جس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کی ہے اور اسے دین کی خبر ہی نہیں تو اس کے گلے پر تلوار رکھ کر اس سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہلانے سے کیا حاصل ہوگا؟ خدا تعالیٰ کا منشا ہے کہ غفلت چونکہ بہت ہو گئی ہے۔ اب دلائل سے سمجھا دیوے اگر جہاد کریں بھی تو کس سے کریں؟ سب سے اول تو انہیں مسلمانوں سے کرنا چاہیے کہ جنہوں نے دین کو تباہ کر دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ تو خدا کے فرشتے تھے۔ اور جب ناعاقبت اندیش لوگوں نے تلواریں اٹھائیں تو خدا نے ان کے ذریعہ ان کو سزائیں دلوائیں۔ مگر آج کل کے یہ لوگ کہ جن کی مثال ڈاکوؤں کی ہے کیا یہ خدا کے وکیل ہو سکتے ہیں۔ قرآن سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کافر سے پہلے فاسق کو سزا دینی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے چنگیز خاں کو ان پر مسلط کر دیا تھا تا کہ مماثلت پوری ہو جیسے یہودیوں پر بخت نصر کو متعین کر دیا تھا ویسے ہی ان پر چنگیز خاں کو۔ اس کے وقت میں ایک بزرگ تھے ان کے پاس لوگ گئے کہ وہ دعا کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہاری حرام کاریوں کی وجہ سے ہی تو چنگیز خاں مسلط ہوا ہے۔ قتل کے بعد سنا ہے کہ چنگیز خاں نے اسلام کے علماء فضلاء کو بلا کر پوچھا کہ اسلام کیا ہے انہوں نے کہا کہ پنج وقتہ نماز ہے۔ کہنے لگا کہ یہ تو عمدہ بات ہے کہ اپنے کاروبار میں پانچ وقت دن میں خدا کو یاد کرنا۔ پھر انہوں نے زکوٰۃ بتلائی۔ اس کی بھی تعریف کی۔ تیسرے انہوں نے حج بتلایا۔ اس کی اسے سمجھ نہ آئی۔ اس کے بیٹے کا اسلام کی طرف رجوع تھا مگر آخر پوتا بالکل مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح بخت نصر یہودیوں پر مسلط ہوا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اسے کہیں ملعون نہیں کہا ہے بلکہ عِبَادًا لَّنَآ (بنی اسرائیل : ۶) ہی کہا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب ایک قوم فاسق فاجر ہوتی ہے تو اس پر ایک اور قوم مسلط کر دیتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

قبل از عشاء ایک صاحب نے ایک خواب سنائی جس میں ایک مردہ نے ان کو ان کی موت کی خبر دی تھی اور یہ خواب بیعت سے پیشتر آئی تھی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو بیعت کرتا ہے اس پر بھی ایک موت ہی آتی ہے۔ خوابوں میں موت سے مراد موت ہی

نہیں ہوا کرتی اور بھی موت کے بہت سے معنے ہیں خدا کو کوئی نہیں پا سکتا جب تک اس کی اول زندگی پر موت نہ آوے۔

دریا کی تعبیر پر فرمایا کہ

جو معارف اور علم رکھتا ہو اسے دریا سے ہی تعبیر کیا کرتے ہیں اور ابابیل سے مراد وہ جماعت اور لوگ جو اس سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔

پھر موت کے ذکر پر فرمایا کہ

موت کے معنے رفعت درجات بھی لکھے ہیں اور صوفی کہتے ہیں کہ انسان نجات نہیں پا سکتا جب تک اس پر بہت موتیں نہ آویں حتیٰ کہ وہ ایک زندگی کو ناقص محسوس کر کے پھر اور ایک زندگی اختیار کرتا ہے۔ پھر اس پر موت ہوتی ہے۔ پھر ایک اور نئی زندگی اختیار کرتا ہے۔ اور اس طرح کئی موتیں اور کئی زندگیاں حاصل کرتا ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ خواب کی کتنی اقسام ہیں۔

خوابوں کی اقسام

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تین قسمیں خوابوں کی ہوتی ہیں۔ ایک نفسانی۔ ایک شیطانی اور ایک رحمانی۔ نفسانی جیسے بلی کو چھچھڑوں کے خواب۔ شیطانی وہ جس میں ڈرانا یا وحشت ہو۔ رحمانی خواب خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہوتی ہیں اور ان کا ثبوت صرف تجربہ ہے۔ اور یہ خدا کی باتیں ہیں۔ جو اس دنیا سے بہت دور تر ہیں اگر ہم ان کے متعلق عقلی دلائل پر توجہ کریں تو نہ دوسرا اس سے سمجھ سکتا ہے نہ ہم سمجھا سکتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی ہستی کے نشان ہیں جو غیب سے دل پر ڈالتا ہے اور جب دیکھ لیتے ہیں کہ ایک بات بتلائی گئی اور وہ پوری ہوئی تو پھر اس پر خود ہی اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس عالم کے امور کا جو آلہ ہے وہ اسے شناخت نہیں کر سکتا۔ یہ روحانی امور ہیں۔ انہیں سے ان کو پہچانا جائے تو سمجھ آئے۔ اور خواب اپنی صداقت پر آپ ہی گواہی دیتی ہیں۔ خدائی امور ایسے ہی ہوتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آیا کرتے اور اگر آجاویں تو پھر خدا بھی سمجھ میں آجائے۔

ایک معجزانہ رؤیا

پھر اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا جس میں آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ایک حاکم کی صورت پر متمثل ہوا ہے اور آپ نے کچھ احکام لکھ کر دستخط کرائے

ہیں۔ آپ نے وہ تمام کاغذات دستخط کے واسطے حضرت احدیت میں پیش کیے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک دوات جس میں سرخ روشنائی تھی وہ پڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قلم لے کر اس روشنائی سے لگائی مگر مقدار سے زیادہ روشنائی اس میں لگ گئی جیسے کہ دستور ہے کہ ایسی حالت میں چھڑک دیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی چھڑک دیا اور کاغذات پر بلا دیکھے دستخط کر دیئے اور اس وقت میرے پاس عبداللہ سنوری اور حامد علی تھے۔ اور میں سویا ہوا تھا کہ یکایک انہوں نے جگایا کہ یہ سرخ قطرات کہاں سے آئے دیکھا تو میرے کرتہ پر اور کسی جگہ پگڑی پر اور کہیں پاجامہ پر پڑے ہوئے تھے۔ میرے دل میں اس وقت بڑی رقت تھی کہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر کس قدر احسان ہے اور فضل ہے کہ کاغذات کو بلا دیکھے اور پوچھے دستخط کر دیئے ہیں۔ اب یہ کیا حیرانی کی بات نہیں ہے۔ کہ میں نے تو ایک معاملہ خواب میں دیکھا اور اس کے قطرات ظاہر میں کپڑوں پر پڑے۔ جو کہ اب تک موجود ہیں اور دو شاہد بھی ہیں۔

جماعت کی ترقی کا ایک نشان

پھر وہ وقت کہ ایک دو آدمی ہمارے ساتھ تھے اور کوئی نہ تھا اور اب دیکھتے ہیں کہ جوق در جوق آرہے ہیں۔ يَأْتُونَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ اور پھر اتنی ہی بات نہیں بلکہ اس کے اوپر ایک اور حاشیہ لگا ہوا ہے کہ مخالفوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ لوگ آنے سے رکیں مگر آخر کار وہ فقرہ پورا ہو کر رہا۔ اب جو نیا شخص ہمارے پاس آتا ہے۔ وہ اسی الہام کا ایک نشان ہوتا ہے۔

اجنبیت کی حالت میں انسان خدا کے کاموں سے نا آشنا ہوتا ہے۔ اب جیسے یہ ریل ہے کہ یہاں کے لوگوں کے نزدیک تو عام بات ہے اور کوئی تعجب اور حیرت کا مقام نہیں ہے مگر جہاں کہ دور دور آبادیوں میں یہ نہیں گئی اور نہ ان لوگوں نے اسے دیکھا ہے ان سے کوئی بیان کرے تو کب باور کریں گے کہ ایک سواری ہے کہ خود بخود چلتی ہے۔ نہ اس میں گھوڑا ہے نہ بیل نہ اور جانور۔ تو جن کو ان خدائی امور کا تجربہ نہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

نماز میں لذت نہ آنے کی وجہ

پھر اسی صاحب نے اعتراض کیا کہ بہت کوشش کی جاتی ہے مگر نماز میں لذت نہیں آتی۔

فرمایا :

انسان جو اپنے تئیں امن میں دیکھتا ہے تو اسے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت

محسوس نہیں ہوتی۔ حالت استغنا میں انسان کو خدا یاد نہیں آیا کرتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کہ جس کے بازو ٹوٹ جاتے ہیں۔ اب جو شخص غفلت سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے خدا کی طرف توجہ کب نصیب ہوتی ہے۔ انسان کا رشتہ خدا تعالیٰ کے ساتھ عاجزی اور اضطراب کے ساتھ ہے لیکن جو عقلمند ہے وہ اس رشتہ کو اس طرح سے قائم رکھتا ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا باپ دادا کہاں ہے اور اس قدر مخلوق کو ہر روز مرتا دیکھ کر وہ انسان کی فانی حالت کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کی برکت سے اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ میں بھی فانی ہوں اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ جہان چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اس میں زیادہ مبتلا ہے تو اُسے اسے چھوڑنے کے وقت حسرت بھی زیادہ ہوگی اور یہ حسرت ایسی ہے کہ خواہ آخرت پر ایمان نہ بھی ہو۔ تب بھی اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اور اس سے امن اس وقت ملتا ہے کہ جب فانی خوش حالی نہ ہو بلکہ سچی خوش حالی ہو۔ بعض آدمیوں کو بیماریوں سے بعض کو دوسری تکالیف سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

مادری زبان میں نماز اور دعائیں

پھر سوال ہوا کہ اگر ساری نماز کو اپنی زبان میں پڑھ لیا جاوے تو کیا حرج ہے۔ فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی کی زبان میں پڑھنا چاہیے اس میں بھی ایک برکت ہوتی ہے خواہ فہم ہو یا نہ ہو اور ادعیہ ماثورہ بھی ویسے ہی پڑھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلیں۔ یہ ایک محبت اور تعظیم کی نشانی ہے۔ باقی خواہ ساری رات دعا اپنی زبان میں کرتا رہے۔ انسان کو اول محسوس کرنا چاہیے۔ کہ میں کیسا مصیبت زدہ ہوں۔ اور میرے اندر کیا کیا کمزوریاں ہیں۔ کیسے کیسے امراض کا نشانہ ہوں اور موت کا اعتبار نہیں ہے۔ بعض ایسی بیماریاں ہیں کہ آدھ منٹ میں ہی انسان کی جان نکل جاتی ہے۔ سوائے خدا کے کہیں اس کی پناہ نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی ہے جس کی تین سو امراض ہیں۔ ان خیالوں سے نفسانی زندگی کی اصلاح ہو سکتی ہے اور پھر ایسی اصلاح یافتہ زندگی کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک دریا سخت طغیانی پر ہے۔ مگر یہ ایک عمدہ مضبوط لوہے کے جہاز میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہوائے موافق اسے لے جا رہی ہے۔ کوئی خطرہ ڈوبنے کا نہیں۔ لیکن جو شخص یہ زندگی نہیں رکھتا۔ اس کا جہاز بودا ہے۔ ضرور ہے کہ طغیانی میں ڈوب جاوے۔ عام لوگوں کی نماز تو برائے نام ہوتی ہے۔ صرف نماز کو اٹیرتے ہیں اور جب نماز پڑھ چکے تو پھر گھنٹوں تک دعا میں رجوع کرتے ہیں۔

مغفرتِ الٰہی

ایک صاحب نے اٹھ کر عرض کی کہ جب تک حرام خوری وغیرہ نہ چھوڑے تب تک نماز کیا لذت دے اور کیسے پاک کرے۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود : ۱۱۵) بھلا جو اول ہی پاک ہو کر آیا اسے پھر نماز کیا پاک کرے گی۔

حدیث میں ہے کہ تم سب مردہ ہو مگر جسے خدا زندہ کرے۔ تم سب بھوکے ہو مگر جسے خدا کھلاوے۔ الخ۔ ایک طبیب کے پاس اگر انسان اول ہی صاف ستھرا اور مرض سے اچھا ہو کر آوے تو اس نے طبابت کیا کرنی ہے اور پھر خدا تعالیٰ کی غفوریت کیسے کام کرے۔ بندوں نے گناہ کرنے ہی ہیں تو اس نے بخشنے ہی ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ گناہ نہ کریں جس میں سرکشی ہو ورنہ دوسرے گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اگر ان سے بار بار خدا سے بذریعہ دعا تزکیہ چاہے گا تو اسے قوت ملے گی۔ بلا قوت اللہ تعالیٰ کے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اس کا تزکیہ نفس ہو اور اگر ایسی عادت رکھے کہ جو کچھ نفس نے چاہا اس وقت کر لیا تو اسے کوئی قوت نہیں ملے گی۔ جب ان جوشوں کا مقابلہ کرے اور گناہ کی طاقت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرے ورنہ اگر وہ اس وقت گناہ سے باز آتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے طاقتیں چھین لی ہیں تو اسے کیا ثواب ہوگا۔ مثلاً آنکھوں میں بینائی نہ رہے تو اس وقت کہے کہ اب میں غیر عورتوں کو نہیں دیکھتا تو یہ کیا بزرگی ہوئی۔ بزرگی تو اس میں تھی کہ پیشتر اس کے کہ خدا اپنی دی ہوئی امانتیں واپس لیتا وہ اس کے بے محل استعمال سے باز رہتا۔

معرفت کے بغیر گناہ نہیں چھوٹ سکتا

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی معیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کی ہی معیت ہو تو تبدیلی ہوتی ہے اور پھر اس کی خواہشیں اور اور جگہ لگ جاتی ہیں اور خدا کی نافرمانی اسے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے موت۔ بالکل ایک معصوم بچہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ دقیق در دقیق پرہیز گار ہو جاوے۔ جب نماز میں کوئی خطرہ پیش آوے۔ اس وقت سلسلہ دعا کا شروع کر دے یہ مشکلات اس وقت تک ہیں کہ جب تک نمونہ قدرت الٰہی کا نہیں دیکھتا۔ کبھی دہریہ ہو جاتا ہے کبھی کچھ۔ بار بار ٹھوکریں کھاتا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو گناہ نہیں چھوٹ سکتا۔ دیکھو جو لوگ جاہل ہیں۔ ڈاکہ مارتے ہیں۔ چوریاں کرتے ہیں۔ لیکن جن

کو علم ہے کہ اس سے ذلت ہوگی۔ خواری ہوگی وہ ایسے کام کرتے شرماتے ہیں کیونکہ ان کی عظمت میں فرق آتا ہے۔ اس لئے ڈاکہ والوں کا یہ بھی علاج ہے کہ ان کی تعظیم کی جاوے اور ان کو بڑا آدمی بنا دیا جاوے۔ تاکہ پھر ان کو ڈاکہ مارتے شرم آوے[1]

۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

موت

اول طاعون کا ذکر ہوتا رہا اور پھر موت کی حالت کا ذکر آیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ بھی ایک وقت ہے جو انسان پر آتا ہے مگر یہاں آکر سب علوم ختم ہو جاتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں بتلاتا۔

بعض احباب اپنے اپنے خواب سناتے رہے اور حضرت اقدس تعبیر فرماتے رہے چند ایک ان میں سے واقفیت عام کے لئے درج کی جاتی ہیں۔

تعبیر الرؤیا

خواب میں ختنہ کرنا :۔

تقویٰ کا طریق اختیار کرنا ہے۔ اس سے شہوات کا کاٹنا ہے۔

قیامت کی خبر سننا :۔

اس سے مراد ہے کہ دینداروں کی فتح ہوگی اور دشمنوں کو ذلت۔ کیونکہ قیامت کو بھی یہی ہونا ہے۔

قرآن شریف میں ہے کہ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الشوریٰ : ۸) یہ اسی دن ہوگا دنیا کی رنگا رنگ کی وبائیں بھی قیامت ہی ہیں۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۲ مورخہ ۲۳، ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

طاعون کے بعد

میرے الہام میں ہے۔

یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ یہ طاعون کی نسبت ہے۔ اسے بھی جہنم ہی کہا گیا ہے حالانکہ جہنم تو قیامت کو ہونا ہے۔

اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کارروائی ہو لے گی تو پھر طاعون ایک دم چپ ہو کر سو جائے گی۔ پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے۔ یُغَاثُ النَّاسُ وَیَعْصِرُوْنَ پھر بارشیں ہوں گی۔ کشادگی ہوگی۔ فصلیں خوب پکیں گی۔ موتوں سے لوگ بچیں گے۔ پھر اس وقت لوگوں کا دعائیں کرنا کہ یہ طاعون دور ہو۔ بے فائدہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جب ایک شخص پر رات رہے اٹھ کر دعا شروع کر دے کہ بہت جلد ابھی دن نکل آوے تو خواہ وہ کچھ ہی کرے مگر دن تو اپنے وقت پر ہی چڑھے گا۔

جائز امور میں اعتدال

نیکی کے ذکر پر فرمایا کہ

نیکی کی جڑ یہ بھی ہے کہ دنیا کی لذات اور شہوات جو کہ جائز ہیں ان کو بھی حد اعتدال سے زیادہ نہ لے جیسا کہ کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے حرام تو نہیں کیا مگر اب اسی کھانے پینے کو ایک شخص نے رات دن کا شغل بنا لیا ہے۔ اس کا نام دین پر بڑھاتا ہے ورنہ یہ لذات دنیا کی اس واسطے ہیں کہ اس کے ذریعہ نفس کا گھوڑا جو کہ دنیا کی راہ میں ہے کمزور نہ ہو۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ یکہ والے جب لمبا سفر کرتے ہیں تو سات یا آٹھ کوس کے بعد وہ گھوڑے کی کمزوری کو محسوس کر کے اسے دم دلا دیتے ہیں۔ اور نہاری وغیرہ کھلاتے ہیں۔ تاکہ اس کی پچھلی تھکان دور ہو جاوے تو انبیاءؑ نے جو حظ دنیا کا لیا ہے وہ اسی طرح ہے کیونکہ ایک بڑا کام دنیا کی اصلاح کا ان کے سپرد تھا اگر خدا کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو ہلاک ہو جاتے۔ اسی واسطے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت حضرت عائشہؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرماتے کہ اے عائشہ راحت پہنچا۔ مگر انبیاء کا یہ دستور نہ تھا کہ اس میں ہی منہمک ہو جاتے۔ انہماک بے شک ایک زہر ہے ایک بدقماش آدمی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کھاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک صالح بھی کرے تو خدا کی راہیں اس پر نہیں کھلتیں۔ جو خدا کے لئے قدم اٹھاتا ہے۔ خدا کو ضرور اس کا پاس ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدۃ : ۹) تنعم اور

کھانے پینے میں بھی اعتدال کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ صرف یہی گناہ نہیں ہے کہ انسان زنا نہ کرے۔ چوری نہ کرے بلکہ جائز امور میں حد اعتدال سے نہ بڑھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ

ایک دفعہ حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ اندر ایک حجرہ میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے آکر دیکھا کہ صف کھجور کے پتوں کی آپ نے بچھائی ہوئی ہے اور اس پر لیٹنے کی وجہ سے پیٹھ پر پتوں کے داغ لگے ہوئے ہیں۔ گھر کی جائیداد کی طرف حضرت عمرؓ نے نظر کی تو دیکھا کہ ایک گوشہ میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمر تو کیوں رویا؟ عرض کی کہ خیال آتا ہے کہ قیصر و کسریٰ جو کہ کافر ہیں ان کے لئے کس قدر تنعم اور آپ کے لئے کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ میرے لئے دنیا کا اسی قدر حصہ کافی ہے کہ جس میں حرکت کر سکوں۔ میری مثال یہ ہے کہ جیسے ایک مسافر سخت گرمی کے دنوں میں اونٹ پر جا رہا ہو اور جب سورج کی تپش سے بہت تنگ آوے تو ایک درخت کو دیکھ کر اس کے نیچے ذرا آرام کر لیوے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہو پھر اٹھ کر چل پڑے۔ تو یہ اسوۂ حسنہ ہے جو کہ اسلام کو دیا گیا ہے۔ دنیا کو اختیار کرنا بھی گناہ ہے اور مومن کی زندگی اضطراب کے ساتھ گذرتی ہے۔

پھر ہماری دو آنکھیں ہیں اور کیا کچھ دیکھ رہی ہیں اور کوئی فولاد وغیرہ کی بنی ہوئی نہیں ہیں۔ ذرا بینائی جاتی رہے تو پھر ہستی کا اندازہ ہو جاتا ہے اور جب اندھا ہو تو پھر موت ہی ہے۔ تو دنیا کی زندگی کا بھی یہی حساب ہے۔

دُنیوی زندگی ناقابلِ اطمینان ہے

مومن کو اس زندگی پر ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ اتنی بلائیں اس زندگی میں ہیں کہ شمار نہیں۔ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان کے پاخانہ کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور منہ کے راستہ پاخانہ آتا ہے اور اس کا نام ایلاوس ہے اور پھر اسی طرح گردہ اور مثانہ کی بیماریاں ہیں کہ رنگا رنگ کے سرخ، سبز اور سیاہ پتھر بن جاتے ہیں اور ان کا کوئی خاص سبب بھی کیا بیان ہو سکتا ہے بلکہ امراء لوگ جو کہ عمدہ غذا اور نفیس پانی استعمال کرتے ہیں انہیں کو ایسی امراض ہوتی ہیں۔ اگر دو شخص ایک ہی جگہ رہتے ہوں۔ ایک ہی قسم کی ان کی خورد و نوش ہو۔ پھر ایک ان میں سے ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے دوسرا نہیں ہوتا۔ اس لئے طب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ظنی علم ہے۔ علل

مادیہ میں یہ لوگ اسباب کی تحقیق کرتے ہیں مگر اس کا بھی سبب بتلاویں کہ جب الہام ہونے لگتا ہے یا کشف تو اس وقت نیند سی آنے لگتی ہے۔ اس کے کیا اسباب ہیں۔ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جب ان کو ایک بات کا سبب معلوم نہ ہو تو اس سے انکار کر بیٹھتے ہیں اور اسی لئے وحی اور الہام کے منکر ہیں۔

یہ علوم بے انتہا ہیں۔ جب تک بے اعتدالیوں کا حصہ دور نہ کریں۔ اس سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النازعات : ۴۱) جو خواہش جائز اپنے مقام اعتدال سے بڑھ جائے۔ اس کا نام هَوٰى ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رؤیا

کوئی تیس سال کا عرصہ گذرا۔ میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ بٹالہ کے مکانات میں ایک حویلی ہے۔ اس میں ایک سیاہ کمبل پر میں بیٹھا ہوں اور لباس بھی کمبل ہی کی طرح پہنا ہوا ہے۔ گویا کہ دنیا سے الگ ہوا ہوں۔ اتنے میں ایک لمبے قد کا شخص آیا اور مجھ سے پوچھتا ہے کہ مرزا غلام احمد مرزا غلام مرتضیٰ کا بیٹا کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہوں۔ کہنے لگا کہ میں نے آپ کی تعریف سنی ہے کہ آپ کو اسرار دینی اور حقائق اور معارف میں بہت دخل ہے۔ یہ تعریف سُن کر ملنے آیا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیا۔ اس پر اس نے آسمان کی طرف منہ کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور بہہ کر رخسار پر پڑتے تھے۔ ایک آنکھ اوپر تھی اور ایک نیچے اور اس کے منہ سے حسرت بھرے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ "تہیدستان عشرت را" اس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ یہ مرتبہ انسان کو نہیں ملتا جب تک کہ وہ اپنے اوپر ایک ذبح اور موت وارد نہ کرے۔

اس مقام پر عرب صاحب نے حضرت کا ایک یہ شعر پڑھا۔ جس میں یہ کلمہ منسلک تھا کہ

"میخواہد نگار من تہیدستان عشرت را"

حضرت نے فرمایا کہ

میں نے پھر اس کلمہ کو اس مصرعہ میں جوڑ دیا کہ یاد رہے۔[1]

آئینہ کمالات اسلام میں اس پر نظم لکھی ہے (ایڈیٹر بدر)

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ر فروری ۱۹۰۳ء

دربارِ شام[1]

عربی تصانیف کی اہمیّت

عربی تصانیف کے متعلق اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ

یہ سلسلہ نہ ہوتا تو یہ سب مولوی ہماری جماعت کو نظر استخفاف سے دیکھتے اور کہتے کہ یہ لوگ جاہل ہیں۔ مگر اب خود ہی بولنے کے لائق نہیں رہے۔

اسی سلسلہ کلام میں ابوسعید عرب صاحب نے عرض کیا کہ اگرچہ میں نے حضور کی تصنیفات کا مطالعہ نہیں کیا۔ مگر میرا ایمان ہے کہ حضور بالکل سچے ہیں اور مسیح اور مہدی کا دعویٰ حق ہے۔ مگر دوسرے لوگوں سے کلام کرنے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ حضور کی زبان مبارک سے مسیح موعود ہونے کا ثبوت سنوں۔

حضرت اقدس نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا۔ ہم اس کو اختصار کے طور پر لکھیں گے کیونکہ اس مضمون کے متعلق بسط کے ساتھ کلمات طیبات میں بھی ایک مضمون چھپ رہا ہے۔ بہرحال آپ نے فرمایا :-

مسیح موعود ہونے کا ثبوت

قرآن پر تدبر سے نظر کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ دو سلسلوں کا مساوی ذکر ہے اول وہ سلسلہ جو موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو کر مسیح علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتا ہے یہ اس شخص پر ختم ہونا چاہیے جو مثیل مسیح ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل : ۱۶) اور پھر سورہ نور میں وعدہ استخلاف فرمایا کہ جس طرح پر موسوی سلسلہ ہو گذرا ہے۔ اسی طرح پر محمدی سلسلہ بھی ہوگا تاکہ دونو سلسلوں میں بموجب آیات قرآنی باہم مطابقت اور موافقت تامہ ہو۔ چنانچہ جبکہ موسوی سلسلہ آخر عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ ضروری تھا کہ محمدی سلسلہ کا خاتم بھی عیسیٰ موعود ہوتا ان دونو سلسلوں کا باہم تقابل مرایا متقابلہ کی طرح ہے یعنی جب دو شیشے ایک دوسرے کے بالمقابل رکھے جاتے ہیں تو ایک

---

[1] چونکہ اس دن کی شام کی ڈائری البدر کی نسبت الحکم میں زیادہ مفصل اور مربوط ہے۔ اس لئے شام کی ڈائری الحکم سے یہاں درج کی گئی ہے۔ مرتب

شیشہ کا دوسرے میں انعکاس ہوتا ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

اور اس تقابل سلسلہ سے یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آخری سلسلہ کا آخری موعود کس شان کا ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ آخر آنے والا عظیم الشان ہوتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے۔ اگر یہ قاعدہ اور سنت نہ ہوتی۔ تو پھر معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عزت اور عظمت باقی انبیاء سابقین پر نہ ہوتی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت دنیا میں عظیم الشان اصلاح چاہتی تھی اس لئے مناسب یہی تھا کہ ان سب سے بڑھ کر آپؐ کی عظمت دکھاوے تا کہ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہو۔ دنیاوی حکام بھی جب ایسی مصلحت رکھ لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس مصلحت کو مدنظر نہ رکھتا۔ کبھی حکام دنیا پسند نہیں کرتے کہ آخر میں کسی نالائق کو بھیج دیں اور کہہ دیں کہ گو یہ نالائق ہے مگر اس کی بات مان لو۔ اب ایک شخص جو کل دنیا کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا کب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک معمولی انسان ہوتا۔ جس قدر انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے وہ سب ایک خاص خاص قوم کے لئے آئے تھے۔ اس لئے کہ ان کی شریعت مختص القوم اور مختص الزمان تھی۔ مگر ہمارے نبی وہ عظیم الشان نبی ہیں جن کے لئے حکم ہوا کہ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۸) اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۹) اس لئے جس قدر عظمتیں آپ کی بیان ہوئی ہیں۔ مصلحت الٰہی کا بھی یہی تقاضا تھا۔ کیونکہ جس پر ختم نبوت ہونا تھا۔ اگر وہ اپنے کمالات میں کمی رکھتا تو پھر وہی کمی آئندہ امت میں رہتی۔ کیونکہ جس قدر کمالات اللہ تعالیٰ کسی نبی میں پیدا کرتا ہے اسی قدر اس کی امت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جس قدر کمزور تعلیم وہ لاتا ہے اتنا ہی ضعف اس کی امت میں نمودار ہو جاتا ہے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جس عظمت اور شان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اسی عظمت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ تقابل میں بھی وہی عظمت دکھاتا۔ اور ہم ظاہر طور پر دیکھتے ہیں کہ دونوں تعلیموں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ قرآن شریف حقائق اور معارف سے بھرا ہوا ہے توریت اور انجیل بالکل ان سے خالی ہے۔ ان کی کل تعلیم قصص کے رنگ میں ہے اور قرآن شریف علوم کا خزانہ ہے۔ ان دونو سلسلوں کا اقتضاء اس وجہ سے بھی تھا کہ چونکہ اسحاقؑ اور اسماعیلؑ دونو بھائی تھے اور دونو میں برکات کی تقسیم مساوی تھیں۔ تصفیہ تقسیم تب ہی

ہوتا کہ دونو سلسلوں میں باہم تطابق اور عین موافقت ہوتی۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان نبی مبعوث فرمایا۔ جس کی امت کو كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران : ۱۱۱) کہا کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو شریعت قصہ کے رنگ میں ملی تھی وہ دماغی علوم کی کتاب و شریعت کے ماننے والوں کے کب برابر ہو سکتے ہیں۔ پہلے صرف قصص پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے دماغ اس قابل نہ تھے کہ حقائق و معارف کو سمجھ سکتے۔ مگر اس امت کے دماغ اعلیٰ درجہ کے تھے اس لئے شریعت اور کتاب علوم کا خزانہ ہے جو علوم قرآن مجید لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے۔ اور جیسے شریعت کے نزول کے وقت وہ اعلیٰ درجہ کے حقائق و معارف سے لبریز تھی ویسے ہی ضروری تھا کہ ترقی علوم و فنون اسی زمانہ میں ہوتا۔ بلکہ کمال انسانیت بھی اسی میں پورا ہوا۔

قرآن شریف حقیقی علوم کا جامع ہے

اس مقام پر عرب صاحب نے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر بھی یونان وغیرہ میں علوم کا چرچا تھا۔ فرمایا :۔

علوم سے مراد دنیوی علوم نہیں ہے۔ اور نہ ہیں۔ ان ارضی علوم سے کچھ تعلق نہیں۔ علوم حقیقی وہی ہوتے ہیں جو انبیاء لے کر آتے ہیں۔ اور ارضی اور سفلی علوم جو دنیا کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جیسے تار، ریل، غبارہ یا کلوں کی ایجاد وغیرہ یہ کھیلیں ہیں اور ارضی چیزیں ہیں جو جونہی انسان مرجاتا ہے اس کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہیں مگر وہ علوم جو انبیاء لے کر آتے ہیں وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ان کو کبھی فنا نہیں۔ ان علوم سے مراد خدا کے علوم ہیں (پھر اسی سلسلہ میں اصل مطلب کی طرف رجوع کرکے فرمایا) یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف جو علوم لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی اور کتاب میں پائے نہیں جاتے ہیں۔ توریت میں کسی علوم کا ذکر نہیں اور انجیل میں نشان تک بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم کی عظمت کے بڑے بڑے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں عظیم الشان علوم ہیں جو توریت و انجیل میں تلاش کرنے ہی عبث ہیں اور ایک چھوٹے اور بڑے درجہ کا آدمی اپنے اپنے فہم کے موافق ان سے حصہ لے سکتا ہے۔ توریت کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے متعلق ایک بھی فقرہ اس میں نہیں ہے۔ ادھر قرآن شریف کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے کیسے دلائل بھرے ہوئے ہیں۔ اور پھر عقلی اور نقلی دونو طرح کے ثبوت ہیں۔ قرون اولیٰ میں صرف نقل ہی نقل تھی۔ پھر یہود۔ نصاریٰ۔ آریہ۔ برہمو۔ نیچری غرض

سب فرقوں کا رد اس میں موجود ہے۔ غرض قرآن مجید ایک اکمل اور اتم کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دیکھا کہ خلقت میں علوم حاصل کرنے کے دماغ موجود ہو گئے ہیں تو اس نے قرآن جیسی کتاب بھیج دی۔

موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مطابقت

غرض یہ سلسلہ موسوی سلسلہ سے کسی طرح کم نہ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تو مماثلت اور مطابقت میں فرمایا کہ بدی کا حصہ بھی تم کو ویسے ہی ملے گا جیسے یہود کو ملا اور اس سلسلہ کی نسبت بار بار ذکر ہوا کہ آخر تک اس کی عظمت قائم رکھے گا۔ سورہ فاتحہ میں بھی اس کا ذکر ہے جبکہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحہ : ۷) فرمایا :۔ مَغْضُوبِ سے مراد یہودی ہیں۔

اب قابل غور یہ امر ہے کہ یہودی کیسے مغضوب ہوئے۔ انہوں نے پیغمبروں کو نہ مانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا تو ضرور تھا کہ اس امت میں بھی کوئی زمانہ ایسا ہوتا اور ایک مسیح آتا جس سے یہ لوگ انکار کرتے اور وہ مماثلت پوری ہوتی ورنہ کوئی ہم کو بتائے کہ اگر اسلام پر کوئی ایسا زمانہ آنے والا ہی نہ تھا اور نہ کوئی مسیح آنا تھا پھر اس دعاء فاتحہ کی تعلیم کا کیا فائدہ تھا۔ قرآن شریف کی مختلف آیات کے جمع کرنے سے اور پھر ان پر یکجائی نظر کرنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آنے والا مسیح ضرور اس امت میں سے ہوگا اور حدیث بھی اس کی شرح کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ اس امت میں سے ہوگا۔

غرض اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سلسلوں میں بالکل مطابقت ہے۔ اور محمدی سلسلہ میں آنے والا خاتم الخلفاء مسیح کے رنگ پر ہوگا۔ حدیثوں میں بھی یہی آیا ہے کہ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ یعنی وہ امام تم ہی میں سے ہوگا۔

مسیح موعود کس قوم سے ہوگا؟

سوال ہوا کہ مسیح کس قوم سے ہوگا؟

فرمایا :۔ مہدی کی بابت تو مختلف روایات ہیں۔ مگر مسیح کی بابت نہیں لکھا کہ وہ کس قوم سے ہوگا اور یہ لطف کی بات ہے کہ چونکہ کسی قوم کا ذکر نہیں ہے اور مسلمانوں کا خیال تھا کہ وہ اوپر سے آنے والا ہے۔ اس لئے اس دعویٰ میں آج تک کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ افتراء سے کام لیتا۔ مہدی کاذب ہونے کے دعوے جو بہت لوگوں نے کئے اس کی وجہ یہی تھی کہ اس کی قوم کا ذکر

تھا۔ جہاں جس کو گنجائش ملی۔ اس نے پاؤں جما کر دعویٰ کر دیا۔

مسیح ناصری شارح توریت اور مسیح موعود شارح قرآن ہے

پوچھا گیا کہ عیسائی لوگ تو توریت کو نہیں مانتے۔ انجیل کو ہی مانتے ہیں۔ فرمایا :۔
انجیل میں ہرگز کوئی شریعت نہیں ہے بلکہ توریت کی شرح ہے اور عیسائی لوگ توریت کو الگ نہیں کرتے جیسے مسیح توریت کی شرح بیان کرتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی قرآن شریف کی شرح بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ مسیح۔ موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو برس بعد آئے تھے۔ اسی طرح ہم بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں آئے ہیں۔

مغضوب اور ضالّ

ایک شخص نے سوال کیا۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم بھی تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ : ۶) کہتے ہیں ہم کو یہودی اور مغضوب کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا کہ یہودی بھی تو ہدایت اب تک طلب کر رہے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مانگ رہے ہیں اور توریت پڑھتے ہیں مگر گمراہ کیوں ہیں؟

خلیفہ کے معنے

عرب صاحب نے خلیفہ کے معنے دریافت کئے۔ فرمایا :۔
خلیفہ کا معنے جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں۔ انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے انبیاء موسوی شریعت کے تابع تھے

مثلاً گذشتہ انبیاء میں جو خلیفے ہوئے وہ وہ تھے جو مقاصد توریت کے کھول کر بیان کیا کرتے تھے ورنہ تعلیم سب کی ایک ہی تھی۔ یہود کو جو توریت میں یہ تعلیم دی تھی کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ مگر توریت کا اس عدل سے وہ مطلب نہ تھا جو یہودی لوگ اپنی جھوٹی روایتوں اور حدیثوں کی بناء پر اصل اخلاق کو دور کر کے ظاہری شریعت کے پیچھے لگ گئے کہ اگر ظاہر شریعت پر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ٹھہریں گے اور عفو گویا بالکل نہ کرنا چاہیے۔ حالانکہ اس سے خدا تعالیٰ پر حرف آتا ہے۔ کہ وہ کیوں عفو کی عادت ترک کر بیٹھا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بنی

اسرائیل چار سو سال کی غلامی کی وجہ سے فرعونیوں کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے جو ظالمانہ طبیعت رکھتے تھے۔ اس لئے بہت سے مفاسد ان میں پیدا ہو گئے تھے اور چال چلن خراب ہو گیا تھا۔ اس ظالمانہ عادات کی بیخکنی کے لئے عدل کے رنگ میں یہ تعلیم ان کو دی گئی تھی مگر انہوں نے اس کو الٹا سمجھا ورنہ ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اخلاق کا وہ حصہ جو عفو کہلاتا ہے بالکل زائل کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بڑے سخت دل ہو گئے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہودیوں کی سخت دلی بہت بڑھی ہوئی ہے اور وہ کئی قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے اس لئے انہوں نے آکر عفو کی تعلیم دی اور اخلاق کی تجدید کی۔ یہ کہنا کہ انجیل ہی میں اخلاق بھرے ہوئے ہیں سخت غلطی ہے۔ کیا پہلے نبیوں کی کتابیں جو ستر سے زیادہ ہیں۔ وہ سب اخلاقی تعلیم سے خالی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مسیح نے کوئی نئی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ نئی شریعت پیش کی۔ یہودی اب تک کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ لیا۔ ہمارے ہی صحیفوں سے لیا ہے۔ چنانچہ ایک یہودی نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ کون کون سے فقرے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی کسی کتاب سے لئے ہیں۔

سچی تعلیم کی علامت

غرض سچی تعلیم کی یہ نشانی ہے کہ وہ انبیاء کی تعلیم سے مشابہ ہو۔ ان کا اصول ایک ہی ہوتا ہے اور اختلاف تب ہوتا ہے کہ اصول میں ہو۔ ورنہ فروع میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ اختلاف نہیں کہلاتا اور اگر فروع میں اختلاف ہو بھی تو اس کی مثال ایسی ہے کہ گرمیوں میں اور کپڑا ہوتا ہے سردیوں میں اور۔ فروعات میں تبدیلیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ ایسا ہی مثلاً ایک زمانہ تھا کہ شراب جیسی خبیث چیز کو لوگ بے دھڑک پیتے تھے اور پھر وہ زمانہ آپ کا آگیا کہ اس کی بیخکنی کی جاوے۔ حضرت دانیال کو کہا گیا کہ آپ شراب پئیں تا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو جاوے اور بادشاہ وقت کا حکم ہے کہ جس کا چہرہ سرخ نہ ہوگا۔ وہ مارا جاوے گا اس پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ شراب پیو مگر میں ساگ پات کھاتا ہوں اور دیکھنا کہ کس کا چہرہ زیادہ سرخ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ آئے تو سب سے زیادہ آپ کا چہرہ سرخ تھا۔

مسیح نے تورات کی شریعت بحال رکھی

پوچھا گیا کہ مسیح نے اپنے شاگردوں کو شریعت کے ماننے کا کیوں حکم نہ دیا؟ فرمایا کہ وہ خود شریعت کو مانتے تھے اور شاگردوں کو ماننے کے لئے فرمایا۔ اگر ان کے وقت میں

شریعت منسوخ ہو گئی ہوتی تو یہ کیوں فرماتے کہ فریسی اور فقیہ جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں وہ جو کہیں سو کرو اور جو وہ کریں وہ نہ کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شریعت توریت کی بحال تھی اور انجیل میں بذات خود کوئی شریعت نہیں تھی۔

مسیح موعود ہونے کا ذکر قرآن میں

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح موعود کے متعلق قرآن میں کہاں کہاں ذکر ہے۔ فرمایا سورہ فاتحہ۔ سورہ نور۔ سورہ تحریم وغیرہ میں۔ سورہ فاتحہ میں تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ : ۶) سورہ نور میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور : ۵۶) اور سورہ تحریم میں جہاں مومنوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ان میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم : ۱۳)

مقامِ مریمیّت

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس میں دو قسم کی عورتوں سے مثال دی ہے۔ اول فرعون کی بیوی سے اور ایک مریم سے۔ پہلی مثال میں یہ بتایا ہے کہ ایک مومن اس قسم کے ہوتے ہیں جو ابھی اپنے جذبات نفس کے پنجے میں گرفتار ہوتے ہیں اور ان کی بڑی آرزو اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ خدا ان کو اس سے نجات دے۔ یہ مومن فرعون کی بیوی کی طرح ہوتے ہیں کہ وہ بھی فرعون سے نجات چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ لیکن جو مومن اپنے تئیں تقویٰ اور طہارت کے بڑے درجہ تک پہنچاتے ہیں اور احصانِ فرج کرتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان میں عیسیٰ کی روح نفخ کر دیتا ہے۔ نیکی کے یہ دو مرتبے ہیں جو مومن حاصل کر سکتا ہے مگر دوسرا بہت بڑھ کر ہے کہ اس میں نفخ روح ہو کر وہ عیسیٰ بن جاتا ہے یہ آیت صاف اشارہ کرتی ہے کہ اس امت میں کوئی شخص مریم صفت ہوگا کہ اس میں نفخ ہو کر عیسیٰ بنا دیا جائے گا۔ اب کوئی عورت تو ایسی ہے نہیں اور نہ کسی عورت کے متعلق یہ پیشگوئی ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ اس امت میں ایک ایسا انسان ہوگا جو پہلے اپنے تقویٰ و طہارت اور احصان اور عفت کے لحاظ سے صفت مریمیت سے موصوف ہوگا اور پھر اس میں نفخ ہو کر صفات عیسوی پیدا ہوں گی۔ اب اس کی کیفیت اور لطافت براہین احمدیہ سے معلوم ہوگی کہ پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر اس میں روح صدق

نفخ کرکے مجھے عیسیٰ بنایا۔ مومنوں کی جو یہ دو مثالیں بیان کی ہیں۔ وہ اس آیت[1] سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔

(پھر اس کے متعلق آپ نے جو فرمایا۔ بارہا الحکم میں درج ہوا ہے۔ آخر اس لطیفہ پر اس کو ختم کر دیا کہ)

مریم صفات والے کے لئے ضرور ہے کہ وہ عیسویت کے رنگ میں تبدیل ہو جاوے۔ اگر اس آیت میں صرف مریم کا لفظ ہوتا تو بہت سے افراد ہو سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے احصان فرج اور نفخ روح کی قید لگا کر بتا دیا ہے کہ ایک ہی شخص ہوگا۔ یہ ایک استعارہ تھا۔ جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے لئے یہی وقت مقدر تھا۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ مریم، نفخ روح اور میرا نام عیسیٰ رکھنے کے الہاموں میں صرف نو یا دس ماہ کا فاصلہ ہے جو کہ مدت حمل ہے۔ ان تمام ترقیات کا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ کس طرح ایک بیج زمین کے اندر کیا کیا بن کر آخر کار ایک پتہ بن جاتا ہے[2]

---

۷ جنوری ۱۹۰۳ء

ظاہر و باطن میں اسلام کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے تشریف لائے۔ عرب صاحب نے انگریزی وضع

---

[1] الحکم میں اس آیت کا ذکر رہ گیا ہے۔ مگر البدر میں اس کی تفصیل دی ہے جو درج ذیل ہے۔

امت کی دو ہی قسم ہیں۔ ایک فرعون کی بیوی اور دوسرے مریم بنت عمران اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (فاطر : ۳۳) ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ نفس امارہ کے تابع ہیں کہ جس راہ پر نفس نے ڈالا۔ اسی راہ پر چل پڑے اور وہ مُتَشَابِهَةٌ بَقَرَ الانعام : ۴۰) کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ان کی مثال بہائم کی ہے۔ اس لئے کسی مدمیں نہیں آسکتے اور یہ کثرت سے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد نفس لوامہ والے جو کہ فرعون کی بیوی (کی طرح) ہیں۔ یعنی ان کو نفس ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امارہ سے ان کو آزادی ملے یہ کم ہوتے ہیں اور پھر ان میں سے کم نفس مطمئنہ والے یعنی مریم بنت عمران۔ جس زمانے کا وعدہ خدا نے کیا ہوا تھا۔ ضرور تھا کہ اس میں ایک نفس مریم کی طرح ہوتا اور اس زمانے میں خدا نے فیہ ضمیر مذکر استعمال کی ہے تاکہ اشارہ اس طرف ہو کہ ایک مرد ہوگا جو صفات مریمیت حاصل کر کے عیسیٰ ہوگا۔ (البدر جلد دوم نمبر ۳ مورخہ ۶ر فروری ۱۹۰۳ء)

---

[2] الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۸ تا ۱۰ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء

قطع پر کچھ ذکر چھیڑا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

انسان کو جیسے باطن میں اسلام دکھانا چاہیے۔ ویسے ہی ظاہر میں بھی دکھلانا چاہیے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے۔ جنہوں نے آج علیگڈھ میں تعلیم پا کر کوٹ پتلون وغیرہ سب کچھ ہی انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے حتیٰ کہ وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی عورتیں بھی انگریزی عورتوں کی طرح ہوں اور ویسے ہی لباس وغیرہ وہ پہنیں۔ جو شخص ایک قوم کے لباس کو پسند کرتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ اس قوم کو اور پھر ان کے دوسرے اوضاع و اطوار حتیٰ کہ مذہب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے۔ اسلام نے سادگی کو پسند کیا ہے اور تکلفات سے نفرت کی ہے۔

چھری کانٹے سے کھانے پر فرمایا کہ

شریعت اسلام نے چھری سے کاٹ کر کھانے سے تو منع نہیں کیا۔ ہاں تکلف سے ایک بات یا فعل پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اس قوم سے مشابہت نہ ہو جاوے ورنہ یوں تو ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے گوشت کاٹ کر کھایا۔ اور یہ فعل اس لئے کیا کہ تا امت کو تکلیف نہ ہو۔ جائز ضرورتوں پر اس طرح کھانا جائز ہے۔ مگر بالکل اس کا پابند ہونا اور تکلف کرنا اور کھانے کے دوسرے طریقوں کو حقیر جاننا منع ہے کیونکہ پھر آہستہ آہستہ انسان کی نوبت تتبع کی یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ وہ ان کی طرح طہارت کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ مَنْ تَشَابَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے مراد یہی ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت ایک جائز ضرورت کے لحاظ سے کر لینا منع نہیں ہے جیسے کہ بعض دفعہ کام کی کثرت ہوتی ہے اور بیٹھے لکھتے ہوتے ہیں تو کہدیا کرتے ہیں کہ کھانا میز پر لگا دو اور اس پر کھا لیا کرتے ہیں اور صف پر بھی کھا لیتے ہیں۔ چارپائی پر بھی کھا لیتے ہیں۔ تو ایسی باتوں میں صرف گذارہ کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

تشبہ کے معنے اس حدیث میں یہ ہیں کہ اس کیرکو لازم پکڑ لینا۔ ورنہ ہمارے دین کی سادگی تو ایسی شیئے ہے کہ جس پر دیگر اقوام نے رشک کھایا ہے اور خواہش کی ہے۔ کہ کاش ان کے مذہب میں ہوتی اور انگریزوں نے اس کی تعریف کی ہے اور اکثر اصول ان لوگوں نے عرب سے لے کر استعمال کئے ہیں مگر اب رسم پرستی کی خاطر وہ مجبور ہیں۔ ترک نہیں کر سکتے۔

داڑھی رکھنا انبیاء کا طریق ہے

پھر عرب صاحب نے داڑھی کی نسبت دریافت کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ انسان کے دل کا خیال ہے بعض انگریز تو داڑھی اور مونچھ سب کچھ منڈوا دیتے ہیں وہ

اسے خوبصورتی خیال کرتے ہیں اور ہمیں اس سے ایسی کراہت آتی ہے کہ سامنے ہو تو کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ داڑھی کا جو طریق انبیاء اور راستبازوں نے اختیار کیا ہے وہ بہت پسندیدہ ہے۔ البتہ اگر بہت لمبی ہو جاوے تو کٹوا دینی چاہیے۔ ایک مشت رہے۔ خدا نے یہ ایک امتیاز مرد اور عورت کے درمیان رکھ دیا ہے۔

اُسترے کی مضرت

ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے عرض کی کہ حضور آج کل ایک کتاب پلیگ گائڈ چھپی ہے وہ کل ڈاکٹروں کے پاس روانہ کی گئی اس میں ایک ہدایت ہے کہ ان طاعون کے ایام میں داڑھی ہرگز نہ منڈوانی چاہیے۔ کیونکہ اگر ذرا بھی زخم ہوا۔ تو طاعونی مادہ اس پر بہت جلد اثر کرتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

استروں سے بھی بعض وقت زہر اور آتشک کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ استرے کے استعمال کرنے میں بہت احتیاط لازم ہے اور استرے کا استعمال منہ پر تو بہت خطرناک ہے۔ ہاں غیر مناسب بال جیسا کہ بعض رخسار پر ہوتے ہیں یا داڑھی کے زوائد وغیرہ کاٹ دینے چاہئیں نہ کہ منڈوانے۔

پیشگوئی کی تفہیم میں احتیاط

پھر حضرت اقدس نے عرب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

رات کو جو آپ نے سوال کیا تھا وہ بے شک بہت ضروری تھا۔ کیونکہ ایسے ملکوں میں جہاں لوگ بہت ناواقف ہیں سمجھانے کے لئے ضرور علم چاہیے۔

پھر اس مضمون کا مختصر خلاصہ حضور نے اعادہ فرمایا کہ جو گذشتہ شب میں ہم درج کر چکے ہیں اور اس پر یہ ایزادی فرمائی کہ

پیشگوئی کے بارے میں یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ وہ ایسی کھلی کھلی ہوں کہ نام لے لے کر بتلایا جاوے ورنہ پھر یہی سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو سکتا ہے اور ویسے ہی ثبوت کی ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر آپڑتی ہے۔ کیونکہ خدا نے توریت میں یہ تو ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں ایک نبی ہوگا اور پھر یہ کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ مگر یہ تشریح نہ کی کہ یہ

اسماعیل کی نسل میں ہوگا حالانکہ یہود کا بھی یہی خیال رہا کہ بنی اسرائیل سے ہوگا ورنہ کیا خدا تعالیٰ قادر نہ تھا کہ آپؐ کا نام آپؐ کے باپ کا نام آپؐ کے شہر کا نام سب کچھ پہلے بتلا دیتا اور کسی کو کوئی وجہ شک کی نہ رہتی۔ مگر ایسے الفاظ تھے کہ ان سے اہل یہود نے فائدہ اٹھالیا۔ اور ان کا ابھی تک یہی مذہب ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے مراد یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے ہوگا۔ دوسری جگہ جہاں اہل یہود نے ٹھوکر کھائی وہ الیاس والا مقدمہ ہے کہ انہوں نے یوحنا کو الیاس نہ مانا۔ غرض اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام امور پر یکجائی نظر ڈالے اور مومن اور متقی آدمی ہو تو پھر اسے ثبوت ملتا ہے کہ ایک طرف تو قرآن اور احادیث اور سابقہ کتب ہمارے ساتھ ہیں اور ایک طرف صدہا نشان جو کہ ظاہر ہو چکے ہیں اور ان میں سے ایک سو پچاس کا ذکر نزول المسیح میں ہے۔ غرض یہ سنت اللہ ہے کہ نشانوں سے صادق شناخت کیا جاتا ہے۔

یہود کیلئے ابتلاء کا مقام

اور سچی بات یہی ہے کہ اگر وہ ہم پر اعتراض کریں تو اول حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور صداقت کا ثبوت پیش کریں۔ پھر اُن سے جو کمی رہ جائے گی وہ ہم پوری کر دیں گے۔ یہودیوں کو دوبار حیرت کا مقام پیش آیا۔ ایک تو مسیحؑ کے وقت کہ جب انہوں نے پوچھا کہ تجھ سے پیشتر آنے والا الیاس کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ وہ یوحنا ہے چاہو تو قبول کرو چاہو قبول نہ کرو اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کہ آپ بنی اسماعیل میں سے ہوئے۔

بعل زبول

اور مسیح کو بھی دیوانہ کہا گیا تھا چنانچہ ان کا نام منکروں نے بعل زبول رکھا تھا۔ بعل کے معنے رئیس اور زبول کے معنے مکھیاں جو کہ گندگی پر بیٹھتی ہیں یعنی کل گندگیوں کا سردار یہ ان کی سخت غلطی تھی اور مخالفت کی وجہ سے اسے کہتے تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہتے تھے۔

قرآن کریم سے اِس زمانہ کی خبر

ریل وغیرہ کے ذکر پر فرمایا کہ

اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو فائدہ پہنچایا ہے کہ سفر کا بہت آرام ہے ورنہ کہاں سے کہاں ٹھوکریں کھاتا ہوا انسان ایک دوسرے مقام پر پہنچتا تھا۔ مدراس جہاں سیٹھ

عبدالرحمان صاحب ہیں۔ اگر کوئی جاتا تو گرمیوں میں روانہ ہوتا اور سردیوں میں پہنچتا تھا۔ اس زمانہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر : ۸) کہ جب ایک اقلیم کے لوگ دوسرے اقلیم والوں کے ساتھ ملیں گے۔[1]

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر : ۱۱) یعنی اس وقت خط و کتابت کے ذریعے عام ہوں گے اور کتب کثرت سے دستیاب ہو سکیں گی۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر : ۵) اس وقت اونٹنیاں بیکار ہوں گی۔ ایک زمانہ تھا کہ یہاں ہزارہا اونٹ آیا کرتے مگر اب نام و نشان بھی نہیں اور مکہ میں بھی اب نہ رہیں گے۔ ریل کے جاری ہونے کی دیر ہے۔

کسوف وخسوف اور شق القمر

پھر عرب صاحب نے کسوف و خسوف رمضان کی نسبت دریافت کیا کہ اس کا ذکر آپ کی کتب میں ہے کہ نہیں؟ فرمایا کہ

یہ ایک پرانا نشان چلا آتا تھا جو اس وقت پورا ہوا ہے۔ براہین احمدیہ میں اس کا ذکر استعارہ کے طور پر ہے۔ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر : ۳) یہ میرا الہام بھی ہے اور بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ شق القمر بھی ایک قسم خسوف کا تھا۔

(مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جواب دیا کہ عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے) اور شاہ عبدالعزیز بھی یہی کہتے ہیں اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ از قسم خسوف تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے علماء اس طرف گئے ہیں

طوفانِ نوح

نوح علیہ السلام کے طوفان کی نسبت فرمایا۔ کہ

قرآن شریف سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کل زمین کی آبادی کو اس وقت تباہ کر دیا تھا۔ صرف نوح (علیہ السلام) کی قوم پر تباہی آئی تھی۔

مماثلت کی حقیقت

ایک شخص نے سوال کیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب مسیح ناصری کے آنے سے ختم نبوت ٹوٹتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے ختم نبوت نہیں

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

ٹوٹتی؟ فرمایا کہ

مسیح کا یہ دعویٰ کہاں ہے کہ جس طرح ہم اپنے آپ کو امت محمدیہ میں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فنا شدہ کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی کہا ہو؟ وہ تو حضرت موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے والے تھے اور مماثلت کا سلسلہ چاہتا ہے کہ کوئی اور ہی آوے وہ نہ آویں۔ مماثلت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ بالکل اس کا عین ہو۔ جیسے کسی کو شیر کہیں تو اب اس کے لئے دم تجویز کریں۔ اور پھر گوشت کا کھانا بھی۔ خدا کے کلام میں استعارات ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کو کہا جائے کہ اس نے ایک رکابی چاولوں کی کھائی تو اس کے یہ معنے نہ ہونگے کہ وہ رکابی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا گیا۔

مماثلت میں صرف بعض پہلوؤں میں تشابہ ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ کہا کہ جیسے موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون سے چھڑایا۔ آنحضرت نے بھی اپنی قوم کو طاغوت اور بتوں سے رہائی دلوائی۔ مشابہت میں ہو بہو عین نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ تو پھر حقیقت ہوگی نہ کہ مشابہت۔

قادیان

عرب صاحب نے ادھر ادھر غیر آبادی کو دیکھ کر عرض کی کہ یہ صرف حضور ہی کا دم ہے کہ جس کی خاطر اس قدر انبوہ ہے ورنہ اس غیر آباد جگہ میں کون اور کب آتا ہے۔ فرمایا کہ

اس کی مثال مکہ کی ہے کہ وہاں بھی عرب لوگ دور دراز جگہوں سے جاکر مال وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ (قریش : ۲،۳)

ایک اعتراض کا جواب

لوگوں کے اس اعتراض پر کہ جو شخص لاوارث مرجاتا ہے اس کے وارث مرزا صاحب ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے بہت سے ملک املاک جمع کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ

والد صاحب ایسے دنیاوی کاموں میں مجھے مامور کر دیا کرتے تھے اور ان کے حکم اور رضا مندی کے لئے اکثر مجھے عدالتوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ جب سے والد صاحب فوت ہو گئے ہیں کیا کسی نے دیکھا ہے کہ ہم نے ان باتوں میں کوئی حصہ لیا ہے۔ حالانکہ ہمیں حق پہنچتا ہے کہ اگر چاہیں تو لے لیویں۔

سیرت مسیح موعود کی چند باتیں

حضور نے نماز مغرب ادا کر کے مجلس کی اور ایک دو مختلف ذکروں کے بعد میاں احمد دین صاحب از گوجرانوالہ نے عرض کی کہ اگر جناب ٹھیک ٹھیک پتہ یہاں سے روانگی کا فرما دیں تو کچھ کھانے پینے کا انتظام کر کے گوجرانوالہ پر حاضر رہوں۔ خدا کے برگزیدہ نے فرمایا کہ

ہمیں تو خدا ہی نے لے جانا ہے۔ اسی کے حکم سے جانا ہے۔ ابھی کیا معلوم کس وقت روانہ ہونا ہے۔ انسان بہت عاجز اور ہیچ ہے۔ خدا ہی کے ساتھ وہ جاتا ہے اور خدا ہی کے ساتھ آتا ہے۔

دیگر احباب نے عرض کی کہ ایک اور صاحب نے راستہ کی خوراک وغیرہ کا انتظام کر لیا ہے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دل میں جو اخلاص ہے اس کا ثواب آپ لیویں گے۔ کیونکہ اب دعوت آپ کی طرف سے تو پیش ہو گئی۔

علالت طبع پر فرمایا کہ

اب دو تین دن سیر بند رہے گی۔ کیونکہ آج کل بارشیں نہیں ہوتیں۔ اس لئے راستہ میں خاک بہت اڑتی ہے اور اسی سے میں بیمار ہو گیا تھا۔

ایک صاحب نے کہا کہ چونکہ لوگ حضور کے آگے چلتے ہیں۔ اس لئے خاک اڑ کر آپ پر پڑتی ہے۔ لیکن اس مجسمہ رحمت انسان نے جواب دیا کہ

نہیں۔ بارش کے نہ ہونے سے یہ تکلیف ہے۔ (اللہ اللہ کیا رحم ہے اور حسن ظن ہے کہ اپنے احباب کو ہرگز ملزم نہیں ٹھہراتے)

سلسلہ کی تصنیفات

تصنیفات کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ ہمارے مخالف ہزاروں ہی ہیں اور ان کے مقابل میں ہماری جماعت بہت قلیل ہے۔ مگر ہماری طرف سے جس قدر تازہ بتازہ کتابیں کثرت سے نکل رہی ہیں۔ ان کی طرف سے معدودے چند بھی نہیں نکلتیں اور کوئی نکلتی بھی ہے تو اس میں گالیاں ہی ہوتی ہیں جو ان کے لئے شرم کی جگہ ہے۔

یہود اور نصاریٰ کی افراط اور تفریط

یہود اور عیسائیوں کی نسبت فرمایا کہ

وہ دونو ضدین ہیں۔ ایک نے بڑھا دیا ہے ایک نے گھٹا دیا ہے۔ ان کی مثال رافضیوں اور خارجیوں سے خوب ملتی ہے۔ جیسے یہودی کے آگے عیسائی نہیں ٹھہرتا ایسے ہی خارجی کے آگے رافضی نہیں ٹھہرتا۔[1]

۸ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

جماعت کیلئے ضروری نصائح

نماز مغرب کے بعد شیخ نور احمد صاحب پلیڈر ایبٹ آباد اور سید حامد علی شاہ صاحب بدوملہی اور ایک اور صاحب نے بیعت کی۔

بعد بیعت حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اس پر آشوب زمانہ میں جبکہ ہر طرف ضلالت، غفلت اور گمراہی کی ہوا چل رہی ہے تقویٰ اختیار کریں۔ دنیا کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی عظمت نہیں ہے۔ حقوق اور وصایا کی پروا نہیں ہے۔ دنیا اور اس کے کاموں میں حد سے زیادہ انہماک ہے۔ ذرا سا نقصان دنیا کا ہوتا دیکھ کر دین کے حصہ کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ یہ سب باتیں مقدمہ بازیوں اور شرکاء کے ساتھ تقسیم حصہ میں دیکھی جاتی ہیں۔ لالچ کی نیت سے ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں۔ نفسانی جذبات کے مقابلہ میں بہت کمزور واقع ہوئے ہیں۔ اس وقت تک کہ خدا نے ان کو کمزور کر رکھا ہے گناہ کی جرات نہیں کرتے مگر جب ذرا کمزوری رفع ہوئی اور گناہ کا موقع ملا تو جھٹ اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آج اس زمانہ میں ہر ایک جگہ تلاش کرلو۔ تو یہی پتہ ملے گا کہ گویا سچا تقویٰ اٹھ گیا ہوا ہے اور سچا ایمان بالکل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ ان کے بچے تقویٰ اور ایمان کا تخم ہرگز ضائع نہ کرے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب فصل بالکل تباہ ہونے پر آتی ہے تو اور فصل پیدا کر دیتا ہے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء

وہی تازہ بتازہ قرآن موجود ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کہا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) بہت سا حصہ احادیث کا بھی موجود ہے اور برکات بھی ہیں مگر دلوں میں ایمان اور عملی حالت بالکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اسی لئے مبعوث کیا ہے کہ یہ باتیں پھر پیدا ہوں۔ خدا نے جب دیکھا کہ میدان خالی ہے تو اس کی الوہیت کے تقاضا نے ہرگز پسند نہ کیا کہ یہ میدان خالی رہے اور لوگ ایسے ہی دور رہیں اس لئے اب ان کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ ایک نئی قوم زندوں کی پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی لئے ہماری تبلیغ ہے کہ تقویٰ کی زندگی حاصل ہو جاوے۔

صرف ترکِ شر کافی نہیں

آدمی کئی قسم کے ہیں بعض ایسے کہ بدی کرکے پھر اس پر فخر کرتے ہیں۔ بھلا یہ کونسی صفت ہے جس کے اوپر ناز کیا جاوے۔ شر سے اس طرح پرہیز کرنا نیکی میں داخل نہیں ہے۔ اور نہ اس کا نام حقیقی نیکی ہے۔ کیونکہ اس طرح تو جانور بھی سیکھ سکتے ہیں۔ میاں حسین بیگ تاجر ایک شخص تھا اس کے پاس ایک کتا تھا وہ اسے کہہ جاتا کہ روٹی کو دیکھتا رہ تو وہ روٹی کی حفاظت کرتا۔ اسی طرح ایک بلی کو سنا ہے کہ اسے بھی ایسے ہی سکھایا ہوا تھا۔ جب بعض لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے امتحان کرنا چاہا۔ اور ایک کوٹھڑی کے اندر حلوہ' دودھ اور گوشت وغیرہ ایسی چیزیں رکھ کر جس پر بلی کو ضرور لالچ آوے اس بلی کو چھوڑ کر دروازہ کو بند کر دیا کہ دیکھیں اب وہ ان اشیاء میں سے کھاتی ہے کہ نہیں۔ پھر جب ایک دو دن کے بعد کھول کر دیکھا تو ہر ایک شئے اسی طرح پڑی تھی اور بلی مری ہوئی تھی اور اس نے کسی شیئے کو ہلایا تک بھی نہ تھا۔ اس لئے اب شرم کرنی چاہیے کہ انہوں نے حیوان ہو کر انسان کا حکم ایسا مانا اور یہ انسان ہو کر خدا تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانتا۔ نفس کو تنبیہہ کرنے کے واسطے ایسی ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور بہت سے وفادار کتے بھی موجود ہیں مگر افسوس اس کے لئے کہ جو کتے جتنا مرتبہ بھی نہیں رکھتا تو بتلا دے کہ پھر وہ خدا سے کیا مانگتا ہے؟ انسان کو تو خدا نے وہ قویٰ عطا کئے ہیں کہ اور کسی مخلوق کو عطا نہیں کئے۔ شر سے پرہیز کرنے میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں۔ بعض گھوڑوں کو دیکھا ہے کہ چابک آقا کے ہاتھ سے گر پڑی۔ تو منہ سے اٹھا کر اسے دیتے ہیں اور اس کے کہنے سے لیٹتے ہیں اور بیٹھتے ہیں اور اٹھتے ہیں اور پوری اطاعت کرتے ہیں تو یہ انسان کا فخر نہیں ہو سکتا کہ چند گنے ہوئے گناہ ہاتھ پاؤں وغیرہ دیگر اعضاء کے جو ہیں ان سے بچا رہے۔ جو لوگ ایسے گناہ کرتے ہیں وہ تو بہائم سیرت ہیں جیسے کتے بلیوں کا کام ہے کہ ذرا برتن ننگا دیکھا تو منہ ڈال لیا اور کوئی کھانے کی شئے ننگی دیکھی تو کھا

لی۔ تو ایسے انسان کتے بلی کے سے ہی ہوتے ہیں انجام کار پکڑے جاتے ہیں۔ جیل خانوں میں جاتے ہیں جا کر دیکھو تو ایسے مسلمانوں سے زندان بھرے ہوئے ہیں ۔

حضرت انساں کہ حد مشترک را جامع است
می تواند شد مسیحا می تواند شد خرے

دُنیا کیلئے کوشش حدِّ اعتدال تک ہو

تو اب یہ موقع ہے اور خدا تعالیٰ کی لہروں کے دن ہیں یعنی جیسے بعض زمانہ خدا کی رحمت کا ہوتا ہے اور اس میں لوگ قوت پاتے ہیں۔ ایسے ہی یہ وقت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بالکل دنیا کے کاروبار چھوڑ دیوے بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ حد اعتدال تک کوشش کرے اور دنیا کو اس نیت سے کماوے کہ دین کی خادم ہو مگر یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ اس میں ایسا انہماک ہو جاوے کہ دین کا پہلو بھول ہی جاوے نہ روزہ کی خبر ہے نہ نماز کی۔ جیسے کہ آج کل لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دلی کا جلسہ ہی اب دیکھ لو جہاں کہتے ہیں کہ پندرہ لاکھ آدمی جمع ہوا ہے۔ میرا تصور تو یہی ہے کہ سارے دنیا پرست ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ خدا سے نفرت دلانے والے سلاطین ہی ہیں کیونکہ یہ مثل ایک بڑی دیوی کے ہوتے ہیں جس قدر ان کا قرب زیادہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی قلب سخت ہوتا ہے۔ ہم کسی کو تجارت سے منع نہیں کرتے کہ وہ بالکل ترک کر دیوے مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ ذرا سوچیں اور دیکھیں کہ ان کے باپ دادا کہاں ہیں؟ بڑے بڑے عزیز انسان کے ہوا کرتے ہیں اور کس طرح وہ ان کے ہاتھوں میں ہی اٹھ جایا کرتے ہیں اور موت کس طرح آپس میں تفرقہ ڈال دیتی ہے۔

سال دیگر را کہ می داند حساب
تا کجا رفت آں کہ باما بود یار

اب طاعون کی بلا سروں پر ہے کہتے ہیں کہ اس کی معیاد ستر برس ہوا کرتی ہے اور اس کے آگے کوئی حیلہ پیش نہیں جاتا سب (حیلے) فضول ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے آتی ہے کہ خدا کے وجود کو منوا دیوے۔ سو اس کا وجود برحق ہے۔ اور خدا کی بلا سے سوائے خدا کے کوئی بچا نہیں سکتا۔ سچا تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی ہو۔ جب شریر گھوڑے کی طرح انسان ہوتا ہے تو ماریں کھاتا ہے۔ اور جو خاص لوگ ہیں وہ اشارات سے چلتے ہیں جیسے سدھا ہوا گھوڑا اشارے سے چلتا ہے اور ان کو وحی اور الہام ہوتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ وحی کے معنے

اشارہ کے بھی لکھے ہیں۔ مگر جب مار کھانے کا زمانہ گذر جاتا ہے تو پھر وحی کا زمانہ آتا ہے اور یہ بات ضروری ہے کہ یہ مرحلہ سہولت سے طے نہیں پاتا۔ کیونکہ تقویٰ ایسی شیئے نہیں جو کہ صرف منہ سے انسان کو حاصل ہو جاوے بلکہ یہ شیطانی گناہ کا کوئی حصہ دار ہے۔ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ذرا سی شیرینی رکھ دیں تو بے شمار چیونٹیاں اس پر آجاتی ہیں۔ یہی حال شیطانی گناہوں کا ہے اور اسی سے انسانی کمزوری کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اگر خدا چاہتا تو ایسی کمزوری نہ رکھتا۔

ہر طاقت کا سرچشمہ خدا تعالیٰ ہے

مگر خدا تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا علم ہو کہ ہر ایک طاقت کا سرچشمہ خدا ہی کی ذات ہے۔ کسی نبی یا رسول کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس سے طاقت دے سکے اور یہی طاقت جب خدا کی طرف سے انسان کو ملتی ہے تو اس میں تبدیلی ہوتی ہے اس کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ دعا سے کام لیا جاوے اور نماز ہی ایک ایسی نیکی ہے جس کے بجا لانے سے شیطانی کمزوری دور ہوتی ہے اور اسی کا نام دعا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انسان اس میں کمزور رہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس قدر اصلاح اپنی کرے گا۔ وہ اسی ذریعہ سے کرے گا۔ پس اس کے واسطے پاک صاف ہونا شرط ہے۔ جب تک گندگی انسان میں ہوتی ہے۔ اس وقت تک شیطان اس سے محبت کرتا ہے۔

دُعا کے آداب

خدا تعالیٰ سے مانگنے کے واسطے ادب کا ہونا ضروری ہے اور عقلمند جب کوئی شیئے بادشاہ سے طلب کرتے ہیں تو ہمیشہ ادب کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے کہ کس طرح مانگا جاوے اور اس میں سکھایا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی سب تعریف خدا کو ہی ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اَلرَّحْمٰنِ یعنی بلا مانگے اور سوال کئے کے دینے والا۔ اَلرَّحِيْمِ یعنی انسان کی سچی محنت پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا سزا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ چاہے رکھے چاہے مارے۔ اور جزا سزا آخرت کی بھی اور اس دنیا کی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے جب اس قدر تعریف انسان کرتا ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ کتنا بڑا خدا ہے جو کہ رب ہے۔ رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ اسے غائب مانتا چلا آرہا ہے۔ اور پھر اسے حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی ایسی راہ جو کہ بالکل سیدھی ہے۔ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے ایک راہ

اندھوں کی ہوتی ہے کہ محنتیں کرکے تھک جاتے ہیں اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا اور ایک وہ راہ کہ محنت کرنے سے اس پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ پھر آگے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا اور وہ وہی صراط مستقیم ہے جس پر چلنے سے انعام مرتب ہوتے ہیں۔ پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ نہ ان لوگوں کی جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور نہ ان کی جو دور جا پڑے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے کل دنیا اور دین کے کاموں کی راہ مراد ہے۔ مثلاً ایک طبیب جب کسی کا علاج کرتا ہے۔ تو جب تک اسے ایک صراط مستقیم ہاتھ نہ آوے۔ علاج نہیں کر سکتا۔ اسی طرح تمام وکیلوں اور ہر پیشہ اور علم کی ایک صراط مستقیم ہے۔ کہ جب وہ ہاتھ آجاتی ہے تو پھر کام آسانی سے ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ انبیاء کو اس دعا کی کیوں ضرورت تھی وہ تو پیشتر ہی سے صراط مستقیم پر ہوتے ہیں تَلْمِيْذُ الرَّحْمٰن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

وہ یہ دعا ترقی مراتب اور درجات کے لئے کرتے ہیں بلکہ یہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تو آخرت میں مومن بھی مانگیں گے کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے اسی طرح اس کے درجات اور مراتب کی ترقی کی بھی کوئی حد نہیں ہے[1]

تقویٰ کی حقیقت

(پھر اصل مضمون تقویٰ پر فرمایا) کہ

متقی بننے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ بعد اس کے کہ موٹی باتوں جیسے زنا، چوری، تلف حقوق، ریا، عجب، حقارت، بخل کے ترک میں پکا ہو تو اخلاق رذیلہ سے پرہیز کرکے ان کے بالمقابل اخلاق فاضلہ میں ترقی کرے۔ لوگوں سے مروت، خوش خلقی، ہمدردی سے پیش آوے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچی وفا اور صدق دکھلاوے۔ خدمات کے مقام محمود تلاش کرے۔ ان باتوں سے انسان متقی کہلاتا ہے اور جو لوگ ان باتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ وہی اصل متقی ہوتے ہیں (یعنی اگر ایک ایک خلق فرداً فرداً کسی میں ہوں تو اسے متقی نہ کہیں گے جب تک بحیثیت مجموعی اخلاق فاضلہ اس میں نہ ہوں) اور ایسے ہی شخصوں کے لئے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۶۳)

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے :-

چونکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے اس کے فیضان و فضل بھی غیر منقطع ہیں۔ اس لئے وہ ان غیر محدود فضلوں کے حاصل کرنے کے لئے اس دعا کو مانگتے تھے۔

الحکم جلد ۷ نمبر ۳ ص ۱۲ کالم ۲ مورخہ ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء

ہے۔ اور اس کے بعد ان کو کیا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کا متولی ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف : ۱۹۷) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ پکڑتے ہیں۔ ان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتے ہیں۔ ان کے کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سنتے ہیں۔ ان کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ جو میرے ولی کی دشمنی کرتا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ میرے مقابلہ کے لئے تیار رہو۔ ایک جگہ فرمایا ہے کہ جب کوئی خدا کے ولی پر حملہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر ایسے جھپٹ کر آتا ہے۔ جیسے ایک شیرنی سے کوئی اس کا بچہ چھینے تو وہ غضب سے جھپٹتی ہے۔

نماز کی اہمیّت

خدا کی رحمت کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے کا اصل قاعدہ یہی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے کہ جیسے اس انسان کا قدم بڑھتا ہے ویسے ہی پھر خدا کا قدم بڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہر ایک کے ساتھ نہیں ہوتیں۔ اور اسی لئے جن پر یہ ہوتی ہیں۔ ان کے لئے وہ نشان بولی جاتی ہیں۔ (اس کی نظیر دیکھ لو) کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے دشمنوں نے کیا کیا کوششیں آپ کی ناکامیابی کے واسطے کیں مگر ایک پیش نہ گئی حتیٰ کہ قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آخر ناکامیاب ہی ہوئے۔ خدا تعالیٰ یہ تجویز پیش کرتا ہے (اس خاص رحمت کے حصول کے واسطے جو اخلاق وغیرہ حاصل کئے جاویں تو) ان امروں کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے نہ کہ ہمارے سامنے۔ اپنے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی شے نہیں ہے۔ کیونکہ روزے تو ایک سال کے بعد آتے ہیں۔ اور زکوٰۃ صاحب مال کو دینی پڑتی ہے۔ مگر نماز ہے کہ ہر ایک (حیثیت کے آدمی) کو پانچوں وقت ادا کرنی پڑتی ہے اسے ہرگز ضائع نہ کریں۔ اسے بار بار پڑھو اور اس خیال سے پڑھو کہ میں ایسی طاقت والے کے سامنے کھڑا ہوں کہ اگر اس کا ارادہ ہو تو ابھی قبول کر لیوے۔ اُسی حالت میں بلکہ اسی ساعت میں بلکہ اُسی سیکنڈ میں۔ کیونکہ دوسرے دنیاوی حاکم تو خزانوں کے محتاج ہیں۔ اور ان کو فکر ہوتی ہے کہ خزانہ خالی نہ ہو جاوے اور ناداری کا ان کو فکر لگا رہتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا خزانہ ہر وقت بھرا بھرایا ہے۔ جب اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو صرف یقین کی حاجت ہوتی ہے۔ اسے اس امر پر یقین ہو کہ میں ایک سمیع، علیم اور خبیر اور قادر ہستی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اگر اسے مہر آجاوے تو ابھی دے دیوے۔ بڑی تضرع سے دعا کرے۔ ناامید اور بدظن ہرگز نہ ہووے اور اگر اسی طرح کرے تو (اس راحت کو) جلدی دیکھ لے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے اور اور فضل بھی شامل

حال ہوں گے اور خود خدا بھی ملے گا تو یہ طریق ہے جس پر کاربند ہونا چاہیے۔ مگر ظالم فاسق کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے لاپروا ہے۔ ایک بیٹا اگر باپ کی پروا نہ کرے اور ناخلف ہو تو باپ کو اس کی پروا نہیں ہوتی تو خدا کو کیوں ہو۔

دُعا اور ابتلاء

ایک صاحب نے عرض کی کہ بلعم باعور کی دعا کیوں قبول ہوئی تھی؟ فرمایا :-

یہ ابتلا تھا دعا نہ تھی آخر وہ مارا ہی گیا۔ دعا وہ ہوتی ہے جو خدا کے پیارے کرتے ہیں ورنہ یوں تو خدا تعالیٰ ہندوؤں کی بھی سنتا ہے اور بعض ان کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کا نام ابتلا ہے دعا نہیں۔ مثلاً اگر خدا سے کوئی روٹی مانگے تو کیا نہ دے گا؟ اس کا وعدہ ہے۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود : ۷) کتے بلی بھی تو اکثر پیٹ پالتے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں کو بھی رزق ملتا ہے مگر اصْطَفَيْنَا (فاطر : ۳۳) کا لفظ خاص موقعوں کے لئے ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت

یہاں تک تقریر حضرت اقدس نے مباہلین کے واسطے کی جن میں سے ایک تو شیخ نور احمد صاحب پلیڈر اور دوسرے حامد علی شاہ صاحب بدوملی تھے۔ اس کے بعد حضور انور نے پھر ابوسعید عرب صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ

آپ نے جو ثبوت مسیحیت کے دعویٰ کے بارے میں پوچھا تھا۔ یہ بہت ضروری بات تھی اور اس کو خوب یاد رکھنا چاہیے۔ اگر آپ سے کوئی ان ممالک (ملک برما) میں پوچھے کہ ہماری صداقت کا کیا ثبوت ہے تو مختصر طور پر یہی جواب دینا چاہیے کہ وہی ثبوت ہے جو کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا ہے تمام انبیاء کی صداقت کے دو ہی ثبوت ہوتے ہیں۔ اول۔ کتب سابقہ میں ان کا ذکر مگر وہ استعارہ کے رنگ میں ضرور ہوتا ہے اور اس میں ایک پہلو ٹھوکر کا بھی ہوتا ہے۔ جیسے یہود کو دھوکا لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بنی اسرائیل میں سے آنا چاہیے تھا۔ بنی اسماعیل میں سے کیوں ہوئے۔ اور پھر اسی طرح مسیح کے وقت الیاس کے منتظر رہے۔ ان معاملوں میں اب تک جھگڑتے ہیں یہ سب ان کی بکواس ہے۔

اسی طرح ہمارا ذکر کتب سابقہ میں ہے۔ اگر کوئی ہم سے بھی اسی طرح بکواس سے جھگڑا کرے تو انہیں میں سے ہوگا۔

دوسرا ثبوت نشانات ہیں جن سے بہت صفائی سے استنباط ہوتا ہے وہی ثبوت ہمارے ساتھ بھی ہیں اور جس قاعدہ سے خدا تعالیٰ نے یہ نشانات دکھلائے ہیں اگر اسی طرح شمار کریں تو یہ بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کی تحت میں آکر ہر ایک شخص جو ہمارے پاس آتا ہے ہر ایک ہدیہ اور نذر جو پیش ہوتی ہے ایک ایک نشان الگ الگ ہے مگر ہم نے صرف ایک سو پچاس نشان نزول المسیح میں درج کئے ہیں جن کے ہزارہا گواہ موجود ہیں۔ پھر دیکھو یہ کس وقت کی خبر ہے۔ قرآن کے نصوص' حدیث کی اخبار اور مکاشفات اور رویاء وغیرہ سب ہماری تائید میں ہیں۔ پھر اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کے نشانات۔ پھر زمانہ کی موجودہ ضرورت' یہ سب ثبوت پیش کرنے کے قابل ہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ لوگوں کو غلطیوں سے نکالے اور تقویٰ پر قائم کرے۔ خدا تعالیٰ جس کو چاہے گا بلاتا جاوے گا۔ یہ اس کی طرف سے ایک دعوت ہے جو بلایا جاتا ہے۔ اسے فرشتے کھینچ کھینچ کر لے آتے ہیں[1]

۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آنا

عصر کے وقت خدا تعالیٰ کے برگزیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر ہوئی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری قادیان آئے ہوئے ہیں مگر آپ نے اس کے متعلق صرف یہی فرمایا کہ ہزاروں لوگ راہ آتے ہیں ہمیں اس سے کیا؟

مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے جب حضرت اقدس دولت سرا کو تشریف لے چلے تو ایک شخص نے ہاتھ میں قلم دوات لئے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں کچھ کاغذات پیش کئے۔ اس قلم دوات سے اس کی یہ غرض تھی کہ حضرت سے رقعہ کی رسید لے مگر حضرت نے توجہ نہ کی اور اس کے وہ کاغذات لے کر تشریف لے گئے اور جب عشاء کی نماز کے واسطے تشریف لائے تو فرمایا کہ

ایک ہی مضمون کے دو رقعے مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے پہنچے ہیں۔ نہ معلوم دو رقعوں

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ تا ۲۹ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء

کی کیا غرض تھی۔

اس وقت یہ عقدہ حل ہوا کہ غالباً دوسرا رقعہ دستخط یعنی رسید رقعہ لینے کی غرض سے تھا۔ مگر قاصد کو رسید مانگنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ رقعہ اس وقت سید سرور شاہ صاحب کے حوالہ کیا گیا۔ کہ وہ اسے پڑھ کر اہل مجلس کو سنا دیویں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا :۔

ہم تیار ہیں وہ ہفتہ عشرہ آرام سے سب باتیں سنے اور اگر اس کا منشاء مباحثہ کا ہو تو یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ اب مدت ہوئی کہ ہم مباحثات کو بند کر چکے ہیں۔ اگر اس کو طلب حق کی ضرورت ہے تو وہ رفق اور آہستگی سے اپنی غلطی دور کروائے۔ طالب حق کے لئے ہمارا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں جو شخص ایک منٹ رہ کر چلا جانا چاہتا ہے اور اسے فتح اور شکست اور ہار اور جیت کا خیال ہے وہ مستفید نہیں ہو سکتا۔ بجز ایسے شخص کے جو نیک نیت بن کر آوے ہم تو دوسرے کے ساتھ کلام کرنا بھی تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ وہ کیوں گھمار کے ہاں جاکر اترے۔ چاہیے تھا کہ مستفیدوں کی طرح آتا اور ہمارے مہمان خانہ میں اترتا۔

پھر فرمایا۔ ہم اس رقعہ کا صبح کو جواب دیں گے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نماز سے فارغ ہو کر تشریف لے چلے تو ثناء اللہ صاحب کے قاصد نے آواز دی کہ حضرت جی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کا کیا جواب ہے حضرت نے فرمایا کہ صبح کو دیا جائے گا۔

قاصد نے کہا کہ میں آکر جواب لے جاؤں یا آپ بذریعہ ڈاک روانہ کریں گے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ خواہ تم آکر لے جاؤ خواہ ثناء اللہ آکر لے جاوے۔ پھر آپ نے قاصد کا نام پوچھا۔ اس نے کہا محمد صدیق[1]

۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

مولوی ثناء اللہ کے رقعہ کا جواب

فجر کی نماز کو جب حضرت اقدس تشریف لائے تو قبل از نماز آپ نے وہ رقعہ جو مولوی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۴ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ احباب کو سنایا۔ وہ رقعہ یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

از طرف عایذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ واید

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔

آپ کا رقعہ پہنچا۔ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو۔ کہ اپنے شکوک و شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں، رفع کروایں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہوئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں۔ کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہ کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ نہیں ہوا مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ تو کر دیا ہے کہ طالب حق ہوں مگر مجھے تأمل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ایک بات کو کشاں کشاں بے ہودہ اور مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰؑ پر یا حضرت موسیٰؑ پر یا حضرت یونسؑ پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن شریف کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں گے کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کے لئے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری یہ شرط ہوگی، کہ ایک دن میں صرف ایک ہی آپ اعتراض پیش کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آگئے۔ اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ واعظ کی طرح ہم سے گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا۔ جیسے صم بکم۔ یہ اس لئے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جاوے۔ اور صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ میں تین گھنٹہ تک اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جاوے گا۔ کہ اگر ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سناویں ہم خود

پڑھ لیں گے۔ مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ آپ تو شبہات دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں باواز بلند لوگوں کو سنادوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اس طرح تمام وساوس دور کردیئے جائیں گے۔ لیکن اگر چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقعہ دیا جاوے تو ہرگز نہ ہوگا۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں ۱۵ر جنوری کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے۔ لیکن ۱۴ر جنوری تک آپ کے لئے تین گھنٹے تک خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیویں تو یہ ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔ سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ بذریعہ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جاویں گے اور میں وہ وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسے ہی صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسہ دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا۔ اس کو وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے ان کی تو نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔

میرزا غلام احمد [مہر]

اور فرمایا کہ

یہ طریق بہت امن کا ہے۔ اگر یہ نہ کیا جاوے تو بدامنی اور بدنتیجہ کا اندیشہ ہے۔

پھر فرمایا کہ

ایک رؤیا

ابھی فجر کو میں نے ایک خواب دیکھا۔

کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ اس کے ایک طرف کچھ اشتہار ہے اور دوسری طرف ہماری طرف سے کچھ لکھا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے

بقیۃ الطّاعون

اس کے بعد فجر کی نماز ہوئی تو حضرت اقدس نے قلم دوات طلب فرمائی اور فرمایا کہ تھوڑا سا اور اس رقعہ پر لکھنا ہے۔

اتنے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے قاصد پھر آموجود ہوئے اور جواب طلب کیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ابھی لکھ کر دیا جاتا ہے۔

پھر بقیہ حصہ آپ نے لکھ کر اپنے خدام کے حوالہ کیا کہ اس کی نقل کر کے روانہ کردو۔

وہ حصہ رقعہ کا یہ ہے۔

"بالآخر اس غرض کے لئے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔

دو قسموں کا ذکر ہوتا ہے (۱) اول چونکہ میں انجام آتھم میں خدا سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے قطعی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقعہ دیا جاوے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر یا حد تین سطر تک لکھ کر پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی اور منہاج نبوت کی رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن دوسری پیشگوئی اسی طرح لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ کوئی کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جاویں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونو میں سے ان دونو قسموں میں سے جو شخص اعراض کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ آمین۔ سو میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبویہ کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں چاہیے کہ اول آپ اس عہد موکد قسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیج دیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا۔ اور آپ کو بتلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دئے جائیں گے"۔

رقعہ دے کر آپ تشریف لے گئے اور اندر سے حضور نے کہلا بھیجا کہ رقعہ وہاں ان کو جا کر سنا دیا جاوے اور پھر ان کے حوالہ کیا جاوے۔

چنانچہ یہ رقعہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو پہنچا دیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے جواب الجواب آیا[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

یہ نامعقول اور اصل بحث سے بالکل دور جواب سنکر حضرت اقدس کو بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ

ہم نے جو اسے خدا کی قسم دی تھی اس سے فائدہ اٹھانا یہ نظر نہیں آتا۔ اب خدا کی لعنت لے کر واپس جانا چاہتا ہے۔ جس بات کو ہم بار بار لکھتے ہیں کہ ہم مباحثہ نہیں کرتے جیسا کہ ہم انجام آتھم میں اپنا عہد دنیا میں شائع کر چکے ہیں۔ تو اب اس کا منشا ہے کہ ہم خدا کے اس عہد کو توڑ دیں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اور پھر اس رقعہ میں کس قدر افتراء سے کام لیا گیا ہے کیونکہ جب ہم اسے اجازت دیتے ہیں کہ ہر ایک گھنٹہ کے بعد وہ دو تین سطریں ہماری تقریر پر اپنے شبہات کی لکھ دیوے تو اس طرح سے خواہ اس کی دن میں تیس سطور ہو جاویں ہم کب گریز کرتے ہیں اور خواہ ایک ہی پیشگوئی پر وہ ہم سے دس دن تک سنتا رہتا اور اپنے وساوس اس طرز سے پیش کرتا رہتا۔ اسے اختیار تھا۔ پھر ایک دوسرا جھوٹ یہ بولا ہے۔ کہ لکھتا ہے کہ آپ مجمع پسند نہیں کرتے۔ بھلا ہم نے کب لکھا ہے کہ ہم مجمع پسند نہیں کرتے بلکہ ہم تو عام جلسہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام قادیان کے لوگ اور دوسرے بھی جس قدر ہوں جمع ہوں تاکہ ان لوگوں کی بے ایمانی کھلے کہ کس طرح یہ لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔ اگر اسے حق کی طلب ہوتی تو اسے ہمارے شرائط ماننے میں کیا عذر تھا مگر یہ بدنصیب واپس جاتا نظر آتا ہے۔

پھر مولوی محمد احسن صاحب کو حضور نے فرمایا کہ

آپ اس کا جواب لکھ دیں مجھے فرصت نہیں۔ میں کتاب لکھ رہا ہوں۔

یہ کہہ کر حضور تشریف لے گئے اور مولوی محمد احسن صاحب نے رقعہ کا جواب تحریر فرمایا اس کے بعد کوئی جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے نہ آیا۔ اور وہ قادیان سے چلے گئے۔[1]

۱۲ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

اللہ تعالیٰ کے راستے میں زمین دینے کا ایک طریق

ظہر کے وقت ایک شخص نے حضرت اقدس سے عرض کی کہ میرے پاس کچھ زمین ہے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۲ مورخہ ۲۳ و ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

مگر ایک عرصہ سے اس کی آبادی کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوتی۔ اس لئے اب ارادہ ہے کہ اسے خدا کے نام پر احمدیہ مشن کی خدمت میں وقف کردوں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں آبادی کردے اور وہ دین کی راہ میں کام آوے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ کی نیت کا ثواب تو خدا تعالیٰ آپ کو دے گا لیکن آپ خود وہاں جاکر آبادی کریں اور اخرجات کاشت وغیرہ نکال کر پھر جو کچھ اس میں سے بچا کرے وہ اللہ کے نام پر اس سلسلہ میں دے دیا کریں۔[1]

۱۳ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز سہ شنبہ

نمازِ فجر کے وقت

ابوسعید عرب صاحب نے عرض کی کہ چونکہ جناب نے جمعرات کو روانہ ہونا ہے۔ اور آدمی زیادہ ہوں گے اس لئے ریلوے کمروں کو ریزرو کروا لینے سے آرام ہوگا۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ

ہاں۔ یہ امر مناسب ہے کہ تکلیف نہ ہو

الٰہی جماعتوں میں ارتداد

خاکسار ایڈیٹر نے مولوی جمال دین صاحب سیدوالہ کی طرف سے عرض کی کہ ایک حافظ نے ان کو بلا کر بہت ناجائز دھمکیاں دی ہیں۔ اور کچھ آدمی جو بیعت میں داخل تھے ان کو بہکا کر بیعت سے توبہ کروائی ہے۔ مولوی صاحب نے درخواست کی ہے کہ دعا کی جائے کہ خدا ان کو نیچا دکھاوے۔

فرمایا۔ مرتد ہونا یہ بھی ایک سنت اللہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی مرتد ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی مرتد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کا تو ارتداد ہی عجیب ہے۔

خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ایک جائے گا تو وہ اس کے بدلے میں ایک جماعت دے دیگا۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۱۳ر جنوری ۱۹۰۳ء

مواہب الرحمٰن کی اشاعت

چونکہ آج کل رات دن ایک عربی کتاب برائے تبلیغ زیر طبع ہے۔ پروف کی صحت پر اور اس کے پروف وغیرہ دیکھے جانے میں صرف اس لئے کمال احتیاط سے کام لیا جاتا ہے کہ فرقہ مولویوں نے اب ہر قسم کی بددیانتی غلط بیانی کو حضرت میرزا صاحب کے مقابلے میں جائز رکھا ہوا ہے۔ پروف کی صحت پر فرمایا کہ

ان لوگوں کو کیا علم ہے کہ ہم کس طرح راتوں کو کام کرکر کے کتابیں چھپواتے ہیں اور پھر اگر پریس مین کی ذرا سی غلطی رہ جاوے تو ان لوگوں کو اعتراض کا موقعہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ خود محمد حسین نے میرے سامنے ایک دفعہ اشاعت السنہ کی چھپوائی پر اعتراف کیا کہ ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی حالت مسخ شدہ ہے کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

کمرہ گرم کرنے کے متعلق ہدایت

حضرت اقدس نے ظہر کے وقت سید فضل شاہ صاحب کو یہ فرمایا کہ

آپ کا کمرہ بہت تاریک رہتا ہے اور اس میں نم بھی بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ آج کل وبائی دن ہیں۔ رعایت اسباب کے لحاظ سے ضروری ہے کہ وہاں آگ وغیرہ جلا کر مکان گرم کر لیا کریں۔

کتاب مواہب الرحمٰن

مغرب کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو کتاب زیر طبع کی نسبت فرمایا کہ

امید ہے کہ یہ معجزہ کی طرح پھرے گی اور دلوں میں داخل ہوگی۔ اول و آخر کے سب مسائل اس میں آگئے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے۔ دیر کا باعث ایک یہ ہو جاتا ہے کہ لغات جو دل میں آتے ہیں پھر ان کو کتب لغت میں دیکھنا پڑتا ہے۔ میرا دل اس وقت گواہی دیتا ہے کہ اندر فرشتہ بول رہا ہے۔ جب مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہوں گے تو ان کا بھی ایسا ہی حال ہوگا کیونکہ وہ بھی ہماری تائید میں ہی ہے۔ رات آدھی رات جب تک مضمون ختم نہ ہولے۔ جاگتا رہوں گا۔[1]

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء

۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز چہارشنبہ

فجر کے وقت فرمایا کہ

میں کتاب تو ختم کر چکا ہوں۔ رات آدھی رات تک بیٹھا رہا۔ نیت تو ساری رات کی تھی مگر کام جلدی ہی ہو گیا۔ اس لئے سو رہا۔ اس کا نام مواھب الرحمٰن رکھا ہے۔

ایک سقہ کی وفات اور اس پر الہام کا انطباق

ایک سقہ جو کہ حضرت اقدس کے ہاں پانی بھرا کرتا تھا وہ ایک ناگہانی موت سے مر گیا۔ اور اسی دن اس کی شادی تھی۔ اس کی موت پر آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ قُتِّلَ خَیْبَۃً. وَزِیْدَ هَیْبَۃً جو وحی ہوئی تھی وہ اسی کی طرف اشارہ ہے[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء

خدا کے کام کیلئے جاگنا جہاد ہے

فجر کے وقت فرمایا کہ

رات تین بجے تک جاگتا رہا تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت علیل تھی وہ بھی جاگتے رہے۔ وہ اس وقت تشریف نہیں لا سکیں گے۔ یہ بھی ایک جہاد ہی تھا۔ رات کو انسان کو جاگنے کا اتفاق تو ہوا کرتا ہے مگر کیا خوش وہ وقت ہے جو خدا کے کام میں گذارے۔ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ وہ جب مرنے لگے تو روتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا موت کے خوف سے روتے ہو تو کہا موت کا کوئی خوف نہیں مگر یہ افسوس ہے کہ یہ وقت جہاد کا نہیں ہے۔ جب جہاد کیا کرتا تھا۔ اگر اس وقت یہ موقعہ ہوتا۔ تو کیا خوب تھا۔

فرمایا کہ

میرے اعضاء تو بے شک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ کام کئے جاؤ۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

مولوی ثناء اللہ کا ذکر

بابو شاہ دین صاحب نے ثناء اللہ کے آنے کا ذکر کیا تو فرمایا کہ
آخر لعنت لے کر چلا گیا اور جو منصوبہ وہ گھڑ کے لایا تھا۔ اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی ہم نے اس کا ذکر اور جواب وغیرہ اس عربی کتاب میں کر دیا ہے۔ اب جہلم سے واپس آکر بشرط فرصت اردو میں لکھیں گے۔[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء*

دُعا اور اس کے آداب

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوقت سیر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی (ایڈیٹر الحکم)
دعا بڑی عجیب چیز ہے مگر افسوس یہ ہے کہ نہ دعا کرانے والے آداب دعا سے واقف ہیں اور

---

* ایڈیٹر صاحب الحکم کو "۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء" کی تاریخ لکھنے میں سہو ہوا ہے یا کاتب کی غلطی سے یہ تاریخ لکھی گئی ہے۔ دراصل حضور علیہ السلام کی یہ تقریر جو حضور نے سیر کے دوران فرمائی کسی اور گذشتہ تاریخ کی ہے۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کی نہیں۔ "الحکم" اور "البدر" دونو سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ۸ر جنوری سے ۲۷ر جنوری ۱۹۰۳ء تک سیر ملتوی رہی۔ "الحکم" میں ۷ر جنوری کی سیر کی جو ڈائری چھپی ہے۔ اس میں تو ذکر نہیں۔ لیکن البدر میں سیر کی ڈائری میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "اب دو تین دن سیر بند رہے گی کیونکہ آج کل بارشیں نہیں ہوئیں۔ اس لئے راستہ میں خاک بہت اڑتی ہے اور اسی سے میں بیمار ہو گیا تھا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء) اس کے بعد ۲۴ر جنوری کو مغرب کے بعد جب حضور علیہ السلام مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ تو فرمایا "اب بارش ہونے کی وجہ سے گرد و غبار کم ہو گیا ہے ایک دو دن ذرا باہر ہو آویں۔" (یعنی سیر کو جایا کریں)۔ (البدر جلد دوم نمبر ۵ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء) اس سے معلوم ہو گیا کہ اس عرصہ میں حضور علیہ السلام سیر کے لئے تشریف نہیں لے گئے اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ "الحکم" اور "البدر" دونو میں اس عرصہ میں سیر کا کوئی ذکر نہیں اور نہ سیر کی کوئی ڈائری ہے۔ حالانکہ باقی اوقات کی ڈائریاں ان ایام کی موجود ہیں۔

نیز ان ایام میں حضور علیہ السلام کتاب "مواہب الرحمٰن" کی تصنیف میں بے حد مصروف تھے۔ ۱۴ر جنوری کو فجر کی نماز کے وقت حضور نے فرمایا "میں کتاب تو ختم کر چکا ہوں۔ رات آدھی رات تک بیٹھا رہا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴) اور ۱۵ر

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

نہ اس زمانہ میں دعا کرنے والے ان طریقوں سے واقف ہیں جو قبولیت دعا کے ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ دعا کی حقیقت ہی سے بالکل اجنبیت ہو گئی ہے۔ بعض ایسے ہیں جو سرے سے دعا کے منکر ہیں اور جو دعا کے منکر تو نہیں مگر ان کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ چونکہ ان کی دعائیں بوجہ آداب دعا سے ناواقفیت کے قبول نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ دعا اپنے اصلی معنوں میں دعا ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وہ منکرین دعا سے بھی گری ہوئی حالت میں ہیں۔ ان کی عملی حالت نے دوسروں کو دہریت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ دعا کے لئے سب سے اول اس امر کی ضرورت ہے کہ دعا کرنے والا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ پر یہ سوء ظن نہ کر بیٹھے کہ اب کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس قدر دعا کی گئی کہ جب مقصد کا شگوفہ سرسبز ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ دعا کرنے والے تھک گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی ہو گیا ہے۔ اور اس نامرادی نے یہاں تک برا اثر پہنچایا کہ دعا کی تاثیرات کا انکار شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اس درجہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ پھر خدا کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ اگر خدا ہوتا اور وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہوتا تو اس قدر عرصہ دراز تک جو دعائیں کی گئی کیوں کر قبول نہ ہوئیں؟ مگر ایسا خیال کرنے والا اور ٹھوکر کھانے والا انسان اگر اپنے عدم استقلال اور تلون کو سوچے تو اسے معلوم ہو جائے کہ ساری نامرادیاں اس کی اپنی ہی جلد بازی اور شتاب کاری کا نتیجہ ہیں۔ جن پر خدا کی قوتوں اور طاقتوں کے متعلق بدظنی اور نامراد کرنے والی مایوسی بڑھ گئی۔ پس کبھی تھکنا نہیں چاہیئے۔

دعا کی ایسی ہی حالت ہے۔ جیسے ایک زمیندار باہر جا کر اپنے کھیت میں ایک بیج بو آتا ہے۔ اب بظاہر تو یہ حالت ہے کہ اس نے اچھے بھلے اناج کو مٹی کے نیچے دبا دیا۔ اس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ یہ دانہ ایک عمدہ درخت کی صورت میں نشو و نما پا کر پھل لائے گا۔ باہر کی دنیا اور خود زمیندار بھی نہیں دیکھ سکتا کہ یہ دانہ اندر ہی اندر زمین میں ایک پودا کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانہ گل کر اندر ہی اندر پودا بننے لگتا ہے اور تیار

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

جنوری کو فجر کی نماز کے وقت تشریف لائے تو فرمایا "رات تین بجے تک جاگتا رہا تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔" اور پھر فرمایا کہ میرے اعضاء تو بیشک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴، نیز الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳) اور پھر اسی روز ظہر کے وقت ظہر و عصر کی نمازیں جمع ادا فرما کر حضور جہلم کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ سب قرائن بتاتے ہیں کہ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور سیر کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔ یہ ڈائری یقیناً کسی گذشتہ تاریخ کی ہے جس پر سہواً ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ (خاکسار مرتب)

ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا سبزہ اوپر نکل آتا ہے۔ اور دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اب دیکھو وہ دانہ جس وقت سے زمین کے نیچے ڈالا گیا تھا۔ دراصل اسی ساعت سے وہ پودا بننے کی تیاری کرنے لگ گیا تھا۔ مگر ظاہر بین نگاہ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتی اور اب جبکہ اس کا سبزہ باہر نکل آیا تو سب نے دیکھ لیا۔ لیکن ایک نادان بچہ اس وقت یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو اپنے وقت پر پھل لگے گا۔ وہ یہ چاہتا ہے۔ کیوں اسی وقت اس کو پھل نہیں لگتا۔ مگر عقلمند زمیندار خوب سمجھتا ہے کہ اس کے پھل کا کونسا موقع ہے۔ وہ صبر سے اس کی نگرانی کرتا اور غور و پرداخت کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ وقت آجاتا ہے کہ جب اس کو پھل لگتا ہے اور وہ پک بھی جاتا ہے یہی حال دعا کا ہے اور بعینہٖ اسی طرح دعا نشوونما اور مثمر بثمرات ہوتی ہے۔ جلد باز پہلے ہی تھک کر رہ جاتے ہیں اور صبر کرنے والے مال اندیش استقلال کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اور اپنے مقصد کو پالیتے ہیں۔

قبولیتِ دُعا کیلئے صبر اور محنت کی ضرورت

یہ سچی بات ہے کہ دعا میں بڑے بڑے مراحل اور مراتب ہیں جن کی ناواقفیت کی وجہ سے دعا کرنے والے اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کو ایک جلدی لگ جاتی ہے اور وہ صبر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایک تدریج ہوتی ہے۔

دیکھو یہ کبھی نہیں ہوتا کہ آج انسان شادی کرے تو کل کو اس کے گھر بچہ پیدا ہو جاوے حالانکہ وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے مگر جو قانون اور نظام اس نے مقرر کر دیا ہے وہ ضروری ہے۔ پہلے نباتات کی نشوونما کی طرح کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ چار مہینے تک کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا۔ پھر کچھ حرکت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور پوری میعاد گذرنے پر بہت بڑی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بچہ کا پیدا ہونا ماں کا بھی ساتھ ہی پیدا ہونا ہوتا ہے۔ مرد شاید ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ نہ کر سکیں جو اس مدت حمل کے درمیان عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مگر یہ سچی بات ہے کہ عورت کی بھی ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔ اب غور کرو کہ اولاد کے لئے پہلے ایک موت خود اس کو قبول کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر وہ اس خوشی کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح پر دعا کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ تلون اور عجلت کو چھوڑ کر ساری تکلیفوں کو برداشت کرتا رہے۔ اور کبھی بھی یہ وہم نہ کرے کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ آخر آنے والا زمانہ آجاتا ہے۔ دعا کے نتیجہ کے پیدا ہونے کا وقت پہنچ جاتا ہے جبکہ گویا مراد کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دعا کو پہلے ضروری ہے کہ اس مقام اور حد تک پہنچایا جاوے۔ جہاں پہنچ کر وہ نتیجہ خیز ثابت

ہوتی ہے۔ جس طرح پر آتشی شیشے کے نیچے کپڑا رکھ دیتے ہیں اور سورج کی شعائیں اس شیشہ پر آکر جمع ہوتی ہیں اور ان کی حرارت اور حدت اس مقام تک پہنچ جاتی ہے جو اس کپڑے کو جلا دے۔ پھر یکایک وہ کپڑا جل اٹھتا ہے۔ اس طرح پر ضروری ہے کہ دعا اس مقام تک پہنچے۔ جہاں اس میں وہ قوت پیدا ہو جاوے کہ نامرادیوں کو جلا دے اور مقصد مراد کو پورا کرنے والی ثابت ہو جاوے

پیدا است ندلا را کہ بلند است جنابت

مدت دراز تک انسان کو دعاؤں میں لگے رہنا پڑتا ہے۔ آخر خدا تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے تجربہ سے دیکھا ہے اور گذشتہ راستبازوں کا تجربہ بھی اس پر شہادت دیتا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں دیر تک خاموشی کرے تو کامیابی کی امید ہوتی ہے لیکن جس امر میں جلد جواب مل جاتا ہے وہ ہونے والا نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ ایک سائل جب کسی کے دروازہ پر مانگنے کے لئے جاتا ہے اور نہایت اضطراب اور عاجزی سے مانگتا ہے اور کچھ دیر تک جھڑکیاں کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا۔ اور سوال کئے ہی جاتا ہے تو آخر اس کو بھی کچھ شرم آ ہی جاتی ہے۔ خواہ کتنا ہی بخیل کیوں نہ ہو۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ سائل کو دے ہی دیتا ہے۔ تو کیا دعا کرنے والے کا ایک معمولی سائل جتنا بھی استقلال نہیں ہونا چاہیے؟ خدا تعالیٰ جو کریم ہے اور حیا رکھتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا عاجز بندہ ایک عرصہ سے اس کے آستانہ پر گرا ہوا ہے تو کبھی اس کا انجام بد نہیں کرتا۔ جیسے ایک حاملہ عورت چار پانچ ماہ کے بعد کہے کہ اب بچہ پیدا کیوں نہیں ہوتا اور اس خواہش میں کوئی مسقط دوائی کھا لے تو اس وقت کیا بچہ پیدا ہوگا۔ یا ایک مایوسی بخش حالت میں وہ خود مبتلا ہوگی؟ اسی طرح جو شخص قبل از وقت جلدی کرتا ہے۔ وہ نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ اور نہ نرا نقصان بلکہ ایمان کو بھی صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض ایسی حالت میں دہریہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک نجار تھا۔ اس کی عورت بیمار ہوئی اور آخر وہ مرگئی۔ اس نے کہا اگر خدا ہوتا تو میں نے اتنی دعائیں کیں تھیں وہ قبول ہو جاتیں اور میری عورت نہ مرتی۔ اس طرح پر وہ دہریہ ہو گیا۔ لیکن سعید اگر اپنے صدق اور اخلاص سے کام لے تو اس کا ایمان بڑھتا اور سب کچھ ہو بھی جاتا ہے۔ زمین کی دولتیں خدا تعالیٰ کے آگے کیا چیز ہیں۔ وہ ایک دم میں سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیا دیکھا نہیں کہ اس نے اس قوم کو جس کو کوئی جانتا بھی نہ تھا بادشاہ بنا دیا۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں کو ان کا تابع فرمان بنا دیا۔ اور غلاموں کو بادشاہ بنا دیا۔ انسان اگر تقویٰ اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ کا ہو جاوے تو دنیا میں اعلیٰ درجہ کی زندگی ہو۔ مگر شرط یہی ہے کہ صادق اور جواں مرد ہو کر دکھائے۔ دل متزلزل نہ ہو اور اس میں کوئی آمیزش ریاکاری و شرک کی نہ ہو۔

ابراہیم علیہ السلام میں وہ کیا بات تھی جس نے اس کو ابوالملت اور ابوالحنفاء قرار دیا۔ اور خداتعالیٰ نے اس کو اس قدر عظیم الشان برکتیں دیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں یہی صدق اور اخلاص تھا۔

دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں ایک نبی ہو۔ پھر کیا وہ اسی وقت قبول ہو گئی؟ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہوا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پوری ہوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

عبادات میں جسم اور رُوح کی شمولیّت ضروری ہے

ظاہری نماز اور روزہ اگر اس کے ساتھ اخلاص اور صدق نہ ہو کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جوگی اور سنیاسی بھی اپنی جگہ بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض اپنے ہاتھ تک سکھا دیتے ہیں اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتے اور اپنے آپ کو مشکلات اور مصائب میں ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ تکالیف ان کو کوئی نور نہیں بخشتیں اور نہ کوئی سکینت اور اطمینان ان کو ملتا ہے بلکہ اندرونی حالت ان کی خراب ہوتی ہے۔ وہ بدنی ریاضت کرتے ہیں۔ جس کو اندر سے کم تعلق ہوتا ہے۔ اور کوئی اثر ان کی روحانیت پر نہیں پڑتا۔ اس لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج : ۳۸) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ حقیقت میں خداتعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا بلکہ مغز چاہتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے تو پھر قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس طرح نماز روزہ اگر روح کا ہے تو پھر ظاہر کی کیا ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہ بالکل پکی بات ہے کہ جو لوگ جسم سے خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں ان کو روح نہیں مانتی اور اس میں وہ نیازمندی اور عبودیت پیدا نہیں ہو سکتی جو اصل مقصد ہے اور جو صرف جسم سے کام لیتے ہیں روح کو اس میں شریک نہیں کرتے وہ بھی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور یہ جوگی اسی قسم کے ہیں۔ روح اور جسم کا باہم خداتعالیٰ نے ایک تعلق رکھا ہوا ہے اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تکلف سے رونا چاہے تو آخر اس کو رونا آہی جائے گا۔ اور ایسا ہی جو تکلف سے ہنسنا چاہے اسے ہنسی آہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر نماز کی جس قدر حالتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں۔ مثلاً کھڑا ہونا یا رکوع کرنا۔ اس کے ساتھ ہی روح پر بھی اثر پڑتا ہے اور جس قدر

جسم میں نیاز مندی کی حالت دکھاتا ہے۔ اسی قدر روح میں پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ خدا نرے سجدہ کو قبول نہیں کرتا۔ مگر سجدہ کو روح کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اس لئے نماز میں آخری مقام سجدہ کا ہے۔ جب انسان نیاز مندی کے انتہائی مقام پر پہنچتا ہے تو اس وقت وہ سجدہ ہی کرنا چاہتا ہے۔ جانوروں تک میں بھی یہ حالت مشاہدہ کی جاتی ہے۔ کتے بھی جب اپنے مالک سے محبت کرتے ہیں تو آکر اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیتے ہیں۔ اور اپنی محبت کے تعلق کا اظہار سجدہ کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جسم کو روح کے ساتھ خاص تعلق ہے ایسا ہی روح کی حالتوں کا اثر جسم پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب روح غمناک ہو تو جسم پر بھی اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور آنسو اور پژمردگی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر روح اور جسم کا باہم تعلق نہیں تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دوران خون بھی قلب کا ایک کام ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ قلب آبپاشی جسم کے لئے ایک انجن ہے۔ اس کے بسط اور قبض سے سب کچھ ہوتا ہے۔

غرض جسمانی اور روحانی سلسلے دونو برابر چلتے ہیں۔ روح میں جب عاجزی پیدا ہو جاتی ہے پھر جسم میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب روح میں واقع میں عاجزی اور نیاز مندی ہو تو جسم میں اس کے آثار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی جسم پر ایک الگ اثر پڑتا ہے تو روح بھی اس سے متاثر ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے حضور نماز میں کھڑے ہو تو چاہیئے کہ اپنے وجود سے عاجزی اور ارادت مندی کا اظہار کرو۔ اگرچہ اس وقت یہ ایک قسم کا نفاق ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا اثر دائمی ہو جاتا ہے اور واقعی روح میں وہ نیاز مندی اور فروتنی پیدا ہونے لگتی ہے۔

عبادات میں لذت اور راحت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نمازوں میں لذت نہیں آتی۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ لذت اپنے اختیار میں نہیں ہے اور لذت کا معیار بھی الگ ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اشد درجہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے مگر وہ اس تکلیف کو بھی لذت ہی سمجھ لیتا ہے۔ دیکھو ٹرانسوال (اس وقت ٹرانسوال کی جنگ جاری تھی (ایڈیٹر الحکم) میں جو لوگ لڑتے ہیں۔ باوجودیکہ اس میں جانیں جاتی ہیں۔ اور عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں۔ مگر قومی حمیت اور پاسداری ان کو ایک لذت اور سرور کے ساتھ موت کے منہ میں لے جا رہی ہے[1]۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۸ ص ۱ تا ۳ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۳ء

ان کو قومی حمیت اور پاسداری موت کے منہ میں خوشی کے ساتھ لے جاتی ہے۔ ادھر قوم ان کی محنتوں اور جانفشانیوں کی قدر کر رہی ہے۔ جبکہ اغراض قومی متحد ہیں۔ پھر ان کی محنتوں کی قدر کیوں ہوتی ہے؟ ان کے دکھ اور تکالیف کی وجہ سے۔ ان کی محنت اور جانفشانی کے باعث۔

غرض ساری لذت اور راحت دکھ کے بعد آتی ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں یہ قاعدہ بتایا ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح : ۷) اگر کسی راحت سے پہلے تکلیف نہیں تو وہ راحت راحت ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح پر جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو عبادت میں لذت نہیں آتی۔ ان کو پہلے اپنی جگہ سوچ لینا ضروری ہے کہ وہ عبادت کے لئے کس قدر دکھ اور تکالیف اٹھاتے ہیں۔ جس قدر دکھ اور تکالیف انسان اٹھائے گا۔ وہی تبدیل صورت کے بعد لذت ہو جاتا ہے۔ میری مراد ان دکھوں سے نہیں کہ انسان اپنے آپ کو بے جا مشقتوں میں ڈالے اور مالایطاق تکالیف اٹھانے کا دعویٰ کرے۔

عبادات میں تکلیف برداشت کرنے کی حقیقت

قرآن شریف میں لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ : ۲۸۷) آیا ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔ جس میں پڑ کر انسان اپنے ہاتھ سکھا لے یا اپنی دوسری قوتوں کو بیکار چھوڑ دے یا اور قسم قسم کی تکالیف شدیدہ میں اپنی جان کو ڈالے۔ عبادت کے لئے دکھ اٹھانے سے ہمیشہ یہ مراد ہوتی ہے کہ انسان ان کاموں سے رکے جو عبادت کی لذت کو دور کرنے والے ہیں۔ اور ان سے رکنے میں اولاً ایسی ضرور تکلیف محسوس ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ کی نارضامندیوں سے پرہیز کرے۔ مثلاً ایک چور ہے اس کو ضروری ہے کہ وہ چوری چھوڑے بدکار ہے تو بدکاری اور بدنظری چھوڑے..... اسی طرح نشوں کا عادی ہے تو ان سے پرہیز کرے۔ اب جب وہ اپنی محبوب اشیاء کو ترک کرے گا۔ تو ضرور ہے کہ اول اول سخت تکلیف اٹھاوے مگر رفتہ رفتہ اگر استقلال سے وہ اس پر قائم رہے گا تو دیکھ لے گا کہ ان بدیوں کے چھوڑنے میں جو تکلیف اس کو محسوس ہوتی ہے۔ وہ تکلیف اب ایک لذت کا رنگ اختیار کرتی جاتی ہے۔ کیونکہ ان بدیوں کے بالمقابل نیکیاں آتی جائیں گی اور ان کے نیک نتائج جو سکھ دینے والے ہیں وہ بھی ساتھ ہی آئیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہر قول و فعل میں جب خدا تعالیٰ ہی کی رضا کو مقدم کرلے گا اور اس کی ہر حرکت اور سکون اللہ ہی کے امر کے نیچے ہوگی تو صاف اور بین طور پر وہ دیکھے گا کہ پورے اطمینان اور سکینت کا مزا لے رہا ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۶۳) اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی ولایت میں آتا ہے اور

ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آجاتا ہے۔

یاد رکھو کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے لئے اپنی محبوب چیزوں کو جو خدا کی نظر میں مکروہ اور اس کے منشاء کے مخالف ہوتی ہیں چھوڑ کر اپنے آپ کو تکالیف میں ڈالتا ہے تو ایسی تکالیف اٹھانے والے جسم کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے متاثر ہو کر ساتھ ہی ساتھ اپنی تبدیلی میں لگتی ہے یہاں تک کہ کامل نیاز مندی کے ساتھ آستانہ الوہیت پر بے اختیار ہو کر گر پڑتی ہے یہ طریق ہے عبادت میں لذت حاصل کرنے کا۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنی عبادت میں لذت کا یہ طریق سمجھتے ہیں کہ کچھ گیت گا لئے یا باجے بجا لئے اور یہی اس کی عبادت ہوگی۔ اس سے دھوکا مت کھاؤ۔ یہ باتیں نفس کی لذت کا باعث ہوں تو ہوں مگر روح کے لئے ان میں لذت کی کوئی چیز نہیں ان سے روح میں فروتنی اور انکساری کے جوہر پیدا نہیں ہوتے اور عبارت کا اصل منشاء گم ہو جاتا ہے۔ طوائف کی محفلوں میں بھی ایک آدمی ایسا مزا حاصل کرتا ہے تو کیا وہ عبادت کی لذت سمجھی جاتی ہے؟ یہ باریک بات ہے جس کو دوسری قومیں سمجھ ہی نہیں سکتیں کیونکہ انہوں نے عبادت کی اصل غرض اور غایت کو سمجھا ہی نہیں۔

اسلام میں رہبانیت پسندیدہ نہیں

قرآن شریف سے پہلے دو قومیں تھیں۔ ایک براہمہ کہلاتی تھی جو رہبانیت کو پسند کرتی تھی اور اپنی زندگی کا اصل منشا یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عیسائی قوم میں بھی ایسے لوگ تھے جو راہب ہونا پسند کرتے تھے اور ہوتے تھے رومن کیتھولک۔ عیسائیوں میں اب تک ایسے لوگ موجود ہیں اور یہ طریق ان میں جاری ہے کہ وہ راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر اب ان کی رہبانیت اس حد تک ہی ہے کہ وہ شادی نہیں کرتے ورنہ ہر طرح عیش و عشرت اور آرام کے ساتھ کوٹھیوں میں رہتے اور مکلف لباس پہنتے اور عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور جس قسم کی زندگی وہ بسر کرتے ہیں۔ عام لوگ جانتے ہیں۔ مگر میری مراد رہبانیت سے اس وقت یہی ہے کہ وہ فرقہ جو اپنے آپ کو تعذیب بدن میں ڈالتا تھا اور دوسرا فرقہ ان کے مقابل وہ تھا جو اباحت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اسلام جب آیا تو اس نے ان دونو کو ترک کیا اور صراط مستقیم کو اختیار کیا۔ اس نے بتایا کہ انسان نہ رہبانیت اختیار کرے جس سے وہ نفس کش ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں کو بالکل بیکار چھوڑ دے اور اس طرح پر ان اخلاق فاضلہ کے حصول سے محروم ہو جاوے۔ جو ان قوتوں کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ جس قدر قوتیں انسان کو دی گئی ہیں یہ سب کی سب

دراصل اخلاقی قوتیں ہیں۔ غلط استعمال کی وجہ سے یہ اخلاق بداخلاقیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے رہبانیت سے منع کیا اور فرمایا کہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔

اباحت

اسلام چونکہ انسان کی کامل تربیت چاہتا ہے اور اس کی ساری قوتوں کا نشو و نما اس کا مقصد ہے۔ اس لئے اس نے جائز نہیں رکھا کہ وہ طریق اختیار کیا جاوے جو انسان کی بے حرمتی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی توہین کرنے والا ٹھہر جاوے اور پھر اسلام کا منشاء یہ ہے کہ وہ انسان کو افراط و تفریط کی راہوں سے اس اعتدال کی راہ پر چلاوے جو صراط مستقیم ہے۔ اس لئے اس نے اباحت کے مسئلہ کی بھی تردید کی جو دوسرا فرقہ تھا جو قرآن شریف سے پہلے موجود تھا۔ وہ سب کچھ جائز سمجھتا تھا اور آزادی اور بے قیدی میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ ساری راحتوں اور لذتوں کی معراج سمجھتا تھا۔ مگر اسلام نے اس کو رد کیا اور انسان کو بے قید بنانا نہ چاہا کہ وہ نماز کی ضرورت سمجھے۔ نہ روزہ کی۔ غرض کسی پابندی کے نیچے ہی نہ رہے۔ اور ایک وحشی جانور کی طرح مارا مارا پھرے۔ اب تک بھی یہ لوگ موجود ہیں۔ وہ وجودی مذہب جو بدقسمتی سے پھیلا ہوا ہے دراصل ایک اباحتی فرقہ ہے اور نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز نہیں کرتا۔ اسی لئے اسلام نے یہ بھی جائز نہ رکھا۔

عقیدہ کفارہ کے نقصانات

رہبانیت اور اباحت انسان کو اس صدق اور وفا سے دور رکھتے تھے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان سے الگ رکھ کر اطاعت الٰہی کا حکم دے کر صدق اور وفا کی تعلیم دی جو ساری روحانی لذتوں کی جاذب ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص کسی سہارے پر چلتا ہے۔ وہ سست الوجود اور کاہل ہوتا ہے جیسے بچے اپنے والدین کی سرپرستی کے نیچے اپنی فکر معاش یا ضرورت کے پیدا کرنے سے کاہل اور لاپروا ہوتے ہیں۔ یا عیسائی لوگ جس طرح پر اعمال میں مستعد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کفارہ کا مسئلہ جب ان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ مسیح نے ان کے سارے گناہ اٹھا لئے۔ پر سمجھ ہی نہیں آتا کہ وہ کونسی چیز ہو سکتی ہے جو ان کو اعمال کی طرف متوجہ کرے۔ اعمال کا مدعا تو نجات ہے اور یہ ان کو بلا مشقت محنت صرف خونی مسیح پر اتنا ایمان رکھنے سے (کہ وہ ہمارے لئے مرگیا۔ ہمارے گناہوں کے بدلہ لعنتی ہوا) مل جاتی ہے تو اب نجات کے سوا اور کیا چاہیے پھر ان کو اعمال حسنہ کی ضرورت کیا باقی رہی۔ اگر کفارہ پر ایمان لا کر بھی نجات

کا خطرہ اور اندیشہ باقی ہے تو یہ امر دیگر ہے کہ اعمال کئے جائیں لیکن اگر نجات خون مسیح کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ تو کوئی عقلمند نہیں مان سکتا کہ پھر ضرورت اعمال کی کیا باقی ہے۔

روافض بھی سہارے ہی پر چلتے ہیں اور اپنی جگہ عیسائیوں کی طرح امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر اعمال کی ضرورت ہے تو فقط اتنی کہ ان کے مصائب کو یاد کرکے آنکھوں سے آنسو گرا لئے یا کوئی سینہ کوبی کرلی۔ سارے اعمال حسنہ کی روح یہی اشک باری اور سینہ کوبی ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ اس کو نجات سے کیا تعلق؟

اس لئے میں یہ تعلیم کبھی دینا نہیں چاہتا اور نہ اسلام نے دی کہ تم اپنے گناہوں کی گٹھڑی کسی دوسرے کی گردن پر لاد دو اور خود اباحت کی زندگی بسر کرو۔ قرآن شریف نے صاف فیصلہ کردیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام : ۱۶۵) ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور نہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر خدا تعالیٰ کے عام قانون قدرت میں ملتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ زید مثلاً سنکھیا کھالیوے اور اس سنکھیا کا اثر بکر پر ہو جاوے اور وہ مرجاوے۔ یا ایک مریض ہو اور دوسرے آدمی کے دوا کھا لینے سے وہ اچھا ہو جاوے بلکہ ہر ایک بجائے خود متاثر ہوگا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص ساری عمر گناہ کرتا رہے اور دلیری کے ساتھ خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہے اور لکھ دے کہ میرے گناہوں کا بوجھ دوسرے شخص کی گردن پر ہے جو شخص ایسی امید کرتا ہے وہ ؎

دماغ پیدہ پخت و خیال باطل بست

کا مصداق ہے۔

پس اسلام کسی سہارے پر رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ سہارے پر رکھنے سے ابطال اعمال لازم آجاتا ہے۔ لیکن جب انسان سہارے کے بغیر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ذمہ وار ٹھہراتا ہے اس وقت اس کو اعمال کی ضرورت پڑتی ہے اور کچھ کرنا پڑتا ہے اس لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس : ۱۰) فلاح وہی پاتا ہے۔ جو اپنا تزکیہ کرتا ہے خود اگر انسان ہاتھ پاؤں نہ ہلائے تو بات نہیں بنتی۔

شفاعت کا فلسفہ

مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ شفاعت کوئی چیز نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ شفاعت حق ہے۔ اور اس پر یہ نص صریح ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ : ۱۰۳) یہ شفاعت کا فلسفہ ہے یعنی جو گناہوں میں نفسانیت کا جوش ہے وہ ٹھنڈا پڑ

جاوے۔ شفاعت کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ گناہوں کی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور نفسانی جوشوں اور جذبات میں ایک برودت آجاتی ہے جس سے گناہوں کا صدور بند ہو کر ان کے بالمقابل نیکیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ پس شفاعت کے مسئلہ نے اعمال کو بیکار نہیں کیا بلکہ اعمال حسنہ کی تحریک کی ہے۔

شفاعت اور کفّارہ میں فرق

شفاعت کے مسئلہ کے فلسفہ کو نہ سمجھ کر احمقوں نے اعتراض کیا ہے اور شفاعت اور کفارہ کو ایک قرار دیا۔ حالانکہ یہ ایک نہیں ہو سکتے۔ کفارہ اعمال حسنہ سے مستغنی کرتا ہے اور شفاعت اعمال حسنہ کی تحریک۔ جو چیز اپنے اندر فلسفہ نہیں رکھتی ہے۔ وہ ہیچ ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی اصول اور عقائد اور اس کی ہر تعلیم اپنے اندر ایک فلسفہ رکھتی ہے اور علمی پیرایہ اس کے ساتھ موجود ہے جو دوسرے مذاہب کے عقائد میں نہیں ملتا۔ شفاعت اعمال حسنہ کی محرک کس طرح پر ہے؟

اس سوال کا جواب بھی قرآن شریف ہی سے ملتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفارہ کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس پر حصر نہیں کیا جس سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے بلکہ فرمایا۔ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرہ : ۱۸۷) یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو کہدے کہ میں قریب ہوں۔ قریب والا تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ دور والا کیا کرے گا؟ اگر آگ لگی ہوئی ہو تو دور والے کو جب تک خبر پہنچے اس وقت تک تو شاید وہ جل کر خاک سیاہ بھی ہو چکے۔ اس لئے فرمایا کہ کہدو میں قریب ہوں۔ پس یہ آیت بھی قبولیت دعا کا ایک راز بتاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت پر ایک ایمان کامل پیدا ہو اور اسے ہر وقت اپنے قریب یقین کیا جاوے۔ بہت سی دعاؤں کے رد ہونے کا یہ بھی سر ہے کہ دعا کرنے والا اپنی ضعیف الایمانی سے دعا کو مسترد کرالیتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کو قبول ہونے کے لائق بنایا جاوے کیونکہ اگر وہ دعا خدا تعالیٰ کی شرائط کے نیچے نہیں ہے تو پھر اس کو خواہ سارے نبی بھی مل کر کریں تو قبول نہ ہوگی اور فائدہ اور نتیجہ اس پر مرتب نہیں ہو سکے گا۔

اب یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا صَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ : ۱۰۳) تیری صلوٰۃ سے ان کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور جوش اور جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ

(البقرہ : ۱۸۷) کا بھی حکم فرمایا ان دونو آیتوں کے ملانے سے دعا کرنے اور کرانے والے کے تعلقات۔ پھر ان تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ صرف اسی بات پر منحصر نہیں کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا ہی کافی ہے۔ اور خود کچھ نہ کیا جاوے اور نہ یہی فلاح کا باعث ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی شفاعت اور دعا کی ضرورت ہی نہ سمجھی جاوے۔ غرض نہ اسلام میں رہبانیت ہے نہ بیکار نشینی کا سبق۔ بلکہ ان افراط اور تفریط کی راہوں کو چھوڑ کر وہ صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ نہ یہ چاہا کہ تعذیب جسم کے اصولوں کو اختیار کرو اور اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالو نہ یہ کہ سارا دن کھیل اور کود اور تماشوں اور شکار میں گذارو یا ناول خوانی میں بسر کرو اور رات کو سو کر یا عیاشی میں۔[1]

خدا تعالیٰ کا قُرب پانے کی راہ

خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدق دکھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرب حاصل کیا تو اس کی وجہ یہی تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم : ۳۸)

ابراہیمؑ وہ ابراہیمؑ ہے جس نے وفاداری دکھائی۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور صدق اور اخلاص دکھانا ایک موت چاہتا ہے جب تک انسان دنیا اور اس کی ساری لذتوں اور شوکتوں پر پانی پھیر دینے کو تیار نہ ہو جاوے۔ اور ہر ذلت اور سختی اور تنگی خدا کے لئے گوارا کرنے کو تیار نہ ہو۔ یہ صفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بت پرستی یہی نہیں کہ انسان کسی درخت یا پتھر کی پرستش کرے بلکہ ہر ایک چیز جو اللہ تعالیٰ کے قرب سے روکتی اور اس پر مقدم ہوتی ہے۔ وہ بت ہے اور اس قدر بت انسان اپنے اندر رکھتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں بت پرستی کر رہا ہوں۔ پس جب تک خالص خدا تعالیٰ ہی کے لئے نہیں ہو جاتا اور اس کی راہ میں ہر مصیبت کی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ صدق اور اخلاص کا رنگ پیدا ہونا مشکل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو یہ خطاب ملا۔ یہ یونہی مل گیا تھا؟ نہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم : ۳۸) کی آواز اس وقت آئی جبکہ وہ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کو چاہتا اور عمل ہی سے راضی ہوتا ہے۔ اور عمل دکھ سے آتا ہے۔ لیکن جب انسان خدا کے لئے دکھ اٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اس کو دکھ میں بھی نہیں ڈالتا۔ دیکھو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۳۵ تا ۳۷ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء

لئے اپنے بیٹے کو قربان کر دینا چاہا اور پوری تیاری کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو بچا لیا۔ وہ آگ میں ڈالے گئے لیکن آگ ان پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف اٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ تکالیف سے بچا لیتا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں جسم تو ہے روح نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کا تعلق جسم سے ہے اور جسمانی امور کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیے کہ جسم سے روح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس قدر اعمال انسان سے ہوتے ہیں۔ وہ اسی مرکب صورت سے ہوتے ہیں الگ جسم یا اکیلی روح کوئی نیک یا بد عمل نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ جزا سزا میں بھی دونو کے متعلقات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بعض لوگ اسی راز کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا بہشت جسمانی ہے۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتے جب اعمال کے صدور میں جسم ساتھ تھا تو جزا کے وقت الگ کیوں کیا جاوے؟ غرض یہ ہے کہ اسلام نے ان دونو طریقوں کو جو افراط اور تفریط کے ہیں چھوڑ کر اعتدال کی راہ بتائی ہے۔ یہ دونو خطرناک باتیں ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مجرد تعذیبِ جسم سے کچھ نہیں بنتا اور محض آرام طلبی سے بھی کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔

ولایت کا مقام

ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس نور محمد نام ٹانڈہ سے آیا تھا۔ اس نے کہا کہ غلام محبوب سبحانی نے ولی ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ اب ولایت کا معیار یہی رہ گیا ہے کہ غلام محبوب یا کسی نے سرٹیفکیٹ دے دیا۔ حالانکہ ولایت ملتی نہیں جب تک انسان خدا کے لئے موت اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہو جاوے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جن کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ وہ دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ حالانکہ یہی پہلا سوال ہے جس کو اسے حل کرنا چاہیے۔ خود شناسی کے بعد خدا شناسی پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے فرائض کو سمجھتا ہے اور مقاصد زندگی پر غور کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی کی غرض خدا شناسی ہے اور اس پر ایمان لاتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ تب وہ فرائض کو ادا کرتا اور نوافل کو شناخت کرتا ہے۔ وہ روحانیت جو ایمان کے بعد پیدا ہوتی ہے اب اسے تلاش کرو کہ کہاں ہے؟ نہ مولویوں میں ہے نہ راگ سننے والے صوفیوں میں۔ یہ گوسالہ صورت ہیں روحانیت سے بے خبر ہو کر ہزار سال تک بھی اگر مغز مارتے رہیں تو کچھ نہیں بنتا۔ یہ لحوم اور دماء ہیں تقویٰ نہیں۔ پھر لحوم اور دماء اللہ تعالیٰ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔

رُوح و جسم کا تعلق اَبدی ہے

دہریہ روح کا ہی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ حشر اجساد کوئی چیز نہیں۔ یہاں روح تعلیم پاکر آئندہ کیا کرے گی۔ یہ خیالی باتیں ہیں۔ ان میں معقولیت نہیں ہے۔ اگر روح کوئی چیز نہیں ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ جسم پر جو فعل واقع ہوتے ہیں ان کا اثر اندرونی قوتوں پر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً اگر مقدم الراس پر چوٹ لگ جائے تو اس فساد کے ساتھ انسان مجنون ہو جاتا ہے یا حافظہ جاتا رہتا ہے۔ مجنونوں کی روح تو وہی ہے۔ نقص تو جسم میں ہے۔ جسم کا اگر اچھا انتظام نہ رہے تو روح بیکار ہو جاتی ہے وہ بدوں جسم کسی کام نہیں ہے اس لئے ہمیشہ جسم کی محتاج ہے جس کا انتظام عمدہ ہو روحانی حالت بھی اچھی ہوگی۔ چھوٹے بچہ میں کیوں اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ عواقب الامور کو سمجھ سکے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں ابھی قویٰ کا نشوونما کامل نہیں ہوا ہوتا۔

اسی طرح پیٹ میں جو نطفہ جاتا ہے کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ روح اس کے ساتھ کہاں سے چلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دراصل ایک مخفی قوت چلی جاتی ہے جو انبساط اور نشاط کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح اناج میں بھی وہی کیفیت چلی آتی ہے۔ اسی کی طرف مولوی رومی نے اشارہ کرکے کہا ہے ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام
ہیچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

نافہم اور کوڑ مغز لوگوں نے اس شعر کو تناسخ پر حمل کرلیا ہے اور کہتے ہیں اس سے تناسخ ثابت ہوتا ہے مگر ان کو معلوم نہیں کہ یہ دراصل تغیرات نطفہ کی طرف ایماء ہے۔ یعنی جن تغیرات سے نطفہ تیار ہوتا ہے۔ اس کو اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے۔ شائد بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جن کو یہ معلوم ہو کہ نطفہ بہت سے تغیرات سے بنتا ہے۔ جس اناج سے نطفہ بنا ہے۔ نطفہ کی حالت میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت سے تغیرات میں ڈالا ہے اور پھر اس کو محفوظ رکھا ہے کیونکہ وہ درحقیقت نطفہ ہے' اپنے وقت پر وہ پیسا بھی جاتا ہے اور اس سے روٹی بھی تیار کی جاتی ہے لیکن وہ محفوظ کا محفوظ چلا آتا ہے۔ آج کل نطفہ کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس میں کیڑے ہوتے ہیں یہ ایک الگ امر ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل میں وہ ایک قوت ہے جو برابر محفوظ چلی آتی ہے ممکن ہے کہ جو کچھ ڈاکٹروں نے سمجھا ہو وہ اسی قوت کو سمجھا ہو۔ ہر اناج کے ساتھ انسانیت کا خاصہ نہیں بلکہ وہ جوہر قابل الگ

ہی ہے اور اس کو وہی کھاتا ہے جس کے لئے وہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسی دن کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ وہ نطفہ جس میں روحانیت کی جڑ ہے بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ مضغہ علقہ وغیرہ چھ حالتوں میں سے گذرتا ہے اور ان چھ تغیرات کے بعد ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون : ۱۵) کا وقت آتا ہے اب اس آخری تبدیلی کو نشاء آخری کہا ہے یہ نہیں کہا ثُمَّ اَنْزَلْنَا فِيْهِ رُوْحًا اٰخَرَ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہر سے کوئی چیز نہیں آتی۔ اب اس کو خوب غور سے سوچو تو معلوم ہوگا کہ روح کا جسم کے ساتھ کیسا ابدی تعلق ہے۔ پھر یہ کیسی بے ہودگی ہے جو کہا جاوے کہ جسم کا روح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کس قدر زبردست ثبوت روح کی ہستی کا ہے۔ اس کو کوئی معمولی نگاہ سے دیکھے تو اور بات ہے لیکن معقولیت اور فلسفہ سے سوچے تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا میں کبھی کوئی شخص کامیاب نہیں ہوا جو جسم اور روح دونو سے کام نہ لے۔ اگر روح کوئی چیز نہیں۔ تو ایک مردہ جسم سے کوئی کام کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا اس کے سارے قویٰ اور اعضاء موجود نہیں ہوتے۔ اب یہ بات کیسی صفائی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے کہ روح اور جسم کا تعلق جبکہ ابدی ہے۔ پھر کیوں کسی ایک کو بیکار قرار دیا جاوے۔

دُعا کے قوانین

دعا کے لئے بھی یہی قانون ہے کہ جسم تکالیف اٹھاوے اور روح گداز ہو اور پھر صبر اور استقلال سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاکر حسن ظن سے کام لیا جاوے[1]

ہر ایک کام کے لئے زمانہ ہوتا ہے اور سعید اس کا انتظار کرتے ہیں۔ جو انتظار نہیں کرتا اور چشم زدن میں چاہتا ہے کہ اس کا نتیجہ نکل آوے وہ جلد باز ہوتا ہے۔ اور بامراد نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے اور ہوتا ہے کہ دعا کے زمانہ میں ابتلا کے طور پر اور بھی ابتلا آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے آئے تو ان کو پہلے مصر میں فرعون نے یہ کام دیا ہوا تھا۔ کہ وہ آدھا دن اینٹیں پاتھا کریں اور آدھا دن اپنا کام کیا کریں۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلانے کی کوشش کی۔ تو پھر شریروں کی شرارت سے بنی اسرائیل کا کام بڑھا دیا گیا اور انہیں حکم ملا کہ آدھا دن تو تم اینٹیں

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء

پاتھا کرو اور آدھا دن گھاس لایا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا اور انہوں نے بنی اسرائیل کو سنایا تو وہ بڑے ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ موسیٰ۔ خدا تم کو وہ دکھ دے جو ہم کو ملا ہے اور بھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بددعائیں دیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو یہی کہا کہ تم صبر کرو۔ تورات میں یہ سارا قصہ لکھا ہے کہ جوں جوں موسیٰ علیہ السلام انہیں تسلی دیتے تھے وہ اور بھی برافروختہ ہوتے تھے۔ آخر یہ ہوا کہ مصر سے بھاگ نکلنے کی تجویز کی گئی اور مصروالوں کے کپڑے اور برتن وغیرہ جو لئے تھے وہ ساتھ ہی لے آئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر نکل آئے تو فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر ان کا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ فرعونیوں کا لشکر ان کے قریب ہے تو وہ بڑے ہی مضطرب ہوئے چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت وہ چلائے اور کہا اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء : ۶۲) اے موسیٰ۔ ہم تو پکڑے گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے جو نبوت کی آنکھ سے انجام کو دیکھتے تھے۔ انہیں یہی جواب دیا كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (الشعراء : ۶۳) ہرگز نہیں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔

تورات میں لکھا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کیا مصر میں ہمارے لئے قبریں نہ تھیں۔ اور یہ اضطراب اس وجہ سے پیدا ہوا کہ پیچھے فرعون کا لشکر اور آگے دریائے نیل تھا وہ دیکھتے تھے کہ نہ پیچھے جاکر بچ سکتے ہیں اور نہ آگے جاکر مگر اللہ تعالیٰ قادر مقتدر خدا ہے۔ دریائے نیل میں سے انہیں راستہ مل گیا اور سارے بنی اسرائیل آرام کے ساتھ پار ہو گئے۔ مگر فرعونیوں کا لشکر غرق ہو گیا۔ سید احمد خاں صاحب اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ یہ جوار بھاٹا تھا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ کچھ ہو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ عظیم الشان معجزہ تھا جو ایسے وقت پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راہ پیدا کر دی۔ اور یہی متقی کے ساتھ ہوتا ہے کہ ہر ضیق سے اسے نجات اور راہ ملتی ہے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق : ۳)

دُعا اور ابتلاء

غرض ایسا ہوتا ہے کہ دعا اور اس کی قبولیت کے زمانہ کے درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلاء پر ابتلاء آتے ہیں اور ایسے ایسے ابتلاء بھی آجاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رب کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کے بعد نصرت آتی ہے۔ ان ابتلاؤں کے آنے میں ایک سر یہ بھی ہوتا ہے کہ دعا کے لئے جوش بڑھتا ہے۔ کیونکہ جس جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا اسی قدر روح میں گدازش ہوتی جائے گی۔ اور یہ دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے

ہیں۔ پس کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور بے صبری اور بے قراری سے اپنے اللہ پر بدظن نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کبھی بھی خیال کرنا نہ چاہیے کہ میری دعا قبول نہ ہوگی یا نہیں ہوتی۔ ایسا وہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے انکار ہو جاتا ہے کہ وہ دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

قبولیتِ دُعا کے سلسلہ میں ایک نکتہ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک امر کے لئے دعا کرتا ہے۔ مگر وہ دعا اس کی اپنی ناواقفی اور نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یعنی ایسا امر خدا تعالیٰ سے چاہتا ہے جو اس کے لئے کسی صورت سے مفید اور نافع نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو تو رد نہیں کرتا لیکن کسی اور صورت میں پورا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک زمیندار جس کو ہل چلانے کے لئے بیل کی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہ سے جا کر ایک اونٹ کا سوال کرے اور بادشاہ جانتا ہے کہ اس کو دراصل بیل دینا مفید ہوگا۔ اور وہ حکم دیدے کہ اس کو ایک بیل دے دو وہ زمیندار اپنی بیوقوفی سے کہہ دے کہ میری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ تو اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ لیکن اگر وہ غور کرے تو اس کے لئے یہی بہتر تھا۔ اس طرح پر اگر ایک بچہ آگ کے سرخ انگارے دیکھ کر ماں سے مانگے تو کیا مہربان اور شفیق ماں یہ پسند کرے گی کہ اس کو آگ کے انگارے دیدے۔ غرض بعض اوقات دعا کی قبولیت کے متعلق ایسے امور بھی پیش آتے ہیں۔ جو لوگ بے صبری اور بدظنی سے کام لیتے ہیں وہ اپنی دعا کو رد کرا لیتے ہیں۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی قبولیت کے زمانہ میں اور بھی درازی ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے چالیس برس تک ارض مقدس میں داخل ہونے سے محروم ہو گئے کہ ذرا ذرا سی بات پر شوخیوں سے کام لیتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح بنی اسرائیل سے غلامی کے دنوں میں وعدے کئے گئے تھے۔ اسی طرح پر اس امت کے لئے بھی ایک مماثلت ہے۔ ان پر بھی ایک غلامی کا زمانہ آنے والا تھا۔ اور اب وہی حالت غلامی کی ہے کیونکہ ہر پہلو اور ہر رنگ میں مسلمانوں کی حالت تنزل میں ہے۔ اسی مماثلت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کی تبلیغ کا زمانہ چالیس سال تک رکھا ہے۔ جس طرح پر موسیٰ علیہ السلام نے وہ زمین نہ پائی تھی بلکہ یشوع بن نون لے گیا اسی طرح پر قبولیت کی ارض مقدس ان مولویوں کے نصیب معلوم نہیں ہوتی جو آئے دن مخالفت اور شرارت میں بڑھتے جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ان کو کیا کہا گیا تھا۔ کیا تعلیم ملی تھی اور اب انہوں نے اس پر کس حد تک عمل کیا ہے۔

قرآن شریف کے نصوص پر میرے دعوٰی کو پرکھیں

مجھے بڑی حیرت اور بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں۔ یہ قرآن شریف کو پڑھتے ہیں۔ یہ احادیث کے درس دیتے ہیں اور مسلمانوں کے لیڈر اور سرگروہ بنتے ہیں۔ دین کے اصول سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے مدعی ہیں مگر میرے معاملہ میں ان ساری باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کچھ پروا نہیں کرتے کہ قرآن شریف کے نصوص کی بناء پر میرے دعوے کو سوچیں اور میری نسبت کوئی رائے دیتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ہم جو کہتے ہیں خدا تعالیٰ کے خوف سے کہتے ہیں۔ یا اپنے نفسانی اغراض اور جوشوں کو درمیان رکھ کر کہتے ہیں۔ اگر خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتے تو لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل : ۳۷) پر عمل کرتے اور جب تک میری کتابوں کو پورے طور پر نہ پڑھ لیتے اور میرے پاس رہ کر میرے طرز عمل کو نہ دیکھ لیتے کوئی رائے نہ دیتے۔ مگر انہوں نے قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا اور خدا تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ ان سب کو پس پشت ڈال دیا۔ کم از کم تقویٰ کا طریق تو یہ تھا کہ وہ میرے دعوٰی کو سن کر فکر کرتے اور جھٹ پٹ انکار نہ کر دیتے کیونکہ میں نے ان کو یہ کہا تھا کہ خدا نے مجھے مامور کیا ہے۔ خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ دیکھتے کہ کیا جس شخص نے اپنا آنا خدا کے حکم سے بتایا ہے۔ وہ خدا کی نصرتیں اور تائیدیں بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے یا نہیں۔ مگر انہوں نے نشان پر نشان دیکھے اور کہا کہ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نصرت پر نصرت اور تائید پر تائید دیکھی لیکن کہہ دیا کہ سحر ہے۔ میں ان لوگوں سے کیا امید رکھوں جو خدا تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ خدا کے کلام کے ادب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا نام سنتے ہی یہ ہتھیار ڈال دیتے مگر یہ اور بھی شرارت میں بڑھے۔ اب خود دیکھ لیں گے کہ انجام کس کے ہاتھ ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ میرے بلانے کے دراصل یہی لوگ محرک ہوئے ہیں اور میری بعثت کے اسباب میں سے یہ بڑا سبب ہیں۔

مسلمانوں کے مُرتد ہونے کا باعث مولوی ہیں

کیونکہ جس قدر لوگ نصرانی اور بے دین ہوئے ہیں وہ دراصل مولویوں کا قصور ہے۔ جب کسی نے ان سے سوال کیا اور کوئی بات ان سے پوچھی تو انہوں نے جھٹ پٹ یہی فتوٰی دے دیا کہ یہ واجب القتل ہے' کافر ہو گیا۔ بے دین ہو گیا۔ اس کو مار ڈالو۔ اعتراض کرنے والوں نے جب یہ

حالت دیکھی تو انہوں نے یہی سمجھا کہ اسلام کے عقائد فی الحقیقت ایسے ہی کمزور اور بودے ہیں کہ وہ معقولیت کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔ پس انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ ایسے دین کو چھوڑ دیں۔ ہزاروں ہزار لوگ پائے جاتے ہیں جن کے مرتد ہونے کی وجہ یہی مولوی ہو گئے ہیں۔ یہ بات کہ وہ سوال کیوں کرتے ہیں بڑی سہل ہے۔ یہ لوگ تیرہ سو برس کے بعد چونکہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس قدر بعد زمانہ کی وجہ سے گویا یہ تاریکی کا زمانہ کہنا چاہیے۔ اس لئے ان کو حق حاصل ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے پوچھیں لیکن سوال کرنے پر انہوں نے ان کو گمراہ کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو معذور اور واجب الرحم سمجھ کر نرمی سے پیش آتے۔ اور ان کو سمجھاتے مگر الٹا انہوں نے ان کو اسلام سے بیزار کر دیا۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اسلام کی تعلیم کی خوبیاں ظاہر کروں اور پھر ان خوبیوں کا عملی ثبوت اور اس کی تاثیروں کو دکھاؤں۔

مسیح موعود کے دو کام

پس اس وقت ہمارے دو کام ہیں۔

اول یہ کہ ان نشانوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ دکھا رہا ہے یہ ثابت کیا جاوے کہ مجیب اور ناطق خدا ہمارا ہی ہے جو ہماری دعاؤں کو سنتا اور ان کے جواب دیتا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ جو خدا پیش کرتے ہیں وہ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ : ۹۰) کا مصداق ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ ان کے کفر اور بے دینی کے ان کی دعائیں مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد : ۱۵) کی مصداق ہو گئی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو سب کا ایک ہی ہے۔ مگر ان لوگوں نے اس کی صفات کو سمجھا ہی نہیں۔

پس یاد رکھو کہ ہمارا خدا ناطق ہے۔ وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔

ہماری جماعت کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیئے

ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیے۔ اور ان کو شکر کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو یونہی نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی ایمانی قوتوں کو یقین کے درجہ تک بڑھانے کے واسطے اپنی قدرت کے صدہا نشان دکھائے ہیں۔ کیا کوئی تم میں سے ایسا بھی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ایک بھی ایسا نہیں جس کو ہماری صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا ہو اور اس نے خدا تعالیٰ کا تازہ بتازہ نشان اپنی آنکھ سے نہ دیکھا ہو۔

ہماری جماعت کے لئے اسی بات کی ضرورت ہے کہ ان کا ایمان بڑھے۔ خدا تعالیٰ پر سچا یقین

اور معرفت پیدا ہو۔ نیک اعمال میں سستی اور کسل نہ ہو۔ کیونکہ اگر سستی ہو۔ تو پھر وضو کرنا بھی ایک مصیبت معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ تہجد پڑھے اگر اعمال صالحہ کی قوت پیدا نہ ہو اور مسابقت علی الخیرات کے لئے جوش نہ ہو۔ تو پھر ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرنا بے فائدہ ہے۔

تعلیم کے موافق عمل کرنے کی نصیحت

ہماری جماعت میں وہی داخل ہوتا ہے جو ہماری تعلیم کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اپنی ہمت اور کوشش کے موافق اس پر عمل کرتا ہے۔ لیکن جو محض نام رکھا کر تعلیم کے موافق عمل نہیں کرتا۔ وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو ایک خاص جماعت بنانے کا ارادہ کیا ہے اور کوئی آدمی جو دراصل جماعت میں نہیں ہے۔ محض نام لکھانے سے جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ اس پر کوئی نہ کوئی وقت ایسا آجائے گا کہ وہ الگ ہو جائے گا۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اپنے اعمال کو اس تعلیم کے ماتحت کر دو جو دی جاتی ہے۔ اعمال پروں کی طرح ہیں۔ بغیر اعمال کے انسان روحانی مدارج کے لئے پرواز نہیں کر سکتا۔ اور ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتا جو ان کے نیچے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ پرندوں میں فہم ہوتا ہے۔ اگر وہ اس فہم سے کام نہ لیں تو جو کام ان سے ہوتے ہیں نہ ہو سکیں۔ مثلاً شہد کی مکھی میں اگر فہم نہ ہو تو وہ شہد نہیں نکال سکتی اور اسی طرح نامہ بر کبوتر جو ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے فہم سے کس قدر کام لینا پڑتا ہے۔ کس قدر دور دراز کی منزلیں وہ طے کرتے ہیں۔ اور خطوط کو پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح پر پرندوں سے عجیب عجیب کام لئے جاتے ہیں۔ پس پہلے ضروری ہے کہ آدمی اپنے فہم سے کام لے اور سوچے کہ جو کام میں کرنے لگا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نیچے اور اس کی رضا کے لئے ہے یا نہیں۔ جب یہ دیکھ لے اور فہم سے کام لے تو پھر ہاتھوں سے کام لینا ضروری ہوتا ہے سستی اور غفلت نہ کرے۔ ہاں یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ تعلیم صحیح ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعلیم صحیح ہوتی ہے۔ لیکن انسان اپنی نادانی اور جہالت سے یا کسی دوسرے کی شرارت اور غلط بیانی کی وجہ سے دھوکا میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے خالی الذہن ہو کر تحقیق کرنی چاہیئے۔

قرآنی قسموں کا فلسفہ

مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ آریہ اور عیسائی اعتراض کر دیتے ہیں کہ قرآن شریف میں قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ اور پھر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر اس کو عجیب عجیب اعتراضوں کے پیرایہ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی نیک نیتی اور فہم سے کام لیا جاوے تو ایسا اعتراض بیہودہ اور

پسِ منظر معلوم ہونا چاہیے۔ کیونکہ قسموں کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ قسم کھانے کا اصل مفہوم اور مقصد کیا ہوتا ہے۔ جب اس کی فلاسفی پر غور کیا جاوے تو پھر یہ خود بخود سوال حل ہو جاتا ہے اور زیادہ رنج اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ قسم کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قسم بطور قائم مقام گواہ کے ہوتی ہے۔ اور یہ مسلم بات ہے کہ عدالت جب گواہ پر فیصلہ کرتی ہے تو کیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ پر فیصلہ کرتی ہے۔ یا قسم کھانے والے کی قسم کو ایک شاہد صادق تصور کرتی ہے۔ یہ روز مرہ کی بات ہے۔

جہالت یا تعصب سے اعتراض کرنا اور بات ہے لیکن حقیقت کو مدنظر رکھ کر کوئی بات کہنا اور۔

اب جب کہ یہ عام طریق ہے کہ قسم بطور گواہ کے ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسی سیدھی بات ہے کہ اسی اصول پر قرآن شریف کی قسموں کو دیکھ لیا جاوے۔ کہ وہاں اس سے کیا مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی قسم کھائی ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لئے بدیہی کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ جیسے فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق : ۱۲ تا ۱۴) اب یہ بھی ایک قسم کا محل ہے۔ نادان قرآن شریف کے حقائق سے ناواقف اور نابلد۔ اپنی جہالت سے یہ اعتراض کر دیتا ہے کہ دیکھو زمین کی یا آسمان کی قسم کھائی۔ لیکن اس کو نہیں معلوم کہ اس قسم کے نیچے کیسے کیسے معارف موجود ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی الٰہی کے دلائل اور قرآن شریف کی حقانیت کی شہادت پیش کرنی چاہتا ہے اور اس کو اس طرز پر پیش کیا ہے[1]

اب اس قسم کی قسم پر اعتراض کرنا بجز ناپاک فطرت یا بلید الطبع انسان کے دوسرے کا کام نہیں۔ کیونکہ اس میں تو عظیم الشان صداقت موجود ہے۔ صحیفہ فطرت کی عام شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کلام الٰہی اور نزول وحی کی حقیقت بتانا چاہتا ہے۔ سماء کے معنی بادل کے بھی ہیں۔ جس سے مینہ برستا ہے۔ آسمان اور زمین میں ایسے تعلقات ہیں جیسے نر و مادہ میں ہوتے ہیں۔ زمین میں بھی کنوئیں ہوتے ہیں لیکن زمین پھر بھی آسمانی پانی کی محتاج رہتی ہے۔ جب تک آسمان سے بارش نہ ہو زمین مردہ سمجھی جاتی ہے اور اس کی زندگی اس پانی پر منحصر ہے جو آسمان سے آتا ہے۔ اسی

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء

واسطے فرمایا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید : ۱۸) اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب آسمان سے پانی برسنے میں دیر ہو اور امساک باراں ہو تو کنوؤں کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔ اور ان ایام میں دیکھا گیا ہے۔ کہ پانی اتر جاتا ہے۔ لیکن جب برسات کے دن ہوں اور مینہ برسنے شروع ہوں تو کنوؤں کا پانی بھی جوش مار کر چڑھتا ہے کیونکہ اوپر کے پانی میں قوت جاذبہ ہوتی ہے اب براہموں سوچیں کہ اگر آسمانی پانی نازل ہونا چھوڑ دے تو سب کنوئیں خشک ہو جائیں اسی طرح پر ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نور قلب ہر انسان کو دیا ہے۔ اور اس کے دماغ میں عقل رکھی ہے۔ جس سے وہ برے بھلے میں تمیز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ لیکن اگر نبوت کا نور آسمان سے نازل نہ ہو اور یہ سلسلہ بند ہو جاوے تو دماغی عقلوں کا سلسلہ جاتا رہے اور نور قلب پر تاریکی پیدا ہو جاوے اور وہ بالکل کام دینے کے قابل نہ رہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ اسی نور نبوت سے روشنی پاتا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر زمین کی روئیدگیاں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ہر تخم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح پر نور نبوت کے نزول پر دماغی اور ذہنی عقلوں میں ایک صفائی اور نور فراست میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ علی قدر مراتب ہوتی ہے اور استعداد کے موافق ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے۔ خواہ وہ اس امر کو محسوس کرے یا نہ کرے لیکن یہ سب کچھ ہوتا اسی نور نبوت کے طفیل ہے۔

نزولِ وحی کی ضرورت کا ثبوت

غرض اس قسم میں نزول وحی کی ضرورت کو ایک عام مشاہدہ کی رو سے ثابت کیا ہے کہ جیسے آسمانی پانی کے نہ برسنے کی وجہ سے زمین مرجاتی اور کنوؤں کا پانی خشک ہونے لگتا ہے۔ یہی قانون نزول وحی کے متعلق ہے۔

رَجْعٌ پانی کو کہتے ہیں۔ حالانکہ پانی زمین پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن آسمان کو ذَاتِ الرَّجْعِ کہا ہے۔ اس میں یہ فلسفہ بتایا ہے کہ اصلی آسمانی پانی ہی ہے۔ چنانچہ کہا ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش دریغ نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

جو کیفیت بارش کے وقت ہوتی ہے۔ وہی نزول وحی کے وقت ہوتی ہے دو قسم کی طبیعتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک تو مستعد ہوتی ہیں اور دوسری بلید مستعد طبیعت والے فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اور صادق کا ساتھ دے دیتے ہیں۔ لیکن بلید الطبع نہیں سمجھ سکتے اور وہ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو مکہ معظمہ میں جب وحی کا نزول ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کا کلام

اترنے لگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل ایک ہی سرزمین کے دو شخص تھے۔ ابوبکرؓ نے تو کوئی نشان بھی نہ مانگا اور مجرد دعویٰ سنتے ہی آمنا کہہ کر ساتھ ہو لیا۔ مگر ابوجہل نے نشان پر نشان دیکھے مگر تکذیب سے باز نہ آیا اور آخر خدا تعالیٰ کے قہر کے نیچے آکر ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔

غرض خدا تعالیٰ کی وحی ہر قسم کی طبیعتوں کو باہر نکال دیتی ہے۔ طیب اور خبیث میں امتیاز کرکے دکھا دیتی ہے۔ وہ بہار کا موسم ہوتا ہے۔ اس وقت ممکن نہیں کہ کوئی تخم شگفتگی کے لئے نہ نکلے۔ لیکن جو کچھ ہوگا وہی برآمد ہوگا۔ نیک اور سعید الفطرت اپنی جگہ پر نمودار ہوتے ہیں۔ اور خبیث الگ۔ اور اس سے پہلے وہ ملے جلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے گندم اور بھگاٹ کے دانے ملے ہوئے تو رہتے ہیں لیکن جب زمین سے نکلتے ہیں تو دونو الگ نظر آتے ہیں۔ مالک گندم کی حفاظت کرتا اور بھگاٹ کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ پس نزول وحی کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مشاہدہ پیش کیا ہے۔ جس کو نادان اپنی نادانی اور جہالت سے اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے حالانکہ اس میں ایک عظیم الشان فلسفہ رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق : ۱۲ تا ۱۳) کہہ کر فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق : ۱۲ تا ۱۴) جو کلام الٰہی کے لئے بولا گیا ہے۔ یہ ایک نظری امر تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے بدیہی امر کو پیش کیا ہے۔ جیسے امساک باراں کے وقت ضرورت ہوتی ہے مینہ کی۔ اسی طرح پر اس وقت لوگ روحانی پانی کو چاہتے ہیں۔ زمین بالکل مر چکی ہے۔ یہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم : ۴۲) کا مصداق ہو گیا ہے جنگل اور سمندر بگڑ چکے ہیں۔ جنگل سے مراد مشرک لوگ اور بحر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ جاہل و عالم بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ غرض انسانوں کے ہر طبقہ میں فساد واقع ہو گیا ہے جس پہلو اور جس رنگ میں دیکھو۔ دنیا کی حالت بدل گئی ہے۔ روحانیت باقی نہیں رہی اور نہ اس کی تاثیریں نظر آتی ہیں۔ اخلاقی اور عملی کمزوریوں میں ہر چھوٹا بڑا مبتلا ہے۔ خدا پرستی اور خدا شناسی کا نام و نشان مٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ آسمانی پانی اور نور نبوت کا نزول ہو اور مستعد دلوں کو روشنی بخشے۔ خدا تعالیٰ کا شکر کرو۔ اس نے اپنے فضل سے اس وقت اس نور کو نازل کیا ہے مگر تھوڑے ہیں جو اس نور سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی بناء پر دلائل عقلیہ اور نشانات بینہ سے اس سلسلہ کی صداقت کو ظاہر کر رہا ہے۔ تعلیم کو اگر انسان دیکھے۔ تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ سچی تعلیم یہی تعلیم ہے جس کو عقلمند قبول کریں گے۔ اسلامی تعلیم ہی ایک ایسی تعلیم ہے کہ جس کو عدل کہتے ہیں۔ اس تعلیم میں ایک کشش موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ (اسلام اور عیسائی تعلیمات کی رُو سے)

سورہ فاتحہ میں جس خدا کو پیش کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اسے پیش نہیں کرتا۔ عیسائیوں نے جو خدا دکھایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (الاخلاص : ۴) ہے۔ ہاں اگر مریم کے پیٹ میں واقعی خدا آگیا تھا تو چاہیے تھا کہ وہ پیٹ ہی میں مریم کو وعظ کرتے اور ایک لمبا لیکچر دیتے جس کو دوسرے لوگ بھی سن لیتے تو اس خارق عادت لیکچر کو سن کر سارے شبہات دور ہو جاتے اور خواہ نخواہ ماننا پڑتا بلکہ اور بھی خدائی کا ثبوت ملتا۔ اگر پیٹ ہی میں معجزے دکھانے شروع کر دیتے تو اور بھی معاملہ صاف ہو جاتا اور خواہ نخواہ ماننا پڑتا۔ مگر بجائے اس کے کہ اس کی الوہیت کی کوئی عظمت ثابت ہوتی۔ ہر پہلو سے اس کا نقص اور کمزوری ہی ثابت ہوتی ہے۔

مریم کے نکاح سے تین قسمیں توڑی گئیں

مریم کا نکاح حمل میں کیا گیا جو شرعاً جائز نہ تھا۔ اور ایک نکاح سے تین قسمیں توڑی گئیں۔ یعنی ماں نے عہد کیا تھا کہ نکاح نہ کروں گی اور خود مریم نے بھی عہد کیا ہوا تھا۔ اور ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اور اعتراض ہے جس کا جواب عیسائی نہیں دے سکتے۔ عیسائی مذہب میں دوسری شادی منع ہے۔ لیکن یوسف کی پہلی بیوی تھی۔ اور بھی اس قسم کے اعتراض ہیں۔ یہودیوں کی کتابوں کو پڑھو وہ کیا حقیقت بیان کرتے ہیں اور ہم کو تو ایسے اعتراض کرتے ہوئے بھی افسوس اور حیا مانع ہوتے ہیں۔ پادری عمادالدین نے اپنی کتابوں میں راحاب، تمر اور بنت سبع کی بابت لکھا ہے کہ وہ اچھے چال چلن کی عورتیں نہ تھیں۔ وہ لکھتا ہے کہ خداوند نے یہ کیا کیا کہ ایسے خاندان میں جنم لیا۔ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ ایسے لوگوں میں بھی جنم لینے سے دریغ نہیں کیا۔ مگر ایک دانشمند غور کرے کہ یہ کیسی وسعت اخلاق ہے۔

اِسلام کا پیش کردہ خدا

لیکن ہمارا خدا لَمْ یَلِدْ (الاخلاص : ۴) ہے اور کس قدر خوشی کا اور شکر کا مقام ہے کہ جس خدا کو ہم نے مانا اور اسلام نے پیش کیا ہے وہ ہر طرح کامل اور قدوس ہے اور کوئی نقص اس میں نہیں۔ دو خوبیاں کامل طور پر اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور ساری صفات ان کو بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ اول یہ کہ اس میں ذاتی حسن ہے۔ اور اس کے متعلق لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ : ۱۲) فرمایا۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص : ۲) فرمایا۔ اور کہا کہ وہ

الصَّمَدُ ہے' بے نیاز ہے' نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمتا اور ہمسر ہے۔

قرآن شریف کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جا بجا اس کا حسن دکھایا گیا ہے پھر دوسری کشش احسان کی ہے۔ عیسائیوں نے خدا کے احسان کا کیا نمونہ دکھایا یہی کہ اپنے بچہ کو پھانسی دے دیا۔ مولوی صاحب ذکر کیا کرتے ہیں۔ کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو کہہ رہا تھا کہ خدا نے اس جہان کو کیسے پیار کیا کہ اپنا بیٹا پھانسی دے دیا۔ لڑکا یہ سن کر ڈر گیا۔ اور بھاگ گیا۔ اور جب اس سے ڈرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے یہی کہا کہ جب خدا نے یہ حرکت کی تو تجھ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ انسان خدا سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کو سب سے مقدم کر لیتا ہے۔ ہزاروں بھیڑ بکریاں موجود ہیں۔ اگر محبت کا یہی نشان ہے اور مارنے والے عزیز ہوتے ہیں تو کیا یہ چیزیں خدا کو انسان سے عزیز ترین ہوتی ہیں؟ مگر ایسا نہیں۔ لاکھوں چیزیں انسان کے لئے وہ ہلاک کرتا ہے۔ پانی میں کیڑے رکھے ہوتے ہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کیونکہ بسیط چیزیں ہلاک کر دیتی ہیں۔

غرض یہ اصل صحیح نہیں ہے جو سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ وہ جس سے پیار کرتا ہے اس کو ہلاک کرتا ہے۔ سچا خدا جس سے پیار کرتا ہے۔ اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ خدا فرماتا ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ : ۲۲) عیسائی اپنے خدا کی نسبت ایسا نمونہ پیش نہیں کرتے اور حقیقت میں نہیں ہے۔ کیونکہ مسیح کا اپنا نمونہ یہ ہے کہ دشمنوں کے ہاتھوں میں سخت ذلیل ہوئے اور اس وقت وہ اگر خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے تو دشمنوں کو خطرناک ذلت پہنچنی چاہیئے تھی مگر بظاہر دشمن کامیاب ہو گئے اور انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا ہی دیا۔ لیکن ہمارا خدا ایسا نہیں ہے اس نے اپنے رسولوں کی ہر میدان میں نصرت کی اور کامیاب کیا۔ اب دوسرے مذہب اس کا نمونہ کہاں سے لائیں۔ یہ یاد رکھو کہ ہمارا خدا کسی کو پھانسی دینا نہیں چاہتا جس قدر کام کریں گے اس میں عزت پائیں گے۔ اس نے ہمارے قویٰ کو بیکار نہیں رکھا۔ بقول سعدیؒ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

خدا نے چاہا ہے کہ تم زنانہ سیرت نہ بنو بلکہ مرد بنو۔ اب کیسی بات ہے کیسے احسان کئے ہیں کہ ہم پر حقائق و معارف کے خزانے کھولے ہیں۔ کسی کے سامنے اس نے ہم کو شرمندہ نہیں کیا۔ عیسائی کیسے شرمندہ ہوتے ہیں۔ آریوں کو کیسے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ کیا کوئی عیسائی فخر کے

ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے خداوند کی تین دادیاں نانیاں بدکار تھیں۔

الغرض انسان یا حسن کا گرویدہ ہوتا ہے یا احسان کا۔ کامل طور پر یہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں پہلے حسن و احسان ہی کو دکھایا ہے۔ اگر ان سے انسان اس کی طرف رجوع نہیں کرتا تو پھر تیسری صورت غضب کی بھی ہے۔ اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ : ۷) کہہ کر ڈرایا ہے لیکن مبارک وہی شخص ہے جو اس کے حسن و احسان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس سے خدا قریب ہو جاتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے۔

عقل رُوح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے

یاد رکھو کہ عقل روح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر انسان روح کی صفائی کرتا ہے اسی قدر عقل میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور فرشتہ سامنے کھڑا ہو کر اس کی مدد کرتا ہے۔ مگر فاسقانہ زندگی والے کے دماغ میں روشنی نہیں آسکتی۔

تقویٰ اختیار کرو

تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ صادق کے ساتھ رہو کہ تقویٰ کی حقیقت تم پر کھلے اور تمہیں توفیق ملے۔ یہی ہمارا منشاء ہے اور اسی کو ہم دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں[1]

۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

رات آپ نے لاہور قیام فرمایا۔ جہلم جانے کے لئے صبح کو حضور علیہ السلام پاپیادہ سٹیشن کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں مولوی محمد احسن صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ رات کو کثرت سے بار بار یہ الہام ہوا۔

اُرِيْكَ بَرَكَاتٍ مِّنْ كُلِّ طَرْفٍ

یعنی میں ہر ایک جانب سے تجھے اپنی برکتیں دکھاؤں گا[2]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۳ء [2] البدر جلد ۲ نمبر ۲ و ۳ مورخہ ۲۳ و ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

کلیدِ مضامین

ملفوظات

جلد ۲

ا

آخرت

عالم آخرت کی حقیقت ۴۳
انسان بہت بڑی ذمہ داریاں لے کر آتا ہے اس لئے آخرت کی فکر کرنی چاہئے ۱۵۳

آریہ ورت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت گمراہی کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا ۱۱۰

آریہ دھرم ۱۳۵

یہود میں داخل ہیں ان کی تمام رسوم یہود سے ملتی ہیں ۴۱۸
اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۳۳۲
ایک آریہ کے موسوی جنگوں پر اعتراضات ۷۲
خالفت کی وجہ ۱۹۰
اپنے عقائد کی وجہ سے ان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے ۷۱۹
آریہ عقائد اور ان کا رد ۳۵، ۸۸
خدا کا تصور ۳۵
خدا شناسی کا معیار ۳۶۶
غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں ۵۱۹
روح کے متعلق عقیدہ کا رد ۶۲۴
مسئلہ نیوگ ۱۲، ۸۹، ۳۶۷
ایک آریہ کا حضرت اقدس کی ایک التجائی دعا پر اعتراض کرنا ۵۶۸

آیت اللہ

جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ آیۃ اللہ ہی ہوتا ہے ۲۹

اباحت

اسلام نے اسے جائز نہیں رکھا ۷۰۰
اباحتی زندگی بجائے خود ایک جہنم ہے ۲۵۶

ابتلاء

ابتلاؤں کی غرض ۳۷۶
جماعت پر ابتلاؤں کی حکمت ۲۰۶
ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں ۲۹۸
انسان کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اس پر ابتلاء آئیں ۱۴۷
مامور کے ساتھ ابتلاء ضرور آتے ہیں ۵۳
سچا مومن کبھی ان سے ضائع نہیں ہوتا ۵۴
ابتلاء میں خدا سے روٹھنا نہیں چاہئے ۲۸۴

ابدال

جن کی فطرت کو بدلا جاتا ہے اور یہ تبدیلی اتباع سنت اور دعاؤں سے ملتی ہے ۸
اسلام کے ہزار سالہ دور میں ابدال و اولیا بہت قلیل تعداد میں ہوئے ۶۷

ابراء

ابراء یعنی باعزت بریت کا نشان ۲۶۸

اجتہاد

اجتہاد کی ضرورت ۳۸۹
انبیاء سے اجتہادی غلطی کا صدور ۷۷، ۳۸۹

احمدیت

سلسلہ احمدیہ کے متعلق قرآن کریم کی پیشگوئیاں ۳۲
یہ سلسلہ منہاج نبوت پر چل رہا ہے ۵۹۵
اللہ تعالیٰ نے اسے افراط و تفریط سے بچا کر صراط مستقیم پر کھڑا کیا ہے ۵۳۶
یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہے ۴۱
اس وقت اللہ تعالیٰ ایک قوم کو صحابہ کی طرح بنانا چاہتا ہے ۴۰
واخرین منھم کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو صحابہ سے ملایا ہے ۱۳۵، ۴۳۴
مسیح موعود کا اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جانے کا مطلب ۴۱۵
ہمارے مخالف اسلام کو کیا پیش کریں گے جبکہ اسلام کی خوبیوں کا خود ان کو اعتراف نہیں ہے ۴۳۵
میری جماعت نصائح سے درست نہ ہو گی بلکہ نشانوں سے درست ہو گی ۴۲۹
جماعت کے ازدیاد ایمان کے لئے نشانات ظاہر ہوتے رہیں گے ۶۴۴
احباب جماعت کا اخلاص اور فدائیت ۹۸، ۳۸۸، ۶۰۰
افراد جماعت کے متعلق حسن ظنی ۴۶
سچے متبعین طاعون سے بچائے جانے کا وعدہ ۵۲۲
طاعون کے ظہور کے بعد یہ لوگ سالک نہ ہوئے مجذوب ہوئے ۵۲۵

صلاحیت اور سعادت والے لوگ ہی
بیعت کرتے ہیں ۴۵۲
مبائعین کی خوش قسمتی ۵۰۶
جب تم لوگوں نے بیعت کرلی تو گویا
ہمارے جزو بدن ہو گئے ۵۰۰
بیعت کا سلسلہ تبھی چل سکتا ہے کہ
پیروؤں کو معلوم ہو کہ پاک باطنی کی
تعلیم دی جاتی ہے ۵۹۵
اوائل عمر کی بیعت ۵۳۱
مرشد اور مرید کے تعلقات ۱۳۱
بہشتی مقبرہ کے قیام کے متعلق حضرت
اقدس کی رؤیا ۵۲۷
جماعت کے لئے زمین وقف کرنے کا
ایک طریق ۶۸۸
توسیع مکان کی ضرورت ۴۳۳

قیام کی غرض

سلسلہ کے قیام کی اغراض ۱۳، ۶۶، ۱۳۰، ۲۳۵
خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے
کیلئے اللہ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے ۶۶، ۱۸۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
تاثیرات قدسیہ کے ثبوت کے لئے ہی
اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے ۳۹
اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں اور خصوصاً
ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
عزت و عظمت کو قائم کرنے کے لئے
یہ سلسلہ قائم کیا ۶۵، ۱۹۴
اس سلسلہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ
یہ جماعت صحابہ کی جماعت ہو ۶۷
اسلام کی دلگیری کے لئے سلسلہ کا
قیام ۱۳۲، ۲۸۷
قیام کی غرض یہ ہے کہ اسلام کی سچائی
پر زندہ گواہ ہو ۲۷
آسمانی علوم اور کشف حقائق کے لئے
قائم سلسلہ ۱۱۲، ۱۱۳
اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہو تا تو دنیا میں
نصرانیت پھیل جاتی ۲۱۳
عیسائیت اور الٰہی دین کی آخری جنگ ۱۳۵

سلسلہ کی حقانیت

سلسلہ کے من جانب اللہ ہونے کا
ثبوت ۱۳۹، ۱۹۲، ۲۳۳
ہمارے سلسلہ کی صداقت کو منہاج
نبوت پر پرکھنے کے لئے کئی دن پر
مشتمل جلسہ کی ضرورت ۳۴۱، ۳۷۹
اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا
تو وہ خود اس سلسلہ کو ہلاک کر دیتا ۳۲۴
خدا نے بتا دیا ہے کہ وہ سلسلہ کی
حمایت کرے گا اور من فی
الدار کی خباثت کا نشان دکھائے گا ۳۴۳
مخالفت کے باوجود سلسلہ کی تائید ۵۴۷

روز افزوں ترقیات

اللہ نے چاہا ہے کہ اس سلسلہ کو دنیا
میں پھیلا دے ۳۹۳
خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ایک جائے گا تو
وہ اس کے بدلے میں ایک جماعت
دے گا ۶۸۹
ہماری جماعت کی ترقی قدرتی اور
تدریجی ہو گی ۶۷، ۲۶۳
یہ خدا ہی کے سلسلہ میں برکت ہے کہ
وہ دشمنوں کے درمیان پرورش پاتا
اور بڑھتا ہے ۱۹۱
فوق العادت اور اعجازی ترقی اور
رجوع خلائق ۱۲۶، ۳۰۵، ۳۳۹، ۳۴۰،
۴۵۲، ۴۵۴، ۵۰۰، ۵۴۶، ۵۷۱، ۶۳۵
طاعون کی پیشگوئی کے نتیجہ میں دس
ہزار افراد کا داخل سلسلہ ہونا ۳۴۴، ۳۹۶
یہ سلسلہ اب کسی ہاتھ اور طاقت سے
نابود نہ ہو گا یہ ضرور بڑھے گا اور
پھولے گا ۲۱۳
میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت
قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر
غالب رہے گی ۲۶۵، ۴۵۴
اُس وقت یہ تمہیں تھوڑے دیکھ کر
دکھ دیتے ہیں جب یہ جماعت کثیر ہو
جائے گی تو خود ہی چپ ہو جائیں گے ۵۴۳

جماعت کے لئے خصوصی نصائح

جماعت کو خصوصی نصائح ۳۵، ۱۳۶، ۲۱۳
نومبائعین کے لئے نصائح ۵۷۶
بیعت پر آخر دم تک قائم رہو ۵۱۷
حکم و عدل کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ
سے دیکھو ۵۲
جو فضل تمہیں دیا گیا ہے اسے ادب
کی نگاہ سے دیکھو ۱۳۲
جو شخص پورے طور پر اطاعت نہیں
کرتا وہ اس سلسلہ کو بدنام کرتا ہے ۴۰۷، ۴۱۸
تقویٰ اختیار کرنے کی تاکیدی نصیحت
۱۳۹، ۱۷۷، ۶۰۲، ۶۴۵، ۶۷۶
اپنے مقاصد عالیہ تک پہنچنے کے لئے
ضروری امور ۶۷
حد اعتدال تک دنیا کمائی جائے ۶۷۸
دنیا کی بے ثباتی کے پیش نظر اپنے اندر
خاص تبدیلی پیدا کرنے کی نصیحت ۴۳۰
ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ کے ساتھ
سچا تعلق ہونا چاہئے ۷۱۰
خدا شناسی کے عظیم الشان مرحلہ کی
طرف جماعت کی توجہ مبذول فرمانا ۲۱۸
قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نرا
قصہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ
کر ۱۱۳
علم و معرفت میں آگے بڑھنے کی تاکید ۱۳۲
عمل کی ضرورت ۲۸۴
تم اپنی سرگرمی اور ہمت میں سست نہ
ہو ۳۵
ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ تہجد کی
نماز کو لازم کرلیں ۱۸۲
نمازوں کو حضور قلب سے ادا کرنے
کی نصیحت ۳۴۵
اولیاء بننے کی کوشش کرو ۵۸۱
تم ایسی قوم ہو جس کا ہم جلیس بدبخت
نہیں ہوتا ۶۹
ہماری جماعت کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً
ہمارے پاس آتے رہیں اور کچھ دن
یہاں رہا کریں ۵۵۳

مرکز میں آنے والے مہمان تکلف نہ کیا کریں ۴۸۲
جو امور سمجھ نہ آیا کریں وہ دریافت کر لینے چاہئیں ۱۱۱
حقوق اللہ اور حقوق عباد میں دانستہ یا ہرگز غفلت نہ کی جائے ۱۸۲
حقوق اخوان میں خاص رنگ ہو ۶۷
جماعت میں نئے داخل ہونے والوں سے حسن سلوک کی تلقین ۲۶۳، ۲۶۴
محبت اور اخلاص میں ترقی کا باعث ۶۴۳
زبان کو فضول گوئیوں سے پاک رکھا جائے ۱۸۲
مردوں کی خصوصی ذمہ داری ۱۴۱
کشتی نوح میں جو نصائح لکھی ہیں ان کو ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرو ۳۹۹، ۴۰۷، ۵۰۲، ۵۴۱
کشتی نوح سے تعلیم کا حصہ جماعتوں کے افراد کو جمع کر کے سنایا جائے ۳۴۳، ۷۱۱
طاعون سے بچنے کے لئے اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی چاہئے ۴۰۷
طاعون کے نیکہ کے بارہ میں جماعت کو ہدایات ۴۰۹

اشاعت و تصنیف

جماعت کے قلیل ہونے کے باوجود کثرت سے کتابوں کی اشاعت ۶۷۵
چین کے مسلمانوں میں عربی کتب بھیجنے کا ارادہ ۵۹۶
مرکز سے ایک عربی پرچہ نکالنے کی خواہش ۴۸۴
کشتی نوح کی کثرت سے اشاعت کی تاکید ۵۰۸
جماعت کی سہولت کے لئے ظاہر ہونے والے نشانات اور دلائل کو حروف تہجی کی ترتیب سے لکھنے کا ارادہ ۲۶۸
جماعت کو اپنے عقائد پر مشتمل کتاب شائع کرنے کی ہدایت ۴۴۳
مخالفین کے اہم اعتراضات جمع کرنے کا ارشاد ۲۵۰
مرکز کے اخبارات کو مضامین لکھنے میں محتاط رہنے کی تلقین ۴۷۹
بنجابی نظموں کا مجموعہ تیار کر کے چھاپا جائے اور یہ گاؤں یہ گاؤں سنایا جائے۔ یہی اس زمانہ کا جہاد ہے ۴۸۹، ۵۱۷
اشتہارات کی بجائے کتابیں شائع کی جائیں ۳۰۴
مخالفانہ تحریروں کا جواب سخت زبانی سے نہ دیا جائے ۱۳۲، ۱۴۱، ۵۷۰
مباحثات اور مجادلات میں شامل نہ ہونے کی تاکید ۲۱۱

دعوت الی اللہ

ہماری جماعت کے داخلین کی صفات ۲۸۱
ہماری جماعت کو مسائل مستحضر ہونے چاہئیں ۳۴۱
ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہی رہا ہے کہ قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو حدیث اگر ضعیف بھی ہو تب بھی اس پر عمل کرنا چاہئے ۴۵
اس امر کا جائزہ کہ ختم نبوت پر ہم ایمان لائے ہیں یا وہ ۶۴

مخالفت

مخالفت کی افادیت ۵۵۶
مخالفت تبلیغ کا ذریعہ بن گئی ہے ۵۰۸، ۶۴۶
سلسلہ کی ترقی اور مخالفین کا رویہ ۵۵۱
مخالفین جماعت کی ہلاکتوں کا نشان ۲۴۰
مخالفین کے لئے لمحہ فکریہ ۱۵۷
بدگو بدباطن کے ساتھ بات کرنے سے احتراز مناسب ہے ۲۰۵
جنگ و جدال کے جلسوں، تحریکوں اور تقریبوں سے کنارہ کشی کرو ۲۱۲
مخالفین سے بھی نیک سلوک کرنے کی تلقین ۲۴۳
غیروں کی مسجد میں نماز پڑھنے کی بجائے گھر میں اکیلے نماز پڑھو ۵۴۸، ۶۳۴
مخالفین کے پیچھے نماز ۲۴۳
غیر احمدی کا جنازہ ۲۰۷، ۴۷۵

☆ ☆ ☆

احیاء

احیاء موتیٰ کی حقیقت ۲۱۷

اخلاص

صدق اور اخلاص کی اہمیت اور تقاضے ۷۰۳
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو برکات ملیں ان کے صدق اور اخلاص کی وجہ سے ملیں ۶۹۶

ادب

الطریقۃ کلھا ادب ۲۷
الامر فوق الادب ۲۲۵
خدا تعالیٰ سے مانگنے کے واسطے ادب کا ہونا ضروری ہے ۶۷۹
دعا کے آداب ۱۹۱، ۲۹۶، ۶۹۲
تلاش حق کے آداب ۷۷
آداب النبی اختیار کرنے کی ضرورت ۵۳
طالب کا ادب یہی ہے کہ وہ زیادہ سوال نہ کرے ۶۴۴
سوء ادبی کی پہلی رگ ۵۴
تداخل کلام منع ہے ۸۱

اذان

ایک عمدہ شہادت اور عبادت کے لئے بلانے کا عمدہ طریق ۴۵۳
اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے ۲۰۳

ارتداد

اسلام سے ارتداد کا پس منظر ۱۸۴
مسلمانوں کے ارتداد کا باعث مولوی ہیں ۷۰۹
عیسائیت کی وجہ سے بازار ارتداد گرم ہے ۳۵۲
عیسائیوں کے ذریعہ ہندوستان میں انتیس لاکھ آدمیوں کا ارتداد ۳۳۲، ۴۹۶
عیسائیوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو مرتد کر لیا ہے ۱۳۱، ۳۵۷

خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ایک جائے گا تو
وہ اس کے بدلے میں ایک جماعت
دے گا ۶۸۹

استخارہ

طریق استخارہ ۶۰۳

استعارہ

خدا تعالیٰ کے کلام میں استعارات
ہوتے ہیں ۶۷۴
میگلوئیوں میں استعارات ۳۷۱

استغفار

حقیقت ۱۶۰، ۳۳۵، ۴۴۲
استغفار کی تاکید ۱۸۳، ۵۷۷
جو شخص انسان ہو کر استغفار کی
ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب
دہریہ ہے ۱۶۰
غفلت کا علاج ۵۵۲
آئندہ صادر ہونے والے گناہوں پر
بھی حاوی ہے ۵۶۰
انبیاء کا استغفار ۳۰۷، ۵۶۶

استقامت

انبیاء کو جس قدر درجات ملے ہیں
استقامت سے ملے ہیں ۵۱۶

استقلال

استقلال اور ہمت کے بغیر انسان
کامیابی کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا ۱۴۹

اسلام

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا دین جو نجات
کا باعث ہے اسلام ہے ۲۶۱
اپنی ذات میں کامل بے عیب اور پاک
مذہب ہے ۱۳۱، ۵۸۸
ایک زندہ مذہب ۱۰۹، ۱۷۲
کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ اسلام کی
برکات کا نمونہ موجود نہ ہو ۶۷
فطرتی مذہب ہے ۴۴۹
سوائے اسلام کے کسی مذہب میں
برکات نہیں ۵۱۸
اسلام کی ترقی کا راز ۶۰
ہر میدان میں کامیاب ہو سکتا ہے ۲۳۵
نصرانیت کی سرکوبی ۳۶۱

اسلام کی حقیقت

سچا اسلام تو یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً
خدا تعالیٰ کو اپنی ساری قوتیں سپرد کر
دی جاویں اور اس کے احکام کے
آگے گردن رکھ دی جائے ۳۰۳، ۳۰۴
خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو
یہی اسلام ہے ۱۳۸
اسرائیل سے مراد اسلام ہے ۴۵۱

صداقت

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ اس کی
حقانیت اور صداقتیں ہیں ۲۲۱
صرف اسلام میں ہی سچے مذہب کی
علامات پائی جاتی ہیں ۳۳۰
اس کے سوا دنیا میں کوئی سچا مذہب
نہیں اور اسی کی تائید میں برکات اور
نشان ظاہر ہوتے ہیں ۲۳۴
اس ترقی کے زمانہ میں اسلام محض
اپنی پاک تعلیم اور اس کے برکات و
ثمرات کے لحاظ سے موثر و مفید ہے ۳۳۳
اللہ تعالیٰ کی اسلام کے لئے غیرت کا
مظاہرہ ۶۵
حفاظت کا وعدہ ۶۶

تعلیم

اسلام کا مدار قرآن شریف پر ہے ۴۷۰
خدا شناسی کے متعلق تعلیم ۴۶۷
خدا تعالیٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی
سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے اسلام
میں ملتی ہے ۲۴
خالص توحید اسلام نے سکھائی ۱۸۸
تمام مذاہب کے مقابل خدا تعالیٰ کی
ربوبیت کا تکمل ہے ۳۶
عجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام
پیش کرتا ہے ۱۳۸
اسلامی اصول اور عقائد اور اس کی ہر
تعلیم اپنے اندر ایک فلسفہ رکھتی ہے ۷۰۲
عاقبت کی سزا کا فلسفہ بیان کرنے میں
منفرد مذہب ۱۹
کل انسانی قویٰ کا متکفل ہے ۸۷
انسانی قویٰ کو موقع اور محل کے مطابق
استعمال کرنے کی تعلیم دیتا ہے ۱۷۹
اسلام کا کمال تقویٰ ہے جس سے
ولایت ملتی ہے ۳۸۶
اسلام کا منشاء ہے کہ انسان افراط و
تفریط چھوڑ کر اعتدال اختیار کرے ۷۰۰
اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے
ابراہیم بنائے ۱۳۹
سادہ تعلیم ۶۰
اسلامی تعلیم ہی کو بدل کہہ سکتے ہیں ۷۸۳
اسلامی عبادات ۲۲۳
سادگی کو پسند کیا ہے اور تکلفات سے
نفرت کی ہے ۶۷۰
اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ جو چیز
ضروری نہ ہو وہ چھوڑ دی جائے ۲۱۹
جہاد پر اعتراض کا جواب ۱۳۱
اسلام کی جنگیں دفاعی تھیں
۷۱، ۳۳۷، ۳۶۲، ۵۸۸
یورپ کے ممالک میں اسلام پر جبر سے
پھیلنے کا الزام ۱۳۰
اپنی اشاعت میں تلوار کی مدد کا محتاج
نہیں ۱۶۹، ۱۲۹، ۱۶۲
اسلام تلوار سے ہرگز نہیں پھیلایا گیا
بلکہ اپنے حقائق و معارف کی وجہ سے
پھیلا ہے ۱۰۲
جبر سے پھیلنے کی شہرت کے پادریوں
سے زیادہ "ملانے" ذمہ دار ہیں ۲۲۰، ۶۵۳
مسیح پر احسان ۷۹
اسلام میں رہبانیت پسندیدہ نہیں ۶۹۹
رہبانیت کو نہ اپنانے کی وجہ ۱۷۱
دوسرے مذاہب کی تعلیمات سے

اسلامی تعلیم کا موازنہ ۳۴

اندرونی اور بیرونی فتنے

اندرونی ضعف اور بیرونی حملے ۳۵۰
خیر القرون اور فتح اموج کے زمانے ۱۸۹
ہزار سالہ فتح اموج کے دور میں
مصائب و مشکلات کا نشانہ رہا ہے ۶۷
اس وقت اسلام شہیدان کربلا کی طرح
دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے ۳۷۰
مخالفین اسلام کے مسلمانوں کے
متعلق بداداے ۳۵۰
اسلام کی موجودہ مخالفت کا مواد عرصہ
دراز سے پک رہا تھا ۶۶
اسلام کو معدوم کرنے کے لئے
عیسائیت کے مختلف ہتھکنڈے ۳۵۲، ۳۷۰
عیسائیت کی طرف سے اسلام کے رد
میں کروڑوں کتابوں کی اشاعت ۱۳۱، ۳۶۰
دابۃ الارض یعنی اس زمانہ کے
علماء کیطرف سے پہنچنے والا نقصان ۱۳۰
اسلام میں معتزلہ اور اباحتی فرقے ۶۷
ارکان اسلام کو چھوڑ کر خود تراشیدہ
وظائف ۱۱۳
قابل شرم اعتقادات ۳۳۰
اندرونی اور بیرونی حالات ایک مامور
کے داعی ہیں ۳۵۶
اسلام کے ۷۲ فرقے ہو گئے اب خدا
ان سب کو ملا کر ایک بنانا چاہتا ہے ۴۲۶

احمدیت اور اسلام

اسلام کی دستگیری کے لئے سلسلہ کا
قیام ۱۳۲
احمدیت اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ
ہے ۲۷
اس نے مجھے بھیجا ہے تا میں عملی
سچائیوں اور زندہ نشانات کے ساتھ
اسلام کو غالب کروں ۱۰۶، ۱۳۰
اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کل امتوں پر
غالب کرنے کے لئے مجھے مامور کر کے
بھیجا ۱۲۵
خاتم الخلفاء کے ذریعہ بغیر جنگ و جدال
کے اسلام کا غلبہ ہو گا ۲۲۰
مسیح موعود کے ذریعہ اسلام کے ہتھوار
سے پھیلنے کے الزام کا رد کیا جائیگا ۳۴۹، ۳۶۳
مسلمانوں کی اصلاح کی صحیح صورت ۳۴۳
آج اسلام کو وہی کامیاب کر سکتا ہے
جو یاں کرتے کرتے مسیح کو قبر تک
پہنچا دے ۲۳۶
اسلام کے مستقبل کے بارہ میں اللہ
تعالیٰ کا ارادہ ۱۳۱

☆ ☆ ☆

اسم اعظم

جو اسے پڑھے گا ہر ایک آفت سے
اسے نجات ہو گی ۵۶۸
وہ اسم اعظم جس نے عربوں کی کایا
پلٹ دی ۶۱

اسوہ

اسوہ کامل کی لازمی صفات ۱۷۱

اصحاب کہف ۵۳۱

اطاعت

صحابہ کرام کی مثالی اطاعت ۴۱۰

اعتدال

جائز لذات و شہوات میں بھی اعتدال
ضروری ہے ۶۵۹

افتراء

اللہ تعالیٰ مفتری کی تائید نہیں کرتا ۶۴۲

اللہ تعالیٰ

اسلام کا پیش کردہ خدا

اسلام کا پیش کردہ خدا ۷۱۵
سورۃ فاتحہ کے پیش کردہ خدا کو کوئی
مذہب پیش نہیں کر سکتا ۷۱۵
قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا
ہے وہ تمام نقائص سے منزہ اور تمام
صفات کاملہ سے موصوف ہے ۳۴، ۳۵
سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ ۱۳۶
جامع جمیع شیون ہے اور اسم اعظم ہے ۶۴۰
ہر ایک طاقت کا سرچشمہ خدا تعالیٰ کی
ذات ہے ۶۷۹
ایک سرائی ۱۰۸
آسمان میں ہونے کا مفہوم ۶۲۱
مجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام
پیش کرتا ہے ۱۴۸
اللہ کے فیوض و برکات کا دروازہ اب
بھی کھلا ہے ۳۸
قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے اسماء
مفعول کے لفظ میں نہیں ۴۴۷
سب کام وحدت کے ذریعہ کرتا ہے ۷
اپنی مثل بنانا اس کی توحید کے خلاف
ہے ۴۴۸
وحدت الوجود اور وحدت الشہود ۳۳۴
رؤیا میں اللہ تعالیٰ کا تمثل ۶۲۸، ۶۵۴

ہستی باری تعالیٰ

سب سے ضروری شے خدا کی ہستی پر
یقین ہے ۵۲۵
اللہ کی قدرتوں اور تصرفات پر ایمان
لانے کی ضرورت ۳۹۹
اللہ تعالیٰ کی ہستی اور شناخت کے
دلائل ۹، ۱۵۰
وجود باری پر دلائل کی دو قسمیں ۸۸
خدا را بخدا تواں شناخت ۳۴۳
صادق کا وجود خدا نما ہوتا ہے ۴
اگر قبولیت دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی
ہستی پر بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے
تھے ۱۴۷، ۱۵۱
ہستی ذات باری سے رفع حجاب کے دو
طریق ۶۲۲
عقل سے خدا کا وجود ثابت نہیں ہو
سکتا ۵۹۲
اللہ تعالیٰ کو شناخت کرنے کے حواس
حواس خمسہ سے مختلف ہیں ۵۹۲

اللہ تعالیٰ کو اگلے جہان میں دیکھنے کے حواس انسان اس دنیا سے ہی ساتھ لے جائے گا ۱۹

اس بات میں بڑی لذت ہے کہ انسان خدا کے وجود کو سمجھے کہ وہ ہے ۲۰۹

خدا شناسی کا عظیم الشان مرحلہ ۲۱۸

خود شناسی کے بعد خدا شناسی آتی ہے ۲۰۴

مبارک وہی شخص ہے جو اس کے حسن و احسان سے فائدہ اٹھاتا ہے ۷۱۷

خدا شناسی کے بغیر گناہ کی ناپاک زندگی پر موت وارد نہیں ہوتی ۳۴۳

صفات باری تعالیٰ

اس کی تمام صفات ابدی ہیں ۳۳۷

ضرور ہے کہ خدا کے افعال اور اقوال میں تناقض نہ ہو ۹۵

اپنی صفات قدیمہ کے خلاف نہیں کرتا ۲۱۸

اللہ تعالیٰ اپنے مصالح اور سنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے ۲۱۲

خدا کے کام تدریجی ہوتے ہیں ۳۴۰

ام الصفات ۳۷

صفات رب العالمین، رحمٰن اور رحیم ۲۱۳

صفت رحمانیت کی حقیقت ۳۶، ۳۷

رحمٰن اپنے اندر بشارت رکھتا ہے ۶۳۹

فیض ربوبیت ۳۵

خدا کی الوہیت اور ربوبیت ذرہ ذرہ پر محیط ہے ۱۶۵

وہی ہے جو ماں کے دل میں بھی محبت ڈالتا ہے ۳۲۸

الحی القیوم ۱۶۰، ۳۳۱

قادر و مقتدر خدا ۵۲۴، ۶۳۶، ۷۰۷

عالم الغیب ۴۳۸

لا تدرکہ الابصار ۱۹۸، ۱۹۹، ۳۳۵

ظہور اور غیوبت ۴۹۸

غنی و بے نیاز ۱۹۶، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۹۶

خود عدل ہے اور عدل کو دوست رکھتا ہے ۳۱۰

غیرت ۱۹۵

غیرت الٰہی کا ایک جلوہ ۲۰۲

خدا کی غیرت اور جلال کے خلاف ہے کہ ایک عورت کا بچہ خدا بنایا جائے ۷۶

نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے ۳۱۹

ہمیشہ صادقوں ہی کی نصرت اور تائید فرماتا ہے ۶۴۲

خدا کا فضل مستحدث نہیں ہوتا ۱۳۳

اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے ۲۲۲، ۶۵۷

بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم ۶۹

کن کا اطلاق ۳۳۶

خدا کا کلام کرنا ۶۳۱

کلام الٰہی کے بے مثل پہلو ۴۱

ہمارا خدا ناطق ہے اور ہماری دعائیں سنتا ہے ۷۱۰

اس نے اب بھی دنیا کو اپنے کلام سے منور کیا ہے ۷۸

اس وقت وہی خدا جو آدم پر ظاہر ہوا تھا..... وہی مجھ پر ظاہر ہوا ہے ۱۴۶

مومن کی جان لینے میں تردد ۴۸۳

اللہ کے قرض مانگنے سے مراد ۱۹۹

یاجوج و ماجوج کی اللہ سے جنگ سے مراد ۳۲۱

تعلق باللہ

جو (خدائی راہ) خلوص نیت سے ڈھونڈتا ہے وہ اس کو پالیتا ہے ۷۶

خدا بڑا خزانہ ہے۔ خدا بڑی دولت ہے ۵۶۰

اللہ کے حقوق میں سے سب سے بڑا حق اس کی عبادت ہے ۶۸

اللہ تعالیٰ کے جزا و سزا دینے کی قوت پر معرفت حاصل کرنے کی اہمیت ۱۱

اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ ہی گناہوں کا علاج ہے ۳

خدا تعالیٰ کا فیضان طرف اور استعداد کے موافق ہوتا ہے ۲۲۷

موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان کی کمی ۴۹۷

اللہ کا قرب پانے کی راہ ۷۰۳

محبت الٰہی کی حقیقت ۱۳۷

اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے اندر پیدا کرنے کا طریقہ ۶۲

مرضیٔ مولیٰ ۲۹۵

اللہ سے روٹھنا نہیں چاہئے ۲۸۴

انبیاء و رسل کا الٰہی آداب مدنظر رکھنا ۱۵۴

انسان کے خدا سے بُعد کی وجہ ۳۳۰

انسان کی لاتعلقی کا نتیجہ ۱۷

دیگر مذاہب میں اللہ کا تصور

مختلف مذاہب میں خدا شناسی کا معیار ۴۶۶

آریوں کے نزدیک خدا کا تصور ۳۵، ۸۸

☆ ☆ ☆

الہام نیز دیکھئے عنوان "وحی"

الہام اور وحی قطعی طور پر ایک ہی معنی رکھتے ہیں ۵۳۳

الٰہی اور شیطانی الہام میں فرق ۱۷۷

الہام یا کشف کے وقت غنودگی کی حالت ۶۶۱

قرآنی الفاظ میں الہام ہونے کی حکمت ۲۰۳

ہم قافیہ الہامات میں تعلق ۵۹۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فارسی زبان میں الہام ۵۹۸

عبداللہ غزنوی کا ایک الہام ۵۵۴

براہین احمدیہ میں مذکور الہامات ۲۱۴

اعجاز احمدی کے کئی اشعار الہامی ہیں ۵۰۵

مسیح موعود پر عربی زبان میں الہامات نازل ہونے کی وجہ ۵۹۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے لئے دیکھئے عنوان "غلام احمد قادیانی"

امانت

آنکھ، ناک، کان وغیرہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں ۴۰۳

امت

جس قدر کمالات اللہ تعالیٰ کسی نبی میں پیدا کرتا ہے اسی قدر اس کی امت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ۶۶۳

امتی وہی ہے جو آپ کی تعلیمات پر پورا کاربند ہے ۵۴۱

امت محمدیہ

دین کے معاملہ میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہئے جو مشترک امت کا ہے ۷۴

فتح اعوج کے لوگوں کو لیسوا منی و لست منھم کہا گیا ۱۰۶

خشک موحدین ۴۲

شیعہ اور غیر مقلدین کا نمازوں کے جمع کرنے کے متعلق مسلک ۴۵

امت محمدیہ کا مقام

امت محمدیہ کی شان ۲۰۲

امۃ وسطا ۲۹، ۱۷۹

امت محمدیہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں ۶۶۴

امت محمدیہ میں مکالمات کا دروازہ کھلا ہے ۳۹

امت محمدیہ کی امت موسویہ سے مماثلت ۳۶۱، ۳۶۵، ۷۰۸

امت کے بعض لوگوں کے یہودی صفت ہونے کی پیش خبری ۳۲، ۲۳۹، ۳۸۲

امت محمدیہ میں مسیح موعود کی بعثت

سورۃ فاتحہ سے ثابت ہے کہ آنے والا اسی امت سے ہوگا ۳۸۳

امت محمدیہ میں ایک مریم صفت انسان کے ظہور کی خبر جو ترقی کر کے عیسوی صفات سے متصف ہوگا ۶۶۸

سورۃ تحریم کی رو سے مسیح ابن مریم اسی امت سے ہوگا اور سورہ نور کی رو سے تمام خلیفے اسی امت سے ہوں گے ۴۷۱

مماثلت کی وجہ سے امت میں عیسوی بروز کا ظہور ضروری ہے ۱۶۸، ۳۶۱، ۵۸۳، ۶۶۵

اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کے نام پر مسیح کے نام سے آئے گا ۱۹۳، ۳۸۳

اس امت کے لئے مثیل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے چودھویں صدی پر مسیح موعود مبعوث کیا گیا ۱۰۲

محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر ہے ۲۹

☆ ☆ ☆

انجمن حمایت اسلام ۲۳۵

انجیل نیز دیکھئے عنوان عیسائیت ۴۲

انجیل کوئی شریعت نہیں بلکہ توریت کی شرح ہے ۶۶۶

دنیا کی تمام زبانوں میں تراجم ۳۵۰

ثقاہت

مسیح اپنی الگ انجیل کا ذکر کرتے ہیں ۹۸

اصل انجیل کا پتہ ندارد ہے ۱۰۲

ساتھ ستر اناجیل میں سے کون سی سچی ہے۔؟ ۳۰۳

ناقص ہونے کی دلیل ۵۶۶

تحریف

تحریف کے بارہ میں شکوک پہلے خود عیسائیوں میں پیدا ہوئے ۸۱

خود عیسائیوں کا اعتراف کہ اس میں بہت سا مواد الحاقی ہے ۱۴۷

"ابتداء میں کلام تھا" والی عبارتیں الحاقی ہیں ۴۲۷

پولوس جیسے مخالف مسیح کے خطوط اناجیل اربعہ میں شامل کئے گئے ہیں ۲۰۷

پطرس کی عمر کا مسئلہ اور انجیل کی تصنیف ۳۴

اناجیل نویسوں کی مبالغہ آمیزی ۱۴۳

تعلیم

توحید کی تعلیم ۹۸

باغ کی تمثیل اور اس کا مطلب ۵۹۲

متی ۲۱: ۴۳ کی ایک تمثیل کی تعبیر ۳۲۰

مسیح موعود کے زمانہ میں طاعون پڑنے کی پیشگوئی ۱۸۶

تعلیم میں تفریط ۲۸

ناقص اور ناقابل عمل تعلیم ۸۷، ۱۷۹

محل اور موقع شناسی کے مطابق تعلیم نہیں دیتی ۸۶

انسان کی کل قوتوں کی مربی نہیں ہو سکتی ۸۶

صرف دعوے ہی دعوے کرتی ہے ۱۸۱

یسوع کی خدائی کو رد کرتی ہے ۹۳، ۱۰۱

یونی ٹیرین فرقہ کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ اناجیل میں تثلیث کی صراحت نہیں ۹۳

اناجیل کی رو سے مسیح کے ناقص اخلاق ۱۲۰

انجیل میں مندرج واقعات سے بھی ثابت ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے ۷۶

مذہبی آزادی کے بارہ میں کوئی ذکر نہیں ۶۵۴

حق بات کے بیان میں سختی اور مرارت ۱۶۱

حقوق العباد پر پانی پھیر دیتی ہے ۸۷

طلاق کے متعلق انجیل کی تعلیم واقعات اور ضرورت کے مطابق نہیں ۳۰۲

قرآن کریم اور انجیل

قرآن مجید کے مصدق ہونے کا مطلب ۴۲۵

سورۃ اخلاص اس پر بھاری ہے ۱۳۶

قرآن کریم سے موازنہ ۶۶۳

انسان

پیدائش کے اسرار ۶۲۴

پیدائش کی اصل غرض یہ ہے کہ
انسان خدا کے لئے ہو جائے ۵۶'۱۷
اسے حقیقت شناس اور حق پرست
ہونا چاہئے ۲۴
در اصل انسان (دو محبتیں) ہے ۲۸۸'۵
انسانی پیدائش کے مراتب ستہ ۱۲۳
انسانی روح کی عظیم قوتیں ۸۸
انسان میں عقل کے علاوہ اور بھی
حواس ہیں ۵۹۳
بچپن کی تیز قوتیں ۲۴
انسانی فطرت میں تنوع ۱۵
انسانی قویٰ کی انفرادی صورتیں ۲۳
انسان کی کوئی طاقت اور قوت فی ذاتہ
بری نہیں ۸۷
انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ سچی
معرفت نقصان سے بچاتی ہے ۴
انسانی فطرت کا ایک نقش قصاص ہے ۱۸
انسان کے دو وجود ۵
نیکی اور بدی کے رجحانات کے متعلق
انسانی فطرت ۶۰۰
انسان کے اندر ملکی اور شیطانی
تحریکات ۳۴۰
می تواند شد مسیحا می تواند شد خرے ۶۷۸
ابتداء میں مہذب تھا پھر وہ وحشی بنا ۳۴۲
بہائم سیرت انسان ۶۷۷
خدا سے بعد کی وجوہات ۳۳۰

انشراح

منکروں کے واسطے بھی دعا کی جائے
اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا
ہوتا ہے ۶۹

انصاف

تمام قویٰ کا بادشاہ ہے ۲۴
اللہ تعالیٰ بعض اوقات انصاف پسند
کافر کو ظالم کلمہ گو کے مقابلہ میں پسند
کرتا ہے ۵۵۵

انکسار

فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا انکسار ۴۰۴

انگریز ۱۲۶'۶۷۰

انگریز مصنفین کا اعتراف کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں
کمال ایثار و اطاعت پیدا کی ۱۱۵'۱۱۶
برٹش گورنمنٹ اور رومی گورنمنٹ
کی مماثلت ۳۶۳
انگریز گورنمنٹ میں مذہبی آزادی اور
عدل و انصاف کی تعریف ۱۲۵'۲۹۲'۵۵۵
انگریزی تعلیم حاصل کر کے نوکریاں
حاصل کرنا قوم کو غلام بنانے کی تدابیر
ہیں ۳۴۳
اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا
دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے
تبلیغ کریں ۲۱۹

اہل حدیث

اس زمانہ میں اہلرا مقابلہ اہل حدیث
سے ہوا ہے ۲۰۳

ایمان

در حقیقت نجات ایمان سے ہے ۳۱۴
ایمان صراط مستقیم سے وابستہ ہے ۲۱۱
ایمان اعمال صالحہ کی قوت اور گناہ سوز
فطرت عطا کرتا ہے ۲۲۸
ایمان کی تکمیل کے دو پہلو ۱۱۸
ایمان باللہ کے مدارج ۶۰۷
مومنین کے تین طبقات ۱۸۱
اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تین
صورتیں ۱۵۶
اعمال صالحہ سے تعلق ۴۱
ایمان لانے میں حسن ظن اور صبر و
استقلال کی ضرورت ۵۳
خدا تعالیٰ پر بصیرت کے ساتھ ایمان
قائم کرنے کے لئے صحبت صادقین کی
ضرورت ۲۲
یہ عادت اللہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور
مخفی رکھا جاتا ہے کہ ایمان بالغیب کی
حقیقت رہے ورنہ پھر ایمان پر ثواب
کیا مرتب ہو ۱۰۷'۵۹۸'۶۱۳
کوئی ایمانی امر ایسا نہیں جس میں
حقیقت اور فلسفہ نہ ہو ۱۰۷
مشہورات و محسوسات سے ایمان کی
تقویت ہوتی ہے ۳۰۷
ایمان کی تکمیل کے لئے ابتلا ضروری
ہیں ۲۹۸'۳۰۷'۳۰۹
سچے مومن اور مسلمان کی ترقیات کا
آخری نقطہ ۶۲
مومن اگر اپنی ترقیات کے لئے سعی
نہ کرے تو وہ گر جاتا ہے ۱۴۱
ایمان عرفان میں کیسے تبدیل ہوتا ہے ۶۴۰
باغ سے مثال ۲۰
مومن کو خدا رسوائی کی موت نہیں
دیتا ۴۷۴
سلب ایمان کی وجوہات ۳۶۶
اللہ پر ایمان نہ ہونے کی علامات ۳۳۰

ب

بائبل

لاتصدقوا و لاتکذبوا۔ نہ
اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب
(حدیث) ۳۷۳
استثناء کی پیشگوئی کے مطابق مثیل
موسیٰ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ہیں ۳۶
تورات کی پیشگوئیاں تثلیث کو ثابت
نہیں کرتیں ۹۴
قرآن کریم سے موازنہ ۱۸۱

بدظنی

اس سے حبط اعمال ہوتا ہے ۳۹۴
انسان ایک آدمی کو بدخیال کرتا ہے
اور پھر خود اس سے بدتر ہو جاتا ہے ۵۶۸

بدعت

سنت اور بدعت میں فرق ۳۸۹
نماز میں تعدیل ارکان ملحوظ نہ رکھنا بدعت ہے ۳۴۵

بدھ مذہب

دراصل سناتن دھرم کی شاخ ہے ۲۳۵

برزخ

اصل حساب کتاب برزخ میں ہو جائے گا ۶۳۸
کتا ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں ۶۴۱

بروز

بروز کی حقیقت ۳۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزی ظہور ۶۵، ۱۸۹

برہمن

لکھا ہے کہ برہمن مصری اس لئے کہلاتے ہیں کہ یہ مصر سے آئے تھے ۴۱۹

برہمو سماج ۵۷۹

اللہ کی ربوبیت تامہ کے منکر ہیں ۳۶
برہموؤں کے سوچنے کا ایک نکتہ ۷۱۳

بلاغت

بلاغت کا کمال ۴۸۰

بہشت نیز دیکھئے جنت

بہشتی زندگی ۲۵۶
حقیقی بہشت ۱۳۴
یورپ کی پر آسائش زندگی بہشت نہیں ۲۵۴
بہشت کی کلید تقویٰ ہے ۲۵۴

بہشتی مقبرہ

قیام کے متعلق حضرت اقدس کی رؤیا ۵۲۷
جو اس میں دفن ہو گا بہشتی ہو گا ۵۲۷

بے تکلفی

مہمان آرام وہی پا سکتا ہے جو بے تکلف ہو ۸۰

بیعت

بیعت بازیچہ اطفال نہیں ہے ۲۵۷
بیعت کے تقاضے ۳۹۷
بیعت اگر دل سے نہیں تو کوئی نتیجہ اس کا نہیں ۱۴۴
اوائل عمر کی بیعت ۵۳۱
سید ہو کر امتی کی بیعت ۲۶۰

پ

پیشگوئی

ہستی باری تعالیٰ کا ایک ثبوت ۵۹۳
غیر ہادی عالم کا ایک مظہر ۶۲۲
پیشگوئیوں کے اسرار ۶۳۳
نبی اور نجومی کی پیشگوئی میں فرق ۳۳۸
وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے ۴۷۷
پیشگوئی کا جس قدر تکرار ہو گا وہ ایک نیا نشان ہو گا ۳۳۸
پیشگوئیوں میں صراحت نہیں ہوتی ۳۷۶
سمجھنے میں احتیاط کی ضرورت ۶۷۱
پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارات کا استعمال ۳۷۱، ۳۷۹
ظاہر الفاظ پر حمل کرنے کا نتیجہ ۳۸۱
اگر پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہو جائے گا ۳۷۲
ایسا زبردست نشان ہے جو ہر زمانہ میں قابل عزت سمجھا جاتا ہے ۸۴
پیشگوئیاں ایمان کو قوی کر کے عرفان بنا دیتی ہیں ۶۴۰
آج اسلام کے سوا کسی مذہب کا قیم پیشگوئیاں کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۳۳

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

قرآن کریم عظیم الشان پیشگوئیوں پر مشتمل ہے ۱۸۰
قرآن کریم کی جلیل القدر پیشگوئیاں ۳۱
سورۃ یوسف کا سارا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور پیشگوئی بیان ہوا ہے ۳۲
موجودہ زمانہ کے متعلق قرآن کریم کی پیشگوئیاں ۶۷۳
ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کے واقعہ میں اس زمانہ کے متعلق پیشگوئی تھی ۱۷۵
اذا العشار عطلت کی پیشگوئی کا ظہور ۲۸۹
اذا النفوس زوجت کی پیشگوئی پوری ہو گئی ہے ۳۴۹
قرآن مجید میں طاعون کی پیشگوئی ۲۱۶
سلسلہ احمدیہ کے متعلق قرآن کریم کی پیشگوئیاں ۳۲

آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیاں

صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر اپنی معرفت اور ایمان میں ترقی دیکھتے تھے ۴۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیشگوئیاں اب پوری ہو رہی ہیں اس کی خبر صحابہ کرام کو ملتی ہے ۲۷۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ایک صحابی کو سونے کے کڑے پہنانا ۴۷، ۵۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان پیشگوئیاں ۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بی بی فوت ہوں گی اور یہ پیشگوئی حضرت زینب پر پوری ہوئی ۳۷۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروزی آمد کی پیشگوئی ۴۱
امت کے بعض لوگوں کے یہودی صفت ہونے کی پیشگوئی ۲۳۹
خسوف و کسوف کی پیشگوئی کا ظہور ۲۷۵
تجمع له الصلوة کی

عظیم الشان پیشگوئی کا پورا ہونا ۴۵، ۲۷۳
مسیح موعود مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے کی پیشگوئی کا پورا ہونا ۴۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی تکذیب ۳۸۴

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں

مسیح موعود علیہ السلام کی سینکڑوں پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۳۳
اعجاز احمدی میں بہت سی پیشگوئیاں بھی ہیں ۵۵۶
جماعت کی ترقیات کی پیشگوئیاں ۲۷۳، ۳۴۰، ۵۷۱
خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا امر عنقریب ظاہر ہونے والا ہے جس سے حضرت اقدس کی سچائی کا اظہار ہوگا ۶۲۶
اللہ تعالیٰ خاص تصرفات زمین پر کرنا چاہتا ہے ۵۱۳
سہ سالہ پیشگوئی سے مراد ۳۹۶
عمر کے متعلق پیشگوئی ۲۷۲
اسی برس کے قریب عمر کی پیشگوئی کوئی مفتری نہیں کر سکتا ۶۴۲
لیکھرام والی پیشگوئی میں وقت، تاریخ اور قتل کی طرز کا صفائی سے ذکر ہے ۴۲۸
لیکھرام کے متعلق پیشگوئی کے الفاظ تفتیش کرنے والے حکام پر شک و شبہ کو دور کر دیتے تھے ۶۳۴
عبد اللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی کی تفصیل ۴۷۸
پیشگوئیوں کے مطابق آتھم کی ہلاکت ۳۴۱
بائیس برس تک طاعون پھیلنے کی پیشگوئی ۴۰۶
سارے پنجاب میں طاعون پھیلنے کی قبل از وقت خبر ۶۳۸
طاعون کی عظیم الشان پیشگوئی کے نتیجہ میں دس ہزار افراد داخل سلسلہ ہوئے ۳۹۶
پیشگوئیوں کے نقشہ کی تیاری کا حکم ۳۴۱
ہم حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ موت کی پیشگوئی نہ کریں گے ۵۶۵

متفرق

مسیح موعود کے وقت شدت سے طاعون پھیلنے کی پیشگوئی سارے نبی کرتے آئے ہیں ۱۸۶، ۳۴۲
بائبل کی کتاب استثناء کی پیشگوئی مثیل موسیٰ کا مصداق ۳۶
ارض مقدس کی وراثت کے متعلق پیشگوئی ۴۵۲
یسوع کی اقتداری پیشگوئیاں پیش نہیں کی جا سکتیں ۱۴۸
مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں کا معیار ۹۶
وید میں کسی پیشگوئی کا ذکر نہیں (دیانند) ۸۸
جان الیگزینڈر ڈوئی کا مخالفین کی تباہی کی پیشگوئی کرنا ۲۳۴، ۲۳۶

پل صراط ۴۴

ت

تبتل

اہمیت ۲۹۳
(جماعت میں) تبتل الی اللہ خاص رنگ کا ہو ۶۷

تبلیغ

آداب تبلیغ ۱۶۱
اس زمانہ میں تبلیغ کے سامان ۴۹

تثلیث نیز دیکھئے عیسائیت

ایک لایعقل عقدہ ۶۰
عیسائیوں کا اعتراف کہ جہاں تثلیث نہیں پہنچی وہاں توحید کا مطالبہ ہوگا ۴۴۹
تثلیث کی جڑ دمشق ہے ۵۷۱
عقیدہ تثلیث کا رد ۷۴
یہود کبھی تثلیث کے قائل نہ تھے ۸۳

تجارت

سب سے عمدہ تجارت دین کی ہے ۱۴۲

تجلیات

تجلیات کی کلید ۶
خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کی پکار سے انسان کی اندرونی تاریکیوں کو دور فرماتا ہے ۱۵
خدا تعالیٰ کی جلالی تجلیات ہی سے انسان گناہ سے بچ سکتا ہے ۹، ۸

تحدیث نعمت

ضروری ہے ۳۹۳
آداب اور طریق ۳۸۶

تحریف

قرآن مجید کی معنوی تحریف ۳۹۸

ترک (قوم)

ارض مقدس کو ترکوں سے خریدنے کی تسلیم ۴۵۱

تزکیۂ نفس

فلاح وہی پاتا ہے جو اپنا تزکیہ کرتا ہے ۷۰۱
بلاقوت اللہ تعالیٰ ہرگز ممکن نہیں ۶۵۷

تصوف

کامل مظہر لاہوت و ناسوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۱۷۰
بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے بڑھ کر ہے ۲۶۱
سالک اور مجذوب میں فرق ۴۱۰
وہ مقام جہاں سلوک ختم ہوتا ہے ۵۶۰
فقر کامل نہیں ہوتا جب تک محل اور موقع کی شناخت نہ ہو ۱۶۷
تارک الدنیا ہونا کمزوری ہے ۲۲۱
مسئلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود ۲۳۰، ۳۳۲
وجودی فرقہ کی حالت۔ دہریت اور

اباحت ۳۳۴، ۵۴۴، ۵۵۷، ۷۰۰
صوفیا نے لکھا ہے کہ ماہ رمضان تزکیہ
قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے ۵۶۱
صوفی کہتے ہیں کہ انسان نجات نہیں پا
سکتا جب تک اس پر بہت سی موتیں
نہ آئیں ۶۵۴
(ہماری جماعت کے) یہ لوگ سالک نہ
ہوئے مجذوب ہوئے ۵۲۵

تصویر

اس کی حرمت اضافی ہے ۱۷۱
انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی تصاویر ۱۷۲

تعبیر

خواب کی تعبیر ہر شخص کی حیثیت اور
حالت کے لحاظ سے ہوتی ہے ۳۱، ۶۳۳
تعبیر رؤیا میں ناموں کا دخل ۳۳
ہمسایوں کو بری صورت میں دیکھنے
والے اپنی پردہ دری کرتے ہیں ۳۳۷
لمبے ہاتھوں والی سے مراد نحی ۳۷۱
گائے ذبح ہونے اور سونے کے کڑوں
کی تعبیر ۳۷۲، ۶۳۳
مسیح کو رؤیا میں دیکھنے کی تعبیر ۲۹۴
خواب میں نماز پڑھنے اور شیرینی
کھانے کی تعبیر ۳۳۳
خواب میں تبت یدا ابی لھب
پڑھنے کی تعبیر ۳۳۳
بجلی چمکنے کی تعبیر آبادی ہے ۵۷۴
مرنے کی خبر کی تعبیر ۶۵۳
مردوں کے قبروں سے نکلنے کی تعبیر ۴۰۵
فتنہ۔ قیامت کی خبر سننا ۶۵۸
عورت سے مراد دنیا ہے ۳۲۰
انگوٹھی کی تعبیر ۳۲۸
دریا اور اباجیل کی تعبیر ۶۵۴
رات کو ہاتھی دیکھنے کی تعبیر ۴۸۴
مطبخ ہاتھی اور بینی روئی کی تعبیر ۵۸۲
دشمن سے بھاگنے کی تعبیر ۶۱۲
خواب میں گالیاں دینے کی تعبیر ۵۰۹
کتے اور انڈے کی تعبیر ۶۳۱

تعدد ازدواج

عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب ۷۳، ۱۲۳
کرشن کی کئی ہزار بیویاں تھیں ۳۲۵

تفسیر

اوی۔ معنی اور حقیقت ۵۳۱
اکمہ کے معنی شب کور کے ہیں ۱۰۱
بلغ اشدہ سے مراد ۴۳۲

تقدیر

زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک
آسمان پر تحریک اور مقدر نہ ہو ۴۹۵

تقریر

منفقیانہ طریق کو چھوڑ کر عارفانہ تقریر
کا پہلو اختیار کرنا چاہئے ۳۱۴

تقویٰ

اسلام کا کمال تقویٰ ہے جس سے
ولایت ملتی ہے ۳۸۶
تقویٰ ہی مدارج عالیہ کا باعث ہوتا ہے ۲۶۱
بہشت کی کلید تقویٰ ہے ۲۵۴
تقویٰ کے سرے ملائکہ بھی آگاہ
نہیں ہوتے ۱۷۸
اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی معزز و مکرم
ہے جو متقی ہے ۱۷۷، ۲۸۵، ۶۰۳، ۶۴۹
اللہ تعالیٰ متقی اور اس کے غیر میں
فرقان رکھ دیتا ہے ۶۴۸
دینی امور میں جب تک تقویٰ نہ ہو
روح القدس سے تائید نہیں ملے گی ۳۳۱
کوئی علم بدوں تقویٰ کے کام نہیں دیتا
اور تقویٰ بدوں علم کے نہیں ہو سکتا ۲۸۲
صادق کے ساتھ رہو کہ تقویٰ کی
حقیقت تم پر کھلے ۷۱۷
حقیقی متقی ۶۸۰
تقویٰ کے ثمرات ۵۵۸
متقی کے لئے مصائب ترقی کا باعث
ہوتی ہیں ۱۵۲
تقویٰ کی ضرورت ۶۴۷

تکبر

علو اور تکبر ۴۰۴

تکذیب

جب تک مکذب نہ ہوں تو پھر مصدق
کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے ۴۸۰

تمثل

رؤیا میں اللہ تعالیٰ کا تمثل دیکھنا ۶۲۸

تمدن

تمدنی زندگی اور روحانی زندگی کی
ترکیب و صورت ۸۶
تمدن کے قیام کے لئے قصاص کی
اہمیت ۱۸

توبہ

توبہ کی حقیقت ۱۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی
کے ہاتھ پر توبہ نہیں کی جب کہ عیسیٰ
علیہ السلام نے یحییٰ کے ہاتھ پر گناہوں
سے توبہ کی ۵۶۶
میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو
چاہتا ہے ۱۹۳
اس وقت مفید ہوتی ہے جب کہ خدا
کا عذاب نہ آگیا ہو ۳۹۷
طاعون سے بچنے کا علاج توبہ و استغفار
ہے ۱۸۳

توحید

توحید کی حقیقت ۱۳۶
موحد کی تعریف ۵۸
کربوبیت میں ایک وحدت ہوتی ہے ۷۵
خالص توحید اسلام نے سکھائی ۱۸۸
تورات، اسلام، کانون قدرت اور
باطنی شریعت توحید کی شہادت دیتے
ہیں ۹۲، ۹۸
باطنی شریعت بجائے خود توحید چاہتی

ہے ۷۵

توحید کی تکمیل کے لئے محبت الٰہی لازمی جز ہے ۱۳۷

توحید کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک عبادات کی بجاآوری نہ ہو ۵۹

قیام توحید کے لئے ضروری امر ۱۳۸

خدا کی توحید قائم کرنے کے لئے تبلیغ و اشاعت کی کوشش میرا اول فرض ہے (مسیح موعود) ۲۳۵

خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے کے لئے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے ۶۶

(جماعت میں) توحید کے اقرار میں خاص رنگ ہو ۶۷

توحید کا استیصال کرنے والے امور ۵۸

مسلمانوں کا مسیح میں خدائی صفات ماننا توحید کے منافی ہے ۲۳۶

وحدت وجودی اور وحدت شہودی ۲۳۰، ۲۳۲، ۳۳۴

توریت ۵۰۷

تعلیم میں افراط ۲۸

جھوٹا نبی صلیب پر لٹکایا جاتا ہے ۴۱

تورات میں ہے کہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے ۴۳

مخالفین کے خلاف جنگ میں تشدد کی تعلیم ۷۱

توریت میں تثلیث کا کوئی نشان نہیں ۷۴

ث

قرآن کریم سے موازنہ ۲۳۳

ہم قرآن کے ذریعہ توریت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں نہ کہ توریت کے ذریعہ قرآن کی اصلاح ۲۱۷

سورۃ اخلاص تورات کے دفتر پر بھاری ہے ۱۳۶

توسل

دعائیں زندوں کا توسل جائز ہے ۵۳۰

توفی

یہ لفظ اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ ثابت کیا جائے کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے ۱۲۶

توکل

توکل کی حقیقت ۵۷

برتوکل زانوے اشتر بند ۱۸۲

توکل اور علاج متضاد نہیں ۴۰۶

دعوت الی اللہ کا کام توکل سے ہوتا ہے ۲۸۷

توکل کرنے والے کا کفیل اللہ تعالیٰ ہوتا ہے ۲۵۲

تہجد

ہماری جماعت کو چاہئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کرلیں ۱۸۲

ج

جبر

ہر مذہب میں ایک قسم کا جبر روا ہے ۱۸۱

جبر و قدر

مسئلہ جبر و قدر ۱۶۵

اس مسئلہ کو اپنی خیالی اور فرضی منطق کے معیار پر کسنا دانشمندی نہیں ۱۶۷

جرأت

دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے ۹۰

جزاء و سزا

جزاء و سزا کے قانون کی حقیقت ۱۶

جسم اور روح دونوں شامل ہیں ۴۰۴

جماعت احمدیہ دیکھئے زیر عنوان "احمدیت"

جمعۃ المبارک

مہدی کا زمانہ ایک عظیم الشان جمعہ ۱۳۴

جمعہ کی تعطیل کے متعلق میموریل پیش کرنے کی تجویز ۵۳۵

جنت

جنت و دوزخ کی حقیقت ۱۹، ۱۴۳، ۶۳

نعماء جنت کی حقیقت ۲۰

بہشت جسمانی ہے یا روحانی ۴۰۷

کوئی نہیں جانتا کہ کیسی کیسی قرۃ اعین ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے ۶۳۹

بہشت میں ہر روز ایک تجدد ہوتا رہے گا ۶۳۹

دو جنتوں سے مراد ۱۴۳

دنیا کی جنت ۵۵۹

انسان کے اندر سے ہی نکلتی ہے ۲۱

جن

اس پر ہمارا ایمان ہے عرفان نہیں ۵۴۰

جن وہ ہے جو چھپ کر وار کرے ۱۴۴

بھلا جن کو مرگی سے کیا تعلق ۱۰۱

جہاد

مسیح موعود کا کام جہاد کے غلط خیال کی اصلاح ہے ۱۰۲

جہاد کے بارہ میں ملانوں کا غلط تصور ۱۳۰

سرحدی مفسدوں کو غازی کہنا نادانی اور جہالت ہے ۱۴۹

جہاد کے نام پر واردا تیں ۳۶۸

اسلامی جہاد پر اعتراض کا جواب ۱۳۱

اس وقت دین کے لئے تلوار اٹھانا حرام ہے ۵۴، ۳۶۸

یہ وقت بھی ایک قسم کے جہاد کا ہے ۵۱۰

دین کے کاموں کے لئے رات کو جاگنا بھی جہاد ہے ۶۹۱

جہالت

ج ج ایک موت ہے ۲۲۳

جہنم

جہنم اور جنت کی حقیقت ۱۹، ۱۴۳

دوزخی اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے ۶۳۹

جھوٹ

ایک نجاست ۴۲۱

ح

حج

فرضیت کی شرائط ۵۹

محبت کی حالت کے اظہار کے لئے ۴۲۵

مسیح موعود علیہ السلام کے حج نہ کر سکنے کا جواب ۲۸۳

حرمت

حرمت کی دو قسمیں ۱۷۲

حسنات

حسنات دنیوی و حسنات اخروی ۶۰۰

حسن ظن

افادیت ۱۰۷

حشر

کیفیت ۶۳۶

حشر کے جسم کی ماہیت ۶۳۸

حفاظت

حفاظت الٰہی کا سر ۵۶۵

حفظ مراتب نیز دیکھئے عنوان "ادب" ۲۶۳

حق (حقائق)

حق کی شناخت کے نشان ۸۲

طلب حق کے لئے ضروری امور ۴۶۵

طالب حق کا فرض ہے کہ جو بات دل میں ظلمان کرے اسے فوراً پیش کرے ۹۱

حق (حقوق)

انسان کے ذمے اللہ کے دو حق ۴۲۴

حقوق اللہ اور حقوق العباد ۶۸، ۸۵

اللہ کے حقوق میں سب سے بڑا حق اس کی عبادت ہے ۶۸

بنی نوع انسان کے حقوق کی نگہداشت کی اہمیت ۶۸

حقوق اخوان میں خاص رنگ ہو ۶۷

جو مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ۱۹۵

حکمت

جس نے حکمت ایمان نہیں پڑھی وہ مرد پرست ہی رہا ۲۲۲

حواری

حواریوں کے ایمان کا معیار ۹۸، ۱۰۶، ۳۴۳

حواریوں کی اخلاقی اور روحانی حالت ۶۰

ضعیف الاعتقادی اور بے وفائی ۱۵۹، ۳۶۱

ایک گاؤں کا انتظام بھی نہ سنبھال سکتے تھے ۱۱۶

صحابہ کرام سے موازنہ ۱۱۳

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان پر فضیلت ۲۴۵

حواس

حواس صرف ظاہری ہی نہیں۔ انسان کے اندر بھی حواس ہوتے ہیں ۵۹۳، ۶۱۱

حیا

ولد الزنا میں حیا کا مادہ نہیں ہوتا ۴۷۹

حیات مسیح نیز دیکھئے عنوانات وفات مسیح اور عیسیٰ بن مریم

اس عقیدہ نے لاکھوں لوگوں کو مرتد کر دیا ہے ۱۸۷

حدیث

حدیث کی تعریف

حدیث، سنت اور تعامل ۲۴۸، ۳۷۸، ۳۴۵

ان میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے ۳۷۲

صحت احادیث

یہ مسلم مسئلہ ہے کہ اہل کشف یا اہل الہام لوگ محدثین کی تنقید حدیث کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے ۳۴۵، ۳۷۸

صاحب الہام یا اہل کشف صحیح حدیث کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح قرار دے سکتا ہے ۵۱۶

صاحب الہام براہ راست احادیث کی صحت کر لیتے ہیں (مولوی محمد حسین) ۴۴۸

مقام حدیث

مقام حدیث ۳۷۰

مقام حدیث کے بارہ میں افراط و تفریط ۳۴۴

حدیث کے متعلق مولوی عبد اللہ چکڑالوی کا مذہب ۳۴۸

حدیث کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک

حدیث کے متعلق ہمارا مذہب ۳۷۳

قرآن کریم پر حدیث کو مقدم نہ کیا جائے ۱۷۲، ۱۷۳

ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہی رہا ہے کہ جو قرآن اور سنت کے خلاف نہ ہو وہ اگر ضعیف بھی ہو تب بھی اس پر عمل کرنا چاہئے ۳۴۵، ۳۴۹، ۳۷۸، ۳۸۴، ۴۴۵، ۴۵۶، ۴۳۶

اگر حدیث ضعیف بھی ہو مگر اس کی پیشگوئی پوری ہو جائے تو وہ صحیح ہوتی ہے ۳۸۴

مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ حدیث (لا مهدی الا عیسٰی) صحیح ہے ۴۵

یضع الجزیة کی بجائے یضع الحرب درست ہے (مسیح موعود) ۵۲

متفرق

جامع صحیح بخاری میں برکت اور نور

ہے ۲۴۸
ظہور مہدی سے متعلق احادیث کا مرتبہ ۳۹۵
مولوی محمد حسین مہدی کے متعلق تمام احادیث کو مجروح قرار دیتا تھا ۴۲۰

اس جلد میں مذکور احادیث

اللہ اللہ فی اصحابی امامکم منکم ۶۰ ۲۶۵، ۳۸۳، ۳۶۵، ۴۴۴
انتم اعلم بامور دنیاکم ۴۸۸
انما الاعمال بالنیات ۳۴۲، ۳۹۰، ۳۸۶، ۱۷۲
تجمع لہ الصلوۃ ۴۵، ۲۷۳
تخلقوا باخلاق اللہ ۶۱
الدنیا سجن للمومن ۵۵۹
طلوع الشمس من مغربہا ۵۲۵
فامکم منکم ۴۴۳
فانہم قوم لایشقی جلیسہم ۶۹
کان اللہ و لم یکن معہ شیی ۳۳۴
لاتصدقوا و لاتکذبوا اہل کتاب کی کتب کے متعلق ۳۷۳
لارہبانیۃ فی الاسلام ۷۰۰
لامہدی الا عیسٰی ۴۵، ۲۴۳، ۴۷۰
لیترکن القلاص ۳۹۵
لیسوا منی ولست منہم ۶۷، ۱۰۶، ۱۸۹
ما من داء الا لہ دواء ۵۳۸
من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ۲۱۹، ۵۴۰
من تشابہ بقوم فہو منہم ۶۷۰
من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاہلیۃ ۳۴۵
یاتی علی جہنم زمان لیس فیہا احد ۳۴۹
یضع الحرب ۳۲۰، ۳۳۴، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹

احادیث بالمعنی

مسیح موعود مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے ۴۸۵
مسیح موعود کے وقت میں عمریں بڑھا دی جائیں گی ۲۸۳
آنے والے موعود کے وقت دنیا ظلم اور جور سے بھری ہوئی ہو گی ۳۴۳
آخر زمانہ میں لوگ خدا سے لڑائی کریں گے ۴۱۱
دجال کے اثر سے بچنے کے لئے سورۃ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھو ۳۵۴
درجہ اس سے ملتا ہے جو دل میں ہے نہ کہ صوم و صلوٰۃ سے ۴۳۰
جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اس سے کہتا ہوں کہ میرے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ ۶۸۱
اللہ تعالیٰ مومن کا ہاتھ، آنکھ اور کان ہو جاتا ہے ۶۸۱
تم سب اندھے ہو مگر جس کو خدا آنکھیں دے۔ تم سب بہرے ہو مگر جس کو خدا کان دے ۳۳۱
خدا کے گاہیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ دیا..... ۱۹۷
مومن کی جان لینے میں مجھے تردد ہوتا ہے ۱۹۹
اگر مومن ہو کر طاعون میں مرجائے تو شہادت ہے ۳۵۵
اپنے خواب سچا کرنے کی کوشش کرو ۴۷
ایک صحابی کا مکان بنوا کر دریچہ رکھنا ۶۰۳
ایک نجی کے اسلام لانے کا واقعہ ۳۰۰
کوئی انسان مس شیطان سے خالی نہیں ۵۹۰

خ

خاتم الخلفاء

چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہونا تھا ۳۴۴
اس کے ذریعہ بغیر جنگ و جدال کے اسلام کا غلبہ ہو گا ۳۲۰
محمدی سلسلہ اور موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کا موازنہ ۲۹۱

خاتم النبیین

یعنی آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہو سکتی ۳۱۴
غیر امتی نبی کے آنے میں مانع ہے ۴۰۰
فارسی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ختم نبوت کا بیان ۵۳۳

خارجی

خارجی کے آگے رافضی نہیں ٹھہرتا ۶۷۹

خانہ کعبہ

اللہ تعالیٰ کا گھر مفسد کو پناہ نہیں دیتا ۲۱۰

خارق عادت

خارق عادت اور قانون قدرت کے خلاف ہونے میں فرق ۴۴۸

خسوف و کسوف

پیشگوئی کا ظہور ۲۷۵

خشیت

خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت ہی گناہ سے روک سکتی ہے ۲۶۷

خفا

ایمانیات میں خفا کا فلسفہ ۱۰۷

خلافت

خلیفہ کے معنی اور تعریف ۲۲۶
خلیفہ جو ہوتا ہے وہ آسمان سے ہوتا ہے ۶۳۳
رسالت کی بھی خلافت حاصل کرنے والے وہی ہوتے ہیں جو سابق

باطنیات ہوتے ہیں ۴۴
آیت استخلاف میں امت کے لئے
وعدہ خلافت ۳۶۱، ۳۶۵، ۳۸۲، ۳۸۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
موسوی خلفاء کی طرح سلسلہ خلافت ۳۸۳
خاتم الخلفاء نے چھٹے ہزار کے آخر میں
پیدا ہونا تھا ۳۴۴
محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء مسیح کے
رنگ پر ہوگا ۱۹۳، ۲۶۵
چودھویں صدی میں ایک خاتم الخلفاء
کی ضرورت ۳۶۹

خلق (پیدائش)

عالم کشف ایک قسم کا تمثیلی خلق ۴۴
خلق اور خلق ۶۹

خلق / اخلاق

خلق کی تعریف ۸۷، ۶۹
خلق عظیم کیا ہوتا ہے ۳۳۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
اخلاق عالیہ ۶۱

تخلقوا باخلاق اللہ

غایت کرنے کے لئے آتے ہیں ۸۷

تخلقوا باخلاق اللہ کی

تعلیم کا خلاصہ ۶۹
اخلاقی معجزہ کا مقابلہ دوسرے معجزات
نہیں کر سکتے ۳۴۲
سب سے پہلا معجزہ یہ ہے کہ انسان
پاک دل ہو ۵۱۹
اخلاق الٰہیہ اور اخلاق عالیہ اپنانے کی
تعلیم ۲۶۲
سچے اخلاق اور اخلاقی جرأت کا تقاضا ۴۴
بے تعلق ہونے سے اخلاق کے
سارے شعبے مکمل نہیں ہوتے ۲۸۹
مخالفین سے سلوک کی حدود ۲۶۳
اناجیل کی رو سے مسیح کے ناقص
اخلاق ۱۴۰

خناس

ضالین سے تعلق ۱۷۰

خواب نیز دیکھئے "رؤیا اور تعبیر الرؤیا" کے عنوانات

خواب کی تین اقسام ۶۵۳
اپنے خواب کو بھی سچا کرنے کی
کوشش کرو (حدیث) ۴۷
ہر شخص کی خواب کی تعبیر اس کی
حیثیت اور حالت کے مطابق ہوتی ہے ۴۱

خوارج

حضرت علی کو گالیاں دیتے ہیں ۳۳۰

خودکشی

ضعیف اعتقادی اور پست ہمتی کی علامت
ہے ۴۵۳
مذہب کی موت اور کمزوری کی دلیل ۱۴۹
ایک مومن کبھی خودکشی نہیں کر سکتا ۲۴۰

خیر القرون

خدا تعالیٰ کی منشاء ہے کہ پھر خیر القرون
کا زمانہ آجائے ۶۷

د

دابۃ الارض

ایک معنی طاعون کے جراثیم ۱۳۱، ۴۱۸، ۴۵۵
اس زمانہ کے علماء ۱۳۰، ۱۳۱، ۳۵۳
یہ مسلمان دابۃ الارض ہیں
اس لئے اس کے مخالف ہیں جو آسمان
سے آتا ہے ۱۴۳

دار النعیم

۵۵۹

دجال

قرآن مجید میں فتنہ دجال کا ذکر ۲۱۸، ۳۵۱
قرآن میں اس کا ذکر ضالین کے الفاظ
میں ہے ۳۸۲
آخر قرآن شریف میں ذکر ۳۲
خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرے گا ۵۱۲
اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہیں ۵۰۷
لکھا ہے کہ حرمین کے سوا اس کا دخل
ہر جگہ ہوگا ۳۵۱
اسے رتی بھر اختیار نہ ہوگا صرف مکر
اور حیلہ ہی ہوگا (حدیث) ۴۳۰
اگر مسیح دجال کو نہ مارے گا تب بھی وہ
گل گل کر مر جائے گا ۲۰۹
دجال سے مراد عیسائیت کا موجودہ فتنہ ۳۵۰، ۳۵۲

دعا

یاجوج ماجوج اور مغربی اقوام کی دعا کی
حقیقت پر نظر ۳۲۱
دعا کے بارہ میں سید احمد خانی مذہب ۱۵۰
دیر کی دعائیں بے ثمر ہیں ۲۹۳
بالعلم یا غور کی دعا ۶۸۲

دعا کی حقیقت اور اہمیت

ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل
رشتہ ۱۵۰
اگر دعا نہ ہوتی تو اہل اللہ مر جاتے ۱۹۸
دعا نہ کرنا سوء ادبی ہے ۱۹۸، ۱۹۹
اگر قبولیت دعا نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی
ہستی پر بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے
تھے ۱۴۷، ۱۵۱
دعا وہ ہوتی ہے جو خدا کے پیارے
کرتے ہیں ۶۸۲
اس وقت قبول ہوتی ہے جب دل میں
درد اور رقت ہو اور مصائب اور
غضب الٰہی دور ہو ۱۸۳، ۱۸۴
دعاؤں کا جواب ضرور ملتا ہے بشرطیکہ
سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ
اللہ پر ایمان لاتا ہو ۱۴۸
پوری سوز اور گداز کے ساتھ
جب دعا کی جائے حتیٰ کہ روح گداز ہو
کر آستانہ الٰہی پر گر جائے اس کا نام
دعا ہے ۶۳۰
دعا اور ابتلاء ۷۰۷
ابتلاؤں میں ہی دعاؤں کے عجیب و

غریب خواص اور اثر ظاہر ہوتے ہیں ۱۳۷
قضاء اور دعا کا تعلق ۱۶۶، ۱۶۷
اتباع سنت اور دعا سے ابدال کا مقام حاصل ہوتا ہے ۸
دعا سے ہی انسان بدی پر غالب آ جاتا ہے ۲۶۷
آسمانی گناہوں سے بچنے کے لئے دعا ضروری ہے ۵۲۶
بدوں دوا کے دعا سے شفا ۳۹۹

آداب دعا

دعا کی حقیقت اور اس کے آداب ۳۹، ۱۹۱، ۲۴۶، ۶۷۹، ۶۹۳
دعا کے لئے قوانین ۷۰۶، ۷۰۷
قبولیت دعا کی شرط ۲۴۱
قبولیت دعا کا ایک راز ۷۰۲
قبولیت دعا کے متعلق ایک نکتہ ۷۰۸
صوفی دعا نہیں کرتا جب تک وقت کو شناخت نہ کرے ۱۶۷
قبول ہونے والی دعا کی علامات ۱۶۳
قبولیت دعا کے لئے صبر شرط ہے ۱۵۱، ۲۹۸، ۵۵۲، ۶۹۳
"طلبگار باید صبور و حمول" ۲۶۷
ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا عرصہ دراز بعد آنحضرت کی بعثت سے پورا ہوا ۶۹۲
حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسف کے لئے چالیس سال دعائیں کیں ۱۵۱
دعا کرو۔ دعا کرنا مرتا ہے ۶۳۰
دعا کرنے والا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو ۱۶۸، ۶۹۳
بے صبری اور بد ظنی سے دعا رد ہو سکتی ہے ۷۰۸
خدا تعالیٰ کے ساتھ شرط باندھنا غلطی اور نادانی ہے ۲۹۹
جو امن کے زمانہ کو عیش سے بسر کرتا ہے اس کی مصیبت کے وقت کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں ۵۳۹
جو مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ۱۹۵
ظالم فاسق کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی ۶۸۲
نتائج میں تاخیر اور توقف کی وجہ ۱۴۹
دشمن کے لئے دعا کرنا سنت نبوی ہے ۶۸
دعا میں زندوں کا توسل جائز ہے ۵۳۰
دعا میں صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۵۷۲، ۵۸۵

نماز اور دعا

نماز کا مغز دعا ہے ۳۹۳
خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے ۱۸۴، ۶۸۵
نماز میں اپنی زبان میں دعا کرنا ۱۹۱، ۳۴۶

مسیح موعود اور دعا

مجھے استجابت دعا کا نشان دیا گیا ہے ۵۴
مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس زمانہ میں آخر دعاؤں کے ساتھ مقابلہ ہو گا لیکھرام کے قتل میں قبولیت دعا کا ثبوت ۳۳۵
دعا کے نتیجہ میں شمبر داس کی نصف قبد کی معافی ۲۷۱

خاص دعائیں

ام الادعیۃ۔ اھدنا الصراط المستقیم ہے ۳۴۲، ۳۴۶
آجکل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے ۵۷۷
ربنا ظلمنا انفسنا۔ نماز میں لذت و ذوق حاصل کرنے کی دعا ۶۲۱
رمضان کے لئے ایک مخصوص دعا ۵۶۳
ازدیاد علم کی دعا ۲۲۳
الٰہی دعا رب کل شیئ خادمک رب فاحفظنی وانصرنی وارحمنی ۵۷۷

دل

اللہ کے اختیار میں ہے ۶۸۵

دلیل

دلیل انی اور دلیل لمی ۳۲۱

دنیا

عالم اسباب ۴۹۸
دنیا دار الحجاب ہے ۱۶۳
بے ثباتی ۶۸، ۲۸۸، ۴۹۱، ۶۳۰
ترک دنیا اور گوشہ نشینی ۳۲۵

دوزخ نیز دیکھئے عنوان "جہنم"

جنت و دوزخ کی حقیقت ۱۴
خدا تعالیٰ سے انسان جب جدائی لے کر جاتا ہے تو اس کے تشکلات دوزخ ہوتے ہیں ۳۱۹
خدا سے بے نصیب جانا یہی بڑا بھاری دوزخ ہے ۴۹۳

دہریت

کفارہ کے مسئلہ سے الحاد اور دہریت پیدا ہوتی ہے ۳

دین

سچے دین کی علامات ۳۲۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض تکمیل دین بھی تھی ۴۹
اظہار دین کا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ قرار دیا گیا ہے ۳۳۴
دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے ۵۸۸
سعادت مند کا فرض ہے کہ وہ طالب دین میں لگا رہے ۱۴۱
دین کو ہر حال میں دنیا پر مقدم کرنا چاہئے ۶۴۲، ۶۴۳
خدمت دین کے لئے درویشی، قناعت اور توکل ضروری ہیں ۲۸۷
جو دولت کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے اسے دین میں کب راہ مل سکتی ہے ۵۳۰

ر ـ ز

رافضی نیز دیکھئے عنوان شیعہ

خارجی کے آگے رافضی نہیں ٹھہرتا ۶۷۶
عیسائیوں کی طرح امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۷۰۹

رزق

رزق میں قبض و بسط کے اسرار ۲۵۲

رشوت

رشوت کی مناہی اور رشوت کی تعریف ۲۴۹، ۲۴۳

رفع

رفع کی حقیقت ۳۴۲
حقیقی رفع موت کے بعد حاصل ہوتا ہے ۲۷۸

رمضان المبارک

عظمت ۵۶۱
رمضان المبارک کی ایک خاص دعا ۵۶۴

روح

روح کی ہستی کا ثبوت ۷۰۶
روح کے عجائبات ۳۳۱
انسانی روح کی پیدائش ۳۲۳
انسانی روح کی قوتیں ۸۸
روحانی زندگی کی ترکیب ۸۶
علم روح کی صفت ہے نہ کہ جسم کی ۳۴۰
عقل روح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے ۷۱۷
روح اور جسم کا تعلق ۶۹۷، ۷۰۵
لذت روح اور لذت نفس ۶۳
سجدہ کو روح کے ساتھ ایک تعلق ہے ۶۹۷
تسلی پانے اور زندہ خدا کو دیکھنے کے لئے پیشہ روح میں ایک تڑپ اور پیاس ہے ۹۰
روح اللہ اور روح الشیطان ۴۲۵
آریوں کا روح کے متعلق عقیدہ اور اس کا رد ۳۴۴

روزہ

روزہ کی فرضیت ۵۶۳
روزہ رکھنا سنت اہل بیت ہے ۵۶۴
صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے ۵۶۱
روزہ میں خدا کے واسطے نفس کو پاک رکھنا ضروری ہے ۳۶۳
(نفلی) روزوں کو مخفی طور پر رکھنا چاہئے بعض دفعہ اظہار میں سلب رحمت کا اندیشہ ہوتا ہے ۳۳۳
نذریہ کی غرض ۵۶۳

رومن کیتھولک نیز دیکھئے عنوان

"عیسائیت" ۶۹۹

رؤیا نیز دیکھئے عنوانات خواب، تعبیر رؤیا

انسانی فطرت میں خواب کی ودیعت ۲۸۰
عالم رؤیا کے عجائبات ۳۳۸
روحانی امور عالم رؤیا میں متمثل ہو کر نظر آتے ہیں ۴۳
خوابوں اور رؤیا میں استعارات ۳۷۲
ہر شخص کی خواب اس کی ہمت اور استعداد کے موافق ہوتی ہے ۲۲۷
ایک بدکار اور فاسق و فاجر کو بھی بعض اوقات سچی رؤیا آ جاتی ہے ۲۸۱
کافر اور مومن کی رؤیا میں فرق ۲۸۱
خواب بیان کرنے کا مسنون طریق یہ ہے کہ صبح بیان کی جائے ۲۳۲
خوابوں کی تعبیر ہر ایک کے حال کے موافق مختلف ہوا کرتی ہے ۳۴۳
مسیح کو رؤیا میں دیکھنے کی تعبیر ۲۹۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رؤیا اور ان کی تعبیر ۳۴۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف اور عزیز مصر کی رؤیا ۳۷۲
حضرت سید عبد القادر جیلانی کا اللہ تعالیٰ کو اپنے والد کی شکل میں دیکھنا ۱۹۹
حضرت ام جان کا ایک رؤیا ۳۱۲
حضرت مولوی عبد الکریم کی ایک رؤیا ۲۹۳
خواجہ کمال الدین کی ایک خواب ۵۸۳
لاہور سے ایک شخص کو رؤیا میں حضرت اقدس کی صداقت بتائی گئی ۵۰۲
مسیح موعود علیہ السلام کے سچا ہونے کے متعلق ایک شخص کی رؤیا ۵۰۳
ایڈیٹر ثحفہ ہند کی ایک خواب اور اس کی تعبیر ۳۳۷
ایک طالب حق ہندو کی رؤیا ۳۶۸
ایک ہندو کا خواب اور اس کی تعبیر ۳۳۷
قادیان میں طاعون نہ پڑنے کے متعلق لوگوں کی رؤیا جمع کرنے کا ارشاد ۲۰۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رؤیا (تفصیل دیکھئے زیر عنوان "غلام احمد قادیانی علیہ السلام") ۱۹۶، ۲۰۶، ۳۰۸، ۴۰۰، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۵، ۵۳۷، ۵۴۸، ۵۷۳، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۷۱، ۵۸۵، ۵۹۶، ۶۲۶، ۶۳۸، ۶۳۳، ۶۳۹، ۶۵۴، ۶۷۲، ۶۸۶

قصابوں کا بھیڑوں کو ذبح کرنا ۱۹۶
بہت سے ہندو ہمارے آگے سجدہ کرنے کی طرح جھکتے ہیں ۲۰۶
قادیان کے گرد فصیل بننے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رؤیا ۳۰۸
بہشتی مقبرہ کے قیام کے متعلق رؤیا ۵۲۶
کشمیر سے قدیم اناجیل نکلنے کے متعلق حضرت اقدس کی رؤیا ۵۲۷
پگٹ کے متعلق ایک رؤیا ۵۳۵
عبد اللہ چکڑالوی اور مولوی محمد حسین کے متعلق ۵۳۷
حضرت اقدس کی جوانی کے زمانہ کی ایک رؤیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلمان

مناھل البیت فرمایا ۵۶۲
حضرت اقدس کے تین رؤیا ۵۸۵
رؤیا میں اللہ تعالیٰ کا تمثل دیکھنا ۳۸
ایک رؤیا میں دیکھنا کہ فرشتوں نے صدہا بھیڑوں کو ذبح کیا ہے ۳۳۳
حضرت اقدس کا ہاتھی والی رؤیا سنانا ۳۳۹
سرخی کے پھینٹوں والی رؤیا ۶۵۴
تیس سال قبل کی ایک رؤیا ۶۶
☆ ☆ ☆

رہبانیت

اسلام میں رہبانیت پسندیدہ نہیں ۶۹۹
ہمدردی کو دور کر دیتی ہے اسی لئے اسلام میں اسے نہیں رکھا گیا ۱۷۱

ریاء

۳۹۱

ریلوے

ایک عجیب نعمت ۴۰۳

زبان

ہر سوسائٹی کے عرفی الفاظ اور محاورات الگ الگ ہیں ۴۶۰

زکوٰۃ

جو زیور استعمال میں آتا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ۲۰۶

زنا

ولد الزنا شرارت سے باز نہیں آیا کرتے ۴۸۶
زنا کی سزا دکھا کر دی جانے کی حکمت ۵۴۶

زنجیل

زنجیلی شربت کی حقیقت ۷

زندیقیت

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی ۵۳۸

س - ش

سادات

غیر سادات میں شادی ۴۵۹

ساعت

ساعت اور قیامت ۵۰۳

عندہ علم الساعۃ میں

ساعت سے مراد ۴۲۷

سائنس

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مذہب کو سائنس بنا دیا ہے ۳ ۱۷۴

سخاوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ۴
سخاوت کا اجر ۳۰۰

سزا نیز دیکھئے عنوان "جزاء و سزا"

جزاء و سزا کی حقیقت ۱۶
دنیا اور آخرت کی سزاؤں میں فرق ۱۸

سکھ مذہب

سکھ گورو نانک کی باتوں کو چھوڑ کر گورو گوبند سنگھ کی باتوں کو پکڑ بیٹھے ہیں ۲۰۷
سکھ دور کا عام لوگوں پر اثر ۲۹
سکھوں کے دور میں شائستگی بالکل جاتی رہی تھی ۱۲۵

سناتن دھرم

خدا شناسی کا معیار ۴۶۶
بدھ مذہب اسی کی شاخ ہے ۲۳۵

سنت

وہ اسوہ حسنہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے موافق قائم کر کے دکھایا جو آپ پر نازل ہوئی ۳۷۸ ۵۳۶
سنت، تعامل اور حدیث کا مقام ۴۴۸ ۴۴۵ ۴۷۲
سنت اور بدعت میں فرق ۳۸۹
اتباع سنت اور دعا سے ابدال کا مقام حاصل ہوتا ہے ۸
نبی دو ہی باتیں لے کر آتے ہیں کتاب اور سنت ۳۸۲
احیاء سنت کی حقیقت ۳۹۱
دشمن کے لئے دعا کرنا سنت نبوی ہے ۶۸

سود

سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کا سود ۲۱۰

سیاست

سیاست اور ملک داری کے اصولوں کی بنیاد ۱۸
سیاست اور رحمت باہم رشتہ رکھتی ہیں ۲۱
نوجوان بادشاہ کی نسبت بوڑھا بادشاہ رعایا کے لئے زیادہ مفید ہوتا ہے ۲۳۷

شجاعت

تہور اور شجاعت میں فرق ۶۲۰
مامور من اللہ میں ایک شجاعت ہوتی ہے ۸۱

شرک

عظیم الشان گناہ ۵۶
اقسام ۲۱۵
شرک فی الاسباب ۲۱۶ ۲۸۵
اس زمانہ کا ایک مخفی شرک یہ ہے۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد بالکل نہیں رہا ۵۷
اس زمانہ کے اندرونی اور بیرونی شرک کی بیخ کنی کے لئے سلسلہ کا قیام ۶۶

شرم

جو شخص شرم کی وجہ سے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اس کے لئے شرم دوزخ ہے ۴۸۴

شریعت

شارح کی احتیاج ہوتی ہے ۴۲۶
پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنے کی وجہ ۳۰
شریعت حقہ سے کام لینا بھی ایک حکمت عملی کو چاہتا ہے ۱۷۵
شریعت کا مدار نرمی پر ہے سختی پر نہیں ۳۱۱
باطنی شریعت یا نور قلب ۳۲۶، ۴۴۹
باطنی شریعت بجائے خود توحید چاہتی ہے ۷۵

شفاعت

ہمارا ایمان ہے کہ شفاعت حق ہے ۷۰۱
شفاعت کی حقیقت ۱۶۳، ۱۷۰
شفیع کے لئے دو لازمی صفات ۱۷۰
شفاعت کے لئے ضروری شرائط ۱۵۹
شفاعت اور کفارہ میں فرق ۷۰۲
سچے اور کامل شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۱۶۰

شق القمر

عبداللہ بن عباس کا مذہب ہے کہ یہ ایک قسم کا خسوف تھا ۶۷۳

شکر

اللہ تعالیٰ کے انعامات اور عنایات پر شکر اور تحدیث نعمت ۳۸۶، ۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۴

شہادت

اس کا چھپانا گناہ ہے ۴۹۵
مومن کی طاعون سے موت شہادت ہوتی ہے ۴۵۵

شیطان

بدی کا محرک ۶۲۰
اس کو نفوس علم کی وجہ سے نہیں بلکہ نادانی کی وجہ سے آئی ۲۲۳
قرآن کی رو سے ہر راستباز مس شیطان سے پاک ہے ۴۳۲
شیطان اور آدم کی آخری جنگ ۸۲، ۱۴۴، ۱۷۰، ۴۲۷

شیعہ

قرآن پر ائمہ کے اقوال کو مقدم کرتے ہیں ۴۴۴
صحابہ پر سب و شتم ۴۳۵
صحابہ کا مقام اور شیعوں پر حجت ۴۳۱، ۴۴۲
حسین پرست ہو گئے ہیں ۳۳۰
اہل شیعہ کا اعتقاد کہ ولد الزنا کی توبہ قبول نہیں ہوتی ۴۸۶

ص

صبر

صبر کا مقام ۲۹۷
صبر بھی ایک عبادت ہے ۵۴۴
مامور من اللہ صبر سے کام لیتا ہے ۱۷۶
قبولیت دعا کے لئے صبر شرط ہے ۱۵۱، ۱۶۸، ۲۴۹، ۵۵۲
بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں کے غم کو پاس نہیں آنے دیتا ۲۵۵

صحابہ رضی اللہ عنہم

فضائل اور مناقب ۴۶۱
صحابہ کرام فرشتے تھے ۶۵۳
ایک صحابی کا بے نظیر ایمان ۶۳۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ۴۷، ۵۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رفع حجاب ۶۲۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ زندگی کا عطاء ہونا ۴۹۹
صحابہ پر علاوہ معجزات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق موثر ہوئے ۶۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (روحانی) سلب امراض کا معجزہ ۴۴۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، ہدایت اور موثر نصیحت نے ان کو آسمانی بنا دیا ۶۱
پاکبازی، خدا پرستی اور اخلاص میں بے نظیر قوم ۶۰
یقین اور معرفت سے معمور ۲۲۲
انہوں نے نشانات نہیں مانگے ۶۴۳
سکینت کا نزول ۵۸۱
دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے ۱۴۲
تمام دنیوی رشتے توڑ کر آپ کے لئے فدا ہوئے ۱۰۴، ۲۵۷، ۴۲۰
مثالی اطاعت ۴۱۰
وفادار اور جان نثار رفیق ۶۸، ۱۸۰
اخلاص اور جان و مال و آبرو کی بے نظیر قربانی ۳۳۴، ۳۴۰، ۵۸۲
مکی زندگی میں صحابہ پر کفار کے مظالم ۷۱
مشکلات پر صبر ۱۸، ۵۱۶
وفات کے وقت جذبہ جہاد ۶۹۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس صحابی کے متعلق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے وہ شہید ہو جاتا ۳۱۱
اشاعت اسلام کے متعلق صحابہ کا علم ۳۴۰
جہاں بانی میں کمال ۱۱۶
صحابہ حضرت مسیح کی اس شان کے قائل نہیں تھے جو مسلمانوں نے ان کی بنا رکھی ہے ۴۹۳
بعض صحابہ کا طاعون سے وفات پانا ۶۳۹
پاک و صاف کپڑے پہنتے تھے ۵۰۲
حواریان مسیح پر فضیلت ۱۱۴، ۲۴۵، ۲۸۰، ۴۴۱
اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا ہے اور ایک جماعت صحابہ کی پھر قائم ہوئی ہے ۶۷، ۱۳۵، ۲۹۱
صحابہ کی طرح دنیا چھوڑنے کی تلقین ۴۰۸

صحبت

صحبت کا اثر اور اہمیت ۵
زہریلی صحبت کا اثر ہوتا ہے ۵۵۳
صادقوں کی صحبت کی برکات ۶۳۲
مامور کی صحبت سے ہی انسان شریعت

کے حقائق و معارف پر اطلاع پاتا ہے ۱۴۳، ۱۷۶
معرفت کے حصول کے لئے خدا نما
انسان کی صحبت میں رہنا ضروری ہے ۲۲
اندرونی تاریکیوں کو دور کرنے کے
لئے ایک مدت تک مسیح موعود کی
صحبت کی ضرورت ۱۵
صادق کی صحبت میں تیار ہونے والا
انسانی وجود ۵

صدق

صادق سے مراد ۵
اس کے بغیر عمل صالحہ کی تکمیل نہیں
ہوتی ۲۳۰

صدیقیت

صدیقی فطرت حاصل کرنی چاہئے ۳۴۴

صراط مستقیم

۶۸۰، ۷۰۳
افراط و تفریط چھوڑ کر اعتدال کی راہ ۷۰۰

صفائی

قرآن شریف کے حکم کے مطابق
پاک و صاف رہنا ضروری ہے ۵۰۲
صحابہ پاک و صاف کپڑے پہنتے تھے ۵۰۲

صلیب

قرآن نے واقعہ صلیب کی نہیں بلکہ
تکمیل صلیب کی نفی کی ہے ۴۵۰
صلیب کے غلبہ کا وقت ۲۷۶
وقت آگیا ہے کہ یہ طلسم ٹوٹ جائے ۷۶
کاسر صلیب مسیح موعود کا نام ہی ہے ۳۶۴
کسر صلیب کی حقیقت ۱۶۹، ۳۶۷

ط

طاعون

یہ خطرناک عذاب ہے ۳۰۵، ۶۳۷
سیف الہلاک ۴۳۱
اقسام ۳۱۵، ۵۴۹
اہل حق پر طعن کرنے سے پیدا ہوتی
ہے ۴۵۵، ۶
بدکاریوں، فسق و فجور اور میرے انکار
اور استہزاء کا نتیجہ ہے ۱۴۱، ۱۸۶
طاعون کا کیڑا بھی دابۃ الارض ہے ۱۴۱
طاعون زدہ مقام سے نکلنا اور وہاں پر
جانا گناہ ہے ۱۷۳، ۲۰۳
طاعون کے دور کی میعاد ۴۱۶، ۶۷۸
انبیاء کو طاعون ہرگز نہیں ہوا ۴۰۶
بعض صحابہ بھی اس سے مرے اور وہ
شہید ہوئے ۳۰۶، ۶۴۹
موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں طاعون
پھوٹی تھی ۱۹۷، ۴۰۷
من و سلویٰ طاعون کا مقدمہ تھا ۱۳۸

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق پنجاب میں طاعون کا نشان

مسیح موعود کے وقت طاعون پھیلنے کے
متعلق سارے نبی پیشگوئی کرتے
آئے ہیں ۱۸۶، ۳۴۲، ۳۵۳، ۳۹۷، ۴۱۴
قرآن مجید میں طاعون کی پیشگوئی ۲۱۶
بائیس برس قبل براہین احمدیہ میں
طاعون کی اطلاع ۳۱۹، ۴۰۶
پنجاب کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں
ایسی طاعون کی نظیر نہیں ملتی ۵۷۳
بمبئی اور کراچی کی نسبت پنجاب میں
طاعون کا زور اور اس کی وجہ ۳۲۳، ۴۰۳
قرائن کا نشان ۱۸۴، ۱۹۳، ۵۴۱، ۵۴۲
خوفناک جلد کاریاں ۱۹۲
خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ
ہے ۱۵۶
قادیان کو طاعون سے محفوظ رکھنے کا
نشان ۲۶۹
الدار سے مراد ۲۸۶
مخالفین طاعون کا باعث آپ کی
شامت اعمال کو قرار دیتے تھے ۳۲۴
ہماری جماعت مطعون ہو چکی ہے اس
طرح طاعون اپنا کام کر چکی ہے ۵۱۷
اقاربت ۳۰۸، ۳۴۰
طاعون کی عظیم الشان پیشگوئی کے
نتیجہ میں دس ہزار افراد داخل سلسلہ
ہوئے ۳۲۴، ۳۴۹

علاج

ابتدائی مرحلے پر ایک مفید علاج ۵۲۰
طاعون کا ٹیکہ اور اسباب پرستی ۲۸۵
حتمی علاج ۶۵۰
جو خدا کے ساتھ سیدھا اور راست ہو
گا طاعون کی کیا مجال کہ اس کے پاس
آئے ۴۰۶
صحیح علاج استغفار اور دعا ہے ۱۸۲، ۱۸۳، ۴۳۱

متفرق

اللہ تعالیٰ کے انظار سے مراد ۶۵۱
طاعون کے متعلق انجمن حمایت اسلام
کے ایک اشتہار کا حضور کی طرف سے
جواب لکھا جانا ۲۰۳
پہلے ہندوؤں میں آتی ہے ۳۳۲

☆ ☆ ☆

طب

ایک ظنی علم ہے ۶۶۰
کوئی علاج حتمی نہیں ہوتا سوائے خدا
تعالیٰ کے علاج کے ۵۳۹
کوئی نسخہ حکمی نہیں (مرزا غلام
مرتضیٰ) ۲۴۲
طبیب اور فلاسفر کنہ اشیاء بیان نہیں
کر سکتے ۳۳۶
ڈاکٹروں کا اپنے علاج و اسباب پر
ضرورت سے زیادہ اعتماد ۳۲۳
علاج اور توکل متضاد نہیں ۴۰۶
ہم دواؤں کی تاثیرات کے منکر نہیں ۴۰۸
شہد اور مشک کا ذکر خود اللہ تعالیٰ کرتا
ہے ۳۲۱
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشک
استعمال فرمانا ۲۸۶

اصول

نفلہ کی الرائض میں روح باہر سے نہیں آتی ۷۰۶

جس قدر قد ہونا ہوتا ہے تیس پینتیس برس تک ہوتا ہے ۳۲۷

چالیس سال بعد حرارت غریزی کم ہونی شروع ہوتی ہے اور خون کم پیدا ہوتا ہے ۳۲۷، ۵۶۲

درازیٔ عمر کا نسخہ ۲۲۱

امراض

مرض کی دو اقسام مختلف اور مستوی ۶۰۸

امراض کا بحران ۸۲

اگر مقدم الراس پر چوٹ لگ جائے تو انسان مجنون ہو جاتا ہے ۷۰۵

چیچک کا مادہ تو شیر مادر کے ساتھ آتا ہے ۳۴۳

سوفسطائی عقل ۳۶۵

ایلاوس (ایک بیماری) ۶۲۰

الطاعون هوالموت ۴۰۳

قارورہ کے معائنہ سے تپ کا حال معلوم کرنا ۶۲۱

گردوں اور مثانہ میں سرخ، سیاہ اور سبز پتھر بننا ۶۶۰

طاعون کے لئے سرسام اور غشی لازمی علامات ہیں ۵۸۹

استرے کے استعمال سے آتشک وغیرہ امراض کا پیدا ہونا ۶۷۱

علاج

علاج کی مختلف صورتیں ۲۸۰

بدوں دوا کے دعا سے شفایابی ۳۹۹

سلب امراض کا علم ۸۴، ۱۲۶، ۲۵۰

حکیم اور ڈاکٹر کو توجہ سے سلب امراض کے فن میں مہارت حاصل کرنی چاہئے ۲۸۰

آزمودہ علاج

دماغ میں اختلال اور دل میں تشنج کی صورت میں کیوڑہ اور بید مشک کا استعمال ۲۲۰

اگر صرع کے مریض کو کچلہ، کونین، فولاد دیں اور اندر دماغ میں رسولی نہ ہو تو وہ اچھا ہو جاتا ہے ۱۰۱

کیوڑہ اور گاؤزبان اضطراب کا علاج ۵۲۷

مستقل سردرد کے لئے ہڈیوں کا شوربہ ۵۵۳

سردرد اور حمّی کا علاج ۵۷۵

آنکھ دکھنے کا علاج زنک ۲۹۷

اکحمہ کا علاج بکرے کی کلیجی کھانا بھی ہے ۱۰۱

کار ابار ابونی دانت درد کا علاج ہے ۵۷۴، ۵۸۳

گلے سے مچھلی کا کانٹا نکالنے کا نسخہ ۳۲۶

نشہ چھڑانے کی تدبیر ۴۲۳

طاعون کا مفید اور مجرب علاج ۵۷۵

تیز جلاب کے عمدہ نتائج ۵۲۰

جونک لگوانا ۵۷۵

خواص مفردات

کیوڑہ ۵۷۵

کافور کے ساتھ کالی مرچ اس لئے رکھتے ہیں کافور نہ اڑے ۲۲۰، ۵۲۶

تربد کے اثرات ۴۸

نرگسی ۵۷۵

سکنجبین ۵۷۵

افیون کی مضرت ۲۴۸، ۳۲۱

بادام کا زہر ۱۵

سکھیا ۶۰۸

کارہائک ۵۷۵

میگنیشیا سالٹ ۵۲۰، ۵۷۵

مرزنجوش اور جدوار ۴۰۶

حفظان صحت

مضر صحت چیزیں مضر ایمان ہیں ۲۸

گھروں اور کپڑوں کی صفائی ۵۷۶

وبائی ایام میں کھروں سے نمی اور تاریکی دور کرنے کی ہدایت ۶۸۰

تداخل طعام درست نہیں ۸۱

شفاء بخل چیٹے ۸۵، ۳۷

طلاق

طلاق کے متعلق انجیل کی تعلیم قابل عمل نہیں ۳۰۲

طوفان نوح

کل زمین کی آبادی پر نہیں آیا تھا ۶۷۳

ع-غ

عبادت

حقوق اللہ میں سب سے بڑا حق ۶۸

عبادت کے دو حصے ۲۲۴

روح اور جسم دونوں کی شمولیت ضروری ہے ۶۸۶

کسی دنیاوی غرض پر مبنی نہ ہو ۶۸

جس نے نبی کی طاعت کی اس نے اللہ کی عبادت کا حق ادا کر دیا ۲۲۶

مخالفت نفس بھی ایک عبادت ہے ۵۵۲

معاش اگر نیک نیتی سے حاصل کی جائے تو عبادت ہی ہے ۷۸

عبادات مالی اور عبادات بدنی ۵۷۳

عبادات میں لذت و راحت ۶۶۷، ۶۸۴

عبادات میں تکالیف برداشت کرنے کا مطلب ۶۸۸

عارف کی عبادت کا ثواب ۵۵۳

عبرانی

عبرانی اور عربی ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں ۱۲۲

مسیح اور اس کی ماں کی زبان عبرانی تھی عیسائیوں کو عربی سے بغض ہے اس لئے وہ عبرانی میں بھی پوری مہارت حاصل نہ کر سکے ۱۲۲

عبودیت

عبودیت اور الوہیت کی مثال ۱۵۶

عدد

چودہ کے عدد کو روحانی تغیر سے مناسبت ہے ۳۴۳

عدل

اللہ تعالیٰ خود عدل ہے اور عدل کو دوست رکھتا ہے ۳۱۰

عذاب

عذاب کی حقیقت ۱۱۲
راحت کی نفی کا نام ہے ۲۰
عذاب جہنم کی حقیقت ۱۹
باہر سے نہیں آتا بلکہ خود انسان کے اندر سے نکلتا ہے ۲۰
عذاب کی اقسام ۲۱۹، ۶۵۱
طاعون بڑا خطرناک عذاب ہے ۳۰۵
مطالبہ پر فوراً نازل نہیں ہوا کرتا ۲۶۰
نزول کی وجہ ۴۷۸
نبیوں کے زمانہ میں عذاب ۱۸
مامور من اللہ کی تکذیب اور ایذار سانی پر عذاب کیوں آتا ہے ۱۸۶
محض تکذیب سے اللہ تعالیٰ دنیا میں سزا نہیں دیتا ۱۸۹
ائمہ الکفر اخیر میں پکڑے جاتے ہیں ۲۰۰
کسی عذاب میں نیکوں کا مرنا ۶۵۰
عذاب الٰہی سے بچنے کا طریق ۱۵۶

عرب

قبل از اسلام اخلاقی حالات ۶۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کی اخلاقی اور روحانی حالت ۱۱
عربوں میں شعراء اور شعراء کی اہمیت ۱۲۶
ایک ہزار سے آگے گنتی نہ ہونے کی وجہ ۴۸۷
تیئس برسوں میں قرآن کریم کی تعلیمات نے ان کی کایا پلٹ دی ۳۴
الواء مصر کے اعتراض کا جواب عرب ممالک میں بھجوانے کا ارادہ ۶۰۱

عربی

عربی اور عبرانی ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں ۱۲۲
عربی زبان کا ترجمہ کرنا آسان کام نہیں ہے ۴۸۹
عیسائیوں کو عربی سے بغض ہے ۱۲۲
ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے یہاں عربی کی ترویج نہ کر کے معصیت کا ارتکاب کیا ۵۳۱
الٰہ کے معنی ۱۳۷
قریۃ قیر سے نکلا ہے جس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں ۴۱۵
لکن استدراک کے لئے آتا ہے ۵۳۲
کارہ بنفس الفقیر علی باب الامیر ۶۳۱

عرش

دل کا عرش الٰہی ہونا ۴۰۸

عرفان

انبیاء عارفانہ حالت کے انتہائی مقام پر ہوتے ہیں ۸
ایمان عرفان میں کیسے تبدیل ہوتا ہے ۶۴۰

عشاء ربانی

شراب کے بغیر کامل نہیں ہوتی ۳۰۲

عصمت انبیاء ۴۲۱، ۴۳۱

عفو

عفو کے لئے ضروری شرط ۸۷
برمحل عفو ۱۷۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو و کرم ۶۲

عقل

روح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے ۷۱۷
نور نبوت کے بغیر دماغی عقلوں میں تاریکی ۷۱۳
عقل کی حیثیت ۵۹۲
شناخت حق میں عقل سلیم کا دخل ۸۳
بن باپ پیدائش میں امتناع عقلی نہیں ہے ۵۹۲

علو

جائز اور ناجائز علو ۲۱۰

عقیقہ

بچے کی پیدائش پر عقیقہ کی دعوت ۳۹۴

علم

نور ہے اس لئے حجاب نہیں ہو سکتا ۲۲۳

علم

روح کی صفت ہے نہ کہ جسم کی ۶۲۰
ساری سعادتیں علم صحیح کی تحصیل میں ہیں ۲۲۳
کوئی علم بدوں تقویٰ کے کام نہیں دیتا اور تقویٰ بدوں علم کے نہیں ہو سکتا ۲۸۲
وہ علوم جو انبیاء لے کر آتے ہیں وہ مرنے کے بعد بھی قائم رہتے ہیں ۶۶۴
جماعت کو علم اور معرفت میں آگے بڑھنے کی تاکید ۱۴۲

السوال نصف العلم ۲۳

علم کلام

دعویٰ اور دلیل میں فرق کر لینا ضروری ہے ۹۲

عمر

عمر کا چھوٹا بڑا ہونا ۲۹۵
جو لوگ دین کے لئے سچا جوش رکھتے ہیں ان کی عمر بڑھائی جائے گی ۲۸۳
عمر دراز کا نسخہ ۲۲۹
مخالفین اسلام کے لمبی عمر پانے کی وجہ ۲۳۳

عمل

زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے ۱۳۸
اپنے ایمان کو اپنے عمل سے ثابت کر[illegible] چاہئے ۶۰۸
اعمال صالحہ کا ایمان سے تعلق ۲۱
عمل صالحہ کی تعریف ۵۷۶
عمل صالح کی حقیقت ۴۲۸
[illegible] چاہتا ہے کہ عمل صالح ہو اور اس کا اخفاء ہو ریاکاری نہ ہو ۲۳۰
بغیر اعمال کے انسان روحانی مدارج کے لئے پرواز نہیں کر سکتا ۷۱۱

عورت

عورتوں سے حسن معاشرت کی تلقین ۳۸۷
مرد شاید ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ نہ کر سکے جو مدت حمل کے دوران عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہیں ۶۹۴

عید

عید کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارات کا تحفہ ۳۲۶

عیسائیت

موجودہ عیسائیت

غروب آفتاب کے پاس اور کیچڑ میں پڑی ہوئی قوم ۱۷۴
مسیح کے بعد قوم کی حالت بگڑ گئی ۱۶۰
عیسائی مذہب کی خرابی اور اس کی بدعتوں کا اصل بانی پولوس تھا ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۳
عالمگیر اور مکمل دین نہیں ہو سکتی ۶۰
ان کی تعلیمات باطنی شریعت کے خلاف ہیں ۴۴۹
اس میں قرب الٰہی کے لئے لازم امور یعنی ایمان اور عمل صالح دونوں نہیں ہیں ۲۲۴
اس میں آج کوئی زندہ نشان نہیں اور نہ سچے مذہب کی علامات ۸۴، ۸۹، ۹۰
انجیل کی پیروی کے نتیجہ میں عیسائیوں میں زندہ نمونہ قبولیت دعا کا نہیں ہے ۴۲
انسانی قویٰ کی توہین کرتی ہے ۲۳
عیسائیت کے بگاڑ کے متعلق پادری فنڈر کا اعتراف ۱۰۹
یہود اور عیسائیوں کی افراط و تفریط ۴۴۵
ان کے کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور ۳۰۲
یہودی کے آگے عیسائی نہیں ٹھہرتا ۶۷۶
رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں ۴۲۶
ان کے قدیم صحائف کی صحت کا معیار ۵۰۴
عربی سے انہیں بغض ہے اس لئے عبرانی میں بھی پوری مہارت حاصل نہ کر سکے ۱۲۲
اصل زبان کو چھوڑنے کا نقصان ۲۱۶
نصاریٰ کی بدقسمتی ۱۳۸

عقاید اور تعلیمات

غیر معقول اور متضاد عقائد ۸۴، ۱۲۳
عقاید میں طمع ۸۳
اپنے عقاید کی وجہ سے ان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے ۷۱۶
بپتسمہ میں ظاہر پرستی ۴۳۶
خدا کا ناقص تصور ۳۴، ۷۱۶
اللہ کی صفت ربوبیت کے منکر ہیں ۳۶
خدا شناسی کا معیار ۴۶۷
عاجز انسان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے پر افسوس ۹۷
الوہیت مسیح کے عقیدہ کا رد ۹۹، ۱۲۸
ابتداء میں تثلیث کا عقیدہ نہ تھا ۵۰۳
یونی ٹیرین فرقہ توحید کا قائل ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اناجیل میں تثلیث واضح طور پر بیان نہیں ہوئی ۷۵، ۹۳
ان کو تسلیم ہے کہ جہاں تثلیث نہیں پہنچی وہاں توحید کا مطالبہ ہو گا ۴۴۹
رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دونوں ہی انسان پرست ہیں ۲۸۶
شریعت کے متعلق موقف ۴۳۶
عصمت انبیاء کے بارہ میں عیسائیوں کے عقاید ۴۳۱
مسیح کے بارہ میں افراط ۷۹
مسیح کی آمد ثانی سے مایوس ہو کر کلیسیا کو ہی مسیح کی آمد ٹھہراتے ہیں ۳۰۳، ۳۸۱
نجات کے متعلق کفارہ کا عقیدہ ۱، ۴۶۸
ان کے پاس کفارہ کے حق میں دلائل نہیں ۱۴
عقیدہ کفارہ کے نقصانات ۷۰۰
رد کفارہ کے دلائل ۷۴، ۷۸
اگر خون مسیح پر مدار ہے تو محنت کی کیا ضرورت ہے ۵۸۹
گناہ سے بچنے کا غیر معقول علاج ۱۱، ۲۲۶
ملک صدق، مریم اور یحییٰ کو بے گناہ قرار دیتے ہیں ۴۳۲
رہبانیت ۶۹۹
طلاق اور شراب کے متعلق غیر فطری تعلیم ۳۰۲، ۴۲۳
خداوند کی تین داویاں نالیاں بدکار تھیں (انجیل) ۷۱۷
عیسائیوں کو ملزم کرنے والا سوال ۱۴۸
حضرت مریم کی نسبت سے عیسائیت پر تین زبردست اعتراض ۱۲۳
حواریوں کا کمزور ایمان ۹۷
ان کی دعاؤں کو یسوع سے کوئی جواب نہیں ملا ۱۴۸

عروج و زوال

اس زمانہ میں عیسائی فتنہ کا زور ۳۶۶
جو ترقی انہوں نے کرنی تھی وہ کر چکے ۵۱۱
ترقی کی وجوہات اور زوال کی ابتداء ۱۴۵
وقت آگیا ہے کہ (صلیب کا) یہ طلسم ٹوٹ جائے ۷۶، ۱۲۸
صلیبی ملت کی شکست ۳۶۹
اب وقت آگیا ہے کہ اس کی اندرونی غلاظت ظاہر ہو جائے ۱۲۴
یہ لوگ خود ہی عیسائیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں ۲۰۹، ۴۳۲

ام الفتن

ضالین سے عیسائی مراد ہیں ۳۴۴، ۳۴۹، ۳۸۷
ام الفتن اور اعظم الفتن ۳۵۱، ۳۶۹
آدم سے لے کر آج تک ان سے بڑھ کر کوئی مفتری اور مضل نہیں ہوا ۳۵۰
عیسائیت کا فتنہ ہی دجال کا فتنہ ہے ۳۵۰

نصاریٰ کی اسلام دشمنی

اسلام نے ہمیشہ نصرانیت کی سرکوبی کی ہے ۳۶۱
اسلام کے اشد ترین مخالف ۳۵۷
اسلام کو معدوم کرنے کے مختلف ہتھکنڈے ۳۵۲
اسلام کے خلاف ان کی نیتیں بخیر نہیں ۳۵۰
اسلام کے عصائے راستی کو کمزور دیکھ کر اس پر چھپ کر حملہ آور ہونا ۱۴۴
اسلام کا سخت دشمن جس نے ہندوستان میں انتیس لاکھ آدمی کو مرتد کیا ہے ۳۳۲
ان کے پاس اسلام کے خلاف صرف اعتراضات ہی اعتراضات ہیں ۷۳، ۳۳۲
ایک عظیم الشان نبی کی بے حرمتی کا ارتکاب ۱۴۲
سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے خلاف دشنام دہی ۳۶۰
استغفار کے متعلق ایک غلط اعتراض ۵۶۰
اسلامی جنگوں پر اعتراض کرتے ہیں ۷۰
عیسائیوں کی مذہبی جنگیں ۴۳۷
ان میں سے بعض قرآن شریف کے ترجمہ سے تو واقف ہیں مگر ان میں روحانیت نہیں ۱۴۳
مسلمانوں میں سے عیسائیت قبول کرنے والے اکثر اکل و شرب کے واسطے عیسائی ہوتے ہیں ۶۰۲
عیسائیوں سے معانقہ ۴۴۴
فیشن میں ان کا تتبع ۴۶۴

آخری معرکہ

مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ ۱۹۰
عیسائیت اور الٰہی دین کی آخری جنگ ۱۴۵
امرتسر میں پندرہ دن کی جنگ مقدس "میں نہ بھی مبعوث ہوتا تب بھی زمانہ نے ایسے اسباب اور حالات پیدا کر دیئے تھے کہ عیسائیت کا پول کھل جاتا" ۷۶
وفات مسیح کے مسئلہ سے عیسائیوں کی ساری کارروائی باطل ہو جاتی ہے ۱۸۸
عیسائی محققین کی تحریروں سے ثابت ہے کہ مسیح واقعہ صلیب کے بعد زندہ رہے ۳۱۴

☆ ☆ ☆

غفلت

غیر معلوم اسباب سے ہے ۵۶۰

غلامی

قرآن شریف نے غلاموں کے آزاد کرنے کی تعلیم دی ہے ۷۳

غوث

"میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر خوشبو اور قطبیت ملتی ہے" ۵۴

ف

فارقلیط

معنی ۵۱۰، ۵۱۱

فدیہ

فدیہ توفیق کے واسطے ہے ۵۶۳

فراست

فراست صحیحہ سے امور کی شناخت ۱۴۲
فراست سے دیکھنا چاہئے کہ حق کیا ہے ۳۱۶
جو لوگ ایمانی فراست سے حصہ رکھتے ہیں وہ پہلے ہی سمجھ لیتے ہیں ۳۰۷
قابلیت فراست سے ظاہر ہوتی ہے ۱۰۸
سعید الفطرت کی فراست کی نظر ۷۰۷
"ہماری فراست نے خطاء نہیں کی" ۵۲۸
ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے نور فراست کا ذکر ۳۱۳
حافظ ہدایت علی کی فراست ۳۷۹
ابوسفیان میں فراست کی کمی ۵۵۱

فرشتہ

نیکی کا محرک ۳۳۰

فری میسنز

محض ایک رعب کا سلسلہ ان کے اسرار کے اظہار سے روکتا ہے ۴

فسق

کافر سے پہلے فاسق کو سزا دینی چاہئے ۶۵۳

فطرت

فطرت انسانی میں تنوع ۱۵
انسانی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کبھی غیر تسلی کی راہ اختیار نہیں کرتا ۷۵
فطرت انسانی کا ایک اہم نقش قصاص ہے ۱۸
انسانی فطرت میں خواب اور رؤیا رکھے گئے ہیں ۲۸۰
فطرت انسانی میں ہم و غم اور ابتلاء کی اہمیت ۱۴۷
تثلیث فطرت میں نہیں ہے ۷۵
گناہ سوز فطرت ۶
صدیقی فطرت حاصل کرنی چاہئے ۶۴۴

فقر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا ۲۵۳

فقہی مسائل

استنجاء قلب ۲۳۹

حلت و حرمت

اصل اشیاء میں حلت ہے ۳۱۱، ۴۷۴
حرمت غیر حقیقی اسباب داعیہ سے اٹھ جاتی ہے ۵۲۹
خرگوش حلال ہے یا نہیں ۴۷۴
چھری سے کاٹ کر کھانا ۶۷۰
خنزیر خور کے ساتھ کھانا جائز نہیں ۲۴۵
مکان میں مسجد کے لئے مخصوص حصہ کو کسی وقت مکان میں ملانا ۳۱۸
مسجد میں خوش الحانی سے شعر پڑھنا ۳۱۱
بیت اللہ میں مفسد کے قتل کا جواز ۲۱۰
موزوں پر مسح جائز ہے ۵۹۸

اذان

اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے ۲۰۳

نماز

پیشہ ور امام کے پیچھے نماز درست نہیں ۴۲۸
نماز اپنی زبان میں نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ عربی میں مسنون طریق پر پڑھنی چاہئے ۲۱۶
نماز میں اپنی حاجتوں کو اپنی زبان میں بیان کیا جاسکتا ہے ۲۱۶
فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۳۴۵
رفع یدین ۴۷۰
امام اعظم نے رفع یدین پر عمل کیوں نہ کیا ۴۷۴

جمعہ

جمعہ کے لئے جماعت اکم از کم تین افراد ضروری ہے ۶۱۸
دفتری حالات کے پیش نظر ظہر و عصر کا جمع کرنا ۶۱۷
غیر احمدی امام کے پیچھے نماز کا مسئلہ ۲۰۷

فدیہ

فدیہ کی غرض ۵۶۳

اعتکاف

اعتکاف کے متعلق بعض مسائل ۵۸۷

زکوٰۃ

زیر استعمال زیور پر زکوٰۃ نہیں ۲۰۶

سود

سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کا سود ۲۱۰
رشوت کی تعریف ۲۳۹

پیدائش

عقیقہ کی دعوت ۳۹۴
بچوں کے ختم قرآن پر آمین کی تقریب ۳۸۵

شادی

شادی میں باجے کی حلت ۳۹۴
رخ کے ساتھ شادی کا اعلان ضروری ہے اور نسبت ہونے پر مٹھائی کی تقسیم ۳۱۰، ۳۹۳
شادی کے موقعہ پر بھاجی دینا ۳۸۹
شادی کے موقعہ پر لڑکیوں کے گیت ۳۱۱

متفرق

غیر احمدی کا جنازہ ۲۰۷
یتیم پوتے کا مسئلہ ۵۹۵
داڑھی رکھنا سنت انبیاء ہے ۶۷۰
انگریزی لباس ۶۷۰
فوٹو گرافی کا جواز ثابت ہے ۵۲۹
طاعون زدہ علاقہ میں جانا گناہ ہے ۲۰۳

فلسفہ

پکا فلسفی ضرور دہریہ ہوتا ہے ۵۹۳

فوٹو گراف

تبلیغ کے لئے بہت مفید ایجاد ۴۹

فیج اعوج ۱۸۶، ۱۸۷

خیر القرون کے بعد کا زمانہ ۱۰۶، ۱۸۹

ق

قانون

قوانین قدرت کے علاوہ مومنین کے لئے خاص قانون ۴۱۱
جزاو سزا کا قانون ۱۶

قانون قدرت

ہمارا امام ہے ۲۱۸

قبر

قبر میں فرشتوں کے سوالات کی زبان اور کیفیت ۶۳۷

قرآن کریم

قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی مصلح کی کیا ضرورت ہے ۳۹۸
اس کتاب کا خدا حافظ اور حقائق و معارف سب سے بڑھ کر ۲۹۱
اس زمانہ میں ایک آسمانی محافظ قرآن کی ضرورت ۳۵۹، ۳۶۹

حقانیت

قرآن کی حقانیت کی شہادت ۷۱۳
انہی الفاظ میں نازل ہوا ۴۴۹
اگر یہ آنحضرت کا کلام ہوتا تو اس میں زینب کا قصہ نہ ہوتا ۴۵۸
قصوں کا مجموعہ نہیں ۱۱۲

معجزہ

قرآن کریم کے معجزات ۳۱، ۳۸، ۴۰
زندہ اور کامل معجزہ ہے ۲۵، ۲۷
ایک مستقل اعجاز ۴۲، ۵۱۳
وجوہ اعجاز ۲۶
بے مثل ہونے کا معجزہ ۳۳

کلام کا معجزہ صرف قرآن نے دکھایا ۵۰۷
فصاحت و بلاغت کے ساتھ عالی
مضامین کا معجزہ ۱۲۶، ۲۲۶، ۵۰۵

پیشگوئیاں

قرآن کریم کی پیشگوئیاں اب تک
پوری ہو رہی ہیں ۳۲
عظیم الشان پیشگوئیوں پر مشتمل ہے ۱۸۰
قرآن مجید میں فتنہ دجال کا ذکر ۱۶۸
اس زمانہ کے متعلق کتاب اللہ کا فیصلہ ۳۸۲
طاعون کی پیشگوئی ۴۱۶

مقام

قرآن کریم کے مقابلہ میں سنت و
حدیث کا درجہ ۱۷۲، ۳۷۷، ۴۴۵، ۴۷۰
ہر امر کے فیصلہ کے لئے معیار قرآن
ہے ۱۵۱
قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم
کرو اور اس پر عمل کرو ۲۸۲
اس کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ
پڑھو بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ
کر پڑھو ۱۹۱
تورات اور انا جیل سے موازنہ ۱۸۱، ۶۶۳
انجیل کا مصدق ہونے کا مطلب ۴۲۵
ہم قرآن کے ذریعہ توریت کی اصلاح
کرنا چاہتے ہیں نہ کہ توریت کے
ذریعہ قرآن کی اصلاح ۷۹، ۲۱۷
قرآن عیسائیوں کے بالمقابل ایسے خدا
کی طرف بلاتا ہے جس میں کوئی نقص
ہو ہی نہیں سکتا ۳۵
قرآن کریم کے احسانات ۱۱۳
تمام انبیاء اور خصوصاً مسیح و مریم پر
احسان ۷۳، ۱۴۰، ۴۰۲

فضائل القرآن

الخیر کلہ فی القرآن

(الہام) ۲۰۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا خاتم
النبیین ہونا تقاضا کرتا ہے کہ آپ پر
نازل ہونے والی کتاب خاتم الکتب ہو ۲۶
کامل محکم اور یقینی کتاب ۱۳۷، ۵۶۶
مستقل اور ابدی شریعت ۳۰
عصائے موسیٰ کا قائمقام ۲۹۳
تمام قوتوں کا مرجع ہے ۱۷۹
قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے
جس کی تہ میں بڑے بڑے نایاب اور
بے بہا گوہر موجود ہیں ۱۴۳
حقیقی علوم کا جامع ۶۶۴
سورۃ اخلاص کی خوبی و عمدگی ۴۳۶
دوسری الہامی کتابوں کے مقابل توحید
کو کھول کر بیان کیا ہے ۱۸۹
اپنی ساری تعلیمات کو علوم کی صورت
اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے ۱۱۲، ۱۱۳
دوزخ و بہشت کی فلاسفی بیان کرنے
میں منفرد کتاب ۲۲
قرآنی تعلیمات نے صرف تیئیس برس
میں عربوں کی کایا پلٹ دی ۳۴
عالم مسلمانوں میں اتحاد قائم کرتا ہے ۲۳۱
اگر قرآن شریف ہماری رہنمائی نہ کرتا
تو ان نبیوں پر سے ایمان اٹھ جاتا ۷۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا خالص
کلام لعل کی طرح چمکتا ہے لیکن
قرآن کریم اس سے الگ اور ممتاز
نظر آتا ہے ۲۵
فصاحت و بلاغت ۳۳

تعلیم

قرآن کریم کی تعلیم کی جامعیت ۳۸
تعلیم کا حکیمانہ نظام ۲۹
پاک تعلیم کا نتیجہ اور اثر ۳۳
تعلیم کا اصل مقصد اور مدعا ۱۳۷
قرآنی احکام میں خطاب کس کو ہے ۴۲۵
احکام کی دو قسمیں دائمی اور وقتی ۳۰
قرآن نے غلاموں کو آزاد کرنے کی
تعلیم دی ہے ۷۳
قرآن کریم میں جبر سے متعلق آیات
کی حقیقت ۴۶۶
وفات مسیح کے مسئلہ پر برخلاف اور
نبیوں کی وفات کے بہت زور دیا ہے ۱۸۸
تکمیل صلیب کی نفی کی ہے ۳۵۰
اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن
ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے ۵۸۳
قرآنی الفاظ میں الہام ہونے کی حکمت ۲۰۳
نظری امور کے اثبات کے لئے بدیہی
کو گواہ ٹھہراتا ہے ۷۱۴
قرآن و احادیث میں استعارات کا
استعمال ۳۷۱
قرآنی قسموں کا فلسفہ ۷۱۱
بعض آیات کی بعض آیات سے تفسیر
ہوتی ہے ۳۳۴
تحریف معنوی ۳۹۸
مذاق بھی ایک قسم کا زہر ہے۔ ہمیں
مذاقی معنی پسند نہیں کرنا چاہئیں ۳۳۴

☆ ☆ ☆

قرب

قرب الٰہی کے لئے لازم دو امور ایمان
اور عمل صالح ۲۲۴

قسم

قرآنی قسموں کا فلسفہ ۷۱۱

قصاص

تمدن کے قیام کے لئے ایک اہم ستون ۱۸

قضاء و قدر

قضاء و قدر اور دعا کا تعلق ۴۶۷

قطب

میں جس راہ پر بلاتا ہوں یہی وہ راہ
ہے جس پر چل کر خوشبو اور
قطبیت ملتی ہے ۵۴

قمار بازی

مذہبی قمار بازی ۸۲

قوم

فتح و نصرت سے سرفراز ہونے والی

قوم کے اوصاف ۳۰۹

قیامت

اس کا علم کسی کو بھی نہیں ۵۰۳
ساعت اور قیامت ۵۰۳
حشر میں سب اکٹھے اٹھیں گے ۶۳۶

ک۔گ

کافور

کافوری شربت کی حقیقت ۶

کانشنس ۴۴۴

کتا

ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں ۶۳۱
وفادار اور اطاعت شعار ۶۷۷
مالک سے محبت کے اظہار کا مشاہدہ ۶۹۷

کسر صلیب

دلائل ۴۸'۷۶

کسوف وخسوف ۵۷۳

مسیح موعود اور مہدی کے لئے مخصوص نشان ۴۲
مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں اس کے متعلق پیشگوئی ۶۷۳
نشان کا ظہور ۱۵۸'۱۹۳'۳۹۵
کسوف وخسوف کا اجتماع ۴۹
رمضان میں نشان کا دو مرتبہ ظہور ۳۸۳
مخالف اس کے پورا ہونے سے قبل اس کو نشان قرار دیتے تھے مگر جب پورا ہو گیا تو اس کو مشکوک کرنے کی کوشش کی ۴۶'۱۸۹'۳۸۴
عبداللہ بن عباس کا مذہب ہے کہ شق القمر بھی ایک قسم کا خسوف تھا ۶۷۳

کشف

انسانی روح کی ایک عظیم قوت ۸۸
عالم کشف کی کیفیات ۶۳۳
عالم کشف کے عجائبات ۴۳
الہام یا کشف کے وقت خودی کی حالت ۶۸
ماہ رمضان اور کشف ۵۶
معراج ایک عظیم الشان اور صاف کشف تھا ۴۴۶
اہل کشف محدثین کے اصول تنقید حدیث کے پابند نہیں ہوتے (مولوی محمد حسین) ۳۷۸
چھ ماہ کے روزوں کے دوران حضرت اقدس کا ایک کشف ۵۶۴
کشفی رنگ میں گھوڑوں پر سوار بادشاہ دکھلائے گئے جو جماعت میں داخل ہوں گے ۳۴۰
حضرت اقدس کا کشفی حالت میں مرزا غلام قادر کی شکل پر ایک فرشتہ دیکھنا ۶۳۵
لیکھرام کے قتل کے متعلق کشف ۶۳۴
عبداللہ غزنوی کا ایک کشف ۵۵۴

کفارہ نیز دیکھئے عنوان عیسائیت

کیا کفارہ نجات دے سکتا ہے ۱
عقیدہ کفارہ کا رد ۷۸
ابطال پر ایک زبردست دلیل ۲
عقلی معیار پر پورا نہیں اترتا اور اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا ۲۶۶
عقیدہ کفارہ کے نقصانات ۷۰۰
اصول ایمان کی جگہ کفارہ نے لی اور ساتھ ہی اعمال صالحہ حذف ہوئے ۲۲۴
اس مسئلہ سے دہریت پیدا ہوتی ہے ۳
گناہ زائل کرنے کا طریق نہیں ہاں اس سے گناہ پیدا ہو سکتا ہے ۱۰'۳۳۱
شفاعت اور کفارہ میں فرق ۷۰۲

کلمۃ اللہ

مسیح کے کلمۃ اللہ ہونے کی حقیقت ۴۲۵

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ کی حقیقت ۵۹
اگر یہودیوں عیسائیوں اور دوسرے مشرک بت پرستوں کو یہ کلمہ سکھایا جاتا تو وہ ہرگز تباہ اور ہلاک نہ ہوتے ۱۳۶

گناہ

تعریف ۸'۴۴۴
کبیرہ وصغیرہ ۵۶'۶۰۷
انسان گناہ کیوں کرتا ہے ۶۰۵
انبیاء کی بعثت کا مقصد انسان کو گناہوں سے نجات دلانا ہے ۵۶
انسانی حکومتوں کے احکام گناہوں سے نہیں بچا سکتے ۵۵۸
گناہ سے بچنے کا سچا طریق ۲'۹'۱۰'۱۲'۲۳'۳۹۸
گناہ کے زہر کا تریاق ۶'۲۶۶'۶۰۷
خدا کی معرفت کاملہ ہی گناہ کا علاج ہے ۳'۴۴۴'۶۵۷
خدا تعالیٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے' اسلام میں ملتی ہے ۲۴
اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت ہی گناہ سے روک سکتی ہے ۲۶۷
جلالی تجلیات ہی سے انسان گناہ سے بچ سکتا ہے ۸
نبی کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا ہے ۲۸۰
گناہ سے بچنے کے لئے آسمانی نشانات کا اثر ۴
مسیح کے خون اور گناہ کے علاج میں کوئی رشتہ نہیں ۲
وہ گناہ نہ کریں جس میں سرکشی ہو ۶۵۷

ل

لذت

لذت روح اور لذت نفس میں فرق ۶۳

لغت

لغوی اسرار ۶'۷

لعنت

لعنت کی حقیقت ۱۴۲، ۳۴۵

لوہا

سونے چاندی سے زیادہ نفع رساں ہے ۵۱۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوہے سے کام لیا اور مسیح موعود بھی لوہے کی قلم سے تلوار کا کام لے رہے ہیں ۵۸۴

م

مامور

مامور کی شناخت کی پہلی دلیل ۱۱۰
مامور باری کی خصوصیت ۲۸۳
مامور کی صحبت سے ہی شریعت کے حقائق و معارف پر اطلاع ملتی ہے ۱۶۳
مامور من اللہ شفیع ہوتا ہے ۱۶۳
مامور من اللہ میں عوام سے ہمدردی ۱۶۳
مامور من اللہ میں ایک شجاعت ہوتی ہے ۸۱
مامور کا ایک نشان یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اشاعت حق سے نہیں رکتا ۸۰
مامور کے ساتھ ابتلاء ضرور آتے ہیں ۵۴۳
مخالفت کی افادیت ۵۵۶
مامور من اللہ کے مکذبین سے خدا تعالیٰ کا سلوک ۱۷۶
مامورین کی محض تکذیب سے اس دنیا میں سزا نہیں ملتی ۱۱۹
مامور و مرسل کو خواب میں بری حالت میں دیکھنا اور اس کی تعبیر ۳۳۷
اسلام کے اندرونی اور بیرونی حالات ایک مامور کے داعی ہیں ۳۵۶
مامور من اللہ کی باتیں غور سے سنی چاہئیں ۱۰۴

مباحثہ

مباحثات کے اصول ۴۷۰، ۴۸۰
مباحثہ کا طریق ۴۷۶
مذاہبی گفتگو کا طریق ۴۸۵
مباحثہ شروع کرنے کے متعلق ایک ضروری نکتہ ۳۱۹
غیر احمدیوں سے بحث کے بنیادی اصول ۴۷۲
مخالف سے منہاج نبوت کا اصول منوا کر بحث شروع کرنی چاہئے ۴۷۶، ۴۷۷
قرآن کریم کو مقدم رکھنے کا اصول اپنایا جائے ۴۷۱
۱۵ برس کی عمر سے بھائیوں سے مباحثات ۳۳۲
ہم ان مباحثوں کا سلسلہ بند کر چکے ہیں ۳۱۷، ۶۸۴، ۶۸۷
جماعت کو مباحثات کی ممانعت ۲۱۱

مباہلہ

مباہلہ کی روئداد ۴۷۵
مباہلہ میں ہماری فتح ہوئی ۴۸۱
یہ مباہلہ ہمارے لئے صلح حدیبیہ کی طرح کسی فتح کی بنیاد نظر آتا ہے ۴۸۸

مباہلہ

ابوجہل کا بدر کی جنگ میں مباہلہ ۵۰۹
جو مجھے حق پر نہیں سمجھتا وہ مجھ سے مباہلہ کرلے (مسیح موعود) ۵۴
مسیح موعود علیہ السلام سے مباہلہ کرنے والوں کا انجام ۲۴۰

مجاہدہ

جو خدا تعالیٰ میں ہو کر مجاہدہ کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اپنی راہیں کھول دیتا ہے ۲۳۰
کمالات مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ کسی کے خون سے ۵۸۸

مجدد

مجددین کی ضرورت ۱۸۹
ہر صدی کے سر پر مجددین کی بعثت کا وعدہ ۶۶، ۳۶۵، ۳۸۳
ہر صدی کے سر پر مجدد کا ظہور ۳۵۳
چودھویں صدی کا مجدد مسیح موعود اور مہدی ہے ۳۵۶

مجوس

اس دور تسلسل کو چرخہ اور زنجیر کہتے ہیں ۵۹۳

مسجد اقصیٰ

باعتبار بعد زمانہ ۴۵۱

مذہب

مذہب کے تین جزو ۲۳۵
مذہب کا خلاصہ حق اللہ اور حق العباد ۸۵، ۳۶۷
مذہب کی جڑ خدا شناسی ہے ۳۲۱
اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مذہب کو ایک سائنس بنا دیا ہے ۱۷۴
سچے مذہب کی شناخت ۳۲۹
حکومتوں سے متاثر ہوتے ہیں ۴۹
جھوٹے مذاہب کے باقی رہنے کا راز ۲۳۳
مذہبی قمار بازی ۸۲
مذہبی امور میں آزادی ہونی چاہئے ۶۵۲
تبدیلی مذہب کے دو باعث ۷۰
صحیح مذہب اختیار کرنے کے لئے ضروری امور ۳۶۵
زمانہ میں باوجود استغراق دنیا کے مذہب کی طرف توجہ ہو گئی ہے ۲۳۵
یہ مختلف مذہبوں اور ملتوں کے بحران کے ایام ہیں ۸۲
مذاہب کا مقابلہ شروع ہو چکا ہے ۳۵۰
سچے مذہب کی علامات ۸۴، ۸۹
اللہ تعالیٰ سچے مذہب کو کبھی ضائع نہیں کرتا ۸۴
سچے مذہب کی علامات صرف اسلام میں ہیں ۳۳۰
آج سوائے اسلام کے کسی مذہب کا قبح پیشگوئیاں کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۳۳

آج کل مذاہب کا حال ۲۴

مریم عیسیٰ ۴۸

مسیح کے صلیب سے زندہ اتر آنے کا ۳
ایک ثبوت ۷۷

مسلمان

جھلنے والی دھوپ میں پڑی قوم ۱۷۴
انوار و برکات سے محرومی کی وجہ ۵۱۸
موجودہ ادبار کے اسباب ۳۴۴
یہود سے پوری مشابہت ۴۲۸
چنگیز خان کے ذریعہ سزا ۳۵۳، ۶۵۳

فتنہ نصرانیت اور مسلمان

فتنہ نصرانیت کے مسلمانوں پر اثرات ۱۸۴، ۱۸۵، ۳۵۷
انتیس لاکھ کا ارتداد ۳۹۶، ۶۰۲
ان کے ارتداد کا باعث مولوی ہیں ۷۰۹
ایسے مولویوں کے ہوتے ہوئے دین کے استیصال کے لئے پادریوں کی ضرورت نہیں ہے ۱۳۱، ۴۸۸
عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسے عقائد جن سے عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے ۱۸۷، ۳۵۳، ۴۰۲، ۴۲۹، ۴۹۶
حیات مسیح کا عقیدہ ۱۸۶
روڑکی میں بعض مسلمانوں کا آریہ ہو جانا ۳۱۹

ادبار اور اس کے اسباب

غلامی اور حالت تنزل ۷۰۸
جنگ کرنے اور ہتھیار بنانے کی صلاحیت سلب ہو چکی ہے ۵۹۹
سچا اخلاص اور وفا نہیں پائے جاتے ۴۳
موجودہ زمانہ کی گناہ آلود زندگی ۴۳
ناقصہ بہ عملی اور ایمانی حالت ۳۵۷، ۴۲۹
مسلمانوں سے جیل خانے بھرے پڑے ہیں ۶۷۸
آجکل کے مولویوں کی حالت ۴۸۴
علماء وقت دابۃ الارض کی طرح اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں ۱۳۰
پیروں اور گدی نشینوں کی بزدلی ۱۹۰
نبوت کا دعویٰ تو انہوں نے کیا ہے جنہوں نے اپنی شریعت بنالی ہے ۳۵۷
اسلام کی ہتک اور آنحضرت کی توہین کا ارتکاب ۱۸۸
خود تراشیدہ وظائف ۶۳
کتاب اللہ کو چھوڑ کر روایتوں اور قصوں پر زور ۳۳
حدیث کو قرآن پر قاضی ٹھہراتے ہیں ۴۴۴
سرحدی مفسدوں کو غازی کہنا نادانی اور جہالت ہے ۱۲۹
تہتر فرقے ۳۳۰، ۵۹۸
دہابیوں اور چکڑالویوں کی افراط و تفریط ۵۳۶
وجودی فرقہ کی اخلاقی اور روحانی حالت ۵۵۷

اصلاح کی صورت

اصلاح کی صحیح صورت ۳۴۳
اب وقت ہے کہ مسلمان اپنے ایمان اور توبہ کی تجدید کریں ۱۵۶
کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرلے ۶۴
مسلمانوں کے لئے باعث فخر امور ۳۳۶
سچے مسلمان کی تعریف ۳۳۳
مولوی مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑ دیں گے ۵۸۶
مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ ۱۹۰

☆ ☆ ☆

مسیح موعود

مقصد بعثت

بعثت کی غرض ۹، ۱۸۶، ۱۸۹
منشور نے مانا ہے کہ **لیظهره علی الدین کله** مسیح موعود کے وقت میں ہوگا ۵۰
آمد کا مقصد احیائے قرآن کریم اور تکمیل اشاعت ہدایت ہے ۳۶۱
اسلام کی خوبیوں کو تعلیم کی عملی سچائیوں سے قائم کرے گا ۳۶۲
آمد کی غرض عیسوی دین کا ابطال کلی ہے ۳۶۸
کاسر الصلیب ۱۲۹، ۳۶۳
حکم و عدل ۵۱، ۳۸۰، ۴۷۱
دین کے لئے لڑائیوں کا خاتمہ کرے گا ۳۶۷
بعثت کا مقصد جہاد کے غلط خیال کی اصلاح ہے ۱۰۴
وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کا انتظار کرتے ہیں ۲۲۰
اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جانے کا مطلب ۴۱۵

مقام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہے ۴۴۶
مسیح تم میں سے ہوگا (حدیث) ۲۴۸
محمدی مسیح محمدی کمالات کا جامع ہے ۲۷۸
مسیح موسوی اور مسیح محمدی کی مماثلت ۳۶۲
مسیح ابن مریم سے افضل ہونے کا عقیدہ یہود و نصاریٰ کے مسلمات میں سے ہے ۲۷۶
آپ کے عہد میں بہت سے "اجتماع" مقدر ہیں ۳۹
مہدی کا زمانہ ایک عظیم الشان جمعہ ۱۳۴

زمانہ

آپ کی بعثت کا وقت غلبہ صلیب کا زمانہ ہے ۳۶۸
کل اہل مکاشفات و ملہمین ظہور مسیح کے لئے چودھویں صدی سے آگے نہیں گئے (نواب صدیق حسن) ۳۵۱، ۵۴۴، ۵۸۶
ولایت کی ایک عیسائی سوسائٹی کے نزدیک مسیح کے ظہور کا یہی وقت ہے ۵۸۶

زمانہ کی ضرورت ۶۶

علامات

قرآن کریم میں ذکر ۶۶۸
علامات باثورہ کا ظہور ۳۸۳
دو زرد چادروں سے مراد ۱۶۱'۴۶
مسیح ناصری سے حلیہ کا فرق ۴۷۱
آپ کے لئے نمازیں جمع کئے جانے کی پیشگوئی ۲۷۴
آپ کے وقت میں عمریں بڑھائی جائیں گی (حدیث) ۲۸۳
تبلیغ دین کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی نئی ایجادات ۴۹
بچے مسیح کی آواز لندن پہنچے گی ۵۱۲
آپ کے وقت میں دباؤں کا پھیلنا ۴۸۳'۲۹۶
مسلمانوں اور عیسائیوں میں مسلم ہے "مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے" کی پیشگوئی کا پورا ہونا ۴۸۵
آپ کے خلاف علماء سوء کے فتوے ۵۱
آپ کی صداقت کی دلیل ہیں ۵۱
"مسیح جب آئے گا تو اسے مفتری اور جاہل ٹھہرایا جائے گا" (ابن عربی) ۵۳'۵۱
"جب مسیح نازل ہو گا تو ایک شخص کہے گا ان هذا الرجل غير دیننا (محی الدین ابن عربی) ۵۳

معاشرت

عورتوں سے حسن معاشرت ۳۸۷

معجزہ

حقیقت ۴۴۸
معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے سے دوسرے عاجز ہوں ۱۵۴
خارق عادت اور قانون قدرت کے خلاف ہونے میں فرق ۴۴۸
فانی اللہ کے مقام پر انسان سے معجزات کا صدور ۲۳۲
معجزات او خوارق سے وجود باری پر زبردست دلیل قائم ہوتی ہے ۸۸
نبی منہ مانگے معجزات نہیں دکھایا کرتے ۱۵۳
ہر نبی کے معجزات اس کے زمانہ کے مناسب حال ہوتے ہیں ۱۲۶
ولیوں کی کرامات و خوارق انبیاء کے معجزات کی ہی طرح ہوتے ہیں ۳۸
معجزہ اور شعبدہ میں فرق ۵۴۰
خواص کے لئے معجزہ کی ضرورت نہیں ہوتی ۴۷۸
دید کی رو سے معجزہ کوئی چیز نہیں (دیانند) ۸۸
سب سے پہلا معجزہ یہ ہے کہ انسان پاک دل ہو ۵۱۹
اخلاق فاضلہ کے معجزہ کا دوسرے معجزے مقابلہ نہیں کر سکتے ۴۹۳
اللہ تعالیٰ کے کلام کا اعجاز ۲۵
کلام کا معجزہ صرف قرآن مجید نے دکھایا ۵۰۷
کلام کا معجزہ دائمی ہوتا ہے ۵۱۰
قرآن کریم کے معجزات ۳۱
اسلام کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ ۲۲۱
تمام نبیوں کے معجزات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے موازنہ ۲۷
دوسرے انبیاء کے معجزات مسیح کے معجزات سے کم نہیں ہیں ۹۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی دانی کا معجزہ ۴۸۱
معجزہ شق القمر کی حقیقت و اہمیت ۴۲
سلب امراض کے معجزات ۲۵۰

معراج

ایک عظیم الشان کشف تھا ۴۴۶
بنی اسرائیل کے انبیاء کو مختلف آسمانوں میں دیکھنے کی حقیقت ۱۷۴

معرفت

خدا تعالیٰ کی معرفت کے اسرار معلوم کرنے کے لئے مخصوص قویٰ انسان کو دیئے گئے ہیں ۲۲
اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء کی معرفت ہی آئندہ کی تمام راحتوں اور روشنیوں کی کلید ہے ۱۹
حصول معرفت کے لئے ضروری امور ۲۱
سچی معرفت کی حقیقت ۲۳
جب تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو گناہ چھوٹ نہیں سکتا ۶۵۷'۳
سچی معرفت ہی گناہ اور نقصان سے بچا سکتی ہے ۱۲'۳

معیشت

رزق میں قبض و بسط کے اسرار ۲۵۴
نیک نیتی کے ساتھ معاش حاصل کرنا عبادت ہے ۳۸
انسان کو چاہئے کہ اپنے گذارے کے مطابق اپنی معیشت حاصل کرے ۲۰۹
متقی کو ہر غیبی سے نجات ملتی ہے ۲۶۱
یورپ کی پر آسائش زندگی جنت نہیں ۲۵۳
صرف مال موجب راحت نہیں ہے ۲۵۵

ملائکہ

روحت ملائکہ ۳۳۳
آئل جبریل ہے فرشتہ بشارت دینے والا ۶۳۵
ملائکہ کو بھی تقویٰ کے سر کی خبر نہیں ہوتی ۱۷۸

مماثلت

مماثلت کی حقیقت ۶۷۴

من و سلویٰ

طاعون کا مقدمہ ہے ۱۳۸

منٹر جنٹر

یہ بھی سلب امراض ہی ہے مگر بدا خبیث کام ہے ۴۴۱

منہاج نبوت ۶۴۴

اس زمانہ میں منہاج نبوت کا قیام اور اس کی ضرورت ۳ ۶۶

یہ سلسلہ منہاج نبوت پر چل رہا ہے ۵۹۵

مہدی

ظہور مہدی سے متعلق احادیث کا مرتبہ ۳۹۵

مولوی محمد حسین مہدی کے متعلق تمام احادیث کو مجروح قرار دیتا تھا ۴۲۰

مہدی کا کام اندرونی اصلاح ہے ۱۷۵

اگر مہدی نے تلوار اٹھانی تھی تو مسلمانوں میں اس کی صلاحیت ہوتی آیت مہدی میں کسوف و خسوف کا نشان ۴۲'۲۷۵

تجمع له الصلوة مسیح موعود اور مہدی کی ایک علامت ہے ۴۵'۴۶

دو زرد چادروں سے مراد ۴۹

موت

موت سے بڑھ کر اور کوئی بیدار کرنے والی چیز نہیں ۱۸۳

دانشمند انسان کا فرض ہے کہ ہر وقت موت کے لئے تیار رہے ۶۸

موت مومن کے لئے خوشی کا باعث ہے ۲۲۴

مرنے کے بعد مُردے کا زمین سے تعلق ۶۳۸

احیاء موتیٰ کی حقیقت ۴۱۷

مومن نیز دیکھئے عنوان ایمان

فرعون کی بیوی اور مریم کی مثال اور مقام مریمیت ۶۶۸

تین مدارج ۴۵۲'۵۵۹

ن

ناول

بعض واقعات حقہ کو ناول کے پیرایہ میں بیان کرنا معصیت نہیں ہے ۵۱۷

نبوت

نبی کا وجود دو چیزوں سے مرکب ہوتا ہے نبوت اور ولایت ۲۶۱

ولایت نبوت کیلئے بطور ریح کے ہے ۳۶۶

انبیاء کی بعثت کی غرض مشترک ۹'۱۷'۵۶'۶۷'۲۲۸

انبیاء خدا تک پہنچانے والے سلسلہ کی راہ کے چراغ ہیں ۶۰۹

کل انبیاء کی تعلیم کا اصل منشاء ۱۳۷

تخلقوا باخلاق الله ثابت کرنے آتے ہیں ۱۱۷

پاکیزگی کی وراثت بجز انبیاء کے نہیں آتی ۶۲۳

انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں ۳۳۷

نور نبوت کے نزول پر دماغی اور ذہنی عقلوں میں ایک صفائی اور نور فراست میں روشنی پیدا ہوتی ہے ۷۸۳

نبی دو چیزیں لے کر آتے ہیں کتاب اور سنت ۳۸۲'۵۳۶

ضرورت انبیاء کا ثبوت ۳۴۴

تمام انبیاء کی صداقت کے دو ثبوت ۶۸۲

اگر خدا کا فضل ان کی دستگیری نہ فرماتا تو وہ ہلاک ہو جاتے ۶۵۹

نبی بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں (عیسیٰ بن مریم) ۵۲

ابتداء میں ہمیشہ **کزرع** آتے ہیں اور حقیر اور ذلیل نظر آتے ہیں ۲۱۷

انبیاء تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں ان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے ۴۴۶

تورات کی رو سے بھوتانبی صلیب پر چڑھایا جاتا ہے ۱۴۱

نجومی اور نبی کی دستگیریوں میں فرق ۴۳۸

انبیاء علیہم السلام کا خدا تعالیٰ سے تعلق ۱۵۵

انبیاء کو حق اور کشش دی جاتی ہے ۱۰۵

انبیاء اور اولیاء دستگیریوں کے پورا کرنے کی غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں میں رکھتے ہیں ۴۷

کل انبیاء علیہم السلام قطعاً ہر قسم کی تعریف اور مدح و ثنا سے کراہت کرتے تھے ۲۱۴

انبیاء اللہ تعالیٰ کے خفاء ذاتی پر ایمان رکھتے ہیں ۱۹۸

خدا کے رسول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے ۱۵۳'۱۵۴

پیغمبر کے لئے علم کی حدود ۴۷۰

انبیاء نے عالم الغیب ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا ۴۵۷

ضروری نہیں کہ پیغمبروں پر بھی تفصیلی حالات ظاہر کئے جائیں ۳۴۱

انبیاء کی وفات کے بعد ان کی امت کے حالات سے لاعلمی ۴۸۳

اللہ تعالیٰ ہر نبی کی تکمیل جداجدا پیرایوں میں کرتا ہے ۱۵۲

ہر نبی کے معجزات اس کے زمانہ کے مناسب حال ہوتے ہیں ۱۲۶

نبیوں کے کلام میں سختی اور تلخی ۱۶۱

انبیاء کا استغفار ۳۰۷'۵۶۰

عصمت انبیاء ۴۲۱'۴۳۱

انبیاء سے گناہ کا صدور ناممکن ہے ۸

انبیاء سے اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے ۴۷'۴۸۹

سلب امراض نبوت کا ثبوت نہیں ۴۶

نبی میں سلب امراض کی قوت کسبی نہیں وہبی ہوتی ہے ۴۸۰

کوئی پیغمبر طاعون سے ہلاک نہیں ہوا ۴۵۵'۶۴۹

اگر دستگیریوں میں مجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہے ۳۷۲

اگر قرآن شریف ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ان نبیوں پر سے ایمان اٹھ جاتا ۷۳

انبیاء پر ایمان لانے والے تین گروہ ۲۶۲

آداب النبی اختیار کرنے کی ضرورت ۵۳

نبی کا ہر سفر اپنے اندر حکمت رکھتا ہے ۴۹۳

بنی اسرائیل کے انبیاء موسوی شریعت کے تابع تھے ۶۲۶

بنی اسرائیل کے خاندان سے نبوت کا خاتمہ ۵۹۱

مقام خاتم النبیین کی حقیقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب انبیاء خص القوم اور خص الزمان تھے ۱۹۳

تمام انبیاء کُل تھے نبی کریم کی خاص خاص صفات میں ۲۰۱

اس زمانہ میں منہاج نبوت کا قیام مسیح موعود کو بھیج کر نبوت محمدیہ کا ثبوت ۱۳۷

ختم نبوت کی حقیقت ۶۴

ختم نبوت غیر امتی نبی کے آنے میں مانع ہے ۴۰۰

وہ نبوت منقطع ہو گئی ہے جو بلا توسل اور سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر آتی ہے ۵۳۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل اور بلا استفاضہ آنحضرت بامور یت کا دعویٰ کرنے والا مردود و مخذول ہے ۲۱۵

مسلمان پیروں اور گدی نشینوں کی طرف سے جھوٹی نبوت کا دعویٰ ۶۴

☆ ☆ ☆

نجات

نجات کی حقیقت ۱

راحت اور خوشحالی کے حصول کا نام ہے ۲۰

گناہ کی زندگی اور اس کی موت سے بچنے کا نام ہے ۷۸

نجات اور کتی ۳۲۶

نجات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قانون ۵۱۸

سچا اسلام اور سچی توحید ہی نجات ہیں ۱۳۱'۴۸

درحقیقت نجات ایمان سے ہے ۴۱۴

سچی پاکیزگی کے بعد ملتی ہے ۵

نجات کے آثار اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں ۵۱۸

عیسائی نظریہ نجات کا رد ۲۳

آریہ عقیدہ کی رو سے کسی کو ابدی نجات نہیں ملے گی ۸۸

نحاش

جسے قرآن کریم میں خناس کہا گیا ہے ۱۷۰

حضرت حوا پر حملہ ۱۴۴

ندوۃ العلماء

امرتسر میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ ۳۴۲

نزول

نزول کی حقیقت ۴۴۵

مسیح کا نزول ۴'۴۷۱

نشان

نشانات کی اہمیت ۲۳

نشانات پر ایمان کا حصر کرنا ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جایا کرتا ہے ۳۷۷

نشان طلب کرنا مناسب امر نہیں ۶۴۴

اللہ تعالیٰ نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے ۳۱۹

ہر نشان میں ایک پہلو اخفاء کا ہوتا ہے ۶۵۱

آج کے سائنسی دور میں خارق عادت نشانوں کی بڑی ضرورت ہے ۸۹

اقتراحی نشانات سے منع کیا گیا ہے ۱۵۳'۱۵۴

اشتہاری نشانات ۵۷۳

خارق عادت نشانات کا ظہور ایسے فرد سے ہوتا ہے جس کی عبادات اور اخلاق خارق عادت ہوں ۱۵۵

اسلام کی خدمت جو شخص درویشی اور قناعت سے کرتا ہے وہ ایک معجزہ اور نشان ہو جاتا ہے ۲۸۷

زمانہ مسیح موعود کے نشانات

مسیح موعود کے لئے نشانات کا ظہور ۴۶

مسیح موعود کے زمانہ کا ایک نشان ۲۱۷

نمازیں جمع کئے جانے کا نشان ۲۷۴

ریلوے بھی مسیح موعود کا ایک نشان ہے ۳۹۵

طاعون کتب مقدسہ اور احادیث میں مسیح موعود کا نشان ہے ۳۵۳

مسیح موعود علیہ السلام کے نشانات

حسب بشارات بچوں کی پیدائش کا نشان ۲۶۹

پیشگوئی کے مطابق لوگوں کا کثرت سے آنا ۲۷۹

نذرانوں کا آنا بھی نشان ہے ۵۲۷

برکت کا ایک نشان ۲۸۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تائید میں ایک عظیم نشان ۹۷

جماعت کی ترقی کا نشان ۶۵۵

جماعت کے ازدیاد ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نشانات دکھاتا رہے گا ۶۴۴

ہمارے نشانات کو اگر یکجائی طور پر دیکھا جائے تو ان کی قوت اور شوکت معلوم ہوتی ہے ۲۱۹

حروف تہجی کی ترتیب سے نشانات کو جمع کرنے کا ارادہ ۲۶۸

خدا نے بتا دیا ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کی حمایت کرے گا اور من فی الدار کی حفاظت کا نشان دکھائے گا ۲۸۵'۳۲۱'۴۴۳

مخالفین کی ہلاکت کے نشانات ۲۴۰

فیضی ساکن بھیں کی ہلاکت کا نشان ۲۳۲'۲۳۳

نشہ

یہ سچی بات ہے کہ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے ۲۱۹

نفس

نفس کی تین حالتیں ۵۵۹

لذت روح اور لذت نفس ۶۳

نفاق

منافق کی ایک علامت ۶۳

نکاح

نکاح کی تاکید کی حکمت ۴۷۹

نماز

نماز سے پیشتر ایمان شرط ہے ۶۳۰
مومن کا معراج ہے ۱۸۴، ۳۴۶
صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے ۵۷۱
نماز حسنات ہے اور اس سے سیئات دور ہوتی ہیں ۳۴۷
ایسی نیکی ہے جس کے بجالانے سے شیطانی کمزوری دور ہوتی ہے ۶۷۹
اہمیت ۶۸۱
خدا کا خوف اور خشیت الٰہی پابندی نماز سے شناخت ہوتی ہے ۲۲۵، ۳۹۷
اقامت صلوٰۃ کی حقیقت ۳۴۶، ۶۱۵
معرفت الٰہی سے نماز میں ذوق پیدا ہوتا ہے ۶۳
نماز میں سستی کا علاج ۳۹۶
نماز کی ادائیگی کا صحیح طریق ۳۴۵، ۶۳۱
مثالی نماز ۱۸۴
نماز میں اپنے وجود سے عاجزی اور ارادت مندی کا اظہار کرو ۶۹۷
نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھو ۱۹۱، ۳۴۶
اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو نور قلب ہو جاتی ہے ۳۴۷
آدمی میں سچی توحید آ ہی نہیں سکتی جب تک وہ نماز کو طوطے کی طرح پڑھتا ہے ۱۹۲
بغدادی نماز اور معکوس نماز ۶۵
عربی میں مسنون طریق پر پڑھی جائے ۲۱۶
اپنی زبان میں نماز پڑھنا درست نہیں ۳۴۸، ۶۵۶
نماز میں ادعیہ ماثورہ کے علاوہ اپنی زبان میں دعا مانگنی چاہئے ۳۴۶، ۶۵۶
نماز کا مغز دعا ہے ۳۹۳
رفع یدین ۴۷۴
جمع بین الصلوتین کے متعلق شیعوں اور غیر مقلدین کا مسلک ۴۵
نماز اور تصویر ۱۷۱
"میں .... نماز موقوتہ کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے" (مسیح موعود) ۴۵
جہاں اپنی جماعت نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ لیا کریں ۶۳۴
مخالفین کے پیچھے نماز ۲۴۳

نیت

اعمال اور ملکی قوانین میں نیت کی اہمیت ۱۷۲، ۳۸۶، ۳۸۹
ہر کام میں نیت تقویٰ کی ہونی چاہیے ۳۹، ۶۰۳
اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت پر ثواب دیتا ہے ۵۸۳، ۶۰۴

نیچریت

خلاف اسلام عقاید ۳۹۸

نیکی

نیکی کی جڑ ۶۵۹
نیکی وہی ہے جو قبل از وقت ہو ۱۹۷
ترک شر نیکی نہیں ہے ۶۷۷

نیوگ

آریہ مذہب کا ایک شرمناک مسئلہ ۸۹، ۳۶۷

و

والدین

نیک اور صالح والدین کی سات پشت تک رعایت ۲۵۷
اپنے غیر مسلم والدین کے ساتھ حسن سلوک اور دلجوئی کی تلقین ۴۹۲
مخالف والد کے لئے دعا کی تاکید ۵۰۲
والدین کی بدکاریاں بچوں پر بھی بعض اوقات آفت لاتی ہیں ۲۵۷

وجودی نیز دیکھئے عنوان تصوف

وجودی دراصل ایک اباحتی فرقہ ہے ۷۰۰

وحی نیز دیکھئے عنوان "الہام"

وحی اور الہام قطعی طور پر ایک ہی معنی رکھتے ہیں ۵۳۳
وحی کے معنی اشارہ کے بھی لکھے ہیں ۶۷۹
وحی الٰہی کی حقانیت کی شہادت ۷۱۲
نزول وحی کی ضرورت کا ثبوت ۷۱۳
اللہ نے ہر انسان میں وحی و الہام کا مادہ رکھا ہے ۲۸۰
نزول وحی کے وقت مستعد اور بلید طبائع پر مختلف اثرات ۷۱۳
بعثت کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے ۴۴۹

وعظ

دل کا واعظ ۳۳۱
ہماری جماعت کے واعظین کیسے ہوں ۲۸۱

وفات مسیح

مسئلہ کی اہمیت ۱۸۸
عیسائیت کی بنیاد حیات مسیح پر ہے ۱۳۵
اسلام کی کامیابی کا اہم ذریعہ ۲۳۶
دو اہم ثبوت ۲۲۹

وقف

خدا کی راہ میں زندگی وقف کرنا بھی اسلام ہے ۱۳۸

ولایت

نبوت اور ولایت ۲۶، ۳۲۲
اسلام کا کمال تقویٰ ہے جس سے ولایت ملتی ہے ۳۸۶
ولایت کا مقام اور حصول کے ذرائع ۷۰۴
ولیوں کی کرامات و خوارق انبیاء کے معجزات کی طرح ہی ہوتے ہیں ۳۸

وہابیت

ظاہر پرستی اور ادب رسول ۵۱۵

حدیث کے بارہ میں افراط کہ حدیث کو قرآن پر قاضی ٹھہرایا ۵۳۶، ۵۷۹

وید

وید میں کسی پیشگوئی یا خارق عادت چیز یا معجزہ کا ذکر نہیں (وید ہند) ۸۸

ہدایت

تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت کے دو دور ۳۳۴، ۳۶۱

ہم و غم

فائدہ ۱۴۶

ہمدردی

مومن کی ہمدردی کا میدان ۲۹۳

ہندو دھرم نیز دیکھئے آریہ دھرم

آریہ یہود میں داخل ہیں۔ ان کی تمام رسوم یہود سے ملتی ہیں ۴۱۹

اوتار کا مسئلہ ۴۹۷

اپنے دیوتاؤں سے دعا کا جواب نہیں لے سکتے ۱۴۸

شگن اور صورت ۶۰۴

موجودہ زمانہ کی گناہ آلود زندگی ۱۲

سلب امراض کا علم ۱۲۶

طاعون میں ہندوؤں کی زیادہ اموات ۳۳۲، ۵۴۸

قادیان کے ہندوؤں کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضری ۳۲۵

اسلام کی طرف رجوع کریں گے ۲۰۱

آخری زمانہ میں ایک رودر گوپال کے ظاہر ہونے کی خبر ۲۹۶

ی

یاجوج و ماجوج

ظہور ۳۵۱

اس قصہ میں آئندہ آنے والے واقعات کی پیشگوئی ہے ۱۷۵

لمبے کانوں سے مراد ۵۹۹

اس کے نکلنے سے پہچانی جانے والی قوم ۱۷۵

یقین

خدا پر یقین بڑی دولت ہے ۳۳۱

یقین کے مدارج ۵۳

انسان کو قوت اور شجاعت عطاء کرتا ہے ۲۲۲

یقین کی قوت ہی گناہ سے بچا سکتی ہے ۱۰

جس قدر تم اپنی قوت یقین کو بڑھاؤ گے اسی قدر دل روشن ہو گا ۵۲، ۱۹۱

یقین پیدا کرنے کے ذرائع ۵

یقین کے حصول کے لئے خدا نما وجود کی صحبت کی ضرورت ۲۲

یونی ٹیرین

عیسائیوں کا موحد فرقہ ۷۵

عیسائیت میں ان کا وجود ثابت کرتا ہے کہ اناجیل میں تثلیث کی صراحت نہیں ۹۳

یہود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر ایک یہودی کا آپ کو چمڑے سے بچانا ۱۹۲

عیسائیوں کے مقابلہ پر یہود کی تعریف ۱۰۲

قرآن کے بیان کردہ خدا کو مانتے ہیں ۳۰۲

توحید کے معاملہ میں تمام فرقے متفق ہیں ۷۴

یہودی کے آگے عیسائی نہیں ٹھہرتا ۶۷۶

تثلیث کا انکار کرتے ہیں ۹۲

آج یہود کے پاس موسیٰؑ کے معجزات میں سے کچھ باقی نہیں ۲۷

یہودی شریعت کی رو سے سبت کی رات کوئی شخص صلیب پر نہیں رہ سکتا تھا ۷۶

سلب امراض کا علم ۱۲۶

ایلیا کی آمد ثانی کا انتظار

الیاس کی آمد ثانی کی انتظار تھی ۷۰، ۴۷۴

یہود کے لئے ایلیاء کا انتظاء ۵۴، ۱۳۸

مسیح پر ایمان لانے میں مشکلات ۱۲۱، ۳۸۱

ایک یہودی نے کتاب میں لکھا ہے کہ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ایلیاء نہیں آیا۔ اگر خدا ہم سے پوچھے گا تو ہم ملاکی کی کتاب دکھا دیں گے ۵۳، ۷۴

الیاس کی آمد ثانی اور نبی آخر الزمان کی بعثت کے متعلق پیشگوئیوں کے سمجھنے میں غلطی ۶۷۴، ۶۸۲

یہود کا انتظار پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنے کی وجہ سے آیا تھا ۲۲۸، ۳۷۲

یہود اور مسیح

مسیح کا انتظار ہی کرتے رہے ۳۹۵

ان کی شامت اعمال سے مسیح کا بن باپ پیدا ہونا ۵۹۱

یہود کے لئے مبعوث ہونے والے مسیح کا اہم کام ۱۲۹

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم پر بہتانات ۲۰۲، ۴۳۳، ۴۹۴

مسیح کو ملعون ٹھہرانے کی وجوہات ۴۸۶

یہود کے نزدیک رفع کے معنی ۳۴۲

مسیح کو صلیب پر چڑھانا ۳۵

مسیح کو کیوں قتل کرنا چاہتے تھے ۴۸۶

مسیح کے بارہ میں تفریط ۷۹

ایک یہودی کی لکھی ہوئی مسیح کی سوانح عمری ۱۰۰

مسیح علیہ السلام کی زبان سے لعنت ۲۳۹

روحانی اور اخلاقی حالت

مسیح کی آمد کے وقت یہود کی حالت میں بگاڑ ۳۷۳

کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے ۲۰۳

شریعت میں ظاہر پرستی ۲۲۶

ہزاروں قسم کی بدکاریوں کے حامل ۶۰

فقیہ اور فریسی آسمانی نور سے حصہ نہ لے سکے ۱۰۶

ان کے بہتر فرقے تھے ۴۲۶

بنی اسماعیل کو نبوت ملنے پر اعتراض ۲۶۱

یہود اور عیسائیوں کی افراط و تفریط ۴۴۵

مغضوب علیہم

المغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں ۱۵۷، ۱۶۸، ۲۳۹، ۳۸۴

مغضوب ہونے کی وجہ ۶۶۵

دنیا میں ان پر عذاب آنے کی وجہ ۳۱۶، ۳۷۸

بخت نصر اور ٹیٹس رومی کے ذریعہ عذاب کی وجہ ۱۸، ۶۵۳

یہود پر بھی طاعون کی بلا پڑی تھی ۱۹۷

ساعت سے مراد یہود کی تباہی کا زمانہ ۴۲۸

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ

ترتیب بلحاظ سورۃ

آیات قرآنیہ

سورۃ الفاتحۃ

ترجمہ و تفسیر ۱۹۲، ۲۳۹
معارف ۶۷۹
اعجاز ۳۴
حسن و احسان کا کمال ۳۴
اس سورۃ نے جس خدا کو پیش کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اسے پیش نہیں کر سکتا ۷۱۵
اس میں مغضوب اور ضالین کی راہ سے بچنے کی دعا ہے ۳۸۲
فتنہ دجال کا ذکر ۱۶۸
الحمدلله
رب العالمین (آیت ۲) ۳۴، ۳۵، ۱۹۲، ۲۲۸، ۲۳۰، ۳۳۴، ۶۷۸
الرحمن الرحیم
(آیت ۳) ۱۵۷
مالک یوم الدین
(آیت ۴) ۶، ۳۷، ۱۵۷، ۴۴۸، ۶۷۹
ایاک نعبد و ایاک
نستعین (آیت ۵) ۳۷، ۳۸، ۱۶۰، ۱۸۲، ۲۹۹، ۳۳۴، ۳۶۹، ۵۵۸، ۶۷۹
اهدنا الصراط المستقیم
(آیت ۶) ۳۰، ۴۲، ۱۸۱، ۲۳۸، ۳۴۶، ۳۶۰، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۸۰
صراط الذین انعمت
علیهم (آیت ۷) ۷، ۳۲، ۳۸، ۱۶۸، ۵۸۳، ۶۸۰
غیر المغضوب علیهم و
لا الضالین (آیت ۷) ۱۶۸، ۳۵۱، ۴۱۷، ۴۶۰، ۵۸۳، ۶۶۵، ۶۸۰، ۷۱۷

سورۃ البقرۃ

ذالک الکتب لا ریب
فیه هدی للمتقین
(آیت ۳) ۱۳۷، ۲۶۱، ۵۵۸
ممارزقنهم ینفقون
(آیت ۴) ۳۸۹
وان کنتم فی ریب مما
نزلنا علی عبدنا فاتوا
بسورة من مثله (آیت ۲۴)
۳۳، ۱۲۶، ۵۵۶
وبشر الذین ..... متشابها
(آیت ۲۶) ۲۰، ۲۱
کنتم امواتا فاحیاکم
ثم یمیتکم (آیت ۲۹) ۴۹۹
لا علم لنا الا ما علمتنا
(آیت ۳۳) ۲۲۳
ابی واستکبر (آیت ۳۵) ۴۰۳
فتلقی ادم من ربه
کلمات (آیت ۳۸) ۱۶۴
رجزا من السماء
(آیت ۶۰) ۴۵۵
ضربت علیهم الذلة و
المسکنة (آیت ۶۲)
۲۶۷، ۲۸۰، ۳۳۳
لا خوف علیهم ولا هم
یحزنون (آیت ۶۳) ۶۸۰، ۶۹۸
والله مخرج ما کنتم
تکتمون (آیت ۷۳) ۳۲۴
و قفینا من بعده
بالرسل (آیت ۸۸) ۵۹۰
من اسلم وجهه لله و هو
محسن (آیت ۱۱۲) ۱۳۳
اذا قضی امرا . . . .
(آیت ۱۱۸) ۵۹۱
فلا تموتن الا و انتم
مسلمون (آیت ۱۳۳) ۶۸
یعرفونه کما یعرفون
ابناءهم (آیت ۱۴۷) ۲۳۵
و لنبلونکم بشیء من
الخوف و الجوع
(آیت ۱۵۶) ۱۶۷، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۹
انا لله وانا الیه راجعون
(آیت ۱۵۷) ۱۶۷، ۳۹۳
ولکم فی القصاص حیوة
(آیت ۱۸۰) ۱۸
وان تصوموا خیر لکم
(آیت ۱۸۵) ۵۶۳
شهر رمضان الذی انزل
فیه القران (آیت ۱۸۶) ۵۶۱، ۵۶۲
اذا سالک عبادی عنی
فانی قریب (آیت ۱۸۷)
۲۹۳، ۷۰۲، ۷۰۳
ولا تلقوا بایدیکم الی
التهلکة (آیت ۱۹۶) ۲۰۳، ۲۴۳
فاذکروا الله کذکرکم
ابا ءکم (آیت ۲۰۰) ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۰۰
ربنا اتنا فی الدنیا حسنة
(آیت ۲۰۲) ۵۸۶، ۶۰۰
عسی ان تکرهوا شیئا

وهو خير لكم (آیت ۲۱۷) ۱۶۴
لااكراه فی الدين
(آیت ۲۵۶، ۱۱۹، ۱۳۰، ۲۲۰، ۵۸۸، ۶۵۲
رب ارنی كيف تحی
الموتٰی (آیت ۲۶۰) ۲۵۹
من يوت الحكمة فقد
اوتی خيرا كثيرا
(آیت ۲۷۰) ۲۲۳
علی كل شیء قدير
(آیت ۲۸۵) ۱۹۱، ۱۹۵، ۶۱۳
لايكلف الله نفسا الا
وسعها (آیت ۲۸۶)
۱۰۸، ۲۸۱، ۳۱۱، ۶۹۸

سورة آل عمران

يصوركم فی الارحام
(آیت ۷) ۱۷۲
جنت تجری من تحتها
الانهر (آیت ۱۴) ۱۱۳
ان الدين عندالله
الاسلام (آیت ۲۰) ۶۵، ۲۶۱
قل ان كنتم تحبون الله
فاتبعونی يحببكم الله
(آیت ۳۲) ۴۰، ۶۲
۲۳۸، ۵۱۸، ۵۳۳، ۵۳۵
الا تكلم الناس ثلثة
ايام الا رمزا (آیت ۴۲) ۴۴۷
مكروا ومكر الله والله
خير الماكرين (آیت ۵۵) ۵۲۸
و جاعل الذين
اتبعوك فوق الذين
كفروا الی يوم القيامة
(آیت ۵۶) ۳۵۱
انی متوفيك ورافعك
الی (آیت ۵۶)
۵۳، ۱۸۸، ۲۲۹، ۲۶۵، ۲۷۸، ۳۵۳
و من يبتغ غير الاسلام
دينا فلن يقبل منه
(آیت ۸۶) ۵۱۸
كنتم خير امة اخرجت
للناس (آیت ۱۱۰) ۶۶۳
ضربت عليهم الذلة
(آیت ۱۱۲) ۸۰
ولقد نصركم الله ببدر
وانتم اذلة (آیت ۱۲۳) ۳۶۳
تلك الايام نداولها
بين الناس (آیت ۱۴۰) ۲۶۱
و ما محمد الا رسول
قدخلت من قبله الرسل
(آیت ۱۴۵) ۴۲۰، ۴۷۲
ماكان لنفس ان تموت
الا باذن الله (آیت ۱۴۶) ۱۶۶

سورة النساء

واذ حضر القسمة.....
(آیت ۹) ۵۹۶
عاشروهن بالمعروف
(آیت ۲۰) ۳۸۷
والمحصنت من النساء
(آیت ۲۵) ۲۴۰
خلق الانسان ضعيفا
(آیت ۳۰) ۶۰۰
الرجال قوامون علی
النساء (آیت ۳۵) ۱۴۱
بدلنهم جلودا غيرها
(آیت ۵۷) ۶۳۹
وكان فضل الله عليك
عظيما (آیت ۱۱۳) ۲۷۷
يايها الذين امنوا
امنوا بالله و رسوله
(آیت ۱۳۷) ۱۶۴
مايفعل الله بعذابكم
ان شكرتم (آیت ۱۴۸) ۳۰۵
ولكن شبه لهم (آیت ۱۵۸) ۳۵۰
ماقتلوه وماصلبوه....
(آیت ۱۵۸، ۱۵۹) ۳۸۶
ان من اهل الكتاب الا
ليومنن به قبل موته
(آیت ۱۶۰) ۴۷۱
روح منه (آیت ۱۷۲) ۴۰۲

سورة المائدة

تعاونوا علی البر و
التقوی (آیت ۳) ۲۶۳
اليوم اكملت لكم دينكم
واتممت عليكم نعمتی
(آیت ۴) ۳۹، ۶۳، ۶۴
۱۳۵، ۱۳۷، ۱۸۰، ۲۲۹، ۲۳۲، ۴۷۱
اعدلوا هو اقرب
للتقوی (آیت ۹) ۶۵۹
فاغرينا بينهم العداوة
والبغضاء..... (آیت ۱۵) ۳۵۱
نحن ابناء الله واحباءه
(آیت ۱۹) ۴۰۰
فاذهب انت و ربك
فقاتلا انا ههنا قاعدون
(آیت ۲۵) ۴۶۲
انما يتقبل الله من
المتقين (آیت ۲۸) ۲۶۱
القينا بينهم العداوة و
البغضاء (آیت ۶۵) ۳۵۱
و الله يعصمك من
الناس (آیت ۶۸) ۵۶۶
ترٰی اعينهم تفيض من
الدمع (آیت ۸۴) ۴۳۶
لاتسئلوا عن اشياء
(آیت ۱۰۲) ۳۸۵
يوم يجمع الله الرسل
(آیت ۱۱۰) ۳۸۳
قالوا نريد ان ناكل
منها... (آیت ۱۱۴) ۲۴۵
كنت عليهم شهيدا
مادمت فيهم فلما
توفيتنی (آیت ۱۱۸) ۱۸۸، ۲۲۶، ۲۴۷
۳۵۳، ۴۲۰، ۴۶۹، ۴۷۵، ۴۸۳، ۴۸۴

سورة الانعام

و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا...(آیت ۲۲) ۵۴

فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض (آیت ۳۶) ۲۱۲

صم بکم (آیت ۴۰) ۶۶۹

قل ھو القادر ..... (آیت ۶۶) ۶۵۱

سبحانہ و تعالی (آیت ۱۰۱) ۶۱۶

لاتدرکہ الابصار و ھو یدرک الابصار (آیت ۱۰۴) ۲۳۰، ۳۳۵، ۳۳۶، ۴۴۷

فمن اضطر غیر باغ و لاعاد (آیت ۱۴۶) ۲۱۱

لاتزر وازرۃ وزر اخری (آیت ۱۶۵) ۳۴۵، ۷۰۱

سورۃ الاعراف

ربنا ظلمنا انفسنا..... (آیت ۲۴) ۵۷۷

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق (آیت ۹۰) ۴۹۰

والعاقبۃ للمتقین (آیت ۱۲۹) ۲۱۲، ۱۵۸

و ان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسی و من معہ (آیت ۱۳۲) ۳۲۴

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (آیت ۱۵۹) ۴۱، ۱۳۷، ۱۸۰، ۲۲۸، ۶۶۳

علمھا عند ربی (آیت ۱۸۸) ۲۰۵

ھو یتولی الصالحین (آیت ۱۹۷) ۵۸، ۲۵۲، ۶۸۱

سورۃ الانفال

مارمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی (آیت ۱۸) ۵۰۷

لیھلک من ھلک عن بینۃ (آیت ۴۳) ۳۶۹

سورۃ التوبۃ

ان اللہ معنا (آیت ۴۰) ۶۴۰

وصل علیھم..... (آیت ۱۰۳) ۴۷۵، ۷۰۱، ۷۰۲

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (آیت ۱۱۹) ۵، ۱۶۳، ۲۲۹، ۲۴۳، ۵۱۷، ۶۳۲

ان اللہ لایضیع اجر المحسنین (آیت ۱۲۰) ۵۸۲

سورۃ یونس

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ (آیت ۱۷) ۱۶۲، ۴۲۲

فماذا بعد الحق الا الضلال (آیت ۳۳) ۵۴

ان الظن لایغنی من الحق شیئا (آیت ۳۷) ۵۲

لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا (آیت ۶۵) ۳۹

امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل (آیت ۹۱) ۵۵۱، ۵۵۴، ۶۴۱

ان کنت فی شک (آیت ۹۵) ۴۲۵

سورۃ ھود

ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (آیت ۷) ۶۸۲

فکیدونی جمیعا ثم لاتنظرون (آیت ۵۶) ۲۱۸، ۵۰۱

فمنھم شقی و سعید (آیت ۱۰۶) ۶۱۳

الا ماشاء ربک (آیت ۱۰۹) ۵۲۵

عطاء غیر مجذوذ (آیت ۱۰۹) ۵۲۵

ان الحسنات یذھبن السیئات (آیت ۱۱۵) ۱۹، ۲۰، ۳۴۷، ۶۵۷

سورۃ یوسف

سارے قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور پیشگوئی بیان فرمایا ہے ۳۲

ایات للسائلین (آیت ۸) ۳۲

وابیضت عینہ (آیت ۸۵) ۱۵۲

لاتثریب علیکم الیوم (آیت ۹۳) ۶۱، ۱۱۹

انی لاجد ریح یوسف (آیت ۹۵) ۱۵۲، ۳۷۵

سورۃ الرعد

ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (آیت ۱۲) ۱۴۱، ۳۱۰

و ما دعاء الکٰفرین الا فی ضلٰل (آیت ۱۵) ۷۱۰

و اما ماینفع الناس فیمکث فی الارض (آیت ۱۸) ۲۲۱، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۴۲، ۲۸۳

یمحوا اللہ مایشاء و یثبت (آیت ۴۰) ۱۵۰

انا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا (آیت ۴۲) ۲۰۱، ۵۳۹

سورۃ ابراھیم

و ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (آیت ۵) ۵۹۷

واستفتحوا وخاب کل جبار عنید (آیت ۱۶) ۱۵۸

سورۃ الحجر

انا نحن نزلنا الذکر و

انا لہ لحافظون (آیت ۱۰)
۶۵، ۶۶، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۵،
۳۷۰، ۳۸۱، ۶۷۷
مایاتیھم من رسول الا
کانوا بہ یستھزءون
(آیت ۱۲) ۵۳
فاذا سویتہ ونفخت فیہ
من روحی (آیت ۳۰) ۱۷۱، ۴۰۲
ونزعنا مافی صدورھم
من غل (آیت ۴۸) ۴۴۱

سورۃ النحل

فسئلوا اھل الذکر ان
کنتم لا تعلمون (آیت ۴۳) ۲۷۱

سورۃ بنی اسراءیل

سبحن الذی اسرٰی
بعبدہ (آیت ۲) ۶۴۴
المسجد الاقصا الذی
برکنا حولہ (آیت ۲) ۴۵۱
عبادا لنا (آیت ۶) ۶۵۳
لاتقف مالیس لک بہ
علم (آیت ۳۷) ۲۳۰، ۷۰۹
وان من قریہ الا نحن
مھلکوھا... (آیت ۵۹) ۲۱۶، ۵۸۰
من کان فی ھذہ اعمٰی
فھو فی الاخرۃ اعمٰی
(آیت ۷۳) ۵، ۱۹
۴۳، ۱۱۲، ۳۳۱، ۳۷۱، ۵۳۲، ۵۳۴
جاء الحق و زھق
الباطل (آیت ۸۲) ۱۷۵
کل یعمل علٰی شاکلتہ
(آیت ۸۵) ۴۶۴، ۶۰۰، ۶۰۱
سبحان ربی ھل کنت الا
بشرا رسولا (آیت ۹۴)
۱۵۴، ۴۷۵
بالحق انزلناہ و
بالحق نزل (آیت ۱۰۶) ۱۱۰

سورۃ الکھف

دجال کے لئے سورہ کھف کی ابتدائی
آیتیں پڑھو (حدیث) ۳۵۲
فاوٗا الی الکھف
(آیت ۱۷) ۵۳۱
وکان ابوھما صالحا
(آیت ۸۳) ۱۹۵، ۴۵۷

سورۃ مریم

یلیتنی مت قبل ھذا
(آیت ۲۴) ۴۰۱
یوم امرت و یوم ابعث
حیا (آیت ۳۴) ۵۲۸
رفعناہ مکانا علیا
(آیت ۵۸) ۴۵۰
و مانتنزل الا بامر
ربک (آیت ۶۵) ۶۳۵
تکاد السمٰوٰت یتفطرن
منہ (آیت ۹۱) ۳۵۲

سورۃ طٰہٰ

لہ الاسماء الحسنٰی
(آیت ۹) ۶۱۶
انک انت الاعلٰی
(آیت ۶۹) ۴۰۴
من یات ربہ مجرما
(آیت ۷۵) ۳۱۹
الا یرجع الیھم قولا
(آیت ۹۰) ۱۴۸، ۷۱۰
رب زدنی علما
(آیت ۱۱۵) ۱۴۲، ۲۲۳
فنسی ولم نجد لہ عزما
(آیت ۱۱۶) ۸، ۴۷۴
عصی ادم (آیت ۱۲۲) ۴۷۴

سورۃ الانبیاء

فلیاتنا بایۃ کما ارسل
الاولون (آیت ۶) ۳۹۶
ماجعلنا لبشر من
قبلک الخلد (آیت ۳۵) ۴۹۶
قلنا یٰنارکونی بردا و
سلاما علٰی ابراھیم
(آیت ۷۰) ۱۵۳، ۵۰۱
رب لاتذرنی فردا
(آیت ۹۰) ۲۵۹
والتی احصنت فرجھا
(آیت ۹۲) ۷۹، ۲۹۰
من کل حدب ینسلون
(آیت ۹۷) ۳۲۰، ۳۶۶
ان الارض یرثھا عبادی
الصالحون (آیت ۱۰۶) ۳۵۱، ۴۵۲
وما ارسلنک الا رحمۃ
للعالمین (آیت ۱۰۸)
۳۱، ۱۱۰، ۱۳۷، ۲۹۱، ۶۶۳

سورۃ الحج

فاجتنبوا الرجس من
الاوثان... (آیت ۳۱) ۲۶۶
لن ینال اللہ لحومھا...
(آیت ۳۸) ۶۹۶
اذن للذین یقاتلون
بانھم ظلموا ...
(آیت ۴۰، ۴۱) ۷۱
ان یوما عند ربک
کالف سنۃ مما تعدون
(آیت ۴۸) ۱۰۶
ما ارسلنا من قبلک
من رسول و لا نبی
(آیت ۵۳) ۴۴۰
ماقدروا اللہ حق
قدرہ (آیت ۷۵) ۵۳۳، ۵۳۴

سورۃ المؤمنون

والذین ھم عن اللغو
معرضون (آیت ۴) ۱۷۱
ثم انشانہ خلقا اخر
(آیت ۱۵) ۶۲۴، ۷۰۶

ماسمعنا بهذا فی ابائنا الاولین (آیت ۲۵) ۱۸۹
واوینهما الی ربوة ذات قرار و معین (آیت ۵۱) ۲۹۳، ۵۳۱
کلوا من الطیبت (آیت ۵۲) ۳۸۷
فلا انساب بینهم (آیت ۱۰۲) ۲۳۳

سورۃ النور

سورہ نور سے نور حاصل کرو ۳۱۷
امت سے وعدہ استخلاف ۲۶۲، ۴۷۱
آیت استخلاف میں مسیح موعود کی بعثت کی پیشگوئی ۳۲
وعدہ استخلاف اور شکیل بینی ۳۶۱
طائفة من المومنین (آیت ۳) ۵۲۶
الخبیثت للخبیثین ... و الطیبت للطیبین (آیت ۲۷) ۴۵۷
وعد الله الذین امنوا منکم (آیت ۵۶) ۳۶۱، ۳۸۳، ۴۰۰، ۴۹۹، ۶۶۸

سورۃ الفرقان

کذلک لنثبت به فؤادک و رتلنه ترتیلا (آیت ۳۳) ۲۳۶
یبیتون لربهم سجدا و قیاما (آیت ۶۵) ۶۰
قل مایعبؤا بکم ربی لو لا دعاءکم (آیت ۷۸) ۱۹۶، ۲۲۱، ۳۰۵، ۶۳۳

سورۃ الشعراء

لعلک باخع نفسک الایکونوا مومنین (آیت ۴) ۱۶۴
انا لمدرکون (آیت ۶۲) ۴۲۸، ۷۰۷
کلا ان معی ربی سیهدین (آیت ۶۳) ۴۲۸، ۶۴۰، ۷۰۷
فی کل واد یهیمون (آیت ۲۲۶) ۴۶

سورۃ النمل

وجحدوا بها واستیقنتها انفسهم (آیت ۱۵) ۳۳۸
اخرجنا لهم دابه من الارض (آیت ۸۳) ۱۳۳، ۴۱۹، ۵۴۲

سورۃ القصص

هذا من عمل الشیطن (آیت ۱۶) ۴۴۴
و العاقبة للمتقین (آیت ۸۴) ۱۵۲، ۴۸۱

سورۃ العنکبوت

احسب الناس ان یترکوا ... (آیت ۳) ۲۵۸، ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۷۶، ۵۸۱
رجزا من السماء (آیت ۳۵) ۵۴۱
انما الایت عند الله (آیت ۵۱) ۱۵۳
و الذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا (آیت ۷۰) ۲۳، ۲۳۰، ۳۳۱، ۵۸۹

سورۃ الروم

الم○غلبت الروم ... یفرح المؤمنون (آیت ۲ تا ۵) ۳۲، ۴۴۰، ۴۴۱
فطرت الله التی فطر الناس علیها (آیت ۳۱) ۴۴۹
کل حزب بما لدیهم فرحون (آیت ۳۳) ۹۳
ظهر الفساد فی البر و البحر (آیت ۴۲) ۱۱۰، ۷۱۴

سورۃ لقمان

مانفدت کلمات الله (آیت ۲۸) ۳۲۵

سورۃ السجدۃ

فلاتعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین (آیت ۱۸) ۶۲۹
متٰی هذا الفتح (آیت ۲۹) ۲۰۶
قل یوم الفتح ... کفروا ایمانهم (آیت ۳۰) ۵۲۵

سورۃ الاحزاب

منهم من قضی نحبه و منهم من ینتظر (آیت ۲۴) ۳۳۵
ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول الله و خاتم النبیین (آیت ۴۱) ۳۸، ۲۴۴، ۳۱۷، ۵۳۲، ۵۳۳
و لن تجد لسنة الله تبدیلا (آیت ۶۳) ۳۸۱

سورۃ سبا

دابة الارض تاکل منساته (آیت ۱۵) ۱۳۰، ۳۵۳، ۴۱۹، ۴۵۵
کافة للناس (آیت ۲۹) ۲۹۱

سورۃ الفاطر

انما یخشی الله من عبادة العلماء (آیت ۲۹) ۲۲۳
فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرٰت (آیت ۳۳) ۵۵۹، ۶۶۹، ۶۸۲

سورة یٰس

والقمر قدرنه منازل...
(آیت ۳۹) ۵۴۴

بکل خلق علیم (آیت ۷۹) ۴۴
اذا اراد شیئا ان یقول
له کن فیکون (آیت ۸۲)
۱۶۵، ۲۳۰، ۲۴۱، ۶۳۶

سورة ص

مفتحة لهم الابواب
(آیت ۵۰) ۲۷۹

ام کنت من العالین
(آیت ۷۶) ۴۰۴

و ما انا من المتکلفین
(آیت ۸۶) ۴۸۲

سورة الزمر

فیمسک التی قضی
علیها الموت (آیت ۴۲)
۱۲۵، ۲۱۷، ۴۴۸

سورة المومن

یصبکم بعض الذی
یعدکم (آیت ۲۹) ۴۷۷

افوض امری الی الله
(آیت ۴۵) ۳۳۶

ادعونی استجب لکم
(آیت ۶۱) ۶۸، ۱۴۸
۱۵۴، ۱۶۷، ۲۶۷، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۴۸،

سورة حٰم السجدة

ان الذین قالوا ربنا
الله... (آیت ۳۱) ۵۵۸

و ابشروا بالجنة التی
کنتم توعدون (آیت ۳۲)
۵۵۸، ۵۵۹

سورة الشوریٰ

فریق فی الجنة و فریق
فی السعیر (آیت ۸) ۴۴۸، ۶۵۸

لیس کمثله شیء (آیت ۱۲) ۷۱۵

جزاء سیئة سیئة مثلها
(آیت ۴۱) ۲۸، ۸۷، ۱۷۹

سورة الزخرف

جعلنه مثلا لبنی
اسراویل (آیت ۶۰) ۴۷۱

و انه لعلم للساعة
(آیت ۶۲) ۴۷۱

عنده علم الساعة
(آیت ۸۶) ۴۲۷

سورة الجاثیه

فبای حدیث بعد الله و
ایاته یؤمنون (آیت ۷) ۵۳۶

ماهی الا حیاتنا الدنیا
نموت و نحیا (آیت ۲۵) ۱۱۱

سورة الاحقاف

فاصبر کما صبر
اولوا العزم من الرسل
(آیت ۳۵) ۲۱۴

سورة محمد

یتمتعون و یاکلون
(آیت ۱۳) ۱۱۱

سورة الفتح

لن تجد لسنة الله تبدیلا
(آیت ۲۳) ۲۹۷

سورة الحجرات

ان اکرمکم عند الله...
(آیت ۱۳) ۱۷۷، ۲۶۰، ۳۱۰، ۶۰۳

قالت الاعراب امنا...
(آیت ۱۵) ۳۰۷، ۴۴۲

سورة ق

ولدینا مزید (آیت ۳۵) ۶۳۹

سورة الذاریت

وفی السماء رزقکم و ما
توعدون (آیت ۲۳) ۵۷، ۱۴۰، ۲۵۲

فو رب السماء و
الارض انه لحق
(آیت ۲۳) ۲۵۲

سورة النجم

دنا فتدلّی۔ فکان قاب
قوسین او ادنی (آیت ۹، ۱۰) ۱۷۰

ان الظن لا یغنی من
الحق شیئا (آیت ۲۸) ۳۷۲، ۳۷۸

ابراهیم الذی وفّی
(آیت ۳۸) ۲۴۶، ۷۰۳

لیس للانسان الا ما سعی
(آیت ۴۰) ۵۸۸، ۵۸۹

سورة القمر

وان یروا ایة یعرضوا و
یقولوا سحر مستمر
(آیت ۳) ۶۷۳

سورة الرحمن

الرحمٰن ۔ علم القران
(آیت ۲، ۳) ۲۲۳

کل من علیها فان
(آیت ۲۷) ۳۳۴

ولمن خاف مقام ربه
جنتان (آیت ۴۷) ۱۱۴
۱۵۳، ۲۴۰، ۲۵۳، ۵۵۳، ۵۵۹

هل جزاء الاحسان الا
الاحسان (آیت ۶۱) ۲۹۲

سورة الواقعه

لا یمسه الا المطهرون
(آیت ۸۰) ۵۰۲

سورة الحدید

هو الاول و الاخر

(آیت۴) ۳۳۴
اعلموا ان الله یحی الارض بعد موتها
(آیت۱۸) ۱۱۱،۷۱۳
و انزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس (آیت۲۶) ۵۱۳،۵۸۴

سورۃ المجادلۃ

کتب الله لاغلبن انا و رسلی (آیت۲۲) ۴۸۵،۷۱۶

سورۃ الحشر

فاعتبروا یا اولی الابصار (آیت۳) ۳۳۳
له الاسماء الحسنٰی (آیت۲۵) ۲۱۸

سورۃ الصف

مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد (آیت۷) ۵۹۱
و الله متم نوره و لوکره الکفرون (آیت۹) ۱۳۲
لیظهره علی الدین کله (آیت۱۰) ۵۰
۱۳۴،۱۳۵،۱۷۵،۲۲۰،۳۵۰
هل ادلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم (آیت۱۱) ۱۴۲

سورۃ الجمعۃ

و اخرین منهم لما یلحقوا بهم (آیت۴) ۴۰،۴۱
۴۹،۵۰،۱۳۵،۲۹۱،۳۶۱،۳۶۵،۴۳۴،
۴۴۵،۴۵۱
ذلک فضل الله یوتیه من یشاء (آیت۵) ۲۶۱

سورۃ الطلاق

من یتق الله یجعل له مخرجا و یرزقه من حیث لایحتسب (آیت۳،۴) ۵۸،۲۶۱،۵۱۶،۷۰۷
و من یتوکل علی الله فهو حسبه (آیت۴)
۵۷،۵۸،۲۵۲،۲۶۱،۵۱۶،۶۴۸

سورۃ التحریم

ابن مریم کا مسئلہ ۳۰۱
امت میں آنے والے مسیح کی ہنگامی ۳۲،۴۷۱
و مریم ابنت عمران التی احصنت فرجها (آیت۱۳) ۶۶۸

سورۃ الملک

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (آیت۱۱) ۲۲۳،۴۴۴

سورۃ القلم

انک لعلی خلق عظیم (آیت۵) ۱۱۹
بعد ذلک زنیم (آیت۱۴) ۴۸۶
و لاتکن کصاحب الحوت (آیت۴۹) ۲۱۲

سورۃ الحاقۃ

لو تقول علینا بعض الاقاویل (آیت۴۵) ۳۰۰

سورۃ نوح

رب اغفرلی و لوالدی (آیت۲۹) ۵۸۵

سورۃ المزمل

انا ارسلنا الیکم رسولا ... کما ارسلنا الی فرعون رسولا (آیت۱۶) ۳۶۱،۶۶۲

سورۃ المدثر

والرجز فاهجر (آیت۶) ۳۱۳،۵۰۲،۵۷۶

سورۃ الدھر

ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجها کافورا (آیت۶) ۶
یفجرونها تفجیرا (آیت۷) ۱۱۳

سورۃ المرسلات

اس زمانہ میں طاعون کی ہنگامی ۲۰۴
و المرسلت عرفا ..... عذرا او نذرا (آیت۲،۷) ۲۰۴

سورۃ النازعات

اما من خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوی (آیت۴۱) ۶۶۱

سورۃ عبس

عبس وتولّٰی ان جاءه الاعمی (آیت۲،۳) ۴۸۸

سورۃ التکویر

و اذ العشار عطلت (آیت۵) ۲۸۹،۳۴۴،۶۷۳
واذا النفوس زوجت (آیت۸) ۴۹،۳۴۹،۶۷۳
و اذ الصحف نشرت (آیت۱۱) ۶۷۳

سورۃ الانفطار

ان الابرار لفی نعیم (آیت۱۴) ۲۵۳

سورۃ الطارق

والسماء ذات الرجع...
(آیت ۱۲ تا ۱۴) ۷۱۲، ۷۱۴
انه لقول فصل وما هو
بالهزل (آیت ۱۴ تا ۱۵) ۱۱۳، ۷۱۲

سورۃ الفجر

یا ایتها النفس
المطمئنة ارجعی الی
ربک (آیت ۲۸، ۲۹) ۲۷۸، ۵۵۹

سورۃ الشمس

قد افلح من زکها
(آیت ۱۰)
۱۸۲، ۴۴۱، ۵۴۱، ۵۵۷، ۵۸۹، ۷۰۱
ولا یخاف عقبها (آیت ۱۶)
۱۳۱، ۱۸۵، ۱۹۵، ۲۵۷

سورۃ الضحی

اما بنعمة ربک فحدث
(آیت ۱۲) ۳۸۶، ۳۸۹، ۴۰۴

سورۃ الم نشرح

ان مع العسر یسرا
(آیت ۷) ۱۴۹، ۶۹۸

سورۃ التین

لقد خلقنا الانسان فی
احسن تقویم (آیت ۵) ۳۲۲

سورۃ البینة

یتلوا صحفا مطهرة
(آیت ۳، ۴) ۳۳
فیها کتب قیمة (آیت ۴) ۱۳۷
مخلصین له الدین
(آیت ۵) ۳۵۰
رضی اللہ عنهم ورضوا
عنه (آیت ۹) ۲۴۵، ۳۰۷

سورۃ الزلزال

اخرجت الارض
اثقالها (آیت ۳) ۵۱۳
من یعمل مثقال ذرة
خیرا یره (آیت ۹) ۱۸

سورۃ العصر

اس میں دنیا کی تاریخ موجود ہے جس
پر خدا نے اپنے الہام سے مجھ کو
اطلاع دی ہے ۱۴۴
و تواصوا بالحق و
تواصوا بالصبر (آیت ۴) ۲۲۱

سورۃ الهمزة

نار اللہ الموقدة التی
تطلع علی الافئدة
(آیت ۷، ۸) ۲۰، ۱۱۲

سورۃ قریش

لایلف قریش إلفهم
رحلة الشتاء والصیف
(آیت ۲، ۳) ۶۷۴

سورۃ الکوثر

تفسیر ۵۵۴
اس سورت کی روشنی میں خاتم
النبیین کی تشریح ۳۸
انا اعطیناک الکوثر
(آیت ۲) ۳۸، ۳۹، ۳۱۷، ۵۵۴
فصل لربک و انحر
(آیت ۳) ۳۱۷، ۵۵۴
ان شانئک هو الابتر
(آیت ۴) ۳۸، ۳۱۷، ۵۳۴، ۵۵۳، ۵۵۴

سورۃ اللهب

اس سورت میں غیر المغضوب علیہم
کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے ۱۶۹

سورۃ الکافرون

قل یایها الکفرون
(آیت ۲) ۶۰۴

سورۃ النصر

اذا جاء نصر اللہ والفتح
(آیت ۲) ۲۲۹، ۲۳۲، ۵۵۷
و رایت الناس یدخلون
فی دین اللہ افواجا
(آیت ۳) ۳۴۲، ۵۲۵
فسبح بحمد ربک و
استغفره انه کان توابا
(آیت ۴) ۳۰۷

سورۃ الاخلاص

توحید کے کل مراتب کو بیان کرنے ۳۴
تورات اور انجیل کے سارے دفتر
پر بھاری مختصر سورت ۱۳۶
دلائل اضداد کے مقابل سورۃ اخلاص ۱۶۹
قل هو اللہ احد (آیت ۲)
۳۶، ۳۵۲، ۵۰۵، ۶۰۳، ۷۱۵
اللہ الصمد (آیت ۳) ۵۰۵
لم یلد ولم یولد (آیت ۴) ۷۱۵
کفوا احد (آیت ۵) ۱۳۶

سورۃ الفلق

یہودی اور عیسائی فتنہ سے تعلق ۱۶۹
قل اعوذ برب الفلق
(آیت ۲) ۱۶۹
و من شر غاسق اذا
وقب و من شر النفّٰثٰت
فی العقد (آیت ۴، ۵) ۱۶۹

سورۃ الناس

اس سورت میں یہودی اور
عیسائیوں کے فتنہ کی طرف اشارہ
۱۳۴، ۱۶۹
قل اعوذ برب الناس...
الناس (آیت ۲ تا ۷) ۱۳۴، ۳۵۲

☆ ☆ ☆

اسماء

آ

آتھم۔ عبداللہ پادری ۴۷۶، ۴۹۹
اپنے قول سے رجوع اور توبہ ۳۴۱، ۳۷۷، ۳۷۸، ۵۱۱، ۵۱۲
لیکھرام مغضوب علیہ تھا اور آتھم ضال ۴۱۹

آدم علیہ السلام ۱۳۶، ۱۶۶، ۱۷۴، ۲۴۶، ۳۵۰، ۵۰۷، ۵۱۹، ۵۹۵
بن باپ پیدائش ۵۹۲
چھٹے دن پیدا ہوئے تھے ۱۴۴
لاہوتی اور ناسوتی خواص ۱۷۱
بائبل میں آپ کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے ۹۵
قرآن کریم نے آپ کو بھی روح اللہ قرار دیا ہے ۴۰۲
شیطان کا حیات ابدی پیش کرنا ۱۴۴
گناہ کے لئے آپ میں عزم نہیں تھا ۴۷۴
شیطان اور آدم کی آخری جنگ ۱۴۴، ۱۷۰
آجکل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے ۵۷۷
یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدم کے وقت سے شروع ہوئی ۲۸۲

آمنہ علیہا السلام ۳۷۶

آئل
آئل جبریل ہے فرشتہ بشارت دینے والا ۴۳۵

ا

ابراہیم علیہ السلام ۱۷۸، ۲۳۹
ابو الانبیاء ۱۷۴
ابو الملت اور ابو الحنفاء اپنے صدق اور اخلاص کی وجہ سے بنے ۶۹۶
اخلاص ۱۳۹
ابراہیم وہ ابراہیم ہے جس نے وفاداری دکھائی ۷۰۳
طلب اطمینان کی حقیقت ۲۴۶
آگ میں گرنے کے لئے تیار تھے ۵۶۴
آگ سے سلامتی کے ساتھ بچ جانا حیرت انگیز امر ہے ۱۹۶
اگر آپ کی طرح کسی کو آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ اسے جلا نہیں سکتی ۲۱۸
ملک صدق کا آپ کو تحائف دینا ۴۳۲
لوط کی بستی کے متعلق سوال ۱۹۵

ابراہیم ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وفات ۲۹۷

ابراہیم ادہم
دنیا کی بے ثباتی کا اثر ۴۹۱

ابن سیرین ۶۲۳

ابن عربی دیکھئے محی الدین ابن عربی

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۱۷۸، ۱۹۴، ۲۵۸، ۴۲۴، ۴۵۶، ۵۵۱، ۶۳۵
صدیقی فطرت ۶۲۴
مجرد رعونی سنتے ہی امنا کہا اور کوئی معجزہ یا نشان طلب نہیں کیا ۵۵، ۱۶۲، ۶۴۴، ۷۱۴
ان اللہ معنا کی معیت میں شامل ہیں ۶۴۰
گھر کا سارا اثاثہ پیش فرمانا ۴۱۰
بعض لوگوں کا آپ کو غلطی سے پیغمبر خدا سمجھنا ۳۸۸
سیاست اور جاں بافی ۱۱۶
صلیبوں کا توڑنا ۳۶۷

ابو جہل ۵۷۸
اس امت کا فرعون ۲۰۲
فرعون سے بڑھ کر متکبر اور خودپسند ۵۵۴
نشان پر نشان دیکھے مگر تکذیب سے باز نہ آیا ۷۱۴
شرارتوں کا ارتکاب ۴۷۸
حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے آمادہ کرنا ۲۵۸
بدر کی جنگ میں مبارزہ ۵۰۹
اس کی موت بدر میں مقدر تھی ۶۵۰
اس کا سر کٹنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ فرمانا ۲۶۳
لمبی عمر پانے کی وجہ ۲۳۳
اگر آج اسلام کی ترقی دیکھے تو.... ۴۵۴
امر تسر میں ابو جہل کے اخوان و انصار ۳۲۵

ابو حنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
آپ کا مسلک قابل قدر ہے آپ نے قرآن کو مقدم رکھا ہے ۴۳۵
رفع یدین پر عمل نہ کرنے کی وجہ ۴۷۴

ابو رحمت حسن مولوی

ایک آیت کے متعلق استفسار ۴۶۰

ابو سعید عرب تاجر رنگون ۴۹۴، ۴۹۵، ۵۹۲، ۵۹۶، ۵۹۳، ۶۱۳، ۶۳۵، ۶۳۱، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۴، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۸۴، ۶۸۹

آئینہ کمالات اسلام سے متاثر ہونا ۵۷۸

حضرت اقدس کے جذب کا ذکر ۶۱۴

حسنات دنیا و آخرت کے متعلق استفسار ۵۹۹

استخارہ کے نتیجہ میں دہلی کا سفر منسوخ کرنا ۶۱۷

برما کے ایک شخص کی بیعت کا ذکر ۵۸۳

ابو سفیان

فراست کی کمی ۵۵۱

مسلمانوں کی کثرت سے مرعوب ہونا ۳۴۰

ابو القاسم ۴۹۴

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ

حدیث متعلق ان من اھل الکتاب ضعیف ہے ۴۷۱

ابولہب

مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں ذکر ۱۶۹

ابو یوسف مبارک علی مولوی

اپنا عربی قصیدہ الاستفتاء من ندوۃ العلماء سنانا ۳۰۶

احمد شہید سید رضی اللہ عنہ ۵۰۶

احسن بیگ مرزا

بیعت کا ارادہ ۲۵۷

احمد جان (مولوی)

وجودی عقیدہ رکھتے تھے ۳۳۴

احمد حسین از کٹک

حضور کی خدمت میں نقدی اور البیہ مرحومہ کی وصیت کے مطابق زیورات بھجوانا اور حضور کی آپ کے لئے دعا ۴۳۴

احمد خان سید۔ سر

یورپ کی طرف میلان ۴۸۲

مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے متعلق رائے ۴۱۹

تفریط کی راہ ۵۷۹

دعا کا انکار ۳۷

دعا کی حقیقت سے ناواقفیت ۱۵۰

قبولیت دعا کو ناممکن سمجھتا ہے ۳۳۵

بنی اسرائیل کے لئے سمندر پھاڑنے سے مراد جوار بھاٹا لیتے ہیں ۷۰۷

احمد دین میاں عرائض نویس

گوجرانوالہ ۴۰۳، ۶۷۵

حضور کے ارشاد کی تعمیل میں تشریف آوری ۴۰۲

قانونی مشورہ ۴۱۸

اختر الدین احمد سید کٹک بنگال

بیعت ۴۳۴

ادریس علیہ السلام

آپ کی موت کا اقرار ۴۵۰

اسحاق علیہ السلام ۶۶۳

اسماعیل علیہ السلام ۶۷۲

آپ کی اولاد میں ایک عظیم الشان نبی کی بعثت ۶۶۳، ۶۶۴

اسماعیل شہید رضی اللہ عنہ ۴۲۰

اسماعیل علیگڈھی

مباہلہ اور ہلاکت ۲۴۰

اعظم بیگ مرزا

آپ کے پوتے مرزا احسن بیگ کا ارادہ بیعت ۲۵۷

افلاطون

باوجود مدبر اور دانشمند ہونے کے توحید پر قائم نہ ہوا ۲۲

عالم روحانی کے اسرار سے بے نصیب رہا ۶۲۳

الٰہی بخش منشی مصنف عصائے موسیٰ

بید مشک اور کیوڑہ کے استعمال پر اعتراض ۲۲۰

اللہ بخش میاں امرتسری

برات کے ساتھ باجے بجانے کے متعلق استفتاء ۳۱۰

الیاس علیہ السلام ۴۷۷

یہود الیاس کی آمد ثانی کے منتظر رہے ۴۷۰، ۶۸۴

آپ کی آمد ثانی کے متعلق یہود کی غلطی ۶۷۴

الیاس۔ جان الیگزینڈر ڈوئی ۲۳۴، ۳۴۹

الیگزینڈر ڈوئی۔ دیکھئے ڈوئی

امداد اللہ حاجی

ایک خواب کی تعبیر بیان کرنا ۳۳۸

ایڈورڈ ہفتم

ہندوستان کی سرپرستی ۲۳۷

ایلیا نیز دیکھئے الیاس ۵۳، ۵۴، ۱۰۲، ۳۷۷، ۴۳۲

آپ کے قصے پر ہی مسیح کی صداقت کا سارا معیار ہے ۷۴

دوبارہ آنے کی پیشگوئی ۳۷۲

آمد ثانی سے مراد ۱۳۱، ۱۳۲، ۳۷۴، ۴۷۳

ایوب بیگ مرزا

اخلاص کا ذکر ۳۰۶

ب

باب ۲۲۷

بالمیک ۲۶۰

بخت نصر

یہود پر مظالم ۱۸

چنگیز خان سے مماثلت ۶۵۳

بدھ گوتم

اس کا بیوی بچوں سے قطع تعلق کرنا اسلام کی رو سے درست نہیں تھا ۲۳۵

بڈھیا لالہ مدراسی

حضور سے عقیدت اور نجات کے متعلق سوال ۵۱۸

برنیئر

کشمیریوں کو بنی اسرائیل قرار دیتا ہے ۷۷

برنیجٹ وائٹ پادری ۸۹

بشمبر داس لالہ ۲۷۲

دعا کے نتیجہ میں نصف قید معاف ہونا ۲۷۱

بشیر اول

آپ کی شکل صاحبزادہ مرزا مبارک احمد سے ملتی تھی ۳۹۲

بشیر احمد مرزا قمر الانبیاء

آنکھوں کی بیماری سے معجزانہ شفا ۲۷۱

آمین ۳۸۵

بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی

بشیر اول کی وفات سے چالیس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی ۳۹۳

آپ کی بارات کی روڑکی کو روانگی (۲۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء) بارات میں شامل بزرگوں کے اسماء ۳۹۵

روڑکی سے برات کی واپسی ۳۹۲

بشیر ملا بھوپالی

مسیح موعود علیہ السلام کو دجال کہنا ۳۳۱

بعل زبول

مخالفین کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطاب ۶۷۲

بلعم باعور ۶۸۲

"بد دعا" ۴۰۷

بلقیس ملکہ سبا

حضرت سلیمان کا آپ کو درس توحید دینا ۳۳۱

بلھے شاہ

کافیاں ۳۳

بنت مسیح

مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ایک بدکردار عورت ۱۰۰، ۷۱۵

بنی اسرائیل ۶۸۲

خدا تعالیٰ کا دیا ہوا لقب ۳۵۱

بائبل میں اسرائیل کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے ۹۵

چار سو برس فرعون کی غلامی میں رہے تھے ۲۹

فرعون کی طرف سے اینٹیں بنانے کی بیگار ۷۰۶

چار سو سالہ غلامی کے بد اثرات ۲۶۷

موسیٰ علیہ السلام سے بد اعتقادی ۷۰۷

نشانات سے فائدہ نہ اٹھانا ۲۶۷

اپنی شوخیوں کی وجہ سے چالیس سال ارض مقدس سے محروم رہے ۷۰۸

افغانستان اور کشمیر میں آباد ہونا ۷۷

ان کا مسیح ۵۹۰

مسیح کی بن باپ پیدائش ان کے لئے ایک تنبیہ تھی ۵۹۱

یہود کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوگا ۶۷۲

بنی اسماعیل ۶۸۲، ۲۶۱

بنو اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل میں نبی آخر الزمان کا ظہور ۶۷۲

بوڑے خان ڈاکٹر

اخلاص کا ذکر ۳۰۶

بہاء الدین ۲۳۹

پ ـ ت ـ ٹ

پرتاپ سنگھ رائے

قادیان کے لوگوں کو طاعون کا ٹیکہ لگانے کے لئے آنا ۴۰۵

پطرس

آپ کی تحریر سے صلیب کے واقعہ کے بعد مسیح علیہ السلام کی زندگی کی تائید ۳۴۳

قرآن کریم نے پطرس کی دعا کی تصدیق کی ہے ۴۲۵

عمر کے متعلق تحقیق ۳۴۲

سامنے کھڑے ہو کر مسیح پر لعنت کی ۱۳۱، ۱۶۵، ۱۸۰

پگٹ مدی مسیحیت۔ انگلستان

۳۳۹، ۳۳۸، ۵۲۶

مدی مسیحیت ۵۲۳

نام میں سِرّ ۵۳۰

اس کی شہرت ڈوئی سے زیادہ ہے ۵۲۸

شیطان کا مظہر ۵۲۹

لوگوں کا حملہ ۳۴۹
اس کے متعلق ایک رؤیا اور الہام ۵۳۵
اگر یہ ہمارے مقابلہ میں آئے تو بہت
اثر ہوگا ۴۳۹
پولوس — Saint Pal ۱۰۲، ۱۰۳
موجودہ عیسائی مذہب پولوس کی
ایجاد ہے ۲۰۷، ۲۰۹
عیسائی مذہب کی خرابی اور اس کی
بدعتوں کا اصل بانی یہی شخص تھا ۱۰۱
عیسائی پولوس کی باتوں پر اپنا ایمان ہار
دیتے ہیں ۹۸
عیسائیوں کا اعتراف ہے کہ اس کا
چال چلن اچھا نہ تھا ۹۷، ۱۰۰
پیلاطوس Pilate
اس کو عیسائی شہیدوں میں شمار کیا گیا
ہے ۷۷
بیوی کا خواب ۷۶
بیوی کا عملی تدابیر کی طرف توجہ دلانا ۲۹۳
تمر
مسیح کے نسب نامے میں مذکور ایک
بدکردار عورت ۱۰۰، ۷۱۵
ٹھاکرداس (عیسائی)
اناجیل کے متعلق اعتراف ۴۳۹
ثناء اللہ مولوی امرتسری
خدا کی قسم سے فائدہ اٹھانا نظر نہیں
آتا ۶۸۸
آتھم کے متعلق پیشگوئی کی تکرار ۴۷۶
جلد جوئی ۵۶۵
قادیان میں درود ۶۸۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
طرف سے آپ کے رقعہ کا تحریری
جواب ۶۸۵
جواب الجواب ۶۸۷
شبہات دور کرنے کا عمدہ طریق ۶۸۶
جو منصوبہ وہ گھڑ کر لایا تھا اس میں
اسے کامیابی نہیں ہوئی ۶۹۳

ج-چ-ح-خ

جان الیگزینڈر ڈوئی دیکھئے ڈوئی
جان محمد میاں امام مسجد قادیان ۲۲۷
جبریل علیہ السلام
آئل جبریل ہے فرشتہ بشارت دینے
والا ۳۳۵
نزول کی کیفیت ۴۴۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حضرت عائشہ کی تصویر
پیش کرنا ۵۴۹
جعفر زٹلی
اعجاز احمدی پر اعتراض ۵۴۴
جلال الدین رومی — مولانا روم
۱۵۳، ۲۰۶، ۷۰۵
جلال الدین منشی
اخلاص کا ذکر ۳۰۶
جمال
حضرت اقدس کا ایک خدمتگار ۲۷۰
جمال الدین مولوی ساکن سیدوالا ۴۴۷
بعض نوسباعین کا ارتداد ۶۸۹
جمال الدین مولوی سیکھوانی والے
تصدیق المسیح کے نام سے حضرت
اقدس کی خدمت میں ایک بنگالی
نظم پڑھنا ۴۳۷
جمال الدین خواجہ
آپ کی ملازمت کے متعلق الہام ۲۷۳
جنید بغدادی علیہ الرحمہ ۶۰۳
جھنڈا سنگھ
درخت کاٹنے کا مقدمہ ۲۷۲
چراغ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے
ایک خادم ۴۴
رؤیا میں دوائیوں کے ڈبے لانا ۴۳
چراغ الدین جمونی
توبہ نامہ ۴۰۸
چنگیز خان
اسلام کے عقائد دریافت کرنا ۶۵۳
بخت نصر سے مماثلت ۶۵۳
حافظ شیرازی ۱۵۱، ۲۵۶، ۳۴۹
حامد حسین مولوی ۳۳۸
حضور کی طرف سے قادیان میں مزید
قیام کی ضیافت ۳۳۹
حامد سنو (ایک نومسلم انگریز) ۴۴۳
حامد علی خادم حضرت مسیح موعودؑ
حضرت اقدس کی ایک رؤیا میں آپ
کا ذکر ۵۷۱
سرخی کے چھینٹوں والی رؤیا کے شاہد ۶۵۵
حامد علی شاہ بدوملی ۶۷۲
بیعت ۶۷۶
حریری
حریری پر سرقہ کا الزام ۲۳۶
حزقیل علیہ السلام ۲۴۲، ۲۴۷
حسنؓ ابن علیؓ ابن ابی طالب ۴۵۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ
کے مشرب پر ہونا ۵۷۳
حسن ابو رحمت مولوی

ایک آیت کے متعلق استفسار ۴۶۰

حسین رضی اللہ عنہ امام

۳۵۹، ۴۸۶، ۴۹۰، ۵۷۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا۔ "تیرے لئے شہادت مقدر ہے۔ اگر تو صبر نہ کرے گا تو اخیار ابرار کے دفتر سے تیرا نام کٹ جائے گا" ۳۹۹

سینہ سپر ہو کر جان دی ۴۳۷

آپ کی تعریف میں غلو اور اطراء کیا گیا ہے ۲۱۵

روافض ان کے خون کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۷۰۱

شیعہ حسین پرست بن گئے ہیں ۳۳۰

فضیلت کی بحث ۲۲۶، ۴۴۰

مہدی علیہ السلام کی آپ پر فضیلت ۲۴۳

قرآن نے آپ کا نام نہیں لیا ۲۴۴

حسین بیگ تاجر ۶۷۷

حمزہ رضی اللہ عنہ

آپ کے قاتل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میری نظر سے الگ چلا جا ۲۴۳

حوا علیہا السلام

ناسوتی خواص کی مظہر ۱۷۱

نحاش کا حملہ ۱۳۴

حیات خان سردار

حضرت اقدس کی دعا سے بحالی ۲۷۵

خدیجہ رضی اللہ عنہا ام المومنین

آغاز وحی کے موقعہ پر آنحضرتؐ سے فرمانا کہ خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا ۴۵۸

خسرو پرویز شاہ ایران

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کا منصوبہ ۲۷۸

خصیلت علی شاہ سید

اخلاص کا ذکر ۳۰۶

خضر علیہ السلام ۲۵۷

ایک صالح کی اولاد کے لئے دیوار بنانا ۱۹۵

آپ کے قصہ سے سبق ۵۶۹

خواجہ علی قاضی

لدھیانہ سے احباب کے ساتھ آمد ۶۳۵

د۔ڈ۔ذ

داتا گنج بخش دیکھئے علی ہجویری

دانیال ۴۲۷، ۶۶۷

داؤد علیہ السلام ۲۴۶

تخت کی وراثت ۴۴۳

"میں نے کبھی متقی کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا" ۲۵۷

مسیح کا فرمانا کہ میں داؤد کا تخت قائم کرنے کے واسطے آیا ہوں ۱۰۰

دلیپ سنگھ

ناکام ہونے کی پیشگوئی ۲۷۷

دیانند پنڈت بانی آریہ دھرم

ہندوؤں کے مذہب پر ہاتھ صاف کیا ۸۵

حقوق اللہ کا اتلاف ۸۸

اس بات کا اعتراف کہ آنحضرت کی بعثت کے وقت ہندوستان میں گمراہی چھائی ہوئی تھی ۱۰۹

مرنے کی پیشگی خبر ۲۷۷

ڈکسن ۸، ۱۶، ۲۴

ڈگلس کپتان ڈپٹی کمشنر گورداسپور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مقدمہ قتل سے بری قرار دیا ۲۶۸، ۳۴۳

پادریوں کے مقدمہ میں مسیح موعود علیہ السلام سے عزت و احترام سے پیش آئے ۹۷

فیصلہ لکھتے وقت دل میں بے اطمینانی پیدا ہونا ۲۶۹

ڈوئی جان الیگزینڈر مدعی مسیحیت

۲۳۶، ۳۱۸، ۳۳۸، ۳۵۶، ۳۸۳، ۵۲۸

حضرت اقدس کا اس کے اخبار سننا ۴۸۲

امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے ۵۴

دعاوی ۳۳۹

سب عیسائیوں کو کافر قرار دیتا ہے ۳۲۷

عقائد میں تضاد ۳۳۹

معجزات مسیح کی ملی پلیدہ کی ۳۴۰

مخالفین کی چاہی کی پیشگوئی ۲۳۴

دولت کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے ۵۳۰

حضرت اقدس کی ڈوئی کے نام چٹھی کا خلاصہ ۲۵۰

حضرت اقدس کی طرف سے نشان نمائی کے مقابلہ کی دعوت ۲۳۶، ۲۵۱

آبزرور اور پایونیر میں اس کے نام حضور کی دعوت پر ریمارکس ۳۳۸

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے کاذب کے ہلاک ہونے کے متعلق دعا کی دعوت ۳۴۹

اس سے گویا خدا اتر کر لڑا ۳۲۱

ذوالقرنین

پیشگوئی کی حقیقت ۱۳۹

تین قوموں سے مراد ۱۴۰

مسیح موعود اور ذوالقرنین ۱۷۴

ر۔ز

راحب

مسیح کے نسب نامے میں مذکور ایک بدچلن عورت ۱۰۰، ۷۱۵

رام

دیانند کا لکھنا کہ رام کا نام وید میں نہیں ہے ۸۵

رام بھجدت پنڈت

آریہ پلیڈر جو پادریوں کی طرف سے مقدمہ میں پیش ہوتا رہا ۹۷

رام چندر

پرستش ۵۱۱

رجب علی پادری

پادری عماد الدین پر تنقید ۱۰۳

رحمت اللہ شیخ لاہور ۴۱۴

ایک رؤیا میں آپ کا ذکر ۴۱۳

یورپین بیوی سے بیٹا ہوا جس کا نام حضور نے عبد اللہ رکھا ۵۳۷

رحمت علی مذکوری ۳۲۶

رحمت مسیح بٹالہ

قادیان کے متعلق جھوٹ پر مبنی خط ۴۳۳

رحیم بخش منشی عرضی نویس

بعض اعتراضات ۴۵۶

وفات مسیح کا قائل ہو کر جنازہ پڑھنا ۴۵۴

رسل بابا امرتسری

طاعون سے موت ۵۷۰، ۵۷۱

رشید الدین خلیفہ ڈاکٹر

روڑکی میں "حضرت مصلح موعود کی بارات کا استقبال ۲۹۵

آپ کے اخلاص اور نور فراست کا ذکر ۳۱۳

انسان کی ابتدائی حالت کے متعلق اشتہار ۳۲۲

طبی مشورہ ۳۱۸

رضوی سید حیدر آباد دکن

حضرت اقدس کی خدمت میں کیوڑہ بھجوانا ۵۲۸

زکریا علیہ السلام

تین دن کلام نہ فرمانا ۴۴۷

زید رضی اللہ عنہ ۴۴۴

زین الدین محمد ابراہیم ۵۲۰

زینب رضی اللہ عنہا۔ ام المومنین

قرآن میں آپ کے واقعہ کا ذکر ۴۵۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ ۳۷۱

س۔ش

سراج الحق نعمانی پیر

حضرت مصلح موعود کی بارات میں شمولیت ۲۹۵

سراج الدین ۱۰۲، ۱۰۴

قادیان میں آمد اور فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ۷۹

اس نے اپنے عمل سے دوسروں کو بدظنی کا موقع دیا ۹۰

سرور شاہ مولوی۔ سید ۴۳۶

مباحثہ کی روئداد ۴۷۵

سفر امرتسر کے متعلق گفتگو ۴۸۵

مولوی ثناء اللہ امرتسری کا رقعہ آپ کے حوالہ کیا گیا ۶۸۴

ایک اشتہار ۴۸۳

مدراس سے آمدہ ایک ہندو کا سوال پیش کرنا ۵۱۸

سعد اللہ لدھیانوی

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی اولاد کے متعلق ایک اعتراض ۲۶۹

سعدی شیرازی دیکھئے مصلح الدین

سلطان بیگ ۲۴۹

سلطان احمد مرزا

حضرت اقدس کی دعا کے نتیجہ میں سردار حیات خان کی بحالی کے گواہ ۲۷۵

سلومی ایک یہودی ۴۲۲

سلیمان علیہ السلام ۱۳۰، ۲۴۶

ملکہ بلقیس کو توحید کا سبق دینا ۲۳۱

آپ کے لئے نوہازم کرنے سے مراد ۴۴۷

آپ کے عصا کو دابۃ الارض کا کھانا ۴۱۹، ۴۳۳

سلیمان شیخ سکھر

حضرت مولوی اسماعیل شہید کی آپ سے گفتگو ۴۲۰

سومراج پنڈت

نیوگ کا اقرار ۸۹

شاہ دین بابو

مولوی ثناء اللہ کا ذکر ۶۹۳

شاہ دین منشی سٹیشن ماسٹر مروان

مصائب پر صبر کے نتیجہ میں ترقی ۴۵۳

شائق (پادری)

اسلام کے خلاف زہریلی تحریریں ۳۶۰

شجاع شاہ

دنیا کی بے ثباتی کا اثر ۴۹

شرمپت۔ لالہ ۳۲۵، ۳۲۷، ۴۸۹

مسیح موعود علیہ السلام پر حسن ظن ۴۱۸

آپ کی معرفت الیس اللہ کی انگوٹھی بنوائی گئی ۲۷۰

شمبر داس کے واقعہ کا گواہ ۲۷۱
دیانند کے مرنے کی پیشگوئی کا گواہ ۲۷۷

شریف احمد مرزا

آمین ۳۸۵

شمس الدین میاں

براہین احمدیہ کے مسودہ نویس ۲۷۵

ص ـ ط

صدق سالم ملک

ابراہیم علیہ السلام کو تحائف دینا ۴۳۲

صدیق حسن خان نواب والی بھوپال

آیات پوری ہونے کا اعتراف ۱۵۸
آپ کا اقرار کہ کل اہل مکاشفات و ملہمین مسیح موعود کے بارہ میں چودھویں صدی سے آگے نہیں گئے ۳۰۳، ۵۴۴، ۵۸۶
آپ نے لکھا ہے کہ مسیح موعود قرآن کی طرف توجہ کرے گا ۳۸۱
صدی سے متعلق احادیث کو مجروح قرار دینا ۳۹۵
حضرت ادریس کو وفات یافتہ ماننے کا اقرار ۴۵۰

صفدر علی (پادری)

اسلام کے خلاف تصانیف ۳۶۰

صلاح الدین ایوبی

ملیشیں توڑنا ۱۲۹، ۳۶۷

ٹیطاؤس رومی TITUS ۱۸۷

یہود پر مظالم ۱۸

ع

عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا

جبرائیل نے آپ کی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی ۵۲۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرماتے۔ اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا ۶۵۹، ۲۲۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے دوڑ میں مقابلہ ۳۸۸
ایک واقعہ ۳۹۲
واقعہ افک ۴۵۶
حدیث پر قرآن کو مقدم فرمانا ۴۴۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو رؤیا کہتی ہیں ۴۴۶

عبداللہ امرتسری ڈاکٹر

اعتکاف ۵۸۷

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

ابوسفیان کو مسلمانوں کی افواج دکھانا ۳۴۰

عبدالحق قصوری منشی طالب علم

۷۰، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۹، ۹۲، ۱۰۳

عرصہ تین سال سے عیسائی تھے حضرت اقدس سے ملنے قادیان تشریف لائے ۶۹
اور اسلام کے متعلق گفتگو کی ۹۱
تیسری ملاقات
تثلیث اور الوہیت مسیح پر اپنا مضمون پڑھنا ۹۳

عبدالحق شیخ نومسلم

رسالہ اسلام النصاریٰ کا کچھ حصہ حضور کی خدمت میں سنانا ۳۰۱

عبدالحق پادری منشی

نہ مرے گا جب تک چوتھے لڑکے کی پیدائش کی خبر نہ سن لے ۲۳۷، ۲۶۹

عبدالحق غزنوی

نہیں مرے گا جب تک چوتھے لڑکے کی پیدائش کی خبر نہ سن لے ۲۳۷

عبدالحق

اللہ کا خاص فضل ۳۳۲

عبدالحکیم مولوی

امت محمدیہ میں الہام کا منکر ۳۹

عبدالحمید

ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ اقدام قتل میں پادریوں کا آلہ کار ۲۶۸، ۹۷
عدالت میں اظہار ۲۶۹

عبدالحی مولوی (فرنگی محلی)

بدعات و محدثات سے بیزار رہتے تھے ۳۸

عبدالحی ابن حضرت خلیفۃ المسیح الاول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق پیدائش ۲۷۰

عبدالرحمٰن

کابل میں شہید ۹۸

عبدالرحمٰن مدراسی سیٹھ ۶۷۳

عبدالرحمٰن قادیانی شیخ

اپنے ہندو والدین کے ساتھ دلجوئی اور حسن سلوک کی تلقین ۴۹۲

عبدالرحمٰن ماسٹر نومسلم ۲۲۷

عیسائی پرچہ امہات فینی سے مضمون سنانا ۵۶۵

عبدالرحمٰن لکھوکے والے

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا آپ کے نام خط ۲۴۷

عبدالرشید شیخ تاجر میرٹھ

ضمیمہ شحنۂ ہند میرٹھ کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کا مشورہ ۳۰۱

عبدالستار شاہ سید ڈاکٹر ۴۵۲

منشی رحیم بخش عرضی نویس کا خط پیش کرنا ۴۵۶

عبدالستار مولوی

تشریف آوری ۵۲۷

عبدالصمد آمدہ از کشمیر ۴۸۲

عبدالعزیز شاہ محدث دہلوی

آپ کے نزدیک شق القمر ایک قسم کا خسوف تھا ۶۷۳

آپ کے ایک شاگرد کا فلط فتویٰ ۴۰۴

عبدالعزیز سہارنپور

آپ کا خط کہ لوگوں میں قادیان کی زیارت کا بہت شوق پیدا ہوا ہے ۴۲۱

عبدالعزیز نمبردار پٹالہ میاں نبی بخش

توبہ نامہ ۳۳۹

عبدالعزیز مولوی لدھیانوی

ہلاکت ۲۴۰

عبدالقادر جیلانی سید ۱۵۳

شیئاللہ ۶۵

آپ کے کلام کا معجزہ ۴۱

آپ کی بعض عبارتیں جو قرآن کے رنگ کی تھیں ۳۸

اللہ تعالیٰ کو والد کی شکل میں دیکھنا ۱۹۹

اللہ تعالیٰ کو والدہ کی شکل میں دیکھنا ۳۴۸

امور شبہ بالہبرم بھی دعا سے دور کئے جاتے ہیں (عبدالقادرؓ) ۱۹۷

عارف کی عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے (عبدالقادرؓ) ۵۵۳

آپ کے چند اشعار ۲۹۸

عبدالکریم سیالکوٹی مولویؓ

۲۲۵، ۲۲۶، ۲۸۵، ۲۹۴، ۳۰۴، ۳۲۱، ۳۳۴

۵۰۵، ۵۷۸، ۵۹۰، ۶۳۲، ۷۳۰

بعض دفعہ نووارد آپ کو ہی حضرت صاحب سمجھتے تھے ۳۸۸

بارعب و پرشوکت آواز ۲۳۵

قیام فی ما اقام اللہ ۵۷۵

قادیان سے باہر جانا پسند نہ تھا ۵۷۵

باوجود طبیعت علیل ہونے کے رات تین بجے تک مواہب الرحمٰن کی کاپیاں اور پروف پڑھتے رہے ۶۹۱

حضور کی بیماری کے سلسلہ میں دل میں رقت ۲۱۳

اللواء کے جواب کی فصاحت و بلاغت کی تعریف ۶۰۱

السلامت کی اشاعت بذریعہ خطوط ۳۶۸

آپ کی بعض رؤیا ۲۹۳، ۵۷۳

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے اخلاص اور صدق کا ذکر ۳۳۳

آتھم کے رجوع کی گواہی ۵۱۳

ایک نکتہ ۳۵۸

مولوی عبدالرحمٰن لکھوکے والے کے نام خط ۲۴۷

حضرت اقدس کے حضور ایک احمدی کی ترجمانی ۶۱۱

ڈوئی کے نام چٹھی پڑھ کر سنانا ۲۵۰

جماعت کو چندہ کی تلقین کریں ۳۴۳

شحنہ ہند کے ایک خط کا ذکر ۳۳۷

گورداسپور سے واپسی ۵۷۷

عبداللہ سنوری

سرخی کے چھینٹوں والی رؤیا کے شاہد ۶۵۵

عبداللہ عرب سید ۵۲۱

کشتی نوح کے چند اوراق کا عربی ترجمہ کرنا ۴۸۴

علی حائری کے جواب میں عربی رسالہ ۴۸۵

رد شیعہ پر تصنیف ۴۹۰

عبداللہ مولوی کشمیری ۴۴۶

حضرت اقدس کے سامنے ایک فارسی نظم پڑھنا ۲۳۷

مباحثہ کی روئداد سنانا ۴۷۵، ۴۷۶

دھرم کوٹ میں مباحثہ کا تذکرہ ۳۱۶

جلسہ ندوۃ العلماء کی روئداد کا تذکرہ ۳۳۸

علالت طبع اور حضرت اقدس کی ہمدردی ۵۲۷

عبداللہ خان چوہدری

نمبردار بہلول پور

حکام اور برادری سے سلوک کے متعلق استفسار ۲۴۲

عبداللہ

شیخ رحمت اللہ صاحب کی یورپین بیوی سے پیدا ہونے والا فرزند جسے حضرت اقدس نے "لندن میں اول ولد الاسلام" قرار دیا ۵۳۷

عبداللہ غزنوی ۵۱۶

آپ کا ایک کشف اور ایک الہام ۵۵۴

بیویوں کا استغراق ۲۲۰

عبداللہ چکڑالوی

حضرت اقدس کی رؤیا میں ۵۳۷

فتنہ انکار حدیث ۵۳۶

مقام حدیث کے بارہ میں تفریط ۴۴۴

وجوہ کفر ۲۴۷

عبدالمنان حافظ وزیر آبادی

سلسلہ کا معاند سخت دشمن ۳۷۱

عبداللہ بن عباس

آپ کے نزدیک شق القمر ایک قسم کا خسوف تھا ۶۷۳

عبداللہ بن عبدالمطلب ۳۷۶

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۲۲۷، ۴۲۴

عزیر علیہ السلام

آپ بھی آیت اللہ تھے ۲۹۱

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۱۷۸، ۳۲۳

خوارج آپ کو گالیاں دیتے ہیں ۳۳۰

علی حائری سید شیعہ مجتہد

۳۲۹، ۳۲۴، ۳۸۵

فضیلت امام حسین ۲۴۰

علی محمد

شہر دماس کے متعلق الہام خبر دینا ۲۷۱

علی ہجویری داتا گنج بخش۔ لاہور

آپ کے مزار پر رہنے والے دو فقیروں کی تصدیق ۵۰۳

عماد الدین پادری ۱۰۳

اسلام کے خلاف خطرناک تحریریں ۳۶۰

مسیح کے نسب نامے میں تین عورتوں کو بدکار قرار دینا ہے ۷۱۵

انجیل میں تلاب کے قصہ کو الحاق قرار دیتا ہے ۱۲۷

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

۳۲۹، ۳۳۱، ۳۸۸، ۴۲۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ ۲۵۸

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے سبب اسلام قبول کیا ۶۸

آپ محدث تھے ۳۹

رضیت باللہ ربا و بمحمد نبیا کا اقرار ۵۵

حسبنا کتاب اللہ ۳۸۲

نصف مال پیش فرمانا ۳۱۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پُر مشقت سادہ زندگی دیکھ کر چشم پُر آب ہونا ۲۶۰

سیاست مدنی اور جہاں بانی ۱۱۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میانگوئی کو پورا کرنے کے لئے ایک صحابی کو سونے کے کڑے پہنانا ۴۷، ۵۰

حدیبیہ کے موقعہ پر آپ کا ایک اقتباء ۴۷۷

آپ کا قصہ ۵۵۵

ضد چھوڑی تو بادشاہ ہو گئے ۵۵۴

عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام

۲، ۳۴، ۵۳، ۱۷۸، ۲۰۹، ۲۳۸، ۲۸۸، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۳۱، ۳۷۷، ۴۰۸، ۴۲۲، ۴۳۴، ۵۳۴، ۵۶۹، ۶۷۳، ۶۸۲

عبرانی میں یہ لفظ مسیح ہے جس کے معنی خلیفہ کے ہیں ۳۴۴

مسیح کے معنی بہت سیر کرنے والا ۵۹۰

عیسیٰ اور یسوع میں سے کون سا نام اصلی ہے ۵۰۴

ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے ۲۹۰، ۵۹۱

آپ کی پیدائش خارق عادت امر تھی ۴۴۶

آپ اور آپ کی والدہ کی زبان عبرانی تھی ۱۰۴

آنے والے مسیح سے علیہ کا فرق ۴۷۱

آمد ۳۷۲

موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے ۱۰۲، ۳۰۹

موسوی سلسلہ خلافت کا خاتم الخلفاء ۳۶۱، ۳۸۳، ۶۲۳

آپ کے وقت تک یہود میں نبی آتے رہے ۷۵

حضرت یحییٰ سے زمانہ میں اشتراک ۱۷۴

قرآن کریم کا آپ پر احسان ۴۲۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ پر احسانات ۳۹۳، ۴۹۴، ۵۰۶

آپ کے نقش قدم پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد ۹۱

میں اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں (مسیح موعود) ۲۵۱

آپ کو رؤیا میں دیکھنے کی تعبیر ۲۹۳

مقام

تورات کے صرف شارح تھے ۲۲۱، ۲۱۷

"میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں" کا مطلب ۳۳۶، ۳۳۷

آپ کی دعوت صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی ۱۸۰، ۲۲۸، ۲۷۷

آپ نے یحییٰ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی ۵۲۱

یحییٰ کا آپ پر ایمان لانا ثابت نہیں ۴۳۲

کلمۃ اللہ ہونے کی حقیقت ۴۲۵

روح منہ یا روح اللہ ہونے کی حقیقت ۴۰۶، ۴۰۷

روح عیسیٰ کا نافخ ہونا ۲۱۸

آپ کے **ایہ اللہ** ہونے میں کوئی خصوصیت نہیں ۲۹۱

قرآن و احادیث میں آپ کے معصوم ہونے کے ذکر کی وجہ ۲۰۲

انہ لعلم للساعۃ کی حقیقت ۴۷۱

اناجیل کی رو سے آپ کا مقام

بائبل کی رو سے آپ کے حالات زندگی ۹۹

اناجیل کی رو سے آپ کے اخلاق

بہت ناقص ہیں ۱۱۹، ۱۲۰

غیر کامل نمونہ ۱۱۸، ۱۵۹

معصوم قرار نہیں پاتے ۱۵۹

نیک کہلانے سے انکار ۹۹

افعال اور اقوال میں تناقض ۹۵

پوری طرح قوم کی اصلاح نہ فرما سکے ۱۰۶

آپ نے بہشت و دوزخ کی حقیقت بیان نہیں فرمائی ۱۳۷

دعاؤں کا جواب دینے سے قاصر ہیں ۱۳۸

اپنے حواریوں کی بھی صحیح تربیت نہ کر سکے ۱۳۵، ۱۳۷

آپ کے حواریوں کی ضعیف الاعتقادی اور اخلاقی و ایمانی احوال ۳۶۱، ۶۰

جنگ کرنے کا شوق ۳۳۳

آپ کے وقت میں ارتداد ۶۸۹

غیر محرم سے تبل ملوانا ۴۳۱

تعلیم

ایلیا کی دوبارہ آمد کے متعلق آپ کا فیصلہ۔ آپ نے یحیٰ کو الیاس قرار دیا ۴۷۱'۳۷۳'۳۷۴

بنی اسرائیل کو علم کی تعلیم دینے کی وجہ ۳۰'۶۶۷

حواریوں کو کپڑے بیچ کر تلواریں خریدنے کی تعلیم ۱۰۰

آپ کا قول:۔ "نبی بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں" ۵۲

موسوی جماعتوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے اور اخلاقی تعلیم پر زور دیتے تھے ۳۶۲

موسوی جنگوں کے اعتراض پر حضرت مسیح بھی جوابدہ ہیں ۷۲

ایک اجتہادی غلطی ۴۷۷

پیشگوئیاں اور معجزات

آپ کی پیشگوئیاں اور ان کا معیار ۸۴'۹۶

آپ نے اپنی آمد کا زمانہ نوح کے زمانہ کی طرح قرار دیا ہے ۴۳۱

آپ کے وقت میں بھی طاعون ظاہر ہوئی تھی ۳۵۳

مردوں کو زندہ کرنے کی حقیقت ۴۲۶

سلب امراض کی قوت ۲۸۰

سلب امراض کی حقیقت ۴۶۲

سلب امراض کے معجزات ۱۲۷'۲۵۰'۴۴۱

آپ کے معجزات دیکھنے والوں نے فائدہ نہ اٹھایا ۲۶۷

آپ کے شاگردوں نے فائدہ کا نشان پایا ۴۴۳

مخالفت اور ابتلاء

آپ پر ابتلاؤں کی شدت ۲۸۴

یہود کی طرف سے آپ پر کفر کے فتوے ۱۶۸'۴۴۷

آپ کو دیوانہ اور مجنوں کا خطاب دیا گیا ۶۷۲

یہود کا آپ کو ملعون قرار دینے کی وجہ ۴۸۶

یہود کی آپ پر ایمان لانے میں مشکلات ۴۲۱'۵۹۸'۶۷۲

آپ کی زبان سے یہود پر لعنت ۲۳۹

واقعہ صلیب اور اس سے بچایا جانا

آپ کو صلیب پر ضرور لٹکایا گیا لیکن آپ اس سے زندہ اتر آئے ۴۵۰

پطرس کی ایک تحریر سے آپ کے واقعہ صلیب سے بچنے کی تائید ۳۱۴

صلیب پر نہ مرنے کے دلائل ۷۶

مریم عیسیٰ آپ کے صلیب سے زندہ اتر آنے کا ایک ثبوت ہے ۷۷'۱۲۸

آپ کی لاش آپ کے ایک شاگرد کے سپرد کی گئی تھی ۷۷

رفع اور نزول

جس عورت کی شہادت پر مسیح کو آسمان پر چڑھایا جانا ہے وہ اچھے چال چلن کی عورت نہ تھی ۷۷

رفع کی حقیقت ۲۷۸'۳۴۲

آپ کے عدم نزول پر آیت **فلما توفیتنی** نص ہے ۲۴۶

وفات

مسئلہ وفات مسیح کی اہمیت ۱۸۸

قرآن کریم کی تیس آیات سے آپ کی وفات ثابت ہے ۱۹۲

فلما توفیتنی کے معنی ۴۷۵

وفات ۴۷۰

وفات پر دو گواہ ۲۲۹

آپ کا جنازہ ۴۵۲

وفات مسیح کے مسئلہ نے ہی صلیب کو پاش پاش کر دیا ہے ۳۶۸

قبر مسیح

آپ کو واقعہ صلیب کے بعد اونچی جگہ پناہ دی گئی ۲۹۳

۱۲۰ سال کی عمر میں کشمیر میں وفات پاکر دفن ہونے کا ذکر ۷۶

سرینگر میں قبر مسیح ۱۲۸

آپ کی قبر کے متعلق یورپ میں اشتہار کی اشاعت کا ارادہ ۲۱۹

یوز آسف اور شہزادہ نبی ۷۶

موجودہ عیسائیت کا یسوع مسیح

پولوس کی ساری عمر آپ کی مخالفت میں گذری ۲۰۷

عیسائیت کی بنیاد حیات مسیح پر ہے ۱۲۵

عیسائیوں کے نزدیک مسیح کا خون نجات دیتا ہے ۱

آپ کی تعریف میں غلو اور اطراء کیا گیا ہے ۲۱۵

آپ کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ۷۹

مسئلہ تعدد ازدواج پر اعتراض کر کے مسیح علیہ السلام پر حملہ کیا گیا ہے ۷۳

الوہیت اور ابنیت

آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا جانا ۱۸۶

یورپ نے آپ کو خدا مان لیا ۳۲۱

اناجیل کی رو سے آپ نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ۹۳

الوہیت کی تردید کے دلائل ۹۵'۹۶'۹۹'۱۲۸

اناجیل کی رو سے آپ کی بے کسی خدائی ۱۷۹'۵۱۲

اپنے ابن اللہ کہلانے کا جواب ۹۸

ابنیت کا رد ۹۵

موازنہ

قرآن کریم کی پیشگوئیوں سے آپ کی پیشگوئیوں کا موازنہ ۳۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ پر فضیلت ۸۷'۱۸۰'۲۴۵

مسیح موعود علیہ السلام کی آپ پر

فضیلت ۲۱۳، ۲۹۱
امام حسین کے مقابلہ میں آپ کی قربانی ۴۳۷
آپ کی تیار کردہ جماعت صفائی نفس اور تزکیہ باطن میں صحابہ کے مدارج کو نہیں پہنچی ۴۸۰
آپ کے متبعین اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین کا موازنہ ۹۸

آپ کے متعلق موجودہ مسلمانوں کے عقائد

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور آپ کی اتباع میں فنا نہیں تھے ۶۷۴
آپ کے متعلق عام مسلمانوں کے موجودہ عقائد ۲۳۶، ۴۰۲
آج کل کے علماء آپ کی عظمت کو حد سے بڑھاتے ہیں ۱۳۰
آپ کے متعلق موجودہ مسلمانوں کے عقائد عیسائیت کی تائید میں ہیں ۴۹۶
صحابہ ان کی اس شان کے قائل نہ تھے جو مسلمانوں نے بنا رکھی ہے ۴۹۳

غ

غلام احمد قادیانی مرزا۔ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

احمد کے معنی ۵۱

پیدائش / خاندانی حالات

قومیت اور نسب ۵۰
آپ کے والد بڑے بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھے ۲۰۰
والد کی آمدنی دو ہزار کے قریب تھی ۲۷۰
قریشی ہونے کی حقیقت ۴۵۹
پیدائش میں ایک لڑکی کا ساتھ ہونا ۵۰
ہمارے خاندان میں پچاس کے قریب آدمی تھے وہ قریباً سب کے سب خاک کے نیچے چلے گئے ۲۸۸
پہلے لڑکے کی وفات ۱۶۸
صبر کے نتیجہ میں چار فرزند عطا ہوئے ۱۶۸
الدار کی توسیع ۴۴۲
بچپن میں دائیں ہاتھ پر ضرب آئی تھی ۵۱۵
دو بیماریاں ۳۹
مجھے ایسی مرض ہے کہ دن کے آخری حصہ میں وہ عود کرتی ہے ۵۶۱
ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس (بیٹ) کے تلے کھیلا کرتے تھے ۴۸۷
اول میں بٹالہ تک کئی بار پیدل چلا جاتا تھا اور پیدل آنا اور کوئی کسل اور ضعف مجھے نہ ہوتا ۴۲۱، ۵۶۲
حضور کا معمول ہے کہ جمعہ کو سیر کے لئے تشریف نہیں لے جاتے ۳۰۱
خط کے آخر میں دستخط کے ساتھ مہر کا استعمال ۶۸۶
پادری گرسٹورڈ کی آپ کے متعلق کتاب "میرزا غلام احمد' قادیان کا مسیح اور مہدی" ۶۱۰

سیرت و سوانح

مشاہداتی طبیعت Observation ۶۲۴
ہماری فراست نے خطا نہیں کی ۵۲۸
شہرت سے اجتناب ۶۱۸
اگر میری مرضی پر ہوتا تو میں تخلیہ کو بہت پسند کرتا تھا ۱۵۸
ذاتی اغراض کے لئے عدالتوں میں نہ جانا ۶۷۴
سیرت کی چند باتیں ۶۷۵
ہم کو تکلف اور تصنع کی حاجت نہیں ۶۴۳
سادگی اور بے تکلفی ۳۸۸
ہمت اور بہادری ۵۲۷
میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نوع انسانی کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور دوست میں ہوں ۴۱، ۴۳
میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں اپنے دشمن کا بھی سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوں ۱۰۳
ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دعا نہ کی ہو ۶۸
لوگوں کا کثرت سے آپ سے علاج کروانا ۴۹۱
ایک مریض کے لئے شفقت ۵۸۳
تیمارداری کے لئے مریض کے گھر تک جانا ۲۴۱
ضعیف افراد کے لئے ٹھہر جانا ۳۸۳
ایک نابینا کی درخواست پر کھڑے ہونا ۵۵۲
ایک طالب علم کی تکلیف کا احساس ۴۹۱
مہمان نوازی ۸۰، ۹۱
مسٹر ڈکسن کو قادیان سے چار میل تک رخصت کرنے جانا ۲۵
پروفیسر سراج الدین عیسائی کا اقرار کہ مسیح موعود علیہ السلام انہیں تین میل تک چھوڑنے آئے تھے ۷۹
آپ کا عید کے دن احباب جماعت کے لئے میٹھے چاول تیار کروانا ۶۳۷
ایک احمدی کی نماز جنازہ خود پڑھانا ۵۷۳
جسمانی محنت اور مشقت ۵۷۲
کثرت کار ۷۰
خود کام کرنا ۵۷۰
لاہور میں قیام گاہ سے پاپیادہ سٹیشن تشریف لے جانا ۷۱۷
خدا نے میرے دل کو اس سے پاک بنایا ہے کہ اس میں بے انصافی ہو ۹۲
حسن ظنی ۴۳۴
ہمارے لئے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں ۳۰۱
اعتراف میں فخر ۴۵۷
احباب جماعت کی تکالیف پر کرب و اضطراب ۲۸۸
مسلمانوں پر عیسائیوں کے گہرے اثرات پر صدمہ ۳۵۸
پادری گرسٹورڈ کے لئے ہدیہ کے

بدلے ہدیہ ۶۸
مدراس میں آپ کا ایک غیبی عاشق ۵۶۷

تعلق باللہ

خدا تعالیٰ سے محبت کے بارہ میں آپ کی نظرت ۳۴۴
فوق الفوق قادر ہستی پر ایمان ۲۳۱
ہمارا خدا ناطق ہے اور ہماری دعائیں سنتا ہے ۷۰
ہمارا ایمان ہے کہ سب اس کے ہاتھ میں ہے ۵۷۸
اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے اظہار کے لئے کوشاں ۳۹۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

عشق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت ۲۷۴
غزنویوں کی طرف سے آپ پر اعتراض کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ضرورت سے زیادہ کی ہے ۵۱۵
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا امام اور حکم مانتے ہیں ۳
ہم تابع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو عربی تھے ۵۹۷
میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد و مناقب اور تمام صفات جمیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کروں ۲۱۵
اس الزام کا جواب کہ آپ نے خاتم النبیین کی مہر کو توڑا ہے ۶۵
مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بامور بت کلا عوبی مردود و مخذول ہے ۲۱۵
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنت پر عمل کرتا ہوں اور اس پر ایک نقطہ یا شوشہ بڑھانا کفر سمجھتا ہوں ۳۵۷

مجاہدات

چھ ماہ تک روزے رکھنا ۵۷
۱۵ برس کی عمر سے عیسائیوں سے مباحثات ۳۳۲
اشاعت دین اور تبلیغ کا جذبہ ۲۱۹
ہم تو اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں' ہماری طرف سے کوشش ہی کیا ہوئی ہے ۵۰۹
میرے اعضاء تو تھک جاتے ہیں لیکن دل نہیں تھکتا وہ چاہتا ہے کہ کام کئے جاؤ ۲۹۱
ان لوگوں کو کیا علم ہے کہ ہم کس طرح راتوں کو کام کر کر کے کتابیں چھپواتے ہیں ۲۹۰
یہ وقت بھی ایک قسم کے جہاد کا ہے' میں رات کے تین تین بجے تک جاگتا ہوں ۵۰
رات' آدھی رات تک بیٹھا رہا۔ نیت تو ساری رات کی تھی مگر کام جلدی ہی ہو گیا ۲۹۱
۲۶ ہزار اشتہار بذریعہ رجسٹری یورپ اور امریکہ بھجوائے ۳۳۲
طبیعت کی ناسازی کے باوجود متواتر حق کے ساتھ دینی گفتگو ۷۰
عربی زبان میں ایک عرب کو تبلیغ ۱۵۵

قلمی جہاد

آپ کا ہتھیار اور حربہ ۴۳
لوہے کے قلم کا استعمال ۵۸۴
اعجاز احمدی کی معجزانہ تصنیف اور مخالفین کی شرمساری ۵۲۰
اعجاز المسیح کی تصنیف ۲۲۶
عربی تصانیف کی اہمیت ۲۳
جب میں عربی لکھتا ہوں تو الفاظ اور فقرے افواج کی طرح سامنے کھڑے ہوتے ہیں ۲۲۶
آپ کی عربی تصانیف میں ترجمہ کا فائدہ ۵۲۱
فارسی میں رسالہ لکھنے کا ارادہ ۵۲۵
تحفہ غزنویہ اور کشتی نوح کی اشاعت ۳۰۴
تحفہ الندوہ کی تصنیف و اشاعت ۳۰۴
۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ کو ندوہ کے لئے ایک اشتہار کی تصنیف ۳۰۱
مصری اخبار الواء کا عربی میں جواب اور فارسی ترجمہ فرمانا ۵۷۲
انجمن حمایت اسلام کے اشتہار کا جواب لکھنا ۲۰۳
جمعہ کی تعطیل کے متعلق میموریل کی تجویز ۵۲۵
مولوی ثناء اللہ امرتسری کے رقعہ کا تحریری جواب ۶۸۴'۶۸۵
عید کے مبارک موقعہ پر ایک اشتہار کی اشاعت ۳۲۵

مقام

آپ کو بھی الہام میں آیت اللہ قرار دیا گیا ۲۹
آپ کے الہامات میں آپ کا نام "کلمہ" بھی رکھا گیا ہے ۳۲۵
ہم اپنے آپ کو امت محمدیہ میں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فنا شدہ کہتے ہیں ۶۷۳
رسول کریم کے جملہ کمالات علی طور پر آپ کو عطا کئے گئے ۲۰۱
ہماری مسجد کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ رکھا ہے ۴۵۱
میں قرآن شریف کا مصدق و مصداق ہوں ۳۶۶
میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں جو کرتا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اشارہ سے کرتا ہوں ۳۵'۵۰
ہم ہر روز (فرشتوں کو) دیکھتے ہیں ۳۳۳
میں خارق عادت امور مشاہدہ کرا سکتا ہوں ۱۳
میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر خوشحالی اور

قطعیت ملتی ہے ۵۴
میں انسان کو گناہ سے بچنے کا حقیقی
ذریعہ بتاتا ہوں ۲۳
میں یقین رکھتا ہوں کہ جو صبر اور
صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ
ہلاک نہ کیا جائے گا ۳۷۷
آپ کی کشتی نوح۔ جو اس میں سوار
ہو گا وہ بچ جائے گا ۳۲۳
جو طالب حق ہے وہ ہماری صحبت میں
رہے ۵۹۳
اندرونی تاریکیوں کو دور کرنے کے
لئے آپ کی صحبت کی ضرورت ۱۵
حلاشیان حق کو اپنے پاس رہنے کی
دعوت ۳۳۵
جسے اسلام کے زندہ مذہب ہونے کے
بارہ میں شک ہو وہ میرے پاس آئے ۱۰۹
اگر کسی کو شک ہے (کہ اسلام جبر سے
پھیلا ہے) تو وہ میرے پاس رہ کر دیکھ
لے ۴۲۹
آپ کو اونچی جگہ پناہ دیئے جانے سے
مراد ۲۹۳
آپ کی ذات میں بہت سے "جمع" یا
"اجتماع" ۵۰

مقصد بعثت

بعثت کا مقصد اور غرض ۸'۱۰'۱۴
۱۵'۲۴'۱۴۹'۱۸۶'۶۳۹'۶۷۷
میرے آنے کی غرض بھی وہی
مشترک غرض ہے جو سب نبیوں کی
تھی ۹
آپ کی بعثت کے اسباب میں سے
ایک سبب مسلمانوں کی موجودہ حالت
ہے ۷۰۹
خدا تعالیٰ نے مجھے اصلاح کے لئے کھڑا
کیا ہے ۲۸۲
میرا ایک کام یہ بھی ہے کہ تکمیل
اشاعت ہدایت کروں ۳۷۳
میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ ہر اعتقاد
اور قرآن کریم کے قصص کو علمی
رنگ میں ظاہر کروں ۱۷۴
اللہ نے اسلام کو کل امتوں پر غالب
کرنے کے لئے مجھے مامور کر کے بھیجا
۱۰۶'۳۵
اس نے مجھے بھیجا ہے تا میں صلیبی
چالبازیوں اور زندہ نشانات کے ساتھ
اسلام کو غالب کروں ۱۳۰'۷۱۰
ہمارا مدعا جس کے لئے خدا نے ہمارے
دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ
صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے ۶۴
ہمارا اصل منشاء اور مدعا آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اور
آپ کی عظمت کو قائم کرنا ہے ۲۰۰
اصل میں ہمارا منشا یہ ہے کہ رسول
کریم ؐ کی تقدیس ہو اور آپ ؐ کی
تعریف ہو اور ہماری تعریف اگر ہو تو
رسول اللہ کے ضمن میں ۲۰۵
بعثت کی غرض خدا تعالیٰ کی توحید اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
عزت کا دنیا میں قیام ۲۱۵
سب سے اول میرا فرض ہے کہ خدا
کی توحید قائم کرنے کے لئے تبلیغ و
اشاعت میں کوشش کروں ۲۳۵
ہمیں خدا نے اس لئے مامور کیا ہے کہ
جو حد سے زیادہ شائیں خدا کی مخلوق
کی بنائی ہوئی ہیں ان کو دور کر دیں ۴۲۳
میں دنیا میں قوت یقین پیدا کرنا چاہتا
ہوں ۲۳
خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ میں ان (مسیح
اور مریم) کی اصل عزت قائم کروں ۷۹
عظیم الشان امور دینی کی طرف متوجہ
ہونے کی وجہ سے ادنیٰ امور کی طرف
توجہ نہیں دی جا سکتی ۲۱۱
اس طوفان میں میری بنائی ہوئی کشتی
ہی نجات کا ذریعہ ہو گا ۴۳۱

دعاوی

دعوائے ماموریت و مہدویت
۶۵'۸۰'۹۷'۳۵۹
اس نے مجھے صدی چہاردہم کا مجدد کیا ۳۷۰
میں وہی ہوں جس کا خدا نے وعدہ کیا
تھا ۳۶
آخری خلیفہ ۱۸۷
میں نور محمدی کا قائم مقام ہوں ۹۰
خدا تعالیٰ نے میرے سب نبیوں کے
نام رکھے ہیں ۳۱۶'۳۴۶'۳۱۷
مختلف انبیاء کے نام رکھے جانے کی
وجہ ۲۰۱
میرا نام آدم رکھا گیا ۱۴۶'۱۷۰
آدم نام رکھے جانے میں حکمت ۵۰
خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح رکھا ہے ۴۳۱
ابراہیم نام رکھا جانے کی وجہ ۲۰۱
ذوالقرنین ۱۳۹'۱۷۴
ایک الہام میں آپ کو کرشن کے نام
سے مخاطب کیا گیا ہے ۲۰۱
حضرت یحییٰ سے نسبت ۲۰۳
اللہ نے پہلے میرا نام مریم رکھا اور پھر
مسیح ۴۰۱
اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا ۴۵۸
میں اور وہ (مسیح) ایک ہی جوہر کے دو
ٹکڑے ہیں ۲۵۱
براہین کے الہامات میں آپ کو اور
مسیح بن مریم کو ایک ہی جوہر کے دو
ٹکڑے قرار دیا گیا ہے ۳۲۰
اس نے نبی ناصری کے نمونہ پر مجھے
بھیجا ہے ۹۱'۱۸۷
مسیح موسوی سے موازنہ ۴۶۳
اپنی بیشگوئیوں کا مسیح کی بیشگوئیوں
سے موازنہ ۹۶
مسیحؑ اور حسینؓ پر فضیلت کی حقیقت
۲۱۳'۲۴۴
میرا انکار میرا انکار نہیں ہے بلکہ اللہ
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کا انکار ہے ۳۶۳

دلائل صداقت

اپنی صداقت پر یقین ۶۴۳

ہم کو اس کام کے بدلہ میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے آگ میں ڈالا جائے تو ہمارا یقین ہے کہ آگ جلا نہیں سکے گی ۲۱۸

قرآن کریم میں مسیح موعود کی بعثت کی پیشگوئیاں ۳۲

اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے ۵۸۳

قرآن شریف کے نصوص پر میرے دعویٰ کو سوچیں ۷۰۹

میں اپنے دعویٰ کو منہاج نبوت کے معیار پر پیش کرتا ہوں ۳۸۰

مجھے ان ہی آثار اور نشانات کے ساتھ شناخت کرو جو خدا کی طرف سے آتے ہیں ۲۵۹

صداقت معلوم کرنے کی آسان راہ ۳۶۶

خدا تعالیٰ سے فیصلہ طلب کریں

صداقت کے ثبوت ۳۴۱، ۶۶۲، ۶۸۲

دلائل صداقت ۱۹۳، ۲۵۹

مامور ہونے کی شہادات ۳۶۰

براہین میں مسیح کی دوبارہ آمد کا ذکر اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کا دعویٰ بناوٹ سے نہ تھا ۴۵۶، ۵۹۱

(آپ کی تحریرات میں) ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے ۴۸۳

لغات جو دل میں آتے ہیں میرا دل اس وقت گواہی دیتا ہے کہ اندر فرشتہ بول رہا ہے ۶۹۰

تائیدات الہیہ ۱۹۰

اللہ تعالیٰ کی طرف سے **تکفل** ۲۷۰

آپ کے لئے زور آور حملوں سے مراد ۳۲۴

نشانات

خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق اور معارف مجھ پر کھول رہا ہے ۱۷۴

قرآن کریم کی متابعت میں آپ کو کلام کا نشان دیا گیا ۴۱

عربی دانی کا معجزہ ۴۸۱

مجھے استجابت دعا کا نشان دیا گیا ہے ۵۴

خارق عادت رویت ۱۲۲

مسیح موعود اور مہدی کے لئے کسوف وخسوف کا نشان ۴۲

اقدام قتل کے مقدمہ سے برئت کا نشان ۱۹۶، ۲۶۸

برکت کا ایک نشان ۲۸۶

طاعون میرا نشان ہے ۳۵۳

سارے ملک میں طاعون پھیلا کر قادیان کو بچانے کا نشان ۲۰۲

خدا نے میرے وجود کے باعث سارے گاؤں (قادیان) کو اپنی پناہ میں لے لیا ۱۴۱

حفاظت کا وعدہ ۲۸۵

یاتون من کل فج عمیق کا نشان ۲۷۹

تدریجی ترقی ۲۴۶

ایک چینی قیافہ شناس کا آپ کی تصویر دیکھ کر آپ کو صادق قرار دینا ۵۷۹

آخر خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کردے گا ۳۸۰

مسلک

ہمارا ایمان ہے کہ شفاعت حق ہے ۷۰۱

حضرت ابراہیم کے آگ سے سلامت نکلنے کے متعلق ایمان ۲۱۸

شق القمر ایک قسم کا خسوف تھا۔ ہمارا مذہب بھی یہی ہے ۶۷۳

ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے ۲۹۰، ۵۹۱

میں مشرب حسن پر ہوں کہ جس نے جنگ نہ کی ۵۶۲

ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہی رہا ہے کہ جو قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو وہ اگر ضعیف بھی ہو تب بھی اس پر عمل کرنا چاہئے ۴۵

مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث **لا مھدی الا عیسٰی** صحیح ہے ۴۵

سلف صالحین کے متعلق آپ کا مسلک ۲۰۵

مولوی عبد الحی صاحب جنہوں نے اتباع سنت کیا ہے مجھے ان سے بہت محبت ہے ۳۸

میں طبعاً اور فطرتاً اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے .... بلکہ سخت مطر میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے ۴۵

جمع بین الصلوتین مہدی کی علامت ہے ۴۵

نمازوں کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے ایماء اور القا سے تھا ۴۵، ۴۹

نماز عید پڑھنے کا طریق ۶۲۷

بچوں کی ولادت پر دعوت عقیقہ دینے کا مقصد ۳۹۴

مخالفت

مخالفت کی وجوہات ۱۹۰

کفر کے فتوے اور مخالفت کے طوفان اور قرآن کریم میں ان کا ذکر ۱۶۹

ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا ۳۰۱، ۶۸۶

مخالفین سے مباشات نہ کرنے کا عہد ۳۱۷، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۷

مخالفین کی گالیوں کی پروا نہ فرمانا ۳۴

اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخالفین کی ہمتوں کو سلب کر لیا ہے ۴۲

آپ کی تکذیب کا نتیجہ ۳۵۵

مخالفین کے مضامین سننے کی حکمت ۴۸۲

دس برس میں مخالفین کے رویہ میں فرق ۳۳۸

مخالفین طاعون کو ہماری شامت اعمال کا نتیجہ قرار دیتے ہیں ۳۲۴

مخالفین کی طرف سے آپ پر مستقل نبوت کے دعویٰ کا الزام ۶۴

لیکھرام کو قتل کروانے کے الزام کا جواب ۵۹۴

حج نہ کرسکنے کے اعتراض کا جواب ۲۸۳

مخالفین کو چیلنج

جو مجھے حق پر نہیں سمجھتا وہ مجھ سے مباہلہ کرلے ۵۴

مباہلہ کرنے والے مخالفین کی ہلاکت ۴۴۰

قرآن شریف کے حقائق و معارف عربی زبان میں لکھنے کی تحدی ۴۰

آپ کے مقابل پر علماء عربی لکھنے سے عاجز آجاتے ہیں ۴۸۵

عیسائیوں کو مباحثہ کی اور نشان نمائی کا چیلنج ۸۵، ۹۰

جان الیگزینڈر ڈوئی کو مقابلہ اور نشان نمائی کی دعوت ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۵۱

الہامات حضرت مسیح موعودؑ

اپنے الہامات کے بارہ میں خدا تعالیٰ کی قسم ۲۱۵

عربی میں کثرت سے الہامات کی وجہ ۵۹۷

انگریزی، اردو اور فارسی میں بھی الہام ہوئے ہیں ۵۹۸

مخالفین کی طرف سے فتویٰ کفر سے پہلے الہامات ۱۶۹

سورۃ والعصر میں دنیا کی تاریخ موجود ہے جس پر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام سے مجھ کو اطلاع دی ہے ۱۴۴

مولوی نذیر حسین دہلوی کے متعلق الہام مات ضال هاشما سے اس کی تاریخ وفات (۱۳۲۰ھ) نکلتی ہے ۴۰۱

عربی الہامات

ابراء ۲۶۸

اتی امر الله

فلا تستعجلون ۳۱۹، ۳۲۳

اجهز جیشی ۳۱۶

احافظک خاصة ۴۰۷

ا حسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وهم لا یفتنون ۴۱۸

اذا جاء نصر الله والفتح و انتهی امر الزمان الینا الیس هذا بالحق ۳۴۰، ۵۴۷، ۴۳۶

اریک برکات من کل طرف ۷۱۷

افطر واصوم ۶۳۰

افلا یتدبرون امرک و لو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً کثیرًا ۵۵۰

ایام غضب الله غضبت غضبا شدیدا ننجی اهل السعادة ۵۸۱

الا الذین امنوا و عملوا الصالحات ۴۲۸

الامراض تشاع و النفوس تضاع ۳۹۷

الله شدید العقاب انهم لا یحسنون ۵۳۵

اللهم ان اهلکت هذه العصابه فلن تعبد فی الارض ۲۱۳

الوم من یلوم ۶۵۱

الیس الله بکاف عبدهٗ ۲۷۰

ان شانئک هو الابتر ۵۵۴

ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم ۴۱۰

ان هذا الا تهدید الحکام ۲۶۸

انا تجالدنا فانقطع العدو و اسبابه ۳۲۱

انت منی بمنزلة اولادی ۲۰۰، ۴۰۰، ۴۲۶

انت منی وانا منک ۳۶۵، ۴۹۷، ۴۹۸

انک انت الاعلی ۲۷۱

انه اوی القریة ۳۲۱، ۴۱۰، ۴۱۶، ۴۱۵، ۴۲۹

انه کریم تمشی امامک وعادی من عادی ۵۹۷، ۶۳۵

انی اجهز الجیش ۴۳۰

انی احافظ کل من فی الدار ۲۰۸، ۳۲۳، ۴۰۷، ۴۱۴

انی احافظ کل من فی الدار الا الذین علوا باستکبار ۲۱۰، ۳۲۱، ۴۰۴، ۵۸۰

انی احافظ کل من فی الدار و لنجعله ایة للناس و رحمة منا و کان امرا مقضیا۔ عندی معالجات ۴۱۲

انی انا ربک القدیر ۲۳۴

لا مبدل لکلماتی ۲۳۴

انی انا الصاعقه ۶۲۹، ۶۳۰

انی اری الملائکه الشداد ۴۱۰

انی صادق صادق و سیشهد الله لی ۶۰۱، ۶۲۶

انی لک هذا ۴۰۱

انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم افطر واصوم ۲۰۴، ۶۳۷

انی مع الافواج اتی۔ اپنا نمونہ ٹھیک بنائیں ۵۸۴

ب

برق طفلی بشیر ۲۷۱

بشارة تلقها النبیون ۶۳۰

بورکت یا احمد ۳۱۶

ت

تخرج الصدور الی القبور ۴۱۳، ۵۷۱

ث

ثله من الاولين و ثلة من الاخرين ۲۷۳
ثمانين حولا ۲۷۲

ج

جاعل الذين اتبعوک فوق الذين كفروا الى يوم القيامة ۴۵۴
جاء نى ائل و اختار و ادار اصبعه و اشار يعصمک الله من العدا ويسطو بكل من سطا ۳۳۴
جرى الله فى حلل الانبياء ۳۱۷

ر

رب كل شى خادمک رب فاحفظنى وانصرنى وارحمنى ۵۶۸،۵۷۷

س

سلام على امرک صرت فائزا ۵۷۱
سلام عليک يا ابراهيم ۵۷۰
سلمان منا اهل البيت ۴۵۹
سيغفرله ۲۷۳

ع

عندى معالجات ۴۳،۵۸۰

غ

غضبت غضبا شديدا ۳۹۷،۳۷

ف

فحان ان تعان وتعرف بين الناس ۲۷۵

ق

قتل خيبة وزيد هيبة ۶۹

ل

لاتثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم و هو ارحم الراحمين ۵۵۱
لاتخاطبنى فى الذين ظلموا انهم مغرقون ۳۳۱
لولا الاكرام لهلک المقام ۲۲۱،۳۲۹
لولا الامر لهلک النمر ۳۰۹
ليظهره على الدين كله ۴۵۸

م

مات ضال هائما ۳۰۱
محمد رسول الله و الذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم ۳۲۱
المسجد الاقصى الذى باركنا حوله ۴۵۱
من دخله كان امنا ۳۳۳
منعه مانع من السماء ۳۹۱

و

واذا مرضت فهو يشفين ۵۳۹
و اما نرينک بعض الذى نعدهم للسلسلة السماوية او نتوفينک
.....اعدت للكافرين ۳۲۱
والرجز فاهجر ۳۴۳
والسماء والطارق ۲۷۰
واصنع الفلک ۳۳۱
واصنع الفلک باعيننا و وحينا و لاتخاطبنى فى الذين ظلموا انهم مغرقون ۳۳۳
وان يروا ايه يعرضوا و يقولوا سحر مستمر ۶۷۳
و كان امرا مقضيا- صدق الله و رسوله و كان امرا مفعولا ۳۱۷
و الله يعصمک من العدا ۳۴۰
و اما ما ينفع الناس فيمكث فى الارض ۳۳۳

ه

هو الذى ارسل رسوله بالهدى ۴۵۸،۴۵۹

ى

ياتون من كل فج عميق- ياتيک من كل فج عميق ۲۷۹،۵۵۰،۶۳۳،۶۵۵،۶۸۳
ياتى على جهنم زمان ليس فيها احد ۶۵۹
ياتى عليک زمن كمثل زمن موسٰى ۵۴۰،۵۹۷
ياتيک من كل فج عميق ۵۲۷
ياليتنى مت قبل هذا ۴۰۱
يا يحى خذ الكتاب بقوة والخير كله فى القران ۴۰۳
يا مسيح الخلق عدوانا ۳۲۴،۵۲۵
يبدى لک الرحمن شيئا ۳۴۹،۶۳۹
يبدى لک الرحمن شيئا- اتى امر الله فلا تستعجلوه- بشارة تلقاها النبيون ۶۲۶
يخرون على الاذقان سجدا ربنا اغفرلنا انا كنا خاطئين ۵۵۱
يريدون ليطفئوا نورک - يريدون ان يتخطفوا اعرضک ۵۸۷

یریدون ان یطفئوا نورک - یریدون ان یتخطفوا عرضک انی معک ومع اھلک ۴۲۴
یغاث الناس و یعصرون ۶۵۹
ینادی منادٍ من السماء ۵۷۳
ینصرک اللہ فی مواطن ۳۸۴، ۴۳۶
یحوت قبل یومی ھذا ۵۷۱

فارسی الہامات

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے ۴۳۱
محمدیاں بر مدار بلند تر تخم اخلاص
دلم می لرزد چو یاد آورم ۱۹۹
مناجات شوریدہ اندر حرم ۲۰۰
ر بگرائے عالم جاودانی شد
صادق آں باشد کہ ایام بلا ۲۶۸، ۲۸۴
ی گذارد با محبت بلوفا

اردو الہامات

افسوس صد افسوس ۲۰۰
آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے ۵۲۲، ۵۲۸
اگر یہ جڑی سب کچھ رہا ہے ۳۹۰
بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے ۳۳۰، ۵۸۳
تا عود صحت ۳۷
جنازہ ۲۷۳
خدا کافروں میں نازل ہوگا اپنے وعدہ کے موافق ۴۲۸
دشمن کا بھی خوب وار نکلا
تس پر بھی وہ وار پار نکلا ۲۰۶
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا..... ۱۹۳
ڈگری ہوئی ہے مسلمان ہے ۲۷۲
لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں۔
وسوسہ پڑ گیا ہے پر مٹی خلیف ہے
وسوسہ نہیں رہے گا پر مٹی رہے گی ۲۴۹
نتیجہ خلاف امید ہے ۳۶۳
ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو۔
تیری استتی گیتا میں لکھی گئی ہے ۲۰۹

رؤیا و کشوف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا ۳۰۰، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۷۳، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۷۴، ۵۷۶، ۵۷۷، ۶۲۶، ۶۸۶
اللہ تعالیٰ کو اپنے والد کی شکل میں دیکھنا ۱۹۹، ۳۲۸
ایک رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا سلمان منا اھل البیت ۵۷۳
بہشتی مقبرہ کے قیام کے متعلق رؤیا ۵۴۶
قادیان کے گرد فصیل بنانے کے متعلق آپ کی ایک رؤیا ۳۰۸
آپ کی ایک رؤیا میاں نبی بخش نمبردار کے متعلق ۳۳۹
کشف کا ذاتی تجربہ ۴۴
چھ ماہ کے روزوں کے دوران حضور کا ایک کشف ۵۷۳
ایک بار میں نے اور مسیح نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا ۲۵۱
کشف کے رنگ میں ایک رؤیا ۳۶۱

پیشگوئیاں

کئی سو پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۳۳
آپ کی اولاد خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں ۳۹۰
میرے الہام کے ساتھ ان (حضرت اماں جان) کو بھی کوئی صادق خواب آ جایا کرتا ہے ۴۱۲
عید کے مبارک موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگوئیوں اور بشارتوں کا تحفہ ۴۳۶
ہم حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ موت کی پیشگوئی نہ کریں گے ۵۶۵

☆ ☆ ☆

غلام حسن مولوی رجسٹرار پشاور

قادیان تشریف آوری ۲۸۴

غلام دستگیر

مباہلہ اور ہلاکت ۴۳۰

غلام رسول میاں حجام امرتسر

مخالفین کی ایذا رسانیوں کا ذکر ۳۱۵

غلام شاہ والد قاضی میر حسین

حضرت اقدس سے ملاقات ۴۸۷

غلام علی ریتاسی

بیماری کی اطلاع ۳۰۵

غلام فرید خواجہ چاچڑاں شریف

آپ کا ذکر خیر ۳۰۰

غلام قادر مرزا برادر اکبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سردار حیات خان کی بحالی کے لئے دعا کی درخواست ۲۷۵
حضرت اقدس کا آپ کی شکل پر ایک فرشتہ دیکھنا ۳۳۵
آپ کی وفات سے پہلے جنازہ کا الہام ۲۷۳

غلام قادر بھیروی مولوی

آپ نے حضور کی مخالفت میں کبھی قلم نہ اٹھایا ۳۳۳

غلام محبوب سبحانی ۷۰۳

غلام محمد

ایک گندے اشتہار کا پبلشر ۳۱۵

غلام مرتضیٰ مرزا والد ماجد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۲
ان کا قول تھا کہ ان کو کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا ۲۴۲

غلام مصطفیٰ بابو میونسپل کمشنر وزیر آباد

قادیان تشریف آوری ۳۵۵

غوث علی پانی پتی

شاکت مت کے ایک متقر کا خلیفہ ۶۵

ف۔ق

فار قلیط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ہے ۵۱۱

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ پیغمبرزادی ہونے پر ناز نہ کرنا ۳۶۰

فتح دین مولوی ۴۷۰، ۴۷۳، ۴۹۹

فتح علی شاہ

وفات ۳۱۳

فتح محمد

کلمہ کے معنی ۳۴۸

فتح مسیح پادری

حضور کی خدمت میں ایک روحانی مقابلہ کی پیشکش کے بعد اس کی گھبراہٹ ۸۹

فضل نشاں کشمیری عرف نجو

حضرت اقدس کی ایک رؤیا میں آپ کا تذکرہ ۵۶۸

فرعون ۳۱۸، ۳۷۷، ۶۱۴، ۶۷۴

اس کی بعض نیکیاں ۵۵۲

موسیٰ کی پرورش ۲۰۲

ابتدائی عذابوں میں محفوظ رہا ۲۰۰

ناجائز علو ۲۱۰

بنی اسرائیل سے بیگار لینا ۷۰۶

بنی اسرائیل کا تعاقب ۴۲۸، ۷۰۷

موسیٰ کی مثیل فرعون کی بیوی سے ۶۶۸، ۶۶۹

محمد حسین بٹالوی کو بھی فرعون قرار دیا گیا ہے ۵۵۱، ۶۳۱

فضل احمد مرزا

حضور کی دعا کے نتیجہ میں سردار حیات خان کی بحالی کے گواہ ۲۷۵

فضل الٰہی

ملک کی شیشی لانا ۲۸۶

فضل حق شیخ (نومسلم)

آپ کو استقامت کی تلقین ۵۱۶

فضل دین حکیم ۴، ۴۳

آپ کی بیوی مریم کا ذکر ۴۱۳

فضل شاہ سید

کمرے کی نمی اور تاریکی دور کرنے کا ارشاد ۶۹۰

فقیر علی منصف ۳۲۶

فنڈر پادری مصنف میزان الحق ۱۰۹

اس امر کا اعتراف کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی وہاں توحید کا ہی مطالبہ ہوگا ۷۵

فیضی ساکن بھیں

اعجاز المسیح کا جواب لکھنے کا ارادہ کر کے ہی ہلاک ہوا ۲۳۲

پیشگوئی کے مطابق موت ۲۹۰

قائم علی ڈپٹی ۳۲۶

قریش

مسیح موعود کے قریشی ہونے کی حقیقت ۴۵۹

قطب الدین مولوی ۴۹۲

قیصر روم۔ دیکھئے ہرقل ۶۱

ک۔گ

کاہن چند لالہ مختار عدالت پٹالہ

ایک سوال ۳۹۷، ۴۹۹

کرشن

آپ کی کئی ہزار بیویاں تھیں ۶۲۵

آپ کی پرستش ۵۱۱

ایک الہام میں مسیح موعود علیہ السلام کو کرشن قرار دیا گیا ہے ۲۰۱

کرم دین مولوی بھیں والا

ایک دھمکی کا جواب ۳۱۸

کسریٰ (شاہ ایران) ۶۱

کلارک ڈاکٹر پادری دیکھئے ہنری مارٹن

مقدمہ اقدام قتل ۳۶۸

کمال الدین خواجہ ۶۰۳

بڑے سعید اور مخلص ہیں ۲۸۷

شرف ملاقات ۵۰۸

اعتکاف ۵۸۷

ایک خواب ۵۸۴

ابو سعید عرب کو تبلیغ کے لئے مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب دینا ۶۴

گرسفورڈ۔ پادری

کتاب "مرزا غلام احمد قادیان کا مسیح اور مہدی" کا مصنف ۶۱۰

گوبند سنگھ گورو

سکھ باوا نانک کو چھوڑ کر گوبند سنگھ کے پیچھے چل پڑے ہیں ۲۰۷

گوتم بدھ دیکھئے بدھ ۲۳۵

ل

لوط علیہ السلام
قوم سے سلوک ۷۲
قوم کی ہلاکت و بتاہی ۱۹۵'۱۹
ان کی بستی پر کوہ آتش فشاں سے پتھر برسے تھے ۲۱۷
قوم لوط پر عذاب کے موجبات ۱۸

لیکھرام۔ پنڈت' پشاوری ۹۷'۱۸۴'۴۱۸
اس کے قتل کے متعلق کشف ۳۳۴
پیشگوئی میں وقت تاریخ اور قتل کی طرز مذکور ہیں ۴۲۸
اس کا قتل قبولیت دعا کا ایک ثبوت ہے ۳۳۵
ہلاکت ۲۶۰
قتل کروانے کے الزام کا جواب ۵۹۳
لیکھرام مغضوب علیہ تھا اور آتھم ضال ۴۱۹

لیمار چنڈ کپتان ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس
ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ اقدام قتل میں تفتیش ۹۷'۲۶۹

م

مارٹن کلارک ہنری
دیکھئے ہنری مارٹن کلارک

مارکوئیس لاہور
بذریعہ خط دریافت کیا ہے کہ "جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے" کے کیا معنی ہیں ۳۰۳

مبارک احمد مرزا ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۴۶
بشیر اول کی شکل آپ سے ملتی تھی ۳۹۲
احیاء موتیٰ کی مثال ۲۱۷
آپ کے لئے ایک کبوتر ذبح کیا جانا ۲۵۲

مبارک علی ابو یوسف مولوی
اپنا مرثیہ الاستفتاء من ندوۃ العلماء سنانا ۳۰۶
جلسہ ندوۃ العلماء کے سلسلہ میں آپ کے والد کا ایک واقعہ ۳۳۷'۳۳۸
سمسنات کے بارہ میں استفسار ۲۹۰
حضرت اقدس کی ایک رؤیا میں آپ کا تذکرہ ۵۲۷

مبارکہ بیگم نواب۔ دختر حضرت مسیح موعود علیہ السلام
آمین ۳۸۵

محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷۸'۳۳۵'۳۴۱
پیشگوئی کے طور پر آپ کا نام محمد رکھا گیا ۹۶
اسم با مسمی ۹۳
آپ کا نام فارقلیط بھی ہے ۵۱۱
آپ بھی آدم تھے ۱۷۴
آپ کی تربیت میں کسی انسان کا دخل نہیں ۵۵۲
آپ نے کسی کے ہاتھ پر توبہ نہیں کی ۵۲۶

بعثت
آپ کی بعثت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھی ۲۹۶
تورات میں آپ کے متعلق پیشگوئی ۳۷۶
تورات میں آپ کے متعلق پیشگوئی میں اخفا ۶۷۱
بنی اسرائیل میں سے نہ آنے کی وجہ ۵۳
آپ کی بعثت پر یہود کے لئے ابتلاء ۶۷۲
بعثت کا مقصد خدا تعالیٰ کا جلال اور گم گشتہ توحید کو زندہ کرنا تھا ۱۰۹
قرآن میں آپ کی بعثت کے لئے نزول کا لفظ استعمال ہوا ہے ۳۷۲
بعثت و رسالت کے دائرہ کی وسعت ۴۱
آپ کل دنیا کے لئے اور ہمیشہ کے لئے نبی تھے ۲۹۳'۲۹۴
آپ کی نبوت اور رسالت کا دامن قیامت تک دراز ہے ۳۶'۶۳

مثیل موسیٰ
قرآن کریم نے آپ کو مثیل موسیٰ قرار دیا ہے ۱۹۳'۳۶۵'۳۸۴'۶۷۳
مثیل موسیٰ موسیٰ سے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تر ہے ۳۶۱
محمدی سلسلہ جس کے آخر میں مثیل مسیح کی ضرورت ہے ۲۶۳

بروزی آمد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اول میں تکمیل ہدایت اور دوسری بعثت میں تکمیل اشاعت ہدایت مقدر تھی ۴۹
بروزی آمد کی پیشگوئی ۴۱
بروزی رنگ میں آپ کا ظہور ۱۵'۳۵'۱۸۹'۳۶'۳۶۰

مقام
بے نظیر مقام قرب ۱۸۰
کامل مظہر لاہوت و ناسوت ۱۷۰
آپ کے مقام قدس کی کیفیت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ۱۷۸
اللہ تعالیٰ سے آپ کے تعلقات تمام انبیاء سے بڑھے ہوئے تھے ۱۵۶
آپ کے افعال کو خدا نے اپنے افعال قرار دیا ہے ۲۳۲
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اپنے شانہ پر دیکھنا ۲۳۹
آپ بھی آیۃ اللہ تھے ۲۹۱
زندہ نبی ۲۷'۲۲۹
رحمۃ للعالمین ۱۱۰
مقام خاتم النبیین اور عظمت شان ۲۱۴'۳۱۷'۵۱۵'۶۶۳

آپ کی ذات میں تمام نبیوں کے کمالات جمع تھے ۲۷۸
تمام انبیاء پر آپ کا احسان ۷۳
آپ پر اتمام نعمت اور اکمال الدین ہوا ۳۶۱
عظمت اور علو مدارج ۴۳۰
جامع جمیع کمالات ۲۶، ۵۹، ۶۵، ۲۰۶
آپ سے بڑھ کر کامل کوئی انسان نہیں گذرا ۱۳۱
سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷۷، ۴۲۲
سچا اور کامل شفیع ۴۶۰
پہلے تمام انبیاء مثیل تھے نبی کریم ہی خاص خاص صفات میں ۲۰۶

خلق عظیم

اخلاق عالیہ ۲۳، ۳۳۷
کامل نمونہ ۱۱۸، ۱۵۹
آپ کو تمام اخلاق کے اظہار کے مواقع ملے ۶۱
کریم ابن کریم ۳۶۳
آپ کی ہمت و استقلال و عزم کے دائرہ کی وسعت ۴۰
صدق و وفا کا نمونہ ۲۸۴
مخالفین کا آپ کو الامین اور الصادق کہنا ۳۴۷
آپ کا فقر اختیاری تھا ۲۵۳
تسلیم و رضا کا اعلیٰ مقام ۱۶۸
اہل مکہ کو معاف فرمانے کا بے نظیر اقدام ۱۱۹
فتح مکہ کے موقعہ پر اکسار ۳۰۴
طائف کے مصائب پر صبر ۲۹۸
گیارہ بچوں کی وفات پر صبر اور رضا بالقضا ۲۱۸، ۲۸۹، ۲۹۷
بلند ہمتی اور عالی حوصلگی ۲۲۸، ۵۸۱
شجاعت ۳۶۳
بنی نوع انسان سے کامل ہمدردی ۱۶۳
ایک منافق کو اس کی وفات کے وقت اپنا کرتہ دینا ۴۷۵
حسن معاشرت میں اسوہ حسنہ ۳۸۷
حضرت عائشہ سے فرمانا اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا ۲۲۰
حضرت عائشہؓ سے دوڑ کا مقابلہ ۳۸۸
حضرت عائشہ کو حبشیوں کا تماشہ دکھانا ۳۸۸
بے تکلف، سادہ اور پر مشقت زندگی ۳۸۸، ۶۶۰
لباس کے سلسلہ میں آپ کی سنت ۳۸۶

قوت قدسیہ

عظیم الشان قوت قدسیہ۔ کمال باطنی اور تاثیر انفاس ۲۶، ۳۳، ۶۰، ۱۶۱، ۴۵۵
آپ کی تاثیرات قدسی ابدالاباد تک ہیں ۳۹
آپ کی تاثیرات زمانی ۴۵۱
آپ کی قوت قدسی تیرہ سو برس گذرنے کے باوجود ابھی تک سلسلب ذنوب کی قوت رکھتی ہے ۲۸۰
جذب اور افاضہ کی قوت ۱۰۵، ۲۰۰
آپ کی بزرگی کا خاصہ ۴۳۲
قوت قدسیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے موازنہ ۱۵۷
آپ کی جسمانی برکات ۲۰۲
زیارت رسول کو اصل مقصود نہیں بنانا چاہئے ۲۳۸

دلائل صداقت

صداقت کے دلائل ۱۰، ۱۴، ۶۸۴
آپ کا وجود باجود بے ضرورت نہ تھا
آپ کے وقت ساری دنیا گمراہی میں مبتلا تھی ۱۰۹
معجزانہ طور پر کامیاب زندگی ۱۴، ۲۲۹، ۴۵۴
موجودہ ترقیاں بھی دراصل آپ کی ہی ترقیاں ہیں ۳۶۴

معجزات اور پیشگوئیاں

آپ کے خوارق اور معجزات ۳۳
شق القمر آپ کا عظیم الشان معجزہ تھا ۴۲
آپ کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ دیا گیا ۴۲۸، ۴۴۶
آپ کا کلام اعجازی حدود تک پہنچا ہے ۲۶
احیاء اموات ۴۹۹
روحانی سلب امراض کے معجزات ۴۴۱
آپ کے معجزات سے دیگر انبیاء کے معجزات کا موازنہ ۲۷
آپ کو کثرت سے غیب کی خبریں ملیں ۳۱
آپ کی عظیم الشان پیشگوئیاں ۸۵
آپ کی زبان سے ہر صدی کے سر پر مجدد آنے کی خبر ۳۵۸

آپؐ کے صحابہ

جس قدر پاک گروہ آپ کو ملا کسی اور کو نہیں ملا ۵۹
آپ کے صحابہ کی وفاداری اور جانثاری ۳۶۱
آپ کی برکت سے صحابہ کرام سے رفع حجاب ۶۲۲
آپ اور آپ کے صحابہ کی مسیح اور ان کے حواریوں پر فضیلت ۲۴۵

اتباع کے ثمرات

آپ کی سچی اتباع آپ کے اخلاق فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنا ہے ۳۴
آپ کی اتباع کامل اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے ۴۰
آپ کی اتباع سے وہ تمام فیوض و برکات ملتے ہیں جو منعم علیہ گروہ کو پہلے ملتے تھے ۳۸
بجز آپ کی اتباع کے کوئی شخص وصول الی اللہ کے دروازہ سے نہیں آ سکتا ۲۱۵
آپ کی حقیقی وارث جماعت ۱۸۱
آپ کی روحانی اولاد ۳۸
آپ کی مہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے ۳۱۷
خدا کی غیرت نے چاہا کہ احمد کے غلام کو مسیح سے افضل قرار دیا ۱۸۹
آپ کے ایک غلام کی عزت افزائی ۲۰۲
نبوت محمدیہ کا ثبوت مسیح موعود ۱۳۷

مخالفت

آپ کے دعویٰ پر مخالفین کا عذر ۳۷۹
تیرہ سال تک اہل مکہ کی ایذائیں برداشت فرمانا ۳۸۸، ۳۴۰، ۳۸۱
آپ کے خلاف دار الندوہ میں مشورے اور فیصلے کئے گئے ۳۲۵
کفار کا آپ کو اخراج کرنا ۵۵۴
آپ کو مخالف ساحر اور مجنون کہتے تھے ۶۷۲
آپ کی لڑائیاں دفاعی تھیں ۳۴۳، ۵۸۸، ۶۵۲
آپ کے وقت میں کفار کے قتل کی وجوہات ۲۴۳
آپ کفار کے حق میں بہت جلد فیصلہ چاہتے تھے ۲۱۲
آپ کے وقت میں ارتداد ۶۸۹
اس زمانہ میں آپ کی توہین اور بھجو میں کروڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں ۱۳۱
آپ کی مخالفت کی حکمت ۳۴۶
آپ کو گالیاں دینے والوں سے معافقہ ایمانی غیرت کے خلاف ہے ۲۴۴

متفرقات

آغاز وحی میں آپ کا فرمانا
خشیت علی نفسی ۴۵۸
فارسی زبان میں الہام "ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم" ۵۹۸
آپ کو عطا کیا گیا اسم اعظم ۶
آپ کو ازدیاد علم کی دعا سکھلائی گئی ۲۲۳
اللہ تعالیٰ کے خداء ذاتی پر ایمان ۱۸۸
خلافت کے وعدہ پر ایمان ۲۱۸
آپ کی کشفی آنکھ کی تیزی ۲۷۴
آپ کے استغفار کی حقیقت ۵۶۶
آپ کی وصیت یہ تھی کہ کتاب اللہ کافی ہے ۴۷۲
آپ کی دو رؤیا ۳۴۳
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے خطاب ۴۱۰
واقعہ افک میں آپ کا رویہ ۴۵۶
آپ کی ایک خصوصیت ۵۴۳
مدینہ آنے کی وجہ ۳۴۳
قیصر روم کے پاس آپ کی تصویر ۱۷۲
آپ نے ۳۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے تھے ۴۲۰
حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسانات ۷۹، ۳۴۳، ۵۰۶
مسیح کو مردوں میں دیکھنا ۲۲۹
آپ نے اپنی سنت سے ثابت کر دیا کہ باقی نبی بھی فوت ہو گئے ۴۷۲
اسرائیلی مسیح کا امت کی اصلاح کے لئے آنا آپ کی عظمت کے منافی ہے ۵۹۱
حیات مسیح کا عقیدہ آپ کی توہین کے مترادف ہے ۱۸۷
آپ کے مقام کے متعلق مولوی عبداللہ چکڑالوی کا عقیدہ ۲۴۸

☆ ☆ ☆

محمد احسن امروہی۔ سید

۳۴۹، ۴۱۵، ۵۲۱، ۶۵۱، ۶۷۳، ۷۱۷

ایک رؤیا میں آپ کا تذکرہ ۵۶۶
ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ۲۰۵
پیر مہر علی شاہ کے جواب میں اپنی تصنیف کا دیباچہ حضرت اقدس کو سنانا ۲۸۹
حضرت اقدس کی خدمت میں ارسالہ سے آمدہ ایک خط پڑھ کر سنانا ۲۹۰
ایک مضمون سنانا ۳۱۹
مولوی ثناء اللہ کو اس کے رقعہ کا جواب لکھنے کا ارشاد ۶۸۸
تخریج الصدور فی امر القبور کا مطالعہ کرنا ۳۴۳
حضرت مصلح موعود کی بارات میں شمولیت ۲۹۵

محمد اسماعیل امام بخاریؒ ۲۴۸

محمد اسماعیل میر

حضرت مصلح موعود کی بارات میں شمولیت ۲۹۵

محمد حسن عمیں ۲۸۹

گولڑوی نے اس کی بھی پردہ دری کی ۲۹۰

محمد حسین بٹالوی ابو سعید

۳۴۹، ۴۲۶، ۵۲۹، ۶۳۵

اپنے رسالہ میں تسلیم کیا ہے کہ ماموروں اور اہل کشف محدثین کی تنقید کے پابند نہیں ہوتے اور وہ براہ راست حدیث کی صحت معلوم کر لیتے ہیں ۳۵، ۲۴۸، ۳۷۸، ۵۱۵
مہدی کے متعلق احادیث کو مجروح قرار دیتے تھے ۳۴۵، ۴۲۰
مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف مضمون ۲۴۷
مقام حدیث کے بارہ میں افراط ۳۴۴، ۵۳۶
اخلاص اور ابتلاء ۶۴۲
رجوع خلائق کا گواہ ۲۷۹، ۵۸۱
آپ کے مخالفانہ مضامین سے بھی لوگ احمدی ہوئے ہیں ۵۰۰
سابقہ زمانہ میں اخلاص اور خاکساری ۲۳۹
براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی ۲۰۲
براہین پر ریویو اخلاص سے لکھنے کی نیکی ۶۳۱
پروف کی غلطیاں رہ جانے کا اعتراف ۶۹۰
آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود کی رؤیا ۲۳۹، ۵۳۷
انجام ۵۴۴
ذیرک لیکن خود پسند ۶۳۱
اس کو فرعون کہا گیا ہے ۵۵۱
اس کا فتوائے کفر ۶۳۵
پادریوں کی طرف سے گواہ کے طور پر پیش ہوا ۹۷
لدھیانہ میں حضرت مسیح موعودؑ سے مباحثہ ۲۷
حج نہ کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب ۲۸۳
ایک غلط اعتراض کر کے شرمندہ ہونا ۲۷۹

باوجود لاکھوں لوگوں کے احمدیت قبول کرنے کے وہ ابھی تک تین سو تیرہ ہی تعداد بتاتے ہیں ۳۳۹

ذلت ۹۷

محمد رفیق بی۔اے مونگھیر

بیعت ۵۰۲

محمد شریف حکیم امرتسری ۲۷۰

محمد صادق مفتی ۲۲۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۲، ۳۳۴، ۳۳۸، ۳۴۳، ۳۴۷، ۳۸۲، ۳۹۲، ۵۱۳، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۸۶

جان الیگزینڈر ڈوئی کا اخبار پڑھ کر حضرت اقدس کو سنانا ۳۳۴، ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۹

ولیم میور کی کتاب سنانا ۳۶۸

واقعات صلیب کے متعلق ایک کتاب سنانا ۳۹۴

مسٹر ویب کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں سنانا ۲۸۷

طاعون کے متعلق کتب سابقہ کے حوالے سنانا ۴۱۷

پطرس کی عمر کے متعلق تحقیق ۳۴

آپ نے ۱۶ یا ۱۷ صدیوں کا قرآن دکھایا ہے ۱۴۰

پگٹ کو خط ۵۴

حضرت مصلح موعود کی بارات میں شمولیت ۲۹۵

محمد صدیق

قاصد مولوی ثناء اللہ امرتسری ۶۸۴

محمد علی خان نواب آف مالیر کوٹلہ

۲۴۰، ۳۱۶، ۳۱۸، ۵۲۳، ۵۶۹

آپ کی ایک خوبی ۳۸۵

مالیر کوٹلہ میں طاعون کے متعلق حالات دریافت فرمانا ۴۰۳

آمین کی تقریب پر سوال کا جواب ۳۸۵

محمد علی سیالکوٹی

اپنی بنگالی نظمیں حضرت اقدس کی خدمت میں سنانا ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۸۹

دیہات میں تبلیغ کیلئے بھجوایا جانا ۵۰۷، ۵۱۷

محمد علی ایم اے۔ مولوی ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۳۲۱، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۴۳، ۵۱۰، ۶۰۰

ہماری تائید میں لکھی جانے والی کتب کی تصنیف کے وقت دل کی حالت ۶۹۰

مرکزی اخبارات شائع کرنے سے پہلے مضامین آپ کو دکھائے جائیں ۴۷۹

حضرت اقدس کا آپ کے کمرہ میں تشریف لا کر گفتگو فرمانا ۵۷۰

آبزرور سے ایک مضمون سنانا ۳۳۸

اخبار فری تھنکر سے نوٹ پڑھ کر سنانا ۳۴۹

منشی مظہر علی کا خط سنانا ۳۱۸

لاہور کے مارکونیں نامی عیسائی کے خط کا تذکرہ ۳۰۳

محمد کریم مونگھیر

بیعت ۵۰۲

محمد یوسف منشی اپیل نویس مردان

۴۴۶، ۴۹۲

حضور سے ایک استفسار ۴۸۸

محمد یوسف حافظ

قطع الوتین کی بحث ۳۱۳

اس کے اشتہار کا ذکر ۳۰۰

نیش زنی ۵۱۰

محمد یوسف میاں

موضع مد میں آپ کا بائیکاٹ ۵۴۰

محمود احمد مرزا دیکھئے بشیر الدین محمود احمد

محمود شاہ سید سہارنپوری

قادیان تشریف آوری اور بعض سوالات کا دریافت کرنا ۳۴۵

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۲، ۳۳۶، ۳۳۷

مسئلہ وحدت الوجود ۲۳۰

جب مسیح نازل ہو گا تو ایک شخص کے **کان هذا الرجل غیر دیننا** ۵۱

مسیح جب آئے گا تو اسے مفتری اور جاہل ٹھہرایا جائے گا ۵۳

فرعون کے جہنم میں نہ جانے کا عقیدہ ۵۵۱

مریم علیہا السلام

۷۳، ۳۰۲، ۳۳۲، ۳۶۷، ۷۱۵

مریم بنت عمران ۶۹۱

نکاح کی مجبوری ۱۴۲

آپ کے نکاح سے تین نسلیں توڑی گئیں ۷۱۵

یوسف کے ساتھ نکاح اور اولاد ۲۹۰

اناجیل کی رو سے آپ کی ذات قابل اعتراض ٹھہرتی ہے ۱۴۳

یہود کی طرف سے آپ پر الزامات ۷۹، ۲۰۲

یہود کے الزامات سے آپ کی برأت ۲۰۲

مقام مریمیت

احصنت فرجها کی حقیقت ۲۹۰

مومن کا مقام مریمیت ۳۲، ۶۱۸

ابن مریم کی حقیقت ۲۰۱

مریم الہیہ حکیم فضل دین

ایک رؤیا میں آپ کا ذکر ۴۱۳

مسلم بن عقیل ۴۹۰

مصلح الدین سعدی

۶۳، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۹۰، ۷۱۶

مظہر علی منشی

ایک مقدمہ کا انجام معلوم کرنے کا مطالبہ ۳۱۸

ملاکی نبی علیہ السلام ۵۴، ۷۴، ۱۲۱، ۱۲۲، ۳۷۷
آپ کی کتاب میں ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی ۳۷۲

ملاوامل لالہ ۳۲۵
آپ کی صرفت **الیس اللہ** والی انگوٹھی بنوائی گئی ۲۷۰
دیانند کی موت کی پیشگوئی کے گواہ ۲۷۷

موسیٰ علیہ السلام ۷۵، ۸۵، ۱۰۶، ۱۶۹، ۱۷۸، ۲۰۰، ۲۰۵، ۳۳۵، ۳۴۱، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۲۸، ۴۴۰، ۵۱۰، ۵۳۰، ۵۹۷، ۶۸۲
فرعون کا آپ کی پرورش کرنا ۲۰۲، ۵۵۲
آپ کے مخالف تمام مصائب کا باعث ۳۲۴
آپ کی شامت اعمال کو سمجھتے تھے ۳۲۴
فرعون سے بھاگ کر غائب آنا ۶۱۲
صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے ۲۹۱
بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے آئے ۷۰۶
بلغ اشدہ سے مراد ۴۳۲
جائز حلو ۲۱۰
آپ کی دعا سے عذاب ٹلتے رہے ۴۷۷
آپ کے پاس کل نبیوں کی تصویریں تھیں ۱۷۲
ایک باپ کی نیکی کی وجہ سے اللہ نے آپکو اس کے بچوں کی دیوار درست کرنے کے لئے مزدور بنایا ۱۹۵، ۲۵۷
آپ کے زمانے کے ایک بہروپئے کے بچنے کی وجہ ۶۳۲
معجزات ۲۶۷
آپ کے معجزات وقت کے مناسب حال تھے ۱۲۶
آپ کے معجزات کا آج کوئی نشان نہیں ۲۷، ۵۱۴
آپ کی جنگوں کا عیسائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں ۷۲، ۱۳۱
جنگوں میں سخت گیری اور تشدد ۷۰، ۷۱
آپ کے قتل پر عیسائیوں کا اعتراض ۴۳۱
آپ کا ایک قبطی کو مارنا گناہ نہیں تھا ۴۴۴

قوم موسیٰ
بنی اسرائیل کی ناراضگی اور قوم کو مصر سے نکالنا ۷۰۷
گناہ سے قوم کو بچایا ۱۶۰
آپ کو جو قوم ملی وہ عالی ہمت اور مستقل مزاج قوم نہ تھی ۵۹، ۴۶۱
آپ کی قوم کا صحابہ سے موازنہ ۶۰
جنگ کے موقعہ پر قوم کا جواب ۴۶۲
اپنی قوم کو پورے طور پر درست نہ کر سکے ۱۰۶، ۱۲۵
آپ کی قوم پر اصلاح کے لئے عذاب ۱۸۱
آپ کے لشکر میں طاعون ۴۰۷
آپ کے وقت میں ارتداد ۶۸۹
سلسلہ موسوی ۶۶۲
آپ سے چودھویں صدی میں عیسیٰؑ آئے تھے ۱۰۲، ۴۰۹
عیسیٰؑ آپ کی شریعت پر عمل کرنے والے تھے ۶۷۴
مثیل موسیٰؑ "موسیٰؑ" سے بڑھ کر ہے ۳۶۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے موازنہ ۶۴۰

مہر علی شاہ گولڑوی پیر ۳۱۸، ۳۳۴
سیف چشتیائی کی تصنیف ۳۳۳
تصنیف سیف چشتیائی کے دو فائدے ۳۹۰
مولوی محمد احسن امروہی کی آپ کے متعلق ایک تصنیف ۲۸۹
آپ کے متعلق مولوی عبداللہ کشمیری کا ایک فارسی نظم پڑھنا ۲۳۷
تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لئے جواب شرائط ۲۲۶

میراں بخش حجام ۳۳۹

میر حسین قاضی
آپ کے والد کی حضرت اقدس سے ملاقات ۴۸۷

میور ولیم۔ سر
مسلمانوں سے مناظرہ کرنے کے بارہ میں ہدایات پر مشتمل کتاب ۴۶۸

ن

ناصر شاہ سید (جمونی) ۶۲۷
قادیان تشریف آوری ۲۲۵

ناصر نواب میر ۲۹۳، ۴۴۳، ۴۵۹، ۴۸۲، ۴۹۵، ۵۸۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ قادیان کے گرد فصیل بنا رہے ہیں ۳۰۸
امیر قافلہ بارات حضرت مصلح موعود ۲۹۵
ایک استفسار ۵۷۲
سفر امرتسر کے احوال کا بیان ۵۱۰

نانک بلوا
سکھ ان کی اصل باتوں کو چھوڑ کر گورو گوبند سنگھ کی باتوں کو پکڑ بیٹھے ہیں ۲۰۷

نبی بخش میاں عرف عبد العزیز نمبردار رسالہ
حضور کی خدمت میں لکھنا کہ وہ عیسائیوں سے مباحثہ کرنا چاہتا ہے ۴۰۲
دھرم کوٹ میں مولوی عبداللہ کشمیری سے مباحثہ ۳۱۶
توبہ نامہ ۳۳۹

نبی بخش میاں نمبردار چک نمبر ۱۰۸ (پنڈوری)
دعا کی درخواست ۴۹۵، ۴۹۶

نپولین
اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا ۶۰

نجم الدین میاں
آپ کے بیعت کرنے پر مولوی غلام قادر بھیروی کا طعنہ ۴۳۳

نذیر حسین دہلوی مولوی
اس کو بابن کہا گیا ہے ۵۵۱
وفات ۴۳۳
آپ کی وفات کی خبر آنے پر الہام ۴۰۱
بعد از وفات جماعت میں داخل ہونا ۴۲۰
صرف قوم اور برادری کو مدنظر رکھ کر اس نے انکار کیا ۴۱۹، ۴۲۰

نصرت جہاں بیگم حرم حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نماز کا التزام ۳۹۲
صبر و رضاء کا اعلیٰ نمونہ ۳۹۳، ۳۹۸
میرے الہام کے ساتھ ان کو بھی کوئی صادق خواب آجایا کرتا ہے ۴۱۲
آپ کی ایک رؤیا ۴۱۲

نظام الدین مرزا
دنیوی معاملات میں ان سے تعاون اور حسن سلوک ۲۶۵

نعمت علی منشی
کھانے کی دعوت ۵۰۰

نواب خان جاگیردار مالیر کوٹلہ
ایک استفسار ۲۴۳

نوح علیہ السلام
طوفان سے آپ کا پتا حیرت انگیز امر ہے ۱۹۶
طوفان نوح کل زمین کی آبادی پر نہیں آیا تھا ۶۷۳
حضرت مسیح نے اپنی آمد کا زمانہ نوح کے زمانہ کی طرح قرار دیا ہے ۴۳۱
عیسائیوں کے نزدیک آپ کا نکما ہونا ۴۳۱
ایک ہزار سال کی عمر میں کیا دیکھا ۴۸۷
بیٹے کا رویہ ۳۲۳، ۵۲۵
آپ کے مخالفین کا انجام ۷۲، ۱۹۲، ۳۴۴

نور احمد شیخ پلیڈر ایبٹ آباد
بیعت ۵۴۹، ۶۷۶، ۶۸۲

نور الدین خلیفۃ المسیح الاولؓ
۲۴۱، ۲۵۳، ۳۱۶، ۴۰۵، ۴۲۶، ۴۲۳، ۴۲۹
۴۹۴، ۵۰۴، ۵۱۳، ۵۱۴
بعض دفعہ نوادر آپ کو ہی حضرت صاحب سمجھتے تھے ۳۸۸
صدیقی فطرت اور رضینا باللہ ربا وبک مسیحا ومھدیا کا اقرار ۵۵
آداب نبوت کا پاس ۵۵
حضرت اقدس کی ایک رؤیا میں آپ کا تذکرہ ۵۲۷
آپ کے بیٹے کی پیدائش کے متعلق پیشگوئی ۲۶۹
آپ سے اپنے الہام کا تذکرہ ۴۱۷

واقعات
قادیان میں نماز عید پڑھنا ۱۳۷
حضرت مصلح موعود کی بارات میں شمولیت ۲۹۵
ابو رحمت حسن کے خط کا ذکر ۴۶۰
سید علی حائری کا تذکرہ ۴۲۶
طبیعت کی ناسازی ۴۹۹

فرمودات
الطواء کے جواب کی فصاحت و بلاغت کی تعریف ۶۰۱
ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے اخلاص کا ذکر ۳۱۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک لطیف نکتہ ۳۱۷
مباہلہ کا ایک نکتہ ۳۲۱
دجوریوں کو ایک جواب ۴۴۷
مجوس کا مذہب ۵۹۳
ایک دہریہ کا مقولہ ۵۹۴
قریش اور سادات کا تکبر ۴۵۹
روڈکی میں مسلمانوں کے شدھ ہونے کا ذکر ۳۱۹
رشوت کے متعلق استفسار ۲۳۹
تیز جلاب کے عمدہ نتائج ۵۲۰

نور محمد ڈاکٹر
حضرت مصلح موعود کی بارات میں شمولیت ۲۹۰

نور محمد از ٹانڈہ ۷۰۴

نہالی
قادیان کی ایک خاکروب خاتون ۴۰۵

نیوٹن پادری
فیروزپور میں متعین ۷۰

و ہ ی

وائٹ برنچیٹ پادری ۸۹

ویب مسٹر
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آپ کے نام خط ۲۸۷

ولی اللہ شاہ مجدد الف ثانی
مسیح موعود کے بیان کردہ اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے (مکتوبات دوم) ۵۱

ہارون علیہ السلام
آپ کی موجودگی میں قوم کا بگڑنا ۱۰۶

ہدایت علی حافظ ۲۷۲
آپ کی فراست ۳۷۹

ہرقل قیصر روم

عیسائی تھا لیکن موحد تھا اور مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا ۴۴۰

قیصر روم کے پاس جب صحابہ گئے تھے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اس کے پاس دیکھی تھی ۱۷۲

ایک مذہبی جلسہ کا انعقاد ۳۴۱

ہری سنگھ ۲۹

ہلاکو خان

بغداد کی تباہی ۴۵۳

ہنری مارٹن کلارک (پادری)

مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف مقدمہ اقدام قتل ۳۶۸، ۳۶۳

یاجوج وماجوج ۳۸۹

من کل حدب ینسلون کے

بعد خدا سے جنگ کریں گے ۳۲۰

ان کے حملوں سے میں اپنی قوم کو محفوظ کر رہا ہوں ۳۴۰

یحییٰ علیہ السلام نیز دیکھئے یوحنا ۲۰۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو آپ کے ساتھ دیکھا ۲۲۹

شراب نہیں پیتے تھے ۴۲۳

حضرت عیسیٰ سے زنانہ میں اشتراک ۱۷۴

مسیح نے آپ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی ۵۶۶

مسیح نے آپ کو الیاس قرار دیا ۴۷۱

ایلیا ہونے سے انکار ۴۳۲

یزید

صلیبوں کا توڑنا ۳۶۷

یسوع نیز دیکھئے عیسیٰ

راستبازی میں کلام ۱۰۰

موجودہ عیسائیت دنیا کو یسوع کی خدائی کا قائل کرانا چاہتی ہے ۳۵۷

یہود کے ہاتھوں صلیب پر چڑھنا ۳۵

یشوع بن نون

موسیٰ کی وفات کے بعد آپ بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں لے گئے ۷۰۸

یشوع کی لڑائیوں میں تشدد اور سخت گیری ۷۰، ۷۱، ۷۲

یعقوب علیہ السلام

اللہ نے آپ کی نبوت کی تکمیل یوسف کے غم میں رکھی تھی ۱۵۲

آپ چالیس برس تک یوسفؑ کے لئے دعا کرتے رہے ۱۵۱، ۲۹۹، ۳۷۵

گلستان سعدی میں آپ کے متعلق ایک حکایت ۴۵۷

یعقوب علی عرفانی شیخ ایڈیٹر الحکم ۲۳۴

عیسائیوں کے سوالات پڑھ کر سنانا ۳۲۴

ایک اشتہار کی طباعت کے لئے پریس کی فراہمی ۲۰۸

یوحنا JHON - The Baptist

۷۴، ۳۷۴، ۳۷۷

مسیح نے آپ کی آمد کو ہی ایلیا کی آمد قرار دیا ۱۳۱، ۳۷۳، ۴۷۳

الیاس کی آمد ثانی کے مصداق ۶۷۲

یوحنا (حواری)

انجیل یوحنا ۴۲۵

یوسف علیہ السلام ۶۸۰

آپ کی رؤیا ۳۷۲

آپ نے جیل سے باہر قدم نہیں نکالا جب تک اپنا بامعصمت ہونا ثابت نہ کرایا ۳۱۸

آپ کے لئے حضرت یعقوب نے چالیس سال دعائیں کیں ۱۵۱

یوسف (نجار) ۲۹۰

اسرائیلی بزرگوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ مریم سے نکاح کرے ۳۲۳

مریم سے نکاح سے پہلے اس کی بیوی موجود تھی ۷۱۵

یوز آسف

مسیح علیہ السلام کا ایک مشہور نام ۷۶

یونس بن متی علیہ السلام ۴۸، ۵۱۵

آپ کی پیشگوئی غیر مشروط تھی ۴۷۷

مسیح کی آپ سے مثال ۷۶

یہودا اسکریوطی

مسیح سے بے وفائی ۳۶۳

تیس روپے کے عوض اپنے پاک استاد کو پکڑوایا ۱۰۱، ۱۸۵، ۱۸۰

پانی پر دیا نتی ۱۳

مقامات

ا

اجمیر ۶۵

احد

صحابہ کی بے مثال قربانیاں ۱

ارض مقدس

بنی اسرائیل کا چالیس سال کے لئے محروم ہونا ۷۰۸

مسلمان اس کے وارث رہیں گے۔ **یرثها** فرمایا ہے **یملکها** نہیں فرمایا ۴۵۱

افغانستان

یہودی فرقوں کا یہاں آباد ہونا ۷۷

امرتسر

شرپسندی میں مکہ سے مشابہت ۵۲۳

اہل ندوہ کا یہاں آنا ۳۲۴

ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ ۱۹۰۲ء ۳۴۲

امرتسر کے دہاپوں کی ظاہر پرستی ۵۱۵

ایک امرتسری شخص کا گندی گالیاں دینا اور حضرت اقدس کی طرف سے نرم روی اختیار کرنے کی تلقین ۵۷۰

غریب احمدیوں کے ساتھ مخالفین کی بدسلوکی ۳۱۵

تین سالہ مینگوئی کے پورا نہ ہونے کا اشتہار ۶۵۱

پادریوں نے پہلے یہاں مقدمہ دائر کیا تھا ۹۷

پادری ڈاکٹر کلارک کا مقدمہ اقدام قتل ۳۶۸

امرتسر میں عیسائیوں کا پندرہ دن کا جلسہ ۳۴۱

سید سرور شاہ کی سفر امرتسر کے متعلق گفتگو ۴۸۵

میر ناصر نواب کا امرتسر کے حالات بیان کرنا ۵۱۰

حکیم محمد شریف کے ذریعہ **الیس الله بکاف عبده** کی انگوٹھی امرتسر سے بنوائی گئی ۲۷۰

ایک امرتسری دوست کی پنجابی نظم ۵۰۶

یہاں کے ایک بڑے ہندو تاجر کا قدم بوسی کے لئے حاضر ہونا ۵۷۴

امریکہ ۴۳۹

حضرت اقدس نے ۲۶ ہزار اشتہار یورپ اور امریکہ رجسٹری کر کے بھجوائے ۳۳۲

پادری گرسفورڈ کی کتاب "میرزا غلام احمد قادیان کا مسیح اور مہدی" کی دسیع اشاعت ۶۱۰

انجیل کے برخلاف طلاق کے متعلق قانون بنانے پڑے ۳۰۲، ۴۴۹

مردوں کے بارہ میں تحقیق ۱۰۸

ڈوئی کا دعویٰ نبوت ۵۱۴، ۲۳۴

ڈاکٹر ڈوئی کو مقابلہ کی دعوت ۲۳۶

انبالہ ۱۷۸

مسیح کے بہن بھائیوں کے متعلق ایک استفسار ۲۹۰

انگلستان ۴۳۹

اسلام پر جبر سے پھیلنے کا الزام ۱۳۰

ایبٹ آباد ۶۷۶

ایران ۱۱۰

آنحضرت کے زمانہ میں ایرانی لوگ مشرک تھے ۴۳۰

ب

بخارا

حضرت اقدس کے مضمون کی اشاعت ۵۷۲

بٹالہ ۲۵، ۲۷۲، ۳۳۳، ۳۹۴

یہ سرزمین بہت گندی ہے ۵۳۹

وجودیت اور دہریت کا غلبہ ۳۳۴

حضرت اقدس کا سفر بٹالہ ۴۹۱

سفر بٹالہ کی حکمت ۴۹۳

نبی بخش کا بٹالہ سے خط کہ وہ عیسائیوں سے مباحثہ کرنا چاہتا ہے ۴۰۲

ایک رؤیا میں ذکر ۶۹۱

شاہ عبدالعزیز کے ایک شاگرد کا فتویٰ ۴۰۴

بدر ۲۳۳، ۳۶۳

صحابہ کی بے مثال قربانیاں ۱۱۵

جنگ بدر کا ایک واقعہ ۳۸۹

باوجود فتح کے وعدہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا میں مصروف رہنا ۱۹۸

بدر کے روز رومی بھی غالب ہوئے ۳۲

بدو ملہی (سیالکوٹ) ۶۷۶

برما ۶۸۲

برما سے آنے والے مہمانوں کی ملاقات ۵۷۴

ایک امیر آدمی کی پیشکش ۵۸۳

بغداد

مسلمانوں کی تباہی کا سبب ۴۵۳

بمبئی

طاعون ۳۲۳، ۵۲۰

طاعون ہندوؤں سے شروع ہوئی ۳۳۲

بہلول پور

چوہدری عبداللہ خان نمبردار بہلول پور کا ایک استفسار ۲۴۲

بھوپال

ملا بشیر کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دجال کہنا ۱۳۱

بیت المقدس ۴۵۱

بیروت ۴۲

بیکانیر (راجپوتانہ)

قحط کی شدت ۴۵۶

بھیں

یہاں کے فیضی نے اعجاز المسیح کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر ہلاک ہو گیا ۲۳۲

بھینی (نزد قادیان) ۴۰۵

پ-ٹ

پاک پٹن ۶۵

پٹیالہ

فسوف وکسوف کے نشان پر ایک مولوی کا واویلا ۲۷۶

پشاور ۵۰۸

سب رجسٹرار مولوی غلام حسن کی پشاور سے قادیان تشریف آوری ۲۸۴

شیخ فضل حق نو مسلم کی آمد ۵۱۶

ایک نو مسلم پشاوری کا ذکر ۴۱۶، ۴۱۷

پنجاب

باروں میں پرانی آبادیوں کے آثار ۴۲۹

پنجابی کی ایک مثل "جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا" ۶۳۰

ایک ناپسندیدہ مشہور مثل ۳۸۷

پنجابیوں سے انگریزوں کی حسن ظنی ۶۱۷

پنجاب کے دیہات کے لئے پنجابی منظوم لٹریچر کی ضرورت ۴۸۹

ایک پنجابی نظم جو درد اور رقت سے لکھی گئی ۵۰۶

طاعون کے نشان کا پنجاب سے خاص تعلق ہے ۳۵۳

پیشگوئی کے مطابق طاعون کا سارے پنجاب میں حملہ ۳۲۳، ۴۰۶، ۶۳۸

پنجاب کی تاریخ میں گذشتہ ایک ہزار سال میں ایسی طاعون نہیں پڑی ۵۷۳

طاعون میں شدت اور اس کی وجوہات ۴۰۳

پنڈوری

میاں نبی بخش نمبردار ۴۶۵

پیرس (فرانس)

گناہوں کی کثرت ۷۸، ۲

ٹانڈہ

یہاں کے نور محمد نامی شخص کا تذکرہ ۷۰۴

ٹرانسوال (جنوبی افریقہ)

قومی حمیت و پاسداری کے لئے جائیں قربان کی جاری ہیں ۶۹۷

ج-چ-ح-خ

جاپان

مذاہب کانفرنس کا انعقاد ۲۳۴

جالندھر

وجودیت اور دہریت کا غلبہ ۳۳۴

ایک شعبدہ باز کا توبہ کر کے داخل سلسلہ ہونا ۵۱۹

طاعون پہلے ہندوؤں سے شروع ہوئی ۳۳۲

جزائر غرب الہند

ایک پہاڑ کی وجہ سے سینٹ پیری اور مارٹینک میں ہلاکت ۲۱۷

جموں

جلسہ پر جموں سے مہمانوں کی آمد ۹۳

سید ناصر شاہ کی جموں سے آمد ۲۲۵

طاعون کی خوفناک تباہی ۱۹۶

چراغ الدین جمونی کا توبہ نامہ ۲۰۸

جہلم ۶۱۸، ۶۱۲

دو ضعیف العمر افراد کی آمد ۴۸۳

مقدمہ ۶۰۱

سفر جہلم کے متعلق اظہار ۶۵۲

۱۵ر جنوری کو جہلم جانے کا ارادہ ۶۸۶

لاہور سے جہلم روانگی ۷۱۷

چاچڑاں شریف

حضرت خواجہ غلام فرید کا ذکر خیر ۳۰۰

چک نمبر ۱۰۸

میاں نبی بخش نمبردار کی درخواست دعا ۴۶۹

چکڑالہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث کے متعلق مولوی عبداللہ چکڑالوی کا عقیدہ ۲۴۸

چین

چین کے مسلمانوں میں عربی کتب بھیجنے کا ارادہ ۵۹۶

حدیبیہ ۴۷

اجتہاد اور عملی صورت حال ۴۷۷

حیدر آباد دکن

سید رضوی کا کیوڑہ بھجوانا ۵۲۸

خانیار (سرینگر کشمیر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ۷۶

د۔ذ۔ر۔ز

دمشق

منارہ دمشق ۴۶

مسیح کا منارہ پر نزول ۳۷۱

دمشق سے مشرق کی طرف عیسیٰ کے اترنے کی حقیقت ۵۷۱

دھرم کوٹ

مولوی عبداللہ کشمیری کا مباحثہ ۳۱۶

دہلی

۲۲۷، ۳۶۳، ۵۲۳، ۶۷۷، ۶۸۸، ۶۳۱

دلی والوں کا رویہ ۶۸۸

ندوہ کے جلسہ دہلی سے پہلے کتاب نزول المسیح کی تیاری کی ضرورت ۳۳۹

دہلی دربار ۶۰۳، ۶۷۸

دربار دہلی کے موقعہ پر میموریل کی اشاعت ۶۱۰

راولپنڈی

جلسہ پر مہمانوں کی آمد ۹۳

رعیہ ۴۵۲

رنگون

ابو سعید عرب تاجر برنج رنگون کی قبول احمدیت ۵۷۸

حضور کا جذب ابو سعید عرب کو رنگون سے قادیان لایا ۶۳۴

روڑکی

حضرت مصلح موعودؓ کی برات کی قادیان سے روڑکی روانگی ۲۹۵

برات کی واپسی ۳۱۲

بعض مسلمانوں کا آریہ مذہب قبول کرنا ۳۱۹

روم

مغلوب ہونے کے بعد ایرانیوں پر غالب آنے کی پیشگوئی ۳۱، ۴۴۰

سلطان روم کی خوشامد ۲۹۲

رہتاس

مولوی غلام علی رہتاسی کی بیماری کی اطلاع ۳۰۵

س۔ش

سانبھر (راجپوتانہ)

مہمانوں کی آمد ۹۳

سپین

مذہبی قتل و غارت ۱۳۱

سرحد (صوبہ)

یہاں کے لوگوں کے نظریہ جہاد کا ذکر ۶۵۲

سرحدی مفسدوں کو غازی کہنا نادانی اور جہالت ہے ۱۲۹

سرینگر کشمیر

قبر مسیح ۷۶، ۱۴۸، ۱۴۵، ۲۱۹

سمرقند

حضرت اقدس کے مضمون کی اشاعت ۵۷۲

سنگھڑ

شیخ سلیمان سے مولوی اسماعیل شہید کی سنگھڑ ۴۲۰

سوہل (ضلع گورداسپور)

یہاں کے خیاطوں کے جواب میں مولوی جمال الدین سیکھوانی کی ایک پنجابی نظم ۲۳۷

سہارنپور

مولوی سید محمود شاہ کا قادیان تشریف لانا ۳۴۵

عبدالعزیز سہارنپوری کا خط ۴۲۱

سیالکوٹ

۲۲۵، ۲۵۶، ۲۹۳

وجودیت اور دہریت کا غلبہ ۳۳۴

طاعون کی خوفناک یلغار ۱۹۶

سیدوالا

مولوی جمال الدین ۴۴۷

سیکھواں (تحصیل پٹالہ)

مولوی جمال الدین سیکھوانی کا حضرت اقدس کے سامنے تصدیق المسیح کے نام سے ایک پنجابی نظم پڑھنا ۲۳۷

سینٹ پیری (جزائر غرب الہند)

زلزلہ سے ہلاکت ۲۱۷

شام

۱۱۰

الارض سے مراد شام کی زمین ۴۵۱

حضرت ابوبکر نے شام سے واپسی پر راستہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی خبر سنی اور ایمان لے آئے ۵۵، ۶۴۴

ایک بار طاعون سے یہاں کے جانور تک ہلاک ہو گئے تھے ۶۴۸

شاہ پور (پاکستان)

۴۹۲

شاہ جہان پور (بھارت)

یہاں سے آنے والے ایک شخص کا سوال ۳۹۶

شکاگو (امریکہ)

۲۳۴

ط

طائف

ریگستان میں بہشت کا نمونہ ۳۱۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب ۲۹۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق و وفا ۲۸۴

طور (کوہ)

مسیح موعود کا اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جانے کا مطلب ۵۹۰،۴۱۵

طوس (ایران)

ایک بزرگ کا واقعہ ۴۷۳،۴۷۴

ع

عراق

ناترابق از عراق آمدہ شود.... ۳۲۶

عرب

عرب میں اذا العشار عطلت کی پیشگوئی کا ظہور ۲۸۹

علی گڑھ ۵۱۴،۲۶۴

یہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں کا انگریزی تمدن کو اختیار کرنا ۶۷۰
یہاں کے ایک طالب علم کا سوال ۳۹۶

ف۔ق

فارس (نیز دیکھئے ایران)

اہل فارس کے رومیوں پر غالب آنے کا ذکر ۳۱
اہل فارس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں سے ٹھہرایا ہے ۴۵۹

فرانس

ایک جدید مدعی مسیحیت ۳۴۹
اسلام پر جبر سے پھیلنے کا الزام ۱۳۰
زمینی تغیرات کے متعلق محققین کی آراء ۵۱۳

فلسطین

ترکوں سے فلسطین خریدنے کے بارہ میں عیسائیوں اور یہودیوں میں تحریک ۴۵۱

فیروزپور

پادری نیوٹن ۷۰

قادیان (دارالامان) ۸۹،۲۰۵،۲۰۸

۲۳۷،۲۷۱،۳۳۷،۴۱۵،۴۱۷،۴۳۱،۴۶۷،
۴۸۷،۵۴۸،۶۳۴،۶۷۴،۶۸۷

خواب میں ذکر ۵۹۶
قادیان کے گرد فصیل کی تعمیر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رؤیا ۳۰۸
یہاں آنے والا ہر مخلص اور غیر ایک نشان ہے ۵۵۰
ایک کثیر جماعت کا موجود رہنا ۲۷۳
مسجد مبارک کے لئے فرمایا من دخلہ کان امنا ۳۲۳
جماعت کے اخبارات کی افادیت ۵۸۷
مدرسہ تعلیم الاسلام ۵۶۵
۱۹۰۲ء میں مشرق کی طرف جنگل ۴۳۸
جلسہ سالانہ ۱۹۰۱ء پر دور دراز سے مہمانوں کی آمد ۹۳
قادیان میں عید الفطر ۶۲۷
ایک حق جو عیسائی نوجوان کو لکھا جانا کہ اگر وہ اسلام کی صداقت مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو دو ماہ کے لئے قادیان آئیں ۶۹
ایک زمانہ میں مولوی محمد حسین کا قادیان آکر رہنے کا ارادہ ۲۴۹،۶۴۲
مولوی ثناء اللہ کی واپسی ۶۸۸
میونسپل کمشنر زیر آباد کی قادیان تشریف آوری ۳۵۵
حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسٹر ڈکسن کو الوداع کہنے قادیان سے چار میل تک گئے ۲۵
طاعون سے محفوظ رکھے جانے کا وعدہ اور نشان ۱۷۵،۲۲۶،۲۶۹
خدا نے میرے وجود کے باعث اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے ۱۳۱
طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیں ۱۹۹
اگر اس سلسلہ کا اکرام نہ ہوتا تو یہ سارا گاؤں ہلاک ہو جاتا ۲۱۰
قادیان میں طاعون کا ٹیکہ ۴۰۵،۴۱۴
امام مسجد قادیان میاں جان محمد ۲۲۷
چوڑھوں میں اموات ۴۲۸

قصور

منشی عبدالحق قصوری طالب علم لاہور کا اسلام کی صداقت کے متعلق استفسار ۶۹

ک۔گ

کابل (افغانستان)

لوگ ایک طرح سے اسیر اور مقید ہیں ۵۵۵
حضرت مولوی عبدالرحمن کی شہادت ۹۸
جلسہ پر کابل سے مہمانوں کی آمد ۹۳

کپورتھلہ

بعض مہمانوں کی آمد ۹۳،۴۳۱
چند احباب کا آکر بیعت کرنا ۴۳۸

کٹک (بنگال)

یہاں کے سید اختر الدین احمد کی بیعت اور احمد حسین اور ان کی اہلیہ کی طرف سے نقدی اور زیورات کا نذرانہ ۴۳۴

کراچی

طاعون ۴۲۳

کربلا ۲۲۷

اس وقت اسلام شہیدان کربلا کی طرح دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے ۳۷۰

کشمیر ۳۳۷

بنی اسرائیل کا یہاں آباد ہونا ۷۷
مسیح کی کشمیر میں آمد اور پھر ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پاکر سرینگر میں دفن ہونا ۷۶، ۱۳۵، ۱۹۰، ۲۹۴، ۳۶۸
دو ہزار سال پرانے صحیفہ کی برآمدگی ۵۰۴
کشمیر سے پرانی انا جیل برآمد ہونے کے متعلق حضرت اقدس کی رؤیا ۵۲۷
قبر مسیح کے سلسلہ میں کچھ اور امور ظاہر ہوں گے ۵۲۷، ۵۲۸
عبد الصمد صاحب کی آمد اور کشمیریوں کے لئے لنگر خانہ کو خاص ہدایت ۴۸۲
شفاء بخش چشمے ۱۲۷

کلکتہ ۵۷۸
کلکتہ کے بشپ کی لندن میں تقریر ۳۷۰

کنعان ۳۷۵، ۴۵۷، ۶۱۰

کوٹ کپورہ
یہاں سے ایک ہندو فقیر کی قادیان آمد ۳۱۵

کوہاٹ ۵۰۸

گجرات ۲۵۳

گنگا (دریا) ۱۸۰
ہندوؤں کے دلوں میں عظمت اور پیار ۳۴۸، ۵۴۵

گوجرانوالہ ۶۷۵
مہمانوں کی آمد ۹۳
حضرت اقدس کے ارشاد پر میاں احمد دین صاحب اپیل نویس کی تشریف آوری ۴۰۲
طاعون کے ٹیکوں کی بندش ۴۸۹

گوجر خان
منشی شاہ دین کی بطور سٹیشن ماسٹر تقرری ۴۵۳

گورداسپور ۳۱۶، ۳۶۳، ۵۷۵، ۵۷۷
ڈپٹی کمشنر گورداسپور مسٹر ڈگلس کی عدالت میں برہت کا نشان ۹۷، ۲۶۸
طاعون کے ٹیکوں کی بندش ۴۸۹

ل

لاہور ۶۹، ۲۲۶، ۴۳۰، ۶۱۴
والد کے انتقال کے وقت آپ لاہور گئے ہوئے تھے ۲۷۰
لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں (الہام) ۲۴۹
داتا گنج بخش کے دو فقیروں کی تصدیق ۵۰۳
پینیاں والی مسجد ۲۴۷
جہلم جانے کے لئے لاہور میں قیام (۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء) ۷۱۷
مولوی عبد الحکیم سے مباحثہ ۳۹
ایک شخص کی خواب ۵۰۲
بشپ آف لاہور کی قرآن دانی ۱۴۳
جلسہ پر مہمانوں کی آمد ۹۳
آنے والے مہمانوں کی ملاقات ۵۷۴
بعض رؤساء کی ٹیکہ لگانے پر رضامندی ۴۱۴
لاہور کے ایک ہندو رئیس کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونا ۶۰۴

لدھیانہ ۶۴۵
مہمانوں کی آمد ۹۳
اول الکفرین مولوی عبد العزیز کی تباہی ۴۴۰
مولوی محمد حسین سے مباحثہ ۲۷
ایک عیسائی کا لاجواب ہونا ۳۰۳
طاعون کی خوفناک یلغار ۱۹۶

لکھنؤ
شمس الاخبار لکھنؤ کا پادری عماد الدین کی تحریروں پر تبصرہ ۳۶۰

لکھوکے
مولوی عبد الرحمن لکھوکے والے کے نام حضرت مولوی عبد الکریم کا خط ۲۴۷

لندن (انگلستان) ۱۶۰، ۲۳۰، ۲۵۳، ۳۷۰
گناہوں کی کثرت ۲، ۷۸
جھوٹے مسیح پکٹ کے بعد لندن پہنچے گی ۵۱۲
اول ولد الاسلام شیخ رحمت اللہ کا بیٹا عبد اللہ ۵۳۷

م ـ ن

مارٹینک (جزائر غرب الہند)
تباہی ۲۱۷

مالیر کوٹلہ
جاگیردار مالیر کوٹلہ خانصاحب نواب خان کا ایک استفسار ۲۴۳
طاعون کا حال ۴۰۳

مدد (ضلع امرتسر) ۴۸۲، ۵۴۵
مباحثہ مدد کی روئداد ۴۷۵، ۴۷۹
مباحثہ میں ایک اعتراض اور اس کا جواب ۴۸۸
مباحثہ مدد میں ہماری فتح ہوئی ۴۸۱
میاں محمد یوسف کا بائیکاٹ ۵۴۰

مدراس ۵۱۴، ۶۷۲
حضرت اقدس کے ایک غیبی عاشق ۵۶۷
ایک عقیدت مند ہندو کی آمد ۵۱۱
یہاں سے آنے والے لالہ بڈھا مل کا سوال ۵۱۸

مدینہ طیبہ (منورہ) ۶۵، ۲۲۷، ۲۹۲، ۳۸۸، ۶۱۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کی حکمت ۴۹۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بچیوں کا گیت گانا ۳۱۱
آنحضرت کی تشریف آوری پر ایک

یہودی کا آپ کو چہرے سے شناخت کرنا ۱۹۴
اہل مکہ کی مدینہ پر چڑھائی ۷۱

مردان

سٹیشن ماسٹر منشی شاہ دین کا صبر و استقامت ۴۵۳

مصر

۱۱۰، ۳۷۵، ۴۵۷
عزیز مصر کی رؤیا ۳۷۲
بنی اسرائیل کی بیگار ۷۰۶
بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا ۷۰۷
عیسائیت کا فتنہ ۳۵۲
لکھا ہے کہ برہمن مصر سے آئے تھے ۴۱۹
حضور کی کتب کی اشاعت ۶۱۷
اخبار اللواء کا کشتی نوح پر اعتراض ۵۳۸، ۵۴۶
اللواء کے اعتراض کا فصیح و بلیغ جواب ۶۰۱

مکہ مکرمہ

۲۰۶، ۲۱۸، ۲۴۴، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۹۵، ۵۰۸، ۵۵۷، ۵۸۱، ۶۷۴
مکہ میں دو عمر تھے ابوجہل اور عمر بن الخطاب ۵۵۴
وحی کا نزول اور اس کے اثرات ۷۱۳
حضرت ابوبکر کا شام سے مکہ آنا ۳۴۴
مکہ معظمہ کی گلیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے سروسامانی ۳۴۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا تیرہ سال تک ایذائیں برداشت کرنا ۱۱۸، ۵۴۳
اہل مکہ کی طرف سے صحابہ پر مظالم ۷۱
اہل مکہ کے حیلے ۳۲۴
اہل مکہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا ۷۲
مکہ کی فتح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کا نتیجہ تھی ۲۹۹
فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکسار ۴۰۴
فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طوعام ۶۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور ابوسفیان کی فراست میں کمی ۵۵۱
مکہ معظمہ کی حالت ۵۵۳
اونٹ جلد ہی نابود ہو جائیں گے ۶۷۳

ملکوال

ٹبکہ کے باوجود طاعون سے انیس اموات ۵۴۶

مونگھیر (بہار)

دو احباب کی بیعت ۵۰۲

میرٹھ

ضمیمہ شحنہ ہند میں حضور کی مخالفت ۵۰۸
شیخ عبدالرشید تاجر میرٹھ کا حضور کی خدمت میں شحنہ ہند میرٹھ کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی تجویز ۳۰۱

ناگپور

یہاں کے لوگوں کی عمریں کم ہوتی ہیں ۲۹۵

ننگل (نزد قادیان)

۴۰۵

نیل (دریا)

بنی اسرائیل کو دریائے نیل میں سے راستہ مل گیا ۷۰۷

و-ہ-ی

وزیر آباد

جلسہ پر مہمانوں کی آمد ۹۳
میونسپل کمشنر وزیر آباد بابو غلام مصطفیٰ کی قادیان تشریف آوری ۳۵۵
یہاں کے حافظ عبدالمنان سلسلہ کے سخت دشمن ہیں ۳۷۱

ہائیڈپارک (لندن)

بدکاریوں کی کثرت ۲۵۴

ہندوستان

۲۳۵
شفا بخش چشمے ۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت گمراہی میں پڑا ہوا تھا ۱۰۹
یہاں کے مسلمان بادشاہوں نے عربی کی ترویج نہ کر کے معصیت کا ارتکاب کیا ۵۳۱
دو اہم واقعات سید احمد شہید کا، احمد قادیانی کا ۵۰۶
ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی ۲۳۷

ہوشیار پور

نماز میں تعدیل ارکان ملحوظ نہ رکھے جانے کی بدعت ۳۴۵
طاعون کے مظاہر ۴۰۳، ۵۴۹
وجودیت و دہریت کا غلبہ ۳۳۴

یروشلم

اس کے معنی دارالامان ہیں ۴۵۱

یمامہ

ہجرت یمامہ کا خیال درست نہ نکلا ۴۷۷

یورپ

۲۶۰، ۳۱۳، ۵۴۲، ۶۳۹
شفا بخش چشمے ۸۵، ۳۴۷
یورپین مورخین کا صحابہ کرام کی بے مثل وفاداری اور اطاعت کا اعتراف ۱۴۲
مسمریزم کے ماہرین ۱۰۱
عنقریب پادریوں کے سوا باقی نوگ لاذہب کہلائیں گے ۵۸۷
اباحتی زندگی ۱۳، ۷۸
خودکشی کا رجحان ان کے مذہب کی موت اور حقیقی راحت کے نہ ہونے کی دلیل ہے ۴۳۹، ۲۵۴
کفارہ کے عقیدہ نے یہاں کے لوگوں کو گناہ سے نہیں بچایا ۲
اسلام پر جبر سے پھیلنے کا الزام ۱۳۰
اخلاقی اور روحانی حالت ۱۱
سلطنتوں کا اقبال اور محض اسباب پر

بھروسہ ۳۲۱

فلسفہ اور جدید علوم کا اسلام پر اثر ۱۸۳

یورپ کا فلسفہ اور اس کی محدود طاقتیں ہمارے لئے رہبر نہیں ہو سکتیں ۲۱۸

سرسید کا یورپ کی طرف میلان ۳۸۲

مہدی نام کے مدعی یورپ کی اقوام سے شکست کھا چکے ہیں ۵۹۹

مسلمانوں کو جب سامان جنگ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ یورپ کی سلطنتوں سے منگواتے ہیں ۵۹۹

حضرت اقدس نے یورپ اور امریکہ ۱۶ ہزار اشتہار رجسٹری بھجوائے ۳۵۲

قبر مسیح کے متعلق اشتہار کی یورپ میں اشاعت کا ارادہ ۲۱۹

یونان

دنیوی علوم کا چرچا ۲۲۳

حکمت یونانیاں ۲۲۲

کتابیات

کتب جو اس جلد میں مذکور ہیں

آئینہ کمالات اسلام

ابو سعید عرب کا اس کو پڑھ کر احمدیت کی طرف متوجہ ہونا ۵۷۸

احیاء العلوم امام غزالی ۳۰۷

اعجاز احمدی ۵۵۱

معجزانہ تصنیف ۵۲۰

اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے لکھی گئی ہے ۵۰۵

اس میں بہت سی پیشگوئیاں بھی ہیں ۵۵۶

شحنہ ہند کی طرف سے جواب لکھنے کی تیاری ۵۵۶

جعفر زٹلی کا اعتراض ۵۴۴

مخالف اس کا جواب نہیں لکھ پائیں گے ۵۴۳

اعجاز المسیح ۵۴۳

انجام آتھم ۶۸۵

مخالفین سے مباحثہ نہ کرنے کا عہد ۶۸۷

تحفہ الندوہ ۹۷

اشاعت و تقسیم ۳۲۸

تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار ۳۹۶

تحذیر الاناام ۳۳۷

تفسیر مظہری

حدیث ابو ہریرہ کے مطاعن ۴۷۱

جامع صحیح بخاری ۳۸۶، ۴۴۰، ۴۷۲

اس میں برکت اور نور ہے ۲۴۸

حدیث امامکم منکم ۴۹۹

جامع صحیح مسلم

حدیث امکم منکم ۴۹۹

اس زمانہ میں آخر دعا کے ساتھ مقابلہ ہوگا ۵۹۹

حجج الکرامہ نواب صدیق حسن خان

مسیح اور مہدی کے خلاف فتوے دیئے جائیں گے ۵۱

نواب صدیق حسن خان کا آیات پوری ہونے کا اعتراف ۱۵۸

در منثور ۴۷۷

سبیل الرشاد

علی حائری کے جواب میں سید عبد اللہ عرب کا عربی رسالہ ۳۸۵

ستیارتھ پرکاش پنڈت دیانند ۳۶۷

سر الشہادتین ۴۹۰

سناتن دھرم ۳۴۵

سفر السعادت ۳۴۹

طالمود ۳۶۳

کشتی نوح

"ہماری تعلیم" کی برتری ۳۲۰

کثرت سے اشاعت کی تاکید ۵۰۸

بار بار پڑھنے کی تلقین ۴۰۷

اس میں جو نصائح لکھی ہیں ان کو ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرو ۳۹۹

ہر احمدی کو اس کی تعلیم پر عمل کرتے رہنا چاہئے ۵۰۲

ہماری کشتی نوح پمفلٹ کی کشتی نوح پر غالب آئے گی ۵۱۲

مستشنین کی روسیاہی ۵۴۶

اخبارات کے تبصرے ۴۸۹

گلستان سعدی ۴۵۷

گیتا

"ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو۔ تیری استتی گیتا میں لکھی گئی ہے" (الہام) ۲۰۱

لسان العرب ۵۱۱

متی

متی کی انجیل ۴۲۵

مثنوی مولانا روم ۶۰۵، ۶۰۶

مثنوی مولانا روم کی ایک حکایت ۳۴۲

مقامات حریری

صرف قافیہ ردیف کے لئے بے جوڑ باتیں جوڑی گئی ہیں ۵۰۵

مواہب الرحمٰن

اشاعت اور پروف ریڈنگ ۶۹۰

دلوں میں داخل ہوگی ۶۹۰

نزول المسیح

نزول المسیح ۶۷۲
اشاعت ۳۴۱
ایک سو پچاس نشانات کا ذکر ۶۸۳

وید

وید کی دعائیں بے ثمریں ۲۹۴

اخبارات ورسائل

اوبزرور OBSERVER

ذوئی سے متعلق مضمون ۳۳۸

اخبار عام لاہور

مقدمات کا ذکر ۵۸۷

اشاعۃ السنہ بٹالہ ایڈیٹر

مولوی محمد حسین بٹالوی ۲۲۷، ۳۷۸، ۵۱۵

صاحب الہام براہ راست حدیث کی صحت کر لیتے ہیں ۴۴۸
پروف کی غلطیوں کا اعتراف ۶۹۰

اللواء۔ مصر

کشتی نوح پر اعتراضات ۵۳۸، ۵۴۶
حضرت اقدس کی طرف سے جواب ۵۷۲، ۶۰۱

ایسی فینی عیسائی اخبار

۲۳۵، ۴۳۶، ۵۴۳، ۵۶۵
ذنب کے معنی پر بحث ۵۶۵

پایونیئر الہ آباد ۱۴۳، ۵۴۶

ذوئی سے متعلق ایک مضمون ۳۳۸

سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۵۴۶

حضرت اقدس کی طرف سے اخبار کے رویہ کی تعریف ۴۹۰

شحنہ ہند میرٹھ

حضور کی مخالفت ۵۰۸
توہین آمیز رویہ کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی تجویز ۳۰۶
اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کی تیاری ۵۵۶
مولوی محمد حسین کی مخالفت ۵۱۶
ایڈیٹر کی ایک خواب اور اس کی تعبیر ۳۳۷

شمس الاخبار لکھنؤ

عماد الدین کی خطرناک تحریروں پر تبصرہ ۳۶۰

فری تھنکر ۳۱۹

☆ ☆ ☆

ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود

بانی جماعت احمدیہ

جلد سوم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب فتح اسلام میں دُنیا کو حق اور راستی کی طرف کھینچنے کے لیے تائیدِ حق اور اشاعتِ اسلام کی جن پانچ شاخوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے تیسری شاخ کے ضمن میں فرماتے ہیں :-

اُس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زبانی تقریریں جو سائلین کے سوالات کے جواب میں کی گئیں یا کی جاتی ہیں یا اپنی طرف سے محل اور موقعہ کے مناسب کچھ بیان کیا جاتا ہے یہ طریق بعض صورتوں میں تالیفات کی نسبت نہایت مفید اور مؤثر اور جلد تر دلوں میں بیٹھنے والا ثابت ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام نبی اس طریق کو ملحوظ رکھتے رہے ہیں اور بجز خدا تعالیٰ کے کلام کے جو خاص طور پر بلکہ قلم بند ہو کر شائع کیا گیا باقی جس قدر مقالات انبیاء ہیں وہ اپنے اپنے محل پر تقریروں کی طرح پھیلتے رہے ہیں۔ عام قاعدہ نبیوں کا یہی تھا کہ ایک محل شناس لیکچرار کی طرح ضرورتوں کے وقتوں میں مختلف مجالس اور محافل میں اُن کے حال کے مطابق رُوح سے قوت پاکر تقریریں کرتے تھے۔ مگر نہ اس زمانہ کے متکلموں کی طرح کہ جن کو اپنی تقریر سے فقط اپنا علمی سرمایہ دکھلانا منظور ہوتا ہے۔ یا یہ غرض ہوتی ہے کہ اپنی جھوٹی منطق اور سوفسطائی حجتوں سے کسی سادہ لوح کو اپنے پیچ میں لاویں اور پھر اپنے سے زیادہ جہنم کے لائق کریں۔ بلکہ انبیاء نہایت سادگی سے کلام کرتے اور جو اپنے دل سے اُبلتا تھا وہ دوسروں کے دلوں میں ڈالتے تھے۔ اُن کے کلماتِ قدسیہ عین محل اور حاجت کے وقت پر ہوتے تھے اور مخاطبین کو شغل یا افسانہ کی طرح کچھ نہیں سناتے تھے بلکہ اُن کو بیمار دیکھ کر اور طرح طرح کے آفاتِ رُوحانی میں مبتلا پاکر علاج کے طور پر اُن کو نصیحتیں کرتے تھے یا بحج قاطعہ سے اُن کے اوہام کو رفع فرماتے تھے اور اُن کی گفتگو میں الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہوتے تھے۔ سو یہی قاعدہ یہ عاجز ملحوظ رکھتا ہے اور وارد دین اور صادرین کی استعداد کے موافق اور اُن کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور اُن کے امراض لاحقہ کے خیال سے ہمیشہ بابِ تقریر کھلا رہتا ہے کیونکہ برائی کو نشانہ کے طور پر دیکھ کر اس کے روکنے کے لیے نصائح ضروریہ کی تیراندازی کرنا اور بگڑے ہوئے اخلاق کو ایسے عضو کی طرح پاکر جو اپنے محل سے ٹل گیا ہو اپنی حقیقی صورت اور محل پر لانا۔ جیسے یہ علاج بیمار کے رُوبرو ہونے کی حالت میں متصور ہے اور کسی حالت میں کما حقہٗ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چندیں ہزار نبی اور رسول بھیجے اور ان کی شرفِ صُحبت میں مشرف ہونے کا حکم دیا تا ہر ایک زمانہ کے لوگ چشمدید نمونوں کو پاکر اور اُن کے وجود کو مجسم کلامِ الٰہی مشاہدہ کرکے اُن کی اقتداء کے لیے کوشش کریں۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء

ایک الہام کی تشریح

۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء کو کچہری جانے سے پیشتر اعلیٰحضرتؑ نے ہمارے مخدوم جناب خان محمد عجب خاں صاحب آف زیدہ کو خطاب کرکے فرمایا کہ آپ نے رُخصت لی ہے ہمارے پاس بھی رہنا چاہیئے خانصاحب نے دارالامان آنے کا وعدہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کہ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ پر لوگ اعتراضات کرتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جائے؟

فرمایا:۔

اَنْتَ مِنِّیْ تو بالکل صاف ہے اس پر کسی قسم کا اعتراض اور نکتہ چینی نہیں ہوسکتی میرا ظہور محض اللہ تعالےٰ ہی کے فضل سے ہے اور اسی سے ہے۔

دوسرا حصہ اس الہام کا کسی قدر شرح طلب ہے سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا قرآن شریف میں بار بار اس کا ذکر ہوا ہے وحدہٗ لاشریک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ صفات میں نہ افعال الٰہیہ میں۔ سچی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمانِ کامل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک انسان ہر قسم کے شرک سے پاک نہ ہو۔ توحید تب ہی پوری ہوتی ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو کیا باعتبار ذات اور کیا باعتبار صفات کے اور افعال کے بے مثل مانے۔ نادان میرے اس الہام پر تو اعتراض کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں کہ اس کی حقیقت کیا

ہے لیکن اپنی زبان سے ایک خدا کا اقرار کرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی صفات دوسرے کیلئے تجویز کرتے ہیں جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کو محی اور ممیت مانتے ہیں۔ عالم الغیب مانتے ہیں۔ الحیّ القیوم مانتے ہیں۔ کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟ یہ خطرناک شرک ہے جس نے عیسائی قوم کو تباہ کیا ہے اور اب مسلمانوں نے اپنی بدقسمتی سے اُن کے اس قسم کے اعتقادوں کو اپنے اعتقادات میں داخل کر لیا ہے پس اس قسم کے صفات جو اللہ تعالیٰ کے ہیں کسی دوسرے انسان میں خواہ وہ نبی ہو یا ولی تجویز نہ کرے اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے افعال میں بھی کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ دُنیا میں جو اسباب کا سلسلہ جاری ہے بعض لوگ اس حد تک اسباب پرست ہو جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ توحید کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ شرک فی الاسباب کا بھی شائبہ باقی نہ رہے۔ خواص الاشیاء کی نسبت کبھی یہ یقین نہ کیا جاوے کہ وہ خواص اُن کے ذاتی ہیں بلکہ یہ ماننا چاہیئے کہ وہ خواص بھی اللہ تعالیٰ نے اُن میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ جیسے تربد اسہال لاتی ہے یا سم الفار ہلاک کرتا ہے۔ اب یہ قوتیں اور خواص ان چیزوں کے خود بخود نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں رکھے ہوئے ہیں۔ اگر وہ نکال لے تو پھر نہ تربد دست آور ہو سکتی ہے اور نہ سنکھیا ہلاک کرنے کی خاصیت رکھ سکتا ہے نہ اُسے کھا کر کوئی مر سکتا ہے۔ غرض اسباب کے سلسلہ کو حدِ اعتدال سے نہ بڑھاوے اور صفات و افعال الٰہیہ میں کسی کو شریک نہ کرے تو توحید کی حقیقت متحقق ہو گی اور اُسے موحد کہیں گے لیکن اگر وہ صفات و افعال الٰہیہ کو کسی دوسرے کے لیے تجویز کرتا ہے تو وہ زبان سے گو کتنا ہی توحید ماننے کا اقرار کرے وہ موحد نہیں کہلا سکتا۔ ایسے موحد تو آریہ بھی ہیں جو اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایک خُدا کو مانتے ہیں لیکن باوجود اس اقرار کے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ روح اور مادہ کو خدا نے پیدا نہیں کیا۔ وہ اپنے وجود اور قیام میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہیں گویا اپنی ذات میں ایک مستقل وجود رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا شرک ہو گا۔ اسی طرح پر بہت سے لوگ ہیں جو شرک اور توحید میں فرق نہیں کر سکتے۔ ایسے افعال اور اعمال اُن سے سرزد ہوتے ہیں۔ یا وہ اس قسم کے اعتقادات رکھتے ہیں جن میں صاف طور پر شرک پایا جاتا ہے مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے یا فلاں کام درست نہ ہوتا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اسباب کے سلسلہ کو حدِ اعتدال سے نہ بڑھاوے اور صفات و افعال الٰہیہ میں کسی کو شریک نہ کرے۔

انسان میں جو قوتیں اور ملکات اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں ان میں وہ حد سے نہیں بڑھ سکتے مثلاً آنکھ اس نے دیکھنے کے لیے بنائی ہے اور کان سُننے کے لیے، زبان بولنے اور ذائقہ کے لیے۔ اب یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کانوں سے بجائے سننے کے دیکھنے کا کام لے اور زبان سے بولنے اور چکھنے کی بجائے سُننے کا کام لے۔ ان اعضاء اور قویٰ کے افعال اور خواص محدود ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے افعال اور صفات محدود نہیں ہیں اور وہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے غرض یہ توحید تب ہی پوری ہو گی جب اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے واحد لاشریک یقین کیا جاوے اور انسان اپنی حقیقت کو بالکل الذات اور باطلۃ الحقیقت سمجھ لے۔ کہ نہ مَیں اور نہ میری تدابیر اور اسباب کچھ چیز ہیں۔

رعایتِ اسباب بھی ضروری ہے

اس سے ایک شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید ہم استعمالِ اسباب سے منع کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے ہم اسباب کے استعمال سے منع نہیں کرتے بلکہ رعایتِ اسباب بھی ضروری ہے کیونکہ انسانی بناوٹ بجائے خود اس رعایت کو چاہتی ہے لیکن اسباب کا استعمال اس حد تک نہ کرے کہ اُن کو خدا کا شریک بنا دے بلکہ اُن کو بطور خادم سمجھے۔ جیسے کسی کو بٹالہ جانا ہو تو وہ یکہ یا ٹٹو کرایہ کرتا ہے۔ تو اصل مقصد اس کا بٹالہ پہنچنا ہے نہ وہ ٹٹو یا یکہ۔ پس اسباب پر کُلی بھروسہ نہ کرے یہ سمجھے کہ ان اسباب میں اللہ تعالیٰ نے کچھ تاثیریں رکھی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ تاثیریں بیکار ہو جائیں اور کوئی نفع نہ دیں۔ اسی کے موافق ہے جو مجھے الہام ہوا ہے رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ۔

اسباب پرستی شرک ہے

بُت پرستوں کا شرک تو موٹا ہوتا ہے کہ پتھر بنا کر پُوجا کرتے ہیں یا کسی درخت یا اَور شے کی پرستش کرتے ہیں اس کو تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ باطل ہے۔ یہ زمانہ اس قسم کی بُت پرستی کا نہیں ہے بلکہ اسباب پرستی کا زمانہ ہے اگر کوئی بالکل ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے اور سُست ہو جاوے تو اس پر تو خدا کی لعنت ہوتی ہے لیکن جو اسباب کو خدا بنا لیتا ہے وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت یورپ دو شرکوں میں مبتلا ہے۔ ایک تو مُردہ کی پرستش کر رہا ہے اور جو اُس سے بچے ہیں اور مذہب سے آزاد ہو گئے ہیں وہ اسباب کی پرستش کر رہے ہیں اور اس طرح یہ اسباب پرستی مرض دِق کی طرح لگی ہوئی ہے اور یورپ کی تقلید نے اس ملک کے نوجوانوں اور نو تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی ایسی مرض میں مبتلا کر دیا ہے وہ اب سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ ہم اسلام سے باہر جا رہے ہیں اور خدا پرستی کو چھوڑ کر اسباب پرستی کے دِق میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہ دِق دُور نہیں ہو سکتی اور اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا جب تک انسان کے دل میں خدا کی ایک نالی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے فیض اور اثر کو اس تک پہنچاتی ہے اور یہ نالی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان ایک منکسر النفس ہو جائے اور اپنی ہستی کو بالکل خالی سمجھ لے جس کو فنا نظری کہتے ہیں۔

فنا کی حقیقت

فنا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فنا حقیقی ہوتی ہے جیسے وجودی مانتے ہیں کہ سب خدا ہی ہیں یہ تو بالکل باطل اور غلط ہے اور یہ شرک ہے لیکن دوسری قسم فنا کی فنا نظری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا شدید اور گہرا تعلق ہو کہ اس کے بغیر ہم کچھ چیز ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی میں ہستی ہو باقی سب ہیچ اور فانی۔ یہ فنا اتم کا درجہ توحید کے اعلیٰ مرتبہ پر حاصل ہوتا ہے اور توحید کامل ہی اس درجہ پر ہوتی ہے۔ جو انسان اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کچھ ایسا کھویا جاتا ہے کہ اس کا اپنا وجود بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں ایک نئی زندگی حاصل کرتا ہے جیسے ایک لوہے کا ٹکڑا آگ میں ڈالا جاوے اور وہ اس قدر گرم کیا جاوے کہ سُرخ آگ کے انگارے کی طرح ہو جاوے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۳۶ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء

اُس وقت وہ لوہا آگ ہی کے ہم شکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر جب ایک راستباز بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور وفاداری کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر فنا فی اللہ ہو جاتا ہے اور کمال درجہ کی نیستی ظہور پاتی ہے اس وقت وہ ایک نمونہ خدا کا ہوتا ہے اور حقیقی طور پر وہ اس وقت کہلاتا ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو دُعا سے ملتا ہے۔ یاد رکھو دُعا جیسی کوئی چیز نہیں ہے اِس لیے مومن کا کام ہے کہ ہمیشہ دُعا میں لگا رہے اور اس استقلال اور صبر کے ساتھ دُعا کرے کہ اس کو کمال کے درجہ تک پہنچا دے اپنی طرف سے کوئی کمی اور دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اور اس بات کی بھی پروا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا بلکہ ؎

گر نباشد بدست راہ بُردن ٭ شرطِ عشق است در طلب مُردن

جب انسان اس حد تک دُعا کو پہنچاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس دُعا کا جواب دیتا ہے جیسا کہ اُس نے وعدہ فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) یعنی تم مجھے پکارو مَیں تمہیں جواب دوں گا اور تمہاری دُعا قبول کروں گا۔ حقیقت میں دُعا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ جب تک انسان پورے صدق و وفا کے ساتھ اور صبر اور استقلال سے دُعا میں لگا نہ رہے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں جو دُعا کرتے ہیں مگر بڑی بے دِلی اور عجلت سے چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن میں اُن کی دُعا مثمر بہ ثمرات ہو جاوے حالانکہ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے اس نے ہر کام کے لیے اوقات مقرر فرمائے ہیں اور جس قدر کام دنیا میں ہو رہے ہیں وہ تدریجی ہیں۔ اگرچہ وہ قادر ہے کہ ایک طرفۃ العین میں جو چاہے کر دے اور ایک کُنْ سے سب کچھ ہو جاتا ہے مگر دُنیا میں اُس نے اپنا یہی قانون رکھا ہے۔ اس لیے دُعا کرتے وقت آدمی کو اس کے نتیجہ کے ظاہر ہونے کے لیے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

اپنی زبان میں دُعا کرنے کی حکمت

یہ بھی یاد رکھو دُعا اپنی زبان میں بھی کر سکتے ہو بلکہ چاہیئے کہ مسنون اَدعیہ کے بعد اپنی زبان میں آدمی دُعا کرے کیونکہ اس زبان میں وہ پُورے طور پر اپنے خیالات اور حالات کا اظہار کر سکتا ہے اِس زبان میں وہ قادر ہوتا ہے۔

دُعا نماز کا مغز اور رُوح ہے اور رسمی نماز جب تک اس میں رُوح نہ ہو کچھ نہیں اور رُوح کے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ گریہ و بکا اور خشوع و خضوع ہو اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حالت کو بخوبی بیان کرے اور ایک اضطراب اور قلق اس کے دل میں ہو اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک اپنی زبان میں انسان اپنے مطالب کو پیش نہ کرے۔ غرض دعا کے ساتھ صدق اور وفا کو طلب کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت میں وفاداری کے ساتھ فنا ہو کر کامل نیستی کی صورت اختیار کرے۔ اس نیستی سے ایک ہستی پیدا ہوتی ہے جس میں وہ اِس بات کا حقدار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے کہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ۔

اصل حقیقت اَنْتَ مِنِّیْ کی تو یہ ہے اور عام طور پر ظاہر ہی ہے کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے ہے۔

اب اس کے بعد ایک اور حصہ اس الہام کا ہے جو وَ اَنَا مِنْکَ ہے پس اس کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا انسان جو نیستی کے کامل درجہ پر پہنچکر ایک نئی زندگی اور حیات طیبہ حاصل کر چکا ہے اور جس کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا ہے اَنْتَ مِنِّیْ۔ جو اس کے قرب اور معرفت الٰہی کی حقیقت سے آشنا ہونے کی دلیل ہے اور یہ انسان خدا تعالیٰ کی توحید اور اُس کی عزت و عظمت اور جلال کے ظہور کا موجب ہوا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک عینی اور زندہ ثبوت ہوتا ہے۔ اس رنگ سے اور اس لحاظ سے گویا خدا تعالیٰ کا ظہور اس میں ہو کر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ظہور کا ایک آئینہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں جب اس کا ذکر خدا نما آئینہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُن کے لیے یہ کہتا ہے وَ اَنَا مِنْکَ ایسا انسان جس کو اَنَا مِنْکَ کی آواز آتی ہے اُس وقت دُنیا میں آتا ہے جب خدا پرستی کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا ہے اس وقت بھی چونکہ دُنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے اور خدا شناسی اور خدا رسی کی راہیں نظر نہیں آتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور محض اپنے فضل و کرم سے اُس نے مجھ کو مبعوث کیا ہے تا میں اُن لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے غافل اور بیخبر ہیں اس کی اطلاع دوں اور نہ صرف اطلاع بلکہ جو صدق اور صبر اور وفاداری کے ساتھ اس طرف آئیں انہیں خدا تعالیٰ کو دکھلا دوں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ۔

اعتراض پیدا ہونے کی وجہ

اعتراض کرنے کا کیا ہے جب طبیعت میں فساد اور ناپاکی ہو تو وہ نیکی کی طرف آنا کب پسند کرتی ہے بلکہ خلافِ طبع سمجھ کر اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ میرے اس الہام کی سچائی کا ثبوت اس پر اعتراض ہی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا انکار اور دہریت بڑھی ہوئی نہ ہوتی تو کیوں اعتراض کیا جاتا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کا پاک اور خوشنما چہرہ دُنیا کو نظر نہ آتا تھا اور وہ اب مجھ میں ہو کر نظر آئے گا اور آرہا ہے۔ کیونکہ اُس کی قدرتوں کے نمونے اور عجائبات قدرت میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ جن کی آنکھیں کھلی ہیں وہ دیکھتے ہیں مگر جو اندھے ہیں وہ کیونکر دیکھ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اس امر کو محبوب رکھتا ہے کہ وہ شناخت کیا جاوے اور اُس کی شناخت کی یہی راہ ہے کہ مجھے شناخت کرو[1]۔ یہی وجہ ہے کہ میرا نام اس نے خلیفۃ اللہ رکھا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

---

[1] اس جگہ ایڈیٹر الحکم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل شعر درج کیا ہے جو بہت برمحل ہے۔ (مرتب)

وَلِلّٰہِ دَرُّکَ ؎ آں خدائے کہ از او خلق و جہاں بے خبر اند
برمن او جلوہ نمود است گر اہل بصیر
(ایڈیٹر الحکم)

فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ اس میں آدم میرا نام رکھا ہے۔ یہ حقیقت اس الہام کی ہے۔ اب اس پر بھی کوئی اعتراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دکھا دے گا کہ وہ کہاں تک حق پر ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۷ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

حضرت اقدسؑ جہلم میں

حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مقدمہ کرم الدین میں جہلم تشریف لائے تھے اور ضلع جہلم اور اس کے گرد و نواح کی مخلوق آپ کی زیارت کے لیے کثیر التعداد جمع ہوئی تھی اور جہلم کی کچہری کے احاطہ میں آدمزاد ہی آدمزاد نظر آتے تھے جس کی تصدیق جہلم کے اخبار نے بھی کی تھی اور جہلم کی کل مخلوق اور احکام بھی اس امر کو جانتے ہیں۔ اس روز ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو احاطہ عدالت میں آپ کرسی پر تشریف فرما تھے اور ارد گرد مریدان باصفا نہایت ادب کے ساتھ حلقہ زن تھے اور ہزاروں انسانوں کا مجمع موجود تھا ہمارے محترم مخدوم جناب خان محمد عجب خان صاحب آف زیدہ بھی آپ کی کرسی کے پاس ایڈیٹر الحکم کے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے تھے۔ ..... ذیل میں ہم وہ تقریر لکھنا چاہتے ہیں جو اُس وقت احاطہ عدالت میں آپ نے فرمائی تھی۔ اس وقت جناب محمد عجب خاں صاحب آف زیدہ نے جو اس قدر ہجوم اور رجوع مخلوق کا دیکھا اور حضرت اقدس کے چہرہ پر نگاہ کی تو خوشی اور اخلاص کے ساتھ اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنی سعادت اور خوش قسمتی کو یاد کر کے (کہ اِس وقت اُس عظیم الشان انسان کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا اور جس کا آنا اپنا آنا فرمایا ہے) عرض کیا کہ حضور میرا دل چاہتا ہے کہ میں جناب کے دستِ مبارک کو بوسہ دوں۔ اس پر حضرت اقدس نے نہایت ہی شفقت کے ساتھ اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور خاں صاحب موصوف نے بہت ہی متاثر ہو کر اور رقتِ قلب کے ساتھ آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔

اس پر حضرت حجۃ اللہ نے مؤثر تقریر فرمائی۔ فرمایا:۔

بلند ہمتی

ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ہمت اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لیے تیار رہنا چاہیئے اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ تہور ہوتا ہے۔ مومن میں شتابکاری نہیں ہوتی بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرتِ دین کے لیے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔

انسان سے کبھی ایسا کام ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے مثلاً کسی سائل کو اگر دھکا دیا تو سختی کا موجب

ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے اور اُسے توفیق نہیں ملے گی کہ اُسے کچھ دے سکے لیکن اگر نرمی یا اخلاق سے پیش آویگا اور خواہ اُسے پیالہ پانی ہی کا دیدے تو وہ ازالۂ قبض کا موجب ہو جاویگا۔

قبض و بسط

انسان پر قبض اور بسط کی حالت آتی ہے۔ بسط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھتی ہے نمازوں میں لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے اور دل میں ایک تنگی کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ جب یہ صورت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ کثرت کیساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بہت پڑھے۔ نماز بھی بار بار پڑھے۔ قبض کے دُور ہونے کا یہی علاج ہے۔

حقیقی علم

علم سے مراد منطق یا فلسفہ نہیں ہے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے اور خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۃ فاطر: ۲۹) اگر علم سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ترقی نہیں ہوتی تو یاد رکھو وہ علم ترقی معرفت کا ذریعہ نہیں ہے[1]

ایمان کیلئے مناسبت شرط ہے

قرآن شریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان کی فطرت میں سعادت اور ایک مناسبت نہ ہو ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے مامور اور مُرسل اگرچہ کُھلے کُھلے نشان لے کر آتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ ان نشانوں میں ابتلاء اور اخفاء کے پہلو بھی ضرور ہوتے ہیں۔ سعید جو باریک بین اور دُور بین نگاہ رکھتے ہیں اپنی سعادت اور مناسبتِ فطرت سے اُن اُمور کو جو دوسروں کی نگاہ میں مخفی ہوتے ہیں دیکھ لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں لیکن جو سطحی خیال کے لوگ ہوتے ہیں اور جن کی فطرت کو سعادت اور رُشد سے کوئی مناسبت اور حصہ نہیں ہوتا وہ انکار کرتے ہیں اور تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کا بُرا نتیجہ اُن کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو مکہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ابوجہل بھی مکہ ہی میں تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکہ ہی کے تھے لیکن ابوبکرؓ کی فطرت کو سچائی کے قبول کرنے کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ ابھی آپ شہر میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ راستہ ہی میں جب ایک شخص سے پُوچھا کہ کوئی نئی خبر سُناؤ اور اُس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اسی جگہ ایمان لے آئے اور کوئی معجزہ اور نشان نہیں مانگا اگرچہ بعد میں بے انتہا معجزات آپ نے دیکھے اور خود ایک آیت ٹھہرے۔ لیکن ابوجہل نے باوجودیکہ ہزاروں ہزار نشان دیکھے لیکن وہ مخالفت اور انکار سے باز نہ آیا اور تکذیب ہی کرتا رہا۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۰۳ء

اِس میں کیا سِرّ تھا؟ پیدائش دونوں کی ایک ہی جگہ کی تھی۔ ایک صدّیق ٹھہرتا ہے اور دوسرا جو ابوالحکم کہلاتا تھا وہ ابوجہل بنتا ہے۔ اس میں یہی راز تھا کہ اس کی فطرت کو سچائی کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ غرض ایمانی امور مناسبت ہی پر منحصر ہیں۔ جب مناسبت ہوتی ہے تو وہ خود معلّم بن جاتی ہے اور امورِ حقہ کی تعلیم دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ مناسبت کا وجود بھی ایک نشان ہوتا ہے۔

مَیں بصیرت اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں اور مَیں وہ قوت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہوں مگر افسوس مَیں اس دُنیا کے فرزندوں کو کیونکر دکھا سکوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سُنتے ہوئے نہیں سُنتے کہ وہ وقت ضرور آئیگا کہ خدا تعالیٰ سب کی آنکھ کھول دے گا اور میری سچائی روز روشن کی طرح دُنیا پر کُھل جائے گی لیکن وہ وقت وہ ہوگا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جاوے گا اور پھر کوئی ایمان سودمند نہ ہو سکے گا۔

میرے پاس وہی آتا ہے جسکی فطرت سلیم ہے

میرے پاس وہی آتا ہے جس کی فطرت میں حق سے محبت اور اہلِ حق کی عظمت ہوتی ہے جسکی فطرت سلیم ہے وہ دُور سے اُس خوشبو کو جو سچائی کی میرے ساتھ ہے سُونگھتا ہے اور اُسی کشش کے ذریعہ سے جو خدا تعالیٰ اپنے مامورو کو عطا کرتا ہے۔ میری طرف اس طرح کھنچے چلے آتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف جاتا ہے لیکن جس کی فطرت میں سلامت روی نہیں ہے اور جو مُردہ طبیعت کے ہیں اُن کو میری باتیں سودمند نہیں معلوم ہوتی ہیں وہ ابتلاء میں پڑتے ہیں اور انکار پر انکار اور تکذیب پر تکذیب کر کے اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ اُن کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

میری مخالفت کرنے والے کیا نفع اُٹھائیں گے؟ کیا مجھ سے پہلے آنے والے صادقوں کی مخالفت کرنے والوں نے کوئی فائدہ کبھی اُٹھایا ہے؟ اگر وہ نامراد اور خاسرہ کر اس دُنیا سے اُٹھے ہیں تو میرا مخالف اپنے ایسے ہی انجام سے ڈر جاوے کیونکہ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں صادق ہوں۔ میرا انکار اچھے ثمرات نہیں پیدا کرے گا۔ مبارک وہی ہیں جو انکار کی لعنت سے بچتے ہیں اور اپنے ایمان کی فکر کرتے ہیں۔ جو حُسنِ ظنی سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مامُوروں کی صُحبت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ان کا ایمان اُن کو ضائع نہیں کرتا بلکہ برومند کرتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ صادق کی شناخت کے لیے بہت مشکلات نہیں ہیں۔ ہر ایک آدمی اگر انصاف اور عقل کو ہاتھ سے نہ دے اور خدا کا خوف مدِنظر رکھ کر صادق کو پرکھے تو وہ غلطی سے بچا لیا جاتا ہے، لیکن جو تکبّر کرتا ہے اور آیات اللہ کی تکذیب اور ہنسی کرتا ہے اس کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔

سلسلہ احمدیہ کے قیام کی غرض

یہ زمانہ کیسا مبارک زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُن پُر آشوب دنوں میں محض اپنے فضل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار

کے لیے یہ مبارک ارادہ فرمایا کہ غیب سے اسلام کی نصرت کا انتظام فرمایا اور ایک سلسلہ کو قائم کیا۔ مَیں ان لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں جو اپنے دل میں اسلام کیلئے ایک درد رکھتے ہیں اور اس کی عزت اور وقعت اُن کے دلوں میں ہے وہ بتائیں کہ کیا کوئی زمانہ اس زمانہ سے بڑھکر اسلام پر گذرا ہے جس میں اس قدر سب وشتم اور توہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی ہو اور قرآن شریف کی ہتک ہوئی ہو؟ پھر مجھے مسلمانوں کی حالت پر سخت افسوس اور دلی رنج ہوتا ہے اور بعض وقت مَیں اس درد سے بے قرار ہو جاتا ہوں کہ ان میں اتنی حس بھی باقی نہ رہی کہ اس بے عزتی کو محسوس کریں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بھی عزت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی جو اس قدر سب وشتم پر بھی وہ کوئی آسمانی سلسلہ قائم نہ کرتا اور ان مخالفین اسلام کے منہ بند کرکے آپ کی عظمت اور پاکیزگی کو دُنیا میں پھیلاتا جبکہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجتے ہیں تو اس توہین کے وقت اس صلوٰۃ کا اظہار کس قدر ضروری ہے اور اس کا ظہور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی صورت میں کیا ہے۔

مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں اور قرآن شریف کی سچائیوں کو دُنیا کو دکھاؤں اور یہ سب کام ہو رہا ہے لیکن جن کی آنکھوں پر پٹی ہے وہ اس کو دیکھ نہیں سکتے حالانکہ اب یہ سلسلہ سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے اور اس کی آیات ونشانات کے اس قدر لوگ گواہ ہیں کہ اگر اُن کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو اُن کی تعداد اس قدر ہو کہ رُوئے زمین پر کسی بادشاہ کی بھی اتنی فوج نہیں ہے۔

اس قدر صورتیں اس سلسلہ کی سچائی کی موجود ہیں کہ ان سب کو بیان کرنا بھی آسان نہیں۔ چونکہ اسلام کی سخت توہین کی گئی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی توہین کے لحاظ سے اس سلسلہ کی عظمت کو دکھایا ہے۔

مَیں ہمیشہ انکساری اور گمنامی کی زندگی پسند کرتا ہوں

کم فہم لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مَیں اپنے مدارج کو حد سے بڑھاتا ہوں۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری طبیعت اور فطرت میں ہی یہ بات نہیں کہ مَیں اپنے آپ کو کسی تعریف کا خواہشمند پاؤں اور اپنی عظمت کے اظہار سے خوش ہوں۔ مَیں ہمیشہ انکساری اور گمنامی کی زندگی پسند کرتا ہوں لیکن یہ میرے اختیار اور طاقت سے باہر تھا کہ خدا تعالیٰ نے خود مجھے باہر نکالا اور جس قدر میری تعریف اور بزرگی کا اظہار اس نے اپنے پاک کلام میں جو مجھ پر نازل کیا گیا ہے کیا یہ ساری تعریف اور بزرگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے احمق اس بات کو نہیں سمجھ سکتا مگر سلیم الفطرت اور باریک نگاہ سے دیکھنے والا دانشمند خوب سوچ سکتا ہے کہ اس وقت واقعی ضروری تھا کہ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر ہتک کی گئی ہے اور عیسائی مذہب کے واعظوں اور منادوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اُس سید الکونین کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اور ایک عاجز مریم کے بچے کو خدا کی کرسی پر جا بٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے آپؐ کا جلال ظاہر کرنے کے لیے یہ مقدر کیا تھا کہ آپ کے

ایک ادنیٰ غلام کو مسیح ابن مریم بنا کے دکھا دیا۔ جب آپؐ کی اُمت کا ایک فرد اتنے بڑے مدارج حاصل کر سکتا ہے تو اس سے آپؐ کی شان کا پتہ لگ سکتا ہے۔ پس یہاں خدا تعالیٰ نے جس قدر عظمت اس سلسلہ کی دکھائی ہے اور جو کچھ تعریف کی ہے یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عظمت اور جلال کے لیے ہے مگر احمق ان باتوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

ظہور علاماتِ مسیح موعودؑ

اس وقت صدی میں سے بیس سال گذرنے کو ہیں اور آخری زمانہ ہے۔ چودھویں صدی ہے کہ جس کی بابت تمام اہلِ کشف نے کہا کہ مسیح موعود چودھویں صدی میں آئیگا وہ تمام علامات اور نشانات جو مسیح موعود کی آمد کے متعلق پہلے سے بتائے گئے تھے ظاہر ہو گئے۔ آسمان نے کسوف و خسوف سے اور زمین نے طاعون سے شہادت دی ہے اور بہت سے سعادتمندوں نے ان نشانوں کو دیکھ کر مجھے قبول کیا اور پھر اَور بھی بہت سے نشانات اُن کی ایمانی قوت کو بڑھانے کے واسطے خدا تعالیٰ نے ظاہر کئے اور اس طرح پر یہ جماعت دن بدن بڑھ رہی ہے[1]

کوئی ایک بات ہوتی تو شک کرنے کا مقام ہو سکتا تھا مگر یہاں تو خدا تعالیٰ نے اُن کو نشان پر نشان دکھائے اور ہر طرح سے اطمینان اور تسلی کی راہیں دکھائیں، لیکن بہت ہی کم سمجھنے والے نکلے ہیں۔ حیران ہوتا ہوں کہ کیوں یہ لوگ جو میرا انکار کرتے ہیں۔ ان ضرورتوں پر نظر نہیں کرتے جو اس وقت ایک مصلح کے وجود کی داعی ہیں۔

مسلمانوں کی حالت

وہ دیکھیں کہ رُوئے زمین پر مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ کیا کسی پہلو سے بھی کوئی قابلِ اطمینان صورت دکھائی دیتی ہے۔ شان و شوکت کی حالت تو سلطنت کی صورت میں نظر آسکتی ہے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت اس وقت روم کی سلطنت ہے لیکن اس کی حالت کو دیکھ لو وہ تبیس دانتوں میں زبان ہو رہی ہے اور آئے دن کسی نہ کسی خرخشہ اور مخمصہ میں مبتلا رہتی ہے۔ علمی حالت کے لحاظ سے سب رو رہے ہیں کہ مسلمان پیچھے رہے ہوئے ہیں اور نت نئی مجلسیں اور کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں کہ مسلمانوں کی علمی حالت کی اصلاح کی جاوے۔ دُنیوی لحاظ سے تو یہ حالت اور دینی پہلو کے لحاظ سے تو بہت ہی گری ہوئی حالت ہے۔ کوئی بدعت اور فعل شنیع نہیں ہے جس کے مرتکب مسلمان نہ پائے جاتے ہوں۔ اعمال صالحہ کی بجائے چند رسوم باقی رہ گئی ہیں۔ جیلخانوں میں جا کر دیکھو تو زیادہ مجرم مسلمان دکھائی دینگے۔ کس کس بات کا ذکر کیا جاوے مسلمانوں کی حالت اس وقت بہت ہی گری ہوئی ہے اور اُن پر آفات پر آفات نازل ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مسلمان ابھی چاہتے ہیں کہ وہ اَور پیسے جاویں۔ اس سے بڑھ کر اُن کی ذلیل حالت کیا ہو گی کہ وہ پاک دین

---

[1] اس مقام تک حضرت اقدس ابھی پہنچے تھے کہ خان عجب خان صاحب جو رقتِ قلب کے ساتھ چشم پُرآب تھے، پُرجوش لہجہ میں بول اُٹھے وجودِ جناب خود شہادت است (ایڈیٹر الحکم)

جو بے نظیر دولت اُن کے پاس تھی اور ایمان جیسی نعمت وہ کھو بیٹھے ہیں۔ اور مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے اور اسلام کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور یا اگر کھلے طور پر عیسائی نہیں ہوتے تو عیسائیوں کے علوم فلسفہ و طبیعیات سے متاثر ہو کر مذہب کو ایک بیضرورت اور بیفائدہ شئے سمجھنے لگ گئے ہیں۔

یہ آفتیں ہیں جو اسلام پر آرہی ہیں اور مَیں نہایت درد اور افسوس سے سُنتا ہوں کہ اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ کسی مصلح کی ضرورت نہیں حالانکہ زمانہ خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس وقت ضرورت ہے کہ کوئی شخص آوے اور وہ اصلاح کرے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا تعالیٰ اس وقت کیوں خاموش رہتا جبکہ اُس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر: ۱۰) خود فرمایا ہے۔ اسلام پر ایسا خطرناک صدمہ پہنچا ہے کہ ایک ہزار سال قبل تک اس کا نمونہ اور نظیر موجود نہیں ہے۔ یہ شیطان کا آخری حملہ ہے اور وہ اس وقت ساری طاقت اور زور کے ساتھ اسلام کو نابود کرنا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا ہے اور مجھے بھیجا ہے تا مَیں ہمیشہ کے لیے اُس کا سر کُچل دوں۔

سلسلہ میں داخل ہونے کی ضرورت

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ حاجت نہیں ہے ہم نماز روزہ کرتے ہیں وہ جاہل ہیں انہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ سب اعمال اُن کے مُردہ ہیں ان میں رُوح اور جان نہیں اور وہ آنہیں سکتی جب تک وہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کے ساتھ پیوند نہ کریں اور اس سے وہ سیراب کرنے والا پانی حاصل نہ کریں۔ تقویٰ اس وقت کہاں ہے؟ رسم و عادت کے طور پر مومن کہلانا کچھ فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ خدا کو دیکھا نہ جائے اور خدا کو دیکھنے کے لیے اَور کوئی راہ نہیں ہے۔

(اس سفر میں حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھانسی اور نزلہ کی شکایت تھی۔ یہاں تک پہنچ کر پھر کھانسی کی شکایت ہوئی تو اس پر آپ نے فرمایا کہ)

مَیں چاہتا تھا کہ لوگوں کو کچھ سُناؤں مگر کھانسی کی وجہ سے روک ہوتی ہے)۔

غرض اس قدر ضرورتیں داعی ہیں کہ اُن کے بیان کرنے کے لیے بہت بڑا وقت چاہیئے اور پھر اس قدر نشانات ظاہر ہوئے ہیں کہ اُن کی بھی ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تیار ہوتی ہے مَیں نے ایک شعر میں ان دونو باتوں کو جمع کر کے کہا ہے ؎

آسماں بارد نشاں الوقت مے گوید زمیں ؎ ایں دو شاہد از پئے تصدیقِ من ایستادہ اند[1]

سلسلہ کی مخالفت

خان عجب خاں صاحب۔ ایک بار مَیں پادریوں کے اعتراضوں سے بہت ہی تنگ ہو گیا وہ میرے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ اس وقت مَیں نے دعا کی کہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱-۳ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء

اے اللہ! اسلام کو غالب کر۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ وقت اب آگیا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ اس نصرت کے وقت لوگ مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ۔ یہ بالکل سچ ہے۔ عیسائیوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جس جس طرح سے اُن کا قابو چلا انہوں نے اسلام کے شجر پر تبر چلایا ہے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ آپ اس کا محافظ اور ناصر تھا۔ اس لیے وہ اپنے ارادوں میں مایوس اور نامراد ہوئے اور یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اس وقت (جب ایسی حالت ہو رہی تھی اور اسلام کی اس قدر مخالفت کی جاتی تھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے یہ سلسلہ عظمتِ اسلام کو قائم کرنے کے واسطے کھڑا کیا اور اس کی تائید اور نصرت ہر ایک پہلو سے کی) وہ بجائے اس کے کہ اس سلسلہ کی قدر کرتے اور اس پیاسے کی طرح جس کو ٹھنڈے اور برفاب پانی کا پیالہ مل جاوے شکر کرتے، انہوں نے مخالفت شروع کی اور اسی طرح پر جو ہمیشہ سنّت اللہ چلی آتی ہے ہنسی اور استہزاء سے کام لیا۔ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور اُن سے منہ پھیر لیا۔ مجھے ان لوگوں کی حالت پر رحم اور افسوس آتا ہے کہ یہ کیوں غور نہیں کرتے اور منہاجِ نبوت پر اس سلسلہ کی سچائی کو نہیں سمجھتے۔

صداقت کے دلائل

وہ دیکھتے کہ اس قدر نصرتیں اور تائیدیں جو اللہ تعالیٰ کر رہا ہے کیا یہ کسی مفتری اور کذاب کو بھی مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کوئی شخص نصرت الٰہی کے بغیر اس قدر دعویٰ کب کر سکتا ہے۔ کیا وہ تھکتا نہیں؟ اور پھر اللہ تعالیٰ مفتری کے لیے اس قدر غیرت نہیں دکھاتا کہ اُسے ہلاک کرے؟ بلکہ اس کو مہلت دیتا جاتا ہے اور نہ صرف مہلت بلکہ اُس کی پیشگوئیوں کو بھی سچا کر دیتا ہے اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اسی کی تائید کرتا ہے اور اسی کو فتح دیتا ہے۔ انسانی حکومت کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص افتراء کرتا ہے اور جھوٹی حالت بنا کر کہے کہ میں عہدیدار ہوں تو وہ پکڑا جاتا ہے اور اس کو سخت سزا دی جاتی ہے لیکن کیا تعجب کی بات نہیں کہ ایک مفتری اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا جاوے تو پھر نشان بھی دکھاتا جاوے اور اسے کوئی نہ پکڑے۔ براہین احمدیہ کی اشاعت کو بیس برس کے قریب ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ گاؤں میں بھی ہم کو کوئی شناخت نہیں کرتا تھا۔ گاؤں والے موجود ہیں۔ خود مولوی محمد حسین جس نے اس کتاب پر ریویو لکھا زندہ موجود ہے اُس سے پوچھو کہ اس وقت کیا حال تھا۔ ایسے وقت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فوج در فوج لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ دُور دراز سے تیرے پاس لوگ آئیں گے اور تحائف آئیں گے۔ پھر یہ بھی کہا کہ لوگوں سے تھکنا مت۔ اب کوئی سوچے اور دیکھے کہ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے کس طرح پورے ہوئے۔ ان فہرستوں کو گورنمنٹ کے پاس دیکھ لے جو آنے والے مہمانوں کی مرتب ہو کر ہفتہ وار جاتی ہیں اور ڈاک خانہ اور ریل کے رجسٹروں کی پڑتال کرے جس سے پتہ لگیگا کہ کہاں کہاں سے تحائف اور روپیہ

آرہا ہے اور قادیان میں بیٹھ کر دیکھیں کہ کس قدر ہجوم اور انبوہ مخلوق کا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی طرف سے بشارت اور قوت نہ ملے تو انسان تھک جاوے اور ملاقاتوں سے گھبرا اُٹھے۔ اُس نے یہ الہام کیا کہ گھبرانا نہ۔ ویسے ہی قوت بھی عطا کی کہ گھبراہٹ ہوتی ہی نہیں اور ایسا ہی انگریزی، اُردو، عربی، عبرانی میں بہت سے الہامات ہوئے جو اُس وقت سے چھپے ہوئے موجود ہیں اور پورے ہو رہے ہیں۔ اب خدا ترس دل لے کر میرے معاملہ پر غور کرتے تو ایک نور اُن کی رہبری کرتا اور خدا کی رُوح اُن پر سکینت اور اطمینان کی راہیں کھول دیتی۔ وہ دیکھتے کہ کیا یہ انسانی طاقت کے اندر ہے جو اس قسم کی پیشگوئی کرے؟ انسان کو اپنی زندگی کے ایک دم کا بھروسہ نہیں ہو سکتا تو یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ تیرے پاس دُور دراز سے مخلوق آئے گی اور ایسے زمانے میں خبر دیتا ہے جبکہ وہ محجوب ہے اور اس کو کوئی اپنے گاؤں میں بھی شناخت نہیں کرتا۔ پھر وہ پیشگوئی پُوری ہوتی ہے اس کی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگایا جاتا ہے اور اس کے تباہ کرنے اور معدوم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جاتی مگر اللہ تعالیٰ اس کو بردمند کرتا اور ہر نئی مخالفت پر اس کو عظیم الشان ترقی بخشتا ہے۔ کیا یہ خدا کے کام ہیں یا انسانی منصوبوں کے نتیجے؟ اصل یہی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔ مولویوں نے مخالفت کے لیے جُہلاء کو بھڑکایا اور عوام کو جوش دلایا، قتل کے فتوے دیئے، کُفر کے فتوے شائع کئے اور ہر طرح سے عام لوگوں کو مخالفت کیلئے آمادہ کیا مگر کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اور تائیدیں اَور بھی زور کے ساتھ ہوئیں۔ اُسی کے موافق جو اُس نے کہا تھا "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا مگر خدا تعالیٰ اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔"

مہدیٔ منتظر

جو مولوی مخالفت کے لیے شور مچاتے اور لوگوں کو بھڑکاتے ہیں یہی پہلے منبروں پر چڑھ کر رو رو کر دُعائیں کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اب مہدی کا وقت آگیا، لیکن جب آنے والا مہدی آیا تو یہ شور مچانے والے ٹھہرے اور اسی مہدی کو مضل اور ضال اور دجّال کہا اور یہاں تک مخالفت کی کہ اپنے خیال میں عدالتوں تک پہنچا کر اس سلسلہ کو بند کرنا چاہا، مگر کیا وہ جو خدا کی طرف سے آیا ہے وہ ان لوگوں کی مخالفت سے رُک سکتا ہے اور بند ہو سکتا ہے؟ کیا یہ خدا تعالیٰ کا نشان نہیں؟ اگر یہ اب بھی نہیں مانتے تو آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کوئی نظیر دو کہ اس طرح پر بیس۲۰ برس پہلے ایک آنے والے زمانہ کی خبر دی اور پھر ایسی حالت میں کہ لوگوں نے اس پیشگوئی کو روکنے کی بہت کوشش کی وہ پیشگوئی پُوری ہو گئی اور لوگوں کا کثرت کے ساتھ رجوع ہوا ہوا۔ کیا یہ نشان کم ہے اس کی نظیر دکھاؤ۔

پھر احادیث میں پڑھتے تھے کہ مہدی کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں کسوف و خسوف ہوگا اور جب تک یہ نشان پُورا نہیں ہوا تھا اس وقت تک شور مچاتے تھے کہ یہ نشان پورا نہیں ہوا، لیکن اب ساری دنیا قریباً گواہ

ہے کہ یہ نشان پُورا ہوا۔ یہاں تک کہ امریکہ میں بھی ہوا۔ اور دوسرے ممالک میں بھی پورا ہوا۔ اور اب وہی جو اِس نشان کو آیاتِ مہدی میں سے ٹھہراتے تھے اس کے پُورے ہونے پر اپنے ہی مُنہ سے اس کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہی قابل اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی حالت پر رحم کرے۔ میری مخالفت کی یہ لعنت پڑتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی بھی تکذیب کر بیٹھتے ہیں۔

پھر مسیح موعود کے وقت کا ایک نشان طاعون کا تھا۔ انجیل و توریت میں بھی یہ نشان موجود تھا اور قرآن شریف سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشان مسیح موعودؑ کا خدا تعالیٰ نے ٹھہرایا تھا چنانچہ فرمایا وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا (سورۃ بنی اسرائیل : ۵۹) یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بلکہ غور سے سمجھنے کے لائق ہیں اور اب دیکھ لو کہ کیا طاعون ملک میں پھیلی ہوئی ہے یا نہیں؟ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مَیں نے جب طاعون کے پھیلنے کی پیشگوئی کی تو مُلک میں اس کی ہنسی کی گئی اور اس پر ٹھٹھا کیا گیا۔ لیکن اب مُلک کی حالت اور طاعونی اموات کے نقشوں کو پڑھ کر بتائیں کیا یہ پیشگوئی پُوری ہوئی ہے یا نہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جو سمجھنے کے لائق ہیں اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا اعتراض کرنا کہ ہم اس وقت تسلیم کریں گے جب مغرب کی طرف سے آفتاب نکل آوے گا۔ اس قسم کے اعتراض تو کفار ہمیشہ سے نبیوں پر کرتے آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ماموروں کو ایسی باتیں مخالفوں سے سُننی پڑی تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں ہوں تو پھر قیامت کا نمونہ ہو جاوے اور اس دنیا کو وہ قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ ایمان بالغیب بھی کوئی چیز ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ایمان ایمان نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سورج پر ایمان لاوے تو بتاؤ یہ ایمان اس کو کیا نفع دیگا؟ ایمان ہمیشہ اسی صورت اور حالت میں مفید اور نتیجہ خیز ہوتا ہے جب اس میں کوئی پہلو اخفاء کا بھی ہو لیکن جب کُھلی بات ہو تو پھر وہ مفید نہیں رہتا۔

اوّلین کا مقام

دیکھو اگر کوئی شخص پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر بتادے تو اُس کی تیز بینی کی تو تعریف ہو گی لیکن اگر چودھویں رات کے چاند کو جو بدر ہوتا ہے دیکھ کر شور مچاوے کہ مَیں نے چاند کو دیکھ لیا ہے تو اس کو تو سوائے مجنون کے اَور کوئی خطاب نہیں ملیگا۔ اسی طرح پر ایمان میں فراست اور تقویٰ سے کام لینا چاہیئے۔ اور قرائن قویہ کو دیکھ کر تسلیم کر لینا مومن کا کام ہے ورنہ جب بالکل پردہ برانداز معاملہ ہو گیا اور سارے گوشے کُھل گئے اس وقت ایک خبیث سے خبیث انسان کو بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ مَیں اس سوال پر بار بار اس لیے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ نشانوں کی فلاسفی کیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے جیسا مَیں نے ابھی کہا ہے خدا تعالیٰ کبھی قیامت کا نظارہ یہاں قائم نہیں کرتا اور وہ غلطی کرتے ہیں جو ایسے نشان دیکھنے چاہتے ہیں یہ محرومی کے لچھن ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لے آئیں تو آپ نے یہی جواب دیا هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴)

پورے انکشاف کے بعد ایمان لاکر کسی ثواب کی اُمید رکھنا غلطی ہے۔ اگر کوئی مُٹھی کھول دی جاوے اور پھر کوئی بتاوے کہ اس میں فلاں چیز ہے تو اس کی کوئی قدر نہ ہوگی۔

پس پہلے تقویٰ سے تو کام لو اور قرائن کو دیکھو کہ ثواب اسی میں ہے۔ جب ساری باتیں کُھل گئیں تو پھر کیا؟ جو اس انتظار میں رہے کہ یہ دیکھوں اور وہ دیکھوں وہ ہمیشہ ایمان اور ثواب کے دائرہ سے خارج رہے ہیں۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے بعض کا نام سابق مہاجر اور انصار رکھا ہے اور اُن کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ میں داخل کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے ان کا نام صرف ناس رکھا ہے جیسے فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (سورۃ النصر:۳،۲) یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ وہ مسلمان تھے مگر اُن کو وہ مراتب نہیں ملے جو پہلے لوگوں کو دیئے گئے۔

اور پھر مہاجرین کی عزت سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس وقت ایمان لائے جب اُن کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کامیابی ہوگی یا نہیں بلکہ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کا ایک طوفان آیا ہوا تھا اور کُفر کا ایک دریا بہتا تھا۔ خاص مکہ میں مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی تھیں، مگر انہوں نے ایسے وقت میں قبول کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بڑے بڑے انعامات اور فضلوں کا وارث اُن کو بنایا۔ پس ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ فلاں وقت آئے گا اور انکشاف ہوگا تو مان لیں گے وہ کسی ثواب کی اُمید نہ رکھے۔ ایسا تو ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب حجاب دُور کر دیگا اور اس معاملہ کو آفتاب کی طرح کھول کر دکھا دیگا مگر اس وقت ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پیغمبروں کو ماننے والوں میں ثواب اَوَّلُوْن کو سب سے بڑھ کر ملا ہے اور انکشاف کا زمانہ تو ضرور آتا ہے لیکن آخر اُن کا نام ناس ہی ہوتا ہے۔

(اس مقام پر مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے عرض کیا کہ متیٰ ھٰذَا الْفَتْحُ کے جواب میں یہی کہا کہ تمہارا ایمان اُس دن فائدہ نہ دیگا) فرمایا:۔

بیشک اس بات کو سمجھنا سعادت ہے جس نے اوّل زمانہ میں یہ نہیں پائی اُس کی کوئی قابلیت اور خوبی نہیں۔ جب خدا نے کھول دیا اس وقت تو پتھر اور درخت بھی بولتے ہیں۔ زیادہ قابلِ قدر وہ شخص ہے جو اوّل قبول کرتا ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے قبول کیا آپ نے کوئی معجزہ نہیں مانگا اور آپ کے مُنہ سے ابھی نہیں سُنا تھا کہ ایمان لے آئے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی تجارت پر گئے ہوئے تھے اور جب سفر سے واپس آئے تو ابھی مکہ میں نہیں پہنچے تھے کہ راستہ میں کوئی ایک شخص آپ کو ملا اور اس سے مکہ کے حالات پُوچھے۔ اُس نے کہا کہ اَور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ سب سے بڑھ کر تازہ خبر یہی ہے کہ تمہارے دوست نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سُنکر کہا کہ اگر اُس نے

نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ سچا ہے۔

اب غور سے دیکھو کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت کوئی نشان یا معجزہ نہیں مانگا بلکہ سنتے ہی ایمان لے آئے اور دعویٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بھی نہیں سنا بلکہ ایک اور شخص کی زبانی سنا اور فوراً تسلیم کر لیا۔ یہ کیسا زبردست ایمان ہے روایت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے سنکر اس میں جھوٹ کا احتمال نہیں سمجھا[1] دیکھو حضرت ابوبکرؓ نے کوئی نشان نہیں مانگا یہی وجہ تھی کہ آپ کا نام صدیق ہوا۔ سچائی سے بھرا ہوا۔ صرف منہ دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ یہ جھوٹا نہیں ہے۔ پس صادقوں کی شناخت اور اُن کا تسلیم کرنا کچھ مشکل امر تو نہیں ہوتا۔ اُنکے نشانات ظاہر ہوتے ہیں لیکن کور باطن اپنے آپ کو شبہات اور خطرات میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے ہی بدقسمت ہوتے ہیں جو انتظار ہی میں اپنی عمر گذار دیتے ہیں اور پردہ برانداز ثبوت چاہتے ہیں۔ اُن کو معلوم نہیں کہ جیسا خود اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے۔ انکشاف کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا۔ نفع میں وہی لوگ ہوتے ہیں اور سعادت مند وہی ہیں جو مخفی ہونے کی حالت میں شناخت کرتے ہیں۔

دیکھو جب تک لڑائی جاری ہوتی ہے اس وقت تک فوجوں کو تمغے ملتے ہیں اور خطاب ملتے ہیں لیکن جب امن ہو جاوے اس وقت اگر کوئی فوج چڑھائی کرے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ لوٹنے کو آئے ہیں۔

شیطان کی آخری جنگ

یہ زمانہ بھی روحانی لڑائی کا ہے۔ شیطان کے ساتھ جنگ شروع ہے شیطان اپنے تمام ہتھیاروں اور مکروں کو لے کر اسلام کے قلعہ پر حملہ آور ہو رہا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسلام کو شکست دے مگر خدا تعالیٰ نے اس وقت شیطان کی آخری جنگ میں اُس کو ہمیشہ کے لیے شکست دینے کے لیے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ مبارک وہ جو اس کو شناخت کرتا ہے اب تھوڑا زمانہ ہے ابھی ثواب ملے گا لیکن عنقریب وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی سچائی کو آفتاب سے بھی زیادہ روشن کر دکھائے گا۔ وہ وقت ہوگا کہ ایمان ثواب کا موجب نہ ہوگا اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کے مصداق ہوگا۔ اس وقت میرے قبول کرنے والے کو بظاہر ایک عظیم الشان جنگ اپنے نفس سے کرنی پڑتی ہے۔ وہ دیکھے گا کہ بعض اوقات اس کو برادری سے الگ ہونا پڑیگا۔ اُس کے دُنیاوی کاروبار میں روک ڈالنے کی کوشش کی جائے گی اُس کو گالیاں سُننی پڑیں گی۔ لعنتیں سُنے گا مگر ان ساری باتوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملیگا۔

لیکن جب دوسرا وقت آیا اور اس زور کے ساتھ دُنیا کا رجوع ہوا جیسے ایک بلند ٹیلہ سے پانی نیچے گرتا ہے اور کوئی انکار کرنے والا ہی نظر نہ آیا اُس وقت اقرار کس پایہ کا ہوگا؟ اس وقت ماننا شجاعت کا کام نہیں ثواب ہمیشہ دُکھ ہی کے زمانہ میں ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱-۳ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر کے اگر مکہ کی نمبرداری چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک دُنیا کی بادشاہی دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کمبل پہن لیا اور ہرچہ باداباد، ما کشتی ور آب انداختیم کا مصداق ہو کر آپکو قبول کیا تو کیا خدا تعالیٰ نے اُنکے اجر کا کوئی حصہ باقی رکھ لیا؟ ہرگز نہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے لیے ذرا بھی حرکت کرتا ہے وہ نہیں مرتا جب تک اس کا اجر نہ پالے۔ حرکت شرط ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف معمولی رفتار سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔

ایمان یہ ہے کہ کچھ مخفی ہو تو مان لے۔ جو ہلال کو دیکھ لیتا ہے تیز نظر کہلاتا ہے لیکن چودھویں کے چاند کو دیکھ کر شور مچانے والا دیوانہ کہلائے گا۔

حضرت شہزادہ عبداللطیف کابلی کا مقام

اس موقعہ پر مولانا مولوی عبداللطیف صاحب کابلی نے عرض کی کہ حضور مَیں نے ہمیشہ آپ کو سورج ہی کی طرح دیکھا ہے کوئی امر مخفی یا مشکوک مجھے نظر نہیں آیا پھر مجھے کوئی ثواب ہوگا یا نہیں۔ فرمایا:۔

آپ نے اس وقت دیکھا جب کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو نشانہ ابتلاء بنا دیا اور ایک طرح سے جنگ کے لیے تیار کر دیا۔ اب بچ جانا یہ خدا کا فضل ہے۔ ایک شخص جو جنگ میں جاتا ہے اس کی شجاعت میں تو کوئی شُبہ نہیں اگر وہ بچ جاتا ہے اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچتا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا اور ہر دُکھ اور ہر مصیبت کو اس راہ میں اُٹھانے کے لیے تیار ہو گئے اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

مخالفوں کا ساحر کہنا

خان عجب خانصاحب:۔ حضور پشاور میں میرے مخالف لوگ جمع ہوئے اور اُنہوں نے میرے والد سے کہا کہ اس کو منع کرو۔ مَیں نے اُن کو یہی جواب دیا کہ مَیں نے جس صداقت کو دیکھ لیا ہے اور خدا کے فضل سے سمجھ لیا ہے اب اُسے سچائی سمجھ کر مَیں کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر اب چھوڑوں تو مجھ سے بڑھ کر خطا کار اور زیاں کار کون ہوگا؟ کیونکہ مجھ پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس پر اُنہوں نے اَور تو کچھ نہ کہا صرف یہ کہکر ٹالدیا کہ وہ جادوگر ہے۔ فرمایا:۔

جادوگر کہلانا قدیم سے انبیاء علیہم السلام کی سنّت چلی آتی ہے۔ ہم کو اگر کسی نے جادوگر کہا تو اُسی سُنّت کو پورا کیا۔

قرآن کریم اور حدیث کا مرتبہ

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم تو قرآن شریف پیش کرتے ہیں جس سے جادو بھاگتا ہے اس کے بالمقابل کوئی باطل اور سحر نہیں ٹھہر سکتا

ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں کیا ہے جس کو وہ لیے پھرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف وہ عظیم الشان حربہ ہے کہ اُس کے سامنے کسی باطل کو قائم رہنے کی ہمت ہی نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی باطل پرست ہمارے سامنے اور ہماری جماعت کے سامنے نہیں ٹھہرتا اور گفتگو سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ آسمانی ہتھیار ہے جو کبھی کُند نہیں ہوسکتا۔ ہمارے اندرونی مخالف اُس کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں ورنہ اگر قرآن شریف کی رُو سے یہ فیصلہ کرنا چاہتے تو اُن کو اس قدر مصیبتیں پیش نہ آتیں۔ ہم خدا تعالیٰ کا پیارا اور یقینی کلام قرآن شریف پیش کرتے ہیں اور وہ اس کے جواب میں قرآن شریف سے استدلال نہیں کرتے۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو مقدم کرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جو قرآن شریف کے خلاف ہو ہم نہیں مان سکتے خواہ وہ کسی کا کلام ہو۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پر ہم کسی کی بات کو ترجیح کس طرح دیں۔ ہم احادیث کی عزت کرتے ہیں اور اپنے مخالفوں سے بھی بڑھ کر احادیث کو واجب العمل سمجھتے ہیں لیکن یہ سچ ہے کہ ہم دیکھیں گے کہ وہ حدیث قرآن شریف کے کسی بیان کے متعارض یا متخالف نہ ہو اور محدثین کے اپنے وضع کردہ اُصولوں کی بناء پر اگر کوئی حدیث موضوع بھی ٹھہرتی ہو لیکن قرآن شریف کے مخالف نہ ہو۔ بلکہ اس سے قرآن شریف کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ تب بھی ہم اس کو واجب العمل سمجھتے ہیں اور اس امر کا پاس کریں گے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، لیکن اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوے جو قرآن شریف کے مخالف ہو تو ہم کوشش کریں گے کہ اُس کی تاویل کر کے اس مخالفت کو دُور کریں لیکن اگر وہ مخالفت دُور نہیں ہو سکتی تو پھر ہم کو وہ حدیث بہرحال چھوڑنی پڑے گی کیونکہ ہم اس پر قرآن کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس پر بھی ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ تمام احادیث جو اس معیار پر صحیح ہیں وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ بخاری اور مسلم میرے دعوے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں جیسے قرآن شریف نے فرمایا کہ مسیح مر گئے اسی طرح بخاری اور مسلم نے تصدیق کی اور اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (آل عمران: ۵۶) کے معنے مُمِیْتُكَ کئے۔ جیسے قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسماعیل کو اسی طرح شرف عطا ہوا جیسے بنی اسرائیل کو بزرگی دی تھی ویسے ہی احادیث سے یہ پایا جاتا ہے۔

ان لوگوں پر جو انکار کرتے ہیں افسوس ہے۔ اُن کو رسم اور عادت نے خراب کر دیا ہے ورنہ یہ میرا معاملہ ایسا مشکل اور پیچیدہ نہ تھا جو سمجھ میں نہ آتا۔ قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، دلائلِ عقلیہ سے ثابت اور پھر تائیداتِ سماویہ اسکی مصدق، اور ضرورتِ زمانہ اسکی مؤید۔ باوجود اسکے بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سلسلہ حق پر نہیں۔

قرآن و سُنّت کی خلاف ورزی

غور کر کے دیکھو کہ جب یہ لوگ خلاف قرآن و سُنّت کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں تو پادریوں کو نکتہ چینی کا موقعہ ملتا ہے اور وہ جھٹ پٹ کہہ اُٹھتے ہیں کہ تمہارا پیغمبر مر گیا اور معاذ اللہ وہ زمینی ہے حضرت عیسیٰ زندہ اور آسمانی ہے اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے کہتے ہیں کہ وہ مُردہ ہے۔

سوچ کر بتاؤ کہ وہ پیغمبر جو افضل الرسل اور خاتم الانبیاء ہے ایسا اعتقاد کر کے اس کی فضیلت اور خاتمیت کو یہ لوگ بٹہ نہیں لگاتے؟ ضرور لگاتے ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ پادریوں سے جس قدر توہین ان لوگوں نے اسلام کی کرائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مُردہ کہلایا ہے اسی کی سزا میں یہ نکبت اور بدبختی اُن کے شامل حال ہو رہی ہے۔ ایک طرف تو منہ سے کہتے ہیں کہ وہ افضل الانبیاء ہیں اور دوسری طرف اقرار کر لیتے ہیں کہ ۶۳ سال کے بعد مر گئے اور مسیح اب تک زندہ ہے اور نہیں مرا حالانکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (سورۃ النساء: ۱۱۴) پھر کیا یہ ارشاد الٰہی غلط ہے؟ نہیں یہ بالکل درست اور صحیح ہے وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مُردہ ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی کلمہ توہین کا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی فضیلت ہے جو کسی نبی میں نہیں ہے۔ مَیں اس کو عزیز رکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو جو شخص بیان نہیں کرتا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس نبی کی اُمت کہلاتے ہیں اسی کو معاذ اللہ مُردہ کہتے ہیں اور اسی نبی کو جس کی اُمت کا خاتمہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (سورۃ البقرۃ: ۶۲) پر ہوا ہے۔ اُسے زندہ کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم یہودی تھی اور اس کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ۔ اب قیامت تک اُن کو عزت نہ ملے گی۔ اب اگر حضرت عیسیٰ پھر آگئے تو پھر گویا اُن کی کھوئی عزت بحال ہو گئی اور قرآن شریف کا یہ حکم باطل ہو گیا۔ جس پہلو اور حیثیت سے دیکھو جو کچھ وہ مانتے ہیں اس پہلو سے قرآن شریف کا ابطال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم آتی ہے۔ پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلا کر ایسے اعتقادات رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہود کے لیے فتویٰ دیتا ہے کہ اُن میں نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ ذلیل ہو گئے پھر اُن میں زندہ نبی کیسے آسکتا ہے؟ ایک مسلمان کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ جب اس کے سامنے قرآن شریف پیش کیا جاوے تو وہ انکار کے لیے لب کشائی نہ کرے مگر یہ قرآن سُنتے ہیں اور پڑھتے ہیں وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں جاتا ورنہ کیا یہ کافی نہ تھا کہ قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ اور اس سے بڑھ کر خود حضرت مسیح کا اپنا اقرار موجود ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (سورۃ المائدۃ: ۱۱۸) اور یہ قیامت کا واقعہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہو گا کہ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تک مَیں اُن میں زندہ تھا مَیں نے تو نہیں کہا اور مَیں وہی تعلیم دیتا رہا جو تُو نے مجھے دی تھی۔ لیکن جب تُو نے مجھے وفات دیدی اس وقت تو ہی اُن کا نگہبان تھا۔ اب یہ کیسی صاف بات ہے۔

اگر یہ عقیدہ صحیح ہوتا کہ حضرت مسیحؑ کو دُنیا میں قیامت سے پہلے آنا تھا تو پھر یہ جواب اُن کا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے ؟ اُن کو تو کہنا چاہیئے تھا کہ مَیں دُنیا میں جب دوبارہ گیا تو اس وقت صلیب پرستی کا زور تھا اور میری اُلوہیت اور ابنیت پر بھی شور مچا ہوا تھا مگر مَیں نے جاکر صلیبوں کو توڑا اور خنزیروں کو قتل کیا اور تیری توحید کو پھیلایا۔ نہ یہ جواب دیتے کہ جب تُو نے مجھے وفات دے دی اس وقت تو خود نگران تھا۔ کیا قیامت کے دن حضرت مسیحؑ جھوٹ بولیں گے ؟

ان عقائد کی شناعت کہاں تک بیان کی جاوے جس پہلو اور جس مقام سے دیکھو قرآن شریف کی مخالفت نظر آئے گی۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دیکھا جاوے حضرت مسیحؑ آسمان پر جاکر کہاں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہاں جاکر حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے پاس بیٹھے ہیں اور یحییٰ علیہ السّلام بالاتفاق وفات یافتہ ہیں۔ پھر مُردوں میں زندہ کا کیا کام ہے ؟

غرض کہاں تک بیان کروں ایک غلطی ہو تو آدمی بیان کرے یہاں تو غلطیاں ہی غلطیاں بھری پڑی ہیں۔ باوجود ان غلطیوں کے تعصب اور ضِد بڑھی ہوئی ہے اور اس ضد کے سبب سچ کے قبول کرنے میں عذر کر رہے ہیں۔ ہاں جس کے لیے خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہوا ہے اور اس کے حصّہ میں سعادت ہے وہ سمجھ رہا ہے اور اس طرف آتا جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے نیکی چاہتا ہے اس کے دل میں واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ جب تک دل میں واعظ نہ ہو کچھ نہیں ہوتا۔ اگر خدا کے قول کے خلاف کوئی قول ہو تو خدا کو اس خلاف قول کے ماننے میں کیا جواب دے گا۔

احادیث کی تصحیح و تغلیط بذریعہ کشف

احادیث کے متعلق خود یہ تسلیم کر چکے ہیں۔ خصوصاً مولوی محمد حسین اپنے رسالہ میں شائع کر چکا ہے کہ اہلِ کشف احادیث کی صحت بذریعہ کشف کر لیتے ہیں اور اگر کوئی حدیث محدثین کے اُصولوں کے موافق صحیح بھی ہو تو اہلِ کشف اُسے موضوع قرار دے سکتے ہیں اور موضوع کو صحیح ٹھہرا سکتے ہیں [1]

جس حال میں اہلِ کشف احادیث کی صحت کے اس معیار کے پابند نہیں جو محدثین نے مقرر کیا ہے بلکہ وہ بذریعہ کشف اُن کی صحیح قرار دادہ احادیث کو موضوع ٹھہرانے کا حق رکھتے ہیں تو پھر جس کو حَکم بنایا گیا ہے کیا اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا ؟ خدا تعالیٰ جو اُس کا نام حَکم رکھتا ہے یہ نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ سارا رطب و یابس جو اُس کے سامنے پیش کیا جاوے گا تسلیم نہیں کریگا بلکہ بہت سی باتوں کو ردّ کر دے گا اور جو صحیح ہونگی اُن کے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲۹ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء

صحیح ہونے کا وہ فیصلہ دے گا ورنہ حَکَم کے معنے ہی کیا ہوئے؟ جب اس کی کوئی بات ماننی ہی نہیں تو اُس کے حَکَم ہونے سے فائدہ کیا؟

مسیح موعود بطور حَکَم و عدل

حَکَم کا لفظ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت اختلاف ہوگا اور ۷۳ فرقے موجود ہوں گے اور ہر فرقہ اپنے مسلمات کو جو اُس نے بنا رکھے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ جھوٹے ہیں یا خیالی، چھوڑنا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک اپنی جگہ یہ چاہے گا کہ اس کی بات ہی مانی جاوے اور جو کچھ وہ پیش کرتا ہے وہ سب کچھ تسلیم کر لیا جاوے۔ ایسی صورت میں اس حَکَم کو کیا کرنا ہوگا کیا وہ سب کی باتیں مان لے گا یا یہ کہ بعض رد کر یگا اور بعض کو تسلیم کرے گا۔

غیر مقلد تو راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی پیش کردہ احادیث کا سارا مجموعہ وہ مان نہ لے اور ایسا ہی حنفی، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کُل فرقے تو تب ہی اُس سے راضی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کی بات تسلیم کرے اور کوئی بھی رد نہ کرے اور یہ ناممکن ہے۔ اگر یہ ہو۔ کہ کوٹھڑی میں بیٹھا رہے گا اور اگر شیعہ اس کے پاس جائیگا تو اندر ہی اندر مخفی طور پر اُسے کہہ دیگا کہ تُو سچا ہے اور پھر سُنّی اُس کے پاس جائیگا تو اُس کو کہہ دیگا کہ تُو سچا ہے۔ تو پھر تو بجائے حَکَم ہونے کے وہ پکا منافق ہوا اور بجائے وحدت کی رُوح پھونکنے کے اور سچا اخلاص پیدا کرنے کے وہ نفاق پھیلانے والا ٹھہرا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آنے والا موعود حَکَم واقعی حَکَم ہوگا۔ اُسکا فیصلہ قطعی اور یقینی ہے۔

ایک نقل مشہور ہے کہ کسی عورت کی دو لڑکیاں تھیں ایک بیٹ میں بیاہی ہوئی تھی اور دوسری بانگر میں اور وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی تھی کہ دو میں سے ایک ہے نہیں اگر بارش زیادہ ہوگئی تو بیٹ والی نہیں ہے اور اگر نہ ہوئی تو بانگر والی نہیں ہے۔ یہی حال حَکَم کے آنے پر ہونا چاہیئے۔

وہ خود ساختہ اور موضوع باتوں کو رد کر دیگا اور سچ کو لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حَکَم رکھا گیا ہے۔ اسی لیے آثار میں آیا ہے کہ اُس پر کُفر کا فتویٰ دیا جاوے گا کیونکہ وہ جس فرقہ کی باتوں کو رد کریگا وہی اُس پر کُفر کا فتویٰ دیگا۔ یہانتک کہا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کے وقت ہر ایک شخص اُٹھ کر کھڑا ہوگا اور منبر پر چڑھ کر کہے گا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔ اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ وہ بہت سی باتوں کو رد کر دیگا جیسا کہ اُس کا منصب اُس کو اجازت دیگا۔

غرض اس بات کو سرسری نظر سے ہرگز نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ غور کرنا چاہیئے کہ حَکَم عدل کا آنا اور اس کا نام دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے وقت آئے گا اور اس اختلاف کو مٹائے گا۔ ایک کو رد کریگا اور اندرونی غلطیوں کی اصلاح کریگا۔

وہ اپنے نورِ فراست اور خدا تعالیٰ کے اعلام و الہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دیگا اور پکی اور محکم

باتیں رکھ لے گا۔ جب یہ مسلّم امر ہے تو پھر مجھ سے یہ اُمید کیوں کی جاتی ہے کہ مَیں اُن کی ہر بات مان لُوں قطع نظر اس کے کہ وہ بات غلط اور بیہودہ ہے۔ اگر مَیں اُن کا سارا رطب و یابس مان لُوں تو پھر مَیں حَکَم کیسے ٹھہر سکتا ہوں ؟

کشفِ حقیقت کیلئے اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہیں

یہ ممکن ہی نہیں۔ افسوس یہ لوگ دل رکھتے ہیں پر سوچتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں پر سُنتے نہیں۔ اُن کے لیے بہترین راہ اب یہی ہے کہ وہ رو رو کر دُعائیں کریں اور میرے متعلق کشف الحقیقت کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق چاہیں اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص محض احقاقِ حق کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے گا تو وہ میرے معاملہ کی سچائی پر خدا تعالیٰ سے اطلاع پائے گا اور اُس کا زنگ دُور ہو جائے گا۔ بجُز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جو دلوں کو کھولے اور کشفِ حقائق کی قوت عطا کرے۔ اسلام اس وقت مصیبت کی حالت میں ہے اور وہ ایک فنا شدہ قوم کی حالت اختیار کر چکا ہے۔ ایسی حالت اور صورت میں ان لوگوں پر مجھے رونا آتا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام کی اس تباہ شدہ حالت کی اصلاح کے لیے کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بیمار ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بیماروں سے بڑھ کر کون واجب الرحم ہو سکتا ہے جو اپنی بیماری کو صحت سمجھے۔ یہی وہ مرض ہے جس کو لاعلاج کہنا چاہیئے۔ اور ان لوگوں پر اَور بھی افسوس ہے جو خود حدیثیں پڑھتے اور پڑھاتے تھے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آیا کرتا ہے لیکن اس چودھویں صدی کے مجدد کا انکار کر دیا۔ اور نہیں بتاتے کہ اس صدی پر جس میں سے بیس سال گذر گئے کوئی مجدد آیا ہے یا نہیں ؟ خود پتہ نہیں دیتے اور آنے والے کا نام دجّال رکھتے ہیں۔ کیا اسلام کی اس خستہ حالی کا مداوا اللہ تعالیٰ نے یہی کیا کہ بجائے ایک مصلح اور مردِ خدا کے بھیجنے کے ایک کافر اور دجّال کو بھیج دیا ؟ یہ لوگ ایسے اعتقاد رکھکر خدا تعالیٰ کی اس پاک کتاب قرآن مجید کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اِن پر رحم کرے۔

اس وقت تقویٰ بالکل اُٹھ گیا ہے۔ اگر مُلّانوں کے پاس جائیں تو وہ اپنے ذاتی اور نفسانی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مسجدوں کو دوکانوں کا قائمقام سمجھتے ہیں۔ اگر چار روز روٹیاں بند ہو جائیں تو کچھ تعجب نہیں کہ نماز پڑھنا پڑھانا ہی چھوڑ دیں۔ اس دین کے دو ہی بڑے حصّے تھے ایک تقویٰ دوسرے تائیدات سماویہ۔ مگر اب دیکھا جاتا ہے کہ یہ باتیں نہیں رہیں۔ عام طور پر تقویٰ نہیں رہا اور تائیدات سماویہ کا یہ حال ہے کہ خود تسلیم کر بیٹھے ہیں کہ مدت ہوئی ان میں نہ کوئی نشانات ہیں نہ معجزات اور نہ تائیدات سماویہ کا کوئی سلسلہ ہے۔ جلسۂ مذاہب میں مولوی محمد حسین نے صاف طور پر اقرار کیا تھا کہ اب معجزات اور نشانات دکھانے والا کوئی نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ تقویٰ نہیں رہا کیونکہ نشانات تو متقی کو ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی تائید اور نصرت کرتا ہے مگر وہ نصرت تقویٰ کے بعد آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اور معجزات اس لیے عظیم الشان قوت

اور زندگی کے نشانات ہیں کہ آپ سیّد المتقین تھے۔ آپ کی عظمت اور جلال کا خیال کر کے بھی انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اب پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ کا جلال دوبارہ ظاہر ہو اور آپ کے اسم اعظم کی تجلّی دُنیا میں پھیلے اور اسی لیے اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے اور اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اس لیے کوئی مخالف اس کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔

حیاتِ مسیح کا عقیدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ماننے سے شرک پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اُس کو پسند نہیں کرتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت توحید ہی سے ظاہر ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ مسیح کی موت کے پردہ کو اُٹھا دے اور عالم کو دکھا دے کہ درحقیقت حضرت مسیح عام انسانوں کی طرح تھے اُن میں کوئی خصوصیت اور اُلوہیت نہ تھی وہ وفات پاگئے اور جیسے جسمانی طور پر آپ مر گئے رُوحانی طور پر بھی عیسائی مذہب مر گیا اور اُس میں کوئی قبولیت اور شرف کا نشان باقی نہیں۔ ایک بھی عیسائی نہیں جو کھڑا ہو کر دعویٰ سے کہہ سکے کہ میں ان زندہ آثار اور نشانات سے جو زندہ مذہب کے ہیں اسلام کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔

چالیس کروڑ انسان جو مختلف اغراضِ نفسانی کی بناء پر یا اَور وجوہات سے اس کو خدا بنا رہے ہیں۔ وہ وقت آتا ہے کہ اس کی خدائی سے توبہ کریں گے اور اس کو عام انسانوں میں جگہ دیں گے۔

مسلمانوں پر افسوس ہے جنہوں نے عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور اس کو خدا بنانے میں مدد دی۔ عیسائی کھلے طور پر خدا مانتے ہیں اور یہ لوگ خدائی کی صفات دیتے ہیں۔ ان کی ویسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں آدمی مر گیا ہے لیکن دوسرا آدمی کہے کہ ابھی مرا تو نہیں مگر بدن سرد ہے اور نبض بھی نہیں چلتی اور حرکت بھی نہیں۔ تو کیا وُہ مُردہ نہ ہوگا؟ یہی حال حضرت عیسیٰ کی خدائی کے متعلق ہے۔ خدائی کے صفات اُن میں تسلیم کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم خدا نہیں مانتے۔ اب غیرت مند مسلمان سوچ کر جواب دیں کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو خالق مانا جاتا ہے۔ مُحیی مانا جاتا ہے۔ غیب دان مانا جاتا ہے۔ شافی مانا جاتا ہے۔ حیّ مانا جاتا ہے تو اَور کیا باقی رہا؟ غرض مسلمانوں کی حالت بہت نازک ہو گئی ہے اور وہ سوچتے نہیں۔

اس وقت اگر اَور نشانات اور تائیدات ہمارے دعویٰ کی مصدق اور مؤید نہ ہوتیں تب بھی وقت ایسا تھا کہ وہ زبردست ضرورت بتاتا ہے خدا تعالیٰ ہی ان کی آنکھیں کھولے تو بات بنے گی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء)

❖ ❖ ❖
❖ ❖ ❖

۱۸ر جنوری ۱۹۰۳ء

تقدیرِ معلق و تقدیرِ مُبرم

تقدیر دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک کا نام معلق ہے اور دوسری کو مُبرم کہتے ہیں اگر کوئی تقدیرِ معلق ہو تو دُعا اور صدقات اس کو ٹلا دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس تقدیر کو بدل دیتا ہے اور مبرم ہونے کی صورت میں وہ صدقات اور دُعا اس تقدیر کے متعلق کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ ہاں وہ عبث اور فضول بھی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ وہ اس دعا اور صدقات کا اثر اور نتیجہ کسی دوسرے پیرایہ میں اس کو پہنچا دیتا ہے۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی تقدیر میں ایک وقت تک توقف اور تاخیر ڈال دیتا ہے۔

قضاء معلق اور مُبرم کا ماخذ اور پتہ قرآن کریم ہی سے ملتا ہے۔ گو یہ الفاظ نہیں۔ مثلاً قرآن میں فرمایا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) دُعا مانگو میں قبول کروں گا۔ اب یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا قبول ہو سکتی ہے اور دُعا سے عذاب ٹل جاتا ہے اور ہزارہا کیا، کُل کام دُعا سے نکلتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کُل چیزوں پر قادرانہ تصرف ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسکے پوشیدہ تصرفات کی لوگوں کو خواہ خبر ہو یا نہ ہو مگر صدہا تجربہ کاروں کے وسیع تجربے اور ہزارہا دردمندوں کی دُعاؤں کے صریح نتیجے بتلا رہے ہیں کہ اس کا ایک پوشیدہ اور مخفی تصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اثبات کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہ ضروری امر نہیں کہ اس کی تہ تک پہنچے اور اس کی کُنہ اور کیفیت کو معلوم کرنے کی کوشش کریں جبکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک شے ہونے والی ہے۔ اس لیے ہم کو جھگڑے اور بحث میں پڑنے کی کچھ حاجت نہیں۔ خدائے تعالیٰ نے انسان کی قضاء و قدر کو مشروط بھی رکھا ہے جو توبہ خشوع و خضوع سے ٹل سکتی ہیں۔ جب کسی قسم کی تکلیف اور مصیبت انسان کو پہنچتی ہے تو وہ فطرتاً اور طبعاً اعمالِ حسنہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اپنے اندر ایک قلق اور کرب محسوس کرتا ہے جو اُسے بیدار کرتا اور نیکیوں کی طرف کھینچے لیے جاتا ہے اور گناہ سے ہٹاتا ہے۔ جس طرح پر ہم ادویات کے اثر کو تجربہ کے ذریعہ سے پالیتے ہیں اسی طرح پر ایک مضطرب الحال انسان جب خدائے تعالےٰ کے آستانہ پر نہایت تذلل اور عجز کے ساتھ گرتا ہے اور ربّی ربّی کہہ کر اس کو پکارتا اور دُعائیں مانگتا ہے تو وہ رویائے صالحہ یا الہامِ صحیح کے ذریعہ سے ایک بشارت اور تسلی پالیتا ہے۔ مَیں نے اپنے ساتھ بارہا اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ دیکھا ہے کہ جب میں نے کرب و قلق سے کوئی دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رؤیا کے ذریعہ سے آگاہی بخشی۔ ہاں قلق اور اضطرار اپنے بس میں نہیں ہوتا۔

اس کا انشاد بھی فعلِ الٰہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب صبر اور صدق سے دُعا انتہا کو پہنچے تو وہ قبول ہوجاتی ہے۔ دُعا، صدقہ اور خیرات سے عذاب کا ٹلنا ایک ایسی ثابت شدہ صداقت ہے جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کا اتفاق ہے اور کروڑہا صلحاء اتقیاء اور اولیاء اللہ کے ذاتی تجربے اس امر پر گواہ ہیں۔

نماز کی لذّت اور سرور

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دُعا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدائے تعالیٰ کو ان باتوں کی کیا حاجت ہے۔ اس کی غناءِ ذاتی کو اس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان دُعا اور تسبیح اور تہلیل میں مصروف ہو۔ بلکہ اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ وہ اس طریق سے اپنے مطلب کو پہنچ جاتا ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آجکل عبادت اور تقویٰ اور دینداری سے محبت نہیں ہے۔ اس کی وجہ ایک عام زہریلا اثر رسم کا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت میں جس قسم کا مزا آنا چاہیئے۔ وہ مزا نہیں آتا۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں لذّت اور ایک خاص حظ اللہ تعالیٰ نے رکھا نہ ہو۔ جس طرح پر ایک مریض ایک عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ چیز کا مزا نہیں اُٹھا سکتا اور وہ اسے بالکل تلخ یا پھیکا سمجھتا ہے اسی طرح سے وہ لوگ جو عبادتِ الٰہی میں حظ اور لذّت نہیں پاتے انکو اپنی بیماری کا فکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جیسا میں نے ابھی کہا ہے دُنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں خدائے تعالےٰ نے کوئی نہ کوئی لذّت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی عبادت میں اس کے لیے ایک لذّت اور سُرور نہ ہو؟ لذّت اور سُرور تو ہے مگر اس سے حظ اُٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریات: ۵۷) اب انسان جب عبادت ہی کے لیے پیدا ہوا ہے، ضروری ہے کہ عبادت میں لذّت اور سُرور بھی درجہ غایت کا رکھا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لیے پیدا کی ہیں تو کیا اُن سے وہ ایک لذّت اور حظ نہیں پاتا ہے؟ کیا اُس ذائقہ اور مزے کے احساس کے لیے اُس کے منہ میں زبان موجود نہیں؟ کیا وہ خوبصورت اشیاء کو دیکھ کر نباتات ہوں یا جمادات، حیوانات ہوں یا انسان حظ نہیں پاتا؟ کیا دلِ خوش کُن اور سُریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لیے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذّت نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عورت اور مرد کو رغبت دی ہے۔ اب اس میں زبردستی نہیں کی بلکہ ایک لذت بھی رکھ دی ہے۔ اگر محض توالد و تناسل ہی مقصود بالذات ہوتا تو مطلب پورا نہ ہوسکتا۔ عورت اور مرد کی برہنگی کی حالت میں اُن کی غیرت قبول نہ کرتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔ مگر اس میں ان کے لیے ایک حظ ہے اور ایک لذت ہے۔ یہ حظ اور لذت اس درجہ تک پہنچی ہے کہ بعض کوتاہ اندیش انسان اولاد کی بھی پروا اور خیال نہیں کرتے بلکہ اُن کو صرف حظ ہی سے کام اور غرض ہے۔ خدائے تعالیٰ کی علتِ غائی بندوں کا پیدا کرنا تھا اور اس سبب کے لیے ایک تعلق عورت اور مرد میں قائم کیا اور ضمناً اس میں ایک حظ رکھدیا جو اکثر نادانوں کے لیے مقصود بالذات ہوگیا ہے۔

اسی طرح سے خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں اس میں بھی ایک لذت اور سُرور ہے اور یہ لذت اور سُرور دُنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظِ نفس سے بالاتر اور بالاتر ہے۔ جیسے عورت اور مرد کے باہم تعلقات میں ایک لذت ہے اور اس سے وہی بہرہ مند ہوسکتا ہے جو مرد ہے اور اپنے قویٰ صحیح رکھتا ہے۔ ایک نامرد اور مخنث وہ حظ نہیں پاسکتا اور جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے اسی طرح پر ہاں ٹھیک ایسا ہی وہ کم بخت انسان ہے جو عبادتِ الٰہی سے لذت نہیں پاسکتا۔

عورت اور مرد کا جوڑا تو باطل اور عارضی جوڑا ہے۔ مَیں کہتا ہوں حقیقی ابدی اور لذت مجسم کا جوڑا ہے وہ انسان اور خدائے تعالیٰ کا ہے۔ مجھے سخت اضطراب ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایک دن اگر کسی کو روٹی پکھانے کا مزا نہ آئے، طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا اور روپیہ خرچ کرتا اور دُکھ اُٹھاتا ہے کہ وہ مزا حاصل ہو۔ وہ نامرد جو اپنی بیوی سے لذت حاصل نہیں کرسکتا بعض اوقات گھبرا گھبرا کر خودکشی کے ارادے تک پہنچ جاتا ہے اور اکثر موتیں اس قسم کی ہوجاتی ہیں۔ مگر آہ! وہ مریضِ دل وہ نامرد کیوں کوشش نہیں کرتا جس کو عبادت میں لذت نہیں آتی اسکی جان کیوں غم سے نڈھال نہیں ہوجاتی؟ دُنیا اور اس کی خوشیوں کے لیے تو کیا کچھ کرتا ہے مگر ابدی اور حقیقی راحتوں کی وہ پیاس اور تڑپ نہیں پاتا کس قدر بے نصیب ہے۔ کیسا ہی محروم ہے! عارضی اور فانی لذتوں کے علاج تلاش کرتا ہے اور پالیتا ہے۔ کیا ہوسکتا ہے کہ مستقل اور ابدی لذت کے علاج نہ ہوں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ مگر تلاشِ حق میں مستقل اور پورا قدم درکار ہیں۔ قرآن کریم میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے صالحین کی مثال عورتوں سے دی ہے۔ اس میں بھی سِرّ اور بھید ہے۔ ایمان لانے والے کو آسیہ اور مریم سے مثال دی ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ مشرکین میں سے مومنوں کو پیدا کرتا ہے۔ بہرحال عورتوں سے مثال دینے میں دراصل ایک لطیف راز کا اظہار ہے۔ یعنی

جس طرح عورت اور مرد کا باہم تعلق ہوتا ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ ہے۔ اگر عورت اور مرد کی باہم موافقت ہو اور ایک دوسرے پر فریفتہ ہو تو وہ جوڑا ایک مبارک اور مفید ہوتا ہے ورنہ نظامِ خانگی بگڑ جاتا ہے اور مقصود بالذات حاصل نہیں ہوتا ہے۔ مرد اور جگہ خراب ہو کر صدہا قسم کی بیماریاں لے آتے ہیں۔ آتشک سے مجذوم ہو کر دُنیا میں ہی محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اولاد ہو بھی جائے تو کئی پُشت تک یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور اُدھر عورت بے حیائی کرتی پھرتی ہے اور عزت و آبرو کو ڈبو کر بھی سچی راحت حاصل نہیں کر سکتی۔ غرض اس جوڑے سے الگ ہو کر کس قدر بد نتائج اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر انسان رُوحانی جوڑے سے الگ ہو کر مجذوم اور مخذول ہو جاتا ہے دُنیاوی جوڑے سے زیادہ رنج و مصائب کا نشانہ بنتا ہے جیسا کہ عورت اور مرد کے جوڑے سے ایک قسم کی بقاء کے لیے حظ ہے اسی طرح پر عبودیت اور ربوبیت کے جوڑے میں ایک ابدی بقا کے لیے حظ موجود ہے صوفی کہتے ہیں کہ یہ حظ جس کو نصیب ہو جائے وہ دنیا اور مافیہا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اُس کو معلوم ہو جائے تو وہ اس میں ہی فنا ہو جائے لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دُنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اس راز کو نہیں سمجھا اور ان کی نمازیں نری ٹکریں ہیں اور اوپرے دل کے ساتھ ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست و برخاست کے طور پر ہوتی ہے۔

مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ جب مَیں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ صرف اس لیے نمازیں پڑھتے ہیں کہ وہ دُنیا میں معتبر اور قابلِ عزت سمجھے جائیں اور پھر اس نماز سے یہ بات اُن کو حاصل بھی ہو جاتی ہے یعنی وہ نمازی پرہیزگار کہلاتے ہیں پھر کیوں ان کو یہ کہا جانے والا غم نہیں لگتا کہ جب جھوٹ موٹ اور بے دلی کی نماز سے ان کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کیوں ایک سچے عابد بننے سے اُن کو عزت نہ ملے گی اور کیسی عزت ملے گی۔

غرض مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ نمازوں میں غافل اور سُست اسی لیے ہوتے ہیں کہ اُن کو اس لذت اور سُرور سے اطلاع نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر رکھا ہے اور بڑی بھاری وجہ کسل کی یہی ہے۔ پھر شہروں اور گاؤں میں تو اور بھی سُستی اور غفلت ہوتی ہے۔ سو پچاسواں حصہ بھی تو پوری مستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہیں جُھکاتے۔ پھر سوال یہی ہوتا ہے کہ کیوں اُن کو اس لذت کی اطلاع نہیں اور نہ کبھی اس مزے کو انہوں نے چکھا۔ اور مذاہب میں ایسے احکام نہیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مؤذن اذان دے دیتا ہے۔ پھر وہ سُننا بھی نہیں چاہتے۔ گویا اُن کے دل دُکھتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی قابلِ رحم ہیں بعض لوگ یہاں بھی ایسے ہیں کہ ان کی دوکانیں دیکھو تو مسجد کے نیچے ہیں مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہیں ہوتے۔

پس مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دُعا مانگنی چاہیئے کہ جس طرح اَور پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزا چکھا دے کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سُرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اُسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بدشکل اور مکروہ ہیئت کو دیکھتا ہے تو اس کی ساری حالت اس کے بالمقابل مجسّم ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح بے نمازوں کے نزدیک نماز ایک تاوان ہے کہ ناحق صبح اُٹھ کر سردی میں وضو کرکے خوابِ راحت چھوڑ کر اور کئی قسم کی آسائشوں کو چھوڑ کر پڑھنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُسے بیزاری ہے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لذت اور راحت سے جو نماز میں ہے اس کو اطلاع نہیں ہے۔ پھر نماز میں لذت کیونکر حاصل ہو۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا تو وہ پے در پے پیتا جاتا ہے یہانتک کہ اس کو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔ دانشمند اور زیرک انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دَوام کرے اور پڑھتا جاوے یہانتک کہ اس کو سُرور آجاوے اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا ہے اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں اسی سرور کو حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دُعا پیدا ہوکر وہ لذت حاصل ہو تو مَیں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جائے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اُس سے ہوتے ہیں اور احسان پیشِ نظر رہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۵) نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دُعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔

یہ جو فرمایا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ اُن کی رُوح مُردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا اور الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا باوجودیکہ معنی وہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خُوبی اور حُسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی رُوح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے وہ نماز یقیناً یقیناً بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہیں۔ نماز کا مغز اور رُوح وہ دُعا ہے جو ایک لذت اور سُرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکانِ نماز

دراصل رُوحانی نشست و برخاست کے اظلال ہیں۔

انسان کو خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آدابِ خدمتگاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصّہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا طیاری ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کے لیے کسقدر گردن جُھکاتا ہے۔ اور سجدہ کمال ادب اور کمال تذلّل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طرق ہیں جو خدائے تعالےٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جسم کو باطنی طریق سے حصّہ دینے کی خاطر اُن کو مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھدیا ہے۔ اب اگر ظاہری طریق میں (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے) صرف نقال کی طرح نقلیں اُتاری جائیں اور اُسے ایک بارگراں سمجھ کر اُتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے تو تم ہی بتلاؤ اس میں کیا لذّت اور حظ آسکتا ہے۔ اور جب تک لذّت اور سرور نہ آئے اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ رُوح بھی ہمہ نیستی اور تذلّل تام ہوکر آستانہ الوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے۔ اس وقت ایک سُرور اور نُور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

مَیں اس کو اَور کھول کر کہنا چاہتا ہوں کہ انسان جس قدر مراتب طے کر کے انسان ہوتا ہے۔ یعنی کہاں نُطفہ بلکہ اس سے بھی پہلے نُطفہ کے اجزاء یعنی مختلف قسم کی اغذیہ اور اُن کی ساخت اور بناوٹ اور پھر نُطفہ کے بعد مختلف مدارج کے بعد بچّہ پھر جوان، بوڑھا۔ غرض ان تمام عالموں میں جو اس پر مختلف اوقات میں گذرے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رُبوبیت کا معترف ہو اور وہ نقشہ ہر آن اس کے ذہن میں کھچا رہے تو بھی وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ رُبوبیت کے مقابل میں اپنی عبودیت کو ڈال دے۔ غرض مدعا یہ ہے کہ نماز میں لذّت اور سُرور بھی عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے جب تک اپنے آپ کو عدمِ محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر جو رُبوبیت کا ذاتی تقاضا ہے نہ ڈال دے اس کا فیضان اور پرتَو اس پر نہیں پڑتا۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذّت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حظّ نہیں ہے اس مقام پر انسان کی رُوح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اُسے انقطاع ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدائے تعالےٰ کی محبت اس پر گرتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے۔ ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام صلوٰۃ ہے جو سیئات کو بھسم کر جاتی اور اپنی جگہ ایک نُور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستے کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خارخس سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت : ۴۶) کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کیونکہ اُس کے ہاتھ میں نہیں نہیں اُس کے شمعدانِ دل میں ایک

روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلل کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر گناہ کا خیال اُسے آ کیونکر سکتا ہے اور انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اُٹھ ہی نہیں سکتی۔ غرض اسے ایسی لذت ایسا سرور حاصل ہوتا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُسے کیونکر بیان کروں۔

پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دُعا سے حاصل ہوتی ہے غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ دعا کا اللہ ہی کے لیے ہے جب تک انسان پُورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالیٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے۔ سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مومن اور سچا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت وسکون تک کو اسی انجن کی طاقت عظمےٰ کے ماتحت نہ کر لیوے وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے؟ اور اپنے آپ کو اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام: ۸۰) کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے مُنہ سے کہتا ہے دل سے بھی اُدھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے۔ وہ مومن اور حنیف ہے لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جُھکتا ہے وہ یاد رکھے کہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کیونکہ اس پر وہ وقت آجانے والا ہے کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف نہ جُھک سکے۔ ترکِ نماز کی عادت اور کسل کی ایک وجہ یہ ہے کیونکہ جب انسان غیر اللہ کی طرف جُھکتا ہے تو رُوح اور دل اس کی طرف جُھکتا ہے اور رُوح اور دل کی طاقتیں بھی (اس درخت کی طرح جس کی شاخیں ابتداءً ایک طرف کر دی جائیں اور پرورش پائیں) ادھر ہی جُھک جاتی ہیں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اُسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ جیسے وہ شاخیں پھر دوسری طرف مُڑ نہیں سکتیں۔ اسی طرح پر وہ دل اور رُوح دن بدن خدائے تعالیٰ سے دُور ہوتے جاتے ہیں۔ پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔ اسی لیے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے تاکہ اوّلاً وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت آجاتا ہے کہ انقطاعِ کلی کی حالت میں انسان ایک نُور اور ایک لذت کا وارث ہو جاتا ہے۔

مَیں اس امر کو پھر تاکید سے کہتا ہوں۔ افسوس ہے مجھے وہ لفظ نہیں ملتے جس میں مَیں غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بُرائیاں بیان کر سکوں۔ لوگوں کے پاس جا کر منّت و خوشامد کرتے ہیں۔ یہ بات خدائے تعالےٰ کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے (کیونکہ یہ تو لوگوں کی نماز ہے) پس وہ اس سے ہٹتا اور اُسے دُور پھینک دیتا ہے۔

مَیں موٹے الفاظ میں اس کو بیان کرتا ہوں گو یہ امر اس طرح پر نہیں ہے مگر فوراً سمجھ میں آسکتا ہے کہ جیسے ایک مردِ غیور کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہوئے دیکھ سکے اور جس طرح پر وہ مرد ایسی حالت میں اس نابکار عورت کو واجب القتل سمجھتا بلکہ بسا اوقات ایسی وارداتیں ہو جاتی ہیں ایسا ہی جوش اور غیرت الوہیت کی ہے۔ جب عبودیت اور دُعا خاص اسی ذات کے مقابل ہیں۔ وہ پسند نہیں کرسکتا کہ کسی اَور کو معبود قرار دیا جائے یا پکارا جائے۔

پس خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو! کہ غیر اللہ کی طرف جُھکنا خدا سے کاٹنا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے) اسی وقت بے برکت اور بے سُود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلل کی رُوح اور حنیف دل نہ ہو!! سُنو وہ دُعا جس کے لیے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) فرمایا ہے اس کے لیے یہی سچی رُوح مطلوب ہے اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی رُوح نہیں تو وہ مٹی سے کم نہیں ہے۔

پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہیں ہے؟ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دُعا اسباب نہیں ہے؟ یا اسباب دُعا نہیں؟ تلاشِ اسباب بجائے خود ایک دُعا ہے اور دُعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ!!!

انسان کی ظاہری بناوٹ، اس کے دو ہاتھ دو پاؤں کی ساخت ایک دوسرے کی امداد کا رہنما ہے۔ جب یہ نظارہ خود انسان میں موجود ہے پھر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (المائدہ ۵: ۳) کے معنے سمجھنے میں مشکلات کو دیکھے ہاں مَیں یہ کہتا ہوں کہ تلاشِ اسباب بھی بذریعہ دُعا کرو۔ امداد باہمی میں نہیں سمجھتا کہ جب مَیں تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ کا ایک قائم کردہ سلسلہ اور کامل رہنما سلسلہ دکھاتا ہوں۔ تم اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اَور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دُنیا پر کھول دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ دُنیا میں قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسُولوں کو باقی نہ رہنے دے مگر پھر بھی ایک وقت اُن پر آتا ہے کہ وہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیا وہ ایک ٹکڑ گدا فقیر کی طرح بولتے ہیں؟ نہیں مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (اٰل عمران: ۵۳) کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ وہ دُنیا کو رعایتِ اسباب سکھانا چاہتے ہیں جو دُعا کا ایک شعبہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر ان کو کامل ایمان اس کے وعدوں پر پورا یقین ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (المومن: ۵۲) ایک یقینی اور حتمی وعدہ ہے مَیں کہتا ہوں کہ بھلا اگر خدا کسی کے دل میں مدد کا خیال نہ ڈالے تو کوئی کیونکر مدد دے سکتا

ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی معاون و ناصر وہی پاک ذات ہے جس کی شان ہے نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ دُنیا اور دنیا کی مدد یں ان لوگوں کے سامنے کالمیت ہوتی ہیں اور مُردہ کیڑے کے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ لیکن دُنیا کو دُعا کا ایک موٹا طریق بتلانے کے لیے وہ یہ راہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اپنے کاروبار کا متولی خدا تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (الاعراف : ۱۹۷) اللہ تعالیٰ ان کو مامور کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کو دوسروں کے ذریعہ سے ظاہر کریں۔ ہمارے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مقامات پر مدد کا وعظ کرتے تھے۔ اسی لیے کہ وہ وقت نصرتِ الٰہی کا تھا۔ اس کو تلاش کرتے تھے کہ وہ کس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔

یہ ایک بڑی غور طلب بات ہے۔ دراصل مامور من اللہ لوگوں سے مدد نہیں مانگتا۔ بلکہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ کہہ کر وہ اس نصرتِ الٰہیہ کا استقبال کرنا چاہتا ہے اور ایک فرطِ شوق سے بے قراروں کی طرح اس کی تلاش میں ہوتا ہے۔ نادان اور کوتاہ اندیش لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مدد مانگتا ہے بلکہ اس طرح پر اس شان میں وہ کسی دل کے لیے جو اس نصرت کا موجب ہوتا ہے ایک برکت اور رحمت کا موجب ہوتا ہے۔ پس مامور من اللہ کی طلبِ امداد کا اصل سرّ اور راز یہی ہے جو قیامت تک اسی طرح پر رہے گا۔ اشاعتِ دین میں مامور من اللہ دوسروں سے امداد چاہتے ہیں مگر کیوں؟ اپنے ادائے فرض کیلئے تاکہ دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت کو قائم کریں ورنہ یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ قریب بہ کفر پہنچ جاتی ہے اگر غیر اللہ کو متولی قرار دیں اور ان نفوسِ قدسیہ سے ایسا امکان محالِ مطلق ہے۔

مَیں نے ابھی کہا ہے کہ توحید تبھی پوری ہوتی ہے کہ کُل مرادوں کا مُعطی اور تمام امراض کا چارہ اور مداوا وہی ذاتِ واحد ہو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے یہی ہیں۔ صوفیوں نے الٰہ کے لفظ سے محبوب، مقصود، معبود مراد لی ہے۔ بے شک اصل اور سچ یونہی ہے جب تک انسان کامل طور پر کاربند نہیں ہوتا۔ اس میں اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہیں ہوتی۔

اور پھر مَیں اصل ذکر کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ نماز کی لذت اور سرور اُسے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک بُرے ارادے، ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہوں۔ انانیت اور شیخی دُور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہیں کہلا سکتا۔ عبودیتِ کاملہ کے سکھانے کے لیے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے۔

مَیں تمہیں پھر بتلاتا ہوں کہ اگر خدائے تعالیٰ سے سچا تعلق، حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ اور ایسے کاربند نہ ہو کہ نہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری رُوح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جائیں۔

عصمتِ انبیاء کا ملنا

عصمتِ انبیاء کا بھی راز ہے یعنی نبی کیوں معصوم ہوتے ہیں؟ تو اس کا بھی جواب ہے کہ وہ استغراقِ محبتِ الٰہی کے باعث معصوم ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب ان قوموں کو دیکھتا ہوں جو شرک میں مبتلا ہیں جیسے ہندو جو قسم قسم کے اصنام کی پرستش کرتے ہیں۔ یہانتک کہ انہوں نے عورت اور مرد کے اعضاء مخصوصہ تک کی پرستش بھی جائز کر رکھی ہے اور ایسا ہی وہ لوگ جو ایک انسانی لاش یعنی یسوع مسیح کی پرستش کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ مختلف صورتوں سے حصولِ نجات یا مکتی کے قائل ہیں۔ مثلاً اول الذکر یعنی ہندو گنگا اشنان اور تیرتھ یاترا اور ایسے ایسے کفاروں سے گناہ سے موکش چاہتے ہیں اور عیسیٰ پرست عیسائی مسیح کے خون کو اپنے گناہوں کا فدیہ قرار دیتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جب تک نفسِ گناہ موجود ہے وہ بیرونی صفائی اور خارجی معتقدات سے راحت یا اطمینان کا ذریعہ کیونکر پا سکتے ہیں جب تک اندر کی صفائی اور باطنی تطہیر نہیں ہوتی ناممکن ہے کہ انسان سچی پاکیزگی طہارت جو انسان کو نجات سے ملتی ہے پا سکے۔ ہاں اس سے ایک سبق لو جس طرح پر دیکھو بدن کی میل اور بدبُو بدوں صفائی کے دُور نہیں ہو سکتی۔ اور جسم کو ان آنے والے خطرناک امراض سے بچا نہیں سکتی اسی طرح پر رُوحانی کدورت اور میل جو دل پر ناپاکیوں اور قسم قسم کی بے باکیوں سے جم جاتی ہے دُور نہیں ہو سکتی جب تک توبہ کا مصفا اور پاک پانی نہ دھو ڈالے۔ جسمانی سلسلہ میں ایک فلسفہ جس طرح پر موجود ہے اسی طرح پر رُوحانی سلسلہ میں ایک فلسفہ رکھا ہوا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس پر غور کرتے ہیں اور سوچتے ہیں۔

گناہ کی حقیقت اور اس سے بچنے کے ذرائع

مَیں اس مقام پر یہ بات بھی جتلانا چاہتا ہوں کہ گناہ کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب عام فہم الفاظ میں یہی ہے کہ جب غیر اللہ کی محبت انسانی دل پر مستولی ہوتی ہے تو وہ اس مصفا آئینہ پر ایک قسم کا زنگ سا پیدا کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بالکل تاریک ہو جاتا ہے اور غیریت اپنا گھر کر کے اسے خدا سے دور ڈال دیتی ہے اور یہی شرک کی جڑ ہے لیکن جس قلب پر اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اپنا قبضہ کرتی ہے وہ غیریت کو جلا کر اسے صرف اپنے لیے منتخب کر لیتی ہے۔ پھر اس میں ایک استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اصل جگہ پر آ جاتی ہے عضو کے ٹوٹنے اور پھر جڑنے میں جس طرح تکلیف ہوتی ہے، لیکن ٹوٹا ہوا عضو کہیں زیادہ تکلیف دیتا ہے جو اسے صرف کر رہے تو ایک وقت آ جاتا ہے کہ اس کو بالکل کاٹنا پڑتا ہے۔ اسی طرح سے استقامت کے حصول کے لیے اولاً ابتدائی مدارج اور مراتب پر کسی قدر تکلیف اور مشکلات بھی پیش آتی ہیں، لیکن اس کے حاصل ہونے پر ایک دائمی راحت اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ ارشاد ہو فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ

(ھود : ۱۱۳) تو لکھا ہے کہ آپ کے کوئی سفید بال نہ تھا۔ پھر سفید بال آنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔

غرض یہ ہے کہ جب تک انسان موت کا احساس نہ کرے وہ نیکیوں کی طرف جھک نہیں سکتا۔ مَیں نے بتلایا ہے کہ گناہ غیر اللہ کی محبت دل میں پیدا ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دل پر غلبہ کر لیتا ہے۔ پس گناہ سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لیے یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ انسان موت کو یاد رکھے اور خدائے تعالیٰ کے عجائباتِ قدرت میں غور کرتا رہے کیونکہ اس سے محبتِ الٰہی اور ایمان بڑھتا ہے اور جب خدائے تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو جائے تو وہ گناہ کو خود جلا کر بھسم کر جاتی ہے۔

دوسرا ذریعہ گناہ سے بچنے کا احساسِ موت ہے۔ اگر انسان موت کو اپنے سامنے رکھے تو وہ ان بدکاریوں اور کوتاہ اندیشیوں سے باز آجائے اور خدا تعالیٰ پر اسے ایک نیا ایمان حاصل ہو اور اپنے سابقہ گناہوں پر توبہ اور نادم ہونے کا موقعہ ملے۔ انسان عاجز کی ہستی کیا ہے؟ صرف ایک دم پر انحصار ہے۔ پھر کیوں وہ آخرت کا فکر نہیں کرتا اور موت سے نہیں ڈرتا اور نفسانی اور حیوانی جذبات کا مطیع اور غلام ہو کر عمر ضائع کر دیتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ ہندوؤں کو بھی احساسِ موت ہوا ہے۔ بٹالہ میں کشن چند نام ایک بھنڈاری ستر یا بہتر برس کی عمر کا تھا۔ اس وقت اس نے گھر بار سب کچھ چھوڑ دیا اور کاشی میں جا کر رہنے لگا اور وہاں ہی مر گیا۔ یہ صرف اس لیے کہ وہاں مرنے سے اس کی موکش ہو گی مگر یہ خیال اس کا باطل تھا۔ لیکن اس سے اتنا تو مفید نتیجہ ہم نکال سکتے ہیں کہ اس نے احساسِ موت کیا اور احساسِ موت انسان کو دُنیا کی لذات میں بالکل منہمک ہونے سے اور خدا سے دُور جا پڑنے سے بچا لیتا ہے۔ یہ بات کہ کاشی میں مرنا مکتی کا باعث ہو گا یہ اسی مخلوق پرستی کا پردہ تھا جو اس کے دل پر پڑا ہوا تھا مگر مجھے تو سخت افسوس ہوتا ہے جبکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ مُسلمان ہندوؤں کی طرح بھی احساسِ موت نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو صرف اس ایک حکم نے کہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ نے ہی بُوڑھا کر دیا۔ کس قدر احساسِ موت ہے۔ آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی صرف اس لیے کہ تا ہم اس سے سبق لیں۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی کی اس سے بڑھ کر اَور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہادیٔ کامل اور پھر قیامت تک کے لیے اور اس پر کل دنیا کے لیے مقرر فرمایا۔ مگر آپ کی زندگی کے کل واقعات ایک عملی تعلیمات کا مجموعہ ہیں۔ جس طرح پر قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور قانونِ قدرت اس کی فعلی کتاب ہے اسی طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی ایک فعلی کتاب ہے جو گویا قرآنِ کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔ میرے تیس سال کی عمر میں ہی سفید بال نکل آئے تھے اور مرزا صاحب مرحوم میرے والد ابھی زندہ ہی تھے۔ سفید بال بھی گویا ایک قسم کا نشانِ موت ہوتا ہے۔ جب

بڑھاپا آتا ہے جس کی نشانی یہی سفید بال ہیں تو انسان سمجھ لیتا ہے کہ مرنے کے دن اب قریب ہیں، مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس وقت بھی انسان کو فکر نہیں لگتا۔ مومن تو ایک چڑیا اور جانوروں سے بھی اخلاقِ فاضلہ سیکھ سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی کھلی ہوئی کتاب اسکے سامنے ہوتی ہے۔ دنیا میں جس قدر چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں وہ انسان کے لیے جسمانی اور رُوحانی دونوں قسم کی راحتوں کے سامان ہیں۔

مَیں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں پڑھا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ مَیں نے مراقبہ بلّی سے سیکھا ہے۔ اگر انسان نہایت پُرغور نگاہ سے دیکھے تو اُسے معلوم ہوگا کہ جانور کھلے طور پر خُلق رکھتے ہیں۔ میرے مذہب میں سب چرند پرند ایک خلق ہیں اور انسان اس کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ نفس جامع ہے اور اسی لیے عالم صغیر کہلاتا ہے کہ کُل مخلوقات کے کمال انسان میں یکجائی طور پر جمع ہیں اور کُل انسانوں کے کمالات بہیئت مجموعی ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں اور اسی لیے آپ کُل دُنیا کے لیے مبعوث ہوئے اور رحمۃ للعالمین کہلائے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵) میں بھی اسی مجموعہ کمالات انسانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی صورت میں عظمتِ اخلاقِ محمدیؐ کی نسبت غور کر سکتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ پر نبوتِ کاملہ کے کمالات ختم ہوئے۔

یہ ایک مسلّم بات ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ اس کی علتِ غائی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ جیسے کتاب کے جب کُل مطالب بیان ہو جاتے ہیں تو اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اسی طرح پر رسالت اور نبوت کی علت غائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور یہی ختمِ نبوت کے معنے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو چلا آیا ہے اور کامل انسان پر آکر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

استقامت ہی انسان کا اسمِ اعظم ہے

مَیں یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ استقامت جس پر مَیں نے ذکر چھیڑا تھا۔ وہی ہے جس کو صُوفی لوگ اپنی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہیں۔ یعنی رُوح کے جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو جائیں اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشیں بالکل مَر جائیں۔ بعض انسان جو اللہ تعالیٰ کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادوں اور جوشوں پر مقدم نہیں کرتے وہ اکثر دفعہ دُنیا ہی کے جوشوں اور اردوں کی ناکامیوں میں اس دُنیا سے اُٹھ جاتے ہیں۔ ہمارے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر کو مقدمات میں بڑی مصروفیت رہتی تھی اور ان میں وہ یہانتک منہمک اور محو رہتے تھے کہ آخر ان ناکامیوں نے ان کی صحت پر اثر ڈالا اور وہ انتقال کر گئے اور بھی بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو اپنے ارادوں کو خدا پر مقدم کرتے ہیں۔ آخر کار اس تقدیم ہوائے نفس میں

بھی وہ کامیاب نہیں ہوتے اور بجائے فائدہ کے نقصانِ عظیم اُٹھاتے ہیں۔ اسلام پر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ ناکامی صرف جھوٹے ہونے کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے التفات کم ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوتا ہے جو اس کو نامراد اور ناکام بنا دیتا ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کو جو بصیرت رکھتے ہیں جب وہ دنیا کے مقاصد کی طرف اپنے تمام جوش اور ارادے کے ساتھ جُھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو نامراد کر دیتا ہے۔ لیکن سعیدوں کو وہ پاک اصول پیشِ نظر رہتا ہے جو احساسِ موت کا اُصول ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ جس طرح ماں باپ کا انتقال ہوگیا ہے یا جس طرح پرانا اور کوئی بزرگِ خاندان فوت ہوگیا ہے اسی طرح پر مجھ کو ایک دن مرنا ہے اور بعض اوقات اپنی عمر پر خیال کرکے کہ بڑھاپا آگیا اور موت کے دن قریب ہیں خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بعض خاندان ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں عمریں علی العموم ایک خاص مقدار تک مثلاً ۵۰ یا ۶۰ تک پہنچتے ہیں۔ ٹبالہ میں میاں صاحب کا جو خاندان ہے اُس کی عمریں بھی علی العموم اسی حد تک پہنچتی ہیں۔ اس طرح پر اپنے خاندان کی عمروں کا اندازہ اور لحاظ بھی انسان کو احساسِ موت کی طرف لے جاتا ہے۔

غرض یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ آخر ایک نہ ایک دن دُنیا اور اس کی لذتوں کو چھوڑنا ہے تو پھر کیوں نہ انسان اس وقت سے پہلے ہی ان لذات کے ناجائز طریق حصول چھوڑ دے۔ موت نے بڑے بڑے راستبازوں اور مقبولوں کو نہیں چھوڑا اور وہ نوجوانوں یا بڑے سے بڑے دولت منداور بزرگ کی پروا نہیں کرتی۔ پھر تم کو کیوں چھوڑنے لگی۔ پس دنیا اور اس کی راحتوں کو زندگی کے منجملہ اسباب سے سمجھو اور خدا تعالےٰ کی عبادت کا ذریعہ۔ سعدی نے اس مضمون کو یُوں ادا کیا ہے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است　　تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یہ نہ سمجھو کہ خدا ہم سے خواہ مخواہ خوش ہو جائے اور ہم احتظاظ میں رہیں مگر ایسے اندھوں کو اگر خدا کی طرف سے ہی پروانہ آجائے تو وہ ان لذتوں کو جو جسمانی خواہشوں اور ارادوں کی پیروی میں سمجھتے ہیں نہ چھوڑیں گے اور ان کو اس لذت پر جو ایک مومن کو خدا میں ملتی ہے ترجیح دیں گے۔ خدا تعالیٰ کا پروانہ موجود ہے جس کا نام قرآن شریف ہے جو جنت اور ابدی آرام کا وعدہ دیتا ہے مگر اس کی نعمتوں کے وعدہ پر چنداں لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور عارضی اور خیالی خوشیوں اور راحتوں کی جستجو میں کسقدر تکلیفیں غافل انسان اُٹھاتا اور سختیاں برداشت کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی راہ میں ذرا سی مشکل کو دیکھ کر بھی گھبرا اُٹھتا اور بدظنی شروع کر دیتا ہے۔ کاش وہ ان فانی لذتوں کے مقابلہ میں ان ابدی اور مستقل خوشیوں کا اندازہ کرسکتا۔ ان مشکلات اور تکالیف پر فتح پانے کے لیے ایک کامل اور خطا نہ کرنے والا نسخہ موجود ہے جو کروڑہا راستبازوں کا تجربہ کردہ ہے۔ وہ کیا؟ وہ وہی نسخہ ہے

جس کو نماز کہتے ہیں۔

نماز کیا ہے؟ ایک قسم کی دُعا ہے جو انسان کو تمام برائیوں اور فواحش سے محفوظ رکھ کر حسنات کا مستحق اور انعامِ الٰہیہ کا مورد بنا دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ اسمِ اعظم ہے اللہ تعالیٰ نے تمام صفات کو اس کے تابع رکھا ہے۔ اب ذرا غور کرو۔ نماز کی ابتداء اذان سے شروع ہوتی ہے۔ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی اللہ کے نام سے شروع ہو کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ یعنی اللہ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ یہ فخرِ اسلامی عبادت ہی کو ہے کہ اس میں اوّل اور آخر میں اللہ تعالیٰ ہی مقصود ہے نہ کچھ اَور۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی عبادت کسی قوم اور ملت میں نہیں ہے۔ پس نماز جو دُعا ہے اور جس میں اللہ کو جو خدائے تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسمِ اعظم استقامت ہے۔

اسمِ اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہوں اللہ تعالیٰ نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں اس کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا اَلَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے نیچے آگئے اور اس کے اسمِ اعظم استقامت کے نیچے جب بہیئۃ بشریت رکھا گیا پھر اس میں اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ ملائکہ کا نزول اس پر ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف و حزن ان کو نہیں رہتا۔ مَیں نے کہا ہے کہ استقامت بڑی چیز ہے۔ استقامت سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک چیز جب اپنے عین محل اور مقام پر ہو وہ حکمت اور استقامت سے تعبیر پاتی ہے۔ مثلاً دُوربین کے اجزاء کو اگر جُدا جُدا کر کے ان کو اصل مقامات سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھ دیں۔ وہ کام نہ دے گی غرض وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ مَحَلِّهٖ کا نام استقامت ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو کہ ہیئت طبعی کا نام استقامت ہے۔ پس جب تک انسانی بناوٹ کو ٹھیک اسی حالت پر نہ رہنے دیں اور اُسے مستقیم حالت میں نہ رکھیں وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہیں کر سکتی۔ دُعا کا طریق یہی ہے کہ دونوں اسمِ اعظم جمع ہوں۔ اور یہ خدا کی طرف جاوے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے خواہ وہ اس کی ہوا و ہوس ہی کا بُت کیوں نہ ہو۔ جب یہ حالت ہو جائے تو اس وقت اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) کا مزا آجاتا ہے۔

پس مَیں چاہتا ہوں کہ آپ استقامت کے حصول کے لیے مجاہدہ کریں اور ریاضت سے اُسے پائیں کیونکہ وہ انسان کو ایسی حالت پر پہنچا دیتی ہے جہاں اُس کی دُعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اس وقت بہت سے لوگ دُنیا میں موجود ہیں جو عدمِ قبولیتِ دُعا کے شاکی ہیں، لیکن مَیں کہتا ہوں کہ افسوس تو یہ ہے کہ جب تک وہ استقامت پیدا نہ کریں دُعا کی قبولیت کی لذّت کو کیونکر پا سکیں گے۔ قبولیتِ دُعا کے نشان ہم اسی دُنیا میں

پاتے ہیں۔ استقامت کے بعد انسانی دل پر ایک برودت اور سکینت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ کسی قسم کی بظاہر ناکامی اور نامرادی پر بھی دل نہیں جلتا۔ لیکن دُعا کی حقیقت سے ناواقف رہنے کی صورت میں ذرا ذرا سی نامرادی بھی آتشِ جہنم کی ایک لپٹ ہوکر دل پر مستولی ہوجاتی ہے اور گھبرا گھبرا کر بے قرار کئے دیتی ہے۔ اسی کی طرف ہی اشارہ ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزۃ:۷،۸) بلکہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تپ بھی نارِ جہنم کا ایک نمونہ ہے۔

اُمّت میں سلسلۂ مجدّدین

اب یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پا جانا تھا۔ اس لیے ظاہری طور پر ایک نمونہ اور خدا نمائی کا آلہ دُنیا سے اُٹھنا تھا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک آسان راہ رکھ دی کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران: ۳۲) کیونکہ محبوب اللہ مستقیم ہی ہوتا ہے۔ زیغ رکھنے والا کبھی محبوب نہیں بن سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ازدیاد اور تجدید کے لیے ہر نماز میں دُرود شریف کا پڑھنا ضروری ہوگیا تاکہ اس دُعا کی قبولیت کے لیے استقامت کا ایک ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ظلّی طور پر قیامت تک رہتا ہے۔ صُوفی کہتے ہیں کہ مجددین کے کے اسماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہی ہوتے ہیں یعنی ظلّی طور پر وہی نام انکو کسی ایک رنگ میں دیا جاتا ہے۔

شیعہ لوگوں کا یہ خیال کہ ولایت کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوگیا محض غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کمالات سلسلۂ نبوت میں رکھے ہیں، مجموعی طور وہ ہادیٔ کامل پر ختم ہو چکے۔ اب ظلّی طور پر ہمیشہ کے لیے مجددین کے ذریعہ سے دُنیا پر اپنا پرتوہ ڈالتے رہینگے اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو قیامت تک رکھے گا۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ اس وقت بھی خدائے تعالیٰ نے دُنیا کو محروم نہیں چھوڑا۔ اور ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ ہاں اپنے ہاتھ سے اس نے ایک بندہ کو کھڑا کیا اور وہ وہی ہے جو تم میں بیٹھا ہوا بول رہا ہے۔ اب خدا تعالےٰ کے نزولِ رحمت کا وقت ہے۔ دُعائیں مانگو۔ استقامت چاہو اور دُرود شریف جو حصولِ استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو۔ مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن اور احسان کو مدِنظر رکھ کر اور آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لیے اور آپ کی کامیابیوں کے واسطے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیتِ دُعا کا شیریں اور لذیذ پھل تم کو ملیگا۔

قبولیّتِ دُعا کے ذرائع

قبولیتِ دُعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔ اوّل اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران: ۳۲) دوم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب: ۵۷) تیسرا۔ موہبتِ الٰہی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عام

قانون ہے کہ وہ نفوسِ انبیاء کی طرح دُنیا میں بہت سے نفوسِ قدسیہ ایسے پیدا کرتا ہے جو فطرتاً استقامت رکھتے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ فطرتاً انسان تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فطرتاً ظالم لنفسہٖ دوسرے مقتصد یعنی کچھ نیکی سے بہرہ ور اور کچھ بُرائی سے آلودہ۔ سوم بُرے کاموں سے متنفر اور سابق بالخیرات۔ پس یہ آخری سلسلہ ایسا ہوتا ہے کہ اجتباء اور اصطفاء کے مراتب پر پہنچتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا گروہ اسی پاک سلسلہ میں سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری ہے۔ دُنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں۔

بعض لوگ دُعا کی درخواست کرتے ہیں کہ میرے لیے دُعا کرو۔ مگر افسوس ہے کہ وہ دُعا کرانے کے آداب سے واقف نہیں ہوتے۔ عنایت علی نے دُعا کی ضرورت سمجھی اور خواجہ علی کو بھیج دیا کہ آپ جاکر دُعا کرائیں۔ کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ جبتک دُعا کرانے والا اپنے اندر ایک صلاحیت اور اتباع کی عادت نہ ڈالے دُعا کارگر نہیں ہوسکتی۔ مریض اگر طبیب کی اطاعت ضروری نہیں سمجھتا۔ ممکن نہیں کہ فائدہ اُٹھا سکے۔ جیسے مریض کو ضروری ہے کہ استقامت اور استقلال کے ساتھ طبیب کی رائے پر چلے تو فائدہ اُٹھائے گا۔ ایسے ہی دُعا کرانے والے کے لیے آداب اور طریق ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ سے کسی نے دُعا کی خواہش کی۔ بزرگ نے فرمایا کہ دُودھ چاول لاؤ۔ وہ شخص حیران ہوا۔ آخر وہ لایا۔ بزرگ نے دُعا کی اور اس شخص کا کام ہوگیا۔ آخر اسے بتلایا گیا کہ یہ صرف تعلق پیدا کرنے کے لیے تھا۔ ایسا ہی باوا فرید صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص کا قبالہ گم ہوا اور وہ دُعا کے لیے آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے حلوہ کھلاؤ اور وہ قبالہ حلوائی کی دوکان سے مل گیا۔

ان باتوں کے بیان کرنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ جب تک دُعا کرنے والے اور کرانے والے میں ایک تعلق نہ ہو۔ متاثر نہیں ہوتی۔ غرض جب تک اضطرار کی حالت پیدا نہ ہو اور دُعا کرنے والے کا تعلق دُعا کرانے والے کا تعلق نہ ہوجائے کچھ اثر نہیں کرتی۔ بعض اوقات یہی مصیبت آتی ہے کہ لوگ دُعا کرانے کے آداب سے واقف نہیں ہوتے اور دُعا کا کوئی بیّن فائدہ محسوس نہ کرکے خدائے تعالیٰ پر بدظن ہوجاتے ہیں اور اپنی حالت کو قابلِ رحم بنا لیتے ہیں۔

بالآخر میں کہتا ہوں کہ خود دُعا کرو یا دُعا کراؤ۔ پاکیزگی اور طہارت پیدا کرو۔ استقامت چاہو اور توبہ کے ساتھ گر جاؤ کیونکہ یہی استقامت ہے۔ اس وقت دُعا میں قبولیت، نماز میں لذّت پیدا ہوگی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[1]

---

[1] (منقول از ٹریکٹ بالعنوان "حضرت اقدس کی ایک تقریر اور مسئلہ وحدۃ الوجود پر ایک خط" مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ)

۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز سہ شنبہ

نشانات کی کثرت

بوقتِ عصر فرمایا:۔
خدا تعالیٰ کیسے تاڑ تاڑ نشان دکھلا رہا ہے۔ ہم ابھی عدالت میں پیش بھی نہ ہوئے تھے اور نہ کسی کو معلوم تھا کہ انجام کیا ہوگا لیکن مواہب الرحمٰن میں لکھا ہوا تھا کہ کرم دین کا مقدمہ خارج ہو جائے گا اور وہ ۱۵ر تاریخ سے ہی تقسیم ہو رہی تھی بلکہ بعض ہمارے دوستوں نے کرم دین کو دکھلا بھی دیا کہ تمہارے مقدمہ کی نسبت یہ کچھ لکھا ہے۔

مجلس قبل از عشاء
فرمایا:۔ کھانسی کا زور ہو گیا ہے۔

ایک رؤیاء

اس کے بعد ایک رؤیاء دریائے نیل والی سُنائی جو کہ البدر جلد ۲ میں شائع ہو چکی ہے (وہاں غلطی سے ۱۹ر تاریخ لکھی ہے اصلاح کر لی جاوے[1])

سراج الاخبار جہلم کی دروغ بیانی

اس کے بعد سراج الاخبار کی دروغ بیانی کا ذکر ہوتا رہا کہ اس نے لکھا ہے کہ جہلم میں جسقدر ہجوم لوگوں کا تھا وہ صرف میاں کرم دین کے لیے تھا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ صفحہ ۷ مؤرخہ ۲۳/۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء میں یہ رؤیاء یوں درج ہے کہ
"میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور میں اپنے آپ کو موسیٰ سمجھتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کثیر کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اس کے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے و گاڑیوں اور رتھوں کے ہے وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور اکثر ان میں سے بیدل ہو گئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے اور میں نے بلند آواز سے کہا کَلَّآ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ اتنے میں میں بیدار ہو گیا اور زبان پر یہی الفاظ جاری تھے۔"
نوٹ:۔ الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۱۵ پر بھی یہ رؤیاء ۱۹ر جنوری کی ہی بیان شدہ لکھی ہے اور البدر جلد ۲ نمبر ۱۔ ۲ صفحہ ۷ پر بھی ۱۹ر جنوری کی بیان کی گئی ہے لیکن البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے کہ یہ رؤیاء حضور نے ۲۰ر جنوری کی شام کی مجلس میں بیان فرمائی تھی۔ پہلے غلطی سے ۱۹ر جنوری کی تاریخ لکھی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

جب وہ جہلم میں نالش کرنے گیا تھا تو کس قدر گروہ تھا؟ پھر وہ چندہ وغیرہ جمع کرتا رہا تو کسقدر گروہ تھا اور جہلم میں جو کئی سَو آدمیوں نے بیعت کی وہ کس کی کی؟ وغیرہ وغیرہ۔

مسٹر پگٹ مفتی محمد صادق صاحب نے ایک انگریزی اخبار سُنایا جس میں مسٹر پگٹ کا حال تھا۔ فرمایا کہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسے کاذب مدعی پیدا ہوئے تھے جو کہ بہت جلد نابود ہوئے یہی حال اس کا ہوگا اس کے متعلق الہام ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۱ جنوری ۱۹۰۳ء

(مجلس قبل از عشاء)

حضرت اقدس نے حسب دستور نماز مغرب ادا فرما کر مجلس فرمائی۔ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلم نے ایک مضمون ایک اشتہار کا حضرت اقدس کو پڑھ کر سُنایا جو کہ اُن تمام مسلموں کی طرف سے جو کہ حضرت اقدس کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوئے ہندو و آریہ کے سربرآوردہ ممبروں کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں انہوں نے استدعا کی ہے کہ اگر اُن کے نزدیک یہ نومسلم جماعت مذہب اسلام کے قبول کرنے میں غلطی پر ہے تو وہ اُن کے پیش کردہ معیار صداقت (جو کہ حضرت اقدس کے مضامین مباہلہ و مقابلہ سے اخذ شدہ ہیں) کی رُو سے حضرت مرزا صاحب سے فیصلہ کر کے اُن کا غلطی پر ہونا ثابت کر دیویں۔

حضرت اقدس نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور کہا کہ

مذہب کی غرض یہی نہیں ہے کہ صرف آئندہ جہان میں خدا تعالیٰ سے فائدہ حاصل ہو بلکہ اس موجودہ جہان میں بھی خدا تعالیٰ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں کے صرف دعوے ہی دعوے ہیں کوئی کام توکل اور تقویٰ کا ان سے ثابت نہیں ہوتا۔ مصیبت پڑے تو ہر ایک ناجائز کام کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

مصدّق کے پیچھے نماز خانصاحب[1] عجب خانصاحب تحصیلدار نے حضرت اقدس سے استفسار کیا کہ اگر کسی مقام کے لوگ اجنبی ہوں اور ہمیں علم نہ ہو

---

[1] الحکم میں اس ڈائری پر ۲۰ جنوری ۱۹۰۳ء کی تاریخ درج ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے۔ ۲۰ کا ہندسہ بھی پورا روشن نہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ وہ احمدی جماعت میں ہیں یا نہیں تو اُن کے پیچھے نماز پڑھی جاوے کہ نہ؟ فرمایا:۔
ناواقف امام سے پُوچھ لو اگر وہ مصدق ہو تو نماز اس کے پیچھے پڑھی جاوے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک الگ جماعت بنانا چاہتا ہے اس لیے اس کے منشاء کی کیوں مخالفت کی جاوے جن لوگوں سے وہ جُدا کرنا چاہتا ہے بار بار اُن میں گھُسنا یہی تو اس کے منشاء کے مخالف ہے۔

ایک احمدی کے فرائض

پھر تحصیلدار صاحب نے پوچھا کہ اپنے مقام پر جاکر ہمارا بڑا کام کیا ہونا چاہیئے؟ فرمایا کہ
ہماری دعوت کو لوگوں کو سُنایا جاوے۔ ہماری تعلیم سے اُن کو واقف کیا جاوے۔ تقویٰ اور توحید اور سچا اسلام اُن کو سکھایا جاوے۔

رؤیاء کے ذریعہ ہدایت

اس کے بعد تین احباب نے بیعت کی۔ ان میں سے ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مَیں شریر آدمی تھا اور مجھ کو جھُوٹے دعوے کرنے اور لوگوں کے حقوق چھین لینے اور ضبط کرنے کی خوب مشق تھی اور دوسرے بھی جسقدر معاصی مثل شراب وغیرہ تھے اُن تمام میں مَیں مبتلا تھا۔ چند دن ہوئے کہ مَیں نے ایک ہندو سے اسی طرح ظُلم کیا اور اس کے حقوق ضبط کئے۔ رات کو جب میں سویا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی ہندو میرے ساتھ کلام کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یا تو خدا تعالیٰ تجھے ہدایت کرے یا تجھے اس دُنیا سے اُٹھا لیوے تاکہ ہم لوگ تیرے مظالم سے نجات پاویں۔ اس کے بعد وہ نظر سے غائب ہوگیا اور مَیں نے دیکھا کہ

بلکہ مٹا مٹا سا ہے۔ البدر میں ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ سب تاریخوں کی مسلسل الگ الگ ڈائری موجود ہے۔ الحکم میں اگر اس ڈائری کو ۲۰ کی سمجھا جائے تو ۲۱ کی کوئی ڈائری وہاں درج نہیں۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ ۲۱ جنوری کی ہی ڈائری ہے جس پر الحکم میں سہو کتابت یا سہو طباعت سے ۲۰ جنوری کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال الحکم کی اس ڈائری میں خاں عجب خانصاحب کا استفسار اور حضرت اقدسؑ کا جواب یُوں درج ہے:۔

"جناب خاں عجب خانصاحب آف زیدہ کے استفسار پر کہ بعض اوقات ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اس سلسلہ سے اجنبی اور ناواقف ہوتے ہیں اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں یا نہیں؟ فرمایا:۔ "اوّل تو کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں لوگ واقف نہ ہوں اور جہاں ایسی صورت ہو کہ لوگ ہم سے اجنبی اور ناواقف ہوں تو اُنکے سامنے اپنے سلسلہ کو پیش کرکے دیکھ لیا اگر تصدیق کریں تو اُن کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو ورنہ ہرگز نہیں اکیلے پڑھ لو خدا تعالیٰ اس وقت چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے پھر جان بُوجھ کر ان لوگوں میں گھُسنا جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے منشاء الٰہی کی مخالفت ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۱۳ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۳ء)

آسمان سے ایک شعلہ نُور کا گرا اور جس مکان میں مَیں تھا اس دروازے کی طرف آیا۔ مَیں اُٹھ کر اُسے دیکھنے لگا تو دیکھا کہ حضور (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کی شکل کا ایک آدمی ہے۔ مَیں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ کیا تُو نام نہیں جانتا؟ اس کے بعد کہا کہ اب بس کر بہت ہوئی ہے۔ پھر مَیں نے نام پُوچھا تو بتلایا کہ

"میرزا غلام احمد قادیانی"

اس کے بعد میری آنکھ کُھل گئی اور مَیں اپنے افعال و کردار پر نادم ہوں اور اب اسی خواب کے ذریعہ آپ کے پاس آیا ہوں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تم کو خدا تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ اپنی حالت بدل دو اور سمجھو کہ ایک دن موت آنی ہے۔ خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ گناہگار کو بلا سزا دئے نہیں چھوڑتا۔ توبہ کرنے سے گُناہ بخشے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بہت ہی رحم کرنے والا ہے مگر سزا بھی بہت دینے والا ہے۔ تمہاری فطرت میں کوئی نیکی ہوگی ورنہ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ اس طرح سے خبر دیوے اس لیے اپنی زندگی کو بدلو اور عادتوں کو ٹھیک کرو۔

پھر اس تائب نے عرض کی کہ میرا ایک مقدمہ چودہ صد روپے کا داخل دفتر ہو گیا ہے مگر اس میں میرا حق بہت تھوڑا ہے اب اُسے برآمد کراؤں کہ نہ؟

فرمایا:۔ مدعا علیہ سے مل کر صُلح کر لو۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ - ۳۵ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

فاسد خیالات کا علاج

(بوقتِ ظہر)

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ پیش کیا جس میں یہ تحریر تھا کہ وہ ہر طرف افلاس سے گھرا ہوا ہے اور ایسے ایسے خیالات اس کے دماغ میں آتے ہیں کہ اُسے موت بہتر معلوم ہوتی ہے اور حضرت اقدسؑ سے اس کا علاج چاہا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ

ایسے خیالات کا علاج یہی ہوا کرتا ہے کہ آہستہ آہستہ خوفِ خدا پیدا ہوتا جائے اور کچھ آرام کی صورت

بنتی جاوے[1]۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے رفتہ رفتہ ہی دُور ہوں گے۔ جو گندے خیالات بے اختیار دل میں پیدا ہوتے ہیں اُن سے انسان خدا تعالیٰ کی درگاہ میں مؤاخذہ کے قابل نہیں ہوا کرتا بلکہ ایسے شیطانی خیالوں کی پیروی سے پکڑا جاتا ہے[2]۔ وہ خیالات جو اندر ہوتے ہیں وہ انسانی طاقت سے باہر اور مرفوع القلم ہیں۔ بے صبری نہ چاہیئے۔ جلدی سے یہ بات طے نہیں ہوا کرتی۔ وقت آئیگا تو دُور ہونگی۔ توبہ و استغفار میں لگے رہیں اور اعمال میں اصلاح کریں۔ ایسے خیالات کا تخم زندگی کے کسی گذشتہ حصہ میں بویا جاتا ہے تو پیدا ہوتے ہیں اور جب دُور ہونے لگتے ہیں تو یکدفعہ ہی دُور ہو جاتے ہیں خبر بھی نہیں ہوتی جیسے ہیضہ کی بیماری کہ جب جانے لگے تو ایک دم ہی چلی جاتی ہے اور پتہ نہیں لگتا۔ گھبرانے سے اَور آفت پیدا ہوتی ہے۔ آرام سے خدا سے مدد مانگے۔ خدا کی بارگاہ کے سب کام آرام ہی سے ہوتے ہیں۔ جلدی وہاں منظور نہیں ہوتی اور نہ کوئی ایسی مرض ہے کہ جس کا علاج نہ ہو۔ ہاں صبر سے لگا رہے اور خدا کی آزمائش نہ کرے۔ جب خدا کی آزمائش کرتا ہے تو خود آزمائش میں پڑتا ہے اور نوبت ہلاکت تک آجاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا بے نظیر نمونہ

جہلم کے مقدمہ کی نسبت فرمایا:۔

خدا کی طرف سے جو معلوم ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ اسباب کیا شئے ہے کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری راہ میں جاوگے تو مُرَاغَمًا كَثِيرًا پاؤگے۔ صحتِ نیت سے جو قدم اُٹھاتا ہے خدا اُس کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ انسان اگر بیمار ہو تو اس کی بیماری دُور ہو جاتی ہے۔ صحابہؓ کی نظیر دیکھ لو دراصل صحابہ کرامؓ کے نمونے ایسے ہیں کہ کُل انبیاء کی نظیر ہیں۔ خدا کو تو عمل ہی پسند ہیں۔ انہوں نے بکریوں کی طرح اپنی جانیں دیں اور اُن کی مثال ایسی ہے جیسے نبوت کی ایک ہیکل آدم علیہ السلام سے چلی آتی تھی اور سمجھ نہ آتی تھی مگر صحابہ کرامؓ نے چمکا کر دکھلا دی اور بتلا دیا کہ صدق اور وفا اسے کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا تو حال ہی نہ پوچھو۔ موسیٰؑ کو کسی نے فروخت نہ کیا۔ مگر عیسیٰؑ کو اُن کے حواریوں نے تیس روپے لیکر فروخت کر دیا۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کو عیسیٰؑ علیہ السلام کی صداقت پر شک تھا۔ جبھی تو مائدہ مانگا اور کہا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا تاکہ تیرا سچا اور جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ مائدہ سے پیشتر اُن کی حالت نَعْلَمُ کی نہ تھی۔ پھر جیسی بے آرامی کی

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "فرمایا:۔ ایسے خیالات کا علاج خدا کا خوف ہے جب یہ پیدا ہو جاوے تو پھر آہستہ آہستہ کوئی صورتِ اطمینان نکل آتی ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں یہ فقرہ یوں ہے:۔

"گندے خیالات جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اُن سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جاتا۔ البتہ جب اُن پر عزم کر لیا جاوے تو وہ قابلِ مؤاخذہ ہو جاتے ہیں۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

زندگی انہوں نے بسر کی اس کی نظیر کہیں نہیں پائی جاتی۔ صحابہ کرامؓ کا گروہ عجیب گروہ قابلِ قدر اور قابلِ پیروی گروہ تھا۔ اُن کے دل یقین سے بھر گئے ہوئے تھے۔ جب یقین ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ اوّل مال وغیرہ دینے کو جی چاہتا ہے پھر جب بڑھ جاتا ہے تو صاحبِ یقین خدا کی خاطر جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔

نماز مغرب کے بعد مقدمہ بازی کے اوپر ذکر چلا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

اب اس وقت دُنیا کا یہ حال ہے کہ لوگوں نے خدا کا کوئی خانہ خالی نہیں رکھا۔ گذشتہ کارروائی کا یہ لوگ خیال نہیں کرتے اور نہ تجربہ کرتے ہیں کہ کیا کسی کو خیال تھا کہ مقدمہ جہلم کا یہ نتیجہ ہوگا۔ پھر جس خدا نے قبل از وقت بتلایا اور ہم نے دو صد سے زائد کتب چھاپ کر فیصلہ سے پیشتر شائع کر دیں جس میں ذکر تھا کہ اس مقدمہ میں ہماری فتح ہے وہی خدا اب بھی ہمارے ساتھ ہے۔ ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ۔ زیر آں گنجِ کرم بنہادہ است

خُدا کی معرفت ضروری ہے

ایک اخبار کی نسبت ذکر ہوا کہ مقدمہ کا نتیجہ قبل از وقت شائع کرنا دُور اندیشی پر دلالت نہیں کرتا۔ فرمایا:۔

جب یہ لوگ خدا کے قائل نہیں تو الہام کے کب قائل ہوں گے؟ ان لوگوں کو بے عقل بھی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ ان میں نُورِ ایمان نہیں ہے۔ کیا وہ کسی ایسے مفتری اور کذاب کی نظیر پیش کر سکتے ہیں کہ اس کی مخالفت پر زمانوں تک زور لگایا گیا ہو اور ہمیشہ قبل از وقت اپنے افتراء شائع کرتا رہا ہو پھر وہ اپنے وقت پر پورے ہوتے رہے ہوں، تبلاویں تو سہی جس شد و مد سے ہم نے خبریں قبل از وقت پیش کی ہیں کسی اَور نے بھی کیں ہیں؟ ان لوگوں کے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں جب تک خدا پر یقین نہ ہو۔ خدا کی معرفت ضروری ہے۔ کوئی آسمانی امر اُن کے نزدیک عظمت کے قابل نہیں ہے۔ تعجب آتا ہے کہ ایک طرف طاعون کا یہ حال ہے اور ایک طرف دلوں کی یہ سختی۔ کوئی اَور برتن ہو تو انسان اس میں ہاتھ ڈال کر صاف بھی کر لے مگر ان کے دلوں کے برتن جن کے اندر زنگار بھرا ہوا ہے کیسے صاف ہوں عجیب معاملہ ہے جس قدر ہمیں اُن پر حسرت ہوتی ہے اسی قدر اُن کی نفرت اور بغض اور جوش بڑھتا ہے جیسے کوئی آدمی جس کا معدہ بلغم یا صفرا سے بھرا ہوا ہو تو اسے کھانا کھانے سے تنفر ہوتا ہے کہ وہ کھانے کا نام سُننا بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس کا جی بیزار ہوتا ہے۔ یہی حال ان کا ہے۔ سچی بات کا نام تک نہیں سُن سکتے۔ کس کس کا نام لیں اور کس کس کی شکایت کریں سب ایک ہی ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے جب سے یہ الہام ہوا ہے۔ "دُنیا میں ایک نذیر آیا مگر دُنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے

قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا" اب اس کا مفہوم کہ زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا قابلِ غور ہے بیوقوف جانتے نہیں کہ یہ کاروبار مصنوعی کیسے چل سکتا ہے ہمارے دیکھتے ہوئے ہزاروں چل بسے۔ لیکن ان لوگوں کے نزدیک اب سب کچھ جائز ہوگیا ہے۔ کُل خوبیاں جو کہ صادقوں کے تجویز کرتے تھے۔ اب سب کاذبوں کو دیدی ہیں اور ایسے تہیدست ہوئے ہیں کہ کوئی خوبی صادق کی بیان کر ہی نہیں سکتے۔

ایک مبشر رؤیاء بعض متفرق رؤیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتلاء کے دن ہیں۔ رات کو مَیں نے دیکھا کہ ایک بڑا زلزلہ آیا مگر اُس سے کسی عمارت وغیرہ کا نقصان نہیں ہوا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۵-۳۶ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۳ جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

ہمیں کسی وکیل کی ضرورت نہیں

(بوقت عصر)

ایک عرب کی طرف سے ایک خط حضرت کی خدمت میں آیا جس میں لکھا تھا کہ اگر آپ ایک ہزار روپیہ مجھے بھیجکر اپنا وکیل یہاں مقرر کردیویں تو مَیں آپ کے مشن کی اشاعت کرونگا۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔ ان کو لکھ دو ہمیں کسی وکیل کی ضرورت نہیں ایک ہی ہمارا وکیل ہے جو عرصہ بائیس سال سے اشاعت کر رہا ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی اَور کی کیا ضرورت ہے اور اُس نے کہہ بھی رکھا ہے۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔

---

[1] **ایک مبشر رویاء** (از الحکم) "فرمایا۔ مَیں نے دیکھا کہ زارِ رُوس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ وہ بڑا لمبا اور خوبصورت ہے۔ پھر مَیں نے غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے بلکہ اس میں پوشیدہ نالیاں بھی ہیں گویا بظاہر سونٹا معلوم ہوتا ہے اور وہ بندوق بھی ہے۔

اور پھر دیکھا خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا اسکی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا بھی پاس ہی کھڑا ہے اور اس تیر کمان سے مَیں نے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۱۵ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء)

(مجلس قبل از عشاء)

مغرب کے بعد مجلس ہوئی تو حضرت اقدس نے عجب خانصاحب تحصیلدار سے استفسار فرمایا کہ آپ کی رخصت کس قدر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ چار ماہ۔ فرمایا:۔

آپ کو تو پھر بہت دیر یہاں رہنا چاہیئے تاکہ پوری واقفیت ہو۔

عجب حیرت ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ یہاں تازہ بتازہ سامان تقویٰ کے جماعت کے واسطے تیار کر رہا ہے۔ اُس طرف (یعنی منکرین کی طرف) اس کا کوئی نشان بھی نہیں ہے یہ لوگ الہام اور تقویٰ سے دُور ہوتے جاتے ہیں اگر اب ان سے پوچھا جاوے کہ اہلِ حق کی کیا علامت ہے؟ تو ہرگز نہیں بتلا سکتے اور نہ اس بات پر قادر ہو سکتے ہیں کہ صادق اور کاذب کے درمیان کوئی مابہ الامتیاز کریں۔ ہماری مخالفت میں یہ حالت ہے کہ جو کچھ صادق کے لیے خدا نے مقرر کیا تھا۔ اب اُن کے نزدیک گویا کاذب کو دیدیا گیا ہے جس قدر نکتہ چینیاں بیان کرتے ہیں وہ تمام پیغمبروں پر صادق آتی ہیں۔ کمتر تقویٰ اُن کے لیے یہ تھا کہ خاموش رہتے۔ اگر ہم کاذب ہوتے تو رفتہ رفتہ خود تباہ ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[1] یہاں علم سے مراد یقین ہے۔ اب ان کی وہی مثال ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا۔ (الاعراف: ۱۸۰)

○ مقدمہ جہلم پر بعض خلاف واقعہ باتیں اخبارات نے لکھی تھیں ان پر فرمایا کہ اس شور و غوغا کا جواب بجز خاموشی کے اَور کیا ہے۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اس کے بعد ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میرے باپ اور قوم کیواسطے دُعا کی جاوے۔ حضرت اقدس نے اُسی وقت دست مبارک اُٹھا کر دُعا کی اور کل حاضرین مجلس بھی شریک ہوئے۔

○ حضرت کی خدمت میں ایک شخص کی شکایت ہوئی کہ دعویٰ تو بیعت کا کرتا ہے مگر اس کی زبان سے بعض ایسے کلمات نکلتے ہیں جس سے کوئی خصوصیت حضور کے دعاوی کی تصدیق کی معلوم نہیں ہوتی۔ فرمایا:۔

ایسے مشکوک الحال آدمی کا رکھنا اچھا نہیں۔

---

[1] الحکم میں اس آیت کی تشریح بزبان فارسی یہ لکھی ہے:۔

مُراد از علم یقین است۔ ظنون را علم نمے گویند۔ ایناں اتباعِ ظن میکنند۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ (یونس: ۳۷) (الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

○ مگر جب اس نے معذرت کی اور کہا کہ یہ امر غلطی سے ایسا سمجھا گیا ہے تو فرمایا :-
ایسی باتوں سے انسان بیعت سے خارج ہو جاتا ہے ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے اور اُسے معاف کر دیا۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء بروز شنبہ

(مجلس قبل از عشاء)

○ فرمایا۔ اب بارش ہونے کی وجہ سے گرد و غبار کم ہو گیا ہے ایک دو دن ذرا باہر ہو آویں۔ (یعنی سیر کو جایا کریں)

○ کرم دین کے مقدمہ کے حالات پر فرمایا :-
زمینی سلطنت تو صرف آسمانی سلطنت کے اظلال و آثار ہیں بغیر آسمان کے یہ سلطنت کیا کر سکتی ہے۔ انسان بھی کیا عجیب شئے ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق و وفا میں ترقی کرے تو نورٌ علیٰ نور۔ ورنہ اگر ظلمت میں گرے تو اس درجہ تک گرتا ہے کہ کوئی حصہ تقویٰ کا اس کے قول و فعل و اخلاق میں باقی نہیں رہتا سب ظلمت ہی ظلمت ہو جاتا ہے۔

فرمایا :-

○ آج ایک کشف میں دکھایا گیا تَفْصِيْلُ مَا صَنَعَ اللّٰهُ فِيْ هٰذَا الْبَاْسِ بَعْدَ مَا اَشَعْتُهٗ فِي النَّاسِ۔ اس کے بعد الہامی صورت ہو گئی اور زبان پر یہی جاری تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ کے متعلق جو قبل از وقت پیشگوئی کے رنگ میں بتایا گیا تھا اب اس کی تفصیل ہو گی۔

○ فرمایا کہ۔
جہلم سے واپسی پر یہ الہام ہوا تھا۔ اَفَاَنِيْنُ اٰيَاتٍ

ثناء اللہ کے ذکر پر فرمایا کہ
اگر اس کی نیت نیک ہوتی تو ہمارا پیش کردہ طریق ضرور قبول کرتا۔ ہماری نیک نیتی تھی کہ ہم نے اس کے لیے ایسی راہ تجویز کی کہ امن قائم رہے، حق ظاہر ہو جاوے۔ لوگوں میں اشتعال اور فساد نہ ہو۔ عوام الناس کو فائدہ بھی پہنچ جاوے۔ اگر اُس کے دل میں تقویٰ ہوتا تو ضرور مان لیتا۔ اور ہم نے عام اجازت دی تھی کہ ہر گھنٹے کے بعد

پھر اپنے شکوک وشبہات پیش کردیوے خواہ اس طرح ایک ماہ تک کرتا رہتا۔ اگر اس طرح نیک نیتی سے کوئی اپنی تشفی چاہے تو ہم اُسے چھ ماہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ اس کا سب بوجھ برداشت کرسکتے ہیں مگر ان لوگوں کی نیت درست نہیں ہوتی اس لیے راضی نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں مطلق نہیں۔ دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں۔

مردم شماری میں خلاف واقعہ رپورٹ

مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ سول ملٹری گزٹ میں چونکہ حسب دستور مردم شماری پر ریمارک لکھا جارہا ہے انہوں نے اس غلطی کو شائع کردیا ہے کہ احمدیہ فرقہ کا بانی مرزا غلام احمد ہے اس نے اوّل ابتدا چوڑھوں سے کی۔ پھر ترقی کرتے کرتے اعلیٰ طبقہ کے آدمی اس کے پیرو ہوگئے حضرت اقدس نے فرمایا:۔

اس کی بہت جلد تردید ہونی چاہیئے یہ تو ہماری عزت پر سخت حملہ کیا گیا ہے چنانچہ اسی وقت حکم صادر ہوا کہ:

ایک خط جلد تر انگریزی زبان میں چھاپ کر گورنمنٹ اور مردم شماری کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس بھیجا جاوے تاکہ اس غلطی کا ازالہ ہو اور لکھا جاوے کہ گورنمنٹ کو معلوم ہوگا کہ چوڑھے ایک جرائم پیشہ قوم ہے اُن سے ہمارا کبھی بھی تعلق نہیں ہوا۔ ایک شخص نامی مرزا امام دین قادیان میں ہے جس سے ہماری تیس برس سے عداوت چلی آتی ہے اور کوئی میل ملاپ اس کا اور ہمارا نہیں ہے۔ اس کا تعلق چوڑھوں سے رہا اور اب بھی ہے۔ اس کی عادات اور چال چلن کو ہم پر تھاپ دینا سخت درجہ کی دلآزاری ہماری اور ہماری جماعت کی ہے اور یہ عزت پر سخت حملہ ہے اور بڑی مکروہ کارروائی ہے جو کہ سرزد ہوئی ہے اور چوڑھے تو درکنار ہیں تو ایسے لوگوں سے بھی تعلق نہیں ہے جو کہ ادنیٰ درجہ کے بےسمان اور رذیل صفات رکھتے ہیں۔ ہماری جماعت میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کے لوگ ہیں اور وہ سب حسنہ صفات سے متصف ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہم ساتھ رکھتے ہیں۔ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ صاحب ضلع گورداسپور[1] سے اس امر کی تحقیقات کرے اور عدل سے کام لیکر اس آلودگی کو ہم سے دُور کرے۔ ہم خود امام دین کو اسی لیے نفرت سے دیکھتے ہیں کہ اس کا ایسی قوم سے تعلق ہے۔ پنجاب میں یہ مسلّم امر ہے کہ جس شخص کے زیادہ تر تعلقات چوڑھوں سے ہوں اس کا چال چلن اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اس گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اس غلطی کا ازالہ کرے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۶-۳۷ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

[1] مُراد ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع گورداسپور (مُرتب)

۲۵ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز یک شنبہ

(مجلس قبل از عشاء)

آپ نے یہ تجویز کی کہ

بیعت کا رجسٹر بالکل اطمینان کی صورت میں نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے اب آئندہ اس کے فارم چھپوا کر ایسی طرح سے رکھا جاوے کہ جب چاہیں فوراً تعداد مل جاوے اور اپنی جماعت کی تعداد معلوم کرنے کے واسطے مردم شماری کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اگر سب بیعت کنندگان کے نام محفوظ ہوں تو اُن کو ضروری ضروری باتیں پہنچائی جا سکتی ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۰۳ء)

۲۶ر جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

(بوقت ظہر)

جب نماز کے لیے حضور تشریف لائے تو مولوی محمد احسن صاحب امروہی کو فرمایا کہ

مَیں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ میرے سامنے جائفل اور ایک گانٹھ نہیں معلوم سپاری کی یا سونٹھ کی پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ کھانسی کا علاج ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد مجھے دو گھنٹے تک کھانسی سے بالکل آرام رہا حالانکہ اس سے پیشتر مجھے کھانسی دم نہ لینے دیتی تھی۔

مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ رات کو مَیں نے خواب دیکھا۔ کہ سلطان احمد (حضور کے لڑکے) آئے ہوئے ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میرے گھر میں ایک ایسی ہی خواب آئی تھی اس کی وہی تعبیر بتلائی جو آپ نے سمجھی یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ سُلطان سے مراد براہین اور نشان ہوا کرتا ہے۔

(بوقت عصر)

حضرت اقدس نے تھوڑی دیر مجلس کی اور ثناء اللہ کے قادیان میں آنے کے متعلق ذکر ہوتا رہا۔

آپ نے فرمایا کہ

ہم نے تو اُسے بہت وسعت دی تھی۔ جس قدر چاہتا ہر ہر گھنٹہ کے بعد تین چار سطریں لکھ کر پیش کیا کرتا اور اگر اُسے بیان کرنے کی نوبت دی جاتی تو بھی اس کی شامت تھی کہ اُسے بہرحال جھوٹ سے کام لینا پڑتا۔

اخبار والوں اور عوام الناس کی شرارتوں اور خلاف واقعہ بیانات کی نسبت فرمایا کہ:۔

اب ہماری جماعت کو چُپ ہی رہنا چاہیئے۔ جواب کچھ نہ دیں۔ خدا تعالیٰ ہی ان لوگوں سے سمجھے گا۔ تعجب ہے کہ ثناء اللہ نے بالکل لیکھرام والی چال اختیار کی ہے جس کی غرض مباحثہ سے اظہارِ حق نہ ہو اس سے مباحثہ کرنا لاحاصل ہے۔ یہ کاروبار اب زمین پر نہیں رہا بلکہ آسمان پر ہے۔

(مجلس قبل از عشاء)

حضرت اقدس مولوی عبداللطیف خانصاحب سے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کرتے رہے اور پھر اپنے چند ایک رؤیاء بتلائے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ عدالت کی جو کارروائی جیسے زمین پر جاری ہے ویسا ہی طریق خدا تعالیٰ نے بھی اختیار کیا ہوا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک خواب تو وہ بیان کی جس میں سُرخی کے چھینٹے آپ کے لباس مبارک پر پڑے تھے[1]

حالانکہ وہ واقعہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا اور ایک خواب آپ نے یہ بیان کیا کہ:

مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں ہوں۔ مَیں منتظر ہوں کہ میرا مقدمہ بھی ہے۔ اتنے میں جواب مِلا۔

اِصْبِرْ سَنَفْرُغُ یَا مِرْزَا۔

پھر مَیں ایک دفعہ کیا دیکھتا ہوں کہ مَیں کچہری میں گیا ہوں۔ دیکھا تو اللہ تعالیٰ ایک حاکم کی صورت پر کُرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور ایک طرف ایک سررشتہ دار ہے کہ ہاتھ میں ایک مِسل لیے ہوئے پیش کر رہا ہے۔ حاکم نے مِسل اُٹھا کر کہا کہ مرزا حاضر ہے تو مَیں نے باریک نظر سے دیکھا کہ ایک کُرسی اُس کے ایک طرف خالی پڑی ہوئی معلوم ہوئی۔ اُس نے مجھے کہا کہ اس پر بیٹھو اور مِسل اس کے ہاتھ میں لی ہوئی ہے۔ اتنے میں مَیں بیدار ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ

جس طرح میرے کُرتے والی خواب ہے جس پر سُرخ روشنائی کے چھینٹے پڑے تھے ویسے ہی ایک خواب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ جنّت کے باغوں میں سے ایک سیب آپ نے لیا ہے۔ پھر اسی وقت بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ سیب ہاتھ میں ہی ہے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء

ایمان کی حالت

فرمایا کہ
کوئی خدا پر ایمان نہیں رکھتا جب تک کہ وہ خود نشان نہ دیکھے یا اس کی صحبت میں نہ رہے جو کہ ان نشانوں کو دیکھنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ان سب مخالفوں کو ایک دم میں ہی ہلاک کر دے مگر پھر ہم اور ہمارا سلسلہ بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ یہ مخالفین کا شور و غوغا دراصل عمر کو بڑھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بیشک سب کچھ کر سکتا اُن کو ذلیل و خوار بھی کر سکتا لیکن وہ مالک ہے خواہ ایک دم کر دے خواہ رفتہ رفتہ کرے۔ خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرت ہے کہ جب ایک شخص کو اپنی طرف سے بھیجتا ہے تو خود بخود دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک شقی اور ایک سعید۔ مگر یہ زمانہ گاہے گاہے وہ زمانہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا چہرہ دکھانا چاہتا ہے۔ دُوسرا زمانہ شکوک و شبہات کا زمانہ ہوتا ہے [1]

ختمِ نبوت

فرمایا۔ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (سورۃ الجمعۃ: ۴) کے قائمقام توریت کی ایک آیت تھی جس سے مسیح اسرائیلی کا گروہ مراد تھا اور یہاں اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ سے ہمارا گروہ۔

انجیل کے ذکر پر فرمایا کہ

عیسائی لوگ جو حضرت عیسیٰ کو خاتم نبوت کہتے ہیں اور الہام کا دروازہ بند کرتے ہیں حالانکہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح کے بعد ایک یُوحنا گذرا ہے جس نے نبوت کی اور اس کے مکاشفات کی ایک الگ کتاب انجیلوں میں ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں۔ ختمِ نبوت پر محی الدین ابن عربی کا یہی مذہب ہے کہ تشریعی نبوت ختم ہو چکی ورنہ اُنکے نزدیک مکالمہ الٰہی اور نبوت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں علماء کو بہت غلطی لگی ہے۔ خود قرآن میں النّبیّین جس پر ال پڑا ہے موجود ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جو نبوت نئی شریعت لانے والی تھی وہ اب ختم ہو گئی ہے اگر کوئی نئی شریعت کا دعویٰ کرے تو کافر ہے اور اگر سرے سے مکالمہ الٰہی سے اِنکار کیا جاوے تو پھر اسلام تو ایک مُردہ مذہب ہو گا اور اس میں اور دوسرے مذاہب میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ کیونکہ مکالمہ کے بعد اور کوئی ایسی بات نہیں رہتی کہ وہ ہو تو اُسے نبی کہا جائے۔ نبوت کی علامت مکالمہ ہے لیکن اب اہلِ اسلام نے جو یہ اپنا مذہب قرار دیا

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یُوں ہے:۔

"فرمایا۔ عجیب قدرتِ الٰہی ہے کہ جب ایک شخص کو مامور کر کے بھیجتا ہے تو خود بخود سعید اور شقی دو گروہ بن جاتے ہیں۔ یہ وقت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا چہرہ دکھاتا ہے ورنہ اس سے پہلے جو زمانہ ہوتا ہے وہ شکوک و شبہات کا ہوتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

ہے کہ اب مکالمہ کا دروازہ بند ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ خدا کا بڑا قہر اسی اُمت پر ہے[1] اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (سورۃ الفاتحۃ:۶،۷) کی دُعا ایک بڑا دھوکا ہوگی اور اُس کی تعلیم کا کیا فائدہ ہوا گویا یہ عبث تعلیم خدا نے دی۔

نبوت کے واسطے کثرت مکالمہ شرط ہے

ہاں نبوت کے واسطے کثرت مکالمہ شرط ہے یہ نہیں کہ ایک دو فقرے گاہ گاہ الہام ہوئے بلکہ نبوت کے مکالمہ میں ضروری ہے کہ اس کی کیفیت صاف ہو اور کثرت سے ہو۔

نماز عشاء پڑھ کر حضرت نے کھڑے ہو کر مکالمہ نبوت پر تقریر کی اور مثال دیکر فرمایا کہ:۔

جب تک کہ یہ فرق نہ ہو تب تک کیسے پتہ لگ سکتا ہے۔ اب دیکھو جس کے پاس ایک دو روپے ہوں اور اُدھر بادشاہ ہے کہ اس کے پاس خزانے بھرے ہوئے ہیں تو ان دونوں میں فرق ہوگا کہ نہیں؟ اگرچہ زردار وہ بھی ہے اور بادشاہ بھی ہے مگر جس کے پاس ایک دو روپے ہوں اُسے بادشاہ کوئی نہ کہیگا۔ اسی طرح فرق تو کثرت کا ہے اور کیفیت اور کمیت کا بھی۔ نبوت کا مکالمہ اس قدر اعلیٰ اور اصفیٰ ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت اُسے برداشت نہیں کر سکتی مگر وہ جو اصطفاء کے درجہ تک ہو۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۃ الجنّ:۲۷،۲۸) اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی اس طرح سے بار بار ظاہر کرتا ہے کہ اوّل ایک امر کو خواب میں دکھاتا ہے پھر اُسے کشف میں۔ پھر اس کے متعلق وحی ہوتی ہے اور پھر وحی کی تکرار ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ وہ امر غیب اس کے لیے مشہودہ اور محسوسہ امور میں داخل ہو جاتا ہے اور جس قدر تکرار ایک ملہم کے نفس میں ہوتا ہے اسی قدر تکرار اس کے مکالمہ میں ہوا کرتا ہے اور اصفیٰ اور اجلیٰ مکالمہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں اس لیے تقویٰ اور طہارت کی بہت ضرورت ہے۔ اسی لیے خدا تعالےٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (سورۃ فاطر: ۳۳) ہم نے کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے اُن کو بنایا جن کو ہم نے چُن لیا۔ یعنی ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جیسے ایک مکان کی کُل کھڑکیاں کھلی ہیں کہ کوئی گوشہ تاریکی کا اُس میں نہیں اور روشنی خوب صاف اور کھلی آ رہی ہے۔ اسی طرح اُنکے مکالمہ کا حال ہوتا ہے کہ اجلیٰ اور بہت کثرت سے ہوتا ہے۔ جیسے ایک تیل ادنیٰ قسم کا ہوتا ہے کہ دُھواں اور بدبو بہت

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے:۔

"مکالمہ الٰہی کا اگر انکار ہو تو پھر اسلام ایک مُردہ مذہب ہوگا۔ اگر یہ دروازہ بھی بند ہے تو اس اُمت پر قہر ہوا۔ خیر الامم نہ ہوئی اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دُعا بیہودہ ٹھہری تعجب ہے کہ یہود تو یہ اُمت بن جاوے اور مسیح دوسروں سے آوے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء)

دیتا ہے دوسرا اُس سے اچھا۔ یہی فرق مکالمہ کی کیفیت اور کثرت اور صفائی میں ہوتا ہے۔ کیا ایک لوٹے کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے اندر تھوڑا سا پانی رکھ کر کہے کہ مَیں بھی سمندر ہوں کیونکہ اس میں بھی پانی ہی ہوتا ہے حالانکہ کس قدر فرق ہے سمندر میں جو پانی کی کثرت ہوتی ہے اُسکو لوٹے سے کیا نسبت ؟ پھر اس میں موتی سیپ اور ہزارہا قسم کے جانور ہوتے ہیں۔

اگر اس پر اعتراض ہو کہ اَور لوگوں کو کیوں خوابیں آتی ہیں جو کہ سچی بھی نکلتی ہیں حتّٰی کہ ہندوؤں میں بھی اور فاسق سے فاسق گروہ کنجروں میں بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات اُن کی خوابیں سچی نکلی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت کے سلسلہ کی تائید ہو۔ کیونکہ اگر ایسے حواس دُنیا میں نہ ہوتے تو پھر امرِ نبوت مشتبہ ہو جاتا۔ ایک نابینا آفتاب کو کیسے شناخت کر سکتا ہے ؟ وہی شناخت کریگا جسے کچھ بینائی ہو چونکہ خدا کو منظور تھا کہ اتمامِ حجت ہو اس لیے یہ خواب کا سلسلہ سب جگہ رکھ دیا ہے تاکہ قبولیت کا مادہ ہر ایک جگہ موجود رہے اور اُن کو انکار نہ کرنے دیوے لیکن جو مادہ نبی کا ہوتا ہے اس کی شان اَور ہوتی ہے اور اُسے موہبت اور بہت سی مَوتوں کے بعد تیار کیا جاتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۲ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۷ جنوری ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

حضرت اقدس نے مخالفین کی نسبت فرمایا کہ

مَیں نے اب ان سے اعراض کر لیا ہے کیونکہ جواب تو اس کے لیے ہوتا ہے جس میں کوئی ذرہ تقویٰ کا ہو مگر جس حال میں کہ ان کے پاس اب سب وشتم ہی ہے تو اب حوالہ بخدا کیا۔ اچھا طریق امن کا ہم نے پیش کیا ہے کہ شرافت سے آکر اپنے شُبہات دُور کراویں۔ ہمارے مہمان خانہ میں خواہ چھ ماہ رہیں ہم دعوت دیویں گے مگر جو شخص اوّل سے عزم بالجزم کر کے آتا ہے کہ شرارت سے باز نہ آویگا اُسے ہم کیا کریں۔ میرا ہمیشہ ہی خیال ہوتا ہے کہ کوئی گروہ نیک نیتی سے آوے اور مستفید ہو۔ ازالہ شبہات کی نیت ہو۔ ہار جیت کا خیال نہ ہو۔ نیک نیتی تو عجیب شئی ہے کہ اسکی فوراً بُو آجاتی ہے اور جب جواب کافی ملے تو نیک نیت تو اسی وقت اُسکی خوشبو پاکر بحث سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ اور ہم خاص پیشگوئیوں پر بھی حصر نہیں رکھتے۔ کوئی پہلو اس سلسلہ کا لے لیوے۔ ہم ازالۂ شبہات کر دیویں گے۔ اگر گذشتہ پیشگوئیوں کے پہلو کو نہ لیویں تو خدا تعالیٰ قادر ہے کہ آئندہ اَور نشانات دکھلا دیوے۔

فرمایا کہ :-

کل جو خواب مولوی محمد احسن صاحب کے دوا بتلانے کی نسبت بیان کیا تھا۔ میں نے اُسی کے مطابق رات کو جائفل اور سونٹھ منہ میں رکھا۔ اب کھانسی کا اس سے بہت فائدہ معلوم ہوتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء

مورخہ ۲۷، ۲۸ جنوری کے درمیان جو رات تھی۔ اس میں رات کو ایک بجے حضرت اقدس علیہ السلام مولانا محمد احسن صاحب امروہی کی کوٹھڑی میں تشریف لائے۔ دروازہ بند تھا۔ آپ نے کھٹکھٹایا۔ مولوی صاحب نے لاعلمی سے پوچھا کہ کون ہے؟ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ "میں ہوں غلام احمد[1]" آپ کے دست مبارک میں لالٹین تھی آپ نے اندر داخل ہو کر فرمایا کہ اس وقت مجھے اوّل ایک کشفی صورت میں خواب کی حالت میں دکھلایا گیا ہے کہ میرے گھر میں (یعنی اُمّ المومنین) کہتے ہیں کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو میری تجہیز و تکفین آپ خود اپنے ہاتھ سے کرنا۔ اس کے بعد مجھے ایک بڑا منذر الہام ہوا ہے۔ غَاسِقُ اللّٰہِ۔ مجھے اس کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں کہ جو بچہ میرے ہاں پیدا ہونیوالا ہے وہ زندہ نہ رہے گا۔ اس لیے آپ بھی دُعا میں مشغول ہوں اور باقی احباب کو بھی اطلاع دے دیویں کہ دُعاؤں میں مشغول ہوں۔

البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۲۳ - ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء۔

الہام غاسق اللہ کی شرح

غَاسِقُ اللّٰہِ الہام کی شرح آپ نے فرمائی اور فرمایا کہ:۔ غاسق عربی میں تاریکی کو کہتے ہیں جو کہ بعد زوال شفق اوّل رات چاند کو ہوتی ہے اور اسی لیے لفظ قمر پر بھی اس کی آخری راتوں میں بولا جاتا ہے جبکہ اس کا نور جاتا رہتا ہے اور خسوف کی حالت میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے قرآن شریف میں مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (سورۃ الفلق: ۴) کے یہ معنے ہیں مِنْ شَرِّ ظُلْمَةِ اِذَا دَخَلَ یعنی ظلمت کی بُرائی سے جب وہ داخل ہو۔ میں نے اس سے پیشتر یہ خیال کیا تھا کہ چونکہ عنقریب گھر میں وضع حمل ہونیوالا ہے تو شاید مولود کی وفات پر یہ لفظ دلالت کرتا ہے مگر بعد میں غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس سے مراد ابتلا ہے۔ اجتہادی امور ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کہ اوّل خیال کسی اَور طرف

---

[1] (نوٹ از ایڈیٹر البدر) "اس وقت اس اخلاق نے مولوی صاحب کے دل پر کیا اثر کیا ہوگا اس کا اندازہ ناظرین خود لگالیں"۔

چلا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس کے معنے ہوئے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر بطور ابتلا کے ہے اور اس سے جماعت کا ابتلا مراد نہیں ہے بلکہ منکرین کا جو کہ جہالت۔ نادانی۔ افتراء سے کام لیتے ہیں۔ آدمؑ سے لے کر آخر تک اللہ تعالےٰ کی یہی عادت ہے کہ دشمنوں کو بھی اُن کے افتراء وغیرہ کے لیے ایک موقعہ دیدیتا ہے چنانچہ بعض وقت کوئی شکست بھی ہو جایا کرتی ہے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے۔ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ (سورۃ ال عمران: ۱۴۱) خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو فرماتا ہے کہ اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے تو تم نے بھی اپنے مخالفین کا ستیاناس کر دیا ہوا ہے۔ اگر ہمارا یہ کاروبار قلم کا نہ ہوتا بلکہ تلوار سے کام لیتے تو آخر ہمیں بھی کوئی نہ کوئی شکست ہونی ہی تھی یہ موقع افتراء کے خدا تعالیٰ دشمنوں کو اس لیے دیتا رہتا ہے کہ مقدمہ جلد ختم نہ ہو۔ اور یہ سنت اللہ ہے۔ اب غور سے دیکھا جاوے تو اُحد میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل میں فتح تھی مگر دشمن کو فضیلت سے کیا مطلب، اُسے تو موقعہ چاہیئے۔

ادھر آتھم کا مقدمہ ادھر مقابلہ پر سکھیرام کا قتل۔ ان کی مثال ٹھیک ٹھیک اُحد اور بدر کی لڑائی تھی۔ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا (سورۃ البقرۃ: ۲۱) منافقوں کا کام ہے مگر یہ لوگ قَامُوْا میں داخل ہیں۔ احتیاط سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ تاریکی جب خدا کی طرف منسوب ہو تو دشمن کی آنکھ میں ابتلاء کا موقع اس سے مراد ہوتا ہے اور اس لیے اس کو غَاسِقُ اللّٰہِ کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے گھر کے حالات سنائے کہ

رات کو اُن کو بہت تکلیف تھی۔ آخر خدا تعالیٰ نے آرام دیدیا مگر میرا ایمان اور یقین ہے کہ یہ تمام کام دُعاؤں نے ہی کیا ہے۔

عورتوں کے لیے یہ ولادت کا وقت ایک پہلو سے موت اور ایک پہلو سے زندگی ہوتی ہے گویا ولادت کے وقت اُن کی اپنی بھی ایک ولادت ہوتی ہے۔

گھر میں بھی رات کو ایک خواب دیکھا کہ بچہ ہوا ہے تو اُنہوں نے مجھے کہا کہ میری طرف سے بھی نفل پڑھنا اور اپنی طرف سے بھی۔ پھر ڈاکٹرنی کو کہا کہ ذرا اسے ہلاؤ تو اُس نے جواب دیا کہ لُوں کیسے؟ وہ تو مُردہ ہے تو انہوں نے کہا کہ اچھا پھر مبارک کا قدر قائم رہے گا۔ میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ لڑکی اصل میں مُردہ بدست زندہ ہی ہوا کرتی ہے۔

❊ ❊ ❊

ایک الہام اور ایک خواب

آج صبح کو الہام ہوا۔
سَاُکْرِمُکَ اِکْرَامًا عَجِیْبًا

اس کے بعد تھوڑی سی غنودگی میں ایک خواب بھی دیکھا کہ ایک چوڑھ سنہری بہت خوبصورت ہے۔ مَیں نے کہا کہ عید کے دن پہنوں گا۔ اس الہام میں عجیب کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی نہایت ہی مؤثر بات ہے۔ مَیں نے یہی سمجھا کہ چونکہ رات کو بہت منذر الہام ہوا تھا وہ تو پورا ہوگیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے بالمقابل بشارت دیتا ہے کیسی رحیم کریم ذات ہے۔

خواب اور انکی تعبیریں

رات مَیں نے ایک اور خواب بھی دیکھا کہ مَیں جہلم میں ہوں اور سنسار چند صاحب کے کمرے میں ہوتا ہوا آگے کوٹھی کے ایک اور کمرہ کی طرف جارہا ہوں۔ رؤیاء کے معاملات میں انسانی عقل بالکل اندھی ہے۔ لڑکی دیکھے تو لڑکا ہوتا ہے۔ اسی لیے معبّروں نے باب بالعکس کا بھی باندھا ہے۔ ہمارے مخالف تمام باتوں کو ظواہر پر حمل کر لیتے ہیں ورنہ وہ عجیب در عجیب باتوں کو دیکھیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص قولنج کی بیماری میں مبتلا تھا اسے خواب میں کسی نے دیکھا کہ وہ مرگیا ہے۔ مَیں نے اس کی تعبیر کی کہ وہ اچھا ہوجاویگا آخر وہ اچھا ہوگیا۔

مقدمات کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

حاکم بیچارے کیا کریں وہاں تو خدا پکڑ کر سب کچھ کرواتا ہے اصل میں خدا ہی خدا ہے وہ جب کوئی بات دل میں ڈالتا ہے تو دلوں کو ایسا پکڑتا ہے کہ باز اس طرح چڑیا کو پکڑ نہیں سکتا۔ اصل سلطنت اُسی کی سلطنت ہے کیسے سے کیسا دشمن ہو مگر وہ اس کو بھی پکڑ لیتا ہے۔ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ بالکل ٹھیک ہے۔ لوگ ملائکہ سے تعجب کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ سب ملائک ہیں۔ ورنہ لقمہ جو اندر ڈالا جاتا ہے اگر وہ نہ چاہے تو کب ہضم ہوسکتا ہے۔ بغیر کامل تصرف کے خدا کی خدائی چل سکتی ہی نہیں۔ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل: ۴۵) کے یہی معنے ہیں۔ اسلام اور ایمان وہی ہے جو اس حد تک پہنچے اور اسی کو چھوڑ چھاڑ کر اب صرف رسم اور عادات رہ گئی ہیں۔ جن کی یہ حالت ہے اُن کو دُعاؤں میں کیا مزا آسکتا ہے[1]

عقیدہ وحدت الوجود

جالندھر سے ایک صاحب تشریف لائے ہوئے تھے انہوں نے عرض کی کہ وہاں وجودیوں کا بہت زور ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اصل میں ان لوگوں کا اباحتی رنگ ہے۔ دہریوں میں اور ان میں بہت کم فرق ہے اُنکی زندگی بے قیدی کی زندگی ہوتی ہے۔ خدا کے حدود اور فرائض کا بالکل فرق نہیں کرتے، نشہ وغیرہ پیتے ہیں، ناچ رنگ دیکھتے ہیں۔ زنا کو

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء

اُصول سمجھتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک وجودی میرے پاس آیا اور کہا کہ مَیں خدا ہوں۔ اُس نے ہاتھ آگے بڑھایا ہوا تھا مَیں نے اُسکے ہاتھ پر زور سے چٹکی کاٹی حتیٰ کہ اس کی چیخ نکل گئی تو مَیں نے کہا کہ خدا کو درد بھی ہوا کرتا ہے ؟

پھر نووارد صاحب نے بیان کیا کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ انسان کو خدا نے اپنی صورت پر بنایا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

توریت میں یہ ذکر ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی خدا نے چاہا کہ انسان خدا کے اخلاق پر چلے جیسے وہ ہر ایک عیب اور بدی سے پاک ہے یہ بھی پاک ہو۔ جیسے اس میں عدل انصاف اور علم کی صفت ہے وہی اس میں ہو اس لیے اس خلق کو احسن تقویم کہا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (سورۃ التین: ۵) جو انسان خدائی اخلاق اختیار کرتے ہیں وہ اس آیت سے مُراد ہیں اور اگر کُفر کرے تو پھر اسفل سافلین اس کی جگہ ہے۔

وجودیوں سے جب بحث کا اتفاق ہو تو اوّل اُن سے خدا کی تعریف پوچھنی چاہیئے کہ خدا کسے کہتے ہیں؟ اور اس میں کیا صفات ہیں۔ وہ مقرر کر کے پھر اُن سے کہنا چاہیئے کہ اب ان سب باتوں کا تم اپنے اندر ثبوت دو۔ یہ نہیں کہ جو وہ کہیں وہ سُنتے چلے جاؤ اور اُن کے پیچھے میں آجاؤ بلکہ سب سے اوّل ایک معیار خدائی قائم کرنا چاہیئے بعض ان میں سے کہا کرتے ہیں کہ ابھی ہمیں خدا بننے میں کچھ کسر ہے تو کہنا چاہیئے تم بات نہ کرو جو کامل ہو گذرا ہے اسے پیش کرو۔

یہ ایک ملحد قوم ہے۔ تقویٰ، طہارت۔ صحتِ نیت۔ پابندی احکام بالکل نہیں۔ تلاوت قرآن نہیں کرتے ہمیشہ کافیاں پڑھتے ہیں۔ اسلام پر یہ بھی ایک مصیبت ہے کہ آج کل جس قدر گدی نشین ہیں وہ تمام قریب قریب اس وجودی مشرب کے ہیں سچی معرفت اور تقویٰ کے ہرگز طالب نہیں ہیں۔ اسی مذہب میں دو شئے خدا کے بہت مخالف پڑی ہیں۔ ایک تو کمزوری دوسرے ناپاکی۔ یہ دونو خدا میں نہیں ہیں اور سب وجودیوں میں پائی جاتی ہیں۔ لُطف کی بات ہے کہ جب کسی وجودی کو کوئی بیماری سخت مثل قولنج وغیرہ کے ہو تو اس وقت وہ وجودی نہیں ہوا کرتا۔ پھر اچھا ہو جاوے تو یہ خیال آیا کرتا ہے کہ مَیں خدا ہوں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴۹ صفحہ ۶، مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۹ جنوری ۱۹۰۳ء پنجشنبہ

(بوقت سیر)

فرمایا کہ :-

جھوٹ جیسا لعنتی کام اَور کوئی نہیں اور پھر خصوصاً وہ جھوٹ جو کہ آبرو عزت وغیرہ پر ہوتا ہے جس پیٹ سے ایسی باتیں نکلا کرتی ہیں اُسے نفس کہتے ہیں۔

دشمن کی آبروداری

اس کے بعد اسی آبرو کے مضمون پر حضرت اقدس نے ایک واقعہ بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہر ایک کی آبرو حتیٰ کہ اپنے دشمن کی آبروداری کا بھی کس قدر خیال ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

قتل کے مقدمہ میں ہمارے ایک مخالف گواہ کی وقعت کو عدالت میں کم کرنے کی نیت سے ہمارے وکیل نے چاہا کہ اس کی ماں کا نام دریافت کرے مگر میں نے اسے روکا اور کہا کہ ایسا سوال نہ کرو جس کا جواب وہ مطلق دے ہی نہ سکے اور ایسا داغ ہرگز نہ لگاؤ جس سے اُسے مفر نہ ہو۔ حالانکہ ان ہی لوگوں نے میرے پر جھوٹے الزام لگائے جھوٹا مقدمہ بنایا۔ افتراء باندھے اور قتل اور قید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ میری عزت پر کیا کیا حملے کر چکے ہوئے تھے اب بتلاؤ کہ میرے پر کونسا خوف ایسا طاری تھا کہ میں نے اپنے وکیل کو ایسا سوال کرنے سے روک دیا۔ صرف بات یہ تھی کہ میں اس بات پر قائم ہوں کہ کسی پر ایسا حملہ نہ ہو کہ واقعی طور پر اس کے دل کو صدمہ دے اور اسے کوئی راہ مفر کی نہ ہو۔[1]

ایک مخلص خادم نے عرض کی کہ حضور میرا دل تو اب بھی خفا ہوتا ہے کہ یہ سوال کیوں اس پر نہ کیا گیا۔

آپ نے فرمایا کہ "میرے دل نے گوارا نہ کیا"۔ اُس نے پھر کہا کہ یہ سوال ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ آپ نے فرمایا:۔

خدا نے دل ہی ایسا بنایا ہے تو بتلاؤ میں کیا کروں۔

ایک صاحب آمدہ از جالندھر نے عرض کی کہ حضور وہاں شحنہ ہند نے بہت سے آدمیوں کو روک رکھا ہے اس کا کیا علاج کریں؟ فرمایا:۔

صبر کرو ایسا ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لوگ تو آپ کی مذمت کیا کرتے تھے مگر آپ ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ ان کی مذمت کو کیا کروں میرا نام تو خدا نے اوّل ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھ دیا ہوا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے بھی الہام کیا جو کہ آج سے بائیس ۲۲ برس پیشتر کا براہین میں چھپا ہوا ہے۔

---

[1] الحکم میں یہ مضمون یوں ہے:۔

"حضور نے فرمایا کہ ہم اس امر کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی نسبت وہ اعتراض کیا جائے جس کی اصلاح اس کے امکان و قدرت میں نہیں"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء)

یَحْمَدُکَ اللّٰہُ[1] یعنی خدا تیری تعریف کرتا ہے۔
جھوٹ ایسی شئے ہے کہ آخر ایک دن آکر انسان اس سے تھک جاتا ہے۔ پھر اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو توبہ کرتا ہے ورنہ اسی طرح نامراد مرجاتا ہے۔

(بوقت ظہر)

پتھری کے اخراج کا نسخہ

تھوڑی دیر مجلس کی بعض وقت مثانہ سے جو کنکر وغیرہ تکلیف دیکر نکلتے ہیں اُن کی نسبت فرمایا کہ

تربسی ۳ رتی اور دائم اپی کاک کا استعمال اس کے واسطے بہت مفید ہے اور چاول وغیرہ لیسدار اشیاء کا استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ یہی لیس منجمد ہوکر کنکر بن جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ

میرے والد صاحب کو بھی یہ مرض رہی ہے وہ مصبر کی گولیاں استعمال کیا کرتے تھے۔ بہت مفید ہیں۔ اس میں مصبر۔ سہاگہ۔ بذرالبنج۔ فلفل۔ دارفلفل وغیرہ ادویہ ہوتی ہیں۔

(بوقتِ عصر)

ایک خط کے ذریعہ خبر ملی کہ جہلم میں اب پھر کرم دین کا ارادہ مقدمہ کا ہے اور وہ نگرانی کرنا چاہتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

گھبرانا نہ چاہیئے یہ تو خدا کے عجائبات ہیں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ٭ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

فرمایا:۔

صبح کو ایک الہام ہوا تھا میرا ارادہ ہوا کہ لکھ لوں۔ پھر حافظہ پر بھروسہ کرکے نہ لکھا۔ آخر وہ ایسا بھولا کہ ہرچند یاد کیا مطلق یاد نہ آیا۔ دراصل یہی بات ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِہَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْہَآ۔ (سورۃ البقرۃ: ۱۰۷)۔

(مجلس قبل از عشاء)

جہلم سے مقدمہ کی نقل منگوائی گئی تھی۔ حضرت اقدس سنتے رہے۔ کسی نے کہا کہ اس پر ہم نالش

---

[1] الحکم میں ہے:۔
یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے تیری حمد و تعریف کرتا ہے۔
(الحکم جلد ۷، نمبر ۷ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء)

کر سکتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ

ہم نالش نہیں کرتے یہ تو اسرارِ الٰہی ہیں۔ ایک برس سے خدا نے اس مقدمہ کو مختلف پیراؤں میں ظاہر کیا ہے۔ اب کیا معلوم کہ وہ اس کے ذریعہ سے کیا کیا اظہار کریگا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل مقدر خدا کی طرف سے تھا۔

قانون کے ذکر پر فرمایا کہ

واضعانِ قانون نے بڑی دانشمندی سے کام لیا ہے کہ مذہبی امور کو دنیاوی اُمور سے الگ رکھا ہے۔ کیونکہ مذہبی عالم کی باتوں کا دار و مدار تو آخرت کے متعلق ہوتا ہے نہ کہ دنیا کے متعلق۔

مقدمات کے فیصلوں کی نسبت فرمایا کہ

میرا اپنا اُصول یہ ہے کہ بدتر سے بدتر انسان بھی اگر مقدمہ کرے تو اس میں تصرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے اس سے فیصلہ لکھواتا ہے۔ انسان پر بھروسہ شرک ہے بلکہ اگر ایک بھیڑیئے کے پاس بھی مقدمہ جاوے تو اس کو خدا سمجھ عطا کر دیگا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۴۹-۵۰ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

(بوقت عصر)

ارشاد فرمایا کہ

جو الہام مجھ کو بھول گیا تھا آج یاد کیا ہے اور وہ یہ ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ عِبَادِہٖ یُوَاسِیْکَ۔ یعنی اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے اور تیری غمخواری کریگا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۰ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء

(بوقتِ عصر[1])

جہلم سے خبر آئی کہ کرم دین نے حضرت اقدس پر ایک اَور مقدمہ مواھب الرحمٰن کے بعض

---

[1] الحکم میں درج نہیں کہ یہ ڈائری کس وقت کی ہے لیکن "البدر" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عصر کے وقت کی ڈائری ہے۔

(ملاحظہ ہو البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۰ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

الفاظ پر کیا ہے۔ فرمایا:۔

اب یہ ان لوگوں کی طرف سے ابتداء ہے کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ ان کے مقابلہ میں کیا کیا تدابیر اختیار کریگا۔ یہ استغاثہ ہم پر نہیں اللہ تعالیٰ پر ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مقدمات کر کے تھکانا چاہتے ہیں۔ الہام اِنَّ اللّٰہَ مَعَ عِبَادِہٖ یُوَاسِیْکَ اسی کے متعلق اجتہادی طور پر معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی الہام سَاُکْرِمُکَ اِکْرَامًا عَجَبًا سے معلوم ہوتا ہے۔

خُدا زور آور حملوں سے سچّائی ظاہر کردیگا

فرمایا:۔

ہماری جماعت تو ایمان لاتی ہے مگر اصل میں مدارِ ایمان نشانوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ انسان محسوس نہ کرے مگر اس کے اندر بعض کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں اور جب تک وہ کمزوریاں دُور نہ ہوں اعلیٰ مراتبِ ایمان نہیں مِل سکتے اور یہ کمزوریاں نشانات ہی کے ذریعہ دُور ہوتی ہیں اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے نشانوں سے ان کمزوریوں کو دُور کرے اور جماعت اپنے ایمان میں ترقی کرے! اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ (سورۃ الحج: ۴۰) کا نمونہ دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر سے صادق اور کاذب، خائن اور مظلوم پوشیدہ نہیں ہیں اب ضروری ہے کہ سب گروہ متفق ہو کر میرے استیصال کے درپے ہوں جیسے جنگ احزاب میں ہوئے تھے جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب خدا تعالیٰ نے چاہا ہے۔ مَیں نے جو خواب میں دیکھا کہ دریائے نیل کے کنارے پر ہوں اور بعض چلائے کہ ہم پکڑے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا وقت بھی آوے جب جماعت کو کوئی یاس ہو مگر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا زور آور حملوں سے سچّائی ظاہر کردیگا۔ اس وقت یہ پورا زور لگائیں گے تاکہ قتل کے مقدمہ کی حسرتیں نہ رہ جائیں کہ کیوں چھُوٹ گیا۔ یہ لوگ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مَیں پیش کرتا ہوں مگر وہ دیکھ لیں گے کہ اِکْرَامًا عَجَبًا کیسے ہوتا ہے۔

شوقِ تبلیغ

(دربار شام)

فرمایا:۔

سردست بیس جلد مواہب الرحمٰن کی مجلّد کروا کر مصر کے اخبار نویسوں کو بھیجی جاویں اور اگر میری مقدرت میں ہوتا تو مَیں کئی ہزار مجلّد کروا کر بھیجتا۔

فرمایا:۔

یہاں کے لوگوں کا تو یہ حال ہے۔ شاید مصر کے لوگ ہی فائدہ اُٹھالیں جس قدر سعید رُوحیں خدا کے علم میں ہیں وہ اُن کو کھینچ رہا ہے۔

جماعت کو نصائح

بیعت کے بعد ایک شخص نے اپنے گاؤں میں کثرتِ طاعون کا ذکر کیا اور دُعا کی درخواست کی۔ فرمایا:۔

مَیں تو ہمیشہ دُعا کرتا ہوں مگر تم لوگوں کو بھی چاہیئے کہ ہمیشہ دُعا میں لگے رہو نمازیں پڑھو اور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہوگی تو اللہ تعالیٰ حفاظت کریگا اور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُس کے باعث سے دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا۔ کوئی بَلا اور دُکھ اللہ تعالیٰ کے اِرادہ کے سوا نہیں آتا اور وہ اس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت کی جاوے۔ ایسے وقت پر عام ایمان کام نہیں آتا بلکہ خاص ایمان کام آتا ہے۔ جو لوگ عام ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی طرف رجوع کرتا ہے اور آپ اُن کی حفاظت فرماتا ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ بہت سے لوگ ہیں جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دُکھ نہیں اُٹھاتے۔ کوئی دُکھ یا تکلیف یا مقدمہ آ جاوے تو فوراً خدا کو چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس کی نافرمانی کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کوئی پروا نہیں کرتا مگر جو خاص ایمان رکھتا ہو اور ہر حال میں خدا کے ساتھ ہو اور دُکھ اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اُس سے دُکھ اُٹھا لیتا ہے اور دو مصیبتیں اس پر جمع نہیں کرتا دُکھ کا اصل علاج دُکھ ہی ہے اور مومن پر دو بلائیں جمع نہیں کی جاتیں۔

ایک وہ دُکھ ہے جو انسان خدا کے لیے اپنے نفس پر قبول کرتا ہے اور ایک وہ بلائے ناگہانی۔ اس بلا سے خدا بچا لیتا ہے۔ پس یہ دن ایسے ہیں کہ بہت توبہ کرو۔ اگرچہ ہر شخص کو وحی یا الہام نہ ہو مگر دل گواہی دے دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے ہلاک نہ کرے گا۔ دُنیا میں دو دوستوں کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دوست دوسرے دوست کا مرتبہ شناخت کر لیتا ہے کیونکہ جیسا وہ اس کے ساتھ ہے ایسا ہی وہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ محبت کے عوض محبت اور دغا کے عوض دغا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں اگر کوئی حصہ کھوٹ کا ہوگا تو اسی قدر ادھر سے بھی ہوگا مگر جو اپنا دل خدا سے صاف رکھے اور دیکھے کہ کوئی فرق خدا سے نہیں ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس سے کوئی فرق نہ رکھے گا۔ انسان کا اپنا دل اس کے لیے آئینہ ہے وہ اس میں سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پس سچا طریق دُکھ سے بچنے کا یہی ہے کہ سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور وفاداری اور اخلاص کا تعلق دکھاؤ اور اس راہِ بیعت کو جو تم نے قبول کی ہے سب پر مقدم کرو کیونکہ اس کی بابت تم پوچھے جاؤ گے۔ جب اسقدر اخلاص تم کو میسّر آ جاوے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ضائع کرے۔ ایسا شخص سارے گھر کو بچا لیگا۔ اصل یہی ہے اس کو مت بھولو۔ نری زبان میں برکت نہیں ہوتی کہ بہت سی باتیں کر لیں۔ اصل برکت دل میں ہوتی ہے اور وہی برکت کی جڑ ہے۔ زبان سے تو کروڑہا مسلمان کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل خدا کے ساتھ مستحکم ہیں اور وہ اس کی

طرف وفا سے آتے ہیں خدا بھی اُن کی طرف وفا سے آتا ہے اور مصیبت اور بلا کے وقت اُن کو الگ کر لیتا ہے یاد رکھو یہ طاعون خود بخود نہیں آئی اب جو کھوٹ اور بیوفائی کا حصّہ رکھتا ہے وہ بلا اور وبا سے بھی حصّہ لیگا مگر جو ایسا حصّہ نہیں رکھتا خدا اُسے محفوظ رکھے گا۔

مَیں اگر کسی کے لیے دُعا کروں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ صاف نہیں وہ اس سے سچّا تعلق نہیں رکھتا تو میری دُعا اُس کو کیا فائدہ دے گی؟ لیکن اگر وہ صاف دل ہے اور کوئی کھوٹ نہیں رکھتا تو میری دُعا اس کے لیے نورٌ علیٰ نور ہوگی۔

زمینداروں کو دیکھا جاتا ہے دو دو پیسے کی خاطر خدا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا انصاف اور ہمدردی چاہتا ہے اور وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ فسق فحشا اور بے حیائی سے باز آویں جو ایسی حالت پیدا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے فرشتے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں، مگر جب دل میں تقویٰ نہ ہو اور کچھ شیطان کا بھی ہو تو خدا شراکت پسند نہیں کرتا اور وہ سب چھوڑ کر شیطان کا کر دیتا ہے کیونکہ اس کی غیرت شرکت پسند نہیں کرتی۔ پس جو بچنا چاہتا ہے اس کو ضروری ہے کہ وہ اکیلا خدا کا ہو مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ خدا تعالیٰ کبھی کسی صادق سے بیوفائی نہیں کرتا۔ ساری دُنیا بھی اگر اُس کی دشمن ہو اور اس سے عداوت کرے تو اُس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ خدا بڑی طاقت اور قدرت والا ہے اور انسان ایمان کی قوت کیساتھ اس کی حفاظت کے نیچے آتا ہے اور اس کی قدرتوں اور طاقتوں کے عجائبات دیکھتا ہے پھر اس پر کوئی ذلّت نہ آوے گی۔ یاد رکھو خدا تعالےٰ زبردست پر بھی زبردست ہے بلکہ اپنے امر پر بھی غالب ہے۔ سچّے دل سے نمازیں پڑھو اور دُعاؤں میں لگے رہو اور اپنے سب رشتہ داروں اور عزیزوں کو یہی تعلیم دو۔ پُورے طور پر خدا کی طرف ہو کر کوئی نقصان نہیں اُٹھاتا۔ نقصان کی اصل جڑ گناہ ہے۔

ساری عزّتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دیکھو بہت سے ابرار اخیار دُنیا میں گذرے ہیں۔ اگر وہ دُنیادار ہوتے تو اُن کے گذارے ادنیٰ درجہ کے ہوتے کوئی اُن کو پُوچھتا بھی نہ۔ مگر وہ خدا کے لیے ہوئے اور خدا ساری دُنیا کو اُن کی طرف کھینچ لایا۔ خدا تعالیٰ پر سچّا یقین رکھو اور بدظنی نہ کرو۔ جب اِس کی بدبختی سے خدا پر بدظنّی ہوتی ہے تو پھر نہ نماز درست ہوتی ہے نہ روزہ نہ صدقات۔ بدظنّی ایمان کے درخت کو نشو ونما ہونے نہیں دیتی بلکہ ایمان کا درخت یقین سے بڑھتا ہے۔

مَیں اپنی جماعت کو بار بار اس لیے نصیحت کرتا ہوں کہ یہ موت کا زمانہ ہے۔ اگر سچّے دل سے ایمان لانے کی موت کو اختیار کرو گے تو ایسی موت سے زندہ ہو جاؤ گے اور ذلّت کی موت سے بچائے جاؤ گے۔ مومن پر دو موتیں جمع نہیں ہوتیں جب وہ سچّے دل سے اور صدق اور اخلاص کے ساتھ خدا کی طرف آتا ہے پھر طاعون کیا

چیز ہے؟ کیونکہ صدق اور وفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ہونا یہی ایک موت ہے جو ایک قسم کی طاعون ہے۔ مگر اس طاعون سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے کیونکہ خدا کا ہونے سے نشانۂ طعن تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ پس جب مومن ایک موت اپنے اُوپر اختیار کر لیوے تو پھر دوسری موت اُس کے آگے کیا شئی ہے؟ مجھے بھی الہام ہوا تھا کہ آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

ہر مومن کا یہی حال ہوتا ہے اگر وہ اخلاص اور وفاداری سے اس کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کا ولی بنتا ہے لیکن اگر ایمان کی عمارت بوسیدہ ہے تو پھر بیشک خطرہ ہوتا ہے۔ ہم کسی کے دل کا حال تو جانتے ہی نہیں۔ سینہ کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ مگر انسان اپنی خیانت سے پکڑا جاتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے معاملہ صاف نہیں تو پھر بیعت فائدہ دے گی نہ کچھ اَور۔ لیکن جب خالص خدا ہی کا ہو جاوے تو خدا تعالےٰ اُس کی خاص حفاظت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سب کا خدا ہے مگر جو اپنے آپ کو خاص کرتے ہیں۔ اُن پر خاص تجلی کرتا ہے اور خدا کے لیے خاص ہونا یہی ہے کہ نفس بالکل چکنا چُور ہو کر اُس کا کوئی ریزہ باقی نہ رہ جائے۔ اس لیے مَیں بار بار اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ بیعت پر ہرگز ناز نہ کرو اگر دل پاک نہیں ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کیا فائدہ دیگا جب دل دور ہے جب دل اور زبان میں اتفاق نہیں تو میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منافقانہ اقرار کرتے ہیں تو یاد رکھو ایسے شخص کو دوہرا عذاب ہوگا مگر جو سچا اقرار کرتا ہے اُس کے بڑے بڑے گُناہ بخشے جاتے ہیں اور اس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ مَیں تو زبان ہی سے کہتا ہوں۔ دل میں ڈالنا خدا کا کام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے میں کیا کسر باقی رکھی تھی؟ مگر ابوجہل اور اس کے امثال نہ سمجھے۔ آپ کو اس قدر فکر اور غم تھا کہ خدا نے خود فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (سورۃ الشعراء: ۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہمدردی تھی۔ آپؐ چاہتے تھے کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جاویں مگر وہ بچ نہ سکے۔ حقیقت میں معلم اور واعظ کا تو اتنا ہی فرض ہے کہ وہ بتا دیوے۔ دل کی کھڑکی تو خدا کے فضل سے کھُلتی ہے۔ نجات اُسی کو ملتی ہے جو دل کا صاف ہو۔ جو صاف دل نہیں وہ اُچکا اور ڈاکو ہے۔ خدا تعالیٰ اُسے بُری طرح مارتا ہے۔ اب یہ طاعون کے دن ہیں ابھی تو ابتداء ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا ؎ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آخر کی خبر نہیں مگر جو ابتدائی حالت میں اپنے آپ کو درست کریں گے وہ خدا کی رحمت کا بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر جو لوگ صاعقہ کی طرح دیکھ کر ایمان لائیں گے ممکن ہے کہ اُن کی توبہ قبول نہ ہو یا توبہ کا موقعہ ہی نہ ملے۔ ابتداء والے ہی کا حق بڑا ہوتا ہے۔ قاعدہ کے موافق ۱۵ یا ۲۰ دن اَور طاعون کے روزہ کے ہیں اور آرام کی شکل نظر آتی ہے مگر وقت آتا ہے کہ پھر روزہ کھولنے کا زمانہ شروع ہوگا۔ اب خدا کے سوا کوئی عاصم نہیں ہے۔ ایماندار قبول نہیں کر سکتا کہ خدا کے ارادہ کے خلاف کوئی بچ سکتا ہے۔ فائدہ اور امن کی ایک ہی راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف ایسا جھکے کہ خود محسوس کرلے کہ اب مَیں وہ نہیں رہا ہوں اور مصفّا قطرہ کی طرح ہو جاوے۔

مخالفت کی شدّت

خدا کی قدرت ہے کہ جُوں جُوں طاعون کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے شور اور مفسدہ مخالفت کا بڑھتا جاتا ہے اُن کو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہے۔

آج مجھے خیال آیا کہ شاید یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰی والا الہام اور محاصرہ والی حدیث اسی طرح پوری ہو کہ مقدمات کثرت سے کردیں جیسے حضرت موسیٰؑ سامنے نیل سے اور پیچھے لشکرِ فرعون سے محصور ہو گئے تھے اور ایسی خوفناک صورتیں پیدا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت والے چلائیں کہ ہم پکڑے گئے۔ اس لیے خدا نے ایسے کمزوروں کو پہلے سے تسلّی دے دی کہ یہ مضبوط اور قوی دل ہو جاویں۔ براہینِ احمدیہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ ایک وقت ناخنوں تک زور لگائیں گے اس وقت خدا تیرے ساتھ ہوگا۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ اب خدا تعالےٰ نے جو دن مقرر کئے ہوئے ہیں وہ اگر نہ آویں تو ثواب کیسے ہے۔ براہین میں اور بھی بعض خوفناک صورتیں مذکور ہیں اور انجام کار وہی ہوگا جس کی خدا نے خبر دی ہے اور ارادہ فرمایا ہے۔

ایک الہام

فرمایا:-

۳۰ رجنوری ۱۹۰۳ء کی صبح کو جو الہام ہوا تھا لَا یَمُوْتُ اَحَدٌ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اس کے معنے ابھی نہیں کھُلے۔ مگر یہاں حقیقی معنے موت کے نہیں ہو سکتے کیونکہ انبیاء پر بھی یہ آئی ہے۔ غالباً اَور کوئی معنے ہوں گے [1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۱۴ رفروری ۱۹۰۳ء)

یکم فروری ۱۹۰۳ء

امتحان کیوقت جماعت کو استقامت کی بہت دُعا کرنی چاہیئے

فرمایا کہ یہ وقت جماعت کے امتحان کا ہے دیکھیں کون ساتھ دیتا ہے اور کون پہلوتہی کرتا ہے۔ اس لیے ہمارے بھائیوں کو استقامت

---

[1] البدر میں مذکورہ الہام کی تشریح کرتے ہوئے کچھ مزید فقرے درج ہیں وہاں لکھا ہے:-

"عشاء سے قبل حضرت اقدس نے یہ الہام سُنایا لَا یَمُوْتُ اَحَدٌ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اور فرمایا کہ اس کے حقیقی معنے کہ تمہارے رجال میں کوئی نہ مریگا تو ہو نہیں سکتے کیونکہ موت تو انبیاء تک کو آتی ہے اور نہ قیامت تک کسی نے زندہ رہنا ہے مگر اس کے مفہوم کا پتہ نہیں ہے۔ شاید کوئی اَور معنے ہوں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ رفروری ۱۹۰۳ء)

کی بہت دُعا کرنی چاہیئے اور انفاق فی سبیل اللہ کے لیے وسیع حوصلہ ہو کر مال و زر سے ہر طرح سے امداد کے لیے تیار ہونا چاہیئے۔ ایسے ہی وقت ترقی درجات کے ہوتے ہیں۔ اُن کو ہاتھ سے نہ گنوانا چاہیئے[1]

یکم فروری کو ایک دو سال کا الہام آپ نے اس کے متعلق سُنایا۔ بَلِیَّۃٌ ثَمَالِیَّۃٌ۔ یعنی مالی ابتلاء

(البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۲ فروری ۱۹۰۳ء (بوقتِ ظہر)

ایک رؤیاء

حضرت احمد مُرسل یزدانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رؤیاء ظہر کے وقت سُنائی کہ:۔

مَیں نے میرزا خدا بخش صاحب کو دیکھا ہے کہ اُن کے کُرتہ کے ایک دامن پر لہو کے داغ ہیں۔ پھر اور داغ ان کے گریبان کے نزدیک بھی دیکھے ہیں۔ مَیں اس وقت کہتا ہوں یہ ویسے ہی نشان ہیں جیسے کہ عبداللہ سنوری صاحب کو جو کُرتہ دیا گیا ہے اس پر تھے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۵ فروری ۱۹۰۳ء

اپنی جماعت کیلئے ایک بہت ضروری نصیحت

آج کل زمانہ بہت خراب ہو رہا ہے قسم قسم کا شرک بدعت اور کئی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ بیعت کے وقت جو اقرار کیا جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یہ اقرار خدا کے

---

[1] الحکم میں یکم فروری کی ڈائری بغیر تاریخ کے درج ہے۔ البدر میں درج شدہ یکم فروری کی ڈائری کے مضمون سے اس کی مطابقت ظاہر کرتی ہے کہ یہ ڈائری یکم فروری کی ہے۔ لکھا ہے:۔

"فرمایا براہین میں یہ بھی الہام ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَتَمَّتْ کَلِمَاتُ رَبِّکَ وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ہماری جماعت پر بھی ایک فتنہ ہے۔ صحابہ پر بھی فتنہ ہوا۔ مگر فتنہ کا پتہ نہیں کونسا فتنہ ہے اور کس راہ کا ہے۔ مگر جب انسان خدا کا ہو جاوے تو پھر جان مال اور آبرو کیا شئے ہے کچھ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہی تین چیزیں انسان کو عزیز ہوتی ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (سورۃ العنکبوت: ۳) فرمایا۔ ایک پُرانا الہام بَلِیَّۃٌ ثَمَالِیَّۃٌ شاید وہ ان ایام کے لیے تھا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۷ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء)

سامنے اقرار ہے۔ اب چاہیئے کہ اس پر موت تک خوب قائم رہے ورنہ سمجھو کہ بیعت نہیں کی اور اگر قائم ہو گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں برکت دیگا۔ اپنے اللہ کے منشاء کے مطابق پُورا تقویٰ اختیار کرو۔ زمانہ نازک ہے۔ قہرِ الٰہی نمودار ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق اپنے آپ کو بنالیگا۔ وہ اپنی جان اور اپنی آل و اولاد پر رحم کریگا۔

دیکھو انسان روٹی کھاتا ہے۔ جب تک سیری کے موافق پوری مقدار نہ کھالے تو اُس کی بھوک نہیں جاتی اگر وہ ایک بھورہ روٹی کا کھالیوے تو کیا وہ بھوک سے نجات پائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر وہ ایک قطرہ پانی کا اپنے حلق میں ڈالے تو وہ قطرہ اُسے ہرگز نہ بچا سکے گا بلکہ باوجود اس قطرہ کے وہ مریگا۔ حفظِ جان کے واسطے وہ قدرِ محتاط جس سے زندہ رہ سکتا ہے جب تک نہ کھالے اور نہ پیوے نہیں بچ سکتا۔ یہی حال انسان کی دینداری کا ہے۔ جب تک اس کی دینداری اس حد تک نہ ہو کہ سیری ہو بچ نہیں سکتا۔ دینداری، تقویٰ، خدا کے احکام کی اطاعت کو اس حد تک کرنا چاہیئے جیسے روٹی اور پانی کو اس حد تک کھاتے اور پیتے ہیں جس سے بھوک اور پیاس چلی جاتی ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی بعض باتوں کو نہ ماننا اس کی سب باتوں کو ہی چھوڑنا ہوتا ہے۔ اگر ایک حصہ شیطان کا ہے اور ایک اللہ کا تو اللہ تعالیٰ حصہ داری کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سلسلہ اس کا اسی لیے ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف آوے۔ اگرچہ خدا کی طرف آنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایک قسم کی موت ہے مگر آخر زندگی بھی اسی میں ہے۔ جو اپنے اندر سے شیطانی حصہ نکال کر پھینک دیتا ہے۔ وہ مبارک انسان ہوتا ہے اور اس کے گھر اور نفس اور شہر سب جگہ اس کی برکت پہنچتی ہے لیکن اگر اس کے حصہ میں ہی تھوڑا آیا ہے تو وہ برکت نہ ہو گی جب تک بیعت کا اقرار عملی طور پر نہ ہو۔ بیعت کچھ چیز نہیں ہے۔ جس طرح سے ایک انسان کے آگے تم بہت سی باتیں زبان سے کرو مگر عملی طور پر کچھ بھی نہ کرو تو وہ خوش نہ ہو گا۔ اسی طرح خدا کا معاملہ ہے وہ سب غیرت مندوں سے زیادہ غیرت مند ہے کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تو تم اس کی اطاعت کرو پھر ادھر اس کے دشمنوں کی بھی اطاعت کرو اس کا نام تو نفاق ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اس مرحلہ میں زید و بکر کی پروا نہ کرے۔ مرتے دم تک اس پر قائم رہو۔

بدی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خدا کے ساتھ شریک کرنا۔ اس کی عظمت کو نہ جاننا۔ اُس کی عبادت اور اطاعت میں کسل کرنا۔ دوسری یہ کہ اس کے بندوں پر شفقت نہ کرنا۔ اُن کے حقوق ادا نہ کرنے۔ اب چاہیئے کہ دونو قسم کی خرابی نہ کرو۔ خدا کی اطاعت پر قائم رہو۔ جو عہد تم نے بیعت میں کیا ہے اس پر قائم رہو۔ خدا کے بندوں کو تکلیف نہ دو۔ قرآن کو بہت غور سے پڑھو۔ اس پر عمل کرو۔ ہر ایک قسم کے ٹھٹھے اور بیہودہ باتوں اور مشرکانہ مجلسوں سے بچو۔ پانچوں وقت نماز کو قائم رکھو۔ غرضکہ کوئی ایسا حکم الٰہی نہ ہو جسے تم ٹال دو۔ بدن کو بھی صاف رکھو اور دل کو ہر ایک قسم کے بیجا کینے۔ بغض و حسد سے پاک کرو۔ یہ باتیں ہیں جو خدا تم سے چاہتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کبھی کبھی آتے رہو۔ جب تک خدا نہ چاہے کوئی آدمی بھی نہیں چاہتا۔ نیکی کی توفیق وہی دیتا ہے۔

دو عمل ضرور یاد رکھو۔ ایک دُعا۔ دوسرے ہم سے ملتے رہنا تاکہ تعلق بڑھے اور ہماری دُعا کا اثر ہو۔

ابتلاء سے کوئی خالی نہیں رہتا۔ جب سے یہ سلسلہ انبیاء اور رُسل کا چلا آرہا ہے جس نے حق کو قبول کیا ہے اس کی ضرور آزمائش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جماعت بھی خالی نہ رہیگی گرد و نواح کے مولوی کوشش کریں گے کہ تم اس راہ سے ہٹ جاؤ۔ تم پر کفر کے فتوے دینگے لیکن یہ سب کچھ پہلے ہی سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے لیکن اس کی پروانہ کرنی چاہیئے جوانمردی سے اس کا مقابلہ کرو۔

ثابت قدمی دکھاؤ

پھر بیعت کنندگان نے منکرین کے ساتھ نماز پڑھنے کو پوچھا۔

حضرت نے فرمایا کہ

ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ پڑھو اکیلے پڑھ لو۔ جو ایک ہوگا وہ جلد دیکھ لے گا کہ ایک اور اس کیساتھ ہوگیا ہے۔ ثابت قدمی دکھاؤ۔ ثابت قدمی میں ایک کشش ہوتی ہے۔ اگر کوئی جماعت کا آدمی نہ ہو تو نماز اکیلے پڑھ لو مگر جو اس سلسلہ میں نہیں اس کے ساتھ ہرگز نہ پڑھو ہرگز نہ پڑھو۔ جو ہمیں زبان سے بُرا نہیں کہتا وہ عملی طور سے کہتا ہے کہ حق کو قبول نہیں کرتا۔ ہاں ہر ایک کو سمجھاتے رہو۔ خدا کسی نہ کسی کو ضرور کھینچ لے گا جو شخص نیک نظر آوے سلام علیک اس سے رکھو لیکن اگر وہ شرارت کرے تو پھر یہ بھی ترک کر دو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۳۱ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء)

۱۰ر فروری ۱۹۰۳ء

یہ وقت دُعا اور تضرّع کا ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

وہ اخبارات جو کہ آپ کی مخالفت میں ہمیشہ خلاف واقعہ باتیں درج کرتے ہیں اور گند اور فحش بیانی ان کا کام ہے ان کو ہرگز نہ لیا جاوے اور نہ اُن کے مقابلہ پر اشتہار وغیرہ دیا جائے۔ یہ اُن کو ایک اور موقعہ گند بکنے کا دیتا ہے۔ یہ وقت دُعا اور تضرّع کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ کر دے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۵ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء)

۱۱ر فروری ۱۹۰۳ء بروز چہارشنبہ

عرش

عرش کے متعلق ایک صاحب نے سوال کیا کہ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے کیا معنے ہیں اور عرش کیا شئے ہے؟

عرش کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث عبث ہے

فرمایا:- اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں کوئی تو اُسے مخلوق کہتا ہے اور کوئی غیر مخلوق۔ لیکن اگر ہم غیر مخلوق نہ کہیں تو پھر استوٰے باطل ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ عرش کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث ہی عبث ہے۔ یہ ایک استعارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اعلیٰ درجے کی بلندی کو بیان کیا ہے یعنی ایک ایسا مقام جو کہ ہر ایک جسم اور ہر ایک نقص سے پاک ہے اور اس کے مقابلہ پر یہ دُنیا اور تمام عالم ہے کہ جس کی انسان کو پوری پوری خبر بھی نہیں ہے۔ ایسے مقام کو قدیم کہا جا سکتا ہے۔ لوگ اس میں حیران ہیں اور غلطی سے اسے ایک مادی شئے خیال کرتے ہیں اور قدامت کے لحاظ سے جو اعتراض لفظ ثُمَّ کا آتا ہے تو بات یہ ہے کہ قدامت میں ثُمَّ آجاتا ہے جیسے قلم ہاتھ میں ہوتا ہے تو جیسے قلم حرکت کرتا ہے ویسے ہاتھ حرکت کرتا ہے مگر ہاتھ کو تقدم ہوتا ہے۔ آریہ لوگ خُدا کی قدامت کے متعلق اہلِ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ انکا خدا چھ سات ہزار برس سے چلا آتا ہے یہ اُن کی غلطی ہے۔ اس مخلوق کو دیکھ کر خدا کی عمر کا اندازہ کرنا نادانی ہے۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ آدمؑ سے اوّل کیا تھا اور کس قسم کی مخلوق تھی۔ اُس وقت کی بات وہی جانے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ۔ وہ اور اُس کی صفات قدیم ہی سے ہیں مگر اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہر ایک صفت کا علم ہم کو دیدے اور نہ اس کے کام اس دُنیا میں سما سکتے ہیں۔ خدا کے کلام میں دقیق نظر کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ازلی اور ابدی ہے اور مخلوقات کی ترتیب اس کے ازلی ہونے کی مخالف نہیں ہے اور استعارات کو ظاہر پر حمل کر کے مشہودات پر لانا بھی ایک نادانی ہے۔ اس کی صفت ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (سورۃ الانعام: ۱۰۴) ہم عرش اور استوٰی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حقیقت اور کنہ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں۔ جب دنیا وغیرہ نہ تھی عرش تب بھی تھا جیسے لکھا ہے كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ (ھود: ۸)

عرش ایک مجہول الکُنہ امر اور خُدا تعالیٰ کی تجلیات کیطرف اشارہ ہے

اس کے متعلق خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ایک مجہول الکنہ امر ہے اور خدا تعالیٰ کی تجلیات کی طرف اشارہ ہے وہ خلق السمٰوٰت والارض چاہتی تھی اس لیے وہ اوّل ہو کر پھر استوٰی علی العرش ہوا۔ اگرچہ توریت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے مگر وہ اچھے الفاظ

میں نہیں ہے اور لکھا ہے کہ خدا ماندہ ہو کر تھک گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک انسان کسی کام میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے چہرہ اور خدوخال وغیرہ اور دیگر اعضاء کا پورا پورا پتہ نہیں لگتا مگر جب وہ فارغ ہو کر ایک تخت یا چارپائی پر آرام کی حالت میں ہو تو اس کے ہر ایک عضو کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح استعارہ کے طور پر خدا کی صفات کے ظہور کو ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ سے بیان کیا ہے کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد صفات الٰہیہ کا ظہور ہوا۔ صفات اس کے ازلی ابدی ہیں مگر جب مخلوق ہو تو خالق کو شناخت کرے اور محتاج ہوں تو رازق کو پہچانیں۔ اسی طرح اس کے علم اور قادر مطلق ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ خدا کی اس تجلّی کی طرف اشارہ ہے جو خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے بعد ہوئی۔

اسی طرح اس تجلّی کے بعد ایک اَور تجلّی ہوگی جب کہ ہر شئے فنا ہوگی۔ پھر ایک اَور تیسری تجلّی ہوگی کہ احیاء اموات ہوگا۔ غرضیکہ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس کے اندر داخل ہونا روا نہیں ہے۔ صرف ایک تجلّی سے اُسے تعبیر کر سکتے ہیں۔ قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے عرش کو اپنی صفات میں داخل کیا ہے جیسے ذُوالْعَرْشِ الْمَجِیْدُ۔ گویا خدا تعالیٰ کے کمالِ علو کو دوسرے معنوں میں عرش سے بیان کیا ہے اور وہ کوئی مادی اور جسمانی شئے نہیں ہے ورنہ زمین و آسمان وغیرہ کی طرح عرش کی پیدائش کا ذکر بھی ہوتا۔ اس لیے شُبہ گذرتا ہے کہ ہے تو شئے مگر غیر مخلوق اور یہاں سے دھوکا کھا کر آریوں کی طرف انسان چلا جاتا ہے کہ جیسے وہ خدا کے وجود کے علاوہ اَور اشیاء کو غیر مخلوق مانتے ہیں ویسے ہی یہ عرش کو ایک شئے غیر مخلوق جُزاً خدا ماننے لگتا ہے۔ یہ گمراہی ہے۔ اصل میں یہ کوئی شئے خدا کے وجود سے باہر نہیں ہے جنہوں نے اُسے ایک شئے غیر مخلوق قرار دیا وہ اسے اتم اور اکمل نہیں مانتے اور جنہوں نے مادی مانا وہ گمراہی پر ہیں کہ خدا کو ایک مجسم شئے کا محتاج مانتے ہیں کہ ایک ڈولے کی طرح فرشتوں نے اُسے اُٹھایا ہوا ہے لَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا۔ (سورۃ البقرہ: ۲۵۶)

چار ملائک کا عرش کو اُٹھانا یہ بھی ایک استعارہ ہے۔ ربّ۔ رحمٰن۔ رحیم اور مالک یوم الدین یہ صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور اصل میں ملائکہ ہیں اور یہی صفات جب زیادہ جوش سے کام میں ہوں گے تو اُن کو آٹھ ملائک سے تعبیر کیا گیا ہے جو شخص اُسے بیان نہ کر سکے وہ یہ کہے کہ یہ ایک مجہول الکُنہ حقیقت ہے ہمارا اس پر ایمان ہے اور حقیقت خدا کے سپرد کرے۔ اطاعت کا طریق ہے کہ خدا کی باتیں خدا کے سپرد کرے اور ان پر ایمان رکھے۔ اور اس کی اصل حقیقت یہی ہے کہ خدا کی تجلیات ثلثہ کی طرف اشارہ ہے۔

کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ کی کُنہ خدا ہی کو معلوم ہے

کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ یہ بھی ایک تجلّی تھی اور ماء کے معنے یہاں پانی بھی نہیں کر سکتے خدا معلوم کہ اس کے [illegible] ماء کے یہاں کیا معنے ہیں۔ اس کی کُنہ خدا کو معلوم ہے۔

جنت کے نعماء پر بھی ایسا ہی ایمان ہے۔ وہاں یہ تو نہ ہوگا کہ بہت سی گائیں بھینسیں ہوں گی اور دُودھ دوہ کر حوض میں ڈالا جائے گا۔ خدا فرماتا ہے کہ وہ اشیاء ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں اور نہ زبان نے چکھیں، نہ دل میں اُن کے فہم کا مادہ ہے۔ حالانکہ اُن کو دُودھ اور شہد وغیرہ ہی لکھا ہے جو کہ آنکھوں سے نظر آتا ہے اور ہم اُسے پیتے ہیں۔ اسی طرح کئی باتیں ہیں جو کہ ہم خود دیکھتے ہیں مگر نہ تو الفاظ ملتے ہیں کہ اُنکو بیان کر سکیں نہ اُس کے بیان کرنے پر قادر ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ اگر اُن کو مادی دُنیا پر قیاس کریں تو صدہا اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۳) سے ظاہر ہے کہ دیدار کا وعدہ یہاں بھی ہے مگر ہم اُسے جسمانیات پر حمل نہیں کر سکتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۷-۳۸ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۳ فروری ۱۹۰۳ء

صدقہ اور دُعا سے بَلا ٹل جاتی ہے

بعد ادائیگی جمعہ گرد و نواح کے لوگوں نے بیعت کی اور حضرت اقدس نے اُن کے لیے ایک مختصر تقریر نماز روزہ کی پابندی اور ہر ایک ظُلم وغیرہ سے بچنے پر فرمائی کہ اپنے گھروں میں عورتوں لڑکیوں اور لڑکوں سب کو نیکی کی نصیحت کریں اور جیسے درختوں اور کھیتوں کو اگر پُورا پانی نہ دیا جائے تو وہ پھل نہیں لاتے۔ اسی طرح جب تک نیکی کا پانی دل کو نہ دیا جائے تو وہ بھی انسان کے لیے کسی کام کا نہیں ہوتا۔ جو نیک بن جاتا ہے اس پر یہ بَلا طاعون نہیں پڑتی موت تو سب کو آتی ہے اور اس کا دروازہ بند نہیں ہوتا مگر جن موتوں میں ایک قہر کی بُو ہوتی ہے وہ نہیں ہوتی ہنسی اور ٹھٹھے کی مجلسوں سے پرہیز کی تاکید فرمائی۔ انبیاء کی وصیت یاد دلائی کہ صدقہ اور دُعا سے بَلا ٹل جاتی ہے۔ اگر پیسہ پاس نہ ہو تو ایک بوکا (ڈول) پانی کا کسی کو بھر دو یہ بھی صدقہ ہے۔ اپنے مال اور بدن سے کسی کی خدمت کر دینی یہ بھی صدقہ ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۴ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

ایک نووارد اور حضرت اقدس علیہ السلام

۱۳ فروری ۱۹۰۳ء کو ایک ڈاکٹر صاحب[1] لکھنؤ سے تشریف لائے بقول اُنکے

---

[1] البدر میں اس نووارد کا نام محمد یوسف درج ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۴ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

وہ بغدادی الاصل ہیں اور اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ اُن کے چند احباب نے اُن کو حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام کی خدمت میں بغرض دریافت حال بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ بعد مغرب حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور حاضر ہوئے اور شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ جو کچھ گفتگو آپ سے ہوئی۔ ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر الحکم)

حضرت اقدس۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟

نووارد۔ مَیں اصل رہنے والا بغداد کا ہوں مگر اب عرصہ سے لکھنؤ میں رہتا ہوں۔ وہاں کے چند آدمیوں نے مجھے مستعد کیا کہ قادیان جاکر کچھ حالات دیکھ آئیں۔

حضرت اقدس۔ امرت سر میں آپ کتنے دن ٹھہرے؟

نووارد۔ پانچ چھ روز۔

حضرت اقدس۔ کیا کام تھا؟

نووارد۔ محض یہاں کے حالات کا معلوم کرنا اور راستہ وغیرہ کی واقفیت حاصل کرنا۔

حضرت اقدس۔ کیا آپ کچھ عرصہ یہاں ٹھہریں گے؟

نووارد۔ کل جاؤں گا۔

حضرت اقدس۔ آپ دریافت حالات کے لیے آئے اور کل جائیں گے اس سے کیا فائدہ ہوا؟ یہ تو صرف آپ کو تکلیف ہوئی۔ دین کے کام میں آہستگی سے دریافت کرنا چاہیئے تاکہ وقتاً فوقتاً بہت سی معلومات ہو جائیں جب وہاں آپ کے دوستوں نے آپ کو منتخب کیا تھا تو آپ کو یہاں فیصلہ کرنا چاہیئے۔ جب آپ ایک ہی رات کے بعد چلے جائیں گے تو آپ کیا رائے قائم کر سکیں گے؟ اب ہم نماز پڑھ کے چلے جائیں گے۔ آپ کو کوئی موقعہ ہی نہ ملا۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سورۃ التوبہ: ۱۱۹) کہ صادقوں کیساتھ رہو یہ معیّت چاہتی ہے کہ کسی وقت تک صُحبت میں رہے کیونکہ جب تک ایک حد تک صحبت میں نہ رہے وہ اسرار اور حقائق کھل نہیں سکتے وہ اجنبی کا اجنبی اور بیگانہ ہی رہتا ہے اور کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

نووارد۔ مَیں جو کچھ پوچھوں آپ اس کا جواب دیں۔ اس سے ایک رائے قائم ہو سکتی ہے جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے انہوں نے تقیہ[1] تو کیا نہیں کہ جاکر کیا دیکھوں۔ آپ چونکہ ہمارے مذہب میں ہیں اور آپ نے ایک

---

[1] اغلباً یہ لفظ تقیید ہے جو سہو کتابت سے تقیہ لکھا گیا ہے۔ البدر میں اس کا ذکر یوں ہے کہ:۔

"اگرچہ وہ لوگ جن کی طرف سے مَیں آیا ہوں آپ کا ذکر ہنسی اور تمسخر سے کرتے ہیں مگر میرا یہ خیال نہیں ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۴ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

دعویٰ کیا ہے اس کا دریافت کرنا ہم پر فرض ہے۔

حضرت اقدس۔ بات یہ ہے کہ مذاق، تمسخر صحتِ نیت میں فرق ڈالتا ہے اور ماموروں کیلئے تو یہ سُنّت چلی آئی ہے کہ لوگ ان پر ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں مگر حسرت ہنسی کرنے والوں ہی پر رہ جاتی ہے چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا ہے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسٓ: ۳۱) ناواقف انسان نہیں جانتا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ وہ ہنسی اور مذاق میں ایک بات کو اُڑانا چاہتا ہے مگر تقویٰ ہے جو اسے راہِ حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

میرا دعویٰ ایسا دعویٰ نہیں رہا جو اَب کسی سے مخفی ہو۔ اگر تقویٰ ہو تو اس کے سمجھنے میں بھی اب مشکلات باقی نہیں رہیں۔ اس وقت صلیبی غلبہ حد سے بڑھا ہوا ہے اور مسلمانوں کا ہر امر میں انحطاط ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں تقویٰ کا یہ تقاضا ہے اور وہ یہ سبق دیتا ہے کہ تکذیب میں مستعجل نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت یہود نے جلدی کی اور غلطی کھائی اور انکار کر بیٹھے نتیجہ یہی ہوا کہ خدا کی لعنت اور غضب کے نیچے آئے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت عیسائیوں اور یہودیوں نے غلطیاں کھائیں اور انکار کر دیا اور اس نعمت سے محروم رہے جو آپ لیکر آئے تھے۔ تقویٰ کا یہ لازمہ ہونا چاہیئے کہ ترازو کی طرح حق و انصاف کے دونو پلّے برابر رکھے۔ اسی طرح اب ایسا زمانہ آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دُنیا کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے یہ سلسلہ قائم کیا تو اسی طرح مخالفت کا شور اُٹھا جیسے شروع سے ہوتا آیا ہے۔ یہی مولوی جو اَب مُنکر ہیں اور کُفر کے فتوے دیتے ہیں میرے مبعوث ہونے سے پہلے یہ لوگ منبروں پر چڑھ کر بیان کیا کرتے تھے کہ تیرھویں صدی بہت خراب ہے جس سے بھیڑیوں نے بھی پناہ مانگی ہے اور اب چودھویں صدی آئی ہے جس میں مسیح اور مہدی آئیگا اور ہمارے دُکھوں کا علاج ہوگا یہاں تک کہ اکثر اکابرینِ اُمّت نے آنے والے کو سلام کی وصیت کی اور سب نے یہ تسلیم کیا کہ جس قدر کشوف اہل اللہ کے ہیں وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے مگر جب وہ وقت آیا اور آنے والا آگیا تو وہی زبانیں انکار اور سب و شتم کے لیے تیز ہوگئیں تقویٰ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر وہ تسلیم کرنے میں سب سے اوّل نہ ہوتے تو انکار کے لیے بھی تو جلدی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ کم از کم تصدیق اور تکذیب کے دونو پہلو برابر رکھتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بدوں نصوصِ قرآنیہ و حدیثیہ اور دلائل قویہ عقلیہ و تائیداتِ سماویہ کے مان لیں مگر ہم یہ افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مسلمان جن کو قرآن شریف میں سورہ فاتحہ کے بعد ہی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سکھایا گیا تھا اور جن کو یہ تعلیم دی گئی تھی اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (انفال: ۳۵) اور جن کو بتایا گیا تھا اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ان کو کیا ہوگیا کہ انہوں نے اس معاملہ میں اسقدر جلد بازی سے کام لیا اور تکفیر اور تکذیب کے لیے دلیر ہوگئے۔ ان کا فرض تھا کہ وہ میرے دعاوی اور دلائل کو سُنتے اور پھر خدا سے ڈر کر اُن پر غور کرتے۔ کیا ان کی جلد بازی سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ انہوں نے تقویٰ سے کام لیا ہے جلد بازی

اور تقویٰ کبھی دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے یہی کہا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ۔ پھر عام لوگوں کو کس قدر ضرورت تھی کہ وہ تقویٰ سے کام لیتے اور خدا سے ڈرتے۔

باوجودیکہ عُلماء کی اگر میرے دعویٰ سے پہلے کی کتابیں دیکھی جاتی ہیں تو اُن سے کس قدر انتظار اور شوق کا پتہ لگتا ہے گویا وہ تیرھویں صدی کے علامات سے مضطرب اور بے قرار ہو رہے ہیں مگر جب وقت آیا تو اَوَّلُ الْکَافِرِیْنَ ٹھہرتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ ہمیشہ کہتے آتے تھے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد اصلاح فساد کے لیے آتا ہے اور ایک رُوحانی طبیب مفاسد موجودہ کی اصلاح کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا کہ صدی کا سر پا کردہ انتظار کرتے۔ ضرورت کے لحاظ سے ان کو مناسب تھا کہ ایسے مجدد کا انتظار کرتے جو کسر صلیب کے لیے آتا کیونکہ اس وقت سب سے بڑا فتنہ یہی ہے۔ ایک عام آدمی سے بھی اگر سوال کیا جاوے کہ اس وقت بڑا فتنہ کونسا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیگا کہ پادریوں کا۔ ۳۰ لاکھ کے قریب تو اسی ملک سے مُرتد ہو گیا۔ اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر ایک بھی مُرتد ہوتا تو قیامت آجاتی اسلام کیا اور ارتداد کیا؟ ایک طرف اس قدر لوگ مُرتد ہو گئے دوسری طرف اسلام کے خلاف جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کو جمع کریں تو کئی پہاڑ بنتے ہیں بعض پرچے ایسے ہوتے ہیں کہ کئی کئی لاکھ شائع ہوتے ہیں اور ان میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ بتاؤ ایسی حالت اور صورت میں اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا وعدہ کہاں گیا؟ اس نے وہ گالیاں سیّد المعصومین کی نسبت سُنیں جن سے دنیا میں لرزہ پڑ گیا مگر اُسے غیرت نہ آئی اور کوئی آسمانی سلسلہ اس نے قائم نہ کیا؟ کیا ایسا ہو سکتا تھا جب چنداں بگاڑ نہ تھا تو مجدد آتے رہے اور جب بگاڑ حد سے بڑھ گیا تو کوئی نہ آیا۔ سوچو تو سہی۔ کیا عقل قبول کرتی ہے کہ جس اسلام کے لیے یہ وعدے اور غیرت خدا تعالیٰ نے دکھائی جس کے نمونے صدرِ اسلام میں موجود ہیں تو اب ایسا ہوا کہ نعوذ باللہ مر گیا۔ اب اگر پادری یا دوسرے مذاہب کے لوگ پوچھیں کہ کیا نشان ہے اس کی سچائی کا تو بتاؤ قصّہ کے سوا کیا جواب ہے جیسے ہندو کوئی پستک پیش کر دیتے ہیں ویسے ہی یہ چند ورق لیکر آگے ڈال سکتے ہیں۔ بڑی بات یہ کہ معجزات کے لیے چند حدیثیں پیش کر دیں مگر کوئی کب مان سکتا ہے کہ ڈیڑھ سو برس بعد کے لکھے ہوئے واقعات صحیح ہیں مخالف پر حجت کیونکر ہو۔ وہ تو زندہ خدا اور زندہ معجزہ کو مانے گا۔

اس وقت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اَور خرابیوں کے علاوہ اسلام کو بھی مُردہ مذہب بنایا جاتا ہے حالانکہ نہ وہ کبھی مُردہ[1] ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی زندگی کے ثبوت میں آسمان سے نشان دکھائے۔ کسوف خسوف بھی ہوا۔ طاعون

---

[1] البدر میں ہے:۔ "لیکن اسلام نہ مُردہ ہے نہ مُردہ مذہب ہو گا" (البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۵ کالم اوّل مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۳ء) ترتیب عبارت کے لحاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ "نہ وہ مُردہ ہے نہ کبھی مُردہ ہو گا" ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے اس فقرہ کا پہلا حصہ سہواً رہ گیا ہے۔ (مرتب)

بھی آئی۔ حج بھی بند ہوا۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) کے موافق ریلیں بھی جاری ہوئیں۔ غرض وہ نشان جو اس زمانہ کے لیے رکھے تھے پورے ہوئے مگر یہ کہتے ہیں ابھی وہ وقت نہیں آیا۔

ماسوا اس کے وہ نشان ظاہر کئے جن کے گواہ نہ صرف ہماری جماعت کے لوگ ہیں۔ بلکہ ہندو اور عیسائی بھی گواہ ہیں اور اگر وہ دیانت امانت کو نہ چھوڑیں تو اُن کو سچی گواہی دینی پڑے گی۔ مَیں نے بارہا کہا ہے کہ صادق کی شناخت کے تین بڑے معیار ہیں۔ اوّل نصوص کو دیکھو۔ پھر عقل کو دیکھو کہ کیا حالات موجودہ کے موافق کسی صادق کو آنا چاہیئے یا نہیں؟ تیسرا کیا اس کی تائید میں کوئی معجزات اور خوارق بھی ہیں؟ مثلاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیکھتے ہیں کہ توریت انجیل میں بشارات موجود ہیں، یہ تو نصوص کی شہادت ہے اور عقل اس واسطے موید ہے کہ اس وقت بحر و بر میں فساد تھا گویا نبوت کا ثبوت ایک نص تھا دوسرا ضرورت تیسرے وہ معجزات جو آپ سے صادر ہوئے۔

اب اگر کوئی سچے دل سے طالب حق ہو تو اسکو یہی باتیں یہاں دیکھنی چاہئیں اور اُس کے موافق ثبوت لے۔ اگر نہ پائے تو تکذیب کا حق اُسے حاصل ہے اور اگر ثابت ہو جائیں اور وہ پھر بھی تکذیب کرے تو میری نہیں کل انبیاء کی تکذیب کرے گا۔

نووارد۔ اگر ان ضروریات موجودہ کی بناء پر کوئی اَور دعویٰ کرے کہ مَیں عیسیٰ ہوں تو کیا فرق ہوگا؟

حضرت اقدس۔ یہ فرضی بات ہے ایسے شخص کا نام لیں۔ اگر یہی بات ہے کہ ایک کاذب بھی کہہ سکتا ہے تو پھر آپ اس اعتراض کا جواب دیں کہ اگر مسیلمہ کذّاب کہتا کہ توریت اور انجیل کی بشارت کا مصداق مَیں ہوں تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے لیے کیا جواب دینگے؟

نووارد۔ مَیں نہیں سمجھا۔

حضرت اقدس۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کا یہ اعتراض صحیح ہو سکتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی تو بعض جھوٹے نبی موجود تھے جیسے مسیلمہ کذّاب، اسود عنسی۔ اگر انجیل اور توریت میں جو بشارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہیں اسکے موافق یہ کہتے کہ یہ بشارات میرے حق میں ہیں تو کیا جواب ہو سکتا تھا؟

نووارد۔ مَیں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت اقدس۔ یہ سوال اس وقت ہو سکتا تھا جب ایک ہی جزو پیش کرتا مگر مَیں تو کہتا ہوں کہ میری تصدیق میں دلائل کا ایک مجموعہ میرے ساتھ ہے۔ نصوص قرآنیہ حدیثیہ میری تصدیق کرتے ہیں۔ ضرورتِ موجودہ میرے وجود کی داعی اور وہ نشان جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے ہیں وہ الگ میرے مصدق ہیں۔ ہر ایک نبی ان امور ثلثہ کو پیش کرتا رہا ہے اور مَیں بھی یہی پیش کرتا ہوں۔ پھر کس کو انکار کی گنجائش ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ

میرے لیے ہے تو اُسے میرے مقابلہ میں پیش کرو۔

(ان فقرات کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے جوش سے بیان کیا کہ وہ الفاظ میں ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں نو وارد صاحب بالکل خاموش ہو گئے اور پھر چند منٹ کے بعد انہوں نے اپنا سلسلہ کلام یوں شروع کیا۔)

نو وارد۔ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے جو آیا ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے کیا یہ صحیح ہے[1]؟

حضرت اقدس۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو آیا ہے کہ آپ مثیل موسیٰ تھے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے عصا کا سانپ بنایا ہو۔ کافر یہی اعتراض کرتے رہے۔ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (الانبیاء: ۶) معجزہ ہمیشہ حالتِ موجودہ کے موافق ہوتا ہے۔ پہلے نشانات کافی نہیں ہو سکتے اور نہ ہر زمانہ میں ایک ہی قسم کے نشان کافی ہو سکتے ہیں۔

نو وارد۔ اس وقت آپ کے پاس کیا معجزہ ہے؟

حضرت اقدس۔ ایک ہو تو بیان کروں۔ ڈیڑھ سو کے قریب نشان میں نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں جنکے ایک لاکھ کے قریب گواہ ہیں اور ایک نوع سے وہ نشانات ایک لاکھ کے قریب ہیں۔

نو وارد۔ عربی میں آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں لکھ سکتا۔

حضرت اقدس۔ ہاں

---

[1] البدر نے اس پر یہ نوٹ دیا ہے:۔

"چونکہ سائل کا مطلب اس سوال سے یہ تھا کہ آپ جو مسیح موعود ہونے کے مدعی ہیں تو کس قدر مُردے زندہ کئے آپ نے فرمایا کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مثیلِ موسیٰ کہا گیا تو آپ بتلایئے کہ آنحضرتؐ نے کس قدر عصا کے سانپ بنائے؟ اور کونسے دریائے نیل پر آپ کا گذر ہوا؟ اور کب اور کسقدر جُوئیں مینڈکیں اور خون آپ کے زمانہ میں برسا؟ کیونکہ جب آپ مثیلِ موسیٰ تھے تو پھر آپ کے نزدیک تو تمام نشان موسیٰ والے آنحضرتؐ سے ظاہر ہوتے تو وہ مثیلِ موسیٰ ہوتے۔ کفار نے بھی اس قسم کا سوال آپ سے کیا تھا۔ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ جیسے موسیٰ اور عیسیٰ کو معجزات دیئے گئے ویسے ہی تم بھی دکھاؤ لیکن آنحضرتؐ نے ایسا نشان نہ دکھایا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ معجزات ہمیشہ حالتِ موجودہ کے موافق ہوتے ہیں جیسے زمانہ کی ضرورت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی خوارقِ عادات ہر ایک مرسل من اللہ لیکر آتا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۵ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

نووارد۔ بے ادبی معاف۔ آپ کی زبان سے قاف ادا نہیں ہو سکتا۔

حضرت اقدس۔ یہ بیہودہ باتیں ہیں۔ میں لکھنؤ کا رہنے والا تو نہیں ہوں کہ میرا لہجہ لکھنوی ہو میں تو پنجابی ہوں حضرت موسیٰ پر بھی یہ اعتراض ہوا کہ لَا یَکَادُ یُبِیْنُ اور احادیث میں مہدی کی نسبت بھی آیا ہے کہ اس کی زبان میں لکنت ہو گی۔

(اس مقام پر ہمارے ایک مخلص مخدوم کو یہ اعتراض سخت ارادت اور غیرتِ عقیدہ کے سبب سے ناگوار گذرا۔ اور وہ سوءِ ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے کہا کہ یہ حضرت اقدسؑ ہی کا حوصلہ ہے۔ اس پر نووارد صاحب کو بھی طیش سا آگیا اور انہوں نے بخیال خویش یہ سمجھا کہ انہوں نے غصہ سے کہا ہے اور کہا کہ میں اعتقاد نہیں رکھتا اور حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر کہا کہ استہزاء اور گالیاں سننا انبیاء کا ورثہ ہے)

حضرت اقدس۔ ہم ناراض نہیں ہوتے یہاں تو خاکساری ہے۔

نووارد۔ میں تو وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (بقرہ: ۲۶۱) کی تفسیر چاہتا ہوں۔

حضرت اقدس۔ میں آپ سے یہی توقع رکھتا ہوں مگر اللہ جلشانہٗ نے اطمینان کا ایک ہی طریق نہیں رکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اَور معجزات دیئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اَور معجزات دیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اَور قسم کے نشان بخشے۔ میرے نزدیک وہ شخص کذّاب ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور کوئی معجزہ اور تائیدات اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔ مگر یہ بھی میرا مذہب نہیں کہ معجزات ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں اور میں اس کا قائل نہیں کیونکہ قرآن شریف سے یہ امر ثابت نہیں کہ ہر ایک اقتراح کا جواب دیا جاتا ہے۔ مداریؔ کی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کئے گئے کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے کتاب لے آئیں یا یہ کہ تمہارا سونے کا گھر ہو یا یہ کہ مکّہ میں نہر آجائے مگر ان کا جواب کیا ملا؟ یہی هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل: ۹۴)

انسان کو مؤدب بادب انبیاء ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ جو کچھ دکھاتا ہے انسان اس کی مثل نہیں لا سکتا۔ میری تائید میں ایک نوع سے ڈیڑھ سو اور ایک نوع سے ایک لاکھ نشانات ظاہر ہوئے ہیں[۳]۔

---

[۱] البدر میں ہے "یہ ایک بیہودہ اعتراض ہے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۴۵ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۰۳ء)

[۲] البدر میں ہے: "معجزات مداری کا کھیل نہیں کہ جو کچھ اس سے مانگا اس نے جھٹ ٹوکرے یا تھیلے میں سے نکال کر دکھا دیا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۱ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

[۳] البدر میں ہے: "سو ایسے نشان ہم نے نزول المسیح میں لکھے ہیں اور ایک طریق سے دیکھا جاوے تو یہ نشان کئی لاکھ موجود ہیں۔ آپ ایک دو دن ٹھہریں اور دیکھ لیویں"۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اقدس ۔ اچھا کیا آپ نے دو تین روز کا مصمم ارادہ کر لیا ہے ؟

نو وارد ۔ کل عرض کرونگا ۔

حضرت اقدس ۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ دور دراز سے آئے ہیں کچھ واقفیت ضرور ہونی چاہیئے ۔ کم از کم تین دن آپ رہ جائیں مَیں یہی نصیحت کرتا ہوں اور اگر اَور نہیں تو آمدن بارادت و رفتن باجازت ہی پر عمل کریں ۔

نو وارد ۔ مَیں نے یہاں آکر اوّل دریافت کر لیا تھا کہ کوئی امر شرک کا نہیں ۔ اس لیے مَیں ٹھہر گیا کیونکہ شرک سے مجھے سخت نفرت ہے ۔

حضرت اقدس نے پھر جماعت کو خطاب کر کے فرمایا کہ

میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سب و شتم تک بھی نوبت پہنچ جاوے تو اس کو گوارا کرنا چاہیئے کیونکہ وہ مریدوں میں تو داخل نہیں ہے ۔ ہمارا کیا حق ہے کہ اس سے وہ ادب اور ارادت چاہیں جو مریدوں سے چاہتے ہیں ۔ یہ بھی ہم ان کا احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے بات کریں[1] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

محمد یوسف صاحب ۔ اجی جناب ٹھہر کر کیا کروں گا ۔ اکیلا آدمی ہوں اور یہاں یہ جوش خروش ۔ مَیں ڈرتا تو کسی سے نہیں مگر ایسا ہی لگتا ہے تو مَیں بھی تار دے کر اپنے دوستوں کو بُلا لیتا ہوں ۔

ناظرین پر واضح ہو کہ اس اثناء میں جبکہ ہمارے جوشیلے احمدی بھائی نے ان نئے سائل کو غیر تمندانہ جواب دیا تھا تو حضرت اقدس نے ان کو چُپ کروا دیا تھا ۔ پھر محمد یوسف صاحب کے اس اعتراض پر فرمایا ۔

حضرت اقدس ۔ یہ تقاضائے محبت ہے کچھ اَور نہیں ۔ محبت میں ایسا ہوا کرتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اس کی نظیر دیکھی جاتی ہے کہ ابوبکرؓ جیسا شخص جو کہ غایت درجہ کا مؤدب تھا جب اس کے سامنے ایک عرب کے سر برآوردہ شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر کہا کہ تو نے ان مختلف لوگوں کا جتھا بنا کر جو عرب کی قوم کا مقابلہ کرنا چاہا یہ غلطی ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت بڑے غصہ میں آکر اُسے کہا اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ (یہ عرب میں ایک گالی ہوتی ہے) آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ کس قدر نقصان برداشت کر کے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ۔ محبت ہے جس نے بٹھایا ہوا ہے ۔ آپ نو وارد اور یہ قابلِ احترام (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۱ مورخہ ۶ ، مارچ ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں ہے :۔

" اگر کوئی مہمان آوے اور سب و شتم تک بھی اس کی نوبت پہنچے تو تم کو چاہیئے کہ چُپ کر رہو جس حال میں کہ وہ ہمارے حالات سے واقف نہیں ہے نہ ہمارے مُریدوں میں وہ داخل ہے تو کیا حق ہے کہ ہم اس سے وہ ادب چاہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زیارت کرنیوالے کا تیرے پر حق ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر مہمان کو ذرا سا بھی رنج ہو تو وہ معصیت میں داخل ہے۔ اس لیے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ ٹھہریں۔ چونکہ کلمہ کا اشتراک ہے جب تک یہ نہ سمجھیں جو کہیں ان کا حق ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ فروری ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

چونکہ نووارد کو پوری طرح تبلیغ کرنا حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام کا منشا تھا لہٰذا سیر میں بھی اس کو خطاب کرکے آپ نے سلسلہ تقریر شروع فرمایا۔[1] (ایڈیٹر الحکم)

مامور کے آنے پر دو گروہ ہو جاتے ہیں

مَیں نے بہت غور کیا ہے کہ جب کوئی مامور آتا ہے تو دو گروہ خود بخود ہو جاتے ہیں ایک موافق دوسرا مخالف۔ اور یہ بات بھی ہر ایک عقل سلیم رکھنے والا جانتا ہے کہ اس وقت ایک جذب اور ایک نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی سعید الفطرت کھچے چلے آتے ہیں اور جو لوگ سعادت سے حصہ نہیں رکھتے ان میں نفرت بڑھنے لگتی ہے۔ یہ ایک فطرتی بات ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

طبیب اس امر کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے وہی شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو اوّل اپنے مرض کو شناخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

جو ایک مرید کو کرنا چاہیئے۔ یہ بھی ان کا احساس ہے کہ نرمی سے بات کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری جماعت پر وہ دن آوے کہ جو لوگ محض ناواقف ہیں اگر وہ آویں تو بھائیوں کی طرح سلوک کریں۔ بھلا ان لوگوں کو کیا پڑی ہے کہ تکلیف اُٹھا کر کچی سڑک پر دھکے کھاتے آتے ہیں۔ پیغمبرِ خدا فرماتے ہیں کہ زیارت کرنیوالے کا حق ہے کہ جو چاہے کہے۔ ہمارے لیے تلخی کرنا معصیت ہے ان کو اسی لیے ٹھہراتا ہوں کہ یہ غلطی رفع ہو بھائیوں کی طرح سلوک کیا کرو اور پیش آیا کرو۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۱ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں سلسلہ تقریر شروع کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل مکالمہ کا ذکر ہے:۔ حضرت اقدس (سیر کے لیے) تشریف لائے تو آتے ہی آپ نے محمد یوسف صاحب نووارد مہمان سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے توقف کا ارادہ کر لیا ہے؟

محمد یوسف صاحب۔ آج تو ضرور ہی ٹھہروں گا۔

حضرت اقدس۔ ہم آپ کو کتابیں دیدیں گے خود بھی دیکھنا اوروں کو بھی دکھانا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۱ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

کرے اور محسوس کرے کہ مَیں بیمار ہوں اور پھر یہ شناخت کرے کہ طبیب کون ہے؟ جب تک یہ دو باتیں پیدا نہ ہوں وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ مرض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرض مختلف ہوتا ہے جیسے قولنج کا درد یعنی جو محسوس ہوتا ہے اور ایک مستوی جیسے برص کے داغ کہ ان کا کوئی درد اور تکلیف بظاہر محسوس نہیں ہوتی۔ انجام خطرناک ہوتا ہے مگر انسان ایسی صورتوں میں ایک قسم کا اطمینان پاتا ہے اور اس کی چنداں فکر نہیں کرتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اوّل اپنے مرض کو شناخت کرے اور اُسے محسوس کرے۔ پھر طبیب کو شناخت کرے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی معمولی حالت پر راضی ہو جاتے ہیں[1] یہی حال اس وقت ہو رہا ہے۔ اپنی حالت پر خوش ہیں اور کہتے ہیں کہ مہدی کی کیا ضرورت ہے حالانکہ خدا دانی اور معرفت سے بالکل خالی ہو رہے ہیں۔

خدا دانی اور معرفت بہت مشکل امر ہے۔ ہر چیز اپنے لوازمات کے ساتھ آتی ہے پس جہاں خدا دانی آتی ہے اس کے ساتھ ہی ایک خاص معرفت اور تبدیلی بھی آجاتی ہے کبائر اور صغائر جو چیونٹیوں کی طرح ساتھ لگے ہوئے ہیں خدا کی معرفت کیساتھ ہی وہ دُور ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اب مَیں وہ نہیں بلکہ اَور ہوں۔ خدا دانی میں جب ترقی کرنے لگتا ہے تو گناہ سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے یہانتک کہ اطمینان کی حالت میں پہنچ جاتا ہے۔

نفس کی تین قسمیں

نفس تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک نفسِ اَمّارہ ایک لوّامہ اور تیسرا مطمئنّہ پہلی حالت میں تو صمّ بکمٌ ہوتا ہے۔ کچھ معلوم اور محسوس نہیں ہوتا کہ کدھر جا رہا ہے۔ اَمّارہ جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو معرفت کی ابتدائی حالت میں لوّامہ کی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور گناہ اور نیکی میں فرق کرنے لگتا ہے۔ گناہ سے نفرت کرتا ہے مگر پُوری قدرت

---

[1] البدر میں یہ مضمون یوں درج ہے:۔ امراض کی دو قسمیں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:۔
"اسی طرح انسان کی حالت ہے وہ دنیا میں آتا ہے۔ برص کی طرح اُسے امراض لگے ہوئے ہوتے ہیں (مگر) اُسے اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ سب سے اوّل اُسے چاہیئے کہ مرض کو دریافت کرے جس میں وہ مبتلا ہے۔ بہت لوگ ہیں کہ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور کلمہ گو بھی ہیں مگر وہ مسیح کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونا ایک مشکل امر ہے اور خدا دانی کوئی منہ کی بات نہیں۔ جب سچے طور سے انسان کو آنکھ (عطاء) کی جاتی ہے اس وقت اس کو خدا کا خوف اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔ کبائر تو موٹے گناہ ہیں جن کو ہر ایک جانتا ہے لیکن صغائر مثل چیونٹیوں کے انسان کو چمٹے ہوئے ہیں۔ ان کا ترک کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ایک نئی تبدیلی جب تک انسان کے اندر نہ ہو تب تک اُسے اُن کا علم ہی نہیں ہوتا۔ جب یہ ہو تو وہ محسوس کرتا ہے کہ مَیں ایک اَور۔ اور نیا انسان ہوں۔ اس وقت تک اس کی ترقی طلب بھی نہیں ہوتی۔ یہ اُس وقت ہوتی ہے جب اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ مَیں گناہوں سے بچوں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۱-۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

اور طاقت عمل کی نہیں پاتا نیکی اور شیطان سے ایک قسم کا جنگ ہوتا رہتا ہے یہانتک کہ کبھی یہ غالب ہوتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ حالت آجاتی ہے کہ یہ مطمئنہ کے رنگ میں آجاتا ہے اور پھر گناہوں سے نری نفرت ہی نہیں ہوتی بلکہ گناہ کی لڑائی میں یہ فتح پالیتا ہے اور اُن سے بچتا ہے اور نیکیاں اس سے بلا تکلف صادر ہونے لگتی ہیں پس اس اطمینان کی حالت پر پہنچنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے لوامہ کی حالت پیدا ہو اور گناہ کی شناخت ہو۔ گناہ کی شناخت حقیقت میں بہت بڑی بات ہے جو اُس کو شناخت نہیں کرتا اس کا علاج نبیوں کے پاس نہیں ہے[1] نیکی کا پہلا دروازہ اسی سے کھلتا ہے کہ (اوّل) اپنی کورانہ زندگی کو سمجھے اور پھر بُری مجلس اور بُری صحبت کو چھوڑ کر نیک مجلس کی قدر کرے۔ اس کا یہی کام ہونا چاہیئے کہ جہاں بتایا جائے کہ اُس کے مرض کا علاج ہوگا وہ اس طبیب کے پاس رہے اور جو کچھ وہ اس کو بتاوے اس پر عمل کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہو۔ دیکھو بیمار جب کسی طبیب کے پاس جاتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ طبیب کے ساتھ مباحثہ شروع کردے بلکہ اس کا فرض یہی ہے کہ وہ اپنا مرض پیش کرے اور جو کچھ طبیب اس کو بتائے[2]۔ اس سے وہ فائدہ اُٹھائے گا۔ اگر اُس کے علاج پر جرح شروع کردے تو فائدہ کس طرح ہوگا۔

انسان کی پیدائش کی علّتِ غائی

انسان کا فرض ہے کہ اس میں نیکی کی طلب صادق ہو اور وہ اپنے مقصد زندگی کو سمجھے قرآن شریف میں انسان کی زندگی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذّاریات: ۵۷) یعنی جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں جب انسان کی پیدائش کی علّت غائی یہی ہے تو پھر چاہیئے کہ خدا کو شناخت کریں۔ جب کہ انسان کی پیدائش کی علّت غائی یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے اور عبادت کے واسطے اوّل معرفت کا ہونا ضروری ہے۔ جب سچّی معرفت ہو جاوے تب وہ اس کی خلاف مرضی کو ترک کرتا۔ اور سچا مسلمان ہو جاتا ہے۔ جب تک سچّا علم پیدا نہ ہو کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھو جن چیزوں کے نقصان کو انسان یقینی سمجھتا ہے اُن سے بچتا ہے مثلاً سم الفار ہے جانتا ہے کہ یہ زہر ہے اس لیے اس کو استعمال کرنے کیلئے جرأت اور دلیری نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ اس کا کھانا موت کے مُنہ میں جانا ہے۔ ایسا ہی کسی زہریلے سانپ کے بِل میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یا طاعون والے گھر میں نہیں ٹھہرتا۔ اگرچہ جانتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے

---

[1] (البدر سے) یہ بات غلط ہے کہ کسی نبی یا ولی کے پاس جانے سے ایک دم میں ہی ایک پھُونک سے سب کچھ ہو جاتا ہے اور وہ ہدایت پاتا ہے۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے یہ نہ نبی کا کام ہے نہ کسی اَور کا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر سے) "اگر علاج اچھا ہو تو اس کے پاس رہے ورنہ نہیں کیا اگر ایک بچہ ابتدا ہی میں اُستاد سے الف پر بحث کرے کہ یہ الف کیوں ہے تو وہ کیا حاصل کریگا یہ تو بدبختی کی نشانی ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

اللہ تعالیٰ کے منشاء سے ہوتا ہے۔ تاہم وہ ایسے مقامات میں جانے سے ڈرتا ہے اب سوال یہ ہے کہ پھر گناہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟[1]

انسان کے اندر بہت سے گناہ ایسی قسم کے ہیں کہ وہ معرفت کی خوردبین کے سوا نظر ہی نہیں آتے۔ جُوں جُوں معرفت بڑھتی جاتی ہے انسان گُناہوں سے واقف ہوتا جاتا ہے بعض صغائر ایسی قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اُن کو نہیں دیکھتا لیکن معرفت کی خوردبین اُن کو دکھا دیتی ہے۔

غرض اوّل گناہ کا علم عطا ہوتا ہے پھر وہ خدا جس نے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸) (فرمایا ہے) اس کو عرفان بخشتا ہے۔ تب وہ بندہ خدا کے خوف میں ترقی کرتا اور اس پاکیزگی کو پالیتا ہے جو اس کی پیدائش کا مقصد ہے۔

جماعت کے قیام کی غرض

اس سلسلہ سے خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے اور اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ تقویٰ کم ہوگیا ہے۔ بعض تو کُھلے طور پر بیحیائیوں میں گرفتار ہیں اور فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ایک قسم کی ناپاکی کی مُونی اپنے اعمال کے ساتھ رکھتے ہیں مگر انہیں نہیں معلوم کہ اگر اچھے کھانے میں تھوڑا سا زہر پڑ جاوے تو وہ سارا زہریلا ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جو چھوٹے چھوٹے (گناہ) ریاکاری وغیرہ جن کی شاخیں باریک[2] ہوتی ہیں اُن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ دنیا کو تقویٰ اور طہارت کی زندگی کا نمونہ دکھائے۔ اسی غرض کیلئے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ وہ تطہیر چاہتا ہے اور ایک پاک جماعت بنانا اس کا منشاء ہے۔

ایک پہلو تو میری بعثت اور ماموریت کا یہ ہے۔ دوسرا پہلو کسرِ صلیب کا ہے۔ کسرِ صلیب کیلئے جسقدر جوش خُدا نے مجھے دیا ہے اس کا کسی دوسرے کو علم نہیں ہوسکتا۔ صلیبی مذہب نے جو کچھ نقصان عورتوں۔ مردوں اور جوانوں کو پہنچایا ہے اس کا اندازہ مُشکل ہے[3]۔ ہر پہلو سے اسلام کو کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر ہے تو وہ طبابت کے رنگ

---

[1] (البدر سے) "صرف یہی ہے کہ اس کو یقین نہیں ہے اور اس کو اس بات کا مطلق علم نہیں کہ گناہ مُہلک ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر سے) "ایک وہ ہیں جو کہ باریک گناہوں کے مرتکب ہیں۔ اگرچہ ظاہری طور پر ہر انسان سمجھتا ہے کہ یہ بڑے دیندار ہیں، لیکن عُجب اور ریا اور باریک باریک معاصی میں مبتلا ہیں جو کہ عارفانہ خوردبین سے نظر آتے ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۲ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

[3] (البدر سے) پادریوں کا فتنہ کسقدر ہے۔ کیا کچھ نقصان انہوں نے اسلام کو پہنچایا ہے۔ ۳۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان ان کے ہاتھوں پر مُرتد ہو چکے ہیں۔ ہر گاؤں میں ہر محلہ میں انہوں نے ڈیرہ لگایا ہے کروڑہا رسالہ جات، کتابیں اسلام کی تردید میں انکی طرف سے نکل کر مفت شائع ہوتی ہیں اور یہ اس قسم کے فتنے ہیں کہ ایسی نظیر شروع سے لیکر اب تک کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور انکے حملے مختلف طور پر ہیں۔"

(حوالہ ایضاً)

میں یا صدقات وخیرات کے رنگ میں، عہدہ دار ہو تب ولیم میور کی طرح اپنے رنگ میں غرض صدہا شاخیں ہیں جو اسلام کے استیصال کے لیے انہوں نے اختیار رکھی ہیں۔ یہ دل سے چاہتے ہیں کہ ایک فرد بھی اسلام کا نام لینے والا باقی نہ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والا کوئی نہ ہو۔ ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جن میں اُن کے جوش کو بیان کرسکیں۔

ایسی حالت میں خدا تعالیٰ نے مجھے وہ جوش کسرِ صلیب کے لیے دیا ہے کہ دُنیا میں اس وقت کسی اَور کو نہیں دیا گیا پھر کیا یہ جوش بدوں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آنے کے پیدا ہو سکتا ہے؟

جس قدر توہین اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی ہے کیا ضرور نہ تھا کہ اللہ تعالےٰ جو غیور ہے آسمان سے مدد کرتا۔

غرض ایک طرف تو یہ صلیبی فتنہ انتہاء کو پہنچا ہوا ہے دوسری طرف صدی ختم ہو گئی۔ تیسری طرف اسلام کا ہر ایک پہلو سے ضعیف ہونا۔ کسی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو طبیعت کو بشاشت نہیں ہوتی ایسی صورت میں ہم چاہتے ہیں کہ پھر خدا کا جلال ظاہر ہو۔ مجھے محض ہمدردی سے کلام کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ مَیں جانتا ہوں کہ غائبانہ میری کیسی ہنسی کی جاتی ہے اور کیا کیا افتراء ہوتے ہیں مگر جو جوش خدا تعالیٰ نے مجھے ہمدردی مخلوق کا دیا ہوا ہے وہ مجھے ان باتوں کی کچھ بھی پروا نہیں کرنے دیتا۔ مَیں تو خدا کو خوش کرنا چاہتا ہوں نہ لوگوں کو۔ اس لیے مَیں اُن کی گالیوں اور ٹھٹھوں کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ میرا مولیٰ میرے ساتھ ہے۔ ایک وقت تھا کہ ان راہوں میں مَیں اکیلا پھرا کرتا تھا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے بشارت دی کہ تو اکیلا نہ رہے گا بلکہ تیرے ساتھ فوج در فوج لوگ ہوں گے اور یہ بھی کہا کہ تُو ان باتوں کو لکھ لے اور شائع کر دے کہ آج تیری یہ حالت ہے پھر نہ رہے گی۔ مَیں سب مقابلہ کرنیوالوں کو پست کر کے ایک جماعت کو تیرے ساتھ کر دُونگا وہ کتاب موجود ہے مکہ معظمہ میں بھی اس کا ایک نسخہ بھیجا گیا تھا۔ بخارا میں بھی اور گورنمنٹ کو بھی اس میں جو پیشگوئیاں ۲۲ سال پیشتر چھپ کر شائع ہوئی ہیں وہ آج پوری ہو رہی ہیں۔ کون ہے جو ان کا انکار کرے۔ ہندو مسلمان اور عیسائی سب گواہی دیں گے کہ یہ اس وقت بتایا گیا تھا جب مَیں اَحَدٌ مِنَ النَّاس تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تیری مخالفت ہو گی مگر مَیں تجھے بڑھاؤنگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اب ایک آدمی سے پونے دو لاکھ تک تو نوبت پہنچ گئی۔ دوسرے وعدے بھی ضرور پورے ہوں گے۔

لیکھرام کے متعلق نشان

پھر آریوں کے مقابل میں ایک نشان مجھے دیا گیا جو لیکھرام کے متعلق تھا وہ اسلام کا دشمن تھا اور گندی گالیاں دیا کرتا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا تھا۔ یہاں قادیان آیا اور اُس نے مجھ سے نشان مانگا۔ مَیں نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی۔

چنانچہ مَیں نے اس کو شائع کر دیا اور یہ کوئی بات نہیں کُل ہندوستان اس کو جانتا ہے کہ جس طرح قبل از وقت اس کی موت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا تھا اسی طرح وہ پورا ہو گیا۔ اس کے علاوہ اَور بہت سے نشانات ہیں۔ جو ہم نے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں اور اس پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارا خدا تھکنے والا خدا نہیں۔ وہ تکذیب کرنے والوں کیلئے ہر وقت تیار ہے۔ مَیں نے پنجاب کے مولویوں اور پادریوں کو ایسی دعوت دی ہے کہ وہ میرے مقابل میں آکر نشانات کو جو ہم پیش کرتے ہیں فیصلہ کر لیں اگر ان کو نہ مانیں تو دُعا کر سکتا ہوں اور اپنے خدا پر یقین رکھتا ہوں کہ اور نشان ظاہر کر دیگا لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ صدقِ نیت سے اس طرف نہیں آتے بلکہ لیکھرامی حیلے کرتے ہیں[1] مگر خدا تعالیٰ کسی کی حکومت کے نیچے نہیں ہے۔

مَیں بار بار یہی کہتا ہوں کہ پہلے ان خوارق کو جو مَیں پیش کرتا ہوں۔ دیکھ لو اور منہاج نبوت پر سوچو۔ اگر پھر بھی تکذیب کے لیے جرأت کرو گے تو خدا کی غیرت کے لیے زیادہ جنبش ہو گی اور وہ قادر ہے کہ کوئی امر انسانی طاقت سے بالاتر ظاہر کرے۔

لیکھرام کی نسبت جب پیشگوئی کی گئی تھی تو اس نے بھی میرے لیے ایک پیشگوئی کی تھی اور یہ شائع کر دیا تھا کہ تین سال کے اندر ہیضہ سے ہلاک ہو جاوے گا مگر اب دیکھ لو کہ اس کی ہڈیوں کا بھی کہیں نشان پایا جاتا ہے؟ مگر مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے اسی طرح زندہ ہوں۔

یہ امور ہیں۔ اگر حق پسند توقف سے ان میں غور کرے تو فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مگر نرے بحث کرنے والے جلد باز کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا[2]

منجملہ میرے نشانوں کے طاعون کا بھی ایک نشان ہے۔ اس وقت مَیں نے خبر دی تھی جبکہ ابھی کوئی نام و نشان بھی اس کا نہ پایا جاتا تھا اور یہ بھی الہام ہوا تھا یا مسیح الخلق عدوانا اب دیکھ لو کہ یہ وبا خطرناک طور پر پھیلی ہوئی ہے اور گاؤں کے گاؤں اس طرف رجوع کر رہے ہیں اور توبہ کرتے جاتے ہیں۔ کیا یہ باتیں انسانی طاقت کے اندر ہیں؟ یہی اُمور ہیں جو خارق عادت کہلاتے ہیں۔

---

[1] (البدر سے) "اس طرح کے سوال کرتے ہیں کہ زمین کو اُلٹ کر دکھا دو۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اس طرح کے سوالات تو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کرتے تھے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر سے) "یہ اُمور ہیں جو ایک صالح اور شریف کے واسطے قابلِ غور ہیں بشرطیکہ وہ اپنے نفس کا علاج کرنیوالا ہو۔ اس کو یہ موقعہ نہیں ہے کہ بحث کرے۔ اسے خیال کرنا چاہیئے کہ خدا کا ایک قہری نشان موت (طاعون) ہر روز ہے کسی کو کیا علم کہ اس نے کہاں تک سیر کرنا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

تجدیدِ دین کی ضرورت

نووارد۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر صدی پر مجدّد ہونا چاہیئے؟[1]

حضرت اقدس۔ ہاں یہ تو ضروری ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد آئے۔ بعض لوگ اس بات کو سُنکر پھر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جبکہ ہر صدی پر مجدّد آتا ہے تو پھر تیرہ صدیوں کے مجدّدوں کے نام بتاؤ۔ مَیں اس کا پہلا جواب یہ دیتا ہوں کہ اُن مجدّدوں کے نام بتانا میرا کام نہیں۔ یہ سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو جنہوں نے فرمایا ہے کہ ہر صدی پر مجدّد آتا ہے اس حدیث کو تمام اکابر نے تسلیم کر لیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس کو مانتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور حدیث کی کتابیں جو موجود ہیں ان میں یہ حدیث پائی جاتی ہے۔ کسی نے کبھی اس کو پھینک نہ دیا اور نہ کہا کہ یہ حدیث نکال دینی چاہیئے جبکہ یہ بات ہے تو پھر مجھ سے فہرست کیوں مانگی جاتی ہے۔

میرا یہ مذہب ہے کہ عدمِ علم سے عدمِ شیئ لازم نہیں آتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو منسوب ہو اگر وہ قرآن شریف کے برخلاف نہ ہو تو مَیں اس کو مانتا ہوں۔ خود ہی ان لوگوں سے پُوچھو کہ کیا یہ حدیث جھوٹی ہے؟ تو پہلے اس کو نکالو اور اگر شکّی ہے تو پھر تقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ کم از کم حدیث کی رُو سے مجھے بھی شکّی ہی مان لو۔ عجیب بات ہے حدیث کو شکّی کہو اور مجھے کذّاب! یہ تو تقویٰ کا طریق نہیں۔ اگر بفرض محال جُھوٹی ہے تو پھر جان بوجھ کر جھوٹ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا تو لعنتی کا کام ہے۔ سب سے پہلا کام تو علماء کا یہ ہونا چاہیئے کہ اس کو نکال ڈالیں مگر مَیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ حدیث جھوٹی نہیں ہے صحیح ہے۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ ہر صدی پر مجدّد آتا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں وغیرہ نے ۱۳ مجدّدگن کر بھی دکھائے ہیں مگر مَیں اُن کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اس حدیث کی صحت کا یہ معیار نہیں بلکہ قرآن اس کی صحت کا گواہ ہے۔ یہ حدیث اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (سورۃ الحجر: ۱۰) کی شرح ہے صدی ایک عام آدمی کی عمر کی ہوتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سَو سال بعد کوئی نہ رہے گا۔ جیسے صدی جسم کو مارتی ہے اسی طرح ایک رُوحانی

---

[1] البدر میں نووارد کے اس سوال سے پہلے ایک اَور سوال اور اسکا جواب منجانب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں درج ہے۔ "محمد یوسف صاحب۔ یہ امور تو سب ٹھیک ہیں اور آپ کوئی امر خلاف قرآن نہیں کہتے ہیں لیکن مَیں صرف اپنی عقل کے موافق رفع شکوک چاہتا ہوں اور جہالت سے متنفر ہوں۔

حضرت اقدس۔ دیکھئے ایک طریق وکلاء کا ہوتا ہے کہ اُن کو حق ناحق سے غرض نہیں ہوتی جس فریق کا مقدمہ لے لیا اب اسی کی بات کرتے ہیں اور ایک خیال انسان کے اندر ہوتا ہے جس سے وہ خوشبو اور بدبو کا پتہ لے لیتا ہے۔ وہ ایک قسم کا نُور ہوتا ہے جس سے انسان معصیت سے بچا رہتا ہے۔ اب ان عیسائی آریہ وغیرہ کو دیکھا گیا ہے کہ سب اپنے مذہب کی پچ کرتے ہیں ورنہ اُن کے پاس کوئی دلائل حقانیت کے نہیں ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۵۳ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۳ء)

موت بھی واقع ہوتی ہے اس لیے صدی کے بعد ایک نئی ذُرّیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے اناج کے کھیت اب دیکھتے ہیں کہ ہرے بھرے ہیں۔ ایک وقت میں بالکل خشک ہوں گے پھر نئے سرے سے پیدا ہو جائینگے اس طرح پر ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پہلے اکابر سو سال کے اندر فوت ہو جاتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ ہر صدی پر نیا انتظام کر دیتا ہے جیسے رزق کا سامان کرتا ہے پس قرآن کی حمایت کے ساتھ یہ حدیث تواتر کا حکم رکھتی ہے۔

کپڑا پہنتے ہیں تو اسکی بھی تجدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طریق پر نئی ذریت کو تازہ کرنے کیلئے سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ہر صدی پر مجدد آتا ہے۔ غرض مجھ سے ایک حدیث کے موافق گذشتہ مجددوں کا مؤاخذہ نہیں ہو سکتا۔ مَیں اپنی صدی کا ذمہ دار ہوں۔ ہاں چونکہ میں اس حدیث کو صحیح سمجھتا ہوں اور قرآن شریف کی حمایت سے صحیح مانتا ہوں پس اگر یہ لوگ اس حدیث کو جھوٹا کہہ دیں اور حدیث کی کتابوں سے نکال دیں پھر مَیں خدا سے دُعا کرونگا اور یقیناً وہ میری دُعا کو سنے گا اور مَیں کشف سے نام بھی بتا دُونگا لیکن اگر یہ حدیث خود اُن کے مسلمات کے موافق ہی جھوٹی نہیں اور نہیں ہے تو پھر خدا سے ڈرو اور لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) پر عمل کرو اور بیہودہ حیلے اور حجتیں نہ تراشو۔ یہ حدیث جن کتابوں میں درج ہے اور باوجود جھوٹی ہونے کے اس کو رکھا گیا ہے تو پھر کیوں نہیں بابا نانک کے شبد اُن میں داخل کر لیتے اور موضوعات کے مجموعہ میں لکھ لیتے۔ پس کسی صورت میں یہ مؤاخذہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ ہزاروں اولیاء گذر چکے ہیں تو کیا مجھے لازم ہے کہ مَیں اُن کی بھی فہرست دوں۔ یہ خُدا تعالیٰ ہی کا علم ہے۔ ہاں خدا نے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور قرآن شریف اس کی تصدیق کرتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسیح موعود بقول نواب صدیق حسن خاں صاحب کے صدی کے سر پر ہوگا اور یہ بھی وہ کہتے ہیں کہ چودھویں صدی سے آگے نہ ہوگا، مگر اب تو اس صدی سے بیس سال گذر گئے۔ پانچواں حصہ صدی کا گذر چکا اگر اب تک بھی نہیں آیا تو پھر سو سال تک انتظار کرتے رہیں۔ اس صدی میں اسلام اہل صلیب سے کچلا جاوے گا۔ جب پچاس سال میں یہ حال ہو گیا ہے کہ تیس لاکھ آدمی مُرتد ہو چکے ہیں اور جیسی جیسی شوکت بڑھتی ہے اُن کی شوخی بڑھتی گئی ہے یہانتک کہ اُمہات المومنین جیسی گندی کتاب شائع کی گئی۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے اسکے خلاف گورنمنٹ کے پاس میموریل بھیجا۔ اس کے میموریل سے پہلے مجھے الہام ہو چکا تھا کہ یہ میموریل بھیجنا بیفائدہ ہے چنانچہ میرے دوستوں کو جو یہاں رہتے ہیں اور اُنکو بھی جو دوسرے شہروں میں ہیں معلوم تھا کہ مَیں نے یہ الہام قبل از وقت اُن کو بتا دیا تھا آخر وہی ہوا اور گورنمنٹ نے اس پر کوئی کارروائی انجمن کے حسب منشا نہ کی۔

مہدی اور جہاد

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا مہدی آنا چاہیئے جو جہاد کا فتویٰ دے اور انگریزوں اور دوسری غیر قوموں سے لڑائی کرے۔ مَیں کہتا ہوں یہ بھی غلط ہے اور حدیث سے بھی پایا جاتا ہے کہ آنے والا موعود يَضَعُ الْحَرْبَ کر کے دکھائے گا یعنی لڑائیوں کو موقوف کریگا۔ دیکھو

ہر چیز کے عنوان پہلے ہی سے نظر آجاتے ہیں جیسے پھل سے پہلے شگوفہ نکل آتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہوتا کہ مہدی آکر جہاد کرتا اور تلوار کے زور سے اسلام کی حمایت کرتا تو چاہیئے تھا کہ مسلمان فنونِ حربیہ اور سپہ گری میں ..... تمام قوموں سے ممتاز ہوتے اور فوجی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی مگر اس وقت یہ طاقت تو اسی قوم کی بڑھی ہوئی ہے اور فنونِ حرب کے متعلق جس قدر ایجادات ہو رہی ہیں وہ یورپ میں ہو رہی ہیں نہ کسی اسلامی سلطنت میں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے اور یضع الحرب کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے واسطے یہی ہونا بھی چاہیئے تھا دیکھو مہدی سوڈانی وغیرہ نے جب مخالفت میں ہتھیار اٹھائے تو خدا تعالیٰ نے کیسا ذلیل کیا یہاں تک کہ اس کی قبر بھی کھدوائی گئی اور ذلت ہوئی اس لیے کہ خدا کے منشا کے خلاف تھا۔ مہدی موعود کا یہ کام ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو اسلام کو اس کی اخلاقی اور علمی و عملی اعجازات سے دلوں میں داخل کرے گا اور اس اعتراض کو دُور کرے گا جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ وہ ثابت کر دکھائے گا کہ اسلام ہمیشہ اپنی عملی سچائیوں اور برکات کے ذریعہ پھیلا ہے۔ ان تمام باتوں سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا منشا تلوار سے کام لینا ہوتا تو فنونِ حرب اسلام والوں کے ہاتھ میں ہوتے۔ اسلامی سلطنتوں کی جنگی طاقتیں سب سے بڑھ کر ہوتیں۔ اگرچہ حقیقی خبر تو خدا تعالیٰ سے وحی پانے والوں کو ملتی ہے مگر مومن کو بھی ایک فراست ملتی ہے اور وہ علامات و آثار سے سمجھ لیتا ہے کہ کیا ہونا چاہیئے۔ جب عیسائی قوموں کے مقابل آتے ہیں تو زک اُٹھاتے ہیں اور ذلت کا منہ دیکھتے ہیں۔ کیا اس سے پتہ نہیں لگتا کہ خدا تعالیٰ کا منشا تلوار اُٹھانے کا نہیں ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہیں غلط ہے۔

مسیح موعود کا یہی کام ہے کہ وہ لڑائیوں کو بند کر دے کیونکہ یَضَعُ الْحَرْبَ اس کی شان میں آیا ہے۔ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو باطل کر دیگا؟ معاذ اللہ۔ قرآن شریف سے بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے کہ اس وقت لڑائی نہیں ہونی چاہیئے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جب دل اعتراضوں سے بھرے ہوئے ہوں تو اُن کو قتل کر دیا جاوے یا تلوار اُٹھا کر مسلمان کیا جاوے۔ وہ اسلام ہوگا یا کُفر جو ان کے دلوں میں اس وقت پیدا ہوگا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں محض دفاعی تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مذہب کیلئے تلوار نہیں اُٹھائی بلکہ اتمامِ حجت کے بعد جس طرح پر خدا نے چاہا منکروں کو عذاب دیا۔ وہ جنگیں دفاعی تھیں۔ تیرہ برس تک آپ ستائے جاتے رہے اور صحابہؓ نے جانیں دیں۔ انہوں نے (منکروں نے) نشان پر نشان دیکھے اور انکار کرتے رہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے اُن کو جنگوں کی صورت میں عذاب سے ہلاک کیا۔ اس زمانہ میں طاعون ہے۔ جُوں جُوں تعصب بڑھے گا طاعون بڑھے گی۔ قرآن شریف میں اس کی بابت خبر دی گئی ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا۔ (بنی اسرائیل: ۵۹)

پس اگر میں خدا کی طرف سے ہوں اور وہ بہتر جانتا ہے کہ میں اسی کی طرف سے ہوں تو اس کے وعدے پورے ہو کر

جو بشارت کی پیشگوئیوں کو نہیں مانتے۔ تو اس طاعون کی پیشگوئی کو دیکھیں۔ سعادت سے انہیں کو حصہ ملتا ہے جو دُور سے بَلا کو دیکھتا ہے۔

خدا تعالیٰ پر تقوّل کرنیوالا ہلاک ہو جاتا ہے

صادق کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک اور نشان بھی قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اگر تو مجھ پر تقوّل کرے تو مَیں تیرا دہنا ہاتھ پکڑ لوں۔ اللہ تعالیٰ پر تقوّل کرنیوالا مفتری فلاح نہیں پا سکتا بلکہ ہلاک ہو جاتا ہے اور اب پچیس ۲۵ سال کے قریب عرصہ گذرا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحی کو مَیں شائع کر رہا ہوں۔ اگر افتراء تھا تو اس تقوّل کی پاداش میں ضروری نہ تھا کہ خدا اپنے وعدہ کو پورا کرتا؟ بجائے اس کے کہ وہ مجھے پکڑتا اس نے صدہا نشان میری تائید میں ظاہر کئے اور نصرت پر نصرت مجھے دی۔ کیا مفتریوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا کرتا ہے؟ اور دجالوں کو ایسی ہی نصرت ملا کرتی ہے؟ کچھ تو سوچو۔ ایسی نظیر کوئی پیش کرو اور مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں ہرگز نہ ملیگی۔

ہاں مَیں یہ جانتا ہوں کہ طبیب تو مریض کو کلوروفارم سُنگھا کر بھی دوائی اندر پہنچا سکتا ہے۔ روحانی طبابت میں یہ نہیں ہے بلکہ باتوں کو مؤثر بنانا اور دل میں ڈالنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو شوخی کو دُور کر کے خود اندر ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔

نووارد۔ مَیں اہل اسلام کی زیادتی پر تعجب کرتا ہوں۔ آپ کے کلمات میں مَیں کوئی وجہ کفر کی نہیں دیکھتا۔

حضرت اقدس۔ آپ کتابیں بھی دیکھ لیں تا کوئی شک آپ کو باقی نہ رہے کہ کون سے ایسے کلمات ہیں جو قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف ہیں۔ مَیں اُن کے کُفر کی پروا نہیں کرتا۔ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ اُن کے ہی آثار میں لکھا ہوا تھا کہ مسیح موعود جب آئیگا تو اُس پر کُفر کے فتوے دیئے جائیں گے۔ یہ پیشگوئیاں کیسے پوری ہوئیں؟ یہ تو اپنے ہاتھ سے پوری کر رہے ہیں۔ مجدد صاحب اور نواب صدیق حسن خانصاحب کہتے ہیں کہ جب وہ آئے گا تو علماء مخالفت کرینگے اور محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ جب وہ آئیگا تو ایک شخص اُٹھ کر کہے گا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔ اب جبکہ پہلے سے یہ باتیں ہیں تو ہم خوش ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ سے پُورا کر رہے ہیں۔ اب جبکہ یہ باتیں پہلے سے ہیں تو یہ بھی صداقت کا نشان ہے اس لیے ہم ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

یہ جو کہتے ہیں کہ آسمان سے مسیح آئیگا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام وفات پا گئے۔[1]

---

[1] نوٹ:۔ یہاں حضرت اقدس نے آیت شریفہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ اور حدیث معراج سے استدلال کر کے ایک جامع تقریر فرمائی جو ہم بارہا شائع کر چکے ہیں اور اپنے وجود پر سورہ نُور سے استدلال فرمایا اور ایسا ہی مسیح کی قبر کشمیر کے متعلق بیان فرماتے رہے اور وفاتِ مسیح پر صحابہ کے اجماع کا ذکر فرمایا۔ (ایڈیٹر الحکم)

آخر میں فرمایا کہ

اگر وہ صحابہؓ کا سا مذاق اور محبت ہوتی جو صحابہؓ کے دل میں تھی تو یہ عقیدہ نہ رکھتے کہ وہ زندہ ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو خالق بھی نہ مانتے اور غیب دان بھی (نہ مانتے) خدا تعالیٰ ان فسادوں کو روا نہیں رکھتا اور اس نے چاہا ہے کہ اصلاح کرے۔ ہمارا کام اللہ کیلئے ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا یہ کاروبار ہے اور اسی کا ہے تو کسی انسان کی طاقت میں نہیں کہ اس کو تباہ کر سکے اور کوئی ہتھیار اس پر چل نہیں سکتا، لیکن اگر انسان کا ہے تو پھر خود ہی تباہ ہو سکتا ہے انسان کو زور لگانے کی بھی کیا حاجت ہے۔

دربار شام

نو وارد صاحب کی وجہ سے تحریک تو ہو رہی تھی۔ اس لیے بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ نے ایک مختصر سی جامع تقریر فرمائی۔ جس کا ہم فقط خلاصہ دیتے ہیں۔ فرمایا:۔

حقیقتِ اسلام

لوگ حقیقتِ اسلام سے بالکل دُور جا پڑے ہیں۔ اسلام میں حقیقی زندگی ایک موت چاہتی ہے جو تلخ ہے لیکن جو اس کو قبول کرتا ہے آخر وہی زندہ ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ انسان دنیا کی خواہشوں اور لذتوں کو ہی جنت سمجھتا ہے حالانکہ وہ دوزخ ہے اور سعید آدمی خدا کی راہ میں تکالیف کو قبول کرتا ہے اور وہی جنت ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ دُنیا فانی ہے اور سب مرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں آخر ایک وقت آجاتا ہے کہ سب دوست آشنا عزیز و اقارب جُدا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت جسقدر ناجائز خوشیوں اور لذتوں کو راحت سمجھتا ہے وہ تلخیوں کی صورت میں نمودار ہو جاتی ہیں۔ سچی خوشحالی اور راحت تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور تقویٰ پر قائم ہونا گویا زہر کا پیالہ پینا ہے۔ متقی کے لیے خدا تعالیٰ ساری راحتوں کے سامان مہیا کر دیتا ہے مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (سورۃ الطلاق: ۳،۴) پس خوشحالی کا اصول تقویٰ ہے لیکن حصولِ تقویٰ کیلئے نہیں چاہیئے کہ ہم شرطیں باندھتے پھریں۔ تقویٰ اختیار کرنے سے جو مانگو گے ملیگا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے تقویٰ اختیار کرو جو چاہو گے وہ دیگا۔ جسقدر اولیاء اللہ اور اقطاب گذرے ہیں انہوں نے جو کچھ حاصل کیا تقویٰ ہی سے حاصل کیا۔ اگر وہ تقویٰ اختیار نہ کرتے تو وہ بھی دنیا میں معمولی انسانوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے۔ دس بیس کی نوکری کر لیتے یا کوئی اَور حرفہ یا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ مگر آج جو عروج اُن کو ملا اور جس قدر شہرت اور عزت انہوں نے پائی۔ یہ سب تقویٰ ہی کی بدولت تھی۔ انہوں نے ایک موت اختیار کی اور زندگی اُس کے بدلہ میں پائی۔

عبادت اللہ تعالیٰ کی محبّتِ ذاتی سے رنگین ہو کر کرو

مَیں دوزخ اور بہشت پر ایمان لاتا ہوں کہ وہ حق ہیں اور انکے

عذاب اور اکرام اور لذائذ سب حق ہیں، لیکن مَیں یہ کہتا ہوں کہ انسان خدا کی عبادت دوزخ یا بہشت کے سہارے سے نہ کرے بلکہ محبت ذاتی کے طور پر کرے۔ دوزخ بہشت کا انکار مَیں کفر سمجھتا ہوں اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا حماقت ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی محبتِ ذاتی سے رنگین ہو کر کرے جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے کیا اس اُمید پر کہ وہ اُسے کھلائے گا۔ نہیں بلکہ وہ جانتی ہی نہیں کہ کیوں اس کی پرورش کر رہی ہے یہانتک کہ اگر بادشاہ اس کو حکم دیدے کہ تو اگر بچہ کی پرورش نہ کرے گی اور اس سے یہ بچہ مر بھی جاوے تو تجھ کو کوئی سزا نہ دی جاویگی بلکہ انعام ملیگا تو وہ اس حکم سے خوش ہوگی یا بادشاہ کو گالیاں دے گی؟ یہ محبت ذاتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیئے نہ کہ کسی جزا سزا کے سہارے پر۔

محبتِ ذاتی میں اغراض فوت ہو جاتے ہیں اور خدا تو وہ خدا ہے جو ایسا رحیم و کریم ہے کہ جو اس کا انکار کرتے ہیں ان کو بھی رزق دیتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے ؎

دوستاں را کجا کُنی محروم ٭ تو کہ با دُشمناں نظر داری

جب وہ دشمنوں کو محروم نہیں کرتا تو وہ دوستوں کو کب ضائع کر سکتا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا قول ہے کہ مَیں جوان تھا اب بُوڑھا ہو گیا ہوں مگر مَیں نے متقی کو کبھی ذلیل و خوار نہیں دیکھا اور نہ اُس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ یہ اخلاص کا نتیجہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں ظاہر کرتا ہے اور اخلاص ایک کیمیا ہے اور اگر اُس میں اَور باتیں نکالیں تو اس پاکیزہ اور مصفّٰی چشمہ کو گندے چھینٹوں سے ناپاک کر دیتے ہیں وہ خود ہماری حاجتوں سے آگاہ اور واقف ہے اور خوب جانتا ہے۔ کہتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں جلا دینے کی کوشش کی گئی اس وقت انکے پاس فرشتے آئے اور کہا کہ تمہیں کوئی حاجت ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یہی جواب دیا بلیٰ وَ لٰکِنْ اِلَیْکُمْ فَلَا یعنی ہاں حاجت تو ہے لیکن تمہاری طرف نہیں۔ ایسے مقام پر دُعا بھی منع ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اس مقام کو خوب سمجھتے ہیں ؎

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

غرض اصل غرض انسان کی محبتِ ذاتی ہونی چاہیئے۔ اس سے جو کچھ اطاعت اور عبادت ہوگی وہ اعلیٰ درجہ کے نتائج اپنے ساتھ رکھے گی۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے مبارک بندے ہوتے ہیں وہ جس گھر میں ہوں وہ گھر مبارک اور جس شہر میں ہوں وہ شہر مبارک اس کی برکت سے بہت سی بلائیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اس کی ہر حرکت و سکون، اس کے در و دیوار پر خدا کی برکت اور رحمت نازل ہوتی ہے۔ مَیں اسی راہ کو سکھانا چاہتا ہوں۔ اسی غرض کیلئے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ پوست کام نہیں آتا بلکہ مغز کی ضرورت ہے لکھا ہے کہ ایک یہودی سے کسی مسلمان نے کہا کہ

تو مسلمان ہو جا۔ کہا کہ مَیں تیرے قول کو تیرے فعل (کیوجہ) سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ مَیں نے اپنے بیٹے کا نام خالد رکھا تھا حالانکہ شام تک میں اسکو قبر میں بھی دفن کر آیا۔ نام کچھ حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا جبتک کام نہ ہو۔

اسی طرح پر خدا تعالیٰ مغز اور حقیقت کو چاہتا ہے۔ رسم اور نام کو پسند نہیں کرتا۔ جب انسان سچے دل سے سچے اسلام کی تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کو اپنی راہیں دکھا دیتا ہے جیسے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) خدا تعالیٰ بخیل نہیں۔ اگر انسان مجاہدہ کریگا تو وہ یقیناً اپنی راہ کو ظاہر کر دیگا۔ ہماری مخالفت میں افترا کرتے اور گالیاں دیتے ہیں۔ اگر تقویٰ سے کام لیتے۔ اگر زمانہ کی اندرونی و بیرونی ضرورتیں ان کی راہنمائی نہ کر سکتی تھیں تو خدا تعالیٰ کی جناب میں تضرع اور ابتہال سے کام لیتے اور رو رو کر دعائیں مانگتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کی راہ نمائی کر دیتا اور حق کھول دیتا۔ مومن حقیقی مسیح کے وقت وہی ہوگا جو اس کے تابع ہوگا۔ اگر مَیں صادق ہوں اور ضرور ہوں تو پھر آپ سمجھ لیں کہ میرے مکذب کا کیا حال ہے؟

نووارد۔ آپ میرے لیے دعا کریں۔

حضرت اقدس۔ دُعا تو مَیں ہندو کے لیے بھی کرتا ہوں مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ امر مکروہ ہے کہ اس کا امتحان کیا جاوے مَیں دُعا کرونگا۔ آپ وقتاً فوقتاً یاد دلاتے رہیں اگر کچھ ظاہر ہوا تو اس سے بھی اطلاع دونگا مگر یہ میرا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو ظاہر کرے۔ وہ کسی کے منشاء کے ماتحت نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہے اور غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ (یوسف: ۲۲) ہے۔ ایمان کو کسی امر سے وابستہ کرنا منع ہے۔ مشروط بشرائط ایمان کمزور ہوتا ہے۔ نیکی میں ترقی کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ہمدردی کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے لیے شرائط کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہوگا کہ آپ ہنسی ٹھٹھے کی مجلسوں سے دُور رہیں۔ یہ وقت رونے کا ہے نہ ہنسی کا۔ اب آپ جائیں گے موت حیات کا پتہ نہیں۔ دو تین ہفتہ تک تو سچے تقویٰ سے دعائیں مانگو کہ الٰہی مجھے معلوم نہیں تو ہی حقیقت کو جانتا ہے مجھے اطلاع دے۔ اگر صادق ہے تو اس کے انکار سے ہلاک نہ ہو جاوں اور اگر کاذب ہے تو اس کی اتباع سے بچا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اصل امر کو ظاہر کر دیگا۔

نووارد۔ مَیں سچ عرض کرتا ہوں کہ مَیں بہت بُرا ارادہ کر کے آیا تھا کہ مَیں آپ سے استہزاء کروں، مگر خدا نے میرے ارادوں کو ردّ کر دیا۔ مَیں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو فتویٰ آپ کے خلاف دیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور مَیں زور دیکر نہیں کہہ سکتا کہ آپ مسیح موعود نہیں ہیں بلکہ مسیح موعود ہونے کا پہلو زیادہ زور آور ہے اور مَیں کسی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ جہانتک میری عقل اور سمجھ تھی مَیں نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور جو کچھ مَیں نے سمجھا ہے میں ان لوگوں پر ظاہر کروں گا جنہوں نے مجھے منتخب کر کے بھیجا ہے۔ کل میری اَور رائے تھی اور آج اَور ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر ایک پہلوان بغیر لڑنے کے زیر ہو جائے تو وہ نامرد کہلائے گا۔ اس لیے مَیں نے مناسب نہیں سمجھا کہ بدوں اعتراض کئے تسلیم کر لیتا۔ چونکہ مَیں معتمد اُن لوگوں کا ہوں جنہوں نے مجھے بھیجا ہے اس لیے مَیں نے ہر ایک بات کو

بغیر دریافت کئے ماننا نہیں چاہا۔

دُعا کے لیے مَیں نے جو لکھا تھا دنیا کی خواہش سے نہیں کہا تھا۔ مَیں اس دادا کا پوتا ہوں جسکے ہندوستان میں اڑھائی سو مُرید ہیں مگر مَیں آزاد طبیعت آدمی ہوں اور اس میں انصاف ہے۔

نیکی ضائع نہیں ہوتی

حضرت اقدس۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی ہو تو اس کا ثمرہ دیتا ہے۔ مَیں نے ایک کتاب میں نقل دیکھی کہ ایک شخص نے اپنے ہمسایہ آتش پرست کو دیکھا کہ چند روز کی برسات کے بعد وہ اپنے کوٹھے پر جانوروں کو دانے ڈال رہا تھا۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا کہ جانوروں کو دانے ڈال رہا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ تیرا عمل بیکار ہے۔ اس گبر نے کہا کہ اس کا ثمرہ مجھے ملیگا۔ پھر وہی بزرگ کہتے ہیں کہ جب دوسرے سال مَیں حج کرنے کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس نے مجھے پہچان کر کہا۔ ان دانوں کا ثواب مجھے ملا یا نہیں؟

ایسا ہی ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ مَیں نے زمانہ جاہلیت میں سخاوت کی تھی مجھے اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسی سخاوت نے تو تجھے مسلمان کیا۔

ہزاروں آدمی بغیر دیکھے گالیاں دینے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن جب آتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو وہ ایمان لاتے ہیں۔ میرا یہ مذہب نہیں کہ انسان صدق اور اخلاص سے کام لے اور وہ ضائع ہو جائے۔

پھر حضرت حجۃ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا قصہ بیان کیا جو کئی بار ہم نے الحکم میں درج کیا ہے اور اس بات پر آپ نے تقریر کو ختم کیا ؎

مردانِ خدا خدا نہ باشند ٭ لیکن از خدا جُدا نہ باشند

(الحکم جلد ۷، نمبر ۷ صفحہ ۵ تا ۹ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ فروری ۱۹۰۳ء

نووارد صاحب اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مسیح کی سیر

اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ مقصود تھا کہ جس طرح ممکن ہو اس شخص کو پُورے طور پر تبلیغ ہو اس لیے اس کی ہر بات اور ہر ایک اعتراض کو نہایت توجہ سے سُنکر

اس کا مبسوط جواب فرماتے آج جب آپ سیر کو تشریف لے چلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے سلسلہ تقریر شروع ہوا۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (البقرہ: ۲۶۱) فرمایا کہ

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کی لطیف تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آپ سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم کو یہ ارشاد ہوا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تو اس پر ایمان نہیں لاتا؟ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا یہی جواب دیا بَلٰی۔ ہاں میں ایمان لاتا ہوں مگر اطمینانِ قلب چاہتا ہوں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا سوال نہ کیا اور نہ ایسا جواب دینے کی ضرورت پڑی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے ہی سے ایمان کے انتہائی مرتبہ اطمینان اور عرفان پر پہنچے ہوئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ اَدَبِیْ۔

تو یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے۔ ہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی ایک خوبی اس سے پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (البقرہ: ۲۶۱) تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ یہ کہا کہ ایمان تو رکھتا ہوں، مگر اطمینان چاہتا ہوں۔

پس جب ایک شخص ایک شرطی اقتراح پیش کرے اور پھر یہ کہے کہ میں اطمینانِ قلب چاہتا ہوں تو وہ اس سے استدلال نہیں کر سکتا کیونکہ شرطی اقتراح پیش کرنیوالا تو ادنیٰ درجہ بھی ایمان کا نہیں رکھتا بلکہ وہ تو ایمان اور تکذیب[1] کے مقام پر ہے اور تسلیم کرنے کو مشروط بہ اقتراح کرتا ہے پھر وہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ میں ابراہیمؑ کی طرح اطمینانِ قلب چاہتا ہوں ابراہیمؑ نے تو ترقیٔ ایمان چاہی ہے انکار نہیں کیا اور پھر اقتراح بھی نہیں کیا بلکہ احیاء موتیٰ کی کیفیت پوچھی ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس مُردہ کو زندہ کر کے دکھایا یوں کر اور پھر اسکا جواب جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ بھی عجیب اور لطیف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو چار جانور لے اُن کو اپنے ساتھ ہلا لے یہ غلطی ہے جو کہا جاتا ہے کہ ذبح کر لے کیونکہ اس میں ذبح کرنے کا لفظ نہیں بلکہ اپنے ساتھ ہلا لے جیسے لوگ بٹیر یا تیتر یا بُلبل کو پالتے ہیں اور اپنے ساتھ ہلا لیتے ہیں پھر وہ اپنے مالک کی آواز سُنتے ہیں اور اُس کے بُلانے پر آجاتے ہیں۔ اس طرح پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیاء اموات سے انکار نہ تھا بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مُردے خدا کی

---

[1] سہو کتابت معلوم ہوتا ہے۔ فقرہ یوں ہونا چاہیئے "بلکہ وہ تو ایمان اور تکذیب کے درمیانی مقام پر ہے" لفظ "درمیانی" چھوٹا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

آواز کس طرح سنتے ہیں اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ ہر چیز طبعاً اور فطرتاً اللہ تعالیٰ کی مطیع اور تابع فرمان ہے۔ نووارد۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن شریف میں ایسا فرمایا ہے جیسے حضرت ابراہیم کو خلیل فرمایا۔

سب انبیاءؑ کے وصفی نام آنحضرتؐ کو دیئے گئے

حضرت اقدس۔ میں قرآن شریف سے یہ استنباط کرتا ہوں کہ سب انبیاء کے وصفی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے کیونکہ آپ تمام انبیاء کے کمالات متفرقہ اور فضائل مختلفہ کے جامع تھے اور اسی طرح جیسے تمام انبیاء کے کمالات آپ کو ملے۔ قرآن شریف بھی جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے چنانچہ فرمایا فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ: ۴) اور مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ (الانعام: ۳۹) ایسا ہی ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ تمام نبیوں کی اقتدا کر۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ امر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک امر تو تشریعی ہوتا ہے جیسے یہ کہا کہ نماز قائم کر و یا زکوٰۃ دو وغیرہ اور بعض امر بطور خلق ہوتے ہیں جیسے يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء: ۷۰) یہ امر جو ہے کہ تو سب کی اقتدا کر یہ بھی خلقی اور کونی ہے یعنی تیری فطرت کو حکم دیا کہ وہ کمالات جو جمیع انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر موجود تھے اس میں یکجائی طور پر موجود ہوں اور گویا اس کے ساتھ ہی وہ کمالات اور خوبیاں آپ کی ذات میں جمع ہوگئیں۔

آیت خاتم النبیین کا حقیقی مفہوم

چنانچہ ان خوبیوں اور کمالات کے جمع ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ پر نبوت ختم ہوگئی اور یہ فرمایا کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب: ۴۱) ختم نبوت کے یہی معنے ہیں کہ نبوت کی ساری خوبیاں اور کمالات تجھ پر ختم ہوگئے اور آئندہ کے لیے کمالاتِ نبوت کا باب بند ہوگیا اور کوئی نبی مستقل طور پر نہ آئے گا۔

نبی عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں مشترک لفظ ہے جس کے معنے ہیں خدا سے خبر پانے والا اور پیشگوئی کرنے والا۔ جو لوگ براہ راست خدا سے خبریں پاتے تھے وہ نبی کہلاتے تھے اور یہ گویا اصطلاح ہوگئی تھی مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بند کر دیا ہے اور مُہر لگا دی ہے کہ کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے بغیر نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی اُمت میں داخل نہ ہو اور آپ کے فیض سے مستفیض نہ ہو وہ خدا تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف نہیں پا سکتا۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا ہے کہ وہ بدوں اس اُمت میں داخل ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پانے کے بغیر کوئی شرفِ مکالمہ الٰہی حاصل کر سکتا ہے تو اسے میرے سامنے پیش کرو۔

* * *

آیت خاتم النبیین حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ نہ آنے پر زبردست دلیل ہے

یہی ایک آیت زبردست دلیل ہے اس امر پر جو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ نہیں آئیں گے بلکہ آنیوالا اس اُمّت میں سے ہوگا۔ کیونکہ وہ نبی ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبوت کا فیضان حاصل کرسکتا ہی نہیں جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ نہ کرے جو صاف لفظوں میں یہ ہے کہ آپ کی اُمت میں داخل نہ ہو۔ اب خاتم النبیین والی آیت تو صریح روکتی ہے پھر وہ کس طرح آسکتے ہیں۔ یا اُن کو نبوت سے معزول کرو اور ان کی یہ ہتک اور بے عزتی روا رکھو اور یا یہ کہ پھر ماننا پڑے گا کہ آنیوالا اسی اُمّت میں سے ہوگا۔

نبی کی اصطلاح مستقل نبی پر بولی جاتی تھی مگر اب خاتم النبیین کے بعد یہ مستقل نبوت رہی ہی نہیں۔ اسی لیے کہا ہے ؎

خارقے از ولی مسموع است ٭ معجزہ آں نبی متبوع است

پس اس بات کو خوب غور سے یاد رکھو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نبوت کا شرف پہلے سے حاصل ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر آئیں اور اپنی نبوت کو کھو دیں۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبی کو روکتی ہے البتہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بڑھانے والا ہے کہ ایک شخص آپ ہی کی اُمّت سے آپ ہی کے فیض سے وہ درجہ حاصل کرتا ہے جو ایک وقت مستقل نبی کو حاصل ہوسکتا تھا۔ لیکن اگر وہ خود ہی آئیں تو پھر صاف ظاہر ہے کہ پھر اس خاتم الانبیاء والی آیت کی تکذیب لازم آتی ہے اور خاتم الانبیاء حضرت مسیح ٹھہریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا بالکل غیر مستقل ٹھہر جاویگا کیونکہ آپ پہلے بھی آئے اور ایک عرصہ کے بعد آپ رخصت ہوگئے اور حضرت مسیح آپ سے پہلے بھی رہے اور آخر پر بھی وہی رہے غرض اس عقیدہ کے ماننے سے کہ خود ہی حضرت مسیح آنیوالے ہیں بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں اور ختم نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے جو کفر ہے۔

اسکے علاوہ قرآن شریف کی ایک اور آیت بھی جو صاف طور پر مسیح کی آمدِ ثانی کو روکتی ہے اور وہ وہی آیت ہے جو کل بھی مَیں نے بیان کی تھی یعنی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (سورۃ المائدۃ : ۱۱۸) اگر حضرت مسیح قیامت سے پہلے دُنیا میں آئے تھے اور چالیس برس تک رہ کر انہوں نے کفار اور مشرکین کو تباہ کیا تھا جیسا کہ اعتقاد رکھا جاتا ہے۔ پھر کیا خدا تعالیٰ کے سامنے ان کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ : ۱۱۸) یا یہ کہنا چاہیئے تھا کہ مَیں نے تو کافروں اور مشرکوں کو ہلاک کیا اور ان کو جا کر اس شرک سے نجات دی کہ تم مجھ کو اور میری ماں کو خدا نہ بناؤ۔

اس آیت پر خوب غور کرو یہ ان کی دوبارہ آمد کو قطعی طور پر رد کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ختم نبوت والی آیت بھی ان کو دوبارہ آنے نہیں دیتی۔ اب یا تو قرآن شریف کا انکار کرو یا اگر اس پر ایمان ہے تو پھر اس باطل خیال کو چھوڑنا پڑیگا اور اس سچائی کو قبول کرنا پڑے گا جو میں لے کر آیا ہوں۔

یہ پکی بات ہے کہ آنے والا اسی اُمت سے ہوگا اور حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص مثیل مسیح بھی تو ہو۔ اگرچہ محدثین اس حدیث کی صحت پر کلام کرتے ہیں مگر اہلِ کشف نے اس کی تصدیق کی ہے اور قرآن شریف خود اس کی تائید کرتا ہے۔ محدثین نے اہلِ کشف کی یہ بات مانی ہوئی ہے کہ وہ اپنے کشف سے بعض احادیث کی صحت کر لیتے ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح نہ ہوں اور بعض کو غیر صحیح قرار دے سکتے ہیں۔ یہ حدیث اہلِ کشف نے جن میں رُوحانیت اور تصفیہ قلب ہوتا ہے صحیح بیان کی ہے اور جیسا کہ مَیں نے کہا ہے قرآن شریف بھی اس کا مصدق ہے کیونکہ اس حدیث سے بھی سلسلہ موسوی کی طرح ایک سلسلہ کے قائم ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اور قرآن شریف بھی سلسلہ موسویہ کے بالمقابل ایک سلسلہ قائم کرتا ہے۔ اسی کی طرف علاوہ اور آیات قرآنی کے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ بھی اشارہ کرتی ہے یعنی جو پہلے نبیوں کو دیا گیا تھا ہم کو بھی عطا کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ چودہ سو برس تک رکھا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو نابود کرنا چاہا اور اس قوم کو غُضِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ (آل عمران: ۱۱۳) کا مصداق بنا دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے یہ کہا اِنَّا اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل: ۱۶) یعنی یہ سلسلہ موسوی سلسلہ کے بالمقابل ہے اور یہ عمارت موسوی عمارت کے مقابلہ پر ہے۔ جیسے اس میں اخیار ہیں ویسے ہی اس میں بھی اخیار ہیں۔ ایسا ہی اشرار بھی بالمقابل پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی یہودی نے ماں سے زنا کیا ہوگا تو تم میں سے بھی ایسے ہوں گے اور اگر کوئی سوسمار کے بِل میں گھسا ہوگا تو مسلمان بھی گھسیں گے۔

یہ کیسی مشابہت اور مماثلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے اب تعجب ہے مسلمانوں پر کہ وہ یہ تو روا رکھتے ہیں کہ اس اُمت میں سے یہود بن جاویں اور یہ پسند نہیں کر سکتے کہ اس اُمت میں سے کوئی مسیح بھی ہو جاوے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں مسیح کو بھیجا گیا تھا۔ اس مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ اس اُمت میں بھی اس صدی پر مسیح آئے تاکہ اس اُمت کا فضل ظاہر ہو۔ اولیاء اللہ کے کشوف بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں اور جو نشانات اس وقت کے لیے رکھے ہوئے تھے وہ بھی اپنے اپنے وقت پر پورے ہو گئے۔ واقع شدنی اُمور ہو جاتے ہیں جو نہیں ہونے والے ہوتے وہ نہیں ہوتے۔ اگر علماء کے معنے سچے ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مانا ہوا تھا۔ اس میں سے کچھ تو پورا ہوتا۔ اعانتِ اسلام کا زمانہ تو یہی تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدا نے بقول اُن

کے کچھ بھی نہ کیا۔ انگریزوں کا تسلط مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء: ۹۷) کا مصداق ہوگیا اور وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) کے موافق اونٹنیاں بیکار ہوگئیں جو اس آخری زمانہ کا ایک نشان ٹھہرایا گیا تھا عشار حاملہ اونٹنیوں کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس لیے اختیار کیا گیا ہے تا یہ وہم نہ رہے جیسا بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے متعلق ہے قیامت میں تو حمل نہ ہوگا اور انکا بیکار ہونا یہاں تو الگ رہا، مکہ مدینہ کے درمیان بھی ریل تیار ہو رہی ہے۔ اخبارات نے بھی اس آیت اور مسلم کی حدیث سے استنباط کر کے مضامین لکھے ہیں۔ پس یہ اور دوسرے نشان تو پورے ہو گئے ہیں۔ میں اگر صادق نہیں ہوں تو دوسرے مدعی کا نشان بتاؤ اور اس کا ثبوت دیکھو۔ بات یہ ہے کہ افتراء اور کذب کی عمر نہیں ہوا کرتی یہ جلد فنا ہو جاتے ہیں۔ مفتری کے ہلاک کرنے کے لیے خارجی قوت اور زور کی حاجت ہی نہیں ہوتی خود اُن کا افترا انکو ہلاک کر دیتا ہے اور مفتری کے مقابل میں کبھی جوش نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل جس قدر جوش ہوا کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے مقابل میں بھی ہوا تھا۔

صادق مدعی کے خلاف ہی شیطان جوش دکھاتا ہے

صادق کے مقابل اس لیے جوش ہوتا ہے کہ شیطان سمجھتا ہے کہ اب مجھے ہلاک کیا جائیگا اور وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اس لیے جہانتک ممکن ہو وہ ان کی مخالفت میں زور لگاتا ہے اور یہ جوش پھیل جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی بہت سے آدمیوں نے دعوے کئے تھے مگر اب کوئی ان کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ اسی طرح ہوتا رہا ہے کہ صادق کے مقابل میں بعض کاذب مدعی بھی ہوتے رہے ہیں مگر کسی مقابلہ کے لیے اسقدر جوش نہیں دکھایا گیا جو صادق کے لیے دکھایا جاتا ہے اس لیے کہ مفتری تو شیطان کے منشا کے موافق ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے خلاف جنگ کرنی نہیں چاہتا اور صادق اس کے سینہ پر پتھر ہوتا ہے اس کو تباہ کرنے کیلئے زور لگاتا ہے مگر آخر خود ہی شیطان اس جنگ میں ہلاک کیا جاتا ہے۔

ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کس قدر زور لگایا یہانتک کہ مباہلہ بھی کر لیا اور یہ دعا کی کہ جو شخص ہم میں سے کاذب ہے اور پھوٹ ڈالتا ہے اس کو ہلاک کر۔ چنانچہ خود اسی روز ہلاک ہوگیا۔ یاد رکھو کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا جو اس کے آنے سے پھوٹ نہ پڑی ہو۔ اس کو اصلاح کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ایک پھوٹ پڑے۔ کیونکہ جس شخص کا جوڑ یا ہڈی اپنی جگہ پر نہ رہے تو وہ اسے اُتار کر نئے سرے سے لگاتا ہے۔ اکثر مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آریوں عیسائیوں کو دشمن بنا لیا ہے مگر ان کو معلوم نہیں جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ ضرور اپنے دشمن بنا لیتا ہے۔ کیونکہ اس کو پاک جماعت تیار کرنی پڑتی ہے جن میں سچا تقویٰ وطہارت ہو اور سچی اخوت ہو۔ مگر سفلی

زندگی کے عادی نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک صلاحیت قائم ہو وہ دُنیا سے دل لگا کر خدا تعالیٰ کی طرف سے غافل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے ✤ عاقبت کی خبر خُدا جانے

یہی ان کا مذہب اور مشرب ہوتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ یہ مُردار زندگی کیا چیز ہے۔ انسان اگر خدا تعالےٰ سے قوت پاوے تو وہ اس مُردار زندگی سے مرنا بہتر سمجھے گا دُنیا کے دوست مطلب کے دوست ہوتے ہیں۔ حقیقی محبت اور اخوت خدا تعالیٰ میں ہو کر ملتی ہے۔ ان لوگوں کو دیکھو جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توبہ کی۔ کیا ان کے باہم تعلقات نہ تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت میں آنکھ کھلی تو پھر یہانتک متاثر ہوئے کہ نہ بیٹے کو بیٹا سمجھا نہ باپ کو باپ بلکہ وہ تعلقات بالکل قطع ہو گئے اور سارے تعلقات خدا میں ہو کر قائم ہوئے۔ خدا کے لیے دشمن ہو جاتے۔ دنیا کی دوستیں جس میں خدا درمیان نہیں ہوتا وفاداری سے نہیں نباہ سکتے۔ اسی طرح اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری جماعت میں جب کوئی داخل ہوتا ہے تو اس کے اپنے متعلقین میں اگر خدا تعالےٰ ہدایت نہ کرے ایک شور قیامت برپا ہو جاتا ہے بعض گھر تعلقات رکھنے والوں کو قطع تعلق کرنا پڑا ہے۔

دُنیا انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی

یاد رکھو دنیا انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یہ اس کی اپنی کمزوری ہے کہ اپنے جیسی مخلوق کو نافع یا ضار سمجھتا ہے نفع اور ضرر اللہ ہی کی طرف سے ملتا ہے۔ ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ انسان معرفت کی آنکھ سے خدا کو شناخت کرے۔ جب تک عملی طور پر خدا شناسی کو ثابت کر کے نہ دکھائے تو دہریہ ہے۔

جھوٹ کے تمام شعبوں سے پرہیز کرو

مَیں نے غور کیا ہے۔ قرآن شریف میں کئی ہزار حکم ہیں ان کی پابندی نہیں کی جاتی۔ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں میں خلاف ورزی کر لی جاتی ہے۔ یہانتک دیکھا جاتا ہے کہ بعض جھوٹ تو دکاندار بولتے ہیں اور بعض مصالحہ دار جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو رِجس کے ساتھ رکھا ہے مگر بہت سے لوگ دیکھے ہیں کہ رنگ آمیزی کر کے حالات بیان کرنے سے نہیں رُکتے اور اس کو کوئی گُناہ بھی نہیں سمجھتے۔ ہنسی کے طور پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ انسان صدیق نہیں کہلا سکتا جب تک جھوٹ کے تمام شعبوں سے پرہیز نہ کرے۔

گناہ کے چھوڑنے کا طریقہ

انسان جب فسق و فجور میں پڑ جاتا ہے تو پھر اُن لذات کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اس کے چھوڑنے کی ایک ہی راہ ہے کہ گناہ کی معرفت انسان کو ہو اور یہ معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ گناہ پر سزا دیتا ہے۔ حیوان بھی جب معرفت پیدا کر لیتا ہے کہ یہ کام کرونگا تو سزا ملے گی تو وہ بھی اس سے بچتا ہے۔ کُتّے کو بھی اگر ایک چھڑی دکھائی جائے تو وہ بھاگتا ہے اور دہشت زدہ

ہو جاتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسان انسان ہو کر خدا تعالیٰ سے اتنا بھی نہ ڈرے جتنا ایک حیوان سوٹے سے ڈرتا ہے بھیڑیئے کے پاس اگر بکری باندھ دی جاوے تو وہ گھاس نہیں کھا سکتی۔ کیا اس بھیڑیئے جتنی دہشت بھی خدا کی نہیں ہے؟

انسان کے پیدا ہونے کی غرض و غایت تو یہ ہے کہ وہ سچا ایمان پیدا کرے۔ اگر یہ ایمان وہ پیدا نہیں کرتا تو پھر اپنی پیدائش کو عبث سمجھتا ہے اور اگر اس مجلس میں وہ ایمان نہیں ہے تو اس پر حرام ہے کہ دوسری مجلس کو تلاش نہ کرے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اسی لیے مامور کیا ہے کہ تقویٰ پیدا ہو اور خدا پر سچا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ تاوان نہیں چاہتا بلکہ سچا تقویٰ چاہتا ہے۔ مَیں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ توبہ کرتے وقت گواہ رکھ لیتا تھا۔ مَیں نے اس سے پُوچھا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا۔ مَیں نے اس لیے یہ کیا ہے کہ شاید اس توبہ کو توڑتے وقت اس گواہ سے ہی کچھ شرم آجائے لیکن آخر دیکھا کہ وہ انکی بھی پروا نہ کرکے توبہ توڑتا۔ کیونکہ اصل شرم تو خدا تعالیٰ سے ہونی چاہیئے۔ جب خدا سے نہیں ڈرتا اور شرم کرتا تو اَور کسی سے کیا کرے گا۔ ایسے لوگوں کی وہی مثال ہے ؎

چہ خوش گفت درویش کوتاہ دست ؎ کہ شب توبہ کرد و سحرگاہ شکست

مامور کی دُعاؤں کا اثر

جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کو سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ مَیں اُن کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ دُعا ایسی چیز ہے کہ خشک لکڑی کو بھی سرسبز کر سکتی ہے اور مُردہ کو زندہ کر سکتی ہے۔ اس میں بڑی تاثیریں ہیں۔ جہانتک قضا و قدر کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کوئی کیسا ہی معصیت میں غرق ہو دُعا اسکو بچالیگی۔ اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری کریگا اور وہ خود محسوس کریگا کہ مَیں اب اَور ہوں۔ دیکھو جو شخص مسموم ہے کیا وہ اپنا علاج آپ کر سکتا ہے اس کا علاج تو دوسرا ہی کریگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے تطہیر کے لیے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور مامور کی دُعائیں تطہیر کا بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہیں۔

اسمِ اعظم

دُعا کرنا اور کرانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دعا کے لیے جب درد سے دل بھر جاتا ہے اور سارے حجابوں کو توڑ دیتا ہے اس وقت سمجھنا چاہیئے کہ دُعا قبول ہو گئی یہ اسمِ اعظم ہے۔ اس کے سامنے کوئی اَن ہونی چیز نہیں ہے۔ ایک خبیث کے لیے جب دُعا کے ایسے اسباب میسر آجائیں تو یقیناً وہ صالح ہو جاوے اور بغیر دُعا کے وہ اپنی توبہ پر بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ بیمار اور محجوب اپنی دستگیری آپ نہیں کر سکتا۔ سنت اللہ کے موافق یہی ہوتا ہے کہ جب دُعائیں انتہا تک پہنچتی ہیں تو ایک شعلہ نُور کا اس کے دل پر گرتا ہے جو اس کی خباثتوں کو جلا کر تاریکی دُور کر دیتا ہے اور اندر ایک روشنی پیدا کرتا ہے۔ یہ طریق استجابت دعا کا رکھتا ہے۔

ضرور ہے کہ انسان پہلے حالتِ بیماری کو محسوس کرے اور پھر طبیب کو شناخت کرے سعید وہی ہے جو اپنے مرض اور طبیب کو شناخت کرتا ہے۔ اس وقت دنیا کی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ جن باتوں پر خدا نے چاہا تھا کہ

قائم ہوں اُن کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ باہر سے وہ ایک پھوڑے کی طرح نظر آتے ہیں جو چمکتا ہے مگر اس کے اندر پیپ ہے یا قبر کی طرح ہے کہ جس کے اندر بجز ہڈیوں کے اَور کچھ نہیں۔

ایسا ہی حال اخلاقی حالتوں کا ہے۔ غیظ و غضب میں آکر گندی گالیاں دینے لگتا ہے اور اعتدال سے گذر جاتا ہے۔

نفسِ مطمئنّہ کی حالت والا ہی بڑا سعید اور بامُراد ہے

اصل مدعا تو یہ ہونا چاہیئے کہ انسان نفسِ مطمئنّہ حاصل کرے نفس کی تین قسمیں ہیں۔ امارہ۔ لوّامہ مطمئنّہ۔ بہت بڑا حصّہ دنیا کا نفسِ امارہ کے نیچے ہے اور بعض جن پر خدا کا فضل ہوا ہے وہ لوّامہ کے نیچے ہیں۔ یہ لوگ بھی سعادت سے حصّہ رکھتے ہیں۔ بڑا بدبخت وہ ہے جو بدی کو محسوس ہی نہیں کرتا یعنی جو امارہ کے ماتحت ہیں اور بڑا ہی سعید اور بامراد وہ ہے جو نفسِ مطمئنّہ کی حالت میں ہے۔

نفسِ مطمئنّہ ہی کو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر: ۲۸، ۲۹) یعنی اے وہ نفس جو اطمینان یافتہ ہے۔ اس حالت میں شیطان کے ساتھ جو جنگ ہوتی ہے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور خطاب کے لائق تو مطمئنّہ ہی ٹھہرایا ہے اور اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطمئنّہ کی حالت میں مکالمۂ الٰہی کے لائق ہو جاتا ہے "خدا کی طرف واپس آ" کے معنے یہی نہیں کہ مَر جا بلکہ امارہ اور لوّامہ کی حالت میں جو خدا تعالیٰ سے ایک بُعد ہوتا ہے مطمئنّہ کی حالت میں وہ مہجوری نہیں رہتی اور کوئی غبار باقی نہ رہ کر غیب کی آواز اس کو بلاتی ہے۔ تو مجھ سے راضی اور مَیں تجھ سے راضی۔ یہ رضا کا انتہائی مقام ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کے بندے دنیا ہی پر ہوتے ہیں مگر دنیا اُن کو نہیں پہچانتی۔ دنیا نے آسمانی بندوں سے دوستی نہیں کی وہ اُن سے ہنسی کرتی ہے۔ وہ الگ ہی ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی ردا کے نیچے ہوتے ہیں۔ غرض جب ایسی حالتِ اطمینان میں پہنچتا ہے تو الٰہی اکسیر سے تانبا سونا ہو جاتا ہے۔ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اور تو میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ بہشت ایک ہی چیز نہیں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (الرحمان: ۴۷) خدا سے ڈرنے والے کے لیے دو بہشت ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ فروری ۱۹۰۳ء

(قبل از ظہر)

ایک صاحب گوڑگاؤں سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس سے شرف بیعت حاصل کیا

بعد از بیعت حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

مسنون طور سے خُدا کا فضل تلاش کرو

ہماری طرف سے تو آپ کو یہی نصیحت ہے کہ مسنون طور سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے یہ امر صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ نجی پیروی کے سوا کوئی راہ اس کی رضا جوئی کی باقی نہیں ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جویاں ہو اسی دروازہ کو کھٹکھٹائے اس کے لیے کھولا جائے گا۔ بجز اس دروازہ کے تمام دروازے بند ہیں۔ نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی۔ شریعت قرآن شریف کے بعد ہرگز نہیں آئے گی۔ انسان کو کشوف اور وحی اور الہام کا بھی طالب نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سب تقویٰ کا نتیجہ ہیں۔ جب جڑ ٹھیک ہو گی تو اُس کے لوازم بھی خود بخود آجائیں گے۔ دیکھو جب سُورج نکلتا ہے تو دھوپ اور گرمی جو اس کا خاصہ ہیں خود بخود ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان میں تقویٰ آجاتا ہے تو اس کے لوازم بھی اس میں ضرور آجاتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی دوست کسی کے ملنے کے واسطے جاوے تو اس کو یہ اُمید تو نہ رکھنی چاہیئے کہ مَیں اس کے پاس جاتا ہوں کہ وہ مجھے پلاؤ، زردے اور قورمے اور قلیئے کھلائے گا اور میری خاطر تواضع کریگا نہیں بلکہ صادق دوست کی ملاقات کی خواہش ہوتی ہے۔ بجز اس کے اور کسی کھانے یا مکان یا خدمت کی پروا اور خیال بھی نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے صادق دوست کے پاس جو اُس سے مہجور تھا۔ جاتا ہے تو کیا وہ اس کی خاطرداری کا کوئی دقیقہ باقی بھی اُٹھا رکھتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ جہاں تک اس سے بن پڑتا ہے وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر بھی اس کی تواضع کے واسطے مکلف سامان کرتا ہے۔

غرض یہی حال رُوحانیت اور اس دوست اعلیٰ کی ملاقات کا ہے۔ الہامات یا کشوف وغیرہ خبروں کے سہارے والا ایمان، ایمانِ کامل نہیں۔ وہ کمزور ایمان ہے جو کسی چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ انسان کی غرض اور اصل مدعا صرف رضاء الٰہی اور وصول الی اللہ چاہیئے۔ آگے جب یہ اس کی رضا حاصل کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کو کیا کچھ نہ دیگا۔ خود اس امر کی درخواست کرنا سُوءِ ادب ہے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] خدا کے محبوب بننے کیواسطے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ایک راہ ہے اور کوئی دوسری راہ نہیں کہ تم کو خدا سے ملا دے۔ انسان کا مدعا صرف اس ایک واحد لاشریک خدا کی تلاش ہونا چاہیئے۔ شرک اور بدعت سے اجتناب کرنا چاہیئے رسوم کا تابع اور ہوا و ہوس کا مطیع نہ بننا چاہیئے۔ دیکھو مَیں پھر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی راہ کے سوا اور کسی طرح انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔

---

[1] آل عمران: ۳۲

ہمارا صرف ایک ہی رسولؐ اور ایک ہی کتاب ہے

ہمارا صرف ایک ہی رسول ہے اور صرف ایک ہی قرآن شریف اس رسول پر نازل ہوا ہے جس کی تابعداری سے ہم خدا کو پا سکتے ہیں۔ آج کل فقراء کے نکالے ہوئے طریقے اور گدی نشینوں اور سجادہ نشینوں کی سیفیاں اور دعائیں اور درود اور وظائف یہ سب انسان کو مستقیم راہ سے بھٹکانے کے آلہ ہیں۔ سو تم اُن سے پرہیز کرو۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی مہر کو توڑنا چاہا گویا اپنی الگ ایک شریعت بنالی ہے۔ تم یاد رکھو کہ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پیروی اور نماز روزہ وغیرہ جو مسنون طریقے ہیں ان کے سوا خدا کے فضل اور برکات کے دروازے کھولنے کی اَور کوئی کنجی ہے ہی نہیں۔ بھولا ہوا ہے وہ جو ان راہوں کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالتا ہے۔ ناکام مریگا وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمودہ کا تابعدار نہیں۔ بلکہ اَور اَور راہوں سے اُسے تلاش کرتا ہے۔

ہر قسم کے گناہوں سے بچو

دیکھو گناہ کبیرہ بھی ہیں اُن کو تو ہر ایک جانتا ہے اور اپنی طاقت کے موافق نیک انسان اُن سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے مگر تم تمام گناہوں سے کیا کبائر اور کیا صغائر سب سے بچو۔ کیونکہ گناہ ایک زہر ہے جس کے استعمال سے زندہ رہنا محال ہے۔ گناہ ایک آگ ہے جو روحانی قویٰ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے پس تم ہر قسم کے کیا صغیرہ کیا کبیرہ سب اندرونی بیرونی گناہوں سے بچو۔ آنکھ کے گناہوں سے، ہاتھ کے گناہوں سے، کان ناک اور زبان اور شرمگاہ کے گناہوں سے بچو۔ غرض ہر عضو کے گناہ کے زہر سے بچتے رہو اور پرہیز کرتے رہو۔

نماز گناہوں سے بچنے کا آلہ ہے

نماز بھی گناہوں سے بچنے کا ایک آلہ ہے۔ نماز کی یہ صفت ہے کہ انسان کو گناہ اور بدکاری سے ہٹا دیتی ہے سو تم ویسی نماز کی تلاش کرو اور اپنی نماز کو ایسی بنانے کی کوشش کرو۔ نماز نعمتوں کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیض اسی نماز کے ذریعہ سے آتے ہیں سو اُس کو سنوار کر ادا کرو۔ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کے وارث بنو۔

ہمارا طریق نرمی ہے

یہ بھی یاد رکھو ہمارا طریق نرمی ہے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اپنے مخالفوں کے مقابل پر نرمی سے کام لیا کرے تمہاری آواز تمہارے مقابل کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اپنی آواز اور لہجہ کو ایسا بناؤ کہ کسی دل کو تمہاری آواز سے صدمہ نہ ہووے۔ ہم قتل اور جہاد کے واسطے نہیں آئے بلکہ ہم تو مقتولوں اور مُردہ دلوں کو زندہ کرنے اور اُن میں زندگی کی رُوح پھونکنے کو آئے ہیں۔ تلوار سے ہمارا کاروبار نہیں نہ یہ ہماری ترقی کا ذریعہ ہے ہمارا مقصد نرمی سے ہے اور نرمی سے اپنے مقاصد کی تبلیغ ہے۔ غلام کو وہی کرنا چاہیئے جو اس کا آقا اس کو حکم کرے۔ جب خدا نے ہمیں نرمی کی تعلیم دی ہے۔ تو ہم کیوں سختی کریں۔ ثواب تو فرماں برداری میں ہوتا ہے

اور دین تو سچی اطاعت کا نام ہے نہ یہ کہ اپنے نفس اور ہوا و ہوس کی تابعداری سے جوش دکھاویں۔

مغلوب الغضب غلبۂ نصرت سے محروم ہوتا ہے

یاد رکھو جو شخص سختی کرتا اور غضب میں آجاتا ہے اُس کی زبان سے معارف اور حکمت کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتیں۔ وہ دل حکمت کی باتوں سے محروم کیا جاتا ہے جو اپنے مقابل کے سامنے جلدی طیش میں آکر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ گندہ دہن اور بے لگام کے ہونٹ لطائف کے چشمہ سے بے نصیب اور محروم کئے جاتے ہیں۔ غضب اور حکمت دونو جمع نہیں ہو سکتے جو مغلوب الغضب ہوتا ہے اس کی عقل موٹی اور فہم کند ہوتا ہے۔ اس کو کبھی کسی میدان میں غلبہ اور نصرت نہیں دیئے جاتے۔ غضب نصف جنون ہے جب یہ زیادہ بھڑکتا ہے تو پورا جنون ہو سکتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کل ناکردنی افعال سے دُور رہا کریں۔ وہ شاخ جو اپنے تنے اور درخت سے سچا تعلق نہیں رکھتی وہ بے پھل رہ جاتی ہے۔ سو دیکھو اگر تم لوگ ہمارے اصل مقصد کو نہ سمجھو گے اور شرائط پر کاربند نہ ہو گے تو اُن وعدوں کے وارث تم کیسے بن سکتے ہو جو خدا تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں۔

نصیحت کا پیرایہ

جسے نصیحت کرنی ہو اُسے زبان سے کرو۔ ایک ہی بات ہوتی ہے وہ ایک پیرایہ میں ادا کرنے سے ایک شخص کو دشمن بنا سکتی ہے اور دوسرے پیرایہ میں دوست بنا دیتی ہے۔ پس جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل: ۱۲۶) کے موافق اپنا عمل درآمد رکھو۔ اسی طرز کلام ہی کا نام خدا نے حکمت رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ (البقرہ: ۲۷۰) مگر یاد رکھو جیسی یہ باتیں حرام ہیں ویسے ہی نفاق بھی حرام ہے۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ کہیں پیرایہ ایسا نہ ہو جاوے کہ اس کا رنگ نفاق سے مشابہ ہو۔ موقعہ کے موافق ایسی کارروائی کرو جس سے اصلاح ہوتی ہو۔ تمہاری نرمی ایسی نہ ہو کہ نفاق بن جاوے اور تمہارا غضب ایسا نہ ہو کہ بارُود کی طرح جب آگ لگے تو ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔ بعض لوگ تو غصہ سے سودائی ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی سر میں پتھر مار لیتے ہیں۔ اگر ہمیں کوئی گالی دیتا ہے تب بھی صبر کرو۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جب کسی کے پیر و مُرشد کو گالیاں دی جاویں یا اس کے رسول کو ہتک آمیز کلمے کہے جاویں تو کیسا جوش ہوتا ہے مگر تم صبر کرو اور حلم سے کلام کرو۔

مسلوب الغضب بن جاؤ

ایسا نہ ہو کہ تمہارا اس وقت کا غصہ کوئی خرابی پیدا کر دے جس سے سارا سلسلہ بدنام ہو یا کوئی مقدمہ بنے جس سے سب کو تشویش ہو۔ سب نبیوں کو گالیاں دی گئی ہیں۔ یہ انبیاء کا ورثہ ہے۔ ہم اس سے کیونکر محروم رہ سکتے تھے۔ ایسے بن جاؤ کہ گویا مسلوب الغضب ہو تم کو گویا غضب کے قویٰ ہی نہیں دیئے گئے۔

دیکھو اگر کچھ بھی تاریکی کا حصہ ہے تو نُور نہیں آئے گا۔ نُور اور ظُلمت جمع نہیں ہو سکتے جب نُور آجائے گا تو ظُلمت

نہیں رہے گی۔ تم اپنے سارے ہی قویٰ کو پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دو جو کی کسی قوت میں ہو اُسے اس پان والے کی طرح جو گندے پان تلاش کر کے پھینک دیتا ہے اپنی گندی عادات کو نکال پھینکو اور سارے اعضاء کی اصلاح کرلو۔ یہ نہ ہو کہ نیکی کرو اور نیکی میں بدی ملا دو۔ توبہ کرتے رہو۔ استغفار کرو۔ دُعا سے ہر وقت کام لو۔

ولی اللہ

ولی کیا ہوتے ہیں۔ یہی صفات تو اولیاء کے ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھ، ہاتھ، پاؤں غرض کوئی عضو ہو منشاء الٰہی کے خلاف حرکت نہیں کرتے۔ خدا کی عظمت کا بوجھ ان پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زیارت کے بغیر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتے پس تم بھی کوشش کرو۔ خُدا بخیل نہیں۔ ؎

ہر کہ عارف تر اُست ترساں تر

دربار شام

قرآن شریف کی ایک برکت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دُعا کی جاوے کہ میری زبان قرآن شریف اچھی طرح ادا کرنے لگے۔ قرآن شریف ادا کرنے کے قابل نہیں اور چلتی نہیں۔ میری زبان کھل جاوے۔ فرمایا کہ:۔

تم صبر سے قرآن شریف پڑھتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو کھول دیگا۔ قرآن شریف میں یہ ایک برکت ہے کہ اس سے انسان کا ذہن صاف ہوتا ہے اور زبان کھل جاتی ہے۔ بلکہ اطباء بھی اس بیماری کا اکثر یہ علاج بتایا کرتے ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۷ تا ۹ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ فروری ۱۹۰۳ء

کچھ حصہ رات کو آرام ضرور کرنا چاہیئے

ایک مخلص کی بدخوابی کے تذکرہ پر فرمایا:۔

دیکھو قرآن شریف سورۂ مزمل میں صاف تاکید ہے کہ انسان کو کچھ حصہ رات آرام بھی کرنا چاہیئے۔ اس سے دن بھر کی کوفت اور تکان دُور ہو کر قویٰ کو اپنا حرج شدہ مادہ بہم پہنچانے کا وقفہ مِل جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی سنت بھی اسی کے مطابق ثابت ہے چنانچہ فرماتے ہیں اُصَلِّی وَ اَنَامُ۔

اصل میں انسان کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے۔ اگر ہم ایک گھوڑے سے ایک دن اس کی طاقت

سے زیادہ کام لیں اور اُسے آرام کرنے کا وقفہ ہی نہ دیں تو بہت قریب ایسا وقت ہوگا کہ ہم اس کے وجود کو ہی ضائع کر کے تھوڑے فائدہ سے بھی محروم ہو جائینگے نفس کو گھوڑے سے مناسبت بھی ہے۔

بہترین وظیفہ

سیالکوٹ کے ضلع کا ایک نمبردار تھا۔ اس نے بیعت کرنے کے بعد پوچھا کہ حضور اپنی زبان مبارک سے کوئی وظیفہ بتا دیں۔

فرمایا کہ نمازوں کو سنوار کر پڑھو کیونکہ ساری مشکلات کی یہی کنجی ہے اور اسی میں ساری لذات اور خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ صدق دل سے روزے رکھو۔ صدقہ و خیرات کرو۔ درود و استغفار پڑھا کرو۔ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو۔ ہمسایوں سے مہربانی سے پیش آؤ۔ بنی نوع بلکہ حیوانوں پر بھی رحم کرو۔ اُن پر بھی ظلم نہ چاہیئے۔ خُدا سے ہر وقت حفاظت چاہتے رہو کیونکہ ناپاک اور نامراد ہے وہ دل جو ہر وقت خدا کے آستانہ پر نہیں گرا رہتا وہ محروم کیا جاتا ہے۔ دیکھو اگر خدا ہی حفاظت نہ کرے تو انسان کا ایک دم گذارہ نہیں۔ زمین کے نیچے سے لے کر آسمان کے اوپر تک کا ہر طبقہ اس کے دشمنوں کا بھرا ہوا ہے۔ اگر اسی کی حفاظت شامل حال نہ ہو تو کیا ہو سکتا ہے۔ دُعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہدایت پر کاربند رکھے۔ کیونکہ اس کے ارادے دو ہی ہیں۔ گمراہ کرنا اور ہدایت دینا جیسا کہ فرماتا ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ پس جب اس کے ارادے گمراہ کرنے پر بھی ہیں تو ہر وقت دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ گمراہی سے بچاوے اور ہدایت کی توفیق دے۔ نرم مزاج بنو کیونکہ جو نرم مزاجی اختیار کرتا ہے خدا بھی اس سے نرم معاملہ کرتا ہے۔ اصل میں نیک انسان تو اپنا پاؤں بھی زمین پر پھونک پھونک کر احتیاط سے رکھتا ہے تا کسی کیڑے کو بھی اس سے تکلیف نہ ہو۔ غرض اپنے ہاتھ سے، پاؤں سے، آنکھ وغیرہ اعضاء سے کسی کو کسی نوع کی تکلیف نہ پہنچاؤ اور دُعائیں مانگتے رہو۔

تعدد ازدواج

مرزا خدا بخش صاحب مالیر کوٹلہ سے تشریف لائے تھے ان سے وہاں کے جلسہ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ انہوں نے سُنایا کہ ایک شخص نے یوں اعتراض کیا کہ اسلام میں جو چار بیویاں رکھنے کا حکم ہے یہ بہت خراب ہے اور ساری بداخلاقیوں کا سرچشمہ ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

چار بیویاں رکھنے کا حکم تو نہیں دیا بلکہ اجازت دی ہے کہ چار تک رکھ سکتا ہے۔ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ چار ہی کو گلے کا ڈھول بنا لے۔ قرآن کا منشاء تو یہ ہے کہ چونکہ انسانی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اس واسطے ایک سے لیکر چار تک کی اجازت دے دی ہے ایسے لوگ جو ایک اعتراض کو اپنی طرف سے پیش کرتے ہیں اور پھر وہ خود اسلام کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مَیں نہیں جانتا کہ ان کا ایمان کیسے قائم رہ جاتا ہے۔ وہ

تو اسلام کے معترض ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک مقنن کو قانون بناتے وقت کن کن باتوں کا لحاظ ہوتا ہے۔ بھلا اگر ایک شخص کی بیوی ہے اُسے جذام ہوگیا ہے یا آتشک میں مبتلا ہے یا اندھی ہوگئی ہے یا اس قابل ہی نہیں کہ اولاد اس سے حاصل ہو سکے وغیرہ وغیرہ عوارض میں مبتلا ہو جاوے تو اس حالت میں اب اس خاوند کو کیا کرنا چاہیئے کیا اسی بیوی پر قناعت کرے؟ ایسی مشکلات کے وقت وہ کیا تدبیر پیش کرتے ہیں۔ یا بھلا اگر وہ کسی قسم کی بدمعاشی زنا وغیرہ میں مبتلا ہوگئی تو کیا اب اس خاوند کی غیرت تقاضا کرے گی کہ اُسی کو اپنی پرعصمت بیوی کا خطاب دے رکھے؟ خدا جانے یہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت اندھے کیوں ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مذہب ہی کیا ہے جو انسانی ضروریات کو ہی پورا نہیں کر سکتا۔ اب ان مذکورہ حالتوں میں عیسویت کیا تدبیر بتاتی ہے؟ قرآن شریف کی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ انسانی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا پہلے سے ہی اس نے قانون نہ بنا دیا ہو۔ اب تو انگلستان میں بھی ایسی مشکلات کی وجہ سے کثرت ازدواج اور طلاق شروع ہوتی جاتی ہے۔ ابھی ایک لارڈ کی بابت لکھا تھا کہ اُس نے دوسری بیوی کر لی آخر اُسے سزا بھی ہوئی مگر وہ امریکہ میں جا رہا۔

غور سے دیکھو کہ انسان کے واسطے ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں یا نہیں کہ یہ ایک سے زیادہ بیویاں کرلے۔ جب ایسی ضرورتیں ہوں اور انکا علاج نہ ہو تو یہی نقص ہے جس کے پُورا کرنے کو قرآن شریف جیسی اتم اکمل کتاب بھیجی ہے۔

شراب کی مضرّت

اسی اثنا میں شراب کا ذکر شروع ہوگیا۔ کسی نے کہا کہ اب تو حضور شراب کے بسکٹ بھی ایجاد ہوئے ہیں فرمایا:۔

شراب تو انتہائی شرم۔ حیا۔ عفت۔ عصمت کی جانی دشمن ہے۔ انسانی شرافت کو ایسا کھو دیتی ہے کہ جیسے کُتے۔ بلے۔ گدھے ہوتے ہیں۔ اس کا پیکر بالکل انہی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر بسکٹ کی بلا دُنیا میں پھیلی تو ہزاروں ناکردہ گناہ بھی ان میں شامل ہو جایا کریں گے۔ پہلے تو بعض کو شرم وحیا ہی روک دیتی تھی اب بسکٹ لیے اور جیب میں ڈال لیے۔ بات یہ ہے کہ دجال نے تو اپنی کوششوں میں تو کمی نہیں رکھی کہ دنیا کو فسق وفجور سے بھر دے مگر آگے خدا کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرے اسلام کی کیسی عظمت معلوم ہوتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اسلام پر کوئی اعتراض کیا۔ اس سے شراب کی بدبُو آئی۔ اس کو حد مارنے کا حکم دیا گیا کہ شراب پی کر اسلام پر اعتراض کیا۔ مگر اب تو کچھ حد وحساب نہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ زنا کرتے ہیں۔ غرض کوئی بدی نہیں جو نہ کرتے ہوں مگر بایں ہمہ پھر اسلام پر اعتراض کرنے کو تیار ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۱۴-۱۵ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

۲۳ر فروری ۱۹۰۳ء

(ظہر سے پہلے)

بنی اسرائیل اور انکے مثیل

فرمایا:-

جس طرح اللہ تعالیٰ نے فضائل میں اس قوم اسلام کو اُمّتِ موسیٰؑ کا مثیل بنایا ہے ایسے ہی رذائل بھی کل وہ اس قوم میں جمع ہیں جو اُن میں پائے جاتے تھے۔ یہ قوم تو یہود کے نقشِ قدم پر ایسی چلی ہے جیسے کوئی اپنے آقا و مولیٰ مطاعِ رسول کی پیروی کرتا ہے یہود کے واسطے قرآن شریف میں حکم تھا کہ وہ دو دفعہ فساد کریں گے اور پھر اُن کی سزا دہی کے واسطے اللہ تعالیٰ اپنے بندے ان پر مسلط کرے گا۔ چنانچہ بخت نصر اور طیطوس دونوں نے ان لوگوں کو بُری طرح ہلاک کیا اور تباہ کیا۔ اس کی مماثلت کے لیے اس قوم میں نمونہ موجود ہے کہ جب یہ فسق و فجور میں حد سے نکلنے لگے اور خدا کے احکام کی ہتک اور شعائر اللہ سے نفرت ان میں آگئی اور دُنیا اور اس کی زیب و زینت میں ہی گم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح ہلاکو۔ چنگیز خاں وغیرہ سے برباد کرایا۔ لکھا ہے کہ اس وقت یہ آسمان سے آواز آتی تھی اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ۔ غرض فاسق فاجر انسان خدا کی نظر میں کافر سے بھی ذلیل اور قابلِ نفرین ہے۔ اگر کوئی کتاب قرآن شریف کے بعد نازل ہونے والی ہوتی تو ضرور ان لوگوں کے نام بھی اسی طرح عِبَادًا لَّنَآ میں داخل کئے جاتے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آخر کار بخت نصر یا اسکی اولاد بت پرستی وغیرہ سے باز آکر واحد خدا پر ایمان لائی ہے۔ اسی طرح ادھر بھی چنگیز خاں کی اولاد مسلمان ہو گئی۔ غرض خدا نے مماثلت میں طابق النَّعْلِ بِالنَّعْلِ والا صاف معاملہ کر کے دکھا دیا ہے۔

عادل گورنمنٹ

بعض بادشاہوں کی معدلت گستری کے متعلق ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:-

ہماری گورنمنٹ ہم نے اُسے غور سے دیکھا ہے کہ نازک معاملات میں بھی بلا تحقیق کے کوئی کارگذاری نہیں کرتی۔ بغاوت جیسے خطرناک معاملات میں تو بلا تحقیق اور فرد جرم اور ثبوت کے سوا گرفت نہیں کی جاتی تو دوسرے معاملات میں بھلا کہاں ایسا کرنے لگی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اور حکامِ وقت ہیں کہ اُنکے نزدیک انسان تو گاجر مولی کی طرح بنے ہوئے ہیں۔ کسی نے شکایت کی بس پکڑا اور قتل کر دیا۔ کوئی ضرورت نہیں کہ ثبوت کافی بہم پہنچایا جاوے یا کوئی لمبی تحقیقات کی جاوے۔ دیکھئے ہمارا مقدمہ پادری والا ابھی تو ایک بغاوت کے ہی رنگ میں تھا کیونکہ ایک پادری نے جو اُن کے مذہب کا لیڈر اور گرو مانا جاتا تھا اس نے ظاہر کیا تھا کہ گویا ہم نے اس کے قتل کا منصوبہ کیا ہے اور پھر اس پر بڑے بڑے اور پادریوں کی سفارشیں بھی تھیں مگر بلا تحقیق کے ایک قدم بھی نہ اُٹھایا گیا اور

آخر کار قوم کی پروا نہ کر کے ہمیں بری کیا گیا۔ غرض یہ بھی ہم پر خدا کا ایک فضل ہے کہ ایسی عادل گورنمنٹ کے ماتحت ہیں۔
(دربار شام)

مسیح کی آمدِ ثانی

امریکہ کے ایک انگریز کا اشتہار سُنایا گیا جس میں اس نے لکھا ہے کہ مسیح کی دوبارہ آمد کا وقت یہی وقت ہے۔ وہ کل نشانات پورے ہو گئے جو آمدِ ثانی کے پیش خیمہ تھے اور اُس نے اس بیان کو بڑے بڑے پادریوں اور فلاسفروں کی شہادتوں سے قوی کیا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اصل میں ان کی یہ بات کہ مسیح کی آمدِ ثانی کا وقت یہی ہے اور اس کے آنے کے تمام نشانات پورے ہو گئے ہیں بالکل ہمارے منشاء کے مطابق ہے اور راستی بھی اس میں ہے۔ اُن کی وہ بات جو حق ہو اور جہاں تک وہ راستی کی حمایت میں ہو اُسے رد نہ کرنا چاہیئے یہ لوگ ایک طرح سے ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ اس ملک میں جہاں ہماری تبلیغ بڑی محنت اور صرفِ کثیر سے بھی پوری طرح سے کما حقہٗ نہیں پہنچ سکتی۔ وہاں یہ ہماری اس خدمت کو مفت اچھی طرح سے پورا کر رہے ہیں۔ انہوں نے وقت کی تشخیص تو بالکل راست کی ہے مگر نتائج نکالنے میں سخت غلطی کرتے ہیں جو آنیوالے کی انتظار آسمان سے کرتے ہیں۔

ہر سچے نبی کیساتھ کوئی نہ کوئی جھوٹا نبی بھی آتا ہے

اب آئے دن سُنا جاتا ہے کہ کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ میں ہی مسیح ہوں جو آنیوالا تھا یا میں مہدی ہوں جس کا انتظار کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ ہمارے لیے مضر نہیں ہیں یہ تو بلکہ ہماری صداقت کو اور بھی دوبالا کر کے دکھاتا ہے کیونکہ مقابلہ کے سوا کسی کی بھلائی یا بُرائی کا پورا اظہار نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے اور چند روز پانی اور جھاگ والا معاملہ کر کے دُنیا سے رُخصت ہو جاتے یا پاگل خانہ کی سیر کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ یہ ہماری صداقت پر مُہر ہیں۔ ہر نبی کے ساتھ کوئی نہ کوئی جھوٹا نبی بھی آتا ہے چنانچہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں چار شخص ایسے تھے۔ اسی طرح اس زمانہ کے لیے بھی لکھا تھا کہ بہت سے جھوٹے نبی آویں گے سو یہ لوگ خود ہی اس پیشگوئی کو پورا کرتے ہیں۔ بھلا کوئی بتا دے کہ وہ مہدی سوڈانی اب کہاں ہے؟ یا پیرس کا مسیح کیا ہوا؟ انجام نیک صرف صادق ہی کا ہوتا ہے۔ سارے جھوٹے اور مصنوعی آخر تھک کر رہ جاتے یا ہلاک ہو جاتے ہیں اور جھوٹ کے انجام کا پتہ دوسروں کے لیے بطور عبرت کے چھوڑ جاتے ہیں۔

---

۶ مارچ لیکھرام کے قتل کا دن

لاہور کے آریہ پتر کا نے لکھا ہے کہ ہمارا شہید مارچ کی ۶ کو ایک بزدل مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس

دن کی یادگار قائم کرنی چاہیئے کہ وہ دن بڑا متبرک جاننا چاہیئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔
اصل میں ہمارے یہاں کے آریہ بھول گئے ان کو بھی چاہیئے تھا کہ ۱۰ مارچ کا دن جلسہ کے واسطے مقرر کرتے اور ان لوگوں کو تو خصوصیت سے اس دن کی تعظیم کرنی چاہیئے کیونکہ یکھرام اصل میں اس جگہ سے یہ تبرکات لے گیا تھا۔

تمباکو نوشی کی مضرت

ایک شخص نے امریکہ سے تمباکو نوشی کے متعلق اس کے بہت سے مجرب نقصان ظاہر کرتے اشتہار دیا۔ اس کو آپ نے سُنا۔ فرمایا کہ:۔
اصل میں ہم اس لیے اسے سُنتے ہیں کہ اکثر نوعمر لڑکے، نوجوان تعلیمیافتہ بطور فیشن ہی کے اس بلا میں گرفتار و مبتلا ہو جاتے ہیں تا وہ ان باتوں کو سُنکر اس مضر چیز کے نقصانات سے بچیں۔
فرمایا۔ اصل میں تمباکو ایک دھواں ہوتا ہے جو اندرونی اعضاء کے واسطے مضر ہے اسلام لغو کاموں سے منع کرتا ہے اور اس میں نقصان ہی ہوتا ہے لہٰذا اس سے پرہیز ہی اچھا ہے۔

پیشگوئیاں ہستی باریتعالیٰ کے متعلق معرفت بخشتی ہیں

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت جس طرح سے پیشگوئی دلاتی ہے ایسا اور کوئی سچا علم نہیں معرفت کو زیادہ کرنے کا صرف یہی ایک طریق ہے۔ ہماری نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں فرمایا ہے کہ تیری صداقت کو پیشگوئی کے ذریعہ سے ظاہر کروں گا۔

پنڈت دیانند اور نیوگ

مجھے ایک دفعہ یہ خیال آیا کہ کیا وجہ تھی کہ دیانند نے بے حیائی اور بے غیرتی کا مسئلہ نکالا جسے کوئی شریف آریہ بھی بطیب خاطر پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا نام سُنکر گردن نیچی کر لیتا ہے اور چاہِ ندامت میں غرق ہو جاتا ہے تو میری سمجھ میں آیا کہ چونکہ وہ شخص بغیر بیوی کے تھا اس واسطے وہ سارے اخلاق جو بیوی کے ہونے سے وابستہ ہیں ان سب سے وہ محروم تھا۔ غیرت اور حمیت بھی ایک بیوی والے شخص کا ہی حصہ ہے۔ چونکہ وہ بیوی سے محروم تھا اس واسطے وہ نیوگ کی خرابی کو محسوس نہیں کر سکا اور نہ سمجھا کہ اس طرح سے مَیں ہزاروں شریف لوگوں کے گلے پر چھُری پھیرتا ہوں۔ یہی وجہ تھی ورنہ اگر اس کے عیال ہوتے وہ ہرگز ایسی بے عزتی کو روا نہ رکھتا اب بھی بہت سے شریف آریہ ہیں جو اسے گلے پڑا ڈھول سمجھ کر ہی صرف زبان سے مان لیتے ہیں ورنہ عملدرآمد بہت کم ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۸ صفحہ ۱۵-۱۶ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

۲۷ فروری ۱۹۰۳ء

(قبل از عصر)

مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور اُردو کتابوں کا تو کبھی بھی پروف نہیں آتا۔ فرمایا:۔

اُردو میں پنجابی الفاظ کا استعمال

اُردو کیا بھیجنا ہوتا ہے وہ تو صاف ہوتا ہے۔ ہاں بعض نادان اتنا اکثر اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ اُردو میں پنجابی الفاظ دیتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ ایک شخص نے میری طرف سے کسی ایسے ہی معترض کو جواب دیا کہ تم انصاف کرو کہ اگر وہ اُردو میں پنجابی کے الفاظ ملا دیتے ہیں تو غضب کیا ہوا؟ ان کی ملکی اور مادری زبان ہے اس کا کیا حق نہیں؟ جب وہ انگریزی یا عربی اور دوسرے کی زبان کا لفظ اُردو میں ملاتے ہیں تو تم اعتراض نہیں کرتے مگر جب کوئی پنجابی کا لفظ مل جاوے تو اعتراض کرتے ہو۔ شرم تو کرو۔ اگر تعصب نہیں تو کیا ہے۔

(دربار شام)

اپنا بوجھ خود اُٹھائیں

ایک شخص نے خط لکھا تھا کہ حضور مجھے کرایہ بھیجا جاوے۔ میں حاضر خدمت ہوں گا۔ فرمایا:۔

مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ۔ ہم نے بار بار ایسے لوگوں کا تجربہ کر لیا ہے کہ ان میں اخلاص اور نیک نیتی نہیں ہوتی تو کیا ضرورت ہے کہ اس طرح میرا روپیہ ضائع کیا جائے۔ وہی روپیہ دینی کام میں خرچ ہوگا۔ کیا ایسا شخص جو معزز ہے وہ ہمارے حافظ معین الدین سے بھی گیا گذرا ہے؟ یہ بھی ہمیں قریباً پندرہ یا بیس روپے دے چکا ہے کبھی دو آنے اور کبھی ایک آنہ ماہوار دیتا ہے تو ایسے بیکس شخص جب لنگر اور دیگر اخراجات کے واسطے کچھ دے سکتے ہیں تو وہ شخص کیوں اپنا بوجھ نہیں سنبھال سکتا؟ اور شریعت نے تو بوجھ بھی نہیں ڈالا۔ حج کی توفیق نہ ہو تو حج بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس جگہ بھی گھر بیٹھے بٹھائے بیعت ہو سکتی ہے صرف ایک پیسہ کا کارڈ صرف ہوتا ہے۔

رات کی فضیلت

فرمایا:۔

میں نہیں سمجھتا کہ رات اور دن میں فرق ہی کیا ہے۔ صرف نور اور ظلمت کا فرق ہے سو وہ نور تو مصنوعی بھی بن سکتا ہے بلکہ رات میں تو یہ ایک برکت ہے۔ خدا نے بھی اپنے فیضان عطا کرنے کا وقت رات ہی رکھا ہے چنانچہ تہجد کا حکم رات کو ہے۔ رات میں دوسری طرفوں سے فراغت اور کش مکش

سے بے فکری ہوتی ہے۔ اچھی طرح دلجمعی سے کام ہو سکتا ہے رات کو مُردہ کی طرح پڑے رہنا اور سونے سے کیا حاصل؟

انسان کی خوش قسمتی

اگر ہو سکے تو دین کی خدمت کرنی چاہیئے۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی اَور کیا ہے کہ انسان کا وقت، وجود، قویٰ، مال، جان خدا کے دین کی خدمت میں خرچ ہو۔ ہمیں تو صرف مرض کے دَورہ کا اندیشہ ہوتا ہے ورنہ دل یہی کرتا ہے کہ ساری ساری رات کہتے جاویں ہماری تو قریباً تمام کتابیں امراض وعوارض میں ہی لکھی گئی ہیں۔ ازالہ اوہام کے وقت میں بھی ہم کو خارش تھی۔ قریباً ایک برس تک وہ مرض رہا تھا۔

منشّی اشیاء کا استعمال عمر کو گھٹا دیتا ہے

اللہ اللہ! کیا ہی عمدہ قرآنی تعلیم ہے کہ انسان کی عمر کو خبیث اور مُضر اشیاء کے ضرر سے بچا لیا۔ یہ منشّی چیزیں شراب وغیرہ انسان کی عمر کو بہت گھٹا دیتی ہیں۔ اس کی قوت کو برباد کر دیتی ہیں اور بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہیں۔ یہ قرآنی تعلیم کا احسان ہے کہ کروڑوں مخلوق ان گناہ کے امراض سے بچ گئی جو ان نشہ کی چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

قادیان کے آریہ سماج کے جلسہ پر جو آریہ آئے تو ان کی گندہ دہنیوں اور گالی گلوچ کا کسی نے حضرت اقدس کی خدمت میں ذکر کیا۔ فرمایا کہ:۔

زبان کی تہذیب کا ذریعہ

انسانی زبان کی چھری تو رُک سکتی ہی نہیں جب خدا کا خوف کسی دل میں نہ ہو۔ انسانی زبان کی بے باکی اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا دل سچے تقویٰ سے محروم ہے۔ زبان کی تہذیب کا ذریعہ صرف خوفِ الٰہی اور سچا تقویٰ ہے۔ ان کی گالیوں پر ہمیں کیا افسوس ہو۔ انہوں نے تو نہ خدا کو سمجھا اور نہ حق العباد کو۔ ان کو خبر ہی نہیں کہ زبان کس چیز سے رُکتی ہے۔

تمام قوت اور توفیق خدا ہی کو ہے اور اس کی عنایت اور نصرت سے ہی انسان کچھ لکھ پڑھ سکتا ہے۔ شاید اس کتاب کے خاتمہ کے لکھے جانے سے اس قوم کی قوت وہمت اور دلائل کا خاتمہ ہو جاوے۔

صادق کی مخالفت کا راز

مَیں نے کل سوچا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جب کوئی صادق خدا کی طرف سے آتا ہے تو اس کو لوگ کتوں کی طرح کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ اس کی جان۔ اس کا مال۔ اس کی عزّت وآبرو کے درپے ہو جاتے ہیں۔ مقدمات میں اس کو کھینچتے ہیں۔ گورنمنٹ کو اس سے بدظن کرتے ہیں۔ غرض ہر طرح سے جس طرح اُن سے بَن پڑتا ہے اور تکلیف پہنچا سکتے ہیں اپنی طرف سے

کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ ہر پہلو سے اس کے استیصال کرنے پر آمادہ اور ہر ایک کمان سے اس پر تیر مارنے کو کمربستہ ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ذبح کر دیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے قیمہ کر دیں۔ ادھر تو یہ جوش اُٹھتا ہے مگر دوسری طرف اس کے پاس ہزار دو ہزار لوگ آتے ہیں۔ ہزاروں کنجر اور لنگوٹی پوش فقیر بنتے اور خلق اللہ کو گمراہ کرتے ہیں مگر ان لوگوں کو قتل اور کفر کا فتویٰ کوئی نہیں دیتا۔ اُن کی ہر حرکت بدعت اور شرک سے پُر ہوتی ہے۔ ان کا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو سراسر اسلام کے خلاف نہ ہو مگر ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ اُن کے لیے کسی دل میں جوش نہیں اُٹھتا غرض اس میں سوچتا تھا کہ کیا حکمت ہے تو میری سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ صادق کا ایک معجزہ ظاہر کرے کہ باوجود اس قسم کی ممانعت کے اور دشمن کے تیر و تبر کے چلانے کے صادق بچایا جاتا اور اسکی روز افزوں ترقی کی جاتی ہے۔ خدا کا ہاتھ اُسے بچاتا اور اس کو شاداب و سرسبز کرتا ہے۔ خدا کی غیرت نہیں چاہتی کہ کاذب کو بھی اس معجزہ میں شریک کرے۔ اسی واسطے اس کی طرف سے دُنیا کے دلوں کو بے پروا کر دیتا ہے۔ گویا اس جھوٹے کی کسی کو پروا نہیں ہوتی۔ اس کا وجود دلوں کو تحریک نہیں دے سکتا۔ مگر برخلاف اس کے صادق کا وجود تباہ ہونے والے دلوں کو بے قرار اور بے چین کر کے ایک رنگ میں ایک طرح سے خبر دیتا ہے اور اُن کے دل بے قرار ہوتے ہیں۔ کیونکہ دل اندر ہی اندر جانتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا کاروبار تباہ کرنے آیا ہے۔ اس واسطے نہایت اضطراب کی وجہ سے اس کے ہلاک کرنے کو اپنے تمام ہتھیاروں سے دوڑتے ہیں مگر اس کا خدا خود محافظ ہوتا ہے۔ خدا اس کے واسطے طاعون کی طرح واعظ بھیجتا اور اس کے دشمنوں کے واعظوں پر اسے غلبہ دیتا ہے۔ وہ خدا کے واعظ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب دیکھئے کہ اتنے لوگ جو ہر جمعہ کو جن کی نوبت اکثر پچاس ساٹھ تک پہنچ جاتی ہے اُن کو کون بیعت کے لیے لاتا ہے؟ یہی طاعون کا ڈنڈا ہے جو اُن کو ڈرا کر ہماری طرف لے آتا ہے ورنہ کب جاگنے والے تھے اسی فرشتہ نے اُن کو جگایا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۰، مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ فروری ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

دربار شام میں آریہ لوگوں میں سے چند لوگ حضرت اقدس کی زیارت کے واسطے آئے۔ حضرت نے پوچھا آپ بھی اس جلسہ کی تقریب پر آئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضور ہم لوگ تو اصل میں یہ بات سُنکر آئے ہیں کہ آپ کا بھی لیکچر ہوگا ورنہ ہماری اس جگہ آنے کی چنداں خواہش نہ تھی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مذہبی مباحثات کے آداب

اصل بات یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر قوم میں کچھ شریف لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا مقصد کسی بے جا حقارت یا کسی کو بے جا گالی گلوچ دینا یا کسی قوم کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا اُن کا مقصد نہیں ہوتا۔ مگر ہم تو جو کام کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اسکی اجازت اور اس کے اشارہ سے کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں اس قسم کے زبانی مباحثات سے روک دیا ہوا ہے چنانچہ ہم کئی سال ہوئے کہ کتاب انجام آتھم میں اپنا یہ معاہدہ شائع بھی کر چکے ہیں اور ہم نے خدا سے عہد کیا ہے کہ زبانی مباحثات کی مجالس میں نہ جاویں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسے مجمعوں میں مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں کوئی تو محض جاہل اور دھڑے بندی کے خیال پر آتے ہیں۔ کوئی اس واسطے کہ تا کسی کے بزرگوں کو گالی گلوچ دیکر دل کی ہوس پوری کریں اور بعض سخت تیز طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں سو جہاں اس قسم کا مجمع ہو ایسی جگہ جاکر مذہبی مباحثات کرنا بڑا نازک معاملہ ہے۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ جب دو شخص مقابل میں کھڑے ہوتے ہیں جب تک وہ یہ ثابت کرکے نہ دکھادیں کہ دوسرا مذہب بالکل غلطی پر ہے اور اس میں صداقت اور روحانیت کا حصہ نہیں وہ مُردہ ہے اور خدا سے اُسے تعلق نہیں ہے تب تک اس کو اپنے مذہب کی خوبصورتی دکھانی مشکل ہوتی ہے کیونکہ یہ دوسرے کے معائب کا ذکر کرنا ہی پڑے گا جو غلطیاں ہیں اس میں اگر ان کا ذکر نہ کیا جاوے تو پھر اظہارِ حق ہی نہیں ہوتا۔ تو ایسی باتوں سے بعض لوگ بھڑک اُٹھتے ہیں۔ وہ نہیں برداشت کرسکتے طیش میں آکر جنگ کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں لہٰذا ایسے موقعہ پر جانا مصلحت کے خلاف ہے اور مذہبی تحقیقات کے واسطے ضروری ہے کہ لوگ ٹھنڈے دل اور انصاف پسند طبیعت لے کر ایک مجلس میں جمع ہوں۔ ایسا ہو کہ اُن میں کسی قسم کے جنگ و جدال کے خیالات جوش زن نہ ہوں تو بہتر ہو۔ پھر ایسی حالت میں ایک طرف سے ایک شخص اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور جہاں تک وہ بول سکتا ہے بولے۔ پھر دوسری طرف سے جانبِ مقابل بھی اسی طرح نرمی اور تہذیب سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے۔ اسی طرح بار بار ہوتا رہے مگر افسوس کہ ابھی تک ہمارے ملک میں اس قسم کے متحمل لوگ اور صبر اور نرم دلی سے تحقیق والے نہیں ہیں۔ ابھی ایسا وقت نہیں آیا۔ ہاں اُمید ہے کہ خدا جلدی سے ایسا وقت لے آوے گا ہم نے تو ایسا ارادہ بھی کیا ہے کہ یہاں ایک ایسا مکان تیار کرایا جائے جس میں ہر مذہب کے لوگ آزادی سے اپنی اپنی تقریریں کرسکیں۔ درحقیقت اگر کسی امر کو ٹھنڈے دل اور انصاف کی نظر اور بُردباری سے نہ سُنا جاوے تو اس کی سچی حقیقت اور تہ تک پہنچنے کے واسطے ہزاروں مشکلات ہوتے ہیں۔ دیکھئے ایک معمولی چھوٹا سا مقدمہ ہوتا ہے تو اُس میں جج کس طرح طرفین کے دلائل، اُنکے عذر وغیرہ کس ٹھنڈے دل سے سنتا ہے اور پھر کس طرح سوچ بچار کر پوری تحقیقات کے بعد فیصلہ کرتا ہے بعض اوقات سال ہی گذر جاتے ہیں جب دُنیا کے مقدمات کا یہ حال ہے تو دین کے مقدمات کا کیونکر دو چار یا دس بارہ منٹ میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ سائل کو سوال کرنا تو آسان ہے مگر جواب دینے والے کو جو مشکلات ہوتی ہیں انکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک شخص اعتراض کردیتا

کہ نظامِ شمسی کے متعلق اور ستاروں اور زمین کے متعلق حالات مجھے بتا دو اور جتنے وقت میں مَیں نے سوال کیا ہے اتنا ہی تمہیں وقت دیا جاتا ہے کہ اتنے وقت کے اندر اندر جواب دو۔ ورنہ تم جھوٹے ہو۔ اب صاف عیاں ہے کہ جواب دینے والا کیا کرے۔ وہ جب تک کئی جُز کی کتاب نہ لکھے تب تک جواب پورا نہ ہونا ہوا۔ غرض اس طرح کی مشکلات ہیں جو ہم کو درپیش ہیں۔ یہ وجوہ ہیں جو ہمیں ان جلسوں میں جانے سے روکتے ہیں۔

تلاشِ حق کے آداب

اگر سائل ایسا کرے کہ لو صاحب مَیں نے سوال کیا ہے تم جبتک اُس کا جواب کامل کرو مَیں خاموش ہوں تو جواب دینے والے کو بھی مزہ آوے۔ اصل میں جو باتیں خدا کے لیے ہوں اور جو دل خدا کی رضا کے واسطے ایسا کرتا ہے اور اُس کا دِل سچے تقویٰ سے پُر ہے وہ تو کبھی ایسا کرتا نہیں۔ مگر آج کل زبان چھُری کی طرح چلتی ہے اور صرف ایک حجّت بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ خدا کے لیے ایسا ہوگا تو وہ باتیں اور وہ طرز ہی اَور ہوتی ہے۔ جو دل سے نکلتا ہے وہ دل ہی پر جا کر بیٹھتا ہے۔ حق جُو کے سوال کی بھی ہم کو خوشبو آجاتی ہے۔ حق جو ہو تو اس کی سختی میں بھی ایک لذت ہوتی ہے۔ اس کا حق ہوتا ہے کہ جو امر اُس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کے متعلق اپنی تسلی کرائے اور جب تک اس کی تسلی نہ ہو اور پورے دلائل نہ مل جاویں تب تک بیشک وہ پُوچھے ہمیں بُرا نہیں لگتا۔ بلکہ ایسا شخص تو قابلِ عزت ہوتا ہے۔ جو باتیں خدا کے لیے ہوتی ہیں وہ کہاں اور نفسانی ڈھکوسلے کہاں؟

اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرو

مَیں نے اپنی جماعت کو بھی بارہا سمجھایا ہے کہ کسی پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرو ہر پُرانا مذہب اصل میں خدا ہی کی طرف سے تھا مگر زمانہ دراز گذرنے کی وجہ سے اس میں غلطیاں پڑ گئی ہیں۔ ان کو آہستگی اور نرمی سے دُور کرنے کی کوشش کرو۔ کسی کو تیر کی طرح اعتراض کا تحفہ نہ دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایک کپڑا بازار سے لے کر سلایا جاتا اور پہنا جاتا ہے چند روز کے بعد وہ پُرانا ہو جاتا اور اس میں تغیر آکر کچھ اَور کا اَور ہی ہو جاتا ہے۔

سچّے مذہب کی علامات

اسی طرح پُرانے مذہب میں بھی صداقت کی جڑ ضرور ہوتی ہے۔ خدا راستی کے ساتھ ہوتا ہے اور سچا مذہب اپنے اندر زندہ نشان رکھتا ہے کیونکہ درخت اپنے پھلوں سے شناخت ہوتا ہے۔ گورنمنٹ جو اس وراء الوراء ہستی کا ایک نہایت کمزور سا ظلّ ہے اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی نظر میں صادق کیسے عزیز اور معتبر ہوتے ہیں۔ وہ افسر یا ملازم جنکو گورنمنٹ نے خود کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمایا ہوتا ہے وہ کس دلیری سے کام کرتا ہے اور ذرا بھی پوشیدگی پسند نہیں کرتا۔ مگر وہ ایک مصنوعی ڈپٹی کمشنر یا تھانہ دار وغیرہ جو جعلی طور پر کسی جگہ خود بخود حاکم بن کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کیا وہ گورنمنٹ کے سامنے ہو سکتے ہیں؟ جب گورنمنٹ کو یہ پتہ لگے گا اس کو ذلیل کرے گی اور وہ ہتھکڑی لگ کر

جیل خانہ میں یا اَور سزا ملے گی یہی حال ہے مذہبی راستی کا جو خدا کی نظر میں صادق ہوتا ہے اس میں خدا کے نشان اور برأت اور صداقت کے آثار ہوتے ہیں وہ ہر وقت زندہ ہوتا ہے اور اس کی عزت ہوتی ہے۔

متقی کا مقام

اصل میں خدا سے ڈرنیوالے کو تو بڑی بڑی مشکلات ہوتی ہیں۔ انسان پاک صاف تو جب جا کر ہوتا ہے کہ اپنے ارادوں کو اور اپنی باتوں کو بالکل ترک کر کے خدا کے ارادوں کو اسی کی رضا کے حصول کے واسطے فنا فی اللہ ہو جاوے۔ خودی اور تکبر اور نخوت سب اس کے اندر سے نکل جاوے۔ اس کی آنکھ اُدھر دیکھے جدھر خدا کا حکم ہو۔ اس کے کان اُدھر لگیں جدھر اس کے آقا کا فرمان ہو۔ اس کی زبان حق و حکمت کے بیان کرنے کو کھُلے۔ اس کے بغیر نہ چلے جب تک اس کے لیے خدا کا اذن نہ ہو۔ اس کا کھانا۔ پہننا۔ سونا۔ پینا۔ مباشرت وغیرہ کرنا سب اس واسطے ہو کہ خدا نے حکم دیا ہے اس واسطے نہ کھانے کہ بھوک لگی ہے بلکہ اس لیے کہ خدا کہتا ہے۔ غرض جب تک مرنے سے پہلے مر کر نہ دکھا دے تب تک اس درجہ تک نہیں پہنچتا کہ متقی ہو۔ پھر جب یہ خدا کے واسطے اپنے اوپر موت وارد کرتا ہے خدا کبھی اسے دوسری موت نہیں دیتا۔

مَیں نیک دِل انسان کو دُور سے پہچان لیتا ہوں

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ جب لب کھولا جاتا ہے تو اُن کی باتوں میں سے سوائے ہنسی ٹھٹھے اور دل دکھانے والے کلمات کے کچھ نکلتا ہی نہیں جو کچھ کسی برتن میں ہوتا ہے۔ وہی باہر نکلتا ہے۔ اُنکی زبانیں ان کے اندرون پر گواہی دیتی ہیں مَیں تو نیک دل انسان کو دُور سے پہچان لیتا ہوں جو شخص پاک کردار اور سلیم دل لے کر آتا ہے۔ مَیں تو اسی کے دیکھنے کا شوق رکھتا ہوں۔ اس کی تو گالی بھی بُری معلوم نہیں ہوتی۔ مگر افسوس کہ ایسے پاک دل بہت کم ہیں۔

صبر اور حلم کا نمونہ

ایک آریہ صاحب بولے کہ اصل میں حضور جاہل تو دو ہی قومیں ہیں۔ آپ بُرا نہ مانیں تو مَیں عرض کر دوں۔ اوّل تو سکھ دوسرے ہمارے مسلمان بھائی۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دیکھنے ایک سمجھنے والے کے لیے جاہل سے زیادہ اَور کیا گالی ہو سکتی ہے کسی شخص کو اس کے منہ پر جاہل کہنا بہت سخت گالی ہے مگر سوچو تو کیا ان حاضرین میں سے کوئی ایک بھی بولا ہے؟ کیا اب بھی تمہیں اس مجلس کی نرمی اور تہذیب پر کچھ شک ہے؟ بہت ہیں جو ہمارے منہ پر گالیاں دے جاتے ہیں مگر ان میں سے ایک کی بھی مجال نہیں ہوتی کہ دم مار کر اس کو کچھ بھی کہہ جاوے۔

ہم ان کو دن رات صبر کی تعلیم دیتے ہیں۔ نرمی اور حلم سکھاتے ہیں۔ یہ وہ قوم نہیں کہ آپ کے اس اُصول کی مصداق بن سکے۔ ہاں ہم البتہ عوام الناس لوگوں کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم تب مانیں اگر کسی آریہ لوگوں کے مجمع میں

اس طرح کہدیں کہ تم جاہل ہو اور وہ صبر کر رہیں اور ایک کی بجائے ہزار نہ سنائیں تو!

مسلمان کے اخلاق

آپ نے مسلمانوں کو نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ نے اُن کے اخلاق دیکھے ہیں۔ اُن کا اور ان آریوں کا اگر مقابلہ کیا جاوے تو بکری اور بھیڑیئے کا معاملہ نظر آوے۔ عوام جو ہمارے زیر اثر نہیں ہیں اُن کا ہم ذمہ نہیں لیتے۔ گالی اور جوش دلانے والے الفاظ سنکر صبر کرنا مردوں کا کام ہوتا ہے اگر کوئی ایسا کرکے دکھاوے تو ہم جانیں۔ نرمی ہی مشکل ہے سختی تو ہر ایک شخص کر سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ عمر کو کم و بیش کر سکتا ہے

کسی صاحب نے بیان کیا کہ آریوں نے لیکچر میں کہا کہ خُدا عمر کو کم و بیش نہیں کر سکتا۔ فرمایا:۔

ہمارا تو اعتقاد ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ عمر کو کم بھی کر سکتا ہے اور زیادہ بھی کر سکتا ہے یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ (سورۃ الرعد: ۴۰) اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ کیوں مرتے ہوئے انسان سے صدقات کراتے ہیں۔ اور کیوں علاج معالجہ کراتے ہیں؟ بلکہ عیسائیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی پندرہ دن کی عمر رہ گئی تھی دُعا سے پندرہ سال ہو گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ قوم نبوت کی راہ سے بالکل محروم ہونے کی وجہ سے اس راہ اور علم سے جاہلِ مطلق ہے اسی وجہ سے ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ رُوحانیت سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ ایسے اعتراض ہرگز نہ کرتے۔ مادر زاد اندھے کو آنکھیں کیونکر دیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۰-۱۱ بابت ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

یکم مارچ ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے متعلق ایک الہام

نواب صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آج رات ایک کشف میں آپ کی تصویر ہمارے سامنے آئی اور اتنا لفظ الہام ہوا حجۃ اللہ یہ امر کوئی ذاتی معاملات سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے متعلق یوں تفہیم ہوئی کہ چونکہ آپ اپنی برادری اور قوم میں سے اور سوسائٹی میں سے الگ ہو کر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام حجۃ اللہ رکھا یعنی آپ ان پر حجت ہوں گے۔ قیامت کے دن اُن کو کہا جاوے گا کہ فلاں شخص نے تم سے نکل کر اس صداقت کو پرکھا اور مانا۔ تم نے کیوں ایسا نہ کیا؟ یہ بھی تم میں سے ہی تھا اور تمہاری طرح کا ہی انسان تھا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کا نام حجۃ اللہ رکھا آپ کو بھی چاہیئے کہ آپ اِن لوگوں پر تحریر سے تقریر سے ہر طرح

سے حجت پوری کردیں[1]۔ اصل میں اس ساری قوم کی حالت قابلِ رحم ہے عیش و عشرت میں گم ہیں۔ دُنیا کے کیڑے بنے ہوئے ہیں اور فنا فی یورپ ہیں۔ خدا سے اور آسمان سے کوئی تعلق نہیں جب کسی کو ایسی قوم میں سے نکالتا اور اس کی اصلاح کرتا ہے تو اس کا نام اس قوم پر حجت رکھتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (نسآء: ۴۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا تھا۔ اُس نے کچھ کہا تھا تو آپ نے فرمایا بس کر۔ اب تو میں اپنی ہی اُمّت پر گواہی دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ مجھے فکر ہے کہ میری اُمّت کو میری گواہی کی وجہ سے سزا ملیگی۔

کلمۃ اللہ کی حقیقت

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے کلمۃ اللہ خصوصیت کے ساتھ کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اُن کی ولادت پر لوگ بڑے گندے اعتراض کرتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان الزاموں سے بری کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ تو کلمۃ اللہ ہیں[2]۔ اُن کی ماں بھی صدیقہ ہے یعنی بڑی پاکباز اور عفیفہ ہے ورنہ یوں تو کلمۃ اللہ ہر شخص ہے۔ اُن کی خصوصیت کیا تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا

[1] البدر میں یکم مارچ ۱۹۰۳ء کی سیر کے دوران کا ایک اَور ذکر درج ہے جو الحکم میں نہیں۔ لکھا ہے:۔

عورتوں سے حسنِ معاشرت

مستورات کا ذکر چل پڑا۔ ان کے متعلق احمدی احباب میں سے ایک سربرآوردہ ممبر کا ذکر سُنایا کہ اُنکے مزاج میں اوّل سختی تھی۔ عورتوں کو ایسا رکھا کرتے تھے جیسے زندان میں رکھا کرتے ہیں اور ذرا وہ نیچے اُترتیں تو اُن کو مارا کرتے لیکن شریعت میں حکم ہے عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النسآء: ۲۰) نمازوں میں عورتوں کی اصلاح اور تقویٰ کیلئے دُعا کرنی چاہیئے۔ تصاب کی طرح برتاؤ نہ کرے کیونکہ جبتک خدا نہ چاہے کچھ نہیں ہو سکتا مجھ پر بھی بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ عورتوں کو پھراتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ میرے گھر میں ایک ایسی بیماری ہے کہ جس کا علاج پھرانا ہے جب اُن کی طبیعت زیادہ پریشان ہوتی ہے تو بدیں خیال کہ گناہ نہ ہو کہا کرتا ہوں کہ چلو پھرلاؤں اَور بھی عورتیں ہمراہ ہوتی ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کی نسبت ذکر پر فرمایا کہ مجازی عدالتوں کی طرف سے جو ایک لقب انسان کو ملتا ہے تو اُسے کتنا فخر ہوتا ہے ستارۂ ہند لقب وغیرہ بھی ملتے ہیں تو کیا اب حقیقت میں ان لوگوں میں وہ خواص ہوتے ہیں؟ جو لقب ان کو ملتا ہے صرف استعارہ ہوتے ہیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۷ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر سے) "ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ فرمایا:۔
ان کو کلمہ اس لیے کہا گیا تھا کہ یہود ان کو ناجائز ولادت قرار دیتے تھے ورنہ کیا دوسرے انبیاء کلمۃ اللہ نہ تھے؟ اسی طرح مریم علیہا السلام کو صدیقہ کہا گیا۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اَور عورتیں صدیقہ نہ تھیں۔ یہ بھی اسی لیے کہا کہ یہودی ان پر تہمت لگاتے تھے تو قرآن نے اس تہمت کو دُور کیا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۷ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمے اتنے ہیں کہ وہ ختم نہیں ہو سکتے۔ انہی اعتراضوں سے ہی بَری کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ وہ شیطان کے مَس سے پاک تھے ورنہ کیا دوسرے انبیاء شیطان کے ہاتھ سے مَس شدہ ہیں؟ جو نعوذ باللہ دوسرے الفاظ میں یُوں ہے کہ ان پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ شیطان کو کسی معمولی انسان پر بھی تسلط نہیں ہوتا تو انبیاء پر کس طرح ہو سکتا ہے؟ اصل وجہ صرف یہی تھی کہ اُن پر بڑے اعتراض کئے گئے تھے۔ اسی واسطے اُن کی برّیت کا اظہار فرمایا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (البقرۃ: ۱۰۳) کوئی کہے کہ کیا انبیاء بھی کافر ہوا کرتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تھا کہ وہ بُت پرست ہو گئے تھے ایک عورت کے لیے۔ اس اعتراض کا جواب دیا۔ یہی حال ہے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق۔

اس دن کی سیر کے دوران ایک اَور ذکر بھی ہوا جو البدر میں یوں درج ہے:۔

چونکہ آج کے دن بھی آریہ سماج کا جلسہ تھا اور کثرت سے لوگ اس جلسہ میں شامل ہوئے تھے کہ حضرت میرزا صاحب کی زیارت ہو گی۔ مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ مباحثہ کی خبر غلط شائع کی گئی ہے تو اب وہ لوگ حضرت کی زیارت کے لیے بعض تو مسجد میں آتے رہے اور بعض سیر میں آکر ملے ان میں سے بعض نے پھر درخواست کی کہ آپ جلسہ میں آکر کچھ گفتگو کریں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

گالی اور برمحل بات میں فرق

مذہبی باتوں کو علمی رنگ میں بیان کرنا چاہیئے اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ جب انسان کو گیان حاصل ہو۔ ورنہ بلا سوچے سمجھے کہہ دینے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلا کرتا۔ ہر ایک مذہب میں کھُلی کھُلی بات اور گیان کی بات بھی ہوتی ہے جبتک انسان نفس کو صاف کر کے بات نہ کرے تو ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ آج کل ہار جیت کو مدِنظر رکھ کر لوگ بات کرتے ہیں۔ اس سے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔

بار بار جہاد۔ طلاق۔ کثرت ازدواج کو پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کے بزرگ سب یہ باتیں کرتے آئے ہیں۔ یہاں کے آریہ ہمیشہ میرے پاس آتے ہیں اور سوال و جواب بھی ہوتا ہے لیکن آپس میں ناراضگی کبھی نہیں ہوتی۔ بعض (دفعہ) بات اپنے محل پر چسپاں کی جاتی ہے۔ لوگ اسے غلط فہمی سے گالی خیال کر لیتے ہیں ان کو یہ علم نہیں ہوتا کہ گالی اور برمحل بات میں فرق کر سکیں۔ بات یہ ہے کہ جب انسان پُرانے عقیدہ پر جما ہوا ہوتا ہے تو اس کے عقیدے کو جب دوسرا بیان کرتا ہے تو اسے گالی خیال کرتا ہے۔

اس موقعہ پر ایک ہندو نے کہا کہ آپ نے بعض جگہ گالیاں دی ہوئی ہیں۔ فرمایا کہ

کوئی ایسی بات پیش کرو جو اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے۔ اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ زبانی تقریریں اچھی نہیں ہیں اور تحریر پیش کرتا ہوں کہ ہر ایک پڑھ کر اپنی اپنی جگہ پر رائے قائم کر لے اور جو اس کا جی چاہے کہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر

حضرت اقدس نے اس ہندو کو تحفہ آریہ یعنی "نسیم دعوت" نئی تصنیف دی کہ تم اسے دیکھو اور بتلاؤ کونسی بات ہے جو اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۷ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

(قبل از ظہر)

حضرت اقدس کی زیارت کے لیے کاشی رام وید لاہور سے اور بعض اَور لوگ تشریف لائے۔ حضرت اقدس نے مخاطب کر کے ان کو فرمایا:۔

اختلاف مذہب کی حکمت

اختلاف مذاہب کا جو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت عملی سے رکھا ہے یہ بھی ایک عمدہ چیز ہے اس سے انسانوں کی عقل بڑھتی ہے۔ دُنیا میں اگر کسی معاملہ میں اتفاق بھی کرتے ہیں تو اس کی باریک در باریک جزئیوں تک پہنچنا محال ہو جاتا ہے اور جزئی در جزئی نکلتی چلی آتی ہے۔

تبادلہ خیالات کے لیے مجلسوں میں تقریریں کرنی بھی اچھی چیز ہیں لیکن ابھی تک ہمارے ملک میں ایسے مہذب لوگ بہت ہی کم ہیں بلکہ نہیں ہیں جو آرام اور امن کے ساتھ اپنے مخالف رائے سن سکیں۔

مَیں نے خود یہ چاہا تھا اور میرا ارادہ ہے کہ قادیان میں ایک جگہ ایسی بنا دیں جہاں مختلف لوگ مذاہب کے جمع ہو کر اپنے اپنے مذہب کی صداقت اور خوبیوں کو آزادی سے بیان کر سکیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اگر اظہارِ حق کے لیے جلسے اور تقریریں ہوں تو بہت اچھی بات ہے مگر تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان میں فتنہ و فساد کا مظنہ ہوتا ہے اس لیے مَیں نے ان مباحثوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ممکن ہے دو چار آدمی ایسے بھی ہوں جو صبر اور نرمی کے ساتھ اپنے مخالف کی بات سُن لیں لیکن کثرت ایسے لوگوں کی ہو گی جو عوام الناس میں سے ہوتے ہیں اور وہ اپنے مخالف کے منہ سے ایک لفظ بھی اپنے مذہب کے خلاف نہیں سُن سکتے خواہ وہ کتنا ہی نرم کیوں نہ ہو۔ چونکہ جب مخالف بیان کرے گا تو کوئی نہ کوئی لفظ اُس کے مُنہ سے ایسا نکل سکتا ہے جو اس کے فریق مخالف کی غلطی کے اظہار میں ہو گا اور اس سے عوام میں جوش پھیل جاتا ہے۔ ایسی جگہ تو تب امن رہ سکتا ہے جب سمجھانے والا اور سمجھنے والا اس طرح بیٹھیں کہ جیسے باپ بیٹے میں کوئی بُرائی دیکھتا ہے اور اس کو سمجھاتا ہے تو وہ نرمی اور صبر سے اس کو سُن لیتا ہے ایسی محبت کی کشش سے البتہ فائدہ ہوتا ہے۔ غیظ و غضب کی حالت میں یہ اُمید رکھنا کہ کوئی فائدہ ہو خام خیال ہے

ہندو اور مسلمانوں کے باہم تعلقات میں ابتری

اب مشکل آکر یہ پڑی ہے کہ ایک تو دین کا اختلاف ہی ہے پھر اس پر اِحقاقِ حق لوگوں کی غرض نہیں رہی بلکہ بغض و عناد میں اس قدر ترقی کی گئی ہے کہ اپنے فریق مخالف کا نام بھی ادب یا عزت سے لینا گناہ سمجھا جاتا ہے مَیں دیکھتا ہوں کہ بڑی بے ادبی اور گستاخی سے بات کرتے ہیں۔ پہلے ہندو مسلمانوں میں ایسے

تعلقات تھے کہ برادری کی طرح رہتے تھے اب ایسا تفرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اندرونی کشش جو ایک دوسرے میں تھی باقی نہیں رہی ہے بلکہ تعصب اور دشمنی بڑھ گئی ہے۔ پس جبکہ کوئی حصّہ اُنس اور کشش کا ہی باقی نہ ہو اور ہارجیت مقصود ہو تو پھر اظہارِ حق کس طرح ہو سکتا ہے۔

اظہارِ حق کیلئے ضروری اُمور

اظہارِ حق کے واسطے یہ ضروری امر ہے کہ تعصب سے اندر خالی ہو اور بغض اور عناد نہ ہو۔ سَتُ اَسَتُ کے برتنے کے لیے بحث کا تو نام بھی درمیان میں نہیں آنا چاہیئے بلکہ اس کو چاہیئے کہ بحث کو چھوڑ دے۔

مَیں یہ بھی مانتا ہوں اور یہی میرا مذہب ہے کہ ایک اَور غلطی میں لوگ پڑے ہوئے ہیں کسی مذہب پر حملہ کرتے وقت وہ اتنا غور نہیں کرتے کہ جو حملہ ہم کرتے ہیں اس مذہب کی کتاب میں بھی ہے یا نہیں؟ مسلمہ کتب کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی شخص کی ذاتی رائے کو لیکر اس کو مذہب کی خبر بنا دیتے ہیں۔

ہم بہت سی باتوں میں آریہ مذہب کے خلاف ہیں اور ہم ان کو صحیح تسلیم نہیں کرتے لیکن ہم ان کو دید پر نہیں لگاتے ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کیا ہے۔ ہاں پنڈت دیانند پر ضرور لگاتے ہیں کیونکہ انہوں نے تسلیم کر لیا ہے ہم تو اس عقیدہ کے خلاف کہتے ہیں جو شائع کر دیا گیا ہے کہ یہ آریہ سماج کا عقیدہ ہے۔ اسی طرح پر آریوں کو اگر کوئی اعتراض کرنا ہو تو چاہیئے کہ وہ قرآن شریف پر کریں یا اس عقیدہ پر جو ہم نے مان لیا ہوا اور اس کو شائع کر دیا ہو۔ یہ مناسب نہیں کہ جس بات کو ہم مانتے ہی نہیں خواہ نخواہ ہمارے عقیدہ کی طرف اس کو منسوب کر دیا جائے۔

چونکہ بہت سے فرقے ہو گئے ہیں اس لیے جس نے ایک اُصول مان لیا ہے اُس پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ اس لیے مباحثہ کے وقت کتاب کا نام لے۔ تفسیروں اور بھاشوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر اختلاف ہے۔

مباحثہ اُصول پر ہونا چاہیئے

اگر اس اصل کو مدِنظر رکھا جاوے تو سامعین فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جب تک کتاب کو کسی نے سمجھا اور پڑھا ہی نہیں اس پر وہ اعتراض کرنے کا حق کس طرح رکھ سکتا ہے۔ مذہب کے معاملہ میں یہ ضروری بات ہے کہ مانی ہوئی اصل پر بحث کریں۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ کل کتابیں پڑھی جاویں اس کے لیے تو عمر بھی وفا نہیں کر سکتی۔

مباحثہ اصول پر ہونا چاہیئے[1] جو بطور بحث کے ہیں اور چونکہ عام مجمعوں میں حق کو مشتبہ رکھا جاتا ہے۔ انسان

---

[1] (البدر سے) "مناظرین نے لکھا ہے کہ فروعات میں بحث کرنا ہی فضول ہے۔ فروعات کی مثال تو لشکر کی ہے جبکہ افسر اُصول ہیں۔ جب اصول میں فیصلہ ہو جاوے تو فروع میں خود ہو جاتا ہے جیسے جب افسر مارا جاوے تو سپاہی خود تابع ہو جاتے ہیں۔ مَیں کوئی بات نہیں کرتا جب تک خدا تعالیٰ اجازت نہ دے اگر مَیں نے مباحثہ میں جانا ہوتا تو یہ کتاب (مراد "نسیم دعوت" مرتب) شائع نہ کرتا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ کالم اول کا آخر مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

ضد اور تعصب سے کام لیتا ہے مَیں نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ اس طریق کو چھوڑ دیا جاوے۔
یہ کتاب (نسیم دعوت۔ مرتب) مَیں نے اصول مباحثہ کے لحاظ سے لکھی ہے اور اسی طریق سے جو مَیں نے پیش کیا ہے بحث کی ہے جو ہم کو گالیاں دیتے ہیں ہم ان کی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم سے تو گالیوں کی قوت ہی کھو دی ہے۔ کس کس کی گالی کا جواب دیں۔[1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۱-۱۲ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

مسیح موعودؑ کے ذریعہ خانہ کعبہ کی حفاظت

صاحبزادہ سراج الحق صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرے ایک دوست نے لکھا ہے کہ تم تو حج کرنے کو گئے ہوئے ہو مگر ہمیں بھلا دیا ہے۔[2]

فرمایا:۔ اصل میں جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں ان کی خدمت میں دین سیکھنے کے واسطے جانا بھی ایک طرح کا حج ہی ہے۔ حج بھی خدا تعالیٰ کے حکم کی پابندی ہے اور ہم بھی تو اس کے دین اور اس کے گھر یعنی خانہ کعبہ کی حفاظت کے واسطے آئے ہیں۔

---

[1] (البدر سے) "جب یہ آریہ صاحبان تشریف لیگئے تو کچھ اور صاحب آئے۔ ان کے سوالات کا جواب حضرت اقدس نے ذیل کے مختصر فقرات میں دیا۔
"باوجود اختلاف رائے کے حق کی رُو رعایت رکھنا اس بات کو آپ کتاب نسیم دعوت میں دیکھیں گے۔ خدا نے اب ہم سے گالیوں کی قوت ہی دور کر دی ہے اور نہ ہم ہر ایک کو الگ الگ جواب دے سکتے ہیں۔ اب کروڑہا آدمی گالی دے رہے ہیں کس کس کو جواب دیں۔ میرا تعلق آریہ سماج سے ہے نہ وید سے کیونکہ وید سے میں واقف نہیں ہوں۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] "ایک شخص کی طرف سے "اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ" جو حضرت کا الہام ہے اس پر اعتراض پیش ہوا تو فرمایا کہ انت منی کے معنے ہیں کہ تیری نشوونما مجھ سے ہے اور وانا منک یعنی جب خدا کی عظمت و جلال ایک وقت کم ہو جاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ ایک بندہ کے ذریعہ اسے دُنیا پر ظاہر کرتا ہے چونکہ اس وقت خدائی کا جلوہ اس مامور کے ہاتھ سے ہوتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں تجھ سے ہوں یعنی میرا جلال تیرے ذریعہ ظاہر ہوا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کشف میں دیکھا تھا کہ دجال اور مسیح موعود اکٹھے طواف کر رہے ہیں۔ اصل میں طواف کے معنے ہیں پھرنا تو طواف دو ہی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو رات کو چور پھرتے ہیں یعنی گھروں کے گرد طواف کرتے ہیں اور ایک چوکیدار طواف کرتا ہے مگر ان میں فرق یہ ہے کہ چور تو گھروں کو لوٹنے اور گھروں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اور چوکیدار ان گھروں کی حفاظت اور بچاؤ اور چوروں کے پکڑنے کے واسطے طواف کرتے ہیں۔ یہی حال مسیح اور دجال کے طواف کا ہے۔ دجال تو دنیا میں اس واسطے پھرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تا دنیا کو خدا کی طرف سے پھیر دے اور ان کے ایمان کو لُوٹ لیا جاوے مگر مسیح موعود اس کوشش میں ہے کہ تا اُسے پکڑے اور مارے اور اس کے ہاتھ سے لوگوں کے دین و ایمان کے متاع کو بچاوے۔ غرض یہ ایک جنگ ہے جو ہمارا دجال سے ہو رہا ہے۔

کامل ایمان والے کو کسی نشان کی ضرورت نہیں ہوتی

ایک صاحب نے عرض کی حضور کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں کو مبشرات کثرت سے ہوتے ہیں اور بعض کو بہت کم بلکہ بالکل ہی نہیں۔ فرمایا کہ:۔

اصل میں اللہ تعالیٰ نے طبائع مختلف پیدا کی ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی ایمانی قوت ہی ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ اسے کسی نشان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا ایمان کامل ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کونسا نشان دیکھا تھا؟ یا کونسا خواب آیا؟ یا کوئی بشارت ہوئی تھی جس سے انہوں نے آپ کو پہچان لیا تھا اگر اُن کا کوئی خواب یا بشارت وغیرہ ہوتی تو اس کا ذکر حدیث شریف میں ضرور ہوتا۔ وہ ایک سفر پر گئے ہوئے تھے راستہ میں واپسی پر انہوں نے ایک شخص سے پوچھا۔ اپنے شہر کی کوئی نئی بات سناؤ۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے آپ کو آگاہ کیا۔ فوراً بے چون وچرا مان لیا۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے حالات دیکھے ہوئے تھے۔ وہ بخوبی آگاہ تھے کہ یہ شخص کاذب یا مفتری نہیں۔ اُن کو پہلی واقفیت اور عقل سلیم نے آپ کو فوراً قبول کر لینے پر مجبور کیا۔ زمانہ کی حالت کو انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ وقت تھا ضرورت تھی ایک صادق نے خدا کی طرف سے الہام پاکر دعویٰ کیا فوراً مان لیا۔

اصل میں نشانات کی ضرورت بھی کمزور ایمان کو ہوتی ہے۔ کامل ایمان کو نشان کی ضرورت ہی نہیں۔

خُدا کے مقرب عذابِ الٰہی سے محفوظ رکھے جاتے ہیں

فرمایا کہ

خدا کے عذاب سے اپنے آپکو محفوظ رکھنے کے واسطے خدا کا قرب حاصل کرنا ضروری ہے۔ جتنا جتنا خدا سے انسان قریب ہوتا ہے اتنا ہی وہ مصائب،

شدائد اور بلاؤں سے دُور رہتا ہے۔ جو خدا کا مقرب ہوتا ہے اسے کبھی خدا کے قہر کی آگ نہیں کھاتی۔ دیکھو انبیاء کے وقت میں وبائیں اور طاعون سخت ہوتے رہے مگر کوئی بھی نبی ان عذابوں میں ہلاک نہیں ہوا۔ صحابہؓ کے وقت میں بھی طاعون پڑا۔ اور بہت سے صحابہؓ اس سے شہید بھی ہوئے مگر اس وقت وہ صحابہؓ کے واسطے شہادت تھی کیونکہ صحابہؓ اپنا کام پورا کر چکے تھے اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی اُن کو ہو چکی تھی اور نیز وہ کوئی تحدی کا وقت بھی نہ تھا اور مزا تو ہر انسان کے ساتھ لازمی لگا ہوا ہے۔ اسی ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو اُن کی موت منظور تھی۔ ان کے واسطے شہادت تھی۔ مگر جب کسی عذاب کے واسطے پہلے سے خبر دی جاوے کہ خدا آسمان سے اپنی ناراضگی کی وجہ سے قہر نازل کرے گا تو ایسے وقت میں وہ وبا رحمت نہیں۔ اور شہادت نہیں ہوا کرتی بلکہ لعنت ہوا کرتی ہے۔ پس خدا کی طرف دوڑو کہ اسی کے پاس معالجے ہیں اور بچاؤ کے سامان ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۱،۱۲ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ماننے کے قابل حدیث اور خواب

ظہر کے وقت ایک شخص نے ایک پراگندہ سی خواب لکھ کر حضور سے تعبیر پوچھی تھی اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔

جس طرح سے حدیث ماننے کے قابل نہیں ہوتی جب تک قرآن کے موافق نہ ہو۔ اسی طرح کوئی خواب بھی ماننے کے لائق نہیں جب تک ہمارے موافق نہ ہو۔

عصر کے وقت چند ایک سکھ حضرت اقدس کی ملاقات کے واسطے آئے اور اثناء ذکر میں آپ نے فرمایا کہ

زبان سے تو ایک انسان بھی اپنا بندہ نہیں بن سکتا خدا کیسے بن سکتا ہے محبت ہوگی تو سانجھ ہوگی کھوٹ سے کوئی خدا سے کیا لے سکتا ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

(دربار شام)

خدا تعالیٰ کے فرستادہ کی تلاش ضروری تھی

ایک صاحب نو وارد[1] تھے آپ نے اُن سے فرمایا:۔

دیکھو دُنیا چند روزہ ہے کسی کو بقا نہیں اور یہ دنیا اور اس کا جاہ و جلال ہمیشہ نہیں رہنے والے۔ چاہیئے کہ اس وقت جو اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اس کو سمجھا جاوے اگر وہ درحقیقت خدا ہی کی طرف سے ہے تو اس سے دور

---

[1] البدر میں لکھا ہے:۔

"صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانی کے بھائی کے مریدوں میں سے ایک صاحب حضرت اقدس کی زیارت کے لیے تشریف لائے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

رہنا کیسا بدقسمتی کا موجب ہوگا۔ وقت نازک ہے۔ دنیا نے جس امر کو سمجھنا چاہیئے تھا اسے نہیں سمجھا اور جس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے تھی اس کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔ خدا کے فرستادہ کی تلاش ضروری تھی۔ دیکھو دنیوی ضرورتوں کے واسطے کس طرح دنیا کوشش کرتی اور جانکاہ محنتوں سے ان کے حصول کے ذریعہ کو سوچتی ہے۔ مگر دین کیا ایسا ہی گیا گذرا امر ہے کہ اس کے واسطے اتنی بھی تکلیف نہ برداشت کی جاوے کہ چند روز کے واسطے ایک جگہ رہ کر اسلام کی تحقیق کی جاوے۔ ایک بیمار انسان جب کسی طبیب کے پاس جاتا ہے تو مریض کی اگر طبیب تشخیص کر بھی لیوے تو معالجہ میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا دوا دی جاوے۔

ضرورتِ الہام

ایک شہر میں پہنچ کر انسان پھر بھی کسی خاص جگہ پر پہنچنے کے واسطے کسی راہبر کا محتاج ہوتا ہے تو کیا دین کی راہ معلوم کرنے اور خدا کی مرضی پانے کے واسطے انسانی ڈھکوسلے کام آسکتے ہیں؟ اور کیا سفلی عقل کافی ہوسکتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں جب تک اللہ تعالیٰ خود اپنی راہ کو نہ بتاوے اور اپنی مرضی کے وسائل کے حصول کے ذریعہ سے مطلع نہ کرے تب تک انسان کچھ کر نہیں سکتا۔ دیکھو جبتک آسمان سے پانی نازل نہ ہو زمین بھی اپنا سبزہ نہیں نکالتی گو بیج اس میں موجود ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ زمین کا پانی بھی دُور چلا جاتا ہے تو کیا رُوحانی بارش کے بغیر ہی رُوحانی زمین سرسبز ہو جاتی اور بارآور ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا کے الہام کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ دیکھو یہ جو اتنے بڑے عاقل کہلاتے ہیں اور بڑے موجد ہیں آئے دن تار نکلتی ہے ریل بنتی ہے اور انسانی عقل کو حیران کر دینے والے کام کئے جاتے ہیں کیا ان کی عقل کے برابر بھی کوئی اَور عقل ہے؟ جب ایسے عاقل لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک عاجز انسان کو جو ایک عورت کے پیٹ سے عام لڑکوں کی طرح سے پیدا ہوا تھا اور اسی طرح عوارض وغیرہ کا نشانہ بنا رہا اور کھانا پینا سب کچھ کرتا ہوا یہودیوں کے ہاتھ سے سولی پر چڑھایا گیا تھا اس کو خداوند بنایا ہوا ہے اور اس کے کفارہ سے اپنی نجات جانتے ہیں اور ایسی بودی چال اختیار کی ہے کہ ایک بچہ بھی اس پر ہنسی کرے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ صرف یہی کہ انہوں نے سفلی عقل پر ہی بھروسہ کیا اور ایک کوّے کی طرح نجاست پر گر پڑے۔

دیکھو جب انسان خدا سے مدد چاہتا ہے اور اپنے آپ کو عاجز جانتا ہے اور گردن فرازی نہیں کرتا تو اللہ تعالےٰ خود اس کی مدد کرتا ہے۔ ایک مکھی ہے کہ گندگی پر گرتی ہے اور دوسری کو خدا نے عزت دی کہ سارا جہان اس کا شہد کھاتا ہے یہ صرف اس کی طرف جھکنے کی وجہ سے ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ: ۵) پر کاربند ہے اور اسی سے توفیق طلب کرے۔ ایسا کرنے سے انسان خدا کی تجلیات کا مظہر بھی بن سکتا ہے۔ چاند جب آفتاب کے مقابل میں ہوتا ہے تو اُسے نُور ملتا ہے مگر جُوں جُوں اس سے کنارہ کشی کرتا ہے توں توں اندھیرا ہوتا جاتا ہے۔ یہی حال ہے انسان کا۔ جب تک اس کے دروازہ پر گرا رہے اور اپنے

آپ کو اس کا محتاج خیال کرتا رہے تب اللہ تعالیٰ اُسے اُٹھاتا اور نوازتا ہے ورنہ جب وہ اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔[1]

صادق کی معیت

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ : ۱۱۹) بھی اسی واسطے فرمایا گیا ہے۔ سادھ سنگت بھی ایک ضرب المثل ہے پس یہ ضروری بات ہے کہ انسان باوجود علم کے اور باوجود قوت اور شوکت کے امام کے پاس ایک سادہ لوح کی طرح پڑا رہے تا اُس پر عمدہ رنگت آوے۔ سفید کپڑا اچھا رنگا جاتا ہے اور جس میں اپنی خودی اور علم کا پہلے سے کوئی میل کچیل ہوتا ہے اس پر عمدہ رنگ نہیں چڑھتا۔ صادق کی معیت[2] میں انسان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اسے نشانات دیئے جاتے ہیں جن سے اس کا جسم منوّر اور رُوح تازہ ہوتی ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۳ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

حضرت صاحب تشریف لائے توکل کے نووارد مہمان بھی ہمراہ سیر کو چلے آپ نے انکو مخاطب کرکے فرمایا:۔ زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ ایک دن آنے کا ہے اور ایک دن جانے کا ہے معلوم نہیں کب مرنا ہے علم ایک

---

[1] حاشیہ البدر سے۔ "عیسائیوں کی عقل کیسی تیز ہے کیسی کیسی صنعتیں ایجاد کی ہیں گویا بالکل دنیا کو نیا کر دیا ہے۔ ہر ایک پرانی شئے کی جگہ ایک نئی شئے موجود ہے مگر چونکہ دینی معاملات میں خدا سے مدد نہ مانگی گھمنڈ اور فخر کیا اس لیے عقل آخر کار ماری گئی کہ کوّے کی طرح نجاست پر دانت مارا۔ سب پڑھ پڑھا کر ڈبو دیا۔ اس لیے اپنی رائے اور فیصلہ پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ ہر ایک نبی میں یہ کمال تھا کہ ہر وقت خدا پر بھروسہ رکھتے۔ اپنی عقل اور طاقت پر ان کو ایک ذرہ بھر اعتبار نہ تھا چونکہ وہ ہر وقت خدا سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی لیے ہر وقت اُن کو خدا سے مدد ملتی ہے۔ خدا کے بغیر کوئی طاقت اور مدد نہیں ملتی اور عقل پر گھمنڈ کرے گا تو شہد کی مکھی کی جگہ نجاست کی مکھی کی طرح ہوگا۔ لیکن اگر خدا سے مدد چاہے گا تو ایک نور اسے ملیگا جس سے مدد پاکر وہ بڑی بڑی تجلیات الٰہی کا اگر مظہر بن جاوے تو سچ ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۹ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر سے) "صادقوں کی صحبت میں رہنا بہت ضروری ہے خواہ انسان کیسا علم رکھتا ہو۔ طاقت رکھتا ہو۔ لیکن صحبت میں رہنے سے جو اُس کے شبہات دُور ہوتے ہیں اور اُسے علم حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے طور سے حاصل نہیں ہوتا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۹ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

طاقت انسان کے اندر ہے۔ اس کے اُوپر وساوس اور شبہات پڑتے ہیں۔ عادتوں کے کیڑے برتن کی مَیل کی طرح انسان کے اندر چمٹے ہوئے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔ پس اگر آپ چند روز یہاں ٹھہر جاویں تو اس میں آپ کا کیا حرج ہے؟ اس طرح ہر ایک بات کا موقعہ آپ کو مِل جائیگا دُنیا کے کام تو یونہی چلے چلتے ہیں ؎

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد ٭ ہر چہ گیرید مختصر گیرید

بہت لوگ ہمارے پاس آئے اور جلد رُخصت ہونے لگے۔ ہم نے اُن کو منع کیا مگر وہ چلے گئے۔ آخر کار پیچھے سے انہوں نے خط روانہ کئے کہ ہم نے گھر پہنچکر بنایا تو کچھ نہیں اگر ٹھہر جاتے تو اچھا ہوتا اور انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ہمارا جلدی آنا ایک شیطانی وسوسہ تھا۔

مسیح موعودؑ کی صُحبت میں رہنے کی تاکید

یہ مرحلہ اس لیے قابلِ طے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے کہ جب دنیا ختم ہونے پر ہوگی تو اس اُمّت میں سے مسیح موعود پیدا ہوگا۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے پاس پہنچیں خواہ ان کو برف پر چل کر جانا پڑے۔ اس لیے صحبت میں رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ سلسلہ آسمانی ہے۔ پاس رہنے سے باتیں جو ہوں گی ان کو سُنیگا جو کوئی نشان ظاہر ہوا اُسے سوچے گا۔ آگے ہی زندگی کا کونسا اعتبار تھا مگر اب تو جب سے یہ سلسلہ طاعون کا شروع ہوا ہے کوئی اعتبار مطلق نہیں رہا۔ آپ نفس پر جبر کر کے ٹھہریئے اور جو شُبہ و خیال پیدا ہو وہ سُناتے رہیئے۔ اَن پڑھ اور اُمّی لوگ جو آتے ہیں ان کی باتیں اور شبہات کا سُننا بھی ہمارا فرض ہے۔ اس لیے آپ بھی اپنے شبہات ضرور سُنائیے یہ ہم نہیں کہتے کہ ہدایت ہو یا نہ ہو۔ ہدایت تو امرِ ربّی ہے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

مسلمان کون ہے؟

یہ بات سمجھنے والی ہے کہ ہر ایک مسلمان کیوں مسلمان کہلاتا ہے؟ مسلمان وہی ہے جو کہتا ہے کہ اسلام برحق ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں قرآن کتابِ آسمانی ہے۔ اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ مَیں اقرار کرتا ہوں کہ مَیں ان سے باہر نہ جاؤں گا۔ نہ عقیدہ میں نہ عبادت میں۔ نہ عملدرآمد میں۔ میری ہر ایک بات اور عمل اس کے اندر ہی ہوگا۔

گدی نشین اور بدعات

اب اس کے مقابل پر آپ انصاف سے دیکھیں کہ آج کل گدی والے اس ہدایت کے موافق کیا کچھ کرتے ہیں۔ اگر وہ خدا کی کتاب پر عمل نہیں کرتے تو قیامت کو اس کا جواب کیا ہوگا کہ تم نے میری کتاب پر عمل نہ کیا۔ اس وقت طوافِ قبر، کنجریوں کے جلسے اور مختلف طریقے ذکر جن میں سے ایک اڑہ کا ذکر بھی ہے، ہوتے ہیں، لیکن ہمارا سوال ہے کہ کیا خدا بُھول گیا تھا کہ اس نے یہ تمام باتیں کتاب میں نہ لکھ دیں نہ رسُول کو بتائیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جانتا ہے اسے ماننا پڑیگا

کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمودہ کے باہر نہ جانا چاہیئے۔

کتاب اللہ کے برخلاف جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب بدعت ہے اور سب بدعت فی النار ہے۔ اسلام اس بات کا نام ہے کہ بجز اس قانون کے جو مقرر ہے اِدھر اُدھر بالکل نہ جاوے کسی کا کیا حق ہے کہ بار بار ایک شریعت بناوے۔ بعض پیرزادے چوڑیاں پہنتے ہیں۔ مہندی لگاتے ہیں۔ لال کپڑے ہمیشہ رکھتے ہیں۔ سدا سہاگن ان کا نام ہوتا ہے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مرد تھے۔ اس کو مرد سے عورت بننے کی کیا ضرورت پڑی؟ ہمارا اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کتاب قرآن کے سوا اور طریق سُنّت کے سوا نہیں کس شئے نے ان کو جرأت دی ہے کہ اپنی طرف سے وہ ایسی باتیں گھڑ لیں۔ بجائے قرآن کے کافیاں پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل قرآن سے کٹا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو میری کتاب پر چلنے والا ہو وہ ظلمت سے نور کی طرف آویگا اور کتاب پر اگر نہیں چلتا تو شیطان اس کے ساتھ ہوگا۔

بندگانِ خدا کی علامت

مگر جو خدا کے بندے ہوتے ہیں ان میں خوشبو اور برکت ہوتی ہے۔ فریب اور مکر سے اُن کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ جیسے آفتاب اُسے چمکتا ہوا نظر آتا ہے ایسے ہی دُور سے اس کی چمک دکھائی دیتی ہے اور دنیا میں اصل چمک انہیں کی ہے۔ یہ آفتاب اور قمر وغیرہ تو صرف نمونہ ہیں۔ ان کی چمک دائمی نہیں ہے کیونکہ یہ غروب ہو جاتے ہیں لیکن وہ غروب نہیں ہوتے جس کو خدا اور رسول کی محبت کا شوق ہے اور ان کے خلاف کو پسند نہیں کرتا اور عفونت اور بدبو کو محسوس کرنے کا اس میں مادہ ہو وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ طریق اسلام سے بہت بعید ہے۔ مثل یہود کے خدا نے انکو چھوڑ دیا ہے۔ بلعم کی طرح اب مکر و فریب کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں رہا۔ صفائی والا انسان جلد دیکھ لیتا ہے کہ یہ جسم اس حقیقی رُوح سے خالی ہے۔

سجادہ نشینوں کے پیرو چیں

انسان توجہ کرے تو اسے پتہ لگتا ہے کہ جو لوگ صمٌّ بکمٌّ ہو کر سجادہ نشینوں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہیں اور عرسوں وغیرہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اُن کو یہ خیال نہیں آتا۔ کہ وہ کونسی روشنی ہے جو خانہ کعبہ سے شروع ہوئی تھی اور تمام دنیا میں پھیلی تھی اور انہوں نے اس میں سے کس قدر حصّہ لیا ہے۔ ان کو ہرگز وہ نور نہیں ملتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے لائے اور اس سے کُل دُنیا کو فتح کیا۔ آج اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں تو ان لوگوں کو جو اُمّت کا دعویٰ کرتے ہیں کبھی شناخت بھی نہ کر سکیں۔ کونسا طریقہ آپ کا ان لوگوں نے رکھا ہے۔

شریعت تو اسی بات کا نام ہے کہ جو کچھ آنحضرتؐ نے دیا ہے اُسے لے لے۔ اور جس بات سے منع کیا ہے اس سے ہٹے۔ اب اس وقت قبروں کا طواف کرتے ہیں اُن کو مسجد بنایا ہوا ہے۔ عرس وغیرہ ایسے جلسے نہ منہاج نبوت ہے

نہ طریق سُنّت ہے۔ اگر منع کرو تو غیظ و غضب میں آتے ہیں اور دشمن بن جاتے ہیں۔ چونکہ یہ آخری زمانہ ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا لیکن اسی زمانہ کے فسادوں کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں اکیلا رہنا اور اکیلا مرجانا یا درختوں سے پنجہ مار کر مرجانا ایسی صحبتوں سے اچھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب چیزیں پوری ہو رہی ہیں انسان دوسرے کے سمجھائے کچھ نہیں سمجھتا۔ دل میں کسی بات کا بٹھا دینا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خدا جب کسی سے نیکی کرتا ہے تو اسے کچھ عطا کرتا ہے۔ اس کے دل میں فراست پیدا ہو جاتی ہے اور دل ہی معیار ہوتا ہے مگر محجوب دل کام نہیں آتا۔ یہ کام ہمیشہ پاک دل سے نکلتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) ان باتوں کے لیے دُعا کرنی چاہیئے۔

نیک اعمال کیلئے صُحبتِ صادقین کی ضرورت ہے

خدا کے فضل کے سوا تبدیلی نہیں ہوتی اعمالِ نیک کے واسطے صحبتِ صادقین کا نصیب ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ خدا کی سُنّت ہے ورنہ اگر چاہتا تو آسمان سے قرآن یونہی بھیج دیتا اور کوئی رسُول نہ آتا۔ مگر انسان کو عمل درآمد کے لیے نمونہ کی ضرورت ہے۔ پس اگر وہ نمونہ نہ بھیجتا رہتا تو حق مشتبہ ہو جاتا۔

مخالفت کی وجہ

اب اس وقت علماء مخالف ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ تمہارے عقیدے وغیرہ سب خلافِ اسلام ہیں۔ اس میں میرا کیا گناہ ہے؟ مجھے تو خدا نے مامور کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان غلطیوں کو نکال دیا جاوے اور منہاجِ نبوت کو قائم کیا جاوے۔ اب لوگ میرے مقابل پر قصّہ کہانیاں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ مجھے خود ہر ایک امر بذریعہ وحی والہام بتلایا جاتا ہے۔ ان کے کہنے سے میں اسے کیسے چھوڑ دوں؟ ان کا عقیدہ ہے کہ جب مسیح آویگا تو جس قدر غلطیاں ہوں گی ان کو نکال دیگا اگر اس نے سب کچھ انہیں کا قبول کرنا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا تو بتلاؤ کہ پھر اس کا کام کیا ہوگا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہی طریق ایسے لوگوں کا تھا کہ دُور سے بیٹھے شور مچاتے اور پاس آکر نہ دیکھتے۔ ابوجہل نے مخالفت تو سالہا سال کی مگر پیغمبر خدا کی صحبت میں ایک دن بھی نہ بیٹھا حتّٰی کہ مرگیا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ اب ان سے پوچھا جاوے کہ بلا تحقیق کے کیوں فتوے لگاتے ہو؟

علاماتِ ظہورِ مہدی و مسیح کا پُورا ہونا

یہ خود کہتے تھے کہ صدی کے سر پر آنے والا ہے۔ پھر انہیں کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا کہ کسوف و خسوف ہوگا۔ طاعون پڑے گی۔ حج بند ہوگا۔ ایک ستارہ جو مسیح کے وقت نکلا تھا نکل چکا ہے۔ اونٹوں کی سواری بیکار ہوگئی ہے۔ اسی طرح سب علامتیں پوری ہوگئی ہیں، مگر ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ابھی مسیح نہیں آیا یہ معنے رکھتا ہے کہ یہ لوگ

چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی پوری نہ ہو۔ یہ سب اندرونی نشان ہیں۔ اب بیرونی دیکھئے کہ صلیب کا غلبہ کس قدر ہے۔ نصاریٰ نے تردید اسلام میں کیا کیا کوششیں کی ہیں اور خود اندرونی طور پر تقویٰ۔ زہد۔ ریاضت میں فرق آگیا ہے۔ برائے نام مسلمان ہیں۔ جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ خیانتیں کرتے ہیں۔ قرضہ لے کر دبا لیتے ہیں۔

اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ اسلام ہلاک ہو جاوے اور اندرونی اور بیرونی بلائیں اُسے کھا جائیں تو وہ کسی کو پیدا نہ کرتا۔ اس کا وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کا کہاں گیا؟ اوّل تو تاڑ تاڑ مجدّد آئے مگر جب مسلمانوں کی حالت تنزّل میں ہوئی۔ بداطواری ترقی کرتی جاتی ہے۔ سعادت کا مادہ ان میں نہ رہا اور اسلام غرق ہونے لگا تو خدا نے ہاتھ اُٹھا لیا؟ جب کہو تو یہی جواب ہے کہ حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس دجّال آئیں گے۔ یہ بھی ایک دجّال ہے۔ او کمبختو! تمہاری قسمت میں دجّال ہی لکھے ہیں؟ غرض کہ یہ باتیں غور کے قابل ہیں مگر دل کے کھولنے کی کنجی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جبتک وہ نہ کھولے دل میں اثر نہیں ہوتا۔ ابوجہل بھی تو چودہ برس تک باتیں سُنتا ہی رہا۔ یہی ہماری جماعت ہے اس کی کونسی عقل زیادہ ہے کہ انہوں نے حقیقت کو سمجھ لیا اور بعضوں نے نہ سمجھا ایسے ہی دماغ اعضاء وغیرہ باقی سب مخالفوں کے ہیں مگر وہ اس حقیقت کو نہیں پہنچے۔ انکے دلوں کو قفل لگے ہیں۔

دوکانداری کا جواب

مختلف اعتراضات کے جواب پر فرمایا کہ:۔
اسے دکانداری کہتے ہیں۔ ہے تو دکان مگر خدا کی۔ اگر انسان کی ہوتی تو دیوالہ نکل جاتا ٹوٹ جاتی۔ مگر خدا کی ہے جو محفوظ ہے۔

ہمارے گروہ کی خدا نے خود مدد کی ہے کہ اتنی جلدی ترقی کر دی کہ یہ مسجدوں کے مُلاں وغیرہ جب دیکھیں گے کہ اب اُن کی تعداد بہت ہے خود ہی ہاں میں ہاں ملا دیں گے۔

(قبل از عشاء)

ایک خانساماں کی استقامت

بٹالہ میں ایک خانساماں جو مشنری لیڈی کے ہاں ملازم تھا۔ حضرت صاحب کا خادم تھا۔ مشنری لیڈی نے اُسے اس تعصب کے باعث برخواست کر دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔
اگر مکھن کھاتے دانت جاتے ہیں تو جاویں۔
(مشنری لیڈی نے اُسے کہا تھا کہ تم اتنی دیر ہمارے پاس رہے اور اثر نہ ہوا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ) اثر تو ہوا کہ اس نے مقابلہ کر کے دیکھ لیا کہ حق اِدھر ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۵۹، ۶۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

۴ر مارچ ۱۹۰۳ء (صبح کی سیر)

جو خدا کے واسطے کھوتا ہے اُسے ہزار چند دیا جاتا ہے

فرمایا کہ
جو شخص خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے (اس پر) خدا سے نُور اُترتا ہے۔ (وہ) اپنے فرشتوں کو اس کی خدمت کے واسطے مامور فرماتا ہے جو اسکے واسطے کچھ کھوتا ہے اس کو اُس سے ہزار چند دیا جاتا ہے۔ دیکھو صحابہؓ میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا اور کمبل پوش بن پھرا تھا۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے اُسے دیا تو کیا دیا۔ دیکھ لو کیسی مناسبت ہے کہ اس نے چونکہ سب صحابہؓ سے اوّل خرچ کیا تھا اسے سب سے پہلے خلافت کا تخت عطا کیا گیا۔ غرض خدا کوئی بخیل نہیں اور نہ اس کے فیض خاص خاص ہیں بلکہ ہر ایک جو صدق دل سے طالب بنتا ہے۔ اُسے عزت دی جاتی ہے۔ یہ ہمارے دشمن تو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرتے ہیں۔ بھلا ان سے آسمانی باتیں اور تائیدات روکی جا سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پرنالہ کے پانی کو تو کوئی روک بھی سکتا ہے مگر جو آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگ جاوے۔ اس کو کون روک سکے گا اور اس کے آگے کونسا بند لگاویں گے؟ ہمارا تو سارا کاروبار ہی آسمانی ہے۔ پھر بھلا کسی کی کیا مجال کہ اس میں کسی قسم کا حرج یا خلل واقع کر سکے۔

البدر میں بعض مزید باتوں کا ذکر ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ حضور نے فرمایا: "تجربہ ہے کہ جب ہندوؤں میں سے مسلمان ہوتے ہیں تو وہ متقی ہوتے ہیں جیسے مولوی عبیداللہ صاحب۔ سناتن دھرم والے زوائد کو چھوڑ کر وہ تمام باتیں مانتے ہیں جن کے ہم قائل ہیں۔ خدا کو مانتے ہیں۔ فرشتوں پر بھی اُن کا ایمان ہے نیوگ کے سخت مخالف ہیں۔ جو لوگ اخلاص سے اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ کوئی شرط نہیں باندھتے جو شرطیں پیش کر کے اسلام لانا چاہتا ہے وہ ضرور کھوٹ رکھتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۰۳ء)

لمبی مُونچھوں کی تعبیر

ایک خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ
اصل میں زیادہ لمبی لمبی (مونچھیں) رکھنا بھی تکبر اور نخوت کو بڑھاتا ہے اسی واسطے شریعت اسلام نے فرمایا ہے کہ مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ یہ یہود اور عیسائی اور ہندوؤں کا کام ہے کہ وہ اکثر تکبر سے مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور تاؤ دے کر ایک متکبرانہ وضع بناتے ہیں خصوصاً سکھ لوگ۔ مگر ہماری شریعت کیا پاک ہے کہ جس جگہ سے کسی قسم کی بدی کا احتمال بھی تھا اس سے بھی منع کر دیا۔ بھلا یہ باتیں کسی اَور میں کہاں پائی جاتی ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ر مارچ ۱۹۰۳ء)

البدر میں ہے:۔ "ایک صاحب نے عرض کی کہ خواب میں مَیں نے اپنی مُونچھوں کو کترتے ہوئے دیکھا ہے فرمایا

کہ بوں کے کترنے سے مراد انکساری اور تواضع ہے۔ زیادہ لب رکھنا تکبر کی علامت ہے جیسے انگریز اور سکھ وغیرہ رکھتے ہیں۔ پیغمبرِ خدا نے اسی لیے اس سے منع کیا ہے کہ تکبر نہ رہے اسلام تو تواضع سکھاتا ہے جو خواب میں دیکھے تو اس میں فروتنی بڑھ جاوے گی۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۵ مارچ ۱۹۰۳ء

(دربارِ شام)

حضرت اقدس نے فارسی میں فرمایا لہٰذا اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:۔

دوستوں کی جُدائی پر غمگین ہونا

فرمایا:۔ خدائے تعالیٰ نے یہ بات میرے دل میں ڈالی ہے اور میری فطرت میں رکھ دی ہے کہ جب کوئی دوست مجھ سے جُدا ہونے لگتا ہے مجھے سخت قلق اور درد محسوس ہوتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ خدا جانے زندگی کا بھروسہ نہیں۔ پھر ملاقات نصیب ہوگی یا نہیں پھر میرے دل میں خیال آجاتا ہے کہ دوسروں کے بھی تو حقوق ہیں۔ بیوی ہے، بچے ہیں اور اَور رشتہ دار ہیں۔ مگر تاہم جو چند روز بھی ہمارے پاس رہتا ہے اس کے جُدا ہونے سے ہماری طبیعت کو صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ ہم بچے تھے اب بڑھاپے تک پہنچ گئے ہیں ہم نے تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ انسان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ انسان خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرلے۔

دُعا اور توکل

ساری عقدہ کشائیاں دُعا کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں بھی اگر کسی کی خیر خواہی ہے تو کیا ہے۔ صرف ایک دُعا کا آلہ ہی ہے جو خدا نے ہمیں دیا ہے کیا دوست کے لیے اور کیا دشمن کے لیے۔ ہم سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے بس میں ایک ذرہ بھر بھی نہیں ہے مگر جو خدا ہمیں اپنے فضل سے عطا کردے۔

لہ (البدر سے) ایک خادم نے حضرت اقدس سے رخصت طلب کی۔ ان کا وطن یہاں سے دور دراز تھا اور ایک عرصہ سے آکر حضرت اقدس کے قدموں میں موجود تھے اُن کے رخصت طلب کرنے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ انسان کی فطرت میں یہ بات ہوتی ہے اور میری فطرت میں بھی ہے کہ جب کوئی دوست جُدا ہونے لگتا ہے تو میرا دل غمگین ہوتا ہے کیونکہ خدا جانے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔ اس عالم کی یہی وضع پڑی ہے خواہ کوئی ایک سو سال زندہ رہے آخر پھر جُدائی ہے مگر مجھے یہ امر پسند ہے کہ عیدالاضحیٰ نزدیک ہے وہ کر کے آپ جاویں جب تک سفر کی تیاری کرتے رہیں۔ باقی مشکلات کا خدا حافظ ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

انسان کو مشکلات کے وقت اگرچہ اضطراب ہوتا ہے مگر چاہیئے کہ توکل کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بدر کے موقع پر سخت اضطراب ہوا تھا[1]۔ چنانچہ عرض کرتے تھے یَارَبِّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ مگر آپ کا اضطراب فقط بشری تقاضا سے تھا کیونکہ دوسری طرف توکل کو آپ نے ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ آسمان کی طرف نظر تھی اور یقین تھا کہ خدا تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یاس کو قریب نہیں آنے دیا تھا۔ ایسے اضطرابوں کا آنا تو انسانی اخلاق اور مدارج کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے مگر انسان کو چاہیئے کہ یاس کو پاس نہ آنے دے کیونکہ یاس تو کفار کی صفت ہے۔ انسان کو طرح طرح کے خیالات اضطراب کا وسوسہ ڈالتے ہیں مگر ایمان ان وساس کو دُور کر دیتا ہے۔ بشریت اضطراب خریدتی ہے اور ایمان اس کو دفع کرتا ہے۔

ایمان و عرفان کی حقیقت

دیکھو ایمان جیسی کوئی چیز نہیں۔ ایمان سے عرفان کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ ایمان تو مجاہدہ اور کوشش کو چاہتا ہے اور عرفان خدا تعالیٰ کی موہبت اور انعام ہوتا ہے عرفان سے مراد کشوف اور الہامات جو ہر قسم کی شیطانی آمیزش اور ظلمت کی ملونی سے مبرا ہوں اور نور اور خدا کی طرف سے ایک شوکت کے ساتھ ہوں وہ مراد ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی طرف سے موہبت اور انعام ہوتا ہے۔ یہ چیز کچھ کسبی چیز نہیں مگر ایمان کسبی چیز ہوتا ہے۔ اسی واسطے اوامر ہیں کہ یہ کرو۔ غرض ہزاروں احکام ہیں اور ہزاروں نواہی ہیں۔ ان پر پوری طرح سے کاربند ہونا ایمان ہے۔

غرض ایمان ایک خدمت ہے جو ہم بجا لاتے ہیں اور عرفان اس پر ایک انعام اور موہبت ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ خدمت کئے جاوے۔ آگے انعام دینا خدا کا کام ہے یہ مومن کی شان سے بعید ہونا چاہیئے کہ وہ اس انعام کے واسطے خدمت کرے۔

---

[1] (البدر سے)

خُدا کے بندے مایوس اور ضائع نہیں ہوتے

"اگرچہ انسان کو بشریت کے تقاضا سے اضطراب ہوتا ہے مگر وہ خاصۂ بشریت ہے اور سب انبیاء بھی اس میں شریک ہیں جیسے کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اضطراب ہوا تھا۔ مگر عام لوگوں میں اور انبیاء میں یہ فرق ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کے اضطراب میں یاس کبھی نہیں ہوتی۔ ان کو اس امر میں پورا یقین ہوتا ہے کہ خدا ضائع کبھی نہ کریگا۔ میرا یہ حال ہے کہ اگر مجھے جلتی آگ میں بھی ڈالا جاوے تو بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ ضائع نہ ہوں گا۔ اضطراب تو ہوگا کہ آگ ہے اس سے انسان جل جاتا ہے مگر امید ہوتی ہے کہ ابھی آواز آئے گی یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ لیکن دوسرے لوگوں کے اضطراب میں یاس ہوتا ہے۔ خدا پر اُن کو توقع نہیں ہوتی اور یہ کفر ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ / مارچ ۱۹۰۳ء)

خدا کی محبت میں محو ہو جاؤ

مکاشفات اور الہامات کے ابواب کے کھلنے کے واسطے جلدی نہ کرنی چاہیئے۔ اگر تمام عمر بھی کشوف اور الہامات نہ ہوں تو گھبرانا نہ چاہیئے۔ اگر یہ معلوم کر لو کہ تم میں ایک عاشقِ صادق کی سی محبت ہے جس طرح وہ اس کے ہجر میں اس کے فراق میں بھوکا مرتا ہے پیاس سہتا ہے نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پانی کی پروا۔ نہ اپنے تن بدن کی کچھ خبر اسی طرح تم بھی خدا کی محبت میں ایسے محو ہو جاؤ کہ تمہارا وجود ہی درمیان سے گم ہو جاوے پھر اگر ایسے تعلق میں انسان مر بھی جاوے تو بڑا ہی خوش قسمت ہے۔ ہمیں تو ذاتی محبت سے کام ہے۔ نہ کشوف سے غرض نہ الہام کی پروا۔ دیکھو ایک شرابی شراب کے جام کے جام پیتا ہے اور لذت اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح تم اس کی ذاتی محبت کے جام بھر بھر کر پیو جس طرح وہ دریانوش ہوتا ہے اسی طرح تم بھی کبھی سیر نہ ہونے والے بنو۔ جب تک انسان اس امر کو محسوس نہ کر لے کہ میں محبت کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہوں کہ اب عاشق کہلا سکوں تب تک پیچھے ہرگز نہ ہٹے۔ قدم آگے ہی آگے رکھتا جاوے اور اُس جام کو منہ سے نہ ہٹائے۔ اپنے آپ کو اس کے لیے بیقرار و شیدا و مضطرب بنا لو۔ اگر اس درجہ تک نہیں پہنچے تو کوڑی کے کام کے نہیں۔ ایسی محبت ہو کہ خدا کی محبت کے مقابل پر کسی چیز کی پروا نہ ہو۔ نہ کسی قسم کی طمع کے مطیع بنو اور نہ کسی قسم کے خوف کا تمہیں خوف[1] ہو۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے کہ ؎

آنکہ ترا شناخت جاں راچہ کُند ؎ فرزند و عیال خانماں راچہ کُند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ؎ دیوانۂ ہر دو جہاں راچہ کُند

مَیں تو اگر اپنے فرزندوں کا ذکر کرتا ہوں تو نہ اپنی طرف سے بلکہ مجھے تو مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ کیا کروں اگر اس کے انعامات کا ذکر نہ کروں تو گنہگار ٹھہروں۔ چنانچہ ہر لڑکے کی پیدائش سے پہلے اُسی نے خود اپنی طرف سے بشارت دی۔ اب مَیں کیا کروں۔ غرض انسان کا اصل مدعا تو صرف یہی چاہیئے کہ کسی طرح خدا کی رضا مل جاوے۔ ؎

---

[1] (البدر سے) "پس یہ تعلق محبت ایک چیز ہے جو کہ مَیں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت میں زیادہ ہو۔ ..... جب تک انسان محسوس نہ کرے کہ وہ محبت جس کا نام عشق ہے اس نے اسے بیقرار کر دیا ہے تب تک اس نے کچھ نہیں پایا۔ ہزار ہا کشوف وغیرہ ہوں کچھ شے نہیں ہیں۔ ہم تو ایک دمڑی کو نہیں خریدتے۔ کیا عمدہ کہا ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کُند ؎ فرزند و عیال و خانماں راچہ کُند

مَیں جو کبھی فرزندوں کا ذکر کیا کرتا ہوں یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اتفاقی طور پر اُن کا ذکر پیشگوئیوں میں آگیا ہوا ہے ورنہ مجھے اس بات کی کچھ آرزو اور ہوس نہیں ہوتی۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء)

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم[1]

مدار نجات

مدار نجات صرف یہی امر ہے کہ سچا تقویٰ اور خدا کی خوشنودی اور خالق کی عبادت کا حق ادا کیا جاوے۔ الہامات و مکاشفات کی خواہش کرنا کمزوری ہے۔ مرنے کے وقت جو چیز انسان کو لذت دِہ ہوگی وہ صرف خدا تعالیٰ کی محبت اور اس سے صفائی معاملہ اور آگے بھیجے ہوئے اعمال ہونگے جو ایمان صادق اور ذاتی محبت سے صادر ہوئے ہوں گے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ اصل میں جو عاشق ہوتا ہے۔ آخر کار ترقی کرتے کرتے وہ معشوق بن جاتا ہے کیونکہ جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی توجہ بھی اس کی طرف پھرتی ہے اور آخر کار ہوتے ہوتے کشش سے وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور عاشق معشوق کا معشوق بن جاتا ہے۔ جب جسمانی اور مجازی عشق و محبت کا یہ حال ہے کہ ایک معشوق اپنے عاشق کا عاشق بن جاتا ہے تو کیا روحانی رنگ میں جو اس سے زیادہ کامل ہے ایسا ممکن نہیں کہ جو خدا سے محبت کرنے والا ہو آخر کار خدا اس سے محبت کرنے لگے اور وہ خدا کا محبوب بن جاوے؟ مجازی معشوقوں میں تو ممکن ہے کہ معشوق کو اپنے عاشق کی محبت کا پتہ نہ لگے مگر وہ خدا تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے۔ اس سے انسان مظہر کراماتِ الٰہی اور مورد عنایاتِ ایزدی ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی چادر میں مخفی ہو جاتا ہے۔ ان مکاشفات اور رؤیاء اور الہامات کی طرف سے توجہ پھیر لو اور ان امور کی طرف تم خود بخود جُرأت کر کے درخواست نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جلد بازی کرنے والے ٹھہرو۔ اکثر لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا ورد وظیفہ بتا دو کہ جس سے ہمیں الہامات اور مکاشفات ہونے شروع ہو جاویں، مگر میں انکو کہتا ہوں کہ ایسا کرنے سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔ شرک یہی نہیں کہ بتوں کی پُوجا کی جاوے بلکہ سخت شرک اور بڑا مشکل مرحلہ تو نفس کے بُت کو توڑنا ہوتا ہے۔ تم ذاتی محبت خریدو اور اپنے اندر وہ قلق وہ سوز وہ گداز وہ رقّت پیدا کرو جو ایک عاشق صادق کے اندر ہوتی ہے۔ دیکھو کمزور ایمان جو طمع یا خوف کے سہارے پر کھڑا ہو وہ کام نہیں آتا۔ بہشت کی طمع یا دوزخ کا خوف وغیرہ امور پر اپنے ایمان کا تکیہ نہ لگاؤ۔ بھلا کبھی کسی نے کوئی عاشق دیکھا ہے کہ وہ معشوق سے کہتا ہو کہ مَیں تو تجھ پر اس واسطے عاشق ہوں کہ تُو مجھے اتنا روپیہ یا فلاں شئے دیدے۔ ہرگز نہیں۔ دیکھو ایسی طبعی محبت پیدا کرو جیسے ایک ماں کو اپنے بچّہ سے ہوتی ہے۔ ماں کو نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کیوں بچّہ سے محبت کرتی ہے۔ اس میں ایک طبعی کشش اور ذاتی محبت ہوتی ہے۔

دیکھو اگر کسی ماں کا بچّہ گم ہو جاوے اور رات کا وقت ہو تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے جُوں جُوں رات زیادہ

---

[1] البدر میں اس کا پہلا مصرعہ بھی لکھا ہے۔

من ذرہ نہ آفتابم ہمہ از آفتاب گویم ❊ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہو گی اور اندھیرا بڑھتا جاوے گا اس کی حالت دگرگوں ہوتی جاوے گی گویا زندہ ہی مرگئی ہے۔ مگر جب اچانک اس سے اس کا فرزند مل جاوے تو اس کی وہ حالت کیسی ہوتی ہے۔ ذرا مقابلہ کر کے تو دیکھو۔ پس صرف ایسی محبت ذاتی اور کامل ایمان سے ہی انسان دارالامان میں پہنچ سکتا ہے۔ سارے رسُول خدا تعالیٰ کو اس لیے پیارے نہ تھے کہ ان کو الہامات ہوتے تھے ان کے واسطے مکاشفات کے دروازے کھولے گئے ہیں یا نہیں بلکہ اُن کی ذاتی محبت کی وجہ سے وہ ترقی کرتے کرتے خدا کے معشوق اور محبوب بن گئے تھے۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ نبی کی نبوت سے اس کی ولایت افضل ہے۔

اسی لیے ہم نے اپنی جماعت کو بارہا تاکید کی ہے کہ تم کسی چیز کی بھی ہوس نہ رکھو۔ پاک دل اور بے طمع ہو کر خدا کی محبتِ ذاتی میں ترقی کرو۔ جب تک ذاتی محبت نہیں تب تک کچھ بھی نہیں۔ مگر جو کہتے ہیں کہ ہم کو خدا سے ذاتی محبت ہے اور اس کے نشان ان میں نہیں پائے جاتے یہ اُن کا دعویٰ غلط ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک مجازی عاشق میں تو عشق کے آثار اور نشانات کُھلے کُھلے پائے جائیں بلکہ کہتے ہیں کہ عشق چھُپائے سے چھُپ نہیں سکتا تو کیا وجہ کہ رُوحانی عشق پوشیدہ رہ جائے۔ اس کے کچھ نشان ظاہر نہ ہوں۔ دھوکا کھاتے ہیں ایسے لوگ ان میں محبت ہی نہیں ہوتی۔

صُحبتِ صادقین اختیار کرو

اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی صادق لوگوں کی معیت اختیار کرو۔ ان کی صحبت میں مدتہائے دراز تک رہو کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص چند روز اُن کے پاس رہ جاوے اور ان ایام میں حکمتِ الٰہی سے کوئی ایسا امر واقع نہ ہو کیونکہ ان لوگوں کے اختیار میں تو نہیں کہ جب چاہیں کوئی نشان دکھا دیں۔ اسی واسطے ضروری ہے کہ اُن کی صحبت میں لمبا عرصہ اور دراز مدت گذر جاوے بلکہ نشان دکھانا تو درکنار یہ لوگ تو اپنے خدا کے ساتھ تعلقات کا اظہار بھی گناہ جانتے ہیں۔ لکھا ہے کہ اگر کوئی ولی خلوت میں اپنے خدا کے ساتھ خاص حالت اور تعلق کے جوش میں ہو اور اس پر وہ حالت طاری ہو تو ایسے وقت میں اگر کوئی شخص اس کے اس حال سے آگاہ ہو جائے تو وہ ولی شخص ایسا شرمندہ اور پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی زانی عین زنا کی حالت میں پکڑا جاوے کیونکہ یہ لوگ اپنے راز کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔

چونکہ طبعاً ایسا معاملہ تھا خدا تعالیٰ نے اسی واسطے کہا کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان: ۸) تو انہوں نے بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حالت دیکھ کر ہی یہ کلمہ منہ سے نکالا تھا کہ کیا ہے جی۔ یہ تو ہمارے جیسا آدمی ہی ہے۔ کھاتا پیتا بازاروں میں پھرتا ہے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیض نہ تھا کہ اُن کو کوئی

رسالت کا امر نظر آتا۔ وہ معذور تھے۔ انہوں نے جو دیکھا تھا اسی کے مطابق رائے زنی کر دی۔ پس اس واسطے ضروری ہے کہ مامور من اللہ کی صحبت میں دیر تک رہا جاوے۔ ممکن ہے کہ کوئی جس نے نشان کوئی نہ دیکھا ہو کہدے کہ اجی ہماری طرح نماز روزہ کرتا ہے اور کیا ہے۔ دیکھو حج کے واسطے جانا خلوص اور محبت سے آسان ہے مگر واپسی ایسی حالت میں مشکل بہت ہیں جو وہاں سے نامراد اور سخت دل ہو کر آتے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہاں کی حقیقت انکو نہیں ملتی۔ قشر کو دیکھ کر رائے زنی کرنے لگ جاتے ہیں وہاں کے فیوض سے محروم ہوتے ہیں اپنی بدکاریوں کی وجہ سے اور پھر الزام دوسروں پر دھرتے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ مامور کی خدمت میں صدق اور استقلال سے کچھ عرصہ رہا جاوے تاکہ اس کے اندرونی حالات سے بھی آگاہی ہو اور صدق پورے طور پر نورانی ہو جاوے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

سناتن دھرم

ہندوؤں کا ذکر چل پڑا۔ فرمایا:۔

یہ جو میں نے ایک اور رسالہ لکھا ہے اس کا نام سناتن دھرم ہی رکھا ہے یہ لوگ اسلام کے بہت ہی قریب ہیں۔ اگر زوائد کو چھوڑ دیں۔ بلکہ میں نے اُن سے سُنا ہے اور پڑھا بھی ہے کہ جب یہ جوگی ہو کر خدا کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ تو اس وقت بُت پرستی کو حرام جانتے ہیں۔ ابتدا میں صرف تمثیلی طور پر بُت پرستی انہوں نے غلطی سے رکھ لی لیکن اعلیٰ مراتب پر پہنچ کر اُسے اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ قریب ہو کر پھر بعید نہ ہوں اور اس حالت میں جو مرتا ہے اسے جلاتے بھی نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔

کَلِمَۃُ اللّٰہ

کلمۃ اللہ پر فرمایا کہ:۔

وجودیوں کی طرف تو ہم نہیں جاتے مگر جبتک کلمۃ اللہ نہ کہا جاوے تو بات بھی نہیں بنتی۔ یہ علم بہت گہرا ہے۔ جو شئے خدا سے نکلی ہے اس پر رنگ تو خدا کا ہے مگر یہ لوگ اُسے خدا سے الگ خیال نہیں کرتے۔ فیض کے یہ معنے ہیں کہ ہدایت ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۱ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۶ مارچ ۱۹۰۳ء

بلاؤں سے بچنے کا طریق

جمعہ کی نماز مسجد اقصیٰ میں ادا کرنے کے بعد چند ایک گرد و نواح کے آدمیوں نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد حضرت اقدس کھڑے ہو گئے اور آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:۔

جب آدمی توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے پہلے گناہ بخش دیتا ہے[1] قرآن میں اس کا وعدہ ہے۔ ہر طرح

---

[1] (الحکم سے) "اللہ تعالیٰ ان کو طرح طرح کی ذلتوں اور خواریوں سے بچا لیتا ہے"۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

کے دُکھ انسان کو دنیا میں ملتے ہیں مگر جب خدا کا فضل ہوتا ہے تو ان سب بلاؤں سے انسان بچتا ہے۔ اس لیے تم لوگ اگر اپنے وعدہ کے موافق قائم رہو گے تو وہ تم کو ہر ایک بلا سے بچائے گا۔ نماز میں پکے رہو۔ جو مسلمان ہو کر نماز نہیں ادا کرتا ہے وہ بے ایمان ہے۔ اگر وہ نماز ادا نہیں کرتا تو بتلاؤ ایک ہندو میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ زمینداروں کا دستور ہے کہ ذرا ذرا سے عذر پر نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ کپڑے[1] کا بہانہ کرتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اَور کپڑے نہ ہوں تو اسی میں نماز پڑھ لے اور جب دوسرا کپڑا مل جاوے تو اس کو بدل دے۔ اسی طرح اگر غسل کرنے کی ضرورت ہو اور بیمار ہو تو تیمم کر لے۔ خدا نے ہر ایک قسم کی آسانی کر دی ہے تاکہ قیامت میں کسی کو عذر نہ ہو۔

اب ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ شطرنج گنجفہ وغیرہ بیہودہ باتوں میں وقت گذارتے ہیں۔ ان کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ ہم ایک گھنٹہ نماز میں گذار دیں گے تو کیا حرج ہوگا؟ سچے آدمی کو خدا مصیبت سے بچاتا ہے اگر پتھر بھی برسیں تو بھی اُسے ضرور بچاوے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سچے اور جھوٹے میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ لیکن یاد رکھو کہ صرف ٹکریں مارنے سے خدا راضی نہیں ہوتا۔ کیا دُنیا اور کیا دین میں جب تک پوری بات نہ ہو فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ جیسے مَیں نے کئی بار بیان کیا ہے کہ روٹی اور پانی سیر ہو کر نہ کھائے پیئے تو وہ کیسے بچ سکتا ہے؟ یہ موت طاعون کی جواب آئی ہے یہ اس وقت ٹلے گی کہ انسان قدم پورا رکھے[2]۔ اُدھورے قدم کو خدا پسند نہیں کرتا۔

---

[1] اس جگہ البدر میں جو لفظ ہے وہ ٹھیک پڑھا نہیں جاتا۔ الحکم میں یہ فقرہ واضح ہے جو یہ ہے۔ "کپڑوں کے میلا ہونے کا عذر کر دیتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (الحکم سے) "دیکھو آج کل طاعون بڑی خوفناک پڑی ہوئی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو بچالے گا۔ عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے فقط زبانی اقرار ہی کافی نہیں اور نہ اُدھوری نمازیں ہو سکتی ہیں۔ بھلا ایک شخص جس کو پیاس شدت کی لگی ہوئی ہو کیا ایک قطرہ پانی سے وہ اپنی پیاس بجھا سکتا ہے؟ یا سخت بھوک لگی ہوئی ہو تو ایک ذرہ اناج سے پیٹ بھر سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح پر کوئی شخص اُدھوری اور ناقص نمازوں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں بچا سکتا۔ پس اپنی نمازوں کو درست کرو۔ ہر ایک قسم کی شکایت۔ گِلہ۔ غیبت۔ جھوٹ۔ افترا۔ بدنظری وغیرہ سے اپنے تئیں بچائے رکھو۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

بدی کو خُدا کے خوف سے چھوڑ دو

جو بات طاقت سے باہر ہے وہ تو خدا معاف کر دیگا مگر جو طاقت کے اندر ہے اس سے مواخذہ ہوگا۔ جب انسان نیک بنتا ہے تو اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے خدا کی رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں۔ سچا مومن ولی کہلاتا ہے اور اس کی برکت اُس کے گھر اور اس کے شہر میں ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے وہ نجاست کھاتا ہے۔ اگر انسان بدی کو خدا کے خوف سے چھوڑ دے تو خدا اس کی جگہ نیک بدلہ اُسے دیتا ہے۔ مثلاً ایک چور اگر چوری کرتا ہے اور وہ چوری کو چھوڑ دے تو پھر خدا اُس کی وجہ معاش حلال طور سے کر دیگا۔ اسی طرح زمینداروں میں پانی وغیرہ چُرانے کا دستور ہوتا ہے اگر وہ چھوڑ دیں تو خدا اُن کی کھیتی میں دوسری طرف سے برکت دے دیگا۔ ایک نیک متقی زمیندار کے واسطے خدا تعالیٰ بادل کا ٹکڑا بھیج دیا کرتا ہے اور اس کے طفیل دوسرے کھیت بھی سیراب ہو جاتے ہیں۔ خدا کو چھوڑ کر بدی اور گند میں رہنا صرف خدا کی نافرمانی ہی نہیں بلکہ اس میں خدا تعالیٰ پر ایمان میں بھی شک ہوتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان اس میں نہیں ہوتا اور زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس میں نہیں ہوتا۔ یاد رکھو کہ وسوسے جو بلا ارادہ دل میں پیدا ہوتے ہیں ان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا جب پختی نیت انسان کسی کام کی کرے تو اللہ تعالیٰ مؤاخذہ کرتا ہے اچھا آدمی وہی ہے جو دل کو ان باتوں سے ہٹاوے۔ ہر ایک عضو کے گناہوں سے بچے۔ ہاتھ سے کوئی بدی کا کام نہ کرے۔ کان سے کوئی بُری بات چغلی غیبت۔ گلہ وغیرہ نہ سُنے۔ آنکھ سے محرمات پر نظر نہ ڈالے۔ پاؤں سے کسی گناہ کی جگہ چل کر نہ جاوے۔

شریروں کیلئے مہلت

بار بار میں کہتا ہوں کہ تم لوگ طاعون سے بے خوف نہ ہو اور یہ نہ سمجھو کہ اب اس کا دورہ ختم ہو گیا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کیوں نہیں آتی اور وہ بدی پر مصر ہیں ان کو وہ ضرور پکڑے گی۔ اس کا دستور ہے کہ اوّل دُور دُور رہتی ہے۔ اب دیکھو مکہ میں قحط بھی پڑا۔ وبا بھی آئی لیکن ابوجہل کا بال بھی بیکا نہ ہوا حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ چودہ ۱۴ برس تک خدا تعالیٰ نے اُسے ایسا رکھا کہ سر درد تک نہ ہوا۔ آخر وہاں ہی قتل ہوا جہاں پیغمبرِ خدا نے اس کا نشان بتایا تھا۔ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ سب کام پردے سے کرتا ہے اگر وہ قہری تجلی ایک دن دکھا دے تو سب ہندو وغیرہ مسلمان ہو جاویں۔ تم میں سے کوئی تکبر اور غرور سے یہ نہ کہے کہ مجھے طاعون نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ شریروں کو اس لیے مہلت دیتا ہے کہ شاید باز آجاویں اور ہدایت ہو[1]

---

[1] (الحکم سے)

* جو لوگ یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو ہم کو ہمارے گناہوں کے بدلے کیوں عذاب نہیں دیتا اور نہیں پکڑتا۔ وہ دلیری کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کے کام آہستہ اور پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ قہری تجلی کرے تو ایک لحظہ میں تباہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیعت کرنیوالوں کو نصیحت

آج تم لوگوں نے توبہ کی ہے۔ اگر سچے دل سے کی ہے تو پہلے سارے گناہ معاف ہو گئے اب اس وقت سے پھر نیا حساب کتاب شروع ہوگا۔ فرشتوں کو حکم ہوا ہے کہ تمہارے گذشتہ اعمال نامے سب چاک کر دیویں اور تم نے اب ایک نیا جنم لیا ہے۔ یاد رکھو کہ جیسے ایک آقا نے اپنے غلام کے بہت سے گناہ معاف کر دیئے ہوں اور اُسے تاکید ہو کہ اب کرو گے تو سخت سزا ہوگی۔ پھر اگر وہ کوئی قصور کرے تو اُسے سخت غصہ آتا ہے۔ ایسا ہی حال خُدا کا ہے۔ خدا قہار ہے۔ اگر اسکے بعد کوئی باز نہ آیا تو اس کا غضب بھڑکے گا۔ جیسے وہ ستار ہے ویسا ہی منتقم اور غیور بھی ہے۔ قرآن کو بہت پڑھو۔ نمازوں کو ادا کرو۔ عورتوں کو سمجھاؤ۔ بچوں کو نصیحت کرو۔ کوئی عمل اور بدعت ایسی نہ کرو جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ تم میں اور دوسرے لوگوں میں فرق کر کے دکھلا دے گا۔

(مجلس قبل از عشاء)

جس صاحب نے کل حضرت اقدس سے رخصت طلب کی تھی ان سے مخاطب ہو کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

یہی مناسب ہے کہ عید کی نماز کے بعد روانہ ہوں کیونکہ پھر سخت گرمی کا موسم آنے والا ہے۔ سفر میں بہت تکلیف ہوگی۔ مَیں نے جیسا آپ سے وعدہ کیا ہے دُعا کرتا رہونگا مجھے کسی امیر یا بادشاہ کا خطرہ نہیں ہے۔ میرا کام دعا کرنا ہے۔

توبہ کی انتہاء فنا ہے

رخصت ہونے والے احمدی دوست نے کہا کہ حضرت جب سے مَیں آپ پر ایمان لایا ہوں۔ مَیں آج تک فرق نہیں کر سکا کہ میری محبت آپ سے زیادہ ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایسے ہی نہیں معلوم کہ مَیں خدا سے زیادہ پیار کرتا ہوں یا آپ سے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ فطرت انسانی ہے یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ یہی ہے۔ جب زر کو آگ میں ڈالتے ہیں تو آخر کار وہ ایسا ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کر دے۔ دنیا میں بھی سارے کام تدریجی ہوتے ہیں اگر ایک شخص گڑ یا ریوڑیاں تقسیم کرے تو یکدم سب کو نہیں دے دیتا بلکہ ایک ایک کر کے ایسا ہی خدا تعالیٰ کا حال ہے۔ پہلے وہ دُور دُور بلائیں بھیجتا ہے تا کہ بعض سعید الفطرت لوگوں کو جو شامتِ اعمال میں گرفتار ہو گئے ہیں توبہ و استغفار کا موقعہ ملے وہ بچ جاتے ہیں اور شر پر کپڑے جاتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہو جاتا ہے کہ آگ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں رہتا اور اگر وہ آگ سے الگ ہو جاوے تو بھی ایک مفید شئے ضرور رہتا ہے۔ صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ چرک اس میں نہیں رہتا۔ آگ اپنے رنگ میں لاکر چرک اس سے دُور کر دیتی ہے ؎

تو بھی انتہاء فنا ہے جس کے معنے رجوع کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک ہونا۔ یہی آگ ہے جس سے انسان صاف ہوتا ہے۔ جو شخص اس کے نزدیک قدم رکھنے سے ڈرتا ہے کہ کہیں آگ سے جل نہ جاوے وہ ناقص ہے لیکن جو قدم آگے رکھتا ہے اور جیسے پروانہ آگ میں گر کر اپنے وجود کو جلاتا ہے ویسے ہی وہ بھی گرتا ہے۔ وہ کامیاب ہوتا ہے۔ مجاہدات کی انتہاء فنا ہی ہے۔

مقام لقاء اس کے آگے جو لقاء ہے وہ امر کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اس کا روبار کا انتہا مرنا ہے اور یہ تخم ریزی ہے۔ اس کے بعد روئیدن یعنی پیدا کرنا وہ فعل خدا کا ہے۔ ایک دانہ زمین میں جا کر جب بالکل نیست ہوتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ اُسے سبزہ بنا دیتا ہے مگر یہ مرحلہ بہت خوفناک ہے بالکل ٹھیک کہا ہے ؎

عشق اوّل سرکش و خُونی بود ٭ تا گریزد ہر کہ بیرُونی بود

جب آدمی سلوک میں قدم رکھتا ہے تو ہزار ہا بلا اس پر نازل ہوتی ہیں جیسے جنات اور دیو نے حملہ کر دیا ہے مگر جب وہ شخص فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں اب واپس نہ ہوں گا اور اسی راہ میں جان دے دُونگا تو پھر وہ حملہ نہیں ہوتا اور آخر کار وہ بلا ایک باغ میں متبدل ہو جاتی ہے اور جو اس سے ڈرتا ہے اس کے لیے وہ دوزخ بن جاتی ہے۔ اس کا انتہائی مقام بالکل دوزخ کا تمثل ہوتا ہے تاکہ خدا تعالےٰ اُسے آزماوے جس نے اس دوزخ کی پروانہ کی وہ کامیاب ہوا۔ یہ کام بہت نازک ہے۔ بجز موت کے چارہ نہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۶۲ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۹ مارچ ۱۹۰۳ء

دورانِ سیر

وبا زدہ علاقہ میں ماموریانبی کے جانے کی تعبیر ایک شخص کی خواب پر فرمایا کہ:۔ معبرین نے لکھا ہے کہ اگر وبائی جگہ پر کوئی مامور یا نبی گیا ہوا دیکھا جاوے تو جاننا چاہیئے کہ وہاں آرام ہوگا کیونکہ وہ لوگ خدا کی رحمت ساتھ لاتے ہیں۔

ایک رؤیا

فرمایا کہ:۔

رات کو مَیں نے ایک خواب دیکھی کہ ایک شخص نے مجھے ایک پروانہ دیا ہے وہ لمبا سا کاغذ ہے۔ مَیں نے پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ عدالت سے چار جگہ کے لیے طاعون کا حکم جاری کیا گیا ہے۔ اس پروانہ سے پایا جاتا تھا کہ اس کا اجراء مَیں نے کیا ہے جیسے کاغذات محافظ دفتر کے پاس ہوتے ہیں ویسے ہی وہ میرے پاس ہے مَیں نے کہا کہ دیکھو ایک عرصہ سے ہے اور اس کی تعمیل آج تک نہ ہوئی؟ اب مَیں اس کا کیا جواب دونگا۔ اس سے مجھے ایک خوف طاری ہوا اور تمام رات مَیں اسی خدشہ میں رہا اور اس پر روشن خط میں لفظ طاعون کا لکھا تھا گویا حکم میرے نام آتا ہے اور مَیں جاری کرتا ہوں۔ پھر مَیں نے دیکھا کہ اپنی جماعت کے چند آدمی کشتی کر رہے ہیں مَیں نے کہا آؤ مَیں تم کو ایک خواب سناؤں مگر وہ نہ آئے۔ مَیں نے کہا کیوں نہیں سنتے جو شخص خدا کی باتیں نہیں سنتا وہ دوزخی ہوتا ہے۔

التحیات میں انگشت سبابہ اُٹھانے کی حکمت

ایک شخص نے سوال کیا کہ التحیات کے وقت نماز میں انگشت سبابہ کیوں اُٹھاتے ہیں؟

فرمایا کہ:۔

لوگ زمانہ جاہلیت میں گالیوں کے واسطے یہ اُنگلی اُٹھایا کرتے تھے اس لیے اس کو سبابہ کہتے ہیں یعنی گالی دینے والی۔ خدا تعالیٰ نے عرب کی اصلاح فرمائی اور وہ عادت ہٹا کر فرمایا کہ خدا کو واحد لاشریک کہتے وقت یہ اُنگلی اُٹھایا کرو تا اس سے وہ الزام اُٹھ جاوے۔ ایسے ہی عرب کے لوگ پانچ وقت شراب پیتے تھے۔ اس کے عوض میں پانچ وقت نماز رکھی۔

اس کے بعد اس امر پر ذکر رہا کہ

ہر ایک فرقہ میں نذیر آیا ہے جیسے قرآن سے ثابت ہے۔ اسی لیے رام چندر اور کرشن وغیرہ اپنے زمانہ کے نبی وغیرہ ہوں گے۔

تبلیغ کیلئے مفت اشاعت

عرب صاحب نے سوال کیا کہ لوگ آپ کو سادہ مزاج کہتے ہیں۔ اس لیے کہ کتب مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ:۔

گفتہ اند کہ کوئی کن و مَد آب انداز۔ کتابیں ہم مفت دیتے ہیں مگر اس میں ہماری ساوگی نہیں ہے نہ ہم غلطی پر ہیں۔ ہمارا منشاء تبلیغ کا ہوتا ہے۔ اگر ہزار کتاب شائع ہو اور ایک شخص بھی راہ راست پر آجاوے تو ہمارا مطلب پورا ہوگیا۔[1]

ایک جامع درس

نومارچ کے دربار شام میں حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جامع تقریر فرمائی۔ ہم کو افسوس ہے کہ اس روز ہم ایک مصروفیت کی وجہ سے موجود نہ تھے اس لیے اس تقریر کو خود قلمبند نہیں کر سکے تاہم ہمارے ایک عزیز نے اس کے کچھ نوٹ لیے تھے جن کو مرتب کر کے ناظرین کے فائدے کے لیے مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ پر عمل کرنے کے لیے اُسے ہی پیش کر دیتے ہیں۔ (ایڈیٹر الحکم)

نومبائعین کو نصیحت

چند احباب بتقریب نماز عید الاضحیٰ دارالامان میں تشریف لائے اور انہوں نے بیعت کی۔ حضرت اقدس امام پاک علیہ السلام نے کھڑے ہو کر یہ تقریر فرمائی۔

فرمایا:۔

دیکھو جس قدر آپ لوگوں نے اس وقت بیعت کی ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں اُن کو چند کلمات بطور نصیحت کے کہتا ہوں۔ چاہیئے کہ اُسے پوری توجہ سے سُنیں۔

آپ لوگوں کی یہ بیعت۔ بیعتِ توبہ[2] ہے۔ توبہ دو طرح ہوتی ہے ایک تو گذشتہ گناہوں سے یعنی انکی اصلاح کرنے کے واسطے جو کچھ پہلے غلطیاں کر چکا ہے ان کی تلافی کرے اور حتی الوسع ان بگاڑوں کی اصلاح کی کوشش کرنا اور آئندہ کے گناہوں سے باز رہنا اور اپنے آپ کو اس آگ سے بچائے رکھنا۔

توبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ توبہ سے تمام گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ توبہ صدق دل اور خلوص نیت سے ہو اور کوئی پوشیدہ دغابازی دل کے کسی کونہ میں پوشیدہ نہ ہو۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۵-۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء

[2] البدر میں یُوں لکھا ہے:۔ "بیعت دراصل توبہ ہوتی ہے اور بیعت کے دو جز ہیں۔
اوّل پچھلے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں۔
دوم بیعت میں آئندہ گناہوں سے بچنے کے لیے وعدہ کیا جاتا ہے۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

وہ دلوں کے پوشیدہ اور مخفی رازوں کو جانتا ہے۔ وہ کسی کے دھوکہ میں نہیں آتا پس چاہیئے کہ اس کو دھوکا دینے کی کوشش بند کی جاوے اور صدق سے نہ نفاق سے اس کے حضور توبہ کی جاوے۔

توبہ انسان کے واسطے کوئی زائد یا بے فائدہ چیز نہیں ہے اور اس کا اثر صرف قیامت پر ہی منحصر نہیں بلکہ اس سے انسان کی دنیا اور دین دونو سنور جاتے ہیں۔ اور اُسے اِس جہان میں اور آنے والے جہان دونو میں آرام اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے[1]

دیکھو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ: ۲۰۲) اے ہمارے رب ہمیں اس دُنیا میں بھی آرام اور آسائش کے سامان عطا فرما اور آنے والے جہان میں آرام اور راحت عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

دیکھو دراصل رَبَّنَا کے لفظ میں توبہ ہی کی طرف ایک باریک اشارہ ہے کیونکہ رَبَّنَا کا لفظ چاہتا ہے[2] کہ وہ بعض اور رَبوں کو جو اُس نے پہلے بنائے ہوئے تھے اُن سے بیزار ہو کر اس رب کی طرف آیا ہے اور یہ لفظ حقیقی درد اور گداز کے سوا انسان کے دل سے نکل ہی نہیں سکتا۔ رب کہتے ہیں بتدریج کمال کو پہنچانے والے اور پرورش کرنیوالے کو۔ اصل میں انسان نے بہت سے ارباب بنائے ہوئے ہوتے ہیں اپنے حیلوں اور دغابازیوں پر اُسے پُورا بھروسہ ہوتا ہے تو وہی اس کے رب ہوتے ہیں۔ اگر اُسے اپنے علم کا یا قوتِ بازو کا گھمنڈ ہے تو وہی اس کے رب ہیں۔ اگر اُسے اپنے حُسن یا مال و دولت پر فخر ہے تو وہی اس کا رب ہے۔ غرض اس طرح کے ہزاروں اسباب اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ جب تک ان سب کو ترک کر کے ان سے بیزار ہو کر اس واحد لاشریک سچے اور حقیقی رب کے آگے سر نیاز نہ جھکائے اور رَبَّنَا کی پُر درد اور دل کو پگھلانے والی آوازوں سے اس کے آستانہ پر نہ گرے۔ تب تک وہ حقیقی رب کو نہیں سمجھا۔ پس جب ایسی دلسوزی اور جانگدازی سے اُس کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کرتا اور اُسے مخاطب کرتا ہے کہ رَبَّنَا یعنی اصلی اور حقیقی رب تو تُو ہی تھا مگر ہم اپنی غلطی سے دوسری جگہ بھٹکتے پھرتے رہے۔ اب مَیں نے ان جھوٹے بُتوں اور باطل معبودوں کو ترک کر دیا ہے اور صدق دل سے تیری ربُوبیت کا اقرار کرتا ہوں۔ تیرے آستانہ پر آتا ہوں۔

غرض بجز اس کے خدا کو اپنا رب بنانا مشکل ہے جب تک انسان کے دل سے دوسرے رب اور ان کی قدر و منزلت و عظمت و وقار نکل نہ جاوے تب تک حقیقی رب اور اس کی ربُوبیت کا ٹھیکہ نہیں اُٹھاتا۔

---

[1] البدر میں ہے۔ "توبہ ایک ایسی چیز ہے جو اس جہان میں بھی اپنا پھل لاتی ہے اور آخرت میں بھی۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے۔ "قرآن میں جہاں لفظ رب آتا ہے اس کے معنے کا تعلق توبہ سے ہوتا ہے۔" (ایضاً)

بعض لوگوں نے جھوٹ ہی کو اپنا رب بنایا ہوا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارا جھوٹ کے بدوں گذارہ مشکل ہے بعض چوری اور بے ایمانی اور فریب دہی ہی کو اپنا رب بنائے ہوئے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اس راہ کے سوا ان کے واسطے کوئی رزق کا راہ ہی نہیں سوا اُن کے ارباب وہ چیزیں ہیں۔ دیکھو ایک چور جس کے پاس سارے نقب زنی کے ہتھیار موجود ہیں اور رات کا موقعہ بھی اس کے مفید مطلب ہے اور کوئی چوکیدار وغیرہ بھی نہیں جاگتا ہے تو ایسی حالت میں وہ چوری کے سوا کسی اور راہ کو بھی جانتا ہے جس سے اس کا رزق آسکتا ہے؟ وہ اپنے ہتھیاروں کو ہی اپنا معبود جانتا ہے۔ غرض ایسے لوگ جن کو اپنی ہی حیلہ بازیوں پر اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے ان کو خدا سے استعانت اور دُعا کرنے کی کیا حاجت؟ دُعا کی حاجت تو اسی کو ہوتی ہے جس کے سارے راہ بند ہوں اور کوئی راہ سوائے اس در کے نہ ہو۔ اُسی کے دل سے دُعا نکلتی ہے۔ غرض رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً الخ ایسی دُعا کرنا صرف انہیں لوگوں کا کام ہے جو خدا ہی کو اپنا رب جان چکے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ اُن کے رب کے سامنے اور سارے ارباب باطلہ ہیچ ہیں۔

آگ سے مراد صرف وہی آگ نہیں جو قیامت کو ہوگی بلکہ دنیا میں بھی جو شخص ایک لمبی عمر پاتا ہے وہ دیکھ لیتا ہے کہ دنیا میں بھی ہزاروں طرح کی آگ ہے۔ تجربہ کار جانتے ہیں کہ قسم قسم کی آگ دنیا میں موجود ہے۔ طرح طرح کے عذاب خوف۔ حُزن۔ فقر و فاقے۔ امراض۔ ناکامیاں۔ ذلت و ادبار کے اندیشے۔ ہزاروں قسم کے دُکھ۔ اولاد۔ بیوی وغیرہ کے متعلق تکالیف اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملات میں اُلجھن۔ غرض یہ سب آگ ہیں۔ تو مومن دعا کرتا ہے کہ ساری قسم کی آگوں سے ہمیں بچا۔ جب ہم نے تیرا دامن پکڑا ہے تو ان سب عوارض سے جو انسانی زندگی کو تلخ کرنے والے ہیں اور انسان کے لیے بمنزلہ آگ ہیں بچائے رکھ۔

سچی توبہ ایک مشکل امر ہے۔ بجز خدا کی توفیق اور مدد کے توبہ کرنا اور اس پر قائم ہو جانا محال ہے توبہ صرف لفظوں اور باتوں کا نام نہیں۔ دیکھو خدا قلیل سی چیز سے خوش نہیں ہو جاتا۔ کوئی ذرا سا کام کر کے خیال کر لینا کہ بس اب ہم نے جو کرنا تھا کر لیا اور رضا کے مقام تک پہنچ گئے۔ یہ صرف ایک خیال اور وہم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک بادشاہ کو ایک دانہ دے کر یا مٹی کی مٹھی دے کر خوش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے غضب کے مورد بنتے ہیں تو کیا وہ احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ ہماری ذرا سی ناکارہ حرکت سے یا دو لفظوں سے خوش ہو سکتا ہے[1]۔ خدا تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا وہ مغز چاہتا ہے۔

---

[1] البدر میں ہے:۔ "میری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو دھوکا نہ دے۔ خدا تعالیٰ ایک ناکارہ چیز کو پسند نہیں کرتا۔ دیکھو اگر ایک شخص دُنیوی بادشاہ کے پاس نکمی سی چیز ہدیہ کے طور پر لے جاتا ہے تو اگرچہ وہ اس کو لے جا سکتا ہے مگر وہ ایسے فعل سے بادشاہ کی ہتک کرتا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

شرک کی حقیقت

دیکھو خدا یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاوے۔ بعض لوگ اپنے شرکاء نفسانی کے واسطے بہت حصہ رکھ لیتے ہیں اور پھر خدا کا بھی حصہ مقرر کرتے ہیں۔ سو ایسے حصہ کو خدا قبول نہیں کرتا۔ وہ خالص حصہ چاہتا ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے زیادہ اس کو غضبناک کرنے کا اور کوئی آلہ نہیں ہے۔ ایسا نہ کرو کہ کچھ تو تم میں تمہارے نفسانی شرکاء کا حصہ ہو اور کچھ خدا کے واسطے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب گناہ معاف کروں گا مگر شرک نہیں معاف کیا جاوے گا۔

یاد رکھو شرک یہی نہیں کہ بتوں اور پتھروں کی تراشی ہوئی مورتوں کی پوجا کی جاوے۔ یہ تو ایک موٹی بات ہے دیہ بڑے بیوقوفوں کا کام ہے۔ دانا آدمی کو تو اس سے شرم آتی ہے۔ شرک بڑا باریک ہے وہ شرک جو اکثر ہلاک کرتا ہے وہ شرک فی الاسباب ہے یعنی اسباب پر اتنا بھروسہ کرنا کہ گویا وہی اس کے مطلوب و مقصود ہیں۔ جو شخص دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس کو دنیا کی چیزوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور وہ امید ہوتی ہے جو دین والیاں سے نہیں۔ نقد فائدہ کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے محروم۔ جب وہ اسباب پر ہی اپنی ساری کامیابیوں کا مدار خیال کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کے وجود کو تو اس وقت وہ لغو محض اور بے فائدہ جانتا ہے اور تم ایسا نہ کرو۔ تم توکل اختیار کرو۔

توکل

توکل یہی[1] ہے کہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے کسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کئے ہوئے ہیں ان کو حتی المقدور جمع کرو اور پھر خود دعاؤں میں لگ جاؤ کہ اے خدا تو ہی اس کا انجام بخیر کر۔ صدہا آفات ہیں اور ہزاروں مصائب ہیں جو ان اسباب کو بھی برباد اور تہ و بالا کر سکتے ہیں۔ انکی دست بُرد سے بچا کر ہمیں سچی کامیابی اور منزلِ مقصود پر پہنچا۔

حقیقتِ توبہ

توبہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ گناہ کو ترک کرنا اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ بدی چھوڑ کر نیکی کی طرف آگے قدم بڑھانا۔ توبہ ایک موت کو چاہتی ہے جس کے بعد انسان زندہ کیا جاتا ہے اور پھر نہیں مرتا۔ توبہ کے بعد انسان ایسا بن جاوے کہ گویا نئی زندگی پاکر دنیا میں آیا ہے نہ اس کی وہ چال ہو نہ اس کی وہ زبان نہ ہاتھ نہ پاؤں۔ سارے کا سارا نیا وجود ہو جو کسی دوسرے کے ماتحت کام کرتا ہوا نظر آجاوے۔ دیکھنے والے جان لیں کہ یہ وہ نہیں یہ تو کوئی اور ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یقین جانو کہ توبہ میں بڑے بڑے ثمرات ہیں۔ یہ برکات کا سرچشمہ ہے۔ درحقیقت اولیاء اور صلحاء یہی لوگ ہوتے ہیں جو توبہ کرتے اور پھر اس پر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ وہ گناہ سے دُور اور خدا کے قریب ہوتے

---

[1] البدر میں ہے:۔ "توکل ایک طرف سے توڑ اور ایک طرف جوڑ کا نام ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء)

جاتے ہیں۔ کامل توبہ کرنے والا شخص ہی ولی، قطب اور غوث کہلا سکتا ہے۔ اسی حالت میں وہ خدا کا محبوب بنتا ہے۔ اس کے بعد بلائیں جو انسان کے واسطے مقدر ہوتی ہیں ٹل جاتی ہیں۔

انبیاء اور مومنوں پر مصائب آنے کی حکمت

اس سے یہ خیال نہ آوے کہ پھر انبیاء اور نیک مومنوں کو کیوں تکلیفیں آتی ہیں؟ ان لوگوں پر بھی بعض بلائیں آتی ہیں اور ان کے واسطے آثار رحمت ہوتی ہیں[1]۔ دیکھو ہمارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی کیسی مصائب آتی تھیں۔ اُن کو گننا بھی کسی بڑے دِل کا کام ہے۔ اُن کے نام سے ہی انسان کے بدن پر لرزہ آتا ہے۔ پھر جو کچھ سلوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں سے ہوئے۔ ان کی بھی تاریخ گواہ ہے کیا کوئی ایسی بھی تکلیف تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو پہنچائی نہ گئی ہو؟ جس طرح ان کی ایذاء دہی میں کفار نے کوئی دقیقہ باقی نہ اُٹھا رکھا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے کمالات میں کوئی کمی باقی نہ رکھی۔ اصل میں ان لوگوں کے واسطے یہ مصائب اور سختیاں تریاق ہو جایا کرتی ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے خُدا کی رحمت کے خزانے انہیں سختیوں ہی کی وجہ سے کھولے جاتے ہیں ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ؎ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

مگر ایسے وقت میں انسان کو چاہیئے کہ صبر جمیل کرے اور خدا تعالیٰ سے بدظن نہ ہو۔ وہ لوگ تو خدا کے اسلام کو انعام کے رنگ میں دیکھتے ہیں اور ابتلاء میں لذت پاتے ہیں۔ قرب کے مراتب جس طرح جلد ابتلاء کے وقت میں ملتے ہوتے ہیں وہ یوں زہد و تعبد یا ریاضت سے تو سالہا سال میں بھی تمام نہیں کئے جاتے۔ ان لوگوں میں سے جو خدا کے قرب کا نمونہ بنے اور خلق کی ہدایت کا تمغہ ان کو دیا گیا یا وہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہوئے۔ ایک بھی نہیں جس پر کبھی نہ کبھی مصائب اور شدائد کے پہاڑ نہ گرے ہوں۔ ان لوگوں کی مثال مشک کے نافہ کی سی ہوتی ہے۔ وہ جب تک بند ہے اس میں اور ایک پتھر یا مٹی کے ڈھیلے میں کچھ تفاوت نہیں پایا جاتا مگر جب اس پر سختی سے جراحی کا عمل کیا جاوے اور اس کو چھُری یا چاقو سے چیرا جاوے تو معاً اُس میں سے ایک خوشکن خوشبو نکلتی ہے جس سے مکان کا مکان معطر ہو جاتا ہے اور قریب آنے والا بھی معطر کیا جاتا ہے۔ سو یہی حال انبیاء اور صادق مومنوں کا ہے کہ جب تک ان کو مصائب نہ پہنچیں تب تک اُن کے اندرونی قویٰ چھپے رہتے ہیں اور اُن کی ترقیات کا

---

[1] البدر میں یوں ہے: "تکالیف مومنوں پر بھی آتی ہیں بلکہ سب سے زیادہ تو نبیوں پر آتی ہیں۔ اس جگہ بعض جلد باز یہ اعتراض کر دیں گے کہ اگر نبیوں ولیوں کو بھی تکالیف پہنچتی ہیں تو پھر توبہ کا کیا فائدہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب نیک لوگوں کو تکالیف پہنچتی ہیں تو وہ ان کو اس انعام کی خوشخبری دیتی ہیں جو کہ ان تکالیف کے بعد خدا تعالیٰ نے اُن کو دینا ہوتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

دروازہ بند ہوتا ہے ان لوگوں کے قویٰ دو قسم کے موقعوں پر اظہار پذیر ہوتے ہیں۔ بعض تو مصائب و شدائد اور دکھوں کے زمانہ میں۔ کیونکہ یکطرفہ کارروائی قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ ایک شخص جس نے بچپن سے خوشحالی اور آرام اور آسائش کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اُس کے قویٰ کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے اور دوسرا جو بچپن سے غربت کی مار اور بدحالی میں مبتلا رہا ہے اس کے قویٰ کا بھی پورا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسی شخص کے اخلاق فاضلہ اور اس کے خُلق کے متعلق اس کے حالات کا اندازہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اس پر انعام و ابتلاء ہر دو طرح کے زمانے آچکے ہوں۔ سو اس امر کے دیکھنے کے لیے بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سی اَور کوئی مثال نہیں کیونکہ باقی انبیاء میں سے اکثر ایسے تھے کہ انہوں نے نہایت کار ایک زمانہ دیکھا دوسرے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پاک نبی تھے۔ خدا کے نزدیک ان کے بڑے مدارج ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں رکھ کر اگر اُن کو کسی کسوٹی پر پرکھا جاوے تو اُن کے اخلاق بہت گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے اقتدار اور ثروت کا زمانہ نہ پایا اور نہ اُس کے متعلق اُن کے اخلاق کا اظہار ہوا۔ ہمیں تو قرآن شریف مجبور کرتا ہے ورنہ ہم اگر اُن کے حالات کے لحاظ سے اور اُن کی عام سوانح کی وجہ سے دیکھیں تو وہ تو ایک کامل انسان کے مرتبہ سے بھی گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کجا یہ کہ عیسائی ان کو خدائے قدوس کا مرتبہ دے بیٹھے ہیں۔ بھلا اُن کا صبر، اُن کی داد و دہش، ان کی جود و سخا کا کونسا نمونہ دنیا میں باقی رہا ہے۔ اُن کی شجاعت کے اظہار کا کونسا موقعہ تھا۔ کس جنگ میں انہوں نے اس امر کا ثبوت دیا[1]۔ ان کی بعثت کا زمانہ صرف تین سال تھا اور وہ بھی مصائب کا زمانہ۔ مقابلہ پر صرف ایک ہی قوم تھی جو معدودے چند سے زیادہ ہرگز نہ تھی۔ ان کا پیش کردہ امر بھی ان کے لیے کوئی نرالا نہ تھا جس کی مثال پہلے نہ پائی جاتی ہو۔ قوم پہلے ہی توحید پسند تھی ان کے اخلاق اور انکے عقائد کا بہت سا حصہ نسبتاً اچھا تھا۔ ان میں خدا ترس اور گوشہ نشین وغیرہ بھی تھے۔ غرض ان کا کام نہایت سہل اور آسان تھا۔ ادھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو کہ آپ کی نبوت کے زمانہ میں سے ۱۳ سال مصائب اور شدائد کے تھے اور دس سال قوت و ثروت اور حکومت کے۔ مقابل میں کئی قومیں۔ اوّل تو اپنی ہی قوم تھی۔ یہودی تھے عیسائی تھے۔ بُت پرست قوموں کا گروہ تھا۔ مجوس تھے وغیرہ۔ جن کا کام کیا ہے؟ بُت پرستی۔ جو ان کا حقیقی خدا کے اعتقاد سے پختہ اعتقاد اور مسلک تھا۔ وہ کوئی کام کرتے ہی نہ تھے جو ان بتوں کی عظمت کے خلاف ہو۔ شراب خوری

---

[1] البدر میں لکھا ہے: "مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ لو۔ نُصرت کا زمانہ نہیں دیکھا کوئی لڑائی نہیں ہوئی تاکہ ہم اُن کی شجاعت کا اندازہ لگائیں۔ کسی فتح کا وقت نہیں آیا جس سے ہم دیکھ سکتے کہ وہ کس طرح اپنے دشمنوں کو معاف کر سکتے تھے اور اُن میں عفو کی قوت کس قدر تھی۔ اُن کو غنیمتیں نہیں ملیں جس سے ہم دیکھ سکتے کہ ان میں قوت سخاوت کس قدر تھی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

کی یہ نوبت کہ دن میں پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ شراب۔ بلکہ پانی کی بجائے شراب ہی سے کام لیا جاتا تھا۔ حرام کو تو شیرِ مادر جانتے تھے اور قتل وغیرہ تو اُن کے نزدیک ایک گاجر مولی کی طرح تھا۔ غرض کُل دنیا کی اقوام کا نچوڑ اور گندے عقائد کا عطر اُن کے حصہ میں آیا ہوا تھا۔ اس قوم کی اصلاح کرنی اور پھر اُن کو درست کرنا اور پھر اس پر زمانہ وہ کہ یہ تنہا بے یار و مددگار پھرتے ہیں کبھی کھانے کو ملا اور کبھی بھوکے ہی سو رہے جو چند ایک ہمراہی ہیں اُن کی بھی ہر روز بُری گت بنتی ہے۔ بے کس اور بے بس۔ اِدھر کے اُدھر اور اُدھر کے اِدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔ وطن سے بے وطن کر دیئے گئے ہیں۔

پھر دوسرا زمانہ تھا کہ تمام جزیرہ عرب ایک سرے سے دوسرے سرے تک غلام بنا ہوا ہے۔ کوئی مخالفت کے رنگ میں چُوں بھی نہیں کر سکتا اور ایسا اقتدار اور رُعب خدا نے دیا ہوا ہے کہ اگر چاہتے تو کل عرب کو قتل کر ڈالتے اگر ایک نفسانی انسان ہوتے تو اُن سے اُن کی کرتُوتوں کا بدلہ لینے کا عمدہ موقع تھا۔ جب اُلٹ کر مکہ فتح کیا تو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فرمایا۔

غرض اس طرح سے جو دونو زمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے اور دونو کے واسطے ایک کافی موقعہ تھا کہ اچھی طرح سے جانچے پرکھے جاتے اور ایک جوش یا فوری ولولہ کی حالت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طرح کے اخلاق فاضلہ کا پورا پورا امتحان ہو چکا تھا اور آپ کے صبر۔ استقلال۔ عفت۔ علم۔ بردباری۔ شجاعت۔ سخاوت۔ جُود وغیرہ وغیرہ کل اخلاق کا اظہار ہو چکا تھا اور کوئی ایسا حصہ نہ تھا کہ باقی رہ گیا ہو۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

غرض ایسے ایسے مصائب ہیں جو ان کیلئے رحمت ہیں اور ان سے ان لوگوں کے اندرونی گُن ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہمیشہ ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی اور سید سید کر کے پکارے جاتے تھے۔ انہوں نے بھی تو سختی کا زمانہ نہ دیکھا۔ ان کو ایسے ایسے زمانے دیکھنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا کہ وہ اُن صحابہؓ کے مراتب کو پہنچ سکتے۔ ان کی ساری زندگی ناز و نعمت میں گذری تھی نہ انہوں نے کسی جہاد میں حصہ لیا تھا نہ کسی کُفر ہی کو توڑا تھا تو خدا نے جو اُن کو شہید کیا۔ کیا اُن پر ظلم کیا؟ ہرگز نہیں۔ انہوں نے پچاس پچپن برس کی عمر تک وہ زمانہ نہ دیکھا تھا کہ شدائد کیا ہوا کرتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ جب صحابہؓ بکریوں کی طرح ذبح ہوتے تھے تو پھر اُن کا کیا حق تھا کہ وہ شہداء میں درجہ پاتے یا کسی طرح آخرت میں خدا کے قُرب میں عزت پاتے۔ کیا اُن کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا کہلانے کا فخر بس تھا؟ اور اُن کے واسطے یہی کافی تھا؟ نہیں اس سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا تھا۔ اس سے کوئی حق قربِ الٰہی نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض انکی اپنی تو ایسی بظاہر کارنمائی نہ تھی جس سے وہ ان درجات اعلیٰ کے وارث یا حقدار ہوتے۔ مگر چونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے ایک قسم کا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا تعلق رکھنے والے کو ضائع کرے۔ سو اُن کے واسطے ایسے ایسے سامان میسر کر دیئے کہ وہ خدا کی راہ میں شہادت پانے کے قابل ہو گئے اور اس طرح وہ سابقین کے ساتھ مل گئے جن کے حالات سے وہ محض ناواقف تھے۔ ایک ذرا سی تکلیف اور اجرِ عظیم مل گیا ـــــ شیعہ ہیں کہ اس حکمتِ الٰہی کی طرف تو غور نہیں کرتے اور اُلٹا روتے ہیں کہ ان کو شہید کر دیا۔

ابتلاء پر صبر کا اجر

پس تم مومن ہونے کی حالت میں ابتلاء کو بُرا نہ جانو اور بُرا وہی جانے گا جو مومن کامل نہیں ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۵۷)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کبھی تم کو مال سے یا جان سے یا اولاد یا کھیتوں وغیرہ کے نقصان سے آزمایا کریں گے مگر جو ایسے وقتوں میں صبر کرتے اور شاکر رہتے ہیں تو ان لوگوں کو بشارت دو کہ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کشادہ اور اُن پر خدا کی برکتیں ہوں گی جو ایسے وقتوں میں کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یعنی ہم اور ہمارے متعلق کل اشیاء یہ سب خدا ہی کی طرف سے ہیں اور پھر آخر کار ان کا لوٹنا خدا ہی کی طرف ہے کسی قسم کے نقصان کا غم اُن کے دل کو نہیں کھاتا۔ اور وہ لوگ مقامِ رضا میں بود و باش رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ صابر ہوتے ہیں اور صابروں کے واسطے خدا تعالیٰ نے بے حساب اجر رکھے ہوئے ہیں۔[۲]

مُہتدی سے مراد

مُهْتَدُوْن سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے منشاء کو پالیا اور اس کے مطابق عملدرآمد کرنے لگ گئے۔ ایسے ہی لوگ تو ولی ہوتے ہیں۔ انہیں کو تو لوگ قطب کہتے ہیں۔ یہی تو غوث کہلاتے ہیں۔ پس تم کوشش کرو کہ تم بھی ان

---

[۱] البدر میں مزید یوں لکھا ہے:۔
"اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس طرح گمنام فوت نہ ہوں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن کو شہادت کی موت سے وفات دی تاکہ وہ دُنیا میں قیامت تک نیک نام مشہور ہو جاویں۔ اگر ان پر یہ مصائب نہ آتے تو وہ کس طرح مشہور ہوتے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[۲] البدر میں مزید لکھا ہے:۔
"یہی تکالیف جب رسولوں پر آتی ہیں تو ان کو انعام کی خوشخبری دیتی ہیں اور جب یہی تکالیف بدوں پڑتی ہیں تو اُن کو تباہ کر دیتی ہیں۔ غرض مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۷) پڑھنا چاہیئے کہ تکالیف کے وقت خدا تعالیٰ کی رضا طلب کرے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

مدارجِ عالیہ کو حاصل کرنے کے قابل ہو سکو۔

خدا تعالیٰ نے تو انسان سے نہایت تنزّل کے رنگ میں دوستانہ برتاؤ کیا ہے۔ دوستانہ تعلق کیا ہوتا ہے یہی کہ کبھی ایک دوست دوسرے دوست کی بات مان لیتا ہے اور کبھی دوسرے سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی کرتا ہے چنانچہ اُدْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) اور اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ الایۃ (البقرہ: ۱۸۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کی بات مان لیتا ہے اور اس کی دُعا کو قبول فرماتا ہے اور دوسری فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ۔ الایۃ اور وَلَتَبْلُوَنَّکُمْ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ہماری دُعا کو قبول نہیں کرتا۔ یا اولیاء لوگوں پر طعن کرتے ہیں کہ اُن کی فلاں دُعا قبول نہیں ہوئی۔ اصل میں وہ نادان اس قانونِ الٰہی سے ناآشنا محض ہوتے ہیں۔ جس انسان کو خدا سے ایسا معاملہ پڑا ہوگا وہ خوب اس قاعدہ سے آگاہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مان لینے کے اور منوانے کے دو نمونے پیش کئے ہیں۔ انہی کو مان لینا ایمان ہے۔ تم ایسے نہ بنو کہ ایک ہی پہلو پر زور دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم خُدا کی مخالفت کر کے اس کے مقررہ قانون کو توڑنے کی کوشش کرنیوالے بنو۔[1]

مصائب کی لذّت

مومن کے لیے مصائب ہمیشہ نہیں رہتے اور نہ لمبے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے واسطے رحمت، محبت اور لذت کا چشمہ جاری کیا جاتا ہے۔ عاشق لوگ عشق کے غلبہ کے وقتوں اور اس کے دردوں میں ہی لذّت پاتے ہیں۔ یہ باتیں گو ایک خشک محض انسان کے لیے سمجھانی مشکل ہیں مگر جنہوں نے اس راہ میں قدم مارا ہے وہ ان کو خوب جانتے ہیں بلکہ ان کو تو معمولی آرام اور آسائش میں وہ چین اور لذّت نہیں ہوتی جو دکھ کے اوقات میں ہوتی ہے۔

مثنوی رومی میں ایک حکایت ہے کہ ایک مرض ایسا ہے کہ اس میں جب تک اُس کو مُکّے مارتے کوٹتے اور تماڑتے رہتے ہیں تب تک وہ آرام میں رہتا ہے ورنہ تکلیف میں رہتا ہے سو یہی حال اہل اللہ کا ہے کہ جب تک ان کو مصائب و شدائد کے مشکلات آتے ہیں اور اُن کو مار پڑتی رہے تب تک وہ خوش ہوتے ہیں اور لذّت اُٹھاتے ہیں ورنہ بے چین اور بے آرام رہتے ہیں۔

مومن کے جوہر مصائب سے کھُلتے ہیں

اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ اپنے بندوں کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچنے دیتا اور ہر طرح سے عیش و آرام میں اُنکی زندگی

---

[1] البدر میں لکھا ہے:۔ "مومن کو مصیبت کے وقت میں غمگین نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ نبی سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰۔ مارچ ۱۹۰۳ء)

بسر کرواتا۔ اُن کی زندگی شاہانہ زندگی ہوتی۔ ہر وقت اُن کے لیے عیش وطرب کے سامان مہیا کئے جاتے مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس میں بڑے اسرار اور راز نہاں ہوتے ہیں۔ دیکھو والدین کو اپنی لڑکی کیسی پیاری ہوتی ہے بلکہ اکثر لڑکوں کی نسبت زیادہ پیاری ہوتی ہے مگر ایک وقت آتا ہے کہ والدین اس کو اپنے سے الگ کر دیتے ہیں وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کو دیکھنا بڑے جگر والوں کا کام ہوتا ہے[1]۔ دونو طرف کی حالت ہی بڑی قابل رحم ہوتی ہے قریباً چودہ پندرہ سال ایک جگہ رہے ہوئے ہوتے ہیں۔ آخر ان کی جدائی کا وقت نہایت ہی رقت کا وقت ہوتا ہے۔ اس جدائی کو بھی نادان بے رحمی کہہ دے تو بجا ہے مگر اس کی لڑکی میں بعض ایسے قویٰ ہوتے ہیں جس کا اظہار اس علیحدگی اور سسرال میں جاکر شوہر سے معاشرت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے جو طرفین کے لیے موجب برکت اور رحمت ہوتا ہے۔ یہی حال اہل اللہ کا ہے۔ ان لوگوں میں بعض خلق ایسے پوشیدہ ہوتے ہیں کہ جب تک ان پر تکالیف اور شدائد نہ آویں ان کا اظہار ناممکن ہوتا ہے۔

دیکھو اب ہم لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کرتے ہیں بڑے فخر اور جرأت سے کام لیتے ہیں یہ بھی تو صرف اسی وجہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دونو زمانے آچکے ہوئے ہیں ورنہ ہم یہ فضیلت کس طرح بیان کرتے۔ دُکھ کے زمانہ کو بُری نظر سے نہ دیکھو یہ خدا سے لذت کو اور اُس کے قرب کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی لذت کو حاصل کرنے کے واسطے جو خدا کے مقبولوں کو ملا کرتی ہے دنیوی اور سفلی کل لذات کو طلاق دینی پڑا کرتی ہے۔ خدا کا مقرب بننے کے واسطے ضروری ہے کہ دُکھ سہے جاویں اور شکر کیا جاوے اور نئے دن ایک نئی موت اپنے اوپر لینی پڑتی ہے جب انسان دنیوی ہوا و ہوس اور نفس کی طرف سے کلّی موت اپنے اوپر وارد کر لیتا ہے تب اسے وہ حیات ملتی ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ پھر اس کے بعد مرنا کبھی نہیں ہوتا۔

قرآن کا نزول بحالتِ غم ہوا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف غم کی حالت میں نازل ہوا ہے۔ تم بھی اُسے غم ہی کی حالت میں پڑھا کرو۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہت بڑا حصہ غم والم میں گذرا ہے۔

توبہ کا درخت اور اُس کا پھل

توبہ کے درخت تو لوتا تم اس کے پھل کھاؤ۔ توبہ کا درخت بھی بالکل ایک باغ کے درخت کی مانند ہے جو جو حفاظتیں

---

[1] البدر میں ہے:۔ والدہ ایک طرف روتی ہے اور والد ایک طرف روتا ہے تاہم وہ سب تکالیف برداشت کرکے اس کو ہمیشہ کیلئے الگ کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ جانتے ہیں کہ اس لڑکی میں ایک جوہر ہے جو کہ سسرال میں جاکر ظاہر ہوگا اس لیے مومن کے جوہر بھی مصائب سے کھلتے ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

(حاشیہ ۲ اگلے صفحہ پر)

اور خدمات اُس باغ کے لیے جسمانی طور سے ہیں وہی اس توبہ کے درخت کے واسطے رُوحانی طور پر ہیں۔ پس اگر توبہ کے درخت کا پھل کھانا چاہو تو اس کے متعلق قوانین اور شرائط کو پورا کرو ورنہ بے فائدہ ہوگا۔

یہ خیال نہ کرو کہ توبہ کرنا مرنا ہوتا ہے۔ خدا قلیل شئے سے خوش نہیں ہوتا اور نہ وہ دھوکہ کھاتا ہے۔ دیکھو اگر تم بھوک کو دُور کرنے کے لیے ایک لقمہ کھانے کا کھاؤ یا پیاس کے دُور کرنے کے لیے ایک قطرہ پانی کا پیو تو ہرگز تمہاری مقصد براری نہ ہوگی۔ ایک مرض کے دفع کرنے کے واسطے ایک طبیب جو نسخہ تجویز کرتا ہے جب تک اس کے مطابق پُورا پُورا عمل نہ کیا جاوے تب تک اس کے فائدہ کی امید امرِ موہوم ہے[1] اور پھر طبیب پر الزام غلطی اپنی ہی ہے اسی طرح توبہ کے واسطے مقدار ہے اور اس کے بھی پرہیز ہیں۔ بَد پرہیز بیمار تندرست نہیں ہوسکتا۔

خدا سے صُلح پیدا کرو

اب طاعون کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوا بِاسْتِکْبَارٍ۔

دیکھو خدا تو سب کا خدا ہے مگر اس کے تعلقات خاص خاص کے ساتھ خاص خاص ہیں۔ جتنی[2] جتنی کوئی اس سے صلح کرتا ہے اتنا ہی وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو بھی وہ آواز آسکتی ہے۔ جو مجھے آئی۔ اگر تم سچی تبدیلی اور اس سے صلح پیدا کرو۔ خدا بخیل نہیں مگر ہاں اس نے ایک اندازہ رکھا ہوا ہے جب تک اس تک انسان نہ پہنچے تو وہ کامل نہیں ہوتا اور نہ اس پر وہ فیض جاری کیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شرابی کو اگر پوری مقدار شراب کی نہ دی جاوے تب تک وہ بیہوش نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب اس انتہائی درجہ محبت تک ترقی نہ کی جاوے تب تک لاحاصل ہوتا ہے۔ قانونِ قدرت جس طرح جسمانی چیزوں کے واسطے ہے۔ ایسے ہی رُوحانی امور کے واسطے بھی ہے۔

(حاشیہ ۲ صفحہ سابقہ)

[2] البدر میں ہے:۔ اگر توبہ کے ثمرات چاہتے ہو تو عمل کے ساتھ توبہ کی تکمیل کرو۔ دیکھو جب مالی بوٹا لگاتا ہے پھر اس کو پانی دیتا ہے اور اس سے اس کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان ایک بوٹا ہے اور اس کی آب پاشی عمل سے ہوتی ہے اس لیے ایمان کی تکمیل کے لیے عمل کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ایمان کیساتھ عمل نہیں ہونگے تو بوٹے خشک ہو جائینگے۔ اور وہ خائب وخاسرہ رہ جائیں گے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[1] البدر میں ہے:۔ "یہی سنت اللہ ہے کہ جب تک کوئی چیز اپنے مقررہ وزن تک استعمال نہ کی جاوے تب تک بے فائدہ ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ اگر انسان خدا کی طرف آہستہ قدم چلتا ہے تو وہ تیز چل کر آتا ہے اور اگر انسان اس کی طرف تیز چلتا ہے تو وہ دوڑ کر آتا ہے۔" (ایضاً)

دیکھو ابوالحسن خرقانی۔ بایزید بسطامی یا شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ یہ سب خدا تعالیٰ کے مقرب تھے اور انہوں نے بھی شریعت ہی کی پابندی سے یہ درجہ پایا تھا نہ کہ کوئی نئی شریعت بنا کر۔ جیسا کہ آج کل کے گدی نشین کرتے ہیں۔ یہی نماز تھی اور یہی روزے تھے مگر انہوں نے اس کی حقیقت اور اصل غرض کو سمجھا ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ انہوں نے نیکی کی گرمجوشی کر۔ انہوں نے اعمال کو بیگار کے طور پر پورا نہ کیا تھا بلکہ صدق اور وفا کے رنگ میں ادا کرتے تھے سو خدا نے ان کے صدق و سداد کو ضائع نہ کیا۔ خدا کسی کا احسان اپنے اوپر نہیں رکھتا وہ ایک پیسہ کے بدلے میں جب تک ہزار نہ دے تب تک نہیں چھوڑتا۔ پس جب کسی انسان میں وہ برکات اور نشانات نہیں ہیں[1] اور وہ خدا کی محبت اور تقویٰ کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ خدا پر الزام نہیں لگاتا بلکہ اپنا گند ظاہر کرتا ہے۔ خدا کی جناب میں بخل ہرگز نہیں۔ پس کوشش کرو کہ اس کی رضا کے موافق عمل درآمد کر سکو۔ اگر مصائب کے وقت میں تم مومن ہو اور خدا تعالیٰ سے صلح کرنے والے اور اس کی محبت میں آگے قدم بڑھانیوالے ہو تو وہ رحمت ہے تمہارے واسطے۔ کیونکہ خدا قادر ہے کہ آگ کو گلزار کر دے اور اگر تم فاسق ہو تو ڈرو کہ وہ آگ ہے جو بھسم کرنے والی ہے اور قہر اور غضب ہے جو نیست و نابود کرنے والا ہے۔ فقط

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۹ - ۱۳ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۱ مارچ ۱۹۰۳ء

(قبل از عشاء)

عشاء سے قبل ایک شخص نے خواب بیان کی کہ کان میں اس نے کچھ بات سُنی ہے۔ اس کی تعبیر میں فرمایا کہ:۔

داہنا کان دین ہوتا ہے اور بایاں دنیا۔ کان میں بات کا ہونا بشارت پر محمول کیا جاتا ہے۔

پھر ایک ذکر پر فرمایا کہ:۔

جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے ایک دن کامیاب ہو ہی جاتا ہے ہاں تھکے نہ۔ کیونکہ خدا کے واسطے لہریں ہوتی ہیں جیسے بادِ نسیم چلتی ہے ویسے رحمت کی نسیم بھی اپنے وقت پر چلا کرتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں ہے:۔ "جب انسان نیکی کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور اس کو اس کے پھل عطا نہیں ہوتے تو وہ جھوٹا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۷، ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء

نظر آئے گی دُنیا کو تیرے اسلام کی رفعت
مسیحا کا بنے گا جب یہاں منار ۔ یا اللہ!

منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ

بعد نماز جمعہ حضرت حجۃ اللہ المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور ہمارے مکرم دوست حکیم فضل الٰہی صاحب لاہوری۔ مرزا خدا بخش صاحب۔ شیخ مولا بخش صاحب۔ قاضی ضیاء الدین صاحب وغیرہ احباب نے عرض کی کہ حضور منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ حضور کے دستِ مبارک سے رکھی جاوے تو بہت ہی مناسب ہے۔ فرمایا کہ:۔

ہمیں تو ابھی تک معلوم بھی نہیں کہ آج اس کی بنیاد رکھی جاوے گی۔ اب آپ اینٹ لے آئیں میں اس پر دُعا کروں گا اور پھر جہاں میں کہوں وہاں آپ جاکر رکھ دیں۔ چنانچہ حکیم فضل الٰہی صاحب اینٹ لے آئے۔ اعلیٰحضرت نے اس کو ران مبارک پر رکھ لیا۔ اور بڑی دیر تک آپ نے لمبی دعا کی معلوم نہیں کہ آپ نے کیسی کیسی اور کس کس جوش سے دُعائیں اسلام کی عظمت و جلال کے اظہار اور اس کی روشنی کے کل اقطاع و اقطار عالم میں پھیل جانے کی کی ہوں گی۔ وہ وقت قبولیتِ دُعا کا معلوم ہوتا تھا۔ جمعہ کا مبارک دن اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام منارۃ المسیح کی بنیادی اینٹ رکھنے سے پہلے اس کے لیے دلی جوش کے ساتھ دُعائیں مانگ رہے ہیں۔ دعا کے بعد آپ نے اس اینٹ پر دَم کیا اور حکیم فضل الٰہی صاحب کو دی کہ آپ اس کو منارۃ المسیح کے مغربی حصّہ میں رکھ دیں ——— غرض اس عظیم الشان مینار کی بنیاد خدا کے برگزیدہ مامور اور مسیح و مہدی علیہ السلام کے ہاتھ سے ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء کو رکھدی گئی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

حُجرۂ دُعا

بعد نماز جمعہ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدس نے تجویز فرمایا کہ:۔

چونکہ بیت الفکر میں اکثر مستورات وغیرہ اور بچے بھی آجاتے ہیں اور دُعا کا موقعہ کم ملتا ہے اس لیے ایک ایسا حجرہ اس کے ساتھ تعمیر کیا جاوے جس میں صرف ایک آدمی کے نشست کی گنجائش ہو اور چارپائی بھی نہ بچھ سکے تاکہ اس میں کوئی اور نہ آسکے۔ اس طرح سے مجھے دعا کے لیے عمدہ وقت اور موقعہ مل سکے گا۔[1]

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر البدر:۔
چنانچہ اسی وقت مغربی جانب جو دریچہ ہے اس کے ساتھ ایک حجرے کے لیے عمارت شروع ہوگئی ہے۔

۱۴ر مارچ ۱۹۰۳ء

حکام کو نیکی کی تلقین کرنی چاہیئے

نماز عشاء سے قبل مفتی محمد صادق صاحب نے اخبار سول ملٹری میں سے طاعون کا مضمون پڑھ کر سُنایا۔ اس مضمون کو سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نفظ ہرگز منہ پر نہیں لائے حالانکہ اگر حاکم کے منہ سے ایک بات نکلتی ہے تو ہزاروں آدمیوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ ٹبالہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جو کہ ایک دیسی آدمی تھا اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ نماز پڑھنی چاہیئے۔ اس پر بہت سے مسلمانوں نے نماز شروع کر دی۔ اسی طرح کبھی گورنمنٹ کی طرف سے یہ تاکید ہو کہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں تو دیکھئے پھر لوگوں کی کیا تبدیلی ہوتی ہے مگر اس وقت امراء لوگ ایسے فسق و فجور میں مبتلا ہیں کہ گویا یہ ان کے نطفہ کا ایک جزو بن گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق

اس کے بعد مفتی صاحب نے ایک مضمون سول ملٹری گزٹ سے سُنایا جو کہ اسلامی عورتوں کے حقوق پر تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ابھی کچھ دن ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک گندہ مضمون سنایا گیا تھا اب خدا تعالیٰ نے اس کے مقابلہ پر ایک فرحت بخش مضمون بھیج دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہر ہفتہ ایک نہ ایک بات ایسی نکل آتی ہے جس سے طبیعت کو ایک تروتازگی مل جاتی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام میں عورتوں کو وہی حقوق دیئے گئے ہیں جو کہ مردوں کو دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ اسلامی عورتوں میں پاکیزہ اور مقدس عورتیں بھی ہوتی ہیں اور ولیہ بھی ہوتی ہیں اور ان سے خارق عادت امور سرزد ہوتے ہیں اور جو لوگ اسلام پر اس بارہ میں اعتراض کرتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ :-

عورتوں کی اصلاح کا طریق

مرد اگر پارسا طبع نہ ہو تو عورت کب صالحہ ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر مرد خود صالح بنے تو عورت بھی صالحہ بن سکتی ہے۔ قول سے عورت کو نصیحت نہ دینی چاہیئے بلکہ فعل سے اگر نصیحت دی جاوے تو اس کا اثر ہوتا ہے۔ عورت تو درکنار اور بھی کون ہے جو صرف قول سے کسی کی مانتا ہے۔

اگر مرد کوئی کجی یا خامی اپنے اندر رکھے گا تو عورت ہر وقت کی اس پر گواہ ہے۔ اگر وہ رشوت لے کر گھر آیا ہے تو اس کی عورت کہے گی کہ جب خاوند لایا ہے تو میں کیوں حرام کھوں۔ غرضکہ مرد کا اثر عورت پر ضرور پڑتا ہے اور وہ خود ہی اُسے خبیث اور طیب بناتا ہے۔ اسی لیے لکھا ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ ۔ (نور: ۲۷)

اس میں یہی نصیحت ہے کہ تم طیب بنو ورنہ ہزار ٹکریں مارو کچھ نہ بنے گا جو شخص خدا سے خود نہیں ڈرتا تو عورت اس سے کیسے ڈرے؟ نہ ایسے مولویوں کا وعظ اثر کرتا ہے نہ خاوند کا۔ ہر حال میں عملی نمونہ اثر کیا کرتا ہے بھلا جب خاوند رات کو اُٹھ اُٹھ کر دُعا کرتا ہے۔ روتا ہے تو عورت ایک دو دن تک دیکھے گی آخر ایک دن اُسے بھی خیال آوے گا اور ضرور متاثر ہوگی۔ عورت میں متاثر ہونے کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خاوند عیسائی وغیرہ ہوتے ہیں تو عورتیں اُن کے ساتھ عیسائی وغیرہ جاتی ہیں۔ ان کی درستی کے واسطے کوئی مدرسہ بھی کفایت نہیں کرسکتا خاوند کا عملی نمونہ کفایت کرتا ہے۔ خاوند کے مقابلہ میں عورت کے بھائی بہن وغیرہ کا بھی کچھ اثر اس پر نہیں ہوتا۔

خدا نے مرد عورت دونو کا ایک ہی وجود فرمایا ہے۔

یہ مَردوں کا ظلم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو ایسا موقع دیتے ہیں کہ وہ ان کا نقص پکڑیں۔ اُن کو چاہیئے کہ عورتوں کو ہرگز ایسا موقعہ نہ دیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ تو فلاں بدی کرتا ہے بلکہ عورت ٹکریں مار مار کر تھک جاوے اور کسی بدی کا پتہ اُسے مل ہی نہ سکے تو اس وقت اس کو دینداری کا خیال ہوتا ہے اور وہ دین کو سمجھتی ہے۔[1]

مرد[2] اپنے گھر کا امام ہوتا ہے پس اگر وہی بداثر قائم کرتا ہے تو کس قدر بد اثر پڑنے کی امید ہے۔ مرد کو چاہیئے کہ اپنے قویٰ کو برمحل اور حلال موقعہ پر استعمال کرے مثلاً ایک قوت غضبی ہے جب وہ اعتدال سے زیادہ ہو تو جنون کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جنون میں اور اس میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ جو آدمی شدید الغضب ہوتا ہے اس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی مخالف ہو تو اس سے بھی مغلوب الغضب ہو کر گفتگو نہ کرے۔

مرد کی ان تمام باتوں اور اوصاف کو عورت دیکھتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ میرے خاوند میں فلاں فلاں اوصاف تقویٰ کے ہیں۔ جیسے سخاوت حلم صبر اور جیسے اُسے پرکھنے کا موقعہ ملتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اسی لیے عورت کو سارق بھی کہا ہے کیونکہ یہ اندر ہی اندر اخلاق کی چوری کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ آخر کار ایک وقت پورا

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء

[2] یہاں سے جو مضمون شروع ہوتا ہے یہ البدر کے اگلے نمبر یعنی ۱۰ میں درج ہے۔ لیکن وہاں سہو کتابت سے اُسے ۲۰ مارچ کی ڈائری کا بقیہ لکھا ہے جو درست نہیں۔ دراصل یہ ۱۴ مارچ کی بقیہ ڈائری ہے۔ جیسا کہ مضمون کی ترتیب سے واضح ہے۔ ۲۰ مارچ کی مکمل ڈائری تو البدر جلد ۲ کے نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱ - ۸۲ پر درج ہے۔ (مرتب)

اخلاق حاصل کر لیتی ہے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ ایک دفعہ عیسائی ہوا تو عورت بھی اس کے ساتھ عیسائی ہو گئی۔ شراب وغیرہ اوّل شروع کی پھر پردہ بھی چھوڑ دیا۔ غیر لوگوں سے بھی ملنے لگی۔ خاوند نے پھر اسلام کی طرف رجوع کیا تو اُس نے بیوی کو کہا کہ تو بھی میرے ساتھ مسلمان ہو۔ اس نے کہا کہ اب میرا مسلمان ہونا مشکل ہے۔ یہ عادتیں جو شراب وغیرہ اور آزادی کی پڑ گئی ہیں یہ نہیں چھوٹ سکتیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۳ و ۷ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ مارچ ۱۹۰۳ء

آریوں کے متعلق لٹریچر کی اشاعت

سیر کے دوران کتابوں کی اشاعت کے متعلق خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ انکی اشاعت کرو ایسا نہ ہو کہ صندوقوں میں بند پڑی رہیں۔

ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آریہ لوگ ان کتابوں کے جواب میں ایک گالیوں کا طومار لکھیں گے کیونکہ جواب دینے کی تو ان میں طاقت نہیں ہوتی۔ صرف گند ہی گند بولیں گے۔ ہم نے تو نہایت نرم الفاظ میں لکھی ہیں مگر یہ بہتان لگائے بغیر نہ رہیں گے شاید ایک اور کتاب پھر اس کے جواب میں لکھنی پڑے۔ دیانند کو اسلام کی خبر نہیں تھی مگر چونکہ اس نے کتابیں ناگری زبان میں لکھیں اس لیے لوگوں کو اس کی گندہ زبانی کی خبر نہیں ہے بکھیرام نے اردو میں لکھیں اس کی خبر سب کو ہوئی۔

میرا اصول ہے کہ جو شخص حکمت اور معرفت کی باتیں لکھنا چاہے وہ جوش سے کام نہ لیوے ورنہ اثر نہ ہوگا۔ ہاں بعض امور حقہ برمحل عبارت میں لکھنے پڑتے ہیں مگر اَلْحَقُّ مُرٌّ معاملہ ہو کر ہم اس میں مجبور ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں سناتن دھرم اور نسیم دعوت وغیرہ لاہور بمبئی کشمیر وغیرہ شہروں میں آریوں کے پاس ضرور روانہ کرنی چاہئیں اگر شائع نہ ہوں تو پھر وہی مثال ہے۔

زہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

امامت مسجد اور ختم وغیرہ

ایک سوال پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام قرآن کو ناپاک ہاتوں سے ملا کر پڑھنا بے ادبی ہے وہ تو صرف روٹیوں کی غرض سے مُلّاں لوگ پڑھتے ہیں۔ اس ملک کے لوگ ختم وغیرہ دیتے ہیں تو مُلّاں لوگ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں کہ شوربا اور روٹی زیادہ ملے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرۃ: ۴۲) یہ کفر ہے۔

جو طریق آج کل پنجاب میں نماز کا ہے میرے نزدیک ہمیشہ سے اس پر بھی اعتراض ہے۔ مُلّاں لوگ صرف مقررہ آدمیوں پر نظر کر کے جماعت کراتے ہیں۔ ایسا امام شرعاً ناجائز ہے۔ صحابہؓ میں کہیں نظیر نہیں ہے کہ اس طرح اُجرت پر امامت کرائی ہو پھر اگر کسی کو مسجد سے نکالا جاوے تو چیف کورٹ تک مقدمہ چلتا ہے یہانتک کہ ایک دفعہ ایک مُلّاں نے نمازِ جنازہ کی ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ کام روزمرہ کے محاورہ سے یاد رہتا ہے کبھی سال میں ایک آدمی مرتا ہے تو کیسے یاد رہے جب مجھے یہ بات بھول جاتی ہے کہ کوئی مُرا بھی کرتا ہے تو اس وقت کوئی میت ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک مُلّا یہاں آکر رہا۔ ہمارے میرزا صاحب نے اسے محلّے تقسیم کر دیئے ایک دن وہ روتا ہوا آیا کہ مجھے جو محلہ دیا ہے۔ اس کے آدمیوں کے قد چھوٹے ہیں اس لیے اُن کے مرنے پر جو کپڑا ملیگا اس سے چادر بھی نہ بنے گی۔

اس وقت ان لوگوں کی حالت بہت ردّی ہے۔ صُوفی لکھتے ہیں کہ مُردہ کا مال کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔

مولُود خوانی

ایک[1] شخص نے مولود خوانی پر سوال کیا۔ فرمایا:۔

آنحضرتؐ کا تذکرہ بہت عمدہ ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی یاد سے رحمت نازل ہوتی ہے اور خود خدا نے بھی انبیاء کے تذکرہ کی ترغیب دی ہے[2] لیکن اگر اس کے ساتھ ایسی بدعات مل جاویں جن سے توحید میں خلل واقع ہو تو وہ جائز نہیں۔ خدا کی شان خدا کے ساتھ اور نبی کی شان نبی کیساتھ رکھو۔ آج کل کے مولویوں میں بدعت کے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں اور وہ بدعات خدا کے منشاء کے خلاف ہیں۔ اگر بدعات نہ ہوں تو پھر تو وہ ایک وعظ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔ پیدائش اور وفات کا ذکر ہو تو موجبِ ثواب[3]

---

[1] (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ کے صفحہ ۵ پر "استفسار اور اُن کے جواب" کے زیرِ عنوان حضور علیہ السلام کے جو ملفوظات بلا تاریخ درج ہیں۔ دراصل یہ ۱۵ مارچ ۱۹۰۳ء کی ڈائری ہے۔ کیونکہ یہ سب استفسار اور ان کے جواب "البدر" نے ۱۵ مارچ کی ڈائری میں دیئے ہیں لہٰذا "الحکم" کے ان ملفوظات میں جو بات "البدر" سے زیادہ مفصل ہے وہ حاشیہ میں درج کر دی ہے) (مرتب)

[2] (الحکم سے) "اُس سے محبت بڑھتی ہے اور آپؐ کی اِتباع کے لیے تحریک ہوتی اور جوش پیدا ہوتا ہے"۔
(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵، ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[3] (الحکم سے) "قرآن شریف میں بھی اسی لیے بعض تذکرے موجود ہیں جیسے فرمایا وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ"
(مریم ۴۲) (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵، ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

ہے[1]۔ ہم مجاز نہیں کہ اپنی شریعت یا کتاب بنالیویں۔

بعض ملاں اس میں غلو کرکے کہتے ہیں کہ مولود خوانی حرام[2] ہے۔ اگر حرام ہے تو پھر کس کی پیروی کروگے؟ کیونکہ جس کا ذکر زیادہ ہو اس سے محبت بڑھتی ہے اور پیدا ہوتی ہے۔

مولود کے وقت کھڑا ہونا جائز نہیں۔ ان اندھوں کو اس بات کا علم ہی کب ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح آگئی[3] ہے بلکہ ان مجلسوں میں تو طرح طرح کے بدطینت اور بدمعاش لوگ ہوتے ہیں وہاں آپکی رُوح کیسے آسکتی ہے اور کہاں لکھا ہے کہ رُوح آتی ہے؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷)

دونوں طرف کی رعایت رکھنی چاہیئے۔ جب تک وہابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نہیں سمجھتا وہ بھی خدا سے دُور ہے۔ انہوں نے بھی دین کو خراب کردیا ہے۔ جب کسی نبی یا ولی کا ذکر آجاوے تو چلّا اُٹھتے ہیں کہ اُن کو ہم پر کیا فضیلت ہے۔ انہوں نے انبیاء کے خوارق سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہا۔

دوسرے فرقے نے شرک اختیار کیا حتیٰ کہ قبروں کو سجدہ کیا اور اس طرح اپنا ایمان ضائع کیا۔ ہم نہیں کہتے کہ

---

[1] (الحکم سے) لیکن ان تذکروں کے بیان میں بعض بدعات ملادی جائیں تو وہ حرام ہوجاتے ہیں۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

یہ یاد رکھو کہ اصل مقصد اسلام کا توحید ہے۔ مولود کی محفلیں کرنے والوں میں آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سی بدعات ملالی گئی ہیں جس نے ایک جائز اور موجبِ رحمت فعل کو خراب کردیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجبِ رحمت ہے مگر غیر مشروع امور و بدعات منشاء الٰہی کے خلاف ہیں۔ ہم خود اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ آپ کسی نئی شریعت کی بنیاد رکھیں اور آجکل یہی ہو رہا ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات کے موافق شریعت کو بنانا چاہتا ہے گویا خود شریعت بناتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (الحکم سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کو حرام کہنا بڑی بیباکی ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع خدا تعالیٰ کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور اصل باعث ہے اور اتباع کا جوش تذکرہ سے پیدا ہوتا اور اس کی تحریک ہوتی ہے۔ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اس کا تذکرہ کرتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مارچ ۱۹۰۳ء)

[3] (الحکم سے) "ہاں جو لوگ مولود کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود تشریف لے آئے ہیں یہ اُن کی جرأت ہے ایسی مجلسیں جو کی جاتی ہیں۔ اُن میں بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ کثرت سے ایسے لوگ شریک ہوتے ہیں جو تارک الصلوٰۃ۔ سُود خور اور شرابی ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مجلسوں سے کیا تعلق؟ اور یہ لوگ محض ایک تماشہ کے طور پر جمع ہوجاتے ہیں۔ پس اس قسم کے خیال بیہودہ ہیں۔"

(ایضاً ایضاً)

انبیاء کی پرستش کرو بلکہ سوچو اور سمجھو۔ خدا تعالیٰ بارش بھیجتا ہے ہم تو اس پر قادر نہیں ہوتے مگر بارش کے بعد کیسی سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کا وجود بھی بارش ہے[1]

پھر دیکھو کہ کوڑی اور موتی دونو دریا ہی سے نکلتے ہیں۔ پتھر اور ہیرا بھی ایک ہی پہاڑ سے نکلتا ہے مگر سب کی قیمت الگ الگ ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا نے مختلف وجود بنائے ہیں۔ انبیاء کا وجود اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور خدا کی محبت سے بھرا ہوا۔ اُس کو اپنے جیسا سمجھ لینا اس سے بڑھ کر اَور کیا کُفر ہوگا۔ بلکہ خدا نے تو وعدہ کیا ہے کہ جو ان سے محبت کرتا ہے وہ انہیں میں سے شمار ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ بہشت میں ایک ایسا مقام عطا ہوگا جس میں صرف مَیں ہی ہوں گا۔ ایک صحابی رو پڑا۔ کہ حضور مجھے جو آپ سے محبت ہے مَیں کہاں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تو بھی میرے ساتھ ہوگا۔ پس سچّی محبت سے کام نکلتا ہے۔ ایک مشرک ہرگز سچّی محبت نہیں رکھتا[2]۔ مَیں نے جہاں تک دیکھا ہے۔ وہابیوں میں تیزی اور چالاکی ہوتی ہے۔ خاکساری اور انکساری تو اُن کے نصیب نہیں ہوتی یہ ایک طرح سے مسلمانوں کے آریہ ہیں۔ وہ بھی الہام کے منکر یہ بھی منکر۔ جب تک انسان براہِ راست یقین حاصل نہ کرے قصص کے رنگ میں ہرگز خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو شخص خدا تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتا ہے ضرور ہے کہ اس پر کچھ تو خدا کا رنگ آجاوے۔

دوسرے گروہ میں سوائے قبر پرستی اور پیر پرستی کے کچھ رُوح باقی نہیں ہے۔ قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ خدا نے اُمَّةً وَسَطًا کہا تھا۔ وسط سے مراد ہے میانہ رو۔ اور وہ دونو گروہ نے چھوڑ دیا۔ پھر خدا فرماتا ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران: ۳۲) کیا[3] آنحضرتؐ نے کبھی روٹیوں پر قرآن پڑھا تھا؟

---

[1] (الحکم میں ہے) "انبیاء علیہم السلام کا وجود بھی ایک بارش ہوتی ہے وہ اعلیٰ درجہ کا روشن وجود ہوتا ہے۔ خوبیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ دنیا کے لیے اس میں برکات ہوتے ہیں۔ اپنے جیسا سمجھ لینا ظلم ہے۔ اولیاء اور انبیاء سے محبت رکھنے سے ایمانی قوت بڑھتی ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵، ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (الحکم میں ہے) "مشرک بھی سچّی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں رکھ سکتا اور ایسا ہی وہابی بھی نہیں کرسکتا۔ یہ مسلمانوں کے آریہ ہیں ان میں رُوحانیت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ اور اس کے سچّے رسول سے سچّی محبت نہیں ہے۔ دوسرا گروہ جنہوں نے مشرکانہ طریق اختیار کئے ہیں۔ رُوحانیت ان میں بھی نہیں۔ قبر پرستی کے سوا اَور کچھ نہیں۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵، ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[3] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ "روٹیوں پر فاتحہ پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے"؟ اس کے جواب میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جواب دیا تھا۔ (مرتب)

اگر آپ نے ایک روٹی پر پڑھا ہوتا تو ہم ہزار پر پڑھتے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش الحانی سے قرآن سُنا تھا اور آپ اس پر روئے بھی تھے۔ جب یہ آیت آئی وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۲) آپ روئے اور فرمایا بس کریں آگے نہیں سُن سکتا۔ آپ کو اپنے گواہ گذرنے پر خیال گذرا ہوگا۔ ہمیں خود خواہش رہتی ہے کہ کوئی خوش الحان حافظ ہو تو قرآن سُنیں۔

آنحضرت نے ہر ایک کام کا نمونہ دکھلا دیا ہے وہ ہمیں کرنا چاہیئے۔ سچے مومن کے واسطے کافی ہے کہ دیکھ لیوے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں کیا تو کرنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟ حضرت ابراہیم آپ کے جدِ امجد تھے اور قابلِ تعظیم تھے کیا وجہ کہ آپ نے ان کا مولود نہ کروایا؟

اشعار اور نظم پڑھنا

اشعار اور نظم پر سوال ہوا اور فرمایا کہ:۔

نظم تو ہماری اس مجلس میں بھی سنائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ ایک شخص خوش الحان کی تعریف سُنکر اس سے چند ایک اشعار سُنے پھر فرمایا کہ رَحِمَكَ اللّٰهُ یہ لفظ آپ جسے کہتے تھے وہ جلد شہید ہو جاتا۔ چنانچہ وہ بھی میدان میں جاتے ہی شہید ہو گیا۔ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجد میں شعر پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے روکا کہ مسجد میں مت پڑھو۔ وہ غصہ میں آگیا اور کہا کہ تو کون ہے کہ مجھے روکتا ہے۔ میں نے اسی جگہ اور اسی مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے تھے اور آپ نے مجھے منع نہ کیا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

شعر کہنا

ایک شخص کا اعتراض پیش ہوا کہ مرزا صاحب شعر کہتے ہیں۔ فرمایا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود شعر پڑھے ہیں۔ پڑھنا اور کہنا ایک ہی بات ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی شاعر تھے۔ حضرت عائشہؓ۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے قصائد مشہور ہیں۔ حسان بن ثابتؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قصیدہ لکھا۔

سید عبدالقادر صاحبؓ نے بھی قصائد لکھے ہیں۔ کسی صحابی کا ثبوت نہ دے سکو گے کہ اس نے تھوڑا یا بہت شعر نہ کہا ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منع نہ فرمایا۔ قرآن کی بہت سی آیات شعروں سے ملتی ہیں۔

لہ الحکم میں ہے:۔

سوال۔ خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے؟

حضرت اقدس۔ خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا بھی عبادت ہے اور بدعات جو اس کے ساتھ ملا لیتے ہیں وہ اس عبادت کو ضائع کر دیتی ہیں۔ بدعات نکال نکال کر ان لوگوں نے کام خراب کیا ہے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

ایک شخص نے عرض کی کہ سورہ شعراء میں اخیر پر شاعروں کی مذمت کی ہے۔ فرمایا کہ:۔
وہ مقام پڑھو۔ وہاں خدا نے فسق و فجور کرنیوالے شاعروں کی مذمت کی ہے اور مومن شاعر کا وہاں خود استثناء کر دیا ہے۔ پھر ساری زبور نظم ہے۔ یرمیاہ سلیمان اور موسیٰ کی نظمیں تورات میں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نظم گناہ نہیں ہے ہاں فسق و فجور کی نظم نہ ہو۔ ہمیں خود الہام ہوتے ہیں بعض ان میں سے مقفیٰ اور بعض شعروں میں ہوتے ہیں۔

(مجلس قبل از عشاء)

کُتّے اور بندر سے مُراد

کُتّے سے مراد ایک طمّاع آدمی جو کہ تھوڑی سی بات پر راضی اور تھوڑی سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں اور بندر سے مراد ایک مسخ شدہ آدمی ہے۔

مفسرین سے یہ بات ثابت نہیں کہ مسخ شدہ یہود پر پشم پیدا ہو گئی تھی اور اُن کی دُم بھی نکل آئی تھی بلکہ ان کے عادات مثل بندروں کے ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی اُمّت مثلِ یہود کے ہو گئی ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ان کی خصلت ان میں آگئی ہے کہ مامور کا انکار کرتے ہیں۔

کسرِ صلیب

کسرِ صلیب پر فرمایا کہ:۔
اب ایک ہوا چل پڑی ہے جیسے ہمارے دلوں میں ڈالا ہے کہ مسیح مر گیا ویسے ہی اب ان (اہلِ یورپ و امریکہ) کے دلوں میں ڈالا ہے۔ اخبار اور رسالے نکلتے ہیں اور مسیح کی امید لگ رہی ہے سب پکار رہے ہیں کہ یہی زمانہ ہے۔

تعبیر رؤیا

دانت کی داڑھ نکل کر اگر کانچ کی نظر آوے تو خطرناک ہوا کرتی ہے۔ دانت اگر ٹوٹ کر ہاتھ میں رہے تو عمدہ ہے۔

خواتین کی اصلاح کا طریق

اس کے بعد مفتی محمد صادق صاحب پھر سوال اخبار کا بقیہ مضمون سناتے رہے جس میں اسلامی عورتوں کا ذکر تھا اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔
کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی عورتیں صالحات میں نہ ہوں گو تھوڑی ہوں مگر ہوں گی ضرور۔ جس نے عورت کو صالحہ بنانا ہو وہ خود صالح بنے۔ ہماری جماعت کے لیے ضروری ہے کہ اپنی پرہیزگاری کیلئے عورتوں کو پرہیزگاری سکھاویں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے اور جبکہ اس کی عورت سامنے ہو کر تبلا سکتی ہے کہ تجھ

میں فلاں فلاں عیب ہیں تو پھر عورت خدا سے کیا ڈرے گی جب تقویٰ نہ ہو تو ایسی حالت میں اولاد بھی پلید پیدا ہوتی ہے۔ اولاد کا طیب ہونا تو طیبات کا سلسلہ چاہتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر اولاد خراب ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ سب توبہ کریں اور عورتوں کو اپنا اچھا نمونہ دکھلاویں۔ عورت خاوند کی جاسوس ہوتی ہے وہ اپنی بدیاں اس سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ نیز عورتیں چھپی ہوئی دانا ہوتی ہیں۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ احمق ہیں وہ اندر ہی اندر تمہارے سب اثروں کو حاصل کرتی ہیں۔ جب خاوند سیدھے رستہ پر ہوگا تو وہ اس سے بھی ڈرے گی اور خدا سے بھی۔ ایسا نمونہ دکھانا چاہیئے کہ عورت کا یہ مذہب ہو جاوے کہ میرے خاوند جیسا اور کوئی نیک بھی دُنیا میں نہیں ہے اور وہ یہ اعتقاد کرے کہ یہ باریک سے باریک نیکی کی رعایت کرنے والا ہے۔ جب عورت کا یہ اعتقاد ہو جاویگا تو ممکن نہیں کہ وہ خود نیکی سے باہر رہے۔ سب انبیاء اولیاء کی عورتیں نیک تھیں اس لیے کہ ان پر نیک اثر پڑتے تھے جب مرد بدکار اور فاسق ہوتے ہیں تو ان کی عورتیں بھی ویسی ہی ہوتی ہیں۔ ایک چور کی بیوی کو یہ خیال کب ہو سکتا ہے کہ میں تہجد پڑھوں۔ خاوند تو چوری کرنے جاتا ہے تو کیا وہ پیچھے تہجد پڑھتی ہے؟ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ[1] اسی لیے کہا ہے کہ عورتیں خاوندوں سے متاثر ہوتی ہیں جس حد تک خاوند صلاحیت اور تقویٰ بڑھاوے گا کچھ حصہ اس سے عورتیں ضرور لیں گی۔ ویسے ہی اگر وہ بدمعاش ہوگا تو بدمعاشی سے وہ حصہ لیں گی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۳ - ۴ - ۵ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء

خواب اور اسکی تعبیر

سیر میں بعض احباب نے اپنے اپنے رؤیا سُنائے آپ نے فرمایا کہ خواب بھی ایک اجمال ہوتا ہے اور اسکی تعبیر صرف قیاسی ہوتی ہے۔

ایک رؤیا اور ایک الہام

رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اپنی جماعت میں سے گھوڑے پر سے گر پڑا۔ پھر آنکھ کھُل گئی۔ سوچتا رہا کہ کیا تعبیر کریں۔ قیاسی طور پر جو بات اقرب ہو وہ لگائی جا سکتی ہے کہ اس اثناء میں غنودگی غالب ہوئی اور الہام ہوا

"استقامت میں فرق آ گیا"

ایک صاحب نے کہا کہ وہ کون شخص ہے حضرت نے فرمایا کہ

معلوم تو ہے مگر جب تک خدا کا اذن نہ ہو میں بتلایا نہیں کرتا میرا کام دُعا کرنا ہے۔

---

[1] نساء : ۳۶

سُود کی حُرمت

ایک نے سوال کیا کہ ضرورت پر سودی روپیہ لے کر تجارت وغیرہ کرنے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا:-

حرام ہے۔ ہاں اگر کسی دوست اور تعارف کی جگہ سے روپیہ لیا جاوے اور کوئی وعدہ اس کو زیادہ دینے کا نہ ہو نہ اس کے دل میں زیادہ لینے کا خیال ہو۔ پھر اگر مقروض اصل سے کچھ زیادہ دیدے تو وہ سُود نہیں ہوتا بلکہ یہ تو هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن: ۶۱) ہے۔

اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ضرورت سخت ہو اور سوائے سُود کے کام نہ چل سکے تو پھر؟

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

خدا تعالیٰ نے اس کی حرمت مومنوں کے واسطے مقرر کی ہے اور مومن وہ ہوتا ہے جو ایمان پر قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اسلام میں کروڑہا ایسے آدمی گذرے ہیں جنہوں نے نہ سُود لیا نہ دیا۔ آخر ان کے حوائج بھی پورے ہوتے رہے کہ نہیں[1]؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ لو نہ دو جو ایسا کرتا ہے وہ گویا خُدا کے ساتھ لڑائی کی تیاری کرتا ہے ایمان ہو تو اس کا صلہ خدا بخشتا ہے۔ ایمان بڑی بابرکت شئے ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (البقرہ: ۱۰۷) اگر اُسے خیال ہو کہ پھر کیا کرے؟ تو کیا خدا کا حکم بھی بیکار ہے؟ اس کی قدرت بہت بڑی ہے۔ سود تو کوئی شئے ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا کہ زمین کا پانی نہ پیا کرو تو وہ ہمیشہ بارش کا پانی آسمان سے دیا کرتا۔ اسی طرح ضرورت پر وہ خود ایسی راہ نکال ہی دیتا ہے۔ کہ جس سے اس کی نافرمانی بھی نہ ہو۔ جب تک ایمان میں میل کچیل ہوتا ہے تب تک یہ ضعف اور کمزوری ہے۔ کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جب تک خدا نہ چھڑاوے ورنہ انسان تو ہر ایک گناہ پر یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ ہم چھوڑ نہیں سکتے اگر چھوڑیں تو گذارہ نہیں چلتا۔ دکانداروں عطاروں کو دیکھا جاوے کہ پُرانا مال سالہا سال تک بیچتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ ملازم پیشہ لوگ رشوت خوری کرتے ہیں اور سب یہ عذر کرتے ہیں[2] کہ گذارہ نہیں چلتا۔ ان سب کو اگر اکٹھا کر کے نتیجہ نکالا جاوے تو پھر یہ نکلتا ہے کہ خدا کی کتاب پر عمل ہی نہ کرو کیونکہ گذارہ نہیں چلتا۔ حالانکہ مومن

---

[1] (الحکم سے) "وہ کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۴) اللہ تعالیٰ ہر ضیق سے اُن کو نجات دیتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں ہے:- "اگر اللہ تعالیٰ مومن کو کہتا کہ تو زمین کا پانی نہ پیا کر۔ تو میں ایمان رکھتا ہوں کہ اُس کو آسمان سے پانی ملتا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[3] (الحکم سے) "عذر رکھ کر مصیبت میں مبتلا ہونا یہ سفلی عذر ہے جو شیطان سے آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرے۔ تو سب کچھ ہوتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

کے لیے خدا خود سہولت کر دیتا ہے۔ یہ تمام راستبازوں کا مجرب علاج ہے کہ مصیبت اور صعوبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے۔

لوگ خدا کی قدر نہیں کرتے۔ جیسے بھروسہ ان کو حرام کے دروازے پر ہے ویسا خدا پر نہیں ہے۔ خدا پر ایمان یہ ایک ایسا نسخہ ہے کہ اگر قدر ہو تو جی چاہے کہ جیسے اَور عجیب نسخہ مخفی رکھنا چاہتے ہیں ویسے ہی اسے بھی مخفی رکھا جاوے۔ مَیں نے کئی دفعہ بیماریوں میں آزمایا ہے کہ پیشاب بار بار آرہا ہے۔ دست بھی لگے ہیں۔ آخر خدا سے دُعا کی۔ صبح کو الہام ہوا "دُعَاءُ لَكَ مُسْتَجَابٌ" اس کے بعد ہی وہ کثرت جاتی رہی اور کمزوری کی جگہ طاقت آگئی۔ یہ خدا کی طاقت ہے خدا ایسا عجیب ہے کہ ان نسخوں سے بھی زیادہ قابلِ قدر ہے جو کیمیا وغیرہ کے ہوتے ہیں مجھے بھی ایک دفعہ خیال آیا کہ یہ تو چھپانے کے قابل ہے پھر سوچا کہ یہ تو بخل ہے۔ ایسی مفید شئے کا دنیا پر اظہار کرنا چاہیئے کہ مخلوق الٰہی کو فائدہ حاصل ہو۔ یہی فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے خدا میں ہے۔ انکا خدا بولتا نہیں۔ خدا معلوم یہ بھی کیسا ایمان ہے۔ اسلام کا خدا جیسا پہلے تھا ویسے ہی اب ہے۔ نہ طاقت کم ہوئی نہ بوڑھا ہوا۔ نہ کچھ اَور نقص اس میں واقع ہوا۔ ایسے خدا پر جس کا ایمان ہو وہ اگر آگ میں بھی پڑا ہو تو اُسے حوصلہ ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آخر آگ میں ڈالا ہی تھا۔ ایسے ہی ہم بھی آگ میں ڈالے گئے[1]۔ خون کا مقدمہ بنایا گیا۔ اگر اس میں ۵ یا دس سال کی قید ہو جاتی تو سب سلسلہ تباہ ہو جاتا۔ سب قوموں نے متفق ہو کر یہ آگ سلگائی تھی۔ کیا کم آگ تھی؟ اس وقت سوائے خدا کے اَور کون تھا؟ اور وہی الہام ہوئے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئے تھے آخر میں الہام ہوا اِنَّا كَفَيْنَاكَ اور تسلی دی کہ سب کچھ میرے ہاتھ ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ریلوے میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں۔ ان کی تنخواہ میں سے ایک آنہ فی روپیہ کاٹ کر رکھا جاتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ روپیہ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ زائد بھی وہ دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ

شرع میں سُود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سُود کہلاویگا۔[2] لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید

---

[1] (الحکم سے) "ڈگلس کے سامنے جو کلارک کا مقدمہ تھا وہ اُس آگ سے کم نہ تھا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] (الحکم سے) لیکن جبکہ محکمہ ریلوے کے ملازم خود وہ روپیہ سُود کے لالچ سے نہیں دیتے بلکہ جبراً وضع کیا جاتا ہے تو یہ سُود کی تعریف میں داخل نہیں ہے اور خود جو کچھ روپیہ وہ زائد دیدیتے ہیں وہ سُود میں داخل نہیں ہے۔ غرض یہ خود

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سُود ہے تو وہ بھی سُود میں داخل نہیں ہے وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے۔ پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائیگی کے وقت اُسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ (نہ) دیدیا ہو۔ یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اپنی خواہش نہ ہو خواہش کے برخلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سُود میں داخل نہیں ہے۔

سُود اور سُود در سُود

ایک صاحب نے عرض کیا کہ سید احمد خاں صاحب نے لکھا ہے اَضْعَافاً مُّضٰعَفَةً (آل عمران: ۱۳۱) کی ممانعت ہے فرمایا کہ:۔

یہ بات غلط ہے کہ سُود در سُود کی ممانعت کی گئی ہے اور سُود جائز رکھا ہے شریعت کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے۔ یہ فقرہ اسی قسم کا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ گناہ در گناہ مت کرتے جاؤ۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ گناہ ضرور کرو۔

اس قسم کا روپیہ جو کہ گورنمنٹ سے ملتا ہے وہ اسی حالت میں سود ہوگا جبکہ لینے والا اس خواہش سے روپیہ دیتا ہے کہ مجھ کو سُود ملے ورنہ گورنمنٹ جو اپنی طرف سے احساناً دیوے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔

رشوت کے روپیہ سے بنائی گئی جائیداد

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص تائب ہو تو اس کے پاس جو اوّل جائیداد رشوت وغیرہ سے بنائی ہو اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا:۔

شریعت کا حکم ہے کہ توبہ کرے تو جس جس کا وہ حق ہے وہ اُسے پہنچایا جاوے[1]۔ رشوت اور ہدیہ میں تمیز چاہیئے۔ رشوت وہ مال ہے کہ جب کسی کی حق تلفی کے واسطے دیا یا لیا جاوے ورنہ اگر کسی نے ہمارا ایک کام محنت سے کر دیا ہے اور حق تلفی بھی کسی کی نہیں ہوئی تو اس کو جو دیا جاوے گا۔ وہ اس کی محنت کا معاوضہ ہے۔

انشورنس یا بیمہ

انشورنس[2] اور بیمہ پر سوال کیا گیا۔ فرمایا کہ سُود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ داریوں کو شریعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

دیکھ سکتے ہو کہ آیا یہ روپیہ سُود لینے کے لیے تم خود دیتے ہو یا وہ خود وضع کرتے ہیں اور بلا طلب اپنے طور پر دیتے ہیں"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۶، ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

[1] (الحکم سے) "اور اگر پتہ نہ لگے تو پھر اسے صدقہ و خیرات کر دے"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۶، ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں اس سوال سے پہلے ایک اَور سوال اور اس کا جواب یوں درج ہے:۔

سوال۔ رہن کے متعلق کیا حکم ہے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے صحیح قرار دیا ہے۔ قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے۔

دوسرے ان تمام سوالوں میں اس امر کا خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں حکم ہے کہ بہت کھوج نکال کر مسائل نہ پوچھنے چاہئیں۔ مثلاً اب کوئی دعوت کھانے جاوے اور اسی خیال میں لگ جاوے کہ کسی وقت حرام کا پیسہ ان کے گھر میں آیا ہوگا۔ پھر اس طرح تو آخر کار دعوتوں کا کھانا ہی بند ہو جاوے گا۔ خدا کا نام ستار بھی ہے ورنہ دنیا میں عام طور پر راستباز کم ہوتے ہیں مستور الحال بہت ہوتے ہیں۔ یہ بھی قرآن میں لکھا ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا (سورۃ الحجرات:۱۳) یعنی تجسس مت کیا کرو ورنہ اس طرح تم مشقت میں پڑو گے۔

مجلس قبل از عشاء

پنڈت نند کشور سناتن دھرمی سے گفتگو

پنڈت نند کشور صاحب جو کہ سناتن دھرم مذہب کے ایک عالم فاضل متبحر لیکچرار ہیں حضرت اقدس کی ملاقات کے واسطے تشریف لائے۔ آتے ہی حضرت صاحب سے سلام علیکم اور مصافحہ کیا۔ حضرت صاحب نے نیم دعوت اور سناتن دھرم وغیرہ کی نسبت ان کی رائے دریافت کی۔ پنڈت صاحب نے کہا کہ ان کتب میں آپ نے ویسے ہی لکھا ہے جیسے انبیاء کا دستور ہے خدا کے برگزیدہ بندوں سے گندے لفظ نکل ہی نہیں سکتے۔ آریہ لوگوں کی مثال انہوں نے یہ دی کہ جیسے کھاری چشمہ سے میٹھا پانی نہیں نکل سکتا۔ اسی طرح وہ لوگ لکھ ہی کیا سکتے ہیں۔

آریہ سماج

حضرت اقدس نے آریہ سماج کی نسبت فرمایا کہ:۔

یہ لوگ بالکل حقیقت ایمان سے بے نصیب ہیں۔ ایمان تو عقلمندوں کی آزمائش کے لیے ہے کہ کچھ عقل سے کام لیوے اور کچھ ایمان سے۔ معجزات میں یہ عادۃ اللہ ہرگز نہیں ہے کہ ایسے کام دکھلائے جاویں جو کہ خدا کی عادت کے برخلاف دنیا میں ہوں۔ مثلاً سوال کرتے ہیں کہ سو یا پچاس سال کے مُردے اگر شہادت دیویں گو کہ یہ ہو تو سکتا ہے مگر سوال ہے کہ جو اس کے بعد قبول کریگا اُسے کیا فائدہ ہوگا؟ جب سب حقیقت کھل گئی اور سو دو سو آدمی کی شہادت بھی مل گئی تو اب کس کی عقل ماری ہے کہ انکار کرے نہ ہندو نہ چمار کسی کو گنجائش ہی انکار کی نہیں رہتی۔ ہمارے ہاں لکھا ہے کہ اس قسم کا ایمان فائدہ نہیں دیتا۔ اگر دن چڑھا ہوا ہو اور کوئی کہے کہ میں دن پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

حضرت اقدس۔ "ہمارے نزدیک رہن جبکہ نفع ونقصان کا ذمہ دار ہو جاتا ہے اس سے فائدہ اُٹھانا منع نہیں ہے"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

ایمان لایا۔ یا چاند پورا چودھویں کا ہے اور کوئی اس پر ایمان لاوے تو اُسے کیا فائدہ ہوگا؟ اور کس تعریف کا مستحق ہے؟ ہاں اگر اوّل شب کے چاند پر جس کا نام ہلال ہے کوئی اُسے دیکھ کر بتلاوے تو اس کی نظر کی تعریف کی جاوے گی اور جس کی نظر کم و بیش ہے وہ کھل جاویگی تو نشانوں میں یہی اصول خدا نے رکھا ہے کہ ایک پہلو میں ایمان سے فائدہ اٹھاویں اور ایک پہلو میں عقل سے ورنہ ایمان ایمان نہیں رہتا۔ ایک مخفی امر کو عقل سے سوچکر قرائن ملا کر مان لینے کا نام ایمان ہے۔ ان لوگوں کی عقل موٹی ہے۔ ایسے نشان طلب کرتے ہیں جو کہ عادت اللہ کے خلاف ہیں۔ ہم یہ پیش کرتے ہیں کہ جو سچا مذہب ہوتا ہے اس میں امتیاز ہوتا ہے جس قدر تائیدات اور خوارق خدا تعالیٰ نے اسلام کی تائید میں رکھے ہیں۔ وہ کسی دوسرے مذہب کے لیے ہرگز نہیں ہیں۔ مگر یہ ان امور میں مقابلہ چاہتے ہیں جو کہ عادت اللہ کے خلاف ہیں۔ دوسرے خدا غلام نہیں ہے کہ کسی کے تابع ہو بلکہ وہ خدا کے تابع ہیں۔

فیصلہ کا آسان طریق

ہم نے اُن سے یہ چاہا ہے کہ اس طرح سے فیصلہ کر لو کہ ہزاروں اعتراض جو تم لوگ کرتے ہو ان میں سے دو اعتراض چُن لو اگر وہ سچے نکل آویں تو باقی تمہارے سب سچے اور اگر وہ جھوٹے نکل آویں تو باقی سب جھوٹے۔ مگر ان لوگوں کو موت کا خوف نہیں۔ اگر عقل ہو تو لازم ہے کہ وہ اسلام کے سوائے کوئی سچا پاک مذہب دکھلاویں۔ اور طلاق کی نسبت اعتراض ہے ہم کہتے ہیں کہ اچھا آج تک جس قدر طلاق اسلام میں ہوئی ہیں ان کی فہرست ہم سے لو اور جس قدر یوگ تم میں ہو اس کی فہرست ہمیں دو۔

مدارات اور مداہنہ میں فرق

فرمایا کہ
مدارات اسے کہتے ہیں کہ نرمی سے گفتگو کی جاوے تاکہ دوسرے کے ذہن نشین ہو اور حق کا اس طرح اظہار کرنا کہ ایک کلمہ بھی باقی نہ رہے اور سب ادا ہو جاوے اور مداہنہ اسے کہتے ہیں کہ ڈر کر حق کو چھپا لینا۔ کھا لینا۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نرمی سے گفتگو کر کے پھر گرمی پر آجاتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ حق کو پورا پورا ادا کرنے کے واسطے ایک ہنر چاہیئے۔ وہ شخص بہت بہادر ہے جو کہ ایسی خوبی سے حق کو بیان کرے کہ بڑے غصہ والے آدمی بھی سُن لیویں۔ خدا ایسوں پر راضی ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حق گو سے لوگ راضی نہ ہوں اگرچہ وہ نرمی بھی کرے مگر تاہم درمیان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اچھا کہنے لگتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۷۵، ۷۶ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۷ر مارچ ۱۹۰۳ء

قبل از عشاء

معجزہ شق القمر کی شہادت ہندوستان میں

پنڈت نند کشور صاحب سے معجزات پر گفتگو ہوئی۔ پنڈت صاحب نے معجزہ شق القمر کی نسبت کہا کہ بھوج سوانح ایک کتاب سنسکرت میں ہے مجھ سے پنڈتوں نے بیان کیا ہے کہ اس میں شق القمر کی شہادت راجہ بھوج سے ہے کہ وہ اپنے محل پر تھا یکایک اس نے چاند کو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے پنڈتوں کو بُلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ چاند اس طرح پھٹا۔ راجہ نے خیال کیا کہ کوئی عظیم الشان حادثہ ہوگا۔ پنڈتوں نے جوابدیا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پچھم کے دیس میں ایک مہاتما پیدا ہوا ہے وہ بہت یوگی ہے اس نے اپنے یوگ بھاش سے چاند کو ایسا کر دیا ہے تب راجہ نے اُسے تحفہ تحائف ارسال کئے۔

تفسیر قرآن کا طریق

قرآن کی تفسیر کے متعلق فرمایا کہ خدا کے کلام کے صحیح معنی تب سمجھ میں آتے ہیں کہ اس کے تمام رشتہ کی سمجھ ہو جیسے قرآن شریف کی نسبت ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ اس کے سوا جو اَور کلام ہوگا وہ تو اپنا کلام ہوگا۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض وقت ایک آیت کے معنے کرنے کے وقت دو سَو آیتیں شامل ہوتی ہیں۔ ایجادی معنے کرنے والوں کا منہ اس سے بند ہو جاتا ہے۔ (البدر جلد دوم نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۸ر مارچ ۱۹۰۳ء

(مجلس قبل از عشاء)

بعد مغرب گرمی محسوس کر کے حضرت اقدس نے اپنے احباب سے مشورہ کیا کہ اب موسم بدلا ہوا ہے۔ اس لیے اگر مناسب ہو تو اُوپر چل بیٹھیں چنانچہ احباب نے اس سے اتفاق کیا اور اسی وقت تمام احباب اور حضرت اقدس بالائی منزل میں تشریف لے گئے۔

شہ نشین پر بیٹھ کر ابوسعید صاحب سے فرمایا کہ

اگر آپ چلے گئے ہوتے تو اُوپر کا جلسہ کیسے دیکھتے اور یہ کہاں نصیب ہونا تھا۔

اسی اثناء میں نواب صاحب تشریف لائے۔ حضرت نے فرمایا:۔

مدت کے بعد آج پھر نواب صاحب کا چہرہ نظر آیا ہے۔ آگے تو ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں جا بیٹھا کرتے اور اندھیرے میں چہرہ بھی نظر نہ آتا تھا۔

فراغت بیٹھے بیٹھے آپ نے فرمایا کہ :۔

جیسے ایک مرض ہوتی ہے کہ اس میں جب تک کُلیاں مارتے رہیں تو آرام رہتا ہے اسی طرح فراغت میرے واسطے مرض ہے ایک دن بھی فارغ رہوں تو بے چین ہو جاتا ہوں اس لیے ایک کتاب شروع کر دی ہے جس کا نام "حقیقتِ دُعا" رکھا ہے ایک رسالہ کی طرز پر لکھا ہے۔

دُعا دعا ایسی شے ہے کہ جب آدمؑ کا شیطان سے جنگ ہوا تو اس وقت سوائے دُعا کے اور کوئی حربہ کام نہ آیا۔ آخر شیطان پر آدمؑ نے فتح بذریعہ دُعا پائی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۔ (سورۃ الاعراف : ۲۴)

اور آخر میں بھی دجال کے مارنے کے واسطے دُعا ہی رکھی ہے۔ گویا اوّل بھی دعا اور آخر بھی دعا ہی دعا ہے حالت موجودہ بھی یہی چاہتی ہے۔ تمام اسلامی طاقتیں کمزور ہیں۔ اور ان موجودہ اسلحہ سے وہ کیا کام کر سکتی ہیں؟ اب اس کفر وغیرہ پر غالب آنے کے واسطے اسلحہ کی ضرورت بھی نہیں۔ آسمانی حربہ کی ضرورت ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۱۹ مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

حضور نے شہ نشین پر جلوہ گر ہو کر فرمایا کہ :۔

آج طبیعت نہایت علیل تھی کہ اٹھنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ اسی لیے ظہر و عصر کے اوقات میں نہ آسکا۔

چند ایک دریدہ دہن آریوں کے بیباکانہ اعتراض پر فرمایا کہ :۔

یہ گندہ زبانی سے باز نہیں آتے ہم بھی ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ؎

گر نباشد بدست راہ بردن ٭ شرط عشق است در طلب مُردن

جب انسان کے دل میں مَیل ہوتا ہے تو ایک فرشتے کو بھی میلا سمجھ لیتا ہے۔

ایک رؤیا فرمایا کہ

آج مَیں نے ایک خواب دیکھا جیسے آنکھ کے آگے ایک نظارہ گذر جاتا ہے۔ دیکھتا ہوں

کروو سنڈھوں کے سر جسم سے الگ کٹے ہوئے ہاتھوں میں ہیں۔ ایک ایک ہاتھ میں اور دوسرا دوسرے ہاتھ میں۔

اسلام کی حالت کا علاج دُعا ہے

جس حالت میں اب اسلام ہے۔ اس کا علاج اب سوائے دُعا کے اَور کیا ہو سکتا ہے۔ لوگ جہاد جہاد کہتے ہیں مگر اس وقت تو جہاد حرام ہے اس لیے خدا نے مجھے دُعاؤں میں وہ جوش دیا ہے۔ جیسے سمندر میں ایک جوش ہوتا ہے۔ چونکہ توحید کے لیے دُعا کا جوش دل میں ڈالا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی بھی یہی ہے جیسا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) اس کا وعدہ ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۲۰ مارچ ۱۹۰۳ء

بیعت کا مدعا سچی توبہ ہے

بعد نماز جمعہ چند آدمیوں نے بیعت کی اور بعد بیعت حضرت اقدس نے ان کو خطاب کر کے فرمایا:۔

اصل مدعا بیعت کا یہی ہے کہ توبہ کرو۔ استغفار کرو۔ نمازوں کو درست کر کے پڑھو۔ ناجائز کاموں سے بچو۔ میں جماعت کے لیے دُعا کرتا رہتا ہوں مگر جماعت کو بھی چاہیئے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو پاک کرے۔

یاد رکھو غفلت کا گناہ پشیمانی کے گناہ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ گناہ زہریلا اور قاتل ہوتا ہے۔ توبہ کرنے والا تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ جس کو معلوم ہی نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں وہ بہت خطرناک حالت میں ہے۔ پس ضرورت ہے کہ غفلت کو چھوڑ دو اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جو شخص توبہ کر کے اپنی حالت کو درست کر لیگا وہ دوسروں کے مقابلہ میں بچایا جائے گا۔ پس دُعا اسی کو فائدہ پہنچا سکتی ہے جو خود بھی اپنی اصلاح کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے سچے تعلق کو قائم کرتا ہے۔ پیغمبر کسی کے لیے اگر شفاعت کرے لیکن وہ شخص جس کی شفاعت کی گئی ہے اپنی اصلاح نہ کرے اور غفلت کی زندگی سے نہ نکلے تو وہ شفاعت اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔[1]

---

[1] البدر میں اس کی مزید تشریح یوں درج ہے:۔

"دیکھو کہ نوح کا بیٹا ہلاک ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہلاک ہوئے۔ اُنکو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اسی طرح موسیٰؑ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کو کچھ فائدہ موسیٰؑ کے رشتہ سے نہ ہوا۔

دعا تو ہم کرتے ہیں مگر جب تک انسان خود سیدھا نہ ہو دعا شفاعتی فائدہ نہیں کرتی اگر انسان رحمت کے مقام سے خود ہی بھاگے تو رحمت اُسے کہاں کہاں تلاش کریگی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

جب تک خود خدا تعالیٰ کی رحمت کے مقام پر کھڑا ہو تو دُعا بھی اس کو فائدہ پہنچاتی ہے نرا اسباب پر بھروسہ نہ کرلو کہ بیعت کرلی ہے اللہ تعالیٰ لفظی بیعتوں کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جیسے بیعت کے وقت توبہ کرتے ہو اس توبہ پر قائم رہو اور ہر روز نئی توجہ پیدا کرو جو اس کے استحکام کا موجب ہو۔ اللہ تعالیٰ پناہ ڈھونڈھنے والوں کو پناہ دیتا ہے جو لوگ خدا کی طرف آتے ہیں وہ ان کو ضائع نہیں کرتا۔

اس بات کو خوب سمجھ لو کہ جب پورا خوف دامنگیر ہو اور جان کندن کی سی حالت ہو گئی۔ اس وقت کی توبہ توبہ نہیں۔ جب بَلا نازل ہو گئی پھر اس کا ردّ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ تم بَلا کے نزول سے پہلے فکر کرو۔ جو بَلا کے نزول سے پہلے ڈرتا ہے وہ عاقبت بین اور باریک بین ہوتا ہے اور بَلا کے آجانے کے وقت تو کافر بھی ڈرتے ہیں۔

مَیں نے سُنا ہے بعض گاؤں میں جہاں طاعون کی شدت ہوئی ہندوؤں نے مسلمانوں کو بُلا کر اپنے گھروں میں اذانیں دلوائی ہیں وہی اذان جس سے پہلے اُن کو پرہیز تھا[1] جو مومن غرض کے لیے خدا سے نہیں ڈرتا خدا اُس سے خوف کو دُور کر دیتا ہے مگر جس کے دروازہ پر بَلا نازل ہو جاوے تو وہ خواہ نخواہ اس سے ڈریگا۔

بہت دُعائیں کرتے رہو تاکہ ان بلاؤں سے نجات ہو اور خاتمہ بالخیر ہو۔ عملی نمونہ کے سوا بیہودہ قیل قال فائدہ نہیں دیتی اور جیسے یہ ضروری ہے کہ ڈر کے سامانوں سے پہلے ڈرنا چاہیئے۔ یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ ڈر کے سامان قریب ہوں تو ڈر جاؤ اور جب وہ دُور چلے جاویں تو بیباک ہو جاؤ بلکہ تمہاری زندگی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھری ہوئی ہو خواہ مصیبت کے سامان ہوں یا نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ مقتدر ہے[2] وہ جب چاہتا ہے مصیبت کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے کشائش کرتا ہے جو بھی اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ بچایا جاتا ہے۔ ڈرنے والا اور نہ ڈرنے والا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں میں ایک فرق رکھ دیتا ہے۔

پس ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ سچّی توبہ کریں اور گناہ سے بچیں۔ جو بیعت کر کے پھر گناہ سے نہیں بچتا وہ

---

[1] البدر میں اس کی مزید تشریح ہے۔ لکھا ہے :۔

"جیسے آجکل سُنا گیا ہے کہ ہندو اور سکھ لوگ طاعون کے ڈر سے مسلمانوں کو بُلا بُلا کر اپنے گھروں میں بانگ دلواتے ہیں مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ غرض کے وقت یہ لوگ نرم ہو جاتے ہیں جب غرض نکل گئی پھر ویسے ہی سخت قلب ہو گئے۔ مومن کی یہ حالت نہ چاہیئے بلکہ اُسے خدا سے صدق اور وفا سے دُعا کرنی چاہیئے۔ اگر طاعون نہ بھی ہو تب بھی وہ خدا سے ایسا ہی ڈرے جیسے ہزار طاعون ہو۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۱)

[2] البدر سے :۔

"ہر وقت اس سے ڈرنا چاہیئے۔ کیا اسے قہر بھیجتے کچھ دیر لگتی ہے؟" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲)

گویا جھوٹا اقرار کرتا ہے[1]۔ اور یہ میرا ہاتھ نہیں خدا کا ہاتھ ہے جس پر وہ ایسا جھوٹ بولتا ہے اور پھر خدا کے ہاتھ پر جھوٹ بول کر کہاں جاوے گا؟

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (الصف: ۴) مقت خدا کے غضب کو کہتے ہیں یعنی بڑا غضب اُن پر ہوتا ہے جو اقرار کرتے ہیں اور پھر کرتے نہیں۔ ایسے آدمی پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اس لیے دُعائیں کرتے رہو۔ کوئی ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک خدا نہ رکھے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۷۔۸ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۱ مارچ ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

کسی خاص شخص کی ہدایت کیلئے دُعا

کسی خاص شخص کی ہدایت پر زور دینے کے بارے میں فرمایا کہ:۔

ایک فرد واحد پر ہدایت کے لیے زور دینا ٹھیک نہیں ہوتا اور نہ اس طرح کبھی انبیاء کو کامیابی ہوئی ہے عام دُعا چاہیئے پھر جو لائق ہوتا ہے وہ اس سے خود بخود متاثر ہوتا ہے۔

حقیقتِ توبہ

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گُناہ سے کلّی طور پر بیزار ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور سچے طور سے یہ عہد ہو کہ موت تک پھر گناہ نہ کروں گا۔ ایسی توبہ پر خدا کا وعدہ ہے کہ مَیں بخش دوں گا۔ اگرچہ یہ توبہ دوسرے دن ہی ٹوٹ جاوے مگر بات یہ ہے کہ کرنے والے کا اس وقت عزم مصمم ہو اور اس کے دل میں ٹوٹی ہوئی نہ ہو۔

ایک توبہ انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور ایک خدا کی طرف سے۔ خدا کی توبہ کے معنے رجوع کے ہیں کیونکہ اسکا نام تواب ہے۔ انسان توبہ کرتا ہے تو گناہ سے نیکی کی طرف آتا ہے اور جب خدا توبہ کرتا ہے تو وہ رحمت سے اُسکی طرف آتا ہے اور اس انسان کو لغزش سے سنبھال لیتا ہے جب اس قسم کی خدا کی توبہ ہو تو پھر لغزش نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے کہ انسان توبہ کرتا ہے پھر اس سے ٹوٹ جاتی ہے اور قضاء و قدر غالب آتی ہے پھر وہ روتا ہے گڑگڑاتا ہے پھر توبہ کرتا ہے مگر پھر ٹوٹ جاتی ہے اور وہ بار بار تضرع کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے پھر آخر کار جب انتہاء تک اس کی تضرع اور

---

[1] (البدر سے) "بیعت کی بنیاد یہی ہے کہ سچی توبہ ہو اور گناہ چھوٹ جاویں اگر یہ نہ ہو تو بیعت خود گناہ ہوگی"۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲)

ابتہال پہنچ جاتے ہیں تو پھر خدا توبہ کرتا ہے یعنی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے اِعْمَلْ مَا شِئْتَ اِنِّیْ غَفَرْتُ لَکَ۔ اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اب اس کی فطرت ایسی بدل دی گئی ہے کہ گناہ نہ ہو سکے گا جیسے کسی بدکار کا آلہ تناسل کاٹ دیا جاوے تو پھر وہ کیا بدکاری کر سکیگا یا آنکھیں نکال دی جائیں تو وہ کیا بدنظری کرے گا۔ اسی طرح خدا سرشت بدل دیتا ہے اور بالکل پاکیزہ فطرت بنا دیتا ہے۔ بدر میں جب صحابہ کرامؓ نے جان لڑائی تو ان کی اس ہمت اور اخلاص کو دیکھ کر خدا نے اُن کو بخش دیا۔ اُن کے دلوں کو صاف کر دیا کہ پھر گناہ ہو ہی نہ سکے۔ یہ بھی ایک درجہ ہے جب فطرت بدل جاتی ہے تو وہ خدا کی رضا کے برخلاف کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ اگر انسان سے گناہ نہ ہوں اور وہ توبہ نہ کرے تو خدا اُن کو ہلاک کر کے ایک ایسی قوم پیدا کرے جو گناہ کرے اور پھر خدا اُن کو بخشے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر خدا کی صفت غفوریت کیسے کام کرے گی۔

گناہ توبہ کیساتھ ملکر تریاق بنتا ہے

گناہ ایک مہلک زہر مثل سم الفار و سڑکنیا وغیرہ کے ہیں مگر توبہ کے ساتھ مل کر یہ تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔

انسان کے اندر رعونت پیدا ہو جاتی ہے پھر گناہ سے کسرِ نفس پیدا ہو جاتی ہے جیسے زہر کو زہر مارتی ہے ایسا ہی رعونت وغیرہ کی زہر کو گناہ مارتا ہے۔ حضرت آدم کے ساتھ جو ذلت آئی اس کے بھی یہی معنے ہیں ورنہ اس کے اندر تکبر پیدا ہوتا کہ میں وہ ہوں جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ملائکہ نے سجدہ کیا مگر اس خطا سے وہ شرمسار ہوئے اور اس تکبر کی نوبت ہی نہ آئی۔ پھر اس شرمساری سے سارے گناہ معاف ہوئے اسی طرح بعض سادات آج کل فخر کرتے ہیں مگر نسبی دعویٰ کیا شئے ہے؟ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک تکبر زہرِ قاتل ہوتا ہے اسے کسی نہ کسی طرح مارنا چاہیئے۔

آدم کی جنّت

سوال ہوا کہ آدم کی جنّت کہاں تھی فرمایا:۔

ہمارا مذہب یہی ہے کہ زمین میں ہی تھی فرماتا ہے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ۔ آدم کی بود و باش آسمان پر یہ بات بالکل غلط ہے۔

شجرِ ممنوعہ

شجر کی نسبت سوال ہوا کہ وہ کونسا درخت تھا جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ فرمایا کہ:۔

مفسروں نے کئی باتیں لکھی ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگور ہوگا۔ شراب اس سے پیدا ہوتی ہے اور شراب کی نسبت لکھا ہے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت کا انگور ایسا ہی ہو کہ بغیر سڑانے گلانے کے اس کے تازہ شیرہ میں نشہ ہوتا ہو جیسے تاڑی کہ ذرا سی دیر کے بعد اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تمباکو

تمباکو کی نسبت فرمایا کہ:۔

یہ شراب کی طرح تو نہیں ہے کہ اس سے انسان کو فسق و فجور کی طرف رغبت ہو مگر تاہم

تقویٰ یہی ہے کہ اس سے نفرت اور پرہیز کرے۔ مُنہ میں اس سے بدبُو آتی ہے اور منحوس صورت ہے کہ انسان دھوئیں اندر داخل کرے اور پھر باہر نکالے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے کہ اسے استعمال کیا جاوے۔ ایک لغو اور بیہودہ حرکت ہے ہاں مسکرات میں اسے شامل نہیں کر سکتے۔ اگر علاج کے طور پر ضرورت ہو تو منع نہیں ہے ورنہ یونہی مال کو بیجا صرف کرنا ہے۔ عمدہ تندرست وہ آدمی ہے جو کسی شئے کے سہارے زندگی بسر نہیں کرتا ہے۔ انگریز بھی چاہتے ہیں کہ اسے دُور کر دیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

نومبایعین کو نصیحت

چند نووارد شخصوں نے بیعت کی۔ بعد از بیعت فرمایا:۔

دیکھو بیعت تو تمہاری ہو چکی۔ تمہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ خدا کا قہر سخت ہوتا ہے۔ اگرچہ دُنیا کا عذاب بھی سخت اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ مگر تاہم جس طرح ہوتا ہے اچھے بُرے دن گذر جاتے ہیں مگر آخرت کا عذاب تو ناپیدا کنار ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس کے واسطے کافی سامان کیا جاوے۔

ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص آتا ہے اور بیعت کرتا ہے ہم پر فرض ہوتا ہے کہ اُسے کرنے اور نہ کرنے کے کاموں سے آگاہ کریں۔ جیسا بے خبر آیا تھا ویسا ہی بے خبر واپس نہ جاوے ایسا ہونے سے معصیت کا خوف ہے کہ اُسے کیوں نہ بتایا گیا؟ سو تم سوچ لو کہ مقدم امر دین ہی کا ہے۔ دنیا کے دن تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتے ہیں۔

شبِ تنور گذشت و شبِ سمور گذشت

غرباء اور مساکین بھی جن کو کھانے کو ایک وقت ملتا ہے اور دوسرے وقت نہیں ملتا اور آرام کے مکان بھی نہیں ہوتے ان کی بھی گذر ہی جاتی ہے اور اُمراء اور پلاؤ زردے کھانے والے اور عمدہ مکانوں اور بالاخانوں میں رہنے والے بھی اپنے دن پُورے کر ہی رہے ہیں کسی کا دکھ درد سے اور کسی کا عیش میں گذارہ ہوتا ہے مگر عاقبت کا دُکھ جھیلنا بہت مشکل ہے اور وہ عذاب اور اس کے دُکھ درد ناقابلِ برداشت ہوں گے لہٰذا دانا وہی ہے کہ جو اس ہمیشہ رہنے والے جہان کی فکر میں لگ جاوے۔

حقیقتِ نماز

سو تم نمازوں کو سنوارو اور خدا تعالیٰ کے احکام کو اس کے فرمودہ کے بموجب کرو۔ اس کی نواہی سے بچے رہو اس کے ذکر اور یاد میں لگے رہو دعا کا سلسلہ ہر وقت جاری رکھو اپنی نمازیں جہاں جہاں رکوع و سجود میں دعا کا موقعہ ہے دعا کرو اور غفلت کی نماز کو ترک کر دو رسمی نماز کچھ ثمرات مترتب نہیں لاتی اور نہ وہ قبولیت کے لائق ہے۔ نماز وہی ہے کہ کھڑے ہونے سے سلام پھیرنے

کے وقت تک پورے خشوع خضوع اور حضور قلب سے ادا کی جاوے اور عاجزی اور فروتنی اور انکساری اور گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح سے ادا کی جاوے کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو ہو کہ وہی تم کو دیکھ رہا ہے۔ اس طرح کمال ادب اور محبت اور خوف سے بھری ہوئی نماز ادا کرو۔

بے وقت موتوں کا زمانہ

دیکھو یہ زمانہ بے وقت موتوں کا زمانہ آگیا ہے۔ بھلا پہلے کبھی تم نے اپنے باپ دادا سے بھی سُنا ہے کہ اس طرح اچانک موت کا سلسلہ کبھی جاری ہوا ہو۔ رات کو اچھا بھلا کام کاج کرتا اور چلتا پھرتا آدمی سوتا ہے اور صبح کو ایسی نیند میں سویا ہوا ہوتا ہے کہ جس سے جاگنا ہی نہیں۔ اب جس گھر میں یہ موت آئی گھر کا گھر اور گاؤں کے گاؤں اُس نے خالی کر دیئے ابھی انجام کی خبر نہیں۔ کیا کیا دن آنے ہیں۔ ایک نادان اپنی نادانی کی وجہ سے جب طاعون چند دن کے لیے رُک جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کسی مصلحت سے اُسے بند کرتا ہے وہ کہتا ہے بس اب گئی اب نہیں آئے گی۔ ہائے! ایسا ہمیشہ ہی ہوا کرتا ہے کہ بیماریاں آتی ہیں چار دن رہ کر چلی جاتی ہیں مگر خدا کی باریک تدابیر سے وہ ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ مہلت دیتا ہے کہ بھلا ابھی ان میں کچھ صلاحیت اور تقویٰ اور خوف بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں۔

اس طاعون کا پچھلا تجربہ بتاتا ہے کہ ایک ایک دورہ ستر ستر سال کا ہوا کرتا ہے۔ اس سے تو جنگل کے جانوروں نے بھی پناہ مانگی ہے جب انسانوں کو ختم کر چکتی ہے تو جنگل کے حیوانوں اور درندوں کو بھی ختم کر دیتی ہے ایسے وقتوں میں خدا تعالیٰ بچا لیتا ہے ان لوگوں کو جو ان مصائب اور عذابوں کے نازل ہونے سے پہلے اپنے آپ کی اصلاح کرتے اور دوسروں سے عبرت پکڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی حفاظت خود کرتا ہے۔ عذابوں اور شدائد کے وقتوں میں جو آرام اور عیش کے وقت میں اس سے ڈرتے اور پناہ مانگتے ہیں۔ مگر جب عذاب کسی پر نازل ہو جاوے تب تو بہ بھی قبول نہیں ہوتی۔

اپنے آپکو درست کر لو

پس اب موقعہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو درست کر لو اور اس کے فرائض کی بجا آوری میں کمی نہ کرو۔ خلق اللہ سے کبھی بھی خیانت، ظلم، بدخلقی، ترشروئی ایذاء دہی سے پیش نہ آؤ۔ کسی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ ان چیزوں کے بدلے بھی خدا تعالیٰ مواخذہ کریگا جس طرح خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی۔ اس کی عظمت۔ توحید اور جلال کے خلاف کرنے اور اس سے شرک کرنا گناہ ہیں اسی طرح اس کی خلق سے ظلم کرنا۔ اُن کی حق تلفیاں نہ کرو۔ زبان یا ہاتھ سے دُکھ یا کسی قسم کی گالی گلوچ دینا بھی گناہ ہیں پس تم دونوں طرح کے گناہوں سے پاک بنو اور نیکی کو بدی سے خلط ملط نہ کرو۔

تمہارا دین اسلام ہے

تمہارا دین اسلام ہے۔ اسلام کے معنے ہیں خدا کے آگے گردن رکھ دینا۔ جس طرح ایک بکرا ذبح کرنے کی خاطر منہ کے بل لٹایا جاتا ہے

اسی طرح تم بھی خدا کے احکام کی بجا آوری میں بے چون وچرا گردن رکھ دو جب تک کامل طور سے تم اپنے ارادوں سے خالی اور نفسانی ہوا و ہوس سے پاک نہ ہو جاؤ گے تب تک تمہارا اسلام اسلام نہیں ہے بہت ہیں کہ ہماری ان باتوں کو قصہ کہانی جانتے ہوں گے اور ٹھٹھے اور ہنسی سے ان کا ذکر کرتے ہوں گے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ اب آخری دن ہیں۔ خدا تعالیٰ فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ لوگ بے حیائی۔ حیلہ بازی اور نفس پرستی میں حد سے زیادہ گذرے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال اور توحید کا ان کے دلوں میں ذرا بھی خیال نہیں گویا ناستک مت ہو گئے ہیں۔ کوئی کام بھی ان کا خدا کے لیے نہیں ہے۔

ایک مامور کی بعثت

پس ایسے وقت میں اس نے اپنے ایک خاص بندہ کو بھیجا ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے دنیا میں ہدایت کا نور پھیلاوے اور گمشدہ ایمان اور توحید کو از سر نو دنیا میں قائم کرے۔ مگر جب دُنیا نے اس کی پرواہ نہ کی اور اُلٹا دُکھ دیا اور اس کی تکذیب کیلئے کمربستہ ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کو قہر کی آگ سے ہلاک کرنا شروع کیا۔ کئی طرح کے عذابوں سے اس نے دنیا کو جگایا ہے کہیں قحط ہوئے اور کہیں زلزلے آئے۔ آتش فشانیاں ہوئیں۔ ہزار در ہزار لوگ تباہ ہوئے۔ انہیں میں سے ایک طاعون بھی ہے۔ یہ دُور نہ ہوگی اور نہ جاوے گی جب تک یہ دنیا کو سیدھا نہ کرلے۔ لوگ تسلّی پا جاتے ہیں کہ بس اب گئی اب نہیں آوے گی مگر وہ دھوکا کھاتے ہیں۔ ان نادانوں کا تو کام ہی خدا سے جنگ کرنا ہو گیا ہے مگر وہ کہاں تک؟ وہ دنیا کو بتانا چاہتا ہے کہ میں ضرور موجود ہوں اور ان کی بیباکیوں اور شرارتوں کو دُور کرنا چاہتا ہوں مگر آہستہ آہستہ۔ اس کے تمام کام بتدریج ہوا کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ دنیا طرح طرح کے ظلم اور فسادوں سے بھر گئی اور خدا کا نام دنیا سے اُٹھ گیا۔ اُس کی توحید اور اُس کی کتاب اور اس کے رسول کی ہتک کی گئی تو وہ ایسے وقت میں اپنے خاص رحم سے اپنی رحمت کا دروازہ کھولتا ہے اور اپنی خلقت کو ایک ایسے شخص کے سپرد کرتا ہے) جو اس کو خدا کے عذاب سے بچانے کے واسطے کوشش کرتا اور ان کا بڑا خیر خواہ ہوتا ہے مگر جب دنیا اسکی پروا نہیں کرتی اور بجائے اس کے کہ اس سے محبت کریں اُس کو ستایا جاتا اور دُکھ دیا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اپنے غضب سے دُنیا میں اپنا عذاب نازل کرتا ہے جو نافرمانوں کو آگ کی طرح بھسم کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی سلطنت کا رعب قائم کرتا اور صادق کی نصرت اور اس کے ہمراہیوں کو بطور نمونہ اس سے بچاتا ہے۔

توبہ کرو

پس اب یہ وقت ہے توبہ کرو۔ اگر عذاب آگیا تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ توبہ میں بہت کچھ ہے۔ دیکھو جب کوئی بادشاہ کسی امر کے متعلق سمجھا دے کہ تم اس سے رُک جاؤ تمہارا بھلا ہو گا تو اگر وہ شخص رک جاوے تو بہتر ورنہ پھر اس کا عذاب کیسا سخت ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے چھوٹے چھوٹے عذابوں سے خدا تعالیٰ لوگوں کو سمجھوتیاں دیتا ہے کہ باز آجاؤ موقع ہے ورنہ پچھتاؤ گے مگر جب وہ نہیں

سمجھتے اور اس کی نافرمانی سے نہیں رُکتے تو پھر اس کا عذاب ایسا ہوتا ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶)

صرف بیعت کافی نہیں

تم لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اسی پر بھروسہ نہ کر لینا۔ صرف اتنی ہی بات کافی نہیں۔ زبانی اقرار سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک عملی طور سے اس اقرار کی تصدیق نہ کر کے دکھلائی جاوے۔ یوں زبانی تو بہت سے خوشامدی لوگ بھی اقرار کر لیا کرتے ہیں مگر صادق وہی ہے جو عملی رنگ سے اس اقرار کا ثبوت دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر پڑتی ہے۔ پس اب سے اقرار سچا کر لو اور دل کو اس اقرار میں زبان کے ساتھ شریک کر لو کہ جب تک قبر میں جاویں ہر قسم کے گناہ سے شرک وغیرہ سے بچیں گے۔

غرض حق اللہ اور حق العباد میں کوئی کمی یا سستی نہیں کریں گے۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ تم کو ہر طرح کے عذابوں سے بچاوے گا اور تمہاری نصرت ہر میدان میں کریگا۔ ظلم کو ترک کرو۔ خیانت حق تلفی اپنا شیوہ نہ بناؤ اور سب سے بڑا گناہ جو غفلت ہے اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

مذہب کے مقابلے پر گفتگو فرماتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ:۔

اسلام

اسلام وہ مذہب ہے جس نے اپنے اقبال کے ساتھ تمام مذاہب کو اپنے پیروں میں لے لیا ہوا ہے۔ اسلام ایسے ملک سے شروع ہوا جہاں لوگ درندوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور طرح طرح کی بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ ان کو حیوانیت سے انسانیت میں اسلام ہی لایا۔ ہر طرف اس کی مخالفت ہوئی لوگوں نے دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ پھر بھی وہ تمام کام پورے ہو کر رہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے اور کوئی فرد بشر بھی اس کا بال نہ بگاڑ سکا۔ حتیٰ کہ ندا آگئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: ۴) (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

ہندوؤں سے گفتگو کا طریق

جیسے کہ بعض لوگوں کا دستور ہے کہ جب ہندو مسلمانوں میں کوئی گفتگو ہو تو گاؤ خوری وغیرہ باتوں پر بحث ہوا کرتی ہے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ بات یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے۔ اب دنیا میں کروڑہا اشیاء ہیں۔ کوئی کچھ کھاتا ہے اور کوئی کچھ۔ اس لیے ایسی باتوں میں پڑنا مناسب نہیں ہوا کرتا۔ چاہیئے کہ ایسے مباحثات میں ہمیشہ اسلام

کی خوبیاں اور صداقت بیان کی جاوے اور ظاہر کیا جاوے کہ کن کن نیک اعمال کی تعلیم اسلام نے دی ہے کن کن مہلکات سے بچایا ہے۔ گاؤ خوری کے مسائل وغیرہ بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ جو اسلام کو پسند کریگا۔ وہ گاؤ خوری کو بھی پسند کریگا جس بات کا فساد اس کے نفع سے بڑھ کر ہو اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۲ و ۸۳ مورخہ ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۳ر مارچ ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

ختم اور فاتحہ خوانی

ایک بزرگ نے عرض کی کہ حضور میں نے اپنی ملازمت سے پہلے یہ منت مانی تھی کہ جب میں ملازم ہو جاؤں گا تو آدھ آنہ فی روپیہ کے حساب سے نکال کر اس کا کھانا پکوا کر حضرت پیرانِ پیر کا ختم دلاؤں گا۔ اس کے متعلق حضور کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ:۔

خیرات تو ہر طرح اور ہر رنگ میں جائز ہے اور جیسے چاہے انسان دے مگر اس فاتحہ خوانی سے ہمیں نہیں معلوم کیا فائدہ؟ اور یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ میرے خیال میں یہ جو ہمارے ملک میں رسم جاری ہے کہ اس پر کچھ قرآن شریف وغیرہ پڑھا کرتے ہیں یہ طریق تو شرک ہے اور اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے نہیں۔ غرباء و مساکین کو بے شک کھانا کھلاؤ۔

نصیحت بعد از بیعت

چند احباب نے بیعت کی تھی اس پر ان کو چند کلمات بطور نصیحت فرمائے:۔

پانچوں نمازیں عمدہ طرح سے پڑھا کرو۔ روزہ صدق سے رکھو اور اگر صاحب توفیق ہو۔ تو زکوٰۃ۔ حج وغیرہ اعمال میں بھی کمربستہ رہو اور ہر قسم کے گناہ سے اور شرک اور بدعت سے بیزار رہو۔ اصل میں گناہ کی شناخت کے اصول صرف دو ہی ہیں۔

اوّل۔ حق اللہ کی بجاآوری میں کمی یا کوتاہی۔ دوم۔ حق العباد کا خیال نہ کرنا۔

اصل اصول عبادت بھی یہی ہیں کہ ان دو نوحقوں کی محافظت کما حقہٗ کی جاوے اور گناہ بھی انہیں میں کوتاہی کرنے کا نام ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہو اور جو الفاظ اس وقت تم نے میرے ہاتھ پر بطور اقرار زبان سے نکالے ہیں۔ ان پر مرتے دم تک قائم رہو۔ انسان بعض اوقات دھوکہ کھاتا ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے اپنے لیے توبہ کا

درخت بویا ہے اب اُس کے پھل کی اُمید رکھتا ہے یا ایمان مَیں نے حاصل کر لیا ہے۔ اس کے اب نتائج مترتب ہونے کا منتظر ہوتا ہے مگر اصل میں وہ خدا کے نزدیک نہ تائب اور نہ سچا مومن۔ کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ جو چیز اللہ تعالےٰ کی پسندیدگی اور منظوری کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو وہ چیز اس کی نظر میں ردّی اور حقیر ہوتی ہے۔ اس کی کوئی قدر و قیمت خدا تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہوتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جب تک کوئی چیز اس کی پسندیدگی میں نہ آوے تب تک اس کی نظر میں ایک ردّی محض اور بے قیمت ہوتی ہے تو جب انسان کا یہ حال ہے تو خدا تو قدوس اور پاک اور بے لوث ہستی ہے۔ وہ ایسی ردّی چیز کو اپنی جناب میں کب منظور کرنے لگا؟

دیکھو یہ دن ابتلاء کے دن ہیں۔ وبائیں ہیں۔ قحط ہے۔ غرض اس وقت خدا تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے۔ ایسے وقت میں اپنے آپ کو دھوکا مت دو اور صاف دل سے اپنی کوئی پناہ بنالو۔

یہ بیعت اور توبہ اس وقت فائدہ دیتی ہے جب انسان صدقِ دل اور اخلاصِ نیت سے اس پر قائم اور کاربند بھی ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ خشک لقاظی سے جو حلق کے نیچے نہیں جاتی ہرگز ہرگز خوش نہیں ہوتا۔ ایسے بنو کہ تمہارا صدق اور وفا اور سوز و گداز آسمان پر پہنچ جاوے۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کی حفاظت کرتا اور اس کو برکت دیتا ہے۔ جس کو دیکھتا ہے کہ اس کا سینہ صدق اور محبت سے بھرا ہوا ہے وہ دلوں پر نظر ڈالتا اور جھانکتا ہے نہ کہ ظاہری قیل و قال پر۔ جس کا دل ہر قسم کے گند اور ناپاکی سے معرّا اور مبرّا پاتا ہے اس میں آ اُترتا ہے اور اپنا گھر بناتا ہے مگر جس دل میں کوئی کسی قسم کا بھی رخنہ یا ناپاکی ہے اس کو لعنتی بناتا ہے۔

دیکھو جس طرح تمہارے عام جسمانی حوائج کے پورا کرنے کے واسطے ایک مناسب اور کافی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح تمہاری روحانی حوائج کا حال ہے۔ کیا تم ایک قطرہ پانی زبان پر رکھ کر پیاس بجھا سکتے ہو؟ کیا تم ایک ریزہ کھانے کا منہ میں ڈال کر بھوک سے نجات حاصل کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح تمہاری روحانی حالت معمولی سی توبہ یا کبھی کبھی ٹوٹی پھوٹی نماز یا روزہ سے سنور نہیں سکتی۔ روحانی حالت کے سنوارنے اور اس باغ کے پھل کھانے کیلئے بھی تم کو چاہیئے کہ اس باغ کو وقت پر خدا کی جناب میں نمازیں ادا کر کے اپنی آنکھوں کا پانی پہنچاؤ اور اعمال صالحہ کے پانی کی نہر سے اس باغ کو سیراب کرتا وہ ہرا بھرا ہو اور پھلے پھولے اور اس قابل ہو سکے کہ تم اس سے پھل کھاؤ۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ

یاد رکھو ایمان بغیر اعمال صالحہ کے اُدھورا ایمان ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اگر ایمان کامل ہو تو اعمال صالحہ سرزد نہ ہوں؟ اپنے ایمان اور اعتقاد کو کامل کرو ورنہ کسی کام کا نہ ہوگا۔ لوگ اپنے ایمان کو پورا ایمان تو بناتے نہیں پھر شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں انعامات نہیں ملتے جن کا وعدہ تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ

مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق : ۳، ۴) یعنی جو خدا کا متقی اور اس کی نظر میں متقی بنتا ہے اسکو خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی تنگی سے نکالتا اور ایسی طرز سے رزق دیتا ہے کہ اُسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ کہاں سے اور کیونکر آتا ہے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کا پورا کرنے والا اور بڑا رحیم کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا بنتا ہے وہ اُسے ہر ذلت سے نجات دیتا اور خود اس کا حافظ و ناصر بن جاتا ہے مگر وہ جو ایک طرف دعویٰ اتقا کرتے ہیں اور دوسری طرف شاکی ہوتے ہیں کہ ہمیں وہ برکات نہیں ملے۔ ان دونوں سے ہم کس کو سچا کہیں اور کس کو جھوٹا؟ خدا تعالیٰ پر ہم کبھی الزام نہیں لگا سکتے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (العمران:۱۰) خدا تعالیٰ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ ہم اس مدعی کو جھوٹا کہیں گے۔ اصل یہ ہے کہ اُن کا تقویٰ یا اُن کی اصلاح اس حد تک نہیں ہوتی کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں قابلِ وقعت ہو یا وہ خدا کے متقی نہیں ہوتے لوگوں کے متقی اور ریاکار انسان ہوتے ہیں۔ سو اُن پر بجائے رحمت اور برکت کے لعنت کی مار ہوتی ہے جس سے سرگرداں اور مشکلاتِ دنیا میں مبتلا رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ متقی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنے وعدوں کا پکا اور سچا اور پورا ہے

متقین کیلئے رزق

رزق بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی تو ایک رزق ہے کہ بعض لوگ صبح سے شام تک ٹوکری ڈھوتے ہیں اور بُرے حال سے شام کو دو تین آنے اُن کے ہاتھ میں آتے ہیں۔ یہ بھی تو رزق ہے مگر لعنتی رزق ہے[1] نہ رزق مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔

حضرت داؤد زبور میں فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا جوان ہوا۔ جوانی سے اب بڑھاپا آیا۔ مگر میں نے کبھی کسی متقی اور خدا ترس کو بھیک مانگتے نہ دیکھا اور نہ اس کی اولاد کو دربدر دھکے کھاتے اور ٹکڑے مانگتے دیکھا۔

یہ بالکل سچ اور راست ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور اُن کو دوسرے کے آگے ہاتھ پسارنے سے محفوظ رکھتا ہے بھلا اتنے جو انبیاء ہوئے ہیں اولیاء گذرے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ بھیک مانگا کرتے تھے؟ یا اُن کی اولاد پر یہ مصیبت پڑی ہو کہ وہ دربدر خاک بسر ٹکڑے کے واسطے پھرتے ہوں؟ ہرگز نہیں۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ ایک آدمی باخدا اور سچا متقی ہو تو اُس کی سات پشت تک بھی خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا اور اُن کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ذکر کیا ہے کہ ایک دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ وہ گرنے والی تھی اس کے نیچے خزانہ تھا۔ لڑکے ابھی نابالغ تھے۔ اس دیوار کے گرنے سے اندیشہ تھا کہ خزانہ ننگا ہو کر لوگوں کے ہاتھ

---

[1] (البدر سے) "کیا یہ بھی رزق ہے جو کہ کس قدر ذلت سے حاصل ہوتا ہے"۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

آجائے گا۔ وہ لڑکے بیچارے خالی ہاتھ رہ جاویں گے تو اللہ تعالیٰ نے دو نبیوں کو اس خدمت کے واسطے مقرر فرمایا وہ گئے اور اس دیوار کو درست کر دیا کہ جب وہ بڑے ہوں تو پھر کسی طرح اُن کے ہاتھ وہ خزانہ آجاوے۔ پس اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکھف ۸۳) یعنی ان لڑکوں کا باپ نیک مرد تھا۔ جسکے واسطے ہم نے ان کے خزانہ کی حفاظت کی۔ اللہ تعالیٰ کے ایسا فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کچھ اچھے نہ تھے اور نہ اچھے ہونے والے تھے۔ ورنہ یہ فرماتا کہ یہ اچھے لڑکے ہیں صالح ہیں اور صالح ہونے والے ہیں نہیں بلکہ اُنکے باپ کا ہی حوالہ دیا کہ اُن کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ دیکھو یہی تو شفاعت ہے۔

حقیقی متقی بنو

وہ لوگ جو بڑے بڑے ادعا کرتے ہیں کہ ہم یوں نیکی کرتے ہیں اور متقی ہیں مگر انکے یہ دعوے قرآن شریف کے مطابق نہیں ہوتے اور نہ اس کسوٹی پر صادق ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۷) اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال: ۳۵) تو اس وقت افسوس سے ہمیں ان لوگوں کی ہی حالت پر رحم آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اصل سبب اس کا یہ ہے کہ ان کا صدق و وفا اور اخلاص خدا کے نزدیک اس درجہ کا نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسروں کے شرک سے قابل نفرت ہوگیا ہوا ہوتا ہے۔ ایمان کم ہوتا ہے اور لافیں زیادہ ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۶۳) بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہیں اور اس کی نسبت الزام کا خیال بھی کریں۔ اصل میں ایسے لوگوں کا ایمان ناکارہ ہوتا ہے جو لعنت کے مورد ہوتے ہیں نہ رحمت کے۔ وہ اصل میں خدا تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ۔ بھلا خلق نے تو دھوکا کھا بھی لیا مگر وہ جس کی نظر اندرون در اندرون پہنچتی ہے وہ کسی کے دھوکا میں آسکتا ہے۔

انبیاء کے نقش قدم پر چلو

انسان کو چاہیئے کہ ساری کمندوں کو جلا دے اور صرف محبت الٰہی ہی کی کمند کو باقی رہنے دے۔ خدا نے بہت سے نمونے پیش کئے ہیں۔ آدمؑ سے لیکر نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تک کل انبیاء اسی نمونہ کی خاطر ہی تو اُس نے بھیجے ہیں تا لوگ اُن کے نقش قدم پر چلیں جس طرح وہ خدا تک پہنچے اسی طرح اور

لہ (البدر میں ہے) "خدا نے اپنے ان دو بندوں کو وہاں بھیجا کہ اس دیوار کی مرمت کریں تاکہ جب وہ جوان ہوں تو اس خزانہ کو نکال کر استعمال کریں کیا وجہ تھی کہ خدا نے ایسے دو عظیم الشان آدمیوں کو وہاں بھیجا۔ اس کی وجہ یہی تھی وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ یعنی ان کا باپ نیکوکار تھا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۳ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

لہ (البدر سے) "جب تک انسان اپنا ایمان اُس حد تک نہیں پہنچاتا کہ سُنّت سے فائدہ اُٹھاوے تو خدا تعالیٰ کیسے اس کے لیے سُنّت بدل دیوے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۳ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

بھی کوشش کریں۔ سچ ہے کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔

یاد رکھو کہ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اعمال سے ساری جماعت کو بدنام کرو۔ شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں:۔

؎ بدنام کنندۂ نکو نامے چند

بلکہ ایسے بنو کہ تا تم پر خدا تعالیٰ کی برکات اور اس کی رحمت کے آثار نازل ہوں۔ وہ عمروں کو بڑھا بھی سکتا ہے مگر ایک وہ شخص جس کا عمر پانے سے مقصد صرف دولی دُنیا ہی کے لذائذ اور حظوظ ہیں اس کی عمر کیا فائدہ بخش ہو سکتی ہے؟ اس میں تو خدا کا حصہ کچھ بھی نہیں۔ وہ اپنی عمر کا مقصد صرف عمدہ کھانے کھانے اور نیند بھر کے سونے اور بیوی بچوں اور عمدہ مکان کے یا گھوڑے وغیرہ رکھنے یا عمدہ باغات یا فصل پر ہی ختم کرتا ہے۔ وہ تو صرف اپنے پیٹ کا بندہ اور شکم کا عابد ہے۔ اس نے تو اپنا مقصد و مطلوب اور معبود صرف خواہشات نفسانی اور لذائذ حیوانی ہی کو بنایا ہوا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے انسان کے سلسلہ پیدائش کی علت غائی صرف اپنی عبادت رکھی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) پس حصر کر دیا ہے کہ صرف صرف عبادت الٰہی مقصد ہونا چاہیئے اور صرف اسی کے لیے یہ سارا کارخانہ بنایا گیا ہے۔ برخلاف اس کے اَور ہی اَور ارادے اور اَور ہی اَور خواہشات ہیں۔

بھلا سوچو تو سہی کہ ایک شخص ایک شخص کو بھیجتا ہے کہ میرے باغ کی حفاظت کر۔ اس کی آب پاشی اور شاخ تراشی سے اُسے عمدہ طور کا بنا اور عمدہ عمدہ پھُول بیل بُوٹے لگا۔ کہ وہ ہرا بھرا ہو جاوے۔ شاداب اور سرسبز ہو جاوے مگر بجائے اس کے وہ شخص آتے ہی جتنے عمدہ عمدہ پھل پھُول اس میں لگے ہوئے تھے اُن کو کاٹ کر ضائع کر دے یا اپنے ذاتی مفاد کے لیے فروخت کر لے اور ناجائز دست اندازی سے باغ کو ویران کر دے تو بتاؤ کہ وہ مالک جب آوے گا تو اس سے کیسا سلوک کریگا؟

انسان کی پیدائش کا مقصد

خدا نے تو اسے بھیجا تھا کہ عبادت کرے اور حق اللہ اور حق العباد کو بجا لاوے مگر یہ آتے ہی بیویوں میں مشغول، بچوں میں محو اور اپنے لذائذ کا بندہ بن گیا اور اس اصل مقصد کو بالکل بھول ہی گیا بتاؤ اس کا خدا کے سامنے کیا جواب ہوگا؟ دُنیا کے یہ سامان اور یہ بیوی بچے اور کھانے پینے تو اللہ تعالیٰ نے صرف بطور بھاڑہ کے بنائے تھے جس طرح ایک یکہ بان چند کوس تک ٹٹو سے کام لیکر جب سمجھتا ہے کہ وہ تھک گیا ہے اُسے کچھ نہاری اور پانی وغیرہ دیتا ہے اور کچھ مالش کرتا ہے تا اس کی تھکان کا کچھ علاج ہو جاوے اور آگے چلنے کے قابل ہو اور درماندہ ہو کر کہیں آدھ میں ہی نہ رہ جائے اس سہارے کے لیے اُسے نہاری دیتا ہے۔ سو یہ دنیوی آرام اور عیش اور بیوی بچے اور کھانے کی خوراکیں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھاڑے مقرر کئے ہیں کہ تا وہ تھک کر اور درماندہ ہو کر بھوک سے پیاس سے مر نہ جاوے اور اس کے قویٰ کے تحلیل ہونے کی تلافی مافات ہوتی جاوے۔ پس یہ چیزیں اس حد تک جائز ہیں کہ انسان

کو اس کی عبادت اور حق اللہ اور حق العباد کے پورا کرنے میں مدد دیں۔ ورنہ اس حد سے آگے نکل کر وہ حیوانوں کی طرح صرف پیٹ کا بندہ اور شکم کا عابد بنا کر مشرک بناتی ہیں اور وہ اسلام کے خلاف ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ؎ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

مگر اب کروڑوں مسلمان ہیں کہ انہوں نے عمدہ عمدہ کھانے کھانا، عمدہ عمدہ مکانات بنانا، اعلیٰ درجہ کے عہدوں پر ہونا ہی اسلام سمجھ رکھا ہے۔ مومن شخص کا کام ہے کہ پہلے اپنی زندگی کا مقصد اصلی معلوم کرے اور پھر اس کے مطابق کام کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) خدا کو تمہاری پروا ہی کیا ہے۔ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور اس سے دعائیں نہ مانگو۔ یہ آیت بھی اصل میں پہلی آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریٰت: ۵۷) ہی کی شرح ہے جب خدا تعالیٰ کا ارادہ انسانی خلقت سے صرف عبادت ہے تو مومن کی شان نہیں کہ کسی دوسری چیز کو عین مقصود بنالے حقوقِ نفس تو جائز ہیں مگر نفس کی بے اعتدالیاں جائز نہیں۔ حقوقِ نفس بھی اس لیے جائز ہیں کہ تا وہ درماندہ ہو کر رہ ہی نہ جائے۔ تم بھی ان چیزوں کو اسی واسطے کام میں لاؤ۔ ان سے کام اس واسطے لو کہ یہ تمہیں عبادت کے لائق بنائے رکھیں نہ اس لیے کہ وہی تمہارا مقصود اصلی ہوں۔

قرآن شریف تو موت وارد کرنا چاہتا ہے کھانا پینا صرف جسم کے سہارے کے واسطے ہوں۔ انسانی بدن ہر وقت چونکہ معرضِ تحلیل میں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا کہ اس کے قویٰ کی بحالی اور قیام کے لیے یہ چیزیں استعمال کی جاویں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کے شارح ہیں۔ آپ ایک موقعہ پر بڑے گھبرائے ہوئے تھے حضرت عائشہؓ کو کہا کہ اے عائشہ ہمیں آرام پہنچاؤ۔ اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آدم کے ساتھ حوا کو بھی بنا دیا تا وہ اس کے واسطے ضرورت کے وقت سہارے کا موجب ہو۔

غرض یہ باتیں ہیں جو اُن پر عمل کرنا اور اُن کو خوب یاد رکھنا ضروری ہے اور سب پر پوری طرح سے قائم ہونا چاہیے۔ دیکھو ایک طبیب جب نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو اُس کی پوری تعمیل کرنی چاہیئے ورنہ فائدہ سے ہاتھ دھونے چاہئیں۔ ایک شخص اگر بجائے اس نسخہ کے تحریر کردہ امور کے اس کاغذ ہی کو دھو دھو کر پیئے تو اُسے فائدہ کی اُمید ہو گی؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح تم بھی ہماری ہر ایک بات پر قائم رہو۔ جھوٹی اور خشک محبت کام نہیں آتی بلکہ تعلیم پر پوری طرح سے عمل کرنا ہی کارآمد ہو گا۔ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کا سچا ہے وہ بڑا رحیم و کریم اور

لہ البدر سے:۔ عورتوں کو پیدا کرنے میں سِرّ یہی ہے کہ خدا کی راہ میں نفس کی قربانی کے واسطے جو ایک کوفت پیدا ہوتی ہے یہ اس کا سہارا ہو جاویں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۴)

ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے مگر وہ دغاباز کو بھی خوب جانتا ہے۔

قبولیت آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک شخص چاہتا تھا کہ وہ لوگوں کی نظر میں بڑا قابل اعتماد بنے اور لوگ اُسے نمازی اور روزہ دار اور بڑا پاکباز کہیں اور اسی نیت سے وہ نماز لوگوں کے سامنے پڑھتا اور نیکی کے کام کرتا تھا۔ مگر وہ جس گلی میں جاتا اور جدھر اس کا گذر ہوتا تھا۔ لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ دیکھو یہ شخص بڑا ریاکار ہے اور اپنے آپ کو لوگوں میں نیک مشہور کرنا چاہتا ہے۔ پھر آخر کار اس کے دل میں ایک دن خیال آیا کہ مَیں کیوں اپنی عاقبت کو برباد کرتا ہوں خدا جانے کس دن مرجاؤں گا کیوں اس لعنت کو اپنے لیے تیار کر رہا ہوں اُس نے صاف دل ہوکر پورے صدق وصفا اور سچے دل سے توبہ کی اور اُس وقت سے نیت کرلی کہ مَیں سارے نیک اعمال لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کیا کروں گا اور کبھی کسی کے سامنے نہ کروں گا۔ چنانچہ اس نے ایسا کرنا شروع کر دیا اور یہ پاک تبدیلی اسکے دل میں بھر گئی۔ نہ صرف زبان تک ہی محدود رہی۔ پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو بظاہر ایسا بنالیا کہ تارکِ صوم وصلوٰۃ ہے اور گندہ اور خراب آدمی ہے مگر اندرونی طور پر پوشیدہ اور نیک اعمال بجالاتا تھا۔ پھر وہ جدھر جاتا اور جدھر اس کا گذر ہوتا تھا لوگ اور لڑکے اُسے کہتے تھے کہ دیکھو یہ شخص بڑا نیک اور پارسا ہے۔ یہ خدا کا پیارا اور اس کا برگزیدہ ہے۔

غرض اس سے یہ ہے کہ قبولیت اصل میں آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اولیاء اور نیک لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھا کرتے ہیں وہ اپنے صدق وصفا کو دوسروں پر ظاہر کرنا عیب جانتے ہیں۔ ہاں بعض ضروری امور کو جن کی اجازت شریعت نے دی ہے یا دوسروں کو تعلیم کے لیے اظہار بھی کیا کرتے ہیں۔

ریاء

نیکی جو صرف دکھانے کی غرض سے کی جاتی ہے وہ ایک لعنت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے وجود کے ساتھ دوسروں کا وجود بالکل ہیچ جاننا چاہیئے دوسروں کے وجود کو ایک مُردہ کیڑا کی طرح خیال کرنا چاہیئے کیونکہ وہ کچھ کسی کا بگاڑ نہیں سکتے اور نہ سنوار سکتے ہیں۔ نیکی کو نیک لوگ اگر ہزار پردوں کے اندر بھی کریں تو خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ اسے ظاہر کر دیگا اور اسی طرح بدی کا حال ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ اگر کوئی عابد زاہد خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو اور اس صدق اور جوش کا جو اس کے دل میں ہے انتہا کے نقطہ تک اظہار کر رہا ہو اور اتفاقاً کنڈی لگانا بھول گیا ہو تو کوئی اجنبی باہر سے آکر اس کا دروازہ کھول دے تو اس کی حالت بالکل وہی ہوتی ہے جو ایک زانی کی عین زنا کے وقت پکڑا جانے سے۔ کیونکہ اصل غرض تو دونو کی ایک ہی ہے یعنی اخفائے راز۔ اگرچہ رنگ الگ الگ ہیں۔ ایک نیکی کو اور دوسرا بدی کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ غرض خدا کے

لہ البدر سے :۔ "میں نے خدا کی نماز ایک دفعہ بھی نہ پڑھی"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۸۴)

بندوں کی حالت تو اُس نقطہ تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ نیک بھی چاہتے ہیں کہ ہماری نیکی پوشیدہ رہے اور بد بھی اپنی بدی کو پوشیدہ رکھنے کی دُعا کرتا ہے مگر اس امر میں دونو نیک و بد کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو قانون بنا رکھا ہے کہ وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ۔ (البقرہ: ۷۳)

خدا تعالیٰ کی رضا میں فانی لوگ نہیں چاہتے کہ ان کو کوئی درجہ اور امامت دی جاوے۔ وہ ان درجات کی نسبت گوشہ نشینی اور تنہا عبادت کے مزے لینے کو زیادہ پسند کرتے ہیں مگر اُن کو خدا تعالیٰ کشاں کشاں خلق کی بہتری کے لیے ظاہر کرتا اور مبعوث فرماتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو غار میں ہی رہا کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کا کسی کو پتہ بھی ہو۔ آخر خدا تعالیٰ نے اُن کو باہر نکالا اور دنیا کی ہدایت کا بار اُن کے سپرد کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزاروں شاعر آتے اور آپ کی تعریف میں شعر کہتے تھے مگر لعنتی ہے وہ دل جو خیال کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی تعریفوں سے پھولتے تھے۔ وہ اُن کو مُردہ کیڑے کی طرح خیال کرتے تھے۔ مدح وہی ہوتی ہے جو خدا آسمان سے کرے۔ یہ لوگ محبتِ ذاتی میں غرق ہوتے ہیں ان کو دُنیا کی مدح و ثنا کی پروا نہیں ہوتی۔

تو یہ مقام ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان اور عرش سے ان کی تعریف اور مدح کرتا ہے۔

توفیق سب اللہ تعالیٰ کو ہی ہے

سُنو ہماری یہ باتیں اس واسطے نہیں کہ ہم کسی کے ایمان کو کچھ بڑھا سکتے ہیں یا کسی کے دل میں کچھ ڈال سکتے ہیں۔ نہیں ہم کسی کے ایمان کو ایک جَو بھر بھی زیادہ نہیں کر سکتے[1]۔ ہم صرف اس واسطے کہتے ہیں کہ اتنے جمع ہو شاید ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات پکڑ لے اور اس کی اصلاح ہو جاوے۔ توفیق تو سب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے خدا تعالیٰ قادر ہے کہ کسی کے دل میں ایمان کی حقیقی جڑ لگا دے اور پھر اُسے اُس کے ثمرات کھلاوے یا کسی کو اس کی بدی کی وجہ سے قہر کی آگ سے ہلاک کرے پس دُعا ہی کرنی چاہیئے تا اس کی توفیق شاملِ انسان ہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء

سیر میں آریہ مذہب کی نسبت فرمایا کہ

---

[1] (البدر سے):۔ "سب توفیق خدا تعالیٰ سے ہے جب تک وہ نہ توفیق دے ہم ایک جَو تک نہیں بڑھا سکتے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۱ صفحہ ۸۴ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

مذہب کی جڑ خدا شناسی ہے اور اس سے کمتر درجہ یہ کہ باہمی تعلق پاکیزگی کے ہوں سو یہ دونو باتیں گری ہوئی ہیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۸۴ مورخہ ۳؍ اپریل ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

اسباب پر بھروسہ نہ کریں

طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ اصل میں لوگ اس کے حقیقی علاج کی طرف سے تو بالکل غافل ہیں اور اور طرف ہاتھ پاؤں مارتے پھرتے ہیں مگر جب تک وہ اس کے اصل علاج کی طرف رجوع نہ کریں گے تب تک نجات کہاں؟ کوئی طبیبوں یا ڈاکٹروں کی طرف بھاگتا ہے اور کوئی ٹیکہ کے واسطے بازو پھیلاتا ہے کوئی نئے تجربہ اور نئی ایجاد کے پیچھے ہے۔ ہماری شریعت نے اگرچہ اسباب سے منع نہیں کیا بلکہ فِیْہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ سے معلوم ہوتا ہے کہ دواؤں میں خدا تعالیٰ نے خواص شفاء مرض بھی رکھے ہوئے ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ دواؤں میں تاثیرات ہوتی ہیں اور امراض کے معالجات ہوا کرتے ہیں مگر ان اسباب پر بھروسہ کر لینا اور یہ گمان کرنا کہ انہیں کے ذریعہ سے نجات اور کامیابی ہو جاوے گی یہ سخت شرک اور کفر ہے۔ بھروسہ اسباب پر ہرگز نہ چاہیئے بلکہ یوں چاہیئے کہ اسباب کو مہیا کر کے پھر بھروسہ خدا تعالیٰ پر کرنا چاہیئے اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کو مفید بنا دے اور اُسی سے پھر بھی دُعا کرنی چاہیئے کیونکہ اسباب پر نتائج مرتب کرنا تو اُسی کا کام ہے اور یہی توکل ہے۔

نماز کی اہمیت اور حقیقت

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور نماز کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا:۔

نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم اسلام لائی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمیں نماز معاف فرما دی جاوے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں۔ موسمی وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہمیں فرصت ہوتی ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔ نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔ کبھی اس کی عظمت اور اسکے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ اس سے اپنی حاجات کا مانگنا، یہی نماز ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تُو ایسا ہے۔ اس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اس کی رحمت کو جنبش دلانا پھر اس سے مانگنا، پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے۔ انسان ہر وقت محتاج ہے اس سے اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اس کے فضل کا اسی سے خواستگار ہو کیونکہ اسی کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اے خدا ہم کو

توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کریں۔ خدا تعالیٰ کی محبت اسی کا خوف، اسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے۔

پھر جو شخص نماز ہی سے فراغت حاصل کرنی چاہتا ہے اس نے حیوانوں سے بڑھ کر کیا کیا؟ وہی کھانا پینا اور حیوانوں کی طرح سو رہنا۔ یہ تو دین ہرگز نہیں یہ سیرتِ کفار ہے بلکہ جو دم غافل وہ دم کافر والی بات بالکل راست اور صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اُذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ (سورۃ البقرہ: ۱۵۳) یعنی اے میرے بندو تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھوں گا اور میرا شکر کیا کرو اور میرے انعامات کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے۔ پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔ یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں۔ ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیئے۔ اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے۔

نماز خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے

اصل میں قاعدہ ہے کہ اگر انسان نے کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو اس کے واسطے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے جتنی لمبی وہ منزل ہو گی اتنا ہی زیادہ تیزی کوشش اور محنت اور دیر تک اسے چلنا ہو گا۔ سو خدا تعالیٰ تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس کا بُعد اور دُوری بھی لمبی۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے واسطے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے۔ جس نے نماز ترک کر دی وہ کیا پہنچے گا۔

اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اُسے دل کی تسکین آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرضِ زوال میں آئی ہے وہ زمانہ جس میں نمازیں سنوار کر پڑھی جاتی تھیں غور سے دیکھ لو کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا جب سے اُسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوا ہوتا ہے۔

نماز میں کیا ہوتا ہے یہی کہ عرض کرتا ہے۔ التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی غرض کو اچھی طرح سُنتا

ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے اور گذارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نمازی کا یہی حال ہے خدا کے آگے سربسجود رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے۔ پھر آخر سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آجاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا اور اس کو جواب دیکر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بُجز حقیقی نماز کے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر جن کا خدا ہی ایسا نہیں وہ بھی کتنے گذرے ہیں۔ اُن کا کیا دین اور کیا ایمان ہے۔ وہ کس اُمید پر اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔

اسلام کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب

ہمارے زمانہ میں جو سوال پیش ہوا کہ کیا وجوہات ہیں جن سے اسلام کو زوال آیا اور پھر وہ کیا ذریعے ہیں جن سے اس کی ترقی کی راہ نکل سکتی ہے۔ اس کے مختلف قسم کے لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق جواب دیئے ہیں مگر سچا جواب یہی ہے کہ قرآن کو ترک کرنے سے تنزل آیا اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہی اسکی حالت سنور جاوے گی۔ موجودہ زمانہ میں جو اُن کو اپنے خونی مہدی اور مسیح کی آمد کی اُمید اور شوق ہے کہ وہ آتے ہی اُن کو سلطنت لے دیگا اور کفار تباہ ہوں گے یہ اُن کے خام خیال اور وسوسے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتداء میں دعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدم کے زیر کیا تھا اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لیے کچھ آثار ہوتے ہیں اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بھلا اگر ان کے خیال کے موافق یہ زمانہ اُن کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آکر ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہیئے تھا کہ ظاہری طاقت ان میں جمع ہونے لگتی۔ ہتھیار ان کے پاس زیادہ رہتے۔ فتوحات کا سلسلہ اُن کے واسطے کھولا جاتا۔ مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے۔ ہتھیار ان کے ایجاد نہیں۔ ملک و دولت ہے تو اوروں کے ہاتھ ہے۔ ہمت و مردانگی ہے تو اوروں میں — یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج۔ دن بدن ذلت اور ادبار ان کے گرد ہے۔ جہاں دیکھو۔ جس میدان میں سُنو انہیں کو شکست ہے۔ بھلا کیا یہی آثار ہوا کرتے ہیں اقبال کے؟ ہرگز نہیں۔ یہ بھولے ہوئے ہیں۔ زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ابھی تو اِن کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بیدینی اور لامذہبی کا رنگ ایسا آیا ہے کہ قابلِ عذاب اور موردِ قہر ہیں۔ پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے؟ ہرگز نہیں۔ انکی ترقی کی وہی سچی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے مطابق بنادیں اور دُعا میں لگ جاویں ان کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے نہ اپنی کوششوں سے اور دُعا ہی سے ان کی فتح ہے نہ قوت بازو سے۔ یہ اس لیے ہے کہ جس طرح ابتدا تھی انتہا بھی اسی طرح ہو۔ آدم اوّل کو فتح دُعا ہی سے ہوئی تھی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا .... الخ (الاعراف: ۲۴) اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرنا

ہے اسی طرح دُعا ہی کے ذریعہ فتح ہوگی[1] (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۵ مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ہمارا سب سے بڑا کام کسرِ صلیب ہے

حضرت اقدس نے جو حجرہ دعائیہ بنایا ہے۔ اس کی نسبت فرمایا کہ:-

ہمارا سب سے بڑا کام تو کسرِ صلیب ہے اگر یہ کام ہو جاوے تو ہزاروں شبہات اور اعتراضات کا جواب خود بخود ہی ہو جاتا ہے اور اسی کے اُدھورا رہنے سے سینکڑوں اعتراض ہم پر وارد ہو سکتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ چالیس یا پچاس کتابیں لکھی ہیں مگر اُن سے ابھی وہ کام نہیں نکلا جس کے لیے ہم آئے ہیں۔ اصل میں ان لوگوں نے جس طرح قدم جمائے اور اپنا دام فریب پھیلایا ہے وہ ایسا نہیں کہ کسی انسانی طاقت سے درہم برہم ہو سکے۔ دانا آدمی جانتا ہے کہ اس قوم کا تختہ کس طرح پلٹا جا سکتا ہے۔ یہ کام بجز خدائی ہاتھ کے انجام پذیر ہوتا نظر نہیں آتا اسی واسطے ہم نے ان ہتھیاروں یعنی قلم کو چھوڑ کر دعا کے واسطے یہ مکان (حجرہ) بنوایا ہے کیونکہ دُعا کا میدان خدا نے بڑا وسیع رکھا ہے اور اس کی قبولیت کا بھی اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ۔ (الانبیاء: ۹۷) اس امر کے اظہار کے واسطے کافی ہے کہ یہ کل دُنیا کی زمینی طاقتوں کو زیر پا کریں گے ورنہ اس کے سوا اور کیا معنے ہیں؟ کیا یہ قومیں دیواروں اور ٹیلوں کو کودتی پھاندتی پھریں گی؟ نہیں بلکہ اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ دُنیا کی کُل ریاستوں اور سلطنتوں کو زیر پا کریں گی اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

فتح دُعا کے ذریعہ ہوگی

واقعات جس امر کی تفسیر کریں وہی تفسیر ٹھیک ہوا کرتی ہے۔ اس آیت کے معنے خدا تعالیٰ نے واقعات سے بتا دیئے ہیں انکے مقابلہ میں اگر کسی قسم کی سیفی قوت کی ضرورت ہوتی تو اب جیسے کہ بظاہر اسلامی دنیا کی امیدوں کے آخری دن ہیں چاہیئے تھا کہ اہلِ اسلام کی سیفی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی اور اسلامی سلطنتیں تمام دنیا پر غلبہ پاتیں اور کوئی ان کے مقابل

---

[1] البدر میں ہے:- گائے وغیرہ کی حلت پر اور حرمت پر ذکر ہوا۔ فرمایا کہ:-
"حرام کی تو تفصیل خدا نے دی ہے اور حلال کی کوئی تفصیل نہیں دی جس سے پتہ لگے کہ فلاں شئے ضرور کھاؤ سو اس لیے گائے کے ذبح وغیرہ کا ذکر کر کے ناحق موجبِ فساد ہونا مناسب نہیں ہوتا۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۸۴ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

پر ٹھہر نہ سکتا۔ مگر اب تو معاملہ اس کے برخلاف نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور تمہید یا عنوان کے یہ زمانہ ہے کہ ان کی فتح اور ان کا غلبہ دنیوی ہتھیاروں سے نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ اُن کے واسطے آسمانی طاقت کام کرے گی جس کا ذریعہ دُعا ہے۔ غرضکہ ہم نے اس لیے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ ساٹھ یا پینسٹھ سال عمر سے گذر چکے ہیں۔ موت کا وقت مقرر نہیں۔ خدا جانے کس وقت آجاوے اور کام ہمارا ابھی بہت باقی پڑا ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشاء نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور اسی سے قوت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا اور خدا سے دُعا کی کہ اس مسجد البیت اور بیت الدعا کو امن اور سلامتی اور اعداء پر بذریعہ دلائل نیرہ اور براہین ساطعہ کے فتح کا گھر بنا۔

ہم نے دیکھا کہ اب ان مسلمانوں کی حالت تو خود مورد عذاب اور شامتِ اعمال سے قہرِ الٰہی کے نزول کی محرک بنی ہوئی ہے اور خدا کی نصرت اور اُس کے فضل و کرم کی جاذب مطلق نہیں رہی۔ جب تک یہ خود نہ سنوریں تب تک خوشحالی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کا ان کو فکر نہیں ہے۔ خدا کے دین کے واسطے ذرا بھی سرگرمی نہیں۔ اس لیے خدا کے آگے دستِ دُعا پھیلانے کا قصد کر لیا ہے کہ وہ اس قوم کی اصلاح کرے اور شیطان کو ہلاک کرے تاکہ خدا کا سچا نُور دنیا پر دوبارہ چمک جاوے اور راستی کی عظمت پھیلے۔

بنی اسرائیل کی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ قوم فسق و فجور میں تباہ ہو جاتی اور اس کی توحید و جلال کو بالکل بھول جاتی تھی تو اُن کے انبیاء اسی طرح جنگلوں اور الگ مکانوں میں دست بدعا ہوتے تھے اور خدا کی رحمت کے تخت کو جنبش دیا کرتے تھے۔

دنیا کو علم نہیں ہے کہ آجکل عیسائی کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی کس قدر ذریت کو انہوں نے برباد کیا ہے کسقدر خاندان اُنکے ہاتھوں نالاں ہیں گویا دُنیا کا تختہ بالکل پلٹ گیا ہے۔ اب خدا کی غیرت نے نہ چاہا کہ اس کی توحید اور جلال کی ہتک ہو اور اس کے رسول کی زیادہ بے عزتی کی جاوے۔ اس کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اپنے نُور کو اب روشن کرے اور سچائی اور حق کا غلبہ ہو سو اس نے مجھے بھیجا اور اب میرے دل میں تحریک پیدا کی کہ میں ایک حجرہ بیت الدعا صرف دُعا کے واسطے مقرر کروں اور بذریعہ دعا کے اس فساد پر غالب آؤں تاکہ اوّل آخر سے مطابق ہو جاوے اور جس طرح سے پہلے آدم کو دُعا ہی کے ذریعہ سے شیطان پر فتح نصیب ہوئی تھی اب آخری آدم کے مقابل پر آخری شیطان پر بھی بذریعہ دُعا کے فتح ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۸۴ - ۸۵ مورخہ ۳ / اپریل ۱۹۰۳ء)

❖ ❖ ❖

۲۶ مارچ ۱۹۰۳ء

بوقتِ سیر

رفع یدین

رفع یدین کے متعلق فرمایا کہ :۔

اس میں چنداں حرج نہیں معلوم ہوتا، خواہ کوئی کرے یا نہ کرے احادیث میں بھی اس کا ذکر دونو طرح پر ہے اور وہابیوں اور سنّیوں کے طریق عمل سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ ایک تو رفع یدین کرتے ہیں اور ایک نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت رفع یدین کیا اور بعد ازاں ترک کر دیا۔

وتر

فرمایا کہ :۔

اکیلا ایک وتر کہیں سے ثابت نہیں ہوتا۔ وتر ہمیشہ تین ہی پڑھنے چاہئیں۔ خواہ تینوں اکٹھے ہی پڑھ لیں خواہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر لیں پھر ایک رکعت الگ پڑھی جاوے۔

قبض و بسط

بابو نبی بخش صاحب احمدی کلرک لاہور نے عرض کی کہ بعض وقت تو دل میں خود بخود ایک ایسی تحریک پیدا ہوتی ہے کہ طبیعت عبادت کی طرف راغب ہوتی ہے اور قلب میں ایک عجیب فرحت اور سرور محسوس ہوتا ہے اور بعض وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ نفس پر جبر اور بوجھ ڈالنے سے بھی حلاوت پیدا نہیں ہوتی اور عبادت ایک بار گراں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اسے قبض اور بسط کہتے ہیں۔ قبض اس حالت کا نام ہے جب کہ ایک غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور خدا کی طرف محبت کم ہوتی ہے اور طرح طرح کے فکر اور رنج اور غم اور اسباب دنیوی میں مشغول ہو جاتا ہے اور بسط اس کا نام ہے کہ انسان دنیا سے دل برداشتہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور موت کو ہر وقت یاد رکھے۔ جب تک اس کو اپنی موت بخوبی یاد نہیں ہوتی وہ اس حالت تک نہیں پہنچ سکتا۔ موت تو ہر وقت قریب آتی جاتی ہے کوئی آدمی ایسا نہیں جس کے قریبی رشتہ دار فوت نہیں ہو چکے اور آجکل تو وبا سے گھر کے گھر صاف ہوتے جاتے ہیں اور موت کے لیے طبیعت پر زور دیکر سوچنے کی حاجت ہی نہیں رہی۔

یہ حالتیں قبض اور بسط کی اس شخص کو پیدا ہوتی ہیں جس کو موت یاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ انسان قبض کی حالت میں ہوتا ہے اور ایک ناگہانی حادثہ پیش آجانے سے وہ حالتِ قبض معاً دُور ہو جاتی ہے جیسے کوئی زلزلہ آجاوے یا موت کا حادثہ ہو جاوے تو ساتھ ہی اس کا انشراح ہو جاتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبض اصل میں ایک عارضی شئے ہے جو کہ موت کو بہت یاد کرنے اور اللہ تعالیٰ کے

ساتھ سچا پیوست ہو جانے سے دُور ہو جاتی ہے اور پھر بسط کی حالت دائمی ہو جاتی ہے۔ عارفوں کو قبض کی حالت بہت کم ہوتی ہے نادان انسان سمجھتا ہے کہ دنیا بہت دیر رہنے کی جگہ ہے مَیں پھر نیکی کر لُوں گا۔ اس واسطے غفلت کرتا ہے اور عارف سمجھتا ہے کہ آج کا دن جو ہے یہ غنیمت ہے۔ خدا معلوم کل زندگی ہے کہ نہیں۔

ایک رؤیا مَیں اس مکان کی طرف سے مسجد کی طرف چلا جا رہا ہوں۔ مَیں نے ایک شخص کو آتے ہوئے دیکھا جو کہ ایک سکھ کی طرح معلوم ہوتا تھا جس طرح سے اکالئے اور کوکہ سکھ ہوتے ہیں اس کے ہاتھ میں ایک تیز خوفناک بڑا اور چوڑا چُھرا تھا اور اس چُھرے کا دستہ چھوٹا سا تھا وہ چُھرا بڑا ہی تیز معلوم ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ لوگوں کو قتل کرتا پھرتا تھا۔ جہاں اس نے چُھرا رکھا اور گردن اُڑ گئی۔ کچھ اس طرح معلوم ہوتا تھا جس طرح مَیں نے لیکھرام کے وقت میں ایک آدمی خواب میں دیکھا تھا اس کی صورت بڑی ڈراؤنی تھی اور بڑی ہی دہشتناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مجھے بھی اس سے خوف معلوم ہوا۔ اور مَیں نے اُس کی طرف جانا نہ چاہا لیکن میرے پاؤں بہت بوجھل ہو گئے اور مَیں بڑا ہی زور لگا کر ادھر سے نکلا لیکن اس نے میری مزاحمت نہ کی اور اگرچہ مجھ کو اس سے خوف معلوم ہوا لیکن اس نے مجھ کو کوئی تکلیف نہ دی اور پھر وہ خبر نہیں کہ کس طرف کو نکل گیا۔

ایک اَور رؤیا ایک حنائی رنگ کا لکھا ہوا دو ورقہ کاغذ کچھ تھوڑے فاصلہ پر گر پڑا ہے۔ مَیں نے ایک ہندو کو کہا کہ اس کو پکڑو۔ جب وہ پکڑنے لگا تو وہ کاغذ کچھ دُور آگے جا پڑا۔ پھر وہ ہندو اُٹھانے لگا تو وہ وہاں سے اُڑ کر اَور آگے جا پڑا لیکن وہ دو ورقہ اس طرح کچھ ترتیب سے گھل کر اُڑتا رہا ہے کہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کوئی جاندار چیز ہے جب وہ کچھ فاصلہ تک چلا گیا تو وہ ہندو وہاں جا کر پھر اس کو پکڑنے لگا۔ تب وہ دو ورقہ اُڑ کر میرے پاس آ گیا تو اس وقت میری زبان سے یہ کلمہ نکلا جس کا تھا اس کے پاس آ گیا۔" پھر مَیں نے اس کو مخاطب ہو کر کہا کہ ہم وہ قوم ہیں جو رُوح القدس کے بُلائے بولتے ہیں ہم وہ قوم ہیں جن کے حق میں خدا نے فرمایا ہے۔ لَنَفَخْنَا فِيهِمْ مِنْ صِدْقِنَا۔ اسلامی خدمات کسی دوسرے سے اللہ تعالیٰ لینا ہی نہیں چاہتا۔ شاید دوسرا اس میں کچھ غلطی بھی کرے۔ واللہ اعلم۔

جو شخص اسلام کے عقائد کا منافی ہے وہ اسلام کی تائید کیا کرے گا۔

سناتن دھرم میں اس طرح کے بھی آدمی ہوتے ہیں کہ وہ کسی فرقہ کے مکذب نہیں ہوتے اور معمولی چیزوں کے آگے بھی ہاتھ جوڑتے پھرتے ہیں۔

خدا نہیں چاہتا کہ جو سلسلہ اُس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اس کا کوئی شریک ہو یہاں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا کاغذ ہمارے پاس آ گیا۔ (البدر جلد دوم نمبر ۱۱ صفحہ ۸۵ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۰۳ء)

آیاتِ مُبین میرے نزدیک آیاتِ مُبین وہ ہوتی ہیں مخالف جن کے مقابلہ سے عاجز ہو جاوے خواہ وہ کچھ ہی ہو جس کا مخالف مقابلہ نہ کر سکے وہ اعجاز ٹھہر جائے گا جب کہ اس کی تحدی کی گئی ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اقتراح کے نشانوں کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ نبی کبھی جرأت کر کے یہ نہیں کہے گا کہ تم جو نشان مجھ سے مانگو میں وہی دکھانے کو تیار ہوں۔ اس کے منہ سے جو نکلے گا یہی نکلے گا اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ (الانعام: ۱۱۰) اور یہی اس کی صداقت کا نشان ہوتا ہے۔ کم نصیب مخالف اس قسم کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ معجزات سے انکار کیا گیا ہے مگر وہ آنکھوں کے اندھے ہیں اُن کو معجزات کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی اس لیے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں اور نہ ذات باری کی عزت اور جبروت کا ادب اُن کے دل پر ہوتا ہے ہمارا خدا تعالیٰ پر کیا حق ہے کہ ہم جو کہیں وہی کر دے۔ یہ سُوءِ ادب ہے۔ ایسا خدا خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو اُمید اور حوصلہ دلایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) یہ نہیں کہا کہ تم جو مانگو گے وہی دیا جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض اقتراحی نشانات مانگے گئے تو آپ نے یہی خدا کی تعلیم سے جواب دیا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴)

خدا کے رسُول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے اور وہ آداب الٰہی کو مدّنظر رکھتے ہیں۔ یہ باتیں منحصر ہیں معرفت پر جس قدر معرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت دل پر مستولی ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر معرفتِ انبیاء علیہم السلام ہی کی ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی ہر بات اور ہر ادا میں بشریت کا رنگ جدا نظر آتا ہے اور تائیدات الٰہیہ الگ نظر آتی ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے، جب چاہتا ہے۔ وہ دنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھلا ہوا ہو کہ جیسے سورج تو پھر ایمان کیا رہا؟ اور اس کا ثواب کیا؟ ایسی صورت میں کون بدبخت ہوگا جو انکار کریگا؟ نشان بیّن ہوتے ہیں مگر اُن کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں اور یہ وقتِ نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے۔ شقی اور فاسق اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اس وقت تک ایمان ہے جب تک اس میں کوئی پہلو اخفاء کا بھی ہو لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتا دے کہ اس میں یہ ہے تو اس کی فراست قابلِ تعریف ہو سکتی ہے لیکن جب مٹھی کھول کر دکھا دی اور پھر کسی نے کہا کہ میں بتا دیتا ہوں تو کیا ہوا؟ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے۔ لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ میں نے چاند دیکھ لیا وہ چڑھا ہوا ہے تو لوگ اس کو پاگل کہیں گے۔

معجزہ

غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بندی کرے کہ ایسا ہونا چاہیئے یا ویسا ہونا چاہیئے۔ اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفا کے ہوں۔ کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اس میں ایک عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو، لیکن جب ایسی کھلی بات ہو گی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لیے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سُوءِ ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں

اس سوال کا جواب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام نے ایک بار اپنی ایک مختصر سی تقریر میں دیا ہے۔ فرمایا:۔

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں؟ جس کے اعمال بجائے خود خوارق کے درجہ تک پہنچ جائیں مثلاً ایک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرتا ہے وہ ایسی وفاداری کرے کہ اس کی وفا خارقِ عادت ہو جاوے۔ اس کی محبت اس کی عبادت خارقِ عادت ہو۔ ہر شخص ایثار کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے لیکن اس کا ایثار خارقِ عادت ہو۔ غرض اس کے اخلاق، عبادت اور سب تعلقات جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے۔ اپنے اندر ایک خارقِ عادت نمونہ پیدا کریں تو چونکہ خارقِ عادت کا جواب خارقِ عادت ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشانات ظاہر کرنے لگتا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ اس سے نشانات کا صدور ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کو اس درجہ تک پہنچائے کہ اُن میں خارقِ عادت نتائج کے جذب کی قوت پیدا ہونے لگے۔ انبیاء علیہم السلام میں یہی ایک نرالی بات ہوتی ہے اور ان کا تعلق اندرونی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ ان کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی۔ پس اس کے مقابلہ میں ربوبیت اپنی تجلی اور اظہار بھی اسی حیثیت اور رنگ کا کرتی ہے۔ عبودیت کی مثال عورت کی سی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حیا شرم کے ساتھ رہتی ہے اور مرد بیاہنے جاتا ہے تو وہ اعلانیہ جاتا ہے اسی طرح پر عبودیت پردۂ اخفا میں ہوتی ہے لیکن الوہیت جب اپنی تجلی کرتی ہے تو پھر وہ ایک بین امر ہو جاتا ہے اور ان تعلقات کا جو ایک سچے مومن اور عبد اور اس کے رب میں ہوتے ہیں خارقِ عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہی راز ہے اور چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لیے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۴ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء)

۲۸ر مارچ ۱۹۰۳ء

انسان اور بہائم میں فرق

بچپن کی عمر کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ:۔
انسان کی فطرت میں یہ بات ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے بچوں میں عادت ہوتی ہے کہ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپس میں گالی گلوچ ہوتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جُوں جُوں عمر میں وہ ترقی کرتے جاتے ہیں عقل اور فہم میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ انسان تزکیۂ نفس کی طرف آتا ہے۔

انسان کی بچپن کی حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ گائے بیل وغیرہ جانوروں ہی کی طرح انسان بھی پیدا ہوتا ہے۔ صرف انسان کی فطرت میں ایک نیک بات یہ ہوتی ہے کہ وہ بدی کو چھوڑ کر نیکی کو اختیار کرتا ہے اور یہ صفت انسان میں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ بہائم میں تعلیم کا مادہ نہیں ہوتا۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک قصہ نظم میں لکھا ہے کہ ایک گدھے کو ایک بیوقوف تعلیم دیتا تھا اور اس پر شب و روز محنت کرتا۔ ایک حکیم نے اسے کہا کہ اے بیوقوف تو یہ کیا کرتا ہے؟ اور کیوں اپنا وقت اور مغز بے فائدہ کھپاتا ہے؟ یعنی گدھا تو انسان نہ ہوگا تو بھی کہیں گدھا نہ بن جاوے۔

درحقیقت انسان میں کوئی ایسی الگ شے نہیں ہے جو کہ اور جانوروں میں نہ ہو۔ عموماً سب صفات درجہ وار تمام مخلوق میں پائے جاتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق میں ترقی کرتا ہے اور حیوان نہیں کرتا۔

اخلاق کی حقیقت

دیکھو ارنڈ کا تیل اور کھانڈ کیسے غلیظ ہوتے ہیں، لیکن جب خوب صاف کیا جاوے تو مصفّٰی ہو کر خوشنما ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اخلاق اور صفات کا ہے۔ اصل میں صفات کُل نیک ہوتے ہیں جب اُن کو بے موقعہ اور ناجائز طور پر استعمال کیا جاوے تو وہ بُرے ہو جاتے ہیں اور اُن کو گندہ کر دیا جاتا ہے لیکن جب ان ہی صفات کو افراط تفریط سے بچا کر محل اور موقعہ پر استعمال کیا جاوے تو ثواب کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق: ۶) اور دوسری جگہ اَلسَّابِقُوْنَ اَلسَّابِقُوْنَ اب سبقت لے جانا بھی تو ایک قسم کا حسد ہی ہے۔ سبقت لے جانے والا کب چاہتا ہے کہ اس سے اور کوئی آگے بڑھ جاوے۔ یہ صفت بچپن ہی سے انسان میں پائی جاتی ہے۔ اگر بچوں کو آگے بڑھنے کی خواہش نہ ہو تو وہ محنت نہیں کرتے اور کوشش کرنیوالے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔ سابقون گویا حاسد ہی ہوتے ہیں لیکن اس جگہ حسد کا مادہ مصفّٰی ہو کر سابق ہو جاتا ہے اسی طرح حاسد ہی بہشت میں سبقت لے جاویں گے۔

اسی طرح سے غضب اگر موقعہ اور محل پر استعمال کیا جاوے تو وہ ایک صفت محمودہ ہے وہ انسان ہی کیا ہے جسے مستورات کی عصمت کی محافظت کے لیے بھی غضب نہ پیدا ہوتا ہو۔ حضرت عمرؓ میں غضب اور غصہ بہت تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کسی نے آپ سے پوچھا کہ اب وہ غضب اور غصہ کہاں گیا؟ فرمایا کہ غضب تو اسی طرح میرے پاس ہے لیکن آگے بے محل اور بے موقعہ اور ظلم کے رنگ میں تھا اور اب محل اور موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اب انصاف کے رنگ میں ہے۔

صفات بدلتے نہیں ہیں ہاں ان میں اعتدال آجاتا ہے اسی طرح گلہ کرنا ناجائز ہے لیکن اُستاد یا ماں باپ اگر گلہ کریں تو وہ قابل مذمت نہیں کیونکہ مُرشد، اُستاد یا باپ اگر گلہ کرتے ہیں تو وہ اس کی ترقی کے لیے گلہ کرتے ہیں اور اس کے عیوب کو اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ عبرت ہو اور اس کے اعمال میں اصلاح ہو۔ ایسے ہی چوری بھی ایک بُری صفت ہے لیکن اگر اپنے دوستوں کی چیز بلا اجازت استعمال کرلی جاوے تو معیوب نہیں (بشرطیکہ دوست ہوں)۔

کمال دوستی کا ایک واقعہ

دو شخصوں میں باہمی دوستی کمال درجہ کی تھی اور ایکدوسرے کا محسن تھا۔ اتفاقاً ایک شخص سفر پر گیا۔ دوسرا اُس کے بعد اس کے گھر میں آیا اور اس کی کنیز سے دریافت کیا کہ میرا دوست کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ سفر کو گیا ہے پھر اُس نے پُوچھا کہ اس کے روپیہ والے صندوق کی چابی تیرے پاس ہے؟ کنیز نے کہا کہ میرے پاس ہے اُس نے کنیز سے وہ صندوق منگوا کر چابی لی اور خود کھول کر کچھ روپیہ اس میں سے لے گیا جب صاحب خانہ سفر سے واپس آیا تو کنیز نے کہا کہ آپ کا دوست گھر میں آیا تھا۔ یہ سن کر صاحب خانہ کا رنگ زرد ہوگیا اور اس نے پوچھا کہ کیا کہتا تھا؟ کنیز نے کہا کہ اُس نے مجھ سے صندوق اور چابی منگوا کر خود آپ کا روپیہ والا صندوق کھولا اور اس میں سے روپیہ نکال کر لے گیا۔ پھر تو وہ صاحب خانہ اس کنیز پر اس قدر خوش ہوا کہ بہت ہی پھُولا اور صرف اس صلہ میں کہ اس نے اُس کے دوست کا کہا مان لیا اُس کو ناراض نہیں کیا۔ اس کنیز کو اُس نے آزاد کردیا اور کہا کہ اس نیک کام کے اجر میں جو کہ تجھ سے ہوا ہے میں آج ہی تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔

غرض جس قدر یہ جرائم ہیں جن کی نواہی کی شریعت میں تاکید ہے مثلاً گلہ نہ کرو، چوری نہ کرو وغیرہ وغیرہ یہ سب صفات بد استعمال کی وجہ سے خراب ہوگئے ہیں ورنہ حقیقتاً ان کا موقعہ اور محل پر استعمال درست اور انسان کی فطرت کے مطابق ہے۔ عفو ایک موقعہ پر تو قابل استعمال ہوتا ہے اور بعض موقعہ پر قابل ترک۔ کیونکہ اگر کسی مجرم کو بار بار عفو ہی کردیا جاوے تو وہ اور زیادہ بیباک ہوکر جرم کریگا۔ ایسے موقعہ پر اس سے انتقام لینا ہی عفو ہوتا ہے۔

انجیل کی غیر متوازن تعلیم

انجیل کی تعلیم میں جو کہ بعض جگہ زیادہ نرمی کی ہدایت ہے اس کا بھی یہی مقصود ہوگا کیونکہ وہ تو صرف یہود کے لیے ہے جو کہ سخت

سرکش اور ظالم طبع لوگ تھے۔ اس مسئلہ کو آج کل لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ برہمو لوگوں نے بھی اس پر اعتراض کئے ہیں۔ مَیں نے ایک برہمو کی کتاب میں دیکھا۔ وہ لکھتا ہے کہ تمام عمر مار ہی کھاتے جانا اور ہمیشہ طمانچے کھانا بلکہ ایک گال زخمی کرا کر دوسری گال بھی پھیر دینا یہ کہاں کا انصاف ہے؟ مگر وہ انسان اس پر عمل کب کر سکتا ہے اور نہ کسی سے آج تک اس طرح کے عفو پر عمل ہو سکا۔ انجیل کی اس تعلیم کے متبع عیسائی لوگ کبھی بھی اس مسئلہ پر عمل نہ کر سکے۔ آج کسی عیسائی کو ایک بات کہو جو کہ اس کی مرضی کے برخلاف ہو پھر دیکھو وہ کتنی سُناتا ہے اور عدالت کی طرف دوڑتا ہے کہ نہیں۔ بعض نادان عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کی اس تعلیم سے یہ مقصود ہے کہ مار اور طمانچہ کھا کر عرضی ڈال دو اور عدالت سے چارہ جوئی کرو لیکن اتنا نہیں سوچتے۔ کہ اگر کسی نے ایک عیسائی کو طمانچہ مار کر اس کے دانت نکال دیئے پھر اس نے حسب حکم شریعت دوسری گال آگے کی اور اس نے ادھر کے بھی دانت نکال دیئے کیونکہ دشمن کا طمانچہ کوئی پیار کا طمانچہ تو نہ ہوگا۔ وہ تو تمام قوت سے طمانچہ مارے گا اور جب دونو طرف کے دانت نکل گئے تو پھر عدالت میں جانے سے وہ دانت کیا واپس لگ جاویں گے؟ اگر مجرم کو سزا بھی ہو گئی تو اس کو کیا ملے گا؟ جو ساری عمر کے لیے ایک نعمت سے محروم ہو کر عمدہ کھانے پینے بولنے کی لذات سے جاتا رہا۔

ایسے ہی اگر ایک بدکار کسی عیسائی کی عورت پر ناجائز حملہ کرنا چاہے تو وہ عیسائی اس وقت تو اس کا مزاحم نہ ہو مگر بعد میں عدالت کے ذریعہ چارہ جوئی کرے اور گواہ اور ثبوت دیتا پھرے۔ عجیب تعلیم ہے۔

پھر ذکر ہوا کہ بلاد یورپ اور امریکہ اور جرمن وغیرہ میں آج کل ایک عجیب تحریک پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ لوگ خود بخود ہی ان خیالات فاسدہ سے دست کش ہوتے جاتے ہیں اور اُن کی تجویز ہے کہ تثلیث اور کفارہ کے لیے بے دلیل خیالات کو مہذب دُنیا سے اُڑا کر بادلیل اور آزادی پسند خیالات نوجوانوں کے آگے پیش کئے جاویں۔ فرمایا کہ:۔

توحید کے قیام کے آثار

اب خدا چاہتا ہے کہ اس کی توحید دنیا میں قائم ہو اور اسی کا تصرف تمام دنیا پر اور لوگوں کے دلوں پر رہے اور کوئی کام نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ نہ چاہے۔ اس زمانہ میں ان تمام پُرانی جہالت کے زمانہ کی غلطیوں کا اس طرح خود بخود ظاہر ہو جانا یہ بھی ایک مسیح موعود کے زمانہ کی نشانی ہے تاکہ زمانہ کی حالت بھی ایسی ہو کہ وہ مسیح موعود کی تائید کرے جب خدا تعالیٰ کسی بات کو چاہتا ہے کہ وہ ہو جاوے تو وہ تمام زمانہ کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے۔ پھر ہر طرف سے اس کی تائید ہی تائید ظاہر ہوتی ہے کیا زمین کیا آسمان گویا سب ہی اس کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ اگر زمین کسی اور طرف رجوع کرے اور آسمان کسی اور طرف تو پھر حالت ٹھیک نہیں رہتی۔ اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ ہماری تائید

کرے اور چاہتا ہے کہ ہر قسم کے شرک، کفر اور بطلان کو ذلیل کرے۔ توحید کی سچائی کو دنیا میں قائم کرے۔ اسی لیے اس نے تمام زمانہ میں ایک عجیب تحریک پیدا کر دی ہے اور ہر ایک طرف سے ہماری ہی تائید نظر آتی ہے۔ مثلاً ایک ذرا سی آگ تمام جہان کے جلانے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح زمانہ میں یہ آگ لگ گئی ہے اور اب تو یہ ہوا چل رہی ہے کہ ان کے دلوں میں پھونک دیا گیا ہے کہ وہ ان تمام پرانے اور بے معنے بلکہ غیر معقول خیالات سے خود بخود بیزار ہو کر حقیقت اور راستی کے جویاں ہو جاویں جیسے کہ اب جرمن کے بادشاہ کے مذہب میں سخت انقلاب ہوا ہے۔ یہی ایک کافی مثال ہے جب سلاطین کے دل میں اللہ کریم نے ایسے ایسے خیالات ڈال دیئے ہیں تو رعیت کا تو بہت سا حصہ ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ بادشاہ کے مذہب کے ہوتے ہیں اور اپنے بادشاہ کے اشاروں پر چلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ایک زمانہ میں تو حضرت مسیحؑ کی حد سے زیادہ اور مبالغہ سے بڑھ کر تعریف کی گئی تھی اور اب اس کا رد در و دیوار سے خود بخود عیاں ہوتا جاتا ہے۔

مجلس قبل از عشاء

حضرت ابوطالب کی نجات

بعض لوگ جو کہ غیر مذاہب میں برائے نام ہوتے ہیں مگر خلوص دل سے وہ اسلام کے مداح ہوتے ہیں انکے ذکر پر فرمایا کہ:۔

ابوطالب کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ ایک خبیث اور شریر کو ایک ادب اور لحاظ کرنے والے کے برابر کر دیوے۔ اگر اس نے بظاہر تو مذہب قبول نہیں کیا مگر بزرگ سالی کی رعونت اس میں نہ تھی۔ احادیث میں بھی اس قدر تحقیقات کہیں نہیں ہوئی ہے ممکن ہے کہ اس نے کبھی کلمہ پڑھ دیا ہو۔ بجز اعتقاد کے محبت نہیں ہوا کرتی۔ اوّل عظمت دل میں بیٹھتی ہے پھر محبت ہوتی ہے۔

سادہ خوراک

ایک ذکر پر فرمایا کہ:۔

ایک سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ میں نے گوشت کا منہ نہیں دیکھا ہے۔ اکثر مسی روٹی (بیسنی) یا اچار اور دال کے ساتھ کھا لیتا ہوں۔ آج بھی اچار کے ساتھ روٹی کھائی ہے۔

نسخ

فرمایا کہ:۔

ایک سالک کی عمر میں نسخ ہوتا رہتا ہے۔ انبیاء کی زندگی میں بھی نسخ ہوتا ہے اسی لیے اوّل حالت آخر حالت کے ساتھ مطابق نہیں ہوا کرتی جسمانی حالتوں میں بھی نسخ دیکھا جاتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۸۹-۹۰ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۹ر مارچ ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

عصمتِ انبیاء

فرمایا:۔

صلیب چونکہ جرائم پیشہ کے واسطے ہے اس واسطے نبی کی شان سے بعید ہے کہ اسے بھی صلیب دی جاوے۔ اس لیے توریت میں لکھا تھا کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جاوے وہ ملعون ہے۔ آتشک وغیرہ جو خبیث امراض خبیث لوگوں کو ہوتے ہیں اس سے بھی انبیاء محفوظ رہتے ہیں نفسِ قتل انبیاء کیلئے معیوب نہیں ہے مگر کسی نبی کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے جس آلہ سے خبیث قتل ہو۔ اس آلہ سے نبی قتل نہیں ہوتا۔

خوش خطی

خوش خطی پر فرمایا کہ

حُسن تناسبِ اعضاء کا نام ہے جبتک یہ نہ ہو ملاحت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے اپنی صفت فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ (الانفطار: ۸) فرمائی ہے عَدَلَكَ کے معنے تناسب کے ہیں کہ نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۰-۹۱ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۰۳ء)

۳۰ر مارچ ۱۹۰۳ء

بعد ادائے نماز مغرب ایک صاحب نے کسی شخص غیر حاضر کی طرف سے مسئلہ دریافت کیا کہ اس نے غصہ میں اپنی عورت کو طلاق دی ہے اور لکھ بھی دی ہے مگر ایک ہفتہ کے قریب گذرنے پر وہ رجوع کرنا چاہتا ہے اس میں کیا ارشاد ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

جب تک وہ شخص خود حاضر ہو کر بیان نہ کرے ہم نہیں فتویٰ دے سکتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۰۳ء)

صدقات اور دُعا

لوگ اس نعمت سے بے خبر ہیں کہ صدقات۔ دُعا اور خیرات سے ردّ بلا ہوتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو انسان زندہ ہی مر جاتا۔ مصائب اور مشکلات کے وقت کوئی امید اس کے لیے تسلی بخش نہ ہوتی، مگر نہیں اسی نے لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (ال عمران: ۱۰) فرمایا ہے۔ لَا يُخْلِفُ الْوَعِيدَ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے وعید معلق ہوتے ہیں جو دعا اور صدقات سے بدل جاتے ہیں۔ اس

کی بے انتہا نظیریں موجود ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کی فطرت میں مصیبت اور بلا کے وقت دُعا اور صدقات کی طرف رجوع کرنے کا جوش ہی نہ ہوتا۔

جسقدر راستباز اور نبی دنیا میں آئے ہیں خواہ وہ کسی ملک اور قوم میں آئے ہوں مگر یہ بات ان سب کی تعلیم میں یکساں ملتی ہے کہ انہوں نے صدقات اور خیرات کی تعلیم دی۔ اگر خدا تعالیٰ تقدیر کے محو اور اثبات پر قادر نہیں تو پھر یہ ساری تعلیم فضول ٹھہر جاتی ہے اور پھر ماننا پڑیگا کہ دُعا کچھ نہیں اور ایسا کہنا ایک عظیم الشان صداقت کا خون کرنا ہے۔ اسلام کی صداقت اور حقیقت دعا ہی کے نکتہ کے نیچے مخفی ہے کیونکہ اگر دعا نہیں تو نماز بے فائدہ زکوٰۃ بے سُود اور اسی طرح سب اعمال معاذ اللہ لغو ٹھہرتے ہیں۔

ہمارا بھروسہ خدا پر ہے

ہمارے مخالف ہر طرف سے کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ہر قسم کی تدبیریں اور منصوبے کرتے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ پہلے ہی ہم کو تسلی دے چکا ہے مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔ خدا کے ساتھ لڑ کر کبھی کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان کا بھروسہ اپنی تدابیر اور حیل پر ہے اور ہمارا خدا پر۔

استقامت و صبر

کوئی مشکل مشکل اور کوئی مصیبت مصیبت رہ سکتی ہی نہیں اگر کوئی شخص استقامت اور صبر اپنا شیوہ کرلے اور خدا تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرے۔

خدا داری چہ غم داری

نشانات کا ظہور

نشانات جو ظاہر ہوتے ہیں یہ اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں جیسے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک رات تک تو ماں خیال کرتی ہے کہ میں مر جاؤنگی اور وہ دردِ زہ کی تکلیف سے قریب المرگ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر نبیوں کے نشان بھی مصیبت کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ نشان کی جڑ دُعا ہی ہے یہ اسم اعظم ہے اور دنیا کا تختہ پلٹ سکتی ہے۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور ضرور ہے اور ضرور ہے کہ پہلے ابتہال اور اضطراب کی حالت پیدا ہو۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

۲ر اپریل ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

ایک الہام کے معنی

فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کا ہمارے ساتھ بھی عجیب معاملہ ہے۔ ہمارا یہ الہام کہ اَنْتَ

مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَتَفْرِیْدِیْ ایک نئی طرز کا الہام ہے۔ ہم نے اب سے پہلے کسی الہامی عبارت میں اس قسم کے الفاظ نہیں دیکھے۔ اس کے معنے جو ہمارے خیال میں آتے ہیں۔ یہ ہیں کہ ایسا شخص بمنزلہ توحید ہی ہوتا ہے جو ایسے وقت میں مامور ہو کہ جب دنیا میں توحید الٰہی کی نہایت ہتک کی گئی ہو اور اُسے نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو[1]۔ ایسے وقت میں آنے والا توحید مجسم[2] ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنا ایک مقصد اور غایت مقرر کرتا ہے۔ مگر اس شخص کا مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنے طبعی جذبات اور مقاصد سے بھی مقدم کر لیتا ہے۔ اپنی ساری ضرورتوں کو پیچھے ڈال دیتا ہے۔

اسی طرح پر ہر ایک شخص کا اپنے مقاصد کا ایک بُت ہوتا ہے اور وہ اس تک پہنچنا چاہتا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے کہ اس تک پہنچا دے یا اس کی عمر کا پہلے ہی خاتمہ کر دے۔ وہ اپنے مال یا عزت و آبرو یا بال بچوں یا دوسری حوائج کے لیے تڑپتا ہے اور بیخود ہوتا ہے اور لبا اوقات لوگ انہیں مشکلات میں پڑ کر خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے اس کا یہی جوش خدا تعالیٰ کی توحید کیلئے ہو جاتا ہے اور اپنی نفسانی خواہشوں کی بجائے خدا تعالیٰ کی توحید کے لیے مضطرب اور بیخود ہوتا ہے[3]۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے وقت میں یہ الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی توحید بہت ہی پیاری ہے۔

یہ توحید تھی جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے کبھی وبا کبھی قحط اور کبھی اپنے پیارے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ کی تلوار سے اس کے قیام کے واسطے ہزاروں مشرک جانوں کو تباہ کر دیا۔ مکہ اور مدینہ منورہ کے حالات بھی صرف اسی کی خاطر پیچیدہ ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی توحید کے لیے تھا[4]

---

[1] البدر میں مزید یہ فقرہ ہے: "اور شرک کی عظمت اور قدر کی جاتی ہو"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں یہ مضمون یوں ہے: "اس مامور شدہ شخص کو توحید کی پیاس ایسی لگائی جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام اغراض و مقاصد کو ایک طرف رکھ کر توحید کے قائم کرنے میں خود ایک مجسم توحید ہو جاتا ہے اس کے اُٹھنے بیٹھنے اور حرکت اور سکون اور ہر ایک قول اور فعل میں توحید کی لَو اسے لگی ہوئی ہوتی ہے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

[3] (البدر سے) "کہ خدا کی خواہشات اس کی توحید اور عظمت اور جلال غالب آویں"۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

[4] (البدر سے) "طاعون وغیرہ قحط اور دیگر بلاؤں سے ملک کے ملک ہلاک ہوئے تو آخر توحید پیاری تھی تو یہ ہوا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

عقیدہ کی اہمیت

عقیدہ ہی سے اعمال میں قوت آتی ہے۔ جیسا قوی اور کامل عقیدہ ہو ویسے ہی اس کے مطابق اعمال صادر ہوں گے۔ اگر عقیدہ ہی زنگ آلودہ اور کمزور اور مُردہ ہوگا تو پھر اعمال کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

اگرچہ ظاہر اعمال نماز روزہ میں تو مسلمان باہم مشترک ہیں اور اکثر بجالاتے ہیں مگر پھر اُن کے نتائج میں برکات کے اختلاف کا باعث جو ہے تو صرف یہی عقیدہ ہے جن کے عقائد عمدہ اور کامل ہوتے ہیں اُن کے لیے نتائج عمدہ اور برکات کثرت سے نازل ہوتے ہیں۔ مگر کمزور ایمان والے اپنے اعمال کی قوت پر تو نگاہ نہیں کرتے برکات کے نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں۔

عداوت کا فائدہ

فرمایا:۔

محبت اور عقیدت کی توجہ تو ایک جُدا امر ہے مگر عداوت کی توجہ بھی بے فائدہ نہیں ہوتی بلکہ مفید ہوتی ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے زمانہ میں آپ کے مقابل میں محبت اور عقیدت کی توجہ تو نہایت ہی کم بلکہ کچھ بھی نہ تھی مگر عداوت کی توجہ کامل طور سے تھی اور آخر یہی عداوت کی توجہ آپ کی عام لوگوں اور عرب کے کناروں تک شہرت پہنچانے کا باعث ہوگئی۔ ورنہ آپ کے پاس اس وقت اور کیا ذریعہ تھا جو اپنی دعوت کو اس طرح شائع کرتے۔ آپ کے واسطے اس وقت تبلیغ کا پہنچانا نہایت مشکل تھا مگر خدا تعالےٰ نے یہ کام کیا کہ دشمنوں ہی کے ہاتھوں سے ایسا کرا دیا۔[1] اب موجودہ زمانے میں ہمارے دشمن بھی ایسا ہی کرتے ہیں اگرچہ اس وقت کی فوری حالت ایسی ہوتی ہے کہ ہماری جماعت کو ان لوگوں کی کارروائیوں سے رنج اور صدمہ ہوتا ہے مگر ان کی کارروائیوں کا انجام ہمارے مفید مطلب اور بخیر ہوتا ہے۔ اصل میں ان لوگوں کی گالیاں تو ایسی ہیں جیسے عورتیں شادی کے موقعہ پر لڑکے والوں کو دیتے ہیں۔ اُن سے اس وقت کون ناراض ہوتا ہے؟ یہی حال ان مخالفوں کی گالیوں کا ہے۔ یہ گالیاں ہمارے مفید مطلب ہیں۔ یہ ہماری تبلیغ کا ذریعہ بنتی ہیں اور سعید اور شریف ان کی گالیوں ہی سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ حق کس کے پاس ہے۔ اسی طرح پر ہماری جماعت ان میں سے ہی نکل کر آئی ہے اور دن بدن نکلتی آتی ہے۔

---

[1] (البدر سے) "آپ کے بعد مسیلمہ کذاب وغیرہ بھی مدعی ہوئے مگر اُن کو کسی نے پوچھا بھی نہ"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۰۳ء)

طاعون[1] کے ذکر پر فرمایا کہ :۔
آجکل تو لوگ فرعون کی خصلت رکھتے ہیں کہ چاروں طرف سے خوف آیا تو ایمان لے آئے اور مان لیا۔ جب خوف جاتا رہا تو پھر مخالفت شروع کر دی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

۳ اپریل ۱۹۰۳ء

اقرارِ بیعت کے اثرات

نماز جمعہ کے بعد گرد و نواح کے لوگوں اور چند ایک دیگر احباب نے بیعت کی۔ بعد بیعت حضرت احمد مرسل مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر کھڑے ہو کر فرمائی :۔

اس وقت تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بیعت کا اقرار کیا ہے اور تمام گناہوں سے توبہ کی ہے اور خدا تعالیٰ سے اقرار کیا ہے کہ کسی قسم کا گناہ نہ کریں گے۔ اس اقرار کی دو تاثیریں ہوتی ہیں۔ اقرارِ بیعت یا تو رحمت ہے یا باعثِ عذاب۔ یا تو اس کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ کے بڑے فضل کا وارث ہو جاتا ہے کہ اگر اس پر قائم رہے تو اس سے خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا اور وعدہ کے موافق رحمت نازل کرے گا اور یا اس کے ذریعہ سخت مجرم بنے گا کیونکہ اگر اقرار کو توڑے گا تو گویا اس نے خدا تعالیٰ کی توہین کی جس طرح سے ایک انسان سے اقرار کیا جاتا ہے اور اُسے بجا نہ لایا جاوے تو توڑنے والا مجرم ہوتا ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ کے سامنے گناہ نہ کرنے کا اقرار کر کے پھر توڑنا خدا تعالیٰ کے روبرو سخت مجرم بنا دیتا ہے۔ آج کے اقرار اور بیعت سے یا تو رحمت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی اور یا عذاب کی ترقی کی۔ اگر تم نے تمام باتوں میں خدا تعالیٰ کی رضامندی کو مقدم رکھا اور بدت دراز کی تمام عادتوں کو بدل دیا تو یاد رکھو کہ بڑے ثواب کے مستحق ہو۔ عادت کو چھوڑنا آسان بات نہیں۔ دیکھتے ہو کہ ایک افیونی یا جھوٹ بولنے والے کو جو عادت پڑ گئی ہوئی ہوتی ہے اُس کا بدلنا کسقدر مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے جو اپنی عادت کو خدا تعالیٰ کے واسطے چھوڑتا ہے تو وہ بڑی بات کرتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ عادت چھوٹی ہو یا بڑی ایک عرصہ تک انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قویٰ کو ایک عادت اس کے کرنے کی ہو جاتی ہے۔ تو کیا تمہارے نزدیک اسے چھوڑ دینا کوئی چھوٹی بات ہے؟ جب تک کہ انسان کے اندر ہمت استقلال نہ ہو تب تک یہ دُور نہیں ہو سکتی۔ ماسوا اسکے ان عادتوں کے بدلنے میں ایک اَور مشکل ہے کہ عادتوں کا پابند آدمی عیالداری کے حقوق کی بجاآوری میں

---

[1] البدر سے :۔ "فرمایا کہ دابۃ الارض کے معنے قرآن شریف سے ہی معلوم کرنے چاہئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں یہ لفظ آیا ہے وہاں کیڑے ہی کے معنے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ہاتھی وغیرہ جانور ہرگز نہیں ہے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱)

سُست ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ایک افیونی ہے تو وہ نشہ میں مبتلا ہو کر عیالداری کے لیے کیا کچھ کریگا؟ اور اسی طرح بعض عادتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ کنبہ اور اہل و عیال کے آدمی اس کے حامی ہوتے ہیں اور اس کا چھوڑنا اور بھی دشوار تر ہوتا ہے مثلاً ایک شخص بذریعہ رشوت روپیہ حاصل کرتا ہے۔ عورتوں کو اکثر علم نہیں ہوتا وہ تو اس کو اچھا جانیں گی کہ میرا خاوند خوب روپیہ کماتا ہے۔ وہ کب کوشش کریگی کہ خاوند سے یہ عادت چھوڑا دے تو ان عادتوں کو چھوڑانے والا بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے کوئی نہیں ہوتا۔ باقی سب اس کے حامی ہوتے ہیں۔ بلکہ ایک شخص جو نماز روزہ کو وقت پر ادا کرتا ہے اسے یہ لوگ سُست کہتے ہیں کہ کام میں حرج کرتا ہے اور جو نماز روزہ سے غافل رہ کر زمینداری کے کاموں میں مصروف رہے اُسے ہوشیار کہتے ہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ توبہ کرنی بہت مشکل کام ہے۔ ان ایام میں تو بہت سے مقابلے آکر پڑے ہیں۔ ایک طرف عادتوں کو چھوڑنا دوسری طرف طاعون ایک بلا کی طرح سر پر ہے۔ اس سے بچنا، اب دیکھو کونسی مشکل کو تم قبول کر سکتے ہو۔ رزق سے ڈر کر انسان کو کسی عادت کا پابند نہ ہونا چاہیئے۔ اگر اُس کا خدا تعالیٰ پر ایمان ہے تو خدا تعالیٰ رزاق ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کا ذمہ دار میں ہوں مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳،۴) یعنی باریک سے باریک گناہ جو ہے اسے خدا تعالیٰ سے ڈر کر جو چھوڑے گا خدا تعالیٰ ہر ایک مشکل سے اُسے نجات دیگا۔ یہ اسلئے کہا ہے کہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہم تو چھوڑنا چاہتے ہیں مگر ایسی مشکلات آپڑتی ہیں کہ پھر کرنا پڑ جاتا ہے خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اُسے ہر مشکل سے بچالے گا۔ پھر آگے ہے يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۴) یعنی ایسی راہ سے اسے روزی دیگا کہ اس کے گمان میں بھی وہ نہ ہوگی۔ ایسے ہی دوسرے مقام پر ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (اعراف: ۱۹۷) جیسے ماں اپنی اولاد کی والی ہوتی ہے ویسے ہی وہ نیکوں کا والی ہوتا ہے پھر فرماتا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ یعنی جو کچھ تم کو وعدہ دیا گیا ہے اور تمہارا رزق آسمان پر ہے۔ جب انسان خدا پر سے بھروسہ چھوڑتا ہے تو دہریت کی رگ اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور ایمان اس کا ہوتا ہے جو اُسے ہر بات پر قادر جانتا ہے۔

اب ایسا زمانہ ہے کہ جو توبہ کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان باتوں کیلئے اپنے ہاتھوں سے اُن کی مدد کر رہا ہے اس کی ذات رحمت سے بھری ہوئی ہے۔ طاعون کے حملے بہت خوفناک ہوتے ہیں مگر اصل میں یہ رحمت ہے سختی نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ ہوں گے جو کہ عبادت سے غافل ہونگے۔ اگر اتنی چشم نمائی خدا تعالیٰ نہ کرے تو پھر تو لوگ بالکل ہی منکر ہو جاویں یہ تو اس کا فضل ہے کہ سوئے ہوؤں کو ایک تازیانہ سے جگا رہا ہے ورنہ اُسے کیا پڑی ہے کہ کسی کو عذاب دیوے جیسا کہ وہ فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء: ۱۴۸) کہ اگر تم میری راہ اختیار کرو تو تم کو کیوں عذاب ہو۔

اس کی رحمت بہت وسیع ہے جیسے بچہ جب پڑھتا نہیں ہے تو اُسے مار پڑتی ہے اس کا تہ یہی ہے کہ اس کی آئندہ زندگی خراب نہ ہو اور وہ سُدھر جاوے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ عذاب اس لیے دیتا ہے کہ لوگ سدھر جاویں اور یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

سچی توبہ کرو۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر بازار سے کوئی دوا مثل شربت بنفشہ کے تم لاؤ اور اصل دوا تم کو نہ ملے بلکہ مٹرا ہوا پرانا شیرا تم کو دیا جاوے تو کیا وہ بنفشہ کے شربت کا کام دیگا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح سڑے ہوئے الفاظ جو زبان تک ہوں اور دل قبول نہ کرے وہ خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچتے۔ بیعت کرانے والے کو تو ثواب ہو جاتا ہے مگر کرنیوالے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بیعت

بیعت کے معنے ہیں بیچ دینا۔ جیسے ایک چیز بیچ دی جاتی ہے تو اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ خریدار کا اختیار ہوتا ہے جو چاہے سو کرے۔ تم لوگ جب اپنا بیل دوسرے کے پاس بیچ دیتے ہو تو کیا اُسے کہہ سکتے ہو کہ اسے اس طرح استعمال کرنا؟ ہرگز نہیں۔ اس کا اختیار ہے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اسی طرح جس سے تم بیعت کرتے ہو۔ اگر اس کے احکام پر ٹھیک ٹھیک نہ چلو تو پھر کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ ہر ایک دوا یا غذا جب تک بقدر شربت نہ پی جاوے فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ اسی طرح اگر بیعت پورے معنوں میں نہ ہو تو وہ بیعت نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ کسی کے دھوکہ میں نہیں آسکتا۔ اس کے ہاں نمبر اور درجے مقرر ہیں۔ اس نمبر اور درجہ تک توبہ ہوگی تو وہ قبول کرے گا۔ جہاں تک طاقت ہے وہاں تک کوشش کرو۔ پورے صالح بنو۔ عورتوں کو نصیحت کرو۔ نماز روزہ کی تاکید کرو۔ سوائے آٹھ سات دن کے جو عورتوں کے ہوتے ہیں اور جس میں نماز معاف ہے۔ تمام نمازیں پوری پڑھیں اور روزے معاف نہیں ہیں ان کو پھر ادا کریں۔ انہی کمیوں کی وجہ سے کہا کہ عورتوں کا دین ناقص ہے۔ اپنے ہمسایہ اور محلہ والوں کو بھی نیکی کی تاکید کرو۔ غافل نہ ہو۔ اگر علم نہ ہو تو واقف سے پوچھو کہ خدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے۔

مسلمانوں کی دینی حالت

اس وقت مسلمانوں نے اپنے دین کو بدل دیا ہے۔ جو خدا تعالیٰ چاہتا تھا اُسے بدل کر اَور کا اَور بنا دیا ہے۔ اس وقت ایک شور برپا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے ہیں اور عیسیٰؑ زندہ ہے تو سب خوش ہوتے ہیں۔ مگر جب کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور خاتم النبیین اور آپ کے بعد کوئی غیر نبی نہیں آنے والا۔ تو سب ناراض ہو جاتے ہیں۔

مسیحؑ کو آنحضرتؐ پر فضیلت نہ دو

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے خدا تعالیٰ نے سب سے آخر پیدا کیا ویسے ہی آخری درجے کے سب کمال

آپ کو دیئے کہ کوئی بھی خوبی کسی دوسرے نبی میں ایسی نہیں جو کہ آپ کو نہ دی گئی ہو ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کیا تم یہ قبول کرتے ہو کہ ایک کے ہاں بہت سے مہمان ہوں تو ان میں سے ایک کو وہ مکلف کھانا پلاؤ وغیرہ دیوے اور دوسرے کو معمولی کھانا شوربہ یا روٹی وغیرہ تو باقی مہمان کہیں گے کہ کاش ہم اس گھر میں مہمان نہ ہوتے۔ اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو گذرے ہیں انہوں نے کیا گناہ کیا کہ جو فضیلت اور رُتبہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیا جاتا ہے ان میں سے ایک کو بھی وہ نہ ملا۔ ان سب کو فوت مانتے ہو اور ایک عیسیٰؑ کو زندہ اور وہ بھی آسمان پر۔

قرآن فرماتا ہے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) اور حضرتؐ تو اس دعا کو برابر مانگتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس کی ہوئی۔ دوسرے تمام پیغمبروں کو گھٹانا اور مسیح کو سب سے بڑھ کر فضیلت دینا ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ کونسی فضیلت مسیح کو دوسروں پر ہے؟ انہوں نے نہ ساری دنیا کی اصلاح کا دعویٰ کیا۔ نہ کوئی دُکھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُن کو پہنچا نہ مقابلہ کی نوبت آئی۔ نہ کوئی شکست اُٹھانی پڑی۔ چند آدمی صرف ایمان لائے وہ بھی پکڑے گئے۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ آپ کا دعویٰ کُل جہان کے لیے اور سخت سے سخت دُکھ اور تکالیف آپ کو پہنچے۔ جنگیں بھی آپ نے کیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ آپ کی زندگی میں موجود تھے پھر ان باتوں کے ہوتے ہوئے جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ایسا کلمہ زبان پر لائے گا جس سے آپ کی ہتک ہو وہ حرامی نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کم بختوں سے کوئی پوچھے کہ پھر تم محمد رسول اللہ کیوں کہتے ہو عیسیٰ رسول اللہ ہی کہو۔

اب تم کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دو۔ اگر تم یہ کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر زندہ ہیں تو ہم آج مانتے ہیں مگر جس سے تم کو فیض اور فائدہ کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اُس کو جھوٹی فضیلت دینے سے تم کو کیا حاصل؟

تمام فیضوں کا سرچشمہ قرآن ہے نہ انجیل نہ تورات۔ جو قرآن کو چھوڑ کر ان کی طرف جھکتا ہے وہ مُرتد ہے اور کافر مگر جو قرآن کی طرف جھکتا ہے وہ مسلمان ہے۔ کیا ان کو شرم نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حفاظت پیش آئی تو خدا تعالےٰ نے آپؐ کو غار میں جگہ دی اور عیسیٰ کو جب وہ موقعہ پیش آیا تو آسمان پر جا بٹھایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس کی کہتے ہیں اور عیسیٰ کو اب تک زندہ مانتے ہیں۔ ان تمام باتوں کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ عیسائیوں کا دین غالب ہے۔ آج مسلمان کم ہیں اور عیسائی زیادہ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہی دلائل بیان کر کے پادریوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنایا ہے۔

خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ عیسیٰؑ مر گیا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کی آیت موجود ہے۔ اگر تمہارا مذہب قرآن ہے تو اس پر

ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہرگز نہ چاہا کہ باہر سے لوگ آویں۔ سورہ نور میں بھی وعدہ ہے کہ تمام خلیفے اور امام تیری اُمت میں سے آویں گے۔ سو خدا تعالیٰ نے وہ پورا کیا اور اسی طرح اب ہمیں مامور کیا۔ جیسے چودہ سو برس کے بعد موسیٰ کی امت میں سے مسیح آیا تھا۔ ویسے ہی چودہ سو برس گذرنے کے بعد ہمیں بھیجا وہ مسیح بھی صاحب شریعت نہ تھے۔ تورات پر ان کا عمل تھا ایسے ہی ہم ہیں تاکہ مماثلت پوری ہو اور کوئی کمی نہ رہ جاوے۔ جیسی محبت خدا تعالیٰ ہم سے کرتا ہے ویسی کسی اَور سے نہیں کرتا۔ اگر یہ خیال ہو کہ عیسیٰؑ کو خدا تعالیٰ آسمان پر لے گیا۔ اس کو آج تک زندہ رکھا اور اس کو پھر لاوے گا تو پھر ساری محبت خدا کی عیسیٰ کے ساتھ چاہیئے جو ان تمام باتوں کو غور سے دیکھے گا تو سمجھے گا کہ جو آپ کی شان ہے وہ اَور کسی نبی کی نہیں ہے جب تک تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خوبی میں افضل نہ جانو گے مسلمان نہ ہو گے بلکہ کرانی (یعنی عیسائی مرتب) ہو گے۔ یہ تو عقیدہ چاہیئے اور نمازوں میں دُعا کرو۔ کہ اے خدا طاعون سے ہمیں بچا۔ جو لوگ ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ بڑے آدمی کیوں نہیں مرتے وہ نادان ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کام ہے آہستہ آہستہ پکڑنا۔ اس لیے غافل نہ ہو۔ مسجدوں میں دُعا کرو۔ پانچوں وقت کی نمازوں میں دُعا کرو۔ جب تمہارا گھر دعا سے بھر جاوے گا تو پھر ہرگز وبا نہ آوے گی اور اگر کوئی روک رکھو گے تو دعا کام نہ دیگی۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف رکھو گے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تم کو ضرور محفوظ رکھے گا۔[1]

دربارِ شام

حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں غلو اور آنحضرتؐ کی توہین

بارہا ہمیں یہ تعجب آتا ہے کہ کیوں یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ سے بیجا محبت کرتے ہیں انہوں نے ان کا کیا دیکھا تھا جو ان پر ایسے شیدا ہیں کہ اُن کو خدا ہی بنا دیا ہے۔ ایسے اُن کی محبت میں اندھے ہوئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کلمہ پڑھتے ہیں انکی توہین اپنی زبان سے کرتے ہیں۔ توہین کیا ہوتی ہے یہی کہ ایک شخص جس میں اعلیٰ درجہ کے اوصاف ہوں اس کو نظر انداز کر کے ایک ایسے شخص کو اس سے بڑھ چڑھ کر متصف باَوصاف کیا جاوے جس میں وہ اوصاف نہیں ہیں۔ تعزیرات میں توہین کی مثال کے نیچے یہ مثال لکھی ہے کہ زید اور بکر نے (جو درحقیقت چور تھے) چوری کی ہے مگر عمرو (جو ایک شریف آدمی ہے اور درحقیقت اس کی کوئی سازش اس چوری میں نہیں) نے چوری نہیں کی۔ اور نہ ہی اس کا اس میں کچھ تعلق ہے تو قانوناً ایسا کہنے والا شخص عمرو کی توہین کرتا ہے اور وہ مجرم قرار دیا جاوے گا اور مستحق سزا کا ہوگا۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۹۱ - ۹۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء

غرض توہین کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی اتنی تعریف کی جاتی ہے کہ گویا اُن پر جب مصیبت آئی تو خدا تعالیٰ کو زمین پر اُن کے بچاؤ کی کوئی راہ نظر نہ آئی اور اُن کو آسمان پر اور پھر دوسرے آسمان پر جا چھپایا۔ بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب سخت مصائب اور شدائد آئے تو اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ بقول مولویوں کے آپکو بالکل بے مدد اور کس مپرس چھوڑ دیا اور آپ کو ایک غار میں جو آسمان کے مقابل میں جس طرح وہ بلندیہ اسفل میں واقع تھی، پناہ دی۔ غار کی تعریف بھی کیا کہ بچھوؤں، سانپوں اور ہر قسم کے موذی حشرات الارض کا گھر تھا۔ بھلا اب سوچو یہ توہین نہیں تو کیا ہے؟

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سرورِ کائنات فخر الاولین والآخرین اشرف الخلق تو امیدوار ہیں کہ ہم لمبی عمر پاویں مگر اُن کو تو صرف تریسٹھ برس کی عمر دی جاتی ہے اور اُن کے مقابل میں حضرت عیسیٰؑ گویا اب تک زندہ ہیں اور دو ہزار برس اُن کی عمر ہو چکی ہے اور اُن کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ آپ رہتے تو دنیا کی اصلاح کرتے جیسا کہ پہلا تجربہ بتا چکا ہے کہ ضرور ہزاروں کی اصلاح کرتے اگر اور عمر پاتے۔ مگر بالمقابل حضرت عیسیٰؑ اتنی عمر میں نہ کوئی نیکی کرتے ہیں نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ اور نہ کسی کی اصلاح ہے۔ اُن سے نہ کسی کو نفع ہے اور نہ وہ کسی سے کسی قسم کے ضرر کو دور کر سکتے ہیں۔ نیز پرانا تجربہ بھی اس امر کا کافی شاہد تھا کہ صرف بارہ آدمی مدت کی کوشش سے تیار کئے۔ آخر وہ بھی یوں الگ ہوئے کہ کسی نے لعنت کی اور کسی نے تیس روپے کے عوض دشمن کے ہاتھ میں دے دیا۔

پھر مرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح آسمان پر گئی تو پھر وہ حریف موجود تھے کہ وہ تو آسمان میں مع جسم عنصری تشریف رکھتے ہیں اور جنابؐ کا جسم ہزاروں من مٹی کے نیچے پڑا ہے اور پھر اسی پر ختم نہیں۔ آخر کار آپ کی اُمت میں وہ پھر آویں گے اور چالیس سال تک ان پر حکومت کریں گے اور ان سے بیعت لیں گے۔ بھلا غور تو کرو کہ یہ توہین نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر ایک بات اور ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن شریف میں یہ وعدہ کرتا ہے کہ مَیں تیری اُمت میں سے تیری اُمت کی اصلاح کے واسطے خلیفے بھیجتا رہوں گا۔ مگر آخر اس وعدہ کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور ایک قوم میں سے جس کے متعلق اس نے وعدہ کر لیا ہوا تھا کہ اس قوم پر میرا غضب نازل ہو چکا ہے۔ مَیں اُن پر کبھی کوئی رُوحانی اور جسمانی فضل و نعمت ہرگز نازل نہ کروں گا مگر آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وعدہ خلافی فرما کر اُسے بھیجا اور اپنے قانون کو بھی توڑا۔ کیا یہ کوئی گوارا کر سکتا ہے کہ خدا پر وعدہ خلافی عائد ہو۔ ہرگز نہیں

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ (آل عمران: ۱۰)

ہماری تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ اس عیسیٰؑ کو اُتار کر کریں گے کیا؟ آخر اُن کے قویٰ تو وہی ہوں گے جو پہلے تھے۔ پہلے کیا کیا تھا جو اَب کریں گے۔ ایک ذلیل سی معدودے چند ایک قوم تھی ان کی اصلاح بھی نہ ہوئی۔

لکھا ہے ایک دفعہ اُن میں سے پانسو آدمی مُرتد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اگر حضرت موسیٰ کے دوبارہ آنے کی اُمید رکھتے تو کچھ موزوں بھی تھا کیونکہ وہ صاحب عظمت اور جبروت تو تھے ان میں شجاعت بھی تھی۔ اب یہ عیسیٰ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر مشکل یہ ہے کہ عادت کا جانا محال ہے اُن کو مار کھانے اور بزدلی کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ اگر دجال سے جنگ کریں گے تو کس طرح؟ ادھر ان مسلمانوں کی بھی یہ عادت ہو گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی آویں گے۔ لکیر کے فقیر ہیں۔ باپ دادا اور مولوی جو اس بات کی تعلیم دیتے ہوئے گذر گئے۔ وہ خواہ قرآن شریف کے مخالف ہی ہو وہ اسی ہندوؤں کی گنگا کی طرح اس اعتقاد کو ترک نہ کریں گے خواہ کوئی دلیل ہو یا نہ ہو۔

ان لوگوں کو تو اپنے گھر کا بھی حال معلوم نہیں کہ ان کے اس اعتقاد نے اسلام کو کیسا ضعف پہنچایا ہے۔ عیسائی جب کسی کو مُرتد کرنے پر آتے ہیں تو یہی حجت پکڑتے ہیں کہ تمہارا نبی مُردہ اور ہمارا زندہ آسمان پر موجود ہے۔ اب بتاؤ کہ ان دونوں میں سے کون اچھا اور خدا تعالیٰ کا پیارا ہے اور وہ مسلمانوں کی کتابوں سے ہی نکال کر دکھا دیتے ہیں۔ اب قریباً ہر ایک فرقہ میں سے الگ الگ ملا جلا کر ۲۹ لاکھ کے قریب آدمی مُرتد ہو چکے ہیں۔ کیا سید کیا پٹھان کیا قریش اور کیا مغل۔ ہر قوم اس وبا میں ہلاک ہوئی ہے۔ ایسے ایسے لوگ جو فخر اسلام کہنے کے مستحق بن جانے کے قابل تھے وہ اب بیدین ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اور پھر اسی پر ابھی تمام نہیں بلکہ وہ جان سے مال سے عزت وجاہ سے عورتوں سے لڑکیوں سے اس امر کے لیے کوشاں ہیں کہ کسی طرح دُنیا سے اسلام کا نشان مٹا دیں۔ بھلا اگر یہی وہ فتّان لوگ نہیں تو اَور کون ہو گا؟ اس قوم کا فتنہ تو مسلمانوں کے بناوٹی دجال کے فتنہ سے بھی کہیں بڑھ گیا۔ بھلا یہ بتاویں تو سہی اس قوم کی جس کا فتنہ دجال سے بھی زیادہ ہے خبر کہاں دی گئی ہے۔ قرآن شریف نے تو اسی واسطے دجال کا نام نہیں لیا بلکہ وَلَا الضَّالِّیْن کہا جس سے مراد یہی قوم نصاریٰ ہے وَلَا الدَّجَّال کیوں نہ کہا۔ اصل امر یہی ہے کہ وہ ایک قوم ہے جس سے تمام انبیاء اپنی اپنی امت کو ڈراتے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے خیالات کی بناء احادیث موضوعہ پر ہے جو قرآن شریف کی مُہر سے خالی ہے۔ مگر ہم قرآن شریف کو ان احادیث کی خاطر چھوڑ نہیں سکتے۔ قرآن شریف بہر حال مقدم ہے۔ بھلا قرآن کو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جمع کیا۔ لکھوایا اور پھر نمازوں میں بار بار پڑھ کر سُنایا۔ کیا اگر احادیث بھی ویسی ہی ضروری ہیں تو اُن میں سے بھی کسی کو اسی طرح جمع کیا اور بار بار سُنایا اور دَور کیا؟ ہرگز نہیں جب نہیں کیا تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی کی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ صحیح امر یہی ہے کہ قرآن شریف ہی آپ لائے تھے اور اسی کے جمع کرنے کا آپ کو حکم تھا سو آپ نے کر دیا۔ اب احادیث میں سے وہ قابلِ عمل اور اعتقاد ہے۔ جس پر قرآن شریف کی مہر ہو کہ وہ اس کے خلاف نہیں۔

پھر اسی پر بس نہیں۔ قرآن شریف کہتا ہے کہ عیسیٰ مر گئے اور پھر دوبارہ قیامت تک وہ اس دنیا میں نہیں

آئیں گے بلکہ آنے والا اُس کا مثیل اس کی خُو بُو لے کر آوے گا۔ جیسا کہ آیت قرآن شریف فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي میں صاف بیان ہے۔

توہینِ عیسیٰؑ کے اعتراض کا جواب

پھر کہتے ہیں کہ سیدنا المسیح کی توہین کرتے ہیں۔ بھلا سوچو تو کہ ہم اگر اپنے پیغمبر سے اُن جھوٹے اعتراضات جو نافہمی اور کوردیشی سے کر کے مسیح کو آسمان پر زندہ بٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے جاتے ہیں اُن کے دُور کرنے کے واسطے مسیح کی اصلی حقیقت کا اظہار نہ کریں تو کیا کریں؟ ہم اگر کہتے ہیں کہ وہ زندہ نہیں بلکہ مر گئے جیسے دوسرے انبیاء بھی مر گئے تو ان لوگوں کے نزدیک تو یہ بھی ایک قسم کی توہین ہوئی۔ ہم خدا تعالیٰ کے بلائے بولتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو فرشتے آسمان پر کہتے ہیں۔ افتراء کرنا تو ہمیں آتا نہیں اور نہ ہی افتراء خدا کو پیارا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان اور ہتک کی گئی ضرور ہے کہ اس کا بدلہ لیا جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور اور جلال کو دوبارہ از سرِ نو تازہ و شاداب کر کے دکھایا جاوے اور یہ اس مسیح کے بُت کے ٹوٹنے اور اس کی موت کے ثابت ہونے میں ہے پس ہم خدا تعالیٰ کے منشاء اور ارادے کے مطابق کرتے ہیں اب اُن کی لڑائی ہم سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہے۔

ان لوگوں نے تو حضرت مسیح کو خاصہ خدا بنایا ہوا ہے اور موحد کہلاتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہے قائم علی السماء ہے۔ خالق۔ رازق۔ غیب دان۔ محی۔ ممیت ہے۔ بھلا اب بتلاؤ کہ اگر یہ صفات خدا کی نہیں تو کس کی ہیں؟ بشریت تو ان صفات کی حامل ہو سکتی نہیں۔ پھر خدائی میں فرق ہی کیا رہا؟ یہ تو عیسائیوں کو مدد دے رہے ہیں۔ پُورے نہیں نیم عیسائی تو ضرور ہیں۔ اگر ہم اُن کے عقائدِ ردیہ کی تردید نہ کریں تو کیا کریں؟ پھر ہمیں ماننا پڑیگا کہ نعوذ باللہ اسلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے پاک نبی اور قرآن شریف خدا کا کلام برحق نہیں۔ حضرت مسیح زندہ نہیں بلکہ مرکر کشمیر سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہیں۔ یہی سچا عقیدہ ہے۔

طلاق اور حلالہ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو لوگ ایک ہی دفعہ تین طلاق لکھ دیتے ہیں ان کی وہ طلاق جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں فرمایا کہ:۔

لہ طلاق کا یہ مضمون الحکم نے ۳؍اپریل کی شام کی ڈائری میں لکھا ہے اور طلاق کا قریباً یہی مضمون البدر نے ۴؍اپریل کی صبح کی سیر میں بیان کیا ہے۔ اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ مضمون دونو وقت بیان ہوا ہے اور یا الحکم اور البدر کے ڈائری نویس صاحبان میں سے کسی ایک کو ۳؍اپریل کی شام کی ڈائری کو ۴؍اپریل کی ڈائری میں یا ۴؍اپریل کی صبح کی ڈائری کو ۳؍اپریل کی شام کی ڈائری لکھنے میں سہو ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

قرآن شریف کے فرمودہ کی رُو سے تین طلاق دی گئی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے درمیان اتنا ہی وقفہ رکھا گیا جو قرآن شریف نے بتایا ہے تو ان تینوں کی عدت گذرنے کے بعد اس خاوند کا کوئی تعلق اس بیوی سے نہیں رہتا۔ ہاں اگر کوئی شخص اس عورت سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کرے اور پھر اتفاقاً وہ اس کو طلاق دیدے تو اس خاوند اوّل کو جائز ہے کہ اس بیوی سے نکاح کرلے لیکن اگر دوسرا خاوند خاوندِ اوّل کی خاطر سے یا لحاظ سے اس بیوی کو طلاق دے کہ تا وہ پہلا خاوند اس سے نکاح کرلے تو یہ حلالہ ہوتا ہے اور یہ حرام ہے۔

لیکن اگر تین طلاق ایک ہی وقت میں دی گئی ہوں تو اس خاوند کو یہ فائدہ دیا گیا ہے کہ وہ عدت گذرنے کے بعد بھی اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ طلاق ناجائز طلاق تھی دراصل قرآن شریف میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ امر نہایت ہی ناگوار ہے کہ پرانے تعلقات والے خاوند اور بیوی آپس کے تعلقات کو چھوڑ کر الگ الگ ہو جاویں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے طلاق کے واسطے بڑی بڑی شرائط لگائی ہیں وقفہ کے بعد تین طلاق کا دینا اور ان کا ایک ہی جگہ رہنا وغیرہ یہ امور سب اس واسطے ہیں کہ شاید کسی وقت اُن کے دلی رنج دُور ہو کر آپس میں صُلح ہو جاوے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کبھی کوئی قریبی رشتہ دار وغیرہ آپس میں لڑائی کرتے ہیں اور تازہ جوش کے وقت میں حکام کے پاس عرضی پرچے لے کر آتے ہیں تو آخر دانا حکام اس وقت ان کو کہدیتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے بعد آنا۔ اصل غرض ان کی صرف یہی ہوتی ہے کہ یہ آپس میں صلح کریں گے اور انکے جوش فرو ہونگے تو پھر انکی مخالفت باقی نہ رہیگی۔ اسی واسطے وہ اس وقت انکی وہ درخواست لینا مصلحت کے خلاف جانتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی مرد اور عورت کے الگ ہونے کے واسطے کافی موقعہ رکھ دیا ہے یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ طرفین کو اپنی بھلائی بُرائی کے سوچنے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (البقرہ ۲۳۰) یعنی دو دفعہ کی طلاق ہونے کے بعد یا اُسے اچھی طرح سے رکھ لیا جاوے یا احسان سے جُدا کر دیا جاوے۔ اگر اتنے لمبے عرصہ میں بھی ان کی آپس میں صلح نہیں تو پھر ممکن نہیں کہ وہ اصلاح پذیر ہوں۔

وتر کیسے پڑھے جائیں

ایک صاحب نے سوال کیا کہ وتر کس طرح پڑھنے چاہئیں۔ اکیلا بھی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

اکیلا وتر تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ وتر تین ہیں خواہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر تیسری رکعت پڑھ لو۔ خواہ تینوں ایک ہی سلام سے آخر میں التحیات بیٹھ کر پڑھ لو۔ ایک وتر تو ٹھیک نہیں۔

مخالفوں کو سلام کہنا

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضور مخالفوں سے جو ہمیں اور حضور کو گالی گلوچ نکالتے ہیں اور سخت سُست کہتے ہیں السلام علیکم جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:۔

مومن بڑا غیرت مند ہوتا ہے کیا غیرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ تو گالیاں دیں اور تم اُن سے السلام علیکم کرو ہاں البتہ خرید و فروخت جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں۔ کیونکہ قیمت دینی اور مال لینا کسی کا احسان نہیں

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ کی تفسیر

ہمیں کئی بار اس آیت کی طرف توجہ ہوئی ہے اور اس میں سوچتے ہیں کہ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (الانبیاء: ۹۷)

اس کا ایک تو یہ مطلب ہے کہ ساری سلطنتیں، ریاستیں اور حکومتیں ان سب کو اپنے زیر کر لینگے اور کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہ ہوگی۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ حدب کے معنے بلندی۔ نسل کے معنے دوڑنا یعنی ہر بلندی پر سے دوڑ جاویں گے علیٰ عمومیت کے معنے رکھتا ہے یعنی ہر قسم کی بلندی کو کود جاویں گے۔ بلندی پر چڑھنا قوت اور جرأت کو چاہتا ہے۔ نہایت بڑی بھاری اور آخری بلندی مذہب کی بلندی ہوتی ہے۔ ساری زنجیروں کو انسان توڑ سکتا ہے مگر رسم اور مذہب کی ایک ایسی زنجیر ہوتی ہے کہ اس کو کوئی ہمت والا ہی توڑ سکتا ہے۔

سو ہمیں اس ربط سے ایک یہ بھی بشارت معلوم ہوتی ہے کہ وہ آخر کار اس مذہب اور رسم کی بلندی کو اپنی آزادی اور جرأت سے پھلانگ جاویں گے اور آخر کار اسلام میں داخل ہوتے جاوینگے اور یہی ضال کے لفظ سے بھی نکلتا ہے اور اس امر کی بنیادی اینٹ قیصر جرمن نے چند دن ہوئے۔ اپنا عقیدہ عیسویت کے متعلق ظاہر کر کے رکھدی ہے۔

دجال کے "کانا" ہونے سے مراد

یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ دجال کانا ہوگا۔ ایک آنکھ بالکل نہ ہوگی اور دوسری میں کُل ہوگا۔ یہ ایک نہایت باریک استعارہ ہے یعنی اس کی ایک آنکھ (قرآن کی آنکھ) تو بالکل نہ ہوگی۔ اس طرف سے تو وہ بالکل اندھا اور کالمیت ہوگا اور دوسری توریت والی سو وہ بھی کانی ہوگی اس میں بھی کُل ہوگا یعنی اسکی تعلیم پر بھی پُورے طور سے کاربند نہ ہونگے۔ چنانچہ واقعہ نے کیسا صاف بتادیا ہے کہ یہ اسی طرح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کیسی صاف طور سے پوری ہوئی ہے۔

عیسویت کے ابطال کے واسطے تو ایک دانا آدمی کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کے اس عقیدہ پر نظر کرے کہ خدا مر گیا ہے۔ بھلا کوئی سوچے کہ خدا بھی مرا کرتا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ خدا کی رُوح نہیں۔ بلکہ جسم مرا تھا تو اُن کا کفارہ باطل ہو جاتا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۱۰/ اپریل ۱۹۰۳ء)

۴/ اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

طلاق ایک شخص کے سوال پر فرمایا کہ:۔

طلاق ایک وقت میں کامل نہیں ہوسکتی۔ طلاق میں تین طہر ہونے ضروری ہیں۔ فقہاء نے ایک ہی مرتبہ تین طلاق دے دینی جائز رکھی ہے مگر ساتھ ہی اس میں یہ رعایت بھی ہے کہ عدت کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ عورت اسی خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور دوسرے شخص سے بھی کر سکتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے جب تین طلاق دیدی جاویں تو پہلا خاوند اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا جبتک کہ وہ کسی اور کے نکاح میں آوے اور پھر وہ دوسرا خاوند بلا عمد اسے طلاق دیدے۔ اگر وہ عمداً اسی لیے طلاق دیگا کہ اپنے پہلے خاوند سے وہ پھر نکاح کر لیوے تو یہ حرام ہوگا کیونکہ اسی کا نام حلالہ ہے جو کہ حرام ہے۔ فقہاء نے جو ایک دم کی تین طلاقوں کو جائز رکھا ہے اور پھر عدت کے گذرنے کے بعد اسی خاوند سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اوّل اُسے شرعی طریق سے طلاق نہیں دی۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو طلاق بہت ناگوار ہے کیونکہ اس سے میاں بیوی دونوں کی خانہ بربادی ہو جاتی ہے اس واسطے تین طلاق اور تین طہر کی مدت مقرر کی ہے کہ اس عرصہ میں دونو اپنا نیک و بد سمجھ کر اگر صلح چاہیں تو کر لیں۔

نمازِ جنازہ

فرمایا:۔ اگر متوفّٰی بالجہر کافر اور مکذّب نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں۔ کیونکہ علّام الغیوب خدا کی پاک ذات ہے۔

فرمایا۔ جو لوگ ہمارے کفر ہیں اور ہم کو صریحاً گالیاں دیتے ہیں۔ اُن سے السلام علیکم مت لو اور نہ اُن سے مِل کر کھانا کھاؤ۔ ہاں خرید و فروخت جائز ہے اس میں کسی کا احسان نہیں۔

جو شخص ظاہر کرتا ہے کہ مَیں نہ اُدھر کا ہوں اور نہ اِدھر کا ہوں اصل میں وہ بھی ہمارا مکذّب ہے اور جو ہمارا مصدّق نہیں اور کہتا ہے کہ مَیں ان کو اچھا جانتا ہوں وہ بھی مخالف ہے ایسے لوگ اصل میں منافق طبع ہوتے ہیں۔ اُن کا یہ اصول ہوتا ہے کہ

بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

ان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا۔ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم کسی کا دل دکھانا نہیں چاہتے مگر یاد رکھو کہ جو شخص ایک طرف کا ہوگا اس سے کسی نہ کسی کا دل ضرور دُکھے گا۔

مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْن

فرمایا کہ:۔ مَیں نے اس آیت پر بڑی غور کی ہے۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ ہر ایک بلندی سے دوڑیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر ایک سلطنت پر

غالب آجاویں گے۔ دوم یہ کہ بلندی کی طرف انسان قوت اور جرأت کے بغیر دوڑ اور چڑھ نہیں سکتا اور مذہب پر غالب آجانا بھی ایک بلندی ہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر وہ زمانہ بھی آوے گا کہ مذہب کے اوپر سے بھی گذر جاویں گے یعنی اپنے اس تثلیثی مذہب سے بھی عبور کر جاویں گے اور اس کو پاؤں کے نیچے مسل دیویں گے اور اسی سے ہمیں اُن کے اسلام میں داخل ہو جانے کی بُو آتی ہے۔ پہلی بات تو پوری ہو چکی ہے۔ اب انشاء اللہ دوسری بات پوری ہوگی اور یہ باتیں خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ ہوا کرتی ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی مشیت ہو تو ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور دلوں کو حسب استعداد صاف کرتے ہیں۔ تب یہ کام ہوا کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ کا خلقِ عظیم

فرمایا:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا نمونہ ایک صوفی لکھتا ہے کہ آپ کے پاس ایک نصرانی ملاقات کو آیا۔ آپ نے اس کو اپنا مہمان کیا۔ رات کو کھانا اور بستر دیا مگر وہ کمبخت بہت کھا گیا۔ رات کو بدہضمی ہوئی تو لحاف میں اس کا دست نکل گیا۔ اس لیے شرمندہ ہو کر صبح کو چوری چوری چل دیا۔ جب وہ دُور نکل گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مہمان چلا گیا ہے۔ بستر دیکھا تو پاخانہ سے بھرا ہوا۔ آپ نے اُسے اپنے ہاتھ سے دھونا شروع کیا۔ صحابہؓ نے ہر چند اصرار کیا کہ ہم دھوئیں مگر آپ نے فرمایا کہ وہ میرا مہمان تھا مجھے دھونے دو۔ ادھر راستے میں نصرانی کو یاد آیا کہ وہ اپنے سونے کی صلیب بستر پر بھول آیا ہے۔ اُسے لینے کے واسطے وہ واپس آیا۔ دیکھا تو آپ وہی نجاست بھرا لحاف اپنے ہاتھ سے دھو رہے ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھ کر صلیبی ایمان پر اس نے لعنت کی اور مسلمان ہو گیا۔

دربارِ شام

رقت کی لذت

طاعون کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ ایک عرب صاحب نو وارد تھے۔ انہوں نے قرآن شریف سُنایا اس کی لذت اور رقت کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ دنیا میں ہزاروں لذتیں ہیں مگر رقت جیسی کوئی بھی لذت نہیں۔ یہی ہے جس سے نماز اور عبادت کا مزا آتا ہے اور پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء)[1]

---

[1] ایک عرب صاحب ملک مصر سے تشریف لائے ہوئے تھے اور قرآن شریف خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ حضرت اقدس نے ان کا قرآن شریف سُنا اُن کے لب و لہجہ کو بہت پسند کیا اور قرآن شریف کی عظمت کے خیال سے ان کی تکریم کی۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۵ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

۵؍اپریل ۱۹۰۳ء

کثرتِ عوارض کی وجہ

ان مختلف امراض اور عوارض کے ذکر پر جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ چند ایک بیماریاں ہی انسان کو لاحق کر دیتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے امراض ہیں جن میں وہ مبتلا ہوتا ہے۔ اس قدر کثرت میں خدا تعالیٰ کی یہ حکمت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر طرف سے انسان اپنے آپ کو عوارض اور امراض میں گھرا ہوا پاکر اللہ تعالیٰ سے ترساں اور لرزاں رہے اور اسے اپنی بے ثباتی کا ہر دم یقین رہے اور مغرور نہ ہو اور غافل ہو کر موت کو نہ بھول جاوے اور خدا سے بے پروا نہ ہو جاوے۔

مرا بمرگِ عدو جائے شادمانی نیست

بعض مخالفین کے طاعون سے ہلاک ہونے کی خبر آئی۔ اس پر فرمایا کہ:۔

دشمن کی موت سے خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ ہر ایک شخص کا خدا تعالیٰ سے الگ الگ حساب ہے۔ سو ہر ایک کو اپنے اعمال کی اصلاح اور جانچ پڑتال کرنی چاہیئے۔ دوسروں کی موت تمہارے واسطے عبرت اور ٹھوکر سے بچنے کا باعث ہونی چاہیئے نہ یہ کہ تم ہنسی ٹھٹھے میں بسر کر کے اور بھی خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاؤ۔ مَیں نے ایک جگہ تورات میں دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ اس میں فرماتا ہے کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ جب مَیں ایک قوم کو اپنی قوم بنانی چاہتا ہوں تو اس کے دشمنوں کو ہلاک کر کے اُسے خوش کرتا ہوں۔ مگر اُسی قوم کی بے اعتنائیوں سے ایک وقت پھر ایسا آجاتا ہے کہ اس کو تباہ کر کے اس کے دشمنوں کو خوش کرتا ہوں۔

کامیاب ہونیوالے

فرمایا:۔

اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نظر میں نیک اور نمازی وغیرہ ہوتے ہیں مگر ان کا اندر بدیوں اور گناہوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے وہ عند اللہ تقویٰ پر قدم مارنے والے ہوتے ہیں۔ مگر ان دونوں سے کامیاب ہونے والے وہی ہوتے ہیں جو عند اللہ متقی اور خدا کی نظر میں نیک ہوتے ہیں اور ان پر خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے صرف لاف زنی کام نہیں آسکتی۔

اس وقت دو قوموں کا آپس میں مقابلہ ہے۔ ایک تو ہمارے مخالف ہیں اور دوسری ہماری جماعت۔ اب خدا تعالیٰ دونوں کے دلوں کو دیکھتا اور ان کے اعمال سے آگاہ ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ہماری جماعت اس کی نگاہ میں کیسی ہے اور دشمن کیسے؟ اور وہ ان سے کہاں تک ناراض ہے۔ پس ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنا حساب خود ٹھیک کر لے۔ چاہیئے کہ دوسروں کا ذکر کرتے وقت تقویٰ سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ اپنے اعمال کا خیال ہو کہ کہاں

تک ہم خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنیوالے ہیں یا صرف لافیں ہی لافیں ہیں۔ ابھی طاعون موقوف نہیں ہوگئی خدا جانے کب تک اس کا دورہ ہے اور اس نے کیا کچھ دکھانا ہے۔ سات سال سے تو ہم برابر دیکھتے ہیں کہ یوماً فیوماً بڑھتی ہی جاتی ہے اور پیچھے قدم نہیں ہٹاتی۔ ہر سال پہلے کی نسبت سُنا جاتا ہے کہ ترقی پر ہے۔

نازک زمانہ

زمانہ ایسا آیا ہوا ہے کہ لوگ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ ہزارہا انعامات اور خدا تعالیٰ کے فضل کے نشانات ہیں اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے سے تو نفس کو شرم نہ آئی کہ خدا تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے۔ مگر شاید اس قہری نشان کو دیکھ کر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ افسوس لوگ انعامات اور احسانات الٰہیہ سے تو شرمندہ نہ ہوئے اب اس عذاب ہی سے ڈر کر سنور جاویں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں کہ مسلمان کہلا کر مسلمانوں کی اولاد ہو کر اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں جیسے چوڑھے چمار کسی کو نکالا کرتے ہیں۔ اللہ اور رسول سے اُن کو بجز گالیوں کے اَور کوئی تعلق ہی نہیں۔ بڑے گندہ دہن اور پرلے درجہ کے عیاش۔ بدمعاش۔ بھنگی۔ چرسی۔ قمار باز وغیرہ بن گئے ہیں۔

اب ایسے لوگوں کی زجر اور توبیخ کے واسطے خدا تعالیٰ جوش میں نہ آوے تو کیا کرے؟ خدا غیور بھی ہے وہ شدید العقاب بھی ہے۔ ایسے لوگوں کی اصلاح بھلا بجُز عذاب اور قہرِ الٰہی کے نازل ہونے کے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ بعض طبائع عذاب ہی سے اصلاح پذیر ہوتی ہیں۔ اس لیے ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (الاعراف: ۳۵) جب عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنا کام کر کے ہی جاتا ہے اور اس آیت سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ قبل از نزول عذاب توبہ و استغفار سے وہ عذاب ٹل بھی جایا کرتا ہے۔

استغفار کی حقیقت

گناہ ایک ایسا کیڑا ہے جو انسان کے خون میں ملا ہوا ہے مگر اس کا علاج استغفار سے ہی ہو سکتا ہے۔ استغفار کیا ہے؟ یہی کہ جو گناہ صادر ہو چکے ہیں ان کے بدثمرات سے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے اور جو ابھی صادر نہیں ہوئے اور جو بالقوہ انسان میں موجود ہیں ان کے صدور کا وقت ہی نہ آوے اور اندر ہی اندر وہ جل بھُن کر راکھ ہو جاویں۔

یہ وقت بڑے خوف کا ہے۔ اس لیے توبہ و استغفار میں مصروف رہو اور اپنے نفس کا مطالعہ کرتے رہو۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ اور اہل کتاب مانتے ہیں کہ صدقات و خیرات سے عذاب ٹل جاتا ہے مگر قبل از نزول عذاب۔ مگر جب نازل ہو جاتا ہے تو ہرگز نہیں ٹلتا۔ پس تم ابھی سے استغفار کرو اور توبہ میں لگ جاؤ تا تمہاری باری ہی نہ آوے اور اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۶ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

۶ اپریل ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

حقیقتِ دُعا

فرمایا کہ:۔
ہمارے دوستوں کو بعض وقت دُعا کے متعلق ابتلاء پیش آجاتے ہیں اسلیئے مناسب معلوم ہوا کہ اُن کو دُعا کی حقیقت سے اطلاع دی جاوے اور اسی لیے مَیں نے حقیقت الدعا کے نام سے ایک رسالہ لکھنا شروع کیا ہے مگر چونکہ طبیعت علیل رہی ہے اس لیے ختم نہیں کر سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مدار دُعا پر ہی تھا اور ہر ایک مشکل میں آپ دُعا ہی کرتے تھے۔ ایک روایت سے ثابت ہے کہ آپ کے گیارہ لڑکے فوت ہو گئے ہیں تو کیا آپ نے اُن کے حق میں دُعا نہ کی ہوگی ؟

آج کل ایک غلط فہمی لوگوں کے دلوں میں پڑ گئی ہے اور یہ اس جہالت کے زمانہ کی نشانی ہے کہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ فلاں ولی کی ایک پھونک مارنے سے صاحبِ کمال ہو گیا اور فلاں کے ہاتھ سے مُردے زندہ ہوئے۔

بیعت اور توبہ

چند احباب نے بیعت کی۔ ان کو حضرت اقدس نے نصیحت فرمائی۔
بیعت میں انسان زبان کے ساتھ گناہ سے توبہ کا اقرار کرتا ہے مگر اس طرح سے اس کا اقرار جائز نہیں ہوتا جب تک دل سے وہ اقرار نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ جب سچے دل سے توبہ کی جاتی ہے تو وہ اُسے قبول کر لیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی مَیں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ اس اقرار کو جائز قرار دیتا ہے جو کہ سچے دل سے توبہ کرنیوالا کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کا اقرار نہ ہوتا تو پھر توبہ کا منظور ہونا ایک مشکل امر تھا۔ سچے دل سے جو اقرار کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر خدا تعالیٰ بھی اپنے تمام وعدے پورے کرتا ہے جو اُس نے توبہ کرنیوالوں کے ساتھ کئے ہیں اور اسی وقت سے ایک نُور کی تجلّی اس کے دل میں شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان یہ اقرار کرتا ہے کہ مَیں تمام گناہوں سے بچوں گا اور دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ اگرچہ مجھے اپنے بھائیوں، قریبی رشتہ داروں اور سب دوستوں سے قطع تعلق ہی کرنا پڑے مگر مَیں خدا تعالیٰ کو سب سے مقدم رکھونگا اور اسی کیلئے اپنے تعلقات چھوڑتا ہوں ایسے لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کیونکہ انہیں کی توبہ دلی توبہ ہوتی ہے۔

پھر جو لوگ دل سے دُعا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ آسمان زمین اور سب اشیاء

کا خالق ہے ویسے ہی وہ توبہ کا بھی خالق ہے اور اگر اس نے توبہ کو قبول کرنا نہ ہوتا تو وہ اُسے پیدا ہی نہ کرتا۔ گناہ سے توبہ کرنا کوئی چھوٹی بات نہیں۔ سچی توبہ کرنیوالا خدا تعالیٰ سے بڑے بڑے انعامات پاتا ہے۔ یہ اولیاء، قطب، غوث کے مراتب اسی واسطے لوگوں کو ملے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے تھے اور خدا تعالیٰ سے ان کا پاک تعلق تھا اس واسطے ہرگز نہیں ہے کہ وہ منطق، فلسفہ اور دیگر علوم طبعیہ وغیرہ میں ماہر تھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں وہ ان بندوں میں داخل ہو جاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے۔

اس شرط سے دین کو کبھی قبول نہ کرنا چاہیئے کہ میں مالدار ہو جاؤں گا۔ مجھے فلاں عہدہ مل جاوے گا یاد رکھو کہ شرطی ایمان لانے والے سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ بعض وقت مصلحت الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات۔ بلائیں۔ بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر اُن سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ موت ہر ایک کے واسطے کھڑی ہے اگر بادشاہ ہو جاوے گا تو کیا موت سے بچ جاویگا؟ غریبی میں بھی مرنا ہے۔ بادشاہی میں بھی مرنا ہے اس لیے سچی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دنیا کی خواہش نہ ملانی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہرگز نہیں ہے کہ جو اس کے حضور عاجزی سے گر پڑے۔ وہ اُسے خائب و خاسر کرے اور ذلت کی موت دیوے جو اس کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ایسی نظیر ایک بھی نہ ملے گی کہ فلاں شخص کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق تھا اور پھر وہ نامراد رہا۔ خدا تعالیٰ بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہش اس کے حضور پیش نہ کرے اور خالص ہو کر اس کی طرف جھک جاوے جو اس طرح جھکتا ہے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ہر ایک مشکل سے خود بخود اس کے واسطے راہ نکل آتی ہے جیسے کہ وہ خود وعدہ فرماتا ہے مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳،۴)

اس جگہ رزق سے مُراد روٹی وغیرہ نہیں بلکہ عزت، علم وغیرہ سب باتیں جن کی انسان کو ضرورت ہے اس میں داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ سے جو ذرہ بھر بھی تعلق رکھتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸) ہمارے ملک ہندوستان میں نظام الدین صاحب اور قطب الدین صاحب اولیاء اللہ کی جو عزت کی جاتی ہے۔ وہ اسی لیے ہے کہ خدا تعالیٰ سے اُن کا سچا تعلق تھا اور اگر یہ نہ ہوتا تو تمام انسانوں کی طرح وہ بھی زمینوں میں ہل چلاتے معمولی کام کرتے۔ مگر خدا تعالیٰ کے سچے تعلق کی وجہ سے لوگ اُن کی مٹی کی بھی عزت کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کا حامی ہو جاتا ہے۔ دشمن چاہتے ہیں کہ ان کو نیست و نابود کریں مگر وہ روز بروز ترقی پاتے ہیں اور اپنے دشمنوں پر غالب آتے جاتے ہیں جیسا کہ اس کا وعدہ ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ

رُسُلِیْ (المجادلہ : ۲۲) یعنی خدا تعالیٰ نے لکھدیا ہے کہ مَیں اور میرے رُسول ضرور غالب رہیں گے۔ اوّل اوّل جب انسان خدا تعالیٰ سے تعلق شروع کرتا ہے تو وہ سب کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے مگر جوں جوں وہ تعلقات الٰہی میں ترقی کرتا ہے توں توں اس کی شہرت زیادہ ہوتی ہے حتّٰی کہ وہ ایک بڑا بزرگ بن جاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ بڑا ہے اسی طرح جو کوئی اس کی طرف زیادہ قدم بڑھاتا ہے وہ بھی بڑا ہو جاتا ہے حتّٰی کہ آخر کار خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہو جاتا ہے

اس توبہ کو کھیل نہ خیال کرو اور یہ نہ کرو کہ اُسے یہیں چھوڑ جاؤ بلکہ اُسے ایک امانت اللہ تعالیٰ کی خیال کرو۔ توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ کی اس کشتی میں سوار ہوتا ہے جو کہ اس طوفان کے وقت اس کے حکم سے بنائی گئی ہے۔ اُس نے مجھے فرمایا ہے وَاصْنَعِ الْفُلْكَ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ - يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ - جس طرح بادشاہ اپنی رعایا میں اپنے نائب کو بھیجتا ہے اور پھر جو اس کا مطیع ہوتا ہے اُسے بادشاہ کا مطیع سمجھا جاتا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی اپنے نائب دنیا میں بھیجتا ہے۔ آجکل تو یہ ایک بیج ہے جس کے ثمرات تمہارے تک ہی نہ ٹھہریں گے بلکہ اولاد تک بھی پہنچیں گے۔ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کے گھر رحمت سے بھر جاتے ہیں۔

دنیوی لوگ اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس بات کے لیے مجبور نہیں ہے کہ اسباب کا محتاج ہو کبھی چاہتا ہے تو اپنے پیاروں کے لیے بلا اسباب بھی کام کر دیتا ہے اور کبھی اسباب پیدا کر کے کرتا ہے اور کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بنے بنائے اسباب کو بگاڑ دیتا ہے۔

غرض اپنے اعمال کو صاف کرو اور خدا تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرو اور غفلت نہ کرو۔ جس طرح بھاگنے والا شکار جب ذرا سُست ہو جاوے تو شکاری کے قابو میں آجاتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ توبہ کو ہمیشہ زندہ رکھو اور کبھی مُردہ نہ ہونے دو۔ کیونکہ جس عضو سے کام لیا جاتا ہے وہی کام دے سکتا ہے اور جس کو بیکار چھوڑ دیا جاوے پھر وہ ہمیشہ کے واسطے ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح توبہ کو بھی متحرک رکھو تاکہ وہ بیکار نہ ہو جاوے۔ اگر تم نے سچی توبہ نہیں کی تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جاتا ہے اور اگر وہ سچی توبہ ہے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو عمدہ زمین میں بویا گیا ہے اور اپنے وقت پر پھل لاتا ہے۔ آج کل اس توبہ میں بڑی بڑی مشکلات ہیں۔ اب یہاں سے جا کر تم کو بہت کچھ سُننا پڑیگا اور لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے کہ تم نے ایک مجذوم۔ کافر۔ دجّال وغیرہ کی بیعت کی۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے جوش ہرگز مت دکھانا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں۔ اس لیے چاہیئے کہ تم ان کے لیے دُعا کرو کہ خدا تعالیٰ ان کو بھی ہدایت دے اور جیسے کہ تم کو اُمید ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ تم بھی اُن سے منہ پھیر لو۔

ہمارے غالب آنے کے ہتھیار استغفار۔ توبہ۔ دینی علوم کی واقفیت۔ خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدّنظر رکھنا

اور پانچوں وقت کی نمازوں کو ادا کرنا ہیں۔ نماز دُعا کی قبولیت کی کُنجی ہے۔ جب نماز پڑھو تو اس میں دُعا کرو اور غفلت نہ کرو۔ اور ہر ایک بدی سے خواہ وہ حقوق الٰہی کے متعلق ہو خواہ حقوق العباد کے متعلق ہو۔ بچو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۶-۱۰۷ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۷ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

صحابہؓ کی فضیلت

فرمایا:۔ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور: ۳۸) یہ ایک ہی آیت صحابہؓ کے حق میں کافی ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی تبدیلیاں کی تھیں اور انگریز بھی اس کے معترف ہیں کہ اُن کی کہیں نظیر ملنا مشکل ہے۔ بادیہ نشیں لوگ اور اتنی بہادری اور جرأت۔ تعجب آتا ہے۔

طاعون کا علاج

طاعون کے علاج کے متعلق ذکر آنے پر فرمایا:۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ طاعون کا کوئی قطعی علاج ہو۔ اس کے زور کے وقت اور اس بیماری میں مبتلا شدید کو اگر کوئی دوائی فائدہ کرے۔ تب تو مان لیں۔ جب زہریلے مواد نہایت تیزی سے پیدا ہو رہے ہوں۔ اس وقت کسی دوائی کا عمل دکھلاؤ تو سہی۔ اس کا نسخہ تو محض اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

نسیم توحید

اب خدا تعالیٰ کی طرف سے امید ہے کہ وہ دن قریب ہیں کہ ہمارا غلبہ ہو جاوے کیونکہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ توحید کی طرف رجوع کرتے جاتے ہیں عیسائیوں نے مسیح کی خدائی پر اب اتنا زور دینا چھوڑ دیا ہے۔ ہنود میں آریہ توحید طرف مائل ہو رہے ہیں۔ پس یہ ایک ہوا چل پڑی ہے۔ جب ان سب لوگوں نے اپنے اصول چھوڑ دیئے ہیں تو اُن کی تو خودکشی ہو رہی ہے۔

جیسے چھ مہینے کے بعد کھیتی کی حالت کچھ اَور ہی ہو جاتی ہے اسی طرح ان لوگوں کے عقائد میں بیّن فرق نظر آتا جاتا ہے۔

ایک اکیلے آدمی کا کام ہرگز نہیں کہ کسرِ صلیب کر سکے مگر ہاں جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ساتھ ہو تو پھر ملائک اس کی امداد میں کام کرتے ہیں۔

نزولِ مامور

جب مامور مامور ہو کر آتا ہے تو بے شمار فرشتے اس کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور دلوں میں اسی طرح نیک اور پاک خیالات کو پیدا کرتے ہیں جیسے اس سے پہلے

شیاطین بُرے خیالات پیدا کیا کرتے ہیں اور یہ سب مامور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ اسی کے آنے سے یہ تحریکیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرمایا۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ۔ (القدر: ۲، ۳) خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہوا ہوتا ہے کہ مامور کے زمانہ میں ملائک نازل ہوں۔ کیا یہ کام بغیر امداد الٰہی کہیں ہو سکتا ہے؟ کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک شخص خود بخود اُٹھے اور کسرِ صلیب کر ڈالے نہیں۔ ہاں اگر خدا اُسے اُٹھاوے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

یہ کسرِ صلیب اعزازاً اور اکراماً مسیح موعود کی طرف منسوب کی جاتی ہے ورنہ کرتا تو سب کچھ خدا ہے۔ یہ باتیں عین وقت پر واقع ہوئی ہیں۔ قرآن سے بہ تصریح معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ یہی ہے جس کا نام خدا تعالیٰ نے رکھا ہے ستة ایام۔ چھٹے دن کے آخری حصہ میں آدم کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ براہین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ پھر فرمایا اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج: ۴۸) آج سے پہلے جو ہزار برس گذرا ہے وہ باعتبار بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کے تاریکی کا زمانہ تھا کیونکہ وہ فسق و فجور کا زمانہ تھا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ کہہ کر تین سو برس کو مستثنیٰ کر دیا ہے باقی ایک ہزار ہی رہ جاتا ہے ورنہ اس کے بغیر احادیث کی مطابقت ہو ہی نہیں سکتی اور اس طرح پر پہلی کتابوں سے بھی مطابقت ہو جاتی ہے اور وہ بات بھی پوری ہوتی ہے کہ ہزار سال تک شیطان کھلا رہے گا یہ بات بھی کیسی پوری ہوتی ہے اور انگریز بھی اسی واسطے شور مچاتے ہیں کہ یہی زمانہ ہے جس میں ہمارے مسیح کو دوبارہ آنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ ایسا مطابق آیا ہے کہ کوئی مذہب اس سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک علمی نشان ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا۔

رویاء کا اختتام

ایک بھائی کے خواب بیان کرنے پر فرمایا:۔
یہ خواب ایک عجیب بات پر ختم ہوا ہے۔ شیطان انسان کو طرح طرح کے تمثلات سے دھوکہ دینا چاہتا ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ تمہارا نتیجہ بہت اچھا ہے کیونکہ اس رؤیا کا اختتام اچھی جگہ پر واقع ہوا ہے۔ ایسا اکثر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک ولی اللہ کا تذکرہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو اُن کا آخری کلمہ یہ تھا کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ ایک اُن کا مرید یہ کلمہ سُنکر سخت متعجب ہوا۔ اور رات دن رو رو کر دعائیں مانگنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ایک دن خواب میں اُن سے ملاقات ہو گئی۔ دریافت کیا کہ یہ آخری لفظ کیا تھا اور آپ نے کیوں کہا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ شیطان چونکہ موت کے وقت ہر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے کہ اس کا نورِ ایمان اخیر وقت پر چھین لے۔ اس لیے حسبِ معمول وہ میرے پاس بھی آیا اور مجھے مُرتد کرنا چاہا اور مَیں نے جب اس کا کوئی وار چلنے نہیں دیا تو مجھے کہنے لگا کہ تو میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔ اس لیے مَیں نے کہا کہ ابھی نہیں ابھی نہیں

یعنی جب تک مَیں مَر نہ جاؤں مجھے تجھ سے اطمینان حاصل نہیں۔

ایک رؤیاء پھر فرمایا:۔

آج رات مجھے بھی خواب آیا ہے نہ معلوم اس کا اصل مفہوم کیا ہے مَیں نے اس کے لفظوں سے اجتہادی معنے نکالے ہیں۔ جیسا کہ مَیں کسی راستہ پر چلا جاتا ہوں۔ گھر کے لوگ بھی ساتھ ہیں اور مبارک احمد کو مَیں نے گود میں لیا ہوا ہے۔ بعض جگہ نشیب و فراز بھی آجاتا ہے جیسے کہ دیوار کے برابر چڑھنا پڑتا ہے مگر آسانی سے اُتر چڑھ جاتا ہوں اور مبارک اسی طرح میری گود میں ہے۔ ارادہ ہے کہ ایک مسجد میں جانا ہے۔ جاتے جاتے ایک گھر میں جا داخل ہوئے ہیں۔ گویا وہ گھر ہی مسجد موعود ہے جس کی طرف ہم جا رہے ہیں۔ اندر جا کر دیکھا ہے کہ ایک عورت بعمر ۸ سال سفید رنگ وہاں بیٹھی ہے۔ اس کے کپڑے بھگوے رنگ کے ہیں۔ مگر بہت صاف ہیں۔ جب اندر گئے ہیں تو گھر والوں نے کہا ہے کہ یہ احسن کی ہمشیرہ ہے اور یہیں خواب ختم ہوگئی۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ / اپریل ۱۹۰۳ء)

استفسار اور اُن کے جواب[1]

اہلِ بیت سے مراد

سوال:۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (احزاب: ۳۴) کس کی شان میں ہے۔

جواب:۔ اگر قرآن شریف کو دیکھا جاوے تو جہاں یہ آیت ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں ہی کا ذکر ہے۔ سارے مفسر اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُمہات المومنین کی صفت اس جگہ بیان فرماتا ہے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (نور: ۲۷) یہ آیت چاہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے طیبات ہوں۔ ہاں اس میں صرف بیبیاں ہی شامل نہیں بلکہ آپ کے گھر کی رہنے والی ساری عورتیں شامل ہیں اور اس لیے اس میں بنت بھی داخل ہوسکتی ہے بلکہ ہے اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں تو حسنینؓ بھی داخل ہوئے۔ پس اس سے زیادہ یہ آیت وسیع نہیں ہوسکتی جتنی وسیع ہوسکتی تھی۔ ہم نے کردی۔ کیونکہ قرآن شریف ازواج کو مخاطب کرتا ہے اور بعض احادیث نے حضرت فاطمہ اور حسنین کو مطہرین میں داخل کیا ہے پس ہم نے دونو کو یکجا جمع کر لیا۔

---

[1] اس عنوان سے الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۹ پر بعض سوال اور ان کے جوابات ایسے ہیں جو ۳۰ / اپریل ۱۹۰۳ء کی ڈائری میں الحکم میں اور ۴ / اپریل ۱۹۰۳ء کی ڈائری میں البدر میں چھپ چکے ہیں۔ لہٰذا اُنکو چھوڑ کر باقی استفسار اور انکے جواب یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ (مرتب)

شیعہ نے ازواج مطہرات کو سب وشتم سے یاد کیا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ایسا کریں گے اس لیے قبل از وقت اُن کی برأت کر دی۔

بعض مخالفین کا طاعون سے بچنا

سوال :۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم پر کیوں طاعون نہیں آتی ؟

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

ایک تنگ دروازہ سے جب لاکھ آدمی گذرنے والا ہے تو کیا وہ سب کے سب ایک ہی دفعہ گذر جائینگے؟ یا کسی آدمی نے لاکھ آدمی کی دعوت کی ہے تو کیا سب کو ایک دم کھانا کھلا دیگا؟ نہیں بلکہ نوبت بہ نوبت۔

طاعون کا دورہ بہت لمبا ہے۔ ابھی سے کیوں گھبراتے ہیں۔ دو چار موٹے موٹے مخالف اگر جلدی مر جاویں تو پھر خاتمہ ہی ہو جاوے۔ ان مخالفوں کی ہی وجہ سے تو انوار و برکات اور خوارق کا نزول ہوتا ہے اور ہوگا۔ ابھی بعض کو ہدایت بھی ہوگی اور خدا تعالیٰ کا قانون اسی طرح پر چلا آتا ہے۔

کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کی تفسیر

سوال :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو پوچھا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (البقرۃ : ۲۶۱) اس سے کیا غرض ہے؟

جواب :۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا مطلب جس کو سرِّ الٰہی سمجھنا چاہیئے یہ ہے کہ ہر ایک چیز میری آواز سُنتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مُردوں کے زندہ ہونے پر کوئی شک پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ ہم تو ہر روز دیکھتے ہیں کہ متعفن پانی اور اغذیہ میں سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں۔ پیٹ میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے کیا وہ پہلے مُردہ نہیں ہوتا؟ پس واقعات سے انکار کرنے والا تو بڑا احمق ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اصل سر سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ایک چیز میری آواز سُنتی ہے جیسے پرندے تمہاری آواز سنکر دوڑے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک چیز میری آواز سُنتی اور میرے پاس دوڑی چلی آتی ہے۔ یہانتک کہ ادویہ اور اغذیہ جو انسان کے پیٹ میں جاتی ہیں اور ہر ذرہ ذرہ میری آواز سُنتا ہے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ ایمان اور معرفت کا یقین دلانا چاہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق سے ایک باریک کشش ہوتی ہے۔ جیسے کسی کا شعر ہے ؎

ہمہ را روئے در خدا دیدم ❊ و آں خدا بر ہمہ ترا دیدم

خدا تعالیٰ نے جو ملائک کی تعریف کی ہے وہ ہر ایک ذرہ ذرہ پر صادق آسکتی ہے جیسے فرمایا اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل : ۴۵) ویسے ملائکہ کی نسبت فرمایا یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (النحل : ۵۱)

اس کی تشریح نسیم دعوت میں خوب کردی ہے۔ ہر ایک ذرہ ملائکہ میں داخل ہے۔ اگر ان اعلیٰ کی سمجھ نہیں آتی تو پہلے ان چھوٹے چھوٹے ملائک پر نظر ڈال کر دیکھو۔ ملائکہ کا انکار انسان کو دہریہ بنا دیتا ہے۔

غرض اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تابع ہے۔ اگر اس سے انکار کیا جاوے تو پھر تو خدا تعالیٰ کا وجود بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز اور حکیم بیان کی ہے یعنی اس کا غلبہ قہری ایسا ہے کہ ہر ایک چیز اس کی طرف رجوع کر رہی ہے بلکہ جب خدا تعالیٰ کا قرب انسان حاصل کرتا ہے تو اس انسان کی طرف بھی ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے جسکا ثبوت سورۃ العادیات میں ہے۔ عزیز، حکیم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غلبہ حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ ناحق کا دُکھ نہیں ہے۔

(الحکم جلد ۷، نمبر ۱۵ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۹ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

حق و باطل

فرمایا:-

حق اپنے زور اور قوت سے چلتا اور اس کے ساتھ باطل بھی ضرور چلتا ہے، لیکن باطل اپنی قوت اور طاقت سے نہیں چلتا بلکہ حق کے پرتو سے چلتا ہے کیونکہ حق چاہتا ہے کہ ساتھ ساتھ کچھ باطل بھی چلے تاکہ تمیز ہو۔ کاذبوں اور منکروں کے وجود سے بہت سی تحریکیں ہو جاتی ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دن ہی سارا مکہ آمنّا و صدّقنا کہہ کر ساتھ ہو لیتا تو پھر قرآن شریف کا نزول اسی دن بند ہو جاتا اور وہ اتنی بڑی کتاب نہ ہوتی۔ جس جس قدر زور سے باطل حق کی مخالفت کرتا ہے اسی قدر حق کی قوت اور طاقت تیز ہوتی ہے۔ زمینداروں میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ جتنا جیٹھ ہاڑ تپتا ہے اسی قدر ساون میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ یہ ایک قدرتی نظارہ ہے حق کی جس قدر زور سے مخالفت ہو اسی قدر وہ چمکتا اور اپنی شوکت دکھاتا ہے۔

ہم نے خود آزما کر دیکھا ہے جہاں جہاں ہماری نسبت زیادہ شور و غل ہوا ہے وہاں ایک جماعت تیار ہو گئی اور جہاں لوگ اس بات کو سنکر خاموش ہو جاتے ہیں وہاں زیادہ ترقی نہیں ہوتی۔ فتح کیلئے اوّل لڑائی کا ہونا ضروری ہے۔ اگر لڑائی نہ ہو تو فتح کا وجود کہاں سے آئے؟ پس اسی طرح اگر حق کی مخالفت نہ ہو تو اس کی صداقت کس طرح کھلے؟

مرکز میں نمازوں کا قصر

نماز کے قصر کرنے کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو شخص یہاں آتے ہیں وہ قصر کریں یا نہ؟ فرمایا:۔

جو شخص تین دن کے واسطے یہاں آوے اس کے واسطے قصر جائز ہے۔ میری دانست میں جس سفر میں عزم سفر ہو پھر خواہ وہ دو تین چار کوس کا ہی سفر کیوں نہ ہو اس میں قصر جائز ہے۔ یہ ہماری سیر سفر نہیں ہے۔ ہاں اگر امام مقیم ہو تو اس کے پیچھے پوری ہی نماز پڑھنی چاہیئے۔ حکام کا دورہ سفر نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے باغ کی سیر کرتا ہے۔ خواہ نخواہ قصر کرنے کا تو کوئی وجود نہیں۔ اگر دوروں کی وجہ سے انسان قصر کرنے لگے تو پھر یہ دائمی قصر ہوگا جس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ حکام کہاں مسافر کہلا سکتے ہیں۔ سعدیؒ نے بھی کہا ہے ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و خوانگاہ ساخت

نکاح پر باجا اور آتش بازی

نکاح پر باجا بجانے اور آتش بازی چلانے کے متعلق سوال ہوا۔ فرمایا کہ:۔

ہمارے دین میں دین کی بناء سیر پر ہے عسر پر نہیں اور پھر اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ضروری چیز ہے باجوں کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ اعلان نکاح جس میں فسق و فجور نہ ہو۔ جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضروری شئے ہے کیونکہ اکثر دفعہ نکاحوں کے متعلق مقدمات تک نوبت پہنچتی ہے پھر وراثت پر اثر پڑتا ہے۔ اس لیے اعلان کرنا ضروری ہے مگر اس میں کوئی ایسا امر نہ ہو جو فسق و فجور کا موجب ہو۔ رنڈی کا تماشا یا آتش بازی فسق و فجور اور اسراف ہے۔ یہ جائز نہیں۔

باجے کے ساتھ اعلان پر پوچھا گیا کہ جب برات لڑکے والوں کے گھر سے چلتی ہے کیا اسی وقت سے باجا بجتا جاوے یا نکاح کے بعد؟ فرمایا:۔

ایسے سوالات اور جزو در جزو نکالنا بے فائدہ ہے۔ اپنی نیت کو دیکھو کہ کیا ہے اگر اپنی شان و شوکت دکھانا مقصود ہے تو فضول ہے اور اگر یہ غرض ہے کہ نکاح کا صرف اعلان ہو تو اگر گھر سے بھی باجا بجتا جاوے تو کچھ حرج نہیں۔ اسلامی جنگوں میں بھی تو باجا بجتا ہے وہ بھی ایک اعلان ہی ہوتا ہے۔

نیک نیتی میں برکت ہے

ایک زرگر کی طرف سے سوال ہوا کہ پہلے ہم زیوروں کے بنانے کی مزدوری کم لیتے تھے اور ملاوٹ ملا دیتے تھے۔ اب ملاوٹ چھوڑ دی ہے اور مزدوری زیادہ مانگتے ہیں تو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مزدوری وہی دینگے جو پہلے دیتے تھے تم ملاوٹ ملا لو۔ ایسا کام ہم ان کے کہنے سے کریں یا نہ کریں؟ فرمایا:۔

کھوٹ والا کام ہرگز نہیں کرنا چاہیئے اور لوگوں کو کہہ دیا کرو کہ اب ہم نے توبہ کر لی ہے جو ایسے کہتے ہیں کہ کھوٹ ملا دو وہ گناہ کی رغبت دلاتے ہیں۔ پس ایسا کام اُن کے کہنے پر بھی ہرگز نہ کرو۔ برکت دینے والا خدا ہے اور جب آدمی نیک نیتی کے ساتھ ایک گناہ سے بچتا ہے تو خدا ضرور برکت دیتا ہے۔

مُردے اور اسقاط

پھر سوال ہوا کہ ملاں لوگ مُردوں کے پاس کھڑے ہو کر اسقاط کراتے ہیں کیا اس کا کوئی طریق جائز ہے؟ فرمایا:-

اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ مُلّاؤں نے ماتم اور شادی میں بہت سی رسمیں پیدا کر لی ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔

مقدمات میں مصنوعی گواہ بنانا

ایک مختار کار عدالت نے سوال کیا کہ بعض مقدمات میں اگرچہ وہ سچا اور صداقت پر ہی مبنی ہو مصنوعی گواہ بنانا کیسا ہے؟ فرمایا:-

اوّل تو اس مقدمہ کے پیروکار بنو جو بالکل سچا ہو۔ یہ تفتیش کر لیا کرو کہ مقدمہ سچا ہے یا جھوٹا۔ پھر سچ آپ ہی فروغ حاصل کریگا۔ دوم گواہوں سے آپ کا کچھ واسطہ ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ موکل کا کام ہے کہ وہ گواہ پیش کرے۔ یہ بہت ہی بُری بات ہے کہ خود تعلیم دی جاوے کہ چند گواہ تلاش کر لاؤ اور ان کو یہ بات سکھا دو۔ تم خود کچھ بھی نہ کہو۔ موکل خود شہادت پیش کرے خواہ وہ کیسی ہی ہو۔

ہر صحیح بات کا اظہار ضروری نہیں

پھر سوال ہوا کہ بعض باتیں واقعہ میں صحیح ہوتی ہیں مگر مصلحتِ وقت اور قانون ان کے اظہار کا مانع ہوتا ہے تو کیا ہم لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ کے موافق ظاہر کر دیا کریں؟ فرمایا:-

یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب آدمی آزاد بالطبع ہو۔ دوسری جگہ یہ بھی تو فرمایا۔ لَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۶) قانون کی پابندی ضروری شے ہے۔ جب قانون روکتا ہے تو رُکنا چاہیئے جب کہ بعض جگہ اخفاءِ ایمان بھی کرنا پڑتا ہے تو جہاں قانون بھی مانع ہو وہاں کیوں اظہار کیا جاوے؟ جس راز کے اظہار سے خانہ بربادی اور تباہی آتی ہے وہ اظہار کرنا منع ہے۔

نتائج نیت پر مترتب ہوتے ہیں

کمر آتش بازی کے متعلق فرمایا کہ اس میں ایک جزو گندھک کا بھی ہوتا ہے اور گندھک وبائی ہوا صاف کرتی ہے۔ چنانچہ آج کل طاعون کے ایام میں مثلاً انار بہت جلد ہوا کو صاف کرتا ہے اور اگر کوئی شخص صحیح نیت اصلاحِ ہوا کے واسطے ایسی آتش بازی جس سے کوئی خطرہ نقصان کا نہ ہو چلا دے تو ہم اس

کو جائز سمجھتے ہیں مگر بہ شرط۔ اصلاح نیت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ تمام نتائج نیت پر مترتب ہوتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے گھر بنوایا اور آپؐ کو مجبور کیا کہ آپؐ اس میں قدم ڈالیں۔ آپؐ نے اس مکان کو دیکھا۔ اس کے ایک طرف کھڑکی تھی۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ کس لیے بنائی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ٹھنڈی ہوا کے آنے کے واسطے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اذان سننے کے واسطے اس کی نیت رکھتا تو ہوا تو آ ہی جاتی اور تیری نیت کا ثواب بھی تجھے مل جاتا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

مجلس قبل از عشاء

اوّل طاعون کے ٹیکہ کے متعلق بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد توحید کا ذکر چل پڑا۔ فرمایا:۔

توحید اور اسباب پرستی

توحید اس کا نام نہیں کہ صرف زبان سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ لیا۔ بلکہ توحید کے یہ معنے ہیں کہ عظمتِ الٰہی بخوبی دل میں بیٹھ جاوے اور اس کے آگے کسی دوسری شئے کی عظمت دل میں جگہ نہ پکڑے۔ ہر ایک فعل اور حرکت اور سکون کا مرجع اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کو سمجھا جاوے اور ہر ایک امر میں اسی پر بھروسہ کیا جاوے کسی غیر اللہ پر کسی قسم کی نظر اور توکل ہرگز نہ رہے اور خدا تعالیٰ کی ذات میں اور صفات میں کسی قسم کا شرک جائز نہ رکھا جاوے۔

اس وقت مخلوق پرستی کے شرک کی حقیقت تو کھل گئی ہے اور لوگ اس سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اس لیے یورپ وغیرہ تمام بلاد میں عیسائی لوگ ہر روز اپنے مذہب سے متنفر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ روزمرہ کے اخباروں رسالوں اور اشتہاروں سے جو یہاں پڑھے جاتے ہیں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

الغرض مخلوق پرستی کو اب کوئی نہیں مانتا۔ ہاں اسباب پرستی کا شرک اس قسم کا شرک ہے کہ اس کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ مثلاً کسان کہتا ہے کہ میں جب تک کھیتی نہ کرونگا اور وہ پھل نہ لاوے گی تب تک گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہر ایک پیشہ والے کو اپنے پیشہ پر بھروسہ ہے اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر ہم یہ نہ کریں تو پھر زندگی محال ہے۔ اس کا نام اسباب پرستی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان نہیں ہے، پیشہ وغیرہ تو درکنار پانی۔ ہوا۔ غذا وغیرہ جن اشیاء پر مدارِ زندگی ہے یہ بھی انسان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے جب تک خدا تعالیٰ کا اذن نہ ہو۔ اسی لیے جب انسان پانی پیئے تو اسے خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا ہے اور پانی نفع نہیں پہنچا سکتا جب تک خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے ارادے سے پانی نفع دیتا ہے اور جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو وہی پانی ضرر دیتا ہے۔

ایک شخص نے ایک دفعہ روزہ رکھا جب افطار کیا تو پانی پیتے ہی لیٹ گیا۔ اُس کے لیے پانی ہی نے زہر کا کام کیا۔

جو کام ہے خواہ معاشرہ کا خواہ کوئی اور جب تک اس میں آسمان سے برکت نہ پڑے تب تک مبارک نہیں ہوتا۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات پر کامل یقین چاہیئے جس کا یہ ایمان نہیں ہے اس میں دہریت کی ایک رگ ہے۔ پہلے ایک امر آسمان پر ہو رہتا ہے تب زمین پر ہوتا ہے۔

لاف وگزاف کا نام توحید نہیں۔ مولویوں کی طرف دیکھو کہ دوسروں کو وعظ کرتے اور آپ کچھ عمل نہیں کرتے اسی لیے اب اُن کا کسی قسم کا اعتبار نہیں رہا ہے۔ ایک مولوی کا ذکر ہے کہ وہ وعظ کر رہا تھا۔ سامعین میں اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ صدقہ وخیرات اور مغفرت کا وعظ اس نے کیا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک عورت نے پاؤں سے ایک پازیب اُتار کر واعظ صاحب کو دیدی جس پر واعظ صاحب نے کہا تو چاہتی ہے کہ تیرا دوسرا پاؤں دوزخ میں جلے؟ یہ سُنکر اُس نے دوسری بھی دیدی۔ جب گھر میں آئے تو بیوی نے بھی اس وعظ پر عملدرآمد چاہا کہ محتاجوں کو کچھ دے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ باتیں سُنانے کی ہوتی ہیں کرنے کی نہیں ہوتیں اور کہا کہ اگر ایسا کام ہم نہ کریں تو گذارہ نہیں ہوتا۔ انہیں کے متعلق یہ ضرب المثل ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب ومنبر مے کنند ٭ چوں بخلوت مے روند آں کار دیگر مے کنند

تعبیر رؤیا

مُردہ کو کلمہ پڑھتے سننا یعنی دین کا دوبارہ سرسبز ہونا۔

بڑ۔ یعنی بوہڑ کے درخت سے مراد نصاریٰ کا دین ہے کہ جس کی عظمت اور سرکشی تو بہت ہے مگر پھل ندارد۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۱۰۷-۱۰۸ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء

بعد نماز جمعہ چند اشخاص نے بیعت کی جس پر حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی:۔

بیعتِ توبہ

اس وقت جو تم بیعت کرتے ہو یہ بیعتِ توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ جو کوئی توبہ کریگا اس کے گناہ بخش دُونگا۔ گناہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان دیدہ دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور ان احکام کے برخلاف کرے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ان باتوں کو کرے جن کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ گناہ ایسی چیز ہے کہ جس کا نتیجہ اس دُنیا میں بھی بد ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو فراموش کر دیتا ہے اور تائب کو بیگناہ سمجھتا ہے مگر

شرط یہ ہے کہ تائب اپنی توبہ پر قائم رہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ توبہ کرکے بھول جاتے ہیں۔ مثلاً حج کرنیوالے حج کرکے آتے ہیں اور واپس آکر چند دنوں کے بعد پھر سابقہ بدیوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں تو ان کے اس حج سے کیا فائدہ؟ خدا تعالیٰ گناہوں سے ہمیشہ بیزار ہے اس لیے انسان کو گناہ سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ جو شخص اس بات پر قادر ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور پھر نہ چھوڑے تو خدا تعالیٰ ایسے شخص کو ضرور پکڑے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اس توبہ کے درخت سے پھل کھاؤ اور تمہارے گھر وباؤں سے بچے رہیں تو چاہیئے کہ سچی توبہ کرو۔

خدا تعالیٰ اپنی سنّت کو نہیں بدلا کرتا۔ جیسے قرآن شریف میں ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (فاطر: ۴۴) اور جو انسان ذرا سی بھی نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح جو ذرہ بھر بدی کرتا ہے اس پر بھی خدا تعالیٰ مواخذہ کرتا ہے۔ پس جب یہ حالت ہے تو گناہ سے بہت بچنا چاہیئے۔

گناہ کی پرواہ نہ کرنی

بعض لوگ گناہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے گویا گناہ کو ایک شیریں شربت کی مثال خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا مگر یاد رکھیں کہ جیسے خدا تعالیٰ بڑا غفور اور رحیم ہے ویسے ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے جب وہ غضب میں آتا ہے تو کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ فرماتا ہے وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶) یعنی کسی کی اولاد کی بھی اسے پروا نہیں ہوتی کہ اگر فلاں شخص ہلاک ہوگا تو اس کے یتیم بچے کیا کریں گے۔ آجکل دیکھو یہی حالت ہو رہی ہے۔ آخر کار ایسے بچے پادریوں کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے گناہ کرکے کبھی بے پروا مت رہو اور ہمیشہ توبہ کرو۔

نماز اور دُعا کا حق

یہ مت خیال کرو کہ جو نماز کا حق تھا ہم نے ادا کر لیا یا دُعا کا جو حق تھا وہ ہم نے پورا کیا۔ ہرگز نہیں۔ دُعا اور نماز کے حق کا ادا کرنا چھوٹی بات نہیں یہ تو ایک موت اپنے اوپر وارد کرنی ہے۔ نماز اس بات کا نام ہے کہ جب انسان اسے ادا کرتا ہو۔ تو یہ محسوس کرے کہ اس جہان سے دوسرے جہان میں پہنچ گیا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو بَری خیال کرکے کہتے ہیں کہ ہم نے تو نماز بھی پڑھی اور دعا بھی کی ہے مگر قبول نہیں ہوتی۔ یہ ان لوگوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ نماز اور دعا میں جب تک انسان غفلت اور کسل سے خالی نہ ہو تو وہ قبولیت کے قابل نہیں ہوا کرتی۔ اگر انسان ایک ایسا کھانا کھائے جو کہ بظاہر تو میٹھا ہے مگر اس کے اندر زہر ملی ہوئی ہے۔ تو مٹھاس سے وہ زہر معلوم تو نہ ہوگا مگر پیشتر اس کے کہ مٹھاس اپنا اثر کرے زہر پہلے ہی اثر کرکے کام تمام کر دیگا۔ یہی وجہ ہے کہ غفلت سے بھری ہوئی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ غفلت اپنا اثر پہلے کر جاتی ہے۔ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بالکل مطیع ہو اور پھر اس کی دُعا قبول نہ ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کے

مقررہ شرائط کو کامل طور پر ادا کرے۔ جیسے ایک انسان اگر دُوربین سے دُور کی شئے نزدیک دیکھنا چاہے تو جب تک وہ دُوربین کے آلہ کو ٹھیک ترتیب پر نہ رکھے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہی حال نماز اور دعا کا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کام کی شرط ہے جب وہ کامل طور پر ادا ہو تو اس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی کو پیاس لگی ہو اور پانی اس کے پاس بہت سا موجود ہے مگر وہ پیئے نہ تو فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یا اگر اس میں سے ایک دو قطرہ پیئے تو کیا ہوگا؛ پوری مقدار پینے سے ہی فائدہ ہوگا۔ غرضکہ ہر ایک کام کے واسطے خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کی ہے جب وہ اس حد پر پہنچتا ہے تو بابرکت ہوتا ہے اور جو کام اس حد تک نہ پہنچیں تو وہ اچھے نہیں کہلاتے اور نہ ان میں برکت ہوتی ہے۔

عاجزی

عاجزی اختیار کرنی چاہیئے۔ عاجزی کا سیکھنا مشکل نہیں ہے اس کا سیکھنا ہی کیا ہے، انسان تو خود ہی عاجز ہے اور وہ عاجزی کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذّاریات : ۵۷)

تکبر وغیرہ سب بناوٹی چیزیں ہیں اگر وہ اس بناوٹ کو اُتار دے تو پھر اُس کی فطرت میں عاجزی ہی نظر آویگی اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو اور تمہارے گھروں میں امن رہے تو مناسب ہے کہ دُعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دُعاؤں سے پُر کرو۔ جس گھر میں ہمیشہ دُعا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کیا کرتا۔ لیکن جو سُستی میں زندگی بسر کرتا ہے اُسے آخر فرشتے بیدار کرتے ہیں۔ اگر تم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہت پکا ہے وہ کبھی تم سے ایسا سلوک نہ کریگا جیسا کہ فاسق فاجر سے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ تم کو عذاب دیوے بشرطیکہ تم ایمان لاؤ اور شکر کرو۔ انسان کو عذاب ہمیشہ گناہ کے باعث ہوتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ (الرعد : ۱۲) اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے۔ جب تک انسان اپنے آپ کو صاف نہ کرے تب تک خدا تعالیٰ عذاب کو دور نہیں کرتا ہے۔

یہ دنیا خود بخود نہیں ہے اس کے لیے ایک خالق ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اسی کی مرضی سے ہو رہا ہے بغیر اس کی رضا کے ایک ذرّہ حرکت نہیں کر سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ سے ترساں رہے گا وہ خود محسوس کریگا کہ اس میں ایک فرقان پیدا ہو گیا ہے مگر شرط یہ ہے کہ شیطانی سیرت کا انسان نہ ہو۔ تکالیف تو نبیوں پر بھی آتی ہیں مگر وہ عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ اُن کے لیے وہ باعث برکت ہوتی ہیں۔

دغا باز آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ اس کے منہ پر ماری جاتی ہے کیونکہ وہ دراصل نماز نہیں پڑھتا بلکہ خدا تعالیٰ کو رشوت دینا چاہتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو اس سے نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ رشوت کو خود پسند نہیں کرتا۔

نماز کوئی ایسی ویسی شئے نہیں ہے بلکہ یہ وہ شئے ہے جس میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (الفاتحہ:۶) جیسی دُعا کی جاتی ہے اس دُعا میں بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں ان پر دُنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہیئے جو کام ہوتا ہے اس کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ طاعون بھی اسی کے حکم سے آئی ہے یہ دُنیا سے رخصت نہ ہوگی جب تک ایک تغیر عظیم پیدا نہ کرلے۔ جو اس سے نہیں ڈرتا وہ بڑا بدبخت ہے اور اس کے استیصال کے لیے ایک ہی راہ ہے وہ یہ کہ اپنے آپ کو پاک کرو کیونکہ اگر پاک ہو کر مَرے بھی جاوے گا تو وہ بہشت کو پہنچے گا۔ مرنا تو سب نے ہے مومن نے بھی اور کافر نے بھی مگر مومن اور کافر کی موت میں خدا تعالیٰ فرق کر دیتا ہے۔

دیکھو ان باتوں کو منتر جنتر نہ سمجھو اور یہ خیال نہ کرو کہ یونہی فائدہ ہو جاوے گا جیسے کہ بھوکے کے سامنے روٹیوں کا انبار فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ وہ نہ کھا وے۔ اسی طرح آج کے اقرار کے مطابق جب تک کوئی اپنے آپ کو گناہ سے نہ بچاوے گا اسے برکت نہ ہوگی۔ یاد رکھو کہ مَیں اس بات پر شاہد ہوں کہ میں نے تم کو سمجھا دیا ہے۔

اب تم کو چاہیئے کہ بُرائیوں سے بچنے کے واسطے خدا تعالیٰ سے دُعا کرو تا کہ بچے رہو۔ جو شخص بہت دُعا کرتا ہے اس کے واسطے آسمان سے توفیق نازل کی جاتی ہے کہ گناہ سے بچے اور دعا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ سے بچنے کے لیے کوئی نہ کوئی راہ اُسے مِل جاتی ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا یعنی جو امور اُسے کشاں کشاں گناہ کی طرف لے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان امور سے بچنے کی توفیق اسے عطا فرماتا ہے قرآن کو بہت پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیئے کیونکہ محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ کسان کو دیکھو کہ جب وہ زمین میں ہل چلاتا ہے اور قسم قسم کی محنت اُٹھاتا ہے تب پھل حاصل کرتا ہے۔ مگر محنت کے لیے زمین کا اچھا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح انسان کا دل بھی اچھا ہو سامان بھی عمدہ ہو سب کچھ کر بھی سکے۔ تب جا کر فائدہ پاوے گا۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم:۴۰) دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط باندھنا چاہیئے۔ جب یہ ہوگا تو دل خود خدا سے ڈرتا رہے گا اور جب دل ڈرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اپنے بندے پر خود رحم آجاتا ہے اور پھر تمام بلاؤں سے اُسے بچاتا ہے۔

گناہ سے بچو۔ نماز ادا کرو۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھو۔ خدا تعالیٰ کا سچا غلام وہی ہوتا ہے جو دین کو دُنیا پر مقدم رکھتا ہے۔

لقاء الٰہی کا واسطہ قرآن اور آنحضرتؐ ہیں

ہر ایک شخص کو خود بخود خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں ہے اس کے واسطے واسطہ

ضرور ہے اور وہ واسطہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس واسطے جو آپ کو چھوڑتا ہے وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔ انسان تو دراصل بندہ یعنی غلام ہے غلام کا کام یہ ہوتا ہے کہ مالک جو حکم کرے اُسے قبول کرے۔ اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الزمر: ۵۴) اس جگہ بندوں سے مراد غلام ہی ہیں نہ کہ مخلوق۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بندہ ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ آپ پر درود پڑھو۔ اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو۔ سب حکموں پر کاربند رہو جیسے کہ حکم ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲) یعنی اگر تم خدا تعالیٰ سے پیار کرنا چاہتے ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے فرماں بردار بن جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں فنا ہو جاؤ تب خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

جب لوگ بدعتوں پر عمل کرتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ کیا کریں دُنیا سے چھٹکارا نہیں ملتا یا کہتے ہیں کہ ناک کٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں گویا انسان خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو چھوڑتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ہے اور خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنا بے فائدہ ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۱ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

دلیل صداقت

فرمایا:۔

جب ہمیں یہ الہام ہوا تھا وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا اس وقت تو ایک شخص بھی ہمارا مُرید نہ تھا۔ اگر یہ سلسلہ من عندِ غیر اللہ ہوتا تو آج تک الٰہی بخش کی طرح بیکار ہی پڑا رہتا۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں؟

الٰہی بخش تو میرے الہامات کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ ایسا کیوں کرتا ہے کہ الہام ہمارے سالہا سال سے شائع ہو چکے ہیں اُن کی اب نقل کرتا ہے۔ اصل میں جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح حق اپنے انوار سے شناخت کیا جاتا ہے۔

اسی طرح يَا مَسِيْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانًا اس وقت سے چھپا ہوا اور شائع شدہ ہے جبکہ طاعون کا کہیں نام و نشان

بھی نہ تھا اور اب آج طاعون کی وجہ سے لوگ آتے اور زبانِ حال سے کہتے ہیں یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا اور اکثر اپنے خطوں میں لکھتے ہیں۔ اب یا تو یہ ثابت کرو کہ یہ الہام ہمارا من گھڑت ہے اور ہم نے اپنی کوشش سے چند لوگوں کو اس کے مکمل کرنے کے واسطے ملا لیا ہے یا یہ قبول کرو کہ یہ جو دو دو اور چار چار سو آدمی یکدم بیعت کرتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی تائید ہے۔

جس زور کے ساتھ طاعون کی وجہ سے لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں اس طرح کسی کو یقین چھوڑ وہم بھی نہ تھا کیونکہ یہ الہام اس وقت کا ہے جب ان لوگوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس لیے ان تمام ناموں کو محفوظ رکھا جاوے اور اگر ان لوگوں کا الگ رجسٹر نہ ہو تو رجسٹر بیعت ہی میں سُرخی کیساتھ ان کو درج کیا جاوے۔

کنچنی کی مسجد میں نماز

ایک شخص کے سوال پر فرمایا کہ:۔
کنچنی کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز درست نہیں۔

طریقِ ادب سے بعید سوالات

پھر ایک شخص نے پوچھا کہ قیامت کے دن بھی ہماری جماعت اسی طرح آپکے آگے پیچھے ہوگی؟ فرمایا:۔
یہ تفصیلیں نہیں ہو سکتی ہیں۔ ایسے سوال طریقِ ادب سے بعید ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

حق کی چارہ جوئی

سوال ہوا کہ مخالف ہم کو مسجد میں نماز پڑھنے نہیں دیتے حالانکہ مسجد میں ہمارا حق ہے۔ ہم ان سے بذریعہ عدالت فیصلہ کریں؟
فرمایا:۔
ہاں اگر کوئی حق ہے تو بذریعہ عدالت چارہ جوئی کرو۔ فساد کرنا منع ہے۔ کوئی دنگہ فساد نہ کرو۔

مخالف کے گھر کی چیز کھانا

سوال ہوا کہ کیا مخالفوں کے گھر کی چیز کھا لیوں؟ فرمایا:۔
نصاریٰ کی پاک چیزیں بھی کھا لی جاتی ہیں۔ ہندوؤں کی مٹھائی وغیرہ بھی ہم کھا لیتے ہیں۔ پھر ان کی چیز کھا لینا کیا منع ہے؟

مخالف سے حُسنِ معاشرت

ہاں میں نماز سے منع کرتا ہوں کہ ان کے پیچھے نہ پڑھو۔ اس کے سوائے دنیاوی معاملات میں بیشک شریک ہو۔ احسان کرو مروّت کرو اور ان کو قرض دو اور اُن سے قرض لو اگر ضرورت پڑے تو صبر سے کام لو شائد کہ اس سے سمجھ بھی جاویں۔

نماز کی اہمیت

ایک شخص نے عرض کی کہ میرے لیے دُعا کریں کہ نماز کی توفیق اور استقامت ملے۔ فرمایا:۔
حقیقت میں جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ ایمان کو چھوڑتا ہے اس سے خدا کے ساتھ تعلقات میں فرق آجاتا

جاتا ہے۔ اس طرف سے فرق آیا تو معاً اُس طرف سے بھی فرق آجاتا ہے۔

سر پر ہاتھ رکھنا

پھر اسی شخص نے عرض کی کہ میرے سر پر ہاتھ رکھیں آپ نے اسکے سر پر ہاتھ رکھدیا اور اس طرح پر اخلاق فاضلہ کا ثبوت دیا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۰۔ ۱۱ مورخہ ۲۴۔ اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۱۔ اپریل ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

تکمیلِ ایمان کا ذریعہ

اصل میں ایمان کے کمالِ تام کا ذریعہ الہاماتِ صحیحہ اور پیشگوئی ہوتے ہیں ایمان کبھی قصوں کہانیوں سے ترقی نہیں پکڑتے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ انسان جس مذہب میں پیدا ہوتا ہے۔ جس راہ و رسم کا پابند اپنے آباء و اجداد کو پاتا ہے اکثر اسی کا پابند ہوا کرتا ہے۔ اگر ایک بُت پرست کے گھر میں پیدا ہوا ہو تو بُت پرستی ہی اس کا شیوہ ہوگا۔ اور اگر ایک عیسائی کے ہاں اس نے تربیت پائی ہے تو وہی خُو بُو اس میں پائی جاوے گی۔ مگر اس کے مسائل اور اس کے بنیادی عقائد کا بہت سا حصہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کی عقل و فہم میں کچھ بھی نہیں آیا ہوتا۔ صرف لکیر کا فقیر ہوتا ہے بچپن اور اوائل عمر میں تو کیا کوئی ان مذاہب کی حقیقت سے آگاہ ہوگا۔ عیسویت کے حامی تو اگر ان سے کوئی پوری تعلیم کا پورا جوان عاقل بالغ بھی ان کی تثلیث کے راز کو پوچھے تو کہدیتے ہیں کہ یہ راز ہے جو ایشیائی دماغ کی بناوٹ کے لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اور یہی حال بُت پرست کا ہے۔

اسلام کی حقانیت

ہاں البتہ اسلام ایک دُنیا میں ایسا مذہب ہے کہ جس کے عقائد ایسے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ سکتا ہے اور وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام کے مسائل ایسے ہیں کہ کسی خاص دماغ یا عقل کے واسطے خاص نہیں بلکہ وہ تمام دنیا کے واسطے یکساں ہیں اور ہر ایک کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مگر وہ زندہ ایمان کہ جس سے انسان خدا تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور وہ نور جس سے انسان کی آنکھ کھل کر اس کو ایقان تام حاصل ہو جاوے وہ صرف الہام ہی پر منحصر ہے۔ الہام سے انسان کو ایک نور ملتا ہے جس سے وہ ہر تاریکی سے مبرا ہو جاتا ہے اور ایک قسم کا اطمینان اور تسلی اسے ملتی ہے۔ اس کا نفس اس دن سے خدا تعالیٰ میں آرام پانے لگتا ہے اور ہر گناہ فسق و فجور سے اس کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس کا دل امید اور بیم سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حقیقی معرفت کی وجہ سے وہ ہر وقت ترساں

وابستہ رہتا ہے اور زندگی کو ناپائیدار جانتا اور نفسانی لذات کی ہوس اور خواہش کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں لگ جاتا ہے اور درحقیقت وہ اسی وقت گناہ کی آلودگی سے علیحدہ ہوتا ہے۔

جب تک تازہ نور انسان کو آسمان پر سے نہ ملے اور خدا تعالیٰ کا مشاہدہ نہ ہو جاوے تب تک پورا ایمان نہیں ہوتا جب تک ایمان کمال درجہ تک نہ پہنچا ہو تب تک گناہ کی قید سے رہائی ناممکن ہے۔ بجز الہام کے ایمان کی تصویر لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ اس کی ماہیت سے لوگ بے بہرہ اور خالی محض ہوتے ہیں تعجب ہے کہ یورپ تو آجکل بہت سی ٹھوکریں کھا کر ان امور کو تسلیم کرتا جاتا ہے مگر ہمارے مولوی انکار و کفر میں غرق ہیں اگر الہام پر لے کا نام بھی لیا جاوے تو کفر کا فتویٰ تیار ہے۔ وحی کے نزول کا دعویٰ کرنے والا تو اکفر اور ضال اور دجال ہے۔ افسوس آتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کے کلام سے کیسے دور جا پڑے ہیں اور ان سے فہم قرآن چھین لیا گیا ہے۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اس اُمت کو اس شرف سے محروم ہی رکھنا تھا تو یہ دُعا ہی کیوں سکھائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. (الفاتحہ: ۶، ۷) اس دُعا سے تو صاف نکلتا ہے کہ یا الٰہی ہمیں پہلے منعم علیہم لوگوں کی راہ پر چلا اور جو ان کو انعامات ملے ہمیں بھی وہ انعامات عطا فرما۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کون تھے؟ خدا تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے کہ نبی۔ صدیق۔ شہید۔ صالح لوگ تھے اور ان کا بڑا انعام یہی الہام اور وحی کا نزول تھا بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اس دُعا کا سچا نتیجہ جو ہے اس سے محروم ہی رکھنا تھا تو پھر کیوں ایسی دُعا سکھائی؟ ہمیں تعجب آتا ہے کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ یہی تو ایک چیز تھی۔ جو نہایت نازک اور رُوح کی غذا تھی۔ جو انسان اس کے حصول کا پیاسا نہیں۔ ممکن نہیں کہ اس کے اندر پاک تبدیلی آسکے اور جب تک انسان اس طرح خدا تعالیٰ کا چہرہ نہ دیکھے اور اس کی سُریلی آواز سے بہرہ ور نہ ہو۔ تب تک ممکن نہیں کہ گناہ کے زہر سے بچ سکے۔ خیر خود تو محروم اور بے نصیب تھے ہی مگر دوسروں کو جو اس قسم کے خیال رکھیں کہ خدا تعالیٰ کسی سے ہمکلام ہو سکتا ہے کافر جانتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔ مگر ہمیں خود اُن کے ایمان کا خطرہ ہے کہ ان کا ایمان ہی کیا ہے جو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کے واسطے ہاتھ ہی کس طرح اُٹھا سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے ذرائع

دو ہی چیزیں ہیں کہ جو خدا تک انسان کو پہنچا سکتی ہیں۔ دیدار جس کی موسیٰؑ نے بھی درخواست کی تھی اور وہ بھی الہام ہی کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ جب انسان اس کی طرف ترقی پاتا ہے تو اور اور مدارج کی بھی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرنا چاہتا ہے۔

دوسری چیز خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی گفتار ہے اور یہ فضل خدا تعالیٰ کا تو ایسا ہوا ہے کہ عورتوں تک بھی

گفتار سے مشرف ہوتی رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ کی ماں کو بھی ہمکلامی کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو بھی یہ نعمت ملی ہوئی تھی۔ خضر کو بھی الہام ہوتا تھا تو کیا اسلام ہی ایسا گیا گذرا تھا؟ اور خدا تعالیٰ کی نظر میں گرا ہوا تھا کہ اُسے بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی پیچھے پھینک دیا۔ ان وہابیوں کا تو یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ میں سے کسی کو اور نہ بعد میں اُمت میں سے کسی کو اور نہ ہی بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے ولیوں مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ ان میں سے کسی کو بھی الہام نہیں ہوا۔ یہ سارے کے سارے ہی خشک مُلّاں تھے ان میں سے کسی کو بھی خدا تعالیٰ کے مکالمے مخاطبے کا شرف نہ ملا ہوا تھا۔ انکے ہاتھ میں بھی صرف قصے کہانیاں ہی تھیں۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۱) کے معنے ہی ان کے نزدیک یہی ہیں کہ الہام کا دروازہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آپ کے بعد آپ کی اُمت سے یہ برکت کہ کسی کو مکالمات اور مخاطبات ہوں بالکل اُٹھ گئی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر صدی اس امر کی منتظر ہوتی ہے کہ اس اُمت میں سے چند افراد یا کوئی ایک فرد ضرور خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں گے جو اسلام پر سے گرد و غبار کو دُور کر کے پھر اسلام کے روشن چہرے کو چمکا کر دکھایا کریں ان لوگوں سے اگر پوچھا جاوے کہ تمہارے پاس سچائی کی دلیل ہی کونسی ہے؟ کوئی معجزات یا خارق عادت تمہارے پاس نہیں تو دوسروں کا حوالہ دیں گے۔ خود خالی اور محروم ہیں۔ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر اور آپ کی صحبت کی برکت سے آنحضرت کے ہی رنگ میں رنگین ہو گئے تھے اور ان کے ایمانوں کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اور معجزات کثرت سے دیکھنے اور ہر وقت مشاہدہ کرنے سے اُن کے ایمانوں کا تزکیہ اور تربیت ہوتی گئی اور آخر کار ترقی کرتے کرتے وہ کمالِ تام تک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو گئے مگر ان لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط کرنے کے واسطے اگر اُن سے پوچھا جاوے تو کیا ہے؟ تیرہ سَو برس کا حوالہ دیں گے کہ اس وقت یہ معجزات اور خارقِ عادت ظاہر ہوا کرتے تھے پیشگوئیاں بھی تھیں مگر اب کچھ بھی نہیں۔

خیرِ اُمم

مَیں نہیں سمجھتا کہ اگر خدا تعالیٰ نے اُسے شرّ الامم بنانا تھا تو اُس کا نام قرآن شریف میں خیر اُمت کر کے کیوں پکارا؟ کیونکہ اس کی موجودہ حالت بقول مولویوں کے بدترین معلوم ہوتی ہے۔ اندرونی و بیرونی حملوں سے پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ دجّال نے آکر ہر طرف سے گھیر لیا ہے تو پھر ایسے مصیبت کے وقت میں اگر خبر گیری بھی کی تو ایک اور دجّال بھیجدیا جو دین کا حامی ہونے کی بجائے بیخ کُن ہے اور ان کے لوگ ہزاروں مجاہدے اور ریاضت زہد و تعبد کریں مگر خُدا سے مکالمہ کا شرف کبھی نہیں نصیب ہوتا ہے اور ایسے گئے گذرے ہیں کہ دوسری امتوں کی عورتوں سے بھی درماندہ اور پس پا افتادہ ہیں اُن میں تو ایک موسوی شریعت کے خادم ہزاروں نبی آئے اور ایک ایک زمانہ میں چار چار سو نبی بھی ہوتے رہے۔ مگر اس

اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا خادم ایک بھی صاحب الہام نہ آیا۔ گویا کہ سارے کا سارا باغ ہی بے ثمرہ گیا۔ پہلے لوگوں کے باغ تو مثمر ہوئے مگر ان کے اعتقاد کے بموجب نعوذ باللہ آپؐ کا باغ بے برگ و بار ہوا۔ اگر ان لوگوں کا یہی دین اور ایمان ہے تو خُدا دنیا پر رحم کرے اور لوگوں کو ایسے ایمان سے نجات دیوے۔

ایمان

ایمان کی نشانی ہی کیا ہے اور اس کے معنے کیا ہیں یہی کہ مان لینا اور پھر اس پر یقین آجانا۔ جب انسان ایک بات کو سچے دل سے مان لیتا ہے تو اس کا اس پر یقین ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اس سے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ سنکھیا ایک زہر ہوتا ہے اور اس کے کھانے سے انسان مر جاتا ہے یا ایک سانپ جان کا دشمن ہوتا ہے جس کو کاٹتا ہے اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ تو اس ایمان کے بعد نہ تو وہ سنکھیا کھاتا اور نہ ہی سانپ کے سوراخ میں اُنگلی ڈالتا۔

آجکل طاعون کے متعلق لوگوں کو ایمان ہے کہ اس کی لاگ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے جس مکان میں طاعون ہو اس سے کوسوں بھاگتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں۔ غرض جس چیز پر ایمان کامل ہوتا ہے اس کے مطابق اس سے عمل بھی صادر ہوا کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ خدا کے موجود ہونے کا ایمان ہو اور جزا سزا کے دن کا ایمان ہو اور حساب کتاب یاد ہو تو پھر گناہ باقی رہ جاویں یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا خدا کا ایمان سانپ کے خوف سے بھی گیا گذرا ہے؟ مومن ہونے کا دعویٰ ہے اور پھر بایں چوری۔ جھوٹ۔ زنا۔ بدنظری۔ شراب خوری۔ فسق و فجور میں فرق نہیں۔ نفاق اور ریاکاری کی تصدیق نہیں۔ زبانی ایمان کا دعویٰ ہے ورنہ عملی طور پر ایمان اور دین کچھ بھی چیز نہیں۔

ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کو جس چیز کے مفید ہونے کا ایمان ہے اُسے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ کوئی امیر اور کوئی غریب ہم نے نہیں دیکھا جو اپنے گھر سے اپنی جائداد یا دولت کو جو اس کے پاس ہے باہر نکال پھینکتا ہو بلکہ ہم نے تو کسی کو ایک پیسہ بھی پھینکتے نہیں دیکھا۔ پیسہ تو کجا ایک سوئی بھی اگر کمائی ہوئی ٹوٹ جاوے تو اُسے رنج ہوتا ہے کہ میرے کارآمد چیز تھی۔ مگر ایمان باللہ کی قدر ان لوگوں کی نظر میں اُس سوئی کے برابر بھی نہیں اور نہ اس کا فائدہ ایک سوئی کے برابر لوگ جانتے ہیں۔ پس جب ایمان ایسا ہوتا ہے کہ ایک سوئی کے برابر بھی اس کی قدر ان میں نہیں ہوتی۔ تو اسی کے مطابق اُن کو انسان سے نفع بھی نہیں پہنچتا اور نہ ان کو وہ کمال حاصل ہوتا ہے کہ خُدا ان پر الہامات کے دروازے کھول دے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

٭ ٭ ٭

۱۲؍اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

بیماری کی افادیت

بیماریوں کے ذکر پر فرمایا کہ:۔
بیماری کی شدت سے موت اور موت سے خدا یاد آتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (نساء، ۲۹) انسان چند روز کے لیے زندہ ہے۔ ذرہ ذرہ کا وہی مالک ہے جو حی و قیوم ہے۔ جب وقتِ موعود آجاتا ہے تو ہر ایک چیز السلام علیکم کہتی اور سارے قویٰ رخصت کر کے الگ ہو جاتے ہیں اور جہاں سے یہ آیا ہے وہیں چلا جاتا ہے۔

طاعون کا علاج

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ:۔
آسمانی علاج ابھی تک لوگوں نے غیر مفید سمجھا ہوا ہے۔ سچی توبہ اور تقویٰ کی طرف پورا رجوع نہیں کیا مگر یاد رکھیں کہ خدا رجوع کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

رکوع و سجود میں قرآنی دُعا کرنا

مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے سوال کیا کہ رکوع و سجود میں قرآنی آیت یا دُعا کا پڑھنا کیسا ہے؟

فرمایا:۔
سجدہ اور رکوع فروتنی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ کا کلام عظمت چاہتا ہے۔ ماسوا اس کے حدیثوں سے کہیں ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رکوع یا سجود میں کوئی قرآنی دُعا پڑھی ہو۔

رہن کے متعلق سوال ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

رہن

موجودہ تجاویز رہن جائز ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اگر فصل ہوگئی تو حکام زمینداروں سے معاملہ وصول کر لیا کرتے تھے اگر نہ ہوتی تو معاف ہو جاتا اور اب خواہ فصل ہو یا نہ ہو حکام اپنا مطالبہ وصول کر ہی لیتے ہیں۔ پس چونکہ حکام وقت اپنا مطالبہ کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تو اس طرح یہ رہن بھی جائز رہا کیونکہ کبھی فصل ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی۔ تو دونو صورتوں میں مرتہن نفع و نقصان کا ذمہ دار ہے۔ پس رہن عدل کی صورت میں جائز ہے۔ آجکل گورنمنٹ کے معاملے زمینداروں سے ٹھیکہ کی صورت میں ہوگئے ہیں اور اس صورت میں زمینداروں کو کبھی فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا ہے۔ ایسی صورت عدل میں رہن بیشک جائز ہے۔

جب دودھ والا جانور اور سواری کا گھوڑا رہن با قبضہ ہو سکتا ہے اور اس کے دودھ اور سواری سے مرتہن فائدہ اُٹھا سکتا ہے تو پھر زمین کا رہن تو آپ ہی حاصل ہو گیا۔

پھر زیور کے رہن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:۔
زیور ہو کچھ ہو جب انتفاع جائز ہے تو خواہ نخواہ تکلفات کیوں بناتے جاویں۔ اگر کوئی شخص زیور کو استعمال کرنے سے اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے۔ زیور کی زکوٰۃ بھی فرض ہے چنانچہ کل ہی ہمارے گھر میں زیور کی زکوٰۃ ڈیڑھ سو روپیہ دیا ہے۔ پس اگر زیور استعمال کرنا ہے تو اس کی زکوٰۃ دے اگر بکری رہن رکھی ہے اور اس کا دودھ پیتا ہے تو اس کو گھاس بھی دے۔
(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴/ اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۲/ اپریل ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

خواب قضاءِ معلق ہوتے ہیں

ایک خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ:۔
خواب ہر ایک انسان کو عمر بھر میں کبھی مبشر اور کبھی وحشتناک ضرور آتے ہیں مگر وہی قضا مبرم اور فیصلہ کُن نہیں ہوا کرتی۔ خدا تعالیٰ کی معرفت کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ قضا کبھی ٹل بھی جایا کرتی ہے۔ خواب کے حالات خواہ مبشر ہوں یا منذر۔ دونو صورتوں میں قضاءِ معلق کے رنگ میں ہوا کرتے ہیں۔ اُن کے نتائج کے بَرلانے یا روکنے کے واسطے ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کرے کہ اگر یہ امر میرے واسطے مفید اور تیری رضا کے بموجب ہے تو تُو اُسے جیسا مجھے خواب میں مبشر دکھایا ہے ایسا ہی بشارت آمیز صورت میں پورا کر۔ ورنہ منذر ہے تو اس کی خوفناک صورت سے اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنے کے لیے بھی استغفار اور توبہ کرتا رہے۔

قضاءِ معلق دُعا سے ٹل سکتی ہے

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ قضا ٹل جایا کرتی ہے اس لیے انسان پوری تضرع، خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے اور سچی عاجزی۔ فروتنی اور درد دل سے اُس سے دُعا کرے۔ خواب میں دیکھے ہوئے حالات کے متعلق خواہ وہ کسی رنگ میں ہوں۔ دونوں صورتوں میں دعا کی ضرورت ہے۔
ہمیں بارہا خیال آتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی کوئی ایک وحشت ناک ہی معاملہ معلوم ہوا ہوگا کہ انہوں نے ساری رات دُعا میں صرف کی اور نہایت درجہ کے درد انگیز اور بلبلانے والے الفاظ سے خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کرتے رہے۔ ممکن ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی تقدیرِ معلق کو مبرم ہی خیال کر بیٹھے ہوں اور اسی وجہ سے ان کا یہ

سارا اضطراب اور گھبراہٹ بڑھ گئی ہو اور اس درجہ کا گداز اور رقت اُن میں اپنا آخری دم جان کر ہی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ اکثر ایک تقدیر جو معلق ہوا کرتی ہے ایسی باریک رنگ میں ہوتی ہے کہ اس کو سرسری نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مبرم ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ میری دُعا سے اکثر وہ قضا جو قضائے مبرم کے رنگ میں ہوتی ہے ٹل جاتی ہے اور ایسے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں مگر ان کے اس امر کا جواب ایک اَور بزرگ نے دیا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تقدیرِ معلق ایسے طور سے واقع ہوتی ہے کہ اس کا پہچاننا کہ آیا معلق ہے یا مبرم محال ہو جاتا ہے اُسے سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ مبرم ہے مگر درحقیقت ہوتی وہ تقدیر معلق ہے اور وہ ایسی ہی تقدیریں ہوں گی جو شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے ٹل گئی ہوں کیونکہ تقدیر معلق ٹل جایا کرتی ہے۔ غرض اہل اللہ نے اس امر کو خوب واضح طور سے لکھا ہے کہ قضا معلق ٹل جایا کرتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑی بھاری صعوبت اور مشکل کا وقت تھا کیونکہ ان کی اپنی ہی کتاب کے الفاظ بھی ایسے ہی ہیں کہ آخر میں فرمایا۔ سُمِعَ لِتَقْوٰہُ یعنی تقدیر تو بڑی سخت تھی اور بڑی مصیبت کا وقت تھا مگر اس کے تقویٰ کی وجہ سے آخر کار اس کی دعا ضائع نہ گئی بلکہ سُنی گئی۔ یہ عیسائی بدنصیب اس امر کی طرف تو خیال نہیں کرتے کہ اوّل تو خدا اور اسکا مرنا یہ دونوں فقرے آپس میں کیسے متضاد پڑے معلوم ہوتے ہیں جب ایک کان میں یہ آواز ہی پڑتی ہے تو وہ چونک پڑتا ہے کہ ایں یہ کیا لفظ ہیں؟ اور پھر ماسوا اس کے ایک ایسے شخص کو خدا بنائے بیٹھے ہیں کہ جس نے بخیال ان کے ساری رات یعنی چار پہر کا وقت لغو اور بیہودہ کام میں جو اس کے آقا اور مولیٰ کی منشاء اور رضا کے خلاف تھا خواہ نخواہ ضائع کیا اور پھر ساری رات رویا اور ایسے درد اور گداز کے الفاظ میں دُعا کی کہ لوہا بھی موم ہو مگر ایک بھی نہ سُنی گئی۔ واہ اچھا خدا تھا!

پھر کہتے ہیں کہ اس وقت ان کی رُوح انسانی تھی نہ رُوح الوہیت۔ ہم پوچھتے ہیں کہ بھلا ان کی رُوح اگر انسانی تھی تو اس وقت اُن کی الوہیت کی روح کہاں تھی؟ کیا وہ آرام کرتی تھی اور خواب غفلت میں غرقِ نوم تھی۔ خود بیچارے نے بڑے درد اور رقت کے ساتھ چلّا چلّا کر دُعا کی۔ حواریوں سے دعا کرائی مگر سب بے فائدہ تھی۔ وہاں ایک بھی نہ سُنی گئی۔ آخر کار خدا صاحب یہودیوں کے ہاتھ سے ملکِ عدم کو پہنچے۔ کیسے قابل شرم اور افسوس ہیں ایسے خیالات۔ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسا ہی ایک وقت مصیبت اور صعوبت کا آیا تھا اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر ایک ایسا مشکل اور نہایت درجہ کی مصیبت کا ایک وقت ضرور آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُحد کا معاملہ کوئی تھوڑا معاملہ تھا؟ آخر کار وہاں شیطان بھی بول اُٹھا تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرتؐ مارے گئے اور ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے بھی اس افراتفری میں ایسا خیال کیا ہو

اور بعض صحابہؓ تو تتر بتر بھی ہو گئے تھے۔ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے تھے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (مریم: ۷۲) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرور انبیاء اور صلحاء کو بھی دنیا میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ نہایت درجہ کی مصیبت کا وقت اور سخت جانکاہ مشکل ہوتی ہے اور اہلِ حق بھی ایک دفعہ اس صعوبت میں وارد ہوتے ہیں مگر خدا تعالیٰ جلد تر ان کی خبر گیری کرتا اور ان کو اس سے نکال لیتا ہے اور چونکہ وہ ایک تقدیر معلق ہوتی ہے۔ اس واسطے ان کی دعاؤں اور ابتہال سے ٹل جایا کرتی ہیں

شیخ رحمت اللہ صاحب کی دُعا

شیخ رحمت اللہ صاحب کی دکان کو آگ لگنے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ننگے سر اور ننگے پاؤں سجدے میں گر کر دُعا کی تو معاً دُعا کرتے کرتے خدا تعالیٰ نے ہوا کا رُخ بدل دیا اور امن امن کی آواز آگئی اور ہر طرح اطمینان ہو گیا۔

ملائکہ کی حقیقت

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہوا۔ پانی۔ آگ وغیرہ بھی ایک طرح کے ملائکہ ہی ہیں۔ ہاں بڑے بڑے ملائکہ وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا مگر اس کے سوا باقی اشیاء مفید بھی ملائکہ ہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جہاں فرماتا ہے کہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: ۴۵) یعنی کل اشیاء خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں تسبیح کے معنے یہی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ ان کو حکم کرتا ہے اور جس طرح اُس کا منشا ہوتا ہے اسی طرح کرتے ہیں اور ہر ایک امر اس کے ارادے اور منشا سے واقع ہوتا ہے۔ اتفاقی طور سے دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا ذرہ ذرہ پر تصرف تام اور اقتدار نہ ہو تو وہ خدا ہی کیا ہوا۔ اور دعا کی قبولیت کی اس سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ اور حقیقت یہی ہے کہ وہ ہوا کو جدھر چاہے اور جب چاہے چلا سکتا ہے اور جب ارادہ کرے بند کر سکتا ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں پانی اور پانیوں کے سمندر ہیں جب چاہے جوش زن کر دے اور جب چاہے ساکن کر دے وہ ذرہ ذرہ پر قادر اور مقتدر خدا ہے۔ اس کے تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ جنہوں نے دُعا سے انکار ہی کر دیا ہے۔ ان کو بھی یہی مشکلات پیش آئے ہیں کہ انہوں نے خدا کو ہر ذرہ پر قادر مطلق نہ جانا اور اکثر واقعات کو اتفاقی مانا۔ اتفاق کچھ بھی نہیں۔ بلکہ جو ہوتا ہے اور اگر پتہ بھی درخت سے گرتا ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کے ارادے اور حکمت سے گرتا ہے اور یہ سب ملائکہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے اشارے سے کام کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں لگائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے سچے فرمانبردار اور اسی کی رضا کے خواہاں ہوتے ہیں جو خدا کا بن جاتا ہے اُسے خدا تعالیٰ سب کچھ عطا کرتا ہے۔

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ پھر ایسے مرتبے کے بعد انسان کو وہ رعیت ملتی ہے کہ باغی نہیں

ہوتی۔ دنیوی بادشاہوں کی رعیت تو باغی بھی ہو جاتی ہے مگر ملائکہ کی رعیت ایک ایسی رعیت ہے کہ وہ باغی نہیں ہوتی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۳/اپریل ۱۹۰۳ء

(در بارۂ شام)

ایک رؤیاء حضرت اقدس نے مندرجہ ذیل خواب سنایا جو گذشتہ شب کو آیا تھا۔ فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بحر ذخار کی طرح ایک دریا ہے جو سانپ کی طرح بل پیچ کھاتا مغرب سے مشرق کو جا رہا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے سمت بدل کر مشرق سے مغرب کو اُلٹا بہنے لگا۔

طاعون کا زور فرمایا کہ:۔ اب تو وہ زمانہ طاعون نے دکھانا شروع کر دیا ہے جس طرح مدینہ منورہ میں یہودی قتل ہوئے تھے تو ایک بڑا شخص زندہ رکھا گیا تھا۔ اُس نے پوچھا فلاں شخص کا کیا حال ہوا۔ فلاں کا کیا حال ہوا۔ غرض جس کے متعلق اس نے دریافت کیا اسی کے متعلق جواب ملا کہ وہ سب قتل کئے گئے تو پھر اس نے کہا کہ لوگوں کے مارے جانے کے بعد میں نے زندہ رہ کر کیا بنانا ہے۔ مجھے بھی زندگی کی ضرورت نہیں سو آج کل طاعون وہ حال دکھا رہی ہے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ انسان لمبی عمر کے بھی خواہشمند ہوتے ہیں مگر جب دوست اور تعلق دار ہی نہ رہے تو اس عمر کا ہونا بھی ایک وبال ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت دیکھ کر انسان ایسی لمبی عمر کی بھی آرزو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان دوستوں اور رشتہ داروں کے بغیر رہ سکتا ہی نہیں۔

انسان اور پرندہ ایک جانور آج کل کے موسم میں شام کے بعد مسجد مبارک کے شہ نشین احباب پر حملہ کیا کرتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ:۔ کوئی ایسی تدبیر کی جاوے کہ ایک دفعہ یہ اس جگہ پکڑا جاوے پھر ہم اُسے چھوڑ ہی دینگے مگر ایک دفعہ پکڑا جانے سے اتنا تو ضرور ہوگا کہ پھر وہ کبھی آئندہ اس جگہ اس طرح حملہ کرنے کا ارادہ نہ کریگا۔

ہر جانور کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کے اندر ایک خاصیت ہے کہ جس جگہ سے اُسے ایک دفعہ ٹھوکر لگتی ہے اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اس جگہ کا پھر وہ کبھی قصد نہیں کرتا مگر صرف انسان ہی ایک ہے جو باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے ان پرندوں وغیرہ سے بھی گرا ہوا ہے کہ جہاں سے اُسے مصائب پہنچتے ہیں اور

ضرر اور نقصان اُٹھاتا ہے اس کی طرف بھاگنے کا حریص ہوتا ہے ہوشیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس نافرمانی کو ترک کرتا ہے بلکہ جذبات نفس کا مطیع ہو کر پھر اسی کام کو کرنے لگتا ہے جس سے ایکبار ٹھوکر کھا چکا ہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

صادق کیساتھ ایک کشش نازل ہوتی ہے

فرمایا:۔ صادق کی بعثت کیساتھ ہی آسمان سے اس کے واسطے ایک کشش نازل ہوا کرتی ہے جو دلوں کو ان کی استعدادوں کے مطابق کشش کرتی اور ایک قوم بنا دیتی ہے۔ اس سے تمام سعید روحیں صادق کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ دیکھو ایک شخص کو دوست بنا کر اس کو اپنے منشاء کے موافق بنانا ہزار مشکل رکھتا ہے اور اگر ہزاروں روپے خرچ کر کے بھی کسی کو صادق وفادار دوست بنانے کی کوشش کی جاوے تو بھی معرض خطر میں ہی پڑتا ہے اور پھر آخر کار اس خیال کے برعکس نتیجہ نکلتا ہے مگر اد ھر اب لاکھوں ہیں کہ غلاموں کی طرح سچے فرمانبردار۔ وفادار۔ صدق و وفا کے پُتلے خود بخود کھنچے چلے آتے ہیں[1]۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس امر کی اطلاع آج سے بائیس برس پیشتر جب اس کی ایک بھی مثال قائم نہ ہوئی تھی دی گئی۔ چنانچہ الہام ہے کہ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ۔

آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دُنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشش کا نزول ہے سعید تو دوستی کے رنگ میں چلے آتے ہیں مگر شقی بھی اس حصہ سے محروم نہیں۔ ان میں مخالفت کا جوش شعلے مار رہا ہے جب کہیں ہمارا نام بھی اُن کے سامنے آجاتا ہے تو سانپ کی طرح بل پیچ کھاتے اور بیخود ہو کر مجنونوں کی طرح گالی گلوچ تک آجاتے ہیں۔ ورنہ بھلا دنیا میں ہزاروں فقیر۔ لنگوٹی پوش۔ بھنگی۔ چرسی۔ کنجر۔ بدمعاش۔ بدعتی وغیرہ پھرتے ہیں مگر ان کے لیے کسی کو جوش نہیں آتا اور کسی کے کان پر جُوں نہیں چلتی وہ چاہے بدمذہبیاں اور بے دینیاں کریں پھر بھی ان سے مست ہی ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ وہ چونکہ روحانیت سے

---

[1] (البدر سے) "جس طرح انسان کا جسم ایک ہیکل کی طرح بنا کر اس میں خدا تعالیٰ نے روح پھونکی ہے کشش بھی دلوں میں دی ہے جو کہ ان کو کھینچکر یہاں لا رہی ہے"۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

خالی ہیں اس واسطے ان کے واسطے کسی کو کشش نہیں[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت میں ہزاروں ہزار لوگ اپنے کاروبار چھوڑ کر بھی آپ کی مخالفت کے لیے کمربستہ ہوئے۔ اپنے مالوں کا جانوں کا نقصان منظور کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کیلئے دن رات تدبیروں منصوبوں میں کوشاں ہوئے مگر دوسری طرف مسیلمہ تھا ادھر کسی کو توجہ نہ تھی۔ اس کی مخالفت کے واسطے کسی کے کان بھی کھڑے نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جس طرح گھر گھر میں پھوٹ اور جدائی ہوتی تھی۔ مسیلمہ کے واسطے ہرگز نہ ہوئی۔ غرض صادق کے واسطے ہی ایک کشش ہوتی ہے جو دلوں کے ولولوں کو ابھارتی اور جوش میں لاتی ہے سعیدوں کے ولولے سعادت اور اشقیاء کے شقاوت کے رنگ میں پھل لاتے ہیں شقی چونکہ اسی فطرت کے ہوتے ہیں۔ اس واسطے ان کے واسطے کشش بھی اُلٹے رنگ میں ثمرات لاتی ہے۔

(دربارِ شام)

تشبہ بالکفار

ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہندوؤں والی دھوتی باندھنی جائز ہے یا نہیں؟

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

تشبیہ بالکفار تو کسی رنگ میں بھی جائز نہیں۔ اب ہندو ماتھے پر ایک ٹیکہ سا لگاتے ہیں کوئی وہ بھی لگالے۔ یا سر پر بال تو ہر ایک کے ہوتے ہیں مگر چند بال بودی کی شکل میں ہندو رکھتے ہیں اگر کوئی ویسے ہی رکھ لیوے تو یہ ہرگز جائز نہیں[2]۔ مسلمانوں کو اپنی ہر ایک چال میں وضع قطع میں غیرت مندانہ چال رکھنی چاہیئے ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہ بند بھی باندھا کرتے تھے اور سراویل بھی خریدنا آپ کا ثابت ہے جسے ہم پاجامہ یا تنبی کہتے ہیں ان میں سے جو چاہے پہنے۔ علاوہ ازیں ٹوپی۔ کرتہ۔ چادر اور پگڑی بھی آپ کی عادت مبارک تھی۔ جو چاہے پہنے کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ اگر کسی کو کوئی نئی ضرورت درپیش آئے تو اسے چاہیئے کہ ان میں

---

[1] (البدر میں مزید لکھا ہے) مگر ہمارے لیے ہر ایک طرف سے کوشش ہے کہ یہ کاروبار رُکے مگر وہ بڑھتا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی فطرت اُلٹی ہے اس لیے اُن کو کشش بھی اُلٹی ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر میں ہے):- "مثلاً کوئی مسلمان ہندوؤں کی طرح بودی وغیرہ رکھ لیوے تو اگرچہ قرآن اور حدیث میں اس کا کہیں ذکر صریح نہیں ہے مگر چونکہ کفار سے اس میں مشابہت پائی جاتی ہے اس لیے اس سے پرہیز چاہیئے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

سے ایسی چیز کو اختیار کرے جو کفار سے تشبیہ نہ رکھتی ہو اور اسلامی لباس سے نزدیک تر ہو۔[1] جب ایک شخص اقرار کرتا ہے کہ میں ایمان لایا تو پھر اس کے بعد وہ ڈرتا کس چیز سے اور وہ کون سی چیز ہے جس کی خواہش اب اس کے دل میں باقی رہ گئی ہے کیا کفار کی رسوم اور عادات کی؟ اب اُسے ڈرچاہیئے تو خدا کا۔ اتباع چاہیئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ادنیٰ سے گناہ کو خفیف نہ جاننا چاہیئے بلکہ صغیرہ ہی سے کبیرہ بن جاتے ہیں۔ اور صغیرہ ہی کا اصرار کبیرہ ہے۔[2]

ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی فطرت ہی نہیں دی کہ ان کے لباس یا پوشش سے فائدہ اُٹھائیں۔ سیالکوٹ سے ایک دو بار انگریزی جُوتا آیا۔ ہمیں اس کا پہننا ہی مشکل ہوتا تھا کبھی اِدھر کا اُدھر اور کبھی بائیں کا دائیں۔ آخر تنگ آکر سیاہی کا نشان لگایا گیا کہ شناخت رہے مگر اس طرح بھی کام نہ چلا۔ آخر میں نے کہا کہ یہ میری فطرت ہی کے خلاف ہے کہ ایسا جُوتا پہنوں۔

دو راستوں میں سے کس کو اختیار کرے

اسی صاحب نے سوال کیا کہ اگر ایک شخص جاتا ہو اور ایک جگہ پر دو راہ جمع ہو جائیں۔ ایک دائیں اور دوسرا بائیں کو۔ تو کس راہ کی طرف جاوے؟ فرمایا کہ:۔

اس سے اگر تمہاری مراد بھی جسمانی راہ ہے تو پھر اس راہ جاوے جس میں اس کی صحت نیت اور کوئی فساد نہیں اور اگر جانتا ہے کہ ادھر بدبُو اور عفونت ہے یا کنجروں اور فاسقوں۔ خدا اور رسول کے دشمنوں کے گھر ہیں تو اس راہ کو چھوڑ دے۔ غرض صحتِ نیت کا خیال کرلے اور فساد کی راہ سے کلّی پرہیز کرے۔[3]

---

[1] (البدر میں ہے۔ "مسلمانوں کا پیرایہ اختیار کرنا عمدہ بات ہے۔ اس سے انسان مسلمان ثابت ہوتا ہے۔ حتی الوسع دوسرے کو اعتراض کا موقعہ نہ دینا چاہیئے جو لباس اسلام کا ہے اسی میں تقویٰ ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹، ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] (البدر سے) "حتی الوسع اپنے آپ کو ایسے لباس سے بچانا چاہیئے کہ جس سے مشابہت کفار ہو جاتی ہے جب لباس کفار کا ہے تو دوسرے انسان کو وہ کافرہی نظر آویگا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ چھوٹی چھوٹی بات پر اصرار کرتا ہے تو آخر کار بڑی بڑی باتوں پر آجاتا ہے مگر جب مسلمان کہلاتا ہے تو اُسے کفار کے لباس کی کیا ضرورت ہے (ایضاً)

[3] (البدر سے)۔ "فرمایا اگر سوال کا تعلق ظاہر راستوں سے ہے تو جو راستہ عافیت کا ہو اُدھر سے جاوے۔ مثلاً ایک راستہ میں مفسد لوگ کنجر وغیرہ آباد ہیں یا شراب خوری ہوتی ہے تو اس کو چھوڑ دیوے۔ اور اگر باطنی راستوں سے سوال کا تعلق ہے تو بھی وہی راستہ اختیار کرے جس میں صلاح اور تقویٰ ہو۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

بے ایمانی کیسے پیدا ہوتی ہے

ایک اَور سوال کیا کہ بے ایمانی کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ:-

بے ایمانی خدا کی معرفت نہ ہونے اور ایمان کے کامل درجہ تک نہ پہنچنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ادھورا ایمان اس کی وجہ ہوتی ہے۔

ختمِ نبوت سے مُراد

ایک اَور صاحب نے سوال کیا کہ حضور جب سلسلہ موسوی اور سلسلہ محمدی میں مماثلت ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُس سلسلہ کے خادم تو نبی کہلائے مگر ادھر اس طرح کوئی بھی نبی نہ کہلایا؟ فرمایا کہ:-

مشابہت میں ضروری نہیں کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ بالکل آپس میں ایک دوسرے کے عین ہوں اور ان کا ذرہ بھی آپس میں خلاف نہ ہو۔ اب ہم جو کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو شیر ہے۔ تو اب اس میں کیا بھلا ضروری ہے کہ اس شخص کے جسم پر لمبے لمبے بال بھی ہوں، چار پاؤں بھی ہوں اور دُم بھی ہو اور وہ جنگلوں میں شکار بھی کرتا پھرے؟ بلکہ جس طرح من وجہ تشابہ ہوتا ہے ویسا ہی من وجہ مخالف بھی ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ تو ہمیں ہی فرمایا ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کے خیر اور برکات تھے وہ اسی اُمت میں جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ایسے وقت تک پہنچ گیا ہوا تھا کہ دماغی اور عقلی قوے پہلے کی نسبت بہت کچھ ترقی کر گئے تھے۔ اس زمانہ میں تو ایک گونہ جہالت تھی۔ اب کوئی کہے کہ اس طرح بھی تشابہ نہ ہوا تو یہ اس کا کہنا درست نہ ہوگا۔ نبوت جو اللہ تعالیٰ نے اب قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حرام کی ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اب اس اُمت کو کوئی خیر و برکت ملے گی ہی نہیں اور نہ اس کو شرفِ مکالمات اور مخاطبات ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر کے سوائے اب کوئی نبوت نہیں چل سکے گی۔ اس اُمت کے لوگوں پر جو نبی کا لفظ نہیں بولا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد تو نبوت ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عالی جناب، اولوالعزم صاحبِ شریعتِ کامل آنے والے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے واسطے یہ لفظ جاری رکھا گیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ ہر ایک قسم کی نبوت بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بند ہو چکی تھی اس واسطے ضروری تھا کہ اس کی عظمت کی وجہ سے وہ لفظ نہ بولا جاتا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور سے آپ کی اولاد کی نفی بھی کی ہے اور ساتھ ہی روحانی طور سے اثبات بھی کیا ہے کہ روحانی طور سے آپ باپ بھی ہیں اور روحانی نبوت اور فیض کا سلسلہ آپ کے بعد جاری رہے گا اور وہ آپ میں سے ہو کر جاری ہوگا۔ نہ الگ طور سے۔ وہ نبوت چل

سکے گی جس پر آپ کی مُہر ہوگی۔ ورنہ اگر نبوت کا دروازہ بالکل بند سمجھا جاوے تو نعوذ باللہ اس سے تو انقطاع فیض لازم آتا ہے اور اس میں تو نحوست ہے اور نبی کی ہتک شان ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کو جو کہا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ یہ جھوٹ تھا نعوذ باللہ۔ اگر یہ معنے کئے جاویں کہ آئندہ کے واسطے نبوت کا دروازہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامۃ کی بجائے شر الامم ہوئی یہ اُمّت۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ سے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی نصیب نہ ہوا۔ تو یہ تو کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ہوئی اور بہائم سیرت اسے کہنا چاہیئے نہ یہ کہ خیر الامم۔ اور پھر سورۃ فاتحہ کی دُعا بھی لغو جاتی ہے۔ اس میں جو لکھا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ تو سمجھنا چاہیئے کہ ان پہلوں کے پلاؤ زردے مانگنے کی دعا سکھائی ہے اور انکی جسمانی لذات اور انعامات کے وارث ہونے کی خواہش کی گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر یہی معنے ہیں تو باقی رہ بھی کیا گیا۔ جس سے اسلام کا علو ثابت ہووے۔ اس طرح تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کچھ بھی نہ تھی اور آپ حضرت موسیٰؑ سے مرتبے میں گرے ہوئے تھے کہ ان کے بعد تو ان کی اُمّت میں سے سینکڑوں نبی آئے مگر آپ کی اُمّت سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مکالمہ بھی نہ کیا کیونکہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے آخر اس سے کلام تو کیا ہی جاتا ہے۔

نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سلسلہ جاری ہے مگر آپ میں سے ہو کر اور آپ کی مُہر سے اور فیضان کا سلسلہ جاری ہے۔ ہزاروں اس اُمّت میں سے مکالمات اور مخاطبات کے شرف سے مشرف ہوئے اور انبیاء کے خصائص اُن میں موجود ہوتے رہے ہیں سینکڑوں بڑے بڑے بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے ایسے دعوے کئے۔ چنانچہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک کتاب فتوح الغیب کو ہی دیکھ لو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی (بنی اسرائیل: ۷۳) اگر خدا تعالیٰ نے خود ہی اس امت کو اعمیٰ بنایا تھا تو عجب ہے خود ہی اسے اعمیٰ بنایا اور خود ہی اعمیٰ کے واسطے زجر اور توبیخ ہے کہ آخرت میں بھی اعمیٰ ہوگی۔ اس اُمّت بیچاری کے کیا اختیار۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ ایک شخص کسی کو کہے کہ اگر تو اس مکان سے گر جاوے گا تو تجھے قید کر دیا جاویگا مگر پھر خود ہی اسے دھکا دیدے۔

گویا نبوت کا سلسلہ بند کر کے فرمایا کہ تجھے مکالمات اور مخاطبات سے بے بہرہ کیا گیا اور تو بہائم کی طرح زندگی بسر کرنے کے واسطے بنائی گئی اور دوسری طرف کہتا ہے کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ اب بتاؤ کہ اس تناقض کا کیا جواب ہے؟ ایک طرف تو کہا خیر اُمّت اور دوسری جگہ کہدیا کہ تو اعمیٰ ہے آخرت میں بھی اعمیٰ ہوگی۔ نعوذ باللہ۔ کیسے غلط عقیدے بنائے گئے ہیں۔

اور اگر کوئی باہر سے اس کی اصلاح کے واسطے آگیا تو بھی مشکل۔ اس اُمّت کے نبی کی ہتک شان اور

قوم کی بھی ناک کٹی ہوئی کہ اس میں گویا کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اصلاح کرنے کے قابل ہو سکے اور کسی کو یہ شرف مکالمہ عطا نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض آتا ہے کہ ایسے بڑے نبی ہو کر ان کی اُمت ایسی کمزور اور گئی گذری ہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ بات یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی اُمت میں نبوت ہے اور نبی ہیں مگر لفظ نبی کا بوجہ عظمت نبوت استعمال نہیں کیا جاتا لیکن برکات اور فیوض موجود ہیں۔

خدا کو پانے کی راہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ وہ کیا راہ ہے جس سے انسان خدا کو پا سکے؟ فرمایا:-

جو لوگ برکت پاتے ہیں ان کی زبان بند اور عمل ان کے وسیع اور صالح ہوتے ہیں پنجابی میں کہاوت ہے کہ کہنا ایک جانور ہوتا ہے اس کی بدبو سخت ہوتی ہے اور کرنا خوشبودار درخت ہوتا ہے سو ایسا ہی چاہیئے کہ انسان کہنے کی نسبت کر کے بہت کچھ دکھائے۔ صرف زبان کام نہیں آتی۔ بہت سے ہوتے ہیں جو باتیں بہت بناتے ہیں اور کرنے میں نہایت سُست اور کمزور ہوتے ہیں۔ صرف باتیں جن کے ساتھ روح نہ ہو وہ نجاست ہوتی ہیں۔ بات وہی برکت والی ہوتی ہے جس کے ساتھ آسمانی نور ہو اور عمل کے پانی سے سرسبز کی گئی ہو۔ اس کے واسطے انسان خود بخود ہی نہیں کر سکتا۔ چاہیئے کہ ہر وقت دُعا سے کام کرتا رہے اور درد و گداز سے اور سوز سے اس کے آستانہ پر گرا رہے اور اس سے توفیق مانگے ورنہ یاد رکھے کہ اندھا مریگا۔

دیکھو جب ایک شخص کو کوڑھ کا ایک داغ پیدا ہو جاوے تو وہ اس کے واسطے فکرمند ہوتا ہے اور دوسری باتیں اُسے بھول جاتی ہیں۔ اسی طرح جس کو رُوحانی کوڑھ کا پتہ لگ جاوے۔ اُسے بھی ساری باتیں بھول جاتی ہیں اور وہ سچے علاج کی طرف دوڑتا ہے مگر افسوس کہ اس سے آگاہ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ انسان کے واسطے یہ مشکل ہے کہ وہ سچی توبہ کرے ایک طرف سے توڑ کر دوسری طرف جوڑنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ ہاں مگر جسے خدا تعالیٰ توفیق دے۔ ہاں ادب سے حیا سے۔ شرم سے اُس سے دُعا اور التجا کرنی چاہیئے کہ وہ توفیق عطا کرے اور جو ایسا کرتے ہیں وہ پا بھی لیتے ہیں اور اُن کی سُنی بھی جاتی ہے صرف باتونی آدمی مفید نہیں ہوتا۔ کپڑا جتنا سفید ہوتا ہے اور پہلے اس پر کوئی رنگ نہیں دیا جاتا۔ اتنا ہی عمدہ رنگ اس پر آتا ہے۔ پس تم اس طرح اپنے آپ کو پاک کرو تا تم پر خدائی رنگ عمدہ چڑھے۔ اہل بیت جو ایک پاک گروہ اور بڑا عظیم الشان گھرانا تھا۔ اس کے پاک کرنے کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (الاحزاب ۳۴) یعنی میں ہی ناپاکی اور نجاست کو دُور کروں گا اور خود ہی ان کو پاک کیا تو بھلا اور کون ہے جو خود بخود پاک صاف ہونے کی

توفیق رکھتا ہو۔ پس لازمی ہے کہ اس سے دُعا کرتے رہو اور اسی کے آستانہ پر گرے رہو ساری توفیقیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ تا ۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

محمدی سلسلہ میں موسوی سلسلہ کی طرح نبی کیوں نہ آئے؟

فرمایا:-

رات کے سوال کا یہ حصہ کہ جب مماثلت ہے موسوی اور محمدی سلسلوں میں۔ تو محمدی سلسلے میں موسوی سلسلے کی طرح نبی کیوں نہ آئے؛ یہ حصہ ایسا ہے جس سے ایک انسان کو دھوکا لگ سکتا ہے۔ لہٰذا ہم اس کے متعلق زیادہ تشریح کر دیتے ہیں۔ اوّل تو وہی بات کہ مماثلت کے لیے ضروری نہیں کہ دوسرے کا وہ عین ہو۔ مُشَبَّہ و مُشَبَّہ بِہٖ میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ ایک خوبصورت انسان کو چاند سے مشابہت دے دیتے ہیں۔ مگر چاہیئے کہ ایسے انسان کا ناک نہ ہو۔ کان نہ ہوں۔ صرف ایک گول سفید چمکیلا سا ٹکڑا ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ مشابہت کے واسطے بعض حصہ میں مشابہت ضرور ہوتی ہے[1]

دیکھئے حضرت موسیٰؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشابہت ہے اور اس میں صرف اعلیٰ جزو یہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ایک قوم کو جو فرعون کے ماتحت غلامی میں مبتلا تھی اور اُن کے حالات گندے ہو گئے تھے وہ خدا کو بھول گئے تھے اور ان کے خیالات اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں۔ موسیٰؑ نے اس قوم کو فرعون سے نجات دلائی اور ان کو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے قابل بنا دیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک قوم کو بتوں کی غلامی اور راہ و رسم کی قید سے نجات دلائی اور اپنے دشمن کو فرعون کی طرح ہلاک و برباد کیا۔ یہ مشابہت تھی[2]

---

[1] البدر میں ہے:۔ "مماثلت میں عین ہونا ضروری نہیں کیونکہ اگر بالکل وہی ہو گیا تو پھر وہی چیز ہوئی نہ مثال۔ اس لیے کچھ نہ کچھ فرق ہونا ضروری ہے۔ جیسے کسی کو اگر شیر کہا جاوے تو یہ ضرور نہیں کہ وہ کچا گوشت بھی کھاتا ہو اور اُس کے دُم بھی ہو اور وہ جنگلوں میں رہتا ہو۔ وغیرہ۔ صرف بعض صفات شجاعت وغیرہ میں اس کی مماثلت ہو گی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ مشابہت میں مِن وجہٍ مخالفت چاہیئے اور مِن وجہٍ مطابقت اور اس اُمّت میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر غور سے دیکھا جاوے تو ہمارے نبی کریمؐ کو آپ کے بعد کسی دوسرے کے نبی نہ کہلانے سے شوکت ہے اور حضرت موسیٰؑ کے بعد اور لوگوں کے بھی نبی کہلانے سے اُن کی کسرِ شان۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ بھی ایک نبی تھے اور ان کے بعد ہزاروں اور بھی نبی آئے تو اُن کی نبوت کی خصوصیت اور عظمت کوئی نہیں ثابت ہوتی۔ برعکس اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظمت اور آپ کی نبوت کے لفظ کا پاس اور ادب کیا گیا ہے۔ کہ آپ کے بعد کسی دوسرے کو اس نام سے کسی طرح بھی شریک نہ کیا گیا۔

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی ہزاروں بزرگ نبوت کے نور سے منور تھے اور ہزاروں کو نبوت کا حصہ عطا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام خاتم الانبیاء رکھا گیا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ دوسرے کو بھی یہ نام دے کر آپ کی کسرِ شان کی جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ہزارہا انسانوں کو نبوت کا درجہ ملا اور نبوت کے آثار اور برکات ان کے اندر موجزن تھے مگر نبی کا نام۔ صرف شانِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سدِّ باب نبوت کی خاطر اُن کو اس نام سے ظاہراً ملقب نہ کیا گیا۔[1] مگر دوسری طرف چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض اور رُوحانی برکات کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

جو مراتب خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں وہ موسوی سلسلہ سے بہت زیادہ ہیں اگر اس کے برابر ہوتے تو پھر فضیلت کیا ہوئی۔ پھر جس قدر علوم کی کثرت اور وسعت اس وقت اس اُمت میں ہے کیا وہ موسوی اُمت میں تھی؟ چونکہ خدا تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ اور کوئی شریعت اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ ہوگی اس لیے آپ کو وہ علوم اور الفاظ دیئے کہ کسی کو پھر نئی شریعت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ خاتم النبیین کی آیت بتلا رہی ہے کہ جسمانی نسل کا انقطاع ہے نہ کہ رُوحانی نسل کا۔ اس لیے جس ذریعہ سے وہ نبوت کی نفی کرتے ہیں۔ اسی سے نبوت کا اثبات ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چونکہ کمال عظمت خدا تعالیٰ کو منظور تھی اس لیے لکھ دیا کہ آئندہ نبوت آپ کی اتباع کی مُہر سے ہوگی اور اگر یہ معنے ہوں کہ نبوت ختم ہے تو اس سے خدا تعالیٰ کے فیضان کے بخل کی بُو آتی ہے۔ ہاں یہ معنے ہیں ہر ایک قسم کا کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا اور پھر آئندہ آپ کی مہر سے وہ کمال آپ کی اُمت کو ملا کریں گے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹، ۱۰، اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] البدر سے:۔ "لیکن اگر اس اُمت میں کوئی بھی نبی نہ پکارا جاتا تو مماثلت موسوی کا پہلو بہت ناقص ٹھہرتا اور من وجہٍ اُمت موسوی کو ایک فضیلت ہو جاتی اس لیے یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے ایک شخص کو دیدیا جس نے مسیح ابن مریم ہو کر دنیا میں آنا تھا۔ کیونکہ اس جگہ دو پہلو مدِّ نظر تھے۔ ایک ختمِ نبوت کا، اُسے اس طرح نبھایا کہ جو نبی کے لفظ کی کثرت موسوی سلسلہ میں تھی اُسے اُڑا دیا۔ دوسری مشابہت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دروازہ بند بھی نہ کیا گیا تھا اور نبوت کے انوار جاری بھی تھے جیسا کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ سے نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اور اذن سے اور آپ کے نُور سے نُورِ نبوت جاری بھی ہے اور یہ سلسلہ بند بھی نہیں ہوا[1] یہ بھی ضروری تھا کہ اسے ظاہراً بھی شائع کیا جاوے تاکہ موسوی سلسلہ کے نبیوں کے ساتھ آپ کی اُمّت کے لوگ بھی مماثلت کے پورا کرنے میں صاف طور سے نبی اللہ کا لفظ فرما دیا اور اس طرح سے دونو امور کا لحاظ نہایت حکمت اور کمال لطافت سے رکھ لیا گیا۔ ادھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان بھی نہ ہو اور اُدھر موسوی سلسلہ سے مماثلت بھی پوری ہو جاوے۔ تیرہ سو برس تک نبوت کے لفظ کا اطلاق تو آپ کی نبوت کی عظمت کے پاس سے نہ کیا اور اس کے بعد اب مدت دراز کے گذرنے سے لوگوں کے چونکہ اعتقاد اس امر پر پختہ ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اب اگر کسی دوسرے کا نام نبی رکھا جاوے تو اس سے آنحضرت کی شان میں کوئی فرق بھی نہیں آتا اس واسطے اب نبوت کا لفظ مسیح کے لیے ظاہراً بھی بول دیا۔ یہ ٹھیک اسی طرح سے ہے جیسے آپ نے پہلے فرمایا تھا کہ قبروں کی زیارت نہ کیا کرو اور پھر فرمایا کہ اچھا اب کر لیا کرو۔ پہلے منع کرنا بھی حکمت رکھتا تھا کہ لوگوں کے خیالات ابھی تازہ تازہ بت پرستی سے ہٹے تھے تا وہ پھر اسی عادت کی طرف عود نہ کریں۔ پھر جب دیکھا کہ اب اُن کے ایمان کمال کو پہنچ گئے ہیں اور کسی قسم کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اُسے اس طرح سے پورا کیا کہ ایک کو نبی کا خطاب دیدیا۔ تکمیل مشابہت کے لیے اس لفظ کا ہونا ضروری تھا سو پورا ہو گیا اور جو مصلحت یہاں مدنظر تھی وہ موسوی سلسلہ میں نہیں تھی کیونکہ موسیٰؑ خاتم نبوت نہیں تھے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

[1] البدر میں ہے:۔ "نبوت کے معنے مکالمہ کے ہیں جو غیب کی خبر دیوے وہ نبی ہے۔ اگر آئندہ نبوت کو باطل قرار دو گے تو پھر یہ اُمّت خیر اُمّت نہ رہے گی۔ بلکہ کالأنعام ہو گی اور سورہ فاتحہ کی تعلیم جس میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶-۷) ہے بیہودہ ٹھہرے گی۔ کیونکہ انعام واکرام تو خدا کا اب کسی پر ہونا نہیں تو پھر دُعا کا فائدہ کیا ہوا؟ اور نعوذ باللہ یہ ماننا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قدسی قوت ہی نہ تھی۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے نفس میں معرفت کی پیاس رکھ دی ہے اور خود ہی فرمایا ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) ادھر یہ کہا اور اُدھر مکالمہ کا دروازہ بند ہوا تو پھر تو خدا نے دیدہ دانستہ اعمیٰ رکھنا چاہا اور پھر وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) کے کیا معنے ہوئے؟

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۹ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

شرک و بدعت کو ان کے ایمان میں راہ نہیں تو اجازت دیدی۔ بالکل اسی طرح یہ امر ہے۔ پہلے تیرہ سو برس اس عظمت کے واسطے نبوت کا لفظ نہ بولا اگرچہ صفتی رنگ میں صفتِ نبوت اور انوارِ نبوت موجود تھے اور حق تھا کہ اُن لوگوں کو نبی کہا جاوے مگر خاتم الانبیاء کی نبوت کی عظمت کے پاس کی وجہ سے وہ نام نہ دیا گیا۔ مگر اب وہ خوف نہ رہا تو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے واسطے نبی اللہ کا لفظ فرمایا۔ آپ کے جانشینوں اور آپ کی اُمت کے خادموں پر صاف صاف نبی اللہ بولنے کے واسطے دو اُمور مدنظر رکھنے ضروری تھے۔ اوّل عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوم عظمت اسلام۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے پاس کی وجہ سے ان لوگوں پر ۱۳۰۰ برس تک نبی کا لفظ نہ بولا گیا تاکہ آپ کی ختمِ نبوت کی ہتک نہ ہو کیونکہ اگر آپ کے بعد ہی آپ کی امت کے خلیفوں اور صلحاء لوگوں پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا جیسے حضرت موسیٰؑ کے بعد لوگوں پر بولا جاتا رہا تو اُس میں آپ کی ختمِ نبوت کی ہتک تھی اور کوئی عظمت نہ تھی۔ سو خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ اپنی حکمت اور لُطف سے آپ کے بعد ۱۳۰۰ برس تک اس لفظ کو آپ کی اُمت پر سے اُٹھا دیا تا آپ کی نبوت کی عظمت کا حق ادا ہو جاوے اور پھر چونکہ اسلام کی عظمت چاہتی تھی کہ اس میں بھی بعض ایسے افراد ہوں جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لفظ نبی اللہ بولا جاوے اور تا پہلے سلسلہ سے اس کی مماثلت پوری ہو۔ آخری زمانہ میں مسیح موعود کے واسطے آپ کی زبان سے نبی اللہ کا لفظ نکلوا دیا۔ اور اس طرح پر نہایت حکمت اور بلاغت سے دو متضاد باتوں کو پورا کیا اور موسوی سلسلہ کی مماثلت بھی قائم رکھی اور عظمت اور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قائم رکھی[1]۔

عورت نبیہ نہیں ہو سکتی

سوال:۔ کیا کوئی عورت نبیہ ہو سکتی ہے؟ فرمایا:۔
نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) اور وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرۃ: ۲۲۹) عورتیں اصل میں مردوں کی ہی ذیل میں ہوا کرتی ہیں۔ جب صاحبِ درجہ اور صاحب مرتبہ کے واسطے ایک دروازہ بند کر دیا گیا تو یہ بیچاری ناقصات العقل کس حساب میں ہیں؟

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۹-۱۰ مورخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء)

❊ ❊ ❊

---

[1] البدر میں ہے:۔ "محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ نبوت تشریعی جائز نہیں دوسری جائز ہے۔ مگر میرا اپنا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انعکاس سے جو نبوت ہو وہ جائز ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۰۲ مورخہ ۱۰/اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۶ر اپریل ۱۹۰۳ء

ایک نیا نکتہ

بعد نماز مغرب حضرت اقدس نے اس تقریر کا اعادہ فرمایا جو کہ مورخہ ۱۵ر اپریل کی سیر میں درج ہو چکی ہے۔ اسکی تکمیل میں ایک نئی بات یہ فرمائی کہ:۔

اس وقت میں اُمتِ موسوی کی طرح جو مامور اور مجدّدین آئے ان کا نام نبی نہ رکھا گیا تو اس میں یہ حکمت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ختمِ نبوت میں فرق نہ آوے (جس کا مفصل ذکر قبل ازیں گذر چکا ہے) اور اگر کوئی نبی نہ آتا تو پھر مماثلت میں فرق آتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آدم۔ ابراہیم۔ نوح اور موسیٰ وغیرہ میرے نام رکھے حتیٰ کہ آخر کار جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ کہا۔ گویا اس سے سب اعتراض رفع ہو گئے اور آپ کی امت میں ایک آخری خلیفہ ایسا آیا جو موسیٰ کے تمام خلفاء کا جامع تھا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۱۷ر اپریل ۱۹۰۳ء

(دربار شام)

انجیل کی تعلیم ناقابلِ عمل ہے

کالجوں اور مدرسوں[1] میں انجیل پڑھانے کے متعلق ذکر ہوتے ہوئے فرمایا کہ:۔

ہمیں تو تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ انجیل کو پیش کس خیال سے کرتے ہیں۔ اس کی تعلیم تو انسانی فطرت ہی کے خلاف پڑی ہوئی ہے اور تو اور ایک درخت[2] کی طرح مثال خیال کرو اور اس کی مختلف شاخوں کو انسان کے

---

[1] البدر میں لکھا ہے:۔ "دو گریجوایٹ لاہور سے حضرت اقدس کی ملاقات کو تشریف لائے تھے۔ اُن کی آمد پر عیسویت کے متعلق ذکر چل پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے عیسویت کی تعلیم کے متعلق فرمایا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "انسان کے قویٰ اور اخلاق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک درخت ہو اور اسکی بہت سی شاخیں ہوں اور سب اسی لیے ہوتی ہیں کہ پھل دیویں۔ ایسے ہی انسان کو جو اخلاق دیئے گئے ہیں اُنکے استعمال کے مختلف موقعے ہوتے ہیں کبھی حلم کی قوت ہوتی ہے مگر وقت ان کے استعمال کا نہیں ہوتا۔ مصلحت اس سے کام لینے کا تقاضا نہیں کرتی۔ ایسے ہی غضب کا حال ہے جس قدر قوی انسان لیکر آیا ہے حکمتِ الٰہی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اپنے اپنے محل پر استعمال ہوں۔ ورنہ پھر خدا تعالیٰ کا فعل عبث ٹھہرتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

مختلف قویٰ۔ انسان اس بات پر مجبور ہے کہ وہ مختلف اوقات پر مختلف قویٰ سے کام لیوے کیونکہ اس کی فطرت میں اس کی پیدائش کے وقت سے ایسا ہی رکھا گیا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کو ایک وقت ایک اور بر محل غضب ہو تو اس کی جگہ حلم کرے اور ہمیشہ ایک قوت سے کام لے دوسرے قویٰ کے ظہور کا موقعہ ہی نہ آوے۔ اگر ایسا ہی خدا تعالیٰ نے کرنا تھا تو اتنے مختلف قویٰ کیوں انسان کو دیئے؟ صرف ایک عفو اور حلم ہی دیتا۔ باقی قویٰ سے جب کام لینا ہی گناہ تھا تو وہ عطا کیوں کئے؟ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ انسان کی انسانیت اور اخلاق فاضلہ ہی اسی میں ہیں کہ محل اور موقعہ کے مطابق اپنے قویٰ کا اظہار کرے۔ ورنہ اس میں اور حیوانوں میں مابہ الامتیاز کیا ہوا؟

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان سے ایک دو مرتبہ عفو اور درگذر کیا جاوے اور نیک سلوک کیا جاوے تو اطاعت میں ترقی کرتے اور اپنے فرائض کو پوری طرح سے ادا کرنے لگ جاتے ہیں اور بعض شرارت میں اور بھی زیادہ ترقی کرتے اور احکام کی پروا نہ کر کے ان کو توڑ دینے کی طرف دوڑتے ہیں۔ اب اگر ایک خدمت گار کو جو نہایت شریف الطبع آدمی ہے اور اتفاقاً اس سے ایک غلطی ہو گئی ہے اُسے اُٹھ کر مارنے اور پیٹنے لگ جائیں تو کیا وہ کام دے سکیگا؟ نہیں بلکہ اس سے تو عفو اور درگذر کرنا ہی اس کے واسطے مفید اور اس کی اصلاح کا موجب ہے مگر ایک شریر کو جس کا بارہا تجربہ ہو گیا ہے کہ وہ عفو سے نہیں سمجھتا بلکہ اور بھی شرارت میں قدم آگے رکھتا ہے تو اس کو ضرور سزا دینی پڑیگی اور اسکے واسطے مناسب یہی ہے کہ اُسے سزا دی جاوے۔

اس قانون کے سوا انجیلی تعلیم پر چل کر تو انسانی تمدن کا نظام چل سکتا ہی نہیں بھلا اگر ایسا ہی انکا مذہب تھا تو پھر عدالتوں کے قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ عدالتوں کے قوانین میں کیوں سزائیں مقرر ہیں؟ کسی مجرم کے واسطے کہیں قانون میں عفو کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ہر جرم کی سزا مقرر کی گئی ہے۔

انجیلی تعلیم نے صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا ہے۔ اگر ہمیں خدا تعالیٰ کی کتاب سے یہ امر نہ معلوم ہوتا کہ یہ مختص الزمان اور مختص المکان تعلیم ہے تو اس کے آسمانی اور الہامی ہونے میں تو ہمیں انکار ہی کرنا پڑتا کیونکہ بھاری بھاری ضرورتوں کے پورا کرنے کی اس کے اندر وسعت نہیں۔ کیا اگر کسی شریر کو اس کی اصلاح کے لیے سزا دی جاوے تو وہ گناہ ہے اور کیا ایک شخص کو جو بدمعاش ہے اور چوری کر کے لوگوں کا مال مار چکا ہے اس کو عین محل پر سزا دی جاوے تو یہ بُرا ہے؟[1]

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہزاروں انسان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اصلاح ہی سزا اور چشم نمائی پر منحصر ہوتی ہے۔ لڑکے جو اُستادوں کے پاس تعلیم پاتے ہیں ان کو بھی کچھ نہ کچھ چشم نمائی کرنی پڑتی ہے۔ اگر وہ ہمیشہ اور

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۶ مورخہ ۱۷/ اپریل ۱۹۰۳ء

ہر خطا پر عفو ہی کرتے رہیں تو لڑکا خراب ہو جاتا ہے۔ ایسی تعلیم اب یہ لوگ کرتے ہی کیوں ہیں؟ انہیں تو چاہیئے تھا اسے چھپاتے یہ تو زمانہ ہی ایسا تھا کہ اس کی تعلیم کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے۔ اگر کوئی انجیل پوچھتا بھی تو کہہ دیتے کہ انجیل فلاں الماری میں بھول گئی ہے اور آج وہاں رہ گئی ہے کل دیں گے۔ اور اس طرح پر ہر روز ٹلاتے رہتے۔ کیونکہ انجیلی تعلیم موجودہ زمانہ میں اس قابل ہی نہیں کہ اس کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھا جاوے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کبھی کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے اس تعلیم پر عمل کر کے دکھایا ہو۔ کسی پادری اور عیسائی کو جب یہ بات حاصل نہیں تو اَور کوئی کیا کرے گا۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مسیح نے بھی انجیل کی تعلیم کے موافق کر کے نہیں دکھایا اور ان کا عمل ثابت نہیں ہے اَور بیچارے کس شمار میں ہیں۔ اگر یہ تعلیم صحیح ہے تو چاہیئے تھا کہ عیسائی لوگ اب بھی کُرتہ مانگنے والے کو چادر دے دیتے اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دیتے مگر ہم کو افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ تکلف اور تصنع سے بھی برائے نام کسی نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا۔ کوئی تو انجیل کی عزت رکھنے والا ہوتا۔ برخلاف اسکے دیکھا گیا ہے کہ اگر ذرا سی بات بھی مشنریوں کے خلاف مزاج ہوئی تو عدالت تک پہنچاتے ہیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ سزا دلائی جاوے۔

مگر قرآن شریف اس کے مقابلے میں کیا تعلیم دیتا ہے۔ فرماتا ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی بدی کی سزا اسی قدر بدی ہے لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اس عفو میں اصلاح مدنظر ہو بگاڑ نہ ہو تو ایسے شخص کو خدا سے اجر ملے گا۔ دیکھو قرآن شریف نے انجیل کی طرح ایک پہلو پر زور نہیں دیا بلکہ محل اور موقعہ کے موافق عفو یا سزا کی کارروائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ عفو غیر محل نہ ہو۔ ایسا عفو نہ ہو کہ اس کی وجہ سے کسی مجرم کو زیادہ جرأت ہو اور دلیری بڑھ جاوے اور وہ اَور بھی گناہ اور شرارت میں ترقی کرتے۔ غرض دونو پہلوؤں کو مدِنظر رکھا ہے۔ اگر عفو سے اس کی عادتِ بد جاتی رہے تو عفو کی تعلیم ہے اَور اگر اصلاح سزا میں ہو تو سزا دینی چاہیئے[1] اَور پھر اگر قرآن شریف کی اور باقی تعلیموں کو بھی زمانہ کے ساتھ مطابق کرنا چاہیں تو اور کوئی تعلیم اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

مسیح موعودؑ کے دعاوی کا انحصار نشانات پر ہوگا

فرمایا:-

قرآن شریف نے جو فرمایا اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (النمل: ۸۳) اس سے معلوم

---

[1] البدر سے:- "ایک ہی پہلو اختیار کرنا اور حلم اور عفو پر زور دینا اور وقت اور مصلحت کو نہ دیکھنا کسقدر خلاف عقل ہے۔ عقل ہمیں دکھلاتی ہے کہ ہزار انسان ہیں جو کہ سزا کے ذریعہ ہدایت یاب ہوتے ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۳ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

ہوتا ہے کہ مسیح موعود جس کے وقت کے متعلق یہ پیشگوئی ہے اس کے دعاوی کا بہت بڑا انحصار اور دارومدار نشانات پر ہوگا اور خدا تعالیٰ نے اسے بھی بہت سے نشانات عطا فرما رکھے ہوں گے کیونکہ یہ جو فرمایا کہ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۔ یعنی اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے نشانات کی کچھ بھی پروانہ کی اور ان کو نہ مانا اس واسطے ان کو یہ سزا ملی۔ ان نشانات سے مراد صرف مسیح موعود کے نشانات ہیں ورنہ یہ امر تو ٹھیک نہیں کہ گناہ تو زید کرے اور اس کی سزا عمرو کو ملے جو اس سے تیرہ سو سال بعد آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر لوگوں نے نشانات دیکھے اور ان سے انکار کیا تو اس انکار کی سزا تو ان کو اسی وقت مل گئی اور وہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ اگر آیت سے وہی نشانات مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے تھے تو اب ہزاروں لاکھوں مسلمان ایسے ہیں کہ اگر اُن سے پوچھا بھی جاوے کہ بتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کون کون سے نشانات ظاہر ہوئے تو ہزاروں میں سے شاید کوئی ہی ایسا نکلے جس کو اس طرح پر آپ کے نشانات کا علم ہو ورنہ عام طور سے اب مسلمانوں کو خبر تک بھی نہیں کہ وہ نشانات کیا تھے اور کس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کی تائید میں ان کو ظاہر فرمایا مگر کیا اس لاعلمی سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ لوگ سارے کے سارے ان نشانات سے منکر ہیں اور ان کو وہ نہیں مانتے۔ حالانکہ وہ مومن بھی ہیں۔ اگر ان کو علم ہو تو وہ مانے بیٹھے ہیں اُن کو کوئی انکار نہیں۔ ان لوگوں کے متعلق تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات نہ ماننے کا لفظ لا سکتے ہی نہیں کیونکہ انہوں نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی نبوت کی تفاصیل سمیت مان لیا ہوا ہے وہ انکار کیسے کر سکتے ہیں اور دیگر مذاہب کے لوگوں پر وہ نشانات اب حجت نہیں کیونکہ انہوں نے وہ دیکھے نہیں ہیں۔ جنہوں نے دیکھ کر انکار کیا تھا وہ ہلاک ہو چکے۔ موجودہ زمانہ کے لوگوں نے آپ کے نشانات دیکھے ہی نہیں تو وہ انکار کی وجہ سے ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں؟

پس معلوم ہوا کہ ان نشانات سے مراد مسیح موعود ہی کے نشانات ہیں جن کا انکار کرنے کی وجہ سے عذاب کی تنبیہ ہے اور خدا تعالیٰ کا غضب ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مسیح موعود کے نشانات سے انکار کیا ہے اور یہ خدائی فیصلہ ہے جس کو رد نہیں کیا جا سکتا یہ نصِ صریح ہے اس بات پر کہ طاعون مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے آئی ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴/ اپریل ۱۹۰۳ء)

۱۸/ اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقتِ سیر)

حضور کا دعویٰ

نو وارد مہمانوں میں سے ایک نے سوال کیا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ فرمایا:۔
ہمارا دعویٰ مسیح موعود کا ہے جس کے کل عیسائی اور مسلمان منتظر ہیں اور وہ میں ہوں۔

پھر پوچھا کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ فرمایا:۔
اب وقت تھوڑا ہے۔ سوال تو انسان چند منٹوں میں کر لیتا ہے مگر بعض اوقات جواب کے لیے چند گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ جب تک ہر ایک پہلو سے نہ سمجھایا جاوے تو بات سمجھ نہیں آیا کرتی اس لیے آپ کتابیں دیکھیں یا پھر کافی وقت ہو تو بیان کر دیئے جاویں گے۔

خاتم النبیین کی تشریح

دوسرے صاحب نے سوال کیا کہ خاتم النبیین کی شرح کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے اپنا وہی مذہب بیان کیا جو ۱۸ اپریل کی ڈائری میں آچکا ہے۔ نیز فرمایا:۔
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲) جو جس سے پیار کرتا ہے تو اس سے کلام بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ جس سے پیار کرتا ہے تو اس سے بلا مکالمہ نہیں رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے جب انسان کو خدا پیار کرنے لگتا ہے تو اس سے کلام بھی کرتا ہے غیب کی خبریں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے۔

مجلس قبل از عشاء

معرفت کی راہ

فرمایا:۔
خدا تعالیٰ کی معرفت کی راہ بہت باریک اور تنگ ہے۔ اس لیے اس کا مشاہدہ انسان پر مشکل ہے۔ ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اور اسی لیے انسان اس پر مائل ہو جاتا ہے مگر تاہم ایک حصہ امراض کا انسان کو ایسا لگا ہوا ہے کہ طبیب ہاتھ ملتے ہی رہ جاتے ہیں اور کچھ پیش نہیں جاتی۔

کیا دینداری اختیار کرنے سے مصیبت آتی ہے؟

بعض دنیا دار اعتراض کرتے ہیں کہ دینداری اختیار کی تو مصیبت آئی۔ مگر وہ بہت جھوٹے ہوتے ہیں۔ دیندار پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس کے ثواب اور معرفت کا موجب ہوتی ہے اور دنیا دار پر جو مصیبت آتی ہے وہ اس کی لعنت کا موجب بن جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مصیبت پڑی مگر کیا ہی پیاری مصیبت تھی کہ جیسے جیسے وہ بڑھتی جاتی ویسے ہی زور سے قرآن نازل ہوتا جاتا۔ وہ دور گو جلدی ختم ہو گیا یعنی صرف حضرت معاویہ تک ہی رہا۔ مگر نہ وہ رہے نہ یہ۔ ہاں سعید گروہ کے آثار قیامت تک رہے

اور شقی کا نام بھی ندارد۔ کاش کہ ابوجہل کبھی زندہ ہو کر آتا تو دیکھتا کہ جس کو وہ حقیر اور ذلیل خیال کرتا تھا خدا تعالیٰ نے اس کی کیا شان بنائی ہے۔ مشرق اور مغرب تک کہاں کہاں بلاد اسلامیہ پھیلے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو صحابہؓ فوت ہوئے انہوں نے تو وہ ترقیات نہ دیکھیں مگر جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا انہوں نے دیکھ لیں۔ اگر ابوجہل وغیرہ کو معلوم ہوتا کہ عروج ہوگا تو شامل غلاموں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جاتے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۳-۱۱۴ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۲؍اپریل ۱۹۰۳ء

(صبح کی سیر)

حُبابِ ہستی

فرمایا:۔ مجھے ہمیشہ تعجب آتا ہے کہ باوجود اس قدر بے بنیاد ہستی کے انسان دنیا میں بنیادیں قائم کرتا ہے۔ صرف ایک دم کی آمد و شد ہے اور کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ سلسلہ خدا تعالیٰ نے کیسا رکھا ہے کہ جو شخص یہاں سے رخصت ہو جاوے اس کو اجازت نہیں کہ واپس آکر وہاں کی خبر ہی بتلا جاوے۔ اس سے حکماء اور فلاسفر اور دانایانِ زمان سب عاجز ہیں ہاں اسی قدر پتہ ملتا ہے جو خدا کی کلام نے بتایا ہے۔

آدمی جو مرتا ہے اکثر اپنے بڑے بڑے تعلقات اور عزیز اور پیارے رشتہ دار چھوڑ جاتا ہے مگر معاً انتقال کے بعد ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ آجکل یورپ کو ہر ایک بات کی تلاش ہے۔ چنانچہ امریکہ میں ایک شخص سے معاہدہ ہوا (جو واجب القتل تھا) کہ جب اس کا سر کاٹا جاوے تو اس کو بہت بلند آواز سے پکارا جاوے تو یہ آنکھ سے اشارہ کریگا۔ چنانچہ جب سر کاٹا گیا تو بڑے زور سے آوازیں دی گئیں مگر کچھ حرکت نہ ہوئی۔ سچ ہے ؎

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وہی سچ ہے ہاں موت اور نیند کو آپس میں مشابہت ہے۔

احیاءِ موتیٰ

احیاء موتیٰ کے بارے میں سوال ہونے پر فرمایا کہ:۔ اس میں ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ اعجازی طور پر بھی احیاء موتیٰ نہیں ہوتا بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ وہ شخص دوبارہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ مبارک احمد کی حیات اعجازی ہے۔ اس میں کوئی بحث نہیں کہ جس شخص کی باقاعدہ طور پر فرشتہ جان قبض کرلے اور زمین میں بھی دفن کیا جاوے وہ پھر کبھی زندہ نہیں ہوتا۔ شیخ سعدی نے خوب کہا ہے ؎

واہ کہ گر مردہ باز گردیدے ❊ درمیان قبیلہ و پیوند
ردّ میراث سخت تر بودے ❊ وارثاں را زمرگ خویشاوند

خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳)۔

حقیقتِ کشف

کشف کیا ہے اسی بیداری کے ساتھ کسی اور عالم کا تداخل ہو جاتا ہے۔ اس میں حواس کے معطل ہونے کی ضرورت نہیں۔ دُنیا کی بیداری بھی ہوتی ہے اور ایک عالمِ غیبو بتیت بھی ہوتا ہے یعنی حالت بیداری ہوتی ہے اور اَسرارِ غیبی بھی نظر آتے ہیں۔

قتلِ انبیاء

قتلِ انبیاء پر سوال ہونے پر فرمایا:۔

توریت میں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاوے گا۔ اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر قرآن کی نصِ صریح سے پایا جاوے یا حدیث کے تواتر سے ثابت ہو کہ نبی قتل ہوتے رہے ہیں تو پھر ہم کو اس سے انکار نہیں کرنا پڑے گا۔ بہرحال یہ کچھ ایسی بات نہیں کہ نبی کی شان میں خلل انداز ہو کیونکہ قتل بھی شہادت ہوتی ہے مگر ہاں ناکام قتل ہو جانا انبیاء کی علامات میں سے نہیں۔

یہ مصالح پر موقوف ہے کہ ایک شخص کے قتل سے فتنہ برپا ہوتا ہے تو مصلحتِ الٰہی نہیں چاہتی کہ اس کو قتل کرا کر فتنہ برپا کیا جاوے جس کے قتل سے ایسا اندیشہ نہ ہو اس میں حرج نہیں۔

حدیث قرآن سے باہر نہیں

پھر فرمایا کہ:۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے وہی کچھ حدیث میں ہے۔ ہاں بعض[1] باتوں کا استنباط ایسا اعلیٰ حدیثوں نے کیا ہے کہ دوسرے گو اس کو سمجھ نہیں سکتے ورنہ حدیث قرآن سے باہر نہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کا نام رکھا ہے مُفَصَّلاً۔ اس پر ایمان ہونا چاہیئے بعض تفاسیر سوائے انبیاء کے اَور کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ پھر اس طرح حدیث میں قرآن سے زائد کچھ نہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں یہ عبارت یوں ہے:۔ "ہاں یہ بات ہے کہ بعض لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات قرآن کے کس مقام سے استنباط کی ہے تو انکو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن میں نہیں ہے اور اصل بات یہ ہے کہ سب کچھ قرآن سے ہی لیا گیا ہے مگر اس باریک در باریک استنباط کا لوگوں کو علم نہیں ہوتا خدا تعالیٰ نے قرآن کو کتاب مفصل کہا ہے تو اس پر ایمان ہونا چاہیئے۔ بعض استنباط سوائے انبیاء کے دوسرے کو سمجھ ہی نہیں آتے۔ اس پر مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ جیسے اب اس وقت مسیح موعودؑ اور اس زمانہ کے فتن کی خبر حضور نے سورۃ فاتحہ سے استنباط کر کے بتلائی ہے آج تک کس کو خبر تھی کہ یہ سب کچھ قرآن میں ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۴ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

متقی ہر وقت تیار رہتا ہے

ہر رات حاملہ عورت کی طرح ہوتی ہے جیسے وہاں معلوم نہیں کہ کیا پیدا ہو۔ نہیں معلوم صبح کو کیا نتیجہ پیدا ہو۔ اس لیے متقی اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ ہر وقت تیار رہتا ہے یہ جان کر کہ معلوم نہیں کس وقت آواز پڑ جاوے۔

ثبوت مسیح موعود

نبوت کا لفظ ہمارے الہامات میں دو شرطیں رکھتا ہے اوّل یہ کہ اس کے ساتھ شریعت نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ بواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

ملائکہ کا وجود

جو لوگ ملائک سے انکار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ ان کو اتنا معلوم نہیں کہ دراصل جس قدر اشیاء دنیا میں موجود ہیں ذرہ ذرہ پر ملائکہ کا اطلاق ہوتا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ بغیر اس کے اذن کے کوئی چیز اپنا اثر نہیں کر سکتی یہانتک کہ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں جا سکتا اور نہ وہ موثر ہو سکتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل: ۴۵) کے یہی معنے ہیں اور رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ کے بھی یہی معنے ہیں۔ یہی اسلام اور ایمان ہے اس کے سوا بدبُودار چیز ہے۔

موت

موت کا مضمون بہت ہی موثر مضمون ہے اگر یہ انسان کے اندر چلا جاوے تو انسان بدیوں سے بچنے کی بہت کوشش کرے۔ ابراہیم ادہم اور شاہ شجاع جیسے بادشاہوں پر اسی مضمون نے اثر کیا تھا جو سلطنتیں چھوڑ کر فقیر ہو گئے۔

خلق اور امر

جو چیز علل اور اسباب سے پیدا ہوتی ہے وہ خلق ہے اور جو محض کُن سے ہو وہ امر ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (یٰسٓ: ۸۳) عالمِ امر میں کبھی توقف نہیں ہوتا۔ خلق سلسلہ علل و معلول کا محتاج ہے جیسے انسان کا بچہ پیدا ہونے کے لیے نطفہ کا محتاج ہو پھر دوسرے مراتب طبعی اور طبابت کے قواعد کے نیچے ہوتا ہے مگر امر میں یہ نہیں ہوتا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۱/اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقتِ سیر)

وحی والہام اور کشف

فرمایا کہ:[1]

جب سماع کے ذریعہ سے کوئی خبر دی جاتی ہے تو اسے وحی کہتے ہیں

---

[1] الحکم میں اس سے پہلے ایک اور ذکر درج ہے لکھا ہے:-

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جب رویت کے ذریعہ سے کچھ بتلایا جاوے تو اسے کشف کہتے ہیں۔ اسی طرح میں نے دیکھا ہے کہ بعض وقت ایک ایسا امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صرف قوتِ شامہ سے ہوتا ہے مگر اس کا نام نہیں رکھ سکتے جیسے یوسفؑ کی نسبت حضرت یعقوبؑ کو خوشبو آئی تھی۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (یوسف: ۹۵) اور کبھی ایک امر ایسا ہوتا ہے کہ جسم اُسے محسوس کرتا ہے گویا کہ حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنی باتیں اظہار کرتا ہے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

"فرمایا۔ آج صبح جب میں نماز کے بعد ذرا لیٹ گیا تو الہام ہوا مگر افسوس ہے کہ ایک حصہ اس کا یاد نہیں رہا۔ ایک پہلے عربی کا فقرہ تھا اور اس کے بعد اس کا ترجمہ اُردو میں تھا وہ اُردو فقرہ یاد ہے۔ یہ بات آسمان پر قرار پا چکی ہے تبدیل ہونے والی نہیں۔ اور عربی فقرہ کچھ اس سے مشابہ تھا۔ تَعَهَّدَ وَتَمَكَّنَ فِی السَّمَآءِ۔ مگر وہ اصل فقرہ بھول گیا۔ اور اس نسیان میں بھی کچھ منشاء الٰہی ہوتا ہے گویا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ اب تقدیر مبرم ہے اس میں اب تبدیلی نہیں ہوگی۔ غرض تغیرات قضاء و قدر کا ارادہ آسمان پر پختہ کیا گیا ہے"۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

[1] الحکم میں زیادہ تفصیل سے یوں لکھا ہے:۔

"غرض تمام حواسِ خمسہ سے وحی ہوتی ہے اور ملہم کو قبل از وقت بذریعہ وحی ان باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ مثنوی رُومی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ چند قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پابجولاں آئے۔ ان قیدیوں نے خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہونگے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ خیال تمہارا غلط ہے جس وقت تم لوگ گھوڑوں پر سوار اور ناز و نعمت میں بآرام چلتے تھے میں تو اس وقت تمہیں پابزنجیر دیکھ رہا تھا۔ اب مجھے تمہارے دیکھنے کی کیا خوشی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ الہام کے ساتھ عموماً کشوف بھی ہوا کرتے ہیں۔

اشتہار تبلیغ میں میں نے اپنا ایک خواب درج کیا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے باغ میں سے سیر کر کے نکلا ہوں دیکھا کہ کچھ سوار گھوڑوں پر باغ میں داخل ہوئے۔ میں نے سمجھا کہ یہ اس کو پامال کر دیں گے۔ میں بھی انکے عقب میں جا داخل ہوا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سب کہیں نظر نہیں آتے جب وسط باغ میں گیا ہوں تو دیکھا کہ سب کے سر اور ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور کھال اُتاری ہوئی ہے۔ میں نے رقت میں آکر اور رو کر خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ یا اللہ یہ تیرا ہی کام تھا میں اکیلا ان کا مقابلہ کیا کر سکتا تھا۔ تو فوراً تعبیر بتلائی گئی کہ سر کا کٹنا غرور اور تکبر کا ٹوٹنا ہے۔ ہاتھوں کا کٹنا یعنی انسان اپنے ہاتھوں سے اپنے بچاؤ اور دشمن کے قتل کی مدد دیتا ہے گویا ان کے اسبابِ امداد کٹ گئے۔ پاؤں سے انسان بھاگ سکتا ہے یعنی اب کوئی صورتِ مفر نہیں۔ کھال زینت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دہریت

ہندوستان اور یورپ کی دہریت میں فرق ہے۔ یورپ کے دہریہ اس خدا کے منکر ہیں جو مصنوعی ہے اور عیسائی لوگ وہاں اس کو دہریہ کہتے ہیں جو کہ مسیح کو خدا نہ مانے اور اب فسق وفجور نے بھی اثر ڈالا ہے۔ لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ سب اثر کفارہ پرستی کا ہے۔ تو اب وہ کیسے مانیں۔

قضاء عمری

ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ قضاء عمری کیا شئے ہے جو کہ لوگ (عید الاضحیٰ) کے پیشتر جمعہ کو ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ:۔

میرے نزدیک یہ سب فضول باتیں ہیں۔ ان کی نسبت وہی جواب ٹھیک ہے جو کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیا تھا جبکہ ایک شخص ایک ایسے وقت نماز ادا کر رہا تھا جس وقت میں نماز جائز نہیں۔ اس کی شکایت حضرت علیؓ کے پاس ہوئی تو آپ نے اسے جواب دیا کہ میں اس آیت کا مصداق نہیں بننا چاہتا۔ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی (العلق: ۱۰-۱۱) یعنی تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک نماز پڑھتے بندے کو منع کرتا ہے۔ نماز جو رہ جائے اس کا تدارک نہیں ہو سکتا ہاں روزہ کا ہو سکتا ہے۔

اور جو شخص عمداً سال بھر اس لیے نماز کو ترک کرتا ہے کہ قضاء عمری والے دن ادا کر لونگا تو وہ گنہگار ہے اور جو شخص نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اس نیت سے پڑھتا ہے کہ آئندہ نماز ترک نہ کرونگا تو اس کے لیے حرج نہیں۔[1] ہم تو اس معاملہ میں حضرت علیؓ ہی کا جواب دیتے ہیں۔

نماز کے بعد دُعا

سوال ہوا کہ نماز کے بعد دُعا کرنا یہ سُنّت اسلام میں ہے یا نہیں؟ فرمایا ہم انکار نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی ہوگی مگر ساری نماز دعا ہی ہے اور آج کل دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نماز کو جلدی جلدی ادا کر کے گلے سے اُتارتے ہیں۔ پھر دُعاؤں میں اس کے بعد اس قدر خشوع خضوع کرتے ہیں کہ جس کی حد نہیں اور اتنی دیر تک دُعا مانگتے رہتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور پردہ ہوتا ہے یعنی ان تیرے مخالفوں کی زینت جاتی رہی اور پردہ دری ہوگئی۔ یہ اب پورا ہو رہا ہے۔ پس ہر جگہ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ سے ہی کام چلتا ہے انسان کی کیا طاقت ہے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ بابت ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

[1] (الحکم سے) "اگر ندامت کے طور پر تدارک مافات کرتا ہے تو پڑھنے دو۔ کیوں منع کرتے ہو۔ آخر دعا ہی کرتا ہے ہاں اس میں پست ہمتی ضرور ہے۔ پھر دیکھو منع کرنے سے کہیں تم بھی اس آیت کے نیچے نہ آجاؤ۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء)

مسافر دو میل تک نکل جاوے بعض لوگ اس سے تنگ بھی آجاتے ہیں تو یہ بات معیوب ہے خشوع خضوع اصل جزو تو نماز کی ہے وہ اس میں نہیں کیا جاتا اور نہ اس میں دعا مانگتے ہیں۔ اس طرح سے وہ لوگ نماز کو منسوخ کرتے ہیں۔ انسان نماز کے اندر ہی ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگ سکتا ہے۔

سُنّتِ صحیحہ معلوم کرنے کا طریق

جب اسلام کے فرقوں میں اختلاف ہے تو سنتِ صحیحہ کیسے معلوم ہو؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ:۔

قرآن شریف، احادیث اور ایک قوم کے تقویٰ طہارت اور سنت کو جب ملایا جاوے تو پھر پتہ لگ جاتا ہے کہ اصل سنت کیا ہے۔

نماز اور قرآن شریف کا ترجمہ جاننا ضروری ہے

مولانا محمد احسن صاحب نے فرمایا کہ وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء: ۴۴) سے ثابت ہے کہ انسان کو اپنے قول کا علم ضروری ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

جن لوگوں کو ساری عمر میں تَعْلَمُوْا نصیب نہ ہو ان کی نماز ہی کیا ہے۔

مزکّی کی ضرورت

ایک عورت کا ذکر کرتے ہیں کہ نماز پڑھا کرتی تھی۔ ایک دن اُس نے پوچھا کہ درود میں جو صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ آتا ہے اس کے کیا معنے ہیں۔ خاوند نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول تھے اس پر اس نے تعجب کیا اور کہا کہ ہائے ہائے میں ساری عمر بیگانہ مرد کا نام لیتی رہی (یہ حالت آج کل اسلام اور مسلمانوں کی ہے اور پھر اس پر کہا جاتا ہے کہ ایک مزکّی انسان کی ضرورت نہیں ہے)

قرآن کا صرف ترجمہ کافی ہے کہ نہیں

فرمایا۔ ہم ہرگز فتویٰ نہیں دیتے کہ قرآن کا صرف ترجمہ پڑھا جاوے۔ اس سے قرآن کا اعجاز باطل ہوتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ قرآن دُنیا میں نہ رہے بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جو دُعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں وہ بھی عربی میں پڑھی جاویں دوسرے جو اپنی حاجات وغیرہ ہیں ماثورہ دعا کے علاوہ وہ صرف اپنی زبان میں مانگی جاویں۔

ایک شخص نے کہا کہ حضور حنفی مذہب میں صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی سمجھا گیا ہے فرمایا کہ:۔

اگر یہ امام اعظم کا مذہب ہے تو پھر اُن کی خطا ہے۔

* * *

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

صدقہ میں ردّ بلا ملحوظ ہوتی ہے اور یہ صدق سے نکلا ہے کیونکہ اس کے عملدرآمد میں انسان اللہ تعالیٰ کو صدق و صفا دکھلاتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہدیہ ہدایت سے نکلا ہے کہ آپس میں محبت بڑھے۔

بعد وفات میت کو کیا شے پہنچتی ہے

فرمایا کہ:۔ دُعا کا اثر ثابت ہے ایک روایت میں ہے کہ اگر میت کی طرف سے حج کیا جاوے تو قبول ہوتا ہے اور روزہ کا ذکر بھی ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور یہ جو ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم: ۴۰) فرمایا کہ:۔ اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ بھائی کے حق میں دعا نہ قبول ہو تو پھر سورہ فاتحہ میں اِهْدِنَا کی بجائے اِهْدِنِیْ ہوتا۔

مجلس قبل از عشاء

ایک شخص کی موت کا ذکر ہوا۔ اس کا باعث بیان ہوا کہ فلاں مرض اور اسباب تھے۔ فرمایا کہ:۔ جب انسان یہیں آکر ٹھہر جاوے کہ فلاں باعث موت کا ہے اور آگے نہ چلے تو ایسی باتیں معرفت کی روک ہیں اور اس سے نظر اسباب تک ہی رہتی ہے۔

لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ

فرمایا:۔ جب طاعون کی آگ بھڑک رہی ہے تو اب کوئی سوچے کہ ایک مفتری کہہ سکتا ہے لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ کیا ممکن نہ تھا کہ وہ خود ہی مر جاوے اور طاعون کا شکار ہو۔ اس وقت قادیان مثل مکہ ہے کہ اس کے اردگرد لوگ ہلاک ہو رہے ہیں اور یہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے بالکل امن ہے۔ مکہ کی نسبت بھی ہے يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت: ۶۸) کہ لوگ اس کے گرد و نواح سے اُچک لیے جاویں گے لَوْلَا الْاِكْرَامُ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سرزمین سے راضی نہیں ہے اور مجھے یہ بھی الہام ہوا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔

قنوت

آج کل چونکہ وبا کا زور ہے اس لیے نمازوں میں قنوت پڑھنا چاہیئے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

☆ ☆ ☆

۲۲ اپریل ۱۹۰۳ء

(بوقتِ سیر)

گوشت خوری

آریوں کے مسئلہ گوشت خوری پر ذکر چلا فرمایا کہ
انسانی زندگی کے واسطے دوسری اشیاء کی ہلاکت لازمی پڑی ہوئی ہے
مثلاً دیکھو ریشم جب ہی حاصل ہوتا ہے۔ جب ریشم کے کیڑے مریں۔ پھر شہد کی مکھی کب چاہتی ہے کہ اس کا شہد لیا جاوے اکثر جونکیں خون پی کر مرجاتی ہیں۔ پھر ہوا میں کیڑے ہیں جو سانس سے مرتے ہیں۔ جب یکجائی نظر سے خدائی کے کل دائرے کو دیکھا جاوے تو پھر سمجھ میں آتا ہے کہ دُنیا میں سلسلہ آکل اور ماکول کا برابر جاری ہے اور اس کے بغیر دُنیا رہ ہی نہیں سکتی کہ بعض کی جان لی جاوے ورنہ اس طرح تو پھر کدودانہ وغیرہ کیڑے جو پیٹ میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی نہ مارنا چاہیئے۔

ایک شخص نے کہا کہ حضور آریہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جو انسان کی طاقت سے باہر امر ہے اس میں اس پر الزام نہیں۔ فرمایا کہ :-

طاقت سے باہر تو وہ کہا جاوے گا جس کا تعلق انسانی زندگی سے نہ ہو اور جو اس کے اندر ہے وہ سب طاقت میں ہوگا۔ خدا تعالیٰ کا ہی یہ منشاء ہے کہ انسانی حفاظت کے واسطے بہت جانوں کو لیا جاوے۔ پھر فطرت انسانی میں بعض قویٰ ایسے ہیں کہ اگر گوشت نہ کھایا جاوے تو اُن کا نشوونما ہو ہی نہیں سکتا۔ شجاعت پیدا ہی نہیں ہوتی اس لیے سکھ وغیرہ اقوام جو گوشت خور ہیں وہ نسبتاً شجاعت بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ بنگالی گوشت خور ہیں مگر وہ ایسے بہادر نہیں ہوتے فرمایا :-

ایسی حالتوں میں قوموں کی مجموعی حالت کو دیکھا کرتے ہیں کہ کس قدر اقوام گوشت خور ہیں اور کسقدر نہیں پھر مقابلتہً دیکھا جاوے کہ کونسی اقوام شجاعت میں بڑھ کر ہیں۔

مجلس قبل از عشاء

احمدیوں کی اقسام

فرمایا۔ ہمارے مریدوں کے بھی کئی قسم کے طبقے ہیں۔ ایک تو طاعونی ہیں جو طاعون سے ڈر کر اس سے بچنے کی نیت سے اب آرہے ہیں[1]۔ دوسرے

---

[1] الحکم میں ہے :۔ "ایک طاعونی جماعت ہے یعنی وہ جماعت جو طاعون کے نشان کو دیکھ کر اس سلسلہ میں داخل ہوئی ہے اور یہ جماعت کثرت کے ساتھ بڑھ رہی ہے"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

قمری اور شمسی ہیں جو کہ قمر اور شمس کا گرہن دیکھ کر داخل بیعت ہوئے۔
کچھ خوابی ہیں کہ بذریعہ خواب کے ان کی راہنمائی کی گئی[1]
بعض عقلی ہیں۔ انہوں نے عقل سے کام لے کر بیعت کی۔ بعض نقلی ہیں کہ حدیث آثار وغیرہ دیگر امور کو پورے ہوتے دیکھ کر ایمان لائے اور ابھی شمائل اور بھی چند قسمیں ہوں۔

ہمارا نقارہ

فرمایا کہ:۔
اعداء کا وجود ہمارا نقارہ ہے یہ انہیں کی مہربانی ہے کہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں مثنوی میں ایک ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک چور ایک مکان کو نقب لگا رہا تھا۔ ایک شخص نے اوپر سے دیکھ کر کہا کہ کیا کرتا ہے چور نے کہا کہ نقارہ بجا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا آواز تو نہیں آتی۔ چور نے جواب دیا کہ اس نقارہ کی آواز صبح کو سنائی دیوے گی۔ اور ہر ایک سنے گا۔ ایسے ہی یہ لوگ شور مچاتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں تو لوگوں کو خبر ہوتی رہتی ہے۔

فلسفہ جدیدہ کا فائدہ

فلسفہ جدیدہ نے اگرچہ نقصانات بھی پہنچائے ہیں مگر ایک صورت میں یہ مفید بھی ہوا ہے کہ بہت سی غیر معقول باتوں سے دلوں میں نفرت دلا دی ہے مثلاً یہ فرقہ شیعہ کہ جن کی اصلاح کی کبھی امید نہ تھی مگر اس فلسفہ سے متاثر ہو کر وہ بھی راہ راست پر آتے جاتے ہیں۔

صلحاء و اتقیاء سے محبت میں غلو نہ کیا جائے

ایک شخص کے اس سوال پر کہ اولیاء اللہ سے محبت رکھی جاوے کہ نہ فرمایا:۔
ہم اس کے مخالف نہیں ہیں کہ صلحاء، اتقیاء اور ابرار سے محبت رکھی جاوے مگر حد سے گذر جانا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو مقدم رکھنا یہ مناسب نہیں ہے جیسے کہ گذشتہ ایام میں بعض شیعہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی اس میں لکھا تھا کہ صرف امام حسینؓ کی شفاعت سے تمام انبیاء نے نجات پائی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان ہے۔ اس سے تو ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ نے غلطی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور حسینؓ پر نہ کیا۔[2] (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۵ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "یہ گروہ بھی بڑا بھاری گروہ ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸، ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں ہے:۔ "فرمایا کہ
ہمارا ایمان ہے کہ بزرگوں اور اہل اللہ کی تعظیم کرنی چاہیئے لیکن حفظ مراتب بڑی ضروری شئے ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ حد سے گذر کر خود ہی گنہگار ہو جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے نبیوں کی ہتک ہو جائے وہ شخص جو کہتا ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام حسینؓ کی شفاعت سے نجات پائینگے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ازدیادِ ایمان

ایمان کی نعمت یہی ہے کہ خدائی نصرتوں کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جب وہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں کو دیکھتا ہے تب اس کا ایمان بڑھتا ہے اور معرفت اور بصیرت کی آنکھ کھلنے لگتی ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی نصرتوں کی چمک نظر نہیں آتی۔ اس وقت تک یہ حالتِ تذبذب میں رہتا ہے لیکن جب اُن کی چمکار نظر آجاتی ہے اس وقت سینہ کی غلاظتیں دُور ہو جاتی ہیں اور اندر ایک صفائی اور نُور نظر آتا ہے۔ وہ حالت ہوتی ہے جب اس کے لیے کہا جاتا ہے اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔

عابدِ کامل سے عبادت کا ساقط ہو جانا

اہلِ اللہ کہتے ہیں کہ جب انسان عابد کامل ہو جاتا ہے اس وقت اس کی ساری عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ پھر خود ہی اس جُملہ کی شرح کرتے ہیں کہ اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز روزہ معاف ہو جاتا ہے نہیں بلکہ اس سے یہ مطلب ہے کہ تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں یعنی عبادات کو وہ ایسے طور پر ادا کرتا ہے جیسے دونو وقت روٹی کھاتا ہے وہ تکالیف مدرک الحلاوت اور محسوس اللذات ہو جاتی ہیں۔ پس ایسی حالت پیدا کرو کہ تمہاری تکالیف ساقط ہو جائیں اور پھر خدا تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور نہی سے بچنا فطرتی ہو جاوے جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے تو گویا ملائکہ میں داخل ہو جاتا ہے جو يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ کے مصداق ہیں۔

ثوابِ عبادت ضائع ہونے کا مطلب

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آدمی عارف اور عابد ہو جاتا ہے تو اسکی عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر خود ہی اس کی تشریح کرتے ہیں کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ ہر نیکی کا اجر نقد پا لیتے ہیں یعنی جب نفسِ امّارہ بدل کر مطمئنہ ہو جاتا ہے تو وہ تو جنت میں پہنچ گیا۔ جو کچھ پانا تھا پالیا۔ اس لحاظ سے ثواب نہیں رہتا۔ مگر بات اصل یہ ہے کہ ترقیات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

عربی میں الہامات کی کثرت کی وجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع کے سوا اگر ہم کسی اَور راستہ پر چلتے تو ہماری کثرتِ الہام کسی دوسری زبان میں ہوتی۔ مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اس نے کیسا غلو کیا ہے جس سے سب نبیوں کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہوتی ہے مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ان لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف میں اس قدر غلو کیا ہے مگر امام حسن رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے وقت ان لوگوں سے ایسا دلی جوش صادر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ معلوم نہیں کیا ہے شاید یہ باعث ہو کہ انہوں نے حضرت معاویہ کی بیعت کر لی تھی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

جب کہ اسی خدا، اسی کی کتاب اور اسی نبی کے اتباع پر ہم چلانا چاہتے ہیں تو پھر ہم کیوں عربی زبان میں مثل لانے کی تحدی نہ کریں؟

حقیقی جنت

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب میں کسی کتاب کا مضمون لکھنے بیٹھتا ہوں اور قلم اُٹھاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی اندر سے بول رہا ہے اور میں لکھتا جاتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سلسلہ ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو سمجھا بھی نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ جنت ہو یا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ پر پورا یقین ہونا ہی جنت ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۵ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۲۳ اپریل ۱۹۰۳ء

دربار شام

مسیح کا مقام رُوحٌ مِّنْهُ

اپنی فہمی میں کسی ہندو نے ایک مضمون شائع کر دیا ہے کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت روح اللہ کا لفظ آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کا مسیح کو روحٌ منہ فرمانے سے اصلی مطلب یہ ہے کہ تا اُن تمام اعتراضات کا جواب دیا جاوے جو اُن کی ولادت کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھو ولادت دو قسم کی ہوتی ہے ایک ولادت تو وہ ہوتی ہے کہ اس میں روح الٰہی کا جلوہ ہوتا ہے اور ایک وہ ہوتی ہے کہ اس میں شیطانی حصہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (بنی اسرائیل: ۶۵) یہ شیطان کو خطاب ہے غرض خدا تعالیٰ نے رُوحٌ مِّنْهُ فرما کر یہودیوں کے اس اعتراض کو رد کیا ہے جو وہ نعوذ باللہ حضرت مسیح کی ولادت کو ناجائز ٹھہراتے تھے۔ روح منہ کہہ کر صاف کر دیا کہ ان کی ولادت پاک ہے۔

یہودی تو ایسے بیباک اور دلیر تھے کہ ان کے منہ پر بھی ان کی ولادت پر حملہ کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ مسِ شیطان سے پاک ہیں۔ اس میں بھی اس کی تصدیق ہے ورنہ تمام انبیاء اور صلحاء مسِ شیطان سے پاک ہوتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ان کی صراحت اس واسطے کی ہے کہ ان پر ایسے ایسے اعتراض ہوئے اور کسی نبی پر چونکہ اعتراض نہیں ہوئے اسلئے ان کے لیے صراحت کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ دوسرے نبیوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ ہوتے تو یہ بھی ایک قسم کی توہین ہے کیونکہ اگر ایک مسلم و

مقبول نیک آدمی کی نسبت کہا جاوے کہ وہ تو زانی نہیں یہ اس کی ایک رنگ میں ہتک ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود اہل مکہ تسلیم کر چکے ہوئے تھے کہ وہ مسِ شیطان سے پاک ہیں۔ تب ہی تو آپ کا نام انہوں نے امین رکھا ہوا تھا اور آپ نے ان پر تحدی کی کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس: ۱۷) پھر کیا ضرورت تھی کہ آپ کی نسبت بھی کہا جاتا۔ یہ الفاظ حضرت مسیح کی عزت کو بڑھانے والے نہیں ہیں۔ انکی برأت کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایک کلنک کا بھی پتہ دے دیتے ہیں کہ ان پر الزام تھا۔
یاد رکھو کہ کلمہ اور رُوح کا لفظ عام ہے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں ہے۔ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ (الاعراف: ۱۵۹) اب اللہ تعالیٰ کے کلمات تو لاانتہا ہیں اور ایسا ہی صحابہؓ کی تعریف میں آیا ہے أَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ (المجادلة: ۲۳) پھر مسیح کی کیا خصوصیت رہی؟
حضرت مسیح کی ماں کی نسبت جو صدیقہ کا لفظ آیا ہے یہ بھی دراصل رفع الزام ہی کے لیے آیا ہے یہودی جو معاذ اللہ ان کو فاسقہ فاجرہ ٹھہراتے تھے۔ قرآن شریف نے صدیقہ کہہ کر اُن کے الزاموں کو دور کیا ہے کہ وہ صدیقہ تھیں۔ اس سے کوئی خصوصیت اور فخر ثابت نہیں ہوتا اور نہ عیسائی کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں بلکہ ان کو تو یہ اُمور پیش بھی نہیں کرنے چاہئیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ایک اعتراض کا جواب

کسی نے اعتراض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں کوئی احمدی طاعون سے فوت ہوتا ہے؟ فرمایا کہ:۔
یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے کہ انجام کو نہیں دیکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جب ایک طرف کافر مرتے ہوں گے اور ایک طرف صحابہؓ بھی۔ تو لوگ اعتراض تو کرتے ہوں گے کہ مرتے تو وہ بھی ہیں پھر فرق کیا؟ اس لیے ہمیشہ انجام کو دیکھنا چاہیئے۔ ایک وہ وقت تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے تھے اور کوئی ساتھ نہ تھا ہر ایک مقابلہ کے لیے تیار ہوتا۔ اب ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر طاعون سے ہمارے مرید مرتے جاتے ہیں تو پھر ہماری ترقی کیوں ہوتی جاتی ہے؟ اور ان کی جمعیت کیوں گھٹتی جاتی ہے؟
یہ اعتراض تو پھر سب پیغمبروں پر ہوگا اور ہم نے تو اس لیے کشتیٔ نوح میں لکھ دیا تھا کہ اگر عافیت کا پہلو نسبتاً ہماری طرف ہو تو ہم سچے اور موت تو سب کو آنی ہے۔ اس سے کس کو انکار ہے۔

طاعون کو جو ایک طرف شہادت اور ایک طرف عذاب کہا جاتا ہے۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ اسکے ذریعے سے جس فریق کے لیے برکات ظاہر ہو رہے ہیں اُن کے لیے تو شہادت اور رحمت ہے اور جن کے لیے برکات ظاہر نہ ہوں اور کمی ہوتی جاوے ان کے لیے عذاب ہے۔ ہم کو اس سے دو فائدے ہیں اور ان کو دو نقصان ہیں اور پھر ہم بیس سال سے براہین میں یہ پیشگوئی عذاب کی شائع کر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ان کافروں کو جس طرح چاہے عذاب دیوے۔ پھر جب ان لوگوں پر وہ عذاب ایک جنگ کے رنگ میں نازل ہوا تو کفار کے ساتھ صحابہؓ کیوں اس میں حصہ لیتے رہے؟ یہ امر اس لیے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک پہلو اخفاء اور ایمان بالغیب کا بھی رہے۔

ہندوؤں کا بانگ دلوانا

آج کل طاعون کی کثرت کے وقت اکثر سکھوں اور ہندوؤں کے گاؤں میں یہ علاج کیا جاتا ہے کہ اذان نماز بڑے زور اور کثرت سے ہر ایک گھر میں دلائی جاتی ہے اس کی نسبت ایک شخص نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ فعل کیسا ہے؟ فرمایا کہ:۔

اذان صراسر اللہ تعالیٰ کا پاک نام ہے۔ ہمیں تو حضرت علیؓ کا جواب یاد آتا ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ میں اس أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ (العلق: ۱۰، ۱۱) کا مصداق ہونا نہیں چاہتا۔ ہمارے نزدیک بانگ میں بڑی شوکت ہے اور اس کے دلوانے میں حرج نہیں (حدیث میں آیا ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے) (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۲۵ر اپریل ۱۹۰۳ء

دربار شام

الہام يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي[1]

مولوی محمد حسین صاحب کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

---

[1] یہ الہام اور اس کی تشریح البدر میں ۲۷ر اپریل کی ڈائری کے بعد درج ہے۔ دیکھئے صفحہ ۲۷۸ پر "طاعون کے متعلق ایک تازہ الہام" (مرتب) (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۷ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں لکھا ہے:۔ مقدمات کی نسبت ذکر ہوا۔ فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں ہم کو فتح دی ہے براہین میں یہ الہام موجود ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

اصل میں اگر کوئی صاف دل اور بے تعصب ہو کر ہمارے دلائل سُنے تو اس کو معلوم ہو جاوے کہ درحقیقت ہم حق پر ہیں۔ ہمارا اُن کا اختلاف ہی کیا ہے۔

وفات مسیح علیہ السّلام

مسیحؑ کی حیات ممات کا بڑا مسئلہ ہے اور یہ ایسا صاف ہے کہ اس میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں پڑتی۔ شروع سے یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ اور وفاتِ مسیح اکثر اکابران ملت کا مذہب ہے۔ صحابہؓ کا یہی مذہب تھا۔

احیاء موتیٰ

رہا حضرت عیسیٰؑ کا احیاء موتیٰ۔ اس میں رُوحانی احیاء موتیٰ کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ اور ہم مانتے ہیں کہ رُوحانی طور پر مُردے زندہ ہوا کرتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ ایک شخص مرگیا اور پھر زندہ ہوگیا۔ تو یہ قرآن شریف یا احادیث سے ثابت نہیں ہے اور ایسا ماننے سے پھر قرآن شریف اور احادیثِ نبوی گویا ساری شریعتِ اسلام ہی کو ناقص ماننا پڑے گا کیونکہ ردالموتیٰ کے متعلق مسائل نہ قرآن شریف میں ہیں نہ حدیث نے کہیں ان کی صراحت کی ہے۔ اور نہ فقہ میں کوئی بات اس کے متعلق ہے۔ غرض کسی نے بھی اس کی تشریح نہیں کی۔ اس طرح پر یہ مسئلہ بھی صاف ہے[1]

خلق طیر

پھر ان کا جانور بنانا ہے سو اس میں بھی ہم اس بات کے تو قائل[2] ہیں کہ روحانی طور سے معجزہ کے طور پر درخت بھی ناچنے لگ جاوے تو ممکن ہے مگر یہ کہ انہوں نے چڑیاں بنا دیں اور انڈے بچے دے دیئے اس کے ہم قائل نہیں ہیں اور نہ قرآن شریف سے ایسا ثابت ہے۔ ہم کیا کریں ہم اس طور پر ان باتوں کو مان ہی نہیں سکتے جس طرح پر ہمارے مخالف کہتے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف صریح اس کے خلاف ہے اور وہ ہماری تائید میں کھڑا ہے اور دوسری طرف بار بار کثرت کے ساتھ ہمیں الہام الٰہی کہتا ہے۔ قُلْ عِنْدِیْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۔ قُلْ عِنْدِیْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔

اب ان الہامات کے بعد ہم اور کس کی بات سُنیں؟ اور وہ کون ہے جس کی آواز خدا تعالیٰ کی ان آوازوں

---

[1] البدر میں ہے:۔ "فرمایا۔ ہم اعجازی احیاء کے قائل ہیں مگر یہ بات بالکل ٹھیک نہیں ہے کہ ایک مُردہ اس طرح زندہ ہوا کہ وہ پھر اپنے گھر میں آیا اور رہا اور ایک عمر اس نے بسر کی اگر ایسا ہوتا تو قرآن ناقص ٹھہرتا ہے کہ اس نے ایسے شخص کی وراثت کے بارے میں کوئی ذکر نہ کیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کیا ہوا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "فرمایا۔ اسی طرح ہم چڑیوں کو مانتے ہیں کہ وہ بھی ٹاپنے لگ گئی ہوں اور چڑیاں کیا شے ہیں ہم تو یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک درخت بھی ٹاپنے لگے۔ مگر پھر بھی وہ خدا کی چڑیوں کی طرح ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ جس سے تشابہ بالخلق لازم آجاوے بڑی بات قابل فیصلہ وفات مسیح ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

کے بعد ہمارے دل کو لے سکے ؟ مولوی محمد حسین صاحب بنے تو خود لکھدیا ہے کہ اہل کشف اور ولی الہام کی رو سے احادیث کی صحت کر لیتے ہیں بعض احادیث ائمہ اہل حدیث کے نزدیک موضوع ہوتی ہیں اور اہل کشف بذریعہ کشف اُن کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور وہ حق پر ہوتے ہیں۔ اب وہ خود ہی بتاویں کہ ہم کیا کریں۔ کیا ہم خدا تعالیٰ کے الہام کو مانیں یا کسی دوسرے کے قیل وقال کو ؟

براہین احمدیہ موجود ہے اور وہ دشمنوں دوستوں سب کے ہاتھ میں ہے اس میں اس وقت سے ۲۵ سال پہلے کی وہ وہ پیشگوئیاں اور وعدے بھرے ہوئے ہیں جن کا اس وقت نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور وہ اب بڑے زور شور سے اپنے سچے معنوں میں پوری ہو رہی ہیں کیا کوئی آدمی ایسی نظیر بتا سکتا ہے کہ کسی کاذب کو ایسے سامان ملے ہوں کہ پہلے اتنا عرصہ دراز اُس نے پیشگوئیاں کی ہوں اور وہ پھر اسی طرح پوری ہوئی ہوں اور وہ کامیاب ہو گیا ہو[1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

---

۲۶ اپریل ۱۹۰۳ء

بوقتِ سیر

خدا تعالیٰ اور انبیاء کا علم مساوی نہیں ہوتا

فرمایا کہ:-
خدا کے علم کے ساتھ بشر کا علم مساوی نہیں

---

[1] البدر میں ۲۵ اپریل کی ڈائری مندرجہ ذیل دو باتیں لکھی ہیں جو الحکم میں نہیں حالانکہ الحکم کی باقی ڈائری مفصل ہے مگر معلوم ہوتا ہے یہ دو باتیں وہاں رہ گئی ہیں۔ البدر میں ہے:-

نرمی فرمایا۔ نرمی اس بات کا نام نہیں ہے کہ دوسرا اگر بالمقابل پر نرمی کرتا رہا تو تم بھی کرتے رہو اور جب اس نے ذرا تیور بدلے تو تم نے بھی بدل لیے بلکہ جب فریق مقابل سختی کرے اور اس وقت تم نرمی کرو تو اس کا نام نرمی ہوگا۔

عمر کا اثر انسان پر فرمایا کہ عمر کا بھی اثر انسان کے اخلاق اور عادات پر پڑتا ہے چالیس سال تک انسان بہت سی بیہودگیاں کرتا ہے۔ اس کے بعد جب انحطاط شروع ہوتا ہے تو ساتھ ہی خیالات کا بھی انحطاط شروع ہوتا ہے اور ایک تغیر عظیم انسان کے اندر ہوتا ہے"

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

ہوسکتا۔ اس لیے انبیاء سے اجتہاد میں غلطیاں واقع ہوتی رہی ہیں اور پھر جب خدا تعالیٰ نے اس پر اطلاع دی تو ان کو علم ہوا۔ یہودیوں کو مسیح کے وقت یہی مغالطہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہاں داؤد کی بادشاہت قائم ہوئی۔ اور یہی دعویٰ آخر کار رخنہ کا موجب ہوا۔ اگر پیغمبر پر ہر ایک تفصیل کھول دی جاتی تو پھر ہر ایک پیغمبر کو یہ علم ہوتا کہ میرے بعد فلاں پیغمبر آوے گا اور موسیٰ علیہ السلام کو علم ہوتا کہ میرے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے حالانکہ ان کا یہی خیال ہوگا کہ آپ بنی اسرائیل سے ہوں گے۔ اسی طرح آئندہ کے امور بعض وقت ایک نبی پر منکشف کئے جاتے ہیں مگر تفصیلی علم نہیں دیا جاتا۔ پھر جب ان کا وہ وقت آتا ہے تو خود بخود حقیقت کھل جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم ہو کر آئے تھے تو کیا آپ نے یہود کی کل باتیں تسلیم کر لی تھیں؟

مجلس قبل از عشاء

دینی غیرت

ایک مقام کے چند ایک احباب آریوں کے ایک ایسے جلسے میں گئے تھے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک تعلیم پر ناجائز اور فحش سے بھرے ہوئے نامعقول حملے ہو رہے تھے۔ اس پر حضرت اقدس نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا:۔

یہ لوگ ایسی مخفلوں میں کیوں جاتے ہیں؟ اور جب ایسے ذکر اذکار شروع ہوں تو کیوں نہیں اُٹھ کر چلے آتے؟

ہماری رائے میں ہمارے احباب کو یہ طریق اختیار کرنا چاہیئے کہ اپنی ہفتہ وار کمیٹی میں ایسی باتوں کی تردید کیا کریں اور بذریعہ اشتہار ان تمام لوگوں کو مدعو کیا کریں جو کہ اعتراض کرتے ہیں۔ یہ طریق نہایت امن اور عمدہ تبلیغ حق کا ہے اور غیرت دینی کے بہت اقرب ہے۔

نبوت کا اقرار اور انکار

اعتراض۔ ایک شخص کی طرف سے یہ سوال پیش ہوا کہ مرزا صاحب اپنی تصنیفات میں کہیں نبوت کی نفی کرتے ہیں اور کہیں جواز۔

جواب۔ فرمایا:۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ ہم اگر نبی کا لفظ اپنے متعلق استعمال کرتے ہیں تو ہم ہمیشہ وہ مفہوم لیتے ہیں جو کہ ختم نبوت کا مخل نہیں ہے اور جب اس کی نفی کرتے ہیں تو وہ معنے مراد ہوتے ہیں جو ختم نبوت کے مخل ہیں۔

نیوگ اور طلاق میں سے کونسا امر کانشنس کے خلاف ہے

طلاق پر آریوں کے اعتراض سُنکر فرمایا کہ:۔

اگر طلاق ایسا امر ہوتا جو کہ کانشنس کے خلاف ہے تو پھر دیگر اقوام بھی اسے بجا نہ لاتیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی بھی ایسی قوم نہیں ہے جو ضرورت کے وقت عورت کو طلاق نہ دیتی ہو لیکن اگر نیوگ بھی ایسا ہی ہے تو آریوں کو چاہیئے کہ اپنی قوم کے معزز اور برگزیدہ کئی سو ممبر انتخاب کریں کہ جن کی اولاد نہ ہو اور پھر وہ اپنی عورتوں سے نیوگ کراویں اور شائع کریں کہ فلاں فلاں صاحب اپنی عورت سے نیوگ کرواتے ہیں۔ جب تک وہ یہ نمونہ نہ دکھلاویں۔ تب تک بحث فضول ہے اور جب وہ ایسا کریں تو پھر ہم کو ان پر کچھ افسوس نہ ہوگا۔ ہمارا اعتراض اس وقت تک ہے جب تک وہ اسے عملی طور پر قوم میں نہیں دکھلاتے۔ اسی طرح اگر وہ بالمقابل چاہیں تو ہم اہلِ اسلام کے رؤساء اور معزز لوگوں کی ایسی فہرست تیار کر دیویں گے جنہوں نے معقول وجوہات پر اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے۔

وجوہ طلاق احمدی جماعت میں سے ایک صاحب نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ عورت کے رشتہ داروں نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی کہ بے وجہ اور بے سبب طلاق دی گئی ہے۔ مرد کے بیان سے یہ بات پائی گئی کہ اگر اسے کوئی سزا ہی کیوں نہ دی جاوے مگر وہ اس عورت کو بسانے پر ہرگز آمادہ نہیں ہے۔ عورت کے رشتہ داروں نے جو شکایت کی تھی اُن کا منشاء تھا کہ پھر آبادی ہو۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

عورت مرد کا معاملہ آپس میں جو ہوتا ہے اس پر دوسرے کو کامل اطلاع نہیں ہوتی۔ بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی فحش عیب عورتوں میں نہیں ہوتا مگر تاہم مزاجوں کی ناموافقت ہوتی ہے جو کہ باہمی معاشرہ میں مخل ہوتی ہے ایسی صورت میں مرد طلاق دے سکتا ہے۔

بعض وقت عورت گو ولی ہو اور بڑی عابد اور پرہیزگار اور پاکدامن ہو اور اس کو طلاق دینے میں خاوند کو بھی رحم آتا ہو بلکہ وہ روتا بھی ہو مگر پھر بھی چونکہ اس کی طرف سے کراہت ہوتی ہے اس لیے وہ طلاق دے سکتا ہے۔ مزاجوں کا آپس میں موافق نہ ہونا یہ بھی ایک شرعی امر ہے۔ اسلئے ہم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ جو ہوا سو ہوا۔ مہر کا جو جھگڑا ہو وہ آپس میں فیصلہ کر لیا جاوے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۶-۱۱۷ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

۲۷ر اپریل ۱۹۰۳ء

بوقتِ سیر

ضرورۃً حکم جب مدت دراز گذر جاتی ہے اور غلطیاں پڑ جاتی ہیں تو خدا ایک حَکَم مقرر کرتا ہے جو ان غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کے سات سو برس بعد

آئے۔ اس وقت ساتویں صدی میں ضرورت پڑی تو کیا اب چودھویں صدی میں بھی ضرورت نہ پڑتی۔ اور پھر جس حال میں کہ ایک ملہم ایک صحیح حدیث کو وضعی اور وضعی کو صحیح بذریعہ الہام قرار دے سکتا ہے اور یہ اصول ان لوگوں کا مسلم ہے تو پھر حکم کو کیوں اختیار نہیں ہے؟ ایک حدیث کیا اگر وہ ایک لاکھ حدیث بھی پیش کریں تو اُن کی پیش کب چل سکتی ہے؟

اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

انہوں نے لکھا تھا کہ ہم ہی نے اونچا کیا تھا اور ہم ہی اسے نیچا گرا دیں گے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے چڑھانے کے لیے کیا کوشش کی تھی۔ ہم پر تو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا ذرہ بھر بھی احسان نہیں۔ ہاں اب گرانے کے لیے انہوں نے بہت کوشش کی اور جتنی اس نے کی اَور کسی نے مطلق نہیں کی مگر خدا تعالیٰ کے آگے کس کی پیش چلتی ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب کی شہادت قتل کے مقدمہ میں اور وہاں کرسی وغیرہ مانگنے کا ذکر ہوتا رہا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ:۔

قلوب میں عظمت ڈالنا خدا کا کام ہے

علماء دین کے واسطے ظاہری بلندی چاہنی عیب میں داخل ہے۔ قلوب میں عظمت ڈالنی انسانی ہاتھ کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک کشش ہوتی ہے جو کہ خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتی ہے ہم کیا کر رہے ہیں جو ہزارہا آدمی کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کی کشش ہے۔ ان لوگوں کی علمیت اور حکمت۔ دانائی اُن کے کچھ کام نہ آئی۔ مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص دولت مند تھا مگر بیچارے کی عقل کم تھی۔ وہ کہیں جانے لگا تو اس نے گدھے پر بورے میں ایک طرف جواہر ڈالے اور وزن کو برابر کرنے کے واسطے ایک طرف اتنی ہی ریت ڈال دی۔ آگے چلتے چلتے اسے ایک شخص دانشمند ملا مگر کپڑے پھٹے ہوئے، بھوک کا مارا ہوا۔ سر پر پگڑی نہیں۔ اس نے اس کو مشورہ دیا کہ تُو نے ان جواہرات کو نصف نصف کیوں نہ دونوں طرف ڈالا۔ اب ناحق جانور کو تکلیف دے رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مَیں تیری عقل نہیں برتتا۔ تیری عقل کے ساتھ نحوست ہے بلکہ میں تجھ بدبخت کا مشورہ بھی قبول نہیں کرتا۔

فروتنی

انسان کو چاہیئے جب کہیں جاوے تو سب سے نیچی جگہ اپنے لیے تجویز کرے۔ اگر وہ کسی اَور جگہ کے لائق ہوگا تو میزبان خود اسے بُلا کر جگہ دیگا اور اس کی عزت کریگا۔

عوام الناس کی کم فہمی

فرمایا:۔

جن لوگوں کے دل میں کجی ہو وہ متشابہات کی طرف جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کیا انہوں نے آیاتِ بینہ سے فائدہ نہیں

اُٹھایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک حبشی عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر یہ منجانب اللہ ہوتا تو حبشن سے نکاح نہ کرتا۔ اس ذرہ سی بات پر ان کے تمام معجزات کو نظر انداز کر دیا۔

مجلس قبل از عشاء

معبّر کی رائے کا اثر تعبیر پر نہیں پڑتا

ایک شخص نے سوال کیا کہ جب خواب بیان کیا جاتا ہے تو یہ بات مشہور ہے کہ سب سے اوّل جو تعبیر معبّر کرے وہی ہوا کرتی ہے اور اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے خواب بیان نہ کرنا چاہیئے۔ فرمایا:۔

جو خواب مبشر ہے اس کا نتیجہ انذار نہیں ہو سکتا اور جو منذر ہے وہ مبشر نہیں ہو سکتا اس لیے یہ بات غلط ہے کہ اگر مبشر کی تعبیر کوئی معبّر منذر کی کرے تو وہ منذر ہو جاوے گا اور منذر مبشر ہو جاوے گا۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ اگر کوئی منذر خواب آوے تو صدقہ و خیرات اور دُعا سے وہ بلا ٹل جاتی ہے۔

تفاؤل

کسی کے نام سے بطور تفاؤل کے فال لینے پر سوال ہوا۔ فرمایا:۔

یہ اکثر جگہ صحیح نکلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تفاؤل سے کام لیا ہے ایک دفعہ مَیں گورداسپور مقدمہ پر جا رہا تھا اور ایک شخص کو سزا ملنی تھی۔ میرے دل میں خیال تھا کہ اسے سزا ہوگی یا نہیں؟ اتنے میں ایک لڑکا ایک بکری کے گلے میں رسّی ڈال رہا تھا۔ اُس نے رسّی کا حلقہ بنا کر بکری کے گلے میں ڈالا اور زور سے پکارا کہ وہ پھنس گئی وہ پھنس گئی مَیں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اُسے سزا ضرور ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح ایک دفعہ سیر کو جا رہے تھے اور دل میں پگٹ کا خیال تھا کہ بڑا عظیم الشان مقابلہ ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک شخص غیر از جماعت نے راستہ میں کہا السلام علیکم مَیں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہماری فتح ہوگی۔

طاعون کے متعلق ایک تازہ الہام

قُلْنَا یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیَا سَمَآءُ اَقْلِعِی۔

اس الہام کے متعلق جہاں تک میری رائے ہے وہ یہ ہے کہ یہ عام شہروں اور دیہات کے متعلق نہیں اور نہ اس سے دوام منع ثابت ہوتا ہے۔ غالباً یہی ہے کہ بعض دیہات اور شہروں میں جن کی نسبت خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے چند مہینوں تک طاعون بند رہے گی اور پھر جہاں خداوند قدیر چاہے پھر پھوٹ پڑے اور یہ بکلّی

بند نہیں ہوگی جب تک وہ ارادہ بکمال و تمام پورا نہ ہو جاوے جو آسمان پر قرار پایا ہے اور ضرور ہے کہ زمین اپنے مواد نکالتی رہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ اپنے کمال کو نہ پہنچے۔

مرزا غلام احمد

ایک الہام

جو مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۰۳ء کو شام کو بیان فرمایا:۔

رَبِّ اِنِّیْ مَظْلُوْمٌ فَانْتَصِرْ۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۱۷ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ اپریل ۱۹۰۳ء

بوقتِ ظہر

مہندی اور وسمہ

مہندی اور وسمہ کی نسبت ذکر ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ:۔

اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ وسمہ نہ لگانا چاہیئے یا مہندی لگائی جاوے یا وسمہ اور مہندی ملا کر۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۱ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۲۹ اپریل ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ناپائیدار زندگی

ایک شخص کی نئی ایجاد کا ذکر ہوا کہ اس کی ایجاد بہت مقبول ہوئی ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ لکھوکھا روپیہ اب کما ویگا۔ فرمایا کہ:۔

دنیا چند روزہ ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت آوے گی اور ان کی نظر یہاں تک ہی محدود رہتی ہے۔ لیکن اگر زندگی نہ ہوئی تو کیا فائدہ؟ لوگوں کا دستور ہے کہ ہر ایک پہلو پر نظر نہیں ڈالتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۱ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

❊ ❊ ❊

۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

ایک الہام

فرمایا کہ :-
مجھے الہام ہوا مگر اس کا آخری حصّہ یاد ہے دوسرے الفاظ یاد نہیں رہے جو الفاظ یاد ہیں وہ یہ ہیں فِیْہِ خَیْرٌ وَّ بَرَکَۃٌ۔ اس کا ترجمہ بھی بتلایا گیا "اس میں تمام دُنیا کی بھلائی ہے۔

حج نہ کرنے پر اعتراض کا جواب

مخالفوں کے اس اعتراض پر کہ مرزا صاحب حج کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا:-
کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو خدمت خدا تعالیٰ نے اوّل رکھی ہے اس کو پس انداز کر کے دوسرا کام شروع کر دیوے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عام لوگوں کی خدمات کی طرح ملہمین کی عادت کام کرنے کی نہیں ہوتی۔ وہ خدا تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی سے ہر ایک امر کو بجا لاتے ہیں۔ اگرچہ شرعی تمام احکام پر عمل کرتے ہیں مگر ہر ایک حکم کی تقدیم و تاخیر الٰہی ارادہ سے کرتے ہیں۔ اب اگر ہم حج کو چلے جاویں تو گویا اس خدا کے حکم کی مخالفت کرنیوالے ٹھہرینگے اور مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (اٰل عمران : ۹۸) کے بارے میں کتاب حجج الکرامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو حج ساقط ہے۔ حالانکہ اب جو لوگ جاتے ہیں اُن کی کئی نمازیں فوت ہوتی ہیں۔ مامورین کا اوّل فرض تبلیغ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال مکہ میں رہے آپؐ نے کتنی دفعہ حج کئے تھے؟ ایک دفعہ بھی نہیں کیا تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کی بے باپ پیدائش

سوال :- کیا قرآن میں کوئی صریح آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بلا باپ کے پیدا ہوئے تھے؟ فرمایا کہ :-
جواب :- یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے قصّہ کو ایک جا جمع کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش خارق طریق[1] سے ہے ویسے ہی مسیح علیہ السلام کی بھی ہے پھر یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا حال بیان کر کے مسیح کی پیدائش کا حال بیان کیا ہے یہ ترتیب قرآنی بھی بتلاتی ہے کہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی کی ہے یعنی جسقدر معجز نمائی کی قوت یحییٰؑ کی پیدائش میں ہے اس سے بڑھ کر مسیح کی پیدائش میں ہے۔ اگر اس میں کوئی معجزانہ بات نہ تھی تو

---

[1] "یعنی حضرت زکریا علیہ السلام بہت ہی بوڑھے تھے اور انکی بیوی بانجھ تھی"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء)

یحییٰؑ کی پیدائش کا ذکر کرکے کیوں ساتھ ہی مریم کا ذکر چھیڑ دیا؟ اس سے کیا فائدہ تھا؟ اسی لیے کیا کہ تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ ان دو نو بیانوں کو ایک جا ذکر کرنا اعجازی امر کو ثابت کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو گویا قرآن تنزّل پر آتا ہے جو کہ اس کی شان کے برخلاف ہے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ۔ (آل عمران: ۶۰) اگر مسیح بن باپ کے نہ تھا تو آدم سے مماثلت کیا ہوئی؟ اور وہ کیا اعتراض مسیح پر تھا جس کا یہ جواب دیا گیا؟

تواریخی بات یہ بھی ہے کہ یہود آپ کی پیدائش کو اسی لیے ناجائز قرار دیتے تھے کہ آپ کا باپ کوئی نہ تھا۔ اس پر خدا نے یہود کو جواب دیا کہ آدم بھی تو بلا باپ پیدا ہوا تھا بلکہ بلا ماں بھی۔ یہ اعتبار واقعات کے جو اعتراض ہوا کرتے ہیں ان سے جواب کو دیکھنا چاہیئے اور اگر کوئی اُسے خلاف قانون قدرت قرار دیتا ہے تو اوّل قانون قدرت کی حد بست دکھلا دے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۲ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

یکم مئی ۱۹۰۳ء

دربار شام

ایک رؤیا

فرمایا کہ:۔

ایک رؤیا تھی تو وحشت ناک مگر اللہ تعالیٰ نے ٹال ہی دیا۔ دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ بیل کو میدان میں ذبح کریں گے۔ مگر عملی کارروائی نہ ہوئی۔ ذبح نہ ہوا کہ جاگ آگئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں مسیح موعودؑ کے دفن ہونے کا سِرّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ مسیح موعود کی قبر میری قبر میں ہوگی۔ اس پر ہم نے سوچا کہ یہ کیا سِرّ ہے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر ایک قسم کی دُوری اور دُوئی کو دُور کرتا ہے اور اس سے اپنے اور مسیح موعود کے وجود میں ایک اتحاد کا ہونا ثابت کیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ کوئی شخص باہر سے آنے والا نہیں ہے بلکہ مسیح موعود کا آنا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا آنا ہے جو بروزی رنگ رکھتا ہے۔ اگر کوئی اَور شخص آتا تو اس سے دُوئی لازم آتی اور غیرتِ نبوی کے تقاضے کے خلاف ہوتا۔

بروز میں دُوئی نہیں ہوتی

اگر کوئی غیر شخص آجاوے تو غیرت ہوتی ہے لیکن جب وہ خود ہی آوے تو پھر غیرت کیسی؟ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر ایک شخص آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھے اور پاس اس کی بیوی بھی موجود ہو تو کیا اس کی بیوی آئینہ والی تصویر کو دیکھ کر پردہ کریگی اور اس

کو یہ خیال ہوگا کہ کوئی نامحرم شخص آگیا ہے اس لیے پردہ کرنا چاہیئے اور یا خاوند کو غیرت محسوس ہوگی کہ کوئی اجنبی شخص گھر میں آگیا ہے اور میری بیوی سامنے ہے۔ نہیں بلکہ آئینہ میں انہیں خاوند بیوی کی شکلوں کا بروز ہوتا ہے اور کوئی اس بروز کو غیر نہیں جانتا اور نہ ان میں کسی قسم کی دُوئی ہوتی ہے۔

یہی حالت مسیح موعود کی آمد کی ہے۔ وہ کوئی غیر نہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جُدا ہے اور کسی نئی تعلیم یا شریعت کو لے کر آنے والا نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بروز اور آپؐ کی ہی آمد ہے جس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے آنے سے کوئی غیرت دامنگیر نہیں ہوئی بلکہ اس کو اپنے ساتھ ملایا ہے اور یہی سِرّ ہے آپ کے اس ارشاد میں کہ وہ میری قبر میں دفن کیا جاوے گا۔ یہ امر غایت اتحاد کی طرف رہبری کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر تعریف کرکے بھی جو قرآن شریف میں کی گئی ہے اور آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرا کر بھی پھر کبھی اور آپ کے بعد نبوت کے تخت پر بٹھا دیتا تو آپ کی کس قدر کسرِ شان ہوتی اور اس سے نعوذ باللہ یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی بہت ہی کمزور ہے کہ آپ سے ایک شخص بھی ایسا تیار نہ ہو سکا جو آپ کی اُمت کی اصلاح کر سکتا۔ اس سے نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان ہوتی بلکہ یہ امر جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے۔ منافی غیرت بھی ہوتا۔ ہر شخص میں دنیا کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات کے لیے غیرت ہوتی ہے تو کیا انبیاء علیہم السلام میں خدائی تعلقات میں بھی غیرت نہیں؟ معاذ اللہ اس قسم کے کلمات کفر کے کلمات ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے۔ اس سے کیا مراد تھی؟ یہی کہ آپ کی نبوت کے زمانہ میں اَور کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا تھا۔ ایسا ہی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ نے تورات کا ایک ورق دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مُرخ ہوگیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ یہی غیرت تھی جس سے چہرہ مُرخ ہوگیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے کہا کہ اے عمرؓ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو نہیں دیکھتا۔ یہ سُنکر حضرت عمرؓ نے وہ کاغذ اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور اس طرح پر غیرتِ نبوی کا ادب کیا۔ بھلا جب ایک چھوٹی سی بات کے لیے آپ کا چہرہ غیرت سے سُرخ ہوگیا تھا تو کیا اگر وہی مسیح جو بنی اسرائیل کا آخری رسول تھا اگر آپ کی اُمت کی اصلاح اور آپ کی ختمِ نبوت کی مُہر کو توڑنے کے واسطے آجاویگا تو آپ کو غیرت نہ آئے گی؟[1] اور کیا خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر ہتک

---

[1] البدر سے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت کب تقاضا کرتی ہے کہ آپ کی گرسی پر دوسرا بیٹھے اللہ تعالیٰ آپکی تعریف کرے اور آپ کا درجہ بلند کرکے آپ کو ہر طرح کے سُکھ اور آرام کا مالک بنا دے اور آخر میں آکر یہ دُکھ دیوے کہ آپ کی کرسی پر غیر کو بٹھا دیوے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۲ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

کرنی چاہتا ہے؟ افسوس ہے یہ لوگ مسلمان کہلا کر اور آپ کا کلمہ پڑھ کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں اور آپ کو خاتم النبیین مان کر پھر آپ کی مُہر کو توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس قدر تعریفوں کے بعد جو قرآن شریف میں آپ کی کی گئی ہیں آپؐ سے یہ سلوک کرے۔ معاذ اللہ۔

ایک غلو کا جواب

شیعہ لوگوں کے ذکر پر فرمایا:۔

ہمیں ان لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی ہی شان اور عظمت تھی جو یہ بیان کرتے ہیں اور کُل نبیوں کی نجات ان ہی کی شفاعت سے ہوئی ہے تو پھر تعجب ہے کہ قرآن شریف میں آپ کا نام ایک مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے نہ لیا۔ زیدؓ جو ایک معمولی صحابی تھے ان کا نام تو قرآن نے لے لیا مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کا جو ایسے جلیل القدر منجی اور کل انبیاء علیہم السلام کے شفیع تھے ان کا نام بھی قرآن شریف نے نہ لیا۔ کیا قرآن شریف کو بھی اُن سے کچھ عداوت تھی؟

اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن شریف میں تحریف ہو گئی ہے[1] اور آپ کا نام بھی محرّف مبدّل ہو گیا ہو گا تو یہ الزام بھی انہی کی گردن پر ہے کیونکہ جن کی طرف یہ تحریف منسوب کی جاتی ہے اُن کی وفات کے بعد جناب علی رضی اللہ عنہ تو زندہ تھے اور وہ اپنے وقت کے مقتدر خلیفہ تھے۔ شیرِ خدا تھے۔ جب اُن کو یہ معلوم تھا کہ اس قرآن میں تحریف کی گئی ہے تو کیوں انہوں نے اس کو درست نہ کیا؟ ان کو چاہیئے تھا کہ اصل قرآن شریف کی اشاعت کرتے اور اس کو درست کر دیتے لیکن جبکہ انہوں نے بھی یہی قرآن رکھا اور اپنا صحیح اور درست قرآن شائع نہ کیا۔ تو یہ الزام بھی اُن کے اپنے ہی سر رہا۔ اُن کا حق تھا اور اُن پر فرض تھا کہ جب اصل قرآن شریف گم کر دیا گیا تھا تو اس وقت تو بھلا وہ خوف کے مارے کچھ نہ کر سکتے تھے مگر اُن کی وفات کے بعد تو اُن کو موقعہ تھا کہ لوگوں میں اس امر کا اعلان کر دیتے کہ اصل قرآن شریف یہ ہے اور جو تمہارے پاس ہے وہ محرّف مبدّل ہو گیا ہے۔ مگر جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر یہ الزام ان پر رہا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۱۳ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء)

ھوشعنا

براہین میں یہ ایک الہام حضرت اقدس کا درج ہے یہ ایک عبرانی لفظ ہے جس کے معنے ہیں "نجات دے" فرمایا کہ:۔

یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا کا مضمون اس سے ملتا جلتا ہے۔

مامور کی اطاعت کا معیار

فرمایا:۔

ایک مامور کی اطاعت اس طرح ہونی چاہیئے کہ اگر ایک حکم کسی کو دیا جاوے تو خواہ اس کو مقابلہ پر دشمن کیسا ہی لالچ اور طمع کیوں نہ دیوے یا کیسی ہی عجز۔ انکساری اور خوشامد

---

[1] جیسا کہ شیعہ کہدیتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

درآمد کیوں نہ کرے مگر اس حکم پر ان باتوں میں سے کسی کو بھی ترجیح نہ دینی چاہیئے اور کبھی اس کی طرف التفات نہ کرنی چاہیئے۔ سیرت اور خصلت اس قسم کی چاہیئے کہ جس سے دوسرے آدمی پر اثر پڑے اور وہ سمجھے کہ ان لوگوں میں واقعی طور پر اطاعت کی روح ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہ ملے گا کہ اگر کسی کو ایک دفعہ اشارہ بھی کیا گیا ہے تو پھر خواہ بادشاہ وقت نے ہی کتنا ہی زور کیوں نہ لگایا مگر اس نے سوائے اس اشارہ کے اور کسی کی کچھ مانی ہو۔

اطاعت پوری ہو تو ہدایت پوری ہوتی ہے۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو خوب سُن لینا چاہیئے اور خدا تعالےٰ سے توفیق طلب کرنی چاہیئے کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۲ مئی ۱۹۰۳ء

بوقتِ سیر

مہر کے متعلق ایک شخص نے پوچھا کہ اس کی تعداد کس قدر ہونی چاہیئے؟ فرمایا کہ:۔

مہر تراضی طرفین سے جو ہو اس پر کوئی حرف نہیں آتا اور شرعی مہر سے یہ مراد نہیں کہ نصوص یا احادیث میں کوئی اس کی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اس سے مراد اس وقت کے لوگوں کے مروجہ مہر سے ہوا کرتی ہے ہمارے ملک میں یہ خرابی ہے کہ نیت اور ہوتی ہے اور محض نمود کے لیے لاکھ لاکھ روپے کا مہر ہوتا ہے۔ صرف ڈراوے کے لیے یہ لکھا جایا کرتا ہے کہ مرد قابو میں رہے اور اس سے پھر دوسرے نتائج خراب نکل سکتے ہیں۔ نہ عورت والوں کی نیت لینے کی ہوتی ہے اور نہ خاوند کی دینے کی۔

میرا مذہب یہ ہے کہ جب ایسی صورت میں تنازعہ آپڑے تو جب تک اس کی نیت ثابت نہ ہو کہ ہاں رضا و رغبت سے وہ اسی قدر مہر پر آمادہ تھا جس قدر کہ مقرر شدہ ہے۔ تب تک مقررہ مہر نہ دلایا جاوے اور اسکی حیثیت اور رواج وغیرہ کو مدنظر رکھ کر پھر فیصلہ کیا جاوے کیونکہ بدنیتی کی اتباع نہ شریعت کرتی ہے اور نہ قانون۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کے ریویو کا ذکر چلا جو کہ براہین پر لکھا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہمیں اس کی حالت پر تعجب ہے کہ جس وقت ایک درخت کا ابھی تخم ہی زمین میں ڈالا گیا ہے اور کسی طرح کا نشو و نما اس نے نہیں پایا نہ پتہ نکلا ہے نہ پھل لگا ہے نہ کوئی پھول تو اس معدومی کی حالت میں تو اس کی

تعریف کی جاتی ہے کہ اس کی نظیر ۱۳ سو سال میں کہیں نہیں ملتی اور اب جب وہ درخت پھلا اور پھولا اور نشوونما پائی تو اس کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں ہمارے دعویٰ کی مثال رات کی تھی۔ اس وقت تو شپر کی طرح اسے قبول اور پسند کیا اور اب جب دن چڑھا اور سورج کی طرح وہ چمکا تو آنکھ بند کر لی۔

جن ایام میں شناخت کے آثار نہ تھے اور اس وقت یہ امر مخفی اور مستور تھا تو ریویو لکھے اور رائے ظاہر کی۔ اب یہ وقت آیا تھا کہ وہ اپنے ریویو پر فخر کرتا کہ دیکھو جو باتیں میں نے اوّل کہی تھیں وہ آج پوری ہو رہی ہیں اور میری اس فراست کے شواہد پیدا ہو گئے ہیں مگر افسوس کہ اب وہ اپنی فراست کے خود ہی دشمن ہو گئے۔ ہم نے کونسی بات نئی کی ہے۔ جس حکم کے وہ لوگ منتظر ہیں بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس نے آکر ہر ایک رطب و یابس کو قبول کر لینا ہے اور وہ وحی کی پیروی کرے گا یا کہ ان مختلف مولویوں کی؟ اگر اس نے آکر انہی کی ساری باتیں قبول کر لینی ہیں تو پھر اس کا وجود بیہودہ ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

دربارِ شام

دُعا کے جواب میں ایک الہام

فرمایا:-

آج ہم نے عام طور پر بہت سے بیماروں کے لیے دُعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا "آثارِ صحت"۔ یہ نہیں معلوم کہ کس شخص کے متعلق ہے۔ دُعا عام تھی۔

ہدایت مجاہدہ اور تقویٰ پر منحصر ہے

فرمایا کہ

جو شخص محض اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی راہ کی تلاش میں کوشش کرتا ہے اور اس سے اس امر کی گرہ کشائی کے لیے دُعائیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہم میں سے ہو کر کوشش کرتے ہیں ہم اپنی راہیں ان کو دکھا دیتے ہیں) کے موافق خود ہاتھ پکڑ کر راہ دکھا دیتا ہے اور اسے اطمینانِ قلب عطا کرتا ہے اور اگر خود دل ظلمت کدہ اور زبان دُعا سے بوجھل ہو اور اعتقاد شرک و بدعت سے ملوث ہو تو وہ دُعا ہی کیا ہے اور وہ طلب ہی کیا ہے جس پر نتائجِ حسنہ مترتب نہ ہوں۔ جب تک انسان پاک دل اور صدق و خلوص سے تمام ناجائز رستوں اور اُمیدوں کے دروازوں کو اپنے اوپر بند کر کے خدا تعالیٰ ہی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اس وقت تک وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید اُسے ملے لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دروازہ پر گرتا اور اسی سے دُعا کرتا ہے تو اس کی یہ حالت جاذبِ نصرت اور رحمت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ آسمان سے انسان کے دل کے کونوں میں جھانکتا ہے اور اگر کسی کونے میں بھی کسی قسم کی ظلمت یا شرک و بدعت کا کوئی حصہ ہوتا ہے تو اُس کی دُعاؤں اور عبادتوں

کو اُس کے مُنہ پر اُلٹا مارتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ اس کا دل ہر قسم کی نفسانی اغراض اور ظُلمت سے پاک صاف ہے تو اس کے واسطے رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور اسے اپنے سایہ میں لیکر اُس کی پرورش کا خود ذمہ لیتا ہے۔

اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے اور اس پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ آتے ہیں اور وہ صاحب اغراض ہوتے ہیں۔ اگر اغراض پورے ہو گئے تو خیر ورنہ کدھر کا دین اور کدھر کا ایمان[1]۔ لیکن اگر اس کے مقابلہ میں صحابہؓ کی زندگی میں نظر کی جاوے تو اُن میں ایک بھی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا۔ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ہماری بیعت تو بیعت توبہ ہی ہے لیکن ان لوگوں کی بیعت تو سر کٹانے کی بیعت تھی۔ ایک طرف بیعت کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے سارے مال و متاع، عزت و آبرو اور جان و مال سے دست کش ہو جاتے تھے گویا کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور اس طرح پر اُن کی کُل اُمیدیں دنیا سے منقطع ہو جاتی تھیں ہر قسم کی عزت و عظمت اور جاہ و حشمت کے حصول کے ارادے ختم ہو جاتے تھے۔ کس کو یہ خیال تھا کہ ہم بادشاہ بنیں گے یا کسی ملک کے فاتح ہوں گے۔ یہ باتیں اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں بلکہ وہ تو ہر قسم کی امیدوں سے الگ ہو جاتے تھے اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر دُکھ اور مصیبت کو لذت کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے تھے یہانتک کہ جان تک دینے کو آمادہ رہتے تھے۔ ان کی اپنی تو یہی حالت تھی کہ وہ اس دنیا سے بالکل الگ اور منقطع تھے لیکن یہ الگ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی عنایت کی اور ان کو نوازا۔ اور اُن کو جنہوں نے اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا ہزار چند کر دیا۔

صحابہؓ کی مثالی زندگی

دیکھئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و متاع خدا تعالیٰ کی راہ میں دیدیا اور آپ کمبل پہن لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں کیا دیا۔ تمام عرب کا انہیں بادشاہ بنا دیا اور اسی کے ہاتھ سے اسلام کو نئے سرے زندہ کیا اور مرتد عرب کو پھر فتح کر کے دکھا دیا اور وہ کچھ دیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ غرض ان لوگوں کا صدق و وفا اور اخلاص و مروت ہر مسلمان کے لیے قابل اُسوہ ہے۔ صحابہؓ کی زندگی ایک ایسی زندگی تھی کہ تمام نبیوں میں سے کسی نبی کی زندگی میں یہ مثال نہیں پائی جاتی۔ اور آپؐ کے صحابہؓ کے مقابلہ میں حضرت مسیحؑ کے حواری تو بہت ہی گری ہوئی حالت میں نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ جوش، صدق و وفا جو ایک مُرید کو اپنے مُرشد کے لیے ہونا چاہیئے پایا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ مصیبت

---

[1] البدر میں ہے:۔ اغراضِ نفسانی شرک ہوتے ہیں۔ وہ قلب پر حجاب لاتے ہیں۔ اگر انسان نے بیعت بھی کی ہوئی ہو تو پھر بھی اس کے لیے یہ ٹھوکر کا باعث ہوتے ہیں۔ ہمارا سلسلہ تو یہ ہے کہ انسان نفسانیت کو ترک کر کے توحید خالص پر قدم مارے۔ سچی طلب حق کی ہو ورنہ جب وہ اصل مطلوب میں فرق آتا دیکھے گا تو اُسی وقت الگ ہو جاویگا کیا صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی واسطے قبول کیا تھا کہ مال و دولت میں ترقی ہو۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

کے وقت سب کے سب بھاگ گئے اور جو پاس رہ گیا۔ اس نے لعنت بھیجنی شروع کر دی۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی خواہشوں اور اغراض سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور نہیں آتا ہے وہ کچھ حاصل نہیں کرتا بلکہ اپنا نقصان کرتا ہے لیکن جب وہ تمام نفسانی خواہشات اور اغراض سے الگ ہو جاوے اور خالی ہاتھ اور صافی قلب لے کر خدا تعالیٰ کے حضور جاوے تو خدا اس کو دیتا ہے اور خدا تعالےٰ اس کی دستگیری کرتا ہے مگر شرط یہی ہے کہ انسان مرنے کو تیار ہو جاوے اور اس کی راہ میں ذلت اور موت کو خیر باد کہنے والا بن جاوے۔

اہلِ صدق و وفا کے لیے قبولیت و عظمت

دیکھو دُنیا ایک فانی چیز ہے مگر اس کی لذت بھی اسی کو ملتی ہے جو اس کو خدا کے واسطے چھوڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا مقرب ہوتا ہے خدا تعالیٰ دنیا میں اس کیلئے قبولیت پھیلا دیتا ہے۔ یہ وہی قبولیت ہے جس کے لیے دنیا دار ہزاروں کوششیں کرتے ہیں کہ کسی طرح کوئی خطاب مل جاوے یا کسی عزت کی جگہ یا دربار میں کُرسی ملے اور کرسی نشینوں میں نام لکھا جاوے۔ غرض تمام دنیوی عزتیں اُسی کو دی جاتی ہیں اور ہر دل میں اسی کی عظمت اور قبولیت ڈال دی جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے سب کچھ چھوڑنے اور کھونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں نہ صرف آمادہ بلکہ چھوڑ دیتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کھونے والوں کو سب کچھ دیا جاتا ہے[1] اور وہ نہیں مرتے ہیں جب تک وہ اس سے کئی چند نہ پالیں جو انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کا قرض اپنے ذمہ نہیں رکھتا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ان باتوں کو ماننے والے اور ان کی حقیقت پر اطلاع پانے والے بہت ہی کم لوگ ہیں۔ ہزاروں اہل صدق و وفا گذرے ہیں مگر کسی نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ کسی نے سُنا ہوگا کہ وہ ذلیل و خوار ہوئے ہوں۔ دنیوی امور میں اگر وہ نہایت درجہ کی ترقی کرتے تو زیادہ سے زیادہ تین چار آنے کی مزدوری کر لیتے اور کس مپرس اور گمنام لوگوں میں سے ہوتے مگر جب انہوں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں لگایا تو خدا تعالیٰ نے اُن کو ایسا کیا کہ تمام دنیا میں نام آور بن گئے اور ان کی عزت و عظمت دلوں میں بٹھائی گئی اور اب ان کے نام ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ دنیوی عظمت اور عزت بھی بذریعہ دین ہی حاصل ہوتی ہے۔ پس مبارک وہی ہے جو دین کو مقدم کرے[2] دیکھو ایک جونک کی نسبت بیل کو اور

---

[1] البدر میں ہے:۔ "زمینی گورنمنٹوں کے لیے جو ذرہ سا کچھ گنواتا ہے ان کو اجر ملتا ہے تو جو خدا کے لیے گنوائے تو کیا اُسے اجر نہ ملیگا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "لوگ اسباب پر گرتے ہیں۔ ایمان نہیں ہوتا۔ اسی لیے دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ ٹھوکریں کھاتے ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۸ مئی ۱۹۰۳ء)

ایک بیل کی نسبت انسان کو اور انسانوں میں سے خواص کو اللہ تعالیٰ نے لذات اور حظوظ دیئے ہوئے ہیں اور خواص کو خاص قویٰ لذتوں کے ملتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب ہو کر خواص بنتے ہیں تو اُنکو دنیوی لذائذ وغیرہ بھی اعلیٰ درجہ کے عطا ہوتے ہیں[1]۔ ایک پنجابی شعر ہے جو بالکل کلام الٰہی کے موافق اسی کا گویا ترجمہ ہے کہ ؎

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

پس خدا تعالیٰ کے خاص بندے بننے کی کوشش کرنی چاہیئے[2]۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء)

۳ر مئی ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

خواب کی اقسام

ایک نووارد صاحب نے سوال[3] کیا کہ خواب کیا شئے ہے؟ میرے خیال میں تو یہ صرف خیالات انسانی ہیں حقیقت میں کچھ نہیں۔ فرمایا کہ:۔

خواب کی تین قسمیں ہیں:۔ نفسانی۔ شیطانی۔ رحمانی

نفسانی جس میں انسان کے اپنے نفس کے خیالات ہی متمثل ہو کر آتے ہیں جیسے بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔

شیطانی وہ جس میں شیطانی اور شہوانی جذبات ہی نظر آویں۔

رحمانی وہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دی جاتی ہیں اور بشارتیں دی جاتی ہیں۔

سوال[4]:۔ کیا کسی بدکار آدمی کو بھی نیک خواب آتا ہے؟

---

[1] البدر میں ہے:۔ "پس جو انسان خواص انسان ہیں۔ وہ اسی طرح ان لذات میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیوی تمام لذات میں خواص کا ہی حصہ زیادہ ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۲۳ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں مزید یوں لکھا ہے:۔ "مجھے خواب میں دو دفعہ پنجابی مصرعے بتلائے گئے ہیں ایک تو یہی جو بیان ہوا ہے ("جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو" مراد ہے۔ مرتب)۔

اور ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک وسیع میدان ہے اس میں ایک مجذوب (جس میں محبت الٰہی کا جذبہ ہو) میری طرف آ رہا ہے تو اُس نے یہ شعر پڑھا عشق الٰہی دستے مُنہ پر ولیاں ایہہ نشانی (ولیوں کی یہ نشانی ہے کہ عشق الٰہی منہ پر برس رہا ہوتا ہے)۔ (البدر ایضاً)

[3] و [4] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ میں صفحہ ۲ پر یہ سوال اور اُن کے جواب بغیر تاریخ کے "استفسار اور ان کے جواب" کے زیر عنوان درج ہیں۔ (مرتب)

جواب:۔ فرمایا کہ ایک بدکار آدمی کو بھی نیک خواب آجاتی ہے کیونکہ فطرتاً کوئی بد نہیں ہوتا خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) تو جب عبادت کے واسطے سب کو پیدا کیا ہے سب کی فطرت میں نیکی بھی رکھی ہے۔ اور خواب نبوت کا حصہ بھی ہے اگر یہ نمونہ ہر ایک کو نہ دیا جاتا تو پھر نبوت کے مفہوم کو سمجھنا تکلیف مالایطاق ہو جاتا۔ اگر کسی کو علم غیب بتلایا جاتا وہ ہرگز نہ سمجھ سکتا۔ بادشاہ مصر جو کہ کافر تھا اُسے سچی خواب آئی مگر آج کل سچی خواب کا انکار دراصل خدا تعالیٰ کا انکار ہے اور اصل میں خدا ہے اور ضرور ہے اسی کی طرف سے بشارتیں ہوتی ہیں اور نیک خوابیں آتی ہیں اور وہ پوری بھی ہوتی ہیں جس قدر انسان صدق اور راستی میں ترقی کرتا ہے ویسے ہی نیک اور مبشر رؤیا بھی آتے ہیں۔

حسنِ عقیدت کیسے حاصل ہو

سوال:۔ مَیں ایک مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی اولاد ہوں عام طور پر دنیا کو دیکھ کر حسن عقیدت کسی پر پیدا نہیں ہوتی۔ یہاں کے لوگوں کا طرز زندگی دیکھ کر چاہتا ہوں کہ حسن عقیدت ہو مگر پھر نہیں ہوتی۔ اسکی کیا وجہ اور کیا علاج ہے؟

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

انسان ہمیشہ تجارب سے نتیجہ نکالتا ہے اور عقل انسانی بھی بذریعہ تجارب کے ترقی کرتی رہتی ہے مثلاً انسان جانتا ہے کہ انب کے درخت کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور بعض درخت کے پھل کڑوے ہوتے ہیں تو اس تجربہ کثیر سے اُسے ایک فہم حاصل ہو جاویگا کہ انب کے پھل ضرور شیریں ہوتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ تجربہ آج کل یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں فسق و فجور اور مکر و فریب کا سلسلہ بڑھا ہوا ہے اس لیے اس کا خیال بندھ جاتا ہے کہ ہر ایک فریبی اور مکار ہی ہے۔ سابقہ تجارب اُسے تعلیم دیتے ہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اسی وجہ سے حسنِ عقیدت کی جگہ بدعقیدگی پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے لوگ انبیاء پر بھی سُوءظن رکھتے آئے ہیں۔ موسیٰؑ کی وفات کو دو ہزار برس گذر چکے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اس زمانے میں بہت سے جھوٹے معجزات دکھانے والے اور دعوے کرنے والے پیدا ہوئے تھے۔ لوگوں کو اُن کا تجربہ تھا اور اسی حالت میں یک لخت ایک صادق بھی آگیا۔ آخر اُن کو اس صادق کو بھی وہی کہنا پڑا جو ان جھوٹے مدعیوں کے حق میں کہتے تھے یعنی اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ (صٓ: ۷) کہ یہ تو دکانداری ہے۔ غرضکہ انسان تجارب کے ذریعہ سے بھول رہے ہیں خدا تعالیٰ کے بندوں کی معرفت کا ہونا یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ وہی معرفت دے تو پتہ لگتا ہے۔ دُعا بہت کرے دعا کے سوا چارہ نہیں ہاں یہ امر ضروری ہے کہ استغناء نہ کرے کہ نیک اور بد کو ایک جیسا جان لیوے اور کہے کہ جیسے بُرے درخت ہوتے ہیں ویسے ہی اچھے بھی ہوتے ہیں۔ یہ ایک قاعدہ اپنی طرف سے ہرگز نہ بنانا چاہیئے بلکہ نفس کو یہ سمجھانا چاہیئے کہ اچھے بھی ضرور ہیں۔ جب شیطان کا گروہ اس قدر دنیا میں موجود ہے کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ

کا گروہ بالکل ہی دُنیا میں موجود نہ ہو۔ خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا رہے کہ آنکھیں ہیں۔

آج کل واقعہ میں علماء کی یہی حالت ہے۔ ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند ؛ چوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر میکنند

حافظ نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر لکھا ہے۔ ؎

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

اور غور سے دیکھا جاوے تو سچّے کے بغیر جھوٹ کی کچھ روشنی ہی نہیں ہوتی۔ اگر آج سچّا سونا چاندی نہ ہو تو جھوٹے سونے چاندی سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

انبیاء و مامورین کی عظمت و صداقت

جس قدر انبیاء ہوئے ہیں سب اکراہ سے آگے ہوئے ہیں۔ گروہوں اور مجلسوں سے ان کی طبیعت متنفر ہوتی ہے۔ انبیاء میں انقطاع اور اخلاص کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ ان کی بڑی آرزو ہوتی ہے کہ لوگ اُنکی طرف رجوع نہ کریں مگر چونکہ خدا تعالیٰ نے فطرت ایسی دی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔ اس لیے اُن کی عظمت جس قدر دنیا میں پھیلتی ہے وہ مکائد سے ہرگز نہیں پھیلتی بلکہ خود خُدا پھیلاتا ہے۔ اُنکے مقابل کے کُل مکائد پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ ان کے کام میں اعجاز اور پیشگوئیاں بے نظیر ہوتی ہیں اگر معجزات نہ ہوتے تو طبائع پر بہت مشکلات پڑتے کیسی ہی طبیعت کثیف ہو مگر ان کو دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔

ایک مخالف کا میرے پاس خط آیا کہ مَیں آپ کا مخالف ہوں مگر آج کل مجھے یہ حیرانی ضرور ہے کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو اس قدر کامیابی اور ترقی کیوں ہے۔ دنیا میں وہ انسان اندھا ہے جو مختصر تجارب سے نتیجہ نکالتا ہے۔ سچّا نتیجہ اس وقت نکلتا ہے جب تمام شواہد کو یکجائی نظر سے دیکھا جاوے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے آنیوالے ماموروں کو ایسی بات نہ ملے تو پھر ان کی سچّائی کا ثبوت کیا ہے۔ شاہی سند اس کے پاس ضرور ہونی چاہیئے۔ آفتاب نکلا ہوا ہو اور کوئی اُسے رات کہے تو کب تک کہہ سکتا ہے ؟

خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آتا ہے وہ دلائل۔ شواہد۔ آثار۔ اخبار۔ زمینی نشان۔ آسمانی نشان۔ سماوی تائیدات۔ قبولیت وغیرہ لیکر آتا ہے۔ اس کی اخلاقی حالت اور تعلق خدا سب اس کی سچّائی پر دلالت کرتے ہیں اور اس کے لیے ایک میدان دلائل سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ایک نیک دل اگر یقین کے لیے کافی ثبوت چاہے تو اُسے فکر کرنے سے مل جاوینگے۔

اگر اعتراض ہو کہ کل دُنیا کے لوگ کیوں نہیں ایمان لاتے تو جواب یہ ہے کہ بعض لوگوں کی فطرت میں روشنی کم اور بدظنی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض ہوئے۔ نشان دیکھ دیکھ پھر ان کو جھٹلاتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریبی کہا ایسے لوگوں کی فطرت بد ہوا کرتی ہے۔ اسی لیے کہا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ؎ پس بہر دستے نہ باید داد دست

یہ بھی نہ ہو کہ سب کو فریبی جان لے۔ نہ بدظنی کو اتنا وسیع کرے کہ راستبازوں کے فیوض سے محروم رہے نہ اس قدر حسن ظن کہ ایک مکار اور فریبی کو بھی خدا رسیدہ جان لے سچے دل سے دعا کرتا رہے۔ انبیاء وغیرہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے ہوتے ہیں جب تک خدا نہ دکھاوے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ ابوجہل مکہ میں ہی رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشو و نما دیکھتا رہا۔ آپ کی ساری زندگی دیکھی مگر پھر بھی ایمان نہ لایا۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمود ایک راجہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ راجہ کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہ کر آخر کار اپنے مذہب اور اسلام کا مقابلہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ الگ خیمہ میں وہ رہا کرتا تھا۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا رو رہا تھا کہ خیمہ کے پاس سے محمود گذرا۔ اُس نے رونے کی آواز سُنی۔ اندر آیا۔ پوچھا کہ اگر وطن یاد آیا ہے تو وہیں کا راجہ بنا کر بھیج دیتا ہوں۔ اس نے کہا اب مجھے دنیا کی ہوس کوئی نہیں۔ اس وقت مجھے یہ خیال آیا ہے کہ قیامت کے دن اگر یہ سوال ہوا کہ تو کیسا مسلمان ہے کہ جب تک محمود نے چڑھائی نہ کی اور وہ گرفتار کر کے تجھ کو نہ لایا تو مسلمان نہ ہوا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجھے اس وقت ابتدا میں سمجھ آجاتی کہ اسلام سچا مذہب ہے۔

مخالف کا جنازہ ایک صاحب نے پوچھا[1] کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے اور اکثر مخالف مکذب مرتے ہیں ان کا جنازہ پڑھا جاوے کہ نہ؟ فرمایا کہ:۔

یہ فرض کفایہ ہے اگر کفنیہ میں سے ایک آدمی بھی چلا جاوے تو ہو جاتا ہے مگر اب یہاں ایک تو طاعون زدہ ہے کہ جس کے پاس جانے سے خدا روکتا ہے۔ دوسرے وہ مخالف ہے خواہ نخواہ تداخل جائز نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دو اور اگر وہ چاہے گا تو اُن کو خود دوست بنا دے گا یعنی مسلمان ہو جاویں گے۔ خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو چلایا ہے۔ مداہنہ سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا بلکہ اپنا حصہ ایمان کا بھی گنواؤ گے۔

مجلس قبل از عشاء

توبہ کا دروازہ بند ہونا طاعون پر ذکر ہوا کہ بعض مقامات بالکل تباہ ہو گئے ہیں مگر پھر بھی وہاں کے لوگوں کی فسق و فجور کی وہی حالت ہے کوئی پاک

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ میں صفحہ ۲ و ۳ پر یہ سوال اور اس کا جواب "استفسار اور ان کے جواب" کے زیر عنوان بغیر تاریخ کے درج ہے۔ (مرتب)

تبدیلی نظر نہیں آتی فرمایا کہ:۔
سمجھ الٹی ہے توبہ کا دروازہ بند ہونے کے ایک یہ معنے بھی ہیں۔

لَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ یہ ایک حضرت اقدس علیہ السلام کا پرانا الہام ہے جو مسجد کے اوپر کے حصّہ میں لکھا ہوا تھا اور عمارت کے تغیر و تبدّل کے وقت وہ نوشتہ قائم نہ رہ سکا۔ فرمایا کہ:۔
اسے پھر لکھوایا جاوے اور نہیں معلوم کہ اس کے معنے کس قدر وسیع ہیں[1]۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۲۹-۱۳۰ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ مئی ۱۹۰۳ء

بوقت سیر

اکرامِ ضیف مہمانوں کے انتظام مہمان نوازی کی نسبت ذکر ہوا۔ فرمایا:۔
میرا ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ کسی مہمان کو تکلیف نہ ہو بلکہ اس کے لیے ہمیشہ تاکید کرتا رہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے مہمانوں کو آرام دیا جاوے۔ مہمان کا دل مثل آئینہ کے نازک ہوتا ہے اور ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس سے پیشتر میں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ خود بھی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ مگر جب سے بیماری نے ترقی کی اور پرہیزی کھانا کھانا پڑا تو پھر وہ التزام نہ رہا۔ ساتھ ہی مہمانوں کی کثرت اس قدر ہو گئی کہ جگہ کافی نہ ہوتی تھی اس لیے بمجبوری علیحدگی ہوئی۔ ہماری طرف سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ اپنی تکلیف کو پیش کر دیا کرے۔ بعض لوگ بیمار ہوتے ہیں۔ ان کے واسطے الگ کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے[2]۔

دربار شام

رسوم و عادات فرمایا کہ[3]:۔
عادات اور رسوم کا قلع قمع کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے اور یہی ایک حجاب ہزاروں

---

[1] (نوٹ از ایڈیٹر) حضرت اقدس علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے اسے سبز روشنائی سے لکھ رہے ہیں۔
(البدر حوالہ مذکور)

[2] البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۰ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انوار سے محروم بھی رکھتا ہے ورنہ ہمارا معاملہ تو نہایت ہی صاف اور کھلا کھلا ہے۔ کیسے ہی دلائل اور براہین سے ایک امر کو مدلل کر کے کیوں نہ بیان کیا جاوے عادت و رسم کا پابند ضرور اس کے ماننے میں پس و پیش کریگا اور جب تک وہ اس حجاب کو پھاڑ کر باہر نہ نکلے اسے حق لینا نصیب ہی نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کیسی اجلیٰ اور اصفیٰ تھی مگر اُن کے دعویٰ کے وقت بھی عیسائی راہبوں اور یہودی مولویوں نے جو عادت اور رسم کے پابند تھے ہزاروں عذر تراشے اور آپ کو صادق کہنے کی بجائے کاذب کا خطاب دیا۔ گویا رسم اور عادت کی ظلمت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا ہوا تھا کہ وہ نور کو ظلمت کہتے تھے ورنہ آپ کے معجزات، بینات اور فیوض اس قدر کامل اور اعلیٰ تھے کہ کسی کو اُن سے انکار ممکن نہ تھا[1]

تسلّی پانے کے تین طریق

اس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک قسم کے دلائل بینات ہمارے واسطے جمع کر دیئے ہیں۔ انسان کے تسلّی پانے کے تین ہی طریق ہوا کرتے ہیں۔

(۱) اوّل نقلی دلائل۔ سو وہ قرآن شریف کے نصوص سے ثابت ہیں کیونکہ جو شخص قرآن شریف کو کلام الٰہی مانتا ہے ہے اسے تو اس بن چارہ نہیں بلکہ اس کا ایمان ہی کلام الٰہی کے بغیر ناقص ہے[2]

نقلی دلائل کا دوسرا حصہ احادیث ہیں۔ سو ان میں سے وہ احادیث قابل پذیرائی ہیں۔ جو قرآن شریف کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

[2] البدر میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان مولوی صاحب کانپور سے تعلیم پاکر اپنے وطن ڈیرہ غازی خاں کی طرف جا رہے تھے کہ انکو یہ خیال ہو کہ تحقیق کے لیے قادیان بھی آویں چنانچہ وہ تشریف لائے اور اُن کی ملاقات حکیم نورالدین صاحب سے ہوئی۔ حکیم صاحب نے ان کو کہا کہ آپ بہت استغفار کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ امر حق ظاہر کر دیوے۔ بعد نماز مغرب حکیم صاحب نے انکی ملاقات حضرت اقدسؑ سے کرائی اور عرض کی کہ یہ بعض امور کے جواب طلب کرنا چاہتے ہیں اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔ "انسان نے بعض باتیں بطور رسم و عادت کے اختیار کی ہوئی ہوتی ہیں۔ انکا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ رسمی خیالات کا وہ پابند ہوتا ہے جب تک انکا قلع قمع نہ کیا جاوے تو حقیقت سمجھ میں نہیں آتی"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۱۳۰)

[1] البدر میں ہے:۔ "کیا باعث ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کامل اور لاثانی آوے اور پھر نہ مانا جاوے؟ ماں باپ سے جو ایک عادت بخل کی چلی آتی ہے وہ امر حق کو سمجھنے نہیں دیا کرتی۔ اب اس وقت بھی طریق تسلّی اختیار کرنے میں یہی مشکلات ہیں"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۱۳۰)

[2] البدر میں ہے:۔ "جس کو خدا تعالیٰ پر یقین ہے اور وہ قرآن کو خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہے وہ ایک آیت سُنکر کب دلیری کریگا کہ اس کی تکذیب کرے۔ صریح نص سے انکار مشکل ہے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۱۳۰)

معارض نہ ہوں۔ کیونکہ جو حدیث قرآن شریف کے مخالف و معارض ہو وہ ردّی ہے اور قبول کرنے کے لائق نہیں مثلاً قرآن شریف بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں، لیکن اگر حدیث میں یہ ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں تو وہ بالکل ردّی ہے اور ماننے کے لائق نہیں یا ایسی ہی اگر اور کوئی مخالفت صریح قرآن شریف کی کوئی حدیث کرے تو وہ بھی اس ذیل میں داخل ہے۔

احادیث میں احتمال صدق اور کذب دونو طرح کا ہے کیونکہ احادیث تو قرآن شریف کی طرح اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیں اور نہ ہی اُن کا قرآن شریف کی طرح کوئی نام رکھا ہے بلکہ آپ سے قریباً اڑھائی سو برس بعد جمع ہوئی ہیں۔ غرض ان کے صدق کذب کا معیار قرآن شریف ہے پس جو احادیث قرآن شریف کے معارض نہیں وہ ماننے کے لائق ہیں۔ یہ جو ۷۳ فرقے بن گئے ہیں یہ بھی تو ان احادیث کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔ جب لوگوں کی توجہ قرآن شریف سے ہٹ گئی اور احادیث کو قرآن شریف پر قاضی جانا تو یہاں تک نوبت پہنچی۔

(۲) دوسرا ذریعہ عقل ہے جس سے انسان حق کو پہچان سکتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں مجرمین کے الفاظ درج ہیں کہ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱) سو اگر ان لوگوں سے سوال کیا جاوے کہ کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی شخص زندہ بجسم عنصری آسمان پر چلا جاوے اور دو ہزار برس تک وہیں بیٹھا رہے اور کسی قسم کی ضروریات اور عوارض اُسے نہ لگیں۔ کیا کوئی عقل ہے جو اس خصوصیت کو مان سکے؟ بھلا ان لوگوں سے پوچھا جاوے کہ اس خصوصیت کی جو تم نے حضرت عیسیٰؑ میں مانی ہے کیا وجہ ہے یہ تو ایک قسم کا باریک شرک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الانبیاء: ۸)

اللہ تعالیٰ انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ ہر ایک امر میں نظائر ضروری ہیں۔ جس چیز میں نظیر نہیں وہ چیز خطرناک ہے۔ آجکل جس طرح کا ہمارا جھگڑا ہے اسی قسم کا ایک جھگڑا پہلے بھی اہل کتاب میں گذر چکا ہے اور وہ الیاس کا معاملہ تھا۔ ان کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مسیح آسمان سے نہیں نازل ہوگا جب تک ایلیا آسمان سے دوبارہ نہ آئے۔ اسی بناء پر جب حضرت مسیح آئے اور انہوں نے یہود کو ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے صاف انکار کیا کہ ہمارے ہاں مسیح کی علامت یہ ہے کہ اس سے پہلے ایلیا آسمان سے دوبارہ نازل ہوگا مگر حضرت مسیح نے اس کی یہی تعبیر کی تھی کہ یہی شخص یعنی یوحنا (یحییٰ) ہی الیاس ہے اور یہ اس کی (الیاس کی) خُو بُو لے کر آیا ہے۔ اسی کو ایلیا مان لو وہ آسمان سے دوبارہ نہیں آویگا جس نے آنا تھا وہ آچکا چاہو تو مانو چاہو تو نہ مانو۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک مصیبت پڑ چکی تھی اور ان کا فیصلہ ہمارے اس مقدمہ کے لیے ایک دلیل ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت

عیسیٰؑ یہود کے مقابل میں حق پر تھے تو ہمارا معاملہ بھی صاف ہے ورنہ پہلے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا انکار کریں۔ بعد میں ہمارا معاملہ آئے گا۔

اگر واقعی طور پر ان یہودیوں کی طرح یہ یہودی بھی حق پر ہیں تو پھر اوّل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت نہیں تو اُن کا آسمان سے آنا کجا؟ پس یا تو یہ مسلمان اس بات کو مان لیں کہ آسمان پر کوئی شخص زندہ نہیں جایا کرتا اور نہ ہی وہ دوبارہ واپس آیا کرتا ہے اور وہ اسی قاعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات پائے ہوئے مان لیں اور یا حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کریں اور اس طرح پر اُن کی آمد کے متعلق تمام امیدوں سے ہاتھ دھولیں۔ غرض اُن کی منفرد اور خاص قسم کی زندگی ایک خطرناک قسم کا شرک ہے۔ غرض دوسری قسم کے دلائل عقلی تھے۔ سو اُن کی رُو سے بھی یہ قوم ملزم ہے۔[1]

(۳) تیسرا ذریعہ ایک صادق کی شناخت کا اس کے ذاتی نشانات اور خارق عادت پیشگوئیاں ہوتی ہیں اور منہاج نبوت پر پرکھی جاتی ہیں۔ سو اس قسم کے دلائل بھی اللہ تعالےٰ نے اس جگہ بہت جمع کر دیئے ہیں۔ کیا زمینی، کیا آسمانی، کیا مکانی، کیا زمانی، ہر قسم کے نشانات اُس نے خود ہمارے لیے ظاہر فرمائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر پیشگوئیوں کا ظہور بھی ہو چکا ہے۔ آسمان نے ہمارے لیے گواہی دی۔ زمین ہمارے واسطے شہادت لائی اور ہزاروں خارق عادت ظہور میں آچکے ہیں۔ زمانہ ہے سو وہ زبانِ حال سے چلّا رہا ہے کہ ضرور کوئی آنا چاہیئے۔ قوم کے ۷۳ فرقے ہو چکے ہیں۔ یہ خود ایک حَکَم کو چاہتے ہیں۔ ان تمام فرقوں میں ایسے ایسے اختلاف پڑے ہیں کہ ایک دوسرے کو تکفیر کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور ارتداد کا جُرم اُن میں سے ہر ایک کی گردن پر سوار ہے۔ حنفی وہابیوں کو اور وہابی حنفیوں کو جہنمی بتاتے ہیں۔ شیعہ ان سب کو راہِ راست سے بھٹکے ہوئے کہتے ہیں۔ خارجی ہیں سو وہ شیعہ کی جان کے دشمن ہیں۔ غرض ہر ایک فرقہ دوسروں کے خون کا پیاسا ہے۔ اب اُن میں سے اختلاف کو دُور کرنے کے واسطے جو حَکَم آوے گا کیا وہ اُن کی مساوی باتوں کو مان لے گا؟ اگر ایسا کریگا تو دوسرا ناراض ہو جاوے گا۔ یہاں ہر ایک فرقہ یہی چاہتا ہے کہ میری اگر ساری باتیں وہ نہ مانے گا تو وہ خدا کی طرف سے نہ ہوگا۔ غرض ہر ایک نے اُس کے صدق کا معیار اپنے تمام عقائد کو مان لینا مقرر کیا ہوا ہے مگر کیا وہ ایسا ہی کریگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ہر ایک راستی کا حامی اور ناراستی کا دشمن ہوگا۔ اگر ایسا نہیں تو وہ حَکَم ہی کس کام کا ہوا؟ اور ایسے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کے وجود سے عدم بہتر ہے۔

اصل مشکل یہ ہے کہ ان بیچارے لوگوں کی عادت ہی ہو گئی ہے اور بچپن سے کان میں ہی یہی پڑتا آیا ہے کہ وہ اس طرح آسمان سے ایک مینار پر اُترے گا۔ پھر سیڑھی مانگیگا اور دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۶ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء

رکھ کر وہ نیچے اترے گا۔ پس آتے ہی نہ بھلی نہ بُری کفار کو تہ تیغ کر کے انکے اموال واملاک سب مسلمانوں کے حوالے کریگا وغیرہ وغیرہ۔

ان باتوں کو جو مدتوں سے سادہ لوح پر کندہ ہو گئی ہیں دُور کریں تو کس طرح؟ وہ بیچارے معذور ہیں۔ یہ مشکلات ہیں اور ان کا دُور ہونا بجز خدا تعالیٰ کی مشیت کے ہرگز ممکن نہیں۔

(قرآن نے) تَوَفَّيْتَنِي فرمایا اور بخاری نے اپنا مذہب اور اس آیت کے معنے بیان کر دیئے کہ مُتَوَفِّيكَ - مُمِيتُكَ - تو پھر اس کے بعد خواہ نخواہ ان کو زندہ آسمان پر بٹھانا ان لوگوں کی کیسی غلطی ہے وہ بیچارہ تو خود بھی دہائی دیتا ہے کہ یہ لوگ میرے مرنے کے بعد بگڑے ہیں بھلا اب ہمیں کوئی بتاوے کہ یہ لوگ ابھی بگڑے ہوئے ہیں یا نہیں اگر یہ بگڑے ہیں تو مسیح وفات پا چکے ہیں ورنہ اُن کے تثلیث کفارے اور دوسرے اعتقادات پر ایمان لاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرو۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے سُورۃ فاتحہ میں فرمایا ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ اس میں ہم نے غور کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے شخص میں دو قسم کی صفات کی ضرورت ہے۔ اوّل تو عیسوی صفات اور دوم محمدی صفات کی کیونکہ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جب یہود نے شرارت کی تھی تو حضرت عیسیٰؑ اُن کے واسطے آئے تھے جب نصاریٰ کی شرارت زیادہ بڑھ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آور ہوئے تھے اور یہاں خدا تعالیٰ نے دونو کا فتنہ جمع کیا۔ اندرونی یہود اور بیرونی نصاریٰ جن کے لیے آنے والا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل بروز اور حضرت عیسیٰؑ کا پورا نقشہ ہونا چاہیئے تھا۔

حَکَم کا مقام

حَکَم کے سامنے کسی کی پیش ہی کیا جاتی ہے اور اس سے ان کی بحث ہی کیا۔ یہ زمینی وہ آسمانی۔ یہ ناقابلِ محض، وہ ہر وقت خدا سے تعلیم پاتا۔ یہ لوگ ہمیں رطب و یابس احادیث اور اقوال کا انبار پیش کر کے ہرانا چاہتے ہیں مگر یہ کیا کریں ہمیں تو تیس سال ہوئے کہ خود خدا ہر وقت تازہ الہامات سے خبر دیتا ہے کہ یہ امر حق ہے جو تو لایا ہے۔ تیرے مخالف ناحق پر ہیں ہم اب کیا کریں۔ ان لوگوں کی مانیں یا آسمان سے خدا کی مانیں۔

سوچنے والے کے لیے کافی ہے کہ صدی کا سر بھی گذر گیا ہے اور تیرھویں صدی تو اسلام کے واسطے سخت منحوس صدی تھی۔ ہزاروں مرتد ہو گئے۔ یہود خصلت بنے اور جو ظاہر میں مرتد نہیں اگر باریک نظر سے دیکھا جاوے تو وہ بھی مُرتد ہیں اُن کے رگ وریشے میں دجّال نے اپنا تسلط کیا ہوا ہے۔ پوشاک تک ان کی بدل گئی ہے تو دل ہی نہ بدلے ہوں گے۔ صرف بعض خوف سے یا بعض اَور وجوہات سے اظہار نہیں کرتے ورنہ یہ بھی مُرتد اپنے دین کی خبر نہ ہوئی دوسروں کے زیر اثر ہوئے تو اب ارتداد میں کسر ہی کونسی باقی رہ گئی۔ اگر اب بھی اُن کا

مہدی اور مسیح نہیں آیا تو کب آئے گا؟ جب اسلام کا نام ہی دُنیا سے اُٹھ جاویگا اور یہ بیڑا ہی غرق ہو جاویگا۔ افسوس کہ قوم آنکھیں بند کئے پڑی ہے اور اُسے اپنی حالت کی بھی خبر نہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۵ مئی ۱۹۰۳ء

(بوقتِ سیر)

قبولِ حق کیلئے دُعا کرتے رہنا چاہیئے

نو وارد صاحب نے بیان کیا کہ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ میں آپ سے سوال کر رہا ہوں کہ اگر آپ کو عیسیٰ علیہ السلام تسلیم کیا جاوے اور ہم اس امر میں غلطی میں ہوں تو پھر آپ ذمہ دار ہیں۔ فرمایا:۔

اگر ہم نے یہ بار اپنے ذمہ نہ لیا ہوتا تو کئی لاکھ انسانوں کی دعوت کیسے کرتے؟ بلکہ خود خدا تعالیٰ نے یہ ذمہ داری لی ہے۔ جو ہم سے انکار کرتا ہے تو پھر اسے تمام سلسلہ نبوت سے انکار کرنا پڑیگا۔ مسیح علیہ السلام آئے تو اُس کو نہ مانا اور یہ حجت پیش کی کہ اس سے پیشتر الیاس نے آنا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہی جواب دیا کہ الیاس کی طبیعت اور خُو پر یحییٰ آگیا ہے اور یہی الیاس کا آنا ہے۔ غرضکہ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں تو پھر وہ نشان کیسے ظاہر ہوتے ہیں جو کہ مسیح کے لیے مقرر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو یہود کا یہی اعتراض تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں ہو گا۔ خدا اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے ہر ایک وقت پر عقلمند تو مانتے رہے اور بیوقوف ہمیشہ ضد کرتے رہے کہ سب باتیں پوری ہولیں تو مانیں گے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے مراد مولوی ہیں کیونکہ ایسی باتوں میں اوّل نشانہ مولوی ہی ہوا کرتے ہیں۔ دنیا داروں کو تو دین سے تعلق ہی کم ہوتا ہے جب سے یہ سلسلہ نبوت کا جاری ہے یہ اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ مولویوں کے پاس جس قدر ذخیرہ رطب و یابس کا ہو وہ حرف بحرف پُورا ہوا ہو۔ دیکھ لو ان ہی باتوں سے ابتک یہود نے نہ مسیح کو مانا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ حق کو قبول کرنا ایک نعمتِ الٰہی ہے یہ ہر ایک کو نہیں ملا کرتی اس لیے ہمیشہ دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اُسے قبول کرنے کی توفیق عطا کرے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۱۳۱ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء)

۶ مئی ۱۹۰۳ء[1]

بوقت سیر

پیشگوئیوں میں ہمیشہ استعارات ہوتے ہیں

نووارد صاحب نے دریافت کیا کہ گھنگھریالے بالوں سے کیا مراد ہے؟

فرمایا کہ

احادیث ایک ظنی شئے ہے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلا ہو وہ ضبط ہوا ہو۔ معلوم نہیں کہ اصل لفظ کیا ہو۔ پیشگوئیوں میں ہمیشہ استعارات ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب خبروں میں کوئی ایسی خبر موجود ہو جو ثابت شدہ واقعہ کے برخلاف ہو تو اُسے بہرحال ردّ کرنا پڑیگا۔ اس وقت جو فتنہ موجود ہے تم اس کی نظیر کسی زمانہ سابقہ میں دکھاؤ کبھی ہوا ہے؟ پھر سب سے بڑا فتنہ تو یہ ہے اور ادھر دجّال کا فتنہ سب سے بڑا رکھا گیا ہے اور دجّال کے معنے بھی لُغت سے معلوم ہو گئے تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہ گئی ہے؟

پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر استعارات صرف دجّال کے معاملہ میں ہوتے اَور کسی جگہ نہ ہوتے تو پھر بھی کسی کو کلام ہوتا کہ تم کیوں تاویل کرتے ہو مگر دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ خود قرآن شریف اور نیز احادیث بھی استعارات سے بھرے پڑے ہیں اور نہ ہی اس امر کی ضرورت ہے کہ ہر ایک استعارہ کی حقیقت کھولی جاوے کیا آج تک دنیا کے سب امور کسی نے جان لیے ہیں جو اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ ایک ایک لفظ کی حقیقت بتلاؤ۔ دستور ہے کہ موٹے موٹے امور کو انسان سمجھ کر باقی کو اس پر قیاس کر لیتا ہے۔

توفّی توفّی کا لفظ صرف انسانوں پر ہی آتا ہے دیگر حیوانات پر استعمال نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت دہریہ طبع لوگ بھی تھے جو کہ حشر و نشر کے قائل نہ تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ کوئی شئے انسان کی باقی نہیں رہتی۔ اس لفظ کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ رُوح کو ہم اپنی طرف قبض کر لیتے ہیں اور باقی رہتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا وہاں معنی قبض رُوح کے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی معنے نہیں ہوتے[2]

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۲ میں ۶ اپریل ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی ہے جو سہو معلوم ہوتا ہے ترتیب مضمون اور ترتیب ڈائری کے لحاظ سے دراصل یہ ۶ مئی کی ڈائری ہے۔ ۶ اپریل کی ڈائری تو البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷ میں درج ہے۔ (مرتب)

[2] البدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۳۲ مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء

تحصیل حاصل؟

سوال۔ جب ایک شخص نے ایک بات تحصیل کی ہے تو دوبارہ اسی کے تحصیل کرنے سے کیا حاصل ہے؟

جواب۔ ہم اِس اصول کو لاتُسَلِّم کہتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ قرآن میں لکھا ہے ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی۔ (الاعراف: ۱۷۳) یعنی جب رُوحوں سے خدا تعالیٰ نے سوال کیا کہ کیا مَیں تمہارا ربّ نہیں ہوں تو وہ بولیں کہ ہاں۔ تو اب سوال ہوسکتا ہے کہ روحوں کو علم تو تھا تو پھر انبیاء کو خدا تعالیٰ نے کیوں بھیجا گویا تحصیل حاصل کرائی۔ یہ اصل میں غلط ہے۔ ایک تحصیل پھیکی ہوتی ہے ایک گاڑھی ہوتی ہے۔ دونو میں فرق ہوتا ہے وہ علم جو کہ نبیوں سے ملتا ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں۔

علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔

اس کی مثال یہ ہے۔ جیسے ایک شخص دُور سے دھواں دیکھے تو اسے علم ہوگا کہ وہاں آگ ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جہاں آگ ہوتی ہے وہاں دھواں بھی ہوتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا علم ہے جس کا نام علم الیقین ہے مگر اَور نزدیک جاکر وہ اس آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو اُسے عین الیقین کہتے ہیں۔ پھر اگر اپنا ہاتھ اس آگ پر رکھ کر اس کی حرارت وغیرہ کو بھی دیکھ لیوے۔ تو اُسے کوئی شُبہ اس کے بارے میں نہ رہے گا اور اس طرح سے جو علم اُسے حاصل ہوگا اس کا نام حق الیقین ہے۔ اب کیا ہم اسے تحصیل حاصل کہہ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں[1] (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

دربار شام

نزولِ وحی کا طریق

فرمایا کہ

وحی کا قاعدہ ہے کہ اجمالی رنگ میں نازل ہوا کرتی ہے اور اُس کیساتھ ایک تفہیم ہوتی ہے مثلاً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ساتھ کشفی رنگ میں نماز کا طریق، اس کی رکعات کی تعداد، اوقات نماز وغیرہ بتا دیا گیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

جو اصطلاح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی تفصیل اور تشریح کشفی رنگ میں ساتھ ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو وہ

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر:۔ دراصل سائل کا مطلب یہ تھا کہ جس حالت میں ہمارے پاس قرآن موجود ہے تو اب ہمیں بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ وہی نماز روزہ وہاں ادا کرنا ہے۔ وہی بلا بیعت ادا کرنا ہے گویا تحصیل حاصل ہے مگر حضرت اقدس نے کھول کر بتلا دیا کہ تحصیل کے مدارج ہیں۔ چنانچہ اس فلسفہ کو سمجھ کر آخر سائل نے حضرت اقدس کی بیعت کرلی۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

اس وحی کے منشاء سے آگاہ کرتا ہے اور اسکو دوسرے کے دلوں میں داخل کرتا ہے۔ جب سے دُنیا ہے وحی کا یہی طرز چلا آیا ہے اور کل انبیاء علیہم السلام کی وحی اسی رنگ کی تھی۔ وحی کشفی تصویروں یا تفہیم کے سوا کبھی نہیں ہوتی اور نہ وہ اجمال بجز اس کے کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے[1]

مُدّ میں پیشگوئی کے مطابق تباہی

مُدّ سے خبر آئی ہے کہ اس جگہ آبادی کچھ اُوپر دو سَو آدمی کی ہے اور اب تک ایک سَو تین آدمی مر چکے ہیں اور چار پانچ روز مرتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے حکم دیا کہ اخباروں میں مُدّ کے متعلق پیشگوئی مندرجہ قصیدہ اعجاز احمدی کو شائع کر کے دکھائیں اور مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو آگاہ کریں کہ وہی الفاظ جن پر وہ مقدمہ بنوانا چاہتا تھا خدا تعالیٰ اب پورے کر رہا ہے۔ اب وہ لوگ سوچیں کہ وہ حق تھا یا نہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۷ مئی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

عورتوں کے حقوق

فرمایا کہ:۔ عورتوں کے حقوق کی جیسی حفاظت اسلام نے کی ہے ویسی کسی دوسرے مذہب نے قطعاً نہیں کی۔ مختصر الفاظ میں فرما دیا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (البقرہ: ۲۲۹) کہ جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ بعض لوگوں کا حال سُنا جاتا ہے کہ ان بیچاریوں کو پاؤں کی جُوتی کی طرح جانتے ہیں اور ذلیل ترین خدمات ان سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور پردہ کے حکم ایسے ناجائز طریق سے برتتے ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ چاہیئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان ہی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ

---

[1] البدر سے:۔ "جب سے دُنیا شروع ہے وحی سوائے کشفی حالت کے ہوتی ہی نہیں ہے۔ ورنہ پھر یہ اعتراض ہوگا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خائن تھے یا اپنی طرف سے بنا کر بتلا دیا کرتے تھے؟ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ ان کے دل میں ڈالتا تھا وہ دوسرے کے دل میں ڈال دیتے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء ؁ ۔ الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء ؁)

---

۸ مئی ۱۹۰۳ء ؁

مجلس قبل از عشاء

محمد حسین بٹالوی اور قرآن کریم کی بے ادبی

"بہ ظاہری تُک بندی تو مسیلمہ نے بھی کرلی تھی اس میں قرآن شریف کی خصوصیت کیا ہے"۔ یہ ایک کلمہ ہے جو کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اوّل المکفّرین کی قلم سے قرآن کریم کی شان میں نکلا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اس سے بڑھ کر کیا بے ادبی ہوگی کہ قرآن شریف کی آیات کو جو کہ ہر ایک پہلو اور ہر ایک رنگ کیا بلحاظ ظاہر اور کیا بلحاظ باطن کے معجزہ ہے، تُک بندی کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن شریف کا باطن معجزہ ہے ویسے ہی اس کے ظاہر الفاظ اور ترتیب بھی معجزانہ ہے۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو معجزہ نہ مانیں تو پھر باطن کے معجزہ ہونے کی دلیل کیا ہوگی؟ ایک انسان کا اگر ظاہر بھی گندہ ناپاک اور خبیث ہوگا تو اس کی رُوحانی حالت کیسے اچھی ہوسکتی ہے؟ عوام الناس اور موٹی نظر والوں کے واسطے تو ظاہری خوبی ہی معجزہ ہوسکتی ہے اور چونکہ قرآن ہر ایک قسم کے طبقہ کے لوگوں کے واسطے ہے اس لیے ہر ایک رنگ میں یہ معجزہ ہے۔ مامور من اللہ کی عداوت کا نتیجہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۷-۱۳۸ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء ؁)

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء ؁)

---

۹ مئی ۱۹۰۳ء ؁

بوقت سیر

وبا کے علاقے سے نکلنا

عام لوگوں کا خیال ہے کہ وبا سے بھاگنا نہ چاہیئے۔ یہ لوگ غلطی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر وبا کی ابتدا ہو تو بھاگ جانا چاہیئے اور اگر کثرت سے ہو تو پھر نہیں بھاگنا چاہیئے۔ جس جگہ وبا ابھی شروع نہیں ہوئی تب تک اس حصہ والے

اس کے اثر سے محفوظ ہوتے ہیں اور اُن کا اختیار ہوتا ہے کہ اس سے الگ ہو جاویں اور توبہ اور استغفار سے کام لیویں۔

جماعتِ احمدیہ اور طاعون

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ نشان بھی ہوتے ہیں اور ان میں اقتباس بھی ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا گیا تو کہا کہ خدا قادر ہے خواہ آسمان سے نشان دکھلاوے یا بعض کو بعض سے جنگ کرا کر نشان دکھاوے[1] چنانچہ جنگوں میں صحابہؓ بھی شہید ہوئے بعض کمزور ایمان والوں نے اعتراض کیا کہ اگر یہ عذاب ہے تو ہم میں سے کیوں مرتے ہیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ۔ (آل عمران: ۱۴۱) پس اگر ہماری جماعت میں سے کوئی بھی نہ مرے اور کل قومیں مرتی رہیں تو کل دُنیا ایک ہی دفعہ راہِ راست پر آجاوے اور بجز اسلام کے اَور کوئی مذہب دنیا پر نہ رہے حتیٰ کہ گورنمنٹوں کو بھی مسلمان ہونا پڑتے[2] اور یہی سِر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی فوت ہوئے تھے۔ ہاں سلامتی کا حصہ نسبتاً ہماری طرف زیادہ رہے گا۔ براہین احمدیہ میں بھی لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ۔ (الانعام: ۸۳)

اب خدا جانے کہ کون ظلم سے خالی ہے۔ کسل اور غفلت بھی ظلم ہے مگر تاہم دعا کرنا ضروری ہے۔ اس جماعت کا قطعاً محفوظ رہنا یہ الفاظ کہیں ہم نے نہیں لکھے اور نہ یہ سنت اللہ ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر تو اکراہ فی الدین ہو جاتا ہے جب سے انبیاء پیدا ہوئے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ احمقوں کو ان بھیدوں کی خبر نہیں۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ نسبتاً حفاظت کا ہے نہ کہ کُلیتہً[3]۔ پھر بھی یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر ہماری جماعت کا ایک مرتا ہے تو اس کے

---

[1] الحکم میں مزید لکھا ہے: "آخر جو لڑائیاں ہوئیں وہ بھی تو نشان ہی تھے اور وہ منکروں اور کافروں کیلئے عذاب لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان لڑائیوں میں نہیں مارا گیا؟" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں مزید لکھا ہے: "اور بجز اسلام کے اَور کوئی مذہب ہی نہ رہے حالانکہ ایسا نہیں ہوگا۔ دوسرے مذاہب بھی قیامت تک باقی رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نشانوں میں قیامت کا نمونہ دکھانا نہیں چاہتا اور نہ کبھی ایسا ہوا، بلکہ اُن میں کسی حد تک اخفا ضرور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں سے بھی بعض ان جنگوں میں شہید ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف پہنچی، لیکن انجام نے دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان کیسا عظیم الشان تھا۔ اسی طرح یہاں پر بھی ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

[3] (الحکم سے) "اس لیے دُعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ بالکلیہ حفاظت کا وعدہ کہیں نہیں ہے بلکہ الہامات میں استثنا کے الفاظ قریباً موجود ہیں اس جماعت کے قطعاً محفوظ رہنے کا وعدہ نہیں بلکہ نسبتاً ہے اور سنت اللہ بھی یہی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ طاعون سے کون گھٹتا اور کون بڑھتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

بدلے تین سَو آجاتے ہیں۔ انجام ہمیشہ متقیوں کے واسطے ہی ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ایسا کھُلا کھُلا فرق کر دیوے تو مَیں نہیں جانتا کہ مذہبی اختلاف ایک ذرہ بھر بھی رہ جاوے حالانکہ اس اختلاف کا قیامت تک ہونا ضروری ہے۔

بعض لوگ ہماری جماعت میں سے بھی غلطی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہ مریگا یہ ان کو مغالطہ لگا ہے ایسا ہرگز ہو نہیں سکتا۔ اگرچہ ایک حد تک خدا تعالیٰ نے وعدے کئے ہوئے ہیں مگر ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جماعت سے مطلقاً کوئی بھی نشانہ طاعون نہ ہو۔ یہ بات ہماری جماعت کو خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہرگز نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی نہ مریگا۔ ہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) پس جو شخص اپنے وجود کو نافع الناس بناویں گے ان کی عمریں خدا تعالیٰ زیادہ کریگا۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت بہت کرو اور حقوق العباد کی بجاآوری پورے طور پر بجالانی چاہیئے۔

نوحؑ اور مسیح موعود کے حالات کا فرق

اعتراض ہوا کہ نوحؑ کی کشتی پر چڑھنے والے سب کے سب طوفان سے محفوظ رہے تھے تو کیا وجہ ہے کہ جو لوگ یہاں بیعت میں ہیں وہ محفوظ نہ رہیں۔

جواب۔ فرمایا کہ" ہمارا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بر قدم ہے۔ نوحؑ کے وقت ایمان کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اس وقت کوئی التباس ایمان کا نہ تھا مگر اب ہے نوحؑ کے وقت یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اب قوم تو ضرور ہلاک ہونے والی ہے۔ خواہ ایمان لاوے خواہ نہ لاوے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مہلت دی گئی کہ جو توبہ کریگا وہ بچ جاویگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عین قتل کے وقت فرمایا کہ اگر کوئی ایمان لاوے تو تلوار روک لی جاوے۔ مگر نوحؑ کی قوم کے واسطے تھا کہ صرف کشتی والے بچائے جاویں گے باقی سب تباہ اور ہلاک ہوں گے۔ وہ صورت خاص اور الگ تھی اور اعتراض تو خود نوحؑ پر بھی تھا کہ اس نے کہا تھا کہ میرے اہل بچے رہیں گے مگر پھر بھی مخالفوں کو یہ کہنے کی گنجائش رہی کہ نوحؑ اپنے بیٹے کو نہ بچا سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوح کو بھی شُبہ پیدا ہوا تھا تب ہی تو اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر ہوا۔ پھر دیکھو باوجود نبی ہونے کے اُن کو دھوکا لگا اور یہ معاملہ اسی طرح سے ہوا کہ مخالفین تو درکنار خود نوحؑ کو ہی شکوک پیدا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ اپنے رُعب اور خوف کو دُور نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آج وہ کھُلا وعدہ دے دے کہ جماعت میں سے کوئی نہ مریگا تو پھر اس کا خوف دلوں میں نہ رہے۔ جہاں خاص گھر کا اس نے وعدہ کیا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وہاں بھی ایک فقرہ ساتھ رکھ دیا ہے کہ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا رجوع کب ہوگا؟

فرمایا:۔

دیکھو بچہ جب پیٹ میں ہوتا ہے تو

اگرچہ زندہ ہوتا ہے مگر تاہم خوشی پر ہنس نہیں سکتا اور تکلیف پر رو نہیں سکتا۔ بلاؤ تو بولتا نہیں۔ مگر جب باہر آتا ہے تو اس کو حواس مل جاتے ہیں۔ ہنستا بھی ہے روتا بھی ہے بُلانے سے بولتا بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل زندگی جو کہ پیٹ میں تھی وہ اصلی اور حقیقی زندگی نہ تھی۔ حواس اس میں نہ تھے۔ جب خدا تعالیٰ ایک بات ڈالتا ہے تو حواس آجاتے ہیں۔ یہی حال مولوی محمد حسین صاحب کا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات دل میں ڈالی جاوے گی تو اسی وقت تبدیلی ہو جاوے گی۔

جو بُلائے جاتے ہیں وہ آتے ہیں اور جو بلائے نہیں جاتے وہ کفر میں ترقی کرتے ہیں اگر قرآن شریف نہ آتا تو ابوجہل اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں شمار ہوتا۔ اسی طرح صدہا آدمیوں کو ہم صلحا سمجھتے ہیں مگر جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا تو معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک اُن میں صلاحیت نہ تھی۔ کسی کے باطن کا کسی کو کیا علم؟ مگر حق پیش کرنے پر حقیقت کھل جاتی ہے کہ خدا کی آواز سننے والے کون ہیں اور اس سے انکار کرنیوالے کون؟

ایک غیر معمولی مجلس

کل سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر صاحب گورداسپور سے دورہ پر اور تحصیلدار صاحب بٹالہ سے مینار کی تعمیر کے ملاحظہ کے واسطے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام جب سیر سے واپس تشریف لائے تو کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد ہر دو عہدیدار صاحبان نے حضرت اقدس سے ملاقات کی۔ طاعون پر ذکر اذکار ہوتے رہے اور مینار کے متعلق بھی تحصیلدار صاحب نے چند امور استفسار کئے۔ اس موقعہ پر جو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا اُسے ہم یکجائی طور پر درج کر دیتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

طاعون

طاعون کے تجربہ کے سوال پر فرمایا کہ

اس کے تجربہ کا موقعہ ابھی بہت ہے حکماء نے لکھا ہے کہ اس کا دورہ ستر ستر برس تک ہوا کرتا ہے۔ بڑے بڑے حکماء نے پچاس ساٹھ برس تک اس کے دورہ کا مشاہدہ لکھا ہے۔ لیکن خدا جانے کہ بعد میں اس کے کیا تجارب ہوں۔ یہ کہنا کہ تجربہ ہوا ہے کہ کھلی ہوا میں اس کے کیڑے زیادہ ہوتے ہیں ٹھیک نظر نہیں آتا کیونکہ علاقہ بمبئی میں اس نے سب سے پہلے زیادہ حصہ شہر بمبئی کا ہی پسند کیا تھا۔ شاید یہ بات بعد میں بدل جائے۔ ہم اس رائے کو اس وقت قبول کرتے ہیں جب طاعون کی رفتار بھی اُسے قبول کرے۔ جیسے حکام کے دورے ہوتے ہیں اسی طرح اس کے بھی دورے ہوتے ہیں کسی جگہ پر عود کرتی ہے اور کسی جگہ نہیں لیکن اس پر بھی زور نہیں دیا جا سکتا۔ شاید ایک ہی جگہ بار بار آجاوے۔ پہلا تجربہ یہ ہے کہ انہوں

نے لکھا ہے کہ یہ اپنی عمر پوری کر کے خود بخود ہی چھوڑ جاتی ہے۔

طاعون کا باعث

سوال ہوا کہ طاعون کا اصل باعث کیا ہے؟ فرمایا کہ:۔

مَیں اس مجلس میں اس کا ذکر اس لیے پسند نہیں کرتا کہ مذہبی رنگ کے مسائل کو لوگ کم سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں جو لوگ خدا پر ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ اس کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ قاعدہ کی بات ہے جب انسان اپنی عقل پر بہت بھروسہ کرتا ہے تو ہر شئی کا انکار کر دیتا ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ سے بھی منکر ہو جاتا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ آج کل کے جنٹلمین دینی بات کرنے والے کو بیوقوف کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یقین ہے کہ اب زمانہ خود بخود مؤدب ہو جائے گا۔ نرے ارضی اسباب ہی اس طاعون کے موجد نہیں ہیں۔ آخر اس کے کیڑے کسی پیدا کرنیوالے کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں اور وہ زمانہ قریب ہے کہ لوگوں کو اس کی ہستی کا پتہ لگ جاویگا ابھی تک لوگوں کو عبرت کامل نہیں ہوئی ہے۔ طاعون کی گذشتہ چال سے پتہ چلتا ہے کہ اوّل عوام پر پھر خواص پر پھر ملوک پر حملہ کرتی ہے اور اس کے اصل اسباب کا معمّہ تو خدا خود ہی کھولے گا مَیں نے اس کی خبر آج سے بائیس سال پیشتر دی ہے۔ پھر سات سال کے بعد دی۔ پھر اس وقت دی جب ایک دو ضلعوں میں یہ تھی۔ قرآن میں، انجیل میں، دانیال نبی کی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ غرض قبل از وقت ہم اس کی نسبت کھل کر بات نہیں کرتے کیونکہ اس پر ہنسی کی جاوے گی۔ جب خدا تعالیٰ اس کا پورا دورہ خود ختم کرے گا تو اس وقت آپ ہی لوگوں کو پتہ لگ جاوے گا۔

اطبّاء نے لکھا ہے کہ جب موسم جاڑے یا گرمی کی طرف حرکت کرتا ہے تو اس وقت یہ زیادہ ہوتی ہے مگر ابھی تو موسم اتنی شدت گرمی کا نہیں ہے لیکن اگر مئی کے گذرنے پر یہی حال رہا تو شاید یہ قاعدہ بھی ٹوٹ جاوے مگر اصل بات کا علم تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔

اکثر جگہ جو ہے کثرت سے مرتے ہیں تو وہاں طاعون کا اندیشہ ہوتا ہے مگر ہمارے گھر میں دو بلیاں ہیں اور وہ کوئی چوہا نہیں چھوڑتیں۔ شاید یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک علاج ہو۔

طاعون کا حقیقی علاج

سوال ہوا پھر اس کا علاج کیا ہے؟ فرمایا:۔

ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ بجز تقویٰ طہارت اور رجوع الی اللہ کے اور کوئی چارہ نہیں گو لوگ اسے دیوانہ پن سمجھتے ہیں مگر بات یہ ہے کہ دُنیا خود بخود نہیں ہے۔ ایک خالق اور مدبّر کے ماتحت یہ چل رہی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ زمین پر پاپ اور گناہ بہت بڑھ گیا ہے تو وہ تنبیہہ نازل کرتا ہے اور جب رجوع الی اللہ ہو تو پھر اُسے اُٹھا لیتا ہے، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ لوگ بہت بیباک ہیں اور اُن کو ابھی تک کچھ پروا نہیں ہے۔

مینارہ المسیح کی غرض

سوال ہوا کہ مینار کیوں بنوایا جاتا ہے؟ فرمایا کہ:۔
اس مینار کی تعمیر میں ایک یہ بھی برکت ہے کہ اس پر چڑھ کر خدا تعالیٰ کا نام لیا جاوے گا اور جہاں خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے وہاں برکت ہوتی ہے چنانچہ آجکل اسی لیے سکھوں نے بھی اذانیں دلوائی ہیں اور مسلمانوں کو اپنے گھروں میں بُلا کر قرآن پڑھوایا ہے پھر اس کے اوپر ایک لالٹین بھی نصب کی جاوے گی جس کی روشنی دُور دُور تک نظر آویگی۔

سُنا گیا ہے کہ روشنی سے بھی طاعونی مواد کا دفعیہ ہوتا ہے اور ایک گھنٹہ بھی اس پر لگایا جاوے گا۔ اس کی بلندی کی نسبت ہم کہہ نہیں سکتے۔ ابھی سرمایہ نہیں ہے۔ سرمایہ پر دیکھا جاویگا کہ کس قدر بلند ہوگا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ لوگ اس پر چڑھ کر چارپائیاں بچھاویں گے کیونکہ ایک تو وہ مخروطی شکل کا ہوگا اور گھنٹہ کی وجہ سے اُسے بند رکھا جاویگا کہ لوگ چڑھ کر اُسے خراب نہ کر دیویں۔

مجھے حیرت ہے کہ یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ ہم نے آج تک برادرانہ برتاؤ رکھا ہے اور یہ لوگ ہمارے مینار کی تعمیر پر اس قدر جوش و خروش ظاہر کر رہے ہیں۔ اس مسجد کو ہمارے مرزا صاحب (والد صاحب) نے سات سو روپے کو خریدا تھا اور اس مینار کی تعمیر میں صرف مسجد ہی کے لیے مفید بات نہیں ہے بلکہ عوام کو بھی فائدہ ہے یہ خیال کہ اس سے بے پردگی ہوگی یہ بھی غلط ہے۔ اب ہمارے سامنے ڈپٹی شنکر داس صاحب کا گھر ہے اور اس قدر اُونچا ہے کہ آدمی اُوپر چڑھے تو ہمارے گھر میں اسکی نظر برابر پڑتی ہے۔ تو کیا اب ہم کہیں کہ اُسے گرا دیا جاوے؟ بلکہ ہم کو چاہیئے کہ اپنا پردہ خود کر لیویں۔

ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ مذہبی اُمور میں ہم سے دلبستگی ظاہر کرتے اور اس امر میں ہماری امداد کرتے۔ اگر یہ لوگ اپنا معبد بلند کرنا چاہیں تو کیا ہم اُسے روک سکتے ہیں؟

یہ خیال کہ مسجد یہاں ہو اور مینار کہیں باہر ہو ایک قسم کی ہنسی ہے اور اس وقت قبولیت کے قابل ہے کہ اوّل مسجد باہر نکال دی جاوے پھر مینار بھی باہر ہو جاوے گا۔ یہ قبر ہمارے مرزا صاحب کی ہے۔ انہوں نے نزول[1] سے زمین خرید کر اس مسجد کو تعمیر کرایا تھا اور اپنی موت سے ۲۲ دن پہلے اپنی اس قبر کا نشان بتلایا کہ اس جگہ ہو۔

مجھے ان لوگوں پر بار بار افسوس آتا ہے کہ ہمارے دل میں تو ان کی ہمدردی ہے۔ بیماریوں میں ہم ان کا علاج کرتے ہیں۔ ہر ایک ان کی مصیبت میں شریک ہوتے ہیں۔ انہیں سے پوچھا جاوے کہ کبھی ان کے مذہبی معاملات میں مَیں نے اُن سے تقیض کی ہے؟ دنیاوی معاملات تو الگ ہوتے ہیں لیکن مذہبی

---

[1] نقل مطابق اصل

معاملات میں شرافت کا برتاؤ ہوا کرتا ہے۔ ان کو لازم تھا کہ ایسی باتیں نہ کرتے جو آپس کی شکر رنجی کا موجب ہوتیں اس مینار کی بنیاد پر گیارہ سو روپیہ خرچ آیا ہے۔ تین برس سے اس کا ابتدائی کام شروع ہے۔ چنانچہ "الحکم" میں اس کا اعلان موجود ہے اگر ہمارا چار ہزار روپے کا نقصان ہو۔ پھر ان کو یہ روپیہ مل جاوے تو بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ خیر ہمسائیوں کو فائدہ پہنچا۔ لیکن ابھی تو مینار خیالی پلاؤ ہے جوں جوں روپیہ آویگا بنتا رہے گا۔ جب وہ مکمل ہو جاوے تو پھر کوئی اعتراض کی بات ہو تو اعتراض ہو سکتا ہے۔

میں ایسا فعل کیوں کرنے لگا جس سے اَوروں کو بھی نقصان ہو اور مجھے بھی۔ ہماری پردہ داری سب سے اعلیٰ ہے۔ اگر کوئی مینار پر چڑھے گا تو جیسے اَوروں کے گھر میں نظر پڑ سکتی ہے ویسی ہی ہمارے گھر میں بھی پڑ سکتی ہے تو کیا ہم گوارا کریں گے کہ یہ بات ہو؟ بہرحال جب یہ بن جاویگا تو لوگ سمجھ لیویں گے کہ اُن کو اس سے کس قدر فائدہ ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

گوشت خوری

چونکہ انسان جلالی جمالی دونو رنگ رکھتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ گوشت بھی کھائے اور دال وغیرہ بھی کھائے۔ ۱۹۰۰/۱۰/۲۲ [1]

بلا تاریخ

اچھوتا نکتہ

عبادت اور احکامِ الٰہی کی دو شاخیں ہیں تعظیم لامر اللہ اور ہمدردی مخلوق۔ مَیں سوچتا تھا کہ قرآن شریف میں تو کثرت کے ساتھ اور بڑی وضاحت سے ان مراتب کو بیان کیا گیا ہے مگر سورہ فاتحہ میں ان دونوں شقوں کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ مَیں سوچتا ہی تھا کہ فی الفور میرے دل میں یہ بات آئی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ - اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ - مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ - سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے یعنی ساری صفتیں اور تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو ربّ العالمین ہے یعنی ہر عالم میں نطفہ میں اور مضغہ وغیرہ میں سارے عالموں کا ربّ ہے۔ پھر رحمٰن ہے۔ پھر رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ اب اس کے بعد اِيَّاكَ نَعْبُدُ جو کہتا ہے تو گویا اس عبادت میں وہی ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالک یوم الدین کی صفات کا پرتو انسان کو اپنے اندر لینا چاہیئے کیونکہ کمال عابد انسان کا یہی ہے تَخَلَّقُوْا

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ پرانے ملفوظات الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ کے صفحہ ۳ پر درج ہیں۔ گوشت خوری والے حصہ کے آخر میں ۱۹۰۰/۱۰/۲۲ کی تاریخ درج ہے۔ مگر "اچھوتا نکتہ" اور "معجزات کے تین اقسام" جو مضامین اگلے صفحات پر درج ہیں ان کی کوئی تاریخ درج نہیں۔ (مرتب)

بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ میں رنگین ہو جاوے۔ پس اس صورت میں یہ دونوامر بڑی وضاحت اور صفائی سے بیان ہوئے۔

بلا تاریخ

معجزات کے تین اقسام

فرمایا:۔
معجزات تین اقسام کے ہوتے ہیں:۔

(۱) دُعائیہ (۲) ارہاصیہ (۳) قوتِ قدسیہ

ارہاصیہ میں دُعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوتِ قدسیہ کے معجزات ایسے ہوتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں اُنگلیاں رکھدیں اور لوگ پانی پیتے رہے یا ایک تلخ کوئیں میں اپنا لب گرادیا اور اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ مسیح کے معجزات میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ خود ہم کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

مسیح کے معجزات کے متعلق جو ہم نے عمل الترب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ تعالےٰ نے خلقی طور پر انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں وہ توجہ سے سرسبز ہوتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ مسیح کے معجزات کو مکروہ کہا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ بعض اوقات ایک امر جائز ہوتا ہے اور دوسرے وقت نہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ[1]

تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعتِ ہدایت

جب ہم اس ترتیب کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو مقصد ہی بیان فرمائے ہیں تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت اور اول الذکر تکمیل چھٹے دن یعنی جمعہ کے دن ہوگی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ (المائدہ: ۴) اسی دن نازل ہوئی اور دوسری تکمیل کے لیے بالاتفاق مانا گیا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ہوگی۔ چنانچہ سب مفسروں نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے جبکہ پہلی تکمیل چھٹے دن ہوئی تو دوسری تکمیل بھی چھٹے دن ہی ہوگی اور قرآن شریف میں ایک دن ایک ہزار برس کا ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود چھٹے ہزار میں ہوگا۔

---

[1] یہ ملفوظات بھی "الحکم" میں بلا تاریخ شذرات کی صورت میں درج ہیں۔ (مرتب)

بلا تاریخ

بہترین دُعا

بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو جامع ہو تمام خیروں کی اور مانع ہو تمام مضرات کی۔ اس لیے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دُعا میں آدمؑ سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کے کل منعم علیہم لوگوں کے انعامات کے حصول کی دُعا ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ میں ہر قسم کی مضرتوں سے بچنے کی دُعا ہے۔ چونکہ مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ بالاتفاق ہیں تو اس دعا کی تعلیم کا منشا صاف ہے کہ یہود نے جیسے بیجا عداوت کی تھی مسیح موعود کے زمانہ میں مولوی لوگ بھی ویسا ہی کریں گے اور حدیثیں اس کی تائید کرتی ہیں یہانتک کہ وہ یہودیوں کے قدم بہ قدم چلیں گے۔

بلا تاریخ

رُوح القدس کے فرزند

اَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ: ۲۵۴) میں مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ رُوح القدس کے فرزند تمام وہ سعادتمند اور راستباز ہیں جن کی نسبت اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (الحجر: ۴۳) وارد ہے۔ قرآن کریم سے دو قسم کی مخلوق ثابت ہوتی ہے۔ اوّل وہ جو روح القدس کے فرزند ہیں دوسرے وہ جو شیطان کے فرزند ہیں پس اس میں مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔

بلا تاریخ

دوزخ دائمی نہیں

ہمارا ایمان یہی ہے کہ دوزخ میں ایک عرصہ تک آدمی رہیگا پھر نکل آئے گا۔ گویا جن کی اصلاح نبوت سے نہیں ہوسکی ان کی اصلاح دوزخ کریگا۔ حدیث میں آیا ہے يَاتِيْ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ۔ یعنی دوزخ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسمیں کوئی متنفس نہیں ہوگا اور نسیم صبا اس کے دروازوں کو کھٹکھٹائے گی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۸ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ

استفسار اور انکے جواب[1]

سوال:- کبھی نماز میں لذت آتی ہے اور کبھی وہ لذت جاتی رہتی ہے اس کا کیا علاج ہے؟

---

[1] یہ ملفوظات بھی "الحکم" میں بلا تاریخ شذرات کی صورت میں درج ہیں۔ (مرتب)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جواب:۔ ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ اس لذّت کے کھوئے جانے کو محسوس کرنے اور پھر اس کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے جیسے چور آوے اور وہ مال اُڑا کر لے جاوے تو اس کا افسوس ہوتا ہے اور پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ آئندہ اس خطرہ سے محفوظ رہے۔ اس لیے معمول سے زیادہ ہوشیاری اور مستعدی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح پر جو خبیث نماز کے ذوق اور اُنس کو لے گیا ہے تو اس سے کس قدر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے؟ اور کیوں نہ اس پر افسوس کیا جاوے؟ انسان جب یہ حالت دیکھے کہ اس کا اُنس و ذوق جاتا رہا ہے تو وہ بے فکر اور بے غم نہ ہو نماز میں بے ذوقی کا پیدا ہونا ایک سارق کی چوری اور روحانی بیماری ہے جیسے ایک مریض کے مُنہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے تو وہ فی الفور علاج کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح پر جس کا رُوحانی مذاق بگڑ جاوے اس کو بہت جلد اصلاح کی فکر کرنی لازم ہے۔

یاد رکھو انسان کے اندر ایک بڑا چشمہ لذّت کا ہے جب کوئی گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو وہ چشمہ لذّت مکدر ہو جاتا ہے اور پھر لذّت نہیں رہتی۔ مثلاً جب ناحق گالی دے دیتا ہے یا ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر بدمزاج ہو کر بدزبانی کرتا ہے تو پھر ذوق نماز جاتا رہتا ہے۔ اخلاق قویٰ کو لذّت میں بہت بڑا دخل ہے۔ جب انسانی قویٰ میں فرق آئے گا تو اس کے ساتھ ہی لذّت میں بھی فرق آجاوے گا۔ پس جب کبھی ایسی حالت ہو کہ اُنس اور ذوق جو نماز میں آتا تھا وہ جاتا رہا ہے تو چاہیئے کہ تھک نہ جاوے اور بے حوصلہ ہو کر ہمت نہ ہارے بلکہ بڑی مستعدی کے ساتھ اس گمشدہ متاع کو حاصل کرنے کی فکر کرے اور اس کا علاج ہے۔ توبہ، استغفار، تضرع۔ بے ذوقی سے ترک نماز نہ کرے بلکہ نماز کی اَور کثرت کرے۔ جیسے ایک نشہ باز کو جب نشہ نہیں آتا تو وہ نشہ کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ جام پر جام پیتا جاتا ہے یہانتک کہ آخر اس کو لذّت اور سرور آجاتا ہے۔ پس جس کو نماز میں بے ذوقی پیدا ہوا اس کو کثرت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے اور تھکنا مناسب نہیں آخر اسی بے ذوقی میں ایک ذوق پیدا ہو جاویگا۔

دیکھو پانی کیلئے کسقدر زمین کو کھودنا پڑتا ہے جو لوگ تھک جاتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں جو تھکتے نہیں وہ آخر نکال ہی لیتے ہیں۔ اس لیے اس ذوق کو حاصل کرنے کے لیے استغفار، کثرت نماز و دُعا، مستعدی، اور صبر کی ضرورت ہے۔

بہترین وظیفہ

سوال:۔ بہترین وظیفہ کیا ہے؟

جواب:۔ نماز سے بڑھ کر اَور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

لہ یہ ملفوظات بھی "الحکم" میں بلا تاریخ درج ہیں "استفسار ہے اور ان کے جواب" کے عنوان سے "الحکم" میں جو ملفوظات بلا تاریخ درج ہوتے ہیں بعض دفعہ تو "البدر" کی ڈائری سے پتہ لگ جاتا ہے کہ کس تاریخ کے ہیں لیکن بعض دفعہ "البدر" کی ڈائری سے بھی ان کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا تو بلا تاریخ درج کر دیئے جاتے ہیں۔ (مرتب)۔

استغفار ہے اور درود شریف۔ تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے غم وہم دُور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اسی لیے فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اطمینان وسکینتِ قلب کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگوں نے قسم قسم کے وِرد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور ایک نئی شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابلہ میں بنا دی ہوئی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر میں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دُنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ان وظائف اور اَوراد میں دُنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض لوگ دیکھتے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اَوراد میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ میں نے مولوی صاحب سے سُنا ہے کہ بعض گدی نشین شاکت مت والوں کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔ میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دُعاؤں کے بعد اپنے لیے اپنی زبان میں بھی دُعائیں کرو اس سے تمہیں اطمینان قلب حاصل ہوگا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس لیے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (طٰہٰ: ۱۵)

قبرستان میں جانا

سوال:۔ قبرستان میں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:۔ نذر و نیاز کے لیے قبروں پر جانا اور وہاں جا کر منتیں مانگنا درست نہیں ہے ہاں وہاں جا کر عبرت سیکھے اور اپنی موت کو یاد کرے تو جائز ہے۔ قبروں کے پختہ بنانے کی ممانعت ہے البتہ اگر میت کو محفوظ رکھنے کی نیت سے ہو تو حرج نہیں ہے یعنی ایسی جگہ جہاں سیلاب وغیرہ کا اندیشہ ہو اور اس میں بھی تکلفات جائز نہیں ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ مئی ۱۹۰۳ء

صبح کی سیر

مامور کا زمانہ ایک قیامت ہوتا ہے

فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (شوریٰ: ۸)

خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جیسے ایک طرف بغض وحسد

کرنیوالے ہمارے دشمن موجود ہیں۔ ویسے ہی ان کے بالمقابل وہ لوگ بھی ہیں جو کہ اسی تحریک سے راہ راست کی طرف آجاتے ہیں۔ مامور کا زمانہ بھی ایک قیامت ہے۔ جیسے لوگ جزا کے دن دو فریقوں میں تقسیم ہو جاویں گے یعنی فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ۔ (الشوریٰ: ۸) ایسے ہی مامور کی بعثت کے وقت بھی دو فریق ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۵۶) جیسے تقریباً سات سو برس پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا گیا اور مسیح علیہ السلام کے وقت پورا ہوا ویسا ہی آپ کے تیرہ سو برس بعد چودھویں صدی میں ہمارے زمانہ میں پورا ہو رہا ہے۔

ابلیس ملائکہ میں سے نہ تھا

فرمایا[1] کہ:۔ اہل عرب اس قسم کے استثناء کرتے ہیں۔ صرف و نحو میں بھی اگر دیکھا جاوے تو ایسے استثناء بکثرت ہوا کرتے ہیں اور ایسی نظیریں موجود ہیں جیسے کہا جاوے کہ میرے پاس ساری قوم آئی مگر گدھا۔ اس سے یہ سمجھنا کہ ساری کی ساری قوم جنس حمار میں سے تھی غلط ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ کے بھی یہی معنے ہوئے کہ وہ فقط ابلیس ہی قوم جن میں سے تھا ملائکہ میں سے نہیں تھا۔ ملائک ایک الگ پاک جنس ہے اور شیطان الگ۔ ملائکہ اور ابلیس کا راز ایسا مخفی در مخفی ہے کہ بجز آمنا و صدقنا کے انسان کو چارہ نہیں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اقتدار اور توفیق نہیں دی مگر وسوسہ اندازی میں وہ محرک ہے جیسے ملائکہ پاک تحریکات کے محرک ہیں ویسے ہی شیطان ناپاک جذبات کا محرک ہے۔ ملائکہ کی منشاء ہے کہ انسان پاکیزہ ہو، مطہر ہو، اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں اور اس کے بالمقابل شیطان چاہتا ہے کہ انسان گندہ اور ناپاک ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ قانون الٰہی ملائکہ و ابلیس کی تحریکات کا دوش بدوش چلتا ہے لیکن آخر کار ارادہ الٰہی غالب آجاتا ہے گویا پس پردہ ایک جنگ ہے جو خود بخود جاری رہ کر آخر قادر و مقتدر حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطل کی شکست۔

مجہول الکنہہ اشیاء

چار چیزیں ہیں جن کی کنہہ و راز کو معلوم کرنا انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ اوّل اللہ جلشانہٗ دوم روح، سوم ملائکہ، چہارم ابلیس جو شخص ان چاروں میں سے خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور اس کی صفاتِ الوہیت پر ایمان رکھتا ہے ضرور ہے کہ وہ ہر سہ اشیاء روح و ملائک و ابلیس پر ایمان لائے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰ میں ہے کہ "سوال ہوا کہ ابلیس ملائکہ سے تھا یا کون؟" اس کے جواب میں حضور نے فرمایا۔ (مرتب)

مثلاً رُوح جیسے انسان کے اندر داخل ہوتی معلوم نہیں ہوتی ویسے ہی اس میں سے خارج ہوتی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ انسان کو ہر حال میں رضاء الٰہی پر چلنا چاہیئے اور کارخانہ الٰہی میں دخل در معقولات نہیں دینا چاہیئے۔ تقویٰ اور طہارت، اطاعت و وفا میں ترقی کرنی چاہیئے اور یہ سب باتیں تب ممکن ہیں جب انسان کامل ایمان اور یقین سے ثابت قدم رہے اور صدق و اخلاص اپنے مولا کریم سے دکھلائے اور وہ باتیں جو علم الٰہی میں مخفی ہیں اس کی کُنہ کے معلوم کرنے میں بیسود کوشش نہ کرے[1]۔ مثلاً ہیلیہ قبض کو دُور کرتی ہے اور سم الفار ہلاک کرتا ہے۔ اب کیا ضرورت پڑی ہے کہ بے فائدہ اس دھت میں بھاگا پھرے کہ کونسی شے ہے جو یہ اثر کرتی ہے۔ طبیب کا کام ہے کہ اُن کے خواص کو معلوم کرے۔

اور یہ سوال کہ کیوں یہ خواص پیدا ہو گئے حوالہ بخدا کرے جو شخص ہر ایک چیز کے خواص و ماہیت دریافت کرنے کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ نادانی سے کارخانہ ربی اور اس کے منشاء سے بالکل ناواقف و نابلد ہے۔

ملائکہ اور شیطان

اگر کوئی کہے کہ شیطان و ملائکہ دکھلاؤ تو کہنا چاہیئے کہ تمہارے اندر یہ خواص کہ بیٹھے بٹھائے آناً فاناً بدی کی طرف متوجہ ہو جانا یہانتک کہ خدا تعالےٰ کی ذات سے بھی منکر ہو جانا اور کبھی نیکی میں ترقی کرنا اور انتہا درجہ کی انکساری و فروتنی و عجز و نیاز میں گر جانا یہ اندرونی کششیں جو تمہارے اندر موجود ہیں ان سب کے محرک جو قویٰ ہیں وہ ان دو الفاظ ملک و شیطان کے وجود میں مجسم ہیں۔

سعادت اسی میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لایا جاوے اور اس کو حاضر و ناظر یقین کیا جاوے اور اس کی عین موجودگی کا تصور دل میں رکھ کر ہر ایک بدی و ناراستی سے پرہیز کیا جاوے۔ یہی بڑی دانش و حکمت ہے اور یہی معرفت الٰہی کا سیراب کرنے والا شیریں سوتہ ہے جس سے اور جس کے لیے اہل اللہ ایک ریگستان کے پیاسے کی طرح آگے بڑھ کر خوش مزگی سے پیتے ہیں اور یہی وہ آبِ کوثر ہے جو مولائے کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے اپنے اولیاء اصفیا کو پلاتا ہے۔

مومن چونکہ خدا تعالیٰ کی معرفت کا محتاج ہے اور ہر کوئی اس کی طرف نظر اُٹھائے دیکھ رہا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی یہ دروازہ پورے طور پر کھولا ہوا ہے جوں جوں انسان اس راہ میں کوشش کریگا توں توں

---

[1] البدر نے:۔ "جیسے انڈے کے بیچ میں رُوح آتی ہے اور بعض وقت بچہ بیچ میں ہی مرکر رہ جاتا ہے اور رُوح نکل جاتی ہے لیکن معلوم کسی کو نہیں ہوتا۔ پس یہ راز ہوتے ہیں"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے:۔ "انسان کو ان باتوں کی کُنہ دریافت کرنے میں نہ پڑنا چاہیئے۔ تقویٰ اور اطاعت میں ترقی کرنی چاہیئے تو اس طرح خدا تعالیٰ خود اس کی تسلی کر دے گا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰)

درِ رحمت اس پر کھلتا جاوے گا۔ دُنیا میں بے اَنت ایسی چیزیں ہیں جن کی ہمیں خبر بھی نہیں پر ایسی چیزوں کی دریافت کیلئے سرگردان ہونا کونسی عقلمندی ہے؟ کونسی چیز ہے جس کی تحقیق انسان نے پورے طور سے کر لی ہے۔ جو چیز اللہ جلشانہٗ نے انسان کے لیے چنداں مفید نہیں سمجھی۔ وہ پورے طور پر انسان پر منکشف بھی نہیں ہوتی پس جو ہر ایک چیز کو دریافت کرنا چاہتا ہے وہ خدا بننا چاہتا ہے۔ جس راہ پر انسان پہنچ نہیں سکتا چاہیئے کہ اُسے چھوڑ دے۔ انسان کو جو کچھ کہ دیا گیا ہے اس پر قانع رہے۔ اگر یہ توقع رکھے کہ آسمان کے درخت کا پھل آوے تو مَیں کھاؤں حالانکہ اس کا ہاتھ وہاں پہنچ بھی نہیں سکتا تو وہ مجنوں ہے ہاں جب اللہ تعالیٰ اس کی فطرت میں یہ قوی پیدا کر دے کہ آسمان تک پہنچ سکے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ آسمان ہی کے پھل کھاوے۔

گناہ سے کیسے بچ سکتے ہیں

گناہ سے انسان کیسے بچ سکتا ہے اس کا علاج یہ تو بالکل نہیں کہ عیسائیوں کی طرح ایک کے سر میں درد ہو تو دوسرا اپنے سر میں پتھر مار لے اور پہلے کا درد سر دُور ہو جاوے دراصل انسان کا حدِ اعتدال سے گذر جانا ہی گناہ کا موجب ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ بات پھر عادت میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ سوال کہ یہ عادت کیونکر دُور ہو سکتی ہے؟ اکثر لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ عادت دُور نہیں ہو سکتی اور عیسائیوں کا تو پختہ یقین و ایمان ہے کہ عادت یا فطرت ثانی ہرگز دُور نہیں ہو سکتی اور نہ بدل سکتی ہے۔ مسیح کے کفارہ کو مان کر بھی یہ تو نہیں ہو سکتا ہے کہ انسان گناہ سے بالطبع نفرت کرنے لگ جائے۔ نہیں البتہ اس کفارہ کے طفیل اُخروی عذاب سے نجات پا جائے گا۔ یہی اعتقاد ہے جو رکھنے سے انسان خلیع العنان ہو کر بدکاریوں اور ناسزا وار اُمور میں دل کھول کر ترقی کرتا ہے۔

قابلِ توجہ

ہماری جماعت کو اس پر توجہ کرنی چاہیئے کہ ذرا سا گناہ خواہ کیسا ہی صغیرہ ہو جب گردن پر سوار ہو گیا تو رفتہ رفتہ انسان کو کبیرہ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ طرح طرح کے عیوب مخفی رنگ میں انسان کے اندر ہی اندر ایسے رچ جاتے ہیں کہ اُن سے نجات مشکل ہو جاتی ہے۔

فروتنی اور عاجزی

انسان جو ایک عاجز مخلوق ہے اپنے تئیں شامتِ اعمال سے بڑا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ کبر اور رعونت اس میں آجاتی ہے اللہ کی راہ میں جب تک انسان اپنے آپ کو سب سے چھوٹا نہ سمجھے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ کبیر نے سچ کہا ہے ؎

بھلا ہوا ہم نیچ بھئے ہر کو کیا سلام ۞ جے ہوتے گھر اُونچ کے ملتا کہاں بھگوان

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم چھوٹے گھر میں پیدا ہوئے۔ اگر عالی خاندان میں پیدا ہوتے تو خدا نہ ملتا۔ جب لوگ اپنی اعلیٰ ذات پر فخر کرتے تو کبیر اپنی ذات بافندہ[1] پر نظر کر کے شکر کرتا۔

---

[1] البدر میں ہے "جب لوگ اپنی اپنی ذات پر فخر کرتے تو کبیر اپنی قوم چمار پر نظر کر کے شکر کرتا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۱۰۴)

پس انسان کو چاہیئے کہ ہر دم اپنے آپ کو دیکھے کہ میں کیسا ہیچ ہوں۔ میری کیا ہستی ہے۔ ہر ایک انسان خواہ کتنا ہی عالی نسب ہو مگر جب وہ اپنے آپ کو دیکھے گا بہر نہج وہ کسی نہ کسی پہلو میں بشرطیکہ آنکھیں رکھتا ہو تمام کائنات سے اپنے آپ کو ضرور بالضرور ناقابل و ہیچ جان لیگا۔ انسان جب تک ایک غریب و بیکس بڑھیا کے ساتھ وہ اخلاق نہ برتے جو ایک اعلیٰ نسب عالی جاہ انسان کے ساتھ برتتا ہے یا برتنے چاہئیں اور ہر ایک طرح کے غرور و رعونت و کبر سے اپنے آپ کو نہ بچاوے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔[1]

دُعا

جس قدر نیک اخلاق ہیں تھوڑی سی کمی بیشی سے وہ بداخلاقی میں بدل جاتے ہیں۔ اللہ جلشانہٗ نے جو دروازہ اپنی مخلوق کی بھلائی کے لیے کھولا ہے وہ ایک ہی ہے یعنی دُعا۔ جب کوئی شخص بکاؤ زاری سے اس دروازہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ مولائے کریم اس کو پاکیزگی و طہارت کی چادر پہنا دیتا ہے اور اپنی عظمت کا غلبہ اس پر اس قدر کر دیتا ہے کہ بیجا کاموں اور ناکارہ حرکتوں سے وہ کوسوں بھاگ جاتا ہے۔ کیا سبب ہے کہ انسان باوجود خدا کو ماننے کے بھی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا؟ درحقیقت اس میں دہریت کی ایک رگ ہے اور اُس کو پورا پورا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا ورنہ اگر وہ جانتا کہ کوئی خدا ہے جو حساب کتاب لینے والا ہے اور ایک آن میں اس کو تباہ کر سکتا ہے تو وہ کیسے بدی کر سکتا ہے اس لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی چور چوری نہیں کرتا درآنحالیکہ وہ مومن ہے اور کوئی زانی زنا نہیں کرتا درآنحالیکہ وہ مومن ہے۔ بدکرداریوں سے نجات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ یہ بصیرت اور معرفت پیدا ہو کہ خدا تعالیٰ کا غضب ایک ہلاک کرنے والی بجلی کی طرح گرتا اور بھسم کرنے والی آگ کی طرح تباہ کر دیتا ہے تب عظمت الٰہی دل پر ایسی مستولی ہو جاتی ہے کہ سب افعال بد اندر ہی اندر گداز ہو جاتے ہیں۔

نجات

پس نجات معرفت میں ہی ہے۔ معرفت ہی سے محبت بڑھتی ہے اس لیے سب سے اوّل معرفت کا ہونا ضروری ہے۔ محبت کے زیادہ کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ حُسن اور احسان۔ جس شخص کو اللہ جلشانہٗ کا حُسن اور احسان معلوم نہیں وہ کیا محبت کریگا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: ۴۱) یعنی کفار جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گذر جائے۔ مفسرین اس کا مطلب ظاہری طور پر لیتے ہیں مگر میں یہی کہتا ہوں کہ نجات کے طلبگار کو خدا تعالیٰ کی راہ میں نفس کے شُتر بے مہار کو مجاہدات سے ایسا دُبلا کر دینا چاہیئے کہ وہ سوئی کے ناکہ میں سے گذر جائے۔ جب تک نفس دنیوی لذائذ و شہوانی حظوظ

---

[1] اس کے آگے البدر میں مزید لکھا ہے:۔ "اور قوتیں تو انسان کی کبھی کبھی غلبہ کرتی ہیں مگر رعونت اور نخوت ہر وقت اس پر سوار رہتے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۴۰)

سے موٹا ہوا ہوا ہے تب تک یہ شریعت کی پاک راہ سے گذر کر بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دنیوی لذائذ پر موت وارد کرو اور خوف وخشیت الٰہی سے دُبلے ہو جاؤ تب تم گذر سکو گے اور یہی گذرنا تمہیں جنت میں پہنچا کر نجاتِ اخروی کا موجب ہوگا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۳۱ رمئی ۱۹۰۳ء)

مجلس قبل از عشاء

پابندی رسوم کا اثر ایمان پر

فرمایا:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

(آل عمران: ۳۲) اللہ تعالیٰ کے خوش کرنے کا ایک یہی طریق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی فرمانبرداری کی جاوے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ طرح طرح کی رسومات میں گرفتار ہیں۔ کوئی مرجاتا ہے تو قسم قسم کی بدعات اور رسومات کی جاتی ہیں۔ حالانکہ چاہیئے کہ مُردہ کے حق میں دُعا کریں۔ رسومات کی بجاآوری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف مخالفت ہی نہیں ہے بلکہ اُن کی ہتک بھی کی جاتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر کافی خیال کرتے تو اپنی طرف سے رسومات کے گھڑنے کی کیوں ضرورت پڑتی۔

فرمایا کہ:۔

انسان کی وہ غلطی تو معاف ہو سکتی ہے جو کہ یہ نادانی سے کرتا ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد فیج اعوج کے زمانہ میں طرح طرح کی غلطیاں پھیل گئیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مسیح فوت نہیں ہوئے اور اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر موجود ہیں۔

(اس مقام پر حضرت اقدس نے مسیح کی وفات کے دلائل مختصراً جامع طور پر بیان فرمائے) اور پھر ان کے بعد ایک تقریر اس مضمون پر فرمائی کہ ہماری جماعت سے کیوں بعض لوگ طاعون سے مرجاتے ہیں اور فرمایا کہ:۔

ہمیشہ انجام پر نظر چاہیئے۔ آخر کار مومن ہی کامیاب ہوتا ہے اور پھر ایک التباس بھی ہوتا ہے کہ جس پر ہر ایک کو ایمان لانا چاہیئے۔ اگر التباس نہ ہو تو پھر ایمان ایمان نہیں ہو سکتا۔ بعض کام تو اس لیے کئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے حجت پوری ہو جاوے اور بعض اس لیے ظہور میں آتے ہیں کہ انسان تدبر کریں۔ اگر التباس نہ ہو تو تدبر کرنے والوں کو ثواب کیسے حاصل ہوتا اور ایمان کے کیا معنے ہوتے؟

اگر موت صرف دشمنوں کے واسطے ہی ہو تو پھر کون بیوقوف ہے جو کہ ظاہری موت کو دیکھ کر مسلمان نہ ہو جاوے یوں تو لوگ بیشک خدا تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں مثلاً بعض ہندو قبروں کی بھی پوجا کرتے ہیں تو

جب ایسے لوگ دیکھ لیویں کہ عافیت تو صرف خدا کے ایک ماننے والوں کے پاس ہے تو اُن کو ایمان سے کونسی شئے روک سکتی ہے؟ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۵ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ مئی ۱۹۰۳ء

بوقتِ ظہر

نجات کے واسطے اعمال کی ضرورت ہے

ایک ذکر پر فرمایا کہ:۔
صدق اور عاجزی کام آتی ہے مگر یہ کسی کا اختیار نہیں ہے کہ کسی کو ہاتھ ڈال کر سیدھا کر دیوے۔ ہر ایک انسان کی نجات کے واسطے اس کے اپنے اعمال کا ہونا ضروری ہے۔ بوستاں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک اہل اللہ کو کہا کہ میرے لیے دُعا کرو کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ اس نے جواب دیا کہ میرے ایک کی دُعا کیا کام کرے گی جبکہ ہزاروں بے گناہ قیدی تیرے لیے بددُعا کرتے ہیں۔ اُس نے یہ سُنکر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

مجلس قبل از عشاء

فرمایا کہ:۔

اس وقت صدہا فرقے ہیں اگر ایک الٰہی فرقہ بھی ہو گیا تو کیا حرج ہے؟ خدا معلوم کیوں ان لوگوں نے شور مچا رکھا ہے۔ ہمارا خدا بائیس برس سے زیادہ عرصہ سے ہماری امداد کر رہا ہے اور ان لوگوں کی پیش نہ گئی۔ بددُعا کرتے کرتے انکے ناک بھی گھس گئے اور ہمیں تجربہ ہے کہ ہمارا وہی خدا ہے جس کی کلام ہم پر نازل ہوتی ہے۔ اب اس کے مقابل پر اُن کے ظنیات کس کام کے ہیں؟ جس حَکَم کے وہ منتظر ہیں آخر اُس نے بھی آ کر ایک ہی فرقہ بنانا ہے۔ ان کی باتوں کا اکثر حصہ آ کر وہ ردّ کریگا تو ہی ایک فرقہ بنا سکے گا۔ پھر کیوں تقویٰ اجازت نہیں دیتا کہ ان کی باتیں ردّ کی جاویں؟ کتاب اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حدیث بھی پکّی سے پکّی ہمارے ساتھ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کو مُردوں میں معراج کی رات میں دیکھ کر آئے۔ اُدھر خدا کی قولی شہادت اِدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت کہ مسیح فوت ہو گئے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ محبت اور ایمان کے لیے اسباب ہوتے ہیں۔ مسیح کی زندگی پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ ساری عمر دھکے کھاتے رہے۔ صلیب پر چڑھنا بھی مشتبہ رہا۔ ادھر ایک لمبا سلسلہ عمر اور سوانح آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا دیکھو کیسی نصرتِ الٰہی شامل رہی۔ ہر ایک میدان میں آپ کو فتح ہوئی۔ کوئی گھڑی یاس کی آپ پر گذری ہی نہیں۔ یہانتک کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کا وقت آگیا۔ ان تمام نصرتوں میں کوئی حصہ بھی حضرت مسیح کا نظر نہیں آتا۔ اس لیے صاف ثابت ہے کہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا سے زیادہ ہو نہ کہ مسیح کی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بکثرت ہیں اور اس لیے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہوں۔ جو شخص نظارہ قدرت زیادہ دیکھتا ہے وہی زیادہ فریفتہ ہوا کرتا ہے۔

اور اب اگر مسیح آویں بھی تو اس میں اسلام کی اور خود مسیح کی بے عزتی ہے۔ اسلام کی بے عزتی اس طرح کہ کہنا پڑیگا کہ خاتم النبیین کے بعد ایک اور پیغمبر اسرائیلی آیا۔ اور مسیح کی بے عزتی اس طرح کہ ان کو آکر انجیل چھوڑنی پڑے گی۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۶ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۸ مئی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

قرآن کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا

(بنی اسرائیل: ۵۹) کوئی ایسا گاؤں نہیں مگر روزِ قیامت سے پہلے پہلے ہم اس کو ہلاک کرکے رہیں یا اس کو سخت عذاب دیویں گے۔ قرآن میں یہ ایک پیشگوئی ہے۔ فرمایا کہ:۔

یہ اب پنجاب پر بالکل صادق آرہی ہے۔ بعض گاؤں تو اس سے بالکل تباہ ہوگئے ہیں اور بعض جگہ بطور عذاب کے طاعون جاکر پھر اُن کو چھوڑ دیتی ہے۔

قوم کی حالت

امریکہ اور یورپ کے بلاد میں حضرت مسیح کی نسبت جو ایک انقلاب عظیم خیالات میں ہو رہا ہے اور جس کا ذکر ہم "البدر" کے ایک آرٹیکل بعنوان "کسر صلیب کا دروازہ کھل گیا ہے" میں کر چکے ہیں۔ اس پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع اور عقل انسان کو ایمان کے واسطے جلد تیار کر دیتی ہے۔ ہماری قوم میں نہ سماع ہے نہ عقل ہے۔ دل میں یہی ٹھانی ہوئی ہے کہ تردید کریں پیشگوئیوں کو جھوٹا ثابت کریں۔ نص اور اخبار کی تکذیب کریں۔ کشوف وغیرہ جو

اولیائے کرام کے ہماری تائید میں ہیں ان سب کو جھوٹا کہدیں۔ غرضیکہ یہ سماع کا حال ہے۔

اب عقل کا سُن لو کہ نظائر پیش نہیں کرسکتے کہ کوئی اس امر کا ثبوت دیں کہ سوائے مسیح کے اَور بھی کچھ آدمی زندہ آسمان پر گئے۔ ایک بات کو دیکھ کر دوسری کو پیدا کرنا اس کا نام عقل ہے سو اس کو انہوں نے ہاتھ سے دیدیا ہے۔ دونو طریق (سماع اور عقل) قبولِ حق کے تھے سو وہ دونو کھو بیٹھے۔ مگر یہ لوگ (اہل امریکہ و یورپ) غور کرتے ہیں اگرچہ سب نہیں کرتے مگر ایسے پائے تو جاتے ہیں جو کرتے ہیں۔ جس حال میں کہ وہ مانتے ہیں کہ مسیح کے دوبارہ آنے کا زمانہ یہی ہے اور اس کی موت کے بھی قائل ہیں تو دیکھ لو کہ وہ لوگ کسقدر قریب ہیں۔ اس قوم کا اقبال اب بڑھ رہا ہے اور مسلمانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دن بدن گرتے جاتے ہیں۔ اور وہ منتظر ہیں کہ مسیح اور مہدیؑ آتے ہی تلوار اُٹھالیوے گا اور خون کی ندیاں بہادے گا۔ کمبخت دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کے پاس نہ تو فنونِ حرب ہیں نہ ان کے پاس ایجاد کی طاقت ہے نہ استعمال کی استعداد ہے۔ جنگی طاقت نہ بحری ہے نہ بَری۔ تو یہ زمانہ ان کے منشاء کے موافق کیسے ہو سکتا ہے؟ اور نہ خدا کا یہ ارادہ ہے کہ جنگ ہو کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں کو یہ سمجھ دے دیوے کیونکہ فہم۔ دماغ اور اقبال کے ایام انہیں کے اچھے ہیں۔ اصل علم وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے پاس ہے زمانہ وہی ہے جس کا وعدہ تھا۔ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ نکمے، فاسق، فاجر اور کاہل بھی ہیں تو پھر بجز اُس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خدا اسی گروہ میں سے ایسے پیدا کردے کہ وہ خود ہی سمجھ جاویں۔ خدا تعالیٰ کو توپ اور بندوق کی کیا حاجت ہے۔ اس نے بندوں میں ہدایت پھیلانی ہے یا اُنکو قتل کرنا ہے؟ زمانہ کی موجودہ حالت خود دلالت کرتی ہے کہ یہ زمانہ علمی رنگ کا ہے۔ اگر کسی کو مار مار کر سمجھاؤ بھی تو وہ بات دل میں نہیں بیٹھتی لیکن اگر دلائل سے سمجھایا جاوے تو وہ دل پر تصرف کرکے اس میں دھس جاتی ہے اور انسان کو سمجھ آجاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی حالت اَور تھی اس وقت لوہے سے اَور طرح کام لیا گیا تھا۔ اب ہم بھی لوہے سے ہی کام لے رہے ہیں مگر اور طرح سے کہ لوہے کے قلموں سے رات دن لکھ رہے ہیں۔

میری رائے یہی ہے کہ تلوار کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ عیسائی بھی جہالت میں ڈوبے ہیں۔ اور مسلمان بھی۔ حکمت الٰہی چاہتی ہے کہ رِفق اور محبت سے سمجھایا جاوے مثلاً ایک ہندو ہے اگر دس بیس مسلمان ڈنڈے لے کر اس کے پیچھے پڑجاویں تو وہ ڈر کے مارے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو کہہ دیگا لیکن اس کا کہنا بودا ہوگا کہ بالکل مفید نہیں ہوسکتا اور رفق اور محبت سے سمجھایا جاوے تو وہ دل میں جم جاویگا حتّٰی کہ اگر اس کو زندہ آگ میں بھی پھونک دو تو بھی وہ اس کے کہنے سے باز نہ آوے گا۔ اَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۵) ہمیشہ لاٹھی سے ہوتا ہے اور اٰمَنَّا اس وقت ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ دل میں ڈال دے۔ ایمان کے لوازم اَور ہوتے ہیں اور

اسلام کے اور۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے اس وقت ایسے لوازم پیدا کئے کہ جن سے ایمان حاصل ہو۔ مسلمان تو اپنی موجود حالت کے لحاظ سے خود اس قابل ہیں کہ انہی سے جہاد کیا جاوے۔ اب تو وہ زمانہ ہے کہ بچوں کی طرح دین کی باتیں لوگوں کو سمجھائی جاویں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۶۔ ۱۴۷ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

---

۱۹ مئی ۱۹۰۳ء

بعد نماز فجر

ایک رؤیا اور الہام

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
۱۲ بجے کے قریب میں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ یہ فتح ہو گئی۔ بار بار اسے تکرار کرتا ہے گویا کہ بہت سی فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد طبیعت وحی کی طرف منتقل ہوئی اور الہام ہوا۔ مجموعہ فتوحات۔

مجلس قبل از عشاء

اپنی صداقت پر گفتگو فرماتے رہے اور اس امر پر ذکر فرمایا کہ :۔
خدا تعالیٰ جھوٹے سے اتنا عرصہ دراز یارانہ نہیں لگایا کرتا۔ اگر ہم مفتری ہوتے تو آجتک تباہ اور ہلاک ہو جاتے۔

بینات و متشابہات

پیشگوئیوں کے ہمیشہ دو حصے ہوا کرتے ہیں اور آدم سے اس وقت تک یہی تقسیم چلی آرہی ہے کہ ایک حصہ متشابہات کا ہوا کرتا ہے اور ایک حصہ بینات کا۔ اب حدیبیہ کے واقعات کو دیکھا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو سب سے بڑھ کر ہے مگر علم کے لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ آپ کا سفر کرنا دلالت کرتا تھا کہ آپ کی رائے اسی طرف تھی کہ فتح ہو گی۔ نبی کی اجتہادی غلطی جائے عار نہیں ہوا کرتی۔ اصل صورت جو معاملہ کی ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے اور انسان اور خدا میں یہی تو فرق ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۱۴۷ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۳ء)

❖ ❖ ❖

۲۵ر مئی ۱۹۰۳ء

دربار شام

تزکیۂ نفس

ایک استفسار کے جواب میں کہ آج کل کے پیر اور گدی نشین وظائف وغیرہ اور مختلف قسم کے اوراد بتاتے ہیں۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ:۔

مومن جو بات سچے یقین سے کہے وہ ضرور مؤثر ہوتی ہے[1] کیونکہ مومن کا مطہر قلب اسرارِ الٰہی کا خزینہ ہے جو کچھ اس پاک لوحِ انسانی پر منقش ہوتا ہے وہ آئینہ خدا نما ہے۔ مگر انسان جب ضعفِ بشریت سے سہو و گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر ذرہ بھی اس کی پروا نہیں کرتا تو دل پر سیاہ زنگ بیٹھ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ قلب انسانی کہ خشیتِ الٰہی سے گداز اور شفاف تھا۔ سخت اور سیاہ ہوتا جاتا ہے[2]۔ مگر جونہی انسان اپنی مرضِ قلب کو معلوم کر کے اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور شب و روز نمازیں دعائیں، استغفار و زاری و قلق جاری رکھتا ہے اور اس کی دعائیں انتہا کو پہنچتی ہیں تو تجلیاتِ الٰہی اپنے فضل کے پانی سے اس ناپاکی کو دھو ڈالتی ہیں اور انسان بشرطیکہ ثابت قدم رہے ایک قلب لیکر نئی زندگی کا جامہ پہن لیتا ہے گویا کہ اس کا تولد ثانی ہوتا ہے۔

دو زبردست لشکر ہیں جن کے درمیان انسان چلتا ہے ایک لشکر رحمٰن کا دوسرا شیطان کا۔ اگر یہ لشکر رحمٰن کی طرف جھک جاوے اور اس سے مدد طلب کرے تو اسے بحکمِ الٰہی مدد دی جاتی ہے اور اگر شیطان کی طرف رجوع کیا تو گناہوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے[3]۔ پس انسان کو چاہیئے کہ گناہ کی زہریلی ہوا سے بچنے کیلئے

---

[1] البدر میں ہے:۔ "حضرت اقدس نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۴) اسکے یہ معنے ہیں کہ مومن جو بات یقین سے کہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ لفظوں کی پابندی اس میں ضروری نہیں ہے ہاں انسان کو یہ آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ گناہ سے بچا رہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۳)

[2] البدر سے:۔ "جب انسان گناہ کر لیتا ہے اور وہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تو دل سخت ہو جاتا ہے اور جب دل سخت ہو جاوے تو پاک نہیں ہوتا جب تک کہ پھر نرم نہ ہو اور نرم نہیں ہوتا جب تک کہ نمازوں میں دعائیں نہ کرے۔ انسان توبہ پر توبہ کر کے توڑ دیتا ہے اور اس پر کاربند نہیں ہو سکتا جب تک خدا تعالیٰ ساتھ نہ ہو۔ اس پر قدرتی طور پر سوال ہوتا ہے کہ پھر گناہ کا علاج کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ سچی خشوع اور خضوع پیدا کرو اور اپنی دعاؤں کو انتہا تک پہنچاؤ۔ انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں ہی کیا کرتے تھے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۳)

[3] البدر میں ہے:۔ "اگر یہ خدا تعالیٰ کے لشکر کی طرف جھک جاوے اور اس سے مدد طلب کرے تو اس گناہ سے بچایا جاتا ہے جو کہ شیطان کے لشکر کی وجہ سے اس سے سرزد ہوتا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کے لشکر کی مدد حاصل نہیں کرتا تو شیطان کے لشکر میں پھنس جاتا ہے۔" (البدر حوالہ مندرجہ بالا)

رحمٰن کی حفاظت میں ہو جاوے۔ وہ چیز جو انسان اور رحمٰن میں دُوری اور تفرقہ ڈالتی ہے وہ فقط گناہ ہی ہے جو اس سے بچ گیا اس نے خدا تعالیٰ کی گود میں پناہ لی۔ دراصل گناہ سے بچنے کے لیے دو ہی طریق ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان خود کوشش کرے[1]۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے جو زبردست مالک و قادر ہے استقامت طلب کرے یہانتک کہ اُسے پاک زندگی میسر آوے اور یہی تزکیۂ نفس کہلاتا ہے[2]۔

اَوراد و وظائف

اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انعامات و اکرامات ہوتے ہیں وہ محض اللہ پاک کے فضل و کرم سے ہی ہوتے ہیں۔ پیروں۔ فقیروں۔ صوفیوں گدی نشینوں کے خود تراشیدہ اَوراد وظائف، طریق رسومات سب فضول بدعات ہیں جو ہرگز ہرگز ماننے کے قابل نہیں۔ اگر یہ لوگ کل معاملات دنیوی و دینی کو ان خود ساختہ بدعات سے بھی درست کر سکتے ہیں تو یہ ذرا ذرا سی بات پر کیوں تکرار کرتے لڑتے جھگڑتے۔ حتّٰی کہ سرکاری عدالتوں میں جائز و ناجائز حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ سب باتیں دراصل وقت کا ضائع کرنا اور خداداد دماغی استعدادوں کا تباہ کرنا ہے۔

انسان اس لیے نہیں بنایا گیا کہ لمبی تسبیح لے کر صبح و شام تمام لوازمات و حقوق کو تلف کر کے بے توجگی سے سبحان اللہ سبحان اللہ میں لگا رہے۔ اپنے اوقاتِ گرامی بھی تباہ کرے اور خود اپنے قویٰ کو بھی تباہ کرے اور اَوروں کے تباہ کرنے کے لیے شب و روز کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی معصیت سے بچاوے۔

الغرض یہ سب باتیں سُنّتِ نبوی کو چھوڑنے سے پیدا ہوئیں۔ یہ حالت ایسی ہے جیسے پھوڑا کہ اندر سے تو پیپ سے بھرا ہوا ہے اور باہر سے شیشے کی طرح چمکتا ہے۔ زبان سے تو وِرد وظائف کرتے ہیں اور اندرونے بدکاری و گناہ سے سیاہ ہوئے ہوئے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ سب کچھ خدا تعالیٰ سے طلب کرے۔ جب وہ کسی کو کچھ دے دیتا ہے تو اس کی بلند شان کے خلاف ہے کہ واپس لے۔ تزکیہ وہی ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دنیا میں سکھایا گیا۔ پیدا کیا گیا۔ یہ لوگ اس سے بہت دُور ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں سارے دن میں چار دفعہ دم لیتا ہوں بعض فقط ایک یا دو دفعہ اس سے لوگ

---

[1] البدر میں ہے:۔ "اوّل یہ کہ انسان خود کوشش کرے لیکن یہ کوشش ناکافی ہوا کرتی ہے (البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۱۵۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "اسی کا نام تزکیۂ نفس ہے جب یہ ہو جاتا ہے تو انسان فلاح پاتا ہے اور اپنے سلوک کی انتہا کر دیتا ہے اس کے علاوہ اَور جو انعامات و اکرامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمی کو ملتے ہیں وہ سب اسکے فضل سے مل سکتے ہیں۔

جیسے نبیا ہر روز اپنی کتاب پر حساب لکھتا ہے اور اُسے کبھی نہیں بھولتا۔ اسی طرح مومن کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنا حساب یاد رکھے اور جب گناہ سرزد ہو تو اُن سے کُشتی کرے اور ہر وقت اس فکر میں رہے کہ گناہ سے بچایا جاوے اس طریق سے انسان گناہ سے بچ سکتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۱۵۳)

ان کو ولی سمجھ بیٹھتے ہیں اور ایسی واہیات دم کشی کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں حالانکہ فخر کے قابل یہ بات ہے کہ انسان مرضیاتِ الٰہی پر چل کر اپنے پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح و آشتی پیدا کرے جس سے کہ وہ انبیاء کا وارث کہلائے اور صلحاء و ابدال میں داخل ہو۔ اسی توحید کو پکڑے اور اس پر ثابت قدم رہے اللہ تعالیٰ اپنا غلبہ و عظمت اس کے دل پر بٹھا دیگا۔

وظیفوں کے ہم قائل نہیں۔ یہ سب منتر جنتر ہیں جو ہمارے ملک کے جوگی ہندو سنیاسی کرتے ہیں جو شیطان کی غلامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ البتہ دُعا کرنی چاہیئے خواہ اپنی ہی زبان میں ہو۔ سچے اضطراب اور سچی تڑپ سے جنابِ الٰہی میں گداز ہوا ہوا ایسا کہ وہ قادر الحی القیوم دیکھ رہا ہے جب یہ حالت ہوگی تو گناہ پر دلیری نہ کریگا۔ جس طرح انسان آگ یا اور ہلاک کرنے والی اشیاء سے ڈرتا ہے ویسے ہی اس کو گناہ کی سرزنش سے ڈرنا چاہیئے۔ گناہ ہگاز زندگی انسان کے لیے دُنیا میں مجسم دوزخ ہے جس پر غضبِ الٰہی کی سموم چلتی اور اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ جس طرح آگ سے انسان ڈرتا ہے اسی طرح گناہ سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی آگ ہے ہمارا مذہب یہی ہے کہ نماز میں رو رو کر دُعائیں مانگو تا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے فضل کی نسیم چلائے دیکھو شیعہ لوگ کیسے راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ حسین حسین کرتے مگر احکام الٰہی کی بے حرمتی کرتے ہیں حالانکہ حسین کو بھی بلکہ تمام رُسولوں کو استغفار کی ایسی سخت ضرورت تھی جیسے ہم کو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کا فعل اس پر شاہد ہے۔ کون ہے جو آپ سے بڑھ کر نمونہ بن سکتا ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ر جون ۱۹۰۳ء)

۲۸ر مئی ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ عیسائیوں کی طرف سے بھی ایک میگزین سہ ماہی رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمان عیسائیت اس لیے قبول نہیں کرتے کہ اُن کے دل سخت اور گناہ آلودہ ہیں۔ فرمایا کہ:۔

لہ البدر میں اس سے پہلے یہ ذکر ہے کہ "بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس نے ماہ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ ہجری المقدس کا ماہِ مبارک دیکھا اور پھر اس پر فرمایا کہ "ہر مہینہ اپنے اندر خیر اور شر کے لوازم رکھتا ہے اس لیے دعا کرنی چاہیئے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵ مورخہ ۵ر جون ۱۹۰۳ء)

عیسائیت اور اسلام

جب انسان تعصب اور فاسقانہ زندگی سے اندھا ہو جاتا ہے تو اُسے حق اور باطل میں فرق نظر نہیں آتا۔ ہر ایک حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتا ہے اور نیکی کے ترک کرنے میں ذرا دریغ نہیں کرتا۔ شراب جو اُمّ الخبائث ہے۔ عیسائیوں میں حلال سمجھی جاتی ہے[1]۔ مگر ہماری شریعت میں اس کو قطعاً منع کیا گیا ہے اور اس کو رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (المائدہ ۵: ۹۱) کہا گیا ہے۔ کیا کوئی پادری ہے جو یہ دکھا دے کہ انجیل میں حرمت شراب کی لکھی ہے بلکہ شراب ایسی متبرک خیال کی گئی ہے کہ پہلا معجزہ مسیح کا شراب کا ہی تھا تو پھر دلیری کیوں نہ ہو۔ جو بڑا پرہیز گار اُن میں ہوگا۔ وہ کم از کم ایک بوتل برانڈی کی ضرور استعمال کرتا ہوگا۔ چنانچہ کثرتِ شراب نے ولایت میں آئے دن نئے نئے جرائم کو ایجاد کر دیا ہے اور پادری کے اس قول پر کہ اہلِ اسلام گناہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سخت تعجب آتا ہے کہ کس حوصلہ اور دلیری سے یہ بات کہدی۔ بھلا اگر زمانہ دراز کی بات ہوتی تو ممکن تھا کہ اُن کے ایسے بہتان سے عیسائیوں کی نیک چلنی کا نسبتاً گمان ہوتا۔ مگر جب دونو قومیں ہمارے سامنے اپنے اعمال کے دفتر کھولے بیٹھی ہیں تو پھر کسی کی شیخی اور تعلّی سے کیا فائدہ؟ روشن ضمیر پبلک خود روز روشن میں دیکھ سکتی ہے۔ ولایت کے جیل خانوں میں ہندوستان کے جیل خانوں کی نسبت جرائم پیشہ لوگوں کی کس فیصدی سے زیادتی ہے؟ جن اصولوں کو عیسائی قوم مانتی ہے وہ اصول خود جرائم مثل زنا۔ قمار بازی کے محرک ہیں۔ ان کی اصطلاح سے تو اب گناہ گناہ نہ رہنے چاہئیں۔ گویا گناہ سے وہ ایسے ہی بے پرواہ ہو گئے۔ جیسے شاکت مت والے[2]

---

[1] البدر میں مزید لکھا ہے:۔ "شراب جو اُمّ الخبائث ہے اُسے حلال سمجھا گیا ہے۔ اس سے انسان خشوع خضوع سے جو کہ اصل جزو اسلام ہے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے۔ ایک شخص جو کہ رات دن نشہ میں رہتا ہے ہوش اس کے بجا ہی نہیں ہوتے تو اُسے دوسری بدیوں کے ارتکاب میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟ موقعہ موقعہ پر ہر ایک بات مثل زنا۔ چوری۔ قمار بازی وغیرہ کر سکتا ہے۔ ہماری شریعت نے قطعاً اس کو بند کر دیا ہے اور یہانتک لکھ دیا ہے کہ یہ شیطان کے عمل سے ہے تاکہ خدا کا تعلق ٹوٹ جاوے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵)

[2] نوٹ از ایڈیٹر:۔ اس موقعہ پر حضرت حکیم الامت نے ایک قصہ سُنایا کہ جب انہوں نے ایک شاکت مت والے سے پوچھا کہ یہ کیا بُرائی ہے کہ تم لوگ بدیوں سے ذرا بھی نہیں رُکتے تو اس نے جواب دیا کہ بدی کیا ہے؟ تمہارے قرآن میں یہ شکتی کہاں ہے کہ ماں اور بہن اور بیٹی وغیرہ صلبی رشتے حلال کر دے۔ ہمارے مذہب میں تو یہ سب باتیں طے کی ہوئی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اقدس نے پھر اپنی تقریر کو شروع کیا اور فرمایا کہ:۔

یورپ اور اسلامی ممالک کا موازنہ

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ایک شریف آدمی جب خلافِ واقعہ بات سُنتا ہے اور پھر اس پر اصرار کرتا ہے تو دل میں سخت رنجیدہ ہوتا ہے۔ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ پادری صاحب سے پوچھا جاوے کہ گناہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟ آیا زنا۔ چوری۔ فریب۔ قتل۔ قمار بازی۔ شراب نوشی تمہارے نزدیک گناہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو کیا یورپ کی حالت اسلامی ممالک کی حالت سے بہتر ہے یا ابتر یا مساوی۔ صغائر کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہے۔ مثلاً ایک شخص بدنظری میں مبتلا ہے۔ ممکن ہے کہ اس عورت کو خبر ہی نہ ہو جس پر بدنظری کرتا ہے، لیکن ایک شخص جو زنا کرتا، شراب پیتا ہے اس کی خبر ایک دُنیا کو ہوگی۔ ان جرائم کا اس قدر زور ہے کہ چھپائے سے چھپ سکتا ہی نہیں۔ قمار بازی میں اتلافِ حقوق ہوتا ہے۔ شراب نوشی کے ساتھ دوسرے گناہ مثلاً زنا، قتل وغیرہ لازم پڑے ہوئے ہیں جہاں تک ہمیں مجرموں کے حالات سے شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ شراب سے زنا ترقی کرتا ہے۔ چنانچہ شراب نوشی میں اس وقت یورپ اوّل درجہ پر ہے اور زنا میں بھی اوّل نمبر پر ہے۔ اب دیکھئے کہ پردہ رسم ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا کتاب اللہ نے بتایا ہے اور تجارب نے اس کی تصدیق کی ہے سچا تزکیۂ نفس جو مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے وہ پردہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

مومنوں کے تین طبقے ہیں:۔

ایک وہ جو ٹھوکر کھانے کے لائق ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ جو میانہ رو۔ کسی ٹھوکر سے بچتے اور ڈرتے رہتے ہیں۔

تیسرے وہ جو ہر ایک ٹھوکر سے ایسے بچ کر نکل جاتے ہیں جیسے سانپ اپنی کینچلی سے وہ ہر ایک خیر کے لیے دوڑتے اور ہر ایک شر سے بھاگتے ہیں۔

---(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)---

※ البدر میں یہ نوٹ زیادہ مفصل ہے لکھا ہے۔ "شاکت مت ایک ہندوؤں کا فرقہ ہے کہ جب وہ ایک خاص منتر پڑھتے ہیں تو اس وقت ماں اور بہن بیٹی وغیرہ سے مجامعت اُن کے ہاں جائز ہو جاتی ہے اور اس پر بڑا ثواب مترتب ہوتا ہے۔ حکیم نورالدین صاحب نے اس وقت ایک قصہ سنایا کہ جب میں نے ایک شاکت مت والے پر ایک دفعہ اعتراض کیا تو اس نے جواب دیا کہ جب تمہارے قرآن کے منتر میں یہ طاقت ہے کہ اسکے پڑھنے سے تمہارے بھائی کی لڑکی تمہارے لڑکے کیلئے جائز ہو جاتی ہے تو ہمارے منتر میں یہ طاقت ہے کہ وہ ماں کو بھی جائز کر دیتا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۵ مورخہ ۱۵ جون ۱۹۰۳ء)

جن لوگوں نے اپنے تزکیہ کا خیال نہیں کیا وہ بالضرور بے پردگی سے ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔ عورتوں کو اُن سے پردہ کرنا چاہیئے۔ مثل مشہور ہے ؎

خربزہ بہ گرچہ دزد آشنا است

قسم اوّل ظالم لنفسہ ٭ دوم مقتصد ٭ سوم سابق بالخیرات

ان مختلف مدارج و مراتب کے اشخاص کیسے یکساں سلوک کے لائق ہیں؟ کیا عیسائی بتا سکتے ہیں کہ ان میں سب پاکباز ہیں۔ شرابی نہیں، زانی نہیں۔ اگر پردہ ہوتا تو ان جرائم کی نوبت کیوں آتی ہزارہا ولدالحرام کیوں پیدا ہوتے۔ تجربہ بتا رہا ہے کہ اوّل قسم کے لوگ بکثرت ہیں[1]۔ اس لیے ان سے حتی الوسع پردہ کرنے کیلئے شریعت نے مجبور کیا کہ پردہ کی رسم ہو۔ شرابی آدمی کو نہ طعن و تشنیع کا فکر ہے نہ ڈنڈے کا خوف۔ اس لیے عیسائیوں کا اسلام پذیر ہونا محالات سے ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

---

۲۹ مئی ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

آج حضرت اقدس نے بہت سے احباب کی بیعت کے بعد تقریر فرمائی۔ فرمایا کہ:۔

نومبایعین کو نصائح

اب تم لوگ جو بیعت میں داخل ہوئے ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ عہد تمہارا اللہ کے ساتھ ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس عہد پر مضبوط رہنا چاہیئے۔ نماز روزہ، حج و زکوٰۃ امور شرعی کا پابند رہنا چاہیئے اور ہر ایک برائی اور شائبہ گناہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہماری جماعت کو ایک پاک نمونہ بنکر دکھانا چاہیئے۔ زبانی لاف و گزاف سے کچھ نہیں بنتا جب تک انسان کچھ کرکے نہ دکھائے۔ تم دیکھتے ہو کہ طاعون سے کس قدر لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ گھروں کے گھر برباد ہو رہے ہیں اور ابھی تک معلوم نہیں کہ یہ تباہی کب تک جاری رہے۔ طاعون لوگوں کی بداعمالی کے سبب غضب الٰہی کی صورت میں بھیجی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی رسول ہے جو اس کام کو کر رہی ہے۔ ہزاروں ہیں جو اپنے سامنے ہلاک شدہ لوگوں کے پسماندے پر پشتے دیکھتے ہیں۔ خاندان کے خاندان تباہ

---

[1] البدر میں ہے:۔ "اور تیسرے درجے والے دُور کے ستاروں کی طرح ہیں اس لیے بلحاظ کثرت کے خدا کے قانون نے چاہا کہ پردہ کی رسم عام ہو۔ تجارب و نظائر بھی بتلا رہے ہیں۔ یورپ و امریکہ اور فرانس کی سیر کرو تو پتہ لگے گا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۱۳ صفحہ ۹۸)

ہوگئے۔ ہزاروں لاکھوں بچے بے پدر، لاکھوں خاندان بے ٹھکانہ ہوگئے۔ جہاں یہ پڑی ہے۔ بے نام نشاں اس جگہ کو کر دیا۔ بعض گھروں میں کیا، محلّوں اور گاؤں میں کوئی آباد ہونے والا نہیں رہا۔ انسانوں سے گذر کر حیوانوں کو تباہ کیا۔ گویا یہ بات کہ انسان کے گناہ سے تمام زمین لعنتی ہوگئی اب گویا اہلِ زمین کیا چرند اور کیا پرند انسان کی بدکاری کے بدلے پکڑے جا رہے ہیں۔ لوگوں میں باوجود اس کے کہ سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہیں مگر ویسے ہی رعونت و کبر سے مخمور پھرتے ہیں۔ موت کا خوف دل سے اُٹھ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عزّت کا پاس دل میں نہیں رہا۔ عوام تو عوام خواص کا یہ حال ہے کہ دُنیا پرستی میں سخت جکڑے ہوئے ہیں۔ خدا کا نام فقط زبان پر ہی ہے اندرونہ بالکل اللہ تعالیٰ کی محبّت و خشیت سے خالی ہے۔[1]

وفاتِ مسیح

مسیح کی وفات کا کیا معاملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدہ: ۱۱۸) بخاری میں مُتَوَفِّيكَ کے معنے صاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی مُمِيتُكَ آیا۔ حدیث کے فرمودہ کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر مجدد آیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ ہزاروں طرح کے حیلے دنیا نے کئے۔ طرح طرح کی شرارتیں منصوبے تجویز کئے مگر اللہ تعالیٰ کا جیسا کہ وعدہ تھا اپنے زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کرتا رہا۔

عیسائی لوگ زہرناک کیڑے کی طرح اسلام کے درخت کی جڑ کو کاٹ رہے ہیں[2] مگر علماء کو ذرا بھی خیال

---

[1] البدر سے:۔ پاک باطن اور پاک رُوح والے جو لوگ ہوتے ہیں وہ ان باتوں سے ہزاروں کوس دور ہوتے ہیں۔ مُلّا لوگ دین کے تھم ہوتے ہیں۔ جب وہی ایسے ہوئے تو دنیا کا کیا حال۔ ایک زہرناک کیڑا اُن کے دلوں کو کھا گیا ہے ہر ایک شخص کو دیکھ لو کہ بہت سا حصّہ دُنیا کا اُس کے اندر بھرا ہے۔ ضرورت پر مقدموں میں جھوٹے گواہ بناتے ہیں خود جھوٹ بولتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہم کامیاب ہو جاویں۔ ہر پہلو میں دیکھ لو دُنیا پرستی نے ہلاک کر دیا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶ مورخہ ۵ رجون ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔

"عیسائیوں کی لگاتار یہ کوشش ہے کہ کسی طرح اسلام کا نام زمین سے مٹ جاوے اور اب خدا چاہتا ہے کہ از سرِ نَو اسلام کو زندہ کرے۔ سابقہ کتب میں ان باتوں کا ذکر تھا کہ مسلمانوں کو ایک زحمت اندرونی ہوگی۔ ایمان اُٹھ جاوے گا دنیا کے کیڑے ہو جاویں گے۔ جو محبت خدا سے چاہیئے وہ دُنیا سے کریں گے۔ دوستی محبت میل ملاپ سب دُنیا کے واسطے ہوگا۔ دوسری بلا اور آفت یہ ہوگی کہ ایک انسان کی پرستار عیسائی قوم اُن کو گمراہ کرنے پر کمربستہ ہوگی۔ سو تم دیکھتے ہو کہ انہوں نے مکر کا جال کیسا پھیلایا ہے۔ شہر بہ شہر اُن کے پادری موجود ہیں۔ عورتیں ہر جگہ پھرتی ہیں۔ گاؤں میں چھاؤنیاں ڈالی ہوئی ہیں۔ اُن کا ارادہ ہے کہ ایک مسلمان بھی دنیا میں نہ رہے من گھڑت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں بلکہ اپنے خیالات سے کہ مسیح زندہ آسمان پر ہے اور دوبارہ قیامت سے پہلے آئے گا۔ مدد دے رہے ہیں۔ ان کی لگاتار کوشش یہی ہے کہ اسلام کا نام تک مٹ جائے اور یہ اپنے فاسد عقیدہ سے اُن کو مدد دے رہے ہیں۔ دیکھ لو کہ پادریوں نے شہر بہ شہر گاؤں بہ گاؤں مکر و تزویر کا جال پھیلایا ہوا ہے۔ عورتوں اور بچوں تک کر لستہ ہیں کہ کسی طرح ایک عاجزہ کے بیٹے کو خدا بنا کر منوا دیں۔ کئی کروڑ کتابیں ردّ اسلام میں بنا کر مفت تقسیم کر دیں۔ اس پر بھی مسلمانوں کو غیرت نہ آئی۔ وہ خدا جو کہتا ہے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کیا وہ غلط کہتا ہے؟ کیا اسلام کی وہ ابھی حالت نہیں ہوئی جو کسی مصلح و مجدّد کی ضرورت پیدا کرے۔ طرح طرح کے زمینی اور آسمانی نشان پورے ہو چکے مگر وہ ابتک منکر ہیں۔ آج تک ۲۹ لاکھ مسلمان مُرتد ہو گئے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اگر ایک مسلمان مرتد ہو جاتا تھا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی جس قدر مسلمان باقی ہیں وہ بھی عیسائیت کے قریب قریب ہی ہیں۔ اگر سو سال تک ایسی ہی حالت رہتی تو اسلام کا نام نشان زمین سے مِٹ جاتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے عین ضرورت کے وقت مجھے مسیح موعود کر کے بھیجا۔

یہ بات[1] کوئی بناوٹی نہیں۔ صدہا نشان خرق عادت کے طور پر آسمان و زمین پر میری تصدیق کے لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

باتیں بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبیاں کرتے ہیں اور رات دن اس کوشش میں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے دل بیزار ہوں۔ حال کے مسلمان جن کی مَت ماری گئی ہے۔ بدقسمتی سے اندھے ہو گئے ہیں۔ وہی بات کرتے ہیں کہ اسلام کو فائدہ نہ پہنچے اور عیسائیوں کو پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶۳ برس کہتے ہیں اور مسیح کو قیامت تک زندہ مانتے ہیں۔ پھر یہ کہ آخری زمانہ میں وہی آوے گا حَکَم اور قاضی بھی وہی ہوگا۔ دوسری بات یہ مانتے ہیں کہ وہ خالق بھی ہے۔ جانور اس نے بنائے۔ مُردہ اس سے زندہ ہو گئے غرض کہ اس قسم کی باتوں سے عیسائیوں کی اس قدر تائید کرتے ہیں کہ ان میں اور عیسائیوں میں صرف انیس اور بیس کا فرق رہ جاتا ہے جس قدر وہ باتیں مسیح کی نسبت کرتے ہیں ویسی ایک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نہیں کرتے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶ مورخہ ۵ رجون ۱۹۰۳ء)

[1] البدر سے:۔ ایک طرف نہ ان میں تقویٰ الٰہی نہ طہارت۔ ایک طرف عیسائی غالب آ گئے۔ کئی لاکھ رسالے ہر ماہ عیسائیوں کی طرف سے نکلتے ہیں جن میں افترا، عیب شماری، اور ہتکِ اسلام کے مضامین ہوتے ہیں۔ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے اسلام کی نسبت کہا کہ وہ قیامت تک زندہ مذہب ہوگا وہ اسلام کی اس حالت کو کیسے دیکھے؟ اگر اب بھی وہ مجدد نہ بھیجے؟ حالانکہ سو سال صدی کے گذر گئے۔ ۲۰ سال اور بھی اوپر ہوئے تو اب اندازہ کر لو کہ اور ایک

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں[1]۔ چنانچہ طاعون بھی ایک نشان ہے جس کی بابت کل انبیاء خبر دیتے رہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے اِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا (بنی اسرائیل : ۵۹) کوئی بستی اور کوئی گاؤں ایسا نہ ہوگا کہ جسے ہم قیامت سے پہلے پہلے خطرناک عذاب میں مبتلا نہ کردینگے یا ہلاک نہ کردیں گے۔

غرضکہ یہ منذر نشان ہے کسوف وخسوف کا نشان لوگوں نے ہنستے ہوئے دیکھا اور طاعون کا نشان روتے ہوئے۔

احمدیوں کا طاعون سے مرنا

بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے آدمی کیوں مرتے ہیں۔ ان نادانوں کو اتنا معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی جب لوگ عذاب کا معجزہ مانگتے تھے تو اُن کو تلوار کا معجزہ ملا اور یہ بھی ایک قسم کا عذاب تھا۔ چنانچہ[2] کئی صحابہؓ بھی تلوار سے شہید ہوئے مگر کیا ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے بھی ہلاک ہوئے؟ اللہ تعالیٰ نے جس جس انسان کے دماغ یا ہاتھ سے کوئی اپنا کام لینا تھا وہ تو بچ ہی رہے اور بالمقابل جتنے رئیسِ کفار تھے اُن سب کا ٹھکانا جہنم ہوا۔ اور ان کے صغیر و کبیر سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

صد سال تک اسلام کا کیا حال ہوگا؟ سو برس بعد مجدد آنے میں یہ حکمت ہے۔ ایک سو سال کے گذرنے تک پہلے علم والے گذر جاتے ہیں اور اپنی باتیں اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں اگر نئے علوم پھر خدا نہ بتلا دے تو حق کیسے قائم رہے؟ چونکہ علم میں فرق آجاتا ہے اس لیے آسمان پر ایک نئی بنیاد ڈالی جاتی ہے تم دیکھتے ہو کہ صدی گذر گئی اور اس پر ۲۰ برس اور بھی گذر گئے اب خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا اور مجھے مسیح موعود بنایا۔ یہ بات بناوٹی نہیں ہے اس کے واسطے نشانیاں ہیں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶)

[1] البدر سے :۔

"لکھا ہوا تھا کہ چاند اور سورج کا گرہن ماہ رمضان میں ہوگا ویسے ہی ہوا۔ پھر طاعون لکھی تھی۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر ستر بلکہ پچھتر برس کی ہوتی ہے ابھی تو کئے آدمی اور کے پیر شُدی والا معاملہ ہے۔ یہ خدا کی اُنت ہے فیصلہ کرکے چھوڑے گی۔ سب انبیاء نے اس کی خبر دی ہے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے جیسے کہ لکھا ہے اِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا۔" (بنی اسرائیل : ۵۹) (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶)

[2] البدر میں ہے :۔ "اگرچہ مقابلہ کے وقت اصحابؓ بھی شہید ہوتے تھے مگر اسلام تو اُن کے ساتھ شہید نہ ہو جاتا تھا۔ ہر روز ترقی اسلام کی ہوتی۔ کفار گھٹتے گھٹتے ایسے معدوم ہوگئے کہ اُن کا نام و نشان نہ رہا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶)

اگر ایک شخص کا ایک پیسہ چوری ہو گیا ہے اور دوسرے کا تمام گھر بار لُوٹا گیا ہے تو کیا وہ آدمی جس کا تمام گھر بار لُوٹا گیا پیسہ والے کو کہہ سکتا ہے کہ تم اور مَیں برابر ہیں؟ بھلا سوچو تو سہی اگر ستر برس تک ہمارا کوئی آدمی ہلاک نہ ہو تو ایسا کوئی آدمی ہے جو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے سے رُکا رہے؟

مگر اللہ تعالیٰ کو یہ امر منظور نہیں ہے اور نہ کبھی ایسا ہوا۔ ایمان کی حالت ہی کا پوشیدہ ہونا ضروری ہے جب تک ہماری جماعت تقویٰ اختیار نہ کرے نجات نہیں پا سکتی خدا تعالیٰ اپنی حفاظت میں نہ لے گا یہی سبب ہے کہ بعض ان صحابہؓ میں سے جن جن سے بڑے بڑے کام لینے تھے وہ سب سخت سے سخت خطروں میں بھی بچائے گئے۔ دوسروں کو خدا تعالیٰ نے جلد اُٹھا کر بہشت میں داخل کیا۔ جاہل کو حقیقت معلوم نہیں ہوتی جو بات مُنہ میں آئی کہہ دی۔ ہر ایک نبی کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ جہاں کفار مرتے تھے۔ وہاں اصحاب میں سے بھی کوئی نہ کوئی مرجاتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ کُھلا کُھلا نشان مثلاً سوٹے کا سانپ کر دے[1] تو نیک و بد میں فرق کیا رہیگا؟ تمام یورپ و امریکہ اسلام میں داخل ہو جاویں گے مگر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ امتیاز رکھا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو خدا تعالیٰ نے توحید پھیلانے کے لیے پیدا کیا اور انہوں نے توحید پھیلائی۔ اب بھی خدا تعالےٰ کا ارادہ ہے کہ توحید پھیلے جو آوے گا وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے گا مگر چاہیئے کہ اپنے وجود کو مفید بنا دے[2] اللہ تعالیٰ خود اسکی حفاظت کریگا۔ زبان سے خدا خدا کہنا مگر عمل سے خدا تعالےٰ سے بیگانگی ایک طرح کا دہریہ پن ہے[3]

گھروں کو ذکر اللہ سے معمور کرو۔ صدقہ و خیرات دو۔ گناہوں سے بچو تا اللہ تعالیٰ رحم کرے جو لوگ بیعت

---

[1] البدر میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے:۔ "ہر نبی کے ساتھ ایسا ہوا کہ جہاں کفار مرتے رہے اس کی جمعیت میں سے بھی کچھ مرتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ کی جنگ میں اگر ایک طرف کنعانی مرتے تو ایک طرف اسرائیلی بھی مرتے۔ اگر خدا ایسی ہی کھُلی کھُلی بات کر دے کہ اندھے بھی فرق کریں تو پھر ایک بھی کافر نہ رہے۔ سوٹے کا سانپ اگر بنا دیا تو اس سے لوگوں کو کیا؟ مگر جان کے بچنے کا علاج اگر ان کو ملتا ہو تو ایمان لانے سے کون باہر رہتا ہے۔ تمام یورپ و امریکہ بھی جلد ہی داخل اسلام ہو جاویں۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۵۶ مورخہ ۵ رجون ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے:۔ "اپنے وجود کو جس قدر کارآمد بنا دیگا اسی قدر اس کی حفاظت ہوگی۔" (حوالہ مذکورہ)

[3] البدر میں ہے:۔ "جب انسان ایک بدی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا نے اس سے منع کیا ہے تو وہ دہریہ ہوتا ہے خدا کی عظمت اور جلال اس کے دل میں نہیں ہوتا۔ ایسا شخص خدا کی حفاظت میں نہیں ہے وہ جب چاہے اُسے مار دے یا ایسی بلا میں اُسے ڈال دے کہ نہ زندوں میں ہو اور نہ مُردوں میں، لیکن جو شخص خدا کی عظمت دل میں رکھتا ہے اور اس کی نافرمانی سے ڈرتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ کسی مصیبت میں پڑے خدا کی نظر میں ہوتا ہے اور وہ اُسے محفوظ رکھتا ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۱ مورخہ ۱۲ رجون ۱۹۰۳ء)

کرکے چلے جاتے ہیں اور پھر شکل بھی نہیں دکھلاتے اُن کے لیے دُعا کیا ہو جب ہمیں وہاں تک بھی نہیں رہتے۔ بار بار ملو اور تعلق محبت بڑھاؤ۔ جو بار بار آتا ہے اس کی ذرا سی تکلیف سے دُعا کا خیال آجاتا ہے مگر جو لوگ دُنیا کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں گویا انہوں نے بیعت ہی نہیں کی[1]۔ یاد رکھو اور عمل کرو جس سے پیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے[2]۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۷۔ ۱۸ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

۳۰ مئی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ایک صاحب کے مقدمہ کی تاریخ عنقریب تھی۔ وہ دُعا کروانے کے واسطے آئے تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

چار پانچ دن یہاں رہو اور ہر روز ملاقات کرو کہ دُعا کی تحریک ہو۔ یہ خیال نہ کرو کہ پیچھے نقصان ہوگا سب کچھ خدا کرتا ہے۔ اسباب پر نظر نہ رکھو ہم یہ نہیں کہتے کہ رعایت اسباب ہی چھوڑ دو۔ بلکہ یہ کہ یہ نہ خیال کرو کہ فلاں بات ہو تو ہی یہ ہوگا۔ جیسے کہ روٹی کھانی پانی پینا منع نہیں ہے۔ مگر اس پر یہ بھروسہ کرنا کہ اس نے زندگی ہے یہ منع ہے۔ کئی آدمی روٹی کھاتے ہیں۔ ادھر سُول (درد) ہوا اور جان گئی۔ پانی پیا اور ہیضہ سے مر گئے۔ ان پر بھروسہ کرنا یہ شرک ہے۔ اسباب وہی بہم پہنچاتا ہے۔

ریاست کپورتھلہ سے خبر آئی کہ بعض لوگوں نے ایک مشورہ کرکے اس امر کا منصوبہ بنانا چاہا ہے کہ وہاں کی احمدی جماعت کے بعض ممبروں کو ایذا دیویں۔ اس پر فرمایا کہ:۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۵۶) یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فتنہ فساد ہو۔ دُعا کی جاوے گی۔ ایک شخص نے عرض کی کہ سارے گاؤں میں میں ایک اکیلا آپ کا مرید ہوں۔ فرمایا خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا اکیلا نہیں ہوتا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر سے:۔ "مگر جو دُنیا میں اس قدر غرق ہے کہ گویا اس نے بیعت ہی نہیں کی۔ اور اُسے ملنے کی فرصت ہی نہیں کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتا ہے جو بار بار آکر ملتے رہتے ہیں"۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۱ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے:۔ "بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مسلمان ہو کر پادریوں سے تعلق رکھتے ہیں بعض ہندوؤں سے رکھتے ہیں خدا فرماتا ہے کہ پھر وہ انہی میں سے ہیں۔ یہ باتیں ہیں انکو یاد رکھو اور خدا سے عمل کی توفیق طلب کرو"۔ (البدر حوالہ مذکورہ بالا)

یکم۔ ۲۔ ۳ر جون ۱۹۰۳ء

مقدمہ ہمیشہ سیدھا کرنا چاہیئے

ان تاریخوں میں کوئی اور بات قابلِ نوٹ نہیں ہے۔ ایک بار مقدمات کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

مقدمہ ہمیشہ سیدھا کرنا چاہیئے۔ جب معلوم ہو کہ از روئے قانون بھی صاف طور پر ہمارا حق ثابت ہے اور از روئے شریعت بھی تو ابتدا کرنی چاہیئے ورنہ پیچ در پیچ بات ہو تو کبھی مقدمہ کی طرف نہ جانا چاہیئے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۶۲ مورخہ ۱۲ر جون ۱۹۰۳ء)

۴ر جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ایک رویاء

فرمایا۔ دو یا تین بجے رات کو میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک جگہ پر مع چند ایک دوستوں کے گیا ہوں۔ وہ دوست وہی ہیں جو رات دن پاس رہتے ہیں۔ ایک ان میں مخالف بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سیاہ رنگ، لمبا قد، اور کپڑے چرکیں ہیں۔ آگے جاتے ہوئے تین قبریں نظر آئی ہیں۔ ایک قبر کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ والد صاحب کی قبر ہے اور دوسری قبریں سامنے نظر آئیں۔ میں ان کی طرف چلا۔ اس قبر سے کچھ فاصلہ پر گیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب قبر (جسے میں نے والد صاحب کی قبر سمجھا تھا) زندہ ہو کر قبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اور شکل ہے والد صاحب کی شکل نہیں۔ مگر خوب گورا رنگ، پتلا بدن، فربہ چہرہ ہے میں نے سمجھا کہ اس قبر میں یہی تھا۔ اتنے میں اُس نے آگے ہاتھ بڑھایا کہ مصافحہ کرے۔ میں نے مصافحہ کیا اور نام پوچھا تو اس نے کہا نظام الدین۔ پھر ہم وہاں سے چلے آئے۔ آتے ہوئے میں نے اُسے پیغام دیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور والد صاحب کو السلام علیکم کہہ چھوڑنا۔ راستہ میں میں نے اس مخالف سے پوچھا کہ آج جو ہم نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا۔ کیا اب بھی نہ مانو گے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اب تو حد ہو گئی۔ اب بھی نہ مانوں تو کب مانوں۔ مُردہ زندہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد الہام ہوا۔ سَلِیْمٌ حَامِدٌ مُسْتَبْشِرًا کچھ حصہ الہام کا یاد نہیں رہا۔

والد کا زندہ ہونا یا کسی اور مُردہ کا زندہ ہونا کسی مُردہ امر کا زندہ ہونا ہے۔ میں نے اس سے یہ بھی سمجھا کہ ہمارا کام والدین کے رفع درجات کا بھی موجب ہے۔

شرطی طلاق

فرمایا کہ :۔
اگر شرط ہو کہ فلاں بات ہو تو طلاق ہے اور وہ بات ہو جائے تو پھر واقعی طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر فلاں پھل کھاؤں تو طلاق ہے اور پھر وہ پھل کھالے تو طلاق ہو جاتی ہے۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صـ۱۶۲ مورخہ ۱۲ رجون ۱۹۰۳ء)

---

۵ رجون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا

ذکر ہوا کہ ایک رکعت میں بعض لوگ قرآن کو ختم کرنا کمالات میں تصور کرتے ہیں اور ایسے حافظوں اور قاریوں کو اس امر کا بڑا فخر ہوتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
یہ گناہ ہے اور ان لوگوں کی لاف زنی ہے۔ جیسے دُنیا کے پیشہ والے اپنے پیشہ پر فخر کرتے ہیں ویسے ہی یہ بھی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق کو اختیار نہ کیا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو کر سکتے تھے مگر آپ نے چھوٹی چھوٹی سورتوں پر اکتفا کی۔

انعامات کی اُمّ

پھر فرمایا کہ :۔
ہر ایک شئے کی ایک اُمّ ہوتی ہے۔ مَیں نے سوچا کہ اللہ تعالےٰ کے جو انعامات ہیں اُن کی اُمّ کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اُن کی اُمّ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) ہے۔ کوئی انسان بدی سے بچ نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ پس اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ فرما کر یہ جتلا دیا کہ عاصم وہی ہے اسی کی طرف تم رجوع کرو۔

استغفار کی حقیقت

گناہ جو انسان سے صادر ہوتا ہے اگر انسان یقین سے توبہ کرے[1] تو خدا بخش دیتا ہے۔ پیغمبرِ خدا جو ستر بار استغفار کرتے تھے حالانکہ ایک دفعہ کے استغفار سے گذشتہ گناہ معاف ہو سکتے تھے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ استغفار کے یہ معنے ہیں کہ

---

[1] الحکم سے :۔ "گناہ سچی توبہ سے دُور ہو جاتا ہے۔ سچی توبہ عصمت و حفاظت کا ایک جامہ پہناتی ہے۔"
(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۴ رجون ۱۹۰۳ء)

خدا تعالیٰ آئندہ ہر ایک غفلت اور گناہ کو دبائے رکھے اس کا صدور بالکل نہ ہو فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ (النجم:۳۳) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصوم اور محفوظ ہونا تمہارا کام نہیں ہے خدا کا ہے۔ ہر ایک نور اور طاقت آسمان سے ہی آتی ہے۔ (البدر جلد نمبر ۲۲ صفحہ ۱۶۹ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۰۳ء)

---

۶ جون ۱۹۰۳ء

طبابت کا پیشہ

ڈاکٹری کے امتحان کا ذکر تھا اس پر فرمایا کہ:۔
پاس کے خیال میں مستغرق ہو کر اپنی صحت کو خراب کر لینا ایک مکروہ خیال ہے۔ اوّل زمانہ کے لوگ علم اس لیے حاصل کرتے تھے کہ توکل اور رضائے الٰہی حاصل ہو۔ اور طبابت تو ایسا فن ہے کہ اس میں پاس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب ایک طبیب شہرت پا جاتا ہے تو خواہ فیل ہو مگر لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔
تحصیلِ دین کے بعد طبابت کا پیشہ بہت عمدہ ہے۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۶۹ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۰۳ء)

---

۷ جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

ایمان لانے کے مختلف طریق

ایک شخص نے حضرت اقدس کی بیعت کی نسبت کچھ بشارات خدا تعالیٰ سے پائی تھیں وہ حضرت کی خدمت میں تحریر کر کے روانہ کی تھیں۔ حضرت اقدس نے ان کو سُنکر فرمایا کہ:۔
جو لوگ فطری امور کی استعداد نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ اُن کو بذریعہ رؤیا کے سمجھا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے بھی یہ بات تھی کہ لوگ رؤیا دیکھتے اور بعض وہ تھے جو کہ آپ کے جُود و سخا کو دیکھکر ایمان لائے اور پھر آپ نے سب کو ایک ہی راہ سے گذرانا۔ یہ ایک مشکل کام ہے کہ ہر ایک کی رعایت بھی

لہ الحکم سے ہے "تا ہر ایک غفلت و کسل سے اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۴)

مدنظر رہے اور پھر ایک ہی راہ سے سب کو گذارا جاوے[1]

آپ پر ایمان لانے کے مختلف طریق تھے۔ بعض اخلاق دیکھ کر ایمان لائے تھے[2]۔ غرضکہ آدم سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جسقدر طریق جمع ہو سکتے تھے وہ سب آپ میں جمع تھے۔ یہ بھی ایک مجموعہ جمع کرنے کے قابل ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے طریق کیا کیا تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں سے ایک توجہ کا بھی حصہ ہے کہ جو لوگ قسی القلب تھے وہ بھی کھچے چلے آتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ ثمامہ کو باندھا گیا آپ اس کے حالات ہر روز دریافت کرتے۔ چنانچہ چند روز کے بعد حکم دیا کہ اُسے چھوڑ دیا جاوے۔ پھر اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ پہلے دنیا کے تمام ناموں سے تیرا نام مجھے بہت بُرا معلوم ہوتا تھا اور آج وہی نام سب سے پیارا ہے اور اس شہر سے مجھے بہت نفرت ہوتی تھی لیکن اب اس شہر کو محبت اور پیار کی جگہ دیکھتا ہوں۔ تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہی تھی جس سے باطنی چرک و مَیل دُور ہوتی تھی۔ اس کو بنظرِ استخفاف نہ دیکھنا چاہیئے۔ توجہ میں بھی ایک قوتِ قدسیہ اور تاثیر ہوتی ہے[3]

---

[1] الحکم میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے:۔

"انبیاء کے ماننے کے مختلف طریق ہیں بعض ایسے اشخاص ہیں جو رویائے صادقہ کے ذریعہ ایمان لاتے ہیں اور بعض دلائل عقلی و نقلی کے ذریعہ۔ اور بعض پیغمبروں اور ماموروں کے اخلاق فاضلہ دیکھکر۔ الغرض ایمان لانے کے مختلف طریق ہیں مگر سب کو ایک ہی تنگ راہ سے گذارنا بہت ہی مشکل ہے۔ بلکہ ہر ایک فرد بشر کے الگ الگ مذاق کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم سے:۔ "بعض آپ کا جود و سخا دیکھکر ہی ایمان لائے اور بعض اَور اَور محامد و محاسن مشاہدہ کرکے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجود پاک میں تمام انبیاء علیہم السلام کے محامد کے جامع تھے جس کے سبب سے آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہلائے اس لیے آپ پر ایمان لانیوالے بھی ہر ایک مختلف طور و طریق کو دیکھ کر آپ کے پیچھے ہو لیے"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

[3] الحکم میں یہ عبارت یوں لکھی ہے:۔

"اس نے کہا کہ پہلے آپ کا نام مبارک مجھے تمام ناموں سے زیادہ مذموم معلوم ہوتا تھا مگر اب تمام ناموں سے زیادہ محمود و پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس شہر کو جس میں آپ رہتے ہیں مَیں حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا مگر اب یہی محبوب ترین نظر آتا ہے۔ یہ کیا بات تھی جس نے اس شخص کو گرویدہ بنا لیا؟ یہ حضور علیہ السلام کی توجہ کا اثر تھا"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

صحابہؓ کا اخلاص اور اس کا اجر

صحابہ کرامؓ کے حالات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی اپنی زندگی کو تباہ کر دیا۔ نہ عزت کی پروا کی نہ جان کی۔ بکری کی طرح ذبح ہوتے رہے۔ اس طرح کی نظیر پیش کرنی آسان نہیں ہے۔ اس جماعت کے اخلاص کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہے کہ جان دیکر اخلاص ثابت کیا۔ ان کے نفس بالکل دنیا سے خالی ہو گئے تھے۔ جیسے کوئی ڈیوڑھی پر کھڑا سفر کے لیئے تیار ہوتا ہے ویسے ہی وہ لوگ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے واسطے تیار تھے[1]۔ لوگوں کے کاموں میں بہت حصہ دُنیا کا ہوتا ہے اور اس فکر میں ہوتے ہیں کہ یہ کرو وہ کرو اور وقت مُؤجل آپہنچتا ہے۔ خدا ایسا نہیں کہ کسی کو ضائع کرے[2]۔ یہ اعتراض کہ ہمارے املاک تباہ ہو جاویں گے غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکرؓ وغیرہ کے املاک ہی کیا تھے؟ ایک ایک دو دو سو یا کچھ زیادہ روپیہ کسی کے پاس ہوگا مگر اُس کا اجر اُن کو یہ ملا کہ خدا تعالیٰ نے بادشاہ کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے وارث ہو گئے مگر خدا تعالیٰ کی غیرت یہ نہیں چاہتی کہ کچھ حصہ خدا کا ہو اور کچھ شیطان کا اور توحید کی حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر از خدا کا کچھ بھی حصہ نہ ہو۔ توحید کا اختیار کرنا تو ایک مرنا ہے لیکن اصل میں یہ مرنا ہی زندہ ہونا ہے۔

مومن جب توبہ کرتا ہے اور نفس کو پاک صاف کرتا ہے تو خوف ہوتا ہے کہ مَیں تو جہنم میں جا رہا ہوں کیونکہ تکالیف کا سامنا ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اُسے ہر طرح سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ موت مختلف طریق سے مومنوں پر

---

[1] صحابہؓ کے اخلاص کا ذکر الحکم میں ان الفاظ میں ہے:۔ "صحابہ کرامؓ کے حالات کو دیکھ کر سُنکر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی نہ عزت اور نہ آبرو۔ سب دنیوی فخر و ناز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر خاک میں ملا دیا۔ ہر ایک ذلت آپ کی نافرمانبرداری میں اور ہر ایک عزت آپ کی اطاعت میں ہی دیکھی۔ بھیڑ و بکری کی طرح آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ذبح ہو گئے۔ کوئی قوم کوئی مذہب دنیا میں ہے جو سچی قربانی کی مثال صحابہؓ سے بڑھ کر دکھا سکے؟ جان دیکر سچا اخلاص دکھانا اسی کو کہتے ہیں۔ اُن کے نفس بالکل کدورتِ دنیا سے پاک ہو چکے تھے جیسے کوئی گھر سے نکل کر ڈیوڑھی پر کھڑا ہو کر سفر کے لیئے تیار ہوتا ہے ویسے ہی وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے واسطے تیار تھے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم سے:۔ "جو لوگ اللہ کے لیے کچھ کھوتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ پا لیتے ہیں۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

[3] (الحکم سے) "مگر چونکہ انہوں نے پورے اخلاص سے اپنے اتنے کچھ اندوختہ کو راہِ مولا میں قربان کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اجر میں قیصر و کسریٰ کے خزائن کا مالک کر دیا۔ سب کچھ کامل ایمان اور سچے اخلاص سے ملتا ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

وارد ہوتی ہے کسی کو لڑائی سے کسی کو کسی طرح سے[1]۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنگ نہ کی تو آپ کو لڑکے کی قربانی کرنی پڑی۔

یہ بات قابل افسوس ہے کہ خدا پر اُمید رکھے اور ایک اَور بھی حصہ دار ہو۔ قرآن میں بھی لکھا ہے کہ حصہ سے خدا راضی نہیں ہوتا بلکہ فرماتا ہے کہ حصہ داری سے جو حصہ انہوں نے خدا کا کیا ہوتا ہے وہ بھی خدا انہی کا کر دیتا ہے۔ کیونکہ غیرت احدیت حصہ داری کو پسند نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء باوجود غریب یتیم اور بیکس اور بلا اسباب ہونے کے اور پھر بموجب قانون دنیا کے بے ہنر ہونے کے آگے سے آگے قدم بڑھاتے ہیں اور یہ سب سے پہلا ثبوت خدا تعالیٰ کی خدائی کا ہے[2]۔ اسی لیے اُن کے مخالف حیران ہو جاتے ہیں۔ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ۔ جو شخص بڑا جاہل اور ان کے تقدس سے بیخبر ہوتا ہے۔ وہ بھی کم از کم اُن کی دانائی کا قائل ہوتا ہے جیسے عیسائی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ بہت دانا آدمی تھا۔

توبہ ہی طاعون کا علاج ہے

طاعون کے علاج کی نسبت فرمایا کہ:۔

بجز اس کے کہ توبہ ہو اَور سب تجاویز جو اس کے علاج کے لیے سوچی جاویں خدا کے ساتھ مقابلہ ہے۔ کوئی تجویز ہونا کافی ہے جب تک خدا سے صلح نہ ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۷۰ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۰۳ء)

---

۱۱ جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

حقیقت اور معرفت

فرمایا کہ:۔

درحقیقت خدا تعالیٰ نے تنگی کسی بات میں نہیں

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے:۔ "اللہ تعالیٰ ہر ایک مومن پر طرح طرح کے ابتلاء اور آزمائش لاتا ہے۔ کسی کو جنگ میں آزمانے سے، کسی کو روپیہ پیسہ سے، کسی کو بیٹے کے قربان کرنے سے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

[2] الحکم سے:۔ انبیاء کی زندگی کے واقعات صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ کیسے آگے سے آگے قدم بڑھاتے رہے حالانکہ اُن کے دشمن ہر آن اُن کی ذلت و رسوائی سے ناکامیابی کے دل سے خواہاں اور امید کرنے والے تھے۔ مگر غیرتِ الٰہی نے اُن کو باوجود ایسی تمام روکاوٹوں کے ہر ہر موقعہ پر ہر ہر میدان میں فتح و نصرت عطا کی۔ الغرض فتح و کشود کاری کی کلید توکل و توحید ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

رکھی جوئندہ یابندہ ہوتا ہے[1]

فرمایا کہ:۔

دو شخص برابر نہیں ہوسکتے۔ ایک وہ جو حقیقت پر پہنچتا ہے اور ایک وہ جو معرفت تک[2]۔ جیسے رؤیت اور سماع برابر نہیں ہوسکتے ویسے ہی یہ بھی برابر نہیں ہے۔ جو عارف ہے اور نمونہ قدرت دیکھ چکا ہے اور ایک دوسرا جس کے پاس کوئی نظیر نہیں کہ جسے پیش کرسکے، صرف ظنی امور پاس ہیں وہ کیسے برابر ہوں۔

خدا کی صفات کا علم ہونا ضروری ہے

ایک ہندو کا ذکر ہوا کہ وہ کہتا ہے کہ سب مذہب نجات یافتہ ہیں۔ اور آپ مسیح بھی سچے ہیں۔ وہ اپنے خیال کی تائید میں یہ شعر پیش کرتا ہے۔

ذات پات نہ پوچھے کو ؎ جو ہر کو بھجے سو ہر کا ہو

فرمایا:۔

یہ بات تو ٹھیک ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرے وہی اس کا ہوسکتا ہے مگر اس بات کا تو پتہ ہونا چاہیئے کہ آیا خدا کو پوج رہا ہے یا شیطان کو؟ کیا وہ کسی اور کا پجاری ہو کر خدا کا ہوسکتا ہے؟ اس لیے اوّل خدا کی صفات کا علم ہونا ضروری ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۷۰ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۰۳ء)

---

۱۲ جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

موسیٰؑ کا خضرؑ کے قتل نفس پر اعتراض کرنا کیوں درست نہ تھا؟

سوال:۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ تورات میں حکم تھا کہ کوئی نفس بلا کسی نفس کے بدلہ قتل نہ کیا جائے تو پھر خضر علیہ السلام نے کیوں اس جان کو قتل کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو اس پر سوال کیا تو اُسے کیوں خلافِ ادب جانا گیا؟ موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی رُو سے سوال کیا تھا[3]۔

---

[1] الحکم میں یوں ہے:۔ "اللہ تعالیٰ کسی کی سعی کو ضائع نہیں کرتا۔ جوئندہ یابندہ" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

[2] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے:۔ "صاحب شریعت اور صاحبِ عرفان دونوں برابر نہیں ہوسکتے" (" " " " ")

[3] الحکم میں ہے:۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام بلحاظ شریعت مُنزّلہ حق پر تھے۔" (" " " " ")

جواب:۔ فرمایا:۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ (المائدہ: ۳۳) کے ساتھ آگے اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ (المائدہ: ۳۳) بھی لکھا ہے۔ فساد کا لفظ وسیع ہے۔ جو شئی کسی زمانہ میں فساد کا موجب ہو سکتی ہے وہ آئندہ زمانہ میں قتلِ نفس کا موجب بھی ہو سکتی ہے۔ حشرات الارض کو ہم دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں ہزاروں روز مارے جاتے ہیں اس لیے کہ وہ کسی کی ایذا کا موجب نہ ہوں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ قتل الموذی قبل الایذاء۔ تو ہر ایک موذی شئے کا قتل اس کے ایذا دینے سے قبل جائز ہوتا ہے۔ حالانکہ اس مُوذی نے ابھی کوئی قتل وغیرہ کیا نہیں ہوتا[1]۔ شریعت اور الہامی اور کشفی امور الگ الگ ہیں۔ اس لیے اُن کو شریعت کے ظاہری الفاظ کے تابع نہ کرنا چاہیئے۔ وحی الٰہی کا معاملہ ہی اَور ہوتا ہے اس کی ایک دو نظیریں نہیں بلکہ ہزار ہا نظائر ہیں۔ بعض وقت ایک ملہم کو الہام کی رُو سے ایسے احکام بتلائے جاتے ہیں کہ شریعت کی رُو سے اُن کی بجاآوری درست نہیں ہوتی۔ مگر جب بتلائے جاتے ہیں اُسے اُن کا بجالانا فرض ہوتا ہے اور عدم بجاآوری میں اُسے موت نظر آتی ہے اور سخت گناہ ہوتا ہے حالانکہ شریعت اُسے گُناہ قرار ہی نہیں دیتی۔ یہ تمام باتیں مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کے تحت میں ہوتی ہیں ایک جاہل تو اُن کو شریعت کے مخالف قرار دیگا اور اعتراض کریگا مگر وہ اس کی بیوقوفی ہوگی۔ وہ بھی اصل میں ایک شریعت ہی ہے[2]۔ جب سے دنیا چلی آئی ہے یہ دونو باتیں ساتھ ساتھ چلی آتی ہیں یعنی ایک تو ظاہر شریعت[3] جو

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "قانون قدرت ہمیں اس قانون کے رواج کا نشان دیتا ہے۔ قرآن کریم اور دیگر کسی شریعت آسمانی نے بھی یہی جائز رکھا اور عقل انسانی بھی اس قتل حفظ ماتقدم کے لیے سبق دیتی ہے"۔ (الحکم جلد ۷، نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

[2] الحکم میں ہے:۔ "دراصل اہل باطن کے لیے وہ بھی ایک شریعت ہوتی ہے۔ جس کی بجاآوری ان پر فرض ہوتی ہے"۔ (الحکم جلد ۷، نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵)

[3] الحکم سے:۔ شریعت ظاہری وہ ہے کہ جس میں اُمورِ دُنیا کا پورا پورا انصرام اہتمام کیا گیا ہے تاکہ اس کے انتظام میں بلحاظ ظاہر کے کوئی بات خلاف طریق ظاہر نہ ہو۔ شریعت باطنی وہ ہے کہ بعض امور ظاہری جو بادی النظر میں کامل طور پر ظہور پذیر نہیں ہو سکتے الہام وکشوف سے ظاہر اور رواج دیئے جاتے ہیں۔ شریعت ظاہری کی طرح اہلِ کشف پر احکام نازل ہوتے ہیں۔ جو بعض امور کے حقائق پر مشتمل ہوتے ہیں اور جب تک ملہم اُن کی بجاآوری میں بدل وجان کوشش نہ کرے ممکن نہیں کہ اندرونی اصلاح کما حقہٗ حقیقتاً ہو سکے اور یہ امور جو اہلِ کشف پر نازل ہوتے ہیں۔ شریعت کے دراصل مخالف نہیں ہوتے بلکہ بعض حقائق کی تکمیل ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۶) جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مگر ایک شخص کو حکم ہوتا ہے کہ تو اپنے بچے کو دریا میں ڈال دے جیسے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ دنیا کے امور کے واسطے ہوتی ہے اور ایک وہ امور جو کہ از روئے کشف والہام کے ایک مامور پر نازل ہوتے ہیں۔ اور اُسے حکم ہوتا ہے کہ یہ کر و بظاہر گو وہ شریعت کے مخالف ہو مگر اصل میں بالکل مخالف نہیں ہوتا۔ مثلاً دیکھ لو کہ از روئے شریعت تو دیدہ دانستہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا منع ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۶) مگر ایک شخص کو حکم کہ تو دریا میں جا اور چیر کر نکل جا۔ تو کیا وہ اس کی نافرمانی کرے گا؟ بھلا بتلاؤ تو سہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمل کہ بیٹے کو ذبح کرنے لگ گئے کونسا شریعت کے مطابق تھا؟ کیا یہ کہیں شریعت میں لکھا ہے کہ خواب آوے تو سچ مچ بیٹے کو اُٹھ کر ذبح کرنے لگ جاوے؟ مگر وہ ایسا عمل تھا کہ ان کے قلب نے اسے قبول کر کے تعمیل کی۔ پھر دیکھو موسیٰ کی ماں تو نبی بھی نہ تھی مگر اُس نے خواب کی رُو سے موسیٰ کو دریا میں ڈال دیا۔ شریعت کب اجازت دیتی ہے کہ اس طرح ایک بچہ کو پانی میں پھینک دیا جاوے۔ بعض امور شریعت سے وراء الوریٰ ہوتے ہیں اور وہ اہلِ حق سمجھتے ہیں جو کہ خاص نسبت خدا تعالیٰ سے رکھتے ہیں اور وہی ان کو بجالاتے ہیں۔ ورنہ اس طرح تو خدا تعالیٰ پر اعتراض ہوتا ہے کہ وہ لغو امور کا حکم کرتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔ اس کا سِرّ وہی جانتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے امور میں جلد بازی سے کام نہ لینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے یہ قصے اس لیے درج کئے ہیں کہ انسان ادب سیکھے۔ ایک مرید کا ادب اپنے مرشد کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس پر اعتراض نہ کیا جاوے اور اسکے افعال و اعمال میں اعتراض کرنے میں مستعجل نہ ہو۔ جو علم خدا نے اسے (مرشد کو) دیا ہوتا ہے۔ اس کی اسے خبر ہی نہیں ہوتی ورنہ اس طرح کی مخالفت کرنے سے کہیں سلبِ ایمان کی نوبت نہ آجاوے۔

شریعت کا ایک رنگ ظاہر پر ہے اور ایک محبت الٰہیہ پر ہے کہ جن سے خدا تعالیٰ کے خاص تعلق ہوتے ہیں ان پر کشف ہوتے ہیں۔ ایسے امور اُن سے صادر ہوتے ہیں کہ لوگوں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ جلدی کیوں کی؟ آخر اس حرکت سے خدا کا غضب ان پر شروع ہوا اور جذام کے آثار نمودار ہوئے۔ دوسرے گناہوں میں تو عذاب دیر سے آتا ہے مگر ان میں فوراً شروع ہو جاتا ہے۔

سائل نے عرض کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پھر کیوں جرأت کی حالانکہ وہ نبی تھے؟

فرمایا کہ:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

حضرت موسیٰ کی ماں کو حکم ہوا۔ یا دریا چیر کر نکل جا جیسے خود موسیٰ علیہ السلام کو یا مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر اور آپ کرنے لگ گئے۔ یہ امور شریعت سے وراء الوریٰ ہوتے ہیں جن کو اہلِ حق ہی سمجھتے ہیں اور وہی اُن کو بجالاتے ہیں۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۳ء)

اسی لیے تو یہ قصہ لکھا ہے کہ وہ نبی تھا اور تم تو اُمتی ہو۔ تم کو اَور بھی ڈر کر قدم رکھنا چاہیئے۔ یہ اس طرح کے امور ہوتے ہیں کہ ظاہری شریعت کو منسوخ کر دیتے ہیں[1]۔ مولانا روم نے ایسی ہی ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک طبیب نے ایک کنیز کو ایسے طریق سے ہلاک کر دیا کہ پتہ نہ لگا۔ مسہل وغیرہ ایسی ادویہ دیتا رہا کہ وہ کمزور ہو ہو کر مر گئی۔ تو پھر اس پر لکھا ہے کہ اس پر قتل کا جُرم نہ[2] ہوگا کیونکہ وہ تو مامور تھا۔ اس لیے اپنے نفس سے اُسے قتل نہیں کیا بلکہ امر سے کیا۔ اسی طرح ملک الموت جو خدا جانے کسقدر جانیں روز ہلاک کرتا ہے کیا اس پر مقدمہ ہو سکتا ہے؟ وہ تو مامور ہے۔ اسی طرح ابدال بھی ملائکہ کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ خدا ان سے کئی خدمات لیتا ہے۔ پیمانۂ شریعت سے ہر ایک امر کو ناپنا غلطی ہوتی ہے[3]۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۷۰-۱۷۱ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ جُون ۱۹۰۳ء

دربار شام

اللہ تعالیٰ سے سچا رشتہ

فرمایا:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑے سیدھے سادے تھے۔ جیسے کہ ایک برتن قلعی کرا کر صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کے دل تھے جو کلام الٰہی کے انوار سے روشن اور کدورت نفسانی کے زنگ سے بالکل صاف تھے گویا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) کے سچے مصداق تھے[4]۔

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے:- "اس سوال کا جواب کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیوں جُرأت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان ادب اسرارِ الٰہی کے دریافت کرنے میں ایک عظیم الشان نبی کے ذریعہ سکھایا کہ جب وہ نبی صاحبِ شریعت باوجود عالی مرتبہ ہونے کے اسرارِ الٰہی میں ادب کی طرف راہبر کئے گئے تو تم اُمتی ہو کر بہت ڈر کر قدم رکھو۔ یہ ایسے امور ہیں کہ ظاہری شریعت کو تو منسوخ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر دراصل وہ شریعت کے اسرار ہوتے ہیں جن کی کنہ و راز کو معلوم کرنا انسان کا کام نہیں۔ جب تک کہ وہ علام الغیوب اپنے فضل و کرم سے خود مطلع نہ کرے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۵-۱۶)

[2] الحکم سے:- "واجب القتل نہ ٹھہرا اور نہ قصاص لازم آیا اس لیے کہ وہ مامور تھا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۶)

[3] الحکم میں ہے:- "پیمانہ شریعت ظاہری سے ہر ایک امر کو ناپنا غلطی ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

[4] البدر سے:- "جب ایک برتن کو مانجھ کر صاف کر دیا جاتا ہے پھر اس پر قلعی ہوتی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مجھے خوب معلوم ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت میں سے کثرت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ اگر ہماری دنیا کو کسی طرح سے کوئی خفگش آئی تو ہم کدھر جائیں گے مگر تعجب تو یہ ہے کہ ایک طرف تو ہمارے ہاتھ پر اقرار کرتے ہیں کہ ہم دنیا پر دین کو مقدم سمجھیں گے اور دوسری طرف دنیا و مافیہا میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ دنیا کی خاطر ہر ایک دینی نقصان برداشت کرنا گوارا کرتے ہیں۔ ذرا سا کوئی گنبہ میں بیمار ہو جاوے یا بیل بکری ہی مرجاوے تو جھٹ بول اُٹھتے ہیں کہ ہیں یہ کیا ہوا؟ ہم تو مرزا صاحب کے مُرید تھے۔ ہمارے ساتھ کیوں یہ حادثہ واقع ہوا[1] حالانکہ یہ خیال ان کا خام ہے وہ اس سچے رشتہ سے جو اللہ تعالیٰ سے باندھنا چاہیئے ناواقف ہیں۔ برکات الٰہی انسان پر اس وقت نازل ہوتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ سے مضبوط رشتہ باندھا جاوے۔ جیسے رشتہ داروں کو آپس میں رشتہ کا پاس ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کے رشتہ کا جو اس پاک ذات کے ساتھ ہے سخت پاس ہوتا ہے۔ وہ مولا کریم اس کے لیے غیرت کھاتا ہے اور اگر کوئی دُکھ یا مصیبت اس کو پہنچتی ہے تو وہ بندہ اپنے لیے راحت جانتا ہے[2]

الغرض کوئی دُکھ اس رشتہ کو توڑتا نہیں اور نہ کوئی سُکھ اس کو دوبالا کرتا ہے۔ ایک سچا تعلق و حقیقی عشق عبد و معبود میں قائم ہو جاتا ہے اگر ہماری جماعت میں چالیس آدمی بھی ایسے مضبوط رشتہ کے جو رنج و راحت، عُسر و یُسر میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کریں، ہوں تو ہم جان لیں کہ ہم جس مطلب کے لیے آئے تھے وہ پورا ہو چکا اور جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔

کیسی سوچنے کی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کے تعلقات بھی تو آخر دنیا سے تھے ہی۔ جائدادیں تھیں، مال تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور پھر نفیس اور مصفا کھانا اس میں ڈالا جاتا ہے۔ یہی حالت ان کی تھی۔ اگر انسان اسی طرح صاف ہو اور اپنے آپ کو قلعی دار برتن کی طرح منور کرے تو خدا تعالیٰ کے انعامات کا کھانا اس میں ڈال دیا جاوے، لیکن اب کسقدر انسان ہیں جو ایسے ہیں اور آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) کے مصداق ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۷۷ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۳ء)

[1] البدر میں ہے: "اگر کوئی طاعون سے مرجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ تو مرید تھا وہ کیوں مرا؟ اب دیکھ لو کہ اس زمانہ میں اور اُس زمانہ میں کس قدر فرق ہے۔" (البدر بحوالہ مذکور)

[2] البدر میں ہے:۔ "اس میں شک نہیں کہ دنیا ایسا ہی مقام ہے کہ انسان کو اُس میں دُکھ اور مصیبت پیش آتی ہے مگر اُن کا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہوتا ہے کہ اس دُکھ اور مصیبت میں ایک راحت نظر آتی ہے۔"

(البدر بحوالہ مذکور)

زر تھا۔ مگر اُن کی زندگی پر کس قدر انقلاب آیا کہ سب کے سب ایک ہی دفعہ دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۳) ہمارا سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہے۔ اگر اس قسم کے لوگ ہم میں ہو جاویں تو کونسی آسمانی برکت اس سے بزرگ تر ہے؟

بیعت کرنا صرف زبانی اقرار ہی نہیں بلکہ یہ تو اپنے آپ کو فروخت کر دینا ہے خواہ ذلت ہو نقصان ہو۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو کسی کی پروا نہ کی جاوے۔ مگر دیکھو اب کس قدر ایسے لوگ ہیں جو اپنے اقرار کو پورا کرتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کو آزمانا چاہتے ہیں۔ بس یہی سمجھ رکھا ہے کہ اب ہمیں مطلقاً کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیئے اور ایک پُرامن زندگی بسر ہو حالانکہ انبیاء اور قطبوں پر مصائب آئے اور وہ ثابت قدم رہے مگر یہ ہیں کہ ہر ایک تکلیف سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہوئی گویا خدا تعالیٰ کو رشوت دینی ہوئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ فقط کلمہ پڑھ لینے پر ہی چھوڑ دیئے جاویں گے اور ان کو ابتلاؤں میں نہیں ڈالا جاوے گا۔ پھر یہ لوگ بلاؤں سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ ہر ایک شخص کو جو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے جان لینا چاہیئے کہ جب تک آخرت کے سرمائے کا فکر نہ کیا جاوے کچھ نہ بنے گا اور یہ ٹھیکہ کرنا کہ ملک الموت میرے پاس نہ پھٹکے، میرے کنبے کا نقصان نہ ہو۔ میرے مال کا بال بیکا نہ ہو، ٹھیک نہیں ہے۔ خود شرط وفا دکھلاوے اور ثابت قدمی وصدق سے مستقل رہے۔ اللہ تعالیٰ مخفی راہوں سے اس کی رعایت کرے گا اور ہر ایک قدم پر ان کا مددگار بن جاوے گا۔

انسان کو صرف پنجگانہ نماز اور روزوں وغیرہ احکام کی ظاہری بجا آوری پر ہی ناز نہیں کرنا چاہیئے کہ نماز پڑھنی تھی پڑھ لی۔ روزے رکھنے تھے رکھ لیے، زکوٰۃ دینی تھی دے دی۔ وغیرہ۔ نوافل ہمیشہ نیک اعمال کے متمم و مکمل ہوتے ہیں اور یہی ترقیات کا موجب ہوتا ہے۔ مومن کی تعریف یہ ہے کہ خیرات و صدقہ وغیرہ جو خدا نے اس پر فرض[1] ٹھہرایا ہے بجا لاوے اور ہر ایک کارِ خیر کے کرنے میں اس کو ذاتی محبت ہو اور کسی تصنع و نمائش و ریا کو اس میں دخل نہ ہو۔ یہ حالت مومن کی اس کے سچے اخلاص اور تعلق کو ظاہر کرتی ہے اور ایک سچا اور مضبوط رشتہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر دیتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔

---

[1] البدر میں یوں لکھا ہے: "مومن کی تعریف یہ ہے کہ خیرات اور صدقہ وغیرہ جو کہ خدا نے اس پر فرض تو نہیں کئے مگر وہ اپنی ذاتی محبت سے ان کو بجا لاتا ہے اس وقت اس کا ایک خاص تعلق خدا سے ہوتا ہے"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۷۷)

الغرض ہر ایک فعل اُس کا اور ہر ایک حرکت سکون اس کا اللہ ہی کا ہوتا ہے۔ اس وقت جو اس سے دشمنی کرتا ہے وہ خدا سے دشمنی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ میں کسی بات میں اس قدر تردد نہیں کرتا جس قدر کہ اسکی موت میں۔

قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مومن اور غیر مومن میں ہمیشہ فرق رکھ دیا جاتا ہے۔ غلام کو چاہیئے کہ ہر وقت رضاء الٰہی کو ماننے اور ہر ایک رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں دریغ نہ کرے۔ کون ہے جو عبودیت سے انکار کر کے خدا کو اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے؟

تعلقات الٰہی ہمیشہ پاک بندوں سے ہوا کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم: ۳۸) لوگوں پر جو احسان کرے ہرگز نہ مبتلاوے۔ جو ابراہیم کے صفات رکھتا ہے ابراہیم بن سکتا ہے۔ ہر ایک گناہ بخشنے کے قابل ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کو معبود و کارساز جاننا ایک ناقابل عفو گناہ ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: ۱۴)۔ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (النساء: ۴۹) یہاں شرک سے یہی مراد نہیں کہ پتھروں وغیرہ کی پرستش کی جاوے بلکہ یہ ایک شرک ہے کہ اسباب کی پرستش کی جاوے اور معبودات دنیا پر زور دیا جاوے ہی کا نام شرک ہے۔

اور معاصی کی مثال تو حقہ کی سی ہے کہ اس کے چھوڑ دینے سے کوئی دقت و مشکل کی بات نظر نہیں آتی مگر شرک کی مثال افیم کی ہے کہ وہ عادت ہو جاتی ہے جس کا چھوڑنا محال ہے۔ بعض کا یہ خیال بھی ہوگا کہ انقطاع الی اللہ کر کے تباہ ہو جاویں؟ مگر یہ سراسر شیطانی وسوسہ ہے۔ اللہ کی راہ میں برباد ہونا آباد ہونا ہے۔ اس کی راہ میں مارا جانا زندہ ہونا ہے۔ کیا دنیا میں ایسی کم مثالیں اور نظیریں ہیں کہ جو لوگ اس کی راہ میں قتل کئے گئے۔ ہلاک کئے گئے۔ انکے زندہ جاوید ہونے کا ثبوت ذرہ ذرہ زمین میں ملتا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لو کہ سب سے زیادہ اللہ کی راہ میں برباد کیا اور سب سے زیادہ دیا گیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر ہی ہوا۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۰۳ء)

لہ البدر میں ہے: قرآن شریف میں بھی لکھا ہے کہ مومن اور غیر مومن میں ہمیشہ فرقان ہوتا ہے مگر ایک کمبخت جلد باز خدا کے فرقان کو پسند نہیں کرتا بلکہ نفس کے فرقان کو پسند کرتا ہے۔ غلام کا کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت عبودیت کے لیے تیار رہے اور کسی مصیبت کی پروا نہ کرے مگر ایک باغی سرکش عبودیت سے تو انکار کرتا ہے اور خدا کو اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۷۸)

لہ الحکم میں ایسا ہی درج ہے مگر دراصل یہ لفظ محبوبات معلوم ہوتا ہے چنانچہ البدر میں بھی محبوبات ہی لکھا ہے (مصحح)

لہ البدر کے الفاظ یہ ہیں:۔ بہت کا یہ بھی خیال ہوگا کہ کیا ہم انقطاع الی اللہ کر کے اپنے آپ کو تباہ کر لیویں؟ مگر یہ ان کو دھوکا ہے کوئی تباہ نہیں ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ لو۔ اُس نے سب کچھ چھوڑا پھر وہی سب سے اوّل تخت پر بیٹھا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۷۸)

۱۵؍جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

بیویوں سے حسنِ معاشرت

بارہا دیکھا گیا ہے اور تجربہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص خفیف عذرات پر عورت سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہے تو یہ امر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملال کا موجب ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص سفر میں تھا اس نے اپنی بیوی کو لکھا کہ اگر وہ بدیدن خط اس کی طرف روانہ نہ ہوگی تو اُسے طلاق دے دی جاوے گی۔

سُنا گیا ہے کہ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ:۔

"جو شخص اس قدر جلدی قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو ہم کیسے اُمید کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس کا پکا تعلق ہے"۔

ایسا ہی ایک واقعہ اب چند دنوں سے پیش تھا کہ ایک صاحب نے اوّل بڑی چاہ سے ایک شریف لڑکی کے ساتھ نکاح ثانی کیا مگر بعد ازاں بہت خفیف عذر پر دس ماہ کے اندر ہی انہوں نے چاہا کہ اس سے قطع تعلق کر لیا جاوے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام کو بہت سخت ملال ہوا اور فرمایا کہ:۔

مجھے اس قدر غصہ ہے کہ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا اور ہماری جماعت میں ہو کر پھر یہ ظالمانہ طریق اختیار کرنا سخت عیب کی بات ہے۔

چنانچہ دوسرے دن پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ:۔

وہ صاحب اپنی نئی یعنی دوسری بیوی کو علیحدہ مکان میں رکھیں جو کچھ زوجہ اوّل کو دیویں وہی اسے دیویں۔ ایک شب اُدھر رہیں تو ایک شب اِدھر رہیں اور دوسری عورت کوئی لونڈی غلام نہیں ہے بلکہ بیوی ہے اُسے زوجہ اوّل کا دستِ نگر کر کے نہ رکھا جاوے۔

ایسا ہی ایک واقعہ اس سے پیشتر کئی سال ہوئے گذر چکا ہے کہ ایک صاحب نے حصولِ اولاد کی نیت سے نکاح ثانی کیا اور بعد نکاح رقابت کے خیال سے زوجہ اول کو جو صدمہ ہوا۔ اور نیز خانگی تنازعات نے ترقی پکڑی تو اُنہوں نے گھبرا کر زوجہ ثانی کو طلاق دے دی۔ اس پر حضرت اقدس نے ناراضگی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ اس خاوند نے پھر اس زوجہ کی طرف میلان کر کے اسے اپنے نکاح میں لیا اور وہ بیچاری بفضل خدا اس دن سے اب تک اپنے گھر میں آباد ہے۔

گرمی کا موسم اور اشتیاق زیارت اور کلام کے سُننے میں احباب کے مِل مِل کر بیٹھنے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

خدا تعالیٰ مکان کو وسیع کر دیوے تو یہ شکایت رفع ہو۔ ہر ایک شخص تقاضائے محبت سے آگے آتا ہے اور جگہ ہوتی نہیں۔

عبودیت کا سِر اور استغفار

چند ایک احباب نے بیعت کی۔ اس پر حضرت اقدس نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ:۔

خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ انسان توبہ نصوح کرے اور دعا کرے کہ اس سے گناہ سرزد نہ ہو۔ نہ آخرت میں رسوا ہو نہ دنیا میں۔

جب تک انسان سمجھ کر بات نہ کرے اور تذلل اس میں نہ ہو تو خدا تک وہ بات نہیں پہنچتی صوفیوں نے لکھا ہے کہ اگر چالیس دن گذر جاویں اور خدا کی راہ میں رونا نہ آوے تو دل سخت ہو جاتا ہے۔ تو سختیٔ قلب کا کفارہ یہی ہے کہ انسان رووے۔ اس کے لیے محرکات ہوتے ہیں انسان نظر ڈال کر دیکھے کہ اس نے کیا بنایا ہے اور اس کی عمر کا کیا حال ہے۔ دیگر گذشتگان پر نظر ڈالے پھر انسان کا دل لرزاں و ترساں ہوتا ہے۔

جو شخص دعویٰ سے کہتا ہے کہ میں گناہ سے بچتا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ جہاں شیرینی ہوتی ہے وہاں چیونٹیاں ضرور آتی ہیں۔ اسی طرح نفس کے تقاضے تو ساتھ لگے ہی ہیں ان سے نجات کیا ہو سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا ہاتھ نہ ہو تو انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا نہ کوئی نبی نہ ولی اور نہ اُن کے لیے یہ فخر کا مقام ہے کہ ہم سے گناہ سرزد نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کا فضل مانگتے تھے اور نبیوں کے استغفار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ اُن پر رہے ورنہ اگر انسان اپنے نفس پر چھوڑا جاوے تو وہ ہرگز معصوم اور محفوظ نہیں ہو سکتا اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ اور دوسری دُعائیں بھی استغفار کے اسی مطلب کو تبلاتی ہیں۔ عبودیت کا سِر یہی ہے کہ انسان خدا کی پناہ کے نیچے اپنے آپ کو لے آوے جو خدا کی پناہ نہیں چاہتا وہ مغرور اور متکبر ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۷۸ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۳ء)

---

۱۸ جُون ۱۹۰۳ء

بوقتِ ظہر

ہمارے مخدوم مولانا عبدالکریم صاحب جو کہ عرصہ قریباً پانچ سال سے حضرت اقدس کے

مبارک قدموں میں جاگزیں ہیں۔ ان کو ایک شادی کی تقریب میں شمولیت کے واسطے (ساتھ لے جانے کے واسطے) ایک دو احباب سیالکوٹ سے تشریف لائے تھے مگر خدا تعالیٰ نے جو عشق اور محبت مولوی صاحب کو حضرت اقدس کے ساتھ عطا کیا ہے وہ ایک پل کے واسطے بھی ان مبارک قدموں سے جدائی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس کا اثر یہ ہے کہ جب کوئی احمدی بھائی قادیان آکر پھر رخصت طلب کرتے ہیں تو مولوی صاحب کی اُن کو یہی نصیحت ہوتی ہے کہ اس مقام کو اتنی جلدی نہ چھوڑو۔ دیکھو تمہارے اوقات دنیوی کاروبار میں کس قدر گذرتے ہیں۔ اگر اس کا ایک عشر عشیر بھی تم دین کے واسطے یہاں گذارو تو تم کو پتہ لگے اور آنکھ کھلے کہ یہاں کیا ہے جو ہمیں ایک پل کے واسطے علیحدہ نہیں ہونے دیتا۔ غرضیکہ مولوی صاحب موصوف نے سیالکوٹ جانے سے انکار کیا اور وہی بات اس وقت حضرت اقدس کے سامنے پیش ہوئی۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

قادیان دارالامان

اس مقام کو خدا تعالیٰ نے امن والا بنایا ہے اور متواتر کشوف والہامات سے ظاہر ہوا ہے کہ جو اس کے اندر داخل ہوتا ہے وہ امن میں ہوتا ہے تو اب ان ایام میں جبکہ ہر طرف ہلاکت کی ہوا چل رہی ہے اور گو کہ طاعون کا زور اب کم ہے مگر سیالکوٹ ابھی تک مطلق اس سے خالی نہیں ہے اس لیے اس جگہ کو چھوڑ کر وہاں جانا خلافِ مصلحت ہے۔

آخر کار یہ تجویز قرار پائی کہ جن صاحب کی شادی ہے وہ اور لڑکی کی طرف سے اس کا ولی ایک شخص وکیل ہو کر یہاں قادیان میں آجاویں اور یہاں نکاح ہو۔ حضرت صاحب کی دُعا بھی ہوگی اور خود مولوی عبدالکریم صاحب کیا بلکہ حضرت اقدس علیہ السلام بھی اس تقریبِ نکاح میں شامل ہو جاوینگے۔

جس لڑکے کے رشتہ کی یہ تقریب تھی اس کا رشتہ اوّل ایک ایسی جگہ ہوا ہوا تھا جو کہ حضرت اقدس کی بیعت میں نہیں تھے اور جب یہ رشتہ قائم ہوا تھا تو اس وقت لڑکا بھی شاملِ بیعت نہ تھا۔ جب لڑکے نے بیعت کی تو لڑکی والوں نے اس لیے لڑکی دینے سے انکار کر دیا کہ لڑکا مرزائی ہے اس ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اوّل اوّل یہ لوگ ایک دوسرے کو کافر کہتے تھے۔ سُنّی وہابیوں کی اور وہابی سُنّی کی تکفیر کرتا تھا مگر اب اس وقت سب نے موافقت کر لی ہے اور سارا کفر اکٹھا کر کے گویا ہم پر ڈال دیا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۱۷۹ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۳ء)

۱۹؍جون ۱۹۰۳ء

ریل کی پیشگوئی قرآن شریف میں

جمعہ کی نماز سے پیشتر تھوڑی دیر حضرت اقدس علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔ ریل وغیرہ کی ایجاد سے جو فوائد بنی نوع انسان کو پہنچے ہیں اُن کا ذکر ہوتا رہا۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

انسانی صنعتوں کا انحصار خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ ریل کے واسطے قرآن شریف میں دو اشارے ہیں۔

اوّل۔ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: ۸)

دوم۔ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵)

عشار حمل دار اونٹنی کو کہتے ہیں۔ حمل کا ذکر اس لیے کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ قیامت کا ذکر نہیں ہے۔ صرف قرینہ کے واسطے یہ لفظ لکھا ہے ورنہ ضرورت نہ تھی۔ اگر پیشگوئیوں کا صدق اس دنیا میں نہ کھلے تو پھر اس کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے اور ایمان کو کیا ترقی ہو؟ بیوقوف لوگ ہر ایک پیشگوئی کو صرف قیامت پر لگاتے ہیں اور جب پوچھو تو کہتے ہیں کہ اس دنیا کی نسبت کوئی پیشگوئی قرآن شریف میں نہیں ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۵ مورخہ ۳؍جولائی ۱۹۰۳ء)

۲۵؍جون ۱۹۰۳ء

ربوبیتِ تامہ

رات کو بعد از نماز عشاء چند مستورات نے بیعت کی۔ حضرت اقدس نے ان کو ایک جامع وعظ فرمایا جس کا جسقدر حصہ قلمبند ہوا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

"اس سے مطلب یہ ہے کہ قدم قدم پر خدا تعالیٰ کی پرورش ضرور ہوتی ہے۔ دیکھو بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو کس طرح خدا تعالیٰ اس کے ناک۔ کان وغیرہ غرض اس کے سب اعضاء بناتا ہے اور اس کے دو ملازم مقرر کرتا ہے کہ وہ اس کی خدمت کریں۔ والدین بھی جو مہربانی کرتے ہیں اور پرورش کرتے ہیں وہ سب پرورشیں بھی خدا تعالیٰ کی پرورشیں ہوتی ہیں۔

بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سوا اوروں پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میرے ساتھ فلاں نے احسان کیا۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق: ۲) میں اس خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جس کی تمام پرورشیں ہیں۔ رب یعنی پرورش کنندہ وہی ہے اس کے سوا کسی کا رحم اور کسی کی پرورش نہیں ہوتی حتیٰ کہ جو ماں باپ بچے پر رحمت کرتے ہیں۔ دراصل وہ بھی اسی خدا کی پرورشیں ہیں اور بادشاہ جو رعایا سے انصاف کرتا ہے اور اُس کی پرورش کرتا ہے۔ وہ سب بھی اصل میں خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے۔

ان تمام باتوں سے اللہ تعالیٰ یہ سکھلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی نہیں۔ سب کی پرورشیں اسی کی ہی پرورشیں ہوتی ہیں بعض لوگ بادشاہوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نہ ہوتا تو مَیں تباہ ہو جاتا اور میرا فلاں کام بادشاہ نے کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھو ایسا کہنے والے کافر ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ کافر نہ بنے مومن بنے۔ اور مومن نہیں ہوتا جب تک کہ دل سے ایمان نہ رکھے کہ سب پرورشیں اور رحمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ انسان کو اس کا دوست ذرہ بھی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کا رحم نہ ہو۔ اسی طرح بچے اور تمام رشتہ داروں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رحم ہونا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل مَیں ہی تمہاری پرورش کرتا ہوں۔ جب خدا تعالیٰ کی پرورش نہ ہو تو کوئی پرورش نہیں کر سکتا۔ دیکھو جب خدا تعالیٰ کسی کو بیمار ڈال دیتا ہے تو بعض دفعہ طبیب کتنا ہی زور لگاتے ہیں مگر وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ طاعون کے مرض کی طرف غور کرو۔ سب ڈاکٹر زور لگا چکے۔ مگر یہ مرض دفع نہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ سب بھلائیاں اسی کی طرف سے ہیں اور وہی ہے کہ جو تمام بدیوں کو دُور کرتا ہے۔

پھر فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحہ: ۲) سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور تمام پرورشیں تمام جہان پر اسی کی ہیں۔

الرَّحْمٰن وہی ہے جس کی رحمتیں بے بدلہ ہیں مثلاً انسان کا کیا عذر تھا اگر اللہ تعالیٰ اُسے کُتّا بنا دیتا تو کیا یہ کہہ سکتا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ میرا فلاں عمل نیک تھا اس کا بدلہ تو نے نہیں دیا۔

الرَّحِيم۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کے بدلہ نیک نتیجہ دیتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنے والا۔ روزہ رکھنے والا صدقہ دینے والا دُنیا میں بھی رحم پاویگا اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبہ: ۱۲۰) اور دوسری جگہ فرماتا ہے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸،۹) یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا جو کوئی ذرہ سی بھی بھلائی کرتا ہے وہ اس کا بدلہ پا لیتا ہے۔

ایک یہودی نے کسی شخص کو کہا کہ میں تجھے جادو سکھلا دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ تو کوئی بھلائی نہ کرے۔ جب دنوں کی تعداد پوری ہو گئی اور جادو نہ سیکھ سکا تو یہودی نے کہا کہ تُو نے ان دنوں میں ضرور کوئی بھلائی کی ہے

جس کی وجہ سے تو نے جادو نہیں سیکھا۔ اُس نے کہا کہ مَیں نے کوئی اچھا کام نہیں کیا سوائے اس کے راستہ میں سے کانٹا اُٹھایا۔ اُس نے کہا بس یہی تو ہے جس کی وجہ سے تو جادو نہ سیکھ سکا۔ تب وہ بولا۔ خدا تعالیٰ کی بڑی مہربانیاں ہیں کہ اس نے ذرہ سی نیکی کے بدلہ بڑے بھاری گناہ سے بچا لیا۔

اور ہمیں اس خدا تعالیٰ کی ہی پرستش کرنی چاہیئے جو کہ ذرہ سے کام کا بھی اجر دیتا ہے خدا وہ ہے کہ انسان اگر کسی کو پانی کا گھونٹ بھی دیتا ہے تو وہ اس کا بدلہ دیتا ہے۔ دیکھو ایک عورت جنگل میں جا رہی تھی رستہ میں اس نے ایک پیاسے کُتّے کو دیکھا۔ اس نے اپنے بالوں سے رسّہ بنا کر کنوئیں سے پانی کھینچ کر اس کُتّے کو پلایا جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کر لیا ہے وہ اس کے تمام گناہ بخش دیگا۔ اگرچہ وہ تمام عمر فاسقہ رہی ہے۔

ایک اَور قصّہ بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تین آدمی پہاڑ پر پھنس گئے تھے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے پہاڑ کی غار میں ٹھکانا لیا تھا جبکہ ایک پتھر سامنے سے آگرا اور راستہ بند کر لیا۔ تب ان تینوں نے کہا کہ اب تو نیک کام ہی بچائیں گے۔ چنانچہ ایک نے کہا کہ ایک دفعہ مَیں نے مزدور لگائے تھے۔ مزدوری کے وقت اُن میں سے ایک کہیں چلا گیا۔ مَیں نے بہت ڈھونڈا۔ آخر نہ ملا تو مَیں نے اس کی مزدوری سے کوئی بکری خرید لی اور اس طرح چند سال تک ایک بڑا گلہ ہو گیا۔ پھر وہ آیا اس نے کہا کہ مَیں نے ایک دفعہ آپ کی مزدوری کی تھی۔ اگر آپ دیں تو عین مہربانی ہوگی۔ مَیں نے اس کا تمام مال اس کے سُپرد کر دیا۔ اے اللہ اگر تجھے میرا یہ نیک عمل پسند ہے تو میری مشکل آسان کر۔ اتنے میں تھوڑا پتھر اُونچا ہو گیا۔

پھر دوسرے نے اپنا قصّہ بیان کیا[1] اور پھر بولا کہ اے اللہ اگر میری یہ نیکی تجھے پسند ہے تو میری مشکل آسان کر۔ پتھر ذرا اور اونچا ہو گیا۔

پھر تیسرے نے کہا کہ میری ماں بوڑھی تھی۔ ایک رات کو اس نے پانی طلب کیا۔ مَیں جب پانی لایا تو وہ سو چکی تھی۔ میں نے اس کو نہ اُٹھایا کہ کہیں اس کو تکلیف نہ ہو اور وہ پانی لیے تمام رات کھڑا رہا۔ صبح اُٹھی تو اُسے دیدیا۔ اے اللہ اگر تجھے میری یہ نیکی پسند ہے تو مشکل کو دُور کر۔ پھر اس قدر پتھر اونچا ہو گیا کہ وہ سب نکل گئے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو نیکی کا بدلہ دیا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۵-۱۸۶ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

[1] اس جگہ البدر کے ڈائری نویس نے نوٹ دیا ہے کہ "مَیں اسے نوٹ نہ کر سکا اور نہ یاد رکھ سکا۔ عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیح الفاظ قلمبند نہیں کئے جا سکے مثلاً "پتھر اونچا ہو گیا" کے الفاظ درست نہیں "پتھر سرک گیا" ہونا چاہیئے۔ حضور نے حدیث کا یہ مشہور واقعہ بیان فرمایا جسے ڈائری نویس صاحب اچھی طرح قلمبند نہیں کر سکے (مرتب)

۲۶؍جون ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

ایمان کیساتھ عمل ضروری ہے

فرمایا[1]:-

اسلام کا دعویٰ کرنا اور میرے ہاتھ پر بیعتِ توبہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ جب تک ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو کچھ نہیں۔ منہ سے دعویٰ کرنا اور عمل سے اس کا ثبوت نہ دینا خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانا ہے اور اس آیت کا مصداق ہو جانا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ (الصف: ۳، ۴) یعنی اے ایمان والو۔ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے ہو۔ یہ امر کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے غضب کا موجب ہے۔

پس وہ انسان جس کو اسلام کا دعویٰ ہے یا جو میرے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو اس دعویٰ کے موافق نہیں بناتا اور اس کے اندر کھوٹ رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے غضب کے نیچے آجاتا ہے اس سے بچنا لازم ہے۔

امرِ شرعی اور امرِ کونی

فرمایا[2]:-

اوامر کی دو قسمیں ہوتی ہیں:-

ایک امرِ شرعی ہوتا ہے جس کے برخلاف انسان کر سکتا ہے۔ دوسرے اوامر کونی ہوتے ہیں جس کا خلاف ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ فرمایا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (الانبیاء: ۷۰) اس میں کوئی خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آگ اس حکم کے خلاف ہرگز نہ کر سکتی تھی[3]۔

انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے شریعت کے رنگ میں دیئے ہیں جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (البقرۃ: ۴۴) نماز کو قائم رکھو۔ یا فرمایا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (البقرۃ: ۴۶) ان پر جب ایک عرصہ تک قائم رہتا ہے تو یہ احکام بھی شرعی رنگ سے نکل کر کونی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان احکام کی

---

[1] "البدر" میں لکھا ہے کہ "چند ایک احباب نے بیعت کی۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ تقریر فرمائی۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۶)

[2] البدر میں ہے کہ "ایک سوال پر فرمایا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۶)

[3] البدر میں اس کے آگے مزید یوں لکھا ہے:- "اس میں اللہ تعالیٰ انسان کو عبرت دیتا ہے کہ دیکھو جب آگ تک اس کی فرمانبردار ہے تو انسان کو کہاں تک فرمانبردار ہونا چاہیئے"۔ (البدر رحوالہ مذکورہ)

خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا۔[1] (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۲۸ جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

کیا آدم کے وقت دوسرے انسان موجود تھے

ایک صاحب نے سوال کیا کہ آدم علیہ السلام جو خلیفہ بن کر آئے تو اس وقت کونسی قوم موجود تھی جس کے وہ خلیفہ تھے؟ اور اگر کوئی قوم موجود تھی تو حوا ان کی زوجہ کی نئی پیدائش کی ضرورت نہ تھی۔ اسی موجودہ قوم میں سے وہ نکاح کر سکتے تھے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:۔

حدیث شریف میں ہے کہ بہت سے پیچ در پیچ جو امور غیر مفید ہوں ان کو انسان ترک کر دے[2]۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ: ۳۱) سے استنباط ایسا ہو سکتا ہے کہ پہلے سے اس وقت کوئی قوم موجود ہو اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر: ۲۸) ایک قوم جان بھی آدم سے پہلے موجود تھی۔ بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے اور یہی حق ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کو ہمیشہ سے خالق نہ مانیں تو اس کی ذات پر (نعوذ باللہ) حرف آتا ہے اور ماننا پڑیگا کہ آدمؑ سے پیشتر خدا تعالیٰ معطل تھا، لیکن چونکہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کی صفات کو قدیمی بیان کرتا ہے اسی لیے اس حدیث کا مضمون راست ہے۔ قرآن کریم میں جو کوئی ترکیب ہے وہ ان صفات کے استمرار پر دلالت کرتی ہیں[3]، لیکن اگر آدمؑ سے ابتدا خلق ہوتی اور اس سے پیشتر نہ ہوتی تو پھر یہ نحوی ترکیب قرآن میں نہ ہوتی۔[4]

---

[1] البدر میں ہے: "جب انسان دیر تک ان حکموں پر کاربند رہتا ہے تو اس پر بھی وہ زمانہ آجاتا ہے کہ کہا جاتا ہے یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا (الانبیاء: ۷۰) یعنی تو جو مصیبتوں میں جل رہا تھا تو اب ٹھنڈا ہو جا اور اس آگ کی طرح فرمانبردار ہو جا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۶)

[2] الحکم میں ہے:۔ "حدیث شریف میں آیا ہے وَمِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ تَرْکُ مَالَا یَعْنِیْہِ پیچ در پیچ غیر مفید امور کو ترک کر دینا بھی اسلام کی خوبی ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء)

[3] نقل مطابق اصل۔ الحکم میں یہ الفاظ ہیں:۔ "اور قرآن شریف میں جو ترکیب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے استمرار پر دلالت کرتی ہے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء)

[4] حاشیہ الحکم سے:۔ "پس آدم علیہ السلام سے پہلے مخلوق ضرور تھی"۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء)

باقی رہی لڑکیوں کی بات کہ ان کے موجود ہوتے حوّا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ جس مقام پر آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی ہو وہاں کے لوگ کسی عذابِ الٰہی سے ایسے تباہ ہو گئے ہوں کہ آدمی[1] نہ بچا ہو۔ دنیا میں یہ سلسلہ جاری ہے کہ کوئی مقام بالکل تباہ ہو جاتا ہے۔ کوئی غیر آباد آباد ہو جاتا ہے کوئی برباد شدہ از سرِ نو آباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ابھی تک یورپ والے ٹکریں مار رہے ہیں کہ شاید قطب شمال میں کوئی آبادی ہو اور تلاش کر کر کے معلوم کر رہے ہیں کہ کون سے قطعاتِ زمین اوّل آباد تھے اور پھر تباہ ہو گئے۔ پس ایسی صورت میں ان مشکلات میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایمان لانا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ربّ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ مالک یوم الدین ہے اور ہمیشہ سے ہی ہے۔ جاندار ایک تو تکوّن سے پیدا ہوتے ہیں اور ایک تکوین سے۔ ممکن ہے کہ آدم کی پیدائش کے وقت اَور مخلوقات ہو اور اس کی جنس سے نہ ہو یا اگر ہو بھی تو اس میں کیا حرج ہے کہ قدرت نمائی کے لیے خدا تعالےٰ نے حوّا کو بھی اُن کی پسلی سے پیدا کر دیا۔

جب انسان بیعت کرتا ہے تو سب امور نہی اُسے ماننے چاہئیں اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان چاہیئے۔ خدا تعالیٰ ہر طرح پر قادر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک قوم موجود ہو۔ اور اس کے ہوتے ہوئے وہ اَور قوم پیدا کر دیوے یا ایک قوم کو ہلاک کر کے اَور پیدا کر دے۔ موسیٰؑ کے قصّہ میں بھی ایک جگہ ایسا واقعہ بیان ہوا ہے۔ آدمؑ کے وقت بھی خدا سابقہ قوموں کو ہلاک کر چکا تھا۔ پھر جب آدمؑ کو پیدا کیا تو اَور قوم بھی پیدا کر دی۔

خلیفہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ایک قوم ضرور پہلے سے موجود ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک اَور قوم کو پیدا کر کے پہلی قوم کا خلیفہ اُسے قرار دیا جاوے اور آدم اس کے مورثِ اعلیٰ ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے اس پر تغیّر نہیں آتا۔ مگر انسان ازلی ابدی نہیں ہے اس پر تغیر آتا ہے۔ میرے الہام میں بھی مجھے آدم کہا گیا ہے۔

جب روحانیت پر موت آجاتی ہے یعنی اصل انسانیت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بطور آدم کے ایک اَور کو پیدا کرتا ہے اور اس طرح سے ہمیشہ سے آدم پیدا ہوتے رہتے ہیں اگر قدیم سے یہ سلسلہ ایسا نہ ہو تو پھر ماننا پڑیگا کہ پانچ یا چھ ہزار برس سے خدا ہے قدیم سے نہیں ہے یا یہ کہ اوّل وہ معطّل تھا۔

یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ بعض قرون کو ہلاک کرتا ہے۔ دیکھو نوحؑ کے وقت ایک زمانہ کو ہلاک کر دیا۔ اس لیے ممکن ہے ممکن کیا بلکہ یقین ہے کہ نوحؑ کی طرح اس وقت سابقہ قوموں کو ہلاک کر دیا اور پھر ایک نئی پیدائش کی۔ اگر یہ ہلاکت کا سلسلہ نہ ہو تو پھر زمین پر اس قدر آبادی ہو کہ رہنا محال ہو جاوے۔ یہ قبریں ہی ہیں جنہوں نے یہ پردہ پوشی کی ہے[2]

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۶-۱۸۷ مورخہ ۳؍جولائی ۱۹۰۳ء)

---

[1] حاشیہ الحکم میں ہے:۔ "کوئی آدمی نہ بچا ہو" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰؍جولائی ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں ہے:۔ "پردہ پوشی کی ہوئی ہے" (" " " " ۱۶ " " " " " ")

۳۰ جون ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

بیعت کے بنیادی لوازم

چند ایک نووارد احباب نے بیعت کی۔ ان میں سے چند ایک نے عرض کی کہ حضرت جی۔ ہم قرآن پڑھے ہوئے نہیں ہیں فرمایا کہ:۔

موٹے موٹے گناہوں کو تو جانتے ہو اُن سے بچو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ ظلم نہ کرو۔ کسی کا مال یا زمین نہ دباؤ۔ جھوٹ مت بولو۔ شرک مت کرو۔

حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اَھْلُ الْجَنَّۃِ بُلْہٌ۔ کہ جنت میں جانے والے سادے ہوتے ہیں۔ جو بہت پڑھے ہوئے ہیں اور عمل نہیں کرتے ان کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ان پر خُدا نے لعنت بھی کی تھی۔ غریب لوگ پانصد برس پیشتر بہشت میں داخل ہونگے۔ غریبی خوش قسمتی ہے۔ خُدا کو پہچانو کہ جس کی طرف تم نے جانا ہے اور شرک سے پرہیز کرو۔ اسباب پر بھروسہ کرنے سے بچو کہ یہ بھی ایک شرک ہے۔ جو آدمی چالاکی سے گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو آخر خدا کا قہر ایک دن اُسے ہلاک کرتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے معنے یہی ہیں کہ خدا کے سوا اَور کسی کی پُوجا نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں۔

اپنی عورتوں کو نصیحتیں کرو۔ رشوتیں نہ لو نہ دو۔ تکبّر۔ گھمنڈ۔ غرور ان سب باتوں سے بچو۔ خُدا کے غریب اور عاجز بندے بن جاؤ۔

صبر اور عفو

ایک نے سوال کیا کہ اگر کوئی دشمن نقصان دیوے تو پھر بدلہ لیویں کہ نہ؟ فرمایا کہ:۔

صبر کرو کہ یہ وقت صبر کا ہے۔ جو صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ اُسے بڑھاتا ہے۔ انتقام کی مثال شراب کی طرح ہے کہ جب تھوڑی تھوڑی پینے لگتا ہے تو بڑھتی جاتی ہے حتّٰی کہ پھر وہ اُسے چھوڑ نہیں سکتا اور حد سے بڑھتا ہے اس طرح انتقام لیتے لیتے انسان ظلم کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

ایسی مجلس سے اُٹھ جانا چاہیئے جہاں بُرا کہا جاتا ہو

سوال ہوا کہ اگر آپ کو کوئی بُرا کہے تو ہم کیسے صبر کر سکتے ہیں؟ فرمایا کہ:۔

جوش کے وقت اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیئے۔ دُکھ تو ہوتا ہے مگر انسان ثواب پاتا ہے۔ اگر کوئی ہمیں بُرا کہتا ہو تو وہاں سے اُٹھ گئے یا الگ ہو گئے۔ نہ سُنا کہ جس سے جوش آوے اور فساد ہووے۔

فساد سے بچنا چاہیئے

سوال ہوا کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے اور اس مسجد میں ہمارا حصہ ہے۔ فرمایا کہ :۔

سفید زمین پر ایک حد کر لی وہی مسجد ہو جاتی ہے مگر فساد اچھا نہیں۔ اگر تم دشمن سے بدلہ نہ لو اور اُسے خدا کے حوالہ کر دو تو وہ خود نپٹ لیوے گا۔ دیکھو ایک بچہ کے دشمن کا مقابلہ ماں باپ کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح جو خدا تعالیٰ کے دروازہ پر گرتا ہے تو خدا خود اس کی رعایت کرتا ہے اور اسے ضرر دینے والے کو تباہ کر دیتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۸۷ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۰۳ء)

یکم جولائی ۱۹۰۳ء

دربار شام

ایک فقہی مسئلہ

ایک لڑکی کے دو بھائی تھے اور ایک والدہ۔ ایک بھائی اور والدہ ایک لڑکے کے ساتھ اس لڑکی کے نکاح کے لیے راضی تھے۔ مگر ایک بھائی مخالف تھا۔ وہ اَور جگہ رشتہ پسند کرتا تھا اور لڑکی بھی بالغ تھی۔ اس کی نسبت مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اس کا نکاح کہاں کیا جاوے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے دریافت کیا کہ وہ لڑکی کس بھائی کی رائے سے اتفاق کرتی ہے؟ جواب دیا گیا کہ اپنے اس بھائی کے ساتھ جس کے ساتھ والدہ بھی متفق ہے۔ فرمایا کہ :۔

پھر وہاں ہی اس کا رشتہ ہو جہاں لڑکی اور اس کا بھائی دونوں متفق ہیں۔

آنحضرتؐ کا ابولہب کے لڑکوں سے رشتہ کرنا

پھر نکاحوں پر ذکر چل پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کے رشتے ابولہب[1] سے کر دیئے تھے حالانکہ وہ مشرک تھا مگر اس وقت تک نکاح کے متعلق وحی کا نزول نہ ہوا تھا چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر توحید غالب تھی اس لیے دخل نہ دیتے تھے اور قومیت کے لحاظ سے بعض امور کو سرانجام دیتے اس لیے ابولہب کو لڑکی دے دی تھی۔

رسُول کو علمِ غیب نہیں ہوتا

رسول عالم الغیب ہوتا ہے کہ نہیں؟ اس پر فرمایا کہ :۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ زینب کا

---

[1] ابولہب کے گھر مراد ہے۔ (مرتب)

نکاح زید سے نہ کرتے کیونکہ بعد کو جُدائی نہ ہوتی اور اسی طرح ابولہب سے بھی رشتہ نہ کرتے۔

مسیح موعود علیہ السلام کا مقام ماموریت

میں ایک مرد ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور اپنے خاص خزانہ سے مجھے تعلیم دیتا ہے اور اپنے ادب سے میری تادیب فرماتا ہے۔ وہ اپنی مجھ پر وحی بھیجتا ہے۔ میں اس کی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ ایسی صورت میں مجھے کونسی ایسی ضرورت ہے کہ میں اس کی راہ کو ترک کر کے دوسری متفرق راہیں اختیار کروں؟ جو کچھ آج تک میں نے کہا ہے اسی کے امر سے کہا ہے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ملایا۔ اور نہ اپنے خدا پر میں نے افتراء باندھا ہے منکر کا انجام ہلاکت ہے۔ پس اس کاروبار پر تعجب کرنے کا کونسا مقام ہے۔ اس قادر مطلق خدا کے کاروبار پر تعجب نہ کرو کیونکہ اس نے تو زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور کسی کو مجال نہیں کہ اس سے پوچھے کہ یہ کیا کیا؟

میرے پاس خدا تعالیٰ کی بہت سی شہادتیں ہیں۔ اس نے میرے لیے بہت سے نشان دکھلائے ہیں اور اس کی وحی کردہ غیبی خبروں میں جو اس نے مجھے دیں ایسے ایسے راز ہیں کہ انسان کی عقل کو اُن تک رسائی نہیں ہے پس اس لیے چاہیئے کہ طاعون کے بارے میں ہمارے ساتھ جھگڑا نہ کریں اور اس شخص کی طرح نہ ہوویں جس کے دل کو خدا نے غافل کر دیا اور اس نے اپنے اسباب کو اپنا خدا قرار دے لیا۔ کیا ان کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ ہر ایک سبب کا انتہا آخر کار ہمارے خدا تک ہی ہے اور تھوڑی دور تک چل کر اسباب کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور صرف امر خالص کا مرتبہ رہ جاتا ہے کہ جسے کسی طرح ہم سبب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہ جاتی ہے اور اسباب کا سلسلہ بالکل منقطع ہو جاتا ہے۔ اسباب کا سلسلہ تو صرف چند قدموں تک ساتھ دیتا ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ کی غیر مدرک اور غیر مرئی خالص قدرت ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا پوشیدہ خزانہ ہے کہ جس کی حد اور انتہا ہی نہیں ہے اور ایسا دریا ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے اور ایک ایسا دشت ہے کہ جو طے ہونے میں نہیں آتا۔ یہ کہنا کہ قدرت خالص اللہ تعالیٰ کی بے کار ہو جاتی ہے اور صرف اسباب رہ جاتے ہیں بڑی بے انصافی ہے۔ کیا تم کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ خدا نے آدمؑ اور عیسیٰؑ کو کیسے پیدا کیا تھا؟ اور موسیٰؑ کے لیے کس طرح دریا کو شگاف کیا کہ جس سے موسیٰ علیہ السلام تو دریا سے سلامت گذر گئے اور فرعون غرق ہو گیا؟ اب تم ہی جواب دو کہ وہ کونسی کشتی تھی جس پر بیٹھ کر موسیٰؑ دریا سے گذرے۔

خدا تعالیٰ نے اس قصہ کو قرآن کریم میں بے فائدہ نہیں ذکر کیا ہے بلکہ اس میں بڑے بڑے معارف اور حقائق ہیں تاکہ تم کو اس بات کا علم ہو کہ اس پاک ذات اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب میں مقیّد نہیں ہے اور تمہارے ایمان ترقی کریں۔ آنکھیں کھلیں اور شکوک و شبہات رفع ہوں اور تم کو یہ شناخت حاصل ہو کہ تمہارا خدا ایسا قادر

خدا ہے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی دروازہ مسدود نہیں ہے۔ اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جو شخص اس کی وسعتِ قدرت سے منکر ہو کر اسباب کے احاطہ میں اسے مقید کرتا ہے تو سمجھو کہ صدق کے مقام سے وہ گر پڑا۔ پس اگر کوئی شخص حکمِ خداوندی سے اسباب کو ترک کرتا ہے تو تم اُسے بُرا مت کہو اور خدا تعالیٰ کے قانون کو ایک تنگ و تاریک دائرہ میں محدود مت کرو۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۳ء)

نیز (البدر جلد ۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۹۳-۱۹۴ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۳ء)

---

۴ رجولائی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

تعویذ اور دَم

ایک شخص نے مسئلہ استفسار کیا کہ تعویذ کا بازو وغیرہ مقامات پر باندھنا اور دم وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جناب مولٰنا حکیم نورالدین صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:۔

احادیث میں کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نہیں؟

حکیم صاحب نے عرض کی کہ لکھا ہے کہ خالد بن ولید جب جنگوں میں جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک جو کہ آپ کی پگڑی میں بندھے ہوتے آگے کی طرف لٹکا لیتے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف[1] ایک دفعہ صبح کے وقت سارا سر منڈوایا تھا تو آپ نے نصف سر کے بال ایک خاص شخص کو دے دیئے اور نصف سر کے بال باقی اصحاب میں بانٹ دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جُبّہ مبارک کو دھو دھو کر مریضوں کو بھی پلاتے تھے[2] اور مریض اس سے شفایاب ہوتے تھے۔ ایک عورت نے ایک دفعہ آپ کا پسینہ بھی جمع کیا۔ یہ تمام اذکار سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

پھر اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ بہرحال اس میں کچھ بات ضرور ہے جو خالی از فائدہ نہیں ہے اور تعویذ وغیرہ کی

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ "صرف" نہیں بلکہ "جب" ہے جو طباعت کی غلطی سے "صرف" چھپ گیا ہے۔ چنانچہ الحکم میں "جب" ہی لکھا ہے۔ الحکم میں ہے:۔

"جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈوایا تو آدھے سر کے کٹے ہوئے بال ایک شخص کو دیدیئے اور آدھے دوسرے حصہ کے باقی اصحاب کو بانٹ دیئے۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ رجولائی ۱۹۰۳ء)

[2] الحکم میں ہے:۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات جُبّہ شریف دھو کر مریضوں کو بھی پلایا کرتے تھے۔" (حوالہ مذکور)

اصل بھی اس سے نکلتی ہے۔ بال لٹکائے تو کیا اور تعویذ باندھا تو کیا۔ میرے الہام میں جو ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں میں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ آخر کچھ تو ہے تبھی وہ برکت ڈھونڈیں گے مگر ان تمام باتوں میں تقاضائے محبت کا بھی دخل ہے۔

عظیم الشان انسانوں کے صغائر پر نظر کرنے کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ :۔

صدق و وفا میں جو عظیم الشان انسان ہوتے ہیں۔ ان کے صغائر کا ذکر کرنے سے سلب ایمان ہو جاتا ہے۔ خدا تو ان صغائر کو عفو کر دیتا ہے اور اُن کے کارناموں کی عظمت اس قدر ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں صغائر کا ذکر کرتے ہی شرم آتی ہے اسی لیے وہ رفتہ رفتہ ایسے معدوم ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کا نام و نشان ہی نہیں رہتا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۱ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۵ جولائی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

تبلیغ کا طریق

فرمایا کہ :۔

کتابوں کو شائع کرنا چاہیئے تاکہ تبلیغ ہو۔ دیکھا جاتا ہے کہ دہلی کے پرے بہت کم لوگوں کو ہمارے دعاوی کی خبر ہے۔ اس کا انتظام یوں ہونا چاہیئے کہ ایک لمبا سفر کیا جاوے اور اس میں یہ تمام کتب جو کہ بہت سا ذخیرہ پڑا ہوا ہے تقسیم کی جاویں تاکہ تبلیغ ہو۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں بہت سے سامان دیئے ہیں ان سے فائدہ نہ اُٹھانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار ہوتا ہے ہمارے لیے ریل بنائی گئی ہے جس سے مہینوں کا سفر دنوں میں ہوتا ہے۔

چندوں کی اہمیت

اور قوم کو چاہیئے کہ ہر طرح سے اس سلسلہ کی خدمت بجا لاوے۔ مالی طرح پر بھی خدمت کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں چاہیئے۔ دیکھو دنیا میں کوئی سلسلہ بغیر چندہ کے نہیں چلتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سب رسولوں کے وقت چندے جمع کئے گئے۔ پس ہماری جماعت کے لوگوں کو بھی اس امر کا خیال ضروری ہے۔ اگر یہ لوگ التزام سے ایک ایک پیسہ بھی سال بھر میں دیویں تو بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی ایک پیسہ بھی نہیں دیتا تو اُسے جماعت میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔[1]

---

[1] الحکم سے :۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس وقت اس سلسلہ کو بہت سی امداد کی ضرورت ہے۔ انسان اگر بازار جاتا ہے تو بچے کی کھیلنے والی چیزوں پر ہی کئی کئی پیسے خرچ کر دیتا ہے تو پھر یہاں اگر ایک ایک پیسہ دے دیوے تو کیا حرج ہے؟ خوراک کے لیے خرچ ہوتا ہے، لباس کے لیے خرچ ہوتا ہے۔ اور ضرورتوں پر خرچ ہوتا ہے تو کیا دین کے لیے ہی مال خرچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

۵ر جولائی ۱۹۰۳ء

دربار شام

احمدی کون ہے؟

(اپنے الفاظ میں)

حضور علیہ السلام معمول کے موافق شہ نشین پر جلوس فرما ہوئے اور ذیل کی تقریر فرمائی:۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت میں چندہ دینے والے بہت تھوڑے ہیں۔ آئے دن صدہا آدمی بیعت کر کے چلے جاتے ہیں لیکن دریافت کرنے پر بہت ہی کم تعداد ایسے اشخاص کی ہے جو متواتر ماہ بماہ چندہ دیتے ہیں۔ جو شخص اپنی حیثیت و توفیق کے موافق اس سلسلہ کی چند پیسوں سے امداد نہیں کرتا اس سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے اور اس سلسلہ کو اسکے وجود سے کیا فائدہ؟ ایک معمولی انسان بھی خواہ کتنی ہی شکستہ حالت کا کیوں نہ ہو جب بازار جاتا ہے تو اپنی قدر کے موافق اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ لاتا ہے تو پھر کیا یہ سلسلہ جو اپنی عظیم الشان اغراض کے لیے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لائق بھی نہیں کہ وہ اس کے لیے چند پیسے بھی قربان کر سکے؟ دنیا میں آجکل کونسا سلسلہ ہوا ہے یا ہے جو خواہ دُنیوی حیثیت سے ہے یا دینی بغیر مال چل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر ایک کام اس لیے کہ عالم اسباب ہے اسباب سے ہی چلایا ہے۔ پھر کسقدر بخیل و مُمسک وہ شخص ہے کہ جو ایسے عالی مقصد کی کامیابی کے لیے ادنیٰ چیز مثل چند پیسے خرچ نہیں کر سکتا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ الٰہی دین پر لوگ اپنی جانوں کو بھیڑ بکری کی طرح نثار کرتے تھے۔ مالوں کا تو کیا ذکر، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سے زیادہ دفعہ اپنا کُل گھر بار نثار کیا حتی کہ سوئی تک کو بھی اپنے گھر میں نہ رکھا اور ایسا ہی حضرت عمرؓ نے اپنی بساط و انشراح کے موافق اور عثمانؓ نے اپنی طاقت و حیثیت کے موافق، علیٰ ہذا القیاس علیٰ قدر مراتب تمام صحابہ اپنی جانوں اور مالوں سمیت اس دین الٰہی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ایک وہ ہیں کہ بیعت تو کر جاتے ہیں اور اقرار بھی کر جاتے ہیں کہ ہم دنیا پر دین کو مقدم کریں گے مگر مدد و امداد کے موقعہ پر اپنی جیبوں کو دبا کر پکڑ رکھتے ہیں۔ بھلا ایسی محبتِ دنیا سے کوئی دینی مقصد پا سکتا ہے؟ اور کیا ایسے لوگوں کا وجود کچھ بھی نفع رساں ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرنا گراں گذرتا ہے؟ دیکھا گیا ہے کہ ان چند دنوں میں صدہا آدمیوں نے بیعت کی ہے مگر افسوس ہے کہ کسی نے ان کو کہا بھی نہیں کہ یہاں چندوں کی ضرورت ہے۔ خدمت کرنی بہت مفید ہوتی ہے جس قدر کوئی خدمت کرتا ہے اسی قدر وہ راسخ الایمان ہو جاتا ہے اور جو کبھی خدمت نہیں کرتے۔ ہمیں تو اُن کے ایمان کا خطرہ ہی رہتا ہے۔

چاہیئے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک متنفس عہد کرے کہ میں اتنا چندہ دیا کروں گا۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے لیے عہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت دیتا ہے۔ اس دفعہ تبلیغ کے لیے جو بڑا بھاری سفر کیا جاوے تو اس میں ایک رجسٹر بھی ہمراہ رکھا جاوے۔ جہاں کوئی بیعت کرنا چاہے اس کا نام اور چندہ کا عہد درج رجسٹر کیا جاوے اور ہر ایک آدمی کو چاہیئے کہ وہ عہد کرے کہ مدرسہ میں اس قدر چندہ دیوے گا اور لنگر خانہ میں اس قدر۔

بہت لوگ ایسے ہیں کہ جن کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ چندہ بھی جمع ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سمجھانا چاہیئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۳) جب تک تم اپنی عزیز ترین اشیاء اللہ جل اللہ شانہٗ کے راہ میں خرچ نہ کرو۔ تب تک تم نیکی کو نہیں پا سکتے۔

اس وقت ہماری جماعت قریباً تین لاکھ ہے اگر ایک ایک پیسہ ہی اس سلسلہ کی امداد مثل لنگر و مدرسہ وغیرہ امداد دیں تو لاکھوں پیسے ہو سکتے ہیں۔ قطرہ قطرہ بہم شود دریا ایک ایک بوند پانی سے دریا بن جاتا ہے تو کیا ایک ایک پیسہ سے ہزارہا روپیہ نہیں بن سکتا اور کیا سلسلہ کی ضروریات پُوری نہیں ہو سکتیں؟

اگر ایک شخص چار روٹیاں کھاتا ہے۔ آدھی بھی اگر روٹی بچا لے تو بھی اس عہد سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

البتہ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ اکثر لوگوں کو اب تک کہا بھی نہیں جاتا کہ ہمارے سلسلہ کے لیے کسی چندہ کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگ رو رو کر بیعت کر کے جاتے ہیں۔ اگر ان کو کہا جاوے تو ضرور وہ چندہ دیویں۔ مگر ترغیب دینا ضروری ہے۔ پس میں تم میں سے ہر ایک کو جو حاضر یا غائب ہے تاکید کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو چندہ سے باخبر کرو۔ ہر ایک کمزور بھائی کو بھی چندہ میں شامل کرو۔ یہ موقعہ ہاتھ آنے کا نہیں۔ کیسا یہ زمانہ برکت کا ہے کہ کسی سے جانیں مانگی نہیں جاتیں اور یہ زمانہ جانوں کے دینے کا نہیں بلکہ فقط مالوں کے بقدر استطاعت خرچ کرنے کا ہے اس لیے ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا جو وہ لنگر اور مدرسہ اور دیگر ضروری مدوں میں دے سکتا ہے دے۔ وہ آدمی جو تھوڑا تھوڑا چندہ دے۔ مگر باقاعدہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ دے مگر گاہے گاہے دے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۳ء)

کہ اگر تم سچا تعلق رکھتے ہو تو خدا تعالیٰ سے پکا عہد کر لو کہ اس قدر چندہ ضرور دیا کروں گا اور ناواقف لوگوں کو یہ بھی سمجھایا جاوے کہ وہ پوری تابعداری کریں۔ اگر وہ اتنا عہد بھی نہیں کر سکتے تو پھر جماعت میں شامل ہونے کا کیا فائدہ؟ نہایت درجہ کا بخیل اگر ایک کوڑی بھی روزانہ اپنے مال میں سے چندے کے لیے الگ کرے تو وہ بھی بہت کچھ دے سکتا ہے ایک ایک قطرہ سے دریا بن جاتا ہے۔ اگر کوئی چار روٹی کھاتا ہے تو اسے چاہیئے کہ ایک روٹی کی مقدار اس میں سے اس سلسلہ کے لیے بھی الگ کر رکھے اور نفس کو عادت ڈالے کہ ایسے کاموں کے لیے اسی طرح سے نکالا کرے۔

چندے کی ابتدا اس سلسلہ سے ہی نہیں ہے بلکہ مالی ضرورتوں کے وقت نبیوں کے زمانہ میں بھی چندے جمع کئے گئے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ذرا چندے کا اشارہ ہوا تو تمام گھر کا مال لا کر سامنے رکھ دیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسب مقدور کچھ دینا چاہیئے اور آپ کی منشاء تھی کہ دیکھا جاوے کہ کون کس قدر لاتا ہے۔ ابوبکرؓ نے سارا مال لا کر سامنے رکھ دیا۔ اور حضرت عمرؓ نے نصف مال۔ آپ نے فرمایا کہ یہی فرق تمہارے مدارج میں ہے اور ایک آج کا زمانہ ہے کہ کوئی جانتا ہی نہیں کہ مدد دینی بھی ضروری ہے۔ حالانکہ اپنی گذران عمدہ رکھتے ہیں ان کے برخلاف ہندوؤں وغیرہ کو دیکھو کہ کئی کئی لاکھ چندہ جمع کر کے کارخانہ چلاتے ہیں اور بڑی بڑی مذہبی عمارات بناتے اور دیگر موقعوں پر صرف کرتے ہیں حالانکہ یہاں تو بہت ہلکے چندے ہیں۔ پس اگر کوئی معاہدہ نہیں کرتا تو اسے خارج کرنا چاہیئے وہ منافق ہے اور اس کا دل سیاہ ہے۔ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ ماہواری روپے ہی ضرور دو ہم تو یہ کہتے ہیں کہ معاہدہ کر کے دو جس میں کبھی فرق نہ آوے۔ صحابہ کرامؓ کو پہلے ہی سکھایا گیا تھا۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۳) اس میں چندہ دینے اور مال صرف کرنے کی تاکید اور اشارہ ہے۔

یہ معاہدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ ہوتا ہے اس کو نباہنا چاہیئے۔ اس کے برخلاف کرنے میں خیانت ہوا کرتی ہے۔ کوئی کسی ادنیٰ درجہ کے نواب کی خیانت کر کے اس کے سامنے نہیں ہو سکتا تو احکم الحاکمین کی خیانت کر کے کس طرح اسے اپنا چہرہ دکھلا سکتا ہے۔ ایک آدمی سے کچھ نہیں ہوتا۔ جمہوری امداد میں برکت ہوا کرتی ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں بھی آخر چندوں پر ہی چلتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیاوی سلطنتیں زور سے ٹیکس وغیرہ لگا کر وصول کرتے ہیں۔ اور یہاں ہم رضا اور ارادہ پر چھوڑتے ہیں۔ چندہ دینے سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور یہ محبت اور اخلاص کا کام ہے۔

پس ضرور ہے کہ ہزار در ہزار آدمی جو بیعت کرتے ہیں ان کو کہا جاوے کہ اپنے نفس پر کچھ مقرر کریں اور اس میں پھر غفلت نہ ہو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

۶؍جولائی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

طاعون کا عذاب

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

اس بات کو سوچنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قتل کے عذاب کا وعدہ دیا گیا تھا حالانکہ صحابہؓ بھی قتل ہوئے تھے لیکن وہی قتل کفار کے لیے عذاب کا حکم رکھتا تھا اور مسلمانوں کے لیے شہادت کا۔ عذاب کا معیار یہی ہے کہ انسان دیکھے کہ کونسا فریق زیادہ تباہ ہو رہا ہے آیا موافق یا مخالف۔ پس جو زیادہ تباہ ہوتا ہوا ان کیلئے عذاب ہے۔ اسی طریق سے آج کل مقابلہ کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے طاعون کو عذاب کے طور پر بھیجا ہے۔ اس میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آیا ہماری جماعت کے لوگ زیادہ مرتے ہیں یا مخالف؟ پھر خود ہی معلوم ہو جاوے گا کہ اس عذاب نے کن کو نیست و نابود کر دیا۔

اگر ہماری جماعت کے بھی بعض فوت ہو جاتے ہیں تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ صحابہؓ بھی جنگوں میں قتل ہوتے ہی تھے ہاں البتہ ایسے جن سے شماتت اعداء ہو سکے بچائے جاویں گے جب بدر اور اُحد کی لڑائیاں ہوتی تھیں تو کوئی سمجھتا تھا کہ امر فارق کیا ہے؟ کبھی ان کو فتح ہوتی کبھی صحابہؓ کو۔ تاہم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکو خدا تعالیٰ اعجازی طور پر مرنے سے بچا لیتا ہے۔ دیکھو ابو بکرؓ و عمرؓ کو لڑائیوں میں بچا لیا۔ اس کا نام اعجاز ہوتا ہے ورنہ موت تو ہر ایک کے لیے ہے۔

موعود کون ہے

فرمایا کہ:۔

موعود وہ ہے جس کا ذکر مِنْکُمْ میں ہے جیسے کہ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ..... (النور: ۵۶) ورنہ اس طرح خواہ صدہا مسیح آویں اور کسی اُمت کے ہوں وہ موعود نہ ہوویں گے کیونکہ وہ مِنْکُمْ سے باہر ہوں گے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ کا وعدہ مِنْکُمْ کا ہے پھر باہر سے آنے والا کیسے موعود ہو سکتا ہے؟ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۲ مورخہ ۱۷؍جولائی ۱۹۰۳ء)

۸؍جولائی ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

غیر مومن کی ماتم پُرسی

مرزا امام الدین جو اپنے آپ کو ہدایت کنندہ قوم لال بیگیاں مشہور کرتا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت ترین

دشمنوں سے تھا، ۶ر جولائی کو فوت ہوگیا۔ چنانچہ اس کے جنازہ پر رسمی طور پر ہمارے معزز و مکرم دوست سید محمد علی شاہ صاحب بھی چلے گئے اور جنازہ پڑھ لینے کے پیچھے آپ کو اپنے اس عمل پر تأسف ہوا اور آپ نے ذیل کا توبہ نامہ شائع کیا جو ہم ناظرین الحکم کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہیں کہ:۔

"مَیں بذریعہ توبہ نامہ ہذا اس امر کو شائع کرتا ہوں کہ مَیں نے سخت غلطی کی ہے اور وہ یہ کہ مَیں نے غلطی سے مرزا امام الدین کا جو ۶ر جولائی کو فوت ہوا ہے اور جس نے اپنی کتابوں میں ارتداد کیا ہے جنازہ پڑھا پس میں بذریعہ اشتہار ہذا یہ توبہ نامہ شائع کرتا ہوں اور ظاہر کرتا ہوں کہ مَیں امام الدین اور ان لوگوں سے بیزار ہوں جو اس کے جنازہ میں شامل ہوئے اور بالآخر مَیں دُعائے جنازہ واپس لیتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں۔

خاکسار محمد علی شاہ .....

اس پر (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) فرمایا کہ:۔

کوئی شخص کسی بات پر ناز نہ کرے۔ فطرت انسان سے الگ نہیں ہوا کرتی۔ جس فطرت پر انسان اوّل قدم مارتا ہے پھر وہ اس سے الگ نہیں ہوتا یہ بڑے خوف کا مقام ہے۔ حُسنِ خاتمہ کے لیے ہر ایک کو دعا کرنی چاہیئے۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ ہر شئے پر اپنے دین کو مقدم رکھو زمانہ ایسا آگیا ہے کہ پہلے تو خیالی طور پر اندازہ عمر کا لگایا جاتا تھا مگر اب تو یہ بھی مشکل ہے۔ دانشمند کو چاہیئے کہ ضرور موت کا انتظام کرے۔ مَیں اتنی دیر سے اپنی برادری سے الگ ہوں۔ میرا کسی نے کیا بگاڑ دیا۔ خدا تعالیٰ کے مقابل پر کسی کو معبود نہیں بنانا چاہیئے[1]

ایک غیر مومن کی بیمار پُرسی اور ماتم پُرسی تو حُسنِ اخلاق کا نتیجہ ہے لیکن اس کے واسطے کسی شعائرِ اسلام کو بجالانا گناہ ہے۔ مومن کا حق کافر[2] کو دینا نہیں چاہیئے اور نہ منافقانہ ڈھنگ اختیار کرنا چاہیئے۔

خدا تعالیٰ کی ذات گو مخفی ہے مگر اس کے انوار ظاہر ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مخفی نہیں۔

---

[1] البدر کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ایک دانشمند کے لیے ضرور ہے کہ موت کا انتظام کرے۔ خدا تو موجود ہے۔ اس کے لیے بھی کچھ فکر چاہیئے۔ ہم اس قدر عرصہ سے اپنی برادری سے الگ ہیں ہمارا کسی نے کیا بگاڑ لیا جو اور کسی کا برادری بگاڑ لے گی۔ مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۴) خدا کے مقابلہ پر کسی کو معبود نہ بنانا چاہیئے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۲)

[2] البدر میں ہے:۔ "مومن کا حق غیر مومن کو نہ دینا چاہیئے۔" (" " " " " ۲۰۳)

سب نبیوں سے زیادہ کامیاب نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے

کامیابی اور خوشی کی موت تمام نبیوں سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ موسیٰؑ بھی کامیاب ہوئے لیکن موت نے اُن کو بھی سفر میں آگھیرا۔ دل میں تمنا ہوگی کہ اس سرزمین میں پہنچوں مگر وہ پوری نہ ہوئی۔ مسیح کی موت پر خیال کیا جاوے تو اس میں غائت درجہ کی ناکامی ہے۔ کل بارہ حواری تھے کسی کو بہشت کی کنجیاں ملنے کا وعدہ تھا وہ نہ ملیں۔ ایک نے تیس روپے نقد لے کر گرفتار کروا دیا۔ دُوسرے نے لعنت[1] بھیجی۔ اگر یہ مان بھی لیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر ہی چڑھ گئے تو بھی روتے ہی گئے ہوں گے خوشی اور کامیابی کی موت تو نصیب نہ ہوئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں آنا اور پھر وہاں سے رخصت ہونا قطعی دلیل آپ کی نبوت پر ہے۔ آئے آپ اُس وقت جبکہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) کا مصداق تھا اور ضرورت ایک نبی کی تھی۔ ضرورت پر آنا بھی ایک دلیل ہے اور آپ اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (النصر: ۲) کا آوازہ دیا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آپ کسقدر عظیم الشان کامیابی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ فوج در فوج لوگ داخل ہو رہے ہیں۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (النصر: ۴) یعنی وہ رب جس نے اس قدر کامیابی دکھلائی اس کی تسبیح و تحمید کر اور اَور انبیاء پر جو انعامات پوشیدہ رہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دیئے گئے اور رحمت کے تمام امور اَجلیٰ کر دیئے اور کوئی بھی مخفی نہ رکھا۔ اس حمد کا ثبوت اس آخری وقت پر آکر دیا۔ احمد[2] کے معنے بھی (ہیں) حمد کرنے والا۔

دنیا میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں آیا جو اتنی بڑی کامیابی اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ لذت و سرور کی موت اگر ہوئی ہے تو فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہوئی ہے اور دوسرے کسی نبی کو بھی میسر نہیں ہوئی۔ یہ خدا کا فضل

---

[1] البدر میں ہے:۔ "ایک نے اُستاد پر لعنت کی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "بفرض محال اگر مان لیا جاوے۔" (" " " " " ")

[3] البدر میں ہے:۔

"اسی حمد کا ثبوت اب اس آخری وقت میں آگر دیا ہے کہ ایک احمد آیا۔ احمد کے معنے ہیں حمد کرنے والا۔ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو ثابت کرے کہ اس قدر کامیابی کسی اَور کو ہوئی ہو۔ خوشی، مراد مندی اور لذت کی موت اگر حاصل ہوئی ہے تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی ہے اَور کسی نبی کو ہرگز نہیں ہوئی یہ خدا کا فضل ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ نفس ایسا پاک تھا کہ خدا کا اس قدر فضل ہوا اور آپ کی عصمت کا یہ ایک بڑا ثبوت ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۳ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

ہے اس لیے آپ کی عصمت کا یہ ایک بڑا ثبوت ملتا ہے۔ جیسے طبیب اُسے کہتے ہیں جو علاج کر کے مریض کو اچھا کر کے دکھلا دیوے ویسے ہی لاالٰہ الا اللہ سے ہر ایک رُوحانی مرض کا علاج کر کے آپ نے دکھلایا۔ اور اسی لیے دوسری تمام نبوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (المائدۃ: ۴) آج کافر نا اُمید ہو گئے گویا آپ کو کامیابی کے اس اعلیٰ نقطہ تک پہنچا دیا کہ کافر نامراد ہو گئے۔ کیا انجیل میں اس کے مقابل کوئی آیت ہے ہرگز نہیں۔ مسیح علیہ السلام کو تو فقط ایک یہودیوں کی اصلاح سپرد تھی اور یہ کوئی مشکل کام نہ تھا مگر ضعف[1] کی بات ہے کہ کوئی بات بھی پوری نہ ہوئی۔ اوّل اس کو بادشاہت کا وعدہ دیا تو پھر کہہ دیا کہ وہ آسمانی بادشاہت ہے۔ ایلیا کی بات پیش کی تو وہ ایسی کہ خود یحییٰ نے ایلیا ہونے سے انکار کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح علیہ السلام کا مقابلہ

پھر دیکھئے کہ مسیح کی گرفتاری کے لیے آدمی آ گئے۔ دو گھنٹہ کے اندر ہی اندر آپ کو گرفتار کر لیا اور گرفتار کرنے والوں کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لیے کسریٰ کے سپاہی آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور پھر دوسرے دن صبح کو آپ اُن کو جواب دیتے ہیں کہ آج تمہارا خداوند مارا گیا اور میرے خدا نے اس کے لیے[2] شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا۔

اب دونوں نبیوں کا مقابلہ کر لو۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے کسریٰ ہلاک ہو گیا۔ اس طرح لازم تھا کہ مسیح کی گرفتاری کے وقت کم از کم موٹے موٹے چھ سات آدمی مارے جاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے خدا کا ارادہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رُعب جمایا جاوے گا۔

ایک آدمی کے دو خدمت گار ہوں کہ ایک تو رات دن خدمت کرتا ہے اور تنخواہ بھی لیتا ہے مگر گالی گلوچ بھی کھاتا ہے اور اَور مکروہات بھی دیکھتا ہے۔ ایک اَور ہے کہ بظاہر کام تو نہیں کرتا لیکن قرب اس کا بہت ہے۔ ہر وقت آقا رحمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اِس سے اُس کے اور آقا کے اندرونی تعلقات کا پتہ لگتا ہے کہ کس قدر بڑھے ہوئے ہیں یہی حال مسیح کا ہے کہ ان کی زندگی کیسی تلخی سے گذری ہے۔ گالی وغیرہ آپ

---

[1] البدر میں یہ فقرہ یوں لکھا ہے:۔ "مگر قسمت کی بات ہے کہ مسیح کی کوئی بات بھی پوری نہ ہوئی"۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "تمہارا خداوند آج رات کو مارا گیا اور میرے خدا نے اسی کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا"۔
(حوالہ مذکور)

کھاتے رہے اور نصرت و فتح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال ہونا صداقت کی بڑی بھاری دلیل ہے۔[1]
مسیح کی قوم یہود تو آپ کے بھائی ہی تھے۔ مسیح بھی تورات کو مانتے تھے مگر پھر بھی ذرا سی بات پر اسقدر مخالفت ہوئی کہ انہوں نے سولی پر چڑھایا اور ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جان دشمن اور پھر کامیابی پر کامیابی ملی حتیٰ کہ آپ کے خلفاء کو بھی کامیابی ہوئی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۹ جولائی ۱۹۰۳ء

دربار شام

قبر مسیح علیہ السلام

بعض عیسائی اخباروں نے مسیح کی قبر واقعہ کشمیر کے متعلق ظاہر کیا ہے کہ یہ قبر مسیح کی نہیں بلکہ ان کے کسی حواری کی ہے۔ اس تذکرہ پر آپ نے فرمایا کہ:۔

اب تو ان لوگوں نے خود اقرار کر لیا ہے کہ اس قبر کے ساتھ مسیح کا تعلق ضرور ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ انکے کسی حواری کی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ مسیح کی ہے۔ اب اس قبر کے متعلق یہ تاریخی صحیح شہادت ہے کہ وہ شخص جو اس میں مدفون ہے وہ شہزادہ نبی تھا اور قریباً انیس سو برس سے مدفون ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ یہ شخص مسیح کا حواری تھا اب ان پر ہی سوال ہوتا ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ ثابت کریں کہ مسیح کا کوئی حواری شہزادہ نبی کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اور وہ اس طرف آیا تھا اور یہ یقیناً ثابت نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں بجز اس بات کے ماننے کے کہ یہ مسیح علیہ السلام کی ہی قبر ہے اور کوئی چارہ نہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ جولائی ۱۹۰۳ء

مجلس قبل از عشاء

نشانات کی ضرورت

نشانات کی ضرورت پر فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے ورنہ دیکھا جاتا ہے کہ اس وقت

---

[1] البدر میں ہے: یہی حال مسیح کا ہے کہ ان کی زندگی کیسی تلخی سے گذری ہے۔ گالی وغیرہ آپ کھاتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال کس طرح تائیدات الٰہیہ رہیں۔ دنیا ہو یا آخرت، خدا تعالیٰ کے فضل کا شامل حال ہونا صداقت کی بڑی دلیل ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۰)

کیا ہو رہا ہے۔ نماز روزہ وغیرہ سب لحاظ داری ہے حقیقی نیکی کو لوگ جانتے نہیں کہ کیا شئے ہے۔ خدا کے خوف سے کسی شئے کو ترک کرنا یا لینا بالکل جاتا رہا ہے۔ غرضیکہ اس وقت بڑی بحث آپڑی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ مدد نہ کرے اور نشانات نہ دکھلائے تو پھر دہریہ کو فتح حاصل ہوتی ہے اور اس وقت صرف اس کی ہستی کا ثبوت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کی غیرت کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے۔ بعض لوگ تو گاڈ کہہ رہے ہیں بعض اس کے لیے ایک بیٹا تجویز کر رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی ایسی ضرورت آپڑی تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے وقت کہا کہ اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دیگا تو پھر تیری پرستش کرنے والا دنیا میں کوئی نہ رہے گا۔ یہی حال اس وقت ہے۔ پس اگر مہدی اور مسیح کا یہ زمانہ نہیں تو اور کس وقت کا انتظار ہے۔ آنے والے نے تو صدی کے سر پر آنا تھا۔ اب بیس سال سے بھی زیادہ گذر گئے۔ زمانہ کی موجودہ حالت سے پتہ لگتا ہے کہ اب آخری فیصلہ خدا تعالیٰ کا ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۱۱ جولائی ۱۹۰۳ء

دربار شام

تمباکو

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

تمباکو کے مضرات پر ایک مختصر مضمون پڑھا گیا[1]۔ جس میں کل امراض کو تمباکو کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا اور تمباکو کی مذمت میں بہت مبالغہ کیا گیا تھا۔ اس کو سنکر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوق کے کلام میں کس قدر فرق ہوتا ہے[2]۔ شراب کے مضار اگر بیان کئے ہیں تو اس کا نفع بھی بتا دیا ہے۔ اور پھر اس کو روکنے کے لیے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کا ضرر نفع سے بڑھ کر ہے۔ دراصل کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی نفع نہ ہو مگر مخلوق کے کلام کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اب دیکھ لو۔ اس

---

[1] البدر میں ہے:۔
"تمباکو کے مضرات کے متعلق ایک انگریزی ٹریکٹ مجلس میں پڑھا جا رہا تھا۔"
(البدر جلد ۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۲۰۹ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ اگر کسی شئے کے نقصانات بیان کرتا ہے تو ساتھ ہی منافع بھی بیان کرتا ہے۔"
(حوالہ مذکور)

نے اُس کے مضرات ہی مضرات بتائے ہیں کسی ایک نفع کا بھی ذکر نہیں کیا[1]

تمباکو کے بارے میں اگرچہ شریعت نے کچھ نہیں بتایا لیکن ہم اس کو مکروہ جانتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوتا تو آپ نہ اپنے لیے اور نہ اپنے صحابہ کے لیے کبھی اس کو تجویز کرتے بلکہ منع کرتے۔

غریب کو بدقسمت نہیں سمجھنا چاہیئے

فرمایا کہ:۔

غرباء نے دین کا بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جن سے اُمراء محروم رہ جاتے ہیں وہ پہلے تو فسق و فجور اور ظلم میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسکے مقابلہ میں صلاحیت تقویٰ اور نیازمندی غرباء کے حصہ میں ہوتی ہے۔ پس غرباء کے گروہ کو بدقسمت خیال نہیں کرنا چاہیئے بلکہ سعادت اور خدا تعالےٰ کے فضل کا بہت بڑا حصہ اس کو ملتا ہے[2]

یاد رکھو حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک حق اللہ دوسرے حق العباد۔

حق اللہ میں بھی امراء کو دقت پیش آتی ہے[3] اور تکبر اور خود پسندی ان کو محروم کر دیتی ہے مثلاً نماز کے وقت ایک غریب کے پاس کھڑا ہونا بُرا[4] معلوم ہوتا ہے۔ اُن کو اپنے پاس بٹھا نہیں سکتے اور اس طرح پر وہ حق اللہ سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ مساجد تو دراصل بیت المساکین ہوتی ہیں۔ اور وہ ان میں جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اسی طرح وہ حق العباد میں خاص خاص خدمتوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ غریب آدمی تو ہر ایک قسم کی خدمت کے لیے تیار رہتا ہے۔ وہ پاؤں دبا سکتا ہے۔ پانی لا سکتا ہے۔ کپڑے دھو سکتا ہے یہاں تک کہ اُس کو اگر نجاست پھینکنے کا موقعہ ملے تو اس میں بھی اُسے دریغ نہیں ہوتا لیکن امراء ایسے کاموں میں ننگ و عار سمجھتے ہیں اور اس طرح پر اس سے بھی محروم رہتے ہیں۔ غرض امارت بھی بہت سی نیکیوں کے حاصل کرنے سے روک دیتی ہے یہی وجہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ مساکین پانچ سو برس اوّل جنت میں جائینگے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں ہے:۔ "لیکن مخلوق کی کلام کو دیکھو کہ نقصانات کے بیان کرنے میں کس قدر مبالغہ کیا ہے اور تمباکو کے نفع کا نام تک بھی نہیں لیا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۲۰۹ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "خدا تعالیٰ کے ان پر بڑے فضل اور اکرام ہیں۔" (حوالہ مذکور)

[3] البدر میں ہے:۔ حق اللہ میں بھی امراء لوگ ہتک اختیار کرتے ہیں۔" (حوالہ مذکور)

[4] البدر میں ہے۔ "عار معلوم ہوتا ہے۔" (حوالہ مذکور)

۱۲ر جولائی ۱۹۰۳ء

بعد نمازِ عصر

خواتین کو نصائح

جو کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے ۱۲ر جولائی ۱۹۰۳ء کو اندرون خانہ بوقت بین العصر والمغرب فرمایا تھا اور دروازہ سے باہر دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر قلمبند کیا گیا۔ چونکہ اکثر بچگان بھی عورتوں کے ہمراہ تھے جو اکثر شور کر کے سلسلہ تسامع کا توڑ دیتے تھے اس لیے جہاں تک بشریت کی استعداد نے موقعہ دیا۔ اس کو بلفظہٖ نوٹ کیا گیا ہے۔

(ایڈیٹر)

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا مگر تاہم آپ کی بیویاں سب کام کر لیا کرتی تھیں جھاڑو بھی دے لیا کرتی تھیں اور ساتھ اس کے عبادت بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک بیوی نے اپنی حفاظت کے واسطے ایک رسّہ لٹکا رکھا تھا کہ عبادت میں اُونگھ نہ آئے۔ عورتوں کے لیے ایک ٹکڑا عبادت کا خاوندوں کا حق ادا کرنا ہے اور ایک ٹکڑا عبادت کا خدا کا شکر بجالانا ہے۔ خدا کا شکر کرنا اور خدا کی تعریف کرنی یہ بھی عبادت ہے دوسرا ٹکڑا عبادت کا نماز کو ادا کرنا ہے۔

کوئی شخص نواب تھا۔ صبح کو نماز کے لیے نہیں اُٹھتا تھا۔ ایک موذی نے اسے وعظ سُنایا اس پر نواب نے اپنے خادم کو کہا کہ مجھ کو صبح کو اُٹھا دینا۔ خادم نے دو تین مرتبہ اس کو جگایا۔ جب ایک مرتبہ جگایا تو اس نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ جب دوبارہ اس طرف ہو کر جگایا پھر اَور طرف ہو گیا۔ جب تیسری مرتبہ جگایا تو اُس نے اُٹھ کر اُس کو خوب مارا اور کہا کم بخت جب ایک مرتبہ نہیں اُٹھا تو تجھے معلوم نہ ہوا کہ ابھی نہ اُٹھوں گا۔ پھر کیوں جگایا؟ اور اتنا مارا کہ وہ بیچارہ بیہوش ہو گیا۔ آپ ہی نے تو بولی سے وعظ سُنکر اس کو کہا تھا کہ مجھ کو اُٹھا دینا۔ پھر جب اس نے جگایا تو اس بیچارے کی شامت آئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس بہت سا حصہ جاگیر کا ہوتا ہے وہ ایسے غافل ہو جاتے ہیں کہ حق اللہ کا اُن کو خیال نہیں آتا۔ امراء میں بہت سا حصہ تکبّر کا ہوتا ہے جس کی وجہ سے عبادت نہیں کر سکتے اور نہ دوسرا حصہ خلقت کی خدمت کا اُن سے ادا ہوتا ہے۔ خلقت کی خدمت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی سلام کرتا ہے تو بھی بُرا مانتے ہیں۔ ایسا ہی عورتوں کا حال ہے کوئی چھوٹی عورت آوے تو چاہیئے کہ بڑی کو سلام کرے۔ یہ دو ٹکڑے شریعت کے ہیں حق اللہ اور حق العباد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو کہ کس قدر خدمات میں عمر کو گذارا۔ اور حضرت علیؓ کی حالت کو دیکھو کہ اتنے پیوند لگائے کہ جگہ نہ رہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک بُڑھیا کو ہمیشہ حلوہ کھلانا وطیرہ کر رکھا تھا۔ غور کرو کہ یہ کس قدر التزام تھا۔

جب آپ فوت ہوگئے تو اس بڑھیا نے کہا کہ آج ابوبکرؓ فوت ہوگیا۔ اس کے پڑوسیوں نے کہا کہ کیا تجھ کو الہام ہوا یا وحی ہوئی؟ تو اس نے کہا نہیں آج حلوا لے کر نہیں آیا اس واسطے معلوم ہوا کہ فوت ہوگیا یعنی زندگی میں ممکن نہ تھا کہ کسی حالت میں بھی حلوا نہ پہنچے۔ دیکھو کس قدر خدمت تھی۔ ایسا ہی سب کو چاہیئے کہ خدمتِ خلق کرے۔

ایک بادشاہ اپنا گذارہ قرآن شریف لکھ کر کیا کرتا تھا۔

اگر کسی کو کسی سے کراہت ہووے اگرچہ کپڑے سے ہو یا کسی اور چیز سے ہو تو چاہیئے کہ وہ اس سے الگ ہو جاوے مگر روبرو ذکر نہ کرے کہ یہ دشکنی ہے اور دل کا شکستہ کرنا گناہ ہے اگر کھانا کھانے کو کسی کے ساتھ جی نہیں کرتا تو کسی اور بہانہ سے الگ ہو جاوے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (النور: ۶۲) مگر اظہار نہ کرے۔ یہ اچھا نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا ہے تو مسکینوں کے دل کے پاس تلاش کرو۔ اسی لیے پیغمبروں نے مسکینی کا جامہ ہی پہن لیا تھا۔ اسی طرح چاہیئے کہ بڑی قوم کے لوگ چھوٹی قوم کو ہنسی نہ کریں اور نہ کوئی یہ کہے کہ میرا خاندان بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے پاس جو آوگے تو یہ سوال نہ کروں گا کہ تمہاری قوم کیا ہے۔ بلکہ سوال یہ ہوگا کہ تمہارا عمل کیا ہے۔ اسی طرح پیغمبر خدا نے فرمایا ہے اپنی بیٹی سے کہ اے فاطمہؓ خدا تعالیٰ ذات کو نہیں پوچھے گا۔ اگر تم کوئی بُرا کام کروگی تو خدا تعالیٰ تم سے اس واسطے درگذر نہ کرے گا کہ تم رسول کی بیٹی ہو۔ پس چاہیئے کہ تم ہر وقت اپنا کام دیکھ کر کیا کرو۔ اگر کوئی چوڑھا اچھا کام کرے گا تو وہ بخشا جاوے گا اور اگر سید ہو کر کوئی بُرا کام کریگا تو وہ دوزخ میں ڈالا جاوے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے واسطے دعا کی وہ منظور نہ ہوئی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کو کہیں گے کہ اے اللہ تعالیٰ میں اپنے باپ کو اس حالت میں دیکھ نہیں سکتا۔ مگر اس کو پھر بھی رسہ ڈال کر دوزخ کی طرف گھسیٹ کر ذلت کے ساتھ لے جاویں گے (یہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ پیغمبر کی سفارش بھی کارگر نہ ہوگی) کیونکہ اس نے تکبر کیا تھا۔ پیغمبروں نے غریبی کو اختیار کیا۔ جو شخص غریبی کو اختیار کریگا وہ سب سے اچھا رہے گا۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبی کو اختیار کیا۔ کوئی شخص عیسائی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ حضرت نے اس کی بہت سی تواضع وخاطرداری کی۔ وہ بہت بھوکا تھا۔ حضرت نے اس کو خوب کھلایا کہ اس کا پیٹ بہت بھر گیا۔ رات کو اپنی رضائی عنایت فرمائی۔ جب وہ سو گیا تو اس کو بہت زور سے دست آیا کہ وہ روک نہ سکا اور رضائی میں ہی کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اُس نے سوچا کہ میری حالت کو دیکھ کر کراہت کریں گے شرم کے مارے وہ نکل کر چلا گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سے عرض کی کہ جو نصرانی عیسائی تھا وہ رضائی کو خراب کر گیا ہے۔ اس میں دست کیا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ مجھے دو تاکہ میں صاف کروں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ ہم جو حاضر ہیں ہم صاف کر دیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ میرا مہمان تھا اس لیے میرا ہی کام ہے اور اُٹھ کر پانی منگوا کر خود ہی

صاف کرنے لگے۔ وہ عیسائی جبکہ ایک کوس نکل گیا تو اس کو یاد آیا کہ اس کے پاس جو سونے کی صلیب تھی وہ چارپائی پر بھول آیا ہوں۔ اس لیے وہ واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت اس کے پاخانہ کو رضائی پر سے خود صاف کر رہے ہیں۔ اس کو ندامت آئی اور کہا کہ اگر میرے پاس یہ ہوتی تو میں کبھی اس کو نہ دھوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص کہ جس میں اتنی بے نفسی ہے وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لڑکوں کی طرف راستہ میں دیکھا کرتے تھے تو اتنی شفقت کیا کرتے تھے کہ وہ لڑکے سمجھا کرتے کہ یہ ہمارا باپ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جو عورتیں کسی اور قسم کی ہوں ان کو دوسری عورتیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اور نہ مرد ایسا کریں کیونکہ یہ دل دُکھانے والی بات ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ کرے گا۔ یہ بہت بُری خصلت ہے۔ یہ ٹھٹھا کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت بُرا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی ایسی بات ہو جس سے دل نہ دُکھے وہ بات جائز رکھی ہے۔ جہاں تک ہو سکے ان باتوں سے پرہیز کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عمل والے کو میں کس طرح جزا دوں گا۔ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی۔ وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ (النّازعات: ۳۸ تا ۴۰) جو شخص میرے حکموں کو نہیں مانے گا۔ میں اس کو بہت بُری طرح سے جہنم میں ڈالوں گا اور ایسا ہو گا کہ آخر جہنم تمہاری جگہ ہو گی۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی۔ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (النّازعات: ۴۱، ۴۲) اور جو شخص میری عدالت کے تخت کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے گا اور خیال رکھے گا تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا ٹھکانا جنت میں کروں گا۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی۔ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰٓی اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی (عَبَسَ ۲ تا ۵) اس سورۃ کے نازل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت کے پاس چند قریش کے بڑے بڑے آدمی بیٹھے تھے۔ آپ ان کو نصیحت کر رہے تھے کہ ایک اندھا آ گیا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو دین کے مسائل بتلا دو۔ حضرت نے فرمایا کہ صبر کرو۔ اس پر خدا تعالیٰ نے بہت غصہ کیا۔ آخر آپ اس کے گھر گئے اور اسے بُلا کر لائے اور چادر بچھا دی اور کہا کہ تو بیٹھ۔ اس اندھے نے کہا کہ میں آپ کی چادر پر کیسے بیٹھوں؟ آپ نے وہ چادر کیوں بچھائی تھی؟ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کو راضی کریں۔ تکبّر اور شرارت بُری بات ہے۔ ایک ذرا سی بات سے ستّر برس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک شخص عابد تھا وہ پہاڑ پر رہا کرتا تھا اور مدّت سے وہاں بارش نہ ہوئی تھی۔ ایک روز بارش ہوئی تو پتھروں پر اور روڑیوں پر بھی ہوئی تو اُس کے دل میں اعتراض پیدا ہوا کہ ضرورت تو بارش کی کھیتوں اور باغات کے واسطے ہے یہ کیا بات ہے کہ پتھروں پر ہوئی۔ یہی بارش کھیتوں پر ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اس کا سارا ولی پُنا چھین لیا۔ آخر وہ بہت سا غمگین ہوا۔ اور کسی اور بزرگ سے استمداد کی تو آخر اس کو پیغام آیا کہ

تُو نے اعتراض کیوں کیا تھا۔ تیری اس خطا پر عتاب ہوا ہے۔ اس نے کسی سے کہا کہ ایسا کر کہ میری ٹانگ میں رسّہ ڈال کر پتھروں پر گھسیٹتا پھر۔ اس نے کہا کہ ایسا کیوں کروں؟ اس عابد نے کہا کہ جس طرح مَیں کہتا ہوں۔ اسی طرح کرو۔ آخر اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس کی دونوں ٹانگیں پتھروں پر گھسٹنے سے چھل گئیں۔ تب خدا نے فرمایا کہ بس کر اب معاف کر دیا۔ اب دیکھو کہ لوگ کتنے اعتراض کرتے ہیں۔ ذرا زیادہ بارش ہو جاوے تو کہتے ہیں کہ ہم کو ڈبونے لگ گیا ہے اور ذرا توقف بارش میں ہو تو کہتے ہیں کہ اب ہم کو مارنے لگا ہے۔ یہ اعتراض کیسے بُرے ہوتے ہیں۔ دیکھو تقویٰ کیسے گم ہو گیا ہے اگر ایک دو آنے رستے میں مِل جاویں تو جلدی سے اُٹھا لیتا ہے اور پھر اس کو کسی سے نہیں کہتا۔ حالانکہ تقوے کا کام یہ تھا کہ اس کو سب کو سُناتا اور جس کے ہوتے اسکے حوالہ کرتا۔ پھر کہتے ہیں کہ بارش نہیں ہوتی بارش کیسے ہو؟ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔ اگر زیادہ بارش ہو تو دہائی دیتے ہیں۔ اگر دھوپ زیادہ ہو تو بھی دہائی دیتے ہیں۔ ان سب حالتوں میں انسان تقویٰ سے خالی ہوتا ہے۔ پس چاہیئے کہ صبر کرے اگر صبر نہ کرے تو پھر کافر ہو کر تو روٹی کھانی حرام ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ کبھی خدا تعالےٰ پر اعتراض نہ کرے۔

دیکھو ہمارے پیغمبرِ خدا کے ہاں ۱۲ لڑکیاں ہوئیں۔ آپ نے کبھی نہیں کہا کہ لڑکا کیوں نہ ہوا اور جب کوئی غم ہوتا تو اِنَّا لِلّٰہِ ہی کہتے رہے۔ اب اگر کسی کا لڑکا مر جاوے تو برس برس تک روتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کشائش دیوے تو تعریف کرتے ہیں مگر ذرا سختی آ جاوے تو فوراً پھر جاتے ہیں۔ ایک شخص کی یہاں بیوی فوت ہو گئی وہ فوراً دہریہ ہو گیا۔ انسان کو چاہیئے کہ علاقہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا رکھے کہ کبھی سختی آوے تو توڑنا نہ پڑے گویا کبھی نہیں آئی۔ حضرت ایوبؑ کتنے صابر تھے کہ خدا تعالیٰ نے شیطان سے کہا کہ دیکھ میرا بندہ کتنا صابر ہے۔ اس نے کہا کہ کیوں نہ ہو بکریاں بہت ہیں آرام سے کھاتا پیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے تجھ کو اس کی بکریوں پر مسلط کیا۔ اس نے سب کو فنا کر دیا اور حضرت ایوبؑ کے خادم نے خبر پہنچائی کہ تمہاری بکریاں سب مر گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ تُو یُوں کیوں کہتا ہے کہ میری بکریاں مر گئیں وہ تو خدا تعالیٰ کی تھیں اس نے اپنی امانت واپس لے لی۔ پھر شیطان سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھ میرا بندہ ایوبؑ کیسا صابر ہے۔ اُس نے کہا کہ ہاں اس کو یہ خیال ہے کہ اُونٹ بہت سے ہیں بکریاں فنا ہو گئیں تو کیا ہو گیا ان سے سب طرح کے کام چل سکتے ہیں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے تجھ کو اُونٹوں پر بھی مسلط کیا۔ پھر سب اونٹ فنا ہو گئے اور اسی طرح خادم نے خبر دی تو حضرت ایوبؑ نے وہی کہا کہ میرے نہیں تھے یہ تو خدا تعالیٰ نے دیئے تھے اُس نے واپس لے لیے۔ پھر کیا افسوس ہے۔ پھر شیطان سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھا میرا بندہ کیسا صابر ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے دل میں تقویت ہے کہ گائیاں بہتیری ہیں ان سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ آخر ان پر بھی اسی طرح شیطان کو مسلط کیا گیا۔ وہ بھی فنا

ہوگئیں اور حضرت ایوبؑ نے صبر کیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا تو شیطان نے جواب دیا کہ اس کے پاس فرزند بہتیرے ہیں دل میں جانتا ہے کہ کیا ہوا یہ جیتے ہیں تو بہت سا مال اکٹھا ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس کے فرزندوں کو بھی وفات دے دی۔ پھر شیطان نے کہا کہ خدایا اس کی تندرستی بہت ہے اس کو اس کی بدولت سب کچھ مل سکتا ہے۔ آخر یہ ہوا کہ نہایت بیمار ہوگئے اور تندرستی بھی جاتی رہی مگر صبر کیا اور پھر خدا تعالیٰ نے شیطان سے کہا کہ میرا بندہ کیسا صابر ہے۔ شیطان چُپ سا ہوگیا۔ مگر ان کی بیوی جو ہمیشہ کھانا پکایا کرتی تھی شیطان اس کو راستے میں ملا اور ایک بڈھی کی شکل میں اس سے کہا کہ تیرا خاوند ایسا ہے ایسا ہے تُو اس کی کیوں خدمت کرتی ہے۔ اُس نے یہ بات حضرت ایوبؑ سے کہی۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو شیطان تھا تُو نے اس کی بات کیوں میرے پاس کہی مَیں اچھا ہو کر تجھ کو سَو بید ماروں گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی رحمت ہوئی تو ایوب علیہ السلام کے پاس فرشتہ آیا اور اپنے پاؤں مار کر ایک چشمہ نکالا اس میں نہانے کے واسطے کہا۔ حضرت ایوبؑ اس میں نہا کر اچھے ہوگئے اور پھر بیوی کی طرف متوجہ ہوئے تو چونکہ آپ نے قسم کھائی تھی اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ بیوی تمہاری بے قصور ہے صرف ایک جھاڑو بجائے سَو بید کے اس کے بدن سے چھُو دو تا کہ قسم جھوٹی نہ ہووے۔

اب دیکھو کہ کتنا صابر ہونا ان کا ثابت ہوا۔ ان کا قصہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں باوجودیکہ صدہا سال گذر گئے تھے نقل کیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ.... (البقرۃ: ۱۵۶) کبھی ہم تم کو نہایت فقر و فاقہ سے آزمائیں گے اور کبھی تمہارے بچے مرجاویں گے۔ تو جو لوگ مومن ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا ہی مال تھا ہم بھی تو اسی کے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہی لوگوں نے جو صبر کرتے ہیں میرے مطلب کو سمجھا ہے۔ ان پر میری رحمتیں ہیں جن کا کوئی حد و حساب نہیں۔ تو دیکھو کہ یہ باتیں ہیں ان پر عمل کرنا چاہیئے۔ غریب آدمی کے ساتھ تکبر کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہیئے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۲۱۰-۲۱۱ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء) نیز (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ صفحہ ۱۵-۱۶ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء)

مجلس قبل از عشاء

ارتداد عن الاسلام کا ذکر

عبد الغفور نامی ایک شخص کے آریہ مذہب اختیار کرنے پر فرمایا کہ:-

اس طرح کے ارتداد سے اسلام کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ آیا اسلام ترقی کر رہا ہے یا تنزل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو بعض لوگ مرتد ہو جاتے تھے تو کیا ان سے اسلام

کو نقصان پہنچتا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ یہ پہلو انجامکار اسلام کو ہی مفید پڑتا ہے اور اس طرح سے اہلِ اسلام کے ساتھ اختلاط کی ایک راہ کھلتی ہے اور جب خدا تعالیٰ نے ایک جماعت کی جماعت اسلام میں داخل کرنی ہوتی ہے تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ اہلِ اسلام میں سے کچھ ادھر چلے جاویں۔ خدا تعالیٰ کے کام بڑے دقیق اور اسرار سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں جو ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آیا کرتے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۲۰۹ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء

بعد نمازِ عصر

حضرت اقدس کا عورتوں کو وعظ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳،۴)

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ ایسے طور سے رزق پہنچائے گا کہ جس طور سے معلوم بھی نہ ہوگا۔ رزق کا خاص طور سے اس واسطے ذکر کیا کہ بہت سے لوگ حرام مال جمع کرتے ہیں۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر عمل کریں اور تقویٰ سے کام لیویں تو خدا تعالیٰ خود اُن کو رزق پہنچا دے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۷) جس طرح پر ماں بچے کی متولی ہوتی ہے اسی طرح پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں صالحین کا متکفل ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے اور اس کے مال میں طرح طرح کی برکتیں ڈال دیتا ہے۔ انسان بعض گناہ عمداً بھی کرتا ہے اور بعض گناہ اس سے ویسے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ جتنے انسان کے عضو ہیں ہر ایک عضو اپنے اپنے گناہ کرتا ہے۔ انسان کا اختیار نہیں کہ بچے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے فضل سے بچاوے تو بچ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے گناہ سے بچنے کے لیے یہ آیت ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ: ۵) جو لوگ اپنے رب کے آگے انکسار سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ شاید کوئی عاجزی منظور ہو جاوے تو اُن کا اللہ تعالیٰ خود مددگار ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص عابد بہت دعا کرتا تھا کہ یا اللہ تعالیٰ مجھ کو گناہوں سے آزادی دے اس نے بہت دعا کرنے کے بعد سوچا کہ سب سے زیادہ عاجزی کیونکر ہو۔ معلوم ہوا کہ کُتّے سے زیادہ عاجز کوئی نہیں تو اس نے اس کی آواز سے رونا شروع کیا کسی اَور شخص نے سمجھا کہ مسجد میں کُتّا آگیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی میرا برتن پلید کر دیوے تو اس نے آکر دیکھا تو عابد ہی تھا کُتّا کہیں نہ دیکھا۔ آخر اس نے پوچھا کہ یہاں کُتّا رو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ مَیں ہی کُتّا ہوں۔ پھر پوچھا کہ تم ایسے کیوں رو

رہے تھے؟ کہا کہ خدا تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے اس واسطے مَیں نے سوچا کہ اس طرح میری عاجزی منظور ہو جاوے گی۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لڑکے کے واسطے دعا کی کہ اللہ تعالےٰ اس سے راضی ہو جاوے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ دعا کرے۔ بہت سے شخص ایسے ہوتے ہیں کہ کسی گناہ سے نہیں بچتے لیکن اگر اُن کو کوئی شخص بے ایمان یا کچھ اَور کہہ دیوے۔ تو بڑے جوش میں آتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو کوئی گناہ نہیں کرتے۔ پھر ہم کو یہ کیوں کہتا ہے۔ اس طرح انسان کو معلوم نہیں کہ کیا کیا گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ پس اُس کو کیا خبر ہے کہ کیا کچھ لکھا ہوا ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے عیبوں کو شمار کرے اور دُعا کرے پھر اللہ تعالےٰ بچاوے تو بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دُعا کرو مَیں مانوں گا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱)

دُعا اور صُحبتِ صالحین

دو چیزیں ہیں ایک تو دُعا کرنی چاہیئے۔ دوسرا طریق یہ ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ راست بازوں کی صحبت میں رہو تا کہ انکی صحبت میں رہ کر کے تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہارا خدا قادر ہے۔ بینا ہے۔ سُننے والا ہے۔ دُعائیں قبول کرتا ہے اور اپنی رحمت سے بندوں کو صدہا نعمتیں دیتا ہے۔ جو لوگ ہر روز نئے گناہ کرتے ہیں وہ گناہ کو حلوے کی طرح شیریں خیال کرتے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ یہ زہر ہے کیونکہ کوئی شخص سنکھیا جان کر نہیں کھا سکتا۔ کوئی شخص بجلی کے نیچے نہیں کھڑا ہوتا اور کوئی شخص سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ اور کوئی شخص کھانا شکی نہیں کھا سکتا۔ اگرچہ اس کو کوئی دو چار روپے بھی دے۔ پھر باوجود اس بات کے جو یہ گناہ کرتا ہے کیا اس کو خبر نہیں ہے۔ پھر کیوں کرتا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کا دل مضر یقین نہیں کرتا۔ اس واسطے ضرور ہے کہ آدمی پہلے یقین حاصل کرے جب تک یقین نہیں غور نہیں کریگا اور کچھ نہ پائے گا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے پیغمبروں کا زمانہ بھی دیکھ کر اُن کو ایمان نہ آیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے غور نہیں کی۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۱۶) ہم عذاب نہیں کیا کرتے جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیویں اور وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (بنی اسرائیل: ۱۷) پہلے امراء کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ وہ ایسے افعال کرتے ہیں کہ آخر اُن کی پاداش میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ ان باتوں کو یاد رکھو اور اولاد کی تربیت کرو۔ زنا نہ کرو۔ کسی شخص کا خون نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ساری عبادتیں ایسی رکھی ہیں جو بہت عمدہ زندگی تک پہنچاتی ہیں۔ عہد کرو اور عہد کو پورا کرو۔ اگر تکبر کروگی تو تم کو خدا ذلیل کریگا۔ یہ ساری باتیں بُری ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۸ صفحہ ۲۱۷-۲۱۸ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۳ء)

شام کے وقت بوجہ دوران سر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے نمازِ مغرب کے نوافل بیٹھ کر ادا کئے۔ بعد ازاں آندھی اور بارش کے آثار نمودار ہوئے اور تجویز ہوئی کہ نماز عشاء جمع کر لی جاوے چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ناساز تھی اس لیے تشریف لے گئے مگر تاہم باجماعت نماز کا اس قدر آپ کو خیال تھا کہ تاکید فرمائی کہ تکبیر زور سے کہی جاوے کہ میں اندر سن لوں اور باجماعت نماز ادا ہو جاوے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۲۱۰ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء

خدا تعالیٰ سچا دوست ہے

فرمایا کہ:۔ دعویٰ مومن اور مسلم ہونے کا آسان ہے مگر جو سچے طور پر خدا تعالیٰ کا ساتھ دیوے تو خدا تعالیٰ اس کا ساتھ دیتا ہے۔ ہر ایک دل کو اس قسم کی سچائی کی توفیق نہیں ملا کرتی یہ صرف کسی کسی کا دل ہوتا ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ دوست بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض زن مزاج کہ وفا نہیں کرتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ حق دوستی کو وفاداری کے ساتھ پورا ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وفادار دوست ہے اسی لیے تو وہ فرماتا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الطلاق: ۴) کہ جو خدا کی طرف پورے طور پر آگیا اور اعداء وغیرہ کسی کی پروانہ کی فَهُوَ حَسْبُهٗ تو پھر خدا تعالیٰ اس کے ساتھ پوری وفا کرتا ہے۔

ایک پیشگوئی

عنقریب ایسا ہوگا کہ شریر لوگ جو رُعب داب رکھتے ہیں وہ کم ہوتے جاوینگے۔

گذشتہ چند ایام میں سخت گرمی تھی اور آج بفضل خدا بارش ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈ ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بارش کے ہو جانے سے درخت دھوئے دھائے نظر آرہے تھے۔ آسمان، بادل اور ہر ایک در و دیوار نے بارش کی وجہ سے ایک خاص رنگ و روپ حاصل کیا تھا۔ اس پر خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور مجسم شکر انسان نے فرمایا کہ:۔

خدا کے تصرفات بھی کیسے ہیں۔ ابھی کل کیا تھا اور آج کیا ہے۔

ایک مومن اور دُنیا دار کی موت میں فرق

جس کا دل مُردہ ہو وہ خوشی کا مدار صرف دنیا کو رکھتا ہے مگر مومن کو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی شئے پیاری نہیں ہوتی۔ جس نے یہ نہیں پہچانا کہ ایمان کیا ہے اور خدا کیا ہے۔ وہ دُنیا سے کبھی آگے نکلتے ہی نہیں ہیں

جب تک دنیا ان کے ساتھ ہے۔ تب تک تو سب سے خوشی سے بولتے ہیں۔ بیوی سے بھی خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ مگر جس دن دنیا گئی تو سب سے ناراض ہیں۔ مُنہ سُوجا ہوا ہے۔ ہر ایک سے لڑائی ہے گلہ ہے۔ شکوہ ہے حتیٰ کہ خدا تعالےٰ سے بھی ناراض ہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان سے کیسے راضی رہے۔ وہ بھی پھر ناراض ہو جاتا ہے۔

مگر بڑی بشارت مومن کو ہے یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر: ۲۸، ۲۹) اے نفس جو کہ خدا تعالیٰ سے آرام یافتہ ہے تو اپنے رب کی طرف راضی خوشی واپس آ۔ اس خوشی میں ایک کافر ہرگز شریک نہیں ہے۔ راضیۃ کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنی مرادات کوئی نہیں رکھتا کیونکہ اگر وہ دُنیا سے خلافِ مرادات جاوے تو پھر راضی تو نہ گیا۔ اسی لیے اس کی تمام مُراد خدا ہی خدا ہوتا ہے۔ اس کے مصداق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کہ آپ کو یہ بشارت ملی۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۲) اور اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ (المائدۃ: ۴) بلکہ مومن کی خلاف مرضی تو اس کی نزع (جان کنی) بھی نہیں ہوا کرتی۔ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ دُعا کیا کرتا تھا کہ میں طوس میں مروں، لیکن ایک دفعہ وہ ایک اَور مقام پر تھا کہ سخت بیمار ہوا اور کوئی امید زیست کی نہ رہی تو اس نے وصیت کی کہ اگر میں یہاں مر جاؤں تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ اسی وقت سے وہ رُو بصحت ہونا شروع ہو گیا حتیٰ کہ بالکل تندرست ہو گیا۔ لوگوں نے اس کی وصیت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مومن کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ اس کی دُعا قبول ہو۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ میری دُعا تھی کہ طوس میں مروں۔ جب دیکھا کہ موت تو یہاں آتی ہے تو اپنے مومن ہونے پر مجھے شک ہوا۔ اس لیے میں نے یہ وصیت کی کہ اہلِ اسلام کو دھوکا نہ دوں۔ غرضیکہ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً صرف مومنوں کے لیے ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے مالداروں کی موت سخت نامرادی سے ہوتی ہے دنیا دار کی موت کے وقت ایک خواہش پیدا ہوتی ہے اور اسی وقت اُسے نزع ہوتی ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اُسے عذاب دیوے اور اس کی حسرت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں تاکہ انبیاء کی موت جو کہ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کی مصداق ہوتی ہے۔ اس میں اور دنیا دار کی موت میں ایک بیّن فرق ہو۔ دنیا دار کتنی ہی کوشش کرے مگر اس کی موت کے وقت حسرت کے اسباب ضرور پیش ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کی موت مقبولین کی دولت ہے۔ اس وقت ہر ایک قسم کی حسرت دُور ہو کر اُن کی جان نکلتی ہے۔ راضی کا لفظ بہت عمدہ ہے اور ایک مومن کی مرادیں اصل میں دین کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ خدا تعالےٰ کی کامیابی اور اس کے دین کی کامیابی اس کا اصل مدعا ہوا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہت ہی اعلیٰ ہے کہ جن کو اس قسم کی موت نصیب ہوئی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۸ صفحہ ۲۱۸ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۳ء)

۱۶ر جولائی ۱۹۰۳ء

بعد نمازِ عصر

نظر نظر کا فرق

سلطان محمود سے ایک بزرگ نے کہا کہ جو کوئی مجھ کو ایک دفعہ دیکھ لیوے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ محمود نے کہا کہ یہ کلام تمہارا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہے۔ اُن کو کفار ابولہب، ابوجہل وغیرہ نے دیکھا تھا۔ اُن پر دوزخ کی آگ کیوں حرام نہ ہوئی۔ اس بزرگ نے کہا کہ اے بادشاہ کیا آپ کو علم نہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۱۹۹) اگر دیکھا اور جھوٹا کاذب سمجھا تو کہاں دیکھا؟

حضرت ابوبکرؓ نے، فاطمہؓ[1] نے، حضرت عمرؓ نے اور دیگر اصحابؓ نے آپ کو دیکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے آپ کو قبول کر لیا۔ دیکھنے والا اگر محبت اور اعتقاد کی نظر سے دیکھتا ہے تو ضرور اثر ہو جاتا ہے اور جو عداوت اور دشمنی کی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے ایمان حاصل نہیں ہوا کرتا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی میرے پیچھے نماز ایک مرتبہ پڑھ لیوے تو وہ بخشا جاتا ہے۔ اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے مصداق ہو کر نماز کو آپ کے پیچھے ادا کرتے ہیں تو وہ بخشے جاتے ہیں۔

اصل میں لوگ نماز میں دُنیا کے رونے روتے رہتے ہیں اور جو اصل مقصود نماز کا قرب الی اللہ اور ایمان کا سلامت لے جانا ہے اس کی فکر ہی نہیں حالانکہ ایمان سلامت لے جانا بہت بڑا معاملہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان اس واسطے روتا ہے کہ مجھ کو باایمان اللہ تعالےٰ دنیا سے لیجاوے تو خدا تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ حرام کرتا ہے اور بہشت اُن کو ملیگا جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حصولِ ایمان کیلئے روتے ہیں۔ مگر یہ لوگ جب روتے ہیں تو دنیا کے لیے روتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو بُھلا دیگا۔

اَور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ: ۱۵۳) تم مجھ کو یاد رکھو مَیں تم کو یاد رکھونگا یعنی آرام اَور خوشحالی کے وقت تم مجھ کو یاد رکھو اور میرا قرب حاصل کرو تاکہ مصیبت میں مَیں تم کو یاد رکھوں۔ یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ مصیبت کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اپنے ایمان کو صاف کر کے اور دروازہ بند کر کے رووے بشرطیکہ پہلے ایمان صاف ہو تو وہ ہرگز بے نصیب اور نامراد نہ ہوگا۔ حضرت داؤدؑ فرماتے ہیں کہ مَیں بڈھا ہو گیا مگر مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کہ جو شخص صالح ہو اور باایمان ہو پھر اس کو دشواری پیش ہو اور

---

[1] ممکن ہے خدیجہؓ فرمایا ہو۔ (مرتب)

اس کی اولاد بے رزق ہو۔

پھر دوسری جگہ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی (الکھف: ۶۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰؑ وعظ فرما رہے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ سے کوئی اور بھی علم میں زیادہ ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات اُن کی پسند نہ آئی (یعنی یوں کہتے کہ خدا کے بندے بہت سے ہیں جو ایک سے ایک علم میں زیادہ ہیں) اور حکم ہوا کہ تم فلاں طرف چلے جاؤ جہاں تمہاری مچھلی زندہ ہو جاوے گی وہاں تم کو ایک علم والا شخص ملے گا۔ پس جب وہ ادھر گئے تو ایک جگہ مچھلی بھول گئے۔ جب دوبارہ تلاش کرنے آئے تو معلوم ہوا کہ مچھلی وہاں نہیں ہے۔ وہاں ٹھہر گئے تو ایک ہمارے بندہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کو موسیٰؑ نے کہا کہ مجھے اجازت ہے کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم اور معرفت سیکھوں؟ اس بزرگ نے کہا کہ اجازت دیتا ہوں مگر آپ بدگمانی سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ جس بات کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور سمجھ نہیں دی جاتی تو اس پر صبر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص ایک موقعہ پر بے محل کام کرتا ہے تو اکثر بدظنی ہو جاتی ہے۔ پس موسیٰؑ نے کہا کہ میں کوئی بدظنی نہ کروں گا اور آپ کا ساتھ دوں گا۔ اس نے کہا کہ اگر تو میرے ساتھ چلیگا تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا۔ پس جب چلے تو ایک کشتی پر جا کر سوار ہوئے (یہاں پر حضرت اقدس علیہ السلام نے حضرت موسیٰؑ کا وہ تمام قصہ ذکر کیا جو کہ سورہ کہف میں مذکور ہے۔ پھر اس دیوار کے خزانہ کی نسبت فرمایا کہ) اُس کو اس واسطے درست کر دیا کہ وہ دو یتیم بچوں کے کام آوے۔ اس واسطے یہ کام کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان بچوں نے کوئی نیک کام نہ کیا تھا مگر اُن کے باپ کے نیک بخت اور صالح ہونے کے باعث خدا تعالیٰ نے ان بچوں کی خبر گیری کی۔

دیکھو کہاں یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے واسطے اس کی اولاد کا اس قدر خیال رکھا اور کہاں یہ کہ انسان غرق ہوتا چلا جاتا ہے اور تباہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے ہر حال میں تعلق رکھتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ ان کو ضائع ہونے سے بچا لیتا ہے۔ دیکھو ایک انسان کے دن برگشتہ ہیں۔ کام اس کے خراب ہیں مگر خدا تعالیٰ رحم نہیں کرتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ قابلِ رحم ہی نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو انسان پر بڑا رحم ہے۔ ہزاروں گناہ بخشتا ہے۔ جب انسان بہت تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرتا ہے اور سب طرح سے اسی کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّیْ غَفَرْتُ لَکَ یعنی جو تیری مرضی ہو کئے جا میں نے تجھے سب کچھ بخش دیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۱) یعنی جو چاہو سو کئے جاؤ۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تو بڑا مہربان اور رحیم ہے

اور بہت رحم سے معاملہ کرتا ہے۔

فرمایا کہ:

وہ خدا جو کہ عرصہ سے مخفی چلا آتا تھا اب نقاب اُٹھا کر چہرہ دکھا رہا ہے۔ کیا آج تک کسی نے ایسا بولتا خدا دیکھا تھا جیسے کہ اب رات دن بول رہا ہے۔

موجودہ زمانہ کے گدی نشین جو کہ دینی ضرورتوں سے غافل ہیں۔ ان کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یونہی ایک فقیر کی طرح گدی پر بیٹھے رہتے۔ تو صریح کامیابی جو کہ آپ نے دنیا میں دیکھ لی۔ کیسے نظر آتی۔ طاعون کا ظاہر ہونا بھی خدا تعالےٰ کی رحمت ہے۔

رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ

مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کہ جب آپ ہر ایک قسم کے خلق سے ہدایت کو پیش کرتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپؐ نے اخلاق۔ صبر۔ نرمی اور نیز مار، ہر ایک طرح سے اصلاح کے کام کو پورا کیا اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلائی۔ مال دینے میں نرمی برتنے میں عقلی دلائل اور معجزات کے پیش کرنے میں آپ نے کوئی فرق نہیں رکھا۔ اصلاح کا ایک طریق مار بھی ہوتا ہے کہ جیسے ماں ایک وقت بچہ کو مار سے ڈراتی ہے وہ بھی آپ نے برت لیا تو مار بھی ایک خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جو آدمی اور کسی طریق سے نہیں سمجھتے خدا تعالےٰ اُن کو اس طریق سے سمجھاتا ہے کہ وہ نجات پاویں۔

خدا تعالیٰ نے چار صفات جو مقرر کی ہیں جو کہ سورہ فاتحہ کے شروع میں ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں سے کام لے کر تبلیغ کی ہے۔ مثلاً پہلے ربّ العٰلمین یعنی عام ربُوبیت ہے تو آیت مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پھر ایک جلوہ رحمانیت کا بھی ہے کہ آپ کے فیضان کا بدل نہیں ہے۔ ایسی ہی دوسری صفات۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۸ و ۲۹ صفحہ ۲۱۸، ۲۲۵، ۲۲۶ مورخہ ۳۱ جولائی و ۷ اگست ۱۹۰۳ء)

لہ یہاں سے لے کر اخیر تک جو مضمون البدر میں ۱۶ جولائی کی ڈائری میں درج ہے۔ یہی مضمون الفاظ کے ردّوبدل کے ساتھ الحکم میں ۲۱ جولائی کی ڈائری میں درج ہے۔ غالباً دو ڈائری نویس صاحبان میں سے کسی ایک سے سہواً ایسا ہو گیا ہے یعنی یا تو ۱۶ جولائی کی ڈائری غلطی سے ۲۱ جولائی کی ڈائری میں درج کر دی گئی ہے اور یا ۲۱ جولائی کی ڈائری سہواً ۱۶ جولائی کی ڈائری میں درج ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم (مرتب)

۲۱ر جولائی ۱۹۰۳ء

ایک استفسار اور اس کا جواب

ایک شخص نے سوال کیا کہ ریل برادرس وغیرہ کارخانوں میں سرکاری سیر ۸۰ روپے کا دیتے ہیں اور لیتے ۸۱ روپے کا ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا:

جن معاملات میں بیع وشریٰ میں مقدمات نہ ہوں۔ فساد نہ ہوں۔ تراضی فریقین ہو اور سرکار نے بھی حُرم نہ رکھا ہو۔ عُرف میں جائز ہو۔ وہ جائز ہے۔

ہدایت کے مختلف ذرائع

مامور جب دنیا میں اصلاح اور اشاعتِ ہدایت کے لیے آتے ہیں تو وہ ہر طرح سے سمجھاتے ہیں۔ آخری علاج اور راہ سختی بھی ہے۔ دُنیا میں بھی یہی طریق جاری ہے کہ ابتداءً و اولاً نرمی کے ساتھ سمجھایا جاتا ہے۔ پھر اس کی خوبیاں اور مفاد بتا کر شوق دلایا جاتا ہے۔ آخر جب کسی طرح نہیں مانتے تو سختی ہوتی ہے۔ جیسے ماں ایک وقت بچہ کو مارسے ڈراتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر طریق عقل تبلیغ اور ہدایت کی تجویز کر سکتی ہے۔ اختیار کئے۔ یعنی اول ہر قسم کی نرمی سے، رفق، صبر اور اخلاق سے، عقلی دلائل اور معجزات سے کام لیا اور آخر الامر جب ان لوگوں کی شرارتیں اور سختیاں حد سے گذر گئیں تو اللہ تعالیٰ نے پھر اسی رنگ میں ان پر حجت پوری کی اور سختی سے کام لیا۔ یہی حال اب ہو رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے دلائل سے سمجھایا۔ نشانات دکھائے اور آخر اب طاعون کے ذریعہ متوجہ کر رہا ہے اور ایک جماعت کو اس طرف لا رہا ہے۔

فرمایا:۔

سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ بیان ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چاروں صفات کے مظہر کامل تھے۔ مثلاً پہلی صفت ربّ العالمین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بھی مظہر ہوئے۔ جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) جیسے ربّ العالمین عام ربوبیت کو چاہتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات اور آپ کی ہدایت و تبلیغ کُل دنیا اور کُل عالموں کے لیے قرار پائی۔

پھر دوسری صفت رحمٰن کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت کے بھی کامل مظہر ٹھہرے کیونکہ آپ کے فیوض و برکات کا کوئی بدل اور اجر نہیں۔ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (الفرقان: ۵۸) پھر آپ رحیمیت کے مظہر ہیں۔ آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے جو محنتیں اسلام کے لیے کیں اور ان خدمات میں جو تکالیف

اُٹھائیں وہ ضائع نہیں ہوئیں بلکہ ان کا اجر دیا گیا اور خود رسول اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف میں رحیم کا لفظ بولا ہی گیا ہے۔

پھر آپ مالکیت یوم الدین کے مظہر بھی ہیں۔ اس کی کامل تجلّی فتح مکّہ کے دن ہوئی ایسا کامل ظہور اللہ تعالےٰ کی ان صفات اربعہ کا جو اُمّ الصفات ہیں اَور کسی نبی میں نہیں ہوا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۹ صفحہ ۱۹-۲۰ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۲۳ جولائی ۱۹۰۳ء

ایک رؤیا

فرمایا کہ:۔

رات کو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک انب ہے جسے مَیں نے تھوڑا سا چُوسا تو معلوم ہوا کہ وہ تین پھل ہیں۔ جب کسی نے پوچھا کہ کیا پھل ہیں تو کہا کہ ایک آم ہے ایک طوبا[1] اور ایک اَور پھل ہے۔

اسلام سے ارتداد کی وجہ

اسلام سے ارتداد کی وجہ پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

جب ایک قوم کا غلبہ اور اقبال ہوتا ہے تو خود غرض آدمی اغراض کے واسطے اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۶ مورخہ ۷ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ جولائی ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

قبروں پر چڑھاوے

ایک بھائی نے عرض کی کہ حضور بکرا وغیرہ جانور جو غیر اللہ تھانوں اور قبروں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ پھر وہ فروخت ہو کر ذبح ہوتے ہیں کیا ان کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

شریعت کی بناء نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرۃ: ۱۷۴) سے یہ مراد ہے کہ جو ان مندروں اور تھانوں پر ذبح کیا جاوے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاوے اس کا کھانا

---

[1] الحکم میں "طوبیٰ" لکھا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۰ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء)

تو جائز نہیں ہے لیکن جو جانور بیع و شری میں آجاتے ہیں اس کی حلت ہی سمجھی جاتی ہے زیادہ تفتیش کی کیا ضرورت ہوتی ہے[1] دیکھو حلوائی وغیرہ بعض اوقات ایسی حرکات کرتے ہیں کہ اُن کا ذکر بھی کراہت اور نفرت پیدا کرتا ہے لیکن اُن کی بنی ہوئی چیزیں آخر کھاتے ہی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ شیرینیاں تیار کرتے ہیں اور میلی کچیلی دھوتی میں بھی ہاتھ مارتے جاتے ہیں۔ اور جب کھانڈ تیار کرتے ہیں تو اس کو پاؤں سے ملتے ہیں چوڑھے چمار گڑ وغیرہ بناتے ہیں اور بعض اوقات جُوٹھے رس وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا کرتے ہیں۔ ان سب کو استعمال کیا جاتا ہے اس طرح پر اگر تشدد ہو تو سب حرام ہو جاویں اسلام نے مالایطاق تکلیف نہیں رکھی ہے بلکہ شریعت کی بنا نرمی پر ہے۔

اس کے بعد سائل مذکور نے پھر اسی سوال کی اور باریک جُزئیات پر سوال شروع کئے فرمایا:۔

اللہ تعالےٰ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ (المائدۃ:۱۰۲) بھی فرمایا ہے۔ بہت کھودنا اچھا نہیں۔

متقیوں کو اللہ تعالیٰ ابتلاؤں سے بچاتا ہے

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ متقی کو ایسی مشکلات میں نہیں ڈالتا[2] اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ اور وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (النور:۲۷) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متقیوں کو اللہ تعالیٰ خود پاک چیزیں بہم پہنچاتا ہے اور خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لیے ہیں۔ اگر انسان تقویٰ اختیار کرے اور باطنی طہارت اور پاکیزگی حاصل کرے جو اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں پاکیزگی ہے۔ تو وہ ایسے ابتلاؤں سے بچا لیا جاویگا۔ ایک بزرگ کی کسی بادشاہ نے دعوت کی اور بکری کا گوشت بھی پکایا اور خنزیر کا بھی۔ اور جب کھانا رکھا گیا تو عمداً سؤر کا گوشت اس بزرگ کے سامنے رکھ دیا اور بکری کا اپنے دوستوں کے آگے۔ جب کھانا رکھا گیا اور کہا کہ شروع کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ پر بذریعہ کشف اصل حال کھول دیا۔ انہوں نے کہا ٹھہرو تقسیم ٹھیک نہیں اور یہ کہہ کر اپنے آگے کی رکابیاں ان کے آگے اور ان کے آگے کی اپنے آگے رکھتے جاتے تھے۔ اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے کہ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ۔ الایۃ۔

---

[1] البدر میں مزید لکھا ہے۔ کیونکہ اب جگن ناتھ وغیرہ مقامات پر لاکھوں حیوان چڑھتے ہیں اور روزمرہ فروخت ہو کر ذبح ہوتے ہوں گے اگر اُن کا کھانا حرام ہو تو پھر تو تکلیف مالایطاق ہے"۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۶ مورخہ ۷ اگست ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ اور متقی کو تو کسی قسم کی تکلیف پیش نہیں آتی اور اسے حلال روزی پہنچانے کی ذمہ داری تو خدا نے لی ہے اور اس نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (النور:۲۷)

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۶ مورخہ ۷ اگست ۱۹۰۳ء)

غرض جب انسان شرعی امور کو ادا کرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور بُری اور مکروہ باتوں سے اس کو بچا لیتا ہے۔ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (یوسف: ۵۴) کے یہی معنے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۰ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۲۵ جولائی ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

ایک الہام

فرمایا:۔

کل مجھے الہام ہوا تھا اَلْفِتْنَۃُ وَالصَّدَقَاتُ

فرمایا کہ:۔

اب الہام بھی اسے کیا کہیں۔ ایسی صاف اور واضح وحی ہوتی ہے کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش بالکل نہیں رہتی۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسی وحی ہو تو ہو ورنہ ہر وحی میں پیشگوئی ضرور ہوتی ہے۔

تقویتِ ایمان کی ضرورت

تقویتِ ایمان کی بڑی ضرورت ہے۔ بغیر ایمان کے اعمال مثلِ مُردہ کے ہوتے ہیں۔ ایمان ہو تو انسان کو وہ معرفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ آسمان کی طرف مصعود ہوتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو نہ برکات حاصل ہوتے ہیں نہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد جب کوئی عمل کیا جاوے تو جو اس عمل کی شان ہوگی تو کیا ویسی کسی دوسرے کی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس قدر امراض عمل کی کمزوری اور تقویٰ کی کمزوری کے دیکھے جاتے ہیں ان سب کی اصل جڑ معرفت کی کمزوری ہے[1]۔ ایک کیڑے کی بھی معرفت ہوتی ہے تو انسان اس سے ڈرتا ہے۔ پھر اگر خدا کی معرفت ہو تو اس سے کیوں نہ ڈرے؟ غرضکہ معرفت کی بڑی ضرورت ہے۔

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے ورنہ ایمان بدون عمل مُردہ ہے اور جب تک عمل نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں مگر اعمال کی قوت اور توفیق معرفت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر یہ قوت بڑھتی ہے اسی قدر اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن سے انسان آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو یقین کے ثمرات پیدا نہیں ہوتے۔ جس قدر انسان شک و شبہ میں اور غفلت میں ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں دیکھتا ہوں کہ اگرچہ ہماری جماعت تو بڑھ رہی ہے لیکن ابھی پوست ہی بڑھتا ہے۔ اگر مغز بڑھے تو بات ہے۔ بار بار خیال آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہی قوت قدسیہ ہے کہ آپ پر ایمان لاکر صحابہ کرامؓ نے یک دفعہ ہی دنیا کا فیصلہ کر دیا۔ جان سے بڑھ کر کیا شئے ہوتی ہے۔ اپنے خون سے دین پر مہریں لگا دیں اب لوگ بیعت کرتے ہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ ساتھ ہی مخفی اغراض دنیا کے بھی لاتے ہیں کہ فلاں کام دنیا کا ہو جاوے۔ یہ ہو جاوے۔ یہ سچ ہے کہ جو مومن ہو جاتا ہے تو خدا تعالےٰ ہر ایک مشکل اس کی آسان کر دیتا ہے مگر سب سے اول معرفت ضروری ہے پھر خدا تعالےٰ خود اس کی ہر ایک ضرورت کا کفیل ہو گا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۶ مورخہ ۷ راگست ۱۹۰۳ء)

---

۲۶ جولائی ۱۹۰۳ء

مسیح موعود کے زمانہ میں درازئ عمر کا راز

احادیث میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں عمریں لمبی ہو جائیں گی۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ موت کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور کوئی شخص نہیں مرے گا۔ بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مالی، جانی نصرت میں اس کے مخلص احباب ہوں گے۔ اور خدمتِ دین میں لگے ہوئے ہوں گے۔ اُن کی عمریں دراز کر دی جائیں گی۔ اس واسطے کہ وہ لوگ نفع رساں وجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) یہ امر قانونِ قدرت کے موافق ہے کہ عمریں دراز کر دی جائیں گی۔ اس زمانہ کو جو دراز کیا ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے اور اس میں کوئی خاص مصلحت ہے۔

(اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا مجدد عمر بن عبدالعزیز کو تسلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اسی قدر اس کا ایمان کمزور ہے اور اس ایمان کے موافق اس کے اعمال کمزور۔ جس قدر امراض عمل کی کمزوری اور تقویٰ کی کمزوری سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی اصل جڑ معرفت کی کمی اور کمزوری ہے۔ ورنہ معرفت تو ایک ایسی لذیذ شئے ہے کہ یہ جس قدر بڑھتی ہے اسی قدر عمل کی طاقت ملتی ہے۔ ایک کیڑے کی معرفت بھی ہو تو انسان اُس سے ڈرتا ہے۔ اسے علم ہو کہ چیونٹی کے کاٹنے سے درد ہوتا ہے تو اس سے بھی ڈرتا ہے اور اس کے ضرر سے بچتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سے نہ ڈرے۔ اصل یہی معرفت ہے جس کے بغیر کوئی خوشی اور برکت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (الحکم جلد ۷، نمبر ۲۹ صفحہ ۲۰ مورخہ ۱۰ راگست ۱۹۰۳ء)

کیا ہے وہ کل دو برس تک زندہ رہے ہیں)

ازاں بعد حضرت حجۃ اللہ نے پھر اپنے سلسلہ کلام میں فرمایا:۔

محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے آج تک ہم کو محفوظ رکھا ہے اور جماعت کو ترقی دے رہا ہے اور اس کے ازدیادِ ایمان اور معرفت کے لیے حجج و براہین ظاہر کر رہا ہے یہانتک کہ کوئی پہلو تاریکی میں نہیں رہنے دیا۔

سلسلۂ احمدیہ

ہمارے سلسلہ کے لیے منہاجِ نبوت ایک زبردست آئینہ ہے۔ جاہل اس پر اپنی کم سمجھی سے اعتراض کرے تو منہاج نبوت اس کے منہ پر طمانچہ مارتا ہے جو بات ہونہار ہوتی ہے اس کے نشانات اور آثار خود بخود نظر آنے لگتے ہیں جو کام اللہ تعالےٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اس کی تکمیل کی ہوائیں چل رہی ہیں اور دو طرح سے وہ ہو رہا ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالےٰ ہم کو توفیق دے رہا ہے کہ ہماری طرف سے دن رات کوشش جاری ہے اور اشاعت اور تبلیغ کی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔ تائیداتِ الٰہیہ شاملِ حال ہوتی جاتی ہیں۔ دوسری طرف[1] خود ہمارے مخالفوں کی کوششیں ناکام ہو رہی ہیں۔ اور اُن میں ہی ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو اپنے مذہب کو چھوڑتے جاتے ہیں اور اس کی برائیاں بیان کر رہے ہیں۔ گویا وہ اپنے مذہب و ملت کی عمارت کو یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ (الحشر: ۳) کا مصداق ہو کر خود ہی مسمار کر رہے ہیں۔

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ جب تک اپنا چہرہ نہ دکھلا لے۔ ہرگز نہیں چھوڑے گا کیونکہ یقین کی ترقی کا سچا ذریعہ یہی ہے۔

دوزخ کے سات دروازے

فرمایا:۔

چند روز سے جو مستورات میں وعظ کا سلسلہ جاری ہے ایک روز یہ ذکر آگیا کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ۔ اس کا کیا سِرّ ہے تو یک دفعہ ہی میرے دل میں ڈالا گیا۔ کہ اصول جرائم بھی سات ہی ہیں اور نیکیوں کے اُصول بھی سات۔ بہشت کا جو آٹھواں دروازہ ہے وہ اللہ تعالےٰ کے فضل و رحمت کا دروازہ ہے۔

دوزخ کے سات دروازوں کے جو اُصول جرائم سات ہیں ان میں سے ایک بدظنی ہے۔ بدظنی کے

---

[1] البدر میں ہے: "دوسرے یہ کہ ان کی کوششوں کا وبال اُلٹ کر انہی پر پڑتا ہے اور وہ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ (الحشر: ۳) کا خود مصداق ہو رہے ہیں"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۷ مورخہ ۷ راگست ۱۹۰۳ء)

ذریعہ بھی انسان ہلاک ہوتا ہے اور تمام باطل پرست بدظنی سے گمراہ ہوئے ہیں۔
دوسرا اصول تکبر ہے۔ تکبر کرنے والا اہلِ حق سے الگ رہتا ہے اور اسے سعادتمندوں کی طرح اقرار کی توفیق نہیں ملتی۔
تیسرا اصول جہالت ہے یہ بھی ہلاک کرتی ہے۔
چوتھا اصول اتباع ہویٰ ہے۔
پانچواں اصول کورانہ تقلید ہے۔
غرض اسی طرح پر جرائم کے سات اصول ہیں اور یہ سب کے سب قرآن شریف سے مستنبط ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ان دروازوں کا علم مجھے دیا ہے۔ جو گناہ کوئی بتائے وہ ان کے نیچے آجاتا ہے۔ کورانہ تقلید اور اتباع ہویٰ کے ذیل میں بہت سے گناہ آتے ہیں۔

جنّت کی نعماء

اسی طرح ایک دن میں نے بیان کیا کہ دوزخیوں کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ اُن کو زقّوم کھانے کو ملے گا اور بہشتیوں کو اس کے بالمقابل دودھ اور شہد کی نہریں اور قسم قسم کے پھل بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا کیا سِرّ ہے۔
اصل بات یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں بالمقابل بیان ہوئی ہیں۔ بہشت کی نعمتوں کا ذکر ایک جگہ کرکے یہ بھی فرمایا ہے۔ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا (البقرۃ: ۲۶) تو اس میں رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ سے یہ مراد نہیں کہ دنیا کے آم۔ خربوزے اور دوسرے پھل اور دنیا کا دُودھ اور شہد اُن کو یاد آجائے گا نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ مومن جو اخلاص اور محبت کیساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس ذوق شوق سے جو لذّت اُن کو محسوس ہوتی ہے تو بہشت کی نعمتوں اور لذّتوں کے حاصل ہونے پر وہ لذّت اُن کو یاد آجائے گی کہ اس قسم کی لذّت بخش نعمتیں ہمارے رب سے پہلے بھی ملتی رہی ہیں۔ چونکہ بہشتی زندگی اسی عالم سے شروع ہوتی ہے اس لیے ان نعمتوں کا ملنا بھی یہیں سے شروع ہوجاتا ہے۔ ورنہ بہشت کی نعمتوں کے بارہ میں تو آیا ہے کہ نہ اُن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا۔ تو ان دُنیوی پھلوں سے اُن کا رشتہ کیا ہوا؟
ایمان اور اعمال کی مثال قرآن شریف میں درختوں سے دی گئی ہے۔ ایمان کو درخت بتایا ہے اور اعمال اس کی آبپاشی کے لیے بطور نہروں کے ہیں۔ جب تک اعمال سے ایمان کے پودہ کی آبپاشی نہ ہو اس وقت تک وہ شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے۔ بہشتی زندگی والا انسان خدا تعالیٰ کی یاد سے ہر وقت لذّت پاتا ہے اور

لہ معلوم ہوتا ہے کہ باقی دو اصول ڈائری نویس صاحب قلمبند نہیں کرسکے۔ (مرتب)

جو بدبخت دوزخی زندگی والا ہے تو وہ ہر وقت اس دنیا میں زقوم ہی کھا رہا ہے اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے[1]۔ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ: ۱۲۵) بھی اسی کا نام ہے جو قیامت کے دن زقوم کی صورت پر متمثل ہو جائے گی۔ غرض دونو صورتوں میں باہم رشتے قائم ہیں۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۲۹ جولائی ۱۹۰۳ء

بوقت نماز ظہر

نجات

برادرم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب پروفیسر میڈیکل کالج لاہور نے آج لاہور کو جانا تھا۔ انہوں نے لاہور کے آریہ سماج کے اس اشتہار کا ذکر کیا جو انہوں نے مسئلہ نجات پر مباحثہ کے لیے شائع کیا ہے۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے مختصراً نجات کے متعلق یہ تقریر بیان فرمائی۔ اس کا ماحصل یہ ہے۔ (ایڈیٹر)

فرمایا:-

نجات کے متعلق جو عقیدہ قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نجات نہ تو صوم سے ہے نہ صلوٰۃ سے نہ زکوٰۃ سے اور صدقات سے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے جس کو دُعا حاصل کرتی ہے۔ اسی لیے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحۃ: ۶) کی دعا سب سے اوّل تعلیم فرمائی ہے کیونکہ جب یہ دُعا قبول ہو جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے جس سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے کیونکہ جب انسان کی دُعا جو سچے دل اور خلوص نیت سے ہو قبول ہوتی ہے تو پھر نیکی اور اس کے شرائط ساتھ خود ہی مرتب ہو جاتے ہیں۔

اگر نجات کو محض اعمال پر منحصر کیا جاوے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور دُعا کو محض بے حقیقت سمجھا جاوے جیسا کہ آریہ سماج کا عقیدہ ہے تو یہ ایک باریک شرک ہے۔ کیونکہ اس کا مفہوم دوسرے لفظوں میں یہ ہوگا کہ انسان خود بخود نجات پا سکتا ہے اور اعمال اس کے سوا اپنے اختیار میں ہیں جن کو وہ خود بخود بجا لاتا ہے تو اس صورت میں نجات کی کلید انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوئی اور خدا تعالیٰ سے نجات کا کچھ تعلق اور واسطہ نہ ہوا گویا وہ خود کوئی چیز نہ ہوا۔ اور اس کا عدم وجود برابر ٹھہرا (معاذ اللہ) مگر نہیں۔ ہمارا یہ مذہب نہیں ہے۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ نجات اس کے فضل سے ملتی ہے اور اسی کا فضل ہے جو اعمال صالحہ کی توفیق دی جاتی ہے

---

[1] البدر میں ہے۔ "مختلف جیل سے کما کر تلخ زندگی بسر کرتا ہے۔ وہی کمائی اسے قیامت کے دن زقوم کی شکل میں متمثل ہو کر ملیگی"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۷)

اور خدا تعالیٰ کا فضل دُعا سے حاصل ہوتا ہے لیکن وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے وہ بھی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ انسان کا ذاتی اختیار نہیں کہ وہ دُعا کے تمام لوازمات اور شرائط محویت، توکل، تبتل، سوز و گداز وغیرہ کو خود بخود مہیا کرلے۔ جب اس قسم کی دُعا کی توفیق کسی کو ملتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی جاذب ہو کر ان تمام شرائط اور لوازم کو حاصل کرتی ہے جو اعمال صالحہ کی رُوح ہیں۔ ہمارا نجات کے متعلق یہی مذہب ہے۔

چونکہ نجات کوئی مصنوعی اور بناوٹی بات نہیں کہ صرف زبان سے کہہ دینا اس کے لیے کافی ہو کہ نجات ہو گئی اس لیے اسلام نے نجات کا یہ معیار رکھا ہے کہ اس کے آثار اور علامات اسی دنیا[1] میں شروع ہو جائیں اور بہشتی زندگی حاصل ہو۔ لیکن یہ صرف اسلام ہی کو حاصل ہے۔ باقی دوسرے مذاہب نے جو کچھ نجات کے متعلق بیان کیا ہے وہ یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مبطل ہے بلکہ فطرتِ انسانی کے خلاف اور عقلی طور پر بھی ایک بیہودہ امر ثابت ہوتا ہے وہ نجات ایسی ہے کہ جس کا کوئی اثر اور نمود اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس پھوڑے کی سی ہے جو باہر سے چمکتا ہے اور اس کے اندر پیپ ہے۔ نجات یافتہ انسان کی حالت ایسی ہونی چاہیئے کہ اس کی تبدیلی نمایاں طور پر نظر آوے اور دوسرے تسلیم کریں کہ واقعی اس نے نجات پالی ہے اور خدا نے اس کو قبول کر لیا ہے لیکن کیا کوئی عیسائی جو خون مسیح کو نجات کا اکیلا ذریعہ سمجھتا ہے کہہ سکتا ہے کہ اس نے نجات پالی ہے اور نجات کے آثار و علامات اس میں پائے جاتے ہیں۔ مسیح کے صلیب ملنے تک تو شاید ان کی حالت کسی قدر اچھی ہو مگر بعد میں تو ہر دوسرا دن پہلے سے بدتر ہوتا گیا۔ یہانتک کہ اب تو فسق و فجور کے سیلاب کا بند ٹوٹ گیا۔ کیا یہ نجات کے آثار ہیں؟

آریوں کو بھی فضل سے کوئی تعلق نہیں وہ تو دستِ خود و دہانِ خود کے مصداق ہیں۔ اور اُن کے پرمیشر نے ابھی کچھ بھی نہیں کیا۔ کسی کو نجات کامل مل ہی نہیں سکتی۔ اور وہ تمام نجاست کے کیڑے علاوہ ان کیڑوں مکوڑوں کے جو موجود ہیں سب انسان ہیں جن کو نجات حاصل نہیں ہوئی تو بتاؤ کہ وہ اور کسی کو کیا نجات دیگا جب اس قدر کثیر اور بے شمار تعداد ابھی باقی ہے۔

آریوں کی دُعا بھی ترمیم کے قابل ہے کیونکہ ان کی مکتی سے مراد جاودانی مکتی نہیں ہوتی بلکہ ایک محدود وقت تک انسان جُونوں سے نجات پاتا ہے اور چونکہ روحیں محدود ہیں اور نئی روح پرمیشر پیدا نہیں کر سکتا مجبوراً اُن نجات یافتہ کو نکال دیتا ہے۔ پس جب ان کے پرمیشر نے جاودانی مکتی ہی نہیں دینی تو دعا بھی ترمیم کر کے

---

[1] البدر میں ہے:۔ نجات کا اثر یہ ہے کہ اسی دنیا میں اس شخص کو بہشتی زندگی نصیب ہو۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل: ۷۳) (البدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲۲۷ مورخہ ۷ راگست ۱۹۰۳ء)

یوں مانگنی چاہیئے کہ اے پرمیشر تو جو دائمی مکتی دینے کے قابل نہیں ہے تو ایک خاص وقت تک مجھے نجات دے اور پھر دھکا دیکر اسی دارالمحن دُنیا میں بھیجدے اور فطرت بھی بدل ڈال کہ اس میں جاودانی نجات کا تقاضا ہی نہ رہے۔

مجھے تعجب ہے کہ یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ انسانی فطرت کا تقاضا جاودانی نجات کا ہے نہ عارضی کا۔ اور عارضی نجات والا جس کو یقین ہو کہ پھر انہیں تلخیوں مین بھیجا جاویگا۔ کب خوشی حاصل کرسکتا ہے۔ ایسے پرمیشر پر انسان کیا بھروسہ اور اُمید رکھ سکتا ہے۔ بقول شخصے ؎

با خویشتن چہ کردی کہ با کنی نظیری ؎ حقا کہ واجب آید ز تو احتراز کردن

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۷ راگست ۱۹۰۳ء)

---

۳۰ رجولائی ۱۹۰۳ء

صداقت کا ایک معیار

فرمایا:۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو کس کو معلوم تھا کہ آپ کے ہاتھ سے اسلام سمندر کی طرح دنیا میں پھیل جاوے گا اور جب آپ نے دعویٰ کیا تو وہی تین چار آدمی آپ کے ہمراہ تھے جو کہ مسلمان ہوئے تھے اور ابوجہل وغیرہ آپ کو کیسے ذلیل اور حقیر خیال کرتے تھے لیکن اب اگر وہ زندہ ہوں تو اُن کو پتہ لگے کہ جسے وہ حقیر اور ذلیل خیال کرتے تھے خدا نے اس کی کیا عزت کی ہے۔

اعداء کی ذلت اور اپنی کامیابی پر فرمایا کہ:۔

اس کے متعلق حال میں پیشگوئی جو ہوئی ہے اگرچہ وہ ایک رنگ میں پوری ہوگئی ہے تاہم اُسے پوری ہوئی کہنا ہماری غلطی ہے۔ خدا جانے خدا کا کیا منشاء ہے۔ اصل حد ایسی پیشگوئیوں کی وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۵۶) ہے جو کہ بہت اسباب کو چاہتا ہے۔

دنیا میں حق پسند بہت تھوڑے ہیں اور اقبال پسند بہت زیادہ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بہت سے صاحب اقبال کو اپنے برگزیدوں کے ساتھ کر دیا کرتا ہے تاکہ عوام الناس اُن کے ذریعہ سے ہدایت پاویں۔ کیونکہ عوام الناس میں حق پسندی اور عمیق عقل کم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بڑے بڑے آدمیوں کو دیکھ کر اُن کے ذریعہ داخل ہوتے اور ہدایت پاتے ہیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۳ مورخہ ۱۴ راگست ۱۹۰۳ء)

نیز (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۰۳ء)

۳۱ر جولائی ۱۹۰۳ء

اسماء الٰہیہ کی تجلیات

بعض زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم ضال کی تجلی ہوتی ہے اور بعض زمانہ میں اسم ہادی کی تجلی۔ نیک اور خدا ترس لوگ جس اسم کی تجلی ہوتی ہے اس کے نیچے آتے ہیں اور اپنے رنگ میں اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے۔ اسم ضال کی تجلی کا زمانہ گذر چکا اور اب اسم ہادی کی تجلی کا وقت آیا ہے۔ اسی واسطے خود بخود طبیعتوں میں اس کفر اور شرک سے ایک بیزاری پیدا ہو رہی ہے جو عیسائی مذہب نے پھیلایا تھا۔ ہر طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ دُنیا میں ایک شور مچ گیا ہے اور وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید دنیا میں پھیلے اور وہ شناخت کیا جاوے۔ اس کی طرف اشارہ کرکے براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے۔ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔

جن لوگوں کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے وہ بھی مانتے ہیں کہ یہ زمانہ انقلابات کا زمانہ ہے ہر قسم کے انقلابات ہو رہے ہیں اور یہ سب انقلاب ایک آنے والے زمانہ کی خبر دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کامل طور پر ظاہر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس قوم میں فسق و فجور پیدا ہو جاتا ہے۔ فاسق چونکہ زنانہ مزاج ہوتے ہیں اور فسق کی بنیاد ریت پر ہوتی ہے اس لیے وہ جلد تباہ ہوتے ہیں۔ ذرا سا مقابلہ ہو اور سختی پڑے تو برداشت کی طاقت نہیں رکھتے۔

براہین میں نزولِ مسیح کا عقیدہ درج کرنے کی حقیقت

ایک شخص نے سوال کیا کہ براہین احمدیہ میں مسیح کے دوبارہ آنے کا اقرار درج ہے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی کیوں ظاہر نہ کر دیا؟ فرمایا:۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتایا ہم نے ظاہر کر دیا اور یہی ہماری سچائی کی دلیل ہے اگر منصوبہ بازی ہوتی تو ایسا کیوں لکھتے؟ مگر ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس براہین میں میرا نام عیسیٰ بھی رکھا گیا ہے اس کی بنیاد براہین سے پڑی ہوئی ہے اور علاوہ بریں سنت اللہ اسی طرح پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال سے پہلے کیوں نبوت کا دعویٰ نہ کر دیا؟ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مامور ہونے سے پہلے یوسف نجار کے ساتھ بڑھئی کا کام ہی کرتے رہے۔ غرض جب تک حکم نہیں ہوتا اعلان نہیں کرتے۔ دیکھو جب تک شراب کی حرمت

لہ یہ سوال اور اس کا جواب "البدر" نے یکم اگست کی ڈائری میں درج کیا ہے۔ (مرتب)

کا حکم نہیں ہوا تھا اس کی حرمت بیان نہیں کی گئی[1]۔ اسی طرح ہوا کرتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے ہم پر کھول دیا ہم نے دعویٰ کر دیا۔ بغیر اس کی اطلاع اور اذن کے کس طرح ہو سکتا تھا؟

پس یاد رکھو کہ ہر ایک نبی کو جب تک وحی نہ ہو وہ کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہر ایک چیز کی اصل حقیقت تو وحی الٰہی سے ہی کھلتی ہے۔ یہی وجہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ یعنی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی وحی آپ پر ہوئی تو پھر وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس: ۱۰۵) آپ کو کہنا پڑا۔ اسی طرح آپ کے زمانہ وحی سے پیشتر مکہ میں بُت پرستی اور شرک، فسق و فجور ہوتا تھا لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ وحی الٰہی کے آنے سے پہلے بھی آپ نے بُتوں کے خلاف وعظ کیا اور تبلیغ کی تھی لیکن جب فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: ۹۵) کا حکم ہوا تو پھر ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں کی اور ہزاروں مشکلات اور مصائب کی بھی پروا نہیں کی۔ بات یہی ہے کہ جب کسی امر کے متعلق وحی الٰہی آجاتی ہے تو پھر مامور اس کے پہنچانے میں کسی کی پروا نہیں کرتے اور اس کا چھپانا اسی طرح شرک سمجھتے ہیں جس طرح وحی الٰہی سے اطلاع پانے کے بغیر کسی امر کی اشاعت شرک سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اس بات کو جس کی اطلاع وحی الٰہی کے ذریعہ سے نہیں ملی بیان کرتا ہے تو گویا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اُسے وہ سُوجھتا ہے جو خدا تعالیٰ کو بھی نہیں سوجھتا اور اس گستاخی سے وہ مشرک ہو جاتا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام باتیں جو قرآن شریف میں درج ہیں قرآن شریف کے نزول سے پہلے ہی بیان کر دیتے تو پھر قرآن شریف کی کیا ضرورت رہ جاتی۔ غرض جو کچھ ہم پر خدا تعالیٰ نے کھولا اور جب کھولا ہم نے بیان کر دیا[2]۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۱ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں ہے:۔ "ابتدا میں بعض صحابہ کرامؓ نے شراب پی ہوئی ہوتی تھی اور نماز پڑھ لیتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منع نہیں کیا جب تک کہ آیت کریمہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى (النساء: ۴۴) نہ نازل ہوئی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔

"غرضکہ رسول وہی کام کرتا ہے جس کا حکم دیا جاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: ۹۵) جس کا حکم نہ دیا جائے اس کے برخلاف کچھ کہنا یا کرنا گستاخی ہے پس یہی وجہ تھی کہ مسیح کے آسمان پر زندہ ہونے کا جو عقیدہ عام اہلِ اسلام میں رائج تھا اُسے کتاب میں لکھ دیا گیا اور جب وحی الٰہی نے اُسے غلط ثابت کیا وہ غلطی ظاہر کر دی گئی۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

یکم اگست ۱۹۰۳ء

گناہ پر مواخذہ کی وجہ

ایک دوست کے تحریری سوال پر کہ اللہ تعالیٰ شرک کو کیوں معاف نہیں کرتا اور گناہ پر مؤاخذہ کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا:-

گناہوں کے مؤاخذہ کے متعلق یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا سنت اللہ میں یہ داخل ہے یا نہیں؟ وہ ہمیشہ سے مؤاخذہ کرتا آیا ہے[1]۔ گناہ خواہ از قسم صغائر ہوں یا کبائر اس کا مؤاخذہ ضرور ہوتا ہے۔ اور انسان خود اپنی فطرت میں غور کرے کہ کیا وہ اپنے ماتحتوں اور متعلقین سے کوئی مؤاخذہ کرتا ہے یا نہیں۔ جب اُن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور وہ کوئی خطا کرتے ہیں۔ یہ فطرتی نقش اس بات پر ایک حجت اور گواہ ہے اور یہ بات کہ شرک کو نہیں بخشتا۔ اگر ایک ایک گناہ پر یہ سوال ہو تو پھر بہت بڑی وسعت دیکر اس سوال کو یوں کہنا پڑیگا کہ وہ ہر قسم کے گناہ کیوں معاف نہیں کر دیتا۔ سزا دیتا ہی کیوں ہے؟ یہ غلطی ہے پہلی اُمتوں پر گناہوں کے باعث عذاب آئے اور اب بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح گناہوں کا مؤاخذہ کرتا ہے۔

ہاں ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے کہ گناہ گاروں کو ایسی سزا ابدی ملے گی کہ اس سے پھر کبھی نجات ہی نہ ہوگی بلکہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم گنہگاروں کو بچالے گا اور اسی لیے قرآن شریف میں جہاں عذاب کا ذکر کیا ہے وہاں فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (ھود: ۱۰۸) فرمایا ہے۔

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک بندوں کے اور ایک خدا کے۔ جیسے چوری ہے یہ عبد کا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی چوری شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو چُرا کر دوسرے کو دیتا ہے چونکہ یہ ایک بڑی زبردست ہستی کی چوری ہے اس لیے اس کی سزا بھی بہت ہی بڑی ملتی ہے۔

جو لوگ اس قسم کے سوال کرتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کو اپنے قانون اور مرضی کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں کہ جس گناہ کو یہ چاہیں اسے بخش دے اور جس کو نہ چاہیں اسے نہ بخشے اس طرح پر کیسے ہو سکتا ہے؟ یہاں دنیا میں اس کا نمونہ نہیں تو آخرت میں کیسے؟ کوئی وائسرائے کو لکھ دے کہ فلاں مجرم کو سزا نہ دی جائے

---

[1] البدر میں ہے:- "فرمایا۔ اگر شرک کو اللہ تعالیٰ بخش دے تو پھر زانی اور ہر ایک فاسق فاجر کو بھی بخش دینا چاہیئے اور پھر اس میں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ آیا اللہ تعالےٰ گناہوں کا بدلہ دیتا ہے کہ نہیں اور گناہوں کے بارے میں پہلی اُمتوں سے اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا تو اس کے جواب میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اُمتوں کو گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب دیئے گئے تو پھر شرک جیسے گناہ کی سزا کیوں نہ دی جائے"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۳ مورخہ ۱۴ر اگست ۱۹۰۳ء)

اور تعزیرات ہند کو موقوف کر دیا جائے تو کیا ایسی درخواست منظور ہو سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ اس طرح پر تو اباحت کی بنیاد رکھی جاتی ہے کہ جو چاہو سو کرو۔[1]

ایمان بالرسل کی ضرورت

پھر اسی خط میں ایک دوسرا سوال یہ بھی تھا کہ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی؟ اس پر فرمایا کہ:۔

رسُول وہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات ہوتے ہیں پس جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بہت خطرناک جرم کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ شریعت کے سارے سلسلہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اور حلت و حرمت کی قید اُٹھا کر اباحت کا مسئلہ پھیلانا چاہتا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیسے نجات کا مانع نہ ہو؟ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لا انتہا برکات اور فیوض لے کر آیا ہے اس کا انکار ہو اور پھر نجات کی اُمید۔ اس کا انکار کرنا ساری بدکاریوں اور بدمعاشیوں کو جائز سمجھنا ہے کیونکہ وہ ان کو حرام ٹھہراتا ہے۔[2]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۲۱ اگست ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

درازی عمر کا اصل گُر

ہمارے مکرم مخدوم ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے اپنی رخصت کے ختم ہونے پر عرض کی کہ میں صبح جاؤں گا۔ فرمایا کہ:۔

---

[1] البدر میں ہے:۔ "پھر جس حال میں یہاں قانون میں ان کی دخل اندازی نہیں ہو سکتی تو خدا تعالیٰ کے قانون میں وہ کیوں تغیر و تبدل چاہتے ہیں"؟ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۳ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "رسول وہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات ہزارہا ہوتے ہیں تو جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بڑا گناہ کرتا ہے اور اصل میں جو شخص کہ رسول کا انکار کرتا ہے دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہتا ہے کہ ہر ایک حرام حلال ہے۔ شراب بھی جائز ہے زنا بھی جائز ہے جھوٹ بھی جائز ہے گویا سب صغائر و کبائر جائز ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے منع کرتے ہیں اور وہ جب اُن کا انکار کرتا ہے تو اُن کی تعلیم کا بھی انکار کرتا ہے۔ یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک حکم کو تسلیم کرے لیکن جو وہ حکم لایا اس سے انکار کرے تو پھر وہ حکم کیسے حکم رہ سکتا ہے"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۳)

خط و کتابت کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیئے۔

ڈاکٹر صاحب نے عرض کی کہ حضور میرا ارادہ بھی ہے کہ اگر زندگی باقی رہی تو انشاء اللہ بقیہ حصہ ملازمت پورا کرنے کے بعد مستقل طور پر یہاں ہی رہوں گا۔ فرمایا:۔

یہ سچی بات ہے کہ اگر انسان توبۃ النصوح کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی وقف کر دے اور لوگوں کو نفع پہنچاوے تو عمر بڑھتی ہے۔ اعلاء کلمۃ الاسلام کرتا رہے اور اس بات کی آرزو رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پھیلے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان مولوی ہو یا بہت بڑے علم کی ضرورت ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔ یہ ایک اصل ہے جو انسان کو نافع الناس بناتی ہے اور نافع الناس ہونا درازی عمر کا اصل گر ہے[1]۔ فرمایا:۔

تیس سال کے قریب گذرے کہ میں ایک بار سخت بیمار ہوا[2]۔ اور اس وقت مجھے الہام ہوا اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم تھا کہ مجھ سے خلق خدا کو کیا کیا فوائد پہنچنے والے ہیں لیکن اب ظاہر ہوا کہ ان فوائد اور منافع سے کیا مراد تھی۔

غرض جو کوئی اپنی زندگی بڑھانا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ نیک کاموں کی تبلیغ کرے اور مخلوق کو فائدہ پہنچاوے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی دل کو ایسا پاتا ہے کہ اس نے مخلوق کی نفع رسانی کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ اسے توفیق دیتا اور اس کی عمر دراز کرتا ہے جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے اُسی قدر اس کی عمر دراز ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا اور اس کی زندگی کی قدر کرتا ہے، لیکن جس قدر وہ خدا تعالیٰ سے لاپروا اور لاأبالی ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ بھی اس کی پروا نہیں کرتا۔

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی وقف نہ کرے اور اس کی مخلوق کے لیے نفع رساں نہ ہو تو یہ ایک بیکار اور نکمی ہستی ہو جاتی ہے بھیڑ۔ بکری بھی پھر اس سے اچھی ہے جو انسان کے کام تو آتی ہے لیکن یہ جب

---

[1] البدر میں ہے:۔ "زندگی کے لمبا کرنے کا ایک ہی گر ہے اور وہ یہ ہے جیسے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ جو شئے انسان کو زیادہ فائدہ رساں ہوتی ہے وہ زمین میں بہت دیر قائم رہتی ہے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ قریب ۳۰ سال کا عرصہ گذرا ہے کہ ایک دفعہ مجھے سخت بخار چڑھا یہانتک کہ میں نے سمجھا کہ اب آخری دم ہے اور جب میرا خیال قریب قریب یقین کے ہو گیا تو تفہیم ہوئی اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (حوالہ مذکور)

اشرف المخلوقات ہوکر اپنی نوع انسان کے کام نہیں آتا تو پھر بدترین مخلوق ہوجاتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ (التین: ۵، ۶) میں[1] گرایا جاتا ہے پس یہ سچی بات ہے کہ اگر انسان میں یہ نہیں ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے اوامر کی اطاعت کرے اور مخلوق کو نفع پہنچاوے تو وہ جانوروں سے بھی گیا گذرا ہے اور بدترین مخلوق ہے۔

کامیابی کی موت بھی درازئ عمر ہے

اس جگہ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ جو نیک اور برگزیدہ ہوتے ہیں چھوٹی عمر میں بھی اس جہان سے رخصت ہوتے ہیں[2] اور اس صورت میں گویا یہ قاعدہ اور اصل ٹوٹ جاتا ہے مگر یہ ایک غلطی اور دھوکا ہے۔ دراصل ایسا نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ کبھی نہیں ٹوٹتا مگر ایک اور صورت پر درازئ عمر کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی کا اصل منشاء اور درازئ عمر کی غائت تو کامیابی اور بامراد ہونا ہے پس جب کوئی شخص اپنے مقاصد میں کامیاب اور بامراد ہوجاوے اور اس کو کوئی حسرت اور آرزو باقی نہ رہے اور مرتے وقت نہایت اطمینان کے ساتھ اس دُنیا سے رخصت ہو تو وہ گویا پوری عمر حاصل کرکے مرا ہے اور درازئ عمر کے مقصد کو اس نے پالیا ہے۔ اُس کو چھوٹی عمر میں مرنے والا کہنا سخت غلطی اور نادانی ہے۔

صحابہ میں بعض ایسے تھے جنہوں نے بیس بائیس برس کی عمر پائی مگر چونکہ ان کو مرتے وقت کوئی حسرت اور نامرادی باقی نہ رہی بلکہ کامیاب ہوکر اُٹھے تھے اس لیے انہوں نے زندگی کا اصل منشاء حاصل کرلیا تھا۔

---

[1] یہاں عبارت چھوٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ البدر میں ہے:۔

"قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔ یہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مخلوق کو فائدہ رسانی کے بعد اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے سے انسان پر یہ کلمہ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ صادق آتا ہے اور اگر وہ یہ نہیں کرتا ہے تو اسفل سافلین ہی میں ردّ کیا جاتا ہے۔ اگر انسان میں یہ باتیں نہیں ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرے اور مخلوق کو فائدہ پہنچاوے تو پھر کُتے، بھیڑ، بکری وغیرہ جانوروں میں اور اس میں کیا فرق ہے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

[2] البدر سے:۔ "اگر انسان خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مرجائے تو جانے کہ اس نے بڑی عمر حاصل کرلی ہے کیونکہ بڑی عمر کا اصل مدعا جو یہ تھا کہ مخلوق کو فائدہ پہنچا کر اور خدا تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت کرکے اپنے مولا کو راضی کرے وہ اس نے حاصل کرلیا اور مرتے وقت اس کے دل میں کوئی حسرت نہیں رہی۔"

(البدر جلد ۳ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۴)

نیتِ حسنہ کی اہمیت

اگر انسان نیکی نہ کرسکے تو کم از کم نیکی کی نیت تو رکھے کیونکہ ثمرات عموماً نیتوں کے موافق ملتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیوی حکام بھی اپنے قوانین میں نیت پر بہت بڑا مدار رکھتے ہیں اور نیت کو دیکھتے ہیں۔ اسی طرح پر دینی اُمور میں بھی نیت پر ثمرات مرتب ہوتے ہیں پس اگر انسان نیکی کرنے کا مصمم ارادہ رکھے اور نیکی نہ کرسکے تب بھی اس کا اجر مل جاویگا اور جو شخص نیکی کی نیت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو توفیق بھی دے دیتا ہے اور توفیق کا ملنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے دیکھا گیا ہے اور تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ انسان سعی سے کچھ نہیں کرسکتا۔ نہ وہ صلحاء، سعداء وشہداء میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ اَور برکات اور فیوض کو پاسکتا ہے۔ غرض ؎

نہ بزور نہ بزاری نہ بزرمے آید

بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ گوہرِ مقصود ملتا ہے اور حصولِ فضل کا اقرب طریق دُعا ہے۔

دُعا کے لوازمات

اور دُعا کامل کے لوازمات یہ ہیں کہ اس میں رقت ہو۔ اضطراب اور گدازش ہو۔ جو دُعا عاجزی، اضطراب اور شکستہ دلی سے بھری ہوئی ہو وہ خدا تعالیٰ کے فضل کو کھینچ لاتی ہے اور قبول ہوکر اصل مقصد تک پہنچاتی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور پھر اس کا علاج یہی ہے کہ دعا کرتا رہے، خواہ کیسی ہی بے دلی اور بے ذوقی ہو لیکن یہ سیر نہ ہو۔ تکلف اور تصنع سے کرتا ہی رہے۔ اصلی اور حقیقی دُعا کے واسطے بھی دعا ہی کی ضرورت ہے۔

بہت سے لوگ دُعا کرتے ہیں اور ان کا دل سیر ہوجاتا ہے وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ کچھ نہیں بنتا۔ مگر ہماری نصیحت یہ ہے کہ اس خاک پیزی ہی میں برکت ہے کیونکہ آخر گوہرِ مقصود اسی سے نکل آتا ہے اور ایک دن آجاتا ہے کہ جب اس کا دل زبان کے ساتھ متفق ہوجاتا ہے[1] اور پھر خود ہی وہ عاجزی اور رقت جو دُعا کے لوازمات ہیں پیدا ہوجاتے ہیں۔ جو رات کو اُٹھتا ہے خواہ کتنی ہی عدم حضوری اور بے صبری ہو لیکن اگر وہ اس حالت میں بھی دُعا کرتا ہے کہ الٰہی دل تیرے ہی قبضہ و تصرف میں ہے تو اس کو صاف کردے اور عین

---

[1] البدر سے:۔ "اور اگر دُعا کو دل نہ چاہے اور پورا خشوع خضوع دُعا میں حاصل نہ ہو تو اس کے حصول کے واسطے بھی دُعا کرے اور اس بات سے ابتلا میں نہ پڑے کہ میری دعا تو صرف زبان پر ہی ہوتی ہے دل سے نہیں نکلتی۔ دُعا کے جو لفظ ہوتے ہیں ان کو زبان سے ہی کہتا رہے۔ آخر استقلال اور صبر سے ایک دن دیکھ لیگا کہ زبان کے ساتھ اس کا دل بھی شامل ہوگیا ہے اور عاجزی وغیرہ لوازمات دُعا میں پیدا ہوجائیں گے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۴ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

قبض کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بسط چاہے تو اس قبض سے بسط نکل آئے گی اور رقت پیدا ہو جائے گی یہی وہ وقت ہوتا ہے جو قبولیت کی گھڑی کہلاتا ہے۔ وہ دیکھے گا کہ اس وقت رُوح آستانۂ الوہیت پر پانی کی طرح بہتی ہے اور گویا ایک قطرہ ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے۔

مسیح علیہ السلام کی مضطربانہ دُعا

میں نے خیال کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ اور وہ حالتِ دعا کا ایک صحیح نقشہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی بد قضاء وقدر مقدر تھی اور وہ قبل از وقت اُن کو دکھائی گئی تھی اور انہوں نے بھی یہی سمجھا تھا کہ اس سے رہائی محال ہے اور پہلے نبیوں نے بھی ایسا ہی سمجھا تھا اور آثار بھی ایسے ہی نظر آتے تھے۔ اس واسطے انہوں نے بڑی بیکلی اور اضطراب کے ساتھ دُعا کی۔ انجیل میں اس کا نقشہ خوب کھینچ کر دکھایا ہے۔ پس ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ نے ان کی قضاء وقدر کو جو موت کے رنگ میں مقدر تھی غشی کے ساتھ بدل دیا اور اُن کی دُعا سُنی گئی چنانچہ انجیل کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جہاں لکھا ہے فَسُمِعَ لِتَقْوٰیہُ۔ کہ اس کی دُعا اس کے تقویٰ کے باعث سُنی گئی اور خدا نے تقدیر ٹال دی اور موت غشی سے بدل گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر عیسائیوں کے کہنے کے موافق مان لیا جاوے کہ مسیح صلیب پر مر گیا تو اس موت کو لعنتی ماننا پڑے گا جس کا کوئی جواب عیسائیوں کے پاس نہیں بلکہ عیسائیوں پر ایک اَور مصیبت بھی آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر ان کو ماننا پڑیگا کہ مسیح کی یہ دُعا بھی جو اُس نے باغ میں ساری رات رو رو کر کی تھی قبول نہیں ہوئی اور ان میں اور چوروں میں جو اُن کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے تھے کیا فرق ہوا؟ اُنہوں نے بھی تو صلیب پر مرنے سے بچنے کے لیے دُعا کی تھی اور انہوں نے بھی کی۔ نہ اُن کی قبول ہوئی اور نہ اِن کی۔ مگر ہمارا یہ مذہب نہیں ہے۔ جیسے ہمارے نزدیک مسیح کی موت لعنتی موت نہ تھی جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے ویسے ہی یہ بھی ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ صلیب پر سے زندہ اُتر آئے۔

ایک نکتہ

اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک باریک سِتر ہوتا ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے ابتلا اور قضاء وقدر آیا کرتے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی آیا اور دوسرے نبیوں پر بھی کسی نہ کسی رنگ میں آتے ہیں اور یہ ایک تجلّی ہوتی ہے جس کو دوسرے لوگ موت سمجھتے ہیں مگر یہ موت دراصل ایک زندگی کا دروازہ ہوتی ہے۔

باب الموت

صوفی کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص کو جو خدا تعالیٰ سے ملنا چاہے ضروری ہے کہ وہ باب الموت سے گذرے۔ مثنوی میں اس مقام کے بیان کرنے میں ایک قصہ نقل کیا ہے۔

(یہاں حضرت نے وہ قصہ بیان کیا[1])

پس یہ سچی بات ہے کہ نفس امارہ کی تاروں میں جو یہ جکڑا ہوا ہے اس سے رہائی بغیر موت کے ممکن ہی نہیں۔

مقامِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ

اسی موت کی طرف اشارہ کر کے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر: ۱۰۰) اس جگہ یقین سے مراد موت بھی ہے۔ یعنی انسان کی اپنی ہوا و ہوس پر پوری فنا طاری ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت رہ جاوے اور وہ یہاں تک ترقی کرے کہ کوئی جنبش اور حرکت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نہ ہو[2]۔

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ موت انسان پر وارد ہو جاتی ہے تو سب عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں[3]۔ اور پھر خود ہی سوال کرتے ہیں کہ کیا انسان اباحتی ہو جاتا ہے اور سب کچھ اس کے لیے جائز

---

[1] البدر میں یہ قصہ بھی لکھا ہے:۔

"کہ ایک شخص کے پاس ایک طوطا تھا جب وہ شخص سفر کو چلا تو اس نے طوطے سے پوچھا کہ تو بھی کچھ کہہ۔ طوطے نے کہا کہ اگر تو فلاں مقام پر گذرے تو ایک بڑا درخت ملے گا اس پر بہت سے طوطے ہونگے ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ کھلی ہوا میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہو اور ایک میں بے نصیب ہوں کہ قید میں ہوں۔ وہ شخص جب اس درخت کے پاس پہنچا تو اس نے طوطوں کو وہ پیغام پہنچایا۔ ان میں سے ایک طوطا درخت سے گرا اور پھڑک پھڑک کر جان دیدی۔ اس کو یہ واقعہ دیکھکر کمال افسوس ہوا کہ اس کے ذریعہ سے ایک جان ہلاک ہوئی۔ مگر سوائے صبر کے کیا چارہ تھا۔ جب سفر سے وہ واپس آیا تو اس نے اپنے طوطے کو سارا واقعہ سُنایا اور اظہارِ غم کیا۔ یہ سُنتے ہی وہ طوطا بھی جو پنجرہ میں تھا پھڑکا اور پھڑک پھڑک کر جان دیدی۔ یہ واقعہ دیکھکر اس شخص کو اَور بھی افسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ سے دو خُون ہوئے۔ آخر اس نے طوطے کو پنجرے سے نکال کر باہر پھینک دیا تو وہ طوطا جو پنجرہ سے مُردہ سمجھ کر پھینک دیا تھا اُڑ کر دیوار پر جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ دراصل نہ وہ طوطا مرا تھا اور نہ میں۔ میں نے تو اس سے راہ پوچھی تھی کہ اس قید سے آزادی کیسے حاصل ہو؟ سو اُس نے مجھے بتایا کہ آزادی تو مر کر حاصل ہوتی ہے پس میں نے بھی موت اختیار کی تو آزاد ہو گیا۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۵ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "غرضکہ انسان کے لیے بھی ایک پنجرہ ہے جسے نفسِ امارہ کہتے ہیں اس پنجرہ سے بھی وہ نہیں نکل سکتا جب تک کہ موت کو قبول نہ کرے۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۵ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

[3] البدر سے:۔ "اس پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ کیا ایسی موت کے آنے کے بعد انسان عبادت نہ کرے اور بیشک بدیوں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہو جاتا ہے؟

پھر آپ ہی جواب دیا ہے کہ یہ بات نہیں کہ وہ اباحتی ہو جاتا ہے بلکہ بات اصل یہ ہے کہ عبادت کے اثقال اُس سے دُور ہو جاتے ہیں اور پھر تکلف اور تصنع سے کوئی عبادت وہ نہیں کرتا بلکہ عبادت ایک شیریں اور لذیذ غذا کی طرح ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت اس سے ہو سکتی ہی نہیں اور خدا تعالیٰ کا ذکر اس کے لیے لذت بخش اور آرام دہ ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کہا جاتا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۱) اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ نواہی کی اجازت ہو جاتی ہے نہیں بلکہ وہ خود ہی نہیں کر سکتا اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ کوئی خصی ہو اور اس کو کہا جاوے کہ تو جو مرضی ہے کر۔ تو وہ کیا کر سکتا ہے؟ اس سے فسق و فجور مراد لینا کمال درجہ کی بے حیائی اور حماقت ہے۔ یہ تو اعلیٰ درجہ کا مقام ہے جہاں کشفِ حقائق ہوتا ہے۔ صوفی کہتے ہیں اسی کے کمال پر الہام ہوتا ہے اس کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا ہو جاتی ہے اس وقت اُسے یہ حکم ملتا ہے۔

پس اثقالِ عبادت اس سے دُور ہو کر عبادت اس کے لیے غذا شیریں کا کام دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرۃ: ۲۶) فرمایا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

میں مبتلا رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت کے بعد یعنی جبکہ انسان نفسِ امارہ سے جنگ کر کے اس پر غالب آ جاتا ہے اور فتح پا لیتا ہے تو پھر عبادت اور نیک اعمال کا بجالانا اس کے لیے ایک طبعی امر ہوتا ہے جیسے انسان بلا تکلف میٹھی میٹھی مزہ دار چیزیں کھاتا رہتا ہے اور اُسے لذت آتی رہتی ہے۔ ایسے ہی بلا تکلف نیک اعمال اس سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اور اس کی تمام لذت اور خوشی خدا تعالیٰ کی عبادت میں ہوتی ہے اور جب تک وہ نفس سے جنگ کرتا رہتا ہے تبھی تک اُسے ثواب بھی ملتا ہے لیکن جب اس نے موت حاصل کر لی اور نفس پر فتح پا لی تو پھر تو جنت میں داخل ہو گیا۔ اب ثواب کاہے کا؟ یہی وہ جنت ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور قرآن شریف میں دو جنتوں کا بیان ہے جیسے کہ لکھا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن: ۴۷) یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ دنیا والی جنت وہ ہے جو کہ اس درجہ کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس مقام پر پہنچکر انسان کی اپنی کوئی مشیت نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ کی مشیت اس کی اپنی مشیت ہوتی ہے اور جیسے ایک انسان کو خصی کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے تو زنا کاری وغیرہ حرکات کا مرتکب ہی نہیں ہو سکتا ویسے ہی یہ شخص خصی کر دیا جاتا ہے اور اس سے کوئی بدی نہیں ہو سکتی۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۵ مورخہ ۴، اگست ۱۹۰۳ء)

گناہ سے نجات کیسے ہو؟

فرمایا:۔
گناہ سے نجات محض خدا تعالیٰ کے فضل اور تصرف سے ملتی ہے جب وہ تصرف کرتا ہے اور دل میں وعظ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ایک نئی قوت انسان کو ملتی ہے جو اس کے دل کو گناہ سے نفرت دلاتی ہے اور نیکیوں کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

ایمان کیلئے ابتلا ضروری شئے ہے

ایک شخص نے اپنی تکالیف اور ابتلاؤں کا ذکر کیا۔
فرمایا:۔
جب اللہ تعالیٰ کسی آسمانی سلسلہ کو قائم کرتا ہے تو ابتلا اس کی جزو ہوتے ہیں جو اس سلسلہ میں داخل ہوتا ہے ضروری ہوتا ہے کہ اس پر کوئی نہ کوئی ابتلا آوے تاکہ اللہ تعالیٰ سچے اور مستقل مزاجوں میں امتیاز کر دے اور صبر کرنے والوں کے مدارج میں ترقی ہو۔ ابتلا کا آنا بہت ضروری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) کیا لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا کہنے پر ہی چھوڑ دیئے جاویں کہ ہم ایمان لائے اور ان پر کوئی ابتلا نہ آوے ایسا کبھی نہیں ہوتا خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ وہ غداروں اور کچوں کو الگ کر دے۔ پس ایمان کے بعد ضروری ہے کہ انسان دُکھ اُٹھائے بغیر اس کے ایمان کا کچھ مزا ہی نہیں ملتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور انہوں نے کیا کیا دُکھ اُٹھائے۔ آخر ان کے صبر پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بڑے بڑے مدارج اور مراتب عالیہ عطا کئے انسان جلد بازی کرتا ہے اور ابتلا آتا ہے تو اس کو دیکھ کر گھبرا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ دنیا ہی رہتی ہے[1] اور نہ دین ہی رہتا ہے مگر جو صبر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور ان پر انعام واکرام کرتا ہے۔ اس لیے کسی ابتلا پر گھبرانا نہیں چاہیئے ابتلا مومن کو اللہ تعالیٰ کے اَور بھی قریب کر دیتا ہے اور اس کی وفاداری کو مستحکم بناتا ہے لیکن کچے اور غدار کو الگ کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے ذکر کیا کہ میرا ایک ساتھی تھا مگر اُسے جماعت میں داخل ہونے کے بعد کچھ تکالیف پہنچیں تو وہ الگ ہو گیا۔ فرمایا:۔
تم شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس ابتلا سے بچا لیا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ تلواروں سے ڈرایا جاتا تھا اور وہ لوگ اس کے مقابلہ پر کیا کرتے تھے۔ خدائے تعالیٰ سے دُعائیں مانگتے اور کہتے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ

---

[1] البدر میں یہ عبارت یُوں ہے:۔ انسان چونکہ جلد باز ہوتا ہے اسلئے خدا کے ابتلا سے وُہ گھبرا جاتا ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ صبر کے کیا کیا ثمرات ہیں جو اُسے ملنے والے ہیں اس لیے صبر کرنا بہت ضروری ہے۔"
(البدر جلد نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۵ مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۰۳ء)

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ: ۲۸۷) مگر آج کل تو خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ تلوار سے نہیں ڈرایا جاتا۔ اصل یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں رہنے کے لائق نہیں پاتا اُن کو الگ کر دیتا ہے وہ ایمان کے بعد مرتد اس لیے ہوتے ہیں کہ قیامت کو جب وہ اپنے رفیق کو جنت میں دیکھیں تو اُن کی حسرت اَور بھی بڑھے۔ اس وقت وہ کہینگے کاش ہم اپنے رفیق کے ساتھ ہوتے۔

اپنی ہی کمزوری ہے جو ذرا ذرا سی بات پر یہ لوگ گھبرا جاتے ہیں ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا رازق سمجھ لیں اور اس پر ایمان رکھیں تو ایک جُرات اور دلیری پیدا ہو جاتی ہے پس ساری باتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ صبر اور استقلال سے کام لینا چاہیئے اور خدا تعالیٰ سے ثبات قدم کی دُعا مانگتے رہو۔

کسی کا مُرتد ہو جانا کچھ میرے سلسلہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ منہاج نبوت کے ساتھ یہ بات لازمی ہے۔ نبیوں کے سلسلے میں یہ نظیریں ملتی ہیں۔ ہم کو کوئی افسوس نہیں۔ البتہ ایسے لوگوں پر رحم آتا ہے کیونکہ اُن کو دوچند عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ ایمان لاکر مُرتد ہوئے اور پھر بہشت کے پاس پہنچ کر واپس ہوئے یہ حسرت کا عذاب ہوگا۔

مشکلات سے مت ڈرو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر دُکھ اور مصیبت اور بے عزتی اُٹھانے کے لیے تیار رہو تا خدا تعالیٰ تمہارے مصائب کو دور کرے اور تمہاری آبرو کا خود محافظ ہو۔

مومن وہی ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ وفادار ہوتا ہے۔ جب ایمان لے آیا پھر کسی کی دھمکی کی کیا پروا ہے تم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے اور یہ اقرار کر چکے ہو۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے لیے وطن، احباب اور ساری آسایشوں کو چھوڑتا ہے وہ اس کے لیے سب کچھ مہیا کرتا ہے۔ اب چاہیئے کہ صادقوں کی طرح ثابت قدم رہے کیونکہ خدا تعالیٰ صادق کا ساتھ دیتا ہے اور اس کو بڑے بڑے درجے عطا کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس وقت صادقوں کی جماعت تیار کر رہا ہے۔ جو صادق نہیں وہ آج نہیں کل چلا جائے گا اور اس سلسلہ سے الگ ہو کر رہے گا مگر صادق کو خدا تعالیٰ ضائع نہیں کریگا۔[1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۴/ اگست ۱۹۰۳ء)

---

[1] البدر میں مزید یہ بھی لکھا ہے:۔

"مخالفوں کے پیچھے نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ جان بوجھ کر دشمنی کرتے ہیں اور حق کے خلاف کرتے ہیں۔ جماعت کے امام کو تو مومن ہونا چاہیئے اور یہ اُلٹے مکفر ہیں۔ پس یہ کیسے مستحق ہیں کہ امام بنیں۔ اگر یہ جائز ہوتا کہ مسلمانوں کی نماز کا امام کافر و منافق ہو تو پھر صحابہ کرام نے کیوں مخالفوں کے پیچھے نماز نہ پڑھی؟ جس حال میں یہ لوگ ہمیں نہیں مانتے تو پھر ہمارے مکفر مکذب ہی ہیں۔ خواہ کہیں خواہ نہ کہیں"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۵ مورخہ ۱۴/ اگست ۱۹۰۳ء)

۱۳ اگست ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

دُعا کے اثر اور قبولیت کو توجہ کیساتھ تعلق ہے

امریکہ سے جناب مفتی محمد صادق صاحب کے ذریعہ ایک ڈاکٹر کی بیوی نے اپنے کسی عارضہ کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

اس کو جواب میں لکھا جاوے کہ اس میں شک نہیں کہ دُعاؤں کی قبولیت پر ہمارا ایمان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے مگر دُعاؤں کے اثر اور قبولیت کو توجہ کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے اور پھر حقوق کے لحاظ سے دُعا کے لیے جوش پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا حق سب پر غالب ہے۔ اس وقت دنیا میں شرک پھیلا ہوا ہے اور ایک عاجز انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے۔ اس لیے فطرتی طور پر ہماری توجہ اس طرف غالب ہو رہی ہے کہ دنیا کو اس شرک سے نجات ملے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت قائم ہو اس کے سوا دوسری طرف ہم توجہ کر ہی نہیں سکتے۔ اور یہ بات ہمارے مقاصد اور کام سے دُور ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کریں بلکہ اس میں ایک قسم کی معصیت کا خطرہ ہوتا ہے۔

ہاں یہ میرا ایمان ہے کہ بیماروں یا مصیبت زدوں کے لیے توجہ کی جاوے تو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے بلکہ ایک وقت یہ امر بطور نشان کے بھی مخالفوں کے سامنے پیش کیا گیا اور کوئی مقابلہ میں نہ آیا۔ اس وقت میری ساری توجہ اسی ایک امر کی طرف ہو رہی ہے کہ یہ مخلوق پرستی دُور ہو اور صلیب ٹوٹ جاوے۔ اس لیے ہر کام کی طرف اس وقت میں توجہ نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اسی طرف متوجہ کر دیا ہے کہ یہ شرک جو پھیلا ہوا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنایا گیا ہے اس کو نیست و نابود کر دیا جاوے۔ یہ جوش سمندر کی طرح میرے دل میں ہے اسی لیے ڈوئی کو لکھا ہے کہ وہ مقابلہ کے لیے نکلے پس تم صبر کرو جب تک کہ ایک دُعا کا فیصلہ ہو جاوے۔ اس کے بعد ایسے امور کی طرف بھی اللہ تعالیٰ چاہے تو توجہ ہو سکتی ہے لیکن دعا کرانے والے کے لیے یہ بھی ضرور ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ سے صلح کرے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ پس جہانتک ممکن ہو تم اپنے آپ کو درست کرو اور یہ یقیناً سمجھ لو کہ انسان کا پرتار کبھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

مسیح کی زندگی کے حالات پڑھو تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ خدا نہیں ہے۔ اس کو اپنی زندگی میں کسقدر کوفتیں اور کلفتیں اُٹھانی پڑیں اور دعا کی عدم قبولیت کا کیسا بُرا نمونہ اس کی زندگی میں دکھایا گیا ہے خصوصاً باغ والی دُعا جو ایسے اضطراب کی دُعا ہے وہ بھی قبول نہ ہوئی اور وہ پیالہ ٹل نہ سکا۔ پس ایسی حالت میں

مقدم یہ ہے کہ تم اپنی حالت کو درست کرو اور انسان کی پرستش چھوڑ کر حقیقی خدا کی پرستش کرو۔
(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۷ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ

آسمانی نزول سے مراد

مسیح کے آسمانی نزول سے یہ مراد ہے کہ اس کے ساتھ آسمانی اسباب ہوں گے اور اس کا تعلق سماوی علوم سے ہوگا اور ایسا ہی فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھنے سے مراد ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا لطیفہ تھا جس کو کم فہم لوگوں نے ایک چھوٹی اور موٹی سی بات بنا لیا ہے جو صحیح نہیں۔

فرمایا:۔
دشمن کی دشمنی بھی ایک وقعت رکھتی ہے۔ ہزاروں شہدے فقیر پھرتے ہیں مگر کوئی ان کو نہیں پوچھتا اور نہ ان کا مقابلہ کرتا ہے مگر ہمارے مقابلہ میں ہر قسم کے حیلے کئے جاتے ہیں اور ہر ایک پہلو سے کوشش کی جاتی ہے کہ ہم کو نقصان پہنچایا جاوے اور وہ اس مقابلہ کے لیے ہزاروں روپیہ بھی خرچ کر چکے ہیں۔ ان کی مخالفت بھی ان نشانات کا جو ظاہر ہو رہے ہیں ایک روک بن جاتی ہے۔
(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۷ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۶ اگست ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

جنون کے اسباب

فرمایا کہ:۔
دو قوتیں انسان کو منجر بہ جنون کر دیتی ہیں۔ ایک بدظنی اور ایک غضب جبکہ افراط تک پہنچ جاویں۔ ایک شخص کا حال سنا کہ وہ نماز پڑھا کرتا تھا کہ اوّل ابتدا جنون کی اس طرح سے شروع ہوئی کہ اُسے نماز کی نیت کرنے میں شبہ پیدا ہونے لگا اور جب پیچھے اس امام کے کہا کرے تو امام کی طرف اُنگلی اُٹھا دیا کرے۔ پھر اس کی تسلی اس سے نہ ہوتی تو امام کے جسم کو ہاتھ لگا کر کہا کرے کہ "پیچھے اِس امام کے" پھر اَور ترقی ہوئی تو ایک دن امام کو دھکا دیکر کہا کہ "پیچھے اِس امام کے"۔
پس لازم ہے کہ انسان بدظنی اور غضب سے بہت بچے سوائے راستبازوں کے باقی جسقدر لوگ دنیا میں

ہوتے ہیں ہر ایک کچھ نہ کچھ حصہ جنون کا ضرور رکھتا ہے۔ جس قدر قویٰ اُن کے ہوتے ہیں ان میں ضرور افراط تفریط ہوتی ہے اور اس سے جنون ہوتا ہے۔

غضب اور جنون میں فرق یہ ہے کہ اگر سرسری دَورہ ہو تو اُسے غضب کہتے ہیں اور اگر وہ مستقل استحکام پکڑ جاوے تو اس کا نام جنون ہے۔

جنّت میں چاندی کا ذکر کیوں ہے

چاندی پر ذکر ہوا۔ فرمایا کہ:۔

چاندی کے بیچ میں ایک جوہر محبت ہے اس لیے یہ زیادہ مرغوب ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جنت کی نعماء میں چاندی کے برتنوں کا ذکر ہے حالانکہ اس سے بیش قیمت سونا ہے۔ وہ لوگ اس راز کو جو کہ خدا تعالیٰ نے چاندی میں رکھا ہے نہیں سمجھے۔ جنّت میں چونکہ غِل اور کینہ اور بغض وغیرہ نہیں ہوگا اور آپس میں محبت ہوگی اور چونکہ چاندی میں جوہرِ محبت ہے اس لیے اس نسبتِ باطنی سے جنّت میں اس کو پسند کیا گیا ہے۔ اس میں جوہرِ محبت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اگر طرفین میں لڑائی ہو تو چاندی دے دینے سے صلح ہو جاتی ہے اور کدورت دُور ہو جاتی ہے۔ کسی کی نظرِ عنایت حاصل کرنی ہو تو چاندی پیش کی جاتی ہے۔ علوم یا تو قیاس سے معلوم ہوتے ہیں اور یا تجربہ سے۔ چاندی کے اس اثر کا پتہ تجربہ سے لگتا ہے۔ خواب میں اگر ایک کسی مسلمان کو چاندی دے تو اس کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ اُسے اسلام سے محبت ہے اور وہ مسلمان ہو جاوے گا۔

کثرت شراب خوری کا نتیجہ

اکثر دفعہ جب تک ایک شئے کی کثرت نہ ہو تو اس کے خواص کا پتہ نہیں لگتا۔ شراب کی کثرت جو اس وقت یورپ وغیرہ میں ہے اگر یہ نہ ہوتی تو اس کے بد نتائج کیسے ظاہر ہوتے جس سے اس وقت دنیا پناہ پکڑنا چاہتی ہے اور اس کی کثرت سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی خوبی کھلتی ہے جنہوں نے ایسی شئے کو منع اور حرام فرمایا۔

اگر مسیح کی مقصود بالذات زمین ہی تھی کہ آخر عمر میں اُنہوں نے زمین پر ہی آنا تھا تو پھر اتنا عرصہ آسمان پر رہنے سے کیا فائدہ؟ یہی وقت زمین پر بسر کرتے کہ لوگوں کو اُن کی ذات اور تعلیم سے فائدہ ہوتا اور قوم گمراہی سے بچی رہتی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۲۴۱ مورخہ ۲۱ راگست ۱۹۰۳ء)

❊ ❊ ❊

۸؍اگست ۱۹۰۳ء

اعلائے کلمۃ الاسلام

اہل اسلام کی موجود حالت پر فرمایا کہ:۔
جب تک ان لوگوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کا خیال تھا اور اس کو انہوں نے اپنا مقصود بنایا ہوا تھا جب تک ان کی نظریں خدا پر تھیں خدا تعالیٰ بھی اُن کی نصرت کرتا تھا۔ مگر بعد ازاں جب اغراض بدل گئے تو خدا نے بھی چھوڑ دیا۔ اور اب اُن کی نظر انسانوں پر ہے سلطنتوں کی بھی یہی حالت ہے کہ اعلائے کلمۃ الاسلام کا کسی کو خیال نہیں ہے۔ خود روم میں رقِ نصاریٰ میں ایک چھوٹا سا رسالہ بھی نہیں لکھا جا سکتا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ سلطان محافظ حرمین ہے بلکہ حرمین خود محافظ سلطان ہیں۔

فرمایا کہ:۔
انسان کے اندر جو نور اور شعاع اعلائے کلمۃ الاسلام کا ہوتا ہے وہ انسان کو اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۲۴۲ مورخہ ۲۱؍ اگست ۱۹۰۳ء)

۹؍اگست ۱۹۰۳ء

دربار شام

حقوق العباد

بیمار پرسی اور کسی میت کی تجہیز و تکفین کی نسبت ذکر ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔
ہماری جماعت کو اس بات کا بہت خیال چاہیئے کہ اگر ایک شخص فوت ہو جاوے تو حتی الوسع سب جماعت کو اس کے جنازہ میں شامل ہونا چاہیئے۔ اور ہمسایہ کی ہمدردی کرنی چاہیئے۔ یہ تمام باتیں حقوق العباد میں داخل ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جس تعلیم اور درجہ تک خدا تعالیٰ پہنچانا چاہتا ہے۔ اس میں ابھی بہت کمزوری ہے۔ صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم ایمان دار ہیں بلکہ اس ایمان کو طلب کرنا چاہیئے جسے خدا چاہتا ہے بھائیوں کے حقوق کو اور ہمسایوں کے حقوق کو شناخت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ زبان سے کہہ لینا کہ ہم جانتے ہیں بیشک آسان ہے مگر سچی ہمدردی اور اخوت کو برت کر دکھلانا مشکل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام حرکات۔ اعمال افعال کے لیے ایمان مثل ایک انجن کے ہے۔ جب ایمان ہوتا ہے تو سب حقوق خود بخود نظر آتے جاتے ہیں اور بڑے بڑے اعمال اور ہمدردی خود ہی انسان کرنے لگتا ہے۔ ایمان کا تخم آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے لیکن

یہ ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۲۴۲ مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ اگست ۱۹۰۳ء

دربار شام

گنڈے اور تعویذ کی تاثیرات

شام کے وقت ایک صاحب نے گنڈے تعویذات کی تاثیرات کی نسبت استفسار کیا حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ان کا اثر ہونا تو ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس قسم کے علاج تصورات کی مد میں آجاتے ہیں کیونکہ تصورات کو انسان پر اثر اندازی میں بڑا اثر ہے۔ اس سے ایک کو ہنسا دیتے ہیں ایک کو رُلا دیتے ہیں اور کئی چیزیں جو کہ واقعی طور پر موجود نہ ہوں دوسروں کو دکھلا دیتے ہیں اور بعض امراض کا علاج ہوتا ہے۔ اکثر اوقات تعویذوں سے فائدہ بھی نہیں ہوتا تو آخر تعویذ دینے والے کو کہنا پڑتا ہے کہ اب میری پیش نہیں چلتی۔

اُمّتِ مرحُومہ

یہ امتِ مرحومہ اس واسطے بھی کہلاتی ہے کہ ان ٹھوکروں سے بچ جاوے جو اس سے پہلی اُمتوں کو پیش آئی ہیں[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۲۴۲ مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۱۱ اگست ۱۹۰۳ء

دربار شام

جان الیگزینڈر ڈوئی

مسٹر ڈوئی ایلیاس جس کو حضرت اقدس نے مقابلہ پر بُلایا ہے اب کثرت سے اس کا چرچا امریکہ اور انگلستان کی اخباروں میں اس مقابلہ پر ہو رہا ہے اور ہندوستان سے باہر کل عیسائی دنیا نے اس مقابلہ کو مذاہب کی سچائی کا حقیقی معیار قرار دیا ہے حتّٰی کہ دہریہ منش انسان جو کہ ان ممالک میں رہتے ہیں۔ ان کے ایمان کے لیے بھی اس مقابلہ دعا نے ایک راہ کھول دی ہے اور بس عدل اور انصاف پر یہ مقابلہ حضرت اقدس نے مبنی رکھا ہے اس کی شہادت خود یورپ اور امریکہ نے ان الفاظ

---

[1] اس ڈائری کے آخر میں "باقی آئندہ" لکھا ہے لیکن آئندہ اشاعتوں میں کہیں اس کا تسلسل موجود نہیں (مرتب)

میں دی ہے کہ اس مقابلہ میں مرزا صاحب نے کوئی پہلو رعایت کا اپنے لیے نہیں رکھا کہ جس سے ڈوئی کو انکار کرنے کی گنجائش ہو۔ آج کل وہی اخباریں پڑھی جاتی ہیں۔ ان اخباروں کو سُنکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ :۔

یہ ہمارا مقابلہ صرف مسٹر ڈوئی ہی سے نہیں ہے بلکہ تمام عیسائیوں کے مقابلہ پر ہے اور یہ بھی ایک طریق ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کسرِ صلیب کریگا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آنے والے مسیح کے خادم فرشتے ہوں گے ان الفاظ سے اس کی کمزوری نکلتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس زمینی ہتھیار نہ ہوں گے بلکہ جو کام زمینی ہتھیاروں سے ہوتا ہے وہ دُعا کے ذریعہ سے آسمان کے فرشتے خود کرتے رہیں گے۔ مشکوٰۃ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں عیسائیوں کے ساتھ کوئی شخص مقابلہ نہ کرسکے گا مگر ہاں مسیح موعود دُعاؤں سے مقابلہ کریگا سو اب وہ مقابلہ آپڑا ہوا ہے جس سے اسلام اور عیسائیت کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۲۴۹ مورخہ ۲۸ راگست ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ راگست ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

قادیان میں ایک عیسائی کی آمد

ایک عیسائی گل محمد نامی جو کہ غالباً دو چار سال سے مذہب عیسوی میں داخل ہیں اور بنوں کے باشندے ہیں اور آج کل لاہور کے ڈیوینٹی کالج میں قیام پذیر ہیں مذہبی تحقیقات کی غرض سے ۱۴ راگست ۱۹۰۳ء کو قادیان آکر اُسی دن بعد از نماز مغرب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس نے پہلے ان سے معمول حالات سکونت وغیرہ کے متعلق دریافت کئے جس کے بعد عیسائی صاحب نے اپنے مقصد کا اظہار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کتنی مدت یہاں ٹھہریں گے؟ اس کا جواب گل محمد صاحب نے یہ دیا کہ میں تو کل ہی چلا جاؤں گا۔ جس پر حضرت اقدس اور سب سامعین کو نہایت حیرانی ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے زور کے ساتھ اصرار سے کہا کہ

آپ یہاں دو تین ہفتہ تک ٹھہریں۔ یہ مذہبی معاملہ ہے جس کا نتیجہ کفر یا ایمان ہے۔ اس میں ایسی جلد بازی مناسب نہیں اور نہیں تو آپ کم از کم ایک ہفتہ ہی ٹھہریں اور مذہبی امور دریافت کریں۔ ہم حتی الوسع آپ کو سمجھاتے رہیں گے۔

حضرت نے یہاں تک بھی فرمایا کہ :۔

ہم ہر طرح سے آپ کے مکان ۔ خوراک وغیرہ کا بندوبست کرتے ہیں بلکہ یہاں رہنے میں آپ کا کچھ مالی نقصان ہے تو وہ بھی دینے کو تیار ہیں اور اگر آپ کی کچھ ملازمت اور تنخواہ ہے تو اس عرصہ کے لیے وہ بھی دے دیں گے۔

مگر گُل محمد نے کوئی بات منظور نہ کی اور یہی کہا کہ کل مَیں ضرور چلا جاؤں گا۔ اسی وقت آپ میرے ساتھ سوال وجواب کرلیں۔ حضرت نے اس امر کو نامنظور کیا اور بہت سمجھایا کہ

یہ مذہبی معاملہ ہے ہم اس میں ایسی جلد بازی ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ ہم اس امر کی پرواہ رکھتے ہیں کہ آپ باہر جاکر لوگوں کو کیا کچھ کہیں گے یا سُنائیں گے۔ اگر آپ کو حق کی طلب ہے تو آپ چند روز ہمارے پاس ٹھہر جائیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ:

اگر آپ کا ہرج ہے تو ہم دو چار روپیہ روز تک بھی دینے کو تیار ہیں۔

مگر گُل محمد صاحب نے کوئی بات نہ مانی اور کہا کہ اچھا مَیں پھر آؤں گا مگر صرف چار دن کے لیے۔

حضرت نے فرمایا کہ :۔

کم از کم دس دن ضروری ہیں

مگر جب گُل محمد صاحب نے کہا کہ مَیں چار دن سے زائد بالکل نہیں ٹھہر سکتا تو بالآخر حضرت نے چار دن ہی منظور فرمالیے اور گل محمد صاحب کی درخواست پر اسی وقت ایک عہدنامہ تحریر ہوا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

نقل عہدنامہ منجانب گُل محمد عیسائی

"گُل محمد صاحب کی تحریک کے مطابق جو اجازت ان کو یہاں قادیان آنے کے لیے شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے تحریر کی تھی کہ وہ اپنے مشکلات مذہبی کے حل کرنے کے لیے قادیان حضرت اقدس کے پاس آسکتے ہیں۔ اس کے مطابق وہ یہاں آکر ۱۴ اگست ۱۸۹۳ء کو بعد نماز مغرب حضرت صاحب کے پاس آئے مگر چونکہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے کل ہی واپس جانا ہے اور وہ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے اور حضرت صاحب بھی گورداسپور جانے کے سبب سے ان کو زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ اس لیے یہ قرار پایا کہ گُل محمد صاحب ابتدائی ہفتہ اکتوبر ۱۸۹۳ء میں چار دن کے لیے یہاں آئیں اور اپنا ایک سوال تحریری پیش کریں جس کا جواب حضرت مرزا صاحب تحریری دیں گے اور اس جواب کے بعد اگر گُل محمد صاحب کی تشفی نہ ہو تو اسی سوال

کے متعلق کچھ اَور دریافت کرسکتے ہیں جس کا جواب حضرت صاحب دیں گے اور یہی سلسلہ چار دن تک رہے گا۔ اس سوال و جواب کے شرائط یہ ہیں کہ ہر روز پانچ گھنٹہ اس پر خرچ ہوں گے۔ یعنی ہر ایک فریق کے لیے اڑھائی گھنٹے اور جس فریق کو ایک دن میں اڑھائی گھنٹے سے کم وقت ملنے کا موقعہ ملے وہ اتنا ہی وقت دوسرے دن لے سکیگا لیکن چوتھے دن کی شام کو بہرحال یہ امر ختم ہوگا سوائے اس کے کہ ان چار دنوں کے اندر کوئی فریق کسی وجہ سے جو معمولی حوائج اور ضروریات کے علاوہ ہو پورا وقت نہ دے سکے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اس وقت کو چار دن کے بعد پورا کرے اور اگر چار دن کے اندر ہی مثلاً پہلے ہی دن حضرت صاحب فرماویں کہ جو ہم نے کہنا تھا کہہ چکے اور اب زیادہ اَور کچھ نہیں کہنا تو گل محمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت چلے جاویں۔ گل محمد صاحب کی طرف سے صرف ایک ہی سوال پیش ہوگا خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو اور فریقین کو اختیار نہ ہوگا کہ ایک دوسرے کے وقت میں کسی کی بات کو قطع کریں۔

(دستخط حضرت میرزا غلام احمد صاحب) دوسرے کاغذ پر ہوئے (گل محمد)

۱۵ر اگست ۱۹۰۳ء

دربار شام

لعنتِ خدا سے مراد

فرمایا:۔ خدا کے نزدیک لعنت وہ نہیں ہوتی جو کہ عام لوگوں کے نزدیک ہوتی ہے بلکہ خدا کی لعنت سے مراد دنیا اور آخرت کی لعنت ہے (یعنی ہر) دو کی ذلت ہے۔

قرآن کس طرح سے مصدقِ انجیل ہے؟

فرمایا کہ:۔ قرآن شریف انجیل کی تصدیق قول سے نہیں کرتا بلکہ فعل سے کرتا ہے کیونکہ جو حصہ انجیل کی تعلیم کا قرآن کے اندر شامل ہے اس پر قرآن نے عملدرآمد کروا کے دکھلا دیا ہے اور اسی لیے ہم اسی حصہ انجیل کی تصدیق کرسکتے ہیں جس کی قرآن کریم نے تصدیق کی ہے ہمیں کیا معلوم کہ باقی کا رطب و یابس کہاں سے آیا۔ ہاں اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پھر آیت وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ (المائدۃ: ۴۸) میں جو لفظ انجیل عام ہے اس سے کیا مراد ہے وہاں یہ بیان نہیں ہے کہ انجیل کا وہ حصہ جس کا مصدق قرآن ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں الانجیل سے مراد اصل انجیل اور توریت ہے جو

قرآن کریم میں درج ہو چکیں۔ اگر یہ نہ مانا جاوے تو پھر بتلایا جاوے کہ اصل انجیل کونسی ہے۔ کیونکہ آجکل کی مروجہ اناجیل تو اصل ہو نہیں سکتیں۔ ان کی اصلیت کس کو معلوم ہے اور یہ بھی خود عیسائی مانتے ہیں کہ اس کا فلاں حصہ الحاقی ہے۔

پھر ایک اور بات دیکھنے والی ہے کہ انجیل میں سے عیسیٰؑ کی موت اور بعد کے حالات اور توریت میں موسیٰؑ کی موت کا حال درج ہے۔ تو کیا اب ان کتابوں کا نزول دونوں نبیوں کی وفات کے بعد تک ہوتا رہا؟ اس سے ثابت ہے کہ موجودہ کتب اصل کتب نہیں ہیں اور نہ اب ان کا میسر آنا ممکن ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۲۵۰ مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۱۶ اگست ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

سوال:۔ اگر ایسی خبر کوئی مشہور ہو کہ مرزا جی فوت ہو گئے ہیں تو کیا اس الہام کی بناء پر جو کہ حضور کو ۸۰ سال کے قریب عمر کے لیے ہوا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہیں یہ خبر بالکل جھوٹی ہے؟

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

ہاں تم کہہ سکتے ہو کیونکہ یہ الہام تو کتابوں اور اشتہاروں میں درج ہو چکا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۲۵۰ مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۱۷ اگست ۱۹۰۳ء

سفر گورداسپور

سفر سے پہلے نمازوں کا جمع کرنا

آج ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے حضرت اقدس گورداسپور کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود بھی تھے۔ سٹیشن[1] کے قریب جو سرائے تھی۔ اس میں حضور علیہ السلام نے نزول فرمایا۔ مغرب و عشاء کی نمازیں یہاں جمع کر کے پڑھی گئیں۔

---

[1] بٹالہ کا اسٹیشن مراد ہے۔ (مرتب)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ

حضور علیہ السلام نماز ادا فرما رہے تھے اور آپ کی طبیعت ناساز تھی کہ نماز کے اندر طبیعت میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ انگور ملیں تو وہ کھائے جائیں مگر چونکہ نزدیک و دُور اُن کا ملنا محال تھا اس لیے کیا ہو سکتا تھا کہ اس اثنا میں ایک صاحب جناب حکیم محمد حسین صاحب ساکن بلب گڈھ ضلع دہلی جو کہ حضرت اقدس کے مخلص خدام سے ہیں قادیان سے واپس ہو کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ایک ٹوکری انگوروں اور دوسرے ثمرات مثل انار وغیرہ کے حضرت کی خدمت میں پیش کی اور بیان کیا کہ مجھے علم نہ تھا کہ حضور بٹالہ تشریف لائے ہیں۔ مَیں قادیان چلا گیا۔ وہاں معلوم ہوا تو اسی وقت مَیں واپس ہوا اور یہ پھل حضور کے لیے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۲۵۰ - ۲۵۱ مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۳ء)

---

۱۸ اگست ۱۹۰۳ء

ایک رؤیاء

فجر کو اُٹھ کر حضرت اقدس نے نماز باجماعت ادا کی۔ چونکہ سفر کی تکان تھی... اس لیے آپ نے تھوڑی دیر آرام فرمایا اور پھر اُٹھ کر فرش پر جلوہ افروز ہوئے اور یہ رؤیا بیان کی۔

ایک خوان میرے آگے پیش ہوا ہے اس میں فالودہ معلوم ہوتا ہے اور کچھ فیرنی بھی رکابیوں میں ہے۔ مَیں نے کہا کہ چمچہ لاؤ تو کسی نے کہا کہ ہر ایک کھانا عمدہ نہیں ہوتا۔ سوائے فرنی اور فالودہ کے۔

اس کے بعد آپ نے خدا کا کلام جو کہ آپ پر (نازل) ہوا سنایا۔ (پھر) فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی

ہر ایک بات میں خدا تعالیٰ کا سلسلۂ تسکین کا چلا آتا ہے جس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو ان مقدموں پر اعتراض کرتے ہیں۔

(یعنی[1] اگر یہ مقدمات خدا تعالیٰ کی رضامندی کا موجب اور دین کی تائید کا باعث نہ ہوتے تو پھر خدا تعالیٰ ان کے متعلق بشارت کیوں دیتا)

فرمایا کہ:۔

بعض کوتاہ اندیش ہی اعتراض کرتے ہیں ورنہ ہم اگر متقدمہ باز ہوتے تو جس وقت ڈگلس صاحب نے کہا تھا

---

[1] یہ ڈائری نویس کے نوٹ معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم (مرتب)

کہ تم مقدمہ کرو تو ہم اس وقت کر دیتے۔ اور ایک تھیلا بھرا ہوا ہمارے پاس ہے جس میں گندی سے گندی گالیاں دی گئی ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اُن پر مقدمہ کرتے لیکن ہم نے محض للہ صبر کیا ہوا ہے۔ فرمایا:۔

وہ جو زمین آسمان کا مالک ہے جب وہ تسلی دیوے تو انسان کسقدر تسلی پاتا ہے۔

خدا کا کلام صیغہ واحد اور جمع میں

خدا تعالیٰ جب توحید کے رنگ میں بولے تو وہ بہت ہی پیار اور محبت کی بات ہوتی ہے اور واحد کا صیغہ محبت کے مقام پر بولا جاتا ہے۔ جمع کا صیغہ جلالی رنگ میں آتا ہے جہاں کسی کو سزا دینی ہوتی ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۲۵۱ مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ[1]

کتاب کیساتھ استاد کی ضرورت

بعض احباب آمدہ از لاہور نے عبداللہ چکڑالوی صاحب کے خیالات اور اعتقادات کا ذکر کیا۔

اس پر حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حَکَم اور عدل نے فرمایا کہ:۔

ہر ایک شئے کے لیے استاد کی ضرورت ہے ورنہ تم دیکھ لو جس قدر تصانیف ہر ایک فن اور علم کے متعلق موجود ہیں کیا مصنفین نے اپنی طرف سے کوئی بخل رکھا ہے۔ ہر ایک بات کی بڑی تفصیل کی ہے۔ اگر بخل کا ظن ہو سکتا ہے تو ایک پر ہوگا دو پر ہوگا نہ لاکھوں پر۔ مگر تاہم دیکھا گیا ہے کہ علم کا خاصہ ہی یہی ہے کہ بلا اُستاد کے نہیں آتا۔ اور نبی بھی ایک استاد ہوتا ہے جو کہ خدا کی کلام کو سمجھا کر اس پر عمل کرنے کا طریق بتلاتا ہے۔ دیکھو میں الہام بیان کرتا ہوں تو ساتھ ہی تفہیم بیان کر دیتا ہوں اور یہ عادت نہ انسانوں میں دیکھی جاتی ہے نہ خدا میں۔ کہ ایک علمی بات بیان کر کے پھر اسے عملدرآمد میں لانے کے واسطے نہ سمجھاوے۔ جو استاد کا محتاج نہیں ہے وہ ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ جیسے طبیب بلا استاد کے طبابت کرے تو دھوکا کھاوے گا۔ ایسے ہی جو شخص بلا توسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر خود بخود قرآن سمجھتا ہے تو ضرور دھوکا کھاوے گا

مفتری کا انجام

فرمایا:۔

مفتری تھک جاتا ہے اور اس کا پول خود لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے اور

---

[1] ان ملفوظات کے شروع میں ایڈیٹر صاحب "البدر" نے یہ نوٹ دیا ہے کہ "گذشتہ اشاعت سے آگے سلسلہ کیلئے دیکھو اخبار ۳۲ جلد ۲ صـ" نمبر ۳۲ میں ۱۱ تا ۱۸ اگست کی ڈائریاں چھپی ہیں مگر ان میں سے کسی ڈائری کے آخر میں "باقی آئندہ" کے الفاظ درج نہیں جس سے پتہ چلے کہ یہ ملفوظات فلاں ڈائری کے تسلسل میں ہیں۔ (مرتب)

یا اُسے ذلت دامنگیر ہوتی ہے۔ کیونکہ روز بروز کیسے افتراء کر سکتا ہے۔ افتراء جیسی کچی شئے کوئی نہیں ہوتی حتیٰ کہ شیشہ بھی اتنا کچا نہیں ہوتا جس قدر افتراء ہوتا ہے اور چونکہ مفتری کے بیان میں قوتِ جاذبہ نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کی بدبُو بہت جلد پھیل جاتی ہے۔

قتلِ انبیاء کا مسئلہ

ایک صاحب نے سوال کیا کہ توریت میں جھوٹے نبی کی یہ علامت لکھی ہے کہ وہ قتل کیا جاوے اور ادھر ایسی عبارتیں بھی ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نبی قتل ہوئے تو پھر وہ علامت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ فرمایا:۔

راستباز کی یہی نشانی ہے کہ جس مطلب کے لیے خدا نے اُسے پیدا کیا ہے جب تک وہ پورا نہ ہو لے یا کم از کم اس کے پورا ہونے کی ایسی بنیاد نہ ڈال دے کہ اسے تنزّل نہ ہو تب تک وہ نہ مرے۔ مگر ایک کذّاب سے یہ بات کب ہو سکتی ہے۔ قتل سے مراد یہ ہے کہ اُس قتل میں ناکامی اور نامرادی ساتھ نہ ہو اور جب تک ایک انسان اپنا کام پورا کر چکے تو پھر خود مر جاوے یا کسی کے ہاتھ سے مارا جاوے تو کیا موت تو بہرحال آنی ہی ہے کسی صورت میں آگئی اس میں کیا حرج ہے اور کامیابی کی موت پر کسی کو بھی تعجب نہیں ہوا کرتا اور نہ دشمن کو خوشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کے صریح الفاظ سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ خدا تعالیٰ نے قتلِ نبی حرام کیا ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ (اٰل عمران: ۱۴۵) جس سے قتلِ انبیاء کا جواز معلوم ہوتا ہے اب جنگوں کے بیچ میں ہزاروں افسر مارے جاتے ہیں لیکن اگر اُن کی موت کامیابی اور فتح اور نصرت کی ہو تو اس پر کوئی رنج نہیں کرتا بلکہ خوشی کرتے ہیں اور جو خدا کے اہل ہوتے ہیں ان کا قتل تو اُن کے لیے زندگی ہے کہ اپنے قائمقام ہزاروں چھوڑ جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اس وقت ہوئی کہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) کا مصداق تھا اور گئے اس وقت جبکہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۲) کی سند آپ کو مل گئی۔ پس اگر آپؐ کو کامیابی نہ ہوتی لیکن آپ کسی کے ہاتھ سے قتل بھی نہ ہوئے تو اس سے کیا فائدہ تھا؟ اور یہ کونسا مقام فخر کا ہے۔ ہاں جب ایک شخص سلطنت قائم کرتا ہے اور اپنے قائمقام منظور و منصور چھوڑتا ہے تو کیا پھر دشمن کی خوشی کا موجب ہو سکتا ہے؟ بڑی سے بڑی ذلت یہ ہے کہ ناکامی اور نامرادی کی موت آوے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کامیابی کی حالت میں قتل کئے جاتے تو اس سے آپ کی شان میں کیا حرف آ سکتا تھا؟ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دی گئی تھی آپ کی موت میں اس زہر کا بھی دخل تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ جب آپ کی موت ایسی حالت میں ہوئی کہ کافر اس بات سے نا اُمید ہو گئے کہ ان کا دین پھر عود کریگا تو ایسی حالت میں اگر آپ زہر یا قتل سے مرتے تو کونسی قابلِ اعتراض بات تھی؟ دین تو تباہ نہیں ہو سکتا تھا غرضیکہ

توریت میں جس قتل کا ذکر ہے تو اس سے نامرادی اور ناکامی کی موت مراد ہے۔ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام قریبی رشتہ دار تھے۔ یحییٰؑ کے قتل ہو جانے سے دین پر کوئی تباہی نہ آسکتی تھی۔ اگر یحییٰ قتل ہوئے تو پھر عیسٰیؑ اُن کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یحییٰؑ کوئی صاحب شریعت نہ تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ توریت کا صاحبِ شریعت کے لیے ہو۔ انگریزوں اور سکھوں کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ سکھ لوگ ان میں اکثر انگریزوں کو قتل کرتے رہے لیکن اب جس حالت میں کہ انگریز فاتح اور بادشاہ ہیں تو کیا سکھ یہ فخر کر سکتے ہیں کہ ہم نے اس قدر انگریزوں کو قتل کیا۔ یہ کوئی جگہ فخر کی نہیں ہے کیونکہ آخر میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ زندہ وہ ہوتا ہے جس کا سکہ چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کروڑ ہا مسلمان موجود ہیں اور ابوجہل کے بعد اس کا تابع کوئی نہیں بلکہ اس کی اولاد ہونے کا کوئی نام نہیں لیتا۔ تو کیا اب ابوجہل کی طرف سے کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو فلاں جگہ شکست دی تھی یا کوئی بیوقوف اگر یہ کہے کہ ہوا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مر گئے اور ابوجہل بھی تو یہ اس کی غلطی ہے۔ مقابلہ تو کامیابی سے ہوتا ہے۔ ابوجہل کا نام ندارد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تو تخت موجود ہے۔

انبیاء کو خدا ذلیل نہیں کیا کرتا۔ انبیاء کی قوتِ ایمانی یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان دے دینا وہ اپنی سعادت جانیں۔ اگر کوئی موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر نظر ڈال کر اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ وہ ڈرتے تھے تو یہ بالکل فضول امر ہے اور اس ڈر سے یہ مراد ہرگز نہیں۔ کہ ان کو جان کی فکر تھی بلکہ ان کو یہ خیال تھا کہ منصبِ رسالت کی بجاآوری میں کہیں اس کا اثر بُرا نہ پڑے۔

میرے نزدیک مومن وہی ہے کہ اگر اس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان نہ دی ہو تو وہ روحانی طور پر ضرور جان دے کر شہید ہو چکا ہو۔ پس اگر موسیٰؑ کو جان کا ہی خوف تھا۔ تو اس سے (اگر یہ افواہ صحیح ہے کہ شہزادہ پیر مولوی عبداللطیف خاں صاحب سنگسار کر کے مارے گئے ہیں) عبداللطیف صاحب ہی اچھے رہے جنہوں نے ایمان نہ دیا اور جان دیدی پس ہمارا تو یہی خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں نامُراد مارا جاؤں اور فرضِ رسالت ادا نہ ہو۔

اگر کسی بات میں شر ہو تو یہ عادت اللہ نہیں کہ وہ مجھے اطلاع نہ دے۔

مہمان نوازی

آپ نے منتظمان باورچی خانہ کو تاکید کی کہ آج کل موسم بھی خراب ہے اور جس قدر لوگ آئے ہوئے ہیں یہ سب مہمان ہیں اور مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے۔ اس لیے کھانے وغیرہ کا انتظام عمدہ ہو۔ اگر کوئی دُودھ مانگے دُودھ دو۔ چائے

مانگے چائے دو۔ کوئی بیمار ہو تو اس کے موافق الگ کھانا اسے پکا دو۔
اس کے[1] بعد عدالت کا وقت قریب آگیا اور حضرت اقدس اور دیگر احباب کھانا وغیرہ تناول فرما کر عدالت کو روانہ ہوئے) (البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۰ اگست ۱۹۰۳ء

بوقتِ شام

مامور کی دشمنی

فرمایا کہ:۔
دشمنی دشمنوں کی یہ بھی ایک قبولیت ہوتی ہے اور منجانب اللہ نصیب ہوتی ہے۔

رسول کا عالم الغیب ہونا

اکثر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ رسول عالم الغیب ہوتے ہیں چنانچہ بعض تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت یہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کا دعویٰ عالم الغیب ہونے کا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔
یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ عالم الغیب ہونا اور شئے ہے اور موید من اللہ ہونا اور شئے ہے۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ صفحہ ۲۵۸ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۱ اگست ۱۹۰۳ء

وحی منقطع ہوگئی ہے یا برابر جاری ہے

ایک صاحب نے سوال کیا کہ انقطاعِ وحی کی نسبت جو حکم آچکا ہے تو پھر اب وحی کیوں ہوئی اور آجتک سوائے جناب کے اور کسی نے کیوں صاحبِ وحی ہونے کا دعویٰ نہ کیا؟
حضرت اقدس:۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آجتک کسی نے دعویٰ نہ کیا؟
سائل:۔ جہانتک میری معلومات ہیں وہاں تک میں نے نہیں دیکھا۔
حضرت اقدس:۔ آپ کی معلومات تو چند ایک کتابیں حدیث کی یا اور دوسری ہونگی اس سے کیا پتہ لگتا ہے اگر

---

[1] یہ ملفوظات ۱۸ یا ۱۹ اگست ۱۹۰۳ء کے ہیں۔ ان دنوں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف فرما تھے اور انہی ایام کی یہ ڈائری ہے۔ جیسا کہ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

اس میں الف لام کی رعایت نہ کی جاوے تو پھر اس سے بہت سے فساد لازم آویں گے اور انسان ضلالت میں جا پڑے گا۔ یہ امر ضروری ہے کہ وحی شریعت اور وحی غیر شریعت میں فرق کیا جاوے بلکہ اس امتیاز میں تو جانوروں کو جو وحی ہوتی ہے اسکو بھی مدِ نظر رکھا جاوے۔ بھلا آپ تبلاویں کہ قرآن شریف میں جو یہ لکھا ہے۔ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل : ۶۹) تو اب آپ کے نزدیک شہد کی مکھی کی وحی ختم ہو چکی ہے یا جاری ہے ؟

سائل :۔ جاری ہے۔

حضرت اقدس :۔ جب مکھی کی وحی اب تک منقطع نہیں ہوئی تو انسانوں پر جو وحی ہوتی ہے وہ کیسے منقطع ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ال کی خصوصیت سے اس وحی شریعت کو الگ کیا جاوے ورنہ یوں تو ہمیشہ ایسے لوگ اسلام میں ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے جن پر وحی کا نزول ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس وحی کے قائل ہیں اور اگر اس سے یہ مانا جاوے کہ ہر ایک قسم کی وحی منقطع ہو گئی ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ امور مشہودہ اور محسوسہ سے انکار کیا جاوے۔ اب جیسے کہ ہمارا اپنا مشاہدہ ہے کہ خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ پس اگر ایسے شہود اور احساس کے بعد کوئی حدیث اس کے مخالف ہو تو کہا جاویگا کہ اس میں غلو ہے۔ خود غزنوی والوں نے ایک کتاب حال میں لکھی ہے۔ جس میں عبداللہ غزنوی کے الہامات درج کئے ہیں۔

پھر جس حال میں یہ سلسلہ موسوی سلسلہ کے قدم بقدم ہے اور موسوی سلسلہ میں برابر جاری رہی تھی حتّٰی کہ عورتوں کو وحی ہوتی رہی تو کیا وجہ ہے کہ محمدی سلسلہ میں وہ بند ہو۔ کیا اس امّت کے اخیار اُن عورتوں سے بھی گئے گذرے ہوئے ؟

علاوہ اس کے اگر وحی نہ ہو تو پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ : ۶-۷) کے کیا معنے ہوں گے۔ کیا یہاں انعام سے مراد گوشت پلاؤ وغیرہ ہے یا خلعتِ نبوت اور مکالمۂ الٰہی وغیرہ جو کہ انبیاء کو عطا ہوتا رہا۔ غرضکہ معرفت تمام انبیاء کو سوائے وحی کے حاصل نہیں ہو سکتی جس غرض کے لیے انسان اسلام قبول کرتا ہے۔ اس کا مغز یہی ہے کہ اسکے اتباع سے وحی ملے۔

اور پھر اگر وحی منقطع ہوئی مانی بھی جاوے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی منقطع ہوئی نہ اس کے اظلال اور آثار بھی منقطع ہوئے۔

مسئلہ بروز

سائل :۔ بروز کسے کہتے ہیں ؟

حضرت اقدس :۔ جیسے شیشہ میں انسان کی شکل نظر آتی ہے حالانکہ وہ شکل بذاتِ خود

الگ قائم ہوتی ہے اس کا نام بروز ہے۔ اس کا ستر سورۃ فاتحہ میں ہی ہے جیسے کہ لکھا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (الفاتحہ: ۶-۷) تمام مفسروں نے مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ لیے ہیں اور پھر یہ آیت ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:۱۵) اور آیت وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف: ۱۳۰)

یہ آیتیں بھی اس کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ایک ان میں سے اہلِ اسلام کی نسبت ہے اور ایک یہود کی نسبت۔ پس مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہر طرح کا انعام کروں گا اور پھر دیکھونگا کہ کس طرح شکر کرتے ہو۔

اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اہلِ یہود کو کونسی بڑی مصیبت تھی تو وہ دو بڑی مصیبتیں ہیں۔ ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا گیا اور ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا گیا۔ پس مماثلت کے لحاظ سے مسلمانوں کے لیے بھی وہی دو انکار رکھے تھے۔ مگر وہاں شمار میں الگ الگ دو وجود تھے اور یہاں نام الگ الگ ہیں مگر وہ وجود جس میں ان دونوں کا بروز ہوا ایک ہی ہے۔ ایک بروز عیسوی اور ایک محمدی۔ اور صرف نام کے لحاظ سے اہلِ اسلام یہود کے بروز اس طرح سے قرار پائے کہ انہوں نے مسیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا اور وہ مماثلت پوری ہوگئی اور آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں بروزی طور پر وہی کرتوت یہودیوں والی پُوری ہونی تھی اور یہ اس طرف اشارہ کرتی تھیں کہ آنے والا دو رنگ لے کر آویگا۔ اسی لیے مہدی اور مسیح کے زمانہ کی علامات ایک ہی ہیں اور ان دونو کا فعل بھی ایک ہی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ صفحہ ۲۵۸، ۲۵۹ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۲ اگست ۱۹۰۳ء

اشاعتِ فحش سے بچیں

عام طور پر یہ ایک مرض لوگوں میں دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مرد یا عورت کی نسبت یہ بیان کرے کہ وہ بدکار ہے یا اس کا دوسرے سے تعلق بدکاری کا ہے تو چونکہ نفس ایسے معلومات کی وسعت سے لذت پاتا ہے۔ اس لیے اس راوی کے بیان پر بلاتحقیق یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ بالکل سچا ہے اور اُسے شہرت دینے میں سعی کی جاتی ہے۔ اور اس طرح سے نیک مرد اور نیک عورتوں کی نسبت ناپاک خیال لوگوں کے دلوں میں متمکن ہو جاتے ہیں اور جن کی شہرت ہوتی ہے اُن

کے دلوں پر اس سے کیا صدمہ گذرتا ہے اس کو ہر ایک محسوس نہیں کر سکتا۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے ایسی شہرت دینے والوں کے لیے اسّی دُرّے سزا مقرر فرمائی ہے۔

اس مضمون کے متعلق حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں شہرت دینے والوں کے لیے بشرطیکہ وہ اُسے ثابت نہ کر سکیں اسّی دُرّے سزا رکھی ہے اس لیے کہ جو شہرت دیتا ہے اسے اس مقدمہ میں مدعی گردانا گیا ہے اور اسی سے چار گواہ طلب کئے گئے ہیں کہ اگر وہ سچا ہے تو اپنے علاوہ چار گواہ رویت کے لاوے۔ یہ غلطی ہے کہ ایسے شخص کو بھی گواہوں میں شمار کیا جاوے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۳ صفحہ ۲۵۹ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ اگست ۱۹۰۳ء

ایک رؤیا

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رؤیا بوقتِ عصر سُنایا۔ فرمایا کہ:۔

مَیں نے دیکھا کہ ایک بلّی ہے اور گویا کہ ایک کبوتر ہمارے پاس ہے وہ اس پر حملہ کرتی ہے۔ بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی تو آخر مَیں نے اس کا ناک کاٹ دیا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ پھر بھی باز نہ آئی تو مَیں نے اسے گردن سے پکڑ کے اس کا منہ زمین سے رگڑنا شروع کیا۔ بار بار رگڑتا تھا لیکن پھر بھی سر اُٹھاتی جاتی تھی تو آخر مَیں نے کہا کہ آؤ اسے پھانسی دیدیں۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۴ صفحہ ۲۶۵ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۳۱ اگست ۱۹۰۳ء

مسلمانوں کے ادبار کا باعث

اہلِ اسلام کے ادبار اور اُن کے تنزّل کا ذکر ہوا فرمایا کہ:۔

اس کا باعث خود ان کی شامتِ اعمال ہے کیونکہ زمین پر کچھ نہیں ہوتا جبکہ اوّل آسمان پر نہ ہو لے۔ اکثر لوگ حکام کی سختی اور ظلم کی شکایت کیا کرتے ہیں لیکن اگر یہ لوگ خود ظالم نہ ہوں تو خدا تعالیٰ ان پر کبھی ظالم حاکم مسلّط نہ کرے۔ زمانہ کی حالت کا اندازہ اسی سے کر لو کہ ہم ہزاروں روپے دینے کو تیار ہیں کہ کوئی جماعت آکر یہاں رہے۔ ہم ان کی مہمان نوازی کریں اور حتی الوسع ہر ایک قسم کا آرام دیویں اور وہ شرافت سے اپنے شکوک و شبہات پیش کریں اور قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ہماری باتیں سُنیں اور پھر سمجھیں اور غور کریں کہ جو کچھ عقیدہ اسلام کے متعلق انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے اس سے کسقدر فساد اور ہتک اسلام کی اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم آتی ہے اور عیسائیوں کو کس قدر مدد ملتی ہے مگر ان لوگوں کو پروا نہیں ہے گھر بیٹھے ہی دو دو پیسہ کی کتابیں بنا کر جو کچھ جھوٹ اور افترا چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں (جب مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہی ہے تو کیوں ان پر ادبار نہ آوے)۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی حقیقت

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قرآن شریف میں جو یہ لکھا ہے کہ خواہ کوئی یہودی ہو خواہ صابی ہو خواہ نصرانی ہو تو جو کوئی اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لاوے تو اسے حزن نہ ہوگا تو اس صورت میں اکثر ہندو لوگ بھی اس بات کے مستحق ہیں کہ وہ نجات پاویں کیونکہ وہ رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ عمل نہیں کرتے اور اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔ فرمایا:۔

اللہ پر ایمان لانے کے معنے آپ نے کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ جو عیسیٰؑ پر ایمان لاوے وہ بھی اللہ پر ایمان لانے والا ہے؟ اللہ پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں کہ اسے ان تمام صفات سے موصوف مانا جاوے جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے مثلاً رب۔ رحمٰن۔ رحیم۔ تمام محامد والا۔ رسولوں کو بھیجنے والا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا۔ اب آپ ہی بتلاویں کہ قرآن شریف میں لفظ اللہ کے یہ معنے ہیں کہ نہیں؟ پھر جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا۔ قرآن کو نہیں مانتا تو اس نے کیا اُس اللہ کو مانا جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ جیسے گلاب کے پھول سے خوشبو دُور کر دی جاوے تو پھر وہ گلاب کا پھُول پھُول نہیں رہتا اور اسے پھینک دیتے ہیں۔ پس اسی طرح اللہ کو ماننے والا وہی ہوگا جو اُسے اُن صفات کے ساتھ مانے جو قرآن نے بیان کئے ہیں۔

سائل:۔ لیکن بعض ہندو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اگرچہ برائے نام ہندو ہیں اور عمل بھی ہندوؤں والے۔ تو یہاں چونکہ لفظ ایمان کا ہے کہ جو ایمان لاوے تو پھر وہ مستحق ہیں کہ نہیں کہ ان پر خوف اور حزن نہ ہو۔

فرمایا کہ:۔

اقرار اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ انسان اس پر عمل بھی کرے۔ اگر انسان نماز روزہ وغیرہ کا اقرار تو کرتا ہے مگر فعل ایک دن بھی بجا نہیں لاتا تو اس کا نام اقرار نہ ہوگا۔ اگر آپ کے ساتھ ایک شخص کئی اقرار کرے کہ میں یہ کروں گا وہ کروں گا لیکن عملی طور پر ایک بھی پورا نہ کرے تو کیا تم اس کے اقرار کو اقرار کہو گے؟

عذاب کی حقیقت

سائل:۔ چونکہ اس کا اقرار زبان سے تو ہے اس لیے عذاب میں تو ضرور رعایت چاہیئے۔

فرمایا:۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ دنیا میں جو عذاب ملتے ہیں وہ ہمیشہ شوخیوں اور شرارتوں سے ملتے ہیں۔ انبیاء اور مامورین کے جس قدر منکر گذرے ہیں ان پر عذاب اسی وقت نازل ہوا جبکہ ان کی شرارت اور شوخی حد سے تجاوز کر گئی۔ اگر وہ لوگ حد سے تجاوز نہ کرتے تو اصل گھر عذاب کا آخرت ہے۔ ورنہ اس طرح سے دیکھ لو کہ ہزاروں کافر ہیں جو کہ اپنا کاروبار کرتے ہیں اور پھر کفر پر ہی مرتے ہیں مگر دنیا میں کوئی عذاب ان کو نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ مامور من اللہ کے مقابلہ پر آکر شوخی اور شرارت میں حد سے نہیں بڑھتے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آخرت میں بھی ان کو عذاب نہ ہوگا۔ دنیاوی عذاب کے لیے ضروری ہے کہ انسان تکذیبِ مُرسل، استہزاء اور ٹھٹھے میں اور ایذاء میں حد سے بڑھے اور خدا کی نظر میں اُن کا فساد، فسق اور ظلم اور آزار نہایت درجہ پر پہنچ گیا ہو۔ اگر ایک کافر مسکین صورت رہے گا اور اس کو خوف دامنگیر ہوگا تو گو وہ اپنی ضلالت کی وجہ سے جہنم کے لائق ہے مگر عذابِ دنیوی اس پر نازل نہ ہوگا۔

اگر کفارِ مکہ چُپ چاپ اور اخلاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش آتے تو یہ عذاب اُن کو جو ظاہر گز نہ ملتا۔ ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (بنی اسرائیل: ۱۷) کہ جب کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ الٰہی ہوتا ہے تو اس وقت ضرور وہاں کے لوگ بدکاریوں میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔

پھر ایک اور جگہ ہے وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (القصص: ۶۰) جس سے ثابت ہے کہ کوئی بستی نہیں ہلاک ہوتی مگر اس حالت میں کہ جب اس کے اہل ظلم پر کمربستہ ہوں۔ فسق کے معنے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

اب دیکھو ہزاروں ہندو ہیں مگر مانتے نہیں انکار کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر لیکھرام کے پیٹ میں چھُری چلی؟ اس کی وجہ اس کی زبان تھی کہ جب اُس نے اُسے بیباکانہ کھولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے میں حد سے بڑھ گیا۔ اور ایک مدِ مقابل بن کر خود نشان طلب کیا تو وہی اس کی زبان چھُری بن کر اس کی جان کی دشمن ہوگئی غرضکہ اصل گھر عذاب کا آخرت ہے اور دنیا میں عذاب شوخی، شرارت میں حد سے تجاوز کرنے سے آتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ پرمیشر اور عَت کا بیَر (دشمنی) ہے۔ عَت کے معنے حد درجہ تک ایک بات کو پہنچا دینا (عَت کا لفظ عربی ہے جیسے قرآن شریف میں عتو ہے)۔

تفاوت وطبقاتِ عذاب

مَیں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ عذاب یکساں سب کو ہو۔ کفر سب ایک جیسے نہیں ہوتے تو عذاب کیسے ایک جیسا سب کو ہو۔ بعض کافر ایسے ہیں کہ ایسے پہاڑوں میں رہتے ہیں کہ وہاں اب تک رسالت کی خبر نہیں۔ اسلام کی خبر نہیں تو ان کا کُفر

ابوجہل والا کفر تو نہ ہوگا۔ جس حال میں ایک نہایت درجے کا شریر اور مکذب باوجود علم کے پھر انکار کرتا ہے تو اسکے عذاب اور دوسرے کے عذاب میں جو اس قدر شرارت نہیں کرتے ضرور فرق ہونا چاہیئے، لیکن ان طبقات عذاب کی کہ یہ کسقدر ہیں اور کس طرح سے ان کی تقسیم ہے اس کی ہمیں خبر نہیں اس کا علم خدا کو ہے۔ ہاں چونکہ خدا کی طرف ظلم منسوب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے طبقات کا ہونا ضروری ہے۔

ہمارا مذہب

احادیث کی نسبت ذکر ہوا۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنا مذہب بتلایا جو کہ اکثر دفعہ شائع ہو چکا ہے کہ

سب سے مقدم قرآن ہے اس کے بعد سنت اس کے بعد حدیث۔

اور حدیث کی نسبت فرمایا کہ :۔

ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن کے معارض نہ ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ جس حال میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو یہ ادب اور محبت کا تقاضا ہونا چاہیئے کہ اس پر عملدرآمد ہو اور ہمارا یہ مدعا ہرگز نہیں کہ ائمہ دین کی ان کوششوں کو جو محض دین کے لیے انہوں نے کیں ضائع کر دیویں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس حال میں کوئی بات ان کی یا کوئی حدیث ہی باوجود تاویلات کے بھی قرآن شریف سے مطابقت نہ کھاوے تو پھر قرآن کو مقدم رکھ کر اسے ترک کر دیا جاوے کیونکہ جب ضدین جمع ہونگی تو ایک کو تو ضرور ترک کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں تم قرآن کو ترک مت کرو اور اس کے غیر کو ترک کر دو۔ مثلاً ایک مسئلہ وفاتِ مسیح کا ہی ہے۔ جس حال میں قرآن شریف سے وفات ثابت ہے تو اب ہم اس دوسری حدیث کو جو اس کے مخالف ہو یا کسی کے قول کو کیوں مانیں؟ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ:۱۱۸) میں دو باتیں خدا تعالیٰ نے بیان کی ہیں۔ ایک تو مسیح کی وفات دوسرے اس کے دنیا میں آنے کی نفی کی ہے کیونکہ اگر وہ قیامت سے پیشتر دنیا میں دوبارہ آچکا ہے تو اس کا كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ کہنا غلط ہے۔ اس صورت میں یا تو مسیح جھوٹے ہوں گے یا نعوذ باللہ جھوٹ کا الزام خدا تعالیٰ پر آوے گا تو ایسی صورت میں ہم قرآن کو مقدم رکھیں گے جس نے وفات کو بڑے بیّن طور پر ثابت کر دیا ہے۔

عورتوں کیلئے جمعہ کا استثناء

ایک صاحب نے عورتوں پر جمعہ کی فرضیت کا سوال کیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اس میں تعامل کو دیکھ لیا جاوے اور جو امر سنت اور حدیث سے ثابت ہے اس سے زیادہ ہم اسکی تفسیر کیا کر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جب مستثنیٰ کر دیا ہے تو پھر یہ حکم صرف مردوں کیلئے ہی رہا۔

احتیاطی نماز اہلِ اسلام میں سے بعض ایسے بھولے بھالے بھی ہیں کہ جمعہ کے دن ایک تو جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں پھر اس کے بعد اس احتیاط سے کہ شاید جمعہ ادا نہ ہوا ہو، ظہر کی نماز بھی پوری ادا کرتے ہیں اس کا نام انہوں نے احتیاطی رکھا ہوا ہے۔ اس کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ غلطی ہے اور اس طرح سے کوئی نماز بھی نہیں ہوتی کیونکہ نیت میں اس امر کا یقین ہونا ضروری ہے کہ میں فلاں نماز ادا کرتا ہوں اور جب نیت میں شک ہوا تو پھر وہ نماز کیا ہوئی؟

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۴ صفحہ ۲۶۵-۲۶۶ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۰۳ء)

یکم ستمبر ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

ایک رویاء فرمایا کہ:۔

آج خواب میں ایک فقرہ منہ سے یہ نکلا

فیئر مین FAIR MAN

خدا شناسی کا واحد ذریعہ فرمایا کہ:۔

خدا کی شناخت کے واسطے سوائے خدا کے کلام کے اَور کوئی ذریعہ نہیں ہے ملاحظۂ مخلوقات سے انسان کو یہ معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس سے صرف ضرورت ثابت ہوتی ہے پس ایک شئی کی نسبت ضرورت کا ثابت ہونا اَور امر ہے اور واقعی طور پر اس کا موجود ہونا اَور امر ہے یہی وجہ ہے کہ حکماءِ متقدمین سے جو لوگ محض قیاسی دلائل کے پابند رہے ہیں اور ان کی نظر صرف مخلوقات پر رہی۔ انہوں نے اس میں بہت بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں اور کامل یقین ان کو جو ہے کے مرتبہ تک پہنچا تا ہے نصیب نہ ہوا یہ صرف خدا کا کلام ہے جو یقین کے اعلیٰ مراتب تک پہنچا تا ہے۔ خدا کا کلام تو ایک طور سے خدا کا دیدار ہے اور یہ شعر اس پر خوب صادق آتا ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ؛ بسا کیں دولت از گفتار خیزد

خدا تعالیٰ قادر ہے کہ جس شئے میں چاہے طاقت بھر دیوے۔ پس اپنے دیدار والی طاقت اس نے اپنی گفتار میں بھر دی ہے۔ انبیاء نے اسی گفتار پر ہی تو اپنی جانیں دیدی ہیں۔ کیا کوئی مجازی عاشق اس طرح

کرسکتا ہے؟ اس گفتار کی وجہ سے کوئی نبی اس میدان میں قدم رکھ کر پھر پیچھے نہیں ہٹا اور نہ کوئی نبی کبھی بے وفا ہوا ہے۔ جنگِ اُحد[1] کے واقعہ کی نسبت لوگوں نے تاویلیں کی ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ خدا کی اس وقت جلالی تجلی تھی اور سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَور کسی کو برداشت کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے آپ وہاں ہی کھڑے رہے اور باقی اصحاب کا قدم اُکھڑ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جیسے اس صدق وصفا کی نظیر نہیں ملتی جو آپ کو خدا سے تھا ایسا ہی ان الٰہی تائیدات کی نظیر بھی کہیں نہیں ملتی جو آپ کے شاملِ حال ہیں۔ مثلاً آپ کی بعثت اور رُخصت کا وقت ہی دیکھ لو۔

مسیح کا آسمان پر جانا

بار بار خیال آتا ہے کہ اگر مسیح آسمان پر گئے تو کیوں گئے؟ یہ ایک بڑا تعجب خیز امر ہے۔ کیونکہ جب زمین پر اُن کی کارروائی دیکھی جاتی ہے تو بیساختہ اُن کا آسمان پر جانا اس شعر کا مصداق نظر آتا ہے ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی ٭ کہ با آسماں نیز پرداختی

گویا یہ شعر بالکل اس واقعہ کے لیے شاعر کے منہ سے نکلا ہے۔ کوئی پوچھے کہ انہوں نے آسمان پر جاکر آج تک کیا بنایا۔ اگر زمین پر رہتے تو لوگوں کو ہدایت ہی کرتے مگر اب دو ہزار برس تک جو اُن کو آسمان پر بٹھاتے ہیں تو اُن کی کارروائی کیا دکھلا سکتے ہیں۔ جو بات ہم کہتے ہیں اور جس کی تائید میں قرآن اور حدیث بھی ہمارے ساتھ ہے وہ ان کی شانِ نبوت کے ساتھ خوب چسپاں ہوتی ہے کہ جب ان لوگوں نے حضرت مسیح کو نہ مانا تو آپ دوسرے نبیوں کی طرح دوسرے ملک میں ہجرت کرکے چلے گئے۔

اور پھر ایسے فرضی اوصاف ان کے لیے وضع کرتے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور ہجو ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے سوال کیا۔ کہ آپ آسمان پر چڑھ کر بتلاویں تو آپ نے یہ معجزہ اُن کو نہ دکھلایا اور سُبْحَانَ رَبِّیْ (بنی اسرائیل: ۹۴) کا جواب دیا گیا اور یہاں بلا درخواست کسی کافر کے خود خدا تعالیٰ مسیح کو آسمان پر لے گیا تو گویا خدا تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی نظروں میں ہیٹا کرانا چاہا۔ کیا وہ خدا اَور تھا اور یہ اَور تھا؟

اگرچہ لوگ ہمیں ایسی باتوں سے کافر دجّال وغیرہ کہتے ہیں مگر یہ ہمارا فخر ہے کیونکہ قرآن کی تائید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم کرنے کے لیے یہ خطابات ہمیں ملتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم ٭ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

---

[1] جنگ حنین کا واقعہ ہے۔ رپورٹر کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (مرتّب)

مسئلہ تقدیر

آریہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں لکھا ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ (البقرۃ: ۸) کہ خدا نے دلوں پر مُہر کر دی ہے تو اس میں انسان کا کیا قصور؟ یہ ان لوگوں کی کوتاہ اندیشی ہے کہ کلام کے ماقبل اور مابعد پر نظر نہیں ڈالتے ورنہ قرآن شریف نے صاف طور پر بتلایا ہے کہ یہ مُہر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے لگتی ہے یہ دراصل انسانی افعال کا نتیجہ ہے کیونکہ جب ایک فعل انسان کی طرف سے صادر ہوتا ہے تو سنّت اللہ یہی ہے کہ ایک فعل خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی صادر ہو جیسے ایک شخص جب اپنے مکان کے دروازے بند کر دے تو یہ اس کا فعل ہے اور اس پر خدا تعالیٰ کا فعل یہ صادر ہوگا کہ اس مکان میں اندھیرا کر دے کیونکہ روشنی اندر آنے کے جو ذریعے تھے وہ اس نے خود اپنے لیے بند کر دیئے۔ اسی طرح اس مُہر کے اسباب کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں دوسری جگہ کیا ہے۔ جہاں لکھا ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ (الصف: ۶) کہ جب انہوں نے کجی اختیار کی۔ تو خدا نے اُن کو کج کر دیا۔ اسی کا نام مہر ہے لیکن ہمارا خدا ایسا نہیں کہ پھر اس مُہر کو دُور نہ کر سکے۔ چنانچہ اس نے اگر مُہر لگنے کے اسباب بیان کئے ہیں تو ساتھ ہی وہ اسباب بھی بتلا دیئے ہیں جن سے یہ مُہر اُٹھ جاتی ہے جیسے کہ فرمایا ہے فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا (بنی اسرائیل: ۲۶)

لیکن کیا آریوں کا پرمیشر ایسا ہے کہ تناسخ کی رُو سے جو مُہر وہ ایک انسان پر لگاتا ہے پھر اُسے اُٹھا سکے؟ گناہ کا یہ نتیجہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ دوسرے گناہ کی انسان کو جرأت دلاتا ہے اور اس سے قساوتِ قلبی پیدا ہوتی ہے حتّٰی کہ گناہ انسان کو مرغوب ہو جاتا ہے لیکن ہمارے خدا نے تو پھر بھی توبہ کے دروازے کھولے ہیں۔ اگر کوئی شخص نادم ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو وہ بھی رجوع کرتا ہے مگر آریوں کے لیے یہ کہاں نصیب؟ اُن کا پرمیشر جو مُہر لگاتا ہے اسے اُکھاڑنے پر تو وہ خود بھی قادر نہیں۔ پس اس میں مسئلہ تقدیر کا اعتراض آریوں پر ہے نہ کہ اہلِ اسلام پر۔

توبہ ایک موت ہے

ہاں توبہ کے یہ معنے نہیں ہیں کہ انسان زبان سے توبہ توبہ کہہ لیوے۔ بلکہ ایک شخص تائب اس وقت کہا جاتا ہے کہ گذشتہ حالت پر سچے دل سے نادم ہو کر آئندہ کے لیے وعدہ کرتا ہے کہ پھر یہ کام نہ کرے گا اور اپنے اندر تبدیلی کرتا ہے اور جن شہوات عادات وغیرہ کا وہ عادی ہوتا ہے ان کو چھوڑتا ہے اور تمام یار دوست، گلی کوچے اُسے ترک کرنے پڑتے ہیں کہ جن کا معاصی کی حالت میں اس سے تعلق تھا۔ گویا توبہ ایک موت ہے جو وہ اپنے اوپر وارد کرتا ہے۔ جب ایسی حالت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ گناہ کے ارتکاب میں ایک حصّہ قضا و قدر کا ہے کہ بعض اندرونی اعضاء اور قویٰ کی ساخت

اس قسم کی ہوتی ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہو۔ پس اس لیے ضروری تھا کہ ارتکابِ معاصی میں جسقدر حصہ قضاوقدر کا ہے اس میں خدا تعالیٰ رعایت دیوے اور اس بندے کی توبہ قبول کرے اور اسی لیے اس کا نام تواب ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۴ صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۳ ستمبر ۱۹۰۳ء

ایک رؤیا اور الہام

فرمایا کہ:۔ اسہال آنے سے میری طبیعت میں کچھ کمزوری پیدا ہوگئی۔ ایک تھوڑی سی غنودگی میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دونوں طرف دو آدمی پستولیں لیے کھڑے ہیں۔ اس اثناء میں مجھے الہام ہوا

اِنِّیْ حِفَاظَۃُ اللّٰہِ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۲۸۰ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ[1]

اسمِ اعظم

ایک دن بوقت ظہر فرمایا کہ ہیضہ کے لیے ہم تو نہ کوئی دوا بتلاتے ہیں نہ نسخہ۔ صرف یہ بتلاتے ہیں کہ راتوں کو اُٹھ کر دُعا کریں اور اسمِ اعظم رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کی تکرار نماز کے رکوع سجود وغیرہ میں اور دوسرے وقتوں میں کریں۔ یہ خدا نے اسم اعظم بتلایا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۲۸۰ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۹ ستمبر ۱۹۰۳ء

وبائی امراض کا الہامی علاج

فرمایا:۔ مجھے الہام ہوا۔

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ

---

[1] یہ ڈائری ۴ تا ۸ ستمبر ۱۹۰۳ء میں سے کسی دن کی ہے (مرتب)

پھر چونکہ بیماری وبائی کا بھی خیال تھا۔ اس کا علاج خدا تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ اسکے ان ناموں کا ورد کیا جاوے

یَا حَفِیْظُ ۔ یَا عَزِیْزُ ۔ یَا رَفِیْقُ

رفیق خدا تعالےٰ کا نیا نام ہے جو کہ اس سے پیشتر اسماء باری تعالےٰ میں کبھی نہیں آیا[1]

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۲۸۰ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ ستمبر ۱۹۰۳ء

ضرورت کیلئے تصویر کا جواز

ایک احمدی صاحب نے سوال کیا کہ گاؤں کے لوگ اس لیے تنگ کرتے ہیں کہ آپ نے تصویر کھنچوائی ہے اسکا ہم کیا جواب دیویں؟

فرمایا کہ:۔

انسان جب دنیاوی ضرورتوں کے لیے ہر وقت پیسہ روپیہ وغیرہ جیب میں رکھتا ہے جن پر تصویر وغیرہ بنی ہوئی ہوتی ہے تو پھر دینی ضرورت کے لیے تصویر کا استعمال کیوں روا نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی مثال لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳) کی ہے کہ خود تو ایک فعل کرتے ہیں اور دوسروں کو اسے معیوب بتلاتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے نزدیک تصویر حرام ہے تو اُن کو چاہیئے کہ کُل مال وزر باہر نکال کر پھینک دیں اور پھر ہم پر اعتراض کریں اور یہ مُلّاں لوگ جو بڑھ بڑھکر باتیں بناتے ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ ایک پیسہ کو تو وہ ہاتھ سے چھوڑ نہیں سکتے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۲۸۱ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۱۷ ستمبر ۱۹۰۳ء

جذب اور کشش سچے مذہب کی علامت ہیں

بعض احباب کی طرف سے یہ درخواست ہوئی کہ آریوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ یہ بہت بڑھے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ:۔

---

[1] الحکم میں ہے:۔ "اللہ تعالیٰ کے اسم رفیق کے استعمال کا یہ جدید اسلوب ہے"۔
(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۵ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء)

انہوں نے کیا ترقی کرنی ہے۔ وہ مذہب ترقی کرتا ہے جس میں کچھ روحانیت ہوتی ہے۔ نہ ان میں روحانیت ہے اور نہ وہ کشش مقناطیسی ہے جس سے ایک قوم ترقی کر سکتی ہے۔ وہ ایک خاص کشش ہوتی ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے اور تمام پاکیزہ دلوں کو وہ محسوس ہوتی ہے اور جو اس سے متاثر ہوتے ہیں وہ ایک فوق العادت زندگی کا نمونہ دکھلاتے ہیں اور ہیروں کے ٹکڑوں کی طرح اس کشش کی چمک نظر آتی ہے اور جس کو وہ کشش عطا ہوتی ہے وہ الٰہی طاقتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی نادر اور مخفی قدرتیں جو عام طور پر ظاہر نہیں ہوتیں، ایسے شخص کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں اور اسی کشش سے اُنکو کامیابی ہوتی ہے۔ دنیا میں جسقدر انبیاء آئے ہیں کیا وہ دنیا کے سارے مکر و فریب اور فلسفے سے پُورے واقف ہو کر آتے ہیں جس سے وہ مخلوق پر غالب ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اُن میں ایک کشش ہوتی ہے جس سے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور جب دعا کی جاتی ہے وہ کشش کے ذریعہ سے زہریلے مادہ پر جو لوگوں کے اندر رہتا ہے اثر کرتی ہے اور اس روحانی مریض کو تسلی اور تسکین بخشتی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو کہ بیان میں ہی نہیں آسکتی اور اصل مغز شریعت کا یہی ہے کہ وہ کشش طبیعت میں پیدا ہو جاوے۔ سچا تقویٰ اور استقامت بغیر اس صاحبِ کشش کی موجودگی کے پیدا نہیں ہو سکتے اور نہ اس کے سوا قوم بنتی ہے۔ یہی کشش ہے جو کہ دلوں میں قبولیت ڈالتی ہے۔ اس کے بغیر ایک غلام اور نوکر بھی اپنے آقا کی خاطر خواہ فرماں برداری نہیں کر سکتا اور اسی کے نہ ہونے کی وجہ سے نوکر اور غلام جن پر بڑے انعام و اکرام کئے گئے ہوں آخر کار نمک حرام نکل آتے ہیں۔ بادشاہوں کی ایک تعداد کثیر ایسے غلاموں کے ہاتھوں سے ذبح ہوتی رہی، لیکن کیا کوئی ایسی نظیر انبیاء میں دکھلا سکتا ہے کہ کوئی نبی اپنے کسی غلام یا مرید سے قتل ہوا ہے؟ مال اور زر یا اور کوئی اور ذریعہ دل کو اس طرح سے قابو نہیں کر سکتا جس طرح سے یہ کشش قابو کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ کیا بات تھی کہ جس کے ہونے سے صحابہؓ نے اس قدر صدق دکھایا اور انہوں نے نہ صرف بُت پرستی اور مخلوق پرستی ہی سے مُنہ موڑا بلکہ درحقیقت اُن کے اندر سے دنیا کی طلب ہی مسلوب ہو گئی اور وہ خدا کو دیکھنے لگ گئے وہ نہایت سرگرمی سے خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے فدا تھے کہ گویا ہر ایک ان میں سے ابراہیم تھا۔ انہوں نے کامل اخلاص سے خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنے کے لیے وہ کام کئے جس کی نظیر بعد اس کے کبھی پیدا نہیں ہوئی اور خوشی سے دین کی راہ میں ذبح ہونا قبول کیا بلکہ بعض صحابہؓ نے جو یک لخت شہادت نہ پائی تو اُن کو خیال گذرا کہ شاید ہمارے صدق میں کچھ کسر ہے جیسے کہ اس آیت میں اشارہ ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ (الاحزاب: ۲۴) یعنی بعض تو شہید ہو چکے تھے اور بعض منتظر تھے کہ کب شہادت نصیب ہو۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا ان لوگوں کو دوسروں کی طرح حوائج نہ تھے اور اولاد کی محبت اور دوسرے تعلقات نہ تھے؟ مگر اس کشش نے

ان کو ایسا مستانہ بنا دیا تھا کہ دین کو ہر ایک شئے پر مقدم کیا ہوا تھا۔

اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعرآء:۴) کی تفسیر میں ایک نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال پیدا ہوا ہوگا کہ مجھ میں شاید وہ کامل کشش نہیں ہے ورنہ ابوجہل راہِ راست پر آجاتا۔ پھر وہ خود ہی اس کا جواب دیتا ہے کہ آپ میں کشش تو کامل تھی لیکن بعض فطرتیں ہی ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ اس قابل نہیں رہتیں کہ نُور کو قبول کریں اس لیے ایسے لوگوں کا محروم رہنا ہی اچھا ہوتا ہے۔

دنیا اور مافیہا پر دین کو مقدم کر لینا بغیر کشش الٰہی کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں میں یہ کشش نہیں ہوتی وہ ذرا سے ابتلا سے تبدیل مذہب کر لیتے ہیں اور حکومت کے دباؤ سے فوراً ہاں میں ہاں ملانے لگ جاتے ہیں۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ ایک لاکھ تک ہو گئے تھے مگر چونکہ اس میں وہ کشش نہ تھی اس لیے آخر کار سب کے سب فنا ہو گئے۔

غرضیکہ کسی کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہی ہے کہ اس کو کشش دی جاوے، اور یہی بڑا معجزہ ہے جو کہ لکھوکھا انسانوں کو اس کا گرویدہ اور جاں نثار بنا دیتی ہے۔ کسی ایک کو اپنا گرویدہ کرنا محال ہوتا ہے کوئی کر کے دیکھے تو حال معلوم ہو۔ سینکڑوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں مگر آخر کار دشکنی ہی ہوتی ہے چہ جائیکہ ایک عالم کو اپنا گرویدہ کر لیا جاوے یہ بغیر اس کشش کے حاصل نہیں ہوتا جو خدا سے عطا ہو۔ بادشاہوں کے رُعب اور دھمکیاں اور ایک دنیا بھر کا اس کے مقابلہ پر آجانا یہ سب اس کشش کے گرویدوں کو تذبذب میں نہیں پڑنے دیتیں۔

ابھی تک ان آریوں کو پتہ ہی نہیں ہے کہ سچا تقویٰ کیا شئے ہے۔ یہ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ جب اوّل وہ اپنی بیماری کو سمجھیں۔ جب تک ایک انسان اپنے آپ کو بیمار نہیں خیال کرتا تو وہ علاج کیا کرادے گا۔ تزکیۂ نفس ایک ایسی شئے ہے کہ خود بخود نہیں ہو سکتا اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (النجم:۳۳) کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ ہم اپنے نفس یا عقل کے ذریعہ سے خود بخود متقی بن جاویں گے۔ یہ بات غلط ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ جہالت ایک ایسی زہر ہے کہ جیسے انسان چنگا بھلا پھرتا ہوا فوراً ہیضہ وغیرہ سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اس سے بیشتر گمان بھی نہیں ہوتا کہ میں مَر جاؤں گا، ایسے ہی جہالت ہلاک کر دیتی ہے اس کا علاج بلا انبیاء علیہم السلام کے نہیں ہو سکتا۔ اُن کی صحبت میں رہنے سے انسان کے اندر وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ جس سے اُسے اپنے مرض کا پتہ لگتا ہے۔ ورنہ خشک لفّاظی اور چرب زبانی سے انسان کو یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ صرف یہ کہنا کہ ہم نے زنا نہیں کیا۔ چوری نہیں کی۔ اس سے تزکیۂ نفس نہیں پایا جاتا اور نہ اس کا نام سچی پاکیزگی ہے۔ یہ ایک ایسی شئے ہے کہ اس پر عمل کرنا تو درکنار سمجھنا ہی مشکل ہے جسے خدا تعالیٰ چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ یہ تو ایک قسم کی موت ہے جو انسان کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی

ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۲۸۲ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۳ ستمبر ۱۹۰۳ء

(بوقت صبح بمقام گورداسپور)

ایک رؤیا مَیں نے ایک قلم لکھنے کے واسطے اُٹھائی ہے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی ایک زبان ٹوٹی ہوئی ہے تو مَیں نے کہا کہ محمد افضل نے جو پَر (نب) بھیجے ہیں ان میں سے ایک لگا دو۔ وہ پَر تلاش کئے جا رہے ہیں کہ اس اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۲۹۰ مؤرخہ ۲ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

کثرتِ اولاد سے جماعت کو بڑھائیں مفتی فضل الرحمٰن صاحب احمدی قادیانی نے ذیل کے ملفوظات حضرت امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے پہنچائے ہیں۔

۲۳ ستمبر ۱۹۰۳ء کو علی الصباح جب مفتی صاحب موصوف نے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کے ہاں فرزندِ ارجمند کی ولادت کی خبر حضرت امام الزمان علیہ السلام کو گورداسپور جاکر پہنچائی تو آپ نے فرمایا:۔

مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس سے پیشتر مولوی صاحب کو اولاد کا بہت صدمہ پہنچا ہوا ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اس کا نام عبدالقیوم رکھا جائے۔

پھر فرمایا کہ:۔

میرا تو یہی جی چاہتا ہے کہ میری جماعت کے لوگ کثرت ازدواج کریں اور کثرتِ اولاد سے جماعت کو بڑھاویں مگر شرط یہ ہے کہ پہلی بیویوں کے ساتھ دوسری بیوی کی نسبت زیادہ اچھا سلوک کریں تاکہ اسے تکلیف نہ ہو۔ دوسری بیوی پہلی بیوی کو اسی لیے ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ وہ خیال کرتی ہے کہ میری غور و پرداخت اور حقوق میں کمی کی جاویگی مگر میری جماعت کو اس طرح نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ عورتیں اس بات سے ناراض ہوتی ہیں مگر مَیں تو یہی تعلیم دوں گا۔ ہاں یہ شرط ساتھ رہے گی کہ پہلی بیوی کی غور و پرداخت اور اس کے حقوق دوسری کی نسبت زیادہ توجہ اور غور سے ادا ہوں اور دوسری سے اُسے زیادہ خوش رکھا جائے۔ ورنہ

یہ نہ ہو کہ بجائے ثواب کے عذاب ہو۔ عیسائیوں کو بھی اس امر کی ضرورت پیش آئی ہے اور بعض دفعہ پہلی بیوی کو زہر دیکر دوسری کی تلاش سے اس کا ثبوت دیا ہے۔ یہ تقویٰ کی عجیب راہ ہے مگر بشرطیکہ انصاف ہو۔ اور پہلی کی نگہداشت میں کمی نہ ہو۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۲۴ ستمبر ۱۹۰۳ء

رُوحانیت اور پاکیزگی کی ضرورت

آپ نے ایک ذکر پر فرمایا کہ:۔
کوئی دنیا کا کاروبار چھوڑ کر ہمارے پاس بیٹھے تو ایک دریا پیشگوئیوں کا بہتا ہوا دیکھے جیسے کہ کل قلم والی پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔
رُوحانیت اور پاکیزگی کے بغیر کوئی مذہب چل نہیں سکتا۔ قرآن شریف نے بتلایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر دنیا کی کیا حالت تھی۔ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (محمد: ۱۳) پھر جب انہی لوگوں نے اسلام قبول کیا تو فرماتا ہے یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (الفرقان: ۶۵) جب تک آسمان سے تریاق نہ ملے تو دل درست نہیں رہتا۔ انسان آگے قدم رکھتا ہے مگر وہ پیچھے پڑتا ہے قدسی صفات اور فطرت والا انسان ہو تو وہ مذہب چل سکتا ہے اس کے بغیر کوئی مذہب ترقی نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرتا بھی ہے تو پھر قائم نہیں رہ سکتا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۲۹۰ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۹ ستمبر ۱۹۰۳ء

دربار شام

بیعت کی غرض

بیعت لینے کے بعد حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:
ہر ایک شخص جو میرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی بیعت کی کیا غرض ہے؟ کیا وہ دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ بہت سے ایسے بدقسمت انسان ہوتے ہیں کہ اُن کی بیعت کی غایت اور مقصود صرف دنیا ہوتی ہے ورنہ بیعت سے اُن کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور وہ حقیقی یقین اور معرفت کا نور جو حقیقی بیعت کے نتائج اور ثمرات ہیں ان میں پیدا نہیں ہوتا۔

ان کے اعمال میں کوئی خوبی اور صفائی نہیں آتی۔ نیکیوں میں ترقی نہیں کرتے۔ گناہوں سے بچتے نہیں۔ ایسے لوگوں کو جو دنیا کو ہی اپنا اصل مقصود ٹھہراتے ہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ

دُنیا روزے چند آخر کار باخداوند

یہ چند روزہ دنیا تو ہر حال میں گذر جاوے گی خواہ تنگی میں گذرے خواہ فراخی میں۔ مگر آخرت کا معاملہ بڑا سخت معاملہ ہے وہ ہمیشہ کا مقام ہے اور اس کا انقطاع نہیں ہے۔ پس اگر اس مقام میں وہ اسی حالت میں گیا کہ خدا تعالےٰ سے اس نے صفائی کر لی تھی اور اللہ تعالےٰ کا خوف اس کے دل پر مستولی تھا اور وہ معصیت سے توبہ کر کے ہر ایک گناہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہ کر کے پکارا ہے بچتا رہا تو خدا تعالیٰ کا فضل اس کی دستگیری کرے گا اور وہ اس مقام پر ہوگا کہ خدا اس سے راضی ہوگا اور وہ اپنے رب سے راضی ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں کیا بلکہ لاپرواہی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی ہے تو پھر اس کا انجام خطرناک ہے اس لیے بیعت کرتے وقت یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ بیعت کی کیا غرض ہے اور اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر محض دنیا کی خاطر ہے تو بے فائدہ ہے لیکن اگر دین کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے تو ایسی بیعت مبارک اور اپنی اصل غرض اور مقصد کو ساتھ رکھنے والی ہے جس سے ان فوائد اور منافع کی پوری امید کی جاتی ہے جو سچی بیعت سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایسی بیعت سے انسان کو دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور حقیقی توبہ انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور اس سے پاکیزگی اور طہارت کی توفیق ملتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (البقرۃ: ۲۲۳) یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور نیز ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گناہوں کی کشش سے پاک ہونیوالے ہیں۔ توبہ حقیقت میں ایک ایسی شئے ہے کہ جب وہ اپنے حقیقی لوازمات کے ساتھ کی جاوے تو اس کیساتھ ہی انسان کے اندر ایک پاکیزگی کا بیج بویا جاتا ہے جو اس کو نیکیوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہی باعث ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یعنی توبہ سے پہلے کے گناہ اس کے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت سے پہلے جو کچھ بھی اس کے حالات تھے اور جو بیجا حرکات اور بے اعتدالیاں اس کے چال چلن میں پائی جاتی تھیں اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے اُن کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد صُلح باندھا جاتا ہے اور نیا حساب شروع ہوتا ہے۔ پس اگر اس نے خدا تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کی ہے تو اسے چاہیئے کہ اب اپنے گناہوں کا نیا حساب نہ ڈالے اور پھر اپنے آپ کو گناہ کی ناپاکی سے آلودہ نہ کرے بلکہ ہمیشہ استغفار اور دُعاؤں کے ساتھ اپنی طہارت اور صفائی کی طرف متوجہ رہے اور خدا تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کی فکر میں لگا رہے اور اپنی اس زندگی کے

حالات پر نادم اور شرمسار رہے جو توبہ کے زمانہ سے پہلے گذری ہے۔

انسان کی عمر کے کئی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک حصہ میں کئی قسم کے گناہ ہوتے ہیں مثلاً ایک حصہ جوانی کا ہوتا ہے جس میں اس کے حسبِ حال جذباتِ کسل و غفلت ہوتی ہے۔ پھر دوسری عمر کا ایک حصہ ہوتا ہے جس میں دغا۔ فریب۔ ریاکاری اور مختلف قسم کے گناہ ہوتے ہیں۔ غرض عمر کا ہر ایک حصہ اپنی طرز کے گناہ رکھتا ہے۔

پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور وہ توبہ کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور توبہ کے ذریعہ انسان پھر اپنے رب سے صلح کر سکتا ہے۔ دیکھو انسان پر جب کوئی جرم ثابت ہو جائے تو وہ قابلِ سزا ٹھہر جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ (طٰہٰ: ۷۵) یعنی جو اپنے رب کے حضور مجرم ہو کر آتا ہے اس کی سزا جہنم ہے وہاں وہ نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ یہ ایک جرم کی سزا ہے اور جو ہزاروں لاکھوں جرموں کا مرتکب ہو اس کا کیا حال ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص عدالت میں پیش ہو اور بعد ثبوت اس پر فرد قرار داد جرم بھی لگ جاوے اور اس کے بعد عدالت اس کو چھوڑ دے تو کس قدر احسانِ عظیم اس حاکم کا ہوگا۔ اب غور کرو کہ یہ توبہ وہی بریت ہے جو فرد قرار داد جرم کے بعد حاصل ہوتی ہے توبہ کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اس لیے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کس قدر گناہوں میں وہ مبتلا تھا۔ اور اُن کی سزا کس قدر اس کو ملنے والی تھی جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے معاف کر دی۔ پس تم نے جو اب توبہ کی ہے چاہیئے کہ تم اس توبہ کی حقیقت سے واقف ہو کر ان تمام گناہوں سے بچو جن میں تم مبتلا تھے اور جن سے بچنے کا تم نے اقرار کیا ہے۔ ہر ایک گناہ خواہ وہ زبان کا ہو یا آنکھ یا کان کا۔ غرض ہر اعضاء کے جُدا جُدا گناہ ہیں۔ اُن سے بچتے رہو۔ کیونکہ گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ گناہ کی زہر وقتاً فوقتاً جمع ہوتی رہتی ہے اور آخر اس مقدار اور حد تک پہنچ جاتی ہے جہاں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس بیعت کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ گناہ کے زہر کے لیے تریاق ہے۔ اس کے اثر سے محفوظ رکھتی ہے اور گناہوں پر ایک خطِ نسخ پھیر دیتی ہے۔

دوسرا فائدہ اس توبہ سے یہ ہے کہ اس توبہ میں ایک قوت و استحکام ہوتا ہے جو مامور من اللہ کے ہاتھ پر سچے دل سے کی جاتی ہے۔ انسان جب خود توبہ کرتا ہے تو وہ اکثر ٹوٹ جاتی ہے۔ بار بار توبہ کرتا اور بار بار توڑتا ہے مگر مامور من اللہ کے ہاتھ پر جو توبہ کی جاتی ہے جب وہ سچے دل سے کریگا تو چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوگی وہ خدا خود اسے قوت دیگا اور آسمان سے ایک طاقت ایسی دی جاوے گی جس سے وہ اس پر قائم رہ سکے گا۔ اپنی توبہ اور مامور کے ہاتھ پر توبہ کرنے میں یہی فرق ہے کہ پہلی کمزور ہوتی ہے دوسری مستحکم۔ کیونکہ اسکے

ساتھ مامور کی اپنی توجہ، کشش اور دعائیں ہوتی ہیں جو توبہ کرنے والے کے عزم کو مضبوط کرتی ہیں اور آسمانی قوت اُسے پہنچاتی ہیں جس سے ایک پاک تبدیلی اس کے اندر شروع ہو جاتی ہے اور نیکی کا بیج بویا جاتا ہے جو آخر ایک بار دار درخت بن جاتا ہے۔

پس اگر صبر اور استقامت رکھو گے تو تھوڑے دنوں کے بعد دیکھو گے کہ تم پہلی حالت سے بہت آگے گذر گئے ہو۔

غرض اس بیعت سے جو میرے ہاتھ پر کی جاتی ہے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور انسان خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مغفرت کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسرے مامور کے سامنے توبہ کرنے سے طاقت ملتی ہے اور انسان شیطانی حملوں سے بچ جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ اس سلسلہ میں داخل ہونے سے دنیا مقصود نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ کیونکہ دنیا تو گذرنے کی جگہ ہے وہ تو کسی نہ کسی رنگ میں گذر جائے گی ؎

شبِ تو نور گذشت و شبِ سمور گذشت

دنیا اور اس کے اغراض اور مقاصد کو بالکل الگ رکھو۔ ان کو دین کے ساتھ ہرگز نہ ملاؤ کیونکہ دنیا فنا ہونے والی چیز ہے اور دین اور اس کے ثمرات باقی رہنے والے۔ دنیا کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر آن اور ہر دم میں ہزاروں موتیں ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کی وبائیں اور امراض دنیا کا خاتمہ کر رہی ہیں کبھی ہیضہ تباہ کرتا ہے۔ اب طاعون ہلاک کر رہی ہے۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون کب تک زندہ رہے گا۔ جب موت کا پتہ نہیں کہ کس وقت آجائے گی۔ پھر کیسی غلطی اور بیہودگی ہے کہ اس سے غافل رہے اس لیے ضروری ہے کہ آخرت کی فکر کرو جو آخرت کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر رحم کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب انسان مومن کامل بنتا ہے تو وہ اُس کے اور اُس کے غیر میں فرق رکھ دیتا ہے اس لیے پہلے مومن بنو۔ اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیعت کی خالص اغراض کے ساتھ جو خدا ترسی اور تقویٰ پر مبنی ہیں۔ دنیا کے اغراض کو ہرگز نہ ملاؤ نمازوں کی پابندی کرو اور توبہ و استغفار میں مصروف رہو۔ نوعِ انسان کے حقوق کی حفاظت کرو۔ اور کسی کو دُکھ نہ دو۔ راستبازی اور پاکیزگی میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فضل کریگا۔ عورتوں کو بھی اپنے گھروں میں نصیحت کرو کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور ان کو گلہ شکوہ اور غیبت سے روکو۔ پاکبازی اور راستبازی ان کو سکھاؤ۔ ہماری طرف سے صرف سمجھانا شرط ہے اس پر عملدرآمد کرنا تمہارا کام ہے۔

پانچ وقت اپنی نمازوں میں دعا کرو۔ اپنی زبان میں بھی دعا کرنی منع نہیں ہے۔ نماز کا مزا نہیں آتا ہے جب تک حضور نہ ہو اور حضورِ قلب نہیں ہوتا ہے جب تک عاجزی نہ ہو عاجزی جب پیدا ہوتی ہے جو یہ سمجھ آجائے کہ کیا پڑھتا ہے اس لیے اپنی زبان میں اپنے مطالب پیش کرنے کے لیے جوش اور اضطراب پیدا

ہو سکتا ہے مگر اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ نماز کو اپنی زبان ہی میں پڑھو۔ نہیں میرا یہ مطلب ہے کہ مسنون ادعیہ اور اذکار کے بعد اپنی زبان میں بھی دُعا کیا کرو۔ ورنہ نماز کے ان الفاظ میں خدا نے ایک برکت رکھی ہوئی ہے۔ نماز دُعا ہی کا نام ہے۔ اس لیے اس میں دعا کرو کہ وہ تم کو دنیا اور آخرت کی آفتوں سے بچاوے اور خاتمہ بالخیر ہو[1]۔ اپنے بیوی بچوں کے لیے بھی دُعا کرو۔ نیک انسان بنو اور ہر قسم کی بدی سے بچتے رہو۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۸ صفحہ ۲ بابت ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۳۰ ستمبر ۱۹۰۳ء

ہمیشہ موت کو یاد رکھو

ابو سعید صاحب احمدی نے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ میں دو تین یوم کے بعد واپس رنگون جانیوالا ہوں حضور سے درخواست ہے کہ میرے حق میں دُعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

انشاء اللہ تعالیٰ دعا کروں گا۔ دنیا ایسے ہی تفرقہ کی جگہ ہے۔ ہمیشہ موت کو یاد رکھو چند روز زندگی ہے اس پر نازاں نہ ہونا چاہیئے۔ جو راستی پر ہو اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا ہو تو خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے[2]۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۸ صفحہ ۲۹۸ مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(بوقت ظہر)

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ظہر کی نماز ادا کر کے تشریف لے جا رہے تھے کہ سیٹھ احمد دین صاحب آمدہ از جہلم نے عرض کی کہ گذشتہ ایام میں ایک شخص بیعت کر کے گیا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میری علمی

---

[1] البدر میں مزید فقرہ ہے۔ "اور تمام کام تمہارے اس کی مرضی کے موافق ہوں"۔
(البدر جلد ۲ نمبر ۳۸ صفحہ ۲۹۸ بابت ۹ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

[2] یہ ڈائری بعینہٖ انہی الفاظ میں الحکم جلد ۷ نمبر ۳۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ اکتوبر میں یکم اکتوبر کی لکھی ہے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ "الحکم" کو غلطی لگی ہے کیونکہ "البدر" نے لکھا ہے کہ یکم اکتوبر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بوجہ علالت طبع تشریف نہیں لائے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

معلومات بہت کم ہیں اور مجھے آپ کے دعاوی کے دلائل اب تک معلوم نہیں ہوئے اس لیے میرے لیے دعا فرمائی جاوے۔ اس پر آپ نے سیٹھ صاحب کو مختصراً دلائل اپنے دعاوی پر سُنائے کہ اُس شخص کو سمجھا دیئے جائیں۔ اور نیز یہ بھی فرمایا کہ:۔

خدائی کے مستحق اگر ہو سکتے تھے تو ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے تھے۔ کیونکہ آپ کا نہ کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ حالانکہ عیسیٰؑ کے اَور بھائی اور بہن تھے۔ ان کمبخت عیسائیوں کو اتنا خیال نہیں آتا کہ عیسیٰؑ کے پانچ بھائی اور دو بہنیں تھیں جو کہ مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ پس کیا وجہ ہے کہ مریم کو خداؤں کی ماں اور مسیح کے بھائیوں کو خدا نہ کہا جاوے۔

مرکز میں آکر پختگی حاصل کریں

ہمیں بہت افسوس ہے کہ بعض لوگ کچے آتے ہیں اور کچے ہی چلے جاتے ہیں حالانکہ یہ ان کا فرض ہے کہ یہاں آکر چند روز رہیں اور اپنے شبہات پیش کر کے پختگی حاصل کریں۔ پھر اُن سے دُوسرے مخالف اور عیسائی ایسے بھاگیں گے جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ کس طرح شیطان کے بہکانے میں آجاتے ہیں مگر یہ سب ایمان کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ بھلا مومن کیا اور شیطان کا بہکانا کیا۔ معلوم ہوتا ہے جو بہکتا ہے وہ خود شیطان ہے۔ ورنہ سوچ کر دیکھا جاوے کہ اب ہمارے مخالفوں کے ہاتھ میں کیا رہ گیا ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ جو کچھ رطب و یابس اُن کے ہاتھ میں ہے وہ ایک ایک حرف پورا ہو۔ حالانکہ نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ یہودیوں کی احادیث اس قدر تھیں کہ وہ نہ حضرت عیسیٰ پر حرف بحرف پوری ہوئیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور اسی لیے بہتوں نے ٹھوکر کھائی مگر بعض یہودی جو مسلمان ہو گئے تو اس کی یہ وجہ تھی کہ جس قدر حصہ ان احادیث کا پورا ہو گیا انہوں نے اس کو سچا مان لیا اور جو نہ پورا ہوا۔ اس کو رطب و یابس جان کر چھوڑ دیا یا اُن کے اَور معنے کر لئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پھر اُن کو اسلام نصیب نہ ہوتا اور پھر اس کے علاوہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات بھی دیکھے۔ ہر ایک قوم کے پاس کچھ سچی کچھ جھوٹی، کچھ صحیح اور کچھ غلط روایات ہوتی ہیں۔ اگر انسان اسی بات پر اَڑ جائے کہ سب کی سب پوری ہوں تو اس طرح سے کوئی شخص مان نہیں سکتا۔ حَکَم کے یہی معنے ہیں ان میں سے سچی اور جھوٹی کو الگ کر کے دکھا دیوے۔

ہر ایک جو بیعت کرتا ہے اسے واجب ہے کہ ہمارے دعویٰ کو خوب سمجھ لیوے ورنہ اُسے گناہ ہوگا۔

٭ ٭ ٭

دربارِ شام[1]

موت سے بڑھکر کون ناصح ہو سکتا ہے؟

موت اور اس کی تلخیوں کا ذکر چل پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

انسان[2] ان موتوں سے عبرت نہیں پکڑتا حالانکہ اس سے بڑھ کر اَور کون ناصح ہو سکتا ہے جسقدر انسان مختلف بلاد اور ممالک میں مرتے ہیں۔ اگر یہ سب جمع ہو کر ایک دروازہ سے نکلیں تو کیسا عبرت کا نظارہ ہو۔

پھر مختلف امراض اس قسم کے ہیں کہ ان میں انسان کی پیش نہیں جاتی۔ ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آیا اس نے بیان کیا کہ میرے پیٹ میں رسولی پیدا ہوئی ہے۔ اور وہ دن بدن بڑھ کر پاخانہ کے راستہ کو بند کرتی جاتی ہے جس ڈاکٹر کے پاس مَیں گیا ہوں وہ یہی کہتا ہے کہ اگر یہ مرض ہمیں ہوتی تو ہم بندوق مار کر خودکشی کر لیتے۔ آخر وہ بیچارہ اسی مرض سے مر گیا۔

بعض لوگ ایسے مسلول ہوتے ہیں کہ ایک ایک پیالہ پیپ کا اندر سے نکلتا ہے۔ ایک دفعہ ایک مریض آیا۔ اس کی یہی حالت تھی۔ صرف اس کا پوست ہی رہ گیا تھا۔ اور وہ سمجھدار بھی تھا مگر تاہم وہ یہی خیال کرتا تھا کہ مَیں زندہ رہوں گا۔

انسان کی سخت دلی اصل میں اُمیدوں پر ہوتی ہے لیکن انبیاء کی یہ حالت نہیں ہوتی جسقدر انبیاء ہوئے ہیں سب کی یہ حالت رہی ہے کہ اگر شام ہوئی ہے تو صبح کو ان کی اُمید نہیں کہ ہم زندہ رہیں گے اور اگر صبح ہوئی ہے تو شام کی اُمید نہیں کہ ہم زندہ رہیں گے۔ جب تک انسان کا یہ خیال نہ ہو کہ مَیں ایک مرنے والا ہوں تب تک وہ غیر اللہ سے دل لگانا چھوڑ نہیں سکتا اور آخر اس قسم کے افکار میں جان دیتا ہے۔ مرنے کے

---

[1] "الحکم" نے ڈائری پر ۳؍اکتوبر ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی ہے جو درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ "البدر" نے یکم تا ۳؍اکتوبر کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا ہے:۔

"یکم اکتوبر ۱۹۰۳ء کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب و عشاء کی نماز باجماعت میں شامل نہیں ہوئے۔ نصیب اعداء آپ کی طبیعت بیمار تھی۔ ۲۔ ۳؍اکتوبر کو کوئی ذکر قابلِ ابلاغ ناظرین نہیں ہوا۔ ۳؍اکتوبر ۱۹۰۳ء کو پھر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بوجہ علالتِ طبع شامل جماعت مغرب وعشاء نہ ہو سکے۔"

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۸ صفحہ ۲۹۸ مورخہ ۹؍اکتوبر ۱۹۰۳ء) مرتب)

[2] الحکم میں اس سے پہلے یہ عبارت بھی ہے:۔ "قاعدہ کی بات ہے کہ انسان کو جو چیز مضر ہوتی ہے ایک دو بار کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد اس کو چھوڑ دیتا ہے لیکن ہر روز موت کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ جنازے نکلتے ہیں مگر ان موتوں سے یہ عبرت حاصل نہیں کرتا۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۸ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۳ء)

وقت کا کسی کو کیا علم ہوتا ہے۔ موت تو ناگہانی آجاتی ہے۔ اگر کوئی غور کرے تو اُسے معلوم ہو کہ یہ دنیا اور اس کے مال و متاع اور حظّ سب فانی اور جھوٹے ہیں۔ آخر کار وہ یہاں سے تہیدست جاوے گا اور اصل مطلوب جس سے وہ خوش رہ سکتا ہے وہ خدا سے دل لگانا ہے اور گناہ کی دلیری سے آزاد رہنا۔ کہنے کو یہ آسان ہے اور ہر ایک زبان سے کہہ سکتا ہے کہ میرا دل خدا سے لگا ہوا ہے مگر اس کا کرنا مشکل ہے۔ ایک دوکاندار کو دیکھو کہ وہ وزن تو کم تولتا ہے مگر زبان سے صوفیانہ کافیاں ایسی گاتا جاوے گا کہ دوسرے کو معلوم ہو کہ یہ بڑا خدا رسیدہ ہے۔ ایسی حالت میں لفظ اور باتیں تو زبان سے نکلتی ہیں مگر دل اُس کی تکذیب کرتا ہے۔ سجادہ نشینوں کو ایسے قصّے یاد ہوتے ہیں کہ دوسرا انسان سُنکر گرویدہ ہو جاتا ہے حالانکہ خود ان کا عمل درآمد اُن پر مطلق نہیں ہوتا۔ مگر تاہم ایسے انسان بھی ہوتے ہیں کہ وہ بات کو سمجھ لیتے ہیں اور اس دنیا اور مافیہا کا چھوڑنا ان پر آسان ہوتا ہے۔ جیسے کہ ابراہیم ادھم وغیرہ بادشاہ ہوئے ہیں کہ انہوں نے سلطنت کو ترک کر دیا۔ جب خوفِ الٰہی اُن کے قلب پر غالب ہوا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب دنیا اور یہ خوف ایک جا جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے دنیا کو چھوڑ دیا۔

جب ایک شخص ایک ناپائدار لذّت میں مصروف ہو تو جب اسے چھوڑیگا۔ اسی قدر اُسے رنج ہوگا۔ دنیا سے دل لگانے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور آئندہ نیکی کی مناسبت اس سے نہیں رہتی۔ مسلمانوں میں اگرچہ فاسق فاجر بادشاہ بھی گذرے ہیں مگر ایسے بھی بہت ہیں کہ انہوں نے پاکبازی اور راستی اختیار کی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۸ صفحہ ۲۹۸ - ۲۹۹ مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۵ اکتوبر ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

ایک عیسائی سے گفتگو

وہ تمام اخبارات جو کہ ردِّ نصاریٰ کے بارے میں یورپ اور امریکہ سے آئے تھے پڑھے جانے کے بعد میاں گل محمد[1] صاحب نے حضرت اقدسؑ کو اپنی طرف مخاطب کیا اور کہا کہ میں آپ کے کہنے کے مطابق آیا ہوں۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

ہم نے تو آپ کو بذریعہ تار اور خط کے منع کر دیا تھا کہ آپ نہ آویں۔ علالتِ طبع اور ایک ضروری کام میں مصروفیت کی وجہ سے فرصت نہیں۔ اب آپ آگئے ہیں تو مجھے آپ کے آنے کی خوشی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کوئی تحقیق کے

---

[1] عیسائی (مرتب)

واسطے میرے پاس آوے۔ زمانہ دن بدن راستی اختیار کرتا جاتا ہے۔ عیسائی مذہب کی تردید اور کسرِ صلیب کیلئے جو کچھ مجھے خدا نے عطا کیا ہے اس کو تبلانے کو مَیں ہر وقت تیار ہوں، لیکن دوسرے موقعہ پر جب آپ آوینگے تو جیسے آپ کا حق ہوگا کہ سوال کریں ویسا ہی میرا حق ہوگا کہ ایک سوال کروں اور وہ سوال صرف مسیح کی الوہیت تثلیث اور چال چلن کی نسبت ہوگا۔ لیکن جیسے مَیں نے اس سوال کو مشخص کر دیا ہے ویسے ہی آپ کو لازم ہے کہ آپ بھی اپنے سوال کو مشخص کر دیویں کہ تیاری کا موقعہ مل جاوے۔

گل محمد صاحب :۔ ہاں آپ بھی ایک سوال کریں جیسے مجھے تلاشِ حق کی ضرورت ہے ویسے ہی آپ پر ضروری ہے کہ آپ اظہارِ حق کریں۔

حضرت اقدس :۔ یہ آپ سچ کہتے ہیں مگر میرے اظہارِ حق کی شہادت تو یورپ اور امریکہ دے رہا ہے۔ ابھی آپ کے سامنے اخبارات پڑھے گئے ہیں۔

گل محمد صاحب :۔ لیکن ایک بات ضروری ہے کہ اگر مَیں دوسرے موقعہ پر آؤں اور آپ کو پھر فرصت نہ ہو تو چونکہ مَیں ایک غریب آدمی ہوں اس لیے آمد و رفت کا خرچہ آپ پر ہوگا۔

حضرت اقدس :۔ اگر غریب ہو تو آمد و رفت کا کرایہ ہم دیدیا کریں گے اگر ہم اس طرح بوجہ نہ ہونے فرصت کے سو دفعہ واپس کریں گے تو سو دفعہ کرایہ دیں گے۔

میاں گل محمد صاحب نے کرایہ اس دفعہ کا طلب کیا اور اسی وقت ان کی غربت کا خیال کر کے ان کی درخواست پر تین روپے ان کو دے دیئے گئے۔ ان باتوں پر بعض احباب میں چرچا ہوا تو میاں گل محمد صاحب نے حضرت اقدس کو مخاطب ہو کر کہا۔

گل محمد صاحب :۔ آپ تو تمسخر کرتے ہیں۔

حضرت اقدس :۔ یہ یاد رکھئے۔ ہمارے کام محض لِلّٰہ ہیں۔ یہاں تمسخر اور مذاق نہیں ہے۔ ہم تو ہر ایک بار اپنے اوپر ڈالتے ہیں۔ اگر تمسخر ہوتا تو یہ زیر باری کیوں اختیار کرتے اور تین روپیہ آپ کو دے دیتے بلکہ تلاشِ حق کے لیے تو کوئی لنڈن سے بھی چل کر آوے۔ تو ہم اس کا کرایہ دینے کو تیار ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۳۰۵ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء

آج کے دن میاں گل محمد صاحب نے پھر ایک حجت کھڑی کی اور حضرت اقدس کی تحریر لینے کی

کوشش کی تاکہ لاہور میں وہ پیش کر سکیں۔ چونکہ حضرت اقدس کتاب تذکرۃ الشہادتین کی تصنیف میں مصروف تھے اور آپ کو بالکل فرصت نہ تھی آپ نے مفتی محمد صادق صاحب کو جنہوں نے میاں گل محمد صاحب سے ملاقات اور گفتگو میں کافی انٹرسٹ لیا تھا فرمایا کہ وہ جواب دیویں مگر میاں گل محمد صاحب کس کی مانتے تھے۔ آخر اُن کے بڑے اصرار سے حضرت اقدس نے پھر اُن کو ایک تحریر دی جس کی نقل ہم ذیل میں کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

نقل رقعہ منجانب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

بشرط خیر و عافیت اور نہ پیش آنے کسی مجبوری کے میری طرف سے یہ وعدہ ہے کہ اگر ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء کے بعد میاں گل محمد صاحب اس بات کی مجھے اطلاع دیں کہ وہ قادیان میں آنے کیلئے تیار ہیں تو میں اُن کو بُلا لوں گا تا جو سوال کرنا ہو وہ کریں۔ سوال صرف ایک ہوگا اور فریقین کے لیے جواب اور جواب الجواب دینے کے لیے چار دن کی مہلت ہوگی اور انہی چار دنوں کے اندر میرا بھی حق ہوگا کہ یسوع مسیح اور اُس کی خدائی کی نسبت یا انجیل اور تورات کے تناقض کی نسبت جو عیسائیوں کے موجودہ عقیدہ سے پیدا ہوتا ہے، کوئی سوال کروں۔ ایسا ہی ان کا حق ہوگا کہ وہ جواب دیں۔ پھر میرا حق ہوگا کہ جواب الجواب دوں۔ اور یہ امر ضروری ہوگا کہ میاں گل محمد صاحب قادیان سے جانے سے پہلے مجھے اطلاع دیں کہ وہ اسلام یا قرآن شریف پر کیا اعتراض کرنا چاہتے ہیں تا ہم بھی دیکھیں کہ واقعی وہ اعتراض ایسا ہے کہ یسوع مسیح کی انجیل یا اس کے چال چلن یا اس کے نشانوں پر وارد نہیں ہوتا۔ گو مجھے بہت افسوس ہے کہ ایسے لوگوں کو مخاطب کروں کہ اب بھی اور اس زمانہ میں اُس شخص کو جس کے انسانی ضعف اُس کی اصل حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا کر کے مانتے ہیں۔ مگر ہمارا فرض ہے کہ ذلیل سے ذلیل مذہب والوں کو بھی ان کے چیلنج کے وقت ردّ نہ کریں اس لیے ہم ردّ نہیں کرتے۔ بالآخر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا صحیح اور پورا پتہ لکھ کر مجھے دیں تا میرے جواب کے پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آوے یعنی لاہور میں کہاں اور کس محلّہ میں رہتے ہیں اور پُورا پتہ کیا ہے مکرّر یہ کہ آپ کے اطمینان کے لیے جیسا کہ رات کو آپ نے تقاضا کیا تھا میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ میرے لکھنے پر قادیان میں آویں اور میری کسی مجبوری سے بغیر مباحثہ کے واپس جاویں تو میں دو طرفہ آپ کو لاہور کا کرایہ دوں گا اور جو رات کو آپ کو مبلغ تین روپے دیئے گئے ہیں۔ اس میں آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ کسی حرجہ کی رُو سے آپ کا یہ حق تھا کیونکہ جس حالت میں ہم نے اپنی گرہ سے خرچ اُٹھا کر آپ کو روکنے کے لیے لاہور میں تار بھیج دیا تھا اور تین خط بھی بھیجے پھر اس صورت میں آپ کا یہ نقصان آپ کے ذمہ تھا مگر میں نے محض مذہبی مروّت کے طور پر آپ کو تین روپے دیئے ورنہ کچھ آپ کا حق نہ تھا۔ ایسا ہی اس وقت تک کہ آپ کی

نیت میں کوئی صریح تعصب مشاہدہ نہ کروں ایسا ہی ہر ایک دفعہ بغیر آپ کے کسی حق کے کرایہ دے سکتا ہوں محض ایک نادار خیال کرکے نہ کسی اَور وجہ سے۔

الراقم خاکسار میرزا غلام احمد

۶ ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

یہ رقعہ لے کر پھر بھی میاں گل محمد کو قرار نہ آیا اور جبکہ ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو کہنے لگے جو الفاظ میں ایزاد کرانا چاہتا ہوں وہ کر دو مگر خدا کے مسیح نے اسے مناسب نہ جانا اور آخر میاں گل محمد صاحب رخصت ہوئے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۳۰۵، ۳۰۶ مورخہ ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۱۴ ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

دُنیا کی تلخیاں

حضرت اقدس نے شام کے وقت ایک مختصر تقریر دُنیا کی تلخیوں پر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

تعجب ہے کہ انسان اس (دُنیا) میں راحت اور آرام طلب کرتا ہے حالانکہ اس میں بڑی بڑی تلخیاں ہیں۔ خویش و اقارب کو ترک کرنا۔ دوستوں کا جُدا ہونا۔ ہر ایک محبوب سے کنارہ کشی کرنا۔ البتہ آرام کی صورت یہی ہے کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ دل لگایا جاوے جیسے کہا ہے کہ

جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

انسان ایک لحظہ میں خوشی کرتا ہے تو دوسرے لحظہ میں اسے رنج ہوتا ہے لیکن اگر رنج نہ ہو تو پھر خوشی کا مزا نہیں آتا جیسے کہ پانی کا مزا اسی وقت آتا ہے جبکہ پیاس کا درد محسوس ہو اس لیے درد مقدم ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۳۰۶ مورخہ ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۰۳ء)

---

۱۵ ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

دربارِ شام

شام کے وقت ایک صاحب نے ایک بیگم صاحبہ کا پیغام آکر دیا کہ وہ کہتی ہیں کہ اگر میرا فلاں فلاں کام

ہو جاوے تو میرا سب جان و مال آپ پر قربان ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ:
خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی شرط نہ کرنی چاہیئے اور نہ خدا تعالیٰ رشوت چاہتا ہے ہم بھی دُعا کریں گے اور اُن کو بھی چاہیئے کہ عجز و انکسار سے اس کی بارگاہ میں دُعا کریں۔

قرآن شریف و حدیث کا مقام

حضرت اقدس نے قرآن شریف اور حدیث کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

اگر صرف احادیث پر انحصار کیا جاوے اور قرآن شریف سے اس کی صحت نہ کی جاوے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک انسان کے سر کو کاٹ دیا جاوے اور صرف بال ہاتھ میں رکھ لیے جاویں اور کہا جاوے کہ یہی انسان ہے۔ حالانکہ بال کی زینت اور خوبی اسی وقت ہے جبکہ انسان کے ساتھ ہوں۔ ایسے ہی حدیث اسی وقت کوئی شئے اور قابلِ اعتماد ہو سکتی ہے جبکہ قرآن شریف اس کے ساتھ ہو۔ احادیث کے اُوپر نہ تو خدا کی مُہر ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن شریف کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر:۱۰) اسی لیے ہمارا یہ مذہب ہے کہ قرآن شریف سے معارض نہ ہونے کی حالت میں ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاوے لیکن اگر کوئی قصہ جو کہ قرآن شریف میں مذکور ہے اور حدیث میں اس کے خلاف پایا جاوے مثلاً قرآن میں لکھا ہے کہ اسحاقؑ ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اور حدیث میں لکھا ہو کہ وہ نہیں تھے تو ایسی صورت میں حدیث پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے۔ مسیح موعود کی نسبت ان کا یہ خیال کہ وہ اسرائیلی مسیح ہوگا بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ وہ تم میں سے ہوگا جیسا سورۃ نور میں ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور:۵۶) پھر بخاری میں بھی منکم ہی ہے پھر مسلم میں بھی مِنْكُمْ ہی صاف لکھا ہے۔ ان کمبختوں کو اس قدر خیال نہیں آتا کہ اگر اسی مسیح نے پھر آنا تھا تو مِنْكُمْ کی بجائے مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ لکھا ہوتا۔ اب قرآن شریف اور احادیث تو پکار پکار کر منکم کہہ رہے ہیں مگر ان لوگوں کا دعویٰ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ کا ہے سوچ کر دیکھو کہ قرآن کو چھوڑیں یا ان کو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۳۰۶ مورخہ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۰۳ء)

۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

دُعا اور صبر و رضا کے مقامات

اس سے بڑھ کر انسان کے لیے فخر نہیں کہ وہ خدا کا ہو کر رہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں وہ اُن سے مساوات بنا لیتا ہے۔

کبھی ان کی مانتا ہے اور کبھی اپنی منواتا ہے ایک طرف فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) دوسری طرف فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (البقرۃ: ۱۵۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مقام دُعا کا نہیں ہوتا۔ نَبْلُوَنَّکُمْ کے موقعہ پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۷) کہنا پڑے گا۔ یہ مقام صبر اور رضا کے ہوتے ہیں لوگ ایسے موقعہ پر دھوکا کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دُعا کیوں قبول نہیں ہوتی ان کا خیال ہے کہ خدا ہماری مٹھی میں ہے جب چاہیں گے منوالیں گے۔ بھلا امام حسین علیہ السلام پر جو ابتلا آیا تو کیا انہوں نے دعا نہ مانگی ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر بچے فوت ہوئے تو کیا آپ نے دُعا نہ کی ہوگی۔ بات یہ ہے کہ یہ مقام صبر اور رضا کے ہوتے ہیں۔

۱۹ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

توبہ کی حقیقت

آریہ لوگ جو توبہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ پرمیشر صرف توبہ کرنے سے گناہ بخشتا ہے اور ان بداعمالیوں کے نتائج نہیں ملتے جو اس نے کئے اس لیے یہ انصاف سے بعید ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ان لوگوں کو توبہ کی حقیقت کا علم نہیں۔ توبہ اس بات کا نام نہیں کہ صرف منہ سے توبہ کا لفظ کہہ دیا جاوے بلکہ حقیقی توبہ یہ ہے کہ نفس کی قربانی کی جاوے۔ جو شخص توبہ کرتا ہے وہ اپنے نفس پر انقلاب ڈالتا ہے گویا دوسرے لفظوں میں وہ مرجاتا ہے۔ خدا کے لیے جو تغیر عظیم انسان دُکھ اُٹھا کر کرتا ہے تو وہ اس کی گذشتہ بداعمالیوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ جس قدر ناجائز ذرائع معاش کے اس نے اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کو وہ ترک کرتا ہے۔ عزیز دوستوں اور یاروں سے جُدا ہوتا ہے۔ برادری اور قوم کو اسے خدا کے واسطے ترک کرنا پڑتا ہے جب اس کا صدق کمال تک پہنچ جاتا ہے تو وہی ذات پاک تقاضا کرتی ہے کہ اس قدر قربانیاں جو اس نے کی ہیں وہ اس کے اعمال کے کفارہ کے لیے کافی ہوں۔

اہلِ اسلام میں اب صرف الفاظ پرستی رہ گئی ہے اور وہ انقلاب جسے خدا چاہتا ہے وہ بھول گئے ہیں اس لیے انہوں نے توبہ کو بھی الفاظ تک محدود کر دیا ہے، لیکن قرآن شریف کا منشا یہ ہے کہ نفس کی قربانی پیش کی جاوے۔ مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ (الاحزاب: ۲۴) دلالت کرتا ہے کہ وہ توبہ یہ ہے جو انہوں نے کی اور مَنْ یَّنْتَظِرُ بتلاتا ہے کہ وہ یہ توبہ ہے جو انہوں نے کرکے دکھلانی ہے اور وہ منتظر ہیں۔

جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف بکلی آجاتا ہے اور نفس کی طرف کو بکلی چھوڑ دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کا

دوست ہوجاتا ہے تو کیا وہ پھر دوست کو دوزخ میں ڈال دیگا؟ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُا اللّٰہِ[1] سے ظاہر ہے کہ احباء کو دوزخ میں نہیں ڈالتے۔

۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

ایک رؤیا

شام کے وقت حضرت اقدس نے ذیل کی رؤیا بیان فرمائی کہ:۔

ایک بڑا تخت مربع شکل کا ہندوؤں کے درمیان بچھا ہوا ہے جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ایک ہندو کسی کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ کرشن جی کہاں ہیں؟ جس سے سوال کیا گیا وہ میری طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ یہ ہے۔ پھر تمام ہندو روپیہ وغیرہ نذر کے طور پر دینے لگے۔ اتنے ہجوم میں سے ایک ہندو بولا

ہے کرشن جی رَوِدَر گوپال

(یہ ایک عرصہ دراز کی رؤیا ہے)

۲۱ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

امامت نہ کرانے کی وجہ

امامتِ نماز کی نسبت ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور کس لیے نماز نہیں پڑھاتے؟ فرمایا کہ:۔

حدیث میں آیا ہے کہ مسیح جو آنے والا ہے وہ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۱ و ۴۲ صفحہ ۳۲۲ مورخہ ۲۹ر اکتوبر و ۸ر نومبر ۱۹۰۳ء)

---

[1] ڈائری نویس یا کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مضمون کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ (المائدۃ: ۱۹) سے استدلال فرمایا ہوگا کہ "احباء کو دوزخ میں نہیں ڈالتے"۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۳ء

ایک آسٹریلوی نومسلم کے استفسارات کے جوابات

ایک یورپین صاحب ..... ہمراہی میاں معراج الدین عمر و حکیم نور محمد صاحب احمدی ..... عصر کے وقت قادیان پہنچ گئے جہاں قادیانی احمدی احباب نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا۔ نمازِ مغرب میں وہ جماعت کے ساتھ شامل ہوئے ..... بعد ادائیگی نماز میاں معراج الدین صاحب عمر نے ان کو حضرت اقدس سے انٹرویو کیا اور ان کے مزید حالات سے یُوں اطلاع دی کہ

یہ ایک صاحب ہیں جو کہ آسٹریلیا سے آئے ہیں۔ ۷ سال سے مشرف باسلام ہیں اخبارات میں بھی آپ کا چرچا رہا ہے۔ آسٹریلیا سے یہ لنڈن گئے اور وہاں سفیرِ روم سے انہوں نے ارادہ ظاہر کیا کہ اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ سفیرِ روم نے ان کو کہا کہ تم قاہرہ (دارالسلطنت) مصر میں جاؤ مگر تاہم مشورہ کے طور پر لارڈ سٹینلے نے اُن کو مشورہ دیا کہ تمہارا یہ مدعا بمبئی میں حاصل ہوگا یہ وہاں پھرتے ہوئے کلکتہ آئے۔ راستہ میں ایک رؤیا دیکھی۔ اور اس جگہ سے لاہور آئے۔ جہاں کہ انہوں نے حضور کا تذکرہ سُنا۔ اب زیارت کے لیے یہاں حاضر ہوئے۔

اب ہم ذیل میں وہ گفتگو درج کرتے ہیں جو کہ نومسلم صاحب اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ہوئی۔ مشرف باسلام ہو کر ان کا نام محمد عبدالحق رکھا گیا تھا۔

ذیل کی گفتگو جو کہ محمد عبدالحق صاحب اور حضرت اقدس کے مابین ہوئی۔ اس کے ترجمان خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر تھے۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ مَیں جہاں کہیں پھرتا رہا ہوں میرا واسطہ ایسے مسلمانوں سے رہا ہے جو یا تو خود انگریزی جانتے تھے اور بالمشافہ مجھ سے گفتگو کرتے تھے اور یا بذریعہ ترجمان کے ہم اپنے مطالب کا اظہار کرتے تھے مَیں نے ایک حد تک لوگوں کے خیالات سے فائدہ اُٹھایا اور بیرونی دنیا میں جو اہلِ اسلام ہیں انکے کیا حالات اور خیالات ہیں۔ اس کے تعارف کی آرزو رہی۔ رُوحانی طور سے جو میل جول ایک کو دوسرے سے ہو سکتا ہے اس کے لیے زباندانی کی ضرورت نہیں ہے اور اس رُوحانی تعلق سے انسان ایکدوسرے سے جلد مستفید ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ ہمارے مذہبِ اسلام کے طریق کے موافق روحانی طریق صرف دعا اور توجہ ہے

لیکن اس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے وقت چاہیئے کیونکہ جب تک ایک دوسرے کے تعلقات گاڑھے نہ ہوں اور دلی محبت کا رشتہ قائم نہ ہو جائے تب تک اس کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔ ہدایت کا طریق یہی دُعا اور توجہ ہے۔ ظاہری قیل و قال اور لفظوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ میری فطرت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ رُوحانی اتحاد کو پسند کرتی ہے۔ مَیں اسی کا پیاسا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے بھر جاؤں۔ جس وقت سے مَیں قادیان میں داخل ہوا ہوں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ میرا دل تسلی پا گیا ہے اور اب تک جس جس سے میری ملاقات ہوئی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے میرا دیرینہ تعارف ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام:۔ خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ ہر ایک رُوح ایک قالب کو چاہتی ہے جب وہ قالب تیار ہوتا ہے تو اس میں نفخِ رُوح خود بخود ہو جاتا ہے۔ آپ کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ جو حقیقت خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے اُس سے آہستہ آہستہ آگاہی پا لیویں۔ عام اہلِ اسلام میں جس قدر عقائد اشاعت پائے ہوئے ہیں اُن میں بہت سی غلطیاں ہیں اور یہ غلطیاں ان میں عیسائیوں کے میل جول سے آئی ہیں، لیکن اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام کا پاک اور منور چہرہ دنیا کو دکھلاوے رُوحانی ترقی کے لیے عقیدہ کی صفائی ضروری ہے۔ جس قدر عقیدہ صاف ہوگا اسی قدر ترقی ہوگی۔

دُعا اور توجہ کی ضرورت اس امر میں اس لیے ہوتی ہے کہ بعض لوگ غفلت کی وجہ سے محجوب ہوتے ہیں اور بعض کو تعصب کی وجہ سے حجاب حائل ہوتا ہے اور بعض اس لیے حجاب میں رہتے ہیں کہ اہلِ حق سے اُن کو ارادت نہیں ہوتی مگر جب تک خدا دستگیری نہ کرے یہ حجاب دُور نہیں ہوتے۔ پس اس لیے توجہ اور دعا کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ حجاب دُور ہوں۔ جب سے یہ سلسلہ نبوت کا قائم ہے تب سے یہ اسی طرح چلا آتا ہے کہ ظاہری قیل و قال اس میں کچھ نہیں بناتی ہمیشہ توجہ اور دُعا سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

دیکھو ایک زمانہ وہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے مگر لوگ حقیقی تقویٰ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے حالانکہ اب اس وقت لاکھوں مولوی اور واعظ موجود ہیں۔ لیکن چونکہ دیانت نہیں، وہ رُوحانیت نہیں اس لیے وہ اثر اندازی بھی اُن کے اندر نہیں ہے۔ انسان کے اندر جو زہریلا مواد ہوتا ہے وہ ظاہری قیل و قال سے دُور نہیں ہوتا۔ اس کے لیے صحبتِ صالحین اور ان کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے فیضیافتہ ہونے کے لیے اُن کے ہم رنگ ہونا اور جو عقائدِ صحیحہ خدا نے اُن کو سمجھائے ہیں ان کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہو جاوے گا کہ فلاں فلاں عقائد ہیں جس میں عام اہلِ اسلام کا اور ہمارا اختلاف ہے تو پھر آپ کی طاقت (اثر اندازی) بڑھ جاوے گی اور آپ اس رُوحانیت سے مستفید ہوں گے جس کی

تلاش میں آپ ہیں۔

محمد عبدالحق صاحب :۔ مجھے ہمیشہ اس امر کی تلاش رہی ہے کہ روحانی اتحاد اور اُنس کسی سے حاصل ہو اور اسی لیے مَیں جہاں کہیں پھرتا رہا ہوں ہمیشہ قدرتی نظاروں سے بطور تفاؤل سبق حاصل کرتا رہا ہوں اسی طرح آج مَیں دیکھتا ہوں کہ میرا آنا اور نئے چاند کا پیدا ہونا (آج شعبان کا چاند نظر آیا تھا) ایک ساتھ ہے۔ چاند کے ابتدائی دن چونکہ ترقی اور حصولِ کمال کے ہوتے ہیں جیسے جیسے یہ ترقی کریگا اور کمال کو پہنچے گا ویسے ہی مَیں بھی ترقی اور کمال کو پہنچوں گا (بشرطیکہ قادیان میں مستقل قیام رہا) میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مَیں آج ہی ایسے موقعہ پر یہاں وارد ہوں گا جبکہ نئے چاند کا ظہور ہوگا۔ کلکتہ میں جو خط بعض لوگوں نے مجھے دیئے اگر مَیں اُن پر عملدرآمد کرتا تو کہیں کا کہیں ہوتا مگر یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کی تلاش میں مَیں ہوں وہ لوگ یہی ہیں۔ رنگون میں مَیں نے آپ کے حالات سُنے اور چند ایک تصانیف بھی دیکھی تھیں۔ مگر مجھے آپ کا پتہ معلوم نہ ہوا اور نہ یہ اُمید تھی کہ اس قدر جلد مَیں یہاں پہنچ جاؤں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔ ان باتوں سے فراست تو گواہی دیتی ہے کہ آپ ہماری شرائط کے موافق ہونگے[1] اور خدا چاہے تو اثر بھی قبول کرسکیں گے، لیکن یاد رکھو کہ سنّت اللہ یوں ہے کہ دو باتیں اگر ہوں تو انسان حصولِ فیض میں کامیاب ہوتا ہے ایک یہ کہ وقت خرچ کرکے صحبت میں رہے اور اس کے کلام کو سُنتا رہے اور اثنائے تقریر یا تحریر میں اگر کوئی شُبہ یا دغدغہ پیدا ہو تو اُسے مخفی نہ رکھے بلکہ انشراحِ صدر سے اسی وقت ظاہر کرے تاکہ اسی آن میں تدارک کیا جاوے اور وہ کانٹا جو دل میں چُبھا ہے نکالا جاوے تاکہ وہ اس کے ساتھ روحانی توجہ سے استفادہ حاصل کرسکے۔

ایک بات یہ کہ صبر سے صُحبت میں رہے اور ہر ایک بات توجہ سے سُنے اور شبہ کو مخفی نہ رکھے کیونکہ شبہ مہلک اثر رکھتا ہے جو کہ اندر ہی اندر سرایت کرکے ہلاک کر دیتا ہے اور اکثر آدمی اس سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب آسمان سے ایک نیا انتظام ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی مامور آتا ہے اور چونکہ اس کا فعل یہی ہوتا ہے کہ ہر ایک فرقہ کی غلطی نکالے اس لیے سب لوگ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور ہر طرح سے اذیت اور تکلیف دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو جب کوئی اس کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے تو اُسے بھی یہ تمام دُکھ برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ دشمنوں کے خطرناک حملے اس پر بھی ہوتے ہیں۔ ہر ایک دوست اور اپنا بیگانہ دشمن ہو جاتا ہے اور جس جس پر اسے اُمید ہوتی ہے وہ تمام خاک میں ملتی ہے۔ ناامیدی اور مایوسی کی سخت دشوار گذار راہ میں داخل ہونا پڑتا ہے جس قدر امیدیں عزت اور آبرو اور جاہ اور منزلت کے

---

[1] (البدر جلد ۲ نمبر ۴۰ صفحہ ۳۱۸ مورخہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۳ء)

حصول کی لوگوں سے اس نے باندھی ہوتی ہیں۔ان سب پر پانی پھر جاتا ہے جیسا کہ دنیا کی یہ قدیمی سنّت چلی آئی ہے ان تمام نا امیدیوں اور مایوسیوں کے لیے تیار رہنا اور ان کا برداشت کرنا ضروری ہے۔ انسان اگر شیر دل ہو کر ان کا مقابلہ کرے تو ٹھہر سکتا ہے ورنہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ شوق سے اس میدان میں داخل ہوتے ہیں مگر جب یہ تمام بوجھ اُن پر پڑتے ہیں تو آخر کار دُنیا کی طرف جُھک جاتے ہیں۔ان کا قلب اس نقصان کو جو دنیا اور اُس کے اہل سے پہنچتا ہے برداشت نہیں کر سکتا۔اس لیے اُن کا انجام اُن کے اوّل سے بھی بدتر ہوتا ہے تو یہ امر ضروری ہے کہ دنیا کا لعن طعن برداشت کرکے اور ہر طرح سے نا امیدیوں کے لیے تیار ہو کر اگر داخلِ سلسلہ ہو تو حق کو جلد پاوے گا اور جو کچھ اُسے ابتدا میں چھوڑنا پڑیگا وہ سب آخر کار اللہ تعالیٰ اُسے دیدے گا۔ایک تخم جس کے لیے مقدر ہے کہ وہ پھل لاوے اور بڑا درخت بنے ضرور ہے کہ اول چند دن مٹی کے نیچے دبا رہے تب وہ درخت بن سکے گا۔اس لیے صبر ضروری ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو گرا دے پھر قدرتِ الٰہی اُسے اُٹھاوے جس سے اس کا نشوونما ہو۔مسٹر وب پہلی دفعہ اسی طرح ہماری طرف جُھکے مگر پیچھے وہ قائم نہ رہ سکے اب وہ تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ بذریعہ خط و کتابت مسٹر وب سے میری ملاقات ہے اور مَیں ان کو اُس وقت سے جانتا ہوں جبکہ وہ ہندوستان میں آئے اور ان کے حالات سے خوب واقف ہوں اور جو شرائط اپنے سلسلہ میں داخل ہونے کے آپ نے بیان کئے ہیں مَیں انہی کو اسلام کی شرائط خیال کرتا ہوں جو مسلمان ہوگا اس کے لیے ان تمام باتوں کا نشانہ ہونا ضروری ہے آپ کے ساتھ ملنے سے جو نقصانات مجھ کو ہو سکتے ہیں اکثر مسلمان لوگوں نے اوّل ہی سے مجھے اُن کی اطلاع دی ہے اور باوجود اس اطلاع اور علم کے میں یہاں آیا ہوں۔

حضرت اقدس علیہ السلام:۔ ہمارے اُصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم ایک سادہ زندگی بسر کرتے ہیں وہ تمام تکلفات جو کہ آج کل یورپ نے لوازمِ زندگی بنا رکھے ہیں اُن سے ہماری مجلس پاک ہے رسم و عادت کے ہم پابند نہیں ہیں۔اس حد تک ہر ایک عادت کی رعایت رکھتے ہیں کہ جس کے ترک سے کسی تکلیف یا معصیت کا اندیشہ ہو۔باقی کھانے پینے اور نشست و برخاست میں ہم سادہ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ جب سے مَیں اسلام میں داخل ہوا ہوں اور رُوحانیت سے حصّہ لیا ہے مَیں سادگی سے محبت کرتا ہوں اسی لیے اگر یہاں رہوں تو مجھے تکلیف نہ ہوگی۔ دنیا میں مَیں نے جسقدر سفر کیا ہے اس سے مجھے تجربہ ہوا ہے کہ سادہ زندگی والا اور گوشہ نشین انسان بہت آرام سے زندگی بسر کرتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۱ - ۴۲ صفحہ ۳۲۴ - ۳۲۵ مورخہ ۲۹ اکتوبر و ۸ نومبر ۱۹۰۳ء)

۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

محمد عبدالحق صاحب کی طرف سے میاں معراج الدین صاحب عمر نے بیان کیا کہ آج یہ صاحب حضرت حکیم نورالدین صاحب سے قرآن کریم کے کچھ معانی سنتے رہے ہیں اور ان کو سُنکر ان کی یہ رائے قرار پائی ہے کہ اس قسم کے ترجمہ کی بڑی ضرورت ہے اکثر لوگوں نے دوسرے ترجموں سے دھوکا کھایا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ حضور کی طرف سے ایک ترجمہ شائع ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔ میرا خود بھی یہ ارادہ ہے کہ ایک ترجمہ قرآن شریف کا ہمارے سلسلہ کی طرف سے نکلے۔

محمد عبدالحق صاحب :۔ اس کی ضرورت یورپین لوگوں میں مجھ سے زیادہ کوئی اور محسوس نہیں کر سکتا۔ سب آدمی میری طرح متلاشی حق ہیں اور حق کو بہت جدوجہد سے دریافت کرنے کے بعد پھر اُن غلط ترجموں کے ذریعہ سے ضلالت کی طرف جانا پڑتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔ صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جب تک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہو مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحۃ: ۷) کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آسکتا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جب تک کہ کھول کر نہ بتلایا جاوے اور پھر یہ دُعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی۔ اس کا یہی منشا تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیح کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا ایسے ہی آخری زمانہ میں اس اُمّت نے بھی مسیح موعود کا انکار کر کے خدا کا غضب کمانا تھا۔ اسی لیے اوّل ہی ان کو بطور پیشگوئی کے اطلاع دی گئی کہ سعید رُوحیں اس وقت غضب سے بچ سکیں۔

محمد عبدالحق صاحب :۔ مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ (النساء: ۱۵۸) کی نسبت بیان کیا کہ

عوام اہلِ اسلام اور بعض تفاسیر میں اس کی نسبت لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ایک اور آدمی مسیح کی شکل کا بن گیا اُسے پھانسی دی گئی اور مسیح آسمان پر چلا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔ اس کا سمجھنا بہت آسان ہے۔ عام محاورہ زبان میں اگر یہ کہا جاوے کہ فلاں مصلوب ہوا یا پھانسی دیا گیا تو اس کے معنے یہی ہوتے ہیں کہ صلیب پر اس کی جان نکل گئی۔ اگر کوئی مجرم پھانسی پر لٹکایا جاوے مگر اس کی جان نہ نکلے۔ اور زندہ اُتار لیا جاوے تو کیا اس کی نسبت پھانسی دیا گیا یا مصلوب کا لفظ بولا جاوے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کی نسبت یہ الفاظ بولتے ہی جرم ہونگے۔ مصلوب اُسے کہتے ہیں

کہ جس کی جان صلیب پر نکل جاوے اور جس کی جان نہ نکلے اسے مصلوب نہیں کہتے خواہ وہ صلیب پر چڑھا کر اتار دیا گیا ہو۔ یہودی زندہ موجود ہیں ان سے دریافت کر لو کہ آیا مصلوب کے یہ معنے ہیں جو ہم کرتے ہیں یا وہ جو ہمارے مخالف کرتے ہیں پھر محاورہ زبان کو بھی دیکھنا چاہیئے مَاصَلَبُوْہُ کیا تھ ہی مَا قَتَلُوْہُ رکھ دیا کہ بات سمجھ میں آجاوے کہ صلیب سے مراد جان لینی تھی جو کہ نہیں لی گئی اور صلیبی قتل وقوع میں نہیں آیا۔

شُبِّہَ لَھُمْ (النساء: ۱۵۸) کے معنے ہیں مشبّہ بالمصلوب ہو گیا اس میں لوگوں کا یہ قول کہ کوئی اَور آدمی مسیح کی شکل بن گیا تھا بالکل باطل ہے عقل بھی اسے قبول نہیں کرتی اور نہ کوئی روایت اس کے بارے میں صحیح موجود ہے۔ بھلا سوچکر دیکھو کہ اگر کوئی اَور آدمی مسیح کی شکل بن گیا تھا تو وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو مسیح کا دوست ہوگا یا اس کا دشمن۔ اگر دوست ہوگا تو یہ اعتراض ہے کہ جس لعنت سے خدا نے مسیح کو بچانا چاہا وہ اس کے دوست کو کیوں دی؟ اس سے خدا ظالم ٹھہرتا ہے اور اگر وہ دشمن تھا تو اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ مسیح کی جگہ پھانسی ملتا اس نے دوہائی دی ہوگی اور چلایا ہوگا کہ میرے بیوی بچوں سے پوچھو میرا فلاں نام ہے اور میں مسیح نہیں ہوں۔ پھر اکثر موجودہ آدمیوں کی تعداد میں سے بھی ایک آدمی کم ہو گیا ہوگا۔ جس سے معاً پتہ لگ سکتا تھا کہ یہ شخص مسیح نہیں۔ غرضیکہ ہر طرح سے یہ خیال باطل ہے اور شُبِّہَ لَھُمْ (النساء: ۱۵۸) سے مراد مُشَبَّہ بِالْمَصْلُوْب ہے۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ یہ خیال یورپ میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کرے گا کیونکہ وہاں لوگوں کو دھوکا دیا گیا ہے اور کچھ کا کچھ سمجھایا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ عام لوگ جو بیان کرتے ہیں یہ منشا قرآن کریم کا ہرگز نہیں ہے اور اس سے لوگوں کو دھوکا لگا ہے۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ اسلام کے عقاید ہم تک عیسائیوں کے ذریعہ پہنچے ہیں اور اسلام کا اصل چہرہ دیکھنے کے واسطے میں باہر نکلا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ یہ خدا کا بڑا فضل ہے اور خوش قسمتی آپ کی ہے کہ آپ اِدھر آنکلے۔ یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے لیکن اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنے قرآن کے ظاہر کرے خدا نے مجھے اسی لیے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں قرآن شریف کی ایسی تعلیم ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا اور معقولات سے ایسی پُر ہے کہ ایک فلاسفر کو بھی اعتراض کا موقعہ نہیں ملتا مگر ان مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایسی ایسی باتیں بنا کر قرآن شریف کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے قدم قدم پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور ایسے

دعاوی اپنی طرف سے کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور وہ سراسر اس کے خلاف ہیں مثلاً اب یہی واقعہ صلیب کا دیکھو کہ اس میں کسقدر افتراء سے کام لیا گیا ہے اور قرآن کریم کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی برخلاف ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے لفظ تَوَفّی کی نسبت سمجھایا کہ اس میں اہل اسلام نے کیا ٹھوکر کھائی ہے اور بتلایا کہ:

صرف مسیح کے واقعہ میں اس کے معنے اُٹھا لینے کے کرتے ہیں حالانکہ اسی قرآن میں اور جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اور لغت اور دوسری کتب عربیہ سب جگہ اس کا ترجمہ موت کرتے ہیں۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ یہ ضروری کام ہے جو کہ آپ نے اختیار کیا ہے اور اس کی ضرورت نہ صرف اہل اسلام کو ہے بلکہ عیسائیوں کو بھی بہت ہے مجھے قادیان میں آنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ سلسلہ بہت ہی مفید ہے اور ابتدا سے میری یہ خواہش ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام کے واسطے جیسے کہ یہ ہے خدا تعالیٰ مجھے بھی ایک ہتھیار بنا دے اور اس میں سے مجھے بھی حصہ ملے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ ہم ہمیشہ دُعا کرتے ہیں اور ہماری ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اس سلسلہ کے لیے زندگی کا حصہ وقف کرے لیکن ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ صحبت میں رہ کر رفتہ رفتہ وہ تمام ضروری اُصول سیکھ لیوے جن سے اہل اسلام پر سے ہر ایک داغ دُور ہو سکتا ہے اور وہ تمام قوت اور شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سمجھ لیوے۔ جن سے یہ مرحلے ہو سکتا ہے تب وہ دوسرے ممالک میں جا کر اس خدمت کو ادا کر سکتا ہے اس خدمت کے برداشت کرنے کے لیے ایک پاک اور قوی روح کی ضرورت ہے جس میں یہ ہوگی وہ اعلیٰ درجہ کا مفید انسان ہوگا اور خدا کے نزدیک آسمان پر ایک عظیم الشان انسان قرار دیا جاوے گا۔

محمد عبدالحق صاحب:۔ مَیں کل یہاں سے رخصت ہوں گا اور ایک ضروری خدمت کو سرانجام دینے کے لیے جو کہ بنی نوع انسان کی خدمت پر مبنی ہے آخر دسمبر تک ہندوستان کے مختلف مقامات پر دورہ کروں گا۔ وہ آسٹریلیا میں ہندوستانی تاجروں کی بندش کو آزاد کرانے کی تجویز ہے۔ اس دورہ کے بعد پھر مَیں دیکھونگا کہ مَیں کونسی راہ اختیار کروں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام: قرآن شریف کی تفسیر تو اپنے وقت پر ہوگی لیکن اگر خدا آپ کے دل میں ڈالے اور آپ یہاں آکر رہیں تو قرآن شریف کے اس حصہ کی تفسیر مرد دست کر دی جاوے جس پر ہر ایک غیر مذہب نے کم فہمی سے اعتراض کئے ہیں یا اہل اسلام نے اُن کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اوّل اس کی فہرست تیار کر لی جاوے گی

اور وہ بہت بڑی نہ ہوگی کیونکہ ایک ہی اعتراض کو ہر ایک فرقہ نے بار بار تکرار سے بیان کیا ہے اس لیے وقتاً فوقتاً اگر اس کی حقیقت آپ کے ذہن نشین کر دی جاوے تو اُس حصہ کی تفسیر ہو جاوے اور اس کے ذریعہ سے یورپ میں ہر ایک اعتراض کا جواب دیا جا سکے اور اس طرح سے جو دھوکا اہلِ یورپ کو لگا ہے وہ نکل جاوے گا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴۱ - ۴۲ صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۳ مورخہ ۲۹ اکتوبر و ۸ نومبر ۱۹۰۳ء)

---

۲۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ تقریر فرمائی:۔

ترکِ دنیا کی اہمیت

جو شخص دنیا کو رد نہیں کر سکتا وہ ہمارے سلسلہ کی طرف نہیں آسکتا۔ دیکھو حضرت ابوبکرؓ نے سب سے اوّل دُنیا کو رد کیا اور آپ کی آخری پوشاک یہی تھی کہ کمبل پہن کر آپ آحاضر ہوئے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے اوّل تخت پر جگہ دی۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ آپ نے سب سے اوّل فقر اختیار کیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی ذات پاک ہے کہ کسی کا قرضہ اپنے ذمہ نہیں رکھتی۔ اوائل میں نقصان ضرور ہوتے ہیں۔ دوستوں یاروں کے تعلقات قطع کرنے پڑتے ہیں لیکن ان سب کا بدلہ آخر کار دیتا ہے۔ ایک چوڑھے اور چمار کی خاطر جب ایک کام کیا جاوے اور تکلیف برداشت کی جاوے تو وہ اپنے ذمہ نہیں رکھتا تو پھر خدا کس لیے اپنے ذمہ رکھے وہ آخر کار سب کچھ دیدیتا ہے۔

بارہا ہم نے سمجھایا ہے کہ جس شخص کو اَور اَور اغراض سوائے دین کے ہیں وہ ہمارے سلسلہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر پار اُترنا مشکل ہے اس لیے جو ہمارے پاس آویگا وہ مر کر آوے گا لیکن خدا اس کی قدر کریگا اور وہ نہ مرے گا جب تک کہ دُنیا میں کامیابی نہ دیکھ لے جو کچھ برباد کر کے آویگا خدا اُسے سب کچھ پھر دیگا۔ لیکن ایک دنیا دار قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان خود ہی غداری کرتا ہے کہ نام تو خدا کی طرف آنے کا کرتا ہے اور اس کی نظر اہلِ دنیا کی طرف ہوتی ہے۔

جو قدر اس سلسلہ میں داخل ہونے کی اس وقت ہے وہ بعد ازاں نہ ہوگی۔ مہاجرین وغیرہ کی نسبت قرآن شریف میں کیسے کیسے الفاظ آئے ہیں جیسے رضی اللہ عنہم۔ لیکن جو لوگ فتح کے بعد داخل ہوئے کیا اُن کو بھی یہ کہا گیا؟ ہرگز نہیں۔ ان کا نام ناس رکھا گیا۔ اور لوگوں سے بڑھ کر کوئی خطاب ان کو نہ ملا۔ خدا کے نزدیک عزتوں اور خطابوں کے یہی وقت ہوتے ہیں کہ جب اس سلسلہ میں داخل ہونے سے برادری، رشتہ دار وغیرہ سب دشمنِ جان ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ شرک کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کچھ حصہ اس کا ہو اور کچھ غیر کا بلکہ ایک

جگہ فرماتا ہے کہ اگر تم کچھ مجھ کو دینا چاہتے ہو اور کچھ بُتوں کو تو سب کا سب بُتوں کو دیدو۔

اِس وقت کا تخم بویا ہوا ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ کیا آج تک کے تجربہ نے ان لوگوں کو بتلا نہیں دیا کہ یہ پودا ضائع ہونے والا نہیں۔ قرآن شریف، احادیثِ صحیحہ اور نشاناتِ آسمانی سب ہماری تائید میں ہیں اور بیّن طور پر سب کچھ ثابت ہوگیا ہے۔ اب جو اس سے فائدہ نہ اُٹھاوے وہ موردِ غضبِ الٰہی ہے۔ خدا غفور اور کریم، حنّان اور منّان ہے مگر یہ انسان کی شوخی اور بدبختی ہے کہ اس کے مائدہ کو وہ ردّ کرتا ہے اور غضب کا مستحق ہو جاتا ہے اگر یہ انسان کا کاروبار ہوتا تو کب کا تباہ ہو جاتا۔ انسان کو خدا کا خوف اور ڈر رکھنا چاہیئے اور برادری اور رسوم سے ڈر کر خدا کی راہ کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ جب انسان کا مددگار اور معاون خدا ہو جاتا ہے تو پھر اُسے کوئی کمی نہیں۔ خدا داری چہ غم داری۔ اس قدر انبیاء جو آئے ہیں کیا خدا نے اُن سے کسی قسم کی وفا کی ہے جو اب کسی سے کریگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔ ہر وقت جان کا خطرہ تھا۔ ہر ایک طرف سے دھمکی ملتی تھی مگر کیا لوگوں نے اور قوم اور برادری نے آپ کو تباہ کر دیا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ خود تباہ ہوئے اور آج کوئی ایک بھی نہیں جو اپنے آپ کو ابوجہل کی اولاد بتلاتا ہو مگر آنحضرتؐ کے نام لیواؤں اور آپ کی اولاد سے دنیا بھری پڑی ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۱ - ۴۲ صفحہ ۳۲۳ مورخہ ۲۹ اکتوبر و ۸ نومبر ۱۹۰۳ء)

---

۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء

طاعون کا نشان

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت اقدس حسب دستور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے اور طاعون کا ذکر ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:-

خدا تعالیٰ نے اگرچہ جماعت کو وعدہ دیا ہے کہ وہ اسے اس بلا سے محفوظ رکھے گا۔ مگر اس میں بھی شرط لگی ہوئی ہے کہ لَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ (الانعام: ۸۳) کہ جو لوگ اپنے ایمانوں کو ظلم سے نہ ملا دیں گے وہ امن میں رہیں گے۔ پھر دار کی نسبت وعدہ دیا تو اس میں بھی شرط رکھدی إِلَّا الَّذِينَ عَلَوْا مِنْ اِسْتِكْبَارٍ اس میں عَلَوْا کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ جس قسم کی اطاعت انکساری کے ساتھ چاہیئے وہ بجا نہ لاوے۔ جب تک انسان حُسنِ نیتی جس کو حقیقی سجدہ کہتے ہیں بجا نہ لاوے تب تک وہ دار میں نہیں ہے اور مومن ہونے کا دعویٰ بے فائدہ ہے۔

لَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ میں شرک سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہندوؤں کی طرح پتھروں کے بُتوں یا اَور مخلوقات کو سجدہ کیا۔ بلکہ جو شخص ماسوی اللہ کی طرف مائل ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہے حتّٰی کہ دل میں جو

منصوبے اور چالاکیاں رکھتا ہے۔ ان پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ بھی شرک ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا حال بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اُن کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تبلاؤ اللہ تعالےٰ سے معاملہ کیسے ہوا تو انہوں نے تبلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا عمل لایا ہے۔ مَیں نے کہا اَور عمل تو کوئی نہیں ہے صرف یہ ہے کہ مَیں نے عمر بھر شرک نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تُو نے یوم التّلبن کے دن بھی شرک نہ کیا تھا کہ دُودھ پی کر کہا کہ اس سے پیٹ میں درد ہوئی ہے گویا دُودھ کو خدا سمجھ لیا تھا اور خدا پر سے جو حقیقی فاعل ہے نظر اُٹھ گئی تھی۔

نفسانی جذبات ہزاروں قسم کے ہیں جو کہ انسان کو لگے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھا جاوے تو سر سے لیکر پاؤں تک ظلم ہی ظلم ہے۔ سر تکبر اور گھمنڈ کی جگہ ہے۔ آنکھ بُرے خیالات کا مقام ہے۔ غضب کی نظر سے بھی انسان اسی سے دوسرے کو دیکھتا ہے۔ کان بیجا باتیں سُنتے ہیں۔ زبان بُری باتیں بولتی ہے۔ گردن اکڑتی ہے۔ صدور میں کن کن بُری باتوں کی خواہش ہوتی ہے۔ نیچے کا طبقہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ فسق و فجور میں جہاں اسی کے باعث مبتلا ہے پاؤں بھی بیجا مقامات پر چل کر جاتے ہیں۔ غرض یہ ایک لشکر اور جماعت ہے جسے سنبھال کر رکھنا انسان کا کام ہے اور یہ بڑی بات ہے۔

ایک طرف تو خدا نے کشتی کا حوالہ دیا ہے کہ جو اس میں چڑھے گا وہ نجات پاوے گا اور ایک طرف حکم دیا ہے وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (ھود: ۳۸) یہاں بھی ظلم کی نسبت ہی فرمایا کہ جو لوگ ظالم ہیں تُو ان کی نسبت بات ہی نہ کر۔ خوفِ الٰہی اور تقویٰ بڑی برکت والی شئے ہے۔ انسان میں اگر عقل نہ ہو مگر یہ باتیں ہوں تو خدا اسے اپنے پاس سے برکت دیتا ہے اور عقل بھی دے دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق: ۳) اس کے یہی معنے ہیں کہ جس شئے کی ضرورت اسے ہوگی اس کے لیے وہ خود راہ پیدا کر دیگا بشرطیکہ انسان متقی ہو، لیکن اگر تقویٰ نہ ہوگا تو خواہ فلاسفر ہی ہو وہ آخر کار تباہ ہوگا۔ دیکھو کہ اسی ہندوستان پنجاب میں کسقدر عالم تھے مگر اُن کے دلوں میں اور زبانوں میں تقویٰ نہ رہا۔ محمد حسین کی حالت دیکھو کہ کیسی گندی اور فحش باتیں اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں لکھتا رہا۔ اگر تقویٰ ہوتا تو وہ کب ایسی باتیں لکھ سکتا تھا۔

اس کے بعد چند احباب نے بیعت کی اور بعد بیعت حضرت اقدس نے ایک طویل تقریر فرمائی جو کہ ذیل میں درج ہے:۔

حقیقتِ بیعت اور اس سے فیض پانے کی راہ

یہ بیعت جو ہے اس کے معنے اصل میں اپنے تئیں بیچ دینا ہے۔ اس کی برکات اور تاثیرات اسی شرط سے وابستہ ہیں جیسے ایک تخم زمین میں بویا جاتا ہے تو اسکی ابتدائی حالت یہی ہوتی ہے کہ گویا وہ کسان کے

ہاتھ سے بویا گیا اور اس کا کچھ پتہ نہیں کہ اب وہ کیا ہوگا لیکن اگر وہ تخم عمدہ ہوتا ہے اور اس میں نشوونما کی قوت موجود ہوتی ہے تو خدا کے فضل سے اور اس کسان کی سعی سے وہ اُوپر آتا ہے اور ایک دانہ کا ہزار دانہ بنتا ہے اسی طرح سے انسان بیعت کنندہ کو اوّل انکساری اور عجز اختیار کرنی پڑتی ہے اور اپنی خودی اور نفسانیت سے الگ ہونا پڑتا ہے تب وہ نشوونما کے قابل ہوتا ہے لیکن جو بیعت کے ساتھ نفسانیت بھی رکھتا ہے اُسے ہرگز فیض حاصل نہیں ہوتا۔ صوفیوں نے بعض جگہ لکھا ہے کہ اگر مرید کو اپنے مرشد کے بعض مقامات پر بظاہر غلطی نظر آوے تو اسے چاہیئے کہ اس کا اظہار نہ کرے اگر اظہار کریگا تو حبطِ عمل ہو جاوے گا (کیونکہ اصل میں وہ غلطی نہیں ہوتی صرف اس کے فہم کا اپنا قصور ہوتا ہے) اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور تھا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس طرح سے بیٹھتے تھے جیسے سر پر کوئی پرندہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان سر اُوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ تمام ان کا ادب تھا کہ حتی الوسع خود کبھی کوئی سوال نہ کرتے۔ ہاں اگر باہر سے کوئی نیا آدمی آکر کچھ پوچھتا تو اس ذریعہ سے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلتا وہ سُن لیتے صحابہ بڑے متادب تھے اس لیے کہا ہے کہ اَلطَّرِیْقَۃُ کُلُّھَا اَدَبٌ۔ جو شخص ادب کی حدود سے باہر نکل جاتا ہے تو پھر شیطان اس پر دخل پاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی نوبت ارتداد کی آجاتی ہے۔ اس ادب کو مدِنظر رکھنے کے بعد انسان کو لازم ہے کہ وہ فارغ نشین نہ ہو۔ ہمیشہ توبہ استغفار کرتا رہے اور جو جو مقامات اسے حاصل ہوتے جاویں ان پر یہی خیال کرے کہ میں ابھی قابلِ اصلاح ہوں اور یہ سمجھ کر کہ بس میرا تزکیۂ نفس ہوگیا وہاں ہی نہ اڑ بیٹھے۔

منافق کون ہے

یاد رکھو منافق وہی نہیں ہے جو ایفائے عہد نہیں کرتا یا زبان سے اخلاص ظاہر کرتا ہے مگر دل میں اس کے کُفر ہے۔ بلکہ وہ بھی منافق ہے جس کی فطرت میں دورنگی ہے۔ اگرچہ وہ اس کے اختیار میں نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ کو اس دورنگی کا بہت خطرہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ رو رہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ کہا کہ اس لیے روتا ہوں کہ مجھ میں نفاق کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ جب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا ہوں تو اس وقت دل نرم اور اس کی حالت بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر جب اُن سے جُدا ہوتا ہوں تو وہ حالت نہیں رہتی۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے پھر دونو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کُل ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم منافق نہیں ہو۔ انسان کے دل میں قبض اور بسط ہوا کرتی ہے۔ جو حالت تمہاری میرے پاس ہوتی ہے اگر وہ ہمیشہ رہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔

تو اب دیکھو کہ صحابہ کرامؓ اس نفاق اور دورنگی سے کس قدر ڈرتے تھے۔ جب انسان جُرأت اور دلیری

سے زبان کھولتا ہے تو وہ بھی منافق ہوتا ہے۔ دین کی ہتک ہوتی سُنے اور وہاں کی مجلس نہ چھوڑے یا اُنکو جواب نہ دے تب بھی منافق ہوتا ہے۔ اگر مومن کی سی غیرت اور استقامت نہ ہو تب بھی منافق ہوتا ہے جب تک انسان ہر حال میں خدا کو یاد نہ کرے تب تک نفاق سے خالی نہ ہوگا اور یہ حالت تم کو بذریعہ دعا حاصل ہوگی۔ ہمیشہ دُعا کرو کہ خدا تعالیٰ اس سے بچاوے۔ جو انسان داخل سلسلہ ہو کر پھر بھی دورنگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس سلسلہ سے دُور رہتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے منافقوں کی جگہ اسفل السافلین رکھی ہے کیونکہ ان میں دورنگی ہوتی ہے اور کافروں میں یکرنگی ہوتی ہے۔

گریہ وزاری کی اہمیّت

صوفیوں نے لکھا ہے کہ اگر چالیس دن تک رونا نہ آوے تو جانو کہ دل سخت ہوگیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (التوبۃ: ۸۲) کہ ہنسو تھوڑا اور روؤ بہت مگر اس کے برعکس دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ہنستے بہت ہیں۔ اب دیکھو کہ زمانہ کی کیا حالت ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان ہر وقت آنکھوں سے آنسو بہاتا رہے بلکہ جس کا دل اندر سے رو رہا ہے وہی روتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ دروازہ بند کرکے اندر بیٹھ کر خشوع اور خضوع سے دُعا میں مشغول ہو اور بالکل عجز و نیاز سے خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر پڑے تاکہ وہ اس آیت کے نیچے نہ آوے۔ جو بہت ہنستا ہے وہ مومن نہیں۔ اگر سارے دن کا نفس کا محاسبہ کیا جاوے تو معلوم ہو کہ ہنسی اور تمسخر کی میزان زیادہ ہے اور رونے کی بہت کم ہے۔ بلکہ اکثر جگہ بالکل ہی نہیں ہے۔ اب دیکھو کہ زندگی کس قدر غفلت میں گذر رہی ہے اور ایمان کی راہ کسقدر مشکل ہے گویا ایک طرح سے مرنا ہے اور اصل میں اسی کا نام ایمان ہے۔

ایمان کی حقیقت

جب لوگوں کو تبلیغ کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں۔ کیا ہم نماز نہیں پڑھتے۔ کیا ہم روزہ نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کو حقیقت ایمان کا علم نہیں ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ ایسی باتیں نہ کرتے۔ اسلام کا مغز کیا ہے اس سے بالکل بے خبر ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت قدیم سے چلی آئی ہے کہ جب مغز اسلام چلا جاتا ہے تو اس کے از سر نو قائم کرنے کے واسطے ایک کو مامور کرکے بھیج دیتا ہے تاکہ کھائے ہوئے اور مرے ہوئے دل پھر زندہ کئے جاویں مگر ان لوگوں کی غفلت اس قدر ہے کہ دلوں کی مُردگی محسوس نہیں کرتے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ: ۱۱۳) یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے اور نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لیے قائم ہو جاوے گویا اس کے قویٰ خدا تعالیٰ کے لیے مر جاتے ہیں گویا وہ اس کی راہ میں ذبح ہو جاتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اس اسلام کا نمونہ دکھلایا کہ ارادۃً

الٰہی کی بجاآوری میں اپنے نفس کو ذرہ بھی دخل نہ دیا اور ایک ذرا سا اشارہ سے بیٹے کو ذبح کرنا شروع کر دیا مگر یہ لوگ اسلام کی اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جو کام ہیں ان میں طوفی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ان میں سے رسالہ جاری کرتا ہے تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ روپیہ کما وے بال بچے کا گذارہ ہو۔ ابھی حال میں ایک شخص کا خط آیا ہے لکھتا ہے کہ میں نے عبدالغفور کے مُرتد ہونے پر اس کی کتاب ترکِ اسلام کے جواب میں ایک رسالہ لکھنا شروع کیا ہے۔ امداد فرماویں۔ ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اسلام کیا شئے ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نفخ رُوح اس میں نہیں لیکن رسالہ لکھنے کو تیار ہے۔ ایسے شخص کو چاہیئے تھا کہ اوّل تزکیۂ نفس کیلئے خود یہاں آتا اور پوچھتا اور اوّل خود اپنے اسلام کی خبر لیتا، لیکن عقل، دیانت اور سمجھ ہوتی تو یہ کرتا۔ مقصود تو اپنی معاش ہے اور رسالہ کو ایک بہانہ بنایا ہے۔ ہر ایک جگہ یہی بدبُو آتی ہے کہ جو کام ہے خدا کے لیے نہیں ہوتی بچوں کے لیے ہے۔ جو خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا اس کا ہو جاتا ہے اور اس کی تائیدیں اور نصرت کا ہاتھ اس کے کاموں سے معلوم ہو جاتا ہے اور آخر کار انسان مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک غیب کا ہاتھ ہے جو اُسے ہر میدان میں کامیاب کر رہا ہے۔ انسان اگر اس کی طرف چل کر آوے تو وہ دوڑ کر آتا ہے اور اگر وہ اس کی طرف تھوڑا سا رجوع کرے تو وہ بہت رجوع ہوتا ہے۔ وہ بخیل نہیں ہے سخت دل نہیں ہے۔ جو کوئی اس کا طالب ہے تو اس کا اوّل طالب وہ خود ہوتا ہے۔ لیکن انسان اپنے ہاتھوں سے اگر ایک مکان کے دروازے بند کر دیوے تو کیا روشنی اس کے اندر جاوے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہی حال انسان کے قلب کا ہے۔ اگر اس کا قول و فعل خدا تعالیٰ کی رضا کے موافق نہ ہوگا اور نفسانی جذبات کے تلے وہ دبا ہوا ہوگا تو گویا دل کے دروازے خود بند کرتا ہے کہ خدا کا نُور اور روشنی اس میں داخل نہ ہو، لیکن اگر وہ دروازوں کو کھولے گا تو معاً نُور اس کے اندر داخل ہوگا۔

ابدال، قطب اور غوث وغیرہ جس قدر مراتب ہیں یہ کوئی نماز اور روزوں سے ہاتھ نہیں آتے۔ اگر ان سے یہ مل جاتے تو پھر یہ عبادات تو سب انسان بجا لاتے ہیں۔ سب کے سب ہی کیوں نہ ابدال اور قطب بن گئے۔ جب تک انسان صدق و صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا بندہ نہ ہوگا۔ تب تک کوئی درجہ ملنا مشکل ہے۔ جب ابراہیم کی نسبت خدا تعالیٰ نے شہادت دی وَاِبْرَاهِيمَ الَّذِيْ وَفّٰى (النجم: ۳۸) کہ ابراہیم وہ شخص ہے جس نے اپنی بات کو پورا کیا۔ تو اس طرح سے اپنے دل کو غیر سے پاک کرنا اور محبتِ الٰہی سے بھرنا، خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلنا اور جیسے ظلّ اصل کا تابع ہوتا ہے ویسے ہی تابع ہونا کہ اس کی اور خدا کی مرضی ایک ہو کوئی فرق نہ ہو۔ یہ سب باتیں دُعا سے حاصل ہوتی ہیں۔ نماز اصل میں دعا کے لیے ہے کہ ہر ایک مقام پر دُعا کرے، لیکن جو شخص سویا ہوا نماز ادا کرتا ہے کہ اُسے اس کی خبر ہی نہیں ہوتی تو وہ اصل میں نماز نہیں۔ جیسے دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ پچاس پچاس سال نماز پڑھتے ہیں، لیکن ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا حالانکہ نماز وہ شئے ہے کہ جس سے پانچ

دن میں رُوحانیت حاصل ہوجاتی ہے۔ بعض نمازیوں پر خدا تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے جیسے فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (الماعون: ۵) وَیْل کے معنے لعنت کے بھی ہوتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ ادائیگی نماز میں انسان سُست نہ ہو اور نہ غافل ہو۔ ہماری جماعت اگر جماعت بننا چاہتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ ایک موت اختیار کرے۔ نفسانی امور اور نفسانی اغراض سے بچے اور اللہ تعالیٰ کو سب شئے پر مقدم رکھے۔ بہت سی ریاکاریوں اور بیہودہ باتوں سے انسان تباہ ہوجاتا ہے۔ پوچھا جاوے تو لوگ کہتے ہیں کہ برادری کے بغیر گذارہ نہیں ہوسکتا۔ ایک حرام خور کہتا ہے کہ بغیر حرام خوری کے گذارہ نہیں ہوسکتا۔ جب ہر ایک حرام گذارہ کے لیے انہوں نے حلال کر لیا تو پوچھو کہ خدا کیا رہا؟ اور تم نے خدا کے واسطے کیا کیا؟ ان سب باتوں کو چھوڑنا موت ہے جو بیعت کرکے اس موت کو اختیار نہیں کرتا تو پھر یہ شکایت نہ کرے کہ مجھے بیعت سے فائدہ نہیں ہوا۔ جب ایک انسان ایک طبیب کے پاس جاتا ہے تو جو پرہیز وہ بتلاتا ہے اگر اُسے نہیں کرتا تو کب شفا پاسکتا ہے، لیکن اگر وہ کریگا تو یوماً فیوماً ترقی کرے گا یہی اُصول یہاں بھی ہے۔

جنّت کی حقیقت

کوئی بات سوائے خدا تعالیٰ کے فضل کے حاصل نہیں ہوسکتی اور جسے اس دُنیا میں فضل حاصل ہوگا اسے ہی آخرت میں بھی ہوگا جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) اسی لیے یہ ضروری ہے کہ ان حواس کے حصول کی کوشش اسی جہان میں کرنی چاہیئے کہ جس سے انسان کو بہشتی زندگی حاصل ہوتی ہے اور وہ حواس بلا تقویٰ کے نہیں مل سکتے۔ اِن آنکھوں سے انسان خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن تقویٰ کی آنکھوں سے انسان خدا کو دیکھ سکتا ہے۔ اگر وہ تقویٰ اختیار کریگا تو وہ محسوس کریگا کہ خدا مجھے نظر آرہا ہے اور ایک دن آویگا کہ خود کہہ اُٹھے گا کہ میں نے خدا کو دیکھ لیا۔ اسی بہشتی زندگی کی تفصیل جو کہ متقی کو اسی دُنیا میں حاصل ہوتی ہے قرآن شریف میں ایک اور جگہ بھی پائی جاتی ہے جیسے لکھا ہے كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرۃ: ۲۶) جب وُہ عالمِ آخرت میں ان درختوں کے اُن پھلوں سے جو دُنیا کی زندگی میں ہی اُن کو مِل چکے تھے پائیں گے تو کہہ دیویں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو کہ ہمیں اوّل ہی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ ان پھلوں کو اُن پہلے پھلوں سے مشابہ پاویں گے۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دُنیا میں جو نعمتیں مثل دودھ۔ شہد۔ گھی اور انار اور انگور وغیرہ انہوں نے کھائی ہیں وہی ان کو وہاں جنّت میں ملیں گے اور وہاں ان چیزوں کے مہیا کرنے کے لیے بہت سے باغات۔ درخت۔ مال اور بیل وغیرہ اور گائے بھینسوں کے ریوڑ ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں کے چھتے ہوں گے جن سے شہد اُتار کر اہلِ جنّت کو دیا جاوے گا۔ یہ سب غلط خیال ہیں اگر جنّت کی یہی نعمت

ہے جو اُن کو دنیا میں ملتی رہی اور آخرت میں بھی ملے گی تو مومنوں اور کافروں میں کیا فرق رہا؟ ان سب چیزوں کے حاصل کرنے میں تو کافر اور مشرک بھی شریک ہیں۔ پھر اس میں بہشت کی خصوصیت کیا ہے؟ لیکن قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ بہشت کی نعمتیں ایسی چیزیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں۔ نہ کسی کان نے سنیں اور نہ دلوں میں گذریں۔ اور ہم دنیا کی نعمتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ سب آنکھوں نے دیکھیں، کانوں نے سنیں اور دل میں گذری ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان جنتی نعمتوں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر وہ اصل میں اَور ہیں ورنہ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرۃ: ۲۶) کے کیا معنے ہوں گے۔ اس کے وہی معنے ہیں جو کہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) کے ہیں۔ دوسرے مقام پر قرآن شریف فرماتا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمان: ۴۷) جو شخص خدا تعالیٰ سے خائف ہے اور اس کی عظمت اور جلال کے مرتبہ سے ہراساں ہے اس کے لیے دو بہشت ہیں ایک یہی دُنیا اور دوسری آخرت۔ جو شخص سچے اور خالص دل سے نقشِ ہستی کو اس کی راہ میں مٹا کر اس کے متلاشی ہوتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں تو اُس میں اُن کو ایک قسم کی لذت شروع ہو جاتی ہے۔ اور اُن کو وہ رُوحانی غذائیں ملتی ہیں جو رُوح کو روشن کرتی اور خدا تعالیٰ کی معرفت کو بڑھاتی ہیں۔ ایک جگہ پر شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو اُس کی نماز کا ثواب مارا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اس کی نماز اب بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی بلکہ یہ معنے ہیں کہ چونکہ اب اُسے لذت شروع ہو گئی ہے تو جو اجر اس کا عند اللہ تھا وہ اب اُسے دنیا میں ملنا شروع ہو گیا ہے جیسے ایک شخص اگر دودھ میں برف اور خوشبو وغیرہ ڈال کر پیتا ہے تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ اُسے ثواب ہو گا کیونکہ لذت تو اس نے اس کی یہیں حاصل کر لی۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور کسی عمل کی قبولیت اَور شئے ہے اور ثواب اَور شئے ہے۔ ہر ایک لفظ اپنے اپنے مقام کے لیے چسپاں ہوتا ہے اسی لحاظ سے شیخ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ عارف کی نماز کا ثواب مارا جاتا ہے جو اہلِ حال ہوتا ہے وہ اپنی جگہ پورے بہشت میں ہوتا ہے اور جب انسان کو خدا تعالیٰ سے پورا تعلق ہو جاتا ہے تو اغلال اور اثقال جس قدر بوجھ اس کی گردن میں ہوتے ہیں وہ سب اُٹھائے جاتے ہیں وہ لذت جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی عبادت میں حاصل ہوتی ہے وہ اَور ہے اور جو اکل و شرب اور جماع وغیرہ میں حاصل ہوتی ہے وہ اَور ہے۔ لکھا ہے کہ اگر ایک عارف دروازہ بند کر کے اپنے مولا سے راز و نیاز کر رہا ہو تو اُسے اپنی عبادت اور اس راز و نیاز کے اظہار کی بڑی غیرت ہوتی ہے اور وہ ہرگز اُس کا افشا پسند نہیں کرتا۔ اگر اس وقت کوئی دروازہ کھول کر اندر چلا جاوے تو وہ ایسا ہی نادم اور پشیمان ہوتا ہے جیسے زانی زنا کرتا پکڑا جاتا ہے۔ جب اس لذت کی حد کو انسان پہنچ جاتا ہے تو اس

کا حال اور ہوتا ہے اور اسی حالت کو یاد کر کے وہ جنّت میں کہیگا کہ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرۃ: ۲۶) بہشتی زندگی کی بنیاد یہی دُنیا ہے۔ بعد مرنے کے جب انسان بہشت میں داخل ہوگا تو یہی کیفیت اور لذّت اُسے یاد آویگی۔ تو اسی بات کا طالب ہر ایک کو ہونا چاہیئے۔

نیکی کیا ہے؟ گناہوں کا چھوڑنا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے یہ ایک ذلیل کام ہے اگر کوئی کہے کہ مَیں چوری نہیں کرتا۔ زنا نہیں کرتا۔ خون نہیں کرتا اور فسق و فجور نہیں کرتا تو کوئی خوبی کی بات نہیں اور نہ خدا پر یہ احسان ہے کیونکہ اگر وہ ان باتوں کا مرتکب نہیں ہوتا تو اُن کے بدنتائج سے بھی وہی بچا ہوا ہے۔ کسی کو اس سے کیا؟ اگر چوری کرتا گرفتار ہوتا سزا پاتا۔ اس قسم کی نیکی کو نیکی نہیں کہا کرتے۔

ایک شخص کا ذکر ہے کہ ایک کے ہاں مہمان گیا۔ بیچارے میزبان نے بہت تواضع کی تو مہمان آگے سے کہنے لگا کہ حضرت آپ کا کوئی احسان مجھ پر نہیں ہے احسان تو میرا آپ پر ہے کہ آپ اتنی دفعہ باہر آتے جاتے ہیں اور کھانا وغیرہ تیار کروانے اور لانے میں دیر لگتی ہے۔ مَیں پیچھے اکیلا با اختیار ہوتا ہوں چاہوں تو گھر کو آگ لگا دوں یا آپ کا اَور نقصان کر چھوڑوں تو اس میں آپ کا کسقدر نقصان ہو سکتا ہے۔ تو یہ میرا اختیار ہے کہ مَیں کچھ نہیں کرتا۔ ایسا خیال ایک بد آدمی کا ہوتا ہے کہ وہ بدی سے بچ کر خدا تعالیٰ پر احسان کرتا ہے اس لیے ہمارے نزدیک ان تمام بدیوں سے بچنا کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے پاک تعلقات قائم کئے جاویں اور اس کی محبت ذاتی رگ و ریشہ میں سرایت کر جاوے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل: ۹۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اُس کی فرماں برداری کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اُسے پہچانو اور اس پر ترقی کرنا چاہو تو درجہ احسان کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور جن لوگوں نے تم سے سلوک نہیں کیا ان سے سلوک کرنا۔ اور اگر اس سے بڑھ کر سلوک چاہو تو ایک اَور درجہ نیکی کا یہ ہے کہ خدا کی محبت طبعی محبت سے کرو۔ نہ بہشت کی طمع نہ دوزخ کا خوف ہو۔ بلکہ اگر فرض کیا جاوے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ ہے تب بھی جوشِ محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔ ایسی محبت جب خدا تعالیٰ سے ہو تو اس میں ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی فتور واقع نہیں ہوتا۔

اور مخلوقِ خدا سے ایسے پیش آؤ کہ گویا تم اُن کے حقیقی رشتہ دار ہو۔ یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ احسان میں ایک مادہ خود نمائی کا ہوتا ہے اور اگر کوئی احسان فراموشی کرتا ہو تو محسن جھٹ کہہ اُٹھتا ہے کہ مَیں نے تیرے ساتھ فلاں احسان کئے لیکن طبعی محبت جو کہ ماں کو بچے کے ساتھ ہوتی ہے اس میں کوئی خود نمائی نہیں ہوتی بلکہ

اگر ایک بادشاہ ماں کو یہ حکم دیوے کہ تو اس بچے کو اگر مار بھی ڈالے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی تو وہ کبھی یہ بات سُننا گوارا نہ کرے گی اور اس بادشاہ کو گالی دے گی۔ حالانکہ اسے علم بھی ہو کہ اس کے جوان ہونے تک مَیں نے مرجانا ہے مگر پھر بھی محبت ذاتی کی وجہ سے وہ بچہ کی پرورش کو ترک نہیں کرے گی۔ اکثر دفعہ ماں باپ بوڑھے ہوتے ہیں اور ان کو اولاد ہوتی ہے تو اُن کی کوئی امید بظاہر اولاد سے فائدہ اٹھانے کی نہیں ہوتی لیکن باوجود اس کے پھر بھی وہ اس سے محبت اور پرورش کرتے ہیں۔ یہ ایک طبعی امر ہوتا ہے جو محبت اس درجہ تک پہنچ جاوے اسی کا اشارہ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل: ۹۱) میں کیا گیا ہے کہ اس قسم کی محبت خدا تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ نہ مراتب کی خواہش نہ ذلّت کا ڈر۔ جیسے آیت لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا (الدھر: ۱۰) سے ظاہر ہے غرضکہ یہ باتیں ہیں جن کو یاد رکھنا چاہیئے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۳۳۴ تا ۳۳۵ مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۰۳ء)

یکم نومبر ۱۹۰۳ء

تہجد کی نماز کا طریق

عبدالعزیز صاحب سیالکوٹی نے لائل پور میں یہ مسئلہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز اس طرح سے جیسا کہ اب تعامل اہلِ اسلام ہے بجا نہ لاتے بلکہ آپ صرف اُٹھ کر قرآن پڑھ لیا کرتے اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ یہی مذہب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے ..... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بوساطت منشی نبی بخش صاحب اور مولوی نورالدین صاحب یہ امر تحقیق کے لیے پیش کیا گیا جس پر حضرت امام الزمان علیہ السلام نے مفصلہ ذیل فتویٰ دیا۔

میرا یہ مذہب ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر فقط قرآن شریف پڑھ لیا کرتے تھے اور بس۔ مَیں نے ایک دفعہ یہ بیان کیا تھا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا کوئی اور ایسی وجہ ہو کہ وہ تہجد کے نوافل ادا نہ کر سکے تو وہ اُٹھ کر استغفار، درود شریف اور الحمد شریف ہی پڑھ لیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نوافل ادا کرتے۔ آپ کثرت سے گیارہ رکعت پڑھتے آٹھ نفل اور تین وتر۔ آپ کبھی ایک ہی وقت میں ان کو پڑھ لیتے اور کبھی اس طرح سے ادا کرتے کہ دو رکعت پڑھ لیتے اور پھر سو جاتے اور پھر اُٹھتے اور دو رکعت پڑھ لیتے اور سو جاتے۔ غرض سو کر اور اُٹھ کر نوافل اسی طرح ادا کرتے جیسا کہ اب تعامل ہے اور جس کو اب چودھویں صدی گذر رہی ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۳۳۵ مورخہ ۱۶ر نومبر ۱۹۰۳ء)

۴؍نومبر ۱۹۰۳ء

بوقتِ ظہر

تقریر حضرت اقدس علیہ السلام

حضرت اقدس امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام بوقت ظہر حسبِ معمول اندر سے مسجد مبارک میں تشریف لائے اور مسند کو زیب نشست بخش کر مولوی برہان الدین صاحب جہلمی سے مخاطب ہو کر فرمایا[1] کہ:-

آپ کے چہرہ پر آثار پژمردگی و پریشانی و حیرانی کیسے نظر آرہے ہیں؟

عرض کی کہ حضور وجہ تو صرف یہی ہے کہ اب دوسرا کنارہ یعنی جہانِ ثانی نظر آرہا ہے کیونکہ بوجہ پیرانہ سالی کے اب عالمِ آخرت کا ہی خیال رہتا ہے۔ گنتی ہی کے دن اب باقی سمجھنے چاہئیں۔ مزید برآں عارضہ ضعف اَور بھی اس کے سریع الوقوع ہونے پر شاہد ہے اور ضعف کا یہ باعث ہے کہ ابتداء میں کچھ مراقبہ و نفی و اثبات کا کسی قدر شغل رکھا ہے جس سے یہ ضعف لاحق حال ہو گیا ہے۔

یہ سُنکر حضرت اقدس نے ایک معانی خیز اور پُر معارف لب ولہجہ کیساتھ فرمایا کہ:-

بقیہ ایام زندگی قادیان میں گذاریں

جب یہ حالت ہے تب تو ضرور ہی ان تمام عارضی تحیرات کو کیسو رکھ کر صرف ایک ہی آستانہ بارگاہِ ایزدی پر نظر رکھنی چاہیئے کیونکہ ہر ایک سعادتِ کیش و متلاشی حق رُوح کا یہی مامن اور یہی ملجا و ماویٰ ہے اور چونکہ یہ مسلّمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے مقرب کے پاس رہنا گویا ایک طرح سے خود خدا تعالیٰ کے پاس رہنا ہوتا ہے اس واسطے اب آپ کو باقی ایام زندگی اس جگہ قادیان میں گذارنے چاہئیں اور یہاں آکر ڈیرا لگا دینا چاہیئے اور اس شعر پر کاربند ہونا چاہیئے۔

چو کار عمر ناپیدا است بارے ایں اولیٰ
کہ روز واقعہ پیش نگار خود باشد

یہاں تو مقولہ "یک در گیر و محکم گیر" پر عمل کرنا ضروری و لازمی ہے۔ ہر ایک کے لیے مناسب و واجب ہے کہ حسبِ استطاعت اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر کے پوری سعی کرے تاکہ ٹھیک وقت پر سفر منزلِ محبوب حقیقی کے لیے تیاری کر سکے۔ بغیر جوشِ محبت کے اس راہ پر قدم مارنا بڑا مشکل ہے اور ساتھ ہی اس پر

---

[1] یہ تقریر مولوی برہان الدین صاحب کو مخاطب فرما کر فرمائی اور اس تقریر کے نوٹ چوہدری اللہ داد خانصاحب کلرک صدر شاہ پورنے لیے اور بعد ازاں ان نوٹوں کو اپنے الفاظ میں مرتب کر کے موقعہ بہ موقعہ حضرت اقدس علیہ السلام کے اشعار بھی چسپاں کئے۔ (مرتب)

استقلال واستقامت ضروری ہے جب یہ امر حاصل ہو جاوے تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جذب القلوب کا عمل بتدریج خود بخود شروع ہو جاوے گا جس سے صادقین کی معیت کی توفیق ملے گی اور اس صیقل تعشق الٰہی سے زنگار آئینۂ دِل محو ہو کر تزکیۂ نفس وتطہیرِ قلب نصیب ہوگا۔ مگر تلاشِ حق کا بیج بونا مقدم ہے جس سے صدق وصفا کا پُر ثمر نخل پیدا ہوتا ہے اور محبت ذات ربانی کی آب پاشی سے نشو ونما پاتا ہے۔

بمنزلِ جاناں رسد ہماں مردے
کہ ہمدم درتلاشِ او دواں باشد

آپ اپنی پہلی حالت کو یاد کریں جبکہ آغاز سال ۱۸۸۶ء میں صرف حسبۃً للہ کا جوش آپکو کشاں کشاں یہاں لایا تھا اور آپ پا پیادہ افتاں وخیزاں اس قدر دُور فاصلہ سے پہلے قادیان پہنچے تھے اور جب کہ ہم کو اس جگہ نہ پایا تو اسی بیتابی وبے قراری کے جوش میں تنگا پور کر کے پیدل ہی ہمارے پاس ہوشیار پور جا پہنچے تھے اور جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو اس وقت ہم سے جُدا ہونا آپ کو بڑا شاق گذرتا تھا۔ اب تو ایسا وقت آگیا ہے کہ آپ کو آگے ہی قدم مارنا چاہیئے نہ یہ کہ اُلٹا تساہل وتکاسل میں پڑیں۔ اب تو زمانہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے اور نشانات وعلامات سماوی بآوازِ دُہل پکار رہے ہیں کہ

چنیں زمانہ چنیں دور ایں چنیں برکات — تو بے نصیب روی وہ چہ ایں شقا باشد
فلک قریب زمیں شد زبارشِ برکات — کجاست طالبِ حق تا یقین فزا باشد
بجُز اسیرئ عشقِ رخش رہائی نیست — بدردِ او ہمہ امراض را دوا باشد

غرض کہ پوری مستعدی وہمت سے استقلال دکھلاویں۔ یہ آثار پژمردگی ہمیں برمحل معلوم نہیں ہوتے۔ یہاں کا رہنا تو ایک قسم کا آستانۂ ایزدی پر رہنا ہے۔ اس حوضِ کوثر سے وہ آبِ حیات ملتا ہے کہ جس کے پینے سے حیاتِ جاودانی نصیب ہوتی ہے جس پر ابدالآباد تک موت ہرگز نہیں آسکتی۔ اچھی طرح کمربستہ ہو کر پورے استقلال سے اس صراطِ مستقیم کے راہ رَو بنیں اور ہر قسم کی دنیاوی روکاوٹوں اور نفسانی خواہشوں کی ذرہ پروانہ کر کے اللہ تعالیٰ کے صادق مامور کی پوری معیت کریں تاکہ حکم "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" کی فرمانبرداری کا سنہری تمغہ آپ کو حاصل ہو۔

یاد رکھیں کہ راستی وصداقت کے فرزند ہمیشہ جاہ وجلال کے تاج زریں کے وارث ہوا کرتے ہیں۔ راستبازی کے حاسد دشمنوں کا جو انجام ہوا کرتا ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں ؎

بسوزد آنکہ نہ سوزد بصدق در رہِ یار
بمیرد آنکہ گریزندہ از فنا باشد

معلوم نہیں کہ آپ کو جہلم سے کیوں اُنس ہے حالانکہ اس کی میم نسبتی کو حذف کرنے کے بعد تو جہل ہی جہل رہ جاتا ہے۔ بھلا فہم و ذکاء کو جہل سے کیا نسبت ؟

مولوی صاحب نے عرض کی کہ حضور واقعی یہ تو سچ ہے کہ جہلم بمعنی جہل من ہی ہے آخری میم نسبتی ہے۔ فرمایا کہ:

جب یہ حال ہے تو ایسے جہل کو ترک کرنا چاہیئے۔ وہاں کی رہائش کو یہاں کی رہائش پر کسی طرح بھی ترجیح نہیں ہو سکتی۔ پھر ایسی حالت میں مامور من اللہ کی صحبت نہایت ضروری بلکہ مغتنمات سے ہے خوش قسمت وہ جنکو یہ نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہو۔ جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا یا کم از کم ایسی تمنا دل میں نہیں رکھتا اس کی حالت کی نسبت مجھے بڑا اندیشہ ہے کہ مبادا وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے۔ اپنے گھروں، وطنوں اور املاک کو چھوڑ کر میری ہمسائگی کے لیے قادیان میں بود و باش کرنا "اصحاب الصفہ" کا مصداق بننا ہے۔

اور یہ تو ایک ابتدائی مرحلوں میں سے ہے ورنہ مردانِ خدا کو تو اگر اس سے بھی صدہا درجہ بڑھکر دشواریوں و مصیبتوں کا سامنا ہو۔ تاہم وہ انکی کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ وفورِ جذبۂ عشقِ محبوب حقیقی سے آگے ہی قدم مارتے ہیں اور اپنا تمام دھن، من، تن اسی راہ میں صرف کر دینے کو عین اپنی سعادت و خوش قسمتی سمجھتے ہیں اور یہی ان کا مقصود بالذات ہوتا ہے کہ دنیوی علائق کے جالوں کو توڑ کر اور اس کے پھندوں سے مخلصی پاکر اس جمیع محامد کی جامع ذات ستودہ صفات کے آستانہ سراپا برکت خیز پر پہنچنے کا شرف حاصل کریں ؎

نتابد از رہِ جانانِ خود سرِ اخلاص ❊ اگرچہ سیلِ مصیبت بزور ہا باشد
براہِ یارِ عزیز از بلا نہ پرہیزد ❊ اگرچہ در رہِ آں یار اژدہا باشد
بدولتِ دوجہاں سُرفرو نمے آرند ❊ بعشقِ یار دلِ زارِ شاں دوتا باشد

میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ درحقیقت اصولِ استقامت یہی ہے۔ کلام مجید میں ہے اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱) یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف آجاتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہی راستہ پر نہیں آتے بلکہ اسی صراطِ مستقیم پر استقامت بھی دکھلاتے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ تطہیر و تنویرِ قلوب کی منزلیں طے کر لیتے ہیں اور بعد انشراحِ صدر کے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کو حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص نعمتوں سے متمتع فرماتا ہے۔ محبت و ذوقِ الٰہی ان کی غذا ہو جاتی ہے۔ مکالمہ الٰہی، وحی، الہام و کشف وغیرہ انعاماتِ الٰہی سے مشرف و بہرہ مند کئے جاتے ہیں۔ درگاہِ ربّ العزت سے طمانیت و سکینت اُن پر اُترتی ہے۔ حُزن و مایوسی اُن کے نزدیک تک نہیں پھٹکتی۔ ہر وقت جذبہ محبت و

ولولۂ عشقِ الٰہی میں سرشار رہتے ہیں گویا لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ: ۱۱۳) کے پورے مصداق ہوجاتے ہیں۔ مادرؔ ما قال ؎

کلید ایں ہمہ دولت محبت است و وفا
خوشا کسیکہ چنیں دولتش عطا باشد

غرض استقامت بڑی چیز ہے۔ استقامت ہی کی بدولت تمام گروہ انبیاء ہمیشہ مظفر و منصور و بامراد ہوتا چلا آیا ہے۔

ذات تقدس مآب باری تعالیٰ کے ساتھ ایک خالص ذاتی تعلق و گہرا پیوند قائم کرنا چاہیئے۔ جب یہ تعلق پورا قائم ہوجاوے پھر ہر ایک قسم کے خوف و خطر سے انسان محفوظ و مطمئن ہوجاتا ہے اور انشراحِ صدر کے بعد تمام بوجھ ہلکے ہوجاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لیے کہ ان کو "ہر کہ در ایزدی یافت باز بر در دیگر نتاخت" برحق الیقین ہوجاتا ہے اور اس کی پُر ثمر تاثیرات اُن کے لوحِ قلب پر منقش ہوجاتی ہیں اور اُنکے رگ و ریشہ میں سرایت کرگئی ہوتی ہیں اور بوجہ استیلائے محبت و تعشقِ الٰہی و شہود و عظمت و جلال ذات کبریائی ان کے قلبِ سلیم کا یہی ورد ہوجاتا ہے ؎

نہ از چینم حکایت کن نہ از روم ❊ کہ دارم دلستانے اندریں بوم
چوں رُوئے خوب او آید بیادم ❊ فراموشم شود موجود و معدوم

آپ اپنے سارے جسم و جان روح و رواں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہوجاویں۔ پھر خدا تعالیٰ خود بخود تم سب کا حافظ و ناصر معین و کارساز ہوجاوے گا۔ چاہیئے کہ انسان کے تمام قویٰ آنکھ۔ کان۔ دل۔ دماغ۔ دست و پا جملہ متمسک باللہ ہوجاویں۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ رہے۔ اسی میں تمام کامیابیاں و نصرتیں ہیں۔ یہی اصل مراقبہ ہے۔ اسی سے حرارت قلبی و رُوحانیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کی بدولت ایمانِ کامل نصیب ہوتا ہے۔

سب سے اوّل تو انسان کو اپنا مرض معلوم کرنا چاہیئے۔ جب تک مرض کی تشخیص نہ ہو علاج کیا ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اطمینان نہ پانا یہی خطرناک مرض ہے۔ یہ وہ حالت ہے جبکہ انسان نفسِ امارہ کے زیرِ حکم چل رہا ہوتا ہے۔ اس وقت صرف محرکاتِ بدی یعنی شیطان ہی کی اس پر حکومت ہوتی ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ سے دُور اُفتادہ ہلاک ہونے والی ناپاک روحوں کا اس پر اثر ہوتا ہے۔

اس سے ذرا اُوپر انسان ترقی کرتا ہے تو اس وقت اس کا اپنے نفس کے ساتھ ایک جہاد شروع ہوجاتا ہے اس کی ایسی حالت کا نام لوّامہ ہے۔ اس وقت اگرچہ محرکاتِ بدی سے اس کو پوری مخلصی نہیں ہوتی مگر محرکاتِ نیکی یعنی ملائکہ کی پاک تحریکات کی تاثیریں بھی اس پر مؤثر ہونے لگ جاتی ہیں۔ ان نیک تحریکات کی قوت و طاقت سے نفسِ امارہ سے اس کی ایک قسم کی کشتی ڈٹ جاتی ہے اور ان کی مدد سے تحریکاتِ بدی پر

غلبہ پاتے پاتے زینہ ترقی پر چڑھنا شروع ہو جاتا ہے اور اگر فضلِ ایزدی شاملِ حال ہو تو بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے۔ آخر کار اس نفسِ لوامہ کی سخت جیت لینے پر تمام تحریکاتِ بدی کو مغلوب کر لیتا ہے اور اس مرحلہ سے اُوپر چڑھنے پر وہ ناپاک روحوں کی بُری تحریکات کے نتائج بد سے بالکل محفوظ ہو کر امنِ الٰہی میں آجاتا ہے۔ اس حالت کا یابی وظفرمندی و فائز المرامی کا نام مطمئنہ ہے۔ اس وقت وہ ذات باری تعالیٰ سے آرام یافتہ ہوتا ہے اور اسی منزل پر پہنچ کر سالک کا سلوک ختم ہو جاتا ہے۔ تمام تکلفات اُٹھ جاتے ہیں۔ اور بلحاظ مدارجِ روحانیت کے یہی جدوجہد کی انتہا اور اس کا مقصود ذاتی ہوتا ہے۔ اس گو ہر مقصود کے حصول پر وُہ پورا کامیاب و فائز المرام ہو جاتا ہے۔ ہماری بعثت کی علت غائی بھی تو یہی ہے کہ رستۂ منزلِ جاناں کے بھولے بھٹکوں، دل کے اندھوں جذامِ ضلالت کے مبتلاؤں۔ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے کو ربا طنوں کو صراطِ مستقیم پر چلا کر وصالِ ذات ذوالجلال کا شیریں جام پلایا جاوے اور عرفانِ الٰہی کے اس نقطہ انتہائی تک اُن کو پہنچایا جاوے تاکہ اُن کو حیاتِ ابدی و راحتِ دائمی نصیب ہو اور جوارِ رحمتِ ایزدی میں جگہ لے کر مست و سرشار رہیں۔

ہماری معیت اور رفاقت کی پاک تاثیرات کے ثمراتِ حسنہ بالکل صاف ہیں۔ ہاں ان کے ادراک کیلئے فہم رسا چاہیئے۔ ان کے حصول کے لیے رُشد و صفا چاہیئے۔ ساتھ ہی استقامت کے لیے اتقا چاہیئے ورنہ ہماری جانب سے تو چار دانگ کے عالم کے کانوں میں عرصہ سے کھول کھول کر منادی ہو رہی ہے ؎

بیا مدم کہ رہِ صدق را در خشانم ❊ بدلستاں برُم آنراکہ پارسا باشد
کسیکہ سایۂ بال ہماش سود نداد ❊ بیا یدش کہ دو روزے بظلِ ما باشد
گلے کہ روئے خزاں را گہے نخواہد دید ❊ بباغِ ماست اگر قسمتت رسا باشد

ہم نے تو اس مائدہ الٰہی کو ہر کس و ناکس کے آگے رکھنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر آگے اُن کی اپنی قسمت۔ وما علینا الا البلاغ۔

مسیح موعودؑ کی مخالفت

اس سے تھوڑا زمانہ پہلے بڑے بڑے علماء لکھ گئے تھے کہ مہدی موعود و مسیح مسعود کی آمد کا زمانہ بالکل قریب ہے بلکہ بعض نے اس کی تائید میں اپنے اپنے مکاشفات بھی لکھے تھے۔ جب اس نعمت کا وقت آیا تو تمام یہودی سیرتوں نے اسکے قبول کرنے سے اعراض کر دیا ہے اور صرف انکار پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ تکذیب پر ایسے تُلے ہوئے ہیں کہ جس کا کوئی حدّ و حساب نہیں۔ مخالفت کا کوئی پہلو چھوڑ نہیں رکھا۔ ہر دجالیت و یہودیت کو عمل میں لایا جا رہا ہے۔ ہر وقت فساد و شرارت کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ کونسا ایذا و تکلیف دہی کا راہ ہے جس پر وہ نہیں چلے ہماری تخریب و استیصال کے لیے کونسا میدانِ تدبیر ہے جو اُن کی اسپانِ مخالفت کی دوڑ دھوپ سے بچ

رہا ہے۔ استہزاء و تضحیک کا کونسا پہلو باقی چھوڑا گیا ہے۔ یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (یٰسٓ: ۳۱) مگر اُن کی یہ فتنہ پردازیاں و گربہ مکاریاں کچھ بھی عنداللہ وقعت نہیں رکھتیں۔ چہ جائیکہ ان کو کبھی کامیابی کا منہ دیکھنا بھی نصیب ہو۔ ؎

چراغیکہ ایزد برفروزد
ہر آنکس تفِ زند ریشش بسوزد

سچ پوچھو تو اُن کی یہ مخالفتیں ہماری مزرعۂ کامیابی کے لیے کھاد کا کام دے رہی ہیں کیونکہ اگر مخالفوں سے میدان صاف ہو جاوے تو اس میدان کے مردانِ کارزار کے جوہر کس طرح ظاہر ہوں اور انعاماتِ الٰہی کی غنیمت سے اُن کو کس طرح حصہ نصیب ہو اور اگر اعداء کی مخالفت کا بحرِ مواج پایاب ہو جاوے تو اس کے غواصوں کی کیا قدر ہو اور وہ بحرِ معانی کے بے بہا گوہر کو کس طرح حاصل کر سکیں۔ مادرِ ماقیل ؎

گر نبودے در مقابل روئے مکروہ و سیاہ ❊ کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را
گر نیفتادے بخصمے کار در جنگ و نبرد ❊ کے شود جوہر عیاں شمشیر خوں آشام را

اس مخالفت کا کوئی ایسا ہی سِر معلوم ہوتا ہے وِالّا ان کی مخالفت کے ارادے عنداللہ کیا قدر رکھتے ہیں۔ اس ذاتِ قادرِ مطلق کا تو صاف حکم ہے اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (المائدۃ: ۵۷) اور اس جنگ و جدال کا آخری انجام بھی بتا دیا ہے کہ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف: ۱۲۹) مگر افسوس کہ بایں ہمہ کوتاہ اندیش نہیں سمجھتے حالانکہ اس نصرتِ الٰہی و تائید ایزدی کا انہیں مشاہدہ و تجربہ بھی ہوتا رہتا ہے اور ان کی مذلت و خسران و نامرادی کا انجام بھی کوئی پوشیدہ نہیں ہے کیوں نہ ہو ؎

خدا کے پاک لوگوں کو خُدا سے نصرت آتی ہے ❊ جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ راہ کو اُڑاتی ہے ❊ وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے ❊ بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

قطع نظر ان یوسف مجسم مولویوں اور خشک ملانوں کے موجودہ زمانہ کے فقراء کا گروہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ ان میں ریاکاری و ذاتی اغراض کی ایک زہر ہوتی ہے جو آخر کار اُن کو ہلاک کر ڈالتی ہے۔ ان کا ہر ایک قول و فعل و عمل ان کی نفسانی اغراض کے تابع ہوتا ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی نہاں در نہاں ذاتی غرض مرکوزِ خاطر ہوتی ہے۔ مثلاً خواہش مسخرات و طلبِ دنیا و جاہ طلبی وغیرہ وغیرہ تاکہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں اور اُن کی دنیوی عزت و مال و متاع میں ترقی ہو جس سے اپنے نفسِ امارہ کو خوش رکھیں۔ یہ ایسا سمِ قاتل ہے کہ اس کا انجام ہلاکت ہے بعض ان میں سے زمین کھود کر چلہ کرتے ہیں۔ نہ یہ حکمِ الٰہی ہے اور نہ سنتِ نبوی۔ ریاکاری و مکاری کا خود تراشیدہ

ایک خاصہ ڈھنگ ہے تاکہ لوگوں کو دامِ تزویر میں لایا جاوے اور یہی اُن کی دلی غرض ہوتی ہے اُن کے ایسے عملوں کی مثال میدانی سراب جیسی ہے کہ وہ دُور سے تو خوش نما مصفّٰی پانی دکھائی دیتا ہے مگر نزدیک جانے پر اس کی اصل حقیقت کھُل جاتی ہے کہ وہ تو صرف آنکھوں کا دھوکا ہی دھوکا تھا۔ اس وقت تشنگانِ آبِ زلال کو بجز حسرت و پشیمانی کے اَور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے ریاکاروں کو جہنّم سے حصّہ ملتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ سے وہ بالکل بیگانے اور کوچۂ یارِ حقیقی سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں وہ معرفت الٰہی میں دل کے مُردہ اور تن بگور ہوتے ہیں۔ شاید ایسوں ہی کے لیے یہ خطاب ہے ؎

کاملاں حیّ اند در زیرِ زمیں
تو بگوری باحیاتِ ایں چنیں

ان کی موت کی حالت عوام کالانعام سے بدتر ہوتی ہے۔ کیونکہ عوام تو سیدھے پن سے جیسا اُنکو سمجھ میں آتا ہے ایسا ہی عمل کر لیتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں کوئی متکلف نہیں ہوتا بالکل سادگی سے دین العجائز پر چلتے ہیں۔ مگر موجودہ فقراء کا گروہ تو عمداً اغراضِ نفسانی کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان تمام ریاکاری کے کاموں کو ایک مزوّرانہ طلسمات کے رنگ میں ظاہر کر رہا ہے۔ انہیں عاقبت کی کچھ پروا نہیں ؎

مناز بر کلۂ سبز و خرقۂ پشمین
کہ زیرِ دلق ملمع فریب ہا باشد

سو ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ایسے تصنّعات سے اپنے آپ کو بچاویں اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راہ اور سنّتِ نبوی پر محکم قدم رکھ کر چلیں تا منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے اُن کو کوئی روک حائل نہ ہو اور یہ چند روزہ زندگی رائیگاں نہ جاوے جو آخرت میں سخت ندامت، ذلّت و حسرت کا باعث ہووے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دیوے کہ وہ محض ابتغاء لمرضاتِ اللہ کی غرض سے راہِ مستقیم پر چل کر منزلِ مقصود پر پہنچ جاویں اور تخلیقِ انسانی کے اصل مدعا کو پورا کریں۔ آمین ثم آمین (۴ نومبر ۱۹۰۳ء)

(نوٹ:۔ باستثناء ایک شعر کے جو سرِعنوان درج ہے۔ باقی اشعار مندرجہ مضمون ہذا حضرت اقدس جناب امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اثنائے تقریر میں نہیں فرمائے تھے مگر چونکہ بجز ایک شعر ؎

بمنزلِ جاناں رسد ہماں مردے
کہ ہمہ دم در تلاشِ او دواں باشد

کے جو بوقت تحریر مضمون ہذا کے لیے بے ساختہ روانیٔ طبع سے احقر کے منہ سے نکل گیا ہے باقی

ماندہ اکثر اشعار نے خود حضرت اقدس ہی کی زبان گوہر فشان سے جنم لیا ہوا ہے اور ان مواقع پر چسپاں بھی تھے اس واسطے مناسب مواقع پر لکھ دیئے گئے ہیں۔ بذاتِ خود بھی یہ حقائق معارف کا ایک خزینہ ہیں۔ وثوق کامل ہے کہ ان کا ان مواقعات مناسبہ پر چسپاں ہونا بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے سعید فطرت وراستی پسند طبائع کو تکشیف حقائق وتلخیص دقائق میں مدد دیگا جس سے انکو احقاقِ حق وابطالِ باطل کی توفیق ملے گی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ثم آمین۔ والسلام۔ ۵ نومبر ۱۹۰۳ء۔

امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمترین خادم

احقر العباد الہ داد احمدی کلارک ضلع شاہ پور۔ حال وارد قادیان)

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۵ صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۴ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۰۳ء)

نیز (الحکم جلد ۷ نمبر ۴۴۔ ۴۵ صفحہ ۷۔ ۸ مورخہ ۳۰ نومبر و ۱۰ دسمبر ۱۹۰۳ء)

---

۵ نومبر ۱۹۰۳ء

اولیاء و اصفیاء پر مصائب کی وجہ

فرمایا کہ:

آج کل ہندوستان سے ایک عورت آئی ہوئی ہے (ان کے خاوند بھی آئے ہوئے تھے) وہ اکثر سوال کرتی رہتی ہیں اور میں اُن کو سمجھایا کرتا ہوں۔ ایک دن سوال کیا کہ اولیاء اور پیغمبروں پر بڑی بڑی مصیبت آتی ہے اور وہ ہمیشہ مصیبت کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔ تو میں نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے اور قرآن شریف کے بھی بالکل برخلاف ہے۔ خدا تعالیٰ کے اولیاء اور نبیوں پر تو ہمیشہ اس کے انعامات ہوتے ہیں وہ ان کا ہر مقام میں حافظ وناصر ہوتا ہے پھر ان پر مصیبت کے کیا معنے؟ عملی طور پر دیکھ لو کہ حضرت موسیٰؑ کو کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ ان کا دشمن غرقاب کیا گیا اور موسیٰؑ کو اس پر فتح حاصل ہوئی۔ پھر داؤد کو دیکھ لو۔ عیسیٰؑ کو دیکھو کہ اُن کے دشمن ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے رہے اور یہ سب کامیاب ہوتے رہے۔ ہمارے پیغمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عروج حاصل ہوا کیا اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز ہرگز یہ لوگ فقر اور ذلت کے مصداق نہیں ہوتے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِ میں اگر سجن کے معنی نسبتی کریں کہ اہل اللہ کو جو کچھ جنت میں ملے گا اس کے مقابلہ میں یہ دُنیا سجن ہے تو ٹھیک ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنے اولیاء کو کبھی عذاب نہیں کرتے بلکہ اس دلیل سے یہود ونصاریٰ کے دعویٰ کی تردید کرتا ہے ان دونوں نے دعویٰ کیا تھا کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ کہ ہم خدا کے پیارے اور بمنزلہ اس

کی اولاد کے ہیں تو اس کا جواب خدا تعالیٰ نے یہ دیا کہ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ (المائدۃ: ۱۹) کہ اگر تم خدا کے پیارے اور بمنزلہ اس کی اولاد کے ہو تو پھر تمہاری شامتِ اعمال پر تم کو وہ دُکھ اور تکالیف کیوں دیتا ہے؟ پس اس سے ثابت ہے کہ جو خدا کے پیارے ہوتے ہیں ان کو دنیا میں دُکھ نہیں ہوتا اور وہ ہر ایک قسم کے عذاب سے محفوظ ہوتے ہیں (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ) پس اگر اس کے پیاروں کو عذاب ہوتا رہے تو پھر کافروں میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟ انبیاء پر اگر کوئی واقعہ مصیبت کے رنگ میں آتا ہے تو اس سے خدا تعالےٰ کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ ان کے اخلاق کو وہ دنیا پر ظاہر کرے کہ جو ہماری طرف سے آتے ہیں اور ہمارے ہو جاتے ہیں۔ وہ کن اخلاقِ فاضلہ کے صاحب ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ پر بھی ایسا واقعہ گذرا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسے واقعات گذرے مگر صبر اور استقلال اور خدا تعالیٰ کی رضا کو کس طرح مقدم رکھ کر بتلایا۔

انسان کے اخلاق ہمیشہ دو رنگ میں ظاہر ہو سکتے ہیں یا ابتلاء کی حالت میں اور یا انعام کی حالت میں۔ اگر ایک ہی پہلو ہو اور دوسرا نہ ہو تو پھر اخلاق کا پتہ نہیں مل سکتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مکمل کرنے تھے۔ اس لیے کچھ حصہ آپ کی زندگی کا مکی ہے اور کچھ مدنی۔ مکہ کے دشمنوں کی بڑی بڑی ایذا رسانی پر صبر کا نمونہ دکھایا اور باوجود ان لوگوں کے کمال سختی سے پیش آنے کے پھر بھی آپ ان سے حلم اور بردباری سے پیش آتے رہے اور جو پیغام خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے اس کی تبلیغ میں کوتاہی نہ کی۔ پھر مدینہ میں جب آپ کو عروج حاصل ہوا اور وہی دشمن گرفتار ہو کر پیش ہوئے تو ان میں سے اکثروں کو عفو کر دیا۔ باوجود قوتِ انتقام پانے کے پھر انتقام نہ لیا۔

مولوی عبداللطیف صاحب کا نمونہ صبر و استقلال

اب حال میں مولوی عبداللطیف صاحب شہید مرحوم کا نمونہ دیکھ لو کہ کس صبر اور استقلال سے انہوں نے جان دی ہے۔ ایک شخص کو بار بار جان جانے کا خوف دلایا جاتا ہے اور اس سے بچنے کی امید دلائی جاتی ہے کہ اگر تو اپنے اعتقاد سے بظاہر توبہ کر دے تو تیری جان نہ لی جاوے گی۔ مگر انہوں نے موت کو قبول کیا اور حق سے روگردانی پسند نہ کی۔ اب دیکھو اور سوچو کہ اسے کیا کیا تسلی اور اطمینان خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہو گا کہ وہ اس طرح پر دنیا و مافیہا پر دیدہ دانستہ لات مارتا ہے اور موت کو اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ ذرا بھی توبہ کرتے تو خدا جانے امیر نے کیا کچھ اس کی عزت کرنی تھی مگر انہوں نے خدا کے لیے تمام عزتوں کو خاک میں ملایا اور جان دینی قبول کی۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ آخر دم تک اور سنگساری کے آخری لمحہ تک ان کو مہلت توبہ کی دی جاتی ہے اور وہ خوب جانتے تھے کہ میرے بیوی بچے ہیں۔ لاکھ ہا روپے کی جائداد ہے۔ دوست یار بھی ہیں۔ ان تمام نظاروں کو پیش چشم رکھ کر اس آخری موت

کی گھڑی میں بھی جان کی پروا نہ کی۔ آخر ایک سرور اور لذت کی ہوا اُن کے دل پر چلتی تھی جس کے سامنے یہ تمام فراق کے نظارے ہیچ تھے۔ اگر اُن کو جبراً قتل کر دیا جاتا اور جان کے بچانے کا موقعہ نہ دیا جاتا تو اَور بات تھی۔ مجبوراً تو ایک عورت کو بھی انسان قتل کر سکتا ہے مگر ان کو بار بار موقعہ دیا گیا۔ باوجود اس مہلت ملنے کے پھر موت اختیار کرنی بڑے ایمان کو چاہتی ہے۔ اولیاء اللہ کی ایک خصلت ہوتی ہے کہ وہ موت کو پسند کرتے ہیں سو انہوں نے ظاہر کی۔

ہمارے کام کا انسان

ہمارے کام کا وہ انسان ہو سکتا ہے جبکہ ایک مدت اور نہیں تو کم از کم ایک سال ہماری مجلس میں رہے اور تمام ضروری امور کو سمجھ لیوے اور ہم اطمینان پا جاویں کہ تہذیب نفس اسے حاصل ہو گئی ہے۔ تب وہ بطور سفیر وغیرہ کے یورپ وغیرہ ممالک میں جا سکتا ہے مگر تہذیب نفس مشکل مرحلہ ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھنا آسان مگر یہ مشکل۔ دینی تعلیم کے لیے بہت علوم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ طہارتِ قلب اَور شے ہے۔ خدا ایک نور جب دل میں پیدا کر دیتا ہے تو اس سے علوم خود حاصل ہوتے جاتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۵ صفحہ ۳۵۴ - ۳۵۵ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۰۳ء)

---

۱۰ نومبر ۱۹۰۳ء

بوقتِ ظہر

اپنے آپکو ہر آن خدا تعالیٰ کا محتاج سمجھو

شیخ فضل الٰہی صاحب سوداگر رئیس صدر بازار راولپنڈی اور جناب محمد رمضان صاحب ٹھیکیدار جہلم اور چند دیگر اصحاب نے بیعت کی۔ بعد بیعت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر فرمائی۔

مذہب یہی ہے کہ انسان خوب غور کرے اور دیکھے اور عقل سے سوچے کہ وہ ہر آن میں خدا کا محتاج ہے اور اسکی طرف عجز سے انسان کی جان پر، مال پر، آبرو پر بڑے بڑے مصائب اور حملے ہوتے ہیں، لیکن سوائے خدا کے اور کوئی نجات دینے والا نہیں ہوتا اور ان موقعوں پر ہر ایک قسم کا فلسفہ خود بخود شکست کھا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے ایسے اصولوں پر قائم ہونا چاہا ہے کہ جن میں وہ خدا کی حاجت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ "انشاء اللہ" بھی زبان سے نکالنا ان کے نزدیک معیوب ہے مگر پھر بھی جب موت کا وقت آتا ہے تو اُن کو اپنے خیالات کی حقیقت معلوم

ہوجاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر آن میں اور اپنے ہر ایک ذرہ کے قیام کے لیے انسان کو خدا کی حاجت اور ضرورت ہے اور اگر وہ انانیت سے نکل کر غور سے دیکھے تو تجربہ سے اسے خود پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ کسقدر غلطی پر تھا اپنے آپ کو ہر آن میں خدا کا محتاج جاننا اور اس کے آستانہ پر سر رکھنا یہی اسلام ہے اور اگر کوئی مسلمان ہوکر اسلام کے طریق کو اختیار نہیں کرتا اور اس پر قدم نہیں مارتا تو پھر اس کا اسلام ہی کیا ہے؟ اسلام نام ہے خدا کے آگے گردن جھکا دینے کا۔ ذرا سوچکر دیکھو کہ اگر انسان کو ایک سوئی نہ ملے تو اس کا کسقدر حرج ہوتا ہے تو پھر کیا خدا کا وجود ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کی ضرورت انسان کو نہ ہو اور اس کے وجود کے بغیر وہ زندہ رہ سکے جب تک انسان کو صحت، مال، اقتدار حاصل ہوتا ہے تب تک تو اس کا یہ مذہب ہوتا ہے کہ اسباب پر توکل اور بھروسہ کرے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا محتاج نہ جانے، لیکن جب مصائب اور مشکلات آکر پڑتے ہیں تو اس وقت یہ مذہب خود بخود بدلنا پڑتا ہے۔ اسی لیے جو لوگ مصائب اور شدائد کا نشانہ رہتے ہیں اُن کا مذہب ہی اَور ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جو طاقت والا ہو اور ہمیں پناہ دے سکے۔

ایک صاحب محمد رمضان ہوتے تھے وہ خدا کے قائل نہ تھے مگر جب مرض الموت نے آکر اُن کو پکڑا تو آخر اپنا مذہب بدلا اور اس وقت کہتے تھے کہ اگر ایک دفعہ مجھے تندرستی حاصل ہوجاوے تو میں پھر کبھی خدا کے وجود سے منکر نہ ہوں گا۔ اس لیے انسان کو لازم ہے کہ ہمیشہ غفلت سے پرہیز کرے اور اس ذات پر نظر رکھے جس کے بغیر ایک ذرہ کا قیام بھی مشکل ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے یہی معنے ہیں کہ انسان اس کی طرف بار بار رجوع کرے اور اس کے مقابلہ پر کسی اَور وجود اور شئے کو متصرف اور مقتدر نہ جانے جو شخص ایک بکری رکھتا ہے تو اس سے اسی وقت مستفید ہوتا ہے دودھ حاصل کرتا ہے لیکن جس نے خدا کا نام لے کر اس کی ضرورت کو بالکل محسوس نہ کیا اور نظرِ استخفاف سے اُسے دیکھا اور ایک فرضی بُت کی طرح اس کے وجود کو سمجھا تو خدا کو اس شخص کی کیا پروا ہے۔

انسان پر جو انقلابات آتے ہیں وہ اس ہستی کی ضرورت کو خود ثابت کرتے ہیں۔ اس جماعت میں داخل ہوکر اوّل تغیر زندگی میں کرنا چاہیئے کہ خدا پر ایمان سچا ہو کہ وہ ہر مصیبت میں کام آتا ہے۔ پھر اس کے احکام کو نظرِ خفت سے ہرگز نہ دیکھا جاوے بلکہ ایک ایک حکم کی تعظیم کی جاوے اور عملاً اس تعظیم کا ثبوت دیا جاوے مثلاً نماز کا حکم ہے۔ جب ایک شخص اسے بجا لاتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے تو بعض لوگ اس سے تمسخر کرتے ہیں اور آج کل بہت لوگ نام کے مسلمان ہیں جو کہ ارکانِ نماز کی بجاآوری کو ایک بیہودہ حرکت کہتے ہیں لیکن ایک مومن کو ہرگز لازم نہیں کہ ان باتوں اور ہنسی اور استہزاء سے وہ اس کی ادائیگی کو ترک کرے۔ لوگوں کے ایسے

خیالات اور خدا کے احکام کو نظرِ استخفاف سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ عذاب کو چاہتا ہے۔ ان لوگوں کی زندگی مُردوں کی سی ہے۔ انبیاء کے سلسلہ پر کہ جس کے ذریعہ سے ایمان حاصل ہوتا ہے اُن کو ایمان نہیں ہے، مگر ہم سچی اور حقیقی رؤیت سے گواہی دیتے ہیں کہ خدا برحق ہے اور سلسلہ انبیاء کا برحق ہے۔ مرنے پر ان لوگوں کو پتہ لگے گا کہ جنت اور دوزخ سب کچھ جس سے آج یہ منکر ہیں، برحق ہے۔

رعایت اسباب

جب سے آزادی کے خیالات اور تعلیم نے دلوں اور دماغوں میں جگہ لی ہے اُس وقت سے بہت بگاڑ پھیلا ہے۔ خیالات ایسے پراگندہ ہوئے ہیں کہ شریعت کو خود ترمیم کر لیا ہے۔ دنیا کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔ شریعت نے ایک حد تک رعایتِ اسباب کی اجازت دی ہے۔ مثلاً اگر ایک قطعہ زمین کا ہو اور اُسے کاشت نہ کیا جاوے تو اس کی نسبت سوال ہوگا کہ کیوں کاشت نہ کیا؟ مگر بہمہ وجوہ اسباب پر سرنگوں ہونا اور اسی پر بھروسہ کرنا اور خدا پر توکل چھوڑ دینا یہ شرک ہے اور گویا خدا کی ہستی سے انکار۔ رعایتِ اسباب اس حد تک کرنی چاہیئے کہ شرک لازم نہ آوے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم رعایتِ اسباب سے منع نہیں کرتے مگر اس پر بھروسہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ دل بایار اور دست باکار والی بات ہونی چاہیئے، لیکن حال میں دیکھا جاتا ہے کہ زبانوں پر تو سب کچھ ہے توکل بھی ہے۔ توحید بھی ہے مگر دل میں مقصود بالذات صرف دنیا کو بنا رکھا ہے۔ رات دن اسی خیال میں ہیں کہ مال بہت سا مل جاوے۔ عزت دنیا میں حاصل ہو۔ یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم زہر کھا رہے ہیں جس نے ہلاک کر دینا ہے۔

ہماری شریعت اور ہمارا دین دنیا میں کوشش کرنے سے نہیں روکتے صرف اتنی بات ہے کہ دین کو مقدم رکھ کر اگر کوشش کرے تو تلاشِ اسباب جرم نہیں ہاں ایسے طور پر جسے خدا نے حرام ٹھہرایا ہے نہ ہو۔ جیسے کہ رشوت اور ظلم وغیرہ سے روپیہ کمایا جاتا ہے۔ اگر خدا کی راہ میں صرف کرنے، اولاد پر خرچ کرنے اور صدقات وغیرہ کے لیئے تلاشِ اسباب کی جائے تو ہرج نہیں کیونکہ مال بھی تو ذریعہ قرب الٰہی ہوتا ہے مگر خدا کو بالکل چھوڑ دینا اور بالکل اسباب کا ہو رہنا یہ ایک جذام ہے اور جب تک کہ قبض روح نہ ہو جاوے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ خدا سے ڈرنا اور تقویٰ اختیار کرنا یہ بڑی نعمت ہے جسے حاصل کرنا چاہیئے اور متکبر گردن کش نہ ہونا چاہیئے۔

حقیقی اخلاق

اخلاق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جو آج کل کے نو تعلیم یافتہ پیش کرتے ہیں کہ ملاقات وغیرہ میں زبان سے چاپلوسی اور مداہنہ سے پیش آتے ہیں اور دلوں میں نفاق اور کینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ اخلاق قرآن شریف کے خلاف ہیں۔ دوسری قسم اخلاق کی یہ ہے کہ سچی ہمدردی کرے۔ دل میں نفاق نہ ہو اور چاپلوسی اور مداہنہ وغیرہ سے کام نہ لے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: ۹۱) تو یہ کامل طریق ہے اور ہر ایک

کامل طریق اور ہدایت خدا کے کلام میں موجود ہے جو اس سے روگردانی کرتے ہیں وہ اور جگہ ہدایت نہیں پا سکتے اچھی تعلیم اپنی اثر اندازی کے لیے دل کی پاکیزگی چاہتی ہے جو لوگ اس سے دُور ہیں اگر عمیق نظر سے اُن کو دیکھو گے تو اُن میں ضرور گند نظر آئے گا۔ زندگی کا اعتبار نہیں ہے۔ نماز، صدق و صفا میں ترقی کرو۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۳۶۲ - ۳۶۳ مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۰۳ء)

بلا تاریخ

ایمان کی حقیقت

ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک اور شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرتِ احدیت میں صادق اور راستباز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفتِ تامہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔ اس لیے ایک مرد متقی رسولوں اور نبیوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سُنکر ہر ایک پہلو پر ابتداء امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ حصہ جو کسی مامور من اللہ ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے دلائل سے سمجھ آجاتا ہے۔ اسی کو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرا لیتا ہے اور وہ حصہ جو سمجھ میں نہیں آتا اس میں سنّتِ صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے اور اس طرح تناقض کو درمیان سے اُٹھا کر صفائی اور اخلاص کیساتھ ایمان لے آتا ہے تب خدا تعالیٰ اسی کی حالت پر رحم کر کے اور کسی کے ایمان پر راضی ہو کر اور اسکی دُعاؤں کو سُنکر معرفت تامہ کا دروازہ اس پر کھولتا ہے اور الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقینِ کامل تک اس کو پہنچاتا ہے لیکن متعصب آدمی جو عناد سے پُر ہوتا ہے ایسا نہیں کرتا اور نہ وہ اُن اُمور کو جو حق کے پہچاننے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں تحقیر اور توہین کی نظر سے دیکھتا ہے اور ٹھٹھے اور ہنسی میں اُن کو اُڑا دیتا ہے اور وہ امور جو ہنوز اس پر مشتبہ ہیں ان کو اعتراض کرنے کی دستاویز بناتا ہے اور ظالم طبع لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

آیاتِ بیّنات، محکمات اور آیاتِ متشابہات

چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر ایک نبی کی نسبت جو پہلے نبیوں نے پیشگوئیاں کیں ان کے ہمیشہ دو حصے ہوتے رہے ہیں۔ ایک بیّنات اور محکمات جن میں کوئی استعارہ نہ تھا اور کسی تاویل کی محتاج نہ تھیں اور ایک متشابہات جو محتاج تاویل تھیں اور بعض استعارات اور مجازات کے پردے میں محجوب تھیں۔ پھر ان نبیوں کے ظہور اور بعثت کے وقت جو اُن پیشگوئیوں کے محتاج تھے دو فریق ہوتے رہے ہیں۔ ایک فریق

سعیدوں کا جنہوں نے بیّنات کو دیکھ کر ایمان لانے میں تاخیر نہ کی اور جو حصہ متشابہات کا تھا اس کو استعارات اور مجازات کے رنگ میں سمجھ لیا۔ آئندہ کے منتظر رہے[1] اور اس طرح پر حق کو پالیا اور ٹھوکر نہ کھائی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پہلی کتابوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت دو طور کی پیشگوئیاں تھیں ایک یہ کہ وہ مسکینوں اور عاجزوں کے پیرایہ میں ظاہر ہوگا۔ اور غیر سلطنت کے زمانہ میں آئے گا اور داؤد کی نسل سے ہوگا اور حلم اور نرمی سے کام لے گا اور نشان دکھلائے گا اور دوسری قسم کی یہ پیشگوئیاں تھیں کہ وہ بادشاہ ہوگا اور بادشاہوں کی طرح لڑے گا اور یہودیوں کو غیر سلطنت کی ماتحتی سے چھڑا دیگا اور اس سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دُنیا میں آئے گا اور جب تک ایلیا نبی دوبارہ دُنیا میں نہ آوے وہ نہیں آئے گا۔ پھر جب حضرت عیسیٰؑ نے ظہور فرمایا تو یہود دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق جو بہت ہی کم اور قلیل التعداد تھا۔ اس نے حضرت مسیح کو داؤد کی نسل سے پاکر اور پھر اُن کی مسکینی اور عاجزی اور راستبازی دیکھکر اور پھر آسمانی نشانوں کو ملاحظہ کرکے اور نیز زمانہ موجودہ کو دیکھ کر کہ وہ ایک نبی مصلح کو چاہتی ہے اور پہلی پیشگوئیوں کے قرار داد وقتوں کا مقابلہ کرکے یقین کر لیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کا اسرائیل کی قوم کو وعدہ دیا گیا تھا۔ سو وہ حضرت مسیح پر ایمان لائے اور اُن کے ساتھ ہو کر طرح طرح کے دُکھ اُٹھائے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اپنا صدق ظاہر کیا لیکن جو بدبختوں کا گروہ تھا اُس نے کُھلی کُھلی علامتوں اور نشانوں کی طرف ذرہ التفات نہ کیا۔ یہانتک کہ زمانہ کی حالت پر بھی ایک نظر نہ ڈالی اور شریرانہ حجت بازی کے ارادے سے دوسرے حصہ کو جو متشابہات کا حصہ تھا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور نہایت گستاخی سے اس مقدس کو گالیاں دینی شروع کیں اور اس کا نام ملحد اور بے دین اور کافر رکھا اور یہ کہا کہ یہ شخص پاک نوشتوں کے اُلٹے معنے کرتا ہے اور اس نے ناحق ایلیاہ نبی کے دوبارہ آنے کی تاویل کی ہے اور نصِ صریح کو اس کے ظاہر سے پھیرا ہے اور ہمارے علماء کو مکار اور ریاکار کہتا ہے اور کتب مقدسہ کے اُلٹے معنے کرتا ہے اور نہایت شرارت سے اس بات پر زور دیا کہ نبیوں کی پیشگوئیوں کا ایک حرف بھی صادق نہیں آتا وہ نہ بادشاہ ہو کر آیا اور نہ غیر قوموں سے لڑا اور نہ ہم کو اُن کے ہاتھ سے چھوڑایا اور نہ اس سے پہلے ایلیاء نبی نازل ہوا پھر وہ مسیح موعود کیونکر ہوگیا۔

غرض ان بدقسمت شریروں نے سچائی کے انوار اور علامات پر نظر ڈالنا نہ چاہا۔ اور جو حصہ متشابہات کا پیشگوئیوں میں تھا اس کو ظاہر پر حمل کرکے بار بار پیش کیا۔ یہی ابتلاء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اکثر یہودیوں

---

[1] پیشگوئیوں میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ تمام باتیں ایک ہی وقت میں پوری ہو جائیں بلکہ تدریجاً پوری ہوتی رہتی ہیں اور ممکن ہے کہ بعض باتیں ایسی بھی ہوں کہ مامور کی زندگی میں پوری نہ ہوں اور کسی دوسرے کے ہاتھ سے جو اس کے متبعین میں سے ہو پوری ہو جائیں۔

کو پیش آیا۔ انہوں نے بھی اپنے اسلاف کی عادت کے موافق نبیوں کی پیشگوئیوں کے اس حصہ سے فائدہ اُٹھانا نہ چاہا جو بینات کا حصہ تھا اور متشابہات جو استعارات تھے اپنی آنکھ کے سامنے رکھ کر یا تحریف شدہ پیشگوئیوں پر زور دے کر اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دولتِ اطاعت سے جو سیدالکونین ہے محروم رہ گئے اور اکثر عیسائیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ انجیل کی کھلی کھلی پیشگوئیاں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھیں۔ اُن کو تو ہاتھ تک نہ لگایا اور جو سنت اللہ کے موافق پیشگوئیوں کا دوسرا حصہ یعنی استعارات اور مجازات تھے اُن پر گر پڑے اس لیے حقیقت کی طرف راہ نہ پا سکے، لیکن ان میں سے وہ لوگ جو حق کے طالب تھے اور جو پیشگوئیوں کی تحریر میں طرز وعادتِ الٰہی سے اس سے واقف تھے انہوں نے انجیل کی ان پیشگوئیوں سے جو آنے والے بزرگ نبی کے بارے میں تھیں فائدہ اُٹھایا اور مشرف باسلام ہوئے اور جس طرح یہود میں سے اس گروہ نے جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے تھے پیشگوئیوں کے بینات سے دلیل پکڑی تھی اور متشابہات کو چھوڑ دیا تھا ایسا ہی ان بزرگ عیسائیوں نے بھی کیا اور ہزارہا نیک بخت انسان ان میں سے اسلام میں داخل ہوئے۔ غرض ان دونوں قوموں یہود و نصاریٰ میں سے جس گروہ نے متشابہات پر جم کر انکار پر زور دیا اور بینات پیشگوئیوں سے جو ظہور میں آئیں فائدہ نہ اٹھایا ان دونوں گروہ کا قرآن شریف میں جا بجا ذکر ہے اور یہ ذکر اس لیے کیا گیا کہ تا ان کی بدبختی کے ملاحظہ سے مسلمانوں کو سبق حاصل ہو اور اس بات سے متنبہ رہیں کہ یہود و نصاریٰ کی مانند بینات کو چھوڑ کر اور متشابہات میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائیں اور ایسی پیشگوئیوں کے بارے میں جو مامور من اللہ کے لیے پہلے سے بیان کی جاتی ہیں اُمید نہ رکھیں کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کی رُو سے ظاہری طور پر ہی پوری ہوں گی بلکہ اس بات کے ماننے کے لیے تیار رہیں کہ کہ قدیم سنت اللہ کے موافق بعض حصے ایسی پیشگوئیوں کے استعارات اور مجازات کے رنگ میں بھی ہوتے ہیں اور اسی رنگ میں وہ پوری بھی ہو جاتی ہیں مگر غافل اور سطحی خیال کے انسان ہنوز انتظار میں لگے رہتے ہیں کہ گویا ابھی وہ باتیں پوری نہیں ہوئیں بلکہ آئندہ ہوں گی۔ جیسا کہ یہود ابھی تک اس بات کو روتے ہیں کہ ایلیاء نبی دوبارہ دنیا میں آئے گا اور پھر ان کا مسیح موعود بڑے بادشاہ کی طرح ظاہر ہوگا اور یہودیوں کو امارت اور حکومت بخشے گا حالانکہ یہ سب باتیں پوری ہو چکیں اور اس پر انیس سو برس کے قریب عرصہ گذر گیا اور آنے والا آ بھی گیا اور اس دُنیا سے اُٹھایا بھی گیا۔

(البدر جلد ۶ نمبر ۴۷ صفحہ ۳۷۲ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۳ء)

محکم اور متشابہ پیشگوئیاں

یہ بات نہایت کارآمد اور یاد رکھنے کے لائق تھی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور ہو کر آتے ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی یا محدث اور مجدد۔ ان کی نسبت جو پہلی کتابوں میں یا رسولوں کی معرفت پیشگوئیاں کی جاتی ہیں اُن کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ علامات جو ظاہری طور پر وقوع میں آتی ہیں اور ایک متشابہات جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں ہوتی ہیں پس جن

کے دلوں میں زیغ اور کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور طالب صادق بینات اور محکمات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہود اور عیسائیوں کو یہ ابتلاء پیش آچکے ہیں۔ پس مسلمانوں کے اُولُوالابصار کو چاہیئے کہ ان سے عبرت پکڑیں اور صرف متشابہات پر نظر رکھ کر تکذیب میں جلدی نہ کریں اور جو باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے کھل جائیں ان سے اپنی ہدایت کے لیے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شک یقین کو رفع نہیں کر سکتا۔ پس پیشگوئیوں کا وہ دوسرا حصہ جو ظاہری طور پر ابھی پورا نہیں ہوا وہ ایک امر شکی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ابلیاء کے دوبارہ آنے کی طرح وہ حصہ استعارہ یا مجاز کے رنگ میں پورا ہو گیا ہو مگر انتظار کرنے والا اس غلطی میں پڑا ہو کہ وہ ظاہری طور پر کسی دن پورا ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض احادیث کے الفاظ محفوظ نہ رہے ہوں کیونکہ احادیث کے الفاظ وحی متلو کی طرح نہیں اور اکثر احادیث احاد کا مجموعہ ہیں۔ اعتقادی امر تو الگ بات ہے جو چاہو اعتقاد رکھو مگر واقعی اور حقیقی فیصلہ یہی ہے کہ احاد میں عندالعقل امکان تغیرِ الفاظ ہے۔ چنانچہ ایک ہی حدیث جو مختلف طریقوں اور مختلف راویوں سے پہنچتی ہے اکثر ان کے الفاظ اور ترتیب میں بہت سا فرق ہوتا ہے حالانکہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی منہ سے نکلی ہے۔ پس صاف سمجھ آتا ہے کہ چونکہ اکثر راویوں کے الفاظ اور طرزِ بیان جُدا جُدا ہوتے ہیں اس لیے اختلاف پڑ جاتا ہے اور نیز پیشگوئیوں کے متشابہات کے حصہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض واقعات پیشگوئیوں کے جن کا ایک ہی دفعہ ظاہر ہونا امید رکھا گیا ہے وہ تدریجاً ظاہر ہوں یا کسی اَور شخص کے واسطہ سے ظاہر ہوں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کُنجیاں آپ کے ہاتھ پر رکھی گئی ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے تھے اور آنجناب نے نہ قیصر اور کسریٰ کے خزانہ کو دیکھا اور نہ کُنجیاں دیکھیں مگر چونکہ مقدر تھا کہ وہ کُنجیاں حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کو ملیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہی تھا اس لیے عالم وحی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ قرار دیا گیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ دھوکا کھانے والے اسی مقام پر دھوکا کھاتے ہیں وہ اپنی بدقسمتی سے پیشگوئی کے ہر حصہ کی نسبت یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ظاہری طور پر ضرور پورا ہو گا اور پھر جب وقت آتا ہے اور کوئی مامور من اللہ آتا ہے تو جو جو علامتیں اس کے صدق کی نسبت ظاہر ہو جائیں ان کی کچھ پروا نہیں رکھتے اور جو علامتیں ظاہری صورت میں پوری نہ ہوں یا ابھی اُن کا وقت نہ آیا ہو ان کو بار بار پیش کرتے ہیں۔ ہلاک شدہ اُمتیں جنہوں نے سچے نبیوں کو نہیں مانا۔ اُن کی ہلاکت کا اصل موجب یہی تھا اپنے زعم میں تو وہ لوگ اپنے تئیں بڑے ہوشیار جانتے رہے ہیں مگر ان کے اس طریق نے قبولِ حق سے اُن کو بے نصیب رکھا۔

یہ عجیب ہے کہ پیشگوئیوں کی نافہمی کے بارے میں جو کچھ پہلے زمانہ میں یہود اور نصاریٰ سے وقوع میں آیا اور انہوں نے سچوں کو قبول نہ کیا۔ ایسا ہی میری قوم مسلمانوں نے میرے ساتھ معاملہ کیا۔ یہ تو ضروری تھا کہ قدیم سنت اللہ

کے موافق وہ پیشگوئیاں جو مسیح موعود کے بارے میں کی گئیں وہ بھی دو حصوں پر مشتمل ہوتیں۔ ایک حصہ بیّنات کا جو اپنی ظاہری صورت پر واقع ہونے والا تھا اور ایک حصہ متشابہات کا جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں تھا لیکن افسوس کہ اس قوم نے بھی پہلے خطا کار لوگوں کے قدم پر قدم مارا اور متشابہات پر اڑ کر ان بیّنات کو رد کر دیا جو نہایت صفائی سے پُوری ہوگئی تھیں حالانکہ شرط تقویٰ یہ تھی کہ پہلی قوموں کے ابتلاؤں کو یاد کرتے۔ متشابہات پر زور نہ مارتے اور بیّنات سے یعنی ان باتوں اور ان علامتوں سے جو روز روشن کی طرح کھل گئی تھیں فائدہ اُٹھاتے مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی وہ پیشگوئیاں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کے اکثر حصے نہایت صفائی سے پورے ہو چکے ہیں تو نہایت لاپرواہی سے اُن سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اور پیشگوئیوں کی بعض باتیں جو استعارات کے رنگ میں تھیں پیش کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ حصہ پیشگوئیوں کا کیوں ظاہری طور پر پورا نہیں ہوا۔ اور بایں ہمہ جب پہلے مکذبوں کا ذکر آوے جنہوں نے بعینہٖ ان لوگوں کی طرح واقع شدہ علامتوں پر نظر نہ کی اور متشابہات کا حصہ جو پیشگوئیوں میں تھا اور استعارات کے رنگ میں تھا اس کو دیکھ کر کہ وہ ظاہری طور پر پورا نہیں ہوا حق کو قبول نہ کیا۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم ان کے زمانہ میں ہوتے تو ایسا نہ کرتے حالانکہ اب یہ لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں جیسا کہ ان پہلے مکذبوں نے کیا۔ جن ثابت شدہ علامتوں اور نشانوں سے قبول کرنے کی روشنی پیدا ہو سکتی ہے اُن کو قبول نہیں کرتے اور جو استعارات اور مجازات اور متشابہات ہیں اُن کو ہاتھ میں لیے پھرتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں پوری نہیں ہوئیں۔ حالانکہ سنّت اللہ کی تعلیم کے طریق کے موافق ضرور تھا کہ وہ باتیں اس طرح پوری نہ ہوتیں جس طرح ان کا خیال ہے یعنی ظاہری اور جسمانی صورت پر۔ بیشک ایک حصہ ظاہری طور پر اور ایک حصہ مخفی طور پر پورا ہو گیا۔ لیکن اس زمانہ کے متعصب لوگوں کے دلوں نے نہیں چاہا کہ قبول کریں۔ وہ تو ہر ایک ثبوت کو دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو انسان کی مکاری خیال کرتے ہیں۔ جب خدائے قدوس کے پاک الہاموں کو سُنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان کا افتراء ہے مگر اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ کیا کبھی خدا پر افتراء کرنے والے کو مفتریات کے پھیلانے کے لیے وہ مہلت ملی جو سچے ملہموں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی۔ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں کہا کہ الہام کا افتراء کے طور پر دعویٰ کرنے والے ہلاک کئے جائیں گے اور خدا پر جھوٹ بولنے والے پکڑے جائیں گے۔ یہ تو توریت میں بھی ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا اور انجیل میں بھی ہے کہ جھوٹا جلد فنا ہوگا اور اس کی جماعت متفرق ہو جائے گی۔ کیا کوئی ایک نظیر بھی ہے کہ جھوٹے مُلہم نے جو خدا پر افتراء کرنے والا تھا ایام افتراء میں وہ عمر پائی جو اس عاجز کو ایام دعوتِ الہام میں ملی؟ بھلا اگر کوئی نظیر ہے تو پیش تو کرو۔ مَیں نہایت پُرزور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دنیا کی ابتدا سے آج تک ایک نظیر بھی نہیں ملے گی۔

پس کیا کوئی ایسا ہے کہ اس محکم اور قطعی دلیل سے فائدہ اٹھاوے اور خدا تعالیٰ سے ڈرے؟ مَیں نہیں کہتا کہ بُت پرست عمر نہیں پاتے یا دہریہ یا انا الحق کہنے والے جلد پکڑے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان غلطیوں اور ضلالتوں کی سزا دینے کے لیے دوسرا عالم ہے لیکن مَیں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا تعالیٰ پر الہام کا افترا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ الہام مجھ کو ہوا حالانکہ جانتا ہے کہ وہ الہام اس کو نہیں ہوا وہ جلد پکڑا جاتا ہے اور اس کی عمر کے دن بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ قرآن اور انجیل اور تورات نے یہی گواہی دی ہے عقل بھی یہی گواہی دیتی ہے اور اس کے مخالف کوئی منکر کسی تاریخ کے حوالہ سے ایک نظیر بھی پیش نہیں کر سکتا اور نہیں دکھلا سکتا کہ کوئی جھوٹا الہام کا دعویٰ کرنے والا پچیس برس تک یا اٹھارہ برس تک جھوٹے الہام دُنیا میں پھیلاتا رہا اور جھوٹے طور پر خدا کا مقرب اور خدا کا مامور اور خدا کا فرستادہ اپنا نام رکھا اور اس کی تائید میں سالہائے دراز تک اپنی طرف سے الہامات تراش کر مشہور کرتا اور پھر وہ باوجود ان مجرمانہ حرکات کے پکڑا نہ گیا۔ کیا اُمید کی جاتی ہے کہ کوئی ہمارا اس سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے دل جانتے ہیں کہ وہ ان سوالات کے جواب دینے سے عاجز ہیں مگر پھر بھی انکار سے باز نہیں آتے۔ بلکہ بہت سے دلائل سے ان پر حجت وارد ہو گئی۔ مگر وہ خوابِ غفلت میں سو رہے ہیں۔

(البدر جلد ۶ نمبر ۴۸ صفحات ۳۸۲، ۳۸۳ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء)

---

۹ دسمبر ۱۹۰۳ء

ابراہیم علیہ السلام کو معجزانہ طور پر آگ سے بچایا جانا

جماعت میں سے ایک ہمارے مکرم دوست نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے متعلق دریافت کیا کہ آریہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

ان لوگوں کے اعتراض کی اصل جڑ معجزات اور خوارق پر نکتہ چینی کرنا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے دعویٰ کرتے ہیں اور اسی لیے خدا تعالیٰ نے ہمیں مبعوث کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر معجزات اور خوارقِ انبیاء کے مذکور ہوئے ہیں اُن کو خود دکھا کر قرآن کی حقانیت کا ثبوت دیں۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر دُنیا کی کوئی قوم ہمیں آگ میں ڈالے یا کسی اور خطرناک عذاب اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق ضرور ہمیں محفوظ رکھے گا۔

بعد اس کے خدا تعالیٰ کے تصرفات اور اپنے بندوں کو عجیب طرح ہلاکت سے نجات دینے کی مثالیں

دیتے رہنے اور اسی کے ضمن میں فرمایا:۔

مسیح موعود علیہ السلام کی معجزانہ حفاظت

ایک دفعہ کا ذکر ہے جب میں سیالکوٹ میں تھا۔ ایک مکان میں میں اور چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے بجلی پڑی اور ہمارا سارا مکان دھوئیں سے بھر گیا اور اس دروازہ کی چوکھٹ جس کے متصل ایک شخص بیٹھا ہوا تھا ایسی چیری گئی جیسے آرے سے چیری جاتی ہے۔ مگر اس کی جان کو کچھ بھی صدمہ نہ پہنچا لیکن اسی دن۔ بجلی تیجا سنگھ کے شوالہ پر بھی پڑی اور ایک لمبا راستہ اس کے اندر کو چکر کھا کر جاتا تھا جہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تمام چکر بجلی نے بھی کھائے اور جا کر اس پر پڑی اور ایسا جلایا کہ بالکل ایک کوئلے کی شکل اسے کر دیا پھر یہ خدا کا تصرف نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک شخص کو بچا لیا اور ایک کو مار دیا۔ خدا نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے وہ وعدہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا ہے۔

آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے

پس اسے کوئی مخالف آزمالے اور آگ جلا کر ہمیں اس میں ڈال دے آگ ہرگز ہم پر کام نہ کرے گی اور وہ ضرور ہمیں اپنے وعدہ کے موافق بچالے گا لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہم خود آگ میں کودتے پھریں۔ یہ طریق انبیاء کا نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرۃ: ۱۹۶) پس ہم خود آگ میں دیدہ دانستہ نہیں پڑتے۔ بلکہ یہ حفاظت کا وعدہ دشمنوں کے مقابلہ پر ہے کہ اگر وہ آگ میں ہمیں جلانا چاہیں تو ہم ہرگز نہ جلیں گے۔ اس لیے میرا ایمان تو یہ ہے کہ ہمیں تکلف اور تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے خدا کے باطنی تصرفات ہیں ویسے ہی ظاہری بھی ہم مانتے ہیں بلکہ اسی لیے خدا نے اوّل ہی سے الہام کر دیا ہوا ہے کہ آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔

بجز اس طریق کے کہ خدا خود ہی تجلی کرے اور کوئی دوسرا طریق نہیں ہے جس سے اس کی ذات پر یقین کامل حاصل ہو لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۴) سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ابصار پر وہ آپ ہی روشنی ڈالے تو ڈالے۔ ابصار کی مجال نہیں ہے کہ خود اپنی قوت سے اسے شناخت کر لیں ان دنوں میں گھر میں کس قدر تکلیف رہی۔ گھر بھر بیماری میں مبتلا تھا لیکن اس نے اوّل ہی تسلی دے دی تھی کہ

خوش باش عاقبت نکو خواہد بود

آریوں کی خدمتِ اسلام

آریوں کی زبان درازیاں ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ انکے مذہب کی حالت تو افاقۃ الموت ہی معلوم ہوتی ہے۔ طبیبوں نے مانا ہے کہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ جب ایک شخص مرنے کے قریب ہوتا ہے تو بعض اوقات اُٹھ کر بیٹھ جایا کرتا ہے اور معلوم ہوتا

ہے کہ تندرست ہے مگر معاً موت آ دباتی ہے۔ سو ان کا شور و شر بھی ایسا ہی ہے۔ جس مذہب میں روحانیت اور خدا سے صافی تعلق نہیں ہوتا وہ بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے۔ آریوں کی شوخی اور اس جوش و خروش سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زبان درازیوں اور شوخیوں کا بہت جلد خاتمہ ہوگا۔ جب موسم بہار ہوتا ہے تو بہت سے کیڑے پیدا ہوتے ہیں پھر جب اُن کو پَر لگتے ہیں تو وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اب خدا کے فضل سے اسلام کے لیے موسم بہار ہے ضرور ہے کہ ایسے کیڑے پیدا ہوں۔ اب اُن کو پَر لگ گئے ہیں پس یہ بھی تھوڑی مدت کے مہمان ہیں۔ اور اگر ذرا اور غور سے دیکھا جاوے اور اُن کے سب و شتم کو الگ کر دیا جاوے تو ایک طرح سے انہوں نے خدمتِ اسلام کی ہے کیونکہ زمانہ فیج اعوج تھا اور مولویوں وغیرہ سے کب یہ بات ہوئی تھی کہ اس قدر ہندوؤں سے بُت پرستی وغیرہ ترک کرواتے۔ ان لوگوں نے جو ہزاروں دیویوں اور بتوں کو ترک کیا ہے یہ خدمتِ اسلام ہی ہے۔ ذرا روحانیت ان میں آئی تو فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے۔ پہلے زمانوں میں جب ہندو مسلمان ہوتے تھے وہ درحقیقت انتشارِ رُوحانیت کا زمانہ نہ تھا۔ اس لیے گمراہ رہے۔ اب جب رُوحانیت اُن میں پیدا ہوئی اور حق کو انہوں نے شناخت کر لیا تو بڑی شرح صدر اور زور سے اسلام میں داخل ہوں گے۔ یاد رکھو ایسے لوگوں سے ہرگز ڈرنا نہ چاہیئے۔ ڈرنا ایسے شخص سے چاہیئے کہ جس میں روحانیت ہو اس لیے کہ اس کا حملہ خدا کا حملہ ہوتا ہے۔

یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کے معنے

یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کے یہ معنے نہیں ہیں کہ مسیح آکر اپنے ہاتھ سے صلیبوں کو توڑتا پھرے گا بلکہ کسرِ صلیب میں یہ بات داخل ہے اور ہر ایک اُسے بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں کسرِ صلیب کے سامان خود مہیا ہو جاویں گے۔ اس کام کو ایک انسان (مسیح) کی طرف منسوب کرنا میرے نزدیک شرک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود ایسے زمانے کا آدمی ہوگا جس میں یہ سامان موجود ہوں گے اور وہ اس وقت موجود ہیں۔ درحقیقت صلیب کا کاسر مسیح موعود نہ ہوگا بلکہ خود خدا ہوگا۔ اور یہ خیال بھی غلط ہے کہ کوئی عیسائی دُنیا میں نہ رہے گا اسلام ہی اسلام ہوگا جبکہ خدا تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اُن کا وجود قیامت تک رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ کا مذہب ہلاک ہوگا اور عیسائیت نے جو عظمت دلوں پر حاصل کی ہے وہ نہ رہے گی۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۷ صفحہ ۳۷۳، ۳۷۴ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۳ء)

❊ ❊ ❊

۱۱ر دسمبر ۱۹۰۳ء

خلقِ طیور اور احیاءِ موتیٰ کی حقیقت

شام کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ دھرمپال (نو آریہ) نے خلقِ طیور پر اور احیاءِ موتیٰ پر بھی اعتراض کیا ہے۔ اس پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

اصل میں خلقِ طیور اور احیاءِ موتیٰ پر ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اس سے ایسے پرندے مراد ہیں جن کا ذبح کر کے گوشت بھی کھایا جا سکے اور نہ احیاءِ موتیٰ سے یہ مطلب ہے کہ حقیقی مُردہ کا احیاء کیا گیا بلکہ مراد یہ ہے کہ خلقِ طیور اس قسم کا تھا کہ حدِ اعجاز تک پہنچا ہوا تھا اور احیاءِ موتیٰ کے یہ معنے ہیں کہ اوّل رُوحانی زندگی عطا کی جاوے اور دوسرے یہ کہ بذریعہ دُعا ایسے انسان کو شفا دی جاوے کہ وہ گویا مُردوں میں شمار ہو چکا ہو جیسا کہ عام بول چال میں کہا جاتا ہے کہ فلاں تو مر کر جیا ہے۔ لیکن ان باتوں کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ اُن سے صاف طور پر پوچھا جاوے کہ آیا تم لوگ صورتِ اعجاز کے قائل ہو یا نہیں؟ پس اگر وہ منکر ہیں تو اُن کو چاہیئے کہ اشتہار دے دیں اور بہت صاف لفظوں میں دیں پھر شاید اللہ تعالیٰ کوئی اَور کرشمۂ قدرت دکھاوے۔ اگرچہ ایک دفعہ وہ ان کو قائل بھی کر چکا ہے۔ ہم ان کی یہ باتیں فرداً فرداً نہیں سنتے کہ عصائے موسیٰؑ کیا تھا اور خلقِ طیور کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

معجزہ نمائی کا دعویٰ

خدا کا فضل ہمارے شاملِ حال ہے اور وہ ہر وقت ہماری تائید کے لیے تیار ہے وہ صورتِ اعجاز کا انکار شائع کر دیں۔ پھر خدا تعالیٰ کی تائید دیکھ لیویں۔ قرآن کریم میں جس قدر معجزات آگئے ہیں۔ ہم اُن کے دکھانے کو زندہ موجود ہیں خواہ قبولیتِ دُعا کے متعلق ہوں خواہ اَور رنگ کے معجزہ کے۔ معجزہ کے منکر کا یہی جواب ہے کہ اس کو معجزہ دکھایا جاوے اس سے بڑھ کر اَور کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴۷ صفحہ ۳۷۴ مورخہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۰۳ء)

۱۲ر دسمبر ۱۹۰۳ء

الہام

اِنِّیْ حِبَی الرَّحْمٰنِ (مَیں خدا کی باڑ ہوں)۔ فرمایا:۔

یہ خطاب میری طرف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعداء طرح طرح کے منصوبے کرتے

ہوویں گے ایک شعر بھی اس مضمون کا ہے۔

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر ؛ از باغباں تبرس کہ من شاخ مثمرم

بعث بعد الموت

حضرت مولٰنا نور الدین صاحب نے خدمت والا میں عرض کی کہ عزیز کے قصہ کی بابت ایک دفعہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ واقعہ بعث بعد الموت میں انہوں نے دیکھا اس پر آپ نے فرمایا کہ

مرنے کے بعد ایک بعث ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ خدا سے بہت ڈرتا تھا لیکن خدا کی قدرتوں کا اُسے علم نہ تھا۔ تو اس نے وصیت کی کہ جب مَیں مَر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری خاک کو دریا میں ڈال دینا (تاکہ میرے اجزاء ایسے منتشر ہو جاویں کہ پھر جمع نہ ہو سکیں) جب وہ مر گیا تو اُس کے ورثاء نے ایسا ہی کیا، لیکن خدا نے اسے عالمِ برزخ میں پھر زندہ کیا اور پوچھا کہ کیا تو اُس بات کو نہ جانتا تھا کہ ہم تیرے اجزاء کو ہر ایک مقام سے جمع کر سکتے ہیں اور تجھے ہماری قدرتوں کا علم نہ تھا۔ اس نے بیان کیا کہ چونکہ مجھے اپنے گناہوں کی سزا کا خوف تھا۔ اس لیے مَیں نے یہ تجویز کی تھی۔ آخر اس خوف کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُسے بخش دیا۔ تو یہ بھی ایک قسم کا بعث ہے جو کہ قبل قیامت ہوتی ہے۔ اس خیال پر مَیں نے کہا ہوگا۔ مرنے کے بعد ایک ایسی حالت میں بھی انسان پڑتا ہے کہ اسے اپنے وجود کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ ایک نوم کی قسم ہوتی ہے مولوی عبد اللطیف صاحب نے جو شہادت سے اوّل یہ کہا تھا کہ چھ دن کے بعد زندہ ہو جاؤں گا۔ اُس کے معنے بھی یہ ہو سکتے ہیں کہ چھ دن کے بعد میری بعث ہوگی۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔

خارقِ عادت امور کا مشاہدہ

فرمایا کہ

اسی طرح ہم ہر ایک خوارقِ عادت امر پر ایمان لاتے ہیں اور اس امر کی ضرورت نہیں کہ اُس کی تفصیل بھی معلوم ہو۔ بعض وقت ایک آواز آتی ہے لیکن کوئی کلام کرنے والا معلوم نہیں ہوتا۔ اس وقت حیرانی ہوتی ہے۔ تو اس وقت کیا کیا جاوے؟ آخر ایمان لانا پڑتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ایسے اُمور میں آکر انسان کو عرفان سے پھر ایمان کی طرف عود کرنا پڑتا ہے۔

حال میں ایک اخبار میں دیکھا گیا کہ ایک شخص نے کہا کہ مَیں نے ایک ایسی ہانڈی کا پکا ہوا سالن کھایا ہے جو کہ میری پیدائش سے تیس برس پیشتر کی پکی ہوئی تھی۔ جب انسان ہوا وغیرہ سے محفوظ رکھ کر ایک شئے کو اس قدر عرصہ دراز سے محفوظ رکھ سکتا ہے تو اگر خدا رکھے تو کیا بعید ہے۔

اگر یہ لوگ خوارقِ عادت کی جزئیات پر اعتراض کرتے ہیں تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے شاید ۳۰۰ معجزات ہوں گے۔ ہم ان کے ایسے لاکھوں خوارقِ عادت پیش کر کے اعتراض کر سکتے ہیں ان کا کیا جواب

دیں گے؟ ہم تو ان باتوں کو ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت کے تصرفات دیکھتے ہیں۔ یہ کہاں تک اعتراض کریں گے خدا شناسی کا مزا یہی ہے کہ ہر ایک قسم کی قدرت کا جلوہ نظر آوے۔

آریوں کی حالت

آریوں کے خدا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی کے ہاتھ میں ہڈی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر ان کو ایمان نہیں ہے اور جب یہ نہ ہو تو پھر اس سے نہ خوف ہوا نہ طمع نہ محبت نہ عبادت۔ ان کے لیے یہ جواب کافی ہے کہ جیسے ایک اندھے آدمی کے نزدیک ہر ایک رُویت قابلِ اعتراض ہوتی ہے ویسے ہی وہ بھی ان باتوں کے محسوس کرنے سے معذور ہیں کیونکہ ہر ایک شئے کی حس الگ الگ ہے۔ جیسے آنکھ کی حس ہے۔ تو اس سے کان کوئی فائدہ نہیں پا سکتا اور ناک کی حس کو آنکھ شناخت نہیں کر سکتی۔ ایسے ہی ایک انسان جو کہ اعلیٰ قسم کے قویٰ لے کر آیا ہے اور اُسے امور ماوراء العقل کو محسوس کرنے کی قوت دی گئی ہے تو جو وہ دیکھتا ہے اگر دوسرے نہ دیکھیں تو سوائے اعتراض کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ آریوں کی مشابہت اس شخص سے ہو سکتی ہے جس کی ایک آنکھ یا کان نہ ہو اور وہ دوسرے کی آنکھ کان دیکھ کر اعتراض کرے۔ وہ لوگ ان باتوں سے محروم ہیں اس لیے اعتراض کرتے ہیں۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۸ صفحہ ۳۸۳ مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۳ء)

۲۰ر دسمبر ۱۹۰۳ء

بوقتِ ظہر

خدمتِ دین میں آنے والی موت

حکیم آل محمد صاحب تشریف لائے اور حضرت اقدس علیہ السلام سے نیاز حاصل کیا اور عرض کی کہ امروہہ میں میرا یہی کام رہا ہے کہ اس سلسلہ الٰہی کی تبلیغ کروں اور اسی خدمت میں میری جان نکل جاوے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس سے بڑھ کر اَور کیا دینی خدمت ہو گی مرنا تو ہر ایک نے ہی ہے اور اس جان نے ایک دن اس قالب کو چھوڑنا ضرور ہے مگر کیا عمدہ وہ موت ہے جو خدمتِ دین میں آوے۔

بعد نماز مغرب

بے صبری سے ابتلاء پیش آتا ہے

ایک نوجوان نے آکر حضرت اقدس سے ملاقات کی اور عرض کی کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو

حضرت اقدس نے فرمایا کہ کہو

تب انہوں نے اپنی ایک رؤیا سنائی جو کہ عرصہ اڑھائی سال کا ہوا دیکھی تھی۔ اس میں ان کو بتلایا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ آگئے ہوئے ہیں اور وہ مرزا قادیان والا ہے۔ پھر اس کی تائید میں انہوں نے اور چند خوابیں دیکھی تھیں وہ بھی سنائیں۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

یہ ایک دوسرے کی تائید میں ہیں۔

اس اثناء میں جوشیلا نوجوان بول اُٹھا کہ جب تک میرا دل تسلی نہ پکڑے گا۔ نہ مانوں گا اور بیعت نہ کروں گا۔ چونکہ ان کلمات سے خدا تعالیٰ کے انعامات واکرام کی قدر ناشناسی مترشح ہوتی تھی۔

اس پر خدا کے برگزیدہ نے فرمایا:۔

خدا کی قدیم سے عادت ہے کہ صابروں کے سب کام وہ آپ کرتا ہے اور بے صبری سے ابتلا پیش آتا ہے۔ ہماری شریعت میں طلبِ اسباب حرام نہیں ہے ان پر بھروسہ اور توکل ضرور حرام ہے اس لیے کوشش کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں قسم کھاتا ہے فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (النّٰزعٰت:۶) ماسوا اس کے خدا پر توکل اور دُعا کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

سعید آدمی جلد باز نہیں ہوتا اور نہ وہ خدا تعالیٰ سے جلد بازی کرتا ہے خدا کا قانونِ قدرت ہے کہ ہر ایک امر بتدریج ہوتا ہے۔ آج تخم ریزی کرو تو وہ آہستہ آہستہ ایک دانہ سے ایک درخت بن جاوے گا۔ آج اگر رحم میں نطفہ پڑے تو وہ آخر نو ماہ میں جاکر بچہ بنے گا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب بدلہ دیا جائے گا۔ سنت اللہ کی اتباع انسان کو کرنی چاہیئے جب تک خدا خود رُشد اور ہدایت نہ دے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

مومنوں کے طبقات

انبیاء کی صحبت میں کس کس قدر لوگ رہتے تھے مگر سب ایک وقت ایمان نہیں لائے۔ کوئی کسی وقت اور کوئی کسی وقت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا اس نے آپ کا مبارک زمانہ دیکھا مگر ایمان نہ لایا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ دیکھا پھر بھی ایمان نہ لایا۔ اس سے وجہ پوچھی گئی تو بتلایا کہ کچھ میرے شبہات باقی تھے اور کچھ آثار پورے ہونے

والے تھے چونکہ اب وہ پورے ہوئے ہیں اس لیے اب میں ایمان لایا ہوں۔
لیکن یہ اس کی غلطی تھی۔ خدا نے مومنوں کے مختلف طبقات پیدا کئے ہیں لیکن ان میں سے وہ لوگ بہت تعریف کے قابل ہیں جو کسی راستباز کو چہرہ دیکھ کر شناخت کر لیتے ہیں۔
ایمان لانے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک تو وہ جو چہرہ دیکھ کر ایمان لاتے ہیں دوسرے وہ جو نشان دیکھ کر مانتے ہیں۔ تیسرا ایک ارذل گروہ کہ جب ہر طرح سے غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور کوئی وجہ ایمان بالغیب کی باقی نہیں رہتی تو اس وقت ایمان لاتے ہیں جیسے فرعون کہ جب غرق ہونے لگا تو اس وقت اقرار کیا۔
عمر کا اعتبار نہیں ہے غافل رہ کر اس بات کی انتظار کرنا کہ خدا خود خبر دیوے یہ نادانی ہے اب تو خود وقت ہی ایسا ہے کہ انسان خود سمجھ سکتا ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کی کیا حالت ہے۔ ظاہری اور باطنی طور پر صلیبی مذہب غالب ہو گیا ہے تو کیا اب ان وعدوں کی رُو سے جو کہ قرآن میں ہیں یہ وقت نہ تھا کہ خدا اپنے دین کی مدد کرتا۔ اس کے علاوہ مدعی اور اس کے دعویٰ کے دلائل کو دیکھے اور غور کرے۔ جو پیاسا ہے وہ دور رہ کر کنوئیں سے یہ کہے کہ پانی میرے مُنہ میں خود بخود آ جاوے یہ نادانی ہے اور ایسا شخص خدا کی بے ادبی کرتا ہے۔

متقی کی تعریف

تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ جب وہ دیکھے کہ میں گناہ میں پڑتا ہوں تو دُعا اور تدبیر سے کام لیوے ورنہ نادان ہوگا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳-۴) کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہر ایک مشکل اور تنگی سے نجات کی راہ اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے متقی درحقیقت وہ ہے کہ جہانتک اس کی قدرت اور طاقت ہے وہ تدبیر اور تجویز سے کام لیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (البقرۃ: ۲-۴)
ایمان بالغیب کے یہ معنے ہیں کہ وہ خدا سے اَڑ نہیں باندھتے۔ بلکہ جو بات پردۂ غیب میں ہو۔ اس کو قرائن مرجّحہ کے لحاظ سے قبول کرتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ صدق کے وجوہ کذب کے وجوہ پر غالب ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ انسان یہ خیال رکھے کہ آفتاب کی طرح ہر ایک امر اس پر منکشف ہو جاوے۔ اگر ایسا ہو تو پھر بتلاؤ کہ اس کے ثواب حاصل کرنے کا کونسا موقعہ ملا؟ کیا اگر ہم آفتاب کو دیکھ کر کہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے تو ہم کو ثواب ملتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس میں غیب کا پہلو کوئی بھی نہیں، لیکن جب

ملائکہ، خدا اور قیامت وغیرہ پر ایمان لاتے ہیں تو ثواب ملتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان پر ایمان لانے میں ایک پہلو غیب کا پڑا ہوا ہے۔ ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ کچھ اخفاء بھی ہو اور طالب حق چند قرائن صدق کے لحاظ سے ان باتوں کو مان لے۔

اور مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ: ۴) کے یہ معنے ہیں کہ جو کچھ ہم نے ان کو عقل، فکر، فہم فراست اور رزق اور مال وغیرہ عطا کیا ہے اس میں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کے لیے صرف کرتے ہیں یعنی فعل کے ساتھ بھی کوشش کرتے ہیں۔ پس جو شخص دُعا اور کوشش سے مانگتا ہے وہ متقی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحۃ: ۵) یاد رکھو کہ جو شخص پورے فہم اور عقل اور زور سے تلاش نہیں کرتا وہ خدا کے نزدیک ڈھونڈنے والا نہیں قرار پاتا اور اس طرح سے امتحان کرنے والا ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ کوششوں کیساتھ دُعا بھی کرتا ہے اور پھر اسے کوئی لغزش ہوتی ہے تو خدا اُسے بچاتا ہے اور جو آسانی تن کے ساتھ دروازہ پر آتا ہے اور امتحان لیتا ہے تو خدا کو اُس کی پروا نہیں ہے۔ ابوجہل وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تو نصیب ہوئی اور وہ کئی دفعہ آپ کے پاس آیا بھی لیکن چونکہ آزمائش کے لیے آتا رہا اس لیے گر گیا اور اسے ایمان نصیب نہ ہوا۔

بیعت ہم پر احسان نہیں

اگر کوئی شخص بیعت کر کے یہ خیال کرتا ہے کہ ہم پر احسان کرتا ہے تو یاد رکھے کہ ہم پر کوئی احسان نہیں بلکہ یہ خدا کا اس پر احسان ہے کہ اس نے یہ موقعہ اُسے نصیب کیا۔ سب لوگ ایک ہلاکت کے کنارے پر پہنچے ہوئے تھے۔ دین کا نام و نشان نہ تھا اور تباہ ہو رہے تھے۔ خدا نے اس کی دستگیری کی (کہ یہ سلسلہ قائم کیا) اب جو اس مائدہ سے محروم رہتا ہے وہ بے نصیب ہے لیکن جو اس کی طرف آوے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنی پوری کوشش کے بعد دُعا سے کام لیوے۔ جو شخص اس خیال سے آتا ہے کہ آزمائش کرے کہ فلاں سچا ہے یا جھوٹا وہ ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ آدمؑ سے لیکر اس وقت تک کوئی ایسی نظیر نہ پیش کر سکو گے کہ فلاں شخص فلاں نبی کے پاس آزمائش کے لیے آیا اور پھر اسے ایمان نصیب ہوا ہو۔ پس چاہیئے کہ خدا کے آگے روئے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر گریہ وزاری کرے کہ خدا اُسے حق دکھا دے۔

دلیلِ صداقت

وقت خود ایک نشان ہے اور وہ بتلا رہا ہے کہ اس وقت ایک مصلح کی ضرورت ہے۔ اب وقت آزمائش اور امتحان کا ہرگز نہیں ہے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو بتلائے کہ ہمارا کیا بگاڑتا ہے۔ مکہ میں اگر صدہا آدمی انکار کر کے تباہ ہوئے تو بتلاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا کیا بگاڑ لیا۔ ایک مُرتد ہوتا تو خدا سَو اَور لے آتا کیا یہ غور کی بات نہیں کہ اگر ہمارا کارخانہ خدائی نہ ہوتا تو یہ آج تک کب کا تباہ ہو جاتا۔ ایک وہ وقت تھا کہ مَیں اکیلا پھرتا تھا اور اب وہ وقت ہے کہ دو لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ساتھ ہیں۔ آج سے ۲۲۔ ۲۳ برس پیشتر اس نے بتلایا جو کہ براہین میں درج ہے کہ مَیں تجھے کامیاب کروں گا اور لاکھوں آدمیوں کو تیرے ساتھ کروں گا۔ اس کتاب کو لے کر دیکھو اور پڑھو اور پھر سوچو کہ کیا یہ انسان کا فعل ہے کہ اس قدر دراز زمانہ پیشتر ایک خبر کو درج کرے اور پھر اس قدر مخالفت ہو اور وہ بات پوری ہو کر رہے پس جو شخص خدا کے اس فعل پر ایمان نہیں لاتا وہ بدبخت مرے گا۔

نشان نمائی کا مطالبہ کرنیوالے

نشان دیکھنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو لکھرامی کہ شوخی اور شرارت کرتے ہیں اور خدا کی باتوں پر ہنسی اور تمسخر اُن کا کام ہوتا ہے ایسے جہنم واصل ہوتے ہیں جیسے کہ لیکھرام ہوا۔

اور ایک وہ کہ سنّت نبوی کے موافق نشان چاہتے ہیں کہ دُنیا کی حیثیت بھی بنی رہے اور نشان بھی ظاہر ہو یہ نہیں کہ قیامت کا نمونہ اُن کے لیے ظاہر ہو اور خدا تعالیٰ تمام کائنات کو زیر و زبر کر دے (اس صورت میں جب وہ خود مَر ہی جائے گا تو نشان کون دیکھے گا) ایمان کی حد یہی ہے کہ عقل بھی خرچ ہو اور انسان فہم و فراست سے کام لے کر قرائنِ مُرجّحہ کو دیکھے۔ نہ یہ چاہے کہ سب کچھ انکشاف ہو جاوے۔ تو پھر اسے ثواب کس بات کا؟ وہ تو ایمان ہی نہیں ہے جس میں پردہ نہیں ہے اس لیے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ نشان کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں اُن کا ایمان نفع نہ دیگا۔ انسان من وجہ دیکھے کہ زمانہ کی ضرورت کیا تقاضا کرتی ہے۔ وہ ایک مصلح کو چاہتی ہے کہ نہیں۔ پھر ان وعدوں پر نظر ڈالے جو نصرت اور تائید کے خدا نے ہم سے قبل از وقت کئے اور وہ سب پورے ہوئے غرضیکہ ان سب باتوں پر جب یکجائی نظر کر کے پھر بھی کوئی نہیں مانتا تو وہ کبھی نہ مانے گا۔ ایسے ضدی لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کہا کہ حرامکار لوگ معجزہ طلب کرتے ہیں مگر اُن کو کوئی معجزہ نہ دیا جاوے گا۔ پس ایسی باتوں سے ڈرنا چاہیئے۔ آبائی تقلید اور رسم اور عقائد کی پابندی کا ڈر نہ ہونا چاہیئے یہ کوئی شئے نہیں ہیں۔ نہ اُن سے انسان کو تسلی ملتی ہے۔ وہ نُور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ حقیقی تسلی دیتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۴۸ صفحہ ۳۸۳ - ۳۸۴ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء)

۲۱ دسمبر ۱۹۰۳ء

تقریر کی اہمیت

بعد نماز عید الفطر ظہر کے وقت جب حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے تو بعض احباب نے ذکر کیا کہ گورداسپور میں چند ایک شخص ایسے ہیں جن

کو بڑا اشتیاق حضور کی زبان مبارک سے دعویٰ سننے کا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ :۔
اگر کوئی تقریب نکل آئی تو انشاء اللہ وہاں ایک مجمع کر کے بیان کر دیئے جاویں گے اصل ذریعہ تبلیغ کا تقریر ہی ہے اور انبیاء اس کے وارث ہیں۔ اب انگریزوں نے اسی کی تقلید کی ہے۔ بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں انکا طریق تعلیم یہی ہے کہ تقریروں کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت اس قدر لمبی تقریر فرماتے تھے کہ صبح سے لیکر شام تک ختم نہ ہوتی تھی۔ درمیان میں نمازیں آجاتیں تو آپ ان کو ادا کر کے پھر تقریر شروع کر دیتے تھے۔

مامورین سے غریب لوگ ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں

اپنے مخالفین اور طبقہ امراء و رؤساء کے متعلق فرمایا کہ :۔
میرا خیال ہے کہ اکثر اُن میں سے بدنصیب ہی مریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کسقدر بادشاہ تھے جو اس وقت آپ کے معاصرین سے تھے لیکن اُن کو قبولیت کی توفیق عطا نہیں ہوئی۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُن کے بعد غریبوں کو بادشاہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہمارے متبعین پر بھی ایک زمانہ ایسا آویگا کہ عروج ہی عروج ہوگا، لیکن یہ ہمیں خبر نہیں کہ ہمارے دَور میں ہو یا ہمارے بعد ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سو یہ بات ابھی پوری ہونے والی ہے۔ یہ لوگ اگر اس وقت سمجھ بھی لیویں تو بھی جو اِن کی خود تراشیدہ مصلحتیں ہیں وہ قبولیت کی اجازت نہیں دیتیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی سُنّت ہے کہ اوّل گروہ غرباء کو اپنے لیے منتخب کیا کرتا ہے اور پھر انہیں کو کامیابی اور عروج حاصل ہوا کرتا ہے۔ کوئی نبی نہیں گذرا کہ وہ (ظاہری حیثیت سے بھی) دنیا میں ناکامیاب رہا ہو۔ ہمیں اس امر سے ہرگز تعجب نہیں کہ ہمارے متبعین امیر نہ ہوں گے۔ امیر تو یہ ضرور ہونگے لیکن افسوس اس بات سے آتا ہے کہ اگر یہ دولت مند ہو گئے تو پھر انہی لوگوں کے ہمرنگ ہو کر دین سے غافل نہ ہو جاویں اور دنیا کو مقدم کر لیں۔ جب تک کمزوری اور غریبی ہوتی ہے تب تک تقویٰ بھی انسان کے اندر ہوتا ہے۔ صحابہؓ کی بھی اوّل یہی حالت تھی۔ پھر جب کروڑہا مسلمان ہو گئے اور تمول وغیرہ اُن میں آگیا تو خبیث بھی آکر شامل ہو گئے۔ ہم بھی خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ ہماری جماعت کی تعداد غرباء میں ترقی کر رہی ہے۔

بعد نماز مغرب

مسیح موعود علیہ السلام کی سادگی

بعد ادائیگی نماز مغرب حضرت اقدس نے جلسہ فرمایا۔
تھوڑی دیر کے بعد جناب نواب محمد علی خانصاحب کے

صاحبزادہ زریں لباس سے مُلبّس حضور کی خدمت میں نیازمندانہ طریق پر حاضر ہوئے۔ آپ نے انکو اپنے پاس جگہ دی۔ ان کو اس ہیئت میں دیکھ کر خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نے بڑی سادگی سے جناب نواب صاحب سے دریافت کیا کہ ان کی کیا رسم ادا ہونی ہے؟ نواب صاحب نے جواب دیا کہ آمین ہے۔ اس اثناء میں ایک سروپا کا تھال آیا اور وہ حضور علیہ السلام کے روبرو دھرا گیا۔ چند لمحہ کے بعد پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اب آگے کیا ہونا ہے۔ عرض کی گئی کہ اسے دستِ مبارک لگا دیا جاوے اور دُعا فرمائی جاوے۔ چنانچہ حضور نے ایسا ہی کیا اور پھر فوراً تشریف لے گئے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۸ جنوری ۱۹۰۴ء)

---

۲۳ دسمبر ۱۹۰۳ء

اسوۂ عبداللطیف کا اتباع

فرمایا کہ
عبداللطیف صاحب ایک اُسوہ چھوڑ گئے ہیں جس کی اتباع جماعت کو چاہیئے۔

صُحبت کی اہمیت

ایک انگریز کا ذکر تھا جو کہ اپنی عقیدت حضرت اقدس کے ساتھ ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا ارادہ ہے کہ کشمیر میں ایک بڑا ہوٹل بناؤں اور وہاں ہر ملک و دیار کے لوگ جو سیر و سیاحت کے لیے آتے ہیں ان کو تبلیغ کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔
ہمیں اس سے دُنیا داری کی بُو آتی ہے۔ اگر اسے سچا اخلاص خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس کی غرض تحصیل دین ہے تو اول یہاں آکر رہے۔

سُنّت اللہ کے آگے عقل کی بھی کچھ پیش نہیں چلتی۔ عقل تو یہی چاہتی تھی۔ کہ فی الفور ان باتوں کو مان لیا جاوے جو ہم نے پیش کی ہیں مگر سنت اللہ نہ چاہتی تھی۔ کسی فرقہ میں شامل ہونے کے لیے سچا جوش اسی وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ اوّل کامل وجوہات دل میں جانشین ہوں۔ اس کے بعد پھر وہ شخص ہر ایک بات کو قبول کر لیتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور بڑے بڑے نقصان برداشت کئے۔ اُن کو اس بات کا علم تھا کہ صحبت سے جو بات حاصل ہوتی ہے وہ اور طرح ہرگز حاصل نہ ہوگی۔ حُسنِ ظن بھی اگرچہ عمدہ شئے ہے مگر افراط تک اسے پہنچانا غلطی ہے۔ ہمارے حصہ کا جو یورپین ہوگا ہم خود اسے پہچان لیں گے کہ یہ ہے۔

عجائباتِ قدرت دکھلانے کے لیے ضروری ہے کہ مخالفت بھی ہو اور روکنے والے بھی ہوں کیونکہ بغیر اس کے خدا تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۸ رجنوری ۱۹۰۴ء)

---

۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء

ایک معجزہ

یہ ایک معجزہ ہے اور بڑی خوبی کا معجزہ ہے۔ بشرطیکہ انصاف سے اس پر نظر کی جاوے کہ آج سے ۲۳ یا ۲۴ برس پیشتر کی کتاب براہین احمدیہ تصنیف شدہ ہے اور اس کی جلدیں اسی وقت کی ہر ایک مذہب اور ملت کے پاس موجود ہیں۔ یورپ بھی بھیجی گئی، امریکہ میں بھی بھیجی گئی لنڈن میں اس کی کاپی موجود ہے۔ اس میں بڑی وضاحت سے یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ فوج در فوج تمہارے ساتھ ہوں گے۔ حالانکہ جب یہ کلمات لکھے اور شائع کئے گئے تھے اس وقت فردِ واحد بھی میرے ساتھ نہ تھا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے ایک دُعا سکھلائی جو کہ بطور گواہ اس میں لکھی ہوئی ہے رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ (الانبیاء: ۹۰) خدا تعالیٰ کا اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ تو اکیلا ہے اور پھر تاکید کی کہ تو مخلوق کی ملاقات سے تھکنا مت اور چیں بجبیں نہ ہونا۔ تو اب غور کرنے کی جا ہے کہ کیا یہ کسی انسان کا اقرار ہو سکتا ہے اور پھر ایک زبان میں نہیں بلکہ چار زبانوں میں یہ الہام فوج در فوج لوگوں کے ساتھ ہونے کا ہے یعنی انگریزی، اُردو، فارسی، عربی میں۔ بڑے بڑے گواہ اگرچہ ہمارے مخالف ہیں۔ موجود ہیں۔ محمد حسین بھی زندہ ہے۔ یہاں کے لوگ بھی جانتے ہیں۔ کیا وہ بتلا سکتے ہیں کہ اس وقت کون کون ہمارے ساتھ تھا۔ بلکہ وہ ایک گم زمانہ تھا۔ کوئی مجھے نہ جانتا تھا۔ اب دیکھو کہ وہ بات کیسی پوری ہوئی ہے حالانکہ ہر فرقہ اور ملت کے لوگوں نے ناخنوں تک مخالفت میں زور لگایا اور ہماری ترقی اور کامیابی کو روکنا چاہا لیکن اُن کی کوئی پیش نہ گئی اور اس مخالفت کا ذکر بھی اسی کتاب براہین میں موجود ہے۔ اب بتلا دیں کہ کیا یہ معجزہ ہے کہ نہیں؟ ہم اُن سے نظیر طلب کرتے ہیں کہ آدمؑ سے لے کر اس وقت تک وہ کسی ایسے مفتری کی خبر دیویں کہ اس نے افترا علی اللہ کیا ہو اور اس پر مُصرّ رہ کر ۲۴ یا ۲۵ سال کا زمانہ پایا ہو۔ یہ ایک بڑا نشان اور معجزہ ہے۔ اسے عقلمندوں اور اہل الرائے کو دکھلاؤ اور اُنکے سامنے پیش کرو کہ وہ اس کی نظیر پیش کریں کہ اس طرح کی پیشگوئی ہو اور باوجود اس قدر مخالفت کے پھر پوری ہو جاوے ایک طالبِ حق کے لیے یہ معجزہ کافی ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۸ رجنوری ۱۹۰۴ء)

۲۵ر دسمبر ۱۹۰۳ء

اکرامِ ضیف

شام کے وقت بہت سے احباب بیرونجات سے آئے ہوئے تھے۔ آپ نے میاں نجم الدین صاحب مہتمم لنگر خانہ کو بلوا کر تاکیداً فرمایا کہ:۔

دیکھو بہت سے مہمان آئے ہوئے ہیں ان میں سے بعض کو تم شناخت کرتے ہو اور بعض کو نہیں۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ سب کو واجب الاکرام جان کر تواضع کرو۔ سردی کا موسم ہے چائے پلاؤ اور تکلیف کسی کو نہ ہو۔ تم پر میرا حسنِ ظن ہے کہ مہمانوں کو آرام دیتے ہو۔ ان سب کی خوب خدمت کرو۔ اگر کسی کو گھر یا مکان میں سردی ہو تو لکڑی یا کوئلہ کا انتظام کر دو۔

دینی علوم کی تحصیل کیلئے تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ہے

جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے روشنی نہ ہو تب تک انسان کو یقین نہیں ملتا۔ اس کی باتوں میں تناقض ہوگا۔ دینی اور دنیاوی علوم میں یہ فرق ہے کہ دنیاوی علوم کی تحصیل اور اُنکی باریکیوں پر واقف ہونے کے لیے تقویٰ طہارت کی ضرورت نہیں ہے ایک پلید سے پلید انسان خواہ کیسا ہی فاسق فاجر ہو، ظالم ہو، وہ اُن کو حاصل کر سکتا ہے چوڑھے چمار بھی ڈگریاں پا لیتے ہیں، لیکن دینی علوم اس قسم کے نہیں ہیں کہ ہر ایک اُن کو حاصل کر سکے ان کی تحصیل کے لیے تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ: ۸۰) پس جس شخص کو دینی علوم حاصل کرنے کی خواہش ہے اسے لازم ہے کہ تقویٰ میں ترقی کرے۔ جس قدر وہ ترقی کرے گا اسی قدر لطیف دقائق اور حقائق اس پر کھلیں گے۔

تقویٰ کا مرحلہ بڑا مشکل ہے اُسے وہی طے کر سکتا ہے جو بالکل خدا تعالیٰ کی مرضی پر چلے۔ جو وہ چاہے وہ کرے اپنی مرضی نہ کرے۔ بناوٹ سے کوئی حاصل کرنا چاہے تو ہرگز نہ ہوگا۔ اس لیے خدا کے فضل کی ضرورت ہے اور وہ اسی طرح سے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو دُعا کرے اور ایک طرف کوشش کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ نے دُعا اور کوشش دونو کی تاکید فرمائی ہے۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ میں تو دُعا کی تاکید فرمائی ہے۔ اور وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) میں کوشش کی جب تک تقویٰ نہ ہوگا اولیاء الرحمٰن میں ہرگز داخل نہ ہوگا اور جب تک یہ نہ ہوگا حقائق اور معارف ہرگز نہ کھلیں گے۔ قرآن شریف کی عروس اسی وقت پردہ اُٹھاتی ہے جب اندرونی غبار دُور ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جس قدر محنت اور دُعا دنیوی اُمور کے لیے ہوتی ہے خدا تعالیٰ کے لیے اس قدر بالکل نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو عام رسمی رواجی الفاظ میں کہ صرف زبان پر

ہی وہ مضمون ہوتا ہے نہ کہ دل میں۔ اپنے نفس کے لیے تو بڑے سوز اور گدازش سے دعائیں کرتے ہیں کہ قرض سے خلاصی ہو یا فلاں مقدمہ میں فتح ہو یا مرض سے نجات ملے مگر دین کے لیے ہرگز وہ سوزش و گدازش نہیں ہوتی۔ دُعا صرف لفظوں کا نام نہیں کہ موٹے اور عمدہ عمدہ لفظ بول لیے بلکہ یہ اصل میں ایک موت ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) کے یہی معنے ہیں کہ انسان سوز و گدازش میں اپنی حالت موت تک پہنچا دے مگر جاہل لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف اکثر دھوکا کھاتے ہیں۔ جب کوئی خوش قسمت انسان ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ دُنیا اور اس کے افکار کیا شئے ہے۔ اصل بات تو دین ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہوا تو سب ٹھیک ہے۔ ؎

شبِ تنور گذشت و شبِ سمور گذشت

یہ زندگی خواہ تنگی سے گذرے خواہ فراخی سے وہ آخرت کی فکر کرتا ہے۔

کوئی پاک نہیں بن سکتا جب تک خدا تعالیٰ نہ بنا دے۔ جب خدا تعالیٰ کے دروازہ پر تذلل اور عجز سے اس کی رُوح گرے گی تو خدا تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا اور وہ متقی بنے گا اور اس وقت وہ اس قابل ہو سکے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو سمجھ سکے۔ اس کے بغیر جو کچھ وہ دین دین کر کے پکارتا ہے اور عبادت وغیرہ کرتا ہے۔ وہ ایک رسمی بات اور خیالات ہیں کہ آبائی تقلید سے سُن سُنا کر بجا لاتا ہے۔ کوئی حقیقت اور رُوحانیت اس کے اندر نہیں ہوتی۔

لیلۃ القدر کے معنے اور اس میں عمل کی قدر

اس سے پیشتر بھی مَیں نے لکھا ہے کہ ہم لیلۃ القدر کے دونو معنوں کو مانتے ہیں ایک وہ جو عُرف عام میں ہیں کہ بعض راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خدا تعالیٰ اُن میں دُعائیں قبول کرتا ہے اور ایک اس سے مراد تاریکی کے زمانہ کی ہے جس میں عام ظلمت پھیل جاتی ہے۔ حقیقی دین کا نام و نشان نہیں رہتا۔ اس میں جو شخص خدا تعالیٰ کے سچے متلاشی ہوتے ہیں۔ اور اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ بڑے قابلِ قدر ہوتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ ہو اور اس کا ایک بڑا لشکر ہو۔ دشمن کے مقابلہ کے وقت سب لشکر بھاگ جاوے اور صرف ایک یا دو آدمی رہ جاویں اور انہیں کے ذریعہ سے اسے فتح حاصل ہو۔ تو اب دیکھ لو کہ ان ایک یا دو کی بادشاہ کی نظر میں کیا قدر ہو گی۔ پس اس وقت جبکہ ہر طرف دہریت پھیلی ہوئی ہے کوئی تو قول سے اور کوئی عمل سے خدا تعالیٰ کا انکار کر رہا ہے۔ ایسے وقت میں جو خدا تعالیٰ کا حقیقی پرستار ہو گا وہ بڑا قابلِ قدر ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی لیلۃ القدر کا زمانہ تھا۔ اس وقت کی تاریکی اور ظلمت کی بھی کوئی انتہا نہ تھی ایک طرف یہود گمراہ۔ ایک طرف عیسائی گمراہ۔ ادھر ہندوستان میں دیوتا پرستی۔ آتش پرستی وغیرہ۔ گویا سب دنیا میں بگاڑ پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت بھی جبکہ ظلمت انتہا تک پہنچ گئی تھی تو اس نے تقاضا کیا تھا کہ ایک نور آسمان سے نازل

ہو۔ سو وہ نور جو نازل ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تھی۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ظلمت اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو وہ نور کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جیسے کہ جب چاند کی ۲۹ تاریخ ہو جاتی ہے اور رات بالکل اندھیری ہوتی ہے تو نئے چاند کے نکلنے کا وقت ہوتا ہے تو اُس زمانہ کو بھی خدا تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا ہے جیسے کہ فرماتا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۲) اسی طرح جب نور اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو پھر وہ گھٹنا شروع ہوتا ہے جیسے کہ چاند کو دیکھتے ہو اور اسی طرح سے یہ قیامت تک رہے گا کہ ایک وقت نور کا غلبہ ہوگا اور ایک وقت ظلمت کا۔

خداشناسی کی ضرورت

یہ دنیا چند روزہ ہے اور ایسا مقام ہے کہ آخر فنا ہے۔ اندر ہی اندر اس فنا کا سامان لگا ہوا ہے وہ اپنا کام کر رہا ہے مگر خبر نہیں ہوتی اس لیے خداشناسی کی طرف قدم جلد اُٹھانا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا مزا اُسے آتا ہے جو اسے شناخت کرے اور جو اس کی طرف صدق و وفا سے قدم نہیں اُٹھاتا اس کی دُعا کھلے طور پر قبول نہیں ہوتی۔ اور کوئی نہ کوئی حصہ تاریکی کا اسے لگا ہی رہتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف ذرا سی حرکت کروگے تو وہ اس سے زیادہ تمہاری طرف حرکت کرے گا، لیکن اوّل تمہاری طرف سے حرکت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ خام خیالی ہے کہ بلا حرکت کئے اس سے کسی قسم کی توقع رکھی جاوے یہ سنت اللہ اسی طریق سے جاری ہے کہ ابتدا میں انسان سے ایک فعل صادر ہوتا ہے۔ پھر اس پر خدا تعالےٰ کا ایک فعل نتیجۃً ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مکان کے کل دروازے بند کر دے گا تو یہ بند کرنا اس کا فعل ہوگا۔ خدا تعالیٰ کا فعل اس پر یہ ظاہر ہوگا کہ اس مکان میں اندھیرا ہو جاوے گا لیکن انسان کو اس کوچہ میں پڑ کر صبر سے کام لینا چاہیئے۔

بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے سب نیکیاں کیں۔ نماز بھی پڑھی روزے بھی رکھے۔ صدقہ خیرات بھی دیا مجاہدہ بھی کیا مگر ہمیں وصول کچھ نہیں ہوا۔ تو ایسے لوگ شقی ازلی ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ انہوں نے سب اعمال خدا تعالیٰ کے لیے کئے ہوتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے لیے کوئی فعل کیا جاوے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ضائع ہو اور خدا تعالیٰ اس کا اجر اسی زندگی میں نہ دیوے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ شکوک و شبہات میں رہتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا کوئی پتہ نہیں لگتا کہ ہے بھی کہ نہیں۔ ایک پارچہ سلا ہوا ہو تو انسان جان لیتا ہے کہ اس کے سینے والا ضرور کوئی ہے۔ ایک گھڑی ہے وقت دیتی ہے۔ اگر جنگل میں بھی انسان کو مل جاوے تو وہ خیال کرے گا کہ اس کا بنانے والا ضرور ہے۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کے افعال کو دیکھو کہ اس نے کس کس قسم کی گھڑیاں بنا رکھی ہیں اور کیسے کیسے عجائباتِ قدرت ہیں ایک طرف تو اس کی ہستی کے عقلی دلائل ہیں۔ ایک طرف نشانات ہیں۔ وہ انسان کو منوا دیتے ہیں کہ ایک عظیم الشان قدرتوں والا خدا موجود ہے وہ پہلے اپنے برگزیدہ

پر اپنا ارادہ ظاہر فرماتا ہے اور یہی بھاری شے ہے جو انبیاء لاتے ہیں اور جس کا نام پیشگوئی ہے۔ ایک انسان کاغذ کا کبوتر بنا کر دکھلاوے تو اس کی نظیر دوسرے بھی کر کے دکھا دیتے ہیں اور اُسے اعجاز میں شمار نہیں کیا جاتا۔ مگر پیشگوئی کا میدان وسیع ہے۔ اس کی نظیر پیدا کرنا انسان کا کام نہیں۔ ہزار ہزار برس پیشتر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنے ارادہ سے اطلاع دیتا ہے اور پھر وہ بات اپنے وقت پر پوری ہو کر رہتی ہے۔ مثلاً براہین کی ہی پیشگوئیوں کو دیکھو کہ جسقدر مخالفت ہو رہی ہے۔ مقدمات ہوئے۔ گورنمنٹ تک نوبت پہنچی۔ یہ سب اوّل سے اس میں درج ہیں اور پھر کامیابی، فتح اور نصرت کی بھی خبر اوّل سے ہی دیدی۔ کوئی سوچ کر بتلاوے کہ اس میں کیا فریب اور شعبدہ ہے۔ ۲۳-۲۴ سال پیشتر کی چھپی ہوئی یہ کتاب ہے۔ کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کون کون ہوتا تھا۔ اگر اہل الرائے کے نزدیک یہ ایک انسانی فعل ہے اور خدا تعالیٰ کا نہیں ہے تو وہ اس کی نظیر پیش کریں لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے جبکہ یہ حال ہے تو پھر اُسے کیوں خدا تعالیٰ کا کلام نہ کہا جاوے۔

جس قدر لوگ ہماری صحبت میں رہنے والے ہیں ان میں کوئی اُٹھ کر بتلا دے کہ کیا کوئی ایسا فرد بشر بھی ہے کہ اس نے کوئی نشان نہ دیکھا ہو۔ ہمارے پر سلطنت ایسے لوگوں کی ہے جو سچے اور کامل خدا سے بالکل بے خبر ہیں۔ دنیاوی امور میں اس قدر مصروفیت ہے کہ دین سے بالکل غافل رہے اور وہی فلسفہ کا زور۔ اس لیے دہریت اُن میں آگئی۔ اب ہمارا بڑا کام یہ ہے کہ نئے سرے سے بنیاد ڈالیں اور ان کو دکھا دیویں کہ خُدا ہے۔

ہر ایک ہمارے پاس کسی نہ کسی ضرورت کے لیے آتا ہے مگر اصل میں بڑی ضرورت خدا شناسی کی ہے۔ اسی کے نہ ہونے سے گناہ ہوتا ہے۔ کُتا ایک ذلیل سے ذلیل جانور ہے مگر اس سے خوف زدہ ہو کر وہ راہ چھوڑ دیتا ہے اسی طرح جس راہ میں اسے علم ہو کہ سانپ یا بھیڑیا ہے تو اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ جب وہ ادنیٰ ترین جانوروں سے ڈرتا ہے تو کیا خدا کے وجود کا اسے اتنا بھی خوف نہیں کہ اس سے ڈر کر گناہ سے باز رہے۔ زہر اس کے سامنے ہو تو اُسے نہیں کھائے گا لیکن گناہ کو دیدہ دانستہ کر لیگا۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں ہے۔ حالانکہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اُس نے ایک جہنم یہاں بھی تیار کر رکھا ہے کہ جب کوئی بدکاری کرتا ہے تو اس کی سزا بھی ساتھ ہی پاتا ہے۔ جس کسی کی جہنمی زندگی ہے وہ خوب محسوس کر لیگا۔ سچی بات یہ ہے کہ جرائم پیشہ کو وہ کبھی نہیں چھوڑتا جو شخص دلیری اور چالاکی سے گناہ کرتا ہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ یہ تو جسمانی طور پر گناہ کی سزا ہے لیکن رُوحانی طور پر بھی جو شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ جہنم ہی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ حیوانوں کی طرح کھا پی لیا اور عورتوں کے پاس ہو آیا۔ اگر اسی کا نام زندگی ہے تو بتلاؤ کہ حیوانوں میں اور اس میں کیا فرق ہے اور حیوانوں سے زائد قویٰ عقل و فکر وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے اُسے کیوں دیئے۔ جو لوگ ان قویٰ سے کام نہیں لیتے ان کو خدا تعالیٰ

اَضَلّ از اَنعام قرار دیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اس نے قویٰ کو معطل کر دیا۔ بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انسان کو حقیقی طور پر معلوم ہو جاوے کہ خُدا ہے۔

جس قدر جرائم۔ معاصی اور غفلت وغیرہ ہوتی ہے ان سب کی جڑ خدا شناسی میں نقص ہے۔ اسی نقص کی وجہ سے گناہ میں دلیری ہوتی ہے۔ بدی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اور آخر کار بد چلنی کی وجہ سے آتشک کی نوبت آتی ہے پھر اس سے جذام ہوتا ہے جس سے نوبت موت تک پہنچتی ہے۔ حالانکہ اگر بدکار آدمی بدکاری میں لذت حاصل نہ کرے تو خدا تعالےٰ اسے لذت اَور طریق سے دے دیگا یا اس کے جائز وسائل بہم پہنچا دے گا۔ مثلاً اگر چور چوری کرنا ترک کر دے تو خدا تعالیٰ اسے مقدر رزق ایسے طریق سے دیدے گا کہ حلال ہو اور حرامکار حرامکاری نہ کرے تو خدا تعالیٰ نے اس پر حلال عورتوں کا دروازہ بند نہیں کر دیا۔ اسی لیے بدنظری اور بدکاری سے بچنے کے لیے ہم نے اپنی جماعت کو کثرت ازدواج کی بھی نصیحت کی ہے کہ تقویٰ کے لحاظ سے اگر وہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا چاہیں تو کر لیں مگر خدا تعالیٰ کی معصیت کے مرتکب نہ ہوں۔ پھر گناہ کر کے جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۸ جنوری ۱۹۰۴ء)

---

۲۶ دسمبر ۱۹۰۳ء

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت کا درجہ

صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی نسبت حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

وہ ایک اُسوۂ حسنہ چھوڑ گئے ہیں اور اگر غور سے دیکھا جاوے تو اُن کا واقعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ وہ تو مقید نہ تھے۔ نہ اُن کو زنجیریں ڈالی گئی تھیں۔ صرف ایک قسم کا جنگ تھا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بھی کچھ فوج تھی۔ اگر اُن کے آدمی مارے گئے تو آخر اُنکے آدمیوں نے بھی تو یزید کے آدمیوں کو مارا۔ اور نہ جان بچانے کا کوئی موقعہ اُن کو ملا۔ مگر یہاں عبداللطیف صاحب مقید تھے۔ زنجیریں اُن کے ہاتھ پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں۔ مقابلہ کرنے کی اُن کو قوت نہ تھی اور بار بار جان بچانے کا موقعہ دیا جاتا تھا۔ یہ اس قسم کی شہادت واقع ہوئی ہے کہ اس کی نظیر تیرہ سو سال میں ملنی محال ہے۔ عام معمولی زندگی کا چھوڑنا محال ہوا کرتا ہے حالانکہ اُن کی زندگی ایک تنعم کی زندگی تھی۔ مال۔ دولت۔ جاہ و ثروت سب کچھ موجود تھا۔ اور اگر وہ امیر کا کہنا مان لیتے تو اُن کی عزت اَور بڑھ جاتی مگر انہوں نے ان سب پر لات مار کر اور دیدہ دانستہ بال بچوں

کو کچل کر موت کو قبول کیا۔ انہوں نے بڑا تعجب انگیز نمونہ دکھلایا ہے اور اس قسم کے ایمان کو حاصل کرنے کی کوشش ہر ایک کو کرنی چاہیئے۔ جماعت کو چاہیئے کہ اس کتاب (تذکرۃ الشہادتین) کو بار بار پڑھیں اور فکر کریں اور دُعا کریں کہ ایسا ہی ایمان حاصل ہو۔

مومنوں کے دو گروہ ہوتے ہیں۔ ایک تو جان کو فدا کرنے والے اور دوسرے جو ابھی منتظر ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ہماری جماعت کے بہت سے لوگوں میں سے وہ چودہ[1] اچھے ہیں جو کہ قید میں ہیں۔ ابھی بہت سا حصہ ایسا ہے جو کہ صرف دنیا کو چاہتا ہے حالانکہ جانتے ہیں کہ مرجانا ہے اور موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے مگر پھر بھی دنیا کا خیال بہت ہے۔ اس سرزمین (پنجاب) میں بزدلی بہت ہے۔ بہت کم ایسے آدمی ہیں کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہیں۔ اکثر خیال بیوی بچوں کا رہتا ہے۔ دو دو آنہ پر جھوٹی گواہی دیتے ہیں مگر اس کے مقابلہ پر سرزمین کابل میں وفا کا مادہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ لوگ قرب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں (بشرطیکہ مامور من اللہ کی آواز کو گوشِ دل سے سنیں) خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی ہے جیسا کہ فرمایا ہے اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (النجم: ۳۸) کہ اس نے جو عہد کیا اسے پورا کر کے دکھایا۔ لوگوں کا دستور ہے کہ حالت تنعم میں وہ خدا تعالیٰ سے برگشتہ رہتے ہیں اور جب مصیبت اور تکلیف پڑتی ہے تو لمبی چوڑی دُعائیں مانگتے ہیں اور ذرا سے ابتلاء سے خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اس شرط پر ماننے کے لیے تیار ہیں کہ وہ ان کی مرضی کے برخلاف کچھ نہ کرے۔ حالانکہ دوستی کا اصول یہ ہے کہ کبھی اپنی اس سے منوائے اور کبھی اس کی آپ مانے اور یہی طریق خدا تعالیٰ نے بھی بتلایا ہے کہ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) کہ تم مانگو تو میں تمہیں دوں گا یعنی تمہاری بات مانوں گا اور دوسری جگہ اپنی منواتا ہے اور فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (البقرۃ: ۱۵۶) مگر یہاں آج کل لوگ خدا تعالیٰ کو مثل غلام کے اپنی مرضی کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ غوث، قطب، ابدال اور اولیاء وغیرہ جس قدر لوگ ہوئے ہیں۔ اُن کو یہ سب مراتب اسی لیے ملے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھتے چلے آئے۔ چونکہ افغانستان کے لوگوں میں یہ مادہ وفا کا زیادہ پایا جاتا ہے اس لیے کیا تعجب ہے کہ وہ لوگ ان لوگوں (اہلِ پنجاب) سے آگے بڑھ جاویں اور گوئے سبقت لے جاویں اور یہ پیچھے رہ جاویں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے عہد کے اس قدر پابند ہیں کہ جان تک کی پروا نہیں کرتے نہ مال کی نہ بیوی کی نہ بچے کی جس کا نمونہ ابھی مولوی عبداللطیف صاحب نے دکھا دیا ہے۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۸ جنوری ۱۹۰۳ء)

---

[1] صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب کی شہادت کے بعد چودہ آدمی اس وجہ سے بادشاہ کابل نے قید کر دیئے کہ وہ کہتے تھے کہ صاحبزادہ صاحب پر ظلم ہوا۔ اور صاحبزادہ صاحب حق پر تھے۔ (مرتب)

سلسلۂ احمدیہ کے قیام کی غرض

۲۶ دسمبر ۱۹۰۳ء کو بعد نماز ظہر مسجد اقصیٰ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک پُر تاثیر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

مَیں نے اس واسطے چند کلمات کے بیان کرنے کی ضرورت سمجھی ہے کہ چونکہ موت کا اعتبار نہیں ہے اور کوئی شخص اپنی نسبت یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی کس قدر ہے اور کتنے دن باقی ہیں۔ اس لیے مجھے یہ اندیشہ بار بار پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہماری جماعت میں سے کوئی ناواقف ہو تو وہ واقف ہو جائے کہ اس سلسلہ کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی کیا غرض ہے؟ اور ہماری جماعت کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی غلطی ہے کہ کوئی اتنا ہی سمجھ لے کہ رسمی طور پر بیعت میں داخل ہونا ہی نجات ہے۔ اس لیے ضرورت پڑی ہے کہ مَیں اصل غرض بتاؤں کہ خدا تعالےٰ کیا چاہتا ہے۔

سب لوگ یاد رکھو کہ رسمی طور پر بیعت میں داخل ہونا یا مجھ کو امام سمجھ لینا اتنی ہی بات نجات کے واسطے ہرگز کافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے وہ زبانی باتوں کو نہیں دیکھتا۔

نجات کے واسطے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے وہی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی یقین کرے اور قرآن شریف کو کتاب اللہ سمجھے کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ قیامت تک اب اَور کوئی کتاب یا شریعت نہ آئے گی یعنی قرآن شریف کے بعد اب کسی کتاب یا شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھو خوب یاد رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت اور نئی کتاب نہ آئے گی نئے احکام نہ آئیں گے۔ یہی کتاب اور یہی احکام رہیں گے جو الفاظ میری کتابوں[1] میں نبی یا رسول کے میری نسبت پائے جاتے ہیں۔ اس میں ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ کوئی نئی شریعت یا نئے احکام سکھائے جاویں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جب کسی ضرورتِ حقّہ کے وقت کسی کو مامور کرتا ہے تو ان معنوں سے کہ مکالماتِ الٰہیہ کا شرف اس کو دیتا ہے اور غیب کی خبریں اس کو دیتا ہے اس پر نبیؐ کا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ مامور نبی کا خطاب پاتا ہے۔ یہ معنے نہیں ہیں کہ نئی شریعت دیتا ہے یا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نعوذ باللہ منسوخ کرتا ہے بلکہ یہ جو کچھ اُسے ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سچی اور کامل اتباع سے ملتا ہے اور بغیر اس کے مل سکتا ہی نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب زمانہ میں گناہ کثرت سے ہوتے ہیں اور اہلِ دنیا ایمان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور اُن کے پاس پوست یا ہڈی رہ جاتی ہے اور مغز اور لُب

---

[1] دیکھو البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۲

[2] البدر میں ہے:۔ "مکالمات الٰہیہ کا شرف اُسے دیتا ہے اور غیب کی خبریں اُسے بتلاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس مامور پر بھی نبی کا لفظ بولا جاتا ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۲)

نہیں رہتا۔ ایمانی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور شیطانی تسلط اور غلبہ بڑھ جاتا ہے۔ ایمانی ذوق اور حلاوت نہیں رہتی ایسے وقتوں میں عادت اللہ اس طرح پر جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک کامل بندہ کو جو خدا تعالیٰ کی سچی اطاعت میں فنا شدہ اور محو ہوتا ہے۔ اپنے مکالمہ کا شرف بخش کر بھیجتا ہے۔ اور اب اس وقت اس نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں الٰہی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے[1]

اگرچہ عام نظر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کے بھی قائل ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زبان سے تصدیق کرتے ہیں۔ بظاہر نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ رُوحانیت بالکل نہیں رہی۔ اور دوسری طرف ان اعمالِ صالحہ کے مخالف کام کرنا ہی شہادت دیتا ہے کہ وہ اعمال اعمالِ صالحہ کے رنگ میں نہیں کئے جاتے بلکہ رسم اور عادت کے طور پر کئے جاتے ہیں کیونکہ ان میں اخلاص اور روحانیت کا شمہ بھی نہیں ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ان اعمالِ صالحہ کے برکات اور انوار ساتھ نہیں ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک سچے دل سے اور روحانیت کے ساتھ یہ اعمال نہ ہوں کچھ فائدہ نہ ہوگا اور یہ اعمال کام نہ آئیں گے۔ اعمال صالحہ اسی وقت اعمال صالحہ کہلاتے ہیں جب ان میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ صلاح کی ضد فساد ہے۔ صالح وہ ہے جو فساد سے مبرا منزہ ہو۔ جن کی نمازوں میں فساد ہے اور نفسانی اغراض چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہرگز نہیں ہیں۔ اور وہ زمین سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی ہیں کیونکہ ان میں اخلاص کی رُوح نہیں اور وہ رُوحانیت سے خالی ہیں۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کی ضرورت کیا ہے کیا ہم نماز روزہ نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس طرح پر دھوکا دیتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ بعض لوگ جو ناواقف ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں کو سُنکر دھوکا کھا جاویں اور اُن کے ساتھ مِل کر یہ کہدیں کہ جس حالت میں ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور وِرد وظائف کرتے ہیں پھر کیوں یہ پھوٹ ڈالدی۔ یاد رکھو کہ ایسی باتیں کم سمجھی اور معرفت کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ میرا اپنا کام نہیں ہے یہ پھوٹ اگر ڈال دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے۔ جس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ کیونکہ ایمانی حالت کمزور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایمانی قوت بالکل ہی معدوم ہی ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ حقیقی ایمان کی رُوح پھونکے جو اس سلسلہ کے ذریعہ سے اس نے چاہا ہے۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کا اعتراض بیجا اور بیہودہ ہے۔ پس یاد رکھو کہ ایسا وسوسہ ہرگز ہرگز کسی کے دل میں نہیں آنا چاہیئے۔ اور اگر پورے غور اور فکر سے کام لیا جاوے تو یہ وسوسہ آ ہی نہیں سکتا۔ غور سے کام نہ لینے کے سبب ہی سے وسوسہ آتا ہے جو ظاہری حالت پر نظر

---

[1] البدر میں اس کے بعد ایک مزید فقرہ یہ ہے کہ :-

"اور اس کی جگہ دنیا نے لے لی ہے"۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۱۳)

کرکے کہہ دیتے ہیں کہ اور بھی مسلمان ہیں۔ اس قسم کے وسوسوں سے انسان جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

مَیں نے بعض خطوط اس قسم کے لوگوں کے دیکھے ہیں جو بظاہر ہمارے سلسلہ میں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے جب یہ کہا گیا کہ دوسرے مسلمان بھی بظاہر نماز پڑھتے ہیں۔ اور کلمہ پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور نیک معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اس نئے سلسلہ کی کیا حاجت ہے؟ یہ لوگ باوجودیکہ ہماری بیعت میں داخل ہیں ایسے وسوسے اور اعتراض سُنکر لکھتے ہیں کہ ہم کو اس کا جواب نہیں آیا۔ ایسے خطوط پڑھ کر مجھے ایسے لوگوں پر افسوس اور رحم آتا ہے کہ انہوں نے ہماری اصل غرض اور منشا کو نہیں سمجھا وہ صرف دیکھتے ہیں کہ رسمی طور پر یہ لوگ ہماری طرح شعائرِ اسلام بجا لاتے ہیں اور فرائض الٰہی ادا کرتے ہیں حالانکہ حقیقت کی رُوح اُن میں نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ باتیں اور وساوس سحر کی طرح کام کرتے ہیں۔ وہ ایسے وقت نہیں سوچتے کہ ہم حقیقی ایمان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جو انسان کو گناہ کی موت سے بچا لیتا ہے اور ان رسوم و عادات کے پیرو لوگوں میں وہ بات نہیں۔ اُن کی نظر ظاہر پر ہے۔ حقیقت پر نگاہ نہیں۔ اُن کے ہاتھ میں چھلکا ہے جس میں مغز نہیں۔

مامور کے وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے

یاد رکھو اور سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیا یہود تورات کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس پر ان کا عمل نہ تھا؟ ہرگز نہیں۔ یہودی تو اب تک بھی تورات کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ انکی قربانیاں اور رسوم آج بھی اسی طرح ہوتی ہیں جیسے اس وقت کرتے تھے۔ وہ برابر آج تک بیت المقدس کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں اور اسی کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ اُن کے بڑے بڑے عالم اور احبار بھی اس وقت موجود تھے اُس وقت پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ دوسری طرف عیسائی قوم تھی۔ ان میں بھی ایک فرقہ لا الٰہ الا اللہ کو مانتا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور کتاب اللہ کو بھیجا؟ یہ ایک سوال ہے جس پر ہمارے مخالفوں اور ایسا اعتراض کرنے والوں کو غور کرنا چاہیئے اگرچہ یہ ایک باریک مسئلہ ہے لیکن جو لوگ غور اور فکر کرتے ہیں۔ ان کے لیے باریک نہیں ہے۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ رُوح اور رُوحانیت پر نظر کرتا ہے۔ وہ ظاہری اعمال پر نگاہ نہیں کرتا۔ وہ انکی حقیقت اور اندرونی حالت کو دیکھتا ہے کہ ان کے اعمال کی تہ میں خود غرضی اور نفسانیت ہے یا اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور اخلاص مگر انسان بعض وقت ظاہری اعمال کو دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں تسبیح ہے یا وہ تہجد و اشراق پڑھتا ہے۔ بظاہر ابرار و اخیار کے کام کرتا ہے تو اس کو نیک سمجھ لیتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو تو پوست پسند نہیں۔

لہ البدر میں ہے:۔ "ایک انسان تو اس سے دھوکا کھا سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ اس کی نظر پوست پر نہیں ہے وہ تو رُوحانیت کو چاہتا ہے جو کہ مغز ہے نہ کہ قشر کو۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء)

یہ پوست اور قشر ہے اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا اور کبھی راضی نہیں ہوتا۔ جب تک وفاداری اور صدق نہ ہو۔ بے وفا آدمی کُتے کی طرح ہے جو مُردار دُنیا پر گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر نیک بھی نظر آتے ہوں، لیکن افعالِ ذمیمہ اُن میں پائے جاتے ہیں اور پوشیدہ بدچلنیاں ان میں پائی جاتی ہیں۔ جو نمازیں ریا کاری سے بھری ہوئی ہوں ان نمازوں کو ہم کیا کریں اور اُن سے کیا فائدہ[1]؟

حقیقی نماز نماز اس وقت حقیقی نماز کہلاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے سچا اور پاک تعلق ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت میں اس حد تک فنا ہو اور یہاں تک دین کو دنیا پر مقدم کرلے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان تک دے دینے اور مرنے کے لیے تیار ہو جائے جب یہ حالت انسان میں پیدا ہو جائے اس وقت کہا جائے گا کہ اس کی نماز نماز ہے مگر جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتی اور سچے اخلاص اور وفاداری کا نمونہ نہیں دکھلاتا اس وقت تک اس کی نمازیں اور دوسرے اعمال بے اثر ہیں۔

بہت سی مخلوق ایسی ہے کہ لوگ ان کو مومن اور راست باز سمجھتے ہیں مگر آسمان پر اُن کا نام کافر ہے[2]۔ اس واسطے حقیقی مومن اور راستباز وہی ہے جس کا نام آسمان پر مومن ہے۔ دنیا کی نظر میں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ کہلاتا ہو۔ حقیقت میں یہ بہت ہی مشکل گھاٹی ہے کہ انسان سچا ایمان لاوے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل اخلاص اور وفاداری کا نمونہ دکھلاوے جب انسان سچا ایمان لاتا ہے تو اس کے بہت سے نشانات ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف نے سچے مومنوں کی جو علامات بیان کی ہیں وہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان علامات میں سے ایک بڑی علامت جو حقیقی ایمان کی ہے وہ یہی ہے کہ جب انسان دُنیا کو پاؤں کے نیچے کچل کر اس سے اس طرح الگ ہو جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے باہر آجاتا ہے۔ اس طرح پر جب انسان نفسانیت کی کینچلی سے باہر

---

[1] البدر میں ہے:۔ "اگر ان کی آرزوئیں اور مرادیں پوری ہوتی رہیں تو وہ خدا کو مانتے رہیں گے اور اگر پوری نہ ہوں تو پھر اس سے ناراض اور شکایت کا دفتر کھلا ہوا ہے تو جن کی یہ حالت ہے اور ان میں صدق و وفا نہیں ہے خدا اُن کی نمازوں کو کیا کرے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہرگز نمازی نہیں ہیں اور ان کی نمازیں سوائے اس کے کہ زمین پر ٹکریں ماریں اور کچھ حکم نہیں رکھتیں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ مخلوق کے نزدیک راستباز ہیں متقی ہیں۔ نیک بخت ہیں لیکن ان کا تعلق خدا تعالیٰ سے صاف نہیں ہے اور وہ محبویت اور دین کا تقدم دنیا پر جو خدا چاہتا ہے ان میں نہیں ہے اس لیے خدا کے نزدیک وہ کافر ہیں۔ سچے ایمانداروں کی جو علامات ہیں اگر اُن سے تم اُن کو پرکھو تو ایک بھی اُن میں نظر نہ آوے گی۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۳)

آجاتا ہے تو وہ مومن ہوتا ہے اور ایمان کامل کے آثار اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: ۱۲۹) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو تقویٰ سے بھی بڑھ کر کام کرتے ہیں یعنی محسنین ہوتے ہیں۔

حقیقی نیکی تقویٰ کے معنے ہیں بدی کی باریک راہوں سے پرہیز کرنا، مگر یاد رکھو نیکی اتنی نہیں ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں نیک ہوں اس لیے کہ میں نے کسی کا مال نہیں لیا۔ نقب زنی نہیں کی۔ چوری نہیں کرتا۔ بدنظری اور زنا نہیں کرتا۔ ایسی نیکی عارف کے نزدیک ہنسی کے قابل ہے کیونکہ اگر وہ ان بدیوں کا ارتکاب کرے اور چوری یا ڈاکہ زنی کرے تو وہ سزا پائے گا۔ پس یہ کوئی نیکی نہیں کہ جو عارف کی نگاہ میں قابل قدر ہو بلکہ اصلی اور حقیقی نیکی یہ ہے کہ نوعِ انسان کی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری دکھلائے اور اس کی راہ میں جان تک دے دینے کو تیار ہو۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو بدی سے پرہیز کرتے ہیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کرتے ہیں۔

یہ خوب یاد رکھو کہ نرا بدی سے پرہیز کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں جب تک اُس کے ساتھ نیکیاں نہ کرے۔ بہت سے لوگ ایسے موجود ہوں گے جنہوں نے کبھی زنا نہیں کیا۔ خون نہیں کیا۔ چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں مارا۔ اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی صدق و وفا کا نمونہ انہوں نے نہیں دکھایا یا نوعِ انسان کی کوئی خدمت نہیں کی۔ اور اس طرح پر کوئی نیکی نہیں کی۔ پس جاہل ہوگا وہ شخص جو ان باتوں کو پیش کرکے اُسے نیکوکاروں میں داخل کرے کیونکہ یہ تو بدچلنیاں ہیں صرف اتنے خیال سے اولیاء اللہ میں داخل نہیں ہو جاتا[1]۔ بدچلنی کرنے والے۔ چوری یا خیانت کرنے والے، رشوت لینے والے کے لیے عادت اللہ میں ہے کہ اسے یہاں سزا دی جاتی ہے۔ وہ نہیں مرتا جب تک سزا نہیں پا لیتا۔ یاد رکھو کہ صرف اتنی ہی بات کا نام نیکی نہیں ہے۔

تقویٰ ادنیٰ مرتبہ ہے اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی برتن کو اچھی طرح سے صاف کیا جاوے تاکہ اس میں اعلیٰ درجہ کا لطیف کھانا ڈالا جائے۔ اب اگر کسی برتن کو خوب صاف کرکے رکھ دیا جائے لیکن اس میں کھانا نہ ڈالا جائے تو کیا اُس سے پیٹ بھر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا وہ خالی برتن طعام سے سیر کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح پر

---

[1] البدر میں یہ فقرہ یوں ہے:۔

"خدا تعالیٰ نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ صرف بدچلنی نہ کرنے والا اس کے اولیاء میں داخل ہوا ہو"

(البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء)

تقویٰ کو سمجھو۔ تقویٰ کیا ہے۔ نفسِ امارہ کے برتن کو صاف کرنا۔[1]

نفس کی تین حالتیں

نفس کو تین قسم پر منقسم کیا ہے۔ نفسِ امارہ۔ نفسِ لوّامہ اور نفسِ مطمئنہ۔ ایک نفس زکیہ بھی ہوتا ہے مگر وہ بچپن کی حالت ہے جب گناہ ہوتا ہی نہیں۔ اس لیے اس نفس کو چھوڑ کر بلوغ کے بعد تین نفسوں ہی کی بحث کی ہے۔ نفسِ امارہ کی وہ حالت ہے جب انسان شیطان اور نفس کا بندہ ہوتا ہے اور نفسانی خواہشوں کا غلام اور اسیر ہو جاتا ہے۔ جو حکم نفس کرتا ہے اس کی تعمیل کے واسطے اس طرح تیار ہو جاتا ہے جیسے ایک غلام دست بستہ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کے لیے مستعد ہوتا ہے۔ اس وقت یہ نفس کا غلام ہو کر جو وہ کہے یہ کرتا ہے۔ وہ کہے خون کر۔ تو یہ کرتا ہے۔ زنا کہے چوری کہے غرض جو کچھ بھی کہے سب کیلئے تیار ہوتا ہے کوئی بدی کوئی بُرا کام ہو جو نفس کہے یہ غلاموں کی طرح کر دیتا ہے۔ یہ نفسِ امارہ کی حالت ہے اور یہ وہ شخص ہے جو نفسِ امارہ کا تابع ہے۔

اس کے بعد نفسِ لوّامہ ہے۔ یہ ایسی حالت ہے کہ گناہ تو اس سے بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ مگر وہ نفس کو ملامت بھی کرتا رہتا ہے اور اس تدبیر اور کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اُسے گناہ سے نجات مل جائے جو لوگ نفسِ لوّامہ کے ماتحت یا اس حالت میں ہوتے ہیں وہ ایک جنگ کی حالت میں ہوتے ہیں یعنی شیطان اور نفس سے جنگ کرتے رہتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نفس غالب آکر لغزش ہو جاتی ہے اور کبھی خود نفس پر غالب آجاتے اور اس کو دبا لیتے ہیں۔ یہ لوگ نفسِ امارہ والوں سے ترقی کر جاتے ہیں۔ نفسِ امارہ والے انسان اور دوسرے بہائم میں کوئی فرق نہیں ہوتا جیسے کُتا۔ بلّی جب کوئی برتن ننگا دیکھتے ہیں تو فوراً جا پڑتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ وہ چیز ان کا حق ہے یا نہیں۔ اسی طرح پر نفسِ امارہ کے غلام انسان کو جب کسی بدی کا موقعہ ملتا ہے تو فوراً اسے کر بیٹھتا ہے اور تیار رہتا ہے اگر راستہ میں دو چار روپے پڑے ہوں تو فی الفور اُن کے اُٹھانے کو تیار ہو جائے گا اور نہیں سوچے گا کہ اس کو اُن کے لیے لینے کا حق ہے یا نہیں مگر لوّامہ والے کی یہ حالت نہیں۔ وہ حالت جنگ میں ہے جس میں کبھی نفس غالب کبھی وہ، ابھی کامل فتح نہیں ہوئی۔ مگر تیسری حالت جو نفسِ مطمئنہ کی حالت ہے یہ وہ حالت ہے جب ساری لڑائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور کامل فتح ہو جاتی ہے اسی لیے اس کا نام نفسِ مطمئنہ رکھا ہے یعنی اطمینان یافتہ۔[2] اس وقت وہ اللہ تعالےٰ کے وجود پر سچا ایمان لاتا ہے اور وہ یقین

---

[1] البدر میں ہے :۔ "تقویٰ تو صرف نفسِ امارہ کے برتن کو صاف کرنے کا نام ہے اور نیکی وہ کھانا ہے جو اس میں پڑتا ہے اور جس نے اعضاء کو قوت دے کر انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ اس سے نیک اعمال صادر ہوں اور وہ بلند مراتب قُربِ الٰہی کے حاصل کر سکے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۳)

[2] البدر میں ہے :۔ "اس کا نام نفسِ مطمئنہ اس لیے ہے کہ یہ اطمینان یافتہ ہو جاتا ہے۔ انسان کے ہر ایک قویٰ پر اس کا قابو ہو جاتا ہے اور طبعی طور پر اس سے نیکی کے کام سرزد ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

کرتا ہے کہ واقعی خدا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کی انتہائی حد خدا تعالیٰ پر ایمان ہوتا ہے کیونکہ کامل اطمینان اور تسلی اسی وقت ملتی ہے جب اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہو۔

یقیناً سمجھو کہ ہر ایک پاکبازی اور نیکی کی اصل جڑ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ہوتا ہے اسی قدر اعمالِ صالحہ میں کمزوری اور سستی پائی جاتی ہے لیکن جب ایمان قوی ہو اور اللہ تعالےٰ کو اس کی تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے اعمال میں پیدا ہو جاتی ہے خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضاء کو کاٹ دیتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جائیں تو وہ آنکھوں سے بدنظری کیونکر کر سکتا ہے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کریگا اور اگر ایسا ہی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں شہوانی قوی کاٹ دیئے جائیں پھر وہ گناہ جو ان اعضاء سے متعلق ہیں کیسے کر سکتا ہے ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفسِ مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے تو نفسِ مطمئنہ اُسے اندھا کر دیتا ہے اور آنکھوں میں گناہ کی قوت نہیں رہتی۔ وہ دیکھتا ہے پر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ہو جاتی ہے۔ وہ کان رکھتا ہے مگر بہرہ ہوتا ہے اور وہ باتیں جو گناہ کی ہیں نہیں سُن سکتا۔ اسی طرح پر اس کی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اس کی ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ہو سکتا تھا ایک موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ بالکل ایک میت کی طرح ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامل اطمینان اُسے دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کا اصل مقصود ہونا چاہیئے۔ اور ہماری جماعت کو اس کی ضرورت ہے اور اطمینانِ کامل کے حاصل کرنے کے واسطے ایمانِ کامل کی ضرورت ہے۔ پس ہماری جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کریں۔

اصلاحِ نفس کا سچا ذریعہ۔ صُحبتِ صادقین

یاد رکھو۔ اصلاحِ نفس کے لیے نری تجویزوں اور تدبیروں سے کچھ نہیں ہوتا ہے جو شخص نری تدبیروں پر رہتا ہے وہ نامراد اور ناکام رہتا ہے کیونکہ وہ اپنی تدبیروں اور تجویزوں ہی کو خدا سمجھتا ہے۔ اس واسطے وہ فضل اور فیض جو گناہ کی طاقتوں پر موت وارد کرتا ہے اور بدیوں سے بچنے اور اُن کا مقابلہ کرنے کی قوت بخشتا ہے وہ انہیں نہیں ملتا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے آتا ہے جو تدبیروں کا غلام نہیں تھا۔ انسانی تدبیروں اور تجویزوں کی ناکامی کی مثال خود خدا تعالیٰ نے دکھائی ہے۔ یہودیوں کو توریت کے لیے کہا کہ اس میں تحریف و تبدیل نہ کرنا اور بڑی بڑی تاکیدیں اس کی حفاظت کی اُن کو کی گئیں۔ لیکن کم بخت یہودیوں نے تحریف کر دی۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کو کہا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰) یعنی ہم نے اس قرآن مجید

کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ پھر دیکھ لو کہ اس نے کیسی حفاظت فرمائی۔ ایک لفظ اور نقطہ تک پس وپیش نہ ہوا۔ اور کوئی ایسا نہ کر سکا۔ کہ اس میں تحریف تبدیل کرتا۔ صاف ظاہر ہے کہ جو کام خدا کے ہاتھ سے ہوتا ہے وہ بڑا ہی بابرکت ہوتا ہے اور جو انسان کے اپنے ہاتھ سے ہو وہ بابرکت نہیں ہو سکتا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل اور اسی کے ہاتھ سے نہ ہو تو کچھ نہیں ہوتا۔ پس محض اپنی سعی اور کوشش سے طہارتِ نفس پیدا ہو جاوے یہ خیال باطل ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ پھر انسان کوشش نہ کرے اور مجاہدہ نہ کرے۔ نہیں بلکہ کوشش اور مجاہدہ ضروری ہے اور سعی کرنا فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کا فضل سچی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ اس واسطے ان تمام تدابیر اور مساعی کو چھوڑنا نہیں چاہیئے جو اصلاحِ نفس کے لیے ضروری ہیں مگر یہ تجاویز اور تدابیر اپنے نفس اور خیال سے پیدا کی ہوئی نہیں ہونی چاہئیں بلکہ ان تدابیر کو اختیار کرنا چاہیئے جن کو خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اور جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھائی ہیں۔ آپ کے قدم پر قدم مارو اور پھر دُعاؤں سے کام لو۔ تم ناپاکی کے کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہو مگر خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر صرف تدبیروں سے صاف چشمہ تک نہیں پہنچ سکتے جو طہارت کا موجب بنے۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کو چھوڑتے ہیں اور اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرتے ہیں وہ احتیاطیں کرتے کرتے خود مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کا فضل ان کے ساتھ نہیں ہوتا اور ان کی دستگیری نہیں کی جاتی۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور خیال سے اگر کوئی اصلاحِ نفس کرنے کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے۔

اصلاحِ نفس کی ایک راہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ: ۱۱۹) یعنی جو لوگ قولی، فعلی، عملی اور حالی رنگ میں سچائی پر قائم ہیں اُن کے ساتھ رہو۔ اس سے پہلے فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (التوبۃ: ۱۱۹) یعنی ایمان والو۔ تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ اس سے یہ مراد ہے کہ پہلے ایمان ہو پھر سنت کے طور پر بدی کی جگہ کو چھوڑ دے اور صادقوں کی صُحبت میں رہے۔ صحبت کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے جو اندر ہی اندر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہر روز کنجریوں کے ہاں جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ کیا میں زنا کرتا ہوں؟ اس سے کہنا چاہیئے کہ ہاں تو کرے گا اور وہ ایک نہ ایک دن اس میں مبتلا ہو جاوے گا کیونکہ صحبت میں تاثیر ہوتی ہے اسی طرح پر جو شخص شراب خانہ میں جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی پرہیز کرے اور کہے کہ میں نہیں پیتا ہوں لیکن ایک دن آئے گا کہ وہ ضرور پیئے گا۔

پس اس سے کبھی بے خبر نہیں رہنا چاہیئے کہ صُحبت میں بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ نفس کے لیے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا حکم دیا ہے۔ جو شخص نیک صُحبت میں جاتا ہے خواہ وہ

مخالفت ہی کے رنگ میں ہو لیکن وہ صحبت اپنا اثر کئے بغیر نہ رہے گی اور ایک نہ ایک دن وہ اس مخالفت سے باز آجائے گا ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمارے مخالف اسی صحبت کے نہ ہونے کی وجہ سے محروم رہ گئے۔ اگر وہ ہمارے پاس آکر رہتے۔ ہماری باتیں سنتے تو ایک وقت آجاتا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کی غلطیوں پر متنبہ کر دیتا اور وہ حق کو پالیتے لیکن اب چونکہ اس صحبت سے محروم ہیں اور انہوں نے ہماری باتیں سننے کا موقعہ کھو دیا ہے اس لیے کبھی کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ دہریئے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ زانی ہیں۔ اور کبھی یہ اتہام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں۔ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ صحبت نہیں اور یہ قہرالٰہی ہے کہ صحبت نہ ہو۔

لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صلح حدیبیہ کی ہے تو صلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کو آپ کے پاس آنے کا موقعہ ملا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنیں تو اُن میں سے صدہا مسلمان ہو گئے جب تک انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہ سُنی تھیں۔ اُن میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک دیوار حائل تھی جو آپ کے حُسن و جمال پر اُن کو اطلاع نہ پانے دیتی تھی اور جیسا دوسرے لوگ کذاب کہتے تھے (معاذ اللہ) وہ بھی کہہ دیتے تھے اور اُن فیوض و برکات سے بے نصیب تھے جو آپ لے کر آئے تھے اس لیے کہ دُور تھے۔ لیکن جب وہ حجاب اُٹھ گیا اور پاس آکر دیکھا اور سُنا تو وہ محرومی نہ رہی اور سعیدوں کے گروہ میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح پر بہتوں کی بدنصیبی کا اب بھی یہی باعث ہے جب اُن سے پوچھا جاوے کہ تم نے اُن کے دعوے اور دلائل کو کہاں تک سمجھا ہے تو بجز چند بہتانوں اور افتراؤں کے کچھ نہیں کہتے جو بعض مفتری سُنا دیتے ہیں اور وہ اُن کو سچ مان لیتے ہیں اور خود کوشش نہیں کرتے کہ یہاں آکر خود تحقیق کریں اور ہماری صحبت میں آکر دیکھیں۔ اس سے اُن کے دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور وہ حق کو نہیں پا سکتے۔ لیکن اگر وہ تقویٰ سے کام لیتے تو کوئی گناہ نہ تھا کہ وہ آکر ہم سے ملتے جُلتے رہتے اور ہماری باتیں سنتے رہتے حالانکہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے بھی ملتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں۔ اُن کی مجلسوں میں جاتے ہیں۔ پھر کونسا امر مانع تھا جو ہمارے پاس آنے سے انہوں نے پرہیز کیا۔

غرض یہ بڑی ہی بدنصیبی ہے اور انسان اس کے سبب محروم ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبۃ: ۱۱۹) اس میں بڑا نکتہ معرفت یہی ہے کہ چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لیے ایک راستباز کی صحبت میں رہ کر انسان راستبازی سیکھتا ہے اور اس کے پاک انفاس کا اندر ہی اندر اثر ہونے لگتا ہے جو اس کو خدا تعالیٰ پر ایک سچا یقین اور بصیرت عطا کرتا ہے۔ اس صحبت میں صدق دل سے رہ کر وہ خدا تعالیٰ کی آیات اور نشانات کو دیکھتا ہے جو ایمان کو بڑھانے کے ذریعے ہیں۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۱ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۴ء)

جب انسان ایک راستباز اور صادق کے پاس بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے لیکن جو راستبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدوں اور شریروں کی صحبت کو اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کرتی جاتی ہے۔ اسی لیے احادیث اور قرآن شریف میں صحبتِ بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تہدید پائی جاتی ہے اور لکھا ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ہوتی ہو اس مجلس سے فی الفور اُٹھ جاؤ ورنہ جو اہانت سُنکر نہیں اُٹھتا اس کا شمار بھی ان میں ہی ہوگا۔

صادقوں اور راستبازوں کے پاس رہنے والا بھی ان میں ہی شریک ہوتا ہے۔ اس لیے کس قدر ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے پاک ارشاد پر عمل کرے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دُنیا میں بھیجتا ہے وہ پاک لوگوں کی مجلس میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مجلس دیکھی ہے جس میں تیرا ذکر کر رہے تھے مگر ایک شخص ان میں سے نہیں تھا تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ نہیں وہ بھی ان میں ہی سے ہے کیونکہ اِنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کی صُحبت سے کس قدر فائدے ہیں سخت بدنصیب ہے وہ شخص جو صحبت سے دُور رہے۔

مقامِ نفسِ مطمئنہ

غرض نفسِ مطمئنہ کی تاثیروں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اطمینان یافتہ لوگوں کی صُحبت میں اطمینان پاتے ہیں۔ امارہ والے میں نفسِ امارہ کی تاثیریں ہوتی ہیں اور لوامہ والے میں لوامہ کی تاثیریں ہوتی ہیں اور جو شخص نفسِ مطمئنہ والے کی صُحبت میں بیٹھتا ہے۔ اس پر بھی اطمینان اور سکینت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اندر ہی اندر اسے تسلی ملنے لگتی ہے۔ مطمئنہ والے کو پہلی نعمت یہ دی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے آرام پاتا ہے جیسے فرمایا یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً (الفجر ۲۸،۲۹) یعنی اے خدا تعالیٰ میں آرام یافتہ نفس اپنے رب کی طرف آجا وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ اس میں ایک باریک نکتہ معرفت ہے جو یہ کہا کہ خدا تجھ سے راضی تو خدا سے راضی۔ بات یہ ہے کہ جب تک انسان اس مرحلہ پر نہیں پہنچتا اور لوامہ کی حالت میں ہوتا ہے اس وقت تک خدا تعالیٰ سے ایک قسم کی لڑائی رہتی ہے یعنی کبھی کبھی وہ نفس کی تحریک سے نافرمانی بھی کر بیٹھتا ہے لیکن جب مطمئنہ کی حالت پر پہنچتا ہے تو اس جنگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے صلح ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ خدا سے راضی ہوتا ہے اور خدا اس سے راضی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ لڑائی بھڑائی بالکل جاتی رہتی ہے۔

یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر شخص خدا تعالیٰ سے لڑائی رکھتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرتا ہے اور بہت ساری امانی اور امیدیں رکھتا ہے لیکن اس کی وہ دُعائیں نہیں سُنی

جاتی ہیں یا خلافِ اُمید کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو دل کے اندر اللہ تعالیٰ سے ایک لڑائی شروع کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر بدظنی اور اُس سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے لیکن صالحین اور عباد الرحمٰن کی کبھی اللہ تعالیٰ سے جنگ نہیں ہوتی کیونکہ رضا بالقضا کے مقام پر ہوتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حقیقی ایمان اس وقت تک پیدا ہو ہی نہیں سکتا جب تک انسان اس درجہ کو حاصل نہ کرے کہ خدا تعالےٰ کی مرضی اس کی مرضی ہو جائے دل میں کوئی کدورت اور تنگی محسوس نہ ہو بلکہ شرح صدر کے ساتھ اس کی ہر تقدیر اور قضا کے ماننے کو تیار ہو۔ اس آیت میں رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کا لفظ اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ رضا کا اعلیٰ مقام ہے جہاں کوئی ابتلا باقی نہیں رہتا۔ دوسرے جسقدر مقامات ہیں وہاں ابتلاء کا اندیشہ رہتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ سے بالکل راضی ہو جاوے اور کوئی شکوہ شکایت نہ رہے اس وقت محبت ذاتی پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ سے محبتِ ذاتی پیدا نہ ہو تو ایمان بڑے خطرہ کی حالت میں ہے لیکن جب ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو انسان شیطان کے حملوں سے امن میں آجاتا ہے۔ اس ذاتی محبت کو دُعا سے حاصل کرنا چاہیئے جب تک یہ محبت پیدا نہ ہو انسان نفسِ امارہ کے نیچے رہتا ہے اور اس کے پنجہ میں گرفتار رہتا ہے اور ایسے لوگ جو نفسِ امارہ کے نیچے ہیں اُن کا قول ہے "ایہہ جہان مٹھا اگلا کن ڈٹھا" یہ لوگ بڑی خطرناک حالت میں ہوتے ہیں اور لوامہ والے ایک گھڑی میں ولی اور ایک گھڑی میں شیطان ہو جاتے ہیں۔ اُن کا ایک رنگ نہیں رہتا کیونکہ اُن کی لڑائی نفس کے ساتھ شروع ہوتی ہے جس میں کبھی وہ غالب اور کبھی مغلوب ہوتے ہیں تاہم یہ لوگ محلِ مدح میں ہوتے ہیں کیونکہ اُن سے نیکیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور خوفِ خدا بھی ان کے دل میں ہوتا ہے لیکن نفسِ مطمئنہ والے بالکل فتحمند ہوتے ہیں اور وہ سارے خطروں اور خوفوں سے نکل کر امن کی جگہ میں جا پہنچتے ہیں وہ اس دارالامان میں ہوتے ہیں جہاں شیطان نہیں پہنچ سکتا۔ لوامہ والا جیسا کہ مَیں نے کہا ہے دارالامان کی ڈیوڑھی میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی دشمن بھی اپنا وار کر جاتا ہے اور کوئی لاٹھی مار جاتا ہے اس لیے مطمئنہ والے کو کہا ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر: ۳۰) یہ آواز اس وقت آتی ہے جب وہ اپنے تقویٰ کو انتہائی مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے۔ تقویٰ کے دو درجے ہیں۔ بدیوں سے بچنا اور نیکیوں میں سرگرم ہونا۔ یہ دوسرا مرتبہ محسنین کا ہے۔ اس درجہ کے حصول کے بغیر اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہو سکتا اور یہ مقام اور درجہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

جب انسان بدی سے پرہیز کرتا ہے اور نیکیوں کے لیے اس کا دل تڑپتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی دستگیری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے دارالامان میں پہنچا دیتا ہے۔ اور فَادْخُلِي فِي عِبَادِي کی آواز اُسے آجاتی ہے یعنی تیری جنگ اب ختم ہو چکی ہے اور میرے ساتھ تیری صلح اور آشتی ہو چکی ہے اب آ میرے بندوں میں داخل ہو جو صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مصداق

ہیں اور رُوحانی وراثت سے جن کو حصّہ ملتا ہے میری بہشت میں داخل ہو جا۔

یہ آیت جیسا کہ ظاہر میں سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد اُسے آواز آتی ہے آخرت پر ہی موقوف نہیں بلکہ اسی دُنیا میں اسی زندگی میں یہ آواز آتی ہے۔ اہلِ سلوک کے مراتب رکھے ہوئے ہیں اُن کے سلوک کا انتہائی نقطہ یہی مقام ہے جہاں اُن کا سلوک ختم ہو جاتا ہے اور وہ مقام یہی نفس مطمئنّہ کا مقام ہے۔ اہلِ سلوک کی مشکلات کو اللہ تعالیٰ اُٹھا دیتا ہے اور ان کو صالحین میں داخل کر دیتا ہے جیسے فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ (العنکبوت: ۱۰) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ہم اُن کو ضرور ضرور صالحین میں داخل کر دیتے ہیں۔

اس پر بعض اعتراض کرتے ہیں کہ اعمال صالحہ کرنے والے صالحین ہوتے ہیں پھر اُن کو صالحین میں داخل کرنے سے کیا مراد ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ اس میں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ صلاحیت کی دو قسم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ انسان تکالیف شاقہ اُٹھا کر نیکیوں کا بوجھ اُٹھاتا ہے۔ نیکیاں کرتا ہے لیکن ان کے کرنے میں اسے تکلیف اور بوجھ معلوم ہوتا ہے اور اندر نفس کے کشاکش موجود ہوتی ہے اور جب وہ نفس کی مخالفت کرتا ہے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن جب وہ اعمالِ صالحہ کرتا ہے[1] اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے جیسا کہ اس آیت کا منشاء ہے۔ اس وقت وہ تکالیف شاقہ اور محنتیں جو خود نیکیوں کیلئے برداشت کرتا ہے اُٹھ جاتی ہیں اور طبعی طور پر وہ صلاحیت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے[2] اور وہ تکالیف تکالیف نہیں رہتی ہیں اور نیکیوں کو ایک ذوق اور لذّت سے کرتا ہے اور ان دونوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ پہلا نیکی کرتا ہے مگر تکلیف اور تکلّف سے اور دوسرا ذوق اور لذّت سے۔ وہ نیکی اس کی غذا ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔[2] اور وہ تکلّف اور تکلیف جو پہلے ہوتی تھی اب ذوق و شوق اور لذّت سے بدل جاتی ہے یہ وہ مقام ہوتا ہے صالحین کا جن کے لیے فرمایا:۔

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ (العنکبوت: ۱۰)

اس مقام پر پہنچ کر کوئی فتنہ اور فساد مومن کے اندر نہیں رہتا۔ نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے جذبات پر فتح پا کر مطمئن ہو کر دارالامان میں داخل ہو جاتا ہے۔

---

[1] البدر میں ہے:۔ اعضاء اور قویٰ کی یہ فطرت ہو جاتی ہے کہ ان سے نیک اعمال صادر ہوں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۵)

[2] الحکم جلد ۸ نمبر ۲ صفحہ ۱، ۲ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۴ء

ابتلاء اور امتحان ایمان کی شرط ہے

اور اس سے آگے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ۔ (العنکبوت: ۱۱) اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زبانی تو ایمان کے دعوے کرتے ہیں اور مومن ہونے کی لاف وگزاف مارتے رہتے ہیں لیکن جب معرض امتحان وابتلا میں آتے ہیں تو اُن کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس فتنہ وابتلا کے وقت اُن کا ایمان اللہ تعالیٰ پر ویسا نہیں رہتا بلکہ شکایت کرنے لگتے ہیں اسے عذاب الٰہی قرار دیتے ہیں۔ حقیقت میں وہ لوگ بڑے ہی محروم ہیں۔ جن کو صالحین کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہی تو وہ مقام ہے جہاں انسان ایمانی مدارج کے ثمرات کو مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ذات پر اُن کا اثر پاتا ہے اور نئی زندگی اُسے ملتی ہے لیکن یہ زندگی پہلے ایک موت کو چاہتی ہے اور یہ انعام وبرکات امتحان وابتلاء کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ ہمیشہ عظیم الشان نعمت ابتلاء سے آتی ہے اور ابتلاء مومن کے لیے شرط ہے جیسے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ اتنا ہی کہہ دینے پر چھوڑ دیئے جاویں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جاویں۔ ایمان کے امتحان کے لیے مومن کو ایک خطرناک آگ میں پڑنا پڑتا ہے مگر اس کا ایمان اس آگ سے اس کو صحیح سلامت نکال لاتا ہے اور وہ آگ اس پر گلزار ہو جاتی ہے۔ مومن ہو کر ابتلاء سے کبھی بے فکر نہیں ہونا چاہیئے اور ابتلاء پر زیادہ ثباتِ قدم دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور حقیقت میں جو سچا مومن ہے ابتلاء میں اس کے ایمان کی حلاوت اور لذت اَور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے عجائبات پر اس کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ پہلے سے بہت زیادہ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا اور دُعاؤں سے فتحیاب اجابت چاہتا ہے۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ انسان خواہش تو اعلیٰ مدارج اور مراتب کی کرے اور اُن تکالیف سے بچنا چاہے جو اُن کے حصول کے لیے ضروری ہیں۔

یقیناً یاد رکھو کہ ابتلاء اور امتحان ایمان کی شرط ہے اس کے بغیر ایمان، ایمان کامل ہوتا ہی نہیں اور کوئی عظیم الشان نعمت بغیر ابتلاء ملتی ہی نہیں ہے۔ دنیا میں بھی عام قاعدہ یہی ہے کہ دنیاوی آسائشوں اور نعمتوں کے حاصل کرنے کے لیے قسم قسم کی مشکلات اور رنج وتعب اُٹھانے پڑتے ہیں۔ طرح طرح کے امتحانوں میں سے ہو کر گذرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر کامیابی کی شکل نظر آتی ہے اور پھر بھی وہ محض خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ پھر خدا تعالیٰ جیسی نعمت عظمیٰ جس کی کوئی نظیر ہی نہیں یہ بدوں امتحان کیسے میسر آسکے۔

پس جو چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو پاوے اُسے چاہیئے کہ وہ ہر ایک ابتلاء کے لیے تیار ہو جاوے۔ جب

اللہ تعالیٰ کوئی سلسلہ قائم کرتا ہے جیسا کہ اس وقت اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے تو جو لوگ اس میں اوّلاً داخل ہوتے ہیں اُن کو قسم قسم کی تکالیف اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ہر طرف سے گالیاں اور دھمکیاں سُننی پڑتی ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ یہانتک کہ اُن کو کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو یہاں سے نکال دیں گے یا اگر ملازم ہے تو اس کے موقوف کرانے کے منصوبے ہوتے ہیں جس طرح ممکن ہوتا ہے تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اور اگر ممکن ہو تو جان لینے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ ایسے وقت میں جو لوگ ان دھمکیوں کی پروا کرتے ہیں اور امتحان کے ڈر سے کمزوری ظاہر کرتے ہیں۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ کے نزدیک اُن کے ایمان کی ایک پیسہ بھی قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ابتلاء کے وقت خدا تعالیٰ سے نہیں انسان سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کی پروا نہیں کرتا وہ بالکل ایمان نہیں لایا۔ کیونکہ دھمکی کو اس کے مقابلہ میں وقعت دیتا اور ایمان چھوڑنے کو تیار ہو جاتا ہے[1]۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صالحین میں داخل ہونے سے محروم ہو جاتا ہے یہ خلاصہ اور مفہوم ہے اس آیت کا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ (العنکبوت: ۱۱)

جماعت کو استقلال اور ہمت کی تلقین

ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک وہ بزدلی کو نہ چھوڑے گی اور استقلال اور ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک راہ میں ہر مصیبت و مشکل کے اُٹھانے کے لیے تیار نہ رہے گی وہ صالحین میں داخل نہیں ہو سکتی۔ تم نے اس وقت خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تم دُکھ دیئے جاؤ۔ تم کو ستایا جاتا ہے۔ گالیاں سُننی پڑتی ہیں۔ قوم اور برادری سے خارج کرنے کی دھمکیاں ملتی ہیں۔ جو جو تکالیف مخالفوں کے خیال میں آسکتی ہیں اُس کے دینے کا وہ موقعہ ہاتھ سے نہیں دیتے۔ لیکن اگر تم ان تکالیف اور مشکلات اور ان موذیوں کو خدا نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ کو خدا مانا ہے تو ان تکالیف کو برداشت کرنے پر آمادہ رہو۔ اور ہر ابتلاء اور امتحان میں پورے اُترنے کے لیے کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق اور مدد چاہو تو میں تمہیں یقیناً کہتا ہوں کہ تم صالحین میں داخل ہو کر خدا تعالےٰ جیسی عظیم الشان نعمت کو پاؤ گے اور ان تمام مشکلات پر فتح پاکر دارالامان میں داخل ہو جاؤ گے۔

صاحبزادہ عبداللطیف کی شہادت

صاحبزادہ عبداللطیف شہید کی شہادت کا واقعہ تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ تذکرۃ الشہادتین کو

---

[1] البدر میں ہے:۔ "ابتلاء کے وقت جو شخص انسان سے ڈرتا ہے اس کی کچھ بھی قیمت نہیں ہوتی۔ وہ دھمکی دینے والے کو گویا اپنا رب خیال کرتا ہے اور اس کے خوف سے ایمان چھوڑنے کو تیار ہو جاتا ہے تو اب بتلاؤ کہ کیا ایمان ہوا؟"
(البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۵ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۴ء)

بار بار پڑھو اور دیکھو کہ اُس نے اپنے ایمان کا کیسا نمونہ دکھایا ہے۔ اس نے دُنیا اور اس کے تعلقات کی کچھ بھی پروا نہیں کی۔ بیوی یا بچوں کا غم اس کے ایمان پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا۔ دنیوی عزت اور منصب اور تنعّم نے اس کو بُزدل نہیں بنایا۔ اُس نے جان دینی گوارا کی مگر ایمان کو ضائع نہیں کیا۔ عبداللطیف کہنے کو مارا گیا یا مر گیا مگر یقیناً سمجھو کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اگرچہ اس کو بہت عرصہ صحبت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن اس تھوڑی مدت میں جو وہ یہاں رہا اُس نے عظیم الشان فائدہ اُٹھایا۔ اُس کو قسم قسم کے لالچ دیئے گئے کہ اس کا مرتبہ و منصب بدستور قائم رہے گا مگر اس نے اس عزت افزائی اور دنیوی مفاد کی کچھ بھی پروا نہیں کی ان کو ہیچ سمجھا یہانتک کہ جان جیسی عزیز شئے کو جو انسان کو ہوتی ہے اس نے مقدم نہیں کیا۔ بلکہ دین کو مقدم کیا جس کا اُس نے خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کیا تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ اس پاک نمونہ پر غور کرو کیونکہ اس کی شہادت یہی نہیں کہ اعلیٰ ایمان کا ایک نمونہ پیش کرتی ہے بلکہ یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان نشان ہے جو اور بھی ایمان کی مضبوطی کا موجب ہوتا ہے کیونکہ براہین احمدیہ میں ۲۳ برس پہلے سے اس شہادت کے متعلق پیشگوئی موجود تھی۔ وہاں صاف لکھا ہے۔

شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

کیا اس وقت کوئی منصوبہ ہو سکتا تھا کہ ۲۳ یا ۲۴ سال بعد عبدالرحمٰن اور عبداللطیف افغانستان سے آئیں گے اور پھر وہ وہاں جا کر شہید ہوں گے۔ وہ دل لعنتی ہے جو ایسا خیال کرے۔ یہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے۔ جو عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل ہے اور اپنے وقت پر اگر یہ نشان پُورا ہو گیا[1]

اس سے پہلے عبدالرحمٰن جو مولوی عبداللطیف شہید کا شاگرد تھا، سابق امیر نے قتل کرایا محض اس وجہ سے کہ وہ اس سلسلہ میں داخل ہے اور یہ سلسلہ جہاد کے خلاف ہے اور عبدالرحمٰن جہاد کے خلاف تعلیم افغانستان میں پھیلاتا تھا۔ اور اب اس امیر نے مولوی عبداللطیف کو شہید کرا دیا۔ یہ عظیم الشان نشان جماعت کے لیے ہے اس پیشگوئی کے معنے اب مخالفوں سے پوچھو کہ کیا یہ پیشگوئی صریح الفاظ میں نہیں ہے؟ اور کیا یہ اب پوری نہیں ہو گئی ہے؟ کیونکہ انگریزوں کے ملک میں تو کوئی کسی کو بے گناہ ذبح نہیں کرتا ہے اس لیے یہاں تو اس کا

---

[1] البدر سے:۔ "براہینِ احمدیہ میں اس کی نسبت پیشگوئی موجود تھی۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو آج سے ۲۳۔۲۴ برس قبل ہر ایک جگہ اور ہر ایک فرقہ اور ملت حتیٰ کہ امریکہ یورپ وغیرہ میں شائع ہو چکی ہے اور موجود ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے وجود سے انکار کرتے ہیں وہ بتلاویں کہ اگر خدا تعالیٰ کی ذات موجود نہیں تو اس واقعہ کی خبر اس قدر عرصہ دراز پیشتر ہونی اور اس کا اسی طرح واقعہ ہونا اس کے کیا معنے ہیں؟" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۵)

وقوع نہیں ہونا تھا اور علاوہ بریں ہماری تعلیم ایسی تعلیم نہیں تھی کہ کوئی اس کو پکڑ سکے بلکہ یہ تعلیم تو امن کے پھیلانے والی ہے پھر یہ پیشگوئی کیسے پوری ہوتی؟ اس لیے خدا تعالیٰ نے اس نشان کو پورا کرنے کے لیے کابل کی سرزمین کو مقدر کیا ہوا تھا اور آخر ۲۴ سال کے بعد یہ پیشگوئی ٹھیک اسی طرح پوری ہوئی جس طرح پہلے فرمایا گیا تھا اس سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرۃ: ۲۱۷) یہ ایک قسم کی تسلی ہے۔ یعنی جب ایسا معاملہ ہو تو غم نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ اچھی نہیں ہوتی ہیں اور بہت سی ایسی ہوتی ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ درحقیقت تمہارے لیے مفید ہوتی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ارشاد بالکل سچ ہے اور مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ اب وقت آنے والا ہے کہ اس کی شہادت کی حکمت نکلنے والی ہے اور مَیں نے سُنا ہے کہ اس وقت چودہ آدمی قید کئے گئے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ عبداللطیف کو ناحق شہید کرایا گیا ہے اور یہ ظلم ہوا ہے وہ حق پر تھا اس پر امیر نے ان آدمیوں کو قید کر دیا ہے اور اُن کے وارثوں کو کہا ہے کہ وہ اُن کو سمجھائیں کہ ایسے خیالات سے وہ باز آجائیں مگر وہ موت کو پسند کرتے ہیں اور اس یقینی بات کو وہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اگر عبداللطیف شہید نہ ہوا ہوتا تو یہ اثر کس طرح پیدا ہوتا اور یہ رُعب کس طرح پر پڑتا۔

یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے کسی بڑی چیز کا ارادہ کیا ہے اور اس کی بنیاد عبداللطیف کی شہادت سے پڑی ہے۔ اگر مولوی عبداللطیف زندہ رہتے تو دس بیس برس تک زندہ رہتے آخر موت آجاتی اور موت آنی ہے اس سے تو آدمی بچ نہیں سکتا مگر یہ مَوت مَوت نہیں یہ زندگی ہے اور اس سے مفید نتیجے پیدا ہونے والے ہیں اور یہ مبارک بات ہے دشمن بھی اگر خبیث نہ ہو تو براہین احمدیہ کی پیشگوئی کو پڑھ کر اور اس کے اس طرح پر پوری ہونے کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اگر مفتری ہے اور رات کو جھوٹا الہام بنا کر سُنا دیتا ہے تو یہ اثر

لہ البدر میں یہ حصہ زیادہ مفصل لکھا ہے:۔

"چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ اس خون سے مجھ پر اور کل جماعت پر ایک بڑا صدمہ گذرے گا اس لیے پھر اس سے آگے وہ تسلی دیتا ہے کہ اس مصیبت اور اس صدمہ سے تم غمگین اور اُداس مت ہو خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے وہ دو کے عوض ایک قوم تمہارے پاس لائے گا وہ اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر ایک شے پر قادر ہے۔ ان کی شہادت میں حکمتِ الٰہی ہے۔ بہت امور ہیں جو تم چاہتے ہو کہ وقوع میں آویں حالانکہ ان کا واقع ہونا تمہارے لیے اچھا نہیں۔ اور بہت ہیں جو تم چاہتے ہو کہ واقع نہ ہوں حالانکہ ان کا واقع ہونا تمہارے لیے اچھا ہوتا ہے سو وہ حکمتِ الٰہی عنقریب ظاہر ہوگی اور معلوم ہوگا کہ اس خون میں کس قدر برکات ہیں۔"

(البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۵)

استقامت کیوں ہو اور ۲۳ یا ۲۴ سال کے بعد ایک بات جو بطور پیشگوئی شائع کی گئی تھی کیوں پوری ہو جاتی ہے؟[1]

اس قدر عرصہ دراز تک تو انسان کو اپنی زندگی کی بھی امید نہیں ہو سکتی اور پھر اس کے ماننے والوں میں اسقدر استقامت اور قوت ہے کہ بیوی بچوں تک کی پروا نہیں کرتا، مال اور جان کا خیال تک بھی نہیں کرتا۔ ایمان جیسی دولت پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ایک اہل بصیرت اس سے نتیجہ نکالنے میں غلطی نہیں کرے گا کہ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کے منشا ہی کے ماتحت ہے۔ ایک سلسلہ جو خود اس نے قائم کیا ہے اور آپ جس نے ایک نشان دیا ہے اُس نے وہ قوت اور استقامت اس شہید کو عطا کی تاکہ اس کی شہادت اس سلسلہ کی سچائی پر زبردست دلیل اور گواہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اب یہ نشان ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لیے ہدایت اور ترقی ایمان کا موجب ہوگا اور خدا تعالیٰ چاہے تو اس کے آثار ابھی سے نظر آنے لگے ہیں۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ مشہور بات ہے۔ عبداللطیف کے اس استقلال اور استقامت سے بہت بڑا فائدہ ان لوگوں کو ہوگا جو اس واقعہ پر غور کریں گے۔ چونکہ یہ موت بہت سی زندگیوں کا موجب ہونے والی ہے اس لیے یہ ایسی موت ہے کہ ہزاروں زندگیاں اس پر قربان ہیں۔

پھر اس پیشگوئی میں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ جو فرمایا ہے یہ دشمنوں کیلئے ہے کہ تمہیں بھی کبھی مرنا ہی ہے موت تو کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ پھر عبداللطیف کی موت پر جو موت نہیں بلکہ زندگی ہے تم کیوں خوش ہوتے ہو۔ آخر تمہیں بھی مرنا ہے۔ عبداللطیف کی موت تو بہتوں کی زندگی کا باعث ہوگی مگر تمہاری جان اکارت جائے گی اور کسی ٹھکانے نہ لگے گی۔

مولوی عبداللطیف کی شہادت اور استقامت کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ ۲۳-۲۴ برس سے ایک پیشگوئی براہین میں موجود تھی جو پوری ہوگئی اور یہ ہماری جماعت کے ایمان کو ترقی دینے کا موجب ہوگی۔ اسکے سوا اب یہ خون اُٹھنے لگا ہے اور اسکا اثر پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے جو ایک جماعت کو پیدا کر دے گا۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳ صفحہ ۱، ۲ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء)

یہ خون کبھی خالی نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے مصالح اور حکمتوں کو خوب جانتا ہے لیکن جہاں تک پیشگوئی کے الفاظ پر غور کرتا ہوں۔ اس میں عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ایک ہی بڑی تسلی اور اطمینان کی بات ہے کہ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس خون کے بہت بڑے بڑے نتائج پیدا ہونے والے

---

[1] البدر میں ہے:۔ "اگر ہم مفتری تھے تو اس قدر استقامت ان میں کیوں آگئی؟ کیا کبھی سُنا ہے کہ ایک مفتری کا مُرید ہو کر پھر کسی نے اس طرح سے جان دی ہو حالانکہ بار بار ان کو جان بچانے کا موقعہ بھی دیا گیا۔ الاستقامۃ فوق الکرامت۔ یہ بھی ہمارے سچا ہونے کی ایک دلیل ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۵)

ہیں۔ مَیں جانتا ہوں اور اس پر افسوس بھی کرتا ہوں کہ جس قسم کا نمونہ صدق و وفا کا عبداللطیف نے دکھلایا ہے۔ اس قسم کے ایمان کے لیے میرا کانشنس فتویٰ نہیں دیتا کہ ایسے لوگ میری جماعت میں بہت ہیں۔ اس لیے مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اسی قسم کا اخلاص اور صدق عطا کرے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کریں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کو عزیز نہ سمجھیں۔

بزدلی کو دُور کرو

مَیں ابھی جماعت میں بزدلی کو دیکھتا ہوں اور جب تک یہ بزدلی دُور نہ ہو۔ اور عبداللطیف کا سا ایمان پیدا نہ ہو۔ یقیناً یاد رکھو کہ وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ (البقرۃ:۱۰) میں داخل ہے۔ مومنوں میں وہ اس وقت داخل ہوں گے جب وہ اپنی نسبت یہ یقین کرلیں گے کہ ہم مُردے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب دشمنوں کے مقابلہ پر جاتے تھے وہ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا گھوڑوں پر مُردے سوار ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ اب ہم کو موت ہی اس میدان سے الگ کرے گی۔

اللہ تعالیٰ لاف وگزاف کو پسند نہیں کرتا وہ دل کی اندرونی حالت کو دیکھتا ہے کہ اس میں ایمان کا کیا رنگ ہے۔ جب ایمان قوی ہو تو استقامت اور استقلال پیدا ہوتا ہے اور پھر انسان اپنی جان و مال کو ہرگز اس ایمان کے مقابلہ میں عزیز نہیں رکھ سکتا اور استقامت ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، لیکن جب استقامت ہوتی ہے تو پھر انعامات الٰہیہ کا دروازہ کھُلتا ہے۔ دُعائیں بھی قبول ہوتی ہیں مکالماتِ الٰہیہ کا شرف بھی دیا جاتا ہے یہانتک کہ استقامت والے سے خوارق کا صدور ہونے لگتا ہے۔ ظاہری حالت اگر اپنی جگہ کوئی چیز ہوتی اور اس کی قدر و قیمت ہوتی تو ظاہر داری میں تو سب کے سب شریک ہیں۔ عام مسلمان نمازوں میں ہمارے ساتھ شریک ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک شرف اور بزرگی اندرونہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور بزرگی ظاہری نماز اور اعمال سے نہیں ہے بلکہ اس کی فضیلت اور بزرگی اس چیز سے ہے جو اس کے دل میں ہے حقیقت میں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ شرف اور علو دل ہی کی بات سے مخصوص ہے۔ مثلاً ایک شخص کے دو خدمتگار ہوں اور ان میں سے ایک خدمت گار تو ایسا ہو جو ہر وقت حاضر رہے اور بڑی جانفشانی سے ہر ایک خدمت کے کرنے کو حاضر اور تیار رہے اور دوسرا ایسا ہے کہ کبھی کبھی آجاتا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے جو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے۔ آقا بھی خوب جانتا ہے کہ یہ محض ایک مزدور ہے جو دن پورے ہو جانے پر تنخواہ لینے والا ہے اور اسی کے لیے کام کرتا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک قدر و قیمت اور محبت اسی سے ہوگی جو محنت اور جانفشانی سے کام کرتا ہے نہ کہ اس مزدور سے۔

اخلاص اور وفاداری

پس یاد رکھو کہ وہ چیز جو انسان کی قدر و قیمت کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھاتی ہے وہ اس کا اخلاص اور وفاداری ہے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے ورنہ مجاہدات خشک سے کیا ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا گیا ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی مجاہدات کرتے تھے جو چھت سے رسّہ باندھ کر آپ کو ساری رات جاگنے کے لیے لٹکا رکھتے تھے لیکن کیا وہ ان مجاہدات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہو گئے تھے؟ ہرگز نہیں۔

نامرد، بزدل، بیوفا جو خدا تعالیٰ سے اخلاص اور وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا بلکہ دغا دینے والا ہے وہ کس کام کا ہے اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔ ساری قیمت اور شرف وفا سے ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو شرف اور درجہ ملا وہ کس بناء پر ملا؟ قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا ہے۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (النجم: ۳۸) ابراہیم وہ جس نے ہمارے ساتھ وفاداری کی آگ میں ڈالے گئے مگر انہوں نے اس کو منظور نہ کیا کہ وہ ان کافروں کو کہہ دیتے کہ تمہارے ٹھاکروں کی پُوجا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے لیے ہر تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ اپنی بیوی کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آ۔ انہوں نے فی الفور اس کو قبول کر لیا۔ ہر ایک ابتلاء کو انہوں نے اس طرح پر قبول کر لیا کہ گویا عاشق اللہ تھا۔ درمیان میں کوئی نفسانی غرض نہ تھی۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتلاء پیش آئے۔ خویش و اقارب نے مل کر ہر قسم کی ترغیب دی کہ اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو ہم دینے کو تیار ہیں اور اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو اپنا بادشاہ بنا لینے کو تیار ہیں۔ اگر بیویوں کی ضرورت ہے تو خوبصورت بیویاں دینے کو موجود ہیں[1]۔ مگر آپ کا جواب یہی تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے شرک کے دُور کرنے کے واسطے مامور کیا ہے جو مصیبت اور تکلیف تم دینی چاہتے ہو دے لو میں اس سے رُک نہیں سکتا کیونکہ یہ کام جب خدا تعالیٰ نے میرے سُپرد کیا ہے پھر دنیا کی کوئی ترغیب اور خوف مجھ کو اس سے ہٹا نہیں سکتا۔ آپ جب طائف کے لوگوں کو تبلیغ کرنے گئے تو اُن خبیثوں نے آپ کے پتھر مارے جس سے آپ دَوڑتے دوڑتے گر جاتے تھے۔ لیکن ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں نے آپ کو اپنے کام سے نہیں روکا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کے لیے کیسی مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوتا ہے اور کیسی مشکل گھڑیاں اُن پر آتی ہیں مگر باوجود مشکلات کے اُن کی قدر شناسی کا بھی ایک دن مقرر ہوتا ہے اس وقت اُن کا صدق روزِ روشن کی طرح کھل جاتا ہے اور ایک دنیا ان کی طرف دَوڑتی ہے۔

عبد اللطیف کے لیے وہ دن جو اس کی سنگساری کا دن تھا کیسا مشکل تھا۔ وہ ایک میدان میں سنگساری کے لیے لایا گیا اور ایک خلقت اس تماشا کو دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ دن اپنی جگہ کس قدر قدر و قیمت رکھتا ہے

---

[1] البدر سے:۔ "مگر اس وعظ اور تبلیغ سے باز آؤ۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۶)

اگر اس کی باقی ساری زندگی ایک طرف ہو اور وہ دن ایک طرف، تو وہ دن قدر و قیمت میں بڑھ جاتا ہے زندگی کے یہ دن بہرحال گذر ہی جاتے ہیں اور اکثر بہائم کی زندگی کی طرح گذرتے ہیں۔ لیکن مبارک وہی دن ہے جو خدا تعالیٰ کی محبت اور وفا میں گذرے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس لطیف اور عمدہ غذائیں کھانے کے لیے اور خوبصورت بیویاں اور عمدہ عمدہ سواریاں سوار ہونے کو رکھتا ہے۔ بہت سے نوکر چاکر ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہتے ہیں۔ مگر ان سب باتوں کا انجام کیا ہے؟ کیا یہ لذتیں اور آرام ہمیشہ کے لیے ہیں؟ ہرگز نہیں ان کا انجام آخر فنا ہے۔ مردانہ زندگی یہی ہے کہ اس زندگی پر فرشتے بھی تعجب کریں۔ وہ ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اس کی استقامت اخلاص اور وفاداری تعجب خیز ہو۔ خدا تعالیٰ نامرد کو نہیں چاہتا۔ اگر زمین و آسمان بھی ظاہری اعمال سے بھر دیں لیکن ان اعمال میں وفا نہ ہو تو اُن کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ کتاب اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک انسان صادق اور وفادار نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی نمازیں بھی جہنم ہی کو لے جانے والی ہوتی ہیں۔ جب تک پورا وفادار اور مخلص نہ ہو۔ ریاکاری کی جڑ اندر سے نہیں جاتی ہے لیکن جب پُورا وفادار ہو جاتا ہے۔ اس وقت اخلاص اور صدق آتا ہے اور وہ زہریلا مادہ نفاق اور بزدلی کا جو پہلے پایا جاتا ہے دُور ہو جاتا ہے۔

صدق اور خدمت کا آخری موقعہ

اب وقت تنگ ہے مَیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ کوئی جوان یہ بھروسہ نہ کرے کہ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر ہے اور ابھی بہت وقت باقی ہے۔ تندرست اپنی تندرستی اور صحت پر ناز نہ کرے اسی طرح اور کوئی شخص جو عمدہ حالت رکھتا ہے وہ اپنی وجاہت پر بھروسہ نہ کرے۔ زمانہ انقلاب میں ہے، یہ آخری زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ صادق اور کاذب کو آزمانا چاہتا ہے۔ اس وقت صدق و وفا کے دکھانے کا وقت ہے اور آخری موقعہ دیا گیا ہے۔ یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ وہ وقت ہے کہ تمام نبیوں کی پیشگوئیاں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں اس لیے صدق اور خدمت کا یہ آخری موقع ہے جو نوعِ انسان کو دیا گیا ہے۔ اب اس کے بعد کوئی موقع نہ ہوگا۔ بڑا ہی بدقسمت وہ ہے جو اس موقع کو کھو دے۔

نرا زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے بلکہ کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگو کہ وہ تمہیں صادق بنا دے۔ اس میں کاہلی اور سستی سے کام نہ لو بلکہ مستعد ہو جاؤ۔ اور اس تعلیم پر جو مَیں پیش کر چکا ہوں عمل کرنے کے لیے کوشش کرو اور اس راہ پر چلو جو مَیں نے پیش کی ہے۔ عبداللطیف کے نمونہ کو ہمیشہ مدِّنظر رکھو کہ اس سے کس طرح پر صادقوں اور وفاداروں کی علامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ یہ نمونہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے پیش کیا ہے۔

ہمیشہ ملتے رہو۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ ایک دن آنا ہے کہ نہ ہم ہوں گے نہ تم اور نہ کوئی اور۔ اور یہ سب جنگل ویرانہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کی کیا حالت ہوگئی۔ ہر ایک حالت میں تبدیلی ہے پس اس تبدیلی کو مدنظر رکھو اور آخری وقت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ آنے والی نسلیں آپ لوگوں کا مُنہ دیکھیں گی اور اسی نمونہ کو دیکھیں گی۔ اگر تم پورے طور پر اپنے آپ کو اس تعلیم کا عامل نہ بناؤ گے تو گویا آنے والی نسلوں کو تباہ کرو گے۔ انسان کی فطرت میں نمونہ پرستی ہے وہ نمونہ سے بہت جلد سبق لیتا ہے۔ ایک شرابی اگر کہے کہ شراب نہ پیو یا ایک زانی کہے کہ زنا نہ کرو، ایک چور دوسرے کو کہے کہ چوری نہ کرو تو ان کی نصیحتوں سے دوسرے کیا فائدہ اُٹھائیں گے بلکہ وہ تو کہیں گے کہ بڑا ہی خبیث ہے وہ جو خود کرتا ہے اور دوسروں کو اس سے منع کرتا ہے جو لوگ خود ایک بدی میں مبتلا ہو کر اس کا وعظ کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ دوسروں کو نصیحت کرنے والے اور خود عمل نہ کرنے والے بے ایمان ہوتے ہیں اور اپنے واقعات کو چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسے واعظوں سے دنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچتا ہے۔

ایک مولوی کا ذکر ہے کہ اس نے ایک مسجد کا بہانہ کر کے ایک لاکھ روپیہ جمع کیا۔ ایک جگہ وہ وعظ کر رہا تھا اس کے وعظ سے متاثر ہو کر ایک عورت نے اپنی پازیب اُتار کر اس کو چندہ میں دے دی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اے نیک عورت کیا تو چاہتی ہے کہ تیرا دوسرا پاؤں جہنم میں جائے۔ اس نے فی الفور دوسری پازیب بھی اُتار کر اُسے دے دی۔ مولوی صاحب کی بیوی بھی اس وعظ میں موجود تھی۔ اس کا اس پر بھی بڑا اثر ہوا اور جب مولوی صاحب گھر میں آئے تو دیکھا کہ ان کی عورت روتی ہے اور اس نے اپنا سارا زیور مولوی صاحب کو دے دیا کہ اسے بھی مسجد میں لگا دو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تو کیوں ایسا روتی ہے یہ تو صرف چندہ کی تجویز تھی اور کچھ نہ تھا۔

غرض ایسے نمونوں سے دُنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔ ہماری جماعت کو ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے تم ایسے نہ بنو۔ چاہیئے کہ تم ہر قسم کے جذبات سے بچو۔ ہر ایک اجنبی جو تم کو ملتا ہے وہ تمہارے مُنہ کو تاڑتا ہے اور تمہارے اخلاق، عادات۔ استقامت۔ پابندیٔ احکام الٰہی کو دیکھتا ہے کہ کیسے ہیں۔ اگر عمدہ نہیں تو وہ تمہارے ذریعہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ پس ان باتوں کو یاد رکھو (تَمَّ کَلَامُہُ الْمُبَارَکُ)۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۴ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۴ء)

٭ ٭ ٭

۲۸ر دسمبر ۱۹۰۳ء

دلائل الخیرات اور دیگر وظائف کی نسبت امام الوقت کی رائے

ایک صاحب[1] آمدہ از امروہہ نے دریافت کیا کہ دلائل الخیرات جو ایک کتاب وظیفوں کی ہے اگر اُسے پڑھا جاوے تو کچھ حرج تو نہیں؟ کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف ہی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعریف جا بجا ہے۔ فرمایا کہ:-

انسان کو چاہیئے کہ قرآن شریف کثرت سے پڑھے جب اس میں دُعا کا مقام آوے تو دُعا کرے اور خود بھی خدا تعالیٰ سے وہی چاہے جو اس دُعا میں چاہا گیا ہے اور جہاں عذاب کا مقام آوے تو اس سے پناہ مانگے اور ان بداعمالیوں سے بچے جس کے باعث وہ قوم تباہ ہوئی۔ بلا مدد وحی کے ایک بالائی منصوبہ جو کتاب اللہ کے ساتھ ملاتا ہے۔ وہ اُس شخص کی ایک رائے ہے جو کہ کبھی باطل بھی ہوتی ہے اور ایسی رائے جس کی مخالفت احادیث میں موجود ہو وہ محدثات میں داخل ہوگی۔ رسم اور بدعات سے پرہیز بہتر ہے اس سے رفتہ رفتہ شریعت میں تصرف شروع ہو جاتا ہے۔ بہتر طریق یہ ہے کہ ایسے وظائف میں جو وقت اس نے صرف کرنا ہے وہی قرآن شریف کے تدبّر میں لگاوے۔ دل کی اگر سختی ہو تو اس کے نرم کرنے کے لیے یہی طریق ہے کہ قرآن شریف کو ہی بار بار پڑھے جہاں جہاں دُعا ہوتی ہے وہاں مومن کا بھی دل چاہتا ہے کہ یہی رحمتِ الٰہی میرے بھی شاملِ حال ہو۔ قرآن شریف کی مثال ایک باغ کی ہے کہ ایک مقام سے انسان کسی قسم کا پھُول چُنتا ہے۔ پھر آگے چل کر اور قسم کا چُنتا ہے پس چاہیئے کہ ہر ایک مقام کے مناسب حال فائدہ اُٹھاوے۔ اپنی طرف سے الحاق کی کیا ضرورت ہے ورنہ پھر سوال ہوگا کہ تم نے ایک نئی بات کیوں بڑھائی؟ خدا تعالیٰ کے سوا اور کس کی طاقت ہے کہ کہے فلاں راہ سے اگر سُورۂ یٰسٓ پڑھو گے تو برکت ہوگی ورنہ نہیں۔

قرآن شریف سے اعراض کی صورتیں

قرآن شریف سے اعراض کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صوری اور ایک معنوی

صوری یہ کہ کبھی کلام الٰہی کو پڑھا ہی نہ جاوے جیسے اکثر لوگ مسلمان کہلاتے ہیں مگر وہ قرآن شریف کی عبارت تک سے بالکل غافل ہیں اور ایک معنوی کہ تلاوت تو کرتا ہے مگر اس کی برکات و انوار و رحمت الٰہی پر ایمان نہیں ہوتا۔ پس دونو اعراضوں میں سے کوئی اعراض ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

---

[1] الحکم میں ان کا نام قاضی آلِ احمد صاحب رئیس امروہہ لکھا ہے۔ (مرتب)

امام جعفر کا قول ہے واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے کہ میں اس قدر کلام الٰہی پڑھتا ہوں کہ ساتھ ہی الہام شروع ہو جاتا ہے مگر بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک جنس کی شئی دوسری شئی کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ اب اس زمانہ میں لوگوں نے صدہا حاشئے چڑھائے ہوئے ہیں شیعوں نے الگ۔ سنیوں نے الگ۔ ایک دفعہ ایک شیعہ نے میرے والد صاحب سے کہا کہ میں ایک فقرہ بتلاتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو تو پھر طہارت اور وضو وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اسلام میں کفر۔ بدعت۔ الحاد۔ زندقہ وغیرہ۔ اسی طرح سے آئے ہیں کہ ایک شخص واحد کے کلام کو اس قدر عظمت دی گئی جس قدر کہ کلام الٰہی کو دی جانی چاہیئے تھی۔ صحابہ کرامؓ اسی لیے احادیث کو قرآن شریف سے کم درجہ پر مانتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ فیصلہ کرنے لگے تو ایک بوڑھی عورت نے اُٹھ کر کہا۔ حدیث میں یہ لکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک بڑھیا کے لیے کتاب اللہ کو ترک نہیں کر سکتا۔

اگر ایسی ایسی باتوں کو جن کے ساتھ وحی کی کوئی مدد نہیں۔ وہی عظمت دی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسیح کی حیات کی نسبت جو اقوال ہیں اُن کو بھی صحیح مان لیا جاوے حالانکہ وہ قرآن شریف کے بالکل مخالف ہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ ؍ جنوری ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۳۱ ؍ جنوری ۱۹۰۴ء)

---

۸ ؍ جنوری ۱۹۰۴ء

(بعد نماز جمعہ[1])

گناہ سے بچنے کا طریق

فرمایا:۔ گلستان میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ؎

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد

گناہ اور غفلت سے پرہیز کے لیے اس قدر تدبیر کی ضرورت ہے جو حق ہے تدبیر کا۔ اور اس قدر دُعا کرے جو حق ہے دُعا کا۔ جب تک یہ دونو اس درجہ پر نہ ہوں اس وقت تک انسان تقویٰ کا درجہ حاصل نہیں

---

[1] بعد نماز جمعہ اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جناب نواب محمد علی خاں صاحب ڈائرکٹر مدرسۃ تعلیم الاسلام قادیان کے برادر معظم اور جناب مشیر اعلیٰ ریاست مالیر کوٹلہ (جو اپنے کسی ضروری کام کے لیے آئے تھے) ملاقات ہوئی۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقعہ پر یہ تقریر فرمائی۔ (مرتب)

کرتا اور پورا متقی نہیں بنتا۔ اگر صرف دُعا کرتا ہے اور خود کوئی تدبیر نہیں کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا امتحان کرتا ہے۔ یہ سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امتحان نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زمیندار اپنی زمین میں تردد تو نہیں کرتا اور بدوں کاشت کے دُعا کرتا ہے کہ اس میں غلہ پیدا ہو جائے۔ وہ حقِ تدبیر کو چھوڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کا امتحان کرتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح پر جو شخص صرف تدبیر کرتا ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا اور خدا تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا وہ ملحد ہے۔

تدبیر اور دُعا کا اتحاد اسلام ہے

جیسے پہلا آدمی جو صرف دُعا کرتا ہے اور تدبیر نہیں کرتا وہ خطاکار ہے۔ اسی طرح پر یہ دوسرا جو تدبیر ہی کو کافی سمجھتا ہے وہ ملحد ہے مگر تدبیر اور دعا دونوں باہم ملا دینا اسلام ہے۔ اسی واسطے مَیں نے کہا ہے کہ گناہ اور غفلت سے بچنے کے لیے اس قدر تدبیر کرے جو تدبیر کا حق ہے اور اس قدر دُعا کرے جو دعا کا حق ہے۔ اسی واسطے قرآن شریف کی پہلی ہی سورۃ فاتحہ میں ان دونوں باتوں کو مدِنظر رکھ کر فرمایا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ (الفاتحۃ: ۵) اِیَّاکَ نَعْبُدُ اسی اصل تدبیر کو بتاتا ہے اور مقدم اس کو کیا ہے کہ پہلے انسان رعایتِ اسباب اور تدبیر کا حق ادا کرے مگر اس کے ساتھ ہی دعا کے پہلو کو چھوڑ نہ دے بلکہ تدبیر کے ساتھ ہی اس کو مدِنظر رکھے۔ مومن جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو معاً اس کے دل میں گذرتا ہے کہ مَیں کیا چیز ہوں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں جب تک اُس کا فضل اور کرم نہ ہو۔ اس لیے وہ معاً کہتا ہے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ یہ اک نازک مسئلہ ہے جس کو بجز اسلام کے اَور کسی مذہب نے نہیں سمجھا۔ اسلام ہی نے اس کو سمجھا ہے۔ عیسائی مذہب کا تو ایسا حال ہے کہ اس نے ایک عاجز انسان کے خون پر بھروسہ کر لیا اور انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ ان میں دُعا کے لیے وہ جوش اور اضطراب ہی کب پیدا ہو سکتا ہے جو دعا کے ضروری اجزاء ہیں وہ تو انشاء اللہ کہنا بھی گناہ سمجھتے ہیں لیکن مومن کی روح ایک لحظہ کے لیے بھی گوارا نہیں کرتی کہ وہ کوئی بات کرے اور انشاء اللہ ساتھ نہ کہے۔ پس اسلام کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ اس میں داخل ہونے والا اس اصل کو مضبوط پکڑ لے۔ تدبیر بھی کرے اور مشکلات کے لیے دُعا بھی کرے اور کراوے۔ اگر ان دونوں پلڑوں میں سے کوئی ایک ہلکا ہے تو کام نہیں چلتا ہے اس لیے ہر ایک مومن کے واسطے ضروری ہے کہ اس پر عمل کرے مگر اس زمانہ میں مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ وہ تدبیریں تو کرتے ہیں مگر دعا سے غفلت کی جاتی ہے بلکہ اسباب پرستی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ تدابیر دنیا ہی کو خدا بنا لیا گیا ہے اور دعا پر ہنسی کی جاتی ہے اور اس کو ایک فضول شئے قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سارا اثر یورپ کی تقلید سے ہوا ہے۔ یہ خطرناک زہر ہے جو دنیا میں پھیل رہا ہے مگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس زہر کو دُور کرے چنانچہ یہ سلسلہ اس نے اسی لیے قائم کیا ہے تا دُنیا

کو خدا تعالیٰ کی معرفت ہو۔ اور دعا کی حقیقت اور اس کے اثر سے اطلاع ملے۔

آداب الدعاء

بعض لوگ اس قسم کے بھی ہیں جو بظاہر دعا بھی کرتے ہیں مگر اس کے فیوض اور ثمرات سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آداب الدعا سے ناواقف ہوتے ہیں اور دُعا کے اثر اور نتیجہ کے لیے بہت جلدی کرتے ہیں اور آخر تھک کر رہ جاتے ہیں حالانکہ یہ طریق ٹھیک نہیں ہے۔ پس کچھ تو پہلے ہی زمانہ کے اثر اور رنگ سے اسباب پرستی ہو گئی ہے اور دُعا سے غفلت عام ہو گئی۔ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رہا۔ نیکیوں کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور کچھ ناواقفی اور جہالت نے تباہی کر رکھی ہے کہ حق کو چھوڑ کر صراط مستقیم کو چھوڑ کر اَور اور طریقے اور راہ ایجاد کر لیے ہیں جس کی وجہ سے لوگ بھٹکتے پھر رہے ہیں اور کامیاب نہیں ہوتے۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ جس سے دُعا کرتا ہے اس پر کامل ایمان ہو۔ اس کو موجود۔ سمیع۔ بصیر۔ خبیر۔ علیم۔ متصرف۔ قادر سمجھے اور اس کی ہستی پر ایمان رکھے کہ وہ دُعاؤں کو سُنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ مگر کیا کروں کس کو سُناؤں اب اسلام میں مشکلات ہی اَور آ پڑی ہیں کہ جو محبت خدا تعالیٰ سے کرنی چاہیئے وہ دوسروں سے کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا رُتبہ انسانوں اور مُردوں کو دیتے ہیں۔ حاجت روا اور مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تھی۔ مگر اب جس قبر کو دیکھو وہ حاجت روا ٹھہرائی گئی ہے۔ مَیں اس حالت کو دیکھتا ہوں تو دل میں درد اُٹھتا ہے مگر کیا کہیں کس کو جا کر سُنائیں۔

دیکھو قبر پر اگر ایک شخص بیس برس بھی بیٹھا ہوا پکارتا رہے تو اس قبر سے کوئی آواز نہیں آئے گی مگر مسلمان ہیں کہ قبروں پر جاتے اور اُن سے مُرادیں مانگتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں وہ قبر خواہ کسی کی بھی ہو اس سے کوئی مراد بَر نہیں آسکتی۔ حاجت روا اور مشکل کُشا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور کوئی اس صفت کا موصوف نہیں۔ قبر سے کسی آواز کی اُمید مت رکھو۔ برخلاف اس کے اگر اللہ تعالیٰ کو اخلاص اور ایمان کے ساتھ دن میں دس مرتبہ بھی پکارو تو مَیں یقین رکھتا ہوں اور میرا اپنا تجربہ ہے کہ وہ دس دفعہ ہی آواز سُنتا اور دس ہی دفعہ جواب دیتا ہے لیکن یہ شرط ہے کہ پکارے اس طرح پر جو پکارنے کا حق ہے۔

ہم سب ابرار، اخیارِ اُمت کی عزت کرتے ہیں اور اُن سے محبت رکھتے ہیں لیکن ان کی محبت اور عزت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہم اُن کو خدا بنا لیں اور وہ صفات جو خدا تعالیٰ میں ہیں ان میں یقین کر لیں۔

مَیں بڑے دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ ہماری آواز نہیں سُنتے اور اس کا جواب نہیں دیتے۔ دیکھو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک گھنٹہ میں ۷۲ آدمی آپ کے شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ سخت نرغہ میں تھے اب طبعاً ہر ایک شخص کا کانشنس گواہی دیتا ہے کہ وہ اس وقت جبکہ ہر طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے

اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوں گے کہ اس مشکل سے نجات مل جاوے لیکن وہ دعا اُس وقت منشاء الٰہی کے خلاف تھی اور قضاء وقدر اس کے مخالف تھے اس لیے وہ ایسی جگہ شہید ہو گئے۔ اگر ان کے قبضہ و اختیار میں کوئی بات ہوتی تو انہوں نے کونسا دقیقہ اپنے بچاؤ کے لیے اُٹھا رکھا تھا مگر کچھ بھی کارگر نہ ہوا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قضا وقدر کا سارا معاملہ اور تصرفِ تام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جو اس قدر ذخیرہ قدرت کا رکھتا ہے اور حیّ وقیوم ہے۔ اس کو چھوڑ کر جو مُردوں اور عاجز بندوں کی قبروں پر جا کر اُن سے مُرادیں مانگتا ہے اس سے بڑھ کر بے نصیب کون ہو سکتا ہے؟

انسان کے سینہ میں دو دل نہیں ہوتے۔ ایک ہی دل ہے وہ دو جگہ محبت نہیں کر سکتا اس لیے اگر کوئی زندوں کو چھوڑ کر مُردوں کے پاس جاتا ہے وہ حفظِ مراتب نہیں کرتا۔ اور یہ مشہور بات ہے۔ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

خدا تعالیٰ کو خدا تعالےٰ کی جگہ پر رکھو اور انسان کو انسان کا مرتبہ دو۔ اس سے آگے مت بڑھاؤ مگر میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ حفظِ مراتب نہیں کیا جاتا۔ زندہ اور مُردہ کی تفریق ہی نہیں رہی بلکہ انسان عاجز اور خدائے قادر میں کوئی فرق اس زمانہ میں نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے۔ صدیوں سے خدا تعالےٰ کا قدر نہیں پہچانا گیا اور خدا تعالیٰ کی عظمت وجبروت عاجز بندوں اور بے قدر چیزوں کو دی گئی۔

مجھے تعجب آتا ہے ان لوگوں پر جو مسلمان کہلاتے ہیں لیکن باوجود مسلمان کہلانے کے خدا تعالیٰ کو چھوڑتے ہیں اور اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں جیسا کہ میں دیکھتا ہوں کہ مسیح ابن مریم کو جو ایک عاجز انسان تھا اور اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہ ہوئے ہوتے تو اس کی رسالت بھی ثابت نہ ہوتی بلکہ انجیل سے تو وہ کوئی اعلیٰ اخلاق کا آدمی بھی ثابت نہیں ہوتا لیکن عیسائیوں کے اثر سے متاثر ہو کر مسلمان بھی ان کو خدائی درجہ دینے میں پیچھے نہیں رہے کیونکہ جیسا کہ وہ صاف مانتے ہیں کہ وہ اب تک حیّ وقیوم ہے اور زمانہ کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوا، آسمان پر موجود ہے۔ مُردوں کو زندہ کیا کرتا تھا۔ جانوروں کو پیدا کرتا تھا غیب جاننے والا تھا۔ پھر اس کے خدا بنانے میں اَور کیا باقی رہا۔

افسوس مسلمانوں کی عقل ماری گئی جو ایک خدا کے ماننے والے تھے وہ اب ایک مُردہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ اور اُن خداؤں کا تو شمار نہیں جو مُردہ پرستوں اور مزار پرستوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت اور صورت میں خدا تعالےٰ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اُن مصنوعی خداؤں کی خدائی کو خاک میں ملایا جاوے۔ زندوں اور مُردوں میں ایک امتیاز قائم کر کے دُنیا کو حقیقی خدا کے سامنے سجدہ کرایا جاوے۔ اسی غرض کے لیے اس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور اپنے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔

یاد رکھو انبیاء علیہم السلام کو جو شرف اور رُتبہ ملا وہ صرف اسی بات سے ملا ہے کہ انہوں نے حقیقی خدا کو پہچانا اور اس کی قدر کی۔ اسی ایک ذات کے حضور انہوں نے اپنی ساری خواہشوں اور آرزوؤں کو قربان کیا۔ کسی مُردہ اور مزار پر بیٹھ کر انہوں نے مُرادیں نہیں مانگی ہیں۔

دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنے بڑے عظیم الشان نبی تھے اور خدا تعالیٰ کے حضور اُن کا کتنا بڑا درجہ اور رُتبہ تھا اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجائے خدا تعالیٰ کے حضور گرنے کے ابراہیم کی پُوجا کرتے تو کیا ہوتا؟ کیا آپ کو وہ اعلےٰ درجہ کے مراتب مل سکتے جو اب ملے ہیں؟ کبھی نہیں۔ پھر جبکہ ابراہیم علیہ السلام آپ کے بزرگ بھی تھے اور آپ نے اُن کی قبر پر جا کر یا بیٹھ کر اُن سے کچھ نہیں مانگا اور نہ کسی اور قبر پر جا کر آپ نے اپنی کوئی حاجت پیش کی تو یہ کس قدر بیوقوفی اور بے دینی ہے کہ آج مسلمان قبروں پر جا کر اُن سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اور اُن کی پُوجا کرتے ہیں۔ اگر قبروں سے کچھ مل سکتا تو اس کے لیے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبروں سے مانگتے۔ مگر نہیں مُردہ اور زندہ میں جس قدر فرق ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی مخلوق اور ہستی نہیں ہے جس کی طرف انسان توجہ کرے اور اس سے کچھ مانگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کے عاشق زار اور دیوانہ ہوئے اور پھر وہ پایا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہیں ملا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت تھی کہ عام لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ یعنی محمد اپنے رب پر عاشق ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حقیقت میں انبیاء علیہم السلام کو جو شرف ملا اور جو نعمت حاصل ہوئی وہ اسی وجہ سے اور اگر کوئی پا سکتا ہے تو اسی ایک راہ سے پا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دامن پکڑا۔ اور قوم اور برادری کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ خدا تعالیٰ نے بھی وہ وفا کی کہ ساری دُنیا جانتی ہے جس مکہ سے آپ نکالے گئے تھے اسی مکہ میں ایک شہنشاہ کی شان اور حیثیت سے داخل ہوئے۔ قوم اور برادری نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ ایذا رسانی کا باقی نہیں چھوڑا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ ساتھ تھا وہ کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں اور نبیوں اور رسُولوں کی زندگی اس پر گواہ ہے کہ وہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اس لیے وہ نہیں مرتے جب تک کہ اُن کی مرادیں پُوری نہ ہو جائیں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو لیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کی قبولیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں دنیا کے لیے نہ تھیں بلکہ آپ کی دُعائیں یہ تھیں کہ بُت پرستی دُور ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی توحید قائم ہو اور یہ انقلاب عظیم مَیں دیکھ لوں کہ جہاں ہزاروں بُت پُوجے جاتے ہیں وہاں ایک خدا کی پرستش ہو۔ پھر تم خود ہی سوچو اور مکہ کے اس انقلاب کو دیکھو کہ جہاں بت پرستی کا اس قدر چرچا تھا کہ ہر ایک گھر میں بُت رکھا ہوا تھا۔ آپ کی زندگی ہی میں سارا مکہ مسلمان ہو گیا اور ان بتوں

کے پجاریوں ہی نے ان کو توڑا۔ اور ان کی مذمت کی۔ یہ حیرت انگیز کامیابی یہ عظیم الشان انقلاب کسی نبی کی زندگی میں نظر نہیں آتا جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ یہ کامیابی آپ کی اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی اور اللہ تعالیٰ سے شدید تعلقات کا نتیجہ تھا۔

ایک وقت وہ تھا کہ آپ مکہ کی گلیوں میں تنہا پھرا کرتے تھے اور کوئی آپ کی بات نہ سُنتا تھا۔ پھر ایک وقت وہ تھا جب آپ کے انقطاع کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد دلایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ (النصر: ۲-۳) آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ جب یہ آیت اُتری تو آپ نے فرمایا کہ اس سے وفات کی بُو آتی ہے کیونکہ وہ کام جو میں چاہتا تھا وہ تو ہو گیا ہے اور اصل قاعدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اسی وقت تک دُنیا میں رہتے ہیں جب تک وہ کام جس کے لیے وہ بھیجے جاتے ہیں نہ ہو لے جب وہ کام ہو چکتا ہے تو اُن کی رحلت کا زمانہ آجاتا ہے جیسے بندوبست والوں کا جب کام ختم ہو جاتا ہے تو وہ اس ضلع سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پر جب آیت شریفہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدۃ: ۴) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جس پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے اس آیت کو سُنکر رونے لگے۔ صحابہؓ میں سے ایک نے کہا کہ اے بڈھے! تجھے کس چیز نے رُلایا۔ آج تو مومنوں کے لیے بڑی خوشی کا دن ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نہیں جانتا اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے[1]

دنیا میں اسی طرح پر قاعدہ ہے کہ جب مثلاً محکمہ بندوبست ایک جگہ کام کرتا ہے اور وہ کام ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہ عملہ وہاں نہیں رہتا ہے۔ اسی طرح انبیاء و رُسل علیہم السلام دنیا میں آتے ہیں۔ اُن کے آنے کی ایک غرض ہوتی ہے اور جب وہ پوری ہو جاتی ہے پھر وہ رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیکھتا ہوں تو آپ سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت اور قابلِ فخر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو کامیابی آپ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہیں ملی۔

آپ ایسے زمانہ میں آئے کہ دنیا کی حالت مسخ ہو چکی تھی اور وہ مجذوم کی طرح بگڑی ہوئی تھی اور آپ اس وقت رخصت ہوئے جب آپ نے لاکھوں انسانوں کو ایک خدا کے حضور جُھکا دیا اور توحید پر قائم کر دیا۔ آپ کی قوتِ قدسی کی تاثیر کا مقابلہ کسی نبی کی قوتِ قدسی نہیں کر سکتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسی حالت میں منقطع ہوئے کہ وہ حواری جو بڑی محنت سے تیار کئے تھے جن کو رات دن ان کی صحبت میں رہنے کا موقعہ ملتا تھا وہ بھی پورے طور پر مخلص اور وفادار ثابت نہ ہوئے اور خود حضرت مسیحؑ کو اُن کے ایمان اور اخلاص پر شک ہی رہا

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۵ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۴ء، نیز البدر جلد ۳ نمبر ۸ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء

یہانتک کہ وہ آخری وقت جو مصیبت اور مشکلات کا وقت تھا وہ حواری ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک نے گرفتار کرادیا اور دوسرے نے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ لعنت کی۔ اس سے بڑھ کر ناکامی اور کیا ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی راستہ ہی میں فوت ہو گئے اور وہ ارضِ مقدس کی کامیابی نہ دیکھ سکے اور ان کے بعد ان کا خلیفہ اور جانشین اس کا فاتح ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی قابلِ فخر کامیابی کا نمونہ ہے اور وہ کامیابی ایسی عظیم الشان ہے جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ آپ جس بات کو چاہتے تھے جب تک اس کو پورا نہ کر لیا آپ رخصت نہیں ہوئے۔ آپ کی رُوحانیت کا تعلق سب سے زیادہ خدا تعالیٰ سے تھا اور آپ اللہ تعالےٰ کی توحید کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کون اس سے ناواقف ہے کہ اس سرزمین میں جو بُتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہمیشہ کے لیے بُت پرستی دُور ہو کر ایک خدا کی پرستش قائم ہوگئی۔ آپ کی نبوت کے سارے ہی پہلو اس قدر روشن ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔

آپ ایک خطرناک تاریکی کے وقت دنیا میں آئے۔ اور اس وقت گئے جب اس تاریکی سے دُنیا کو روشن کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی قدسی قوت کے کمالات کا یہ بھی ایک اثر اور نمونہ ہے کہ وہ کمالات ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ نظر آتے ہیں اور کبھی وہ قصہ یا کہانی کا رنگ اختیار نہیں کر سکتے۔

اسلام کی برکات اور خوارق ہر زمانہ میں جاری ہیں

اگرچہ مجھے افسوس ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ خوارق اور اعجاز اب نہیں ہیں پیچھے ہی رہ گئے ہیں مگر یہ اُن کی بدقسمتی اور محرومی ہے۔ وہ خود چونکہ ان کمالات و برکات سے جو حقیقی اسلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اطاعت سے حاصل ہوتی ہیں محروم ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تاثیریں اور برکات پہلے ہوا کرتی تھیں اب نہیں۔ ایسے بیہودہ اعتقاد سے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان پر حملہ کرتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس وقت جبکہ مسلمانوں میں یہ زہر پھیل گئی تھی اور خود مسلمانوں کے گھروں میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے والے پیدا ہو گئے تھے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں دکھاؤں کہ اسلام کے برکات اور خوارق ہر زمانہ میں تازہ بہ تازہ نظر آتے ہیں۔

اور لاکھوں انسان گواہ ہیں کہ انہوں نے ان برکات کو مشاہدہ کیا ہے اور صدہا ایسے ہیں جنہوں نے خود ان برکات اور فیوض سے حصہ پایا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایسا بیّن اور روشن ثبوت ہے کہ اس معیار پر آج کسی نبی کا متبع وہ علامات اور آثار نہیں دکھا سکتا جو میں دکھا سکتا ہوں۔

❊ ❊ ❊

آنحضرتؐ کے صحابہؓ کا مقام

جس طرح پر یہ قاعدہ ہے کہ وہی طبیب حاذق اور دانا سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ مریض اچھے کرے اسی طرح انبیاء علیہم السلام سے وہی افضل ہوگا جو رُوحانی انقلاب سب سے بڑھ کر کرنے والا ہو اور جس کی تاثیرات کا سلسلہ ابدی ہو۔

اب اس محک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور مسیح کی کامیابی کو دیکھو۔ ایک موقعہ مسیح پر مشکلات کا آتا ہے وہ قوم اور جماعت جو اُس نے تیار کی تھی وہ اپنا کیا نمونہ دکھاتی ہے۔ انجیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بارہ خاص شاگرد جو حواری کہلاتے تھے اس کو چھوڑ بیٹھے اور جو اُن میں بھی خاص تھے ایک تیس روپے کے لالچ سے اس کو گرفتار کرانے والا ٹھہرا۔ اور دوسرا جس کو بہشت کی کنجیاں دی گئی تھیں وہ سامنے لعنت بھیجتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر نکلتے ہیں مگر وہ اس قوم کو کیا کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بات بات پر اعتراض کرنے والے اور انکار کرنے والی قوم تھی یہاں تک کہ کہدیا اِذْ هَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ (المائدۃ: ۲۵) مگر اس کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو دیکھو کہ انہوں نے بکریوں کی طرح اپنا خون بہادیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ایسے گم ہوگئے کہ وہ اس کے لیے ہر ایک تکلیف اور مصیبت اُٹھانے کو ہر وقت تیار تھے۔ انہوں نے یہانتک ترقی کی کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (البینۃ: ۹) کا سرٹیفکیٹ ان کو دیا گیا۔

پس صحابہ کرامؓ کی وہ پاک جماعت تھی جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی الگ نہیں ہوئے اور وہ آپ کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے بلکہ دریغ نہیں کیا ان کی نسبت آیا ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴) یعنی بعض اپنا حق ادا کر چکے اور بعض منتظر ہیں کہ ہم بھی اس راہ میں مارے جاویں۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و عظمت معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہاں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے روشن ثبوت ہیں۔ اب کوئی شخص ان ثبوتوں کو ضائع کرتا ہے۔ تو وہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ضائع کرنا چاہتا ہے پس وہی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی قدر کر سکتا ہے جو صحابہ کرامؓ کی قدر کرتا ہے جو صحابہ کرامؓ کی قدر نہیں کرتا۔ وہ ہرگز ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہیں کرتا وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اگر کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں کیونکہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو اور پھر صحابہؓ سے دشمنی۔

جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بُرا سمجھتے ہیں اور ان سے دشمنی کرتے ہیں وہ فی الحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی نبوت کے روشن دلائل کو توڑتے ہیں۔ جب ایک ٹانگ ٹوٹ جاوے تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے سارے زمانہ رسالت میں دو چار آدمی بھی معاذ اللہ ایسے تیار نہیں

کرکے جو اعلیٰ درجہ کے باخدا انسان ہوں اور جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی رُوحانی تبدیلی کرلی ہو تو پھر آپ کی قوتِ قدسی کا کیا ثبوت رہ جاوے گا۔ پھر اگر دوسرے لوگوں کے اعتراضوں کو دیکھا جاوے جو وہ ان پر کرتے ہیں تو پھر معاذ اللہ ایک بھی راستباز آپ کی تعلیم سے ثابت نہیں ہوتا۔ بیاضیہ (خوارج) حضرت علیؓ کو معاذ اللہ مُرتد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرلیا حالانکہ ان کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی فرمایا تھا۔ اس اعتراض کا جواب شیعہ کیا دے سکتے ہیں۔ اسی طرح پر بیاضیہ کے اعتراض ایسے ہیں کہ اُن کو سُنکر بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔

ادھر شیعہ ہیں کہ وہ شیخین کی ذات پاک پر شوخی کے ساتھ اعتراضات جمع کرتے ہیں لیکن اگر یہ دونو فریق خدا ترسی اور رُوحانیت سے کام لیتے تو ایسا نہ کرتے۔ وہ دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جسم کی طرح ہیں اور صحابہ کرامؓ آپ کے اعضاء ہیں۔ جب اعضاء کاٹ دیئے جاویں تو پھر باقی کیا رہ گیا۔ جسم ناقص رہ جاتا ہے اور خوبصورتی بھی باقی نہیں رہتی۔

ان باتوں کو سُن سُن کر بدن پر لرزہ پڑتا ہے اور مسلمانوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ وہ اپنی اس قسم کی کارروائیوں سے بھی دشمنوں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ دیتے ہیں اور اُن کی زبانیں کھلتی ہیں بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے اسلام کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی اندرونی کمزوریوں اور خرابیوں نے یہ ضرورت پیدا کی کہ خدا تعالیٰ اپنے دین کی تائید اور نصرت کے لیے ایک سلسلہ قائم کر دیتا جو ان غلط فہمیوں کو دلوں سے دُور کر دیتا۔ یہی غرض ہے میرے آنے کی۔ جو سعید الفطرت ہیں وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ یہ بات بڑی ہی قابلِ غور ہے کہ یہ لوگ جو مسلمان کہلا کر صحابہ کی ذات پر حملہ کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملہ کرتے ہیں اور قرآن شریف کی عزت پر حملہ کرتے ہیں غیر قوموں خصوصاً عیسائیوں کے بالمقابل ہمارا یہی زبردست دعویٰ ہے کہ آپ کی پاک تعلیم اور صحبت نے ایسی اعلیٰ درجہ کی رُوحانیت پیدا کی اور بالمقابل مسیح کے بارہ حواری بھی درست نہ رہ سکے، لیکن جب یہ عقیدہ ہو کہ بجز ایک یا دو کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت میں کسی کی بھی اصلاح نہیں ہوئی تو پھر ہم کو مُنہ دکھانے کی بھی جگہ نہیں رہتی۔ اس صورت میں ہم اُن کے سامنے کیا پیش کر سکتے ہیں؟ قرآن شریف کی اس سے کیا عزت رہی۔ ایک طرف تو ہم یہ مانتے اور پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم خاتم الکتب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء۔ اور نبوت ختم ہو چکی۔ دوسری طرف اس کی تاثیرات کو یہانتک ظاہر کرتے ہیں کہ ایک آدمی کے سوا کوئی درست نہ ہو سکا اور جب اس پر ان اعتراضوں کو جمع کیا جاوے جو مخالف کرتے ہیں تو پھر نتیجہ نکلتا

ہے کہ ایک بھی درست نہیں ہوا بلکہ سارے مُرتد ہو گئے۔

اس عقیدہ کی شناعت کو خوب غور سے سوچو کہ اس کا اثر اسلام پر کیا پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تو یہ یُوں مخالف ہوئے اور قرآن شریف کے برخلاف اس طرح پر ہیں کہ کہتے ہیں کہ اصل قرآن شریف نہیں رہا۔ جو اَب موجود ہے وہ محرّف مبدّل ہو گیا ہے اور اصل قرآن مہدی کسی غار میں لے کر چھپا ہوا ہے اب تک نہیں نکلتا۔ دُنیا گمراہ ہو رہی ہے اور اسلام پر حملے ہو رہے ہیں۔ مخالف ہنسی کرتے ہیں اور خطرناک توہین کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھ میں بقول اُن کے قرآن شریف بھی نہیں ہے اور مہدی ہے کہ وہ غار سے ہی نہیں نکلتا۔ کوئی سمجھدار آدمی خدا تعالیٰ سے ڈر کر ہمیں بتائے کہ کیا یہ بھی دین ہو سکتا ہے اور اس سے کوئی آدمی رُوحانی ترقی کر سکتا ہے۔ یہ محض افسانے اور خیالی باتیں ہیں۔ حقیقت اور سچ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ درجہ کی رُوحانی قوت اور تاثیر کے ساتھ بھیجا تھا جس کا اثر ہر زمانہ میں پایا جاتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو خدمت اسلام کی کی ہے اور جس طرح پر انہوں نے اپنے خون سے اس باغ کی آبپاشی کی ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملے گی اُن کی خدمات اسلام کے لیے نہایت ہی قابلِ قدر اور اعلیٰ درجہ کی ہیں، اور جب خدا تعالیٰ کے دین میں سُستی واقع ہونے لگتی ہے اور کمی فہم یا مُرورِ زمانہ کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہو کر یہ پاک دین بگڑنے لگتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ایک شخص کو مامور کر کے بھیجتا ہے جو اُس کے بُلائے بولتا ہے اور رُوح القدس کی تائید اُس کے ساتھ ہوتی ہے وہ ان غلط فہمیوں اور خرابیوں کو دُور کرتا ہے جو علمی طور پر دین میں پیدا ہو جاتی ہیں اور اپنے عملی نمونہ اور قدسی قوت کے ساتھ ایک نیا ایمان دُنیا کو خدا تعالیٰ کی ہستی پر بخشتا ہے[1]

لیکن جب انسان خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور شعائر اللہ کی پروا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے بے پروا ہو جاتا ہے اور اُس شخص اور ایسی قوم کو تباہ کر دیتا ہے چنانچہ چغتائی سلطنت نے جب دین سے غافل ہو کر بہائم کی سی سیرت اختیار کر لی تو پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ سلطنت جو صدیوں سے چلی آتی تھی اس کا کچھ بھی باقی نہ رہا اور ایک شاعر پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

پس انسان کو ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ کھلی اور چھپی ہوئی بدکاریاں آخر انسان پر وہ گھڑی لے آتی ہیں جس کا اُسے آسایش کے ایام میں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف ہر وقت دل پر رہے اور اس کی عظمت و جبروت سے ڈرتا رہے اور اعمالِ صالحہ کی کوشش کرتا رہے اور پھر دُعا کے ساتھ اس کی توفیق مانگے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے۔

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۷ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء

اس قدر تقریر اعلیٰ حضرت نے فرمائی تھی کہ مشیر اعلیٰ صاحب نے بڑے تکلف سے ذیل کا سوال آپ سے پوچھا۔

سوال:۔ آپ کی طرف سے نبی یا رسول ہونے کے کلمات شائع ہوئے ہیں اور یہ بھی کہ مَیں عیسیٰؑ سے افضل ہوں اور اَور بھی تحقیر کے کلمات بعض اوقات ہوتے ہیں جن پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔

حضرت اقدس:۔ ہماری طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔ مَیں ان باتوں کا خواہشمند نہیں تھا کہ کوئی میری تعریف کرے اور میں گوشہ نشینی کو ہمیشہ پسند کرتا رہا، لیکن مَیں کیا کروں۔ جب خدا تعالےٰ نے مجھے باہر نکالا۔ یہ کلمات میری طرف سے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ جب مجھے ان کلمات سے مخاطب کرتا ہے اور میں بالمواجہ اس کا کلام سنتا ہوں پھر میں کہاں جاؤں؟ لوگوں کے اعتراضوں اور نکتہ چینیوں کی پروا کروں یا اللہ تعالےٰ کے کلام پر ایمان لاؤں؟ مَیں دُنیا اور اس کے اعتراضوں کی کوئی حقیقت اور اثر نہیں سمجھتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کو چھوڑنا اور اس کے کلام سے سرگردانی کرنا اس کو بہت ہی بُرا سمجھتا ہوں اور مَیں اس کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اگر ساری دُنیا میری مخالف ہو جائے اور ایک متنفس بھی میرے ساتھ نہ ہو بلکہ کُل کائنات میری دشمن ہو پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے انکار نہیں کر سکتا۔ دنیا اور اس کی ساری شان و شوکت اس جلیل کلام اور خطاب کے سامنے ہیچ اور مردار ہیں۔ مَیں ان کی کبھی پروا نہیں کرتا۔ پس کوئی اعتراض کرے یا کچھ کہے مَیں خدا تعالیٰ کے کلام کو اور خدا کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔

اور یہ بالکل غلط ہے کہ مَیں انبیاء و رسل یا صلحاءِ اُمّت کی تحقیر کرتا ہوں۔ جیسے میں ابرار و اخیار کا درجہ سمجھ سکتا ہوں اور اُن کے مقام و قرب کا جتنا علم مجھے ہے کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم سب ایک ہی گروہ سے ہیں اور الجنس مع الجنس کے موافق دوسرے اس درجہ کے سمجھنے سے عاری ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ اور امام حسینؓ کے اصل مقام اور درجہ کا جتنا مجھ کو علم ہے دوسرے کو نہیں ہے کیونکہ جوہری ہی جوہر کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ اس طرح پر دوسرے لوگ خواہ امام حسینؓ کو سجدہ کریں مگر وہ اُن کے رُتبہ اور مقام سے محض ناواقف ہیں اور عیسائی خواہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا یا خدا جو چاہیں بنا دیں مگر وہ اُن کے اصل اتباع اور حقیقی مقام سے بے خبر ہیں اور ہم ہرگز تحقیر نہیں کرتے۔

مشیرِ اعلیٰ:۔ عیسائی خواہ خدا بنا دیں لیکن مسلمان تو نبی سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں ایک نبی کی تحقیر ہوتی ہے۔

حضرت اقدس:۔ ہم بھی حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی یقین کرتے ہیں اور سچے نبی کی تحقیر کرنے والے کو کافر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح پر حضرت امام حسینؓ کی بھی جائز عزّت کرتے ہیں لیکن جب عیسائیوں سے مباحثہ کیا جاوے وہ راضی نہیں ہوتے جب تک حضرت عیسیٰؑ کو اللہ یا ابن اللہ نہ کہا جاوے۔ اس لیے جو کچھ ان

کی کتاب پیش کرتی ہے۔ وہ دکھانا پڑتا ہے تاکہ ایک کفرِ عظیم کو شکست ہو۔

مشیرِ اعلیٰ :۔ ان کے مقابلہ میں اگر ان کی تردید کی جاوے۔ یہ تو اچھی بات ہے مگر ایک اُصول صحیح کو تو ان کی خاطر نہ چھوڑنا چاہیئے۔

حضرت اقدس :۔ اصولِ صحیح وہ ہو سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ قائم کرے۔ ہم ان اُصولوں پر چلتے ہیں جن پر ہم کو اللہ تعالیٰ چلاتا ہے۔ اگر کوئی اس وقت ان باتوں کو استہزاء کی نظر سے دیکھتا ہے اور یقین نہیں لاتا تو مرنے کے بعد اس کی حقیقت کھل جائیگی اور خود دیکھ لیگا کہ حق پر کون ہے۔

میرے اس دعویٰ پر کہ میں امام حسینؓ سے افضل ہوں شور مچایا جاتا ہے لیکن اگر پوچھا جاوے کہ آنیوالا مسیح حسینؓ سے افضل ہے یا نہیں ؟ تو اس کا کیا جواب ہے۔

مشیرِ اعلیٰ :۔ پھر آپ کے نزدیک کیا ہے ؟

حضرت اقدس :۔ خدا تعالیٰ نے تو مجھے یہی بتایا ہے کہ میں افضل ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ موسےٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح آنے والا محمدی مسیح موسوی مسیح سے افضل ہے۔ اس وقت آپ انکار کریں تو کریں لیکن مرنے کے بعد تو سب کچھ ظاہر ہو جائے گا اور پتہ لگ جائے گا کہ کون افضل اور حق پر ہے۔ میں اگر اپنی طرف سے شیخی جتلاتا ہوں تو مجھ سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں لیکن اگر کوئی میرے صدق کے نشانات دیکھ کر بھی جھٹلاتا ہے تو پھر اُس کا معاملہ خدا تعالیٰ سے ہے۔ وہ میری تکذیب نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالےٰ اور اس کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔

آپ جو کچھ کہتے ہیں بطور مقلد کے کہتے ہیں۔ ذاتی بصیرت آپ کو نہیں ہے لیکن میں جو کچھ کہتا ہوں بطور محقق کے کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے بصیرت پاکر کہتا ہوں۔ میں خدا تعالیٰ کے مکالمات سُنتا ہوں۔ ہر روز اس کے مخاطبات ہوتے ہیں۔ پھر میں ایک نابینا مقلد کی پیروی کس طرح کروں۔ ہاں اگر کوئی امام حسینؓ کو مجھ سے افضل یقین کرتا ہے اور اس کا کوئی الگ خدا ہے تو پھر میں دیکھ لوں گا کہ وہ میرے مقابل اس افضلیت کے کون سے نشان اپنی ذات سے دکھا سکتا ہے۔ اگر کوئی نشان نہیں دکھا سکتا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ کوئی بھی نہیں دکھا سکتا تو پھر میرے لیے جو تحقیق کی راہ کھلی ہے اس کا انکار نامناسب ہے۔

یہ نری کہنے ہی کی باتیں نہیں ہیں۔ میری زندگی کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے جبکہ میں براہ راست خدا تعالےٰ سے سنتا ہوں۔ خواہ مجھے دوزخ میں ڈال دیا جائے یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے میں اس کی بالکل پروا نہیں کرتا۔ میں کبھی اس امرِ حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ان نشانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے جن نشانوں

کے ساتھ آدم۔ نوح۔ موسیٰ۔ ابراہیم علیہم السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچانا تھا۔ میں اب اس دامن کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ اس دروازہ کو چھوڑ کر اَور کسی جگہ میں کیونکر جا سکتا ہوں۔

براہین احمدیہ جو بیس برس پہلے کی چھپی ہوئی کتاب موجود ہے وہ شیعوں کے پاس بھی ہے گورنمنٹ کے پاس بھی کاپی ہے اس کو کھول کر پڑھو کہ کس قدر نشان اس میں دیئے گئے تھے اور وہ اس وقت دیئے گئے تھے کہ جب کسی کے وہم و گمان میں بھی وہ باتیں نہ آسکتی تھیں کہ ایسا ہو جائے گا مثلاً اُس میں لکھا ہے کہ آج تو اکیلا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ فوج در فوج لوگ تیرے ساتھ ہوں گے۔ دنیا دار مقابلہ کریں گے مگر وہ اس مقابلہ میں ناکام رہیں گے اور مَیں تجھے کامیاب کروں گا۔ اب کوئی مخالف اس کا جواب دے کہ کیا اس طرح نہیں ہوا۔

جب براہین احمدیہ شائع ہوئی تو سارے ملک میں کوئی آدمی نہیں تھا جو مجھے جانتا ہو۔ قادیان سے باہر کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ لیکن اب دیکھ لو کہ کس قدر رجوع دنیا کا ہو رہا ہے اور اس ملک سے نکل کر امریکہ، آسٹریلیا اور یورپ تک اس سلسلہ کی شہرت ہو گئی ہے کیا لوگوں کو اس سلسلہ میں داخل ہونے سے روکنے کے واسطے کوششیں نہیں کی گئی ہیں۔ کفر کے فتوے دیئے گئے۔ قتل کے مقدمے بنائے گئے۔ جس طرح پر جس کسی کا بس چلا اس نے لوگوں کو باز رکھنا چاہا، لیکن جس قدر مخالفت کی گئی اسی قدر زور کے ساتھ اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی اور آفاق میں اس کا نام پہنچ گیا۔ اسی کے موافق جو خدا تعالیٰ نے پہلے فرمایا تھا۔ اب ہمیں کوئی جواب دے کہ کیا یہ انسانی کلام ہو سکتا ہے کہ چوبیس برس پیشتر ایسی پیشگوئی کرے اور پھر وہ حرفاً حرفاً پوری ہو جاوے اور وہ پیشگوئی ایسی حالت میں کی جاوے کہ اس وقت کوئی آدمی جاننے والا بھی موجود نہ ہو۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو پھر ایسا دعویٰ کرنے والے کو چاہیئے کہ اس کی نظیر پیش کرے۔

پھر اسی براہین میں درج ہے۔ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَّیَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اگر اس نشان کو دیکھا جاوے تو اپنی جگہ یہ کوئی دس لاکھ نشان ہو گا۔ ہر آدمی نیا آنے والا مہمان اس نشان کو پورا کرتا ہے اور مختلف دیار و امصار سے خطوط آ رہے ہیں۔ تحائف آ رہے ہیں جس کے واسطے ڈاکخانہ اور محکمہ ریل کی کتابیں بھی گواہ ہیں۔ پھر کیا یہ معمولی نظر سے دیکھی جانے کے قابل باتیں ہیں۔ ایسے ایسے صدہا نہیں ہزاروں نشان ہیں۔ اب نشانوں کے ہوتے ہوئے مَیں خدا تعالیٰ کا انکار کروں اور اس کی باتوں کو چھوڑ دوں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا خواہ میری جان بھی چلی جاوے۔

پھر ان نشانات کو الگ رکھو میں تو اپنے اللہ تعالےٰ پر ایسا یقین رکھتا ہوں اور اس کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی چالیس دن میرے پاس رہے تو وہ ضرور کوئی نہ کوئی نشان دیکھ لے گا۔ ہماری جماعت اس بات کی گواہ ہے اور ان میں شاید ایک بھی ایسا آدمی نہ نکلے جس نے کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو پھر آپ ہی بتائیں کہ خدا کی

راہ کو چھوڑ کر میں کس کی بات سُن سکوں۔ اس کے مقابل میں جلتی ہوئی آگ میں کُود پڑنا میرے لیے آسان ہے مگر اس کو چھوڑنا مشکل۔

دیکھو وہ لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں ان کی رُوحیں ان برکات کو محسوس کرتی ہیں جو اس سلسلہ میں داخل ہونے سے اُن کو ملی ہیں مگر وہ لوگ جو امام حسینؑ کی پُوجا کرتے ہیں۔ اور اُن کے چال چلن کو اختیار نہیں کرتے اور اُن کا اتباع نہیں کرتے وہ یاد رکھیں کہ قیامت کو امام حسینؑ سے الگ بٹھائے جائیں گے۔ اور اُن سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

نواب صاحب:۔ (شیعہ ہیں) ہم تو حضرت امام حسینؑ کو سجدہ نہیں کرتے البتہ نواسۂ رسول سمجھ کر مانتے ہیں۔

حضرت اقدس:۔ حضرت امام حسینؑ کے نواسہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یا شہید ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہے اور اسی حد تک ان کو ماننا کسی خرابی کا باعث نہیں ہوا۔ بلکہ ان کی شان میں بہت بڑا غلو کیا گیا ہے۔ میرے ایک اُستاد بھی شیعہ تھے جو آپ کے ہاں بھی جایا کرتے تھے۔ مجھے بہت سا موقعہ ملا ہے کہ میں اس غلو کا اندازہ کروں جو وہ امام حسینؑ کی نسبت کرتے ہیں۔ وہ اتنا ہی ہرگز نہیں مانتے کہ وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے یا شہید ہوئے بلکہ وہ حاجت روا اور مشکل کُشا مانتے ہیں۔ لیکن آپ یاد رکھیں کہ جب تک وہ طریق اختیار نہ کیا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور جس پر حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؑ نے قدم مارا تھا۔ کچھ بھی نہیں مِل سکتا۔ یہ تعزیئے بنانا اور نوحہ خوانی کرنا کوئی نجات کا ذریعہ اور خدا تعالےٰ سے سچا تعلق قائم کرنے کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔ خواہ کوئی ساری عمر ٹکریں مارتا رہے۔ سچی پیروی الگ چیز ہے اور محض مبالغہ ایک الگ امر ہے۔ جب تک انسان انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کے رنگ میں رنگین نہیں ہو جاتا اُن کے ساتھ محبت اور ارادت کا دعویٰ محض ایک خیالی امر ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایماں تُست
دِل چو دادی یوسفے را راہ کنعاں را گزیں

انبیاء و رسل علیہم السلام کے آنے کی غرض

انبیاء علیہم السلام کے آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ اُن کے نمونہ کو اختیار کریں اور اسی رنگ میں رنگین ہو کر اُن کے ساتھ سچی محبت کا اقتضا یہی ہوتا ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور اگر یہ بات نہیں تو سارے دعوے ہیچ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ایسی ہی مثال ہے جیسے گورنمنٹ مختلف قسم کی صنعتیں وغیرہ یہاں بھیجتی ہے اور لوگوں کو دکھاتی ہے۔ اس سے اس کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ لوگ ان صنعتوں کو لے کر اُن کی پُوجا کریں بلکہ وہ تو یہ چاہتی ہے کہ یہاں کے لوگ بھی ان نمونوں کو دیکھ کر اُن

کی تقلید کریں اور ایسے نمونے خود تیار کریں۔ جو تیار کرتے ہیں وہ فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن جو توجہ نہیں کرتے اُنکو کوئی فائدہ ان نمونوں سے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی جو لوگ سچی اطاعت کرتے ہیں۔ اور اُنکے قول و فعل کو اپنے لیے ایک نمونہ قرار دے کر اسی کے موافق اپنا چال چلن اور عمدرآمد کر لیتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ان کی مدد کرتا ہے اور ان پر بھی اسی رنگ کے برکات اور فیوض کا دروازہ کھولا جاتا ہے جس قسم کے برکات انبیاء علیہم السلام کو دیئے جاتے ہیں اور جو ان کی اتباع نہیں کرتے وہ نامراد رہتے ہیں۔ یہ نمونہ جب سے انبیاء علیہم السلام آتے رہے ہیں برابر چلا آیا ہے۔ اور ہر زمانہ میں اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا بجز اس آدمی کے جس کو خدا پر بھی ایمان اور یقین نہ ہو۔[1]

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خدا تعالیٰ کے ماموروں اور راستبازوں کی سچی اتباع کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس طبقہ اور قسم کے لوگ تو بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ دوسری قسم انسانوں کی وہ ہے جو دُنیا کی خواہشوں پر گرے ہوئے ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے بکلّی دور اور مہجور ہوتے ہیں۔ ان کی ساری اغراض و مقاصد کا منتہیٰ اور انجام دنیا پر ختم ہو جاتا ہے وہ کبھی خیال بھی نہیں کرتے کہ ان کو اس فانی دنیا سے ایک دن قطع تعلق کرنا ہوگا اور مر کر یہ سب کچھ یہاں چھوڑ جانا ہے اور پھر خدا تعالیٰ سے معاملہ ہوگا۔ وہ دنیا اور اس کے دھندوں میں کچھ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ یہ بہت ہی بدقسمت گروہ ہوتا ہے اور اکثر حصہ اسی میں مبتلا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء و رسل اور ائمہ کے آنے سے کیا غرض ہوتی ہے وہ دنیا میں اس لیے نہیں آتے کہ ان کو اپنی پوجا کرانی ہوتی ہے۔ وہ تو ایک خدا کی عبادت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسی مطلب کے لیے آتے ہیں اور اس واسطے کہ لوگ ان کے کامل نمونہ پر عمل کریں اور اُن جیسے بننے کی کوشش کریں اور ایسی اتباع کریں کہ گویا وہی ہو جائیں مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اُن کے آنے کے اصل مقصد کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان کو خدا سمجھ لیتے ہیں۔ اس سے وہ ائمہ اور رسل خوش نہیں ہوسکتے کہ لوگ ان کی اسقدر عزت کرتے ہیں کبھی نہیں۔ وہ اس کو کوئی خوشی کا باعث قرار نہیں دیتے۔ ان کی اصل خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ لوگ ان کی اتباع کریں اور جو تعلیم وہ پیش کرتے ہیں کہ سچے خدا کی عبادت کرو اور توحید پر قائم ہو جاؤ اس پر قائم ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ہوا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۳۲) یعنی اے رسول۔ انکو کہدو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے پیار کرتے ہو تو میری

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۸ صفحہ ۲ تا ۳ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء

اتباع کرو۔ اس اتباع کا یہ نتیجہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بننے کا طریق یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کی جاوے۔ پس اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام اور ایسا ہی اور جو خدا تعالیٰ کے راستباز اور صادق بندے ہوتے ہیں وہ دنیا میں ایک نمونہ ہو کر آتے ہیں جو شخص اس نمونہ کے موافق چلنے کی کوشش نہیں کرتا لیکن ان کو سجدہ کرنے اور حاجت روا ماننے کو تیار ہو جاتا ہے وہ کبھی خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر نہیں ہے بلکہ وہ دیکھ لے گا کہ مرنے کے بعد وہ امام اس سے بیزار ہوگا۔ ایسا ہی جو لوگ حضرت علیؓ یا حضرت امام حسینؓ کے درجہ کو بہت بڑھاتے ہیں گویا ان کی پرستش کرتے ہیں وہ امام حسین کے متبعین میں نہیں ہیں اور اس سے امام حسینؓ خوش نہیں ہو سکتے۔ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ پیروی کے لیے نمونہ ہو کر آتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ بُدوں پیروی کچھ بھی نہیں۔

مَیں ایک دم میں کیا سناؤں جو خیالات سالہا سال کے دل میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں وہ دفعتہً دُور نہیں ہو سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے تو وہ قادر ہے کہ فی الفور تبدیل کر دے۔ خدا تعالیٰ کی توفیق سے پرانے غلط خیالات کو چھوڑنا بہت ہی سہل ہو جاتا ہے۔

دلائلِ صداقت

مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرا دعویٰ جھوٹا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور اس کی تائید میرے ساتھ ہے۔ اگر مَیں اس کی طرف سے مامور نہ ہوا ہوتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا اور میری ہلاکت ہی میرے کذب کی دلیل ٹھہر جاتی لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ میری تھوڑی مخالفت نہیں ہوئی۔ ہر طرف سے ہر مذہب والے نے میری مخالفت میں حصہ لیا اور بہت بڑا حصہ لیا۔ ہر قسم کی مشکلات اور روکیں میری راہ میں ڈالی جاتی ہیں اور ڈالی گئی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے ان مشکلات سے صاف نکالا ہے اور ان روکوں کو دُور کر کے وہ ایک جہان کو میری طرف لا رہا ہے اسی وعدہ کے موافق جو براہین احمدیہ میں کیا گیا تھا۔ اس پر بھی مَیں کہتا ہوں کہ آپ دیکھیں کہ اگر ان مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی مَیں کامیاب ہو گیا تو میری سچائی میں کیا شبہ باقی رہ سکتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ مشکلات اور روکیں صرف میری ہی راہ میں نہیں ڈالی گئیں بلکہ شروع سے سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جب کوئی راستباز اور خدا تعالیٰ کا مامور و مُرسل دُنیا میں آتا ہے تو اُس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اس کی ہنسی کی جاتی ہے اُسے قسم قسم کے دُکھ دیئے جاتے ہیں مگر آخر وہ غالب آتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام روکوں کو خود اُٹھا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے مشکلات پیش آئے ابن جریر نے ایک نہایت ہی دردناک واقعہ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا

دعویٰ کیا تو ابوجہل اور چند اَور لوگ بھڑکے اور مخالفت کے واسطے اُٹھے۔ انہوں نے یہ تجویز کی کہ ابوطالب کے پاس جاکر شکایت کریں۔ چنانچہ ابوطالب کے پاس یہ لوگ گئے کہ تیرا بھتیجا ہمارے بتوں اور معبودوں کو بُرا کہتا ہے اس کو روکنا چاہیئے چونکہ ایک بڑی جماعت یہ شکایت لے کر گئی تھی اس لیے ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا تاکہ ان کے سامنے آپ سے دریافت کریں۔ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ ایک چھوٹا دالان تھا اور ابوطالب کے پاس صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ باقی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ چچا کے پاس بیٹھ جائیں مگر ابوجہل نے یہ دیکھ کر کہ آپ یہاں آکر بیٹھیں گے شرارت کی اور اپنی جگہ سے کُود کر وہاں جا بیٹھا تاکہ جگہ نہ رہے اور سب نے مل کر ایسی شرارت کی کہ آپ کے بیٹھنے کو کوئی جگہ نہ رکھی۔ آخر آپ دروازہ ہی میں بیٹھ گئے۔

اس دردناک واقعہ سے اُن کی کیسی شرارت اور کم ظرفی ثابت ہوتی ہے غرض جب آپ بیٹھ گئے تو ابوطالب نے کہا کہ اے میرے بھتیجے تو جانتا ہے کہ مَیں نے تجھ کو کس واسطے بُلایا ہے۔ یہ مکّہ کے رئیس کہتے ہیں کہ تُو اُن کے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے چچا مَیں تو ان کو ایک بات کہتا ہوں کہ اگر تم یہ ایک بات مان لو تو عرب اور عجم سب تمہارا ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کونسی ایک بات ہے؟ تب آپ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ جب انہوں نے یہ کلمہ سُنا تو سب کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور بھڑک اُٹھے اور مکان سے نکل گئے اور پھر آپ کی راہ میں بڑی روکیں اور مشکلات ڈالی گئیں۔

تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے راستبازوں اور ماموروں کے مقابلہ میں ہر قسم کی کوششیں ان کو کمزور کرنے کے لیے کی جاتی ہیں لیکن خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ساری کوششیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ ایسے موقعہ پر بعض شریف الطبع اور سعید لوگ بھی ہوتے ہیں جو کہہ دیتے ہیں۔ اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (المومن: ۲۹)

صادق کا صدق خود اس کے لیے زبردست ثبوت اور دلیل ہوتا ہے۔ اور کاذب کا کذب ہی اس کو ہلاک کر دیتا ہے پس ان لوگوں کو میری مخالفت سے پہلے کم از کم اتنا ہی سوچ لینا چاہیئے تھا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب میں یہ ایک راہ راستباز کی شناخت کی رکھی ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔

اس کے سوا اللہ تعالیٰ نے مجھے وعدہ دیا ہے وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (آل عمران: ۵۶) کہ مَیں تیری جماعت اور تیرے گروہ کو منکروں پر قیامت تک غالب

رکھوں گا اور اُن میں ترقی اور عروج دوں گا۔

مَیں اس بات کا کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ مَیں بخوبی جانتا ہوں کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ ملوک، ملکدار تاجر اور ہر قسم کے معزز لوگ یہی ہوں گے۔ لوگوں کے نزدیک یہ انہونی بات ہے مگر مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ یہی ہوگا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے بلکہ مجھے وہ بادشاہ دکھائے بھی گئے ہیں جو گھوڑوں پر سوار تھے۔

یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ جو اس سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اب اس وقت کوئی اس کو باور نہیں کر سکتا۔ لیکن مَیں جانتا ہوں کہ ایسا ہوگا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ دین و دنیا ان میں ہی آجائیں گے اس وقت کسی کو خیال ہو سکتا تھا کیونکہ اتنے آدمی صرف آپ کے ساتھ تھے جو ایک چھوٹے حجرہ میں آجاتے تھے اور لوگ ایسی باتوں کو سُنکر اور گھر جاکر استہزاء کرتے تھے کہ گھر سے نکلنے کا موقعہ نہیں ملتا اور یہ دعوے ہیں۔ آخر سب کو معلوم ہوگیا کہ جو فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

مامور اپنی ابتدائی حالت میں ہلال کی طرح ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص اس کو نہیں دیکھ سکتا لیکن جو تیز نظر ہوتے ہیں وہ دیکھ لیتے ہیں اسی طرح پر سعید الفطرت مومن مامور کو اس کی ابتدائی حالت میں جبکہ وہ ابھی مخفی رہتا ہے شناخت کر لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ماننے والوں کا نام سابقین رکھا ہے لیکن جب بہت سے مسلمان فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے تو ان کا نام صرف ناس رکھا گیا جیسے فرمایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر: ۳،۲)

حقیقت یہی ہے کہ جب حق کھُل جاتا ہے پھر انکار کی گنجائش نہیں رہتی جیسے جب دن چڑھا ہوا تو پھر بُجز شپّر کے کون انکار کرے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جن پر حق کھُل جاتا ہے مگر دُنیا کے تعلقات اور مجبوریوں کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں اور اس حق سے محروم رہتے ہیں۔ پس ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنی چاہیئے کہ وہ ان ظلموں سے بچاتا رہے اور قبولِ حق کے لیے کوئی روک اس کے واسطے نہ ہو۔

نواب صاحب:۔ آپ میرے لیے ایمان کی دُعا کریں۔ دنیا سے تو آخر ایک دن مَر ہی جانا ہے۔

حضرت اقدس:۔ اچھا مَیں تو دُعا کروں گا مگر آپ کو بھی ان آداب اور شرائط کا لحاظ رکھنا چاہیئے جو دُعا کے واسطے ضروری ہیں۔ میرے دُعا کرنے سے کیا ہوگا جب آپ توجہ نہ کریں۔ بیمار کو چاہیئے کہ طبیب کی ہدایتوں اور پرہیز پر بھی تو عمل کرے۔ پس دُعا کرانے کے واسطے ضروری ہے کہ آدمی خود اپنی اصلاح بھی کرے۔

مشیر اعلیٰ:۔ کیا جناب کو یہ بھی اطلاع دی گئی ہے کہ آپ کی عمر کتنی ہوگی۔

حضرت اقدس:۔ ہاں عمر کے متعلق مجھے الہاماً یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اسّی کے قریب ہوگی۔ اور حال میں ایک رؤیا کے ذریعہ

یہ بھی معلوم ہوا کہ ۱۵ سال اَور بڑھانے کے واسطے دُعا کی ہے۔

(اس پر حضرت اقدس نے رؤیا سنایا جو الحکم میں درج ہو چکا ہے۔ ایڈیٹر)

مشیر اعلیٰ :۔ جناب کی عمر کیا ہو گی؟

حضرت اقدس :۔ ۶۵ یا ۶۶ سال۔

جب ایک عقیدہ پُرانا ہو جاتا ہے اور دیر سے انسان اس پر رہتا ہے تو پھر اسے اس کے چھوڑنے میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ وہ اس کے خلاف نہیں سُن سکتا بلکہ خلاف سُننے پر وہ خون تک کرنے کو تیار ہو جاتا ہے کیونکہ پُرانی عادت طبیعت کے رنگ میں ہو جاتی ہے۔ اس لیے مَیں جو کچھ کہتا ہوں اس کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک جمے ہوئے خیال کو یہ لوگ چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔

مشیر اعلیٰ :۔ اصل میں یہ کام جو آپ کر رہے ہیں، ہے بھی عظیم الشان۔

حضرت اقدس :۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ یہ تو خلافتِ الٰہی ہے۔ جو میری مخالفت کرتا ہے وہ میری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی اخلاقی اور عملی حالت بہت خراب ہو چکی ہے۔ خدا تعالےٰ نے ارادہ کیا ہے۔ کہ اس فسق و فجور کی آگ سے ایک جماعت کو بچائے اور مخلص اور متقی گروہ میں شامل کرے۔

یہ انقلاب عظیم الشان جو مسلمانوں کی اس حالت میں ہونے والا ہے اگر یہ انقلاب ہوا تو سمجھ لو کہ یہ سلسلہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے ورنہ جھوٹا ٹھہرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ کے کام کو کوئی روک نہیں سکتا۔

مسیح موعود جو نام رکھا ہے اور یکسر الصلیب اس کا کام مقرر فرمایا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ عیسائیت کا زمانہ ہو گا اور عیسائیت نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا ہو گا۔ چنانچہ اب دیکھ لو کہ تیس لاکھ کے قریب آدمی مُرتد ہو چکے ہیں۔ اور پھر ان مرتدین میں شیخ، سید، مغل، پٹھان ہر قوم ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی ہیں اور بچے بھی ہیں۔ کوئی شہر نہیں جہاں ان کی چھاؤنی نہ ہو اور انہوں نے اپنا سکہ نہ جمایا ہو۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے کہ حقیقی خدا کو چھوڑ کر ایک بناوٹی اور مصنوعی خدا بنایا جاوے اور اس کی پرستش ہو۔ پھر یہی نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کے سچے نبی اور افضل الرسل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی گئیں آپ کی شانِ پاک میں ہر قسم کی گستاخیاں اور ہرزہ گوئیاں روا رکھی گئیں جن کو سُنکر بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے اور کوئی نیک انسان اُن کو سُن ہی نہیں سکتا۔ جب ہم ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ کی غیرت

کب روادار کھ سکتی ہے کہ یہ گالیاں اسی طرح پر دی جائیں اور اسلام کی دستگیری اور نصرت نہ ہو حالانکہ اس نے آپ وعدہ فرمایا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) یہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا کہ زمانہ کی یہ حالت ہو اور اللہ تعالےٰ باوجود اس وعدہ کے پھر خاموش رہے۔

بے باک اور شوخ عیسائی قرآن شریف کی یہانتک بے ادبی کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ استہزے کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم قسم کے افتراء باندھتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں اور وہ لوگ اُن میں زیادہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے گھروں میں جنم لیا اور مسلمانوں کے گھروں میں پرورش پائی اور پھر مُرتد ہوکر اسلام کی پاک تعلیم پر ٹھٹھا کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے۔ یہ حالت بیرونی طور پر اسلام کی ہو رہی ہے اور ہر طرف سے اس پر تیراندازی ہو رہی ہے تو کیا یہ وقت خدا تعالیٰ کی غیرت کو جو وہ اپنے پاک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے رکھتا ہے جوش میں لانے والا نہ تھا۔ اس کی غیرت نے جوش مارا اور مجھے مامور کیا۔ اس وعدہ کے موافق جو اس نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں کیا تھا۔[1]

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قدر تقریر فرمائی تھی کہ عصر کی اذان ہوگئی اور نواب صاحب اور مشیر اعلیٰ صاحب خاموش ہوگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

اذان میں باتیں کرنا منع نہیں ہیں آپ اگر کچھ اور بات پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ لیں کیونکہ بعض باتیں انسان کے دل میں ہوتی ہیں اور وہ کسی وجہ سے ان کو نہیں پوچھتا اور پھر رفتہ رفتہ وہ بُرا نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ جو شکوک پیدا ہوں اُن کو فوراً باہر نکالنا چاہیئے۔ یہ بُری غذا کی طرح ہوتی ہیں۔ اگر نکالی نہ جائیں تو سوءِ ہضمی ہوجاتی ہے۔

جب یہ حضرت فرما چکے تو سلسلہ کلام حسب ذیل طریق پر شروع ہوا۔

مشیر اعلیٰ:۔ میرے نزدیک اہم امور یہی تھے جو ان الفاظ کے متعلق میں نے پوچھے ہیں۔

نواب صاحب:۔ حضرت کے اشتہار میں بھی یہی ہے اور زبانی بھی وہی ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت اقدس۔ دراصل انسان کو بعض اوقات بڑے ہی مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے شاملِ حال نہ ہو تو وہ ان مشکلات میں پڑکر ہدایت اور حقیقت کی راہ سے دُور جا پڑتا ہے۔ یہودیوں کو بھی اسی قسم کے مشکلات پیش آئے۔ اُنہوں نے تورات میں بھی پڑھا تھا کہ خاتم الانبیاء ان ہی میں

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۱ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء و البدر جلد ۳ نمبر ۱۶، ۱۷ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۲۴ اپریل و یکم مئی ۱۹۰۴ء

ہوگا۔ وہ ان ظاہر الفاظ پر جمے ہوئے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ان کو آپ کے قبول کرنے میں بھی دقت اور مشکل پیش آئی کہ خاتم الانبیاء تو ہم میں ہی سے ہوگا مگر ان کو یہی جواب ملا کہ تم نے جو کچھ سمجھا ہے وہ غلط سمجھا ہے۔ آنے والا خاتم الانبیاء بنی اسمٰعیل میں سے ہونے والا تھا اور وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔ تم اس سوال پر مت جھگڑو بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ نبوت کے ثبوت دیکھو اس میں ہیں یا نہیں جبکہ انبیاء علیہم السلام کے خواص اور نشانات اس کے ساتھ ہیں تو پھر تمہیں ماننے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔

اسی طرح پر انہوں نے ملاکی نبی کی کتاب میں پڑھا ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے آنے سے پہلے ایلیاء آسمان سے اُترے گا لیکن جب حضرت مسیحؑ نے اپنا دعویٰ پیش کیا تو اس وقت یہود اسی ابتلا میں پھنسے۔ انہوں نے مسیحؑ سے یہی سوال پیش کیا کہ ایلیاء کا آسمان سے آنا ضروری ہے۔ وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ سچ مچ ہی ایلیاء آئے گا اور ایک طرح پر وہ یہ معنے سمجھنے میں حق پر تھے کیونکہ اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ اور نظیر اُن میں موجود نہ تھی۔ لیکن حضرت مسیحؑ نے یہی کہا کہ آنے والا ایلیاء یوحنا بن زکریا کے رنگ میں آگیا ہے۔ وہ اس بات کو بھلا کب مان سکتے تھے۔ ایک یہودی نے اس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے اور وہ لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ ان واقعات کے ہوتے ہوئے ہم مسیحؑ پر کس طرح ایمان لائیں بلکہ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اگر ہم سے مواخذہ ہوگا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر آگے رکھ دیں گے۔

مامور من اللہ کی شناخت کے معیار

غرض ظاہر الفاظ پر آنے والے بعض اوقات سخت دھوکا کھا جاتے ہیں۔ پیشگوئیوں میں استعارات اور مجازات سے ضرور کام لیا جاتا ہے۔ جو شخص ان کو ظاہر الفاظ پر ہی حمل کر بیٹھتا ہے اسے عموماً ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ آیا جو شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے کا مدعی ہے وہ ان معیاروں کی رُو سے سچا ٹھہرتا ہے یا نہیں جو راستبازوں کے لیے مقرر ہیں۔ پس اگر وہ ان معیاروں کی رو سے صادق ثابت ہو تو سعادت مند اور متقی کا یہ فرض ہے کہ اس پر ایمان لاوے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء کی شناخت کے لیے تین بڑے معیار ہوتے ہیں:۔

اوّل یہ کہ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ بھی اس کی مؤید ہیں یا نہیں۔

دوم اس کی تائید میں سماوی نشانات صادر ہوتے ہیں یا نہیں۔

سوم نصوصِ عقلیہ اس کے ساتھ ہیں یا نہیں یا آیا وقت اور زمانہ کسی ایسے مدعی کی ضرورت بھی بتاتا ہے یا نہیں۔

ان تینوں معیاروں کو ملا کر جب کسی مامور اور راستباز کی نسبت غور کیا جائے گا تو حقیقت کھل جاتی

ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ میں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اب میرے دعویٰ کو پرکھ کر دیکھ لو کہ آیا یہ ان تین معیاروں کی رو سے سچا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا یہ وقت کسی مدعی کی ضرورت کا داعی ہے یا نہیں؟ پس ضرورت تو ایسی صاف ہے کہ اس پر زیادہ کہنے کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔ اسلام پر اس صدی میں وہ وہ حملے کئے گئے ہیں جن کے سننے اور بیان کرنے سے ایک مسلمان کے دل پر لرزہ پڑتا ہے۔

سب سے بڑا فتنہ اس زمانہ میں نصاریٰ کا فتنہ ہے جنہوں نے اسلام کے استیصال کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت ہی نہیں کیا اُن کی کتابوں اور رسالوں اور اخباروں اور اشتہاروں کو جو اسلام کے خلاف ہیں اگر جمع کیا جائے تو ایک بڑا پہاڑ بن جاتا ہے اور پھر تیس لاکھ کے قریب مُرتد ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ آریوں، برہموؤں اور دوسرے آزاد خیال لوگوں کو ملا لیا جائے تو پھر دشمنانِ اسلام کے حملوں کا وزن اَور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اب ایسی صورت میں کہ اسلام کو پاؤں کے نیچے کچلا جا رہا ہے۔ کیا ضرورت نہ تھی کہ خدا تعالےٰ اپنے سچے دین کی حمایت کرتا ۔۔ اور اپنے وعدہ کے موافق اس کی حفاظت فرماتا اور اگر عام حالت کو دیکھا جائے تو وہ ایسی خراب ہے کہ اس کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ فسق و فجور کا وہ حال ہے کہ علانیہ بازاری عورتیں بدکاری کرتی ہیں۔ معاملات کی حالت بگڑی ہوئی ہے۔ تقویٰ اور طہارت اُٹھ گیا ہے۔ وہ لوگ جو اسلام کے حامی اور محافظِ شرعِ متین کہلاتے تھے۔ اُن کی خانہ جنگی اور اپنی عملی حالت کی کمزوری نے اَور بھی ستم برپا کر رکھا ہے عوام جب ان کی حالت بد دیکھتے ہیں تو وہ حدود اللہ کے توڑنے میں اَور بھی دلیری سے کام لیتے ہیں۔ غرض اندرونی اور بیرونی حالت بہت ہی خطرناک ہو رہی ہے۔

پھر دیکھنا ہے کہ آیا قرآنِ شریف اور احادیثِ صحیحہ میں کسی آنے والے کا وعدہ دیا گیا ہے سو قرآنِ شریف نے بڑی وضاحت کے ساتھ دو سلسلوں کا ذکر کیا ہے ایک وہ سلسلہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت مسیح علیہ السلام پر آکر ختم ہوا اور دوسرا سلسلہ جو اسی سلسلہ کے مقابل پر واقع ہوا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ ہے چنانچہ تورات میں بھی آپ کو مثیلِ موسیٰ کہا گیا اور قرآن شریف میں بھی آپ کو مثیلِ موسیٰ ٹھہرایا گیا جیسے فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل: ۱۶) پھر جس طرح پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ حضرت مسیح علیہ السلام پر آکر ختم ہو گیا۔ اسی سلسلہ کی مماثلت کے لیے ضروری تھا کہ اسی وقت اور اسی زمانہ پر جب حضرت مسیحؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد آئے تھے مسیح محمدی بھی آتا اور یہ بالکل ظاہر اور صاف بات ہے کہ مسیح موسوی

چودہویں صدی میں آیا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسیح محمدی بھی چودہویں صدی میں آتا۔ اگر کوئی اور نشان اور شہادت نہ بھی ہوتی تب بھی اس سلسلہ کی تکمیل چاہتی تھی کہ اس وقت مسیح محمدی آوے مگر یہاں تو صدہا اور نشان اور دلائل ہیں۔ پھر آنے والے کو اسی اُمت میں سے ٹھہرایا گیا ہے جیسے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۶) میں فرمایا گیا ہے اور اسی طرح پر احادیث میں بھی آنے والا اسی اُمت سے ٹھہرایا گیا ہے جبکہ فرمایا ہے و امامکم منکم۔ اب نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ بوضاحت شہادت دیتے ہیں کہ آنے والا مسیح موعود اسی اُمت میں سے ہوگا اور ضرورت بجائے خود داعی ہے کیونکہ اسلام پر سخت حملے ہو رہے ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ جہانتک ان مخالفوں کا بس چلے اسلام کو نابود کر دیں۔

پھر دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ اس کے آنے کا وقت کونسا ہے سلسلہ موسوی کے ساتھ مماثلتِ تامہ کا تقاضا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ آنے والا مسیح موعود جو اسی امت میں سے ہوگا۔ چودہویں صدی میں آنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آنے کا وہ وقت ہے جبکہ صلیب پرستی کا غلبہ ہوگا کیونکہ کسرِ صلیب اس کا کام ٹھہرایا گیا ہے۔ ان سب کے علاوہ ایک انقلاب عظیم کی خبر قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس وقت آئے گا۔ وہ انقلاب کیا ہے؟ سواری بھی بدل جاوے گی۔ اونٹوں اور اونٹنیوں کی سواریاں بیکار ہو جائیں گی۔ اب دیکھو کہ ریلوے کی ایجاد نے اس پیشگوئی کو کس طرح پورا کیا ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ حجاز ریلوے جو بن رہی ہے تو تھوڑے ہی عرصہ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان بھی ریل ہی دوڑتی نظر آئے گی اور پھر اخبارات اور رسالہ جات کی اشاعت کے اسباب کا پیدا ہو جانا جیسے پریس ہے ڈاک خانہ ہے اور تاروں کے ذریعہ سے کل دُنیا ایک شہر کے حکم میں ہوگئی ہے۔ دریا چیرے گئے ہیں اور نہریں نکالی جا رہی ہیں۔ طبقات الارض کے عالموں نے زمین کے طبقات کو کھود ڈالا ہے غرض وہ تمام ایجادات اور علوم و فنون کی ترقیاں جو مسیح موعود کے زمانہ کی علامتوں میں سے قرار دی گئی تھیں وہ پوری ہو رہی ہیں اور ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد انکار اور شُبہ کی کونسی گنجائش باقی رہتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی کا آنا اور مامور ہونا افسوسناک بات نہیں بلکہ افسوسناک یہ امر ہوتا اگر کوئی مامور ہو کر نہ آیا ہوتا۔ ان علامات اور نشانات کو چھوڑ کر ایک اور بات بھی اس کی تائید میں ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ اور اکابر امت جو پہلے ہو گذرے ہیں انہوں نے قبل از وقت میرے آنے کی خبر دی ہے۔ بعض نے میرا نام لے کر پیشگوئی کی ہے اور بعض نے اور الفاظ میں بھی کی ہے۔ ان میں سے شاہ نعمت اللہ ولی نے

شہادت دی ہے اور میرا نام لے کر بتایا ہے۔ اسی طرح پر ایک اہل اللہ بزرگ گلاب شاہ مجذوب تھے جنہوں نے ایک شخص کریم بخش ساکن جمالپور ضلع لودھیانہ سے میرا نام لے کر پیشگوئی کی ہے اور اس نے کہا کہ وہ قادیان میں ہے کریم بخش کو قادیان کا شبہ پڑا کہ شاید لودھیانہ کے قریب کی قادیان میں ہوں۔ مگر آخر اس نے بتایا کہ یہ قادیان نہیں اور اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ لودھیانہ میں آئے گا اور مولوی اس کی مخالفت کریں گے۔ چنانچہ اس کا یہ سارا بیان چھپ چکا ہے اور کل گاؤں کریم بخش کی راستبازی اور نیکوکاری کی شہادت دیتا تھا اور جس وقت وہ بیان کرتا تھا تو رو پڑتا تھا۔ اس نے گلاب شاہ سے یہ بھی کہا کہ عیسیٰؑ تو آسمان سے آئیگا اس نے جواب دیا کہ جو آسمان پر چلا جاتا ہے وہ پھر واپس نہیں آیا کرتا۔

اس پیشگوئی کے موافق کریم بخش میری جماعت میں داخل ہوا۔ بہت سے لوگوں نے اس کو روکا اور منع بھی کیا مگر اس نے کہا کہ میں کیا کروں یہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے میں اس شہادت کو کیونکر چھپاؤں غرض اس طرح پر بہت سے اکابر امت گذرے ہیں جنہوں نے میرے لیے پیشگوئی کی اور پتہ بتایا۔ بعض نے تاریخ پیدائش بھی بتائی جو چراغ دین ۱۲۶۸ ہے۔

اور اس کے علاوہ وہ نشان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے وہ بھی پورے ہوگئے منجملہ انکے ایک کسوف وخسوف کا نشان تھا۔ جب تک کہ یہ کسوف وخسوف کا نشان نہیں ہوا تھا یہ مولوی جو اب میری مخالفت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کر رہے ہیں اس کی سچائی کے قائل تھے اور یہ نشان بتاتے تھے کہ مسیح و مہدی کا یہ نشان ہوگا کہ رمضان کے مہینہ میں سورج اور چاند کو گرہن ہوگا۔ لیکن جب یہ نشان میرے دعویٰ کی صداقت کی شہادت کے لیے پورا ہوگیا تو پھر جس منہ سے اقرار کیا کرتے تھے اسی منہ سے انکار کرنے والے ٹھہرے۔ کسی نے تو سرے سے اس حدیث ہی کا انکار کر دیا اور کسی نے اپنی کم سمجھی اور نادانی سے یہ کہدیا کہ چاند کی پہلی تاریخ کو گرہن ہونا چاہیئے حالانکہ پہلی رات کا چاند تو خود گرہن ہی میں ہوتا ہے اور علاوہ بریں حدیث میں تو قمر کا لفظ ہے جو پہلی رات کے چاند پر بولا ہی نہیں جاتا۔

غرض اس طرح پر جس قدر نشان تھے وہ پورے ہوگئے مگر یہ لوگ ہیں کہ محض میری مخالفت کی وجہ سے خدا تعالیٰ اور اس کے سچے اور پاک رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کر رہے ہیں اور آپ کی تکذیب کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے۔ ان نشانوں اور علامات کے بعد پھر یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے کہ کیا مدعی کے اپنے ہاتھ پر کوئی نشان اس کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوا ہے یا نہیں؟ اس کے لیے میں کہتا ہوں کہ اس قدر نشان اللہ تعالیٰ نے ظاہر کئے ہیں کہ ان کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں

اور ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے اور اگر میری جماعت کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھا جائے تو مَیں امید نہیں کرتا کہ کوئی شخص ایک بھی ایسا نکلے جو یہ کہے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا اور پھر یہ کہ نشانوں کی بارش برس رہی ہے۔ اولیاء اللہ کی اسی لیے حرمت اور تکریم کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ جو تعلق رکھتے ہیں۔ اس تعلق کا ایک زندہ اور سچا نمونہ پیش کرتے ہیں یعنی خوارق کا صدور اُن سے ہوتا رہتا ہے اور نشانات ہی سے وہ واجب العزت ہوتے ہیں۔ پھر اس صورت میں مجھے حق ہے کہ وہ لوگ جو میری اس بات سے کہ مَیں امام حسین سے افضل ہوں گھبراتے ہیں بجائے اس کے کہ مجھ پر اعتراض کریں صاف طور پر میرے مقابلہ میں آئیں۔ مَیں ان سے پوچھوں گا کہ جس قسم کے نشانات مَیں اپنی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کے پیش کرتا ہوں۔ اس قسم کے نشانات تم بھی پیش کرو اور پھر اسی قدر تعداد میں دکھاؤ۔ مَیں مرثیہ نہیں سُنوں گا بلکہ نشانات کا مطالبہ کرونگا۔ جس کو حوصلہ ہے اور جو امام حسین کو سجدے کرتے ہیں وہ اُن کے خوارق اور نشانات کی فہرست پیش کریں اور دکھائیں کہ کس قدر لوگ ان واقعات کے گواہ ہیں۔ اس مقابلہ میں یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ واقعات میں قافیہ تنگ ہے۔ مبالغہ سے ایک بات کو پیش کر دینا اور ہے اور حقیقی طور سے واقعات کی بنا پر اُسے ثابت کر دکھانا مشکل ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کا سچا پرستار ہے اسے کسی دوسرے سے کیا واسطہ؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ ثابت کیا جاوے کہ آیا وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا مدعی ہے اپنے ساتھ دلائل اور نشانات بھی دکھاتا ہے یا نہیں۔ جب ثابت ہو جاوے کہ وہ واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا فرض ہے کہ اپنی ارادت کو منتقل کرے۔

غرض یہ تین ذریعے ہیں جن سے ہم کسی مامور من اللہ کو شناخت کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ میرا سلسلہ منہاجِ نبوت پر قائم ہوا ہے۔ اس منہاج کو چھوڑ کر جو اس کو آزمانا چاہے وہ غلطی کھاتا ہے اور اس کو راہ راست مل نہیں سکتا لیکن منہاجِ نبوت پر میرے ساتھ دلائل و براہین اور آیات اللہ کا زبردست لشکر ہے اگر کوئی اس پر بھی نہ مانے تو مَیں مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ کاروبار اور سلسلہ میرا قائم کردہ تو ہے نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے اور وہی اس کی اشاعت کر رہا ہے۔ انسانی تجاویز اور منصوبے چل نہیں سکتے آخر تھک کر رہ جاتے ہیں۔ وہ شخص بڑا ہی ظالم اور خبیث ہے جو خود ایک بات گھڑ لیتا ہے اور پھر لوگوں کو کہتا ہے کہ مجھ کو وحی ہوئی ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں کبھی بامراد اور کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ ایسے مفتری اور ظالم کو مہلت نہیں دیتا۔ لیکن اگر ایک شخص خدا تعالیٰ کا نام لے کر ایک وحی پیش کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اسے سچا کرتا ہے اور اس کی تائید و نصرت کر رہا ہے تو پھر اس سے انکار کرنا اچھا نہیں۔ پس

انسان کو چاہیئے کہ شپر کی طرح نہ ہو۔ عجیب روشنی اس وقت پھیل رہی ہے۔ اس سے مُنہ موڑنا خوب نہیں ہر شخص جو اعتراض اور نکتہ چینیاں رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اس دروازہ پر بیٹھ کر اپنے شکوک کو رفع کرے لیکن جو یہاں تو بیٹھتا نہیں اور دریافت نہیں کرتا اور گھر جا کر نکتہ چینیاں کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی تلوار کے سامنے آتا ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتا۔

دیکھو افتراء کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور مفتری ہمیشہ خائب و خاسر رہتا ہے۔ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (طٰہٰ: ۶۲) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اگر تو افترا کرے تو تیری رگِ جان ہم کاٹ ڈالیں گے اور ایسا ہی فرمایا مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا (الانعام: ۲۲) ایک شخص ان باتوں پر ایمان رکھ کر افتراء کی جرأت کیونکر کر سکتا ہے۔ ظاہری گورنمنٹ میں ایک شخص اگر فرضی چپڑاسی بن جائے تو اس کو سزا دی جاتی ہے اور وہ جیل میں بھیجا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ ہی کی مقتدر حکومت میں یہ اندھیر ہے؟ کہ کوئی محض جھوٹا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا کرے اور پکڑا نہ جائے بلکہ اس کی تائید کی جائے۔ اس طرح تو دہریت پھیلتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں میں لکھا ہے کہ مفتری ہلاک کیا جاتا ہے۔ پھر کون نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ ۲۵ سال سے قائم ہے اور لاکھوں آدمی اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ باتیں معمولی نہیں بلکہ غور کرنے کے قابل ہیں۔ محض ذاتی خیالات بطور دلیل مانے نہیں جا سکتے۔ ایک ہندو جو گنگا میں غوطہ مار کر نکلتا ہے اور کہتا ہے کہ میں پاک ہو گیا۔ بلا دلیل اس کو کون مانے گا؟ بلکہ اس سے دلیل مانگے گا۔ پس میں نہیں کہتا کہ بلا دلیل میرا دعویٰ مان لو۔ نہیں منہاجِ نبوت کے لیے جو معیار ہے اس پر میرے دعویٰ کو دیکھو۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خدا سے وحی پاتا ہوں اور منہاجِ نبوت کے تینوں معیار میرے ساتھ ہیں اور میرے انکار کے لیے کوئی دلیل نہیں۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۲ صفحہ ۳ تا ۷ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء) و

(البدر جلد ۳ نمبر ۲۰، ۲۱ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۲۴ مئی و یکم جون ۱۹۰۴ء)

---

۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء

صبح کے وقت منشی اروڑا صاحب نقشہ نویس ریاست کپورتھلہ نے حضرت اقدس سے نیاز حاصل کیا تو آپ نے فرمایا:۔

میں نے آواز تو رات کو ہی شناخت کر لی تھی مگر طبیعت کو تکلیف تھی اس لیے بُلا نہ سکا۔

منشی صاحب موصوف نے جناب خانصاحب محمد خاں صاحب افسر بگی خانہ سرکار کپورتھلہ کی وفات کا واقعہ سنایا جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

نیکی کرنے والے کی اولاد کو بھی اس کی نیکی کا حصّہ ملتا ہے۔ یہ دُنیا فنا کا مقام ہے اگر ایک مرجاتا ہے تو پھر دوسرے نے کونسا ذمہ لیا ہے کہ وہ نہ مریں گے۔ دُنیا کی وضع ایسی ہی ہے کہ آخر قضا و قدر کو ماننا پڑتا ہے۔ دُنیا ایک سرائے ہے اگر اس میں آتے ہی جاویں اور نہ نکلیں تو کیسے گذارہ ہو۔

انبیاء کے وجود سے زیادہ عزیز کوئی دوسرا وجود قدر کے لائق نہیں لیکن آخر ان کو بھی جانا پڑا۔

موت کے وقت انسان کو دہشت ہوتی ہے مگر جب مجبوراً وقت قریب آتا ہے تو اسے قضا و قدر پر راضی ہونا پڑتا ہے اور نیک لوگوں کے دلوں سے تعلقات دنیاوی خود اللہ تعالیٰ توڑ دیتا ہے کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۴ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۴ء)

۳۰ جنوری ۱۹۰۴ء

بعد نماز مغرب

خدا تعالیٰ پر سچے ایمان کی ضرورت

طاعون کا ذکر ہوتا رہا کہ اب فروری کا مہینہ آگیا ہے اس کا زور ہوگا چنانچہ مختلف مقامات سے اس کی خبریں آنی شروع ہوگئی ہیں۔ فرمایا کہ

ضروری بات خدا شناسی ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور جزا سزا پر ایمان ہو۔ اسی کی کمی سے دُنیا میں فسق و فجور ہو رہا ہے لوگوں کی توجہ دُنیا کی طرف اور گناہوں کی طرف بہت ہے دن اور رات یہی فکر ہے کہ کسی طرح دنیا میں دولت، وجاہت عزت ملے۔ جس قدر کوشش ہے خواہ کسی پیرایہ میں ہی ہو مگر وہ دُنیا کے لیے ہے خدا تعالیٰ کے لیے ہرگز نہیں۔ دین کا اصل لُب اور خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو مگر اب مولوی وعظ کرتے ہیں تو ان کے وعظ کی بھی علت غائی یہ ہوتی ہے کہ اسے چار پیسے مل جاویں جیسے ایک چور باریک در باریک حیلے چوری کے لیے کرتا ہے ویسے ہی یہ لوگ کرتے ہیں ایسی حالت میں بجز اس کے کہ عذاب الٰہی نازل ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اعتراض ہم پر یہ ہوتا ہے کہ اپنی تعریف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مُطہّر و برگزیدہ قرار دیتے ہیں۔ اب لوگوں سے کوئی پوچھے کہ خدا تعالیٰ جو امر ہمیں فرماتا ہے کیا ہم اس کی نافرمانی کریں۔ اگر ان باتوں کا اظہار نہ کریں تو معصیت میں داخل ہو۔ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کیا الفاظ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمائے

ہیں۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق تو وہ بھی خودستائی ہوگی۔

خودستائی کرنے والا حق سے دُور ہوتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ فرمائے تو پھر کیا کیا جائے۔ یہ اعتراض ان نادانوں کا صرف مجھ پر ہی نہیں ہے بلکہ آدم سے لے کر جس قدر نبی۔ رسول۔ ازکیا اور مامور گذرے ہیں، سب پر ہے۔ ذرا غور کرنے سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ جسے خدا تعالیٰ مامور کرتا ہے ضرور ہے کہ اس کے لیے اجتباء اور اصطفاء ہو اور کچھ نہ کچھ اس میں ضرور خصوصیت چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کل مخلوق میں سے اسے برگزیدہ کرے۔

خدا تعالیٰ کی نظر خطا جانے والی نہیں ہوتی۔ پس جب وہ کسی کو منتخب کرتا ہے وہ معمولی آدمی نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سورۃ الانعام: ۱۲۵) اس سوال کا آخر ماحصل یہ ہے کہ وہ ہمیں مفتری کہیں گے مگر پھر ان پر سوال ہوتا ہے کہ عجب خدا ہے کہ اس قدر عرصہ دراز سے برابر افترا کا موقعہ دیئے چلا جاتا ہے اور جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ وقوع میں آتا ہے۔ اگر مفتریوں کیساتھ خدا تعالیٰ کے یہ سلوک ہیں اور اس طرح سے اُن کی تائید اور نصرت کی جاتی ہے جیسے کہ ہماری تو پھر کل انبیاء کو بھی انہیں مفتری قرار دینا پڑے گا۔ وہی علامات اور براہین جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کی صداقت کے نشان اور دلیل تھے وہی اب بھی موجود ہیں جسے خدا تعالیٰ منتخب کرے اگر وہ اس کی تعریف نہ کرے تو کیا گند کہے؟ اس سے خدا پر حرف آتا ہے کہ اس کا انتخاب گندا ٹھہرتا ہے۔

اگر دنیا کے مجازی حکام اعلیٰ کو بھی دیکھو تو وہ بھی حتی الوسع کمشنری۔ لفٹیننٹی۔ ڈپٹی کمشنری وغیرہ کے عہدوں کے لیے انہیں کو انتخاب کرتے ہیں جو کہ ان کی نظر میں لائق ہوتے ہیں۔ اگر وہ حکام اعلیٰ کی نظر میں نالائق اور ذمہ داریوں کی بجا آوری کے ناقابل ہوں تو انتخاب نہیں کئے جاتے۔ پس اسی طرح مامورین وغیرہ خدا تعالیٰ کی نظروں میں نالائق اور بگڑے اور اشقیاء ہوں تو پھر لوگوں کو مزکی بنانے کی خدمت اُن سے کیسے لی جاوے۔

یہ ایک نکتہ ہے کہ ان کا جو اعتراض ہوتا ہے وہ صرف میری ذات پر نہیں ہوتا۔ بلکہ عام ہوتا ہے کہ آدم سے لے کر جس قدر نبی اس وقت تک گذرے ہیں۔ سب اُس میں شامل ہوتے ہیں۔ بھلا وہ ایک اعتراض تو کر کے دکھلاویں جو سابقہ انبیاء میں سے کسی پر نہ ہوا ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ایمان کے لوازم تمام اس وقت ردّی ہو گئے تھے۔ دل حلاوت ایمان سے خالی ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت کے خیال نے دلوں پر تصرف کر لیا ہے ایک گہرے بحر ظلمات میں لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت بڑی ضرورت اور احتیاج اس امر کی ہے کہ وہ تقویٰ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور کتاب اللہ نازل ہوئی، حاصل ہو۔ ایک مُردہ ایمان لوگوں کے پاس ہے۔ اس لیے اس ایمان کی کوئی نشانی بھی ہاتھ میں نہیں ہے اور اسی باعث سے یہ وبال ان لوگوں پر ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ کیا ہم نماز ادا نہیں کرتے، روزہ نہیں رکھتے۔ کلمہ نہیں پڑھتے۔ ان کم بختوں کو اتنی خبر نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مبعوث ہوئے تھے تو یہود بھی تو سب عبادتیں کرتے تھے پھر وہ کیوں مغضوب ہوئے ؟

ان کی نہایت بدقسمتی اور شقاوت ہے کہ بھلا دیا ہے کہ اسلام کیا ہے، دین کیا ہے۔ کب کہا جاتا ہے کہ فلاں متقی ہے، فلاں مومن ہے۔ صرف چھلکے اور پوست پر نازاں ہیں اور مغز کو ہاتھ سے کھو دیا ہے جو کہ دین کی اصل روح ہے۔ اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ روح دوبارہ پیدا کرے۔ اگر ان لوگوں میں تقویٰ اور معرفت ہو تو یہ اعتراض کر کے خود ہی نادم ہوں۔

سوادِ اعظم کی حقیقت

ایک یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سوادِ اعظم حیاتِ مسیح کا قائل ہے۔ اگر سوادِ اعظم کے یہ معنے ہیں کہ ایک گروہ کثیر ایک طرف ہو تو اس کی بات سچی ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہود و عیسائی قوم کا بھی سوادِ اعظم تھا۔ وہ اہلِ کتاب ہی تھے۔ بڑے بڑے عالم۔ فاضل۔ عابد اُن میں موجود تھے۔ اِن کے معیار سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اُن کی شہادت معتبر مان لینی چاہیئے۔

اصل سوادِ اعظم وہ لوگ ہیں جو حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور علیٰ وجہ البصیرت خدا تعالیٰ پر ان کا ایمان ہے اور ان کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔ بھلا سوچ کر دیکھو کہ جس راہ میں بچھو۔ سانپ اور درندے وغیرہ ہوں۔ کیا دس ہزار اندھے اس کی نسبت کہیں کہ یہ راہ اختیار کرو تو کوئی ان کی بات مانے گا ؟ اور جو اُن کے پیچھے چلیں گے وہ سب مریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مَیں علیٰ وجہ البصیرت بلاتا ہوں اگرچہ آپ ایک فرد واحد تھے لیکن آپ کے مقابل ہزارہا منکرین کی بات قابلِ اعتبار نہ تھی جو آپ کی مخالفت کرتے تھے۔

اب اس وقت ایک سوادِ اعظم نہیں ہے بلکہ کئی سوادِ اعظم ہیں۔ افیونیوں، بھنگیوں، چرسیوں، شرابیوں وغیرہ کا بھی ایک سوادِ اعظم ہے۔ مخلوق پرستوں کا بھی ایک سوادِ اعظم ہے تو کیا ان لوگوں کے اقوال کو سند پکڑا جاوے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سورۃ سبا : ۱۴) کہ شاکر اور سمجھدار بندے ہمیشہ کم ہوتے ہیں جو کہ حقیقی طور پر قرآنِ مجید پر چلنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت اور تقویٰ عطا کیا ہے وہ خواہ قلیل ہوں مگر اصل میں وہی سوادِ اعظم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اُمَّةً کہا ہے۔ حالانکہ وہ ایک فرد واحد تھے مگر سوادِ اعظم کے حکم میں تھے۔

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ شرارتوں، منصوبوں اور حیلہ بازیوں میں رہتے ہیں۔ ان کا عمل ایک بالشت بھی آسمان پر جا سکے اور وہ ان نیک بندوں کے برابر ہوں۔ جن کی عظمت خدا تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ عبداللطیف کی ہی ایک نظیر دیکھ لو کہ بار بار موقعہ ملا کہ جان بچاوے مگر اس نے یہی کہا کہ مَیں نے حق کو پا لیا اس کے آگے جان کیا شئے ہے۔ سوچ کر دیکھو کیا جھوٹ کے واسطے دیدہ دانستہ کوئی جان جیسی عزیز شئے دے سکتا ہے۔

اکثریت کی بدنصیبی

ایک بدنصیبی ان لوگوں کی یہ ہے کہ اگر صحبت حاصل نہیں کرتے اور دُور دُور رہتے ہیں۔ ان کے اسلام کی مثال ایک تصویر کی مثال ہے کہ اس میں نہ ہڈی نہ گوشت، نہ پوست، نہ خون، نہ روح۔ پھر اسے انسان کہا جاتا ہے۔ اپنی کثرت پر ناز کرتے ہیں۔ کتاب اللہ کی عزت نہیں کرتے حالانکہ اس کثرت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ آپ نے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے ایک اپنا اور ایک مسیح موعود کا۔ اور درمیانی زمانہ کو جس میں ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچی اور کثرت ہوئی فیج اعوج کہا ہے پھر اصل میں یہ کثرت بھی نہیں ہے خود ان میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ ہر ایک کا الگ الگ مذہب ہے۔ ایک دوسرے کی تکفیر کر رہا ہے۔ جب یہ حال ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہ آوے گا؟ خود انہی میں سے ہیں جو مانتے چلے آئے ہیں کہ مسیح اسی اُمت میں سے ہوگا حدیثوں میں اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ موجود ہے۔ سورہ نُور میں مِنْکُمْ ہے۔

معراج میں آپ نے اسرائیلی مسیح کا حُلیہ اور دیکھا اور آنے والے اپنے مسیح کا اور حُلیہ بتلایا۔ پھر کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر سب انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔ ان تمام ثبوتوں کے بعد اور ان کو کیا چاہیئے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)

نیز (البدر جلد ۳ نمبر ۶ صفحہ ۲ مورخہ ۸ فروری ۱۹۰۴ء و نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۳۱ جنوری ۱۹۰۴ء

صبح کی سیر

عذابِ الٰہی کی ضرورت

اِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا۔

(سورۃ بنی اسرائیل: ۵۹) یہ اسی زمانہ کے لیے ہے کیونکہ اس میں ہلاکت اور عذاب مختلف پیرایوں میں ہے کہیں طوفان ہے کہیں زلزلوں سے کہیں آگ کے لگنے سے۔ اگرچہ اس سے پیشتر بھی یہ سب باتیں دُنیا میں ہوتی رہی ہیں مگر آج کل ان کی کثرت خارقِ عادت کے طور پر ہو رہی ہے جس کی وجہ سے یہ ایک نشان ہے اس آیت میں طاعون کا نام نہیں ہے۔ صرف ہلاکت کا ذکر ہے خواہ کسی قسم کی ہو۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس قوت اور پوری توجہ سے لوگوں نے دنیا اور اس کے ناجائز وسائل کو مقدم رکھا

ہوا ہے اور عظمتِ الٰہی کو دلوں سے اُٹھا دیا ہے۔ اب صرف وعظوں کا کام نہیں ہے کہ اس کا علاج کر سکیں۔ عذابِ الٰہی کی ضرورت ہے۔

بابو شاہدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور عذاب سے بھی لوگ عبرت نہیں پکڑتے کہتے ہیں کہ ہمیشہ بیماریاں وغیرہ ہوا ہی کرتی ہیں۔ فرمایا:۔

قرآن شریف میں طوفانِ نوح کا ذکر ہے۔ بجلی کا ذکر ہے اور یہ سب حادثات دُنیا میں ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ کیا اُن کے نزدیک یہ عذابِ الٰہی نہ تھے؟ جن کا ذکر خدا تعالیٰ نے کیا ہے اور ان سب کا ہمیشہ دنیا میں وجود رہتا ہے مگر جب کثرت ہو اور ہولناک صورت سے ظاہر ہوں اور ایک دنیا میں تہلکہ پڑ جاوے تب یہ نشان ہیں۔ وحی بھی اسی طرح سے ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ لوگوں کو سچے خواب آتے ہیں تو پھر انبیاء کی خصوصیت کیا ہوئی۔ خصوصیت ہمیشہ کثرت اور درجہ کمال سے ہوتی ہے۔ اب اس وقت جو ہلاکت مختلف طور سے ہو رہی ہے اس کی نظیر یہ دکھلاویں۔

گذشتہ دنوں عالیجناب احسان علی خانصاحب برادر نواب محمد علی خانصاحب مالیر کوٹلہ سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس سے نیاز بھی حاصل کیا تھا اور آپ نے ایک جامع تقریر بھی اس وقت فرمائی تھی جس سے ان کے اکثر شبہات وشکوک کا قلع قمع ہوا تھا۔ انہیں کا ذکر ہوتا رہا کسی کی طرف سے یہ اعتراض بھی پیش ہوا کہ ان کے ایک مصاحب نے یہ کہا ہے کہ ابھی مہدی ومسیح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ:

عام طور پر دلوں میں دہریت گھر کر گئی ہے۔ لاکھوں مسلمان عیسائی ہو گئے ہیں۔ صلیبی فتنہ بڑھ رہا ہے۔ اگر اب بھی ضرورت نہیں۔ تو کیا یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا نام ونشان نہ رہے اس کی تو وہی مثال ہے کہ ایک میت موجود ہو اس میں روح کا نام ونشان نہ ہو اور صرف اس کے آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ اعضاء دیکھ کر کہا جائے کہ یہ میت نہیں ہے۔ اگر نہیں ہے تو اور چار دن رکھ کر دیکھ لو۔ جب سڑے گا اور بدبو پھیلے گی تو خود پتہ لگ جائے گا کہ رُوح کا نام ونشان نہیں صرف پوست ہی پوست ہے۔ ابھی کہتے ہیں کہ ضرورت نہیں۔

اہلِ تشیع کو جو محبت حضرت امام حسین سے ہے اور آپ کے واقعہ شہادت کو سُنکر جس طرح ان کے جگر پارہ پارہ ہوتے ہیں اس میں سے تکلف اور تصنع کو دُور کر کے باقی ان لوگوں کے حق میں جو دلی خلوص سے امام صاحب سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی شان میں ہر ایک قسم کے غلو کو معیوب قرار دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اس سے ہم منع نہیں کرتے کہ کوئی کسی بزرگ کی محبت یا جدائی میں آنسوؤں سے رولے۔

فرمایا کہ

ہدایت کے تین طریق ہیں۔ بعض لوگ تو کلمات طیبات سُنکر ہدایت پاتے ہیں۔ بعض تہدید کے محتاج ہوتے ہیں بعض کو آسمانی نشان اور تائید نظر آجاتی ہے کیونکہ

شنیدہ کے بُود مانند دیدہ

اب اس وقت جو خدا تعالیٰ دکھلا رہا ہے وہ چشم دید ہے دوسرے نقول ہیں۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)

یکم فروری ۱۹۰۴ء

(صبح کی سیر)

اِتمامِ حُجّت کی ضرورت

فرمایا کہ

قویٰ خواہ کتنے ہی قوی ہوں اور عمر کس قدر ہی اوائل میں کیوں نہ ہو مگر تاہم عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ نہیں معلوم کہ کس وقت موت آجاوے۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ اگرچہ اپنے فرض کا ایک حصہ بذریعہ تحریروں کے ہم نے پورا کر دیا ہے مگر تاہم ایک بڑا ضروری حصہ باقی ہے کہ عوام الناس کے کانوں تک ایک دفعہ خدا تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیا جاوے کیونکہ عوام الناس میں ایک بڑا حصہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جو کہ تعصب اور تکبر وغیرہ سے خالی ہوتے ہیں اور محض مولویوں کے کہنے سُننے سے وہ حق سے محروم رہتے ہیں۔ جو کچھ یہ مولوی کہہ دیتے ہیں۔ اُسے آمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہہ کر مان لیتے ہیں۔ ہماری طرف کی باتوں اور دعووں اور دلیلوں سے محض ناآشنا ہوتے ہیں۔ اس لیے ارادہ ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں جاکر بذریعہ تقریر کے لوگوں پر اتمامِ حجت کی جاوے اور ان کو بتلایا جاوے کہ ہمارے مامور ہونے کی غرض کیا ہے اور اس کے دلائل کیا ہیں۔

دراصل یہ ایک لمبی تقریر تھی جس کا خلاصہ مَیں نے درج کر دیا ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام بہت دُور نکل گئے تھے اور مَیں پیچھے پہنچا۔ حافظ روشن علی صاحب برادر ڈاکٹر رحمت علی صاحب مرحوم کی زبانی یہ خلاصہ سُنکر درج کیا گیا ہے جس کی تصدیق دیگر احباب نے بھی کی۔ اس اتمامِ حجت کے بعد پنجاب کے بڑے بڑے شہر یا تو خدا تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اور بصورتِ انکار سخت غضب کے۔

خدا تعالیٰ کی بے نیازی پر ایمان

فرمایا کہ
عمر کی نسبت اگرچہ مجھے الہام بھی ہوا ہے اور خوابیں بھی آئی ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی بے نیازی پر نظر پڑتی ہے تو مجھے اپنی عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر جیسے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ ان کو عمر کا کوئی وعدہ بھی نہیں ملا ہوا مگر پھر بھی وہ ایسے عمل کرتے ہیں جیسے کہ مطلق موت آنی ہی نہیں۔ سعادت یہ ہے کہ موت کو قریب جانے تو سب کام خود بخود درست ہو جاویں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے بہت سے آثار بتلائے مگر تاہم اگر ذرا سخت اندھی چلتی یا بارش ہوتی تو آپ گھبرا جاتے اور خیال کرتے کہ کیا قیامت تو نہیں آئی۔ اس وقت آپ کی نظر خدا تعالیٰ کی بے نیازی پر ہوتی۔ جنگِ بدر میں فتح کا وعدہ تھا مگر تاہم رو رو کر دُعائیں کرتے۔ آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ فتح کا وعدہ تو ہے مگر شاید کوئی شرط اس میں ایسی پنہاں ہو جس کا مجھے علم نہیں تو پھر فتح نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کیسا تھ کیا کیا وعدے تھے مگر آخر قوم کی قوم جنگلوں میں مَرکھپ گئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ الٰہی وعدے جن شرائط کے ساتھ مشروط تھے ان کے برعکس قوم نے کارروائی کی۔

جماعت کی شامتِ اعمال کا اثر مامور پر پڑتا ہے۔ جنگِ اُحد میں ایک طائفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا نہ مانا تو آپ کو کس قدر تکلیف ہوئی۔ زخم آپ کو لگے۔ دانت شہید ہوا۔ خود اس قدر سر میں دھنس گئی کہ صحابہؓ زور لگا کر اسے نکالتے نہ نکلتی۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے آگے کسی کی کیا پیش چل سکتی ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۲ - ۳ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۲ - ۳ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۲ تا ۴ فروری ۱۹۰۴ء

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت علیل رہی اور بایں وجہ سیر بھی ملتوی رہی بر دو اطراف چکر وغیرہ کے دماغی امراض جو آپ کو مصلحتِ الٰہی سے لاحق ہیں۔ اُن کے دورے رہے۔ مختلف اوقات میں آپ شریک نماز باجماعت ہوتے رہے اور جو اذکار ان اوقات میں ضبط ہوئے وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

رحمت علی مرحوم

مرحوم رحمت علی کے ذکر پر آپ نے فرمایا کہ :
یہ اس کی پاکیزہ فطرت کی نشانی ہے کہ افریقہ میں غائبانہ طور پر ہمیں قبول کیا اور اس چھوٹی سی عمر میں ترقی اخلاص میں بھی کی۔
اس سال میں اَور بھی ہمارے مخلص دوست فوت ہوئے ہیں۔

شہد کے خواص

شہد کے تذکرے پر آپ نے فرمایا کہ :
دوسری تمام شیرینیوں کو تو اطباء نے عفونت پیدا کرنے والی لکھا ہے مگر یہ اُن میں سے نہیں ہے۔ آم وغیرہ اور دیگر پھل اس میں رکھ کر تجربے کئے گئے ہیں کہ وہ بالکل خراب نہیں ہوتے سالہا سال ویسے ہی پڑے رہتے ہیں۔
فرمایا کہ
ایک دفعہ میں نے انڈے پر تجربہ کیا تو تعجب ہوا کہ اس کی زردی تو ویسی ہی رہی مگر سفیدی انجماد پاکر مثل پتھر کے سخت ہوگئی جیسے پتھر نہیں ٹوٹتا ویسے ہی وہ بھی نہیں ٹوٹتی تھی۔
خدا تعالیٰ نے اسے شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کہا ہے۔ واقعہ میں عجیب اور مفید شئے ہے تو کہا گیا ہے۔ یہی تعریف قرآنِ شریف کی فرمائی ہے۔ ریاضت کش اور مجاہدہ کرنے والے اکثر اسے استعمال کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہڈیوں وغیرہ کو محفوظ رکھتا ہے۔
اس میں اَلْ جو ناس کے اوپر لگایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اس کے اپنے (یعنی خدا تعالیٰ کے) ناس (بندے) ہیں اور اس کے قرب کے لیے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں ان کے لیے شفا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ تو ہمیشہ خواص کو پسند کرتا ہے عوام سے اسے کیا کام؟

مرنے والوں کے اَمثال

فرمایا :-
کوئی عمدہ آدمی فوت ہو تو صدمہ ضرور ہوتا ہے لیکن دُنیا ایسی جگہ ہے کہ اس میں پھر ویسے اَمثال پیدا ہو جاتے ہیں نیکوں کے بھی، بدوں کے بھی۔ اسی لیے بعض نے دُنیا کو دَوری لکھا ہے کہ جن صفات کے لوگ اس کے ایک دَور میں گذر جاتے ہیں۔ پھر اسی قسم کے لوگ وہی سیرتیں اور صورتیں لے کر دوسرے دَور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔
مخدوم حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ حضور یہیں سے ٹھوکر کھا کر لوگ تناسخ کے قائل ہوگئے ہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۰۴ء)
و (الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۰۴ء)

۵-۶ فروری ۱۹۰۴ء

۵ تاریخ کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کو تشریف لے گئے لیکن میں اس سیر میں ایک مغالطہ کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ (ڈائری نویس)

۶ تاریخ کو عصر کے وقت آپ نے مجلس فرمائی۔ مختلف تذکرے ہوتے رہے۔ سرسید کا ذکر آگیا فرمایا:

مداہنت

دوسری قوم کے رُعب میں آکر اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ آخر ایام میں تثلیث کے ماننے والوں کو بھی نجات یافتہ قرار دے گئے مداہنہ کی انتہا یہی ہوا کرتی ہے کہ آخر اسی قوم کا انسان کو بننا پڑتا ہے۔ قرآن شریف میں اسی لیے ہے لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۱) دوسرے کو راضی کرنے کے لیے انسان کو اس کے مذہب کو بھی اچھا کہنا پڑتا ہے اسی لیے مداہنہ سے مومن کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

فرمایا کہ:۔

مخالفین کا رویہ

مجھے بھی یہ الہام ہوا ہے جیسے کہ براہین میں درج ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت ان لوگوں (یعنی مخالفوں) میں سے شاذ و نادر ہی ہوگا جو ہم سے راضی ہو اور ہمارے ساتھ اخلاق سے پیش آنا چاہتا ہو۔ ہاں اگر شخصی طور پر کسی کی ذات میں اخلاق سرشت ہوا ہو تو وہ شاید ہم سے اخلاق سے پیش آجاوے ورنہ قومی طور پر ہم سے ہرگز اخلاق سے پیش آنا نہیں چاہتے۔

اجتہاد میں غلطی ہو جانا نبوت کے خلاف نہیں

کسی صاحب نے لودھیانہ سے حضرت صاحب کو مخالفین کا یہ اعتراض لکھا کہ شَاْتَانِ تُذْبَحَانِ کا الہام جواب شہزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ قبل ازیں کسی تصنیف میں مرزا احمد بیگ اور اس کے داماد پر چسپاں ہو چکا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر ہم سے اجتہاد میں غلطی ہو جاوے تو حرج کیا ہے؟ اجتہاد اور شئے ہے اور تفہیم الٰہی اور شئے۔ اگر ہم نے ایک معنی اپنی رائے اور فکر سے کر دیئے تو آخر اپنے وقت پر خدا تعالیٰ نے اصل اور حقیقی معنے بتلا دیئے۔ اس الہام میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا احمد بیگ جیسے منکرین کی زندگی ہماری محبوبات سے تھی یا مکروہات سے؟ اگر ہماری کوئی غلطی ہو تو اس میں تنقیح طلب امر یہ ہے کہ آیا ایسی غلطیاں انبیاء سے ہوتی رہیں کہ نہیں جیسے کہ خواب میں ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انگور کا

خوشہ دیا تو آپ نے اس کے یہ معنے سمجھے کہ ابوجہل کسی وقت مسلمان ہو جاوے گا لیکن وہ تو مسلمان نہ ہوا۔ آخر عکرمہ اس کا بیٹا جب مسلمان ہوا تو خواب کے معنے پورے طور پر سمجھ میں آئے۔

سلسلہ کی صداقت

ایک مفتری کی زندگی حُباب کی طرح ہوتی ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں سچائی کی خوشبو ہے کہ نہ واعظ ہیں (نہ کانفرنسیں جو مختلف مقاموں پر ہوتی ہیں) نہ لیکچرار ہیں۔ لیکن ہماری صداقت خود بخود لوگوں کے دلوں میں پڑتی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے بہتیرا واویلا کیا اور روکتے رہے اور اب بھی کرتے اور روکتے ہیں لیکن پھر بھی ہمارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔

اب باریک نظر سے غور سے دیکھو تو ہمارا سلسلہ دن بدن ترقی کر رہا ہے اور یہی نشانی ہے اس بات کی کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہمارے مخالف آج تک کب کے کامیاب ہو جاتے۔ ہم یہاں چپ چاپ بیٹھے ہیں کسی تدبیر اور ایسی طاقت سے کام نہیں لیتے کہ اثر انداز ہو۔ نہ دورے لگا رہے ہیں نہ کچھ۔ مگر تاہم ایک حرکت شروع ہے۔ روز جو ڈاک آتی ہے شاذ و نادر ہی کوئی دن ایسا ہوتو ہو ورنہ ہر روز بلا ناغہ بیعت کے خطوط آتے ہیں اور کوئی دن ایسا نہیں چڑھتا کہ اس میں کوئی نہ کوئی بیعت کے لیے تیاری نہ کرتا ہو۔

تین قسم کے لوگ

فرمایا کہ

اس وقت تین قسم کے لوگ ہیں:۔

ایک وہ جو بغض و حسد میں بھرے ہوئے ہیں اور ضد اور تعصب سے مخالفت پر آمادہ ہیں۔ ان کی تعداد تو بہت ہی کم ہے۔

دوسرے وہ جو اس طرف رجوع کرتے ہیں ان کی تعداد تو ترقی پر ہے۔

تیسرے وہ جو خاموش ہیں نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر۔ ان کی تعداد کثیر ہے وہ ملانوں کے زیر اثر نہیں ہیں اور نہ ان کے ساتھ مل کر سب و شتم کرتے ہیں۔ اس لیے وہ ہماری مد میں ہیں۔

فرقۂ معاندین کی افادیت

یہ فرقہ جو معاندین کا ہے اگر نہ ہوتا تو چُپ رہنے والے اصل میں کوئی شئے نہیں ہیں انہیں کی وجہ سے تحریک ہوتی ہے وہ شور ڈال ڈال کر ان لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ ان کی باتوں میں چونکہ آسمانی تائید نہیں ہوتی اس لیے تناقض ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کچھ فرماتا ہے اور یہ کچھ کہتے ہیں۔ قال کچھ ہے اور حال کچھ ہے۔ آخر شور شرابا سُنکر بعض کو تحریک ہوتی ہے کہ دیکھیں تو سہی ہے کیا۔ پھر جب وہ تحقیق کرتے ہیں تو حق ہماری طرف ہوتا

ہے آخر اُن کو ماننا پڑتا ہے۔

معاندین ہم پر کیا کیا الزام لگاتے ہیں۔ کہیں کہتے ہیں کہ یہ پیغمبروں کو گالیاں دیتے ہیں۔ کہیں کہتے ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ ادا نہیں کرتے۔ آخر کار تنقید پسند طبائع ان باتوں سے فائدہ اُٹھا کر ہماری طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس جماعتِ معاندین کے ہونے سے ہمارا برسوں کا کام دنوں میں ہو رہا ہے۔ لوگ آگے ہی منتظر ہیں۔ وقت خود شہادت دے رہا ہے اور اُن کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی ہیں کہ آنے والا آوے۔ جب یہ معاندین ایک مفتری کے رنگ میں ہمیں پیش کرتے ہیں تو تحقیق کرتے کرتے خود حق پا لیتے ہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۷ فروری ۱۹۰۴ء

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب لاہور سے تشریف لائے تھے۔ حضرت اقدس نے باہر تشریف لاتے ہی ڈاکٹر صاحب سے اپنی ناسازیٔ طبیعت کا ذکر فرمایا[1] اور اسی سلسلہ میں فرمایا:-

عوارض میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت

انسان کا اصل طبیب اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اس کو بنایا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری کمزوری کا سِتر یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کیا ہوا تھا کہ اس وقت جہاد کے خیالات کو دُور کیا جاوے اور ہم کو اس سے الگ رکھنا تھا۔ اس لیے اس نے عوارض اور کمزوری کے ساتھ بھیجا اور یہ بھی کہ اپنی کسی کارروائی پر گھمنڈ نہ ہو بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ ہی کے فضل کے خواستگار رہیں۔

نزول کے لفظ میں بھی یہی سِتر ہے گویا آسمان سے اُترا ہے یعنی سب کام خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس میں انسانی دخل نہیں ہے اور جب انسانی ارادوں اور منصوبوں سے الگ ہوئے تو وہ سب امور خارقِ عادت ٹھہرے۔

عام طور پر بھی کہا کرتے ہیں کہ خدا اُتر کر لڑا ہے مگر تعجب کی بات ہے کہ ہمارے مخالفوں نے سب باتوں

---

[1] البدر میں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ ادویہ ان کے متعلق عرض کیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۴ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

کو جسمانی بنا لیا ہے۔ ادھر یہ مان لیا ہے کہ دو زرد چادریں پہنے ہوئے اُتریں گے[1]۔ معلوم نہیں ان بھگوے کپڑوں کے پہننے سے اس کی کیا غرض ہوگی۔ یہ چادریں شاید حضرت ادریس نے سی کر دی ہوں گی۔ پھر تعجب ہے کہ وہ کبھی میلی نہ ہوں گی اور نہ وہ کبھی اُن کو اُتاریں گے اور نہ وہ پھٹیں گی۔ یہ کیسی عجیب باتیں ہیں جن کو سُنکر ہنسی آتی ہے ادھر یہ لباس تجویز کیا اور خدمت یہ تجویز کی کہ وہ جنگلوں میں خنزیر مارتا پھرے[2]۔

پردہ میں افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین

حضرت اُم المومنین کی طبیعت کسی قدر ناساز رہا کرتی تھی۔ آپ نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ فرمایا کہ اگر وہ ذرا باغ میں چلی جایا کریں تو کچھ حرج تو نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ

دراصل مَیں تو اس لحاظ سے کہ معصیت[3] نہ ہو کبھی کبھی گھر کے آدمیوں کو اس لحاظ سے کہ شرعاً جائز ہے اور

---

[1] البدر میں ہے :-
"یہ لوگ ظاہر پر حمل کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء نہیں ہے یہ منتظر ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آویں اور دو زرد چادریں اوڑھی ہوئی ہوں ایک اُوپر اور ایک نیچے۔ لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ آیا وہ چادریں آسمان پر رنگی جاویں گی یا یہاں سے ہی فرشتے لیکر آسمان پر پہنچاویں گے اور وہ اوڑھ کر نیچے اُتریں گے۔ ان چادروں سے مراد امراض ہیں اور یہی دونو امراض ہمیں لگے ہوئے ہیں۔ نیچے کی چادر سے مراد پیشاب کی بیماری ہے اور اُوپر سے مراد سَر کی بیماری ہے۔ ان دونوں میں مَیں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۴)

[2] البدر میں ہے :۔ "ان میں ضدین کو جمع کیا ہے ادھر بھگوے کپڑے پہناتے ہیں ادھر ہاتھ میں نیزہ"۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۴)

[3] البدر میں ہے :۔ عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے جب موسم متعفن ہوتا ہے تو ان کو اسی چار دیواری کے حبس میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ لوگ اگرچہ ملامت کرتے ہیں اور بُرا جانتے ہیں لیکن جبکہ ایک امر خدا تعالیٰ کی رضا کے برخلاف نہیں ہے تو ہمیں اس کے بجا لانے میں کیا تامل ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے مرد و عورت میں مساوات رکھی ہے تو اسی خیال سے کہ کہیں ان کو حبس میں رکھنا معصیت کا موجب نہ ہو مَیں گاہے گاہے اپنے گھر سے چند دوسری عورتوں کے ساتھ باغ میں سیر کے لیے لے جایا کرتا تھا اور اب بھی ارادہ ہے کہ لے جایا کروں۔
یورپ کے اعتراض پردہ پر بیحیائی کے ہیں اور اُن میں تفریط ہے اور مسلمانوں میں افراط ہے کہ گھروں کو عورتوں کے لیے بالکل حبس بنا دیا ہے۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت عائشہؓ کو باہر اپنے ساتھ لیجایا کرتے تھے۔ جنگوں میں بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے جو پردہ کہ سمجھا گیا ہے وہ غلط ہے۔ قرآن شریف نے جو پردہ بتلایا ہے وہ ٹھیک ہے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۶ مورخہ ۱۶ / فروری ۱۹۰۴ء)

اس پر کوئی اعتراض نہیں رعایتِ پردہ کے ساتھ باغ میں لے جایا کرتا تھا اور مَیں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ بہار کی ہوا کھاؤ۔ گھر کی چار دیواری کے اندر ہر وقت بند رہنے سے بعض اوقات کئی قسم کے امراض حملہ کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو لیجایا کرتے تھے جنگوں میں حضرت عائشہ ساتھ ہوتی تھیں۔

پردہ کے متعلق بڑی افراط تفریط ہوئی ہے۔ یورپ والوں نے تفریط کی ہے اور اب ان کی تقلید سے بعض نیچری بھی اسی طرح چاہتے ہیں حالانکہ اس بے پردگی نے یورپ میں فسق و فجور کا دریا بہا دیا ہے اور اس کے بالمقابل بعض مسلمان افراط کرتے ہیں کہ کبھی عورت گھر سے باہر نکلتی ہی نہیں۔ حالانکہ ریل پر سفر کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ غرض ہم دونو قسم کے لوگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں جو افراط اور تفریط کر رہے ہیں۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۵ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۸ فروری ۱۹۰۴ء

(صبح کی سیر)

حسب معمول حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لیے تشریف لائے۔ سلسلہ کلام مقدمات کے متعلق شروع ہوا۔ اور چند منٹ کے بعد سلسلہ کلام کا رُخ بدل گیا۔ جس کو ہم اپنے الفاظ اور طرز پر مرتب کر کے لکھتے ہیں:۔

آخری فتح دُعا سے ہوگی

مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ زمانہ[1] اس قسم کا آگیا ہے کہ انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا جاتا اور بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں جن کے واسطے دلائل مفید ہو سکتے ہیں ورنہ دلائل کی پرواہی نہیں کی جاتی۔ اور قلم کام نہیں دیتا۔ ہم ایک کتاب یا رسالہ لکھتے ہیں۔ مخالف اس کے جواب میں لکھنے کو تیار ہو جاتے ہیں[2]۔ اس لیے مَیں سمجھتا ہوں کہ دُعا سے آخری فتح

---

[1] البدر میں ہے:۔ "زمانہ کی حالت آپ نے بتلائی کہ جس کو دیکھو رُو بدنیا ہے دین کی فکر اور اس کیلئے سوز و گداز ہرگز نہیں۔ دُنیا کے کیڑے بنے ہوئے ہیں"۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۵)

[2] البدر میں یُوں لکھا ہے:۔ "عیسویت کے مہلک فتنہ کی نسبت آپ نے فرمایا کہ بہت غور اور فکر کے بعد مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اب صرف قلموں اور کاغذوں کا ہی کام نہیں ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوگی اور انبیاء علیہم السلام کا یہی طرز رہا ہے کہ جب دلائل اور حجج کام نہیں دیتے تو ان کا آخری حربہ دُعا ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ (سورۃ ابراھیم: ۱۶) یعنی جب ایسا وقت آجاتا ہے کہ انبیاء و رُسل کی بات لوگ نہیں مانتے تو پھر دُعا کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مخالف متکبر و سرکش آخر نامراد اور ناکام ہو جاتے ہیں۔

ایسا ہی مسیح موعود کے متعلق جو یہ آیا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا (سورۃ الکھف: ۱۰۰) اس سے بھی مسیح موعود کی دُعاؤں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ نزول از آسمان کے یہی معنے ہیں کہ جب کوئی امر آسمان سے پیدا ہوتا ہے تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اُسے ردّ نہیں کر سکتا۔ آخری زمانہ میں شیطان کی ذریت بہت جمع ہو جائے گی کیونکہ وہ شیطان کا آخری جنگ ہے مگر مسیح موعود کی دُعائیں اس کو ہلاک کر دیں گی۔

نوحؑ کے زمانہ سے مناسبت

اسی طرح نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت نوح تبلیغ کرتے کرتے تھک گئے تو آخر انہوں نے دُعا کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طوفان آیا جس نے شریروں کو ہلاک کر دیا اور اس طرح پر فیصلہ ہو گیا۔ آخر ان کی کشتی ایک پہاڑ پر جا ٹھہری جس کو اب ارارات کہتے ہیں۔ ارارات کی اصل یہ ہے۔ اَرَارَات یعنی میں پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتا ہوں[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کہ وہ اس فتنہ کو فرو کر سکے۔ کتابیں ہم نے لکھیں تو اس کے مقابل پر انہوں نے بھی لکھ دیں۔ لوگ اپنے اپنے نفس کی فکر میں اس قدر مصروف ہیں کہ ان کو مقابلہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی اور جب انہوں نے مقابلہ ہی نہ کیا تو پھر حق کیسے کھلے۔ اس لیے اب میرا ارادہ ہے کہ ایک لمبا سلسلہ دُعا اور انقطاع کا شروع کیا جاوے نرے وعظ اور تبلیغ سے کیا ہوتا ہے۔ انبیاء بھی جب وعظ اور تبلیغ سے تھک گئے اور دیکھا کہ ابھی فتنہ برقرار ہے تو پھر انہوں نے دُعا کی طرف توجہ کی تاکہ توجہ باطنی سے فتنہ کو پاش پاش کیا جاوے جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (سورۃ ابراھیم: ۱۶) یعنی جب رسولوں نے دیکھا کہ وعظ اور پند سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو انہوں نے ہر ایک بات سے کنارہ کش ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی اور اس سے فیصلہ چاہا تو پھر فیصلہ ہو گیا۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۵۰ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

[1] البدر میں ہے:۔ "ارات عبرانی زبان میں پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں اور اَرَیٰ بمعنے مَیں نے دیکھ لیا۔ نوحؑ نے جب خشکی کی تلاش میں چاروں طرف نظر ماری اور پانی ہی پانی نظر آیا تو چونکہ کچھ پانی اُتر چلا تھا اس لیے جودی پہاڑ کی چوٹی اُن کو نظر آئی۔ اور اسی وجہ سے اس کا نام ارارت پڑ گیا۔"

(البدر جلد ۳ نمبر ۷ صـ۵ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

انہوں نے ایک پہاڑ کا سرا دیکھ کر کہا تھا اور اب اسی نام سے یہ مشہور ہو گیا اور بگڑ کر اراراٹ بن گیا۔ یہ زمانہ بھی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے مشابہ ہے خدا تعالیٰ نے میرا نام بھی نوح رکھا ہے اور وہی الہام جو کشتی کا نوحؑ کو ہوا تھا یہاں بھی ہوا ہے۔ اسی طرح پر اب خدا تعالیٰ نے فیصلہ کرنا چاہا ہے اور حقیقت میں اگر ایسا نہ ہوتا تو ساری دنیا دہریہ ہو جاتی اقبال اور کثرت نے دُنیا کو اندھا کر دیا ہے۔

عیسائی مذہب کا خاتمہ

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ جو کہا گیا ہے بالکل سچ ہے انسان جب سلطنت اور حکومت کو دیکھتا ہے تو اس کے خوش کرنے کے لیے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے واسطے وہی رنگ اختیار کرنے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت عیسائیوں کی کثرت، ان کی قومی ثروت اور اقبال نے لوگوں کو خیرہ کر دیا ہے اور ان وجوہات سے بہت سے لوگوں کو ادھر توجہ ہو گئی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس مذہب کا خاتمہ ہو جاوے اور اس کے لیے دُعا کی بہت ضرورت ہے۔ عیسائی خود بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ انکے مذہب کو ہلاک کر دے گا۔

پادریوں کی نظر میں ہماری جماعت

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ پادری جس قدر ہماری جماعت کو بُرا سمجھتے ہیں اور اس سے دشمنی کرتے ہیں وہ دوسرے مسلمانوں کو اس قدر بُرا نہیں سمجھتے جہاں کہیں ہمارا ذکر ہو گالیاں دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی فطرت خود تسلیم کرتی ہے کہ یہ سلسلہ ان کو ہلاک کر دینے والا ہے جیسے بلّی کا منہ جب چوہا دیکھتا ہے حالانکہ اس نے پہلے کبھی اس پر حملہ نہ بھی کیا ہو فوراً ہی سمجھ جاتا ہے کہ یہ میری دشمن ہے۔ بکری نے کبھی شیر کو دیکھا بھی نہ ہو، لیکن جونہی اسے نظر آجاوے وہ گھبرا کر کھانا پینا چھوڑ دیگی اسی طرح پر عیسائی ہمارے سلسلہ کے کسی آدمی کو دیکھ کر ہی اس سے بیزار ہو جاتے ہیں وہ جانتے ہیں[1] کہ اُن سے کوئی امید ان کو نہیں ہے۔ ان کی فطرت ہی ان کو بتا دیتی ہے۔

فطر کے معنے پھاڑنے کے ہیں اور فطرت سے یہ مراد ہے کہ انسان خاص طور پر پھاڑا گیا ہے جب آسمان سے قوت آتی ہے تو نیک قوتیں پھٹنی شروع کر دیتی ہیں۔ براہین احمدیہ میں جو یہ الہام ہے بڑا ہی پُرزور اور مبشر ہے۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَتْرُکَکَ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ یعنی خدا ایسا نہیں ہے

---

[1] البدر میں ہے:۔ ان لوگوں نے تاڑ لیا ہے کہ عیسائی مذہب کے دشمن اگر ہیں تو ہم ہی ہیں اور کوئی فرقہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۵ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

جو تجھے چھوڑ دے جب تک پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھا دے۔ یہ الہام بڑا ہی مبشر ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ عظیم الشان فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔

کسرِ صلیب کیلئے دُعا کی اہمیت

اگرچہ یہ سچی بات ہے کہ جب سے عیسائیوں کا قدم آیا ہے مسلمانوں نے اپنی طرف سے کمی نہیں کی اور کسی نہ کسی حد تک ان کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اور کتابیں اور رسالے لکھتے رہے ہیں لیکن باوجود اس کے بھی ان کی جماعت بڑھتی ہی گئی یہانتک کہ اب شاید تیس لاکھ کے قریب مرتد ہو چکے ہیں اس لیے مَیں یقیناً سمجھتا ہوں کہ کسرِ صلیب جانکاہ دعاؤں پر موقوف ہے۔ دُعا میں ایسی قوت ہے کہ جیسے آسمان صاف ہو اور لوگ تضرع وابتہال کے ساتھ دُعا کریں تو آسمان پر بدلیاں سی نمودار ہو جاتی ہیں اور بارش ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح پر مَیں خوب جانتا ہوں کہ دُعا اس باطل کو ہلاک کر دے گی اور لوگوں کو کوئی غرض نہیں ہے[1] کہ وہ دین کے لیے دُعا کریں مگر میرے نزدیک بڑا چارہ دُعا ہی ہے اور یہ بڑا خطرناک جنگ ہے جس میں جان جانے کا بھی خطرہ ہے۔ نِعْمَ مَا قِیْلَ۔

اندریں وقت مصیبت چارہ ہائے بیکساں
جز دُعائے با مداد و گریۂ اسحار نیست

پھر ان دُعاؤں کے لیے گوشہ نشینی کی بڑی ضرورت ہے۔ کئی دفعہ یہ بھی خیال آیا ہے کہ باغ میں کوئی الگ مکان دُعاؤں کے واسطے بنالیں۔

غرض یہ تو مَیں نے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ محض قلم سے کچھ نہیں بنتا[2]۔ اغراضِ نفسانی نے انسان کو دبایا ہوا ہے بہت سے لوگ نوکری کی غرض سے عیسائی ہو رہے ہیں اور بعض اور نفسانی غرض کی وجہ سے اور بعض لوگ گورنمنٹ کے تعلقات کی وجہ سے۔

آسائش کی حقیقی راہ

اس طریق پر سچی راحت اور آسائش نہیں مل سکتی۔ مومن کو حقیقی راحت اور آسائش کے لیے رُوبخدا ہونا چاہیئے۔ جو مومن آسائش کی زندگی

---

[1] البدر میں ہے:۔ "ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس قسم کی دُعا سے مطلب ہی کیا ہے کہ اس فتنہ کے بطلان اور استیصال کے لیے دُعائیں کریں ان کی تو کل دُعائیں اپنے اپنے نفس کی ضروریات تک محدود ہیں حالانکہ اس زمانہ میں دُعا ایک بڑا جنگ ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۵ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء)

[2] البدر سے:۔ "کیونکہ پادریوں کے پاس روپیہ بہت ہے اور لوگوں کو اغراض نے دبا رکھا ہے کسی نے نوکری کے لیے کسی نے حاجت کے لیے اپنے آپ کو ان کا دست نگر بنا رکھا ہے اس لیے دلائل وغیرہ کا جو اثر دلوں پر ہونا چاہیئے وہ نہیں ہوتا۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۷ صفحہ ۵)

چاہتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کریں یقیناً یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں پر بھروسہ کرنے والے کو سچا خیر خواہ نہ پائیں گے۔

مسیح اوّل اور مسیح آخر کی دُعا

مجھے خیال آتا ہے کہ حضرت مسیح نے جب دیکھا کہ صلیب کا واقعہ ٹلنے والا نہیں تو اُن کو اس امر کا بہت ہی خیال ہوا کہ یہ موت لعنتی موت ہوگی پس اس موت سے بچنے کے لیے انہوں نے بڑی دُعا کی۔ دلِ بریاں اور چشمِ گریاں سے انہوں نے دُعا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر وہ دُعا قبول ہوگئی چنانچہ لکھا ہے فَسُمِعَ لِتَقْوٰہُ ہم کہتے ہیں کہ جیسے پہلے مسیح کی دُعا سُنی گئی ہماری بھی سُنی جاوے گی مگر ہماری دُعا اور مسیح کی دُعا میں فرق ہے۔ اس کی دُعا اپنی موت سے بچنے کے لیے تھی اور ہماری دُعا دنیا کو موت سے بچانے کے لیے۔ ہماری غرض اس دُعا سے اعلائے کلمۃ الاسلام ہے۔ احادیث میں بھی آیا ہے کہ آخر مسیح ہی کی دعا سے فیصلہ ہوگا[1]

دُعا کیساتھ دلائل کی اہمیت

اگرچہ فیصلہ دُعاؤں سے ہی ہونیوالا ہے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ دلائل کو چھوڑ دیا جاوے۔ نہیں دلائل کا سلسلہ بھی برابر رکھنا چاہیئے اور قلم کو روکنا نہیں چاہیئے۔ نبیوں کو خدا تعالیٰ نے اسی لیے اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ کہا ہے کیونکہ وہ ہاتھوں سے کام لیتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ تمہارے ہاتھ اور قلم نہ رُکیں اس سے ثواب ہوتا ہے[2]۔ جہانتک بیان اور لسان سے کام لے سکو کام لیے جاؤ اور جو جو باتیں تائید دین کے لیے سمجھ میں آتی جاویں انہیں پیش کئے جاؤ وہ کسی نہ کسی کو فائدہ پہنچائیں گی۔

میری غرض اور نیت بھی یہی ہے کہ جب وہ وقت آوے تو اپنے وقت کا ایک حصہ اس کام کے لیے بھی رکھا جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تبتّلِ تام اور انقطاعِ کلی سے دُعا کرے تو ایسے ایسے خارقِ عادت اور سماوی امور کھلتے ہیں اور سُوجھتے ہیں کہ وہ دُنیا پر حجت ہوجاتے ہیں۔ اس لیے اس دعا کے وقت جو کچھ خدا تعالیٰ ان کے استیصال کے وقت دل میں ڈالے وہ سب پیش کیا جاوے۔

درازیٔ عمر کا نسخہ

فرمایا کہ:۔
کھانسی جب شدت سے ہوتی ہے تو بعض وقت دم رُکنے لگتا ہے اور

---

[1] البدر میں ہے:۔ "حدیثوں میں جو یہ مذکور ہے کہ جب کسی کو دجال کے مقابلہ کی طاقت نہ رہے گی اور ہر جگہ اس کا تسلط ہوگا تو آخر کار مسیح دعا کریگا اور اس دُعا سے وہ ہلاک ہوگا۔"
(البدر جلد ۳ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء)

[2] البدر سے:۔ "ہاں یہ ضرور ہے کہ تدابیر پر بھروسہ نہ کرے۔ نظر خدا پر رکھے۔" (البدر حوالہ مذکورہ)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جان کندن کی سی حالت ہے۔ چنانچہ اس شدت کھانسی میں مجھے اللہ تعالیٰ کی غناء ذاتی کا خیال گذرا اور میں سمجھتا تھا کہ اب گویا موت کا وقت قریب ہے۔ اس وقت الہام ہوا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔

(سورۃ النصر : ۲، ۳)

اس کے یہ معنے سمجھائے گئے کہ ایسا خیال اس وقت غلط ہے بلکہ اس وقت جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کا نظارہ دیکھ لو۔ اس وقت تو کوچ ضروری ہوجاتا ہے۔ سب کے لیے یہی اُصول ہے کہ جب وہ کام جس کے لیے اس کو بھیجا جاتا ہے ختم ہوجاتا ہے تو پھر وہ رُخصت ہوتا ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

تو سچ ہے مگر سب آدمی اپنے اپنے کام اور غرض سے جس کے لیے وہ آئے ہیں واقف نہیں ہوتے۔ بعض کا اتنا ہی کام ہوتا ہے کہ چوپایوں کی طرح کھا پی لینا وہ سمجھتے ہیں کہ اتنا گوشت کھانا ہے۔ اس قدر کپڑا پہننا ہے وغیرہ اور کسی بات کی ان کو پروا اور فکر ہی نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی جب پکڑے جاتے ہیں تو پھر یک دفعہ ہی اُنکا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ لیکن جو لوگ خدمتِ دین میں مصروف ہوں اُن کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے۔ اس وقت تک کہ جب تک وہ اس کام اور خدمت کو پورا نہ کرلیں۔

انسان اگر چاہتا ہے کہ اپنی عمر بڑھائے اور لمبی عمر پائے تو اُس کو چاہیئے کہ جہانتک ہوسکے خالص دین کے واسطے اپنی عمر کو وقف کرے۔ یہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے دھوکا نہیں چلتا جو اللہ تعالیٰ کو دغا دیتا ہے وہ یاد رکھے کہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے وہ اس کی پاداش میں ہلاک ہوجاوے گا۔

پس عمر بڑھانے کا اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے کہ انسان خلوص اور وفاداری کیساتھ اعلاء کلمۃ الاسلام میں مصروف ہوجاوے اور خدمتِ دین میں لگ جاوے اور آج کل یہ نسخہ بہت ہی کارگر ہے کیونکہ دین کو آج ایسے مخلص خادموں کی ضرورت ہے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر عمر کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے یونہی چلی جاتی ہے۔

ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اس کے ایک تیر لگا اور اس سے خون جاری ہوگیا۔ اس نے دُعا کی کہ اے اللہ عمر کی تو مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ البتہ میں یہود کا انتقام دیکھنا چاہتا تھا جنہوں نے اس قدر اذیتیں اور تکلیفیں دی ہیں۔ لکھا ہے کہ اسی وقت اس کا خون بند ہوگیا جب تک کہ وہ یہود ہلاک نہ ہوئے اور جب وہ ہلاک ہوگئے تو خون جاری ہوگیا اور اس کا انتقال ہوگیا[1]

---

[1] البدر میں یہ واقعہ یوں درج ہے :۔

ایک صحابی کو جنگ میں تیر لگا۔ وہ اپنی جان سے مایوس ہوئے۔ اسی وقت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت میں سب امراض اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی مرض اس کے حکم کے بغیر پیش دستی نہیں کرسکتا۔ اس لیے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرے۔ یہی اقبال کی راہ ہے مگر افسوس ہے جن راہوں سے اقبال آتا ہے ان کو انسان بدظنی کی نظر سے دیکھتا ہے اور نحوست کی راہوں کو پسند کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آخر گر جاتا ہے۔" (الحکم جلد ۸ نمبر ۶ صفحہ ۵، ۶ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۹ فروری ۱۹۰۴ء

(قبل از عشاء)

صاحبزادہ عبداللطیفؓ کا نمونہ

عشاء سے پیشتر آپ نے مجلس فرمائی اور فرمایا:۔ کمال کیسا تھ عیوب جمع نہیں ہوسکتے۔ اس زمانہ میں ایک عبداللطیف کا ہی نمونہ دیکھ لو کہ جس حالت میں اس نے جان جیسی عجیب شئے سے دریغ نہ کیا تو اب جان کے بعد اس پر کیا نکتہ چینی کرسکتے ہیں۔ خواہ کوئی ہزار پردہ ڈالے مگر ان کی استقامت پر شک نہیں ہوسکتا۔ یہودی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

خدا سے دُعا مانگی اور کہا کہ مجھے عمر کا تو فکر نہیں ہے تھوڑی ہو یا بہت۔ مگر جن یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اُن سے انتقام لوں۔ وہ اسی وقت اچھے ہوگئے اور پھر برابر زندہ رہے حتّٰی کہ اُن یہودیوں سے انتقام لیا۔ خدا کی قدرت جب انتقام لے چکے تو اسی مقام سے خون جاری ہوگیا اور وہ فوت ہوگئے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء)

لہ البدر میں مزید لکھا ہے:۔

اس زمانہ میں مومن کا فرض

میرا مذہب یہ ہے کہ اگرچہ بہت لوگوں نے اس باطل کی تردید میں آزادانہ مضامین بھی لکھے ہیں مگر ابھی تک یہ حالت ہے جیسے سفید بیل کی کھال پر کوئی بال سیاہ ہو کیونکہ قومی تعصب نے گھر کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی نیک بخت انگریز ہو اور وہ اسلامی شعار کا قائل ہو تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرسکتا اور یہ فتنہ اس قدر بڑھ گیا ہوا ہے کہ اگر کل درخت قلمیں بن جاویں تو بھی اُسے کفایت نہیں کرسکتیں۔ دُنیا کا وہ حصہ جو کہ وحشیانہ زندگی بسر کرتا ہے چھوڑ کر باقی میں نصف کے قریب عیسائی ہیں۔ اب اس وقت ہر ایک مومن کا کام یہ چاہیئے کہ جب تک دم میں دم ہے اس باطل مذہب کا مقابلہ کرتا رہے اور اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔" (البدر حوالہ مذکور)

بچوں، مال وجاہ کی پروا نہ کرنا اور یہاں سے جاکر اُن میں سے کسی سے نہ ملنا ایسی استقامت ہے کہ سُن کر لرزہ آتا ہے۔ دنیا میں بھی اگر ایک نوکر خدمت کرے اور حقِ وفا کا ادا کرے تو جو محبت اس سے ہوگی وہ دوسرے سے کیا ہوسکتی ہے جو صرف اس بات پر ناز کرتا ہے کہ مَیں نے کوئی اچک پنا نہیں کیا حالانکہ اگر کرتا تو سزا پاتا۔ اتنی بات سے حقوق قائم نہیں ہوسکتے۔ حقوق تو صرف صدق و وفا سے قائم ہوسکتے ہیں۔ جیسے اِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفّٰى (سورۃ النجم: ۳۸) (البدر جلد ۳ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۱۱ فروری ۱۹۰۴ء

(بوقت شام)

حضرت سیّد احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کا تذکرہ

فرمایا:

سید احمد صاحب سرہندی کا ایک خط ہے جس میں انہوں نے بتلایا ہے کہ اس قدر اَحْمَدْ مجھ سے پیشتر گذر چکے ہیں اور ایک آخری اَحْمَدْ ہے۔ پھر آپ نے اس کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے اور خود اس کے زمانہ سے پیشتر ہونے پر افسوس کیا ہے اور لکھا ہے یَا اَسَفَا عَلٰی لِقَائِہٖ۔

پھر فرمایا کہ

ان کا ایک قول میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کرامات اس وقت صادر ہوتی ہیں جب کہ سالک الی اللہ کا صعود تو اچھا ہو مگر نزول اچھا نہ ہو اور اگر نزول بھی اچھا ہو تو پھر کرامات صادر نہیں ہوتیں۔ گویا کرامات کے صدور کا وہ ادنیٰ درجہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ جس قدر انبیاء آئے ہیں اُن سے بارش کی طرح کرامات صادر ہوتی رہی ہیں۔ اُن کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی پردہ پوشی کرتے ہیں اور خود ان کو اس کوچہ میں دخل نہیں تھا۔

فتوح الغیب کو اگر دیکھا جاوے تو بہت سیدھے سادے رنگ میں سلوک اور توحید کی راہ بتلائی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں کہ جو شخص ایک خاص تعلق اور پیوند خدا تعالیٰ سے کرتا ہے اس سے ضرور مکالمہ الٰہی ہوتا ہے۔ یہ کتاب ایک اور رنگ میں ان کے اپنے سوانح معلوم ہوتے ہیں جیسے جیسے خدا تعالیٰ کا فضل ان پر ہوتا رہا اور وہ ترقی مراتب کرتے رہے ویسے ویسے بیان کرتے رہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ کا نیک بچپن

صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد میں آگئے اور اپنے ابا جان (مسیح موعود علیہ السلام) کے پاس ہو بیٹھے اور اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آجانے پر آپ دبی آواز سے کھل کھلا کر ہنس پڑتے تھے اس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

مسجد میں ہنسنا نہیں چاہیئے

جب دیکھا کہ ہنسی ضبط نہیں ہوتی تو اپنے باپ کی نصیحت پر یوں عمل کیا کہ صاحبزادہ صاحب اسی وقت اُٹھ کر چلے گئے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۸ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء)

---

۱۵ فروری ۱۹۰۴ء

کوئی آٹھ بجے رات کا وقت تھا کہ بمقام گورداسپور حضرت اقدس کے کمرہ میں چند احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روئے سخن جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب احمدی انچارج پلیگ ڈیوٹی گورداسپور کی طرف تھا کہ تقویٰ کے مضمون پر حضرت اقدس نے ایک تقریر فرمائی۔ وہ تقریر اس وقت لکھی تو نہیں گئی مگر جو کچھ نوٹ اور یادداشت زبانی یاد رہ سکے ان کو عمل درآمد کیلئے درج اخبار کیا جاتا ہے۔

توکل انسان کو چاہیئے کہ تقویٰ کو ہاتھ سے نہ دیوے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو پھر اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کے یہ معنے نہیں ہیں کہ انسان تدبیر کو ہاتھ سے چھوڑ دے بلکہ یہ معنے ہیں کہ تدبیر پوری کر کے پھر انجام کو خدا تعالیٰ پر چھوڑے اس کا نام توکل ہے۔ اگر وہ تدبیر نہیں کرتا اور صرف توکل کرتا ہے تو اس کا توکل پھوکا (جس کے اندر کچھ نہ ہو) ہوگا۔ اور اگر نری تدبیر کرے اس پر بھروسہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ پر توکل نہیں ہے تو وہ تدبیر بھی پھوکی (جس کے اندر کچھ نہ ہو) ہوگی۔ ایک شخص اونٹ پر سوار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس نے دیکھا۔ تعظیم کے لیے نیچے اُترا اور ارادہ کیا کہ توکل کرے اور تدبیر نہ کرے چنانچہ اُس نے اونٹ کا گھٹنا نہ باندھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر آیا تو دیکھا کہ اونٹ نہیں ہے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں نے توکل کیا تھا لیکن میرا اونٹ جاتا رہا آپ نے فرمایا کہ تُو نے غلطی کی۔ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھتا اور پھر توکل کرتا۔ تو ٹھیک ہوتا۔

تدبیر تدبیر سے مُراد وہ ناجائز وسائل نہیں ہیں جو کہ آج کل لوگ استعمال کرتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے احکام کے موافق ہر ایک سبب اور ذریعہ کی تلاش کا نام تدبیر ہے۔ ایسے ہی انسان کو اپنے نفس کے تزکیہ کے لیے تدبیر سے کام لینا چاہیئے اور شیطان جو اس کے پیچھے ہلاک کرنے کو لگا ہے اس کو دُور کرنے کے واسطے تدابیر بھی سوچنی چاہئیں بلکہ صوفیاء نے لکھا ہے کہ کسی سے فریب کرنا اگرچہ ناجائز ہے، لیکن شیطان کے ساتھ یہ جائز ہے۔ غرضیکہ متقی بننے کے لیے دعا بھی کرو اور تدابیر بھی کرو۔ دُعا سے خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے لیکن اگر انسان نے تدابیر سے کچھ تیاری نہ کی ہوئی ہو تو وہ فضل کس کام آوے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسان اپنی زمین کی کلبہ رانی تو نہ کرے نہ اسے صاف کرے نہ سہاگہ وغیرہ پھیرے صرف دُعا کرتا رہے کہ بارش ہو جاوے اور اناج تیار ملے تو اس کی دُعا کس کام آوے گی؟ دُعا اس وقت فائدہ دے گی جب وہ کلبہ رانی کر کے زمین کو تیار رکھیگا۔

عُجب اور ریا عجب اور ریا بہت مہلک چیزیں ہیں ان سے انسان کو بچنا چاہیئے انسان ایک عمل کر کے لوگوں کی مدح کا خواہاں ہوتا ہے۔ بظاہر وہ عمل عبادت وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ راضی ہو مگر نفس کے اندر ایک خواہش پنہاں ہوتی ہے کہ فلاں فلاں لوگ مجھے اچھا کہیں اس کا نام ریا ہے اور عُجب یہ کہ انسان اپنے عمل سے اپنے آپ کو اچھا جانے کہ نفس خوش ہو ان سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہئیں کہ اعمال کا اجر اُن سے باطل ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے عرض کی کہ حضور شیطان سے فریب کی کوئی مثال بیان فرمائی جاوے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی ذکر میں مثال یوں بیان فرمائی کہ

ایک مولوی ایک جگہ وعظ کر رہے تھے انہوں نے ایک دینی خدمت کے واسطے کئی ہزار روپیہ چندہ جمع کرنا تھا۔ اُن کے وعظ اور ضرورت دینی کو دیکھ کر ایک شخص اُٹھا اور دو ہزار روپیہ کی ایک تھیلی لا کر مولوی صاحب کے سامنے رکھدی۔ مولوی صاحب نے اسی وقت مجلس میں اس کے سامنے اس کی تعریف کی کہ دیکھو یہ بڑا نیک بخت انسان ہے اس نے ابھی اپنا گھر جنّت میں بنا لیا اور یہ ایسا ہے ویسا ہے۔ جب اُس نے اپنی تعریف سُنی تو اُسی وقت گھر گیا اور جھٹ واپس آکر بآواز بلند اس نے کہا کہ مولوی صاحب اس روپے کے دینے میں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ اصل میں یہ مال میری والدہ کا ہے اور میں اس کی بے اجازت لے آیا تھا، لیکن اب وہ مطالبہ کرتی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا اچھا لے جاؤ۔ چنانچہ وہ شخص اسی وقت روپیہ اُٹھا کر لے گیا۔ یا تو لوگ اس کی تعریف کرتے تھے اور یا اسی وقت اس کی مذمّت شروع کر دی کہ بڑا بیوقوف ہے۔ روپیہ لانے سے اوّل کیوں نہ ماں سے دریافت کیا۔ کسی نے کہا جھوٹا ہے۔ روپیہ دے کر افسوس ہوا تو اب یہ بہانہ بنا لیا وغیرہ وغیرہ۔

جب مولوی صاحب وعظ کرکے چلے گئے تو رات کو دو بجے وہ شخص وہ روپیہ لے کر ان مولوی صاحب کے گھر گیا اور جگا کر اُن کو کہا کہ اس وقت تم نے میری تعریف کرکے سارا اجر میرا باطل کرنا چاہا۔ اس لیے مَیں نے شیطان کے وسوسوں سے بچنے کی یہ تدبیر کی تھی۔ اب یہ روپیہ تم لو مگر تم سے قسمیہ عہد لیتا ہوں کہ عمر بھر میرا نام کسی کے آگے نہ لینا کہ فلاں نے یہ روپیہ دیا۔ اب مولوی حیران ہوا اور کہا کہ لوگ تو ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے اور تم کہتے ہو کہ میرا نام نہ لینا۔ اُس نے کہا مجھے یہ لعنتیں منظور ہیں مگر ریا سے بچنا چاہتا ہوں۔

تو یہ ریا اور عُجب بڑی بیماریاں ہیں۔ ان سے بچنا چاہیئے اور بچنے کے لیے تدابیر بھی کرنی چاہئیں اور دُعا بھی کرنی چاہیئے۔

شیطان سے فریب کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے گھر کو آگ لگے تو وہ اپنے دوسرے حصّے مکانات کے بچانے کے لیے ایک مکان کو خود بخود گراتا ہے۔

تدابیر انسان کو ظاہری گناہ سے بچاتی ہیں لیکن ایک کشمکش اندر قلب میں باقی رہ جاتی ہے اور دل ان مکروہات کی طرف ڈانواں ڈول ہوتا رہتا ہے اُن سے نجات پانے کے لیے دُعا کام آتی ہے کہ خدا تعالیٰ قلب پر ایک سکینت نازل فرماتا ہے۔

تقویٰ

ہر ایک کامیابی کی جڑ تقویٰ اور سچا ایمان ہے اس کے نہ ہونے سے گناہ صادر ہوتے ہیں۔ مُقدّر جو انسان کا ہے وہ اُسے مل کر رہتا ہے پھر نہیں معلوم کہ خلافِ تقویٰ امور کی ضرورت کیوں درپیش آتی ہے۔ ایک چور چوری کرکے اپنا مقدّر حاصل کرنا چاہتا ہے اگر وہ چوری نہ کرتا تو بھی حلال ذریعہ سے وہ اُسے مل کر رہتا۔ اسی طرح ایک زانی زنا کرکے عورتوں کی لذّات حاصل کرتا ہے۔ اگر وہ زنا نہ کرے تو جس قدر عورتوں کی لذّات اُس کیلئے مقدّر ہیں وہ کسی نہ کسی حلال ذرائع سے اُسے مل کر رہتیں، لیکن سارا فساد ایمان کا نہ ہونا ہے۔ اگر تقویٰ پر قدم ماریں اور ایمان پر قائم رہیں تو کبھی کسی کو تکلیف نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ سب کی حاجت روا کرتا ہے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۷ مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء)

---

۲۰ فروری ۱۹۰۴ء

(دربارِ شام)

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ[1]

انسان اگر اپنے نفس کی پاکیزگی اور طہارت کی فکر کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ کر گناہوں سے بچتا رہے تو

---

[1] سورۃ النور: ۲۷

تو اللہ تعالیٰ یہی نہیں کہ اس کو پاک کر دے گا بلکہ وہ اس کا متکفل اور متولی بھی ہو جائے گا[1] اور اسے خبیثات سے بچائے گا۔ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ[2] (سورۃ النور: ۲۷) کے یہی معنے ہیں۔ اندرونی معصیت، ریاکاری، عُجب، تکبر، خوشامد، خود پسندی، بدظنی اور بدکاری وغیرہ وغیرہ خباثتوں سے بچنا چاہیئے۔ اگر اپنے آپ کو ان خباثتوں سے بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پاک و مطہر کر دے گا۔

تقویٰ اور اسکے حصول کا طریق

مگر ضروری امر یہ ہے کہ پہلے یہ سمجھ لے کہ تقویٰ کیا چیز ہے اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ تقویٰ تو یہ ہے کہ باریک در باریک پلیدگی سے بچے اور اس کے حصول کا یہ طریق ہے کہ انسان ایسی کامل تدبیر کرے کہ گناہ کے کنارہ تک نہ پہنچے۔ اور پھر نری تدبیر ہی کو کافی نہ سمجھے بلکہ ایسی دُعا کرے جو اس کا حق ہے کہ گداز ہو جاوے بیٹھ کر، سجدہ میں، رکوع میں، قیام میں اور تہجد میں۔ غرض ہر حالت اور ہر وقت اسی فکر و دُعا میں لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ اور معصیت کی خباثت سے نجات بخشے۔ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے کہ انسان گناہ اور معصیت سے محفوظ اور معصوم ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں راست باز اور صادق ٹھہر جاوے۔

تدبیر اور دُعا کا کامل اتحاد

لیکن یہ نعمت نہ تو نری تدبیر سے حاصل ہوتی ہے اور نہ نری دُعا سے بلکہ یہ دعا اور تدبیر دونو کے کامل اتحاد سے حاصل ہو سکتی ہے جو شخص نری دُعا ہی کرتا ہے اور تدبیر نہیں کرتا وہ شخص گناہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کو آزماتا ہے ایسا ہی جو نری تدبیر کرتا ہے اور دُعا نہیں کرتا وہ بھی شوخی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے استغنا ظاہر کر کے اپنی تجویز اور تدبیر اور زور و بازو سے نیکی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن مومن اور سچے مسلمان کا یہ شیوہ نہیں وہ تدبیر اور دُعا دونو سے کام لیتا ہے۔ پوری تدبیر کرتا ہے اور پھر معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ کر دُعا کرتا ہے اور یہی تعلیم قرآن شریف کی پہلی ہی سورۃ میں دی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ[3] (الفاتحۃ: ۵) جو شخص اپنے قویٰ سے کام نہیں لیتا وہ نہ صرف

---

[1] البدر سے:۔ "اس لیے اندرونی پلیدی کا خیال رکھو کہ وہ تمہارے سارے قلب کو پلید نہ کر دیوے"۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۶۶ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۴ء)

[2] البدر سے:۔ "بیباک ہو کر خدا تعالیٰ کے احکام کو توڑنا اور شوخی اور شرارت سے اوامر کا انکار کرنا بڑی خباثتیں ہیں جن سے بچنا نہایت ضروری ہے"۔ (حوالہ مذکور)

[3] البدر سے:۔ "جیسے کہ خدا تعالیٰ نے تعلیم دی ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جس کے یہ معنے ہیں کہ جو کچھ قویٰ خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا کئے ہیں اُن سے پورا کام لے کر پھر وہ انجام کو خدا کے سپرد کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ جہانتک تو نے مجھے توفیق عطا کی تھی۔ اس حد تک تو مَیں نے اس سے کام لے لیا یہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنے ہیں اور پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہکر خدا سے امداد چاہتا ہے کہ باقی مرحلوں کیلئے مَیں تجھ سے امداد طلب کرتا ہوں"۔ (حوالہ مذکور)

اپنے قویٰ کو ضائع کرتا اور اُن کی بے حُرمتی کرتا ہے بلکہ وہ گناہ کرتا ہے مثلاً ایک شخص ہے جو کنجروں کے ہاں جاتا ہے اور اسی بدصحبت میں اپنا دن رات بسر کرتا ہے اور پھر دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے گناہ سے بچا ایسا شوخ انسان خدا تعالیٰ سے مسخری کرتا ہے اور اپنی جان پر ظلم۔ اس سے اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا اور آخر یہ خیال کر کے کہ میری دُعا سُنی نہیں گئی۔ وہ خدا سے بھی منکر ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ انسان بعض اوقات تدبیر سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن تدبیر پر کلی بھروسہ کرنا سخت نادانی اور جہالت ہے جب تک تدبیر کے ساتھ دُعا نہ ہو کچھ نہیں اور دعا کے ساتھ تدبیر نہ ہو تو کچھ فائدہ نہیں۔ جس کھڑکی کی راہ سے معصیت آتی ہے۔ پہلے ضروری ہے کہ اس کھڑکی کو بند کیا جاوے۔ پھر نفس کی کشاکش کے لیے دُعا کرتا رہے[1] اسی کے واسطے کہا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) اس میں کس قدر ہدایت تدابیر کو عمل میں لانے کے واسطے کی گئی ہے تدابیر میں بھی خدا کو نہ چھوڑے۔ دوسری طرف فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : ۶۱) پس اگر انسان پورے تقویٰ کا طالب ہے تو تدبیر کرے اور دعا کرے۔ دونو کو جو بجالانے کا حق ہے بجالائے۔ تو ایسی حالت میں خدا اس پر رحم کرے گا لیکن اگر ایک کرے گا اور دوسری کو چھوڑیگا تو محروم رہے گا۔

تقویٰ کے ثمرات

انسان ایسے طریق سے تقویٰ پر قائم ہوتا ہے اور تقویٰ اللہ ہر ایک عمل کی جڑ ہے جو اس سے خالی ہے وہ فاسق ہے۔ تقویٰ سے زینتِ اعمال پیدا ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے اور اسی کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال : ۳۵)[2]

---

[1] البدر سے :۔ جو ذرائع معصیت کے ہیں ان کو ترک کرنا لازمی ہے ان ذرائع سے علیحدہ ہونے کے بعد ایک کشاکشِ نفس میں رہتی ہے کہ اُسے بار بار خیال اُس بدی کے ارتکاب کا آتا ہے یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ایک عرصہ اس میں گذار چکا ہے اس سے نجات پانے کا ذریعہ دعا ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۳)

[2] البدر سے :۔ جَاهَدُوْا فِيْنَا کے یہی معنے ہیں کہ حصولِ تقویٰ کے لیے حتی الوسع تدبیر کو کام میں لاوے اور پھر دوسری جگہ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : ۶۱) کہہ کر بتلا دیا کہ جب تدابیر کر چکو تو پھر خدا سے دُعا مانگو وہ قبول ہوگی۔ (البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے :۔ ولائت کا حصہ تقویٰ ہی پر ہے۔ خدا تعالیٰ سے ترساں اور لرزاں ہو کر اگر اسے حاصل کرو گے تو کمال تک پہنچ جاؤ گے۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء)

تقویٰ حقیقت میں ایک موت ہے،

کامل طور پر جب تقویٰ کا کوئی مرحلہ باقی نہ رہے تو پھر یہ اولیاء اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور

تقویٰ حقیقت میں اپنے کامل درجہ پر ایک موت ہے کیونکہ جب نفس کی سارے پہلوؤں سے مخالفت کرے گا تو نفس مر جاوے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ نفسؔ تو سَن گھوڑے کی طرح ہوتا ہے اور جو لذت تبتّل اور انقطاع میں ہوتی ہے اس سے بالکل ناآشنا ہوتا ہے جب اس پر موت آجاوے گی تو چونکہ خلا محال ہے اس لیے دوسری لذات جو تبتّل اور انقطاع میں ہوتی ہیں شروع ہو جائیں گی۔ یہی وہ بات ہے جس کی ہماری ساری جماعت کو ہر وقت مشق کرنی چاہیئے[1] جیسے بچے جب تختیوں پر بار بار لکھتے ہیں تو آخر خوش نویس ہو جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا (العنکبوت: ۷۰) میں مجاہدہ سے مراد یہی مشق ہے کہ ایک طرف دُعا کرتا رہے دوسری طرف کامل تدبیر کرے۔ آخر اللہ تعالیٰ کا فضل آجاتا ہے اور نفس کا جوش و خروش دب جاتا اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے آگ پر پانی ڈال دیا جاوے۔ بہت سے انسان ہیں جو نفسِ امّارہ ہی میں مبتلا ہیں۔

اپنے بھائیوں کی پردہ پوشی کرو

مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں باہم نزاعیں بھی ہو جاتی ہیں اور معمولی نزاع سے پھر ایک دوسرے کی عزت پر حملہ کرنے لگتا ہے اور اپنے بھائی سے لڑتا ہے۔ یہ بہت ہی نامناسب حرکت ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ایک اگر اپنی غلطی کا اعتراف کرلے تو کیا حرج ہے۔

---

[1] البدر میں ہے:۔

"نفس ظاہری لذات کا دلدادہ ہوتا ہے۔ پنہانی لذات سے یہ بالکل بے خبر ہے اسے خبردار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اوّل ظاہری لذات پر ایک موت وارد ہو اور پھر نفس کو پنہانی لذات کا علم ہو۔ اس وقت الٰہی لذت جو کہ جنتی زندگی کا نمونہ ہے شروع ہوگی۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۳ مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء)

[2] البدر میں ہے:۔ "ہماری جماعت کو چاہیئے کہ نفس پر موت وارد کرنے اور حصولِ تقویٰ کے لیے وہ اول مشق کریں جیسے بچے خوش خطی سیکھتے ہیں تو اوّل اوّل ٹیڑھے حرف لکھتے ہیں لیکن آخر کار مشق کرتے کرتے خود ہی صاف اور سیدھے حروف پڑنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کو بھی مشق کرنی چاہیئے جب خدا تعالیٰ ان کی محنت کو دیکھے گا تو خود از پر رحم کرے گا۔" (البدر حوالہ مذکور)

بعض آدمی ذرا ذرا سی بات پر دوسرے کی ذلت کا اقرار کئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتے[1]۔ ان باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام ستار ہے۔ پھر یہ کیوں اپنے بھائی پر رحم نہیں کرتا اور عفو اور پردہ پوشی سے کام نہیں لیتا۔ چاہیئے کہ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے اور اس کی عزت و آبرو پر حملہ نہ کرے۔

ایک چھوٹی سی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک بادشاہ قرآن لکھا کرتا تھا۔ ایک ملّا نے کہا کہ یہ آیت[2] غلط لکھی ہے بادشاہ نے اُس وقت اس آیت پر دائرہ کھینچ دیا کہ اس کو کاٹ دیا جائے گا۔ جب وہ چلا گیا تو اُس دائرہ کو کاٹ دیا۔ جب بادشاہ سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا کہ دراصل وہ غلطی پر تھا مگر مَیں نے اس وقت دائرہ کھینچ دیا کہ اس کی دلجوئی ہو جاوے[3]۔

یہ بڑی رعونت کی جڑ اور بیماری ہے کہ دوسرے کی خطا پکڑ کر اشتہار دیدیا جاوے[4]۔ ایسے امور سے نفس خراب ہو جاتا ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ غرض یہ سب امور تقویٰ میں داخل ہیں اور اندرونی بیرونی امور میں تقویٰ سے کام لینے والا فرشتوں میں داخل کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں کوئی سرکشی باقی نہیں رہ جاتی۔ تقویٰ حاصل کرو کیونکہ تقویٰ کے بعد ہی خدا تعالیٰ کی برکتیں آتی ہیں۔ متقی دنیا کی بلاؤں سے بچایا جاتا ہے۔ خدا اُن کا پردہ پوش ہو جاتا ہے جب تک یہ طریق اختیار نہ کیا جاوے کچھ فائدہ نہیں۔ ایسے لوگ میری بیعت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے[5]۔ فائدہ ہو بھی تو کس طرح جب کہ ایک ظلم تو اندر ہی رہا۔ اگر وہی جوش، رعونت، تکبر، عُجب، ریاکاری،

---

[1] البدر سے:۔ ابھی تک بہت سے آدمی جماعت میں ایسے ہیں کہ تھوڑی سی بات بھی خلافِ نفس سُن لیتے ہیں تو اُن کو جوش آجاتا ہے حالانکہ ایسے تمام جوشوں کو فرو کرنا بہت ضروری ہے تاکہ حلم اور بُردباری طبیعت میں پیدا ہو۔ دیکھا جاتا ہے کہ جب ایک ادنیٰ سی بات پر بحث شروع ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کی فکر میں ہوتا ہے کہ کسی طرح مَیں فاتح ہو جاؤں ایسے موقعہ پر جوشِ نفس سے بچنا چاہیئے اور رفعِ فساد کے لیے ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں دیدہ دانستہ خود ذلت اختیار کر لینی چاہیئے۔ اس امر کی کوشش ہرگز نہ کرنی چاہیئے کہ مقابلہ میں اپنے دوسرے بھائی کو ذلیل کیا جاوے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۳، ۴ مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء)

[2] البدر میں یوں لکھا ہے:۔ "یہ لفظ تم نے غلط لکھا ہے۔" (مرتب)

[3] البدر میں ہے:۔ "دیکھو اس نے بادشاہ ہو کر ایک غریب ملّاں کا دل نہ دُکھانا چاہا۔" (حوالہ مذکور ص۴)

[4] البدر میں ہے:۔ "اپنے بھائی پر فتح پانے کا خیال رعونت کی ایک جڑ ہے اور بڑی بھاری مرض ہے کہ وہ اپنے ایک بھائی کے عیب کے مشتہر کرنے کی ترغیب دلاتی ہے۔ (البدر حوالہ مذکور)

[5] البدر میں ہے:۔ یاد رکھو بیعت کا زبانی اقرار کچھ شئے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تزکیۂ نفس چاہتا ہے۔"
(البدر حوالہ مذکور)

سریع الغضب ہونا باقی ہے جو دوسروں میں بھی ہے تو پھر فرق ہی کیا ہے[1]؟ سعید اگر ایک ہی ہو اور وہ سارے گاؤں میں ایک ہی ہو تو لوگ کرامت کی طرح اس سے متاثر ہوں گے۔ نیک انسان جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نیکی اختیار کرتا ہے اس میں ایک ربانی رُعب ہوتا ہے اور دلوں میں پڑ جاتا ہے کہ یہ باخدا ہے[2]۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے خدا تعالیٰ اپنی عظمت سے اس کو حصہ دیتا ہے اور یہی طریق نیک بختی کا ہے۔

پس یاد رکھو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں[3] میں بھائیوں کو دُکھ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق کے متمم ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ نے آخری نمونہ آپ کے اخلاق کا قائم کیا ہے۔ اس وقت بھی اگر وہی درندگی رہی تو پھر سخت افسوس اور کم نصیبی ہے۔ پس دوسروں پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ بعض اوقات انسان دوسرے پر عیب لگا کر خود اس میں گرفتار ہو جاتا ہے اگر وہ عیب اس میں نہیں لیکن اگر وہ عیب سچ مچ اس میں ہے تو اس کا معاملہ پھر خدا تعالیٰ سے ہے۔

بہت سے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر معاً ناپاک الزام لگا دیتے ہیں۔ ان باتوں سے پرہیز کرو۔ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاؤ اور اپنے بھائیوں[4] سے ہمدردی۔ ہمسایوں سے نیک سلوک کرو۔ اور اپنے بھائیوں سے نیک معاشرت کرو اور سب سے پہلے شرک سے بچو کہ یہ تقویٰ کی ابتدائی اینٹ ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۸ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء)

---

۲۱ فروری ۱۹۰۴ء

(بوقت ظہر)

ابتلاء اور دشواریاں

مقدمات کے تذکرہ پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

---

[1] البدر سے:۔ "اس لیے اپنے نفسوں میں تبدیلی کرو اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ حاصل کرو"۔
(البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۴ مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء)

[2] البدر سے:۔ "خواہ کیسی ہی دشمنی ہو رفتہ رفتہ سب خود بخود اس کے تابع ہو جاویں گے اور بجائے حقارت کے اس کی عظمت کرنے لگ جاویں گے"۔ (البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے:۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں طول دینا اور بھائیوں کو رنج پہنچانا بہت بُری بات ہے"۔ (البدر حوالہ مذکور)

[4] البدر میں "بھائیوں" کی بجائے "بیویوں سے عمدہ معاشرت کرو" لکھا ہے۔ (خاکسار مرتب)

انبیاء ورسل کے سوانح پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں ہمیشہ کمزوہات آجایا کرتے ہیں طرح طرح کی ناکامیاں پیش آتی ہیں۔ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا (الاحزاب : ۱۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ حد درجہ کی ناکامی کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن یہ شکست اور ہزیمت نہیں ہوا کرتی۔ ابتلاء میں مامور کا صبر و استقلال اور جماعت کی استقامت اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے وہ خود فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلة : ۲۲) لفظ کَتَبَ سنت اللہ پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو ضرور ہی غلبہ دیا کرتا ہے۔ درمیانی دشواریاں کچھ شے نہیں ہوتیں اگرچہ وہ ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ (التوبة : ۱۱۸) کا ہی مصداق کیوں نہ ہو۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۴ مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء)

(دربارِ شام)

وباؤں اور بلاؤں کے آنے کا سبب

موسمی بلاؤں اور وباؤں کے تذکرہ پر فرمایا:۔

"جب دنیا میں فسق و فجور پھیل جاتا ہے تو یہ وبائیں دنیا میں آتی ہیں۔ لوگ اللہ تعالیٰ سے لاپروا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی پروا نہیں کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی ان شوخیوں اور شرارتوں میں کوئی فرق نہیں آیا باوجودیکہ طاعون ایک کھا جانے والی آگ کی طرح بھڑک رہی ہے لیکن وہی مکر و فریب اور بدکاری کے بازار گرم ہیں بلکہ ان میں زیادتی ہی نظر آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی کیا مرضی ہے۔ اللہ تعالیٰ تھکتا نہیں۔ پہلے زمانہ میں بھی جب لوگ گناہ سے باز نہیں آئے تو زمین کے تختے پلٹ دیئے گئے ہیں اور شہروں کے نام و نشان مٹا دیئے گئے ہیں۔

جب طاعون پہلے پہل پھیلا ہے تو لوگ سمجھتے تھے کہ یونہی ایک اتفاقی بیماری ہے بہت جلد نابود ہو جائیگی لیکن جیسے اللہ تعالیٰ نے اس وقت جبکہ ابھی اس کا نام و نشان بھی نہ تھا مجھے اطلاع دی تھی کہ یہ وبا آنے والی ہے ویسے ہی ابھی یہ خوفناک عذاب بمبئی ہی میں پھیلا ہوا تھا جو مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ یہ وبا سارے پنجاب میں پھیل جائے گی۔ اس پر اعاقبت اندیش لوگوں نے ہنسی اور ٹھٹھے اڑائے۔ مگر اب دیکھ لو کوئی جگہ ایسی نہیں جو اس سے خالی ہو اور اگر کوئی جگہ ایسی ہے بھی تو اس کے اردگرد آگ لگی ہوئی ہے اس کے محفوظ رہنے کا کوئی معاہدہ نہیں ہو چکا۔

حقیقت میں یہ بڑے ہی اندیشہ اور فکر کی بات ہے جبکہ کوئی علاج بھی اس کا کارگر نہیں ہوا اور زمینی تدابیر میں ناکامی ہوتی ہے تو پھر کس قدر ضروری ہے کہ لوگ سوچیں کہ یہ بلا کیوں آئی ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے جب تک لوگ سچی توبہ اور رجوع الی اللہ نہیں کرتے اور ان شوخیوں اور

شرارتوں سے باز نہیں آتے جو خدا کی باتوں سے کی جاتی ہیں یہ عذاب بیچا چھوڑتا نظر نہیں آتا، لیکن جب انسان توبہ اور استغفار کرتا ہے اور اپنے اندر ایک پاک تبدیلی کا نمونہ دکھاتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی رجوع برحمت کرتا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اسی طرح فسق و فجور کا بازار گرم ہے اور قسم قسم کے گناہ اس زمین پر ہو رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی عذاب الٰہی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی اس وبا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ قیامت کے قریب عام مری پڑے گی سو اب وہ دن قریب آگئے ہیں اور مری پڑ رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب زمانہ کا آخر ہے۔

اس بات کو مکرر یاد رکھو کہ جب بخل و حسد اور فسق و فجور کی زہریلی ہوا پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت سرد ہو جاتی ہے اور جس طرح پر اللہ تعالیٰ سے ہراساں و ترساں ہونا چاہیئے وہ نہیں رہتا۔ یہ ہوا ایسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے بعض اوقات ہیضہ کی زہریلی ہوا پھیلتی ہے اور تباہ کرتی جاتی ہے اس وقت بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعض جو بچ رہتے ہیں ان کا بھی یہ حال ہوتا ہے کہ صحت درست نہیں رہتی۔ ہاضمہ کا فتور یا اور اسی قسم کی خرابیاں ہوا سے متاثر ہو کر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر جب گناہ کی وبا پھیلتی ہے تو بعض تو اس میں بالکل ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو بچ رہتے ہیں اُن کی بھی رُوحانی صحت میں فرق آجاتا ہے۔ سو یہی حال اب ہو رہا ہے۔ اکثر ہیں جو کھلے طور پر بے حیائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہیں اور وہ تقویٰ اور خدا ترسی سے ہزاروں کوس دور جا پڑے ہیں اور جو رسمی طور پر دیندار کہلاتے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب و سنت سے الگ ہو رہے ہیں۔ اپنے خیال اور رائے سے جو جی میں آتا ہے کر گذرتے ہیں۔ اور حقیقت اور مغز کو چھوڑ کر پوست اور ہڈیوں کو لیے بیٹھے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنی سنت کے موافق ایک عذاب بھیجا ہے کیونکہ وہ ایسی حالت میں قیامت سے پہلے اسی دنیا کو قیامت بنا دیتا ہے اور ایسی خوفناک صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ زندگی قیامت کا نمونہ ہو جاتی ہے اور اب یہ وہی دن ہیں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ سچائی سے بجائے محبت کے بغض کیا جاتا ہے اور عملی حالتیں خراب ہو چکی ہیں۔ غلط اعتقادات پر ایسا زور دیا گیا ہے کہ حدِ اعتدال سے بہت تجاوز ہو گیا ہے اور اس حالت پر پہنچ گیا ہے جسکو اعتداء کہتے ہیں۔

اسلام پر عیسائیت کی یلغار

ساری قوموں کو دیکھو کہ تیرہ سو برس سے بالکل خاموش اور چُپ چاپ تھے اگرچہ اسلام کے ساتھ اُن کی لڑائیاں بھی ہوتی رہیں مگر وہ شوخیاں اور شرارتیں جو اب اسلام کے استیصال اور نابود کرنے کے واسطے کی جاتی ہیں نہیں کی جاتی تھیں اور وہ مذہبی زہر نہ تھا جو آج ہے۔ پچاس برس پہلے اگر ان کتابوں کو تلاش کریں جو اسلام کے خلاف لکھی گئی تھیں تو شاید ایک[1] بھی نہ ملے، لیکن اب اس قدر کتابیں۔ اخبارات اور رسالے۔ اشتہارات نکلتے ہیں کہ

---

[1] البدر میں ہے :۔ اور آج سے ایک صد سال پہلے تلاش کرو تو ایک سو کتب بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر اُن کو جمع کیا جاوے تو ایک پہاڑ بن جاوے۔ بعض پرچے عیسائیوں کے کئی کئی لاکھ طبع ہوتے ہیں[1]۔ جن میں ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے۔ ایسا مجدد، مصلح اور پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ایسے وقت آیا جبکہ دنیا نجاست سے بھری ہوئی تھی اس وقت آپ نے دُنیا کو پاک صاف کیا اور اس مُردہ عالم کو زندہ کیا۔ اس کی پاک شان میں وہ فحش گالیاں دی جاتی ہیں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئیں۔

مجھے تعجب آتا ہے کہ ان کم بختوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو نشانہ بنایا ہے ایک عاجز ابن آدم کو خدا بنایا جاتا ہے اور بدعملی اور بے حیائی اور جرأت سے کیا جاتا ہے۔ اُم الخبائث (شراب) پانی کی طرح پی جاتی ہے[2] مگر اس پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پاک و مطہر انسان کی پاک ذات پر حملے کرنے کے لیے زبان کشائی کرتے ہیں۔ ان کے ملکوں میں جاکر اگر کوئی عفت اور پارسائی کا نمونہ دیکھنا چاہے تو اسے معلوم ہوگا کہ کفارہ کے کیا کیا برکات ان پر نازل ہوئے ہیں۔

جو[3] بڑے مہذب کہلاتے ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ وہ ہمہ تن دُنیا ہی کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور ایسے سرنگوں دنیا کے سامنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے دُنیا ہی کو خدا سمجھ لیا ہے۔ ان کے نزدیک انشاء اللہ کہنا بھی ہنسی کی بات ہے توجہ الی اللہ اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنا خطرناک غلطی اور حماقت ہے اور ان کے اثر سے ہزاروں لاکھوں انسان تباہ ہو رہے ہیں اور باوجودیکہ یہ حالت ان لوگوں کی ہو چکی ہے لیکن اسلام کے استیصال کے لیے وہ لاکھوں کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں مگر یاد رکھو کہ اسلام ان کے مٹانے سے مٹ نہیں سکتا۔ اس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ان کی ایسی نہ ہیں گی جو تردید اسلام میں یہاں شائع ہوئی ہوں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۴ مورخہ یکم مارچ ۱۹۰۴ء)

[1] البدر سے: بعض دفعہ ایک ہی بار لاکھ لاکھ کتب چھاپ کر ان لوگوں نے مفت شائع کی ہیں۔" (البدر حوالہ مذکور)

[2] البدر سے:-

"نصاریٰ کے اعتقاد کا تو یہ حال ہے۔ اب عملی حالت کی طرف نظر کرو کہ کنجریوں سے بدتر ہیں۔ عفت وغیرہ کا نام و نشان نہیں شراب پانی کی طرح پی جاتی ہے۔ کھلی زناکاری کُتوں اور کُتیوں کی طرح ہو رہی ہے اگر کفارے کے اثر کا پورا نقشہ دیکھنا ہو تو یورپ کے ملکوں کی سیر کی جاوے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۹ صفحہ ۴)

[3] البدر میں یوں لکھا ہے:۔ "پھر ان کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جو اپنے آپ کو مہذب کہتا ہے۔ ان لوگوں نے دُنیا کو خدا بنا رکھا ہے۔" (البدر حوالہ مذکور)

علماء اسلام کی حالت

اب اسلام کی اندرونی حالت دیکھو۔ فیض کا چشمہ علماء[1] تھے مگر اُنکی حالت ایسی قابلِ رحم ہوگئی کہ اس کے بیان کرنے سے بھی شرم آجاتی ہے۔ جس غلطی پر کوئی اڑ گیا ہے یا جو کچھ اس کے منہ سے نکل گیا ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ اس غلطی کو جس نے ظاہر کیا۔ جھٹ پٹ اُسے کافر اور دجّال کا خطاب مل گیا۔ حالانکہ[2] صادق اور راستباز کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جہاں اسے کسی اپنی غلطی کا پتہ ملا وہ اسے وہیں چھوڑ دیتا ہے اسے ضد اور اصرار اپنی غلطی پر نہیں ہوتا۔ مختلف فرقہ بندیاں باہمی تحقیر، قرآن اور اسلام سے بے خبری صاف طور پر ان کی حالت کو بتا رہی ہے۔ جو باتیں صرف دُنیا تک ہیں اُن کی سزا اور اثر بھی دُنیا ہی تک محدود ہے مگر جو امور عاقبت کے متعلق ہیں اُن میں اگر سُستی اور بے پروائی کی جاوے تو اس کا نتیجہ جہنم ہوتا ہے۔

مَیں بعض وقت ان لوگوں کی حالت دیکھ کر سخت حیران ہو جاتا ہوں اور خیال گذرتا ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر یقین نہیں[3]۔ ورنہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ آیات و نشانات دیکھتے ہیں۔ ہم دلائل پیش کرتے ہیں مگر ان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا مومن کے سامنے اگر اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کیا جاوے وہ فوراً ڈر جاتا ہے اور جرأت سے اس کی تکذیب پر لب کشائی نہیں کرتا مگر ان کی عجب حالت ہے کہ ہم اپنی تائید میں اول تو یہ پیش کرتے ہیں کہ خدا نے مجھے مامور کیا ہے اور پھر اپنی تائید دعوے میں ہم آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں لیکن یہ دونوں سے انکار کرتے ہیں اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں اس سے ہی ترساں ہو جاتے مگر اس کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ

---

[1] البدر میں ہے :۔ "فیوض و برکات کا سرچشمہ علماء ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے عام مخلوق ہدایت پاتی ہے"۔
(البدر جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۰۴ء)

[2] البدر میں ہے :۔ "حالانکہ فاسق اور متقی میں یہی فرق ہوا کرتا ہے کہ متقی کو جب غلطی کا پتہ لگ جاوے تو وہ اسے فوراً ترک کر دیتا ہے اور فاسق نہیں کرتا۔ ہر ایک شخص یا قوم کی غلطیاں ایک حد تک معلوم ہو جاتی ہیں مگر ان کی غلطیوں اور خباثتوں کا کوئی انتہا نظر نہیں آتا ہے۔ (البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے :۔ "دعویٰ تو قرآن، حدیث اور خدا پر ایمان کا ہے مگر اُن کے آگے جب یہ پیش کیا جاوے اور کہا جاوے کہ غلطی چھوڑ دو تو ایک بات کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ بھلا بتلاؤ کہ ایک مومن کے لیے اس سے بڑھ کر اَور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کے آگے قرآن شریف پیش کیا جاوے۔ احادیث پیش کی جاویں۔ نشانات پیش کئے جاویں علاوہ اس کے عقل بھی کام کی شئے ہے اس سے بھی نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے اس سے بھی سمجھایا جاوے مگر اُن کو کسی سے فائدہ نہیں پہنچتا"۔ (البدر حوالہ مذکور)

کے نشان دیکھتے ہیں مگر تکذیب کرتے ہیں۔ عقلی دلائل کا اثر نہیں۔ غرض جو طریق ایک راستباز کی شناخت کے ہو سکتے ہیں وہ سب پیش کئے جاتے ہیں لیکن ایک بھی نہیں مانتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ لکھا ہے[1] کہ وہ ایک مرتبہ بھاگتے جاتے تھے کسی نے پوچھا کہ کیوں بھاگتے جاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جاہلوں سے بھاگتا ہوں۔ اُس نے کہا ان پر وہ اسمِ اعظم کیوں نہیں پھونکتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اسمِ اعظم بھی ان پر اثر نہیں کرتا۔

حقیقت میں جہالت بھی ایک خطرناک موت ہے مگر یہاں تو سمجھ نہیں آتا کہ یہ کیسا جہل ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں تفسیریں کرتے ہیں۔ حدیث کی سند رکھتے ہیں مگر جب ہم پیش کرتے ہیں تو انکار کر جاتے ہیں یہ نہ خود مانتے ہیں اور نہ اَوروں کو ماننے دیتے ہیں۔

یہ ایسا زمانہ آگیا ہے کہ انسان کی ہستی کی غرض و غایت کو بالکل بھلا دیا گیا ہے خود خدا تعالیٰ انسانی خلقت کی غرض تو یہ بتاتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذّٰریات : ۵۷)

مگر آج عبودیت سے نکل کر نادان انسان خود خدا بننا چاہتا ہے اور وہ صدق و وفا، راستی اور تقویٰ جس کو خدا چاہتا ہے مفقود ہے۔ بازار میں کھڑے ہو کر اگر نظر کی جاوے تو صدہا آدمی اِدھر سے آتے اور اُدھر چلے جاتے ہیں لیکن ان کی غرض اور مقصد محض دُنیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی خاطر امورِ دنیا کی بجاآوری

خدا تعالیٰ اس سے تو منع نہیں کرتا کہ انسان دنیا میں کام نہ کرے[2] مگر بات یہ ہے کہ دنیا کیلئے نہ کرے بلکہ دین کے لیے کرے تو وہ موجبِ برکات ہو جاتا ہے مثلاً خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ بیویوں سے نیک سلوک کرو۔ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النّساء : ۲۰) لیکن اگر انسان محض اپنی ذاتی اور نفسانی اغراض کی بنا پر وہ سلوک کرتا ہے تو فضول ہے اور وہی سلوک اگر اس حکمِ الٰہی کے واسطے ہے تو موجبِ برکات۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ محض دنیا کے لیے کرتے ہیں۔ محبتِ دنیا ان سے کراتی ہے۔ خدا کے واسطے نہیں کرتے

---

[1] البدر میں ہے: "مثنوی میں مولٰنا روم نے ایک قصہ لکھا ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳)

[2] البدر سے: "اس نے کہا جس اسمِ اعظم کے ذریعے سے معجزات دکھاتے ہو وہی ان پر بھی پڑھ کر پھونک دو کہا کئی مرتبہ پھونک چکا ہوں مگر ان پر اس کا بھی اثر نہیں ہے۔" (البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے: "ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ تجارت وغیرہ ذرائع معاش کو ترک کر دیا جاوے اور نہ ہم ان باتوں سے کسی کو منع کرتے ہیں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳)

اگر اولاد کی خواہش کرے تو اس نیت سے کرے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان : ۷۵) پر نظر کر کے کرے کہ کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جو اعلاء کلمۃ الاسلام کا ذریعہ ہو۔ جب ایسی پاک خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ زکریا کی طرح اولاد دیدے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی نظر اس سے آگے نہیں جاتی کہ ہمارا باغ ہے یا اور ملک ہے وہ اس کا وارث ہو اور کوئی شریک اس کو نہ لے جائے مگر وہ اتنا نہیں سوچتے کہ کمبخت جب تو مر گیا تو تیرے لیے دوست دشمن اپنے بیگانے سب برابر ہیں۔ میں نے بہت سے لوگ ایسے دیکھے اور کہتے سُنے ہیں کہ دعا کرو کہ اولاد ہو جائے جو اس جائداد کی وارث ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد کوئی شریک لے جاوے۔ اولاد ہو جائے خواہ وہ بدمعاش ہی ہو۔ یہ معرفت اسلام کی رہ گئی ہے۔ برخلاف اس کے مومن اگر مکان بناتا ہے تو اس میں بھی اس کی نیت دین ہی کی ہوتی ہے۔ لباس، خوراک، اس کا پھرنا غرض ہر کام دین ہی کے واسطے ہوتا ہے۔ وہ خوراک کھاتا ہے مگر موٹا ہونے کے واسطے نہیں بلکہ اس طرح پر جیسے کیچ بان کچھ دُور جا کر اپنے ٹٹو کو نہاری اور خوراک دیتے ہیں تاکہ وہ اگلی منزل چلنے کے واسطے تیار ہو جائے اور دم نہ نکل جائے۔ مومن کی غرض بھی خوراک سے یہی ہوتی ہے کیونکہ نفس کا بھی تو ایک حق ہوتا ہے اور اہل وعیال کا بھی اور پھر خدا تعالیٰ کا حق الگ ہے۔ اگر نفس کے حق کی رعایت نہ ہو تو پھر وہ مر جائے گا اور یہ جوابدہ ہے۔

پس یاد رکھو کہ مومن کی غرض ہر آسائش، ہر قول و فعل، حرکت و سکون سے گو بظاہر نکتہ چینی ہی کا موقعہ ہو مگر دراصل عبادت ہوتی ہے۔ بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ جاہل اعتراض سمجھتا ہے مگر خدا کے نزدیک عبادت ہوتی ہے[1]۔ لیکن اگر اس میں اخلاص کی نیت نہ ہو تو نماز بھی لعنت کا طوق ہو جاتی ہے۔

مومنوں کو كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (الطور : ۲۰) کا حکم دیا اور جو خدا کے لیے نماز نہیں پڑھتے اُن کو وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (الماعون : ۵) فرمایا كُلُوْا ایک امر ہے جب مومن اس کو امر سمجھ کر بجا لاوے تو اس کا ثواب ہوگا۔ اسی طرح عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء : ۲۰) امر کی بجاآوری سے ثواب ہوتا ہے لیکن اگر ریاکاری سے نماز بھی ادا کرے تو پھر اس کے لیے ویل[2] ہے۔

---

[1] البدر سے :۔ "اور اس کے ان کاموں کا ثواب اسے ویسا ہی ملتا ہے جیسے نماز کا ثواب۔"
(البدر جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳)

[2] البدر میں ہے :۔ "کل اوامر کے بجا لانے کا ثواب ملتا ہے جس قدر کاموں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے اور انکے موافق کرے گا ان سب کا اجر پاوے گا ورنہ باقی امور پر جو ریا وغیرہ کے لیے کئے جاتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کی صورت اوامر کے مطابق ہوتی ہے عذاب اور ویل ہیں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۰ صفحہ ۳)

احیاء دین کا سلسلہ

اس وقت اسلام جس چیز کا نام ہے اس میں فرق آگیا ہے تمام اخلاقِ ذمیمہ بھر گئے ہیں اور وہ اخلاص جس کا ذکر مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔(البینۃ:۶) میں ہوا ہے آسمان پر اُٹھ گیا ہے[1]

خدا تعالیٰ کے ساتھ صدق، وفاداری، اخلاص، محبت اور خدا پر توکل کالعدم ہو گئے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ پھر نئے سرے سے ان قوتوں کو زندہ کرے وہ خدا جو ہمیشہ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید:۱۸) کرتا رہا ہے اس نے ارادہ کیا ہے اور اس کے لیے کئی راہیں اختیار کی گئی ہیں۔ ایک طرف مامور کو بھیج دیا ہے جو نرم الفاظ میں دعوت کرے اور لوگوں کو ہدایت کرے۔ دوسری طرف علوم وفنون کی ترقی ہے اور عقل آتی جاتی ہے اب وہ وحشیانہ حالت سکھوں کے زمانہ کی سی نہیں رہی اور لوگ سمجھنے لگے ہیں۔ ایک طرف اتمامِ حجت کے لیے آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے چنانچہ جب کتاب نزول المسیح چھپ کر شائع ہوگی۔ اس وقت سب کو پتہ لگ جائے گا کیونکہ اس میں ڈیڑھ سَو کے قریب ایسے نشانات لکھے ہیں جن کے ہزاروں لاکھوں گواہ موجود ہیں۔

اور پھر قہری نشانات کا سلسلہ بھی رکھا گیا ہے جن میں سے طاعون کا بھی ایک نشان ہے اور اب جو اس شدت سے پھیل رہی ہے کہ کبھی گذشتہ نسلوں نے نہ دیکھی ہوگی اور بہت سے لوگ ہیں جو ان نشانات اور آیات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں کوئی دن نہیں جاتا کہ لوگ بذریعہ خطوط یا خود حاضر ہو کر داخل بیعت نہیں ہوتے اگرچہ دُنیا میں فسق وفجور اور شوخی وآزادی اور خود روی بہت بڑھ گئی ہوئی ہے تاہم یہ لوگ جو ہمارے سلسلہ میں آتے ہیں یہ بھی اسی جماعت میں سے نکل نکل کر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید بھی انہی میں ملے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو نکال لے گا اور اُن کو سمجھ دے گا اور کچھ طاعون کا نشانہ ہو جائیں گے اسی طرح پر دُنیا کا انجام ہوگا اور اتمامِ حجت ہوگی[2]

(الحکم جلد ۸ نمبر ۸ صفحہ ۸، ۹ مورخہ ۱۰/مارچ ۱۹۰۴ء)

اس مقام پر جناب محمد ابراہیم خاں صاحب ابن حاجی موسیٰ خاں برادر زادہ خان بہادر مراد خاں مرحوم نے کراچی (علاقہ سندھ) کا ذکر کیا کہ وہاں کے لوگ بہت غافل ہیں اور ان کو ان باتوں کا علم ہی نہیں ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

---

[1] البدر میں ہے:۔"اب یہ زمانہ ہے کہ اس میں ریاکاری، عُجب، خود بینی، تکبر، نخوت، رعونت وغیرہ صفات رذیلہ تو ترقی کر گئے ہیں اور مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ:۶) وغیرہ صفات حسنہ جو تھے وہ آسمان پر اُٹھ گئے ہیں (البدر جلد ۳ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۰۱)

[2] یہاں تک کی ڈائری الحکم سے لی گئی ہے۔ اس کے بعد اسی تاریخ یعنی ۲۱/فروری ۱۹۰۴ء کی ڈائری البدر سے درج کی جاتی ہے۔ کیونکہ الحکم میں بقیہ ڈائری کہیں درج نہیں معلوم ہوتا ہے سہواً رہ گئی ہے۔ (مرتب)

مطلق جاہل سے انسان گھبراجاتا ہے۔ بہرحال کچھ تو پڑھے لکھے وہاں ہیں اور انگریزی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے اگرچہ انگریزوں کی تعلیم کا مضر اثر کتنا ہی کیوں نہ ہو مگر تاہم یہ فائدہ ضرور ہے کہ فہم میں وسعت اور باتوں کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور ہمیں ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ رفتہ رفتہ پیدا ہو ہی جاویں گے۔ وحشی لوگ جن کو کھانے پینے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے۔ ان سے انسان کیا کلام کر سکتا ہے۔ اس تعلیمیافتہ گروہ پر اگرچہ دنیا کا حجاب ہے مگر تاہم سعید فطرت لوگ سمجھ سمجھ کر ہماری طرف آرہے ہیں۔ اب ہماری جماعت کا ایک حصہ انہی میں سے ہے۔ ہم خود تو کسی کو یہاں بیٹھے ہوئے بلا نہیں رہے آخر خود ہی سمجھ کر آرہے ہیں۔

غرضکہ فہم اور عقل والے پر بڑی امید ہوتی ہے۔ نرے ڈنگر (بیل) سے انسان نے کیا بات کرنی ہے۔ لوگوں کو کچھ ملانوں نے خراب کیا ہے کچھ جاہل فقیروں نے اور بعض لوگ لنگوٹی پوشوں کے معتقد ہوتے ہیں۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو خدا تعالیٰ کے کام رُکا نہیں کرتے۔ اگر ایک شخص زمین پر باغ بناتا ہے تو اوّل دیکھ لیتا ہے کہ باغ کے قابل زمین ہے کہ نہیں۔ اگر اسے بنجر پاتا ہے تو صاف کرتا اور پھوڑتا اور ڈھیلوں کو توڑتا تاڑتا ہے تب باغ بناتا ہے۔ پس وہ مالک الملک جو کہ اب یہ باغ تیار کرنے لگا ہے آخر اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ کچھ سعید طبائع بھی ہیں اسی تعلیم کی برکت سے کئی لوگ ہماری کتب کو دیکھ کر ہدایت پا گئے ہیں حالانکہ ابتدا میں سخت مخالف تھے۔

خدا کے وعدے برحق ہیں

ایک عقلمند بیشک گھبراہٹ میں پڑتا ہے کہ صلیبی فتنے اور کارروائیاں حد درجہ تک ترقی کر چکے ہیں۔ اُن کی کتابیں دور دُور تک پھیل گئی ہیں۔ مجموعی حالت میں ان کی جان توڑ کوششوں کو دیکھا جاتا ہے تو نا امیدی ہو جاتی ہے کہ الٰہی اُن کا استیصال کیسے ہوگا اور صفحۂ زمین پر توحید کیسے پھیلے گی؟ کُل اسباب اسلام کے ضعف کے موجود ہیں اور صلیب کا زور ہے مگر ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کا ارادہ ہو کر رہتا ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) صرف ایک ہی بات ہے جو بھروسہ دلاتی ہے۔ اگرچہ کیسی ہی مشکلات آپڑیں اور عقل فتوے دیوے کہ اب اسلام دوبارہ قائم نہیں ہو سکتا۔ لیکن مَیں اس بات کو نہیں مانتا جب خدا تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تو کر کے رہتا ہے۔ اس قسم کی رائیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں اور غلط بھی ثابت ہو رہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے کیا ان کی نسبت اہل الرائے کی یہ رائے تھی؟ کون تھا جو یقین کرتا کہ ایک غریب جس کے پاس نہ قوت نہ شوکت نہ فوج نہ مال ہے اور ہر طرف مخالفت ہے وہ کامیاب ہو کر رہے گا اور جو وعدے فتح اور نصرت اور اقبالمندی کے وہ دیتا ہے پورے ہو کر رہیں گے مگر باوجود اس ناامیدی کے پھر کیسی امید بندھ گئی اور تمام وعدے پورے ہو گئے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: ۴) کی گواہی مل گئی اور پھر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۲) کی سورۃ نازل ہوئی۔ ایسے ہی ممکن ہے کہ کوئی ہماری

جماعت کا یہ خیال کر بیٹھے کہ اس صلیبی جال کا ٹوٹنا محال ہے مگر مَیں سُناتا ہوں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ ابھی اس کے پاس بہت سی راہیں ہوں گی جن سے یہ فتنہ مٹے گا اور اُن کا ہمیں علم نہیں۔ ہمارا اس بات پر ایمان چاہیئے کہ اس کے وعدے برحق ہیں۔ اگر تمام اسباب اس کے منافی نظر آویں پھر بھی اس کا وعدہ سچا ہے۔ اگر ایک آدمی بھی ہمارے ساتھ نہ ہو پھر بھی اس کا وعدہ سچا ہے۔ وعدہ اس کا کمزور ہو سکتا ہے جس کی قدرت اور اختیار کمزور ہو۔ ہمارے خدا میں کوئی کمزوری نہیں ہے وہ بڑا قادر ہے اور اس کی حرکت جاری ہے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اسی ایمان کو ہاتھ میں رکھے۔

بعض وقت جماعت پر ابتلا بھی آتے ہیں اور تفرقہ پڑ جایا کرتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مکہ سے مدینہ اور حبشہ کی طرف منتشر ہو گئے لیکن آخر خدا تعالیٰ نے اُن کو پھر ایک جا جمع کر دیا۔ ابتلا اس کی سنت ہے اور ایسے زلزلے آتے ہیں کہ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ (البقرۃ: ۲۱۵) کہنا پڑتا ہے اور بعض کا خیال اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے وہ وعدے غلط ہوں مگر انجام کار خدا کی بات سچی نکلتی ہے۔

حقانیتِ احمدیت

یہ سلسلہ اپنے وقت پر آسمان سے قائم ہوا ہے اگر اَور سب دلائل کو نظر انداز کر دیا جاوے تو صرف وقت ہی بڑی دلیل ہے صدی سے بیس سال بھی گذر گئے خدا کا وعدہ قرآن شریف اور احادیث میں ہے کہ وہ مسیح صلیبی فتنہ کے وقت پیدا ہوگا۔ اب ان فتنوں کا زور دیکھ لو۔ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس لاکھ مُرتد موجود ہے حالانکہ اس سے پیشتر اہلِ اسلام میں ایک مُرتد ہونا تو قیامت آ جاتی۔ کیا اس وقت بھی خدا خبر نہ لے؟ پھر عملی حالت کو دیکھ لو کہ کس قدر ردّی ہے۔ نام کو تو مسلمان ہیں مگر کرتوت یہ ہے کہ بھنگ چرس وغیرہ نشوں میں مبتلا ہیں۔ کیا اب بھی وقت نہیں ہے؟ عیسائی لوگ بھی منتظر ہیں اور یہی وقت بتلاتے ہیں۔ اہلِ کشف نے بھی یہی لکھا ہے۔ قرائن و علامات بھی اسی کو بتلا رہے ہیں۔ اگر اس وقت خدا خبر نہ لیتا تو دنیا میں یا ضلالت ہوتی یا عیسویت۔ جو قرآن پر اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اسے ماننا پڑتا ہے لیکن جو یہود کی طرح وقت کو ٹالنے والے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔

سوادِ اعظم کی حقیقت

پھر ایک دلیل سوادِ اعظم کی پیش کرتے ہیں کہ وہ برخلاف ہے۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ مصلح تو اسی وقت آتا ہے جب لوگ بگڑ جاویں۔ اب بگڑے ہوؤں کا اتفاق اور شہادت کیا حکم رکھتی ہے؟ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں مسیح کو معراج میں مُردوں میں دیکھ آیا ہوں اور پھر قرآن شریف سے وفات ثابت ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور خدا تعالیٰ کا قول دونوں سے وفات ثابت ہے۔ یحییٰ تو مر چکے ہیں اُن کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا ہے۔ پس اتنی دیر تک جو مُردہ کے پاس بیٹھا رہا وہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ

فرماتا ہے کہ بلا نظیر کے کوئی بات قبول نہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے لیے اس نے نظائر پیش کئے۔ مسیح کی حیات کے لیے بھی کوئی نظیر ہونی چاہیئے تھی۔

یہ زمانہ اسلام کی بہار کا ہے۔ اگر ہم چُپ بھی کریں تو خدا تعالیٰ باز نہ آوے گا اور اصل میں ہم کیا کرتے ہیں وہ تو سب کچھ خدا ہی کر رہا ہے۔ ہم تو صرف اسی لیے بولتے اور لکھتے ہیں کہ ثواب ہو اب اس کے فضل کا دروازہ کھل گیا ہے اور خدا نے جو ارادہ کر لیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ دیکھو نہ ہمارے واعظ ہیں نہ لیکچرار ہیں نہ انجمنیں ہیں مگر جماعت ترقی کر رہی ہے۔ ہزاروں نے صرف خواب کے ذریعہ سے بیعت کی۔ کوئی ان کو بتلانے اور سمجھانے والا نہ تھا۔ آخر خدا نے دستگیری کی۔ کیا ہماری طاقت تھی کہ ہم یہ سب کچھ کر لیتے؟ یہ اسی کا ہاتھ ہے جو کر رہا ہے۔ صدق ایسی شئے ہے کہ انسان کے دل کے اندر جب گھر کر جاوے تو اس کا نکلنا مشکل ہے۔ جو لوگ ہمارے عقاید کو بعد تحقیق قبول کر لیتے ہیں تو جان سے زیادہ اُن کو عزیز جانتے ہیں ایک نمونہ مولوی عبداللطیف ہیں کہ ہزاروں مرید رکھتے تھے۔ ریاست ان کی تھی۔ دولت بھی بے شمار تھی۔ شاہی دستار بند تھے۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر موت قبول کی۔ کیا یہ قوت اور برکت جھوٹ میں ہو سکتی ہے؟ کیا بجز سچائی کے اَور بھی کسی میں یہ طاقت ہے؟ یہاں (پنجاب میں بھی) بہت سے لوگ ہیں کہ صرف ایمان کے لیے تکلیف دیئے جاتے ہیں۔ قوم، برادری اور گاؤں والے ان کو طرح طرح کی اذیت صرف اس لیے دیتے ہیں کہ انہوں نے سچ کو قبول کیا ہے پس اگر خدا تعالیٰ دلوں میں نہیں ڈالتا تو وہ ان مصائب کو کیونکر برداشت کرتے ہیں یہانتک کہ حقیقی باپ اور بھائی بھی ان لوگوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ڈوم آنے روز محنت کر کے کماتے ہیں اور اس میں سے دو پیسے ہیں چندہ دیتے ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں نمازوں کے پابند ہیں۔ خدا تعالیٰ کے آگے تضرع اور ابتہال کرتے ہیں۔ اب سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ اُن کو نورِ ایمان عطا کرے اور دلوں میں صدق ڈالے یہ سب کچھ کب حاصل ہو سکتا ہے۔

دیکھنے اور سمجھنے کے لیے تو ایک نشان کتاب براہین ہی بس ہے جیسے کہتے ہیں کہ ؎

حرفے بس است اگر در خانہ کس است

سمجھ دار آدمی کے لیے ایک ہی بات کافی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے عمر کا وعدہ دیا۔ بتلاؤ کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں اتنے برس ضرور زندہ رہوں گا۔ پھر جتنے وعدے براہین میں تھے ان میں سے اکثر پورے ہو گئے ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ اگر انسان کا کاروبار ہوتا تو اس قدر نصرت کب شامل حال ہو سکتی؟ اور وہ وعدے اگر خدا کی طرف سے نہ تھے تو کیسے پورے ہو کر رہتے؟

پس وقت کو، زمانہ کو، ضلالت کو اندرونی اور بیرونی حالت کو دیکھو تو خود پتہ لگ جاتا ہے۔ مخالفوں سے ہم ناراض نہیں ہیں کیونکہ راستی کا مقابلہ جان توڑ کر ہوا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھو کس قدر مقابلہ ہوا لیکن کیا

مسیلمہ کی بھی مخالفت ہوئی۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۰۴ء)

---

۲۲ مارچ ۱۹۰۴ء

(بوقت شام)

مامورین کی زندگی میں ابتلاء

مقدمات کی نسبت آپ نے فرمایا کہ یہ ایک منجانب اللہ ابتلا تھا جو کہ پیش آگیا۔ سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ مامورین کی زندگی یونہی اسی طرح آسائش سے نہیں گذرتی کہ وہ دنیا میں بیکار رہیں۔

پھر آپ نے مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ

ان لوگوں کے اعمال اور منبروں پر چڑھ چڑھ کر خطبے پڑھنے سے ہمیں تعجب آتا ہے کہ آخر اُن کے اعمال کا نتیجہ کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال پر بھی زنگ ہوتا ہے۔ جس سے انسان کے صحیح عقائد بھی نظر نہیں آسکتے۔

وفاتِ مسیح علیہ السلام

اس سے بڑھ کر اَور کیا ہوگا کہ کتاب اللہ جس کا ایک ایک لفظ یقینی ہے وہ وفاتِ مسیح کو بیان کرتی ہے۔ احادیث کا اجماع بھی یہی ہے اگر کوئی زندہ ہوتا تو صحابہؓ کو اس سے بڑھ کر اَور کیا رنج ہوتا کہ صاحبِ شریعت سرورِ انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین میں مدفون ہوں اور ایک نبی جو کہ صاحبِ شریعت نہیں اور موسوی شریعت کا تابع وہ آسمان پر زندہ موجود ہو اور اس اُمّت کے اختلاف مٹانے اور فیصلہ کرنے کے لیے وہی آسمان سے آوے۔ اب پوچھو کہ خاتم الانبیاء کون ہوا؟ حضرت مسیح یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ مگر پھر بھی یہ لوگ جو باز نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ شامتِ اعمال ہے۔ تقویٰ تو نہیں رہا تھا، عقلِ سلیم بھی اُن میں نہیں رہی دنیوی عقل کے لیے تقویٰ کی ضرورت نہیں ہے مگر دین کے لیے ضرورت ہے۔ اس لیے یہ لوگ دین کی باتوں کو بھی نہیں سمجھتے۔ خدا تعالیٰ اسی کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے۔ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ: ۸۰) یعنی اندر گھسنا تو درکنار مَس کرنا بھی مشکل ہے۔ جب تک انسان مطہّر یعنی متقی نہ ہو لے۔

احادیث میں مُنکَر ہے، قرآن میں مُنکَر ہے۔ پھر بغیر نظیر کے کوئی بات نہیں مانی جاتی۔ عیسائیوں نے جب مسیح کے بن باپ ہونے سے اس کی خدائی کا استدلال کیا تو خدا تعالیٰ نے نظیر بتلا کر ان کی بات کو رد کر دیا۔ فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) کہ اگر بن باپ ہونے سے انسان خدا ہو سکتا ہے تو آدمؑ کی تو ماں بھی نہ تھی اسے خدا کیوں نہیں مان لیتے۔ پس جب نصاریٰ کی اس بات کو خدا نے رد کر دیا تو اگر مسیح بھی

واقعی آسمان پر زندہ ہوتا اور عیسائی اسے خدائی کی دلیل گردانتے تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ردّ کرتا اور چند ایک نظائر پیش کرتا کہ فلاں فلاں اور نبی زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ ہر ایک پہلو سے ان لوگوں پر اتمامِ حجت ہو چکا ہے۔ اب یہ لوگ مصداق صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کے ہیں۔ بھلا دیکھو تو جس حال میں کہ مَیں زندہ موجود ہوں کیا یہ ان کا حق نہ تھا کہ مجھ سے آکر سوال کرتے پوچھتے اور اپنے شکوک وشبہات پیش کرتے۔ مَیں نے بارہا لکھا کہ ان کے اخراجاتِ سفر دینے کو مَیں تیار ہوں یہاں آویں مکان بھی دونگا حتی الوسع مہمان نوازی بھی کروں گا لیکن یہ لوگ اِدھر رُخ نہیں کرتے۔ ہمیں کہتے ہیں کہ قرآن سے باہر ہیں حالانکہ قرآن ہی نے تو ہمیں اس کوچہ میں کھینچا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ ہمیں قرآن کے معنے وحی نے بتلائے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے دیدہ دانستہ کیسے اپنی آنکھوں کو پھوڑ لیں۔

خدا تعالیٰ کا یہ فرض تھا کہ اگر عیسائی لوگ مسیح کو خدائی کے لیے خصوصیت پیدا کریں تو وہ اس کا ردّ کرتا جیسے آدم کی مثال بیان کی۔ کیا خدا کو اس خصوصیت کا علم نہ تھا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہے پھر اس کا اُس نے کیوں ردّ نہ کیا؟ اس طرح سے قرآن پر حرف آتا ہے اگر مسیح آسمان پر زندہ ہوتا اور عیسائی لوگ اس سے خدائی کی دلیل پکڑتے تو خدا تعالیٰ ضرور بیان کرتا کہ فلاں فلاں انبیاء بھی آسمان پر زندہ موجود ہیں اس سے کوئی خدا نہیں بن سکتا جبکہ چالیس کروڑ انسان اسے آگے ہی خدا مان کر گمراہ ہو رہے ہیں تو تم نے اُن کے ساتھ مل کر اور ہاں میں ہاں ملا کر اس کی خدائی پر اَور مُہر لگا دی۔ اس کا باعث صرف ان لوگوں کی بدعملی ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اَور اور کھانے کے اَور۔ اور ایک ایک روپیہ لے کر فتوے بدل دیتے ہیں۔ اندرونی راستبازی بالکل نیست و نابود ہو گئی اور اب حدیث شریف کے موافق بالکل یہودی ہو گئے ہیں۔ یہ اُمید تو ہے نہیں کہ یہ لوگ ان سچائیوں کو مانیں ہاں ان کی ذریت مانے تو مانے۔

اس کے بعد آپ نے مقدمات کا تذکرہ کیا کہ

ان کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ کس طرح اول کرم دین نے مولوی عبدالکریم صاحب کو بذریعہ خطوط اطلاع دی کہ مہر علی شاہ نے فیضی متوفی کی کتاب سے سرقہ کیا ہے۔ اس کی اطلاع پر کتاب نزول المسیح لکھی گئی۔ پھر اس نے اپنے خطوط کے برخلاف ایک مضمون سراج الاخبار میں لکھ کر سب وشتم کیا اور اُن کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکاری ہوا۔ اس طرح سے ہمارا چلتا کام بند ہو گیا۔ تنگ آکر حکیم صاحب نے دعویٰ کیا۔ پھر کرم دین نے جہلم میں ہم پر ایک مقدمہ کیا وہ بڑا خطرناک مقدمہ تھا۔ اس کے متعلق مَیں نے اوّل ہی خواب دیکھے تھے جو کہ شائع ہو چکے ہوئے تھے اور قبل از وقت اس میں کامیابی کی خبر بھی خدا تعالیٰ سے پاکر ہم نے شائع کر دی تھی۔ اس میں ہمیں کامیابی ہوئی۔ پھر کرم دین نے خود ہم پر استغاثہ دائر کیا۔ وہ مقدمات ابھی چل رہے ہیں۔ منصف حاکم کو تو خود خبر نہیں ہوتی کہ انجام کار مقدمہ کی کیا صورت ہوگی۔ ہماری تائید تو ہمیشہ خدا تعالیٰ سے ہوتی ہے ورنہ جمہوری طور پر تو حکام کا میلان ہماری طرف کم ہی ہوتا

ہے اور سوائے پروردگار کے اَور کس کی ذات ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جا سکے۔ زمین پر کیسے ہی آثار نظر آویں مگر بار بار جو حکم آسمان سے آتا ہے کہ تَرٰی نَصْرًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ وہ آخر ہو کر رہے گا ؎

بنگر کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

(البدر جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۰۴ء)

۲۳ر فروری ۱۹۰۴ء

(بوقت شب)

ہر ایک معجزہ ابتلاء سے وابستہ ہے

مقدمہ کی موجودہ صورت پر حضور مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

یہ ایک ابتلا ہے۔ کوئی مامور نہیں آتا جس پر ابتلا نہ آئے ہوں۔ مسیح علیہ السلام کو قید کیا گیا اور کیا کیا اذیت دی گئی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیا گیا۔ مگر بات یہ ہے کہ عاقبت بخیر ہوتی ہے اگر خدا کی سنت یہ ہوتی کہ مامورین کی زندگی ایک تنعم اور آرام کی ہو اور اس کی جماعت پلاؤ زردے وغیرہ کھاتی رہے تو پھر اَور دنیا داروں میں اور اُن میں کیا فرق ہوتا؟ پلاؤ زردے کھا کر حمداً للّٰہ وشکراً للّٰہ کہنا آسان ہے اور ہر ایک بے تکلف کہہ سکتا ہے لیکن بات یہ ہے جب مصیبت میں بھی وہ اسی دل سے کہے۔

مامورین اور ان کی جماعت کو زلزلے آتے ہیں ہلاکت کا خوف ہوتا ہے۔ طرح طرح کے خطرات پیش آتے ہیں۔ کُذِبُوْا کے یہی معنے ہیں دوسرے ان واقعات سے یہ فائدہ ہے کہ کچوں اور پکوں کا امتحان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو کچے ہوتے ہیں اُن کا قدم صرف آسودگی تک ہی ہوتا ہے۔ جب مصائب آئیں تو وہ الگ ہو جاتے ہیں۔

میرے ساتھ یہی سنت اللہ ہے کہ جب تک ابتلا نہ ہو تو کوئی نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ خدا کا اپنے بندوں سے بڑا پیار یہی ہے کہ اُن کو ابتلا میں ڈالے جیسے کہ وہ فرماتا ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (البقرۃ: ۱۵۶،۱۵۷) یعنی ہر ایک مصیبت اور دُکھ میں اُن کا رجوع خدا تعالیٰ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انعامات انہی کو ملتے ہیں جو استقامت اختیار کرتے ہیں۔ خوشی کے ایام اگرچہ دیکھنے کو لذیذ ہوتے ہیں مگر انجام کچھ نہیں ہوتا۔ رنگ رلیوں میں رہنے سے آخر خدا کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ خدا کی محبت یہی ہے کہ ابتلا میں ڈالتا ہے اور اس سے اپنے بندے کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے مثلاً

کسریٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم نہ دیتا تو یہ معجزہ کہ وہ اسی رات مارا گیا کیسے ظاہر ہوتا اور اگر مکہ والے لوگ آپ کو نہ نکالتے تو اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح: ۲) کی آواز کیسے سنائی دیتی۔ ہر ایک معجزہ ابتلا سے وابستہ ہے۔ غفلت اور عیاشی کی زندگی کو خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کامیابی پر کامیابی ہو تو تضرع اور ابتہال کا رشتہ تو بالکل رہتا ہی نہیں ہے حالانکہ خدا تعالیٰ اسی کو پسند کرتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ دردناک حالتیں پیدا ہوں۔

نومبایعین کیلئے نصیحت

اسکے بعد عالی جناب محمد ابراہیم خان صاحب ابن موسیٰ خان صاحب برادرزادہ مراد خان صاحب مرحوم آمدہ از کراچی اور خان صاحب گلزار خاں اور دیگر چند ایک احباب نے بیعت کی۔ بعد بیعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر فرمائی:۔

ضروری نصیحت یہ ہے کہ ملاقات کا زمانہ بہت تھوڑا ہے خدا معلوم بعد جدائی کے دوبارہ ملنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو۔ یہ دُنیا ایسی جگہ ہے کہ دم کا بھروسہ نہیں ہے۔ اگر رات ہے تو کل کے دن کی زندگی کا علم نہیں ہے۔ اگر دن ہے تو رات کی زندگی کی خبر نہیں۔ اس لیے سمجھنا چاہیئے کہ اس سلسلہ کے دو حصے ہیں۔

ایک حصہ تو عقائد کا ہے۔ مختصراً یاد رکھو کہ جو بدعات ان میں حال کے لوگوں یا درمیانی لوگوں نے ملا دیئے ہیں اُن سے پرہیز کیا جاوے۔ یہ تصرف اسی قسم کا ہے کہ کچھ تو بدعات تک رہا ہے اور کچھ اس سے بڑھ کر شرک ہو گیا ہے۔ جیسے عیسیٰؑ کو ایک خاص خصوصیت کل بنی نوعِ انسان و انبیاء و رسل سے دی جاتی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے باہر رکھا جاتا ہے جس سے آپ کی بڑی توہین لازم آتی ہے حالانکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور جب عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اخلاق کیا ہیں تو اس نے کہا قرآن شریف آپ کا خُلق ہے جیسے عیسائی لوگ مسیح کی تعظیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں۔ ویسے ہی آج کل کے مسلمان بھی کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ مسیح کو خدا بناتے ہیں اور یہ خدا کے برابر اسے قرار دیتے ہیں جیسے ایک میت پڑی ہوئی ہو تو ایک شخص تو اسے مُردہ کہے گا دوسرا مُردہ نہ کہے بلکہ مُردہ والے صفات سب اس میں بتلاوے۔

مسیح کے بارے میں اس قدر غلو کیا گیا ہے کہ گویا عیسائیوں کے ساتھ ہاتھ ملا دیا ہے وہ توحید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے اس کا نام تک ان میں نہیں رہا۔ صلیبی مذہب کس زور سے پھیل رہا ہے جس کا ذکر میں نے ابھی چند دن ہوئے کیا تھا۔ پس جب یہ حال ہے تو عقائد کی درستی بہت ضروری شئے ہے۔ سچا، صحیح اور خدا کی مرضی کے موافق یہی مسئلہ ہے کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور اگر وہ زندہ ہیں تو قرآن شریف باطل ٹھہرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت جو بہت عزت کے قابل ہے یہ ہے کہ آپ اُسے اموات میں یحییٰؑ کے پاس دیکھ

آئے۔ اگر اُن کی رُوح قبض نہیں ہوئی تھی تو دوسرے عالَم میں کیسے چلے گئے۔ تاہم توحید کے لیے یہ مسئلہ بہت ضروری ہے کہ مسیح فوت ہوگئے اور جو اسے پورے یقین سے نہیں مانتا خطرہ ہے کہ وہ کہیں عیسائیت سے حصہ نہ لے لے یا ایک دن عیسائی ہی نہ ہو جائے انسان اسی طرح مُرتد ہوا کرتا ہے کہ ایک ایک جزو چھوڑتا ہوا آخر کار کُل چھوڑ دیتا ہے۔ دوسرے عقائد میں بہت اختلاف نہیں ہے۔ صرف یہی عظیم الشان بات ہے جو خدا نے بتلائی ہے کہ مسیحؑ فوت ہوگیا ہے۔

جو لوگ اس بارہ میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اُن کے ہاتھ میں بجُز اقوال کے اَور کچھ نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ قرآن کے مخالف احادیث میں نزول کا لفظ موجود ہے تو جواب ہے۔ کہ اوّل تو وہاں مِنَ السَّمَاءِ نہیں لکھا کہ وہ ضرور آسمان سے ہی آوے گا۔ دوسرے احادیث تو مِنکُمْ سے بھی بھری پڑی ہیں۔ نزول اصل میں اکرام اور اجلال کا لفظ ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے لیے استعمال فرمایا ہے حتّٰی کہ احادیث میں تو دجّال کے لیے بھی نزول کا لفظ آیا ہے۔ پھر کیا یہ سب آسمان سے آئے اور آویں گے۔ قرآن شریف سے یہی ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح دوبارہ نہ آوے گا بلکہ یہ بھی کہ وہ مرگیا جیسا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدۃ: ۱۱۸) بتلا رہی ہے۔

دوسرا حصہ یہ ہے کہ انسان صرف عقائد سے ہی نجات نہیں پاتا۔ بلکہ اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ خدا نے اس بات پر ہی کفایت نہیں کی کہ انسان کے لیے صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُنہ سے کہہ دینا ہی کافی ہو ورنہ قرآن شریف اس قدر ضخیم کتاب نہ ہوتی ایک فقرہ ہی ہوتا۔ عقائد کی مثال ایک باغ کی ہے جس کے بہت عمدہ پھل اور پھول ہوں اور اعمالِ صالحہ وہ مصفّٰی پانی ہے جس کے ذریعہ سے اس باغ کا قیام اور نشو ونما ہوتا ہے ایک باغ خواہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو لیکن اس کی آبپاشی اگر عمدہ نہ ہو تو آخر خراب ہو جاوے گا۔ اسی طرح اگر عقیدہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو لیکن عمل صالح اگر اس کے ساتھ نہ ہوگا تو شیطان آکر تباہ کر دیگا۔

تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی تک کُل اہل اسلام کا یہی مذہب رہا ہے کہ کل نبی فوت ہوگئے ہیں چنانچہ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی مذہب تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو صحابہؓ کا اجماع ہوا۔ حضرت عمرؓ وفات کے منکر تھے اور وہ آپ کو زندہ ہی مانتے تھے۔ آخر ابوبکرؓ نے آکر مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) کی آیت سنائی تو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کو آپ کی موت کا یقین آیا اور اگر صحابہ کرامؓ کا یہ عقیدہ ہوتا کہ کوئی نبی زندہ ہے تو سب اُٹھ کر ابوبکرؓ کی خبر لیتے کہ ہمارا عقیدہ مسیح کی نسبت ہے کہ وہ زندہ ہے تو کیسے کہتا ہے کہ سب نبی فوت ہوگئے؟ اور کیا وجہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہ ہوں۔ اگر بعض مرتے اور بعض زندہ ہوتے تو کسی قسم کا افسوس نہ ہوتا۔ مگر غریب سے لے کر امیر تک سب مرتے ہیں پھر مسیح کو کیسے زندہ مانا جاوے۔ تیسری صدی کے بعد حیات مسیح کا اعتقاد مسلمانوں میں شامل ہوا

ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نئے نئے عیسائی مسلمان ہو کر اُن میں ملتے گئے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایک نئی قوم کسی مذہب میں داخل ہو تو اپنے مذہب کی رسوم اور بدعات جو وہ ہمراہ لاتی ہے۔ اس کا کچھ حصہ نئے مذہب میں مل جاتا ہے۔ ایسے ہی عیسائی جب مسلمان ہوئے تو یہ خیال ہمراہ لائے اور رفتہ رفتہ وہ مسلمانوں میں پختہ ہو گیا ہاں جن لوگوں نے ہمارا زمانہ نہیں پایا نہ اس مسئلہ پر انہوں نے بحث کی وہ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (البقرۃ:۱۳۵) کے مصداق ہوئے لیکن اب جو ہمارے مقابلہ پر آئے اور اتمام حجت ان پر ہوا وہ قابلِ اعتراض ٹھہر گئے ہیں اگر ان لوگوں کے اعمال صالحہ ہوتے تو یہ عقیدہ ان میں رواج نہ پاتا۔ جب وہ چھوٹ گئے تو ایسے ایسے عقائد شامل ہو گئے۔

اعمالِ صالحہ کثرت سے بجالائیں۔

پس جو شخص ایمان کو قائم رکھنا چاہتا ہے وہ اعمالِ صالحہ میں ترقی کرے۔ یہ روحانی اُمور ہیں اور اعمال کا اثر عقائد پر پڑتا ہے جن لوگوں نے بدکاری وغیرہ اختیار کی ہے ان کو دیکھو تو آخر معلوم ہو گا کہ اُن کا خدا پر ایمان نہیں ہے۔ حدیث شریف میں اسی لیے ہے کہ چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ اس کی بداعمالی نے اُس کے سچے اور صحیح عقیدہ پر اثر ڈال کر اُسے ضائع کر دیا ہے۔ ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اعمالِ صالحہ کثرت سے بجالاوے۔ اگر اس کی بھی یہی حالت رہی جیسے اوروں کی تو پھر امتیاز کیا ہوا؟ اور خدا تعالیٰ کو ان کی رعایت اور حفاظت کی کیا ضرورت؟ خدا تعالیٰ اسی وقت رعایت کرے گا جب تقویٰ، طہارت اور سچی اطاعت سے اُسے خوش کرو گے۔ یاد رکھو کہ اس کا کسی سے کچھ رشتہ نہیں ہے۔ محض لاف اور یاوہ گوئی سے کوئی بات نہیں بنا کرتی۔

یہی اطاعت ایک موت ہے جو نہیں بجالاتا وہ خدا تعالیٰ سے شطرنج بازی کرتا ہے کہ مطلب کے وقت تو خدا سے خوش ہوتا ہے اور جب مطلب نہ ہو تو ناراض ہو گیا۔ مومن کا یہ دستور نہیں چاہیئے۔ بھلا غور تو کرو کہ اگر خدا تعالیٰ ہر ایک میدان میں کامیابی دیتا رہے اور کوئی ناکامی کی صورت کبھی پیش نہ آوے تو کیا سب جہاں موحد نہیں ہو سکتا؟ اور خصوصیت کیا رہے گی۔ اسی لیے جو مصیبت میں وفا اور صدق رکھے گا خدا تعالیٰ اسی سے خوش ہو گا۔

نماز کو سنوار کر ادا کریں

نماز ایسے ادا نہ کرو جیسے مُرغی دانے کے لیے ٹھونگ مارتی ہے بلکہ سوز و گداز سے ادا کرو اور دعائیں بہت کیا کرو۔ نماز مشکلات کی کُنجی ہے۔ ماثورہ دُعاؤں اور کلمات کے سوا اپنی مادری زبان میں بھی بہت دُعا کیا کرو تا اس سے سوز و گداز کی تحریک ہو اور جب تک سوز و گداز نہ ہو اسے ترک مت کرو کیونکہ اس سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور سب کچھ ملتا ہے۔ چاہیئے کہ نماز کی جس قدر جسمانی صورتیں ہیں ان سب کے ساتھ دل بھی ویسے ہی تابع ہو۔ اگر جسمانی طور پر کھڑے ہو تو دل

بھی خدا کی اطاعت کے لیے ویسے ہی کھڑا ہو۔ اگر جھکو تو دل بھی ویسے ہی جھکے۔ اگر سجدہ کرو تو دل بھی ویسے ہی سجدہ کرے۔ دل کا سجدہ یہ ہے کہ کسی حال میں خدا کو نہ چھوڑے جب یہ حالت ہوگی تو گناہ دُور ہونے شروع ہو جاویں گے۔ معرفت بھی ایک تریاق ہے جو کہ گناہ سے انسان کو روکتی ہے۔ جیسے جو شخص سم الفار، سانپ اور شیر کو ہلاک کرنے والا جانتا ہے تو وہ ان کے نزدیک نہیں جاتا۔ ایسے جب تم کو معرفت ہوگی تو تم گناہ کے نزدیک نہ پھٹکو گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یقین بڑھاؤ اور وہ دعا سے بڑھے گا اور نماز خود دُعا ہے نماز کو جس قدر سنوار کر ادا کرو گے اسی قدر گناہوں سے رہائی پاتے جاؤ گے۔ معرفت صرف قول سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے حکیموں نے خدا کو اس لیے چھوڑ دیا کہ ان کی نظر مصنوعات پر رہی اور دعا کی طرف توجہ نہ کی جیسا کہ ہم نے براہین میں ذکر کیا ہے۔ مصنوعات سے تو انسان کو ایک صانع کے وجود کی ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ ایک فاعل ہونا چاہیئے لیکن یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ ہے بھی۔ "ہونا چاہیئے" اَور شئے ہے اور "ہے" اَور شئے ہے اس "ہے" کا علم سوائے دُعا کے نہیں حاصل ہوتا۔ عقل سے کام لینے والے "ہے" کے علم کو نہیں پا سکتے۔ اسی لیے ہے کہ خدارا بخدا تواں شناخت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ صرف عقلوں کے ذریعہ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا بلکہ خود جو ذریعے (اس) نے بتلائے ہیں ان سے ہی اپنے وجود کو شناخت کرواتا ہے اور اس امر کے لیے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ: ۶) جیسی اور کوئی دُعا نہیں ہے۔

اپنے بھائی کی غلطی دیکھ کر اس کیلئے دُعا کرو

صلاح تقویٰ، نیک بختی اور اخلاق حالت کو درست کرنا چاہیئے۔ مجھے

اپنی جماعت کا یہ بڑا غم ہے کہ ابھی تک یہ لوگ آپس میں ذرا سی بات سے چڑ جاتے ہیں عام مجلس میں کسی کو احمق کہہ دینا بھی بڑی غلطی ہے اگر اپنے کسی بھائی کی غلطی دیکھو تو اس کے لیے دعا کرو کہ خدا اسے بچا لیوے۔ یہ نہیں کہ منادی کرو۔ جب کسی کا بیٹا بدچلن ہو تو اس کو سردست کوئی ضائع نہیں کرتا بلکہ اندر ایک گوشہ میں سمجھاتا ہے کہ یہ بُرا کام ہے اس سے باز آجا۔ پس جیسے رفق، حلم اور ملائمت سے اپنی اولاد سے معاملہ کرتے ہو ویسے ہی آپس میں بھائیوں سے کرو۔ جس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں مجھے اس کے ایمان کا خطرہ ہے کیونکہ اس میں تکبر کی ایک جڑ ہے اگر خدا راضی نہ ہو تو گویا یہ برباد ہوگیا۔ پس جب اس کی اپنی اخلاقی حالت کا یہ حال ہے تو اُسے دوسرے کو کہنے کا کیا حق ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے[1]

---

[1] البدر میں یہاں جگہ چھوٹی ہوئی ہے جو کاتب سے لکھنی رہ گئی ہے اور وہ آیت یہ معلوم ہوتی ہے۔ (اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ) (البقرۃ: ۴۵) (مرتب)

اس کا یہی مطلب ہے کہ اپنے نفس کو فراموش کرکے دوسرے کے عیوب کو نہ دیکھتا رہے بلکہ چاہیئے کہ اپنے عیوب کو دیکھے۔ چونکہ خود تو وہ پابند ان امور کا نہیں ہوتا اس لیے آخر کار لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳) کا مصداق ہو جاتا ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کا طریق

اخلاص اور محبت سے کسی کو نصیحت کرنی بہت مشکل ہے لیکن بعض وقت نصیحت کرنے میں بھی ایک پوشیدہ بغض اور کبر ملا ہوا ہوتا ہے اگر خالص محبت سے وہ نصیحت کرتے ہوتے تو خدا تعالےٰ اُن کو اس آیت کے نیچے نہ لاتا۔ بڑا سعید وہ ہے جو اوّل اپنے عیوب کو دیکھے۔ ان کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب ہمیشہ امتحان لیتا رہے۔ یاد رکھو کہ کوئی پاک نہیں ہو سکتا جب تک خدا اسے پاک نہ کرے۔ جب تک اتنی دُعا نہ کرے کہ مَر جاوے تب تک سچی تقوےٰ حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے دُعا سے فضل طلب کرنا چاہیئے۔ اب سوال ہو سکتا ہے کہ اُسے کیسے طلب کرنا چاہیئے تو اس کے لیے تدبیر سے کام لینا ضروری ہے جیسے ایک کھڑکی سے اگر بدبُو آتی ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ یا اس کھڑکی کو بند کرے یا بدبُودار شئے کو اُٹھا کر دُور پھینک دے۔ پس کوئی اگر تقویٰ چاہتا ہے اور اس کے لیے تدبیر سے کام نہیں لیتا تو وہ بھی گستاخ ہے کہ خدا کے عطا کردہ قویٰ کو بیکار چھوڑتا ہے۔ ہر ایک عطاء الٰہی کو اپنے محل پر صرف کرنا اس کا نام تدبیر ہے جو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ ہاں جو نری تدبیر پر بھروسہ کرتا ہے وہ بھی مشرک ہے اور اسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے جس میں یورپ ہے۔ تدبیر اور دُعا دونو کا پورا حق ادا کرنا چاہیئے تدبیر کرکے سوچے اور غور کرے کہ میں کیا شئے ہوں۔ فضل ہمیشہ خدا کی طرف سے آتا ہے۔ ہزار تدبیر کرو ہرگز کام نہ آوے گی جب تک آنسو نہ بہیں۔ سانپ کے زہر کی طرح انسان میں زہر ہے اس کا تریاق دُعا ہے جس کے ذریعہ سے آسمان سے چشمہ جاری ہوتا ہے۔ جو دُعا سے غافل ہے وہ مارا گیا۔ ایک دن اور رات جس کی دُعا سے خالی ہے وہ شیطان سے قریب ہوا۔ ہر روز دیکھنا چاہیئے کہ جو حق دُعاؤں کا تھا وہ ادا کیا ہے کہ نہیں۔ نماز کی ظاہری صورت پر اکتفا کرنا نادانی ہے۔ اکثر لوگ رسمی نماز ادا کرتے ہیں اور بہت جلدی کرتے ہیں جیسے ایک ناواجب ٹیکس لگا ہوا ہے۔ جلدی گلے سے اُتر جاوے۔ بعض لوگ نماز تو جلدی پڑھ لیتے ہیں لیکن اس کے بعد دعا اس قدر لمبی مانگتے ہیں کہ نماز کے وقت سے دُگنا تگنا وقت لے لیتے ہیں حالانکہ نماز تو خود دُعا ہے جس کو یہ نصیب نہیں ہے کہ نماز میں دُعا کرے اس کی نماز ہی نہیں۔ چاہیئے کہ اپنی نماز کو دُعا سے مثل کھانے اور سرد پانی کے لذیذ اور مزیدار کر لو ایسا نہ ہو کہ اس پر ذلیل ہو۔

فضائلِ نماز

نماز خدا کا حق ہے اُسے خوب ادا کرو اور خدا کے دشمن سے مداہنہ کی زندگی نہ برتو۔ وفا اور صدق کا خیال رکھو۔ اگر سارا گھر غارت ہوتا ہو تو ہونے دو مگر نماز

کو ترک مت کرو۔ وہ کافر اور منافق ہیں جو کہ نماز کو منحوس کہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ نماز کے شروع کرنے سے ہمارا فلاں فلاں نقصان ہوا ہے۔ نماز ہرگز خدا کے غضب کا ذریعہ نہیں ہے۔ جو اُسے منحوس کہتے ہیں اُن کے اندر خود زہر ہے جیسے بیمار کو شیرینی کڑوی لگتی ہے ویسے ہی اُن کو نماز کا مزا نہیں آتا۔ یہ دین کو درست کرتی ہے۔ اخلاق کو درست کرتی ہے دُنیا کو درست کرتی ہے۔ نماز کا مزا دنیا کے ہر ایک مزے پر غالب ہے۔ لذات جسمانی کے لیے ہزاروں خرچ ہوتے ہیں اور پھر ان کا نتیجہ بیماریاں ہوتی ہیں اور یہ معفت کا بہشت ہے جو اُسے ملتا ہے۔ قرآن شریف میں دو جنتوں کا ذکر ہے ایک ان میں سے دنیا کی جنت ہے اور وہ نماز کی لذت ہے۔

نماز خواہ نخواہ کا ٹیکس نہیں ہے بلکہ عبودیت کو ربوبیت سے ایک ابدی تعلق اور کشش ہے۔ اس رشتہ کو قائم رکھنے کے لیے خدا تعالیٰ نے نماز بنائی ہے اور اس میں ایک لذت رکھدی ہے جس سے یہ تعلق قائم رہتا ہے۔ جیسے لڑکے اور لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے اگر اُن کے ملاپ میں ایک لذت نہ ہو تو فساد ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر نماز میں لذت نہ ہو تو وہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ دروازہ بند کرکے دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ رشتہ قائم رہے اور لذت پیدا ہو۔ جو تعلق عبودیت کا ربوبیت سے ہے وہ بہت گہرا اور انوار سے پُر ہے جس کی تفصیل نہیں ہو سکتی۔ جب وہ نہیں ہے تب تک انسان بہائم ہے۔ اگر دو چار دفعہ بھی لذت محسوس ہو جائے تو اس چاشنی کا حصہ مل گیا، لیکن جسے دو چار دفعہ بھی نہ ملا وہ اندھا ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل ۷۳) آئندہ کے سب وعدے اسی سے وابستہ ہیں۔ ان باتوں کو فرض جان کر ہم نے بتلا دیا ہے۔

اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں تک محدود نہ رکھو

تکبر دوسرے کا حقیقی ہمدرد نہیں ہو سکتا۔ اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہ رکھو بلکہ ہر ایک کے ساتھ کرو۔ اگر ایک ہندو سے ہمدردی نہ کرو گے تو اسلام کے سچے وصایا اُسے کیسے پہنچاؤ گے؟ خدا سب کا رب ہے۔ ہاں مسلمانوں کی خصوصیت سے ہمدردی کرو اور پھر متقی اور صالحین کی اس سے زیادہ خصوصیت سے، مال اور دُنیا سے دل نہ لگاؤ۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ تجارت وغیرہ چھوڑ دو بلکہ دل بایار اور دست باکار رکھو۔ خدا کاروبار سے نہیں روکتا ہے بلکہ دنیا کو دین پر مقدم رکھنے سے روکتا ہے۔ اس لیے تم دین کو مقدم رکھو۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۰۴ء)

۲۷ر فروری ۱۹۰۴ء

(دربار شام)

آج ایلیحضرت حجۃ اللہ علی الارض علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد کے بالائی حصہ پر نماز مغرب ادا کی اور بعد ادائے نماز مغرب شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ چند مہمانوں نے اجازت روانگی حاصل کی۔ بعض احباب خصوصاً سید تفضل حسین صاحب اٹاوی (جو گیارہ سال کے بعد آئے تھے) کو خطاب کرکے فرمایا کہ:

آمدن بارادت رفتن باجازت۔ آپ تو سمجھتے ہی ہیں کہ کب تک آپ کو ٹھہرنا چاہیئے[1]

اسی ضمن میں طاعون کی شدت کا ذکر ہوگیا۔ اس پر آپ نے سلسلہ کلام یوں فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کیساتھ معاملہ صاف کرو

حقیقت میں سچے مسلمان بننے کا اب وقت آیا ہے[2] یقین بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جس قسم کا یقین انسان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ پس ضروری امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف کرو تا وہ بھی تم پر رحم کرے۔ کیونکہ سچ یہی ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔

طاعون سے وفات

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ بھی طاعون سے فوت ہوئے، لیکن اُن کے لیے وہ شہادت تھی۔ مومن کے واسطے یہ شہادت[3]

---

[1] البدر میں یہ ڈائری یوں درج ہے:۔
چند ایک احباب نے اپنی واپسی کی اشد ضروریات پیش کیں۔ ان کو رُخصت عطا فرمائی گئی لیکن عالیجناب محمد ابراہیم خاں صاحب شریف بن حاجی موسیٰ خاں صاحب برادر زادہ خاں بہادر مراد خاں مرحوم آمدہ از کراچی کی رخصت طلبی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "یہ چند دن اَور رہیں آمدن بارادت رفتن باجازت" اور اسی طرح جناب تفضل حسین صاحب پنشنر تحصیلدار۔ رئیس اٹاوہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ "اب تو ان کو بھی فراغت ہے اور ایک عرصہ کے بعد آئے ہیں۔ یہ بھی چند دن رہیں"
(البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء)

[2] البدر سے:۔ "اس کے سوا گذارہ نہیں" (البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر میں ہے:۔ "بعض صحابہ اور اُن کی اولاد بھی طاعون سے فوت ہوئے تھے" (البدر حوالہ مذکور)

ہی ہے۔ پہلی اُمتوں پر رِجْزاً مِّنَ السَّمَآءِ (البقرۃ: ۶۰) تھی۔ صحابہؓ کس قدر اعلیٰ درجہ رکھتے تھے لیکن ان میں سے بھی اس کا نشانہ ہو گئے۔ اس سے اُن کے مومن ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ابو عبیدہ بن الجراح جیسے صحابی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑے ہی عزیز تھے طاعون ہی سے شہید ہوئے تھے۔ طاعون سے مرنا عام مومنوں کے لیے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ جہاں انتظامِ الٰہی میں فرق آتا ہے وہاں خدا تعالیٰ ایسا معاملہ نہیں کرتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا کوئی مامور و مرسل طاعون کا شکار نہیں ہو سکتا اور نہ کسی اور خبیث مرض سے ہلاک ہوتا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے انتظام میں بڑا نقص اور خلل پیدا ہوتا ہے۔ پس انبیاء و رسل اور خدا کے ماموران امراض سے بچائے جاتے ہیں اور یہی نشان ہوتا ہے۔

صحابہؓ کی خصوصیت پر ضمنی تذکرہ

حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ حضور یہ ایک بڑی عجیب بات ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ میں سے ایک بھی بہرہ نہ تھا۔[1]

اس پر امام الملۃ نے فرمایا کہ

چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا تھا اور اس امر کی ضرورت تھی کہ صحابہؓ اُسے سُنیں اور روایت کر کے دوسروں تک پہنچائیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نظام کو قائم رکھنے کے لیے صحابہؓ کو اس بہرہ پن سے محفوظ رکھا۔ ایسے وقت اگر آنکھ نہ ہو تو کام ہو سکتا ہے لیکن کان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ان حقائق و معارف کو جو خدا تعالیٰ کا مرسل لے کر آتا ہے سننے کی بہت بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

پہلے کلام کی طرف رجوع

غرض یہ مقام ڈرنے کا ہے کیونکہ طاعون بڑی شدت کے ساتھ پھیل رہی ہے اور جو اس وقت بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صاف نہیں کرتا وہ بڑے خطرہ کی حالت میں ہے۔ نفاق کام نہیں دیگا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ (الانعام: ۸۳) بعض وقت انسان موجودہ حالتِ امن پر بھی بے خطر ہو جاتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ امن میں زندگی گذارتا ہوں مگر یہ غلطی ہے کیونکہ یہ تو معلوم نہیں ہے کہ سابقہ زندگی میں کیا ہوا ہے اور کیا کیا بے اعتدالیاں اور کمزوریاں ہو چکی ہیں۔ اسی واسطے مومن کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ کبھی بے خوف نہ ہو اور ہر وقت توبہ اور استغفار کرتا رہے کیونکہ استغفار سے انسان بدیوں کے بُرے نتائج سے بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے بچ رہتا ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ توبہ اور

---

[1] البدر میں ہے:۔ "ہاں اندھے تھے" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۳)

استغفار[1] سے گناہ بخشے جاتے ہیں اور خدا تعالےٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔ (البقرۃ: ۲۲۳)

سچی توبہ کرنے والا معصوم کے رنگ میں ہوتا ہے۔ پچھلے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں پھر آئندہ کے لیے خدا سے معاملہ صاف کرلے۔ اس طرح پر خدا کے اولیاء میں داخل ہو جائیگا اور پھر اس پر کوئی خوف وحزن نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (یونس: ۶۳)

اولیاء اللہ

خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنا ولی کہا ہے حالانکہ وہ بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ اس لیے استغناء ایک شرط کے ساتھ ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل: ۱۱۲) یہ بالکل سچی بات ہے کہ خدا تعالےٰ ٹھٹھر کر کسی کو ولی نہیں بناتا[2] بلکہ محض اپنے فضل اور عنایت سے اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ اس کو کسی کی کوئی حاجت نہیں ہے اس ولایت اور قرب کا فائدہ بھی اسی کو پہنچتا ہے۔ ہزاروں ہزار فوائد اور امور ہوتے ہیں جو اس کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکی دُعائیں قبول کرتا ہے اور نہ صرف اسکی دُعائیں قبول کرتا ہے بلکہ اس کے اہل وعیال۔ اس کے احباب کے لیے بھی برکات عطا کرتا ہے اور صرف یہانتک ہی نہیں بلکہ ان مقاموں میں برکت دی جاتی ہے جہاں وہ ہوتے ہیں اور اُن زمینوں میں برکت رکھی جاتی ہے اور ان کپڑوں میں برکت دی جاتی ہے جن میں وہ ہوتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ ولی اللہ بننا ہی مشکل ہے بلکہ اس مقام کا سمجھنا ہی دشوار ہوتا ہے کہ یہ کس حالت میں کہا جاوے گا کہ وہ خدا کا ولی ہے۔ انسان انسان کے ساتھ ظاہرداری میں خوشامد کرسکتا ہے اور اس کو خوش کرسکتا ہے خواہ دل میں ان باتوں کا کچھ بھی اثر نہ ہو۔ ایک شخص کو خیر خواہ کہہ سکتے ہیں مگر حقیقت میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خیر خواہ ہے یا کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے کہ اس کی اطاعت ومحبت کس رنگ سے ہے

---

[1] البدر سے:۔ اللہ تعالیٰ میں یہ صفت مومن کے لیے بہت ہی مفید ہے کہ توبہ اور استغفار سے اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو پھر انسان کی بالکل تباہی ہوجاتی۔ یہ بہت ہی بڑی صفت ہے کہ اسکی بارگاہ میں سچی توبہ کرنے سے انسان بالکل معصوم ہوجاتا ہے گویا اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔"

(البدر جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "خدا تعالیٰ کی ولایت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اس کو کوئی ایسی احتیاج ہے جیسے ایک انسان کو دوست کی ہوتی ہے یا ٹھٹھر کر خدا تعالیٰ کسی کو اپنا دوست بنا لیتا ہے بلکہ اس کے معنے ہیں فضل اور عنایت سے خدا تعالیٰ کسی کو اپنا بنا لیتا ہے اور اس سے اس شخص کو فائدہ پہنچتا ہے نہ کہ خدا کو۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صـ۳)

پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب اور دغا نہیں ہو سکتا۔ کوئی اس کو دھوکا نہیں دے سکتا۔[1] جب تک سچے اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ یک رنگ ہو کر خدا تعالیٰ کا نہ بن جاوے کچھ فائدہ نہیں۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا اجتبا اور اصطفا فطرتی جوہر سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے گذشتہ زندگی میں وہ کوئی صغائر یا کبائر رکھتا ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ سے اس کا سچا تعلق ہو جاوے تو وہ کل خطائیں بخش دیتا ہے اور پھر اس کو کبھی شرمندہ نہیں کرتا نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہ کس قدر احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جب وہ ایک دفعہ درگذر کرتا اور عفو فرماتا ہے پھر اس کا کبھی ذکر ہی نہیں کرتا۔ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ پھر باوجود ایسے احسانوں اور فضلوں کے بھی اگر وہ منافقانہ زندگی بسر کرے تو پھر سخت بدقسمتی اور شامت ہے۔

صفائی قلب

برکات اور فیوضِ الٰہی کے حصول کے واسطے دل کی صفائی کی بھی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جب تک دل صاف نہ ہو کچھ نہیں۔ چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ دل پر نظر ڈالے تو اس کے کسی حصہ یا کسی گوشہ میں کوئی شعبہ نفاق کا نہ ہو۔ جب یہ حالت ہو تو پھر الٰہی نظر کیساتھ تجلیات آتی ہیں اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے ایسا وفادار اور صادق ہونا چاہیئے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنا صدق دکھایا یا جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونہ دکھایا۔ جب انسان اس نمونہ پر قدم مارتا ہے تو وہ بابرکت آدمی ہو جاتا ہے۔ پھر دُنیا کی زندگی میں کوئی ذلت نہیں اُٹھاتا اور نہ تنگیٔ رزق کی مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کے فضل و احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو لعنتی زندگی[2] سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو خدا تعالیٰ سے سچا اور کامل تعلق رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس کی ساری مرادیں پوری کر دیتا ہے اسے نامراد نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ قادر و کریم کا اقتضاء

اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بڑی قابل غور ہیں اور ان صفات پر ایمان لانے سے بھی اُمید وسیع ہوتی اور مومن کا یقین زیادہ ہوتا ہے۔ وہ صفات اس کے قادر اور کریم ہونے کی ہیں جب تک یہ دونوں باتیں نہ ہوں۔ کوئی فیض نہیں ملتا ہے دیکھو اگر کوئی شخص کریم تو ہو اور اس کے پاس ہو تو ہزاروں روپیہ دے دینے میں بھی اُسے تامل اور دریغ نہ ہو لیکن اس کے گھر میں کچھ بھی نہ ہو تو اس کی صفتِ کریمی کا کیا فائدہ؟ یا اس کے پاس روپیہ تو بہت ہو مگر کریم نہ ہو پھر اس سے کیا حاصل؟ مگر خدا تعالیٰ میں یہ دونوں باتیں ہیں وہ قادر ہے اور کریم بھی ہے

---

[1] البدر سے:۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ہر ایک کا اندرونہ کیسا ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "تب خدا تعالیٰ اسے لعنتی موت سے محفوظ رکھتا ہے۔" (ایضاً)

اوران دونوں صفتوں میں بھی وہ وحدہ لاشریک ہے۔

پس جب ایسی قادر اور کریم ذات کے ساتھ کوئی کامل تعلق پیدا کرے تو اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوگا؟ بڑا ہی مبارک اور خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس کا فیصلہ کرلے۔ سرمد نے کیا اچھا کہا ہے ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے یار می باید کرد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

حقیقت میں اس نے سچ کہا ہے۔ بیمار اگر طبیب کی پوری اطاعت نہیں کرتا تو اس سے کیا فائدہ؟ ایک عارضہ نہیں تو دوسرا اس کو لگ جائے گا اور وہ اس طرح پر تباہ اور ہلاک ہوگا۔ دنیا میں اس قدر آفتوں سے انسان گھرا ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو تو پھر سخت خطرہ کی حالت ہے۔ پنجابی میں بھی ایک مصرعہ مشہور ہے ؎

جے توُں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

یہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ہی کا ترجمہ ہے۔

جب انسان خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو پھر کچھ شک نہیں۔ ساری دُنیا اُس کی ہو جاتی ہے مگر اس وقت بڑے بڑے مشکلات آکر پڑتے ہیں لوگ ہمارے سلسلہ کی مخالفت کے لیے کیا کیا کوشش نہیں کرتے۔ اس کی عدم ضرورت کے واسطے کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ ہم نماز اور کلمہ نہیں پڑھتے؟ جو لوگ اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں وہ آخر بے نصیب رہ جاتے ہیں۔

برکاتِ نماز کا حصول

اس میں شک نہیں کہ نماز میں برکات ہیں مگر وہ برکات ہر ایک کو نہیں مل سکتے نماز بھی وہی پڑھتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نماز پڑھاوے ورنہ وہ نماز نہیں نرا پوست ہے جو پڑھنے والے کے ہاتھ میں ہے۔ اس کو مغز سے کچھ واسطہ اور تعلق ہی نہیں اسی طرح کلمہ بھی وہی پڑھتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ کلمہ پڑھوائے۔ جب تک نماز اور کلمہ پڑھنے میں آسمانی چشمہ سے گھونٹ نہ ملے تو کیا فائدہ؟ وہ نماز جس میں حلاوت اور ذوق ہو اور خالق سے سچا تعلق قائم ہو کر پوری نیازمندی اور خشوع کا نمونہ ہو اس کے ساتھ ہی ایک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کو پڑھنے والا فوراً محسوس کر لیتا ہے کہ اب وہ وہ نہیں رہا جو چند سال پہلے تھا۔

ابدال

جب یہ تبدیلی اس کی حالت میں پیدا ہوتی ہے اس وقت اس کا نام ابدال ہوتا ہے احادیث میں جو ابدال آیا ہے اس سے یہی مراد لی گئی ہے کہ کامل انقطاع اور تبتل کے ساتھ جب خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اپنی حالت میں تبدیلی کرے جیسے قیامت میں بہشتیوں میں تبدیلیاں ہوں گی کہ وہ چاند یا ستاروں کی مانند ہوں گے اسی طرح پر اس دنیا میں بھی ان کے اندر ہونی ضروری ہے تاکہ وہ اس تبدیلی پر شہادت ہو۔ اسی لیے فرمایا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن: ۴۷) چونکہ اس دنیا میں بھی ایک بہشت ہے جو مومن کو دیا جاتا ہے۔ اس کے موافق ایک تبدیلی بھی یہاں ہوتی ہے اس کو ایک خاص قسم کا رُعب دیا جاتا ہے جو الٰہی تجلیات کے پرتو سے ملتا ہے۔ نفسِ امارہ کے جذبات سے اس کو روک دیا جاتا ہے اور نفسِ مطمئنہ کی سکینت اور اطمینان اس کو ملتا ہے۔ اس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ یہانتک کہ جیسے ابراہیم علیہ السلام کو کہا گیا یَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء: ۷۰) اسی طرح پر اس کے لیے کہا جاتا ہے یَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (الانبیاء: ۷۰) اس آواز پر اس کے سارے جوشوں کو ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ میں ایک راحت اور اطمینان پالیتا ہے اور ایک تبدیلی اس میں پیدا ہو جاتی ہے جب تک یہ تبدیلی نہ ہو نماز، روزہ، کلمہ، زکوٰۃ وغیرہ ارکان محض رسمی اور نمائشی طور پر ہیں۔ ان میں کوئی روح اور قوت نہیں ہے اور ایسا انسان خطرہ کی حالت سے نکل کر امن میں آجاتا ہے۔

یاد رکھو جب انسان کا وجود خدا کی محبت میں گم ہو جائے اس وقت وہ جان لے کہ خدا سچی محبت رکھتا ہے کیونکہ دل را بدل رہبیست مشہور ہے۔

اہل وعیال کا تہیہ

بہت سے لوگ جو اہل وعیال کا تہیہ کرتے ہیں اور ان کے سارے ہم وغم اسی پر آکر ختم ہو جاتے ہیں کہ اُن کی اولاد ان کے بعد اُن کے مال واسباب اور جائیداد کی مالک اور جانشین ہو۔ اگر انسان اسی حد تک محدود ہے اور وہ خدا کے لیے کچھ بھی نہیں کرتا تو یہ جہنمی زندگی ہے اس کو اس سے کیا فائدہ؟ جب یہ مر گیا تو پھر کیا دیکھنے آئے گا کہ اس کی جائیداد کا کون مالک ہوا ہے اور اس سے اس کو کیا آرام پہنچے گا اس کا تو قصہ پاک ہو چکا اور یہ کبھی پھر دنیا میں نہیں آئیگا اس لیے ایسے ہم وغم سے کیا حاصل جو دنیا میں جہنمی زندگی کا نمونہ ہے اور آخرت میں بھی عذاب دینے والا۔

مُردوں کا واپس آنا

قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کے واپس نہ آنے کے دو وعدے ہیں۔ ایک جہنمیوں کے لیے جیسے فرمایا وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۹۶) اَهْلَكْنٰهَا عذاب پر بھی آتا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ خراب زندگی کے لوگ پھر واپس نہیں آئیں گے اور ایسا ہی بہشتیوں کے لیے بھی آیا ہے۔

لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (الکہف: ۱۰۹)

مسیح کا عدمِ رجوع

دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور دونو کا عدمِ رجوع ثابت ہے پر معلوم نہیں کہ مسیح کو کس طرح پر واپس لاتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا پھر آنا فضول ہے اور جو شخص قرآنِ کریم کی اس شہادت اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو منظور نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مُردوں میں یحییٰ کے پاس دیکھ آئے ہیں اس پر بھی جو انکار کرتا ہے وہ خبیث ہے۔

اولاد اور دوسرے متعلقین کی مناسب خبر گیری

غرض جبکہ یہ ثابت ہے کہ پھر اس دُنیا میں واپس آنا نہیں ہے اور یہاں سے سب قصہ تمام کر کے جائیں گے اور پھر دُنیا سے کوئی تعلق باقی نہ رہے گا تو املاک و اسباب کا خیال کرنا کہ اس کا وارث کوئی ہو یہ شرکاء کے قبضہ میں نہ چلے جاویں فضول اور دیوانگی ہے۔ ایسے خیالات کے ساتھ دین جمع نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ منع نہیں بلکہ جائز ہے کہ اس لحاظ سے اولاد اور دوسرے متعلقین کی خبر گیری کرے کہ وہ اس کے زیر دست ہیں تو پھر یہ بھی ثواب اور عبادت ہی ہوگی اور خدا تعالیٰ کے حکم کے نیچے ہوگا جیسے فرمایا ہے وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا (الدھر: ۹) اس آیت میں مسکین سے مراد والدین بھی ہیں کیونکہ وہ بوڑھے اور ضعیف ہو کر بے دست و پا ہو جاتے ہیں اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالنے کے قابل نہیں رہتے۔ اس وقت اُن کی خدمت ایک مسکین کی خدمت کے رنگ میں ہوتی ہے اور اسی طرح اولاد جو کمزور ہوتی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی اگر یہ اُس کی تربیت اور پرورش کے سامان نہ کرے تو وہ گویا یتیم ہی ہے پس ان کی خبر گیری اور پرورش کا تہیہ اس اصول پر کرے۔ تو ثواب ہوگا۔

اور بیوی اسیر کی طرح ہے اگر یہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: ۲۰) پر عمل نہ کرے تو وہ ایسا قیدی ہے جس کی کوئی خبر لینے والا نہیں ہے۔

غرض ان سب کی غور و پرداخت میں اپنے آپ کو بالکل الگ سمجھے اور اُن کی پرورش محض رحم کے لحاظ سے کرے نہ کہ جانشین بنانے کے واسطے بلکہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (الفرقان: ۷۵) کا لحاظ ہو کہ یہ اولاد دین کی خادم ہو[1] لیکن کتنے ہیں جو اولاد کے واسطے یہ دُعا کرتے ہیں[2] کہ اولاد دین کی پہلوان ہو۔ بہت ہی تھوڑے

---

[1] البدر سے: "کہ اس کے بعد اس کے حق میں دعا کرے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۳)

[2] البدر سے: "سوچ کر دیکھو کہ کتنے ایسے ہیں جو اس نیت اور ارادہ سے اولاد کی خواہش کرتے ہیں اور تہجد کے وقت اُٹھ کر خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتے ہیں کہ اے مولا تو ایسی اولاد دے جو متقی ہو۔ تیری راہ میں جان دینے والی ہو۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ)

ہوں گے جو ایسا کرتے ہوں۔ اکثر تو ایسے ہیں کہ وہ بالکل بے خبر ہیں کہ وہ کیوں اولاد کے لیے یہ کوششیں کرتے ہیں اور اکثر ہیں جو محض جانشین بنانے کے واسطے اور کوئی غرض ہوتی ہی نہیں صرف یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شریک یا غیر ان کی جائداد کا مالک نہ بن جاوے مگر یاد رکھو کہ اس طرح پر دین بالکل برباد ہو جاتا ہے۔

اولاد کی خواہش

غرض اولاد کے واسطے صرف یہ خواہش ہو کہ وہ دین کی خادم ہو۔ اسی طرح بیوی کرے تاکہ اس سے کثرت سے اولاد پیدا ہو اور وہ اولاد دین کی سچی خدمت گزار ہو اور نیز جذباتِ نفس سے محفوظ رہے۔ اس کے سوا جس قدر خیالات ہیں وہ خراب ہیں رحم اور تقویٰ مدِنظر ہو تو بعض باتیں جائز ہو جاتی ہیں[1]۔ اس صورت میں اگر مال بھی چھوڑتا ہے اور جائداد بھی اولاد کے واسطے چھوڑتا ہے تو ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر صرف جانشین بنانے کا خیال ہے اور اس نیت سے سب ہم وغم رکھتا ہے تو پھر گناہ ہے۔ اس قسم کے قصور اور کسریں ہوتی ہیں جن سے تاریکی میں ایمان رہتا ہے لیکن جب ہر حرکت وسکون خدا ہی کے لیے ہو جاوے تو ایمان روشن ہو جاتا ہے اور یہی غرض ہر مسلمان مومن کی ہونی چاہیئے کہ ہر کام میں اس کے خدا ہی مدِنظر ہو۔ کھانے پینے۔ عمارت بنانے۔ دوست دشمن کے معاملات غرض ہر کام میں خدا تعالیٰ ملحوظ ہو تو سب کاروبار عبادت ہو جاتا ہے لیکن جب مقصود متفرق ہوں پھر وہ شرک کہلاتا ہے مگر مومن دیکھے کہ خدا تعالیٰ کی طرف نظر ہے یا اور قصد ہے۔ اگر اور طرف ہے تو سمجھے کہ دُور ہو گیا ہے۔ صید نزدیک است و دور انداختہ بات مختصر ہوتی ہے مگر اپنی بدقسمتی سے لمبی بنا کر محروم ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی طرف تبتّل کرنا اور اس کو مقصود بنانا اہل وعیال کی خدمت اسی لحاظ سے کرنا کہ وہ امانت ہے اس طرح پر دین محفوظ رہتا ہے کیونکہ اس میں خدا کی رضا مقصود ہوتی ہے لیکن جب دنیا کے رنگ میں ہو اور غرض

---

[1] البدر سے :۔ "رحم اور شفقت کی نظر سے یہ نیت بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے لیے کچھ املاک چھوڑ جاؤں تاکہ ضائع نہ ہوں اور در بدر بھیک نہ مانگتے پھریں یا افلاس سے تنگ آکر تبدیل مذہب نہ کر لیں اور اگر ان نیتوں سے باہر جاتا ہے تو دین سے باہر جاتا ہے اور ایمان کو تاریکی میں رکھ کر اس کے ثمرات اور برکات سے بے نصیب رہتا ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۴)

[2] البدر سے :۔ "انسان کو چاہیئے کہ ہر ایک کاروبار میں تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (المزمل : ۹) کا مصداق ہو یعنی ہر ایک کام کو اس طرح سے بجالاوے گویا وہ خود اس میں نفسانی حظ کوئی نہیں رکھتا۔ صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے بجالا رہا ہے اور اسی نیت سے مخلوق کے حقوق کو ادا کرنا دین ہے ہر ایک بات اور کام کا آخری نقطہ خدا تعالیٰ کی رضامندی ہونی چاہیئے۔ اگر دنیا کے لیے ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب کماتا ہے۔ (البدر حوالہ مذکور)

وارث بنانا ہو تو اس طرح پر خدا کے غضب کے نیچے آجاتا ہے۔

سچا مُسلم

اولاد تو نیکو کاروں اور ماموروں کی بھی ہوتی ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد بھی دیکھو کس قدر کثرت سے ہوئی کہ کوئی گن نہیں سکتا۔ مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا خیال اَور طرف تھا؛ بلکہ ہر حال میں خدا ہی کی طرف رجوع تھا۔ اصل اسلام اسی کا نام ہے جو ابراہیم کو بھی کہا کہ اَسْلِمْ[1] جب ایسے رنگ میں ہو جاوے تو وہ شیطان اور جذباتِ نفس سے الگ ہو جاتا ہے یہانتک کہ وہ خدا کی راہ میں جان تک کے دینے میں بھی دریغ نہ کرے۔ اگر جاں نثاری سے دریغ کرتا ہے تو خوب جان لے کہ وہ سچا مسلم نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ بیحد اطاعت ہو اور پوری عبودیت کا نمونہ دکھاوے یہانتک کہ آخری امانت جان بھی دیدے۔ اگر بخل کرتا ہے تو پھر سچا مومن اور مسلم کیسے ٹھہر سکتا ہے؛ لیکن اگر وہ جانبازی کرنے والا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کو بڑا ہی پیارا اور محبوب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ نے یہی کیا۔ انہوں نے اپنی جان کی پروا نہ کی[2] اور اپنے خون بہا دیئے۔ شہید بھی وہی ہوتا ہے جو جان دینے کا قصد کرتا ہے اگر یہ نہیں تو پھر کچھ نہیں۔ یہ چند کلمے ناگہانی آفات سے بچنے اور سچا مسلم بننے کے لیے ہیں اور اگر انسان ان پر عمل کرے تو طاعون سے بچانے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہیں۔

بلاؤں کے نزول کے وقت دُعاؤں میں لگے رہیں

یاد رکھو قہرِ الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا وہ سخت چیز ہے۔ خبیث قوموں پر جب نازل ہوا ہے تو وہ تباہ ہو گئی ہیں۔ اس قہر سے ہمیشہ کامل ایمان بچا سکتا ہے۔ ناقص ایمان بچا نہیں سکتا بلکہ کامل ایمان ہو تو دُعائیں بھی قبول ہوتی ہیں اور اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوتا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: ۱۰) اس کا فرمان ہے پس ایسے وقت میں کہ آفت نازل ہو رہی ہے ایک تو یہ چاہیئے کہ دُعائیں کرتے رہیں[3]۔ دوسرے صغائر کبائر سے جہاں تک ممکن ہو بچتے رہیں۔ تدبیروں اور دُعاؤں میں لگے رہیں۔ گناہ کا زہر بڑا خطرناک ہے۔ اس کا مزا اسی

---

[1] البدر سے:۔ "جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اَسْلَمْتُ (البقرۃ: ۱۳۲) کہہ دیا تھا ویسے ہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی کی جاوے اور کسی غیر کو اس میں شریک نہ کیا جاوے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۴)

[2] البدر سے:۔ "خدا تعالیٰ اس کا تذکرہ فرماتا ہے کہ ان میں سے بہتوں نے جان دے دی اور بعض ابھی تک منتظر ہیں۔" (البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے:۔ دُعا کرتے رہیں کہ خدا تعالیٰ شماتتِ اعداء سے بچاوے۔ (البدر حوالہ مذکور)

دنیا میں چکھنا پڑتا ہے۔ گناہ دو طرح پر ہوتے ہیں۔ ایک گناہ غفلت سے ہوتے ہیں جو شباب میں ہو جاتے ہیں[1]۔ دوسرے بیداری کے وقت میں ہوتے ہیں۔ جب انسان پختہ عمر کا ہو جاتا ہے ایسے وقت میں جب گناہوں سے راضی نہیں ہوگا اور ہر وقت استغاثہ کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر سکینت نازل کرے گا اور گناہوں سے بچائے گا۔

گناہوں سے پاک ہونے کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فضل درکار ہے جب اللہ تعالیٰ اس کے رجوع اور توبہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں غیب سے ایک بات پڑ جاتی ہے اور وہ گناہ سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اس حالت کے پیدا ہونے کے لیے حقیقی مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰)

جو مانگتا ہے اس کو ضرور دیا جاتا ہے۔ اسی لیے مَیں کہتا ہوں کہ دعا جیسی کوئی چیز نہیں۔ دُنیا میں دیکھو کہ بعض خرگدا ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ہر روز شور ڈالتے رہتے ہیں۔ ان کو آخر کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو قادر اور کریم ہے جب یہ اَڑ کر دُعا کرتا ہے تو پالیتا ہے کیا خدا انسان جیسا بھی نہیں۔

قبولیتِ دُعا کا راز

یہ قاعدہ یاد رکھو کہ جب دُعا سے باز نہیں آتا اور اس میں لگا رہتا ہے تو آخر دُعا قبول ہو جاتی ہے مگر یہ بھی یاد رہے کہ باقی ہر قسم کی دُعائیں طفیلی ہیں اصل دُعائیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے کرنی چاہئیں۔ باقی دُعائیں خود بخود قبول ہو جائیں گی کیونکہ گناہ کے دُور ہونے سے برکات آتی ہیں۔ یوں دُعا قبول نہیں ہوتی جو تری دُنیا ہی کے واسطے ہو[2]۔ اس لیے پہلے خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے دُعائیں کرے اور وہ سب سے بڑھکر دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[3] (الفاتحۃ: ۶) ہے جب یہ دُعا کرتا رہے گا تو وہ مُنعَم عَلَیْہِم کی جماعت میں داخل

---

[1] البدر سے:۔ "اگر ان کے بعد انسان نے عمر پائی اور پھر بھی باز نہ آیا تو یہ بہت ہی بُری بات ہے۔ گناہ بہت بُری شے ہے۔ جس قدر امراض جسمانی ہیں شاید اتنے ہی گناہ بھی ہیں۔ اور امراض کی طرح بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کی جزو ہوتے ہیں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۴)

[2] البدر سے:۔ "انسان کی ضرورتوں اور خواہشوں کی تو کوئی حد نہیں اور بعض لوگ انہی کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور ان کو خدا کو راضی کرنے اور گناہ سے بچنے کی دُعا کا موقعہ ہی نہیں پیش آتا لیکن اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے لیے جو دعا کی جاتی ہے وہ جہنم ہے۔ دُعا صرف خدا کو راضی کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ہونی چاہیئے باقی جتنی دُعائیں ہیں وہ خود اس کے اندر آجاتی ہیں۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۴)

[3] البدر سے:۔ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بڑی دُعا ہے۔ صراط مستقیم گویا خدا کو شناخت کرنا ہے اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کل گناہوں سے بچنا ہے اور صالحین میں داخل ہونا ہے۔" (البدر حوالہ مذکور)

ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے دریا میں غرق کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے زمرہ میں جو منقطعین ہیں داخل ہو کر یہ وہ انعامات الٰہی حاصل کرے گا جیسی عادت اللہ ان سے جاری ہے۔ یہ کبھی کسی نے نہیں سُنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک راستباز متقی کو رزق کی مار دے بلکہ وہ تو سات پشت تک بھی رحم کرتا ہے۔ قرآن شریف میں خضر و موسیٰ کا قصہ درج ہے کہ انہوں نے ایک خزانہ نکالا اس کی بابت کہا گیا کہ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکہف: ۸۳) اس آیت میں ان کے والدین کا ذکر تو ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ لڑکے خود کیسے تھے۔ باپ کے طفیل سے اس خزانہ کو محفوظ رکھا تھا اور اس لیے ان پر رحم کیا گیا۔ لڑکوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ستاری سے کام لیا۔

توریت اور ساری آسمانی کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ متقی کو ضائع نہیں کرتا اس لیے پہلے ایسی دعائیں کرنی چاہئیں جن سے نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ ہو جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحۃ: ۶) کی دعائیں مانگو کیونکہ اس کے قبول ہونے پر جو یہ خود مانگتا ہے خدا تعالیٰ خود دیتا ہے۔

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب انسان سچی توبہ کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے۔ یہ دیتا ہے۔ آخر کہتے ہیں کہ بیوی بھی دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات وہ اپنے بیان کرتے ہیں اور یہ ہے بالکل سچ کہ خدا تعالیٰ خود متعہد ہو جاتا ہے اس کے موافق میرا بھی ایک الہام ہے۔

ہر چہ باید نو عروسے را ہماں ساماں کنم

غرض[1] جب متولی اور متکفل خدا ہو تو پھر کیا ہی مزا آتا ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۸ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء)

استفسارات اور انکے جوابات

سوال اوّل :- یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- ہرگز نہیں یہ توحید کے برخلاف ہے۔

سوال ۲ :- جبکہ غائب اور حاضر دونو کو خطاب کر لیتے ہیں پھر اس میں کیا حرج ہے؟

جواب :- دیکھو بٹالہ میں لوگ زندہ موجود ہیں اگر ان کو یہاں سے آواز دو تو کیا وہ کوئی جواب دیتا ہے پھر بغداد میں سید عبدالقادر جیلانی کی قبر پر جا کر آواز دو تو کوئی جواب نہیں آئے گا خدا تعالیٰ تو جواب دیتا ہے جیسا کہ

---

[1] البدر میں ہے :- "غرضیکہ خدا اس کا کفیل مثل ماں باپ کے ہو جاتا ہے اور جب خدا متولی اور کفیل ہو تو کسقدر مزے کی بات ہے"۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۵)

فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) مگر قبروں والوں میں سے کون جواب دیتا ہے۔ پھر کیوں ایسا فعل کرے جو توحید کے خلاف ہے۔

سوال ۳:۔ جب کہ یہ لوگ زندہ ہیں پھر ان کو مُردہ تو نہیں کہہ سکتے۔

جواب:۔ زندگی ایک الگ امر ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہماری آواز بھی سُن لیں۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کے نزدیک زندہ ہیں مگر ہم نہیں مان سکتے کہ ان کو سماع کی قوت بھی ہے۔ حاضر ناظر ہونا ایک الگ صفت ہے جو خدا ہی کو حاصل ہے دیکھو ہم بھی زندہ ہیں مگر لاہور یا امرتسر کی آوازیں نہیں سُن سکتے۔ خدا تعالیٰ کے شہید اور اولیاء اللہ بیشک خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں مگر ان کو حاضر ناظر نہیں کہہ سکتے دُعاؤں کا سننے والا اور قدرت رکھنے والا خدا ہی ہے۔ اس کو یقین کرنا یہی اسلام ہے جو اس کو چھوڑتا ہے وہ اسلام کو چھوڑتا ہے۔ پھر کس قدر قابل شرم یہ امر ہے کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی تو کہتے ہیں۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، یا ابابکر، یا عمر نہیں کہتے۔ البتہ یا علی کہنے والے ان کے بھائی موجود ہیں۔ یہ شرک ہے کہ ایک تخصیص بلاوجہ کی جاوے۔ جب خدا کے سوا کسی چیز کی محبت بڑھ جاتی ہے تو پھر انسان صمّ بکمٌ ہو جاتا ہے جو اسلام کے خلاف ہے جب توحید کے خلاف چلے تو پھر مسلمان کیسا؟ تعجب کی بات ہے کہ جن لوگوں کو یہ خدا کا حصہ دار بناتے ہیں خود ان کو بھی یہ مقام توحید ہی کے ماننے سے ملا تھا۔ اگر وہ بھی ایسے "یا" کہنے والے ہوتے تو ان کو یہ مقام ہرگز نہ ملتا بلکہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کی اطاعت اختیار کی تب یہ رتبہ ان کو ملا یہ لوگ شیعوں اور عیسائیوں کی طرح ایک قسم کا شرک کرتے ہیں۔ (الحکم جلد ۸ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء)

۲۸ر فروری ۱۹۰۴ء

(بوقت ظہر)

تدبیر اور توکل

تدبیر اور توکل پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّٰریٰت: ۲۳) سے ایک ناداں دھوکا کھاتا ہے اور تدابیر کے سلسلہ کو باطل کرتا ہے حالانکہ سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (الجمعۃ: ۱۱) کہ تم زمین میں منتشر ہو جاؤ اور خدا کے فضل کی تلاش کرو۔ یہ ایک بہت ہی نازک معاملہ ہے کہ ایک طرف تدابیر کی رعایت ہو اور دوسری طرف توکل بھی پورا ہو۔ اور اُس کے اندر شیطان کو وساوس کا بڑا موقعہ ملتا ہے (بعض لوگ ٹھوکر کھا کر اسباب پرست ہو جاتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کے

عطا کردہ قویٰ کو بیکار محض خیال کرنے لگ جاتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ کو جاتے تو تیاری کرتے۔ گھوڑے، ہتھیار بھی ساتھ لیتے بلکہ آپ بعض اوقات دو دو زرہ پہن کر جاتے۔ تلوار بھی کمر سے لٹکاتے حالانکہ ادھر خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸) بلکہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تجویز فرمایا کہ اگر شکست ہو تو آپ کو جلد مدینہ پہنچا دیا جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ قوی الایمان کی نظر استغناءِ الٰہی پر ہوتی ہے اور اُسے خوف ہوتا ہے کہ خدا کے وعدوں میں کوئی ایسی مخفی شرط نہ ہو جس کا اسے علم نہ ہو جو لوگ تدابیر کے سلسلہ کو بالکل باطل ٹھہراتے ہیں ان میں ایک زہریلا مادہ ہوتا ہے ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر بلا آوے تو دیدہ دانستہ اس کے آگے جا پڑیں اور جس قدر پیشہ والے اور اہلِ حرفت ہیں وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاویں۔

بعض فقہی مسائل

ایک شخص نے چند مسائل دریافت کئے وہ اور ان کے جواب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیئے ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر البدر)

سوال :۔ میت کے قُل جو تیسرے دن پڑھے جاتے ہیں اُن کا ثواب اُسے پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ قُل خوانی کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔ صدقہ، دُعا اور استغفار میت کو پہنچتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ملّانوں کو اس سے ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سو اگر اُسے ہی مُردہ تصور کر لیا جاوے (اور واقعی ملّاں لوگ روحانیت سے مُردہ ہی ہوتے ہیں) تو ہم مان لیں گے)

ہمیں تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسی باتوں پر اُمید کیسے باندھ لیتے ہیں۔ دین تو ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اس میں ان باتوں کا نام تک نہیں۔ صحابہ کرامؓ بھی فوت ہوئے کیا کسی کے قُل پڑھے گئے۔ صدہا سال کے بعد اَور بدعتوں کی طرح یہ بھی ایک بدعت نکل آئی ہوئی ہے۔

ایک طریق استفاط کا رکھا ہے کہ قرآن شریف کو چکر دیتے ہیں۔ یہ اصل میں قرآن شریف کی بے ادبی ہے انسان خدا سے سچا تعلق رکھنے والا نہیں ہو سکتا جب تک سب نظر خدا پر نہ ہو۔

سوال :۔ ایک عورت تنگ کرتی ہے کہ سودی روپیہ لے کر زیور بنا دو اور اس کا خاوند غریب ہے۔

جواب :۔ وہ عورت بڑی نالائق ہے جو خاوند کو زیور کیلئے تنگ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ سُود لے کر بنا دے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا اور آپ کی ازواج نے آپ سے بعض دنیوی خواہشات کی تکمیل کا اظہار کیا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان کو یہ فقیرانہ زندگی منظور نہیں ہے تو تُو اُن کو کہدے کہ آؤ تم کو الگ کر دُوں۔ انہوں نے فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہی بادشاہ ہو گئیں۔ وہ صرف خدا کی

آزمائش تھی۔

سوال:۔ ایک عورت اپنا مہر نہیں بخشتی۔

جواب:۔ یہ عورت کا حق ہے اُسے دینا چاہیئے۔ اوّل تو نکاح کے وقت ہی ادا کرے ورنہ بعد ازاں ادا کرنا چاہیئے پنجاب اور ہندوستان میں یہ شرافت ہے کہ موت کے وقت یا اس سے پیشتر اپنا مہر خاوند کو بخش دیتی ہیں یہ صرف رواج ہے جو مروّت پر دلالت کرتا ہے۔

سوال:۔ اور جن عورتوں کا مہر مجھر کی دومن چربی ہو وہ کیسے ادا کیا جاوے؟

جواب:۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ: ۲۸۷) اس کا خیال مہر میں ضرور ہونا چاہیئے۔ خاوند کی حیثیت کو مدّنظر رکھنا چاہیئے۔ اگر اس کی حیثیت دس روپے کی نہ ہو تو وہ ایک لاکھ روپے کا مہر کیسے ادا کریگا اور مجھروں کی چربی تو کوئی مہر ہی نہیں۔ یہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا میں داخل ہے۔

سوال:۔ میت کے لیے فاتحہ خوانی کے لیے جو بیٹھتے ہیں اور فاتحہ پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ یہ درست نہیں ہے۔ بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ اس طرح صف بچھا کر بیٹھتے اور فاتحہ خوانی کرتے تھے۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء)

---

۶ مارچ ۱۹۰۴ء

دربار شام

نصیحت بعد البیعت

۶ مارچ ۱۹۰۴ء کی شام کو اعلیحضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر چند احباب نے بیعت کی۔ جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی: (ایڈیٹر)

بیعت کو نبھائیں

تم لوگوں نے اس وقت جو بیعت کی ہے اس کا زبان سے کہہ دینا اور اقرار کر لینا تو بہت ہی آسان ہے مگر اس اقرار بیعت کا نبھانا اور اس پر عمل کرنا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ نفس اور شیطان انسان کو دین سے لاپروا بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ دنیا اور اس کے فوائد کو آسان اور قریب دکھاتے ہیں لیکن قیامت کے معاملہ کو دور دکھاتے ہیں جس سے انسان سخت دل ہو جاتا ہے اور پچھلا حال پہلے سے بدتر بن جاتا ہے۔ اس لیے یہ بہت ہی ضروری امر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو راضی کرنا ہے تو جہاں تک کوشش ہو سکے ساری ہمت اور توجہ سے اس اقرار کو نبھانا چاہیئے اور

گناہوں سے بچنے کے لیے کوشش کرتے رہو۔

گناہوں کی حقیقت

گناہ کیا چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خلاف مرضی کرنا اور ان ہدایتوں کو جو اس نے اپنے پیغمبروں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دی ہیں توڑنا اور دلیری سے اُن ہدایتوں کی مخالفت کرنا یہ گناہ ہے جبکہ ایک بندہ کو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کا علم دیا جاوے اور اس کو سمجھا دیا جاوے۔ پھر اگر وہ ان ہدایتوں کو توڑتا اور شوخی اور شرارت سے گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے اور اس ناراضگی کا یہی نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ مرنے کے بعد دوزخ میں پڑے گا بلکہ اسی دنیا میں بھی اس کو طرح طرح کے عذاب آتے اور ذلت اُٹھانی پڑتی ہے۔

دنیاوی حکام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ایک قانون مشتہر کر دیتے ہیں اور پھر اگر کوئی ان کے احکام کو توڑتا اور خلاف ورزی کرتا ہے تو پکڑا جاتا اور سزا پاتا ہے لیکن دنیوی حکام کے عذاب سے اور اُن کے قوانین و احکام کی خلاف ورزی کی سزا سے آدمی کسی دوسری عملداری میں بھاگ جانے سے بچ بھی سکتا ہے اور اس طرح پیچھا چھُڑا سکتا ہے۔ مثلاً اگر انگریزی عملداری میں کوئی خلاف ورزی کی ہے تو وہ فرانس یا کابل کی عملداری میں بھاگ جانے سے بچ سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی خلاف ورزی کر کے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے، کیونکہ یہ زمین و آسمان جو نظر آتا ہے یہ تو اسی کا ہے اور کوئی اور زمین و آسمان کسی اَور کا کہیں نہیں ہے۔ جہاں تم کو پناہ مل جاوے اس واسطے یہ بہت ضروری امر ہے کہ انسان ہمیشہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اس کی ہدایتوں کے توڑنے یا گناہ کرنے پر دلیر نہ ہو کیونکہ گناہ بہت بُری شئے ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور گناہ پر دلیری کرتا ہے تو پھر عادت اللہ اس طرح پر جاری ہے کہ اس جرأت و دلیری پر خدا تعالیٰ کا غضب آتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

دو قسم کے دُکھ

دنیا میں دو قسم کے دُکھ ہوتے ہیں۔ بعض دُکھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان میں تسلی دی جاتی ہے اور صبر کی توفیق ملتی ہے۔ فرشتے سکینت کیساتھ اُترتے ہیں۔ اس قسم کے دُکھ نبیوں اور راست بازوں کو بھی ملتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور ابتلا آتے ہیں جیسا کہ اُس نے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (البقرۃ: ۱۵۶) میں فرمایا ہے۔ ان دکھوں کا انجام راحت ہوتا ہے اور درمیان میں بھی تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ خدا کی طرف سے صبر اور سکینت ان کو دی جاتی ہے مگر دوسری قسم دُکھ کی وہ ہے جس میں یہی نہیں کہ دُکھ ہوتا ہے بلکہ اُس میں صبر و ثبات کھویا جاتا ہے۔ اس میں نہ انسان مرتا ہے نہ جیتا ہے اور سخت مصیبت اور بلا میں ہوتا ہے۔ یہ شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ: ۳۱) اور اس قسم کے دکھوں

سے بچنے کا یہی طریق اور علاج ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کیونکہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اور اس زندگی میں شیطان اس کی تاک میں لگا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کو خدا سے دُور پھینک دے اور نفس اس کو دھوکا دیتا رہتا ہے کہ ابھی بہت عرصہ تک زندہ رہنا ہے لیکن یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ اگر انسان اس دھوکے میں آکر خدا تعالیٰ سے دُور جا پڑے اور نیکیوں سے دستکش ہو جاوے۔ موت ہر وقت قریب ہے اور یہی زندگی دارالعمل ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی عمل کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور جس وقت یہ زندگی کے دم پورے ہوئے پھر کوئی قدرت اور توفیق کسی عمل کی نہیں ملتی خواہ تم کتنی ہی کوشش کرو مگر خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے کوئی عمل نہیں کر سکو گے اور ان گناہوں کی تلافی کا وقت جاتا رہے گا اور اس بدعملی کا نتیجہ آخر بھگتنا پڑے گا۔

خوش قسمت کون ہے؟

خوش قسمت وہ شخص نہیں ہے جس کو دنیا کی دولت ملے اور وہ اس دولت کے ذریعہ ہزاروں آفتوں اور مصیبتوں کا مورد بن جائے بلکہ خوش قسمت وہ ہے جس کو ایمان کی دولت ملے اور وہ خدا کی ناراضگی اور غضب سے ڈرتا رہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو نفس اور شیطان کے حملوں سے بچاتا رہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا کو وہ اس طرح پر حاصل کرے گا۔ مگر یاد رکھو کہ یہ بات یونہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم نمازوں میں دُعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی ہو جاوے اور وہ تمہیں توفیق اور قوت عطا فرمائے کہ تم گناہ آلود زندگی سے نجات پاؤ۔ کیونکہ گناہوں سے بچنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہو اور اس کا فضل عطا نہ ہو اور یہ توفیق اور فضل دُعا سے ملتا ہے۔ اس واسطے نمازوں میں دُعا کرتے رہو کہ اے اللہ ہم کو ان تمام کاموں سے جو گناہ کہلاتے ہیں اور جو تیری مرضی اور ہدایت کے خلاف ہیں بچا اور ہر قسم کے دُکھ اور مصیبت اور بلا سے جو ان گناہوں کا نتیجہ ہے بچا اور سچے ایمان پر قائم رکھ (آمین) کیونکہ انسان جس چیز کی تلاش کرتا ہے وہ اس کو ملتی ہے اور جس سے لاپروائی کرتا ہے اس سے محروم رہتا ہے۔ جو ئندہ یابندہ مثل مشہور ہے مگر جو گناہ کی فکر نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے وہ پاک نہیں ہو سکتے۔ گناہوں سے وہی پاک ہوتے ہیں جن کو یہ فکر لگی رہتی ہے۔

اخلاقی گناہ

بہت سے آدمی اس دُنیا میں ایسے ہیں کہ اُن کی زندگی ایک اندھے آدمی کی سی ہے کیونکہ وہ اس بات پر کوئی اطلاع ہی نہیں رکھتے کہ وہ گناہ کرتے ہیں یا گناہ کے

لہ البدر سے :- "اور جان لے کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی ایک جہنمی زندگی ہے۔"
(البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء)

کہتے ہیں عوام تو عوام بہت سے عالموں فاضلوں کو بھی پتہ نہیں کہ وہ گناہ کر رہے ہیں حالانکہ وہ بعض گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ گناہوں کا علم جب تک نہ ہو اور پھر انسان اُن سے بچنے کی فکر نہ کرے تو اس زندگی سے کوئی فائدہ نہ اس کو ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو۔ خواہ سو برس کی عمر بھی کیوں نہ ہو جاوے لیکن جب انسان گناہ پر اطلاع پالے اور ان سے بچے تو وہ زندگی مفید زندگی ہوتی ہے مگر یہ ممکن نہیں ہے جبتک انسان مجاہدہ نہ کرے اور اپنے حالات اور اخلاق کو ٹٹولتا نہ رہے کیونکہ بہت سے گناہ اخلاقی ہوتے ہیں جیسے غصہ، غضب، کینہ، جوش، ریا، تکبر، حسد وغیرہ یہ سب بداخلاقیاں ہیں جو انسان کو جہنم تک پہنچا دیتی ہیں۔ انہی میں سے ایک گناہ جس کا نام تکبر ہے شیطان نے کیا تھا۔ یہ بھی ایک بدخلقی ہی تھی جیسے لکھا ہے اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (البقرۃ: ۳۵) اور پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا وہ مردودِ خلائق ٹھہرا۔ اور ہمیشہ کے لیے لعنتی ہوا۔ مگر یاد رکھو کہ یہ تکبر صرف شیطان ہی میں نہیں ہے بلکہ بہت ہیں جو اپنے غریب بھائیوں پر تکبر کرتے ہیں اور اس طرح پر بہت سی نیکیوں سے محروم رہ جاتے ہیں اور یہ تکبر کئی طرح پر ہوتا ہے کبھی دولت کے سبب سے کبھی علم کے سبب سے کبھی حُسن کے سبب سے اور کبھی نسب کے سبب سے، غرض مختلف صورتوں سے تکبر کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ وہی محرومی ہے اور اسی طرح پر بہت سے بُرے خُلق ہوتے ہیں جن کا انسان کو کوئی علم نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ کبھی اُن پر غور نہیں کرتا اور نہ فکر کرتا ہے۔ انہیں بداخلاقیوں میں سے ایک غصہ بھی ہے[1]۔ جب انسان اس بداخلاقی میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ دیکھے کہ اس کی نوبت کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ ایک دیوانہ کی طرح ہوتا ہے۔ اس وقت جو اس کے مُنہ میں آتا ہے کہہ گذرتا ہے اور گالی وغیرہ کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ اب دیکھو کہ اسی ایک بداخلاقی کے نتائج کیسے خطرناک ہو جاتے ہیں۔ پھر ایسا ہی ایک حسد ہے کہ انسان کسی کی حالت یا مال و دولت کو دیکھ کر کُڑھتا اور جلتا ہے اور چاہتا ہے کہ اُس کے پاس نہ رہے اس سے بجُز اس کے کہ وہ اپنی اخلاقی قوتوں کا خون کرتا ہے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ پھر ایک بداخلاقی بُخل کی ہے۔ باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے اسکو مقدرت دی ہے مگر یہ انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔ ہمسایہ خواہ ننگا ہو بھوکا ہو مگر اس کو اس پر رحم نہیں آتا۔ مسلمانوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتا۔ وہ بجُز اس کے کہ دنیا میں مال و دولت جمع کرتا رہے اور کوئی کام دوسروں کی ہمدردی اور آرام کے لیے نہیں رکھتا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا اور کوشش کرتا تو اپنے قویٰ اور دولت سے دوسروں کو فائدہ

---

[1] اعلیٰ حضرت جب تقریر فرماتے فرماتے اس مقام پر پہنچے تو ایک بھائی آپ کی پُرتاثیر تقریر سے متاثر ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا وہ کچھ عرض کرنا چاہتا تھا مگر پاس ادب سے خاموش رہا۔ جب حضرت تقریر کر چکے تو عرض کیا حضور مجھ میں غصہ بہت ہے دُعا کریں۔ فرمایا۔ "اچھا دعا کریں گے" (ایڈیٹر الحکم)

پہنچا سکتا تھا۔ مگر وہ اس بات کی فکر نہیں کرتا۔

غرضیکہ طرح طرح کے گناہ ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ یہ تو موٹے موٹے گناہ ہیں جن کو گناہ ہی نہیں سمجھتا پھر زنا، چوری، خون وغیرہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔ اور ہر قسم کے گناہوں سے بچنا چاہیئے۔

گناہوں سے بچنا

گناہوں سے بچنا یہ تو ادنیٰ سی بات ہے اس لیے انسان کو چاہیئے کہ گناہوں سے بچ کر نیکی کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرے جب وہ گناہوں سے بچے گا اور خدا کی عبادت کرے گا تو اس کا دل برکت سے بھر جائے گا اور یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ دیکھو اگر کسی کپڑے کو پاخانہ لگا ہوا ہو تو اس کو صرف دھو ڈالنا ہی کوئی خوبی نہیں ہے بلکہ اُسے چاہیئے کہ پہلے اُسے خوب صابن سے ہی دھو کر صاف کرے اور مَیل نکال کر اُسے سفید کرے اور پھر اُس کو خوشبو لگا کر معطر کرے تاکہ جو کوئی اُسے دیکھے خوش ہو۔ اسی طرح پر انسان کے دل کا حال ہے وہ گناہوں کی گندگی سے ناپاک ہو رہا ہے اور گھناؤنا اور متعفن ہو جاتا ہے۔ پس پہلے تو چاہیئے کہ گناہ کے چرک کو توبہ و استغفار سے دھو ڈالے اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگے کہ گناہوں سے بچتا رہے۔ پھر اس کی بجائے ذکرِ الٰہی کرتا رہے اور اس سے اس کو بھر ڈالے۔ اس طرح پر سلوک کا کمال ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے وہی مثال ہے کہ کپڑے سے صرف گندگی کو دھو ڈالا ہے لیکن جب تک یہ حالت نہ ہو کہ دل کو ہر قسم کے اخلاق رذیلہ سے صاف کر کے خدا کی یاد کا عطر لگاوے اور اندر سے خوشبو آوے اس وقت تک خدا تعالیٰ کا شکوہ نہیں کرنا چاہیئے لیکن جب اپنی حالت اس قسم کی بناتا ہے تو پھر شکوہ کا کوئی محل اور مقام ہی نہیں رہتا۔

آج کل وبا کے دن ہیں اس لیے لاپروا نہیں ہونا چاہیئے۔ سچی تبدیلی کرنی چاہیئے بہت سے آدمی اعتراض کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص نے بیعت کی تھی وہ مر گیا۔ مگر یہ اعتراض فضول ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ صحابہؓ بھی جنگوں میں شریک ہو کر شہید ہو جاتے تھے۔ حالانکہ وہی جنگ مخالفوں کے لیے بطور عذاب تھی لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ بیعت کے بعد اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ بیعت کے بعد حجت پوری ہو جاتی ہے پھر اگر اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کرتا تو سخت جوابدہ ہے پس ضرورت اس بات کی ہے کہ سچے مسلمان بنو تاکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمہاری کوئی قدر و قیمت ہو۔ جو چیز کار آمد ہوتی ہے اسی کی قدر کی جاتی ہے۔ دیکھو اگر تمہارے پاس ایک دُودھ دینے والی بکری ہو جس سے تمہارے بیوی بچے پرورش پاتے ہوں تو تم بھی اسکو ذبح کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتے، لیکن اگر وہ کچھ بھی دُودھ نہ دے بلکہ نری چارہ دانہ کی چٹی ہو تو تم فوراً اس کو ذبح کر لو گے۔ اسی طرح پر جو آدمی اللہ تعالیٰ کا سچا فرمانبردار، نیک کام کرنے والا اور دوسروں کو نفع پہنچانے والا نہ ہو اس وقت تک خدا تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا بلکہ وہ اس بکری کی طرح ذبح کے لائق ہوتا ہے جو دُودھ

نہیں دیتی ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تم اپنے آپ کو مفید ثابت کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے بندوں کو نفع پہنچاؤ۔

اعمالِ صالحہ کی ضرورت

انسان سمجھتا ہے کہ نرا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے یا نرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہہ دینا ہی کافی ہے مگر یاد رکھو زبانی لاف وگزاف کافی نہیں ہے۔ خواہ انسان زبان سے ہزار مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہے یا سو مرتبہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ خدا نے انسان کو انسان بنایا ہے طوطا نہیں بنایا۔ یہ طوطے کا کام ہے کہ وہ زبان سے تکرار کرتا ہے اور سمجھے خاک بھی نہیں۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اس کو سوچ کر کہے اور پھر اس کے موافق عملدرآمد بھی کرے، لیکن اگر طوطے کی طرح بولتا جاتا ہے تو یاد رکھو نری زبان سے کوئی برکت نہیں ہے جب تک دل سے اُس کے ساتھ نہ ہو اور اس کے موافق اعمال نہ ہوں۔ وہ نری باتیں سمجھی جائیں گی جن میں کوئی خوبی اور برکت نہیں کیونکہ وہ نرا قول ہے خواہ قرآن شریف اور استغفار ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ خدا تعالیٰ اعمال چاہتا ہے اس لیے بار بار یہی حکم دیا کہ اعمالِ صالحہ کرو۔ جب تک یہ نہ ہو خدا کے نزدیک نہیں جا سکتے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ آج ہم نے دن بھر میں قرآن ختم کر لیا ہے لیکن کوئی اُن سے پوچھے کہ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ نری زبان سے تم نے کام لیا مگر باقی اعضاء کو بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تمام اعضاء اس لیے بنائے ہیں کہ اُن سے کام لیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے کیونکہ ان کی تلاوت نرا قول ہی قول ہوتا ہے اور اس پر عمل نہیں ہوتا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے موافق اپنا چال چلن نہیں بناتا ہے وہ ہنسی کرتا ہے کیونکہ پڑھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کا منشا نہیں وہ تو عمل چاہتا ہے۔ اگر کوئی ہر روز تعزیراتِ ہند کی تلاوت تو کرتا رہے مگر ان قوانین کی پابندی نہ کرے بلکہ جرائم کو کرتا رہے اور رشوت وغیرہ لیتا رہے تو ایسا شخص جس وقت پکڑا جاوے گا تو کیا اس کا یہ عذر قابلِ سماعت ہوگا کہ میں ہر روز تعزیرات کو پڑھا کرتا ہوں؟ یا اس کو زیادہ سزا ملے گی کہ تُو نے باوجود علم کے پھر جُرم کیا ہے اس لیے ایک سال کی بجائے چار سال کی سزا ہونی چاہیئے۔

غرض نری باتیں کام نہ آئیں گی۔ پس چاہیئے کہ انسان پہلے اپنے آپ کو دُکھ پہنچائے تا خدا تعالیٰ کو راضی کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر بڑھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوتا۔ اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد ۱۸) یہ بالکل سچ ہے عام طور پر بھی یہی قاعدہ ہے کہ جو چیز نفع رساں ہو اس کو کوئی ضائع نہیں کرتا۔ یہانتک کہ کوئی گھوڑا بیل یا گائے بکری اگر مفید ہو اور اس سے فائدہ پہنچتا ہو۔ کون ہے جو اس کو ذبح کر ڈالے، لیکن جب وہ ناکارہ ہو جاتا ہے اور

اور کسی کام نہیں آسکتا تو پھر اس کا آخری علاج ہی ذبح ہے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اگر اور نہیں تو دو چار روپیہ کو کھال ہی بک جائے گی اور گوشت بھی کام آجائے گا۔ اسی طرح پر جب انسان خدا تعالیٰ کی نظر میں کسی کام کا نہیں رہتا اور اس کے وجود سے کوئی فائدہ دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا تو پھر اللہ تعالےٰ اس کی پروا نہیں کرتا بلکہ خس کم جہاں پاک کے موافق اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ غرض یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ نری لاف وگزاف اور زبانی قیل وقال کوئی فائدہ اور اثر نہیں رکھتی جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو اور ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء سے نیک عمل نہ کئے جاویں جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف بھیج کر صحابہؓ سے خدمت لی۔ کیا انہوں نے صرف اسی قدر کافی سمجھا تھا کہ قرآن کو زبان سے پڑھ لیا یا اس پر عمل کرنا ضروری سمجھا تھا انہوں نے تو یہاں تک اطاعت و وفاداری دکھائی کہ بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے اور پھر انہوں نے جو کچھ پایا اور خدا تعالیٰ نے اُن کی جسقدر قدر کی وہ پوشیدہ بات نہیں ہے۔

فضل اور فیضان حاصل کرنے کا طریق

خدا تعالیٰ کے فضل اور فیضان کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ کر کے دکھاؤ۔ ورنہ نکمی شئے کی طرح تم پھینک دیئے جاؤ گے۔ کوئی آدمی اپنے گھر کی اچھی چیزوں اور سونے چاندی کو باہر نہیں پھینک دیتا بلکہ ان اشیاء کو اور تمام کارآمد اور قیمتی چیزوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتے ہو لیکن اگر گھر میں کوئی چوہا مرا ہوا دکھائی دے تو اس کو سب سے پہلے باہر پھینک دو گے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ عزیز رکھتا ہے۔ اُن کی عمر دراز کرتا ہے اور ان کے کاروبار میں ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ وہ ان کو ضائع نہیں کرتا اور بے عزتی کی موت نہیں مارتا، لیکن جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کی بے حُرمتی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے اگر چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہاری قدر کرے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ تم نیک بن جاؤ تا خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر ٹھہرو۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکموں کی پابندی کرتے ہیں وہ ان میں اور ان کے غیروں کے درمیان ایک فرقان رکھ دیتا ہے۔ یہی راز انسان کے برکت پانے کا ہے کہ وہ بدیوں سے بچتا رہے۔ ایسا شخص جہاں رہے وہ قابلِ قدر ہوتا ہے کیونکہ اس سے نیکی پہنچتی ہے وہ غریبوں سے سلوک کرتا ہے۔ ہمسایوں پر رحم کرتا ہے۔ شرارت نہیں کرتا۔ جھوٹے مقدمات نہیں بناتا۔ جھوٹی گواہیاں نہیں دیتا بلکہ دل کو پاک کرتا ہے اور خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور خدا کا ولی کہلاتا ہے۔

اخلاقی کمزوریوں کو دُور کریں

خدا کا ولی بننا آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے لیے بدیوں کا چھوڑنا بُرے ارادوں اور جذبات کو چھوڑنا ضروری ہے اور یہ بہت مشکل کام ہے۔ اخلاقی کمزوریوں اور بدیوں کو چھوڑنا بعض اوقات بہت ہی مشکل

ہو جاتا ہے۔ ایک خونی خون کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ چور چوری کرنا چھوڑ سکتا ہے لیکن ایک بداخلاق کو غصہ چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے یا تکبر والے کو تکبر چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں دوسروں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے پھر خود اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے لیکن یہ سچ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی عظمت کے لیے اپنے آپ کو چھوٹا بناوے گا خدا تعالیٰ اس کو خود بڑا بنا دے گا۔ یہ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی بڑا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ کو چھوٹا نہ بنائے۔ یہ ایک ذریعہ ہے جس سے انسان کے دل پر ایک نُور نازل ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ جس قدر اولیاء اللہ دُنیا میں گذرے ہیں اور آج لاکھوں انسان جن کی قدر و منزلت کرتے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو ایک چیونٹی سے بھی کمتر سمجھا جس پر خدا تعالیٰ کا فضل اُن کے شاملِ حال ہوا اور ان کو وہ مدارج عطا کئے جس کے وہ مستحق تھے۔ تکبر، بخل، غرور وغیرہ بداخلاقیاں بھی اپنے اندر شرک کا ایک حصہ رکھتی ہیں۔ اس لیے ان بداخلاقیوں کا مرتکب خدا تعالیٰ کے فضلوں سے حصہ نہیں لیتا بلکہ وہ محروم ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے غربت و انکسار کرنے والا خدا تعالیٰ کے رحم کا مورد بنتا ہے۔

تکبر کی قسمیں

تکبر کئی قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی یہ آنکھ سے نکلتا ہے جبکہ دوسرے کو گھور کر دیکھتا ہے تو اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ کبھی زبان سے نکلتا ہے اور کبھی اس کا اظہار سر سے ہوتا ہے اور کبھی ہاتھ اور پاؤں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ غرضیکہ تکبر کے کئی چشمے ہیں اور مومن کو چاہیئے کہ ان تمام چشموں سے بچتا رہے اور اس کا کوئی عضو ایسا نہ ہو جس سے تکبر کی بُو آوے اور وہ تکبر ظاہر کرنے والا ہو۔[1]

صوفی کہتے ہیں کہ انسان کے اندر اخلاقِ رذیلہ کے بہت سے جن ہیں اور جب یہ نکلنے لگتے ہیں تو نکلتے رہتے ہیں مگر سب سے آخری جن تکبر کا ہوتا ہے جو اس میں رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انسان کے سچے مجاہدہ اور دُعاؤں سے نکلتا ہے۔

بہت سے آدمی اپنے آپ کو خاکسار سمجھتے ہیں لیکن ان میں بھی کسی نہ کسی نوع کا تکبر ہوتا ہے۔ اس لیے تکبر کی باریک در باریک قسموں سے بچنا چاہیئے۔ بعض وقت یہ تکبر دولت سے پیدا ہوتا ہے۔ دولتمند متکبر دوسروں کو کنگال سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کون ہے جو میرا مقابلہ کرے۔ بعض اوقات خاندان اور ذات کا تکبر ہوتا ہے

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء

نوٹ از مرتب :۔ الحکم کے اس پرچہ کے بعض صفحات پر تاریخ غلط درج ہے۔ ۳۱ مارچ کی بجائے ۱۷ مارچ لکھا ہے اور ٹائٹل پیج پر بھی ایسا ہی ہے اور نیز نمبر ۱۱ کی بجائے نمبر ۹ لکھا ہے۔

سمجھتا ہے کہ میری ذات بڑی ہے اور یہ چھوٹی ذات کا ہے۔ ایک عورت سیدانی تھی۔ اُسے پیاس لگی۔ وہ دوسرے کے گھر میں جا کر کہنے لگی کہ اُمتی تو پانی تو پلا مگر پیالہ کو دھو لینا کیونکہ تم اُمتی ہو اور میں سیدانی اور آلِ رسول ہوں۔

بعض وقت تکبر علم سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص غلط بولتا ہے تو یہ جھٹ اس کا عیب پکڑتا ہے اور شور مچاتا ہے کہ اس کو تو ایک لفظ بھی صحیح بولنا نہیں آتا۔ غرض مختلف قسمیں تکبر کی ہوتی ہیں اور یہ سب کی سب انسان کو نیکیوں سے محروم کر دیتی ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچانے سے روک دیتی ہیں۔ ان سب سے بچنا چاہیئے۔

کامل تبدیلی کی ضرورت

مگر ان سب سے بچنا ایک موت کو چاہتا ہے۔ جب تک انسان اس موت کو قبول نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کی برکت اس پر نازل نہیں ہو سکتی اور نہ خدا تعالیٰ اس کا متکفل ہو سکتا ہے۔ اور اگر انسان پورے درجہ کی صفائی نہیں کرتا اور کامل تبدیلی نہیں کرتا تو اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ اس دیوار میں سوئی کے برابر شگاف کر دیں خواہ ایسے سوراخ دس ہزار بھی کیوں نہ ہوں لیکن ان سوراخوں کے ذریعہ سے وہ روشنی اندر نہیں آجائے گی جو کل مکان کو خوب روشن اور منور کر دے۔ لیکن جب ایک اچھا روشندان اس میں کھولا جائے تو اس سے کافی روشنی اندر آئے گی اور سارے مکان کو منور کر دے گی۔ اسی طرح پر جب تک تم سچے دل سے مسلمان ہو کر پوری تبدیلی نہیں کرتے اور دل کا دروازہ اللہ تعالیٰ کی طرف کامل طور پر نہیں کھولو گے اس وقت تک خدا تعالیٰ کا وہ نور جو اندر داخل ہو کر ایک سکینت اور اطمینان بخشتا ہے اور جو بدیوں اور برائیوں کا امتیاز عطا کرتا ہے نازل نہیں ہوتا اور سچے مسلمان بننے کا موقعہ نہیں ملتا ہے اور جب تک سچا مسلمان نہیں ہوتا اس وقت تک اللہ تعالےٰ کے اُن وعدوں سے جو سچے مومنوں اور متقیوں سے اُس نے کئے ہیں کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور چونکہ ان وعدوں سے اُسے حصہ نہیں ملتا اور وہ خود محروم رہتا ہے اس لیے شکایت کر بیٹھتا ہے کہ سچے مسلمانوں سے کیا وعدے ہوئے ہیں میری دُعا تو قبول نہیں ہوتی لیکن وہ کمبخت نہیں سوچتا کہ میں سچا مسلمان تو ہوا ہی نہیں پھر ان وعدوں کا ایفاء کس طرح چاہوں۔ اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے جس نے ابھی پوری صحت تو حاصل نہیں کی اور نہ تندرستوں کی طرح اس کے قویٰ میں طاقت آئی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ مجھے تندرستوں کی طرح بھوک نہیں لگتی اور میں چل پھر نہیں سکتا۔ تو اُسے یہی کہا جائے گا کہ ابھی تو پورا تندرست نہیں ہوا جب تک تندرست نہ ہو تندرستوں کے لوازمات تجھے کیونکر حاصل ہو جاویں۔ پس اسی طرح پر جب تک کہ ایک شخص سچا مسلمان نہ بن جاوے اُسے اللہ تعالیٰ کی کوئی شکایت نہیں کرنی چاہیئے لیکن میں یقیناً جانتا ہوں کہ جب ایک شخص سچا مسلمان

بن جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر پُورا ایمان لاتا ہے اور اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے ماتحت کر لیتا ہے وہ یقیناً یقیناً ان وعدوں کو پورا پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور مومن بندوں سے کئے ہیں۔ وہ اپنی جان پر ان وعدوں کو پورا ہوتا ہوا پاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سچا مسلمان بننا ہی تو مشکل ہے۔ سچا مسلمان بننا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکلنا ایک ہی بات ہے۔ جب تک یہ نفس اونٹ کی طرح موٹا ہے یہ اس میں سے نکل نہیں سکتا، لیکن جب دُعا اور تضرع کے ساتھ نفس کو مار لیتا ہے اور وہ جسم جو عارضی طور پر اس پر چڑھا ہوا ہوتا ہے دور ہو جاتا ہے تو یہ لطیف ہو کر اس میں سے نکل جاتا ہے اس کے لیے ضرورت ہے دُعا کی۔ پس ہر وقت دُعا کرتا رہے کیونکہ دُعا تو ایک ایسی چیز ہے جو ہر مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔ دُعا کے ساتھ مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو دُعا کی قدر و قیمت معلوم نہیں وہ بہت جلد ملول ہو جاتے ہیں اور ہمت ہار کر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ دُعا ایک استقلال اور مداومت کو چاہتی ہے۔ جب انسان پوری ہمت سے لگا رہتا ہے تو پھر ایک بدخُلقی کیا ہزاروں بدخُلقیوں کو اللہ تعالیٰ دُور کر دیتا ہے اور اُسے کامل مومن بنا دیتا ہے لیکن اس کے واسطے اخلاص اور مجاہدہ شرط ہے جو دُعا ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

یاد رکھو نری بیعت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس رسم سے راضی نہیں ہوتا جب تک کہ حقیقی بیعت کے مفہوم کو ادا نہ کرے اس وقت تک یہ بیعت بیعت نہیں نری رسم ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بیعت کے حقیقی منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو اور اس پر تدبر کرو اور پھر عمل کرو کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرے اقوال اور باتوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اس کے احکام کی پیروی کی جاوے اور اس کے نواہی سے بچتے رہو اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی نری باتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی خدمت ہی سے خوش ہوتا ہے۔ سچے مسلمان اور جھوٹے مسلمان میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جھوٹا مسلمان باتیں بناتا ہے کرتا کچھ نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں حقیقی مسلمان عمل کر کے دکھاتا ہے باتیں نہیں بناتا۔ پس جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ میرے لیے عبادت کر رہا ہے اور میرے لیے میری مخلوق پر شفقت کر رہا ہے تو اس وقت اپنے فرشتے اس پر نازل کرتا ہے اور سچے اور جھوٹے مسلمان میں جیسا کہ اس کا وعدہ ہے فرقان رکھ دیتا ہے۔

گناہ دُور کرنے کا طریق

اصل غرض انسان کی پیدائش کی یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے اور اُن باتوں سے جو گناہ کہلاتے ہیں بچتا رہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ گناہوں اور بدیوں سے بچے۔ لیکن ان کے دُور کرنے کا کیا طریق ہے؟ یاد رکھو کہ ہر گناہ اور بدی نری اپنی کوشش سے دور نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اس کے شامل حال نہ ہو۔ پس اسکے واسطے

ضرورت ہے کہ گناہوں کے ترک کرنے کے لیے اس قدر تدبیر کرے جو تدبیر کا حق ہے اور اس قدر دُعا کرے جو دُعا کا حق ہے۔ تدبیر کے لیے چاہیئے کہ گناہوں کو یاد رکھے کہ فلاں فلاں بات گناہ کی ہے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ رات دن ان بدیوں کو دُور کرنے کی فکر میں لگے رہو۔ اور ان اسباب پر غور کرو جو ان بدیوں کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر ان بدیوں کا موجب بد صحبت ہے تو اس صحبت کو چھوڑ دو اور اگر خُلق بد اس کا باعث ہے تو اس خُلق کو چھوڑ دو۔ ہر ایک چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور اسے چھوڑ نہیں سکتا جب تک کہ اُس سبب کو نہ چھوڑے۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ بعض وقت انسان ان اسباب اور وجوہ کو چھوڑنا چاہتا ہے لیکن وہ عاجز ہو جاتا ہے اور اسے چھوڑنا چاہتا ہے مگر اس کے چھوڑنے میں قادر نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں دُعا سے کام لینا چاہیئے اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگے تا وہ اُسے اس گناہ کی زندگی سے رہائی دے۔

یاد رکھو گناہ کی زندگی سے موت اچھی ہے کیونکہ گناہ کی زندگی مجرمانہ زندگی ہے۔ اگر اس پر موت وارد نہ ہو تو یہ سلسلہ لمبا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب موت آجاتی ہے تو کم از کم گناہ کا سلسلہ لمبا تو نہیں ہوتا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان خودکشی کر لیوے بلکہ انسان کو چاہیئے کہ اس زندگی کو اس قدر قبیح خیال کرے کہ اس سے نکلنے کے لیے کوشش کرے اور دُعا سے کام لے کیونکہ جب وہ حق تدبیر کا ادا کرتا ہے اور پھر سچی دُعاؤں سے کام لیتا ہے تو آخر اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے دیتا ہے اور وہ گناہ کی زندگی سے نکل آتا ہے۔ کیونکہ دُعا بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ وہ بھی ایک موت ہی ہے۔ جب اس موت کو انسان قبول کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مجرمانہ زندگی سے جو موت کا موجب ہے بچا لیتا ہے اور اسکو ایک پاک زندگی عطا کرتا ہے۔

دُعا کیا ہے اور کس طرح کرنی چاہیئے

بہت سے لوگ دُعا کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ دُعا یہی نہیں کہ معمولی طور پر نماز پڑھ کر ہاتھ اُٹھا کر بیٹھ گئے اور جو کچھ آیا منہ سے کہہ دیا۔ اس دُعا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ دُعا نری ایک منتر کی طرح ہوتی ہے نہ اس میں دل شریک ہوتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر کوئی ایمان ہوتا ہے۔

یاد رکھو دُعا ایک موت ہے اور جیسے موت کے وقت اضطراب اور بے قراری ہوتی ہے اسی طرح پر دُعا کے لیے بھی ویسا ہی اضطراب اور جوش ہونا ضروری ہے اس لیے دُعا کے واسطے پورا پورا اضطراب اور گداز شش جب تک نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ پس چاہیئے کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر نہایت تضرع اور زاری و ابتہال کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی مشکلات کو پیش کرے اور اس دُعا کو اس حد تک پہنچا دے کہ ایک موت کی سی صورت واقع ہو جاوے اس وقت دُعا قبولیت کے درجہ تک پہنچتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ سب سے اوّل اور ضروری دعا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف کرنے کی دُعا کرے۔ ساری دُعاؤں کا اصل اور جزو یہی دعا ہے کیونکہ جب یہ دُعا قبول ہو جاوے اور انسان ہر قسم کی گندگیوں اور آلودگیوں سے پاک صاف ہو کر خدا تعالیٰ کی نظر میں مطہّر ہو جاوے تو پھر دوسری دُعائیں جو اس کی حاجات ضروریہ کے متعلق ہوتی ہیں وہ اس کو مانگنی بھی نہیں پڑتیں وہ خود بخود قبول ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بڑی مشقت اور محنت طلب یہی دُعا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں متقی اور راستباز ٹھہرایا جاوے۔ یعنی اوّل اوّل جو حجاب انسان کے دل پر ہوتے ہیں ان کا دُور ہونا ضروری ہے۔ جب وہ دور ہو گئے تو دوسرے حجابوں کے دُور کرنے کے واسطے اس قدر محنت اور مشقت کرنی نہیں پڑے گی کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل اس کے شامل حال ہو کر ہزاروں خرابیاں خود بخود دُور ہونے لگتی ہیں اور جب اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود بخود اس کا متکفّل اور متولّی ہوتا ہے اور اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی حاجت کو مانگے اللہ تعالیٰ خود اس کو پُورا کر دیتا ہے۔ یہ ایک باریک سِرّ ہے جو اس وقت کھُلتا ہے جب انسان اس مقام پر پہنچتا ہے اس سے پہلے اس کی سمجھ میں آنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن یہ ایک عظیم الشان مجاہدہ کا کام ہے کیونکہ دُعا بھی ایک مجاہدہ کو چاہتی ہے۔ جو شخص دُعا سے لاپرواہی کرتا ہے اور اس سے دور رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پروا نہیں کرتا اور اس سے دُور ہو جاتا ہے۔ جلدی اور شتاب کاری یہاں کام نہیں دیتی۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جو چاہے عطا کرے اور جب چاہے عنایت فرمائے سائل کا کام نہیں ہے کہ وہ فی الفور عطا نہ کئے جانے پر شکایت کرے اور بدظنی کرے بلکہ استقلال اور صبر سے مانگتا چلا جاوے۔ دنیا میں بھی دیکھو کہ جو فقیر اڑ کر مانگتے ہیں خواہ اس کو کتنی ہی جھڑکیاں دو اور جتنا چاہو گھُڑکو مگر وہ مانگتے چلے جاتے ہیں اور اپنے مقام سے نہیں ہٹتے یہانتک کہ کچھ نہ کچھ لے ہی مرتے ہیں اور بخیل سے بخیل آدمی بھی اُن کو کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر انسان جب اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتا ہے اور بار بار مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو کریم رحیم ہے وہ کیوں نہ دے؟ دیتا ہے اور ضرور دیتا ہے مگر مانگنے والا بھی ہو۔

انسان اپنی شتاب کاری اور جلد بازی کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بالکل سچا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ پس تم اس سے مانگو اور پھر مانگو اور پھر مانگو۔ جو مانگتے ہیں ان کو دیا جاتا ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ دُعا ہو نری بک بک نہ ہو اور زبان کی لاف زنی اور چرب زبانی ہی نہ ہو۔ ایسے لوگ جنہوں نے دُعا کے لیے استقامت اور استقلال سے کام نہیں لیا اور آدابِ دُعا کو ملحوظ نہیں رکھا جب ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا تو آخر وہ دُعا اور اس کے اثر سے منکر ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ سے بھی منکر ہو بیٹھے کہ اگر خدا ہوتا تو ہماری دُعا کو کیوں نہ سُنتا۔ ان احمقوں کو اتنا معلوم نہیں کہ خدا تو ہے مگر تمہاری دُعائیں بھی دُعائیں ہوتیں۔ پنجابی زبان میں

ایک ضرب المثل ہے جو دُعا کے مضمون کو خوب ادا کرتی ہے اور وہ یہ ہے :۔

جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا

یعنی جو مانگنا چاہتا ہے اس کو ضروری ہے کہ ایک موت اپنے اوپر وارد کرے اور مانگنے کا حق اسی کا ہے جو اوّل اس موت کو حاصل کرلے۔ حقیقت میں اسی موت کے نیچے دُعا کی حقیقت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ دُعا کے اندر قبولیت کا اثر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ انتہائی درجہ کے اضطرار تک پہنچ جاتی ہے۔ جب انتہائی درجہ اضطرار کا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت کے آثار اور سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں پہلے سامان آسمان پر کئے جاتے ہیں اس کے بعد وہ زمین پر اثر دکھاتے ہیں۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں بلکہ ایک عظیم الشان حقیقت ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس کو خدائی کا جلوہ دیکھنا ہو اسے چاہیئے کہ دُعا کرے[1]

ان آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتا بلکہ دُعا کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ کیونکہ اگر دُعا کے قبول کرنے والے کا پتہ نہ لگے تو جیسے لکڑی کو گھُن لگ کر وہ نکمی ہو جاتی ہے ویسے ہی انسان پکار پکار کر تھک کر آخر دہریہ ہو جاتا ہے ایسی دُعا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ ثابت ہو جاوے کہ اس کی ہستی برحق ہے۔ جب اس کو یہ پتہ لگ جاوے گا تو اس وقت وہ اصل میں صاف ہوگا یہ بات اگرچہ بہت مشکل نظر آتی ہے لیکن اصل میں مشکل بھی نہیں ہے۔ بشرطیکہ تدبیر اور دُعا دونوں سے کام لیوے جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحۃ : ۵) کے معنوں میں (ابھی تھوڑے دن ہوئے) بتلایا گیا ہے۔ نماز پوری پڑھو۔ صدقہ اور خیرات دو تو پوری نیت سے دو کہ خدا راضی ہو جاوے اور توفیق طلب کرتے رہو کہ ریاکاری عُجب وغیرہ زہریلے اثر جس سے ثواب اور اجر باطل ہوتا ہے دور ہو جاویں اور دل اخلاص سے بھر جاوے خدا پر بدظنی نہ کرو وہ تمہارے لیے ان کاموں کو آسان کر سکتا ہے وہ رحیم کریم ہے۔ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ اگر پیچھے لگے رہو گے تو اسے رحم آ ہی جائے گا۔

خدا یابی سے محروم رہنے کے اسباب

بہت لوگ ہیں کہ سیدھی نیت سے طلب نہیں کرتے۔ تھوڑا طلب کر کے تھک جاتے ہیں۔ دیکھو اگر ایک زمین میں چالیس ہاتھ کھودنے سے پانی نکلتا ہے تو تین چار ہاتھ کھود کر جو شکایت کرے کہ پانی نہیں

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۴ء۔ نوٹ :۔ الحکم کے اس پرچہ میں بھی غلطی سے ۲۴؍اپریل کی تاریخ درج ہے جو دراصل ۱۷؍اپریل ہے۔ (مرتب)

[2] یہ مضمون جو گذشتہ مضمون کے تسلسل میں ہے البدر سے لیا گیا ہے کیونکہ الحکم میں یہ شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔ (مرتب)

نکلا اسے تم کیا کہو گے؟ اس قسم کے بدقسمت انسان ہوتے ہیں کہ وہ دو چار دن دُعا کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ کیوں نہ لگا اور اس طرح ایک دنیا گمراہ ہو گئی ہے۔ وظیفے اور مجاہدے کرتے رہے مگر جس حد تک کھودنے سے پانی نکلنا تھا اس حد تک نہ کھودا یعنی نہ پہنچے تو خدا کی ذات سے منکر ہو گئے اور آخر کار خلقت کا رجوع اپنی طرف دیکھ کر ٹھگ بن گئے۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کی طرف جس رفتار سے چلنا چاہیئے تھا اس رفتار سے نہ چلے اور اس کے عطا کردہ دوسرے قویٰ اور اعضاء سے کام نہ لیا اور طوطے کی طرح وظیفوں پر زور لگاتے رہے آخر کار لغتی ہو گئے۔

؎ گر نباشد بدوست راہ بردن ٭ شرط عشق است در طلب مُردن

اس کے یہ معنے ہیں کہ اس کی راہ پر چلا جاوے یہاں تک کہ مر جاوے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ کے یہی معنے ہیں۔ وہ موت جب آتی ہے تو ساتھ ہی یقین بھی آجاتا ہے۔ موت اور یقین ایک ہی بات ہے۔

غرضکہ اس کمزوری اور کسل نے لوگوں کو خدا یابی سے محروم کر دیا ہے کہ پورا حق تلاش کا ادا نہ کیا۔ راستہ میں چھلکا مل گیا اسی پر راضی ہو گئے اور دوکاندار بن گئے۔

راستبازوں کے لباس

اطاعت، عبادت، خدمت میں اگر صبر سے کام لو تو خدا کبھی ضائع نہ کرے گا۔ اسلام میں ہزاروں ہوئے ہیں کہ لوگوں نے صرف اُن کے نُور سے ان کو شناخت کیا ہے۔ اُن کو مکاروں کی طرح بھگوے کپڑے یا لمبے چوغے اور خاص خاص تمیز کرنے والے لباس کی ضرورت نہیں ہے اور نہ خدا کے راستبازوں نے ایسی وردیاں پہنی ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خاص ایسا لباس نہ تھا جس سے آپ لوگوں میں متمیز ہو سکتے۔ بلکہ ایک دفعہ ایک شخص نے ابوبکرؓ کو پیغمبر جان کر ان سے مصافحہ کیا اور تعظیم و تکریم کرنے لگا آخر ابوبکرؓ اٹھ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پنکھا جھلنے لگ گئے اور اپنے قول سے نہیں بلکہ فعل سے بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں مَیں تو خادم ہوں۔ جب انسان خدا کی بندگی کرتا ہے تو اسے رنگدار کپڑے پہننے، ایک خاص وضع بنانے اور مالا وغیرہ لٹکا کر چلنے کی کیا ضرورت ہے ایسے لوگ دُنیا کے کُتے ہوتے ہیں۔ خدا کے طالبوں کو اتنی ہوش کہاں کہ وہ خاص اہتمام پوشاک اور وردی کا کریں وہ تو خلقت کی نظروں سے پوشیدہ رہنا چاہتے ہیں۔ بعض بعض کو خدا تعالیٰ اپنی مصلحت سے باہر کھینچ لاتا ہے کہ اپنی الوہیت کا ثبوت دیوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز خواہش نہ تھی کہ لوگ آپ کو پیغمبر کہیں اور آپ کی اطاعت کریں اور اسی لیے ایک غار میں جو قبر سے زیادہ تنگ تھی جا کر آپ عبادت کیا کرتے تھے اور آپ کا ہرگز ارادہ نہ تھا کہ اس سے باہر آویں۔ آخر خدا نے اپنی مصلحت سے آپ کو خود باہر نکالا اور آپ کے ذریعے سے دُنیا پر اپنے نُور کو ظاہر کیا۔

انبیاء۔ تلامیذ الرحمٰن

انبیاء تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں ان کا کوئی مرشد وغیرہ نہیں ہوتا وہ دُنیا سے بالکل فانی ہوتے ہیں وہ ہرگز اپنا اظہار نہیں چاہتے۔ مگر خدا انکو

زبردستی باہر لاتا ہے انسان کیا وہ تو فرشتوں سے بھی اخفاء چاہتے ہیں اور ان کی فطرت ہی اس قسم کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہوتے ہیں لیکن جن کو دنیا کا خیال ہوتا ہے اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو اچھا جانیں وہ خدا کے نزدیک مُردار ہوتے ہیں اور ہزاروں قسم کی تصنعات سے ان کو کام لینا پڑتا ہے وہ شیطان ہوتے ہیں اُن سے دُور رہنا چاہیئے وہ لوگ جن کو دیکھکر خدا یاد آتا ہے وہ اَور ہیں نہ کہ یہ۔

پس یاد رکھو کہ زبان سے خدا کبھی راضی نہیں ہوتا اور بغیر ایک موت کے کوئی اُس کے نزدیک زندہ نہیں ہوتا جس قدر اہل اللہ ہوتے ہیں سب ایک موت قبول کرتے ہیں۔ اور جب خدا اُن کو قبول کرتا ہے تو زمین پر بھی ان کی قبولیت ہوتی ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ خاص فرشتوں کو اطلاع دیتا ہے کہ فلاں بندے سے مَیں محبت کرتا ہوں۔ اور وہ سب اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی محبت زمین کے پاک دلوں میں ڈالی جاتی ہے اور وہ اسے قبول کرتے ہیں۔ جب تک ان لوگوں میں سے کوئی نہیں بنتا تب تک وہ ذلیل اور تانبا ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی قدر کی جاوے۔

سچوں کی مخالفت

یاد رکھو خدا کے بندوں کا انجام کبھی بد نہیں ہوا کرتا۔ اس کا وعدہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلۃ: ۲۲) بالکل سچا ہے اور یہ اسی وقت پورا ہوتا ہے جب لوگ اس کے رسولوں کی مخالفت کریں۔ فریبی مکاروں کی دنیا مخالفت نہیں کیا کرتی کیونکہ دُنیا دُنیا سے مل جاتی ہے۔ لیکن جسے خدا برگزیدہ کرے اس کی مخالفت ہونی ضروری ہے سچے کے ساتھ ایک بڑے طوفان کے بعد لوگ ملا کرتے ہیں اور عقلمند لوگ جان جاتے ہیں کہ اگر یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو اتنی مخالفت پر کیسے کامیاب ہوتا۔ یہ سب امور مخالفت وغیرہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس میں وہ اپنے بندے کا صبر دیکھتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ دیکھو جس کو مَیں انتخاب کرتا ہوں وہ کیسے بہادر ہیں کیونکہ جھوٹے کے لیے پانچ چھ دشمن ہی کافی ہوتے ہیں، لیکن ان کے مقابلہ پر ایک دنیا دشمن ہوتی ہے اور پھر یہ غالب آتے ہیں۔ ایک جھوٹا تحصیلدار اگر ایک گاؤں میں چلا جاوے اور ایک ادنیٰ سا آدمی بھی یہ کہدے کہ مجھے اس کی تحصیلداری میں شک ہے تو آخر کار وہ اسی دن وہاں سے کھسک جاوے گا کہ میرا پول کُھل گیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مَیں چور ہوں۔ جھوٹے کی استقامت کچھ نہیں ہوتی لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی استقامت کا فوق الکرامت نمونہ دکھاتا ہے اور اسے دیکھ دیکھ کر لوگ تنگ آجاتے ہیں اور آخر کار پول اُٹھتے ہیں کہ یہ سچوں کی استقامت ہے۔ سچائی پر اگر ہزار گرد و غبار ڈالا جاوے پھر بھی وہ باہر نکل کر اپنا جلوہ دکھائے گی۔

نصائح

فتنہ کی بات نہ کرو۔ شر نہ کرو۔ گالی پر صبر کرو۔ کسی کا مقابلہ نہ کرو۔ جو مقابلہ کرے اس سے سلوک اور نیکی سے پیش آؤ۔ شیریں بیانی کا عمدہ نمونہ دکھلاؤ۔ سچے دل سے

ہر ایک حکم کی اطاعت کرو کہ خدا تعالیٰ راضی ہو اور دشمن بھی جان لے کہ اب بیعت کر کے یہ شخص وہ نہیں رہا جو کہ پہلے تھا۔ مقدمات میں سچی گواہی دو۔ اس سلسلہ میں داخل ہونے والے کو چاہیئے کہ پورے دل، پوری ہمت اور ساری جان سے راستی کا پابند ہو جاوے۔ دنیا ختم ہونے پر آئی ہوئی ہے۔

اس کے بعد آپ نے کسوف خسوف اور طاعون کا ذکر کیا کہ

ایک آسمانی نشان ہے اور ایک زمینی

پھر تاکید فرمائی کہ

خدا سے معاملہ صاف رکھو

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۸، ۹ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء)

مَلْفُوظَات

حضرت امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ آپ نے مارچ کے آخر نصف میں فرمائے

(ایڈیٹر بدر)

صبر اور تقویٰ کے نتائج اگر دیکھنے ہوں تو سورۂ یوسف کو غور سے مطالعہ کرو کہ جسے بھائیوں نے غلام بنا کر فروخت کیا تھا آخر کار خدا نے اُسے تخت پر بٹھا دیا۔

گناہ کی طاعون اور اس کا علاج

اس وقت جبکہ بدی کمال انتشار پر ہے اور اس کی ہوا ہی چلی ہوئی ہے اس سے الگ ہونا بھی ایک مرد کا کام ہے۔ ہر ایک میں یہ طاقت نہیں کہ جوانمردی سے اس سے الگ ہو جاوے۔ جب انسان ہر کس و ناکس کو فسق و فجور میں مبتلا دیکھتا ہے تو اُس کا اثر اس کے قلب پر پڑتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ سب دنیا جو ایسا کرتی ہے تو یہ کوئی بُری بات نہیں اس لیے بدی کی طرف میلان ہو جاتا ہے اُس پر خدا کا بڑا فضل ہے جس کی یہ آنکھ کھلے اور وہ بدی کو بدی جان کر الگ ہو۔

اس وقت جیسے طاعون پھیلی ہے اور سوائے خدا کے خاص فضل کے نجات نہیں۔ اسی طرح گناہ کی طاعون ہے اور اس سے بچنے کے لیے بھی خدا کے فضل کی ضرورت ہے۔ جیسے جسمانی حالت اور قویٰ میں دیکھا جاتا ہے کسی کی کوئی قوت کمزور ہوتی ہے اور کسی کی کوئی۔ یہی حال گناہوں کا ہے کہ بعض انسان خاص گناہوں کے

ترک پر تو قادر ہوتے ہیں اور دوسرے گناہوں کے ترک میں کمزور۔ پس جس گناہ کے چھوڑنے میں جو اپنے آپ کو کمزور پاوے اس کو نشانہ بنا کر دُعا کرے تو اُسے فضلِ خدا سے قوت عطا ہوگی۔

سنتِ الٰہی یہی ہے کہ ابتدا کافروں کی ہوتی چلی آئی ہے اور انجام کار متقی فریق کامیاب ہوتا رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی مراتب شناسی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مراتب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کچھ اسلام کا بنا ہے وہ اصحاب ثلاثہ سے ہی بنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے وہ اگرچہ کچھ کم نہیں مگر ان کی کارروائیوں سے کسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خفت نہیں ہو سکتی کیونکہ کامیابی کی پٹڑی تو صدیق اکبرؓ نے ہی جمائی تھی اور عظیم الشان فتنہ کو انہوں نے ہی فرو کیا تھا۔ ایسے وقت میں جن مشکلات کا سامنا حضرت ابوبکرؓ کو پڑا وہ حضرت عمرؓ کو ہرگز نہیں پڑا۔ پس صدیقؓ نے رستہ صاف کر دیا تو پھر اس پر عمرؓ نے فتوحات کا دروازہ کھولا۔

آخر عمر میں ایمان سلامت لے جانے کے لیے نہ علم کی ضرورت ہے اور نہ کسی اَور شئے کی۔ استغفار بہت کرنی چاہیئے اور نماز میں اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں دُعا میں مصروف رہنا چاہیئے۔

اسلام اس بات کا نام ہے کہ قرآن شریف کی اِتباع سے خدا کو راضی کیا جاوے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۵ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۰۴ء)

---

۲۹ مارچ ۱۹۰۴ء

باہر سے آنیوالوں کا حق

چند ایک احباب بیرون جات سے آئے ہوئے تھے اور حضرت اقدس کے قریب بیٹھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ حضرت اقدس نے قادیانی احباب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

ان لوگوں کو جگہ دو۔ نئے آدمیوں کی تو خدا تعالیٰ نے اوّل ہی سے سفارش کر رکھی ہے۔ جیسے براہین میں یہ الہام موجود ہے کہ کثرت سے لوگ تیرے پاس آویں گے تو ان سے تنگدل نہ ہونا۔

استقامت

بعد ازاں چند احباب نے بیعت کی جس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر ایک ایسے شخص کے سوال پر فرمائی جس نے حضور سے استقامت کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ فرمایا کہ

استقامت خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ہم نے دُعا کی ہے اور کریں گے لیکن تم بھی خدا تعالیٰ سے استقامت کی توفیق طلب کرو۔ استقامت کے یہ معنے ہیں کہ جو عہد انسان نے کیا ہے اسے پورے پر نبھاوے یاد رکھو کہ عہد کرنا آسان ہے مگر اس کا نبا ہنا مشکل ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ باغ میں تخم ڈالنا آسان مگر اس کے نشوونما کے لیے ہر ایک ضروری بات کو ملحوظ رکھنا اور آبپاشی کے اوقات پر اس کی خبر گیری کرنی مشکل ہے ایمان بھی ایک پودا ہے جسے اخلاص کی زمین میں بویا جاتا ہے اور نیک اعمال سے اس کی آبپاشی کی جاتی ہے اگر اس کی ہر وقت اور موسم کے لحاظ سے پوری خبر گیری نہ کی جاوے تو آخر کار تباہ اور برباد ہو جاتا ہے دیکھو باغ میں کیسے ہی عمدہ پودے تم لگاؤ لیکن اگر لگا کر بھول جاؤ اور اُسے وقت پر پانی نہ دو یا اس کے گرد باڑ نہ لگاؤ تو آخر کار نتیجہ یہی ہوگا کہ یا تو وہ خشک ہو جاویں گے یا اُن کو چور لے جاویں گے۔ ایمان کا پودا اپنے نشوونما کے لیے اعمال صالحہ کو چاہتا ہے اور قرآن شریف نے جہاں ایمان کا ذکر کیا ہے وہاں اعمال صالحہ کی شرط لگا دی ہے کیونکہ جب ایمان میں فساد ہوتا ہے تو وہ ہرگز عنداللہ قبولیت کے قابل نہیں ہوتا۔ جیسے غذا جب باسی ہو یا سڑ جاوے تو اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح ریا، عُجب، تکبر ایسی باتیں ہیں کہ اعمال کو قبولیت کے قابل نہیں رہنے دیتیں کیونکہ اگر اعمال نیک سرزد ہوئے ہیں تو وہ بندے کی اپنی طرف سے نہیں بلکہ خاص خدا کے فضل سے ہوئے ہیں۔ پھر اس میں کیا تعلق کہ وہ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اُن کو ذریعہ ٹھہراتا ہے یا اپنے نفس میں خود ہی اُن سے کبر کرتا ہے جس کا نام عُجب ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۹) یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس میں بذاتِ خود کوئی قوت اور طاقت نہیں ہے جب تک خدا تعالیٰ خود عطا نہ فرماوے۔ اگر آنکھیں ہیں اور تم اُن سے دیکھتے ہو یا کان ہیں اور تم اُن سے سنتے ہو یا زبان ہے اور تم اس سے بولتے ہو تو یہ سب خدا کا فضل ہے کہ یہ سب قویٰ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں وگرنہ اکثر لوگ مادر زاد اندھے یا بہرے یا گونگے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض بعد پیدائش کے دوسرے حوادثات سے ان نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مگر تمہاری آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں جب تک روشنی نہ ہو اور کان نہیں سُن سکتے جب تک ہوا نہ ہو۔ پس اس سے سمجھنا چاہیئے کہ جو کچھ دیا گیا ہے جب تک آسمانی تائید اس کے ساتھ نہ ہو تب تک

تم محض بیکار ہو۔ ایک بات کو تم کتنے ہی صدق دل سے قبول کرو مگر جب تک فضل الٰہی شامل حال نہیں تم اس پر قائم نہیں رہ سکتے۔

احمدیت

بیعت توبہ اور بیعت تسلیم جو تم نے آج کی ہے اور اس میں جو اقرار کیا ہے اُسے سچے دل سے بہت مضبوط پکڑو اور پختہ عہد کرو کہ مرتے دم تک تم اس پر قائم رہو گے۔ سمجھ لو کہ آج ہم نفس کی خودرویوں سے باہر آگئے ہیں اور جو جو ہدایت ہو گی اس پر عمل کرتے رہیں گے ہم کوئی نئی ہدایت یا نیا دین یا نیا عمل نہیں لائے۔ ہدایت بھی وہی ہے، دین بھی وہی ہے، عمل بھی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں۔ کوئی نیا کلمہ تم کو تلقین نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی نیا خاتم النبیین بنایا جاتا ہے۔ ہاں اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب نئی بات کوئی نہیں تو پھر فرق کیا ہوا اور ایک جماعت کیوں تیار ہو رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے جو ارادہ کیا تھا کہ وہ ایک مسیح موعود بنا کر بھیجے گا اور وہ اس وقت آوے گا جب کہ دُنیا سخت تاریکی میں ہو گی۔ ہر طرف سے کفر کے حملے ہوں گے۔ اسلام کو ہر ایک پہلو سے نقصان پہنچانے کی کوشش ہو گی۔ تو اس کے آنے کے دو فائدے ہوں گے۔

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسا زمانہ ہے کہ اسلام بدعات سے پُورا حصّہ لے چکا ہے۔ ہر ایک بدعت تیسری صدی ہجری سے شروع ہو کر چودھویں صدی تک کمال کو پہنچ گئی اور پوری دجالی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ حدیثیں بلند آواز سے اس زمانہ کی نسبت خبر دے رہی ہیں۔ جیسے ایک حمل کی مدت نو ماہ ہوتی ہے اس مناسبت سے تیسری صدی کے بعد جب نو صد سال گذر گئے تو خدا نے ایک مامور کو مبعوث کیا کہ ان بدعات اور مفاسد کو دور کرے کیونکہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مطابق لَيْسُوا مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُمْ کے مصداق ہو گئے تھے اور اسلام کا صرف نام ہی نام ان کی زبانوں پر رہ گیا تھا جیسے ایک باغ کے عمدہ عمدہ بُوٹوں کو دوسرے خراب بُوٹے اور گھاس وغیرہ پیدا ہو کر دبا لیتے ہیں ایسے ہی ردّی گھاس اور بُوٹے اسلام کے باغ میں ہو گئے تھے اور اس کا حقیقی نشوونما اور آب و تاب بالکل جاتی رہی تھی۔ مکار درویش گدی نشین اور فقیر وغیرہ اس ردّی گھاس کی طرح ہیں جو کہ برائے نام تو مسلمان ہیں لیکن اصل میں دشمنِ اسلام ہیں۔ خود ان کا قول تھا کہ مسیح اور مہدی چودھویں صدی کے سر پر ہو گا وہ پورا ہو گیا۔ پھر طاعون بھی نشان تھا وہ بھی پورا ہو گیا۔ نئی سواری جسے ریل کہتے ہیں۔ یہ بھی نشانی تھی جو کہ چلتی دیکھتے ہو۔ سُورج اور چاند کا گرہن بھی ماہ رمضان میں ہو گیا۔ ایک بڑی بدعت جس کی مثال جانوروں میں سے ہاتھی کی مثال ہے یہ پڑ گئی تھی کہ نصاریٰ کا زور ہو گیا اور اسلام پر حملے شروع ہوئے۔ ۳۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان مُرتد ہو چکے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اسلام کے قادر مطلق خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان اور پھر میت کو خدا مانا جاوے۔ کیا کسی کی عقل و فکر

میں یہ بات آسکتی تھی مگر تاہم لوگ اس دھوکہ میں آگئے۔ اس کا باعث عیسائیوں کی شرارت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی ایک بڑا حصہ اس کا اس طرح سے لیا ہوا ہے کہ مسیح کو تو آسمان پر زندہ مانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر زمین دفن شدہ تسلیم کیا اور اس طرح سے ہر ایک پہلو اور بات میں یہ خود عیسائیوں کی مدد کر رہے ہیں اور ان کا ایک دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ اوّل تو قرآن شریف کے برخلاف ایک بات کرتے ہیں اور پھر وہ بات جس سے عیسائیوں کو تقویت ہو۔ قرآن شریف پیش کرتے ہیں کہ اس میں اس کا آسمان پر اُٹھایا جانا لکھا ہے حالانکہ قرآنِ شریف تو بڑے زور سے اس کی وفات ثابت کرتا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) اور أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا (المرسلات: ۲۶) وغیرہ بہت سی آیات ہیں جن سے وفات ثابت ہوتی ہے۔ پھر کمبخت نادان ایک اور بات کہتے ہیں کہ صرف مسیح اور اس کی ماں مَسِّ شیطان سے پاک ہیں۔ یہ اصل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا ہے کہ ایک بنی اسرائیل کی عورت مریم تو مَسِّ شیطان سے پاک ہو اور نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک نہ ہوں۔ اگر یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوتے اور یہ بات کہتے تو پھر دیکھتے کہ اس بے ادبی کی کیا سزا پاتے۔

مسیح اور مریم کو مَسِّ شیطان سے پاک قرار دینے کی وجہ

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح اور ان کی ماں مریم پر یہود کا اعتراض تھا۔ مسیح کو وہ لوگ ناجائز ولادت کا الزام لگاتے اور مریم کو زانیہ کہتے تھے۔ قرآنِ شریف کا کام ہے کہ انبیاء پر سے اعتراضات کو رفع کرے اس لیے اس نے مریم کے حق میں زانیہ کی بجائے صدیقہ کا لفظ رکھا اور مسیح کو مَسِّ شیطان سے پاک کہا۔ اگر ایک محلہ میں صرف ایک عورت کا تبریہ کیا جاوے اور اس کی نسبت کہا جاوے کہ وہ بدکار نہیں ہے تو اس سے یہ التزام لازم نہیں آتا کہ باقی کی سب ضرور بدکار ہیں۔ صرف یہ معنے ہوتے ہیں کہ اس پر جو الزام ہے وہ غلط ہے یا اگر ایک آدمی کو کہا جاوے کہ وہ بھلا مانس ہے تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوتے کہ باقی کے سب لوگ بھلے مانس نہیں بلکہ بدکار ہیں اسی طرح یہ ایک مقدمہ تھا کہ مسیح اور اس کی ماں پر الزام لگائے گئے تھے۔ خدا نے شہادت دی کہ وہ الزاموں سے بَری اور پاک ہیں۔ کیا عدالت اگر ایک ملزم کو قتل کے مقدمہ میں بَری کر دے تو اس سے یہ لازم آوے گا کہ باقی سب لوگ اس شہر کے ضرور قاتل اور خونخوار ہیں۔ غرضیکہ اس قسم کی بدعات اور فساد پھیلے ہوئے تھے جن کے دُور کرنے کے لیے خدا نے ہمیں مبعوث کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ، طہارت، خدا کی طرف رجوع، خدا کی محبت اور ہر بدکاری کے وقت

اس کے خوف اور عظمت کو مدنظر رکھ کر کنارہ کش ہونا یہ باتیں اُٹھ گئی تھیں اور اسلام صرف برائے نام رہ گیا تھا۔ اب خدا نے چاہا کہ سچی پاکیزگی حاصل ہو۔

عقائد کا اثر اعمال پر

اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جاوے اور اس کے احسانوں کے بدلے میں اس کی پوری اطاعت کی جاوے ورنہ خدا تعالیٰ جیسے محسن و مربی سے جو روگردانی کرتا ہے وہ شیطان ہے۔

دوسرا حصہ یہ ہے کہ مخلوق کے حقوق شناخت کرے اور کما حقہٗ اس کو بجا لاوے۔ جن قوموں نے موٹے موٹے گناہ جیسے زنا، چوری، غیبت، جھوٹ وغیرہ اختیار کئے آخر وہ ہلاک ہوگئیں اور بعض قومیں صرف ایک ایک گناہ کے ارتکاب سے ہلاک ہوتی رہیں مگر چونکہ یہ اُمّت مرحومہ ہے اس لیے خدا تعالیٰ اُسے ہلاک نہیں کرتا۔ ورنہ کوئی معصیت ایسی نہیں ہے جو یہ نہیں کرتے۔ بالکل ہندوؤں کی طرح ہو گئے ہیں۔ ہر ایک نے الگ معبود بنا لیے ہیں۔ عیسیٰ کو مثلِ خدا کے حیّ و قیوم مانا جاتا ہے پرندوں کا اُسے خالق مانا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ عقیدے اچھے ہوتے ہیں تو انسان سے اعمال بھی اچھے صادر ہوتے ہیں۔ دیکھو ہندوؤں نے ۳۳ کروڑ دیوتا بنائے تو آخر نیوگ وغیرہ جیسے مسائل کو بھی ماننے لگ گئے اور ذرہ ذرہ کو خدا مان لیا۔ اس نیوگ اور حرامکاری کی کثرت کا باعث یہی اعتقاد کا نقص ہے۔ جو انسان سچا اور بے نقص عقیدہ اختیار کرتا ہے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا تو اس سے اعمال خود بخود ہی اچھے صادر ہوتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ جب مسلمانوں نے سچے عقاید چھوڑ دیئے تو آخر دجال وغیرہ کو خدا ماننے لگ گئے کیونکہ دجال میں تمام صفات خدائی کے تسلیم کرتے ہیں۔ پس جب اس میں تمام صفات خدائی کے مانتے ہو تو جو اسے خدا کہے اس کا اس میں کیا قصور ہوا؟ خود ہی تو تم خدائی کا چارج دجال کو دیتے ہو۔ پروردگار چاہتا ہے کہ جیسے عقائد درست ہوں ویسے ہی اعمالِ صالحہ بھی درست ہوں اور ان میں کسی قسم کا فساد نہ رہے۔ اس لیے صراط مستقیم پر ہونا ضروری ہے خدا نے بار بار مجھے کہا ہے کہ اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ اس کی تعلیم ہے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور جو قرآن نے کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔

جماعت اور امام کی ضرورت

اور ایک ضروری بات یہ ہے کہ تقویٰ میں ترقی کرو ترقی انسان خود نہیں کر سکتا تھا جب تک ایک جماعت اور ایک اس کا امام نہ ہو۔ اگر انسان میں یہ قوت ہوتی کہ وہ خود بخود ترقی کر سکتا تو پھر انبیاء کی ضرورت نہ تھی۔ تقویٰ کے لیے ایک ایسے انسان کے پیدا ہونے کی ضرورت ہے جو صاحبِ کشش ہو اور بذریعہ دُعا کے وہ نفسوں کو پاک کرے۔ دیکھو اس قدر حکماء گذرے ہیں کیا کسی نے صالحین کی جماعت بھی بنائی ہرگز نہیں

اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ صاحب کشش نہ تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے بنا دی۔ بات یہ ہے کہ جسے خدا تعالیٰ بھیجتا ہے اس کے اندر ایک تریاقی مادہ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پس جو شخص محبت اور اطاعت میں اس کے ساتھ ترقی کرتا ہے تو اس کے تریاقی مادہ کی وجہ سے اس کے گناہ کی زہر دُور ہوتی ہے اور فیض کے ترشحات اس پر بھی گرنے لگتے ہیں۔ اس کی نماز معمولی نماز نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ اگر موجودہ ٹکروں والی نماز ہزار برس بھی پڑھی جاوے تو ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔ نماز ایسی شئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے آسمان انسان پر جُھک پڑتا ہے۔ نماز کا حق ادا کرنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ مَیں مرگیا اور اس کی روح گداز ہو کر خدا کے آستانہ پر گر پڑی ہے۔ اگر طبیعت میں قبض اور بدمزگی ہو تو اس کے لیے بھی دُعا ہی کرنی چاہیئے کہ الٰہی تو ہی اُسے دُور کر اور لذّت اور نور نازل فرما۔ جس گھر میں اس قسم کی نماز ہوگی وہ گھر کبھی تباہ نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر نوحؑ کے وقت میں یہ نماز ہوتی تو وہ قوم کبھی تباہ نہ ہوتی۔ حج بھی انسان کے لیے مشروط ہے روزہ بھی مشروط ہے۔ زکوٰۃ بھی مشروط ہے مگر نماز مشروط نہیں۔ سب ایک سال میں ایک ایک دفعہ ہیں مگر اس کا حکم ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کا ہے۔ اس لیے جب تک پوری پوری نماز نہ ہوگی تو وہ برکات بھی نہ ہوں گی جو اس سے حاصل ہوتی ہیں اور نہ اس بیعت کا کچھ فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر بھوک یا پیاس لگی ہو تو ایک لقمہ یا ایک گھونٹ سیری نہیں بخش سکتا۔ پوری خوراک ہوگی تو تسکین ہوگی۔ اسی طرح ناکارہ تقویٰ ہرگز کام نہ آوے گا۔ خدا تعالیٰ انہیں سے محبت کرتا ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران: ۹۳) کے یہ معنے ہیں کہ سب سے عزیز شئے جان ہے۔ اگر موقعہ ہو تو وہ بھی خدا کی راہ میں دیدی جاوے نماز میں اپنے اوپر جو موت اختیار کرتا ہے وہ بھی بر کو پہنچتا ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۵ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۰۴ء)

---

۱۹ اپریل ۱۹۰۴ء

دُعا کی توفیق بھی خدا سے ہی ملتی ہے

باوجود اس کے کہ انسان اپنے نفس کے اندر اختیار اور قدرت کا ایک مادہ پاتا ہے مگر پھر بھی وہ الٰہی قدرت کے تصرفات سے باہر نہیں ہے اور اسے ہر وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ تمام قوتوں اور قدرتوں کا سرچشمہ جو اللہ کریم کی ذات ہے وہ اس سے قوت طلب کرے۔ اس طلب کرنے میں بھی اُسے خدا تعالیٰ کے فضل کی خاص ضرورت ہے

بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ایک ضرورت کو محسوس کرتا ہے جانتا ہے کہ اس کیلئے دُعا کرنی چاہیئے، لیکن باوجود اس علم اور قدرت کے وہ دُعا نہیں کرتا اور اس کے لیے انشراحِ صدر حاصل نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اس باریک سِر اور تصرفاتِ الٰہی کو مدنظر نہ رکھ کر دُعا پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے ایسے اعتراضات پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

اگر دُعا اپنے اختیار میں ہوتی تو انسان جو چاہتا کر لیتا۔ اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں دوست یا رشتہ دار کے حق میں ضرور فلاں بات ہو ہی جاوے گی۔ بعض وقت باوجود سخت ضرورت محسوس کرنے کے دُعا نہیں ہوتی اور دل سخت ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کے سِر سے لوگ واقف نہیں ہوتے اس لیے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس پر ایک شُبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر جفّ القلم والی بات (یعنی مسئلہ تقدیر جس رنگ میں سمجھا گیا ہے) ٹھیک ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کے علم میں سب ضرور ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ فلاں کام ضرور ہی کر دیوے۔ اگر ان لوگوں کا یہی اعتقاد ہے کہ جو کچھ ہونا تھا وہ سب ہو چکا اور ہماری محنت اور کوشش بیسود ہے تو درد سر کے وقت علاج کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں۔ پیاس کے لیے ٹھنڈا پانی کیوں پیتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ انسان کے تردّد[1] پر بھی کچھ نہ کچھ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

دعا عمدہ شئے ہے اگر توفیق ہو تو ذریعہ مغفرت کا ہو جاتی ہے اور اسی کے ذریعہ سے رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ مہربان ہو جاتا ہے۔ دُعا کے نہ کرنے سے اوّل زنگ دل پر چڑھتا ہے پھر قساوت پیدا ہوتی ہے پھر خدا سے اجنبیت۔ پھر عداوت۔ پھر نتیجہ سلبِ ایمان ہوتا ہے۔

جس مہدی کو لوگ مانتے ہیں وہ شکّی ہے اور اس کی نسبت احادیث میں بہت تعارض ہے لیکن ہمارا دعویٰ اُس مہدی کا ہے جس کی نسبت کوئی شک نہیں۔

خدا بڑا رحیم کریم ہے اگر لوگ رات دن تضرّع کریں۔ خیرات اور صدقات دیں تو شاید وہ رحم کرکے اس عذاب سے ان کو نجات دے۔ اگر جماعت متفق ہو کر تضرّع کی طرف متوجہ ہو تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ہمارا آخری حصّہ عمر کا ہے اور ہمیشہ تجربہ ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی غالب ہوتا ہے وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی

---

[1] تردد بمعنے کوشش، جدوجہد (مرتب)

اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (یوسف: ۲۲) یوسف علیہ السلام کا قصہ ہی دیکھو کہ سب بھائی مصیبت زدہ ہو کر اُسی کے سامنے پیش ہوتے ہیں لیکن اُسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اگر یہ ہمارا مقدمہ ایک انسانی کاروبار ہوتا تو سب سے اوّل بیزار ہونے والا اس سے مَیں ہوتا مگر جبکہ اس کے قدم قدم پر خدا کا الہام ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے اسی کی طرف سے ایک امر ہے۔

فرمایا:۔

رابعہ بصری کو اسی دن غم ہوتا تھا جس دن خدا کی راہ میں انہیں کوئی غم نہ ہوتا مومن کسی نہ کسی ابتلاء میں ضرور رہتا ہے ؎

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ ؎ نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی

زندگی بڑھانے کے لیے ایسے کام کرنے چاہئیں جو خدا کی راہ میں ہوں۔ وہ احمق ہیں جو دُنیا کو معشوق و محبوب بنا لیتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ آخر اُسے کیا کام آنا ہے۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۸ - ۱۹ صفحہ ۳ مورخہ ۸/۱۶ مئی ۱۹۰۴ء)

---

۱۹ اپریل کی شام

زندگی کی اصل غرض

"زندگی کے فیشن سے بہت دُور جا پڑے ہیں"۔

یہ الہام آج اعلیٰحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا تھا۔ اس پر فرمایا کہ

زندگی کی اصل غرض اور مقصود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے مگر اس وقت مَیں دیکھتا ہوں کہ عام طور پر لوگ اس غرض اور مقصود کو فراموش کر چکے ہیں اور کھانے پینے اور حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے سوا اَور کوئی مقصود نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کو پھر اس کی زندگی کی غرض سے آگاہ کرے اور یہ فنا و قہری اس کو رجوع کرائے گی۔

خوفِ خُدا

اس لیے ہر شخص کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو بہت سی نیکیوں کا وارث بنائے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے

وہی اچھا ہے کیونکہ اس خوف کی وجہ سے اس کو ایک بصیرت ملتی ہے جس کے ذریعہ وہ گناہوں سے بچتا ہے بہت سے لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعام اور اکرام پر غور کر کے شرمندہ ہو جاتے ہیں اور اس کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے بچتے ہیں، لیکن ایک قسم لوگوں کی ایسی بھی ہے جو اُس کے قہر سے ڈرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اچھا اور نیک تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی پرکھ سے اچھا نکلے۔ بہت لوگ ہیں جو اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہم متقی ہیں مگر اصل میں متقی وہ ہے جس کا نام اللہ تعالیٰ کے دفتر میں متقی ہو۔

اس وقت اللہ تعالیٰ کے اسم ستّار کی تجلّی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جب پردہ دری کی تجلّی ہوگی اس وقت تمام حقیقت کھل جائے گی۔ اس تجلّی کے وقت بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو آج بڑے متقی اور پرہیزگار نظر آتے ہیں قیامت کے دن وہ بڑے فاسق فاجر نظر آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملِ صالح ہماری اپنی تجویز اور قرار داد سے نہیں ہو سکتا۔ اصل میں اعمال صالحہ وہ ہیں جس میں کسی نوع کا کوئی فساد نہ ہو کیونکہ صالح فساد کی ضد ہے۔ جیسے غذا طیب اس وقت ہوتی ہے کہ وہ کچی نہ ہو نہ سڑی ہوئی ہو اور نہ کسی ادنیٰ درجہ کی جنس کی ہو بلکہ ایسی ہو جو فوراً جزوِ بدن ہو جانے والی ہو۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ عملِ صالح میں بھی کسی قسم کا فساد نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہو اور پھر نہ اس میں کسی قسم کا کسل ہو نہ عُجب ہو نہ ریا ہو نہ وہ اپنی تجویز سے ہو۔ جب ایسا عمل ہو تو وہ عملِ صالح کہلاتا ہے اور یہ کبریتِ احمر ہے۔

شیطان سے بچنا

شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اور اس کے اعمال کو فاسد بنانے کے واسطے ہمیشہ تاک میں لگا رہتا ہے یہانتک کہ وہ نیکی کے کاموں میں بھی اس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور کسی نہ کسی قسم کا فساد ڈالنے کی تدبیریں کرتا ہے نماز پڑھتا ہے تو اس میں بھی ریا وغیرہ کوئی شعبہ فساد کا ملانا چاہتا ہے۔ ایک امامت کرانے والے کو بھی اس بلا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ پس اس کے حملہ سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے حملے فاسقوں فاجروں پر تو کھلے کھلے ہوتے ہیں وہ تو اس کا گویا شکار ہیں۔ لیکن زاہدوں پر بھی حملہ کرنے سے وہ نہیں چوکتا اور کسی نہ کسی رنگ میں موقعہ پاکر اُن پر بھی حملہ کر بیٹھتا ہے جو لوگ خدا کے فضل کے نیچے ہوتے ہیں اور شیطان کی باریک در باریک شرارتوں سے آگاہ ہوتے ہیں وہ تو بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے ہیں لیکن جو ابھی خام اور کمزور ہوتے ہیں وہ کبھی کبھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ریا اور عُجب وغیرہ سے بچنے کے واسطے ایک ملامتی فرقہ ہے جو اپنی نیکیوں کو چھپاتا ہے اور سیئات کو ظاہر کرتا رہتا ہے وہ اس طرح پر سمجھتے ہیں کہ ہم

شیطان کے حملوں سے بچ جاتے ہیں مگر میرے نزدیک وہ بھی کامل نہیں ہیں۔ ان کے دل میں بھی غیر ہے اگر غیر نہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے۔ انسان معرفت اور سلوک میں اس وقت کامل ہوتا ہے جب کسی نوع اور رنگ کا غیر اُن کے دل میں نہ رہے اور یہ فرقہ انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ یہ ایسا کامل گروہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہوتا ہے۔

محبّتِ ذاتی کا مقام

اصل بات یہ ہے کہ غیر کے وجود کو کالعدم سمجھنا یہ بھی اختیاری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حالت عشقیہ ہے جو از خود پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی جڑ محبت ذاتی ہے۔ جب محبتِ ذاتی کے مقام پر انسان پہنچتا ہے تو پھر یہ عشقیہ حالت پیدا ہو کر غیر کے وجود کو جلا دیتی ہے اور پھر کسی کے مدح و ذم یا عذاب و ثواب کی بھی پروا نہیں ہوتی۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی مدح بھی سُن لیا کرتے تھے لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ آپ کو اس مدح کی پروا ہوتی تھی۔ سخت غلطی ہے آپ کو ان باتوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا اور کوئی اثر اس کا آپ پر نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک محلِ مدح ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے لیکن آپ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ تعلق اور رشتہ تھا کہ کسی دوسرے کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتا تھا پس آپ کسی انسان کی مدح سے کیا خوش ہو سکتے تھے ایسا ہی ذم کا حال ہے۔ آپ تو اللہ تعالےٰ کی محبتِ ذاتی میں فنا ہو چکے تھے۔ خارجی احساس باقی ہی نہیں رہا تھا۔ اس لیے سارے مقام ختم ہو چکے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہی وہ مقام ہے جو مقامِ امن کہلاتا ہے۔ زاہد خشک کی مدح کرنے والا اس کو ہلاک کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس مدح سے خوش ہو کر اپنے وجود کو بھی کوئی شئے سمجھنے لگتا ہے اور اپنے اعمال پر ایک ناز کرنے لگتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ مراتب بھی وہبی ہیں کوشش سے نہیں ملتے اور انسان کامل اسی مقام پر ہوتا ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ جب تک محبتِ ذاتی نہ ہو جاوے ایسی محبت کہ بہشت اور دوزخ پر بھی نظر نہ ہو اس وقت تک کامل نہیں ہوتا اس سے پہلے اس کا خدا بہشت اور دوزخ ہوتے ہیں لیکن جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کے لیے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۱) کا حکم ہوتا ہے کیونکہ ان کی رضا خدا کی رضا ہوتی ہے۔ جب تک یہ حال نہ ہو اندیشہ ہوتا ہے کہ نیکی ضائع نہ ہو جائے۔

ذاتی محبت والے سے اگر اس کی غرض پوچھی جاوے کہ تو کیوں خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ کچھ بھی بتا نہیں سکتا کیونکہ اسے کوئی ذاتی غرض محسوس ہی نہیں ہوتی بلکہ اگر اس کے لیے دوزخ کی وعید بھی ہو کہ تو اگر عبادت کرے گا تو دوزخ ملے گا تب بھی وہ رُک نہیں سکتا کیونکہ اس کے رگ و ریشہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور محبت ہوتی ہے وہ بے اختیار ہو کر اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اُسے نہیں معلوم کہ کیوں کھنچا جاتا ہے یہی وجہ ہے

کہ نہ وہ ثواب و عذاب کی پروا کرتا ہے اور نہ مدح و ذم کا اثر اس پر ہوتا ہے۔ انبیاء و رسل اسی مقام پر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مخالفت اور خطرناک مصائب اور مشکلات ان کو اپنے کام سے ہٹا نہیں سکتے۔ مَیں اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اس مقام کو سمجھتا ہوں۔ یہ ایسا دارالامان ہے کہ شیطان اس جگہ نہیں آسکتا۔ ایک زاہد بعض وقت مغضوب کے زمرہ میں آسکتا ہے لیکن جو اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے مقام پر پہنچ گیا وہ محفوظ ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبتِ ذاتی کی آگ غیر کے وجود کو مطلقاً جلا دیتی ہے اور اس کو امن میں داخل کر دیتی ہے استجابتِ دُعا بھی اسی مقام پر ہوتا ہے۔ یہ ایسا ارفع اور اعلیٰ مقام ہے کہ اس کی تصریح بھی نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک کیفیت ہے جو دوسرے کو اچھی طرح سمجھا بھی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے گلہ کرنے سے بھی انسان کافر ہوجاتا ہے۔ چونکہ وہ ان تعلقات سے محض ناآشنا ہوتا ہے جو انبیاء و رُسل اور اللہ تعالیٰ میں ہوتے ہیں اس لیے کسی ایسے امر کو جو ہماری سمجھ اور دانش سے بالاتر اور بالاتر ہے، اپنی عقل کے پیمانہ سے ناپنا صریح حماقت ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کا گلہ کرنے لگے کہ انہوں نے درختِ ممنوع کا پھل کھایا یا عَبَسَ وَ تَوَلّٰی کو لے بیٹھے۔ ایسی حرکت آداب الرسل کے خلاف ہے اور کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے چونکہ خدا تعالیٰ ان کا محبوب ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ کسی بات پر گویا رُوٹھ جاتا ہے وہ باتیں عام قانون جرائم و ذنوب سے الگ ہوتی ہیں۔ ۳۰ سال کے قریب کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایک مقرب فرشتہ کو مَیں نے دیکھا جس نے مجھے ایک تُوت کی چھڑی ماری پھر مَیں نے اس کو دیکھا کہ کرسی پر بیٹھ کر رونے لگا۔ یہ ایک نسبت بتائی ہے کہ جیسے بعض اوقات والدہ بچہ کو مارتی ہے پھر رقت سے خود ہی رونے لگتی ہے۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جو مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے۔

نبی اور خُدا کا تعلق

میری سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ ان تعلقات کو جو انبیاء و رسل اور اللہ تعالیٰ میں ہوتے ہیں کس طرح ظاہر کیا جاوے۔ یہ تعلقات ایسے شدید اور گہرے ہوتے ہیں کہ بجز کامل الایمان ہونے اور اس کوچہ سے آشنا ہونے کے ان کی سمجھ آ ہی نہیں سکتے اس لیے صوفیوں نے لکھا ہے کہ اُن کے افعال اور اعمال عام قانون جرائم و ذنوب سے الگ ہوتے ہیں۔ ان کو اس ضمن ذنوب میں ذکر کرنا بھی سلبِ ایمان کا موجب ہوجاتا ہے کیونکہ ان کا حساب تعلقات کا ہے۔ ذنبِ محمدی کی حقیقت کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے۔ عام طور پر عاشق و معشوق کے تعلقات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا اور یہ تعلقات تو اس سے بھی لطیف تر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار

احمق حقیقت سے ناآشنا استغفار کے لفظ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ جسقدر

یہ لفظ پیارا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی پاکیزگی پر دلیل ہے وہ ہمارے وہم وگمان سے بھی پرے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عاشقِ رضا ہیں اور اس میں بڑی بلند پروازی کے ساتھ ترقیات کر رہے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تصور کرتے ہیں اور اظہارِ شکر سے قاصر پاکر تدارک کرتے ہیں۔ یہ کیفیت ہم کس طرح ان عقل کے اندھوں اور مجذوم القلب لوگوں کو سمجھائیں ان پر وارد ہو تو وہ سمجھیں جب ایسی حالت ہوتی ہے۔ احسانات الٰہیہ کی کثرت آکر اپنا غلبہ کرتی ہے تو روح محبت سے پُر ہو جاتی ہے اور وہ اُچھل اُچھل کر استغفار کے ذریعہ اپنے قصورِ شکر کا تدارک کرتی ہے۔ یہ لوگ خشک منطق کی طرح اتنا ہی نہیں چاہتے کہ وہ قویٰ جن سے کوئی کمزوری یا غفلت صادر ہو سکتی ہے وہ ظاہر نہ ہوں نہیں وہ ان قویٰ پر تو فتح حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تصور کر کے استغفار کرتے ہیں کہ شکر نہیں کر سکتے۔ یہ ایک لطیف اور اعلیٰ مقام ہے جس کی حقیقت سے دوسرے لوگ ناآشنا ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے حیوانات گدھے وغیرہ انسانیت کی حقیقت سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ اسی طرح پر انبیاء ورُسل کے تعلقات اور ان کے مقام کی حقیقت سے دوسرے لوگ کیا اطلاع رکھ سکتے ہیں۔ یہ بڑے ہی لطیف ہوتے ہیں اور جس جس قدر محبتِ ذاتی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر یہ اور بھی لطیف ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت یوسفؑ نے صرف یہی کیا تھا کہ تم بادشاہ سے میرا ذکر بھی کرنا۔ صرف اتنی بات پر ایک عرصہ تک زندان میں رہنا پڑا۔ حالانکہ عام نظر میں یہ ایک معمولی سی بات ہو سکتی ہے مگر نہیں یہ ان تعلقاتِ محبت کے منافی تھی۔ غرض یہ ایک لطیف سِر ہے جس پر ہر ایک مطلع نہیں ہو سکتا۔ یہی ایک مقام ہے جس کی طلب ہر ایک کو کرنی چاہیئے۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۴ و ۱۵ صفحہ ۱، ۲ مورخہ ۳۰ اپریل، ۱۰ مئی ۱۹۰۴ء)

---

۲۱ اپریل ۱۹۰۴ء

(دربارِ شام)

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ عَرْشِیْ

یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تازہ وحی ہے۔ عرش کے متعلق ۲۱ر اپریل کی شام کو فرمایا کہ:۔

عرش

عرش اللہ تعالیٰ کی جلالی وجمالی صفات کا مظہرِ اتم ہے۔ عرش کے مخلوق یا غیر مخلوق کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کی تفصیل حوالہ بخدا کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے مخلوق کہا ہے انہوں نے بھی غلطی کھائی ہے کیونکہ پھر اس سے وہ محدود لازم آتا ہے اور جو غیر مخلوق کہتے ہیں وہ توحید کے خلاف کہتے ہیں کیونکہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اگر یہ غیر مخلوق ہو تو پھر اس سے باہر رہ جاتا ہے۔ مومن موحد اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ ایک استعارہ ہے جیسے اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ یا اُخْطِی وَ اُصِیْبُ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ استعارات کے ذریعہ کلام کرتا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو حوالہ بخدا کرتے ہیں۔ پس ہمارا مذہب عرش کے متعلق یہی ہے کہ اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث میں دخل نہ دو۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کی جلالی وجمالی تجلیات کا مظہر ہے۔

امن است در مکانِ محبت سرائے ما

اس الہام کو سناتے وقت فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ

محبت بھی ایک نار ہوتی ہے اور طاعون بھی ایک نار ہے۔ اس لیے دو نار ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی ہیں اسی لیے معبرین نے بھی لکھا ہے کہ جو شخص دیکھے کہ اس کے دل سے شعلۂ نار بھڑکتا ہے وہ عاشق ہو جائیگا۔ عشق کو بھی نار کہتے ہیں۔

پس اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ذاتی اور عشق پیدا ہو جاوے اور اس کے ساتھ وفاداری، اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ کرے گا۔[1]

وباؤں کا عذاب

جب دنیا میں فسق وفجور پھیل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے لوگ دُور جا پڑتے ہیں اور اس سے لاپروا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی پروا نہیں کرتا ہے۔ ایسی صورت میں پھر اس قسم کی وبائیں بطور عذاب نازل ہوتی ہیں ان بلاؤں اور وباؤں کے بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ دُنیا پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ظاہر ہو اور فسق وفجور سے لوگ نفرت کر کے نیکی اور راستبازی کی طرف توجہ کریں اور خدا تعالیٰ کے مامور کی طرف جو اس وقت دُنیا میں موجود ہوتا ہے توجہ کریں۔ اس زمانہ میں بھی فسق وفجور کے سیلاب کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ راستبازی، تقوےٰ،

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۴، ۱۵ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ اپریل، ۱۰ مئی ۱۹۰۴ء

عفت اور خدا ترسی اور خدا شناسی بالکل اُٹھ گئی تھی۔ دین کی باتوں پر ہنسی کی جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق جو اُس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی زبان پر کیا تھا کہ مسیح موعود کے وقت دنیا میں مری بھیجوں گا اس طاعون کو اصلاحِ خلق کے لیے مسلط کیا ہے۔ طاعون کو بُرا کہنا بھی گناہ ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا ایک مامور ہے جیسا کہ مَیں نے ہاتھی والی رؤیا میں دیکھا تھا، لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ بعض دیہات بالکل برباد ہو گئے ہیں اور ہر جگہ یہ آفت برپا ہے تو بھی ان شوخیوں، شرارتوں اور بیباکیوں میں فرق نہیں آیا۔ جو اس سے پہلے بھی تھیں۔ مکر و فریب، ریاکاری بدستور پھیلی ہوئی ہے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۶ صفحہ ۱ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۴ء)

۲۳۔ اپریل ۱۹۰۴ء

ایک شخص نے حفاظتِ طاعون کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ فرمایا کہ اوّل اپنے اعمال درست کرو پھر دُعا کا اثر ہوگا۔

مکر اللہ

مکر اللہ کے یہی معنے ہیں کہ انسان کی باریک در باریک تدابیر اور تجاویز پر آخر کار خدا کی تجاویز غالب آجاویں اور انسان کو ناکامی ہو۔ اگر کوئی کتاب اللہ سے اس فلاسفی کو نہیں مانتا تو دنیا میں بھی اس کی نظیر موجود ہے اور اس کے اسرار پائے جاتے ہیں چور کیسی باریک در باریک تدابیر کے نیچے اپنا کام اور اپنی حفاظت کرتا ہے لیکن گورنمنٹ نے جو تجاویز باریک در باریک اس کی گرفتاری کی رکھی ہیں آخر وہ غالب آجاتی ہیں تو خدا کیوں غالب نہ آوے۔

رعایتِ اسباب ضروری ہے

اگرچہ سوائے اذن الٰہی کے کچھ نہیں ہوتا مگر تاہم احتیاط کرنی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے لیے بھی حکم ہی ہے۔ احادیث میں جو متعدی امراض کے ایک دوسرے سے لگ جانے کی نفی ہے اس کے بھی یہی معنے ہیں ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امور مشہودہ اور محسوسہ کا انکار کیا جاوے۔ اس سے کوئی یہ نہ دھوکا کھاوے کہ ہمارا اعتقاد قال اللہ و قال الرسول کے برخلاف ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ ہم تو قرآن شریف کی اس آیت پر عمل کرتے ہیں وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود: ۱۱۴) رعایتِ اسباب کرنی قدیم سنت انبیاء کی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں جاتے تو خود زرہ وغیرہ پہنتے خندق کھودتے، بیماری میں دوائیں استعمال کرتے۔ اگر کوئی ترکِ اسباب کرتا ہے تو وہ خدا کا امتحان کرتا

ہے جو کہ منع ہے۔

سخت دل ہر ایک فاسق سے بدتر ہوتا ہے اور وہ خدا سے اَبْعَد ہوتا ہے جو ٹیڑھی راہ اختیار کرتا ہے وہ بلا تلخی دیکھنے کے مرتا نہیں۔ (البدر جلد ۳ نمبر ۱۸، ۱۹ صفحہ ۳ مورخہ ۸ - ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء)

۲۵ر اپریل ۱۹۰۴ء

(بوقت شام)

خوارقِ عادت امور

شام کے وقت اس امر کا ذکر ہو رہا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں تک اپنے بندہ کی نصرت اور حفاظت کرتا ہے۔ اس پر حضور نے اپنا ایک واقعہ سُنایا۔ فرمایا کہ

مَیں ایک دفعہ زحیرِ قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ زندگی سے بالکل مایوسی ہوگئی اور گھر کے سب لوگ اپنی طرف سے مجھے مُردہ تصوّر کر بیٹھے حتّٰی کہ سورۂ یٰسٓ بھی سنا دی گئی اور رونے کے لیے اردگرد چٹائیاں بچھا دیں لیکن مجھے دراصل ہوش تھی اور مَیں سب کچھ دیکھ اور سُن رہا تھا، لیکن چونکہ سخت تپش اور جلن تھی اس لیے بول نہ سکتا تھا۔ مَیں نے خیال کیا کہ اگر میں زندہ بھی رہا تو اس قسم کی صعوبت اور موت کی تلخی پھر بھی دیکھنی پڑے گی کہ اسی اثنا میں مجھے الہام ہوا۔ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَآءٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ اور تسبیح پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ مَیں تسبیح پڑھ پڑھ کر شکم پر اور درد کی جگہ پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ ایک سکینت حاصل ہوتی جاتی تھی اور درد وَالَم وغیرہ رفع ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس سے بالکل آرام ہوگیا۔

فرمایا:-

خوارقِ عادات کا علم اَور ہے اور یہ امور بہت ہی دقیق در دقیق ہیں۔ معمولی زندگی اور اسباب پرستی کی زندگی دہریت کی رگ سے اصل میں ملی ہوئی ہوتی ہے حقیقی اور اصلی زندگی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان حاصل ہو جاوے۔ ایمان قوی اسی وقت ہوتا ہے جب خصوصیت کے ساتھ خوارقِ عادت اور کثرت سے ہوں۔

ہماری خواہش یہ ہے کہ الٰہی تجلیات ظاہر ہوں جیسے کہ موسیٰ نے اَرِنِیْ کہا تھا ورنہ ہمیں تو بہشت کی

ضرورت ہے اور نہ کسی اَور شئے کی۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۸، ۱۹ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۵/۱۶ مئی ۱۹۰۴ء)

---

۲۸ اپریل ۱۹۰۴ء

مومن کی نظر اعمالِ صالحہ پر ہونی چاہیئے

ایک نوجوان نے اپنے کچھ رؤیا اور الہامات سنانے شروع کئے جب وہ سُنا چکا تو آپ نے فرمایا۔

مَیں تمہیں نصیحت کے طور پر کہتا ہوں۔ اسے خوب یاد رکھو کہ ان خوابوں اور الہامات ہی پر نہ رہو بلکہ اعمالِ صالحہ میں لگے رہو۔ بہت سے الہامات اور خواب سفیر و پھل کی طرح ہوتے ہیں جو کچھ دنوں کے بعد گر جاتے ہیں اور پھر کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔ اصل مقصد اور غرض اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا اور بے ریا تعلق۔ اخلاص اور وفاداری ہے جو نرے خوابوں سے پوری نہیں ہو سکتی مگر اللہ سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے صدق و اخلاص و ترکِ ریا و ترکِ منہیات میں ترقی کرنی چاہیئے اور مطالعہ کرتے رہو کہ ان باتوں پر کس حد تک قائم ہو۔ اگر یہ باتیں نہیں ہیں تو پھر خوابیں اور الہامات بھی کچھ فائدہ نہیں دیں گے بلکہ صوفیوں نے لکھا ہے کہ اوائل سلوک میں جو رؤیا یا وحی ہو اس پر توجہ نہیں کرنی چاہیئے وہ اکثر اوقات اس راہ میں روک ہو جاتی ہے۔ انسان کی اپنی خوبی اس میں تو کوئی نہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو وہ کسی کو کوئی اچھی خواب دکھاوے یا کوئی الہام کرے اس نے کیا کیا؟ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت وحی ہوا کرتی تھی لیکن اس کا کہیں ذکر بھی نہیں گیا گیا کہ اس کو یہ الہام ہوا یہ وحی ہوئی۔ بلکہ ذکر کیا گیا ہے تو اس بات کا کہ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى۔ وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا کامل نمونہ دکھایا۔ یا یہ کہ يٰٓاِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۶) یہ بات ہے جو انسان کو حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر یہ پیدا نہ ہو تو پھر رؤیا و الہام سے کیا فائدہ؟ مومن کی نظر ہمیشہ اعمال صالحہ پر ہوتی ہے اگر اعمال صالحہ پر نظر نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ مکر اللہ کے نیچے آ جائے گا۔ ہم کو تو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کو راضی کریں اور اس کے لیے ضرورت ہے اخلاص کی، صدق و وفا کی، نہ یہ کہ قیل و قال تک ہی ہماری ہمت و کوشش محدود ہو۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت دیتا ہے اور اپنے فیوض و برکات کے دروازے کھول دیتا ہے اور رؤیا اور وحی کو القاءِ شیطانی سے پاک کر دیتا ہے اور اضغاث احلام سے بچا لیتا ہے پس اس بات

کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ رؤیا اور الہام پر مدار صلاحیت نہیں رکھنا چاہیئے۔ بہت سے آدمی دیکھے گئے ہیں کہ ان کو رؤیا اور الہام ہوتے رہے لیکن انجام اچھا نہیں ہوا۔ جو اعمالِ صالحہ کی صلاحیت پر موقوف ہے۔ اس تنگ دروازہ سے جو صدق و وفا کا دروازہ ہے گذرنا آسان نہیں۔ ہم کبھی ان باتوں سے فخر نہیں کر سکتے کہ رؤیا یا الہام ہونے لگے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہیں اور مجاہدات سے دستکش ہو رہیں اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا وہ تو فرماتا ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم: ۴۰) اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ مجاہدہ کرے اور وہ کام کر کے دکھلاوے جو کسی نے نہ کیا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ صبح سے شام تک مکالمہ کرے تو یہ فخر کی بات نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو اس کی عطا ہوگی۔ دھیان یہ ہوگا کہ خود ہم نے اس کے لیے کیا کیا۔

بلعم کتنا بڑا آدمی تھا۔ مستجاب الدعوات تھا۔ اس کو بھی الہام ہوتا تھا لیکن انجام کیسا خراب ہوا اللہ تعالیٰ اسے کُتّے کی مثال دیتا ہے اس لیے انجام کے نیک ہونے کے لیے مجاہدہ اور دُعا کرنی چاہیئے اور ہر وقت لرزاں ترساں رہنا چاہیئے۔

مومن کو اعتقاد صحیح رکھنا اور اعمال صالحہ کرنے چاہئیں اور اس کی ہمت اور سعی اللہ تعالیٰ کی رضا اور وفاداری میں صرف ہونی چاہیئے۔

مومن کی صحیح رؤیا کی تعبیر یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق ہو۔ اس کے اَوامر نواہی اور وصایا میں پورا اُترے اور ہر مصیبت و ابتلاء میں صادق مخلص ثابت ہو یاد رکھو ابتلا بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ابتلاء شریعت کے اوامر و نواہی کا ہوتا ہے۔ دوسرا ابتلا قضا و قدر کا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (البقرۃ: ۱۵۶)

پس اصل مرد میدان اور کامل وہ ہوتا ہے جو ان دونو قسم کے ابتلاؤں میں پورا اُترے۔ بعض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اوامر و نواہی کی رعایت کرتے ہیں لیکن جب کوئی ابتلا مصیبت قضا و قدر کا پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی بعض فقیر دیکھے گئے ہیں کہ ہمیں نفس کشی کی اس قدر مشق ہے کہ سارے دن میں صرف ایک مرتبہ سانس لیتے ہیں لیکن وہ ابتلاء کے وقت بہت ہی بودے اور کمزور ثابت ہوتے ہیں تو وہی ہے جو اعتقاد صحیح رکھتا ہو۔ اعمالِ صالحہ کرنے والا ہو اور مصائب و شدائد میں پورا اُترنے والا ہو اور یہی جوانمردی ہے۔ جب تک عبودیت میں پورا اور کامل نہیں رویاء یا الہامات پر اس کا فخر لے جاتے ہے کیونکہ اس میں اپنی کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس امر میں کامیابی کے لیے ایک زمانہ دراز چاہیئے جلدی کبھی نہیں چاہیئے جیسے کوئی شخص درخت لگاتا ہے تو پہلے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک بکری بھی منہ مار کر اُسے

کھا سکتی ہے۔ پھر اگر وہ اس سے بچے تو مختلف قسم کی آندھیاں اس پر چلتی ہیں اور اس کو اکھاڑنے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن اگر وہ ان سے بھی بچ رہے تو پھر کہیں جا کر اُسے پھول لگتے ہیں اور پھر وہ پھول بھی ہوا سے گرتے ہیں اور کچھ بچتے ہیں۔ آخر الامر پھل لگتا ہے اور اس پر بھی بہت سی آفتیں آتی ہیں کچھ یونہی گر جاتے ہیں اور کچھ آندھیوں میں تباہ ہوتے ہیں[1]۔ جو پکتے ہیں اور کھانے کے کام آتے ہیں۔

اسی طرح پر ایمانی درخت کا حال ہے۔ اس سے پھل کھانے کے لیے بھی بہت سی صعوبتوں اور مشکلات میں ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ صوفی بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ جب تک موت نہ آوے زندگی حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن شریف نے صحابہؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴) یعنی بعض صحابہؓ میں سے ایسے ہیں جو اپنی جان دے چکے ہیں اور بعض ابھی منتظر ہیں۔ جب تک اس مقام پر انسان نہیں پہنچتا۔ بامراد نہیں ہو سکتا۔

دو قسم کے آدمی دراصل جان سلامت لے جاتے ہیں ایک وہ جو دین العجائز رکھتے ہیں یعنی جیسے ایک بڑھیا عورت ایمان لاتی ہے کہ اللہ ایک محمدؐ برحق ہے۔ وہ اسرارِ شریعت کی تہ تک پہنچنے کی ضرورت نہیں سمجھتی ہے۔

اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو سلوک کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ بڑے بڑے خونخوار دشت و بیابان ان کی راہ میں آتے ہیں مگر وہ ہزاروں موتیں برداشت کر کے پہنچ جاتا ہے۔ اس کی جوانمردی اور ہمت قابلِ تعریف ہے۔ لیکن ایک اور گروہ ہوتا ہے جو نہ تو دین العجائز اختیار کرتا ہے اور نہ اس راہ کو اختیار کر کے انجام تک پہنچتا ہے بلکہ اس دشتِ خونخوار میں پڑ کر راستہ ہی میں ہلاک ہو گیا۔ ایسے لوگ وہی ہوتے ہیں جو کہ اللہ کے نیچے آجاتے ہیں۔ غرض اس راہ کا طے کرنا بہت ہی مشکل ہے اس کے لیے چاہیئے کہ دُعا میں مشغول ہو اور قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھتے رہو کہ آیا اس کے حکموں پر چلتے ہو یا نہیں۔ جس حکم پر نہیں چلتے اس پر چلنے کے لیے مجاہدہ کرو اور خدا تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

غرض اعمالِ صالحہ بڑی چیز ہے۔ قرآن شریف کو دیکھ لو جہاں ایمان کا ذکر کیا ہے اسے اعمالِ صالحہ سے وابستہ کیا ہے۔ اس میں متوجہ ہو کہ خدا تعالیٰ راضی ہو جاوے جب تک یہ بات نہ ہو کچھ نہیں۔

(البدر جلد ۳ نمبر ۱۸ - ۱۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۸ - ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء)

نیز (الحکم جلد ۸ نمبر ۱۴، ۱۵ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ اپریل و یکم مئی ۱۹۰۴ء و نمبر ۱۶ صفحہ ۱۶ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۴ء)

---

[1] الحکم میں آگے یہ الفاظ ہیں "کچھ جانور کھا جاتے ہیں آخر تھوڑے ہوتے ہیں جو پکتے ہیں"۔

۲۹، اپریل ۱۹۰۴ء

(بوقت شام)

اَلطَّرِیْقَۃُ کُلُّھَا اَدَبٌ

ایک شخص نومسلم چکڑالوی کے خیالات کا متبع آیا ہوا تھا۔ اس نے نشان دیکھنا چاہا حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سوال کو طریق ادب وطالب کے خلاف پاکر حکم دیا تھا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اس پر اُس نے ایک معافی نامہ پیش کیا جس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:۔

یہ بات محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے کہ کوئی بات کسی کو سمجھا دے لیکن اُسے سمجھ دیتا ہے جو ادب کے طریق پر سچا طالب ہوکر تلاش کرتا ہے۔ اَلطَّرِیْقَۃُ کُلُّھَا اَدَبٌ خدا تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ ہے کہ جو شخص صدق دل اور نیک نیتی کے ساتھ اس کی راہ کی تلاش کرتے ہیں وہ ان پر ہدایت ومعرفت کی راہیں کھول دیتا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہم میں ہوکر مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ ہم میں ہوکر سے یہ مراد ہے کہ محض اخلاص اور نیک نیتی کی بناء پر خدا جو ئی اپنا مقصد رکھ کر۔ لیکن اگر کوئی استہزاء اور ٹھٹھے کے طریق پر آزمائش کرتا ہے۔ وہ بدنصیب محروم رہ جاتا ہے۔ پس اسی پاک اُصول کی بنا پر اگر تم سچے دل سے کوشش کرو اور دُعا کرتے رہو تو وہ غفورٌ رحیم ہے لیکن اگر کوئی اللہ تعالےٰ کی پروانہیں کرتا وہ بے نیاز ہے۔

صبر واستقلال کی ضرورت

دنیا فنا کا مقام ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اس فانی مقام پر دلدادہ نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر کرے جو ابدی ہے اور یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاوے اور اس کی مرضی کو مقدم کرکے اس پر چلے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کو مقدم نہیں کرتا اور اس پر نہیں چلتا تو پھر اللہ تعالیٰ اسکی کوئی پروانہیں کرتا۔ جیسے ہزاروں لاکھوں کیڑے مرجاتے ہیں یہ بھی مرجاتا ہے اور اس کا کوئی خیال نہیں ہوتا، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرتا ہے اور دُعاؤں سے کام لیتا ہے اور تھکتا نہیں تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اس پر اپنی راہ کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یہی اُصول یہاں بھی ہے کیونکہ مجھے اس خدا نے مامور کرکے بھیجا ہے۔ پس اگر کوئی یہاں آتا ہے اس لیے کہ وہ شعبدہ بازی دیکھے اور پھونک مار کر ولی بنا دیا جاوے تو ہم صاف کہتے ہیں کہ ہم پھونک مار کر ولی نہیں بناتے۔ جو شخص جلد بازی سے کام لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو آزماتا ہے۔ خدا اس کی پروانہیں کرتا تو مجھے اس کی کیا پروا۔ اتنا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا غفور ورحیم ہے بلکہ اس کے

ساتھ یہ بھی ماننا چاہیئے کہ وہ غنی بھی ہے۔ اگر ساری دُنیا اتقیٰ قلب لے کر آوے تو اس کی الوہیت کی شان ایک ذرہ بھر بھی بڑھ نہ گی اور اگر اتقیٰ نہ ہو تو اس سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اس لیے طالب صادق کا پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غنی بے نیاز ہے اسکو حاجت اس امر کی نہیں کہ میں اسکی طرف رجوع کروں بلکہ مجھے حاجت اور ضرورت ہے کہ اسکی طرف رجوع کروں اور اسکے آستانہ الوہیت پر گروں۔ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ خدا کو میری حاجت نہیں مجھے خدا کی حاجت ہے تو اس میں ایک طلب صادق کا جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ خدا کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔ پس اگر کوئی میرے پاس آتا ہے تو اُسے بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ میرا کام تو صرف پہنچا دینا ہے منوا دینا میرا کام نہیں۔ اگر کوئی اپنی بھلائی اور بہتری چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے ایک دن مرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور جانا ہے تو اس کا فرض ہونا چاہیئے کہ صبر اور صدق کے ساتھ اس راہ کو تلاش کرے اور گھبرائے اور تھکے نہیں، لیکن جب کوئی حد سے زیادہ شرارت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں پر ہنسی کرتا اور انہیں ٹھٹھے میں اُڑانا چاہتا ہے تو اُس کا علاج اس نے اور رکھا ہوا ہے۔ اب بھی یہی ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے۔ کُتوں اور کیڑوں کی طرح لوگ مَر رہے ہیں اور مریں گے۔

دیکھو دس روپیہ کا مقدمہ بھی ہو تو انسان اپنی عقل پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ دوسروں سے مشورہ لیتا ہے اور ان پر بھروسہ کرتا ہے۔ پھر وکیل تلاش کرتا ہے وکیل بھی اعلیٰ درجہ کا۔ پھر حکام رس لوگوں کی تلاش کرتا اور ان کی خوشامد کرتا اور جائز و ناجائز وسائل کے استعمال سے بھی نہیں چُوکتا۔ جب ایک تھوڑی سی متاع کے لیے وہ اس قدر جدوجہد اور کوشش کرتا ہے۔ پھر اُسے شرم کرنی چاہیئے کہ دین کے لیے اس کا دسواں حصہ بھی سعی نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اسرارِ دین اس پر کھل جاویں اور وہ دم زدن میں ولی بن جاوے چند منٹ کے لیے ایک شخص ہماری مجلس میں آکر بیٹھتا ہے اور باہر نکل کر فتویٰ دیتا ہے کہ میں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے، یہ سب کچھ دکانداری ہے ہم ایسے فتووں اور ایسی راؤں کی کیا پروا کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام کے مقابلہ میں جو روشن نشانوں اور دلائل کے ساتھ ہو رہا ہے ایسی بے سروپا راؤں اور فتووں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے مگر ایسی رائے دینے والے کو مرنے کے بعد پتہ لگ جاوے گا کہ ان کے فتووں کی کیا حقیقت ہے۔ اس وقت سارے پردے اور حجاب اُٹھ جاویں گے اور حقیقت کھل جائے گی میں دنیا کی حالت پر سخت تعجب اور افسوس کرتا ہوں کہ اگر کسی کو کہہ دیا جاوے کہ تجھے جذام کا اندیشہ ہے تو وہ طبیب تلاش کرتا ہے اور نسخے پر نسخہ استعمال کرتا چلا جاتا ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی بیماری کے لیے تو یہ جدوجہد کی جاتی ہے پر اس کے مقابلہ پر دین کے لیے کوئی فکر اور کوشش نہیں کی جاتی جو زندہ یا بندہ ایک عام مثل ہے مگر اس کے لیے یہ بھی تو ضروری ہے کہ جو سچی تلاش اور طلب کا حق ہے وہ ادا کرے۔ یہ تو نہیں

کہ ایک شخص آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ مجھے کوئی نشان دکھا دو۔ میں شام کو واپس جانا چاہتا ہوں۔ ایسی جلد بازی اور اقتراح خدا کو پسند نہیں ہے دیکھو زمیندار کس قدر محنت کرتا ہے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر سخت سے سخت زمین میں ہل چلاتا ہے پھر تخم ریزی کرتا ہے، آبپاشی کرتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ تب جا کر کہیں پھل اُٹھاتا ہے یہ کوشش اور محنت دنیا کے لیے تو ہے جو آج ہے کل نہ ہوگی مگر دین کے لیے کچھ بھی نہیں۔ چونکہ نفس میں خباثت ہوتی ہے اور تلاشِ حق مطلوب نہیں ہوتی اس لیے جلد فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں نے سمجھ لیا ہے۔ یہ بے انصافی اور ظلم نہیں تو کیا ہے؟ مگر یہ سچ ہے وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (البقرۃ: ۵۸) ایک شخص جو کنواں کھودنے لگا ہے وہ اگر دو چار ہاتھ کھود کر شکایت کرے کہ پانی نہیں نکلا تو کیا اس کو احمق نہ کہا جاویگا اور ملامت نہ ہوگی کہ ابھی تو اس حد تک پہنچا تو ہے ہی نہیں جہاں پانی نکلتا ہے ابھی سے شکایت کرتا ہے یہ تو تیرا اپنا ہی قصور اور نادانی ہے۔ ہر ایک امر کے لیے ایک قانونِ قدرت اور وقت ہے خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیوی۔ پھر دنیوی امور میں تو ان قوانینِ قدرت کو نگاہ رکھنا ہے لیکن دینی امور میں آکر عقل ماری جاتی ہے اور جلدی کر کے ایک دم میں سب کچھ چاہتا ہے۔ یہ جلد باز اور شتابکار لوگ جب خدا تعالیٰ کے ماموروں کے پاس جاتے ہیں تو وہاں بھی اس شتابکاری سے کام لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ ایک پھونک مار کر ان کو آسمان پر چڑھا دے۔ ایسے نشان مانگتے ہیں کہ ایمان ایمان ہی نہ رہے اگر کوئی شخص چاند یا سورج پر ایمان لاوے تو بتاؤ اس کو اس ایمان سے کیا فائدہ اور ثواب ہوگا۔ ایمان تو یہ ہوتا ہے کہ من وجہٍ محجوب ہو اور من وجہٍ منکشف۔ اگر ایمان کی حد سے بڑھ کر ہوتا تو پھر ثواب ہی نہ ملتا۔ ثواب کا وعدہ اسی صورت میں ہے کہ عقلمند آدمی عقلِ صحیح سے کام لے کر قرائن قویہ کو پا کر سمجھ لیتا ہے کہ یہ حق ہے۔ لیکن اگر اس طریق کو چھوڑتا ہے تو وہ پھر کسی ثواب کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایسا ہی حجاب اُٹھ جاوے کہ آفتاب کی طرح ایک شئے روشن ہو جاوے تو کون احمق ہوگا۔ جو کہے کہ اب آفتاب نہیں اور دن چڑھا ہوا نہیں ہے۔ اگر ایسا انکشاف ہو تو پھر کافر اور مومن میں کیا فرق ہوا؟ مومن تو کہتے ہی اس کو ہیں جو من وجہٍ محجوب پر ایمان لے آتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی بات پر صدیق کہلائے۔

پس قانونِ قدرت یہی ہے جو شخص جلد بازی کرتا ہے اور صبر اور استقلال کے ساتھ کوشش نہیں کرتا اور حسنِ ظن سے کام نہیں لیتا وہ ہمارا کیا بگاڑے گا اپنی ہی شقاوت کا نشانہ ہوگا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک بیمار کسی طبیب کے پاس آوے اور طبیب اس کی مرض کی تشخیص کر کے کہے کہ تجھے دو مہینے تک میرے پاس رہ کر علاج کرنا پڑے گا مگر وہ کہے کہ نہیں دو مہینے تک تو میں رہ نہیں سکتا۔ تم ابھی کوئی قطرہ ایسا دو کہ یہ ساری مرض جاتی رہے۔ ایسا جلد باز مریض کیا خاک فائدہ اُٹھائے گا وہ تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اس کیلئے

قانونِ قدرت تو بدل نہیں جائے گا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (الفتح: ۲۴) پس یہ بڑی بدبختی ہے کہ دنیا کے کاموں میں عقل سے کام لیتا ہے لیکن دین کے کاموں میں عقل کو بیکار اور معطّل کر دیتا ہے۔ یہ خطرناک مرض ہے اس کا علاج یہی ہے کہ کثرت سے استغفار کرتا ہے۔ نیک صُحبت میں رہے اور دُعاؤں میں لگا رہے۔ اگر یہ نہیں کرتا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتا لیکن جو صدق دل اور نیک نیتی کے ساتھ خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے اور اس راہ میں تھکتا اور گھبراتا نہیں۔ دُعاؤں میں لگا رہتا ہے اُمید ہے کہ وہ ایک دن گوہرِ مقصود کو پالے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۸ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء)

اپریل کے آخری ایام

مامورا ور نشان نمائی

[سنّت اللہ سے ناواقف ہونا بھی ایک موت ہے کیونکہ اس جہالت کی وجہ سے بعض اوقات انسان خدا تعالیٰ کے مامورو ں برگزیدوں کے سامنے ایسی جرأت اور شوخی کر بیٹھتا ہے جو اسے قبولِ حق سے محروم کر دیتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی دستگیری نہ کرے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور بعض اوقات ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں۔ چنانچہ اواخر اپریل میں ایک نومسلم یہاں آیا اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور بڑی دلیری سے نشان بینی کی درخواست کی جس پر حضرت اقدس نے فرمایا:]

ہر ایک مامور کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ڈالا جاتا ہے وہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہی بالکل سچ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو دنیا میں مامور کر کے بھیجتا ہے تو اس کی تائید میں خارق عادت نشان بھی ظاہر کرتا ہے چنانچہ اس جگہ بھی اس نے میری تائید کے لیے بہت سے نشان ظاہر کئے ہیں جن کو لاکھوں انسانوں نے دیکھا ہے اور وہ اس پر گواہ ہیں۔ تاہم میں اپنے خدا پر کامل یقین رکھتا ہوں کہ اس نے انہیں نشانوں پر حصر نہیں کیا اور آئندہ اس سلسلہ کو بند نہیں کیا وقتاً فوقتاً وہ اپنے ارادہ سے جب چاہتا ہے نشان ظاہر کرتا ہے۔ ایک طالبِ حق کے لیے وہ نشان تھوڑے نہیں ہیں مگر اس پر بھی اگر دل شہادت نہ دے کہ ایک شخص واقعی طالبِ حق ہے اور صدقِ نیت سے وہ نشان کا خواہشمند ہے تو ہم اس کے لیے توجہ کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی امر ظاہر کر دے لیکن اگر یہ بات نہ ہو اور خدا تعالیٰ

کے پہلے نشانوں کی بے قدری کی جاوے اور انہیں ناکافی سمجھا جاوے تو توجہ کے لیے جوش پیدا نہیں ہوتا اور ظہورِ نشان کے لیے ضروری ہے کہ اس میں توجہ کی جاوے اور اقبال الی اللہ کے لیے جوش ڈالا جاوے اور یہ تحریک اس وقت ہوتی ہے جب ایک صادق اور مخلص طلبگار ہو۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ نشان عقلمندوں کے لیے ہوتے ہیں ان لوگوں کے واسطے نشان نہیں ہوتے جو عقل سے کوئی حصہ نہیں رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نشانات سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ ہدایت محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو اور وہ فضل نہ کرے تو خواہ کوئی ہزاروں ہزار نشان دیکھے اُن سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ پس جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ نشانات گذشتہ سے اُس نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے ہم آئندہ کے لیے کیا اُمید رکھیں۔

نشانات کا ظاہر ہونا یہ ہمارے اختیار میں تو نہیں ہے اور نشانات کوئی شعبدہ باز کی چابکدستی کا نتیجہ تو نہیں ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرضی پر موقوف ہے وہ جب چاہتا ہے نشان ظاہر کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے۔

اس وقت جو سوال نشان نمائی کا کیا جاتا ہے اس کے متعلق میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہی ڈالا ہے کہ یہ اقتراح اسی قسم کا ہے جیسا ابوجہل اور اس کے امثال کیا کرتے تھے انہوں نے کیا فائدہ اُٹھایا؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر نشان صادر نہیں ہوئے تھے۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد کرے تو وہ کافر ہے۔ آپ کے ہاتھ پر لاانتہاء نشان ظاہر ہوئے مگر ابوجہل وغیرہ نے ان سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ اسی طرح پر یہاں نشان ظاہر ہو رہے ہیں جو طالبِ حق کے لیے ہر طرح کافی ہیں۔ لیکن اگر کوئی فائدہ نہ اُٹھانا چاہے اور ان کو ردّی میں ڈالا جائے اور آئندہ خواہش کرے اس سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ وہ خدا تعالیٰ کے نشانات کی بے حرمتی کرتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ سے ہنسی کرتا ہے۔

طریقِ ادب

طریقِ ادب تو یہ ہے کہ پہلے کتابوں کو دیکھا جاتا اور دیانتداری اور خدا ترسی سے ان میں غور کیا جاتا۔ وہ نشانات جو ان میں درج کئے گئے ہیں ان پر فکر کی جاتی اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص سلیم دل لے کر میری کتابوں کو پڑھے گا اور ان نشانوں پر غور کرے گا۔ تو اس کا دل بول اُٹھے گا کہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ ایسے جلیل القدر نشان دکھا سکے لیکن ان کتابوں کو دیکھا نہیں جاتا اور تقویٰ سے کام نہیں لیا جاتا۔ پھر شوخی سے کہا جاتا ہے کہ نشان دکھاؤ۔ اگر یہ ضروری ہوتا کہ ہر شخص کے لیے ایک جدا نشان ہو اور پھر ایک لمبا اور لاانتہا سلسلہ شروع ہو جاوے۔ ہر ایک شخص آکر کہے کہ پہلا نشان میرے لیے کافی نہیں ہے مجھے کوئی اَور نشان دکھایا جاوے جو اس قسم کی جرأت کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو آزماتا

ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کیلئے ہدایت بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے صریح بُو آتی ہے کہ خدا کے پہلے نشانوں کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

نشانوں کی ایک حد ہوتی ہے اور ان کی شناخت کے لیے ایک قوت شامہ دی جاتی ہے جو وہ قوت نہیں رکھتا ہے جس سے اس کو پہچانے اس کے سامنے خواہ کتنے ہی نشان ظاہر ہوں وہ کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسلام کی سچائی پر یُوں تو ہر زمانہ میں لاکھوں تازہ بتازہ نشان ہوتے ہیں مگر کیا یہ نشان بجائے خود کم ہے کہ جس توحید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس شرک و بدعت کو آپ نے دُور کیا ہے دنیا میں کبھی کسی مذہب نے نہیں کیا۔ ایک عقلمند کے لیے تو یہ نشان ایسا عظیم الشان ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی لیکن ایک غبی اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

مفتری مہلت نہیں پاسکتا

ایک ولی اللہ ذات کے قصاب تھے ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ مَیں تب مانتا ہوں اگر آپ کوئی نشان دکھائیں۔ انہوں نے اس کو کیا عمدہ جواب دیا ہے کہ باوجودیکہ تیرا خیال ہے کہ ہم ایسے ہیں اور پھر باوصف ایسے گنہگار ہونے کے تُو دیکھتا ہے کہ ہم ابتک غرق نہیں ہوگئے۔ اسی طرح پر ہم بھی کہتے ہیں کہ کیا یہ نشان ہمارا کم ہے کہ ہم کو مفتری کہا جاتا ہے لیکن پچیس سال سے بھی زیادہ سے یہ سلسلہ چلا آتا ہے اور دن بہ دن اس کی ترقی ہو رہی ہے اور ہم غرق نہیں ہوگئے۔ دانشمند اگر خدا ترس دل لے کر سوچے تو اس کے لیے یہ بھی کوئی چھوٹا سا نشان نہیں ہے۔

جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ بہت سے مفتری بچ گئے ہیں یہ محض افتراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں خلاف نہیں ہوسکتا۔ کبھی کوئی مفتری مہلت نہیں پاسکتا ورنہ پھر خدا تعالیٰ کے راستبازوں اور مفتریوں میں فرق کرنا مشکل ہوجائیگا۔ خدا تعالیٰ کی سلطنت میں اندھیر نہیں ہے۔ اس دنیا کی سلطنت میں اگر کوئی شخص مصنوعی چپڑاسی بھی بن جاوے تو فی الفور پکڑا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں ایسا اندھیر ہو کہ کوئی شخص خدا کا مامور ہونے کا مدعی ہو اور جھوٹے الہام خود ہی بنا کر خلق اللہ کو گمراہ کرے اور اللہ تعالےٰ اس کی پروانہ کرے بلکہ اس کی تائید میں نشان بھی ظاہر کردے اور اس کی پیشگوئیوں کو بھی پورا کرکے دکھاوے۔ کیا یہ حیرت انگیز اور تعجب کی جگہ نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ کبھی کسی مفتری کو مہلت نہیں دیتا۔ پس اس اصول پر ہمارا اب تک قائم رہنا اور اس سلسلہ کا نشوونما پانا اور دن بدن ترقی کرنا بھی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ اگر کوئی خدا ترسی سے اس پر غور کرے تو اس کے لیے کم نشان نہیں ہے مگر جس شخص کو ہزاروں دوسرے نشان فائدہ نہیں پہنچا سکے اور اُن سے اُس نے کوئی سبق نہیں سیکھا آئندہ اس سے کیا اُمید ہوسکتی ہے؟

عیسائیت کا مستقبل

فرمایا۔ عیسائی مذہب کے ساتھ ہمارا مقابلہ ہے۔ عیسائی مذہب اپنی جگہ آدم زاد کی خدائی منوانی چاہتا ہے اور ہمارے نزدیک وہ اصل اور حقیقی خدا سے دُور پڑے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان عقائد کی (جو حقیقی خدا پرستی سے دور پھینک کر مُردہ پرستی کی طرف لیجاتے ہیں) کافی تردید ہو اور دُنیا آگاہ ہو جاوے کہ وہ مذہب جو انسان کو خدا بناتا ہے خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور بظاہر اسباب عیسائی مذہب کی اشاعت اور ترقی کے جو اسباب ہیں وہ انسان پرست انسان کو کبھی یقین نہیں دلاتے کہ اس مذہب کا استیصال ہو جاویگا لیکن ہم اپنے خدا پر یقین رکھتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اور یہ میرے ہاتھ پر مقدر ہے کہ مَیں دنیا کو اس عقیدہ سے رہائی دوں۔ پس ہمارا فیصلہ کرنے والا یہی امر ہوگا۔ یہ باتیں لوگوں کی نظر میں عجیب ہیں مگر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ میرا خدا قادر ہے۔

مَیں اصل میں دیکھتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ مامور کے آنے کا کیا مدعا ہوتا ہے اور مَیں اس امر کو بھی خوب جانتا ہوں کہ اس کا دعویٰ بناوٹ اور تکلف سے نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کہتا ہے دنیا اپنی جگہ پر سمجھتی ہے کہ شائد یہ اپنی شہرت کے لیے کرتا اور کہتا ہے مگر مَیں جانتا ہوں کہ وہ دنیا کی تعریف اور شہرت سے بالکل مستغنی ہوتا ہے وہ مجبور کیا جاتا ہے کہ باہر دنیا میں نکلے ورنہ اگر یہ سوزش اور گدازش جو اسے مامور کر کے خلق اللہ کی بہتری اور بہبودی کی لگادی جاتی ہے اُسے نہ لگائی جاتی۔ تو وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تنہائی میں اپنی زندگی بسر کرے اور کوئی اس کو نہ جانے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی ایسے انسان کو منتخب کرتا ہے جو اس کے منشاء کے موافق کام کر سکتا ہے تو وہ اسے حجرہ سے باہر لاتا ہے اور پھر اس کو عظیم الشان استقلال اور ثباتِ قدم عنایت کرتا ہے۔ دنیا اور اس کی مخالفتوں کی اُسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ ہر ایک قسم کی تکالیف اور مصائب میں بھی قدم آگے بڑھاتا اور اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ مَیں اپنے دل کو دیکھتا ہوں کہ بالطبع وہ شہرت اور باہر آنے سے متنفر تھا۔ لیکن مَیں کیا کروں خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی خدمت کے لیے چُن لیا اور باہر نکال دیا۔ اب خواہ کوئی کچھ بھی کہے میں اس کی پروا نہیں کر سکتا اور مَیں کسی کی تعریف یا مذمت کی پروا کروں تو اس کے یہی معنے ہیں کہ مَیں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور کو بھی اپنے پہلو میں رکھتا ہوں۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ جس کام کے لیے اس نے مقرر کیا ہے اس کے حسبِ حال جوش اور سوزش بھی میرے سینہ میں پیدا کر دی ہے مَیں بیان نہیں کر سکتا کہ اس ظلم صریح کو دیکھ کر جو ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے میرے دل میں کس قدر درد اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ ہزاروں ہزار انسان ہیں جو اپنے اہل و عیال اور دوسری حاجتوں کیلئے دعائیں کرتے اور تڑپتے ہیں مگر مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرے لیے اگر کوئی غم ہے تو یہی ہے کہ نوعِ انسان کو اس

ظلم صریح سے بچاؤں کہ وہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے میں مبتلا ہو رہی ہے اور اس سچے اور حقیقی خدا کے سامنے ان کو پہنچاؤں جو قادر اور مقتدر خدا ہے۔

میری فطرت میں کسی اَور امر کے لیے کوئی اور میلان ہی نہیں رکھا گیا اور نہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اَور کسی چیز کی حاجت میرے لیے رہنے دی ہے اس لیے میری بڑی دُعا اور آرزو یہی ہے کہ مَیں اس باطل کا استیصال دیکھ لوں جو خدا تعالیٰ کی مسند پر ایک عاجز انسان کو بٹھایا جاتا ہے اور حق ظاہر ہو جاوے۔ میں اس جوش اور درد کو جو مجھے اس حق کے اظہار کے لیے دیا گیا ہے بیان کرنے کے واسطے الفاظ نہیں پاتا۔ اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ کوئی اَور مسیح بھی آسمان سے اُترنے والا ہے تو بھی مَیں اپنے دل پر نظر کر کے کہہ سکتا ہوں کہ جو گدازش اور جوش مجھے اس مذہب کے لیے دیا گیا ہے کبھی کسی کو نہیں دیا گیا۔

مجھے بشارت دی گئی ہے کہ یہ عظیم الشان بوجھ جو میرے دل پر ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہلکا کر دے گا اور ایک حیّ وقیوم خدا کی پرستش ہونے لگے گی۔ وہ خدا جو ہماری ہزاروں دعائیں قبول کرتا ہے کبھی ہو سکتا ہے کہ وہ دُعائیں جو اس کے جلال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے اظہار کے لیے ہم کرتے ہیں قبول نہ کرے؟ نہیں وہ قبول کرتا ہے اور کریگا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جس قدر عظیم الشان مرحلہ اور مقصد ہو اسی قدر وہ دیر سے حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ عظیم الشان کام ہے اس لیے اس کے حسب منشا ہونے میں ایک وقت اور مہلت مطلوب ہے لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ اب وہ وقت قریب آرہا ہے اور اس کی خوشبو دار ہوائیں آرہی ہیں اور مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ان دُعاؤں کو جو مَیں ایک عرصہ دراز سے کر رہا ہوں قبول کر لیا ہے۔

جس قدر دل بیساختہ ان ہموم وغموم میں مبتلا ہوں۔ اسی قدر اضطراب پیدا ہو تو یاد رکھنا چاہیئے کہ قبولیت کی تیاری آسمان پر ہوتی ہے کیونکہ جب تک قبولیت کی تیاری آسمان پر نہ ہو وہ خشوع خضوع اور درد وجوش جو حقیقی اضطراب کو پیدا کرتا ہے پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس وقت جو مَیں اس اضطراب اور کرب وقلق کو دل میں پاتا ہوں مجھے کامل یقین ہوتا ہے کہ مصنوعی خدا کے خاتمہ کا وقت آگیا ہے۔

اس وقت ان باتوں پر ایمان لانا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے مگر ایک وقت آتا ہے کہ لوگ ان باتوں کو دیکھ لیں گے۔ مَیں اپنے قادر خدا پر پورا یقین رکھتا ہوں کہ جس بات کے لیے اُس نے میرے دل میں یہ جوش اور اضطراب ڈالا ہے وہ اس کو ضائع نہیں کرے گا اور زیادہ دیر تک دنیا کو تاریکی میں نہیں رہنے دے گا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان نہیں لاتے یا نہیں لائے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بے شک انہونی باتیں ہیں مگر جو شخص اس کی عجیب در عجیب قدرتوں اور طاقتوں کے تماشے دیکھ چکا ہو اور جس کی اپنی ذات پر ہزارہا نشان صادر ہو چکے ہوں۔ ہاں جس نے خود اس کی آوازیں سُنی ہوں وہ کیونکر کہہ

سکتا ہے کہ یہ مشکل ہے یا یہ انہونی ہے کبھی نہیں۔ وہ پکار کر انکار کرنے والے کو کہتا ہے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (البقرۃ : ۱۰۷)

جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ یہ مشکل ہے کہ مصنوعی خدا پر موت آوے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا نہیں۔ وہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الانعام : ۹۲) کے پورے مصداق ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی ابتلا پیدا ہوتا ہے تو اس کے مصالح اور اسباب کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس وقت دنیا بہت تاریکی میں پھنسی ہوئی ہے اور اس کو مُردہ پرستی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔ لیکن اب خدا نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ دنیا کو اس ہلاکت سے نجات دے اور اس تاریکی سے اس کو روشنی میں لاوے یہ کام بہتوں کی نظروں میں عجیب ہے مگر جو یقین رکھتے ہیں کہ خدا قادر ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ خدا جس نے ایک کُن کے کہنے سے سب کچھ کر دیا کیا۔ قادر نہیں کہ اپنے قدیم ارادہ کے موافق ایسے اسباب پیدا کرے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو دنیا تسلیم کر لے۔

سلسلہ کی مخالفت اور نشان نمائی کے مطالبات

مجھے ان لوگوں پر سخت تعجب اور افسوس آتا ہے جو عالم کہلاتے ہیں۔ مولوی اور صوفی بنتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے اس پر حملے ہو رہے ہیں اور اسلام ایک سخت ضعف اور کمزوری کی حالت میں ہے اس وقت چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو مدنظر رکھ کر اس وقت وہ خود منتظر ہوتے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اسلام کی حمایت اور نصرت کے لیے کیا سامان کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی نصرت کا استقبال کرتے مگر افسوس ہے کہ وہ عیسائیوں کے حملوں کو دیکھتے ہیں جو وہ اسلام پر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی عام حالت کو دیکھتے ہیں لیکن آسمان سے کسی مدد کے نزول کے لیے ان کے دل نہیں پگھلتے۔ وہ انتظار کی بجائے خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ پر ہنسی کرتے اور ٹھٹھے مارتے ہیں اور اس کو تباہ کرنے کے منصوبے سوچتے ہیں لیکن وہ یاد رکھیں کہ ان منصوبوں سے خدا تعالیٰ کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے خود جس کام کا ارادہ فرمایا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ ان کی اس منصوبہ بازی اور خطرناک مخالفت کو دیکھ کر مجھے بھی ان پر رحم آتا ہے کہ ان کی حالت ایسی نازک ہو گئی ہے کہ یہ اپنی بیماری اور کمزوری کو بھی محسوس نہیں کر سکتے ورنہ بات کیا تھی؟ خدا تعالیٰ نے ہر طرح کے سامان ان کے سمجھنے اور سوچنے کے لیے مہیا کر دیئے تھے۔ وقت پکار پکار کر مصلح کی ضرورت بتاتا ہے اور پھر جس قدر نشان اور آیات صحائف انبیاء اور قرآن شریف اور احادیث کی رو سے اس وقت کے لیے مقرر تھے وہ ظاہر ہو چکے۔ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ برابر تائید کرتے ہیں، عقل شہادت دیتی ہے اور آسمانی نشان بجائے خود مؤید ہیں مگر یہ عجیب لوگ ہیں کہ نشان دیکھتے ہیں اور منہ پھیر کر کہہ دیتے ہیں کہ کوئی نشان دکھاؤ۔ میں ایسے لوگوں کو کیا کہوں بجز اس کے کہ تم خدا تعالیٰ کے فعل کو حقارت

اور تعجب کی نظر سے دیکھتے ہو جو نشان پہلے اُس نے ظاہر کئے ہیں کیا تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اس کی طرف سے نہیں ہیں۔ کیا وہ نشان انسانی طاقت کے اندر ہیں اور کوئی اُن کا مقابلہ کر سکتا ہے کیا منہاجِ نبوت پر وہ نشان ایک شخص کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہیں۔ جو نئے نشان مانگے جاتے ہیں خدا سے ڈرو اور اس سے مقابلہ نہ کرو۔ یہ تو ظلم صریح ہے کہ اسکی آیات کی ایسی بیقدری کرو کہ ان کو تسلیم ہی نہ کرو۔ پہلے یہ فیصلہ کرو کہ آیا خدا تعالیٰ نے کوئی نشان دکھایا ہے یا نہیں۔ اگر دکھایا ہے اسی طرح پر جو وہ انبیاء کے وقتوں میں دکھاتا آیا ہے تو سعادت مند بن کر اُسے قبول کرو اور اس نعمت کی قدر کرو۔ اگر کوئی نشان نہیں دکھایا گیا ہے تو مانگو بیشک مانگو میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ قادر خدا نشان پر نشان دکھائے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اس نے ہزاروں نشان ظاہر کئے مگر ان لوگوں نے ان کو استہزاء کی نظر سے دیکھا اور کافر نعمت ہو کر ٹال دیا اور پھر کہتے ہیں کہ اَور دکھاؤ۔ یہ اقتراح مناسب نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کامل طور پر اتمامِ حجت کرتا ہے اور اب طاعون کے ذریعہ کر رہا ہے کیونکہ جن لوگوں نے رحمت کے نشانوں سے فائدہ نہیں اُٹھایا وہ اب غضب کے نشانوں کو دیکھ لیں۔

میں بڑی صفائی سے کہہ رہا ہوں کہ تم نے جو اسلام کو قبول کیا ہے کونسا معجزہ اس کا دیکھا تھا۔ جسقدر معجزات اسلام کے تم بیان کرو گے وہ سماعی ہوں گے تمہارے چشمدید نہیں لیکن یہاں تو وہ باتیں موجود ہیں جن کے دیکھنے والے ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں انسان ہیں۔ جو ابھی زندہ موجود ہیں۔ دو گواہوں سے ایک شخص پھانسی پا سکتا ہے، لیکن تعجب کی بات ہے کہ یہاں لاکھوں انسان موجود ہیں جو ان نشانوں کے گواہ ہیں اور انکی شہادت کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے اس سے بڑھ کر ظلم اور حق کا خون کیا ہوگا۔ اگر خدا ترسی اور حق پسندی غرض ہے اور جس مطلب کے لیے ہندو مذہب کو چھوڑ کر[1] اسلام قبول کیا ہے تو ایسے اقتراحوں سے کیا حاصل؟ یہ سعادتمندی کی راہ نہیں۔ یہ تو ہلاکت کی راہ ہے کیونکہ جو اس قدر نشانات کے ہوتے ہوئے بھی پھر کہتا ہے کہ مجھے نشان دکھاؤ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر ہی مرے گا۔

ہماری موت کے بعد اگر کوئی کہتا تو البتہ اُسے معذور سمجھ لیتے کہ اس کے سامنے جو نشانات ہیں وہ منقول ہیں اور ان پر صدیاں گذر گئی ہیں مگر اس وقت تو ہم زندہ موجود ہیں۔ اور ان نشانات کو دیکھنے والے بھی زندہ موجود ہیں۔ پھر کہا جاتا ہے کہ نشان دکھاؤ۔ ایسی ہی حالت ہوگی جب حضرت مسیح کو کہنا پڑا ہوگا کہ اس زمانہ کے حرامکار مجھ سے نشان مانگتے ہیں۔ حقیقت میں انسان جب دیکھتا ہوا نہیں دیکھتا اور سنتا ہوا نہیں سُنتا تو اس کی حالت بہت خطرناک ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جب تم اس وقت اس قدر آیات اللہ کے

---

[1] سائل نومسلم تھا۔ (مرتب)

ہوتے ہوئے بھی انکار کرتے ہو اور جدید نشان کے طلبگار ہو تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ماننے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اسے ذرا بیان تو کرنا چاہیئے یا اگر ان کو صرف حسنِ ظن کے طور پر سُن کر مان لیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس وقت ان تازہ آیات کا انکار کیا جاتا ہے؟ اور ان میں شک کیا جاتا ہے۔ کیوں ان کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہاں بیشک یہ دیکھ لو کہ آیا وہ بشری طاقتوں کے اندر ہیں یا ان سے بڑھ کر ہیں اور منہاجِ نبوت پر ہیں یا نہیں[1]

رؤیت کا انکار کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ ہزاروں ہزار نشان خدا تعالیٰ نے اپنے بندہ کی تصدیق کے لیے ظاہر کئے اور ان کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اُن کو رد کر دیا جاتا ہے اور جدید نشانوں کی خواہش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اَور نشانات دکھلاوے لیکن سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ ایسے اقتراح کرنے والے اور اپنے ایمان کو مشروط کرنے والے ٹھوکر کھا جاتے ہیں پچھلے نشانوں کو ترک کر کے آئندہ کے لیے سوال کرنا آیات اللہ کی بے حرمتی اور خدا تعالیٰ کے حضور سُوءِ ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراھیم: ۸) اگر تم میری نعمت کا شکر کرو گے تو مَیں اُسے بڑھاؤں گا اور پھر فرمایا وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراھیم: ۸) اور اگر انکار اور کفر کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔ اب بتاؤ کہ ان آیاتِ الٰہی کی تکذیب اور ان کو چھوڑ کر جدید کی طلب اور اقتراح یہ عذاب الٰہی کو مانگنا ہے یا کیا؟

سلسلہ کی تائید میں عظیم نشانات کا ظہور

دیکھو مَیں سچ کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی آیات کی بے ادبی مت کرو اور انہیں حقیر نہ سمجھو کہ یہ محرومی کے نشان ہیں اور خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ لیکھرام خدا تعالیٰ کے عظیم الشان نشان کے موافق مارا گیا۔ کروڑوں آدمی اس پیشگوئی کے گواہ ہیں۔ خود لیکھرام نے اسے شہرت دی وہ جہاں جاتا اُسے بیان کرتا۔ یہ نشان اسلام کی سچائی کے لیے اُس نے خود مانگا تھا اور اس کو سچے اور جھوٹے مذہب کے لیے بطور معیار قائم کیا تھا۔ آخر وہ خود اسلام کی سچائی اور میری سچائی پر اپنے خون سے شہادت دینے والا ٹھہرا۔ اس نشان کو جھٹلانا اور اس کی پروا نہ کرنا۔ یہ کسقدر بے انصافی اور ظلم ہے۔ پھر ایسے کھلے کھلے نشان کا انکار کرنا تو خود لیکھرام بننا ہے اَور کیا۔

مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ جس حال میں خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا ہے کہ اس نے ہر قوم کے متعلق

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۶ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۴ء۔ نیز البدر جلد ۳ نمبر ۲۰ - ۲۱ صفحہ ۱۶ تا ۱۸ مورخہ ۲۴ مئی و یکم جون ۱۹۰۴ء

نشانات دکھائے۔ جلالی اور جمالی ہر قسم کے نشان دیئے گئے۔ پھر اُن کو ردّی کی طرح پھینک دینا یہ تو بڑی ہی بدبختی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد بننا ہے جو آیات اللہ کی پروا نہیں کرتا۔ وہ یاد رکھے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پروا نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نشان ظاہر ہوتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک عقلمند خدا ترس ان کو شناخت کر لیتا ہے اور اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے لیکن جو فراست نہیں رکھتا اور خدا کے خوف کو مدِنظر رکھ کر اس پر غور نہیں کرتا وہ محروم رہ جاتا ہے کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ دُنیا دُنیا ہی نہ رہے اور ایمان کی وہ کیفیت جو ایمان کے اندر موجود ہے نہ رہے۔ ایسا خدا تعالیٰ کبھی نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہودیوں کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ حضرت مسیح کا انکار کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیوں ہوتا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تکالیف کیوں برداشت کرنی پڑتیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہی نہیں کہ وہ ایسے نشان ظاہر کرے جو ایمان بالغیب ہی اُٹھ جاوے۔ ایک جاہل وحشی سنّت اللہ سے ناواقف تو اس چیز کو معجزہ اور نشان کہتا ہے جو ایمان بالغیب کی حد سے نکل جاوے مگر خدا تعالیٰ ایسا کبھی نہیں کرتا۔ ہماری جماعت کے لیے اللہ تعالےٰ اللہ تعالیٰ نے کمی نہیں کی۔ کوئی شخص کسی کے سامنے کبھی شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ جس قدر لوگ اس سلسلہ میں داخل ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں جو یہ کہہ سکے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔

براہینِ احمدیہ کو پڑھو اور اس پر غور کرو۔ اس زمانہ کی ساری خبریں اس میں موجود ہیں۔ دوستوں کے متعلق بھی ہیں اور دشمنوں کے متعلق بھی۔ اب کیا یہ انسانی طاقت کے اندر ہے کہ تیس برس پہلے جب ایک سلسلہ کا نام و نشان بھی نہیں اور خود اپنی زندگی کا بھی پتہ نہیں ہو سکتا کہ مَیں اس قدر عرصہ تک رہوں گا یا نہیں۔ ایسی عظیم الشان خبریں دے اور پھر وہ پوری ہو جائیں نہ ایک نہ دو بلکہ ساری کی ساری براہین احمدیہ احمدی لوگوں کے گھروں میں بھی ہے عیسائیوں اور آریوں اور گورنمنٹ تک کے پاس موجود ہے اور اگر خدا کا خوف اور سچ کی تلاش ہے تو مَیں کہتا ہوں کہ براہین کے نشانات پر ہی فیصلہ کر لو۔ دیکھو اس وقت جب کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور کوئی یہاں آتا بھی نہیں تھا۔ ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ تھا اس جماعت کی جو یہاں موجود ہے خبر دی۔ اگر یہ پیشگوئی خیالی اور فرضی تھی تو پھر آج یہاں اتنی بڑی جماعت کیوں ہے؟ اور جس شخص کو قادیان سے باہر ایک بھی نہیں جانتا تھا اور جس کے متعلق براہین میں کہا گیا تھا فَعَانَ اَنْ یُّعَانَ وَ یُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ۔ آج کیا وجہ ہے کہ وہ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب، شام، مصر سے نکل کر یورپ اور امریکہ تک دنیا اس کو شناخت کرتی ہے۔ اگر یہ خدا کا کلام نہیں تھا اور خدا کے منشاء کے خلاف ایک مفتری کا منصوبہ تھا تو خدا نے اس کی مدد کیوں کی؟ کیوں اس کے لیے ایسے سامان اور اسباب پیدا کر دیئے؟ کیا یہ سب مَیں نے خود بنا لیے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسی طرح پر کسی مفتری کی تائید کیا کرتا ہے تو پھر راستبازوں کی سچائی کا معیار کیا ہے۔ تم خود ہی اس کا جواب دو۔

سورج اور چاند کو رمضان میں گرہن لگنا کیا یہ میری اپنی طاقت میں تھا کہ مَیں اپنے وقت میں کر لیتا اور جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سچے مہدی کا نشان قرار دیا تھا اور خدا تعالیٰ نے اس نشان کو میرے دعویٰ کے وقت پورا کر دیا۔ اگر مَیں اس کی طرف سے نہیں تھا تو کیا خدا تعالیٰ نے خود دُنیا کو گمراہ کیا؟ اس کا سوچکر جواب دینا چاہیئے کہ میرے انکار کا اثر کہاں تک پڑتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور پھر خدا تعالیٰ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اسی طرح پر اس قدر نشانات ہیں کہ اُن کی تعداد دو چار نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں تک ہے تم کس کس کا انکار کرتے جاؤ گے؟

اسی براہین میں یہ بھی لکھا ہے یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اب تم خود آئے ہو۔ تم نے ایک نشان پورا کیا ہے۔ اس کا بھی انکار کرو۔ اگر اس نشان کو جو تم نے اپنے آنے سے پورا کیا ہے مٹا سکتے ہو تو مٹاؤ۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ دیکھو آیات اللہ کی تکذیب اچھی نہیں ہوتی اس سے خدا تعالےٰ کا غضب بھڑکتا ہے میرے دل میں جو کچھ تھا مَیں نے کہہ دیا ہے۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مَیں صادق ہوں اور اسی کی طرف سے آیا ہوں [1]

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء

اِنڈیکس

مرتّبہ: سیّد عبدالحی

۱۔ کلید مضامین ۳

۲۔ تفسیر آیاتِ قرآنیہ ۳۷

۳۔ اسماء ۴۳

۴۔ مقامات ۵۹

کلیدِ مضامین

ملفوظات

جلد ۳

آریہ مذہب

عقائد

ایمان کی حالت ۴۸۴

حقیقتِ ایمان سے بے نصیب ۱۶۸

خدا شناسی اور باہمی تعلقات کی پاکیزگی سے محرومی ۱۸۸

نبوت کی راہ سے بالکل محروم ۱۱۷

اُن کو سچے تقویٰ کا پتہ نہیں ہے ۴۲۹

یہ مذہب ترقی نہیں کرے گا کیونکہ بنا اس میں رُوحانیت ہے نہ کشش ۴۲۸

زبان سے توحید کا اقرار ۲

خدا تعالیٰ کی قدامت پر اعتراض کا جواب ۷۰

رُوح و مادہ کے بارہ میں عقاید ۲

اشیاء کو غیر مخلوق قرار دینے کا غلط عقیدہ ۷۱

مسئلہ تقدیر پر ان کے ایک اعتراض کا جواب ۴۲۵

نجات کا غلط تصور ۳۸۹

توبہ پر اعتراض اور اس کا جواب ۴۴۳

گوشت خوری کا مسئلہ ۲۶۷

نیوگ انسانی کانشنس کے خلاف ہے ۲۷۵

پنڈت دیانند بانی آریہ سماج کا نیوگ کے مسئلہ کو اختیار کرنے کی وجہ ۱۱۰

ان کے مذہب کی حالت [فاقۃ الموت معلوم ہوتی ہے ۴۸۰

متفرق امور

چند آریوں کا حضرت اقدس کی زیارت کے لیے آنا اور حضور کا ان سے خطاب ۱۱۳، ۱۱۹

ایک آریہ کی گستاخی اور حضور کا حلم ۱۱۶

دریدہ دہنی اور گندہ زبانی ۱۱۲، ۱۶۱

آریوں کا اسلام کے خلاف لٹریچر ۱۵۸

آریوں کے متعلق جماعتی لٹریچر کی تقسیم کی تعیین ۱۵۸

آریوں سے فیصلہ کا آسان طریق ۱۶۹

آریہ دھرم کی خدمتِ اسلام ۴۸۱

آریوں کے مقابل لیکھرام کے نشان کا پورا ہونا ۸۴

آریوں کو لیکھرام کے قتل کا دن ۶ مارچ منانا چاہیے ۱۰۹

آزادئ مذہب

حضور کا ارادہ کہ قادیان میں ایسی جگہ بنائی جائے جہاں لوگ اپنے اپنے مذہب کی صداقت بیان کیا کریں ۱۱۴، ۱۲۰

آیت

آیاتِ بینہ وہ ہوتی ہیں مخالف جن کے مقابلہ سے عاجز آجائے ۱۹۵

ابتلاء

ابتلاء اور امتحان ایمان کے لیے شرط ہیں ۴۰۱، ۵۱۰، ۶۲۹

کوئی مامور نہیں آیا جس پر ابتلاء نہ آئے ہوں ۴۴۲

اولیاء و اصفیاء پر مصائب آنے کی وجہ ۴۶۹

انبیاء اور مومنوں پر مصائب آنے کی حکمت ۱۴۷

ابتلاء پر صبر کا اجر ۱۵۰

خدا کی محبت یہی ہے کہ ابتلاء میں ڈالتا ہے اور اس سے اپنے بندے کی غلطی ظاہر کرتا ہے ۵۸۶

دیندار پر آنیوالی مصیبت ثواب اور معرفت کا موجب ہوتی ہے ۲۵۹

ابتلاء میں امور کا صبر و استقلال اور استقامت اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے ۵۷۴

مصائب سے مومن کے جوہر کھلتے ہیں ۱۵۲

قُرب کے مراتب جس طرح جلد ابتلاء کے وقت میں طے ہوتے ہیں وُہ زہد و تعبد یا ریاضت سے سالہا سال میں بھی تمام نہیں ہوتے ۱۴۷

ابتلاء کی دو قسمیں شریعت کے اوامر و نواہی اور قضاء و قدر ۶۳۸

مومنوں کے لیے مختلف قسم کے ابتلاء ۳۴۷

دو قسم کے دُکھ ۲۰۷

مصائب کی لذت ۱۵۱

بلا۔ آفات

بلاؤں کے نزول کے وقت دُعاؤں میں لگے رہیں ۶۰۱

اَبدال

ابدال کی حقیقت اور مقام ۵۹۸

اِتباعِ ہویٰ

اصولی جرائم میں سے ایک جُرم ۳۸۷

اِجتباء

اجتباء اور اصطفاء فطرتی جوہر سے ہوتا ہے ۵۹۶

اِجتہاد

اجتہادی امور کی کیفیت ۵۵

اجتہاد میں غلطی شانِ نبوت کے منافی نہیں ہوتی ۳۲۰ ، ۵۵۴

اجماع

صحابہ کا وفاتِ مسیح پر اجماع ۵۲۹، ۵۸۴، ۵۸۸

احمدیت

قیام کی غرض

سلسلہ کے قیام کی غرض ۵ ، ۳۹۸

خدا کی معرفت اور دُعا کی حقیقت کو قائم کرنے کے لیے یہ سلسلہ قائم ہوا ہے ۵۲۱

سلسلہ کے قیام کی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلبہ اسلام کی پیشگوئی کا انعقاد ہے ۸ ، ۲۳

قیام کی غرض شیطان کو اس کی آخری جنگ میں شکست دینا ہے ۱۶

جماعت کے قیام کی غرض دُنیا کو تقویٰ و طہارت کی زندگی کا نمونہ دکھانا ہے ۸۳ ، ۱۰۰

ہر ایک مومن کا کام یہ چاہیے کہ جبتک دم میں دم ہے اس باطل مذہب (عیسائیت) کا مقابلہ کرتا رہے۔ ۵۶۳

عیسائی خود بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ ان کے مذہب کو ہلاک کردے گا ۵۶۰

تعلیم اور عقائد

تمہارا دین اسلام ہے ۱۷۷

کوئی نیا کلمہ ہم کو تعلیم نہیں کیا جاتا ۶۲۴

ہمارا اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کتاب قرآن کے سوا اور طریق سنت کے سوا نہیں ۱۲۸

ہم عرش اور استوی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حقیقت اور کُنہ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں ۷۰

دوزخ و بہشت کا انکار میں کفر سمجھتا ہوں ۹۱

مقام حدیث کے بارہ میں جماعت کا موقف ۱۸

امن پھیلانے والی تعلیم ۵۱۳

ہمارے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ تمام تکلفات جو یورپ نے لوازم زندگی بنا رکھے ہیں ہماری مجلس ان سے پاک ہے ۴۴۸

بہترین وظیفہ ۱۰۶

دُوسرے مُسلمانوں سے امتیاز ۵۰۰

ہمارے غالب آنے کے ہتھیار ۲۲۱ ، ۲۳۵

ایک علیحدہ جماعت کا قیام

تقویٰ میں ترقی کر واور یہ ترقی انسان خود نہیں کرسکتا جبتک ایک جماعت اور اس کا ایک امام نہ ہو ۶۲۶

وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ سے مراد ہمارا گروہ ہے ۵۲

سلسلہ میں داخل ہونے کی اہمیت ۱۱ ، ۱۰۰

اللہ تعالیٰ ایک الگ جماعت بنانا چاہتا ہے اس لیے اس کی منشاء کی کیوں مخالفت کی جاتے ۴۲

خدا نہیں چاہتا کہ جو سلسلہ اس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اس کا (اسلامی خدمات میں کوئی شریک ہو ۱۹۴

جو قدر سلسلہ میں داخل ہونے کی اسوقت ہے بعد ازاں نہ ہوگی ۴۵۲

جو اس مائدہ سے محروم رہتا ہے وہ بے نصیب ہے ۴۸۷

ایک مخلص گروہ

آسمانی نشانات کی گواہ ۵۳۲

افرادِ جماعت کے اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کا ذکر ۴۹

مخلصین کی قربانیاں ۵۸۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں موجود احمدیوں کی نرمی اور تہذیب ۱۱۶

احباب کا اشتیاقِ زیارت ۳۴۶

احمدیوں کی اقسام ۲۶۷

دلائلِ صداقت

صداقت کے دلائل ۲۲۴ ، ۵۵۵ ، ۵۸۳ ، ۶۴۸ ، ۶۵۱

میرا سلسلہ منہاجِ نبوت پر قائم ہوا ہے اس منہاج کو چھوڑ کر جو اس کو آزمانا چاہے وہ غلطی کھاتا ہے ۲۹۱ ، ۳۸۶ ، ۵۴۴

یہ سلسلہ اپنے وقت پر آسمان سے قائم ہوا ہے ۵۸۲

مسلمانوں کی حالت میں عظیم الشان انقلاب ہونیوالا ہے اگر یہ انقلاب ہوا تو سمجھ لو کہ یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے ۵۲۸

احمدیت کے حق میں ظاہر ہونے والے نشانات چشم دید ہیں ۶۴۹

طویل عرصہ سے اللہ تعالیٰ نصرت فرماتا آرہا ہے ۳۱۷ ، ۳۸۶

ہمارے سلسلہ میں سچائی کی خوشبو ہے ۵۵۵

سلسلہ کی شہرت کا امریکہ آسٹریلیا اور یورپ تک پہنچنا ۵۳۲

احمدیوں کیلئے خصوصی نصائح

بیعت کرنے والوں کے لیے نصائح ۶۷ ، ۱۳۷ ، ۱۴۰ ، ۱۴۳ ، ۱۷۶ ، ۱۸۰ ، ۲۱۹ ، ۵۸۶

اس راہ بیعت کو جو تم نے قبول کی ہے سب پر مقدم کرو کیونکہ اس کی بابت تم پوچھے جاؤ گے ۶۳

جماعت میں داخل ہوتے وقت انسان اپنے اندر کیا تبدیلی کرے ۴۷۲

جماعت کے لیے خصوصی نصائح ۶۳ ، ۴۵۸

ایک احمدی کے فرائض ۴۲

جماعت کی توجہ کے قابل ایک امر ۴۱۴

مسیح موعود کے پیندیدہ انسان کے خصائص ۴۷۱

الٰہی وعدوں کا وارث بننے کے لیے مسیح موعود علیہ السلام کے اصل مقاصد کو سمجھنے کی ضرورت ۱۰۴ ، ۱۲۴

یاد رکھو کہ اس سلسلہ میں داخل ہونے سے دُنیا مقصود نہ ہو ۴۲۴

جو شخص دُنیا کو روک نہیں کرسکتا وہ چاہے سلسلہ کی طرف نہیں آسکتا ۴۵۲

ہم نے جماعت کو بارہا تاکید کی ہے کہ تم کسی چیز کی بھی ہوس نہ رکھو پاک دل اور بے طمع ہو کر خدا کی محبت ذاتی میں ترقی کرو ۱۳۴ ، ۱۳۶

ہمارا سلسلہ تو یہ ہے کہ انسان نفسانیت کو ترک کر کے توحید خالص پر قدم مارے ۲۸۶

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے وعدوں پر پختہ ایمان رکھنے کی تاکید ۵۸۲

ہماری جماعت کو (نفسِ مطمئنہ کے حصول کی) ضرورت ہے ۵۰۴

جبتک ہماری جماعت تقویٰ اختیار نہ کرے نجات نہیں پاسکتی ۳۳۰

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ سچی توبہ کریں اور

گناہ سے بچیں ۱۷۳
میں جماعت کے لیے دُعا کرتا رہتا ہوں مگر جماعت کو بھی چاہیئے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو پاک کرے ۱۷۲
ہماری جماعت کے لوگوں کو خدا تعالیٰ سے اطاعت کی توفیق طلب کرنی چاہیئے ۲۸۴
امتحان کے وقت جماعت کو استقامت کیلئے دُعا کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین ۶۶
جماعت پر ابتلاؤں کی صورت میں جو انعامی سے ان کا مقابلہ کرو ۶۹، ۵۱۱
فُسوریس میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرنے والوں کی ضرورت ۳۴۲، ۴۰۱
تم ایسے بنو کہ تمہارا صدق اور وفا اور سوز و گداز آسمان پر پہنچ جائے ۱۸۱
صاحبزادہ عبداللطیف شہید کی شہادت کا واقعہ تمہارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے ۴۹۰، ۵۱۱
تذکرۃ الشہادتین کو بار بار پڑھو ۴۹۷، ۵۱۱
یہ وقت صدق و وفا کے دکھانے کا وقت ہے ۵۱۷
ہماری جماعت کو چاہیئے کہ نفس پر موت وارد کرنے اور حصولِ تقویٰ کے لیے وہ اوّل شئے کریں ۵۰۱
میری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو دھوکہ نہ دے۔ خدا تعالیٰ ایک ناکارہ چیز کو پسند نہیں کرتا ۱۴۵
نیک نمونہ دکھانے کی تلقین ۵۱۸
یاد رکھو! ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اعمال سے ساری جماعت کو بدنام کرو ۱۸۴
مرکز میں آکر عقائد میں پختگی حاصل کریں ۴۳۶
ہماری جماعت کو چاہیئے کہ اعمالِ صالحہ کثرت سے بجا لاوے ۵۸۹
اگر تم پورے طور پر اپنے آپ کو اس تعلیم کا عامل نہ بناؤ گے تو گویا آنے والی نسلوں کو تباہ کرو گے ۵۱۸
دو عمل ضرور یاد رکھو۔ ایک دُعا اور دوسرے ہم سے ملتے رہنا ۶۹
حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی تاکید ۱۷۷، ۱۷۹، ۴۰۶
اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آخری نمونہ آپؐ (آنحضرتؐ) کے اخلاق کا قائم کیا ہے اگر اِس وقت بھی وہی درندگی رہی تو پھر محنت افسوس اور کم نصیبی ہے ۵۷۳
باہم نیک معاشرت کی تلقین ۵۷۳
جماعت کو باہم رفق، حلم اور ملائمت دکھانے کی نصیحت ۵۹۰
ہمارا طریق نرمی ہے اور ہماری جماعت کو خدا نے نرمی کی تعلیم دی ہے ۱۰۳
نرمی، رفق اور مقابلہ نہ کرنے کی تعلیم ۶۲۰
صبر کرو اور حلم سے کلام کرو اور اسلوب الغضب بن جاؤ ۱۰۴
اپنے بھائیوں کی پردہ پوشی کرنے کی تلقین ۵۷۱
اپنے بھائی پر فتح پانے کا خیال رجوعت کی ایک جڑ ہے ۵۷۲
ہماری جماعت کو ایک پاک نمونہ بنکر دکھانا چاہیئے ۳۲۶
زبانی لاف و گزاف سے کچھ نہیں بنتا
اپنی نمازوں کو درست کرو۔ ہر ایک قسم کی شکایت گلہ، غیبت، جھوٹ، افترا، بدنظری وغیرہ سے اپنے تئیں بچائے رکھو ۱۳۸
کسی پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرو ۱۱۵
مقدمات کے سلسلہ میں حضور کی نصیحت ۳۳۲
حکام کو نیکی کی تلقین کرنی چاہیئے اس کا اثر ہوتا ہے ۱۵۶
تبلیغ کے لیے لٹریچر کی محنت تقسیم ۱۴۳
تبلیغ کے جدید ذرائع سے استفادہ کی تحریک ۲۵۸
ملزمین واقعینِ زندگی کے لیے ہدایات ۴۵۱
دارالضیافت کے بارہ میں ہدایت ۲۹۲
کارکنانِ دارالضیافت کو تازیدی نصائح ۴۱۵
آنے والے مہمانوں کے بارہ میں حضور نے فرمایا ان لوگوں کو جگہ دو۔ سنتے آدمیوں کی تو خدا تعالیٰ نے اوّل سے ہی سفارش کر رکھی ہے ۶۲۳
دارالضیافت میں آنے والے مہمانوں کی تکریم اور خدمت کی تلقین ۸۰، ۴۹۲
میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سب دشتم تک بھی نوبت پہنچ جائے تو اس کو گوارا کرنا چاہیئے ۷۹
مالی قربانی اور چندوں کی اہمیت و افادیت ۳۵۸، ۳۹۱
ہماری جماعت کے لیے ضروری ہے کہ اپنی پرہیزگاری کے لیے عورتوں کو پرہیزگاری سکھائیں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے ۱۶۳
اپنے گھروں میں عورتوں، لڑکیوں اور لڑکوں سب کو نیکی کی نصیحت کریں ۷۲
بدنظری اور بدکاری سے بچنے کے لیے ہم نے اپنی جماعت کو کثرتِ ازدواج کی بھی نصیحت کی ہے ۴۹۶
میرا تو یہی جی چاہتا ہے کہ میری جماعت کے لوگ کثرتِ ازدواج کریں اور کثرتِ اولاد سے جماعت کو بڑھائیں ۴۳۰
اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں تک محدود نہ رکھو ۵۹۲
مخالفین سے حسنِ معاشرت کی نصیحت ۲۲۵
مخالفین کو اسلام علیکم کہنا ۲۱۳
دشمن کی موت سے خوش نہیں ہونا چاہیئے ۲۱۷
دینی غیرت دکھانے کی تلقین ۲۷۵
وضع قطع میں غیرت مندانہ چال رکھنی چاہیئے ۲۴۶
ایک غیر مومن کی بیمار پرسی اور تیمارداری تو حسنِ اخلاق کا نتیجہ ہے لیکن اس کے واسطے شعائرِ اسلام کو بجا لانا گناہ ہے ۳۶۳
مخالفین و منکرین کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کا ارشاد ۶۹، ۴۰۲
مشترکہ مساجد کو فساد سے بچنے کی خاطر چھوڑ دینا بہتر ہے ۲۵۵
مخالفین کا جنازہ ۲۹۱
اگر متوفی بالجہر مکفّر اور مکذّب نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں ۲۱۵

تاریخی واقعات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء کو بعد نماز جمعہ منارۃ المسیح کا سنگِ بنیاد رکھنا ۱۵۵
بیت الدعا کی تعمیر ۱۵۵
بیت الدعا کی تعمیر کا مقصد ۱۹۱
۱۹۰۳ء میں جماعت کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی ۸۴، ۴۸۸

بیعت کنندگان کے اعداد و شمار مرتب رکھنے کی ہدایت ۴۹
مردم شماری کی رپورٹ پر رسول مٹھڑی گروٹ کے غلط ریمارکس کی تردید کرنے کا ارشاد ۴۹

مخالفت

جماعت کے مقابل پر تیسری قسم کے لوگ ۵۵۵
مخالفین کی محرومی کی وجہ ان کا ہماری صحبت میں نہ آنا ہے ۵۰۶
خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ سے استہزاء کرنے والوں پر افسوس کا اظہار ۶۴۸
ارتداد اختیار کرنے والوں پر افسوس ۴۰۲
مخالفین پر اتمام حجت کی ضرورت ۵۵۱
مخالفین کے لیے ایک شرمناک پیش کش ۵۴
مخالف اخبارات کے بارہ میں حضور کا موقف ۶۹
مخالفت کی حکمت ۴۶۷
مخالفین کی افادیت ۵۵۵
مخالفین کی عداوت اور گالیاں ہماری تبلیغ کا ذریعہ بنتی ہیں ۲۰۴
اعداء ہمارا نقارہ ہیں یہ انہی کی مہربانی ہے کہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں ۲۶۸
جہاں جہاں مخالفت ہوئی ہے وہیں جماعت قائم ہوئی ہے ۲۲۶

مستقبل

یہ پودا ضائع ہونے والا نہیں ۴۵۳
اگر اللہ تعالیٰ کا یہ کاروبار ہے اور اسی کا ہے تو کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اس کو تباہ کر سکے اور کوئی ہتھیار اس پر چل نہیں سکتا ۹۰
جنگِ احزاب جیسے حالات کے بعد اللہ تعالیٰ زور آور حملوں سے سچائی کو ظاہر کر دے گا ۶۲
عنقریب وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی سچائی کو آفتاب سے بھی زیادہ روشن کر دکھائیگا ۱۶
منکرین پر ہمیشہ غالب رہنے کی پیشگوئی ۵۲۶
ہمارے متبعین پر بھی ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ عروج ہی عروج ہوگا ۴۸۹

متفرق

بعض احمدیوں کے طاعون سے مرنے کے اعتراض کا جواب ۲۷۱، ۳۰۲، ۳۱۶، ۳۲۹، ۳۶۲
اس اعتراض کا جواب کہ مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے ۲۱۲

اخلاق دیکھئے عنوان خُلق

اِحیاءِ موتیٰ

احیاء موتیٰ کی حقیقت ۹۴، ۲۲۵، ۲۶۰
مُردے رُوحانی طور پر زندہ ہو کر تے ہیں جسمانی طور پر ممکن نہیں ۲۷۳

ادب

اَلطَّرِیْقَۃُ کُلُّھَا اَدَبٌ ۴۵۵، ۶۳۰
آدابُ الرُّسل ۶۳۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ اَدَبِیْ ۹۴
خدا کے رسول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے اور وہ آدابِ الٰہی کو مدِّنظر رکھتے ہیں ۱۹۵
حضرت موسیٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسرارِ الٰہی دریافت کرنے کا ادب سکھایا ۳۳۱
انسان کو مؤدب باادب انبیاء ہونا چاہیئے ۷۹
صحابہ کرام کا آنحضرت کے حضور ادب ۴۵۵
مُرشد کا ادب ۴۴۰، ۴۵۵
تلاشِ حق کے آداب ۱۱۵
مذہبی مباحثات کے آداب ۱۱۴
نشان طلب کرنیوالوں کیلئے طریقِ ادب ۶۴۴
طریقِ ادب سے بعید سوالات ۲۳۵
باریک جزئیات کے بارہ میں سوالات کرنا اچھا نہیں ۳۸۳
آدابِ مجلس کا شانی نمونہ ۱۱۶
آمد بارادت و رفتن باجازت ۷۹

اذان

اذان کی شوکت ۲۷۲

ارتداد

اسلام سے ارتداد کی وجہ ۳۸۲
اسلام سے ارتداد کی حکمت ۳۷۳

اُردو زبان

اُردو زبان میں پنجابی الفاظ کے استعمال کا جواز ۱۱۱

استغفار

استغفار کی حقیقت ۲۱۸، ۳۳۳
نبیوں کے استغفار کا مطلب ۳۴۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی حقیقت ۶۳۲
استغفار سے انسان بدیوں کے نتائج سے بھی بچ جاتا ہے ۵۹۳
قبض کا علاج استغفار، درود شریف اور نماز ہے ۷

استقامت

اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ ۵۱۴
خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی استقامت کا فوق الکرامت نمونہ دکھاتا ہے ۶۲۰
حضرت صاحبزادہ عبداللطیف کی استقامتِ فوق الکرامت ۵۱۴
استقامت کی حقیقت ۳۵، ۳۷
استقامت کی حقیقت اور اس کے اختیار کرنے کے لیے دُعا کی ضرورت ۶۲۳
استقامت انسان کا اسمِ اعظم ہے ۳۵
استقامت اور صبر کی اہمیت ۲۰۲
درود شریف حصولِ استقامت کا زبردست ذریعہ ہے ۳۸
جب ایمان قوی ہو تو استقامت اور استقلال پیدا ہوتا ہے ۵۱۵
استقامت کے ثمرات ۴۶۴، ۵۱۵

اسلام

حقیقت

اسلام کی حقیقت ۱۷۷، ۴۷۲، ۶۰۱
اسلام کے دو حصے (حقوق اللہ و حقوق العباد) ۶۲۶
اسلام اس بات کا نام ہے کہ قرآن شریف کی اتباع سے خدا کو راضی کیا جائے ۶۲۲
قبولیتِ اسلام کی غرض ۴۱۷
اسلام کی صداقت اور حقیقت دُعا ہی کے نکتہ کے نیچے مخفی ہے ۲۰۲
ہمارے دین کی بنا ریت پر ہے عُسر پر نہیں ہے ۲۲۷
ہیچ در ہیچ غیر مفید امور کو ترک کر دینا بھی اسلام

کی خوبی ہے (حدیث) ۳۵۲
دُعا اور تدبیر کا توازن اسلام کا امتیاز ہے ۵۲۱
اسلام میں حقیقی زندگی ایک موت چاہتی
ہے جو تمہیں ہے جو اس کو قبول کرتا ہے آخر
وہی زندہ ہوتا ہے ۹۰

عظمت

اسلام کا عظیم مذہب ۱۳۱ ، ۱۷۹
اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت ۷۵
اسلام کی حقانیت ۲۳۶
جس قدر تائیدات اور خوارق خدا تعالیٰ نے
اسلام کی تائید میں رکھے ہیں وہ کسی دُوسرے
مذہب کے لیے ہرگز نہیں ہیں ۱۶۹
اسلام کے برکات اور خوارق ہر زمانہ میں
تازہ بتازہ نظر آتے ہیں ۵۲۶ ، ۶۴۵
اہلِ اسلام میں مورد وحی بزرگان ۴۱۷
یہ فخر اسلامی عبادت کو ہی حاصل ہے کہ اس
میں اوّل اور آخر اللہ تعالیٰ ہی مقصود ہوتا ہے ۳۷

تعلیمات و عقائد

اسلام اور دوسرے مذاہب میں خدا کے
بارہ میں عقیدہ کا فرق ۱۶۶
اسلام میں نجات کا تصور اور دوسرے
مذاہب سے موازنہ ۳۸۹
پردہ کی تعلیم کی اہمیت ۳۲۵ ، ۳۲۶
تعدد ازدواج کی حکمت ۱۰۶
مُسلمانوں میں حیاتِ مسیح کا عقیدہ نئے
عیسائی تیسری صدی کے بعد لائے ۵۸۹
عقیدہ حیاتِ مسیح سے اسلام کو نقصان ۲۱۱
بدعت۔ الحاد و زندقہ کی درآمد ۵۲۰
قبر پرستی ۵۲۲
موجودہ مُسلمانوں میں اعلائے کلمہ اسلام کی
طرف کوئی توجہ نہیں ہے ۴۰۶
وجودی فرقہ کے عقائد ۵۸
خوارج کے بیاضیہ فرقہ کے عقائد ۵۲۸

ادبار اور اس کا علاج

تیرھویں صدی اسلام کے لیے منحوس
صدی تھی ۲۹۶
عروج و زوال کے حقیقی اسباب ۱۹۰
موجودہ زمانہ میں مُسلمانوں اور ان کے
علماء کی حالت ۵۵۰ ، ۵۷۷
مُسلمانوں کے ادبار کا باعث ۴۱۹
اسلام پر موجودہ مصائب ۸۴
اندرونی اور بیرونی آفات ۱۱ ، ۷۵ ، ۳۷۶
عیسائیت کی طرف سے اسلام کو پہنچائے
جانے والے نقصانات ۵۳۸ ، ۵۷۵ ، ۶۲۴
نصاریٰ کا فتنہ ۵۴۱
عیسائیت کے اثر سے تیس لاکھ مرتدین ۵۸۲
اسلام سے ارتداد کی وجہ ۳۸۲
ارتداد کی الٰہی حکمت ۳۷۳
اسلام کے موجودہ حالات کا علاج ۲۲ ، ۱۷۲
اسلام میں امور کی ضرورت ۴۵۶ ، ۵۴۱

مستقبل

اسلام کے لیے موسمِ بہار کی آمد ۳۸۱ ، ۵۸۳
اسلام کا ضعف اور اللہ تعالیٰ کے
وعدے ۵۸۱
احیاءِ دین کے سامان ۵۸۰
اسلام کی نصرت کے لیے سلسلہ احمدیہ کا قیام ۹
قرآن کریم کی بشارت کہ عیسائی آخر کار
اسلام میں داخل ہوں گے ۲۱۴
اسلامی طاقتوں کی فتح کے لیے صرف دُعا کے
آسمانی ہتھیار ہی کی ضرورت ہے ۱۷۱

اسم اعظم

اسم اعظم کی حقیقت ۳۷
اَللّٰہ خدا تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ۳۷
رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ
وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ اسم اعظم ہے ۴۲۶
دعا کے لیے جب رقت عطا ہو تو یہی اسم اعظم
ہے ۱۰۰
استقامت ہی انسان کا اسم اعظم ہے ۳۵
یہ اسم اعظم ہے اور دُنیا کا تختہ پلٹ
سکتی ہے ۲۰۲
جاہلوں پر اسم اعظم بھی اثر نہیں
کرتا ۵۷۸

اصطفاء

اجتباء اور اصطفاء فطرتی جوہر سے ہوتا ہے ۵۹۶

اطاعت

مامور کی اطاعت کا معیار ۲۸۳
جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اَسْلَمْتُ کہا
تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے ۶۰۱

افترار

اللہ تعالیٰ پر تَقَوُّل کرنیوالا مفتری فلاح
نہیں پا سکتا بلکہ ہلاک ہو جاتا ہے ۸۹ ، ۴۷۸
مفتری ہمیشہ ناکام رہتا ہے اور مہلت
نہیں پاتا ۵۴۵ ، ۶۴۵
مفتری میں قوتِ جاذبہ نہیں ہوتی ۴۱۴
مفتری کے مقابل کبھی جوش نہیں ہوتا ۹۸

اللہ تعالیٰ

اسلام اور دُوسرے مذاہب کے نزدیک
خدا کا تصور ۱۶۶
اللہ خدا تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ۳۷
اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی قدامت ۷۰
مجہول الکنہ ۳۱۲
کلمۃ اللہ کی حقیقت ۱۳۷ ، ۲۷۱
عرش کی حقیقت ۷۰ ، ۷۱

صفات

اللہ تعالیٰ کی اُتم الصفات ۳۸۲
ربّ کی حقیقت ۱۴۴
اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ تامّہ ۳۴۸
ربوبیت اور عبودیت کا باہم تعلق ۲۷
صفاتِ رحمانیت و رحیمیت ۳۴۹
بے پایاں رحمت اور مغفرت ۳۷۹
غفور ۱۷۵
صفتِ توّاب ۱۷۴
اللہ تعالیٰ کا عفو و درگذر ۵۹۶
صفاتِ قادر و کریم اور ان کا اقتضاء ۵۹۶ ، ۶۴۸
قدرتِ مطلقہ اور تصرّفِ تام ۲۴۳
خدا تعالیٰ کی قدرت اور جزا و سزا پر بحث
ایمان کی ضرورت ۵۴۶
عزیز و حکیم ۲۲۶
صفتِ عدل ۲۰۱
غنی و بے نیاز ۵۵۲ ، ۶۴۱
اللہ بخیل نہیں ہے وہ کسی کا احسان اپنے

اوپر نہیں رکھتا ۱۵۴
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام:۱۰۴) ۵۹۰
رفیق خدا تعالیٰ کا نیا نام ہے جو اس
(الہام) سے پیشتر اسماء باری تعالیٰ میں
کبھی نہیں آیا ۴۲۷
مختلف زبانوں میں اسماء الٰہیہ کی
مختلف تجلیات ۳۹۱
اِس وقت اللہ تعالیٰ کے اسم ستار کی تجلی ہے ۶۳۰
جیسے وُہ ستار ہے ویسا ہی منتقم اور
غیور بھی ہے ۱۳۰
توحید کامل ۱
خلق اور امر ۲۶۲
اَفْطِرْ وَاَصُوْمُ - اُخْطِی وَاُصِیْبُ ۶۳۴
اللہ کے وعید معلّق ہوتے ہیں ۲۰۱
مَکَرَ اللّٰہُ کے معنی ۶۳۵
اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب میں مقید
نہیں ہے ۳۵۶
قوی الایمان کی نظر استغنار الٰہی پر ہوتی ہے ۶۰۵
تصرفاتِ الٰہیہ ۵۷ ، ۶۱
صیغہ واحد اور جمع میں کلام کرنے کی حکمت ۴۱۳

ایمان باللہ

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی حقیقت ۴۲۰
ایمان باللہ کے نتائج ۵۰۴
خدا شناسی کی ضرورت ۴۹۴
خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے ذرائع ۲۳۷
خدا شناسی کا واحد ذریعہ کلام الٰہی ہے ۴۲۳
انبیاء کا وجود خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہے ۳۳۷
لقائے الٰہی کا واسطہ قرآن کریم اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۲۳۳
اللہ کی ہستی کا یقینی علم صرف دُعا سے حاصل
ہوتا ہے ۵۹۰
اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی شناخت کی راہ ۵
پیشگوئیاں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق
معرفت بخشتی ہیں ۱۱۰
اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین کا ذریعہ ۴۸۰

محبتِ الٰہی

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (حدیث) ۱۲۵
وفادار دوست ہے ۳۷۶
خدا تعالیٰ کی محبت میں فنا ہونے کی تلقین ۱۳۴ و ۱۳۶
جب خدا تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو جائے
تو وُہ گناہ کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے ۳۴
اللہ تعالیٰ سے محبتِ ذاتی کی تاثیرات ۵۰۸، ۶۳۱

تعلق باللہ

اللہ اور نبی کا تعلق ۶۳۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کی وفا ۵۲۴
اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قیام اور شرک کی
بیخ کنی کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کا جوش ۴۰۳
انسان ہر آن خدا تعالیٰ کا محتاج ہے ۴۷۱
مسنون طور سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو
تلاش کرو ۱۰۲
اللہ تعالیٰ کا فضل اور فیضان حاصل کرنے
کا طریق ۶۱۲
آرام کی صورت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ
کے ساتھ دل لگایا جائے ۴۳۱
انسان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بجز اس کے
کہ انسان خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے ۱۳۲
انقطاع الی اللہ کر نیوالا تباہ نہیں ہوتا ۳۴۴
خدا تعالیٰ کے مذاب سے بچنے کے واسطے
خدا کا قرب حاصل کرنا ضروری ہے ۱۲۳، ۱۵۳
خدا یابی سے محروم رہنے کے اسباب ۶۱۸
غیر اللہ سے سوال کرنا سو منافیہ غیرت
کے خلاف ہے ۳۰
خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی شرط نہیں
کرنی چاہیے ۴۴ ، ۴۳۲
اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے ۲۶۲

متفرق

وُہ خدا جو عرصہ سے مخفی چلا آتا تھا اب نقاب
اُٹھا کر چہرہ دکھا رہا ہے ۳۸۰
اس وقت صرف اس کی ہستی کا ثبوت کافی
نہیں بلکہ اس کی غیرت کے ثبوت کی بھی
ضرورت ہے ۳۹۷
سب توفیق اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے ۱۸۷
قلوب میں عظمت ڈالنی اللہ تعالیٰ کا کام ہے ۲۷۷
جو اس کا انکار کرتا ہے اس کو بھی رزق دیتا ہے ۹۱

الہام (نیز دیکھئے عنوانات، کشف، وحی)

الہام کی ضرورت ۱۲۵، ۲۳۷
ایمان کے کمال تام کا ذریعہ الہاماتِ صحیحہ اور
پیشگوئی ہوتے ہیں ۲۳۶
اُمتِ محمدیہ ہمیشہ الہام الٰہی سے مشرف
رہے گی ۲۳۸
اصلی اور اعلیٰ مکالمہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے
جو اعلیٰ درجہ کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں ۵۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے باہر
کوئی شخص مکالمۂ الٰہی کا شرف حاصل نہیں
کر سکتا ۹۵
امام جعفر کا فرمانا کہ میں اس قدر کلام الٰہی پڑھتا
ہوں کہ ساتھ ہی الہام شروع ہو جاتا ہے ۵۲۰
متقین خدا تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی سے
ہر ایک امر بجا لاتے ہیں ۲۸۰
الہام کے انوار ۲۳۶
انسان کو کشوف اور وحی و الہام کا طالب
نہیں ہونا چاہیے ۱۰۲ ، ۱۳۵
مومن کی نظر رویاء و الہام کی بجائے اعمالِ صالحہ
پر ہونی چاہیے ۶۳۷
الہام کا افترا کرنے والا ہلاک ہوتا ہے ۴۷۸
الہام کا نسیان منشاء الٰہی سے ہوتا ہے ۶۰، ۲۶۳
خدا تعالیٰ کے کلام میں صیغہ واحد اور جمع
کے استعمال کی حکمت ۴۱۳
بعض خود الہام ہوتے ہیں بعض ان میں سے
مقفّٰی اور بعض شعروں میں ہوتے ہیں ۱۹۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات
کے لیے اسماء میں دیکھئے زیر "غلام احمد قادیانی"

امام

جماعت کے لیے ایک امام کی ضرورت ۶۲۶

اُمتِ محمدیہ

اُمتِ محمدیہ کی عظمت ۱۰
خیرِ اُمم ہونے کی وجہ ۲۳۸
اُمتِ مرحومہ کہلانے کی وجہ ۴۰۷
اُمتِ مرحومہ ہونے کی وجہ سے اللہ اسے
ہلاک نہیں کرتا ۶۲۶

ہم سب ابراہیم و اسمٰعیل امت کی حوت کرتے ہیں ۵۲۲
ختم علیہم گروہ ۲۳۷
امتِ محمدیہ میں سلسلہ مجددین ۳۸
سورۂ نور میں بھی وعدہ ہے کہ تمام خلیفے
اور امام امت میں سے آئیں گے ۲۰۹
ہزاروں اس امت میں سے مکالمات اور
خطابات کے شرف سے مشرف ہوئے
اور انبیاء کے خصائص ان میں موجود
ہوتے رہے ۲۴۹ ، ۲۵۲ ، ۴۱۷
بدوں اس امت میں داخل ہونے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پائے بغیر کوئی
شرفِ مکالمہ الٰہی حاصل کرنیوالا میرے
سامنے پیش تو کرو ۹۵
مولویوں نے الہام کا دروازہ بند مان کر امت
کے اولیاء کو بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی
پیچھے پھینک دیا ہے ۵۳ ، ۲۳۸
اُمت میں مامور کی ضرورت ۴۹۹
سلسلہ موسوی سے مماثلت ۹۷ ، ۱۰۸ ، ۱۶۳ ، ۲۴۸
اُمت میں بُروز عیسوی اور بُروز محمدی
کا ظہور ۱۲۷ ، ۴۱۸
اِس اُمت کا آخری خلیفہ جو موسیٰ کے
تمام خلفاء کا جامع ہے ۲۵۵
مسیح موعود کے اُمت میں سے ہونے
کی دلیل ۵۴۲ ، ۵۴۹
مسیح موعود بحیثیت حکم و عدل ۲۱
آنحضرت نے دو گروہوں کا ذکر کیا ہے ایک
اپنا اور دُوسرے مسیح موعود کا باقی کو فی الحق
کہا ہے ۵۴۹
اُمتِ محمدیہ میں اُمتِ موسوی کی طرح کثرت
سے انبیاء کے نہ آنے کی وجہ ۲۵۳
اگر عیسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ کی اصلاح
کے لیے آئیں تو اس میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی ہتک ہے ۲۸۲
سوادِ اعظم کی حقیقت ۵۴۸ ، ۵۸۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے فکر
ہے کہ میری اُمت کو میری گواہی کی وجہ
سے سزا ملے گی ۱۱۸

امر

امر کی دو قسمیں تشریعی اور کونی ۹۵ ، ۳۵۱

امہات المومنین رضی اللہ عنہن

اہلِ بیت میں شامل ہیں ۲۲۴

انجمن حمایت اسلام لاہور

عیسائیوں کی کتاب امہات المومنین کے متعلق
گورنمنٹ کی خدمت میں میموریل بھیجنا ۸۷

انجیل

قرآن کریم کے مصدق انجیل ہونے کی حقیقت ۴۱۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انجیل
میں کھلی کھلی پیشگوئیاں تھیں ۴۷۶
محض الزام اور محض الکان تعلیم ۲۵۶
ناقابل عمل اور غیر متوازن تعلیم ۱۹۸ ، ۲۵۵
محرف ہونے کا ثبوت ۴۱۱
اناجیل کی رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اور حواریوں کا مرتبہ ۵۲۳ ، ۵۲۷

انسان

پیدائش کا مقصد ۸۲ : ۱۰۰ : ۱۸۴ ، ۶۱۵
انسان کے خدا کی صورت پر بنائے جانے
کی حقیقت ۵۸
کل مخلوقات کے کمال انسان میں یکجائی
طور پر جمع ہیں ۳۵
انسان اور بہائم میں ما بہ الامتیاز ۱۹۷
انسان کی فطرتی تین اقسام ۳۹
نفسِ انسانی کی تین قسمیں امارہ۔ لوامہ اور
مطمئنہ ۸۱
ہر کا انسان کے اخلاق و عادات پر اثر ۲۷۴
انسان کو لاحق امراض کی کثرت کا
رُوحانی پہلو ۲۱۷

انشورنس

شرعی حیثیت ۱۶۷

انگریز

انگریزوں کا تسلط وَمِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ
کا مصداق ہو گیا ۹۸
انگریز گورنمنٹ کی عدل گستری ۱۰۸

اولاد

نیک اولاد کی خواہش ۶۰۰
اولاد کی خواہش کرو تو اس نیت سے کرو
وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا پر نظر رکھے ۵۷۹
اہل و عیال کا تبتیل کرنیوالوں کا انجام ۵۹۸
اولاد اور دُوسرے متعلقین کی غیر معمولی حدود ۵۹۹

اہلِ بیت

اہلِ بیت میں حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کے
علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ
بھی شامل ہیں ۳۲۳

ایمان

ایمان کی حقیقت ۱۶۹ ، ۴۵۹ ، ۴۶۳
اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی حقیقت ۴۲۰
ایمان اور عرفان کی حقیقت اور باہم
تعلق ۱۳۳
ایمان بالغیب کے معنی ۴۸۶
ایمان اس وقت تک ایمان ہے جبتک
اس میں کوئی پہلو اخفاء کا بھی ہو
۱۴ ، ۱۶ ، ۱۹۵ ، ۳۳۰
ایمان کا من وجہ محجوب اور من وجہ منکشف
ہونا ضروری ہے ۳۱۶ ، ۶۳۲
سلامتی والے ایمان دو ہیں ۶۳۹
ایمان لانے کے مختلف طریق ۳۳۴
اَسْلَمْنَا ہمیشہ لاعلمی سے ہوتا ہے اور اٰمَنَّا اس
وقت جب خدا دل میں ڈال دے ۳۱۹
جبتک اعمال سے ایمان کے پودا کی آبپاشی نہ
ہو اس وقت تک شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے ۱۵۳ ،
۱۸۱ ، ۳۵۱ ، ۳۸۷ ، ۶۶۳
ایمان کو کسی امر سے وابستہ کرنا منع ہے مشروط
بشرائط ایمان کمزور ہوتا ہے ۹۲ ، ۲۲۰ ، ۶۵۰
ابتلاء ایمان کے لیے ضروری شرط ہے ۴۰۱ ،
۵۱۰
مومن کے لیے مصائب میں لذت ۱۵۱
انبیاء اور مومنوں پر مصائب آنیکی حکمت ۱۴۷
انسان کی پیدائش کی غرض و غایت یہ ہے
کہ وہ سچا ایمان پیدا کرے ۱۰۰
سعادت اسی میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی
پر ایمان لایا جائے اور اُس کو حاضر و ناظر
یقین کیا جائے ۳۱۳ ، ۵۰۴
جبتک خدا تعالیٰ کا مشاہدہ نہ ہو جائے،

تب تک پورا ایمان نہیں ہوتا ۲۳۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے
رسولوں پر ایمان لانے کی ضرورت ۳۹۴

ایمان کے لیے فطری سعادت اور مناسبت
شرط ہے ۷

ایمان کے کمالِ تام کا ذریعہ الہامات صحیحہ
اور پیشگوئی ہوتے ہیں ۲۳۶

سماع اور عقل انسان کو ایمان کے واسطے
جلد تیار کرتی ہے ۳۱۸

تقویتِ ایمان کی ضرورت و اہمیت ۶۴، ۳۸۴

جب ایمان قوی ہو تو استقامت اور استقلال
پیدا ہوتا ہے ۵۱۵

قوی الایمان کی نظر استغفار الٰہی پر ہوتی ہے ۶۰۵

بعض جگہ اخفاءِ ایمان بھی کرنا پڑتا ہے ۲۲۸

مومن کی تعریف ۳۴۳

ایمان لانے والوں کے طبقات ۲۲۵، ۴۸۶

سچے ایمان کی علامات ۵۰۱

سچا مومن ولی کہلاتا ہے اور اس کی برکت
اس کے گھر اور اس کے شہر پر ہوتی ہے ۱۳۹

مومن اور غیر مومن میں ہمیشہ فرقان ہوتا ہے ۳۴۴

مومن اور دنیادار کی موت میں فرق ۳۷۶

کامل الایمان کو نشان کی ضرورت نہیں ہوتی ۱۴۳

بے ایمانی خدا کی معرفت نہ ہونے سے پیدا
ہوتی ہے ۲۴۹

عظیم انسانوں کے صغائر کا ذکر کرنے سے
سلبِ ایمان ہو جاتا ہے ۳۵۸

چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان اس میں
نہیں ہوتا (حدیث) ۱۳۹

امام یا کشوف وغیرہ خبروں کے سہارے والا
ایمان ایمانِ کامل نہیں ۱۰۲

رسومات کی بجاآوری کا ایمان پر اثر ۳۱۶

نشان دیکھ کر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا ۴۹۹

آخر عمر میں ایمان سلامت لے جانے کے
لیے کثرتِ استغفار اور دعا کی ضرورت ۶۲۲

اس زمانہ میں لوگوں کے ایمان کی حالت ۵۴۷

ایمانی درخت کا حال ۶۳۹

ب

بائیبل

بائیبل میں انبیاء کا منظوم کلام ۱۶۳

بخل

ایک اخلاقی گناہ ۶۰۹

بدظنی

اصولی جرائم میں سے ایک جرم ۳۸۶

بدظنی ایمان کے درخت کی نشوونما نہیں
ہونے دیتی ۶۴

بدظنی کے نتیجہ میں جنون پیدا ہوتا ہے ۴۰۴

بدعت

ہر بدعت تیسری صدی سے شروع ہو کر چودھویں
صدی میں کمال کو پہنچی ہے ۶۲۴

بدعتوں پر عمل کرنا خدا اور اس کے رسولؐ
کی نافرمانی کے مترادف ہے ۲۳۴

بدعات سے بچنے کی تلقین ۵۸۷

گدی نشینوں کی جاری کردہ بدعات ۱۲۷

بدی

کوئی انسان بدی سے بچ نہیں سکتا جبتک
خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو ۳۳۲

بدی کی دو قسمیں۔ خدا کے ساتھ شریک کرنا
اور اس کے بندوں پر شفقت نہ کرنا ۶۹

برزخ

عالم برزخ ۴۸۳

برکت

خدا تعالیٰ کے مبارک بندے جن کی وجہ سے
ان کے گھر، ان کے شہر اور ان کے در و دیوار
پر برکت اور رحمت نازل ہوتی ہے ۹۱

برکت پانے کا راز ۶۱۳

برکات کے حصول کے لیے اخلاقی برائیوں
سے بچنے کی موت کو قبول کرنا ضروری ہے ۶۱۴

جب انسان نیک نیتی کے ساتھ ایک گناہ
سے بچتا ہے تو خدا ضرور برکت دیتا ہے ۲۲۸

بُروز

مسئلہ بروز ۴۱۷

بروز میں دوئی نہیں ہوتی ۲۸۱

بُزدلی

بزدلی منافق کا نشان ہے مومن دلیر اور شجاع
ہوتا ہے ۶

بعث بعد الموت ۴۸۳

بلند ہمتی

مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے۔ ہر وقت دین
کی نصرت اور تائید کے لیے تیار رہنا چاہیے ۶

بیاضیہ

خوارج کا ایک فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ
عنہ پر اعتراضات کرتا ہے ۵۲۸

بیعت (نیز دیکھئے عنوان احمدیت)

قرآن مجید کے ہوتے ہوئے بیعت کی کیا
ضرورت ہے؟ ۲۹۹

بیعت کی حقیقت ۳۰۰، ۳۴۳

حقیقتِ بیعت اور اس سے فیض پانیکی راہ ۴۵۴

دین کو دنیا پر مقدم کرنیکے عہد کا مطلب ۲۱۹، ۲۳۳

نومبائعین کو بیعت کے بعد نصائح
۱۴۰، ۱۸۰، ۲۱۹، ۵۸۷

بیعت کرنا کسی پر احسان نہیں ہے ۴۸۷

میرے ہاتھ پر بیعت توبہ کرنا کوئی آسان
کام نہیں ۳۵۱

ہزاروں نے صرف خواب کی بنا پر بیعت
کی ہے ۵۸۳

ہماری بیعت تو بیعتِ توبہ ہے
۱۴۳، ۲۳۰، ۲۸۶

بیعتِ توبہ اور بیعتِ تسلیم کے بعد اپنے
اقرار کو سچے دل سے مضبوط پکڑو ۶۲۴

بیعت کے حقیقی منشاء کو پورا کرو ۵۱۷، ۶۱۵

بیعت کا زبانی اقرار کچھ شے نہیں ہے اللہ
تعالیٰ تزکیۂ نفس چاہتا ہے ۱۷۹، ۵۷۲

اقرارِ بیعت کو نبھانے کی تلقین ۶۸، ۳۲۶، ۶۰۶

تم لوگ اگر اپنے وعدہ کے موافق قائم رہو گے
تو وہ تم کو ہر ایک بلا سے بچائے گا ۱۳۸

بیعت کی غرض و غایت ۴۳۱

بیعت کے بنیادی لوازم ۳۵۴

بیعت کے بعد حجت پوری ہو جاتی ہے پھر

اگر اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کرتا تو سخت جوابدہ ہے ۶۱۰
بیعت کے بعد کے فرائض ۱۷۶
بیعت کا مقصد سچی توبہ ہے ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۱۹
بیعت اور تو اس وقت فائدہ دیتے ہیں جب انسان صدق دل اور اخلاص نیت سے اس پر قائم اور کاربند ہو جائے ۱۶۵، ۱۸۱
بیعت کے بعد پہلے اندر تبدیلی پیدا کرے ۱۷۳، ۶۲۱
جو بیعت کر کے پھر گناہ سے نہیں بچتا وہ گویا جھوٹا اقرار کرتا ہے ۱۷۳
سچی بیعت کے فوائد ۴۳۲
بیعت گناہ کے زہر کے لیے تریاق ہے ۴۳۲
اقرار بیعت کے اثرات ۲۰۵
بیمہ (INSURANCE)
شرعی حیثیت ۱۹۷

پ

پردہ
پردہ کی ضرورت ۳۲۶
پردہ کے فوائد ۳۲۵
اہل یورپ کی پردہ میں تفریط اور اس کے بد نتائج ۵۵۸
پردہ میں افراط اور تفریط سے بچنے کی تلقین ۵۵۷

پیشگوئی
ہستی باری تعالیٰ کی معرفت بخشتی ہیں ۱۱۰
ایمان کے کمال تام کا ذریعہ الہامات اور پیشگوئی ہوتے ہیں ۲۳۶
صادق کی شناخت کا ایک معیار ۲۹۵
پیشگوئیوں کی بطور معجزہ اہمیت ۲۹۵
ہر نبی میں پیشگوئی ضرور ہوتی ہے ۳۸۴
پیشگوئیوں میں استعارات اور مجازات سے کام لیا جاتا ہے ۲۹۸، ۵۴۰
پیشگوئی میں بینات اور متشابہات ۳۲۰، ۴۷۴
متشابہات کو چھوڑ کر بینات کو لینا چاہیے ۴۷۶
یہود کا متشابہ پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنا ۴۷۵
پیشگوئی میں مندرج واقعات تدریجاً ظاہر ہو سکتے ہیں ۴۷۷
قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیوں کے متعلق پیشگوئی اور اس کا حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر پورا ہونا ۴۷۷
عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے متعلق دو قسم کی پیشگوئیاں ۴۷۵
ایک قرآنی پیشگوئی کا ظہور ۳۱۸
قرآن کریم میں اس زمانہ کی سواریوں کی ایجاد کے بارہ میں پیشگوئی ۳۴۸، ۵۴۲

مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیشگوئیاں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ جب دنیا ختم ہونے پر ہوگی تو اس اُمت میں مسیح موعود پیدا ہوگا ۱۲۷
مسیح موعود کے بارہ میں اولیاء اُمت کی پیشگوئیاں ۵۴۲
پیشگوئیوں میں مسیح موعود کی تاریخ پیدائش ۱۲۹۸ھ بتائی گئی ہے ۵۴۳
گلاب شاہ مجذوب کی مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی ۵۴۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لیکھرام کی پیشگوئی کا غلط ثابت ہونا ۸۵

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں
ہماری نسبت بھی اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں فرمایا ہے کہ میں تیری صداقت کو پیشگوئی کے ذریعہ ظاہر کرونگا ۱۱۰
براہین احمدیہ میں درج پچیس سال پرانی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۲۸۴، ۴۹۱، ۴۹۵، ۵۳۲، ۶۵۱
مقدمہ جہلم کے نتیجہ کے بارہ میں قبل از وقت فتح کی پیشگوئی ۴۵، ۵۸۵
حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق تدمیں طاعون سے کثرت اموات ۳۰۰
وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی پیشگوئی ۳۹۰

ت

تبتّل
انسان کو چاہیئے کہ ہر ایک کاروبار میں تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کا مصداق ہو ۶۰۰

تبلیغ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغ کے فرض کو نبھانا ۵۱۶
عوام الناس کے کانوں تک ایک دفعہ خدا تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیا جائے کیونکہ عوام الناس میں ایک بڑا حصہ تعصب اور تکبر سے خالی ہوتا ہے ۵۵۱
عمر بڑھانے کا اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے کہ انسان خلوص اور وفاداری کے ساتھ اعلائے کلمۃ الاسلام میں مصروف ہو جائے ۵۶۳
تبلیغ کے ذرائع ۳۵۸
رسول کریمؐ نے سورۃ فاتحہ میں مذکور چاروں صفات سے کام لیکر تبلیغ کی ہے ۳۸۰
تبلیغ اور ہدایت کے لیے جس قدر طریق عقل تجویز کر سکتی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان سب کو استعمال کیا ۳۸۱
جب دلائل اور حجج کام نہیں دیتے تو انبیاءؑ اور رسل دُعا سے کام لیتے ہیں ۵۵۹
اصل ذریعہ تبلیغ کا تقریر ہی ہے ۴۸۹
تبلیغ کے لیے کتب کی مفت تقسیم ۱۴۳
بندوں سے گفتگو کا طریق ۱۶۹
اگر ایک بندہ سے ہمدردی نہ کروگے۔ تو اسلام کے پیچھے وصیا اسے کیسے پہنچاؤ گے ۵۹۲

تثلیث نیز دیکھئے عیسائیت
عیسائیوں کے نزدیک تثلیث ایشیائی دماغ کی بناوٹ سے بالاتر عقیدہ ہے ۲۳۶

تخلیق
جاندار ایک تو تکوّن سے پیدا ہوتے ہیں اور ایک تکوین سے ۳۵۳

تزکیۂ نفس
تزکیۂ نفس کی حقیقت ۳۲۱، ۳۲۲
اصفیٰ اور اعلیٰ مکالمہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں ۵۲
تزکیۂ نفس کے لیے مجاہدہ کے ساتھ اللہ کا فضل ضروری ہے ۵۰۵

تسبیح

تسبیح کی حقیقت ۲۴۳

تصوف

"صوفی ابن الوقت ہوتا ہے" کی حقیقت ۳۹۱

ابدال کی حقیقت اور مقام ۵۹۸

صوفیا نے لکھا ہے کہ ان کے افعال و اعمال عام قانون جرائم و ذنوب سے الگ ہوتے ہیں ۶۳۲

مقام فنا و بقاء ۱۴۱

خدا تعالیٰ سے ملنے کے لیے باب الموت سے گذرنا ضروری ہے ۳۹۸

بیشک موت نہ آئے زندگی حاصل نہیں ہوتی (صوفیا) ۶۳۹

قبض و بسط کی حالتیں ۱۹۳

سلوک اور معرفت میں کامل انسان کی صفات ۶۳۱

اہل سلوک کا آخری مرتبہ ۵۰۹

صوفیا کہتے ہیں کہ کنکر کا جتن چھے مجاہدہ اور دعاؤں سے نکلتا ہے ۶۱۳

صوفیا نے لکھا ہے کہ کسی سے فریب کرنا اگرچہ ناجائز ہے لیکن شیطان کے ساتھ یہ جائز ہے ۵۹۷

حضرت سید احمد سرہندی کے ایک نکتہ تصوف کا رد ۵۶۵

عقیدہ وحدت الوجود ۵۷

ملامتی فرقہ ۶۳۰

تضرع

اگر جماعت متفق ہو کر تضرع کی طرف متوجہ ہو تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے ۶۲۸

تعبیر نیز دیکھئے خواب۔ رویاء

خواب اور ان کی تعبیریں ۵۷

خواب میں ایک اجمال ہوتا ہے اور اس کی تعبیر صرف قیاسی ہوتی ہے ۱۶۴

مومن کی سچی رویاء کی تعبیر ۶۴۸

تعبیر کرنیوالے کی رائے سے خواب کی تعبیر نہیں بدل جاتی ۲۷۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رویاء کی تعبیر ۵۵۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی ایک رویاء کی تعبیر کا بتلایا جانا ۲۶۳

رہائی جگہ پر کسی مامور یا نبی کے جانے کی تعبیر ۱۴۱

داہنا کان دین ہوتا ہے اور بایاں دنیا، کان میں بات کا ہونا بشارت پر محمول کیا جاتا ہے ۱۵۴

خواب میں چاندی دینے کی تعبیر ۴۰۵

سلطان احمد نام کی تعبیر ۵۰

دل سے شعلہ نار بھڑکنے کی تعبیر ۶۳۴

لمبی مونچھوں اور ان کے کٹوانے کی تعبیر ۱۳۱

خواب میں دانت یا داڑھ نکلنے کی تعبیر ۱۶۳

مُردہ زندہ ہونے کی تعبیر ۳۳۲

مُردہ کو کلمہ پڑھتے سننے اور بڑ کے درخت کی تعبیر ۲۳۰

تعدد ازدواج

اسلام میں چار بیویوں کی اجازت کا جواز اور حکمت ۱۰۶

حضرت اقدس کا فرمانا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میری جماعت کے لوگ کثرت ازدواج کریں مگر شرط یہ ہے کہ پہلی بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کریں ۴۳۰

بدنظری اور بدکاری سے بچنے کے لیے ہمنے اپنی جماعت کو کثرت ازدواج کی بھی تعلیم کی ہے ۴۹۶

انگلستان میں کثرت ازدواج اور طلاق کی ضرورت کا احساس ۱۰۷

تعویذ

گنڈے اور تعویذوں کی تاثیرات ۴۰۷

تفسیر

قرآن کریم کی تفسیر کا طریق ۱۷۰

کُتّے اور بندر سے مراد ۱۹۳

(تفصیل کے لیے دیکھئے انڈیکس قرآنی آیات)

تقدیر

جف القلم کی حقیقت ۶۲۸

مسئلہ تقدیر پر آریوں کے ایک اعتراض کا جواب ۴۲۵

تقدیر معلق اور تقدیر مبرم ۲۴ ، ۲۴۲

خواب مبشر ہوں یا منذر تقضاء معلق ہوتے ہیں ۲۴۱

تقریر

اصل ذریعہ تبلیغ کا تقریر ہی ہے اور انبیاء اس کے وارث ہیں ۴۸۹

تقلید

کورانہ تقلید اصولی جرائم میں سے ایک جُرم ہے ۳۸۷

تقویٰ

تقویٰ کی حقیقت ۴۸۶ ، ۵۰۲

تقویٰ حقیقت میں ایک موت ہے ۵۷۱

جلد بازی اور تقویٰ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے ۷۴

متقی کا مقام ۱۱۶

اصل میں متقی وہ ہے جس کا نام اللہ تعالیٰ کے دفتر میں متقی ہو ۶۳۰

تقویٰ کا لازمہ ہے کہ ترازو کی طرح حق و انصاف کے دونوں پلڑے برابر رکھے ۷۴

متقی اور فاسق میں فرق ۵۷۷

انبیاء اور مامورین کے دعویٰ پر متقی کا رد عمل ۴۷۴

تقویٰ کا تقاضا ہے کہ میری تکذیب میں مستعجل نہ ہوں ۷۴

تقویٰ حاصل کرنے کا طریق ۴۹۲ ، ۵۶۹ ، ۵۹۱

متقی بننے کے لیے دُعا بھی کرو اور تدبیر بھی کرو ۵۶۷

تقویٰ کی برکات ۳۵۴ ، ۵۷۰

اصفیٰ اور اجلیٰ مکالمۃ الٰہیہ کے لیے تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ۵۳

عند اللہ متقی اور خدا کی نظر میں نیک بھی کامیاب ہونیوالے ہوتے ہیں ۲۱۷ ، ۵۶۸

نصرت اور نشانات کے لیے تقویٰ شرط ہے ۲۲

متقی کے لیے رزق کی وسعت ۹۰ ، ۸۲ و ۲۰۶ ، ۶۰۳

باخدا اور سچے متقی کی سات پُشت تک خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا ہے ۱۸۲

(مسیح موعود)

حضرت داؤد کا قول کہ میں نے جوانی سے بڑھاپے تک کسی متقی یا اس کی اولاد کو بھیک مانگتے یا دَر بدر ہوتے نہیں دیکھا ۱۸۲

متقیوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال روزی بہم پہنچانے کی خود ذمہ داری لی ہے ۳۸۳

تقویٰ نہ ہو تو ایسی حالت میں اولاد بھی پلید پیدا ہوتی ہے ۱۶۴
زبان کی تہذیب کا ذریعہ صرف خوفِ الٰہی اور سچا تقویٰ ہے ۱۱۲
خدا نے مجھے اسی لیے مامور کیا ہے کہ تقویٰ پیدا ہو ۱۰۰
جماعت کے قیام کی غرض یہ ہے کہ دنیا کو تقویٰ و طہارت کی زندگی کا نمونہ دکھایا جائے ۸۲
حقیقی متقی بننے کی نصیحت ۱۸۲
تقویٰ میں ترقی کرو (اس کے لیے ایک جماعت اور ایک امام کی ضرورت ہوتی ہے ۶۲۶

تکبر

اصولی جرائم میں سے ایک جرم ۳۸۷
اخلاقِ رذیلہ کے جتھوں میں سے سب سے آخری جتھا جو انسان میں رہتا ہے تکبر کا جتھا ہے جو خدا کے فضل اور سچے مجاہدہ سے نکلتا ہے ۶۱۳
متکبر گردن کش نہ ہونا چاہیئے ۴۷۳
تکبر کے مختلف چشمے ۶۱۳
مختلف رنگ کے متکبر ۶۰۹
متکبر خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا ۳۱۵
متکبر گرنیوالا صادق کو شناخت نہیں کر پاتا ۸
متکبر دوسروں کا ہمدرد نہیں ہو سکتا ۵۹۲

تمباکو نوشی

ہم اس کو مکروہ جانتے ہیں ۳۶۹
تمباکو اندرونی اعضاء کے واسطے مُضر ہے
اس سے پرہیز ہی اچھا ہے ۱۱۰
تقویٰ یہی ہے کہ اس سے نفرت اور پرہیز کیا جائے ۱۷۵

تمسخر

تمسخر صحبت نیت میں فرق ڈالتا ہے ۷۴
تمسخر کی مجالس سے بچنے کی تلقین ۷۲

تناسخ نیز دیکھئے ہندو مذہب ۵۵۲

توبہ نیز دیکھئے استغفار

توبہ کی حقیقت ۱۴۶، ۱۷۴، ۴۲۵
توبہ نفس پر انقلاب لانے کا نام ہے ۴۴۳
توبہ کی انشاء قبا ہے ۱۴۱
توبہ کا صفتِ ربوبیت سے تعلق ۱۴۴
بغیر خدا کی توفیق کے اور مدد کے سچی توبہ کرنا اور اس پر قائم ہونا محال ہے ۱۴۵
مامور من اللہ کے ہاتھ پر کی جانے والی توبہ کی خصوصیت ۴۳۳
بیعت کا مدعا سچی توبہ ہے ۱۷۲
حقیقی توبہ اور بیعت سے اس کا تعلق ۲۱۹، ۲۳۰
اگر توبہ کے درخت کا پھل کھانا چاہو تو اس کے متعلق قوانین اور شرائط کو پورا کرو ۱۵۳
سچی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دُنیا کی خواہش نہ ملانی چاہیئے ۲۲۰
تائب اپنی توبہ پر قائم رہے ۲۳۱
عمل کے ساتھ توبہ کی تکمیل کرو ۱۵۲
توبہ کی اہمیت ۳۲
توبہ کی تلقین ۶۳، ۱۷۸
اگر عذاب آگیا تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا ۱۷۳، ۱۷۸
توبہ کا دروازہ بند ہونے کے معنی ۲۱۶، ۲۹۱
سچی توبہ کے نتائج ۴۳۲
سچی توبہ کرنے والا معصوم کے رنگ میں ہوتا ہے ۵۹۵
توبہ سے گذشتہ گناہوں کی معافی ۱۲۷، ۱۴۰، ۱۴۳
گناہ سچی توبہ سے دُور ہو جاتا ہے سچی توبہ عصمت و حفاظت کا جامہ پہناتی ہے ۳۳۳
توبہ کرنے والا خدا تعالیٰ کی اس کشتی میں سوار ہوتا ہے جو اس طوفان کے وقت اس کے حکم سے بنائی گئی ہے ۲۲۱
قبل از نزول عذاب توبہ و استغفار سے عذاب ٹل جایا کرتا ہے ۲۱۸
قضاء و قدر توبہ سے ٹل سکتی ہے ۲۴
طاعون کا آسمانی علاج سچی توبہ اور تقویٰ ہے ۲۴۰، ۳۲۷

توحید

توحید کی حقیقت ۱۰۱، ۲۲۹
امور میں خدا تعالیٰ کی توحید کے متعلق جوش ۲۰۳
صحابہ کرام کو خدا تعالیٰ نے توحید پھیلانے کے لیے پیدا کیا اور انھوں نے توحید پھیلائی ۳۳۰
قیامِ توحید کیلئے اللہ تعالیٰ کے جلوے ۲۰۳
توحید کے خلاف چلنے والا مسلمان کیسا ۶۰۴
قیامِ توحید کے لیے سلسلہ وفاتِ مسیح کی آیت ۵۸۸
یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً فشیئاً پڑھنا توحید کے خلاف ہے ۶۰۳
بلادِ یورپ و امریکہ میں توحید کے قیام کے آثار ۱۹۹
مذہبی دُنیا میں توحید کی طرف رجحان ہو رہا ہے ۲۲۲

تورات

تورات میں مذکور خدا تعالیٰ کا ایک قول ۲۱۷
تورات کے اس بیان کا مطلب کہ انسان کو خُدا نے اپنی صُورت پر بنایا ہے ۵۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نہ تھے تورات پر آپ کا عمل تھا ۲۰۹
جھوٹے نبی کے قتل کی حقیقت ۴۱۴
پیدائشِ عالم کے بیان میں نقص ۴۰
محرف ہونے کا ثبوت ۴۱۱
حضرت عزرؑ کے ہاتھ میں تورات کا ورق دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہارِ ناراضگی ۲۸۲

تَوَفّی (نیز دیکھئے اسماء میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام)

تَوَفّی کا لفظ صرف انسانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۲۹۸

توکل

توکل کی تعریف ۱۸۸
توکل کی حقیقت ۱۴۶، ۵۹۶
توکل کی اہمیت ۱۳۳
یہ تمام راستبازوں کا محبوب ہے کہ مصیبت اور مصیبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے ۱۶۶
فتح و کشور کاری کی کلید توکل اور توحید ہے ۳۳۷
رعایتِ اسباب اور توکل ۴۷۳، ۴۸۵، ۶۴۳
اسباب پر بھروسہ نہ کریں ۱۸۸

ج

جماعتِ احمدیہ

دیکھئے احمدیت اور غلام احمد مرزا

جنت

جنت کی حقیقت ۴۵۸

جنّتان کی جنّتیں ۴۰۰
خدا تعالیٰ پر پورا یقین ہونا ہی جنّت ہے ۲۷۰
بہشت کا آٹھواں دروازہ اللہ کے فضل اور رحمت کا دروازہ ہے ۳۸۶
نماز جنّت کی کنجی ہے ۷۲، ۳۸۷، ۴۵۹
جنّت اور اس کے اکرام ولذائذ اور جہنّم اور اس کے عذاب حق ہیں ۹۰
نماز جنّت میں چاندی کے ذکر کا ستر ۴۰۵
لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (کہف: ۱۰۹) ۵۹۹
اَهْلُ الْجَنَّةِ بَلْهٌ (حدیث) ۳۵۴
آدم کی جنّت اور شجرِ ممنوعہ ۱۷۵
مومن کے لیے دنیوی بہشت ۵۹۸

جنون
جنون کے اسباب ۴۰۴
غضب اور جنون میں فرق ۴۰۵

جہاد
مہدی اور جہاد بالسیف ۸۷
اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہوا تھا کہ اس وقت جہاد کے خیالات کو دُور کیا جائے ۵۵۶
اس وقت جہاد حرام ہے اس لیے خدا نے مجھے دعاؤں میں سمندر کی طرح جوش دیا ہے ۱۷۲

جہالت
اصولی جرائم میں سے ایک جرم ۳۸۷
ایک خطرناک موت ہے ۵۷۸
جاہلوں پر اہم امر بھی اثر نہیں کرتا ۵۷۸
جہالت کا زہر اور اس کا علاج ۴۲۹

جھوٹ
جھوٹ سے پرہیز کی تلقین ۵۹، ۹۹

ح

حج
مسیح موعود علیہ السلام کے حج نہ کرنے کے اعتراض کا جواب ۲۸۰
جو لوگ خدا کی طرف آتے ہیں ان کی خدمت میں دین سیکھنے کے لیے جانا بھی ایک طرح کا حج ہے ۱۲۲

حجۃ اللہ
نواب محمد علی خان آف مالیر کوٹلہ کو الہام میں حجۃ اللہ قرار دینے کی تفہیم ۱۱۷

حدیث
حدیث کا مقام ۲۶۱، ۴۲۲
حدیث کے مقام کے متعلق حضرت مسیح موعود کا موقف ۱۸
احادیث کے الفاظ وحی متلو کی طرح نہیں اور اکثر احادیث احاد کا مجموعہ ہیں ۴۷۷
حدیث کی صحت کا معیار ۸۶
احادیث کے صدق وکذب کا معیار قرآن ہے ۱۲۴، ۲۱۱، ۲۹۳، ۲۹۴
قرآن شریف سے معارض نہ ہونے کی صورت میں ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جائے ۴۴۲
محدثین نے اہلِ کشف کی یہ بات مانی ہوئی ہے کہ وہ اپنے کشف سے بعض احادیث کی صحت کر لیتے ہیں ۲۰، ۹۷، ۱۴۷
مولوی محمد حسین نے لکھا ہے کہ اہلِ کشف کشف کی بنا پر کسی حدیث کو صحیح یا غلط قرار دے سکتے ہیں ۲۷۴
حدیثِ مجددین کی صحت ۸۶، ۸۷
منکرِ حجیت حدیث عبداللہ چکڑالوی کا رد ۴۱۳

اس جلد میں مذکور احادیث
اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ۲۶۹
اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَاَحْسَنَ اَدَبِيْ ۹۴
اُصَلِّيْ وَاَنَامُ ۱۰۵
اِغْسِلْ مَا شِئْتَ اِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ ۱۷۵، ۳۷۹
اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ ۳۳۹
اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ۵۴۲، ۵۴۹
اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۲۲۷
اِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ ۵۰۷
اَهْلُ الْجَنَّةِ بَلْهٌ ۳۵۴
ت - تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ ۳۰۷
ج - جَدِّدُوا النَّعْلَ بِالنَّعْلِ ۱۰۸
ح - خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ ۳۰۰
خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ۲۲۳
د - اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ ۳۶۹
ع - عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ۹۷
ل - لَيْسُوْا بِتَقِيٍّ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ۶۲۵
مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ ۳۵۲
مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ۶۳، ۶۴، ۱۳۵، ۲۴۳، ۵۹۳، ۵۹۷
مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ۵۷۱
يَاْتِيْ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ ۳۰۹
يَكْسِرُ الصَّلِيْبَ ۴۸۱

احادیث بالمعنی
اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف معمولی رفتار سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے ۱۷
قرآن شریف غم کی حالت میں نازل ہوا ہے تم بھی اسے غم کی حالت میں پڑھا کرو ۱۵۲
بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے ۶۱۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی کو فرمانا کہ مجھ سے محبت کی وجہ سے تو بھی میرے ساتھ جنّت میں ہوگا۔ ۱۶۱
آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی میرے پیچھے نماز ایک مرتبہ پڑھ لے تو وہ بخشا جاتا ہے ۳۷۸
ابوبکرؓ کی بزرگی اس کے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کے سبب سے ہے جو اس کے دل میں ہے ۵۱۵
آنحضرتؐ کا فرمانا اے عائشہ ہمیں آرام پہنچاؤ ۱۸۵
ایک روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ لڑکے فوت ہوتے تھے ۲۱۹
اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے ۲۸۲
آنحضرتؐ جس صحابی کو فرماتے رَحِمَكَ اللّٰهُ وہ جلد شہید ہو جاتا ۱۶۲

اللہ تعالیٰ جس کے لیے نیکی چاہتا ہے اس کے دل میں واعظ پیدا کر دیتا ہے ۲۰
خدا جب کسی سے نیکی کرتا ہے تو اس کے دل میں فراست پیدا کرتا ہے ۱۲۹
حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی یاد سے رحمت نازل ہوتی ہے ۱۵۹
انسان دُنیا کی خواہشوں اور لذتوں کو ہی جنت سمجھتا ہے حالانکہ وہ دوزخ ہے ۹۰
گناہوں سے توبہ کرنیوالا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ۴۳۲
زمانہ جاہلیت کی سخاوت کا ثواب ۹۲
ایک عورت کا کتے کو پانی پلانے پر بخشے جانے کا واقعہ ۳۵۰
چور چوری نہیں کرتا اور انحالیکہ وہ مومن ہے ۱۳۹ ، ۲۱۵ ، ۵۸۹
مسیح مسِ شیطان سے پاک ہیں ۲۷۰
شیطان اذان سے بھاگتا ہے ۲۷۲
ایک صحابی نے مکان بناتے ہوئے اس میں ہوا کے لیے کھڑکی رکھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر اسے اذان کی آواز آنے کی نیت سے رکھتے تو ہوا بھی آتی اور ثواب بھی ہوتا ۲۲۹
ایک قوم کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازیں معاف کرنے سے معذرت فرمانا ۱۸۸
نماز میں رفع یدین ۱۹۳
آنحضرتؐ نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا پھر اجازت دیدی ۲۵۳
بیت کی طرف سے حج کیا جائے تو وہ قبول ہوتا ہے ۲۶۶
مساکین پانچ سو برس اوّل جنت میں جائینگے ۳۶۸
خدا سے ڈرنے والے ایک شخص کا واقعہ جس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کو جلا کر اس کی راکھ منتشر کر دی جائے ۴۸۳
دواؤں کی تاثیرات ہوتی ہیں اور امراض کے معالجات ہوتے ہیں ۱۸۸
بہار کی ہوا کھاؤ ۵۵۸
تپ بھی نارِ جہنم کا ایک نمونہ ہے ۳۸
اگر وبا کی ابتداء ہو تو بھاگ جانا چاہیے اگر کثرت ہو تو پھر نہیں بھاگنا چاہیے ۳۰۱
احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ بھی طاعون سے فوت ہوئے ۵۹۳
زیارت کرنے والے کا تیرے پر حق ہے ۸۰
اُونٹ کا گھٹنا باندھ اور پھر توکل کر ۵۶۶
ایک شخص کا شراب پی کر اسلام پر اعتراض کرنا ۱۰۷
حدیث کے فرمودہ کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر مجدد آیا ۳۲۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ جب دُنیا ختم ہونے پر ہوگی تو اس امت میں مسیح موعود پیدا ہوگا۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے پاس پہنچیں خواہ ان کو برف پر چل کر جانا پڑے ۱۲۶
مسیح موعود اور مہدی کے لیے رمضان میں کسوف وخسوف کے نشان کا ذکر ۱۳ ، ۵۴۳
آنے والے مسیح کے خادم فرشتے ہوں گے ۴۰۸
احادیث میں مہدی کی نسبت آیا ہے کہ اس کی زبان میں لکنت ہوگی ۷۸
حدیث میں آیا ہے کہ مسیح جو آنے والا ہے وہ دُوسروں کے پیچھے نماز پڑھے گا ۴۴۳
"مسیح موعود کی قبر میری قبر میں ہوگی" کی حقیقت ۲۸۱
کشف میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب آئے گا تو اس پر کفر کے فتوے دیئے جائینگے ۸۹
مسیح موعود کے زمانہ میں عروس لبی ہو جائیں گی ۳۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آخری زمانہ کے فتنوں سے بچنے کے لیے اکیلے رہنے کا ارشاد ۱۲۹
دجّال آخر کار مسیح کی دُعا سے ہلاک ہوگا ۵۶۲
دجّال کے کانا ہونے سے مُراد ۲۱۴
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حدیث معراج سے وفاتِ مسیح پر استدلال فرمانا ۸۹
مسیح کے نزول کے متعلق کسی حدیث میں مِنَ السَّمَاءِ کے الفاظ نہیں ہیں ۵۸۸

حسد

ایک اخلاقی گناہ ۶۰۹
سبقت کا جذبہ اور حسد ۱۹۷

حُسنِ ظن نیز دیکھئے بدظنی

حسنِ ظن اگرچہ عمدہ شے ہے مگر افراط تک لے پہنچانا غلطی ہے ۴۹۰

حقوق العباد

خدا تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت بہت کرو اور حقوق العباد کی بجاآوری پورے طور پر ۳۰۳

بجالاؤ

حَکَم نیز دیکھئے مسیح موعود

حَکَم کے معنی اور اس کا منصب ۴۳۶
جب مدتِ دراز گذر جاتی ہے اور غلطیاں بڑھ جاتی ہیں تو خدا تعالیٰ ایک حَکَم مقرر کرتا ہے ۲۶۹
حکم کا مقام ۲۹۶
تمام مُسلمان فرقوں کی باتوں کو سادگی نہیں مان سکتا ۲۹۵
اگر حَکَم نے موویوں کی ساری باتیں ہی قبول کرنی ہیں تو پھر اس کا وجود بے فائدہ ہے ۲۸۵

حِکمت

جو شخص حکمت اور معرفت کی باتیں لکھنا چاہیے وہ جوش سے کام نہ لے ورنہ بے اثر ہوگا ۱۵۸

حواری نیز دیکھئے عیسائیت اور عیسیٰ بن مریم

مُشرّف بالہام تھے ۲۳۸
اناجیل کی رُو سے حواریوں کا کردار ۴۴ ، ۳۶۴ ، ۵۲۷
صحابہ کے مقابلہ میں حواری بہت گری ہوئی حالت میں نظر آتے ہیں ۲۸۶

خ

خَتمِ نبوت (نیز دیکھئے عنوان نبوت)

آیت ہذا کا حقیقی مفہوم ۹۵
خَتمِ نبوت کی حقیقت ۵۲ : ۲۴۸
خَتمِ نبوت کے ایک معنی یہ ہیں کہ نبوت و رسالت کی جملہ شاخیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئیں ۳۵
آیت خاتم النبیین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نہ آنے کی زبردست دلیل ہے ۹۶

اگر عیسیٰ ہی آسمان سے آئیں گے تو خاتم الانبیاء کون ہوا؟ ۵۸۴

خدمتِ خلق

خدمت خلق کی تلقین ۳۷۰

خدمتِ دین

اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہے کہ انسان کا وقت وجود، قویٰ، مال و جان خدا کے دین کی خدمت میں خرچ ہو ۱۱۲

خرقِ عادت نیز دیکھئے معجزہ

ہم ہر ایک خارق عادت امر پر ایمان لاتے ہیں ۴۸۳

خوارقِ عادت اُمور ۶۳۶

خلافت

خلیفہ کے لیے ضروری نہیں کہ ایک قوم ضرور پہلے سے موجود ہو ۳۵۳

اس اُمت کا آخری خلیفہ جو موسیٰ کے تمام خلفاء کا جامع ہے ۲۵۵

یہ خلافتِ الٰہی ہے ۵۳۸

اللہ تعالیٰ نے میرا نام خلیفۃ اللہ رکھا ہے ۵

خُلق / اخلاق

اخلاق کی حقیقت ۱۹۷

محل اور موقعہ کے مطابق اپنے قویٰ کے اظہار کا نام اخلاقِ فاضلہ ہے ۲۵۶

حقیقی اخلاق ۴۷۳

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ۳۰۷

انسان کے قویٰ اور اخلاق کی مثال ۲۵۵

مومن جانوروں سے بھی اخلاقِ فاضلہ سیکھ سکتا ہے ۳۵

انبیاء و اولیاء پر مصائب آنے کا مقصد ان کے اخلاقِ فاضلہ کو دنیا پر ظاہر کرنا ہوتا ہے ۴۷۰

اضطرابوں کا آنا انسانی اخلاق اور مدارج کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے ۱۳۳

بعض خُلق ایسے ہیں کہ ان کا اظہار مصائب و شدائد کے بغیر ناممکن ہے ۱۵۲

کسی شخص کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ اس پر انعام اور ابتلاء ہر دو طرح کے زمانے آچکے ہوں ۱۴۸ / ۴۷۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ ۱۴۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق کے مجسّم ہیں ۵۷۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن شریف ہے ۵۸۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کے اخلاق کا موازنہ ۱۴۸

ہفت اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے ۶

میں سمجھتا ہوں اگر مہمان کو ذرا سا بھی رنج ہو تو وہ معصیت میں داخل ہے ۸۰

محسنوں کی تکریم اور خدمت کی تلقین ۴۹۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اپنے دشمن کی آبروداری ۵۹

دشمن کی موت سے خوش نہیں ہونا چاہیے ۲۱۷

غضب کا برمحل استعمال ایک صفتِ محمودہ ہے ۱۹۸

مداہنت اور ملاطفت میں فرق ۱۶۹

ایک غیر مومن کی بیمار پرسی اور ماتم پرسی تو حسنِ اخلاق کا نتیجہ ہے لیکن اس کے لئے کسی شعائرِ اسلام کو بجا لانا گناہ ہے ۳۶۳

جس کے اخلاق اچھے نہیں مجھے اس کے ایمان کا خطرہ ہے ۵۹۰

اخلاقی کمزوریاں دُور کریں ۶۱۲

اخلاقی گناہ ۶۰۸

مغلوب الغضب غلبہ و نصرت سے محروم رکھا جاتا ہے ۱۰۴

اشاعتِ فحش سے بچیں ۴۱۸

مُنشّی اشیاء کا استعمال عمر کو گھٹا دیتا ہے ۱۱۲

خواب دیکھئے رویا اور تعبیر کے عنوانات

خوارج

بیاضیہ فرقہ کے عقاید ۵۲۸

خوش قسمتی

اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہے کہ انسان کا وقت، وجود، قویٰ، مال جان خدا کے دین کی خدمت میں خرچ ہوں ۱۱۲

خوف

خوفِ خدا انسان کو بہت سی نیکیوں کا وارث بناتا ہے ۶۲۹

خیال

فاسد خیالات سے بچنے کا علاج ۴۳

گندے خیالات جو بے اختیار دل میں پیدا ہوں قابلِ مواخذہ نہیں ہیں ۴۳

و

وابستہ الارض ۲۰۵

دجّال ۲۹۸

دجل و فجور پھیلانے میں دجّال کی کوششیں ۱۰۷

ایک آنکھ سے کانا ہونے سے مُراد ۳۱۴

خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی حقیقت ۱۲۳

احادیث میں مذکور ہے کہ دجّال آخر کار مسیح کی دُعاؤں سے ہلاک ہوگا ۱۶۱ / ۵۶۲

اُمت میں تیس دجّال آنیوالی حدیث کا ذکر ۱۳۰

مسلمان دجّال میں خدائی صفات مانتے ہیں ۶۲۶

دُرود

دُرود شریف کی برکات ۷ / ۳۸

سجادہ نشینوں کے ایجاد کردہ دُرود و وظائف ۱۰۳

مولود خوانی ۱۵۹

دُعا

دُعا کی اہمیت

دُعا کی اہمیت ۱۶۱

خدا تعالیٰ کا بتلایا ہوا اسم اعظم ۲۰۲ / ۴۲۶

اسلام کی صداقت اور حقیقت دُعا ہی کے نکتہ کے نیچے مخفی ہے ۲۰۲

دُعا کے ساتھ دلائل کی اہمیت ۵۶۲

جب دلائل اور حجج کام نہیں دیتے تو انبیاء دُعا سے کام لیتے ہیں ۵۵۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مدار دُعا پر رہا تھا ۲۱۹

دُعا کی حقیقت اور اس کے کرنے کا طریق ۲۱۹ / ۶۱۶

بعض دُعاؤں کے بظاہر قبول نہ ہونے کا سِر ۱۵۱

بہترین دُعا وہ ہوتی ہے جو جامع ہو تمام خیروں کی اور مانع ہو تمام مُضرات کی ۳۰۹

دُعا کی توفیق بھی خدا سے ہی ملتی ہے ۶۲۷

دُعا کی قدر و قیمت ۶۱۵

نماز اصل میں دُعا کے لیے ہے ۴۵۷

دُعا اور تدبیر کا اتحاد اسلام ہے ۵۲۱

تلاشِ اسباب بجائے خود ایک دُعا ہے اور دُعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ ۳۱

دعاؤں کی تلقین

جماعت کو دُعاؤں کی تلقین ۱۷۳، ۳۷۵
دو فعل ضرور یاد رکھو ایک دُعا اور دُوسرے ہم سے ملتے رہنا تاکہ تعلق بڑھے اور ہماری دُعا کا اثر ہو ۶۹
قبولِ حق کی توفیق پانے کے لیے دُعا کرتے رہنا چاہیے ۲۹۷
خدا تعالیٰ کی راہ تلاش کرنے کے لیے کوشش اور دُعا کی ضرورت ۲۸۵
خدا تعالیٰ سے ثباتِ قدم کی دُعا مانگتے رہو ۴۰۲
عبادات میں لذّت کے حصول کے لیے دُعاؤں کی ضرورت ۲۸
ہر مہینہ اپنے اندر خیر اور شر کے لوازم رکھتا ہے اس لیے دُعا کرنی چاہیے ۳۲۳
نمازوں میں عورتوں کی اصلاح اور تقویٰ کے لیے دُعا کرنی چاہیے ۱۱۸
گناہوں سے بچنے کے لیے دُعاؤں کی تلقین ۶۰۸، ۶۱۶، ۶۲۲، ۶۲۰
آفات کے نزول کے وقت دعائیں کرتے رہیں ۶۰۱
استسقاء کے وقت جماعت کو استسقاء کی بہت دُعا کرنی چاہیے ۶۶
مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا چاہیے ۱۵۰
حُسنِ خاتمہ کے لیے ہر ایک کو دُعا کرنی چاہیئے ۳۶۳

دُعا کے آداب

دُعا کرنے اور کرانے کے آداب ۳۹۴، ۴۳۱، ۵۲۲
دُعا اسی کو فائدہ دیتی ہے جو خود بھی اپنی اصلاح کرتا ہے ۶۴، ۱۷۲، ۴۰۳، ۶۳۵
دُعا کے ساتھ تدبیر کی ضرورت ۵۶۷
وہ مقام جہاں دعا منع ہوتی ہے ۹۱، ۴۴۳

شرائطِ قبولیت

دُعا کے آداب و شرائط ملحوظ رکھنے لازمی ہیں ۵۲۷
قبولیتِ دُعا کی شرائط و لوازمات ۳۸۹، ۳۹۷، ۶۱۸
جب صبر اور صدق سے دُعا انتہا کو پہنچتی ہے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) ۲۵
دُعا استقلال اور مداومت کو چاہتی ہے ۶۱۵، ۶۱۶
دُعا کے لیے اضطراب اور کوشش کی ضرورت ہے ۶۱۶
عیسیٰ علیہ السلام کی مضطربانہ دعا ۳۹۸
عیسائیت میں دعا کے لیے جوش و اضطراب پیدا نہ ہونے کی وجہ ۵۲۱
صدق و صفا کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی ۴۹۲
دعا اصل میں ایک موت ہے ۴۹۲، ۵۹۱
دعا کے اثر اور قبولیت کو توجہ کے ساتھ تعلق ہے ۴۰۳
قبولیتِ دُعا کا راز ۳۸، ۴۹۳، ۶۰۲
قبولیتِ دُعا کی گھڑی کی علامات ۳۹۸
کسی دعا کی قبولیت کی علامت دل کا درد سے بھر جانا ہے ۱۰۰
شیخ رحمت اللہ صاحب کی قبولیت دُعا کا ایک واقعہ ۲۴۳

نماز اور دُعا

نماز دُعا کی قبولیت کی کُنجی ہے ۲۲۲
دُعا اور نماز کا حق ۲۳۱
دُعا نماز کا مغز اور رُوح ہے ۴
پانچ وقت اپنی نمازوں میں دُعا کرو ۱۷۶، ۴۴۴
نماز میں ماثورہ دعاؤں کے علاوہ مادری زبان میں بہت دُعا کیا کرو ۵۸۹
اپنی زبان میں دُعا کی تلقین ۴۴۴
اپنی زبان میں دُعا کرنے کی حکمت ۴
نماز کے بعد دُعا کا مسئلہ ۲۶۴

برکاتِ دعا

دُعا کی معجزانہ تاثیرات ۱۰۰
انعامات کی اُمّ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ہے ۳۴۳
اللہ کی ہستی کا یقینی علم صرف دُعا سے حاصل ہوتا ہے ۵۹۰
حصولِ فضل کا اقرب طریق دُعا ہے ۳۹۷
نجات محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے جس کو دُعا حاصل کرتی ہے ۳۸۸
ماثور کی دُعائیں تطہیر کا بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہیں ۱۰۰
ہمارا اعتقاد ہے کہ اس آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دُعا کے ذریعہ ہی غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ کہ تلوار سے ۱۷۲، ۱۹۰
احادیث میں مذکور ہے کہ دجال آخر کار مسیح کی دُعا سے ہلاک ہوگا ۵۶۲
کسرِ صلیب جانکاہ دُعاؤں پر موقوف ہے ۵۶۱
ساری عقدہ کشائیاں دُعا کے ساتھ ہو جاتی ہیں ۱۳۲
تقدیرِ معلق دُعا سے ٹل سکتی ہے ۲۴، ۲۴۱
صدقات۔ دُعا اور خیرات سے رَدِّ بلا ہوتا ہے ۲۰۱
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے لکھا ہے کہ ان کی دُعا سے قضاء مبرم بھی ٹل جاتی ہے ۲۴۲
مخلوق کی بھلائی کا دروازہ ۳۱۵
گھروں کو آباد اور امن میں رکھنے کا ذریعہ ۲۴۲
حصولِ اولاد کے لیے صحیح دُعا ۵۶۹، ۵۹۹
ایک صحابی کو ان کی دُعا کے نتیجہ میں عمر میں درازی دی گئی ۵۶۳
انسان کے زہر کا تریاق دُعا ہے ۵۹۱
گناہ سے نجات کا حقیقی ذریعہ ۵۶۸

قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں

سورۃ فاتحہ کی دُعا مسلمانوں کو سکھائے جانے کی وجہ ۹، ۳۰۹، ۴۴۹
ایک قرآنی دُعا ۱۷۱
قرآن کریم کی ایک جامع دُعا ۱۴۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں اور ان کی قبولیت ۵۲۴
جنگِ بدر میں فتح کے وعدہ کے باوجود رو رو کر دُعائیں فرمانا ۱۳۳، ۵۵۲
اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ ۳۴۶

مسیح موعود علیہ السلام اور دُعا

قرآن کریم میں مسیح موعود کی دُعاؤں کی طرف اشارہ ۵۵۹
آدمِ اوّل اور آدمِ ثانی کی شیطان پر فتح دُعا کے ذریعہ ہے ۱۹۰، ۱۹۲

مسیح اوّل اور مسیح آخر کی دعاؤں کا فرق ۵۶۲
احادیث کے مطابق مسیح موعود کا عیسائیت سے مقابلہ دُعا کے ساتھ ہوگا ۴۰۸
عیسائیت کے استیصال کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت ۶۴۷
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا کے نتیجہ میں لیکھرام کی ہلاکت ۸۴
مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کے لیے دُعا کہ اللہ سب کو صاحبزادہ عبداللطیف کا اخلاق اور صدق عطا کرے ۵۱۵
بیت الفکر اور بیت الدعا کی تعمیر کا مقصد ۱۵۵، ۱۹۱
مسجد البیت اور بیت الدعا کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا ۱۹۲
منارۃ المسیح کے سنگ بنیاد کے موقعہ پر حضرت اقدس کا دُعا کر کے اینٹ پر دَم فرمانا ۱۵۵
حضرت اقدس کا دستِ مبارک اُٹھا کر دُعا فرمانا ۴۷
حضرت اقدس کا بعض امور کے لیے اپنے رفقاء کو دُعا کے لیے کہنا ۵۵

انکارِ دُعا کا فتنہ

اس زمانہ میں دُعا سے غفلت اور اسبابِ پرستی ۵۲۱
دُعا کے منکرین کی شکلات ۲۴۳
دُعا نہ کرنے کے نتائج ۶۲۸

دُنیا

بے ثباتی ۵۴۶، ۵۸۷
دُنیا کی کلفتیں اور ان سے بچنے کا واحد علاج ۴۴۱

دوزخ نیز دیکھئے جہنم

دوزخ کی حقیقت اور اس کے غیر دائمی ہونے کی دلیل ۳۰۹
دوزخ کے سات دروازے ۳۸۶

دہریت

اللہ تعالیٰ کے تصرفات پر کامل یقین کا نہ ہونا دہریت ہے ۲۳۰
جو شخص خدا کو ماننے کے باوجود گناہ سے پرہیز نہیں کرتا اس میں دہریت کی رگ ہوتی ہے ۳۱۵
ہندوستان اور یورپ کی دہریت میں فرق ۲۶۴

رحمن

دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی نعمت ۵۹۲
کیا عمدہ وہ موت ہے جو خدمتِ دین میں آئے ۴۸۴
دین کو سمجھنے کے لیے سعی کی ضرورت ۶۴۱
اُمورِ دُنیا دین کی خاطر کئے جائیں تو موجبِ برکات ہوتے ہیں ۵۷۸
دین سے غافل ہونے والی قوموں سے اللہ تعالیٰ کا سلوک ۵۲۹
دین کے بگڑنے پر اللہ تعالیٰ مصلح امور فرماتا ہے ۵۲۹
احیاءِ دین کے سامان ۵۸۰

ر

رات

رات کی فضیلت ۱۱۲

رزق

رزق سے مراد ۲۲۰
راستباز متقی کو رزق کی بشارتیں دی جاتی ۶۰۳

رسم

رُسومات کی بجاآوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کے مترادف ہے ۳۱۶

رسول (نیز دیکھئے ماموراور نبی کے عنوانات)

ایمان بالرسل کی ضرورت ۳۹۴
بعثت کی غرض ۵۳۳
آدابِ الرسل ۶۳۲
خدا کے رسول کبھی اپنی بشریت کی حد سے آگے نہیں بڑھتے وہ آدابِ الٰہی کو مدِنظر رکھتے ہیں ۱۹۵
رسولوں کی طلب امداد کا بہتر ۳۱
رسول کو علمِ غیب حاصل نہیں ہوتا ۳۵۵

رشوت

رشوت کے روپیہ سے بنائی گئی جائداد ۱۹۷

رضا

عبادالرحمٰن ہمیشہ رضا بالقضاء کے مقام پر ہوتے ہیں ۵۰۸
رضا کا انتہائی مقام ۱۰۱

رقت

رقت جیسی کوئی لذت نہیں ۲۱۶
سختیٔ قلب کا کفارہ ۳۴۶

رُوح

رُوح مجہول الکنہ ہے ۳۱۲
ہر ایک رُوح قالب کو چاہتی ہے جب وہ قالب تیار ہوتا ہے تو اس میں نفخِ رُوح خود بخود ہو جاتا ہے ۴۴۶

رُوح القدس

رُوح القدس کے فرزند ۳۰۹

رہن

رہن کا جواز ۱۹۸
موجودہ تجاویز رہن جائز ہیں ۲۴۰
زیورکا رہن اور زکوٰۃ ۲۴۱

ریاء

عُجب اور ریاء کی مذمت ۱۸۶، ۵۶۷
ریاکاری سے نماز ادا کرنے والوں کے لیے وَیل ۵۶۹

رویاء

خواب کی حقیقت اور اقسام ۲۸۹
خواب نبوت کا حصہ ہے اور ہر ایک کو اس کا مونہ دیا گیا ہے ۲۸۹
خواب میں ایک اجمال ہوتا ہے اور اس کی تعبیر صرف قیاسی ہوتی ہے ۱۶۴
خواب اور ان کی تعبیریں ۵۶
جو لوگ فطری اُمور کی استعداد نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ ان کو بذریعہ رویا کے سمجھا دیتا ہے ۳۳۴
مومن کی نظر رویاء والا کی بجائے اعمالِ صالحہ پر ہونی چاہیے ۶۳۷
فاسقوں اور غیر مسلموں کو سچی خوابیں آنے کی وجہ ۵۴
بدکاروں کو سچے خواب آنے کی توجیہہ ۲۸۸
تعبیر کرنے والے کی رائے سے خواب کی تعبیر نہیں بدل جاتی ۲۷۸
خواب بشارت ہوں یا منذر قضاء معلق ہوتے ہیں ۲۴۱
منذر رؤیا خواب آئے تو صدقہ وخیرات اور دُعا سے وہ بلا ٹل جاتی ہے ۲۷۸
رویاء کا اختتام بھی اچھی جگہ ہونا ۲۲۳

ایک شخص کا رویاء کے ذریعہ ہدایت پانا ۴۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رویا میں دیکھنا کہ آپؐ نے جنت کے باغوں میں سے ایک سیب لیا ہے۔ جب حضور بیدار ہوئے تو وہ سیب ہاتھ میں تھا ۵۱
آنحضرت کا رویاء میں ابوجہل کے ہاتھ میں جنت کے انگور کے خوشے دیکھنا ۵۵۴
حضرت اماں جان کی ایک رویاء ۵۰، ۵۶
ایک رویاء میں حضرت ام المومنین کا فرمانا کہ اگر میں مر جاؤں تو اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کرنا ۵۵
مولوی عبدالکریم صاحب کا رویاء میں دیکھنا کہ مرزا سلطان احمد آئے ہوئے ہیں ۵۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رویاء کے لیے دیکھئے: اسماء کے انڈیکس میں زیر عنوان غلام احمد قادیانی۔ مسیح موعود و مہدی معہود

ز

زبان

گالی اور برمحل بات میں فرق ۱۱۹
مداہنت اور مدارت میں فرق ۱۶۹
زبان کی تہذیب کا ذریعہ صرف خوفِ الٰہی اور سچا تقویٰ ہے ۱۱۲

زمانہ

مختلف زمانوں میں اسماء الٰہیہ کی مختلف تجلیات ۳۹۱
ہر مہینہ اپنے اندر خیر اور شر کے لوازم رکھتا ہے اس لیے دعا کرنی چاہیے ۳۲۲
اس زمانہ کے لیے لکھا تھا کہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے ۱۰۹
علماء بیان کرتے ہیں کہ تیرھویں صدی سے بھیڑیوں نے بھی پناہ مانگی ہے اور چودھویں صدی میں مسیح اور مہدی آئیں گے ۷۴
اس زمانہ کے نشانوں کا پورا ہونا ۷۶
زمانہ کی طرف سے مسیح موعود کی تائید ۱۹۹
یہ زمانہ قلمی اور علمی جہاد کا ہے ۳۱۹
موجودہ زمانہ بے وقعت موتوں کا زمانہ ہے ۱۷۷

زندگی

زندگی کا فیشن ۶۲۹
زندگی کی اصل غرض اور مقصود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے ۶۲۹

س

ستاری

اس وقت اللہ تعالیٰ کے اسم ستار کی تجلی ہے ۶۳۰

سجادہ نشین

عملی حالت ۴۳۸
سجادہ نشینوں کی خود ساختہ بدعات اور پیروکاروں کے لیے لمحہ فکریہ ۱۲۸

سخاوت

زمانہ جاہلیت میں سخاوت کے نتیجہ میں ایک شخص کو اسلام قبول کرنے کی سعادت کا ملنا ۹۳

سکھ

متکبرانہ وضع ۱۳۱

سلوک نیز دیکھئے تصوف

اہل سلوک کا آخری مرتبہ ۵۰۹

سناتن دھرم نیز دیکھئے ہندو مذہب

ان کے عقائد اسلام کے بہت قریب ہیں ۱۳۱، ۱۳۷
ان میں اس طرح کے آدمی بھی ہوتے ہیں کہ وہ کبھی فرقہ کے مکذب نہیں ہوتے ۱۹۴
سناتن دھرم کے مشہور عالم نند کشور کی حضور سے ملاقات اور حضور کی تصانیف کی تعریف کرنا ۱۶۸

سنت

سنت صحیحہ معلوم کرنے کا طریق ۲۶۵

سنگدلی

سخت دل ہر ایک فاسق سے بدتر اور خدا سے ابعد ہوتا ہے ۶۳۶

سوادِ اعظم

سوادِ اعظم کی حقیقت ۵۴۸، ۵۸۲

سود

شرع میں سود کی تعریف ۱۶۶
خواہش کے خلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سود میں داخل نہیں ہے ۱۶۷
حرمتِ سود ۱۶۵
سود اور سود در سود دونوں منع ہیں ۱۶۷
سود اور پراویڈنٹ فنڈ ۱۶۶

سید/سادات

نسبی دعویٰ کی بے حقیقتی ۱۷۵

ش

شجاعت

شجاعت اور تہور میں فرق ۶

شراب

شراب کی مضرتیں ۱۰۷، ۳۲۴
اس زمانہ میں اُم الخبائث شراب پانی کی طرح پی جاتی ہے ۵۷۶
یورپ میں کثرت شراب نوشی کے نتائج ظاہر ہو گئے ہیں ۴۰۵

شریعت

امرِ شرعی اور امرِ کونی ۳۵۱
شریعت قرآن شریف کے بعد ہرگز نہیں آئیگی ۱۰۲
شریعتِ اسلامی کی پاکیزگی ۱۳۱
شریعت کی بنا نرمی پر ہے سختی اور بالاطاق پر نہیں ۲۸۲
ابوالحسن فرقانی، بایزید اور جیلانی رحمۃ اللہ علیہم نے شریعت کی پابندی سے ہی قرب کا مقام پایا تھا ۱۵۴
محدثات سے پرہیز کی تلقین ۵۱۹
شریعت ظاہری اور شریعت باطنی ۳۳۹
بعض امور شریعت سے ورا اور ورا ہوتے ہیں جن کو اہل حق ہی سمجھتے ہیں ۳۴۰
پیمانہ شریعت سے ہر ایک کو ناپنا غلطی ہوتی ہے ۳۴۱

شرک

شرک کی جڑ ۳۳
شرک کی باریکیاں اور دقت ۱۴۶
اسباب پرستی کا شرک ۳۰، ۲۲۹، ۳۳۱، ۳۴۴
نفس کے بتوں کا شرک ۱۳۵
اغراضِ نفسانی شرک ہوتے ہیں ۲۸۶
متکبر، بخیل، غرور وغیرہ بداخلاقیاں اپنے اندر شرک کا ایک حصہ رکھتی ہیں ۶۱۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ماننے جانیوالے
خصائص ایک قسم کا شرک ہیں ۲۹۴، ۲۹۵
مصنوعی خدا کے خاتمہ کا وقت آگیا ہے ۶۴۷

شاعری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا شعر کہنا اور شعر سُننا ۱۶۲
شاعر انبیاء ۱۶۳
قرآن کی بہت سی آیات شعروں سے ملتی ہیں ۱۶۲
قرآن کریم نے صرف فسق و فجور کرنے والے شاعروں کی مذمت کی ہے ۱۶۳

شفاعت

پیغمبر جس کی شفاعت کرے اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرے تو وہ شفاعت اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی ۱۷۲
شفاعت کی ایک مثال ۱۸۳

شق القمر نیز دیکھئے معجزات
معجزہ شق القمر کے متعلق راجہ بھوج کی شہادت ۱۸۰

شکر

انبیاء کی طرف سے تصورِ شکر کا اظہار ۶۳۳

شہادت

مقدمات میں شہادت کے بارہ میں وکلاء کو نصیحت ۲۲۸

شہد

خواص ۵۵۳

شہید

شہید وُہ ہوتا ہے جو جان دینے کا قصد کرے ۶۰۱

شیطان

شیطان اور ملائکہ کی حقیقت ۳۱۲
مَسِّ شیطان سے پاک ہونے کا مسئلہ ۶۲۵
نیک لوگوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا ۱۱۹
شیطان کی تدابیر ۶۳۰
آدم علیہ السلام نے شیطان پر دُعا کے ذریعہ فتح پائی ۱۷۱
صوفیاء نے لکھا ہے کہ کسی سے فریب کرنا اگرچہ ناجائز ہے لیکن شیطان سے فریب کرنا جائز ہے ۵۶۷
شیطان کے فرزند ۳۰۹
شیطان کی آخری جنگ ۱۶

شیعہ

شیعوں کے خلافِ اسلام عقائد ۲۲۳، ۵۲۹
قرآن کریم کو محرف و مبدل ماننے کا جواب ۲۸۳
بدعات و محدثات ۵۲۰
ازواجِ مطہرات کے لیے سب و شتم کا ارتکاب ۲۲۵
شیخین پر بے جا اعتراضات ۵۲۸
شیعوں کا یہ خیال کہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی ہے بعض غلط ہے ۳۸
اہلِ تشیع کی حضرت امام حسین سے محبت کا ذکر ۵۵۰
حضرت امام حسین کو تمام انبیاء کا شفیع مان کر غلو کا ارتکاب ۲۶۸، ۲۸۳، ۵۲۳، ۵۲۵
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی حکمت کے بارہ میں غور نہیں کرتے ۱۵۰
امام حسن کی تعریف میں ان کا دلی جوش صادر نہ ہونے کی وجہ ۲۶۹
فلسفہ جدیدہ سے متاثر ہو کر راہِ راست پر آتے جاتے ہیں ۲۶۸

ص

صالحیت

صالحین کا مقام ۵۰۹
نیک بخت اور صالحین کی اولاد کی دستگیری ۳۰۹

صبر

ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے مامور کئے گئے ہیں ۲۲۱
اطاعت، عبادت اور خدمت میں اگر صبر سے کام لو تو خدا کبھی ضائع نہ کریگا ۶۱۹
صابروں کے سب کام وہ آپ کرتا ہے اور بے صبری سے ابتلاء پیش آتا ہے ۴۸۵
صبر کے نتائج دیکھنے ہوں تو سورۃ یوسف کا غور سے مطالعہ کرو ۶۲۱
صبر و رضا کے مقامات کے آداب ۴۴۳
صبر کی تلقین ۴۵۴
دُعا میں صبر کی تلقین ۴۴
حضرت ایوب علیہ السلام کا مثالی صبر ۳۷۲

صحابہ رضی اللہ عنہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کچھ اسلام کا بنا وہ اصحابِ ثلاثہ سے ہی بنا ہے ۶۲۲
غزوات میں صحابہ کے شہید ہونے کا اثر ۳۰۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ تھے ۲۰۸
ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں سے ایک بھی بہرہ نہیں تھا (نورالدین) ۵۹۴
وفاتِ مسیح پر اجماعِ صحابہ ۵۸۴
حدیث پر قرآن شریف کو فضیلت دیتے تھے ۵۲۰

مقام

جو صحابہ کرام کی قدر نہیں کرتا وہ ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہیں کرتا ۵۲۰
صحابہ کی ذات پر حملہ کرنے کے نتائج ۵۲۸
صحابہ کی فضیلت ۲۲۲
قرآن کریم میں صحابہ کی تعریف ۶۳۹
صحابہ کی پاک جماعت کا مقام ۵۲۷
السابقون الاولون ۱۵
مہاجرین کا مقام ۱۵
اللہ تعالیٰ کا اہلِ بدر کو فرمانا اعملوا ما شئتم ۳۰۹
صحابہ کرام کو خدا تعالیٰ نے توحید پھیلانے کے لیے پیدا کیا اور انہوں نے توحید پھیلائی ۳۳۰
وہ نہایت درجہ کی سے خدا کی راہ میں ایسے فدا تھے گویا ان میں سے ہر ایک ابراہیم تھا ۴۲۹
بعض صحابہ کا جوانی میں ہی بامراد زندگی پاکر وفات پا جانا ۳۹۶

خصائص

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی کشش سے صحابہ میں انقلابِ عظیم ۴۲۸
اسلام قبول کرنے کے بعد سارے تعلقات خطا میں ہو کر قائم کئے ۹۹، ۳۴۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا ادب ۴۵۵
خدا تعالیٰ کی خاطر بے مثال جانی اور مالی قربانیاں ۲۸۶، ۳۵۹، ۵۲۹
شوقِ شہادت اور جرأت ۵۱۵، ۶۰۱
صدق و وفا کا بے نظیر نمونہ ۴۳
اطاعت و وفاداری اور قرآن شریف

پرعمل ۲۸۴ ، ۶۱۲
اخلاص اعمال کا اجر ۳۲۶

صحبت

صحبت کی اہمیت ۶۹ ، ۷۳ ، ۱۳۶ ، ۴۹۰
ہدایت کے لیے صحبتِ صالحین کی ضرورت ۴۲۶
اعمالِ نیک کے واسطے صحبتِ صادقین کا
نصیب ہونا ضروری ہے ۱۲۹
صحبت کی تاثیر ۵۰۵
صادق کی صحبت میں انسان کی عقدہ کشائی
ہوتی ہے ۱۲۶
اصلاحِ نفس کا سچا ذریعہ ۵۴۰
انبیاء علیہم السلام کی تربیتی صحبت ۴۲۹
مامور کی صحبت میں صدق اور استقلال
سے رہنا چاہیے ۱۳۷ ، ۴۴۷
مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہنے
کی تاکید ۱۲۷
حضرت صاحبزادہ عبداللطیف کا مسیح موعود
علیہ السلام کی مختصر سی صحبت سے فائدہ اُٹھانا ۵۱۲
صحبتِ صالحین اور دُعا کی تلقین ۳۷۵
جہاں اللہ اور اس کے رسول کی ہتک ہوتی
ہو اس مجلس سے فی الفور اُٹھ جاؤ ۵۰۷
نیکی کا پہلا دروازہ اسی سے کھلتا ہے کہ اوّل
اپنی کورانہ زندگی کو سمجھے اور پھر بُری مجلس اور
بُری صحبت کو چھوڑ کر نیک مجلس کی قدر کرے ۸۲

صدق

صدق و وفا کی قیمت ۵۱۷
اہلِ صدق و وفا کیلئے قبولیت و عظمت ۲۸۷
صدق و وفا کے بغیر دُعا قبول نہیں ہوتی ۴۹۴
صادق کی شناخت کے تین معیار ۷۶

صدقہ

تمام انبیاء نے صدقہ و خیرات کی تعلیم دی ہے ۲۰۲
ہر مذہب کے نزدیک صدقات و خیرات سے
عذاب ٹل جایا کرتا ہے ۲۱۸
صدقات۔ دُعا اور خیرات سے بَرَکَ بَلا
ہوتا ہے ۲۴ ، ۷۲ ، ۲۰۱
صدقہ اور ہدیہ ۲۶۶
اگر پیسہ پاس نہ ہو تو ایک بُرکا پانی کا
کسی کو بھر دو۔ یہ بھی صدقہ ہے ۷۲

صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات ۵۰۶

صلیب

واقعہ صلیب کی حقیقت ۴۵۰
کاٹھ پر لٹکائے جانے والے کے ملعون
ہونے کا مطلب ۲۰۱

ط

طاعون ۵۴۶
رِجْزٌ مِّنَ السَّمَآءِ ۵۹۴
اس زمانہ میں طاعون کا عذاب ۳۶۲
مامور و مرسل طاعون کا شکار نہیں ہو سکتا ۵۹۴
مومن کی طاعون سے موت اس کے لیے شہادت
ہے ۱۲۴ ، ۵۹۳
طاعون میں شدت ۲۴۴
طاعون کی کثرت کی وجہ سے ہندوؤں کا
اپنے گھروں میں اذان دلوانا ۱۷۳ ، ۲۷۲
طاعون کی وبا کا عرصہ ۳۰۴

آنے کی وجہ

طاعون کے آنے کی وجہ ۱۴۸
صرف ارضی اسباب ہی اس کا باعث
نہیں ہیں ۳۰۵
اصلاحِ خلق کے لیے مسلط کیا گیا ہے ۶۲۵
طاعون کی ہلاکت خیزی لوگوں کی بداعمالی کے
سبب سے ہے ۳۲۶
جوں جوں تعصب بڑھے گا طاعون بڑھے گی ۸۸
خدا کے حکم سے آئی ہے اور تب تک نہیں
جائے گی جبتک ایک تغیرِ عظیم پیدا نہ کرے ۲۲۳
بعض مخالفین پر طاعون کیوں نہیں ہوئی ۲۲۵
طاعون کے باوجود لوگوں کا فسق و فجور پر
قائم رہنے کا ذکر ۲۹۱

ایک عظیم نشان

مسیح موعود کے وقت میں طاعون کے متعلق
سابقہ پیشگوئیاں ۳۱۸ ، ۵۷۵ ، ۶۲۵
طاعون کے بارہ میں حضرتِ اقدس کی ایک
رویاء ۱۳۲

مسیح موعود کے ظہور کا ایک قہری نشان
۱۴ ، ۸۵ ، ۳۲۹ ، ۵۷۴ ، ۵۸۰
مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے
طاعون آنے کی نعش کی مرتع ۲۵۸
طاعون کے بارے میں ہمارے ساتھ جھگڑا نہ
کریں ۳۵۶
عارضی بندش کے بارہ میں ایک الہام ۲۷۸

جماعت کی حفاظت کا وعدہ

طاعون سے بچائے جانے کے متعلق حضور
کا ایک الہام ۱۵۳
جماعت کی حفاظت کا وعدہ اور اس کی
شرائط ۴۵۳
جماعت کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا وعدہ نبشا ۔
حفاظت کا ہے نہ کہ کلیتہً ۳۰۲
بعض احمدیوں کے طاعون سے وفات پانے
کے اعتراض کا جواب ۲۴۱ ، ۳۱۶ ، ۳۲۹ ، ۳۶۲
آنحضرتؐ کے بعض صحابہ کی طاعون سے وفات
پانے کی وجہ ۱۲۴ ، ۵۹۳

نتائج

طاعون کا ظاہر ہونا بھی خدا تعالیٰ کی رحمت
ہے ۲۰۶ ، ۳۸۰
طاعون کا داغظ ۱۱۳
خدا تعالیٰ کا طاعون کے ذریعہ دنیا کو سلسلہ
کی طرف متوجہ کرنا ۳۸۱
طاعون کے نتیجہ میں بہتوں میں اضافہ ۲۳۵
طاعونی احمدی ۲۶۷

طاعون کا علاج

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ وبا کی ابتداء ہو تو
بھاگ جانا چاہیے کثرت ہو جاتے تو پھر
بھاگنا نہیں چاہیے ۳۰۱
طاعون کی ہلاکت خیزی اور اس سے بچنے کا
علاج ۶۳ ، ۱۳۸ ، ۱۴۷ ، ۲۴۰
جو نیک بن جاتا ہے اس پر یہ بلا طاعون
نہیں پڑتی ۷۲
اس کا حقیقی علاج رجوع الی اللہ ہے ۲۲۲ ، ۳۵
طاعون کا علاج توبہ ہے ۳۳۷

حقیقی علاج کی طرف توجہ کرنے کی نصیحت ۱۸۸
نمازوں میں طاعون سے بچنے کی دعا کیا کرو ۱۳۹، ۲۰۹

طب

تحصیلِ دین کے بعد طبابت کا پیشہ
بہت عمدہ ہے ۳۴۴
انسان کا اصل طبیب اللہ تعالیٰ ہی ہے
جس نے اس کو بنایا ہے ۵۵۶
مرض کی دو اقسام مختلف اور مستوی ۸۱
انسان کو روحانی امراض کی کثرت کا روحانی پہلو ۲۱۷
بیماریوں کی افادیت ۲۴۰
بعض بیماریوں کی شدت ۴۳۷
سورہ مزمل کی تاکید کے مطابق انسان کو
رات کا کچھ حصہ آرام بھی کرنا چاہیے ۱۰۵
قرآن شریف میں ایک برکت یہ ہے کہ
اس سے ذہن صاف ہوتا ہے اور زبان کھل
جاتی ہے۔ اطباء بھی اس بیماری کا اکثر یہ علاج
بتایا کرتے ہیں ۱۰۵
احادیث میں متعدی امراض کے ایک دوسرے
کو لگ جانے کی نفی کے معنی ۶۳۵
زحیر و قولنج کے عارضہ سے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی معجزانہ شفایابی ۶۳۶

علاج

دواؤں میں تاثیرات اور امراض کے معالجات
ہوتے ہیں ۱۸۸
وبائی امراض کا روحانی علاج ۴۲۶
مثانہ کی پتھری کا علاج ۶۰
جائفل اور سونٹھ سے کھانسی کو آرام ۵۵
اگر علاج کے لیے ضرورت ہو تو تمباکو
منع نہیں ہے ۱۷۶

خواص المفردات

ترید ۲
سم الفار ۲۱۲، ۳۱۳
شہد ۵۵۳
بیلہ ۳۱۳

طلاق

طلاق کی ضرورت ۲۷۵
قرآن کریم کی رو سے طلاق کا صحیح طریق ۲۱۳
شرعی طلاق ۲۱۵
مزاجوں کی ناموافقت بھی شرعی طور پر وجہ
طلاق قرار پا سکتی ہے ۲۷۶
شرطی طلاق ۳۳۳
خفیف عذر پر طلاق دینے والوں پر حضرت
اقدس کا اظہارِ ناراضگی ۳۴۵

ع

عاجزی

مسکینی اور عاجزی کی عظمت ۳۷۰
اسلام تواضع سکھاتا ہے ۱۳۲
عاجزی کرنے اور گردن فرازی نہ کرنے والے
کی اللہ تعالیٰ خود مدد فرماتا ہے ۱۲۵
عاجزی، فروتنی اور خاکساری اختیار کرنے
کی نصیحت ۲۳۲، ۲۷۷، ۳۱۴
عاجزی کے بغیر نماز میں حضورِ قلب حاصل
نہیں ہوتا ۳۳۴
ایک عابد کی عاجزی ۳۷۴

عبادالرحمٰن

ہمیشہ رضا بالقضا کے مقام پر ہوتے ہیں ۵۰۸

عبادت

انسان کے سلسلۂ پیدائش کی علت غائی صرف
عبادت ہے ۸۲، ۱۸۴
عبادت کا اصل اصول ۱۸۰
اسلامی عبادات کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ
ان میں اوّل تا آخر اللہ تعالیٰ مقصود ہوتا
ہے ۳۷
انسان خدا کی عبادت دوزخ یا بہشت کے
سہارے سے نہ کرے بلکہ محبتِ ذاتی کے
طور پر کرے ۹۱
عبادت اور احکام الٰہی کی دو شاخیں تعظیم
لامر اللہ اور ہمدردیٔ خلق ۳۰۷
عورتوں کے لیے عبادت کا ایک ٹکڑا خاوند کا
کا حق ادا کرنا اور ایک ٹکڑا خدا کا شکر بجا
لانا ہے ۳۶۹
خوشی الحانی سے قرآن شریف پڑھنا بھی
عبادت ہے ۱۶۲
عابد انسان کا کمال تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ہے ۳۰۷
عبادت میں حظ اور لذت ۲۵
عبادات میں حصولِ لذت کے لیے دعاؤں
کی ضرورت ۲۸
ذوقِ عبادت پیدا کرنے کا طریق ۳۰۹
عارف کی عبادت ۴۵۹
عابد و زاہد اپنی عبادت کو راز میں رکھنا
پسند کرتا ہے ۱۸۶
نفس پر قبض و بسط کی حالتیں ۱۹۳
عبادت کے ساقط ہونے کی حقیقت ۲۶۹، ۳۹۹

عبودیت

عبودیت اور ربوبیت کا باہم تعلق ۲۷
آدابِ عبودیت ۳۴۴
عبودیت کا سر ۳۴۶
انبیاء کا تعلقِ عبودیت ۱۹۶
عبودیت کاملہ سکھانے کا بہترین معلم
نماز ہے ۳۲

عذاب

عام آفات اور عذاب میں فرق ۵۵۰
عذابِ الٰہی کی ضرورت ۵۴۹
عذاب بھی رحمت ہے ۲۰۶
ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے کہ گنہگاروں
کو ایسی سزا ملے گی جو ابدی ہوگی ۳۹۳
کوئی بھی نبی عذابِ الٰہی سے بلاک نہیں ہوا ۱۲۳
عذاب کے طبقات اور تفاوت ۴۲۱
وباؤں کے عذاب کی غرض ۶۳۳
دنیوی عذابوں کی وجہ ۴۲۱
اس زمانہ میں عذابوں کے آنے کی وجہ ۱۷۸
دنیا میں طرح طرح کی آگ کے عذاب ۱۴۵
طاعون کا عذاب ۳۶۲
عذاب میں عجلت کی الٰہی سنت ۱۳۹
دنیوی عذابوں اور مصائب سے بچنے کی راہ ۱۷۷
خدا کے عذاب سے محفوظ رہنے کے لیے خدا
کا قرب حاصل کرنا ضروری ہے ۱۲۳
عذابِ الٰہی سے بچنے کے لیے فقط زبانی اقرار
ہی کافی نہیں نہ ادھوری نمازیں ہو سکتی ہیں ۱۳۸
قبل از نزولِ عذاب توبہ و استغفار سے
عذاب ٹل جایا کرتا ہے ۲۱۸

اگر عذاب آگیا تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہوگیا ۱۶۸

عربی زبان
صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے مشہور شعراء ۱۶۲
استثناء ۳۱۲

لغوی حقیقت
پنجابی لفظ اَتھ عربی ست ہے ۳۲۱
احمد کے معنی ۳۶۴
امارات کے معنی ۵۵۹
توفّی کا استعمال صرف انسانوں کے لیے ہوتا ہے ۲۹۸
حَدَب ۲۱۴
عِشار حمل دار اُونٹنی کو کہتے ہیں ۳۴۸
خاسق کی تشریح ۵۵
فطرت کی لغوی حقیقت ۵۶۰
لَنْ یَنَالُ ۲۱۴
مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ ۱۱۱

عرش
عرش کی حقیقت
عرش اللہ تعالیٰ کی جلالی و جمالی صفات کا مظہر اتم ہے ۶۳۴
چار ملائک کا عرش کو اُٹھانا ایک استعارہ ہے ۷۱

عرفان
ایمان اور عرفان کی حقیقت اور باہم تعلق ۱۳۲

عصمت
عصمت انبیاء کا راز ۳۳

عقل
تسلی پانے اور حق کی شناخت کا ایک ذریعہ ۲۹۴
سماع اور عقل انسان کو ایمان کے واسطے جلد تیار کر دیتی ہے ۳۱۸
دینی معاملات میں عقل قابلِ اعتماد نہیں ہے ۱۲۵، ۱۲۶

عقیدہ
عقیدہ کی اہمیت ۲۰۴
عقائد کا اعمال پر اثر ۶۲۶
عقیدۂ حیاتِ مسیح کے نقصانات ۲۱۱

علم
حقیقی علم کی تعریف ۷
علم سے مراد یقین ہے ۴۷
نبیوں کو ملنے والے علم کی تین اقسام ۲۹۹
مجہول الکنہ اشیاء
اللہ۔ رُوح۔ ملائکہ اور ابلیس ۳۱۲
جو باتیں علم الٰہی میں مخفی ہیں ان کی کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے ۳۱۳
روحانی اور دینی علوم حاصل کرنے کا ذریعہ ۴۷۱
دینی علوم کی تحصیل کے لیے تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ہے ۳۹۲
تحصیل دین کے بعد طبابت کا پیشہ بہت عمدہ ہے ۳۳۴
انگریزی تعلیم کے اثرات ۵۸۱

عُمر
اللہ تعالیٰ عمر کو کم یا زیادہ کر سکتا ہے ۱۱۷
اللہ اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ عزیز رکھتا ہے اور ان کی عمر دراز کرتا ہے ۶۱۲
جو شخص اپنے وجود کو نافع الناس بنا دیں گے ان کی عمریں خدا تعالیٰ زیادہ کریگا ۳۰۳
اگر انسان خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مرجائے تو جانے کہ اس نے بڑی عمر حاصل کرلی ہے ۳۹۶
کامیابی کی عمر بھی درازی عمر کے مترادف ہے ۳۹۶
درازیٔ عمر کا نسخہ خدمتِ دین اور خدمتِ خلق ۳۸۵، ۳۹۵، ۵۶۳، ۶۱۱
مُنشی اشیاء کا استعمال انسان کی عُمر کو گھٹا دیتا ہے ۱۱۲

عمل
اعمالِ صالحہ کی تعریف ۴۹۹، ۶۳۰
اعمالِ صالحہ کی ضرورت ۲۵۰، ۳۱۴، ۵۸۸، ۶۱۱، ۶۲۳، ۶۲۹
ایمان اور اعمالِ صالحہ کا باہم تعلق ۱۸۱، ۳۸۷
عقائد کا اعمال پر اثر ۶۲۶
عقیدہ سے اعمال میں قوت آتی ہے ۲۰۴
اعمالِ صالحہ کثرت سے بجالانے کی تلقین ۵۸۹
عمل کے ساتھ توبہ کی تکمیل کرو ۱۵۳
عمل نہ ہونے کی وجہ سے پیغمبر کی سفارش بھی کارگر نہ ہوگی ۳۷۰
ایک ذرا سی بات سے مقربرس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں ۳۷۱
عمل اور تقویٰ کی کمزوری کی جڑ معرفت کی کمزوری ہے ۳۸۴
اللہ تعالیٰ کی نظر ظاہر اعمال پر نہیں ہے ۵۰۰
اللہ تعالیٰ چھوٹے سے چھوٹے عمل کا اجر دیتا ہے ۳۵۰
جو بہت پڑھے ہوئے ہیں اور عمل نہیں کرتے ان کی سخت مذمت کی گئی ہے ۳۵۴

عمل الترتب
حقیقت ۳۰۸

عورت
مقام
اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں مساوات رکھی ہے ۵۵۷
الہامِ الٰہی سے مشرف ہو سکتی ہے ۲۳۸
عورت کی پیدائش کی ایک خصوصی غرض ۱۸۵
عورت نبی نہیں ہو سکتی ۲۵۴
ولادت کے وقت ان کی اپنی بھی ایک ولادت ہوتی ہے ۵۶
لڑکی اصل میں مُردہ بدست زندہ ہی ہوتی ہے ۵۶
نکاح کے سلسلہ میں ولی کے علاوہ لڑکی کی رائے کا لحاظ ۳۵۵
مہر کا بخشنا صرف رواج ہے ورنہ مہر عورت کا حق ہے ۶۰۶
چھوٹے چھوٹے عذرات پر بیویوں کو طلاق دینے والوں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اظہارِ ناراضگی ۳۴۵
پردہ میں افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین ۵۵۷
مسئلہ طلاق ۲۱۲
عورتوں کے لیے جمعہ کا استثناء ۴۲۲

حسنِ معاشرت کی تلقین
عورتوں سے حُسنِ معاشرت کی تلقین ۱۱۸، ۵۷۳، ۵۹۹
عورت کے حقوق کی حفاظت کی تلقین ۳۰۰
دوسری بیوی کی موجودگی میں پہلی بیوی سے بہتر سلوک کرنا چاہیے ۴۳۰

اصلاح کا طریق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین کو خصوصی نصائح ۳۶۹ ، ۳۷۱ ، ۳۷۴

عورتوں کی اصلاح کا طریق ۱۵۶ ، ۱۶۴

نمازوں میں عورتوں کی اصلاح اور تقویٰ کے لیے دُعا کرنی چاہیئے، قصاب کی طرح برتاؤ نہ کرے ۱۱۸

عورتوں کو نصیحت کرو، نماز روزہ کی تاکید کرو ۴۰۷ ، ۴۳۴

مرد خود ہی اُسے خبیث یا طیب بناتا ہے ۱۵۷

جس نے عورت کو صالحہ بنانا ہو وہ خود صالح بنے ۱۶۳

عیسائیت

اَلضَّآلِّیْن سے مُراد نصاریٰ ہیں ۴۱۸

آنحضرتؐ کی بیعت کے وقت گواہ تھے ۴۹۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجوہات ۴۷۶

آنحضرتؐ کے عہد میں عیسائیوں کے بعض فرقے موجود تھے ۵۰۰

کسرِ صلیب جانکاہ دُعاؤں پر موقوف ہے ۵۶۱

مقابلہ کے لیے قلم کے ساتھ دُعا کی ضرورت ۵۵۸

عیسائیت کا کسرِ صلیب

کسرِ صلیب کے لیے جس قدر جوش خدا نے مجھے دیا ہے اُس کا کسی دُوسرے کو علم نہیں ہو سکتا ۸۳ ، ۸۴

میرے ہاتھ پر مقدر ہے کہ مَیں دُنیا کو اس عقیدہ سے رہائی دُوں ۶۴۶

اس مذہب کے استیصال کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کی قبولیت ۶۴۷

ڈوئی سے مقابلہ دُعا تمام عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ ہے ۴۰۸

عیسائیت کا مستقبل ۴۸۱ ، ۶۴۶

رُوحانی طور پر عیسائی مذہب مر گیا ہے ۲۳

اب وقت آگیا ہے کہ اس مذہب کا خاتمہ ہو ۵۶۰

عیسائی خود بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ ان کے مذہب کو ہلاک کر دے گا ۵۶۰

ایک قرآنی بشارت کہ عیسائی آخر کار اسلام میں داخل ہوں گے ۲۱۴

عقائد و تعلیمات

عقاید میں تضاد ۲۴۲

خطرناک شرک کا ارتکاب ۲

دینی معاملات میں خدا سے مدد نہ مانگنے اور اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بناء پر شرک میں مبتلا ہو گئے ۱۲۵ ، ۱۲۶

اُلوہیتِ مسیح کے رد میں ایک دلیل ۴۲۶

عیسائیت کے ابطال کے لیے یہی کافی ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا مر گیا ہے ۲۱۴

تثلیث کے عقیدہ کو ایشیائی دماغ کی بناوٹ سے بالاتر سمجھتے ہیں ۲۳۶

مسیح کی تعظیم اور آنحضرت کی توہین کا ارتکاب ۵۸۷

عیسائی حضرت عیسیٰ کو خاتم نبوت کہتے ہیں اور الہام کا دروازہ بند کرتے ہیں ۵۲

کفارہ کا غیر معقول عقیدہ ۳۱۴

نجات کا غلط تصور ۳۳ ، ۳۸۹

انجیل کی غیر متوازن اور ناقابلِ عمل تعلیم ۱۹۸ ، ۲۵۵

ازدواج کا عیسائی قانون انسان کی ضروریات کا احاطہ نہیں کرتا ۱۰۷

شراب کی حلت سے ان میں جرائم کی کثرت ہو گئی ہے ۳۲۴

اعتقادی اور عملی حالت ۵۷۶

بلادِ یورپ و امریکہ میں عیسائی عقائد سے بیزاری ۱۹۹

عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ دُعا سے ایک شخص کی عمر پندرہ دن سے پندرہ سال ہو گئی ۱۱۷

دُعا میں جوش و اضطراب نہ ہونے کی وجہ ۵۲۱

اسلام کے خلاف عظیم فتنہ

یہ ایک قوم ہے جس سے تمام انبیاء اپنی اپنی اُمت کو ڈراتے آئے ہیں ۲۱۱

اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ نصاریٰ کا ہے ۷۵ ، ۸۳ ، ۲۱۱ ، ۵۴۱

اسلام کے خلاف عیسائیوں کی سرگرمیاں ۱۹۲ ، ۳۲۷ ، ۵۷۵ ، ۵۸۱

اسلام کو پہنچائے جانے والے نقصانات ۵۳۸

عیسائیوں کی بے باکیاں ۵۳۹

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی بنیاد ۲۰۸

غ

غُربت

غرباء کے فضائل ۳۶۸

یہ خدا تعالیٰ کی سُنّت ہے کہ اوّل گروہ غرباء کو اپنے لیے منتخب کیا کرتا ہے ۴۸۹

اگر اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا ہے تو مسکینوں کے دل کے پاس تلاش کرو ۳۷۰

غریب آدمی کے ساتھ تکبر سے پیش نہیں آنا چاہیئے ۴۷۳

غزوہ (نیز دیکھئے اسلام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگیں محض دفاعی تھیں ۸۸

جنگِ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل میں فتح تھی ۵۶

غزوہ بدر میں فتح کے وعدوں کے باوجود آنحضرتؐ کا رو رو کر دُعائیں فرمانا ۵۵۲

اہلِ بدر کو اللہ تعالیٰ کا فرمانا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۳۷۹

غصّہ

ایک اخلاقی گناہ ۶۰۹

غضب

جو آدمی شدید الغضب ہوتا ہے اُس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے ۱۵۷

مغلوب الغضب غلبہ و نصرت سے محروم ہوتا ہے ۱۰۴

غضب کا برمحل استعمال ایک صفتِ محمودہ ہے ۱۹۸

غضب اور جنون میں فرق ۴۰۵

غضب جنون کا ایک سبب ہے ۴۰۴

جماعت کو مسلوب الغضب بننے کی نصیحت ۱۰۴

غفلت

نفس کی غفلت اور اس کی وجوہات ۱۹۴

جو دَم غافل وہ دَم کافر ۱۸۹

ف

فال اور تفاؤل

یہ اکثر جگہ صحیح نکلتا ہے بعض مثالیں ۲۷۸

فسق

فاسق فاجر انسان خدا کی نظر میں کافر سے بھی ذلیل اور قابلِ نفرین ہے ۱۰۸

فطرت

فطرت کی حقیقت ۵۶۰

ایمان کے لیے فطری سعادت شرط ہے ۷

فطرتاً کوئی بد نہیں ہے ۲۸۹

کُلُّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ کی حقیقت ۱۴۰

فطرت کے لحاظ سے انسانوں کی تین اقسام ۳۹

انسان اور دیگر حیوانات کی فطرت میں فرق ۱۹۷

فقہ

کسی شخص کا غیر عالمانہ کی طرف سے مسئلہ پوچھنے پر حضور کا فرمانا کہ جھینگ وہ خود آکر بیان نہ کرے ہم فتویٰ نہیں دے سکتے ۲۰۱

تشبہ بالکفار جائز نہیں ۲۴۶

یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھنا جائز نہیں یہ توحید کے خلاف ہے ۶۰۳

قذف اور اشاعتِ فحش کی سزا اور اس کی حکمت ۴۱۹

تقاویل جائز ہے ۲۷۹

ضرورت کیلئے تصویر کھنچوانے کا جواز ۴۲۷

وسمہ اور مہندی کا لگانا ۲۷۹

مولود خوانی ۱۵۹

تعویذ اور دم کا جواز ۳۵۷

گنڈے اور تعویذ ۴۰۷

مخالفین، نصاریٰ اور ہندوؤں کی پاک چیزیں مٹھائی وغیرہ کھانا جائز ہے ۲۳۵

چڑھاوے کے جانوروں کو خریدکر ذبح کرنے کی علت ۳۸۲

نماز کے مسائل

امامت پر امامت کی نظیر صحابہ میں نہیں ملتی ۱۵۹

مُصدّق کے پیچھے نماز جائز ہے ورنہ نہیں ۴۲

کھنچی کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز درست نہیں ۲۳۵

فقہ حقی میں نماز میں صرف ترجمہ پڑھنے کو جو کافی سمجھا گیا ہے یہ درست نہیں ۲۶۵

رکوع اور سجدہ میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا ۲۴۰

اَلتَّحِیَّات میں انگشتِ سبابہ اٹھانے کی حکمت ۱۴۲

نماز میں ماثورہ دعائیں عربی میں پڑھی جائیں ۲۶۵

نماز کے بعد لمبی دعائیں ۲۶۴ ، ۵۹۱

رفع یدین ۱۹۳

وتر پڑھنے کا طریق ۱۹۳ ، ۲۱۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نوافل پڑھنے کا طریق ۴۶۱

آندھی اور بارش کے آثار ظاہر ہونے پر حضرتؑ اقدس کی موجودگی میں نمازوں کا جمع ہونا ۳۷۶

قصر کے لیے سفر کی تعریف ۲۲۷

سفر سے پہلے نمازوں کے جمع کرنے کا جواز ۴۱۱

عورتوں کے لیے نماز جمعہ کا استثناء ۴۲۲

احتیاطی نماز کا مسئلہ ۴۲۳

قضائے عمری کی شرعی حیثیت ۲۶۴

نکاح و طلاق

مہر فاطمہ کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے ۲۸۴ ، ۶۰۶

عورت کا مہر بخشنا ۶۰۵

نکاح کے سلسلہ میں ولی کے علاوہ لڑکی کی رائے کا لحاظ ۳۵۵

نکاح پر باجا بجانا اور آتش بازی ۲۲۷

طلاق کے بارہ میں صحیح مسئلہ ۳۰ ، ۲۱ ، ۲۱۵ ، ۳۳۳

حلالہ ۲۱۳

معاملات

شرع کی رُو سے سُود کی تعریف ۱۶۶

سُود کی حُرمت ۱۶۵

پراویڈنٹ فنڈ کا جواز ۱۶۶

انشورنس کی شرعی حیثیت ۱۶۷

رہن کا جواز ۱۶۸ ، ۲۴۰

زیور کی زکوٰۃ اور رہن ۲۴۱

رشوت کے روپیہ سے بنائی گئی جائداد ۱۶۷

جائز خرید و فروخت کی شرائط ۳۸۱

میت کے مسائل

میت کے لیے دُعا کا اثر ثابت ہے اور روزہ بھی میت کے لیے قبول ہوتا ہے ۲۶۶

صدقہ، دُعا اور استغفار میت کو پہنچتے ہیں ۶۰۵

مرنے والا اگر بالجہر مُنکر اور مُکذّب نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ۲۱۵

میت کے لیے ختم اور فاتحہ خوانی بدعت ہے ۱۸۰ ، ۶۰۶

روٹیوں پر فاتحہ پڑھنا ۱۶۱

میت کے لیے قل ایک بدعت ہے ۶۰۵

مُردے کا اسقاط کرانا فاسق رسم ہے ۲۲۸ ، ۶۰۵

قبرستان میں جانا اور قبر کو پختہ کرنے کے بارہ میں جواز ۳۱۱

فلسفہ

فلسفۂ جدیدہ کا ایک فائدہ ۲۶۸

فیج اعوج

آنحضرتؐ اور مسیح موعود کے درمیانی زمانہ کے لوگ ۵۴۹

فنا

فنا کی دو قسمیں حقیقی اور نظری ۳

فیشن

زندگی کا فیشن ۶۲۹

ق

قبض و بسط

انسان پر قبض کی حالت اور اس کا علاج ۷

قرآن حکیم

عظمت

قرآن شریف کی عظمت ۱۸ ، ۱۰۷

قرآن شریف جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے ۹۵

تمام فیضوں کا سرچشمہ قرآن ہے ۲۰۸

کتابِ مفصّل ۲۶۱

لقاء الٰہی کا واسطہ ہے ۲۳۳

شفاء لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۵۵۳

جیسے قرآن شریف کا باطن معجزہ ہے ویسے

ہی اس کے ظاہری الفاظ اور ترتیب بھی معجزہ ہے ۳۰۱

قرآن کے بعد اب کسی شریعت کی ضرورت نہیں ہے ۱۰۲ ، ۴۹۸

محرف و مبدّل ہونے سے محفوظ ۵۰۵

اگر قرآن کریم محرف ہوگیا تھا تو حضرت علی نے اپنی خلافت میں کیوں اس کو دُرست نہ کیا ۴۸۳

مُصدِّقِ انجیل ہونے کی حقیقت ۴۱۰

قرآن شریف اور حدیث کا مقام ۲۱۱ ، ۴۳۲

جو حدیث قرآن شریف کے موافق نہ ہو وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتی ۱۲۴

قرآنی تعلیم کا احسان ۱۱۲

عفو و سزا کے بارہ میں متوازن تعلیم ۲۵۷

قرآن کریم کی پیشگوئیوں کا ظہور ۳۱۸ ، ۳۴۸

اتباعِ قرآن

اسلام اس بات کا نام ہے کہ قرآن شریف کی اتباع سے خدا کو راضی کیا جائے ۶۲۲

خدا فرماتا ہے جو میری کتاب پر چلنے والا ہو وُہ ظلمت سے نُور کی طرف آئے گا ۱۲۸

قرآن شریف کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے انسان کا ذہن صاف ہوتا ہے اور زبان کھُل جاتی ہے ۱۰۴

قرآن کو ترک کرنے سے مُسلمانوں پر زوال آیا ۱۹۰

قرآنِ شریف سے اِعراض کی معنوی اور صوری صورتیں ۵۱۹

اَوراد و وظائف کی بجائے قرآن کریم پڑھنے کی تلقین ۵۱۹

قرآن کو بہت پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیئے ۲۳۳

امام جعفر کا قول کہ میں اس قدر کلامِ الٰہی پڑھتا ہوں کہ ساتھ ہی الہام شروع ہو جاتا ہے ۵۲۰

آدابِ تلاوت

ہم ہرگز فتویٰ نہیں دیتے کہ قرآن کا صرف ترجمہ پڑھا جائے اس سے قرآن کا اعجاز باطل ہو جاتا ہے ۲۶۵

خدا کے پاک کلام قرآن کو ناپاک ہاتوں کے ساتھ ملا کر پڑھنا بے ادبی ہے ۱۵۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف غم کی حالت میں نازل ہوا ہے تم بھی اسے غم کی حالت میں پڑھا کرو ۱۵۲

خوش الحانی سے قرآن پڑھنا بھی عبادت ہے ۱۶۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش الحانی سے قرآن سُنا تھا اور آپ اس پر روئے بھی تھے ۱۶۲

صرف زبانی قرآن پڑھنا کافی نہیں اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ۶۱۲

ایک دن میں قرآن ختم کرنا ۶۱۱

ترجمہ و تفسیر

قرآن کریم کی تفسیر کا طریق ۱۷۰

جو شخص بلا توسّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود قرآن سمجھتا ہے وہ ضرور دھوکا کھائے گا ۴۱۳

میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں ۴۵۰

میرا خود بھی ارادہ ہے کہ ایک ترجمہ قرآن شریف کا ہمارے سلسلہ کی طرف سے نکلے ۴۴۹

ایک ایسی تفسیر کی خواہش جس میں ان مقامات کی نشان دہی کی جائے جن میں مسلمانوں نے غلطی کھائی ہے یا غیر مذاہب نے اعتراضات کیے ہیں ۴۵۱

صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جبتک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہو ۴۴۹

قسم

حضرت ایوب علیہ السلام کا اپنی قسم کو پورا فرمانا ۳۷۳

قضاء و قدر

دنیا کی وضع ایسی ہی ہے کہ آخر قضاء و قدر کو ماننا پڑتا ہے ۵۴۶

قضاء معلق اور قضاء مبرم ۲۴ ، ۲۴۲

خواب بشرطیکہ ہوں یا منذر ، قضاء معلق ہوتے ہیں ۲۴۱

قلب

برکات اور فیوضِ الٰہی کے لیے صفائی قلب کی ضرورت ۵۹۶

قوم

خدا جب کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس قوم میں فسق و فجور پیدا ہو جاتا ہے ۳۹۱

قیامت

ماموروں کا زمانہ بھی قیامت ہوتا ہے ۳۱۱

ک

کسرِ صلیب (نیز دیکھئے عیسائیت)

کسرِ صلیب جانکاہ دعاؤں پر موقوف ہے ۵۶۱

کسوف و خسوف

ایشیا اور امریکہ میں مسیح موعود کے حق میں کسوف و خسوف کے نشان کا ظہور ۱۳ ، ۵۴۳

کشف

کشف کی حقیقت ۲۶۱

کشف اور وحی والہام میں فرق ۲۶۲

انسان کو کشوف اور وحی والہام کا طالب نہیں ہونا چاہیئے ۱۰۲

مکاشفات والہامات کے ابواب کھلنے کے واسطے جلدی نہ کرنی چاہیئے ۱۳۴

اہلِ کشف احادیث کی صحت بذریعہ کشف کر لیتے ہیں ۲۰

اہلِ کشف نے حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کی تصدیق کی ہے ۹۷

اہل اللہ کے کشوف (مسیح و مہدی کے ظہور میں) چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے ۴۰۱ ، ۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف کہ مسیح موعود اور دجّال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں ۱۲۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کشف کا ذکر ۲۶۳

حضرت اقدس کو کشف میں دکھایا گیا تفصیل مَا صَنَعَ اللّٰہُ فِیْ ھٰذَا الْبَاسِ بَعْدَ مَا اَشْعَثَہٗ فِی النَّاسِ ۴۸

ایک کشف میں نواب محمد علی خان کی تصویر حضرت اقدس کے سامنے آئی اور الہام ہوا حجۃُ اللّٰہ ۱۱۷

ایک بزرگ کو کشف کے ذریعہ حلال و حرام کی اطلاع کا دیا جانا ۳۸۳

کعبہ
مسیح موعود کے ذریعہ خانہ کعبہ کی حفاظت ۱۲۲، ۱۲۳

کفارہ
کفارہ کے نتائج ۵۷۶

کفر
کفر کے طبقات ۴۲۱

کلمۃ اللہ
کلمۃ اللہ کی حقیقت ۱۳۷

گ

گالی
گالی اور برمحل بات میں فرق ۱۱۹

گدی نشین (نیز دیکھئے سجادہ نشین)
آجکل کے گدی نشینوں کے برعکس گذشتہ اولیاءؒ نے شریعت کی پیروی کر کے ہی قرب کا مقام پایا تھا ۱۵۴
ان لوگوں نے اپنے اوراد و وظائف ایجاد کر کے گویا نئی شریعت بنائی ہے ۲۱۱، ۳۲۲

گریہ وزاری
اہمیت ۴۵۶

گناہ
گناہ کی حقیقت ۳۳، ۲۳۰، ۶۰۷
گناہ رعونت وغیرہ کے زہر کو مارتا ہے اور توبہ کے ساتھ مل کر تریاق بنتا ہے ۱۷۵
اگر انسان سے گناہ نہ ہوں اور وہ توبہ نہ کرے تو خدا ان کو ہلاک کر کے ایک ایسی قوم پیدا کریگا جو گناہ کرے گی اور پھر خدا ان کو بخشے گا ۱۷۵
آدم سے گناہ کے ارتکاب کی حکمت ۱۷۵
گناہ پر مؤاخذہ کی وجہ ۳۹۳
اس زمانہ میں ہر قسم کے گناہوں کی کثرت ۵۷۵، ۶۲۱

موجباتِ گناہ
گناہ کی وجہ خدا تعالیٰ پر ایمان کا نہ لانا ۴۹۵
گناہ کے ارتکاب میں تضاء و قدر کا حصہ ۴۲۵
ایک گناہ کے نتیجہ میں دوسرے گناہ کے لیے جرأت پیدا ہوتی ہے ۴۲۵
صراطِ اعتدال سے گذر جانا ہی گناہ کا موجب ہوتا ہے ۳۱۴

کیفیتِ گناہ
سات اصولی جرائم ۳۸۶
صغیرہ کا اصرار ہی کبیرہ ہے ۲۴۷
اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو معبود و کارساز ماننا ناقابلِ معافی گناہ ہے ۳۴۴
غفلت کا گناہ پشیمانی کے گناہ سے بڑھ کر ہوتا ہے ۱۷۲
اخلاقی گناہ ۶۰۸

گناہوں سے بچنے کی تلقین
صرف گناہ سے بچنا کافی نہیں ۶۱۰
گناہ کی ہلاکت خیزی اور اس سے بچنے کی تحقیق ۱۰۸، ۳۲۳
ہر ایک عضو کے گناہوں سے بچو ۱۳۹

گناہ سے بچنے کے طریق
گناہ سے بچنے کے طریق ۳۳، ۳۱۴، ۳۲۱، ۳۲۲، ۴۱۰، ۵۲۰، ۶۱۵
گناہوں سے پاک ہونے کے واسطے بھی اللہ کا فضل ہی درکار ہے ۱۶۵، ۶۰۲
محبتِ الٰہی جب دل میں پیدا ہو جائے تو وہ گناہ کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے ۲۴، ۸۱۰
گناہ کی قید سے رہائی کمال ایمان سے ممکن ہے ۲۳۷
نماز گناہوں سے بچنے کا آلہ ہے ۱۰۳
گناہ سے نجات کا حقیقی ذریعہ دعا ہے ۳۴۶، ۵۶۸، ۶۲۲
گناہ چھوڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ کی معرفت حاصل ہو ۸۳، ۹۹، ۵۹۰
جو گناہ کو شناخت نہیں کرتا اس کا علاج نبیوں کے پاس نہیں ہے ۸۲
گناہ کی شناخت کے دو اصول ۱۸۰
احساسِ موت بھی گناہ سے بچنے کا ذریعہ ہے ۳۴

گوشت خوری
انسان کے لیے ضروری ہے ۳۰۷

ل

لباس
انبیاء کا کوئی خاص متمیز کرنے والا لباس نہیں ہوتا ۶۱۹

لعنت
خدا تعالیٰ کی لعنت سے مراد ۴۱۰

لقا
مقام لقاء و فنا ۱۴۱

لقاءِ الٰہی
لقاءِ الٰہی کا واسطہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۲۳۳

لیلۃ القدر
لیلۃ القدر کی حقیقت ۴۹۳

م

مامور
مامور کا زمانہ ایک قیامت ہوتا ہے ۳۱۱
مامورین کا اوّل فرض تبلیغ ہوتا ہے ۲۸۰
مامورین کی طلب امداد کا ستر ۳۲
مامور من اللہ کی صحبت میں دیر تک رہنے کی تاکید اور اس کی حکمت ۱۳۷
مامور کی اطاعت کا معیار ۲۸۳
جماعت کی شامتِ اعمال کا اثر مامور پر پڑتا ہے ۵۵۲

مامور کی ضرورت
مامور کی ضرورت کب ہوتی ہے ۵۰۰
اسلام میں مامور کی ضرورت ۴۵۶
چودھویں صدی میں ایک مامور کی بعثت ۱۶۸، ۶۲۴

مامور کے خواص
مامور کے خواص ۶۴۶
مامور کی ابتدائی حالت ۵۳۷
مامور کے ہاتھ سے خدا کی خدائی کا جلوہ ظاہر ہوتا ہے ۱۲۲
مامور میں خدا تعالیٰ کی توحید کیلئے جوش ۲۰۳
وحیٔ الٰہی سے اطلاع پانے کے بغیر کسی امر کی اشاعت شرک سمجھتے ہیں ۳۹۲
مامور کے بعض کشوف و الہامات جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں ۲۴۰
جسے خدا تعالیٰ مامور کرتا ہے ضرور ہے کہ اس کے لیے اجتباء اور اصطفاء ہو ۵۴۷
مامورین کی زندگی تنعم اور آرام کی نہیں ہوتی ۵۸۴، ۵۸۶

مامور و مرسل طاعون کا شکار نہیں ہوتا نہ کبھی اور نہیں مرض سے ہلاک ہوتا ہے ۵۹۴
کوئی مامور نہیں آیا جس پر ابتلاء نہ آئے ہوں ... مگر عاقبت بخیر ہوتی ہے ۵۸۶

مامور من اللہ کی شناخت کا معیار

مامور من اللہ کی شناخت کا معیار اور طریق ۲۹۳، ۵۴۰
اللہ تعالیٰ اپنے مامور کے لیے نشان دکھاتا ہے ۶۴۳
مامور کی بعثت کے وقت ملائکہ کی تیک تحریکات ۲۴۳
صادق مامور کے ساتھ ایک کشش نازل ہوتی ہے ۲۴۵
مامور یت کے جھوٹے مدعی کو اللہ تعالیٰ مہلت دیکر کامیاب نہیں کرتا ۶۴۵

مامور کی مخالفت

مامور کی بعثت پر سعید اور شقی دو گروہ بن جاتے ہیں ۵۲
صادق مامور کی مخالفت کا راز ۹۸، ۱۱۲، ۴۴۷
مامور کی عداوت کا مثبت پہلو ۲۰۴، ۴۱۶
مامور من اللہ کی عداوت کا نتیجہ کفر تک پہنچا دیتا ہے ۳۰۱

مباحثہ

مذہبی مباحثات کے اصول ۱۲۱

مباہلہ

ابوجہل کا مباہلہ کر کے ہلاک ہونا ۹۸

مجاہدہ

کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ۵۰۵
مجاہدات کی انتہاء فنا ہے ۱۴۱
دُعا ایک مجاہدہ کو چاہتی ہے ۶۱۷

مجدّد

اُمتِ محمدیہ میں سلسلۂ مجددین ۳۸
حدیثِ مجددین قرآن کی حمایت کے ساتھ تواتر کا حکم رکھتی ہے ۸۷
ہر صدی کے سر پر مجددین کے آنے کی حدیث کی صحت ۸۶
سو برس کے بعد مجدد آنے کی حکمت ۳۲۹
مجددین کے اسماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہی ہوتے ہیں ۳۸
سب سے پہلا مجدد حضرت عمر بن العزیز کو تسلیم کیا گیا ہے ۳۸۵
مجددین کا نام نبی نہ رکھنے کی حکمت ۲۵۵
چودھویں صدی کے سر پر مجدد اور مصلح کی ضرورت ۲۲، ۷۵

مخالفت

بچوں کی مخالفت ضرور ہوتی ہے ۶۲۰
دشمنوں کی دشمنی بھی ایک قبولیت ہوتی ہے اور من جانب اللہ نصیب ہوتی ہے ۴۱۶
مخالفین کی وجہ سے ہی تو انوار و برکات اور خوارق کا نزول ہوتا ہے ۲۲۵
مخالفت کا مثبت پہلو ۲۲۶
اعداء کا وجود ہمارا مقاربہ ہے یہ انہیں کی مہربانی ہے کہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں ۲۶۸
جھوٹوں کی مخالفت نہیں ہوتی ۲۴۵

مداہنت

مداہنت اور مداہنہ میں فرق ۱۶۹

مداہنت

مداہنت سے پرہیز کی تاکید ۵۵۴

مدح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی مدح سن لیا کرتے تھے ۶۳۱

مذہب

سچے مذہب کی علامات ۱۱۵، ۱۶۹، ۴۲۸
مذہب کی جڑ خدا شناسی ہے ۱۸۸
روحانیت اور پاکیزگی کے بغیر کوئی مذہب چل نہیں سکتا ۴۳۱
اختلافِ مذہب کی حکمت ۱۲۰
ہر پرانا مذہب اصل میں خدا ہی کی طرف سے تھا مگر زمانہ دراز گذرنے کی وجہ سے اس میں غلطیاں پڑ گئی ہیں ۱۱۵
مذہب رفق اور محبت سے ہی پھیلایا جا سکتا ہے تلوار سے نہیں ۳۱۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مذہب کے لیے تلوار نہیں اٹھائی ۸۸
مذہبی گفتگو کے اصول و آداب ۱۱۴، ۱۲۱
ہندوؤں سے گفتگو کا طریق ۱۷۹
تبادلہ خیالات کے لیے جلسوں میں تقریریں مفید چیز ہیں مگر ہمارے ملک میں ابھی لوگ مخالف رائے نہیں سن سکتے ۱۲۰
حضرت اقدس کا ارادہ کہ قادیان میں ایسی جگہ بنائی جائے جہاں تمام مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں ۱۱۴، ۱۲۰
ایک مذہبی مباحثہ کی شرائط پر مشتمل معاہدہ ۴۰۹
مذہبی مباحثات کے نقائص ۱۱۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہبی مباحثات نہ کرنے کا عہد ۱۲۲
مذہبی معاملات میں جلد بازی نہ کرنے کی نصیحت ۴۰۹
دین اور مذہب کی زنجیر کوئی ہست والا ہی توڑ سکتا ہے ۲۱۴

مسجد

مساجد دراصل بیت المساکین ہوتی ہیں ۳۶۸

مُسلمان نیز دیکھئے اسلام

مُسلمان کی تعریف اور صفات ۳۰، ۱۲۷، ۴۵۶، ۹۰۱، ۶۱۵
جبتک تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خوبی میں افضل نہ جانو گے مُسلمان نہ ہو گے ۲۰۹
مُسلمانوں میں پاکباز اور راستباز بادشاہ کی کثیر تعداد ۴۲۸
سوادِ اعظم کی حقیقت ۵۴۸
آسمانی آواز یَا اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ کے مطابق چنگیز اور ہلاکو خان کے ذریعے سزا پانا ۱۰۸
شدید فرقہ بندی ایک مصلح کو چاہتی ہے ۲۹۵
ہندوستان کے ہندوؤں اور مُسلمانوں کے باہم تعلقات میں اُبتری ۱۲۱

موجودہ مسلمانوں کی حالت

موجودہ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی حالت ۱۰، ۲۰۴، ۵۴۱، ۵۵۰، ۵۸۲، ۶۲۴

حاشیوں اور مولویوں کی ایمانی و عملی حالت
۱۵۹، ۲۳۰، ۲۹۰ و ۳۲۸، ۵۸۴

مسلمانوں میں گدی نشینوں کی جاری کردہ بدعات ۱۲۸، ۳۱۱

مولویوں سے فہم قرآن چھین لیا گیا ہے ۲۳۷

غیر المغضوب علیہم سے مراد مولوی ہیں ۲۹۷

علماء کا کردار کیا ہونا چاہیے تھا ۷۵

شیعوں اور خوارج کے کبد صحابہ پر اعتراضات ۵۲۸

یہود کے قدم بہ قدم ۳۰۹

فنافی پورپ ہیں ۱۱۸

ادبار کا باعث ۳۱۹

مسلمانوں کی حالت جب سے معرض زوال میں آئی ہے جب سے انہوں نے نمازوں کو ترک کر دیا ہے ۱۸۹

اس زمانہ میں ایمان کی حالت ۵۴۷

اکثریت کی بدنصیبی ۵۴۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر آپ کی توہین کا ارتکاب ۲۸۳

عام اہل اسلام میں عیسائیوں کے میل جول سے بعض غلط عقائد آگئے ہیں ۴۴۶

تمویت حق کی استعداد کا فقدان ۳۱۹

مسلمانوں کے آریہ ۱۶۱

وجودی فرقہ (عقیدہ وحدت الوجود) کے ماننے والوں کے اعمال اور اخلاق ۵۷

عقاید میں فتنہ ۶۲۶

ایک دوسرے کی تکفیر ۵۴۹

ان لوگوں کے خیالات کی بناء احادیث موضوعہ پر ہے جو قرآن شریف کی نور سے خالی ہیں ۲۱۱

مسلمانوں میں غزنوی صدی کے آنے کا عقیدہ اور اس سے توقعات ۱۹۰

مسیح موعود کے بارہ میں پیشگوئیوں کو سمجھنے میں غلط روش ۴۷۸

حضور کی تکفیر میں جلد بازی کے مرتکب ہوئے ہیں ۷۴

مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ سکھائے جانے کی وجہ ۴۴۹

موجودہ مسلمانوں میں دین سے بے رغبتی ۱۹۲

ان کی اصلاح کے لیے دعا

پیشگوئیوں کو سمجھنے کے بارہ میں مسلمانوں کے اولوالابصار کو نصیحت ۴۷۷

غلط عقاید اور عیسائیوں کے حملوں سے بے خبر ۳۲۷

باوجود اسلام کی کمزور حالت کے آسمانی مدد کے نزول کے لیے مسلمانوں کے دل نہیں پگھلتے ۶۴۸

موجودہ مسلمانوں میں اعلائے کلمہ اسلام کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت چھوڑ دی ہے ۴۰۶

خواتین کی دین سے بے علمی ۲۶۵

پردہ میں افراط ۵۵۸

مولود خوانی کے بارہ میں بعض فرقوں کی افراط اور تفریط ۱۶۰

قبر پرستی اور پیر پرستی ۱۶۱

عقیدہ حیات مسیح اور مسلمان

مسلمانوں میں حیات مسیح کا عقیدہ تیسری صدی ہجری کے بعد آیا ۵۸۸

پنج اوراج کے زمانہ کی غلطیاں قابل معافی ہیں ۳۱۶

عوام مسلمانوں کی معذوری کہ وہ عرصہ سے نزول عیسیٰ کے بارہ میں باتیں سنتے رہے ہیں ۲۹۶

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی صفات مانتے ہیں ۲۳، ۲۱۲، ۳۲۸، ۵۲۳

حضرت عیسیٰ کی بہشت میں خلوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب ۲۰۹، ۵۸۷

عیسائیت کی یلغار کے نتیجے میں تیس لاکھ افراد کا ارتداد ۸۳، ۸۷، ۲۱۱، ۲۱۸، ۳۲۸، ۵۳۸، ۵۶۱

مسیح موعود (نیز دیکھئے غلام احمد قادیانی مسیح موعود)

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں صادق ہوں ۸

میرے پاس وہی آتا ہے جس کی فطرت سلیم ہے ۸

مسیح موعود کے دعاوی کا انحصار نشانات پر ہوگا ۲۵۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن ہونے کا ستر ۲۸۱

نزول

نزول کی حقیقت ۴۰۴، ۵۵۶، ۵۸۸

دو زرد چادروں میں نزول کی حقیقت ۵۵۷

زمانہ نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ دنیا کے خاتمہ پر اس امت میں مسیح موعود پیدا ہوگا ۱۲۷

چھٹے ہزار میں ہوگا ۳۰۸

قرآن و حدیث کی رو سے بعثت کا زمانہ ۳۲۳

اکثر اکابرین امت چودھویں صدی میں مسیح اور مہدی کے منتظر تھے ۵۴۲، ۵۴۳

نواب صدیق حسن کا اعتراف کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا ۸۷

امریکہ کے ایک عیسائی کے اشتہار کا ذکر جس میں اس نے لکھا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا وقت یہی ہے ۱۰۹

امت محمدیہ کا فرد

آنے والا مسیح اسی امت میں سے ہوگا ۳۶۲، ۵۴۲، ۵۴۹

قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ وہ تم میں سے ہوگا ۴۴۲

مسیح نام رکھنے کی وجہ ۵۳۸

مہدی اور مسیح موعود کا وجود ایک ہے ۴۱۸

مقام

نبوت مسیح موعود ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۶۲، ۴۹۸

مسیح موعود آنحضرتؐ کا بروز ہے ۲۸۲

اس نے میرا نام خلیفۃ اللہ رکھا ہے ۵

موسوی سلسلہ سے مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ اس امت میں بھی چودھویں صدی میں مسیح آئے ۹۷، ۲۰۹، ۲۱۲، ۵۴۱

آنیوالے شخص میں عیسوی اور محمدی صفات کی ضرورت ہے ۲۹۶

خدا تعالیٰ کی غیرت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے ایک اونی غلام کو مسیح بن مریم بنا کر دکھلایا ۱۰

محمدی مسیح موسوی مسیح سے افضل ہے ۵۳۱

غرض بعثت

مہدی اور مسیح کی ضرورت ۵۵۰

بعثت کی غرض ۵ ؛ ۶۲۴

بھیجا گیا ہے تا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں اور قرآن شریف کی سچائیوں کو دُنیا کو دکھاؤں ۹

تکمیل اشاعتِ ہدایت آپ کے زمانہ میں ہوگی ۳۰۸

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب مسیح آئیگا تو وہ جس قدر غلطیاں ہیں ان کو نکال دیگا ۲۰ ؛ ۲۹

ہمارا سب سے بڑا کام کسرِ صلیب ہے ۱۹۱

یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کی حقیقت ۴۸۱

علامات

علاماتِ ظہورِ مہدی و مسیح موعود کا پورا ہونا ۱۰ ؛ ۱۲۹ ؛ ۵۴۲

نبیوں اور رسُولوں کی طرف سے آپ کے وقت میں طاعون کی پیشگوئیاں ۶۳۵

آثار میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب آئیگا تو اس پر کفر کے فتوے دئے جائیں گے ۲۱ ؛ ۸۹

مسیح موعود کے زمانہ میں موالی لوگ یہود کی طرح بے جا عداوت کریں گے ۳۰۹

حدیث میں آیا ہے کہ وہ دُوسروں کے پیچھے نماز پڑھے گا ۴۴۴

آپ کے زمانہ میں عمریں لمبی ہونے کی حقیقت ۳۸۵

صداقت

صداقت کے دلائل ۱۲

زمانہ کی تائید ۱۹۹

وہ وقت ضرور آئیگا کہ خدا تعالیٰ سب کی آنکھ کھول دیگا اور میری سچائی روزِ روشن کی طرح دنیا پر مُتجلی ہو جائے گی ۸

میرے متعلق کشف الحقیقت کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہیں ۲۲

مسیح موعود اور دُعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف کہ مسیح موعودؑ اور دجّال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں ۱۲۳

احادیث میں ہے کہ دجال آخر کار مسیح کی دُعا سے ہلاک ہوگا ۴۰۸ ؛ ۵۶۲

قرآنِ کریم میں مسیح موعود کی دُعاؤں کی طرف اشارہ ۵۵۹

مسیحِ اوّل اور مسیحِ آخر کی دُعاؤں میں فرق ۵۶۲

دُوئی سے مقابلہ دُعا کسرِ صلیب کا باعث ہوگا ۴۰۸

مُصلح

اِس زمانہ میں مصلح کی ضرورت ۲۲

اِس زمانہ میں مصلح کے وجود کے داعی حالات ۱۰

مصیبت نیز دیکھئے ابتلاء

مصائب کی حکمت اور فضیلت ۱۵۲

معجزہ

معجزات کی حقیقت ۱۹۵

معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے سے دُوسرے عاجز ہوں ۱۹۶

امرِ خارق اور اعجاز ۳۶۲

معجزات کی تین اقسام ۳۰۸

میرے نزدیک وہ شخص کذّاب ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور کوئی معجزہ اور تائیدات اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو ۷۸

کسی کے منجانب اللہ ہونے کا بڑا معجزہ ۴۲۹

عادت اللہ کے خلاف معجزات ظاہر نہیں ہوتے ۷۸ ؛ ۱۹۸

ہر نبی کو الگ قسم کے معجزات دیئے جاتے ہیں ۷۸

ہر معجزہ کے ساتھ ایک ابتلاء ہوتا ہے ۵۸۶

عمل الترّاب ۳۰۸

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت ۲۷۳

خلقِ طیر اور احیاءِ موتیٰ کی حقیقت ۲۶۰ ؛ ۴۸۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کل انبیاء سے بڑھے ہوئے تھے، اس لیے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھے ہوئے ہیں ۱۹۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد ۴۸۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بھی یہ بات تھی کہ لوگ رویاء دیکھتے تھے ۳۴۴

ہندوستان کے راجہ بھوج کی سوانح میں معجزہ شق القمر کی شہادت ۱۷۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے معجزہ نمائی کا دعویٰ ۴۸۲

خدا تعالیٰ نے ہمیں بھوشٹ کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر معجزات اور خوارقِ انبیاء کے مذکور ہیں ان کو خود دکھا کر قرآن کی حقانیت کا ثبوت دیں ۴۷۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک معجزہ ۴۹۱

معراج

آنحضرت کا معراج میں حضرت عیسیٰ کو مُردوں میں دیکھنا ۳۱۷ ؛ ۵۸۲

معراج میں آنحضرت نے اسرائیلی مسیح کا حُلیہ اور دیکھا اور آئندہ مسیح کا حُلیہ اور بتایا ۵۴۹

معرفت

معرفتِ الٰہی کی اہمیت ۴۵ ؛ ۳۱۵ ؛ ۳۸۵

عبادت کے واسطے معرفت کا ہونا ضروری ہے ۸۲

جس قدر معرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت دل پر مستولی ہوتا ہے ۱۹۵

انسان کے اندر بہت سے گناہ ایسی قسم کے ہیں کہ وہ معرفت کی خوبیوں کے سوا نظر ہی نہیں آتے ۸۳

خدا کی معرفت کے ساتھ ہی کبائر اور صغائر دُور ہونے لگتے ہیں ۸۱ ؛ ۵۹۰

عمل اور تقویٰ کی کمزوری کی اصل جڑ معرفت کی کمزوری ہوتی ہے ۳۸۴

معرفتِ الٰہی کا شیریں چشمہ ۳۱۳

معرفت کی راہ ۲۵۹

معرفت اور سلوک میں کامل انسان کی صفات ۶۳۱

مغفرت

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں مغفرت ۳۷۹

ملائکہ

ملائکہ کا وجود ۲۹۲

ملائکہ کا انکار انسان کو دہریہ بناتا ہے ۲۲۶

ملائکہ کی حقیقت ۲۴۳

ملائکہ کی تعریف ۲۲۵

بھول الگنہ ہیں ۳۱۲

ملائکہ اور شیطان کی حقیقت ۳۱۳

ابلیس ملائکہ میں سے نہیں تھا ۳۱۲

چار ملائکہ کا عرش کو اُٹھانا ایک استعارہ ہے ۷۱

ملائکہ اور ان کی تحریکات ۳۱۲

ماموریں کی بعثت کے وقت ملائکہ کی نیک تحریکات ۲۲۲

موت

موت کو یاد رکھنے کی فضیلت ۴۳۵

موت سے بڑھ کر کوئی ناصح نہیں ۴۳۷

موت کا کوئی اعتبار نہیں ۴۹۸

بعث بعد الموت کی ایک قسم ۴۸۳

مرنے والوں کے اُمثال ۵۵۲

جبتک موت نہ آئے زندگی حاصل نہیں ہوتی (صوفیاء) ۶۳۹

سنت اللہ سے ناواقف ہونا بھی ایک موت ہے ۶۴۳

سعادت یہ ہے کہ موت کو قریب جانے تو سب کام خود بخود درست ہو جائینگے ۵۵۲

کیا عمدہ وہ موت ہے جو خدمتِ دین میں آئے ۴۸۴

مومن نیز دیکھئے ایمان

سچے مومن کی علامات ۵۰۱، ۶

مومنوں کے طبقات ۴۸۵

اس زمانہ میں ہر مومن کا اوّلین فرض ۵۶۴

وہ لوگ بہت تعریف کے قابل ہیں جو کسی راستباز کو چہرہ دیکھ کر شناخت کر لیتے ہیں ۴۸۶

إِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (حدیث) ۲۶۹

مہدی (نیز دیکھئے مسیح موعود اور غلام احمد قادیانی)

مہدی اور مسیح کی ضرورت ۵۵۰

مہدی کا انتظار اور اس کا ظہور ۱۳

مہدی اور مسیح موعود ایک ہی وجود ہے ۴۱۸

یہ مہدی اور مسیح کا زمانہ ہے ۳۶۷

ہمارا دعویٰ اس مہدی کا ہے جس کی نسبت کوئی شک نہیں ۶۲۸

مسیح اور مہدی کے لیے مقرر نشانات کا ظہور ۱۲۹، ۲۶۴

مہدی کی سچائی کے نشانات کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں پورا ہونا ۶۵۲

مہدی اسلام کو اس کے اخلاقی، علمی اور عملی اعجازات سے دلوں میں داخل کرے گا ۸۸

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ مہدی جب آئے گا تو علماء اس کی مخالفت کرینگے ۸۹

حضرت محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ مہدی کے متعلق کہا جائے گا إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ خَيْرٌ دِيْنَنَا ۸۹

احادیث کے مطابق مہدی لڑائیوں کو موقوف کرے گا ۸۷

اگر خدا کا منشاء ہوتا کہ مہدی تلوار کا جہاد کرے تو مسلمان فنونِ حربیہ اور سپہ گری میں ممتاز ہوتے ۸۸

احادیث میں آیا ہے کہ مہدی کی زبان میں لکنت ہوگی ۷۸

خونی مہدی کے آنے کا عقیدہ ۱۹۰

شیعوں کا عقیدہ کہ اصل قرآن مہدی لیکر غار میں چھپا ہوا ہے ۵۲۹

مہدی سوڈانی کا انجام ۸۸

مہمان نوازی

مہمانوں کے اکرام کی تاکید ۴۱۵

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مہمان کو ذرا سا بھی رنج ہو تو وہ معصیت میں داخل ہے ۸۰

مہمان کی زیادتی کو برداشت کرنے کی تلقین ۷۹

حضور کا اپنے مہمانوں کو اپنے پاس مزید ٹھہرنے کے لیے فرمانا ... آمدن بارادت رفتن باجازت ۵۹۳

مینارۃ المسیح

۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ جمعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُعا کے بعد سنگِ بنیاد رکھا ۱۵۵

تعمیر کی غرض ۳۰۶

مینارہ کی تعمیر کے سلسلہ میں تحصیلدار بٹالہ کا موقعہ کے ملاحظہ کے لیے قادیان آنا ۳۰۴

ن

نبوت

نبوت کی تعریف ۲۵۹

نبی کے لغوی اور اصطلاحی معنی ۹۵

نبوت کا مکالمہ اعلیٰ اور اصفیٰ ہوتا ہے ۵۳

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ۲۰۸

موسوی شریعت کے خادم ہزاروں نبیوں کی بعثت ۲۳۸

عورت نبی نہیں ہو سکتی ۲۵۴

"نبی کی نبوت سے اس کی ولایت افضل ہے" کی حقیقت ۱۳۶

آنے کی غرض ۵۲۲

انبیاء اور ائمہ کی ضرورت ۶۲۶

معرفت اور سلوک میں کامل فرقہ انبیا علیہم السلام کا ہوتا ہے ۶۳۱

خدا تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے پیار کرنے کی وجہ ۱۳۶

آدم سے لیکر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کل انبیاء اللہ نے بحبتِ الٰہی کے نمونہ کے طور پر بھیجے ہیں ۱۸۳

نبی کبھی جرأت کر کے یہ نہیں کہے گا کہ جو نشان مجھ سے مانگو میں وہی دکھانے کو تیار ہوں ۱۹۵

انبیاء کے وجود سے زیادہ عزیز کوئی دوسرا وجود قدر کے لائق نہیں ۵۴۶

انبیاء کے متعلق سابقہ پیشگوئیوں کی دو قسمیں ۴۷۳

محکمات اور متشابہات ۴۷۳

اہل کتاب میں نبی کی بعثتِ ثانیہ کی مثال ۲۹۴

ہر فرقہ میں نذیر آیا ہے اس لیے رام چندر اور کرشن وغیرہ اپنے زمانہ کے نبی وغیرہ ہوں گے ۱۴۲

کوئی نبی دُنیا میں نہیں آیا جس کے آنے سے پھوٹ نہ پڑی ہو ۹۸
نبی کی رشتہ داری کام نہیں آتی ۱۷۲

خصائص

انبیاء کی فطرت ۶۲۰
تمام انبیاء شیطان سے پاک تھے ۱۱۹
انبیاء تلاعب الرحمٰن ہوتے ہیں ان کا کوئی مرشد نہیں ہوتا ۶۱۹
انبیاء کا عشقِ الٰہی ۴۲۳
نبی اور اللہ کا تعلق ۶۳۲
انبیاء کا وجود اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہے ۳۳۷
انبیاء کی معرفت ۱۹۵
انبیاء کا تعلق عبودیت ۱۹۶
ہر نبی میں یہ کمال تھا کہ ہر وقت خدا پر بھروسہ رکھتے اور اپنی عقل اور طاقت پر ان کو ذرہ بھر اعتبار نہ تھا ۱۲۶
عصمتِ انبیاء کا راز ۳۳
نبیوں کو ملنے والے علم کے تین مدارج ۲۹۹
اصل ذریعہ تبلیغ کا تقریر ہی ہے اور انبیاء اس کے وارث ہیں ۴۸۹
انبیاء علیہم السلام کی تربیتی صحبت ۴۲۹
انبیاء میں روحانی کشش کا وجود ۴۲۸
تمام انبیاء نے صدقہ و خیرات کی تعلیم دی ہے ۲۰۲
مامورین کی طلبِ امداد کا ستر ۳۲
رعایتِ اسباب کرنی قدیم سنتِ انبیاء ہے ۶۳۵
نبیوں کے استغفار کا مطلب ۳۴۶
انبیاء کا کوئی خاص تبختر کرنے والا لباس نہیں ہوتا ۶۱۹
اجتہاد میں غلطی ہو جانا نبوت کے منافی نہیں ۲۷۵، ۳۲۰، ۵۵۴
باوجود نبی ہونے کے نوح علیہ السلام کو غلطی لگی ۳۰۳
انبیاء اور مومنوں پر مصائب آنے کی حکمت ۱۴۷ و ۳۹۸، ۴۷۰
انبیاء پر ایک مشکل اور نہایت درجہ مصیبت کا ایک وقت ضرور آتا ہے ۲۴۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کے فوت ہونے پر اجماع ۵۴۹
انبیاء کا علم خدا تعالیٰ کے مساوی نہیں ہوتا ۲۷۴
اضطراب خاصۂ بشریت ہے اور سب انبیاء بھی اس میں شریک ہیں ۱۳۳
انبیاء خبیث امراض سے محفوظ رہتے ہیں ۲۰۱
کوئی بھی نبی غذا سے ہلاک نہیں ہوا ۱۲۴
نبی کی شان سے بعید ہے کہ اسے بھی صلیب دی جاتے ۲۰۱

معیارِ صداقت

نبی کی صداقت کے تین معیار ۷۶
صادق مدعی کی مخالفت کا راز ۱۱۲
قتلِ انبیاء کا مسئلہ ۲۶۱، ۴۱۴
توریت میں بھی ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا ۴۷۸
جھوٹے انبیاء کے مقابل مخالفت کا جوش نہیں ہوتا ۹۸

آدابُ الرسل

آدابُ الرسل ۶۳۲
انبیاء علیہم السلام کا گلہ کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے ۶۳۲
جو نبی کی تحقیر کرنے والے کو (ہم) کافر سمجھتے ہیں ۵۳۰

افضل الانبیاء

انبیاء میں سب سے افضل ۵۲۷
تمام نبیوں سے بڑھ کر کامیاب و بامراد نبی ۳۶۴
انبیاء میں سب سے بڑھ کر خوش قسمت نبی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۵۰۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کے اخلاق کا موازنہ ۱۴۹

ختمِ نبوت

ختمِ نبوت کی حقیقت ۵۲، ۹۵، ۲۴۸
نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ۱۰۲
نبوت و رسالت کی علت غائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی ۳۵
خاتم النبیین کے بعد مستقل نبوت باقی نہیں رہی ۹۶ و ۲۴۸
ابن عربی کے نزدیک نبوت تشریعی جائز نہیں لیکن میرا یہ مذہب ہے کہ ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے سوائے جزوِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انعکاس سے ہو ۲۵۴
اُمتِ محمدیہ میں کثرت سے انبیاء کے نہ آنے کی وجہ ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۳
مجددین کا نام نبی نہ رکھنے کی حکمت ۲۵۵
اُمتِ محمدیہ میں ہزاروں بزرگ نبوت کے نور سے منور تھے اور ہزاروں کو نبوت کا حصّہ عطا ہوتا رہا ہے، لیکن نبی کا نام صرف ایک شخص کو دیا گیا ۲۵۲
نبوت مسیح موعود علیہ السلام ۲۵۴، ۲۶۲، ۲۷۵، ۴۹۸

نجات

نجات محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے ۳۸۸
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے بغیر نجات ہو سکتی ہے؟ ۳۹۴
نجات کے واسطے اعمال کی عدم درستی ہوتی ہے ۳۱۷
مدارِ نجات ۱۳۵، ۴۹۸
نجات کا معیار ۳۸۹
نجات معرفت میں ہے ۳۱۵
گناہ سے نجات کا ذریعہ ۴۰۱

نشان (نیز دیکھئے معجزہ)

نشانات کی اہمیت ۶۲
نشانوں کا فلسفہ ۱۴
ایمان بالغیب کے منافی نشان ظاہر نہیں ہوا کرتے ۶۵۱
نشانات کے ظاہر کرنے کی غرض ۱۹۶
نشانات کا صدور ان سے ہوتا ہے جنکے اعمال خوارق کے درجہ تک پہنچ جائیں ۲۲، ۱۹۶
ہر نبی کے نشانات مختلف ہوتے ہیں ۷۷
کامل ایمان والے کو نشان کی ضرورت نہیں ہوتی ۱۲۳
نشان دیکھنے والوں کی دو قسمیں ۴۸۸
اقتراح کے نشانوں سے اللہ تعالیٰ نے

منع کیا ہے ۱۹۵
اس زمانہ میں نشانات کی ضرورت ۳۶۷
مسیح موعود کے دعاوی کا انحصار نشانات پر ہوگا ۲۵۷
مسیح موعود کی تائید میں نشانوں کی کثرت ۵۴۴،۱۰
کسوف وخسوف آسمانی نشان ہے اور طاعون زمینی ۵۸۰، ۶۲۱، ۶۵۲
صاحبزادہ عبداللطیف کی شہادت ایک عظیم نشان ہے ۵۱۲
نشان طلب کرنے والوں کے لیے طریق ادب ۶۴۴
خدا کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی چالیس دن ہمارے پاس رہے تو وہ ضرور کوئی نشان دیکھے گا ۵۳۲
طالب حق کے لیے جو صدق نیت سے نشان کا خواہشمند ہو.... ہم اس کے لیے توجہ کر سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی امر ظاہر کر دے ۶۴۳
نشان طلب کرنے والے ایک سائل سے سنجیدگی۔ خدا ترسی اور حق پسندی اختیار کرنے کی نصیحت ۶۴۹
نصیحت نیز دیکھئے احمدیت کے عنوان کے تحت
نصیحت حکمت اور نرمی سے کرنی چاہیے ۱۰۴
نصیحت کرنے کے لیے اخلاص اور محبت کی ضرورت ۵۹۱
دوسروں کو نصیحت کرنے والے اور خود عمل نہ کرنے والے بے ایمان ہوتے ہیں ۵۱۸
دکھلاوے کے لیے خصوصی نصیحت ۲۲۹

نفاق منافق

منافق کی تعریف ۴۵۵

نفس

تہذیب نفس کی اہمیت ۴۷۱
اصلاح نفس کا سچا ذریعہ صحبت صادقین ۵۰۴
نفس کی تین قسمیں یا تین حالتیں ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳
نفس مطمئنہ کا مقام ۱۰۱
نفس مطمئنہ کے کمالات ۵۰۴
نفس مطمئنہ کی تاثیریں ۵۰۷
نفس زکیہ ۵۰۳
قبض اور بسط کی حالتیں ۱۹۲

نفل

نوافل نیک اعمال کے متمم اور مکمل ہوتے ہیں اور یہی ترقیات کا موجب ہوتے ہیں ۳۴۳

نماز

نماز کی حقیقت وفرضیت ۱۸۸، ۲۳۵
نماز کا اصل مقصود قرب الی اللہ اور ایمان کا سلامت لے جانا ہے ۳۷۸
حقیقی نماز کی تعریف ۲۸/۶، ۱۹۰/۵۰۶، ۶۲۷
دل کا سجدہ ۵۹۰
ارکان نماز کا فلسفہ ۲۹
نماز سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں ہے ۳۱۰
عبودیت کا مدرسہ سکھانے کا بہترین وظیفہ نماز ہے ۳۲
سچی نماز دعا سے حاصل ہوتی ہے ۳۰
نماز دعا کی قبولیت کی کنجی ہے ۲۲۲
نماز اصل میں دعا کے لیے ہے ۴۵۷
دعا نماز کا مغز اور روح ہے ۴
نماز اور دعا کا حق ۲۳۱
نماز کی برکات ۳۱۱
خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ۱۸۹
گناہوں سے بچنے کا آلہ ۱۰۳
اس سے ہر قسم کے ہم وغم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں ۱۳۰، ۳۱۱
برکات نماز کے حصول کا طریق ۵۹۷
اگر نوح کے وقت میں یہ نماز ہوتی تو وہ قوم کبھی تباہ نہ ہوتی ۶۲۷
نماز خدا کا حق ہے اسے خوب ادا کرو ۱۳۹، ۵۹۱
مسلمان تبھی ہی معرض زوال میں آئے ہیں جب انہوں نے نمازیں چھوڑ دیں ۱۸۹
عورتوں کو بھی گھروں میں نصیحت کرو کہ وہ نماز کی پابندی کریں ۴۳۴
نماز میں حظ اور لذت ۲۵
نماز میں لذت نہ آنے کا علاج ۳۰۹، ۳۰۲
ریاکاری سے پُر نمازیں بے فائدہ ہیں ۵۰۱، ۲۷
دغا باز آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی ۲۳۲
حضور قلب کے بغیر نماز میں مزہ نہیں آتا ۴۳۴

مسائل نماز

نماز کا ترجمہ جاننا ضروری ہے ۲۶۵
ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا گناہ ہے ۳۲۲
التحیات میں انگشت سبابہ اٹھانے کی حکمت ۱۴۲
رکوع اور سجود میں قرآنی آیات اور دعا پڑھنے کا مسئلہ ۲۴۰
مسنون ادعیہ اور اذکار کے بعد اپنی زبان میں بھی دعا کیا کرو ۴۳۵
نماز کے بعد لمبی دعا ۲۶۴، ۵۹۱
رفع یدین ۱۹۲
وتر پڑھنے کا طریق ۲۱۳
نماز مسجد کا مسنون طریق ۴۶۱
سفر سے پہلے نمازوں کے جمع کرنے کا جواز ۴۱۱
مرکز میں نمازوں کا قصر ۲۲۸
عورتوں کے لیے جمعہ کا استثناء ۴۲۲
احتیاطی نماز کا مسئلہ ۴۲۳
قضائے عمری کی شرعی حیثیت ۲۶۴
کھنکی کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز درست نہیں ۲۳۵
مخالفوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت ۲۳۵، ۴۰۲

نیت

نمازکی نیت پر مرتب ہوتے ہیں ۲۲۹
نیت حسنہ کی اہمیت ۲۹۷

نیچریت

یورپ کی تقلید میں پردہ میں تفریط ۵۵۸

نیکی

نیکی کی حقیقت اور درجات ۴۶۰
نیکی کا پہلا دروازہ کھلنے کا ذریعہ ۹۲
اللہ تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا ۹۳

و

والدین

ضعیف والدین کی خبر گیری کی تلقین ۵۹۹

وبا (نیز دیکھئے طاعون)

وباؤں کے عذاب کی غرض ۶۳۴
وباؤں اور بلاؤں کے آنے کا سبب ۵۷۴

احادیث میں متعدی امراض کے ایک ذکر کر کے جانے کی نفی کے معنی ۶۳۵
وحی (نیز دیکھئے الہام)
وحی والہام اور کشف میں فرق ۲۶۲
نزولِ وحی کا طریق ۲۹۹
تمام حواسِ خمسہ سے وحی ہوتی ہے ۲۶۳
وحی شریعت اور وحی غیر شریعت ۴۱۷
وحی غیر تشریعی جاری ہے ۴۱۶
ہمارا مشاہدہ ہے کہ خدا کی وحی نازل ہوتی ہے ۴۱۷
وظیفہ
پیروں اور گدی نشینوں کے خود ساختہ اوراد و وظائف سب فضول بدعات ہیں ۱۰۳ ، ۳۱۱ ، ۳۲۲
نام کشی ۳۲۳
خود ساختہ اوراد و وظائف کی بجائے قرآن کریم پڑھنے کی نصیحت ۵۱۹
نماز سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں ہے ۳۱۰
بہترین وظیفہ ۱۰۶
وفا
وفا اور اخلاص کی اہمیت ۵۱۶
وفا سے ہی روحانی مراتب حاصل ہوتے ہیں ۴۵۷
آنحضرت سے اللہ تعالیٰ کی وفا ۵۲۴
وفاتِ مسیح نیز دیکھئے عیسیٰ بن مریم
دلائل ۵۸۸
وقف
دین کے لیے وقفِ زندگی و درازیٔ عمر کا باعث ہوتا ہے ۳۹۵
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کہ کوئی یورپین سلسلہ کے لیے زندگی وقف کرے ۴۵۱
ولایت
اولیاء اللہ کا مقام ۵۹۵
"نبی کی نبوت سے اس کی ولایت افضل ہے" کی حقیقت ۱۳۶
ولی کی صفات ۱۰۵ ، ۶۱۲
اولیاء اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھا کرتے ہیں ۱۳۶، ۱۸۶
اولیاء موت کو پسند کرتے ہیں ۴۷۱
ولایت کے مراتب حاصل کرنے کی اصل بنیاد ۲۲۰
اولیاء اللہ کی عزت کی وجہ خدا تعالیٰ سے ان کا سچا تعلق ہے ۲۲۰
ان مقاموں میں بھی برکت دی جاتی ہے جہاں وہ رہتے ہیں ۵۹۵
اولیاء سے محبت میں غلو نہ کیا جائے ۲۶۸
اولیاء کے بارہ میں جہلاء میں مشہور باتیں ۲۱۹
اولیاء و شہداء حاضر ناظر نہیں ہوتے ۶۰۴
وہابیت
جبتک وہابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نہیں سمجھتا وہ بھی خدا سے دور ہے ۱۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی اور الہام کا دروازہ امت پر بند مانتے ہیں ۲۳۸
وہابیوں میں تیزی اور چالاکی ہوتی ہے مگر انکساری اور انکساری ان کو نصیب نہیں ہوتی ۱۶۱
ہ
ہدایت
ہدایت امرِ ربی ہے کسی کے اختیار میں نہیں ۱۲۷
ہدایت فضل اللہ کے فضل پر موقوف ہے ۵۳۹، ۶۴۴
ہدایت کا طریق دعا اور توجہ ہے ۴۴۶
ہدایت پانے کے مختلف ذرائع ۹۲ ، ۳۸۱، ۵۵۱
محدَّثیت سے مراد ۱۵۰
ایک فردِ واحد پر ہدایت کے لیے زور دینا ٹھیک نہیں نہ اس طرح کبھی انبیاء کو کامیابی ہوئی ہے ۱۴۴
تکمیلِ ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی اور تکمیلِ اشاعت ہدایت مسیح موعود کے ذریعہ ہوگی ۳۰۸
ہمدردی
اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں تک محدود نہ رکھو بلکہ ہر ایک کے ساتھ کرو ۵۹۲
ہندو مذہب نیز دیکھئے آریہ
راجہ بھوج کا معجزہ شق القمر دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحائف بھیجنا ۱۷۰
اصنام پرستی اور نجات کے حصول کے لیے غلط ذرائع اختیار کرنا ۲۲
تینتیس کروڑ دیوتا بنائے تو آخر ٹوٹ گئے جیسے مسائل کو بھی ماننے لگ گئے ۶۲۶
سناتن دھرم کے عقائد ۱۳۱
سناتن دھرم والے اسلام کے بہت قریب ہیں ۱۳۷
آریہ حقیقتِ ایمان سے بے نصیب ہیں اور عادت اللہ کے خلاف نشان طلب کرتے ہیں ۱۹۸
شاکت مت میں صلبی رشتے بھی حلال قرار دیئے گئے ہیں ۳۲۴ ، ۳۲۵
مالی قربانی کی عادت ۳۹۱
طاعون کی کثرت کی وجہ سے ہندوؤں کا اپنے گھروں میں اذان دلوانا ۲۷۲
قادیان کے ہندوؤں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سلوک ۳۰۶
ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم تعصب اور دشمنی ۱۲۱
ہندوؤں سے مذہبی گفتگو کا طریق ۱۷۹
اگر ایک ہندو سے ہمدردی نہ کروگے تو اسلام کے بچے دشمن اسے کیسے پہنچاؤ گے ۵۹۲
فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے ۴۸۱
ی
یاس
یاس کفار کی صفت ہے ۱۲۳
یقین
یقین کی ترقی کا سچا ذریعہ ۳۸۶
یقین کی کرامات ۴۵
اعمال کی قوت اور توفیق معرفت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے ۳۸۴
ایمان کا درخت یقین سے بڑھتا ہے ۶۴
یقین اور موت ۳۹۹ ، ۶۱۹
یہود نیز دیکھئے بنی اسرائیل ۱۴۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے یہود کی خوبیاں ۱۴۸
عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت یہود کا ۷۰ فرقوں میں تقسیم ہونا ۴۷۵
حضرت عیسیٰ کے دعویٰ پر یہود کا ابتلاء ۵۴۰

یہود میں ایلیا (الیاس) کے مسیح سے پہلے آسمان سے نازل ہونے کا عقیدہ ۲۹۴، ۲۹۷

ابھی تک ایلیاء کے آسمان سے نازل نہ ہونے کا انتظار ہے ۴۷۶

یہود سمجھتے تھے کہ مسیح داؤد کی بادشاہت قائم کرے گا ۲۷۵

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار میں جلدی کے مرتکب ہو کر موردِ لعنت بنے ۷۴

حضرت مریم صدیقہ پر تہمت لگانے کا ازکار ۱۱۸، ۲۸۱، ۶۲۵

تورات میں تحریف و تبدل ۵۰۴

دو دفعہ فساد کرنے اور دو دفعہ سزا دہی کے واسطے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے مسلط کرنے کی پیشگوئی کا پورا ہونا ۱۰۸

یہود کے دو بڑے جرم عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ۴۱۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہود گمراہ تھے ۴۹۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجوہ ۴۳۶، ۴۷۵، ۵۳۹

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۱۹

مغضوب علیہم سے مراد ۴۱۸

یہود فی ہر شریعت پر اب بھی عمل کرتے ہیں ۵۰۰

ایک صحابی کی دعا کے نتیجہ میں یہود کی ہلاکت تک ان کی عمر میں اضافہ کیا گیا ۵۶۳

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ
ترتیب بلحاظ سورۃ

الفاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۲-۴) ۳۰۷، ۳۴۹
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (۵)
۱۲۵، ۳۰۷، ۳۴۴، ۳۸۷، ۵۲۱، ۵۶۹، ۶۱۸
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ
الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۶-۷)
۳۵، ۳۷، ۵۳، ۹۷، ۲۲۳، ۲۳۷، ۲۴۹،
۲۵۳، ۳۸۸، ۴۱۷، ۴۱۸، ۵۰۸، ۵۹۰،
۶۰۲، ۶۰۳
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (۷)
۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۹، ۳۴۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ میں
مذکور چار صفاتِ الٰہی کے مظہر تھے ۳۸۱

البقرۃ

الٓمّٓ ۝ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ
ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ..... وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ
یُنْفِقُوْنَ (۲:۳)
۷۴، ۳۸۶، ۳۸۷
خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۸) ۴۲۵
یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ (۱۰) ۵۱۵
صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (۱۹) ۵۸۵
کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ وَاِذَآ اَظْلَمَ
عَلَیْھِمْ قَامُوْا (۲۱) ۵۶
کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا
قَالُوْا ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (۲۶)
۳۸۷، ۴۰۰، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰
یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (۲۷)
۱۰۶
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (۳۱) ۳۵۲
اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (۳۵) ۶۰۹
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۴۲) ۱۵۸
اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (۴۴) ۳۵۱
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
اَنْفُسَکُمْ (۴۵) ۵۹۰
وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (۴۶)
۳۵۱
وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ (۵۸)
۶۳۲
رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (۶۰) ۵۹۳
وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (۷۳) ۱۸۷
وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ (۱۰۳) ۱۱۹
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ
بِخَیْرٍ مِّنْھَآ (۱۰۷) ۶۰
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ (۱۰۷) ۱۹۵، ۵۸۱، ۶۳۸
بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ (۱۱۳)
۴۵۶
لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۱۱۳) ۴۶۵
وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی
حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ (۱۲۱) ۵۵۴
تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ (۱۳۵) ۵۸۹
اُمَّۃً وَّسَطًا (۱۴۴) ۱۶۱
فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا
تَکْفُرُوْنِ (۱۵۳) ۱۸۹، ۳۷۸
وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
..... قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (۱۵۶، ۱۵۷)
۱۵۰، ۲۷۳، ۳۴۳، ۳۹۴، ۵۸۶، ۶۰۷،
۶۳۸
مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ (۱۷۴) ۳۸۲
اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (۱۸۶)
۱۵۱
اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۱۸۷) ۲۱۹
لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (۱۹۶)
۲۲۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۴۸۰
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ
حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲۰۲) ۱۴۴
مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ (۲۱۵) ۵۸۲
عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (۲۱۷)
۵۱۳
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (۲۲۳)
۴۳۲، ۵۹۵
وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ (۲۲۹) ۳۰۰
وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ (۲۲۹) ۲۵۴
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (۲۳۰) ۲۱۳
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
۴۰۱
اَیَّدَنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۲۵۴) ۳۰۹
لَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا (۲۵۶) ۷۱
رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (۲۶۱) ۹۴، ۲۲۵
اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (۲۶۱) ۹۴

فَمُرْهُنَّ إِلَيْكَ (۲۶۱) ۹۴
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ (۲۷۰) ۱۰۴
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (۲۸۷) ۶۰۶

آلِ عمران

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (۱۰) ۱۸۲ ، ۲۰۱ ، ۲۱۰ ، ۶۰۱
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳۲) ۳۸ ، ۱۰۲ ، ۱۶۱ ، ۲۳۳ ، ۲۵۹ ، ۳۱۶ ، ۵۳۴
مَنْ أَنْصَارِيْ إِلَى اللّٰهِ (۵۳) ۳۱
مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (۵۵) ۲۰۲
يَا عِيْسٰى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ (۵۶) ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۹۶ ، ۳۲۶
وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۵۶) ۳۱۲ ، ۳۳۱ ، ۳۹۰
إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ (۶۰) ۲۸۱ ، ۵۸۴
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۹۳) ۳۶۰ ، ۳۶۱ ، ۶۲۷
مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا (۹۸) ۲۸۰
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ (۱۱۱) ۲۴۸
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (۱۱۳) ۹۷ ، ۱۹
أَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (۱۳۱) ۱۶۷
إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (۱۴۱) ۵۶ ، ۳۰۲
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۱۴۵) ۳۱۴ ، ۵۸۸ ، ۶۲۵

النساء

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲۰) ۱۱۸ ، ۵۷۸ ، ۵۷۹ ، ۵۹۹
خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا (۲۹) ۲۴۰ ، ۶۲۳
اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (۳۵) ۲۵۳ ، ۲۵۴
وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (۴۲) ۱۱۸ ، ۱۶۲
لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۴۴) ۲۶۵ ، ۲۹۲
لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (۴۹) ۳۴۴
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۱۱۴) ۱۹
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ (۱۴۸) ۲۰۶
وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (۱۵۸) ۳۴۹ ، ۴۵۰

المائدة

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (۳) ۳۱
اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۴) ۱۴۹ ، ۲۷۳ ، ۳۰۸ ، ۳۶۵ ، ۳۷۷ ، ۵۲۵
فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ (۱۹) ۳۴۳ ، ۳۶۹ ، ۴۰۰
فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (۲۵) ۵۲۷
إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (۲۸) ۷۴
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ (۳۳) ۳۳۹
وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ (۴۸) ۴۱۰
إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ (۵۶) ۳۶۷
وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (۶۸) ۳۸۰ ، ۶۰۵
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (۹۱) ۳۲۴
لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ (۱۰۲) ۳۸۳
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (۱۱۸) ۱۹ ، ۸۹ ، ۹۶ ، ۲۰۸ ، ۲۱۲ ، ۲۹۶ ، ۳۲۷ ، ۳۴۲ ، ۵۸۸ ، ۶۲۵
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۱۲۰) ۱۵

الأنعام

مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (۲۲) ۵۳۵
مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ (۳۹) ۹۵
إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (۸۰) ۳۰۰
اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (۸۳) ۳۰۲ ، ۳۵۳ ، ۵۹۴
مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۹۲) ۶۴۸
لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (۱۰۴) ۷۰ ، ۳۸۰ ، ۵۹۰
إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ (۱۰۹) ۱۹۵
اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (۱۲۵) ۵۴۷
إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (۱۶۳) ۳۴۳

الأعراف

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (۲۴) ۱۴۱ ، ۱۹۰
إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (۳۵) ۲۱۸
وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (۴۱) ۳۱۵
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۱۲۹) ۴۶۷
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۳۰) ۴۱۸
اَلَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ (۱۵۹) ۲۷۱
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (۱۷۳) ۲۹۹
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (۱۷۹) ۴۷
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ (۱۹۶) ۱۸۳ ، ۲۰۶ ، ۳۷۳
يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (۱۹۹) ۳۷۸

الأنفال

مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ (۱۸) ۲۶۴
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ (۳۴) ۲۶۶
إِنْ أَوْلِيَآؤُهٗ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (۳۵) ۷۴ ، ۱۸۳ ، ۵۷۰

التوبه

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (۸۲) ۴۵۶
أَلَسْنَا بِرَبِّكُمْ أَلَسْتُمْ (۱۰۰) ۱۹۷
ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ (۱۱۸) ۵۷۴

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۱۹) ۴۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۶، ۳۷۵، ۳۷۸، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۲۰) ۳۳۹

یُونس

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (۴) ۷۰، ۷۱

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۵) ۳۱۸

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (۱۷) ۲۷۱

اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۳) ۵۹۵

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۰۵) ۳۹۲

هُود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ ہُود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے ۳۴

كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (۸) ۷۰، ۷۱

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا (۳۸) ۴۵۴

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۰۸) ۳۹۳

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (۱۱۳) ۳۴

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (۱۱۳) ۶۳۵

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱۵) ۲۸

یوسف

صبر اور تقویٰ کے نتائج اگر دیکھنے ہوں تو سورۂ یوسف کو غور سے مطالعہ کرو ۶۲۱

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۲) ۹۲، ۶۲۹

اِلَّآ مَا رَحِمَ رَبِّيْ (۵۴) ۳۸۴

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۹۵) ۲۶۳

الرَّعد

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۲) ۲۳۲

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (۱۸) ۳۰۳، ۳۸۵، ۳۹۵، ۶۱۱

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۲۹) ۳۱۱

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (۴۰) ۱۱۷

ابراهیم

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (۸) ۶۵۰

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (۱۶) ۵۵۹

الحجر

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۰) ۱۱، ۸۶، ۱۳۰، ۳۲۸، ۴۴۲، ۵۰۴، ۵۲۹

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۲۸) ۳۵۲

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (۴۲) ۳۰۹

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (۹۵) ۳۹۲

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (۱۰۰) ۲۹۹، ۶۱۹

النَّحل

يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (۵۱) ۲۲۵، ۲۲۹

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (۶۹) ۴۱۷

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۷۰) ۱۸۸، ۵۵۳

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۹۰) ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۷۳

وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى

جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۲۶) ۱۰۴

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (۱۲۹) ۵۰۲

بنی اسرائیل

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (۱۶) ۳۷۵

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (۱۷) ۳۷۵، ۴۲۱

فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (۲۵) ۴۲۵

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (۳۶) ۴۷، ۸۷، ۱۲۹، ۱۹۰

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (۴۵) ۴۵، ۵۷، ۲۴۳، ۲۶۲

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا (۵۹) ۱۴، ۸۸، ۳۱۸، ۳۲۹، ۵۲۹

وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (۶۵) ۲۷۰

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (۷۳) ۷۲، ۱۲۹، ۲۴۹، ۲۵۳، ۳۸۹، ۴۵۸، ۴۵۹، ۵۹۲

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۹۳) ۷۸، ۱۹۵، ۴۲۴

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ (۱۱۲) ۵۹۵

الکہف

كَانَ مِنَ الْجِنِّ (۵۱) ۳۱۲

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (۶۱) ۳۷۹

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (۶۶) ۳۳۹

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (۸۳) ۱۸۲، ۱۸۳، ۶۰۳

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (۱۰۰) ۵۵۹

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (۱۰۹) ۵۹۹

مریم

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ (۴۲) ۱۵۹

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (۷۲) ۲۴۲

طٰہٰ

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (۱۵) ۳۱۱

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (۵۶) ۱۷۵

قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى (۶۲) ۵۴۵

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ (۷۵) ۴۳۳

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۱۱۵) ۲۰۸

مَعِيْشَةً ضَنْكًا (۱۲۵) ۳۸۸

الانبیاء

فَلَنَبْتَئِنَّهُمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ (۱۰) ۷۷

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۸) ۲۹۳

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (۷۰) ۹۵، ۱۳۳، ۳۵۱، ۵۹۸

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (۹۰)

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ ۳۹۱
لَا يَرْجِعُوْنَ (۹۶) ۵۹۸
مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (۹۷)
۹۸ ، ۱۹۱ ، ۲۱۴ ، ۲۱۵
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۸)
۳۸۰ ، ۳۸۱

الحج

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (۴۰) ۶۲
اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (۴۸)
۲۲۳

النور

اِس میں وعدہ ہے کہ تمام خلیفے اور امام
اُمتِ محمدیہ میں سے آئیں گے ۲۰۹
حضور نے اپنے وجود پر سورۃ نور سے
استدلال فرمایا ۸۹
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ..... وَالطَّيِّبٰتُ
لِلطَّيِّبِيْنَ (۲۷)
۱۵۷ ، ۲۲۴ ، ۳۸۳ ، ۵۶۸ ، ۵۶۹
لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ (۳۸) ۲۲۲
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (۵۶)
۳۶۲ ، ۴۴۲ ، ۵۴۲
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا
اَوْ اَشْتَاتًا (۶۲) ۳۷۰

الفرقان

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (۳) ۶۳۴
مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ
فِي الْاَسْوَاقِ (۸) ۱۲۶
مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (۵۸) ۳۸۱
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (۶۵) ۴۳۱
وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۷۵) ۵۷۹ ، ۵۹۹
قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (۷۸)
۱۸۵

الشعراء

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ (۴) ۶۵ ، ۴۲۹

النمل

اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (۸۳) ۱۵۷

القصص

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (۱۶) ۱۷۵
وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا
ظٰلِمُوْنَ (۶۰) ۴۲

العنکبوت

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا
اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (۳)
۴۰ ، ۶۷ ، ۳۴۳ ، ۵۱۰
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ
فِي الصّٰلِحِيْنَ (۱۰) ۵۰۹
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ
اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ (۱۱)
۵۱۰ ، ۵۱۱
اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۴۶)
۲۹
يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (۶۸) ۳۶۶
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۷۰)
۹۲ ، ۲۵۳ ، ۲۸۵ ، ۴۹۲ ، ۵۷۰ ، ۵۷۱ ، ۶۰۲ ، ۶۳۰

الروم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۴۲) ۳۶۴ ، ۴۱۴

لقمان

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۱۴) ۳۴۴

الاحزاب

زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (۱۲) ۵۷۳
مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (۲۴)
۴۲۸ ، ۴۴۳ ، ۵۲۷ ، ۶۳۹
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ (۳۴)
۲۲۴ ، ۲۵۰
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۴۱)
۹۵ ، ۲۳۸ ، ۲۴۸ ، ۲۵۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۵۷ ، ۳۸
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (۶۳) ۱۸۳

سبا

قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (۱۴) ۵۴۸

فاطر

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۲۹) ۷
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا
مِنْ عِبَادِنَا (۳۳) ۵۳
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (۴۴) ۲۲۱

یٰسٓ

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۳۱) ۴۳ ، ۴۶۷
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ (۸۳) ۲۶۲

الصّٰفّٰت

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۱۰۵-۱۰۶) ۶۳۷

ص

اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ (۷) ۲۸۹
اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ (۴۶) ۵۶۲

الزمر

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (۴۳)
۲۶۱
قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (۵۴)
۲۳۴

المؤمن

اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ
صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (۲۹) ۵۳۶
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۵۲) ۳۱
اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۶۱) ۴ ، ۲۴ ،
۳۱ ، ۳۷ ، ۱۵۱ ، ۱۷۳ ، ۱۹۵ ، ۳۳۳ ، ۳۷۵ ،
۳۷۷ ، ۴۳۳ ، ۴۹۲ ، ۴۹۳ ، ۴۹۴ ، ۵۷۰ ،
۶۰۱ ، ۶۰۴ ، ۶۱۷

حٰمٓ السجدۃ

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ
عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (۳۱)
۳۷ ، ۴۶۴

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ (۳۲) ۳۱۲
إِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (۴۱) ۳۷۹ ، ۴۰۳ ، ۶۳۱

الشوریٰ

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (۸) ۳۱۱ ، ۳۱۲
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (۱۲) ۲
مَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (۳۱) ۶۰۷
جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُۥ عَلَى اللَّهِ (۴۱) ۲۵۷
مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (۵۲) ۳۹۲

مُحَمَّد

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (۱۳) ۴۳۱

الفتح

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (۲) ۵۸۷
إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (۱۱) ۲۲۱
وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (۲۴) ۶۴۳

الحجرات

وَلَا تَجَسَّسُوا (۱۳) ۱۹۸
أَسْلَمْنَا (۱۵) ۳۱۹

الذّٰریٰت

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (۲۳) ۲۰۶ ، ۶۲۴
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵۶) ۲۵ ، ۸۲ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ ، ۲۳۲ ، ۲۸۹ ، ۵۷۸

الطّور

كُلُوا وَاشْرَبُوا (۱۹) ۵۷۹

النجم

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۲۹) ۴۷
فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (۳۲) ۳۳۴ ، ۴۲۹
وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰٓ (۳۸) ۳۴۴ ، ۴۵۷ ، ۴۹۷ ، ۵۱۶ ، ۵۶۵ ، ۶۳۷
لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۳۹) ۲۳۳ ، ۲۶۶ ، ۶۳۸

الرّحمٰن

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (۳۰) ۷۰

الواقعة

لَّا يَمَسُّهُٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (۸۰) ۴۹۲

الحدید

يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۱۸) ۵۸۰

المجادلة

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (۲۲) ۴۲۰ ، ۵۷۳ ، ۶۲۰
أَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (۲۳) ۲۷۱

الحشر

يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ (۳) ۳۸۶

الصّف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (۲-۳) ۱۷۳ ، ۳۵۱ ، ۴۲۷
فَلَمَّا زَاغُوٓا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (۶) ۴۲۵

الجمعة

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ (۴) ۵۲
فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (۱۱) ۶۰۴

الطلاق

مَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (۲-۳) ۹۰ ، ۱۶۵ ، ۱۸۱ ، ۲۰۶ ، ۲۲۰ ، ۳۲۱ ، ۳۶۳ ، ۳۷۴ ، ۳۷۶ ، ۴۵۴ ، ۴۶۶

الملك

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (۱۱) ۲۹۴ ، ۳۱۸

القلم

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۵) ۳۵

الجنّ

فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (۲۶-۲۷) ۵۳

المزمّل

تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (۹) ۶۰۰
إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (۱۶) ۵۳۱ ، ۵۹۷

الدّهر

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (۹) ۵۹۹
لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۱۰) ۴۶۱

المرسلات

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا (۲۶) ۶۲۵

النازعات

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (۶) ۴۸۵
فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ : (۳۸-۴۰) ۳۷۱
أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (۴۰-۴۱) ۳۷۱

عبس

نازل ہونے کی وجہ ۳۷۱
عَبَسَ وَتَوَلَّىٰٓ أَن جَآءَهُ الْأَعْمَىٰ ۳۷۱
... الذِّكْرَىٰ (۵-۱۲) ۳۷۱

التکویر

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۵) ۷۶ ، ۹۸ ، ۳۴۸
إِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۸) ۳۴۸

الانفطار

فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (۸) ۲۰۱

البروج

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ (۱۶) ۷۱

الفجر

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (۲۸-۲۹) ۱۰۱ ، ۳۷۷ ، ۵۰۷ ، ۵۰۸
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۲۹-۳۰) ۵۰۸

الشمس

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا (۱۰) ۳۲۱ ، ۳۳۱ ، ۳۳۲
وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (۱۶) ۱۷۹ ، ۲۳۱

التين

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ
ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ (٥،٦)
٥٨ ، ٣٩٦

العلق

أَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا إِذَا صَلّٰى (١٠-١١)
٢٦٣ ، ٢٧٢

القدر

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرٰىكَ
مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (٢-٣) ٢٢٣ ، ٣٩٣
:: ::

البينة

رِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (٣) ٩٥
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (٦) ٥٨٠
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (٩) ٥٢٧

الزلزال

مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ
يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (٨-٩)
٨٣ ، ٢٢٠ ، ٣٣٩

الهمزة

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى
الْأَفْئِدَةِ (٧-٨) ٣٨

الماعون

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (٥) ٤٥٨ ، ٥٧٩

النصر

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ
يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا (١-٢)
١٥ ، ٣٦٣ ، ٣٧٧ ، ٣٨٣ ، ٥٢٥ ، ٥٣٧ ، ٥٨١
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (٣) ٣٦٣

الفلق

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (٢) ٣٣٩
مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (٦) ١٩٧

اسماء

آتھم (پادری عبداللہ)
عبداللہ آتھم کے معاملہ کی مثال ۵۶
آدم علیہ السلام ۳۲۰، ۳۸۳، ۴۴۲، ۴۸۷، ۵۳۲، ۵۴۷
ہمیشہ سے آدم پیدا ہوتے رہتے ہیں ۳۵۳
ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ آدم سے اوّل کیا تھا ۷۰
آدم سے پہلے مخلوق تھی ۳۵۲
آپ کے وقت بھی خدا سابقہ قوموں کو ہلاک کر چکا تھا ۳۵۳
آپ کی خارق عادت پیدائش ۳۵۶
آپ بے باپ بے ماں تھے ۵۸۴
حضرت عیسیٰ کی آپ سے مماثلت ۲۸۱
مسیح کی الوہیت کے رد میں حضرت آدم کی مثال کا بیان ۵۸۵
آپ کے ساتھ حوا کو پیدا کرنے کا ستر ۱۸۵
آدم کی جنت اور شجرِ ممنوعہ ۱۷۵
آپ کے درختِ ممنوع کا پھل کھانے کا گلہ کرنا جائز نہیں ہے ۶۳۲
آپ سے گناہ کے ارتکاب کی حکمت ۱۷۵
دُعا کے ذریعہ شیطان پر فتح ۱۷۱، ۱۹۲
آدمِ اوّل کو فتح دُعا سے ہی ہوئی تھی اور آدمِ ثانی کو بھی دُعا سے ہی فتح حاصل ہوگی ۱۹۰
آسیہ امرأۃ فرعون
مومنوں کی آپ سے اور حضرت مریم سے مثال کی حقیقت ۲۶
آل احمد حکیم رئیس امروہہ
حضور کی خدمت میں آکر بعض سوالات کرنا ۵۱۹
حضور کی خدمت میں اس خواہش کا اظہار کہ خدمتِ دین میں ہی ان کی جان نکلے ۴۸۴
ابراہیم علیہ السلام ۱۶۲، ۱۸۳، ۲۹۴، ۴۴۱، ۵۲۴، ۵۳۲
اسلام کا کامل نمونہ ۴۵۶
آپ کو اللہ تعالیٰ نے اُمّۃً کہا ہے ،
آپ فردِ واحد تھے مگر سوادِ اعظم کے حکم میں تھے ۵۲۸
صدق و وفاداری کا نمونہ ۵۹۶، ۶۲۷
شرف اور درجہ کی اصل آپ کی وفا ہے ۵۱۶
قرآن کریم میں آپ کی وفا کی تعریف ۲۹۷
باوجود اولاد کے آپ کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف تھی ۶۰۱
فرشتوں کو آپ کا جواب ۹۱
آپ پر ابتلاء کا آنا ۳۹۸
معجزانہ طور پر آگ سے بچایا جانا ۱۶۶، ۴۷۹
خواب کی بنا پر بیٹے کو ذبح کرنے لگ جانا ۳۴۰
آپ کو بیٹے کی قربانی کرنی پڑی ۳۲۷
رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کے سوال کی غرض ۲۲۵
رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کی لطیف تشریح ۹۴
باپ کے حق میں دُعا اور سفارش کام نہ آنا ۳۷۰
اپنے بیٹے کے لیے دُعا فرمانا کہ اللہ اس سے راضی ہو ۳۷۵
جیسے آپ نے اَسْلَمْتُ کہا تھا ویسے ہی اطاعت اللہ تعالیٰ کی کی جاتے ۶۰۱
جو ابراہیم کے صفات رکھتا ہے وہ ابراہیم بن سکتا ہے ۳۴۴
ابراہیم اوہمؑ
آپ پر موت کے مضمون نے اثر کیا تھا چنانچہ سلطنت چھوڑ کر فقیر ہو گئے ۲۹۲، ۴۲۸
ابلیس
مجہول الکنہ ہے البتہ ملائکہ میں سے نہیں تھا ۳۱۲
ابنِ جریر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے بارہ میں ایک واقعہ ۵۳۵
ابوالحسن خرقانیؒ
آپ نے شریعت کی پابندی سے خدا تعالیٰ کا قرب پایا تھا ۱۵۴
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۳۷۰، ۳۷۸، ۴۵۵، ۴۸۵، ۶۰۴
صدیق کہلانے کی وجہ ۸، ۱۹، ۶۴۲
اصحابِ ثلاثہ میں آپ کا بلند مقام ۶۲۲
آنحضرت کا فرمانا کہ ابوبکر کی بزرگی اس کے اعمال سے نہیں بلکہ اس چیز سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ ۵۱۵
قبولیتِ حق کے لیے فطری سعادت ،
بغیر کوئی نشان دیکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ۱۵، ۱۲۳
آپ نے آنحضرت کو قبول کر کے مکّہ کی نمبرداری چھوڑی تو خدا نے آپ کو ایک دنیا کی بادشاہی دی ۱۷
ترکِ دُنیا اور اس کا اجر ۴۵۲
آنحضرت کی تحریک پر گھر کا سارا مال خدا کی

راہ میں دینا ۳۵۹ ، ۳۶۱
آپ کی بے مثال مالی قربانی اور اس کا
عظیم اجر ۱۳۱ ، ۲۸۶
آپ نے سب سے زیادہ خدا کی راہ میں دیا
اور آپ کو سب سے زیادہ دیا گیا ۳۴۴
آپ کے اخلاص کا اجر ۳۴۶
غزوات میں شہید نہ ہونے کی حکمت ۳۴۹، ۳۶۲
آیت اَلَّمْ نَشْرَحْ سے آنحضرت کی وفات
کو محسوس کر لینا ۵۲۵
حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کا ایک ورق
دیکھ کر آنحضرت کا چہرہ سرخ ہو جانا اور حضرت
ابوبکرؓ کا عمرؓ کو توجہ دلانا۔ ۲۸۲
تقاضائے محبت رسول سے کرنا اُمُمُصْ
بنظر اللات ۷۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپؐ
کا آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ سے تمام
انبیاء کی وفات کا استدلال ۵۸۸
ایک دفعہ ایک شخص نے آپؐ کو ہی پیغمبر جان
کر آپ سے مصافحہ کیا مگر آپؐ نے اپنے فعل
سے ثابت کیا کہ میں خادم ہوں۔ ۶۱۹
ایک بڑھیا کو ہمیشہ حلوا کھلانے کا التزام
کیا تھا ۳۶۹
ابوجہل ۳۷۸ ، ۳۹۰ ، ۴۲۲ ، ۴۲۹
اگر قرآن شریف نہ آتا، تو ابوجہل کا شمار اعلیٰ درجہ
کے لوگوں میں ہوتا ۳۰۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں انتہا ۹۸
حضرت ابوطالب کے پاس آنحضرتؐ کے خلاف
ایک قبیح حرکت کرنا ۵۳۶
چودہ سال کی مہلت کے بعد ہلاکت ۱۳۹
باوجود ابوالحکم کہلانے کی اس کی فطرت کو
سچائی سے مناسبت نہ تھی ۷ ، ۸
مکہ میں رہ کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو شناخت نہ کر سکا ۲۹۱
چودہ برس تک باتیں سنتا رہا، لیکن اس پر
اثر نہ ہوا ۱۳۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے
باوجود نہ سمجھ سکا ۶۵
آنحضرت کے ذریعہ ظاہر ہونے والے نشانوں
سے اس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ۴۴۳
ناکامی کی موت ۴۱۵
آج کوئی ایک بھی نہیں جو اپنے آپ کو ابوجہل
کی اولاد بتلاتا ہو ۴۵۳
آپ کی بیٹی سے حضرت علیؓ کے نکاح کا ذکر ۵۲۸
آنحضرت کا رویاء میں دیکھنا کہ ابوجہل کے ہاتھ
میں جنت کے انگور کا خوشہ ہے ۵۵۴
کاش ابوجہل بھی زندہ ہو کر اسلام کی
شوکت دیکھتا ۲۶۰
ابوحنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
آپ کی ایک فقہی خطاء ۲۶۵
ابوسعید صاحب عرب
کتابیں مفت تقسیم کرنے کے بارہ میں لوگوں
کی رائے بیان کرنا ۱۴۲
رنگون واپس جاتے ہوئے دُعا کی درخواست ۴۲۵
ابوطالب
آپ نے بظاہر تو اسلام قبول نہیں کیا مگر
بزرگ سالی کی وجوہات آپ میں نہ تھی ۲۰۰
آپ کے پاس ابوجہل کا آنحضرتؐ کے خلاف
شکایت لیکر آنے کا واقعہ ۵۳۶
ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
آپ کی وفات طاعون سے ہوئی ۵۹۴
ابولہب ۳۷۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹیوں کے
نکاح ابولہب کے بیٹوں سے فرمانا۔ ۳۵۵
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
نفاق کے احساس پر رو پڑنا ۴۵۵
احسان علی خاں نواب برادر نواب محمد علی خاں
آف مالیر کوٹلہ
قادیان تشریف لانا ۵۵۰
احمد سرہندی علیہ الرحمۃ
آنے والے احمد سے ملاقات کے
شوق کا اظہار ۵۶۵
دعی غیر تشریعی کو جاری مانتے ہیں ۴۱۷
احمد بیگ مرزا ۵۵۴
احمد دین سیٹھ (جہلم)
ایک فوجداری کی درخواست حضور کی خدمت
میں پیش کرنا ۴۳۵
ادریس علیہ السلام ۵۵۷
ارڑا صاحب منشی نقشہ نویس (کپورتھلہ)
حضور کا آپ کی آواز کو شناخت فرما
لینا۔ ۵۴۵
اسحاق علیہ السلام ۴۴۲
اسود عنسی مدعی نبوت ۷۶
مفتری ہونے کی وجہ سے اس کے مقابل
مخالفت کا جوش نہیں تھا ۹۸
اللہ داد خان کلرک شاہ پور صدر
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات
نوٹ کر کے ان میں حضور کے اشعار درج
فرمانا ۴۶۲ ، ۴۶۹
الٰہی بخش منشی مدعی الہام ۲۳۴
الیاس علیہ السلام (ایلیا)
یہود میں آپ کے دوبارہ آنے کا عقیدہ ۲۹۴
یحییٰ علیہ السلام آپ کی خو پر ہی آئے
تھے ۲۹۷
امام دین مرزا
اس کا تعلق چوڑھوں سے رہا ہے اور
اب بھی ہے ۴۹
۶ / جولائی ۱۹۰۳ء کو وفات ۳۶۳
ایلیا دیکھئے الیاس ۲۹۴
ملاکی نبی کی کتاب میں مسیح سے پہلے آپ
کے آسمان سے نزول کا ذکر ۴۷۵ ، ۵۲۰
ایوب علیہ السلام
آپ کا صبر اور تعلق باللہ ۳۷۲

ب

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
آپ نے شریعت کی پابندی سے ہی قرب کا مقام پایا تھا ۱۵۴

بخت نصر شاہ بابل
یہود کی سزا دہی کے لیے مقرر ہوا تھا
لکھا ہے کہ آخر کار وہ یا اس کی اولاد بُت پرستی سے باز آگئے تھے ۱۰۸

برہان الدین جہلمی
۱۸۸۱ء میں تلاش حق کے سلسلہ میں پہلے قادیان اور پھر ہوشیار پور پہنچا ۴۶۳
حضرت اقدس کا آپ کو زندگی کے بقیہ ایام قادیان میں گذارنے کی تحریک ۴۶۲

بشیر الدین محمود احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
نیک پھپن ۵۶۶
سفر گورداسپور میں حضرت اقدس کی ہمراہی ۴۱۱

بلعم
باوجود صاحب الہام اور مستجاب الدعوات ہونے کے اس کا انجام خراب ہوا ۶۳۸
گدی نشینوں میں اب بلعم کی طرح مکر و فریب کے سوا کچھ نہیں ۱۲۸

بنی اسرائیل
جب ان کی قوم فسق و فجور میں مبتلا ہوتی تو ان کے انبیاء جنگلوں میں جا کر ان کے لیے دست بدعا ہوتے تھے ۱۹۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رویا میں دیکھنا کہ بنی اسرائیل آپ کے ساتھ ہیں اور فرعون تعاقب کر رہا ہے ۴۰

بنی اسماعیل ۱۸

بُو علی سینا
حضور کا رویا میں انہیں دیکھنا ۴۶

بہادر خاں مرحوم خان بہادر ۵۸۰

بھوج راجہ
ان کی سوانح میں لکھا ہے کہ انھوں نے خود شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحائف بھیجے تھے ۱۷۰

پ

پگٹ مذہبی سیمت ۲۷۸
پگٹ کے متعلق الہام ان اللہ شدید العقاب ۴۱

ت

تفضل حسین اٹاوی سید پیشکر تحصیلدار
حضورؑ کا آپ سے فرمانا آمدن بارادت رفتن باجازت ۵۹۳

ث

ثمامہ رضی اللہ عنہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کا آپ پر اثر ۴۳۵

ثناء اللہ امرتسری ابوالوفاء ۵۰
ان کو اطلاع دی جانے کہ مدت میں پیشگوئی کے مطابق طاعون سے تباہی آرہی ہے ۳۰۰
اگر اس کی نیت نیک ہوتی تو ہمارا پیش کردہ طریق ضرور قبول کرتا ۴۸
اس شخص نے بالکل بیکھرام والی چال اختیار کی ہے۔ ۵۱

ج

جعفر صادق امام علیہ الرحمۃ
آپ کا قول کہ میں اس قدر کلام الٰہی پڑھتا ہوں کہ ساتھ ہی الہام شروع ہو جاتا ہے ۵۲۰

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے مراقبہ بی سے سیکھا ہے ۳۵
آپ کے بارہ میں ایک لطیف خواب ۴۵۴

چ

چغتائی
چغتائی سلطنت کا زوال اور اسکی وجہ ۵۲۹

چنگیز خاں
مسلمانوں کی سزا دہی کے لیے مسلط کیا گیا تھا
اور پھر اس کی اولاد کو ایمان نصیب ہوا ۱۰۸

ح

حافظ شیرازی ۲۹۰

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ کا قصیدہ ۱۶۲

حسن رضی اللہ عنہ
آپ اہل بیت میں شامل ہیں ۲۲۴
آپ نے معاویہ کی بیعت کر لی تھی ۲۶۹
آپ کے قصائد مشہور ہیں ۱۶۲

حسین رضی اللہ عنہ ۲۶۹
اہل بیت میں شامل ہیں ۲۲۴
آپ کے قصائد مشہور ہیں ۱۶۲
آپ کا شہادت پانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر احسان تھا ۱۴۹ ، ۴۹۶
آپ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت میں منشاء الٰہی تھی ۵۲۲
آپ کا ابتلاء اور مقام صبر و رضا ۴۴۳
آپ پر مصائب آنے کی حکمت ۴۷۰
اس سے ہم منع نہیں کرتے کہ کوئی کسی بزرگ کی محبت یا جدائی میں آنسوؤں سے روئے ۵۵۰
آپ کو بھی استغفار کی ایسی ہی ضرورت تھی جیسی ہم کو ہے ۳۲۳
شیعوں کی طرف سے آپ کی شان میں غلو ۳۶۸، ۵۳۲
شیعوں کا آپ کو تمام انبیاء کا شفیع مان کر غلو کا ارتکاب کرنا ۲۸۳
آپ کے مقام میں غلو کرنے والے آپ کے سچے متبع نہیں ہیں ۵۲۵
آپ کی تحقیر سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار ۵۳۰
آیا آپ آنے والے مسیح سے افضل ہیں؟ ۵۳۱
آپ سے افضل ہونے کا دعویٰ اور ثبوت ۵۴۳

حوا علیہا السلام
حوا کی پیدائش ۳۵۳
آپ کی پیدائش کا سِرّ ۱۸۵

خ

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک

جنگوں میں آپ کی پگڑی میں بند سے ہوتے تھے ۳۵۷

خدا بخش مرزا آف مالیر کوٹلہ
تعدد ازدواج کے بارہ میں استفسار ۱۰۶
حضرت اقدس کا رویا میں آپ کے کرتہ کے دامن پر لہو کے داغ دیکھنا ۶۷
منارۃ المسیح کے سنگِ بنیاد کے موقعہ پر دُعا میں شمولیت ۱۵۵

خضر علیہ السلام
آپ صاحبِ الہام تھے ۲۳۸
قرآن کریم میں خضر و موسیٰ کے قصہ کا ذکر ۶۰۳
قتلِ نفس کی حقیقت ۳۳۹

خوارزم شاہ
حضرت اقدس کا رویا میں دیکھنا کہ خوارزم شاہ کی تیر کمان آپ کے ہاتھ میں ہے ۴۶

د

داؤد علیہ السلام
آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی متقی اور خدا ترس کو بھیک مانگتے نہ دیکھا نہ اس کی اولاد کو دربدر دھکے کھاتے دیکھا ۹۱ ، ۱۸۲ ، ۳۴۸
یہود کا خیال تھا کہ مسیح داؤد کی بادشاہت قائم کرے گا ۲۷۵

دھرم پال (نو آریہ)
خلق طیر اور احیاءِ موتیٰ پر اعتراضات اور حضور کی طرف سے ان کا جواب ۴۸۲

دیانند پنڈت بانی آریہ سماج
اس نے نیوگ کا مسئلہ اس لیے نکالا کیونکہ وہ شادی شدہ نہ تھا اور جو اخلاق بیوی کے ہونے سے وابستہ ہیں ان سے وہ محروم تھا ۱۱۰
چونکہ اس کی کتابیں ناگری رسم الخط میں لکھی ہیں اس لیے لوگوں کو اس کی گندی زبان کی خبر نہیں ہے ۱۵۸
دیانند کو اسلام کی خبر نہیں تھی ۱۵۸

ڈ

ڈگلس (کپتان)
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخالفوں پر مقدمہ دائر کرنے کی اجازت دینا ۴۱۲

ڈوئی جان الیگزینڈر
امریکہ و انگلستان کے اخباروں میں ڈوئی کے ساتھ حضور کے مقابلہ دعا کا ذکر ۴۰۷
ڈوئی کو لکھا گیا ہے کہ وہ مقابلہ کیلئے نکلے ۴۰۳
ڈوئی سے مقابلہ دعا کسرِ صلیب کا باعث ہوگا ۴۰۸

ر

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا
آپ کو اس دن غم ہوتا تھا جس دن خدا کی راہ میں انہیں کوئی غم نہ ہوتا ۶۲۹

رام چندر
اپنے زمانہ کے نبی ہوں گے ۱۴۲

رحمت اللہ شیخ
آپ کی دعا کی قبولیت کا ایک واقعہ ۲۴۳

رحمت علی مرحوم ڈاکٹر
یہ اس کی پاکیزہ فطرت کی نشانی ہے کہ افریقہ میں غائبانہ طور پر ہی قبول کیا اور اس چھوٹی سی عمر میں ترقی اخلاص میں بھی کی ۵۵۳
روشن علی حافظ برادر ڈاکٹر رحمت علی مرحوم ۵۵۱

ز

زکریا علیہ السلام
آپ کے ہاں یحییٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش ۲۸۰
جب یہ خواہش ہو کہ کچھ ہو اور وہ اعلائے کلمۃ الاسلام کا ذریعہ ہو تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ زکریا کی طرح اولاد دیدے ۵۷۹

زید رضی اللہ عنہ
قرآن کریم میں ذکر ہونے کا شرف ۲۸۳
اگر آنحضرت کو علم غیب حاصل ہوتا تو آپ زینبؓ کا نکاح آپ سے نہ کرتے ۳۵۶

زینب رضی اللہ عنہا ۳۵۵

س

سٹینلے۔ لارڈ
ایک آسٹریلوی نومسلم کو دینی تعلیم کے حصول کے لیے مشورہ دینا ۴۴۵

سراج الحق نعمانی پیر
حضور کا آپ سے فرمانا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والوں کی خدمت میں دین سیکھنے کے لیے آنا بھی ایک طرح کا حج ہے ۱۲۲

سرمد
سرمد کے دو شعر ۵۹۷

سعدی شیرازی مصلح الدین
۳۶ ، ۱۸۴ ، ۱۹۷ ، ۲۲۷ ، ۲۶۰
آپ کا ایک قول ۵۲۰

سنسار چند (جہلم)
حضرت اقدس کا رویا میں دیکھنا کہ آپ سنسار چند مجسٹریٹ کے کمرے میں سے گذر کر آگے جا رہے ہیں ۵۷

سلطان احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
حضرت مولوی عبدالکریم کا رویا میں دیکھنا کہ آپ آئے ہوئے ہیں اور اس کی تعبیر ۵۰

سلطان محمود غزنوی
آپ کے ذریعہ ایک ہندو راجہ کا مسلمان ہونا ۲۹۱
ایک بزرگ کا واقعہ ۳۰۸

سلیمان علیہ السلام
بانبیل میں آپ کی نظیں ۱۹۳
آپ کی ذات سے کفر کی نفی کی وجہ ۱۱۹
آپ کے واقعہ میں دابۃ الارض کا ذکر ۲۰۵

سید احمد خان سر
آپ کا عقیدہ کہ صرف سُود در سُود منع ہے دُرست نہیں۔ ۱۶۷
دُوسری قوم کے رُعب میں آکر آپ آخر ایام میں تثلیث کے ماننے والوں کو نجات یافتہ قرار دے گئے ۵۵۴

ش

شاہ دین بابو
آپ کا حضور کی خدمت میں ذکر کرنا کہ لوگ عذاب سے عبرت نہیں پکڑتے ۵۵۰

شجاع شاہ
شاہ شجاع پر موت کے مضمون نے اثر کیا تھا اور سلطنت چھوڑ کر فقیر ہو گئے ۲۶۲

شنکر داس ڈپٹی ساکن قادیان ۳۰۶

شیرویہ (کسریٰ ایران
جس کسریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دیا تھا اس کو قتل کر کے شیرویہ ایران کا نگران بنا ۳۶۵

صدیق حسن خان نواب
آپ حدیث مجددین کی صحت کے قائل ہیں اور آپ نے تیرہ صدیوں کے مجددین کو تسلیم کیا ہے ۸۶
آپ مانتے ہیں کہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ہوگا ۸۷
آپ نے لکھا ہے کہ صدی کے آنے پر علماء اس کی مخالفت کریں گے ۸۹

ض

ضیاء الدین قاضی
منارۃ المسیح کے سنگ بنیاد کے موقعہ پر دُعا میں شمولیت ۱۵۵

ط

طیطوس رُومی TITUS
یہود کی سزا دہی کے لیے ان پر مسلط کیا گیا ۱۰۸

ع

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُم المومنین
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اے عائشہ! ہمیں آرام پہنچاؤ ۱۸۵
جنگوں میں بھی آنحضرت کے ساتھ ہوتی تھیں ۵۸۸
آپ کے قصائد مشہور ہیں ۱۶۲
آپ کا فرمانا کہ آنحضرت کے اخلاق قرآن شریف ہیں ۵۸۷

عبدالرحمٰن شہید کابل رضی اللہ عنہ
آپ کی شہادت ۵۱۲

عبدالرحمٰن شیخ ۴۰۹

عبدالرحمٰن ماسٹر۔ نومسلم
ہندوؤں اور آریوں کے نام اپنا ایک اشتہار پڑھ کر سنانا ۴۱

عبدالستار شاہ سید ڈاکٹر
رخصتوں سے واپسی کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آپ کو نصائح ۳۹۴
ملازمت سے فراغت کے بعد بقیہ عمر مرکز میں گذارنے کا ارادہ ۳۹۵

عبدالعزیز سیالکوٹی
آنحضرت کے تہجد کے بارہ میں ایک مسئلہ بیان کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا ۴۶۱

عبدالغفور
اس نام کے ایک شخص کا مرتد ہو کر آریہ بن جانا ۳۷۳، ۴۵۷

عبدالقادر جیلانی سید رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۴
آپ نے شریعت کی پابندی سے ہی قرب کا مقام پایا تھا ۱۵۴
آپ کا مقام ۲۴۹
آپ لکھتے ہیں کہ میری دُعا سے قضائے مبرم بھی ٹل جاتی ہے ۲۴۲
آپ مکالمہ الٰہی کے جاری رہنے کے قائل ہیں ۵۶۵
سچی توبہ کرنے والے پر انعاماتِ الٰہیہ کے نزول کا ذکر ۶۰۳
آپ کے قول "جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو اس کی نماز کا ثواب مارا جاتا ہے" کا مفہوم ۲۶۹، ۴۵۹
آپ کے قول "فنا کے مقام پر انسان بسبب عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں" کا مطلب ۳۹۹
آپ نے بھی قصائد لکھے ہیں ۱۶۲
وہابیوں کے نزدیک آپ خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف نہیں ہوئے۔ ۲۳۸

پیران پیر کا ختم ۱۸۰
یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھنا جائز نہیں یہ توحید کے خلاف ہے۔ ۶۰۳

عبدالقادر لدھیانوی مولوی
رکوع و سجود میں قرآنی دعاؤں کے پڑھنے کے بارہ میں استفسار ۲۴۰

عبدالکریم مولوی سیالکوٹی ۱۱۱
مسیح موعود علیہ السلام سے عشق و محبت ۳۴۶
سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع شدہ غلط ریمارکس کا حضور کی خدمت میں ذکر کرنا ۴۹
کرم دین کا آپ کو مرحوم علی شاہ کے سرقہ سے مطلع کرنا ۵۸۵
رویا میں دیکھنا کہ مرزا سلطان احمد آئے ہوئے ہیں ۵۰

عبداللطیف شہزادہ شہید افغانستان رضی اللہ عنہ ۵۵۴
حضرت اقدس کا آپ کو اپنے بعض رویاء سنانا ۵۱
آپ کے شہید ہونے کی افواہ ۴۱۵
آپ کو بار بار موقعہ ملا کہ جان بچائیں مگر آپ نے یہی کہا کہ میں نے حق کو پا لیا ہے ۵۴۸
یہ اس قسم کی شہادت واقع ہوئی ہے کہ اس کی نظیر تیرہ سو سال میں ملنی مشکل ہے ۴۹۶
آپ کے ایمان کا مقام ۱۷
استقامت ۵۱۶، ۵۶۳
صبر و استقلال ۴۷۰
آپ کی شہادت اور استقامت کے فوائد ۵۱۴
آپ کی شہادت ایک عظیم الشان نشان ہے ۵۱۲
آپ کی شہادت مسیح موعود کی صداقت کی دلیل ہے ۵۸۳
عبداللطیف کے نمونہ کو ہمیشہ مدِ نظر رکھو ۴۹۰، ۵۱۱، ۵۱۷
شہادت سے پہلے آپ کے فرمان کہ میں چھ دن کے بعد زندہ ہو جاؤں گا کے معنی ۴۸۳
ان چودہ افراد کی تعریف جنہیں حکومت کابل

نے اس وجہ سے قید کیا کہ وہ صاحبزادہ صاحب کو مظلوم سمجھتے تھے ۴۹۷

عبداللہ سنوری
ایک رویاء کے سلسلہ میں آپ کا ذکر ۶۷

عبداللہ غزنوی
آپ کے الہامات ۴۱۷

عبداللہ چکڑالوی
منکرِ حدیث عبداللہ چکڑالوی کے عقائد کا رد ۴۱۳

عبیداللہ مولوی
ہندوؤں میں سے مسلمان ہونے والے متقی ۱۳۱

عثمان رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثالث)
دین کے لیے مالی قربانیاں ۳۵۹

عُزیر علیہ السلام
آپ کے واقعہ کے متعلق ایک تصریح ۴۸۲

عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ
آپ کے قبولِ اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رویاء کا پورا ہونا ۵۵۵

علی رضی اللہ عنہ (خلیفہ رابع) ۵۳۲، ۶۰۴
عباس میں پیوندوں کی کثرت ۳۶۹
آپ نے فرمایا کہ صبر اور صدق سے جب دعا انتہا کو پہنچتی ہے تو وہ قبول ہو جاتی ہے ۲۵
کسی بھی شخص کو نماز سے روکنے کے بارہ میں آپ کا موقف ۲۶۴، ۲۷۲
اگر قرآن محرف ہوتا تو آپ اپنی خلافت کے دور میں اس کو درست کر دیتے ۲۸۳
آپ کے مقام میں غلو کرنے والے آپ کے پیچھے متبع نہیں ہیں ۵۳۵
خوارج کا بیباضیہ فرقہ آپ کو مرتد کہتا ہے ۵۲۸

عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۱۱۷، ۳۷۸، ۹۳، ۶۰۴
آنحضرت کی تحریک پر نصف اموال خدا کی راہ میں پیش کر دینا ۳۵۹، ۳۶۱
اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے غضب اور غصہ کا برمحل استعمال ۱۹۸
جنگوں میں آپ کا بچایا جانا ایک اعجاز ہے اور شہید نہ ہونے کی حکمت ۳۲۹، ۳۶۲
عالمِ رؤیا میں آپ کا وجود ظلی طور پر آنحضرت کا وجود قرار دیا گیا۔ ۴۷۷
اسلامی ترقیات کا زمانہ ۲۶۰
آپ کے کارناموں کا راستہ حضرت ابوبکرؓ نے صاف کیا تھا ۶۲۲
آپ کے وجود میں آنحضرت کے متعلق پیشگوئی کا پورا ہونا (قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیوں کے بارہ میں) ۴۷۷
آپ کے ہاتھ میں تورات کا ورق دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناراض ہونا ۲۸۲
آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ سے ہی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہوا ۵۸۸
ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ آپ کو بہت عزیز تھے ۵۹۴
ایک شخص کو مسجد میں شعر پڑھنے سے روکنا ۱۹۲
آپ کا فرمانا کہ میں ایک بڑھیا کے لیے کتاب اللہ کو ترک نہیں کر سکتا ۵۲۰

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ
آپ کو پہلا مجدد تسلیم کیا گیا ہے ۳۸۵

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ۷۷، ۱۸۳، ۳۵۸، ۵۴۳

مقام

خارقِ عادت پیدائش ۳۵۶
بن باپ پیدائش کی قرآنی دلیل ۳۸۰
آپ صاحبِ شریعت نہ تھے تورات پر آپ کا عمل تھا ۲۰۹
آپ پر سلسلہ موسوی ختم ہوا ۵۴۱
عیسائی حضرت عیسیٰ کو خاتم نبوت کہتے ہیں ۵۲
آپ کے دعویٰ پر یہود کا ابتلاء ۲۷۷، ۲۹۷، ۵۴۰
آپ کو قید کیا گیا اور اذیتیں دی گئیں ۵۸۶
آپ کے وقت میں یہود نے جلدی کی اور انکار کر بیٹھے ۷۴
ایک عاجز انسان جو یہودیوں کے ہاتھ سے سولی پر چڑھایا گیا تھا ۱۲۵
آپ کے دشمنوں کا ذلیل و خوار ہونا ۴۶۹
آپ کے ہمعصر چھوٹے مدعیان کی کسی نے مخالفت نہیں کی ۹۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے موازنہ ۳۶۵، ۵۲۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر آپ کے اخلاق ۱۴۸
کَلِمَۃُ اللّٰہ کی حقیقت ۱۱۸، ۲۷۱
رُوْحٌ مِّنْہُ کے مقام کی حقیقت ۲۷۰
رُوح القدس سے تائید یافتہ ہونا آپ کی ہی خصوصیت نہیں ہے ۳۰۹
آپ اور آپکی والدہ کا مسِ شیطان سے پاک قرار دئے جانے کی وجہ ۱۹۹، ۲۷۰، ۶۲۵
آپ کے معجزات خلقِ طیر اور احیاء موتیٰ کی حقیقت ۲۷۳، ۴۸۲
آپ کے معجزات میں قوتِ قدسیہ کا رنگ ۳۰۸
آپ کو باقی نبیوں سے مخالف معجزات دیئے گئے ۷۸
آپ کے معجزات ماننے کی آج کے انسان کے پاس کوئی دلیل نہیں ۶۵۰
اس اعتراض کا جواب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت عیسیٰؑ کی توہین کرتے ہیں ۲۱۲، ۵۳۰

رفعِ الوہیت

ایک عاجز ابنِ آدم کو خدا بنایا جا رہا ہے ۵۷۶
آپ کی حد سے زیادہ تعریف کی گئی اور اب اس کا ردِ خود بخود عیاں ہو رہا ہے ۲۰۰
رفعِ الوہیتِ مسیح ۴۰۳، ۵۸۴

اناجیل اور عیسیٰ علیہ السلام

اناجیل میں آپ کا مقام ۵۲۳
اناجیل کی رُو سے آپ کی کوششوں کے نتائج ۲۱۰، ۳۶۴
مامور ہونے سے پہلے یوسف نجار کے ساتھ بڑھئی کا کام کرتے رہے ۳۹۱
آپ کے پانچ بھائی اور دو بہنیں تھیں ۴۳۶
آپ کے بھائی کی ہلاکت ۱۶۲
جاہلوں سے بھاگنے کا واقعہ ۵۷۸
نشان طلب کرنے والوں کو آپ کا

حرامکار کہنا ۴۸۸ ، ۶۴۹

آپ کے حواریوں کی بے وفائی ۴۴ ، ۵۲۵

لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ماننے والوں میں سے پانچ سو آدمی مُرتد ہو گئے تھے ۲۱۱

اناجیل میں آپکی موت کے بعد کے حالات کا مذکور ہونا ان کے محرّف ہونیکی دلیل ہے ۳۱۱

مُسلمان اور عیسیٰ علیہ السلام

خدائی صفات میں شریک کرنا ۲۰ ، ۶۲۹

آپ میں جو خصوصیات مانی جاتی ہیں وُہ ایک قسم کا باریک شرک ہے ۲۹۴

مُسلمانوں کا آپ کو بعض خصوصیات دینا ۵۸۷

آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی جاتی ہے ۲۰۸

آنحضرت کے مقابل پر آپ کی زیادہ تعریف کی جاتی ہے ۲۱۰

آپ کی زندگی کے اعلان سے مُسلمان خوش ہوتے ہیں ۲۰۷

رفع اور نزول

آپ کے ظہور کے متعلق دو قسم کی پیشگوئیاں ۴۷۵

آسمان سے ان کے نزول کے منتظر ۵۵۷

آپ کے آسمان پر جانے کی کوئی دلیل نہیں ۴۲۳

آپ کے نزول اور آمدِ ثانی کی حقیقت ۲۹۵

آیت خاتم النبیین آپ کے دوبارہ نہ آنے کی زبردست دلیل ہے ۹۶

اگر آپ اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کے لیے آئیں تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے ۲۸۲ ، ۳۱۸

اسرائیلی مسیح اور مسیح موعود کے خیالوں میں فرق ۵۴۹

وفاتِ مسیح

وفاتِ مسیح کا مسئلہ ۳۲۷

وفاتِ مسیح کے دلائل ۲۹۶ ، ۵۴۹ ، ۵۸۴ ، ۶۲۵

عدم رجوعِ موتیٰ ۵۹۹

قرآن شریف میں لکھا ہے کہ آپ وفات پاگئے ہیں ۱۹ ، ۸۹ ، ۴۲۲

معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مُردوں میں شامل دیکھا تھا ۳۱۷ ، ۵۸۲ ، ۵۸۷ ، ۵۹۹

وفاتِ مسیح کے بارے میں بخاری اور مسلم کی تائید ۱۸

اس اعتراض کا جواب کہ سوا اعظم حیاتِ مسیح کا قائل ہے ۵۴۸

وفاتِ مسیح اکثر اکابرین اُمّت اور صحابہ کا مذہب ہے ۲۷۳

واقعہ صلیب سے پہلے ساری رات دُعا کرنے کی وجہ ۲۴۱

صلیب سے بچنے کی آپ کی مُضطربانہ دعا سُنی گئی اور آپ بچائے گئے ۲۴۲ ، ۳۹۸ ، ۵۹۲

آپ مرکر کشمیر سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہیں ۲۱۲ ، ۳۶۶

اس عقیدہ کا رڈ کہ آپ کے کسی ہم شکل کو صلیب دی گئی تھی ۴۵۰

آپ کی وفات کی ہوا چل پڑی ہے یورپ اور امریکہ والوں کے دلوں میں بھی یہ بات ڈالی گئی ہے ۱۶۳

عقیدہ حیاتِ مسیح

حیاتِ مسیح کا عقیدہ تیسری صدی کے بعد مسلمانوں میں آیا ۵۸۸

اس اعتراض کا جواب کہ مسیح موعود علیہ السلام پہلے حیاتِ مسیح کا عقیدہ کیوں رکھتے تھے ۳۹۱

عقیدہ حیاتِ مسیح کے نقصانات ۱۸ ، ۲۳ ، ۲۱۱

غ

غلام احمد قادیانی مرزا مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

دعویٰ اور مقام

مقامِ ماموریت ۳۵۶

ہمارا دعویٰ مسیح موعود کا ہے ۲۵۸

خدا تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے عین ضرورت کے وقت مجھے مسیح موعود کر کے بھیجا ۳۲۸

مسیح موعود نام رکھا جانے کی حکمت ۵۲۸

براہین میں میرا نام عیسیٰ رکھا گیا ۳۹۱

اللہ تعالیٰ نے میرے نام آدم ، ابراہیم ، نوح اور موسیٰ رکھے ۲۵۵

نوح سے مشابہت ۵۶۰

سُورۃ نور کے وعدہ کا آپ کی ذات میں پورا ہونا ۲۰۹

یہ میرا کام نہیں ہے یہ خلافتِ الٰہی ہے ۵۳۸

موسیٰ کے تمام خلفاء کا جامع ۲۵۵

ہمارا دعویٰ اُمتِ مہدی کا ہے جس کی نسبت کوئی شک نہیں ۶۲۸

بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيْدِيْ کا مقام ۲۰۲

مقامِ نبوت ۲۵۳

آپ کے مقامِ نبوت کی تشریح ۴۹۸

اُمت میں نبوت کے مسئلہ میں ابنِ عربی اور آپ کے موقف میں فرق ۲۵۴

اپنی نبوت کے اقرار اور انکار کی وضاحت ۲۷۵

ہمارا اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کتاب قرآن کے سوا اور طریق سنت کے سوا نہیں ۱۲۸

عیسیٰ سے افضل ہونے کے دعویٰ کے بارہ میں آپ کی وضاحت ۵۳۰

اس اعتراض کا جواب کہ آپ پہلے مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کا عقیدہ کیوں رکھتے تھے ۳۹۱

بعثت کا مقصد

بعثت و ماموریت کا مقصد ۸۳ ، ۱۴۸ ، ۴۶۶ ، ۵۲۳ ، ۵۲۸

ہمارا بڑا کام یہ ہے کہ دکھاویں کہ خدا ہے ۴۹۵

ہم بھی تو اس کے دین اور اس کے گھر یعنی خانہ کعبہ کی حفاظت کے واسطے آئے ہیں ۱۲۲

خدا تعالیٰ نے مجھے اسی لیے مامور کیا ہے کہ تقویٰ پیدا ہو ۱۰۰

ہمارا سب سے بڑا کام تو کسرِ صلیب ہے ۱۹۱

یہ میرے ہاتھ پر متقدر ہے کہ میں دنیا کو اس عقیدہ (عیسائیت) سے رہائی دوں ۶۴۶

جس کام کے لیے اس نے مجھے مقرر کیا ہے

اس کے سبب حال جوش اور سوزش میرے سینہ میں پیدا کر دی ہے ۳۶ ۶ ۰

وحیٔ وحی والہام

وحی والہام اور ماموریت کا دعویٰ ۳۵۶

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں خدا سے وحی پاتا ہوں ۵۴۵

اپنے الہامات پر یقین ۴۱۱

مجھے ہر ایک امر بذریعہ وحی والہام بتلایا جاتا ہے ۱۲۹

اگر کسی بات میں شر ہو تو یہ عادت اللہ نہیں کہ وہ مجھے اطلاع نہ دے ۴۱۵

میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں ۴۵۰، ۵۸۵

خدا تعالیٰ نے (جنت و جہنم) کے دروازوں کا علم مجھے دیا ہے ۳۸۷

اللہ تعالیٰ اپنے ادب سے میری تادیب فرماتا ہے۔ ۳۵۶

میں کوئی بات نہیں کرتا جب تک خدا تعالیٰ اجازت نہ دے ۱۲۱

عالم الغیب ہونے سے انکار ۴۱۶

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اذن الٰہی کے بغیر رویا یا الہام کے صادق کا نام نہ بتانا ۱۶۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی الہامات کی کثرت کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے ۲۶۹

میرے الہام میں بھی مجھے آدم کہا گیا ہے ۲۵۳

وہی الہام جو کشتی کا نوح کو ہوا تھا، یہاں بھی ہوا ہے ۵۶۰

فوج در فوج لوگوں کے ساتھ ہونے کے الہامات چار زبانوں میں ہوئے ۴۹۱

کتاب الہامات المومنین کے متعلق (انجمن حمایت اسلام لاہور) کے میموریل بھیجنے سے پہلے مجھے الہام ہو چکا تھا کہ یہ میموریل بھیجنا بے فائدہ ہے ۸۷

آپ کی عمر کے بارہ میں الہامات و رویاء ۵۸۳،۵۳۷

عربی الہامات (بترتیب حروف تہجی)

(ا) اِبْدَاءُ ۱۶۶

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَكَمُلَتْ عَلَيْهِمَاتُ رَبِّكَ وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۶۷

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۵۶۳

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ۲۲۳، ۳۹۱

اِسْمَعْ صَوْتَ فَرْخِيْ يَا مِرْزَا ۵۱

اَفَاَنْتَ اٰيَاتٍ ۴۸

اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَوْلُوْا مِنْ اِسْتِكْبَارٍ ۴۵۳

اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْاٰنِ ۶۲۵

اَلْفِتْنَةُ وَالصَّدَقَاتُ ۳۸۴

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۴۶

اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۲۹۵

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَآءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۶۳۶

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۱

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ عِبَادِهٖ يُرِيْكَ ۶۱، ۶۲

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۳۰۲

اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيْدِيْ ۲۰۲

اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ عَرْشِيْ ۶۳۳

اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ ۱۲۲، ۱

اِنِّيْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ اِلَّا الَّذِيْنَ عَلَوْا بِاسْتِكْبَارٍ ۱۵۳، ۳۰۳

اِنِّيْ جِئْتُ الرَّحْمٰنِ ۴۸۲

(ب)

بَلِيَّةٌ مَّا لِيَةٌ ۶۷

(ت)

تَرٰى نَصْرًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۵۸۶

تَفْصِيْلُ مَا مَنَعَ اللّٰهُ فِيْ هٰذَا النَّاسِ بَعْدَ مَا اَشْغَلَهٗ فِي النَّاسِ ۴۸

(ج)

جَرِيُ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَآءِ ۲۵۵

(ح)

حُجَّةُ اللّٰهِ ۱۱۷

(د)

دُعَاءُكَ مُسْتَجَابٌ ۱۶۶

(ر)

رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۲۴۹

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ ۳۲۶، ۳

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۴۹۱

(س)

سَاُكْرِمُكَ اِكْرَامًا عَجَبًا ۵۷، ۶۲

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ ۴۲۶

سَلِيْمٌ حَامِدٌ مُّسْتَبْشِرٌ ۳۳۲

(ش)

شَاْتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۱۲، ۵۵۴

(ع)

عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۵۵۴

عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۵۱۳، ۵۱۴

(غ)

غَابِقُ اللّٰهِ ۵۵

(ف)

فَكَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ ۶۵۱

فِيْ جِفَاظَةِ اللّٰهِ ۴۲۶

فِيْهِ خِيْرٌ وَّبَرَكَةٌ ۲۸۰

(ق)

قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۲۸۳

قُلْنَا يَا اَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ ۲۷۸

(ك)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۵۱۲

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ۵، ۲۹۱

(ل)

لَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۲۹۲

لَا یَمُوْتُ اَحَدٌ مِنْ رِجَالِکُمْ ۶۶

لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصَارٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ۵۵۴

لَنُفْتِنَھُمْ فِیْہِ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ ۱۹۴

لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکَ الْاِنْعَامُ ۲۶۶

(م)

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ ۲۶۶

(ھ)

ھُوَ شِفَنَا ۲۸۳

(و)

وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا ۲۲۴

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ ۲۴۵

وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ۳۳۱، ۳۹۰، ۵۳۶

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۶۶، ۴۸۰

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُزِلَّکَ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ۵۶۰

(ی)

یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ ۲۷۲

یَا حَفِیْظُ یَا عَزِیْزُ یَا رَفِیْقُ ۳۲۷

یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانًا ۸۵، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۸۳

یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَّیَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۱۲، ۵۳۲، ۶۵۲

یَاْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰی ۶۶

یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ ۶۰، ۶۶

اُردو و فارسی اور دُوسری زبانوں کے الہامات

انگریزی، عربی، اُردو اور عبرانی میں الہامات کا ہونا ۱۳

جرمانی زبان میں آپ کا ایک الہام ۲۸۳

آثارِ صحت ۲۸۵

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے ۶۵، ۴۸۰

استقامت میں فرق آگیا ۱۹۴

ایک زمانہ آئے گا کہ تیری مخالفت ہوگی مگر مَیں تجھے بڑھاؤں گا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے ۸۴

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے ۳۰۸، ۳۵۸، ۴۸۹

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسے قبول نہ کیا ۴۵

زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے ہیں ۶۲۹

مجموعہ فتوحات ۳۲۰

ہے کرشن جی رُودر گوپال ۴۴۴

امن است در مکانِ محبت سرائے ما ۶۳۴

خوش باش عاقبت نکو خواہد بود ۴۸۰

ہرچہ باید نو عروسے را ہماں ساماں کنم ۶۰۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رویاء

حضرت اقدس کے بعض رویاء ۵۱

ایک مقرب فرشتہ کو مَیں نے دیکھا جس نے مجھے ایک قوت کی چھڑی ماری پھر مَیں نے ۵۱

اُس کو دیکھا کہ کُرسی پر بیٹھ کر رونے لگا ۶۳۲

رویاء میں اپنے آپ کو موسیٰ کے طور پر دریائے نیل کے کنارے کھڑا دیکھنا ۴۰

اپنے آپ کو کرشن جی کے روپ میں دیکھنا ۴۴۴

سُرخی کے چھینٹوں والی رویاء کا ذکر ۵۱

زارِ روس کا سونٹا ہاتھ میں آنے کی رویاء ۴۶

خوارزم شاہ کی تیرکمان کا ہاتھ میں ہونا اور ایک شیر شکار کرنا ۴۶

رویاء میں سنہری چوغہ دیکھنا ۵۷

رویاء میں کوئی حضرت اقدس سے کہتا ہے کہ فتح ہوگئی ۳۲۰

ایک فرشتے کو سبز روشنائی سے لَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ کے الفاظ لکھتے دیکھنا ۲۹۲

ایک بھرپور خادم مغرب سے مشرق کی طرف جاتے دیکھنا ۲۴۴

خواب میں مُنہ سے فیتہ نکلنا (HAIR MAN) کے الفاظ نکلنا ۴۲۳

ایک وسیع میدان میں ایک مجذوب کو یہ شعر پڑھتے دیکھنا:

عشقِ الٰہی سے مُنہ پر ولیاں ایہہ نشانی ۲۸۸

ایک صاحب قبر کا زندہ ہو کر باہر آنا ۳۳۲

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کو گود میں دیکھنا ۲۲۴

اپنے آپ کو جہلم میں دیکھنا ۵۷

حضرت اقدس کی عمر کے بارہ میں ایک رویاء کا ذکر ۵۳۷، ۵۳۸

ایک قلم دیکھنا جس کی زبان ٹوٹی ہوئی ہے ۴۳۰

حنائی رنگ کا ایک کاغذ اڑتے ہوئے دیکھنا ۱۹۴

دو آدمیوں کو پستول لیے کھڑے دیکھنا ۴۲۶

خواب میں تین پھل دیکھنا ۳۸۲

ایک خوان میں فرنی اور فالودہ دیکھنا ۴۱۲

رویاء میں دیکھنا کہ مولوی محمد احسن صاحب جانفشل اور سپاری یا سونٹھ پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ کھانسی کا علاج ہے ۵۰

رویاء میں دیکھنا کہ دشمنوں نے آپ کے باغ کو پامال کرنا چاہا ہے اور پھر دیکھا کہ ان کے سر اور ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہیں ۲۶۳

ایک بلی کو رویاء میں دیکھنا اور فرمانا آؤ اسے پھانسی دیں ۴۱۹

دیکھا کہ ایک بڑا زلزلہ آیا مگر اس سے کسی خاص وغیرہ کا نقصان نہیں ہوا ۴۶

طاعون کے بارہ میں ایک رویاء ۱۴۲

ہاتھی والی رویاء (طاعون کے بارہ میں) ۶۳۵

ایک وحشتناک رویاء ۲۸۱

ایک وحشتناک شخص کے ہاتھ میں چھُرا دیکھنا ۱۹۴

دو سنڈھوں کے سر ہاتھوں میں دیکھنا ۱۴۱

اپنی جماعت کے ایک شخص کو گھوڑے سے گرتے دیکھنا ۱۹۴

مرزا خدا بخش کے کُرتہ کے دامن پر لہو کے داغ دیکھنا ۶۷

دلائلِ صداقت

صداقت کے دلائل ۸۹، ۲۳۴، ۲۷۴، ۳۹۰، ۴۸۷، ۴۹۱، ۵۳۲، ۵۳۵، ۵۴۳

اثباتِ صداقت کے تین طریق ۲۹۳
صداقت کے تین معیاروں پر پورا اترنا ۷۶
منہاجِ نبوت کے تینوں معیار میرے ساتھ
ہیں اور میرے انکار کی کوئی دلیل نہیں ۵۴۵
خدا تعالیٰ کی جناب سے آپ کی صداقت معلوم
کرنے کا طریق ۹۲
بعض اولیاء اُمت نے میرا نام لیکر پیشگوئی
کی ہے اور بعض نے الفاظ میں کی ہے ۵۴۲
پیشگوئیوں میں آپ کا نام چراغ دین آپ
کی تاریخ پیدائش (۱۲۶۸ھ) کی طرف
اشارہ ہے ۵۴۳
آپ کی تائید میں ایک شخص کی رویاء ۴۲
آپ کے بارہ میں پیشگوئیوں کے سمجھنے
میں قوم کا رویہ ۴۷۷
براہین میں مندرج پیشگوئیوں کا پورا
ہو کر آپ کی صداقت کی دلیل بننا ۸۴،
۴۹۱، ۶۵۱
وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ زور آور حملوں سے
آپ کی سچائی ظاہر کرتا رہا ۱۱۰، ۳۲۷
من جانب اللہ ہونے کا ثبوت ۵۱۳
معجزانہ حفاظت ۴۸۰
زبیر قریخ کی بیماری سے خارق عادت
شفایابی ۶۳۶
قادیان میں غیر معروف تھے لیکن پھر امام الہٰی
کے مطابق ساری دُنیا میں آپ مشہور ہو گئے ۶۵۱
اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کشش ۳۴۵، ۲۷۷
کپڑوں میں برکت ۳۵۸
معجزہ نمائی کا دعویٰ ۴۸۲
خدا تعالیٰ نے ہمیں مبعوث کیا ہے نہ قرآن کریم
میں جسقدر معجزات اور خوارق انبیاء کے
مذکور ہوئے ہیں انکو خود دکھا کر قرآن کی
حقانیت ثابت کریں ۴۷۹
اس کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی چالیس دن میرے
پاس رہے تو وہ ضرور کوئی نشان دیکھ لے گا ۵۳۲
عربی میں فصاحت کا دعویٰ ۷۷
عربی زبان میں مثل لانے کی تحدی ۲۷۰
آپ کے نشانات منہاج نبوت پر ہیں ۶۵۰
نشان طلب کرنے والوں کے لیے وضاحت ۶۴۳
آپ کی تائید میں کسوف وخسوف کے
نشان کا ظہور ۵۴۳
پچیس سال سے زائد عرصہ کی مہلت آپ
کی صداقت کی دلیل ہے ۶۴۵
اگر ہم مفتری ہوتے تو آج تک تباہ اور
ہلاک ہو جاتے ۴۷، ۳۲۰
تائید میں ڈھیروں نشانات ۷۷، ۶۴۳
نشاناتِ صداقت ۵۱۲، ۶۵۲
لیکھرام کی ہلاکت کا نشان ۸۵
مقدمہ کرم دین میں فتح یابی ۵۸۵
مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے
طاعون آنے کی نقص صریح ۲۵۸

اپنی صداقت پر یقین کامل

اپنے مقام کے بارہ میں یقین کامل ۵۳۱
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں صادق ہوں
اور اسی کی طرف سے آیا ہوں ۶۵۲
وُہ بہتر جانتا ہے کہ میں اسی کی طرف سے ہوں ۸۸
میرا یہ حال ہے کہ اگر مجھے جلتی آگ میں بھی
ڈالا جائے تو بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ ضائع
نہ ہوں گا ۱۳۳
ہم جو کام کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور
اس کی اجازت اور اس کے اشارہ سے
کرتے ہیں ۱۱۴

سیرت وشمائل

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی پر پختہ ایمان ۵۵۲
میں تو خدا کو خوشنود کرنا چاہتا ہوں نہ کہ
لوگوں کو ۸۴
ہمیں تو بہشت کی ضرورت ہے نہ کسی اور شے
کی (ہم تو چاہتے ہیں کہ الٰہی تجلیات ظاہر ہوں) ۶۳۶
ہمیں کسی وکیل کی ضرورت نہیں ایک ہی ہمارا
وکیل ہے ۴۶
مقدمہ جہلم کے بارہ میں فرمایا اُفَوِّضُ اَمْرِیْ

اِلَی اللّٰہِ ۴۷
میرا تو اعتقاد ہے کہ آدمی باخدا اور سچا متقی
ہو تو اُس کی سات پُشت تک بھی خدا رحمت
اور برکت کا ہاتھ رکھتا ہے ۱۸۲
حضور کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے خدا تعالیٰ
کی طرف سے غیر معمولی اسباب ۴۱۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیرت
ہمیں خود خواہش رہی ہے کہ کوئی خوش الحان
حافظ ہو تو قرآن سُنیں ۱۶۲
میں جو کبھی اپنے فرزندوں کا ذکر کرتا ہوں تو
صرف اس لیے کہ ان کا ذکر پیشگوئیوں میں آ
گیا ہوا ہے اور نہ مجھے اس بات کی کچھ آرزو
اور ہوس نہیں ہوتی ۱۳۴
نماز باجماعت کا التزام ۳۷۶، ۴۱۲
نماز میں خود امامت نہ کرانے کی وجہ ۴۴۴
للہ صبر ۴۱۳
ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے صبر کے واسطے
مامور کیے گئے ہیں ۲۲۱
ایک آریہ کی گستاخی اور حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کا حلم ۱۱۶
ہمارا طریق نرمی ہے ۱۰۳
آپ کی مجلس میں حاضر مخلصین کی نرمی اور
تہذیب ۱۱۶
ہمارے ہاتھ میں اگر کسی کی خیر خواہی ہے تو
صرف دُعا ہے ۱۳۲
دستِ مبارک اُٹھا کر دُعا فرمانا ۳۷
نیا چاند دیکھنے پر دُعا فرمانا ۳۲۳
حقیقتِ دُعا کے موضوع پر کتاب لکھنی
شروع فرمانا ۱۶۱
اہلِ خانہ سے حُسنِ معاشرت ۱۱۸
مہمان نوازی کا اہتمام ۲۹۲
دوستوں کی جدائی پر قلق کا محسوس فرمانا ۱۳۲
آپ کے پسندیدہ انسان کے خصائص ۳۷۱
فطرت کی سادگی ۳۴۷
خوراک میں سادگی ۲۰۰

انکساری اور گمنامی کی زندگی کو پسند فرمانا ۹
خاکساری کا ایک واقعہ ۵۵
دشمن کی آبروداری ۵۹
دیانتدارانہ رائے ۵۱۵
تجربہ کرنے کی عادت ۵۵۳
فراغت میرے واسطے مرض ہے ایک دن بھی فارغ رہوں تو بے چین ہو جاتا ہوں ۱۸۱
دل یہی کرتا ہے کہ ساری ساری رات کام کئے جائیں۔ ہماری تو قریباً تمام کتابیں امراض اور عوارض میں ہی لکھی گئی ہیں ۱۱۲
اُردو زبان میں پنجابی الفاظ کا استعمال ۱۱۱
چھوٹے چھوٹے عذرات کی بناء پر طلاق دینے والوں پر اظہارِ ناراضگی ۳۴۵
۱۹۰۴ء میں آپ کی عمر ۶۵ یا ۶۶ سال تھی ۵۳۸
آپ کے عوارض میں الٰہی حکمتیں ۵۵۶
کھانسی کی شدت ۵۶۲
تیس سالوں کی عمر میں بالوں کا سفید ہونا ۳۴
۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز جمعہ دُعا کے ساتھ منارۃ المسیح کا سنگِ بنیاد رکھنا ۱۵۵
میرے ایک استاد بھی شیعہ تھے ۵۳۳

جوشِ تبلیغ

شوقِ تبلیغ ۶۲
اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قیام اور دُنیا کو شرک سے نجات دینے کا جوش ۴۰۳
قرآن کی تائید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم کرنے کے نتیجہ میں آپ کیلئے کافر و دجّال کے خطابات ۴۲۴
مَیں سچ کہتا ہوں کہ میرے لیے اگر کوئی غم ہے تو یہی ہے کہ نوعِ انسان کو اس ظلمتِ صریح سے بچاؤں کہ وہ ایک عاجز انسان کو خُدا بنانے میں مبتلا ہو رہی ہے ۶۴۶
کسرِ صلیب کے لیے جس قدر جوش خدا نے مجھے دیا ہے اس کا کبھی دوسرے کو علم نہیں ہو سکتا۔ ۸۳، ۸۴

بڑے شہروں میں جا کر اتمامِ حجت کرنے کا ارادہ ۵۵۱
تلاشِ حق کے لیے اگر کوئی لندن سے بھی چل کر آئے تو ہم اس کا کرایہ دینے کو تیار ہیں ۴۲۹
ہر زوار کو اپنی صحبت میں طویل عرصہ قیام کی تلقین ۱۲۷، ۴۰۸

شوقِ تبلیغ

ہمارا فرض ہے کہ ذیل سے ذلیل مذہب والوں کو بھی ان کے چیلنج کے وقت رد نہ کریں ۴۴۰
گل محمد عیسائی کے اصرار پر اس کو حضور کا ایک تحریر دینا ۴۴۰

مخالفین کو نصائح

مخالفین کے لیے ایک شریفانہ پیشکش ۵۴
سلیم دل کے ساتھ اپنی کتابیں پڑھنے کی دعوت ۶۴۴
مُسلمانوں کو چاہیے تھا کہ وہ تقویٰ سے دعویٰ کو پرکھتے اور انکار میں جلدی نہ کرتے ۷۴
علماء کی طرف سے مخالفت کی وجہ ۱۲۹
ہمیں اللہ تعالیٰ نے زبانی مباحثات سے روک دیا ہوا ہے ۱۱۴
مذہبی مباحثات ترک کرنے کی وجہ ۱۲۰
خدا تعالیٰ سے مذہبی مباحثات چھوڑنے کا عہد ۱۲۲

اعتراضات اور ان کے جوابات

حج نہ کرنے کے اعتراض کا جواب ۲۸۰
ایک آریہ کے اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے بعض جگہ گالیاں دی ہیں ۱۱۹
اس اعتراض کا جواب کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں ۲۱۲
بھلا وہ ایک اعتراض تو کر کے دکھلا دیں جو سابقہ انبیاء میں سے کبھی پڑا ہو ۵۴۷
اِس اعتراض کا جواب کہ آپ اپنے آپ کو مقرب اور برگزیدہ قرار دیتے ہیں ۵۴۶
انبیاء و رُسل اور صلحاءِ اُمّت کی تحقیر کرنے سے انکار ۵۳۰
امام حسینؓ سے افضلیت کے اعتراض کا جواب ۵۳۱
آپ پر قاف کا صحیح تلفظ ادا نہ کرنے کا اعتراض ۷۸
خاکساری اور برداشت کا نمونہ ۷۸
آپ پر اعتراض کہ آپ نے آریوں اور عیسائیوں کو دشمن بنا لیا ہے ۹۸

غلام قادر مرزا برادر حضرت مسیح موعود علیہ السلام
مقدمات میں ناکامی کی بناء پر صحت کی خرابی ۳۵

ف

فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۴۹، ۳۴۸ و ۵۲۸
آپ اور حسنین رضی اللہ عنہم اہلِ بیت میں شامل ہیں ۲۲۴
آنحضرت کا آپ سے فرمانا کہ خدا تعالیٰ فاطمہ نہیں پوچھے گا بلکہ عمل ہی کام آئے گا ۳۷۰

فرعون ۲۵۱
فرعون کا ایمان ۴۸۶
غرقابی ۳۵۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رویا میں دیکھنا کہ فرعون اور اس کا لشکر آپکا تعاقب کر رہا ہے ۴۰

فرید (بابا) رحمۃ اللہ علیہ
دُعا کرانے کے سلسلہ میں آپ کا ایک واقعہ ۳۹

فضل الٰہی شیخ سوداگر راولپنڈی
بیعت ۴۷۱

فضل الٰہی لاہوری حکیم
منارۃ المسیح کے سنگِ بنیاد کے موقعہ پر دُعا میں شمولیت ۱۵۵

فضل الرحمٰن مفتی
حضرتِ اقدس کے بعض ملفوظات کا ریکارڈ فرمانا ۴۳۰

ق

قطب الدین (اولیاء) رحمۃ اللہ علیہ
عزلت کی وجہ ۲۲۰

ک

کاشی رام دید لاہور
حضرتِ اقدس کی زیارت کے لیے لاہور سے تشریف لانے جھنڈ کی ان سے گفتگو ۱۲۰

کبیر بھگت
فروتنی و عاجزی کے بارہ میں آپکا ایک شعر ۳۱۴

کرشن علیہ السلام
آپ اپنے زمانہ کے نبی ہوں گے ۱۴۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رویا میں اپنے آپ کو کرشن کے طور پر دیکھنا ۴۴۴

کرم دین جہلمی
مولوی عبدالکریم صاحب کو مہر علی شاہ کے مرتد کے بارے میں خط سے مطلع کرنا اور بعد میں ان خطوط سے انکار ۵۸۵
مواہب الرحمٰن کی بنیاد پر حضورؑ کے خلاف ایک اور مقدمہ دائر کرنا ۶۱
مولوی کرم دین جہلمی کے دائر کردہ مقدمہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جہلم تشریف لانا ۶
مقدمہ کرم دین کے بارہ میں الہامات ۴۸
کرم دین کو بتایا گیا تھا کہ اس کے مقدمہ کا کیا انجام ہوگا ۴۰
دوبارہ مقدمہ کا ارادہ ۶۰

کریم بخش ساکن جمال پور ضلع لدھیانہ
گلاب شاہ مجذوب کا آپ کو مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کے بارہ میں اطلاع دینا ۵۴۲

کسریٰ
آنحضرت کی گرفتاری کا حکم دے کر عمداً قتل ہو جانا ۵۸۷

کشن چند بھنڈاری ساکن بٹالہ ۳۴

کمال الدین خواجہ
ایک آسٹریلوی نومسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان ترجمان کے فرائض ادا کرنا ۴۴۵

گ

گلاب شاہ مجذوب (لدھیانہ)
مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی فرمانا ۵۴۲

گلزار خان خانصاحب
بیعت ۵۸۷

گل محمد
بٹوں صوبہ سرحد کا ایک فدوی عیسائی جو حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے قادیان آیا تھا ۴۰۸، ۴۴۸
گل محمد عیسائی سے ایک عہد نامہ ۴۰۹
حضرت اقدس سے ایک تحریر لینے کا اصرار ۴۴۰

ل

لیکھرام پنڈت آریہ پرچارک
دشمنِ اسلام - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا اور پھر اس کا عبرتناک انجام ۵۱، ۸۴
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لیکھرام کی پیشگوئی کا غلط ثابت ہونا ۸۵
لیکھرام نے چونکہ اُردو میں کتابیں لکھیں اس لیے اس کی خبر سب کو ہوئی ۱۵۸
اسلام اور احمدیت کی سچائی پر لیکھرام کا نشان ۶۵۰
نشانۂ عذاب بننے کی وجہ ۴۲۱
آریوں کو لیکھرام کے قتل کا دن ۶ر ماہ پرچ کو منانا چاہیے ۱۰۹
خدا کی باتوں پر ہنسی اور تمسخر کرنے والے لیکھرامی لوگوں کا انجام ۴۸۸
لیکھرام کے مقدمہ کی مثال ۵۶

م

مبارک احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
آپ کی حیات اعجازی تھی ۲۶۰
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رویا میں آپ کا تذکرہ ۲۲۴

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۷، ۷۸، ۱۸۳، ۵۳۲، ۵۹۹، ۶۳۱

مقام
احمد کے معنی ۳۶۴
سرورِ کائنات فخر الاولین والآخرین اشرف الخلق ۲۱۰
سورۃ فاتحہ میں مذکور چار صفاتِ الٰہی کے مظہر ۳۸۱
رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ اور مجموعہ کمالات انسانی ۳۵، ۳۸۰
رَاضِيَةٌ مَّرْضِيَّةٌ کے حقیقی مصداق ۳۷۷
آپ کا زمانہ لیلۃ القدر تھا ۳۹۳
مجدد - مصلح اور پاک رسول ۵۷۶
حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹
تمام انبیاء پر فضیلت ۲۰۷
مقام خاتم النبیین کی حقیقت ۹۵، ۲۳۸
آپ تمام انبیاء کے کمالاتِ متفرقہ اور فضائلِ مختلفہ کے جامع تھے ۹۵
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ۲۰۸
آپ اپنے وجودِ پاک میں تمام انبیاء علیہم السلام کے جامع تھے ۳۲۵
دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپ کا کام بدرجہا اشکل تھا ۱۳۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فضیلت ۹۳
مثیلِ موسیٰ کہلانے کی حکمت ۲۵۱، ۵۴۱
موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں ۵۳۱
آپ کا فرمانا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اطاعت کرتے ۲۸۲
موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے کامیابیوں میں موازنہ ۵۲۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ موازنہ ۳۶۵
آپ کا مقام خاتم النبیین حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے میں روک ہے ۹۶
أَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَأَحْسَنَ أَدَبِيْ ۹۴
آپ کو تمام نبیوں کی اقتداء کرنے کا کوئی حکم ۹۵
اہل مکہ تسلیم تھا کہ آپ مسِ شیطان سے پاک ہیں اسی لیے انہوں نے آپ کا نام امین رکھا ہوا تھا ۲۷۱
خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ کا جلال و بروز ظاہر ہو اور آپ کے ہم اعظم کی تبلیغ دنیا میں پھیلے ۲۳
اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ آپ پر درود

بھیجتے ہیں ۹

مجھے بھیجا گیا ہے کہ میں آپ کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں ۹

عقیدہ حیاتِ مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا باعث ہے ۱۹

آپؐ کے استغفار کی حقیقت ۶۳۲

آپؐ کو علمِ غیب حاصل نہیں تھا ۳۵۵

آپؐ کی صداقت کے دلائل ۷۶، ۳۶۶، ۳۹۰

کامیابی اور خوشی کی موت تمام نبیوں سے بڑھ کر آپؐ کی ہے ۳۶۴، ۳۶۹، ۵۲۶

نصرتِ الٰہی کا شاملِ حال رہنا ۳۱۸

آپؐ کی عصمت کا ایک بڑا ثبوت ۳۶۴

آپؐ کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اسلئے آپکے معجزات بھی سب سے بڑھے ہوئے ہیں ۱۹۶

آپؐ کے معجزات میں بھی یہ بات تھی کہ لوگ روبرو دیکھتے تھے اور بعض آپؐ کی جُود و سخا کو دیکھ کر ایمان لاتے ۳۳۴

آپؐ کے شاید تین سو معجزات ہوں گے ۴۸۳

آپؐ کی دُعائیں اور ان کی قبولیت ۵۲۴

بدر کے موقعہ پر اضطراب اور دُعا فرمانا: يَارَبِّ اِنْ اَهْلَكْتَ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِي الْاَرْضِ اَبَدًا ۱۳۳

آپؐ کی زندگی کے دو مقاصد ۳۰۸

برکاتِ محمدی

آپؐ کا وجود ظلی طور پر قیامت تک ہے ۳۸

آپؐ کے ہاتھوں سے پلایا جانے والا آبِ کوثر ۳۱۳

آپؐ خدا تعالیٰ کا واسطہ ہیں ۲۳۳

خدا کا محبوب بننے کے لیے صرف ایک ہی راہ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ۱۰۲، ۱۶۰، ۵۲۵

اُمت میں جو مرتبہ ملتا ہے آپؐ کی سچی اور کامل اتباع سے ملتا ہے ۴۹۸

آپؐ سے فیض پائے بغیر کوئی شخص شرفِ مکالمہ الٰہی حاصل نہیں کر سکتا ۹۵

جو شخص بلا توسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر خود بخود قرآن سمجھتا ہے تو ضرور دھوکہ کھائیگا ۴۱۳

آپ کی رُوحانی کشش کے نتیجہ میں صحابہ میں رُوحانی انقلاب ۴۲۸

اپنے تریاقی مادہ کے ذریعہ آپؐ کے ذریعہ سے ایک پاک جماعت کا قیام ۶۲۷

آپؐ کی قوتِ قدسیہ کے معجزات ۳۰۸، ۳۳۵، ۳۸۵

آپؐ کی قوتِ قدسی اور بے نظیر کامیابی ۵۲۵

آپؐ کی قوتِ قدسی کے کمالات ہر زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں ۵۲۶

آپؐ کی مجلس کی برکات ۴۵۵

مُوئے مبارک اور لباس کی برکات ۳۵۷

آپؐ کی بعثت، پیدائش اور وفات کا ذکر موجبِ ثواب ہے ۱۵۹

آپؐ کے فیوض حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ اس کے غلام بن جاؤ ۲۳۴

سیرت و شمائل

عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰى رَبِّهٖ ۵۲۴

خدا تعالیٰ کی بے نیازی پر ایمان ۵۵۲

عشقِ الٰہی اور وفا و صدق ۴۲۴، ۵۱۶، ۵۹۶

آپؐ کی زندگی کا بہت بڑا حصہ غم و الم میں گذرا ہے ۱۴۷، ۱۵۲

آپ پر مصائب آنے کی حکمت ۴۷۰

مقامِ صبر و رضا ۴۴۲

آپؐ کی زندگی ایک عملی کتاب ہے جو قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے ۳۴

قرآن شریف آپؐ کا خُلق ہے ۵۸۷

آپؐ صحیح اخلاق کے متمم ہیں ۵۷۳

آپؐ کا خلقِ عظیم ۱۴۹، ۲۱۶

انعام اور ابتلاء دونوں قسم کے زمانوں میں اخلاقِ فاضلہ کے حامل ۱۴۸

ہمدردیٔ خلائق ۶۵

فتح مکہ کے موقعہ پر عام معافی کا اعلان ۱۴۹

مہمان نوازی اور بے نفسی ۳۷۰

بچوں سے پدرانہ شفقت ۳۷

آپؐ نے کبھی متکبرانہ لباس نہیں پہنا ۲۴۶، ۶۱۹

آپؐ کا اپنی بیویوں کو فرمانا جن کو یہ فقیرانہ زندگی منظور نہیں وہ الگ ہو جائیں ۶۰۵

آپؐ کی مقدس زندگی کی دلیل ۳۴

آپؐ کو دُنیا کی مدح و ثنا کی پرواہ نہیں ہوتی تھی ۱۸۷

آپؐ گوشہ نشین تھے خدا تعالیٰ نے خود آپؐ کو باہر نکالا اور دُنیا کی ہدایت کا بار آپؐ کے سپرد کیا ۱۸۷، ۶۱۹

غیرتِ نبویؐ ۲۸۲

حضور کا توکل اور تدبر ۶۰۵

آپؐ رعایتِ اسباب کا اہتمام فرماتے ۶۳۵

خوش الحانی سے قرآن سُن کر رو پڑنا آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا سن کر فرمانا بس میں آگے نہیں سُن سکتا ۱۱۸، ۱۶۲

آپؐ کا فرمانا کہ سورۃ ھود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے ۳۴

مسجد میں شعر سُننا اور شعر کہنا ۱۶۲

آپؐ حضرت عائشہؓ کو ہمیشہ اپنے ساتھ باہر لے جایا کرتے تھے ۵۵۷

تفاؤل سے کام لینا ۲۷۸

واقعات

آپؐ موسیٰ کی وفات سے دو ہزار برس بعد مبعوث ہوئے تھے ۲۸۹

آپؐ حضرت مسیحؑ سے سات سو برس بعد مبعوث ہوئے ۲۷۶

آپؐ ۱۳ سال مکہ میں رہے ایک دفعہ بھی حج نہیں کیا ۲۸۰

رؤسا قریش کی موجودگی میں حضورؐ کے پاس ایک نابینا کا آنا ۳۷۱

آپؐ کے ہاں بارہ بیٹیاں ہوئیں ۳۷۲

ایک روایت سے ثابت ہے کہ آپؐ کے گیارہ لڑکے فوت ہو گئے تھے ۳۱۹

آپؐ کے اہلِ بیت میں حضرت فاطمہؓ اور

حسینیؓ کے علاوہ آپؐ کی ازواجِ مطہراتؓ بھی شامل ہیں ۲۲۴

غزوۂ اُحد میں سخت وقت کا آنا ۲۴۲

صحابہ کے ایک گروہ کی غلطی کے نتیجہ میں جنگِ اُحد میں آپؐ کا تکالیف اُٹھانا ۵۵۲

اُحد میں اصل میں آپؐ کی فتح تھی ۵۶

آپؐ کی جنگیں محض دفاعی تھیں ۸۸

آپؐ جس صحابی کو رَحِمَكَ اللّٰهُ فرماتے وہ جلد شہید ہو جاتا ۱۶۲

ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ آپؐ کی زندگی میں موجود تھے ۲۰۸

آپؐ کے ایک کشف کا ذکر ۲۶۳

حضورؑ کا رویا میں دیکھنا کہ جنت کے باغوں میں سے ایک سیب آپؐ نے ہاتھ میں لیا ہے جب بیدار ہوئے تو وہ سیب حضورؐ کے ہاتھ میں تھا ۵۱

رویا میں ابوجہل کے ہاتھ میں جنت کے انگور کے خوشے دیکھنے کی تعبیر میں غلطی ۵۵۴

مخالفت

آپؐ کی مخالفت کے لیے ہزاروں لوگوں کا اپنے کاروبار چھوڑ کر کمربستہ ہونا ۲۴۶

آپؐ کے انکار کی وجہ ۲۷۷

آپؐ کو دیکھنے میں کفار اور مومنین کی نظروں کا فرق ۲۷۸

آپؐ کا محاصرہ کیا گیا ۵۸۶

کسریٰ نے آپؐ کی گرفتاری کا حکم دیا اور قتل ہوا ۳۶۵، ۵۸۷

آپؐ کی مخالفت کا ایک واقعہ ۵۳۶

آپؐ کی مذمت کرنے والوں کو آپؐ کا لطیف جواب ۵۹

اِس زمانہ میں آپؐ کی شان میں اس قدر گالیاں دی گئیں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئیں ۵۷۶

آپؐ کے زمانہ میں چار اشخاص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا ۱۰۹

موجودہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو آپؐ پر فضیلت دیتے ہیں ۲۰۸

مُحمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے مُتَوَفِّيكَ کے معنی مُمِيتُكَ بیان کردیئے ہیں ۲۹۶

محمد ابراہیم خان ابن حاجی موسیٰ خان آف کراچی ۵۸۰

بیعت ۵۸۷

رخصت طلبی پر حضورؑ کا فرمانا "یہ چند دن اور رہیں ۵۹۳

محمد احسن امروہی سیّد ۱۵، ۲۶۱، ۲۶۵

حضرت اقدس کا آپ کو اپنی ایک رویا میں دیکھنا ۵۰

حضرت اقدس کا آپ سے دُعا کے لیے کہنا ۵۵

محمد اسماعیل ڈاکٹر انچارج پلیگ ڈیوٹی ۵۶۶، ۵۶۷

محمد افضل

ایک رویا میں آپ کا ذکر ۴۳۰

محمد حسین بٹالوی

براہین احمدیہ پر ریویو لکھنا ۱۲

ابتدائی الہامات کی صداقت کا گواہ ۴۹۱

انکا لکھنا کہ ہم نے ہی مرزا صاحب کو اُونچا کیا تھا اور ہم ہی اسے نیچے گرا دینگے ۲۷۷

ہمارا ان سے اختلاف ہے ۲۷۳

تقویٰ کی کمی ۴۵۴

قرآن کریم کی بے ادبی کا ارتکاب ۳۰۱

جلسہ مذاہب میں اقرار کہ اب اسلام میں معجزات دکھانے والا کوئی نہیں رہا ۲۲

آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ اہلِ کشف کسی حدیث کو کشف کی بناء پر صحیح یا غلط قرار دے سکتے ہیں ۲۰، ۲۷۴

آپ کے رویہ پر حیرانی کہ جب امر مخفی و مستور تھا اس وقت تو تعریفی ریویو لکھے جب معاملہ کھل گیا تو مخالفت شروع کر دی ۲۸۴

کیا ان میں کوئی تبدیلی آئے گی؟ ۳۰

محمد حسین حکیم ساکن بلب گڑھ ضلع دہلی

حضرت اقدس کے لیے انگوروں اور اناروں کا تحفہ لانا ۴۱۲

محمد خان افسر بگی خانہ سرکار کپورتھلہ

آپ کی وفات پر حضورؑ کا دُنیا کی بے ثباتی بیان فرمانا ۵۴۶

محمد رمضان خیکیدار جہلم

بیعت ۴۷۱

مرنِ الموت میں خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہونا ۴۷۲

محمد صادق مُفتی ۴۴۰

حضرت اقدس کے حضور رسول اینڈ مٹری گوٹ سے طاعون کا مضمون پڑھ کر سُنانا ۱۵۶، ۱۶۳

ایک انگریزی اخبار سے سٹرچیٹ کا حال سُنانا ۴۱

آپ کی معرفت ایک امریکن خاتون کا دُعا کی درخواست کرنا ۴۰۳

محمد عبدالحق آسٹریلوی نومسلم

حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے قادیان آنا ۴۴۵

حضرت مسیح موعود کے ساتھ گفتگو ۴۴۹

محمد عجب خان آف زیدہ (سرحد) تحصیلدار ۴۱، ۴۲، ۱۱

بے ساختہ بول اُٹھنا "وجودِ جنابِ خود شہادت است" ۱۰

۱۸ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں حضرت اقدس کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی سعادت پانا ۶

حضورؑ کی خدمت میں مخالفین سے اپنی گفتگو کا تذکرہ ۱۷

پادریوں کے اعتراضات سے تنگ آکر دُعا کرنا ۱۱

حضرت اقدس کا آپ سے فرمانا کہ آپ کو بہت عرصہ یہاں رہنا چاہیئے تاکہ پوری واقفیت ہو ۴۷

محمد علی ایم اے مولوی

حضورؑ کی خدمت میں ایک عیسائی میگزین کا مضمون سُنانا ۳۲۳

محمد علی خان نواب آف مالیر کوٹلہ ۱۷۱

آپ کے متعلق حضرت اللہ کا الہام ۱۱۷

آپ کے فرزند کی آمین ۴۸۹

آپ کے برادرِ معظم کی قادیان تشریف آوری ۵۲۰

آپ کے برادر احسان علی کی قادیان تشریف آوری ۵۵۰

محمد علی شاہ سید قادیانی

مرزا امام دین کے جنازہ میں شرکت پر تاسف کا اظہار ۳۶۳

محمد یوسف لکھنوی (بغدادی الاصل)

حضور کی خدمت میں حالات معلوم کرنے کے لیے آنا ۷۲

حضور کا آپ کو قادیان میں مزید ٹھہرنے کی تلقین فرمانا ۷۹

محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ

آپ نے لکھا ہے کہ جب مہدی آئے گا تو ایک شخص اٹھ کر کہے گا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا ۸۹

ختمِ نبوت کے بارہ میں آپ کا مذہب ۵۲

آپ کے نزدیک صرف نبوتِ تشریعی جائز نہیں ۲۵۴

مریم علیہا السلام

قرآن کا آپ کو صدیقہ قرار دینے کی حقیقت ۱۱۸ ، ۲۷۱

مومنوں کی آسیہ اور مریم سے مثال کی حقیقت ۲۶

آپ اور عیسیٰ کے مسِّ شیطان سے پاک قرار دیئے جانے کی وجہ ۶۲۵

یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ ۲۸۱

حضرت عیسیٰ کے علاوہ آپ کی اولاد ۴۳۶

اس زمانہ میں عاجز مریم کے بچے کو خدا کی کرسی پر بٹھایا گیا ہے ۹

مسیلمہ کذاب ۷۶ ، ۳۰۱

اس کے ایک لاکھ تک ماننے والے تھے، لیکن چونکہ اس میں رُوحانی کشش نہ تھی اس لیے وہ سب فنا ہو گئے ۴۲۹

مُفتری ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف خلافت کا جوش نہیں تھا ۹۸ ، ۲۰۴ ، ۲۴۶

مصلح الدین سعدی شیرازی

۳۶ ، ۱۸۴ ، ۱۹۷ ، ۲۲۷ ، ۲۶۰ ، ۵۲۰

معاویہ ۲۵۹

امام حسن نے آپ کی بیعت کر لی تھی ۲۶۹

معراج الدین عمر رئیس لاہور

ایک آسٹریوی نومسلم کو قادیان لانا ۴۴۵

معین الدین حافظ خادم حضرت مسیح موعود

دین کے لیے مالی قربانی ۱۱۱

ملاکی علیہ السلام

آپ کی کتاب میں عیسیٰ سے پہلے ایلیاہ کے نزول کا ذکر ۵۴۰

موسیٰ علیہ السلام ۴۴ ، ۱۷۷ ، ۱۸۳ ، ۲۹۴ ، ۳۵۳

آپ کی والدہ کا ایک خواب کی بنا پر آپ کو دریا میں ڈالنا ۳۴۰

آپ کی والدہ کو خدا تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا ۲۳۸

دیدارِ الٰہی کی درخواست ۲۳۷

آپ کا معاملہ بھی توحید کے لیے تھا ۲۰۳

صاحب غلمت و حجروت ۲۱۱

دشمن پر فتح یابی ۴۶۹

آپ کو باقی نبیوں سے مختلف معجزات دیئے گئے ۶۸

آپ کے لیے دریا کو شگاف کرنا ۳۵۶

سورۃ کہف میں مذکور آپ کے واقعہ کا ذکر ۳۷۹ ، ۶۰۳

آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسرارِ الٰہی دریافت کرنے کا ادب سکھایا ۳۴۱

حضرت خضر پر قتلِ نفس کا اعتراض کرنے کی حقیقت ۳۳۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق آپ کو تفصیلی علم حاصل نہ تھا ۲۷۵

تورات میں آپ کی نعلیں ۱۹۳

دعاؤں کے باوجود ارضِ مقدس حاصل نہ ہونے کی وجہ ۳۶۳ ، ۵۲۹ ، ۵۵۲

آپ موت سے نہیں ڈرتے تھے؛ البتہ وہ سمجھتے تھے کہ منصبِ رسالت کی بجا آوری میں کوئی فرق نہ پڑے ۴۱۵

آپ کی جنگوں میں اسرائیلیوں کا شہید ہونا ۳۲۰

تورات میں آپ کی وفات کے بعد کے حالات کا مذکور ہونا اس کے محرّف ہونے کی دلیل ہے ۴۱۱

آپ کے وقت بھی چندے جمع کیے گئے ۳۵۸

آپ کے معجزات ماننے کی آج کے انسان کے پاس کوئی دلیل نہیں ۶۵۰

آپ کے انکار کی وجہ ۲۷۷

آپ کے ساتھ مخالفین کا سلوک ۵۸۶

ایک حبشی خاتون سے نکاح کرنے پر مخالفین کا اعتراض کرنا ۲۷۸ ، ۳۴۰

آپ پر لَا یَکَادُ یُبِیْنُ کا اعتراض ۷۸

آپ کے چچازاد بھائی کا انجام ۱۰۲

سلسلہ موسوی ۵۴۱

آپ کی امت میں سنکڑوں نبی آئے ۲۴۹

آپ سے چودہ سو سال بعد آپ کی امت میں سے مسیح آیا ۹۷ ، ۲۰۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے افضل ہیں ۵۳۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے ۲۸۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ سے مشابہت ۲۵۱

قومِ اسلام کا امتِ موسیٰ کے مثیل بننا ۱۰۸

آپ کی قوم کا آنحضرت کے صحابہ سے موازنہ ۵۲۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آپ کے حالات سے مماثلت ۶۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے آپ کو رویا میں موسیٰ سمجھنا ۴۰

جیسے آپ نے اَرِنِی کہا تھا ہماری خواہش بھی ہے کہ الٰہی تجلیات ظاہر ہوں ۶۳۶

موسیٰ خان حاجی

برادر زادہ خان بہادر مراد خان ۵۸۰

مولا بخش شیخ
منارۃ المسیح کے سنگِ بنیاد کے موقعہ پر
دعا میں شمولیت ۱۵۵
مہدی سوڈانی۔ مہدی سوڈانی اب کہاں ہے؟ ۱۰۹
مہر علیشاہ گولڑوی
مولوی کرم دین کا بذریعہ خطوط ان کے سرقہ سے مطلع کرنا ۵۸۵

ن

نانک گرو ۸۷
نبی بخش منشی ۴۶۱
نبی بخش بابو (لاہور)
قبض وبسط کے بارہ میں سوال اور حضرت اقدس کا بیان ۱۹۳
نجم الدین مہتمم لنگر خانہ
آپ کو معاملوں کی خدمت اور اکرام کی تلقین ۴۹۲
نصرت جہاں بیگم حضرت اماں جان
آپ کی ناسازیٔ طبیعت پر ڈاکٹروں کا آپ کو سیر کرنے کا مشورہ ۵۵۷
رویاء میں آپ کا حضور سے فرمانا کہ اگر میں مرجاؤں تو اپنے ہاتھ سے تجہیز وتکفین کرنا ۵۵
نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ
عزت کی وجہ ۴۲۰
نعمت اللہ ولی علیہ الرحمۃ
مسیح موعود کا نام لیکر پیشگوئی فرمانا ۵۴۲
نند کشور پنڈت سناتن دھرمی
حضرت اقدس سے ملاقات اور حضور کی کتابوں کی تعریف کرنا ۱۶۸
معجزہ شق القمر کے متعلق راجہ بھوج کی شہادت کا ذکر کرنا ۱۷۰
نور الدین حکیم خلیفۃ المسیح الاوّل
۳۵۷ ، ۴۶۱ ، ۵۵۳
آپ کے ہاں فرزند کی پیدائش پر حضرت اقدس کا اظہارِ مسرت ۴۳۰
دھرم پال آریہ کے اعتراضات کو حضور کی خدمت میں پیش فرمانا ۴۸۲
شکست مت والوں سے اپنی گفتگو کا ذکر ۲۲۴ ، ۲۲۵
عزیر علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق استفسار ۴۸۳
حضور کی خدمت میں عرض کرنا کہ مسلمانوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہلا مجدد تسلیم کیا گیا ہے ۳۸۵
ایک نو وارد کو حضور کی خدمت میں پیش کرنا ۲۹۳
ایک آسٹریلوی نومسلم کا آپ سے قرآن کریم کے بعض حصوں کا ترجمہ سن کر مطمئن ہونا ۴۴۹
نور محمد حکیم
میاں معراج الدین عمر کی ہمراہی میں ایک آسٹریلوی نومسلم کو قادیان لانا ۴۴۵
نوح علیہ السلام ۱۸۳ ، ۵۳۲
جب آپ تبلیغ کرتے کرتے تھک گئے تو آخر اُنھوں نے دُعا کی جس کے نتیجہ میں طوفان آیا ۵۵۹
اماراتِ پیدائش پر آپ کی کشتی کے رُکنے کے متعلق معرفت کا نکتہ ۵۵۹
آپؑ کے وقت میں قوموں کی ہلاکت ۳۵۳
آپؑ کے بیٹے کی ہلاکت ۱۶۲
اگر نوحؑ کے وقت میں یہ نماز ہوتی تو وہ قوم کبھی تباہ نہ ہوتی ۶۲۷
مسیح موعود اور آپ کے حالات کا فرق ۳۰۳

و

ولیم میور سر۔ اسلام کے خلاف سرگرمیاں ۸۴
ولی اللہ شاہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ
آپ حدیث مجددین کی صحت کو مانتے ہیں ۸۷
آپ وحی غیر تشریعی کے جاری رہنے کے قائل ہیں ۴۱۷

ہ

ہلاکو خان
اسے مسلمانوں کی سزا دہی کے لیے مقرر کیا گیا تھا ۱۰۸

ی

یحییٰ علیہ السلام نیز دیکھئے یوحنا
معجزانہ پیدائش ۲۸۰
آپ الیاس علیہ السلام کی خو پر آئے تھے ۲۹۷
حضرت مسیح کے نزدیک آپ ہی الیاس کی آمد ثانی کے مصداق تھے ۲۹۳
آپ کا قتل ہونا آپ کی صداقت کے منافی نہیں ۴۱۵
آپ کی وفات مسلّم ہے ۵۸۲
آنحضرت کا معراج میں حضرت عیسیٰ کو آپ کے پاس دیکھنا اور اس کا مطلب ۲۰ ، ۵۸۷ ، ۵۹۹
یرمیاہ علیہ السلام
بائیبل میں آپ کی نعتیں ۱۶۳
یزید ۴۹۶
یعقوب علیہ السلام
حضرت یوسف کی نسبت آپکو خوشبو آتی تھی ۲۶۳
یعقوب بیگ مرزا پروفیسر میڈیکل کالج لاہور
حضور کی خدمت میں آریہ سماج لاہور کے ایک اشتہار کا ذکر کرنا ۳۸۸
حضور کی ناسازیٔ طبیعت پر نسخہ تجویز کرنا ۵۵۶
یوحنا بن زکریا علیہ السلام (نیز دیکھئے یحییٰ علیہ السلام)
آپ کی بعثت ایلیا کے رنگ میں ہوئی ۵۴۰
یوحنا عارف
عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے عیسیٰ کے بعد نبوت کی ۵۲
یوسف علیہ السلام
آپ کی نسبت حضرت یعقوب کو خوشبو آتی تھی ۲۶۳
آپ کی فدا سی بات پر آپ کو ایک عرصہ زندان میں رہنا پڑا ۶۳۳
بھائیوں کا آپ کو شناخت نہ کر سکنا ۶۲۹
یوسف نجار
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماٴمور ہونے سے پہلے آپ کے ساتھ بڑھئی کا کام کرتے رہے ۳۹۱

مقامات

آسٹریلیا ۴۵۱
یہاں کے ایک نومسلم کا قادیان آکر حضور سے ملنا ۴۴۵
یہانتک سلسلہ کی شہرت کا پہنچنا ۵۳۲
اٹاوہ (بھارت)
رئیس اٹاوہ سید تفضل حسین پنشنر تحصیلدار کا گیارہ سال بعد قادیان تشریف لانا ۵۹۳
ارارات (ٹرکی)
ایک پہاڑ جہاں حضرت نوحؑ کی کشتی آکر رُکی تھی ۵۵۹
افغانستان نیز دیکھئے کابل
یہاں کے لوگوں میں وفا کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے اس لیے کیا تعجب ہے کہ وہ لوگ (اہلِ پنجاب) سے آگے بڑھ جائیں ۴۹۷
صاحبزادہ عبداللطیف اور عبدالرحمن کی شہادت ۵۱۲
صاحبزادہ صاحبؓ کی شہادت کو ظلم قرار دینے پر چودہ افراد کے قید کئے جانے کی خبر ۵۱۳
امرتسر (بھارت) ۳۷۰، ۶۰۴
امروہہ (بھارت)
قاضی آل احمد رئیس امروہہ کے بعض استفسارات کا ذکر ۵۱۹
حکیم آل احمد امروہی کا حضور کی خدمت میں عرض کرنا کہ وُہ امروہہ میں تبلیغ کرتے ہیں اور اسی خدمت میں مرنے کی خواہش رکھتے ہیں ۴۸۴
امریکہ ۱۰۷، ۳۳۰
یہاں کے لوگوں میں قبولیتِ حق کی استعداد پائی جاتی ہے ۳۱۹
رمضان کے ماہ میں سُورج اور چاند گرہن کا وقوع ۱۴
مذہبی عقائد میں انقلاب ۳۱۸
عیسائی عقائد سے بیزاری اور توحید کے قیام کے آثار ۱۹۹
عیسیٰ کی وفات کی ہوا چلنا ۱۶۳
امریکہ کے ایک عیسائی کے اشتہار کا ذکر جس میں اس نے لکھا ہے کہ مسیح کی آمدِ ثانی کا وقت آگیا ہے ۱۰۹
روتفساری کے بارہ میں امریکہ کے اخبارات کا حضور کی خدمت میں پڑھے جانا ۴۳۸
براہین احمدیہ یہاں بھی بھجوائی گئی ۴۹۱، ۵۱۲
حضرت اقدس کے ساتھ دُوئی کے مقابلہ دعا کا اخبارات میں کثرت سے ذکر ۴۰۷، ۶۵۱
سلسلہ کی شہرت ۵۳۲
مسیح موعود کے اخبارِ حق کی شہادت
یورپ اور امریکہ دے رہا ہے ۴۳۹
یہاں کی ایک خاتون کا دُعا کی درخواست کرنا ۴۰۳
پردہ نہ ہونے کی وجہ سے جرائم کی کثرت ۳۲۶
انسان پر ایک سانسی تجربہ ۲۶۰
انگلستان
حضرت اقدس کے دُوئی کے ساتھ مقابلۂ دُعا کا اخبارات میں کثرت سے ذکر ۴۰۷
تعددِ ازدواج اور طلاق کے قوانین کی ضرورت کا احساس ۱۰۷

ب

بٹالہ ضلع گورداسپور (بھارت)
۳، ۲۶، ۱۳۰، ۱۵۶، ۳۰۴، ۴۱۲، ۶۰۳
سفرِ گورداسپور کے دوران بٹالہ میں حضور کا قیام ۴۱۱
کشن چند جنڈاری کا واقعہ ۳۴
بخارا (رُوس)
یہاں بھی براہین احمدیہ کا نسخہ بھیجا گیا تھا ۸۴
بغداد (عراق)
سید عبدالقادر جیلانیؒ کی قبر ۶۰۳
بلب گڑھ (ضلع دہلی)
یہاں کے حکیم محمد حسین صاحب کا حضرت اقدس کی خدمت میں پھلوں کے تحائف لانا ۴۱۲
بمبئی (بھارت) ۴۴۵
ہندوستان میں طاعون کی ابتداء اسی شہر سے ہوئی ۳۰۴، ۵۷۴
بنوں (سرحد)
یہاں کے گل محمد نامی عیسائی کا قادیان آنا ۴۰۸
بیت المقدس ۵۰۰

پ

پشاور (سرحد) ۱۷
پنجاب
ایک قرآنی پیشگوئی کا پنجاب پر صادق آنا ۳۱۸
جب طاعون ابھی بمبئی میں تھی تو حضرت اقدس پر ظاہر کیا گیا کہ یہ وبا سارے پنجاب میں پھیل جائے گی ۵۷۴
اتمامِ حجت کے بعد پنجاب کے بڑے بڑے شہر یا تو خدا تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اور بصورت انکار سخت عذاب کے ۵۵۱
پنجاب کے مولویوں اور پادریوں کو نشان نمائی میں مقابلہ کی دعوت ۸۵

یہاں کے بہت سے لوگوں کو قبولِ احمدیت کی
بنا پر ایذائیں دی جاتی ہیں ۵۸۳
اِس سرزمین میں بُزدلی بہت ہے ۴۹۷
علماء میں تقویٰ کی کمی ۱۵۹ ، ۴۵۴
پیرس (فرانس)
پیرس کا مسیح کیا ہوا؟ ۱۰۹
ت
تُرکی (رُوم)
باوجود عظیم مُسلم سلطنت کے یہاں ایک تو نصاریٰ
میں ایک چھوٹا سا رسالہ بھی نہیں لکھا جا رہا ۴۰۶
ج
جالندھر ۵۹
یہاں کے ایک شخص کا بتانا کہ ان کے علاقہ
میں وحدت الوجود کے ماننے والوں کا زور ہے ۵۷
جرمنی
عیسائی عقائد سے بیزاری کی تحریک اور
توحید کے قیام کے آثار ۱۹۹
بادشاہ کے دل میں مذہبی انقلاب ۲۰۰
قیصرِ جرمنی کا عقیدۂ عیسویت سے بیزاری
کا اعلان ۲۱۴
جگن ناتھ (بھارت)
ہندوؤں کی طرف سے لاکھوں حیوانات
کا چڑھاوا ۳۸۳
جمال پور ضلع لدھیانہ
یہاں کے ایک شخص کریم بخش کو گلاب شاہ
مجذوب کا مسیح موعود کے مبعوث
ہونے کی خبر دینا ۵۴۲
جہلم (پاکستان) ۶۰
جہلم سے مراد جبلِ من ۴۶۴
سیٹھ احمد دین کی جہلم سے قادیان آمد ۴۲۵
حضرتِ اقدس کا رویاء میں اپنے آپ کو جہلم
میں دیکھنا ۵۷
کرم دین کا جہلم میں حضرت اقدس کے خلاف
مقدمہ دائر کرنا ۵۸۵
کرم دین کا ایک اور مقدمہ دائر کرنا ۶۱
جہلم سے واپسی پر الہام ہوا اَفَاءَ یْنٰکَ اِیَابًا ۴۸
مقدمہ کرم دین کے سلسلہ میں حضور کا جہلم
تشریف لانا ۶
مقدمہ جہلم میں فتح کے بارہ میں پیشں از
وقت اعلان ۴۵
جہلم میں کئی سو آدمیوں کے بیعت کرنے کا ذکر ۴۱
سراج الاخبار جہلم کے اس بیان کا رد کہ
جہلم میں ہجومِ خلائق حضور کے لیے نہ تھا بلکہ
کرم دین کے لیے تھا ۴۰
ح
حبشہ
صحابہ کی ہجرت ۵۸۲
حجاز
حجاز ریلوے ۵۴۲
حُدیبیہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس طرف
تھی کہ فتح ہوگی ۳۲۰
صُلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات ۵۰۶
حرمین شریفین
یہ خیال بالکل غلط ہے کہ (سلطانِ ترکی)
حافظِ حرمین ہے بلکہ حرمین خود محافظ سلطان
ہیں ۴۰۶
خ
خانیار۔ سرینگر کشمیر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ۲۱۲
د
دہلی (بھارت)
دہلی سے پرے بہت کم لوگوں کو ہمارے
دعاوی کی خبر ہے ۳۵۸
ڈ
ڈیرہ غازیخان (پاکستان)
یہاں کے ایک صاحب کا حصولِ تعلیم کے
بعد تحقیق کے لیے قادیان آنا ۲۹۳
ر
رنگون (برما)
ابوسعید احمدی کی رنگون واپسی پر حضرت
اقدس سے درخواستِ دُعا ۴۳۵
ایک آسٹریلوی نومسلم کا رنگون میں حضرت
اقدس کا تذکرہ سُننا اور تصانیف دیکھنا ۴۴۷
رُوس
حضرتِ اقدس کا رویاء میں دیکھنا کہ زارِ رُوس
کا سونٹا آپ کے ہاتھ میں دیا گیا ہے ۴۶
رُوم (ترکی)
مُسلمانوں کی سلطنت رُوم (ترکی) کی حالت ۱۰
ز
زیدہ (صُوبہ سرحد) ۱
خان محمد عجب خان آف زیدہ کا سفرِ جہلم میں
حضور کی خدمت میں حاضر ہونا ۶
س
سرینگر (کشمیر)
حضرت مسیحؑ زندہ نہیں بلکہ کر کشمیر سرینگر
محلہ خانیار میں مدفون ہیں ۲۱۲
سیالکوٹ (پاکستان)
یہاں قیام کے دوران حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی معجزانہ حفاظت ۴۸۰
دو احباب کا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب
کو سیالکوٹ سے جانے کے لیے قادیان آنا ۴۴۷
یہاں کے ایک نمبردار کا حضور سے کوئی ظیفہ
دریافت کرنا ۱۰۶
ش
شام
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شہرت کا
یہاں پہنچنا ۶۵۱
شاہ پور صدر (پاکستان)
یہاں کے چوہدری اللہ داد خان صاحب کا
حضرت اقدس کے ملفوظات کو اپنے الفاظ
میں قلمبند فرمانا ۴۶۲
ط
طائف
یہاں کے لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے ظالمانہ سلوک ۵۱۹

طُوس

ایک ولی کی خواہش تھی کہ وہ طوس میں مرے ۳۷۷

ف

فرانس ۶۰۷

پردہ نہ ہونے کی وجہ سے جرائم کی کثرت ۳۲۶

ق

قادیان دارالامان ضلع گورداسپور (بھارت) ۳۱۲، ۳۴۰، ۴۴۰

مسجد اقصیٰ کی جگہ حضرت غلام مرتضیٰ صاحب نے سات سو روپے میں خرید کی تھی۔ اور وفات سے ۲۲ دن پہلے اپنی قبر کی جگہ کی نشاندہی کی تھی ۳۰۶

گلاب شاہ مجذوب کا خبر دینا کہ صدی قادیان میں پیدا ہو گیا ہے ۵۴۳

براہین احمدیہ کی اشاعت سے پہلے قادیان سے باہر حضور کو کوئی نہیں جانتا تھا ۵۳۲، ۶۵۱

مکہ سے مماثلت ۲۶۶

اس مقام کو اللہ تعالیٰ نے امن والا بتلایا ہے ۳۴۷

ہجوم خلائق ۱۳

حضرت اقدس کا ارادہ کہ قادیان میں ایسی جگہ بنائی جائے جہاں تمام مذاہب کے لوگ اپنے مذہب کی صداقت بیان کریں ۱۲۰

حضرت مولوی برہان الدین صاحب کو زندگی کے بقیہ ایام قادیان میں گذارنے کی تحریک ۴۶۲

آسٹریلوی نومسلم کا تأثر کہ یہاں آکر اسے تسلی محسوس ہوتی ہے ۴۴۶

بتوں کے گل محمد عیسائی کا قادیان آنا ۴۰۹

یہاں کے ہندوؤں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سلوک ۳۰۶

لیکھرام کا قادیان آکر نشان مانگنا ۸۴

قادیان کے آریہ سماج کے جلسہ میں شرکت کرنے والے آریوں کی بدزبانی ۱۱۲

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سرزمین سے راضی نہیں ہے ۲۶۶

قادیان (ضلع لدھیانہ) ۵۴۳

قاہرہ (مصر) ۴۴۵

ک

کابل (افغانستان) ۶۰۷

سرزمین کابل میں وفا کا مادہ زیادہ معلوم ہوتا ہے اسی لیے وہ لوگ قربِ الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں ۴۹۸

ایک عظیم نشان اس سرزمین سے مقدر تھا ۵۱۳

کانپور (بھارت) ۲۹۳

کاشی بنارس (بھارت) ۴۴

کپورتھلہ (بھارت)

منشی اروڑا صاحب نقشہ نویس کپورتھلہ کی حضور کی خدمت میں آمد ۵۴۵

احمدیوں کے خلاف ایذا دہی کا منصوبہ ۳۳۱

کراچی (پاکستان)

یہاں کے محمد ابراہیم خان ابن موسیٰ خان کا بیعت کرنا ۵۸۷

یہاں کے لوگوں کی غفلت کا ذکر ۵۸۰

کشمیر

حضرت مسیح مرکر سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہیں ۸۹، ۲۱۲

اس شبہ کا ازالہ کہ کشمیر میں واقع قبر مسیح کے کسی حواری کی ہے ۳۶۶

ایک انگریز عقیدت مند کا کشمیر میں ہوٹل بنانے اور تبلیغ کرنے کا ارادہ ۴۹۰

کلکتہ (بھارت) ۴۴۵، ۴۴۷

کنعان

دل چو وادی یوسف راہِ کنعاں راگزیں ۵۳۳

گ

گنگا

ہندو جو گنگا میں غوطہ مار کر نکلتا ہے اور کہتا ہے کہ میں پاک ہو گیا ہوں بلا دلیل اس کو کون مانے گا؟ ۵۳۵

گورداسپور (بھارت) ۳۹، ۳۰۴، ۴۱۶

حضرت اقدس کا ارادہ سفر ۴۰۹

حضرت اقدس کا ۷ راگست ۱۹۰۳ء کو گورداسپور کے سفر پر روانہ ہونا ۴۱۱

۱۵ رفروری ۱۹۰۴ء کو حضور کا گورداسپور میں بعض معارف بیان فرمانا ۵۶۶

یہاں کے بعض لوگوں کو حضور کی زبان سے حضور کے دعاوی سننے کا شوق ۴۸۸

دورانِ قیام حضور کا ایک رویاء ۴۳۰

فال نکالنے کا ایک واقعہ ۲۶۸

گوڑگاؤں (بھارت)

یہاں کے ایک صاحب کا حضور کی بیعت کرنا ۱۰۱

ل

لاہور (پاکستان) ۲۵۵، ۴۰۸، ۴۱۳، ۴۳۰، ۴۴۵، ۵۵۶، ۶۰۴

انجمن حمایتِ اسلام لاہور کا حکومت کے پاس کتاب اہہات المومنین کے خلاف میموریل بھیجنا ۸۷

کاشی رام دیہ کا لاہور سے حضور کی زیارت کے لیے آنا ۱۲۰

لاہور کے آریہ پتر یکا کی تجویز کہ ۶ ماہ پرچہ کر یوم نیکھرام منانا چاہیے ۱۰۹

لائل پور (فیصل آباد) پاکستان)

عبدالعزیز صاحب سیالکوٹی کا تہجد کے بارہ میں ایک مسئلہ بیان کرنا ۳۶۱

لدھیانہ (بھارت) ۵۵۴

اس ضلع کے موضع جمال پور کے رہنے والے کریم بخش نامی شخص کو گلاب شاہ مجذوب کا مسیح موعود کی بعثت کی خبر دینا ۵۴۳

لکھنؤ (بھارت)

یہاں کے ایک صاحب ڈاکٹر محمد یوسف بغدادی کا حضور کی خدمت میں حالات معلوم کرنے آنا ۶۲

لندن (انگلستان) ۴۴۵

یہاں براہین احمدیہ کی کاپی بھجوائی گئی تھی ۴۹۱

تلاشِ حق کے لیے اگر کوئی لندن سے بھی چل کر آئے تو ہم اس کا کرایہ دینے کو تیار ہیں ۴۴۹

م

مالیر کوٹلہ (بھارت)
مشیر اعلیٰ ریاست مالیر کوٹلہ کا قادیان تشریف لانا ۵۲۰
یہاں سے نواب احسان علی خان برادر نواب محمد علی خان صاحب کا قادیان تشریف لانا ۵۵۰
مالیر کوٹلہ کے مرزا غلام یٰسین کا تعدد ازدواج کے بارہ میں استفسار ۱۰۶

مُمبئی
ممبئی (ضلع امرتسر) میں پیشگوئی کے مطابق طاعون سے تباہی ۳۰۰

مدینہ منورہ
صحابہ کی مکہ سے ہجرت ۵۸۲
صحابہ کی تجویز تھی کہ اگر شکست ہو تو آنحضرتؐ کو فوراً مدینہ پہنچایا جائے ۶۰۵
یہاں کے تمام یہودی قتل کئے تھے اور ایک بڑا شخص زندہ رکھا گیا تھا ۲۴۴
آنحضرتؐ کا عروج اور عفو عام ۴۷۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کی کیا حالت ہوگئی؟ ۵۱۸
یہاں کے حالات بھی توحید کے لیے پیچیدہ ہوئے تھے ۲۰۳
مکہ و مدینہ میں ریل کے آنے کا نشان ۹۸، ۵۴۲

مصر
۴۴۵
کافر شاہِ مصر کو سچی خواب آنا ۲۸۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک رویاء جس میں آپ مصر کے دریائے نیل کے کنارے کھڑے ہیں ۴۰
مصر سے ایک صاحب کا آکر خوش الحانی سے قرآن کریم سنانا ۲۱۶
حضرت اقدس کی شہرت کا یہاں پہنچنا ۶۵۱
مصر کے اخبار نویسوں کو کتاب مواہب الرحمٰن بھجوانے کا ارادہ ۶۲

مکہ مکرمہ
۷، ۲۲۶، ۳۸۷
یہاں کے حالات توحید کی خاطر ہی پیچیدہ ہوئے تھے ۲۰۳
اوّلین دور میں مسلمانوں پر مظالم ۱۵
آنحضرت کا یہاں کے لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر فرمانا ۴۷۰
یہاں کی گلیوں میں آنحضرتؐ کا تنہا پھرنا ۵۲۵
مکہ کے رؤساء کی آنحضرتؐ کے خلاف شکایت ۵۲۶
کفارِ مکہ کا مطالبہ تھا کہ مکہ میں تم آجائے ۷۸
ابوجہل مکہ میں رہ کر بھی آنحضرتؐ کو شناخت نہ کر سکا ۲۹۱
مکی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت آپ کے لیے مفید ثابت ہوئی ۲۰۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مکہ میں قحط ۱۳۹
صحابہ کی مکہ سے مدینہ اور حبشہ کی طرف ہجرت ۵۸۲
جس مکہ سے آنحضرتؐ نکالے گئے اسی مکہ میں آپ کو شہنشاہ کی حیثیت سے لایا گیا ۵۲۳
مکہ و مدینہ میں ریل اور نئی سواریوں کا آنا آخری زمانہ کا نشان ہے ۹۸، ۵۴۲
قادیان کی مکہ سے مماثلت ۲۶۶
یہاں بھی براہین احمدیہ کا نسخہ بھیجا گیا تھا ۸۴

ن

نیل دریا (مصر)
موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کا محصور ہونا ۶۶
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دریا میں اپنے آپ کو دریائے نیل کے کنارے دیکھنا اور اس کا مطلب ۴۰، ۶۲

ہ

ہندوستان
۹۳
آنحضرت کی بعثت کے وقت شرک کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا ۴۹۳
ہندوستان میں بھی شق القمر کا معجزہ دیکھا گیا تھا ۱۶۰
اولیاء اللہ کی عزت کی وجہ ۲۲۰
عُلماء میں تقویٰ کی کمی ۴۵۴
ولایت میں ہندوستان سے زیادہ جرائم پیشہ لوگ ہیں ۳۲۴
یورپ اور یہاں کی دہریت میں فرق ۲۶۴
حضرت مسیح موعود کا معروف ہونا کُل ہندوستان میں یکجہام کے بارہ میں پیشگوئی شائع کی گئی ۶۵۱
۸۵

ہوشیار پور بھارت
حضرت مولوی بُرہان الدین کا حضور سے ملنے کے لیے ہوشیار پور جانا ۴۶۳

ی

یورپ
۳۳۰، ۴۵۰
ان کو ہر ایک بات کی تلاش ہے ۲۶۰
فنونِ حرب کی ایجاد است ۸۸
قطب شمالی میں انسانی آبادیوں کی تلاش ۳۵۲
مُردہ پرستی اور اسباب پرستی کے شرکوں میں مبتلا ۳
کفار کے اثر کا پورا نقشہ دیکھنا ہو تو یورپ کے ملکوں کی سیر کی جائے ۵۷۶
یورپ میں پردہ نہ ہونے کی وجہ سے جرائم کی کثرت ۳۲۶، ۵۵۸
پردہ پر یورپ کے اعتراضات بے حیائی کے ہیں ۵۵۷
کثرتِ شراب نوشی کے بدنتائج کا ظہور ۴۰۵
جرائم کے لحاظ سے یورپ کی حالت اسلامی ممالک سے ابتر ہے ۳۲۵
یورپ اور ہندوستان کی دہریت میں فرق ۲۶۴
یہاں کے لوگوں میں قبولیت حق کی استعداد پائی جاتی ہے ۳۱۹
دینی حقائق کو تسلیم کرنے میں ابتدا ۲۳۷
مذہبی عقائد میں انقلاب ۳۱۸
عیسائی عقائد سے بیزاری اور توحید کے قیام کے آثار ۱۹۹

ردِّ نصاریٰ کے بارہ میں یورپ کے اخبارات کا حضور کی خدمت میں پڑھے جانا ۴۳۸

وفاتِ مسیح کی ہوا کا چلنا ۱۶۳

مسیح موعود کے اظہارِ حق کی شہادت یورپ اور امریکہ دے رہا ہے ۴۳۹

سیکل کے مسلمان فنافی یورپ ہیں ۱۱۸

یورپ کی تقلید میں دُعا سے غفلت ۵۲۱

حضرت اقدس اور سلسلہ کی شہرت کا پہنچنا ۵۳۲، ۶۵۱

ڈوئی کے ضمن میں حضرت اقدس کا اخباروں میں چرچا ۴۰۷

برابر یہ خبریں بھجوائی گئی ۳۹۱، ۵۱۲

ہمارے حصّہ کا جو یورپین ہوگا ہم خود اُسے پہچان لیں گے کہ یہ ہے ۴۹۰

ہم ہمیشہ دُعا کرتے ہیں اور ہماری ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اس سلسلہ کے لیے زندگی کا حصہ وقف کرے ۴۵۱

مسیح موعود کا سفیر بن کر یورپ جانیوالے کے لیے ضروری شرط ۴۷۱

اہلِ یورپ کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے قرآن کریم کی تفسیر کی ضرورت ۴۵۲

وہ تمام تکلفات جو آجکل یورپ نے لوازمِ زندگی بنا رکھے ہیں ہماری مجلس ان سے پاک ہے ۴۴۸

ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود

بانی جماعت احمدیہ

آغاز مئی سنہ ۱۹۰۴ء تا اواخر سنہ ۱۹۰۵ء

جلد چہارم

"مَیں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ مَیں اُس کی طرف سے ہُوں۔ وہ خُوب جانتا ہے کہ مَیں مُفتری نہیں، کذّاب نہیں۔ اگر تم مجھے خدا تعالیٰ کی قسم پر بھی اور ان نشانات کو بھی جو اُس نے میری تائید میں ظاہر کئے دیکھ کر مجھے کذّاب اور مُفتری کہتے ہو تو پھر مَیں تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہُوں کہ کسی ایسے مُفتری کی نظیر پیش کرو کہ باوجود اس کے ہر روز اِفتراء اور کذب کے جو وہ اللہ تعالیٰ پر کرے پھر اللہ تعالیٰ اس کی تائید اور نصرت کرتا جاوے۔" (صفحہ ۵۵۰)

○

"مَیں بڑے زور اور پُورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹا دے اور اِسلام کو غلبہ اور قوت دے۔ اَب کوئی ہاتھ اور طاقت نہیں جو خدا تعالیٰ کے اِس ارادہ کا مقابلہ کرے۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔" (صفحہ ۵۶۲)

○

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲؍مئی ۱۹۰۴ء

دُعا ہی خُدا شناسی کا ذریعہ ہے

ایک رئیس کا یہ خیال سُنکر کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ دُعا سے مشکل حل ہوتی ہے، اُن کو بہت ہی کمزور کرنے والا ہے

آپؑ نے فرمایا کہ:

جو دُعا سے مُنکر ہے وہ خُدا سے منکر ہے۔ صرف ایک دُعا ہی ذریعہ خداشناسی کا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ اُس کی ذات کو طوعاً و کرہاً مانا جاوے۔ اصل میں سب جگہ دہریت ہے۔ آجکل کی مخلوں کا یہ حال ہے کہ دُعا۔ توکل اور انشاء اللہ کہنے پر تمسخر کرتے ہیں۔ اِن باتوں کو بیوقوفی کہا جاتا ہے؛ ورنہ اگر خدا سے اُن کو ذرا بھی اُنس ہوتا۔ تو اس کے نام سے کیوں چڑتے۔ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ ہر پیرسے کسی نہ کسی طرح سے محبوب کا نام لے ہی لیتا ہے۔ اگر اُن کے نزدیک خُدا کوئی شے نہیں ہے۔ تو اب موت کا دروازہ کُھلا ہے اُسے ذرا بند کر کے تو دکھلا دیں۔ تعجب ہے کہ ہمیں جس قدر اس کے وجود پر امیدیں ہیں اسی قدر وہ دُوسرا گروہ اس سے ناامید ہے۔ اصل میں خدا کے فضل کی ضرورت ہے۔ اگر وہ دل کے قفل نہ کھولے تو اور کون کھول سکتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک کُتے کو عقل دے سکتا ہے کہ اس کی باتوں کو سمجھ لیوے اور انسان کو محروم رکھ سکتا ہے۔

طاعون کو گالی دینا منع ہے

طاعون کو سب وشتم کرنا منع ہے کیونکہ وہ تو مامور ہے۔ ہاں خدا سے صُلح کرنی چاہیے کہ وُہ اُسے ہٹا لیوے[1]

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۱۸/۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۸ و ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء

۴ مئی ۱۹۰۴ء

خدا تعالیٰ کی وحی پر کامل ایمان

آج دن کو مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے منیجر و ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی طبیعت علیل ہوگئی اور دردِ سر اور بخار کے عوارض دیکھ کر مولوی صاحب کو شُبہ گذرا کہ شاید طاعون کے آثار ہیں۔ جب اس بات کی خبر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوئی تو آپ فوراً مولوی صاحب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ:

میرے دار میں ہو کر اگر آپ کو طاعون ہو تو پھر اِنِّی اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ الہام اور یہ سب کاروبار گویا عبث ٹھہرا۔ آپ نے نبض دیکھ کر اُن کو یقین دلایا کہ ہرگز بخار نہیں ہے۔ پھر تھرمامیٹر لگا کر دکھایا کہ پارہ اس حد تک نہیں ہے، جس سے بخار کا شُبہ ہو اور فرمایا کہ میرا تو خدا کی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسے اس کی کتابوں پر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

ان دنوں لوگوں کو اور بعض جماعت کے آدمیوں کو بھی طرح طرح کے شکوک و شبہات پیش آرہے ہیں، اس لیے میرا ارادہ ہے کہ ایک رسالہ لکھ کر اصل حقیقتِ بیعت اور الہامات سے اطلاع دی جاوے جس سے لوگوں کو معلوم ہو کہ بعض لوگ بیعت میں داخل ہو کر کیوں طاعون سے مرتے ہیں۔؟

ایک نشان فرمایا کہ:

ان دنوں ایک دفعہ میری بغل میں ایک گلٹی نکل آئی۔ میں نے اسے مخاطب ہو کر کہا کہ تو کون ہے۔ جو مجھے ضرر دے سکے اور خدا کے وعدہ کو ٹال سکے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ خود بخود ہی بیٹھ گئی۔

آگ ہماری غلام، بلکہ غلاموں کی غلام ہے فرمایا:

مدت کا یہ میرا الہام ہے کہ "آگ سے ہمیں مت ڈرا آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے" یہ ویسے ہی ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ بعض بہشتی بطور سیر دوزخ کو دیکھنا چاہیں گے اور اس میں اپنا قدم رکھیں گے، تو دوزخ کہے گی کہ تُو نے تو مجھے سرد کر دیا۔ یعنی بجائے اس کے کہ دوزخ کی آگ اُسے جلاتی۔ خادموں کی طرح آرام دہ ہو جاوے گی۔

عادت اللہ یہی ہے کہ دو ناریں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ محبتِ الٰہی بھی ایک نار ہے اور طاعون کو بھی

نار رکھا ہے لیکن ان میں سے ایک تو عذاب ہے اور دوسری انعام ہے، اسی لیے طاعون کی نار کی ایک خاص خصوصیت خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اس میں آگ کو جو غلام کہا گیا ہے۔ میرا مذہب اس کے متعلق یہ ہے کہ اسماء اور اعلام کو ان کے اشتقاق سے لینا چاہیے۔ غلام غلمہ سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں کسی شئی کی خواہش کے واسطے نہایت درجہ مضطرب ہونا یا ایسی خواہش جو کہ حد سے تجاوز کر جاتی ہے اور انسان پھر اس سے بیقرار ہو جاتا ہے اور اسی لیے غلام کا لفظ اس وقت صادق آتا ہے جب انسان کے اندر نکاح کی خواہش جوش مارتی ہے۔ پس طاعون کا غلام اور غلاموں کی غلام کے بھی یہی معنے ہیں کہ جو شخص ہم سے ایک ایسا تعلق اور جوڑ پیدا کرتا ہے جو کہ صدق و وفا کے تعلقات کے ساتھ حد سے تجاوز ہوا ہو اور کسی قسم کی جدائی اور دُوئی اس کے رگ و ریشہ میں نہ پائی جاتی ہو اُسے وُہ ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور جو ہمارا مُرید الٰہی محبت کی آگ سے جلتا ہو گا اور خدا کو حقیقی طور پر پالینے کی خواہش کمال درجہ پر اس کے سینہ میں شعلہ زن ہو گی۔ اسی پر بیعت کا لفظ حقیقی طور پر صادق آوے گا یہانتک کہ کسی قسم کے ابتلا کے نیچے آکر وہ ہرگز متزلزل نہ ہو بلکہ اور قدم آگے بڑھا دے۔ لیکن جبکہ لوگ ابھی تک اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر وہ ابتلا میں آجاتے ہیں اور اعتراض کرنے لگتے ہیں تو پھر وُہ اس آگ سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بیعت کی حقیقت

بیعت کا لفظ ایک وسیع معنے رکھتا ہے اور اس کا مقام ایک انتہائی تعلق کا مقام ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کسی قسم کا تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ وُہ ہمارے نُور کی پوری روشنی میں نہیں ہیں۔ جب تک انسان کو ابتلا کی برداشت نہ ہو اور ہر طرح سے وہ اس میں ثابت قدمی نہ دکھا سکتا ہو۔ تب تک وہ بیعت میں نہیں ہے۔ پس جو لوگ صدق و صفا میں انتہائی درجہ پر پہنچے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو امتیاز میں رکھتا ہے۔ طاعون کے ایام میں جو لوگ بیعت کرتے ہیں، وُہ سخت خطرناک حالت میں ہیں، کیونکہ صرف طاعون کا خوف اُن کو بیعت میں داخل کرتا ہے۔ جب یہ خوف جاتا رہا تو پھر وہ اپنی پہلی حالت پر عود کر آویں گے۔ پس اس حالت میں اُن کی بیعت کیا ہوئی؟[1]

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۱۹/۱۸ صفحہ ۴ مورخہ ۸ و ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء

۸ مئی ۱۹۰۴ء

طاعون کا نشان اور جماعتِ احمدیہ

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گورداسپور تھے۔ ہمارے مکرم خلیفہ رجب الدین صاحب تاجر بزنج لاہور بھی شرفِ نیاز کے لیے آئے ہوئے تھے۔ خلیفہ صاحب ایک روشن خیال اور ذی فہم آدمی ہیں وہ لاہور کے حالات کا ذکر کرتے رہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ ہر اتوار کو زیارتیں نکال کر باہر لے جاتے ہیں۔ اور اس فعل کو دفعیہ طاعون کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس حالت پر خلیفہ صاحب افسوس کر رہے تھے اور اپنے مختلف حالات سناتے رہے۔ آخر آپ نے عرض کیا :-

خلیفہ صاحب : طاعون میں بعض مقامات پر جو ہمارے احباب مرتے ہیں اور لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جاوے؟

حضرت اقدس : اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مامور کو دنیا میں بھیجتا ہے تو سنت اللہ یہی ہے کہ تنبیہہ کے لیے کوئی نہ کوئی عذاب بھی بھیجتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کی مخالفت حد سے بڑھ جاتی ہے اور شوخی اور شرارت میں اہلِ دنیا بہت ترقی کر جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے بکلی دور جا پڑتے ہیں۔ وہ عذاب اگرچہ سرکش منکرین کے لیے ہوتا ہے مگر سنت اللہ یہی ہے کہ مامور کے بعض متبعین بھی شہید ہو جاتے ہیں وہ عذاب اوروں کے لیے عذاب ہوتا ہے، مگر ان کے لیے باعثِ شہادت۔ چنانچہ قرآن شریف صاف طور پر بتاتا ہے کہ کفار جو بار بار عذاب مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ تم پر عذاب بصورت جنگ نازل ہوگا۔ آخر جب وہ سلسلہ عذاب کا شروع ہوا۔ اور کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں ہونے لگیں، تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان جنگوں میں صحابہؓ شہید نہیں ہوئے؟ حالانکہ یہ مسلّم بات ہے کہ وہ تو کفار پر عذاب تھا اور خاص ان کے لیے ہی آیا تھا مگر صحابہؓ کو بھی چشمِ زخم پہنچا اور بعض جو علم الٰہی میں مقدر تھے، شہید ہو گئے۔ جن کی بابت خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا : لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ - (البقرۃ : ۱۵۵) بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ - (آل عمران : ۱۷۰) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاویں اُن کو مُردے مت کہو بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور اسی جگہ ان کی نسبت فرمایا : فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۱۷۱) اب بتاؤ کہ وہ جنگ

ایک ہی قسم کا تھا لیکن وہ کفار کے لیے عذاب تھا مگر صحابہؓ کے لیے باعثِ شہادت۔ اسی طرح پر اب بھی حالت ہے۔ لیکن انجام کار دیکھنا چاہیے کہ طاعون سے فائدہ کس کو رہتا ہے۔ ہم کو یا ہمارے مخالفین کو۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ کون کم ہوئے اور کون بڑھے۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت خدا کے فضل سے غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہے اور اس کی وجہ طاعون ہی ہے۔ بعض ایسے لوگوں کی درخواستیں بیعت کے واسطے آئی ہیں۔ جو طاعون میں مبتلا ہو کر لکھتے ہیں کہ اس وقت مجھے طاعون ہوا ہوا ہے۔ اگر زندہ رہا تو پھر آکر بھی بیعت کر لوں گا۔ فی الحال تحریری کرتا ہوں۔ طاعون کے ذریعہ کئی ہزار آدمی اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔

خلیفہ صاحب : وہ جنگ تو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے تھا۔

حضرت اقدس : یہ طاعون بھی اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے دو نشان مسیح موعود کی سچائی کے لیے زمینی اور آسمانی اور بہت سے نشانوں کے سوا مقرر کئے تھے۔ آسمانی نشان تو کسوف و خسوف کا تھا جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہو گیا۔ جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ دوسرا زمینی نشان طاعون کا تھا۔ وہ بھی پورا ہو گیا ابھی طاعون کا پنجاب میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ جب مَیں نے اس کی خبر دی تھی۔ اس وقت شتاب کار لوگوں نے جلد بازی کی اور خدا تعالیٰ کے اس بزرگ نشان کو ہنسی میں اڑانا چاہا۔ مگر اب گو وہ زبان سے اقرار نہ کریں، مگر ان کے دلوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ پیشگوئی جو طاعون کے متعلق تھی پوری ہو گئی۔

اس نشان سے اعلاءِ کلمۃ اللہ اس طرح پر ہوگا کہ لوگ آخر جب اس کو عذاب الٰہی سمجھ کر اس کے موجبات پر غور کریں گے اور فسق و فجور اور شرارت و استہزاء چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف آئیں گے اور سمجھ لیں گے کہ خدا حق ہے تو اس سے اعلاءِ کلمۃ اللہ ہوگا یا نہیں ؟

جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے یہ طاعون ہمارے لیے کام کر رہی ہے۔ اگر اس گروہ میں ایک شہید ہو جاتا ہے تو اس کے قائمقام ہزار آتے ہیں۔ یہ نادانوں کا شُبہ فضول ہے کہ کیوں مرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں صحابہؓ جنگ میں کیوں شہید ہوتے تھے ؟ کسی مولوی سے پوچھو کہ وہ جنگ عذاب تھی یا نہیں ؟ ہر ایک کو کہنا پڑیگا کہ عذاب تھی۔ پھر ایسا اعتراض کیوں کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا پڑتا ہے، لیکن اگر کوئی کہے کہ پھر نشان مشتبہ ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نشان مشتبہ نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ انجامکار کفار کا ستیاناس ہو گیا اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا اور اسلام ہی اسلام نظر آتا تھا ؛ چنانچہ آخر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر ۲، ۳) کا نظارہ نظر آ گیا۔ اسی طرح پر طاعون کا

حال ہے۔ اس وقت لوگوں کو تعجب معلوم ہوتا ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے، جب طاعون اپنا کام کر کے چلی جائے گی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ اس نے کس کو نفع پہنچایا اور کون خسارہ میں رہے گا۔ یہ اس زمانہ کے لیے ایک عظیم الشان نشان ہے جس کا ذکر سارے نبی کرتے چلے آئے ہیں اور طاعون سے اس قدر جلدی لوگ حق کی طرف آرہے ہیں کہ پہلے نہیں آئے تھے۔

خلیفہ صاحب: حضور! کیا ایسے لوگ مامون ہو جائیں گے؟

حضرت اقدس: اس میں کیا شک ہے کہ وُہ امن میں تو ہو گئے۔ اگر اس سلسلہ میں ہو کر ان میں سے کوئی مر بھی جاوے، تو وہ شہادت ہوگی اور خدا کے مامور پر ایمان لانے کا یہ فائدہ تو حاصل ہو گیا۔

مَیں نے جس قدر طاعون کے متعلق کھول کھول بیان کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ متواتر میں اس پیشگوئی کو شائع کرتا رہا اور خدا تعالیٰ نے مختلف رنگوں میں مختلف اوقات میں اس کے متعلق مجھ پر کھولا اور مَیں نے لوگوں کو سُنایا۔ یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانًا بہت پُرانا الہام ہے جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ پھر وُہ سیاہ پودوں والی رؤیا اور ہاتھی والی رؤیا۔ غرض یہ طاعون خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آئی ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔ بعض لوگ شرارت سے کہتے ہیں کہ یہ طاعون اُن کی شامتِ اعمال سے آئی ہے۔ یہ تو وہی بات ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کو الزام دیا تھا۔ مگر کوئی ان سے پُوچھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ شامت اعمال تو ہماری ہے آئی ہے اور ہماری حفاظت کو خدا تعالیٰ ایک نشان قرار دیتا ہے اور مَر رہے ہیں دوسرے۔

اس وقت ایک خاص تبدیلی کی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا ہوا ہے۔ جواب بھی تبدیلی نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ ان کی پروا نہیں کرے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ اسی طاعون کے متعلق میرا الہام ہے۔[1]

بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے مومن کی جان لینے میں تردد ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومن کو یکدفعہ نہیں پکڑتا۔ پکڑتا ہے پھر اس کے ساتھ نرمی کرتا ہے۔ پھر پکڑتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے۔ یہ حالت گویا تردد سے مشابہ ہے۔

پہلی کتابوں میں بھی اس قسم کے الفاظ آئے ہیں کہ خدا پچھتایا۔ میرے الہام میں بھی اُفْطِرُوْا وَاَصُوْمُ اسی رنگ کے الفاظ ہیں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں، جس مومن کے وجود میں خلق اللہ کا نفع ہو اور اس کی موت شماتت کا باعث ہو وہ کبھی طاعون سے نہیں مرے گا۔ مَیں جانتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی تک

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۸ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء

کوئی ایسا آدمی طاعون سے نہیں مرا جس کو میں پہچانتا ہوں یا وہ مجھے پہچانتا ہو جو شناخت کا حق ہے۔

مامورین کا خاص نشان

امام اور پیشوا وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے مامور ہو کر آوے۔ اس میں اللہ تعالیٰ ایک جذب کی قوت رکھ دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے سعادت مند روحیں خواہ وہ کہیں ہوں اس کی طرف کھچی چلی آتی ہیں۔ جذب کا پیدا ہونا اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ بناوٹ سے یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں وہ اس بات کے حریص اور آرزومند نہیں ہوتے کہ لوگ ان کے گرد جمع ہوں اور اس کی تعریفیں کریں بلکہ ان لوگوں میں طبعاً مخفی رہنے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ دنیا سے الگ رہنے میں راحت سمجھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مامور ہونے لگے تو انھوں نے بھی عذر کیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار میں رہا کرتے تھے۔ وہ اس کو پسند کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ خود ان کو باہر نکالتا ہے اور مخلوق کے سامنے لاتا ہے۔ ان میں ایک حیا ہوتی ہے۔ اور ایک انقطاع ان میں پایا جاتا ہے، چونکہ وہ انقطاع تعلقات صافی کو چاہتا ہے، اس لیے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذت اور سرور پاتے ہیں، لیکن وہی انقطاع اور صفائی قلب اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کو پسندیدہ بنا دیتی ہے اور وہ ان کو اصلاح خلق کے لیے برگزیدہ کر لیتا ہے۔ جیسے حاکم چاہتا ہے کہ اُسے کارکن آدمی مل جاوے اور جب وہ کسی کارکن کو پا لیتا ہے، تو خواہ وہ انکار بھی کر دے مگر وہ اُسے منتخب کر ہی لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو مامور کرتا ہے وہ اُن کے تعلقاتِ صافیہ اور صدق و صفا کی وجہ سے انہیں اس قابل پاتا ہے کہ انہیں اپنی رسالت کا منصب سپرد کرے۔

یہ بالکل سچی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایک قسم کا جبر کیا جاتا ہے۔ وہ کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور اسی میں لذت پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی کو ان کے حال پر اطلاع نہ ہو، مگر اللہ تعالےٰ جبراً ان کو کوٹھڑی سے باہر نکالتا ہے۔ پھر ان میں ایک جذب رکھتا ہے اور ہزارہا مخلوق طبعاً ان کی طرف چلی آتی ہے۔ اگر فریب ہی کا کام ہو تو پھر وہ سرسبز کیوں ہو۔ پیر اور گدی نشین آرزو رکھتے ہیں کہ لوگ اُن کے مُرید ہوں اور ان کی طرف آویں۔ مگر مامور اس شہرت کے خواہشمند نہیں ہوتے۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ مخلوقِ الٰہی اپنے خالق کو پہچانے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرے۔ وہ اپنے دل میں بخوبی سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ چیز ہی نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ بھی اُن کو ہی پسند کرتا ہے۔ کیونکہ جب تک ایسا مخلص نہ ہو کام نہیں کر سکتا۔ ریاکار جو خدا کی جگہ اپنے آپ کو چاہتے ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں۔ اس لیے خدا ان کو پسند کرتا ہے

کیونکہ وہ دنیا کے آسائش و آرام کے آرزومند نہیں ہوتے۔

ریاکاری ایک بہت بڑا گند ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ریاکار انسان فرعون سے بھی بڑھ کر شقی اور بدبخت ہوتا ہے۔ وُہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کو نہیں چاہتے بلکہ اپنی عزت اور عظمت منوانا چاہتے ہیں۔ لیکن جن کو خدا پسند کرتا ہے وُہ طبعاً اس سے متنفر ہوتے ہیں۔ ان کی ہمت اور کوشش اسی ایک امر میں صرف ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال ظاہر ہو اور دُنیا اس سے واقف ہو۔ وہ ایسی حالت میں ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ دُنیا ان کو نہ پہچان سکے، مگر ممکن نہیں ہوتا کہ دُنیا اُن کو چھوڑ سکے کیونکہ وُہ دُنیا کے فائدہ کے لیے آتے ہیں۔ ان لوگوں کے جو دشمن اور مخالف ہوتے ہیں ان سے بھی ایک فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نشانات اُن کے سبب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور حقائق و معارف کھلتے ہیں۔ اُن کی چھیڑ چھاڑ سے عجیب عجیب انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ابوجہل وغیرہ نہ ہوتے تو قرآن شریف کے تیس سیپارے کیونکر ہوتے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سی فطرت والے ہی اگر سب ہوتے تو ایک دم میں وُہ مسلمان ہو جاتے۔ اُن کی کسی نشان اور معجزہ کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ پس ہم ان مخالفوں کے وجود کو بھی بے مطلب نہیں سمجھتے۔ اُن کی چھیڑ چھاڑ اللہ تعالیٰ کو غیرت دلاتی ہے اور اس کی نصرت و تائیدات کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ کے ماموروں کا یہ خاص نشان ہوتا ہے کہ وُہ اپنی پرستش کرانا نہیں چاہتے۔ جس طرح پر وہ لوگ جو پیر بننے کے خواہشمند ہیں چاہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی پُوجا کرائے تو کیا وجہ ہے کہ دُوسرے انسان کے بچے اس پُوجا کے مستحق نہ ہوں۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ ایک مُرید اس مُرشد سے ہزار درجہ اچھا ہے جو مکر کی گدی پر بیٹھا ہوا ہو کیونکہ مُرید کے اپنے دل میں کھوٹ اور دغا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ اخلاص کو چاہتا ہے۔ ریاکاری پسند نہیں کرتا ہے۔[1]

---

۹ رمئی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

طاعون کا عذاب

ایک ہندو رئیس کے بعض استفسارات کے جوابات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام درختوں کے سایہ میں حسب معمول تشریف فرما تھے

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹/۲۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۰ / ۱۷ جون ۱۹۰۴ء

کہ دینا نگر کے دو ہندو رئیس آپ کی زیارت کو تشریف لائے۔ ان کے ساتھ اور بھی چند آدمی تھے۔ اُنھوں نے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ سلام عرض کیا اور پھر طاعون کی مصیبت کا رونا رونا شروع کیا کہ بڑا اختلاف مذاہب کا ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:

اس زمانہ میں نرا اختلافِ مذاہب ہی نہیں رہا۔ اختلافِ مذاہب کے سوا لوگوں نے خدا تعالیٰ کو بالکل چھوڑ دیا ہے، اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنی سنت کے موافق یہ عذاب نازل کیا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے۔ شرارتوں اور چالاکیوں کی کوئی حد نہیں رہی ہے۔ طاعون کو اللہ تعالیٰ نے مامور کر کے بھیجا ہے جو اس کے نوکر کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر تو ایک پتہ اور ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ اور بدبختی ہے کہ باوجودیکہ طاعون ایک خطرناک ڈرانے والا ہے مگر اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کی باتوں کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اُڑاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور دل پاک و صاف نہیں کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ جبتک اہلِ دُنیا اپنی اصلاح اور تبدیلی نہیں کریں گے اس وقت تک اس عذاب کو نہیں اُٹھائے گا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو اس طرف بھی بالکل توجہ نہیں ہے۔ جب کسی گاؤں یا شہر میں بیماری پڑتی ہے تو چند روز کے لیے ایک خوف پیدا ہوتا ہے مگر وہ خوف بھی اللہ تعالیٰ کے واسطے نہیں اور نہ ایسا کہ اس کے ذریعہ کوئی اصلاح کریں بلکہ موت کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہم بھی مَر نہ جاویں اور یہ جائداد اور اسباب کسی دُوسرے کے قبضہ میں نہ چلا جاوے۔ یونہی ذرا سا وقفہ ہوتا ہے۔ پھر وہی شرارت اور شوخی۔ اور نہیں ڈرتے کہ اس کے دورے بہت لمبے ہوتے ہیں۔

رئیس: جناب! بظاہر زمانہ اچھا بھی معلوم ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ بھگتی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔

حضرت اقدس: دل نہیں ہیں۔ جو کچھ ہے پوست ہی پوست ہے۔ ظاہرداری کے طور پر اگر کچھ کیا جاتا ہے تو کیا جاتا ہے۔ دل والے رُوح ہی اور ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں صاف ہوتی ہیں۔ اُن کی زبان صاف ہوتی ہے۔ ان کے چال چلن میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ وُہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لرزاں ترساں رہتے ہیں۔ نری زبان درازی سے کوئی اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتا۔ مجازی حکام کو جو اصل حالات سے ناواقف ہیں کوئی خوش کر لیوے مگر اللہ تعالیٰ کی نظر تو دل پر ہے اور وہ دل کے مخفی در مخفی خیالات تک کو جانتا ہے۔ پس جب تک انسان سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف نہیں آتا۔ ریاکاری اور ظاہرداری سے کچھ نہیں بنتا۔ خدا تعالیٰ سچی تبدیلی چاہتا ہے اور مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی وہ پیدا نہیں ہوئی۔ جب لوگ تبدیلی کریں گے تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کچھ بھی حصّہ لوگوں کا دُرست ہو جاوے گا تو اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔ یہ تو اور بھی چالاکی ہے کہ لوگوں کے سامنے نیک بنتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا متقی اور خدا ترس

ظاہر کرتے ہیں اور اندرونی طور پر بڑی خرابیاں ان میں موجود ہوتی ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ دُنیا کے ظاہری بحث و مباحثہ میں ہزاروں مذاہب پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ کیسا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف نہ ہو تو یہ چالاکیاں اور بھی خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتی ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ انسان خدا کے ساتھ معاملہ صاف کرے اور پُوری فرمانبرداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف رجُوع کرے اور اس کے بندوں کو بھی کسی قسم کی اذیّت نہ دے۔ ایک شخص گیروی کپڑے پہن کر یا سبز لباس کر کے فقیر بن سکتا ہے اور دُنیادار اس کو فقیر بھی سمجھ لیتے ہیں مگر خُدا تعالیٰ تو اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور وہ کیا کر رہا ہے۔ پس طاعون کا اصل اور صحیح علاج یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے حضُور اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور اس کی حد بندیوں کو نہ توڑے اور اس کی مخلوق کے ساتھ رحم کرے بدمعاملگی نہ کرے۔ یہ سب کام اخلاص کے ساتھ کرے دکھانے کی نیت سے نہ کرے۔ اگر اس قسم کی تبدیلی کرے گا، تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رحم کے ساتھ اس پر نظر کرے گا۔

رئیس : جناب لوگ باہر جاتے ہیں اور اس کو بھی مفید سمجھتے ہیں۔ مگر مولوی لوگ مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم گھروں سے نکلنے میں خُدا کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ مولویوں کے ایسے فتوے دینے سے بھی بہت سے لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس : اللہ تعالیٰ تو علاج سے منع نہیں کرتا ہے۔ علاج بھی اسی نے رکھے ہیں۔ لوگ دُنیا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے قسم قسم کے منصوبے کرتے ہیں۔ اور ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔ مگر جب تک خدا تعالیٰ کسی کو منتخب اور برگزیدہ نہ کرے کچھ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو کسی کو بھوک پیاس لگتی ہے تو وہ روٹی کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے۔ اسی طرح پر بیماریوں کے علاج بھی ہیں اور اشیاء میں خواص بھی اسی کے رکھے ہوتے ہیں۔ مولویوں کی غلطی ہے جو ایسا کرتے ہیں اور لوگوں کو تباہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو منع کرتا ہے کہ انسان عذاب کی جگہ پر رہے۔ لیکن ہاں جب بیماری شدّت کے ساتھ پھیل جاوے تو یہ مناسب نہیں کہ انسان اس گاؤں یا شہر سے نکل کر کسی دوسرے گاؤں یا شہر میں جاوے اور یہ اس لیے منع ہے کہ جو لوگ وبا زدہ گاؤں سے نکلتے ہیں وہ متاثر آب و ہوا سے نکل کر دوسری جگہ کو متاثر کرتے ہیں اور پھر بیمار ہو کر مر جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہ بھی منع ہے کہ جہاں وبا پڑی ہوئی ہو وہاں بھی کوئی آدمی تندرست جگہ سے نہ جاوے۔ لیکن یہ کبھی منع نہیں ہے کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر باہر کھلے میدانوں میں اور کھیتوں میں نہ جاویں بلکہ یہ ضروری ہے اور اس سے عموماً فائدہ پہنچتا ہے۔ جہاں طاعون ہو فوراً اس گھر کو خالی کر دینا چاہیے۔ اور باہر کھیتوں یا کھلے میدانوں میں بیشک چلے جاؤ۔ بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے۔

رئیس : جناب تعجب ہی ہے کہ خدا کے ہوتے ہوئے یہ غضب ہو رہا ہے۔

حضرت اقدس : یہ خدا تعالیٰ کی باتیں ہیں ان میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے تو خود دُنیا پر یہ غضب نازل کیا ہے۔ اگر لوگ خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لاتے تو اس قدر شرارتیں جو زمین پر ہو رہی ہیں نہ کرتے اور خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈر جاتے، مگر آپ دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا اقرار کر کے پھر دنیا پر ظلم اور فساد ہو رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے حکموں کی ہرگز پابندی نہیں کی جاتی۔ تو یہ تو ایک قسم کی خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی ہنسی ہے پھر خدا تعالیٰ اس کو کب پسند کر سکتا ہے۔ اب یہ غضب آیا ہے جو دُنیا کو سیدھا کرے گا خود اسی نے بھیجا ہے۔ وہ اپنے اسرار کو آپ ہی جانتا ہے۔ ہم لوگوں کو اس کی قدرتوں میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ جب وقت آجائے گا وہ خود رحم فرمائے گا اور اس عذاب کو اٹھالے گا۔ وہ ظالم نہیں ہے وہ تو ارحم الراحمین ہے۔

رئیس : حضور اب تو رحم ہونا چاہیے۔ آپ ہی کچھ کریں۔

حضرت اقدس : میں دیکھتا ہوں کہ ابھی دُنیا کی اصلاح ہونی ضروری ہے۔ ہم تو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے ہر ایک فعل کو سراسر حکمت سمجھتے ہیں۔ یہ عذاب جو اس نے نازل کیا ہے یہ بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ لوگوں کے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُن کو تکلیف نہیں ہے۔ اگر وہ تکلیف کو محسوس کر لیتے تو میں دیکھتا کہ ان میں تبدیلی شروع ہو جاتی، مگر ایسا نہیں ہے۔ رہا ہمارا رحم۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے ہم اس کی قضاو قدر پر ہر طرح راضی ہیں اور اسے دیکھتے ہیں؛ البتہ جب وہ خود ہمارے دل میں یہ بات ڈالے گا تو ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کو سُن لے گا اور سب کچھ کر دیگا۔ فی الحال تو جو ہو رہا ہے اس کی عین مرضی کے موافق ہے۔ جب تک وہ پسند کرے گا ہوتا رہے گا۔ اصل علاج یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح کی جاوے۔

اس تقریر کے بعد رئیس مذکور اپنے احباب کو لے کر نیازمندی سے سلام کر کے رخصت ہوا۔

طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے زیارتیں لیکر نکلنا

لاہور میں جو لوگ طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے نماز پڑھنے کے واسطے زیارتیں لے کر نکلتے ہیں۔ اُن کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر فرمایا :

جو لوگ اب باہر جا کر نمازیں پڑھتے ہیں اور زیارتیں نکالتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صفائی نہیں کرتے۔ سچی تبدیلی کا ارادہ نہیں معلوم ہوتا؛ ورنہ پھر وہی شوخی، بیباکی کیوں نظر آرہی ہے۔ اگر سچی تبدیلی

ہو تو ممکن نہیں کہ طاعون نہ ہٹ جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف جب میں کہتا ہوں کہ سچی تبدیلی کرو اور استغفار کرو۔ خدا تعالیٰ سے صلح کرو تو میری ان باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور ٹھٹھے اُڑاتے ہیں اور اب خود بھی دُعا ہی اس کا علاج بتاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ طاعون ان کے ہی سبب سے آیا ہے کیونکہ انھوں نے جھوٹے دعوے کئے تھے۔ مجھے اُن کی اس بات پر بھی تعجب اور افسوس آتا ہے کہ میں تو جھوٹے دعوے کر کے سلامت بیٹھا ہوں، حالانکہ بقول ان کے طاعون میرے ہی سبب سے آیا ہے اور مجھے ہی حفاظت کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ یہ بات تو اُن عدالتوں میں بھی نہیں ہوتی کہ صریح ایک مجرم ہو وہ چھوڑ دیا جاوے اور بے گناہ کو پھانسی دے دی جاوے۔ پھر کیا خدا تعالیٰ کی خدائی ہی میں یہ اندھیر اور ظلم ہے کہ جس کے لیے طاعون بھیجا جاوے وہ تو محفوظ رہے اور اس کو سلامتی کا وعدہ دیا جاوے اور وہ ایک نشان ہو اور دُوسرے لوگ مرتے رہیں؟ میں کہتا ہوں اسی ایک بات کو لیکر کوئی شخص انصاف کرے اور بتاوے کہ کیا ہو سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا کرے وُہ سلامت رہے اور اس کو یہ وعدہ دیا جاوے کہ تیرے گھر میں جو ہو گا وہ بھی بچایا جاوے گا اور دُوسروں پر چھُری چلتی رہے؟ یہ تو وہی شیعوں کی سی بات ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت دراصل حضرت علیؓ کو ملنی تھی اور انہیں کے واسطے جبریلؑ لائے تھے مگر غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور تیئیس سال تک برابر یہ غلطی چلی گئی اور اس کی اصلاح نہ ہوئی۔ ایسا ہی اب بھی غلطی لگ گئی۔ جن کی حفاظت کرنی تھی وُہ تو مر رہے ہیں اور جو حفاظت کے لائق نہ تھے۔ ان کی حفاظت کا وعدہ ہو گیا۔ بھلا اس قسم کی باتوں پر کوئی تسلی پا سکتا ہے؟

طاعون سے معجزانہ حفاظت

ایک امرتسری ملّا کا ذکر آیا کہ وُہ کہتا ہے کہ ایک سال گذر گیا تو کیا ہوا۔ ابھی آگے دیکھنا چاہیے۔ فرمایا:

وُہ تو ایک سال کہتا ہے۔ ہم تو یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے وُہ بالکل سچا ہے اور اس کے دو سے تو ستر ستر سال تک ہوتے ہیں۔ وُہ منتظر رہیں اور دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ ہم بھی ان کے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ وُہ ہماری نسبت اگر کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پا چکے ہیں، تو شائع کر دیں۔ ہم کو تو جو کچھ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے ہم نے تو اس کو شائع کر دیا ہے اور دُنیا کو معلوم ہو گیا ہے۔ وہ صبر کے ساتھ اب انجام تک دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔

یہ لوگ ہماری نسبت طرح طرح کی گرد شیں چاہتے ہیں۔ وُہ آخر اُن پر ہی لوٹ کر پڑتی ہیں۔ ایک بٹالوی مولوی نے ایک مرتبہ کہا کہ قادیان میں طاعون پڑی ہوئی ہے اور خود ان کو بھی گلٹی نکلی ہوئی ہے۔ یہ اُن

کی اَمانی ہیں۔ کیا گلٹی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نکل سکتی ہے؟ جب تک آسمان پر تغیر نہ ہو زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں جب قادیان میں طاعون پڑی ہوئی تھی۔ ہم خدا تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ دیکھ رہے تھے۔ ہمارے گھر کے اِدھر اُدھر سے چیخیں آتی تھیں۔ اور ہمارا گھر درمیان میں اس طرح تھا جیسے سمندر میں کشتی ہوتی ہے۔ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے اُسے محفوظ رکھا جیسا اُس نے فرمایا تھا۔ اور آئندہ بھی ہم اس کے فضل وکرم سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہماری حفاظت فرمائے گا۔

ہندوؤں کے ہاتھ سے پکا ہوا کھانا اس کے بعد ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟ فرمایا:

شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے تو... قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) پر زور دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھا لیتے تھے اور بغیر اس کے گذارہ بھی تو نہیں ہوتا ہے۔

تسبیح شماری ایک شخص نے تسبیح کے متعلق پوچھا کہ تسبیح کرنے کے متعلق حضور کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

تسبیح کرنے والے کا اصل مقصود گنتی ہوتا ہے اور وہ اس گنتی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ یا تو وہ گنتی پوری کرے اور یا توجہ کرے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ گنتی کو پوری کرنے کی فکر کرنے والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام اور کاملین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا شدہ ہوتے ہیں انھوں نے گنتی نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی اہل حق تو ہر وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اُن کے لیے گنتی کا سوال اور خیال ہی بیہودہ ہے۔ کیا کوئی اپنے محبوب کا نام گن کر لیا کرتا ہے؟ اگر سچی محبت اللہ تعالیٰ سے ہو اور پوری توجہ الی اللہ ہو تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ پھر گنتی کا خیال پیدا ہی کیوں ہوگا۔ وہ تو اسی ذکر کو اپنی رُوح کی غذا سمجھے گا اور جس قدر کثرت سے کرے گا۔ زیادہ لطف اور ذوق محسوس کرے گا اور اس میں اور ترقی کرے گا۔ لیکن اگر محض گنتی مقصود ہو گی تو وہ اُسے ایک بیگار سمجھ کر پورا کرنا چاہے گا۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۲، ۳ بابت ۱۰/۱۷ جون ۱۹۰۴ء

نماز کے بعد تسبیح

ایک صاحب نے پوچھا کہ بعد نماز تسبیح لے کر ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر وغیرہ جو پڑھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ حسبِ مراتب ہوا کرتا تھا اور اسی حفظ مراتب نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مشکلات پیش آئی ہیں اور انھوں نے اعتراض کر دیا ہے کہ فلاں دو احادیث میں باہم اختلاف ہے؛ حالانکہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلیم بلحاظ محل اور موقعہ کے ہوتی تھی۔ مثلاً ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اُس نے پوچھا کہ نیکی کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ اس میں یہ کمزوری ہے کہ ماں باپ کی عزت نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ نیکی یہ ہے کہ تو ماں باپ کی عزت کر۔ اب کوئی خوش فہم اس سے یہ نتیجہ نکال لے کہ بس اور تمام نیکیوں کو ترک دیا جاوے۔ یہی نیکی ہے۔ ایسا نہیں۔ اسی طرح تسبیح کے متعلق بات ہے۔ قرآن شریف میں تو آیا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (انفال: ۴۶) اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ اب یہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا نماز کے بعد ہی ہے تو ۳۳ مرتبہ تو کثیر کے اندر نہیں آتا۔ پس یاد رکھو کہ ۳۳ مرتبہ والی بات حسب مراتب ہے؛ ورنہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو سچے ذوق اور لذت سے یاد کرتا ہے، اُسے شمار سے کیا کام۔ وہ تو بیرون از شمار یاد کرے گا۔

ایک عورت کا قصہ مشہور ہے کہ وُہ کسی پر عاشق تھی۔ اُس نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ تسبیح ہاتھ میں لیے ہوتے پھیر رہا ہے۔ اس عورت نے اُس سے پوچھا کہ تو کیا کر رہا ہے اُس نے کہا کہ میں اپنے یار کو یاد کرتا ہوں۔ عورت نے کہا کہ یار کو یاد کرنا اور پھر گن گن کر؟

درحقیقت یہ بات بالکل سچی ہے کہ یار کو یاد کرنا ہو تو پھر گن گن کر کیا یاد کرتا ہے اور اصل بات یہی ہے کہ جب تک ذکر الٰہی کثرت سے نہ ہو وُہ لذت اور ذوق جو اس ذکر میں رکھا گیا ہے حاصل نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ۳۳ مرتبہ فرمایا ہے وہ آنی اور شخصی بات ہوگی کہ کوئی شخص ذکر نہ کرتا ہوگا تو آپ نے اُسے فرما دیا کہ ۳۳ مرتبہ کر لیا کر۔ اور یہ تو تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھتے ہیں۔ یہ مسئلہ بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے آشنا ہو تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے کبھی ایسی باتوں کا التزام نہیں کیا۔ وُہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا تھے۔ انسان کو تعجب آتا ہے کہ کس مقام اور درجہ پر آپ پہنچے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ رات کو جب میری آنکھ کھلی تو میں نے آپ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ مجھے خیال گذرا کہ کسی دُوسری بیوی کے گھر میں ہوں گے؛ چنانچہ میں نے سب گھروں میں دیکھا، مگر آپ کو نہ پایا۔ پھر

میں باہر نکلی تو قبرستان میں دیکھا کہ آپ سفید چادر کی طرح پر زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور سجدہ میں گرے ہوئے کہہ رہے ہیں سَجَدَتْ لَكَ رُوْحِيْ وَجَنَانِيْ اب بتاؤ کہ یہ مقام اور مرتبہ ۳۳ مرتبہ کی دانہ شماری سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

جب انسان میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش زن ہوتی ہے تو اس کا دل سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے۔ وُہ ذکرِ الٰہی کرنے میں بے انتہا جوش اپنے اندر پاتا ہے اور پھر گن کر ذکر کرنا تو کفر سمجھتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عارف کے دل میں جو بات ہوتی ہے اور جو تعلق اپنے محبوب و مولا سے اُسے ہوتا ہے وہ کبھی روا رکھ سکتا ہی نہیں کہ تسبیح لے کر دانہ شماری کرے۔ کسی نے کہا ہے ؎ من کا منکا صاف کر۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے دل کو صاف کرے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرے۔ تب وہ کیفیت پیدا ہوگی اور ان دانہ شماریوں کو ہیچ سمجھے گا۔

تعدادِ رکعات

پُوچھا گیا کہ نمازوں میں تعدادِ رکعات کیوں رکھی ہے؟ فرمایا:

اس میں اللہ تعالیٰ نے اور اسرار رکھے ہیں۔ جو شخص نماز پڑھے گا۔ وہ کسی نہ کسی حد پر تو آخر رہے گا ہی۔ اور اسی طرح پر ذکر میں بھی ایک حد تو ہوتی ہے۔ لیکن وہ حد وہی کیفیت اور ذوق و شوق ہوتا ہے۔ جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ جب وہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بس کر جاتا ہے۔

دُوسرے یہ بات حال والی ہے قال والی نہیں۔ جو شخص اس میں پڑتا ہے وہی سمجھ سکتا ہے۔ اصل غرض ذکرِ الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے۔ اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک تاجر نے ستر ہزار کا سودا لیا اور ستر ہزار کا دیا مگر وُہ ایک آن میں بھی خدا سے جُدا نہیں ہوا۔ پس یاد رکھو کہ کامل بندے اللہ تعالیٰ کے وہی ہوتے ہیں جن کی نسبت فرمایا ہے۔ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) جب دل خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور عشق پیدا کر لیتا ہے تو وہ اس سے الگ ہوتا ہی نہیں۔ اس کی ایک کیفیت اس طریق پر سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کسی کا بچہ بیمار ہو تو خواہ وہ کہیں جاوے، کسی کام میں مصروف ہو مگر اس کا دل اور دھیان اسی بچہ میں رہے گا۔ اسی طرح پر جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں۔ وُہ کسی حال میں بھی خُدا تعالیٰ کو فراموش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کہتے ہیں کہ عام لوگوں کے رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے۔ وہ بھی تسبیحات ہی ہوتی ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت میں رنگین ہوتا ہے۔ یہی مفہوم اور غرض اسلام کی ہے کہ

وہ آستانۂ الوہیت پر اپنا سر رکھ دیتا ہے۔[1]

---

۱۶ رمئی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام احاطہ کچہری میں رونق افروز تھے۔ وقتاً فوقتاً جو کچھ آپ نے فرمایا۔ ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ایڈیٹر الحکم)

دُنیا کی مشکلات اور تلخیاں دُنیا کی تلخیوں اور ناکامیوں پر فرمایا کہ:

مثنوی میں لکھا ہے ؎

دشتِ دُنیا جُز دَہ و جُز دام نیست
جُز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

فرمایا:

دُنیا کے مشکلات اور تلخیاں بہت ہیں۔ یہ ایک دشت پُر خار ہے۔ اس میں سے گذرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ گذرنا تو سب کو پڑتا ہے لیکن راحت اور اطمینان کے ساتھ گذر جانا یہ ہر ایک شخص کو میسر نہیں آ سکتا۔ یہ صرف ان لوگوں کا حصّہ ہے جو اپنی زندگی کو ایک فانی اور لاشئی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے لیے اسے وقف کر دیتے ہیں اور اس سے سچا تعلق پیدا کر لیتے ہیں؛ ورنہ انسان کے تعلقات ہی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی تلخی اس کو دیکھنی پڑتی ہے۔ بیوی اور بچے ہوں تو کبھی کوئی بچہ مرجاتا ہے تو صدمہ برداشت کرتا ہے لیکن اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو تو ایسے ایسے صدمات پر ایک خاص صبر عطا ہوتا ہے جس سے وہ گھبراہٹ اور سوزش پیدا نہیں ہوتی جو اُن لوگوں کو ہوتی ہے جن کا خدا تعالےٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے منشاء کو سمجھ کر اس کی رضا کے لیے اپنی زندگی وقف کرتے ہیں۔ وہ بیشک آرام پاتے ہیں؛ ورنہ ناکامیاں اور نامرادیاں زندگی تلخ کر دیتی ہیں۔

ایک کتاب میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ ایک شخص شرک پر روتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک ولی اللہ اس سے ملے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ تُو کیوں روتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۱ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ رجون ۱۹۰۴ء

دوست مرگیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ تجھ کو پہلے سوچ لینا چاہیے تھا۔ مرنے والے کے ساتھ دوستی ہی کیوں کی؟

دُنیا عجیب مشکلات کا گھر ہے۔ بیوی بچوں کے نہ ہونے سے بھی غم ہوتا ہے اور اگر ہوں تب بھی مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی ضروریات کے پُورا کرنے کے لیے بعض نادان انسان عجیب عجیب مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں اور صراطِ مستقیم سے ہٹ کر اُن کی ضروریات کو پُورا کرنے کے لیے مال بہم پہنچاتے ہیں اور پھر اور مشکلات میں پھنستے ہیں۔ ایک فقیر ننگ دھڑنگ جس کے پاس ستر پوشی کے سوا اور کوئی کپڑا تک نہ تھا خوش وخرم کھیلتا کودتا جارہا تھا۔ کسی سوار نے اس سے پُوچھا کہ سائیں صاحب آپ ایسے خوش کیوں ہیں؟ اس نے کہا کہ جس کی مُرادیں حاصل ہوجائیں وُہ خوش ہوتا ہے کہ نہیں؟ سوار نے کہا کہ تیری ساری مُرادیں کس طرح پُوری ہوگئی ہیں؟ اُس نے کہا کہ جب خواہشیں چھوڑ دیں تو مُرادیں پُوری ہوگئیں۔

بات بالکل ٹھیک ہے۔ انسان دُو طرح ہی خوش ہوسکتا ہے یا تو حصولِ مراد کے ساتھ یا ترکِ مراد کے ساتھ اور ان میں سے سہل طریق ترکِ مراد کا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سب کی زندگی تلخ ہے بجز اس کے جو اس دُنیا کے علاقوں سے الگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بادشاہوں نے بھی ان تلخیوں اور ناکامیوں سے عاجز آکر خودکشی کرلی ہے۔

لذاتِ دنیا کی مثال

دُنیا کی لذت خارش کی طرح ہے۔ ابتداءً لذت آتی ہے۔ پھر جب کھجلاتا رہتا ہے تو زخم ہوکر اُس میں سے خُون نکل آتا ہے یہانتک کہ اس میں پیپ پڑ جاتی ہے اور وُہ ناسُور کی طرح بن جاتا ہے اور اس میں درد بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ گھر بہت ہی ناپائیدار اور بے حقیقت ہے۔ مجھے کئی بار خیال آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی مُردے کو اختیار دیدے کہ وہ پھر دُنیا میں چلا جاوے تو وُہ یقیناً توبہ کر اُٹھے کہ میں اس دُنیا سے باز آیا۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو تو انسان ان مشکلاتِ دنیا سے نجات پاسکتا ہے، کیونکہ وُہ دردمندوں کی فریادوں کو سُن لیتا ہے مگر اس کے لیے یہ شرط ہے کہ دُعائیں مانگنے سے انسان تھکے نہیں تو کامیاب ہوگا۔ اگر تھک جاوے گا تو نری ناکامی نہیں بلکہ ساتھ بے ایمانی بھی ہے کیونکہ وہ خُدا تعالیٰ سے بدظن ہوکر سلبِ ایمان کر بیٹھے گا۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کہا جاوے کہ تو اس زمین کو کھود۔ خزانہ نکلے گا مگر وہ دو چار پانچ ہاتھ کھودنے کے بعد اُسے چھوڑ دے اور دیکھے کہ خزانہ نہیں نکلا تو وہ اس نامرادی اور ناکامی پر ہی نہ رہے گا بلکہ بتانے والے کو بھی گالیاں دے گا؛ حالانکہ یہ اس کی اپنی کمزوری اور غلطی ہے جو اُس نے

پُورے طور پر نہیں کھودا۔ اسی طرح جب انسان دُعا کرتا ہے اور تھک جاتا ہے تو اپنی نامرادی کو اپنی سُستی اور غفلت پر تو حمل نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے اور آخر بے ایمان ہو جاتا ہے اور آخر دہریہ ہو کر مرتا ہے۔

نیم مُلّاں خطرۂ ایمان جہاں حضُور بیٹھے ہوئے تھے وہاں سامنے ایک آم کا درخت تھا جس کو کچے پھل لگے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا:

دیکھو۔ اس آم کو پھل لگا ہوا ہے مگر یہ کچا پھل ہے۔ اگر کوئی اس کو کھانے بیٹھ جاوے اور اس کو ہی اصل مقصد سمجھ لے تو بجُز اس کے کہ اس کے کھانے سے پھُنسیاں وغیرہ نکل آویں کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح پر نیم مُلّاں خطرۂ ایمان والی مثال صحیح ہے۔ نارسیدہ منزل کچے پھل کی طرح ہوتا ہے۔ وہ جو کسی کو بات سُناتے گا تو اسے گمراہ کرے گا اور اگر خود کرے گا تو آپ گمراہ ہوگا۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں جبتک انسان بہت سی مشکلات اور امتحانات میں پُورا نہ اُترے وہ کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض اتنی ہی بات پر راضی ہو جاوے کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور وُہ آزمائے نہ جاویں۔ ایسے لوگ جو اتنی بات پر اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وُہ یاد رکھیں انہیں کے لیے دُوسری جگہ آیا ہے۔ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ۔ (البقرۃ: ۹) اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ (الحجرات: ۱۵) یعنی تم یہ نہ کہو کہ ایماندار ہو گئے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے مقابلہ چھوڑ دیا ہے اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کامل ایماندار بننے کے لیے مجاہدات کی ضرورت ہے اور مختلف ابتلاؤں اور امتحانوں سے ہو کر نکلنا پڑتا ہے ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

فوٹو گرافی منشی نظیر حسین صاحب نے سوال کیا کہ میں فوٹو کے ذریعہ تصویریں اُتارا کرتا تھا۔ اور دِل میں ڈرتا تھا کہ کہیں یہ خلافِ شرع نہ ہو۔ لیکن جناب کی تصویر دیکھ کر یہ وہم جاتا رہا۔ فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ ہم نے اپنی تصویر محض اس لحاظ سے اُتروائی تھی کہ یورپ کو تبلیغ

کرتے وقت ساتھ تصویریں بھیج دیں، کیونکہ ان لوگوں کا عام مذاق اس قسم کا ہوگیا ہے کہ وُہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں ساتھ ہی اُس کی تصویر دیتے ہیں جس سے وُہ قیافہ کی مدد سے بہت سے صحیح نتائج نکال لیتے ہیں۔ مولوی لوگ جو میری تصویر پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ خود اپنے پاس روپیہ پیسہ کیوں رکھتے ہیں کیا ان پر تصویریں نہیں ہوتی ہیں۔

اسلام ایک وسیع مذہب ہے۔ اس میں اعمال کا مدار نیات پر رکھتا ہے۔ بدر کی لڑائی میں ایک شخص میدانِ جنگ میں بکلا جوا اترا کر چلتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو یہ چال بُری ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۸) مگر اس وقت یہ چال خدا تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے کیونکہ یہ اس کی راہ میں اپنی جان تک نثار کرتا ہے اور اس کی نیت اعلیٰ درجہ کی ہے۔

غرض اگر نیت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بہت مشکل پڑتی ہے۔ اسی طرح پر ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن کا تہ بند نیچے کو ڈھلکتا ہے وُہ دوزخ میں جاویں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر رو پڑے کیونکہ اُن کا تہ بند بھی ویسا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تُو اُن میں سے نہیں ہے۔ غرض نیت کو بہت بڑا دخل ہے اور حفظِ مراتب ضروری شئے ہے۔

منشی نظیر حسین صاحب: مَیں خود تصویر کشی کرتا ہوں۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟

فرمایا:

اگر کُفر اور بُت پرستی کو مدد نہیں دیتے۔ تو جائز ہے۔ آجکل نقوش و قیافہ کا علم بہت بڑھا ہوا ہے۔[1]

بلا تاریخ

اہل اللہ اور ریا

حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پُوچھا کہ کیا کبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ میں بھی ریا آوے؟

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۷ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۴ء
و البدر جلد ۳ نمبر ۲۰-۲۱ صفحہ ۹-۱۰

اس پر حضور نے فرمایا :
کبھی چڑیا خانہ گئے ہو ؟ مَیں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا :
دیکھو وہاں شیر، چیتے اور دُوسرے حیوانات ہوتے ہیں۔ کبھی یہ خیال وہاں جاکر دل میں آسکتا ہے کہ ان کے سامنے لمبی لمبی نمازیں پڑھیں ؟ کبھی یہ خیال وہاں جاکر ریاکار سے ریاکار کے دل میں بھی نہیں آسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وُہ خوب جانتا ہے کہ یہ حیوانات ہماری جنس سے تو نہیں ہیں تو پھر ریا کہاں رہی؟ ریا تو ہم جنسوں سے ہوتی ہے تو اہل اللہ کس سے ریا کریں۔ اُن کے سامنے دُوسرے لوگوں کی وہی مثال ہے جیسے چڑیا خانہ میں جانور بھرے ہوئے ہیں۔

اپنے الہامات پر کامل ایمان مولٰنا موصوف نے فرمایا کہ ایک دن کی مجھے بات یاد ہے کہ کسی نے ذکر کیا کہ منشی الٰہی بخش اور اس کا ترجمان منشی عبدالحق کہتا ہے کہ الہام وُہ ہے جو پورا ہو جاوے اور جو نہ ہووے وہ شیطانی کام ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ :
مکّہ معظمہ میں داخل ہو کر اگر خدا تعالیٰ کی قسم دی جاوے تو مَیں کہوں گا کہ میرے الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جس شخص نے خیالی طور پر دعویٰ کیا ہو وہ ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ کبھی وہ شخص جو کامل یقین رکھتا ہو اور وہ جو مشکوک ہے برابر ہو سکتے ہیں ؟

عہدِ دوستی مولٰنا موصوف نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت اقدس نے خاص طور پر مجھے مخاطب کر کے فرمایا :

"میرے خُلق کی پیروی کر"

مَیں نے عرض کی کہ دُعا کریں۔ فرمایا کہ :
اگر کسی نے ایک بار میرے ساتھ عہدِ دوستی باندھا ہو تو مجھے اس قدر اس کی رعایت ہوتی ہے کہ اگر اُس نے شراب پی ہوئی ہو تو بھی مَیں بلا خوف لَوْمَۃَ لَائِم اُسے اُٹھا لاؤں گا۔ یعنی جب تک وہ خود ترک نہ کرے ہم خود نہ چھوڑیں گے۔ پس اگر کوئی اپنے بھائیوں کو ترک کرے گا۔ وہ سخت گنہگار ہوگا۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ مولٰنا موصوف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :

مومن مومن کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کفر اس سے مایوس نہ ہو جاوے۔ فتح مسیح کو ایک بار ہم نے رسالہ بھیجا۔ اس پر اُس نے یکبریں پمفلٹ کر واپس بھیج دیا اور لکھا کہ جس قدر دل آپ نے دُکھایا ہے کسی اَور نے نہیں دُکھایا۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن نے خود اقرار کر لیا کہ ہمارا دل دُکھا۔ پس ایسی مضبوطی ایمان میں پیدا کرو کہ کفر مایوس ہو جاوے کہ میرا قابو نہیں چلتا۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے یہ معنے بھی ہیں۔

قبولیت دُعا کی شرط

طاعون کا ذکر تھا۔ کثرتِ اموات پر ذکر کرتے کرتے فرمایا:

دُعائیں کرتے رہو۔ بجُز اس کے انسان مکر اللہ سے بچ نہیں سکتا۔ مگر دُعاؤں کی قبولیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرے۔ اگر بدیوں سے نہیں بچ سکتا اور خدا تعالےٰ کی حدود کو توڑتا ہے، تو دُعاؤں میں کوئی اثر نہیں رہتا۔

خدا تعالیٰ کی شناخت کا وقت

فرمایا:

اس وقت دُنیا میں خدا تعالیٰ کا وجود ثابت ہو رہا ہے، اگرچہ لوگ بلا ئے نام خدا تعالیٰ کے قائل تھے، مگر اصل بات یہ ہے کہ ایک قسم کی دہریت پھیل رہی تھی اور خدا تعالیٰ سے بکلّی دُور جا پڑے ہیں مگر اب وقت آگیا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کو شناخت کریں۔ خدا تعالیٰ کے اَوامر و نواہی کو توڑنا اس سے بڑھ کر خباثت کیا ہوگی۔ یہ تو اس کا مقابلہ ہے[1]

---

۲۰ مئی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

نومبائعین کو نصائح

بعد نماز عصر حیدرآباد دکن کے چند احباب نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد تقریر کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

آپ نے جو مجھ سے آج تعلقِ بیعت کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کچھ بطور نصیحت چند الفاظ تمہیں کہوں۔

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰/۱۷ جون ۱۹۰۴ء

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ پر ایمان رکھے اور پھر قرآن کریم پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے کیا کچھ قرآن مجید میں فرمایا ہے تو وہ شخص دیوانہ وار دُنیا کو چھوڑ خدا تعالیٰ کا ہو جائے۔ یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ دُنیا روزے چند عاقبت باخداوند۔ اب خدا تعالیٰ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف آنا چاہتا ہے اور فی الواقعہ اس کا دل ایسا نہیں کہ اس نے دین کو دُنیا پر مقدم کیا ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے جب تک کافی حصّہ اپنا اُن کی طلب میں خرچ نہ کر دیں، وہ مقاصد حاصل ہونے ناممکن ہیں مثلاً اگر طبیب ایک دوائی اور اس کی ایک مقدار مقرر کر دے اور ایک بیمار وہ مقدار دوائی کی تو نہیں کھاتا بلکہ تھوڑا حصّہ اس دوائی کا استعمال کرتا ہے تو اس کو کیا فائدہ اس سے ہوگا؟ ایک شخص پیاسا ہے تو ممکن نہیں کہ ایک قطرہ پانی سے اس کی پیاس دُور ہو سکے۔ اسی طرح جو شخص بھوکا ہے وہ ایک لقمہ سے سیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ یا اس کے رسُولؐ پر زبانی ایمان لے آنا یا ایک ظاہری رسم کے طور پر بیعت کر لینا بالکل بے سُود ہے۔ جبتک انسان پوری طاقت سے خدا تعالیٰ کی راہ میں نہ لگ جاوے۔ نفس کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ انسان پورے طور پر وہ حصہ لے جو رُوحانی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ صرف یہ خیال کہ مَیں مسلمان ہوں کافی نہیں۔

مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے جو تعلق مجھ سے پیدا کیا ہے (خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈالے) اس کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہیں لیکن یاد رہے کہ صرف اقرار ہی کافی نہیں جبتک عملی رنگ سے اپنے آپ کو رنگین نہ کیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۳) یعنی کیا انسانوں نے گمان کر لیا ہے کہ ہم آمنّا ہی کہہ کر چھٹکارا پا لیں گے اور کیا وہ آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے۔ سو اصل مطلب یہ ہے کہ یہ آزمائش اسی لیے ہے کہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا ایمان لانے والے نے دین کو ابھی دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں؟ آج کل اس زمانہ میں جب لوگ خدا تعالیٰ کی راہ کو اپنے مصالح کے خلاف پاتے ہیں یا بعض جگہ حکام سے ان کو کچھ خطرہ ہوتا ہے تو وہ خدا کی راہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگ بے ایمان ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ فی الواقعہ خدا ہی احکم الحاکمین ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ بہت دشوار گذار ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی کھال اپنے ہاتھ سے نہ اُتارے تب تک وُہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک بھی ایک بے وفا نوکر کسی قدر و منزلت کے قابل نہیں۔ جو نوکر صدق اور وفا نہیں دکھلاتا وہ کبھی قبولیت نہیں پاتا۔ اسی

طرح جنابِ الٰہی میں وہ شخص پرلے درجہ کا بے ادب ہے جو چند روزہ دنیوی منافع پر نگاہ رکھ کر خدا تعالیٰ کو چھوڑتا ہے۔

بیعت کی حقیقت

بیعت سے مراد خدا تعالیٰ کو جان سپرد کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں چل کر انجام کار کوئی شخص نقصان اٹھاوے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اُٹھا سکتا۔ نقصان اسی کا ہے جو کاذب ہے۔ جو دُنیا کے لیے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے وہ شخص جو محض دُنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ یاد رکھے بوقتِ موت کوئی حاکم یا بادشاہ اُسے نہ چھڑا سکے گا۔ اس نے احکم الحاکمین کے پاس جانا ہے جو اُس سے دریافت کریگا کہ تُو نے میرا پاس کیوں نہیں کیا؟ اس لیے ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ خدا جو ملک السمٰوٰت والارض ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر بھی یُونہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ خدا ہی یہ امر دل میں بٹھائے تو بیٹھ سکتا ہے۔ سو اس کے لیے دُعا بکار ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اُٹھاتا ہے اس کو عظیم الشان طاقت اور خارقِ عادت قوت دی جاتی ہے۔ مومن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس سے قوتِ جاذبہ کے ذریعہ وہ دُوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یَں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر تم میں جذبِ محبت خدا تعالیٰ کی راہ میں کافی ہو تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھنچے آویں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت نہ ہو جاوے۔ دیکھو قرآن میں سورۂ یوسف میں آیا ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (یوسف: ۲۵) یعنی جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ اب ایک طرف تو یوسف جیسا متقی ہے اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نبی زلیخا کی طرف مائل ہو ہی چکا تھا اگر ہم نہ روکتے۔ اس میں سِر یہ ہے کہ انسان میں ایک کششِ محبت ہوتی ہے۔ زلیخا کی کششِ محبت اس قدر غالب آئی تھی کہ اس کشش نے ایک متقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت میں جذب اور کشش اس قدر ہو کہ اس کا اثر ایک مضبوط دل پر ہو جاوے اور ایک شخص جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس میں جذبِ محبت الٰہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آویں۔ یہ عذر قابلِ پذیرائی نہیں کہ زبان میں یا وعظ میں اثر نہیں۔ اصل نقصان قوتِ جاذبہ میں ہے۔ جب تک وہ کامل نہیں تب تک زبانی خالی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

وفاتِ مسیح

اور ہمارے مسائل۔ سو وہ بھی بالکل صاف ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی یہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) اس میں ایک جواب اور ایک سوال ہے۔ خدا تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے پوچھے گا کہ کیا تُو نے لوگوں کو ایسی تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ بارِ خدایا جب تک میں زندہ رہا اور اُن میں رہا میں نے تو اُن کو ایسی تعلیم نہیں دی؛ البتہ تُو نے جب مجھ کو مار دیا تو پھر تو ہی ان کا نگرانِ حال تھا۔ مجھے کوئی علم نہیں کہ میرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ یہ کیسی موٹی بات ہے کہ خود مسیح اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر عیسائی بگڑے تو میری وفات کے بعد بگڑے۔ جب تک میں اُن میں زندہ رہا تب تک وہ صحیح عقیدہ پر قائم تھے۔ اب اگر عیسائی بگڑ گئے ہیں تو بالضرور مسیح مر چکا ہے۔ اور اگر مسیح آجتک نہیں مرا تو عیسائی بھی نہیں بگڑے اور اگر عیسائی نہیں بگڑے تو بالضرور عقیدہ الوہیت مسیح بھی درست ہے۔ پھر مسیح کا یہ کہہ دینا کہ مجھے تو اُن کے بگڑنے کا علم نہیں جیسے کہ اسی آیت سے پایا جاتا ہے۔ کیا یہ جواب اُن کا جھوٹا نہیں ہوگا۔ اگر ان کا دوبارہ دُنیا میں آنا دُرست ہے، کیونکہ سوال و جواب قیامت کو ہوگا۔ اور اگر انھوں نے دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہنا ہے اور عیسائیوں اور کفار کو قتل کر کے اسلام کو پھیلانا ہے تو بالضرور اُنھوں نے عیسائیوں کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ لیا ہے اور اس بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ کر وہ دوبارہ اس دُنیا سے تشریف لے جاویں گے تو پھر حضرت مسیح کا یہ جواب دینا خُدا کے حضور میں دروغ بیانی ہے۔ کیا وہ احکم الحاکمین نہ کہے گا کہ تُو دوبارہ دُنیا میں گیا اور تُو نے دیکھ لیا کہ تیری اُمت بگڑ چکی تھی۔ ایک مجازی حاکم کے آگے غلط بیانی، دروغِ حلفی کے جُرم کا خطرناک ارتکاب ہے۔ چہ جائیکہ ایک عالم الغیب حاکم کی جناب میں ایسی دروغ بیانی کی جاوے تو گویا اس آیت نے بڑی صفائی کے ساتھ ایک طرف مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور دوسری طرف ان کے دوبارہ دُنیا میں تشریف لانے کا اُبطلان کر دیا۔ اس کے مقابل جب ہم حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو وہاں سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا اور یہ متفق علیہ حدیث ہے کہ میں نے حضرت مسیحؑ کو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ دیکھا۔ حضرت یحییٰ کا مر جانا اور ان کا اس جماعت میں داخل ہونا جن کی قبض رُوح ہو چکی ہے ثابت شدہ امر ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسیح بلا قبض رُوح و انتقال کرنے کے ایک ایسے شخص کا جلیس ہو جو دنیا سے مر چکا ہے اب ایک طرف قولِ خدا اور دوسری طرف رؤیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات مسیحؑ اور ان کا دوبارہ دُنیا میں واپس نہ آنا قطعی ثابت ہو گیا۔ اب بھی یہ لوگ اگر عقیدہ حیات مسیحؑ سے باز نہ آویں۔ تو یہی سمجھا جاوے گا کہ یہی ہدایت اور سعادت صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اُن کے حال

پر تو پھر سعدی کا یہ قول صادق آتا ہے ؎

آنکس کہ بقرآں دخبر زد نہ دہد
ایں است جوابش کہ جوابش نہ دہی

آنیوالا مسیح اُمتی ہوگا رہا یہ کہ آنے والا کون ہے؟ اس کا فیصلہ بھی قرآن و حدیث نے کر دیا ہے۔ سورہ نور نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اس امت میں سے ہوں گے۔ بخاری اور مسلم کا بھی یہی مذہب ہے کہ آنیوالا مسیح اس امت میں سے ہوگا۔ اب ایک طرف قرآن و حدیث بنی اسرائیلی مسیح کی موت اور دوبارہ نہ آنے کو بیان کرتے ہیں۔ دُوسری طرف یہی قرآن و حدیث آنے والے مسیح کو اسی امت میں سے ٹھہراتے ہیں تو پھر اب اِنتظار کس بات کا ہے؟

نشانات اب علامات کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ صدی کے سر پر مجدد کا آنا سب نے تسلیم کیا ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ مسیح بطور مجدد صدی کے سر پر آوے گا۔ صدی میں سے بائیس سال گذر گئے اور اس وقت تک مجدد نظر نہ آیا۔ آخر اس صدی کے سر پر جس مجدد نے آنا تھا وہ کہاں ہے؟

کسُوف وخسُوف کا نشان مہدی کا نشان کسوف وخسوف تھا جو رمضان میں ہونا تھا۔ اس کسوف وخسوف پر بھی آٹھ سال گذر گئے۔ مہدی نہ آیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نشان تو گیا لیکن صاحب نشان بعد میں آوے گا تو یہ عقیدہ بڑا فاسد ہے اور قسم قسم کے فسادات کی بنا ہے۔ اگر ایک زمانہ کے بعد کٹھے بیس انسان مہدویت کے دعوی ہو جاویں تو پھر اُن میں کون فیصلہ کریگا؟ ضرور ہے کہ صاحب نشان نشان کے ساتھ ہو۔ یہ لوگ منبروں پر چڑھ کر صدی کے سر پر کسُوف وخسوف کو یاد کیا کرتے اور روتے تھے، لیکن جب وہ وقت آیا تو یہی لوگ دشمن بن گئے۔ حدیث کے مطابق تمام نشان واقعہ ہو گئے لیکن یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ کسوف خسُوف کا عظیم الشان نشان ظاہر ہو گیا، لیکن خدا تعالیٰ کے اس نشان کی قدر نہ کی گئی۔

طاعون کا نشان اسی طرح کُل انبیاء کی کتب سابقہ اور قرآن و حدیث میں ایک اور بلا کی طرف اشارہ تھا جو کسُوف وخسُوف کے آسمانی نشان کے بعد آنے والی تھی اور وہ طاعون ہے۔ جو وہ بھی مسیح کے زمانہ سے وابستہ تھی۔ یہ ایک خطرناک مصیبت ہے جس کی طرف ہر ایک اُولوالعزم نبی نے بالتصریح یا بالاجمال اشارہ کیا ہے۔ طاعون آگئی۔ لاکھوں انسان تباہ ہو

گئے۔ اور نہ معلوم کب تک اس کی تباہی چلتی رہے گی لیکن جس موعود کے زمانہ کی شناخت کا یہ نشان ہے اسے اب تک ان لوگوں نے نہ پہچانا۔ اسی طرح زمین و آسمان نے شہادت دی لیکن ان شہادتوں کو ردّی سمجھا گیا۔ خُدا غیور ہے اور وہ اپنی غیرت دکھلائے گا۔ ایک مجازی حاکم عدول حکمی پسند نہیں کرتا تو وہ احکم الحاکمین غیُور خدا کب اس عدول حکمی کو بلا سزا چھوڑیگا۔

نئی سواری کا نشان

ایک اور نشان اس زمانہ کا وہ نئی سواری تھی جس نے اُونٹوں کو بیکار کر دینا تھا۔ قرآن نے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر : ۵) (جب اُونٹنیاں بے کار ہو جاویں گی) کہہ کر اس زمانہ کا پتہ بتلایا۔ حدیث نے مسیح کے نشان میں یوں کہا: لَیُتْرُکُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا۔ پھر یہ نشان کیا پورا نہ ہوا؟ حتّٰی کہ اس سرزمین میں بھی جہاں آجتک اُونٹنی کی سواری تھی اور بغیر اُونٹنیوں کے گذارہ نہ تھا، وہاں بھی اس سواری کا انتظام ہو گیا ہے اور چند سالوں میں اُونٹوں کی سواری کا نام و نشان نہیں ملے گا۔ اونٹنیاں بیکار ہو گئیں۔ مقرر کردہ نشان پُورے ہو گئے، لیکن جس کا یہ نشان تھا وہ پہچانا نہ گیا! کیا یہ اُمور بھی میرے اختیار میں تھے۔ کہ ایک طرف تو میں دعویٰ کروں اور دُوسری طرف یہ نشان پورے ہوتے جاویں۔ کیا آسمانی نظام پر بھی میرا دخل ہے جو سورج اور خسوف موعود کو پیدا کر لیتا؟ یا میرے ہاتھ کوئی ایسے مواد ہیں جن سے زمین پر موعود طاعون پیدا ہو گئی؟ یا حج کا رکنا جو یہ بھی مسیح کا نشان تھا کیا یہ بھی میرے اشارہ سے ہوا؟ اسی طرح بیسیوں نشان زمانہ مسیح کے ساتھ وابستہ تھے وہ سب پورے ہو گئے۔ خدا تعالیٰ نے کونسی حجت کو ان پر پُورا نہیں کیا، لیکن ان کا انکار ابھی اسی طرح ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمانہ میں دہریت پھیلی ہوئی ہے جو خفیہ خفیہ سب دلوں پر اثر کر رہی ہے۔ خشیتِ الٰہی دن بدن مفقُود ہو رہی ہے۔ کان رکھتے ہیں پر سُن نہیں سکتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں پر نہیں دیکھتے۔ دل رکھتے ہیں پر نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ انکار ہے ورنہ معاملہ تو بہت ہی صاف تھا۔ میری کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر اتمام حجت کی گئی۔ اب ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ خُدا تعالیٰ نے قوی دلائل سے اُن کا رگ و ریشہ کاٹ دیا ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے۔

شناختِ مامُور کے تین طریق

ایک مامور کی شناخت کے تین طریق ہیں:۔ نقل، عقل، تائیداتِ سماوی۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ یہ تینوں امور اس سلسلہ کے مؤید ہیں۔ دانیال اور دیگر انبیاء نے تو اس کے آنے کا زمانہ مقرر کر دیا ہے حتّٰی کہ صدی اور سال بھی مقرر کر دیا ہے۔ تمام عیسائیوں میں ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے کیونکہ کتبِ سابقہ کے مطابق مسیح کی آمد کا وقت آچکا ہے۔ اور مسیح ابھی تک آیا نہیں۔ اس لیے بعض علماء اخیر مجبور ہو کر اس طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمدِ ثانی سے مراد کلیسیا کی ترقی ہے جو ہو چکی ہے۔[1]

[1] (از ریویو) البدر جلد ۳ نمبر ۳۰ صفحہ ۲۳۲ مورخہ ۸ راگست ۱۹۰۴ء

اسی طرح ہماری کتب کے مطابق بھی بعثتِ مسیح کا یہی زمانہ ہے۔ حج الکرامہ والے نے لکھا ہے کہ کُل اہلِ کشوف اسی طرف گئے ہیں کہ مسیح کی آمدِ ثانی کے لیے چودھویں صدی مقرر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اسی زمانہ کے لیے اُسے چراغ الدین کہا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک بزرگ نے جو زمانہ مقرر کیا ہے وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں گیا، اگرچہ اُن میں کچھ اختلاف ہے۔ چودھویں صدی میں لطیف اشارہ اس طرف تھا کہ دینِ اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح اس زمانہ میں چمک اٹھے گا۔ جس طرح چاند کا کمال چودھویں رات کو ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام کا کمال کُل دُنیا میں چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ تیرھویں صدی کی تاریکی ان لوگوں میں ضرب المثل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صدی کے علماء سے بھیڑیوں نے بھی نجات مانگی تھی۔ یہ لوگ چودھویں صدی کے منتظر تھے، لیکن جب صدی آگئی تو اپنی بدبختی کے باعث انکار کر گئے۔ اسی طرح قرآن میں ذکر ہے۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ۔ (البقرۃ:۹۰) اہلِ کتاب منتظر تھے کہ پیغمبر کے آنے پر وہ اس کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کریں گے لیکن جب پیغمبر آیا تو انکار پر آمادہ ہو گئے۔

عقل کے نزدیک بھی زمانہ مسیح کا یہی معلوم ہوتا ہے۔ اسلام اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ ایک وقت ایک شخص کے مُرتد ہو جانے پر اس میں شور پڑ جاتا تھا۔ لیکن اب لاکھوں مُرتد ہو گئے۔ رات دن مخالفتِ اسلام میں کُتب تصنیف ہو رہی ہیں۔ اسلام کی بیخ کنی کے واسطے طرح طرح کی تجاویز ہو رہی ہیں۔ عقل پسند نہیں کرتی کہ جس خدا نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کا وعدہ دیا ہے وہ اس وقت اسلام کی حفاظت نہ کرے اور خاموش رہے۔ یہ زمانہ کس قسم کی مصیبت کا اسلام پر ہے کہ شرفا کی اولاد دشمنِ اسلام ہو کر گرجاؤں میں چلے گئے اور کھلے طور پر رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو رہی ہے۔ ہر ایک قسم کی گالی اور سب وشتم میں اُن کو یاد کیا جاتا ہے۔ ان تمام امور کو بہ ہیئت مجموعی اگر دیکھا جائے تو عقل کہتی ہے کہ یہی وقت خدا تعالیٰ کی تائید کا ہے اور میں تم کو سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے وجود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ عین ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور عین مصیبت کے وقت اسلام کو سنبھالا۔ تائیداتِ سماوی اگر دیکھی جاویں تو یہاں بھی ایک بڑا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہزار ہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ اگر میں ان تمام نشانوں کو جمع کروں جو ہر روز میں اور میرے ساتھ رہنے والے دیکھتے ہیں تو اُن کی تعداد لاکھ کے قریب ہو جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے صرف براہین احمدیہ کے بعض الہامات کو دیکھا جاوے۔ چوبیس برس

ہوئے کہ یہ کتاب تصنیف ہوئی جو اس وقت مکہ، مدینہ، مصر، بخارا، لنڈن اور ایسا ہی ہندوستان کے ہر ایک حصّہ میں پہنچ گئی۔ کئی ایک پادریوں اور دیگر مخالفینِ اسلام کے گھروں میں پہنچ گئی۔ اب اس کتاب میں مثلاً لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے ارشاد ہے کہ اس وقت تو اکیلا ہے اور تیرے ساتھ کوئی نہیں لیکن ایک وقت آئے گا کہ لوگ تیرے پاس دُور دُور سے آئیں گے۔ (یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ) تو لوگوں میں پہچانا جاوے گا اور تیری شہرت کی جاوے گی۔ تیری امداد اور تائید کو دُور دُور سے لوگ آویں گے۔ پھر کہا کہ لوگ کثرت سے آویں گے اور تو اُن سے نرمی اور اخلاق سے پیش آنا۔ اُن کی ملاقات سے مت گھبرانا۔ (وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ) پھر آخر کار فرمایا اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَ انْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ۔ یعنی جب خدا تعالیٰ کی فتح اور نصرت آوے گی اور زمانہ کا امر ہماری طرف منتہی ہوگا تو اس وقت کہا جاوے گا کہ کیا یہ سلسلہ حق نہیں؟ اب لاہور اور امرت سر کے لوگ اور ایسا ہی پنجاب کے لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ براہین کی اشاعت کے وقت مجھے کوئی جانتا نہیں تھا حتّٰی کہ قادیان میں بہت کم لوگ ہوں گے جو مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر یہ امور کس طرح پورے ہو رہے ہیں، اگرچہ یہ پیشگوئیاں بدرجہا تم ابھی پوری نہیں ہوئیں، لیکن جس قدر الہامات کا ظہور ہو رہا ہے وہ طالبِ حق کے لیے کافی ہے۔ اب کیا یہ میری بناوٹ ہے کہ ایک انسان آج سے چوبیس سال پہلے آئندہ کے واقعات کا نقشہ کھینچ سکتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ہزارہا مخلوق کا مرجع ہوگا خصوصاً جبکہ ایک مدت تک ان امور کا ظہور نہ ہوا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ امور کسی فراست کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ ان اُمور کو دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر نشانات خدا تعالیٰ نے میری تائید میں ظاہر کئے وہ اپنی تعداد اور شوکت میں ایسے ہیں کہ بجز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل انبیاء و مرسلین سے ایسے ثابت نہیں ہوئے لیکن اس میں میرا کیا فخر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس پاک نبی کی فضیلت ہے۔ جس کی امت میں ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل کے پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کو آزما لو۔ کسی پادری یا کسی مذہب کے سرگردہ کو میرے مقابل میں لاؤ۔ خدا تعالیٰ نشان نمائی میں بالضرور اس کو میرے مقابل شرمندہ اور ذلیل کرے گا۔ یہاں تو نشانوں کا دریا بہہ رہا ہے۔ میرے دوست اس الہام سے خوب واقف ہیں جو دس بارہ سال ہوئے خدا تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ اس ایک الہام کو کس قدر مواقع اور محل پر میرے دوستوں نے پورے ہوتے دیکھا۔ کس طرح لوگوں نے میری اہانت اور تذلیل کے لیے بیڑے اٹھائے۔ اور کس طرح وہ خود ہی ذلیل اور خوار ہو گئے۔ اس

کی ایک مثال نہیں بلکہ کئی ایک مثالیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان نشانات کو دیکھ کر بھی لوگ ابھی گمراہ ہیں سو بات یہ ہے کہ دُنیا میں ہمیشہ سے دو گروہ چلے آئے ہیں۔ ایک سعید دوسرا شقی۔ ابوجہل نے ہزاروں نشان دیکھے لیکن وہ کافر ہی رہا۔ سو اس صورت میں مومن کے لیے ضرور ہے کہ وہ دُعا میں لگ جاوے۔

صرف بیعت پر قناعت نہ کریں

آپ نے جو آج مجھ سے بیعت کی ہے۔ یہ تخم ریزی کی طرح ہے۔ چاہیے کہ آپ اکثر مجھ سے ملاقات کریں اور اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے جس شاخ کا تعلق درخت سے نہیں رہتا وہ آخر خشک ہو کر گر جاتی ہے۔ جو شخص زندہ ایمان رکھتا ہے وہ دُنیا کی پروا نہیں رکھتا۔ دُنیا ہر طرح مل جاتی ہے۔ دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے لیکن جو دُنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے وہ ایک مُردار کی طرح ہے جو کبھی سچی نصرت کا مُنہ نہیں دیکھتا۔ یہ بیعت اس وقت کام آسکتی ہے۔ جب دین کو مقدم کر لیا جاوے اور اس میں ترقی کرنے کی کوشش ہو۔ بیعت ایک بیج ہے جو آج بویا گیا۔ اب اگر کوئی کسان صرف زمین میں تخم ریزی پر ہی قناعت کرے اور پھل حاصل کرنے کے جو جو فرائض ہیں ان میں سے کوئی ادا نہ کرے۔ نہ زمین کو درست کرے اور نہ آبپاشی کرے اور نہ موقعہ بہ موقعہ مناسب کھاد زمین میں ڈالے نہ کافی حفاظت کرے تو کیا وہ کسان کسی پھل کی امید کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کا کھیت بالضرور تباہ اور خراب ہوگا۔ کھیت اسی کا رہے گا جو پورا زمیندار بنے گا۔ سو ایک طرح کی تخم ریزی آپ نے بھی آج کی ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کس کے مقدر میں کیا ہے لیکن خوش قسمت وہ ہے جو اس تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لیے دُعا کرتا رہے۔ مثلاً نمازوں میں ایک قسم کی تبدیلی ہونی چاہیے۔

نماز میں حضور اور لذت پیدا کرنے کا طریق

مَیں دیکھتا ہوں کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ محض ٹکریں مارنا ہے۔ اُن کی نماز میں اس قدر بھی رقت اور لذت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا میں ظاہر کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ اپنی دُعائیں نماز میں ہی کرتے۔ شاید اُن کی نمازوں میں حضور اور لذت پیدا ہو جاتی۔ اس لیے مَیں حکماً آپ کو کہتا ہوں کہ سردست آپ بالکل نماز کے بعد دُعا نہ کریں۔ اور وہ لذت اور حضور جو دُعا کے لیے رکھا ہے، دعاؤں کو نماز میں کرنے سے پیدا کریں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے۔ لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ جب تک نماز میں کافی لذت اور حضور پیدا نہ ہو نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذت کو مت گنواؤ۔ ہاں جب یہ حضور پیدا ہو جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ سو بہتر ہے نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو۔ جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان میں ہوتا ہے وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں

ہو سکتا۔ سو نمازوں میں قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی ضرورتوں کو برنگِ دُعا اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے آگے پیش کرو تاکہ آہستہ آہستہ تم کو حلاوت پیدا ہو جائے۔ سب سے عمدہ دُعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو، کیونکہ گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا اور انسان دُنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دُعا یہ ہونی چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دُور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ دنیا میں مومن کی مثال اس سوار کی ہے کہ جو جنگل میں جا رہا ہے۔ راہ میں بسبب گرمی اور تھکانِ سفر کے ایک درخت کے نیچے سستانے کے لیے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لے کر آگے اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل میں گھر بنا لے وہ ضرور درندوں کا شکار ہو گا۔ مومن دنیا کو گھر نہیں بناتا اور جو ایسا نہیں خدا تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا نہ خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کو گھر بنانے والے کی عزت ہے۔ خدا تعالیٰ مومن کی عزت کرتا ہے۔

نوافل کی حقیقت

حدیث میں آیا ہے کہ مومن نوافل کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقررہ کردہ میں زیادتی کی جائے۔ ہر ایک غیر کے کام میں دُنیا کا بندہ تھوڑا سا کر کے سُست ہو جاتا ہے، لیکن مومن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنات میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مومن محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اُن نوافل کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے دل میں ایک درد ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ دن بہ دن نوافل و حسنات میں ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا تعالیٰ بھی اس کے قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ مومن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا تعالیٰ کے سایہ تلے آ جاتا ہے۔ اس کی آنکھ خدا تعالیٰ کی آنکھ۔ اس کے کان خدا تعالیٰ کے کان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی معاملہ میں خدا تعالیٰ کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کی زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔

مومن کا مقام

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس قدر تردّد نہیں ہوتا جس قدر مومن کی جان نکالنے میں تردّد ہوتا ہے۔ یوں تو خدا تعالیٰ کی ذات سب تردّدات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مومن کے اکرام کے لیے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ بکھڑے مکوڑوں کی طرح مر جاتے ہیں لیکن مومن کا معاملہ دگرگوں ہے۔ مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلحاء اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت اُن کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اُس تردّد کا اظہار ہے

جس کا اُوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالیٰ اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے اور خوفناک بیماریوں سے اُسے نجات دیکر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُسے معمولی انسانوں کی طرح ضائع نہیں کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مومن کی ہر ایک چیز بابرکت ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسروں کیلئے موجبِ برکت ہوتی ہے۔ اسکا پس خوردہ اَوروں کیلئے شفا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جاوے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے پُوچھے گا کہ تُو نے کوئی نیک کام کیا؟ وُہ کہے گا کہ نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ اس کو کہے گا کہ فلاں مومن تو ملا تھا وہ کہے گا خداوندمیں اراداتاً تو کبھی نہیں ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ میں مِل گیا۔ خدا تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ پھر ایک اَور موقعہ پر حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرے گا کہ میرا ذکر کہاں پر ہو رہا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک حلقہ مومنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا؛ البتہ ذکرِ الٰہی آٹھوں پہر ہو رہا ہے۔ اُن میں ایک دُنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے اس دنیادار کو اس ہم نشینی کے باعث بخش دیا۔ اِنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں ایک مومن امام ہو اس کے مقتدی پیش ازیں کہ وہ سجدہ سے سر اُٹھاوے بخش دیئے جاتے ہیں۔

مومن وہ ہے کہ جس کے دل میں محبتِ الٰہی نے عشق کے رنگ میں جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلت میں بھی خدا تعالیٰ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اب جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کب کسی کا کانشنس کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گا کیا کوئی رسُول ضائع ہوا؟ دُنیا ناخنوں تک اُن کو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن وہ ضائع نہیں ہوتے جو خدا تعالیٰ کے لیے ذلیل ہو وہی انجام کار عزت و جلال کا تخت نشیں ہو گا۔ ایک ابوبکرؓ ہی کو دیکھو جس نے سب سے پہلے ذلت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے کچھ نہ کچھ دُکھ اٹھانا پڑتا ہے کسی نے سچ کہا ہے ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

عشقِ الٰہی بے شک اوّل سرکش و خونی ہوتا ہے تاکہ نااہل دور ہو جاوے۔ عاشقانِ خدا تکالیف میں ڈالے جاتے ہیں[1]۔ قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اُٹھاتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے دل پہچانے جاویں۔ خدا تعالیٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ جب تک کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ ہو جاوے بہشت میں نہیں جاتا۔ بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار

---

[1] (از ریویو) البدر جلد ۳ نمبر ۳۱ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۰۴ء

ہوتا ہے۔ دوزخ سے مراد آئندہ دوزخ نہیں بلکہ اس دنیا میں مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لیے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور مومن کے لیے بہشت دوزخ کے رنگ میں متمثل کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہے دنیا میں منہمک ہو کر سگِ دُنیا ہو جاتا ہے۔ مومن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دے کر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے اور فی الواقعہ یہ عشق ہی ہے جو اُسے ہر قسم کی تکلیف سہنے کے لیے آمادہ کر دیتا ہے۔ مومن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق میں صادق ہوتا ہے اور اپنے معشوق یعنی خدا کے لیے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کرنے والا جوش اپنے اندر رکھتا ہے اور تضرع اور ابتہال اور ثابت قدمی سے اس کے حضور میں قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذت اس کے لیے لذت نہیں ہوتی۔ اس کی رُوح اسی عشق میں پرورش پاتی ہے۔ معشوق کی طرف سے استغنا دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں۔ اس طرف سے خاموشی اور بے التفاتی بھی معلوم کر کے وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے اور درد دل زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ مومن عاشق کی طرف سے محبتِ الٰہی میں پُورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو۔ محبت میں سچا جوش اور عہدِ عشق میں ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جس کو کوئی صدمہ جنبش میں نہ لا سکے اور معشوق کی طرف سے کبھی بھی بے پرواہی اور خاموشی ہو۔ درد دو قسم کا موجود ہو۔ ایک تو وُہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہو۔ دُوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دل میں درد اُٹھے اور خیر خواہی کے لیے اضطراب پیدا ہو۔ اور اس کی اعانت کے لیے بے چینی پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ کی محبت کے لیے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے، وہ انسان کو بشریت سے الگ کر کے اُلوہیت کے سایہ میں لاڈالتا ہے۔ جب تک اس کی حد تک درد اور عشق نہ پہنچ جائے کہ جس میں غیر اللہ سے محویت حاصل ہو جائے اس وقت انسان خطرات میں پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بکلّی منقطع ہو کر اسی کا ہو جائے اور اُس کی رضا میں داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے لیے ایسا درد ہونا چاہیے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتواں پیارے بچے کے لیے دل میں سچا جوشِ محبت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لیے محویت کی ضرورت

خدا تعالیٰ ایک تعلق چاہتا ہے اور اس کے حضور میں دعا کرنے کے لیے تعلق کی ضرورت ہے۔ بغیر تعلق کے دُعا نہیں ہو سکتی۔ پہلے بزرگوں کی بھی اس قسم کی باتیں چلی آئی ہیں کہ جن سے دُعا کرنے والوں کو دُعا کرانے سے پہلے تعلق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ نخواہ بازار میں

چلتے ہوئے کسی بے تعلق کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تُو میرا دوست ہے اور نہ ہی اس کے لیے دردِ دل پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی جوشِ دُعا پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان غفلت کاریوں میں مبتلا بھی رہے اور صرف مُنہ سے دم بھرتا رہے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیا ہے۔ اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ میں نام لکھ لینا ہی خدا تعالیٰ سے تعلق پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لیے ایک محویت کی ضرورت ہے۔ ہم بار بار اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہونے کے لیے کہتے ہیں۔ کیونکہ جب تک دُنیا کی طرف سے انقطاع اور اس کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالیٰ کے لیے فطرتوں میں طبعی جوش اور محویت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ثبات میسّر نہیں آ سکتا۔ بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہؓ جب نمازیں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ آ کر السلام علیکم کہے۔ نماز سے فارغ ہونے پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جا داخل ہوا۔ گویا ایک مقامِ محویت میں جا پہنچا۔ پھر جب وہاں سے واپس آیا تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر آن ملا۔ لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی جب تک دل میں اس کا اثر نہ ہو چھلکوں سے کیا ہاتھ آ سکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہیں۔ حال ہونا چاہیے۔ علت غائی حال ہی ہے۔ مطلق قال اور صورت جس کے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو اُلٹی ہلاکت کی راہیں ہیں۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ بے اختیار اس کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی محویت کا عالم اس پر طاری ہو جاتا ہے، تو اس وقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے اور ذرّہ ذرّہ اس کا خادم بن جاتا ہے۔

مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی محویت دی تھی کہ تمام دنیا سے الگ ہو بیٹھا تھا۔ تمام چیزیں سوائے اس کے مجھے ہرگز بھاتی نہ تھیں۔ مَیں ہرگز ہرگز حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ مَیں نے ایک لمحے کے لیے بھی شہرت کو پسند نہیں کیا۔ مَیں بالکل تنہائی میں تھا اور تنہائی ہی مجھ کو بھاتی تھی۔ شہرت اور جماعت کو جس نفرت سے مَیں دیکھتا تھا اس کو خُدا ہی جانتا ہے۔ مَیں تو طبعًا گمنامی کو چاہتا تھا اور یہی میری آرزو تھی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر جبر کر کے اس سے مجھے باہر نکالا۔ میری ہرگز مرضی نہ تھی مگر اس نے میری خلافِ مرضی کیا کیونکہ وہ ایک کام لینا چاہتا تھا۔ اسی کام کے لیے اس نے مجھے پسند کیا اور اپنے فضل سے مُجھ کو اس عہدہ جلیلہ پر مامور فرمایا۔ یہ اسی کا اپنا انتخاب اور کام ہے۔ میرا اس میں کچھ دخل نہیں۔ مَیں تو دیکھتا ہوں

کہ میری طبیعت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ شہرت اور جماعت سے کوسوں بھاگتی ہے اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ لوگ کس طرح شہرت کی آرزو رکھتے ہیں۔ میری طبیعت اور طرف جاتی تھی لیکن خدا تعالیٰ مجھے اور طرف لے جاتا تھا۔ مَیں نے بار بار دُعائیں کیں کہ مجھے گوشہ میں ہی رہنے دیا جاوے۔ مجھے میری خلوت کے حجرے میں ہی چھوڑ دیا جاتے۔ لیکن بار بار حکم ہوا کہ اس سے نکلو اور دین کا کام جو اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں تھا، اس کو سنوارو۔ انبیاء کی طبیعت اسی طرح واقع ہوتی ہے کہ وہ شہرت کی خواہش نہیں کیا کرتے کسی نبی نے کبھی شہرت کی خواہش نہیں کی۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلوت اور تنہائی کو ہی پسند کرتے تھے۔ آپ عبادت کرنے کے لیے لوگوں سے دُور تنہائی کی غار میں جو غارِ حرا تھی چلے جاتے تھے۔ یہ غار اس قدر خوفناک تھی کہ کوئی انسان اس میں جانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لیکن آپ نے اس کو اس لیے پسند کیا ہوا تھا کہ وہاں کوئی ڈر کے مارے بھی نہ پہنچے گا۔ آپ بالکل تنہائی چاہتے تھے۔ شہرت کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ کا حکم ہوا۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر: ۲-۳) اس حکم میں ایک جبر معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے جبر سے حکم دیا گیا کہ آپ تنہائی کو جو آپ کو بہت پسند تھی اب چھوڑ دیں۔ بعض لوگ بیوقوفی اور حماقت سے یہی خیال کرتے ہیں کہ گویا مَیں شہرت پسند ہوں۔ مَیں بار بار کہہ چکا ہوں کہ مَیں ہرگز شہرت پسند نہیں۔ خدا تعالیٰ نے جبر سے مجھ کو مامور کیا ہے۔ میرا اس میں قصور کیا ہے اور وہی گواہ ہے کہ مَیں شہرت پسند نہیں ہوں۔ مَیں تو دُنیا سے ہزاروں کوس بھاگتا تھا۔ حاسد لوگوں کی نظر چونکہ زمین اور اس کی اشیاء تک ہی محدود ہوتی ہے اور وُہ دنیا کے کیڑے ہیں اور شہرت پسند ہوتے ہیں۔ ان کو اس خلوت گزینی اور بے تعلقی کی کیفیت ہی معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہم تو دنیا کو نہیں چاہتے۔ اگر وہ چاہیں اور اس پر قدرت رکھتے ہیں تو سب دنیا لے جائیں ہمیں ان پر کوئی گلہ نہیں۔ ہمارا ایمان تو ہمارے دل میں ہے نہ دُنیا کے ساتھ۔ ہماری خلوت کی ایک ساعت ایسی قیمتی ہے کہ ساری دنیا اس ایک ساعت پر قربان کرنا چاہیے۔ اس طبیعت اور کیفیت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ مگر ہم نے خدا تعالیٰ کے امر پر جان و مال و آبرو کو قربان کر دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں تجلّی کرتا ہے تو پھر وہ پوشیدہ نہیں رہتا۔ عاشق اپنے عشق کو خواہ کیسے ہی پوشیدہ کرے، مگر بھید پانے والے اور تاڑنے والے قرائن اور آثار اور حالات سے پہچان ہی جاتے ہیں۔ عاشق پر وحشت کی حالت نازل ہو جاتی ہے۔ اُداسی اُس کے سارے وجود پر چھا جاتی ہے۔ الگ قسم کے خیالات اور حالات اس کے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ اگر ہزاروں پردوں میں چھپے اور اپنے آپ کو چھپائے مگر چھپا نہیں رہتا۔ سچ کہا ہے ؎

عشق و مُشک را نتواں نہفتن

جن لوگوں کو محبتِ الٰہی ہوتی ہے وہ اس محبت کو چھپاتے ہیں جس سے اُن کے دل لبریز ہوتے ہیں بلکہ اس کے افشا پر وہ شرمندہ ہوتے ہیں، کیونکہ محبت اور عشق ایک راز ہے جو خدا اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے اور ہمیشہ راز کا فاش ہونا شرمندگی کا موجب ہوتا ہے۔ کوئی رسُول نہیں آیا جس کا راز خدا تعالےٰ سے نہیں ہوتا۔ اسی راز کو چھپانے کی خواہش اس کے اندر ہوتی ہے مگر معشوق خود اس کو فاش کرنے پر جبر کرتا ہے اور جس بات کو وہ نہیں چاہتے وہی اُن کو ملتی ہے جو چاہتے ہیں ان کو ملتا نہیں اور جو نہیں چاہتے وہی ان کو جبراً ملتا ہے۔

جب تک انسان ادنیٰ حالت میں ہوتا ہے اس کے خیالات بھی ادنیٰ ہی ہوتے ہیں اور جس قدر معرفت میں گرا ہوا ہوتا ہے اسی قدر محبت میں کمی ہوتی ہے۔ معرفت سے حُسنِ ظن پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص میں محبت اپنے ظن کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ صادق عاشق جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر حُسنِ ظن رکھتا ہے کہ وہ اس کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ خدا تعالیٰ تو وفاداری کرنا پسند کرتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان صدق دکھلاوے اور اس پر ظن نیک رکھے کہ تا وہ بھی وفا دکھلائے مگر یہ لوگ کب اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تو اپنی ہوا و ہوس کے بُتوں کے آگے جُھکے رہتے ہیں اور ان کی نظر دُنیا تک ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کریم و رحیم نہیں سمجھتے۔ اس کے وعدوں پر ذرہ ایمان نہیں رکھتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان رکھتے کہ وُہ کریم و رحیم ہے تو وہ بھی اُن پر رحمت اور وفا کے ثبوت نازل کرتا ؎

گر وزیر از خدا بترسیدے
ہمچناں کز ملک ملک بودے

اللہ تعالیٰ سے بدظنی مت کرو

شر بدظنی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بدظنی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اسی سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں مومن کی مدد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں میدان میں تیرے ساتھ ہوں وہ اس کے لیے ایک فرقان پیدا کر دیتا ہے جو اس کے وعدوں پر بھروسہ نہیں کرتا وہ بدظنی کرتا ہے جو شخص خدا تعالیٰ سے نیک ظن کرتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بدظنی کرتا ہے، وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے لیے کوئی دُوسرا معبود بنائے اور شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے جب انسان اس بات کو سمجھتا ہے کہ خدا کریم و رحیم ہے اور اس بات پر ایمان صدق دل سے لاتا ہے کہ اس کے وعدے ٹلنے کے نہیں تو وہ اس پر جان فدا کرتا ہے اور در پردہ خدا تعالیٰ سے

عشق رکھتا ہے۔ ایسا انسان خدا تعالیٰ کا چہرہ اسی دُنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات اس پر نازل کرتا ہے اور اس کو تسلی بخشتا ہے اور محبت اور وفا کا چہرہ دکھاتا ہے لیکن بے وفا غدار ہمیشہ محروم رہتا ہے۔[1]

---

۲۱ رمئی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

طاعُون اور الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ

بوقت ایک بجے بمقام کچہری گورداسپور درخت جامن کے نیچے بیٹھے ہوئے حکیم نور محمد صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آپ لوگ احمدی جماعت کے جو یہ کہتے ہیں کہ طاعون سے ہم بچے رہیں گے اس کی وجہ کیا ہے؟ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں جو کچھ اس نے تقریر کی تھی۔ وہ سُنائی۔ پھر اس پر حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا۔ (بنی اسرائیل: ۵۹) یعنی طاعون کا عذاب دو طرح پر ہوگا کوئی بستی اس سے خالی نہیں رہے گی۔ بعض تو ایسی ہوں گی کہ جن کو ہم بالکل ہلاک کر دیں گے یعنی وہ اُجڑ کر بالکل غیر آباد ہو جائیں گی اور ویرانہ اور تھہ (اُجڑے ہوئے کھنڈرات) ہو جائیں گی۔ اُن کا کوئی نشان بھی نہ رہے گا۔ لوگ تلاش کرتے پھریں گے کہ اس جگہ فلاں بستی آباد تھی لیکن پھر بھی پتہ نہ ملے گا۔ گویا طاعون وہاں جاروب دیکر اس کو دنیا سے صاف کر دے گی اور کوئی آثار اس کے نہ چھوڑے گی۔ بعض قریتے ایسے ہوں گے کہ جن کو کم و بیش عذاب کر کے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور صفحہ دنیا سے اُن کا نام نہ مٹایا جائے گا۔ صرف سرزنش کے طور پر کچھ عذاب اُن میں نازل کیا جائے گا اور تازیانہ کر کے عذاب ہٹا لیا جائے گا۔ دوسرے بہت سے شہر فنا ہوں گے، مگر وہ فنا نہ ہوں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قادیان کو اسی قسم میں شامل کیا ہے اور اس الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ سے مُراد یہی ہے کہ اور بستیوں کی طرح ہمارے گاؤں کو طاعونِ جارف بالکل تباہ نہ کرے گی کہ لوگ تلاش کرتے پھریں کہ کہاں قادیان واقع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان بستیوں کی طرح خدا اس کو تباہ نہ کرے گا بلکہ یہ بچی رہے گی اِلّا بطور تازیانہ کچھ سزا دے کر اُس کو بچا

---

[1] (از ریویو) البدر جلد ۳ نمبر ۳۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء

لیا جائے گا۔ ہم نے بار بار مجلسوں میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس قریہ کو پناہ دے دی ہے کہ وہ طاعون جارف سے بچی رہے اور بالکل فنا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ باوجود گنہگار ہونے کے اللہ تعالیٰ بغیر عذاب کے چھوڑ دے۔ ایک طرف تو قرآن میں یہ لکھا ہے کہ طاعون سے کوئی بستی خالی نہیں رہے گی اور طاعون کی وجہ صرف یہی ہے جو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (الرعد: ۱۲) کے الہام سے ظاہر ہے یعنی جب لوگوں نے اپنے افعال اور اعمال سے غضبِ الٰہی کے جوش کو بھڑکایا اور بدعملیوں سے اپنی حالتوں کو ایسا بدل لیا کہ خوفِ خدا اور تقویٰ وطہارت کی ہر ایک راہ کو چھوڑ دیا اور بجائے اس کے طرح طرح کے فسق وفجور کو اختیار کر لیا اور خدا تعالیٰ پر ایمان سے بالکل ہاتھ دھو دیا۔ دہریت اندھیری رات کی طرح دنیا پر محیط ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے نورانی چہرے کو ظلمت کے نیچے دبا دیا تو خدا تعالیٰ نے اس عذاب کو نازل کیا تا لوگ خدا تعالیٰ کے چہرے کو دیکھ لیں اور اس کی طرف رجوع کریں بعض بستیاں مُہْلِکُوْھَا میں داخل ہو کر بالکل فنا ہو جائیں گی اور بعض مُعَذِّبُوْھَا میں داخل ہوں گی، لیکن خالی کوئی نہ رہے گی۔ قادیان مُہْلِکُوْھَا میں داخل نہ ہو گی۔ یہی مراد الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ سے ہے۔ گناہوں کی سرزنش کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے یہاں بھی طاعون نازل فرمائی۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکَ الْمَقَامُ۔ یعنی قادیان مُہْلِکُوْھَا میں داخل کر دیا جاتا، لیکن صرف تمہاری تکریم اور تعظیم سے اس کو مُہْلِکُوْھَا میں داخل نہیں کیا گیا۔ جو بچے ہیں اور جو بچیں گے وہ تمہارے اِکرام کی وجہ سے بچیں گے۔ یہ تو قرآن کے بالکل مخالف ہے کہ قادیان عذاب طاعون سے بالکل محفوظ رہے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (الرعد: ۱۲) دوسری طرف اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کے اگر یہ معنے ہوں کہ قادیان بالکل بچ گئی تو ان دونوں کے درمیان تضاد واقع ہوتا ہے۔ دو ضدین جمع نہیں ہو سکتیں۔ ہم نے کبھی اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کے یہ معنی نہیں سمجھے۔ طاعون تو دُنیا کی ہر ایک بستی میں آئے گی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جہاں کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں مقام میں طاعون نہیں تو اسی جگہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ دہلی والوں نے بڑے زور سے لکھا تھا کہ دو وجوہ سے وہاں طاعون نہیں آتی اور نہ آئے گی۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں کے لوگ بہت صفائی رکھتے ہیں۔ دوسرے مچھروں کا وہاں نہ ہونا۔ اب گزٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی طاعون آ گئی۔ لاہور کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اس کی سرزمین میں ایسے اجزاء ہیں کہ اس میں طاعونی کیڑے زندہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن وہاں بھی طاعون نے آن ڈیرا ڈالا ہے۔ ابھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے لیکن سالہا سال کے بعد لوگ دیکھیں گے کہ کیا ہو گا۔ کئی لوگ اور دیہات بھی بالکل تباہ ہو جائیں گے۔

دُنیا سے ان کا نام و نشان مٹ جائے گا اور اُن کے آثار تک باقی نہ رہیں گے۔ لیکن یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہ ہوگی۔ یہ ایک لمبی بیماری ہے عمروں تک چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قطعے اس نے برباد کر کے جنگل کر دیئے شہروں کے شہر ویرانے بنا دیئے سینکڑوں کوس ایسے غیر آباد کئے کہ جانور بھی زندہ نہ رہے۔ اس کے آگے تو بڑے بڑے شہر بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ بڑے سے بڑے آباد شہر کو بھی اگر چاہے تو دو تین دن میں صاف کر سکتی ہے۔[1]

---

۳۱ مئی ۱۹۰۴ء

تقریر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام

بمقام گورداسپور۔ بحاضری مولوی الٰہی بخش صاحب آمدہ از بنارس

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے تو لوگ عموماً اس کی طرف سے بے پرواہی کرتے ہیں اور اکابر اور علماء کو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ کرنا عیب سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ غنی ہے اور مُرسل اور مامور چونکہ ایک خدمت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں۔ وہ بھی بے پروا ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو دُنیا کا محتاج نہیں سمجھتے بلکہ جیسے وہ ذاتِ الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اسی ذات سے غنا کا حصہ بھی لیتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو مامور بن کر دُنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس کو ایک خاص قسم کی ہمت اور حوصلہ عطا کیا جاتا ہے۔ اور عزم میں ایک بے روک جزم اور استقلال عطا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ بڑا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کسی پر اثر نہیں ڈال سکتے۔ انسان تو ایک انسان پر اثر نہیں ڈال سکتا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ہزارہا بلکہ لاکھوں آدمیوں کو کھینچے لیے آتا ہے۔ یہاں کسی بناوٹ کی کوئی ضرورت نہیں۔ چوبیس برس سے زیادہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام کیا تھا کہ یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ۔ يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء
الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳، ۲۴ صفحہ ۱۱، ۱۲ مورخہ ۱۷، ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء

وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی ہم لوگوں کے دل میں وحی کریں گے اور وہ تیری مدد کریں گے بڑے بڑے دُور دراز راہوں سے تیرے پاس لوگ آئیں گے تم خلق کے ہجوم سے جو تیرے گرد جمع ہوگی۔ تنگ مت آنا اور لوگوں سے تھکنا مت۔ یہ ایسے وقت کی باتیں ہیں جب میں بالکل گمنام تھا۔ اور کوئی آدمی میرے ساتھ نہ تھا۔ میرے گاؤں سے باہر کوئی بھی مجھے جانتا نہ تھا اور کوئی انسان اس بات پر یقین نہیں لاسکتا تھا کہ ایسی گنشش لوگوں کو ہوگی کہ وہ قادیان جیسی گمنام بستی میں دور دراز سے کھنچے چلے آئیں گے سو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے کلمات کس طرح صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ ایسے ایسے ملاقوں سے لوگ آتے ہیں کہ جہاں ہمارے وہم و گمان میں بھی ہماری تبلیغ کا نام و نشان نہیں ہوتا اور اس عقیدت اور اخلاص سے آتے ہیں کہ ہم کو اُن کے اخلاص و عقیدت پر رشک آتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فرمایا ہوا ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَانْتَهٰى اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَيْنَا۔ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ۔ یعنی عنقریب ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نصرت اور فتح دیگا اور ہماری طرف زمانہ کا امر انتہا پا دے گا تو اس وقت کہا جاوے گا کیا یہ سچ نہیں؟ یعنی اس سلسلہ کی صداقت پر زمانہ گواہی دے اُٹھے گا۔ ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگ تیری ترقی کے روکنے کی کوشش کریں گے لیکن ہم تیری مدد کریں گے اور دشمن تیری راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں گے مگر ہم اُن کو دُور کریں گے اور وہ تیرے نابود کرنے کے منصوبے کریں گے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ چوبیس برس کی پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ ہر ایک شخص جو ہمارے پاس آتا ہے وہ اس پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔

ہمارا سارا دارو مدار دُعا پر ہے

ہمارا تو سارا دارو مدار ہی دُعا پر ہے۔ دُعا ہی ایک ہتھیار ہے جس سے مومن ہر کام میں فتح پا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کو دُعا کرنے کی تاکید فرمائی ہے بلکہ وہ دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو خاص فضل سے قبول فرماتا ہے۔ دُعا سے انسان ہر ایک بلا اور مرض سے بچ جاتا ہے۔ ہم نے ایک دفعہ ایک اخبار پڑھا تھا کہ ایک تھانیدار کے ناخن میں پنسل کا ایک ٹکڑا کسی طرح سے چُبھ گیا پنسل میں کچھ زہر بھی ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر میں اس کے ہاتھ میں وَرم ہونا شروع ہوگیا۔ بڑھتے بڑھتے وَرم اس قدر بڑھ گیا کہ کہنی تک جا پہنچا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سہ چند بوجھ ہوگیا۔ فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اس بازو میں زہر اثر کر گیا ہے۔ تم اگر اس کو کٹانے پر راضی ہو تو جان بچ جائے گی، ورنہ نہیں۔ وہ تھانیدار کٹانے پر راضی نہ ہوا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مرگیا۔ ہمارے بھی ایک دفعہ اسی طرح ناخن میں پنسل لگ گئی۔ ہم سیر کرنے گئے تو دیکھا کہ ہمارے ہاتھ میں بھی وَرم ہونا شروع ہو

گیا ہے۔ تو ہمیں وہ قصہ یاد آگیا۔ میں نے اسی جگہ سے دعا شروع کر دی۔ گھر پہنچنے تک برابر دُعا ہی کرتا رہا تو دیکھتا کیا ہوں کہ جب میں گھر پہنچا تو وَرم کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ پھر میں نے لوگوں کو دکھایا اور سارا قصہ بیان کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ میرے دانت کو سخت درد شروع ہوگیا۔ میں نے لوگوں سے ذکر کیا تو اکثر نے صلاح دی کہ اس کو نکلوا دینا بہتر ہے۔ میں نے نکلوانا پسند نہ کیا اور دُعا کی طرف رجوع کیا تو الہام ہوا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ اس کے ساتھ ہی مرض کو بالکل آرام ہوگیا۔ اِس بات کو قریباً پندرہ سال ہو گئے ہیں۔

خدا تعالیٰ صالحین کا متولی ہوتا ہے

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ایمان کے موافق اسباب سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جس قدر ایمان کامل ہوتا ہے۔ اسی قدر اسباب سے نفرت ہوتی جاتی ہے۔ حقیقت میں دیکھا گیا ہے کہ دنیا بڑے دھوکے میں پڑی ہوئی ہے۔ جن باتوں کو اپنی ترقی کے ذرائع سمجھی بیٹھی ہے۔ اصل میں وہی ذلت کا موجب ہوتی ہے۔ دنیاوی عزت بڑھانے اور عروج و مالداری حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے فریب و دجل اور دھوکے استعمال کرتے ہیں اور طرح طرح کی بے ایمانیوں سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اِنہیں مکاریوں کو اپنی مرادوں کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں۔ یہانتک کہ بڑے فخر سے اپنی کامیابیوں کا دوستوں میں ذکر کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی یہی تعلیم دیتے ہیں لیکن اگر نظرِ انصاف اور معرفت سے دیکھا جاوے تو انکے یہ طریق کوئی راحت نہیں بخشتے۔ جب پُوچھو تو شاکی اور نالاں ہی نظر آتے ہیں اور کبھی راحت اور طمانیت اُن کے حال سے ظاہر نہیں ہوتی۔ طمانیت کی رَویت بجُز فضل خدا کے نہیں ہوتی۔ جب تک انسان اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نہیں رکھتا اور اس کے وعدوں پر سچا یقین نہیں کرتا اور ہر ایک مقصود کا دینے والا اسی کو نہیں سمجھتا اور کامل اصلاح اور تقویٰ اختیار نہیں کر لیتا تو اس وقت تک وہ حقیقی راحت دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف : ۱۹۷) یعنی جو صلاحیت اختیار کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کا متولی ہو جاتا ہے۔ انسان جو متولی رکھتا ہے اس کے بہت بوجھ کم ہو جاتے ہیں۔ بہت ساری ذمہ داریاں گھٹ جاتی ہیں۔ بچپن میں ماں بچے کی متولی ہوتی ہے، تو بچے کو کوئی فکر اپنی ضروریات کا نہیں رہتا۔ وہ خود ہی اس کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس کے کپڑوں اور کھانے پینے کے خود ہی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اس کی صحت قائم رکھنے کا دھیان اسی کو رہتا ہے۔ اس کو نہلاتی اور دھلاتی ہے اور کھلاتی اور پلاتی ہے۔ یہانتک کہ بعض وقت اس کو مار کر کھانا کھلاتی ہے اور پانی پلاتی اور کپڑا پہناتی

ہے۔ بچہ اپنی ضرورتوں کو نہیں سمجھتا بلکہ ماں ہی اس کی ضرورتوں کو خوب سمجھتی اور اُن کو پُورا کرنے کے خیال میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح جب ماں کی تولیت سے نکل آئے تو انسان کو بالطبع ایک متولّی کی ضرورت پڑتی ہے۔ طرح طرح سے اپنے متولّی اَور لوگوں کو بناتا ہے جو خود کمزور ہوتے ہیں اور اپنی ضروریات میں غلطاں ایسے ہوتے ہیں کہ دُوسرے کی خبر نہیں لے سکتے۔ لیکن جو لوگ ان سب سے منقطع ہو کر اس قسم کا تقویٰ اور اصلاح اختیار کرتے ہیں ان کا وہ خود متولّی ہو جاتا ہے اور ان کی ضروریات اور حاجات کا خود ہی کفیل ہو جاتا ہے۔ انہیں کسی بناوٹ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وہ اس کی ضروریات کو ایسے طور سے سمجھتا ہے کہ یہ خود بھی اس طرح نہیں سمجھ سکتا اور اس پر اس طرح فضل کرتا ہے کہ انسان خود حیران رہتا ہے۔ مگر نہ ستائی پہ تم مے رسد۔ والی نوبت ہوتی ہے۔ لیکن انسان بہت سے زمانے پالیتا ہے۔ جب اس پر ایسا زمانہ آتا ہے کہ خدا اس کا متولّی ہو جائے یعنی اس کو خدا تعالیٰ کی تولیت حاصل کرنے سے پہلے کئی متولیوں کی تولیت سے گذرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ (الناس: ۲تا۷)

پہلے حاجت ماں باپ کی پڑتی ہے۔ پھر جب بڑا ہوتا ہے تو بادشاہوں اور حاکموں کی حاجت پڑتی ہے پھر جب اس سے آگے قدم بڑھاتا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جن کو مَیں نے متولّی سمجھا ہوا تھا وہ خود ایسے کمزور تھے کہ ان کو متولّی سمجھنا میری غلطی تھی کیونکہ انہیں متولّی بنانے میں نہ تو میری ضروریات ہی حاصل ہو سکتی تھیں اور نہ ہی وہ میرے لیے کافی ہو سکتے تھے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجُوع کرتا ہے اور ثابت قدمی دکھانے سے خدا تعالیٰ کو اپنا متولّی پاتا ہے۔ اس وقت اس کو بڑی راحت حاصل ہوتی ہے اور ایک عجیب طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب خدا کسی کو خود کہے کہ مَیں تیرا متولّی ہوا تو اس وقت جو راحت اور طمانیت اس کو حاصل ہوتی ہے وہ ایسی حالت پیدا کرتی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حالت تمام تلخیوں سے پاک ہوتی ہے۔ دنیاوی حالتوں میں انسان تلخی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ دشتِ دنیا کانٹوں اور تلخیوں سے بھری ہوئی ہے ؎

دشتِ دُنیا جز درد و جز دام نیست
جز بخلوت گاہِ آرام نیست

جن کا اللہ تعالیٰ متولّی ہو جاتا ہے۔ وُہ دُنیا کے آلام سے نجات پا جاتے ہیں اور ایک سچی راحت اور طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳و۴) جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے

اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہر ایک بلا اور الم سے نکال لیتا ہے اور اس کے رزق کا خود کفیل ہو جاتا ہے اور ایسے طریق سے دیتا ہے کہ جو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔

دُنیا میں کئی قسم کے جرائم ہوتے ہیں۔ بعض جرائم قانون کی حد میں آسکتے ہیں اور بعض قانون کی حد میں بھی نہیں آسکتے۔ گناہ، خون اور نقب زنی وغیرہ جب کرتا ہے تو اُن کی سزا قانون سے پا سکتا ہے۔ لیکن جھوٹ وغیرہ جو معمولی طور پر بولتا ہے یا بعض حقوق کی رعایت نہیں رکھتا وغیرہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کے لیے قانون تدارک نہیں کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے اور اس کو راضی کرنے کے لیے جو شخص ہر ایک بدی سے بچتا ہے اس کو متقی کہتے ہیں یہ وہی متقی ہے جسکی آج عدالت میں بحث تھی۔ ایک مولوی عدالت میں از طرف کرم دین مستغیث گواہ تھا اور اس پر جرح تھی۔ اثنائے جرح میں اس نے بحلف بیان کیا کہ ایک شخص زنا بھی کرے، جھوٹ بولے یا خیانت کرے۔ دغا دے۔ فریب کرے۔ وغیرہ وغیرہ تو پھر بھی وہ متقی ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ تو متقی کے لیے وعدہ کرتا ہے کہ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق: ۳) یعنی جو اللہ تعالیٰ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو ہر مشکل سے اللہ تعالیٰ اس کو رہائی دے دیتا ہے۔ لوگوں نے تقویٰ کے چھوڑنے کے لیے طرح طرح کے بہانے بنا رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جھوٹ بولے بغیر ہمارے کاروبار نہیں چل سکتے اور دوسرے لوگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ اگر سچ کہا جائے تو وہ لوگ ہم پر اعتبار نہیں کرتے۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ سود لینے کے بغیر ہمارا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ کیونکر متقی کہلا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو وعدہ کرتا ہے کہ میں متقی کو ہر ایک مشکل سے نکالوں گا۔ اور ایسے طور سے رزق دُوں گا جو گمان اور وہم میں بھی نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے جو لوگ ہماری کتاب پر عمل کریں گے ان کو ہر طرف سے اُوپر سے اور نیچے سے رزق دُوں گا۔ پھر فرمایا ہے کہ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ۔ (الذّٰریٰت: ۲۳) جس کا مطلب یہی ہے کہ رزق تمہارا تمہاری اپنی محنتوں اور کوششوں اور منصوبوں سے وابستہ نہیں۔ وہ اس سے بالاتر ہے۔ یہ لوگ ان وعدوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ جو شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ معاصی میں غرق رہتا ہے اور بہت ساری رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ کسی شہر میں رہتے تھے ان کی ہمسائگت میں ایک دنیا دار بھی رہتا تھا۔ ولی ہر روز تہجد پڑھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دنیا دار کے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص جو ہر روز تہجد پڑھا کرتا ہے میں بھی تہجد پڑھوں۔ غرض یہی ارادہ مصمم کر کے وہ ایک رات اُٹھا اور تہجد کی نماز پڑھی۔ اس کو تہجد پڑھنے سے اس قدر تکلیف ہوئی کہ کمر میں درد شروع ہو گیا۔ اس ولی اللہ کو خبر ملی کہ رات اُن کے دُنیا دار ہمسایہ نے تہجد کی نماز پڑھی تھی تو اس کے سبب سے اس کے کمر میں درد ہونے لگا ہے۔ وہ عیادت کے لیے آیا اور اُس سے حال پوچھا۔

دُنیا دار نے کہا کہ میں آپ کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ ہر رات تہجد پڑھتے ہیں۔ میرے خیال میں بھی آیا کہ میں بھی تہجد پڑھوں۔ سو آج رات میں تہجد پڑھنے اُٹھا اور یہ مصیبت مجھ پر آگئی۔ اس نے جواب میں کہا کہ تجھے اس فضول سے کیا؟ پہلے چاہیے تھا کہ تو اپنے آپ کو صاف کرتا اور پھر تہجد کا ارادہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی اجابت بھی متقین کے لیے ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (المائدۃ : ۲۸) درحقیقت جب تک انسان تقویٰ اختیار نہ کرے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجُوع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بے نظیر صفات ہیں۔ جو لوگ اس کی راہ پر چلتے ہیں انہیں کو اس سے اطلاع ملتی ہے اور وہی اس سے مزہ پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے رشتہ میں اس قدر شیرینی اور لذت ہوتی ہے کہ کوئی پھل ایسا شیریں نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ سے جلدی کوئی شخص خبر گیراں نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کا خدا متولی ہو جاتا ہے، اس کو کئی فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو وُہ طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ راحت پاتا ہے جو کسی دُنیا دار کو نصیب ہونا ناممکن ہے اور ایسی لذت پاتا ہے جو کہیں دُوسری جگہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا متولی ایسا زبردست ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک مشکل سے بہت جلدی نکالتا اور خبر گیری کرتا ہے۔ یہ لوگ بالکل بے ہودہ جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جھوٹی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ نماز اگر پڑھتے ہیں تو ریا کیلئے پڑھتے ہیں۔ وہ نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی تھی وہ نہیں پڑھتے۔ یہ وُہ نماز ہے جس کے پڑھنے سے انسان ابدال میں داخل ہو جاتا ہے۔ گناہ اس کے دُور ہو جاتے ہیں۔ دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ انسان خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت : ۳) لوگ یہ سمجھے ہوتے ہیں کہ صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، کافی ہے۔ اور کوئی امتحانی مشکل پیش نہ آئے گی۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن پر ابتلا بھیج کر امتحان کرتا ہے۔ تمام راستبازوں سے خدا تعالیٰ کی یہی سنّت ہے وہ مصائب اور شدائد میں ضرور ڈالے جاتے ہیں۔

اِنقطاع الی اللہ

مصائب بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ مصائب ہیں جو زیرِ سایۂ شریعت ہوتے ہیں۔ انسان احکام کی تعمیل کے لیے انقطاع حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس طرف ہر ایک دنیاوی تعلق میں جو کشش ہے وہ اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بیوی، بچے، دوست دُنیا داری کی رُسوم کے تعلقات چاہتے ہیں کہ ہماری کشش اس پر ایسی ہو کہ وہ ہماری طرف کھنچا چلا آوے اور ہم میں ہی محو رہے۔ تعمیلِ احکام کی کشش ان سے انقطاع کا تقاضا کرتی ہے۔ ان سب کا چھوٹنا ایک موت کا سامنا ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مطلب تو نہیں کہ ان سب کو اس طرح چھوڑ دے کہ ان سے کوئی تعلق ہی نہ رکھے۔ ایک طرف بیوی بیواؤں کی طرح ہو جائے اور بچے یتیموں کی طرح ہو جائیں۔ قطع رحم ہو جائے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ بیوی بچوں کا پورا تعہد کرے۔ اُن کی پرورش پُورے طور سے کرے اور حقوق ادا کرے۔ صلہ رحم کرے لیکن دل اُن میں اور اسباب دُنیا میں نہ لگا دے۔ دل بایار دست بکار رہے؛ اگرچہ یہ بات بہت نازک ہے مگر یہی سچا انقطاع ہے جس کی مومن کو ضرورت ہے۔ وقت پر خدا تعالیٰ کی طرف ایسا آجاوے کہ گویا وہ ان سے کورا ہی تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ صاحب نے ایک دفعہ سوال کیا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس پر بڑا تعجب کیا اور کہا کہ ایک دل میں دو محبتیں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے کہا کہ وقت مقابلہ پر آپ کس سے محبت کریں گے۔ فرمایا اللہ سے۔ غرض انقطاع اُن کے دلوں میں مخفی ہوتا ہے اور وقت پر ان کی محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے رہ جاتی ہے۔ مولوی عبداللطیف صاحب نے عجیب نمونہ انقطاع کا دکھلایا۔ جب اُنہیں گرفتار کرنے آئے تو لوگوں نے کہا کہ آپ گھر سے ہو آویں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا اُن سے کیا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ سے میرا تعلق ہے سو اُس کا حکم آن پہنچا ہے میں جاتا ہوں۔ ہر چیز کی اصلیت امتحان کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اصحاب رسُول اللہ سب کچھ رکھتے تھے۔ زن و فرزند اور اموال و اقارب سب کچھ اُن کے موجود تھے۔ عزتیں اور کاروبار بھی رکھتے تھے، مگر اُنہوں نے اس طرح شہادت کو قبول کیا کہ گویا شیریں پھل انہیں میسر آ گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے موت کو پسند کرتے۔ ایک طرف تعہد حقوقِ عیال و اطفال میں کمال دکھایا اور دُوسری طرف ایسا انقطاع کہ گویا وہ بالکل کورے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے موت کو پسند کرتے کبھی نامردی نہ دکھاتے بلکہ آگے ہی قدم رکھتے۔ ایسی محبت سے وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جان دیتے تھے کہ بیوی بچوں کو بلا جیسی سمجھتے تھے۔ اگر بیوی بچے مزاحم ہوں تو اُن کو دشمن سمجھتے تھے اور یہی معنے انقطاع کے ہیں۔ آجکل کے رُہبانوں کی طرح نہیں کہ بالکل بیوی بچے سے تعلق چھوڑ دے اور سارے جہان سے ایک طرف ہو جائے۔ آسمان پر رہبانیت کے انقطاع کی کچھ قدر نہیں۔ صوفی منقطعین بھی نمونے دکھاتے رہے ہیں کہ بازن و فرزند اور باخدا رہے ہیں۔ پھر جب وقت آیا تو زن و فرزند کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گئے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال دیکھئے کیا انقطاع کا نمونہ ان سے ظاہر ہوا جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ضائع کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا اور اس کا نشان دنیا سے معدوم نہیں کرتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ایسا اخلاص ظاہر کریں اور اس قدر کوشش کریں کہ

اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو جائے۔ دوست دوست سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لیے وفاداری ظاہر اور ثابت نہ ہو۔ کسی کے دو خدمتگار ہوں۔ ایک وفادار اور مخلص ثابت ہوا اور اپنے فرائض کو نہ رسم و رواج اور دباؤ سے بلکہ پوری محبت اور اخلاص سے ادا کرے اور دُوسرا ایسا ہو جو بے دلی اور رسمی طور پر کچھ کام کرے تو اُن میں سے مالک اسی پہلے پر راضی ہوگا اور اسی کی باتوں کو سنے گا اور اسی پر اعتبار کرے گا اور وفادار ہی کو پیار کرے گا۔

مسیح اعوج کے زمانہ میں تعصب بڑھ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ عَادَ اَوْلِیَآئِیْ فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ۔ ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ ان کے تعصب نے ان کو خدا تعالیٰ سے بالکل دُور کر دیا ہے۔ ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ جس قدر ہم لوگ ہیں وہ سب نہ ہوں گے۔ رسمی نمازوں سے خدا تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ دُنیا کے دوست بھی صرف الفاظ سے نہیں بنتے۔ اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام کا لفظ ہی مُسلمان بناتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکموں پر گردن جھکائی جاوے۔ یہ لقب کسی اَور ملت کو نہیں دیا گیا۔ اس اُمت پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اسلام جس بات کو چاہتا ہے وُہ اسی جگہ سے اسلام کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ (الرحمٰن: ۴۷) خدا کے دیدار کے واسطے اسی جگہ سے حواس ملتے ہیں۔ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل: ۷۳) جو یہاں خدا نہیں دیکھتا وہ وہاں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔[1]

یکم جون ۱۹۰۴ء (قبل از شام)

دُعا دُعا کی مثال ایک چشمۂ شیریں کی طرح ہے جس پر مومن بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جب چاہے اس چشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک مچھلی بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح مومن کا پانی دُعا ہے کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس دُعا کا ٹھیک محل نماز ہے جس میں وہ راحت اور سرور مومن کو ملتا ہے کہ جس کے مقابل ایک عیاش کا کابل درجہ کا سُرور جو اُسے کسی بدمعاشی میں میسر آ سکتا ہے۔ ہیچ ہے۔ بڑی بات جو دُعا میں حاصل ہوتی ہے وُہ قربِ الٰہی ہے۔ دُعا کے ذریعہ ہی انسان خدا تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا اور اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جب مومن کی دُعا میں پُورا

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء

اخلاص اور انقطاع پیدا ہو جاتا ہے۔ تو خدا کو بھی اس پر رحم آجاتا ہے اور اس کا متولی ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی پر غور کرے تو الٰہی تولی کے بغیر انسانی زندگی قطعاً تلخ ہو جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے جب انسان حدِ بلوغت کو پہنچتا ہے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگتا ہے تو نامرادیوں ناکامیابیوں اور قسما قسم کے مصائب کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اُن سے بچنے کیلئے طرح طرح کی کوششیں کرتا ہے۔ دولت کے ذریعہ اپنے تعلق حکام کے ذریعہ، قسما قسم کے حیلہ و فریب کے ذریعہ وہ بچاؤ کے راہ نکالتا ہے، لیکن مشکل ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو۔ بعض وقت اس کی تلخ کامیوں کا انجام خودکشی ہو جاتی ہے۔ اب اگر ان دنیا داروں کے غموم وہموم اور تکالیف کا مقابلہ اہل اللہ یا انبیاء کے مصائب کے ساتھ کیا جاوے تو انبیاء علیہم السلام کے مصائب بمقابل اول الذکر جماعت کے مصائب بالکل ہیچ ہیں لیکن یہ مصائب و شدائد اس پاک گروہ کو رنجیدہ یا محزون نہیں کر سکتے۔ اُن کی خوشحالی اور سُرور میں فرق نہیں آتا۔ کیونکہ وُہ اپنی دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی تولی میں پھر رہے ہیں۔

استقامت ایک معجزہ ہے

دیکھو اگر ایک شخص کا ایک حاکم سے تعلق ہو اور مثلاً اس حاکم نے اسے اطمینان بھی دیا ہو کہ وُہ اپنے مصائب کے وقت اس سے استعانت کر سکتا ہے تو ایسا شخص کسی ایسی تکلیف کے وقت جس کی گرہ کشائی اس حاکم کے ہاتھ میں ہے عام لوگوں کے مقابل کم درجہ رنجیدہ اور غمناک ہوتا ہے تو پھر وہ مومن جس کا اس قسم کا بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط تعلق احکم الحاکمین سے ہو۔ وُہ کب مصائب و شدائد کے وقت گھبرائے گا۔ انبیاء علیہم السلام پر جو مصیبتیں آتی ہیں اگر ان کا عشر عشیر بھی ان کے غیر پر وارد ہو تو اس میں زندگی کی طاقت باقی نہ رہے۔ یہ لوگ جب دُنیا میں بغرضِ اصلاح آتے ہیں تو اُن کی کُل دنیا دشمن ہو جاتی ہے۔ لاکھوں آدمی اُن کے خُون کے پیاسے ہوتے ہیں لیکن یہ خطرناک دشمن بھی اُن کے اطمینان میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک شخص کا ایک دشمن بھی ہو تو وُہ کسی لمحہ بھی اس کے شر سے امن میں نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ مُلک کا مُلک اُن کا دشمن ہو اور پھر یہ لوگ باامن زندگی بسر کریں۔ ان تمام تلخ کامیوں کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیں۔ یہ برداشت ہی معجزہ در کرامت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اُن کے لاکھوں معجزوں سے بڑھ کر ایک معجزہ ہے۔ کُل قوم کا ایک طرف ہونا۔ دولت، سلطنت، دنیوی وجاہت، حسینہ جمیلہ بیویاں وغیرہ سب کچھ کے لالچ قوم کا اس شرط پر دینا کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے رُک جاویں لیکن ان سب کے مقابل جناب رسالتمآب کا قبول کرنا اور فرمانا کہ میں اگر اپنے نفس سے کرتا تو یہ سب باتیں قبول کرتا۔ میں تو حکمِ خدا کے ماتحت یہ سب کچھ کر رہا ہوں اور پھر دُوسری طرف سب تکالیف کی برداشت کرنا یہ ایک فوق الطاقت معجزہ ہے۔ یہ سب طاقت اور برداشت اُس دُعا کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو مومن کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہے۔

ان لوگوں کی دردناک دُعا بعض وقت قاتلوں کے سفاکانہ حملہ کو توڑ دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے جانا آپ لوگوں نے سُنا ہوگا۔ ابوجہل نے ایک قسم کا اشتہار قوم میں دے رکھا تھا کہ جو جناب رسالتمآب کو قتل کرے گا وہ بہت کچھ انعام واکرام کا مستحق ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے مشرف باسلام ہونے سے پہلے ابوجہل سے معاہدہ کیا اور قتل حضرت کے لیے آمادہ ہوگیا۔ اس کو کسی عمدہ وقت کی تلاش تھی۔ دریافت پر اُسے معلوم ہوا کہ حضرت نصف شب کے وقت خانہ کعبہ میں بغرض نماز آتے ہیں۔ یہ وقت عمدہ سمجھ کر حضرت عمرؓ سرِشام خانہ کعبہ میں جا چھپے۔ آدھی رات کے وقت جنگل میں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آنا شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گریں تو اس وقت قتل کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درد کے ساتھ مناجات شروع کی اور سجدہ میں اس طرح حمدِ الٰہی کا ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ کا دل پسیج گیا۔ اس کی ساری جرأت جاتی رہی اور اس کا قاتلانہ ہاتھ سُست ہوگیا۔ نماز ختم کرکے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کو چلے تو اُن کے پیچھے حضرت عمرؓ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہٹ پاکر دریافت کیا اور معلوم ہونے پر فرمایا کہ اے عمر کیا تُو میرا پیچھا نہ چھوڑے گا حضرت عمرؓ بددُعا کے ڈر سے بول اُٹھے کہ حضرتؐ میں نے آپ کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔ میرے حق میں بددُعا نہ کیجئے گا؛ چنانچہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ پہلی رات تھی جب مجھ میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی۔

سو میرے نزدیک شق القمر کا معجزہ ایسا زبردست معجزہ نہیں جیسے رسُول پاکؐ کی استقامت ایک معجزہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ضرورتِ وقت کے لحاظ سے انبیاء علیہم السّلام معجزہ دکھلاتے ہیں اور وُہ نُور و ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن ان سب معجزات سے بڑھ کر استقامت ایک معجزہ ہے۔ آج چوبیس سال مجھ پر گذر گئے جب میں نے دعویٰ وحی والہام کیا۔ جو لوگ میرے پاس دن رات بیٹھتے ہیں وُہ دیکھتے ہیں اور گواہ اس بات کے ہیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ ہر روز مجھے اپنے کلام سے مشرف کرتا ہے اور کس طرح جو مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے وُہ پُورا ہوتا ہے۔ اب کیا میں ہر روز افترا کرتا ہوں؟ اور خدا تعالیٰ بھی اس قدر صابر ہے کہ ایسے مفتری کو مہلت دے رہا ہے۔ پیغمبر صاحب کو تو یہ حکم کہ اگر تُو ایک افترا مجھ پر باندھتا تو میں تیری رگِ گردن کاٹ دیتا جیسے کہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ ۴۵ تا ۴۷) سے ظاہر ہوتا ہے اور یہاں چوبیس سال سے روزانہ افترا خدا تعالیٰ پر ہو اور خدا اپنی سنّتِ قدیمہ کو نہ بدلے۔ بدی کرنے میں اور جھوٹ بولنے میں کبھی مداومت اور استقامت نہیں ہوتی۔ آخر کار انسان دروغ کو چھوڑ ہی دیتا ہے

لیکن کیا میری ہی فطرت ایسی ہو رہی ہے کہ مَیں چوبیس سال سے اس جھوٹ پر قائم ہوں اور برابر چل رہا ہوں اور خدا تعالیٰ بھی بالمقابل خاموش ہے اور بالمقابل ہمیشہ تائیدات پر تائیدات کر رہا ہے۔ پیشگوئی کرنا یا علم غیب سے حصّہ پانا کسی ایک معمولی ولی کا بھی کام نہیں۔ یہ نعمت تو اس کو عطا ہوتی ہے جو حضرت احدیت کے آب میں خاص عزت اور وجاہت رکھتا ہے۔ اب دیکھ لیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر پیشگوئیاں میرے ہاتھ پر پُوری کیں۔ براہین احمدیہ اور اس میں جو میرے آئندہ حالات درج ہیں ان کو دیکھا جاوے اور پھر میرے آجکل کے حالات کو دیکھا جاوے کہ وہ تمام کس طرح پُورے ہوئے پھر جو جو نشانات مسیح موعُود کے زمانہ کے آثار ہیں، موجود ہیں۔ وہ کس طرح اس زمانہ میں پُورے ہو گئے۔ رمضان میں کسُوف خسوف کا ہونا۔ ریل کا جاری ہو کر اُونٹنیوں کا حجاز میں بھی بند ہو جانا، طاعون کا نمودار ہونا۔ یہ سب علامات ہیں جو زمانہ مہدی کے ساتھ مختص ہیں۔ یہ خُدا تعالیٰ نے کیوں پُورے کیے؟ کیا ایک کذّاب اور مفتری علی اللہ کی رونق افزائی کے لیے جو چوبیس سال سے برابر افترا باندھ رہا ہے۔ آخر میں مَیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ عمر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ وقت ہے اس کو غنیمت سمجھا جاوے۔ یہ خدا تعالیٰ کے نشان ہیں۔ ان سے مُنہ موڑنا خدا تعالیٰ کی حکم عدولی ہے۔ دیکھو ایک مجازی حاکم کا پیادہ اگر آجاوے اور پیادہ جس حکم کو لاتا ہے اُس کی پروانہ کی جاوے، تو پھر یہ حکم عدولی کیسے بدنتائج پیدا کرتی ہے؛ چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کی حکم عدولی۔ دُنیا میں جب کبھی کوئی خدا تعالیٰ کا مُرسل آوے گا وُہ انسان ہی ہوگا۔ اس کے اوضاع و اطوار انسانوں والے ہی ہوں گے۔ آخر فرشتہ کو تو نہیں آنا۔ یہ لوگ اس کے لوازم انسانیت سے گھبرا جاتے ہیں اور اُن کی آنکھوں کے سامنے ایک حجاب ہے جو اس کے جامۂ نبوّت کو چھپائے ہوئے ہے لیکن یہ حجاب ضروری ہے جس میں ہر ایک نبی مستُور ہوتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو اس حجاب کے اندر اُس شخص کو دیکھ لے۔[1]

ابتدائے جون ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

تعدّدِ ازدواج۔ مقصد اور حدود

ایک احمدی نے حضرتِ اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ تعدّدِ ازدواج میں جو عدل کا حکم ہے کیا اس سے یہی

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ و ۱۷ جون ۱۹۰۴ء

مُراد ہے کہ مرد بحیثیت اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) کے خود ایک حاکم عادل کی طرح جس بیوی کو سلوک کے قابل پاوے ویسا سلوک اس سے کرے یا کچھ اَور معنے ہیں۔

حضرتِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

محبت کو قطع نظر بالائے طاق رکھ کر عملی طور پر سب بیویوں کو برابر رکھنا چاہیے۔ مثلاً پارچہ جات۔ خرچ خوراک۔ معاشرت حتّٰی کہ مباشرت میں بھی مساوات برتے۔ یہ حقوق اس قسم کے ہیں کہ اگر انسان کو پورے طور پر معلوم ہوں تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ رنڈوا رہنا پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی تہدید کے نیچے رہ کر جو شخص زندگی بسر کرتا ہے وہی اُن کی بجا آوری کا دم بھر سکتا ہے۔ ایسے لذات کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہمیشہ سر پر رہے، تلخ زندگی بسر کر لینی ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ تعددِ ازدواج کی نسبت اگر ہم تعلیم دیتے ہیں تو صرف اس لیے کہ معصیت میں پڑنے سے انسان بچا رہے اور شریعت نے اسے بطور علاج کے ہی رکھا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کا میلان اور غلبہ شہوات کی طرف دیکھے اور اس کی نظر بار بار خراب ہوتی ہو تو زنا سے بچنے کے لیے دُوسری شادی کرلے، لیکن پہلی بیوی کے حقوق تلف نہ کرے۔ تورات سے بھی یہی ثابت ہے کہ اُس کی دلداری زیادہ کرے، کیونکہ جوانی کا بہت سا حصّہ اُس نے اس کے ساتھ گذارا ہوا ہوتا ہے اور ایک گہرا تعلق خاوند کا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ پہلی بیوی کی رعایت اور دلداری یہانتک کرنی چاہیے کہ اگر کوئی ضرورت مرد کو ازدواجِ ثانی کی محسوس ہو، لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دُوسری بیوی کے کرنے سے اس کی پہلی بیوی کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور حد درجہ کی اُس کی دل شکنی ہوتی ہے تو اگر وہ صبر کر سکے اور کسی معصیت میں مبتلا نہ ہوتا ہو اَور نہ کسی شرعی ضرورت کا اُس سے خُون ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اگر اُن اپنی ضرورتوں کی قربانی سابقہ بیوی کی دلداری کے لیے کر دے اور ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اُسے مناسب ہے کہ دوسری شادی نہ کرے۔

اس قدر ذکر ہوا تھا کہ ایک صاحب نے اُٹھ کر عرض کی کہ البدر[1] اور الحکم اخباروں میں تعددِ ازدواج کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ذمہ دُوسرا نکاح حضور نے فرض کر دیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا کہ:

ہمیں جو کچھ خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا ہے وہ بلا کسی رعایت کے بیان کرتے ہیں۔ قرآن شریف کا منشاء

---

[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ملفوظات ۲۳ ستمبر ۱۹۰۳ء کی ڈائری میں چھپ چکے ہیں۔

زیادہ بیویوں کی اجازت سے یہ ہے کہ تم کو اپنے نفوس کو تقویٰ پر قائم رکھنے اور دوسرے اغراض مثلاً اولادِ صالحہ کے حاصل کرنے اور خویش واقارب کی نگہداشت اور ان کے حقوق کی بجاآوری سے ثواب حاصل ہو۔ اور اپنی اغراض کے لحاظ سے اختیار دیا گیا ہے کہ ایک دو تین چار عورتوں تک نکاح کر لو، لیکن اگر ان میں عدل نہ کر سکو تو پھر یہ فسق ہوگا۔ اور بجائے ثواب کے عذاب حاصل کرو گے کہ ایک گناہ سے نفرت کی وجہ سے دُوسرے گناہوں پر آمادہ ہوتے۔ دِل دکھانا بڑا گناہ ہے اور لڑکیوں کے تعلقات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین اُن کو اپنے سے جُدا اور دُوسرے کے حوالہ کرتے ہیں، تو خیال کرو کہ کیا ابتدا اُن کے دلوں میں ہوتی ہیں اور جن کا اندازہ انسان عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: ۲۰) کے حکم سے ہی کر سکتا ہے۔ اگر انسان کا سلوک اپنی بیوی سے عمدہ ہو اور اسے ضرورتِ شرعی پیدا ہو جاوے تو اس کی بیوی اس کے دُوسرے نکاحوں سے ناراض نہیں ہوتی۔ ہم نے اپنے گھر میں کئی دفعہ دیکھا ہے کہ وہ ہمارے نکاح والی پیشگوئی کے پُورا ہونے کے لیے رو رو کر دُعائیں کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بیویوں کی ناراضگی کا باعث خاوند کی نفسانیت ہوا کرتی ہے اور اگر اُن کو اس بات کا علم ہو کہ ہمارا خاوند صحیح اغراض اور تقویٰ کے اصول پر دُوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ کبھی ناراض نہیں ہوتیں۔ فساد کی بنا تقویٰ کی خلاف ورزی ہوا کرتی ہے۔

خدا تعالیٰ کے قانون کو اس کے منشاء کے برخلاف ہرگز نہ برتنا چاہیے اور نہ اُس سے ایسا فائدہ اٹھانا چاہیے جس سے وہ صرف نفسانی جذبات کی ایک سپر بن جاوے۔ یاد رکھو کہ ایسا کرنا معصیت ہے۔ خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ شہوات کا تم پر غلبہ نہ ہو، بلکہ تمہاری غرض ہر ایک امر میں تقویٰ ہو۔ اگر شریعت کو سپر بنا کر شہوات کی اتباع کے لیے بیویاں کی جاویں گی تو سوائے اس کے اور کیا نتیجہ ہوگا کہ دوسری قومیں اعتراض کریں کہ مسلمانوں کو بیویاں کرنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ زنا کا نام ہی گناہ نہیں بلکہ شہوات کا کھلے طور پر دل میں پڑ جانا گناہ ہے۔ دنیاوی تمتع کا حصہ انسانی زندگی میں بہت ہی کم ہونا چاہیے، تاکہ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ (التوبہ: ۸۲) یعنی ہنسو تھوڑا اور روؤ بہت کا مصداق بنو، لیکن جس شخص کی دنیاوی تمتع کثرت سے ہیں اور رات دن بیویوں میں مصروف ہے۔ اُس کو رقت اور رونا کب نصیب ہوگا۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وُہ ایک خیال کی تائید اور اتباع میں تمام سامان کرتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کے اصل منشاء سے دُور جا پڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اگرچہ بعض اشیاء جائز تو کر دی ہیں، مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عمر ہی اس میں بسر کی جاوے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے بندوں کی صفت میں فرماتا ہے يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان: ۶۵) کہ وہ اپنے رب کے لیے

تمام رات سجدہ اور قیام میں گذارتے ہیں۔ اب دیکھو۔ رات دن بیویوں میں غرق رہنے والا خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق رات کیسے عبادت میں کاٹ سکتا ہے۔ وہ بیویاں کیا کرتا ہے گویا خدا کے لیے شریک پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور باوجود ان کے آپ ساری ساری رات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گذارتے تھے۔ ایک رات آپؐ کی باری عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ کچھ حصہ رات کا گذر گیا تو حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ آپ موجود نہیں۔ اُسے شُبہ ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں گئے ہوں اُس نے اُٹھ کر ہر ایک گھر میں تلاش کیا، مگر آپؐ نہ ملے۔ آخر دیکھا کہ آپؐ قبرستان میں ہیں اور سجدہ میں رو رہے ہیں۔ اب دیکھو کہ آپؐ زندہ اور جیتی بیوی کو چھوڑ کر مُردوں کی جگہ قبرستان میں گئے اور روتے رہے تو کیا آپؐ کی بیویاں حظِ نفس یا اتباعِ شہوت کی بنا پر ہو سکتی ہیں۔؟

غرضکہ خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا اصل منشاء یہ ہے کہ تم پر شہوات غالب نہ آویں۔ اور تقویٰ کی تکمیل کے لیے اگر ضرورتِ حقہ پیش آوے تو اور بیوی کر لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمتع دنیاوی کا یہ حال تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ آپؐ سے ملنے گئے۔ ایک لڑکا بھیج کر اجازت چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو آپؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مکان سب خالی پڑا ہے اور کوئی زینت کا سامان اس میں نہیں ہے۔ ایک کھونٹی پر تلوار لٹک رہی ہے یا وہ چٹائی ہے جس پر آپؐ لیٹے ہوئے تھے اور جس کے نشان اسی طرح آپؐ کی پُشت مبارک پر بنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھ کر رو پڑے۔ آپؐ نے پوچھا۔ اے عمرؓ! تجھ کو کس چیز نے رُلایا؟ عمرؓ نے عرض کی کہ کسریٰ اور قیصر تو تنعّم کے اسباب رکھیں اور آپؐ جو خدا تعالیٰ کے رسُول اور دو جہان کے بادشاہ ہیں اس حال میں رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمرؓ مجھے دُنیا سے کیا غرض؟ میں تو اس مسافر کی طرح گذارہ کرتا ہوں جو اُونٹ پر سوار منزلِ مقصود کو جاتا ہو۔ ریگستان کا راستہ ہو اور گرمی کی سخت شدت کی وجہ سے کوئی درخت دیکھ کر اس کے سایہ میں ستالے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہوا ہو وہ پھر چل پڑے۔ جس قدر نبی اور رُسول ہوتے ہیں سب نے دُوسرے پہلو (آخرت) کو ہی مدِنظر رکھا ہوا تھا۔

پس جاننا چاہیے کہ جو شخص شہوات کی اتباع سے زیادہ بیویاں کرتا ہے وہ مغزِ اسلام سے دُور رہتا ہے۔ ہر ایک دن جو چڑھتا ہے اور رات جو آتی ہے اگر وہ تلخی سے زندگی بسر نہیں کرتا اور روتا کم یا بالکل ہی نہیں روتا اور ہنستا زیادہ ہے تو یاد رہے کہ وہ ہلاکت کا نشانہ ہے۔ استیفاءِ لذت اگر حلال طور پر ہو تو حرج نہیں۔ جیسے ایک شخص ٹٹو پر سوار ہے اور راستہ میں اُسے نہاری وغیرہ اس لیے دیتا ہے کہ اس کی طاقت قائم

رہے اور وہ منزلِ مقصود تک اُسے پہنچا دے جہاں خدا تعالیٰ نے سب کے حقوق رکھے ہیں وہاں نفس کا بھی حق رکھا ہے کہ وُہ عبادات بجا لاسکے۔

لوگوں کے نزدیک چوری زنا وغیرہ ہی گناہ ہیں اور اُن کو یہ معلوم نہیں کہ استیفاءِ لذات میں مشغول ہونا بھی گناہ ہے۔ اگر ایک شخص اپنا اکثر حصّہ وقت کا تو عیش و آرام میں بسر کرتا ہے اور کسی وقت اُٹھ کر چار ٹکریں بھی مار لیتا ہے۔ (یعنی نماز پڑھ لیتا ہے) تو وہ نمرودی زندگی بسر کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاضت اور مشقت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تُو اس محنت میں مر جائے گا؛ حالانکہ ہم نے تیرے لیے بیویاں بھی حلال کی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کو ایسے ہی فرمایا جیسے ماں اپنے بچے کو پڑھنے یا دوسرے کام میں مستغرق دیکھ کر صحت کے قیام کے لحاظ سے اُسے کھیلنے کودنے کی اجازت دیتی ہے۔ خدا تعالےٰ کا یہ خطاب اسی غرض سے ہے کہ آپ تازہ دم ہو کر پھر دین کی خدمت میں مصروف ہوں۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ آپ شہوات کی طرف جُھک جاویں۔ نادان معترض ایک پہلو کو تو دیکھتے ہیں اور دُوسرے کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پادریوں نے اس بات کی طرف کبھی غور نہیں کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی میلان کس طرف تھا اور رات دن آپؐ کس فکر میں رہتے تھے۔ بہت سے مُلّا اور عام لوگ ان باریکیوں سے ناواقف ہیں۔ اگر اُن کو کہا جاوے کہ تم شہوات کے تابع ہو تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم حرام کرتے ہیں؟ شریعت نے ہمیں اجازت دی ہے تو ہم کرتے ہیں۔ ان کو اس بات کا علم نہیں کہ بے محل استعمال سے حلال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) سے ظاہر ہے کہ انسان صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ پس اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے جس قدر چیز اُسے درکار ہے۔ اگر اُس سے زیادہ لیتا ہے تو گو وہ شئے حلال ہی ہو مگر فضول ہونے کی وجہ سے اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ جو انسان رات دن نفسانی لذّات میں مصروف ہے وہ عبادت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وُہ ایک تلخ زندگی بسر کرے لیکن عیش و عشرت میں بسر کرنے سے تو وہ اس زندگی کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

ہمارے کلام کا مقصد یہ ہے کہ دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھا جاوے۔ یہ نہیں کہ صرف لذات کے پہلو پر زور دیا جاوے اور تقویٰ کو بالکل ترک کر دیا جاوے۔ اسلام نے جن کاموں اور باتوں کو مباح کہا ہے اس سے یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ رات دن اس میں مستغرق رہے۔ صرف یہ ہے کہ بقدر ضرورتِ وقت پر اُن سے فائدہ اُٹھایا جاوے۔

اس مقام پر پھر وہی صاحب بولے کہ اس سے تو یہ نتیجہ نکلا کہ تعددِ ازواج بطور دوا کے ہے نہ

بطور غذا کے۔

حضورؑ نے فرمایا۔ ہاں۔

اس پر انہوں نے عرض کی کہ ان اخبار والوں نے تو لکھا ہے کہ احمدی جماعت کو بڑھانے کے لیے زیادہ بیویاں کرو۔

حضورؑ نے فرمایا کہ :

ایک حدیث میں یہ ہے کہ کثرتِ ازدواج سے اولاد بڑھاؤ تاکہ اُمت زیادہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ انسان کے ہر عمل کا مدار اس کی نیت پر ہے۔ کسی کے دل کو چیر کر ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر کسی کی یہ نیت نہیں ہے کہ زیادہ بیویاں کر کے عورتوں کی لذات میں فنا ہو بلکہ یہ ہے کہ اس سے خادمِ دین پیدا ہوں تو کیا حرج ہے لیکن یہ امر بھی مشروط بشرائط بالا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کی چار بیویاں ہوں اور ہر سال ہر ایک سے ایک ایک اولاد ہو تو چار سال میں سولہ بچے ہوں گے، مگر بات یہ ہے کہ لوگ دوسرے پہلو کو ترک دیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ صرف ایک پہلو پر ہی زور دیا جاوے، حالانکہ ہمارا یہ منصب ہرگز نہیں ہے۔ قرآن شریف میں متفرق طور پر تقویٰ کا ذکر آیا ہے، لیکن جہاں کہیں بیویوں کا ذکر ہے وہاں ضرور ہی تقویٰ کا بھی ذکر ہے۔ ادائیگی حقوق ایک بڑی ضروری شئے ہے اسی لیے عدل کی تاکید ہے۔ اگر ایک شخص دیکھتا ہے کہ وہ حقوق کو ادا نہیں کر سکتا یا اس کی رجولیت کے قویٰ کمزور ہیں یا خطرہ ہو کہ کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے تو اُسے چاہیے کہ دیدہ دانستہ اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالے تقویٰ یعنی شرعی ضرورت جو اپنے محل پر ہو اگر موجود ہو تو پہلی بیوی خود تجویز کرتی ہے کہ خاوند اَور نکاح کرے۔

آخری نصیحت ہماری یہی ہے کہ اسلام کو اپنی عیاشیوں کے لیے سپر نہ بناؤ کہ آج ایک حسین عورت نظر آئی تو اُسے کر لیا۔ کل اَور نظر آئی تو اُسے کر لیا۔ یہ تو گویا خدا کی گدی پر عورتوں کو بٹھانا اور اُسے جھلا دینا ہوا۔ دین تو چاہتا ہے کہ کوئی زخم دل پر ایسا رہے جس سے ہر وقت خدا تعالیٰ یاد آوے ورنہ سلبِ ایمان کا خطرہ ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ عورتیں کرنے والے اور انہیں میں مصروف رہنے والے ہوتے تو اپنے سر جنگوں میں کیوں کٹواتے؛ حالانکہ اُن کا یہ حال تھا کہ ایک کی اُنگلی کٹ گئی تو اُسے مخاطب ہو کے کہا کہ تُو ایک اُنگلی ہی ہے اگر کٹ گئی تو کیا ہوا۔ مگر جو شب و روز عیش و عشرت میں مستغرق ہے وہ کب ایسا دل لا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں اس قدر روتے اور قیام کرتے کہ آپؐ کے پاؤں پر وَرم ہو جاتا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کے تمام گناہ بخش دیتے ہیں پھر اس قدر مشقت اور رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا۔ کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟[1]

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۶ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۸ رجولائی ۱۹۰۴ء

۴ رجون ۱۹۰۴ء

نماز اصل میں دُعا ہے ایک شخص کے سوال پر فرمایا کہ :

نماز اصل میں دُعا ہے۔ نماز کا ایک ایک لفظ جو بولتا ہے وہ نشانہ دُعا کا ہوتا ہے۔ اگر نماز میں دل نہ لگے تو پھر عذاب کے لیے تیار رہے، کیونکہ جو شخص دُعا نہیں کرتا وہ سوائے اس کے کہ ہلاکت کے نزدیک خود جاتا ہے اور کیا ہے۔ ایک حاکم ہے جو بار بار اس امر کی ندا کرتا ہے کہ میں دُکھیاروں کا دُکھ اُٹھاتا ہوں۔ مشکل والوں کی مشکل حل کرتا ہوں۔ میں بہت رحم کرتا ہوں۔ بیکسوں کی امداد کرتا ہوں لیکن ایک شخص جو کہ مشکل میں مبتلا ہے۔ اس کے پاس سے گذرتا ہے اور اس کی ندا کی پروا نہیں کرتا نہ اپنی مشکل کا بیان کر کے طلب امداد کرتا ہے تو سوائے اس کے کہ وہ تباہ ہو اور کیا ہوگا۔ یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ تو ہر وقت انسان کو آرام دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ کوئی اس سے درخواست کرے۔ قبولیتِ دُعا کے لیے ضروری ہے کہ نافرمانی سے باز رہے اور دُعا بڑے زور سے کرے۔ کیونکہ پتھر پر پتھر زور سے پڑتا ہے تب آگ پیدا ہوتی ہے۔

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىٕذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ (القیامۃ: ۱۳)

اس آیت کو قیامت پر چسپاں کرنا غلطی ہے کیونکہ اس دن تو خُدا کی طرف رُجوع کرنا کسی کام نہ آوے گا۔ بلکہ یہ اس زمانہ کی حالت ہے کہ طاعون کے بارے میں خواہ کوئی حیلہ حوالہ کریں ہرگز کام نہ آوے گا۔ آخر مستقر خدا تعالیٰ ہی ہوگا۔ لوگ جب اس کو مانیں گے۔ تب وہ اس سے رہائی دے گا۔ اَیْنَ الْمَفَرُّ (القیامۃ:) بھی اسی پر چسپاں ہے۔ کیونکہ دُوسرے آفات میں تو کوئی نہ کوئی مفر ہوتا ہے۔ مگر طاعون میں کوئی مفر نہیں ہے۔ صرف خدا تعالیٰ کی پناہ ہی کام آوے گی۔

خدا تعالیٰ کی طرف ظلم کبھی منسوب نہیں ہو سکتا جو صادق ہوگا۔ وہ ضرور اپنے صدق سے نفع پاوے گا۔ یہ وہی دن ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے[1] هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ (المائدۃ: ۱۲۰)

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء
نیز الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳-۲۴ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۷ و ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء

۱۵ر جون ۱۹۰۴ء

حقیقی تہذیب

صنعت و حرفت میں دسترس حاصل کرنے، سیر و سیاحت میں قوم کے افراد کو مشغول رہنے، لنڈن ہو آنے، مشنوں میں ترقی کرنے وغیرہ کو آج کل تہذیب کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے۔ اور جب کسی قوم میں یہ باتیں ہوں تو اسے ایک مہذب قوم کہتے ہیں یہ ذکر ایک صاحب نے حضرت اقدسؑ کی مجلس میں آج کیا۔

اس پر آپؑ نے فرمایا کہ:

جس قوم میں راستی کا پیار نہیں، اعمال میں للّٰہیت نہیں اور ریاکاری اور خود پسندی ان کا شیوہ ہے، اُسے مہذب نہیں کہہ سکتے۔ تہذیب کے اصول اخلاص، صدق اور توحید ہیں۔ وہ سوائے اسلام کے اور کسی دُوسرے مذہب میں نہیں مل سکتے۔ عیسائیوں کو اخلاق کا بڑا ناز ہے، مگر ان کی جو بات دیکھو اسی میں گناہ ہے۔ کوئی عمل ہو اس میں ریاکاری ضرور ہے؛ حالانکہ خُلق وہ ہے جو للّٰہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی عظمت، اس پر ایمان اور نوعِ انسان کی خدمت یہ باتیں خلق کی ہیں۔ لیکن یہاں خدا کی جگہ تو ایک یسُوع نامی کو دیدی گئی ہے اور مخلوق کے ساتھ جو معاملہ ہے وُہ ظاہر ہے۔ بات یہ ہے کہ جب خُدا کو شناخت ہی نہیں کیا، تو اس پر نظر رکھ کر کسی کی خدمت کیا کر سکتے ہیں؟ سچے خُلق کا برتاؤ بہت مشکل ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک قویٰ کو برمحل برتا جاوے اور خُدا سے ڈر کر وہ اپنی حد پر رہیں۔ لیکن ایمان کے سوا یہ باتیں حاصل نہیں ہوتیں۔ ثواب اس کو ملا کرتا ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر گناہ کو چھوڑتا ہے یا اس کو راضی کرنے کی محنت برداشت کر کے ایک نیکی کو کرتا ہے۔ اور جب تک یہ نیت نہیں ہوتی۔ تب تک ہرگز ثواب نہیں ملتا؛ اگرچہ وہ کام بذاتِ خود نیک ہی ہو۔ ہندو لوگ بتوں کی خاطر کیا کیا کرتے ہیں۔ کتنی محنتیں اُٹھاتے ہیں مگر سب کی سب رائیگاں جاتی ہیں۔[1]

۱۹ر جون ۱۹۰۴ء بوقت ظہر

متقی کون ہے؟

ایک مولوی صاحب جن کے والد بزرگوار احمدی جماعت میں داخل تھے اور بقضائے الٰہی فوت ہو گئے۔ علاقہ گوجرانوالہ سے تشریف لائے ہوئے

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ یکم جولائی ۱۹۰۴ء

تھے۔ ان کو حضرت اقدس سے ارادت حاصل نہ تھی اور نہ اپنے والدِ مرحوم کو صراطِ مستقیم پر سمجھتے تھے۔ چند احباب کی تحریک سے وہ بحث و مباحثہ کی غرض لے کر یہاں آئے تھے۔ حضرتِ اقدس کے رُوبرو تو ان کی کوئی کلام ہم نے نہ سُنی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب البتہ کلام کرتے رہے۔ جس میں نووارد مولوی صاحب نے یہ کہا کہ ہمارے نزدیک بہت سے متقی ہیں کہ جنھوں نے مرزا صاحب کو نہیں مانا اور چونکہ ہم ان کو متقی اور راستباز تسلیم کرتے ہیں، اس لیے ہم بھی نہیں مانتے۔ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ جو ضد اور تعصب وغیرہ سے تو پاک ہے اور سچی ارادت سے حق کا طالب ہے اور اس لیے کسی شخص کو متقی مان کر اس کی تقلید سے وہ حضرت امام علیہ السلام کا مُنکر ہے تو وہ میرے نزدیک وہ اس وقت تک معذور ہے جبتک کہ اللہ تعالیٰ اس پر حقیقت کو واضح نہ کر دے، کیونکہ مؤاخذہ کے لیے ضروری ہے کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (البقرہ : ۲۵۷) ہو۔ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال : ۴۳) جو ہلاک ہو وہ بھی بیّن آیات دیکھ کر ہلاک ہو اور جو زندہ ہو وہ بھی بیّن آیات دیکھ کر زندہ ہو۔

نووارد مولوی صاحب نے چاہا کہ اس کی تصدیق حضرت مرزا صاحب سے کرائی جاوے، اس لیے جناب حکیم صاحب نے بوقتِ ظُہر اس مسئلہ کو حضرت امام علیہ السلام کی خدمتِ بابرکت میں عرض کیا جس پر آپؑ نے فرمایا کہ :

اس قسم کا سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا تو اُنھوں نے جواب دیا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي۔ (طٰہٰ : ۵۳) ایسے ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ اُن کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ جیسے جیسے سمجھے گا ویسا معاملہ اس سے کرے گا۔ ہاں کوئی آدمی کسی کو متقی کیونکر یقین کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ (النجم : ۳۳) اور فرماتا ہے۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ (النجم : ۳۳) اور فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہی عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (مائدہ : ۸) ہے۔ ہاں مامور من اللہ کے متقی ہونے اور نہ ہونے کے نشانات بیّن ہوتے ہیں نہ اَوروں کے۔

بعد نماز مغرب مغرب کی نماز کے بعد جب حضرت امام علیہ السلام شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے تو سیّد احمد شاہ صاحب سندھی نے آپ سے نیاز حاصل کی اور پوچھا کہ متقی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ فرمایا :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور آپؐ نے دعویٰ کیا تو اس وقت بھی لوگوں کی نظروں میں بہت سے یہودی عالم متقی اور پرہیزگار مشہور تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے

نزدیک بھی متقی ہوں۔ خدا تعالیٰ تو اُن متقیوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کے نزدیک تقویٰ اور اخلاص رکھتے ہیں۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا۔ لوگوں میں جو اُن کی وجاہت تھی اس میں فرق آتا دیکھ کر رعونت سے انکار کر دیا اور حق کو اختیار کرنا گوارا نہ کیا۔ اب دیکھو کہ لوگوں کے نزدیک تو وہ بھی متقی تھے مگر اُن کا نام حقیقی متقی نہیں تھا۔ حقیقی متقی وہ شخص ہے کہ جس کی خواہ آبرو جاتے۔ ہزار ذلت آتی ہو۔ جان جانے کا خطرہ ہو، فقر و فاقہ کی نوبت آتی ہو تو وہ محض اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان سب نقصانوں کو گوارا کرے لیکن حق کو ہرگز نہ چھپا دے۔ متقی کے یہ معنے جیسے آجکل کے مولوی عدالتوں میں بیان کرتے ہیں ہرگز نہیں ہیں کہ جو شخص زبان سے سب مانتا ہو خواہ اس کا عمل درآمد اس پر ہو یا نہ ہو اور وہ جھوٹ بھی بول لیتا ہو، چوری بھی کرتا ہو تو وہ متقی ہے۔ تقویٰ کے بھی مراتب ہوتے ہیں اور جبتک کہ یہ کامل نہ ہوں تب تک انسان پورا متقی نہیں ہوتا۔ ہر ایک شئے وہی کارآمد ہوتی ہے جس کا پورا وزن لیا جاوے۔ اگر ایک شخص کو بھوک اور پیاس لگی ہے۔ تو روٹی کا ایک بھورا اور پانی کا ایک قطرہ لے لینے سے اُسے سیری حاصل نہ ہوگی اور نہ جان کو بچا سکے گا، جبتک پوری خوراک کھانے اور پینے کی اُسے نہ ملے۔ یہی حال تقویٰ کا ہے کہ جب تک انسان اسے پورے طور پر ہر ایک پہلو سے اختیار نہیں کرتا۔ تب تک وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ بات نہیں تو ہم ایک کافر کو بھی متقی کہہ سکتے ہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی پہلو تقویٰ کا (یعنی خوبی) اس کے اندر ضرور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے محض ظلمت تو کسی کو پیدا نہیں کیا۔ مگر تقویٰ کی یہ مقدار اگر ایک کافر کے اندر ہو تو اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کافی مقدار ہونی چاہیے جس سے دل روشن ہو۔ خدا تعالیٰ راضی ہو اور ہر ایک بدی سے انسان بچ جاوے۔ بہت سے ایسے مُسلمان ہیں کہ جو کہتے ہیں کیا ہم روزہ نہیں رکھتے۔ نماز نہیں پڑھتے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان باتوں سے وہ متقی نہیں ہو سکتے۔ تقویٰ اَور شئے ہے۔ جب تک انسان خدا تعالیٰ کو مقدم نہیں رکھتا اور ہر ایک لحاظ کو خواہ برادری کا ہو خواہ قوم کا، خواہ دوستوں اور شہر کے رؤسا کا خدا تعالیٰ سے ڈر کر نہیں توڑتا اور خدا تعالیٰ کے لیے ہر ایک ذلت برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا، تب تک وہ متقی نہیں ہے۔

قرآن شریف میں جو بڑے بڑے وعدے متقیوں کے ساتھ ہیں وہ ایسے متقیوں کا ذکر ہے جنھوں نے تقویٰ کو وہاں تک نبھایا جہاں تک ان کی طاقت تھی۔ بشریت کے قویٰ نے جہاں تک ان کا ساتھ دیا برابر تقویٰ پر قائم رہے حتّٰی کہ اُن کی طاقتیں ہار گئیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے انھوں نے اَور طاقت طلب کی جیسے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ (الفاتحہ: ۵) سے ظاہر ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ یعنی اپنی طاقت تک تو ہم نے کام کیا اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی آگے چلنے کے

لیے اور نئی طاقت تجھ سے طلب کرتے ہیں جیسے حافظ نے کہا ہے ؎

با ایں منزل عالی نتوانیم رسید
ہاں اگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

پس خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک متقی ہونا اور شے ہے اور انسانوں کے نزدیک متقی ہونا اور شے۔ مسیح علیہ السلام کے وقت جو مخالفوں کے جتھے وغیرہ بنتے تھے۔ اس کا باعث بھی یہی تھا کہ جو عام لوگ یہود کے نزدیک مسلّم تھے اور متقی پرہیزگار تسلیم کیے جاتے تھے وہ مخالف تھے۔ اگر وہ مخالف نہ ہوتے تو جتھے وغیرہ نہ بنتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہی حال تھا۔ عُجب، بُخل، ریا، نمود اور وجاہت کی پاسداری وغیرہ کی باتیں تھیں جنھوں نے حق کی قبولیت سے اُن کو روکے رکھا۔ غرضیکہ تقویٰ مشکل شے ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے تو اس کی علامات بھی ساتھ ہی رکھ دیتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ حق جب ظاہر ہو تو جو اسے خواہ نخواہ ردّ کرتا ہے اور دلائل معقولات، منقولات اور خدا تعالیٰ کے نشانوں کو ٹالتا جاوے وہ کب متقی ہو سکتا ہے۔[1]

سچی بات یہ ہے کہ حق جب ظاہر ہو تو اُسے جو خواہ نخواہ ردّ کرتا ہے اور دلائل معقولات منقولات اور خدا تعالیٰ کے نشانات کو ٹالتا جاتا ہے وہ ہرگز متقی نہیں ہو سکتا۔ متقی کو تو ترساں اور لرزاں ہونا چاہیے۔ کیا دُنیا میں ایسا ہوا ہے کہ چودہ سال سے برابر ایک انسان رات کو منصوبہ بناتا ہے اور صبح کو خدا کی طرف لگا کر کہتا ہے کہ مجھے یہ وحی یا الہام ہوا اور خدا تعالیٰ اس سے مؤاخذہ نہیں کرتا۔ اس طرح سے تو دنیا میں اندھیر پڑ جاوے اور مخلوق تباہ ہو جاوے۔ متقی تو ایک ہی بات سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور یہاں تو ہزاروں ہیں۔ زمانہ الگ پکار رہا ہے۔ احادیث مِنْکُمْ مِنْکُمْ کہہ رہی ہیں۔ سورہ نور میں بھی مِنْکُمْ لکھا ہے قساوتِ قلبی اور بہائم کی طرح جو زندگی بسر ہو رہی ہے وہ الگ بتا رہی ہے۔ صدی کے سر پر کہتے تھے کہ مجدد آتا ہے۔ اب ۲۲ سال بھی ہو چکے۔ کسوف وخسوف بھی ہو لیا۔ طاعون بھی آ گئی، حج بھی بند ہوا۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم کیونکر جانیں کہ ان میں تقویٰ ہے۔ ہم نے بار بار کہا کہ آؤ اور جن باتوں کا تم کو سوال کرنے کا حق پہنچتا ہے وہ پوچھو۔ ہاں یہ نہیں ہوگا کہ قرآن شریف تو کچھ کہے اور تم کچھ کہو اور ایسے اقوال پیش کرو جو اس کے مخالف ہوں۔ مسیح کا نزول جسمانی آسمان سے

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۲-۲۳ صفحہ ۲ مورخہ ۸-۱۶ رجون ۱۹۰۴ء
نیز الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۴ء

مانتے ہیں، حالانکہ وہ تب صحیح ہو سکتا ہے جبکہ صعود اول ہو۔ قرآن مسیح کی وفات بیان کرتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ چھت پھاڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ کیا تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ یقین کو ترک کر کے تو ہمات کی اتباع کی جاوے۔ سچے تقویٰ کا پتہ قرآن سے ملتا ہے کہ دیکھ لیوے کہ تقویٰ والوں نے کیا کیا کام کیے ہیں۔

دعا کے ذریعہ اپنے بھائیوں کی مدد کرو

مذکورہ بالا تقریر کے بعد ایک صاحب نے عرض کی کہ حضور بعض احمدی بھائی ایسے ہیں کہ انھوں نے بیعت کی ہوئی ہے اور اخلاص بھی رکھتے ہیں، مگر بعض اقوال اور حرکات اُن سے بیجا ظاہر ہوتی ہیں۔ بعض ان میں سے احادیث کے قائل نہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:

اصل بات یہ ہے کہ سب لوگ ایک طبقہ کے نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ بھی قرآن شریف میں مومنوں کے طبقات بیان کرتا ہے۔ مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ۔ (فاطر: ۳۳) کہ بعض ان میں سے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو اور بعض سبقت کرنے والے۔

دُوسری یہ بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تو ترقی آہستہ آہستہ ہی کی تھی۔ ایمان میں بھی اور عمل میں بھی۔ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو ایک صحابی سے آپ نے ایک ٹکڑا زمین کا مسجد[1] بنانے کے لیے طلب کیا۔ اس نے عُذر کیا اور کہا کہ مجھ کو آپ درکار ہے۔ اب یہ کس قدر گناہ کی بات تھی کہ خدا تعالیٰ کا رسول مسجد کے لیے زمین طلب کرے اور یہ باوجود مرید ہونے کے اپنی نفسانی ضرورت کو دین کی ضرورت پر ترجیح دیتا ہے، لیکن آخر وہی صحابہؓ تھے کہ جنھوں نے اللہ کے لیے اپنے سر کٹوائے۔ ترقی ہمیشہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ ایک سال انسان کچھ کرتا ہے، دُوسرے سال کچھ، لیکن اگر بدظنی کریں تو اُس کی مثال یہ ہوگی کہ ایک مریض ہمارے پاس آتا ہے جو کہ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہے اور ہم اُسے ایک دو دن دوا دیکر نکال دیں اور پورے طور پر لگ کر علاج نہ کریں۔ ہمارا کام تو رات دن اُن کے لیے دُعا، تضرع اور ابتہال میں لگا رہنا ہے۔ مبلغین کا یہ کام نہیں ہوتا کہ ہر ایک بات پر چڑ کر لوگوں سے متنفر ہوتے رہیں۔ ابھی یہ لوگ قابلِ رحم ہیں اور خدا تعالیٰ اُن کی اصلاح کے سامان کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے۔ صحابہؓ میں سے بعض اس درجہ کے تھے کہ عنقریب نبی کے مقام پر پہنچ جاویں اور بعض ادنیٰ درجہ کے۔ جیسے دریا میں موتی بھی ہوتا ہے اور مونگا بھی اور

---

[1] مسجد کا لفظ اصل میں موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے رہ گیا ہے۔ بعد کے فقرات اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

سیپ بھی اور دوسری اشیاء مثل سونا اور دوسرے حیوانات کے۔ ایسا ہی جماعت کا حال ہوتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لیے دعا کریں، لیکن اگر وہ دُعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کونسا ایسا عیب ہے جو کہ دُور نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہمیشہ دُعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔

حکایت ایک صُوفی کے دو مرید تھے۔ ایک نے شراب پی اور نالی میں بیہوش ہو کر گرا۔ دُوسرے نے صُوفی سے شکایت کی اس نے کہا تُو بڑا بے ادب ہے کہ اسکی شکایت کرتا ہے اور جا کر اُٹھا نہیں لاتا۔ دُوسرا اسی وقت گیا اور اُسے اُٹھا کر لے چلا۔ کہتے تھے کہ ایک نے تو بہت شراب پی لیکن دُوسرے نے کم پی کہ اُسے اُٹھا کر لے جا رہا ہے۔ صُوفی کا یہ مطلب تھا کہ تُو نے اپنے بھائی کی غیبت کیوں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت کا حال پُوچھا تو فرمایا کہ کسی کی سچی بات کا اسکی عدم موجودگی میں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے بُرا لگے غیبت ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے اور تُو بیان کرتا ہے، تو اس کا نام بہتان ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا۔ (الحجرات : ۱۳) اس میں غیبت کرنے کو ایک بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جو آسمانی سلسلہ بنتا ہے ان میں غیبت کرنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ آیت بے کار جاتی ہے۔ اگر مومنوں کو ایسا ہی مطہر ہونا تھا اور ان سے کوئی بدی سرزد نہ ہوتی، تو پھر اس آیت کی کیا ضرورت تھی؟ بات یہ ہے کہ ابھی جماعت کی ابتدائی حالت ہے۔ بعض کمزور ہیں جیسے سخت بیماری سے کوئی اٹھتا ہے۔ بعض میں کچھ طاقت آگئی ہے۔ پس چاہیے کہ جسے کمزور پاوے اسے خفیہ نصیحت کرے۔ اگر نہ مانے تو اس کے لیے دعا کرے اور اگر دونوں باتوں سے فائدہ نہ ہو تو قضاء قدر کا معاملہ سمجھے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کو قبول کیا ہوا ہے تو تم کو چاہیے کہ کسی کا عیب دیکھ کر سرِ دست جوش نہ دکھلایا جاوے۔ ممکن ہے کہ وہ دُرست ہو جاوے۔ قطب اور ابدال سے بھی بعض وقت کوئی عیب سرزد ہو جاتا ہے، بلکہ لکھا ہے القطب قد یزنی کہ قطب سے بھی زنا ہو جاتا ہے۔ بہت سے چور اور زانی آخر کار قطب اور ابدال بن گئے۔ جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے۔ کسی کا بچہ خراب ہو تو اس کی اصلاح کے لیے وہ پُوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہیے، بلکہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دُوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو بلکہ وہ فرماتا ہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۔ (البلد : ۱۸) کہ وہ صبر اور رحم سے نصیحت کرتے ہیں۔ مرحمہ یہی ہے کہ دوسرے کے عیب دیکھ کر اسے نصیحت کی جاوے اور اس کے لیے دُعا بھی کی جاوے۔ دُعا میں بڑی

تاثیر ہے اور وہ شخص بہت ہی قابلِ افسوس ہے کہ ایک کے عیب کو بیان تو سو مرتبہ کرتا ہے لیکن دعا ایک مرتبہ بھی نہیں کرتا۔ عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہیے۔ جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لیے رو رو کر دُعا کی ہو۔ سعدی نے کہا ہے ؎

خدا داند بپوشد
ہمسایہ نداند و خبر دشد

خدا تعالیٰ تو جان کر پردہ پوشی کرتا ہے مگر ہمسایہ کو علم نہیں ہوتا اور شور کرتا پھرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام ستار ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ بنو۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیب کے حامی بنو بلکہ یہ کہ اشاعت اور غیبت نہ کرو، کیونکہ کتاب اللہ میں جیسا آگیا ہے تو یہ گناہ ہے کہ اس کی اشاعت اور غیبت کی جاوے۔ شیخ سعدیؒ کے دو شاگرد تھے۔ ایک ان میں سے حقائق و معارف بیان کیا کرتا تھا۔ دُوسرا جلا بُھنا کرتا تھا۔ آخر پہلے نے سعدیؒ سے بیان کیا کہ جب میں کچھ بیان کرتا ہوں تو دُوسرا جلتا ہے اور حسد کرتا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ایک نے راہ دوزخ کی اختیار کی کہ حسد کیا اور تُو نے غیبت کی۔ غرضیکہ یہ سلسلہ چل نہیں سکتا جبتک رحم، دُعا، ستاری اور مرحمہ آپس میں نہ ہو[1] ؎

۲۱ر جون ۱۹۰۴ء

منکرِ وفاتِ مسیح سے قسم کن الفاظ میں لی جائے

حضرتِ اقدس کے ایک مخلص حواری نے عرض کی کہ وزیر آباد میں ایک حافظ صاحب ہیں۔ وُہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :

جو شخص دلیری کر کے شوخی کی راہ سے فتنہ ڈالتا ہے خُدا اس سے خود سمجھ لیتا ہے۔ اگر اُس کو قسم کھانی ہے تو تین باتوں کی قسم کھائے۔

(۱) ایک تو یہ کہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں سے مسیح کی وفات ہرگز ثابت نہیں ہوتی اور یہاں تَوَفَّیْتَنِیْ کے وُہ معنے ہرگز نہیں ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس لفظ کے معنے کئے جاتے ہیں۔

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۰۴ء
نیز الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳، ۲۴ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۷، ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء

(۲) دُوسری یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کو معراج کی شب میں اُن تمام انبیاء کی طرح نہیں دیکھا جو کہ وفات پا چکے ہیں بلکہ دوسرے انبیاء کی ارواح کے خلاف حضرت مسیح کو معراج کی شب میں اس ہیئت اور شکل میں پایا جس سے اُن کا بجسدِ عنصری زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۳) تیسری یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ کا اجماع جو آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (اٰل عمران : ۱۴۵) کے ان معنوں پر ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر جس قدر نبی گذرے ہیں وُہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ ان تینوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا قول، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت اور صحابہؓ کا اجماع سب آجاتا ہے پس ان تینوں باتوں پر وہ قسم کھا دے۔

۴۔ اور چوتھی بات یہ بھی ملا لے کہ ہم مفتری ہیں اور ۲۴ سال سے جو الہامات ہم سُنا رہے ہیں یہ خدا تعالیٰ پر افترا باندھتے ہیں۔ اور قسم میں یہ بھی کہے کہ اگر اس میں مَیں نے کوئی بدنیتی کی ہے یا ایسی بات بیان کی ہے جو کہ میرے ذہن میں نہیں ہے تو اس کا وبال مجھ پر نازل ہو۔

فرمایا :

اگر یہ لوگ منہاج نبوت کو معیار ٹھہرا دیں تو آج فیصلہ ہوتا ہے۔

اس مقام پر نواب محمد علی صاحب نے عرض کی کہ ایک شخص نے مجھ سے حضور کے بارے میں بحث کرنی چاہی۔ مَیں نے اُسے کہا کہ اوّل تم سب کتابیں حضرت مرزا صاحب کی مطالعہ کرو اگر اس میں سمجھ نہ آوے تو ایک ماہ قادیان چل کر رہو اور وہاں مرزا صاحب کے حالات وغیرہ کو آنکھ سے دیکھو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری رہنمائی کرے۔

بعض دفعہ موت ہی انسان کے حق میں اچھی ہوتی ہے

فرمایا کہ :

اگر ہمارا کوئی مرید طاعون سے مرجاتا ہے تو اس پر اعتراض کرتے ہیں ؛ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف بیعت کرنے والا ہی اس سے محفوظ رہے گا، بلکہ اس نے ایک دفعہ مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ (الانعام ۸۳) یعنی بقدر دعویٰ کے ایمان میں کسی قسم کا ظلم نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری وفا، پورا صدق اور اخلاص کا معاملہ ہو اور اس کی شناخت کامل ہو تو وہ شخص اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسی بات ہے کہ جس کو سوائے خدا تعالیٰ کے اَور کوئی نہیں جان سکتا کہ آیا فلاں شخص میں پورا صدق و اخلاص ہے کہ نہیں۔ بعض وقت ایک

انسان کے حق میں موت ہی اچھی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اسے اس ذریعہ سے آئندہ لغزش سے بچا لیتا ہے۔ (جیسے بعض کافروں کے حق میں زندگی اس لیے بہتر ہوتی ہے کہ اُن کو آئندہ ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بعض مومن کے حق میں موت اس لیے بہتر ہوتی ہے کہ اگر وُہ زندہ رہتا تو کافر ہو جاتا) کہ اس کا خاتمہ کفر پر نہ ہو۔

یہ طاعون اس قسم کی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے عذاب کا وعدہ تھا۔ لیکن پھر صحابہ کرامؓ نے بھی آخر اُس سے حصّہ لیا اور اکثر شہید ہوئے۔ کفر کا استیصال ان کی شہادت کا ثبوت ہے پس اسی طرح یہاں بھی استیصالِ کفر ہوگا۔

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

ایک صاحب نے جو کہ بیعت شدہ ہیں، عرض کی کہ بعض لوگ صرف اس لیے بیعت سے پرہیز کرتے ہیں کہ حضور نے حضرت حسینؓ سے بڑے ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسے کہ یہ شعر مذکورہ بالا ہے۔ ایک شخص نے مجھ پر بھی یہ اعتراض کیا مگر چونکہ مجھے اس کی حقیقت معلوم نہ تھی، اس لیے مَیں ساکت ہوگیا۔

فرمایا کہ :

اوّل انسان کو اطمینانِ قلب ہونا چاہیے کہ آیا جس کو مَیں نے قبول کیا ہے وہ راستباز ہے کہ نہیں۔ مختصر کیفیت اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایک دعویٰ کا مصدق ہوتا ہے۔ اور دعویٰ بھی ایسا ہو کہ اس کی بنا پر کوئی اعتراض نہ قائم ہوتا ہو تو اس قسم کے شکوک کا دروازہ خود ہی بند ہو جاتا ہے۔ مثلاً میرا دعویٰ ہے کہ مَیں وہ مسیح ہوں جس کا وعدہ قرآن شریف اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ اب جبتک کوئی میرے اس دعوے کا مصدق نہیں ہے تب تک اس کو حق ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ نیک آدمی کے مقابل پر بھی وہ ہم پر اعتراض کرے۔ لیکن اگر کوئی بیعت کر کے دعویٰ کی تصدیق کرتا ہے کہ مَیں سچا ہوں تو وہ پھر اعتراض کیوں کرتا ہے۔ (اُسے چاہیے تھا کہ بیعت سے پیشتر اس بات کا اطمینان حاصل کرتا کہ آیا آپ سچے ہیں کہ نہیں[1]) اس قسم کے معترضین

---

[1] حاشیہ : بریکٹ میں جو فقرات درج ہوتے ہیں یہ ڈائری نویس کی اپنی عبارت اور اپنا خیال ہوتا ہے جسے وہ بغرض تشریح خطوط وحدانی میں لکھ دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب ۔ (خاکسار مرتب)

سے سوال کرنا چاہیے کہ جس مسیح کے وہ منتظر ہیں۔ آیا وہ اُن کے نزدیک از روئے اعتقاد حسینؓ سے افضل ہے کہ نہیں؟ اگر وہ اُسے افضل قبول کرتا ہے تو پھر ہم تو کہتے ہیں کہ ہم وہی ہیں۔ پہلے ہمارا وہی ہونا فیصلہ کرے پھر اعتراض خود بخود رفع ہو جاتے گا۔

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فیوض بے انتہا ہیں۔ جو اُن کو محدود کرتا ہے وہ اصل میں خدا کو محدود کرتا ہے اور اس کی کلام کو عبث قرار دیتا ہے۔ وہی تبلاوے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶، ۷) میں جب وہ انہی کمالات اور انعامات کو طلب کرتا ہے جو کہ سابقین پر ہوتے تو اب ان کو محدود کیسے مانتا ہے؟ اگر وہ محدود ہیں اور بقول شیعہ بارہ امام تک ہی رہے تو پھر سورہ فاتحہ کو نماز میں کیوں پڑھتا ہے۔ وہ تو اس کے عقیدہ کے خلاف تعلیم کر رہی ہے اور خدا کو ملزم گردانتی ہے کہ ایک طرف تو وہ خود ہی کمالات کو بارہ امام تک ختم کرتا ہے اور پھر لوگوں کو قیامت تک ان کے طلب کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ دیکھو مایوس ہونا مومن کی شان نہیں ہوتی اور ترقیات اور مراتب قرب کی کوئی حد بست نہیں ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی فردِ خاص پر ایک بات قائم کر دی جاوے۔ خدا تعالیٰ نے جیسا خاص طور پر ذکر کر دیا اور احادیث میں آگیا کہ فلاں زمانہ میں مسیح موعود ہوگا اور اس کی علامات، اس کا کام، اس کے حالات سب بتلا دیئے تو اب ہم سے یہ سوال کیوں ہوتا ہے کہ تم حسینؓ سے افضل کیوں بنتے ہو۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں فرمایا ہے کہ مسیح موعود حسینؓ سے افضل نہ ہوگا بلکہ کمتر ہوگا۔ ایسے معترضوں کو تم یہ جواب دو کہ ہم تو مسیح موعود مان چکے ہیں۔ اب تم اس امر کا ثبوت دو کہ آیا وہ امام حسینؓ سے کم ہوگا یا برابر یا افضل؟ بجز توہمات کے اُن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ جیسے ایک لاہوری شیعہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر کُل انبیاء نے صرف حسین کی وجہ سے ہی نجات پائی ہے۔

خدا تعالیٰ کا جو معاملہ میرے ساتھ ہے اور وہ میرے ساتھ کلام کرتا ہے ایسا کوئی الہام حسینؓ کا تو پیش کرو۔ میں تو اپنی وحی پر ویسے ہی ایمان لاتا ہوں جیسے کہ قرآن شریف اور توریت کے کلام الٰہی ہونے پر۔ زیادہ سے زیادہ یہ لوگ امام حسینؓ کی فضیلت میں بعض ظنی احادیث پیش کریں گے اور میں وہ پیش کرتا ہوں۔ جو یقینی ہے اور پھر خدا کا کلام ہے۔ بطور تنزل کے میں اگر مان لوں کہ حسینؓ کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا مکالمہ ویسا ہی تھا جیسے کہ میرے ساتھ ہے تو پھر ان کے الہامات کا اور میرے الہامات کا مقابلہ کرو اور دیکھو کہ بڑھ چڑھ کر کس کا کلام ہے۔ اور اگر تم میرے الہامات کو ظنی مانتے ہو تو امام حسینؓ کے الہامات تو پہلے ہی سے ظنی ہیں پس دونوں ظنی الہاموں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ نے جو مراتب میرے بیان کیے ہیں مثلاً اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ عَرْشِیْ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةٍ لَا یَعْلَمُهَا الْخَلْقُ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ

تَوحِیدِیْ وَتَعزِیدِیْ ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ ۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ) کیا امام حسینؓ کے یہی مراتب بیان ہوئے ہیں ؟ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نہ امام حسینؓ کا نام لیا اور نہ یزید کا۔ اگر ذکر کیا ہے تو زید کا ذکر کیا ہے۔ یا بعض مفسروں نے ایک صحابی سہل کا لکھا ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اس طرح سے دو صحابہ کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے اور جو ہمیں مفتری سمجھتا ہے اور مفتری سمجھ کر پھر یہ اعتراض کرتا ہے تو اوّل وہ ہمارے افترا پر بحث کرے کہ آیا افترا ہے کہ نہیں۔

البدر جلد ۳ نمبر ۲۲-۲۳ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۸، ۱۶ جون ۱۹۰۴ء[1]

مقام گورداسپور

۳۰ جون ۱۹۰۴ء

طعام اہل کتاب

امریکہ اور یورپ کی حیرت انگیز ایجادات کا ذکر ہو رہا تھا۔ اسی میں یہ ذکر بھی آگیا کہ دُودھ اور شوربا وغیرہ جو کہ ٹینوں میں بند ہو کر ولایت سے آتا ہے بہت ہی نفیس اور ستھرا ہوتا ہے اور ایک خوبی ان میں یہ ہوتی ہے کہ ان کو بالکل ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا۔ دُودھ تک بھی بذریعہ مشین دوہا جاتا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

چونکہ نصاریٰ اس وقت ایک ایسی قوم ہو گئی ہے جس نے دین کی حد و اور اس کے حلال و حرام کی کوئی پروا نہیں رکھی اور کثرت سے سؤر کا گوشت اُن میں استعمال ہوتا ہے اور جو ذبح کرتے ہیں اس پر بھی خدا کا نام ہرگز نہیں لیتے بلکہ جھٹکے کی طرح جانوروں کے سر جیسا کہ سُنا گیا ہے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لیے شُبہ پڑ سکتا ہے کہ بسکٹ اور دُودھ وغیرہ جو اُن کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہوں اُن میں سؤر کی چربی

---

[1] حاشیہ ۔ شاید کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ ۲۱ رجون کی ڈائری ۸، ۱۶ جون کے پرچہ میں کیسے شائع ہو گئی تو واضح ہو کہ پرچہ دیر کے بعد شائع ہوا۔ جیسا کہ ایڈیٹر صاحب کی طرف سے ڈائری کے آخر میں یہ نوٹ موجود ہے :۔ "کاتب کی مشکلات بدستور موجود ہونے کی وجہ سے اخبار میں دیر ہو رہی ہے۔ ان مشکلات کو اپنی ذاتی مشکلات جان کر امید ہے کہ ناظرین رنجیدہ خاطر نہ ہونگے۔ (خاکسار مرتب)

اور سؤر کے دودھ کی آمیزش ہو۔ اس لیے ہمارے نزدیک ولائتی بسکٹ اور اس قسم کے دُودھ اور شوربے وغیرہ استعمال کرنے بالکل خلافِ تقویٰ اور ناجائز ہیں جس حالت میں کہ سؤر کے پالنے اور کھانے کا عام رواج ان لوگوں میں ولایت میں ہے تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ دُوسری اشیائے خوردنی جو کہ یہ لوگ تیار کر کے ارسال کرتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی حصّہ اس کا نہ ہوتا ہو۔

اس پر ابو سعید صاحب المعروف عرب صاحب تاجر برنج رنگون نے ایک واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں یوں عرض کیا کہ رنگون میں بسکٹ اور ڈبل روٹی بنانے کا ایک کارخانہ انگریزوں کا تھا۔ وُہ ایک مُسلمان تاجر نے قریب ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرید لیا۔ جب اس نے حساب و کتاب کی کتابوں کو پڑتال کر کے دیکھا، تو معلوم ہوا کہ سؤر کی چربی بھی اس کارخانہ میں خریدی جاتی رہی ہے۔ دریافت پر کارخانہ والوں نے بتایا کہ ہم اُسے بسکٹ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ چیزیں لذیذ نہیں ہوتیں اور ولایت میں بھی یہ چربی ان چیزوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس واقعہ کے سُننے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال کس قدر تقویٰ اور باریک بینی پر تھا۔ لیکن چونکہ ہم میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو اکثر سفر کا اتفاق ہوا ہے اور بعض بھائی افریقہ وغیرہ دُور دراز امصار و بلاد میں ابتک موجود ہیں جن کو اس قسم کے دُودھ اور بسکٹ وغیرہ کی ضرورت پیش آ سکتی ہے، اس لیے اُن کو بھی مدنظر رکھ کر دوبارہ اس مسئلہ کی نسبت دریافت کیا گیا۔ نیز اہلِ ہنود کے کھانے کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ لوگ بھی اشیاء کو بہت غلیظ رکھتے ہیں اور ان کی کڑاہیوں کو اکثر کتے چاٹ جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

ہمارے نزدیک نصاریٰ کا وہ طعام حلال ہے جس میں شُبہ نہ ہو اور از روئے قرآن مجید وہ حرام نہ ہو۔ ورنہ اس کے یہی معنے ہوں گے کہ بعض اشیاء کو حرام جان کر گھر میں تو نہ کھایا، مگر باہر نصاریٰ کے ہاتھ سے کھا لیا۔ اور نصاریٰ پر ہی کیا منحصر ہے اگر ایک مُسلمان بھی مشکوک الحال ہو تو اس کا کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ مثلاً ایک مُسلمان دیوانہ ہے اور اسے حرام و حلال کی خبر نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے طعام یا تیار کردہ چیزوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ہم گھر میں ولائتی بسکٹ نہیں استعمال کرنے دیتے بلکہ ہندوستان کی ہندو کمپنی کے منگوایا کرتے ہیں۔

عیسائیوں کی نسبت ہندوؤں کی حالت اضطراری ہے کیونکہ یہ کثرت سے ہم لوگوں میں مِل جُل گئے ہیں اور ہر جگہ انہیں کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کی دوکانیں موجود ہوں۔ اور سب شئے وہاں ہی سے مِل جاوے

تو پھر البتہ ان سے خورد نی اشیاء نہ خریدنی چاہییں۔ علاوہ ازیں میرے نزدیک اہلِ کتاب سے غالباً مراد یہودی ہی ہیں، کیونکہ وہ کثرت سے اس وقت عرب میں آباد تھے اور قرآن شریف میں بار بار خطاب بھی انہیں کو ہے۔ اور صرف توریت ہی کتاب اس وقت تھی جو کہ حلت اور حُرمت کے مسئلے بیان کر سکتی تھی اور یہود کا اس پر اس امر میں جیسے عملدرآمد اس وقت تھا ویسے ہی اب بھی ہے۔ انجیل کوئی کتاب نہیں ہے۔

اس پر ابو سعید صاحب نے عرض کی کہ اھل الکتاب میں کتاب پر الف لام بھی اس کی تخصیص کرتا ہے۔ جس سے یہ مسئلہ اور بھی واضح ہو گیا۔

دجّال شخص واحد بھی ہو سکتا ہے

خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کی کہ دجّال کے متعلق جو کچھ حضور نے بیان فرمایا ہے وہ بالکل حق ہے لیکن ایک دن میرے ذہن میں یہ بات گذری کہ دجّال ایک شخص واحد بھی گذرا ہے اور اس وقت جو دجّال موجود ہے وہ اس کا خالق اور اثر ہے کیونکہ موجودہ عیسویت دراصل وہ عیسویت نہیں ہے جو حضرت مسیح نے تعلیم کی بلکہ یہ پولوس کا مذہب ہے۔ جس نے ہر ایک حرام کو حلال کر دیا اور کفارہ وغیرہ کے مسئلہ کی بدعت ایجاد کی اور اس کی ایک آنکھ ہی تھی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اس کا حلیہ بیان کیا ہے ممکن ہے کہ مکاشفہ میں آپ کو وہی دکھایا گیا ہو اور اس کے متبعین نے ہی یہ تمام ایجادیں کی ہیں جس کو دجّال کی صفت اور کارناموں کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا:

ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے

تقدیر مُعلّق و مُبرَم

صدقات و خیرات سے بلا کے ٹلنے کا ذکر ہوا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ تقدیر کے دو حصے کیوں ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ بعض دفعہ سخت خطرناک صورتیں پیش آتی ہیں اور انسان بالکل مایوس ہو جاتا ہے لیکن دُعا و صدقات و خیرات سے آخر کار وہ صورت ٹل جاتی ہے۔ پس آخر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر معلق تقدیر کوئی شے نہیں ہے اور جو کچھ ہے مبرم ہی ہے تو پھر دفعِ بلا کیوں ہو جاتا ہے؟ اور دُعا و صدقہ خیرات وغیرہ کوئی شے نہیں ہے۔ بعض ارادے الٰہی صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ انسان کو ایک حد تک خوف دلایا جاوے اور پھر صدقہ و خیرات جب وہ کرے تو وہ خوف دُور کر دیا جاوے۔ دُعا کا اثر مثل نر و مادہ کے ہوتا

ہے کہ جب وہ شرط پوری ہو اور وقت مناسب مل جاوے اور کوئی نقص نہ ہو تو ایک امر ٹل جاتا ہے۔ اور جب تقدیر مبرم ہو تو پھر ایسے اسبابِ دُعا کی قبولیت کے بہم نہیں پہنچتے بلیبیت تو دعا کو چاہتی ہے مگر توجہ کامل میسر نہیں آتی اور دل میں گداز پیدا نہیں ہوتا۔ نماز سجدہ وغیرہ جو کچھ کرتا ہے اس میں بدمزگی پاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام بخیر نہیں اور تقدیر مُبرم ہے۔[1]

اس مقام پر ایک شخص نے عرض کی کہ جب نواب محمد علی خانصاحب کا صاحبزادہ سخت بیمار ہوا تھا تو جناب کو اس قسم کا الہام ہوا کہ تقدیر مُبرم ہے اور موت مقدر ہے۔ لیکن پھر حضور کی شفاعت سے وہ تقدیر مبرم ٹل گئی۔ آپ نے فرمایا کہ :

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض وقت میری دُعا سے تقدیر مبرم ٹل گئی ہے۔ اس پر شارح شیخ عبدالحق محدث دہلی نے اعتراض کیا ہے کہ تقدیر مبرم تو ٹل نہیں سکتی پھر اس کے کیا معنے ہوئے۔ آخر خود ہی جواب دیا ہے کہ تقدیر مبرم کی دو اقسام ہیں۔ ایک مبرم حقیقی اور ایک مبرم غیر حقیقی۔ جو مبرم حقیقی ہے وہ تو کسی صورت سے ٹل نہیں سکتی ہے۔ جیسے انسان پر موت تو آتی ہے۔ اب اگر کوئی چاہے کہ اس پر موت نہ آوے اور یہ قیامت تک زندہ رہے تو یہ نہیں ٹل سکتی۔ دوسری غیر حقیقی وہ ہے جس میں مشکلات اور مصائب انتہائی درجہ تک پہنچ چکے ہوں اور قریب قریب نہ ٹلنے کے نظر آویں۔ اس کا نام مجازی طور پر مبرم رکھا گیا ہے ؛ ورنہ حقیقی مبرم تو ایسی ہے کہ کُل انبیاء بھی مل کر دُعا کریں کہ وہ ٹل جاوے تو وہ ہرگز نہیں ٹل سکتی۔

فرمایا کہ :

صبح کو یہ فقرہ الہام ہوا :

"خدا تیری ساری مرادیں پوری کر دے گا"

---

[1] الحکم سے :۔ صدقہ۔ صدق سے لیا گیا ہے جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ خُدا سے صدق رکھتا ہے۔ دُوسرا دُعا۔ دعا کے ساتھ قلب پر سوز و گداز اور رقت پیدا ہوتی ہے۔ دعا میں ایک قربانی ہے۔ صدق اور دعا اگر یہ دو باتیں میسر آجاویں تو اکسیر ہیں۔

الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۴ء۔

رؤیا میں فرشتے دیکھنا فرشتوں پر ذکر چل پڑا کہ یہ خواب میں ہمیشہ خوبصورت لڑکوں کی صورت و شکل میں نظر آتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چند ایک سابقہ رؤیا بیان فرمائے جن کو ہم اس نیت سے درج کر دیتے ہیں کہ اُن میں سے اگر کوئی شائع نہیں ہوا تو اب ہو جائے۔

(۱)

ایک فرشتہ ایک چبوترہ پر بیٹھا ہے اور ایک عجیب روٹی نان کی مثل چمکتی ہوئی اس کے ہاتھ میں ہے وہ روٹی بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ قسم کی نظر آتی ہے۔ مجھے وہ روٹی دے کر کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ کے درویشوں کے لیے ہے۔ اس رؤیا کو عرصہ قریباً ۳۰ سال کا ہو گیا ہو گا۔

(۲)

فرمایا :

ایک فرشتہ کو میں نے ۲۰ برس کے نوجوان کی شکل میں دیکھا۔ صورت اس کی مثل انگریزوں کے تھی اور میز کرسی لگائے ہوتے بیٹھا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ بہت ہی خوبصورت ہیں۔ اس نے کہا۔ ہاں میں درشنی آدمی ہوں۔ یہ رؤیا کوئی ۲۵ برس کا ہو گا۔[1]

رجوع کا صحیح وقت نزولِ بلا سے پہلے ہوتا ہے عادت اللہ یہی ہے کہ جب انسان امن کے زمانہ میں ہو اور وہ گذر جاوے اور اس اثناء میں کوئی رجوع خدا تعالیٰ کی طرف حقیقی اور اخلاص سے نہ کیا ہو تو پھر خطرناک زمانہ میں واویلا شور مچانا اس کے کام نہیں آیا کرتے۔ یہ تو وہی فرعون کی مثال ہوئی کہ جب ڈوبنے لگا تو کہا کہ اب میں موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لایا۔ مشکل یہ ہے کہ دُنیا داروں کو اُن کے اپنے سلسلوں اور پیچ در

---

[1] الحکم سے :- "اس سلسلہ کی بنیاد سے پہلے میں نے دیکھا۔ جب مرزا صاحب فوت ہوتے ہیں۔ میں اصل مکان موجودہ سلطان احمد والے میں ایک دالان میں بیٹھا ہوں۔ مغربی کوٹھڑی سے ایک برقع پوش عورت نکلی اور مجھے کہنے لگی۔ میں اس گھر سے جانے کو تھی مگر تیرے واسطے رہ گئی۔

جوان عورت اگر خواب میں دیکھی جاوے تو اس سے مراد دُنیا کے اقبال اور فتوحات ہوتے ہیں خواہ کسی قوم کی ہو۔"

الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۴ء

پیچ معاملات سے ہرگز فرصت نہیں ہے کہ وُہ رُوح کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور خُدا کا خوف بھی محسوس کریں۔ اگر کچھ خوف ہے تو گورنمنٹ کا اور امید ہے تو اسباب سے یا اپنے مکر و فریب سے۔ اس زمانہ میں جو توکل کا نام لے وہ دیوانہ اور مخبوط الحواس ہے۔ اس کا نام مسلوب العقل رکھا جاتا ہے۔ یہ انسان کی خوش قسمتی ہے کہ قبل از نزولِ بلا وہ تبدیلی کرے لیکن اگر کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اس کی نظر اسباب اور مکر و حیلہ پر ہے تو سوائے اس کے کہ وہ اپنے ساتھ گھر بھر کو تباہ کر دے اور کیا انجام ہو سکتا ہے کیونکہ مرد گھر کا کشتی بان ہوتا ہے۔ اگر وہ ڈوبے گا تو کشتی بھی ساتھ ہی ڈوبے گی۔ اسی لیے کہا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) اسی کی رستگاری کے ساتھ اس کے اہل و عیال کی رستگاری ہے اور وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶) سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو ان کے پسماندوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس وقت اس کی بے نیازی کام کرتی ہے۔[1]

۳ر جولائی ۱۹۰۴ء بمقام قادیان شریف

غربا کی دلجوئی

شام کا وقت تھا۔ بعد نماز مغرب مختلف بلاد سے جو لوگ زیارت اور بیعت سے شرف یاب ہونے کے لیے آتے ہوئے تھے۔ مثل پروانہ حضرت پر گر رہے تھے۔ اکثر حصہ ان میں سے دیہات والوں کا تھا۔ جگہ کی تنگی اور مردمان کی کثرت دیکھ کر بعض نے کہا کہ لوگو پیچھے ہٹ جاؤ۔ حضرت جی کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ

کس کو کہا جاوے کہ تم پیچھے ہٹو۔ جو آتا ہے اخلاص اور صحبت لے کر آتا ہے۔ سینکڑوں کوس کے سفر کر کے یہ لوگ آتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ کوئی دم صحبت حاصل ہو اور انہیں کی خاطر خدا تعالیٰ نے سفارش کی ہے اور فرمایا ہے وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ ۔ یہ صرف غریبوں کے حق میں ہے کہ جن کے کپڑے میلے ہوتے ہیں اور ان کو چنداں علم بھی نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ان کی دستگیری کرتا ہے۔ کیونکہ امیر لوگ تو عام مجلسوں میں خود ہی پوچھے جاتے ہیں اور ہر ایک اُن سے با اخلاق پیش آتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے غریبوں کی سفارش کی ہے جو بیچارے گمنام زندگی بسر

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۰۴ء

کہتے ہیں۔ ؎

بہت تجسس کرنا جائز نہیں

ایک شخص نے سوال کیا کہ ہمارے شہر میں وجودی فرقہ کے لوگ کثرت سے ہیں۔ اور ذبیحہ وغیرہ انہیں کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ کیا اس کا کھانا حلال ہے کہ نہیں؟ فرمایا کہ:

بہت تجسس کرنا جائز نہیں ہے۔ موٹے طور پر جو انسان مشرک یا فاسق ہو اس سے پرہیز کرو۔ عام طور پر اس طرح تجسس کرنے سے بہت سی مشکلات درپیش آتی ہیں۔ جو ذبیحہ اللہ کا نام لے کر کیا جاوے اور اس میں اسلام کے آداب مدنظر ہوں وہ خواہ کسی کا ہو۔ جائز ہے۔

وجودی فرقہ کی بنا۔

اس کے بعد فرمایا کہ:

طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وجودی پیدا کہاں سے ہوئے۔ قرآن شریف اور اسلام میں تو ان کا پتہ نہیں ملتا مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو صرف دھوکا لگا ہوا ہے۔ جو راستبازا کابر گذرے ہیں وہ اصل میں فنائے نظری کے قائل تھے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ انسان ہر ایک فعل اور حرکت اور سکون میں توجہ اللہ کی طرف رکھے اور اس قدر فانی اس میں ہو کہ گویا اور کسی شئے کی قدرت اور حرکت پر اپنا اُسے نظر نہ آوے۔ ہر ایک شئے کو فانی جان لے اور اس قدر تصرف الٰہی اُسے نظر آوے کہ بلا ارادۂ الٰہی کے اور کچھ نہیں ہو رہا۔ اسی مسئلہ میں غلطی واقع ہو کر آخر فنا وجودی تک نوبت آگئی اور یہ کہنے لگے کہ سوائے خدا کے اور کوئی شئے نہیں ہے اپنے آپ کو بھی خدا ماننے لگے۔ اس خیال سے یہ مذہب پھیلا ہے کہ فنائے نظری کے شوق میں اولیاء اللہ سے کچھ ایسے کلمات نکلے ہیں کہ جن کی اُلٹی تاویل کر کے یہ وجودی فرقہ بن گیا ہے۔ فنائے نظری تک انسان کا حق ہے کہ محبوب میں اور اپنے آپ میں کوئی جُدائی نہ سمجھے اور ؎

من تُو شُدم تُو من شُدی، من تن شُدم تُو جاں شُدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تُو دیگری

کا مصداق ہو۔ کیونکہ محبت اور محبوب کا علاقہ فنائے نظری کا تقاضا کرتا ہے اور ہر ایک سالک کی راہ میں ہے کہ وہ محبوب کے وجود کو اپنا وجود جانتا ہے، لیکن فنائے وجودی ایک من گھڑت بات ہے جیسے ذوق شوق، محبت، صدق اور وفا اور اعمالِ صالحہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فنائے نظری کی مثال وہی ہے جو ماں اور بچے کی ہے کہ اگر کوئی بچے کو لکڑی مارے تو درد ماں کو ہوتا ہے۔ سخت تعلق جو محبت کا ہے یہ اس سے بھی دردناک ہے اور

یہ ایک سچی اور حقیقی محبت ہوتی ہے لیکن وجودی کا مدعا جھوٹا ہے۔ یہ وہ کرے جو خدا تعالیٰ پر محیط ہو۔ وجودی چونکہ ترکِ ادب کا طریق اختیار کرتا ہے۔ اس لیے طاعت، محبت، عبادتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔[1]

۸ر جولائی ۱۹۰۴ء

احاطۂ عدالت

دنیوی تکالیف اور مصائب کی تلافی فرمایا:

جن کو اللہ تعالیٰ دنیا میں تکالیف دیتا ہے اور جو لوگ خود خدا تعالیٰ کے لیے دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ اُن دونوں کو خدا تعالیٰ آخرت میں بدلہ دیگا۔ دُنیا تو چلنے کا مقام ہے، رہنے کا نہیں۔ اگر کوئی شخص سارے سامان خوشی کے رکھتا ہے، تو خوشی کا مقام نہیں۔ یہ سب آرام اور دُکھ ختم ہونے والے ہیں اور اس کے بعد ایک ایسا جہان آنیوالا ہے جو دائمی ہے۔ جو لوگ اس مختصر جہان میں انسانی بناوٹ میں فرق اور کمی بیشی دیکھ کر دوسرے جنم کے گناہوں اور عملوں پر محمول کر لیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ وہ یہ معلوم نہیں کرتے کہ آخرت کا ایک بڑا جنم آنیوالا ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے پیدائش میں کوئی نقص عطا کیا ہے اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود بخود خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دُکھوں میں ڈال دیا ہے ان دونوں کو وہاں چل کر بدلہ ملے گا۔ یہ جہان تو تخم ریزی کا جہان ہے اور ایسے موقع حاصل کرنے کے واسطے ہے۔ جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو۔

بعض لوگ اپنے عملوں سے خدا کو راضی کرتے اور بعض اپنے آپ کو تکالیف میں ڈال کر خدا کو راضی کرتے ہیں۔ ایک شخص کے دو خدمتگار ہیں۔ ایک کو وہ ایسے کام اور سفر پر روانہ کرتا ہے کہ جہاں اس کو سواری مل سکتی اور راستہ بھی سایہ دار اور ٹھنڈا ہے اور ہر طرح کا آرام ہے۔ دُوسرے خدمتگار کو ایسی طرف روانہ کرتا ہے جس راستہ میں نہ تو سواری مل سکتی ہے اور نہ سایہ ہے بلکہ پیدل چلنا اور سخت گرمی اور دھوپ اور لُو کا سامنا ہے۔ مگر وہ جانتا ہے کہ جس کو جتنی تکلیف ہوگی اس کو اتنا ہی بدلہ اور عوضِ خدمت

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۰۴ء
نیز الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ر جولائی، ۱۰ر اگست ۱۹۰۴ء

دُوں گا۔ پس پھر ان دونوں خدمتگاروں کو اپنے سفر پر کیا اعتراض ہے؟ اسی طرح لنگڑے، اندھے، اپاہج، غریب، فقیر وغیرہ لوگ جو خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اُن کو جب اس آخری جہان میں چل کر بدلہ ملنا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم گوناگوں جنم مان لیں اور اس بڑے اور حقیقی جنم سے اعراض کریں۔ جو دُکھ اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ وہ تو ثواب حاصل کرنے کو دیتے ہیں، جبکہ وہ رحم کرنیوالا ہے تو کسی کو کسی طرح اور کسی کو کسی طرح بدلہ دیتا اور دیتا رہے گا۔ پس اپاہج اور اندھے وغیرہ کو اپنی ان نقائص خلقت کا بدلہ قیامت میں مل جاوے گا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شاہی گھر میں پیدا ہوا ہے اور سارے سامان عیش و نشاط مہیا ہیں پر وُہ بار بار دربار یک دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہے اور وہ شخص جو گدائی اور فقیری حیثیت میں بھیک مانگتا پھرتا ہے ایسے سُکھوں میں ہو کہ اس امیرزادے کو کبھی میسّر نہیں۔ پھر کیا کہیں دولت والے کو یہ حکم دیا ہے کہ اس سے عیاشی کر بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ غریب بھائی کی طرح عبادت کر۔ بہرحال یہ دُنیا چند روزہ ہے۔ انسان کیا سمجھتا ہے کہ میری عمر کس قدر ہے۔

عقیدہ تناسخ جنم کی شکی بات کو قبول کرنا عقل کا کام ہرگز نہیں۔ انسان جب پیدا ہوتا اور اپنی عمر طبعی پوری کر کے مرجاتا ہے تو کبھی کسی نے اُس شخص کو اس جہان میں واپس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مثلاً بڑے بڑے عالم اور فاضل مرجاتے ہیں تو اُنھوں نے واپس آکر کبھی نہیں بتلایا کہ میں نے پچھلے جنم میں فلاں علم حاصل کیا تھا۔ ہزاروں جنم پائے اور علم و عمل حاصل کرتا رہا۔ مگر جب واپس آیا وہ پہلے علم و عمل ضائع ہوتے رہے۔ جس طرح وہ واپس آکر سب علوم بھلا دیتا بلکہ یہاں کا پہلا آنا بھی اس کو یاد نہیں رہتا، تو وہاں کیا یاد رکھے گا اور نجات کس طرح حاصل کرے گا۔ جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مکتی گیان سے ہوگی مگر کروڑ دفعہ کے جنم سے ایک صرف تک ان کو یاد نہیں رہتا اور جب آتا ہے خالی ہاتھ ہی آتا ہے۔ کچھ تو ساتھ لاوے۔ اگر کچھ ساتھ نہیں لاتا تو گیان کیا ہوا۔

غرض جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے ہیں۔ دم بند ہو گیا ہے۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں اور رُوح رخصت ہو گیا ہے۔ اسی طرح تم اس کے واپس آنے کا ثبوت پیش کرو۔ تو ہم مان لیتے ہیں۔ واپس آنے کا ثبوت تو یہی تھا کہ اپنے کسی گیان کو ساتھ لے آتا۔ مگر یہ بیہودہ خیال ہے کہ وہ کسی گیان کو ساتھ لاوے۔ پس بغیر ثبوت کے ہم کیسے مان سکتے ہیں۔ بڑا مولوی اور بڑا پنڈت بن کر اس جگہ سے رخصت ہوا تھا۔ واپس آکر کچھ بھی یاد نہیں۔ جب وہاں جاکر سب کچھ بھول آتا ہے تو کسطرح معلوم ہو کہ یہ دُوسرا جنم لے کر آیا ہے۔ اگر صرف اس کمی بیشی کو پورا کرنے کے واسطے جنم مانتا ہے، تو ہم یوں کیوں نہ مان لیں کہ جس طرح یہاں تکلیف اُٹھاتا

ہے۔ اسی طرح وہ[1] خدا تعالیٰ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ عطا نہیں کر سکتا؟ مثلاً دیا نند مر گیا[2] ہے۔ آجاوے تو ہم اسکو اس طرح شناخت کر سکیں گے کہ ستیارتھ پرکاش کا یا وید کا کچھ حصہ ہمیں پڑھ کر سُنا دیوے۔ پڑھا ہوا آدمی تو اگر بھینس کی شکل میں بھی آجاوے تو چاہیے کہ وہ بھینس بھی طوطے کی طرح بولے۔ ہاں صوفیوں نے بھی یہ لکھا ہے ؎

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

مگر اس کے کچھ اور معنے ہیں۔ یعنی جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف ترقی کرنے لگتا ہے تو پہلے اس کی حالت بہت ابتر ہوتی ہے جس طرح ایک بچہ آج پیدا ہوا ہے تو اس میں صرف دُودھ چوسنے ہی کی طاقت ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔ پھر جب غذا کھانے لگتا ہے تو آہستہ آہستہ غصہ، کینہ، خود پسندی، نخوت علیٰ ہذا القیاس سب باتیں اس میں ترقی کرتی جاتی ہیں اور دن بدن جُوں جُوں اس کی غذائیت بڑھتی جاتی ہے شہوات اور طرح طرح کے اخلاقِ رذیلہ اور اخلاقِ فاضلہ زور پکڑتے جاتے ہیں اور اسی طرح ایک وقت پر اپنے پورے کمال انسانی پر جا پہنچتا ہے اور یہی اس کے جسمانی جنم ہوتے ہیں۔ یعنی کبھی کُتے، کبھی سؤر، کبھی بندر، کبھی گائے، کبھی شیر وغیرہ جانوروں کے اخلاق اور صفات اپنے اندر پیدا کرتا جاتا ہے گویا کل مخلوقات الارض کی خاصیت اس کے اندر ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلوک کا راستہ چاہے گا تو یہ ساری خاصیتیں اس کو طے کرنی پڑیں گی اور یہی تناسخ اصفیاء نے مانا ہے اور اس کا اسلام اور قرآن بھی اقراری ہے۔ غالباً یہی تناسخ ہنود میں بھی تھا، مگر بے علمی سے دھوکہ لگا اور سمجھ اُلٹی ہو گئی۔ مگر دُنیا میں جس بات کو کوئی شخص مان بیٹھا ہے وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتا، اور مدعیہ ہونا چاہیے تھا کہ راستی کو دریافت کر کے ناراستی کو چھوڑ دیتے، مگر یہاں ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی ماننے نہیں دیتی۔

مکھیاں شہد بناتیں۔ ریشم کا کیڑا ریشم بناتا۔ موتی کا کیڑا موتی بناتا، بیل، گھوڑے، گائے، جونک وغیرہ ہر ایک چیز انسان کے واسطے فائدہ مند ہے۔ اگر سب چیزیں اتفاقی ہیں، اور خدا تعالیٰ نے حکمت سے پیدا نہیں کیں تو پھر ایک وقت پر اپنا جنم پورا کر کے کل گائیں، کل مکھیاں، کل گھوڑے وغیرہ سب جانور انسان بن جانے چاہئیں۔ تو پھر یہ چیزیں اور نعمتیں ایک وقت آنے پر دنیا سے نابود ہو جانی چاہئیں۔

---

[1] البدر میں یہ فقرہ یوں درج ہے: (البدر جلد ۳ نمبر ۲ صفحہ ۱۰، مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۰۴ء)
"اسی طرح کیا وہ خدا تعالیٰ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ عطا نہیں کر سکتا"

[2] البدر میں ہے: "اگر آجاوے" (حوالہ مذکور)

مگر جبتک انسان موجود ہے ان چیزوں کی اشد ضرورت ہے۔ پانی اور ہوا میں بھی کیڑے ہیں۔ پھلوں اور اناجوں میں بھی کیڑے ہیں جن کے بغیر انسان کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس یا تو تناسخ مانو یا خدا تعالیٰ کی حکمت مانو، مگر چونکہ انسان کا ان چیزوں کے سوائے گذارہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ساری پیدائش حکمتِ الٰہی پر مبنی ہے[1]۔ والسلام ؂

۱۸ر جولائی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ

مہر نبی بخش المعروف عبدالعزیز نمبردار بٹالہ نے عرض کیا کہ میں علاقہ بار سے صرف اس خیال پر آیا ہوں کہ ایک تفسیرِ قرآن لکھوں جس سے لوگوں کے شکوک اور غلط معانی کی اصلاح کروں۔ اگر آپ مجھے امداد دیں تو میں موجودہ ثابت شدہ فلسفہ کے مطابق ترجمہ کر کے دکھلاؤں۔

فرمایا:

ہمارا مشرب تو کسی سے نہیں ملتا۔ ہم تو جو کچھ خدا سے پاتے ہیں خواہ اس کو عقل اور فلسفہ مانے یا نہ مانے ہم اس کو ضرور مانتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں؛ البتہ اہلِ عقل سے جو لوگ عقل کی پیروی کرتے ہیں وہ آپ کی بات پر توجہ کریں تو خوب ہے۔ آپ مولوی نورالدین صاحب سے مشورہ لیں۔ آجکل تزاحم کثرت سے شائع ہو رہے ہیں کہ مروجہ فلسفہ کی پیروی میں شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمارا مذہب یہ نہیں ہے۔ پر میں تمکو ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اس کو ضرور غور سے سُن لو۔ اگر خدا تعالیٰ نے تم سے کوئی ایسا عظیم الشان کام لینا ہوتا تو تمہارا ریّہ[2] اور دماغ اچھا بناتا۔ مگر یہ مصلحتِ الٰہی ہے کہ وہ اچھا نہیں بنایا گیا بلکہ کمزور بنایا گیا ہے۔ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

تم اپنے آپ کو خوش باش رکھو اور خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۲۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۹۰۴ء

[2] ریّہ پھیپھڑے کو کہتے ہیں (مرتب)

كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل: ۸۵) ہر شخص کرتا اور کر سکتا ہے، مگر اپنی بناوٹ پر۔ مثلاً ایک شخص کو تھوڑا ہی صدمہ دیکھ کر غشی لاحق ہو جاتی ہے۔ اب اس کو میدانِ جنگ میں تلوار دے کر بھیجا جاتا ہو کیا وہ صرف بندوقوں کی آوازیں سُنکر ہی نہ مر جاوے گا۔ میں نے خود قادیان میں ایک شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ بکرا ذبح ہوتا ہوا دیکھ لیتا ہے تو اس کو غش ہو جاتا تو اگر قصاب کا کام اس کے سپرد کیا جاتا تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ آپ ارادہ کرتے ہیں اختلاف مٹانے کا اور دماغ اور ریہ آپ کا بہت خراب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بیماری مہلک ہو کر تمہارے اندر ہی اختلاف پیدا ہو جاوے۔ انسانی قویٰ تو بیشک ہر شخص کو ملے ہیں۔ مگر مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ دھوکہ نہیں کھاتا۔ پس آپ پر اس محنت کا پہلے بداثر ہو چکا ہے۔ آپ کم سے کم پہلے تمام ڈاکٹروں سے دریافت کر لیں کہ آپ اس محنت کے قابل ہیں یا نہیں۔ میں تو بمصداق اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ کے ایک امین اور مشفق ناصح ہو کر آپ کو صلاح دیتا ہوں کہ آپ کے قویٰ ایسے نہیں ہے کہ اس محنت کو برداشت کر سکیں۔ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ۔ جس رنگ سے اللہ تعالیٰ چاہے یقین عطا فرما دیوے۔ صحابہ کرامؓ نے علوم فلسفہ وغیرہ کہاں پڑھے تھے۔ جو اسرارِ الٰہی طبعیات اور فلسفہ وغیرہ میں بھرے پڑے ہیں جو شخص ان سب کو طے کرنا چاہتا ہے وہ جاہل اور بے نصیب رہے گا۔ مثلاً آگ گرم اور مہلک ہے۔ اس بات کو تو ہر شخص دریافت کر سکتا ہے پر جب اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ کیوں گرم ہے اور کیوں مہلک ہے تو یہاں فلسفہ ختم ہو جاوے گا۔ پس اسرارِ الٰہیہ کو حد تک کوئی نہیں پہنچا سکتا ؎

تو کارِ زمیں کے نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

پہلے ضرور ہے کہ اپنے گھر اور نفس کی صفائی کرو بعد میں لوگوں کی طرف توجہ کرنا۔

دُنیا میں چار موٹی باتیں ماننے کے قابل ہیں۔ ملائکہ، رُوحِ انسانی اور اس کا بقا بعد از مرگ۔ جنات کا وجود۔ خدا تعالیٰ کا وجود۔ لوگوں نے سب سے پہلے جنات کا انکار کیا۔ پھر ملائکہ کا۔ پس دو باتوں کو اُڑا کر اپنی اور خدا کی رُوح کے قائل ہو بیٹھے یعنی کچھ کرنا اور کچھ نہ کرنا اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ: ۸۶) اس میں پھر دہریوں نے ہی کمال کیا ہے کہ کچھ بھی نہ مانو اور سب کا انکار کرو۔

منشی صاحب مذکور نے سوال کیا کہ قرآنِ کریم میں بہت سارے لفظ زائد ہوتے ہیں اور ان کے معنے نہیں کیے جاتے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا:

قرآن کریم بلکہ ہر زبان میں قرائن ہوتے ہیں اور یہ ایسے بہت سارے محاورے ہوتے ہیں۔ آپکو

صرف و نحو سے واقفیت نہیں۔

منشی صاحب نے کہا کہ میں نے صرف و نحو کو خوب پڑھا ہے۔ فرمایا :

موجودہ مروجہ صرف و نحو ناقص ہے اور آپ نے صرف و نحو کو کمال تک بھی نہیں پہنچایا۔ ہر ایک زبان کا ایک خاص محاورہ ہوتا ہے۔ جبتک انسان کی مادری زبان نہ ہو یا اس زبان میں اتنا کمال نہ ہو کہ مشابہ بہ مادری ہو جاوے، تب تک وُہ اس کو سمجھ نہیں سکتا پس اس امر کو زبان کے واقفوں سے دریافت کرو۔ اور دیکھو قومی محاورات میں کوئی اہلِ علم اعتراض نہیں کر سکتا۔

پھر سوال کیا کہ بعض لفظ لکھنے میں آتے اور پڑھنے میں نہیں آتے۔ فرمایا :

انگریزی زبان ہی کو لے لو اس میں بھی بہت سے ایسے حروف ہیں جو لکھنے میں تو آتے ہیں پڑھنے میں نہیں آتے۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ آپ کو صرف و نحو کی واقفیت بالکل نہیں۔ یہ باتیں عمر کھا کے حاصل ہوتی ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت آرام چاہتی ہے اور خیال آپ کو یہ لگ گیا ہے۔ پھر مجھے اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کہیں آپ یہ نہ کہہ دیں کہ مجھے قرآن کی خدمت سے روک دیا ہے۔ بہرحال میں تو پھر بھی یہی کہوں گا اور بطور نصیحت کہوں گا کہ راحت سے زندگی بسر کرو۔ آپ کا ریہ بہت خراب ہے کوئی مہلک بیماری نہ ہو جاوے۔ ہاں ان لوگوں کے واسطے دُعا کر چھوڑو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیوے۔ اور قرآن سمجھنے کی ہر ایک کو توفیق دیوے۔ مخلوق کے تم ٹھیکیدار نہیں۔ اپنے آپ کو مشکلات میں نہ ڈالو اور نہ تمہارے قویٰ خدا تعالیٰ نے اس لائق بناتے ہیں۔ میں تو ہمیشہ آپ کو یہی کہوں گا اور یہی نصیحت کروں گا۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ والسلام۔

عرش کی حقیقت

عرش کے متعلق سوال ہوا۔ آپ نے اپنی تقریر کے اس حصّہ کا اعادہ فرمایا جو کہ قبل ازیں کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے۔ اور فرمایا کہ :

عرش کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق کا جھگڑا عبث ہے۔ احادیث سے اس کا جسم کہیں ثابت نہیں ہوتا۔ ایک قسم کے علوّ کے مقام کا اظہار عرش کے لفظ سے کیا گیا ہے اگر اُسے جسم کہو تو پھر خُدا کو بھی مجسّم کہنا چاہیے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کو علوّ جسمانی نہیں کہ جس کا تعلق جہات سے ہو بلکہ یہ رُوحانی علوّ ہے۔

عرش کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق کی بحث بھی ایک بدعت ہے جو کہ پیچھے ایجاد کی گئی۔ صحابہؓ نے اس کو مطلق نہیں چھیڑا۔ تو اب یہ لوگ چھیڑ کر نافہم لوگوں کو اپنے گلے ڈالتے ہیں۔ لیکن عرش کے اصل معنے اس وقت سمجھ میں آسکتے ہیں جبکہ خدا تعالیٰ کے دوسری تمام صفات پر بھی ساتھ ہی نظر ہو۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۳ - ۲۴ صفحہ ۱۶ مورخہ ۱۷ - ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء
الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵ - ۲۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء

۲۱ر جولائی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

ترکِ گناہ

ایسی ہوا چلی ہے کہ گناہ کا چھوڑنا معیب خیال کرتے ہیں۔ اور جب کوئی گناہ کو چھوڑنا چاہتا ہے تو اُسے ایک حسرت ہوتی ہے کہ اب یہ ہاتھ سے گیا۔ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدِنظر رکھ کر بھی ترکِ گناہ کیا جاوے تو بھی اس کا بوجھ ہلکا ہو جاوے لیکن اس کا خیال کسے ہے[1]۔

۲۵ر جولائی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

تعظیمِ قبلہ

سوال ہوا کہ اگر قبلہ شریف کی طرف پاؤں کر کے سویا جاوے تو جائز ہے کہ نہیں؟

فرمایا کہ:

یہ ناجائز ہے کیونکہ تعظیم کے برخلاف ہے۔

سائل نے عرض کی کہ احادیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی۔ فرمایا کہ:

یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کوئی اسی بنا پر کہ حدیث میں ذکر نہیں ہے اور اس لیے قرآن شریف پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کرے، تو کیا یہ جائز ہو جاوے گا؟ ہرگز نہیں[2]۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ (الحج: ۳۳)

۲۶ر جولائی ۱۹۰۴ء بمقام گورداسپور

اکرامِ ضیف

اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مہمان نوازی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اعلیٰ اور زندہ نمونہ ہیں جن

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ر جولائی، ۱۰ر اگست ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۰۴ء

[2] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ر جولائی، ۱۰ر اگست ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ر جولائی ۱۹۰۴ء

لوگوں کو کثرت سے آپ کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے وُہ خوب جانتے ہیں کہ کسی مہمان کو (خواہ وہ سلسلہ میں داخل ہو یا نہ داخل ہو) ذرا سی بھی تکلیف حضور کو بے چین کر دیتی ہے۔ مخلصین احباب کے لیے تو اور بھی آپ کی رُوح میں جوشِ شفقت ہوتا ہے۔ اس امر کے اظہار کے لیے ہم ذیل کا ایک واقعہ دَرج کر دیتے ہیں :

میاں ہدایت اللہ صاحب احمدی شاعر لاہور پنجاب جو کہ حضرت اقدس کے ایک عاشق صادق ہیں۔ اپنی اس پیرانہ سالی میں بھی چند دنوں سے گورداسپور آئے ہوئے تھے۔ آج انہوں نے رُخصت چاہی جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :

آپ جاکر کیا کریں گے۔ یہاں ہی رہیے اکٹھے چلیں گے۔ آپ کا یہاں رہنا باعثِ برکت ہے۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو بتلا دو اس کا انتظام کر دیا جاوے گا۔

پھر اس کے بعد آپ نے عام طور پر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

چونکہ آدمی بہت ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ کسی کی ضرورت کا علم (اہلِ عملہ کو) نہ ہو۔ اس لیے ہر ایک شخص کو چاہیے کہ جس شے کی اُسے ضرورت ہو وہ بلا تکلف کہدے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر چھپاتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ ہماری جماعت کا اصول ہی بے تکلفی ہے۔

بعدازیں حضرت اقدس نے میاں ہدایت اللہ صاحب کو خصوصیت سے سید سرور شاہ صاحب کے سپرد کیا کہ ان کی ہر ضرورت کو وہ بہم پہنچاویں۔

سکھ مذہب اور عیسائیت

کل شام کو بعد از نماز مغرب دو نوجوان اکاؤنٹنٹ جنرل آفس لاہور کے کلارک جن میں سے ایک صاحب مسلمان تھے اور ایک عیسائی حضرت کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ چونکہ مسلمان صاحب کا تعارف جناب مفتی محمد صادق صاحب سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے تھا۔ اس لیے مفتی صاحب نے ان کو حضرت اقدس سے انٹروڈیوس کیا۔ مختصر حالات کے استفسار کے بعد حضور عیسائی نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اوّل یہ سکھ مذہب کے تھے اور ان کے والد عیسائی تھے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ آج کل اگر دنیا کے خُدا گنے جاویں ایک ضخیم کتاب طیار ہوتی ہے، لیکن تعجب کہ سکھ جیسے مذہب کو چھوڑ کر جس میں توحید کی تعلیم ہے آپ نے عیسائی مذہب کو کیسے پسند کیا۔ اس کے بعد متفرق طور پر مزاج پُرسی وغیرہ ہوتی رہی۔ اور

بروقت رخصت حضرت اقدس نے فرمایا کہ:
ہمیں آپ کی ملاقات سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ قیام بہت تھوڑا ہے[1]۔

بلا تاریخ[2]

کوئی نسخہ حکمی نہیں ہمارے گھر مرزا صاحب (عالی جناب مرزا غلام مرتضیٰ خانصاحب مرحوم) پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔ وہ اس فن طبابت میں بہت مشہور تھے، مگر اُن کا قول تھا کہ کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا۔ حقیقت میں انھوں نے سچ فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر کوئی ذرّہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کوئی اثر نہیں کر سکتا۔

حکام اور برادری سے سلوک ایک شخص نے پوچھا کہ حکام اور برادری سے کیسا سلوک کریں؟ فرمایا:
ہر ایک سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرتے اور ہر قسم کی مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے۔ مَیں اس کو بڑی بے ایمانی سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری سچے دل سے نہ کی جاوے۔
برادری کے حقوق ہیں۔ اُن سے بھی نیک سلوک کرنا چاہیے؛ البتہ ان باتوں میں جو اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کے خلاف ہیں۔ ان سے الگ رہنا چاہیے۔
ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کل مخلوق سے احسان کرو۔

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵، ۲۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ رجولائی، ۱۰ راگست ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴ رجولائی ۱۹۰۴ء

[2] ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پرانی نوٹ بک میں سے کچھ" کے زیرِ عنوان یہ ملفوظات درج کئے ہیں۔ ان پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ معلوم ہوتا ہے مختلف تاریخوں کے ہیں۔ (خاکسار مرتب)

قبولیتِ دُعا کے آثار

جب اللہ تعالیٰ کا فضل قریب آتا ہے تو وہ دُعا کی قبولیت کے اسباب پہنچا دیتا ہے۔ دل میں ایک رقت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے، لیکن جب دُعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوتا، تو دل میں اطمینان اور رجوع پیدا نہیں ہوتا۔ طبیعت پر کتنا ہی زور ڈالو مگر طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی خدا تعالیٰ اپنی قضاءِ قدر منوانا چاہتا ہے اور کبھی دُعا قبول کرتا ہے۔ اس لیے مَیں تو جبتک اذنِ الٰہی کے آثار نہ پاؤں قبولیت کی کم اُمید کرتا ہوں اور اس کی قضاءِ قدر پر اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ جو قبولیتِ دُعا میں ہوتی ہے راضی ہو جاتا ہوں، کیونکہ اس رضا بالقضاء کے ثمرات اور برکات اس سے بہت زیادہ ہیں۔

خدا تعالیٰ اعمالِ صالحہ کو چاہتا ہے

اللہ تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تو روحانیت اور مغز کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۸) اور دُوسری جگہ فرمایا اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (المائدۃ: ۲۸)

حقیقت میں یہ بڑی نازک جگہ ہے۔ یہاں پیغمبر زادگی بھی کام نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسا ہی فرمایا۔ قرآن شریف میں بھی صاف الفاظ میں فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات: ۱۴)۔

یہودی بھی تو پیغمبر زادے ہیں۔ کیا صدہا پیغمبر اُن میں نہیں آئے تھے مگر اس پیغمبر زادگی نے اُن کو کیا فائدہ پہنچایا۔ اگر اُن کے اعمال اچھے ہوتے تو وہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرۃ: ۶۲) کے مصداق کیوں ہوتے۔ خدا تعالیٰ تو ایک پاک تبدیلی کو چاہتا ہے۔ بعض اوقات انسان کو تکبّر نسب بھی نیکیوں سے محروم کر دیتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ مَیں اسی سے نجات پاؤں گا، جو بالکل خیالِ خام ہے۔ کبیر کہتا ہے کہ اچھا ہوا مَیں نے چماروں کے گھر جنم لیا ؎

بھیر اچھا ہوا ہم بیچ بھئے سب کو کریں سلام

خدا تعالیٰ وفاداری اور صدق کو پیار کرتا ہے اور اعمالِ صالحہ کو چاہتا ہے۔ لاف و گزاف اُسے راضی نہیں کر سکتے۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام

فرمایا:

قرآن شریف تو رفعِ اختلاف کے لیے آیا ہے۔ اگر ہمارے مخالف

رَافِعُكَ اِلَیَّ کے یہ معنے کرتے ہیں کہ مسیح جسم سمیت آسمان پر چڑھ گیا تو وہ ہمیں یہ بتائیں کہ کیا یہود کی یہ غرض تھی؟ اور وہ یہ کہتے تھے کہ مسیح آسمان پر نہیں چڑھا؟ اُن کا اعتراض تو یہ تھا کہ مسیح کا رفع الی اللہ نہیں ہوا۔ اگر رَافِعُكَ اِلَیَّ اس اعتراض کا جواب نہیں تو پھر چاہیے کہ اس اعتراض کا جواب دیا اور دکھایا جاوے۔

مرکز میں آنے کی اصل غرض دین ہو

ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ میں تجارت کے لیے یہاں آنا چاہتا ہوں۔ فرمایا:

یہ نیت ہی فاسد ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ یہاں تو دین کے واسطے آنا چاہیے۔ اور اصلاحِ عاقبت کے خیال سے یہاں رہنا چاہیے۔ نیت تو یہی ہو۔ اور اگر پھر اس کے ساتھ کوئی تجارت وغیرہ یہاں رہنے کے اغراض کو پورا کرنے کے لیے ہو تو حرج نہیں ہے۔ اصل مقصد دین ہو نہ دنیا۔ کیا تجارتوں کے لیے شہر موزوں نہیں؟ یہاں آنے کی اصل غرض کبھی دین کے سوا اور نہ ہو۔ پھر جو کچھ حاصل ہو جاوے وہ خدا تعالیٰ کا فضل سمجھو۔

ہمدردیٔ خلائق

بنی نوع انسان کی ہمدردی خصوصاً اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور حمایت پر نصیحت فرماتے ہوئے ایک موقعہ پر فرمایا کہ:

میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہوں۔ میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جاوے تو میں تو یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جاوے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لیے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔

اپنے تو درکنار میں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی ایسے اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور اُن سے ہمدردی کرو۔ لاابالی مزاج ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ میں باہر سیر کو جا رہا تھا۔ ایک پٹواری عبدالکریم میرے ساتھ تھا۔ وہ ذرا آگے تھا اور میں پیچھے۔ راستہ میں ایک بڑھیا کوئی ۶۰ یا ۷۰ برس کی ضعیفہ ملی۔ اس نے ایک خط اُسے پڑھنے کو کہا مگر اُس نے اُسے جھڑکیاں دے کر ہٹا دیا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس نے وہ خط مجھے دیا۔ میں اُس کو لے کر ٹھہر گیا اور اس کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھا دیا اس پر اسے سخت شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ٹھہرنا تو

پڑا اور ثواب سے بھی محروم رہا۔

سلسلہ کا مستقبل مجھے بڑے ہی کشفِ صحیح سے معلوم ہوا ہے کہ ملوک بھی اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ یہانتک کہ وہ ملوک مجھے دکھائے بھی گئے ہیں۔ وُہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں تجھے یہانتک برکت دُوں گا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایک زمانہ کے بعد ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کو داخل کرے گا اور پھر اُن کے ساتھ ایک دُنیا اس طرف رجُوع کرے گی[1]

آدابِ دُعا دُعا میں جس قدر بیہودگی ہوتی ہے اسی قدر اثر کم ہوتا ہے۔ یعنی اس کی استجابت ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ اس کا گذارہ ایک دو روپیہ روزانہ میں بخوبی چل سکتا ہے لیکن وہ پچاس روپیہ روزانہ طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا سوال بیہودہ ہوگا۔ یہ ضروری امر ہے کہ ضرورتِ حقہ اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کی جاوے۔ جب کسی کی مصیبت کا خط آتا ہے اور اس میں دُعا کی درخواست ہوتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ دل خوب لگ کر دُعا کرتا ہے لیکن دُوسری بیہودہ درخواستوں میں اس قدر دل نہیں لگتا۔

عام لوگ جو آجکل دفعِ طاعون کے لیے دعا مانگتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ :

اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو منوانا چاہتا ہے۔ نری دُعا سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے جبتک کہ عقائد کی اصلاح نہ ہو۔ ایسی دعائیں کیا بُت پرست نہیں مانگتے؟ پھر اُن میں اور ان میں فرق کیا ہوا؟ بلکہ مجھے خیال آتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ (البقرۃ : ۱۸۷) کے یہی معنے ہیں کہ اگر سوال ہو کہ خدا کا علم کیونکر ہوا تو جواب یہ ہے کہ اسلام کا خدا بہت قریب ہے۔ اگر کوئی اسے سچے دل سے بُلاتا ہے، تو وہ جواب دیتا ہے۔ دوسرے فرقوں کے خدا قریب نہیں ہیں بلکہ اس قدر دُور ہیں کہ ان کا پتہ ہی ندارد۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غرض عابد اور پرستار کی یہی ہے کہ اس کا قُرب حاصل ہو اور یہی ذریعہ ہے جس سے اس کی ہستی پر یقین حاصل ہوتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ : ۱۸۷) کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ جواب دیتا ہے گونگا نہیں ہے۔ دوسرے تمام دلائل اس کے آگے ہیچ ہیں۔ کلام ایک ایسی شئے ہے جو کہ دیدار کے قائمقام ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵-۲۶ صفحہ ۱۳ مورخہ ۳۱ جولائی، ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء

عذاب اور فسق

ایک تحصیلدار صاحب نے گورداسپور میں عرض کی کہ تجربہ ہوا ہے کہ خاص طاعون کے دنوں میں فسق بڑھ جاتا ہے؛ چنانچہ ایک گھر میں پے در پے طاعون سے موتیں ہوتی رہیں اور اس کے ساتھ ہی دیوار بہ دیوار ایک شخص ایک ہفتہ زناکاری میں مبتلا رہا۔ فرمایا کہ:

قرآن شریف سے بھی ایسا ثابت ہے جیسے کہ۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيرًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۷) یعنی جب اس قسم کے عذاب نازل ہوتے ہیں تو فاسقوں کو ڈھیل دی جاتی ہے کہ وہ جی بھر کر فسق کر لیں۔ پھر ان کو ایک ہی دفعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

لذاتِ دینوی میں انہماک

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر وہ ہیں جو حیاتِ دُنیا پر راضی ہو گئے اور اطمینان پا گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کی ضرورت کو وہ بالکل محسوس ہی نہیں کرتے فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (الکہف: ۱۰۶) میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا باعث صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے دُنیا کی خواہشوں کو مقدم رکھا ہوا تھا۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ دنیا کا حظ پا چکے۔ وہاں بھی گناہ کا ذکر نہیں بلکہ دنیا کی لذات جن کو خدا تعالیٰ نے جائز کیا ہے۔ اُن میں منہمک ہو جانے کا ذکر ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا مرتبہ عنداللہ کچھ نہ ہوگا اور نہ اُن کو عزت کا مقام دیا جائے گا۔ شیریں زندگی اصل میں ایک شیطان ہے جو کہ انسان کو دھوکا دیتی ہے۔ مومن تو خود مصیبت خریدتا ہے؛ ورنہ اگر وہ مداہنہ برتے تو ہر طرح آرام سے رہ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس طرح کرتے تو اس قدر جنگیں کیوں ہوتیں، لیکن آپؐ نے دین کو مقدم رکھا اس لیے سب دشمن ہو گئے۔

حُسنِ نیت

ملازمت پیشہ لوگوں کو عبادت کا بڑا کم وقت ملتا ہے اور وہ دینی خدمات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی زندگی آرام میں گذرتی ہے۔ تلخ زندگی کا اُن کو موقعہ ہی نہیں آتا۔ فرمایا کہ:

وہ بھی ایک تلخی کا حصّہ ہے، کیونکہ معاش کے لیے کرتا ہے اس لیے عبادت کا ثواب پاتا ہے۔ نیک نیتی سے اگر انسان چلے اور نیت یہ ہو کہ بال بچوں کی پرورش اس لیے کرتا ہوں کہ وہ خادمِ دین ہوں تو اس پر بھی اُسے ثواب ملتا ہے۔

نبی اور اجتہادی غلطی انبیاء کے دشمنوں کے دو گروہ ہوتے ہیں ایک وہ جو اُن کے مکذّب ہوتے ہیں۔ دُوسرے وہ جو اُن کو خدا مانتے ہیں۔ اہلِ اسلام کا عقیدہ جو مسیح علیہ السّلام کے دوبارہ آنے کا ہے وہ اسی قسم کا ہے کہ یہ لوگ اُن کے مکذّب تو نہیں ہیں، لیکن ان کو خُدا ضرور مانتے ہیں کہ ہر ایک اس کی صفت میں اُسے شریک کیا ہوا ہے؛ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ بعض وقت نبی کو اجتہاد اور تفہیمِ الہام میں غلطی ہو جاتی ہے۔ یہ غلطی اگر احکامِ دین کے متعلق ہو تو اُن کو فوراً متنبہ کیا جاتا ہے۔ لیکن دُوسرے اُمور میں ضروری نہیں کہ وہ اطلاع دیئے جاویں۔ پس اس لیے یہ بات ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کو اُن کے دوبارہ آنے کے بارے میں جو الہامات ہوئے خود انھوں نے بھی اسے حقیقی معنوں پر حمل کر لیا ہو کیونکہ ان کا مخطی ہونا تو ثابت ہے، اس لیے انجیلوں میں ان کا یہ فقرہ نقل ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہوں گے کہ میں دوبارہ آجاؤں گا۔ اس قسم کی اجتہادی غلطی کا امکان ہر ایک نبی سے ہے۔ اب دیکھو کہ مسیح علیہ السلام سے تو ایک اجتہادی غلطی ہوئی لیکن دوسروں کو کس قدر وبال آیا۔ اگر ان مسلمانوں کو یہ سمجھ ہوتی تو وہ دُوسرے نبیوں سے ان کو کیوں زیادہ مرتبہ دیتے۔ مُسلمانوں پر یہ بات لازم نہیں ہے کہ وہ انجیل کے الفاظ پر ضرور اڑیں۔ مسیح علیہ السلام کو یہ خاص عزّت دیں کہ وہ مخطی نہیں یہ تو اسلام سے خارج ہونا ہے۔

چند فقہی مسائل سفر گورداسپور میں نماز کے متعلق ذیل کے مسائل میری موجودگی میں حل ہوئے۔
(ڈائری نویس)

(۱) ایک مقام پر دو جماعتیں نہ ہونی چاہییں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اقدس ابھی وضو فرما رہے تھے اور مولانا محمد احسن صاحب بوجہ علالتِ طبع نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ میں معذور ہوں الگ پڑھ لوں، مگر چند ایک احباب ان کے پیچھے مقتدی بن گئے اور جماعت ہو گئی۔ جب حضرت اقدس کو علم ہوا کہ ایک دفعہ جماعت ہو چکی ہے اور اب دوسری ہونے والی ہے تو آپ نے فرمایا کہ:

ایک مقام پر دو جماعتیں ہرگز نہ ہونی چاہییں

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضورِ اقدس اپنی کوٹھڑی میں تھے اور ساتھ ہی کوٹھڑی میں نماز ہونے لگی۔ آدمی تھوڑے تھے۔ ایک ہی کوٹھڑی میں جماعت ہو سکتی تھی بعض احباب نے خیال کیا کہ شاید حضرت اقدس اپنی کوٹھڑی میں ہی نماز ادا کریں گے، کیونکہ امام کی آواز وہاں پہنچتی ہے۔ اس پر آپ نے

فرمایا کہ :

جماعت کے ٹکڑے الگ الگ نہ ہونے چاہئیں بلکہ اکٹھی پڑھنی چاہیے۔ ہم بھی وہاں ہی پڑھیں گے۔ یہ اس صورت میں ہونا چاہیے جبکہ جگہ کی قلت ہو۔

۳۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خان صاحب گورداسپور میں مقیم تھے اور احمدی جماعت نزیل قادیان بہ باعث سفر میں ہونے کے نماز جمع کر کے ادا کرتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پوچھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :

مقیم پوری نماز ادا کریں

وہ اس طرح ہوتی رہی کہ جماعت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نماز ادا کرتے۔ جماعت دو رکعت ادا کرتی، لیکن ڈاکٹر صاحب باقی کی دو رکعت بعد از جماعت ادا کر لیتے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس نے دیکھ کر کہ ڈاکٹر صاحب نے ابھی دو رکعت ادا کرنی ہے۔ فرمایا کہ :

ٹھہر جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب دو رکعت ادا کر لیویں

پھر اس کے بعد جماعت دوسری نماز کی ہوئی۔ ایسی حالت جمع میں سنت اور نوافل ادا نہیں کیے جاتے۔

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے پانی مانگا۔ جب پانی آیا تو اُسے بیٹھ کر آپ نے پیا اور بھی کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ پانی وغیرہ آپ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیتے ہیں۔[1]

۱۷ر اگست ۱۹۰۴ء بمقام قادیان۔ بوقت شام

صوفیا کا ملامتی فرقہ اور ریاء

شام کی نماز کے بعد چند ایک احباب نے بیعت کی۔ ان میں ایک صاحب ایسے تھے جو کہ اپنے زمانہ جہالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سخت الفاظ سے یاد کرتے اور بہت ہی بُرا بھلا کہتے تھے۔ وہ اپنی ان خطاؤں کی معافی حضرت اقدس علیہ السلام سے طلب کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ اس اثناء میں اس تائب کا دل اپنے گناہوں کو یاد کر کے

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۲۹ صفحہ ۳، ۴ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۴ء

بھر آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گیا۔ روتا جاتا تھا اور گناہوں کی مغفرت کی دعا بھی کرتا جاتا تھا۔ اس کی اس حالت کو جناب حکیم نورالدین صاحب نے دیکھ کر عرض کی کہ ایسے ہی مذنب ہیں جنکو خدا تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ اس پر سلسلہ کلام چل پڑا اور حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر شروع کی۔

فرمایا کہ :

ذنوب آدمی کو اسی لیے قرب بخشتے ہیں بشرطیکہ ساتھ توبہ اور استغفار بھی ہو اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خطا اور صغائر میں انبیاء کو بھی شریک کر دیا ہے تاکہ قربِ الٰہی کے مراتب میں وہ ترقی کر سکیں۔ فرقۂ ملامتی کو میں پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر غیر کے وجود کو بڑا خیال کرتے ہیں اور اپنے اعمالِ صالحہ کو پوشیدہ رکھ کر مخلوق کی نظروں میں مُتَنَعِّم (جاتے تمتم) ہونا چاہتے ہیں۔ یہ اُن کی غلطی ہے۔ دوسرے وجود کو تو لاشئی خیال کرنا چاہیے اور کسی کے ضرر اور نفع پر نظر ہرگز نہ رکھنی چاہیے۔ نہ کسی کی مدح سے پھولے اور دل میں خوش ہو اور نہ کسی کی ذم سے رنجیدہ خاطر ہو۔ سچے موحد وہی ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے سوا کسی دُوسرے وجود کو کوئی شئے خیال نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ فرقۂ ملامتی اس توحید سے گرا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مومنوں کی صفت فرمائی ہے۔ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدۃ: ۵۵) کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں خوف کھاتے اور صرف اپنے مولا کی رضامندی کو مقدم رکھتے ہیں۔

مومن ایک لاپروا انسان ہوتا ہے۔ اُسے صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی کی حاجت ہوتی ہے اور اسی کی اطاعت کو وہ ہر دم مدِنظر رکھتا ہے۔ کیونکہ جب اس کا معاملہ خدا سے ہے تو پھر اُسے کسی کے ضرر اور نفع کا کیا خوف ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے بالمقابل کسی دوسرے کے وجُود کو دخل دیتا ہے، تو ریاء اور عُجب وغیرہ معاصی میں مبتلا ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ دخل وہی ایک زہر ہے اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اوّل جزو لَآ اِلٰہَ میں اس کی بھی نفی ہے، کیونکہ جب انسان کسی انسان کی خاطر خدا تعالیٰ کے ایک حکم کی بجاآوری سے قاصر رہتا ہے تو آخر اُسے خدا کی کسی صفت میں شریک کرتا ہے تبھی تو قاصر رہتا ہے اس لیے لَآ اِلٰہَ کہتے وقت اس قسم کے معبودوں کی بھی نفی کرتا ہے۔

صُوفیوں نے اس قسم کے ملامتی لوگوں کے بہت سے قصے لکھے ہیں۔ امام غزالی (علیہ الرحمۃ) نے بھی لکھا ہے کہ آجکل کے فُقراء ریاکار ہوتے ہیں۔ تن کی آسانی کو مدِنظر رکھ کر موٹے جھوٹے کپڑے تو پہنتے نہیں اس لیے باریک کپڑوں کو گیروا یا سبز رنگ لیتے ہیں اور اُن کے جبّے پہن کر اپنے کو فقراء مشہور کرتے ہیں۔ مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے متمیز ہوں اور عوام الناس خصوصیت سے اُن کی طرف دیکھیں۔ پھر روزہ داروں کا ذکر لکھا ہے کہ کوئی روزہ دار مولوی کسی کے ہاں جاوے اور اُسے مقصود ہو کہ اپنے روزہ کا اظہار کرے تو

مالکِ خانہ کے استفسار پر بجائے اس کے کہ سچ بولے کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے اس کی نظروں میں بڑا نفس کُش ثابت کرنے کے لیے جواب دیا کرتے ہیں کہ مجھے عذر ہے۔ غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے مخفی گناہ ہوتے ہیں جو اعمال کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔

کبر اور نخوت امراء کو کبر اور نخوت لگے رہتے ہیں جو کہ ان کے عملوں کو کھاتے رہتے ہیں۔ اس لیے بعض غریب آدمی جن کو اس قسم کے خیالات نہیں ہوتے وہ سبقت لے جاتے ہیں۔

غرضیکہ ریاء وغیرہ کی مثال ایک چوہے کی ہے جو کہ اندر ہی اندر اعمال کو کھاتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا کریم ہے لیکن اس کی طرف آنے کے لیے عجز ضروری ہے۔ جس قدر انانیت اور بڑائی کا خیال اس کے اندر ہوگا خواہ وہ علم کے لحاظ سے ہو، خواہ ریاست کے لحاظ سے۔ خواہ مال کے لحاظ سے، خواہ خاندان اور حسب نسب کے لحاظ سے، تو اسی قدر پیچھے رہ جاویگا۔ اسی لیے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سادات میں سے اولیاء کم ہوئے ہیں، کیونکہ خاندانی تکبر کا خیال ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے بعد جب یہ خیال پیدا ہوا تو یہ لوگ رہ گئے۔

اس قسم کے حجاب انسان کو بے نصیب اور محروم کر دیتے ہیں۔ بہت ہی کم ہیں جو ان سے نجات پاتے ہیں۔ امارت اور دولت بھی ایک حجاب ہوتا ہے۔ امیر آدمی کو کوئی غریب سے غریب اور ادنیٰ آدمی السلام علیکم کہے تو اُسے مخاطب کرنا اور وعلیکم السلام کہنا اس کو عار معلوم ہوتا ہے اور خیال گذرتا ہے کہ یہ حقیر اور ذلیل آدمی کب اس قابل ہوتا ہے کہ ہمیں مخاطب کرے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ غریب امیروں سے پانصد سال پیشتر جنت میں جاویں گے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس حدیث کے معانی کیا ہیں، لیکن ہم ان الفاظ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ غریبوں کا تزکیۂ نفس قضاء قدر نے خود ہی کیا ہوتا ہے

حصولِ فضل کی راہیں یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے حاصل کرنے کے دو راہ ہیں۔ ایک تو زہد نفس کشی اور مجاہدات کا ہے اور دوسرا قضاء و قدر کا۔ لیکن مجاہدات سے اس راہ کا طے کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کو مجروح اور خستہ کرنا پڑتا ہے۔ عام طبائع بہت کم اس پر قادر ہوتی ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ تکلیف جھیلیں۔ لیکن قضاء و قدر کی طرف سے جو واقعات اور حادثات انسان پر آکر پڑتے ہیں وہ ناگہانی ہوتے ہیں اور جب آپڑتے ہیں تو قہرِ درویش برجانِ درویش ان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے جو کہ اس کے تزکیۂ نفس کا باعث ہو جاتا ہے جیسے شہداء کو دیکھو کہ جنگ کے بیچ میں لڑتے لڑتے جب مارے جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے

نزدیک کس قدر اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ درجاتِ قرب بھی ان کو قضاؤ قدر سے ہی ملتے ہیں؛ ورنہ اگر تنہائی میں اُن کو اپنی گردنیں کاٹنی پڑیں تو شاید بہت تھوڑے ایسے نکلیں جو شہید ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ غُرباء کو بشارت دیتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرۃ : ۱۵۶، ۱۵۷) اس کا یہی مطلب ہے کہ قضاوقدر کی طرف سے ان کو ہر ایک قسم کے نقصان پہنچتے ہیں اور پھر وہ صبر کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی عنایتیں اور رحمتیں ان کے شاملِ حال ہوتی ہیں، کیونکہ تلخ زندگی کا حصّہ ان کو بہت ملتا ہے، لیکن امراء کو یہ کہاں نصیب۔ امیروں کا تو یہ حال ہے کہ پنکھا چل رہا ہے۔ آرام سے بیٹھے ہیں۔ خدمتگار چائے لایا ہے۔ اگر اس میں ذرا سا قصور بھی ہے۔ خواہ میٹھا ہی کم یا زیادہ ہے تو غصّہ سے بھر جاتے ہیں۔ خدمتگار پر ناراض ہوتے ہیں، بہت غصّہ ہو تو مارنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ یہ مقامِ شکر کا ہے کہ اُن کو ہل جوتنا نہیں پڑا۔ کاشتکاری کے مصائب برداشت نہیں کیے۔ چولھے کے آگے بیٹھ کر آگ کے سامنے تپش کی شدت برداشت نہیں کی اور پکی پکائی شے محض خدا کے فضل سے سامنے آگئی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خدا کے احسانوں کو یاد کر کے رطب اللسان ہوتے۔ لیکن اس کے سارے احسانوں کو بھول کر ایک ذرا سی بات پر سارا کیا کرایا رائیگاں کر دیتے ہیں؛ حالانکہ جیسے وُہ خدمتگار انسان ہے اور اس سے غلطی اور بھول ہو سکتی ہے ویسے ہی وُہ (امیر) بھی تو انسان ہے۔ اگر اس خدمتگار کی جگہ خود یہ کام کرتا ہوتا تو کیا یہ غلطی نہ کرتا؟ پھر اگر ماتحت آگے سے جواب دے تو اس کی اَور شامت آتی ہے اور آقا کے دل میں رہ رہ کر جوش اُٹھتا ہے کہ یہ ہمارے سامنے کیوں بولتا ہے اور اسی لیے وہ خدمتگار کی ذلّت کے دَرپے ہوتا ہے؛ حالانکہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی کے لیے زبان کشائی کرے۔ اس پر مجھے ایک بات یاد آئی ہے کہ سلطان محمودؒ کی (یا ہارون الرشید کی) ایک کنیز تھی۔ اُس نے ایک دن بادشاہ کا بستر جو کیا تو اُسے گدگدا اور ملائم اور پھُولوں کی خوشبو سے بسا ہوا پا کر اس کے دل میں آیا کہ مَیں بھی لیٹ کر دیکھوں تو سہی اس میں کیا آرام حاصل ہوتا ہے۔ وہ لیٹی تو اسے نیند آگئی۔ جب بادشاہ آیا تو اُسے سوتا پا کر ناراض ہوا اور تازیانہ کی سزا دی۔ وہ کنیز روتی بھی جاتی اور ہنستی بھی جاتی۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ روتی تو اس لیے ہوں کہ ضربوں سے دَرد ہوتی ہے اور ہنستی اس لیے ہوں کہ مَیں چند لمحہ اس پر سوئی تو مجھے یہ سزا ملی اور جو اس پر ہمیشہ سوتے ہیں ان کو خُدا معلوم کس قدر عذاب بھگتنا پڑے گا۔

غربت ایک کیمیا ہے

پس غریبوں کو ہرگز بے دل نہ ہونا چاہیے۔ ان کا قدم آگے ہی ہے، لیکن وہ کوشش کریں کہ تھوڑی بہت جو کسر ہے وہ نکال دیویں کیونکہ بعض وقت ان لوگوں سے غریبی میں بھی بڑے بڑے گناہ صادر ہو جاتے ہیں۔ صبر نہیں کرتے خدا تعالیٰ کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ معاش کی قلت ہو تو چوری، ڈاکہ اور دوسرے جرائم شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں صبر کرنا چاہیے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف ہرگز مائل نہ ہونا چاہیے۔ غُربت اور کم رزقی دراصل انسان کو انسان بنانے کے لیے بڑی کیمیا ہے؛ بشرطیکہ اس کے ساتھ اَور قصور نہ ہوں۔ جیسے امراض میں تکبّر اور نخوت وغیرہ پیدا ہو کر ان کے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں ویسے ہی ان میں بے صبری موجب ہلاکت ہوتی ہے۔ اگر غریب لوگ صبر سے کام لیں تو ان کو وہ حاصل ہو جو اَور لوگوں کو مجاہدہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے اصل میں بڑا احسان کیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ غریبی کا حصّہ بھی رکھ دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں چرایا کرتے تھے۔ موسیٰؑ نے بکریاں چرائیں۔ کیا امراء یہ کام کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک جنگل میں ہوا۔ وہاں کچھ پھل دار درخت تھے۔ چند ایک صحابی جو کہ ہمراہ تھے وہ ان کا پھل توڑ کر کھانے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ فُلاں درخت کا پھل کھاؤ بہت شیریں ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا حضرت آپ کو کیسے علم ہے؟ فرمایا کہ جب میں بکریاں چَرایا کرتا تھا تو اس جنگل میں بھی آیا کرتا اور ان پھلوں کو کھایا کرتا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز نہیں کیا کہ انبیاء شاہی خاندان سے ہوں؛ ورنہ تکبّر اور نخوت کا کچھ نہ کچھ حصّہ ان میں ضرور رہ جاتا۔ اور پھر نبوت کے بھی دو حصّے کر دیئے۔ ایک مصائب اور شدائد کا اور دوسرا فتح و نُصرت کا۔ انبیاء کی زندگی کے ان دو حصّوں میں بھی الٰہی حکمت تھی۔ ایک تو یہی تھی کہ ان کے اخلاق میں ترقی ہو۔ اور سچی بات یہی ہے کہ جُوں جُوں نبوت کا زمانہ گذرتا ہے اور واقعات اور حادثات کی صورت بدلتی جاتی ہے انبیاء کی اخلاقی حالت بھی ترقی کرتی جاتی ہے۔ ابتداء میں ممکن ہے کہ غصّہ وغیرہ زیادہ ہو۔ اس لیے نبی کی زندگی کا آخری حصّہ بہ نسبت پہلے کے بلحاظ اخلاق کے بہت ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ابتداء میں ان کے اخلاق عام لوگوں سے ترقی یافتہ نہیں ہوتے بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے دائرہ نبوت میں وہ آخری حصّہ عمر میں بہت مؤدب ہوتے ہیں؛ ورنہ ان کی ابتدائی زندگی کا حصّہ بھی اخلاق میں تو کُل لوگوں سے اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ نبی اگر شدائد اور مصائب سے امن میں رہے تو اُن کی صبر کی قوت کا پتہ لوگوں کو کیسے معلوم ہو۔ پھر بہت سے اخلاقِ فاضلہ اس قسم کے ہیں کہ وہ صرف نزولِ مصائب

پر ہی حاصل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان تھا کہ آپؐ کو دونوں موقع عطا کیے۔ ہر ایک نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ ہر ایک رتبہ کے لوگوں کو ایک کامل نمونہ اخلاق کا پیش کر سکے۔ فقیر، غریب اور امیر وغیرہ ہر ایک اس کے چشمہ سے مساوی سیراب ہوں۔ یہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات سے ہے جس نے کُل ضرورتوں کو پورا کر کے دکھایا۔

تعلیم کے ساتھ اُسوہ کی ضرورت

فرقہ چکڑالوی نے بھی یہاں ہی ٹھوکر کھائی ہے۔ اس نے یہ نہیں سمجھا کہ بغیر نمونہ کے دُوسرا انسان اتباع کیسے پُوری کر سکتا ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آل عمران : ۳۲) کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک طبقہ کے انسان کو مخاطب کیا ہے کہ ہر ایک قسم کا سبق مجھ سے لو۔ اور ظاہر ہے کہ جبتک ایک اُسوہ سامنے نہ ہو، انسان عملدرآمد سے قاصر رہتا ہے۔ ہر ایک قسم کے کمال کے حصول کے لیے نمونہ کی ضرورت ہے۔ انسانی طبائع اسی قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ وہ صرف قول سے متاثر نہیں ہوتیں جب تک اس کے ساتھ فعل نہ ہو۔ اگر صرف قول ہو تو صدہا اعتراض لوگ کرتے ہیں۔ دین کی باتوں کو سُنکر کہا کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں کہنے کی ہیں کون ان کو بجا لا سکتا ہے۔ یُونہی بنا چھوڑی ہیں۔ اور ان اعتراضوں کا رد نہیں ہو سکتا جبتک ایک انسان عمل کر کے دکھانے والا نہ ہو

دُعا کے آداب

دُعا کے لیے انسان کو اپنے خیال اور دل کو ٹٹولنا چاہیے کہ آیا اس کا میلان دنیا کی طرف ہے یا دین کی طرف یعنی کثرت سے وہ دُعائیں دنیاوی آسائش کے لیے ہیں یا دین کی خدمت کے لیے۔ پس اگر معلوم ہو کہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوتے اسے دنیاوی افکار ہی لاحق ہیں اور دین مقصود نہیں تو اسے اپنی حالت پر رونا چاہیے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کمر باندھ کر حصولِ دنیا کے لیے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں۔ دعائیں بھی مانگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طرح طرح کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ بعض مجنون ہو جاتے ہیں۔ لیکن سب کچھ دین کے لیے ہو تو خدا تعالیٰ ان کو کبھی ضائع نہ کرے۔ قول اور عمل کی مثال دانہ کی ہے۔ اگر کسی کو ایک دانہ دیا جاوے اور وہ اسے لے جا کر رکھ چھوڑے اور استعمال نہ کرے تو آخر اُسے پڑے پڑے گھن لگ جاوے گا۔ ایسے ہی اگر قول ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو آہستہ آہستہ وہ قول بھی نہ رہے گا۔ اس لیے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیے۔[1]

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۶ راگست ۱۹۰۴ء

۹؍اگست ۱۹۰۴ء

بمقام قادیان

اپنی نیک نیت میں فرق نہ لاؤ

بعض لوگوں کے ایک مسجد کے تنازعہ پر آپ نے فرمایا:

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ زیادہ بزرگ تم میں سے وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ ہے۔ جیسے قرآن شریف میں ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۴) اور متقیوں کے صفات میں سے ہے کہ وہ بالغیب ایمان لاتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ: ۴) یعنی علم، مال اور دوسرے قویٰ ظاہری اور باطنی جو کچھ دیا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے انعام کے کئے ہیں۔

انسان ایک کارِ خیر کے لیے جب نیت کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ پھر اس میں کسی قسم کا فرق نہ لاوے۔ اگر کوئی دوسرا جو اس میں حصہ لینے والا تھا یا نہ تھا، مزاحم ہو اور بد دیانتی کرے تو بھی اوّل الذکر کو چاہیے کہ وہ کسی قسم کا تغیر اپنے ارادہ میں نہ کرے۔ اس کو اس کی نیت کا اجر ملے گا اور دوسرا اپنی شرارت کی سزا پاوے گا۔

دنیا میں لوگوں کو ایک یہ بھی بڑی غلطی لگی ہے کہ دوسرے سے مقابلہ کے وقت یا اس کی نیت میں فرق آتا دیکھ کر اپنی نیت کو جو خیر پر مبنی ہوتی ہے، بدل دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے بجائے ثواب کے عذاب حاصل ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے نقصان روا نہیں رکھتا وہ عنداللہ کسی اجر کا بھی مستحق نہیں۔ خدا کے لیے تو جان تک دریغ نہ کرنی چاہیے۔ پھر زمین وغیرہ کیا شئے ہے۔ جس قدر کوئی دکھ اٹھانے کے لیے تیار ہوگا اتنا ہی اُسے ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص یہ اصول اختیار نہیں کرتا تو اس نے ابھی تک ہمارے سلسلہ کا مطلب اور مقصود ہی نہیں جانا۔ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہیں۔ اگر وہ عام لوگوں کے سے اخلاق، مروت اور ہمدردی برتتے ہیں تو اُن میں اور دوسرے لوگوں سے کیا فرق ہوا؟ شریر کی شرارت کو شریر کے حوالہ کرو۔ اور اپنے نیک جوہر دکھاؤ۔ تب تمیز ہوگی۔ دنیاوی تنازعات کے وقت مالی نقصان برداشت کرنے اور جورِ نفس سے کام لینے کے سوا چارہ نہیں ہوا کرتا اور نہ انسان کو ہمیشہ اس قسم کے مواقع ہاتھ آتے ہیں کہ وہ فطرت کے یہ نیک جوہر دکھا سکے۔ اس لیے اگر کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آ جاوے تو اُسے غنیمت خیال کرنا چاہیے۔

مساجد کی اہمیت اور برکات

اس وقت ہماری جماعت کو مساجد کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ خانۂ خدا ہوتا ہے۔ جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہوگئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر کوئی ایسا گاؤں ہو یا شہر جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو ایک مسجد بنا دینی چاہیے پھر خدا خود مسلمانوں کو کھینچ لاوے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قیام مسجد میں نیت بہ اخلاص ہو۔ محض للہ اُسے کیا جاوے۔ نفسانی اغراض یا کسی غرض کو ہرگز دخل نہ ہو۔ تب خدا برکت دے گا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ مسجد مرصّع اور پکی عمارت کی ہو۔ بلکہ صرف زمین روک لینی چاہیے اور وہاں مسجد کی حد بندی کر دینی چاہیے اور بانس وغیرہ کا کوئی چھپر وغیرہ ڈال دو کہ بارش وغیرہ سے آرام ہو۔ خدا تعالےٰ تکلفات کو پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد چند کھجوروں کی شاخوں کی تھی اور اسی طرح چل آئی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس لیے کہ ان کو عمارت کا شوق تھا۔ اپنے زمانہ میں اسے پختہ بنوایا۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اور عثمانؓ کا قافیہ خوب ملتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے ان کو ان باتوں کا شوق تھا۔ غرضیکہ جماعت کی اپنی مسجد ہونی چاہیے جس میں اپنی جماعت کا امام ہو اور وعظ وغیرہ کرے۔ اور جماعت کے لوگوں کو چاہیے کہ سب مل کر اسی مسجد میں نماز باجماعت ادا کیا کریں۔ جماعت اور اتفاق میں بڑی برکت ہے۔ پراگندگی سے پھوٹ پیدا ہوتی ہے اور یہ وقت ہے کہ اس وقت اتحاد اور اتفاق کو بہت ترقی دینی چاہیے اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے جو کہ پھوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔

نفسِ لوّامہ

مولوی تاج محمود صاحب ساکن لالیاں نے بڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کیا اور نماز میں سرور اور لذت کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ فرمایا کہ:

دُعا کرتے رہو۔ اور کراتے رہو۔ ایک کارڈ روزانہ لکھ دیا کرو کہ دُعا یاد آجایا کرے۔ طبیعت پر جبر کر کے جو کام کیا جاتا ہے ثواب اسی کا ہوتا ہے اور اسی کا نام نفسِ لوّامہ ہے کہ طبیعت آرام کرنا چاہتی ہے اور محبوباتِ نفسانی کی طرف کھچی جاتی ہے مگر وہ بزور اسے مغلوب کر کے خدا کے احکام کے ماتحت چلاتا ہے اس لیے اجر پاتا ہے۔ ثواب کی حد نفسِ لوّامہ تک ہی ہے اور اسے ہی خدا نے پسند کیا ہے؛ چنانچہ قرآن شریف میں بھی قسم نفسِ لوّامہ کی ہی خدا نے کھائی ہے۔ مطمئنہ کی نہیں کھائی، کیونکہ مطمئنہ میں جا کر ثواب نہیں رہتا۔ کیونکہ وہاں کوئی کشاکشی اور جنگ نہیں۔ وہ تو امن کی حالت ہے۔

سونے چاندی اور ریشم کا استعمال

عرض کی گئی کہ چاندی وغیرہ کے بٹن استعمال کئے جاویں؟ فرمایا کہ:

۳-۴ ماشہ تک کوئی حرج نہیں، لیکن زیادہ کا استعمال منع ہے۔ اصل میں سونا چاندی عورتوں کی زینت کے لیے جائز رکھا ہے۔ ہاں علاج کے طور پر ان کا استعمال منع نہیں۔ جیسے کسی شخص کو کوئی عارضہ ہو اور چاندی سونے کے برتن میں کھانا طبیب بتلاوے تو بطور علاج کے صحت تک وہ استعمال کر سکتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اُسے جُوئیں بہت پڑی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ تُو ریشم کا کُرتہ پہنا کر اس سے جُوئیں نہیں پڑتیں۔ (ایسے ہی خارش والے کے لیے ریشم کا لباس مفید ہے۔)

سُود سُود کی بابت پُوچھا گیا کہ بعض مجبوریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ فرمایا کہ:

اس کا فتویٰ ہم نہیں دے سکتے۔ یہ بہرحال ناجائز ہے۔ ایک طرح کا سُود اسلام میں جائز ہے کہ قرض دیتے وقت کوئی شرط وغیرہ کسی قسم کی نہ ہو اور مقروض جب قرضہ ادا کرے۔ تو مروّت کے طور پر اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے۔ اگر دس روپے قرض لیے تو ادائگی کے وقت ایک سو تک دے دیا کرتے۔ سُود حرام وہی ہے جس میں عہد معاہدہ اور شرائط اوّل ہی کر لی جاویں۔[1]

---

۲۱ راگست ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور:- احاطہ میاں چراغ دین وسراج دین رئیسانِ لاہور۔

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد احباب کی درخواست پر آپ ایک کُرسی پر رونق افروز ہوئے۔ میاں فیروز الدین صاحب آگے بڑھ کر نیاز حاصل کی۔ حضرت اقدس نے چند نصائح فرماتے ہوئے تقریر کا سلسلہ یوں شروع کیا:

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۳۲ مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۰۴ء

تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ خوفِ الٰہی ہے

دیکھو یاد رکھنے کا مقام ہے کہ بیعت کے چند الفاظ جو زبان سے کہتے ہو کہ مَیں گناہ سے پرہیز کروں گا۔ یہی تمہارے لیے کافی نہیں ہیں اور نہ صرف ان کی تکرار سے خدا راضی ہوتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک تمہاری اس وقت قدر ہوگی جبکہ دلوں میں تبدیلی اور خدا تعالیٰ کا خوف ہو؛ ورنہ ادھر بیعت کی اور جب گھر میں گئے تو وہی بُرے خیالات اور حالات رہے تو اس سے کیا فائدہ؟ یقیناً مان لو کہ تمام گناہوں سے بچنے کے لیے بڑا ذریعہ خوفِ الٰہی ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو ہرگز ممکن نہیں کہ انسان اُن سب گناہوں سے بچ سکے جو کہ اسے مصری پر چیونٹیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ مگر خوف ہی ایک ایسی شئے ہے کہ حیوانات کو بھی جب ہو تو وہ کسی کا نقصان نہیں کر سکتے۔ مثلاً بلی جو کہ دُودھ کی بڑی حریص ہے۔ جب اُسے معلوم ہو کہ اُس کے نزدیک جانے سے سزا ملتی ہے پرندوں کو جب علم ہو کہ اگر یہ دانہ کھایا تو جال میں پھنسے اور موت آئی، تو وہ اس دُودھ اور دانہ کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ اس کی وجہ صرف خوف ہے۔ پس جبکہ لایعقل حیوان بھی خوف کے ہوتے ہوئے پرہیز کرتے ہیں تو انسان جو عقلمند ہے، اُسے کس قدر خوف اور پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ امر بہت ہی بدیہی ہے کہ جس موقعہ پر انسان کو خوف پیدا ہوتا ہے اس موقعہ پر وُہ جرم کی جرأت ہرگز نہیں کرتا۔ مثلاً طاعون زدہ گاؤں میں اگر کسی کو جانے کو کہا جاوے، تو کوئی بھی جرأت کر کے نہیں جاتا حتیٰ کہ اگر حکام بھی حکم دیویں تو بھی ترساں اور لرزاں جائیگا اور دل پر یہ ڈر غالب ہوگا کہ کہیں مجھ کو بھی طاعون نہ ہو جاوے اور وہ کوشش کرے گا کہ مفوضہ کام کو جلد پُورا کر کے وہاں سے بھاگے۔ پس گناہ پر دلیری کی وجہ بھی خدا کے خوف کا دلوں میں موجود نہ ہونا ہے۔ لیکن یہ خوف کیونکر پیدا ہو۔ اس کے لیے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے۔ جس قدر خدا تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر خوف زیادہ ہوگا ؎

ہر کہ عارف تر است ترساں تر

اس امر میں اصل معرفت ہے اور اس کا نتیجہ خوف ہے۔ معرفت ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان ادنیٰ ادنیٰ کیڑوں سے بھی ڈرتا ہے۔ جیسے پسّو اور مچھر کی جب معرفت ہوتی ہے تو ہر ایک اُن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ خدا جو قادرِ مطلق اور علیم اور بصیر ہے اور زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے، اس کے احکام کے برخلاف کرنے میں یہ اس قدر جرأت کرتا ہے۔ اگر سوچ کر دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ معرفت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت طلب کرو

بہت ہیں کہ زبان سے تو خدا تعالیٰ کا اقرار کرتے ہیں، لیکن اگر ٹٹول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ان کے اندر دہریت ہے۔ کیونکہ دُنیا کے کاموں میں جب مصروف ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے قہر اور اس کی عظمت کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ تم لوگ دُعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معرفت طلب کرو۔ بغیر اس کے یقین کامل ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہ اس وقت حاصل ہوگا جبکہ یہ علم ہو کہ اللہ تعالےٰ سے قطع تعلق کرنے میں ایک موت ہے۔ گناہ سے بچنے کے لیے جہاں دعا کرو وہاں ساتھ ہی تدابیر کے سلسلہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑو اور تمام محفلیں اور مجلسیں جن میں شامل ہونے سے گناہ کی تحریک ہوتی ہے ان کو ترک کرو اور ساتھ ہی دُعا بھی کرتے رہو۔ اور خوب جان لو کہ ان آفات سے جو قضاء و قدر کی طرف سے انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جبتک خدا تعالیٰ کی مدد ساتھ نہ ہو۔ ہرگز رہائی نہیں ہوتی۔ نماز جو کہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے اس میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اگر وہ نفسانی جذبات اور خیالات سے اُسے محفوظ نہ رکھے گا تب تک وہ سچی نماز ہرگز نہ ہوگی۔ نماز کے معنے ٹکریں مار لینے اور رسم اور عادت کے طور پر ادا کرنے کے ہرگز نہیں۔ نماز وہ شے ہے جسے دل بھی محسوس کرے کہ رُوح پگھل کر خوفناک حالت میں آستانۂ اُلوہیت پر گر پڑے۔ جہانتک طاقت ہے وہاں تک رقت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور تضرع سے مانگے کہ شوخی اور گناہ جو اندر نفس میں ہیں وہ دُور ہوں۔ اسی قسم کی نماز بابرکت ہوتی ہے اور اگر وہ اس پر استقامت اختیار کرے گا تو دیکھے گا کہ رات کو یا دن کو ایک نُور اس کے قلب پر گرا ہے اور نفسِ امّارہ کی شوخی کم ہوگئی ہے۔ جیسے اژدہا میں ایک سمّ قاتل ہے۔ اسی طرح نفسِ امّارہ میں بھی سمّ قاتل ہوتا ہے اور جس نے اُسے پیدا کیا۔ اُسی کے پاس اُس کا علاج ہے۔

کبھی یہ دعویٰ نہ کرو کہ مَیں پاک صاف ہوں جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ (النجم: ۳۳) کہ تم اپنے آپ کو مُزکّی مت کہو۔ وُہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی کون ہے۔ جب انسان کے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کا متولی اور متکفّل ہو جاتا ہے۔ اور جیسے ماں بچے کو گود میں پرورش کرتی ہے اسی طرح وہ خدا کی گود میں پرورش پاتا ہے اور یہی حالت ہے کہ خدا تعالیٰ کا نُور اس کے دل پر گر کر کل دنیاوی اثروں کو جلا دیتا ہے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر محسوس کرتا ہے، لیکن ایسی حالت میں بھی اُسے ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیے کہ اب یہ طاقت مجھ میں مستقل طور پر پیدا ہوگئی ہے اور کبھی ضائع نہ ہوگی۔ جیسے دیوار پر دُھوپ ہو تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوتے کہ یہ ہمیشہ ایسی ہی روشن رہے گی۔ اس پر لوگوں نے ایک مثال لکھی ہے کہ دیوار جب

دُھوپ سے روشن ہوتی تو اُس نے آفتاب کو کہا کہ مَیں بھی تیری طرح روشن ہوں۔ آفتاب نے کہا کہ رات کو جب مَیں نہ ہوں گا تو پھر تُو کہاں سے روشنی لے گی؟ اسی طرح انسان کو جو روشنی عطا ہوتی ہے، وہ بھی مستقل نہیں ہوتی، بلکہ عارضی ہوتی ہے اور ہمیشہ اُسے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے استغفار کی ضرورت ہے۔ انبیاء جو استغفار کرتے ہیں اس کی بھی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان کو خطرہ لگا رہتا ہے کہ نُور کی چادر جو ہمیں عطا کی گئی ہے ایسا نہ ہو کہ وُہ چھن جاوے۔

استغفار کی حقیقت

نادان لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ کہتے اور فخر کرتے ہیں کہ مسیح استغفار نہ کرتا تھا؛ حالانکہ یہ بات کسی قسم کے ناز کی نہیں بلکہ رونے اور افسوس کرنے کی ہے۔ اگر وہ استغفار نہ کرتا تو گویا اس نُور سے بالکل محروم تھا جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں کو عطا کیا کرتا ہے۔ کوئی نبی جس قدر زیادہ استغفار کرنیوالا ثابت ہوگا اسی قدر اس کا درجہ بڑا اور بلند ہوگا، لیکن جس کو یہ حالت حاصل نہیں تو وہ خطرہ میں ہے اور ممکن ہے کہ کسی وقت اس سے وہ چادر حفاظت کی چھین لی جاوے، کیونکہ نبیوں کو بھی وہ مستعار طور پر ملتی ہے اور وہ پھر استغفار کے ذریعہ اسے مدامی طور پر رکھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اصل انوار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور نبی ہو یا کوئی اَور، سب خدا تعالےٰ سے انہیں حاصل کرتے ہیں۔ سچے نبی کی یہی علامت ہے کہ وہ اس روشنی کی حفاظت بذریعہ استغفار کے کرے۔ استغفار کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ موجودہ نور جو خدا تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے وہ محفوظ رہے اور زیادہ اور ملے۔ اسی کی تحصیل کے لیے پنجگانہ نماز بھی ہے تاکہ ہر روز دل کھول کھول کر اس روشنی کو خدا تعالےٰ سے مانگ لیوے جسے بصیرت ہے وہ جانتا ہے کہ نماز ایک معراج ہے اور وہ نماز ہی کی تضرع اور ابتہال سے بھری ہوئی دُعا ہے جس سے یہ امراض سے رہائی پا سکتا ہے۔ وہ لوگ بہت بیوقوف ہیں جو دُوری ڈالنے والی تاریکی کا علاج نہیں کرتے۔

بیعت کی غرض

میرے پاس اکثر خطوط آتے ہیں، مگر ان میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ میرے املاک کے لیے یا اولاد کے لیے دُعا ہو۔ فلاں مقدمہ ہے یا فلاں مرض ہے وہ اچھا ہو جاوے، لیکن مشکل سے کوئی خط ایسا ہوتا ہے جس میں ایمان یا ان تاریکیوں کے دُور ہونے کے لیے درخواست کی گئی ہو۔ بعض خطوط میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اگر مجھے پانسو روپیہ مل جاوے تو مَیں بیعت کروں۔ بیوقوفوں کو اتنا خیال نہیں کہ جن باتوں کو ہم چھوڑانا چاہتے ہیں۔ وہی ہم سے طلب کی جاتی ہیں۔ اسی لیے مَیں اکثر لوگوں کی بیعت سے خوف کرتا ہوں، کیونکہ سچی بیعت کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بعض تو ظاہری شروط لگاتے ہیں جیسے کہ اُوپر ذکر ہوا۔ اور بعض لوگ بعد بیعت کے ابتلا میں پڑ جاتے

ہیں۔ جیسے کسی کا لڑکا مر گیا تو شکایت کرتا ہے، میں نے تو بیعت کی تھی یہ صدمہ مجھے کیوں ہوا؟ اس نادان کو یہ خیال نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کہ پیغمبر تھے، مگر آپ کے گیارہ بچے فوت ہو گئے اور کبھی شکایت نہ کی کہ خداوندا تو نے تو مجھے پیغمبر بنایا تھا میرے بچے کیوں مار دیئے۔

غرضکہ یاد رکھو کہ دین کو دُنیا سے ہرگز نہ ملانا چاہیے اور بیعت اس نیت سے ہرگز نہ کرنی چاہیے کہ میں بادشاہ ہی بن جاؤں گا یا ایسی کیمیا حاصل ہو جاوے گی کہ گھر بیٹھے روپیہ بنتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو اس لیے مامور کیا ہے کہ ان باتوں کو لوگوں سے چھڑا دیویں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جو لوگ صدق اور وفا سے خدا تعالیٰ کی طرف آتے ہیں اور اس کے لیے ہر ایک دُکھ اور مصیبت کو سر پر لیتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں بوڑھا ہو گیا، لیکن کبھی نہیں دیکھا کہ صالح آدمی کی اولاد ضائع ہوئی ہو۔ خدا تعالیٰ خود اس کا متکفل ہوتا ہے۔ لیکن ابتلا میں ابتلا کا آنا ضروری ہے تاکہ کھوٹے اور کھرے کی شناخت ہو جاتے۔

عشق اوّل سرکش و خونی بود ٭ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

دُوسرے ابتلا اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھلا دے کہ جو ہماری طرف آنیوالے ہیں وہ کیسے مستقل مزاج اور جفاکش ہوتے ہیں کہ مار پر مار کھاتے ہیں لیکن مُنہ نہیں پھیرتے اور جب وہ ثابت قدم نکل آتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اُن سے وہی سنّت برتتا ہے جو کہ منعم علیہ گروہ سے برتنی چاہیے۔

خدا تعالیٰ سے زیادہ پیار اور رحم اور محبت کرنی کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اخلاص ضروری ہے۔ کوئی دل سے اس کا ہو۔ پھر دیکھے کہ آیا مخلص کی دست گیری اور کفالت اس کی خوبی ہے کہ نہیں، لیکن جو اُسے آزماتا ہے وُہ خود آزمایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اسلام لایا۔ بعد ازاں اندھا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اسلام قبول کرنے سے یہ آفت مجھ پر آئی ہے۔ اس لیے کافر ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بہت سمجھایا، لیکن نہ مانا؛ حالانکہ اگر وہ مسلمان رہتا تو خدا تعالیٰ اس امر پر قادر تھا کہ اسے دوبارہ بینائی بخش دیتا، لیکن کافر ہو کر دُنیا سے تو اندھا تھا دین سے بھی اندھا بن گیا۔ مجھے فکر ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کو آزماتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود آزمائے جاویں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لاوے، اوّل وہ مصائب کے لیے تیار رہے۔ مگر یہ سب کچھ اوائل میں ہوتا ہے۔ اگر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل کر دیتا ہے؛ کیونکہ مومن کے لیے دو حالتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ جب ایمان لاتا ہے تو مصائب کا ایک دوزخ اس کے لیے تیار کیا جاتا ہے جس میں اُسے کچھ عرصہ رہنا پڑتا ہے اور اس کے صبر اور استقلال کا امتحان کیا جاتا ہے اور جب

وہ اس میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو دوسری حالت یہ ہے کہ اس دوزخ کو جنت سے بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ مومن بذریعہ نوافل کے اللہ تعالیٰ سے یہاں تک قرب حاصل کرتا ہے کہ وہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ کہ جو شخص میرے ولی کی عداوت کرتا ہے وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاوے۔ اس قدر غیرت خدا تعالیٰ کو اپنے بندے کے لیے ہوتی ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مجھے کسی شئے میں اس قدر تردد نہیں ہوتا جس قدر کہ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہے اور اسی لیے وہ کئی دفعہ بیمار ہوتا ہے اور پھر اچھا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی جان لینا چاہتا ہے مگر اسے مہلت دے دیتا ہے کہ اور کچھ عرصہ دنیا میں رہ لیوے۔

جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض

اس جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو میں تقویٰ سرایت کر جاوے۔ تقویٰ کا نُور اس کے اندر اور باہر ہو۔ اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اور بیجا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصہ کا نقص اب تک موجود ہے۔ تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بُغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چُپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہیے کہ ابتدا میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بدگوئی کرے تو اس کے لیے دردِ دل سے دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے۔ اور دل میں کینہ کو ہرگز نہ بڑھاوے۔ جیسے دُنیا کے قانون ہیں ویسے خدا کا بھی قانون ہے جب دنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب تک تبدیلی نہ ہوگی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حِلم اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفاتِ حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جماعت کا ایک حصہ ابھی تک ان اخلاق میں کمزور ہے۔ ان باتوں سے صرف شماتتِ اعدا ہی نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ خود بھی قرب کے مقام سے گرائے جاتے ہیں۔

خُلق کی اِصلاح ممکن ہے

یہ سچ ہے کہ سب انسان ایک مزاج کے نہیں ہوتے۔ اسی لیے قرآن شریف میں آیا ہے کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل : ۸۵) بعض آدمی ایک قسم کے اخلاق میں اگر عمدہ ہیں، تو دُوسری قسم میں کمزور۔ اگر ایک خلق کا رنگ اچھا ہے تو دُوسرے کا بُرا۔ لیکن تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصلاح ناممکن ہے۔

خُلق سے ہماری مراد شیریں کلامی ہی نہیں بلکہ خَلق اور خُلق دو الفاظ ہیں۔ آنکھ، کان، ناک وغیرہ جس قدر اعضاء ظاہری ہیں جن سے انسان کو حسین وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب خَلق کہلاتے ہیں اور اس کے مقابل پر باطنی قویٰ کا نام خُلق ہے۔ مثلاً عقل، فہم، شجاعت، عفت، صبر وغیرہ اس قسم کے جس قدر قویٰ سرشت میں ہوتے ہیں وہ سب اسی میں داخل ہیں اور خُلق کو خَلق پر اس لیے ترجیح ہے کہ خَلق یعنی ظاہری جسمانی اعضاء میں اگر کسی قسم کا نقص ہو تو وہ ناقابل علاج ہوتا ہے۔ مثلاً ہاتھ اگر چھوٹا پیدا ہوا ہے تو اس کو بڑا نہیں کر سکتا لیکن خُلق میں اگر کوئی کمی بیشی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

ذکر کرتے ہیں کہ افلاطون کو علمِ فراست میں بہت دخل تھا اور اس نے دروازہ پر ایک دربان مقرر کیا ہوا تھا۔ جسے حکم تھا کہ جب کوئی شخص ملاقات کو آوے، تو اوّل اس کا حُلیہ بیان کرو۔ اس حُلیہ کے ذریعے وُہ اس کے اخلاق کا حال معلوم کر کے پھر اگر قابلِ ملاقات سمجھتا تو ملاقات کرتا؛ ورنہ رَدّ کر دیتا۔ ایک دفعہ ایک شخص اس کی ملاقات کو آیا۔ دربان نے اطلاع دی۔ اس کے نقوش کا حال سُنکر افلاطون نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اس پر اس شخص نے کہلا بھیجا کہ افلاطون سے کہدو کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے۔ بالکل دُرست ہے۔ مگر میں نے قوتِ مجاہدہ سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر لی ہے۔ اس پر افلاطون نے ملاقات کی اجازت دیدی۔ پس خُلق ایسی شئے ہے جس میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اگر تبدیل نہ ہو سکتی تو یہ ظلم تھا۔ لیکن دُعا اور عمل سے کام لوگے، تب اس تبدیل پر قادر ہو سکو گے۔ عمل اس طرح سے کہ اگر کوئی شخص مُمسک ہے تو وہ قدرے قدرے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور نفس پر جبر کرے۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد نفس میں ایک تغیر عظیم دیکھ لے گا اور اس کی عادت امساک کی دُور ہو جاوے گی۔ اخلاق کی کمزوری بھی ایک دیوار ہے جو خُدا اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

وحدتِ جمہوری

اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ تمام انسانوں کو ایک نفسِ واحد کی طرح بنا دے۔ اس کا نام وحدتِ جمہوری ہے جس سے بہت سے انسان بحالتِ مجموعی ایک انسان کے حکم میں سمجھا جاتا ہے۔ مذہب سے بھی یہی منشاء ہوتا ہے کہ تسبیح کے دانوں کی طرح وحدتِ جمہوری کے ایک دھاگہ میں سب پروئے جائیں۔ یہ نمازیں

باجماعت جو کہ ادا کی جاتی ہیں وہ بھی اسی وحدت کے لیے ہیں تاکہ کُل نمازیوں کا ایک وجود شمار کیا جاوے اور آپس میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم اس لیے ہے کہ جس کے پاس زیادہ نُور ہے وہ دوسرے کمزور میں سرایت کر کے اُسے قوت دیوے۔ حتیٰ کہ حج بھی اسی لیے ہے۔ اس وحدتِ جمہوری کو پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی ابتدا اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ اوّل یہ حکم دیا کہ ہر ایک محلہ والے پانچ وقت نمازوں کو باجماعت محلہ کی مسجد میں ادا کریں تاکہ اخلاق کا تبادلہ آپس میں ہو اور انوارِ ملاکہ کمزوری کو دُور کر دیں اور آپس میں تعارف ہو کر اُنس پیدا ہو جاوے۔ تعارف بہت عمدہ شئے ہے کیونکہ اس سے اُنس بڑھتا ہے جو کہ وحدت کی بنیاد ہے۔ حتیٰ کہ تعارف والا دشمن ایک ناآشنا دوست سے بہت اچھا ہوتا ہے کیونکہ جب غیر ملک میں ملاقات ہو تو تعارف کی وجہ سے دلوں میں اُنس پیدا ہو جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ کینہ والی زمین سے الگ ہونے کے باعث بغض جو کہ عارضی شے ہوتا ہے وہ تو دُور ہو جاتا ہے اور صرف تعارف باقی رہ جاتا ہے۔

پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوں کیونکہ ایک شہر کے لوگوں کا ہر روز جمع ہونا تو مشکل ہے۔ اس لیے یہ تجویز کی کہ شہر کے سب لوگ ہفتہ میں ایک دفعہ مل کر تعارف اور وحدت پیدا کریں۔ آخر کبھی نہ کبھی تو سب ایک ہو جائیں گے۔ پھر سال کے بعد عیدین میں یہ تجویز کی کہ دیہات اور شہر کے لوگ مل کر نماز ادا کریں تاکہ تعارف اور اُنس بڑھ کر وحدتِ جمہوری پیدا ہو۔ پھر اسی طرح تمام دُنیا کے اجتماع کے لیے ایک دن عمر بھر میں مقرر کر دیا کہ مکہ کے میدان میں سب جمع ہوں۔ غرضیکہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ آپس میں اُلفت اور اُنس ترقی پکڑے۔ افسوس کہ ہمارے مخالفوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اسلام کا فلسفہ کیسا پکا ہے۔ دنیوی حکام کی طرف سے جو احکام پیش ہوتے ہیں۔ ان میں تو انسان ہمیشہ کے لیے ڈھیلا ہو سکتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے احکام میں ڈھیلا پن اور اس سے بکلّی روگردانی کبھی ممکن ہی نہیں کوئی ایسا مسلمان ہے جو کم از کم عیدین کی بھی نماز نہ ادا کرتا ہو۔ پس ان تمام اجتماعوں کا یہ فائدہ ہے کہ ایک کے انوار دُوسرے میں اثر کر کے اُسے قوت بخشیں۔

صُحبتِ صادقین نفس اور اخلاق کی پاکیزگی حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ صحبتِ صادقین بھی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (التوبہ : ۱۱۹) یعنی تم خدا تعالیٰ کے صادق اور راستباز لوگوں کی صُحبت اختیار کرو تاکہ اُن کے صدق کے انوار سے تم کو بھی حصّہ ملے۔ جو مذاہب کہ تفرقہ پسند کرتے ہیں اور الگ الگ رہنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ یقیناً وحدتِ جمہوری کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا کہ ایک نبی ہو جو کہ جماعت بنا دے اور اخلاق کے ذریعہ آپس میں تعارف اور وحدت پیدا کرے۔

آدابِ دُعا

درستیٔ اخلاق کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ دُعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی پاک محبت حاصل کی جاوے۔ ہر ایک قسم کے گناہ اور بدی سے دُور رہے اور ایسی حالت میسّر ہو کہ جس قدر اندرونی آلودگیاں ہیں ان سب سے الگ ہو کر ایک مصفّٰی قطرہ کی طرح بن جاوے۔ جب تک یہ حالت میسّر نہ ہوگی تب تک خطرہ ہی خطرہ ہے لیکن دعا کے ساتھ تدابیر کو نہ چھوڑے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تدبیر کو بھی پسند کرتا ہے اور اسی لیے فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (النازعات : ۶) کہہ کر قرآن شریف میں قسم بھی کھائی ہے۔ جب وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے لیے دُعا بھی کرے گا اور تدبیر سے بھی اس طرح کام لے گا کہ جو مجلس اور صُحبت اور تعلقات اس کو حارج ہیں ان سب کو ترک کر دے گا اور رسم عادت اور بناوٹ سے الگ ہو کر دُعا میں مصروف ہوگا تو ایک دن قبولیت کے آثار مشاہدہ کرے گا۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ کچھ عرصہ دُعا کر کے پھر رہ جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے اس قدر دُعا کی مگر قبول نہ ہوئی؛ حالانکہ دُعا کا حق تو اُن سے ادا ہی نہ ہوا۔ تو قبول کیسے ہو؟ اگر ایک شخص کو بھوک لگی ہو یا سخت پیاس ہو اور وہ صرف ایک دانہ یا ایک قطرہ لے کر شکایت کرے کہ مجھے سیری حاصل نہیں ہوئی۔ تو کیا اس کی شکایت بجا ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ جب تک وہ پوری مقدار کھانے اور پینے کی نہ لے گا۔ تب تک کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہی حال دُعا کا ہے۔ اگر انسان لگ کر اُسے کرے اور پُورے آداب سے بجا لاوے۔ وقت بھی میسّر آوے تو امید ہے کہ ایک دن اپنی مراد کو پالیوے۔ لیکن راستہ میں ہی چھوڑ دینے سے صدہا انسان مر گئے (گمراہ ہو گئے) اور صدہا ابھی آئندہ مرنے کو تیار ہیں۔ ایک من پیشاب میں ایک قطرہ پانی کا کیا شئے ہے جو اسے پاک کرے۔ اسی طرح وہ بداعمالیاں جن میں لوگ سر سے پاؤں تک غرق ہیں ان کے ہوتے ہوتے چند دن کی دُعا کیا اثر دکھا سکتی ہے۔ پھر عُجب، خود بینی، تکبّر اور ریا وغیرہ ایسے امراض لگے ہوئے ہوتے ہیں جو عمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔ نیک عمل کی مثال ایک پرند کی طرح ہے۔ اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اُسے قید رکھو گے تو وُہ رہے گا ورنہ پرواز کر جاوے گا اور یہ بحرِ خدا تعالیٰ کے فضل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکہف: ۱۱۱)

عمل صالح سے یہاں یہ مُراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو، نہ کبر ہو، نہ نخوت ہو، نہ تکبّر ہو، نہ نفسانی اغراض کا حصّہ ہو۔ نہ ریا و بخل ہو۔ حتّٰی کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ عمل صادر ہو۔ جب تک دوسری کسی قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا۔ اور اس کا نام شرک ہے، کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا

انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا، اسی دن قطع تعلق کر دے گا۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اس لیے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جائیں، اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا اسی دن ایمان میں فسخ آ جائے گا۔ اس لیے پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔

راستبازوں کی علامت

راستبازوں کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ مصیبت سے اُن کو چڑ ہوتی ہے اور جب ایسے موقعہ پر شیطان دخل دے کر ان کو بہکانا چاہتا ہے تب ان کی غیرت جوش مارتی ہے اور بجائے اس کے کہ ان کا قدم پیچھے ہٹے وہ آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان ہمیں پیچھے ہرگز نہیں ڈال سکتا۔ شیطان بھی ایسے موقعہ پر ہر ایک قسم کے منصوبے اس کی لغزش کے لیے پیش کرتا ہے۔ مال، اولاد، عزت، آبرو، خلقت کی ملامت، طعن و تشنیع وغیرہ سب نقصانوں سے ڈراتا ہے۔ لیکن وہ اوّل ہی سے دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم ان نقصانوں کی کچھ پروا نہ کریں گے۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان ان کے نزدیک ایک مخنّث سے بھی کمتر ہوتا ہے۔ لیکن جس کا دعویٰ تو ایمان کا ہوتا ہے اور دماغ میں اغراضِ نفسانی بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو شیطان بڑی آسانی سے اپنا تسلط اس پر بٹھاتا ہے اور جس راستے چاہتا ہے چلاتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ سفلی خواہشات سے شیطان کا مقابلہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔

شیطان کے وجود کا ثبوت

ممکن ہے کہ بعض لوگ یہاں ایسے ہوں کہ جو شیطان کے وجود ہی سے مُنکر ہوں، لیکن مَیں کہتا ہوں کہ اس کے وجود سے انکار بھی نادانی ہے۔ کیا وہ مشاہدہ نہیں کرتے کہ انسان میں دو قوتیں موجود ہیں۔ بیٹھے بیٹھے ایک لہر اس کے دل میں آتی ہے کہ نیکی کروں اور اکثر اوقات وہ اس کا ایسا پابند ہو جاتا ہے کہ بلا اس کے تقاضا ادا کیے کے رہ ہی نہیں سکتا۔ اور اسی طرح کبھی اس کے دل میں ایسی لہر آتی ہے جو کہ بدی کی طرف رغبت دلاتی ہے اور وہ گھر سے اُٹھ کر کنجروں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پس یہ قوتیں ہیں جن میں سے بدی کے محرک کا نام شیطان رکھ لو۔ انسان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ابتدائی مراحل میں ہر ایک شئے کی حقیقت کو سمجھ لیوے جیسے جیسے بتدریج اس کی معرفت ترقی کرتی ہے۔ ویسے ویسے وہ باریک در باریک امور کو سمجھتا جاتا ہے۔ آسمان کے ستاروں کو دیکھو کہ وہ اوّل سوائے نقطوں کے اَور کچھ معلوم نہیں ہوتے مگر جب انہی نقطوں کو دُوربینوں سے دیکھا جاوے تو کسقدر عجائبات معلوم ہوتے ہیں اور سابقہ معرفت اسکے آگے ہیچ نظر آتی ہے اور انسان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے کہ مَیں نے انکو نقطہ کیوں سمجھا۔ ایسے ہی شیطان اور فرشتے کے وجود کا حال ہے کہ انکو اوّل نقطوں کی طرح

ماننا پڑتا ہے اور پھر اس دُور بین سے جو انبیاء لے کر آتے ہیں دیکھا جاوے تو اُن کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو جُملہ معترضہ تھا جو کہ درمیان میں آگیا۔

عورتوں کی اصلاح کی ضرورت

پھر میں اصل مطلب کو بیان کرتا ہوں کہ اگر تم اپنی اصلاح چاہتے ہو تو یہ بھی لازمی امر ہے کہ گھر کی عورتوں کی اصلاح کرو۔ عورتوں میں بُت پرستی کی جڑ ہے کیونکہ ان کی طبائع کا میلان زینت پرستی کی طرف ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بُت پرستی کی ابتداء انہی سے ہوئی ہے۔ بُزدلی کا مادہ بھی ان میں زیادہ ہوتا ہے کہ ذرا سی سختی پر اپنے جیسی مخلوق کے آگے ہاتھ جوڑنے لگ جاتی ہے، اس لیے جو لوگ زن پرست ہوتے ہیں رفتہ رفتہ ان میں بھی یہ عادتیں سرایت کر جاتی ہیں پس بہت ضروری ہے کہ ان کی اصلاح کی طرف متوجہ رہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) اور اسی لیے مرد کو عورتوں کی نسبت قویٰ زیادہ دیئے گئے ہیں۔ اس وقت جو تہذیب روشنی کے لوگ مساوات پر زور دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں ان کی عقلوں پر تعجب آتا ہے۔ وہ ذرا مردوں کی جگہ عورتوں کی فوجیں بنا کر جنگوں میں بھیج کر دیکھیں تو سہی کہ کیا نتیجہ مساوی نکلتا ہے یا مختلف۔ ایک طرف تو اسے حمل ہے اور ایک طرف جنگ ہے وہ کیا کر سکے گی؟ غرضکہ عورتوں میں مردوں کی نسبت قویٰ کمزور ہیں اور کم بھی ہیں اس لیے مرد کو چاہیے کہ عورت کو اپنے ماتحت رکھے۔

پردہ کی اہمیت

یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے۔ جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے ذرا اُن کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو۔ اگر اس کی آزادی اور بے پردگی سے اُن کی عفت اور پاک دامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو اُن کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔ بدنظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے۔ پھر جس حالت میں کہ پردہ میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور فسق و فجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہو گا۔ مردوں کی حالت کا اندازہ کرو کہ وہ کس طرح بے لگام گھوڑے کی طرح ہو گئے ہیں۔ نہ خدا کا خوف رہا ہے نہ آخرت کا یقین ہے۔ دُنیاوی لذات کو اپنا معبود بنایا ہے۔ پس سب سے اوّل ضروری ہے کہ اس آزادی اور بے پردگی سے پہلے مردوں کی اخلاقی حالت درست کرو۔ اگر یہ درست ہو جاوے اور مردوں میں کم از کم اس قدر قوت ہو کہ وہ اپنے نفسانی جذبات سے مغلوب نہ ہو سکیں تو اس وقت

اس بحث کو چھیڑو کہ آیا پردہ ضروری ہے کہ نہیں، اور نہ موجودہ حالت میں اس بات پر زور دینا کہ آزادی اور بے پردگی ہو گویا بکریوں کو شیروں کے آگے رکھ دینا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کسی بات کے نتیجہ پر غور نہیں کرتے۔ کم از کم اپنے کانشنس سے ہی کام لیں کہ آیا مردوں کی حالت ایسی اصلاح شدہ ہے کہ عورتوں کو بے پردہ ان کے سامنے رکھا جاوے۔ قرآن شریف نے جو کہ انسان کی فطرت کے تقاضوں اور کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر حسب حال تعلیم دیتا ہے۔ کیا عمدہ مسلک اختیار کیا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۔ (النور: ۳۱) کہ تُو ایمان داروں کو کہدے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں۔ یہ وہ عمل ہے جس سے اُن کے نفوس کا تزکیہ ہوگا۔ فروج سے مراد شرمگاہ ہی نہیں بلکہ ہر ایک سوراخ جس میں کان وغیرہ بھی شامل ہیں اور ان میں اس امر کی مخالفت کی گئی ہے کہ غیر محرم عورت کا راگ وغیرہ سُنا جاوے۔ پھر یاد رکھو کہ ہزار در ہزار تجارب سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے آخر کار انسان کو اُن سے رُکنا ہی پڑتا ہے۔ تعدد ازدواج اور طلاق کے مسئلہ پر غور کرو ؎

ہر چہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابیٔ بسیار

ہمیں افسوس ہے کہ آریہ صاحبان بھی بے پردگی پر زور دیتے ہیں اور قرآن شریف کے احکام کی مخالفت چاہتے ہیں، حالانکہ اسلام کا یہ بڑا احسان ہندوؤں پر ہے کہ اُس نے اُن کو تہذیب سکھلائی اور اس کی تعلیم ایسی ہے جس سے مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے ؎

خربستہ بہ گرچہ دزد آشنا است

یہی حالت مرد اور عورت کے تعلقات کی ہے کہ اگرچہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن تاہم فطری جوش اور تقاضے بعض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جب اُن کو ذرا سی تحریک ہوئی تو جھٹ جذبات اعتدال سے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات میں حد درجہ کی آزادی وغیرہ کو ہرگز نہ دخل دیا جاوے۔ ذرا اپنے دلوں میں غور کرو کہ کیا تمہارے دل راجہ رامچندر اور کرشن وغیرہ کی طرح پاک ہو گئے ہیں؟ پھر جب وُہ پاک دلی تم کو نصیب نہیں ہوئی تو بے پردگی کو رواج دیکر بکریوں کو شیروں کے آگے کیوں رکھتے ہو۔ ہٹ اور ضد اور تعصب اور چڑ وغیرہ سے تم لوگ دیدہ دانستہ اسلام کے اُن پاکیزہ اصولوں کی مخالفت کیوں کرتے ہو جن سے تمہاری عفت برقرار رہتی ہے۔ عقل تو اس بات کا نام ہے کہ انسان کو نیک بات جہاں سے ملے وہ لے لیوے، کیونکہ نیک بات کی مثال سونے اور ہیرے اور جواہر کی ہے اور یہ اشیاء خواہ کہیں ہوں۔ آخر وہ سونا وغیرہ ہی ہوں گی۔ اس لیے تم کو لازم ہے کہ اسلام کے نام سے چڑ کر تم نیکی

کو ترک نہ کرو، ورنہ یاد رکھو کہ اسلام کا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر اس کا ضرر ہے تو تم ہی کو ہے۔ ہاں اگر تم لوگوں کو یہ اطمینان ہے کہ سب کے سب بھگت بن گئے ہو اور نفسانی جذبات پر تم کو پوری قدرت حاصل ہے اور قومی پر مشورہ کی رضا اور احکام کے برخلاف بالکل حرکت نہیں کرتے تو پھر ہم تم کو منع نہیں کرتے۔ بیشک بے پردگی کو رواج دو لیکن جہانتک میرا خیال ہے ابھی تک تم کو وہ حالت نصیب نہیں اور تم میں سے جسقدر لوگ لیڈر بن کر قوم کی اصلاح کے درپے ہیں اُن کی مثال سفید قبر کی ہے جس کے اندر بجز ہڈیوں کے اور کچھ نہیں، کیونکہ ان کی صرف باتیں ہی ہیں۔ عمل وغیرہ کچھ نہیں۔

نفسِ انسانی کی چار حالتیں

اسلام نے جو یہ حکم دیا ہے کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے پردہ کرے اس سے غرض یہ ہے کہ نفسِ انسان پھسلنے اور ٹھوکر کھانے کی حد تک بچا رہے، کیونکہ ابتدا میں اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ بدیوں کی طرف جھکا پڑتا ہے اور ذرا سی بھی تحریک ہو تو بدی پر ایسے گرتا ہے۔ جیسے کئی دنوں کا بھوکا آدمی کسی لذیذ کھانے پر۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ اس کی اصلاح کرے اور اسکی اصلاح کی حالتوں کے لحاظ سے اس کے چار نام مقرر کئے گئے ہیں۔ اوّل اوّل نفسِ زکیہ ہوتا ہے کہ جس کو نیکی بدی کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور یہ حالت طفلگی تک رہتی ہے۔ پھر نفسِ امّارہ ہوتا ہے کہ بدیوں کی طرف ہی مائل رہتا ہے اور انسان کو طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا کرتا ہے اور اس کی بڑی غرض یہی ہوتی ہے کہ ہر وقت بدی کا ارتکاب ہو۔ کبھی چوری کرتا ہے۔ کوئی گالی دے یا ذرا خلافِ مرضی کام ہو تو اُسے مارنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر شہوت کی طرف غلبہ ہو تو گنا ہوں اور فسق و فجور کا سیلاب بہہ نکلتا ہے۔ دُوسرا نفس لوّامہ ہے کہ اس میں بدیاں بالکل دُور تو نہیں ہوتیں، مگر ہاں ایک پچھتاوا اور حسرت و افسوس مرتکب اپنے دل میں محسوس کرتا ہے اور جب بدی ہو جاوے تو اس کے دل میں نیکی سے اس کا معاوضہ کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور تدبیر کرتا ہے کہ کسی طرح گناہ سے بچے۔ اور دعا میں لگتا ہے کہ زندگی پاک ہو جاوے اور ہوتے ہوتے جب یہ گناہ سے پوتر ہو جاتا ہے تو اس کا نام مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں بدی کو ایسی ہی بدی سمجھتا ہے۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ بات یہ ہے کہ دُنیا اصل میں گناہ کا گھر ہے جس میں سرکشیوں میں پڑ کر انسان خُدا کو بھلا دیتا ہے۔ نفسِ امّارہ کی حالت میں اس کے پاؤں میں زنجیریں ہوتی ہیں اور لوّامہ میں کچھ زنجیریں پاؤں میں ہوتی ہیں اور کچھ اُتر جاتی ہیں مگر مطمئنہ میں کوئی زنجیر نہیں رہتی سب کی سب اُتر جاتی ہیں اور وہی زمانہ انسان کا خدا تعالیٰ کی طرف پختے رجوع کا ہوتا ہے اور وہی خدا تعالیٰ کے کامل بندے ہوتے ہیں جو کہ نفسِ مطمئنہ کے ساتھ دُنیا سے علیحدہ ہو دیں اور جبتک وہ اسے حاصل نہ کرے تب تک اُسے مطلق علم نہیں ہوتا کہ جنت میں جاوے گا یا

دوزخ میں۔ پس جبکہ انسان بلا حصول نفسِ مطمئنہ کے نہ پوری پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے اور نہ جنت میں داخل ہو سکتا ہے تو اب خواہ آریہ ہوں یا عیسائی کونسی عقلمندی ہے کہ قبل اس کے کہ یہ نفس حاصل ہو وہ بھیڑیوں اور بکریوں کو اکٹھا چھوڑ دیویں۔ کیا ان کو امید ہے کہ وہ پاک اور بے شر زندگی بسر کریں گے۔ یہ ہے سرِ اسلامی پردہ کا۔ اور میں نے خصوصیت سے اُسے اُن مسلمانوں کے لیے بیان کیا ہے جن کو اسلام کے احکام اور حقیقت کی خبر نہیں اور مجھے امید ہے کہ آریہ لوگ اس سے بہت کم مستفید ہوں گے کیونکہ ان کو تو اسلام کی ہر ایک بھلی بات سے چڑ ہے۔

مسیحِ موعود کو ماننے کی ضرورت

اس قدر تقریر ہو چکی تھی کہ اس اثنا میں خلیفہ رجب الدین صاحب نے بلند آواز سے لاہور کی پبلک کی طرف سے حضرت مرزا صاحب کو ماننے کی ضرورت کا سوال پیش کیا؛ اگرچہ بعض لوگوں کو یہ دخل اس لیے ناگوار ہوا کہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ نُورِ فراست سے جس ضرورت کو محسوس کر کے کلام فرما رہا تھا اس کی توجہ ادھر سے پھیر دی گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تحریک بھی مصالح ایزدی سے باہر نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ:

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ میں نے بہت سی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے یہ بات سمجھا دی ہوئی ہے کہ میں وہ مسیح ہوں جس کا ذکر اور وعدہ اجمالاً قرآن میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اسے نہیں مانتے قرآنِ شریف کی رُو سے ان کا نام فاسق ہے اور احادیث سے واضح ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اس مسیح کو نہیں مانتا وہ گویا مجھے نہیں مانتا اور جو اس کی معصیت کرتا ہے۔ گویا میری معصیت کرتا ہے۔

لوگ مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں اور غلطیوں میں ڈالتے ہیں کہ ہم نے کوئی نیا کلمہ یا نماز تجویز کی ہے۔ ایسے افتراؤں کا میں کیا جواب دُوں۔ اسی قسم کے افتراؤں سے وہ ایک عاجز انسان مسیح علیہ السّلام کو تین خدا بنا بیٹھے۔ دیکھو۔ ہم مسلمان ہیں اور امتِ محمدی ہیں اور ہمارے نزدیک نئی نماز بنانی یا قبلہ سے رُوگردانی کُفر ہے۔ کُل احکامِ پیغمبری کو ہم مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے حکم کو ٹالنا بھی بدذاتی ہے۔ اور ہمارا دعویٰ قال اللہ اور قال الرسُول کے ماتحت ہے۔ اتباعِ نبویؐ سے الگ ہو کر ہم نے کوئی کلمہ یا نماز یا حج یا ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد نہیں بنائی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس دین کی خدمت کریں اور اس کو کل مذاہب پر غالب کر کے دکھا دیں۔ قرآنِ شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبرِ خدا سے ثابت ہیں۔ اتباع کریں ضعیف

سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں اور بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ مجھے کبھی بھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ لوگ مجھے مانیں بلکہ مجھے تو ان جماعتوں سے ہمیشہ سے نفرت ہے اور اگر میں ملتا ہوں یا ان لوگوں میں آکر بیٹھتا ہوں تو اپنی مرضی سے ہرگز نہیں ملتا، بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو ایسا کر۔ ایسی حالت میں بتلاؤ کہ اگر میں اس کی بات نہ مانوں تو کیا کروں؟ میں تو رات دن وحی کے نیچے کام کرتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پختہ طور سے مانو آپ کو ماننا یہ ہے کہ آپ کے وصایا پر عملدرآمد کیا جاوے اور انہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ مسیح موعود آوے تو تم سب اس کے ساتھ ہو جانا۔ میرے ماننے کی مثال یہ ہے جیسے ایک آقا نوکر کو کہے کہ فلاں شخص میرا مہربان[1] ہے تم اُسے لاکر کھانا کھلاؤ اور ہر طرح کی تعظیم اور تکریم کرو، لیکن نوکر اس کے جواب میں یہ کہے کہ میں تو صرف آپ کو مانتا ہوں۔ مجھے کسی دوسرے کی تعظیم و تکریم سے غرض نہیں ہے اور نہ اس کی خواہش ہے۔ تو اب سوچ کر دیکھو کہ کیا اس نے اپنے آقا کو مانا؟ ہرگز نہیں مانا۔ کیونکہ جس بات میں وہ راضی ہوتا ہے اس کے کرنے سے تو اُسے انکار ہے۔ پس یاد رکھو کہ تم لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی طور پر اسی وقت مانو گے، جبکہ آپ کے احکام اور وصایا کو مانو گے۔ جس نے آخری حکم کو توڑا اُس نے سارے حکموں کو توڑا۔ سوچو تو سہی کہ اگر ایک شخص تمام عمر نماز، روزہ ادا کرے، لیکن آخری وقت بجائے لا الٰہ الا اللہ کے رام رام کہے تو کیا وہ نماز روزہ اس کے کام آوے گا؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا کہ اس اُمت کی دو دیواریں ہیں۔ ایک میں اور ایک مسیح اور اس کے درمیان آپ نے فیج اعوج فرمایا ہے جن کی نسبت ارشاد ہے کہ وہ نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ پس جبکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ایک ٹیڑھا گروہ قرار دیتے ہیں تو ہم اُن کی باتوں کو کیوں قبول کریں۔

اس موقعہ پر ایک وزیر آبادی متعصب مولوی نے مداخلت کی اور ٹیڑھی راہ اختیار کرکے بے جا سوال اور کلام شروع کیا۔ اوّل تو حضرت اقدس اُسے حلیمی سے سمجھاتے رہے، مگر جب معلوم ہوا کہ اس کی غرض رفع شکوک و شبہات نہیں، صرف مناظرہ کا ایک اکھاڑہ قائم کرنا چاہتا ہے تو اُس سے اعراض کیا اور فرمایا کہ مباحثہ کا دروازہ تو ہم بند کر چکے ہیں۔ اب اس میں پڑنا پسند

---

[1] کتابت کی غلطی ہے "مہمان" ہونا چاہیے۔ (مرتب)

نہیں کرتے۔ اس پر بعض مفسد طبائع نے شور کرنا شروع کیا۔ آخر مصلحت وقت دیکھ کر مولوی صاحب کو بیجا مداخلت سے روکا گیا اور جب وہ باز نہ آئے تو اُن کو جبراً احاطہ سے باہر کر دیا گیا۔
اس اثنا میں جو کلام حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اُسے ہم بجائی طور پر درج کرتے ہیں۔
فرمایا کہ :

مسیح اور مہدی کی ضرورت شکوک کے رفع کے لیے اگر روی راستی اور سچی نیت سے آوے تو ہم اسے سمجھا سکتے ہیں اور اب تو ایسا زمانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایک معلّم کی طرح سمجھا رہا ہے۔ یہ اس کی عادت میں داخل ہے کہ جب دنیا میں گناہ اور بے ایمانی بڑھ جاوے اور ردّی اخلاق اور ردّی عادات ترقی پکڑ جاویں تو ایک شخص کو اصلاح کے لیے مامور کرے۔ اسلام اس وقت دو آفتوں کے ماتحت ہے۔ ایک اندرونی۔ دوسری بیرونی۔ اندرونی خود عالموں کا اختلاف اور مسلمانوں کا دُنیا کی طرف میلان۔ اور بیرونی وہ آفت جو عیسائیت کی وجہ سے ہے۔ پس کیا ابھی تمہارے نزدیک مہدی اور مسیح کی ضرورت نہ تھی؟

تیس دجّال پھر ایک اعتراض یہ پیش کرتے ہو کہ اس امت میں تیس دجّال آنیوالے ہیں۔ اے بدقسمتو! کیا تمہارے لیے دجّال ہی رہ گئے کہ اگر ایک کے آنے سے ایمان کے تباہ ہونے میں کوئی کسر رہ جاوے تو پھر دوسرا تیسرا اور چوتھا حتیٰ کہ تیس دجّال آویں تاکہ ایمان کا نام و نشان نہ رہے۔ اس طرح تو موسیٰ علیہ السلام کی امت ہی اچھی رہی کہ جس میں پے در پے چار سو نبی آیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے وقت تو عورتوں سے بھی خدا تعالیٰ نے کلام کیا۔ کیا امت محمدیہ کے مرد بھی اس قابل نہ ہوئے کہ خدا تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوتا؟ پھر یہ بتلاؤ کہ یہ اُمت مرحومہ کس طرح ہوئی، اس کا نام تو بدنصیب ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرہ سو برس گذر گئے اور جس قدر فیوض اور برکات تھے وہ سب سماع کے حکم میں آ گئے۔ اب اگر خدا تعالیٰ اُن کو تازہ کر کے نہ دکھاتے تو صرف قصہ کہانی کے رنگ میں اُن کو کون مان سکتا ہے؛ جبکہ تازہ طور پر خدا تعالیٰ کی مدد نہیں۔ نصرت نہیں تو خدا تعالیٰ کی حفاظت کیا ہوئی؟ حالانکہ اس کا وعدہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰)

طاعون اور احمدی جب متعصب مولوی صاحب نے طاعون کا ذکر کیا کہ آپ کے مُرید کیوں مرتے ہیں اور اس کا علاج کیا ہے

وغیرہ وغیرہ۔ تو آپ نے فرمایا :
کسوف و خسوف کا علاج بھی کچھ سوچا ہے۔ اس وقت بحث تو نشانوں کی ہے نہ کہ علاج کی۔ ہاں جو

کامل طور پر مجھ کو قبول کرتا ہے وہ ضرور محفوظ رہے گا لیکن اس کا مجھے علم نہیں کہ وہ کون ہے۔ میں کسی کے سینہ کو چیر کر نہیں دیکھتا۔ صحابہ کرامؓ کا بھی ایک گروہ طاعون سے شہید ہوا تھا۔ مگر دیکھ لو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما طاعون سے ہرگز نہیں فوت ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں میں امتیاز رکھا ہے۔ جیسے کہ فرمایا ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ۔ (فاطر: ۳۳)

جماعت سے خطاب اس کے بعد آپ نے جماعت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ:

ضروری بات یہ ہے کہ تم لوگ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو اور تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرو۔ تمہارا معاملہ اور حساب خدا سے الگ ہے اور مخالف لوگوں کا حساب الگ ہے جنھوں نے قسم کھائی ہے کہ کیسی ہی سچی بات کیوں نہ ہو مگر وہ قبول نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کی نسبت یہی فرماتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کو ہی قبول کریں گے۔ ان کی بناوٹ ہی اسی قسم کی ہے کہ عمدہ شئے یا بات جو پیش کی جاوے وہ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اگر بدبودار بات ہو تو خوش ہوتے ہیں۔ قرآن شریف، احادیث اور عقلی دلائل اور نشان پیش کئے۔ مگر یہ لوگ ان کی پروا نہیں کرتے۔ صرف ایک بات کو نشانہ بناتے ہیں۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ ایک مذہب ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فہم سلیم عطا کیا ہے ان کو چاہیے کہ وہ شکر کریں کیونکہ فائدہ اُٹھانیوالے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے خود پاک کیا۔

نشاناتِ صداقت ابھی ہماری جماعت کے بہت سے لوگ چھپے ہوئے ہیں ظاہراً وہ ہم سے الگ ہیں لیکن دراصل ہم میں سے ہیں۔ ہمیں خود ان کا علم نہیں لیکن امید ہے کہ اپنے وقت پر وہ آجاویں گے۔ خود لاہور میں ایک شخص نے ملاقات کی اور کہا کہ میں آپکو گالیاں دیا کرتا تھا۔ معاف کرو اب میرے شکوک رفع ہو گئے ہیں اور ہزاروں خطوط اس قسم کے آئے ہیں کہ میں اوّل ابوجہل تھا۔ اب توبہ کرتا ہوں۔ بعضوں نے بذریعہ خواب کے مانا اور اکثر کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشف میں یا خواب میں کہا کہ تم قبول کر لو۔ جو لوگ بغض کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تیز دھار کو روک لیویں مگر وہ کسی کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔ اگر انسانی کاروبار ہوتا تو آج تک کب کا تباہ ہو جاتا۔ مجھے دعویٰ کئے ہوئے چوبیس برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا ایک مفتری کو اس قدر مہلت مل سکتی ہے کہ اگر کسی کو عقل، فہم اور موت کا ڈر ہو تو وہ براہین کے وقت کو دیکھے کہ جو پیشگوئیاں اس میں ہیں وہ کیسے پوری ہو کر رہیں، لیکن یہ بات ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اور وہ دل کے

تلے نہ دکھلائے تو کس طرح سمجھ میں آوے۔ کوئی بتاوے تو سہی کہ جب سے دُنیا ہوئی ہے کسی مفتری نے اس قسم کی پیشگوئی بھی کی ہے۔ خدا تعالیٰ سے خوف کرنے والے کے لیے تو ایک ہی نشان کافی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اس قدر کثیر نشانوں سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا۔

غرض مدعا یہ ہے کہ یہ تمام باتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ہدایت قبول کرتے ہیں۔ نہ کہ مُنکروں کے لیے جن کے واسطے اللہ تعالیٰ کا قانون اَور ہے۔ تم خدا سے پناہ مانگو کہ اُن کے لیے جو قانون ہے اس میں تم کو داخل نہ کرے۔ ہمیشہ نیک دل خدا تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ نہ خیال کرو کہ یہ لوگ مذہب میں پکے ہیں۔ بڑے بُزدل ہوتے ہیں۔ قہرِ الٰہی کا ذرا نہیں مقابلہ کر سکتے۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ ایسا زمانہ ہے۔ جس کے لیے سب نبیوں کی پیش گوئیاں ہیں اور جیسے مختلف نہروں مِل کر ایک دریا بن کر بہہ نکلتی ہیں اسی طرح ان پیش گوئیوں کا سیلاب بہہ نکلے گا اور آدمؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ وغیرہ پیغمبروں نے جو کچھ کہا وہ سب پُورا ہو کر رہے گا۔ بعض رحمت کے نشان بھی ہوں گے مگر اُن سے انہی کو حصّہ ملے گا جو عاجز۔ فروتن اور خائف اور تائب ہوں گے اور جو مُنکر ہیں وہ قہری نشان سے حصّہ لیں گے۔ اگرچہ یہ لوگ اس وقت انکار کو نہیں چھوڑتے اور صرف ماں باپ یا جاہل لوگوں سے سُن سُنا کر غلط عقائد پر اڑنے ہوتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ زبردستی سب کچھ چھڑا دے گا۔ زبردست سے لڑنا نادانی ہے۔ اگر یہ کاروبار انسان کی طرف سے ہوتا تو کب کا تباہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ ہم پر افترا کرتا تو ہم اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اگر میں خدا پر افترا کرتا ہوں اور تھوڑی مدت نہیں بلکہ تیئس سال کے قریب ہو چلا کہ ہمیشہ اس کی طرف سے وحی لوگوں کو سُناتا ہوں اور وہ جانتا بھی ہے کہ مَیں جھوٹا ہوں لیکن میری تائید کرتا ہے اور ہلاک نہیں کرتا۔ وہ کیسا خدا ہے کہ ایک جھوٹے سے اتفاق کر بیٹھا ہے اور ہزاروں نشان اس کی تائید میں دکھاتا ہے۔ نئی سواری بھی اس کے لیے نکالی۔ کسوف وخسوف بھی اس کے لیے ماہِ رمضان میں کیا۔ طاعون بھی بھیجی۔ گویا خدا نے جان کر دھوکا دیا اور جو کام دجّال نے کرنا تھا وہ خود آپ کیا تاکہ مخلوق تباہ ہو۔ ذرا سوچو کیا خدا تعالیٰ کے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک کذّاب مفتری اور دجّال کی وہ اس قدر مدد کرے۔ اور مولوی لوگ جو خود کو اس کا مقرّب جانتے ہیں۔ ان کی دعا ہرگز قبول نہ ہو۔ جو لڑائی یہ لوگ لڑ رہے ہیں وہ مجھ سے نہیں بلکہ خدا سے ہے۔ مَیں تو کچھ شئے نہیں ہوں۔ خدا تعالیٰ سے لڑائی والا کبھی بابرکت نہیں ہو سکتا۔ مَیں تو اس بات کو کہتے ہوئے ڈرتا ہوں اور مجھے لرزہ پڑتا ہے کہ افترا ہو اور خدا تعالیٰ چپ کر کے بیٹھا رہے۔ اگر اُن کے نزدیک یہ افترا ہے تو چاہیے کہ دُعا کریں کہ خدا اسے نیست کرے یا دُعا کر کے حضرت مسیح کو آسمان سے اُتاریں۔ عیسائی محقّقین نے بھی آخر کار مسیح کے آسمان

کے آسمان سے آنے سے تنگ آکر اور میعاد گذرتی دیکھ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ کلیسا کو مسیح مان لو۔ یہی مسیح کا نزول ہے۔ ان کو بھی آخر کار نزول کو استعارہ کے رنگ میں ہی ماننا پڑا۔ احادیث پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ تمام خلفاء اس اُمت میں سے ہوں گے۔ قرآن شریف بھی یہی کہہ رہا ہے اور سب جگہ مِنْکُمْ کا لفظ موجود ہے مگر نا معلوم کہ ان لوگوں نے مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کہاں سے بنا لیا۔ کیا یہ تھوڑا نشان ہے کہ نہ کوئی واعظ ہے نہ لیکچرار اور ہماری ترقی برابر ہو رہی ہے۔ بھلا اگر ان کو طاقت ہے تو روک دیں۔ اللہ تعالیٰ خود لوگوں کو ادھر رجوع دلا رہا ہے۔ مصر سے بھی بیعت کی درخواست آئی ہے۔ یورپ میں تحریک ہے۔ امریکہ میں تحریک ہے۔

مَیں پھر جماعت کو تاکید کرتا ہوں کہ تم لوگ ان کی مخالفتوں سے غرض نہ رکھو۔ تقویٰ طہارت میں ترقی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوگا اور ان لوگوں سے وہ خود سمجھ لیوے گا۔ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (نحل : ۱۲۹)۔

اور خوب یاد رکھو کہ اگر تقویٰ اختیار نہ کرو گے اور اس نیکی سے جسے خدا چاہتا ہے کثیر حصّہ نہ لوگے تو اللہ تعالیٰ سب سے اوّل تم ہی کو ہلاک کرے گا کیونکہ تم نے ایک سچائی کو مانا ہے اور پھر عملی طور سے اس کے منکر ہوتے ہو۔ اس بات پر ہرگز بھروسہ نہ کرو اور مغرور مت ہو کہ بیعت کر لی ہے۔ جبتک پورا تقویٰ اختیار نہ کرو گے ہرگز نہ بچو گے۔ خدا تعالیٰ کا کسی سے رشتہ نہیں نہ اس کو کسی کی رعایت منظور ہے۔ جو ہمارے مخالف ہیں وہ بھی اسی کی پیدائش ہیں اور تم بھی اسی کی مخلوق ہو۔ صرف اعتقادی بات ہرگز کام نہ آوے گی جبتک تمہارا قول اور فعل ایک نہ ہو۔

ان لوگوں کی حالتوں پر غور کرو کہ جب توفّی کا لفظ مسیح کے لیے آوے تو اس کے معنے آسمان پر جانے کے کرتے ہیں۔ اور جب وہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنے وفات پانے کے کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ عملی راستی دکھاؤ تا وہ تمہارے ساتھ ہو۔ رحم، اخلاق، احسان، اعمالِ حسنہ، ہمدردی اور فروتنی میں اگر کمی رکھو گے تو مجھے معلوم ہے اور بار بار میں بتلا چکا ہوں کہ سب سے اوّل ایسی ہی جماعت ہلاک ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت جب اس کی امت نے خدا تعالیٰ کے حکموں کی قدر نہ کی تو باوجودیکہ موسیٰ اُن میں موجود تھا مگر پھر بھی بجلی سے ہلاک کئے گئے۔ پس اگر تم بھی ویسے کرو گے تو میری موجودگی کچھ کام نہ آوے گی۔

اب ہم ان لوگوں کو کہاں تک سمجھائیں۔ بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں اور ان کے لیے کافی اتمام حجت ہو چکا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر توفّی کا استعمال کریں تو اس کے معنے موت کے ہوں۔

سامعین موسیٰ کے لیے وہی لفظ آوے تو اس کے معنے موت کے ہوں۔ لیکن جب مسیح پر بولا جاوے تو اس کے معنے آسمان پر جانا کرتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کو کیا جواب دیویں گے۔ کیا یہی اُن کی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور یہ کیسی دلیری اور شوخی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک جس کی دُنیا کو ضرورت تھی وہ تو تیرہ سو برس گذرے کہ خاک میں دفن ہوا اور آپؐ تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہو جاویں اور مسیح ابتک آسمان پر۔ کوئی بتلاوے کہ وہاں کیا کر رہا ہے۔ اس کا وعدہ تھا کہ میں بنی اسرائیل کی طرف آیا ہوں اور کتنی قومیں بنی اسرائیل کی باقی تھیں کہ آسمان پر جا بیٹھا اور وعدہ بھی پورا نہ کیا اور پھر عقل، نقل اور کتاب اللہ کے برخلاف ہے۔ یہ سب دلائل ہیں جو کہ ایک مومن کے لیے کافی ہیں اور بجز اس کے کہ عیسیٰ کو فوت شدہ مانا جاوے اور کوئی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو محفوظ رکھنے کا نہیں ہے میں تو اس شخص سے بہت خوش ہوں کہ جس نے کتاب حیاۃ النبیؐ لکھی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور پیغمبر کو زندہ کہے وہ کافر ہے کیونکہ آخر محبت کی کچھ بھی تو علامت چاہیے۔ بعض نئے نئے لوگوں نے جو عیسائیوں میں سے اسلام میں داخل ہوئے ۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات کہی ہوگی کہ عیسیٰ ابتک زندہ ہے تب ہی تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہرگز یہ باور نہ کیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں بلکہ ایسا کہنے والے کو قتل کرنے کے لیے آمادہ ہوئے۔ آخر جب حضرت ابوبکرؓ نے آکر اس مسئلہ کو حل کیا کہ سب نبی فوت ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہوئے تب آپ کو اعتبار آیا۔

اب عیسائیت کا اثر غالب آگیا ہے اور جو محبت مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہیئے تھی وہ نہیں رہی۔ ہزاروں رسالے اور اخبار نکالتے ہیں لیکن کسی نے آجتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا رسالہ نہ نکالا۔ پس اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپؐ کی عزت کو دُنیا میں قائم کرے۔ کئی کروڑ کتب اسلام کے رد میں لکھی گئیں کیا اب بھی خدا کو لازم نہ تھا کہ کوئی ذریعہ قائم کرکے آپؐ کی عزت کو ظاہر کرے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نبی مانتے ہیں اور سب سے اشرف جانتے ہیں اور ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ کوئی عمدہ بات کسی اور کی طرف منسوب کی جاوے۔ جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی معجزہ طلب کیا کہ آسمان پر چڑھ کر دکھاویں تو آپؐ نے فرمایا سُبْحَانَ رَبِّیْ اور انکار کر دیا۔ دُوسری طرف حضرت مسیح کو خدا آسمان پر لے جاوے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم قرآن سے کیا بلکہ کل کتابوں سے دکھا سکتے ہیں کہ جس قدر اخلاق اور خوبیاں کل انبیاء میں تھیں وہ سب کی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھیں۔ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء : ۱۱۴) اسی کی طرف اشارہ ہے۔

پس اگر آسمان پر جانا کوئی فضیلت ہو سکتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کب باہر رہ سکتے تھے۔ آخر یہ لوگ پچھتا دیں گے کہ ان باتوں کو ہم نے کیوں نہ مانا۔ یہ لوگ ایک سوار تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کرتے ہیں کہ ایک معجزہ آسمان پر جانے کا لوگوں نے مانگا مگر خدا نے آپ کی پروا نہ کی اور عیسٰی کو یہ عزت دی کہ اُسے آسمان پر اٹھا لیا اور دوسرا حملہ خود خدا پر کرتے ہیں کہ اُس نے اپنی قوتِ خلق سے مسیح کو بھی کچھ دے دی جس سے تشابہ الخلق ہو گیا۔ جواب دیتے ہیں کہ خدا نے خود مسیح کو یہ قدرت دی تھی۔ اے نادانو! اگر خُدائی نے تقسیم ہونا تھا تو کیا اس کے حصّہ میں عیسٰی ہی رہ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ حصّہ ملا۔[1]

اس قدر تقریر ہو چکی تھی کہ بعض جان نثاروں نے بہت وقت گذر جانے کی درخواست کی تاکہ آپ کی طبیعت کو زیادہ صدمہ نہ ہو اور سلسلہ تقریر ختم ہو جاوے؛ چنانچہ حضُور نے دُعا پر اُسے ختم کیا۔

---

۲۸ راگست ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور۔ سات بجے صبح

(حضرت اقدس کی تقریر جو ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مجمع کے درمیان آپ نے فرمائی)

توبہ کا دن جمعہ اور عیدین سے بھی بہتر اور مُبارک ہے

سب صاحب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ایسے دن مقرر کئے ہیں کہ وہ دن بڑی خوشی کے دن سمجھے جاتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے عجیب عجیب برکات رکھی ہیں۔ منجملہ ان دنوں کے ایک جمعہ کا دن ہے۔ یہ دن بھی بڑا ہی مبارک ہے۔ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جمعہ ہی کو پیدا کیا اور اسی دن ان کی توبہ منظور ہوئی تھی۔ اور بھی بہت سی برکات اور خوبیاں اس دن کی ماثور ہیں۔ ایسا ہی اسلام میں دو عیدیں ہیں۔ ان دونوں دنوں کو بھی بڑی خوشی کے دن مانا گیا ہے اور ان میں بھی عجیب عجیب برکات

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۳۴ صفحہ ۳ تا ۸ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۰۴ء
نمبر ۳۵ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۴ء

رکھی ہیں لیکن یاد رکھو کہ یہ دن بیشک اپنی اپنی جگہ مبارک اور خوشی کے دن ہیں لیکن ایک دن ان سب سے بھی بڑھ کر مبارک اور خوشی کا دن ہے، مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نہ تو اس دن کا انتظار کرتے ہیں اور نہ اس کی تلاش، ورنہ اگر اس کی برکات اور خوبیوں سے لوگوں کو اطلاع ہوتی یا وہ اس کی پروا کرتے تو حقیقت میں وہ دن ان کے لیے بڑا ہی مُبارک اور خوش قسمتی کا دن ثابت ہوتا اور لوگ اُسے غنیمت سمجھتے۔

وہ دن کونسا دن ہے جو جمعہ اور عیدین سے بھی بہتر اور مبارک دن ہے؟ مَیں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ دن انسان کی توبہ کا دن ہے جو ان سب سے بہتر ہے اور ہر عید سے بڑھ کر ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس دن وُہ بداعمال نامہ جو انسان کو جہنّم کے قریب کرتا جاتا ہے اور اندر ہی اندر غضبِ الٰہی کے نیچے اُسے لا رہا تھا دھو دیا جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ حقیقت میں اس سے بڑھ کر انسان کے لیے اَور کونسا خوشی اور عید کا دن ہوگا جو اسے ابدی جہنّم اور ابدی غضبِ الٰہی سے نجات دیدے۔ توبہ کرنے والا گنہگار جو پہلے اللہ تعالیٰ سے دُور اور اس کے غضب کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ اب اس کے فضل سے اُس کے قریب ہوتا اور جہنّم اور عذاب سے دُور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ۔ (البقرۃ: ۲۲۳) بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان لوگوں سے جو پاکیزگی کے خواہاں ہیں پیار کرتا ہے۔ اس آیت سے نہ صرف یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور طہارت شرط ہے۔ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے الگ ہونا ضروری شرط ہے، اور نہ نری توبہ اور لفظ کے تکرار سے تو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ پس جو دن ایسا مُبارک دن ہو کہ انسان اپنی بدکرتوتوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا عہدِ صلح باندھ لے اور اس کے احکام کے لیے اپنا سر خم کر دے تو کیا شک ہے کہ وہ اس عذاب سے جو پوشیدہ طور پر اس کے بدعملوں کی پاداش میں تیار ہو رہا تھا بچایا جاوے گا اور اس طرح پر وُہ وہ چیز پا لیتا ہے جس کی گویا اسے توقع اور امید ہی نہ رہی تھی۔

تم خود قیاس کر سکتے ہو کہ ایک شخص جب کسی چیز کے حاصل کرنے سے بالکل مایوس ہو گیا ہے اور اس نا امیدی اور یاس کی حالت میں وہ اپنے مقصود کو پائے تو اسے کس قدر خوشی حاصل ہوگی۔ اس کا دل ایک تازہ زندگی پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ احادیث اور کتب سابقہ سے یہی پتہ لگتا ہے کہ جب انسان گناہ کی موت سے نکل کر توبہ کے ذریعہ نئی زندگی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی سے خوش ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ خوشی کی بات تو ہے ہی کہ انسان گناہوں کے نیچے دبا

ہو اور ہلاکت اور موت ہر طرف سے اس کے قریب ہو۔ عذاب الٰہی اس کے کھا جانے کو تیار ہو کہ وہ یکایک ان بدیوں اور بدکاریوں سے جو بُعد اور ہجر کا موجب تھیں توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف آجاوے وہ وقت خدا تعالیٰ کی خوشی کا ہوتا ہے اور آسمان پر ملائکہ بھی خوشی کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ تباہ اور ہلاک ہو، بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ اگر اس کے بندہ سے کوئی غلطی اور کمزوری ظاہر ہوئی ہے پھر بھی وہ توبہ کر کے امن میں داخل ہو۔ پس یاد رکھو کہ وہ دن جب انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ بہت ہی مُبارک دن ہے اور سب ایام سے افضل ہے۔ کیونکہ وہ اس دن نئی زندگی پاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے قریب کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے یہ دن (جس میں تم میں سے بہتوں نے اقرار کیا ہے کہ مَیں آج اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ جہانتک میری طاقت اور سمجھ ہے گناہوں سے بچتا رہوں گا) یَوْمِ تَوْبَۃٌ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شخص کے جس نے سچے دل سے توبہ کی ہے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے اور وُہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ کے نیچے آگیا ہے۔ گویا کہہ سکتے ہیں کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ مگر ہاں مَیں پھر کہتا ہوں کہ اس کے لیے یہ شرط ہے کہ حقیقی پاکیزگی اور سچی طہارت کی طرف قدم بڑھایا جاوے اور یہ توبہ نری لفظی توبہ ہی نہ ہو بلکہ عمل کے نیچے آجاوے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے کہ کسی کے گناہ بخش دیئے جاویں، بلکہ ایک عظیم الشان امر ہے۔

دیکھو! انسانوں میں اگر کوئی کسی کا ذرا سا قصور اور خطا کرے تو بعض اوقات اس کا کینہ پُشتوں تک چلا جاتا ہے وُہ شخص نسلاً بعد نسلٍ تلاشِ حریف میں رہتا ہے کہ موقعہ ملے تو بدلہ لیا جاوے لیکن اللہ تعالےٰ بہت ہی رحیم کریم ہے۔ انسان کی طرح سخت دل نہیں جو ایک گناہ کے بدلے میں کئی نسلوں تک پیچھا نہیں چھوڑتا اور تباہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ رحیم کریم خُدا ستر برس کے گناہوں کو ایک کلمہ سے ایک لحظہ میں بخش دیتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ وہ بخشنا ایسا ہے کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ نہیں وہ بخشنا حقیقت میں فائدہ رساں اور نفع بخش ہے اور اس کو وہ لوگ خوب محسوس کر سکتے ہیں جنھوں نے سچے دل سے توبہ کی ہو۔

نزُولِ بلا کا فلسفہ

بہت سے لوگ اس امر سے غافل ہیں کہ انسان پر جو بلائیں آتی ہیں وُہ بلا وجہ یونہی آجاتی ہیں یا اُن کے نزول کو انسان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا خیال بالکل غلط ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ ہر بلا جو اس زندگی میں آتی ہے یا جو مرنے کے بعد آئے گی جس کا ہمیں یقین ہے۔ اس کی اصل جڑ گناہ ہی ہے۔ کیونکہ گناہ کی حالت میں انسان اپنے آپ کو اُن انوار اور فیوض سے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں پرے ہٹا دیتا ہے اور اس

اصل مرکز سے جو حقیقی راحت کا مرکز ہے۔ ہٹ جاتا ہے، اس لیے تکلیف کا آنا اس حالت میں اس پر ضروری ہے۔

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور راستبازوں پر بھی بعض اوقات بلائیں آجاتی ہیں اور مصائب اور شدائد میں ڈالے جاتے ہیں لیکن یہ گمان کرنا کہ وہ مصائب اور بلائیں کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہیں خطرناک غلطی اور گناہ ہے۔ ان بلاؤں میں جو خدا کے راستبازوں اور پیارے بندوں پر آتی ہیں اور ان بلاؤں میں جو خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور خطاکاروں پر آتی ہیں زمین آسمان کا فرق ہے اس لیے کہ ان کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ نبیوں اور راستبازوں پر جو بلائیں آتی ہیں اُن میں ان کو ایک صبرِ جمیل دیا جاتا ہے جس سے وہ بلا اور مصیبت ان کے لیے مُزِیلُ الْحَلَاوت ہو جاتی ہیں۔ وہ اس سے لذت اُٹھاتے ہیں اور روحانی ترقیوں کے لیے ایک ذریعہ ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے درجات کی ترقی کے لیے ایسی بلاؤں کا آنا ضروری ہے جو ترقیات کے لیے زینہ کا کام دیتی ہیں۔ جو شخص ان بلاؤں میں نہیں پڑتا اور ان مصیبتوں کو نہیں اُٹھاتا وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا۔

دُنیا کے عام نظام میں بھی تکالیف اور مشقتوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں سے ہر ایسے شخص کو جو ترقی کا خواہاں ہے گذرنا پڑتا ہے، لیکن ان تکالیف اور شاقہ محنتوں میں باوجود تکالیف کے ایک لذت ہوتی ہے جو اُسے کشاں کشاں آگے لیے جاتی ہے۔ برخلاف اس کے وہ مصیبت اور تکالیف جو انسان کی اپنی بدکرداری کی وجہ سے اس پر آتی ہیں ۔ وہ مصیبت ہوتی ہے جس میں ایک درد اور سوزش ہوتی ہے، جو اس کی زندگی اس کے لیے وبالِ جان کر دیتی ہے وہ موت کو ترجیح دیتا ہے مگر نہیں جانتا کہ یہ سلسلہ مر کر بھی ختم نہیں ہوگا۔

غرض ان بلاؤں کے نزول میں ہمیشہ سے قانونِ قدرت یہی ہے کہ جو بلائیں شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں وہ الگ ہیں اور خدا کے راستبازوں اور پیغمبروں پر جو بلائیں آتی ہیں وہ ان کی ترقی درجات کے لیے ہوتی ہیں۔ بعض جاہل جو اس راز کو نہیں سمجھتے وہ جب بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس بلا سے فائدہ اُٹھاویں اور کم از کم آئندہ کے لیے مفید سبق حاصل کریں اور اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا کریں کہہ دیتے ہیں کہ اگر ہم پر مصیبت آئی تو کیا ہوا نبیوں اور پیغمبروں پر بھی تو آجاتی ہیں؛ حالانکہ ان بلاؤں کو انبیاء کی مشکلات اور مصائب سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ جہالت بھی کیسی بُری مرض ہے کہ انسان اس میں قیاس مع الفارق کر بیٹھتا ہے۔ یہ بڑا دھوکہ واقع ہوتا ہے جو انسان تمام انبیاء کی مشکلات کو عام لوگوں کی بلاؤں پر حمل کر لیتا ہے۔

پس خوب یاد رکھو جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے انبیاء اور دوسرے اخیار و ابرار کی بلائیں محبت کی راہ سے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو ترقی دیتا جاتا ہے اور یہ بلائیں وسائل ترقی میں سے ہیں لیکن جب مفسدوں پر آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو اس عذاب سے تباہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ بلائیں ان کے استیصال اور نیست و نابود کرنے کا ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسا فرق ہے کہ دلائل کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ جب اچھے آدمی جو اللہ تعالیٰ کو مقدم کر لیتے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کیوں کرتے ہیں۔ بہشت اور دوزخ ان کے دل میں نہیں ہوتا اور نہ بہشت کی خواہش اور دوزخ کا ذکر اُن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے بلکہ وہ طبعی جوش اور طبعی محبت سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے اور اس کی اطاعت میں محو ہوتے ہیں۔ ان پر جب کوئی بلا آتی ہے تو وہ خود محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ از راہِ محبت ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ان بلاؤں کے ذریعہ ایک چشمہ کھولا جاتا ہے جس سے وہ سیراب ہوتے ہیں اور ان کا دل لذت سے بھر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت ایک فوارہ کی طرح جوش مارنے لگ جاتی ہے۔ تب وہ چاہتے ہیں کہ یہ بلا زیادہ ہو تاکہ قربِ الٰہی زیادہ ہو اور رضا کے مدارج جلد طے ہوں۔ غرض الفاظ وفا نہیں کرتے جو اس لذت کو بیان کر سکیں جو اخیار و ابرار کو ان بلاؤں کے ذریعہ آتی ہے۔ یہ لذت تمام سفلی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہے اور فوق الفوق لذت ہوتی ہے۔ یہ مصیبت کیا ہے۔ ایک عظیم الشان دعوت ہے جس میں قسم قسم کے انعام و اکرام اور پھل اور میوے پیش کیے جاتے ہیں۔ خدا اس وقت قریب ہوتا ہے۔ فرشتے ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا کیا جاتا ہے اور وحی اور الہام سے اس کو تسلی اور سکینت دی جاتی ہے۔ لوگوں کی نظر میں یہ بلاؤں اور مصیبتوں کا وقت ہے مگر در اصل اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض کی بارش کا وقت ہوتا ہے۔ سفلی اور سطحی خیال کے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ میں پھر پھر کہتا ہوں کہ یہ بلاؤں اور غموں ہی کا وقت ہے جس میں مزا آتا ہے اور راحت ملتی ہے کیونکہ خدا جو انعامات کا اصل مقصود ہے۔ اس وقت اپنے بندے کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن جو دیا گیا ہے غم کی حالت میں دیا گیا ہے۔ پس تم بھی اس کو غم کی حالت میں پڑھو۔

غرض میں کہاں تک بیان کروں کہ ان بلاؤں میں کیا لذت اور مزا ہوتا ہے اور عاشق صادق کہاں تک ان سے محظوظ ہوتا ہے۔ مختصر طور پر یاد رکھو کہ ان بلاؤں کا پھل اور نتیجہ جو ابرار اور اخیار پر آتی ہیں جنت اور ترقی درجات ہے اور وہ بلائیں اور غم جو مفسدوں اور شریروں پر آتے ہیں۔ ان کی وجہ شامتِ اعمال اور تاریک زندگی ہے اور اس کا نتیجہ جہنم اور عذابِ الٰہی ہے۔ پس جو شخص آگ کے پاس جاتا ہے ضرور

ہے کہ وہ اس کی سوزش سے حصہ لے اور اسے محسوس کرے اور اُسے دُکھ پہنچے۔ لیکن جو ایک باغ میں جاتا ہے یہ یقینی امر ہے کہ اس کے پھلوں اور پھولوں کی خوشبو سے اور اس خوبصورت نظارہ کے مشاہدہ سے لذت پاوے۔

شامتِ اعمال کی وجہ سے آنیوالی بلاؤں کا علاج

اب واضح رہے کہ جس حال میں وُہ بلائیں جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ اور جن کا نتیجہ جہنمی زندگی اور عذابِ الٰہی ہے ان بلاؤں سے جو ترقی درجات کے طور پر اخیار و ابرار کو آتی ہیں الگ ہیں۔ کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جو انسان اس عذاب سے نجات پاوے۔ ہاں اس عذاب اور دُکھ سے رہائی کی بجز اس کے کوئی تجویز اور علاج نہیں ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ کرے۔ جبتک سچی توبہ نہیں کرتا، یہ بلائیں جو عذابِ الٰہی کے رنگ میں آتی ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو نہیں بدلتا جو اس بارے میں اس نے مقرر فرما دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) یعنی جبتک کوئی قوم اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی حالت نہیں بدلتا۔

اللہ تعالیٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے اور وہ پاکیزہ تبدیلی ہے۔ جبتک وہ تبدیلی نہ ہو عذابِ الٰہی سے رستگاری اور مخلصی نہیں ملتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک قانون اور سُنّت ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۶۳) سنت اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ آسمان میں اس کیلئے تبدیلی ہو یعنی وہ ان عذابوں اور دُکھوں سے رہائی پائے جو شامتِ اعمال نے اس کے لیے تیار کئے ہیں۔ اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی کرے۔ جب وہ خود تبدیلی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق جو اس نے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ میں کیا ہے۔ اسکے عذاب اور دُکھ کو بلا دیتا ہے اور دُکھ کو سُکھ سے تبدیل کر دیتا ہے جب انسان کے اندر تبدیلی کرتا ہے، تو اسکے لیے ضرور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو بھی دکھاتا پھرے۔ وہ رحیم کریم خدا جو دلوں کا مالک ہے۔ اس کی تبدیلی کو دیکھ لیتا ہے کہ یہ پہلا انسان نہیں ہے اسلئے وہ اسپر فضل کرتا ہے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نماز روزہ اور دُوسرے اشغال اذکار سے ریا کرتا تھا تاکہ لوگ اسے ولی سمجھیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اُسے ریاکار سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ بچے بھی جس راستہ سے وہ گذرتا تھا اس کو ریاکار اور فریبی کہا کرتے تھے۔ ایک وقت تک اس کی حالت ایسی ہی رہی۔ آخر اُس نے سوچا کہ اس طریق سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوا، بلکہ حالت بدتر ہی ہوئی ہے اس لیے اسکو

چھوڑ دینا چاہیے۔ پس اس نے چھوڑ دیا اور ملامتی فرقہ کا سا طریق اختیار کر لیا۔ مسلمانوں میں ملامتی ایک فرقہ ہے جو اپنی نیکیوں کو چھپاتا ہے اور بدیوں کو ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگ انہیں بُرا کہیں۔ اسی طرح پر وہ اپنی نیکیوں کو چھپانے لگا اور اندر ہی اندر اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکھا ہے کہ جس کوچہ سے گذرتا عام لوگ اور بچے بھی اُسے کہتے کہ بڑا نیک ہے۔ ولی ہے۔ بزرگ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا مُشک اور عطر کی طرح ہے جو کسی طرح سے چھُپ نہیں سکتا۔ یہی تاثیریں ہیں سچی توبہ میں۔ جب انسان سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر اُسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ خدا اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور وہ تقدیر جو شامتِ اعمال سے اس کے لیے مقرر ہوتی ہے، دُور کی جاتی ہے۔ اس امر کے دلائل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اپنی اس مختصر زندگی میں بلاؤں سے محفوظ رہنے کا کس قدر محتاج ہے اور چاہتا ہے کہ ان بلاؤں اور وباؤں سے محفوظ رہے جو شامتِ اعمال کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ ساری باتیں سچی توبہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ پس توبہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حافظ اور نگران ہو جاتا ہے۔ اور ساری بلاؤں کو خدا دُور کر دیتا ہے اور اُن منصوبوں سے جو دشمن اس کے لیے تیار کرتے ہیں اُن سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کا یہ فضل اور برکت کسی سے خاص نہیں بلکہ جس قدر بندے ہیں خدا تعالیٰ کے ہی ہیں — اس لیے ہر ایک شخص جو اُس کی طرف آتا ہے اور اس کے احکام اور اوامر کی پیروی کرتا ہے وُہ بھی ویسا ہی ہو گا جیسے پہلا شخص توبہ کر چکا ہے۔ وہ ہر ایک سچی توبہ کرنے والے کو بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔ پس یہ توبہ جو آج اس وقت کی گئی ہے یہ مبارک اور عید کا دن ہے۔ اور یہ عید ایسی عید ہے جو کبھی میسّر نہیں آئی ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ تھوڑے سے خیال سے ماتم کا دن بنا دو۔ عید کے دن اگر ماتم ہو تو کیسا غم ہوتا ہے کہ دُوسرے خوش ہوں اور اس کے گھر ماتم ہو۔ موت تو سب کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جس کے گھر عید کے دن موت ہو وہ کس قدر ناخوشگوار ہو گی۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان ایک نعمت کی قدر نہیں کرتا وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ دیکھو جن چیزوں کی تم قدر کرتے ہو اُن کو صندوقوں میں بڑی حفاظت سے رکھتے ہو۔ اگر ایسا نہ کرو تو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس مال کا جو ایمان کا مال ہے چور شیطان ہے۔ اگر اس کو بچا کر دل کے صندوقوں میں احتیاط سے نہ رکھو گے تو چور آئے گا اور لے جائے گا۔ یہ چور بہت ہی خطرناک ہے۔ دُوسرے چور اندھیری راتوں میں آ کر نقب لگاتے ہیں وہ اکثر پکڑے جاتے ہیں اور سزا پاتے ہیں لیکن یہ چور

ایسا ہے کہ اس کی خبر نہیں ہوتی اور نہ کبھی پکڑا جائے گا۔ یہ اس وقت آتا ہے جب گناہ کی تاریکی پھیل جاتی ہے۔ کیونکہ چور اور روشنی میں دشمنی ہے۔ جب انسان اپنا مُنہ خدا کی طرف رکھتا ہے اور اسی کی طرف رُجوع اور توجہ کرتا ہے تو وہ روشنی میں ہوتا ہے۔ اور شیطان کو کوئی موقعہ اپنی دستبرد کا نہیں ملتا۔

پس کوشش کرو کہ تمہارے ہاتھوں میں ہمیشہ روشنی رہے۔ اگر غفلت بڑھ گئی تو یہ چور آئے گا اور سارا اندوختہ لے جائے گا اور برباد ہو جاؤ گے۔ اس لیے اس اندوختہ کو احتیاط اور اپنی راستبازی اور تقویٰ کے ہتھیاروں سے محفوظ رکھو۔ یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے ضائع ہونے سے کچھ حرج نہ ہو بلکہ اگر یہ اندوختہ جاتا رہا تو ہلاکت ہے اور ہمیشہ کی زندگی سے محروم ہو جاؤ گے۔

تنبیہہ و انذار یاد رکھو یہ طاعون کے دن ہیں۔ معلوم نہیں ستمبر کے آخر اور اکتوبر کے شروع میں کیا ہو۔ جہاں تک خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ بہت خطرناک دن آنیوالے ہیں۔ اس لیے ہر ایک شخص جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے وہ اسی وقت سے تیاری کرے۔ جبتک غضبِ الٰہی نازل نہیں ہوتا اور اس کے آثار نمودار نہیں ہوتے۔ تو ہر شخص واجب الرحم ہوتا ہے لیکن جب آثار نمودار ہو جاویں پھر عذاب نہیں ٹلتا۔ بہت سے لوگ بیباک اور جرأت کرنے والے ہوتے ہیں۔ وُہ شوخی سے کہہ دیتے ہیں کہ صدہا وبائیں بلائیں اور ہیضے وغیرہ آتے ہیں۔ ایسا ہی طاعُون بھی ہے، لیکن یہ اُن کی بدبختی اور شقاوت ہے جو ایسی جرأت پیدا ہوتی ہے وہ نہیں جانتے کہ یہ بُرے دنوں کی نشانی ہے۔ جب بلائیں دُنیا میں آتی ہیں اور دنیا کو تباہ کرتی ہیں تو شامتِ اعمال سے ہی آتی ہیں۔ ہمیشہ سے گناہ ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ان صورتوں میں ہی عذاب اور بلا آئی ہے اور ان گناہوں کے بدلے میں سزا دی گئی ہے۔ پھر یہ شوخی اچھی نہیں۔ اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہے۔ یہ وقت تو ایسا ہے کہ خُدا سے صلح کرو اور پاک تبدیلی کرو نہ یہ کہ شوخی و شرارت سے پیش آؤ۔

یاد رکھو یہ طاعُون ایک خطرناک عذابِ الٰہی ہے جو اس وقت نازل ہوا ہے اس کو حقیر مت سمجھو۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں یہ ایک نشان مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نشانوں کو جو شخص حقارت سے دیکھتا ہے وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ میں کھول کھول کر بیان کرتا ہوں کہ اس عذاب سے مخلصی کے لیے سچی توبہ اور پاک تبدیلی کی ضرورت ہے اور بجز اس کے چارہ نہیں۔ پس اسی وقت سے اس کے لیے تیاری کرو۔ شوخیوں اور شرارتوں سے باز آجاؤ۔

مسیح موعود کے زمانہ کے دو بڑے نشان میں یہ بات بھی بیان کرنی چاہتا ہوں کہ مسیح موعود کے زمانہ کے بہت سے نشانوں میں سے دو بڑے نشان

ہیں جن میں سے ایک آسمان پر ظاہر ہوگا اور دُوسرا زمین پر۔

آسمان کا نشان تو یہ تھا کہ اُس کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں پر سُورج اور چاند گرہن ہوگا؛ چنانچہ کئی سال گذرے یہ نشان پورا ہوگیا اور نہ صرف اس ملک میں بلکہ دُوسری مرتبہ امریکہ میں بھی پُورا ہوا۔

دُوسرا نشان یہی طاعون کا نشان تھا جو زمینی ہے۔ یہ نشان بدن پر لرزہ ڈال دینے والا نشان ہے۔ کئی سال سے یہ بلا اس مُلک میں نازل ہو رہی ہے مگر مَیں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی تک غفلت اور بدمستی اسی طرح ترقی پر ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر اس طاعون کی اس قدر شدت ہو جائے گی کہ دس میں سے سات مَر جائیں گے اور بعض بستیاں بالکل تباہ اور برباد ہو جائیں گی۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی بہت خطرناک دن آنے والے ہیں۔ اس لیے مَیں ہر ایک کو جو سُنتا ہے کہتا ہوں کہ دیکھو اس وقت ہر ایک نفس کو چاہیے کہ اپنے نفس، اپنے بیوی بچوں اور دوستوں پر رحم کرے۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رُجوع کرنے والوں پر اپنا فضل کر دیتا ہے اور یہ عذاب ٹل سکتا ہے۔ پس چاہیے کہ ہر شخص کوشش کرے اور سچی توبہ اور پاک تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگے۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ میں بھی بعض آدمی طاعون سے مرگئے ہیں۔ ایسے معترضین کو یاد رکھنا چاہیے کہ موت تو ہر نفس کے لیے مقرر ہے اور ایک نہ ایک دن سب کو مرجانا ہے اور طاعون سے صحابہؓ میں سے بھی بعض شہید ہوگئے تھے۔ غرض موت سے تو چارہ نہیں۔ امیر۔ غریب، ہندو، مسلمان، زن و مرد سب مرتے ہیں لیکن کسی موت پر اتنا رحم نہیں آتا جیسا اس موت پر کہ گھر کا گھر تباہ ہو جاتے اور قفل لگ جاوے۔ اس لیے اوّل نسبت قائم کرو کہ ایسی موتیں کن لوگوں میں ہوتی ہیں۔

اس کے سوا یہ بھی یاد رکھو کہ ہماری جماعت میں داخل ہونے والوں کا صحیح علم کہ ان کے ایمان کس درجہ تک ہیں اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اب دو لاکھ سے بھی زیادہ جماعت ہے ہمیں علم نہیں کہ کس حد تک کس کا ایمان ہے؛ البتہ قیاسی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض کامل الایمان ہیں اور بعض اوسط درجہ کا ایمان رکھتے ہیں اور بعض ابھی ناقص درجہ پر ہیں۔

مومنوں کے تین درجے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ۔ (فاطر: ۳۳) یعنی تین قسم کے

مومن ہوتے ہیں۔ ایک تو ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ہوتے ہیں۔ ان میں گناہ کی آلائش موجود ہوتی ہے۔ بعض میانہ رو اور بعض سراسر نیک ہیں۔ اب ہمیں کیا معلوم ہے کہ کون کس درجہ اور مقام پر ہے۔ ہر ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ الگ معاملہ ہے۔ جیسا کوئی اس سے تعلق رکھتا ہے ویسا ہی وہ اس سے معاملہ کرتا ہے۔ جو لوگ کامل الایمان ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُسے امتیاز دے گا، کیونکہ مومن اور کافر کے درمیان ایک فرقان رکھا جاتا ہے۔ قرآنِ شریف میں مومن سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف زبان تک ہی اس کی قیل وقال محدود ہو اور صبح وہ ایمان کا کام کرے، تو شام کو کفر کا کرے۔ ایک لقمہ وہ تریاق کا کھا لیتا ہے تو دوسرا زہر کا بھی کھا لیتا ہے۔ ایسے شخص کو وہ فرقان اور امتیاز جو مومن کے لیے مقرر کیا گیا ہے نہیں دیا جاتا۔ تم خود ہی سوچ لو کہ وہ مریض جو پرہیز نہیں کرتا ہے خواہ اسکو کیسے ہی شفا بخش نسخے دیئے جاویں اور کتنے ہی مجرب کیوں نہ ہوں۔ لیکن اگر وہ پرہیز نہیں کرتا تو وہ نسخے اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

پس یہی حال بیعت کا ہے۔ اگر کوئی شخص بیعت تو کرتا ہے، لیکن شرائطِ بیعت کو پورا نہیں کرتا اور اپنے اندر پاک تبدیلی جو بیعت کا اصل مقصد ہے نہیں کرتا وہ اپنے لیے وبالِ جان ہو جاتا ہے۔ ہاں کامل الایمان اکسیر ہے۔ اس کے ساتھ فرقان رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ امتیاز نہ ہوتا تو دُنیا تباہ ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان مشکل ہو جاتا۔ اس قسم کے نشانوں سے ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پیدا ہوتا ہے۔

احمدی جماعت اور طاعون

اب میں پھر اس اعتراض کی طرف توجہ کرتا ہوں جو کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں سے بعض آدمی طاعون سے مرے ہیں۔ اس بات کو خوب غور سے یاد رکھو کہ صحابہؓ میں سے جو بعض طاعون سے شہید ہوتے وہ اُن کے لیے عذاب نہ تھی بلکہ صحابہؓ کا گروہ بڑھا اور ان کے لیے موجبِ شہادت ہوئی۔ دوسروں کے لیے وہی طاعون تباہی اور بربادی کا باعث ہوئی یہی فرق ہے۔ اگر کسی مومن کو طاعون ہو جاوے وہ اس کے لیے شہادت ہے اور دوسروں کے لیے تباہی کا موجب۔ بایں ہمہ جیسا میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ مومن اور غیر مومن میں ایک امرِ فارق ہوتا ہے۔ اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مومن کے ساتھ ایسے معاملات ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک بیّن امتیاز عطا کرتا ہے اور اس کو تباہ کرنا نہیں چاہتا۔ اسکی وہی مثال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبت آتی ہے اور دوسروں پر بھی جو انکے مخالف ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام بڑھتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں اور دوسرے تباہ اور ذلیل ہوتے ہیں۔ پس دہریوں کی طرح دھوکا مت کھاؤ۔ وہاں اور رنگ ہے اور یہاں اور رنگ ہے۔ اسکے علاوہ یہ بھی خوب غور سے سنو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑائیاں ہوتی تھیں اور وہ لڑائیاں عذاب کے رنگ میں تھیں، کیونکہ کافر بار بار سوال کرتے تھے کہ آپ ہمیں قہری نشان اور معجزہ دکھاؤ کہ ہم پر پتھر برسیں انکے بار بار کے سوالات پر ان کو وعدہ دیا گیا

کہ میں قہری نشان دکھاؤں گا اور وعدہ دیا گیا کہ وہ نشان تلوار کے ذریعہ ظاہر ہوگا۔ اب صاف ثابت ہے کہ وہ عذاب کافروں کے واسطے تھا، مگر اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان جنگوں میں (جو قہری نشان کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے) صحابہؓ بھی شہید ہوتے۔ اب کیا کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ صحابہؓ جو شہید ہوتے تھے معاذ اللہ وُہ تلوار اُن کے لیے بھی عذاب تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ صحابہؓ کی شہادت تو قوم کی ترقی اور فتوحات کا باعث ہوئی۔ صحابہؓ کی قوم بڑھی اور بالمقابل مخالفوں کا نام و نشان مٹ گیا اور ستیاناس ہوگیا۔ اب کوئی پتہ دے سکتا ہے کہ ابوجہل کی اولاد کہاں ہے؟ اس کی بیخ کُنی ہوگئی۔ یہی مثال سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح پر اس میں شک نہیں کہ طاعون عذاب کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اور اگر ہماری جماعت میں سے بعض آدمی طاعون سے فوت ہوتے ہیں تو اس پر شور مچانا یا اعتراض کرنا دانشمندی نہیں ہے بلکہ غور طلب یہ امر قرار دینا چاہیے کہ طاعون سے نقصان کس کا ہوا۔ اور فائدہ کس کو پہنچا؟ میں یقیناً کہتا ہوں کہ جب طاعون شروع ہوتی ہے اس وقت میری جماعت کی تعداد بہت تھوڑی تھی، مگر اس وقت دو لاکھ سے بھی یہ جماعت بڑھی ہوئی ہے اور یہ ترقی طاعون کے سبب سے بھی ہوئی ہے۔ طاعون نے میری جماعت کو بڑھایا ہے اور مخالفوں کو گھٹایا ہے۔ مجھے وعدہ دیا گیا تھا کہ طاعون تیری ترقی کا موجب ہوگی۔ سو اس وعدہ کے موافق یہ جماعت بڑھ رہی ہے اور دو لاکھ تک بڑھی ہے، مگر مخالفوں کا تو دوہرا نقصان ہوا ہے۔ کچھ اُن میں سے قبروں میں گئے اور کچھ ہمارے پاس آئے ہیں۔ اگر ہمارا نقصان اس سے ہوتا تو یہ جماعت جو بہت ہی مختصر اور قلیل تھی بالکل تباہ ہو جاتی اور آج کوئی اس کو جاننے والا بھی نہ ہوتا۔ ان واقعات کو مدِ نظر رکھ کر معترض کو چاہیے کہ دیکھے کیا یہ اعتراض کوئی شے ہے؟

طاعون کی خبر آج سے نہیں ۲۳ برس سے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہوئی ہے اور اس لیے یہ معمولی نظر سے دیکھنے کے قابل نہیں ہے، بلکہ یہ عظیم الشان قہری نشان ہے۔

غرض طاعون نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا بلکہ فائدہ ہی دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی ضرور کہتا ہوں کہ ایمان کے طبقات ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اس لیے ان طبقات کے لحاظ سے جو شخص کامل الایمان ہے وہ نافع الناس وجود ہے۔ تبلیغ دین کرنے والا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر ہے وُہ طاعون سے ضرور بچایا جاوے گا۔ بعض آدمی جن کی ایمانی حالت کمزور ہوتی ہے اور وُہ اس درجہ پر نہ پہنچے ہوتے ہوں، جہاں اللہ تعالیٰ کسی کو مومن کہتا ہے اور ان کی ضرورت بھی کم ہو پھر ان میں سے اگر کوئی فوت ہو جاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ ایمان کے

درجات ہیں اور ہر درجہ پر برکت ملتی ہے لیکن ان میں باہم فرق ضرور ہوتا ہے۔ دیکھو اس وقت آفتاب کی روشنی ہے آنکھیں کھلی ہیں ہر ایک چیز دُور و نزدیک کی صاف اور واضح نظر آتی ہے۔ جب آفتاب کی سلطنت ختم ہو جائے گی تو رات آئے گی۔ اس وقت عالم ہی اور ہوگا؛ اگرچہ اس وقت چاند یا ستاروں کی روشنی ہوگی مگر ان روشنیوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ ایسا ہی ایمان کے مراتب میں فرق صریح ہے۔ ایمان بھی ایک روشنی ہے جس جس درجہ پر ایمان پہنچتا ہے اسی مرتبہ کے موافق روشنی اور پھل پاتا ہے جو چاہتا ہے کہ عمر زیادہ ہو اور اس قہری نشان میں ایک امتیاز پیدا کرے اس کو لازم ہے کہ وہ کامل الایمان ہو اور اپنے وجود کو قابل قدر بنا دے اور اس کی یہی صورت ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچا دے اور دین کی خدمت کرے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ (الرعد: ۱۸) یہ خوب یاد رکھو۔ کہ عمر کھانے پینے سے لمبی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی اصل راہ وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو صرف کھانے پینے کو ہی زندگی کی غرض و غایت سمجھتے ہیں؛ حالانکہ زندگی کی یہ غرض نہیں۔ سعدی کہتا ہے ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

جب انسان کا ایک اصول ہو جاوے کہ زیستن از بہر خوردن است۔ اس وقت اس کی نظر خدا پر نہیں رہتی بلکہ وہ دُنیا کے کاروبار اور تجارت ہی میں منہمک ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور رجوع کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اس وقت اس کی زندگی قابلِ قدر وجود نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸)

یعنی میرا رب تمہاری پروا کیا رکھتا ہے۔ اگر تم اس کی بندگی نہ کرو۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اس مُلک میں ہیضہ کی خطرناک وبا پڑی تھی۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ یہ نظارہ دکھایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور اس میں ایک بہت بڑی لمبی نالی ہے۔ جس پر قصابوں نے بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور چھُریاں اُن کی گردنوں پر رکھی ہوتی ہیں۔ وہ آسمان کی طرف مُنہ کر کے دیکھ رہے ہیں گویا آسمانی حکم کا انتظار کرتے ہیں۔ میں پاس ہی ٹہل رہا ہوں اتنے میں میں نے یہ آیت پڑھی قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) یہ آیت سُنتے ہی اُنھوں نے چھُریاں پھیر دیں اور وہ بھیڑیں تڑپنے لگیں۔ اُن کو تڑپتے دیکھ کر وہ قصاب بولے

کہ تم کیا ہو؟ گُوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ غرض اس کے بعد ہیضہ کی وُہ خطرناک وَبا پڑی پس جو انسان خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتا اسکا مرتبہ اور قدر نجاست خور بھیڑ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ (بدر ۱۲ ستمبر ۱۹۰۶ء۔ الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء)

دلائلِ صداقت

بالآخر میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ میری نسبت جو مخالف لوگ مخالفت کرتے ہیں اور میرا انکار کرتے ہیں۔ اگر وہ دُعائیں کرتے اور خدا تعالےٰ سے میری نسبت کشفِ حقائق چاہتے تو اُن کی آنکھیں کھُل جاتیں، مگر افسوس ہے کہ انھوں نے مخالفت میں حد سے زیادہ حصّہ لیا اور میرے دعاوی پر نہ غور کی اور نہ میری کتابوں کو پڑھا اور نہ میری باتوں کو تعصب سے خالی ہو کر سُنا۔ وُہ مجھے دجّال اور مفتری تو کہتے ہیں، مگر وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ کیا دجّال اور مفتری بھی اس قسم کی کامیابی حاصل کیا کرتے ہیں؟ یاد رکھو کہ اگر یہ انسان کا اپنا سلسلہ ہوتا تو کبھی کا تباہ ہو جاتا، کیونکہ اس کے تباہ کرنے میں ہر طرف سے مخالفانہ کوشش ہو رہی ہے اور جب خدا تعالیٰ کے بھی خلاف ہوتا تو وہ بھی اس کا دشمن تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ بجائے تباہ ہونے کے ترقی کر رہا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ خُدا کی طرف سے ہے انسانی کاروبار نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا یہ دعویٰ آج نہیں ہوا ہے بلکہ چوبیس سال سے مَیں دعویٰ کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے مجھے مامور کیا ہے۔

انسانی گورنمنٹ میں اگر کوئی شخص جھوٹا ملازم سرکار بنے تو وہ فوراً پکڑا جاتا ہے۔ اور سزا پاتا ہے۔ تو کیسا اندھیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ میں ایک شخص مامور ہونے کا مدعی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ پکڑا جاتا اور تباہ کیا جاتا، اُسے ترقی مِل رہی ہے کوئی بتاوے کیا جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا ہے۔ براہینِ احمدیہ چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس شہر میں اس کے بہت سے نسخے ہوں گے۔ اس کو پڑھو اور دیکھو کہ جو کچھ اس میں دَرج ہے کیا آج بہت سی باتیں ان میں پوری نہیں ہو چکیں؟ اور کیا کوئی منصوبہ باز کر سکتا ہے کہ اسقدر عرصہ دراز پہلے جبکہ اپنی زندگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا ایک بات کہے اور پھر اتنے عرصہ کے بعد جس میں ایک بچہ پیدا ہو کر بھی صاحبِ اولاد ہو سکتا ہے وہ پوری ہو جاوے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اسی شہر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجھے جاننے والے کتنے تھے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ مَیں ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ سال بھر میں بھی کبھی ایک خط نہ آتا تھا، لیکن اس گمنامی کے زمانہ میں علیم و خبیر خدا نے مجھے خبر دی جو براہینِ احمدیہ میں موجود ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ فوج در فوج لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ مَیں لوگوں کو کھینچ کھینچ کر لاؤں گا اور مالی نُصرتیں بھی آئیں گی اور دُنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی جیسے لکھا ہے فَاَنَّ اَنْ تُعَانَ وَ تُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ اور پھر فرمایا یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ

فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔

اور پھر فرمایا لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ یعنی اب وقت آگیا ہے کہ تو لوگوں میں شناخت کیا جاوے اور تیری مدد کی جاوے۔ تیرے پاس دُور دُور راہوں سے لوگ آئیں گے اور دُور دراز جگہوں سے تجھے تحائف اور مالی نصرتیں آئیں گی۔

اور پھر فرمایا کہ تیرے پاس کثرت سے مخلوق آئے گی، اس لیے تُو تحمل سے ان کو قبول کرنا اور ان کی کثرت سے تھک نہ جانا۔

غرض اس قسم کے بہت سے الہامات ہیں جو نہ صرف عربی زبان میں ہوتے بلکہ فارسی میں ہوتے۔ اُردو میں ہوتے اور انگریزی میں بھی ہوئے جس کو میں جانتا بھی نہیں اور ایک لمبا سلسلہ ان الہامات اور پیشگوئیوں کا چلا گیا ہے اور جہاں براہین ختم ہوتی ہے وہاں یہ الہام ہوا:

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا پر خُدا
اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا"

مجھے حیرت آتی ہے جب میں ان لوگوں کے مُنہ سے سُنتا ہوں کہ کوئی نشان دکھاؤ۔ ان نشانات پر وہ غور نہیں کرتے اور ان کو حقیر سمجھتے ہیں افسوس! اور اور نشان مانگتے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ قادر ہے۔ وہ نشان پر نشان دکھا رہا ہے لیکن یہ دانشمندی اور تقویٰ کا طریق نہیں ہے کہ پہلے نشانوں کو چھوڑ دیا جائے۔ ان نشانوں کو سرسری نظر سے نہ دیکھو۔ مولوی محمد حسین صاحب وہ شخص ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی نے عداوت کا نمبر نہیں لیا۔ اُنھوں نے بنارس تک پھر کر کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ اور ہر قسم کی مخالفت میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب باوجود اس مخالفت کے اس کو قسم دیکر پوچھو کہ جب تم نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا اور یہ پیشگوئیاں اور نشان اس میں موجود تھے اس وقت ہمارا کیا حال تھا۔ کہاں تک میری شہرت تھی اور کس قدر لوگوں کو تعلق تھا۔ اور کیا اب ان الہامات کے موافق یہ نشانات جو پورے ہوتے ہیں آپ بنائے گئے ہیں؟ اس وقت موجود تھے یا نہیں؟ اور اُنھوں نے پڑھے تھے یا نہیں؟ اگر پڑھے تھے تو پھر سچ سچ کہو کہ ایسے زمانہ میں جب یہ دعا سکھاتا ہے رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ (الانبیاء: ۹۰) اور اس میں آپ گواہی دیتا ہے کہ میں اکیلا ہوں۔ وہ الہامات جو جماعت کی ترقی اور میری قبولیت کے متعلق ہیں عظیم الشان نشان ہیں یا نہیں؟ اگر تعصب اور سخت دل مانع نہ ہو تو اقرار کرنا پڑے گا۔

پھر اسی براہین میں یہ بھی موجود ہے کہ علماء مخالفت کریں گے کہ ترقی نہ ہو، لیکن میں ترقی دُوں گا۔

اور پھر سب لوگ جانتے ہیں اور ہر روز دیکھتے ہیں کہ کس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ اور کیا اس مخالفت سے یہ سلسلہ رُک گیا یا اس نے ترقی کی؟ اگر کوئی ایسی نظیر دنیا میں موجود ہے اور کوئی شخص ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جس میں ایک عرصہ پہلے ایسی پیشگوئیاں درج ہوں اور وہ پوری ہوئی ہوں۔ یقیناً یاد رکھو کہ کہ کسی مفتری اور کذّاب سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا اور اس قدر مہلت اور فرصت اسے نہیں دی جاتی۔ اگر کوئی ایسا مفتری یا کذّاب پیش کیا جاوے تو ہم قبول کریں گے۔ پھر ایسی مخالفت کے متعلق یہ خبر بھی دی گئی تھی کہ ہر مخالفت کرنے والا اپنے منصوبوں اور تجویزوں میں ناکام اور نامُراد رہے گا خواہ وہ مولوی ہو یا فقیر ہو یا امیر ہو کوئی ہو۔ اور اب تک واقعات نے اس اَمر کو سچا ثابت کر دکھایا ہے اور مَیں کھلے دل سے بیان کرتا ہُوں کہ مَیں خدا تعالیٰ کی ان پیشگوئیوں اور ان مکالمات پر جو میرے ساتھ ہوتے ہیں ایسا ہی یقین رکھتا ہوں جیسا کہ خدا کی دُوسری کتابوں پر ایمان لاتا ہوں۔ اس نے یہ بھی مجھے فرمایا ہے کہ مَیں تجھے بہت برکت دُوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ وہ زمانہ خواہ کبھی آنے والا ہو۔ لیکن مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اسی طرح ہوگا۔ اس زمانہ کے لوگ دیکھیں گے یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بیٹے۔ غرض یہ ہوگا ضرور۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلے گا۔

غرض یہ نشانات ہیں جن پر غور کرنا چاہیے اور ٹھنڈے دل سے سوچو کہ مفتری کو یہ تائیدیں نہیں ملا کرتیں۔ پھر بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم نشانات کو کیا کریں قرآنِ شریف کے خلاف مسائل پیش کیے جاتے ہیں۔ مجھے ایسا کہنے والوں پر بھی افسوس آتا ہے کہ اگر اُن کا قرآنِ شریف پر ایمان ہوتا تو ہرگز ایسی بات نہ کہتے کیونکہ ہم نے بارہا ظاہر کیا ہے۔ اور کتابوں میں شائع کیا ہے کہ ہم قرآنِ شریف پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک آیت کا بھی انکار کرے وہ گمراہ اور جہنّمی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے وہ کافر ہے مگر کیا کروں یہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا نہیں مانتے اور انکار کرتے ہیں۔ مُجھ میں اور ان میں یہی اختلاف ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ (اٰلِ عمران : ۵۶) کی ترتیب جو قرآن شریف میں ہے صحیح نہیں ہے مگر مَیں کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کے کلام کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا یا گمان کرنا خطرناک بے ادبی اور شوخی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس آیت کی ترتیب صحیح ہے اور اسی لیے اس کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسٰی مَیں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں۔ مگر یہ لوگ اس ترتیب کو غلط (معاذ اللہ) ٹھہراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ کی جگہ رَافِعُكَ اِلَی السَّمَآءِ الثَّانِیَۃِ چاہیے اور اس کے بعد مُتَوَفِّیْكَ چاہیے۔ گویا کہ ان کے اعتقاد کے موافق خدا تعالیٰ کو غلطی لگی۔ اس نے کہنا تو یہ تھا

کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ رَافِعُکَ اِلَی السَّمَآءِ الثَّانِیَۃِ وَ مُتَوَفِّیْکَ اور کہہ دیا یہ جو آیت میں درج ہے۔

اب میں قرآن کو چھوڑتا ہوں اور اس کے خلاف کہتا ہوں یا یہ خود کرتے اور کہتے ہیں انصاف سے بولو اگر یہ تحریف نہیں تو کیا ہے۔ اسی پر مجھے کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ قرآن کی تحریف ہے جس سے یہودیوں پر لعنت پڑی اور وہ سؤر اور بندر بنے۔ یہودی جو تحریف کرتے تھے ان کے متعلق بھی یہی فرمایا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (النساء: ۴۷) اور جب تم بھی اسی قسم کی تحریف کرتے ہو تو قرآن شریف پر تمہارا اچھا ایمان ہے۔ میں زور سے کہتا ہوں کہ کیا وہ دل خدا ترس ہے اور اس میں تقویٰ کا حصہ ہے جو خدا تعالیٰ کے کلام میں تصرف کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم سچے ہو اور تحریف نہیں کرتے تو پھر وہ حدیث صحیح پیش کرو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کی بجائے رَافِعُکَ اِلَی السَّمَآءِ الثَّانِیَۃِ چاہیے اور یہ متوفّی سے پہلے ہے۔ قرآن شریف میں جو لکھا ہوا ہے وہ غلط ہے۔ تم سُن رکھو کہ ہرگز ہرگز کوئی شخص ایسی حدیث صحیح پیش کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

جس قدر صاحب یہاں موجود ہیں آخر ہوش و حواس رکھتے ہیں وہ انصاف سے کہیں کہ اگر کوئی شخص تمتک کو الٹ پلٹ کرتا ہے تو وہ جعلسازی کا مرتکب ہوتا ہے یا نہیں اور وہ اس جعلسازی کی سزا میں جیل میں بھیجا جاتا ہے۔ پھر یہ اندھیر کیوں روا رکھا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو اُلٹ پلٹ کیا جاوے۔ خُدا سے ڈرو یہ بہت خطرناک دلیری ہے۔ ہاں اگر صحیحین میں کوئی حدیث درج ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پر فرمایا ہے تو پیش کرو ہم مان لیں گے۔ لیکن اگر تم پیش نہ کرو اور نہیں کر سکو گے تو یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ خود کہہ دو اور دوسری غلطیوں کو قرآن شریف کی شرح بنالو۔ ہم بار بار تم سے پوچھیں گے کہ بخاری یا مسلم میں دکھاؤ کہ اس میں لکھا ہے کہ رَافِعُکَ اِلَی السَّمَآءِ الثَّانِیَۃِ پڑھا کرو۔

دیکھو۔ ان باتوں پر غور کرو۔ میرا یہ مدعا نہیں کہ ہر ایک شخص محض اس وجہ سے کہ وہ میرے ساتھ عداوت رکھتا ہے اور تعصب نے اس کے جوش کو بڑھا دیا ہے بے اختیار بول اُٹھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں صرف خدا تعالیٰ کے لیے کہتا ہوں۔ انسان کی جھوٹی منطق کبھی ختم نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے میں مقابلہ کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں، لیکن میں اپنے دل میں مخلوق کی ہمدردی اور بھلائی کے لیے ایک جوش رکھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے اس لیے سچے دل سے کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلمات سے مجھے خبر دی ہے۔ مت سمجھو کہ میں بیہودہ طور پر کہتا ہوں بلکہ سچ مچ یہی بات ہے پس جلد بازی نہ کرو کہ جلدی صحیح نتیجہ پر پہنچنے سے روک دیتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ اپنے سینے اور دل کو تھام نہیں سکتے اور یہ مرض کثرت سے پھیل گیا

ہے کہ مخالفت کی وجہ سے حق بات پر بھی غور نہیں کرتے اور یونہی کوئی بات سُنی منہ پر جھاگ آجاتی ہے اور پھر جو زبان پر آجاتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ مگر یاد رکھو یہ امر تقویٰ کے خلاف ہے۔ متقی کی زبان ڈرتی ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کوئی بات مُنہ سے نکالے۔

میرا معاملہ اگر سمجھ میں نہیں آتا تو طریقِ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو تاکہ وہ خود تم پر اصل حقیقت کھول دے۔ خدا تعالیٰ کے کلام کی بے حُرمتی نہ کرو؛ ورنہ طریقِ نجات بھُول جانے کا اندیشہ ہے۔ آج وقت ہے بصیرت سے کام لو۔

قرآن شریف قانونِ آسمانی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم اس میں تبدیلی کریں تو یہ بہت ہی سخت گناہ ہے۔ تعجب ہوگا کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور پھر قرآن شریف کے لیے وہی روا رکھتے ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس اور تعجب آتا ہے کہ وہ عیسائی جن کی کتابیں فی الواقعہ محرف مبدّل ہیں وہ تو کوشش کریں کہ تحریف ثابت نہ ہو اور ہم خود تحریف کرنے کی فکر میں !!!

دیکھو افترا کرنے والا خبیث اور موذی ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرنا۔ یہ بھی افترا ہے اس سے بچو۔

عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ

غرض قرآنِ شریف کی یہ آیت صاف طور پر مسیح کی وفات کا وعدہ دیتی ہے اور جس قدر وعدے اس آیت میں رَافِعُكَ اِلَیَّ سے شروع ہو کر آخر تک ہیں۔ وہ ہمارے مخالف بھی مانتے ہیں کہ پورے ہو گئے حالانکہ وہ سب بعد وفات ہیں۔ پھر وفات کا انکار کیوں کیا جاتا ہے۔

علاوہ بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مُخبرِ صادق ہیں جو مسلمان کہلا کر بھی آپ پر ایمان نہیں لاتا اور آپ کو مخبرِ صادق تسلیم نہیں کرتا وہ بڑی بدذاتی کرتا ہے۔ آپ نے تو فرمایا ہے کہ میں نے مسیح کو دوسرے آسمان پر یحییٰ کے پاس دیکھا ہے۔ اب کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہے یا نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت وفات یافتہ نہ تھے بلکہ زندہ تھے تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہے کہ ایک وفات یافتہ سے کیا تعلق ہے؟ ان کی تو رُوح بھی ابھی قبض نہیں ہوئی تھی۔ ادنیٰ فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ مُردے کے پاس تو مُردہ ہی ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کیا ہوا کہ مُردہ کے پاس زندہ جا بیٹھا۔ یہ صرف اپنی ہی غلطی ہے۔ ورنہ سچ یہی ہے کہ حضرت مسیح بھی مر کر ہی یحییٰ علیہ السلام کے پاس گئے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے یعنی قرآنِ شریف سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل یعنی رؤیت سے ثابت کر دیا۔ جو اس قول اور فعل کو نہیں مانتا اسے پھر میں کیا کہوں۔ ان دو گواہوں کے بعد اور کس گواہ کی حاجت

ہے۔ پھر یہاں تک ہی بات نہیں۔ خود حضرت مسیحؑ کا تو صاف اقرار بھی موجود ہے اور اس آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) سے تو اس سارے قضیہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے پہلی آیتوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے قیامت کے دن سوال کرے گا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ میری ماں کو اور مجھ کو خُدا بنا لو۔ حضرت عیسیٰ اپنی برئیت میں عرض کریں گے کہ میری کیا مجال تھی جو میں ایسی تعلیم دیتا۔ میں تو جب تک اُن میں رہا اُن کو تیری توحید ہی کی تعلیم دیتا رہا جو تو نے مجھے دی تھی لیکن جب تُو نے مجھ کو وفات دیدی پھر تو ان پر نگران تھا۔

اب غور کا مقام ہے کہ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ میں جو وعدہ تھا وہ اس آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے پورا ہوتا ہے۔

ماسوا اس کے یہ آیت حضرت مسیحؑ کی موت اور ان کی دوبارہ آمد کے متعلق ایک فیصلہ کُن آیت ہے اور یہ اس قرآن کی آیت ہے جس کا حرف حرف محفوظ ہے اور جس کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ تعالےٰ ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (الحجر: ۱۰) افسوس مُسلمانوں نے اس کتاب کی قدر نہیں کی۔ اس آیت میں حضرت مسیحؑ نے اپنی برئیت دو صورتوں سے کی ہے۔ اوّل تو یہ کہ میری زندگی میں عیسائی نہیں بگڑے کیونکہ میں ان کو توحید کی تعلیم دیتا رہا۔ دوم جب مجھے وفات دیدی مجھے کچھ خبر نہیں۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت مسیح ابھی تک زندہ ہی ہیں۔ تو صاحبو! پھر اُن کے اس اقرار کے موافق یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابھی تک عیسائی بگڑے بھی نہیں اور جو تعلیم وہ پیش کرتے ہیں وہ صحیح ہے حالانکہ یہ واقعاتِ صحیح کے خلاف ہے۔ عیسائی ضرور بگڑ چکے ہیں۔

صاحبو! اگر مسلمانوں کے اس خیالی عقیدہ زندہ آسمان پر جانے کو لے کر اور اس آیت کے موافق عیسائی مسلمانوں پر اعتراض کریں کہ ہماری تعلیم تمہارے اقرار کے موافق بگڑی نہیں ہے تو کیا جواب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ امر تو حضرت مسیحؑ کی زندگی سے وابستہ ہے اور زندگی تسلیم ہے تو پھر دوسری تعلیموں کے انکار کے لیے کیا عذر ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی خیر اسی میں ہے کہ وہ قرآنِ شریف پر ایمان لاویں اور وُہ یہی ہے کہ مسیحؑ کی وفات پر ایمان لاویں۔

دُوسری بات جو اس آیت میں فیصلہ کی گئی ہے وہ ان کی دوبارہ آمد کا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں میں غلطی سے یہ عقیدہ مشہور ہو گیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں کہ وہی مسیح ابنِ مریم دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے اور چالیس برس تک اس دنیا میں رہیں گے۔ صلیبوں کو توڑیں گے اور کافروں سے جنگ کریں گے۔

وغیرہ وغیرہ۔

اب غور کا مقام ہے کہ ایک نبی صادق کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا کہ اس نے جھوٹ بولا یہ تو بے ایمانی ہے۔ ایک شخص اگر عدالت کے سامنے جھوٹ بولے تو وہ حلف دروغی کی سزا پاتا ہے۔ پھر علیم و خبیر عالم الغیب خدا کے حضور قیامت کے دن کسی نبی کو جھوٹ بولنے کی جرأت کب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں لیکن یہ عقیدہ جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ تسلیم کر لیا جاوے اور اس کو صحیح مانا جاوے تو پھر قرآن شریف چھوڑنا پڑے گا اور حضرت مسیح کو معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن جھوٹ بولنے والا قرار دینا پڑے گا۔ کیونکہ اگر یہ سچ ہے کہ وہی مسیح اُتر آئے گا، تو پھر خدا تعالیٰ کے سامنے ان کا یہ جواب کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کو تو اس وقت یہ کہنا چاہیے کہ چالیس سال تک آسمان سے اُتر کر پھر زمین پر رہا اور میں نے جنگیں کیں، صلیبیں توڑیں اور شریروں کو مارا۔ کفار کو مسلمان کیا۔ حالانکہ ان کے جواب میں ان باتوں میں سے کسی کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ پھر خدا کے واسطے سوچ کر جواب دو۔ کیا تم یہ تجویز نہ کرو گے کہ حضرت مسیح نے معاذ اللہ جھوٹ بولا؟ اور کیا یہ نبی کی شان ہے کہ خدا کے سامنے جھوٹ بولے؟ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے اور قرآن پر حملہ کرتا ہے وہ بدذات اور جہنمی ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں جو رسمی بات کے لیے قرآن شریف پر حملہ کرتے ہیں۔

پس یہ آیت مسیح کی وفات اور ان کی دوبارہ آمد کے متعلق قول فیصل ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور وہ دوبارہ نازل نہیں ہوں گے اور قرآن شریف سچا ہے اور حضرت مسیح کا جواب بھی سچا ہے۔ ہاں یہ امر کہ آنے والے مسیح سے پھر کیا مراد ہے تو یاد رکھو جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا اور اپنی تائیدوں اور نصرتوں اور نشانوں کے ساتھ اُسے ثابت کیا۔ وہ یہی ہے کہ آنیوالا اسی اُمت کا ایک فرد کامل ہے اور خدا تعالیٰ کی کھلی کھلی وحی نے ظاہر کیا ہے کہ وہ آنے والا میں ہوں جو چاہے قبول کرے۔ میرا یہ دعویٰ نرا دعویٰ نہیں ہے بلکہ اسکے ساتھ زبردست ثبوت ہیں جو ایک سلیم الفطرت اور متقی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

مامور کی صداقت ثابت کرنے کے تین ذرائع

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ جب کسی مامور کو بھیجتا ہے تو تین ذریعوں سے اس کی سچائی کو ثابت کرتا اور اتمام حجت کرتا ہے۔

اوّل۔ نصوص کے ذریعہ یعنی شہادتوں سے اتمام حجت کرتا ہے۔

دوم۔ نشانات کے ذریعہ جو اس کی تائید میں اور اس کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں۔

سوم : عقل کے ذریعہ۔

بعض اوقات یہ تینوں ذریعے جمع ہو جاتے ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ سب ذریعے میری سچائی کو ثابت کر رہے ہیں۔

پس نصوص کے لیے یاد رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری اور مسلم میں جس آنے والے کی خبر دی ہے اس کے لیے یہی فرمایا ہے کہ وہ اسی اُمّت میں سے ہوگا ؛ چنانچہ بخاری اور مسلم میں مِنْکُمْ کا لفظ موجود ہے کہیں بھی نہیں فرمایا کہ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ۔ اور قرآن شریف میں سورۂ نور میں استخلاف کے وعدہ میں بھی مِنْکُمْ ہی فرمایا ہے۔ اب بتاؤ کہ قرآن اور حدیث کے نصوص آنے والے کو اسی اُمّت سے ٹھہراتے ہیں یا باہر سے لاتے ہیں۔ اور قرآن شریف یہی زمانہ مسیح موعود کے آنے کا ٹھہراتا ہے۔

دوم نشانات : وُہ نشانات جو میری تائید میں ظاہر ہو چکے ہیں اور جو میرے ہاتھ پر پورے ہوئے ہیں۔ اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے زندہ گواہ اس وقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ مَیں نے اپنی کتاب نزول المسیح میں ڈیڑھ سو کے قریب نشان لکھے ہیں اور بعض کا مَیں نے ابھی ذکر بھی کیا ہے تاہم وہ نشان جو میرے لیے ظاہر ہوئے وُہ بھی تھوڑے نہیں ہیں۔ اور انسانی طاقت میں یہ نہیں کہ وہ ان باتوں کو اپنے لیے خود جمع کرلے۔

قرآن شریف سے ثابت ہے کہ مسیح موعود اس وقت آئے گا جب چھ ہزار سال کا دَور ختم ہوگا اور عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک وہ وقت آگیا ہے۔

پھر قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ایک نئی سواری پیدا ہوگی جس سے اُونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر : ۵) اور حدیث صحیح میں ہے۔ وَلَیُتْرَکُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا۔ اب آپ لوگ جانتے ہیں کہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان بھی ریل تیار ہو رہی ہے۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اخبار والے نے لکھا ہے کہ مکّہ مدینہ والے بھی یہ نظارہ دیکھ لیں گے کہ اونٹوں کی قطاروں کی بجائے ریل گاڑی وہاں چلے گی۔ قرآن شریف میں جو فرمایا وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ اس کے متعلق نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ عِشار حاملہ اُونٹنی کو کہتے ہیں اس لیے یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا تاکہ یہ سمجھ آجاوے کہ اسی دنیا کے متعلق ہے کیونکہ حاملہ ہونا تو اسی دُنیا میں ہوتا ہے۔

اسی طرح نہروں کا نکالے جانا۔ چھاپے خانوں کی کثرت اور اشاعت کتب کے ذریعوں کا عام

ہونا۔ اس قسم کے بہت سے نشان ہیں جو اس زمانہ سے مخصوص تھے اور وہ پورے ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی کسوف وخسوف کا نشان جو رمضان میں ہوا۔ یہ حدیث اکمال الدین اور دار قطنی میں موجود ہے۔ پھر حج کا بند ہونا بھی نشان تھا وہ بھی پورا ہوا۔ ایک ستارہ نکلنے کی نشانی تھی وہ بھی نکل چکا۔ طاعون کا نشان تھا وہ بھی پورا ہو گیا۔

غرض میں کہاں تک بیان کرتا جاؤں یہ ایک لمبا سلسلہ ہے۔ طالبِ حق کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

پھر تیسرا ذریعہ عقل ہے اگر عقل سے کام لیا جاوے اور زمانہ کی حالت پر نظر کی جاوے تو صاف طور پر ضرورت نظر آتی ہے۔ غور سے دیکھو اسلام کی حالت کیسی کمزور ہو گئی ہے۔ اندرونی طور پر تقویٰ طہارت اُٹھ گئی ہے۔ اوامر و احکامِ الٰہی کی بے حُرمتی کی جاتی ہے اور ارکانِ اسلام کو ہنسی میں اُڑایا جاتا ہے اور بیرونی طور پر یہ حالت ہے کہ ہر قسم کے معترض اس پر حملہ کر رہے ہیں اور اپنی جگہ کوشش کرتے ہیں کہ اس کا نام و نشان مٹا دیں۔

غرض جس پہلو سے دیکھو اسلام کمزور ہو گیا ہے۔ وہ اسلام جس میں ایک بھی مُرتد ہو جاتا تو قیامت آجاتی۔ اس میں تیس لاکھ مُرتد ہو چکا ہے کیا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) پورا نہ ہوتا؟ اگر اب اسلام کی خبر نہ لی جاتی تو پھر اور کونسا وقت آنے والا تھا؟

پس از آنکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

کیا خُدا تعالیٰ اس وقت نُصرت کرے گا جب یہ نام مٹ جائے گا؟ ایک طرف حدیث میں یہ وعدہ کہ ہر صدی پر مجدد آئے گا مگر اس وقت جو عین ضرورت کا وقت ہے کوئی مجدد نہ آئے؟ تعجب ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تو وہ زمانہ کہ اس میں متواتر نبی آتے رہے اور یہ اُمت جو خیر الامت کہلاتی ہے اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہے۔ باوجود اُمت مرحومہ کہلانے کے اس میں جب آئے تو دجال آئے اور پھر ایک دو نہیں تیس دجال۔ گویا خدا کو خطرناک دشمنی ہے۔ وہ اس کو ایسا تباہ کرنا چاہتا ہے کہ نام و نشان نہ رہے۔ افسوس میری مخالفت میں یہ لوگ ایسے اندھے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شوخی اور بے ادبی کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس کو عملی طور پر دعووں کا قرار دیتے ہیں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتکِ شان کرتے ہیں۔

وفاتِ مسیح علیہ السلام

دیکھو میں کھول کر کہتا ہوں کہ تم اپنے نفسوں پر رحم کرو۔ اس پیغمبر کی شان میں جو افضل الرُسل ہے یہ بے ادبی نہ کرو کہ حضرت مسیح

کو اس سے افضل قرار دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آپؐ کی وفات پر صحابہؓ کی کیا حالت ہوئی تھی۔ وہ دیوانہ وار پھرتے تھے۔ آپؐ کی زندگی ان کو اتنی عزیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی تھی کہ اگر کوئی آپ کو مُردہ کہے گا تو مَیں اس کا سر اُڑا دُوں گا۔ اس شور پر حضرت ابوبکرؓ آئے اور اُنہوں نے آگے بڑھ کر آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا کہ آپؐ پر خدا تعالیٰ دو موتیں جمع نہ کریگا اور پھر یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران : ۱۴۵) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسُول ہیں۔ پہلے جس قدر رسُول آئے ہیں سب وفات پا گئے ہیں۔ صحابہؓ نے جب اس آیت کو سُنا تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت اب اُتری ہے۔ اُنہوں نے معلوم کیا کہ آپؐ کے مقابلہ میں کوئی اور زندہ نہیں ہے۔ تم میں وہ عشق اور محبت نہیں جو صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ورنہ تم یہ کبھی روا نہ رکھتے کہ مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل زندہ کہتے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر صحابہؓ کے سامنے اس وقت کوئی کہتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا وہ اس قدر آپؐ کے عشق اور محبت میں فنا شدہ تھے۔

حسان بن ثابتؓ نے اس موقعہ پر ایک مرثیہ لکھا ہے جس میں وہ کہتے ہیں :

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ۔ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ ۔ مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ۔ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

یعنی اے میرے پیارے نبی تُو تو میری آنکھوں کی پُتلی تھا اور میرے دیدوں کا نُور تھا پس مَیں تو تیرے مرنے سے اندھا ہو گیا۔ اب تیرے بعد مَیں دُوسروں کی موت کا کیا غم کروں۔ عیسیٰؑ مرے یا موسیٰؑ مرے۔ کوئی مرے۔ مجھے تو تیرے ہی مرنے کا غم تھا۔ صحابہؓ کی تو یہ حالت تھی۔ مگر اس زمانہ میں اپنے مُنہ سے اقرار کرتے ہیں کہ نہیں افضل الانبیاء وفات پا گئے اور حضرت مسیح زندہ ہیں۔ افسوس مُسلمانوں کی حالت کیا سے کیا ہو گئی۔ مَیں خُوب جانتا ہوں اور اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا پہلا اجماع مسیح کی وفات ہی پر ہوا تھا۔ پھر اُن کے خلاف کرنا یہ کونسی عقلمندی اور تقویٰ ہے۔ مَیں یہ مانتا ہوں۔ کہ یہ غلطیاں امتدادِ زمانہ کی وجہ سے ہیں۔ تقویٰ نہیں رہا۔ جہالت بڑھ گئی ہے۔ روحِ حق ہونا کم ہو گیا ہے۔ راہِ راست مخدوب ہو گیا ہے اور یہی اُمور ہیں جو میری ضرورت کے داعی ہیں۔ مَیں آخر میں پھر کہتا ہوں کہ ان باتوں پر غور کرو۔ اپنے گھروں میں جا کر تنہائی میں سوچو کہ تم چاہتے ہو کہ اسلام اور سو سال تک آفتوں کا نشانہ بنا رہے اگر اب تک کوئی نہیں آیا تو پھر صدی کا سر تو چلا گیا۔ بائیس برس گذر چکے۔ اب اور سو سال تک انتظار کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ اگر مجھے قبول نہ کرو گے تو پھر تم کبھی بھی آنے والے موعود کو نہیں پاؤ گے۔

مَیں نے اتنی باتیں کی ہیں۔ بعض مخالفوں کو فائدہ کی بجائے جوش آئے گا اور وہ ہار جیت کی طرف توجہ کریں گے یہ نہیں کہ رو رو کر دُعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد چاہیں میری یہی نصیحت ہے

کہ تقویٰ کو ہاتھ سے نہ دو اور خدا ترسی سے ان باتوں پر غور کرو اور تنہائی میں سوچو اور آخر اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرو کہ وُہ دُعائیں سُنتا ہے۔[1]

۲؍ستمبر ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور

ایک رُوح پرور مجلس کی روئیداد

بعد نماز جمعہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام زائرین اور مشتاقانِ زیارت کے اصرار و خواہش پر اجلاس فرما ہوئے۔ حاضرین میں سے ہر ایک دُوسرے سے پہلے آگے بڑھنا چاہتا تھا ان کے بڑھے ہوئے جوشِ زیارت اور شوقِ ارادت میں انتظام کا ہونا آسان نہ تھا بھکے پر دھکا کھاتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ آخر جب حضرت کا حُکم سُنا کہ بیٹھ جاؤ۔ جو جہاں کھڑا تھا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ وہ نظارہ جن لوگوں نے دیکھا ہے اس کا لُطف اور اثر کچھ وہی دل محسوس کر سکتے ہیں۔ حضرت حجۃ اللہ کے انفاسِ طیبہ کا کچھ ایسا اثر پڑ رہا تھا کہ اس مجمع پر نگاہ ڈالنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا پتہ لگتا تھا اور صاف سمجھ میں آتا تھا کہ یہ جذب اور کشش کسی مفتری اور کذاب کو نہیں دیا جاتا۔ آپ خاموش بیٹھے تھے کہ خاکسار ایڈیٹر الحکم نے ایک ارادت مند کی طرف سے عرض کیا کہ وُہ کچھ سُنانا چاہتا ہے۔ فرمایا:

ہاں سُنا دو

اس پر اس شخص نے نہایت پُر درد اور پُر جوش لہجہ میں بزبانِ پنجابی کچھ اشعار سُنائے جن میں حضرت حجۃ اللہ کی بعثت، آپ کی صداقت پر بحث تھی اور بالآخر اہلِ لاہور کو خطاب تھا کہ دیکھو مسیح موعود تمہارے گھر مہمان ہو کر آیا ہے۔ تمہارا فرض تو یہ ہے کہ تم اس کا اکرام کرو نہ یہ کہ سب و شتم سے کام لو۔ مہمانوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک مناسب نہیں۔ اور پھر طاعون کے زور آور حملوں سے ڈرایا تھا۔ یہ نظم بہت ہی مؤثر اور رقت خیز تھی جس کو سُنکر

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۱ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۴ء

اکثر حاضرین رو رہے تھے۔ نظم ختم ہو جانے کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذیل کی تقریر فرمائی۔ (ایڈیٹر)

پیدائشِ انسانی کی غرض

تمام مُسلمان جو یہاں اکٹھے ہوئے ہیں مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک کی غرض دین ہے۔ یہ مَیں جانتا ہوں کہ کوئی تھوڑا جوش رکھتا ہے کوئی زیادہ۔ لیکن کچھ نہ کچھ غرض دین کی رکھتا ضرور ہے۔ یقیناً سمجھو کہ ہر شخص اپنے اندازہ کے موافق عمر کا ایک حصّہ کھا چکا ہے۔ بڑی عمر ہو گئی ہے تب بھی تھوڑے دن باقی ہیں اور تھوڑی ہے تب بھی تھوڑے ہی باقی ہیں۔ کیونکہ گذرنے والے زمانہ کو ہمیشہ تھوڑا خیال کیا جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ انسان جو اس مسافر خانہ میں آتا ہے اس کی اصل غرض کیا ہے؟ اصل غرض انسان کی خِلقت کی یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کو پہچانے۔ اور اس کی فرمانبرداری کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات : ۵۷) مَیں نے جن اور انس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ جو دنیا میں آتے ہیں بالغ ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے فرض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کی غرض اور غایت کو مدِّنظر رکھیں، وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دُنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دُنیا کا مال اور اس کی عزّتوں کے ایسے دلدادہ ہوتے ہیں کہ خدا کا حصّہ بہت ہی تھوڑا ہوتا ہے اور بہت لوگوں کے دل میں تو ہوتا ہی نہیں۔ وُہ دُنیا ہی میں منہمک اور فنا ہو جاتے ہیں۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ خدا بھی کوئی ہے ہاں اس وقت پتہ لگتا ہے جب قابضِ اَرواح آکر جان نکال لیتا ہے۔ پس اس دھوکا سے خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ مرنے کا وقت آجاوے اور تم خالی کے خالی ہی رہو۔ یہ شعر اچھا کہا ہے ؎

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار مباش ایمن از بازیٔ روزگار

ایک دفعہ ہی پیامِ موت آجاتا ہے اور پتہ نہیں لگتا۔ انسانی ہستی بہت ہی ناپائدار ہے۔ ہزارہا مرضیں لگی ہوئی ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ جب دامنگیر ہو جاتی ہیں تو اس جہان سے رخصت کر کے ہی رُخصت ہوتی ہیں۔

جبکہ حالت ایسی نازک اور خطرناک ہے تو ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک خُدا سے صُلح کرے۔ اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے اور مسلمانوں نے جس خدا کو مانا ہے وہ رحیم، کریم، حلیم، توّاب اور غفّار ہے۔ جو شخص سچی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ لیکن دُنیا میں خواہ حقیقی بھائی بھی ہو یا کوئی اَور قریبی عزیز اور رشتہ دار ہو وہ جب ایک مرتبہ قصور

دیکھ لیتا ہے۔ پھر وہ اس سے خواہ باز بھی آجاوے مگر اُسے عیبی ہی سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیسا کریم ہے کہ انسان ہزاروں عیب کر کے بھی رجوع کرتا ہے تو بخش دیتا ہے۔ دُنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے بجز پیغمبروں کے (جو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں) جو چشم پوشی سے اس قدر کام لے بلکہ عام طور پر تو یہ حالت ہے جو سعدی نے کہا ہے ؎

خُدا داند و بپوشد و ہمسایہ نداند و بخروشد

پس غور کرو کہ اس کے کرم اور رحم کی کیسی عظیم الشان صفت ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اگر وہ مؤاخذہ پر آتے تو سب کو تباہ کر دے۔ لیکن اس کا کرم اور رحم بہت ہی وسیع ہے اور اس کے غضب پر سبقت رکھتا ہے۔

اِسلام اور دُوسرے مذاہب میں خُدا کا تصوّر

یہ دین یعنی اسلام جو سچا مذہب ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملا ہے اس کی سچائی کی یہ زبردست علامت ہے کہ انسانی ضمیر اور فطرت جس قسم کا خُدا چاہتی ہے قرآن نے ویسا ہی خُدا پیش کیا ہے یعنی اس قسم کے صفات سے متصف اسے بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ مقابلہ کے بغیر کسی کی خوبی اور عمدگی کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر مقابلہ دُوسرے مذاہب سے کیا جاوے؛ اگرچہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ قرآن شریف سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ کُل عالم کا ایک ہی خُدا ہے لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مثلاً ہندوؤں کا خدا۔ تو اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ وُہ خدا جو اپنے خیالات اور عقائد کے موافق ہندوؤں نے پیش کیا ہے یا عیسائی جس قسم کا تسلیم کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ یہ کبھی بھی خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ کسی اور خُدا کی مخلوق ہیں۔

غرض جب ہم اس خدا کا مقابلہ ان خداؤں سے (جو دُوسرے لوگوں نے پیش کیے ہیں) کرتے ہیں تو صاف طور پر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ خُدا جو قرآن شریف نے یا اسلام نے پیش کیا ہے وہی حقیقی خُدا ہے۔ مثلاً اسی مسئلہ عفو گناہ سے متعلق جب ہم غور کرتے ہیں تو جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے۔ خواہ انسان کتنے ہی گناہ کرے لیکن جب سچے دل سے توبہ کرے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے باز آجاوے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے، لیکن اس کے بالمقابل ہندوؤں نے جس خدا کو پیش کیا ہے وہ اس کے متعلق ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایسا خُدا ہے کہ وہ ایک گناہ کے بدلے کروڑوں جُونوں میں ڈالتا ہے اور جُوئیں۔ پسّو۔ درند۔ چرند یہانتک کہ پانی اور ہوا کے کیڑے یہ سب انسان ہی ہیں جو اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے سزائیں بھگتنے کے واسطے ان جُونوں میں آئے ہوئے ہیں۔ دُوسرے

الفاظ میں یُوں کہو کہ جس قدر مخلوقات انسان کے سوا نظر آتی ہیں وُہ سب انسان کے گناہوں کے طفیل ہے اور خدا تعالیٰ کو (معاذ اللہ) اب تک اُن پر کوئی رحم نہیں آتا اور وُہ ایسا سخت دل پر میشر ہے کہ وہ رحم کر ہی نہیں سکتا۔

جب یہ عقیدہ رکھا جائے گا کہ ہر ایک گناہ کی سزا میں ضرور کئی کروڑ جُونوں میں جانا پڑیگا تو گناہ کی معافی اور رحم پر میشر میں کہاں پایا گیا؟ کیونکہ جُونوں کے اس چکّر سے تو کبھی نجات ہی نہیں ہے! حالانکہ فطرتِ انسانی ایک ایسا خدا چاہتی ہے جو انسانی کمزوریوں پر رحم کرتا ہو۔ اور انسان کے نادم اور تائب ہونے پر اس کے قصوروں کو معاف کر دے۔ کیونکہ خود انسان میں بھی یہ وصف ایک حد تک پایا جاتا ہے۔ پھر تعجب کی بات ہوگی کہ انسان تو توبہ اور معافی پر قصور معاف کر دے اور خدا تعالیٰ ایسا کینہ توز (معاذ اللہ) ہو کہ اُسے کسی طرح رحم ہی نہ آوے؟ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ صحیح اعتقاد وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے کہ خدا تعالیٰ بڑا ہی کریم اور رحیم ہے اور وہ سچے رجُوع اور حقیقی توبہ پر گناہ بخش دیتا ہے۔ اس کے بالمقابل عیسائی جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ اور بھی عجیب ہے۔ وہ خُدا تعالیٰ کو رحیم تو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ رحیم ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ نہیں کر سکتا جبتک بیٹے کو پھانسی نہ دے لے اس کا رحم کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تعجّب اور مشکلات بڑھ جاتی ہیں۔ جب اس عقیدہ کے مختلف پہلوؤں پر نظر کی جاتی ہے اور پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خُدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو پھانسی بھی دیا۔ لیکن یہ نسخہ رحم پھر بھی خطا ہی گیا سب سے پہلے تو یہ کہ یہ نُسخہ اس وقت یاد آیا جب بہت سی مخلوق گناہ کی موت سے تباہ ہو چکی اور اُن پر کوئی رحم نہ ہو سکا کیونکہ پہلے کوئی بیٹا پھانسی پر نہ چڑھا اور علاوہ بریں اگرچہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ زید کے سر میں دَرد ہو اور بکر اپنا سر پتھر سے پھوڑے اور یہ سمجھا جاوے کہ اس نسخہ سے زید کو آرام ہو جاوے گا لیکن اس کو بفرضِ محال مان کر بھی اس نسخہ کا جو اثر ہوا ہے وہ تو بہت ہی خطرناک ہے۔ جب تک یہ نسخہ استعمال نہیں ہوا تھا۔ اکثر لوگ نیک تھے اور توبہ اور استغفار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر جب یہ نسخہ گھڑا گیا کہ ساری دنیا کے گناہ خُدا کے بیٹے کے پھانسی پانے کے ساتھ معاف ہو گئے تو اس سے بجائے اس کے کہ گُناہ رُکتا، گناہ کا ایک اور سیلاب جاری ہو گیا اور وہ بند جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے خوف اور شریعت کا لگا ہوا تھا ٹوٹ گیا۔ جیسا کہ یورپ کے حالات سے پتہ لگتا ہے کہ اس مسئلہ نے وہاں کیا اثر کیا ہے اور فی الحقیقت ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ پھر جب یہ بات ہے اور حالت ایسی ہے تو ہم کیونکر تسلیم کریں کہ وہ خدا جو اس رنگ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ حقیقی خدا ہے۔

اس قسم کی غلط تعلیمیں دُنیا میں جاری ہو چکی ہیں اور حقیقی خدا کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے آکر دُنیا کے سامنے وہ خدا پیش کیا جو انسانی کانشنس اور فطرت چاہتی ہے اور اس کا پورا پورا بیان خدا تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن مجید میں ہے۔

مُسلمانوں سے خصُوصی خطاب

میں اس وقت دُوسرے لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں الگ رکھ کر صرف ان لوگوں کے متعلق کچھ کہوں گا جو مُسلمان ہیں اور انہیں سے خطاب کروں گا

يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (فرقان: ۳۱)

یاد رکھو قرآن شریف حقیقی برکات کا سرچشمہ اور نجات کا سچا ذریعہ ہے۔ یہ ان لوگوں کی اپنی غلطی ہے جو قرآن شریف پر عمل نہیں کرتے۔ عمل نہ کرنے والوں میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جس کو اس پر اعتقاد ہی نہیں اور وہ اس کو خُدا تعالیٰ کا کلام ہی نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ تو بہت دُور پڑے ہوئے ہیں، لیکن وُہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور نجات کا شفا بخش نسخہ ہے۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کریں تو کس قدر تعجب اور افسوس کی بات ہے۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے ساری عمر میں کبھی اُسے پڑھا ہی نہیں۔ پس ایسے آدمی جو خدا تعالیٰ کے کلام سے ایسے غافل اور لاپروا ہیں اُن کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کو معلوم ہے کہ فلاں چشمہ نہایت ہی مصفّٰی اور شیریں اور خُنک ہے اور اس کا پانی بہت سی امراض کے واسطے اکسیر اور شفاء ہے، یہ علم اس کو یقینی ہے لیکن باوجود اس علم کے اور باوجود پیاسا ہونے اور بہت سی امراض میں مبتلا ہونے کے وہ اس کے پاس نہیں جاتا، تو یہ اس کی کیسی بدقسمتی اور جہالت ہے۔ اُسے تو چاہیے تھا کہ وہ اس چشمہ پر مُنہ رکھ دیتا اور سیراب ہو کر اُس کے لُطف اور شفا بخش پانی سے حظ اُٹھاتا۔ مگر باوجود علم کے اس سے ویسا ہی دُور ہے جیسا کہ ایک بے خبر اور اس وقت تک اُس سے دُور رہتا ہے جو موت آکر خاتمہ کر دیتی ہے۔ اس شخص کی حالت بہت ہی عبرت بخش اور نصیحت خیز ہے۔ مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہی ہو رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کی کلید یہی قرآن شریف ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہیے مگر نہیں۔ اس کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔ ایک شخص جو نہایت ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اور پھر نرمی ہمدردی ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم اور ایماء سے اس طرف بُلاوے تو اُسے کذّاب اور دجّال کہا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا قابلِ رحم حالت اس قوم کی ہوگی۔

مُسلمانوں کو چاہیے تھا اور اب بھی اُن کے لیے یہی ضروری ہے کہ وہ اس چشمہ کو عظیم الشان

نعمت سمجھیں اور اس کی قدر کریں۔ اس کی قدر یہی ہے کہ اس پر عمل کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کس طرح اُن کی مصیبتوں اور مشکلات کو دُور کر دیتا ہے۔ کاش مسلمان سمجھیں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے یہ ایک نیک راہ پیدا کر دی ہے اور وُہ اس پر چل کر فائدہ اُٹھائیں۔

یقیناً یاد رکھو کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پاک کتاب پر عمل کرتا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو لا انتہا برکات سے حصّہ دیتا ہے۔ ایسی برکات اُسے دی جاتی ہیں جو اس دُنیا کی نعمتوں سے بہت ہی بڑھ کر ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک عفوِ گناہ بھی ہے کہ جب وہ رجُوع کرتا اور توبہ کرتا ہے تو خُدا تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ دُوسرے لوگ اس نعمت سے بالکل بے بہرہ ہیں اس لیے کہ وہ اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے کہ توبہ سے گناہ بھی بخشے جایا کرتے ہیں۔ اُن میں سے بعض تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم کو جُونوں میں جانا پڑے گا اور معافی نہیں مِل سکتی۔ عیسائیوں کے اصُول کے موافق مسیح کے خُون پر ایک بار ایمان لا کر اگر گناہ ہو جاوے، تو پھر صلیبِ مسیح کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ مسیح دو مرتبہ صلیب پر نہیں چڑھے گا تو کیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ ان دونوں کے لیے بخشے جانے اور نجات کی راہ بند ہے کیونکہ صدرِ گناہ تو مُمکن نہیں سکتا۔ اگر خُدا تعالیٰ کی کسی نعمت کا شکر نہ کرے تو یہ بھی گناہ ہے اور غفلت کرے تو یہ بھی گناہ ہے اور ان گناہوں پر بھی جُونوں میں جانا پڑے گا یا مسیح کو دوبارہ صلیب نہیں دیا جائے گا، اس لیے کُلّی طور پر مایُوس ہونا پڑے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو یہ تعلیم نہیں دی۔ ان کے لیے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھُلا ہے۔ جب انسان اس کی طرف رجُوع کرے اور اپنے پچھلے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے خواستگارِ معافی ہو اور آئندہ کے لیے نیکیوں کا عزم کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا ہے۔

سچّی توبہ اور رجُوع الی اللہ کی نصیحت

اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ میری باتوں کو متوجہ ہو کر سُنو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ باتیں صرف تمہارے کان تک ہی رہ جائیں اور تم اُن سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ اور یہ تمہارے دل تک نہ پہنچیں۔ نہیں بلکہ توجہ سے سُنو اور اُن کو دل میں جگہ دو اور اپنے عمل سے دکھاؤ کہ تم نے اُن کو سرسری طور پر نہیں سُنا اور اُن کا اثر اسی آن تک نہیں بلکہ گہرا اثر ہے۔

اس بات کو بخوبی یاد رکھو کہ گناہ ایسی زہر ہے جس کے کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور نہ صرف ہلاک ہی ہوتا ہے بلکہ وُہ خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے سے رہ جاتا ہے اور اس قابل نہیں ہوتا کہ یہ نعمت اس کو مِل سکے۔ جس جس قدر گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی اسی قدر خدا تعالیٰ سے

دُور ہوتا چلا جاتا ہے اور وُہ سیاہی اور نُور جو خدا تعالیٰ کے قُرب میں اُسے ملنی تھی اس سے پرے ہٹتا جاتا ہے اور تاریکی میں پڑ کر ہر طرف سے آفتوں اور بلاؤں کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ سب سے زیادہ خطرناک دشمن شیطان اس پر اپنا قابو پا لیتا ہے اور اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔ لیکن اس خطرناک نتیجہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک سامان بھی رکھا ہوا ہے۔ اگر انسان اس سے فائدہ اُٹھائے تو وہ اس ہلاکت کے گڑھے سے بچ جاتا ہے اور پھر خدا تعالیٰ کے قُرب کو پا سکتا ہے۔ وہ سامان کیا ہے۔ رُجوع الی اللہ یا سچی توبہ۔ خُدا تعالیٰ کا نام تواب ہے۔ وُہ بھی رجوع کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے بعید ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان رُجوع کرتا ہے یعنی اپنے گناہوں سے نادم ہو کر پھر خدا تعالیٰ کی طرف جُھکتا ہے تو اس کریم رحیم خُدا کا رحم اور کرم بھی جوش میں آتا ہے اور وُہ اپنے بندہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور رجُوع کرتا ہے۔ اس لیے اس کا نام تواب ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ اپنے رب کی طرف رجُوع کرے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع برحمت کرے۔

شامتِ اعمال

انسان جس قدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور دُنیا میں اس پر آفتیں آتی ہیں۔ یہ سب شامتِ اعمال ہی سے آتی ہیں۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ لوگ ایک دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا؟ انبیاء علیہم السلام پر بھی مصیبتیں آتی ہیں لیکن وُہ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے ان کی مصائب اور مشکلات کو کوئی نسبت نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے۔ وہ قربِ الٰہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ ان سے محبت بڑھتی ہے اور ان کا فوق العادت استقلال اور رضا تسلیم اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتا ہے۔ برخلاف اس کے یہ مصیبتیں اور بلائیں وبائیں جو گناہ کی شامت سے آتی ہیں اُن میں درد اور تکلیف کے علاوہ خُدا سے بُعد ہوتا ہے اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ آخر بالکل تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک زہر ہے۔ زہر کھا کر کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس گناہ کی زہر کھا کر یہ توقع کرنا کہ وہ بچ جائے گا خطرناک غلطی ہے۔ یقیناً یاد رکھو جو گناہ سے باز نہیں آتا وہ آخر مرے گا اور ضرور مرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسل کو اسی لیے بھیجا اور اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید اس لیے نازل فرمائی کہ دُنیا اس زہر سے ہلاک نہ ہو بلکہ اس کی تاثیرات سے واقف ہو کر بچ جاوے۔ قدیم سے سنت اللہ اسی طرح پر چلی آئی ہے کہ جب دُنیا پر گناہ کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور انسانوں میں عبُودیت نہیں رہتی اور عبُودیت اور اُلوہیت کا باہمی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ انسان سرکشی اور بغاوت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ

محض اپنے فضل و کرم سے اُس کی آگاہی اور تنبیہ کے لیے اپنا ایک مامور بھیج دیتا ہے وُہ دُنیا آکر اہلِ دُنیا کو اس خطرناک عذاب سے ڈراتا ہے جو ان کی شرارتوں اور شوخیوں کی وجہ سے آنے والا ہوتا ہے اور ان کو اس زہر سے جو گناہ کی زہر ہے بچانا چاہتا ہے جو سعید الفطرت ہوتے ہیں وُہ اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اور سچی توبہ کر کے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن شریر النفس اپنی شرارتوں میں ترقی کرتے اور اس کی باتوں کو ہنسی ٹھٹھے میں اُڑا کر خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتے ہیں اور آخر تباہ ہو جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ سے سچا تعلق عبودیت ہو

آجکل یہی زمانہ آیا ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ کے ساتھ جو سچا تعلق عبودیت کا ہونا چاہیے اور جو محبت اپنے خالق سے ضروری ہے وہ کہاں ہے؟ ہر ایک شخص اپنی جگہ پر غور کرے اور اپنے نفس پر قیاس کر کے دیکھے کہ خُدا تعالیٰ کے ساتھ اس کے تعلقات کس قدر ہیں آیا وُہ دُنیا اور اس کی شان و شوکت کو اپنا معبود سمجھتا ہے یا حقیقی خُدا کو معبود مانتا ہے۔ اس کے تعلقات اپنے نفس، اہل و عیال اور دُوسری مخلوق کے ساتھ کس قسم کے ہیں؟ ان میں خدا تعالیٰ کا کس درجہ تک ہے۔ ان باتوں پر جب آپ غور کریں گے اور خالی الذہن ہو کر غور کریں گے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ وہ وقت آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی رشتہ اور پیوند رکھا ہی نہیں ہے۔ اکثر ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے وجود اور ہستی ہی کا یقین نہیں رکھتے اور جو بعض مانتے ہیں کہ خدا ہے ان کا ماننا نہ ماننا برابر ہو رہا ہے کیونکہ وہ تقویٰ اللہ اور خشیۃ اللہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے اُن میں پائی نہیں جاتی۔ گناہ سے نفرت اور احکام الٰہی کی پابندی اور نواہی سے بچنا نظر نہیں آتا۔ پھر کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ لوگ فی الحقیقۃ خدا تعالےٰ پر ایمان لاتے ہوئے ہیں۔

اور ماسوا اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خُدا تعالیٰ کے ساتھ جب تک کامل اور پُورا تعلق نہ ہو وہ برکات اور فیوض جو اس تعلق کے لازمی نتائج ہیں حاصل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جہاں ایک پیالہ پانی کا پی کر سیر ہونا ہو وہاں ایک قطرہ کہاں تک مفید ہو سکتا ہے اور تشنہ لبی کو بجھا سکتا ہے اور جہاں دس تولہ دَوا کھانی ہو وہاں ایک چاول یا ایک رتی سے کیا ہوگا؟ اسی طرح پر جب تک انسان

(از ایڈیٹر) لِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ:

از عمل ثابت کُن آں نورے کہ در ایماں تُست
دل چو وادی یُوسفے را راہِ کنعاں را گزیں

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

پُورے طور پر خدا تعالیٰ کا مطیع اور وفادار بندہ نہیں بنتا اور کامل نیکی نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کے انوار و برکات ظاہر نہیں ہوتے۔ ادھوری اور ناتمام باتوں سے بعض اوقات ٹھوکر لگتی ہے۔ ایک شخص نیکی کو اس کے کمال تک تو پہنچاتا نہیں اور اس سے ان ثمرات کی توقع کرتا ہے جو اس کے درجہ کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ نہیں ملتے تو اس سچی اور پاک تعلیم سے بدظن ہونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ بہت سے لوگ اسی طرح پر گمراہ ہوتے ہیں لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے جو تعلیم پیش کی ہے اور جس طریق پر نیکی کی راہیں بتائی ہیں ان پر اور اس درجہ تک عامل ہونے سے انسان وہ تمام کمالات اور برکات حاصل کر سکتا ہے جن کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اسی پاک تعلیم کی سچی اور کامل پیروی سے ولی اللہ اور اَبدال بنتے ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ یا ابدال بننے کے لیے کوئی خاص راہ ہے جو قرآن شریف میں نہیں ہے۔ وُہ سخت نادان اور غلطی پر ہیں۔ یہی وہ راہ ہے جس سے یہ درجے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ولی یا ابدال کیا کرتے ہیں؟ یہی کہ وہ سچی تبدیلی کر لیتے ہیں اور قرآن شریف کی تعلیم کا سچا متبع اپنے آپ کو بناتے ہیں اور نیکی کو اس حد اور درجہ تک کرتے ہیں جو اس کے کمالات کے لیے مقرر ہے۔ یہی نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقات وغیرہ وہ بھی بجا لاتے ہیں، لیکن ان میں اور دُوسرے لوگوں میں اس قدر فرق ہے کہ وہ اس حد تک ان اعمالِ صالحہ کو بجا لاتے ہیں کہ اُن میں ایک قوت اور طاقت آجاتی ہے اور اُن سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو دوسروں کی نظر میں خوارق ہوتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ اعمالِ صالحہ کو پورے طور پر بجا لاتے ہیں۔ پس جو شخص پُوری نیکی کرتا ہے اور اس کو ادھورا اور ناقص نہیں چھوڑتا اور قرآن شریف کی تعلیم کا پورا پابند اپنے آپ کو بنا لیتا ہے وہ یقیناً ولی اور ابدال ہو جاتا ہے۔ جو چاہے بن سکتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس کے واسطے بڑی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اور دُعا کی تعلیم بھی قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ جس کے لیے جابجا ہدایت کی گئی ہے، بلکہ اس کا شروع ہی دُعا سے ہوا ہے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جیسے اگر کسی شخص کو زندہ رکھنا مقصود ہے تو ضرور ہے کہ اس کو پُوری غذا دی جاوے چند دانوں پر اس کی زندگی کی امید کرنا خیالِ خام ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ میں زندگی حاصل کرنے کے لیے پُوری نیکیوں کا کرنا ضروری ہے جو اس طریق کو چھوڑتا ہے وہ آج نہیں کل مَر جاوے گا۔ قرآن شریف نے اسی اصل کو بتایا ہے جو زیادہ خطا اٹھانا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ زیادہ توجہ کرے۔

جماعتِ احمدیہ کے لیے خصوصی نصائح

ہماری جماعت (جس سے مخالف بُغض رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ جماعت ہلاک اور تباہ ہو جاوے) کو یاد رکھنا چاہیے کہ میں اپنے مخالفوں سے باوجود اُن کے بغض کے ایک بات میں

اتفاق رکھتا ہوں اور وُہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ یہ جماعت گناہوں سے پاک ہو اور اپنے چال چلن کا عمدہ نمونہ دکھا دے وُہ قرآن شریف کی سچی تعلیم پر سچی عامل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں فنا ہو جاوے۔ ان میں باہم کسی قسم کا بغض وکینہ نہ رہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری اور سچی محبت کرنے والی جماعت ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہو کر بھی اس غرض کو پُورا نہیں کرتا اور سچی تبدیلی اپنے اعمال سے نہیں دکھاتا وہ یاد رکھے کہ دشمنوں کی اس مراد کو پُورا کر دے گا۔ وہ یقیناً ان کے سامنے تباہ ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کا رشتہ نہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ اولاد جو انبیاء کی اولاد کہلاتی تھی۔ یعنی بنی اسرائیل جن میں کثرت سے نبی اور رسول آتے اور خدا تعالیٰ کے عظیم الشان فضلوں کے وہ وارث اور حقدار ٹھہراتے گئے تھے۔ لیکن جب اس کی رُوحانی حالت بگڑی اور اُس نے راہِ مستقیم کو چھوڑ دیا۔ سرکشی اور فسق وفجور کو اختیار کیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرۃ: ۶۲) کی مصداق ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا غضب ان پر ٹوٹ پڑا۔ اور ان کا نام سؤر اور بندر رکھا گیا۔ یہانتک وہ گر گئے کہ انسانیت سے بھی اُن کو خارج کیا گیا۔ یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے۔ بنی اسرائیل کی حالت ہر وقت ایک مفید سبق ہے۔ اسی طرح یہ قوم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے وہ قوم ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر بڑے بڑے فضل کرے گا۔ لیکن اگر کوئی اس جماعت میں داخل ہو کر خدا تعالیٰ سے سچی محبت اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اتباع نہیں کرتا وہ چھوٹا ہو یا بڑا کاٹ ڈالا جائے گا اور خُدا تعالیٰ کے غضب کا نشانہ ہو گا۔ پس تمہیں چاہیے کہ کامل تبدیلی کرو اور جماعت کو بدنام کرنے والے نہ ٹھہرو۔

خاندانی تفاخر

بعض نادان ایسے بھی ہیں جو ذاتوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنی ذات پر بڑا تکبر اور ناز کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذات کیا کم تھی جن میں نبی اور رسُول آتے تھے۔ لیکن کیا اُن کی اس اعلیٰ ذات کا کوئی لحاظ خدا تعالیٰ کے حضور ہوا۔ جب اس کی حالت بدل گئی۔ ابھی میں نے کہا ہے کہ ان کا نام سؤر اور بندر رکھا گیا اور اسے اس طرح پر انسانیت کے دائرہ سے خارج کر دیا۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت لوگوں کو یہ مرض لگا ہوا ہے۔ خصوصاً سادات اس مرض میں بہت مبتلا ہیں۔ وہ دُوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنی ذات پر ناز کرتے ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے لیے ذات کچھ بھی چیز نہیں ہے اور اُسے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو سیّد وُلد آدم اور افضل الانبیاء ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے صاف طور پر فرمایا کہ اے فاطمہؓ تو اس رشتہ پر بھروسہ نہ کرنا کہ میں پیغمبر زادی ہوں۔ قیامت کو یہ

ہرگز نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے۔ وہاں تو اعمال کام آئیں گے۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے قُرب سے زیادہ دُور پھینکنے والی اور حقیقی نیکی کی طرف آنے سے روکنے والی بڑی بات یہی ذات کا گھمنڈ ہے کیونکہ اس سے تکبّر پیدا ہوتا ہے اور تکبّر ایسی شے ہے کہ وہ محروم کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں وُہ اپنا سادا سہارا اپنی غلط فہمی سے اپنی ذات پر سمجھتا ہے کہ مَیں گیلانی ہوں یا فلاں سیّد ہوں، حالانکہ وُہ نہیں سمجھتا کہ یہ چیزیں وہاں کام نہیں آئیں گی۔ ذات اور قوم کی بات تو مرنے کے ساتھ ہی الگ ہو جاتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کا کوئی تعلق باقی رہتا ہی نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے۔ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال: ۹) کوئی بُرا عمل کرے خواہ کتنا ہی کیوں نہ کرے اس کی پاداش اس کو ملے گی۔ یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات: ۱۴) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

پس ذاتوں پر ناز اور گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کے لیے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت اور ہم جو کچھ ہیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نُصرت ہمارے شاملِ حال ہوگی کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کریں۔ قرآن شریف کی پاک تعلیم کو اپنا دستورالعمل بنا دیں اور ان باتوں کو ہم اپنے عمل اور حال سے ثابت کریں نہ صرف قال سے۔ اگر ہم اس طریق کو اختیار کریں گے تو یقیناً یاد رکھو کہ ساری دُنیا بھی مِل کر ہم کو ہلاک کرنا چاہے تو ہم ہلاک نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ خُدا ہمارے ساتھ ہوگا۔

لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کے نافرمان اور اس سے قطع تعلق کر چکے ہیں تو ہماری ہلاکت کے لیے کسی کو منصوبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی مخالفت کی حاجت نہیں۔ وُہ سب سے پہلے خود ہم کو ہلاک کر دے گا۔

ہمیشہ سے سنّت اللہ اسی طرح پر چلی آئی ہے۔ جب بنی اسرائیل نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کی اور اس نے گناہ کیا۔ خُدا تعالیٰ نے اس قوم کو ہلاک کیا، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر اُن میں موجود تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ سے سخت بیزار اور متنفّر ہے۔ وہ کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ ایک شخص بغاوت کرے اور اس کو سزا نہ دی جاوے۔

یہ بات بھی خُوب یاد رکھو کہ گنہگار خُدا تعالےٰ پر ایمان اور یقین نہیں رکھتا۔ اگر ایمان رکھتا تو ہرگز گناہ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ چوری کرنے والا یا زانی یا بدکار اپنے فعل کے وقت مومن نہیں ہوتا۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ سچا ایمان تو گناہ سے دُور کرتا ہے اور شیطان کی کُشتی میں وُہ

شیطان پر غالب آجاتا ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص علانیہ بدکاری میں مبتلا ہے اور دوسری خطاکاریوں سے باوجود یکہ اُن کی بُرائی سے آگاہ ہے باز نہیں آتا تو پھر بجز اس کے اور کیا کہنا پڑے گا کہ وہ خدا تعالےٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگر ایمان رکھتا تو کیوں ان بدیوں سے نہ بچتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خدا گناہ سے سخت بیزار ہے اور اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا اور تکلیف دِہ ہے۔

انسانی نفس کے مراتب

نفس کی تین حالتیں ہیں۔ یا یہ کہو کہ نفس تین رنگ بدلتا ہے۔ بچپن کی حالت میں نفسِ زکیہ ہوتا ہے یعنی بالکل سادہ ہوتا ہے۔ اس عمر کے طے کرنے کے بعد پھر نفس پر تین حالتیں آتی ہیں سب سے اوّل جو حالت ہوتی ہے اس کا نام نفسِ اَمّارہ ہے۔ اس حالت میں انسان کی تمام طبعی قوتیں جوش زن ہوتی ہیں اور اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے دیا کا سیلاب آجاوے اس وقت قریب ہے کہ غرق ہو جاوے۔ یہ جوشِ نفس ہر قسم کی بے اعتدالیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

لیکن پھر اس پر ایک حالت اور بھی آجاتی ہے جس کا نام نفسِ لَوّامہ ہے۔ اس کا نام لوّامہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ بدی پر ملامت کرتا ہے اور یہ حالت نفس کی روا نہیں رکھتی کہ انسان ہر قسم کی بے اعتدالیوں اور جوشوں کا شکار ہوتا چلا جاوے۔ جیسا کہ نفسِ اَمّارہ کی صورت میں تھا بلکہ نفسِ لوّامہ اُسے بدیوں پر ملامت کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ نفسِ لوّامہ کی حالت میں انسان بالکل گناہ سے پاک اور بَری نہیں ہوتا مگر اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اس حالت میں انسان کی شیطان اور گناہ کے ساتھ ایک جنگ ہوتی رہتی ہے۔ کبھی شیطان غالب آجاتا ہے اور کبھی وُہ غالب آجاتا ہے۔ مگر نفسِ لوّامہ والا خدا تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وُہ بدیوں کے خلاف اپنے نفس سے جنگ کرتا رہتا ہے اور آخر اسی کشمکش اور جنگ و جدل میں اللہ تعالیٰ اس پر رحم کر دیتا ہے اور اُسے وہ نفس کی حالت عطا ہوتی ہے جس کا نام مُطمئنّہ ہے۔ یعنی اس حالت میں انسان شیطان اور نفس کی لڑائی میں فتح پا کر انسانیت اور نیکی کے قلعہ کے اندر آکر داخل ہو جاتا ہے اور اس قلعہ کو فتح کر کے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ خدا پر راضی ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں فنا اور محو ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی مقادیر کے ساتھ اس کو پُوری صلح اور رضا حاصل ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (الفجر ۲۸ : ۳۱)

یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تُو اس سے راضی

اور تُو تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مِل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سچا رجوع اس وقت ہوتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی رضا سے رضاءِ انسانی مِل جاوے۔ یہ وہ حالت ہے جہاں انسان اولیاء اور ابدال اور مقربین کا درجہ پاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملتا ہے اور وحی کی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ ہر قسم کی تاریکی اور شیطانی شرارت سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں زندہ ہوتا ہے، اس لیے وہ ایک ابدی بہشت اور سرور میں ہوتا ہے۔ انسانی ہستی کا مقصدِ اعلیٰ اور غرض اسی مقام کا حاصل کرنا ہے اور یہی وہ مقصد ہے جو اسلام کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، کیونکہ اسلام سے سچی مراد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع اپنی رضا کر لے۔

بلند تر مراتب پانے کے لیے دُعا کی ضرورت ہے

مگر سچ یہ ہے کہ یہ مقام انسان کی اپنی قوت سے نہیں مِل سکتا۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ مجاہدات کرے، لیکن اس مقام کے حصول کا اصل اور سچا ذریعہ دُعا ہے۔ انسان کمزور ہے جبتک دُعا سے قوت اور تائید نہیں پاتا، اس دشوار گذار منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوری اور اس کے ضعفِ حال کے متعلق ارشاد فرمایا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۹) یعنی انسان ضعیف اور کمزور بنایا گیا ہے۔ پھر باوجود اس کی کمزوری کے اپنی ہی طاقت سے ایسے عالی درجہ اور ارفع مقام کے حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر خام خیالی ہے۔ اس کے لیے دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ دُعا ایک زبردست طاقت ہے جس سے بڑے بڑے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور دشوار گذار منزلوں کو انسان بڑی آسانی سے طے کر لیتا ہے کیونکہ دُعا اس فیض اور قوت کو جذب کرنے والی ہے جو اللہ تعالیٰ سے آتی ہے۔ جو شخص کثرت سے دُعاؤں میں لگا رہتا ہے وہ آخر اس فیض کو کھینچ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے تائید یافتہ ہو کر اپنے مقاصد کو پا لیتا ہے۔ ہاں نری دُعا خدا تعالیٰ کا منشاء نہیں ہے بلکہ اوّل تمام مساعی اور مجاہدات کو کام میں لاتے اور اس کے ساتھ دُعا سے کام لے۔ اسباب سے کام لے۔ اسباب سے کام نہ لینا اور نری دُعا سے کام لینا یہ آدابُ الدُّعا سے ناواقفی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو آزمانا ہے۔ اور نرے اسباب پر گزر رہنا اور دُعا کو لاشئ محض سمجھنا یہ دہریت ہے۔ یقیناً سمجھو کہ دُعا بڑی دولت ہے۔ جو شخص دُعا کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے دین اور دُنیا پر آفت نہ آئے گی۔ وہ ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہے جس کے اردگرد مسلح سپاہی ہر وقت حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جو دعاؤں سے لاپروا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو خود بے ہتھیار ہے اور اس پر کمزور بھی ہے اور پھر ایسے جنگل میں ہے جو

درندوں اور مُوذی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کی خیر ہرگز نہیں ہے۔ ایک لحہ میں وہ مُوذی جانوروں کا شکار ہو جائے گا اور اس کی بُری بوٹی نظر نہ آئے گی۔ اس لیے یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سعادت اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ ہی یہی دُعا ہے۔ یہی دُعا اس کے لیے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔

قرآنی نصائح کا مغز

یہ بھی یقیناً سمجھو کہ یہ ہتھیار اور نعمت صرف اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ دُوسرے مذاہب اس عطیہ سے محروم ہیں۔ آریہ لوگ بھلا کیوں دُعا کریں گے جبکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ تناسخ کے چکّر میں سے ہم نکل ہی نہیں سکتے ہیں اور کسی گناہ کی معافی کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔ ان کو دُعا کی کیا حاجت اور کیا ضرورت اور اس سے کیا فائدہ؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریہ مذہب میں دُعا ایک بے فائدہ چیز ہے اور پھر عیسائی دُعا کیوں کریں گے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ دوبارہ کوئی گناہ بخشا نہیں جاتے گا کیونکہ مسیح دوبارہ تو معلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ خاص اکرام اسلام کے لیے ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ اُمّتِ مرحومہ ہے۔ لیکن اگر آپ ہی اس فضل سے محروم ہو جاویں اور خود ہی اس دروازہ کو بند کر دیں، تو پھر کس کا گناہ ہے۔ جب ایک حیات بخش چشمہ موجود ہے اور ہر وقت اس میں سے پانی پی سکتا ہے۔ پھر اگر کوئی اس سے سیراب نہیں ہوتا تو خود طالب موت اور تشنۂ ہلاکت ہے۔ اس صورت میں تو چاہیے کہ اس پر مُنہ رکھ دے اور خوب سیراب ہو کر پانی پی لیوے۔ یہ میری نصیحت ہے جس کو میں ساری نصائح قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں۔ قرآن شریف کے تین سپارے ہیں اور وہ سب کے سب نصائح سے لبریز ہیں لیکن ہر شخص نہیں جانتا کہ ان میں سے وہ نصیحت کون سی ہے جس پر اگر مضبوط ہو جاویں اور اس پر پُورا عملدرآمد کریں تو قرآن کریم کے سارے احکام پر چلنے اور ساری منہیات سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کلید اور قوت دُعا ہے۔ دُعا کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں یقین رکھتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ ساری مشکلات کو آسان کر دے گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ دُعا کیا چیز ہے۔ دُعا یہی نہیں ہے کہ چند لفظ مُنہ سے بڑبڑا لیے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ دُعا اور دعوت کے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کے لیے پکارنا۔ اور اس کا کمال اور مؤثر ہونا اس وقت ہوتا ہے جب انسان کمال درد دل اور قلق اور سوز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجُوع کرے اور اس کو پکارے ایسا کہ اس کی رُوح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانۂ اُلوہیت کی طرف بہہ نکلے یا جس طرح پر کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے تو دیکھتے ہو کہ اس کی پکار میں کیسا انقلاب اور تغیر ہوتا ہے۔ اس کی آواز ہی میں

درد بھرا ہوا ہوتا ہے جو دوسروں کے رحم کو جذب کرتا ہے۔ اسی طرح وُہ دعا جو اللہ تعالیٰ سے کی جاوے۔ اس کی آواز، اس کا لب و لہجہ بھی اور ہی ہوتا ہے۔ اس میں وہ رقت اور درد ہوتا ہے جو اُلوہیت کے چشمۂ رحم کو جوش میں لاتا ہے۔ اس دُعا کے وقت آواز ایسی ہو کہ سارے اعضاء اس سے متاثر ہو جاویں اور زبان میں خشوع خضوع ہو۔ دل میں درد اور رقت ہو۔ اعضاء میں انکسار اور رجُوع الی اللہ ہو۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر کامل ایمان اور پوری امید ہو۔ اس کی قدرتوں پر ایمان ہو۔ ایسی حالت میں جب آستانۂ اُلوہیت پر گرے۔ نامراد واپس نہ ہوگا۔ چاہیے کہ اس حالت میں بار بار حضورِ الٰہی میں عرض کرے کہ میں گنہگار اور کمزور ہوں۔ تیری دستگیری اور فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ تُو آپ رحم فرما اور مجھے گناہوں سے پاک کر، کیونکہ تیرے فضل و کرم کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو مجھے پاک کرے۔ جب اس قسم کی دُعا میں مداومت کرے گا اور استقلال اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید کا طالب رہے گا تو کسی نامعلوم وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نُور اور سکینت اس کے دل پر نازل ہوگی جو دل سے گناہ کی تاریکی دور کر دیگی۔ اور غیب سے ایک قوت عطا ہوگی جو گناہ سے بیزاری پیدا کر دے گی اور وُہ ان سے بچے گا۔ اس حالت میں دیکھے گا کہ میرا دل جذبات اور نفسانی خواہشوں کا ایسا اسیر اور گرفتار تھا کہ گویا ہزاروں ہزار زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا جو بے اختیار اُسے کھینچ کر گناہ کی طرف لے جاتے تھے اور یا یک دفعہ وہ سب زنجیر ٹوٹ گئے ہیں اور آزاد ہو گیا ہے اور جیسے پہلی حالت میں وہ محسوس اور مشاہدہ کرے گا کہ وہی رغبت اور رجُوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گناہ سے محبت کی بجائے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے وحشت اور نفرت کی بجائے محبت اور کشش پیدا ہوگی۔

یہ ایک زبردست صداقت ہے جو اسلام میں موجود ہے اس کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس کا زندہ ثبوت ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اگر انسان اس امر کو سمجھ لے اور وُہ دُعا کے راز سے آگاہ ہو جاوے تو اس میں اس کی بڑی ہی سعادت اور نیک بختی ہے اور اس صورت میں سمجھو کہ گویا اس کی ساری ہی مرادیں پوری ہو گئی ہیں، ورنہ دُنیا کے ہم و غم تو اس قسم کے ہیں کہ انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

رُو بخدا ہو جاؤ

جو شخص رُو بدُنیا ہوتا ہے وہ تھوڑی دُور چل کر رہ جاتا ہے کیونکہ نامرادیاں اور ناکامیاں آخر آکر ہلاک کر دیتی ہیں، لیکن جو شخص ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ رُو بخدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی کے لیے اس کی سب حرکات و سکنات ہوتی ہیں تو خدا تعالیٰ دُنیا کو بھی ناک سے پکڑ کر اس کا خادم بنا دیتا ہے؛ اگرچہ اس حالت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دنیادار

تو دُنیا کا دیوانہ ہوتا ہے لیکن یہ رُدبخد اشخص جس کی دُنیا خادم کی جاتی ہے۔ دُنیا اور اس کی لذتوں میں کوئی لذت نہیں پاتا۔ بلکہ ایک قسم کی بدمزگی ہوتی ہے کیونکہ وہ لُطف اور ذوقِ دُنیا کی طرف نہیں ہوتا بلکہ کسی اور طرف ہو جاتا ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور ساری راحت اور لذت اللہ تعالیٰ ہی کی رضا میں پاتا ہے تو کچھ شک نہیں دُنیا بھی اس کے پاس آجاتی ہے، مگر راحت کے طریق اور ہو جائیں گے۔ وہ دُنیا اور اس کی راحتوں میں کوئی لذت اور راحت نہیں پاتا۔ اسی طرح پر انبیاء اور اولیاء کے قدموں پر دُنیا کو لاکر ڈال دیا گیا ہے مگر اُن کو دُنیا کا کوئی مزا نہیں آیا، کیونکہ اُن کا رُخ اور طرف تھا۔ یہی قانونِ قدرت ہے۔ جب انسان دُنیا کی لذت چاہتا ہے تو وُہ لذت اُسے نہیں ملتی لیکن جب خدا تعالیٰ میں فنا ہو کر دُنیا کی لذت کو چھوڑتا ہے اور اس کی آرزو اور خواہش باقی نہیں رہتی تو دُنیا ملتی ہے، مگر اس کی لذت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک مستحکم اصول ہے اس کو بھولنا نہیں چاہیے۔ خدا یابی کے ساتھ دنیا یابی وابستہ ہے۔ خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا اُسے تمام مشکلات سے نجات ملے گی اور ایسے طور پر اسے رزق دے گا کہ اُسے علم بھی نہ ہوگا۔ یہ کس قدر برکت اور نعمت ہے کہ ہر قسم کی تنگی اور مشکل سے آدمی نجات پا جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کے رزق کا کفیل ہو، لیکن یہ بات جیسا کہ خود اس نے فرمایا تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے اور کوئی امر اس کے ساتھ نہیں بتایا کہ دینوی مکر و فریب سے یہ باتیں حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی علامات میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ وہ دُنیا سے طبعی نفرت کرتے ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے اور دنیا اور آخرت کی راحت اُسے مل جاوے وہ یہ راہ اختیار کرے۔ اگر اس راہ کو تو چھوڑتا ہے اور اور راہیں اختیار کرتا ہے تو پھر ٹکریں مار کر دیکھ لے کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ ہوں گے جن کو یہ نصیحت بُری لگے گی اور وہ ہنسی کریں گے، لیکن وہ یاد رکھیں کہ آخر ایک وقت آجائے گا کہ وہ ان باتوں کی حقیقت کو سمجھیں گے اور پھر بول اُٹھیں گے کہ افسوس ہم نے یونہی عمر ضائع کی لیکن اس وقت کا افسوس کچھ کام نہ دیگا۔ اصل موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور پیغامِ موت آجائے گا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی فکر کرو۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ مہربان ہو جاوے تو ساری دُنیا مہربان ہو جاتی ہے، لیکن اگر وہ ناراض ہو تو پھر کوئی بھی کام نہیں آسکتا۔ جب اس کا غضب آگیا تو دُنیا میں کوئی مہربان نہ رہے گا خواہ کیسا ہی مکر و فریب کرے۔ تسبیحیں ڈالے۔ بھگوے اور سبز کپڑے پہنے۔ مگر دُنیا اس کو حقیر ہی سمجھے گی۔ اگر چند روز دُنیا دھوکہ کھا بھی لے تو بھی آخر اس کی قلعی کھل جائے گی اور اس کا

مکر و فریب ظاہر ہو جائے گا لیکن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے دُنیا اس کی کتنی ہی مخالفت کرے وہ اپنی مخالفت اور منصوبوں میں کامیاب نہ ہوگی۔ اس کو گالیاں دے۔ لعنتیں بھیجے۔ لیکن ایک وقت آجائے گا کہ وہی دُنیا اس کی طرف رجُوع کرے گی اور اس کی سچائی کا اعتراف اسے کرنا پڑے گا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اللہ جس کا ہو جاتا ہے دُنیا بھی اُس کی ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ ابتدائہ اہلِ دُنیا اُن کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُسے قسم قسم کی تکلیفیں دیتے اور اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ کوئی پیغمبر اور مُرسل نہیں آیا جس نے دُکھ نہ اُٹھایا ہو۔ مکّار۔ فریبی۔ دکاندار اس کا نام نہ رکھا ہو۔ مگر باوجود اس کے کہ کروڑ ہا بندوں نے اس پر ہر قسم کے تیر چلانے چاہے۔ پتھر مارے۔ گالیاں دیں۔ انہوں نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ کوئی امر اُن کی راہ میں روک نہیں ہو سکا۔ وہ دُنیا کو خدا تعالیٰ کی کلام سُناتے رہے اور وُہ پیغام جو لے کر آئے تھے۔ اس کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان تکلیفوں اور ایذا رسانیوں نے جو نادان دُنیا داروں کی طرف سے پہنچیں ان کو سُست نہیں کیا بلکہ وہ اور تیز قدم ہوتے یہانتک کہ وُہ زمانہ آگیا کہ اللہ تعالیٰ نے وُہ مشکلات ان پر آسان کر دیں اور مخالفوں کو سمجھ آنے لگی اور پھر وہی مخالف دنیا ان کے قدموں پر آگری اور اُن کی راستبازی اور سچائی کا اعتراف ہونے لگا۔ دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔

تبلیغ کی مشکلات

یقیناً یاد رکھو۔ تمام انبیاء کو اپنی تبلیغ میں مشکلات آئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بہتر تھے۔ یہانتک کہ آپ پر سلسلۂ نبوت اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا یعنی تمام کمالاتِ نبوت آپ پر طبعی طور پر ختم ہو گئے۔ باوجود ایسے جلیل الشان نبی ہونے کے کون نہیں جانتا کہ آپ کو تبلیغِ رسالت میں کس قدر مشکلات اور تکالیف پیش آئیں اور کفار نے کس حد تک آپ کو ستایا اور دُکھ دیا۔ اس مخالفت میں اپنی ہی قوم اور چچا اور دوسرے بزرگ سب سے بڑھ کر حصّہ لینے والے تھے۔ آپ کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا زمانہ اتنا لمبا ہوا کہ تیرہ برس تک اپنی قوم سے ہر قسم کے دُکھ اُٹھاتے رہے۔ اس حالت میں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص کامیاب ہوگا۔ کیونکہ ہر طرف مخالفت کا بازار گرم تھا اور خود اپنے رشتہ دار ہی تشنہ خُون ہو رہے تھے جدّی اور برادری کے لوگوں نے جب قبول نہ کیا تو اوروں کو اور بھی مشکلات پیش آگئے۔ غرض اس طرح پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مصیبتوں کا زمانہ دراز ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کے مشکلات پیش نہیں آئے کیونکہ حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل نے ان کو فوراً قبول کر لیا تھا۔ اس لیے قوم کی طرف سے کوئی دُکھ اور مصیبت یا روک ان کو پیش نہیں

آئی لیکن برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہی قوم سے مشکلات اور انکار کا مرحلہ پیش آیا پھر ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں کیسی اعلیٰ درجہ کی ثابت ہوئی ہیں جو آپ کے کمالات اور فضائل کا سب سے بڑھ کر ثبوت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے اذن و امر سے تبلیغ شروع کی تو پہلے ہی آپ کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ قوم نے انکار کیا۔ لکھا ہے کہ جب آپ نے قریش کی دعوت کی اور سب کو بلا کر کہا میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اس کا جواب دو۔ یعنی میں اگر تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی بھاری فوج پڑی ہوئی ہے اور وہ اس گھات میں بیٹھی ہوئی ہے کہ موقع پاکر تمہیں ہلاک کر دے، تو کیا تم باور کرو گے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ بیشک ہم اس بات کو تسلیم کریں گے۔ اس لیے کہ تو ہمیشہ سے صادق اور امین ہے۔ جب وہ یہ اقرار کر چکے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو میں سچ کہتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور تم کو آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اتنی بات کہنی تھی کہ سب آگ ہو گئے اور ایک شریر بول اُٹھا۔ تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ۔ افسوس جو بات ان کی نجات اور بہتری کی تھی ناعاقبت اندیش قوم نے اس کو ہی بُرا سمجھا اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اب اسکے بالمقابل موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دیکھو۔ بنی اسرائیل باوجود یکہ ایک سخت دل قوم تھی، لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ پر فوراً ہی اس کو قبول کر لیا۔ اور اس طرف موسیٰ علیہ السلام سے افضل کو قوم نے تسلیم نہ کیا اور مخالفت کے لیے تیار ہو گئے۔ مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آئے دن قتل کے منصوبے ہونے لگے۔ اور یہ زمانہ اتنا لمبا ہو گیا کہ تیرہ برس تک برابر چلا گیا۔ تیرہ برس کا زمانہ کم نہیں ہوتا۔ اس عرصہ میں آپ نے جس قدر دُکھ اُٹھائے ان کا بیان بھی آسان نہیں ہے۔ قوم کی طرف سے تکالیف اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی جاتی تھی اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر اور استقلال کی ہدایت ہوتی تھی اور بار بار حکم ہوتا تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں نے صبر کیا ہے تُو بھی صبر کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال صبر کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور تبلیغ میں سُست نہ ہوتے تھے بلکہ قدم آگے ہی پڑتا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر پہلے نبیوں کا سا نہ تھا کیونکہ وہ تو ایک محدود قوم کے لیے مبعوث ہو کر آئے تھے، اس لیے ان کی تکالیف اور ایذا رسانیاں بھی اسی حد تک محدود ہوتی تھیں[1]۔ لیکن اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر بہت ہی بڑا تھا، کیونکہ سب سے اوّل تو اپنی ہی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف ہو گئی اور ایذا رسانی کے درپے ہوئی اور پھر عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔ جب انکو

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۲ صفحہ ۱ تا ۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۴ء

سُنایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک خدا کے بندے اور رسُول تھے تو اُن کو آگ لگ گئی۔ کیونکہ وہ تو اُنکو خُدا بنائے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر حقیقت کھول دی۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جس کو خُدا بنا لیتا ہے اور اپنا معبُود مانتا ہے۔ اس کا ترک کرنا آسان نہیں ہوتا بلکہ پھر اس کو چھوڑنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ عیسائیوں کا یہ اعتقاد پختہ ہو گیا ہوا تھا۔ اس لیے جب انہوں نے سُنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مصنوعی خدا کو انسان بنا دیا تو وہ دشمنِ جان بن گئے اور اسی طرح پر یہودیوں میں بہت سی مشرکانہ رسُومات پیدا ہو گئی تھیں اور وہ حضرت مسیح کا بالکل انکار کرتے تھے۔ جب اُن کو متنبہ کیا گیا تو وہ بھی مخالفت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ وُہ تو حضرت مسیح کو معاذ اللہ مکار اور کذاب کہتے تھے۔ بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتایا کہ تم اُن کو کذاب کہنے میں خود کذاب ہو۔ وُہ خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی ہے۔

اس کے علاوہ ان کی مخالفت کی ایک بڑی بھاری وجہ یہ ہوئی کہ وہ اپنی بے وقوفی اور کم فہمی سے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے آئے گا، کیونکہ توریت میں جیسا کہ سنّت اللہ ہے۔ آخری نبی کے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ ایسے الفاظ میں ہے جس سے اُن کو یہ شُبہ پیدا ہو گیا تھا وہاں لکھا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے۔ وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی لیے بیٹھے تھے، حالانکہ اس سے مراد بنی اسمٰعیل تھی۔ پس جب اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ سُنا کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں تو ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور جو کچھ وہ توریت کی اس پیشگوئی کے موافق سمجھے بیٹھے تھے وہ غلط قرار دیا گیا۔ اس سے اُن کے آگ لگی اور وہ مخالفت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

پیشگوئیوں کے متعلق سنّت اللہ

اصل بات یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں سنّت اللہ یہی ہے کہ ان میں اِخفاء اور ابتلاء کا بھی ایک پہلو ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ پہلو نہ رکھا جاوے تو پھر کوئی اختلاف ہی نہ رہے اور سب کا ایک ہی مذہب ہو جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے امتیاز کے لیے ایسا ہی چاہا ہے۔ کہ پیشگوئیوں میں ایک ابتلا کا پہلو رکھ دیتا ہے۔ کوتاہ اندیش، ظاہر پرست اس پر اڑ جاتے ہیں اور اصل مقصد سے دُور جا پڑتے ہیں۔ اسی طرح پر ان یہودیوں کو یہ مشکل پیش آئی۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شک میں پڑ گئے۔ اگر توریت میں وہ پیشگوئی صاف الفاظ میں ہوتی کہ آنے والا بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا اور اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ اس کے باپ کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب ہوگا اور اس کی ماں کا نام آمنہ ہوگا تو یہودی کیونکر انکار کرتے؟ مگر ان کی بدقسمتی سے پیشگوئی میں ایسی صراحت نہ تھی۔ وہاں لکھا تھا کہ تیرے بھائیوں میں سے

وہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہی سمجھتے رہے۔

ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت بھی یہودیوں کو ٹھوکر لگی تھی۔ ملاکی نبی کی کتاب میں حضرت مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا کے آنے کی پیشگوئی درج ہے۔ جب حضرت مسیح آگئے اور اُنھوں نے دعویٰ کیا تو یہودی مخالفت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ اس لیے وہ انکار کرنے لگے، چنانچہ انھوں نے خود حضرت مسیح سے یہی سوال کیا کہ الیاس کا آنا جو مسیح سے پہلے ضروری ہے وہ کہاں ہے؟ حضرت مسیح نے کہا کہ آنیوالا الیاس آگیا ہے۔ یعنی وہ یوحنا ابنِ زکریا کے رنگ میں آیا ہے چاہو تو قبول کرو۔ مگر یہ بات ان کی تسلی کا موجب کیونکر ہو سکتی تھی۔ وہ اس بات پر اڑے رہے کہ وہاں کسی مثیل کے آنے کی خبر تو دی نہیں گئی۔ وہاں تو خود ایلیا کے آنے کا وعدہ ہے۔ اس بنا پر وہ انکار کرتے رہے اور دُکھ اور تکلیفیں بھی پہنچاتے رہے۔ یہاں تک کہ اب بھی یہودی یہی یقین رکھتے ہیں۔ میرے پاس ایک فاضل یہودی کی کتاب ہے۔ اُس نے اس مسئلہ پر ایک لمبی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ ہم اس مسیح کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں جبکہ اس سے پہلے ایلیا نہیں آیا۔ یہ شخص جو یسوع مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ بناوٹی اور جھوٹا ہے کیونکہ وہ ایلیا کے دوبارہ آنے کی جھوٹی تاویل کرتا ہے۔ ہم اس کے خالہ زاد بھائی یحییٰ کو کیونکر ایلیا سمجھ لیں پھر وہ لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ ہم کس طرح پر اس شخص کے دعویٰ کو تسلیم کر لیں جبکہ ہمیں یہ خبر دی گئی تھی کہ پہلے ایلیا آئے گا۔ اس میں کسی مثیل کا وعدہ نہیں کیا گیا۔ آخر میں کہتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ قیامت کو ہم سے سوال کرے گا کہ کیوں اس مسیح کو قبول نہیں کیا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر اس کے سامنے رکھ دیں گے۔

اس قسم کے مشکلات ان لوگوں کو کیوں پیش آتے؟ اس کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ اُنھوں نے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں پر غور نہیں کیا اور ظاہر الفاظ پر اڑے رہے۔ اسی قسم کے مشکلات اس وقت مسلمانوں کو پیش آتے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جاوے تو اُن کے سامنے تو کوئی نظیر اور فیصلہ موجود نہ تھا لیکن ان کے سامنے تو دوبارہ آنے کا مقدمہ فیصل شدہ موجود ہے جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عدالت سے فیصل ہو چکا ہے۔ انھوں نے تاویل کر کے بتا دیا تھا کہ دوبارہ آنے والے شخص سے مراد وہی نہیں ہوتا۔ پھر کس قدر افسوس ہے ان پر کہ یہ اس فیصلہ سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ یہودیوں کو جس پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لعنتی ہو گئے۔ اسی پتھر سے یہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہودی اس وقت دُنیا میں موجود ہیں۔ ان کی کتابیں موجود ہیں۔ اُن سے دریافت کر لو کہ کیا ان کا یہ عقیدہ تھا یا نہیں کہ مسیح سے پہلے الیاس آئے گا اور ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی درج ہے یا نہیں؟ اور پھر عیسائیوں سے

پوچھو اور انجیل میں اس فیصلہ کو پڑھو جو مسیح نے خود کیا ہے۔ مومن تو دوسرے کی مصیبت سے عبرت پکڑتا ہے لیکن ان مسلمانوں نے اس سے کیا سبق سیکھا؟ یہودی عقیدہ ہے جس کی وجہ سے یہودی واصلِ جہنم ہوئے۔ اب کیا یہ بھی یہی چاہتے ہیں؟ میں حیران ہوتا ہوں کہ ان کی عقلوں کو کیا ہوگیا۔ اگر حضرت مسیح کا وہ فیصلہ جو انہوں نے الیاس کے دوبارہ آنے کے متعلق کیا ہے صحیح نہیں ہے تو پھر مجھے جواب دیں کہ حضرت مسیح سچے پیغمبر کیونکر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ اس میں تو کوئی کلام اور شُبہ ہی نہیں کہ اُن کے آنے سے پیشتر ایلیا کا آنا ضروری تھا اور ایلیا آسمان سے نہیں آیا۔ پھر حضرت مسیح کیونکر سچے نبی ٹھہریں گے۔

اِس عقیدۂ فاسدہ سے یہی نہیں کہ یہودیوں کی طرح حضرت عیسیٰؑ کی رسالت سے انکار کرنا پڑے گا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی معاذ اللہ ہاتھ سے جاتے گی۔ کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد اور بعثت حضرت مسیحؑ کے بعد ہے اور جب ابھی تک مسیح بھی نہیں آیا تو پھر اسلام کیونکر صحیح ہوگا؟ سوچو اور غور کرو کہ تمہاری ذرا سی ٹھوکر کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ سُنو۔ اصل حقیقت یہی ہے اور سچا فیصلہ وہی ہے جو حضرت مسیح نے کر دیا تھا۔ اس سے مُنہ پھیرنا اچھا نہیں ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الانبیاء: ۸)۔

غرض انبیاء علیہم السلام کو اپنی تبلیغ کی راہ میں بہت سی مشکلات ہوتی ہیں اور اُن کے مصائب میں سے یہ بھی بڑی مصیبت ہے کہ جس قدر دیر نبی کی کامیابی میں ہوگی۔ اسی قدر ہم و غم اس کا پڑے گا۔ میں ان مشکلات سے الگ نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بھی منہاجِ نبوت پر قائم کیا ہے۔

جماعت میں شامل ہونے والوں کے لیے نصائح

ہماری جماعت کے لیے بھی اسی قسم کی مشکلات ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں کو پیش آئے تھے، چنانچہ نئی اور سب سے پہلی مصیبت تو یہی ہے کہ جب کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے تو معاً دوست، رشتہ دار اور برادری الگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ اور بھائی بہن بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ السلام علیکم تک کے روادار نہیں رہتے اور جنازہ پڑھنا نہیں چاہتے۔ اس قسم کی بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض کمزور طبیعت کے آدمی بھی ہوتے ہیں اور ایسی مشکلات پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ اس قسم کی مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ تم انبیاء و رسل سے زیادہ نہیں ہو۔ ان پر اس قسم کی مشکلات اور مصائب آئیں اور یہ اسی لیے آتی ہیں کہ خدا تعالیٰ پر ایمان قوی ہو اور پاک تبدیلی کا موقعہ ملے۔ دعاؤں میں لگے رہو۔ پس یہ ضروری ہے کہ تم انبیاء و رُسل کی پیروی کرو اور صبر کے طریق کو اختیار کرو۔ تمہارا کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ دوست

جو تمہیں قبولِ حق کی وجہ سے چھوڑتا ہے وہ سچا دوست نہیں ہے، اور نہ چاہیے تھا کہ تمہارے ساتھ ہوتا تمہیں چاہیے کہ وہ لوگ جو محض اس وجہ سے تمہیں چھوڑتے اور تم سے الگ ہوتے ہیں کہ تم نے خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے اُن سے دنگہ یا فساد مت کرو بلکہ اُن کے لیے فانبانہ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی وہ بصیرت اور معرفت عطا کرے جو اُس نے اپنے فضل سے تمہیں دی ہے۔ تم اپنے پاک نمونہ اور عمدہ چال چلن سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ تم نے اچھی راہ اختیار کی ہے۔ دیکھو میں اس امر کے لیے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سُن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ اور نرمی سے جواب دو۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش سے مخالفت کرتا ہے اور مخالفت میں وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو۔ جس سے سُننے والوں میں اشتعال کی تحریک ہو لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا، تو خود اُسے شرم آجاتی ہے اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب مَیں یہ سُنتا ہوں کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر کسی سے لڑا ہے۔ اس طریق کو مَیں ہرگز پسند نہیں کرتا اور خُدا تعالیٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ جماعت جو دُنیا میں ایک نمونہ ٹھہرے گی وہ ایسی راہ اختیار کرے جو تقویٰ کی راہ نہیں ہے بلکہ مَیں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں تک اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس جماعت میں ہو کر صبر اور برداشت سے کام نہیں لیتا تو وہ یاد رکھے کہ وہ اس جماعت میں داخل نہیں ہے۔ نہایت کار اشتعال اور جوش کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مجھے گندی گالیاں دی جاتی ہیں تو اس معاملہ کو خُدا کے سپرد کر دو۔ تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ تم ان گالیوں کو سُن کر بھی صبر اور برداشت سے کام لو۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ مَیں ان لوگوں سے کس قدر گالیاں سُنتا ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گندی گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط آتے ہیں اور کھُلے کارڈوں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ بیرنگ خطوط آتے ہیں جن کا محصول بھی دینا پڑتا ہے اور پھر جب پڑھتے ہیں تو گالیوں کا طومار ہوتا ہے۔ ایسی فحش گالیاں ہوتی ہیں کہ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ کسی پیغمبر کو بھی ایسی گالیاں نہیں دی گئی ہیں۔ اور مَیں اعتبار نہیں کرتا کہ ابوجہل میں بھی ایسی گالیوں کا مادہ ہو۔ لیکن یہ سب کچھ سُننا پڑتا ہے۔ جب مَیں صبر کرتا ہوں تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی صبر کرو۔ درخت سے بڑھ کر تو شاخ نہیں ہوتی۔ تم دیکھو کہ یہ کب تک گالیاں دیں گے۔ آخر یہی تھک کر رہ جائیں گے۔ اُن کی گالیاں، اُن کی شرارتیں اور منصوبے مجھے ہرگز نہیں تھکا سکتے۔ اگر میں

خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو بیشک میں اُن کی گالیوں سے ڈر جاتا، لیکن میں یقیناً جانتا ہوں کہ مجھے خدا نے مامور کیا ہے پھر میں ایسی خفیف باتوں کی کیا پرواکروں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم خود غور کرو کہ اُن کی گالیوں نے کس کو نقصان پہنچایا ہے اُن کو یا مجھے؟ ان کی جماعت گھٹی ہے اور میری بڑھی ہے۔ اگر یہ گالیاں کوئی روک پیدا کر سکتی ہیں تو دو لاکھ سے زیادہ جماعت کس طرح پیدا ہو گئی۔ یہ لوگ ان میں سے ہی آتے ہیں یا کہیں اور سے؟ اُنھوں نے مجھ پر کُفر کے فتوے لگائے لیکن اس فتویٰ کفر کی کیا تاثیر ہوئی؟ جماعت بڑھی۔ اگر یہ سلسلہ منصوبہ بازی سے چلایا گیا ہوتا تو ضرور تھا کہ اس فتویٰ کا اثر ہوتا اور میری راہ میں وہ فتویٰ کفر بڑی بھاری روک پیدا کر دیتا۔ لیکن جو بات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو انسان کا مقدور نہیں ہے کہ اُسے پامال کر سکے جو کچھ منصوبے میرے مخالف کرتے جاتے ہیں پہچان کرنے والوں کو حسرت ہی ہوتی ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ایک عظیم الشان دریا کے سامنے جو اپنے پورے زور سے آرہا ہے اپنا ہاتھ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سے رُک جاوے، مگر اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ رُک نہیں سکتا۔ یہ اُن گالیوں سے روکنا چاہتے ہیں مگر یاد رکھیں کہ کبھی نہیں رُکے گا۔ کیا شریف آدمیوں کا کام ہے کہ گالیاں دے۔ میں ان مُسلمانوں پر افسوس کرتا ہوں کہ یہ کس قسم کے مسلمان ہیں جو ایسی بیباکی سے زبان کھولتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی گندی گالیاں میں نے تو کبھی کسی چوڑھے چمار سے بھی نہیں سُنی ہیں جو ان مسلمان کہلانے والوں سے سُنی ہیں۔

ان گالیوں میں یہ لوگ اپنی حالت کا اظہار کرتے ہیں اور اعتراض[1] کرتے ہیں کہ وہ فاسق و فاجر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور ان پر رحم کرے۔ (آمین)

ایسے گالیاں دینے والے خواہ ایک کروڑ ہوں۔ خُدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ جانتے ہیں کہ ایک پیسہ کا کارڈ ہی ضائع ہو گا مگر نہیں جانتے کہ اس پیسہ کے نقصان کے ساتھ نامۂ اعمال بھی سیاہ ہو جائے گا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ گالیاں دی کیوں جاتی ہیں۔ کیا صرف اس لیے کہ میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف کو نہ چھوڑو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہ کرو۔ غضب کی بات ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور پھر زمین پر نہیں آئیں گے مگر یہ ماننے میں نہیں آتے اور اس عقیدہ مخالفتِ قرآن پر اڑتے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا اور خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم نہ کیا ہوتا، تو یہ جو کچھ چاہتے کہتے کیونکہ اُن کو بیدار کرنے والا اور آگاہ کرنے والا ان میں موجود نہ تھا۔ لیکن اب جبکہ خدا تعالیٰ

---

[1] یہ لفظ "اعتراف" ہے۔ سہو کاتب سے اعتراض لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے اور میں وہی ہوں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم قرار دیا ہے تو پھر میرے فیصلہ پر چون و چرا کرنا ان کا حق نہیں تھا۔ طریق تقویٰ تو یہ تھا کہ میری باتوں کو سنتے اور غور کرتے انکار کے لیے جلدی نہ کرتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے آنے کے بعد اُن کا حق نہیں ہے کہ بیزبان کھولیں۔ کیونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور حَکَم ہو کر آیا ہوں[1]۔

ابھی بہت زمانہ نہیں گذرا کہ مُقلّد غیر مقلدوں کی غلطیاں نکالتے اور وہ ان کی غلطیاں ظاہر کرتے اور اس طرح پر دُوسرے فرقے آپس میں درندوں کی طرح لڑتے جھگڑتے تھے۔ ایک دُوسرے کو کافر کہتے اور نجس بتاتے تھے۔ اگر کوئی تسلی کی راہ موجود تھی، تو پھر اس قدر اختلاف اور تفرقہ ایک ہی قوم میں کیوں تھا؟ غلطیاں واقع ہو چکی تھیں اور لوگ حقیقت کی راہ سے دُور جا پڑے تھے۔ ایسے اختلاف کے وقت ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ خود فیصلہ کرتا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک حَکَم اُن میں بھیج دیا۔ اب بتاؤ کہ میں نے کیا زیادتی کی ہے یا کیا قرآن شریف سے کم کر دیا ہے جو میری مخالفت کے لیے اس قدر جوش پیدا ہوا ہے؟

یہ سچ ہے کہ اس وحی کی بنا پر جو خدا تعالیٰ کی کامل اور مجید کتاب کی شرح میں ہے میں نے کہا کہ مسیح مر گیا ہے، لیکن اس کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے؟ کیوں یہ قرآن شریف کو غور سے نہیں پڑھتے۔ کیا اُن کو شرم نہیں آتی ہے کہ یہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ موحد کہلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء اور خیر البشر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب وہی لفظ تَوَفّی کا آپؐ پر آتا ہے تو اس کے معنے موت کرتے ہیں اور جب مسیح پر آتا ہے تو زندہ مع جسم آسمان پر اٹھائے جاتے ہیں۔ اُن کی غیرت کو کیا ہوا؟ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہتک کیوں روا رکھتے ہیں؟ کیا قرآن شریف میں نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس:۴۷) رسُول اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں آیا؟ اور وہی لفظ مسیح کے لیے مُتَوَفِّيكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي میں آیا ہے۔ پھر یہ کیا ہو گیا کہ ایک جگہ کچھ اور معنے اور ایک جگہ کچھ اور۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کمزور نبی سمجھا ہے جو انہیں زمین میں دفن کرتے ہیں اور مسیح کو آسمان پر چڑھا لیتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی اور آپؐ کے جلال اور شوکت کے لیے غیرت ہے تو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ بھی زندہ آسمان

---

[1] اس مقام پر پہنچ کر حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز اور تقریر میں ایک خاص جلال اور شوکت تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپؐ کی عظمت جو آپ کے دل میں ہے معلوم ہوتی تھی۔ تقریر میں غیر معمولی زور تھا اور وہ پُرزور دریا کی طرح بہہ رہی تھی۔ پورے طور پر ہم قادر نہیں ہو سکے کہ اس حصہ کو قلمبند کر سکیں تاہم جس قدر کوشش اور سعی سے ہو سکا قلمبند کیا ہے۔ (ایڈیٹر الحکم)

پر اٹھائے گئے ہیں۔ تب میں بھی سمجھ لیتا کہ یہ مسیح کی خصوصیت نہیں ٹھہراتے مگر موجودہ حالت میں میرا دل گوارا نہیں کر سکتا کہ میں قرآن شریف کے ایسے معنے کروں جو خود قرآن شریف اور لغت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتکِ شان کا باعث ہوں۔

میں مسیح کہتا ہوں کہ جس شخص نے یہ لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں وہ کافر ہے وہ سچ کہتا ہے۔

اس خصوصیت کے پیدا کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ تیس لاکھ مرتد ہو گیا۔ خدا کے واسطے اس قدر ظلم نہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور رتبہ کو گھٹایا جاوے۔ جو اس عقیدہ سے برابر گھٹتی ہے کہ وہ تو زمین میں دفن کئے گئے اور مسیح آسمان پر اٹھایا گیا۔ مسیح ہرگز زندہ نہیں رہا۔ وہ مر گیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ (آل عمران: ۵۶) اور خود مسیح نے اقرار کر لیا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي۔ (المائدہ: ۱۱۸)

میں پھر کہتا ہوں کہ عیسائیوں کو اعتراض کا موقعہ نہ دو۔ میری باتوں کو سنو اور غور سے سنو اور پھر اپنی جگہ پر جا کر سوچو۔[1]

---

۳ ستمبر ۱۹۰۴ء

بمقام لاہور

مذہبی رواداری کی تعریف

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری تقریر جو حضور نے بارہ ہزار سے زائد آدمیوں کے مجمع میں حاضرین کی کی بیحد خواہش سے کی:

میں آپ سب صاحبوں کا شکر کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ میرے لیکچر کو سنا۔ میں ایک مسافر آدمی ہوں اور کل صبح انشاء اللہ چلا جاؤں گا۔ لیکن میں اس شکر اور خوشی کو ساتھ لے جاؤں گا۔ اور یاد رکھوں گا کہ باوجود اختلاف رائے کے (کہ جس کی وجہ سے عموماً جوش پیدا ہو جاتا ہے) آپ نے نیکی اور نیک اخلاقی اور آہستگی سے میرے مضمون کو سنا۔ میں یہ جانتا ہوں اور خود محسوس کرتا ہوں کہ مدت کے خیالات کو چھوڑنا سہل اور آسان نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔ یہ محض اللہ تعالےٰ

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۳ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۴ء

کے فضل پر موقوف ہے کہ انسان اپنے اندر علمی یا عملی تبدیلی کر سکے۔ لیکن جو اخلاق آپ نے دکھائے ہیں وہ نہایت ہی قابلِ تعریف ہیں اور میں دُعا کرتا ہوں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہ اجتماعی رنگ دکھایا ہے وہ ایسا وقت اور زمانہ بھی لاوے کہ دلوں میں بھی اتحاد اور اجتماع ہو اس ملک کو تفرقہ نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس مُلک کے ہندوؤں اور مُسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا اور باوجود اختلافِ مذاہب بھی ان میں قابلِ قدر میل ملاپ تھا مگر اس زمانہ میں فرق آگیا اور خُدا کرے کہ یہ دُور ہو جاتے۔

یاد رکھو کہ یہ تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے کہ انسان اختلافِ شریعت و مذہب کی وجہ سے اخلاق کو بھی چھوڑ دے۔ اختلافِ رائے اور چیز ہے اور اخلاق اور۔ یہ انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال ہے کہ باوجود اختلافِ رائے کے اخلاقی کمزوری نہ دکھائے۔ آج کے جلسہ نے مجھے ایک تازہ امید دلائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے تو یہ میل جول ترقی کریگا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جبتک طبیعت میں یہ اِستعداد نہیں ہوتی کہ کوئی شخص صبر اور خوش خلقی سے ایک مخالف رائے کو سُن سکے وہ ایسی رائے کو سُن کر چُپ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے یہ خاموشی اور صبر مجھے امید دلاتا ہے کہ اچھے نتیجے پیدا ہوں گے۔ یہ بھی خوبی کی بات ہے کہ جب مخالف رائے کو سُنے تو فوراً جواب دینے کو تیار نہ ہو جائے کیونکہ یہ تو محض ہار جیت کی خواہش ہوگی لیکن اس رائے کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے اس پر صبر سے فکر کرنا چاہیے۔ اس سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے اور علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دُنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے، لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں ہے پس جو جلدی نہیں کرتا بلکہ فکر کرتا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے بصیرت اور معرفت عطا کر۔ وہ اس حکمت کے خزانہ کو محفوظ رکھتا ہے پس میں چاہتا ہوں کہ آپ صاحبان اس خزانہ کے حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

میں آپ صاحبوں کی خدمت میں ادب، عجز اور تواضع سے عرض کرتا ہوں کہ یہ جو کچھ سُنایا گیا ہے آپ اس پر توجہ کریں تاکہ میری محنت ضائع نہ ہو۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے اور میرے دوست مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا ہے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی کی دل آزاری یا استخفافِ مذہب کی نیت سے نہیں لکھا بلکہ خدا گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ ہو سکتا ہے کہ میں نے سچے دل سے لکھا ہے اور بنی نوعِ انسان کی ہمدردی کے لیے لکھا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ؎

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

چونکہ فرصت بہت کم ہے۔ ممکن ہے کہ بعض نے نہ سُنا ہو اس لیے ہم نے چھپوا دیا ہے اور بشرط گنجائش ل

سکتا ہے۔ پس اس کو پڑھ کر توجہ کریں اور مذہبی مخالفت کو عام مخالفت کا ذریعہ نہ بنا دیں۔ مذہب تو اس لیے ہوتا ہے کہ اخلاق وسیع ہوں۔ جیسے خدا تعالیٰ کے اخلاق وسیع ہیں۔ کوئی ہزاروں گالیاں اُسے دے وہ اس پر پتھر نہیں برساویتا۔ پس اسی طرح حقیقی مذہب والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا۔ تنگ ظرف خواہ ہندو یا مسلمان یا عیسائی وہ دوسرے بزرگوں کو بھی بدنام کرتا ہے۔ میں اس سے منع نہیں کرتا کہ اختلافِ مذہب بیان نہ کرو۔ بیشک نیک نیتی سے اختلاف بیان کرو۔ مگر اس میں تعصب اور کینہ کا رنگ نہ ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات دو چار سال سے نہیں بلکہ صدہا سال سے چلے آتے ہیں۔ اس لیے خدا کرے کہ بہت سے دلوں میں جوش ڈال دے کہ جو ان تعلقات کو دُور نہ ہونے دیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب صرف قیل و قال کا نام نہیں بلکہ جبتک عملی حالت نہ ہو کچھ نہیں۔ خدا اس کو پسند نہیں کرتا۔ جس قدر بزرگ اسلام میں یا ہندوؤں میں اوتار وغیرہ گذرے ہیں ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے عمل سے اُن سچائیوں کو جن کا وہ وعظ کرتے تھے ثابت کر دکھایا ہے۔ قرآن شریف بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ (المائدۃ: ۱۰۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے آپ کو درست کرو۔ جس شخص کے اندر خود روشنی اور نُور نہیں ہے وہ اگر زبان سے کام لے گا تو وہ مذہب کو بچوں کا کھیل بنا دے گا اور حقیقت میں ایسے ہی مصلحوں سے ملک کو نقصان پہنچا ہے۔ ان کی زبان پر تو منطق اور فلسفہ جاری رہتا ہے مگر اندر خالی ہوتا ہے۔

مصلح کی صفات

خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نہایت خیر خواہی سے کہہ رہا ہوں خواہ کوئی میری باتوں کو نیک نیتی سے سُنے یا بدظنی سے، مگر میں کہوں گا کہ جو شخص مصلح بننا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ پہلے خود روشن ہو اور اپنی اصلاح کرے۔ دیکھو یہ سُورج جو روشن ہے پہلے اس نے خود روشنی حاصل کی ہے۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے معلم نے یہی تعلیم دی ہے، لیکن اب دوسرے پر لاٹھی مارنا آسان ہے، لیکن اپنی قربانی دینا مشکل ہو گیا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ قوم کی اصلاح کرے اور خیر خواہی کرے۔ وہ اسکو اپنی اصلاح سے شروع کرے۔ قدیم زمانہ کے رشی اور اوتار جنگلوں اور بنوں میں جا کر اپنی اصلاح کیوں کرتے تھے وہ آجکل کے لیکچراروں کی طرح زبان نہ کھولتے تھے جبتک خود عمل نہ کر لیتے تھے۔ یہی خدا تعالیٰ کے قُرب اور محبت کی راہ ہے۔ جو شخص دل میں کچھ نہیں رکھتا اس کا بیان کرنا پرنالہ کے پانی کی طرح ہے، جو جھگڑے پیدا کرتا ہے اور جو نُورِ معرفت اور عمل سے بھر کر بولتا ہے وہ بارش کی طرح ہے جو رحمت سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت میری نصیحت یاد رکھیں۔ آج کے بعد آپ مجھے یہاں نہ دیکھیں گے اور میں نہیں جانتا کہ پھر موقعہ ہو یا نہ ہو، لیکن ان تفرقوں کو مٹانے کی کوشش کرو۔ میری نسبت خواہ آپ کا کچھ ہی خیال ہو لیکن یہ سمجھ کر کہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
در نوشت است پند بر دیوار

میری نصیحت پر عمل کرو۔ جو شخص خود زہر کھا چکا ہے وُہ دوسروں کی زہر کا کیا علاج کرے گا اگر علاج کرتا ہے تو خود بھی مرے گا اور دُوسروں کو بھی ہلاک کرے گا کیونکہ زہر اس میں اثر کر چکا ہے اور اس کے خواص چونکہ قائم نہیں رہے، اس لیے اس کا علاج بجائے مفید ہونے کے مضر ہوگا۔ غرض جس قدر تفرقہ بڑھتا جاتا ہے اس کا باعث وہی لوگ ہیں جنھوں نے زبانوں کو تیز کرنا ہی سیکھا ہے۔

دُوسرے مذاہب کی حیثیت

یہ بھی یاد رکھو کہ میرا یہ مذہب نہیں کہ اسلام کے سوا سب مذاہب بالکل جھوٹے ہیں۔ مَیں یہ یقین رکھتا ہوں کہ وُہ خدا جو مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی قوم کی پرواہ کرے اور دُوسروں پر نظر نہ کرے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ حاکم کے دورے کی طرح کبھی کسی قوم پر وہ وقت آ جاتا ہے اور کبھی کسی پر۔ مَیں کسی کے لیے نہیں کہتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے کہ راجہ رامچندر اور کرشن جی وغیرہ بھی خدا کے راستباز بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے۔ مَیں اس شخص سے بیزار ہوں جو ان کی ہتک یا توہین کرتا ہے۔ اس کی مثال کنوئیں کے مینڈک کی سی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدات کیے اور کوشش کی کہ اس راہ کو پائیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے۔ پس جس شخص کا یہ مذہب ہو کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآن شریف کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: ۲۵) یعنی کوئی قوم اور اُمت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ مَیں بابا نانک صاحب کو بھی خُدا پرست سمجھتا ہوں اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ ان کو بُرا کہا جاتے۔ مَیں ان کو ان لوگوں میں سے سمجھتا ہوں جن کے دل میں خدا تعالیٰ اپنی محبت آپ بٹھا دیتا ہے۔ پس ان لوگوں کی پیروی کرو۔ اور دل کو روشن کرو۔ پھر دوسروں کی اصلاح کے لیے زبان کھولو۔ اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئے گا جب بُری زبان نہ ہوگی۔ بلکہ دل پر دار و مدار ہوگا۔ پس اپنے تعلقات خدا تعالیٰ سے زیادہ کرو۔ یہی تعلیم سب نبیوں نے دی ہے اور یہی میری نصیحت ہے۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است[1]۔

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۱ صفحہ ۷، مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۴ء

۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۴ء بمقام قادیان بعد نماز مغرب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہ نشین پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا کہ :

میرے سر کی حالت آج بھی اچھی نہیں، چکر آ رہا ہے۔ جب جماعت کا وقت آتا ہے۔ تو اس وقت خیال گذرتا ہے کہ سب جماعت ہو گی اور میں شامل نہ ہوں گا اور افسوس ہوتا ہے۔ اس لیے افتاں خیزاں چلا آتا ہوں۔

چند اصحاب اپنی مستورات کے علاج کے لیے لاہور تشریف لے گئے ہوئے تھے اور انجام کار معلوم ہوا کہ مس ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی فرق مرض میں معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ :

چونکہ یہ لوگ متدین نظر نہیں آتے۔ اس لیے خطرہ ہے کہ کوئی اور تکلیف نہ بڑھ جاوے۔ انکو کہہ دو کہ چلے آویں۔ شافی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دائیوں کا دستور ہوتا ہے کہ محض روپیہ بٹورنے کی خاطر وہ مرض کو بڑھاتی جاتی ہیں۔ قادیان کی آب و ہوا لاہور کی نسبت بہت عمدہ ہے۔ اس سے اُن کو فائدہ ہوگا۔ ہم یہ اس لیے کہتے ہیں کہ جو بات دل میں آوے اُسے مخفی رکھا جاوے تو یہ ایک قسم کی خیانت ہے۔

بعض امراض کا علاج عورتوں کے بعض امراض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اُن کے علاج کے لیے کھُلی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے بعض رؤسا میں جو اشد درجہ کا پردہ رائج ہے، میں اس کے خلاف ہوں۔ بعض عورتوں کو بعض وقت کھُلی ہوا میں پھرانا چاہیے۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں کیا پھر آجکل کے رؤسا کی عورتیں اُن سے بڑھ کر ہیں؟

حضرت حکیم نورالدین صاحب نے فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مراق کے تین علاج ہیں۔ اوّل چلنا پھرنا۔ دوسرے بیکار نہ رہنا۔ کسی نہ کسی شغل میں مصروف رہنا۔ تیسرے ہینگ اور المنتین کا استعمال۔

حصولِ اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کی ضرورت ہے اور قرآن شریف اور تورات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بہت ضعیف تھیں اور ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی نسبت تورات میں لکھا ہے کہ خداوند نے کہا کہ میں نے اس کے رحم کو کھولا[1]۔

---

[1] پیدائش باب ۳۰ آیت ۲۲۔

پس خدا تعالیٰ ہی کھولے تو کھل سکتا ہے۔
(مگر یاد رہے کہ اس تقریر سے دائیوں کے علاج کی حُرمت نہ سمجھی جائے۔)[1]

۱۹ر اکتوبر ۱۹۰۴ء

سیالکوٹ سے احمدی جماعت کی طرف سے دعوت کا پیغام آیا۔ آپ نے فرمایا کہ :
تین چار روز کے بعد جواب دُوں گا۔
بعد میں معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام استخارہ کے بعد روانگی کی تاریخ مقرر کریں گے۔[2]

۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۴ء بوقت ظہر

تجارتی روپیہ پر منافع

ایک صاحب کی خاطر حضرت حکیم نورالدین صاحبؓ نے ایک مسئلہ حضرت اقدس علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ ایک شخص ہیں جن کے پاس بیس بائیس ہزار کے قریب روپیہ موجود ہے۔ ایک سکھ ہے وہ ان کا روپیہ تجارت میں استعمال کرنا چاہتا ہے اور ان کے اطمینان کے لیے اس نے تجویز کی ہے کہ یہ روپیہ بھی اپنے قبضہ میں رکھیں لیکن جس طرح وہ ہدایت کرے۔ اسی طرح ہر ایک شئے خرید کر جہاں کہے وہاں روانہ کریں اور جو روپیہ آوے وہ امانت رہے۔ سال کے بعد وہ سکھ دو ہزار چھ سو روپیہ ان کو منافع کا دے دیا کرے گا۔ یہ اس غرض سے یہاں فتویٰ دریافت کرنے آتے ہیں کہ یہ روپیہ جو اُن کو سال کے بعد ملے گا اگر سُود نہ ہو تو شراکت کر لی جاوے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :
چونکہ اُنھوں نے خود بھی کام کرنا ہے اور ان کی محنت کو دخل ہے اور وقت بھی صرف کریں گے اسلئے ہر ایک شخص کی حیثیت کے لحاظ سے اس کے وقت اور محنت کی قیمت ادا ہوا کرتی ہے۔ دس دس ہزار اور دس دس لاکھ روپیہ لوگ اپنی محنت اور وقت کا معاوضہ لیتے ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک تو یہ روپیہ جو اُن کو وہ دیتا ہے سُود نہیں ہے۔ اور مَیں اس کے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں۔ سُود کا لفظ تو اس روپیہ پر دلالت کرتا ہے جو مُفت بلا محنت کے (صرف روپیہ کے معاوضہ میں) لیا جاتا ہے۔ اب اس

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۴۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۴ء

ملک میں اکثر مسائل زیر و زبر ہو گئے ہیں۔ کُل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصّہ سُود کا موجود ہے۔ اسلئے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے[1]۔

احباب کی ضروریات کا خیال

ظُہر کی نماز سے پیشتر حضُور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ روپے جن کی تعداد غالباً آٹھ یا دس ہوگی ایک مخلص مہاجر کو یہ کہہ کر دیئے کہ چونکہ موسم سرما ہے آپ کو کپڑوں کی ضرورت ہوگی۔ اس مہاجر کی طرف سے کوئی سوال نہ تھا۔ خود حضُور علیہ السلام نے ان کی ضرورت کو محسوس کر کے یہ رقم عطا کی جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کو مخلص خدّام کی ضرورت کا کس قدر خیال ہے۔

گناہوں سے معصُوم انبیاء ہیں۔ لیکن دُوسرے لوگ توبہ و استغفار کے ذریعہ سے اُن سے مشابہت پیدا کر لیتے ہیں[2]۔

---

۲۱ / اکتوبر ۱۹۰۴ء

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے

ایک صاحب کے رشتہ دار کسی وجہ سے قید ہو گئے تھے۔ ان کے ذکر پر حضرت حکیم نورالدین صاحبؓ نے عرض کی کہ مَیں نے اُن سے یہ کہا ہے کہ اُسے خود استغفار کی تاکید کی جاوے اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:

بعض لوگ جو استغفار کے لائق ہیں وُہ تو استغفار کرتے ہیں اور دُوسروں کو محض خدا تعالیٰ کی رحمت سے بھی رہائی مل جایا کرتی ہے۔ جن کی طبیعت میں کجی ہے ان کے لیے اس کی رحمت وسیع ہے۔

---

[1] جو صاحب اس مسئلہ کو دریافت کرنے آئے تھے اُن کی دینداری واقع میں قابلِ رشک ہے کہ اسوقت جبکہ مُسلمانوں نے حلال و حرام کی تمیز کو خیرباد کہہ کر صرف زراندوزی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے یہ صاحب استفسار کیلئے اِستقدر سفر دراز طے کر کے آئے۔ صرف اس غرض سے کہ کہیں اس لین دین میں سُود نہ ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ اس زمانہ کے کُل اہلِ اسلام کو اس قسم کی توفیق دیوے کہ وہ اپنے معاملات میں دین کو مقدم رکھیں۔ آمین (ایڈیٹر)

[2] البدر جلد ۲ نمبر ۴۱، ۴۲ صفحہ ۸ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فارسی کا ایک الہام

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نے دریافت کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کبھی فارسی زبان میں بھی کلام کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ ایک دفعہ یہ فقرہ الہام ہوا تھا ؎

ایں مُشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

رُوس اور جاپان کی جنگ

اِس جنگ کے ذکر پر حضرت حکیم نورالدین صاحب نے بیان کیا کہ اس قدر خونخوار جنگ ہے کہ ہزاروں آدمی ہلاک ہو رہے ہیں؛ حالانکہ دونوں سلطنتوں کا مذہب ایسا ہے جس کی رُو سے اس جنگ کی مطلق نوبت ہی نہ آنی چاہیے۔ جاپان کا بُدھ مذہب ہے اور اس کی رُو سے ایک چیونٹی کا مارنا بھی گناہ ہے۔ رُوس عیسائی[1] ہے اور اُن کو چاہیے کہ مسیح کی تعلیم کے بموجب اگر جاپان ایک مقام پر قبضہ کرے تو دُوسرا مقام خود اس کے حوالہ کر دیں۔

چند عیسائیوں سے گفتگو

آج تین عیسائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ ایک نوجوان تھے جو کہ ایک صاحب کے بچے تھے اور باقی میں سے ایک صاحب ڈاکٹر تھے۔ جو کہ ضعیف العمر تھے اور ایک قاضی صاحب پشاور کی جوان مرد تھے۔ ایک صاحب ان میں سے وہ تھے جنھوں نے تحقیق مذاہب کی بناء پر نیازمندانہ طور پر حضرت اقدس سے کسی زمانہ میں خط و کتابت کی تھی جس کی وجہ سے انکو کمال شوق حضور علیہ السلام کی زیارت کا تھا۔ خانقاہوں میں سے ایک مشہور خانقاہ ہے جہاں اکثر لوگ مشرکانہ عقائد کی بناء پر زیارت وغیرہ کے لیے جاتے ہیں۔ وہاں کی نسبت ایک عیسائی صاحب نے ذکر کیا کہ جالندھر کے ضلع کے لوگوں کے لیے وہ یہ کیا کرتے ہیں کہ ایک سفید کبوتر کی ٹانگیں کمزور کر کے قبر پر بٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبِ مزار کی رُوح اس میں حلول کر آئی ہے اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

یہ کبوتر پیچھا نہیں چھوڑتا

---

[1] اُس وقت رُوس کا مذہب عیسائی تھا۔ (مُرتّب)

اِس کے بعد حضرت اقدس اور عیسائی صاحبوں میں ذیل کی گفتگو ہوئی جس میں اکثر رُوئے سخن ڈاکٹر صاحب کی طرف ہی تھا۔

حضرت اقدس۔ ادھر آپ کا آنا کس تقریب پر ہوا؟

ڈاکٹر صاحب۔ صرف زیارت کی غرض سے کیونکہ ایک عرصہ سے شوق تھا۔

حضرت اقدس۔ مگر تاہم ایسی کونسی تقریب ہوئی کہ آپ ادھر آگئے؟

ڈاکٹر صاحب۔ مَیں نے رُخصت لی تھی اور بال بچّوں کو لے کر آیا تھا۔ وُہ لاہور میں ہیں اور خود اِدھر آیا ہوں۔ بڑا باعث رخصت کا آپ کی ملاقات ہی تھی۔

حضرت اقدس۔ اب رُخصت کے کتنے دن باقی ہیں؟

مفتی صاحب۔ (حساب کرکے) ۱۷ دن باقی ہیں۔

حضرت اقدس۔ تو اب آپ کو یہ ایّام یہاں ہمارے پاس ہی گذارنے چاہئیں۔

حکیم نورالدین صاحب۔ یہ تو آج ہی رخصت ہوتے تھے مگر رات کو مَیں نے رکھ لیا ہے۔

حضرت اقدس۔ جب رُخصت ہمارے لیے لی تو پھر رخصت کے ایّام ہمارے پاس گذارنے چاہئیں۔

عیسائی قاضی صاحب۔ اتنی فرصت نہیں۔ زیارت مقصود تھی سو ہوگئی۔

حضرت اقدس۔ ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرکے۔ اب پھر کیا صلاح ہے۔ کتنے دن رہو گے؟

عیسائی قاضی صاحب نے پھر جلدی جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

حضرت اقدس۔ یہ مہمان داری کے ادب کے خلاف ہے اور آپ کے ارادے کے بھی برخلاف ہے کہ اس قدر جلدی کی جاوے۔ میرا ارادہ جمعرات کو سیالکوٹ جانے کا ہے تب تک رہیں۔ پھر اکٹھے چلیں گے۔[1]

اس اثنا میں نماز کا وقت ہوگیا۔ حضرت اقدس نے حکم فرمایا کہ ان کی خوابگاہ اور بستر اور خوراک وغیرہ کا اہتمام بہت عمدہ طور سے کر دیا جاوے کہ کوئی تکلیف نہ ہو اور ہر سہ صاحبان تشریف لے گئے۔ دُوسرے دن احمدی عمارات اور کارخانوں کو دیکھ کر رخصت ہوگئے۔

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۴۱، ۴۲ صفحہ ۸ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء

۲۲/ اکتوبر ۱۹۰۴ء

ایک شخص بیمار کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:

انسان حالتِ تندرستی میں صحت کی قدر نہیں کرتا (کہ ان ایام میں اپنے تعلقات اللہ تعالےٰ سے مضبوط کرے تاکہ وہ ہر طرح اس کا حافظ و ناصر ہو) اور جب بیمار ہوتا ہے تو پھر دوبارہ صحت اس لیے طلب کرتا ہے کہ انہی دُنیا کے اُمور میں مبتلا ہو (اگر اس کا ارادہ خدمتِ دین ہو تو اس کا صحت طلب کرنا گویا منشائے الٰہی کے مطابق ہوگا۔[1])

اسی بیمار کی نسبت ذکر ہوا کہ اس نے کئی سَو روپیہ لوگوں سے لینا ہے، مگر صرف چند روپوں کے کاغذات ہیں باقی تمام زبانی لین دین ہے اور اس کی دو لڑکیاں ہیں۔ بعض احباب نے تجویز کیا کہ جو کچھ رقوم لوگوں کے ذمہ ہیں اور وہ تحریر میں نہیں آئیں تو چاہیے کہ اب دو آدمی گواہ مقرر کر کے اس کی زندگی میں وہ رقمیں ان مقروضوں کی منوا لی جاویں۔ اور تحریر کروا لیا جاوے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

اس کی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ یہ بڑے ثواب کی بات ہے۔ ممکن ہے کہ اگر وہ مَر جاوے تو بیچاری لڑکیوں کو ہی کچھ فائدہ پہنچ جاوے۔

اِسلام میں مساوات

اہلِ اسلام کی وحدت اور اخوت پر ذکر ہوا کہ عیسائیوں نے بھی اس خوبی کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمان لوگ جب مسجد میں داخل ہو جاویں تو اُن میں بادشاہ اور امیر و غریب کی کوئی تمیز نہیں رہتی اور کسی کو حق نہیں کہ کسی قسم کا امتیاز کرے؛ حالانکہ عیسائیوں کے گرجے اس سے محروم ہیں۔ خاص انگریزوں کے گرجوں میں عام عیسائی لوگ داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر گرجوں میں درجہ بدرجہ چوکیاں لگی ہوتی ہیں اور رومن کیتھولک تو نشستگاہوں پر نام بھی لکھ دیتے ہیں۔

---

[1] بریکٹ کے اندر کی عبارت ایڈیٹر کی طرف سے معلوم ہوتی ہے؛ ورنہ اگر حضورؑ ہی کے فقرات ہوتے تو بریکٹ میں دینے کی ضرورت نہ تھی۔ حضور کی ڈائریوں میں بالعموم یہ طریق چلتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مُرتّب)

اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ :
مُسلمانوں کے معبد میں یہ ایک بے نظیر نمونہ ہے کہ سب کو یکساں نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
مولنا حکیم نورالدین صاحب نے عرض کی کہ ہماری مسجد میں تو خود امام الوقت بھی مقتدی بنکر نماز پڑھتا ہے۔

مہمان خانہ کے منتظمین کے لیے ہدایات

مہمان کی تواضع کے متعلق آپ نے فرمایا کہ :

لنگر خانہ کے مہتمم کو تاکید کر دی جاوے کہ وہ ہر ایک شخص کی احتیاج کو مدِ نظر رکھے مگر چونکہ وہ اکیلا آدمی ہے اور کام کی کثرت ہے ممکن ہے کہ اُسے خیال نہ رہتا ہو، اس لیے کوئی دُوسرا شخص یاد دلا دیا کرے۔ کسی کے میلے کپڑے وغیرہ دیکھ کر اس کی تواضع سے دست کش نہ ہونا چاہیے، کیونکہ مہمان تو سب یکساں ہی ہوتے ہیں اور جو نئے ناواقف آدمی ہیں تو یہ ہمارا حق ہے کہ اُن کی ہر ایک ضرورت کو مدِ نظر رکھیں۔ بعض وقت کسی کو بیت الخلا کا ہی پتہ نہیں ہوتا تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مہمانوں کی ضروریات کا بڑا خیال رکھا جاوے۔ میں تو اکثر بیمار رہتا ہوں، اس لیے معذور ہوں۔ مگر جن لوگوں کو ایسے کاموں کے لیے قائمقام کیا ہے یہ ان کا فرض ہے کہ کسی قسم کی شکایت نہ ہونے دیں۔ کیونکہ لوگ صدہا اور ہزارہا کوس کا سفر طے کر کے صدق اور اخلاص کے ساتھ تحقیقِ حق کے واسطے آتے ہیں۔ پھر اگر اُن کو یہاں تکلیف ہو تو ممکن ہے کہ رنج پہنچے اور رنج پہنچنے سے اعتراض بھی پیدا ہوتے ہیں اس طرح سے ابتلا کا موجب ہوتا ہے۔ اور پھر گناہ میزبان کے ذمہ ہوتا ہے۔

بیان کیا گیا کہ حضور بعض لوگ جو مسافر خانہ میں نو واردوں سے مذہبی مناظرے شروع کر دیتے ہیں اور اس میں وہ اپنے خیال اور رائے کے موافق کلام کرتے ہیں جو کہ بعض اوقات بے محل اور حضور کے منشا کے خلاف بھی ہوتی ہے اور نو وارد متلاشی بھی اس سے اندازہ لگاتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کا یہی مشرب ہوگا، حالانکہ یہ بالکل غلطی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ نو واردوں کے لیے ابتلا ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجویز فرمایا کہ :
اس قسم کی کلام ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ ہمارے بعض مناظرین کو چونکہ نصاریٰ کے ساتھ کلام کرنی پڑتی

ہے اور جب وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان کرتے ہیں تو محل اور موقعہ کے لحاظ سے اُن کو یسُوع کی نسبت اسی قسم کے ثبوت دینے پڑتے ہیں۔ اور وُہ مقتضائے وقت ہوتا ہے مگر ہر ایک آدمی اس کا اہل نہیں ہے اور دُوسرے لوگ اکثر کسی نبی کی شان میں بھی کوئی کلمہ گستاخی یا بے ادبی کا استعمال کرتے ہیں، تو وہ گناہ کرتے ہیں۔ یہ کبھی نہ گمان کرنا چاہیے کہ حضرت مسیحؑ یا دُوسرے انبیاء ایک معمولی آدمی تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب تھے۔ قرآنِ شریف نے مصلحت اور موقعہ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک لفظ اس قسم کا بیان فرمایا ہے کہ جہاں آپ کے بہت سے انوار و برکات اور فضائل بیان کیے ہیں وہاں.... بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف: ۱۱۱) بھی کہہ دیا ہے مگر اس کے یہ ہرگز معنے نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ ہی عام آدمیوں جیسے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ آپ کی شان میں اس لیے استعمال فرمایا کہ دُوسرے انبیاء کی طرح آپ کی پرستش نہ ہو اور آپ کو خدا نہ بنایا جاوے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آپؐ کے فضائل و مراتب ہی سلب کر دیئے جاویں۔[1]

آخر کار تجویز ہوا کہ ایک صاحب ذی وجاہت و ذی اثر کے ہاتھ میں مہمانوں کی تواضع کا اہتمام دیا جاوے۔

۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۴ء

(بوقت ظہر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تصویری کارڈ

ظہر کے وقت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص کی تحریری درخواست بذریعہ کارڈ کے ان الفاظ میں پیش کی۔ کہ یہ شخص حضورؑ کی تصویر کو خط و کتابت کے کارڈوں پر چھاپنا چاہتے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں۔

اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

مَیں تو اسے ناپسند کرتا ہوں

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۴۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۴۱-۴۲ صفحہ ۹ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء

یہ الفاظ جو کہ مَیں نے اپنے کانوں سے سُنے۔ لیکن حضرت مولوی نورالدین صاحب اور حکیم فضل دین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ:

یہ بدعت بڑھتی جاتی ہے۔ مَیں اسے ناپسند کرتا ہوں[1]

۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۴ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سیالکوٹ تشریف لے جا رہے تھے۔ بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر جماعت بٹالہ نے آکر شرفِ نیاز حاصل کیا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کوئی محنت و تکلیف نہ اُٹھانی پڑے اور کمال حاصل ہو جائے اس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ[2]:

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۴۱-۴۲ صفحہ ۹ مورخہ یکم و ۸ نومبر ۱۹۰۴ء

[2] بدر میں یہ ڈائری ان الفاظ میں ہے۔

بٹالہ اسٹیشن پر حضرت اقدس چہل قدمی فرما رہے تھے کہ ایک ضعیف العمر صاحب نے جن کو حضرت اقدس سے شاید کوئی دیرینہ تعارف ہوگا۔ ملاقات کی طرز کلام سے جو مجھے سُننے کا اتفاق ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ روحانی فیوض کے حصول کے لیے وہ صاحب خواستگار تھے اور حضرت اقدس شاید اُن کو کہتے تھے کہ قادیان آ رہو اور ان دنیاوی مخصوں کو ترک کر دو۔

اس پر ان صاحب نے کہا کہ آپ وہاں ہی دعا کر سکتے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

دُعا تب کام کرتی ہے جب انسان کی کوشش بھی ساتھ ہو۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر ول بنا دیا جاوے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ پھونک بھی اسی آدمی کو لگتی ہے جو نزدیک آوے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بغیر انسان کی سعی کے کچھ ہو جاوے۔ قرآن شریف میں ہے۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم: ۴۰) اور دل کی ہر ایک حالت کے لیے ایک ظاہری عمل کا نشان ضرور ہوتا ہے۔ جب دل پر غم کا غلبہ ہو تو آنسو نکل آتے ہیں۔ اسی لیے شریعت نے ثبوت کا مدار ایک شہادت پر نہیں رکھا۔ جبتک دوسرا گواہ بھی نہ ہو۔ پس جبتک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ تب تک کچھ نہیں بنتا۔

پوچھا کہ آپ کب واپس ہوں گے؟ فرمایا۔ رفتن بہ ارادت و آمدن بہ اجازت۔

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حصولِ کمال کے لیے مجاہدہ شرط ہے

اس قسم کے لوگ ہمیشہ گذرے ہیں جو چاہتے ہیں کہ بغیر کسی قسم کی محنت اور تکلیف اور سعی اور مجاہدہ کے وہ کمالات حاصل کر لیں جو مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے حالات میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے آکر اُن سے کہا کہ کوئی ایسا انتظام ہو کہ ہم پھونک مارنے سے ولی ہو جاویں۔ ایسے لوگوں کے جواب میں انھوں نے یہی فرمایا کہ پھونک کے واسطے بھی تو قریب ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ پھونک بھی دُور سے نہیں لگتی۔

قرآنِ شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم : ۴۰) یعنی کوئی انسان بغیر سعی کے کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون ہے۔ پھر اس کے خلاف اگر کوئی کچھ حاصل کرنا چاہے تو وہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑتا ہے اور اسے آزماتا ہے۔ اس لیے محروم رہے گا۔ دُنیا کے عام کاروبار میں بھی تو یہ سلسلہ نہیں ہے کہ پھونک مار کر کچھ حاصل ہو جاتے یا بدُوں سعی اور مجاہدہ کے کوئی کامیابی مل سکے۔ دیکھو۔ آپ شہر سے چلے تو اسٹیشن پر پہنچے۔ اگر شہر سے ہی نہ چلتے تو کیونکر پہنچتے۔ پاؤں کو حرکت دینی پڑتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح سے جس قدر کاروبار دُنیا کے ہیں سب میں اوّل انسان کو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی راہ میں وہی لوگ کمال حاصل کرتے ہیں جو مجاہدہ کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) پس کوشش کرنی چاہیے کیونکہ مجاہدہ ہی کامیابیوں کی راہ ہے۔[1]

۲۸ر اکتوبر ۱۹۰۴ء بعد نماز جمعہ

بیعت کی اہمیت میں ان لوگوں کے لیے جنھوں نے بیعت کی ہے چند نصیحت آمیز کلمات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲ :- لوگوں کی شقاوت کی ایک یہ نشانی ہے کہ نزولِ بلا پر بجائے اس کے کہ استغفار کریں۔ جھوٹی تاویلوں سے دل کو تسلی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں بیماری ہوا ہی کرتی ہے۔ یہ دہریت کی علامت ہے۔ یعنی وہ لوگ اس میں تصرفِ الٰہی کو نہیں مانتے۔ پھر یہ تاویل کرتے ہیں کہ دیکھو چین اور لنڈن میں نہیں۔ کم بختوں کو یہ خیال نہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح اور فکر کریں اور چین اور لنڈن کی فکر پڑ جاتی ہے۔

البدر جلد ۳ نمبر ۴۱، ۴۲ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم، ۸ نومبر ۱۹۰۴ء

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸-۳۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر ۱۷ر نومبر ۱۹۰۴ء

کہنا چاہتا ہوں یہ بیعت تخم ریزی ہے اعمال صالحہ کی جس طرح کوئی باغبان درخت لگاتا ہے یا کسی چیز کا بیج بوتا ہے پھر اگر کوئی شخص بیج بو کر یا درخت لگا کر وہیں اس کو ختم کر دے اور آئندہ آبپاشی اور حفاظت نہ کرے تو وہ تخم بھی ضائع ہو جاوے گا۔ اسی طرح انسان کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے پس اگر انسان نیک عمل کر کے اس کے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کرے تو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ تمام مخلوقات مثلاً مسلمان ہی سہی اپنے مذاہب کے فرائض میں پابند ہیں مگر اس میں کوئی ترقی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک عمل کے بڑھانے کا خیال اُن کو نہیں ہوتا اور رفتہ رفتہ وہ عمل رسم میں داخل ہو جاتا ہے پس مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوتے تو کلمہ پڑھنے لگے۔ ہندوؤں کے گھر میں ہوتے تو رام رام کرتے۔

یاد رکھو بیعت کے وقت توبہ کے اقرار میں ایک برکت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ساتھ اُس کے دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی شرط لگاوے تو ترقی ہوتی ہے۔ مگر یہ مقدم رکھنا تمہارے اختیار میں نہیں بلکہ امدادِ الٰہی کی سخت ضرورت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۷۰) کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں۔ ہماری راہ میں انجام کار راہنمائی پر پہنچ جاتے ہیں۔ جس طرح وہ دانہ تخم ریزی کا بدوں کوشش اور آبپاشی کے بے برکت رہتا بلکہ خود بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس اقرار کو ہر روز یاد نہ کرو گے اور دُعائیں نہ مانگو گے کہ خدایا ہماری مدد کر تو فضل الٰہی وارد نہیں ہوگا اور بغیر امدادِ الٰہی کے تبدیلی ناممکن ہے۔ چور، بدمعاش، زانی وغیرہ جرائم پیشہ لوگ ہر وقت ایسے نہیں رہتے بلکہ بعض وقت ان کو ضرور پشیمانی ہوتی ہے۔ یہی حال ہر بدکار کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں نیکی کا خیال ضرور ہے۔ پس اس خیال کے واسطے اس کو امدادِ الٰہی کی بہت ضرورت ہے۔ اسی لیے پنجوقتہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا حکم دیا اس میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور پھر اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی عبادت بھی تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی ہر نیک کام میں قویٰ، تدابیر، جدوجہد سے کام لیں۔ یہ اشارہ ہے نَعْبُدُ کی طرف۔ کیونکہ جو شخص زمی دُعا کرتا اور جدوجہد نہیں کرتا وہ بہرہ یاب نہیں ہوتا۔ جیسے کسان بیج بو کر اگر جدوجہد نہ کرے تو پھل کا امیدوار کیسے بن سکتا ہے۔ اور یہ سنت اللہ ہے۔ اگر بیج بو کر صرف دُعا کرتے ہیں تو ضرور محروم رہیں گے۔ مثلاً دو کسان ہیں ایک تو سخت محنت اور کلبہ رانی کرتا ہے۔ یہ تو ضرور زیادہ کامیاب ہوگا۔ دُوسرا کسان محنت نہیں کرتا یا کم کرتا ہے۔ اس کی پیداوار ہمیشہ ناقص رہے گی جس سے وہ شاید سرکاری محصول بھی ادا نہ کر سکے اور وہ ہمیشہ مفلس رہے گا۔ اسی طرح دینی کام بھی ہیں۔ انہیں میں منافق، انہیں میں نکمے، انہیں میں صالح، انہیں میں ابدال، قطب، غوث بنتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ

کے نزدیک درجہ پاتے ہیں۔ اور بعض چالیس چالیس برس سے نماز پڑھتے ہیں مگر ہنوز روزِ اوّل ہی ہے اور کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ تیس روزوں سے کوئی فائدہ محسوس نہیں کرتے۔ بہت لوگ کہتے ہیں کہ ہم بڑے متقی اور مدت کے نماز خواں ہیں مگر ہمیں امدادِ الٰہی نہیں ملتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رسمی اور تقلیدی عبادت کرتے ہیں۔ ترقی کا کبھی خیال نہیں۔ گناہوں کی جستجو ہی نہیں سچی توبہ کی طلب ہی نہیں۔ پس وہ پہلے قدم پر ہی رہتے ہیں۔ ایسے انسان بہائم سے کم نہیں۔ ایسی نمازیں خُدا کی طرف سے وَبال لاتی ہیں۔ نماز تو وُہ ہے جو اپنے ساتھ ترقی لے آوے۔ جیسے طبیب کے زیرِ علاج ایک بیمار ہے۔ ایک نسخہ وہ دس روز استعمال کرتا ہے۔ پھر اس سے اس کو روز بروز نقصان ہو رہا ہے۔ جب اتنے دنوں کے بعد فائدہ نہ ہو تو بیمار کو شک پڑ جاتا ہے کہ یہ نسخہ ضرور میرے مزاج کے موافق نہیں اور یہ بدلنا چاہیے۔ پس رسم اور رسمی عبادت ٹھیک نہیں۔

دُعاؤں کی اہمیّت

نمازوں میں دُعائیں اور درود ہیں۔ یہ عربی زبان میں ہیں، مگر تم پر حرام نہیں کہ نمازوں میں اپنی زبان میں بھی دُعائیں مانگا کرو؛ ورنہ ترقی نہ ہوگی۔ خدا کا حُکم ہے کہ نماز وُہ ہے جس میں تضرّع اور حضورِ قلب ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے گناہ دُور ہوتے ہیں؛ چنانچہ فرمایا اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ھود: ۱۱۵) یعنی نیکیاں بدیوں کو دُور کرتی ہیں۔ یہاں حسنات کے معنے نماز کے ہیں اور حضور اور تضرّع اپنی زبان میں مانگنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پس کبھی کبھی ضرور اپنی زبان میں دُعا کیا کرو اور بہترین دُعا فاتحہ ہے کیونکہ وُہ جامع دُعا ہے۔ جب زمیندار کو زمینداری کا ڈھب آجاوے تو وہ زمینداری کے صراطِ مستقیم پر پہنچ جاوے گا اور کامیاب ہو جاوے گا۔ اسی طرح تم خُدا کے ملنے کی صراطِ مستقیم تلاش کرو اور دُعا کرو کہ یا الٰہی میں تیرا گنہگار بندہ ہوں اور اُفتادہ ہوں میری راہنمائی کر ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل معطی وہی ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دُعا کرتا ہے، کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوال ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آجاوے گی۔ پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا جو بے مثل کریم ہے کیوں نہ پائے؟ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پالیتا ہے۔ نماز کا دُوسرا نام دُعا بھی ہے۔ جیسے فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن: ۶۱) پھر فرمایا وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ: ۱۸۷) جب میرا بندہ میری بابت سوال کرے۔ پس میں بہت ہی قریب ہوں۔ مَیں پکارنے والے کی دُعا کو قبُول کرتا ہوں جب وُہ پکارتا ہے۔ بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔ پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پُکارو اور مجھ سے مانگو۔ مَیں تمہیں پکاروں گا اور جواب دُوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔ اگر یہ کہو

کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا تو دیکھو کہ تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے بہت دُور ہے پکارتے ہو اور تمہارے اپنے کانوں میں کچھ نقص ہے۔ وہ شخص تو تمہاری آواز سُنکر تم کو جواب دیگا مگر جب وہ دُور سے جواب دے گا تو تم بہ باعث بہرہ پن کے سُن نہیں سکو گے۔ پس جُوں جُوں تمہارے درمیانی پردے اور حجاب اور دُوری دُور ہوتی جائے گی، تو تم ضرور آواز کو سُنو گے۔ جب سے دُنیا کی پیدائش ہوئی ہے اس بات کا ثبوت چلا آتا ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رفتہ رفتہ بالکل یہ بات نابُود ہو جاتی کہ اس کی ہستی ہے بھی۔ پس خُدا کی ہستی کے ثبوت کا سب سے زبردست ذریعہ یہی ہے کہ ہم اس کی آواز کو سُن لیں یا دیدار یا گفتار۔ پس آج کل کا گفتار قائمقام ہے دیدار کا۔ ہاں جبتک خُدا کے اور اس سائل کے درمیان کوئی حجاب ہے اس وقت تک ہم سُن نہیں سکتے۔ جب درمیانی پردہ اُٹھ جائے گا تو اُس کی آواز سُنائی دے گی۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تیرہ سو برس سے خدا کا مکالمہ مخاطبہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا اصل میں مطلب یہ ہے کہ اندھا سب کو ہی اندھا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کی اپنی آنکھوں میں جو نُور موجود نہیں۔ اگر اسلام میں یہ شرف بذریعہ دُعاؤں اور اخلاص کے نہ ہوتا تو پھر اسلام کچھ چیز بھی نہ ہوتا۔ اور یہ بھی اور مذاہب کی طرح مُردہ مذہب ہو جاتا۔

اسلام کا خاص امتیاز

پس تم ان مُردوں کی طرف خیال مت کرو۔ جو خود بھی مُردہ اور اسلام کو بھی مُردہ بتاتے ہیں۔ یہ تو درحقیقت ایسا مذہب ہے کہ جس میں انسان ترقی کرتا ہوا فرشتوں سے مصافحہ جا کرتا ہے۔ اور اگر یہ بات نہ تھی تو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۷) کیوں سکھایا؟ اس میں صرف جسمانی اموال کی طلب نہیں کی گئی بلکہ رُوحانی انعام کی درخواست ہے۔ پس اگر تم نے ہمیشہ اندھا ہی رہنا ہے تو پھر تم مانگتے کیا ہو؟ یہ دُعا فاتحہ ایسی جامع اور عجیب دُعا ہے کہ پہلے کبھی کسی نبی نے سکھلائی ہی نہیں۔ پس اگر یہ نرے الفاظ ہی الفاظ ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ نے منظور نہیں کرنا تو ایسے الفاظ خُدا نے ہمیں کیوں سکھلائے۔ اگر تمہیں وہ مقام ملنا ہی نہیں تو ہم پانچ وقت کیوں صنائع کرتے ہیں۔ خُدا کی ذات میں بُخل نہیں اور نہ انبیاء اس لیے آتے ہیں کہ ان کی پُوجا کی جاوے بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظل کے نیچے آ جاویں گے جیسے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲) یعنی میری پیروی میں تم خدا تعالیٰ کے محبُوب بن جاؤ گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوب ہونے کی بدولت یہ سب اِکرام ہوئے، مگر جب کوئی اور شخص محبوب بنے گا تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا؟ اگر اسلام ایسا مذہب

ہے تو سخت بیزاری ہے ایسے اسلام سے مگر ہرگز اسلام ایسا مذہب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ مائدہ لائے ہیں کہ جو چاہے اس کو حاصل کرے۔ وہ نہ تو دُنیا کی دولت لائے اور نہ مہاجن بنکر آئے تھے۔ وہ تو خُدا کی دولت لائے تھے اور خود اس کے قاسم تھے۔ پس اگر وُہ مالِ دنیا نہیں تھا تو کیا وہ گٹھڑی واپس لے گئے؟ یہ سچ ہے جس اندھے کے پاس روشنی موجود نہیں وہ کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں روشنی رکھتا ہوں اور تقسیم کر سکتا ہوں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل ۷۳) انبیاء تو علیٰ وجہ البصیرۃ ہوتے ہیں۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ بصیرت کسی کو نہیں ملے گی تو گویا یہ خود اس دنیا سے اندھے ہی جائیں گے۔

اگر ان کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ہوتا تو یہ یقین رکھتے کہ وہ آسمانی مال تقسیم کرنے آئے تھے اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا کہ یہ اُمت تمام اُمتوں سے فوقیت حاصل کرے گی؛ حالانکہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی ماں کو وحی ہوتی تھی۔ اب بتاؤ کہ اُن کے مردوں کو بھی کبھی ایسی وحی ہوئی ہے۔ لاہور میں ایک مولوی سے میری بحث ہوئی محدّث کے لفظ پر۔ کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ محدّث وہ ہے جو خدا سے مکالمہ کر سکے اور یہ بات حضرت عمرؓ کے متعلق تھی تو اس مولوی نے جواب دیا کہ چونکہ اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مکالمۂ الٰہی نصیب نہیں۔ اس لیے حضرت عمرؓ کو یہ عہدہ نصیب نہیں ہوا۔ گویا اس امت میں تو دجّال ہی آتے رہیں گے۔

مسیح موعود کی بعثت

مسیح کے متعلق جس زمانہ کی اطلاع احادیث وغیرہ میں دی گئی ہے وہ یہی زمانہ ہے۔ سورۂ نور اور بخاری میں مِنْكُمْ کا لفظ صاف ہے۔ آثار تمام نمودار ہو گئے ہیں۔ کسوف وخسوف رمضان میں ہو گیا۔ طاعون آ گئی۔ یہ کیسے کھُلے نشان تھے لیکن لوگ ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ نہ تو یہ ہارتے ہیں اور نہ خُدا ہارنے والا ہے۔ آخر تم جانتے ہو کہ نتیجہ کیا ہو گا یہی کہ وہ پاک خدا جیتے گا۔ باوجود اس قدر کھُلے نشانات کے جواب یہ دیتے ہیں کہ تیس دجّالوں میں سے یہ بھی ایک دجّال ہے۔ او کم بختو! تمہارے حصّہ میں دجّال ہی دجّال رہ گئے ہیں؟ بیرونی اور اندرونی بلائیں تم پر آئیں اور خُدا کی طرف سے بھی آیا تو دجّال ہی آیا۔ اوّل تو تم خود بخود مرتے جاتے تھے۔ اب ایسی حالت میں خُدا نے تم سے یہ سلوک کیا کہ مرتے کو مارنے کی تجویز ٹھہرائی۔ کیا خُدا کو تم سے کوئی ایسی ہی سخت عداوت تھی کہ سختی پر سختی کر رہا ہے۔ یہ انسانی غلطیاں ہیں تم لوگ ان سے ہوشیار رہو۔ خدا تعالیٰ بڑا کریم ورحیم ہے۔ جب کسی کپڑے پر ہفتہ گذر جاتا ہے تو فکر لگ جاتی ہے کہ اس کو صاف کرایا جاوے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دُنیا پر سو کی جگہ ایک سو بیس برس گذر گئے پر خُدا

نے تجدیدِ دین کی کوئی تجویز نہ کی اور بجائے تجدید کے دجّال بھیج کر اس کی تخریب کی۔ اس وقت تیس لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکا ہے۔ یہ وہ قوم تھی اگر اس میں سے ایک شخص بھی عیسائی ہوتا تھا تو حشر بپا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور خبیث قوم نے سر اُٹھایا ہے وُہ مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر آریہ بنا رہی ہے، مگر ان ہمارے مسلمانوں کو یہی خیال آتا ہے کہ ابھی ہمارے اندر دجّال ہی پیدا ہوا ہے اور خُدا نے بھی ان کے ساتھ دھوکا کیا کہ دجّال کو صدی کے سر پر بھیجا تاکہ اُن کی رہی سہی امید بھی باقی نہ رہے۔ معلوم ہوا کہ تمہارے اندر بڑے بڑے خبث اور گناہ پوشیدہ ہیں جس کی تمہیں یہ سزا مل رہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰) ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔ یعنی جب اس کے معانی میں غلطیاں وارد ہوں گی تو اصلاح کے لیے ہمارے مامور آیا کرینگے۔ پس تم میرے اوپر خیال مت کرو بلکہ صدی کے ابتدا اور بیرونی حملوں اور اندرونی اعمال کو دیکھ کر تم خود غور و فکر کرو کہ آیا دجّال کی ضرورت ہے یا مہدی اور مسیح کی؟

تعصب بُری بلا ہوتی ہے۔ تعصب والوں نے تو کسی رسول کو بھی نہیں مانا ان کو وکالت قرار دیا ہے، حالانکہ وُہ خدا کی طرف بُلاتے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ہمیشہ ساتھ رہی ہے اور رہے گی۔ قرآن کریم کی ابتداء بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہے۔ رحمٰن بے مانگے دینے والا اور رحیم محنت کو نہ ضائع کرنے والا۔ پس اس وقت رحمانیت اور رحیمیت کہاں گئی؟ سوچو تو سہی کہ یہ اس کے مناسب حال ہے یا کیا؟

اصل میں جب انسان تعصب پر آتا ہے تو آنکھ دُھندلی ہو جاتی ہے اور جب اس میں ترقی کرتا ہے تو وُہ نُور چھین لیا جاتا ہے۔ پس ہدایت پانے کا طریق اشتہار بازی نہیں۔ ان لوگوں سے پوچھو کہ تم ایک دفعہ بھی میرے پاس آئے ہو اور اپنے اعتراضات کا جواب پوچھا ہے یا کم سے کم میری تصانیف کو ہی دیکھا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ میاں ہم کو ان باتوں کی فرصت نہیں۔ پھر تم نے جھٹ دجّال کا فتویٰ کیوں لگا دیا؟ پھر ہم نے دین میں کونسی تحریف کی ہے۔ تم مُنہ سے نماز اور روزہ کا نام لیتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ ان کی رُوحانیت لو۔ صرف میں ہی نہیں کہتا، بلکہ وہ خُدا کہتا ہے جس نے مجھے مامور کیا ہے اور یہ اس لیے کہ تمہارے پوست میں کیفیت داخل ہو جاوے۔

ہاں تمہارے درمیان مسیح کا جھگڑا ضرور ہے لیکن خُدا کی کلام سے زیادہ سچا گواہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں دوسرے کے قول سے کیا غرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول حق اور سچ ہیں مگر جو قرآن کریم کے خلاف نہ ہوں۔ پس ہمیں ایمان محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے قصّوں پر جو احادیث

میں درج ہیں قرآن کریم کو مقدم رکھیں۔ پس ہم تو قرآن کریم کو ترجیح دیں گے اور جو احادیث قوی اور صحیح ہیں وُہ ضرور قرآن کے ساتھ ہیں اور ہمارے دعویٰ میں ہماری مؤید ہیں۔ پس ہمارا اور ان لوگوں کا اور کوئی اختلاف نہیں۔ بجُز اس کے کہ یہ پوست پر قناعت کرتے ہیں اور ہم مغز کو چاہتے ہیں۔ مسیح کی موت کا قرآن نے خود فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اگر ہم قبول کریں کہ مسیح ناصری آجتک زندہ ہے تو ہمیں یہ بھی قبول کرنا پڑیگا کہ عیسائی بھی آجتک راہِ راست پر ہیں۔ اور اس کی قرآن کریم خود تردید کرتا ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم ۹۱ : ۹۲) مجھے میرے خُدا نے ہزار ہا وحیوں میں مامُور کیا ہے اور وہ وہی بات ہے جو تیرہ سو برس پہلے سے لکھی ہوئی تھی۔ ہمارا اور ان کا کوئی جھگڑا نہیں اگر شرم و حیا اور ایمان ہو۔ یہ بھی نہ سہی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کُل لوگ مُسلمان ہو گئے تھے نہیں مگر وہی کہ جن کے حق میں سعادت تھی۔ پس ہمارا کام تو سمجھانا ہے۔ پس جو شخص مسیح کو زندہ مانتا ہے وہ جھُوٹا ہے اور خُدا کا منکر ہے اور جس کو خُدا نے مامُور کیا ہے اس کو تو تازہ علم اس کی وفات کا دیا ہے۔ پھر اگر اُنہوں نے مسیح کو ماننا تھا تو وہ حَکَم کس بات کا ہوگا اور ہر ایک مذہب والا اس کا فیصلہ کس طرح مانے گا۔ حَکَم کا لفظ تو صاف دلالت کر رہا ہے کہ ضرور ان لوگوں میں اختلاف اور اغلاط ہوں گے جن کا وہ آکر فیصلہ کرے گا۔ پس ہم تو تم سے سچا اتباعِ نبی کریم اور ترکِ اغلاط طلب کرتے ہیں اور بس۔

مخالفین سے نرمی کا سلوک ہونا چاہیے

پس ہمارے لوگ مخالفین سے سختی سے پیش نہ آیا کریں۔ ان کا درشتی کا نرمی سے جواب دیں۔ اور ملاطفت سے سلوک کریں۔ چونکہ یہ خیالات مدتِ مدید سے ان کے دلوں میں ہیں رفتہ رفتہ ہی دُور ہونگے اس لیے نرمی سے کام لیں۔ اگر وہ سخت مخالفت کریں، تو اعراض کریں۔ مگر اس بات کے لیے اپنے اندر قوتِ جاذبہ پیدا کرو۔ اور قوتِ جاذبہ اس وقت پیدا ہوگی جب تم صادق مومن بنو گے اور اگر تم صادق نہیں تو تمہاری نصیحت ایسی ہے جیسے پرنالہ کا پانی موجبِ فساد ہوتا ہے۔ پس صادق کے واسطے ورزش کی اشد ضرورت ہے جیسے ایک پہلوان کے سامنے تمہاری کیا ہستی ہے کہ مقابلہ کر سکو اگرچہ وہ بھی تمہارے جیسا آدمی تھا۔ جسمانی نشوونما میں اس نے ترقی کی اور ورزش کر کے یہ طاقت حاصل کی۔ پس تم رُوحانی قویٰ میں ورزش کر کے روحانی پہلوان یعنی صادق مومن بنو۔ جو شخص اپنا نشوونما نہیں کرتا وہ تو اپنے کنبہ کو بھی دُرست نہیں کر سکتا۔ پس قوتِ روحانی پیدا کرو۔ دیکھو نبی، رسُول سب ایک ایک ہو کر ہی آتے ہیں مگر وہ صادق اور جاذب تھے۔ مال کی غریبی اور کمزوری جُدا چیز ہے۔

روحانی قوت کی ضرورت

رُوحانی قوت ہونی چاہیے۔ اس کشش میں بھی وہی سعادت مند ہوتے

ہیں جن کو کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً انجن سرد ہے تو فائدہ نہیں دے سکتا ہے۔ اگر خوب گرم ہے تو سو گاڑی بھی لے جاوے گا۔ پس گرم اور پُر تاثیر مومن بنو۔ اس ہماری جماعت کے واسطے خدا کا وعدہ ہے کہ دنیا میں پھیلے گی۔ پھر اگر طاقت والے اور اس کے پھیلانے والے اور لوگ ہوں گے تو تم نے کیا حاصل کیا؟

اب سوال یہ ہوگا کہ طاقت کس طرح پیدا ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صادق اور پکا بندہ بن جاوے تاکہ کسی زلزلہ سے برگشتہ اور مُنہ پھیرنے والا نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ سارے ہی باخدا اور عاقل تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے بڑھ کر ایسے وفادار تھے کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی لیے آپ کو سانپوں اور درندوں اور خاردار کانٹوں والا جنگل اس کے درندے، حیوانات انسانی شکل میں دکھلائے گئے۔ پھر ملک بھی ایسا اس کے سپرد کیا کہ جس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی شریر النفس نہ تھا۔ پھر آئے ایسے وقت پر کہ تمام مردہ اور فساد کی جڑھ تھے۔ جیسے فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) اور گئے ایسے وقت پر کہ فرمایا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدۃ: ۴) الآیۃ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۲) اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی محبتِ الٰہی اور قوتِ جاذبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تھی۔ پس خدا تعالیٰ کے خاص بندوں اور غیروں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ قوتِ ایمانی اور استقامت ایسی ہو۔ کہ کسی رکاوٹ شدید سے باز نہ رہے۔ اس صفت سے جس کو جتنا حصّہ ملا ہے اتنا ہی وہ برکت کا موجب ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تبدیلی کے واسطے تین باتیں یاد رکھو:

(۱) نفسِ امّارہ کے مقابل پر تدابیر اور جدّوجہد سے کام لو۔ (۲) دعاؤں سے کام لو۔ (۳) سُست اور کاہل نہ بنو اور تھکو نہیں۔

ہماری جماعت بھی اگر بیج کا بیج ہی رہے گی تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جو ردّی رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو بڑھاتا نہیں۔ پس تقویٰ، عبادت اور ایمانی حالت میں ترقی کرو۔ اگر کوئی شخص مجھے دجّال اور کافر وغیرہ ناموں سے پکارتا ہے تو تم اس بات کی کچھ پروا بھی نہ کرو۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے تو مجھے ان کے ایسے بدکلمات اور گالیوں کا کیا ڈر ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کافر کہا تھا۔ ایک زمانہ ایسا آگیا کہ پکار اُٹھا کہ مَیں اس خدا پر ایمان لایا جس پر موسیٰ اور اس کے متبع ایمان لائے ہیں۔ ایسے لوگ یاد رکھو کہ مخنث اور نامرد ہوتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے ایک بچّہ بعض اوقات اپنی ماں اور باپ کو بھی ناسمجھی کی وجہ سے گالی دے دیتا ہے، مگر اس کے اس فعل کو کوئی بُرا نہیں سمجھتا۔

پس یاد رکھو کہ نری بیعت اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کچھ بھی سُود مند نہیں۔ جب کوئی شخص شدّتِ پیاس سے مرنے کے قریب ہو جاوے یا شدّتِ بھوک سے مرنے تک پہنچ جاوے تو کیا اس وقت ایک قطرہ پانی یا ایک

دانہ کھانے کا اس کو موت سے بچالے گا؟ ہرگز نہیں۔ جس طرح اس بدن کو بچانے کے واسطے کافی خوراک اور کافی پانی بہم پہنچانے کے سوائے مفر نہیں۔ اسی طرح پورے جہنم سے تھوڑی سی نیکی سے تم بھی بچ نہیں سکتے۔ پس اس دھوکہ میں نہ رہو کہ ہم نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اب ہمیں کیا غم ہے۔ ہدایت بھی ایک موت ہے۔ جو شخص یہ موت اپنے اُوپر وارکرتا ہے اس کو پھر نئی زندگی دی جاتی ہے اور یہی اصفیاء کا اعتقاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی ابتدائی حالت کے واسطے فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ۔ (المائدۃ ۱۰۶) یعنی پہلے اپنے آپ کو دُرست کرو۔ اپنے امراض کو دُور کرو۔ دُوسروں کا فکر مت کرو۔ ہاں رات کو اپنے آپ کو دُرست کرو۔ اور دن کو دُوسروں کو بھی ہدایت کر دیا کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں بخشے اور تمہارے گناہوں سے تمہیں مخلصی دے اور تمہاری کمزوریوں کو تم سے دُور کرے اور اعمالِ صالحہ اور نیکی میں ترقی کرنے کی توفیق دیوے۔ آمین۔

۲؍نومبر ۱۹۰۴ء

بمقام سیالکوٹ

بیعت کی غرض

اس بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں ذوق و شوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی کرنے کے لیے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اس قدر دُعا نہیں کرتا جو دُعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حُرمتی کرتا ہے اور وہ سب سے زیادہ گنہگار اور قابلِ سزا ٹھہرتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لیے کافی ہے اور ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ مثل مشہور ہے جو ئندہ یابندہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لیے کھولا جاتا ہے اور قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم اُن کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلا دیتے ہیں۔ لیکن جو شخص کوشش ہی نہیں کرتا وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے۔ خدا یابی اور حقیقی کامیابی

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸-۳۹ صفحہ ۶ تا ۸ مورخہ ۱۷؍نومبر ۱۹۰۴ء

[2] الحکم جلد ۸ نمبر ۴۱-۴۲ صفحہ ۶ مورخہ ۳۰ نومبر و ۱۰؍دسمبر ۱۹۰۴ء

اور نجات کا بھی یہی گُر اور اُصول ہے۔ انسان کو چاہیے کہ خُدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لیے باعثِ برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاوے۔ کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کر کے بھی اور خدا تعالیٰ سے اقرار کر کے بھی اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوہرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے۔ دُنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کر کے اُسے توڑتا ہے تو اس کو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر جو شخص خُدا تعالیٰ سے عہد اور اقرار کر کے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہوگا۔

پس جہانتک تم سے ہو سکتا ہے۔ اس اقرار اور عہد کی رعایت کرو۔ اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہو۔ پھر اس اقرار پر قائم اور مضبوط رہنے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہو۔ وُہ یقیناً تمہیں تسلی اور اطمینان دے گا اور تمہیں ثابت قدم کرے گا، کیونکہ جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے اُسے دیا جاتا ہے۔

مَیں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے واسطے قسم قسم کے ابتلاء اور مشکلات پیش آئیں گے، لیکن مَیں کیا کروں یہ ابتلاء نئے نہیں۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی اس کی طرف جاتا ہے تو اس کے واسطے ضرور ہے کہ ابتلاؤں میں سے ہو کر گذرے۔ دُنیا اور اس کے رشتے عارضی اور فانی ہیں مگر خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہمیشہ کے لیے معاملہ پڑتا ہے پھر اس سے آدمی کیوں بگاڑے؟ دیکھو صحابہؓ کو کچھ تھوڑے ابتلاء پیش آئے تھے۔ ان کو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار سب چھوڑنے پڑے۔ لیکن اُنہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خدا تعالیٰ کو اپنے لیے کافی سمجھا۔ پر خُدا نے بھی ان کی کس قدر قدر کی۔ اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے بلکہ دُنیا و آخرت میں انہوں نے وہ فائدہ پایا جو اس کے بغیر انہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔ اس لیے اگر کوئی ابتلاء آوے تو گھبرانا نہیں چاہیے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت رُوح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خُدا تعالیٰ کی طرف رجُوع کرتا ہے اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمانِ کامل کا مزا ہم و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔ اس وقت اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرو۔ خدا تعالیٰ سے اب تمہارا نیا معاملہ شروع ہوا ہے کیونکہ وُہ پچھلے گناہ سچی توبہ کے بعد بخش دیتا ہے اور توبہ سے یہ مراد نہیں کہ انسان زبان سے یہ کہہ دے اور اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ نہیں۔ توبہ یہی ہے کہ بدیوں اور خُدا کی نافرمانیوں کو قطعاً چھوڑ دے اور نیکیاں کرے

اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنی زندگی بسر کرے۔

اب بے فکر رہنے کے دن نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہوشیار کر رہا ہے۔ تم کو خوب معلوم ہے کہ طاعون نے اس ملک کو کیسا تباہ کیا ہے اور کس طرح پر فنا کا تصرف جاری ہے۔ اور ثابت ہو رہا ہے کہ دُنیا فانی ہے۔ اب بھی اگر انسان اپنے اعمال کو درست نہ کرے تو یہ اس کی کیسی غفلت اور بدنصیبی ہے۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز بے فکر نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس وقت آجاوے اور وہ غافلوں کو ہلاک کر دیتا ہے جو دُنیا میں مست ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بیباک اور شوخی اختیار کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ طاعون کے دن آتے ہیں اور معلوم نہیں کہ کون اس کے حملہ سے بچے۔ ہاں اس قدر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھتا ہے جو اپنے اندر سچی تبدیلی کر لیتے ہیں اور کسی قسم کا کھوٹ اور کجی دل میں باقی نہیں رکھتے۔ بسا اوقات جن شہروں میں طاعون پڑی ہے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی جبتک تباہ نہیں کر لیتی اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اس کے دورے بڑے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ مجھ پر خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ظاہر کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی کتابوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ شامتِ اعمال سے آتی ہے۔ مَیں اس وقت دیکھتا ہوں کہ دُنیا میں غفلت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ شوخی اور بے باکی خدا تعالیٰ کی کتابوں اور باتوں سے بہت ہو گئی ہے۔ دُنیا ہی دُنیا لوگوں کا مقصود اور معبود ٹھہر گئی ہے۔ اس لیے جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا اور نبیوں کی معرفت وعدہ دیا گیا تھا۔ میرے اس زمانہ میں یہ طاعون لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے آئی ہے مگر افسوس ہے لوگ اس کو ابتک بھی ایک معمولی بیماری سمجھتے ہیں۔ مگر مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ تم ان لوگوں کے ساتھ مت ہو بلکہ تم اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر کے دکھا دو کہ واقعی تم نے سچی تبدیلی کر لی ہے۔ تمہاری مجلسوں میں وہی ہنسی اور ٹھٹھا نہ ہو جو دُوسرے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ زمین و آسمان کا خالق ایک خدا ہے۔ وہی خُدا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ کوئی شخص دنیا میں کسی قسم کی راحت اور کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتا مگر اسی کے فضل اور کرم سے۔ ایک پتہ بھی اس کے فضل کے بغیر ہرا نہیں رہ سکتا۔ اس لیے ہر وقت اسی سے سچا تعلق پیدا کرے اور اس کی رضاجوئی کی راہوں پر مضبوط قدم رکھے۔ اگر وہ اس بات کی پابندی کرے گا تو یقیناً اُسے کوئی غم نہیں ہے۔ ہر قسم کی راحت، صحت، عمر و دولت یہ سب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے۔ جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سُود مند ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد ۱۸:) جو لوگ دُنیا کے لیے

نفع رساں لوگ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور فرمانبردار بندے ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پس اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ نری بیعت اور اقرار سے کچھ نہیں بنتا، بلکہ انسان زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے۔ اصل فائدہ کے لیے ضرورت ہے۔ حقیقی ایمان اور پھر اُس ایمان کے موافق اعمالِ صالحہ کی۔ جب انسان یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقی حقیقی مومن اور اس کے غیر میں ایک امتیاز رکھ دیا جاتا ہے۔ اُسے ممتاز کیا جاتا ہے اور اس امتیاز کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں فرقان ہے۔ آخرت میں بھی مومن اسی فرقان سے شناخت کیے جائینگے اور کافر فاسق۔ فاجر کے مُنہ سیاہ ہو جائینگے۔ اس دُنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ممتاز رہتا ہے۔ اس کے اندر ایک سکینت اور اطمینان بخش رُوح ہوتی ہے، اگرچہ مومن کو دکھ بھی اُٹھانے پڑتے ہیں اور قسم قسم کے مصائب اور شدائد کے اندر سے گذرنا پڑتا ہے خواہ لوگ اس کے کتنے ہی بُرے نام رکھیں اور خواہ اس کے تباہ اور برباد کرنے کے لیے کچھ بھی ارادے کریں، لیکن آخر وہ بچا لیا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اُسے عزیز رکھتا ہے۔ اس لیے دُنیا اس کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ضرور ہوتا ہے اور یہ میزان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خُدا کی آنکھیں خوب دیکھتی ہیں کہ کون بد اور شریر ہے۔ خدا کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ پس تم دُنیا کی پروا نہ کرو۔ بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو۔ یہ دھوکا مت کھاؤ کہ ظاہری رسم ہی کافی ہے۔ نہیں۔ امن اس وقت آتا ہے جب انسان سچے طور سے خدا تعالیٰ کے حرم میں داخل ہو۔

پس اب بڑی تبدیلی کا وقت ہے اور خدا تعالیٰ سے سچی صلح کے دن ہیں۔ بعض لوگ اپنی غلط فہمی اور شرارت سے اس سلسلہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں سے بھی بعض آدمی طاعون سے ہلاک ہوئے ہیں۔ مَیں نے بارہا اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ یہ سلسلہ منہاجِ نبوت پر واقع ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار پر جو عذاب آیا تھا وہ تلوار کا عذاب تھا۔ حالانکہ وہ اُن کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض شہید نہیں ہو گئے؟ اسی طرح پر یہ سچ ہے کہ اس سلسلہ میں سے بھی بعض لوگ طاعون سے شہید ہوتے ہیں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ طاعون کے ذریعہ سے ہمارا نقصان ہوا ہے یا دوسروں کا؟ ہماری جماعت کی تو ترقی ہوتی گئی اور ہو رہی ہے اور میں پھر کہتا ہوں کہ جو لوگ نافع الناس ہیں اور ایمان، صدق و وفا میں کامل ہیں وہ یقیناً بچا لیے جاویں گے۔ پس تم اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔ اپنے رشتہ داروں اور بیوی بچوں کو بھی سمجھاؤ اور یہی تلقین کرو اور دوستوں کے

ساتھ یہی شرطِ دوستی رکھو کہ وہ بدی سے بچیں۔

پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ سختی نہ کرو اور نرمی سے پیش آؤ۔ جنگ کرنا اس سلسلہ کے خلاف ہے۔ نرمی سے کام لو اور اس سلسلہ کی سچائی کو اپنی پاک باطنی اور نیک چلنی سے ثابت کرو۔ یہ میری نصیحت ہے اس کو یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں استقامت بخشے۔ آمین۔

۳ر نومبر ۱۹۰۴ء

سیالکوٹ سے واپسی پر بمقام وزیرآباد ریلوے اسٹیشن۔

ایک پادری سے گفتگو وزیرآباد کے سٹیشن پر وہی ہجوم اور کثرتِ زائرین تھی جو پہلے تھی۔ حافظ غلام رسول صاحب نے پھر لیمونیڈ اور سوڈا واٹر کی دعوت اپنے بھائیوں کو دی۔

اس مرتبہ اس اسٹیشن پر ایک عجیب بات جو پیش آئی وہ یہ تھی کہ ڈسکہ کا مشنری پادری سکاٹ صاحب حضرت اقدس سے آکر ملا۔ پادری سکاٹ صاحب کے ساتھ ہمارے مکرم بھائی شیخ عبدالحق صاحب نومسلم کے بھی عیسائیت کے ایام میں دوستانہ تعلقات تھے۔ پادری صاحب نے حضرت اقدس کے پاس آکر پہلے سلسلۂ کلام شیخ عبدالحق ہی سے شروع کیا کہ آپ نے ہمارا ایک لڑکا لیا۔ اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جبکہ ہم نے پہنچ کر اس گفتگو کو قلمبند کرنا شروع کیا۔

پادری سکاٹ۔ آپ میں اور عیسوی مذہب میں کیا اختلاف ہے؟

حضرت اقدس۔ موجودہ عیسوی مذہب اور ہم میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے، البتہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیم اور مذہب اور ہمارے مذہب کے اصولوں میں اختلاف نہیں ہے۔ وہ بھی خدا کی پرستش کرتے اور اس کی توحید کا وعظ اور تبلیغ کرتے تھے۔ اور دوسرے تمام نبی بھی یہی تعلیم لیکر آئے تھے۔

پادری سکاٹ۔ آپ لوگوں میں تو بہت سے فرقے موجود ہیں؟

حضرت اقدس۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیسائیوں

لہ الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳، ۴۴ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۱۷/۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء

میں کس قدر فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اصولوں میں بھی متفق نہیں۔ مسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو فروعات اور جزئیات میں ہے۔ اصول سب کے ایک ہی ہیں۔

پادری سکاٹ۔ ان عیسائی فرقوں میں سے آپ کس کو حق پر سمجھتے ہیں؟

حضرت اقدس۔ میرے نزدیک تو راستباز وہی فرقہ تھا جو حضرت مسیحؑ اور اُن کے حواریوں کا تھا۔ اس کے بعد تو اس مذہب کی مرمت شروع ہو گئی اور کچھ ایسی تبدیلی شروع ہوئی کہ حضرت مسیحؑ کے وقت کی عیسویت اور موجودہ عیسویت میں کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔

پادری۔ اس کی خبر آپ کو کہاں سے ملی؟

حضرت اقدس۔ پیغمبروں کو خدا تعالیٰ ہی سے خبریں ملا کرتی ہیں۔ میں بھی خدا ہی سے خبریں پاتا ہوں اور اسی پر ایمان لاتا ہوں۔

پادری۔ اس میں شک نہیں کہ پیغمبروں کو خُدا سے ہی خبر ملتی ہے۔

اس مقام تک جب پہنچے تو پادری صاحب کی نظر ایڈیٹر الحکم پر پڑی جو اس گفتگو کو قلمبند کر رہا تھا۔ پادری صاحب اُسے دیکھ کر گھبرائے اور بولے کہ یہ کون نوٹ کر رہا ہے۔ جب ان کو یہ کہا گیا کہ یہ الحکم اخبار کا ایڈیٹر ہے جو اس سفر میں حضرت کے ساتھ ہے اور حالاتِ سفر قلمبند کر کے شائع کرے گا تو پادری صاحب بولے میں اب جاتا ہوں یہ تو شائع کر دیں گے۔ انہیں کہا گیا کہ کیا حرج ہے۔ دُوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ مگر ہم سچ کہتے ہیں اور اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ پادری صاحب کی گھبراہٹ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہر چند وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس سلسلۂ کلام کو یہاں چھوڑ دیں مگر حاضرین نے انہیں سلسلہ کلام جاری رکھنے پر اصرار کیا اور کہا کہ آپ کو نہیں تو ہم لوگوں کو فائدہ پہنچ جاوے گا۔ اس اصرار پر انہوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور پھر بولے تو یہ بولے:

پادری۔ تمہارے بہت سے چیلے ہیں یہ حملہ نہ کر دیں۔

حضرت اقدس۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ خواہ مخواہ ایک قوم پر جس کو نیک چلنی، انکسار اور تواضع کی تعلیم دی جاتی ہے حملہ کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں کہ میں ان میں موجود ہوں اور آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی ان میں سے بولتا بھی نہیں آپ یہ امید کر سکتے ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں جو چاہیں مجھ سے پوچھیں ان میں سے کوئی تمہیں مخاطب بھی نہیں کرے گا۔ ان کو یہ تعلیم نہیں دی جاتی۔

علاوہ ازیں چیلے کا لفظ ٹھیک نہیں ہے گو اس لفظ کے معنے اور مفہوم بُرا نہ ہو۔ لیکن ہر ایک قوم کو اسی لفظ اور نام سے پکارنا چاہیے جو وہ اپنے لیے پسند کرتی ہے۔ یہ لفظ چیلے کا ہندوؤں کے ساتھ مختص ہے۔

پادری - مَیں نے سُنا ہے۔ سیالکوٹ میں بڑی رونق تھی۔

حضرت اقدس۔ ہاں۔ بہت بڑا مجمع تھا۔

پادری - آپ لوگوں کو صرف ہدایت دیتے ہیں یا فضل بھی ؟

حضرت اقدس۔ میری ہدایت کچھ چیز نہیں جبتک اس کے ساتھ فضل نہ ہو۔ کوئی آدمی کبھی ہدایت نہیں پاسکتا جبتک آسمانی فضل بھی اس کی دستگیری نہیں کرتا ہے۔ وہ میری شناخت اُسے عطا کرتا ہے تب وُہ میرے پاس آتا ہے اور وہ ہدایت اور معرفت لیتا ہے جو مجھے خدا تعالیٰ نے دی ہے اور پھر اپنے فضل سے دی ہے۔

پادری - مَیں اس فضل کا ذکر نہیں کرتا جو آپ کو ملتا ہے بلکہ مَیں اس فضل کا ذکر کرتا ہوں جو ان کو ملتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ مَیں بھی تو اس فضل کا ذکر کرتا ہوں جو اُن کو ملتا ہے۔ ان کو پہلے تو وہ فضل ہی ہے جو میرے پاس لاتا ہے۔ پھر جو فضل مجھے دیا جاتا ہے وہی فضل میری صحبت اور تعلق کی وجہ سے ان میں سرایت کرتا ہے۔ جس قدر اعتقاد بڑھے گا اسی قدر یہ لوگ اور ہر ایک مخلص ارادتمند اس فضل کو جذب کرے گا۔ ان لوگوں کا تعلق میرے ساتھ درخت کی شاخوں کی طرح ہے۔ جس جس قدر وہ شاخیں قریب ہیں اور اپنی سبزی اور زندگی میں تر و تازہ ہیں اسی قدر زیادہ وہ اس غذا کو جو جڑ کے ذریعہ درخت حاصل کرتا ہے یہ جذب کرتی ہیں۔ اگر کوئی شاخ خشک ہو تو ہر چند وہ درخت کے ساتھ تعلق بھی رکھتی ہو، لیکن اس غذا سے کوئی حصّہ نہیں پاسکتی۔ اسی طرح پر شاگرد اور مرید شاخوں کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ جس قدر کوئی تعلق، محبت اور حُسنِ ایمان رکھتا ہے اور جس قدر زیادہ صحبت میں رہتا ہے اسی کے موافق وہ حصّہ پاتے ہیں۔ اوّل فضل خود اس درخت میں بھی ہونا چاہیے۔ اگر اس میں ہی کوئی قوت اور رُوح معرفت کی نہ ہوگی تو وہ دوسروں کو کیا پہنچا سکے گا۔

پادری۔ کس درخت کی شاخ ؟

حضرت اقدس علیہ السلام۔ وُہ درخت جس کو خدا لگاتا ہے جو خُدا کی طرف سے آتا ہے جیسے مَیں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور خُدا نے مجھے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔

پادری۔ مَیں آپ کے دعویٰ کا اصل مطلب نہیں سمجھا۔ کیا آپ مسیح کہلاتے ہیں ؟

حضرت اقدس علیہ السلام۔ تعجب ہے۔ میرا دعویٰ تو عرصہ سے شائع ہو رہا ہے اور ولایت اور امریکہ تک لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے۔ آپ کہتے ہیں مَیں مطلب نہیں سمجھا۔ ہاں مَیں مسیح کہلاتا ہوں اور خُدا نے مجھے مسیح کہا اور مسیح کرکے بھیجا۔

پادری۔ وُہ تو ایک ہی مسیح ہے۔

حضرت اقدسؑ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بخل نہیں ہے وہ ہزاروں ہزار مسیح بنا سکتا ہے؛ چنانچہ ایک میں نمونہ موجود ہوں جو زندہ مسیح ہے۔

پادری۔ انیس سو برس پیشتر آپ سے ایک مسیح دنیا میں آیا تھا اور وہی مسیح مشہور ہے جس کی طرف یہودیوں کے عہد نامے میں اشارہ ہے کہ مسیح آئے گا اور وہ اس کے منتظر تھے۔ اس کے سوا تو کوئی اَور مسیح نہیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ ہاں۔ انیس سو برس پیشتر ایک مسیح آیا تھا مگر جس مسیح کا آپ ذکر کرتے ہیں یا جس کو مانتے ہیں اس کا ذکر یہودیوں کے عہد نامے میں کہیں نہیں ہے، کیونکہ وہ کسی خدا مسیح کے منتظر نہ تھے بلکہ ایک نبی کے منتظر تھے۔ اگر وہ کسی خدا یا خدا کے بیٹے کے منتظر ہوتے تو وہ اس کو مان لیتے۔

علاوہ بریں یہودیوں کے عہد نامہ میں جس مسیح کا ذکر ہے وہ نشان دو مسیحوں کی طرف جاتا ہے۔ ایک وہ جو مجھ سے پہلے آیا دُوسرا میں ہوں جو ساتویں ہزار میں آنے والا تھا۔ مسیح کی آمدِ ثانی کے تم لوگ بھی قائل ہو، لیکن دُوسری آمد کو تم نے اسی کی آمد سمجھ لیا ہے؛ حالانکہ اس سے مراد کسی اور کا آنا تھا یعنی میرا آنا مراد تھا۔ دانیال نبی کی کتاب میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کیا ہے۔ یہ ساتواں ہزار ہے جو آپ کے دعویٰ کو باطل کرتا ہے کہ وہی آنے والا تھا۔ اس نے میری تصدیق کی؛ چنانچہ بڑے عیسائی فاضلوں نے مسیح کے آنے کا یہی زمانہ قرار دیا ہے اور آخر مایوس ہو کر امریکہ وغیرہ میں ایسے رسائل بھی شائع ہو گئے کہ دوبارہ آنے کا خیال غلط ہے۔ آمدِ ثانی سے مراد صرف کلیسیا ہی ہے۔ اگر یہ وقت آنے کا نہ تھا تو ان لوگوں کو کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ وہ ایسی تاویلیں کرتے یا انکار کرتے۔ حقیقت میں آنے کا زمانہ یہی تھا۔ اور آنے والا آ گیا مگر تھوڑے ہیں جو اسے دیکھتے ہیں۔ اب آپ خواہ قبول کریں یا نہ کریں اور کوئی مسیح تو آنے والا نہیں۔ جس کا آپ کو انتظار ہے وہ مر چکا اور میں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق آ گیا۔

پادری۔ جو دھوکہ یہودیوں کو تھا وہی آپ کو ہے کہ ایک مسیح دُکھ اُٹھائے گا۔ دُوسرا بزرگی پائے گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ دراصل یہودیوں والا دھوکہ تو آپ کو لگا ہوا ہے کہ اگر آپ حضرت مسیح کے اپنے فیصلہ کو یاد رکھتے تو ٹھوکر نہ کھاتے۔ یہودیوں کو جو دھوکا لگا تھا۔ وہ یہی تو تھا کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا ہی کا آنا مانتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ وہی ایلیا آئے گا؛ حالانکہ مسیح نے اس کا فیصلہ یہ کیا کہ آنے والا ایلیا یوحنا کے رنگ میں آیا ہے چاہو تو قبول کرو۔ اب اگر دوبارہ آنا صحیح ہوتا تو پھر ایلیا ہی کو آنا چاہیے تھا۔ اسی طرح مسیح کی آمدِ ثانی ہے اس سے مراد وہ آپ ہی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ آپ کو یہودیوں والا دھوکہ لگا ہے؛ ورنہ میں تو وہی مسیح ہوں جو آنے والا تھا اور میرا

وہی فیصلہ ہے جو ایلیا کے حق میں مسیح نے کیا۔

پادری۔ وہ ایلیا تو آچکا۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ مَیں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ آچکا مگر تم یہ بتاؤ کہ کیا یوحنا کو ایلیا نہیں بنایا گیا۔ اب میرے معاملہ میں آپ کیوں ٹھوکر کھاتے ہیں اور مسیح کے فیصلہ کو حجت نہیں مانتے۔

پادری۔ آپ معاف کریں۔ مَیں جاتا ہوں۔

حضرت اقدس علیہ السلام۔ اچھا۔

اس کے بعد پادری صاحب تشریف لے گئے[1]

---

۵ نومبر ۱۹۰۴ء

بمقام قادیان۔ بعد نماز مغرب

طاعون کی شدّت

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ:

کسوف اور خسوف کے ساتھ ہی قرآن شریف میں اَیْنَ الْمَفَرُّ۔ القیامۃ:۱۱ آیا ہے جس سے یہی مراد ہے کہ طاعون اس کثرت سے ہوگی کہ کوئی جگہ پناہ کی نہ رہے گی۔ میرے الہام میں عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّھَا وَ مُقَامُھَا کے یہی معنے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا وجود باعثِ ابتلاء ثابت ہوا ہے

حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود کی نسبت فرمایا کہ:

ان کا وجود دُنیا کے لیے ابتلاء ہی ثابت ہوا ہے۔ یعنی ابتلاء اور حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود کا گہرا تعلق ہے کیونکہ جو مُنکر ہوئے وہ بھی دوزخی بنے اور جو ان پر ایماندار ہیں وہ بھی دوزخ کے کنارے ہیں۔ جیسے کہ عیسائیوں کے عقائد اور عملی حالت سے واضح ہے۔ پھر مسلمان بھی ان پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳، ۴۴ صفحہ ۵، ۶ مورخہ ۱۷/۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء

فلوکے اور آسمان پر بٹھا کر منصوب ہوئے۔ پس صرف مسیح کا وجود ہی اس قسم کا ہے کہ جس کا دوست بھی جہنم میں اور دشمن بھی جہنم میں۔ اس قسم کا ابتلا کسی اور نبی کے وجود کے ساتھ نہیں ہے۔[1]

۱۱ر نومبر ۱۹۰۴ء

ایک شخص کی طرف سے رقعہ پیش کیا گیا کہ یہ مولوی صاحب ہیں اور ان کا لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ ان کو ہستی باری تعالیٰ پر شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ اپنی اصلاح کی تدبیر دریافت کرتے ہیں۔

فرمایا:

ان کی بے قراری کو اللہ تعالیٰ دُور کرے۔ دیکھو اگر کسی شخص کے سامنے دو بچے ہوں۔ ایک تو کسی اجنبی کا ہو اور دوسرا اس کا اپنا پیارا۔ تو کیا وہ اس اجنبی بچہ کی خاطر اپنے بچہ سے محبت چھوڑ دے گا۔ نہیں۔ بلکہ ہرگز نہیں۔ پس جب انسان مسلمان کہلاتا ہے جس کے معنے ہیں بالکل خدا کا ہو جانا اور کسی حالت میں اس سے بے وفائی نہ کرنا۔ پھر اولاد کے حق میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن: ۱۵) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: ۱۶) کہ مال اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ ان سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ اگر زندہ رہے تو ممکن ہے کہ نافرمان ہو۔ مُرتد ہو جاوے۔ بدکار ہو، چور یا ڈاکو بن جاوے۔ مر جاوے تو پھر دیسے ابتلا آجاتا ہے۔ پس ہر حالت میں موجبِ فتنہ اور ابتلاء ہوتی ہے مگر جب مومن کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ اگر یہ بچہ مر گیا ہے تو کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ (البقرۃ: ۱۰۷)

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۲ بچے فوت ہوئے۔ ایمان تو وہ ہوتا ہے جس میں لغزش نہ ہو اور ایسے ایمان والا خدا تعالیٰ کو بہت محبوب ہوتا ہے۔ ہاں اگر بچہ خدا سے زیادہ محبوب ہے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا شخص خُدا پر ایمان کا دعویٰ کر سکے۔ اور وہ کیوں ایسا دعویٰ کرتا ہے۔ ہم نہیں جان سکتے کہ ہماری اولاد کیسی ہوں گی۔ صالح ہوں گی یا بدمعاش۔ اور نہ اُن کے ہم پر کوئی احسان ہیں اور خُدا کے تو ہم پر لاکھوں لاکھ احسان ہیں۔ پس سخت ظالم ہے وہ شخص کہ اس خدا سے تعلق توڑ کر اولاد کی طرف تعلق لگاتا ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق کا بھی خیال رکھو۔ اگر خُدا پر تمہارا کامل ایمان ہو تو پھر تو تمہارا یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ:-

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

الحکم نمبر ۴۰ جلد ۸ ۲/۱۴ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۴ء

اور اس ایمان والے کے شیطان قریب بھی نہیں آتا۔ وہ بھی تو وہاں ہی آجاتا ہے جہاں اُس کو تھوڑی سی گنجائش مل جاتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو مقدم رکھا جائے تو برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ہر کسی دوست سے اگر تم ادنیٰ باتوں میں بدعہدی اور جھوٹ اور عہد شکنی سے کام لو تو وہ تمہیں کبھی عزیز نہیں رکھے گا۔ پھر وہ تو ربّ العالمین اور احکم الحاکمین اور ربّ العزت ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (البقرۃ : ۱۵۶) یعنی ثمرات سے مراد اولاد ہے اور یہ خدا کی طرف سے ابتلاء ہوتے ہیں اور یہی انسان کا امتحان ہوتا ہے۔ ہاں یہ باتیں اور کامل ایمان حاصل ہوتا ہے تو بہ استغفار سے۔ اس کی کثرت کرو۔ اور رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (الاعراف : ۲۴) پڑھا کرو اور اس کی کثرت کرو۔ خدا تعالیٰ نعم البدل عطا کرے گا۔ خدا کا دامن نہ چھوڑنے والا گنہگار ہو کر بھی بخشا جاتا ہے۔ ہاں تعلق توڑنا بری بات ہے اور یہ زہر قاتل ہے۔ پس توبہ استغفار کرو اور نمازوں میں دُعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہو[1]۔ والسلام۔

بلا تاریخ

شہد اور ذیابیطس

ذیابیطس کی مرض کا ذکر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اس سے مجھے سخت تکلیف تھی۔ ڈاکٹروں نے اس میں شیرینی کو سخت مضر بتلایا ہے۔ آج میں اس پر غور کر رہا تھا تو خیال آیا کہ بازار میں جو شکر وغیرہ ہوتی ہے اسے تو اکثر فاسق فاجر لوگ بناتے ہیں اگر اس سے ضرر ہوتا ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر عسل (شہد) تو خدا تعالیٰ کی وحی سے تیار ہوا ہے۔ اس لیے اس کی خاصیت دُوسری شیرینیوں کی سی ہرگز نہ ہوگی۔ اگر یہ ان کی طرح ہوتا تو پھر سب شیرینی کی نسبت شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ فرمایا جاتا۔ مگر اس میں صرف عسل ہی کو خاص کیا ہے۔ پس یہ خصوصیت اس کے نفع پر دلیل ہے اور چونکہ اس کی تیاری بذریعہ وحی کے ہے اس لیے مکھی جو پھولوں سے رس چوستی ہوگی تو ضرور مفید اجزاء کو ہی لیتی ہوگی۔ اس خیال سے میں نے تھوڑے سے شہد میں کیوڑا ملا کر اُسے پیا تو تھوڑی دیر کے بعد مجھے بہت فائدہ حاصل

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۳۸، ۳۹ مورخہ ۱۰، ۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء
نیز البدر جلد ۳ نمبر ۴۴، ۴۵ مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء

ہوا حتیٰ کہ میں نے چلنے پھرنے کے قابل اپنے آپ کو پایا اور پھر گھر کے آدمیوں کو لے کر باغ تک چلا گیا اور وہاں دس رکعت اشراق نماز کی ادا کیں۔

صفاتِ باری تعالےٰ خدا تعالیٰ کی ان صفات رب، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین پر توجہ کی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیسا عجیب خُدا ہے۔ پھر جن کا رب ایسا ہو گیا وہ کبھی نامُراد اور محروم رہ سکتا ہے؟ رب کے لفظ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دُوسرے عالم میں بھی ربوبیت کام کرتی رہے گی۔

جہاں اسباب غیر مؤثر معلوم ہوں وہاں دُعا سے کام لے[1]

۲۴ر نومبر ۱۹۰۴ء

بوقت ظہر

ایک الہام اور ایک رؤیا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے ذیل کی رؤیا سنائی

مَیں نے ایک سفید تہہ بند باندھا ہوا ہے مگر وُہ بالکل سفید نہیں ہے۔ کچھ کچھ مَیلا ہے کہ اس اثناء میں مولوی صاحب نماز پڑھانے لگے ہیں اور اُنھوں نے سورہ الحمد جہر سے پڑھی ہے اور اس کے بعد اُنھوں نے یہ پڑھا۔

اَلْفَارِقُ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْفَارِقُ

اس وقت مجھے یہی معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں سے ہی ہے۔ اور ایک اور الہام ہوا:

روزِ نقصاں بر تو نہ آید

آریہ مذہب اور اس کے عقائد حضرت حکیم نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی بعض آریوں نے بہت ہی گندے کلمات قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھے ہیں۔ فرمایا کہ

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۴۴ - ۴۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ر نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء

ہانڈی میں جب اُبال آتا ہے تو پھر بہت جلدی بیٹھ جایا کرتا ہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسلام جیسا مذہب جس خُدا نے پیش کیا ہے اُس کے مقابل پر اور بھی کوئی خدا مانا جا سکتا ہے۔ اسلام کا خُدا کل کمالات کا مالک ہے اور جبکہ رُوح اور اس کے خواص سب خود بخود ہیں تو پھر وُہ خدا کو کہہ سکتی ہے کہ تیرا مجھ پر کیا حق ہے جو تو مجھ کو کسی قسم کی سزا دے سکے۔ خُدا شناسی میں ان لوگوں کی حالت دہریوں سے بدتر ہے اور نیوگ میں تو کنجروں کو مات کر دیا ہے۔

انہوں نے ہر ایک بات پر اعتراض کا ٹھیکہ لے لیا ہے، حالانکہ ایک عارف آدمی اس بات کا ہرگز قائل نہ ہوگا کہ کُل اسرارِ الوہیت کو کوئی سمجھ سکے مثلاً اس قدر جو مخلوقات موجود ہے اور قسم قسم کے پتھر، بُوٹیاں اور اشیاء ہیں کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ مَیں نے ہر ایک کے خواص پر احاطہ کر لیا ہے اور جو کچھ مَیں نے معلوم کیا ہے اس سے بڑھ کر اب اور کوئی حکمتِ الٰہی اس میں ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے حق کے طالب کو چاہیے کہ وہ بات جس سے ایمان وابستہ ہوتا ہے اختیار کرے اور اُسے سمجھے اور دُوسری باتوں کے لیے اپنے نقصِ عقل کو تسلیم کرے۔ جُوں جُوں خُدا تعالیٰ بصیرت دے گا تُوں تُوں اس کا علم بڑھے گا۔ یہ نادانی ہے کہ انسان کے جسم کے اندر جس قدر قویٰ ہیں ان کی حکمت اور خواص پر تو نظر نہ کی جاوے اور بالوں کے ٹیڑھے ہونے یا اور اس قسم کی باتوں پر اعتراض کیا جاوے۔[1]

۲۹ر نومبر ۱۹۰۴ء

کسی اہم کام کے لیے نماز توڑنا افریقہ سے ڈاکٹر محمد علی خاں صاحب نے استفسار کیا کہ اگر ایک احمدی بھائی نماز پڑھ رہا ہو اور باہر سے اس کا افسر آجاوے اور دروازہ کو ہلا ہلا کر اور ٹھونک ٹھونک کر پکارے اور دفتر یا دوائی خانہ کی چابی مانگے تو ایسے وقت میں اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے ایک شخص نوکری سے محروم ہو کر ہندوستان واپس چلا گیا ہے۔

جواب :- حضرت اقدس نے فرمایا کہ :

ایسی صورت میں ضروری تھا کہ وہ دروازہ کھول کر چابی افسر کو دے دیتا (یہ ہسپتال کا واقعہ

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۴۴-۴۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ر نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء

ہے اس لیے فرمایا[1]، کیونکہ اگر اس کے التوا سے کسی آدمی کی جان چلی جاوے تو یہ سخت معصیت ہوگی۔ احادیث میں آیا ہے کہ نماز میں چل کر دروازہ کھول دیا جاوے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اگر لڑکے کو کسی خطرہ کا اندیشہ ہو یا کسی موذی جانور سے جو نظر پڑتا ہو ضرر پہنچتا ہو تو لڑکے کو بچانا اور جانور کو مار دینا اس حال میں کہ نماز پڑھ رہا ہے گناہ نہیں ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ گھوڑا کھل گیا ہو تو اُسے باندھ دینا بھی مُفسدِ نماز نہیں ہے۔ کیونکہ وقت کے اندر نماز تو پھر بھی پڑھ سکتا ہے۔

نوٹ :۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اشد ضرورتوں کے لیے نازک مواقع پر یہ حکم ہے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک قسم کی رفع حاجت کو مقدم رکھ کر نماز کی پروا نہ کی جاوے اور اسے بازیچۂ طفلاں بنا دیا جاوے ورنہ نماز میں اشغال کی سخت ممانعت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک دل اور نیت کو بخوبی جانتا ہے۔[2]

۱۹ر دسمبر ۱۹۰۴ء

بوقت ظہر

مریدانِ باصفا کی خاطر داری

حضرت اقدس بوقتِ ظہر تشریف لائے اور مولانا حکیم نورالدین صاحب کی علالتِ طبع کا حال خود ان سے دریافت کیا۔ غذا کے انتظام کے لیے تاکید فرمائی۔ حضرت مولوی صاحب نے عرض کی کہ ہر چند کوشش کی جاتی ہے مگر قدرت کی طرف سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جس سے یہ انتظام قائم نہیں رہتا۔ شاید ارادۂ الٰہی ابھی اس امر کا خواہاں نہیں ہے کہ آرام ہو۔

اس اثنا میں ایک صاحب جن کو حکیم صاحب موصوف سے نہایت محبت اور اخلاص اور نیازمندی کا تعلق ہے بول اُٹھے کہ آخر تدبیر کرنی چاہیے۔ قرآن شریف میں آیا ہے فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (النازعات:۶) حکیم صاحب نے ایک لطیف عارفانہ جواب یہ دیا کہ یہاں صیغہ مؤنث کا استعمال ہوا ہے ——— فَالْمُدَبِّرُوْنَ اَمْرًا - نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا بڑا تعلق اِناث سے ہے (اور ان میں

---

[1] یہ نوٹ ڈائری نویس کا ہے۔ (مرتب)

[2] البدر جلد ۳ نمبر ۴۴، ۴۵ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۰۴ء

[3] یہ نوٹ ایڈیٹر صاحب کا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

ضرور نقص ہوتا ہے) بہرحال یہ ایک عجیب نکتہ ہے۔ اس بحث کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دل چسپی سے سُنا اور پھر خوراک کا انتظام ایک خاص صاحب کے سپرد فرما کر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ:

یہ سب لوگ سُنتے ہیں اور گواہ ہیں کہ ہم نے اب تم کو ذمہ دار بنا دیا ہے۔ اب اس کا ثواب یا عذاب تمہاری گردن پر ہے۔[1]

---

۲۰ / دسمبر ۱۹۰۴ء

بوقتِ ظہر

اپنے نیک انجام پر پختہ یقین

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام تشریف لائے۔ مقدمہ کے ذکر پر فرمایا کہ:

خواہ کچھ ہی ہو ہم تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اس پر راضی ہیں۔

ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

لیکن ہمارا ایمان جیسے خدا تعالیٰ کے ملائکہ اور کتب اور رُسل پر ہے ایسے ہی اس بات پر بھی ہے کہ انجام کار ہم ہی کامیاب ہوں گے؛ اگرچہ ایک دنیا ہماری مخالف کیوں نہ ہو۔

آج کل کے عقلمندوں کے نزدیک تو کسی کو اپنا دشمن بنانا غلطی ہے۔ لیکن سچ پوچھو تو یہ بھی حقانیت کی ایک دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک سے بھی نہ رکھی۔ سب سے بگاڑ لی۔ ان لوگوں کے نزدیک تو نعوذ باللہ آپؐ نے غلطی کی حالانکہ محض خدا تعالیٰ کے لیے سب سے بگاڑ لینا آپ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے کہ جس سے آپؐ کی قوتِ ایمانی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ایک طرف مسیح کو دیکھو کہ اس کی تعلیم سے جو کہ انجیلوں میں پائی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مشرب کسی کو ناراض کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔ یہودیوں کو سُنایا گیا کہ مَیں توریت کا ایک شوشہ تک زیر و زبر کرنے نہیں آیا۔ اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ اُن کی خوشامد مدِنظر تھی۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو کوئی بھی فرقہ اور مذہب روئے زمین پر ایسا نظر نہ آوے گا جس کو آپؐ نے دعوت نہ کی ہو اور جس کی غلطی نہ نکالی ہو (اور پھر ہر ایک

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

کے مقابلہ پر اپنے مظفر و منصور ہونے کا دعویٰ بھی کیا) بھلا بتلاؤ کہ جب تک خدا پر پورا بھروسہ اور یقین نہ ہو کب کوئی اس طرح سے کر سکتا ہے۔

خیر بات یہ ہے کہ درمیان میں کیا کیا مکروہات ہوں ہمیں اس کا علم نہیں مگر انجام بہرحال نیک ہے۔ الہاموں کی ترتیب میں میں یہ امر مدِ نظر رکھتا ہوں کہ مکروہات کا مرتبہ اوّل رکھا جاتا ہے اور یہ سُنّت اللہ بھی ہے کیونکہ خوشحالی اور کامیابی بعد کو ہوا کرتی ہیں۔ اس لیے اُن کے الہامات کی ترتیب بھی بعد کو ہی ہوتی ہے۔

عاقبت کا ذخیرہ تیار کرو

کچھ دنوں کا عرصہ گذرا کہ ایک صاحب بہت تھوڑی دیر کے لیے قادیان آئے۔ اور جلدی رُخصت ہونے لگے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

کچھ دن میرے پاس رہو اور عاقبت کا ذخیرہ تیار کر دو دنیا کے کام تو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے۔

؎ خیرے کُن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

لہ البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۴ء

تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

برموقعہ جلسہ سالانہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۰۴ء

بعد نماز ظہر بمقام مسجد اقصیٰ

خاتمہ بالخیر کی کوشش کریں

میری طرف سے اپنی جماعت کو بار بار وہی نصیحت ہے جو میں پہلے بھی کئی دفعہ کر چکا ہوں کہ عمر چونکہ تھوڑی[1] اور عظیم الشان کام درپیش ہے، اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔

خاتمہ بالخیر ایسا امر ہے کہ اس کی راہ میں بہت سے کانٹے ہیں۔ جب انسان دُنیا میں آتا ہے تو کچھ زمانہ اس کا بے ہوشی میں گذر جاتا ہے۔ یہ بے ہوشی کا زمانہ وہ ہے جبکہ وہ بچہ ہوتا ہے اور اس کو دنیا اور اس کے حالات سے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جب ہوش سنبھالتا ہے تو ایک ایسا زمانہ آتا ہے کہ وہ بے ہوشی تو نہیں ہوتی، جو بچپن میں تھی۔ لیکن جوانی کی ایک مستی ہوتی ہے جو اس ہوش کے دنوں میں بھی بے ہوشی پیدا کر دیتی ہے اور کچھ ایسا از خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ نفس امارہ غالب آجاتا ہے۔ اس کے بعد پھر تیسرا زمانہ آتا ہے[2] کہ علم

---

[1] البدر سے :- "انسان کی عمر ناپائیدار ہے اس کا کچھ بھروسہ نہیں ہے۔"
البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر سے :- "پس دو زمانے تو اس طرح مارے جاتے ہیں۔ پھر تیسرا زمانہ آتا ہے جو کہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہوتا ہے۔"
البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

کے بعد پھر لاعلمی آجاتی ہے اور حواس میں اور دُوسرے قویٰ میں فتور آنے لگتا ہے۔ یہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہے۔ بہت سے لوگ اس زمانہ میں بالکل حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں میں جنون کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بہت سے خاندان ہیں کہ ان میں ساٹھ یا ستر سال کے بعد انسان کے حواس میں فتور آجاتا ہے۔ غرض اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی قویٰ کی کمزوری اور طاقتوں کے ضائع ہو جانے سے انسان ہوش میں بے ہوش ہوتا ہے[1] اور ضعف و تکاہل اپنا اثر کرنے لگتا ہے۔ انسان کی عمر کی تقسیم انہیں تین زمانوں پر ہے اور یہ تینوں ہی خطرات اور مشکلات میں ہیں پس اندازہ کر و کہ خاتمہ بالخیر کے لیے کس قدر مشکل مرحلہ ہے۔

بچپن کا زمانہ تو ایک مجبوری کا زمانہ ہے۔ اس میں سوائے لہو، لعب اور کھیل کُود اور چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے اور کوئی خواہش ہی نہیں ہوتی۔ ساری خواہشوں کا منتہا کھانا پینا ہی ہوتا ہے۔ دُنیا اور اس کے حالات سے محض ناواقف ہوتا ہے۔ امورِ آخرت سے بکلی ناآشنا اور لاپروا ہوتا ہے۔ عظیم الشان اُمور کی اسے کوئی خبر ہی نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتا کہ دُنیا میں اس کے آنے کی کیا غرض اور مقصد ہے۔ یہ زمانہ تو یوں گذر گیا۔ اس کے بعد جوانی کا زمانہ آتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں اس کے معلومات بڑھتے ہیں اور اس کی خواہشوں کا حلقہ وسیع ہوتا ہے، مگر جوانی کی مستی اور نفسِ امارہ کے جذبات عقل بار دیتے ہیں اور ایسی مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر ایمان بھی لاتا ہے تب بھی نفسِ امارہ اور اس کے جذبات اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اُسے ایمان اور اس کے ثمرات سے دُور پھینک دینے کے لیے حملے کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو پیرانہ سالی کا زمانہ ہے وہ تو بجائے خود ایسا نکما اور ردّی ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز سے عرق نکال لیا جاوے اور اس کا پھوک باقی رہ جاوے۔ اسی طرح پر انسانی عمر کا پھوک بڑھاپا ہے۔ انسان اس وقت نہ دُنیا کے لائق رہتا ہے اور نہ دین کے۔ مخبوط الحواس اور مضمحل سا ہو کر اوقات بسر کرتا ہے۔ قویٰ میں وہ تیزی اور حرکت نہیں ہوتی جو جوانی میں ہوتی ہے اور بچپن کے زمانہ سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے۔ بچپن میں اگرچہ شوخی، حرکت اور نشو و نما ہوتا ہے، لیکن بڑھاپے میں یہ باتیں نہیں۔ نشو و نما کی بجائے اب قویٰ میں تحلیل ہوتی ہے اور کمزوری کی وجہ سے سُستی اور کاہلی پیدا ہونے لگتی ہے۔

بچہ اگرچہ نماز اور اس کے مراتب اور ثمرات اور فوائد سے ناواقف ہو گا یا ہوتا ہے۔ لیکن اپنے کسی عزیز کو دیکھ کر رِیس اور امنگ ہی پیدا ہو جاتی ہے، مگر اس پیرانہ سالی کے زمانہ میں تو اس کے بھی

---

[1] البدر سے "اور بچپن کے سے خواص اُن میں پائے جاتے ہیں"۔
البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰، مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

قابل نہیں رہتا۔[1]

حواسِ باطنی میں جس طرح اس وقت فرق آجاتا ہے حواسِ ظاہری میں بھی معمر ہو کر بہت کچھ فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض اندھے ہو جاتے ہیں۔ بہرے ہو جاتے ہیں۔ چلنے پھرنے سے عاری ہو جاتے ہیں اور قسم قسم کی مصیبتوں اور دُکھوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ زمانہ بھی بڑا ہی ردّی زمانہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی زمانہ ہے جوان دونوں کے بیچ کا زمانہ ہے یعنی شباب کا جب انسان کوئی کام کر سکتا ہے، کیونکہ اس وقت قویٰ میں نشوونما ہوتا ہے اور طاقتیں آتی ہیں، لیکن یہی زمانہ ہے جبکہ نفسِ امّارہ ساتھ ہوتا ہے اور وہ اس پر مختلف رنگوں میں حملے کرتا ہے اور اپنے زیرِ اثر رکھنا چاہتا ہے۔ یہی زمانہ ہے جو مؤاخذہ کا زمانہ ہے اور خاتمہ بالخیر کے لیے کچھ کرنے کے دن بھی یہی ہیں، لیکن ایسی آفتوں میں گھرا ہوا ہے کہ اگر بڑی سعی نہ کی جاوے تو یہی زمانہ ہے جو جہنم میں لے جائے گا اور شقی بنا دے گا۔ ہاں اگر عمدگی اور ہوشیاری اور پوری احتیاط کے ساتھ اس زمانہ کو بسر کیا جاوے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے کیونکہ ابتدائی زمانہ تو بے خبری اور غفلت کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ نہ کرے گا۔ جیسا کہ اس نے خود فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: ۲۸۷) اور آخری زمانہ میں گو بڑھاپے کی وجہ سے سُستی اور کاہلی ہوگی، لیکن فرشتے اس وقت اس کے اعمال میں وہی لکھیں گے جو جوانی کے جذبات اور خیالات ہیں۔ جوانی میں اگر نیکیوں کی طرف مستعد اور خدا تعالیٰ کا خوف رکھنے والا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے والا اور نواہی سے بچنے والا ہے تو بڑھاپے میں گو ان کے اعمال کی بجاآوری میں کسی قدر سُستی بھی ہو جاوے لیکن اللہ تعالیٰ اسے معذور سمجھ کر ویسا ہی اجر دیتا ہے۔[2]

---

[1] البدر سے:۔ "پیرانہ سالی میں کسل اور کاہلی اس کے لاحق حال ہو جاتے ہیں۔ جہاں پڑا وہیں پڑا رہتا ہے۔ جہاں بیٹھا وہیں بیٹھا رہتا ہے۔"

البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر سے:۔ "اگر اس نے یہ زمانہ خدا کی بندگی، اپنے نفس کی آراستگی اور خُدا کی اطاعت میں گذارا ہوگا تو اس کا اسے یہ پھل ملے گا کہ پیرانہ سالی میں جبکہ وہ کسی قسم کی عبادت وغیرہ کے قابل نہ رہے گا اور کسل اور کاہلی اسے لاحق حال ہو جاوے گی تو فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں وہی نماز روزہ تہجد وغیرہ لکھتے رہیں گے جو کہ وہ جوانی کے ایام میں بجا لاتا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ کہ اس کی ذاتِ پاک اپنے بندہ کو معذور جان کر باوجود اس کے کہ وہ عمل بجا نہیں لاتا پھر بھی وہی اعمال اس کے نام درج ہوتے رہتے ہیں۔

البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

ہر شخص بڈھے انسان کو دیکھتا ہے کہ وہ کیسا از خود رفتگی کا زمانہ ہے۔ کوئی بات چشم دید کی طرح سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اس لیے ان لوگوں پر خدا تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے۔ جو ابتدائی زمانہ میں اس زمانہ کے لیے سعی کرتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں ان کے لیے وہی تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی بندگی لکھی جاتی ہے۔ غرض آخر وہی ایک زمانہ جو جوانی کے جذبات اور نفسِ امّارہ کی شوخیوں کا زمانہ ہے کچھ کام کرنے کا زمانہ رہ جاتا ہے۔ اس لیے اب سوچنا چاہیے کہ وہ کیا طریق ہے جس کو اختیار کر کے انسان کچھ آخرت کے لیے کما سکے۔

خاتمہ بالخیر کے حصول کے تین ذرائع

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ زمانہ جو شباب اور جوانی کا زمانہ ہے ایک ایسا زمانہ ہے کہ نفسِ امّارہ نے اس کو ردی کیا ہوا ہے لیکن اگر کوئی کارآمد ایام ہیں تو یہی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قرآن شریف میں درج ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ (یوسف : ۵۴) یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ نفسِ امّارہ بدی کی طرف تحریک کرتا ہے۔ اس کی اس قسم کی تحریکوں سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی بدیوں اور جذبات سے بچنے کے واسطے نری کوشش ہی شرط نہیں بلکہ دعاؤں کی بہت بڑی ضرورت ہے نرا زُہدِ ظاہری ہی (جو انسان اپنی سعی اور کوشش سے کرتا ہے) کارآمد نہیں ہوتا جبتک خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم ساتھ نہ ہو اور اصل تو یہ ہے کہ اصل زہد اور تقویٰ تو ہے ہی وہی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ اسی طرح ملتا ہے، ورنہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ بہت سے جامے بالکل سفید ہوتے ہیں اور باوجود سفید ہونے کے بھی وہ پلید ہو سکتے ہیں تو اس ظاہری تقوے اور طہارت کی ایسی ہی مثال ہے[1]؛ تاہم اس حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ اور طہارت کے حصول کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی زمانہ شباب و جوانی میں انسان کوشش کرے جبکہ قویٰ میں قوت اور طاقت اور دل میں

---

[1] البدر سے :- "بوڑھوں کا دُنیا میں موجود ہونا جوانوں کے لیے عبرت کا مقام ہے مگر انسان کے دل پر اس قسم کا حجاب ہوتا ہے کہ وہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سُننے کے نہیں سُنتا ورنہ اس قسم کے نظاروں کو دیکھ کر وہ اپنی جوانی کے ایام میں خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات مضبوط کرے۔

البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر میں ہے :- "ہر ایک چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے ایسے ہی زہد اور تقویٰ کا بھی ایک ظاہر ہوتا ہے اور اکثر لوگ بظاہر متقی اور زاہد ہوتے ہیں لیکن جبتک خُدا کا فضل اور رحم بھی انسان کے شاملِ حال نہ ہو تب تک وہ اس کے کام نہیں آسکتا۔" (البدر حوالہ مذکور۔)

ایک اُمنگ اور جوش ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں کوشش کرنا عقلمند کا کام ہے اور عقل اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دی ہے[1]۔

پہلا ذریعہ تدبیر اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے (جیسا کہ میں پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں) اوّل ضروری ہے کہ انسان دیدہ دانستہ اپنے آپ کو گناہ کے گڑھے میں نہ ڈالے ورنہ وہ ضرور ہلاک ہوگا۔ جو شخص دیدہ دانستہ بدراہ اختیار کرتا ہے یا کنوئیں میں گرتا ہے اور زہر کھاتا ہے وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ ایسا شخص نہ دُنیا کے نزدیک اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ رحم ٹھہر سکتا ہے اس لیے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے خصوصاً ہماری جماعت کے لیے (جس کو اللہ تعالیٰ نمونہ کے طور پر انتخاب کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آنیوالی نسلوں کے لیے ایک نمونہ ٹھہرے) کہ جہانتک ممکن ہے بدصحبتوں اور بدعادتوں سے پرہیز کریں[2]۔ اور اپنے آپ کو نیکی کی طرف لگائیں۔ اس مقصد کے حاصل کرنیکے واسطے جہانتک تدبیر کا حق ہے تدبیر کرنی چاہیے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔

یاد رکھو تدبیر بھی ایک مخفی عبادت ہے اس کو حقیر مت سمجھو۔ اسی سے وہ راہ کھُل جاتی ہے جو بدیوں سے نجات پانے کی راہ ہے۔ جو لوگ بدیوں سے بچنے کی تجویز اور تدبیر نہیں کرتے ہیں وہ گویا بدیوں پر راضی ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر خدا تعالیٰ اُن سے الگ ہو جاتا ہے[3]۔

---

[1] البدر میں ہے۔ "عقلمند انسان کا یہ کام ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اس زمانہ کے مفاسد پر غور کرے اور عقل اس لیے اُسے دی گئی ہے کہ وہ اس طوفانِ عظیم سے جو کہ لوگوں کی روحانیت کو تباہ کر رہا ہے اپنے آپ کو بچا دے۔"

البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر سے: "اس قسم کی مجلسوں اور صحبتوں اور رفیقوں اور دوستوں سے پرہیز کرے جو کہ اس کی رُوحانیت پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔"

(البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے: "تقویٰ اور نیکی کے حصول کے لیے تدابیر کی جستجو میں لگے رہنا یہ بھی ایک عبادت ہے اور جب انسان اس کوشش میں لگا رہتا ہے تو عادت اللہ یہی ہے کہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ کھول دی جاتی ہے لیکن جو شخص بدی سے بچنے کی اور نیکی کو عمل میں لانے کی تدبیر نہیں کرتا۔ سمجھو کہ وہ بدی پر راضی ہو گیا ہے اور ایسے آدمی سے بدی کا چھوڑنا محال ہو جاتا ہے۔"

(البدر حوالہ مذکور)

یہ پھر کہتا ہوں کہ جب انسان نفسِ امارہ کے پنجہ میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی تدبیروں میں لگا ہوا ہوتا ہے تو اس کا نفس امارہ خدا تعالیٰ کے نزدیک لَوَّامہ ہو جاتا ہے اور ایسی قابلِ قدر تبدیلی پا لیتا ہے کہ یا تو وہ امارہ تھا جو لعنت کے قابل تھا اور یا تدبیر اور تجویز کرنے سے وہی قابلِ لعنت نفسِ امارہ نفسِ لوّامہ ہو جاتا ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اس کی قسم کھاتا ہے[1]۔ یہ کوئی چھوٹا شرف نہیں ہے۔ پس حقیقی تقویٰ اور طہارت کے حاصل کرنے کے واسطے اوّل یہ ضروری شرط ہے کہ جہاں تک بس چلے اور ممکن ہو تدبیر کرو اور بدی سے بچنے کی کوشش کرو۔ بدعادتوں اور بدصحبتوں کو ترک کر دو۔ ان مقامات کو چھوڑ دو جو اس قسم کی تحریکوں کا موجب ہو سکیں جس قدر دُنیا میں تدابیر کی راہ کھلی ہے اس قدر کوشش کرو اور اس سے نہ تھکو نہ ہٹو۔

دوسرا ذریعہ دُعا دُوسرا طریق حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے اور خاتمہ بالخیر کے لیے جو خدا تعالیٰ نے سکھایا[2] ہے وہ دُعا ہے اس لیے جس قدر ہو سکے دُعا کرو۔ یہ طریق بھی اعلیٰ درجہ کا مجرب اور مفید ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) تم مجھ سے دُعا کرو میں تمہارے لیے قبول کروں گا۔ دُعا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیئے[3]۔ دُوسری قوموں کو دُعا کی کوئی قدر نہیں اور نہ انہیں اس پاک طریق پر کوئی فخر اور ناز ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ فخر اور ناز صرف اسلام ہی کو ہے دُوسرے مذاہب اس سے بکلّی بے بہرہ ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے جب یہ سمجھ لیا ہے کہ ایک انسان (جس کو انہوں نے خدا مان لیا) نے ہمارے لیے قربانی دے دی ہے۔ انہوں

---

[1] البدر سے: "پہلے امارہ تھا کہ سوائے بدی کے اُبھارنے کچھ سُوجھتا ہی نہ تھا اور اب اس کی جنگ شروع ہو گئی ہے کبھی غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب۔ ایک فعلِ بد کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر اس پر پچھتاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کی تلافی کیونکر ہو اور چونکہ وہ ملامت کرتا ہے اس لیے اس کا نام لوّامہ ہو جاتا ہے۔ خدا نے بھی اسی لیے اس کی قسم قرآن شریف میں کھائی ہے کیونکہ یہ اپنی حالت سے خدا کی طرف ایک رجوع ظاہر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے قریب ہو جاوے۔"
البدر جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر سے: "جو کہ دراصل سب سے مقدم ہے اور جس کی تعلیم خدا تعالیٰ نے بھی دی ہے۔"
(البدر حوالہ مذکور)

[3] البدر سے: "اصل بات یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور مسلمانوں نے بھی اس میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ دُعا جیسی شئے کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔" (البدر حوالہ مذکور)

نے اس پر بھروسہ کر لیا اور سمجھ لیا کہ ہمارے سارے گناہ اس نے اُٹھا لیے ہیں۔ پھر وہ کونسا امر ہے جو اس کو دعا کے لیے تحریک کرے گا۔ ناممکن ہے کہ وہ گداز شدہ دل کے ساتھ دُعا کرے۔ دُعا تو وہ کرتا ہے جو اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کو سمجھتا ہے لیکن جو شخص اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کرتا ہے وہ دُعا کیوں کرے گا۔ اس نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہے کہ گناہ دُوسرے شخص نے اُٹھا لیے ہیں اور اس طرح پر اس کے ذمہ کوئی جواب ہی نہیں تو اس کے دل میں تحریک کس طرح ہوگی۔ اس نے اُدرشتے پر بھروسہ کر لیا ہے اور اس طرح پر اس طریق سے جو دُعا کا طریق ہے وہ دُور چلا گیا ہے۔[1]

غرض ایک عیسائی کے نزدیک دُعا بالکل بے سُود ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس کے دل میں وُہ رقت اور جوش جو دُعا کے لیے حرکت پیدا کرتا ہے نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح پر ایک آریہ جو تناسخ کا قائل ہے اور سمجھتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہو سکتی اور کسی طرح پر اس کے گناہ معاف نہیں ہو سکتے وہ دُعا کیوں کرے گا؟ اس نے تو یہ یقین کیا ہوا ہے کہ جُونوں کے چکر میں جانا ضروری ہے اور بیل۔ گھوڑا۔ گدھا۔ گائے۔ کُتا۔ سؤر وغیرہ بننا ہے۔ وہ اس راہ کی طرف آئے گا ہی نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُعا اسلام کا خاص فخر ہے اور مُسلمانوں کو اس پر بڑا ناز ہے۔

مگر یہ یاد رکھو کہ یہ دُعا زبانی بک بک کا نام نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ دل خدا تعالیٰ کے خوف سے بھر جاتا ہے اور دعا کرنے والے کی رُوح پانی کی طرح بہہ کر آستانہ اُلوہیت پر گرتی ہے اور اپنی کمزوریوں اور لغزشوں کے لیے قوی اور مقتدر خُدا سے طاقت اور قوت اور مغفرت چاہتی ہے اور یہ وہ حالت ہے کہ دُوسرے الفاظ میں اس کو موت کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ حالت میسر آجاوے تو یقیناً سمجھو کہ بابِ اجابت اس کے لیے کھولا جاتا ہے اور خاص قوت اور فضل اور استقامت بدیوں سے بچنے اور نیکیوں پر استقلال کیلئے عطا ہوتی ہے یہ ذریعہ سب سے بڑھ کر زبردست ہے۔

اس زمانہ کے لوگ دعا کی تاثیرات کے مُنکر ہو گئے ہیں

مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ دعا کی حقیقت اور حالت سے محض ناواقف ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے منکر ہو گئے ہیں کیونکہ وہ ان تاثیرات کو نہیں پاتے اور مُنکر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ تو

---

[1] البدر سے: "پس جسے کسی دوسری راہ پر بھروسہ ہے وُہ دُعا کی راہ پر کب آوے گا"۔
البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء

ہونا ہی ہے پھر دُعا کی کیا حاجت ہے، مگر میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تو نرا بہانہ ہے انہیں چونکہ دُعا کا تجربہ نہیں اس کی تاثیرات پر اطلاع نہیں اس لیے اس طرح کہہ دیتے ہیں، ورنہ اگر وہ ایسے ہی متوکل ہیں تو پھر بیمار ہو کر علاج کیوں کرتے ہیں۔؟ خطرناک امراض میں مبتلا ہوتے ہیں تو طبیب کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ بلکہ میں سچ کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ چارہ کرنے والے یہی ہوتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی دُعا کے منکر تھے لیکن جب اُن کا پیشاب بند ہوا تو دہلی سے معالج ڈاکٹر کو بُلایا۔ یہ نہ سمجھ لیا کہ خود بخود ہی پیشاب کھل جاوے گا حالانکہ وہی خدا ہے جس کے ملکوت میں ظاہری دُنیا ہے جبکہ دُوسرے اشیاء میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ باطنی دُنیا میں تاثیرات نہ ہوں[1]۔ جن میں سے دُعا ایک زبردست چیز ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے تصاویر قدر میں سب کچھ ہے مگر کوئی یہ تو بتائے کہ خدا تعالیٰ نے وُہ فہرست کس کو دی ہے جس سے معلوم ہو جاوے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان امور پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قبض سے بیمار ہے تو تدبیر یا کسٹر آئیل جب اس کو دیا جاوے گا تو اسے اسہال آجاویں گے۔ اور قبض کھل جائے گی۔ کیا یہ اس امر کا بیّن ثبوت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے تاثیرات رکھی ہوئی ہیں۔

اسی طرح پر اور تدابیر کرنے والے ہیں۔ مثلاً زراعت کرنے والے اور یہی معالجات کرنے والے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان تدابیر کی وجہ سے اُنھوں نے فائدہ اٹھایا ہے اور اشیاء میں مختلف اثر دیکھے ہیں پھر جبکہ ان چیزوں میں تاثیرات موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دُعاؤں میں جو وہ بھی مخفی اسباب اور تدابیر ہیں اثر نہ ہوں؟ اثر ہیں اور ضرور ہیں۔ لیکن تھوڑے لوگ ہیں جو ان تاثیرات سے واقف اور آشنا ہیں اس لیے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

آدابِ دُعا

میں یقیناً جانتا ہوں کہ چونکہ بہت سے لوگ دُنیا میں ایسے ہیں جو اس نقطہ سے جہاں دُعا اثر کرتی ہے دُور رہ جاتے ہیں اور وہ تھک کر دُعا چھوڑ دیتے ہیں اور خود ہی یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ دعاؤں میں کوئی اثر نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو اُن کی اپنی غلطی اور کمزوری ہے۔ جب تک کافی وزن نہ ہو خواہ زہر ہو یا تریاق اس کا اثر نہیں ہوتا۔ کسی کو بھوک لگی ہوئی ہو اور وہ چاہے کہ ایک دانہ سے پیٹ بھر لے یا تولہ بھر غذا کھائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ وہ سیر ہو جاوے؟

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر سے: "ایک پہلو میں اس کی قدرت کے تصرفات مانتے ہیں اور دُوسرے میں جا کر انکار کرتے ہیں۔
البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۹ کالم اوّل مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

کبھی نہیں۔ اسی طرح جس کو پیاس لگی ہوتی ہے ایک قطرہ پانی سے اس کی پیاس کب بجھ سکتی ہے، بلکہ سیر ہونے کے لیے چاہیے کہ وہ کافی غذا کھاوے اور پیاس بجھانے کے واسطے لازم ہے کہ کافی پانی پیوے۔ تب جاکر اس کی تسلی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح پر دُعا کرتے وقت بے دلی اور گھبراہٹ سے کام نہیں لینا چاہیے اور جلدی ہی تھک کر نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ اس وقت تک ہٹنا نہیں چاہیے جبتک دُعا اپنا پورا اثر نہ دکھائے۔ جو لوگ تھک جاتے اور گھبرا جاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ یہ محروم رہ جانے کی نشانی ہے۔ میرے نزدیک دُعا بہت بڑی چیز ہے اور میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں خیالی بات نہیں۔ جو مشکل کسی تدبیر سے حل نہ ہوتی ہو۔ اللہ تعالےٰ دُعا کے ذریعہ اُسے آسان کر دیتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ دُعا بڑی زبردست اثر والی چیز ہے۔ بیماری سے شفا اس کے ذریعہ ملتی ہے۔ دُنیا کی تنگیاں مشکلات اس سے دُور ہوتی ہیں۔ دشمنوں کے منصوبے سے یہ بچا لیتی ہے اور وہ کیا چیز ہے جو دُعا سے حاصل نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو پاک یہ کرتی ہے اور خدا تعالےٰ پر زندہ ایمان یہ بخشتی ہے۔ گناہ سے نجات دیتی ہے اور نیکیوں پر استقامت اس کے ذریعہ سے آتی ہے۔ بڑا ہی خوش قسمت وہ شخص ہے جس کو دُعا پر ایمان ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کو دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے کہ وہ قادر کریم خُدا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شروع قرآن ہی میں دُعا سکھائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی عظیم الشان اور ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ (الفاتحہ: ۲-۴) اس میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات کو جو اُمّ الصفات ہیں بیان فرمایا ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ذرّہ ذرّہ کی ربوبیت کر رہا ہے۔ عالم اسے کہتے ہیں جس کی خبر مل سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دُنیا میں ایسی نہیں ہے جس کی ربوبیت نہ کرتا ہو۔ ارواح اجسام وغیرہ سب کی ربوبیت کر رہا ہے۔ وہی ہے جو ہر ایک چیز کے حسبِ حال اس کی پرورش کرتا ہے جہاں جسم کی پرورش فرماتا ہے وہاں رُوح کی سیری اور تسلی کے لیے معارف اور حقائق وہی عطا فرماتا ہے۔

پھر فرمایا ہے کہ وہ رحمٰن ہے یعنی اعمال سے بھی پیشتر اس کی رحمتیں موجود ہیں۔ پیدا ہونے سے

لہ البدر سے: "انسان ہر وقت ایک سیلاب میں پڑا ہوا ہے۔ اور دُعا ہی ایک ایسی شے ہے جو کہ اس سے اس کو نجات دلا سکتی ہے۔" (البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء)

پہلے ہی زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ جس قدر اشیاء انسان کے لیے ضروری ہیں موجود ہوتی ہیں۔ اور پھر وہ اللہ رحیم ہے یعنی کسی کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ پاداشِ عمل دیتا ہے۔

پھر مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے یعنی جزا وہی دیتا ہے اور وہی یوم الجزاء کا مالک ہے۔ اس قدر صفات اللہ کے بیان کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی اور ان صفات پر ایمان لاتا ہے، تو خواہ مخواہ رُوح میں ایک جوش اور تحریک ہوتی ہے اور دُعا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے۔ اس کے بعد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت فرمائی[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلیات اور رحمتوں کے ظہور کے لیے دُعا کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اس لیے اس پر ہمیشہ کمربستہ رہو اور کبھی مت تھکو۔

غرض اصلاحِ نفس کے لیے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لیے نیکیوں کی توفیق پانے کے واسطے دُوسرا پہلو دُعا کا ہے۔ اس میں جس قدر توکل اور یقین اللہ تعالیٰ پر کریگا اور اس راہ میں نہ تھکنے والا قدم رکھے گا اسی قدر عمدہ نتائج اور ثمرات ملیں گے۔ تمام مشکلات دُور ہو جائیں گی اور دُعا کرنے والا تقویٰ کے اعلیٰ محل پر پہنچ جائے گا یہ بالکل سچی بات ہے کہ جبتک خدا تعالیٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا۔ نفسانی جذبات پر محض خدا تعالیٰ کے فضل اور جذبہ ہی سے موت آتی ہے اور یہ فضل اور جذبہ دُعا ہی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طاقت صرف دُعا ہی سے ملتی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ مسلمانوں اور خصوصاً ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دُعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہی دُعا تو ہے جس پر مسلمانوں کو ناز کرنا چاہیے۔ اور دُوسرے مذاہب کے آگے تو دعا کے لیے گندے پتھر پڑے ہوئے ہیں[2]۔ اور وہ توجہ نہیں کر سکتے۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایک عیسائی جو خونِ مسیح پر ایمان لاکر سارے

---

[1] البدر سے: "ان صفات کے بیان کے بعد دُعا کی تحریک کی ہے کہ تو جو رب، رحمان اور رحیم ہے میری مشکل کشائی فرما اور صراطِ مستقیم دکھا جو تو اپنے پیارے برگزیدوں کو دکھاتا رہا ہے ہم تیری راہ بجز تیرے فضل کے نہیں پا سکتے۔" البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر میں یوں لکھا ہے: "دُوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری جماعت کو ہرگز دُعا کی بے قدری نہ کرنی چاہیے اور ان تمام پتھروں کو راستہ میں سے دُور کر دینا چاہیے جو کہ اس کی روک بنے ہوتے ہیں۔ جیسے پانی کے آگے پتھر ہوں تو وہ رُک جاتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے لوگوں نے گندے پتھر دُعا کی راہ میں ڈالے ہوتے ہیں اور وہ ان کی اپنی بدکاریاں اور بد عقیدگیاں ہیں لیکن تم لوگوں کو ان کی مثال نہ ہونا چاہیے۔ اور تمہارا کوئی کاروبار دعا کے سوا نہ ہوا کرے۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

گناہوں کو معاف شدہ سمجھتا ہے۔ اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وُہ دُعا کرتا رہے۔ اور ایک ہندو جو یقین کرتا ہے کہ توبہ قبول ہی نہیں ہوتی اور تناسخ کے چکر سے رہائی ہی نہیں ہے وہ کیوں دُعا کے واسطے ٹکریں مارتا رہے گا۔ وُہ تو یقیناً سمجھتا ہے کہ کُتے، بلّے، بندر، سؤر بننے سے چارہ ہی نہیں ہے۔ اس لیے یاد رکھو کہ یہ اسلام کا فخر اور نازہے کہ اس میں دُعا کی تعلیم ہے اس میں کبھی سُستی نہ کرو اور نہ اس سے تھکو۔

پھر دُعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ: ۱۸۷) یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خُدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ وہ بہت ہی قریب ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دُعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو مَیں اسے جواب دیتا ہوں۔ یہ جواب کبھی رؤیا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے سے۔ اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔

غرض دُعا بڑی دولت اور طاقت ہے اور قرآن شریف میں جابجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتاتے ہیں جنھوں نے دُعا کے ذریعہ اپنی مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دُعا ہے۔ پس مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دُعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خُدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاوے گا۔

تیسرا ذریعہ صُحبتِ صادقین

تیسرا پہلو[1] جو قرآن سے ثابت ہے وہ صُحبتِ صادقین ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: سوتے جاگتے دُعا کی عادت ڈالو اور اس سے غافل ہرگز نہ ہو جیسا یوں کی طرح ہرگز مت بنو کہ جنھوں نے کفارہ پر بھروسہ کر کے دُعا کی ضرورت کو معدوم کر دیا ہے۔

البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء

[1] البدر سے: "تیسرا پہلو حصولِ نجات اور تقویٰ کا صادقوں کی معیت ہے جس کا حکم قرآن شریف میں ہے۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یعنی اکیلے نہ رہو کہ اس حالت میں شیطان کا داؤ انسان پر ہوتا ہے بلکہ صادقوں کی معیت اختیار کرو اور اُن کی جماعت میں رہو تا کہ ان کے انوار اور برکات کا پرتو تم پر پڑتا رہے۔ اور خانۂ قلب کے ہر ایک خس و خاشاک کو محبتِ الٰہی کی آگ سے جلا کر نورِ الٰہی سے بھر دے۔"
(البدر حوالہ مذکور)

یعنی صادقوں کے ساتھ رہو۔ صادقوں کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ ان کا نورِ صدق و استقلال دوسروں پر اثر ڈالتا ہے اور اُن کی کمزوریوں کو دُور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

یہ تین ذریعے ہیں جو ایمان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور اُسے طاقت دیتے ہیں اور جبتک ان ذرائع سے انسان فائدہ نہیں اُٹھاتا اس وقت تک اندیشہ رہتا ہے کہ شیطان اس پر حملہ کر کے اسکے متاعِ ایمان کو چھین لے جاوے اسی لیے بہت بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم کو رکھا جاوے اور ہر طرح سے شیطانی حملوں سے احتیاط کی جاوے۔ جو شخص ان تینوں ہتھیاروں سے اپنے آپ کو مسلح نہیں کرتا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کسی اتفاقی حملہ سے نقصان اُٹھاوے۔

دفعِ شر کے بعد کسبِ خیر اصل مقصد ہے

لیکن یہ بات یاد رکھو کہ کتابوں میں جب لکھا جاتا ہے کہ بدیاں چھوڑ دو اور نیکیاں کرو تو بعض آدمی اتنا ہی سمجھ لیتے ہیں کہ نیکیوں کا کمال اسی قدر ہے کہ جو مشہور بدیاں ہیں مثلاً چوری، زنا، غیبت، بددیانتی، بدنظری وغیرہ موٹی موٹی بدیوں سے بچتے ہیں تو اپنے آپ کو سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے نیکی کے تمام مدارج حاصل کر لیے ہیں اور ہم بھی کچھ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو یہ کچھ بھی چیز نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چوری نہیں کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو ڈاکے نہیں مارتے یا خون نہیں کرتے یا بدنظری یا بدکاری کی بدعادتوں میں مبتلا نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ترکِ شر کیا ہے خواہ وہ عدمِ قدرت ہی کی وجہ سے ہو۔ قرآن شریف صرف اتنا ہی نہیں چاہتا کہ انسان ترکِ شر کر کے سمجھ لے کہ بس اب میں صاحبِ کمال ہو گیا، بلکہ وہ تو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات اور اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرنا چاہتا ہے کہ اس سے ایسے اعمال و افعال سرزد ہوں جو بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی پر مشتمل ہوں اور اُن کا نتیجہ یہ ہو کہ اللہ تعالےٰ اس سے راضی ہو جاوے۔ میں اس بات کو بار بار کہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی اپنی ترقی اور کمالِ رُوحانی کی یہی انتہا نہ سمجھ لے کہ میں نے ترکِ بدی کی ہے۔ صرف ترکِ بدی نیکی کے کامل مفہوم اور منشا کو اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بار بار ایسا تصور کرنا کہ میں نے خون نہیں کیا خوبی کی بات نہیں کیونکہ خون کرنا ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ یا یہ کہنا کہ زنا نہیں کیا کیونکہ زنا کرنا تو کنجروں کا کام ہے نہ کہ کسی شریف انسان کا۔ ایسی بدیوں سے پرہیز زیادہ سے زیادہ انسان کو بدمعاشوں کے طبقے سے خارج کر دے گا[1] اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر وہ

---

[1] البدر میں ہے: "جو شخص ان باتوں سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ کچھ بن گیا تو وہ سخت غلطی پر ہے کیونکہ جو چوری اور زنا نہیں کرتا تو آخر وہ ان کے بُرے انجام اور عذاب سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جماعت (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے کہ انھوں نے ایسے اعمالِ صالحہ کیے کہ خدا تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وُہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے) صرف ترکِ بدی ہی سے نہ بنی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے سپرد کیا سمجھا۔ خُدا کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا۔ تب جا کر وہ ان مدارج اور مراتب پر پہنچے کہ آواز آگئی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۔ (البینۃ: ۹)

مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کسبِ خیر تو بڑی بات ہے اور وہی اصل مقصد ہے، لیکن وہ تو ترکِ بدی میں بھی سُست نظر آتے ہیں اور ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا ہے علماء کے کام ہیں۔

پس تمہیں چاہیے کہ تم ایک ہی بات اپنے لیے کافی نہ سمجھ لو۔ ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو۔ اور پھر ان کی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے کے واسطے سعی اور مجاہدہ سے کام لو اور پھر خدا تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل دُعا سے مانگو۔ جبتک انسان ان دونوں صفات سے مُتصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا۔ مومن کامل ہی کی تعریف میں تو اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ فرمایا گیا ہے۔ اب غور کرو کہ کیا اتنا ہی انعام تھا کہ وہ چوری چکاری رہزنی نہیں کرتے تھے یا اس سے کچھ بڑھ کر مراد ہے؟ نہیں۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں تو وہ اعلیٰ درجہ کے انعامات رکھے ہیں ہیں جو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیہ کہلاتے ہیں[1]۔

اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی دُعا کی تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ خُدا تعالیٰ کی محبت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بھی تو محفوظ رہتا ہے۔ اس کا احسان کسی پر نہیں۔ اگر کرتا تو دُکھ پاتا۔ بدمعاشوں میں لکھا جاتا۔ کنجر کہلاتا۔ کیونکہ زناکاری کنجروں کا کام ہے۔ اگر اس نے ان کاموں کو نہیں کیا، تو صرف اتنی بات ہوئی کہ بدمعاشوں کے رجسٹر سے اس کا نام کٹ گیا، لیکن نیکوں کے جلتے اور رجسٹر میں داخل بھی نہیں ہوا، اسی لیے خدا تعالیٰ نے عملِ صالح کی تاکید کی ہے کہ اگر وہ بدی سے بچتا ہے تو عملِ صالح کر کے نیکوں میں داخل ہو۔"

البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء

صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اس دُعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شئی ہے۔ جبتک انسان اُسے حاصل نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا اور منعم علیہ کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اس سے آگے فرمایا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحہ: ۷) اس مطلب کو قرآن شریف نے دُوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مومن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے ایک شربت کا نام کافوری ہے اور دُوسرے کا نام زنجبیلی ہے۔ کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاوے اور بدیوں کے لیے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو۔ جس طرح پر کافور میں یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وُہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے۔ اسی لیے اُسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے اور وُہ موادِ ردّیہ جو اُٹھ کر انسان کی رُوح کو ہلاک کرتے ہیں ان کو اُٹھنے نہیں دیتا بلکہ بے اثر کر دیتا ہے۔ دُوسرا شربت زنجبیلی ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کے لیے ایک قوت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی ہے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶، ۷) تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت ہے اور غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحہ: ۷) کافوری شربت ہے۔

باریک اور مخفی بدیوں سے بچنے کی تلقین

اب ایک اور مشکل ہے کہ انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو آسانی سے چھوڑ بھی دیتا ہے، لیکن بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اوّل تو انسان مشکل سے انہیں معلوم کرتا ہے اور پھر ان کا چھوڑنا اُسے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ محرقہ بھی گو سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کھلا کھلا ہو سکتا ہے لیکن تپ دق جو اندر ہی کھا رہا ہے اس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو فضائل کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دُوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلافِ رائے پر دلوں میں بُغض، کینہ، حسد، ریا، تکبّر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ چند روز اگر نماز سنوار کر پڑھی ہے اور لوگوں نے تعریف کی تو ریا اور نمود پیدا ہو گیا اور وہ اصل غرض جو اخلاص تھی جاتی رہی اور اگر خدا تعالیٰ نے دولت دی ہے یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے بھائی کو جس کو یہ باتیں نہیں ملی ہیں، حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اور اپنے بھائی کی عیب چینی کے لیے حریص ہوتا ہے۔ اور تکبّر مختلف رنگوں میں ہوتا ہے۔ کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح سے۔ علماء علم کے رنگ میں اُسے ظاہر کرتے ہیں اور علمی طور پر نکتہ چینی کر کے اپنے بھائی کو گرانا چاہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی

طرح عیب چینی کر کے اپنے بھائی کو ذلیل کرنا اور نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ رات دن اس کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس قسم کی باریک بدیاں ہوتی ہیں۔ جن کا دُور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی ہے۔ ان بدیوں میں عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے ہیں اور خواص سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک ہی بات ہے۔ اور جبتک ان بدیوں سے نجات حاصل نہ کرے۔ تزکیۂ نفس کامل طور پر نہیں ہوتا اور انسان ان کمالات اور انعامات کا وارث نہیں بنتا جو تزکیۂ نفس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان اخلاقی بدیوں سے ہم نے خلاصی پالی ہے، لیکن جب کبھی موقعہ آپڑتا ہے اور کسی سفیہ سے مقابلہ ہو جاوے تو انہیں بڑا جوش آتا ہے اور پھر وہ گند ان سے ظاہر ہوتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ تزکیۂ نفس جو کامل کرتا ہے میسّر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس فضل کے جذب کرنے کے لیے بھی وہی تین پہلو ہیں۔ اوّل مجاہدہ اور تدبیر۔ دُوم دُعا۔ سوم صُحبتِ صادقین۔

یہ فضلِ الٰہی انبیاء علیہم السّلام پر بدرجہ کمال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوّل اُن کا تزکیۂ اخلاقی کامل طور پر خود کر دیتا ہے۔ ان میں بداخلاقیوں اور رذائل کی آلائش رہ ہی نہیں جاتی۔ ان کی حالت تو یہانتک پہنچ جاتی ہے کہ سلطنت پاکر بھی وہ فقیر ہی رہتے ہیں۔ اور کسی قسم کا کبر ان کے پاس نہیں آتا۔

خُدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر تزکیۂ نفس حاصل نہیں ہوتا

درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا ہے اور بداخلاقی۔ کبر، ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جبتک اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو اور یہ مواد رذیلہ جل نہیں سکتے۔ جب تک معرفت کی آگ اُن کو نہ جلاتے۔ جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہو جاتی ہے وہ ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگتا ہے اور بڑا ہو کر بھی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اپنی ہستی کو کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اس نُور اور روشنی کو جو انوارِ معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیت اور خوبی کا نتیجہ نہیں مانتا اور نہ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ وُہ اُسے خدا تعالیٰ ہی کا فضل اور رحم یقین کرتا ہے جیسے ایک دیوار پر آفتاب کی روشنی اور دُھوپ پڑکر اُسے منوّر کر دیتی ہے، لیکن دیوار اپنا کوئی فخر نہیں کر سکتی کہ یہ روشنی میری قابلیت کی وجہ سے ہے۔ یہ ایک دُوسری بات ہے کہ جس قدر وہ دیوار صاف ہوگی اسی قدر روشنی زیادہ صاف ہوگی، لیکن کسی حال میں دیوار کی ذاتی قابلیت اس روشنی کے لیے کوئی نہیں بلکہ اس کا

فخر آفتاب کو ہے اور ایسا ہی وہ آفتاب کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ تُو اس روشنی کو اُٹھا لے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس صافیہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض سے معرفت کے انوار ان پر پڑتے ہیں اور ان کو روشن کر دیتے ہیں اسی لیے وہ ذاتی طور پر کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ہر ایک فیض کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہی سچ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اعمال سے داخلِ جنت ہوں گے تو یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں[1]۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے وہ خُدا ہی سے پاتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں۔

ہاں ایسے لوگ ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے حالانکہ کروڑوں حصّہ نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں جو دو دن نماز پڑھ کر تکبر کرنے لگتے ہیں اور ایسا ہی روزہ اور حج سے بجائے تزکیہ کے ان میں تکبر اور نمود پیدا ہوتی ہے[2] یاد رکھو تکبر شیطان سے آیا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے۔ جبتک انسان اس سے دُور نہ ہو۔ یہ قبولِ حق اور فیضانِ الوہیت کی راہ میں روک ہو جاتا ہے کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیے نہ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر انہی باتوں سے یہ تکبر پیدا ہوتا ہے اور جبتک انسان ان گھمنڈوں سے اپنے آپ کو پاک صاف نہ کرے گا۔ اس وقت تک وُہ خدا تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور وہ معرفت جو جذبات کے مواد رقیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ شیطان کا حصّہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے بھی تکبر کیا تھا اور آدم سے اپنے آپ کو بہتر سمجھا اور کہدیا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ (الاعراف: ۱۳) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضُور سے مَردود ہو گیا اور آدم لغزش پر (چونکہ اسے معرفت دی گئی تھی) اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگا۔ اور خُدا تعالیٰ کے فضل کا وارث ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے دُعا کی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف: ۲۴) یہی وہ سِر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

---

[1] البدر میں ہے: "بلکہ خُدا کے فضل سے" (البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۳)

[2] البدر میں ہے: "ہاں انبیاء سے نیچے جو لوگ ہوتے ہیں ان میں کوئی رگ تکبر کی رہ جاوے تو عجب نہیں۔ کیونکہ یہ تو وہ بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بعض لوگ حاجی بھی بن آتے ہیں مگر تکبر اور نخوت ان میں بدستور پائی جاتی ہے۔"

البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

کہا گیا کہ اے نیک اُستاد۔ تو اُنہوں نے کہا کہ تُو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ اس پر آجکل کے نادان عیسائی تو یہ کہتے ہیں کہ ان کا مطلب اس فقرہ سے یہ تھا کہ تُو مجھے خدا کیوں نہیں کہتا، حالانکہ حضرت مسیح نے بہت ہی لطیف بات کہی تھی جو انبیاء علیہم السلام کی فطرت کا خاصہ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حقیقی نیکی تو خدا تعالیٰ ہی سے آتی ہے وہی اس کا چشمہ ہے اور وہیں سے وہ اُترتی ہے۔ وُہ جس کو چاہے عطا کرے اور جب چاہے سلب کرلے۔ مگر ان نادانوں نے ایک عمدہ اور قابلِ قدر بات کو معیوب بنا دیا اور حضرت عیسیٰ کو متکبر ثابت کیا؛ حالانکہ وہ ایک منکسر المزاج انسان تھے۔

پاک ہونے کا طریق

پس میرے نزدیک پاک ہونے کا یہ عمدہ طریق ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اَور طریق مل سکے کہ انسان کسی قسم کا تکبّر اور فخر نہ کرے نہ علمی نہ خاندانی نہ مالی۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا کرتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے اور انسان ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے۔ آنکھ بھی دیکھ نہیں سکتی جبتک سُورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آئے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظُلمت کو دُور کرتی ہے اور اس کی بجائے تقویٰ اور طہارت کا نور پیدا کرتی ہے آسمان ہی سے آتی ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ، ایمان، عبادت، طہارت سب کچھ آسمان سے آتا ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس کو قائم رکھے اور چاہے تو دُور کر دے۔

پس سچی معرفت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو مسلوب اور لاشئ محض سمجھے اور آستانۂ اُلوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل کو طلب کرے۔ اور اس نُورِ معرفت کو مانگے جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے اور اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لیے قوت اور حرارت پیدا کرتا ہے۔ پھر اگر اس کے فضل سے اس کو حصّہ مل جاوے اور کسی وقت بھی کسی قسم کا بسط اور شرحِ صدر حاصل ہو جاوے تو اس پر تکبّر اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی فروتنی اور انکسار میں اَور بھی ترقی ہو۔ کیونکہ جس قدر وہ اپنے آپ کو لاشئ سمجھے گا اسی قدر کیفیات اور انوار خدا تعالیٰ سے اُتریں گے جو اس کو روشنی اور قوت پہنچائیں گے۔ اگر انسان یہ عقیدہ رکھے گا تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی اخلاقی حالت عمدہ ہو جائے گی۔ دُنیا میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی تکبّر ہے اور یہی حالت بنا دیتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دُوسرے پر لعنت کرتا ہے اور اُسے حقیر سمجھتا ہے۔

جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض

مَیں یہ سب باتیں بار بار اس لیے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دُنیا میں گُم ہو چکی ہے اور وہ حقیقی تقویٰ و طہارت جو اس زمانہ میں پائی نہیں

جاتی۔ اسے دوبارہ قائم کرے۔

عام طور پر تکبر دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ علماء اپنے علم کی نخوت اور تکبر میں گرفتار ہیں۔ فقراء کو دیکھو تو ان کی بھی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے۔ ان کو اصلاحِ نفس سے کوئی کام ہی نہیں رہا۔ ان کی غرض و غایت صرف جسم تک محدود ہے۔ اس لیے اُن کے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کی ہیں جیسے ذکرِ اَرّہ وغیرہ جن کا چشمۂ نبوت سے پتہ نہیں چلتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ دل کو پاک کرنے کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں۔ صرف جسم ہی جسم باقی رہا ہوا ہے۔ جس میں رُوحانیت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ یہ مجاہدے دل کو پاک نہیں کر سکتے اور نہ کوئی حقیقی نُورِ معرفت کا بخش سکتے ہیں۔ پس یہ زمانہ اب بالکل خالی ہے۔ نبوی طریق جیسا کہ کرنے کا تھا وہ بالکل ترک کر دیا گیا ہے اور اس کو بُھلا دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وُہ عہدِ نبوت پھر آجاوے اور تقویٰ اور طہارت پھر قائم ہو۔ اور اس کو اس نے اس جماعت کے ذریعہ چاہا ہے۔

پس فرض ہے کہ حقیقی اصلاح کی طرف تم توجہ کرو اسی طرح پر جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا طریق بتایا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

شریعت کے دو ہی بڑے حصے اور پہلو ہیں جن کی حفاظت انسان کو ضروری ہے۔ ایک حق اللہ، دُوسرے حق العباد۔ حق اللہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی اطاعت، عبادت، توحید، ذات اور صفات میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرنا۔ اور حق العباد یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے تکبر، خیانت اور ظُلم کسی نوع کا نہ کیا جاوے۔ گویا اخلاقی حصہ میں کسی قسم کا فتور نہ ہو۔ سُننے میں تو یہ دو ہی فقرے ہیں لیکن عمل کرنے میں بہت ہی مشکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل انسان پر ہو تو وہ ان دونوں پہلوؤں پر قائم ہو سکتا ہے۔ کسی میں قوتِ غضبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب وُہ جوش مارتی ہے تو نہ اس کا دل پاک رہ سکتا ہے اور نہ زبان۔ دل سے اپنے بھائی کے خلاف ناپاک منصوبے کرتا ہے اور زبان سے گالی دیتا ہے۔ اور پھر کینہ پیدا کرتا ہے۔ کسی میں قوتِ شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑتا ہے۔ غرض جب تک انسان کی اخلاقی حالت بالکل دُرست نہ ہو وہ کامل ایمان جو منعم علیہ گروہ میں داخل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ سچی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پس دن رات یہی کوشش ہونی چاہیے کہ بعد اس کے جو انسان سچا موحد ہو اپنے اخلاق کو درست کرے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی سے نیک ظنی نہیں رکھتے اور ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر اپنے دُوسرے بھائی کی نسبت بُرے بُرے خیالات کرنے لگتے ہیں اور ایسے عیوب اس کی طرف منسوب

کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہی عیب اس کی طرف منسوب ہوں تو اس کو سخت ناگوار معلوم ہو۔ اس لیے اوّل ضروری ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کی جاوے اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے، کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور اُنس پیدا ہوتا ہے اور آپس میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعض دوسرے عیوب مثلاً کینہ۔ بغض۔ حسد وغیرہ سے بچا رہتا ہے۔

پھر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن میں اپنے بھائیوں کے لیے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دُوسرا توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبرگیری کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں ہے تو اتنا نہیں کرتے کہ اس کے لیے اپنے مال کا کوئی حصّہ خرچ کریں۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبرگیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے بلکہ یہاں تک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربا زیادہ کرو تاکہ اُسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں، لیکن اس کی کچھ پروا نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا ہی مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو۔ بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سَو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں۔

اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے

ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہیے کہ وہ کہاں تک ان امور کی پروا کرتا ہے اور کہاں تک وُہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے۔ اس کا بڑا بھاری مطالبہ انسان کے ذمّہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کہے گا کہ مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ مَیں پیاسا تھا اور تُو نے مجھے پانی نہ دیا۔ مَیں بیمار تھا۔ تم نے میری عیادت نہ کی۔ جن لوگوں سے یہ سوال ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ تُو کب بھوکا تھا جو ہم نے کھانا نہ دیا۔ تُو کب پیاسا تھا جو پانی نہ دیا اور تُو کب بیمار تھا جو تیری عیادت نہ کی۔ پھر خُدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فُلاں بندہ جو ہے وہ ان باتوں کا محتاج تھا مگر تم نے اس کی کوئی ہمدردی نہ کی۔ اس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی۔ ایسا ہی ایک اور جماعت کو کہے گا کہ شاباش! تم نے میری ہمدردی کی۔ مَیں بھوکا تھا۔ تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ مَیں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا وغیرہ۔ وہ جماعت عرض کرے گی کہ اے ہمارے خُدا ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب اللہ تعالیٰ جواب دیگا کہ میرے فلاں بندہ کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ میری ہی ہمدردی تھی۔ دراصل خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ اس سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا خادم کبھی اس کے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اس کی خبر بھی نہ لے تو کیا وہ آقا جس کا کہ وہ خادم

ہے اس اپنے دوست سے خوش ہوگا؟ کبھی نہیں؛ حالانکہ اس کو تو کوئی تکلیف اس نے نہیں دی، مگر نہیں۔ اس نوکر کی خدمت اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک گویا مالک کے ساتھ حُسن سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چڑ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق سے سرد مہری برتے۔ کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خُدا کو راضی کرتا ہے۔

غرض اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔ جو شخص نوعِ انسان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک کام کرتا ہے اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نمائش اور نمود کے لیے جو اخلاق برتے جائیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کے لیے نہیں ہوتے اور ان میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پر تو بہت سے لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی اصل غرض شہرت ہوتی ہے۔ اور اگر انسان خدا تعالیٰ کے لیے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا اور اس کا بدلہ دیتا ہے۔ مَیں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک رہی۔ ان بارش کے دنوں میں مَیں نے دیکھا کہ ایک اسّی برس کا بوڑھا گبر ہے جو کوٹھے پر چڑیوں کے لیے دانے ڈال رہا ہے۔ مَیں نے اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں اس سے کہا کہ کیا تیرے اس عمل سے تجھے کچھ ثواب ہوگا؟ اس گبر نے جواب دیا کہ ہاں ضرور ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو مَیں حج کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ دیکھو ان دانوں کا مجھے ثواب مل گیا یا نہیں؟ یعنی وہی دانے میرے اسلام تک لانے کا موجب ہو گئے۔

حدیث میں بھی ذکر آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کہ ایامِ جاہلیت میں مَیں نے بہت خرچ کیا تھا۔ کیا اس کا ثواب بھی مجھے ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا کہ یہی صدقہ و خیرات کا ثمرہ تو ہے کہ تُو مسلمان ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کے ادنیٰ فعلِ اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کی ہمدردی اور خبر گیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔

پس مخلوق کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے کہ اگر انسان اُسے چھوڑ دے اور اس سے دُور ہوتا جائے تو رفتہ رفتہ پھر وہ دُندہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اسی وقت تک انسان ہے۔ جبتک اپنے دُوسرے بھائی کے ساتھ مروّت، سلوک اور احسان سے کام لیتا ہے اور اس میں کسی

قسم کی تفریق نہیں ہے جیسا کہ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہتا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ میں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں بعض اس قسم کے خیالات بھی رکھتے ہیں کہ اگر ایک شیرے کے مٹکے میں ہاتھ ڈالا جاوے اور پھر اس کو تولوں میں ڈال کر تل لگائے جاویں تو جس قدر اس کو لگ جاویں۔ اس قدر دھوکا اور فریب دوسرے لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ ان کی ایسی بیہودہ اور خیالی باتوں نے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اُن کو قریباً وحشی اور درندہ بنا دیا ہے۔ مگر میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کو محدود نہ کرو۔ اور ہمدردی کے لیے اس تعلیم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل : ۹۱) یعنی اوّل نیکی کرنے میں تم عدل کو ملحوظ رکھو۔ جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو۔

اور پھر دُوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اس سے بھی بڑھ کر اس سے سلوک کرو۔ یہ احسان ہے۔ احسان کا درجہ اگرچہ عدل سے بڑھا ہوا ہے اور یہ بڑی بھاری نیکی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ممکن ہے احسان والا اپنا احسان جتلا دے مگر ان سب سے بڑھ کر ایک درجہ ہے کہ انسان ایسے طور پر نیکی کرے جو محبتِ ذاتی کے رنگ میں ہو جس میں احسان نمائی کا بھی کوئی حصّہ نہیں ہوتا ہے جیسے ماں اپنے بچّہ کی پرورش کرتی ہے وہ اس پرورش میں کسی اجر اور صلے کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو بچے کے لیے اپنے سارے سُکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیدے کہ تُو اپنے بچّہ کو دُودھ مت پلا اور اگر ایسا کرنے سے بچہ ضائع بھی ہو جاوے تو اس کو کوئی سزا نہیں ہوگی تو کیا ماں ایسا حکم سُنکر خوش ہوگی؟ اور اس کی تعمیل کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنے دل میں ایسے بادشاہ کو کوسے گی کہ کیوں اس نے ایسا حکم دیا۔ پس اس طریق پر نیکی ہو کہ اسے طبعی مرتبہ تک پہنچایا جاوے۔ کیونکہ جب کوئی شئے ترقی کرتے کرتے اپنے طبعی کمال تک پہنچ جاتی ہے اس وقت وہ کامل ہوتی ہے[1]۔

---

[1] البدر سے :- "طبعی جوش سے نوعِ انسان کی ہمدردی کا نام (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نیکی کو بہت پسند کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق سے ہمدردی کی جاوے۔ اگر وہ بدی کو پسند کرتا تو بدی کی تاکید کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی شان اس سے پاک ہے (سبحانہ تعالیٰ شانہٗ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمِ مجسم تھے

بعض لوگ جن کو حق کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے۔ جب ایسی تعلیم سُنتے ہیں تو اور کچھ نہیں تو یہی اعتراض کر دیتے ہیں کہ اسلام میں ہمدردی اگر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیاں کیوں کی تھیں؟ وہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کئے وہ تیرہ برس تک خطرناک دُکھ اُٹھانے کے بعد کئے اور وُہ بھی مدافعت کے طور پر۔ تیرہ برس تک اُن کے ہاتھوں سے آپ تکالیف اٹھاتے رہے۔ مُسلمان مرد اور عورتیں شہید کی گئیں۔ آخر جب آپ مدینہ تشریف لے گئے اور وہاں بھی ان ظالموں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ تو خدا تعالیٰ نے مظلوم قوم کو مقابلہ کا حکم دیا اور وہ بھی اس لیے کہ شریروں کی شرارت سے مخلوق کو بچایا جائے اور ایک حق پرست قوم کے لیے راہ کھُل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے لیے بدی نہیں چاہی۔ آپ تو رحمِ مجسم تھے۔ اگر بدی چاہتے تو جب آپ نے پُورا تسلط حاصل کر لیا تھا اور شوکت اور غلبہ آپ کو مل گیا تھا تو آپ اُن تمام ائمۃ الکفر کو جو ہمیشہ آپ کو دُکھ دیتے رہتے تھے۔ قتل کروا دیتے اور اس میں انصاف اور عقل کی رُو سے آپ کا پلّہ بالکل پاک تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ عُرفِ عام کے لحاظ سے اور عقل اور انصاف کے لحاظ سے آپ کو حق تھا کہ ان لوگوں کو قتل کروا دیتے مگر نہیں، آپؐ نے سب کو چھوڑ دیا۔ آج کل جو لوگ غداری کرتے ہیں اور باغی ہوتے ہیں انہیں کون پناہ دے سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں غدر ہو گیا تھا اور اس کے بعد انگریزوں نے تسلط عام حاصل کر لیا تو تمام شریر باغی ہلاک کر دیئے گئے اور ان کی یہ سزا بالکل انصاف پر مبنی تھی۔ باغی کے لیے کسی قانون میں رہائی نہیں۔ لیکن یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا کہ اس دن آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم سب کو بخش دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نوعِ انسان سے بہت بڑی ہمدردی تھی ایسی ہمدردی کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں مِل سکتی۔ اس کے بعد بھی اگر کہا جاوے کہ اسلام دوسروں سے ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا؟ یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا جس قدر

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ: ایتاءِ ذی القربیٰ ہے اور اس ترتیب سے خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ اگر تم پورا نیک بننا چاہتے ہو تو اپنی نیکی کو ایتاءِ ذی القربیٰ یعنی طبعی درجہ تک پہنچاؤ۔ جبتک کوئی شئے ترقی کرتی کرتی اپنے اس طبعی مرکز تک نہیں پہنچتی تب تک وہ کمال کا درجہ حاصل نہیں کرتی۔"

البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء

انسان متقی ہوتا جاتا ہے اسی قدر وہ کسی کی نسبت سزا اور ایذا کو پسند نہیں کرتا۔ مُسلمان کبھی کینہ ور نہیں ہو سکتا ہم خود دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے کوئی دُکھ اور تکلیف جو وہ پہنچا سکتے تھے اُنہوں نے پہنچایا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کی ہزاروں خطائیں بخشنے کو اب بھی تیار ہیں۔

جماعت کو خاص نصیحت پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، ہمدردی کرو اور بلا تمیز ہر ایک سے نیکی کرو کیونکہ یہی قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الدھر: ۹) وہ اسیر اور قیدی جو آتے تھے اکثر کفار ہی ہوتے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اسلام کی ہمدردی کی انتہا کیا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔ مجھے صحت ہو جاوے تو میں اخلاقی تعلیم پر ایک مستقل رسالہ لکھوں گا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میرا منشا ہے وہ ظاہر ہو جاوے اور وہ میری جماعت کے لیے ایک کامل تعلیم ہو اور بتقاضائے مرضات اللہ کی راہیں اس میں دکھائی جائیں۔ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں آئے دن یہ دیکھتا اور سُنتا ہوں کہ کسی سے بدسلوکی ہوا اور کسی سے وہ۔ میری طبیعت ان باتوں سے خوش نہیں ہوتی۔ میں جماعت کو ابھی اس رنگ پر نہیں پاتا ہوں جو دو قدم اُٹھاتا ہے تو چار قدم گرتا ہے، لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو کامل کر دے گا۔ اس لیے تم بھی کوشش، تدبیر، مجاہدہ اور دُعاؤں میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے کیونکہ اس کے فضل کے بغیر کچھ بنتا ہی نہیں۔ جب اس کا فضل ہوتا ہے تو وہ ساری راہیں کھول دیتا ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۰۵ء

۳۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء

تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جو آپ نے بعد نماز جمعہ مسجد اقصیٰ میں فرمائی

چونکہ خاکسار ایڈیٹر کچھ دیر سے پہنچا تھا اس لیے جس قدر ضبط ہو سکا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ سلسلہ تقریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انقطاع دنیا اور حصول قرب الی اللہ کے متعلق مضمون تھا۔ اور وہ تقریر یہ ہے :

اللہ تعالیٰ کو اپنا نصب العین بناؤ

انسان کو چاہیے کہ حسنات کا پلڑا بھاری رکھے۔ مگر جانتک دیکھا جاتا ہے اس کی مصروفیت اس قدر دُنیا میں ہے کہ یہ پلڑا بھاری ہوتا نظر نہیں آتا۔ رات دن اسی فکر میں ہے کہ وہ کام دُنیا کا ہو جاوے۔ فلانی زمین مل جاوے۔ فلاں مکان بن جاوے؛ حالانکہ اُسے چاہیے کہ افکار میں بھی دین کا پلڑا دُنیا کے پلڑے سے بھاری رکھے۔ اگر کوئی شخص رات دن نماز روزہ میں مصروف ہے تو یہ بھی اس کے کام ہرگز نہیں آسکتا۔ جب تک کہ خدا کو اس نے مقدم نہیں رکھا ہوا۔ ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین بنانا چاہیے، ورنہ خُدا کی قبولیت کے لائق ہرگز نہ ٹھہرے گا۔ دُنیا کا ایک بُت ہوتا ہے جو کہ ہر وقت انسان کی بغل میں ہوتا ہے۔ اگر وہ مقابلہ اور موازنہ کر کے دیکھے گا تو اُسے معلوم ہوگا کہ طرح طرح کی نمائش اس نے دُنیا کے لیے بنا رکھی ہے اور دین کا پہلو بہت کمزور ہے، حالانکہ عمر کا اعتبار نہیں اور نہ علم ہے کہ اس نے ایک پل کے بعد زندہ بھی رہنا ہے کہ نہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا عمدہ فرمایا ہے ؎

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار

اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک میں ضرور زندہ رہوں گا لیکن اگر خدا کی طرف سے علم ہو جاوے کہ اب زندگی ختم ہے تو ابھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ مومن کو دُنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیے۔ ہمیشہ اس امر میں کوشاں رہنا چاہیے کہ کوئی بھلائی اس کے ہاتھ سے ہو جاوے۔

خدا تعالیٰ بڑا رحیم کریم ہے اور اس کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ تم دُکھ پاؤ۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ جو اس سے عمداً قدوری اختیار کرتا ہے اس پر اس کا قہر ضرور ہوتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوحؑ کے زمانہ کو دیکھو اور لوطؑ کے زمانہ کو دیکھو موسیٰؑ کے زمانہ کو دیکھو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو دیکھو کہ اس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا سے لاپرواہی اختیار کیا ان کا کیا حال ہوا۔ ان بلبی آفتوں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التکاثر: ۲،۳) کہ اے لوگو جو تم خُدا سے غافل ہو۔ دُنیا طلبی نے تم کو غافل کر دیا ہے یہانتک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (التکاثر: ۴)۔ مگر اس غفلت کا تم کو عنقریب علم ہو جائے گا۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (التکاثر: ۵) پھر تم کو اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ عنقریب تم کو علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آویں گی اور حسرت کا موجب ہوں گی۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ (التکاثر: ۶) اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچکر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جنتی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو وہ بالکل ناکارہ ہیں۔ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں لوگوں کے دل نشین ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جبتک خدا تعالیٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے، تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دُوسرے کی بات کو سُنتا ہے۔ راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچکر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انسان بہت ہی بے بنیاد شئے ہے اور اس کے وجود کی کوئی کَل بھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی پر نظر کرو کہ کس قدر باریک عضو ہے اگر ایک ذرا پتھر آگئے تو فوراً نابینا ہو جاوے۔ پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں ہے تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خُدا اُسے ضرور بینا ہی رکھے گا اور اسی پر سب قویٰ کا قیاس کرو کہ اگر آج کسی میں فرق آجاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔ غرضکہ ہر آن اور پل میں اس کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اور مومن کا گذارہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ جبتک اس کا دھیان ہر وقت اس کی طرف لگا نہ رہے۔ اگر کوئی ان باتوں پر غور نہیں کرتا اور ایک دینی نظر سے اُن کو وقعت نہیں دیتا تو وہ اپنے دنیوی معاملات پر ہی نظر ڈال کر دیکھے کہ کیا خُدا کی تائید اور فضل کے سوا کوئی کام اسکا چل سکتا ہے؟ اور کوئی منفعت دنیا کی وہ حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ دین ہو یا دُنیا ہر ایک امر میں اُسے خدا کی ذات کی بڑی ضرورت ہے اور ہر وقت اس کی طرف احتیاج لگی ہوئی ہے۔ جو اس کا مُنکر ہے سخت غلطی پر ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہے کہ تم اس کی طرف میلان رکھو یا نہ۔ وہ فرماتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ

لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان : ۷۸) کہ اگر اس کی طرف رجوع رکھو گے تو تمہارا ہی اس میں فائدہ ہوگا۔ انسان جس قدر اپنے وجود کو مفید اور کارآمد ثابت کرے گا اسی قدر اس کے انعامات کو حاصل کرے گا۔ دیکھو کوئی بیل کسی زمیندار کا کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو مگر جب وہ اس کے کسی کام بھی نہ آوے گا۔ نہ گاڑی میں جُتے گا نہ زراعت کرے گا نہ کنوئیں میں لگے گا تو آخر سوائے ذبح کے اور کسی کام نہ آوے گا۔ ایک نہ ایک دن مالک اُسے قصاب کے حوالے کر دے گا۔ ایسے ہی جو انسان خدا کی راہ میں مفید ثابت نہ ہوگا تو خدا اس کی حفاظت کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ایک پھل اور سایہ دار درخت کی طرح اپنے وجود کو بنانا چاہیے تاکہ مالک بھی خبر گیری کرتا رہے۔ لیکن اگر اس درخت کی مانند ہوگا کہ جو نہ پھل لاتا ہے اور نہ پتے رکھتا ہے کہ لوگ سایہ میں آ بیٹھیں تو سوائے اس کے کہ کاٹا جاوے اور آگ میں ڈالا جاوے اور کس کام آسکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات : ۵۷) جو اس اصل غرض کو مدِ نظر نہیں رکھتا اور رات دن دنیا کے حصول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ فلاں زمین خرید لوں۔ فلاں مکان بنالوں۔ فلاں جائداد پر قبضہ ہو جاوے۔ تو ایسے شخص سے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کچھ دن مہلت دے کر واپس بُلالے اور کیا سلوک کیا جاوے۔

خُدا تعالیٰ کے قرب کے حصُول کی تڑپ

انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے قُرب کے حصول کا ایک درد ہونا چاہیے جس کی وجہ سے اس کے نزدیک وہ ایک قابلِ قدر شئے ہو جاوے گا۔ اگر یہ درد اس کے دل میں نہیں ہے اور صرف دُنیا اور اس کے مانیہا کا ہی درد ہے تو آخر تھوڑی سی مہلت پاکر وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ مہلت اس لیے دیتا ہے کہ وہ حلیم ہے لیکن جو اس کے حلم سے خود ہی فائدہ نہ اُٹھاوے تو اُسے وہ کیا کرے۔ پس انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور تعلق بنائے رکھے۔ سب عبادتوں کا مرکز دل ہے۔ اگر عبادت تو بجالاتا ہے مگر دل خُدا کی طرف رجُوع نہیں ہے تو عبادت کیا کام آوے گی۔ اس لیے دل کا رجُوع نام اس کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اب دیکھو کہ ہزاروں مساجد ہیں۔ مگر سوائے اس کے کہ ان میں رسمی عبادت ہو اور کیا ہے؟ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہودیوں کی حالت تھی کہ رسم اور عادت کے طور پر عبادت کرتے تھے اور دل کا حقیقی میلان جو کہ عبادت کی رُوح ہے ہرگز نہ تھا۔ اس لیے خُدا تعالیٰ نے ان پر لعنت کی۔ پس اس وقت بھی جو لوگ پاکیزگیٔ قلب کی فکر نہیں کرتے تو اگر رسم و عادت کے طور پر وہ سینکڑوں ٹکریں مارتے ہیں ان کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگیٔ قلب سے ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس : ۱۰ ، ۱۱) کہ وہی بامراد ہو

گا جو کہ اپنے قلب کو پاکیزہ کرتا ہے اور جو اُسے پاک نہ کرے گا بلکہ خاک میں ملا دیگا یعنی سفلی خواہشات کا اُسے مخزن بنا رکھے گا۔ وہ نامراد رہے گا۔ اس بات سے ہمیں انکار نہیں ہے کہ خُدا کی طرف آنے کے لیے ہزارہا راہیں ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو آج صفحہ دُنیا پر نہ کوئی ہندو ہوتا نہ عیسائی۔ سب کے سب مسلمان نظر آتے لیکن ان راہوں کو دُور کرنا بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ وہی توفیق عطا کرے تو انسان نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس لیے آخر کار بات پھر اسی پر آ ٹھہرتی ہے کہ انسان اسی کی طرف رجوع کرے تاکہ قوت اور طاقت دیوے۔

کوشش کی برکت

دنیا میں جس قدر مشورے نفس پرستی اور شہوت پرستی وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ ان سب کا ماخذ نفسِ امّارہ ہی ہے لیکن اگر انسان کوشش کرے تو اسی امّارہ سے پھر وہ لوّامہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ کوشش میں ایک برکت ہوتی ہے اور اس سے بھی بہت کچھ تغیرات ہو جاتے ہیں۔ پہلوانوں کو دیکھو کہ وہ ورزش اور محنت سے بدن کو کیا کچھ بنا لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ محنت اور کوشش سے نفس کی اصلاح نہ ہو سکے۔ نفس امّارہ کی مثال آگ کی ہے جو کہ مشتعل ہو کر ایک جوش طبیعت میں پیدا کرتا ہے جس سے انسان حدِ اعتدال سے گذر جاتا ہے۔ لیکن جیسے پانی آگ سے گرم ہو کر آگ کی مثال تو ہو جاتا ہے اور جو کام آگ سے لیتے ہیں وہ اس سے بھی لے لیتے ہیں مگر جب اسی پانی کو آگ کے اُوپر گرایا جائے تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے کیونکہ ذاتی صفت اس کی آگ کو بجھانا ہے۔ وہ وہی رہے گی۔ ایسے ہی اگر انسان کی رُوح نفسِ امّارہ کی آگ سے خواہ کتنی ہی گرم کیوں نہ ہو مگر جب وہ نفس سے مقابلہ کرے گی اور اس کے اُوپر گرے گی تو اسے مغلوب کر کے چھوڑے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ خُدا کو ہر ایک بات پر قادرِ مطلق جانا جاوے اور کسی قسم کی بدظنی اس پر نہ کی جاوے۔ جو بدظنی کرتا ہے وہی کافر ہوتا ہے۔ مومن کی صفات میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو غایت درجہ قادر جانے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہت نیکیاں کرنے سے انسان ولی بنتا ہے۔ یہ نادانی ہے۔ مومن کو تو خُدا نے اوّل ہی ولی بنایا ہے جیسے کہ فرمایا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرۃ : ۲۵۸) اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہزاروں عجائبات ہیں اور انہیں پر کھُلتے ہیں جو دل کے دروازے کھول کر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخیل نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص مکان کا دروازہ خود ہی نہیں کھولتا تو پھر روشنی کیسے اندر آوے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالےٰ بھی اس کی طرف رُجوع کرے گا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جہاں تک بس چل سکے وہ اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے۔ پھر جب اس کی کوشش اس کے اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچے گی تو وُہ خُدا کے نُور کو دیکھ لے گا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت : ۷۰) میں اس کی طرف اشارہ

ہے کہ جو حق کوشش کا اس کے ذمہ ہے اسے بجا لائے۔ یہ نہ کرے کہ اگر پانی ۲۰ ہاتھ نیچے کھودنے سے نکلتا ہے تو وہ صرف دو ہاتھ کھود کر ہمت ہار دے۔ ہر ایک کام میں کامیابی کی یہی جڑ ہے کہ ہمت نہ ہارے۔ پھر اس اُمت کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر کوئی پورے طور سے دُعا و تزکیۂ نفس سے کام لے گا تو سب وعدے قرآن شریف کے اس کے ساتھ پورے ہو کر رہیں گے۔ ہاں جو خلاف کرے گا وہ محروم رہے گا، کیونکہ اس کی ذات غیور ہے۔ اس نے اپنی طرف آنے کی راہ ضرور رکھی ہے۔ لیکن اس کے دروازے تنگ بنائے ہیں۔ پہنچتا وہی ہے جو تلخیوں کا شربت پی لیوے۔ لوگ دُنیا کی فکر میں درد برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض اسی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے ایک کانٹے کی درد بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتے جبتک اس کی طرف سے صدق اور صبر اور وفاداری کے آثار ظاہر نہ ہوں تو اُدھر سے رحمت کے آثار کیسے ظاہر ہوں۔

صدق دکھلاؤ

ابراہیم علیہ السلام نے صدق دکھلایا تو اُن کو ابو الانبیاء بنا دیا۔ میرے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ دن بہت سخت ہیں اور کسی نے اب تک نہیں سمجھا تو آئندہ سمجھ لیوے۔ مجھے الہام ہوا تھا۔

عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا

یہ ایک خطرناک کلمہ ہے جس میں طاعون کی خبر دی گئی ہے کہ انسان کے لیے کوئی مفر اور کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔ اس لیے میں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں کہ اگر کوئی سچی تبدیلی نہ کرے گا تو وہ ہرگز اس لائق نہ ہوگا کہ مجھ کو دُعا کے لیے لکھے۔ جو لوگ خُدا کے بتلائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلیں گے وہی محفوظ رہیں گے — خُدا کا وعدہ ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کا ہے جو سچی تبدیلی اپنے اندر کرتے ہیں۔ مطلق بیعت انسان کے کیا کام آ سکتی ہے؟ پورا نسخہ جبتک نہ پیتے تو مریض کو فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے پوری تبدیلی کرنی چاہیے۔ جہانتک ہو سکے دُعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ وہ تم کو ہر ایک قسم کی توفیق عطا کرے۔[1]

۳۱ر دسمبر ۱۹۰۴ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب مفتی محمد صادق صاحب کی

---

[1] البدر جلد ۳ نمبر ۳ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۴ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۵ء

علالتِ طبع کا حال استفسار فرماتے ہوئے فرمایا: کہ
اگر دُودھ ہضم ہونے لگ جاوے تو بخار اُس سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔[1]

یکم جنوری ۱۹۰۵ء

ایڈیٹر البدر نے ایک خاکروب کا تب کی درخواست پیش کی کہ اس کا مذہب بھی خاکروبوں کا ہی ہے مگر فنِ کتابت سے واقف ہے اور کارخانہ البدر میں آنا چاہتا ہے چونکہ میری طبیعت کراہت کرتی ہے اس لیے حضور سے مشورتاً پُوچھتا ہوں۔ آپ نے تبسم فرما کر فرمایا کہ:
کہ بات تو واقعی مکروہ معلوم ہوتی ہے[2]

۶ر جنوری ۱۹۰۵ء

اپنے محبین کی صحت یابی کے لیے کثرت سے دُعا فرمانا

حضرت حکیم نُورالدین صاحب کی طبیعت بہت علیل رہی

چنانچہ اسی وجہ سے آپ کو درسِ قرآن ملتوی رکھنا پڑا۔ حکیم صاحب کی طبیعت کی ناسازی دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی صحت کے لیے کثرت سے دُعا شروع کی تو ۶ر جنوری کو آپ نے تشریف لاکر فرمایا کہ میں دُعا کر رہا تھا کہ یہ الہام ہوا:

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَآءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

یہ الہام ایک بار حضور کو اوّل بھی ہوا تھا[3]

---

* * *

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

[2] البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

[3] البدر جلد ۴ نمبر ۲ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۵ء

۱۴ر جنوری ۱۹۰۵ء بوقتِ عصر

اِستخارہ مسنونہ کی تلقین

مجتبیٰ قاضی غلام حسین صاحب وٹرنری اسسٹنٹ حصار نے عرض کی کہ میری تنخواہ میں دس روپے اضافہ ہوا ہے اور بنگال سے ایک درخواست آئی ہے کہ انسپکٹری کی پوسٹ خالی ہے معہ روپیہ ماہوار ملیں گے اس لیے مشورۃً استفسار ہے کہ کونسی جگہ منظور کی جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ:

استخارہ مسنونہ کے بعد جس طرف طبیعت کا میلان ہو وہ منظور کر لو۔[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۵ء بوقتِ ظہر

الہامات کو ترتیب دینے کی ہدایت

ظہر کے وقت مقدمہ کی پیشگوئی کا اپنے الفاظ پر پورے ہونے کا ذکر رہا کہ خدا تعالیٰ نے جو جو بات جس جس طرح الہام فرمائی ویسی ہی پوری ہو کر رہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

ان سب الہاموں کو الگ الگ ترتیب دیکر اور کچھ لکھ کر پھر دُنیا کے سامنے پیش کیا جاوے تو امید ہے کہ کسی کی ہدایت کا موجب ہوں۔[2]

۱۷ر جنوری ۱۹۰۵ء

عیسائیت کا مستقبل

مفتی محمد صادق صاحب نے ولایت سے آیا ہوا ایک خط پیش کیا جو ایک یورپین شخص پال کلاتھیوس کی طرف سے انگریزی میں تھا اور جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں نے اور میری بیوی نے آپ کی مرسلہ کتب کو سوائے اُس حصّہ کے جو کہ عربی یا ہندوستانی (کیونکہ مجھے ٹھیک علم نہیں) خط میں تھا اور جس کے لیے

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۵ء

[2] البدر جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۵ء

میری زبانی کی قابلیت سردست نامکمل ہے بڑی دل چسپی سے پڑھا ہے۔ ہمارا تعلق ایک چھوٹے سے گروہ سے ہے جس نے کہ یسوع کے خدائی کے خیال کو استعفیٰ دیدیا ہے اور اسے صرف ایک ہادی خیال کرتا ہے اور اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے لیکن بحمداللہ کہ ترقی کر رہا ہے جو خیال ہمارا یسوع کی نسبت ہے۔ وہی زردشت۔ بدھ۔ محمد (دائمی برکت اور رحمت خدا کی اس پر نازل ہو) کی نسبت ہے۔ ہم ان گستاخ پادریوں کو کسی قسم کی مدد نہیں دیتے جو کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں؛ حالانکہ ان لوگوں کا مذہب پادریوں کے مذہب سے بہتر نہیں تو اُن ہی جیسا ضرور ہے۔

پرائمر جو کہ میں ارسال کروں گا۔ اگر آپ اس کے جواب میں مجھے کچھ زیادہ معلومات اپنے نئے مسیح کی نسبت اور خصوصیت سے کشمیر میں مسیح کی قبر کے ثبوت کی نسبت ارسال کریں گے تو میں بہت ہی مشکور ہوں گا۔

حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ :

دراصل اب عیسویت سے دست برداری دُنیا میں شروع ہوگئی ہے اور اس مذہب کو جلا دینے والی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ آگ کا دستور ہے کہ وُہ اوّل ذرا سی شروع ہو کر پھر آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ یہی حال اب عیسائیت کا ہوگا۔[1]

۲۸ر جنوری ۱۹۰۵ء

حضرت شہزادہ عبداللطیف کے مریدین

حضور علیہ السلام فجر کے وقت تشریف لائے تو چند ایک احباب نے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب شہید علیہ الرحمۃ کی جماعتِ مریدین کا تذکرہ ہوتا رہا کہ اب بعض لوگ ان میں سے آ آ کر بیعت کرتے جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اظہارِ مسرت فرمایا کیونکہ اس طریق سے ان کے وحشیانہ خیالات کی خود بخود اصلاح ہو رہی ہے۔[2]

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ یکم فروری ۱۹۰۵ء

[2] البدر جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۸ر فروری ۱۹۰۵ء

یکم فروری ۱۹۰۵ء بوقتِ ظہر

دو الہامات اور ایک رؤیا

ظہر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو ذیل کے الہامات و رؤیا سنائے:

۱- اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔

۲- اِنِّیْ مَعَ الرَّوْحِ مَعَکَ وَ مَعَ اَھْلِکَ۔

رؤیا

ایک کاغذ دکھایا گیا جس میں کچھ سطور فارسی خط میں ہیں اور سب انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ مطلب جن کا یہ سمجھ میں آیا کہ جس قدر روپیہ نکلتا ہے سب دیدیا جاوے گا۔

اس کے بعد سردی کی شدت کا ذکر رہا کہ رات کو برف جم گئی اور اکثر لڑکوں نے اس سے قلفیاں بنا کر کھائیں جس سے اکثر بیمار ہو گئے ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ:

اس کا استعمال اس موسم میں بہت مُضر ہے

برکت چاہنا

ایک شخص نے بیعت کی اور درخواست کی کہ تبرکاً مجھے کچھ پڑھایا جاوے۔ جسے میں پڑھتا رہا کروں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے اُسے سورۃ الحمد ساری پڑھا دی۔[1]

۸ر فروری ۱۹۰۵ء بوقتِ ظہر

شرک سے پرہیز

ظہر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو آپ کے ایک خادم آمدہ از کشمیر نے سربسجود ہو کر خدا تعالیٰ کے کلام اُسْجُدُ فَالْاَمْرُ کو اس کے ظاہری الفاظ پر پورا کرنا چاہا۔ اور نہایت گریہ و زاری سے اظہارِ محبت کیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اس حرکت سے منع فرمایا اور کہا کہ:

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۸ر فروری ۱۹۰۵ء

یہ مُشرکانہ باتیں ہیں ان سے پرہیز چاہیے

مباحثات کو بند فرمانا ایک شخص کی درخواستِ مباحثہ پر فرمایا کہ :

حسبِ اعلامِ الٰہی ہم نے مباحثہ کا دروازہ بند کر دیا ہوا ہے۔ لیکن ہاں جس کا جی چاہے ازالۂ شبہات کے لیے ہم سے کلام یا تحریر کر سکتا ہے۔ بحث میں تو فریقین کو ہار جیت کا خیال ہوتا ہے مگر اس میں یہ خیال نہیں ہوتا۔ بحث کے بند کرنے سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی اعتراض کرے یا سوال کرے یا اُسے کچھ وساوس ہوں تو اس کی طرف توجہ ہی نہ کی جاوے بلکہ اس سے مراد یہ تھی کہ جواب اور جواب الجواب اور پھر ہار جیت کا جو خیال لوگوں کو ہوتا ہے اس سے وہ اِحقاقِ حق سے دُور جا پڑتے ہیں؛ ورنہ سوالات اور ازالۂ وساوس کے لیے دروازہ کھُلا ہے جس کا جی چاہے ہم سے پُوچھ سکتا ہے۔[1]

۹ر فروری ۱۹۰۵ء

ظہر کے وقت تشریف لا کر طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :

سردی کی شدّت میں یہ کم ہو جایا کرتی تھی مگر اب سردی کی شدت کے ساتھ اس کی بھی شدت ترقی کر رہی ہے؛ حالانکہ ابھی اس کی مزید ترقی کے ایام آنے والے ہیں۔[2]

۱۱ر فروری ۱۹۰۵ء بعد نماز ظہر

انگریزوں کی حکومت میں رہنے کا مسئلہ ظہر کی نماز ادا فرما کر حضرت اقدس تشریف لے گئے۔ لیکن جناب صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانی کے

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۰۵ء - نیز
الحکم جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء

[2] البدر جلد ۴ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۰۵ء نیز
الحکم جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء

اقارب میں سے ایک صاحب مولوی احمد سعید صاحب انصاری سہارنپوری برادر زادہ و شاگرد خلیفہ محی السنتہ و قامع البدعۃ حافظِ حدیث جناب مولانا شیخ محمد انصاری سہانپوری مولداً مکی مہاجراً مرحوم، احقاقِ حق کے خیال سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس لیے صاحبزادہ صاحب نے حضورِ اقدس سے ان کی ملاقات کی درخواست کی۔ جس پر حضور علیہ السلام اسی وقت تشریف لے آئے اور تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔

بعد استفسارِ اسم و کونت و مختلف اذکار کے مسئلہ جہاد کا تذکرہ ہوا۔ جس میں ضمناً بعض ان گروہوں کا ذکر بھی آگیا جو کہ ہر ایک کافر کو بذریعہ تلوار قتل کر دینے کو غزا قرار دیتے ہیں اور انگریزوں کے ملکوں میں رہنا بدعت اور کفر خیال کرتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اُن کا یہ خیال کہ ہم کفر کے اثر سے بچنے کے لیے الگ رہتے ہیں اور اگر انگریزوں کی رعیت ہو کر رہیں تو آنکھوں سے کفر اور شرک کے کام دیکھنے پڑیں اور مشرکانہ کلام کان سے سُننے پڑیں۔ میرے نزدیک دُرست نہیں ہے کیونکہ اس گورنمنٹ نے مذہب کے بارے میں ہر ایک کو اب تک آزادی دے رکھی ہے اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ امن اور سلامت روی سے اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کرے۔ مذہبی تعصب کو گورنمنٹ ہرگز دخل نہیں دیتی۔ اس کی بہت سی زندہ نظیریں موجود ہیں۔ ایک دفعہ خود عیسائی پادریوں نے ایک جھوٹا مقدمہ خون کا مجھ پر بنایا۔ ایک انگریز اور عیسائی حاکم کے پاس ہی وہ مقدمہ تھا اور اس وقت کا ایک لیفٹیننٹ گورنر بھی ایک پادری مزاج آدمی تھا مگر آخر اس نے فیصلہ میرے حق میں دیا اور بالکل بَری کر دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ میں پادریوں کی خاطر انصاف کو ترک نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ابھی ایک مقدمہ فیصلہ ہوا ہے۔ پہلے تو وہ ہندو مجسٹریٹوں کے پاس تھا۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے کس رُعب میں آکر بہت ہی واضح اور بیّن وجوہات کو نظر انداز کر دیا اور مجھ پر جرمانہ کیا۔ لیکن آخر جب اس کی اپیل ایک انگریز حاکم کے پاس ہوئی تو اس نے بَری کر دیا اور مجسٹریٹ کی کارروائی پر افسوس کیا اور کہا کہ جو مقدمہ اپنے ابتدائی مرحلہ پر خارج ہونے کے قابل تھا اس پر اس قدر وقت ضائع کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں ابھی تک عدل اور انصاف کا مادہ موجود ہے۔ اگر کسی قسم کا مذہبی تعصب یا بغض ہوتا تو کم از کم میرے ساتھ تو ضرور برتا جاتا۔ تین لاکھ کے قریب جماعت ہے۔ پھر افغانستان کے لوگ بھی آ آکر بیعت کرتے رہتے ہیں اور ایک نیا فرقہ ہونے کی وجہ سے بھی گورنمنٹ کی نظر اور توجہ اس طرف ہونی چاہیے تھی مگر دیکھ لو کہ قریب آٹھ کے ہمارے مقدمات ہوئے ہیں جن میں سے سوائے ایک دو کے باقی کُل مخالفین کی طرف سے ہم پر تھے مگر سب میں کامیابی ہم کو ہی حاصل ہوئی ہے۔ اور انگریزوں نے ہی ہمارے حق میں فیصلے دیئے ہیں؛ اگرچہ ہم ان سب کامیابیوں کو خُدا کی طرف

سے ہی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر وہ نہ چاہتا تو یہ لوگ کیا کرتے۔ مگر جن لوگوں کے ذریعہ اور ہاتھوں سے اس کی نُصرت ہمارے شاملِ حال ہوئی وہ بھی قابل شکر کے ہیں۔ جہانتک میرا خیال بلکہ یقین ہے وہ یہ ہے کہ ابھی تک ان لوگوں میں تعصب نہیں ہے اور آئندہ کا حال خُدا کو معلوم ہے اور اسی لیے مَیں کہتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو خدمتِ دین ہی مطلوب ہے اور ان کی غرض خُدا کو راضی کرنا ہے تو چھپ کر بیٹھ رہنے سے کیا فائدہ؟ ان کو چاہیے کہ خدمتِ دین کا ایک پہلو ہاتھ میں لیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے کسی قسم کی سختی ہرگز نہیں ہے۔ لوگوں کو تبلیغ اور اتمامِ حجت کریں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ واعظ لوگوں کو گورنمنٹ گرفت کرتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں جو لوگ مفسد ہوتے ہیں وہ ضرور خود ہی گرفت کے قابل ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ کا اس میں کیا قصور؟ اب تو عیسویت کا یہ حال ہے کہ اس پر خود بخود موت آرہی ہے۔ خود اُن کے بڑے بڑے عالم اور فاضل تثلیث کے پکے دشمن ہوگئے ہیں اور نئی تعلیم نے اُن کے دلوں میں یہ بات کُوٹ کر بھر دی ہے کہ بناوٹی خُدا اب کام نہیں آسکتا۔ پادریوں کی یہ حالت ہے کہ صرف ٹکڑے کی خاطر کام کر رہے ہیں۔ ایک دن تنخواہ کو دیر ہو جاوے تو کام چھوڑ دیتے ہیں اور خود عیسائی مذہب کے رد میں کتابیں لکھتے ہیں۔

اس زمانہ کا جہاد

اب یہ زمانہ کسرِ صلیب کا ہے۔ تقریر کے مقابلہ پر تلوار سے کام لینا بالکل نادانی ہے۔ خُدا تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے کہ جس طرح اور جن آلات سے کفار تم پر حملہ کرتے ہیں۔ انہی طریقوں اور آلات سے تم ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔ اب ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے حملے اسلام پر تلوار سے نہیں ہیں بلکہ قلم سے ہیں۔ لہٰذا ضرور ہے کہ اُن کا جواب قلم سے دیا جاوے اگر تلوار سے دیا جاوے گا تو یہ اعتدا ہوگا جس سے خدا تعالیٰ کی صریح ممانعت قرآنِ شریف میں موجود ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرۃ: ۱۹۱) پھر اگر عیسائیوں کو قتل بھی کر دیا جاوے تو اس سے وہ وساوس ہرگز دُور نہ ہوں گے جو کہ دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ وہ اور پختہ ہو جاویں گے اور لوگ کہیں گے کہ واقع میں اہلِ اسلام کے پاس اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل کوئی نہیں ہے لیکن اگر شیریں کلامی اور نرمی سے ان کے وساوس کو دُور کیا جاوے تو امید ہے کہ وہ سمجھ جاویں گے اور ہم نے دیکھا ہے کہ بعض عیسائی لوگ جو یہاں آتے ہیں ان کو جب نرمی سے سمجھایا جاتا ہے تو اکثر سمجھ جاتے ہیں اور تبدیلِ مذہب کر لیتے ہیں (جیسے کہ ماسٹر عبدالحق صاحب نومسلم) پس ہماری رائے تو یہ ہے کہ جہانتک ہو سکے کمر بستہ ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوں کیونکہ یہ وقت اسی کام کے لیے ہے اگر اب کوئی نہیں کرتا تو اور کب کرے گا؟

بعض ایسے لوگ جن تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور دعاوی کی مفصل کیفیت نہیں پہنچی؛ تاہم وہ حُسنِ ظن رکھتے ہیں اور بسبب دُور ہونے کے یقینی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اُن کے ذکر پر آپ نے فرمایا کہ:

نیک لوگوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے، کیونکہ ان کو کامل علم نہیں ہے۔ اور علم اصل میں اسی کو کہتے ہیں جبکہ انسان کی واقفیت رؤیت کے قائمقام ہو۔

الہامات کے ذکر پر فرمایا کہ:

قضاء قدر کے اسرار چونکہ عمیق در عمیق ہوتے ہیں، اس لیے بعض وقت الہامات اور رؤیا کی تفہیم میں انسان کو غلطی لگ جاتی ہے۔

مذکورہ بالا تقریر فرما کر حضرت اقدس تشریف لے گئے مگر پھر بہت جلد تشریف لائے اور فرمایا کہ:

عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ اذان دی جائے۔

خاں صاحب شادی خاں اذان دینے گئے اور حضور علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔

سچے الہام کی علامات

چونکہ اس وقت اہل اسلام میں سے بھی بعض مخالف اور منکر حضرت مسیح موعود الہام کے مدعی ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت مرزا صاحب کے کاذب اور دجّال ہونے کے بارے میں خدا تعالیٰ سے وحی ہوئی ہے اور ادھر بعض مذاہب غیر از اسلام میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو کہ اپنے مذہب کی تصدیق کے بذریعہ الہام مدعی ہیں اس لیے ایسے دعاوی کے جواب میں حضور علیہ السلام نے ایک لطیف تقریر فرمائی جو کہ بہت ہی غور اور توجہ کے قابل ہے۔

ہر ایک شخص اپنی حالت کے لحاظ سے معذور ہوتا ہے اس لیے ان میں فیصلہ کا ایک موٹا طریق ہے جسے ہم پیش کرتے ہیں۔ اس وقت مختلف اقوام جن کا اسلام سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے الہام کے مدعی ہیں دس سال کا عرصہ گذرا کہ ایک دفعہ امرتسر سے ایک سکھ کا خط آیا کہ مذہب سکھ کے سچا ہونے کی نسبت مجھے الہام ہوا ہے۔ اور ایسے ہی ایک انگریز نے الہ آباد سے لکھا کہ مجھے عیسویت کے سچا ہونے کی نسبت الہام کے ذریعہ سے اطلاع دی گئی ہے۔ اور ایک مولوی عبداللہ صاحب غزنوی جن کو میں نیک جانتا ہوں ان کی اولاد امرتسر میں ہے۔ اُن کو بھی دعویٰ الہام کا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں الہام ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ جھوٹا ہے

اور مرزا صاحب کاذب اور دجّال ہیں۔ پھر ادھر ہماری جماعت میں بھی ہزارہا ایسے آدمی ہیں جن کو الہام اور رؤیا کے ذریعہ سے یہ اطلاع ملی ہے اور خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے تصدیق کی ہے کہ یہ سلسلہ منجانب اللہ ہے اور یہی ذریعہ ان کی بیعت کا ہوا ہے تو اب ان مختلف اقسام کے الہاموں میں جلدی سے فیصلہ کرنا تقویٰ سے بعید ہے۔ اس لیے میں جلدی کو پسند نہیں کرتا۔ انسان کو چاہیے کہ صبر اور دُعا سے کام لے اور تقویٰ کے پہلو کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ (النحل : ۱۲۹) اس وقت خود اسلام میں کئی فرقے موجود ہیں۔ جو کہ ایک دُوسرے کی تردید کر رہے ہیں۔ پھر دُوسرے مذاہب کے حملے الگ ہیں۔ ایک کتاب "ترکِ اسلام" لکھی گئی تھی اور اب ایک "تہذیب الاسلام" لکھی گئی ہے جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت فحش اور شرمناک حملے کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل مذاہب اور فرقوں میں ایک جنگ چل رہی ہے اور ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پس ایسی حالت میں فیصلہ کرنا ایک آسان امر نہیں ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو فہم دے اور رُشد عطا کرے اور یا انسان خود جلدی نہ کرے اور صبر اور دُعا سے کام لے تاکہ وقت پر حقیقت کھُل جاوے کہ خدا کی تائید اور نُصرت کس کے شاملِ حال ہے کیونکہ جھوٹے مذہب کے ساتھ اس کی نُصرت اور تائید کبھی شامل نہیں ہو سکتی۔ اگر جھوٹے مذہب کی بھی وہی خاطر خدا تعالیٰ کو ہو جو کہ سچے مذہب کی ہوتی ہے تو پھر سچ اور جھوٹ کا امتیاز کرنا محال ہو جاتے گا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ قرآن شریف میں درج ہے یہ جواب دیا کہ اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ (الانعام : ۱۳۶) کہ اگر تم لوگوں پر میرا سچا ہونا مشتبہ ہے تو تم بھی اپنی اپنی جگہ عمل کرو۔ میں بھی کرتا ہوں انجام پر دیکھ لینا کہ خدا کی تائید اور نُصرت کس کے شاملِ حال ہے جو امر خدا کی طرف سے ہوگا وہ بہرحال غالب ہو کر رہے گا۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ (یوسف : ۲۲) ان مختلف الہامات کے فیصلہ کے لیے بھی دراصل یہی معیار ہے کیونکہ ایک طرف تو اہلِ اسلام الہام کے مدعی ہیں دوسری طرف سکھ وغیرہ بھی۔ پس اگر یہ سب الہامات خدا کی طرف سے سمجھے جائیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خدا بھی بہت سے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ سب ایک ہی کا کلام ہے تو آپس میں ایک دوسرے کی ضد کیوں ہیں کہ وہی خُدا ایک کو کہتا ہے کہ فلاں شخص سچا ہے اور دُوسرے کو کہتا ہے کہ جھوٹا ہے۔ پس اس میں فیصلہ کی جو آسان ترین راہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک قول ہوتا ہے اور ایک فعل۔ اگر قول میں اختلاف ہے تو اب فعل کی انتظار چاہیے۔ قول پر اگر فیصلہ کا مدار رکھا جاوے تو اس کی نظیر دُوسری جگہ نکل آتی ہے اور دُوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ تم کذّاب ہو۔ لیکن فعل کو کہاں چھپائیں گے۔ اس کی مثال تو ایک سُورج کی ہے جس کی رؤیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

قول سے مراد ہماری وحی الٰہی ہے اور فعل سے نُصرت اور تائیدات الٰہیہ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ فعل کو دکھلاؤ تو یاد رہے کہ اس کا جلدی ظاہر کرنا ہمارا اپنا اختیار نہیں ہے اور کسی نبی کے اختیار میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ آیات اللہ کو جب چاہے دکھا دیوے۔ ہاں خلق اللہ کی خاطر ان کو اس قسم کے اضطراب ضرور ہوتے ہیں اور وہ خواہاں ہوتے ہیں مگر آخر آیات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ اپنے مصالح سے ان کو کھولتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑا اضطراب تھا تو خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ تو آسمان پر زینہ لگا کر جا اُن کو نشان لا دے۔

اگر ہم کذّاب اور دجّال ہیں تو صبر کرو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (المومن : ۲۹) جب سے دُنیا قائم ہوئی ہے یہ کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے کاذب کی تائید کر کے سچوں کو شکست دی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے مقابلہ پر الہام کے مدعی موجود تھے اور وہ آپ کو جھوٹا خیال کرتے تھے۔ مسیلمہ کذاب بھی انہی میں تھا۔ اگر قول پر مدار ہوتا تو اشتباہ رہتا مگر آخر فعلِ الٰہی نے فیصلہ کر دیا۔ دیکھ لو کہ اب کس کے دین کا نقارہ بج رہا ہے۔ کس کا نام روشن ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس کو برکت دی جاتی ہے وہ بڑھتا ہے وہ پھلتا اور پھولتا ہے اور اس کے دشمنوں پر اُسے فتح پر فتح ملتی ہے لیکن جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا وہ مثل جھاگ کے ہوتا ہے جو کہ بہت جلد نابُود ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ جس کا مدار تقویٰ پر ہو گا اور جس کے خدا تعالیٰ کے ساتھ پاک تعلقات ہوں گے اسی کو نُصرت ہو گی۔ یہ صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں ہے کہ اس وقت اور مُلہم ہمیں جھوٹا قرار دیتے ہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو کہ مُلہم تھے اور وہ نبیوں کی تکذیب کرتے تھے تو اس وقت کے داناؤں نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ جو سچا ہو گا اس کا کاروبار بابرکت ہو گا۔ پس اب بجز اس بات کے اور فیصلہ نہیں نظر آتا کہ اگر قول میں پیچیدگی ہے تو فعل کو دیکھو، لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ مجھ سے یہ درخواست کہ فعل ظاہر ہو عبث ہے۔ میں تو ایک عاجز بندہ ہوں، یہ خدا کا کام ہے کہ جو فعل وہ چاہے ظاہر کر دے۔ میں کیا ہوں۔ خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (العنکبوت : ۵۱) انبیاء کا کام بازیگروں کی طرح چیٹے بٹے دکھانا نہیں ہوتا۔ وہ تو خدا تعالیٰ کے پیغام رساں ہوتے ہیں۔ علمی بحث الگ ہے اور الہامی بحث الگ ہے۔ مختصر فیصلہ یہی ہے کہ اگر قول میں تعارض ہے تو فعل خود فیصلہ کر دے گا۔ ایک مفتری تحصیلدار گورنمنٹ سے عزت نہیں پا سکتا اور گرفتار کیا جاتا ہے تو مفتری علی اللہ کیسے اس کا محبوب ہو سکتا ہے اور وہ کب اس کی تائید کر سکتا ہے۔ اگر سچے کی عزت بھی ویسی ہو جیسے کہ

جھوٹے کی تو پھر دُنیا سے امان اُٹھ جاوے گا۔

پس یاد رکھو کہ قول کے اشتباہ فعل سے ہی دُور ہو سکتے ہیں۔ میرے ساتھ جو وعدے خدا تعالیٰ کے ہیں وہ پچیس تیس سال پیشتر براہین میں درج ہو چکے ہیں اور بہت سے پُورے ہو گئے ہیں۔ جو باقی ہیں چاہو تو ان کا انتظار کرو۔

الہام میں دخلِ شیطانی بھی ہوتا ہے جیسے کہ قرآن شریف سے بھی ظاہر ہے، مگر جو شخص شیطان کے اثر کے نیچے ہو اُسے نُصرت نہیں ملا کرتی۔ نُصرت اُسے ہی ملا کرتی ہے جو رحمان کے زیرِ سایہ ہو۔ ہم اپنی زبان سے کسی کو مفتری نہیں کہتے۔ جبکہ وحی شیطانی بھی ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ کسی سادہ لوح کو دھوکا لگا ہو۔ اس لیے ہم فعلِ الٰہی کی سند پیش کرتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ پیش کی تھی اور خدا تعالیٰ نے فعل پر بہت مدار رکھا ہے۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (الحاقۃ: ۴۵، ۴۶) میں فعل ہی کا ذکر ہے۔ پس جبکہ یہ مسنون طریق ہے تو اس سے کیوں گریز ہے۔ ہم لوگوں کے سامنے ہیں اور اگر فریب سے کام کر رہے ہیں تو خدا تعالیٰ ایسے عذاب سے ہلاک کریگا کہ لوگوں کو عبرت ہو جاوے گی اور اگر یہ خدا کی طرف سے ہے اور ضرور خدا کی طرف سے ہے تو پھر دوسرے لوگ ہلاک ہو جاویں گے[1]

۱۹ر فروری ۱۹۰۵ء بعد نماز مغرب

آج کا دن اپنی شان میں ایک مبارک دن تھا کیونکہ غالباً سات ماہ کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مغرب اور عشاء کے درمیان مجلس فرمائی اور جو رسالہ دربارہ فتح مقدمہ حضور تصنیف فرما رہے ہیں۔ اس کے مجوزہ مضامین کا مختصر تذکرہ فرمایا:

واجب الادا مہر کی ادائیگی

اس کے بعد ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ایک شخص اپنی منکوحہ سے مہر بخشوانا چاہتا تھا۔ مگر وہ عورت کہتی تھی تُو اپنی نصف نیکیاں مجھے دیدے تو بخش دُوں۔ خاوند کہتا رہا کہ میرے پاس حسنات بہت کم ہیں بلکہ بالکل ہی نہیں ہیں۔ اب وہ عورت مر گئی ہے خاوند کیا کرے؟

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۶ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۰۵ء ۔ نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۷ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :

اسے چاہیے کہ اس کا مہر اس کے وارثوں کو دیدے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو وہ بھی وارثوں سے ہے۔ شرعی حصّہ لے سکتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس خاوند بھی لے سکتا ہے۔

ایک لطیف نکتہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اثناء گفتگو میں ذکر کیا کہ یہ ایک لطیف بات ہے کہ جس قدر مجدد گذرے ہیں ان کے نام کی محمد یا احمد کی جزو ضروری ہوتی رہی ہے۔ قسطنطنیہ میں عجیب قسم کے نام لوگوں کے ہوتے ہیں مگر وہ مہدی جس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تھا اس کے نام میں بھی محمدؐ کا لفظ تھا۔

معجزات میں افراط و تفریط موجودہ زمانے کے حالات پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

ایک گروہ تو معجزات سے قطعی منکر ہے جیسے کہ نیچری اور آریہ وغیرہ۔ اس نے تفریط کا پہلو اختیار کیا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جو کہ افراط کی طرف چلا گیا ہے جیسے کہ بعض لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے معجزات بیان کیا کرتے ہیں کہ بارہ برس کی ڈوبی ہوئی کشتی نکالی اور حضرت عزرائیل کے ہاتھ سے آسمان پر جا کر قبض شدہ ارواح چھین لیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے معجزہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے۔ معجزہ سے مراد فرقان ہے جو حق اور باطل میں تمیز کر کے دکھا دے اور خدا کی ہستی پر شاہد ناطق ہو۔[1]

۲۰ر فروری ۱۹۰۵ء قبل از عشاء۔

خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہدایت حاصل نہیں ہوتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء کی نماز سے کچھ پیشتر تشریف لا کر مجلس فرمائی۔

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۰۵ء
و الحکم جلد ۹ نمبر ۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۵ء

خدا تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا تذکرہ رہا۔ بعض کفار کی حالت پر آپ نے فرمایا کہ :
جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل انسان کے شاملِ حال نہ ہو تب تک اُسے ہدایت کی راہ نصیب نہیں ہوتی بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ موت تک کفر ہی پر راضی رہتے ہیں اور کبھی اُن کے دل میں خیال نہیں گذرتا کہ ہم غلطی پر ہیں حتیٰ کہ اسی میں مرجاتے ہیں۔

اس پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ چند یوم ہوئے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ ان کے گاؤں کی آبادی چار سو باشندوں کی تھی۔ طاعون جو پڑی تو سب کے سب ہلاک ہوگئے صرف چالیس شخص بچے۔ اور ان میں سے بھی صرف نو کس تندرست تھے اور باقی کچھ نہ کچھ مریض ہی تھے۔ ان نو میں اُن کا چچا بھی تھا۔ ان کے دل میں آیا کہ اس قدر عبرتناک حادثہ موت کا چونکہ گاؤں میں گذرا ہے، ممکن ہے کہ چچا کا دل رقیق ہوا ہو۔ چلو اُسے چل کر تبلیغ کر آویں شاید ہدایت نصیب ہو۔ باوجود اس کے کہ لوگوں نے اس طاعون زدہ گاؤں میں جانے سے روکا مگر تبلیغِ حق کے جوش میں وہ چلے گئے اور جاکر اپنے چچا کو اس سلسلہ کی صداقت کی نسبت سمجھایا۔ چچا نے یہ جواب دیا کہ اگر یہ طاعون مرزے کی مخالفت کی وجہ سے ہے تو مجھے خوشی سے اس سے مرجانا قبول ہے۔ بیشک مجھے طاعون ہو۔ انجام یہ ہوا کہ وہ اور اس کا تمام بال بچہ تباہ اور ہلاک ہوگیا، مگر مخالفت پر برابر آمادہ رہا اور مرتے دم تک نہ مانا۔[1]

---

۲۱ رفروری ۱۹۰۵ء (مابین مغرب وعشاء)

فارغ نشینی اچھی نہیں

حسبِ دستور قریب ایک گھنٹہ کے حضور نے مجلس فرمائی۔ اوّل رسالہ زیرِ تصنیف کا ذکر رہا۔ پھر فرمایا کہ :

اوّل تو بوجہ علالتِ طبع کے فارغ نشینی رہی۔ اب خدا نے کچھ صحت عطا فرمائی ہے تو قلم میں بھی قوت آگئی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ صحت رکھے تو فارغ نشینی اچھی نہیں ہے۔ بندہ اگر خدمت ہی کرتا رہے تو خوب ہے۔

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۰۵ء
و الحکم جلد ۹ نمبر ۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۵ء

دہریت کو نبی کا وجود ہی جلا سکتا ہے

فرمایا کہ:

دہریہ پن کو اگر کوئی شئے جلا سکتی ہے تو وہ صرف انبیاء کا وجود ہے؛ ورنہ عقلی دلائل سے وہاں کچھ نہیں بنتا۔ کیونکہ عقل کی حد سے تو پیشتر ہی گذر کر وہ دہریہ بنتا ہے۔ پھر عقل کی پیش اس کے آگے کب چل سکتی ہے۔

خُدا نمائی کی ضرورت

فرمایا کہ:

آج کل خدا نمائی کی بڑی ضرورت ہے۔ دراصل اگر دیکھا جاوے تو خُدا کی ہستی سے انکار ہو رہا ہے۔ بہت لوگوں کو یہ خیال ہے کہ کیا ہم خُدا کی ہستی کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اپنے زعم میں تو سمجھتے ہیں کہ خُدا کو وہ مانتے ہیں لیکن ذرا غور سے ایک قدم رکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ وہ درحقیقت قائل نہیں ہیں کیونکہ اور اشیاء کے وجود کے قائل ہونے سے جو حرکات اور افعال ان سے صادر ہوتے ہیں وہ خدا کے وجود کے قائل ہونے سے کیوں صادر نہیں ہوتے۔ مثلاً جب کہ وہ سم الفار سے واقف ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے تو وُہ اس کے نزدیک نہیں جاتا اور نہیں کھاتا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ مَیں اگر کھا لوں گا تو مر جاؤں گا۔ پس اگر خدا کی ہستی پر بھی یقین ہوتا تو وہ اسے مالک، خالق اور قادر جان کر نافرمانی کیوں کرتا؟ پس ظاہر ہے کہ بڑا ضروری مسئلہ ہستی باری تعالیٰ کا ہے اور قابلِ قدر وہی مذہب ہو سکتا ہے جو کہ اسے نئے نئے لباس میں پیش کرتا رہے تاکہ دلوں پر اثر پڑ سکے۔ دراصل یہ مسئلہ اُمّ المسائل ہے اور اسلام اور غیر مذاہب میں ایک فرقان ہے۔ عیسائیوں نے بھی فرقان کا دعویٰ کیا ہے کہ انجیل نے ایمانداروں کی فلاں فلاں علامت قرار دی ہے مگر اب وہ کسی میں بھی پائی نہیں جاتیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایمان کا نام و نشان نہیں مگر اسلام میں فرقان کی سب علامات موجود ہیں۔

براہینِ احمدیہ عہدِ عتیق ہے

جو براہینِ احمدیہ کا حصّہ چھپ چکا ہے۔ اس پر ذکر چلا۔ فرمایا کہ:

اس میں خدا کی حکمت تھی؛ ورنہ اگر وہ چاہتا تو اسے ہم لکھتے ہی رہتے۔ لیکن خدا نے اب اوّل حصّہ کو منقطع کر کے بائبل کے عہدِ عتیق کی طرح الگ کر دیا ہے، کیونکہ جو پیشگوئیاں اس میں درج ہیں وُہ اب اس اثنا میں پوری ہو رہی ہیں اور جو حصّہ اس کا طبع ہو گا وہ عہدِ جدید ہو گا جس میں سابقہ حصّہ کے

حوالے ہوں گے کہ خدا نے یوں فرمایا تھا اور وہ اس طرح پورا ہو کر رہا۔

سادگی سچائی کی دلیل ہے براہین میں ہم نے لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ آسمان سے آویں گے۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کئے کہ تناقض ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اسی براہین میں ہم نے تمام الہامات بھی درج کئے ہیں جن میں ہمارا نام مسیح رکھا گیا ہے اور پھر صرف نام ہی نہیں بلکہ جو کام مسیح نے آکر کرنا ہے اس کی نسبت بھی الہامات میری نسبت ہی درج ہیں۔ پس یہ تناقض تو سچائی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بناوٹ ہوتی تو تناقض نہ جمع کیا جاتا۔ کم بختوں کی نظر انسان کی غلطی پر تو پڑتی ہے اور خدا کے کلام پر جو اس میں درج ہے نہیں پڑتی۔

ایک الہام کل یا پرسوں آپ کو الہام ہوا:

اِنَّمَا اَمْرُكَ اِذَآ اَرَدْتَ شَيْئًا اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[1]

۳؍مارچ ۱۹۰۵ء (قبل ظہر)

بعض نکات معرفت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی نے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو حضرت اقدس مجدد اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور پیش کیا۔ مولوی موصوف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے چند استفسار کئے۔ حضور نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا درج ذیل ہے:

سائل:۔ اطمینانِ قلب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟

حضرتِ اقدس:۔ قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی شے ہے جو قلوب کو اطمینان عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۹) پس جہانتک ممکن ہو

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۷، صفحہ ۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۵ء

[2] الحکم جلد ۹ نمبر ۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰؍مارچ ۱۹۰۵ء

ذکرِ الٰہی کرتا رہے اسی سے اطمینان حاصل ہوگا۔ ہاں اس کے واسطے صبر اور محنت درکار ہے۔ اگر گھبرا جاتا اور تھک جاتا ہے تو پھر یہ اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ دیکھو ایک کسان کس طرح پر محنت کرتا ہے اور پھر کس صبر اور حوصلہ کے ساتھ باہر اپنا غلّہ بکھیر آتا ہے۔ ظاہر پر دیکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ اس نے دانے ضائع کر دیئے۔ لیکن ایک وقت آجاتا ہے کہ وہ ان بکھرے ہوئے دانوں سے ایک خرمن جمع کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر حسنِ ظن رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اسی طرح پر مومن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر کے استقامت اور صبر کا نمونہ دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر مہربانی کرتا ہے اور اُسے وہ ذوق شوق اور معرفت عطا کرتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔

یہ بڑی غلطی ہے جو لوگ کوشش اور سعی تو کرتے نہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ہمیں ذوق شوق اور معرفت اور اطمینانِ قلب حاصل ہو جبکہ دنیوی اور سفلی امور کے لیے محنت اور صبر کی ضرورت ہے تو پھر خدا تعالیٰ کو پھونک مار کر کیسے پا سکتا ہے۔ دُنیا کے مصائب اور مشکلات سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ اس راہ میں مشکلات کا آنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب کا سلسلہ دیکھو۔ کس قدر لمبا تھا۔ تیرہ سال تک مخالفوں سے دُکھ اٹھاتے رہے۔ مکّہ والوں کے دُکھ اُٹھاتے اُٹھاتے طائف گئے اور وہاں سے پتھر کھا کر بھاگے۔ پھر اور کوئی شخص ہے جو ان مصائب کے سلسلہ سے الگ ہو کر خدا شناسی کی منزلوں کو طے کرے؟

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑے وہ بیہودہ خیال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں صاف فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازوں کے کھلنے کے لیے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ مجاہدہ اسی طریق پر ہو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور اسوہ حسنہ ہے۔ بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر سبز پوش یا گیرو ے پوش فقیروں کی خدمت میں جاتے ہیں کہ پھونک مار کر کچھ بنا دیں۔ یہ بیہودہ بات ہے۔ ایسے لوگ جو شرعی امور کی پابندیاں نہیں کرتے اور ایسے بیہودہ دعوے کرتے ہیں وہ خطرناک گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے بھی اپنے مراتب کو بڑھانا چاہتے ہیں کیونکہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہ مُشتِ خاک ہو کر خود ہدایت دینے کے مدعی ہوتے ہیں۔ اصل راہ اور گُر خدا شناسی کا دُعا ہے اور پھر صبر کے ساتھ دُعاؤں میں لگا رہے۔ ایک پنجابی فقرہ ہے ؎

جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا

حقیقت میں جبتک انسان دعاؤں میں اپنے آپ کو اس حالت تک نہیں پہنچا لیتا کہ گویا اس پر موت وارد ہو جائے۔ اس وقت تک بابِ رحمت نہیں کھُلتا۔ خدا تعالیٰ میں زندگی ایک موت کو چاہتی

ہے۔ جبتک انسان اس تنگ دروازہ سے داخل نہ ہو کچھ نہیں۔ خدا جوئی کی راہ میں لفظ پرستی سے کچھ نہیں بنتا، بلکہ یہاں حقیقت سے کام لینا چاہیے۔ جب طلب صادق ہوگی تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے محروم نہ کرے گا۔

سائل :۔ استقامت بھی تو ملنی چاہیے۔

حضرت اقدس :۔ ہاں یہ سچ ہے کہ استقامت ہونی چاہیے اور یہ استقامت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم ہی سے ملتی ہے۔ ایک ادنیٰ درجہ کا فقیر بھی ایک بخیل سے بخیل انسان کے دروازے پر جب دھرنا مارتا ہے تو کچھ نہ کچھ لے کر ہی اُٹھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ تو کریم رحیم خدا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی اس کے دروازے پر گرے اور خالی اُٹھے۔ اگر چاہتے ہو کہ ساری مرادیں پوری ہو جاویں تو یہ تو اُس کے ہی فضل سے ہوں گی۔ بعض اوقات انسان کو یہ بھی دھوکا لگتا ہے کہ فلاں مُراد پوری نہیں ہوتی؛ حالانکہ بات یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے ہی انسان کو بری کر دیتا ہے۔

لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کا گذر ایک فقیر پر ہوا جس کے پاس صرف ستر پوشی کو چھوٹا سا پارچہ تھا مگر وہ بہت خوش تھا۔ بادشاہ نے اس سے پُوچھا کہ تو اس قدر خوش کیوں ہے؟ فقیر نے جواب دیا کہ جس کی ساری ہی مرادیں پوری ہو جاویں وہ خوش نہ ہو تو اور کون ہو؟ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا تیری ساری مرادیں پوری ہو گئی ہیں؟ فقیر نے کہا کہ کوئی مراد ہی نہیں رہی۔ حقیقت میں حصول دو ہی قسم کا ہوتا ہے۔ یا پانے یا ترک۔

غرض بات یہی ہے کہ "خدا یابی" اور "خُدا شناسی" کے لیے ضروری امر یہی ہے کہ انسان دُعاؤں میں لگا رہے۔ زنانہ حالت اور بُزدلی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس راہ میں مردانہ قدم اُٹھانا چاہیے۔ ہر قسم کی تکلیفوں کے برداشت کرنے کو تیار ہونا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کو مقدم کرے اور گھبرائے نہیں۔ پھر امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری کرے گا اور اطمینان عطا فرمائے گا۔ ان باتوں کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان تزکیۂ نفس کرے جیسا فرمایا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (الشمس : ۱۰)۔

سائل :۔ دُعا جبتک دل سے نہ اُٹھے کیا فائدہ ہوگا؟

حضرت اقدس :۔ میں اسی لیے تو کہتا ہوں کہ صبر کرنا چاہیے۔ اور اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ خواہ دل چاہے یا نہ چاہے۔ کشاں کشاں مسجد میں لے آؤ۔ کسی نے ایک بزرگ سے پُوچھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر وساوس رہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تُو نے ایک حصّہ پر تو قبضہ کر لیا۔ دوسرا بھی حاصل ہو جائے گا۔ نماز پڑھنا بھی تو ایک فعل ہے اس پر مداومت کرنے سے دُوسرا بھی انشاء اللہ مل جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک فعل انسان کا ہوتا ہے اس پر نتیجہ مرتب کرنا ایک دُوسرا فعل ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ کا فعل ہے۔ سعی کرنا، مجاہدہ کرنا یہ تو انسان کا اپنا فعل ہے۔ اس پر پاک کرنا، استقامت بخشنا یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ بھلا جو شخص جلدی کرے گا کیا اس طریق پر وہ جلد کامیاب ہو جائے گا؟ یہ جلد بازی انسان کو خراب کرتی ہے۔ دُہ دیکھتا ہے کہ دُنیا کے کاموں میں بھی اتنی جلدی کوئی امر نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔ آخر اس پر کوئی وقت اور میعاد گذرتی ہے۔ زمیندار بیج بو کر ایک عرصہ تک صبر کے ساتھ اس کا انتظار کرتا ہے۔ بچہ بھی نو مہینے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ پہلی ہی خلوت کے بعد بچہ پیدا ہو جاوے تو لوگ اسے بیوقوف کہیں گے یا نہیں؟ پھر جب دنیوی امور میں قانونِ قدرت کو اس طرح دیکھتے ہو تو یہ کیسی غلطی اور نادانی ہے کہ دینی امور میں انسان بلا محنت و مشقت کے کامیاب ہو جاوے جس قدر اولیاء، ابدال، مرسل ہوتے ہیں انھوں نے کبھی گھبراہٹ اور بُزدلی اور بے صبری ظاہر نہیں کی۔ وہ جس طریق پر چلے ہیں اسی راہ کو اختیار کرو اگر کچھ پانا ہے۔ بغیر اس راہ کے تو کچھ مل نہیں سکتا۔ اور مَیں یقیناً کہتا ہوں۔ اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کو اطمینان جب نصیب ہوا ہے تو اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) پر عمل کرنے سے ہی ہوا ہے۔ مجاہدات عجیب اکسیر ہیں سید عبدالقادر رضی اللہ عنہٗ نے کیسے کیسے مجاہدات کئے۔ ہندوستان میں جو اکابر گذرے ہیں جیسے معین الدین چشتی اور فرید الدین رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اُن کے حالات پڑھو تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے مجاہدات ان کو کرنے پڑے ہیں۔ مجاہدہ کے بغیر حقیقت کھلتی نہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فقیر کے پاس گئے اور اس نے توجہ کی تو قلب جاری ہو گیا۔ یہ کچھ بات نہیں۔ ایسے ہندو فقراء کے پاس بھی جاری ہوتے ہیں۔ توجہ کچھ چیز نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ساتھ تزکیہ نفس کی کوئی شرط نہیں ہے۔ نہ اس میں کفر و اسلام کا کوئی امتیاز ہے۔ انگریزوں نے اس فن میں آجکل وہ کمال کیا ہے کہ کوئی دُوسرا کیا کرے گا۔ میرے نزدیک یہ بدعات اور محدثات ہیں۔

شریعت کی اصل غرض تزکیہ نفس ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام اسی مقصد کو لے کر آتے ہیں۔ اور وہ اپنے نمونہ اور اُسوہ سے اس راہ کا پتہ دیتے ہیں جو تزکیہ کی حقیقی راہ ہے۔ وُہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی محبت دلوں میں پیدا ہو اور شرحِ صدر حاصل ہو۔ مَیں بھی اسی منہاجِ نبوت پر آیا ہوں۔ پس اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ مَیں کسی ٹوٹکے سے قلب جاری کر سکتا ہوں تو یہ غلط ہے۔ مَیں تو اپنی جماعت کو اسی راہ پر لے جانا چاہتا ہوں جو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے جو خدا تعالیٰ کی وحی کے ماتحت تیار ہوتی ہے۔ پس اَور راہ وغیرہ کا ذکر ہماری کتابوں میں آپ نہ پائیں گے اور نہ اس کی ہم تعلیم دیتے ہیں اور نہ ضرورت سمجھتے ہیں۔ ہم تو یہی بتاتے ہیں کہ نمازیں سنوار سنوار کر پڑھو اور دُعاؤں میں لگے رہو۔

سائل :۔ حضور نمازیں پڑھتے ہیں مگر منہیات سے باز نہیں رہتے اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا ہے۔

حضرت اقدس :۔ نمازوں کے نتائج اور اثر تو تب پیدا ہوں، جب نمازوں کو سمجھ کر پڑھو بجز کلام الٰہی اور ادعیۂ ماثورہ کے اپنی زبان میں بھی دُعائیں کرو اور پھر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو۔ یہی ایک امر ہے جس کی بار بار تاکید کرتا ہوں کہ تھکو اور گھبراؤ نہیں۔ اگر استقلال اور صبر سے اس راہ کو اختیار کرو گے تو انشاء اللہ یقیناً ایک نہ ایک دن کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہاں یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ ہی کو مقدم کرو اور دین کو دنیا پر ترجیح دو جب تک انسان اپنے اندر دُنیا کا کوئی حصّہ بھی پاتا ہے وہ یاد رکھے کہ ابھی وہ اس قابل نہیں کہ دین کا نام بھی لے۔ یہ بھی ایک غلطی لوگوں کو لگی ہوئی ہے کہ دنیا کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السّلام جب دُنیا میں آتے ہیں۔ کیا انھوں نے دنیا کے لیے سعی اور مجاہدہ کیا ہے یا دین کے لیے؟ اور باوجود اس کے کہ اُن کی ساری توجہ اور کوشش دین ہی کے لیے ہوتی ہے۔ پھر کیا وہ دنیا میں نامراد رہے ہیں۔ کبھی نہیں۔ دنیا خود اُن کے قدموں پر آگری ہے۔ یہ یقیناً سمجھو کہ اُنہوں نے دُنیا کو گویا طلاق دے دی تھی۔ لیکن یہ ایک عام قانون قدرت ہے کہ جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں وُہ دُنیا کو ترک کرتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وُہ دُنیا کو اپنا مقصود اور غایت نہیں ٹھہراتے اور دُنیا ان کی خادم اور غلام ہو جاتی ہے جو لوگ برخلاف اس کے دُنیا کو اپنا اصل مقصود ٹھہراتے ہیں خواہ وہ دُنیا کو کسی قدر بھی حاصل کر لیں مگر آخر ذلیل ہوتے ہیں۔ سچی خوشی اور اطمینان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عطا ہوتا ہے۔ یہ مجرّد دنیا کے حصُول پر منحصر نہیں ہے۔ اس لیے ضروری امر ہے کہ ان اشیاء کو اپنا معبود نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اسی کو یگانہ و یکتا معبود سمجھو۔ جبتک انسان ایمان نہیں لاتا۔ کچھ نہیں اور ایسا ہی نماز روزہ میں اگر دُنیا کو کوئی حصّہ دیتا ہے تو وہ نماز روزہ اُسے منزلِ مقصود تک نہیں لے جا سکتا۔ بلکہ محض خُدا کے لیے ہو جاوے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (الانعام : ۱۶۳) کا سچّا مصداق ہو تب مُسلمان کہلائے گا۔ ابراہیمؑ کی طرح صادق اور وفادار ہونا چاہیے۔ جس طرح پر وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا اسی طرح انسان ساری دنیا کی خواہشوں اور آرزوؤں کو جب تک قربان نہیں کر دیتا کچھ نہیں بنتا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ جب انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو ایک جذبہ پیدا ہو جاوے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ خود اس کا متکفّل اور کارساز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کبھی بدظنی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر نقص اور خرابی ہوگی تو ہم میں ہوگی۔

پس یاد رکھو کہ جبتک انسان خدا تعالیٰ کا نہ ہو جاوے بات نہیں بنتی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے اس میں شتابکاری نہیں رہتی۔ مشکل یہی ہے کہ لوگ جلد گھبرا جاتے ہیں اور پھر شکوہ کرنے

لگتے ہیں۔

سائل :۔ ابتدائی منزل اس مقصد کے حصول کی کیا ہے؟

حضرت اقدس :۔ ابتدائی منزل یہی ہے کہ جسم کو اسلام کا تابع کرے۔ جسم ایسی چیز ہے جو ہر طرف لگ سکتا ہے۔ بتاؤ زمینداروں کو کون سکھاتا ہے جو جیٹھ ہاڑ کی سخت دھوپ میں باہر جاکر کام کرتے ہیں اور سردیوں میں آدھی آدھی رات کو اُٹھ کر باہر جاتے اور ہل چلاتے ہیں۔ پس جسم کو جس طریق پر لگاؤ اسی طریق پر لگ جاتا ہے۔ ہاں اس کے لیے ضرورت ہے عزم کی۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ مٹی کھایا کرتا تھا۔ بہت تجویزیں کی گئیں مگر وہ باز نہیں رہ سکتا تھا۔ آخر ایک طبیب آیا اس نے دعویٰ کیا کہ میں اس کو روک دوں گا! چنانچہ اس نے بادشاہ کو مخاطب کرکے کہا:

اَیُّھَا الْمَلِکُ اَیْنَ عَزْمُ الْمُلُوْکِ۔

یعنی اے بادشاہ! وہ بادشاہوں والا عزم کہاں گیا؟ یہ سُن کر بادشاہ نے کہا اب میں مٹی نہیں کھاؤں گا۔ پس عزم مومن بھی تو کوئی چیز ہے۔

سائل :۔ عزم کہتے تو آپ کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت اقدس :۔ بات یہ ہے کہ جب نفوسِ صافیہ کا جذب ہوتا ہے تو ممد و معاون بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ صحابہؓ کے دل اچھے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک رسُول بھی پیدا کر دیا۔ ایسا ہی کہتے ہیں کہ مکّہ سے جو مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس میں بھی یہی سِرّ تھا کہ وہاں کے اصلاح پذیر قلوب کا ایک جذب تھا۔[1]

۱۰ر مارچ ۱۹۰۵ء بوقت شب

پیرانہ سالی کے لحاظ سے عمدہ مجاہدہ

ایک صاحب نے عرض کی کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں خواہش ہے کہ کشف کی حالت طاری ہو اور اگرچہ میں اپنے علم کی رُو سے جانتا ہوں کہ اس کا حاصل ہونا کوئی کمالات میں سے نہیں ہے مگر تاہم اس کا خیال ہرگز دُور نہیں ہوتا۔ اس لیے کچھ شفاعت فرماویں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۴ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۵ء

اس کا تعلق مجاہدات اور ریاضات سے ہے۔ لیکن اب آپ کی عمران کی متحمل نظر نہیں آتی۔ عالمِ شباب میں ایسے مجاہدات اور ریاضات انسان کر سکتا ہے جس سے اس پر یہ حالت جلد طاری ہو۔ پیرانہ سالی میں قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں۔ معدہ کام کرنے سے رہ جاتا ہے۔ اس لیے مجاہدات میں استقامت حاصل نہیں ہوتی۔ آپ کے مناسبِ حال اگر کوئی مجاہدہ ہے تو میری رائے میں یہ ہے کہ خلوت کے درمیان ذکرِ الٰہی اور توجہ الی اللہ کی کثرت کریں۔ غیر اللہ کو قلب سے دفع کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مسکن بنا لینا آسان کام نہیں ہے۔ یہی بڑا مجاہدہ ہے۔ یہ واقعہ مجالسوں اور قیل و قال سے الگ رہیئے۔ اور غفلت کے پردہ کو جو کہ انسان کی زندگی پر پڑے ہوتے ہیں اُن کو دُور کرنے کی کوشش کریں۔ پیرانہ سالی کے لحاظ سے یہ عمدہ مجاہدہ ہے جس سے تزکیۂ نفس ہو سکتا ہے، کیونکہ اب اس عمر میں نوافل اور روزے وغیرہ کی برداشت مشکل ہے۔ اس کا مطلب اس شعر میں خوب بیان ہے۔

لب بہ بند و گوش بند و چشم بند
گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند

کہ انسان اپنی زبان کو اور کانوں اور آنکھوں کو اپنے قابو میں ایسا کرے کہ سوائے رضائے حق کے اور اُن سے کوئی فعل صادر نہ ہو۔ انسانی زندگی میں جو بے اعتدالی ہوتی ہے اُسے اعتدال پر لانا بڑا کام ہے۔ اب اسوقت یہی مناسب حال ہے کہ خلوت بہت ہو اور ذکرِ الٰہی سے قلب غافل نہ ہو۔ اگر انسان اس کی مداومت اختیار کرے تو آخر کار قلب مؤثر ہو جاتا ہے اور ایک تبدیلی انسان اپنے اندر رکھتا ہے۔

کشف رؤیا کا اعلیٰ درجہ ہے

کشف کیا ہے یہ رؤیا کا ایک اعلیٰ مقام اور مرتبہ ہے اس کی ابتدائی حالت کہ جس میں غیبت حس ہوتی ہے۔ صرف اس کو خواب (رؤیا) کہتے ہیں جسم بالکل معطل بیکار ہوتا ہے اور حواس کا ظاہری فعل ساکت ہوتا ہے۔ لیکن کشف میں دُوسرے حواس کی غیبت نہیں ہوتی۔ بیداری کے عالم میں انسان وہ کچھ دیکھتا ہے جو کہ نیند کی حالت میں حواس کے معطل ہونے کے عالم میں دیکھتا تھا۔ کشف اسے کہتے ہیں کہ انسان پر بیداری کے عالم میں ایک ایسی ربودگی طاری ہو کہ وہ سب کچھ جانتا بھی ہو۔ اور حواسِ خمسہ اس کے کام بھی کر رہے ہوں اور ایک ایسی ہوا چلے کہ نئے حواس اُسے مل جاویں جن سے وہ عالمِ غیب کے نظارے دیکھ لے۔ وہ حواس مختلف طور سے ملتے ہیں۔ کبھی بصر میں، کبھی شامہ سُونگھنے میں، کبھی سمع میں، شامہ میں اس طرح جیسے کہ حضرت یُوسفؑ کے والد نے کہا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔ (یوسف، ۹۵) (کہ مجھے یُوسفؑ کی خوشبو آتی ہے۔ اگر تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا) اس سے مراد وہی نئے حواس ہیں جو کہ یعقوبؑ کو اس وقت حاصل ہوئے اور انہوں نے معلوم کیا کہ یوسفؑ زندہ موجود ہے اور ملنے والا ہے۔ اس خوشبو کو دوسرے

پاس والے نہ سونگھ سکے کیونکہ اُن کو وہ حواس نہ ملے تھے جو کہ یعقوبؑ کو ملے۔ جیسے گڑ سے شکر بنتی ہے اور شکر سے کھانڈ اور کھانڈ سے دُوسری شیرینیاں لطیف در لطیف بنتی ہیں۔ ایسے ہی رؤیا کی حالت ترقی کرتی کرتی کشف کا رنگ اختیار کرتی ہے اور جب وہ بہت صفائی پر آجاوے تو اس کا نام کشف ہوتا ہے۔

کشف اور وحی میں فرق

لیکن وحی ایسی شئے ہے جو کہ اس سے بدرجہا بڑھ کر صاف ہے اور اس کے حاصل ہونے کے لیے مُسلمان ہونا ضروری ہے۔ کشف تو ایک ہندو کو بھی ہو سکتا ہے، بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدا کو نہ مانتا ہو وہ بھی اس میں کچھ نہ کچھ کمال حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن وحی سوائے مُسلمان کے دُوسرے کو نہیں ہو سکتی۔ یہ اسی اُمت کا حصّہ ہے کیونکہ کشف تو ایک فطرتی مادہ انسان کا ہے اور ریاضت سے یہ حاصل ہو سکتا ہے خواہ کوئی کرے، کیونکہ فطرتی امر ہے جیسے جیسے کوئی اس میں مشق اور محنت کرے گا۔ ویسے ویسے اس پر اس کی حالتیں طاری ہوں گی اور ہر ایک نیک و بد کو رؤیا کا ہونا اس امر پر دلیل ہے۔ دیکھا ہوگا کہ سچی خوابیں بعض فاسق و فاجر لوگوں کو بھی آجاتی ہیں۔ پس جیسے اُن کو سچی خوابیں آتی ہیں ویسے ہی زیادہ مشق سے کشف بھی ان کو ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ حیوان بھی صاحبِ کشف ہو سکتا ہے لیکن الہام یعنی وحی الٰہی ایسی شے ہے کہ جبتک خُدا سے پُوری صلح نہ ہو اور اس کی اطاعت کے لیے اس نے گردن نہ رکھ دی ہو تب تک وُہ کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۱) یہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ نزولِ وحی کا صرف اُن کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ خُدا کی راہ میں مستقیم ہیں اور وہ صرف مُسلمان ہی ہیں۔ وحی ہی وہ شئے ہے کہ جس سے انا الموجود کی آواز کان میں آکر ہر ایک شک و شبہ سے ایمان کو نجات دیتی ہے اور بغیر جس کے مرتبہ یقینِ کامل کا انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن کشف میں یہ آواز کبھی نہیں سُنائی دیتی اور یہی وجہ ہے کہ صاحبِ کشف ایک دہریہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن صاحبِ وحی کبھی دہریہ نہیں ہوگا۔

اس مقام پر حضرت نورالدین صاحب حکیم الامۃ نے عرض کی کہ حضور سائل کا منشاء یہ ہے کہ یہ خواہش کسی طرح دل سے دُور ہو جاوے۔

خُدا کے برگزیدہ اور محبوب نے فرمایا کہ:

ان کے دل میں کشف کی جو عظمت بیٹھی ہوئی ہے جبتک وُہ دُور نہ ہوگی تو علاج کیسے ہوگا۔ اسی لیے تو میں فرق بیان کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں ایک چوڑھی (خاکروبہ) آتی ہے۔ وہ بھی سچی خوابوں کا ایک

سلسلہ بیان کیا کرتی ہے لیکن اس سے اس کا عنداللہ مقرب ہونا یا صاحب کرامت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک مسلمان کا کشف جس قدر صاف ہوگا اس قدر غیر مسلم کا ہرگز صاف نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ ایک مسلم اور غیر مسلم میں تمیز رکھتا ہے اور فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس : ۱۰) لیکن وحی کو کشف نہیں پاسکتا۔ یہ وحی کی ہی قدر ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ارادہ سے اس کے لیے ایک شخص کو انتخاب کرتا ہے اور شرف مکالمہ بخشتا ہے اور ہر میدان میں اس کا حافظ و ناصر ہوتا ہے اور صاحب وحی کے تعلقات دن بہ دن خدا سے قائم ہوتے اور بڑھتے جاتے ہیں اور ایمان میں غیر معمولی ترقی روز مشاہدہ کرتا ہے۔[1]

---

۲۵ / مارچ ۱۹۰۵ء (بعد نماز عصر)

اپنی صداقت پر کمال یقین

عصر کی نماز سے پیشتر حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور صاحبزادہ سراج الحق صاحب نعمانی نے اپنے بڑے بھائی شاہ خلیل الرحمٰن صاحب سجادہ نشین سرسادہ کا خط سنایا جس میں انہوں نے حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بطور پیشگوئی لکھا تھا کہ وہ جلد فوت ہو جائیں گے اور ان کے سلسلہ کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں کشف قبور کر سکتا ہوں اور کرا سکتا ہوں۔ اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو وہ بھی مجھے کشف قبور کر کے دکھائیں وغیرہ۔ ملخصاً۔

حضرت اقدس نے سرسری طور پر اس کارڈ کو سن لیا۔ پھر نماز عصر ادا فرمائی۔ بعد نماز عصر کوئی ایسی تحریک آپ کو ہوئی کہ آپ نے صاحبزادہ سراج الحق صاحب کو وہیں مسجد ہی میں بلایا اور فرمایا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

آپ ان کو اپنی طرف سے ایک خط لکھ دیں کہ یہ پیشگوئی جو آپ نے کی ہے اس سے میری تو برسوں کی مراد بر آئی۔ میں بھی چاہتا تھا کیونکہ اس سے سچائی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ لیکن مہربانی کر کے اتنی تصریح کر دو کہ کیا وہ (مرزا صاحب) آپ سے پہلے فوت ہوں گے یا پیچھے تاکہ پھر اس پیشگوئی کو آپ کی کرامت قرار دے کر شائع کر دیا جاوے۔ جب یہ پیشگوئی پوری ہوگی اس وقت دنیا دیکھے گی۔

---

[1] البدر جلد ۴ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ / مارچ ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۹ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷ / مارچ ۱۹۰۵ء

پس آپ ہرگز دیر نہ کریں۔ بہت جلد اس امر کو لکھ بھیجیں۔ اور کشفِ قبور کا معاملہ تو بالکل بیہودہ امر ہے۔ جو شخص زندہ خُدا سے کلام کرتا ہے اور اس کی تازہ بتازہ وحی اس پر آتی ہے اور اس کے ہزاروں نہیں لاکھوں ثبوت بھی موجود ہیں۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ مُردوں سے کلام کرے اور مُردوں کی تلاش کرے اور اس امر کا ثبوت ہی کیا ہے کہ فلاں مُردے سے کلام کیا ہے۔ یہاں تو لاکھوں ثبوت موجود ہیں۔ ایک ایک کارڈ اور ایک ایک آدمی اور ایک ایک روپیہ جو اب آتا ہے وُہ خُدا کا ایک زبردست نشان ہے۔ کیونکہ ایک عرصہ دراز پیشتر خُدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ :

يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ وَيَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔

اور ایسے وقت فرمایا تھا کہ کوئی شخص بھی مجھے نہ جانتا تھا۔ اب یہ پیشگوئی کیسے زور شور سے پوری ہو رہی ہے۔ کیا اس کی کوئی نظیر بھی ہے؟ غرض ہمیں ضرورت کیا پڑی ہے کہ ہم زندہ خُدا کو چھوڑ کر مُردوں کو تلاش کریں۔[1]

---

۲۷ / مارچ ۱۹۰۵ء (بوقت ظہر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اہم مکتوب

ظہر کی اذان ہو چکنے کے بعد علیحضرت تشریف لائے۔ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں نے شرفِ زیارت پایا۔ ازاں بعد حضرت مخدوم الملت مولوی عبدالکریم صاحب نے بابو عطاالٰہی صاحب سٹیشن ماسٹر کی طرف سے حصولِ اجازت کے لیے عرض کیا۔ آپ نے بابو عطاالٰہی صاحب کو بُلا کر فرمایا کہ :

مئی، جون، جولائی وغیرہ مہینوں میں کوئی موقعہ یہاں رہنے کے لیے نکالنا چاہیے آئندہ جب رُخصت لو تو ان مہینوں کو مدِنظر رکھ لینا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم الملت نے عرض کیا کہ مَیں نے حضور کا وُہ خط اخبار میں شائع کرنے کو دیدیا ہے اور اس پر ایک مضمون بھی لکھ دیا ہے۔

فرمایا :

بہت اچھا کیا ہے

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۱ / مارچ ۱۹۰۵ء

جس خط کا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے ذکر کیا۔ یہ خط الحکم جلد ۹ نمبر ۱۱ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۸ پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے تشریحی مضمون کے ساتھ شائع ہوا ہے جو یہ ہے :

"مجی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں ایک مدت سے بیماریوں میں رہا۔ اور اب بھی ان کا بقیہ باقی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے جواب لکھوں مگر بباعث بیماری کے لکھ نہ سکا۔ آپ کے پہلے خط کا ماحصل جس قدر مجھ کو یاد ہے یہ ہے کہ میری نسبت ..... کی جماعت کی طرف سے یہ پیغام پہنچایا تھا کہ روپیہ کے خرچ میں بہت اسراف ہوتا ہے۔ آپ اپنے پاس روپیہ جمع نہ رکھیں اور یہ روپیہ ایک کمیٹی کے سپرد ہو جو حسب ضرورت خرچ کیا کریں اور یہ بھی ذکر تھا کہ اس روپیہ میں سے باغ کے چند خدمتگار بھی روٹیاں کھاتے ہیں۔ اور ایسا ہی اور کسی قسم کے اسراف کی طرف اشارہ تھا جن کو میں سمجھتا ہوں آپ نے اپنی نیک نیتی سے جو کچھ لکھا بہتر لکھا۔ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس کا رد لکھوں۔ میں آپ کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کی قسم کو پورا کرنا مومن کا فرض ہے اور اس کی خلاف ورزی معصیت ہے کہ آپ ..... تمام جماعت کو اور خصوصاً ایسے صاحبوں کو جن کے دلوں میں یہ اعتراض پیدا ہوا ہے بہت صفائی سے اور کھول کر سمجھا دیں کہ اس کے بعد ہم ..... کا چندہ بکلی بند کرتے ہیں اور ان پر حرام ہے اور قطعاً حرام ہے اور مثل گوشت خنزیر ہے کہ ہمارے کسی سلسلہ کی مدد کے لیے اپنی تمام زندگی تک ایک حبہ بھی بھیجیں۔ ایسا ہی ہر شخص جو ایسے اعتراض دل میں مخفی رکھتا ہے اس کو بھی ہم یہی قسم دیتے ہیں۔

یہ کام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس طرح وہ میرے دل میں ڈالتا ہے خواہ وہ کام لوگوں کی نظر میں صحیح ہے یا غیر صحیح، درست ہے یا غلط میں اسی طرح کرتا ہوں پس جو شخص کچھ مدد دے کر مجھے اسراف کا طعنہ دیتا ہے وہ میرے پر حملہ کرتا ہے۔ ایسا حملہ قابل برداشت نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ مجھے کسی کی بھی پروا نہیں۔ اگر تمام جماعت کے لوگ متفق ہو کر چندہ بند کر دیں یا مجھ سے منحرف ہو جائیں تو وہ جس نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے وہ اور جماعت ان سے بہتر پیدا کر دے گا جو صدق اور اخلاص رکھتی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ یَنْصُرُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ ۔ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ یعنی خدا تیری اپنے پاس سے مدد کرے گا۔ تیری وہ مدد کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ وحی کریں گے اور الہام کریں گے۔ پس اس کے بعد میں ایسے لوگوں کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بھی نہیں سمجھتا جن کے دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کیا وجہ کہ اُٹھیں جبکہ میں ایسے خشک دل لوگوں کو چندہ کے لیے مجبور

ے جس شخص کے نام یہ خط تھا اس کا اظہار نہیں کیا گیا (مرتب)

نہیں کرتا جن کا ایمان ہنوز ناتمام ہے۔ مجھے وہ لوگ چندہ دے سکتے ہیں جو اپنے سچے دل سے مجھے خلیفۃ اللہ سمجھتے ہیں۔ اور میرے تمام کاروبار خواہ اُن کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ان پر ایمان لاتے اور ان پر اعتراض کرنا موجب سلبِ ایمان سمجھتے ہیں۔ مَیں تاجر نہیں کہ کوئی حساب رکھوں۔ مَیں کسی کمیٹی کا خزانچی نہیں کہ کسی کو حساب دُوں۔ مَیں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو ایک ذرہ بھی میری نسبت اور میرے مصارف کی نسبت اعتراض دل میں رکھتا ہے اس پر حرام ہے کہ ایک کوڑی میری طرف بھیجے۔ مجھے کسی کی پروا نہیں۔ جبکہ خُدا مجھے بکثرت کہتا ہے گویا ہر روز کہتا ہے کہ مَیں ہی بھیجتا ہوں جو آتا ہے اور کبھی میرے مصارف پر وہ اعتراض نہیں کرتا تو دُوسرا کون ہے۔ جو مجھ پر اعتراض کرے۔ ایسا اعتراض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تقسیم اموالِ غنیمت کے وقت کیا گیا تھا۔ سو مَیں آپ کو دوبارہ کہتا ہوں کہ آئندہ سب کو کہدیں کہ تم کو اس خُدا کی قسم ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور ایسا ہی ہر ایک جو اس خیال میں شریک ہے کہ ایک جتہ بھی میری طرف کسی سلسلہ کے لیے کبھی اپنی عمر تک ارسال نہ کریں۔ پھر دیکھیں کہ ہمارا کیا حرج ہوا؟ اب قسم کے بعد میرے پاس نہیں کہ اور لکھوں۔

خاکسار مرزا غلام احمد

حلِ مشکلات کا طریق ایک شخص نے اپنی مشکلات کے لیے عرض کی فرمایا:

استغفار کثرت سے پڑھا کرو اور نمازوں میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْتَغِیْثُ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھو۔

پھر اس نے عرض کی کہ استغفار کتنی مرتبہ پڑھوں؟ فرمایا:

کوئی تعداد نہیں۔ کثرت سے پڑھو یہانتک کہ ذوق پیدا ہو جائے اور استغفار کو منتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ سمجھ کر پڑھو۔ خواہ اپنی زبان میں ہی ہو۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اے اللہ! مجھے گناہوں کے بُرے نتیجوں سے محفوظ رکھ اور آئندہ گناہوں سے بچا۔

ازاں بعد خاکسار ایڈیٹر الحکم نے مولوی مشرف الدین احمد صاحب کے صاحبزادہ کے لیے دُعا کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا:

اُن کا خط بھی آیا ہے۔ اُن کو لکھ دو کہ یاد دلاتے رہیں۔

ایک الہام

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے بیان کیا کہ کل جب میں اُٹھا تو میری زبان پر یہ جاری تھا جو حضور کا الہام ہے۔ "آگ سے ہمیں مت ڈرا۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔"
اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ کل مجھے الہام ہوا تھا:
"چوہدری رُستم علی"
اس کے ساتھ اور کچھ نہیں تھا۔[1]

حضرت مُفتی محمد صادق کا تقرر بحیثیت ایڈیٹر اخبار البدر

۳۰ر مارچ ۱۹۰۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اِطّلاع

مَیں بڑی خوشی سے یہ چند سطریں تحریر کرتا ہوں کہ اگرچہ منشی محمد افضل مرحوم ایڈیٹر اخبار البدر قضائے الٰہی سے فوت ہوگئے ہیں مگر خُدا تعالیٰ کے شکر اور فضل سے ان کا نعم البدل اخبار کو ہاتھ آگیا ہے۔ یعنی ہمارے سلسلہ کے ایک برگزیدہ رکن، جوان، صالح اور ہر ایک طور سے لائق جن کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں یعنی مفتی محمد صادق صاحب بھیروی قائمقام منشی محمد افضل مرحوم ہوگئے ہیں۔
میری دانست میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے اس اخبار کی قسمت جاگ اٹھی ہے کہ اس کو ایسا لائق اور صالح ایڈیٹر ہاتھ آیا۔ خدا تعالیٰ یہ کام ان کے لیے مبارک کرے اور اُن کے کاروبار میں برکت ڈالے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار میرزا غلام احمد ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ علی صاحبہا التحیۃ والسلام
۳۰ر مارچ ۱۹۰۵ء[2]

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۵ء
[2] البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۱ مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۰۵ء } * البدر کے نئے دور کی ابتدا جلد اوّل اور نمبر اوّل سے ہوئی (مُرتّب)

یکم اپریل ۱۹۰۵ء (قبل ظہر)

اعلیٰحضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر سے پیشتر تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔ فرمایا:
عصر کے بعد میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے میں اس لیے شام کو آ نہیں سکتا۔

اپنے محبین سے شفقت اور ہمدردی

مولنا مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ ربہٗ کو کثرتِ پیشاب کی دو تین دن سے پھر شکایت ہو گئی ہے اور آج اعلیٰحضرت نے ان کا قارورہ منگوا کر دیکھا تھا جو کثیر مقدار میں تھا۔ اس کے متعلق مولوی عبدالکریم صاحب کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کی کمال شفقت اور ہمدردی کا ثبوت ملتا ہے اس لیے میں خلاصۃً اسے اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ فرمایا:

میں آپ کا پیشاب دیکھ کر بہت حیران ہو گیا۔ میں نے تو اس کے بعد دُعا ہی شروع کر دی اور انشاء اللہ بہت دُعا کروں گا۔[1]

مجھے خود چونکہ کثرتِ پیشاب کی شکایت ہے میں جانتا ہوں کہ کس قدر تکلیف ہوتی دل گھٹتا ہے اور پنڈلیوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ بہت بے چینی اور گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس رسالہ[2] کو ختم کر لینے کے بعد کچھ دنوں تک صرف دُعا ہی میں لگا رہوں گا۔

میں نے جو گولی آپ کو بنا کر دی تھی وہ مفید ثابت ہوئی تھی۔ آپ اس کا استعمال کریں میں بھیجدوں گا اور ختم ہونے پر اور دوا تیار ہو سکتی ہے۔ آپ دُودھ کثرت سے پئیں۔ وہ اس مرض میں بہت مفید ہے اور میں انشاء اللہ بہت دُعا کروں گا۔ آپ کے پیشاب کو دیکھ کر مجھے تو حیرت ہی ہوئی کہ آپ کس طرح التزام کے ساتھ نمازوں میں آتے ہیں اور آپ کی آواز سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو شکایت ہے۔

اس پر حضرت مولنا عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور کی دُعا ہی ہے جو اس ہٹ اور استقلال

---

[1] البدر سے :- اگرچہ اپنی طبیعت بھی چنداں دُرست نہ تھی۔ تاہم آپ کے واسطے بہت دُعا کی ہے۔
البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶ راپریل ۱۹۰۵ء

[2] البدر کا پہلا دور

[3] نصرۃ الحق یعنی براہین احمدیہ حصہ پنجم مراد ہے۔ (مرتب)

سے میں حاضر ہوتا ہوں؛ ورنہ بعض اوقات قریب بہ غش ہو جاتا ہوں۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:
میں بہت دُعا کروں گا

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور کی عافیت چاہیے۔ فرمایا:
عافیت ہو ہی جاتی ہے۔ جب میں آپ کے لیے دُعا کروں گا۔ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي عَوْنِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي عَوْنِهِ جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہو جاتا ہے۔[1]

دو الہامات

اس کے بعد فرمایا:
کل الہام ہوا تھا۔ مَحَوْنَا نَارَ جَهَنَّمَ[2]

اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ عجیب بات ہوتی ہے کہ بعض اوقات صرفی نحوی ایسی ترکیب پر اعتراض کر اُٹھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے ماتحت تو نہیں ہے۔[3]

طاعون کو بھی نارِ جہنم کہا ہے۔ پہلے بھی ایک الہام ہوا تھا۔

يَأْتِي عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ

اس کے بعد آپ نے نمازِ ظہر جماعت کے ساتھ معمول کے موافق ادا کی اور آپ تشریف لے گئے۔[4]

---

[1] البدر میں ہے: "فرمایا۔ جب دوستوں کی تکلیف سُن کر دُعا میں لگ جاتا ہوں تو اس میں خود عافیت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آچکا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي عَوْنِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي عَوْنِهِ یعنی جو شخص اپنے بھائی کی اعانت میں مصروف ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ خود اس کی اعانت کرتا ہے۔"
البدر (جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶ / اپریل ۱۹۰۵ء)

[2] البدر سے: "مَحَوْنَا نَارَ جَهَنَّمَ۔ ہم نے جہنم کی آگ کو محو کیا۔ فرمایا: اجتہادی طور پر ایسا خیال آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اب قریباً طاعون کو دُنیا سے اُٹھانے والا ہے۔ واللہ اعلم۔ یا یہ کہ اس گاؤں سے اُٹھانے والا ہے۔"
البدر (سلسلہ جدید) جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۶ / اپریل ۱۹۰۵ء

[3] البدر سے: "اللہ تعالیٰ لوگوں کے محاورات اور صرف و نحو کے قواعد کے ماتحت نہیں ہے۔ اس کی شاہد کتب الہامیہ اور انبیاء اور اولیاء کے الہامات میں بہت ہیں کہ ایجاد کردہ قواعد زبان کے برخلاف کئی عبارتیں اور فقرات نازل ہوتے رہے ہیں۔
(البدر حوالہ مذکور)

[4] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ / اپریل ۱۹۰۵ء

۳/اپریل ۱۹۰۵ء

محبین سے تعلق خاطر

سید حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کے تقرر مستقل بر عہدہ سپرنٹنڈنٹ دفتر صاحب ضلع کی خبر حضرت کی خدمت میں سنائی گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ:

شاہ صاحب ایک درویش مزاج آدمی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی علالتِ طبع کا ذکر تھا۔ حضرت نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

مَیں نے آپ کے واسطے اس قدر دُعا کی ہے جس کی حد نہیں۔[1]

۴/اپریل ۱۹۰۵ء

ایک زور آور زلزلہ کا نشان

صُبح ۶½ بجے یک دفعہ نہایت زور آور حملہ زلزلہ کا ہوا۔ تمام مکانات اور اشیاء ہلنے اور ڈولنے لگ پڑیں۔ لوگ حیران اور سراسیمہ ہو کر گھبرانے لگے۔ ایسے وقت میں خُدا کے مسیح کا حال دیکھنے کے لائق تھا، کیونکہ احادیث میں تو ہم پڑھا ہی کرتے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آسمانی اور زمینی واقعات پر بخشیت اللہ کا بڑا اثر اپنے چہرے پر ظاہر فرماتے تھے۔ ذرا سے بادل کے نمودار ہونے پر آپ بے آرام سے ہو جاتے۔ کبھی باہر نکلتے اور کبھی اندر جاتے۔ غرض اس وقت بھی نبی اللہ نے ہر کہ عارف تر است ترساں تر والے مقولہ کو عملی رنگ میں بالکل سچا کر کے دکھایا۔ زلزلہ کے شروع ہوتے ہی آپ بمعہ اہلِ بیت اور بال بچہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرنے میں شروع ہو گئے اور اپنے رب کے آگے سربسجود ہوئے۔ بہت دیر تک قیام۔ رکوع اور سجدہ میں سارا کنبہ کا کنبہ بمعہ خدام کے گرا رہا اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے لرزاں و ترساں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمام مکانات اور جانوں کو گرنے اور تلف ہونے سے محفوظ رکھا اور کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جیسا کہ دوسرے شہروں سے تباہی اور ہلاکت کی خبریں آ رہی ہیں۔ بلکہ ایسے مکانات جن کے پرنالے صرف ایک ایک اینٹ کے تھے اور کچھ پھٹے ہوئے بھی تھے اور بعض اینٹیں اُکھڑی ہوئی یونہی پڑی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶/اپریل ۱۹۰۵ء

تھیں ان میں سے ایک اینٹ بھی نہیں گری چونکہ ہر دس منٹ کے بعد بار بار زلزلہ کا احساس ہوتا تھا اور تمام روز کچھ کچھ زلزلہ محسوس ہوتا رہا۔ اس واسطے حضور اقدس نے برعایت اسباب مناسب سمجھا کہ سہ منزلہ مکان میں رہنے کی بجائے اپنے باغ والے مکان میں ایک دو روز کے واسطے رہائش اختیار کریں؛ اگرچہ اس موقعہ پر کچھ خوف ہم سب کو دیکھنا پڑا ہے تاہم دراصل اس پاک مسیح کے قدموں کے طفیل کوئی امر ہمارے واسطے فائدہ سے خالی نہیں۔ اوّل تو ۳ر اپریل کی رؤیا اس سے پوری ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھی تھی[1]۔ اور کئی ایک کو سُنائی تھی۔

دوم اشتہار الوصیت میں جو ایک عظیم الشان پیشگوئی حضرت امام نے ابھی چند روز ہوئے شائع کی تھی۔ کہ ایک شورِ قیامت برپا ہے اور موتا موتی لگی ہوئی ہے اور لوگ چیخ رہے ہیں۔ وہ پوری ہوئی۔ یہ اشتہار الوصیت اخبار الحکم مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۵ء اور اخبار البدر مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۰۵ء اور ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ مارچ ۱۹۰۵ء میں شائع ہو گیا تھا۔ اس زلزلہ کی خبر براہین احمدیہ میں بھی دی گئی تھی۔ غرض یہ ایک بڑا نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اسی زلزلہ کا ذکر تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ :

"یہ ایک قیامت ہے جو لوگ قیامت کے منکر ہیں وہ اب دیکھ لیں کہ کس طرح ایک ہی سیکنڈ میں ساری

حاشیہ : [1] یہ رؤیا البدر کے اسی پرچہ میں صفحہ ۳ پر درج ہے جو یہ ہے

رؤیا "۳ر اپریل ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ مرزا نظام الدین کے مکان پر مرزا سلطان احمد کھڑا ہے۔ اور سب لباس سرتاپا سیاہ ہے۔ ایسی کالی سیاہی کہ دیکھی نہیں جاتی۔ اسی وقت معلوم ہوا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو سلطان احمد کا لباس پہن کر کھڑا ہے۔ اس وقت میں نے گھر میں مخاطب ہو کر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ تب دو فرشتے اور ظاہر ہو گئے اور تین کرسیاں معلوم ہوئیں اور تینوں پر وہ تین فرشتے بیٹھ گئے اور بہت تیز قلم سے کچھ لکھنا شروع کیا جس کی تیز آواز سنائی دیتی تھی۔ اُن کے اس طرز کے لکھنے میں ایک رُعب تھا۔ میں پاس کھڑا ہوں کہ بیداری ہو گئی۔

اسی وقت حضرت اقدس نے یہ خواب سُنایا اور فرمایا کہ :

کوئی ہیبت ناک نشان ہونے والا ہے۔ اس کی تعبیر یوں ہے کہ سلطان احمد سے مراد ایسے دلائل اور براہین ہیں جو دلوں پر تسلط کرتے اور دلوں کو پکڑ لیتے ہیں اور نظام الدین سے مُراد ایسا نشان ہے جس سے دینِ اسلام کی صلاحیت ہو گی اور اس کا نظام دُرست ہو جائے گا۔ سیاہ کپڑے ظاہر کرتے ہیں کہ اب کوئی ڈرانے والا نشان ظاہر ہونے والا ہے اور یہ جو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہماری دُعاؤں کا نتیجہ ہے کیونکہ نتیجہ بچے کو بھی کہتے ہیں"۔ البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۰۵ء

دُنیا فنا ہو سکتی ہے۔ جب لوگوں کو بہت امن اور آسودگی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ خدا سے اِعراض کرتے ہیں۔ یہانتک کہ خدا کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس قسم کا امن ایک خباثت کا پھوڑا ہے۔ یہ قیامت لوگوں کے واسطے عذاب مگر ہمارے واسطے مفید ہے۔"

پھر آپ نے سُلطان احمد کو دیکھنے والا رؤیا بیان کیا جو الہامات کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ اور میاں بشیر احمد اور شریف احمد کے خوابوں کا پھر ذکر کیا۔ اور براہین احمدیہ حصّہ پنجم کے چھپنے کا ذکر کیا۔ جس کا نام نُصرت الحق ہے اور فرمایا:

"یہ قیامت ہمارے لیے نصرت الحق ہے۔ ہم صُبح یہی مضمون لکھ رہے تھے اور اس الہام پر پہنچے تھے جو براہین احمدیہ میں درج تھا کہ دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خُدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا۔ ہم یہ الفاظ لکھ ہی رہے تھے اور اس کے پورا ہونے کے ثبوت آگے درج کرنے کو تھے کہ یک دفعہ زلزلہ ہوا۔ یہ ایک زور آور حملہ ہے اور پیشگوئی میں حملوں کا لفظ جمع ہے جو عربی میں تین پر اطلاق پاتا ہے۔ اس واسطے خوف ہے کہ طاعون اور زلزلہ کے سوائے خدا جانے تیسرا حملہ کونسا ہے جو ہماری سچائی کے ثبوت کے واسطے خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمانا ہے اور ابھی خدا جانے کیا ہے باہر سے خبریں آئیں گی تو معلوم ہوگا کہ کس قدر تباہی ہوئی ہے۔ ہم نے کل ہی کہا تھا کہ خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہیبت ناک نشان ہونے والا ہے۔ یہ ایک ہلاکت کا نشان ہے جماعت کے سب لوگوں کو چاہیے کہ اپنی حالتوں کو درست کریں۔ توبہ و استغفار کریں اور تمام شکوک و شبہات کو دُور کر کے اور اپنے دلوں کو پاک و صاف کر کے دُعاؤں میں لگ جائیں اور ایسی دعا کریں کہ گویا مر ہی جائیں تاکہ خدا ان کو اپنے غضب کی ہلاکت کی موت سے بچائے۔ بنی اسرائیل جب گناہ کرتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ اپنے تئیں قتل کرو۔ اب اس اُمّتِ مرحومہ سے وہ حکم تو اُٹھایا گیا ہے مگر یہ اس کی بجائے ہے کہ دعا ایسی کرو کہ گویا اپنے آپ کو قتل ہی کر دو۔

یہ الہامات جو پہلے سے شائع ہو چکے ہیں کہ مکذبوں کو ایک نشان دکھایا جائے گا۔ اور یہ کہ ایک چونکا دینے والی خبر۔ یہ سب اب پُورے ہو گئے ہیں اور دیکھنے والوں کے واسطے کافی سے زیادہ سامان ایمان لانے کے پیدا ہو چکے ہیں[1]۔"

---

[1] البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۶ اپریل ۱۹۰۵ء

۵؍اپریل ۱۹۰۵ء

نصرۃ الحق کے ایام

سید امیر علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر کو مخاطب کرکے نہایت لطف و مہربانی کے ساتھ حضرت نے فرمایا کہ :

"آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی"

اُنھوں نے عرض کیا کہ حضور کے قدموں میں حاضری نصیب ہو تو پھر تکلیف کس بات کی یہاں تو جو ہو سب راحت ہی راحت ہے۔ حضرت نے فرمایا :

ہاں رحمتِ الٰہی کے دن ہیں۔ گو دُوسروں کے واسطے عذاب کے دن ہیں مگر ہمارے واسطے نصرۃ الحق کے ایام ہیں[1]۔

۷؍اپریل ۱۹۰۵ء

قادیان دارالامان

مختلف مقامات سے نہایت سخت تباہی اور سینکڑوں آدمیوں کے دب جانے اور مر جانے اور ہزاروں مکانات کے گر جانے اور زمینوں کے دھنس جانے کا ذکر ہو رہا تھا۔ بالمقابل اس کے قادیان میں جو امن رہا اس کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ اس میں وہ وحی الٰہی بھی پُوری ہوئی جو مدت ہوئی اخباروں میں شائع ہوئی تھی کہ :

امن است در مقام محبت سرائے ما

ان تباہیوں اور شہروں کے دینے سے وُہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی جس کو گیارہ ماہ ہوئے کہ شائع ہوئی تھی اور گورداسپور میں نازل ہوئی تھی کہ :

عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَ مَقَامُهَا

یعنی سرائیں بھی تباہ ہوگئیں اور اصلی مقامات بُود و باش بھی مٹ گئے اور ان کے نشان بھی مٹ گئے۔

---

[1] البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۷؍اپریل ۱۹۰۵ء

باغ کے مکان میں منتقل ہونا

قادیان کے گاؤں سے بعض آدمیوں کے طاعون میں مبتلا ہونے اور بعض کے مرنے کا ذکر ہوا۔ حضرت نے فرمایا :

خُدا جانے ہمارے باہر آجانے میں کیا کیا حکمتیں ہیں اگر قادیان میں سو آدمی روز طاعون سے مرنے لگتا تب بھی ہم نے قادیان سے نہیں نکلنا تھا مگر اس میں خدا کی کوئی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایسی نئی بات پیدا ہوگئی یعنی سخت زلزلہ کے سبب سہ منزلہ مکانات کے گرنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے بموجب پابندئ شریعت اپنے آپ کو خطرناک جگہ سے محفوظ کرنے کے واسطے ہم باہر آگئے اور زلزلہ کی کیفیت ایسی ہے کہ ابتک محسوس ہوتا ہے۔ خدا نے دل میں پختہ طور سے یہی بات ڈال دی کہ اب باہر جانا چاہیے۔ طاعون کے لحاظ سے باہر آنا تو گناہ تھا مگر زلزلہ کے سبب خدا تعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈال دی اور اس سے ہم کو بہت فائدہ اور آرام ہوا۔ کیونکہ باغ میں عمدہ ہوا اور خوشبودار پھولوں کے سبب مضامین کے لکھنے اور فکر اور تدابیر کے واسطے عمدہ موقعہ ملتا ہے اور صحت میں بہت ترقی محسوس ہوتی ہے اور درختوں کی چھاؤں کے نیچے دُعا کے واسطے عمدہ خلوت گاہ مل جاتی ہے جس کے سبب ہم باغ کے مکان میں آگئے۔

نشانات کی کثرت اور وسعت

فرمایا :

اب تو اس قدر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں کہ گویا خدا اپنے آپ کو برہنہ کرکے دکھانا چاہتا ہے۔

فرمایا :

پہلے انبیاء کے معجزات تو خاص زمینوں اور خاص شہروں تک عموماً محدود ہوتے تھے مگر اب تو خدا تعالےٰ ایسے نشان اس سلسلہ کی تائید میں ظاہر کرتا ہے جو دُنیا بھر پر اپنا اثر ڈالتے ہیں[1]۔

---

۸ / اپریل ۱۹۰۵ء

فرمایا : "جب دُنیا تدنظر ہو تو تطہیر مشکل ہے[2]۔"

---

[1] البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ / اپریل ۱۹۰۵ء

[2] البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ / اپریل ۱۹۰۵ء

۹/اپریل ۱۹۰۵ء

سلسلہ کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی چہرہ نمائی

پرچہ اہلحدیث امرتسر کا ذکر ہوا جس نے بہت سے بیجا حملے خدا کے سلسلہ پر کیے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :

کم علم آدمی تو معذور ہوتا ہے معاف بھی کیا جاتا ہے مگر تعجب ہے ان لوگوں پر جو علم رکھتے ہیں اور پھر بھی تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ کسی کو کیا معلوم کہ اندر ہی اندر کیا تیاری ہو رہی ہے اور ابھی زمین پر کیا ہونے والا ہے جب اللہ تعالیٰ ایسی تباہی لاتے گا جس کی خبر وحی الٰہی میں ہے تو پھر توبہ اور رجوع بھی فائدہ نہ دے گا۔ مبارک ہیں وہ جو پہلے ایمان لائے اور پھر وہ جو ان کے بعد آتے۔ ایسا ہی درجہ بدرجہ سب کا حصہ ہے۔ دیکھو کس قدر قیامت کا نمونہ ہے مگر پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے اور ناجائز باتیں کہتے ہیں لیکن ہماری جماعت کو چاہیے کہ ان کی باتوں کے سبب غمگین نہ ہوویں۔ یہ لوگ جیسے اہلحدیث وغیرہ ہیں۔ یہ ہمارے سلسلہ کی رونق ہیں۔ اگر اس قسم کے شور مچانے والے نہ ہوں تو رونق کم ہو جاتی ہے کیونکہ جس نے مان لیا ہے وہ تو اپنے آپ کو فروخت کر چکا ہے۔ اور مثل مُردہ کے ہے۔ وہ کیا بولے گا۔ وہ تو زبان کھول ہی نہیں سکتا۔ اگر سارے ابوبکرؓ ہی بن جاتے تو پھر ایسی بڑی بڑی نصرتوں کی کیا ضرورت پڑتی۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوئی تھیں۔ دیکھو سُنّت اللہ یہی ہے کہ پہلے سخت گرمی پڑے پھر برسات ہو پس تم خوش ہو کہ ایسے آدمی دُنیا میں موجود ہیں جو اس نصرت اور فتح کو جو کروڑوں کوس دُور ہوتی ہے ایک دو کوس کے قریب کھینچ لاتے ہیں۔ اب ان معاملات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ آج کے الہامات پر غور کرو۔ اب بحث مباحثہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہماری طرف سے خدا تعالیٰ آپ جواب دینے لگا ہے تو خلاف ادب ہے کہ ہم دخل دیں اور سبقت کریں۔ جس کام کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ وہ اس کو ناقص نہ چھوڑے گا۔ کیونکہ اب اگر امن ہو جائے اور کوئی نشان نہ دکھایا جائے تو قریب ہے کہ ساری دُنیا دہریہ بن جائے اور کوئی نہ جانے کہ خُدا ہے۔ لیکن خُدا اب اپنا چہرہ دکھائے گا۔

میرے[1] لڑکے محمد منظور کا رویا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ فرمایا :

---

[1] حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے لڑکے (مرتب)۔

مومن کبھی رؤیا دیکھتا ہے اور کبھی اس کی خاطر کسی اور کو دکھاتا ہے۔ ہم نے اس کی تعمیل میں چودہ بکرے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ سب جماعت کو کہدو کہ جس جس کو استطاعت ہے قربانی کردے۔

ایک پُرانا الہام

فرمایا کہ : ہمیں اس وقت اپنا پُرانا الہام یاد آیا ہے کہ :

وَتَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ فَجَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا

جو براہین احمدیہ میں درج ہے اور تجلّی کی اس کے رب نے پہاڑ پر یعنی مشکلات کے پہاڑ پر اور کر دیا اس کو پاش پاش اور گرا موسیٰ بیہوش ہو کر۔ یعنی ایسی تجلّی ہیبت ناک تھی کہ اس کی ہیبت کا اثر موسیٰ پر بھی پڑا۔

زلزلے کے پہلے دھکا کے وقت ہم دُعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے تھے۔ ایک ہیبت ناک صورت پیشِ نظر تھی جس کا ایک قوی اثر دل پر تھا۔ ایسا اثر تھا کہ گویا ایک صعق کی قسم تھی۔

آج کے الہام میں جو آئندہ زلزلہ کا خوف ہے معلوم نہیں کہ کب پورا ہو اور معلوم نہیں کہ زلزلہ سے مراد کس قسم کا عذاب ہے۔ عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّھَا وَمُقَامُھَا والا الہام کیسا پورا ہوا کہ شہر اور چھاؤنیوں کے نشان مٹ گئے۔ نہ خانہ رہا اور نہ صاحبِ خانہ۔

آریوں کے اخبار ڈیلی ٹائمز اور آریہ پتر کا اور اہلحدیث نے جو مخالفانہ ریمارکس کئے ہیں۔ ان کا ذکر آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ :

ان سب کو یہی جواب دے دو کہ ہم آسمانی فیصلہ کے منتظر ہیں۔ تمہارا جواب دینا پسند نہیں کرتے۔ تمہارا جو جی چاہے کہتے جاؤ۔

انبیاء کی تربیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے

فرمایا :

تربیت انبیاء کی اسی طرح آہستہ آہستہ ہوتی چلی آئی ہے ابتدا میں جب مخالف دُکھ دیتے ہیں تو صبر کا حکم ہوتا ہے اور نبی صبر کرتا ہے یہانتک کہ دُکھ حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ اب میں خود تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ اب یقیناً جانو کہ وقت بہت قریب ہے اس وقت ہمیں وہ وحی الٰہی یاد آتی ہے

جو عرصہ ہوا کہ ہم پر نازل ہوئی تھی کہ :

قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ۔ وَلَا نُبْقِيْ لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا

ان مخالفوں کی مخالف باتوں کا کوئی نشان اور ذکر باقی نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس جماعت کو اپنی قدرتوں پر ایمان دلائے۔ یہی دلیل میں نشانات ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو حفاظت میں رکھے۔[1]

۱۰ر اپریل ۱۹۰۵ء

ایک عارفانہ دُعا بکثرت زلازل اور تباہیوں کا ذکر تھا۔ فرمایا :

ہم تو یہ دُعا کرتے ہیں کہ خُدا جماعت کو محفوظ رکھے اور دُنیا پر یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) برحق رسول تھے اور خُدا کی ہستی پر لوگوں کو ایمان پیدا ہو جائے۔ خواہ کیسے ہی زلزلے پڑیں۔ پر خُدا کا چہرہ لوگوں کو ایک دفعہ نظر آجائے اور اس ہستی پر ایمان قائم ہو جائے۔

جماعت کا مستقبل آج رات کے الہام اِنَّ فِرْعَوْنَ ..... الخ کا ذکر تھا۔ فرمایا :

فرعون اور اس کے ساتھی تو یہ یقین کرتے تھے کہ بنی اسرائیل ایک تباہ ہو جانے والی قوم ہے اور اس کو ہم جلد فنا کر دیں گے۔ پر خُدا نے فرمایا کہ وہ ایسا خیال کرنے میں خطا کار تھے۔ ایسے ہی اس جماعت کے متعلق مخالفین و معاندین کہتے ہیں کہ یہ جماعت تباہ ہو جائے گی، مگر خدا تعالیٰ کا منشا کچھ اَور ہے۔

فحاشی عذاب کا موجب ہے کانگڑہ کے متعلق بہت تباہی کا ذکر تھا۔ مولوی نور الدین صاحب نے عرض کی کہ اس جگہ فحش بہت تھا۔ فرمایا :

اسی واسطے وہاں عذاب بھی بہت ہوا[2]

---

[1] البدر سلسلہ جدید جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۳ر اپریل ۱۹۰۵ء

[2] البدر " " " " " " " " "

۱۱ر اپریل ۱۹۰۵ء

کانگڑہ کی تباہی

وحی الٰہی عَفَتِ الدِّیَارُ کا ذکر تھا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ اَلدِّیَارُ سے مُراد کانگڑہ دیلی ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ شرک کا بڑا مکان ان دنوں میں وہی ہے۔ دو بڑی دیویوں کے مندر اس جگہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو کو تباہ کیا اور بڑے پُرانے شرک کو دنیا سے مٹا دیا۔ حضرت نے فرمایا :

لوگ کہا کرتے تھے کہ خُدا نے کس طرح پہاڑ کو بنی اسرائیل کے اوپر کر دیا تھا یہ قصّہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اب کانگڑہ ۔ دھرمسالہ مقامات کے لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہوگا کہ رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ (البقرۃ : ۶۴) کس طرح سے ہو سکتا ہے۔ ذرا سے زلزلے میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا پہاڑ اوپر آگرا۔ پھر خُدا چاہے اس کو نیچے ہٹا دے یا اُوپر گرا دے۔ یہ نیچریت زمانہ کے جہلاء کا جواب ہے جو خُدا نے زلزلہ کے ذریعہ سے دیا ہے امید ہے کہ اس قدر نظارے دیکھ کر بعض خوش قسمت لوگ سمجھ جائیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

زلزلہ کا نشان

ایک اخبار والے کا ذکر آیا کہ وُہ لکھتا ہے زلزلے تو آیا ہی کرتے ہیں۔ اس میں مرزا صاحب کا کیا نشان ہوا۔ فرمایا :

یہ لوگ نابینا ہیں۔ نشان تو اس بات میں ہے کہ عین موقعہ پر ایک شخص نے قبل از وقت پیشگوئی کی اور دکھایا کہ یہی وقت ہے۔ خیر سب اندھے نہیں ہیں۔ سمجھنے والے سمجھ لیں گے کہ یہ کس قسم کا نشان ہے۔ ہزاروں برسوں کے جو معبد اور بُت چلے آتے تھے وہ اب سرنگوں ہو گئے ہیں۔ یہ نشان نہیں تو اور کیا ہے ؟

فرمایا :

اِن بُتوں کا ٹوٹنا خدا تعالیٰ کی اس توحید کے قائم ہونے کے واسطے جس کے لیے ہم رات دن دُعائیں کرتے ہیں۔ ایک تفاؤل ہے۔

فرمایا :

اس الہام سے بھی جو ہم کو ہوا تھا کہ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بت ٹوٹنے

والے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں بھی یہ آیت بتوں کے ٹوٹنے اور اسلام کے غلبہ کے واسطے آئی ہے۔

فرمایا :

براہین احمدیہ بڑی کام آئی۔ وہ سب پہلوؤں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ کوئی نیا الزام اور نئی ایسائیں جس کا جواب پہلے سے اس کے اندر نہ دیا گیا ہو۔

بیماری کا ذکر تھا فرمایا :

میں تو سب کے لیے دعا کرتا ہوں۔ آگے اپنے اپنے اعمال ہیں۔

بدر[1] جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۰ راپریل ۱۹۰۵ء

---

۱۴ راپریل ۱۹۰۵ء

نواب محمد علی خان صاحب کا خط آیا جس میں انہوں نے الحاح کے ساتھ لکھا ہوا تھا کہ میں اب لاہور میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ مجھے باغ کے کسی گوشہ میں جگہ دیدیں۔ عاجز راقم کو حکم دیا کہ ان کو تحریر کر دو کہ آجائیں اور باغ کے کسی حصہ میں جہاں چاہیں جگہ کریں۔

اس زمانہ کے بنی اسرائیل دھرمسالہ سے خبر آئی کہ اس جگہ اپنی جماعت کے جتنے آدمی تھے سب بچ گئے۔ فرمایا :

کَفَفْتُ عَنْ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ والی وحی ان کے معاملہ میں تو پوری ہو گئی۔ خدا نے اس غریب جماعت کا نام اس وقت بنی اسرائیل رکھا ہے[2]۔

---

[1] اس نمبر سے اخبار کا نام "البدر" کی جگہ "بدر" رکھا گیا۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ راپریل ۱۹۰۵ء

۱۵/اپریل ۱۹۰۵ء

آفات کی خبر

فرمایا :

لوگ کچھ ہی کریں اور کچھ ہی لکھیں مگر جیسی آفت کی خبر خدا نے اب دی ہے۔ یہ جب ظاہر ہوگی تو بہرحال اُن کو ماننا ہی پڑے گا۔ کسی جگہ سے دس ہزار کے مرنے کی اور کسی جگہ سے تین ہزار کے مرنے کی خبر آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحی نے پہلے سے ہی خبر دی تھی کہ یہ سب کچھ تیرے لیے ہے لَکَ نُرِیَ اٰیَاتِہٖ: اور ایسا ہی براہین احمدیہ میں درج ہیں۔ قُوَّۃُ الرَّحْمٰنِ لِعَبْدِ اللّٰہِ الصَّمَدِ۔ اس جگہ ہمارا نام عبداللہ اس لحاظ سے رکھا گیا ہے کہ ہم مخالفوں کی دُکھ دہی اور مصائب سے بہت ستائے گئے ہیں۔

کسی نے خبر سُنائی کہ بھاگسُو میں کئی سو مر گئے اور جو باقی ہیں وہ بھوک سے مر رہے ہیں اور سجان پور میں بڑی تباہی آئی لیکن احمدی جماعت کا آدمی وزیرالدین ہیڈ ماسٹر بچ گیا۔ فالحمدللہ۔ فرمایا :

یہ نشان تو صرف ایک بیج بویا گیا ہے اور تخم ریزی ہے اور دُوسرا نشان اس سے بڑھ کر ہوگا۔ کفار میں بھی سعید فطرت ہوتے ہیں۔ آخر ہنود بھی اس طرف توجہ کریں گے۔[1]

۱۶/اپریل ۱۹۰۵ء

امام الصلوٰۃ کے لیے ہدایت

کسی شخص نے ذکر کیا کہ فلاں دوست نماز پڑھانے کے وقت بہت لمبی سُورتیں پڑھتے ہیں۔ فرمایا :

امام کو چاہیے کہ نماز میں ضعفاء کی رعایت رکھے

ایک انگریزی اخبار کا مضمون حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ محققین حیران ہیں کہ ان پہاڑوں سے یہ امید نہ تھی۔ فرمایا :

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰/اپریل ۱۹۰۵ء

عقلمندوں کو کس طرح خدا حیران کرتا ہے۔ ان ملکوں میں آتش فشانی کی کبھی امید نہ تھی بلکہ یہ پہاڑ امن کا سلسلہ سمجھا جاتا تھا۔[1]

---

۱۷ اپریل ۱۹۰۵ء

اس زمانہ کے مسلمانوں سے خطاب فرمایا :

براہین احمدیہ میں ایک الہام یہ بھی درج ہے :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا

اس میں اس زمانہ کے لوگوں کو کہا گیا ہے کہ تم اصحاب کہف کے قصہ پر کیا تعجب کرتے ہو وہ تو تین سو سال تک سوتے رہے تھے اور تم کو سوتے ہوئے تیرہ سو سال گذر گئے ہیں۔ اور اب بھی تم جاگنا نہیں چاہتے۔ اسی طرح غفلت میں سوتے ہوئے ہو اور کوئی جگانا چاہتا ہے تو اس کو بُرا کہتے ہو۔

دُعا کا اثر مولوی عبدالکریم صاحب کی علالتِ طبع کا ذکر تھا۔ فرمایا :

مَیں بہت دُعا کرتا ہُوں۔ دُعا ایسی شئے ہے کہ جن امراض کو اطباء اور ڈاکٹر لاعلاج کہہ دیتے ہیں۔ ان کا علاج بھی دُعا کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔

پیشگوئیوں کا صحیح مفسّر فرمایا :

پیشگوئیوں کا صحیح مفسّر خود زمانہ ہے۔ دیکھو اس زمانہ میں یاجُوج ماجُوج، دجّال، نزولِ مسیح وغیرہ کے متعلق تمام پیشگوئیاں صاف سمجھ میں آگئی ہیں۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء

فرمایا :

رات کو ہم نے دیکھا کہ سخت زلزلہ آیا ہے۔ وہ زمانہ اصل میں قریب ہے۔ اچانک آئے گا۔ معلوم نہیں کہ کس وقت آجائے۔

خوابوں کے معاملات

ایک شخص کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے خواب میں مرزا صاحب کو اچھی صورت میں نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ :

"انسان کو اپنے اندرونی حالات کے نقشے دکھائے جاتے ہیں۔ اپنے ہی عجب درمیان میں آجاتے ہیں۔"

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ذکر کیا کہ ہمارے اُستاد صاحب نے ایک شہر میں ایک دفعہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو ایک بدصورت عورت کی شکل میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس شہر کے لوگوں نے میری ایسی بے عزتی کی ہے۔[1]

۱۹ر اپریل ۱۹۰۵ء

آتھم اور لیکھرام

فرمایا :

آتھم نے نرم دلی اختیار کی اس کے معاملہ میں تاخیر کی گئی لیکھرام نے شوخی دکھائی اس کے معاملہ میں تقدیم کی گئی یعنی مدت پیشگوئی ہنوز گذرنے نہ پائی تھی کہ وہ ہلاک ہوگیا۔[2]

قبل نمازِ ظہر عاجز[3] راقم سے دریافت کیا کہ آیا شیخ یعقوب علی صاحب اشتہار الندا ء کے انطباع کے انتظام کے واسطے لاہور چلے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ صبح چلے گئے ہیں۔ فرمایا :

"ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ بھی جائیں اور پروف کو بغور پڑھ کر درست کر دیں۔"

چنانچہ حسب الحکم یہ عاجز شام کو لاہور چلا گیا اور چار روز کے بعد واپس دارالامان حاضر ہوا۔[4]

---

[1] و [2] بدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ر اپریل ۱۹۰۵ء

[3] یعنی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ ۔ (مرتب)

[4] بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ر اپریل ۱۹۰۵ء

۲۴/اپریل ۱۹۰۵ء

وساوس کا علاج ایک شخص نے عرض کی کہ میرا دل آجکل ایسا ہو رہا ہے کہ نماز میں لذت اور رقت پیدا نہیں ہوتی اور نہایت سخت تکلیف میں رہتا ہوں. خواہ مخواہ شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں اگرچہ ان کو بہت رد کرتا ہوں تاہم وساوس پیچھا نہیں چھوڑتے. فرمایا:

یہ بھی خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ انسان ایسے وساوس کا مغلوب نہیں ہوتا. یہ بھی ثواب کی حالت ہے. نفس کی تین حالتیں ہیں. ایک تو نفسِ امارہ ہے. نفس امارہ والے کو تو خبر ہی نہیں کہ بدی کیا شئے ہے. دوسرا نفسِ لوّامہ ہے جو بدی کرتا ہے پر بدی پر ہمیشہ گھبراتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور توبہ کرتا رہتا ہے. ایسا شخص نفس کا غلام نہیں ہے اور اس حالت میں ہونا ایک حد تک ضروری بھی ہے. اس سے دل بد داشتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بڑے بڑے ثواب ہیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ خود بخود نور اور سکینت نازل کرتا ہے. خدا کی رحمت کا وقت آتا ہے اور ایک ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور وہ بات ہوا ہو جاتی ہے. انسان کو چاہیے کہ تھک نہ جاوے. سجدہ میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ بہت پڑھا کرو. لیکن یاد رکھو کہ جلد بازی خوفناک ہے. اسلام میں انسان کو بہادر بننا چاہیے. برسوں کی محنت و مشقت کے بعد آخر شیطان کے حملے کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ بھاگ جاتا ہے[1]۔

۲۵/اپریل ۱۹۰۵ء

آئندہ آنیوالی آفات اس الہام کا تذکرہ تھا کہ بھونچال آیا اور شدید آیا۔ فرمایا کہ:

بار بار زلزلہ کے متعلق جو الہامات ہوتے ہیں اور خوابیں آتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کچھ ایسی تیاری ہو رہی ہے کہ یہ امر جلد ہونے والا ہے. بہت سی باتیں ہوتی ہیں کہ انسان ان کو دُور سمجھتا ہے مگر خدا کے علم میں وہ بہت قریب ہوتی ہے. یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا (المعارج ۷، ۸) تم اسے دُور

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷/اپریل ۱۹۰۵ء

دیکھتے ہو اور ہم قریب دیکھتے ہیں۔

بَغْتَةً آنیوالے عذاب

مرزا فخر اللہ خاں صاحب ای۔ اے۔ سی گورداسپور کے ایک رشتہ دار کا ایک خط بنام سید امیر علی شاہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر تھا وہ پڑھا گیا۔ اس میں نہایت دردناک الفاظ میں زلزلہ سے گھر کے آدمیوں کی تباہی کا تذکرہ تھا اور لکھا تھا کہ میرے بیس رشتہ دار ایک دم میں فوت ہو گئے ہیں۔ جن میں عزیز بھائی اور پیاری بیوی بھی شامل تھی۔ حضرت نے فرمایا:

ابھی آگے آنیوالا اس سے بھی سخت نظر آتا ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ابھی تک ہنسی ٹھٹھے سے باز نہیں آتے۔ خدا کا دن اچانک آنے والا ہے۔

مولوی نُورالدین صاحب نے عرض کی کہ انجیل میں لکھا ہے کہ وہ چور کی طرح آئے گا۔

فرمایا کہ:

ٹھیک ہے مگر چور کا لفظ کچھ زیب نہیں دیتا۔ قرآن شریف میں بہت مناسب لفظ ہے کہ بَغْتَةً یعنی اچانک آئے گا پہلے کچھ خبر نہ ہوتی۔

فرمایا:

شاید اس میں کچھ دیر ہو جائے تاکہ لوگ پوری طرح شوخیاں کر لیں اور اپنے واسطے عذاب کے سامان اچھی طرح جمع کر لیں پھر اچانک یہ آفت اُن پر پڑے گی[1]

---

۲۸ / اپریل ۱۹۰۵ء (بعد نماز جُمعہ)

باہمی ہمدردی اور اُخوت کی تلقین

ایلحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل تقریر باہم ہمدردی اور حقوقِ اخوت پر فرمائی:

میں صرف اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری اس جماعت کو ایک قسم کا دھوکا لگا ہوا ہے۔ شاید

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ / اپریل ۱۹۰۵ء

اچھی طرح میری باتوں پر غور نہیں کی اور وہ غلطی اور دھوکا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہماری جماعت میں سے طاعون سے فوت ہو جاوے تو اس قدر بے رحمی اور سرد مہری سے پیش آتے ہیں کہ جنازہ اُٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ درحقیقت جیسا کہ قاضی امیر حسین صاحب نے لکھا ہے یہ مصیبت تو ماتم سے بھی بڑھ کر ہے۔ یاد رکھو۔ تم میں اس وقت دو اخوتیں جمع ہو چکی ہیں۔ ایک تو اسلامی اخوت ہے اور دُوسری اس سلسلہ کی اخوت ہے۔ پھر ان دو اخوتوں کے ہوتے ہوئے گریز اور سرد مہری ہو تو یہ سخت قابلِ اعتراض امر ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسے مسافر اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ جو خارج از مذہب سمجھتے ہیں اور کافر کہتے ہیں اُن میں بھی اس قسم کی سرد مہری نہ ہوتی۔ لیکن یہ سرد مہری کیوں ہوتی ہے؟ دو باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ افراط اور تفریط کا۔ اگر افراط اور تفریط کو چھوڑ کر اعتدال سے کام لیا جاوے تو ایسی شکایت پیدا نہ ہو۔ جبکہ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (العصر: ۴) اور تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد: ۱۸) کا حکم ہے تو پھر ایسے مُردوں سے گریز کیوں کیا جاوے؟ اگر کسی کے مکان کو آگ لگ جاوے اور وہ پکار فریاد کرے تو جیسے یہ گناہ ہے کہ محض اس خیال سے کہ مَیں نہ جل جاؤں اس مکان کو اور اس میں رہنے والوں کو جلنے دے اور جا کر آگ بجھانے میں مدد نہ دے ویسے ہی یہ بھی معصیت ہے کہ ایسی بے احتیاطی سے اس میں کُود پڑے کہ خود جل جاوے۔ ایسے موقعہ پر احتیاط مناسب کے ساتھ ضروری ہے کہ آگ بجھانے میں اس کی مدد کرے۔

پس اس طریق پر یہاں بھی سلوک ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا رحم کی تعلیم دی ہے۔ یہی اخوتِ اسلامی کا منشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ تمام مسلمان مومن آپس میں بھائی ہیں۔ ایسی صورت میں کہ تم میں اسلامی اخوت قائم ہو اور پھر اس سلسلہ میں ہونے کی وجہ سے دُوسری اخوت بھی ساتھ ہو۔ یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو اور قضاء و قدر سے اُسے ماتم پیش آجاوے تو دوسرا تجہیز و تکفین میں بھی اس کا شریک نہ ہو۔ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جنگ میں شہید ہوتے یا مجروح ہو جاتے تو مَیں یقین نہیں رکھتا کہ صحابہؓ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہوں یا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہو جاتے کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلے جاویں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ ایسی وارداتوں کے وقت ہمدردی بھی ہو سکتی ہے اور احتیاط مناسب بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ اوّل تو کتاب اللہ سے یہ مسئلہ ملتا ہی نہیں کہ کوئی مرض لازمی طور پر دُوسرے کو لگ بھی جاتی ہے۔ ہاں جس قدر تجارب سے معلوم ہوتا ہے اُس کے لیے بھی نصِ قرآنی سے احتیاط مناسب کا پتہ لگتا ہے۔ جہاں ایسا مرکز وبا کا ہو کہ وہ شدت سے پھیلی ہوئی ہو۔ وہاں احتیاط کرے۔ لیکن اس کے بھی یہ معنے نہیں کہ ہمدردی ہی چھوڑ دے۔ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ انسان ایک میت سے اس قدر بُعد اختیار

کسے کہ بہتک کی ذلت ہو اور پھر اس کے ساتھ ساری جماعت کی ذلت ہو۔ آئندہ خوب یاد رکھو کہ ہرگز اس بات کو نہیں کرنا چاہیے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے تمہیں بھائی بنا دیا ہے تو پھر نفسانیت اور بُعد کیوں ہے؟ اگر وہ بھی مرے گا تو اس کی بھی کوئی خبر نہ لے گا اور اس طرح پر اخوت کے حقوق تلف ہو جائیں گے۔

خدا تعالیٰ نے دو ہی قسم کے حقوق رکھے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ جو شخص حقوق العباد کی پروا نہیں کرتا وہ آخر حقوق اللہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ حقوق العباد کا لحاظ رکھنا یہ بھی تو امرِ الٰہی ہے جو حقوق اللہ کے پیچھے ہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر توکل بھی کوئی چیز ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تم نری پرہیزوں سے بچ سکتے ہو جبتک خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو اور انسان اپنے آپ کو کارآمد انسان نہ بنا لے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ خواہ وہ ہزار بھاگتا پھرے۔ کیا وہ لوگ جو طاعون میں مبتلا ہوتے ہیں وہ پرہیز نہیں کرتے؟ میں نے سُنا ہے کہ لاہور میں نواب صاحب کے قریب ہی ایک انگریز رہتا تھا وہ مبتلا ہو گیا۔ حالانکہ یہ لوگ تو بڑے پرہیز کرنے والے ہوتے ہیں۔ نرا پرہیز کچھ چیز نہیں جبتک خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو۔ پس آئندہ کے لیے یاد رکھو کہ حقوقِ اخوت کو ہرگز نہ چھوڑو اور نہ حقوق اللہ بھی نہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ طاعون کا سلسلہ جو مرکز پنجاب ہو گیا ہے کب تک جاری رہے لیکن مجھے یہی بتایا گیا ہے

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد: ۱۲) اللہ تعالیٰ کسی حالت میں قوم میں تبدیلی نہ کرے گا جبتک لوگ دلوں کی تبدیلی نہ کریں گے۔ ان باتوں کو سُنکر یُوں تو ہر شخص جواب دینے کو تیار ہو جاتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ استغفار بھی کرتے ہیں۔ پھر کیوں مصائب اور ابتلا آ جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی باتوں کو جو سمجھے وہی سعید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا کچھ اور ہوتا ہے سمجھا کچھ اور جاتا ہے اور پھر اپنی عقل اور عمل کے پیمانہ سے اسے ناپا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ ہر چیز جب اپنے مقررہ وزن سے کم استعمال کی جاوے تو وہ فائدہ نہیں ہوتا جو اس میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً ایک دوائی جو تولہ کھانی چاہیئے اگر تولہ کی بجائے ایک بُوند استعمال کی جاوے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا اور اگر روٹی کی بجائے کوئی ایک دانہ کھالے تو کیا وہ سیری کا باعث ہو سکے گا؟ اور پانی کے پیالے کی بجائے ایک قطرہ سیراب کر سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی حال اعمال کا ہے۔ جب تک وہ اپنے پیمانہ پر نہ ہوں وہ اوپر نہیں جاتے ہیں۔ یہ سنت اللہ ہے جس کو ہم بدل نہیں سکتے۔ پس یہ بالکل خطا ہے کہ اسی ایک امر کو پلے باندھ لو کہ طاعون والے سے پرہیز کریں تو طاعون نہ ہوگا۔ پرہیز کرو جہاں تک مناسب ہے لیکن اس پرہیز سے باہمی اخوت اور ہمدردی نہ اُٹھ جاوے اور اُس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرو۔ یاد رکھو کہ مُردہ کی تجہیز و تکفین میں مدد

دینا اور اپنے بھائی کی ہمدردی کرنا صدقات خیرات کی طرح ہی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی خیرات ہے اور یہ حق حق العباد کا ہے جو فرض ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ نے صوم و صلوٰۃ اپنے لیے فرض کیا ہے اسی طرح اس کو بھی فرض ٹھہرایا ہے کہ حقوق العباد کی حفاظت ہو۔ پس ہمارا کبھی یہ مطلب نہیں ہے کہ احتیاط کرتے کرتے اخوت ہی کو چھوڑ دیا جاوے ایک شخص مسلمان ہوا اور پھر سلسلہ میں داخل ہوا اور اس کو یوں چھوڑ دیا جاوے جیسا کتے کو۔ یہ بڑی غلطی ہے جس زندگی میں اخوت اور ہمدردی ہی نہ ہو وہ کیا زندگی ہے۔

پس ایسے موقعہ پر یاد رکھو کہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہو جاوے تو ہمدردی کے حقوق فوت نہ ہونے پاویں۔ ہاں مناسب احتیاط بھی کرو۔ مثلاً ایک شخص طاعون زدہ کا لباس پہن لے یا اس کا پس خوردہ کھالے تو اندیشہ ہے کہ وہ مبتلا ہو جاوے۔ لیکن ہمدردی یہ نہیں بتاتی کہ تم ایسا کرو۔ احتیاط کی رعایت رکھ کر اس کی خبر گیری کرو اور پھر جو زیادہ وہم رکھتا ہو وہ غسل کر کے صاف کپڑے بدل لے۔ جو شخص ہمدردی کو چھوڑتا ہے وہ دین کو چھوڑتا ہے۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ الآیۃ (المائدہ : ۳۳) یعنی جو شخص کسی نفس کو بلا وجہ قتل کر دیتا ہے وہ گویا ساری دُنیا کو قتل کرتا ہے۔ ایسا ہی میں کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے اپنے بھائی کے ساتھ ہمدردی نہیں کی تو اس نے ساری دُنیا کے ساتھ ہمدردی نہیں کی۔ زندگی سے اس قدر پیار نہ کرو کہ ایمان ہی جاتا رہے۔ حقوقِ اخوت کو کبھی نہ چھوڑو۔ وہ لوگ بھی تو گذرے ہیں جو دین کے لیے شہید ہوئے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات پر راضی ہے کہ وہ بیمار ہو اور کوئی اُسے پانی تک نہ دینے جاوے۔ خوفناک وہ بات ہوتی ہے جو تجربہ سے صحیح ثابت ہو۔ بعض مُلّاں ایسے ہیں جنھوں نے صدہا طاعون سے مرے ہوئے مُردوں کو غسل دیا ہے اور انہیں کچھ نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا ہے کہ یہ غلط ہے کہ ایک کی بیماری دُوسرے کو لگ جاتی ہے۔ وبائی ایام میں اتنا لحاظ کرے کہ ابتدائی حالت ہو تو وہاں سے نکل جاوے لیکن زور شور ہو تو مت بھاگے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا کہ تم ابوابِ متفرقہ سے داخل ہونا اس لحاظ سے کہ مبادا کوئی جاسوس سمجھ کر پکڑ نہ لے احتیاط تو ہوئی لیکن قضاء و قدر کے معاملہ کو کوئی روک نہ سکا۔ وہ ابوابِ متفرقہ سے داخل ہوتے لیکن پکڑے گئے۔ پس یاد رکھو کہ سارے فضل ایمان کے ساتھ ہیں۔ ایمان کو مضبوط کرو۔ قطعِ حقوق معصیت ہے اور انسان کی زندگی ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ ایسا پرہیز اور بُعد جو ظاہر ہوا ہے وہ عقل اور انصاف کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔ ایسے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ جو تجربہ میں مضر ثابت ہوتے ہیں۔

یہ جماعت جس کو خدا تعالیٰ نمونہ بنانا چاہتا ہے اگر اس کا بھی یہی حال ہوا کہ ان میں اخوت اور ہمدردی نہ ہو تو بڑی خرابی ہوگی۔ میں دُوسرا پہلو نہ بیان کرتا لیکن مجھے چونکہ سب سے ہمدردی ہے اس لیے اسے بھی میں نے

بیان کرنا ضروری سمجھا یعنی جس کے ساتھ واقعہ ہو جاوے اس کے ساتھ بھی اور جو بچے ہوتے ہیں اُن کے ساتھ بھی۔
افسوس ہے میں خود نہیں آسکا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر کے بعد مجھے چکر آتا ہے۔ اور مجھے خبر تک نہیں ہوئی جبتک انہوں نے نہیں لکھا بہرحال باہم ہمدردی ہو اور میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت سے اس طاعون کو اُٹھا لے۔ آمین ؛

گیارہ ماہ پہلے زلزلہ کی خبر

ذکر آیا کہ ایک اخبار میں لکھا ہے کہ جوتشی نے پیشگوئی کی ہے کہ اب زلزلہ کا کوئی خوف نہیں۔ فرمایا ؛
یہ اور بھی خوشی کی بات ہے خدا نہیں چاہتا کہ اپنے غیب کی خبر میں دُنیا داروں کو بھی شامل کرے۔ اب صاف ہو جائے گا کہ جوتشی سچے ہیں یا خدا کا کلام صحیح ہے۔ اگر یہ جوتشی اور علم طبقات الارض کے ماہر انگریز ایسے ہی دانا ہیں کہ وہ زلزلوں کی خبروں سے پہلے ہی واقف ہو جاتے ہیں تو یقیناً انہوں نے گورنمنٹ انگریزی سے بڑی عداوت کی جو اس کے متعلق پہلے سے اطلاع دے کر ہزاروں جانوں کو اور کروڑوں روپے کے مال کو تلف ہونے سے بچا لیا۔ کیونکہ انہوں نے چھ ماہ پہلے خبر و اطلاع نہ دی کہ ایسی مصیبت آنیوالی ہے۔ ہم نے تو گیارہ ماہ پہلے خبر دے دی تھی کہ ایسی آفت آنیوالی ہے جس سے مکانات گر جائیں گے اور بیٹھ جائیں گے اور وہ ایک زلزلہ کا دھکا ہو گا۔ اس میں لفظ بھی ایک تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا دھکا ہی بہت تیز ہونے والا تھا چنانچہ سب مکانات ایک دفعہ ہی گر گئے یہانتک کہ جو برانڈوں میں تھے وہ دوڑ کر باہر نہیں آسکے اور جو لیٹے ہوئے تھے وہ بیٹھ نہیں سکے اور جو بیٹھے ہوئے تھے اُن کو کھڑا ہونے کا وقت نہیں ملا۔

۲۹ / اپریل ۱۹۰۵ء

ایک رؤیا

گذشتہ رات کو ۲ بجنے میں سات منٹ باقی تھے جبکہ ہم نے یہ رؤیا دیکھا کہ زمین ہلتی ہے۔ پہلے ہم

لہ الحکم جلد ۹ نمبر ۱۵ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ / اپریل ۱۹۰۵ء و البدر جلد ۱ نمبر ۵ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۴ / مئی ۱۹۰۵ء

سے یہ ملفوظات بھی ۲۸ / اپریل ۱۹۰۵ء کے ہیں جو غالباً اسی دن کسی دوسرے وقت بیان ہوئے۔ (مُرتب)

سے البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ / اپریل ۱۹۰۵ء

نے خیال کیا کہ شاید ویسے ہی کچھ حرکت ہوئی ہے، مگر پھر زور سے ایک دھکا لگا تب یقین ہوا کہ زلزلہ ہے۔ اور میں گھر کے آدمیوں کو جگاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اُٹھو زلزلہ آیا۔ مبارک کو بھی اُٹھا لو۔ اور یہ بھی رؤیا میں کہتا ہوں کہ جو تشی کس قدر جھوٹے ہیں۔ پنڈت نے تو اخبار میں چھپوایا تھا کہ اب زلزلہ نہیں آتے گا۔ اس کے بعد بیداری ہوئی۔

آج رات کی رؤیا کا ذکر تھا کہ سخت زلزلہ آیا اور گھر کے آدمیوں کو جگاتے ہیں۔ فرمایا کہ:

آسمان پر ضرور کچھ تیاری معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ظاہر پر یہ بات محمول ہو اور ممکن ہے کہ اس سے مراد اور کوئی سخت آفت ہو۔ بعض دفعہ ویسے بھی زمینوں میں خسف ہو جاتا ہے۔ فرمایا:

اس میں مبارک کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہ امر ہمارے واسطے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ گو دوسروں کے واسطے اس میں مصائب اور شدائد ہوں۔ میں نے مناسب سمجھا ہے کہ اس واسطے ایک اور اشتہار لکھا جاوے۔ بار بار کے سمجھانے سے ممکن ہے کہ کوئی آدمی سمجھ جاوے۔

ذکر آیا کہ لدھیانہ میں ایک فحش گو نے پھر گالیاں دینے پر کمر باندھی ہے۔ فرمایا کہ:

اب ایسے لوگوں سے اعراض ہی اچھا ہے۔ ہم کیا جواب دے سکتے ہیں۔ خدا خود ہی اب تو جواب دینے لگ پڑا ہے۔

نزولِ آفات کا سبب

ذکر ہوا کہ ایک شہر میں ایسا بگولہ آیا ہے کہ شہر کے ایک حصّہ کو بالکل تباہ کر گیا ہے۔ اور دریائے بیاس کا پانی پہاڑ کے گرنے سے رُک گیا ہے اور خوف ہے کہ جب وہ یک دفعہ پھٹے گا تو بڑا سخت طوفان نازل ہوگا۔

فرمایا:

ہر طرف سے آفات کا سامنا ہے۔ چاروں عناصر انسان کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ کیونکہ اس نے خدا کی نافرمانی کی۔

فرمایا:

صرف باتوں سے کام پورا نہیں ہوتا۔ سنت اللہ ہمیشہ یہی ہے کہ نشانات دکھائے جاتے ہیں۔ الہامات کے الفاظ میں بھی استعارات ہوتے ہیں۔ زلزلہ سے مراد کبھی زلزلہ ہوتا ہے۔ کبھی آفتِ شدید۔

آج رات میں اس خیال میں سویا تھا کہ زلزلہ کا خواب اور الہامات ہوئے۔

فرمایا :

ایمان والے مانتے ہیں پر دوسرے لوگ ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ یہ اخبار بہت ہی شوخی کرتا ہے اور لوگوں کو خدا کے نشانوں سے غافل کرنا چاہتا ہے اور ان کو تھپک تھپک کر سلاتا ہے[1]۔

صدقہ و خیرات اور توبہ سے بلائیں دُور ہو جاتی ہیں

۳۰ / اپریل ۱۹۰۵ء آتھم کے متعلق کسی نے سوال کیا۔ فرمایا :

صدقہ و خیرات سے بلا دُور ہو جاتی ہے۔ اگر صدقہ سے عذاب میں تاخیر نہیں ہو جاتی تو پھر سارے پیغمبر نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ یونسؑ اور اس کی قوم کا قصہ پڑھو۔ آتھم تو آخر مر ہی گیا تھا مگر یونس کی قوم تو توبہ کرنے سے بالکل بچ گئی۔ اگر وُہ باوجود اس قدر گریہ وزاری اور خاموشی کے مرجاتا تو پھر اس میں اور کیکھرام میں کیا فرق ہوتا؟ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ شوخ میں اور غیر شوخ میں فرق کر کے دکھا دے[2]۔

یکم مئی ۱۹۰۵ء

سچا مُسلمان

ضلع مظفر گڈھ کا ایک عیسائی آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے مسلمان ہوا۔ اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

گذشتہ زندگی اور مذہب اور قوم کے طرز و طریق کے مطابق انسان میں بعض خصلتیں اور خواہشیں راسخ ہو جاتی ہیں اور بہت سے نفسانی فریب اندر ہی اندر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ سچا مُسلمان وہ ہے کہ سب گندوں کی گٹھڑیاں اپنے سر سے پھینک کر اور اپنے آپ کو پاک صاف کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ کوئی غرض نفسانی درمیان نہ رکھے۔ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض ہندو مسلمان ہوتے ہی کسی مُلّا سے ایک کاغذ لکھوا لیتے ہیں اور ان کی ساری عمر بھیک مانگنے میں گذر جاتی ہے۔ ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اسلام کیا شئے ہے۔ مُسلمان اس کو کہتے ہیں جو دنیا کے لوگوں سے مُنہ پھیر کر خدا کی طرف آ جاتے۔ مسلمان کو چاہیے کہ ایسا طریق اختیار کرے جس سے نفس کی ذلّت نہ ہو۔ تھوڑے پر قناعت کرلے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھے۔ راستی اور

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۸ مورخہ ۲۷ / اپریل ۱۹۰۵ء۔

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۶ مورخہ ۱۱ / مئی ۱۹۰۵ء

صراطِ مستقیم پر پکا قدم رکھے؛ ورنہ اسلام میں آنا اس کے لیے مفید نہیں[1]۔

۲؍مئی ۱۹۰۵ء

قبل نمازِ ظہر

ایک نئی روشنی کے نوجوان جو بمبئی سے کسی تقریب پر لاہور آئے تھے اور وہاں سے حضرت اقدس کے شوقِ ملاقات میں قادیان تشریف لائے تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ان کا حال دریافت کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

دین کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت

زمانہ میں بہت انقلاب ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر آج کل لوگوں کا یہ حال ہے کہ ایک طرف ایسے جھکے ہوئے ہیں کہ دوسری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے دنیوی کاموں میں یا رسمی معاملات میں ایسے منہمک ہیں کہ دوسری جانب یا تو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے یا اس سے قطعاً نفرت رکھتے ہیں۔ لیکن جو بات خدا کی طرف سے ہونے والی ہے وہ خواہ مخواہ ہو کر رہتی ہے۔ دیکھو ایک زور آور سیلاب جو آنیوالا ہوتا ہے اسکو کوئی کتنا ہی روکے بہرحال وہ آ ہی جاتا ہے اور کسی کے روکنے سے رُک نہیں سکتا۔

حضرت کے اس نوجوان سے دریافت کرنے پر کہ آپ کتنے روز ہمارے پاس قیام کریں گے انہوں نے عرض کی کہ مجھے کل واپس جانا ضروری ہے۔ اس پر فرمایا کہ:

آپ اخلاص کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ آپ چند روز ٹھہرتے تو خوب ہوتا۔ مگر آپ کا وقت تنگ ہے۔ دوسرے پہلو کو بھی سمجھ لینا چاہیے ؎

کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد

جیسا جیسا انسان کسی کام میں بڑھتا ہے ویسا ہی اس کام کے بڑھنے اور زیادہ ہونے کے بھی راہ کھلتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوسری طرف توجہ کرنے کے واسطے انسان کے پاس نہ وقت رہتا ہے اور نہ ہمت۔ مگر رشید آدمی کے واسطے خدا تعالیٰ آپ ہی سامان مہیا کر دیتا ہے اور اس کے دل کے اندر ہی ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۶ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء

واسطے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دین میں فہم عطا کرتا ہے۔ آجکل لوگوں کو انگریزی تعلیم نے فریفتہ کر رکھا ہے اور اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ان کو دوسرے گھر کا ایمان ہی نہیں اور اگر کسی کو ہے تو ایسا کہ ہونا نہ ہونا برابر ہے مگر اس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ دکھلاوے۔ مخلوق کی قساوتِ قلبی انتہا تک پہنچ گئی ہے اور لوگوں نے زمی سے فائدہ نہیں اُٹھایا اس واسطے وہ اب قہری نشان بھی دکھانا چاہتا ہے۔ سعید ہیں وہ لوگ جو قبل ایسے نشانات کے واقع ہو جانے کے ایمان لاویں ورنہ فرعون کی طرح آفت میں پڑکر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ جو لوگ بعد میں ایمان لاتے ہیں وہ برگزیدہ پاک جماعت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ کا ہمارے پاس آنا دو نتائج سے خالی نہیں۔ یا تو قبل از وقت آپ پر اثر پڑے یا بعد میں آپ کو حسرت ہو۔

(نوجوان - خدا کرے دوسری بات نہ ہو)

جس سلطنت کے نیچے لوگ رہتے ہیں اس کا اثر مخلوق پر ضرور ہی ہوتا ہے۔ لوگ اگرچہ بظاہر ایک مذہب رکھتے ہیں تاہم ان کا سارا رُخ دنیا کی طرف ہے اور خدا کی طاقتوں پر ایمان نہیں ہے، لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سنّتِ قدیمہ کے مطابق پھر جلوہ دکھائے۔ یہ زمانہ نوح کے زمانہ سے بہت ملتا ہے۔ اس وقت بھی لوگ اکثر دہریہ تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں

صرف انگریزی زبان میں کوئی کتنی ہی ترقی کرے اس کا نتیجہ بجز دُنیا کے اَور کچھ نہیں ہے۔ یُوں دیکھ لینا چاہیے کہ جو بچے ایسے ہیں کہ انکے ماں باپ ہر دو انگریز ہیں ان کا انگریزی میں کمال ان کو دین کے لیے کیا فائدہ دے سکتا ہے کیونکہ یہ زبان وہ نہیں جس کے ساتھ فخر کیا جا سکے۔ معاش بیشک انسان پیدا کر سکتا ہے۔ مگر معاش تو ایک مزدور بھی ویسی ہی پیدا کر لیتا ہے بلکہ وہ مزدور اچھا ہے کیونکہ اس کے ساتھ وساوس نہیں ہیں۔ ہمارا منشا یہ نہیں کہ انگریزی نہ پڑھو۔ خود ہماری جماعت میں بہت انگریزی خوان ہیں اور بی۔ اے ایم۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں اور معزز سرکاری عہدوں پر ملازم ہیں لیکن ہمارا منشا یہ ہے کہ اس سے نیک فائدہ اٹھاؤ اور اس کے بُرے فلسفہ سے بچو جو انسان کو دہریہ بنا دیتا ہے۔

ہر شے میں ایک اثر ہوتا ہے۔ چونکہ انگریزی زبان میں بہت سی کتابیں اس قسم کی ہیں جو دہریت یا دہریت کی طرف جھکے ہوتے خیالات اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس واسطے بغیر کسی زبردست رُشد اور فضلِ الٰہی کے ہر ایک شخص اس سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے لیتا ہے۔ آجکل دُنیا کے لیے حد سے زیادہ زور لگایا جاتا ہے مگر معاش کے لیے سب دروازے کھُلے ہیں۔ افراط کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ دُنیا میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ خدا

پر ایمان رکھنے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا آخرت کے لیے وہ اس قدر محنت اور جان خراشی کرتے ہیں جس قدر کہ وُہ دُنیا کے لیے کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ اس طرف کا معاملہ بھی کبھی پڑے گا۔

نوجوان نے عرض کی کہ مَیں نے عربی بھی ساتھ ساتھ پڑھی ہے۔ حضرت نے فرمایا :

ہم تو صرف اتنے پر بھی خوش نہیں ہو سکتے۔ کیا ہزاروں مولوی ایسے نہیں ہیں جو بڑے بڑے علوم عربیہ کی تحصیل کر چکے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ اس سلسلۂ حقہ کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ علوم اُن کے واسطے اور بھی زیادہ حجاب کا موجب ہو رہے ہیں۔ ہزاروں مولوی ہیں جو بجز گالیاں دینے کے اور کچھ کام نہیں رکھتے۔ بیشک معارفِ قرآنی کا ذخیرہ سب عربی میں ہے تاہم جب ایک مدت گذر جاتی ہے اور خدا کے ایک رسُول کو بہت زمانہ گذر جاتا ہے تب لوگوں کے ہاتھ میں صرف الفاظ ہی رہ جاتے ہیں جن کے معانی اور معارف کسی پر نہیں کھل سکتے جبتک کہ اللہ تعالیٰ ان کے واسطے کوئی چابی پیدا نہ کر دے۔ جب خُدا کی طرف سے راہ کھُلتا ہے تب کوئی منوّر قلب والا زندہ دل پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ صاحب حال ہوتا ہے اس واسطے اسکی تفسیر دُرست ہوتی ہے۔ زندہ دل کے سوا کچھ نہیں۔ یہ باتیں سیدھی ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔

(نوجوان :۔ جہالت ہے۔)

خُدا کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے۔ حدیثِ نبوی سے بھی یہی ثابت ہے کہ فوت ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مُردوں میں دیکھا۔ پھر بھی ہمارے مخالف مولوی انکار کئے چلے جاتے ہیں۔

(نوجوان :۔ جہالت اور بدقسمتی۔)

اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری ملاقات سے فائدہ دے[1]۔

---

۶ رمئی ۱۹۰۵ء

قبل ظہر

اللہ تعالیٰ سے چہرہ نمائی کے لیے دُعا فرمایا کہ :

ہم تو زلزلہ کے وقت آئے تھے کہ باغ میں چل کر دُعا کریں۔ اب محض اس وجہ سے ٹھہرے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۶ مورخہ ۱۱ رمئی ۱۹۰۵ء

سے جو خبر دی ہے اس کے متعلق کچھ اور معلوم ہو جاوے کہ وہ قریب ہے یا دُور۔ اگر معلوم ہوا کہ دُور ہے تو پھر ایک ماہ کے بعد واپس چلے جاویں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ ایسے وقت آئے گا کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوگی بلکہ لوگ ہماری تکذیب کر چکے ہوں گے کہ وہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ قرآن شریف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ (الانعام:۴۵) یہ عادت اللہ ہے کہ ایسے وقت عذاب آتا ہے جب لوگ اُسے بالکل بھُول جاتے ہیں۔ ایسا ہی ان الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ چُھپ کر آؤں گا۔ گویا ہر شخص کا دل یقین کرے گا کہ ہم نے جھوٹ بولا ہے بَغْتَةً کا یہی منشا ہے۔

طبقات الارض والے اور جو تشی سب مل کر فیصلہ کر دیں کہ کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ پھر خدا تعالیٰ کی وحی کی اور بھی عظمت ظاہر ہوگی۔ حقیقت میں اگر وہ بھی یہی رائے دیتے کہ زلزلہ آئے گا تو ہماری بات مشتبہ ہو جاتی اور کمزور سمجھی جاتی۔ لیکن اب تو ان لوگوں نے اقرار کر لیا ہے کہ زلزلہ نہیں آئے گا۔

فرمایا :

اگر اب خدا تعالیٰ چُپ رہے تو پھر دہریہ پن کے سوا کوئی اور مذہب نہ ہوگا۔ اگر اس وقت اس کی چہرہ نمائی کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کب ہوگی۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں دُعا کی تھی کہ اے اللہ اگر تُو نے آج اس گروہ کو ہلاک کر دیا تو تیری کبھی عبادت نہ ہوگی۔ یہی دُعا آج ہمارے دل سے بھی نکلتی ہے۔ پس یقیناً یاد رکھو کہ اب اگر خدا تعالیٰ دستگیری نہ کرے تو سب ہلاک ہو جائیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اگر نہ ہو تو قطعِ یقین ہو جاتا ہے۔ بچہ کو اگر دُودھ نہ ملے تو وہ کب تک جئے گا۔ آخر سسک کر مر جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انقطاعِ امداد ہو تو انسان چونکہ کمزور اور ضعیف ہے جیسا کہ فرمایا۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء : ۲۹) پس وہ بھی آخر رُوحانی طور پر مر جاتے گا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے براہینِ احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر خدا ایسا نہ کرتا تو دُنیا میں اندھیرا پڑ جاتا۔ اصل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور اس کے تازہ بتازہ نشان ظاہر ہوتے ہیں تو ایمانی حالت دُرست اور مضبوط رہتی ہے ورنہ شیطانی علوم نے کچھ ایسا دخل کر لیا ہے کہ وہ دلوں سے قہری سیاست کے بغیر جو آسمان سے اُترتی ہے۔ نکل ہی نہیں سکتے ان کے لیے ایسی قہری ضرب چاہیے کہ شیطان چیخ کر نکل جاوے۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے۔ پس وہ اپنے بندوں پر ان نشانوں کے ذریعہ فضل کر رہا ہے اور اُن کے ایمانوں کو طاقت دے رہا ہے۔

فرمایا:
۵ مئی کو میں نے ایک جامن کا پتہ توڑا۔ اس پر ہر جگہ غور سے دیکھا تو یہی لکھا ہوا پایا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ[1]

---

۱۵ مئی ۱۹۰۵ء

سلسلہ کا مستقبل فرمایا:

انبیاء کی زندگی وہی ہوتی ہے جو ابتلاء بھی ساتھ ہو۔ چُپ چاپ کی زندگی جو امن کے ساتھ کھاتے پیتے گذر جائے وہ عمدہ زندگی نہیں ہوتی۔ محنتوں اور مشقتوں کے بعد سرٹیفکیٹ ملا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ جو خدا نے جاری کیا ہے۔ یہ اب ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا خواہ ہماری محنتوں سے یہ کام پورا ہو خواہ قضاء وقدر سے ایسے امور پیدا ہو جائیں جو اس کام کو پورا کر دیں۔

زلزلہ کے متعلق اشتہار شائع کرنے کا مقصد فرمایا:

ہم نے زلزلہ کے متعلق جو اشتہار شائع کیا ہے یہ مخلوقِ الٰہی کی خیر خواہی کے واسطے ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی کے گھر کو آگ لگے اور کوئی جا کر اسے اطلاع دے۔ ہر ایک خطرناک بات جو آئندہ ہونے والی ہوتی ہے جب اس سے کسی کو اطلاع دی جاوے تو ممکن ہے کہ اس کو تشویش ہو۔ مگر یہ اطلاع اس کی بہتری کے واسطے ہے تاکہ آئندہ تباہی سے وہ بچ جاوے۔

بہلول پور علاقہ لائل پور سے ایک خط پڑھا گیا جس میں لکھا تھا کہ ۱۱ مئی کی رات کو یہاں ایسا زلزلہ آیا کہ پہلے ایسا سخت نہ آیا تھا۔ ذکر آیا کہ اس سے نجومیوں کی بات غلط ہوئی جنہوں نے کہا تھا کہ اب

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۵ء

[2] ولنعم ما قیل:-

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورق دفتریست معرفت کردگار (ایڈیٹر)

ان تاریخوں میں کوئی زلزلہ نہیں آوے گا۔

ابتلاؤں کا مقصد خدا کے بندوں پر ابتلاؤں کے آنے کا ذکر تھا۔ فرمایا:

ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ بعض فتوحات کا مدار ابتلاؤں پر ہوتا ہے۔ کسی کی گریہ وزاری بعض دفعہ راہ کھول دیتی ہے۔ مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے پاس ایک دفعہ کھانے کو نہ تھا۔ وہ بزرگ اور اس کے ساتھی سب بھوکے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکا حلوہ بیچتا ہوا وہاں سے آگذرا۔ اس بزرگ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس سے حلوہ چھین لو۔ چنانچہ آدمیوں نے ایسا کیا اور وہ حلوہ بزرگ نے اور اس کے ساتھیوں نے کھا لیا۔ وہ لڑکا بہت رویا۔ اور چلّایا۔ آدمیوں نے سوال کیا کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ بچہ کا حلوہ چھین لیا۔ فرمایا کہ یہی اس بچہ کی پونجی تھی۔ وہ بہت درد کے ساتھ رویا ہے اور اس کا رونا موجب کشائش اور فتوح کا ہوا ہے جو ہماری دعائیں نہیں ہو سکتی تھیں؛ چنانچہ اس بچہ کو اس کے حق سے بہت زیادہ دے کر راضی کیا گیا۔

اسی طرح بعض ابتلاء صرف اس واسطے آتے ہیں کہ انسان اس رُتبہ کو جلد حاصل کرے جو اُس کے واسطے مقدر ہے۔

ذکر تھا کہ ۱۴ اپریل گذر گئی ہے جس کے واسطے انگریز نے پیشگوئی زلزلہ کی کی تھی۔ اب لوگوں کو تشفی ہو گئی۔ فرمایا:

لوگ منجم پرست ہیں۔ خدا پرست نہیں ہیں

سُبْحَانَ اللّٰہ کے معنی ایک شخص نے اپنا خواب سُنایا کہ میں سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰہ کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافِ وعدہ اور کذب اور دیگر تمام منقصتوں سے پاک ہے وہ اپنے وعدوں کو سچا کرتا اور پیشگوئیوں کو پورا کرتا ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱، صفحہ ۷، مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۵ء

۱۶ر مئی ۱۹۰۵ء

فرمایا:

سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ میں زلزلہ کے واسطے صاف پیشگوئی ہے کہ زمین پر سخت زلزلہ آئے گا۔ اور زمین اندر کی چیزیں باہر نکال پھینکے گی۔

پہاڑوں کی ساخت

فرمایا:

قرآن شریف میں آیا ہے کہ پہاڑ زمین کی میخیں ہیں۔ نادان اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے۔ اس زلزلہ نے اس اعتراض کو بھی صاف کیا ہے۔ ان آتش فشانیوں اور زلزلوں کا موجب یہ پہاڑ ہی ہوا کرتے ہیں جب پہاڑوں پر تباہی پڑتی ہے تو سب پر تباہی پڑتی ہے۔ پہاڑ امن یا بے امنی کا مرکز بنا ہوا ہے۔[1]

۱۷ر مئی ۱۹۰۵ء

معالج کے لئے ہدایت

ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر آیا کہ انہوں نے ایک بیماری کو خوفناک بتایا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تندرست ہے۔ فرمایا:

یہ لوگ ایسی غلطیاں کھاتے ہیں۔ ہمارے مسلمان اطباء میں کیا عمدہ بات ہے کہ لکھا ہے کہ نبض دیکھنے سے پہلے طبیب یہ پڑھا کرے۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرۃ: ۳۳) تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوا اس کے جو تو نے ہم کو سکھایا تحقیق تو علم اور حکمت والا ہے۔[2]

۲۴ر مئی ۱۹۰۵ء

ایک خادم نے عرض کی کہ مخالف حضور کی نسبت جھوٹی خبریں بیماری وغیرہ کی شائع کرتے رہتے

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ر مئی ۱۹۰۵ء

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ر مئی ۱۹۰۵ء

ہیں اور ہمیں سناتے ہیں۔ فرمایا :

مخالفین خواہ مخواہ ایسی بات کرتے ہیں جس سے تم کو اشتعال پیدا ہو اور لڑائی ہو جائے۔ ایسے فتنوں سے بچنا چاہیے اور صبر کرنا چاہیے۔ جو شخص کسی پر تہمت لگاتا ہے وہ مرتا نہیں جبتک کہ اس میں گرفتار نہ ہو جائے۔

ایک خادم نے عرض کی کہ تمام قسم کے دردوں کے واسطے عمدہ علاج ہے کہ بھرجی کی ریت ہو۔ اس پر الحمد لکھا جائے وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا :

یہ توجہ کی ایک قسم ہے مگر یاد رکھو کہ دُعا جیسی پاک صاف شرک سے خالی کوئی توجہ نہیں۔ دُوسری قسم کی توجہوں میں انسان کا بھروسہ اشیاء پر ہوتا ہے۔ جب قبلہ حقیقی کی طرف توجہ نہ ہو تو پھر بے فائدہ ہے۔

فرمایا :

انگریزی میں سونے کو گولڈ کہتے ہیں جس کے لکھنے میں انگریزی حروف ج - د - ل استعمال ہوتے ہیں۔ یہ عربی لفظ دجال کا مقلوب ہے۔ عربی میں دجال سونے کو کہتے ہیں۔

اس زمانہ کی سہولتیں ہماری خادم ہیں

اس زمانہ کے عجائبات کا تذکرہ تھا کہ ریل تار ڈاک وغیرہ کس قدر سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ فرمایا:

اسی واسطے ہم کو الہام ہوا۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّكَ سُهُوْلَةً کیا ہم نے تیرے ہر امر میں سہولت نہیں کر دی۔ حقیقت میں یہ اشیاء کسی کے لیے ایسی مفید نہیں ہوئیں جیسی کہ ہمارے واسطے ہوئی ہیں۔ ہمارا مقابلہ دین کا ہے اور ان اشیاء سے جو نفع ہم اُٹھاتے ہیں وہ دائمی رہنے والا ہے۔ لوگ بھی چھاپے خانوں سے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن اُن کے اغراض دنیوی اور ناپائیدار ہیں۔ برخلاف اس کے ہمارے معاملات دینی ہیں۔ اس واسطے یہ چھاپے خانے جو اس زمانہ کے عجائبات ہیں دراصل ہمارے ہی خادم ہیں۔

ایک الہام فرمایا :

آج رات یہ وحی ہوئی

اُرِيْدُ مَا تُرِيْدُوْنَ

میں ارادہ کرتا ہوں جو تم ارادہ کرتے ہو۔ چونکہ ہمارے ارادے دوستوں کے واسطے مشترک ہیں جن کے لیے ہم دُعا میں کرتے ہیں اس واسطے اس میں سب کے واسطے بشارت ہے۔ یہ وحی قبولیتِ دُعا کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی تمہارے ارادے کے موافق ہمارا ارادہ ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ یہ قرآن شریف کی اس وحی کے مطابق ہے کہ

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ (البقرۃ : ۱۱۶)

قبولیتِ دُعا کے اوقات

شیخ رحمت اللہ صاحب کو فرمایا کہ :

ہم آپ کے واسطے دُعا کرتے ہیں آپ بھی اس وقت دُعا کیا کریں۔ ایک تو رات کے تین بجے تہجد کے واسطے خوب وقت ہوتا ہے۔ کوئی کیسا ہی ہو تین بجے اُٹھنے میں اس کے لیے ہرج نہیں۔ اور دوسرا جب اچھی طرح سُورج چمک اُٹھے تو اس وقت ہم بیت الدعا میں بیٹھتے ہیں۔ یہ دونوں وقت قبولیت کے ہیں۔ نماز میں تکلیف نہیں۔ سادگی کے ساتھ اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرے۔

صلوٰۃ اور دُعا میں فرق

فرمایا :

ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰۃ میں اور دُعا میں کیا فرق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ ھِیَ الدُّعَاءُ۔ اَلصَّلٰوۃُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ یعنی نماز ہی دُعا ہے۔ نماز عبادت کا مغز ہے۔ جب انسان کی دُعا محض دنیوی اُمور کے لیے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدِنظر رکھتا ہے اور ادب انکسار تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ اصل حقیقت دُعا کی وہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا اور انسان کے درمیان بُعد تعلق بڑھے۔ یہی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور انسان کو نامعقول باتوں سے ہٹاتی ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کو حاصل کرے۔ اس کے بعد روا ہے کہ انسان اپنی دنیوی ضروریات کے واسطے بھی دُعا کرے۔ یہ اس واسطے روا رکھا گیا ہے کہ دنیوی مشکلات بعض دفعہ دینی معاملات میں حارج ہو جاتے ہیں۔ خاص کر خامی اور کچ پنے کے زمانہ میں یہ امور ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں۔ صلوٰۃ کا لفظ پُرسوز معنے پر دلالت کرتا ہے جیسے آگ سے سوزش پیدا ہوتی ہے۔ ویسی ہی گدازش دُعا میں پیدا ہوتی

چاہیئے جب ایسی حالت کو پہنچ جائے جیسے موت کی حالت ہوتی ہے تب اس کا نام صلوٰۃ ہوتا ہے۔

نماز میں وساوس کی وجہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ مجھے نماز میں وساوس اور اِدھر اُدھر کے خیالات بہت پیدا ہوتے ہیں۔ فرمایا :

اس کی اصل جڑ امن اور غفلت ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے عذاب سے غافل ہو کر امن میں ہو جاتا ہے تب وساوس ہوتے ہیں۔ دیکھو زلزلے کے وقت اور کشتی میں بیٹھ کر جب کشتی خوفناک مقام پر پہنچتی ہے۔ سب اللہ اللہ کرتے ہیں اور کسی کے دل میں وساوس پیدا نہیں ہوتے۔

مخالفین کا وجود بھی ضروری ہے

ذکر آیا کہ بعض جگہ مخالفین ہماری جماعت کے لوگوں کو بہت دُکھ دیتے ہیں اور بڑی بڑی ایذا رسانی کرتے ہیں۔ فرمایا :

خدا تعالیٰ کے آگے کسی کا نابود کرنا مشکل نہیں لیکن جس کی طاقتیں بڑی ہوتی ہیں اس کا حوصلہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ لیکن ایسے آدمیوں کا وجود بھی ضروری ہے۔ اعداء کا وجود انبیاء کے واسطے بہت مفید ہوتا ہے۔ قرآن شریف کے جو تیس سیپارے ہیں۔ اس کے اکثر حصہ کے نزول کا سبب اعداء ہی ہوئے — اگر سب ابوبکرؓ کی طرح آمنا وصدقنا کہنے والے ہوتے تو چند آیتوں پر سلسلہ ختم ہو جاتا۔ درخت کے واسطے جیسے صاف پانی کی ضرورت ہے ویسے ہی کچھ کھاد کے لیئے گند کی بھی ضرورت ہے۔ بہت سی آسمانی سرگرمی انہی لوگوں کی شرارتوں پر منحصر ہے۔ کوئی بھی نبی جس کے اعداء نہیں ہوئے۔ نبی کے نفس کے واسطے یہ امر بہتر ہے کیونکہ اس طرح اس کی توجہ بڑھتی ہے اور معجزات تائید و نصرت زیادہ ہوتے ہیں اور جماعت کے واسطے بھی مفید ہے کہ وہ پکے ہو جاتے ہیں۔ خدا کو دیر نہیں لگتی کہ لاکھوں کروڑوں کو ایک آن میں تباہ کر دے لیکن ضرورت کے سبب مخالفین کا وجود قائم رکھا جاتا ہے۔ جس شہر میں خاموشی سی ہو اس جگہ جماعت ترقی نہیں پکڑتی۔ خدا کی حکمتوں کو ہر ایک شخص نہیں پہچان سکتا۔[1]

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۸ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ رمئی ۱۹۰۵ء

* * *

۲۶ رمئی ۱۹۰۵ء

چند الہامات اور ایک رؤیا فرمایا :

گھر میں طبیعت علیل تھی۔ بہت سردرد۔ بخار اور کھانسی بھی تھی۔ لوگوں کے لیے ابتلاء کا خوف ہوتا ہے۔ میں نے رات بہت دُعا کی۔ (شیخ رحمت اللہ صاحب کو مخاطب کرکے) آپ کے لیے بھی دُعا کی تھی۔ پہلے تو ایک مشتبہ سا الہام ہوا۔ معلوم نہیں کس کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے : (۱) شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (ترجمہ) شرارت ان لوگوں کی جن پر تُو نے انعام کیا (۲) میں اُن کو سزا دُوں گا (۳) میں اس عورت کو سزا دُوں گا۔ معلوم نہیں یہ کس کے متعلق ہے۔ اس کے بعد گھر والوں کے متعلق یہ الہام ہوا :

رَدَّ اِلَیْھَا رَدْحَھَا وَرَیْحَانَھَا۔ اِنِّیْ رَدَدْتُ اِلَیْھَا رَدْحَھَا وَرَیْحَانَھَا

رؤیا :۔ اسی وقت جبکہ مذکورہ بالا الہام ہوا۔ دیکھا کہ کسی نے کہا کہ آنیوالے زلزلہ کی یہ نشانی ہے۔ جب میں نے نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ اس ہمارے خیمہ کے سر پر سے جو باغ کے قریب نصب کیا ہوا ہے ایک چیز گری ہے۔ خیمہ کی چوب کا اُوپر کا سرا وہ چیز ہے[1]۔ جب میں نے اُٹھایا تو وہ ایک نَونگ ہے جو عورتوں کے ناک میں ڈالنے کا ایک زیور ہے۔ اور ایک کاغذ کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ میرے دل میں خیال گذرا کہ یہ ہمارے ہی گھر کا مدت سے کھویا ہوا تھا اور اب ملا ہے اور زمین کی بلندی سے ملا ہے اور یہی نشانی زلزلہ کی ہے[2]۔

آج کی تازہ وحی رَدَّ اِلَیْھَا رَدْحَھَا وَرَیْحَانَھَا کا ذکر تھا۔ فرمایا :

اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ تمام سماوی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کے ضرور آئندہ پورا ہو جانے کے متعلق کسی پیشگوئی کو ظاہر فرماتے وقت ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ۔ (اللھب : ۲) ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور خود بھی ہلاک ہو گیا۔ یہ وحی الٰہی بطور پیشگوئی کے ایسے وقت میں نازل ہوئی تھی جبکہ ابولہب

---

[1] نقل مطابق اصل (مرتب)

[2] ۲۶ رمئی یہ اسٹنگ کی ڈائری جو صبح کے وقت کی معلوم ہوتی ہے بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ پر درج ہے۔ اس کے بعد کی ڈائری جو صفحہ ۴ پر درج ہے شام کی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

چنگا بھلا پھرتا تھا۔ لیکن آسمان پر اس کے لیے ہلاکت کا حکم ہو چکا تھا۔ اس واسطے یہ بات ایسے طور پر بیان کی گئی کہ یہ کام ہو چکا ہے۔ پہلے ایک معاملہ آسمان پر ہو جاتا ہے اور پھر زمین پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔ ایسا ہی ہمارا الہام عَفَتِ الدِّیَارُ والا تھا یعنی مٹ گئے مگر۔ اگرچہ گیارہ ماہ پہلے یہ زلزلہ کی پیشگوئی تھی؛ تاہم چونکہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ زلزلہ ضرور آئے گا اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مکانات عارضی اور مستقل سب گر گئے اور نشان مٹ گئے۔ جو لوگ مثلاً پیسہ اخبار کے نامہ نگار وغیرہ اعتراض کرتے ہیں وہ اس محاورہ سے ناواقف اور جاہل ہیں یا جان بوجھ کر تعصب کے ساتھ ضد کرتے ہیں) ورنہ یہ محاورہ سب زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ آتھم کے متعلق جب ہم نے پیشگوئی کی تھی تو اس نے اسی مجلس میں کہا تھا کہ میں تو مر گیا۔ باوجود عیسائی ہونے کے وہ ادب کا بہت لحاظ رکھتا تھا اور یہی سبب تھا کہ وہ ڈرتا رہا اور میعاد کے اندر مرنے سے بچ گیا۔ ابولہب کے متعلق صاف پیشگوئی مکہ میں کی گئی تھی کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ حالانکہ وہ جنگ بدر کے بعد طاعون سے مرا تھا۔

فرمایا:

روح ریحان سے مراد ہر قسم کی آسائش اور آسودگی ہوتی ہے۔[1]

مبارک مُنہ کے مبارک الفاظ معنًا

(مرتبہ شیخ عبدالرحیم صاحب)

بوقت ۹ بجے[2] آپ باہر تشریف لائے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب نُو وارد اور مولوی صاحبان اور دیگر احباب محفل موجود تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں آپ نے فرمایا کہ:

ہم خُدا کے مرسلین اور مامورین بھی بزدل نہیں ہوا کرتے بلکہ سچے مومن بھی بزدل نہیں ہوتے بزدلی ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مصیبتوں نے بار بار حملے کئے مگر انہوں نے کبھی بُزدلی نہیں دکھائی۔ خُدا تعالیٰ اُن کی نسبت فرماتا ہے۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۲۴) یعنی جس ایمان پر انہوں نے کمر ہمت باندھی تھی اس کو بعض نے تو نبھا دیا اور بعض منتظر ہیں کہ کب موقعہ ملے اور

---

[1] بدر جلد نمبر ۱۸ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء۔ (نوٹ: معلوم ہوتا ہے یہ پرچہ ۲۸ مئی کے بعد شائع ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۶ تا ۲۸ مئی کی ڈائری اس میں چھپی ہے۔ (مرتب)

[2] اس ڈائری پر تاریخ نہیں لکھی۔ اندازاً ۲۴ تا ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کی معلوم ہوتی ہے۔ ان دنوں میں شیخ رحمت اللہ صاحب قادیان میں موجود تھے۔ (مرتب)

سرخروئی اور انہوں نے کبھی کم ہمتی اور بزدلی نہیں دکھائی۔

سب سے بڑھ کر راحت دعا کے متعلق آپ نے فرمایا کہ :

اِدھر کی جاتی ہے اور اُدھر جواب ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا راحت ہو سکتی ہے اور یہی مابہ الامتیاز امر ہوتا ہے جو مامورین اور دوسروں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

استجابتِ دعا کا ایک وقت ہوتا ہے فرمایا :

شیخ صاحب میں آپ کے لیے پانچ وقت دعا کرتا ہوں لیکن استجابت کا ایک وقت ہوتا ہے انسان کو بعض وقت ایک ہی سمت مقصود ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ مومن کے لیے دنیا اور آخرت میں سنوار چاہتا ہے۔ اس لیے بعض وقت ابتلا آجاتے ہیں جو بالآخر بابرکت ہوتے ہیں بعض انسانی کمزوریوں کا علاج یہ مصائب ہوتے ہیں۔ انسان میں بیشک بعض کمزوریاں ایسی ہوتی ہیں جن کو یہ سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن میری دعائیں ایسی ہوتی ہیں کہ محلِ قبولیت تک پہنچتی ہیں۔ وقت شرط ہے۔

پھر ایک طرف مخاطب ہو کر فرمایا :

میں آپ کے لیے دعا کرتا ہوں لیکن کل کے امر میں میں نے خیال کیا تو میں نے سمجھا کہ شاید یہی امور میری دعا کی استجابت میں مانع ہوں مگر آپ کے لکھنے پر مجھے اصل واقعہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ دعا کی قبولیت میں تاخیر ڈالنے والے یا دعا کے ثمرات سے محروم کرنے والے بعض مکروہات ہوتے ہیں جن سے انسان کو بچنا لازم ہے۔

مصائب دنیا میں آکر آخرت میں موجب مدارج ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ثواب ملتا دیکھ کر بعض لوگ کہیں گے کہ کاش ہمارے وجود بھی قینچیوں سے کاٹے جاتے اور ہم بھی یہ معاوضے حاصل کرتے سب سے بڑھ کر مصائب انبیاء پر آتے ہیں۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو زندگی میں کیا کیا تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ غرضیکہ گھبرانا نہیں چاہیے۔

اپنے الہامات پر یقینِ کامل ہمیں زلنے کے متعلق پورا اطمینان ہے۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ہمارے اشتہارات کے شائع ہونے کے بعد الہام ہوا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کا ارادہ قطعی ثابت ہوتا ہے۔ ہم نے جو کچھ اخراجات ہزاروں تک خیمے وغیرہ منگوا کر کئے ہیں۔ وہ دھوکے کی بنا پر نہیں کئے ہمیں خدا کی باتوں پر ایمان ہے۔ تاریخ کا مقرر نہ ہونا یا وقت کی کمی بیشی پیشگوئی کے ظاہر ہونے کی وقعت میں کچھ کمی نہیں ڈال سکتے۔ قرآن شریف اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (الانبیاء: ۱۱۰) (میں نہیں جانتا کہ وہ (عذاب) جس کے نزول کا وقت قریب ہے یا بعید) صاف بتاتا ہے کہ ہر ایک عذاب کی مقررہ تاریخ نہیں بتائی جاتی۔[1]

---

۲۷ رمئی ۱۹۰۵ء

ایک جلیل القدر الہام

عَبْدُ الْقَادِرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ اَرٰی رِضْوَانَہٗ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

پہلی وحی کے متعلق فرمایا کہ:

خدا اپنی کچھ قدرتیں میرے واسطے ظاہر کرنے والا ہے۔ اس واسطے میرا نام عبدالقادر رکھا۔ رضوان کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کوئی فعل دنیا میں خدا کی طرف سے ایسا ظاہر ہونے والا ہے جس سے ثابت ہو جائے اور دنیا پر روشن ہو جائے کہ خدا مجھ پر راضی ہے۔ دنیا میں بھی جب بادشاہ کسی پر راضی ہوتا ہے، تو فعلی رنگ میں بھی اس کی رضامندی کا کچھ اظہار ہوتا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی رضا پر دلالت کرنے والے افعال دیکھتا ہوں۔ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا بہت پیاری ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومنین جب بہشت میں داخل کئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب مانگو جو کچھ مانگنا چاہتے ہو تو وہ عرض کریں گے کہ اے رب تو ہم پر راضی ہو جا۔ جواب ملے گا۔ اگر میں راضی نہ ہوتا تو تم کو بہشت میں کس طرح داخل کرتا۔[2]

---

۲۸ رمئی ۱۹۰۵ء

ایک رؤیا شیخ رحمت اللہ صاحب کی ایک گھڑی میرے پاس ہے اور ایک ایسی چیز جیسے ترازو

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ رمئی ۱۹۰۵ء

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵ رمئی ۱۹۰۵ء

کے دو بڑے ہوتے ہیں مثل جیسوروں کی ہنگی کے۔ میں ایک ڈولی میں بیٹھا ہوا ہوں۔ پھر کسی نے میاں شریف احمد کو اس میں بٹھا دیا اور اس کو چکر دینا شروع کیا۔ اتنے میں گھڑی گر گئی اور اس جگہ قریب ہی گری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو تلاش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد حسین نالش کر دے۔

فرمایا کہ:-

خیال گذرتا ہے کہ شاید گھڑی سے مراد وہ ساعت ہے جو زلازلہ کی ساعت ہے جو معلوم نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور وہ رحمت کی ساعت ہے یعنی یہ ساعت ہمارے واسطے رحمتِ الٰہی کا موجب ہوگی۔[1]

بلا تاریخ[2]

القول الطیب

خدمتِ والدین

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی والدہ یہاں آئی ہوئی ہیں۔ اُنہوں نے اپنی والدہ کی پیری اور ضعف کا اور اُن کی خدمت کا جو وہ کرتے ہیں ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا:-

والدین کی خدمت ایک بڑا بھاری عمل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ آدمی بڑے بدقسمت ہیں۔ ایک وہ جس نے رمضان پایا اور رمضان گذر گیا پر اس کے گناہ نہ بخشے گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گذر گئے اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے۔ والدین کے سایہ میں جب بچہ ہوتا ہے تو اس کے تمام ہم و غم والدین اُٹھاتے ہیں۔ جب انسان خود دنیوی اُمور میں پڑتا ہے تب انسان کو والدین کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدہ کو مقدم رکھا ہے، کیونکہ والدہ بچہ کے واسطے بہت دُکھ اُٹھاتی ہے۔ کیسی ہی متعدی بیماری بچہ کو ہو، چیچک ہو، ہیضہ ہو، طاعون ہو۔ ماں اس کو چھوڑ نہیں سکتی۔

ہماری لڑکی کو ایک دفعہ ہیضہ ہو گیا تھا ہمارے گھر سے اس کی تمام قے وغیرہ اپنے ہاتھ پر لیتی تھیں۔ ماں سب تکالیف میں بچہ کی شریک ہوتی ہے۔ یہ طبعی محبت ہے۔ جس کے ساتھ کوئی دوسری محبت مقابلہ نہیں کر

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء

[2] القول الطیب کے زیرِ عنوان ڈائری پر گو کوئی تاریخ درج نہیں لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ یہ مئی کے آخری ایام یعنی ۲۰ تا ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء تک کے ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

سکتی۔ خدا تعالیٰ نے اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل: ۹۱)۔

اخلاق کی انتہاء

ادنیٰ درجہ عدل کا ہوتا ہے۔ جتنا لے اتنا دے۔ اس سے ترقی کرے تو احسان کا درجہ ہے جتنا لے وہ بھی دے اور اس سے بڑھ کر بھی دے۔ پھر اس سے بڑھ کر ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے یعنی دوسروں کے ساتھ اس طرح نیکی کرے جس طرح ماں بچہ کے ساتھ بغیر نیت کسی معاوضہ کے طبعی طور پر محبت کرتی ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ ترقی کر کے ایسی محبت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ انسان کا ظرف چھوٹا نہیں۔ خدا کے فضل سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ یہ وسعت اخلاق کے لوازمات میں سے ہے۔ میں تو قائل ہوں کہ اہل اللہ یہاں تک ترقی کرتے ہیں کہ مادری محبت کے اندازہ سے بھی بڑھ کر انسان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

ایک بڑھیا کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے روز بغیر اس کے کہ اس کو کسی نے خبر دی ہو خود بخود کہنے لگی کہ آج ابوبکرؓ مر گیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ تجھ کو کس طرح سے معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ ہر روز مجھ کو آپ حلوہ کھلایا کرتے تھے اور وہ وعدہ میں تخلف کرنے والے ہرگز نہ تھے چونکہ آج وہ حلوہ کھلانے نہیں آئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں؛ ورنہ وہ ضرور مجھے حلوہ کھلانے آج بھی آتے۔ دیکھو۔ اخلاقی حالت کہاں تک وسعت کر سکتی ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔ ان اخلاق پر دوسرے لوگ قادر نہیں ہو سکتے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجرم پکڑا ہوا آیا تو وہ آپ ہی رعب سے کانپتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تو کیوں اتنا ڈرتا ہے میں تو ایک بڑھیا کا بیٹا ہوں معمولی انسانوں کے یہ اخلاق نہیں ہوتے۔ عرب کی قوم کئی پشتوں تک کینہ رکھنے والی تھی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان پر غلبہ پایا تو باوجود اس قدر دکھوں کے جو ان سے اٹھائے تھے سب کو معاف کر دیا۔ دنیوی حکومت رحم نہیں کر سکتی۔ انگریزوں نے باغیوں کو کس طرح پھانسی دیا اور قتل کیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب باغیوں کو یکدفعہ معاف کر دیا۔ کسی نبی کو ایسی پوری کامیابی نہیں ہوئی جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ اپنے وعدہ کی زمین تک نہ پہنچ سکے اور راستہ میں ہی فوت ہو گئے اور ان کے ساتھیوں نے کہا کہ اے موسیٰ تُو اور تیرا خدا مل کر مخالفوں سے جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کہا کہ ہم تیرے ساتھ چلیں گے؛ اگرچہ سمندر میں گریں اور قتل کئے جائیں۔

قاعدہ ہے کہ نبی کا پرتو اُمت پر بھی پڑتا ہے۔ جب اُستاد کامل ہوتا ہے ایسے ہی شاگرد بھی بنتے ہیں۔ جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت، افعال و اعمال اور کامیابی کی نظیر نہیں ویسے ہی صحابہؓ کی بھی نظیر

نہیں۔ صحابہؓ باوجود قلیل ہونے کے جدھر جاتے فتح پاتے صحابہؓ ایسے تھے جیسے کسی برتن کو دھو کر بالکل صاف ستھرا کر دیا جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی آلائش کا شائبہ نہیں رہتا۔ ان کی ایسی محنت اور اخلاص تھا تو خدا تعالیٰ نے پھر بدلہ بھی ایسا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرتؐ کا خلیفہ بنایا۔

شیعوں کی غلطی

اس جگہ شیعوں نے بڑی غلطی کھائی ہے کہ خلافت کا حق حضرت علیؓ کو تھا۔ بدقسمت نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے کیا فیصلہ کیا جو وقت وعدوں کے پورا ہونے کا تھا۔ اس وقت خدا نے ایک منافق اور اہل بیت کے دشمن کو کیوں گدی پر بٹھا دیا۔ میں جانتا ہوں کہ اس قوم نے بھی عیسائیوں کی طرح ایک غلو کیا ہے اور اس غلو کا باعث اصلی نامرادی ہے جو ابتدا میں حاصل ہوئی۔ جو لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ یسوعؑ کو ظاہری بادشاہت حاصل ہوگی ان کو جب اس معاملہ میں ناکامی حاصل ہوئی تو انہوں نے یسوعؑ کی صفت میں غلو کر کے یسوعؑ کو خدا ہی بنا دیا ایسا ہی قوم شیعہ بھی حضرت علیؓ کو وہ درجہ دیتے ہیں جو خدا نے نہ چاہا کہ اُن کو دے۔ خدا تعالیٰ کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ اس کے دل کی حالت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اُن کے پاس نورِ ایمان ہوتا تو ایسی بات نہ بولتے۔ کیا اس وقت خدا کمزور تھا اور وہ بدلہ لے نہ سکتا تھا یا خدا پاداش باز تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو طاقتور دیکھ کر خاموش رہا۔[1]

۳؍جون ۱۹۰۵ء

بچوں کی وفات پر صبر کی تلقین

عاجزہ[2] راقم کی لڑکی سعیدہ بیگم بعمر تین سال آٹھ ماہ بعارضہ ام الصبیان فوت ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بمعہ جماعت باغ میں جنازہ پڑھا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

اولاد جو پہلے مرتی ہے وہ فرط ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ جس کی کوئی اولاد نہیں مرتی وہ کیا کرے گا؟ فرمایا میں اپنی اُمت کا فرط ہوں۔ فرمایا:

آپ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کے عوض میں لڑکا دے گا۔ صبر تو خواہ مخواہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ روکیوں

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۹ صفحہ ۲ مورخہ یکم جون ۱۹۰۵ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

کے معاملات بھی مشکل ہوتے ہیں۔ اَلْخَیْرُ فِیْ مَا وَقَعَ۔

اِنْشَاءَ اللّٰہ کہنے کا مقصد فرمایا:

فقط انشاء اللہ تعالیٰ کہنے میں انسان اپنی کمزوری کا اظہار کرتا ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ کام کروں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو امید ہے کہ کر سکوں گا۔

ایمان کی جڑ نماز ہے فرمایا:

جس طرح بہت دھوپ کے ساتھ آسمان پر بادل جمع ہو جاتے ہیں اور بارش کا وقت آجاتا ہے۔ ایسا ہی انسان کی دعائیں ایک حرارت ایمانی پیدا کرتی ہیں اور پھر کام بن جاتا ہے۔ نماز وہ ہے جس میں سوز و گداز کے ساتھ اور آداب کے ساتھ انسان خدا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے۔ جب انسان بندہ ہو کر لاپرواہی کرتا ہے تو خدا کی ذات بھی غنی ہے۔ ہر ایک اُمت اس وقت تک قائم رہتی ہے جبتک اس میں توجہ الی اللہ قائم رہتی ہے۔ ایمان کی جڑ بھی نماز ہے۔ بعض بیوقوف کہتے ہیں کہ خدا کو ہماری نمازوں کی کیا حاجت ہے۔ اے نادانو! خدا کو حاجت نہیں مگر تم کو تو حاجت ہے کہ خدا تعالیٰ تمہاری طرف توجہ کرے۔ خدا کی توجہ سے بگڑے ہوئے کام سب دُرست ہو جاتے ہیں۔ نماز ہزاروں خطاؤں کو دُور کر دیتی ہے اور ذریعہ حصولِ قربِ الٰہی ہے۔

مسیح موعود کے دو بازو فرمایا:

یہ اخبار (الحکم و بدر) ہمارے دو بازو ہیں۔ الہامات کو فوراً ملکوں میں شائع کرتے ہیں اور گواہ بنتے ہیں۔

روزہ اور نماز فرمایا

روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں۔ روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور رُوح پر ہے۔ نماز سے ایک

سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ افضل ہے۔ روزے سے کشوف پیدا ہوتے ہیں مگر یہ کیفیت بعض دفعہ جوگیوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے لیکن روحانی گداز ش جو دعاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شائبہ نہیں۔[1]

۱۱ر جون ۱۹۰۵ء

زلزلہ کی پیشگوئی کے متعلق بعض اعتراضات کے جوابات

فرمایا :

ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ زلزلے کے واسطے جب تک تاریخ نہ ہو تب تک یہ پیشگوئی کچھ نہیں۔

فرمایا :

اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ بَغْتَةً یعنی یہ واقعہ اچانک ہونیوالا ہے جبکہ کسی کو بھی خبر نہ ہوگی۔ اس واسطے اب تاریخ کا سوال بے فائدہ ہے اللہ تعالیٰ اگر تاریخ بتلا دے تو یہ امر پہلے الہام کے مخالف ہوگا۔

علاوہ اس کے خدا چاہتا ہے کہ نیکوں کو بچائے اور بدوں کو ہلاک کرے اگر وقت اور تاریخ بتلائی جائے تو ہر ایک شریر سے شریر اپنے واسطے بچاؤ کا سامان کر سکتا ہے۔ اگر وقت کے نہ بتلانے سے پیشگوئی قابلِ اعتراض ہو جاتی ہے، تو پھر تو قرآن شریف کی پیشگوئیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں بھی اس قسم کے لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ (یونس : ۴۹) یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ ہمیں وقت اور تاریخ بتلاؤ۔ مگر بات یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں تعیین نہیں ہوتا ؛ ورنہ کافر بھی بھاگ کر بچ جائے۔

فرمایا :

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حوادث اور زلزلے تو آیا ہی کرتے ہیں پھر یہ پیشگوئی کیا ہوئی۔ قیامت تک زلزلہ اور حادثہ تو کوئی نہ کوئی آتے ہی گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں صریح الفاظ ہیں کہ یہ امر ہماری تائید میں اور ہماری زندگی میں ہونے والا ہے جس کو اس زمانہ کے لوگ دیکھیں گے اور پھر تخصیص یہ ہے کہ یہ حادثہ ایسا سخت ہوگا جس کو نہ کسی نے پہلے دیکھا نہ سنا۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۰ صفحہ ۲ مورخہ ۸ر جون ۱۹۰۵ء

فرمایا :

ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا ایک کافر کا شعر ہے جو آپ کو الہام ہوا۔ تو پھر یہ معجزہ کس طرح ہوا ؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو خود قرآن شریف کی آیات مثلاً فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (المومنون:۱۵) قبل وحیِ قرآن کے دُوسروں کے مُنہ پر یہ الفاظ جاری تھے، چنانچہ یہی بات اُن بدبختوں کے واسطے موجبِ ارتداد ہوئی۔ دوم یہ الفاظ جس شاعر کے ہیں وہ کافر نہ تھا بلکہ مُسلمان ہوگیا تھا۔ سوم۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ جبتک ایک شاعر کے شعر کے طور پر تھے تب تک اُن میں کوئی معجزہ نہ تھا لیکن جب خدا نے اپنی وحی کے لیے اُن کو استعمال فرمایا تب یہ معجزہ بن گئے۔ پہلے تو یہ ایک گذشتہ قصّہ تھا مگر اب کلامِ الٰہی اور ایک پیشگوئی اور معجزہ بن گیا۔

فرمایا :

کتاب براہین احمدیہ حصّہ پنجم میں مَیں کچھ اشعار لکھ رہا تھا اور گھر سے قریب ہی سوئے ہوئے تھے کہ اچانک وہ اُٹھے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے ؎

صوفیا سب ہیچ ہے تیری طرح تیری تراہ

ہم نے اس الہامی مصرعہ کو بھی ان اشعار کے درمیان درج کر دیا ہے۔

تثلیث کسی نے ذکر کیا کہ عیسائیوں نے تثلیث پر چند نئے رسالے لکھے ہیں اور اب تثلیث کا نام ثالوث رکھا ہے۔ فرمایا :

یہ زمانہ ہی ان کے ثالوث کا فیصلہ کر جائے گا۔

تبرکات کچھ تبرکات کا ذکر تھا۔ فرمایا :

تبرکات کا ہونا مُسلمانوں کے آثار میں پایا جاتا ہے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے بال ایک شخص کو دیئے تھے۔ ہمیں الہام ہوا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱، صفحہ ۲ مورخہ ۸ رجون ۱۹۰۵ء

۱۳؍جون ۱۹۰۵ء

صالح اولاد کی خواہش کرنا چاہیے

قاضی غلام حسین صاحب ڈسٹرکٹ اسسٹنٹ حصار حاضرِ خدمت ہوئے۔ چند روز ہوئے قاضی صاحب کا لڑکا چند روز کی عمر پاکر فوت ہو چکا ہے اس پر فرمایا:

جو بچہ مر جاتا ہے وہ فرط ہے۔ انسان کو عاقبت کے لیے بھی کچھ ذخیرہ چاہیے۔ میں لوگوں کی خواہشِ اولاد پر تعجب کیا کرتا ہوں۔ کون جانتا ہے اولاد کیسی ہوگی۔ اگر صالح ہو تو انسان کو دُنیا میں کچھ فائدہ دے سکتی ہے اور پھر مستجاب الدعوات ہو تو عاقبت میں بھی فائدہ دے سکتی ہے۔ اکثر لوگ تو سوچتے ہی نہیں کہ اُن کو اولاد کی خواہش کیوں ہے اور جو سوچتے ہیں وہ اپنی خواہش کو بیا نتک محدود رکھتے ہیں کہ ہمارے مال و دولت کا وارث ہو اور دُنیا میں بڑا آدمی بن جائے۔ اولاد کی خواہش صرف اس نیت سے درست ہو سکتی ہے کہ کوئی ولدِ صالح پیدا ہو جو بندگانِ خدا میں سے ہو لیکن جو لوگ آپ ہی دُنیا میں غرق ہوں وہ ایسی نیت کماں سے پیدا کر سکتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ خدا فضل مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے نیت صحیح پیدا کرنی چاہیے، ورنہ اولاد ہی عبث ہے۔ دُنیا میں ایک بے معنی رسم چلی آتی ہے کہ لوگ اولاد مانگتے ہیں اور پھر اولاد سے دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوحؑ کا لڑکا تھا۔ کس کام آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جو اس قدر مرادیں مدِنظر رکھتا ہے اگر اس کی حالت اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو تو خدا اس کی مرادوں کو خود پوری کر دیتا ہے اور جو کام مرضیٔ الٰہی کے مطابق نہ ہوں ان میں انسان کو چاہیے کہ خود خدا کے ساتھ موافقت کرے۔

شافیٔ مطلق

ایک بیمار اور اس کے علاج کا ذکر تھا۔ فرمایا:

ہر ایک مرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے مرض ہٹ جاتا ہے۔

ایمانداری

ایک مد کے متعلق فنڈ کا تذکرہ تھا۔ فرمایا:

خدا تعالیٰ سمیع و علیم ہے۔ اس سے دُعا کرتے رہو۔ خدا تعالیٰ برکت دیگا۔ اس مد کا سمجھنا ایمانداری ہے[1]۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵؍جون ۱۹۰۵ء

۱۴؍جون ۱۹۰۵ء

خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے

ایک شخص بیمار ملنے کے واسطے آیا۔ اس کے معالجہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:

خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ میر صاحب کا لڑکا محمد اسحاق سخت بیمار ہوا۔ ڈاکٹر نے مایوسی ظاہر کی ہم نے دعا کی۔ الہام ہوا:

سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ

پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے دُور نہیں۔ دُنیا سرائے فانی ہے اور معمولی موت فوت لگی ہوئی ہے۔ خدا اس کی پروا نہیں کرتا لیکن جہاں کوئی پیچ پڑجاتا ہے اور دین پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ وہاں تو خدا تعالیٰ اپنا قانون بھی بدل دیتا ہے اور معجزہ نمائی کرتا ہے۔ یوں تو مرنا کوئی جرح یا دُکھ کی بات نہیں جن کو ہم کہتے ہیں کہ مرگیا ہے وہ دُوسرے جہان میں چلا جاتا ہے۔ اور وہ جہان نیک آدمیوں کے لیے بہت عمدہ ہے مگر جہاں کوئی اعتراض دین کے لیے مزاحم ہوتا ہے وہاں خدا تعالیٰ عجائبات ظاہر کرتا ہے۔ دنیوی حکام بھی ایسا کرتے ہیں کہ کسی اہم ملکی ضرورت کے وقت قانون کی بھی پروا نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ اس نے دو گھر بناتے ہیں۔ اِدھر سے اُٹھا کر اُدھر آباد کر دیتا ہے۔

هُوَ الشَّافِيْ

طب اور معالجات کا تذکرہ تھا۔ فرمایا:

یہ سب ظنی باتیں ہیں۔ علاج وہی ہے جو خدا تعالیٰ اندر ہی اندر کر دیتا ہے جو ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ علاج یقینی ہے وہ اپنے مرتبہ اور حیثیت سے آگے بڑھ کر قدم رکھتا ہے۔ بقراط نے لکھا ہے کہ میرے پاس ایک دفعہ ایک بیمار آیا۔ میں نے بعد دیکھنے حالات کے حکم لگایا کہ یہ ایک ہفتہ کے بعد مر جائے گا۔ تیئس سال کے بعد میں نے اس کو زندہ پایا۔

بعض ادویہ کو بعض طبائع کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ اسی بیماری میں ایک کے واسطے ایک دوا مفید پڑتی ہے اور دُوسرے کے واسطے ضرر رساں ہوتی ہے۔ جب بُرے دن ہوں تو مرض سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اگر مرض سمجھ میں آجائے تو پھر علاج نہیں سوجھتا۔ اسی واسطے مسلمان جب ان علوم کے وارث ہوئے تو اُنہوں نے ہر امر میں ایک بات بڑھائی۔ بُعض دیکھنے کے وقت سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرۃ: ۳۳) کہنا شروع

کیا اور نسخہ لکھنے کے وقت ھُوالشّافی لکھنا شروع کیا۔

اسلام کی بے مثال تائید

حضرت کی خدمت میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے پالم پور کے ایک انگریز کا خط پڑھ کر سُنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اسلام کے ساتھ دلچسپی ہے اور آپ کے رسالہ میں جیسی اسلام کی تائید ہے ایسی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔[1]

۱۷ر جون ۱۹۰۵ء

کشفِ صحیح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہو سکتی ہے

ذکر آیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ میں بھی تابعین میں سے ہوں کیونکہ ایک جن نے زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا تھا میں نے اس سے ملاقات کی فرمایا:

اس سے بہتر کشفِ صحیح ہے جو بیداری کا حکم رکھتا ہے جو لوگ بذریعہ کشفِ صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کرتے ہیں وہ اصحاب میں سے ہیں۔[2]

۲۶ر جون ۱۹۰۵ء

ہمارا دارومدار خدا تعالیٰ کے حکم پر ہے

ایک دوست[3] نے تحریک کی کہ جاپان میں تہذیب کی بہت ترقی ہوتی ہے اور عیسائی لوگ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ تمام جاپانی عیسائی ہو جائیں۔ آپ نے بھی لاہور میں جاپانی زبان سیکھنے کے واسطے

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۰۵ء ۔ [2] بدر جلد ۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۰۵ء

[*] معلوم ہوتا ہے بدر کا یہ نمبر جس پر ۱۵ر جون ۱۹۰۵ء کی تاریخ درج ہے، ۱۷ر جون ۱۹۰۵ء کے بعد شائع ہوا ہے۔ کیونکہ ۱۷ر جون کی ڈائری اس میں درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

[3] الحکم نے لکھا ہے کہ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل نے یہ ذکر کیا تھا۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۰) (مرتب)

ایک مدرسہ قائم کیا ہے اور جاپان میں کئی آدمی بھیجے ہیں۔ اگر مناسب ہو تو سلسلۂ حقہ کی اس ملک میں اشاعت کے واسطے تجویز کی جائے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ہر نبی اور رسول کا آخری زمانہ اس کے سلسلہ کی نصرت کا وقت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت کا پہلا بہت سا حصہ مصائب اور تکالیف میں گذرا تھا اور فتوحات اور نصرت کا زمانہ آپ کی عمر کا آخری حصہ ہی تھا۔ ہم بھی اپنی عمر کا بہت سا حصہ طے کر چکے ہیں۔ اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب خدا کے وعدوں کے پورا ہونے کے دن ہیں۔ ہماری حالت وہ ہے کہ عدالت میں مدت سے کسی کا مقدمہ پیش ہے اور اب فیصلہ کے دن قریب ہیں۔ ہمیں مناسب نہیں کہ اور طرف توجہ کر کے اس فیصلہ میں گڑبڑ ڈال دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب اس فیصلہ کو دیکھ لیں۔ اس ملک میں جو جماعت تیار ہوئی ہے ابھی تک وہ بھی بہت کمزور ہے۔ بعض ذرا سے ابتلا سے ڈر جاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے انکار کر دیتے ہیں اور پھر بعد میں ہمکو خط لکھتے ہیں کہ ہمارا انکار دلی نہیں ہے۔ گو ایسے لوگ اس آیت کی ذیل میں آجاتے ہیں۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل: ۱۰۷) تاہم جن کے دلوں میں حلاوتِ ایمانی پورے طور سے بیٹھ جائے وہ ایسا فعل نہیں کر سکتے۔ فی الحال موجودہ معاملات میں ہی توجہ اور دعا کی بہت ضرورت ہے اور ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ اب معاملہ دور ہو جانے والا نہیں۔ ایسے معاملات میں آریوں کے ساتھ ہماری کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی۔ وہ قوم کو بڑھانا چاہتے ہیں اور ہم دنیا میں تقویٰ اور نیکی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم آریوں کی نقل کرنا چاہیں تو ان کی پیروی ہمارے لیے منحوس ہوگی۔ اور ہم کو وحی کرنے والے گویا دہی بھیڑیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ جاپانی قوم میں کسی تحریک کی ضرورت سمجھے گا تو خود ہم کو اطلاع دے گا۔ عوام کے واسطے امور پیش آمدہ میں استخارہ ہوتا ہے اور ہمارے واسطے استخارہ نہیں۔ جبتک پہلے سے خدا تعالیٰ کا منشاء نہ ہو ہم کسی امر کی طرف توجہ کر ہی نہیں سکتے۔ ہمارا دارومدار خدا تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ انسان کی اپنی کی ہوئی بات میں اکثر ناکامی ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر خدا چاہے گا تو اس ملک میں طالب اسلام پیدا کر دے گا جو خود ہماری طرف توجہ کرے گا۔ اب آخری زمانہ ہے۔ ہم فیصلہ سننے کے انتظار میں ہیں۔ ہاں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ میں اپنی جماعت کے سب لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ دن بہت نازک ہیں۔ خدا سے ہراساں و ترساں رہو۔ ایسا نہ ہو کہ سب کیا ہوا برباد ہو جائے۔ اگر تم دوسرے لوگوں کی طرح بنو گے تو خدا تم میں اور ان میں کچھ فرق نہ کرے گا۔ اور اگر تم خود اپنے اندر نمایاں فرق پیدا نہ کرو گے تو پھر خدا بھی تمہارے لیے کچھ فرق نہ رکھے گا۔ عمدہ انسان وہ ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق چلے۔ ایسا انسان ایک بھی ہو تو اس کی خاطر ضرورت پڑنے پر خدا ساری دنیا کو بھی غرق کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ظاہر کچھ اور ہو اور باطن کچھ اور تو ایسا انسان منافق ہے اور منافق کافر سے بدتر ہے۔ سب سے پہلے دلوں کی تطہیر کرو۔ مجھے

سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے۔ ہم نہ تلوار سے جیت سکتے ہیں اور نہ کسی اور قوت سے۔ ہمارا ہتھیار صرف دُعا ہے اور دلوں کی پاکیزگی۔ اگر ہم اپنے آپ کو دُرست نہ کریں گے تو ہم سب سے پہلے ہلاک ہوں گے۔ اگر خدا نہ چاہے تو جاپان میں کیا رکھا ہے؟ ہاں زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں، واشنۃ آید بکار۔ اگر ہمیں خُدا کا حکم ہو تو بغیر زبان سیکھنے کے آج ہی چل پڑیں۔ ہم ایسے معاملات میں کسی کے مشورہ پر نہیں چل سکتے۔ خدا کے منشا کے قدم بقدم چلنا ہمارا کام ہے[1]۔

بدر جلد ۱ نمبر ۱۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ رجون ۱۹۰۵ء

دُعا کی طاقت

یکم جولائی ۱۹۰۵ء کچھ بیماروں کا ذکر تھا۔ فرمایا :

میرا مذہب بیماریوں کے دُعا کے ذریعہ سے شفا کے متعلق ایسا ہے کہ جتنا میرے دل میں ہے اتنا میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ طبیب ایک حد تک چل کر ٹھہر جاتا ہے اور مایوس ہو جاتا ہے مگر اس کے آگے خدا دُعا کے ذریعہ سے راہ کھول دیتا ہے[2]۔ خدا شناسی اور خدا پر توکل اسی کا نام ہے کہ جو حدیں لوگوں نے مقرر کی ہوئی ہیں اُن سے آگے بڑھ کر رجا پیدا ہو ورنہ اس میں تو آدمی زندہ ہی مر جاتا ہے۔ اس جگہ سے اللہ تعالیٰ کی شناخت شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے ایسے معاملات میں مولوی رومی کا یہ شعر بہت پسند آیا ہے ؎

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

عام لوگوں کے نزدیک جب کوئی معاملہ یاس کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب خدا تعالیٰ اندر ہی اندر تصرفات شروع کرتا ہے اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

دُعا کے واسطے بہت لوگوں کے خطوط آتے ہیں۔ ہر ایک کے لیے جو دُعا کے واسطے لکھتا ہے دعا کرتا ہوں۔ لیکن اکثر لوگ دُعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں اور نہیں جانتے کہ دُعا کے ٹھیک ٹھکانہ پر پہنچنے کے واسطے کس قدر توجہ

---

[1] اس سلسلہ میں نیز دیکھئے ۳۱ راگست ۱۹۰۵ء کی ڈائری۔

[2] بدر میں ہے۔ "ہمارا تو اصل مذہب یہی ہے کہ اگر تمام دُنیا کے طبیب تا امید ہو جائیں اور موت کا فتویٰ لگائیں پھر بھی رُوحانی اسباب کے میسر آنے پر اور کافی توجہ کے پیدا ہونے پر دُعا قبول ہو کر شفا ہو جاتی ہے۔"

بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۶ رجولائی ۱۹۰۵ء

اور محنت درکار ہے۔ دراصل دُعا کرنا ایک قسم کی موت کا اختیار کرنا ہوتا ہے۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۵ء

---

۴ رجولائی ۱۹۰۵ء

اس زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ

عاجز[1] نے ایک اخبار ولایت کا پیش کیا جس میں عیسویت پر کچھ لے دے کی ہوئی تھی۔ فرمایا عیسائیت تو خود بخود مٹتی جاتی ہے لیکن بڑا فتنہ اس زمانہ کا دہریت والی سائنس ہے خدانخواستہ اگر اس کو دیرپا مہلت مل گئی تو پھر ساری دُنیا دہریہ ہونے کو آمادہ ہو جائے گی۔ سائنس کا اور مذہب کا اس وقت مقابلہ ہے عیسویت ایک کمزور مذہب ہے اس واسطے سائنس کے آگے فوراً گر گیا ہے لیکن اسلام طاقتور ہے۔ یہ اس پر غالب آئیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۶ رجولائی ۱۹۰۵ء

---

۶ رجولائی ۱۹۰۵ء

طبعی علوم سے خدا پہچانا نہیں جا سکتا فرمایا:

جب خدا کے ساتھ انسان اپنا معاملہ درست کرتا ہے تو خدا اس پر نعمت وارد کرتا ہے ورنہ بھوٹے

---

[1] بدر سے:۔ مگر ہم اس معاملہ میں لاچار ہیں کہ ایسی توجہ پیدا ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے ہو سکتا ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں قبول ہوتی تھیں لیکن اصحاب میں سے ایک نوجوان تازہ شادی کردہ جب سانپ سے ڈسا جا کر مر گیا۔ اور دُوسروں نے عرض بھی کی کہ اس کے واسطے دُعا کی جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ۔ اپنے بھائی کو دفن کر دو۔ لوگ دُعا کے اصل راز کو نہیں سمجھتے۔" بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ رجولائی ۱۹۰۵ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مُرتب)

پر لعنت کی مار پڑتی ہے۔ جھوٹا فلسفہ اور طبعی علوم ہمیشہ سے چلے آتے ہیں مگر ان سے خدا نہیں پہچانا جا سکتا۔

خدا تعالیٰ کی صفتِ خلق ایک آریہ مخاطب تھا۔ فرمایا :

خدا سب کا خالق ہے اور ہمیشہ سے خالق ہے۔ قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتا ہے اور اسلام کا یہی مذہب ہے کہ "لَمْ یَزَلْ خَالِقًا" مگر اس کا خلق ہمیشہ ایک قسم کا نہیں کہ ہم کہیں کہ انسان ہی پیدا ہوتے رہے یا بندر ہی پیدا ہوتے رہے بلکہ وہ ہمیشہ سے گوناگوں خلقت کا خالق ہے جس کی حد ہم نہیں پا سکتے۔ جس طرح خالق ازلی ہے اس کی پیدائش بھی ازلی ہے۔

آدم سے پہلے بھی مخلوق تھی آریہ نے سوال کیا کہ اسلام کے مطابق تو دُنیا آدم سے شروع ہوئی یعنی چھ ہزار سال سے۔ حضرت نے فرمایا :

یہ غلط ہے۔ اسلام اور قرآن شریف کا یہ مذہب نہیں کہ دُنیا چھ ہزار سال سے ہے یہ تو عیسائی لوگوں کا عقیدہ ہے مگر قرآن شریف میں تو خدا تعالیٰ نے آدم کے متعلق فرمایا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ : ۳۱) اب ظاہر ہے کہ خلیفہ اس کو کہتے ہیں کہ جو کسی کے پیچھے آوے اور اس کا جانشین ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی مخلوق تھی۔ آدم اس کا قائم مقام اور جانشین ہوا۔

آریوں کے عقائد کا رد

مَیں یہ نہیں قبول کر سکتا کہ انسان بار بار کُتے۔ بلّے اور سُور بنتا رہتا ہے۔ نہ مَیں یہ قبول کر سکتا ہوں کہ کوئی انسان ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا۔ خدا رحیم و کریم ہے۔ مَیں اس خُدا کو جانتا ہوں کہ جب انسان اس کے سامنے پاک دل کے ساتھ سچی صلح کے واسطے آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم کرتا ہے۔ جو پوری قربانی دیتا ہے اور اپنی زندگی خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ خُدا ضرور اُسے قبول کر لیتا ہے۔ بندر اور سُور بننے کا عقیدہ تو انسان کی کمر توڑ دیتا ہے۔ مُسلمان ہونے کے یہ معنے ہیں کہ انسان اپنی تمام عقلی اور اعتقادی غلطیوں سے دست بردار ہو جائے۔

بدر جلد ۱ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ مورخہ ۶ر جولائی ۱۹۰۵ء

۲۰ر جولائی ۱۹۰۵ء

ایک خواب کی تعبیر

مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا کہ میرے کپڑے کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا آگ لگ گئی ہے پانی ڈالا تو کپڑا بالکل صاف نکل آیا گویا اس کو کچھ آنچ نہ پہنچی تھی۔ فقط۔ مولوی صاحب کے والد صاحب بیمار ہیں۔

حضرت نے فرمایا :

ان کی صحت کی طرف اشارہ ہے[1]

۲۲ر جولائی ۱۹۰۵ء

دُعا کی حدود

خانصاحب ذوالفقار علی خاں کی زوجہ کلاں کی وفات کا ذکر آیا۔ عاجز[2] کو حکم دیا کہ ہماری طرف سے اُن کو تعزیت نامہ لکھ دیں۔ کہ

صبر کریں موت فوت کا سلسلہ دُنیا میں لگا ہوا ہے۔ صبر کے ساتھ اجر ہے۔

فرمایا :

قبولیتِ دُعا حق ہے لیکن دُعا نے کبھی سلسلہ موت فوت کو بند نہیں کر دیا۔ تمام انبیاء کے زمانہ میں یہی حال ہوتا رہا ہے۔ وُہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے ایمان کو اس شرط سے مشروط کرتے ہیں کہ ہماری دُعا قبول ہو اور ہماری خواہش پوری ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِاطْمَاَنَّ بِهٖ۔ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج : ۱۲) بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو اس کو اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر کوئی فتنہ پہنچے تو مُنہ پھیر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو دُنیا اور آخرت کا نقصان ہے اور یہ نقصان ظاہر ہے۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۰۵ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

فرمایا: صحابہؓ کے درمیان بھی بیوی بچوں والے تھے اور سلسلہ بیماری اور موت فوت کا بھی ان کے درمیان جاری تھا۔ لیکن ان میں ہم کوئی ایسی شکایت نہیں سنتے جیسے کہ اس زمانہ کے بعض نادان شکایت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ دنیا کی محبت کو طلاق دے چکے تھے۔ وہ ہر وقت مرنے کے لیے تیار تھے تو پھر بیوی بچوں کی ان کو کیا پرواہ تھی۔ وہ ایسے امور کے واسطے کبھی دُعائیں نہ کرواتے تھے اور اسی واسطے ان میں کبھی ایسی شکائتیں بھی نہ پیدا ہوتی تھیں۔ وہ دین کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کر چکے ہوئے تھے۔

البدر جلد ۱ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ رجولائی ۱۹۰۵ء

---

۲۴ رجولائی ۱۹۰۵ء

صبر کی تلقین پشاور کے دو دوست پیش ہوئے۔ ان کے متعلق ذکر ہوا کہ مخالفین نے ان کو بہت ہی دُکھ دیا ہے۔ فرمایا:

صبر کرنا چاہیے۔ ایسے موقعہ پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

البدر جلد ۱ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۰؍۲۴ رجولائی ۱۹۰۵ء

حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی پُر دَرد بات

تمام ہم و غم دین کے لیے ہونا چاہیے پرسوں[1] میں نے ایک دوست کی نسبت عرض کیا کہ بعض ابتلاؤں کا اندیشہ زیادہ ہو گیا ہے اور غم و ہم کے اُن کے دل پر غالب آنے کا خوف ہے۔ فرمایا:

میں نے دُعا تو بہت کی ہے اور التزاماً کرتا ہوں۔ لیکن مجھے بھی فکر رہتی ہے کہ ہر شخص دنیا کے غم و ہم میں گرفتار

---

[1] معلوم ہوتا ہے ۲۰ رجولائی کا پرچہ ۲۴ رجولائی کے بعد شائع ہوا ہے کیونکہ اس پرچہ میں ۲۲ رار اور ۲۴ رجولائی کی ڈائری شائع ہوئی ہے۔ (مرتب)

[2] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ملفوظات ۲۶ رجولائی ۱۹۰۵ء کو لکھے جو ۲۷ رجولائی ۱۹۰۵ء کے البدر میں "حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السلام کی پُر دَرد بات" کے عنوان سے شائع ہوئے اس لحاظ سے یہ ۲۴ رجولائی کے بیان فرمودہ ہیں کیونکہ ۲۶ تاریخ کو اگر پرسوں کا حوالہ دیا جائے تو ۲۴ ہی بنتا ہے۔ (مرتب)

ہے۔ دین کے غم وہم کا موقعہ انہیں کب ملے گا۔ اس زندگی میں مصائب کا آنا ضروری ہے اور انسان کی زندگی کے محدود اوقات میں کوئی نہ کوئی وقت کسی حادثہ اور رنج کا نشانہ ہوتا ہے۔ اگر اسی طرح ایک شخص کی رُوح دُنیا کے بگڑے ہوئے معاملات کی فکر میں پیچ و تاب کھاتی رہے تو وہ وقتِ صافی اسے کب میسّر آئے گا جبکہ اس کا سارا غم وہم دین ہوگا۔ وہ جماعت جس نے بیعت میں اقرار کیا ہے کہ وہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھیں گے وہ بھی اگر اسی دلدل میں دن رات پھنسے ہیں تو بتائیں وہ اس نازک عہد کے ایفاء کی طرف کب توجہ فرمائیں گے۔

فرمایا :

مَیں تو حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ جب سے مجھے ہوش ہے مَیں دُنیا کے ہم وغم میں کبھی مبتلا نہیں ہوا۔

فرمایا :

جب میری عمر غالباً پندرہ برس کی ہوگی ایک کھتری سے مَیں نے کہا جو حضرت والد صاحب کے حضور میں بیٹھا ہوا اپنی تلخ کامیابیاں اور ناکامیاں بیان کرتا اور سخت کڑھ رہا تھا۔ مَیں نے کہا۔ لوگ دُنیا کے لیے کیوں اس قدر دُکھ اُٹھاتے اور اس کے غم وہم میں گرفتار ہیں۔ اس نے کہا تم ابھی بچہ ہو۔ جب گرہستی ہوگے تب تمہیں ان باتوں کا پتہ لگے گا۔ فرمایا۔ ایک عرصہ کے بعد جب غالباً میری عمر چالیس کے قریب ہوگی کسی تقریب سے پھر اسی کھتری سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ مَیں نے کہا۔ اب بتاؤ اب تو مَیں گرہستی ہوں۔ اس نے کہا۔ تم تو ویسے ہی ہو۔

فرمایا :

ہر شخص اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ دین و دُنیا میں سے کس کا زیادہ غم اس کے دل پر غالب ہے۔ اگر ہر وقت دل کا رُخ دنیا کے اُمور کی طرف رہتا ہے تو اُسے بہت فکر کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ کلماتِ الٰہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔

فرمایا : کاش لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ جس شخص کا تمام ہم وغم دین کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے دُنیا کے ہم وغم کا اللہ تعالیٰ متکفل و متولی ہو جاتا ہے۔ فرمایا۔ میں نے کبھی نہیں سُنا اور نہ کوئی کتاب گواہی دیتی ہے کہ کبھی کوئی نبی بھوکا مرا ہو یا اس کی اولاد دروازوں پر بھیک مانگتی پھرتی ہو۔ ہاں دُنیا کے ملوک اور امراء اور اغنیاء کا یہ بُرا حال اکثر سُنا گیا ہے کہ اُن کی اولادنے در بدر ٹکڑے مانگے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی سنتِ مستمرہ ہے کہ کبھی کوئی کامل مومن بسترِ نرم سے خاکسترِ گرم پر نہیں بیٹھا اور نہ اس کی اولاد کو روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا۔ اگر لوگ ان باتوں پر پختہ ایمان لے آئیں اور سچا اور پاک بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کریں تو ہر قسم کی رُوحانی خودکشی اور دلی جلن سے رہائی پا جائیں۔

فرمایا : اکثر لوگوں کو اولاد کی آرزو بھی اس خیال سے لگی رہتی ہے کہ کوئی اُن کی مُردار دنیا کا وارث پیدا ہو جائے۔ نہیں جانتے کہ اگر وہ بدکار و ناہنجار نکلے تو اُن کا کمایا ہوا روپیہ اور اندوختہ فسق و فجور میں ان کا

معاون ہوگا اور انکی سیاہ کاریوں کا ثواب[1] اُن کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوتا رہے گا۔ فرمایا: اولاد کی آرزو کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کا سا دل درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں اس کا ذکر کرنا اس لیے ہے کہ حضرت زکریاؑ کی دعا دلِ صالح کے لیے مومنوں کے لیے اُسوہ ٹھہر جائے۔ فرمایا: زندگی ناقابلِ اعتبار ہے۔ فرصت بہت کم ہے۔ ہر ایک کو چاہیے کہ دین کی فکر میں لگ جائے۔ اس سے بہتر نسخہ عمر بڑھانے اور برکت کا نہیں۔

بدر جلد ۱ نمبر ۱، صفحہ ۲ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۰۵ء

---

۲۶ جولائی ۱۹۰۵ء

بوقت نماز فجر

اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا موقع

آج صبح تین بجے کے قریب زلزلہ کا سخت دھکا لگا۔ صبح کی نماز میں حضرت تشریف لائے۔ فرمایا:

کل میں دُعا کر رہا تھا کہ ایسے لوگ شرارتوں میں بڑھ رہے ہیں اور غفلت نے اُن کے قلوب موٹے کر دیئے ہیں کہ اگر یونہی سکون و قرار رہا تو ان کا استہزاء ترقی کر جائے گا۔ اس سلسلہ کو جاری رہنا چاہیے۔ فرمایا:

اب ان مادہ پرست منکرانِ قدرتِ الٰہی کا مقابلہ اللہ تعالیٰ سے آپڑا ہے۔ یہ حکم لگاتے ہیں کہ کوئی آفت آنے والی نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ:

ہماری جماعت کے لیے اب عمدہ وقت ہے کہ ایک تبدیلی اپنے اندر پیدا کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن کے لیے تبدیلی کرے۔

فرمایا:

خدا تعالیٰ کا معاملہ انسان کے ساتھ اس کے گمان اور تبدیلی کے اندازہ پر ہوتا ہے سو خدا تعالیٰ پر نیک گمان رکھو اور دُعا اور اُمید میں کبھی نہ تھکو اور نہ مایوس ہو۔

---

[1] حاشیہ:۔ بمعنی اجر۔ بدلہ (مرتب)

ایک الہام اور اس کی تشریح

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

ترجمہ :۔ میں ایک مخفی خزانہ تھا پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں

فرمایا :

یہ صفاتِ الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ میں کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ پوشیدہ رہتی ہے جب ایک اصلاح کا زمانہ دُور پڑ جاتا ہے اور لوگوں میں خُدا شناسی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ پھر اپنی معرفت کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اس کی معرفت دُنیا میں پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ میں وہ مخفی ہوتا ہے اس زمانہ میں عابدوں کی عبادت اور زاہدوں کے زُہد بھی ادھورے اور نکمے رہ جاتے ہیں۔ یہ الہام براہینِ احمدیہ میں بھی درج ہے۔ لیکن اب پھر اس کے خاص ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے دوبارہ یہ الہام ہوا ہے۔

باطنی عالمِ اسباب

فرمایا :

دُعا اور توجہ میں ایک رُوحانی اثر ہے جس کو طبعی لوگ جو صرف مادی نظر رکھنے والے ہیں نہیں سمجھ سکتے سنت اللہ میں دقیق در دقیق اسباب کا ذخیرہ ہے جو دُعا کے بعد اپنا کام کرتا ہے۔ نیند کے واسطے طبعی اسباب رطوبات کے بیان کئے جاتے ہیں مگر بہت دفعہ آزمائش کی گئی ہے کہ بغیر رطوبات کے اسباب کے ایک نیند سی آجاتی ہے اور ایک حالت طاری ہوتی ہے جس میں سلسلہ الہامات کا وارد ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات ایسا لمبا سلسلہ ہوتا ہے کہ انسان بار بار اپنے رب سے سوال کرتا ہے اور رب جواب دیتا ہے۔ ایسا ہی بعض مادی لوگوں نے چند ظاہر اسباب کو دیکھ کر فتویٰ لگا لیا ہے کہ اب زلازل کا خاتمہ ہے اور دو سو سال تک یہاں کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ لیکن یہ لوگ دراصل اللہ تعالیٰ کے باریک رازوں اور اسباب سے بے خبر ہیں۔ وہ ظاہر عالمِ اسباب کو جانتے ہیں لیکن اس کا ایک باطنی عالمِ اسباب بھی ہے ؎

فلسفی کو منکرِ حنانہ است
از حواسِ اولیاء بیگانہ است

اس جہان کے لوگ جب فتنہ و فساد کی کثرت کو دیکھ کر اس کی اصلاح سے عاجز آجاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ

اپنے خاص بندوں کو ایسے قویٰ عطا کرتے ہیں جن کی توجہ سے سب کام درست ہو جاتے ہیں۔ یہانتک کہ دُعا کے ذریعہ سے عمریں بڑھ جاتی ہیں۔

انبیاء خلقت کی ہدایت کے واسطے بہت توجہ کرتے ہیں۔ اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (الکہف: ۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کا اس قدر غم تھا کہ قریب تھا کہ اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیں۔

ظاہری قیل و قال سے کچھ نہیں ہوتا۔ اندرونی صفائی اور رُوحانیت کی ضرورت ہے۔[1]

۲۸ر جولائی ۱۹۰۵ء

محترمہ فاطمہ زوجہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا ذکرِ خیر

حضرت مولوی نورالدین صاحب کی زوجہ کلاں جن کا نام فاطمہ تھا۔ بتاریخ ۲۸ر جولائی ۱۹۰۵ء بروز جمعہ بعد نماز مجمعہ اس دارِ فانی سے رحلت فرماگئیں ..... مرحومہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سچا اخلاص اور ایمان تھا۔ کہا کرتی تھیں کہ یہ مولوی صاحب کا احسان ہے کہ ہم نے خدا کے مسیح کو شناخت کر لیا لیکن اب تو میرے دل میں خدا کے رسول کی اس قدر محبت ہے کہ اگر کوئی بھی اس سے پھر جائے میں اس سے مُنہ نہیں پھیر سکتی۔

بعد از عصر مرحومہ کا جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بمعہ جماعت کثیر باہر میدان میں پڑھا۔ نماز جنازہ میں دُعا کو بہت ہی لمبا کیا۔

قبل از عشاء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حضرت نے خود ہی مرحومہ کا ذکر کیا۔ فرمایا:

"وہ ہمیشہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں اور میں نے دل میں پختہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ کیسا ہی بارش یا آندھی وغیرہ کا بھی وقت ہو میں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ آج اللہ تعالیٰ نے ایسا عمدہ موقعہ دیا کہ طبیعت بھی درست تھی اور وقت بھی صاف میسّر آیا اور میں نے خود جنازہ پڑھایا۔"

عاجزؓ نے عرض کی ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ میری وفات جمعہ کے دن ہو۔ فرمایا:

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۷ر جولائی ۱۹۰۵ء ؛ [2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

"ہاں وہ ایسا کہا کرتی تھیں۔ خُدا تعالیٰ نے یہ خواہش بھی ان کی پُوری کر دی۔ چند روز ہوئے ابھی ہم باغ میں تھے کہ وہ ایک دن سخت بیمار ہوگئیں اور قریب موت کے حالت پہنچ گئی تو کہنے لگیں کہ آج تو منگل ہے اور ہنوز جمعہ دُور ہے اور ابھی عید الحی کی آمین بھی نہیں ہوئی۔ قُدرتِ خدا اُس وقت طبیعت بحال ہوگئی اور پھر خواہش کے مطابق عید الحی کی آمین کی خوشی بھی دیکھی اور آخر جمعہ کا دن بھی پایا۔

فرمایا : یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک بزرگ کسی شہر میں بہت بیمار ہوگئے اور موت تک حالت پہنچ گئی تب اپنے ساتھیوں کو وصیت کی کہ مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ دوست حیران ہوئے کہ یہ عابد زاہد آدمی ہیں۔ یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی کیوں خواہش کرتے ہیں شاید اس وقت حواس دُرست نہیں رہے۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ بزرگ نے کہا کہ تم میرے فقرہ پر تعجب نہ کرو۔ مَیں ہوش سے بات کرتا ہوں اور اصل واقعہ یہ ہے کہ تیس سال سے مَیں دُعا کرتا ہوں کہ مجھے موت طوس کے شہر میں آوے پس اگر آج مَیں یہاں مرجاؤں تو ہر شخص کی تیس سال کی مانگی ہوئی دُعا قبول نہیں ہوئی وہ مُسلمان نہیں ہے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ اس صورت میں مُسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو کر اہلِ اسلام کو دھوکا دُوں اور لوگ مجھے مسلمان جان کر میری قبر پر فاتحہ پڑھیں۔ قدرت خداوندی وہ اس وقت تندرست ہوگیا اور پھر دس پندرہ سال کے بعد شہر طُوس میں بیمار ہو کر فوت ہوگیا۔

فرمایا : مرحومہ نے اپنی عمر میں بہت شدائد اور مصائب اُٹھائے۔ کتنی اولاد مرگئی۔ یہ مصائب جو قضاوقدر سے انسان پر پڑتے ہیں اس کی کمی پوری کر دیتے ہیں جو انسان سے اعمالِ حسنہ میں رہ جاتی ہے۔

جب حضرت کے ہاں صاحبزادہ میاں بشیر احمد تولد ہوئے تھے تو حضرت نے مرحومہ کو فرمایا تھا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ اس واسطے بشیر احمد کے ساتھ مرحومہ کو خاص محبت تھی۔ صاحبزادہ بشیر احمد جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اس طرح موجود رہے کہ اُن کا چہرہ اس اندرونی محبت کو ظاہر کرتا تھا۔[1]

۲۹ر جولائی ۱۹۰۵ء (قبل از عشاء)

دُعاؤں کی قبولیت کے لوازمات

بعد نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے اور عشاء کی نماز کی اذان ہوتے

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۷ صفحہ ۱، مورخہ ۲۷ر جولائی ۱۹۰۵ء

ہی تشریف لاکر شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ شیخ مظہرالدین صاحب انسپکٹر پولیس پشاور چند روز سے اپنی محترمہ ہمشیرہ صاحبہ کو لے کر آئے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب کی ہمشیرہ ایک صدمہ رسیدہ خاتون ہے اور متواتر موت کے صدموں نے انہیں سخت شکستہ خاطر بنا دیا ہے۔ وہ اپنے معزز بھائی کے ہمراہ اس غرض سے دارالامان آئی ہوئی تھیں کہ حضرت اقدس سے دُعا کرائیں تاکہ درد رسیدہ دل پر سکینت کا نزول ہو اور آپ کی پُراثر نصائح سے اطمینانِ خاطر ہو۔ حضرت مخدوم الملت نے حضرت حکیم الامت کے اشارہ سے شیخ صاحب کے لیے اجازت چاہی کہ وہ ایک ضروری کام اور تفکر کی وجہ سے جلد جانا چاہتے ہیں۔ فرمایا :

مَیں نے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کو بہت کچھ سمجھایا ہے اور اُن کے لیے دُعا بھی کی ہے۔ اور وعدہ بھی کیا ہے کہ دُعا کروں گا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ آپ یاد دلاتے رہیں۔ مَیں نے اُن کو کہہ دیا تھا کہ مولویانہ وعظ و نصیحت سے آپ کے دل کو تسلی نہیں ہوگی۔ یہ تسلی تو خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے آئے گی کیونکہ جس نے دل بنایا ہے وہ دل پر اثر ڈال سکتا ہے اور یہ سب کچھ دعاؤں سے ہی ممکن ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ انہیں بہت فائدہ ہوا ہے۔

فرمایا : دُعاؤں میں جو وُجد بخدا ہو کر توجہ کی جاوے تو پھر ان میں خارقِ عادت اثر ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دُعاؤں میں قبولیت خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے اور دُعاؤں کے لیے بھی ایک وقت جیسے صبح کا ایک خاص وقت ہے اس وقت میں خصوصیت ہے وہ دُوسرے اوقات میں نہیں۔ اسی طرح پر دُعا کے لیے بھی بعض اوقات ہوتے ہیں جبکہ ان میں قبولیت اور اثر پیدا ہوتا ہے۔

فرمایا : عام انسان صدموں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کے قلوب ہوتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے صدمات اور مشکلات کو برداشت کرتے ہیں اور ذرہ بھی نہیں گھبراتے۔

فرمایا : بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ تقریر سے دل تسلی پکڑتا ہے۔ لیکن بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام میں صدہا مخفی اسرار ہوتے ہیں جن کو انسان کبھی سمجھ لیتا ہے اور کبھی نہیں۔ انسان کو چونکہ آخرت کے ذخیرہ کی ضرورت ہے اور بعض اوقات انسان کے افعال ایسے نہیں ہوتے جو آخرت میں کام دیں اس لیے اللہ تعالیٰ قضاء و قدر سے اس کا تدارک کر دیتا ہے جس طرح پر انسان روزہ رکھتا ہے تو اس روزہ کے ساتھ سحری بھی ہے اور اس میں اس کو اجازت ہے کہ جو چاہے سو کھائے لیکن قضاء و قدر کا جو روزہ ہے اس کے لیے کونسی سحری ہے؟

ایک الہام فرمایا :

آج اللہ تعالیٰ نے میرا ایک اور نام لکھا ہے جو پہلے کبھی سُنا بھی نہیں۔ تھوڑی سی غنودگی ہوئی اور الہام ہوا۔
"محمد مُفلح"

ورا الورا اسباب زلزلہ کے متعلق مختلف ذکر ہوتے رہے۔ فرمایا :

امور کا پتہ رکھنا چاہیئے تاکہ جب پیشگوئی پوری ہو تو اس کو بھی اشتہار بھیجا جاوے۔

فرمایا :

عام لوگوں کا علم یہیں تک محدود ہے کہ عام اسباب مادیہ کے ماتحت تحریکات ہوتی ہیں۔ لیکن اسی حد تک ختم کر دینا یہ سخت غلطی ہے۔ قضاء و قدر کے اسباب بعض اوقات ورا الورا ہوتے ہیں اور ان کا تعلق محض کُنْ فَیَکُوْنُ سے ہی ہوتا ہے جسے دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر یہ اسباب اسی حد تک ہوتے جہاں تک یہ لوگ سمجھے بیٹھے ہیں تو پھر تو گویا خدائی ہی کو اپنے قبضہ میں لے آتے۔ پہلی اُمتوں پر جو جو عذاب آئے ہیں۔ اگر ان کے حکماء کو اُن کے اسباب کی خبر ہوتی تو وہ اُن کو بچا کیوں نہ لیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اسباب ورا الورا رہتے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس خارقِ عادت نشان سے بہت سے لوگ سیدھے ہو جائیں گے۔[1]

۳۰ر جولائی ۱۹۰۵ء قبل از عشاء

مسیح موعود اور آپ کے مخالفین میں فرق

حسبِ معمول جب حضرت قبل عشاء تشریف لائے تو سب سے اوّل لودھی ننگل کے متصل آئے ہوئے چار آدمیوں نے بیعت کی۔ بعد بیعت تذکرہ ہوا کہ موضع تیجہ متصل لودھی ننگل میں مولوی ثناء اللہ امرتسری گیا تھا۔ وہاں اس نے مجمع عام میں اثنائے وعظ میں کہا کہ مرزا صاحب کے مرید لا الٰہ الا اللہ مرزا غلام احمد رسول اللہ۔ یہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس پر ایک مخالف مگر انصاف پسند شخص نے

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء

کھڑے ہو کر کہا کہ مولوی صاحب اگر یہ کلمہ مرزا صاحب کی کسی تصنیف سے نکال دیں تو میں پانچسو روپیہ ابھی آپکو نقد انعام دیتا ہوں۔ یہ تحدی سُنکر مولوی صاحب چکرائے اور اکثر لوگ بیزار ہو کر حلقہ وعظ سے اُٹھ گئے مولوی صاحب اپنا سا مُنہ لے کر واپس آئے۔

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

ہمارے اور دوسرے مخالفوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لاکرامت بناتے ہیں اور ہم اُمت کو مسیح بناتے ہیں[1]

بلا تاریخ

صحیح علم کی ضرورت اور اس کے حصول کا ذریعہ

قوتِ ذوق شوقِ علم سے پیدا ہوتی ہے جبتک علم اور معرفت نہ ہو کیا ہو سکتا ہے۔ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) کی دُعا میں یہ بھی ایک سِرّ ہے کیونکہ جس قدر آپ کا علم وسیع ہوتا گیا اسی قدر آپ کی معرفت اور آپ کا ذوق شوق ترقی کرتا گیا۔ پس اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں اسے ذوق شوق پیدا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت صحیح علم حاصل کرنا چاہیے اور یہ علم کبھی حاصل نہیں ہوتا جبتک انسان صادق کی صحبت میں نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی تازہ بہ تازہ تجلیات کا ظہور مشاہدہ نہ کرے۔

کامل وفاداری کی ضرورت

اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور سچا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان پورا وفادار اور مخلص ہو۔ جو شخص وفادار نہیں اگر وہ ہر روز اس قدر روتا رہے کہ اس کے آنسوؤں کا چھپڑ لگ جاوے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل وفاداری کا نمونہ ہو۔

موت کا واعظ

انسان کی عجیب حالت ہے کہ اگر کہیں سانپ نکلے تو اس سے دہشت کھاتا ہے اور جس اندر کی بابت اُسے گمان ہو کہ یہاں سانپ ہے وہاں جاتے ہوئے ڈرتا

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷/۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء [2] جوہر۔

ہے لیکن ہزاروں تجارب موت فوت کے اس کے سامنے ہیں اور پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتا؛ ورنہ ایک موت ہی کا واعظ اس کی اصلاح کے لیے کافی تھا۔

جھوٹے قصّوں پر ایمان کا نتیجہ

جھوٹے قصّوں سے جھوٹا بھروسہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر اصلیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جیسے کیمیا کی وہمی باتوں کے بھروسہ میں انسان اگلی دولت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ جھوٹے خیالات اور خیالی قصّوں کا بھی اثر ایمان پر ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے چھوڑتے ہیں وہ آخر اسی مرض میں گرفتار ہو کر اپنا ایمان ضائع کر لیتے ہیں۔ قرآن شریف میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو انسان کو دھوکا دے۔

اصل میں انسان کے ایمان کی تازگی اسی وقت شروع ہوتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان لاتا ہے اسی وقت اس کے گناہ دُور ہونے لگتے ہیں۔ حقیقی ایمان جب تک پیدا نہیں ہوتا گناہ کی زہر سے انسان بچ نہیں سکتا۔ میرے نزدیک ایمان کی شناخت کا یہی بڑا معیار ہے اور ہر شخص اپنے ایمان کو اس پر آزما سکتا ہے۔ اس لیے دلیل ظاہر ہے کہ جو لوگ سم الفار کو زہر سمجھتے ہیں وہ اُسے نہیں کھاتے، اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کو کھا کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اسی طرح پر گناہ بھی ایک زہریلا پھل ہے جسے کھاتے ہی انسان مر جاتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو انسان اس پھل کے نزدیک جانے سے ڈرتا ہے۔ اس پر اس کی ہلاکت کی تاثیروں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ بے حیائی اور کھلی بدکاری کی بیماری جو دُنیا میں پھیل رہی ہے یہ دہریت کے روگ سے شروع ہوئی ہے اور اس کی جڑ کفارہ کے جھوٹے فسانے ہیں۔

دُنیا پرستی کی وجہ

دُنیا پرستی کی حد ہو گئی ہے۔ ہر شخص دُنیا ہی کا شیدائی نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جدھر آنکھ اُٹھاتا ہے اَبنائے دُنیا ہی کو دیکھتا ہے۔ چونکہ ایسے مخلصوں کی نظیریں بہت ہی کم ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل تعلقات کا نمونہ ہوں اس لیے اس طرف توجہ ہی نہیں۔ برخلاف اس کے دُنیا پرستوں کی نظیریں نظر آتی ہیں۔ اس لیے ہر شخص اس طرف کو جھکتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف بہت ہی کم لوگ آتے ہیں کیونکہ خُدا کی راہ اختیار کرنا دُنیا سے باہر ہو جانا ہے۔ جبتک انسان ایک موت اختیار نہیں کر لیتا اس راہ سے داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔

لہ الحکم جلد ۹ نمبر ۲۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء

یکم اگست ۱۹۰۵ء

دربار شام

سڑدعہ ضلع ہوشیارپور سے آتے ہوئے دو بھائی داخلِ بیعت ہوئے۔ فرمایا:
بیعت میں داخل ہونیوالوں کے اسماء کو باقاعدہ لکھا جاوے۔ اگر یہ سب نام لکھے جائیں تو ان مشکلات کا سامنا نہ ہو جو بعض وقت پیش آتی ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ایک خط کا ذکر ہوا جو انہوں نے منشی حسین بخش صاحب تحصیلدار پنڈی گھیب حال رخصتی قادیان کے نام لکھا۔ فرمایا:۔

معلوم نہیں وہ کونسی بدی تھی جس نے اسکو سلسلہ کی شناخت سے محروم رکھا۔ تاہم جب تک وہ زندہ ہے ہم اس پیشگوئی کی کوئی تاویل نہیں کرتے جو اس کے متعلق ہے کہ وہ آخر رجوع کرے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اوائل میں وہ بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ بٹالہ کے سٹیشن پر خود اس نے حامد علی سے لوٹا لے کر مجھے وضو کرایا اور جب میں اُٹھتا تو میرا جوتا اُٹھا کر آگے رکھ دیتا تھا۔ اس میں دوسرے مولویوں کی نسبت ایک بات تو ہے وہ یہ کہ کبھی بات کو مان لے تو دلیری کے ساتھ اس کا اعلان کر سکتا ہے۔

مثیلِ مسیح

فرمایا: میں حیران ہوں کہ میرا معاملہ تو بالکل صاف تھا۔ تین باتیں تھیں۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ بھی تسلیم کر لیا اور امت کے مثیلِ یہود ہو جانے کا بھی اقرار کر لیا۔ اور عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (حدیث) کو بھی تسلیم کیا۔ ان ساری باتوں کو تو مثیل کے طور پر مانا لیکن مسیح کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہی آئے گا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

یہ تو ایسی ہی مثال ہے جیسے دو بھائی ہیں۔ جب ان میں کوئی تقسیم ہو تو ہر ایک قسم کی چیزیں انہیں دی جاتی ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں یہودیوں کے مثیل مانتے ہیں تو اس میں کیوں موت پڑتی ہے کہ ایک مسیح بھی تسلیم کر لیں۔

فرمایا: میں دیکھتا ہوں۔ براہین میں میرا نام اصحاب الکہف بھی رکھا ہے۔ اس میں یہ سِر ہے کہ جیسے وہ مخفی تھے اسی طرح پر تیرہ سو برس سے یہ راز مخفی رہا اور کسی پر نہ کھُلا۔ اور ساتھ اس کے جو رقیم کا لفظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود مخفی ہونے اس کے ساتھ ایک کتبہ بھی ہے۔ اور وہ کتبہ یہی ہے کہ تمام نبی

اس کے متعلق پیشگوئی کرتے چلے آتے ہیں۔[1]

۳؍اگست ۱۹۰۵ء

خدا تعالیٰ کی تازہ وحی

رؤیا میں دیکھا کہ ایک لفافہ ہے جس میں کچھ پیسے ہیں۔ کچھ پیسے اس میں سے نکل کر باہر سامنے بھی پڑے ہیں۔ اس کے بعد الہام ہوا:

"تیرے لیے میرا نام چمکا"

فرمایا: اس الہام سے پہلے اگرچہ خواب میں پیسے دیکھے گئے جو کسی جھگڑے یا غم پر دلالت کرتے ہیں مگر وحیٔ الٰہی صریح لفظوں میں دلالت کرتی ہے کہ اس کے بعد کوئی نشان ظاہر ہوگا جس کے واقعہ سے خدا تعالیٰ اپنے نام اور اپنی ہستی کو لوگوں پر ظاہر کرے گا۔[2]

الہام کا دروازہ کھلا ہے

فرمایا۔ جیسا ہمارے علماء کا عقیدہ ہے کہ اب الہام کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو ایک عارف طالب تو زندہ ہی مرجاتا۔ خدا بخیل نہیں ہے۔ اس نے خود صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۷) کی دُعا سکھائی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ان نعمتوں کا دروازہ کھلا ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کا بھی یہی مذہب تھا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمیں جو الہام ہوتا ہے وہ شیطانی ہے یا الٰہی[3] ہے۔ ہمیں تعجب آتا ہے کہ ان لوگوں کا ایسے الہام اور اس عقیدہ کے بعد کیا حال ہوتا ہے۔ اگر اس پر عمل کریں تو ممکن ہے شیطان کے فرمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو یہ شُبہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں۔ یہی حال الٰہی بخش اکونٹنٹ کے الہامات کا ہے۔ اُن سے تو موسیٰ کی ماں ہی اچھی رہی جس نے خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان قائم کرکے اپنے بچے کو دریا میں رکھ دیا۔[4]

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۵ء

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۳؍اگست ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۵ء

[3] غالباً یہ لفظ "الٰہی" ہے جو کاتب کی غلطی سے "الہامی" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

[4] بدر جلد ۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۳؍اگست ۱۹۰۵ء

دربارِ شام

(نوٹ از ایڈیٹر) شام کی تاریخی قلمبند کرنے کی اجازت نہ دیتی تھی اس لیے میں نے خداداد قوتِ حافظہ کی مدد سے اپنے الفاظ میں اس روئداد کو لکھا ہے جو بزرگ اس اجلاس میں موجود تھے وہ اسے پڑھ کر انشاء اللہ سمجھ لیں گے کہ میں اس کے لکھنے میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہوا ہوں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین (ایڈیٹر الحکم)

انبیاء کے کلام میں عجز و انکسار کا اظہار

سلسلہ کلام اس امر سے شروع ہوا کہ تمام نبیوں اور راستبازوں کے کلام میں عجز و انکسار کے الفاظ اور اپنی کمزوری کا اظہار پایا جاتا ہے اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اشتہار متعلقہ زلزلہ میں اس قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے اعتراض کیا ہے۔ علیحضرت نے میرے معزز بھائی مفتی محمد صادق صاحب کو غالباً بائبل میں ایسے مقامات دیکھنے کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔ اس کا ذکر مفتی صاحب نے کیا۔ اس پر علیحضرت نے فرمایا:

اس قسم کے الفاظ تمام نبیوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ ان کی معرفت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مقام کو شناخت کرتے ہیں۔ اس لیے نہایت انکسار اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ نادان جن کو اس مقام کی خبر نہیں ہے۔ وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں؛ حالانکہ یہ ان کی کمال معرفت کا نشان ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر-۲) آیا ہے۔ اس میں صاف فرمایا ہے تو استغفار کر۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے یہی مراد ہے کہ تبلیغ کا جو عظیم الشان کام تیرے سپرد تھا۔ دقائقِ تبلیغ کا پورا پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لیے اگر اس میں کوئی کمی رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دے۔ یہ استغفار تو نبیوں اور راستبازوں کی جان بخش اور عزیز چیز ہے۔ اب اس پر نادان اور کوتاہ اندیش عیسائی اعتراض کرتے ہیں۔ جہاں استغفار کا لفظ اُنہوں نے سُن لیا۔ جھٹ اعتراض کر دیا؛ حالانکہ اپنے گھر میں دیکھیں تو مسیح کہتا ہے کہ مجھے نیک مت کہہ۔ اس کی تاویل عیسائی یہ کرتے ہیں کہ مسیح کا منشا یہ تھا کہ مجھے خدا کہے۔ یہ کیسے تعجب کی بات ہے۔ کیا مسیح کو ان کی والدہ مریم یا اُن کے بھائی خدا کہتے تھے جو وہی آرزو اس شخص سے رکھتے تھے کہ وہ بھی خُدا کہے۔ اُنہوں نے یہ لفظ تو اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بھی نہیں سُنا تھا۔ وہ بھی اُستاد۔ اُستاد ہی کہا کرتے تھے۔ پھر یہ آرزو اس غریب سے کیونکر ان کو ہوئی۔ کیا وہ خوش

ہوتے تھے کہ کوئی انہیں خدا کہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اُن کو نہ کسی نے اوتار[1] کہا اور نہ انھوں نے کہلوایا۔

پھر ایک اور توجیہہ کرتے ہیں کہ دراصل وُہ شخص منافق تھا۔ اس لیے حضرت مسیح گویا خفا ہوتے کہ تو نیک کیوں کہتا ہے کیونکہ تو مجھے نہیں جانتا۔ یہ بھی بالکل غلط بات ہے کہاں سے معلوم ہوا کہ وہ منافق تھا۔

غرض اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے رہتے ہیں اور دعاؤں میں لگے رہتے ہیں۔ احمق ان باتوں کو عیب سمجھتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کو دیکھا جاوے تو پھر ایسے احمق اعتراض کرنے والے تو خدا جانے کیا کیا کہیں۔ جیسے۔ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ[2]۔

گرمیوں کو روحانی ترقی کے ساتھ مناسبت ہے

ایک مخلص نے پہاڑ پر جانے کے لیے اجازت چاہی۔ اس کے متعلق تذکرہ آنے پر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے بالکل سچے ہیں جبکہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی عذاب شدید آنے والا ہے تو اس کا کوئی وقت تو ہمیں معلوم نہیں ہے اس لیے بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ پہاڑوں پر کیا ہے۔ ہم تو گرمیاں یہاں ہی بسر کرتے ہیں کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ میں ایک مرتبہ ڈلہوزی گیا۔ کسی مقدمہ کی تقریب تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو خلافِ عادت دیکھا کہ گرمی ہے اور پسینہ آتا ہے۔ بارش ہوتی ہے اور بادل گھروں میں اندر گھس آتے۔ ہر وقت اندر بیٹھے رہنا نہ چلنے پھرنے کے لیے موقعہ ہے۔ اگر ہر روز جاتے نہ پیئں تو اسہال آجائیں۔ ایک دو دن میں نے گذارے پھر سخت تکلیف محسوس ہونے لگی اور میں جب تک پٹھانکوٹ نہ پہنچ گیا طبیعت میں نشاط اور انشراح پیدا نہ ہوا۔ ان کو لکھ دو کہ وہ یہاں آجائیں۔ اگر بارش ہوتی رہی تو یہاں بھی موسم اچھا ہے اور ۱۵ ستمبر تک تو امید ہے موسم میں بڑی تبدیلی ہو جائے گی۔

فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ گرمیوں کو بھی رُوحانی ترقی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ جیسے شہر میں پیدا کیا اور پھر آپ ان گرمیوں میں تنہا غارِ حرا میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کیسا عجیب زمانہ ہوگا۔ آپ ہی ایک پانی کا مشکیزہ اُٹھا کر لے جاتے ہوں گے۔

---

[1] کاتب کی غلطی ہے یہ لفظ "خُدا" ہونا چاہیے۔ (مرتب)

[2] ترجمہ:۔ اے اللہ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اسی طرح بُعد اور دُوری پیدا فرما دے جس طرح مشرق اور مغرب کے درمیان تُو نے بُعد پیدا فرمایا ہے۔ (مرتب)

انبیاء کی خلوت پسندی

اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دُنیا اور اہلِ دُنیا سے ایک نفرت اور کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بالطبع تنہائی اور خلوت پسند آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپ اس تنہائی میں ہی پوری لذت اور ذوق پاتے تھے ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گذارتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے بہادر اور شجاع تھے۔ جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر شجاعت بھی آجاتی ہے اس لیے مومن کبھی بُزدل نہیں ہوتا۔ اہلِ دُنیا بزدل ہوتے ہیں۔ اُن میں حقیقی شجاعت نہیں ہوتی ہے۔

اس بات کو سُن کر خدا تعالیٰ سے جس قدر تعلقات شدید ہوتے ہیں اور ایسے لوگ تنہائی اور خلوت کو پسند کرتے ہیں بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پھر ان نبیوں اور رسولوں کے بیوی بچے کیوں ہوتے ہیں ؟ وُہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ایسا اعتراض کرنے والے نہیں سوچتے کہ ان لوگوں کی تو ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو کسی کے دروازے پر بھیک مانگنے جاوے اور ایک اس کا دوست ہو اور وہ محض اس سے ملنے ہی کے لیے گیا ہو۔ اب اگر وہ دوست اپنے دوست کے سامنے پلاؤ وغیرہ لاکر رکھ دیتا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ اس دوست کو تو اس کے کھانے میں لذت آتی ہے اور وہ گدا جو ہے اس کو خشک روٹی کا ٹکڑا دے دیا جاتا ہے۔ اگر زیادہ ٹھہرے تو پھر دھکے دے کر باہر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ دوست سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے زیادہ قیام اور اس کے کھانے پینے سے خود اُسے ایک لذت آتی ہے۔

یہی حال ان نبیوں اور مامُوروں کا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے جو کچھ آتا ہے وُہ اُن کی نفسانی خواہشوں کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ وہ تو ساری لذت اور راحت اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر اور شغل میں پاتے ہیں اور فی الحقیقت تنہائی ہی کو پسند کرتے ہیں جہاں وہ اپنے محبوب سے اپنے دل کی آرزوئیں اور تمنائیں پیش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس حالت میں کوئی ان کو دیکھ نہ لے علاوہ بریں یہ تعلقات ان کی تکمیل کے لیے ہوتے ہیں۔ میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اخلاق کے سارے پہلو پورے نہیں ہوتے جب تک [illegible] کی حالتیں پیش نہ آئیں۔ نبیوں اور رسولوں کے لیے شدائد اور مشکلات بھی آتے ہیں اور یہ مشکلات بھی ان کے اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے تمام اخلاق کا اظہار ہوا ہے کسی دُوسرے کو یہ موقع نہیں ملا۔ مکہ معظمہ میں جبتک آپ رہے تو ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات کا سامنا رہا جس میں آپ کے کمالِ صبر اور رضا بالقضا کے

پہلو کا ظہور ہوا۔ پھر جب آپؐ فاتح ہو کر ایک بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوئے تو حالانکہ آپ ان سب کو قتل کر سکتے تھے اور اس قتل میں حق پر بھی تھے لیکن باوجود مقدرت کے ان سب کو معاف کر دیا جس سے آپؐ کے کمال ایثار، سخاوت، عفو اور درگذر کا ثبوت مل گیا۔ حضرت مسیح کو یہ موقعہ نصیب نہیں ہوا۔ اور وہ ان دونوں پہلوؤں کو ظاہر نہیں کر سکے۔[1]

---

۵ / اگست ۱۹۰۵ء

دربار شام
سلسلہ کے لیے کشش

حضرت حجۃ اللہ کے تشریف فرما ہوتے ہی ایک حاجی صاحب دردنے پیش ہو کر بیعت کی درخواست کی جس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ایک دو دن کے بعد کر لینا۔ اس کے بعد سلسلہ کلام یوں شروع ہوا کہ :

کثرت کے ساتھ لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو رہے ہیں بظاہر اس کے وجوہ اور اسباب کا ہمیں علم نہیں۔ ہماری طرف سے کون سے واعظ مقرر ہیں جو لوگوں کو جا کر اس طرف بلاتے ہیں یہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشش لگی ہوئی ہوتی ہے جس کے ساتھ لوگ کھچے چلے آتے ہیں۔ یہی حال یہاں بھی ہے کہ اس نے ایک کشش رکھ دی ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو پہنچانا چاہتا ہے اس حد تک اس نے کشش رکھ دی ہے۔

مشروط بیعت

پھر ذکر آیا کہ بعض لوگ بیعت کے خطوط بھیجتے ہیں تو اُن میں درج ہوتا ہے کہ ہمارا فلاں کام ہو جاوے یا اس قدر روپیہ مل جاوے تو بیعت کریں گے۔

اس پر فرمایا :-

ایسی شرائط والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدیقی فطرت والے تو کسی نشان یا معجزہ کا طلب کرنا اپنی ہتک شان سمجھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کون سے نشانات دیکھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عرب کی موجودہ حالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی مصلح آوے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا تو آپؐ کے اخلاق اور آپؐ کی راستبازی ہی ایک عظیم الشان معجزہ ان کے واسطے ہو گئی اور انہوں نے دعویٰ کے

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۰ / اگست ۱۹۰۵ء

سُنتے ہی قبول کر لیا۔ ایسے لوگوں کے لیے کسی نشان کی حاجت نہیں ہوئی۔ جو لوگ اس قسم کی شرائط پیش کرتے ہیں کہ اس قدر آمدنی ہو جاوے تو ایمان لائیں گے وہ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ پر یا اس کے رسول پر احسان کرتے ہیں۔ وہ احمق نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی پروا کیا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہدایت کی راہ ان کو بتائی۔ اور اپنے مامور کو ہدایت کے واسطے بھیجا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا صاف احسان ہے۔ وُہ اُلٹا خُدا تعالیٰ پر احسان رکھنا چاہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نشان اللہ کے پاس ہیں۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ زمین و آسمان میں نشان..... ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ کیسے بیوقوف ہیں جو اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ وقت کسی نبی کی ضرورت کا ہے یا نہیں — حالتِ زمانہ خود اس پر شہادت دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر اَور وہ نشان چاہتے ہیں؟

ہر شخص اس امر کا محتاج ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور وہ اطمینان کے ساتھ اس دنیا سے جاوے۔ جب اس امر کی ضرورت ہے تو یہ شرط کیسی بیہودہ اور فضول ہے کہ وہ کام ہو یا اس قدر آمدنی ہو تو بیعت کروں گا۔ ضرورت جو ہر وقت مدِنظر ہونی چاہیے وہ تو حسنِ انجام کی ضرورت ہے۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ باتیں کیوں ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت دل پر نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے جلال و جبروت کا دل پر اثر ہو اور اس کی ہستی پر ایمان ہو تو دل ڈر جاوے اور یہ فسق و فجور اور شرور نفسانی جس میں دُنیا مبتلا ہے اس سے نجات پا جاتیں اور اس کی طرف آنے میں ایسی شرطیں نہ لگائیں۔

کیسی حیرانی کی بات ہے۔ کیا بیمار طبیب کے پاس جا کر اُسے کچھ نذرانہ دیتا ہے یا اس سے یہ شرط کرتا ہے کہ اگر مَیں اچھا ہو جاؤں تو مجھے اس قدر نذرانہ دینا؟

جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ خُدا تعالیٰ کی طرف آتے ہی نہیں۔ ان کا مقصد اور غرض تو وہ کمبخت دُنیا ہوتی ہے جس کو وہ پیش کرتے ہیں۔ اُن کے دل میں یہ سوز و گداز اور جلن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو اور اس کی طرف دلی رجُوع اور توجہ ہو جاوے اگر یہ قلق اور کرب پیدا ہو تو ایسی باتیں نہ کریں کیونکہ بیمار خواہ جسمانی ہو یا رُوحانی جب وہ اپنی مرض کو محسوس کر لیتا ہے تو وہ بے اختیار ہو کر تڑپتا پھرتا ہے اور طبیب کے کہنے پر اس قدر ایمان لاتا ہے کہ جو کچھ وہ دیدے۔ اسے اپنی بہتری کے لیے کھا لیتا ہے۔ یہ عجیب بات کہ آنا تو دین کی طرف اور اس کے لیے دُنیا کی شرط لگانا!!!

بعض لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ ذرا دُنیا کا کوئی ابتلا پیش آجاوے تو سارا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے ہی لوگ ہماری جماعت میں داخل ہوں تو ان سے کیا فائدہ اور صحابہؓ سے کیا مقابلہ۔ صحابہؓ کی عجیب حالت تھی۔ اُن کے بیوی بچے بھی تھے۔ پھر بھی ہزاروں خدا تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے۔ اگر

وہ دین کو دُنیا پر مقدم نہ کر لیتے تو کیونکر ممکن تھا کہ وہ اپنی جانوں کو اس طرح پر خدا کی راہ میں دیدیتے۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی کے ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں اور وہ کھا رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ دوسرا شہید ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے نفس کو سخت ملامت کی کہ تیرا بھائی شہید ہو گیا ہے اور تُو ابھی باقی ہے۔ یہ تھی ان لوگوں کی ایمانی حالت۔

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ دین کے ساتھ دُنیا جمع نہیں ہو سکتی۔ ہاں خدمتگار کے طور پر تو بیشک ہو سکتی ہے لیکن بطور شریک کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ کبھی نہیں سُنا گیا کہ جس کا تعلق صافی اللہ تعالیٰ سے ہو وہ ٹکڑے مانگتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ تو اس کی اولاد پر بھی رحم کرتا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو پھر کیوں ایسی شرطیں لگا کر مریدیں جمع کرتے ہیں۔ ہماری جماعت میں وہی شریک سمجھے جانے چاہئیں جو بیعت کے موافق دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص اس عہد کی رعایت رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف حرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو طاقت دے دیتا ہے۔[1]

صحابہؓ کی حالت کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک صاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو دیکھو کہ آخر وہ اسلام میں آ کر کیسے تبدیل ہوئے۔ اسی طرح پر ہمیں کیا خبر ہے کہ ہماری جماعت میں وہ کون سے لوگ ہیں جن کے ایمانی قویٰ ویسے ہی نشو و نما پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔ اگر ایسے لوگ نہ ہوں جن کے قویٰ نشو و نما پا کر ایک جماعت قائم کرنے والے ہوں تو پھر سلسلہ چل کیسے سکتا ہے۔ مگر یہ خوب یاد رکھو کہ جس جماعت کا قدم خدا کے لیے نہیں اس سے کیا فائدہ؟ خدا کے لیے قدم رکھنا امرِ سہل بھی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اس پر راضی ہو جائے اور رُوح القدس سے اس کی تائید کرے۔ یہ باتیں پیدا نہیں ہوتی ہیں۔ جبتک اپنے نفس کی قربانی نہ کرے اور نہ اس پر عمل ہو۔ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات: ۴۱، ۴۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے۔ اگر ہوائے نفس کو روک دیں۔ صوفیوں نے جو فنا وغیرہ الفاظ سے جس مقام کو تعبیر کیا ہے وہ یہی ہے کہ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى کے نیچے ہو۔

۷ر اگست ۱۹۰۵ء قبل از عشاء۔

بار بار ہونے والے الہامات

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ ایک جگہ مُبَارِكٌ وَّ مُبَارَكٌ وَّكُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَكٍ يُّجْعَلُ فِيْهِ والا الہام

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۸ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۵ء

چھوٹی مسجد کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے اور دوسری جگہ وہی الہام بڑی مسجد کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے۔

حضرت نے فرمایا :

بعض الہام بار بار کئی دفعہ ہوتے ہیں اور ہر دفعہ وہ جُدا شان رکھتے ہیں اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ والا الہام بہت دفعہ ہوا ہے اور ہر دفعہ اس کا ظہور کسی نئے رنگ میں ہوا ہے۔ ہر دفعہ اہانت کنندہ اور اہانت یافتہ کوئی نیا وجود ہوتا رہا ہے۔ ایسا ہی الہام اِنِّیْ مُکَاثِّرٌ اَفْوَاجَ اُمَّتِکَ بَغْتَۃً بہت کثرت سے ہوا ہے۔ اور ہمیشہ خدائی فوجوں کی نصرت سے ایک نیا معجزہ پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح اکثر الہامات بار بار ہوتے ہیں اور ہر دفعہ کوئی نیا رنگ رکھتے ہیں۔ اسی طرح قرآن شریف میں بھی بہت سی آیات ہیں جو اپنے اپنے موقعہ پر جُدا مطابقت رکھتی ہیں، اگرچہ ظاہر الفاظ ایک ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) لیکن وہ مقامات کتب مجھے دکھانے چاہئیں جن پر یہ سوال پیدا ہوا ہے۔

حقیقتِ رُوح القدس

کسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ آپ نے جبرائیل کے متعلق جو تحریر کی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا خیال بھی سید احمد کی طرح ہے کہ رُوح الامین انسان کے اندر ہی ہے اور اس کے سوائے کوئی اور رُوح القدس اور جبرائیل نہیں۔ فرمایا :

یہ بالکل غلط ہے۔ سید احمد کے ساتھ اس معاملہ میں ہمارے خیال کو کوئی مطابقت نہیں۔ ہمارا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُوح الامین کا نزول انسان پر اس وقت ہوتا ہے جبکہ انسان خود تقدس اور تطہر کے درجہ کو حاصل کر کے اپنے اندر بھی ایک حالت پیدا کرتا ہے جو نزولِ رُوح الامین کے قابل ہوتی ہے۔ اس وقت گویا ایک رُوح الامین ادھر ہوتا ہے تب ایک اُدھر سے آتا ہے۔ یہ بات ہم اپنے حال اور اپنے تجربہ سے کہتے ہیں نہ کہ صرف قال ہی قال ہے۔ اس کی بجلی کے ساتھ خوب مثال مطابق آسکتی ہے۔ جب کسی جسم میں خود بھی بجلی ہوتی ہے تو آسمانی بجلی اُس پر اثر کرتی ہے۔ تدبر سے دیکھا جائے تو قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

خلوت میں عبادات اور دعا کا لُطف

آجکل سخت گرمی پڑنے اور برسات کے نہ ہونے کا ذکر تھا۔ فرمایا :

ایسے موقعہ پر نمازِ استسقاء کا پڑھنا سنت ہے۔ میں جماعت کے ساتھ بھی سنت ادا کروں گا۔ مگر میرا

ارادہ ہے کہ باہر جا کر علیحدگی میں نماز پڑھوں اور دُعا کروں۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے اور دُعا مانگنے کا جو لُطف ہے وہ لوگوں میں بیٹھ کر نہیں ہے۔ اور بھی دُعاؤں کا ذخیرہ ہے۔ اسی مطلب کے واسطے مَیں نے باغ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہے جس کو مسجد البیت کہنا چاہیے۔

فرمایا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دو رنگ کے تھے۔ ایک ظاہر اور ایک مخفی۔ آپؐ کی پہلی عبادت وہی تھی جو آپؐ نے غارِ حرا میں کی۔ جہاں کئی کئی دن ویرانہ پہاڑی کی غار میں جہاں ہر طرح کے جنگلی جانور اور سانپ بچھو وغیرہ کا خوف ہے دن رات اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت کرتے تھے اور دُعائیں مانگتے تھے۔

قاعدہ ہے کہ جب ایک طرف کی کشش بہت بڑھ جاتی ہے تو دُوسری طرف کا خوف دل سے دُور ہو جاتا ہے۔ بعض عورتوں کو جو بہت ہی ڈرنے والی طبیعت کی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ کسی بچے کی بیماری کے وقت اندھیری راتوں میں ضرورتاً ایسی جگہ جاتی ہیں جہاں دن کو نکلنا ان کے واسطے دشوار ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ زلزلہ کے وقت خوف سے اُونچے مکان سے نیچے کُودنے لگا۔ لوگوں نے پکڑ لیا۔

جب خوفِ الٰہی اور محبت غالب آتی ہے تو باقی تمام خوف اور محبتیں زائل ہو جاتی ہیں ایسی دُعا کے واسطے علیحدگی بھی ضروری ہے۔ اسی پورے تعلق کے ساتھ انوار ظاہر ہوتے ہیں اور ہر ایک تعلق ایک سِتر کو چاہتا ہے۔

ایک ہی خواہش

فرمایا:

آجکل حبس اور گرمی اور برسات کی کمی کسی امر کی تمہید ہے جو آگے ظاہر ہوگا۔ معلوم نہیں کہ کیا ہونیوالا ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہر چہ باداباد۔ مگر خُدا کی ہستی دُنیا پر ثابت ہو جائے اور دینِ اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے خواہ کسی طرح سے ہو۔

وفاتِ مسیح اجماعی مسئلہ ہے

ایک شخص نے سوال کیا کہ اسلامی کتب میں حیاتِ مسیح کی بات کہاں سے آگئی؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:

کہ یہ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ ہند کے مُسلمان رسومِ شادی و مرگ اب تک پُرانے ہندوؤں کی طرح ادا کرتے ہیں۔ جب بہت سے عیسائی اور یہودی مسلمان ہوئے تو کچھ پرانے خیالات کا بقیہ ساتھ لائے۔

وہی خیالات مُسلمانوں میں منتقل ہوکر اور احادیث کی غلط فہمی بھی ساتھ مل کر یہ فاسد عقیدہ پیدا ہوگیا اور کتابوں میں درج ہوگیا؛ ورنہ صدرِ اسلام میں اس کا نام ونشان نہ تھا، بلکہ تمام نبیوں کی موت پر اجماع تھا۔ لیکن ان لوگوں میں بھی بہتیرے ایسے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی موت کے قائل ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ تو تین دن تک مرے رہے۔ کوئی کہتا ہے کہ سات دن تک مرے رہے اور کوئی ہمیشہ کے لیے ان کا مرجانا مانتا ہے۔ بہرحال اصل اجماعِ اسلامی وہ ہے جو صحابہؓ کے درمیان ہوا۔ صحابہؓ میں سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔ بغیر اس کے صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرنے کے بعد کبھی صبر نہیں آسکتا تھا۔ یہ مبارک اجماع حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ سے ہوا۔ اور اگر کسی کو یہ وہم تھا بھی کہ کوئی نبی زندہ ہے تو وہ بھی دُور ہوگیا اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا صدمہ صحابہؓ کے دل سے اُٹھا کہ نبی تو سب مرا ہی کرتے ہیں۔ اگر کسی فردِ واحد کو قصورِ روایت کے سبب کچھ غلطی لگی ہوئی تھی تو وہ بھی دُور ہوگئی۔ خود خدا تعالیٰ کے کلام میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ کوئی آسمان پر نہیں جاتا۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے آسمان پر چڑھنے کا معجزہ طلب کیا تو فرمایا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) یعنی بشر رسول کبھی کوئی آسمان پر نہیں چڑھا۔ اور فرمایا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (آل عمران: ۱۴۵) یعنی کوئی نبی نہیں جو فوت نہیں ہوچکا۔ پس اگر یہ نبی مرجائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے۔ کتبِ سماوی اور تاریخِ زمانہ بھی یہی شہادت دیتی ہیں۔ کوئی نظیر ایسی نہیں کہ پہلے کوئی دو چار نبی آسمان پر گئے ہوں۔ خود مسیح نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ یوحنا ہی الیاس ہے۔ ہاں جس طرح آدمؑ۔ موسیٰؑ۔ نوحؑ اور دُوسرے نبی آسمان پر گئے اسی طرح بیشک حضرت عیسیٰؑ بھی گئے تھے؛ چنانچہ شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو آسمان پر دیکھا۔ حضرت عیسیٰ کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ افسوس ہے کہ ان لوگوں کی قوتِ شناختہ ہی ماری گئی ہے خود زمانہ کی حالت سے بُو آتی ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا عیسائیت کی پہلی اینٹ ہے۔ بعض لوگ میری نسبت اعتراض کرکے کہتے ہیں کہ میں نے بھی براہین میں ایسا ہی لکھا تھا مگر وہ نہیں سمجھتے کہ یہی بات ہماری صداقت کی گواہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کوئی منصوبہ بازی نہیں کرتے۔ خود اسی کتاب براہین میں ہمارا نام مسیح رکھا گیا اور خدا تعالیٰ کے تمام وعدے اسی کے اندر ہیں۔ اگر یہ غلطی مجھ سے براہینِ احمدیہ میں صادر نہ ہوتی تو ایک بناوٹ معلوم ہوسکتی تھی۔[1]

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۱۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء

۸ر اگست ۱۹۰۵ء

دربار شام

موجودہ دنیا کی حالت

فرمایا :

آج مَیں نے بارش کے لیے دُعا کی تھی۔ دُعا کے ساتھ ہی دل میں یہ خیال گذرا کہ یہ حبس اور امساکِ باراں اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے موافق ہے اور اس میں دخل دینا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے :
"دُنیا میں ایک نذیر آیا لیکن دُنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ پر خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

ہر قسم کے مصائب شدائد اس کے زور آور حملوں میں آتے ہیں اور یہ سب ایک قسم کی پیشگوئیاں ہیں اور جو کچھ ہو رہا ہے بہرحال ہمارے لیے مفید ہے۔ کیا عجب کہ قحط کے رنگ میں بھی کوئی حملہ ظاہر ہونے والا ہو۔

فرمایا : دُنیا کی حالت اور رنگ دیکھا جاوے تو وہ بہت کچھ بدلا ہوا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایسی حالت ہو گئی ہے کہ گویا حُسنِ ظن کا موقعہ ہی نہیں رہا۔ کیونکہ اگر ہر پہلو سے بدظنی ہی ظاہر ہو تو انسان کہاں تک اس پر حسنِ ظن کرے گا۔ مَیں حیران ہوتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ دُنیا میں سوائے دہریت، مکر و فریب کے اور کوئی بات نظر نہیں آتی۔ بالکل طبیعتیں دُنیا ہی پر مائل ہو گئی ہیں یہاں تک کہ دین کا کام بھی اگر کوئی اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو اس میں بھی ان باتوں کا دخل ہے۔ یا تو وہ محض دُنیا کا لالچ ہے یا دُنیا کی لونی ہے۔ ایسی حالت میں مَیں نے سوچا ہے کہ اگر کوئی مرتا ہے تو پھر مرے۔

مَیں حیران ہوتا ہوں کہ لوگ تو اور اور باتوں کے لیے روتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اور باتوں کو چھوڑو مجھے تو اس کا فکر ہو رہا ہے کہ خدا کی ہستی ہی پر ان کو یقین نہیں رہا۔

اس مقام پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ کل مَیں نے اپنے درس میں ایک موقعہ پر اپنی جماعت کو خطاب کر کے کہا کہ سُنو! تم نے اس سلسلہ میں داخل ہو کر کیا لیا؟ دُنیا تو تم پر لعنت بھیجتی ہے اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی تمہارا معاملہ صاف نہ ہو۔ اور باہم بغض، کینہ اور دشمنی رہی تو پھر خدا سے کیا لیا؟

حضرت اقدس نے فرمایا :
خدا سے کیا لینا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ بالکل سچ ہے۔

حضرت منشی احمد جان کا ذکرِ خیر

منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور مشہور صوفی لودھیانوی کے ذکرِ خیر میں حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ انہوں نے طبِ رُوحانی کے سلسلہ میں اور بھی دو تین جلدیں لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن حضور کے دعویٰ کو سُن کر اُنہوں نے اس طریق کو چھوڑ دیا اور اسے محض کھیل تماشہ قرار دیا۔ جس سے مجھے ان کے ساتھ بڑی محبت ہو گئی۔

حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا :

مجھے بھی اُنہوں نے ایسا ہی خط لکھا تھا

دُعا ہی اصلیت ہے

غرض آپ کا ذکرِ خیر ہوتا رہا۔ ان کے اخلاص کے ذکر میں توجہ اور سلبِ امراض کے علم کا ذکر ہوا۔ اس پر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام میں جو طریق شفا کا رکھا ہے وہ تو دُعا ہی کا طریق ہے۔ اپنے نفس اور توجہ پر بھروسہ کرنا یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ لیکن جب انسان خدا سے دُعا کرتا ہے تو یہ سب باتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اور انسان پھر اصل پناہ کی طرف دوڑتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ دُعا ہی اصلیت ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ نرا خبط ہے۔

دُعا کی عجیب عجیب تاثیریں مَیں نے تجربہ کی ہیں۔ ایک بار مَیں دردِ دانت سے سخت تکلیف میں تھا عمر دراز نام ایک گرداور ہمارے ہاں آیا ہوا تھا۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ دانت کے درد کا علاج بھی آپ کو معلوم ہے۔ اس نے کہا۔ علاجِ دنداں اخراجِ دندان۔ مَیں نے جب یہ بات سُنی تو خیال کیا کہ دانت کا نکلوانا بھی ایک عذاب ہی ہے۔ مَیں اس وقت ایک چٹائی پر بیٹھا ہوا تھا اور درد کی بیقراری کی وجہ سے سرچارپائی کی پائنتی پر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے ذرا سی غنودگی ہوئی اور الہام ہوا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ اور اس کے ساتھ ہی معًا درد جاتا رہا۔

مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ دُعا کے سلسلہ میں ہزارہا خزائن معارف کے مخفی ہیں۔ جو شخص دوسری طرف توجہ کرے گا وہ ان خزائن سے محروم رہ جائے گا کیونکہ جب انسان اس راہ کو جس پر سایہ دار درخت ہوں اور پانی کا سامان ہو چھوڑ دے تو وہ ان تمام آرام کے سامانوں سے محروم رہے گا یا نہیں کسی کے پہلو میں دو دل تو نہیں ہو سکتے ایک ہی طرف توجہ کرے گا۔

فرقِ ضالہ نے اسی وجہ سے نقصان اُٹھایا کہ حقیقی راہ کو اُنھوں نے چھوڑ دیا۔ شیعہ وغیرہ جو حسین حسین پکارتے رہے اسی سبب سے محروم رہے کہ اُنھوں نے انسان کو بُت بنا لیا۔ اور ان کے سینہ میں وُہ

نورِ عرفان کا نہ رہا۔

اس کے بعد حضور اپنے زمانہ طالب علمی اور شیعہ اُستاد کے بعض حالات بیان فرماتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ قوم کہاں تک حقائق و معارف سے محروم رہ گئی۔[1]

۹ر اگست ۱۹۰۵ء

دربار شام

حقیقی دین سے محروم رہ جانے کا باعث

پشاور سے ایک نوجوان ہندو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے واسطے آیا ہوا تھا۔ اس نے مختصراً اپنے حالات بیان کئے کہ کس طرح پر الحکم کے پڑھنے اور ایک احمدی کی صحبت نے اُسے مشتاقِ زیارت بنایا۔ اس تحریک پر حضرت حجۃ اللہ نے ذیل کی تقریر فرمائی:

سب سے بڑی بات تو دین ہے جس کو حاصل کر کے انسان حقیقی خوشحالی اور راحت کو حاصل کرتا ہے۔ دُنیا کی زندگی تو بہرحال گذر ہی جاتی ہے ؎

شبِ تنور گذشت و شبِ سمور گذشت

یعنی راحت اور رنج دونوں گذر جاتے ہیں لیکن دین ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر چل کر انسان خدا تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے۔ یقیناً جانو کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا اور نہ کوئی شخص اس تک پہنچ سکتا ہے۔ جبتک صراطِ مستقیم پر نہ چلے۔ وہ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کو شناخت کرے اور ان راہوں اور ہدایتوں پر عملدرآمد کرے جو اس کی مرضی اور منشاء کے موافق ہیں۔ جب یہ ضروری بات ہے تو انسان کو چاہیے کہ دین کو دُنیا پر مقدم کرے اور یہ کچھ مشکل امر نہیں۔ دیکھو انسان پانچ سات روپیہ کی خاطر جو دُنیا کی ادنیٰ ترین خواہش ہے اپنا سر کٹا لیتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا خیال ہو اور اسے راضی کرنا چاہے تو کیا مشکل ہے۔

انسان حقیقی دین سے کیوں محروم رہ جاتا ہے اس کا بڑا باعث قوم ہے۔ خویش و اقارب دوستوں اور

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۵ء

قوم کے تعلقات کو ایسا مضبوط کر لیتا ہے کہ وہ ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ایسی صورت میں ناممکن ہے کہ یہ نجات کا دروازہ اس پر کھل سکے۔ یہ ایک قسم کی نامردی اور کمزوری ہے لیکن یہ شہیدوں اور مردوں کا کام ہے کہ ان تعلقات کی ذرا بھی پروا نہ کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھائے۔

بعض کمزور فطرت لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت ہی کرنی ہے خواہ کسی مذہب میں ہوں۔ مگر وُہ نہیں جانتے کہ آج جس قدر مذاہب موجود ہیں ان میں کوئی بھی مذہب بجُز اسلام کے ایسا نہیں جو اعتقادی اور عملی غلطیوں سے مبرّا ہو۔ وہ سچّا اور زندہ خُدا جس کی طرف رجُوع کر کے انسان کو حقیقی راحت اور روشنی ملتی ہے جس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے انسان اپنی گناہ آلود زندگی سے نجات پاتا ہے۔ وہ اسلام کے سوا نہیں مل سکتا۔ یہی پہلا زینہ ہر قسم کی رُوحانی ترقیوں کا ہے۔ اگر اس کی توفیق مِل جائے تو پھر خدا اس کا اور وہ خدا کا ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب ایک شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی قسم کی نفسانی اغراض کے بغیر ایک قوم سے قطع تعلق کرتا ہے اور خدا ہی کو راضی کرنے کے لیے دوسری قوم میں داخل ہوتا ہے تو ان تعلقات قومی کے توڑنے میں سخت تکلیف اور دُکھ ہوتا ہے مگر یہ بات خُدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی قابل قدر ہے اور یہ ایک شہادت ہے جس کا بڑا اجر اللہ تعالیٰ کے حضُور ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸) یعنی جو شخص ایک ذرّہ برابر بھی نیکی کرتا ہے اُسے بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اجر دیتا ہے تو پھر جو شخص اتنی بڑی نیکی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک موت اپنے لیے روا رکھتا ہے اسے اجر کیوں نہ ملے؟ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے اپنے تعلقات کو توڑتا ہے وہ فی الحقیقت ایک موت اختیار کرتا ہے کیونکہ اصل موت بھی ایک قسم کا قطع تعلق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لیے ان تعلقات کو توڑنا جو اپنی قوم اور خویش و اقارب سے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ بسا اوقات یہ روک بڑی زبردست روک انسان کو خدا کی طرف آنے کے لیے ہو جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ دوستوں کا ایک گروہ ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور دُوسرے رشتہ دار ہیں ان کی محبت اور تعلقات نے اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کی ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی صداقت اور سچّائی کو تسلیم کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بجز اس کے نجات نہیں۔ لیکن ان تعلقات کی بنا پر اقرار کرتا ہے کہ یہ راہ جس پر میں چلتا ہوں خطرناک اور گندی راہ ہے مگر کیا کریں جہنّم میں پڑنا منظور ان قومی تعلقات کو کیونکر چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ نہیں جانتے کہ یہ صرف زبان سے کہنا تو آسان ہے کہ جہنم میں پڑنا منظور۔ اگر انہیں اس دُکھ درد کی کیفیت معلوم ہو تو پتہ لگے۔ ایک آنکھ میں ذرا درد ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کس قدر تکلیف ہے۔ پھر جہنّم تو وہ جہنّم ہے جس کی بابت قرآن شریف میں آیا ہے۔ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (طٰہٰ: ۷۵) ایسے لوگ سخت غلطی

پر ہیں۔ اس کا تو فیصلہ آسان ہے۔ دنیا میں دیکھ لے کہ کیا وہ دُنیا کی بلاؤں پر صبر کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں تو پھر یہ کیونکر سمجھ لیا کہ عذابِ جہنم کو برداشت کریں گے۔

بعض لوگ تو دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں مگر یہ لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ جہنم کا عذاب بہت ہی خطرناک ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران: ۸۶) یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اَور دین کا خواستگار ہو وہ آخر کار ٹوٹے میں رہے گا۔

جس طرح پر انسان کا ایک حُلیہ ہوتا ہے اور وہ اسی سے شناخت کیا جاتا ہے اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے صفات بھی ایک طرح پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مختلف مذاہب والے خدا تعالیٰ کی جو شکل اور صفات پیش کرتے ہیں وہ سب کی سب درست ہوں۔ عیسائی، ہندو، چینی ہر ایک جدا جدا صفات پیش کرتا ہے پھر کون عقلمند یہ مان لے گا کہ ہر ایک اپنے اپنے بیان میں سچا ہے۔

سچے مذہب کی علامات

ماسوا اس کے سچائی کے خود انوار و برکات ہوتے ہیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ وہ نشانات اور انوار و برکات کس خدا کو مان کر ملتے ہیں اور کس دین میں وہ پائے جاتے ہیں۔ ایک شخص ایک نسخہ کو استعمال کرتا ہے اگر اُس نسخہ میں کوئی خوبی اور اثر ہے تو صاف ظاہر ہے کہ چند روز کے استعمال کے بعد ہی اس کی مفید تاثیریں معلوم ہونے لگیں گی۔ لیکن اگر اس میں کوئی خوبی اور تاثیر نہیں ہے تو خواہ ساری عمر اُسے استعمال کرتے جاؤ کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اس معیار پر اسلام اور دوسرے مذاہب کی سچائی اور حقیقت کا بہت جلد پتہ لگ جاتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی تاثیر اور انوار و برکات کے لیے کسی گذشتہ قصّہ کا حوالہ نہیں دیتا اور نہ صرف آئندہ کے وعدہ ہی پر رکھتا ہے بلکہ اس کے پھل اور آثار ہر وقت اور ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں اور اسی دنیا میں ایک سچا مسلمان اُن ثمرات کو کھا لیتا ہے۔

بتلاؤ ایسے مذاہب انسان کو کیا امید دلا سکتے ہیں جن میں توبہ تک منظور نہیں۔ ایک گناہ کر کے جب تک کروڑوں جُونیں نصیب نہ ہو لیں خدا تعالیٰ سے صلح ہی نہیں ہو سکتی وہاں کیا پائے گا۔ اس کی رُوح کو راحت اور تسلی کیونکر مل سکے گی۔ مذہب کی سچائی کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس راہ سے دُور افتادہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آجاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ نیک عمل کرتا جاوے۔ اسی اسی قدر تاریکی دُور ہو کر معرفت اور روشنی آتی جاوے اور انسان خود محسوس کر لے کہ وہ نجات کی ایک یقینی راہ پر جا رہا ہے۔ اس کی ہدایتیں ایسی صاف اور واضح ہوں کہ انسان ان کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں اٹکے نہیں۔

بھلا یہ بھی کوئی تعلیم اور اصول ہے کہ ذرّہ ذرّہ کو خدا قرار دے دیا جاوے جیسے خدا ازلی ابدی ہے۔ اسی طرح پر ذرّاتِ عالم اور ارواح کو بھی ازلی ابدی تسلیم کیا جاوے۔ اگر ایسا کوئی خدا ہے کہ جس نے ایک ذرّہ بھی کسی قسم کا پیدا نہیں کیا تو اس پر بھروسہ کیسا؟ اور اس کا ہم پر حق کیا ہے جو عبادت کریں کیونکہ عبادت کے لیے حق بھی تو ہونا چاہیے جب کوئی حق ہی نہ ہو تو ایک ذرّہ ذرّہ اُسے کہہ سکتا ہے کہ تیرا ہم پر کیا حق ہے اس عقیدہ کو رکھ کر انسان کس طرح پر خدا پرست ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلیل ہی قائم نہیں ہو سکتی۔ اگر آریوں سے کوئی دہریہ پوچھے کہ پرمیشر کی ہستی کا کیا ثبوت ہے تو اس کا جواب وہ کیا دے سکتے ہیں۔ کیونکہ صانع کو مصنوعات سے شناخت کرتے ہیں جبکہ مصنوعات ہی کا وجود نہیں تو صانع کا وجود کہاں سے آیا۔ جیوا اور پرکرتی کو جو خود بخود تسلیم کرتے ہیں تو پھر اُن کے جوڑنے جاڑنے کے لیے کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ اس طرح پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اُن کے ہاتھ میں نہیں اور جبتک اس کی ہستی پر کوئی دلیل نہ ہو کس طرح کوئی مان لے کہ وہ ہے۔

ماسوا اس کے ان لوگوں کا یہ بھی اصول نہیں کہ خدا رحم کرنیوالا ہے۔ ہر شخص کی اس ہستی پر توجہ ہوتی ہے جسے رحیم کریم۔ فیاض تسلیم کرے۔ لیکن انھوں نے یہ مانا ہوا ہے کہ بغیر کرموں کے پھل کے اور کچھ عطا ہی نہیں کر سکتا۔ اگر کرموں پر ہی سارا مدار ہے تو اس خدا پر کیا بھروسہ اور کیا امید جس کا ذرّہ بھر بھی احسان نہیں ہے۔

یہ تمام امور ہیں جب انسان ان کو بنظرِ غور دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ سوائے اسلام کے دُوسروں میں سچی ہدایتیں نہیں ملتی ہیں۔

ماسوا اس کے ایک اور بڑی بات قابلِ غور ہے کہ اسلام میں بہت بڑی خاصیت یہ ہے کہ انسان جس مطلب کے لیے بنایا گیا ہے وہ اسلام کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ کیا ہے؟ یہ کہ خدا تعالےٰ کی محبت بڑھے اور اس کی معرفت ترقی کرے جس سے وُہ ایک کامل شوق ذوق کے ساتھ اس کی عبادت کرے۔ لیکن یہ مطلب کبھی پورا نہیں ہو سکتا جبتک تعلیم اور ہدایت کامل نہ ہو اور پھر اس تعلیم اور ہدایت پر عمل کرنے کے جو نتائج اور ثمرات ہیں ان کا نمونہ موجود نہ ہو جس کو دیکھ کر معلوم ہو کہ خدا قادر خدا ہے۔

یہ ساری باتیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب انسان پُرغور مطالعہ کرتا ہے۔ عقلمند اور سعید کے دل میں تو اللہ تعالیٰ خود ہی ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے اور وہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں اسی طرح امتیاز کر لیتا ہے جس طرح پر تاریکی اور نُور میں کر لیتا ہے لیکن بعض شخص ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے دل پر ایک مُہر ہوتی ہے وہ حقیقت تک پہنچنے کی سعی نہیں کرتے بلکہ بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔ سعادت خدا تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے کوئی شخص جبتک رُوحِ حق اور راستی سے مناسبت نہیں رکھتا ہے اس طرف آ ہی نہیں سکتا اور یہ

خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اعمال سے شناخت ہو سکتا ہے کہ کونسا مذہب سچا ہے تو وہ لوگ جو راہزنی اور قزاقی کرتے ہیں اُن سے پُوچھا جاوے تو وہ اُسے مکروہ خیال نہیں کرتے بلکہ ایک شکار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اور لوگ جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں وُہ بُرا نہیں سمجھتے۔ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض کے برکات اور انوار ساتھ ہوں۔

غرض اوّل یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غور کرے اور سمجھے۔ سب سے اوّل اسی کا فرض ہے اور یہ سمجھ ملنا اس کے فضل پر موقوف ہے۔ پھر دعا کرے اور نیک صحبت میں رہے اور یہ بھی خیال کرے کہ عمر کا کوئی اعتبار نہیں۔ بعض لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں وقت اس نیکی کو کریں گے مگر وہ اس انتظار ہی میں رہتے ہیں اور موت آجاتی ہے۔ اس لیے نیکی کے اختیار کرنے میں دیر نہیں چاہیے۔[1]

۱۰ر اگست ۱۹۰۵ء قبل از عشاء

سچی اور آسمانی تہذیب

ذکر آیا کہ ایک انگریزی اخبار میں مضمون نکلا ہے کہ اسلام ہند میں نہیں پھیلا کیونکہ ہندو خود مہذب تھے اور کسی مہذب قوم میں اسلام پھیل نہیں سکتا۔ فرمایا:

یہ جھوٹ ہے ہندوستان میں سوائے چند ایک قوموں کے جو باہر سے آئی ہیں (قریش، مُغل، پٹھان) باقی سب ہند کے باشندے ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا مثلاً شیخ۔ خواجگان۔ زمینداروں کی سب اقوام وغیرہ۔ یہ سب پہلے ہندو تھے۔

فرمایا: عیسائیوں کا عجیب طریقہ ہے۔ اگر کثرت دکھائی جاوے تو کہتے ہیں جبراً مسلمان ہوئے اور اگر کثرت نہ دکھائی جاوے تو کہتے ہیں اسلام کا کچھ اثر نہ ہوا۔ فرمایا: تہذیب بھی ان کا اپنا بنایا ہوا ایک لفظ ہے جس کے معنے ان کی اصطلاح میں سوائے اس کے نہیں کہ انسان خدا کی مقرر کردہ رسموں کو توہین سے دیکھے اور دُنیا پرستی اور دہریہ پن کی طرف جُھک جائے۔ سچی تہذیب وہ ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی[2] جس کے ذریعہ سے رُوحانی زندگی حاصل ہوتی ہے اور انسان اور حیوان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور جسکے

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

[2] الحکم سے:- "آسمانی تہذیب تو اَور ہے جس میں ایمان تقویٰ۔ دیانت۔ صلاحیت اور نیک کرداری شامل ہے۔ مگر اُن کے نزدیک دنیا کے جوڑ توڑ، ہر قسم کے مکر و فریب کا نام تہذیب ہے۔ یہ تہذیب اُن کے ہی نصیب رہے ہم اس کو لینا نہیں چاہتے۔ چند بے ہودہ رسوم و عادات

ذریعے سے رُوحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اور انسان اور حیوان میں فرق معلوم ہوتا ہے اور جس کے ذریعے سے سچے اور جھوٹے مذہب میں ایک امتیاز پیدا ہوتا ہے اور انسان کو سفلی زندگی سے دل سرد ہو کر عالمِ جاودانی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک تہذیب اس کا نام ہے کہ انسان دنیا کا کیڑا بن جاوے۔ خدا کو بھول جاوے اور ظاہری اسباب کی پرستش میں لگ جائے۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک تہذیب یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہو جائے اور اس کی عظمت اور ہیبت دل میں بیٹھ جائے اور دل کو سچی پاکیزگی حاصل ہو جائے۔

یورپ میں جب عیسائیت پھیلی تھی تو اس وقت یورپ کس قدر تاریکی اور سخت بُت پرستی میں مبتلا تھا۔ پھر ان وحشی قوموں پر عیسائیت کا کیا اثر ہوا۔ صرف یہ کہ ایک بُت پرستی کی جگہ دوسری بُت پرستی قائم ہو گئی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔ :- کا نام جو اخلاق سے گری ہوئی ہیں تہذیب نام رکھتے ہیں اور خدائی رسوم و آداب کی توہین اور استخفاف کرتے ہیں حالانکہ ان رسوم و عادات کے نتائج اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں جن سے سوسائٹی میں امن، اخلاق اور نیک اعمال پیدا ہوتی ہے۔ اپنی رسُوم و عادات کو جن کے نتائج بد ہیں پسندیدہ سمجھتے ہیں"

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

لہ حاشیہ :- الحکم سے : "مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے بیان کیا کہ مسٹر بیک نے ایک مرتبہ علیگڑھ کالج کے طلبا کے سامنے تہذیب پر لیکچر دیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر تم راستہ میں چلو تو لیڈی تمہارے دائیں طرف ہو اور اگر کوئی تار وغیرہ آجاوے تو اس کو پاؤں سے دبا کر لیڈی کو آرام سے گذرنے دو۔ کھانا کھاؤ تو اپنی بیوی کے ساتھ نہیں بلکہ تمہاری بیوی کسی اور کے ساتھ کھائے اور تم کسی غیر کی بیوی سے۔ فرمایا :

یہ تہذیب ان کو ہی مبارک ہو۔ قرآن شریف نے ہی سچی تہذیب دُنیا کو سکھائی ہے۔ یہ تہذیب وہ ہے جس سے انسانیت آتی ہے اور انسان اور حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز حاصل ہوتا ہے اور پھر سچے اور جھوٹے مذاہب کے درمیان مابہ الامتیاز عطا ہوتا ہے۔ اگر یہ تہذیب کسی کو نہیں ملی تو اسے تہذیب سے کوئی حصّہ ہی نہیں ملا۔ یہ دُنیا کے کیڑے ہیں۔ اباحت سے ملی ہوئی باتوں کا نام تہذیب

خُدا تعالیٰ کا ارادہ

اسلام نے وحشیوں کو حقیقی انسانیت تک پہنچایا۔ اُن کے اندر توحید کی رُوح پھونک دی مگر انجیل کی تعلیم نے صرف یہ سکھایا کہ ایک انسان کو خدا بنانے کے لیے خبث دی اور شراب اور سؤر کھلایا اور خدا تعالیٰ کی سچی عبادت سے آزاد کر کے اباحت کا دروازہ کھولا۔ پس چونکہ عیسائی مخلوق پرستی اور آزادی کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس لیے نہیں چاہتے کہ سچا دین زمین پر پھیلے۔ مگر خُدا کے ارادہ کو کون پلٹ سکتا ہے۔ ان لوگوں کی لڑائی ارادۂ الٰہی کے ساتھ ہے۔ انسانی کوششوں سے اب یہ جنگ فتح نہیں ہو سکتی۔ مگر خدا تعالیٰ سب پر قادر و توانا ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ قادر ہے کہ نیا زمین و آسمان بنا دے۔ عرب کی پہلی حالت کہ وہ کس گند میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے تھے دیکھ کر اور پھر ان کی پچھلی حالتِ اسلامی دیکھ کر تسلی ہوتی ہے کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ ساری دنیا پر اثر ڈالنا اور اُن کو اباحت کے گندے خیالات سے نکال کر اسلام کا پاک جامہ پہنانا انسانی کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی دنیا کی اصلاح فرما سکتا ہے

ہماری کوششیں تو بچوں کا کھیل ہے نہ لوگوں کے دلوں سے ہم وہ گند نکال سکتے ہیں جو آجکل دُنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے نہ کمال محبتِ الٰہی کا اُن کے اندر بھر سکتے ہیں۔ نہ اُن کے درمیان باہمی کمالِ اُلفت پیدا کر سکتے ہیں جس سے وہ سب مثل ایک وجود کے ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے؛ چنانچہ قرآنِ شریف میں صحابہؓ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- قرار دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے جس تہذیب کے پھیلنے کا ارادہ فرمایا ہے اسے اب کوئی روک نہیں سکتا۔ جیسے جب کوئی بڑا بھاری سیلاب آتا ہے تو اس کے آگے کوئی بند نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سیلاب سے بھی بڑھ کر زبردست ہے۔ کون ہے جو اُس کے آگے بند لگائے۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دنیا میں سچی تہذیب اور رُوحانیت پھیلے اور یہ اس کے بالمقابل عیسائیت کے گندے خیالات پھیلانا چاہتے ہیں۔ اب خدا تعالیٰ سے اُن کی لڑائی ہے۔ معلوم ہو جائے گا کہ اس کا انجام کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ وہی خدا ہے جس نے زمین و آسمان بنایا ہے۔ وہ چاہے تو نئے سرے سے اس زمین و آسمان کو بنا سکتا ہے۔ اب اسی کا کام ہے کہ وہ دُنیا پر اثر ڈال دے۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (الانفال ۶۳، ۶۴) وہ خدا جس نے اپنی نصرت سے اور مومنوں سے تیری تائید کی اور ان کے دلوں میں ایسی اُلفت ڈالی کہ اگر تو ساری زمین کے ذخیرے خرچ کرتا تو بھی ایسی الفت پیدا نہ کر سکتا لیکن خدا نے ان میں یہ اُلفت پیدا کر دی۔ وہ غالب اور حکمتوں والا خدا ہے جس نے پہلے یہ کام کیا وہ اب بھی کر سکتا ہے۔ آئندہ بھی اسی پر توکل ہے جو کام ہونے والا ہوتا ہے اس میں خدا کے فضل کی رُوح پھونکی جاتی ہے جیسا کہ باغبان اپنے باغ کی آبپاشی کرتا ہے تو وہ تر و تازہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ اپنے مرسلین کے سلسلہ کو ترقی اور تازگی عطا فرماتا ہے۔ جو فرقے صرف اپنی تدبیر سے بنتے ہیں ان کے درمیان چند روز میں ہی تفرقے پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ برہمو تھوڑے دن تک ترقی کرتے کرتے آخر رُک گئے اور دن بدن نابود ہوتے جاتے ہیں کیونکہ ان کی بنا صرف انسانی خیال پر ہے۔

ہماری جماعت کے متعلق خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔ کوئی انسانی عقل یا دُور اندیشی یا دنیوی اسباب ان وعدوں تک ہم کو نہیں پہنچا سکتے[1]۔ اللہ تعالیٰ خود ہی سب اسباب مہیا کر دے گا تب یہ کام انجام کو پہنچے گا۔ اگر بالفرض ہماری جماعت کی تعداد بیس بچیس لاکھ تک پہنچ کر ٹھہر جائے تو پھر بھی کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ اتنی تعداد سکھوں کی بھی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ ساری دُنیا اس جماعت سے بھر جائے اور یہ انسان کا کام نہیں۔ انسان کی زندگی کا تو ایک دم کا اعتبار نہیں۔ وہ کیا کر سکتا ہے۔

---

[1] حاشیہ :- الحکم سے :- "یہ لوگ جو ہمارے مخالف ہیں۔ اسی قیاس پر ہماری جماعت کو سمجھتے ہیں جیسے برہمو وغیرہ فرقوں کو سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اس فرقہ اور قوم کو سمجھتے ہیں کہ یہ بھی کسی شخص کی خیالی تجویزوں کا نتیجہ ہے مگر میں جانتا ہوں کہ خُدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور اسی کے فضل سے اس کا نشوونما ہو رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جبتک خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور نہ اس کا نشوونما ہو سکتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے چاہتا ہے تو وہ قوم بیج کی طرح ہوتی ہے جیسے قبل از وقت بیج کے نشوونما اور اس کے آثار کوئی نہیں سمجھ سکتا اس قوم کی ترقیوں کو بھی محال اور ناممکن سمجھتے ہیں۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

٭ ٭ ٭

نبی کا بڑا معجزہ

لیکن خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔ دراصل بڑا معجزہ یہی ہے کہ فرستادہ کی ملت فانی باطل نہ ہو جائے۔ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدہا معجزات ہیں لیکن سب سے بڑا یہی ہے کہ جس بات کا دعویٰ کیا تھا اُس کو پورا کر دکھایا۔ طبیب حاذق اسی طرح پہچانا جاتا ہے کہ بڑے بڑے بیمار اس سے شفا پائیں تب ہی اس کا دعویٰ سچا ثابت ہو۔[1]

صحابہ کرام کی مثالی وفاداری

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قوم عرب کے تمدن اور اخلاق اور رُوحانیت کا کیا حال تھا۔ گھر گھر میں جنگ اور شراب نوشی اور زنا اور لُوٹ مار۔ غرض ہر ایک بدی موجود تھی۔ کوئی نسبت اور تعلق خُدا کے ساتھ اور اخلاق فاضلہ کے ساتھ کسی کو حاصل نہ تھا۔ ہر ایک فرعون بنا پھرتا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے جب اسلام میں داخل ہوئے تو ایسی محبتِ الٰہی اور وحدت کی رُوح ان میں پیدا ہو گئی کہ ہر ایک خدا کی راہ میں مرنے کے لیے تیار ہو گیا۔[2] انہوں نے بیعت کی حقیقت کو ظاہر کر دیا اور اپنے عمل سے اس کا نمونہ دکھا دیا۔ اب تو بعض لوگ بیعت میں داخل ہوتے ہیں تو ذرا سے ابتلا سے گھبرا جاتے ہیں۔ مال اور جسمانی آرام سے بڑھ کر جان پیاری ہوتی ہے۔ صحابہؓ نے سب سے پہلے اپنی عزیز جان کو فدا کیا۔[3] برخلاف اس کے یسُوع کے شاگردوں میں کوئی بات نہیں دیکھتے جس سے یسُوع کی کامیابی پر دلیل پکڑی جائے۔ پطرس نے انکار کیا، بلکہ لعنت کی۔ یہوداہ نے گرفتار کرایا۔ باقی بھاگ گئے معلوم ہوتا ہے اُن کے ہادی میں کچھ کشش نہ

---

[1] حاشیہ:۔ الحکم سے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنے دعویٰ کے موافق کر دکھایا اس کی تو کوئی نظیر ہی نہیں ملتی۔" الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

[2] حاشیہ:۔ الحکم سے "کیا کوئی اس قوم کی نسبت خیال کر سکتا تھا کہ یہ قوم باہم متحد ہو گی اور خدا تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق پیدا کریں گے کہ باوجود یکہ یہ فرعون سیرت ہیں لیکن اس کی اطاعت میں ایسے محو اور فنا ہوں گے کہ جان عزیز کو بھی اس کی راہ میں دیدیں گے۔ غور کرو کہ کیا یہ آسان امر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم میں ایسی محبتِ الٰہی کا پیدا کر دینا کہ وہ مرنے کو تیار ہو جائیں خود آپؐ کے اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی کو ظاہر کرتا ہے۔"
الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

[3] حاشیہ:۔ الحکم سے "اگر کوئی کشش نہ تھی تو اس درجہ تک وہ کیونکر پہنچے۔"
الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

[4] حاشیہ: الحکم سے "پطرس نے آخری وقت پر جو مدد کا وقت تھا انکار کر دیا۔" (الحکم حوالہ مذکور)

تھی کہ اُن کو برائی اور منتشر ہونے سے روک سکتی۔ یہ خدا کا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک کشش اور جذب ہے وہ جذب خدا تعالیٰ اپنے کامل نبی میں رکھ دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کس قدر وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ جس کی نظیر نہ پہلے تھی نہ آگے دکھائی دیتی ہے۔ لیکن خدا چاہے تو وہ پھر بھی ویسا ہی کر سکتا ہے۔ ان نمونوں سے دوسروں کے لیے فائدہ ہے۔ اس جماعت میں خدا تعالیٰ ایسے نمونے پیدا کر سکتا ہے[1]۔

خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کی تعریف میں کیا خوب فرمایا ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴) مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنھوں نے اس وعدہ کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے خدا کے ساتھ کیا تھا۔ سو اُن میں سے بعض اپنی جانیں دے چکے اور بعض جانیں دینے کو تیار بیٹھے ہیں صحابہؓ کی تعریف میں قرآنِ شریف سے آیات اکٹھی کی جائیں تو اس سے بڑھ کر کوئی اُسوہ حسنہ نہیں[2]۔

---

[1] الحکم سے: "اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر ایک وقت میں ایسا ہو سکتا ہے۔ مولوی عبداللطیف (رضی اللہ عنہ) نے بھی ایسا کامل نمونہ دکھایا"

(الحکم حوالہ مذکور)

[2] الحکم سے: "جس سلسلہ میں کوئی نمونہ نہ ہو وہ سلسلہ قابلِ تعریف نہیں ہو سکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا نمونہ دکھایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے..... بنی اسرائیل میں شہرت یافتہ دو ہی نبی تھے۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان دونوں میں سے کسی کے نمونہ کا ذکر کر کے طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ کی قوم ان کو ہی سنگسار کرنے کو آمادہ ہو جاتی تھی اور اکثر ان کے ساتھ جھگڑتے اور انکار کر دیتے تھے۔ وہ سرکش اور کج طبع قوم تھی۔ اور حضرت عیسیٰ کے صحابہ کا وہ حال تھا جو میں نے ابھی بیان کیا کہ آخری وقت انکار کر دیا۔ اس تقریر کے بعد صحابہ کرامؓ کی اس محبت و اخلاص کا ذکر فرماتے رہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتے تھے۔ اس ضمن میں یہ ذکر آگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر وہ کس قدر بے قرار ہو گئے تھے۔ انہیں قرار نہیں آیا۔ جبتک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھ کر سب انبیاء علیہم السلام کی وفات پر اجماع نہ کرا لیا۔ فرمایا: یہ کیا ہی مبارک اجماع تھا۔ اگر یہ اجماع نہ ہوتا تو

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

غیر معمولی موسم کا نشان آسمان پر گرد و غبار سے بارش نہ ہونے اور موسم میں ایک غیر معمولی رنگ رہنے کا ذکر تھا۔ فرمایا:

ایک دن سخت گرمی اور لوگوں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر میں دُعا کرنے لگا تھا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ یہ جو کچھ کر رہا ہے ہماری ہی تائید میں کر رہا ہے۔ آج اگر طاعون اٹھ جائے۔ زلزلوں سے امن ہو جائے اور فصلیں خوب پک جائیں تو پھر لوگوں کا یہی کام ہوگا کہ امن پاکر ہم کو گالیاں دینے میں مصروف ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں زور آور حملوں سے تیری سچائی کو ظاہر کر دوں گا۔ یہی اس کے حملے ہیں پس ہم ان حملوں کو روکنے کے واسطے کیوں دُعا کریں؟ دُنیا کے آرام میں ہمارا آرام نہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ ہمارے لیے ہی ہو رہا ہے اور ہمیشہ سے عادت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ جب ہمارے ہر امر کا متولی خدا تعالیٰ ہے تو ہمیں کیا غم ہے۔ جو ہوگا کوئی نشان ہی ہوگا۔

بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳۰۲ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء

حاشیہ صفحہ گذشتہ:- بڑا بھاری فتنہ اسلام میں پیدا ہوتا۔ اسلام میں سب سے پہلا اجماع مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران ۱۴۵) ہی پر ہوا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منشا تو اس صدمہ ہی کو دُور کرنا تھا اور وہ مرگِ یاراں جیسے دردِ ہی سے دُور ہونا تھا۔ اگر اس آیت کے استدلال میں حضرت مسیح کو مستثنیٰ کیا جاتا تو صحابہؓ کے درد کا کیا علاج ہوتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسیح سے کم درجہ پر تھے جو زندہ نہ رہتے۔ قَدْ خَلَتْ کے معنے تو خود اس آیت میں اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ نے کر دیئے ہیں۔ کیا اس میں رفع بجسدہ العنصری بھی کہیں لکھا ہے؟ غرض جس طرح پر کسی کی قوتِ شامہ ماری جاوے تو اُسے خوشبو کا حاسہ نہیں رہتا۔ اسی طرح پر ان لوگوں کی ایمانی قوتِ شامہ مرگئی ہے جو مسیح کو زندہ آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر حالت بہت خطرناک ہے۔ یہی عقیدہ ان کی خدائی کی پہلی اینٹ قرار دیا گیا ہے۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۵ء

۱۱؍اگست ۱۹۰۵ء

(دربارشام)

تناسخ حضرت حکیم الامت کا بچہ عبدالقیوم بیمار تھا۔ گذشتہ شب کو اسے تکلیف تھی۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا حال پوچھ رہے تھے۔ اسی ذکر میں حضرت حکیم الامت نے کہا کہ میں اس سوال پر سوچتا رہا کہ آریہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ بچوں کو جو دکھ یا تکالیف پہنچتی ہیں یہ ان کے پچھلے جنم کا نتیجہ ہے۔ اس تحریک پر حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی:

یہ تو بالکل بیہودہ عقیدہ ہے[1]۔ اوّل تو یہ بھی قابلِ غور امر ہے کہ آیا بچے اس قدر تکلیف محسوس بھی کرتے ہیں یا نہیں جس قدر ماں باپ محسوس کرتے ہیں کیونکہ حس بھی عقل کے ساتھ ہی بڑھتی ہے۔ اور علاوہ بریں بچہ بھی جو بہشت میں داخل ہوگا تو کسی حق ہی سے ہوگا اس لیے اس قسم کی تکالیف اُٹھاتا ہے[2]۔

تکالیف اور شدائد کا فلسفہ اصل بات یہ ہے کہ انسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وُہ زود کوب ہی سے دُرست ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت انسان کی تکمیل چاہتی ہے اور خود عبودیت کا بھی تقاضا ہے کہ کسی نہ کسی طرح تکمیل کرے۔ اس لیے منجملہ تکمیل کی صورتوں کے ایک شدائد اور مصائب بھی ہیں۔

---

[1] حاشیہ:۔ بدر سے: "بچوں کی تکلیف سے تناسخ نکالنا بڑی نادانی کی بات ہے"

بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء

[2] حاشیہ:۔ بدر سے "یہ مانا گیا ہے کہ جن باتوں میں حیوانات انسانوں سے مشترک ہیں ان میں حیوان وہ لذت نہیں اُٹھا سکتا۔ ایسا ہی بچے کے واسطے اس قدر احساس نہیں ہے جس قدر بڑے کے واسطے ہے۔ لیکن اگر ہم مان لیں کہ اس کو درحقیقت تکلیف ہے اور اس کے ماں باپ وغیرہ بھی کوئی نہیں ہے جن کی طرف وہ تکلیف منسوب ہو سکے۔ تب بھی اس سے تناسخ نہیں نکل سکتا، کیونکہ نرا پاک ہونا اور معصوم ہونا کسی کو فضل کا مستحق نہیں بنا سکتا۔ تکالیف بنی آدم کے واسطے اجر کا موجب ہیں اور دُوسرا عالم ساتھ ہی موجود ہے جو کہ جاودانی امن اور آرام کا عالم ہے اور وہ اس عالم سے صرف ایک انتقال سے پیدا ہوتا ہے۔ ادھر آدمی آنکھ بند کرتا ہے ادھر کھول دیتا ہے۔ بچوں کے لیے دُوسرے عالم میں اجر ہے۔

بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء

انبیاء علیہم السلام جو بالکل معصوم اور مقدس وجود ہوتے ہیں وہ بھی تکالیف اور شدائد کا نشانہ بنتے ہیں[1] اور ایسے مصائب ان پر آتے ہیں کہ اگر کسی اور پر آئیں تو وہ برداشت ہی نہ کر سکے۔ ہر طرف سے ان کے دشمن اُٹھتے ہیں۔ کوئی باتوں سے دُکھ دیتا ہے۔ کوئی حکامِ وقت کے ذریعہ تکلیف دینے کا منصوبہ کرتا ہے کوئی قوم کو اس کے برخلاف اکساتا ہے۔ غرض ہر پہلو سے اس کو تکلیف دی جاتی ہے اور ہر طرح کی بے آرامی اور حُزن و غم اُن پر آتا ہے۔ باوجود اس کے ان ساری باتوں کا کچھ بھی اثر اُن پر نہیں ہوتا اور وہ پہاڑ کی طرح جنبش نہیں کرتے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ گنہگار ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو اس سے بڑھ کر بیہودگی اور کیا ہوگی۔ بچوں کی تکالیف کا مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ سے خوب حل ہوتا ہے۔ معصومیت کے لحاظ سے بچہ سمجھ لو۔ یہ مصائب عبودیت کی تکمیل کے لیے ہیں[2]۔ اور عالمِ آخرت کے لیے مفید ہیں۔ اگر ایسی حالت ہوتی کہ مرنے کے بعد بچہ کی رُوح مفقود ہو جاتی تو بھی اعتراض کا موقعہ ہوتا۔ لیکن جب جاودانی عالم اور ابدی راحت موجود ہے۔ تو پھر یہ سوال ہی کیوں ہے؟ اگر یہ سوال ہے کہ بغیر تکلیف کے اس ابدی راحت میں داخل کر دے تو پھر کہیں گے کہ معاصی کا بکھیڑا کیوں ہے اس کے ساتھ ہی داخل کر سکتا تھا[3]۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں غنی بے نیاز ہے۔ انسان کو نجات اور ابدی آسائش کے حصُول کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہیے۔ جب تک وہ تکالیف اور شدائد نہیں اُٹھاتا۔ راحت اور آسائش نہیں پا سکتا۔

یہ شدائد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وُہ ہیں جو انسان خود مجاہدات کرتا ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ

---

[1] بدر سے : صرف خدا کی ایک ذات ہے جو تکمیل کے لیے کسی ذریعے کی محتاج نہیں۔
(بدر حوالہ مذکور)

[2] بدر سے : مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک بیماری ایسی ہوتی ہے کہ جب آدمی کو کوئی مارتا ہے تب تک آرام رہتا ہے۔ جب چھوڑ دیا جائے تو تب اعضا شکنی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی انسان کو رُوحانی طور پر مار کھانے کی بیماری ہے۔
(بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے : اگر کوئی سوال کرے کہ خدا نے یہ مصائب کا سلسلہ کیوں رکھ دیا۔ وہ بغیر اس کے کسی کو بہشت میں داخل کر سکتا تھا تو یہ فضول سوال ہے۔ ہم خدا کی ایک سنّت کو دیکھتے ہیں کہ وُہ اس طرح سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں غنی ہے اور انسان کمزور ہے۔ اُس نے انسان

جنگ کرتا ہے اور اس طرح پر اکثر تکالیف میں سے ہو کر گذرتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قضاء و قدر خود اس پر کچھ تکالیف نازل کر دیتی ہے اور اس ذریعہ سے اسے صاف کرتی ہے۔ اس طریق میں بچے اور انبیاء علیہم السلام کے نفوسِ قدسیہ ہوتے ہیں۔ وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں اس پر بھی مصائب اور شدائد ان پر آتے ہیں وہ محض ان کی تکمیل اور ان کے اخلاق اور صدقِ وفا کے اظہار کے لیے۔

انسان کے لیے سعی اور مجاہدہ ضروری چیز ہے اور اس کے ساتھ مصائب اور مشکلات بھی ضروری ہیں۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم : ۴۰) جو لوگ سعی کرتے ہیں وہ اس کے ثمرات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اسی طرح پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس کی قربانی کرتے ہیں۔ ان پر الٰہی قرب و انوار و برکات اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور بہشت کا نقشہ ان پر کھولا جاتا ہے۔

یہ لوگ[1] اس راہ سے بے خبر ہیں اور ان انعامات سے بے بہرہ۔ اس لیے ایسے گندے اور بیہودہ اعتراض کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تو نجات کسی کو ملتی ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تناسخ مان بیٹھے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ اس عالم کی تکالیف کا اجر دُوسرے عالم میں ملتا ہے۔ جس طرح پر انبیاء و رسل کو ملتا ہے اسی طرح پر دُوسرے لوگوں کو ملتا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے۔ اور انسانی کمزوری ضروری تھی تاکہ وہ خدا کا ہمسر نہ ہو۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے مظہرِ تجلیاتِ الٰہیہ ہوتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصائب اور شدائد اٹھاتے اور بہت سی ماریں کھائے[2]۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کی سچائی تجربہ سے ثابت ہو رہی ہے۔ پس جب ایک واقعہ تجربہ سے ثابت ہو جاوے تو اس پر بحث فضول ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ کے واسطے یہی رکھا ہے کہ یا تو وہ خود مجاہدات اور ریاضات سے ترقی کرتا ہے یا آسمانی قضاء و قدر اس سے یہ تکمیل کرا دیتی ہے "

بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

[1] بدر میں ہے :۔ آریہ کمبخت اندھے ہی چلے آئے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرا عالم بھی موجود ہے انسان خدا نہیں۔ اس میں کمزوریاں ہیں اور یہ کمزوریاں اس واسطے ہیں کہ وہ خدا کے برابر نہ کہلائے "

(بدر حوالہ مذکور)

[2] بدر سے : " جو لوگ مجاہدات کرتے ہیں تکالیف پر صبر کرتے ہیں۔ ان کو بڑے درجات ملتے ہیں اُن میں اور ان کے غیر میں ایک امتیاز اور فرقان رکھا جاتا ہے۔ وہ قضاء و قدر کا نشانہ بنتے ہیں اور ماریں کھاتے ہیں۔ پھر بڑا فضلِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہوتا ہے۔ (بدر حوالہ مذکور)

فرمایا: تناسخ کی دلیل میں جو امیر اور مفلس کا تفاوت پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک بیہودہ بات ہے۔ اس لیے کہ غنی کے لیے زکوٰۃ اور صدقات رکھے ہیں کہ وہ ادا کرے اور مفلس کے لیے صبر رکھا ہے اور دونوں کے لیے اجر ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو چار کوس کا راستہ طے کرنا ہو۔ ایک شخص کے پاس تو عمدہ عمدہ کھانے ہوں اور دوسرے کے پاس ستو ہی ہوں۔ دونوں ہی اس راستہ کو طے کریں گے اور منزلِ مقصود پر جا کر اپنے اعمال کے موافق فائدہ اُٹھائیں گے۔[1]

تناسخ پر تو اس قدر اعتراض ہوتے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک طرف تو یہ لوگ ناطہ رشتہ میں دُور دراز کی گوتوں اور ذاتوں کا لحاظ کرتے ہیں[2]۔ دُوسری طرف اگر بچہ کی ماں یا بہن اس کی چھوٹی عمر میں مر جاوے اور کسی دُوسری جگہ جنم لے کر اس کے ساتھ بیاہی جاوے تو اس کے روکنے کا کیا انتظام ہے؟

اور پھر تناسخ کے لیے یہ بھی ضروری ہوگا کہ جرائم کے انواع بھی تجویز کریں۔ کیونکہ جس کثرت سے کیڑے کوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب جرائم ہی کی وجہ سے ہوں گے؟ اور پھر ہر جُون کا گناہ الگ چاہیے۔ اس قسم کے بہت سے اعتراض اس مسئلہ پر وارد ہوتے ہیں[3]۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

---

[1] حاشیہ: بدر میں ہے:۔ "آگے جا کر وہ دونوں برابر ہیں"۔
بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء

[2] حاشیہ: بدر سے:۔ "دُور سے اپنے لیے بیوی تلاش کرتے ہیں جہاں قرابت کا کوئی شائبہ نہ پایا جاتا ہو" (بدر حوالہ مذکور)

[3] حاشیہ: بدر سے: "اس صورت میں یہ ضرور تھا کہ پرمیشر ایسا کرتا کہ ہر ایک شخص کے پیدا ہونے کے وقت اس کے گلے میں ایک لمبی فہرست لٹکی ہوئی ہوتی کہ فلاں فلاں مرد اور عورت کے ساتھ اس کا یہ رشتہ ہے" (بدر جلد ۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۵ء)

حاشیہ: بدر میں ہے۔ "ایک نہیں ایسے ہزاروں اعتراض تناسخ پر وارد ہوتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا بھی ایک کم بختی ہے۔ برسات میں تھوڑی دیر میں لاکھوں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں تو کیا برسات میں گناہ بہت کیا جاتا ہے؟ پھر جس قدر کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض دنیا میں موجود ہیں زمین کے اندر اور زمین کے اوپر ہوا میں اور درختوں پر اور سمندر میں غرض جس قدر اقسام جانوروں کے ہیں چاہیے کہ اسی قدر اقسام گناہوں کے شمار کئے جاویں مثلاً گائے بہ نسبت کُتّے

۱۳؍اگست ۱۹۰۵ء

(دربار شام)

ایک نومسلم صاحب رحیم آباد[1] سے آئے ہوئے تھے۔ حضرت حکیم امت نے ان کی زبانی بیان کیا کہ وہ پنڈت دیانند صاحب کے ساتھ سات سال تک رہے ہیں۔ پھر خود نومسلم صاحب نے بیان کیا کہ میں نے ویدوں کو ایشور انند سے پڑھا ہے۔

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ آپ کے قبول اسلام کی کیا تقریب ہوئی۔ جواباً کہا کہ اصل تو آپ کی پیشگوئیوں پر میری نظر تھی اور اس کے بعد ڈیوریا کے مباحثہ میں مجھ پر اسلام کی سچائی واضح ہوگئی اور میں مسلمان ہوگیا۔

معراج کی حقیقت اس کے بعد انھوں نے سوال کیا کہ معراج کے متعلق حضور کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ جسمانی تھا یا روحانی؟ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی:

فرمایا: جبتک انسان بے خبر ہوتا ہے اس کی باتیں بڑی انکلیں ہی ہوتی ہیں۔ ایسا ہی معراج کے متعلق لوگوں کا حال ہے۔ وہ اس کی حقیقت اور اصلیت سے بیخبر ہیں۔ ہم تو معراج کو بالکل بیداری تسلیم کرتے ہیں ہاں ایک بیداری دنیا داروں کی ہے اور ایک بیداری عارفوں، صادقوں، نبیوں اور خدا رسیدہ لوگوں کی بیداری ہوتی ہے اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور تمام صادقوں اور عارفوں کے سردار ہیں اس لحاظ سے یہ مرتبہ بھی آپ کا سب سے بڑھا ہوا ہے۔ معراج ایک کشفی معاملہ تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کے آرام میں ہے۔ گائے کی ہندو پوجا بھی کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گائے بنانے والا گناہ ایسا سخت نہیں جیسا وہ گناہ ہے جس کے ارتکاب سے انسان کتے کی جون میں ڈالا جاتا ہے۔ پس آریوں کے ذمہ ہے کہ جس قدر انواع جانداروں کے ہیں اسی قدر انواع گناہ کے ثابت کریں۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء)

[1] حاشیہ:- بدر میں ہے:- "گیا سے ایک نومسلم آئے ہیں"
بدر جلد ۱ نمبر ۲۱ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴؍اگست ۱۹۰۵ء

کشف دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کشف ایسا ہوتا ہے کہ اس میں غیبتِ حس زیادہ ہوتی ہے۔ دُوسرا کشف ایسا ہوتا ہے کہ وہ بالکل بیداری کے رنگ میں ہوتا ہے اور دراصل ہوتی ہی بیداری ہے۔ اس قسم کے کشف کو خواب کبھی کہہ ہی نہیں سکتے، بلکہ ایسے کشف کو خواب کہنا ایسی ہی غلطی ہے جیسے کوئی دن کو رات کہہ دے۔ اس حالتِ کشف میں صاحبِ کشف وہ دیکھتا ہے جو دُوسرے نہیں دیکھ سکتے اور وہ اسرار مشاہدہ کرتا ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوتے۔ اس بیداری میں (جو عام لوگوں کی حالت ہوتی ہے) اس بیداری کے مقابلہ میں صدہا پردے اور حجاب ہیں۔ اگر اس کو اندھا کہیں تو زیادہ مناسب ہے اور اگر بہرہ کہیں تو زیادہ موزوں ہے۔ لیکن اس کشفی بیداری میں اعلیٰ درجہ کی بینائی اور شنوائی عطا ہوتی ہے جس میں صاحبِ کشف وہ حالات دیکھتا ہے جو کسی نے نہ دیکھے ہوں اور وہ باتیں سُنتا ہے جو کبھی نہ سُنی ہوں۔ پس اس قسم کی بیداری کے ساتھ وہ معراج تھا اور ایک لطیف اور رُوحانی جسم کے ساتھ تھا۔

انسان کے جسم دو ہیں۔ ایک زمینی اور دوسرا آسمانی جسم ہے۔ زمینی جسم کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا (المرسلت : ۲۶) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جس جسم کے ساتھ ہوا وہ آسمانی جسم تھا۔ وہ معراج قابلِ تعریف نہیں جو عوام مانتے ہیں۔ چونکہ ہر شخص اپنی حد تک بات کرتا ہے۔ بچہ اس حد تک ہی کہتا ہے جو کھیل تک محدود ہو۔ کم علم اپنی حد تک۔ اسی طرح یہ لوگ چونکہ اس حقیقت سے محض ناواقف ہیں اس لیے اعتراض کرتے ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ ایسا کشفی رنگ تھا کہ اس کو ہرگز خواب نہیں کہہ سکتے۔ یہ سچی بیداری تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمال حاصل ہوا۔ اور یہ حاصل نہیں ہو سکتا جبتک کامل درجہ کا تقدس اور تطہر نہ ہو۔

اس تقریر کو سُن کر شیخ عبدالحق صاحب (جو اس نومُسلم کا نام ہے) نے کہا۔ یہ تو بالکل سچ ہے۔ افسوس یہ مخالف مولوی منبروں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ وہ معراج سے ہی مُنکر ہیں۔ اس پر پھر حضرت اقدس نے سلسلہ تقریر شروع کیا۔ فرمایا :

اسلام اور دُوسرے مذاہب میں مابہ الامتیاز جو کچھ اسلام کا زیور تھا جس پر اسلام کو ہمیشہ ناز تھا اور جو اسلام اور دُوسرے مذاہب میں مابہ الامتیاز تھا اس سے یہ لوگ بالکل بے خبر ہیں۔ اسلام کے سوا جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں۔ اُن کی یہ حالت ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے محبوب کی بڑی تعریف کرے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہدے کہ ہاں ایک آنکھ اس کی نہیں اور دوسرا ساری تعریفیں کرنے کے بعد کہدے کہ اس کی شنوائی نہیں یا ایک ٹانگ نہیں۔ غرض کوئی نہ کوئی نقص ضرور مانتے ہیں۔ پورے طور پر کامل محبوب تسلیم نہیں کرتے۔ اسلام میں یہ خوبی

ہے کہ اس نے احسن طور پر خدا تعالیٰ کو دکھایا ہے اور کبھی انسان شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ جس قسم کا خدا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے وہ ایسا ہی اسلام میں پائے گی۔ کوئی نقص اور کمزوری اس میں نہیں ہے۔ اسلام ایسا مذہب ہے جو ایک ہی زندہ اور ابدی مذہب ہے، کیونکہ اس کی تاثیرات اور پھل ہمیشہ تازہ بتازہ موجود رہتے ہیں، لیکن ہمارے مخالف علماء اسلام کی عام خوبیاں تو بیان کرتے ہیں کہ وہ توحید کی تعلیم دیتا ہے، لیکن ایک اعلیٰ درجہ کی خوبی کا انکار کرتے ہیں۔ ایسا تو ایک برہمو بھی کر سکتا ہے۔ فرض کرو کہ اگر ایک برہمو کہے کہ بے شک لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تعلیم عمدہ ہے اور میں بھی مانتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی صفات بھی مانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان لاتا ہوں اور تمہاری طرح ہم بھی تناسخ کے نقص بیان کرتے ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ باوجود ان باتوں کے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار کرتا ہے تو کیا اس کی اتنی باتیں قابلِ قدر ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ اسلام کی جو اعلیٰ درجہ کی خوبی تھی وہ تو اس نے فروگذاشت کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقینی ثبوت اور زندہ ثبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہی تھی۔ جب اسے وہ نہیں مانتے تو معلوم ہوا کہ باقی جو کچھ ہے وہ بھی محض خیالی امر ہے۔ اسی طرح پر ہمارے مخالف علماء کی حالت ہو رہی ہے۔ وہ چیز جو میں دنیا کو دینی چاہتا ہوں وہ ان کے پاس نہیں اور اس سے وہ غفلت کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان جبتک اللہ تعالیٰ کی ہستی کو سمجھ نہیں لیتا اور اَنَا الْمَوْجُوْد ہونے کی آواز نہیں سن لیتا نفس امارہ پر غالب نہیں آتا۔ اسلام کی اصل غرض یہی تھی جو اب مفقود ہو چکی تھی۔ اسی کے احیاء کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ دُنیا میں جس قدر کوئی کسی سے خوف کرتا ہے یا کسی کی طرف رغبت کرتا ہے۔ وہ معرفت کا ثمرہ ہوتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ اس سوراخ میں سانپ ہے تو وہ کبھی اس میں ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ رات کے وقت اس مکان میں بھی داخل نہ ہوگا۔ ایسا ہی اگر معلوم ہو کہ یہاں ایک خزانہ مخفی ہے تو اس کی طرف التفات پیدا ہوگی۔ اندھیرے میں اگر ایک چیز کو بکرا سمجھتا ہے تو جبتک اُسے بکرا سمجھتا ہے پاس کھڑا رہے گا، لیکن یونہی جب یہ خیال ہوگا کہ وہ شیر ہے پھر وہاں نہیں رہ سکتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کی محبت اور خوف معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی آدمی دانستہ زہر نہیں کھا سکتا۔ سنکھیا خواہ شہد میں بھی ملا ہوا ہو پھر بھی کوئی اسے نہیں کھائے گا کیونکہ جانتا ہے کہ اس کو ہلاک کرنیوالی زہر ہے۔ لیکن اسی طرح پر گناہ بھی ایک زہر ہے جو انسان کی رُوح کو ہلاک کرتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان رکھتا ہے تو پھر بڑی دلیری اور جرأت سے گناہ کیوں کرتا ہے۔ اگر اسے یہ معرفت ہو کہ کوئی محاسب بھی ہے تو اس قدر دلیری نہ کرے۔ یہ دلیری اور جرأت

عدمِ معرفت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

غرض اسلام اور دُوسرے مذاہب میں جو امتیاز ہے وہ یہی ہے کہ اسلام حقیقی معرفت عطا کرتا ہے جس سے انسان کی گُناہ آلود زندگی پر موت آجاتی ہے اور پھر اُسے ایک نئی زندگی عطا کی جاتی ہے جو بہشتی زندگی ہوتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر قرآن شریف سے اعراض صوری یا معنوی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں اور اُس کے غیروں میں فرقان رکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اس کی قدرتوں کے عجائبات وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کی معرفت بڑھتی ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کو وہ حواس اور قویٰ دیئے جاتے ہیں کہ وہ ان چیزوں اور اسرارِ قدرت کو مشاہدہ کرتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھتے وہ ان باتوں کو سُنتا ہے کہ اوروں کو اُس کی خبر نہیں اسی لیے فرمایا مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کے لیے انسان اسی عالم سے حواس لے جاتا ہے۔ اسی جگہ سے وہ بصارت لے جاتا ہے جو وہاں کی اشیاء اور عجائبات کو دیکھے اور یہاں ہی سے وہ شنوائی لے جاتا ہے جو سُنے۔ گویا جو اس جہان میں وہاں کی باتیں دیکھتا اور سُنتا نہیں وہ وہاں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

یہ تھا مابہ الامتیاز اسلام اور دُوسرے مذاہب کے درمیان جس کو میرے مخالف پیش نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے اسی فرقان کو دے کر مجھے بھیجا ہے۔ اب سوال ہوتا ہے کہ جبکہ یہ مابہ الامتیاز ہے تو کیوں ہر شخص نہیں دیکھ لیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سنّت اللہ اسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ یہ بات بجز مجاہدہ، توبہ اور قتلِ نفس کے نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے انہی کو یہ راہ ملے گی۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کے وصایا اور احکام پر عمل نہ کریں بلکہ اُن سے اعراض کریں اُن پر یہ دروازہ کس طرح کھل جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ یہاں ایک خزانہ مدفون ہے اور دس بارہ دن کی محنت کے بعد نکل سکتا ہے اور کوئی شخص محنت تو کرے نہیں اور یہ کہے کہ خزانہ مل جاوے۔ کیونکر ملے گا؟ اسی طرح پر یہ خزانہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں رکھا ہے لیکن اس خزانہ کی کلید احکام اور ہدایتوں پر عمل ہے۔ اس کی وصیت اور ہدایت پر عمل کرنا اور محض خدا کے لیے نفس کو روک رکھنا یہ کنجی ہے اور اسلام ہی میں یہ ملتی ہے۔ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (اٰل عمران: ۸۶) اسلام ایک چشمہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر جا بیٹھا ہے اور مُنہ رکھ کر اس سے سیراب ہو کر نہیں پیتا تو اس کا اپنا قصور ہے۔ اس چشمہ کا کیا قصور ہے؟ اگر کوئی شخص آفتاب کی طرف سے اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیتا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے کمرہ میں تاریکی آجاوے اس میں آفتاب کا کوئی قصور نہیں۔ اس لیے جب تک انسان سچا مجاہدہ اور محنت نہیں

کرتا وہ معرفت کا خزانہ جو اسلام میں رکھا ہوا ہے اور جس کے حاصل ہونے پر گناہ آلود زندگی پر موت وارد ہوتی ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اس کی آوازیں سُنتا ہے اُسے نہیں مِل سکتا؛ چنانچہ صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النّٰزعٰت: ۴۱، ۴۲) یہ تو سہل بات ہے کہ ایک شخص متکبرانہ طور پر کہدے کہ مَیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور باوجود اس دعویٰ کے اس ایمان کے آثار اور ثمرات کچھ بھی پیدا نہ ہوں یہ نری لاف زنی ہوگی۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی پرواہ نہیں کرتا۔

اصل بات یہی ہے کہ یہ دولت مجاہدہ اور محنت کے بغیر ہاتھ نہیں آتی ہے اور اُن راہوں پر چلنا سب کے لیے ضروری ہے۔ یہانتک کہ انبیاء و رُسل کے لیے بھی یہی راہ ہے۔ ان کو جو فتوحات دیئے جاتے ہیں وہ اسی راہ سے ملتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو اس راہ میں فنا ہو جاتے ہیں اور وہی حالت ہوتی ہے جب ان سے معجزات صادر ہوتے ہیں۔ وہ عام لوگوں سے بالکل نرالی قوم ہوتی ہے۔ ہر شخص تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ اس کی عزت اور شہرت ہو۔ برخلاف اس کے انبیاء علیہم السلام اپنے نفس کو بالکل بھلا دیتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ ہی کی عزت اور عظمت کے بھوکے پیاسے ہوتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی عظمت اور جبروت کے اظہار کے لیے وُہ ہر قسم کی ذلت کے برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ تمام دکھوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں مگر ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ ان کی ساری خواہشیں اور آرزوئیں اسی ایک بات پر آکر ختم ہو جاتی ہیں کہ کسی طرح پر اہلِ دنیا خدا تعالےٰ پر ایمان لاویں۔ انہیں سخت تکلیف پہنچتی ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ مُشرک اور خدا تعالیٰ سے دُور لوگ اپنے بتوں اور معبودوں کی ایسی تعریف کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہونی چاہیے۔ ایسا ہی وہ اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ ہر قسم کے فسق و فجور اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے مُنہ موڑیں۔ ایسی صورت میں اُن کے دل پر قلق اور کرب کا استیلاء ہوتا ہے۔ پس جب اُن کے دُکھوں اور تکالیف کا اندازہ حد سے گذر جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ پھر گوارا نہیں کرتا کہ وہ اس طرح پر دُکھ اُٹھائیں۔ اس لیے وہ کرامت یا نشان ظاہر کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ راستباز دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو انبیاء و رُسل۔ یہ تو اعلیٰ درجہ کے راستباز اور مقدس وجود ہیں۔ دوسری قسم کے وہ راستباز ہیں جو عام مومن ہوتے ہیں۔ لیکن اُن میں کچھ نہ کچھ بقایا نفس بھی موجود ہوتا ہے۔ ان دوسرے درجہ کے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ خوارق کا حصّہ دے دیتا ہے۔ لیکن بڑے نشانوں کی مستحق وہی قوم انبیاء و رُسل کی ہے جو کسی صورت میں بھی خدا تعالیٰ کے غیر کا جلال نہیں دیکھ سکتے۔ ان کی مصیبت اور دُکھ اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے خلاف نہ دیکھ سکتے

ہیں نہ سُن سکتے ہیں۔ میرا ایمان یہی ہے کہ نوح علیہ السلام کا طوفان جو آیا اس طوفان سے پہلے ایک طوفان خود نُوح پر بھی آیا۔ تب وہ طوفان آیا جس نے لوگوں کو غرق کیا۔ اسی طرح پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون غرق ہوا مگر اس سے پہلے مُوسیٰ علیہ السلام نے ایک سخت مصیبت دیکھی جو لوگوں کی نظر سے مستور تھی مگر وہ ایسی مصیبت تھی کہ اُسے اُن کا ہی دل برداشت کر سکتا تھا اور ایسی بھاری مصیبت تھی جس نے یہ نمونہ غرق دکھایا۔ نوح علیہ السلام کا غم خیال کرو کہاں تک پہنچا ہوگا جو خدا تعالیٰ کا غضب اس طرح پر بھڑکا۔

یقیناً سمجھو کہ یہ قوم ایک عجیب قوم ہوتی ہے۔ لوگوں کے ہم و غم اپنے گھر کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں کا غم ہوا یا اپنی عزت و دولت کے لیے۔ اور اسی لیے خدا تعالیٰ ان کی پروا نہیں کرتا لیکن اس قوم کے غموں کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف مخلوق کی ہمدردی انہیں ہم و غم میں مبتلا کرتی ہے۔ دُوسری طرف اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان بلند کرنے کے لیے کڑھتے ہیں اور یہ بات تکلف یا بناوٹ سے پیدا نہیں ہوتی۔ ان کی فطرت ہی اس قسم کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس قوم کو اس رنگ میں گویا آگ لگی ہوئی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ گوارا نہیں کرتا کہ وہ غم میں مرجاویں۔ وہ دیکھتا ہے کہ ان کا غم محض اس کے لیے ہے۔ اُن سے اگر پُوچھا جاوے کہ وہ کیوں اس قدر غم کھاتے ہیں تو بتلا نہیں سکتے کیونکہ ان کے تعلقات ذاتیہ ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی عظمت کے اظہار کے لیے وہ طبعی طور پر بے قرار ہوتے ہیں۔ اور اس میں اُن کے نفس کا کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔ کامل نفوس کے تعلقات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں وہ اس قسم کے ہیں کہ اگر بہشت دوزخ بھی نہ ہو تب بھی وُہ دُور نہیں ہو سکتے۔ غرض انسان اس کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے لیے کس کس قسم کے قلق و کرب میں رہتے ہیں۔ جب یہ اضطراب حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر آسمانی نشان ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ بے پروا ہے۔ اگر ساری دُنیا اس کی حمد و ستائش کرے اور کوئی بھی اس کی خلاف ورزی نہ کرے تو اس کی شانِ ربُوبیت اور اُلوہیت میں کچھ بھی زیادتی نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اگر سب کے سب فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں۔ مگر بات یہ ہے کہ جب ایک انسان اس کے لیے ہی کھپتا ہے تو آخر اُسے اپنی مستور ذات کو ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ یہی سِر ہے اس حدیث میں کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے ماموروں اور مرسلوں کا قلق۔ کرب حد سے بڑھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مجاہدات کا اتنا ہی نتیجہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں بلکہ دنیا پر بھی احسان کر جاتے ہیں کیونکہ اسے بھی دکھا دیتے ہیں۔

پس نرے چھلکے پر کفایت کر لینا کافی نہیں ہے۔ ایسی متاع چُرائی جا سکتی ہے لیکن جو متاعِ حقیقی

اسلام پیش کرتا ہے جو اس کے اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز ہے اُسے کوئی چُرا نہیں سکتا۔ یہ بات ہے جو ہم پیش کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور اُس کے امتیازی نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ اسلام کے ثمرات اب بھی ایسے ہی ہیں۔ اگر کوئی ان پھلوں کو نہیں کھاتا تو اسلام کا کیا قصور؟ طبیب اگر ایک نسخہ بتادے اور کوئی اسے استعمال نہ کرے تو اس میں طبیب کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ اسلام میں یہ ایسی نعمت ہے جو کسی اور دین میں نہیں مل سکتی۔ اسی کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدۃ: ۴) لیکن یہ نعمت نہیں مل سکتی جبتک اس طرف قدم نہ اُٹھادے۔ اور افسوس کہ ہمارے مخالف اس نعمت کی طرف متوجہ نہیں[1]۔

۱۴؍اگست ۱۹۰۵ء

(دربار شام)

اُولوالامر کون ہے

شیخ عبدالحق صاحب آریہ نومسلم نے اجازت چاہی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ کچھ دن اور رہو۔ دین کی تپش اور تلاش انسان کو مقدم ہونی چاہیے۔

اس پر انہوں نے ذیل کا سوال کیا اس کا جو جواب حضرت اقدس نے دیا وہ بھی درج ہے:

سوال: اولوالامر سے کیا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک مولوی اولوالامر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں۔

جواب از حضرت اقدس: اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں اس طرح پر چلا آیا ہے کہ اسلام کے بادشاہ جن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہے ان کی اطاعت کرنی چاہیے وہ بھی ایک قسم کے اولوالامر ہوتے ہیں لیکن اصل اولوالامر وہی ہوتے ہیں جن کی زندگی پاک ہوتی ہے اور ایک بصیرت اور معرفت جن کو ملتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے امر پاتے ہیں۔ یعنی مامورِ الٰہی۔

بادشاہوں کے پاس حکومت ہوتی ہے وہ انتظامی امور میں تو پُورا دخل رکھتے ہیں لیکن دینی امور کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔ سچے اولوالامر وہی ہیں جن کے اتباع سے معرفت کی آنکھ ملتی ہے اور انسان معصیت سے دُور ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں کا لحاظ اولوالامر میں رکھو۔ اگر کوئی شخص بادشاہِ وقت کی بغاوت کرے تو اس کا نتیجہ

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۱۷؍اگست ۱۹۰۵ء

اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ فتنہ کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح پر امور کی مخالفت کرے تو سلبِ ایمان ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی مخالفت سے لازم آتا ہے کہ مخالفت کرنے والا خدا تعالےٰ کی مخالفت کرتا ہے۔

سوال : پھر اس وقت جو مولوی ہیں کیا اُن کو اولوالامر سمجھیں ؟

جواب : او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

اصل بات یہ ہے کہ جبتک اللہ تعالیٰ کسی کی آنکھ نہ کھولے آنکھ کھلتی نہیں۔ ان لوگوں نے دین صرف چند رسُوم کا نام سمجھ رکھا ہے ؛ حالانکہ دین رسُوم کا نام نہیں ہے۔ ایک زمانہ وہ ہوتا ہے جبکہ یہ باتیں محض رسم اور عادت کے طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ یہ لوگ اسی قسم کے ہو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن کو نماز اور روزہ سکھایا گیا تھا ان کا اور مذاق تھا وہ حقیقت کو لیتے تھے اور اسی لیے جلد مستفیض ہوتے تھے۔ پھر مدت کے بعد وہی نماز اور روزہ جو اعلیٰ درجہ کی طہارت اور خدا رسی کا ذریعہ تھا ایک رسم اور عادت سمجھا گیا۔ پس اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اصل امر دین کو جو مغز ہے تلاش کرے۔

سچے مذہب کی خصوصیات

یاد رکھو انسان کو اللہ تعالیٰ نے تعبّد ابدی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے اس کو چاہیے کہ اسی میں لگا رہے۔ اس جہان کی جس قدر چیزیں ہیں۔ بیوی، بچے، احباب، رشتہ دار، مال و دولت اور ہر قسم کے املاک ان کا تعلق اسی جہان تک ہے۔ اس جہان کو چھوڑنے کے ساتھ ہی یہ سارے تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ ہے اور اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی اس کی ضرورت ہے اس لیے سچا تعلق اسی کے ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ نجاتِ ابدی اسی کے ساتھ وابستہ ہے جو خدا تعالیٰ کی معرفت، محبت اور صدق، وفاداری کے تعلق پیدا کرنے سے ملتی ہے۔ یہانتک تو سب مذاہب متفق ہیں وہ نجات کا یہی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ باتیں حاصل کیونکر ہوں ؟ یہی وہ مقام ہے جہاں سے مذاہب کا تفرقہ شروع ہوتا ہے۔ اب جس مذہب نے حصولِ نجات کے عمدہ وسائل پیدا کئے ہیں اور جو مذہب تاثیر اور جذب اور کشش اپنے اندر رکھتا ہے وہ سچا ہے لیکن جس مذہب کے اندر وہ تاثیر اور جذب نہیں جس کی عملی تاثیروں کا کوئی نمونہ پایا نہیں جاتا وہ خواہ خدا تعالیٰ کو واحد ہی کہے لیکن جھوٹا ہے۔ یہ توحید اس کی محض قال کے رنگ میں ہے۔ حالی کیفیت اس میں پائی نہیں جاتی۔ حالی کیفیت تو اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ غیر کا وجود بالکل نابود ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنے والا ہو۔ اسی سے ہر ایک امید و خوف ہو۔ جبتک یہ بات عملی طور پر پیدا نہ ہو نرے قال سے کچھ نہیں بنتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو واحد سمجھتا ہے پھر دوسرے سے بھی تعلق رکھتا ہے تو توحید کہاں رہی ؟

یا خدا تعالیٰ کو رازق مانتا ہے مگر کسی دُوسرے پر بھی بھروسہ کرتا ہے یا دُوسرے سے محبت کرتا ہے یا کسی سے امید اور خوف رکھتا ہے تو اس نے واحد کہاں مانا؟ غرض ہر پہلو سے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے سے توحیدِ حقیقی متحقق ہوتی ہے مگر یہ اپنے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی ہستی پر کامل یقین سے پیدا ہوتی ہے۔

یک طرفہ خیال رفتہ رفتہ منافع ہو جایا کرتے ہیں مثلاً ایک شخص خیال کرے کہ اس چوبارہ کے اندر آدمی ہے۔ جب وہ بیدار ہوگا تو اس کو کھولے گا لیکن جب اس پر دو دن، چار دن، مہینہ دو مہینے یہانتک کہ کئی برس گذر جاویں اور کوئی آواز نہ دے نہ کھڑکا ہو تو آخر اُسے اپنا اعتقاد بدلنا پڑے گا اور خیال پیدا ہونے لگے گا کہ اگر اس کے اندر کوئی آدمی ہوتا تو ضرور بولتا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے ہی نہیں۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ جو ان آنکھوں سے پوشیدہ ہے اس کی بابت بھی طالب حق چاہتا ہے کہ اس کا پورا پتہ لگے تاکہ ایمان ترقی کرے ضرور ہے کہ اس کی قدرتوں کے عجائبات نظر آویں۔ اس کی آواز بھی سنائی دے اور اس کے سُننے کا پتہ لگے۔ لیکن اگر کسی بات کا پتہ ہی نہیں چلتا تو پھر رفتہ رفتہ ایمان کمزور ہو کر انسان دہریہ ہو جاتے گا۔

یہ تو سب اہلِ مذاہب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور ہماری دُعائیں سُنتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ وہ جس طرح پر سنتا ہے کیا یہ ضرور نہیں کہ اسی طرح پر بولتا بھی ہو۔ اگر بولتا نہیں تو پھر اس کا سُننا بھی باطل ہوگا اور پھر دُوسرے صفات بھی باطل ہو جائیں گے۔ آریہ بھی اتنا تو مانتے ہیں کہ وہ سُنتا ہے، لیکن جب ہم پُوچھتے ہیں کہ کیا وہ سُنتا[1] بھی ہے۔ تو یہاں آکر خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں کر مان لیا جاوے کہ اس کے کان تو ہیں مگر زبان نہیں۔ یہ تو ادھورا خدا ہے۔

سچا معلم اور مذہب وہی ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دے جو سُننے کا ثبوت دیتا ہے وہ بولنے کا بھی دیتا ہے۔ اس معیار پر اگر صرف اسلام ہی ہے جو سچا ثابت ہوگا آریہ کہتے ہیں کہ کسی قدیم زمانے میں بولتا تھا اب نہیں بولتا۔ مگر ہم کہتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ پہلے بولتا تھا؟ ایسا ہی عیسائیوں کا بھی حال ہے وہ بھی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتے کہ خدا بولتا ہے۔ ہاں ہم کہتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اسی طرح ہم یقین رکھتے ہیں اور اپنے تجربہ سے کہتے ہیں کہ وہ بولتا بھی ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس کی آواز سُننے کے لیے خود تمہارے کان بھی کھُلے ہوئے ہونے چاہئیں۔ اگر تم اپنے کان

---

[1] کاتب کی غلطی ہے۔ دراصل یہ فقرہ یوں ہونا چاہیے : "کیا وہ بولتا بھی ہے"؟
(مرتب)

میں روئی دے دوگے تو ہرگز نہیں سُن سکتے۔ یا آفتاب اور ماہتاب کے نُور سے بھاگ کر کسی تہہ خانہ میں چھُپ جاؤ تو روشنی کیونکر آسکے گی؟ ہر چیز کے حصُول کے لیے ایک قانون ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس قانون کو چھوڑ کر اور اس سے منحرف ہو کر اُسے حاصل کرنا چاہے تو حاصل نہیں کر سکتا۔ مثلاً آنکھ۔ کان میں جو قوتیں ہیں اگر اُن سے کام نہ لے تو اثر نہیں رہتا۔ اسی طرح پر خُدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر کیا ہے کہ انسان اوّل اپنے دل کو پاک کرے اور نفسانی خواہشوں کی مخالفت کرے۔ اس سے درمیانی گرد و غبار اُٹھ جائے گا اور ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سُنتا بھی ہے اور بولتا بھی ہے۔ جو لوگ عارف ہوتے ہیں، اُن پر یہ باتیں کُھل جاتی ہیں وُہ اسی دُنیا میں خُدا تعالیٰ کی صفات کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو شخص ان صفات کو دیکھتا نہیں وہ صرف طوطے کی طرح رٹتا ہے۔ آریوں نے جو صفائی کی ہے وہ تو پہلے سے بھی گیا گذرا والا معاملہ ہوا ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو زبانی لاف وگزاف کچھ نہیں کر سکتی۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے سارے دعوے باطل ہیں اس لیے کہ اُن کو رؤیت کی توفیق نہیں ملی ہے۔ جس پر اس جہان کی کھڑکی نہیں کُھلی وُہ کیا دیکھے گا؟

پنڈت دیانند نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ نری اٹکل ہے۔ جیسا ایک اندھا کسی کو ہاتھ لگا کر اس کے متعلق بیان کرتا ہے اسی طرح سے اُنہوں نے کیا ہے۔ محض اپنے مذہب کے تعصب کی جہالت سے کہا جو کچھ کہا۔ اس کی وہ آنکھیں نہیں تھیں جو وہ اس عالم کے عجائبات کو مشاہدہ کرتا۔ اس کو بالکل خبر نہیں کہ خدا کیا ہے اور اس کی صفات کیا ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جس چیز کے صفات دُور ہو جائیں تو وہ چیز بھی جاتی رہتی ہے۔ پھُول کی صورت نوعی بھی جاتی رہے گی، جب اس کے خواص اور صفات نہ ہوں۔ اسی طرح پر آریوں کے قول کے بموجب پرمیشر ہی کا وجود نہیں رہتا جبکہ یہ مان لیا جاوے کہ اس کے صفات نہیں کیونکہ وہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی سے بولتا بھی ہے جب بولتا نہیں تو سُننے پر کیا دلیل ہوگی۔ اسی طرح قدرت بھی باطل ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے صفات قدیم سے چلے آتے ہیں۔ جب ایک صفت باطل ہوئی تو ممکن ہے کوئی دوسری بھی باطل ہو جاوے۔ سچا مذہب وہی ہے جو زندہ خدا کو پیش کرے اور وہ اسلام ہے۔

ہمارے مخالف اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اسلام کی اس قابلِ قدر خوبی سے انکار کرتے ہیں۔ جب سے اسلام ہوا ہے اس میں ہمیشہ عملی نمونے رہے ہیں لیکن وہ انکار کرتے ہیں کہ اب نہیں۔ افسوس۔

فرمایا: ایک اور بڑی خرابی ہوتی ہے کہ انسان میں علم ہو سمجھ ہو۔ پھر دنیا کے خیال اس پر غالب ہو جائیں تو اس طرح پر دینی سرگرمی نہیں رہتی وہ مُردہ یا منافق ہو جاتا ہے اس لیے اس جماعت میں ملنے والا تو وہ ہوگا جو ہر قسم کے مصائب اور شدائد کا نشانہ بننے کو آمادہ ہو۔ لیکن محبت ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک مست

اُونٹ پر جس قدر بوجھ چاہو۔ لاد دو۔

فرمایا : قوی القلب آدمی ہو۔ تو یہی نہیں کہ وہ مخالفوں کے شور و شر سے امن پاتا ہے بلکہ اللہ تعالےٰ اس میں جذب اور کشش رکھ دیتا ہے۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۹ صفحہ ۲، مورخہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۵ء

۲۶ر اگست ۱۹۰۵ء

آج نمازِ ظہر میں مسجد مبارک میں قبل از نماز ذکر آیا کہ جاپان میں اسلام کی طرف رغبت معلوم ہوتی ہے اور بعض ہندی مسلمانوں نے وہاں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر فرمایا :

جاپان میں اسلام کی تبلیغ

جن کے اندر خود ہی اسلام کی رُوح نہیں وہ دُوسروں کو کیا فائدہ پہنچائیں گے۔ جب یہ قائل ہیں کہ اب اسلام میں کوئی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ خدا اس سے کلام کرے اور وحی کا سلسلہ بند ہے تو یہ ایک مُردہ مذہب کے ساتھ دُوسرے پر کیا اثر ڈالیں گے۔ یہ لوگ صرف اپنے پر ظلم نہیں کرتے بلکہ دُوسروں پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ اُن کو اپنے بدعقائد اور خراب اعمال دکھا کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اُن کے پاس کونسا ہتھیار ہے جس سے یہ غیر مذاہب کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ جاپانیوں کو عمدہ مذہب کی تلاش ہے۔ اُن کی بوسیدہ اور ردّی متاع کو کون لے گا۔ چاہیے کہ اس جماعت میں سے چند آدمی اس کام کے واسطے تیار کیے جائیں جو لیاقت اور جرأت والے ہوں اور تقریر کرنے کا مادہ رکھتے ہوں[1]

البدر جلد ۱ نمبر ۱۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۵ء

۱۹ر اگست ۱۹۰۵ء

ایک شخص نے اپنا خواب عرض کیا کہ فلاں آدمی نے مجھے خواب میں ایسا کہا۔ فرمایا :

خواب کا تعین ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ جس کو خواب میں دیکھا جاتا ہے اس سے مراد کوئی اَور شخص ہوتا ہے۔

---

[1] اس سلسلہ میں نیز دیکھئے ۲۶ر جون ۱۹۰۵ء کی ڈائری۔

مسیح علیہ السلام کے بارہ میں قتل و صلیب کی نفی

کسی شخص نے اعتراض کیا کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء: ۱۵۸) نہ قتل کیا اور نہ صلیب دیا۔ اس میں قتل کا ذکر پہلے ہے اور صلیب کا پیچھے، حالانکہ پہلے کسی کو صلیب پر چڑھایا جاتا ہے اور بعد میں صلیب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قتل ہو جائے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف میں قتل کا ذکر پہلے ہے اور صلیب کا پیچھے ہے۔ فرمایا:-

اوّل تو یہود کا اعتراض جو قرآن شریف میں درج ہے وہ یہی ہے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ (النساء: ۱۵۸) یعنی ہم نے مسیح کو قتل کیا۔ چونکہ انہوں نے قتل کا لفظ بولا تھا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے پہلے لفظ قتل کی ہی نفی کی۔ دوم یہ کہ یہود میں دو روایتیں تھیں۔ ایک یہ کہ ہم نے یسوع کو تلوار سے قتل کر دیا ہے اور دُوسرا یہ ہے کہ اس کو صلیب پر مارا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر دو کی جدا جدا نفی کی۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہودیوں کی بعض پرانی کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یسوع کو پہلے سنگسار کیا گیا تھا اور جب وہ مر گیا تو بعد میں اس کو کاٹھ پر لٹکایا گیا یعنی پہلے قتل ہوا اور پیچھے صلیب۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی نفی کی اور فرمایا کہ یہود جھوٹے ہیں۔ نہ حضرت مسیح اُن کے ہاتھوں قتل ہوئے اور نہ صلیب کے ذریعے سے مارے گئے۔

اسلام کی صداقت پر ایک بھاری دلیل فرمایا:

خدا تعالیٰ کے صفات کا جو کامل اکمل نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے وہ اسلام کی صداقت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔ باقی تمام مذاہب اس معاملہ میں ناقص ہیں کہ وُہ خدائی صفات کا سر و پا پوری طرح بیان کر سکیں اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام مذاہب خدا تعالیٰ کی کمال طاقتوں کے صفات سے مُنکر ہیں۔ مثلاً آریہ کہتے ہیں کہ وہ کلام نہیں کرتا چُپ ہے۔ عیسائیوں کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ کسی کو نجات دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کی تعریف کرے اور کہے کہ وہ ایسا خوبصورت ہے اور ایسا طاقتور ہے مگر بہرہ ہے۔ سُن نہیں سکتا اور گُونگا ہے کچھ بولتا نہیں۔ چڑچڑا ہے۔ ہم کو نجات دینا نہیں چاہتا۔ بہشت میں بھیجتا ہے تو بھی ایک گناہ باقی رکھ لیتا ہے جس سے پھر جلد سانپ، بچھو، کُتے، سؤر کی جون میں ڈال دیتا ہے۔ ان دینوں میں یہ برکت نہیں کہ انسان پاکیزگی حاصل کر کے خدا سے اَنَا الْمَوْجُوْد کی آواز کو سُن سکے۔ اسی واسطے یہ لوگ غفلت کی تاریکی میں پڑے ہوتے ہیں۔

مجاہدہ کی اہمیت فرمایا: جو لوگ خدا کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ کے ساتھ اس کے آگے

جُھک جاتے ہیں اُن کو خُدا مل جاتا ہے مگر جو لوگ اس کے بتلائے ہوئے راہ پر نہیں چلتے اور اس میں محنت نہیں کرتے اُن کے واسطے مشکل ہے کہ وہ اس بات کو پا سکیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ فلاں مقام میں ایک خزانہ دفن ہے اور وہ زمین کے اندر اتنے ہاتھ گہرائی پر ہے۔ جبتک اس کو کھودنے کی محنت نہ کی جاوے وہ کس طرح اُن کو مل سکتا۔[1]

۳۱ر اگست ۱۹۰۵ء

ایک رویا اور اس کی تعبیر

۳۱ر اگست کی رات کو مَیں نے دیکھا کہ عبداللہ سنوری میرے پاس آیا ہے اور وُہ ایک کاغذ پیش کر کے کہتا ہے کہ اس کاغذ پر مَیں نے حاکم سے دستخط کرانا ہے اور جلدی جانا ہے۔ میری عورت سخت بیمار ہے اور کوئی مجھے پوچھتا نہیں۔ دستخط نہیں ہوتے۔ اس وقت مَیں نے عبداللہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو زرد رنگ اور سخت گھبراہٹ اس کے چہرہ پر ٹپک رہی ہے مَیں نے اس کو کہا کہ یہ لوگ رُدکے ہوتے ہیں۔ نہ کسی کی سفارش مانیں اور نہ کسی کی شفاعت۔ مَیں تیرا کاغذ لے جاتا ہوں۔ آگے جب کاغذ لے کر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مٹھن لال نام جو کسی زمانہ میں بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھا کُرسی پر بیٹھا ہوا کچھ کام کر رہا ہے اور گرد اس کے عملہ کے لوگ ہیں۔ مَیں نے جا کر کاغذ اس کو دیا اور کہا کہ یہ ایک میرا دوست ہے اور پُرانا دوست ہے اور واقف ہے اس پر دستخط کر دو۔ اُس نے بلا تامل اسی وقت لیکر دستخط کر دیئے۔ پھر مَیں نے واپس آکر وہ کاغذ ایک شخص کو دیا اور کہا خبردار ہوش سے پکڑو ابھی دستخط گیلے ہیں اور پُوچھا کہ عبداللہ کہاں ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ کہیں باہر گیا ہے۔ بعد اس کے آنکھ کھُل گئی اور ساتھ پھر غنودگی کی حالت ہو گئی۔ تب مَیں نے دیکھا کہ اس وقت مَیں کہتا ہوں۔ مقبول کو بلاؤ اس کے کاغذ پر دستخط ہو گئے ہیں۔

یہ جو مٹھن لال دیکھا گیا ہے۔ ملائک طرح طرح کے تمثلات اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ مٹھن لال سے مُراد ایک فرشتہ تھا۔ سنوری سے یہ مراد ہے۔ سنور عربی میں بلّی کو کہتے ہیں اور تعبیر کی رُو سے بلّی ایک بیماری کا نمونہ ہے۔ عبداللہ سنوری سے مراد ہوئی وہ عبداللہ جو بیمار ہے۔

فرمایا:

طب تو ظاہری محکمہ ہے۔ ایک اس کے وراء محکمہ پردہ میں ہے جبتک وہاں دستخط نہ ہو۔ کچھ نہیں ہوتا۔[2]

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۱ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۵ء

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۲۲ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۳۱ر اگست ۱۹۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

از یکم ستمبر ۱۹۰۵ء[1]

اطمینان قلب

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد: ۲۹) اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت اور فلاسفی یہ ہے کہ جب انسان سچے اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کے سامنے یقین کرتا ہے۔ اس سے اس کے دل پر ایک خوف عظمتِ الٰہی کا پیدا ہوتا ہے وہ خوف اس کو مکروہات اور منہیات سے بچاتا ہے اور انسان تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ اس کو بشارتیں دیتے ہیں اور الہام کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے

---

[1] یہ ملفوظات ۱۲ ستمبر ۱۹۰۱ء کے ہیں لیکن ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء میں چھپنے کی وجہ سے یہاں درج کئے جا رہے ہیں

اور اس کی وراء الوراء طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر اس کے دل پر کوئی ہم و غم نہیں آسکتا اور طبیعت ہمیشہ ایک نشاط اور خوشی میں رہتی ہے۔ اسی لیے دُوسرے مقام پر آیا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ : ۶۳) اگر کوئی ہم و غم واقع بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے الہام سے اس کے لیے خارجی اسباب اُن کے دُور کرنے کے پیدا کر دیتا ہے۔ یا خارق عادت صبر اُن کو عطا کرتا ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام دَنَا فَتَدَلّٰی

دَنَا فَتَدَلّٰی (النجم : ۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اُوپر کی طرف ہو کر نوعِ انسان کی طرف جھکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اعلیٰ درجہ کا کمال ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور اس کمال میں آپؐ کے دو درجے بیان فرماتے ہیں۔ ایک صعود، دُوسرا نزول۔ اللہ تعالیٰ کی طرف تو آپؐ کا صعود ہوا یعنی خدا تعالیٰ کی محبت اور صدق و وفا میں ایسے کھینچے گئے کہ خود اس ذاتِ اقدس کے دُنُوّ کا درجہ آپؐ کو عطا ہوا۔ دُنُوّ۔ اَقْرَبُ سے ابلغ ہے۔ اس لیے یہاں یہ لفظ اختیار کیا۔ جب اللہ تعالیٰ کے فیوضات اور برکات سے آپ نے حصّہ لیا تو پھر بنی نوع پر رحمت کے لیے نزول فرمایا۔ یہ وہی رحمت تھی جس کا اشارہ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۸) میں فرمایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم قاسم کا بھی یہی سِرّ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں اور پھر مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ پس مخلوق کو پہنچانے کے واسطے آپ کا نزول ہوا۔ اس دَنَا فَتَدَلّٰی میں اسی صعود اور نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوّ مرتبہ کی دلیل ہے[2]۔

پیشگوئیوں میں استعارات

انبیاء علیہم السلام کے آنے کے وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو استعارات کو حقیقت پر محمول کر لیتے ہیں اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ گروہ ان کی شناخت سے محروم رہ جاتا ہے لیکن ایک اور گروہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی تائید سے اصل حقیقت کو پا لیتے ہیں۔ وہ استعارہ کو استعارہ اور حقیقت کو حقیقت ٹھہراتے ہیں۔ جیسے یہودیوں نے مسیح کی آمد کے وقت ملاکی نبی

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء

[2] یہ ملفوظات بھی کسی پرانی تاریخ کے ہیں مگر ان پر تاریخ اور سن درج نہیں۔ (مرتب)

کے صحیفہ کی بنا پر کہا کہ مسیح کے آنے کی یہ نشانی ہے کہ اس سے پہلے ایلیا آسمان سے آوے۔ مسیح علیہ السلام سے جب انہوں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے اس پیشگوئی کو تو تسلیم کر لیا لیکن یہ فیصلہ کر لیا کہ آنے والے ایلیا سے مراد یحییٰ ہے۔ یہودی اس فیصلہ کو سن کر یحییٰ کے پاس پہنچے۔ وہ اس مباحثہ سے بکلّی بے خبر اور ناواقف تھے۔ انہوں نے ایلیا ہونے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں کی مخالفت اور بھی تیز ہو گئی اور انہوں نے اصل حقیقت سے بے خبر رہ کر ظاہر الفاظ پر زور دیا اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کے ایک سچے نبی کا انکار کر دیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ ہر طرح سے اس کی بے حرمتی کرنے کی کوشش کی اور آخر خدا تعالےٰ کے نزدیک ایک مغضوب اور لعنتی قوم ٹھہر گئے۔

اب غور کرو کہ اگر ایلیاء کا آنا درست تھا اور حضرت یحییٰ کی شکل میں ایلیا کا بروزی رنگ میں آنا درست نہیں تو ہمارے مخالف مسلمان بتائیں کہ ملاکی نبی کے صحیفہ کی پیشگوئی کو مدِ نظر رکھ کر حضرت عیسیٰ کی نبوت کا کیا ثبوت ہے؟ پھر یقیناً وہ نبوت ثابت نہیں ہو سکتی اور دوسری مشکل یہ پڑتی ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مُردوں کو زندہ کرنے والے تھے کیوں انہوں نے ایلیا کو زندہ نہ کر لیا؟ اس سے دو باتیں اور بھی ثابت ہو گئیں۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالےٰ کی یہ عادت اور سنّت نہیں کہ وہ مردوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجے اور زندہ کرے۔ دوسری یہ کہ مسیح نے کوئی مُردہ زندہ نہیں کیا۔ پس خوب غور کر دا گر بروزی آمد ایلیا کی مراد نہ ہوگی تو مسیح کی نبوت جاتی رہے گی اور پھر اس کی زد اسلام اور قرآن شریف پر پڑے گی۔

آنے والا مسیح آچکا ہے

اس وقت مسیح کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر دوسری وجوہ اور ضروریات کو چھوڑ دیا جاوے تو سلسلہ مماثلت موسوی کے لحاظ سے بھی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے۔ غرض میں تو بروز کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں، لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں خود حضرت مسیح ہی دوبارہ آئیں گے انہیں بھی تو کوئی نظیر پیش کرنی چاہیے اور اگر وہ نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر کیوں ایسی بات کرتے ہیں جو محدثات میں داخل ہے۔ محدثات سے پرہیز کرو۔ کیونکہ وہ ہلاکت کی راہ ہے۔ یہودیوں پر غضب الٰہی اسی وجہ سے نازل ہوا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک رسول کا انکار کر دیا۔ اور اس انکار کے لیے ان کو یہ مصیبت پیش آئی کہ انہوں نے استعارہ کو حقیقت پر حمل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مغضوب قوم ٹھہر گئی۔ اس کا ہم شکل مقدمہ اب بھی پیش ہے۔ مجھے مسلمانوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ ان کے سامنے یہودیوں کی ایک نظیر پہلے سے موجود ہے اور پانچ وقت یہ اپنی نمازوں میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۷) کی دُعا کرتے ہیں اور یہ بھی بالاتفاق مانتے ہیں کہ

اس سے مراد یہود ہیں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس راہ کو یہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔ ایک ہی رنگ کا مقدمہ جب کہ ایک پیغمبر کے حضور فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب اس فیصلہ کے خلاف مسیح کو خود آسمان سے یہ کیوں اُتارتے ہیں؟ آپ ہی مسیح نے ایلیا کے مقدمہ کا فیصلہ کیا اور ثابت کر دیا کہ دوبارہ آمد سے بروزی آمد مراد ہوتی ہے اور ایلیا کے رنگ میں یحییٰ آیا۔ مگر اب یہ مسلمان اس نظیر کے ہوتے ہوئے بھی اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جبتک خود مسیح کو آسمان سے نہ اُتار لیں۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ تم اور تمہارے سب معاون مِل کر دُعائیں کرو کہ مسیح آسمان سے اُتر آوے پھر دیکھ لو کہ وُہ اُترتا ہے یا نہیں۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر ساری عمر کریں مارتے رہو اور ایسی دُعائیں کرتے کرتے ناک بھی رگڑے جاویں تب بھی وہ آسمان سے نہیں آئے گا، کیونکہ آنے والا تو آچکا۔

پھر مَیں کہتا ہوں کہ یہی وقت تو ہے جو اُسے آسمان سے اُترنا چاہیے اگر اُترنا ہے کیونکہ تمہارے خیال میں ایک مفتری اور کاذب مدعی مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر فی الواقعہ یہی سچ ہے کہ مسیح نے آسمان سے آنا ہے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اب اُسے اُتارے تاکہ دُنیا گمراہ نہ ہو کیونکہ ایک کثیر جماعت تو مجھے مسیح موعود تسلیم کر چکی ہے۔ اگر اس وقت وہ نہ آیا تو پھر کب آئے گا؟ کیا ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کاذبوں اور مفتریوں کی مدد کرے؟ اگر ایسا کبھی ہوا ہے تو نظیر پیش کرو اور پھر بتاؤ کہ راستبازوں کی سچائی کا کیا معیار ہے؟

مسئلہ وفاتِ مسیح میں کون حق پر ہے

اس مقدمہ میں خوب غور کر کے دیکھ لو کہ حق پر کون ہے؟ عقل اور فراست ہمارے ساتھ ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ ہیں کیونکہ آپؐ نے معراج کی رات حضرت مسیح کو مُردوں میں دیکھا۔ پھر صحابہؓ کا اجماع مسیح کی وفات پر ہو چکا ہے۔ قرآن شریف میری تائید کرتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خاص تائیداتِ سماویہ سے میرے دعویٰ کو سچا کیا۔ ہزاروں ارضی اور سماوی نشان میری سچائی کے ظاہر کئے۔ اس قدر شواہد اور دلائل کے ہوتے ہوئے مَیں کیونکر تسلیم کر لوں کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں صحیح ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی کھُلی کھُلی وحی مجھے مسیح موعود ٹھہراتی ہے۔ پھر مَیں ملّانوں کی بات مانوں یا خدا تعالیٰ کی وحی پر ایمان لاؤں؟ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خُدا تعالیٰ کی وحی کو مَیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا خواہ ساری دُنیا میری دشمن ہو جاوے اور ایک بھی شخص میرے ساتھ نہ ہو۔

مَیں خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ کلام کو کیونکر جُھٹلا سکتا ہوں۔ پھر ایسی حالت میں کہ اس کی روشن تائیدیں میرے ساتھ ہیں۔

اگر قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح کے فیصلہ کو یہ سب دھکے دیتے ہیں تو دیں۔ خدا تعالیٰ خود اُن سے مطالبہ اور محاسبہ کرے گا۔

نزولِ ایلیا ایک اور عجیب بات ہے کہ جب ہم ایلیا کا قصہ پیش کرتے ہیں اور یہودیوں کا اعتراض سُناتے ہیں جو حضرت مسیح پر اُنہوں نے کیا تو اور کچھ جواب نہیں آتا تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتابیں محرّف مبدّل ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ سہی۔ قومی تواتر اور تاریخ کو کیا کہو گے؟ وہ بھی تو کوئی چیز ہے اسے کیونکر ردّ کرو گے؟ اگر قومی تاریخ اور تواتر بھی ردّ کرنے کے قابل ہے تو پھر بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہوں کے وجود پر کیا دلیل ہو گی؟ یقیناً کوئی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قومی تواتر اور تاریخ کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے اور یہ مسئلہ نزولِ ایلیا کا ایسا ہے کہ یہودی اور عیسائی بالاتفاق اس کو مانتے ہیں۔ خود حضرت مسیح بھی اس پیشگوئی کے قائل تھے۔ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ تھی تو ان کو اس کی تاویل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ وہ سرے سے اس کا انکار ہی کر دیتے اور کہہ دیتے کہ یہ جو ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہوا تم پیش کرتے ہو بالکل غلط ہے۔ مگر نہیں اُنہوں نے اس کو صحیح تسلیم کیا اور پھر اس کی تاویل کی۔

یہودی تو یہاں تک چلاتے ہیں کہ ایک یہودی کی کتاب میرے پاس ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر قیامت کو ہم سے مواخذہ ہو گا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر رکھ دیں گے۔

غرض نزولِ ایلیا کا مسئلہ بڑا صاف اور یقینی مسئلہ ہے اور خود حضرت مسیح کی زبان سے فیصلہ پا چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی آمد کا بھی ذکر کر دیا ہے مگر افسوس ہے لوگ سمجھتے ہوئے نہیں سمجھتے مگر تب تک انکار کریں گے۔ آخر یہ سچائی روزِ روشن کی طرح کھُل جائے گی اور قومیں اس طرف رجُوع کریں گی اسی طرح جیسے مسیح ابنِ مریم کے لیے ہوا۔

توحید کا ایک ثبوت اللہ تعالیٰ کی توحید پر یوں تو ہزاروں دلائل ہیں لیکن ایک دلیل بڑی عام اور صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ وضعِ عالم میں ایک کرویت واقع ہوئی ہے اور کرویت میں توحید ہی پائی جاتی ہے۔ پانی کا قطرہ لو تو وہ بھی گول ہے۔ زمین کی شکل بھی گول ہے۔ آگ کا شعلہ بھی گول ہی ہے۔ ایسا ہی ستارے بھی گول ہیں۔ اگر مثلیث درست ہوتی تو چاہیے تھا کہ ان اشیاء کی اشکال مُربّع بھی سہ گوشی اور مثلث نما ہوتیں اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے آدم سے ایک سلسلہ شروع کیا اور آدم پر اُسے ختم کیا۔ چنانچہ مسیح موعود کا نام بھی آدم رکھا ہے چونکہ یہ آدم نئی قسم کا ہے اس لیے اس کے ساتھ شیطانی جنگ بھی نئے ہی قسم کی ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء

۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء

وحی کا ایک طریق فرمایا کہ :

بعض دفعہ وحی اس طرح بھی نازل ہوتی ہے کہ کوئی کاغذ یا پتھر وغیرہ دکھایا جاتا ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے۔

فرمایا :

اللہ تعالیٰ کے نشان اس طرح کے ہوتے ہیں کہ ان میں قدرت اور غیب ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور انسان کی طاقت نہیں ہوتی کہ اُن کو ظاہر کر سکے۔

حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علالت فرمایا :

مولوی صاحب کی زیادہ علالت کے وقت میں بہت دُعا کرتا تھا اور بعض نقشے میرے سامنے آتے جن سے ناامیدی ظاہر ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا موت کا وقت ہے اور ظاہر طب کی رُو سے بھی معاملہ خوفناک تھا کیونکہ ذیابیطس والے کو سرطان ہو جائے تو پھر بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس دُعا میں میں نے بہت تکلیف اُٹھائی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت نازل کی اور عبداللہ سنوری والا خواب میں نے دیکھا جس سے نہایت درجہ غمناک دل کو تشفی ہوئی جو گذشتہ اخبار میں چھپ چکا ہے[1]۔

اُمّت کی تشبیہ عورت سے

اس دُعا میں میں نے ایک شفاعت کی تھی جیسا کہ خواب کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ شخص میرا دوست ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کا عالم الغیب ہونا ظاہر ہوا تھا کہ مولوی صاحب بچ گئے۔

خدا تعالیٰ کی کتب میں نبی کے ماتحت اُمّت کو عورت کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ایک جگہ نیک بندوں کی تشبیہ فرعون کی عورت سے دی گئی ہے اور دُوسری جگہ عمران کی بیوی سے مشابہت دی گئی ہے۔ اناجیل میں بھی مسیح کو دُولہا اور اُمّت کو دُلہن قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُمّت

---

[1] حضور کا یہ کشف ۳۱ر اگست کی ڈائری میں چھپ چکا ہے۔ (مرتب)

کے واسطے نبی کی ایسی ہی اطاعت لازم ہے جیسی کہ عورت کو مرد کی اطاعت کا حکم ہے۔ اسی واسطے ہماری رؤیا میں عبداللہ نے کہا کہ میری بیوی بیمار ہے۔

ایک رؤیا کی تعبیر

عبداللہ نبی کا نام ہے۔ قرآن شریف میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبداللہ آیا ہے۔ میٹھن سے مراد وہ لذت اور راحت صحت کی ہے جو بیماری کی تلخی کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ مقبول سے مراد ہے کہ دُعا قبول ہوگئی۔ یہ سب گہرے استعارات ہیں اور تمثلات ہیں۔ جبتک آسمان پر نہ ہو زمین پر کچھ ہو نہیں سکتا۔ مولوی صاحب کا اس بیماری سے صحت پانا ایک بڑا معجزہ ہے۔

مطالعہ کتب کی تلقین

سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔ جس کو علم نہیں ہوتا مخالف کے سوال کے آگے حیران ہو جاتا ہے

مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق ایک رؤیا

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر تھا۔ ایک دوست نے عرض کی کہ کہیں مرنے کے وقت توبہ کرے گا۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ ہر شے پر غالب ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہماری جوتیاں جھاڑ کر آگے رکھتا تھا۔ ہم کو دھوکرا ایک بڑا ثواب جانتا تھا۔ براہین کا ریویو اس نے خود بخود لکھا۔ ہماری درخواست نہ تھی۔ تعجب نہیں کہ وہ کسی وقت پہلی حالت پر پھر لوٹ آئے جیسا کہ ہم رؤیا میں دیکھ چکے ہیں۔ بعض خوابیں مدت کے بعد پوری ہوتی ہیں۔ یہ رؤیا چھپ چکا ہے جس میں میں نے دیکھا تھا کہ وہ ایک چھوٹا لڑکا ہے ننگا۔ رنگ سیاہ اور بدشکل ہے۔ میں نے اس کو اشارہ سے بُلایا۔ تب وہ آیا۔ اور میرے گلے لگا اور پورے قد کا ہوگیا اور اس پر لباس بھی ہے اور رنگ سفید ہے۔ تب میں نے کہا کہ آپ کا ہمارا اس قدر مقابلہ رہا ممکن ہے کہ قلم سے یا زبان سے کوئی سخت لفظ نکل گیا ہو تم بخش دو۔ اس نے کہا اچھا میں نے بخشا۔ تب میں نے کہا کہ تم نے جو ایذا ہم کو دی تھی وہ بھی ہم نے بخش دی۔ تب ہم نے اس کی دعوت کی جس کو اس نے کچھ تردد کے بعد قبول کیا اور ایک شخص جان کندن میں ہے۔ تب میں نے کہا کہ یہ مقدر تھا کہ جس دن

یہ شخص مرے اس دن تم توبہ کرو۔

انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے

آج کے الہام سَیِیْرُ الْعَرَب کا ذکر تھا۔ فرمایا:

اس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ عرب میں چلنا۔ شاید مقدر ہو کہ ہم عرب جائیں۔ مُدّت ہوئی کہ کوئی پچیس۲۵ چھبیس سال کا عرصہ گذرا ہے ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اُس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی میں لکھا ہے۔ انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے۔ لیکن بعض رؤیا نبی کے اپنے زمانہ میں پُورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔[1]

---

۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

اِلہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

آج کے الہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کا ذکر تھا۔ فرمایا:

بڑے بڑے مکفّرین اور ایذا دہندہ جو ہیں اُن کو خدا تعالیٰ ہمارے سامنے ہی اس زمین سے ناکام اُٹھا رہا ہے اور ان کی مُرادوں کے برخلاف دن بدن اس سلسلہ کو ترقی دے رہا ہے۔ ابتداء میں جن لوگوں نے بہت زور شور سے مخالفت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اُن میں سے کوئی چودہ پندرہ ایسے یاد ہیں جو ہماری مخالفت کے معاملہ میں ناکام مر چکے ہیں۔ اُن میں سے مولوی غلام دستگیر قصوری تھا جو مکّہ سے کفر کا فتویٰ لایا تھا۔ نواب صدیق حسن خاں۔ بھوپال کے کا مولوی محمد اور عبدالحی۔ رشید احمد گنگوہی۔ لُدھیانہ کے تین مولوی۔ سید احمد خاں جو کہتا تھا کہ ہماری تحریریں بے فائدہ ہیں۔ محمد عمر۔ مولوی شاہ دین لُدھیانوی۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۳ صفحہ ۲ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء

نذیر حسین دہلوی۔ محمد حسین بھینی۔ مولوی محمد اسماعیل علیگڈھی رسل بابا امرتسری جس نے جلدی معجزہ دیکھنا ہو اُسے چاہیے کہ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرے یا تو سخت مخالف بنے یا محبت کا کمال تعلق پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو تیری اہانت کرے گا اس کی میں اہانت کروں گا اور جو تیری اعانت کرے گا اس کی میں اعانت کروں گا۔ معمولی طور پر مخالفت کرنے والا اور اپنے کاروبار میں چلنے پھرنے والا ماخوذ نہیں ہوتا کیونکہ خدا علیم اور کریم ہے وہ اس طرح نہیں پکڑتا۔

کذب باری تعالیٰ کا مسئلہ

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الاحقاف: ۳۴) اس واسطے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ جھوٹ بولے۔ ایسا اعتقاد بے ادبی میں داخل ہے۔ ہر ایک امر جو خدا تعالیٰ کے وعدہ اس کی ذات جلال اور صفات کے برخلاف ہے وہ اس کی طرف منسوب کرنا بڑا گناہ ہے۔ جو امر اس کی صفات کے برخلاف ہے اُن کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں۔

ادریس علیہ السلام کا آسمان پر جانا

صدیق حسن خاں نے ادریسؑ کے آسمان پر جانے کی تکذیب کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر وہ آسمان پر گیا تو اس کی موت کس طرح سے ہوگی کیونکہ سب کا مرنا زمین پر ضروری ہے۔ تعجب ہے کہ مسیح کے معاملہ میں یہ بات اس کو سمجھ نہیں آئی۔ اگر خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو موت نہیں دی اور ویسے ہی آسمان پر اُٹھا لیا ہے تو لفظ رفع کا قرآن شریف میں کافی تھا۔ رفع سے پہلے توفّی کا لفظ لانے کی پھر کوئی ضرورت نہ تھی۔ آسمان پر جانے کا مفہوم تو لفظ رفع سے ہی پوری طرح نکل سکتا تھا۔

خالی اہلِ تشیع کے ایک عقیدہ کی تردید

بعض اہلِ تشیع کا عقیدہ ہے کہ امام حسین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اور اس پر دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام حسین کو شہادت کا درجہ ملا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ملا تھا۔ یہ ایک غلط خیال ہے کیونکہ شہادت صرف امام حسین کو نصیب نہیں ہوئی بلکہ ہزارہا اصحاب کو ہوئی۔ اس میں سب برابر ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کے ہاتھ سے قتل نہ کیا جانا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے اور قرآن شریف کی صداقت کا ثبوت ہے کیونکہ قرآن شریف کی یہ پیشگوئی ہے کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ

النّاس (المائدۃ ع ۸) اور پہلی کتابوں میں یہ پیشگوئی درج تھی کہ نبی آخر زمان کسی کے ہاتھ سے قتل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں فضیلت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے افضل قرار دیا۔ امام حسین نے یہ کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ میں سب سے افضل ہوں۔ نہ ان کی کسی تحریر سے اور نہ کسی تقریر سے ایسی بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تمام امت سے افضل ہیں۔ اور اگر ان کا کوئی ایسا دعویٰ ہوتا تب بھی ماننے کے قابل نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے برخلاف تھا۔ امام حسین کی شہادت سے بڑھ کر حضرت مولوی عبداللطیف صاحب کی شہادت ہے، جنہوں نے صدق اور وفا کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا اور جن کا تعلق شدید بوجہ استقامت سبقت لے گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ لوگوں کے مراتب اور درجات کیا ہیں۔ اسی نے مجھے الہام کیا ہے۔ اِنِّیْ فَضَّلْتُکَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ۔ اگر سارا زمانہ ایک طرف ہو جاوے اور میں اکیلا ایک طرف رہ جاؤں تب بھی خدا تعالیٰ کے الہام کے بالمقابل کسی کا کہنا مان نہیں سکتا۔ اگر امام حسین کو یہ وحی ہوئی تھی کہ وہ قیامت تک سب سے افضل ہیں تو دوسری وحی اسی خدا نے اس کے برخلاف مجھے کس طرح کر دی۔ اگر یہ وحی شیطانی ہے تو دن رات خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت اس کے ساتھ کیوں ہے۔ عجب خدا ہے جو پچیس تیس سال سے مفتری کو مہلت دیتا ہے بلکہ دن بدن اس کے سلسلہ کو ترقی دیتا ہے اور اس کے مخالفوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اسی طرح سارے انبیاء کی صداقت پر شبہ پڑ سکتا ہے۔ افتراء اور کذب تو ایک مکروہ اور غیر طبعی امر ہے۔ انسان کب تک اس کو اختیار کر سکتا ہے۔ ہمارے دشمن تو ہمیشہ منتظر رہتے ہیں کہ یہ اب مارے گئے اور اب ہلاک ہوئے مگر ہر دفعہ ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے ہر طرح سے ایذا دیتے ہیں قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ ہمارے قتل کے جواز کے فتوے دیتے ہیں خون کے مقدمات بناتے ہیں مگر خدا تعالیٰ ہر امر میں بقول اُن کے کاذب کی طرفداری کرتا ہے۔ ہماری دشمنی کے سبب ان کی شریعت بھی بدل گئی۔ خدا تعالیٰ جو صادق کا معاون ہوا کرتا تھا اب اُن کے نزدیک کاذب کا معاون ہونے لگا۔ یہ عداوت ان کو کشاں کشاں کہاں لے جائے گی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ عناد اُن کو رفتہ رفتہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے حلقہ سے باہر نکال دے گا۔ صادق کے لیے ایک امر مابہ الامتیاز ہوتا ہے اگر وہ نہیں تو انبیاء کی صداقت مشتبہ ہو جاتی ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۵ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

۱۳ر ستمبر ۱۹۰۵ء

اس زمانہ کے لوگوں کی حالت فرمایا:

اگر بعض لوگ خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے دُعا کی تھی تو بارش ہو گئی۔ مگر اُن کی یہ دُعائیں قابلِ قدر نہیں ہیں کیونکہ یہ صرف مصیبت کے وقت کا رونا ہے اور مصیبت کے ٹل جانے کے بعد پھر وہی سخت دلی اُن میں پائی جاتی ہے۔ اس بارش پر بھی خوش نہیں ہونا چاہیے۔ جو بات الہامی سے ہم کو معلوم ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ اس زمانہ کے لیے دن خیر کے نہیں ہیں اور یہ سچ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ان بلاؤں کو نازل نہ کرے تو پھر دین کی خیر نہیں۔ تین قسم کے لوگ ہیں۔ خواص۔ اوسط درجہ کے لوگ اور عوام۔ خواص تو دہریہ مذہب بن رہے ہیں۔ ان کو دین کی کچھ پروا نہیں بلکہ دین پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگ خواص کے تابع ہیں۔ عوام مثل وحشیوں کے ہیں۔ تمام دُنیا کی حالت اس وقت بگڑی ہوئی ہے۔ مقدمہ والے ہیں تو جھوٹے گواہوں کے بنانے میں مصروف ہیں۔ زمیندار ہے تو شریعت کو چھوڑ بیٹھا ہے۔ ملازم ہے تو اپنی ملازمت کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ تاجر ہے تو اپنی تجارت میں قسم قسم کے دھوکوں میں مصروف ہے۔ جبتک لوگ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے خدا تعالیٰ ہرگز اُن پر راضی نہ ہوگا اور نہ یہ بلائیں اُن کے سر سے ٹلیں گی۔[1]

۱۶ر ستمبر ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے بارہ میں ایک دوست کا خواب

شیخ نور احمد صاحب جالندھر سے اور منشی نبی بخش صاحب کوٹلہ سے حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نور احمد صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا۔ کہ میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مسجد میں کھڑے ہیں

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۴ صفحہ ۲ مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۵ء

اور وعظ کرتے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (البقرۃ : ۶)

فرمایا :

اس سے بظاہر مولوی صاحب کی صحت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

فرمایا : یہ مرض مہلک ہے اور آثارِ مرض بھی خطرناک ہیں، لیکن دُعا بہت کی گئی ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہ چاہتا ہے ایک تنکے سے شفا ہو جاتی ہے اور جب وہ نہیں چاہتا لاکھ دوائی بے سُود ہے۔

ہم سب کے واسطے دعا کرتے ہیں

میاں نبی بخش صاحب نے عرض کی کہ ایک ہندو نے مجھے تاکید کی تھی کہ میرے واسطے حضرت سے دُعا کرائیں۔ فرمایا :

ہندو یا کسی اَور مذہب کا آدمی جو دُعا کے واسطے درخواست کرے ہم سب کے واسطے دُعا کرتے ہیں۔

ذکر آیا کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام استغفراللہ رکھا ہے۔ فرمایا :

اچھا ہے جتنی دفعہ اس کو بُلائے گا خدا تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے گا۔

قریب رہنے والے ہمیشہ نشانات دیکھتے رہتے ہیں

مولوی نورالدین صاحب کے صاحبزادہ عبدالحی کا ذکر تھا کہ اس کے متعلق پہلے سے خبر دی تھی۔ فرمایا :۔

اجنبی دشمن اور دُور رہنے والا کیا حاصل کر سکتا ہے جو لوگ قریب رہتے ہیں وہ ہمیشہ نشانات دیکھتے رہتے ہیں۔ پاس رہنے والے تو آپ بیتی کے نشان بھی دیکھ لیتے ہیں۔

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ

صُبح ایک دوست نے عرض کی کہ میرے گھر سے خبر آئی ہے کہ تمہارا لڑکا سخت بیمار ہے۔ جلد آؤ مگر بیماری کی تفصیل نہیں لکھی۔ حضُور دُعا فرماویں فرمایا :

مَیں دُعا کروں گا لیکن بعض دفعہ عورتیں صرف بُلانے کے واسطے بھی ایسا لکھ دیا کرتی ہیں۔ چنانچہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم اس جگہ قادیان میں تھے کہ میر ناصر نواب صاحب کے گھر سے خط آیا کہ والدہ اسحاق فوت ہو گئی ہیں اور اسحاق بھی قریب المرگ ہے۔ یہ خط اسحاق کے بھائی کا لکھا ہوا تھا جو اس وقت بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ میں اس خط کو پڑھ کر بہت پریشان ہوا۔ کیونکہ اس وقت ہمارے گھر میں بیمار تھے۔ بخار چڑھا ہوا تھا۔ ایسی حالت میں اُن کو والدہ کی وفات کی خبر سُنانا ہرگز مناسب نہ تھا۔ میں اسی فکر میں تھا کہ الہام ہوا اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ صرف بُلانے کا بہانہ ہے، ورنہ در اصل خیر ہے۔ اس وقت مولوی عبدالکریم صاحب اس جگہ تھے اُن کو سنایا گیا۔ اور حافظ حامد علی کو بھی سُنایا گیا اور اسی کو وہاں بھیجا گیا تو بات وہی نکلی جو خدا تعالےٰ نے بذریعہ الہام ہم کو بتلائی تھی۔

شیخ نور احمد صاحب نے عرض کی کہ اس دن میں بھی اسی جگہ تھا اور اس واقعہ کا گواہ ہوں۔[1]

قبل دوپہر

بینکوں کا سُود اشاعتِ اسلام کے لیے خرچ کرنا جائز ہے

جب سے حضرت مولٰنا مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت ناساز ہوئی ہے اور نیز اکثر احباب رخصت لے کر آئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا معمول سا ہو گیا ہے کہ قبل دوپہر تشریف لا کر مسجد میں بیٹھتے ہیں اور مناسب موقعہ کلام فرماتے ہیں۔ ۱۴ ستمبر کو شیخ نور احمد صاحب جالندھری چوہدری نصراللہ خاں صاحب پلیڈر سیالکوٹ سے آئے ہوئے تھے۔ اور بھی کئی احباب بیرون جات سے آئے ہوتے تھے۔ شیخ نور احمد صاحب نے بینک کے سُود کے متعلق تذکرہ کیا کہ بینک والے ضرور سود دیتے ہیں[2] پھر اسے کیا کیا جاوے؟

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء
نیز الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء

[2] حاشیہ:۔ بدر سے۔ "اور بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر روپیہ جمع کرنے والا سُود سے فائدہ نہ اُٹھائے تو بینک والوں سے ایسا روپیہ مشنری عیسائی اشاعتِ دین عیسوی کے واسطے لے لیتے ہیں۔ بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

اس پر فرمایا :

ہمارا یہی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دل میں ڈالا ہے کہ ایسا روپیہ اشاعتِ دین کے کام میں خرچ کیا جاوے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ سُود حرام ہے لیکن اپنے نفس کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز جاتی ہے وہ حرام نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ حُرمت اشیاء کی انسان کے لیے ہے نہ اللہ تعالےٰ کے واسطے۔ پس سُود اپنے نفس کے لیے، بیوی بچوں، احباب، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے لیے بالکل حرام[1] ہے۔ لیکن اگر یہ روپیہ خالصتاً اشاعتِ دین کے لیے خرچ ہو تو حرج نہیں ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اسلام بہت کمزور ہو گیا ہے اور پھر اُس پر دُوسری مصیبت یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت دو مصیبتیں واقع ہو رہی ہیں اور دو حُرمتیں روا رکھی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ زکوٰۃ جس کے دینے کا حکم تھا وہ دیتے نہیں اور سُود جس کے لینے سے منع کیا تھا وہ لیتے ہیں۔ یعنی جو خدا تعالیٰ کا حق تھا وہ تو دیا نہیں اور جو اپنا حق[2] نہ تھا اُسے لیا گیا۔

جب ایسی حالت ہو رہی ہے اور اسلام خطرناک ضعف میں مُبتلا ہے تو مَیں یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ ایسے سُودوں کی رقمیں جو بینک سے ملتا ہے یک مشت اشاعتِ دین میں خرچ کرنی چاہئیں۔ مَیں نے جو فتویٰ دیا ہے وہ عام نہیں ہے وَرنہ سُود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ مگر اس ضعفِ اسلام کے زمانہ میں جبکہ مالی ترقی کے ذریعے پیدا نہیں ہوتے اور مُسلمان توجہ نہیں کرتے ایسا روپیہ اسلام کے کام میں لگنا حرام نہیں ہے۔

قرآن شریف کے مفہوم کے موافق جو حُرمت ہے وُہ یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اگر خرچ ہو تو حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو جیسے سُود اپنے لیے دُرست نہیں کسی اور کو اس کا دینا بھی دُرست نہیں — ہاں خدا تعالےٰ کے قبضہ میں ایسے مال کا دینا دُرست ہے اور یہی اس کا طریق ہے کہ وہ صرف اشاعتِ

---

[1] حاشیہ :- سُود کا روپیہ بالکل حرام ہے کہ کوئی شخص اپنے نفس پر خرچ کرے۔ اور کسی قسم کے بھی ذاتی مصارف میں خرچ کرے یا اپنے بال بچے کو دے یا کسی فقیر مسکین کو دے۔ کسی ہمسایہ کو دے یا مسافر کو دے۔ سب حرام ہے۔ سُود کے روپیہ کا لینا اور خرچ کرنا گناہ ہے۔

[2] حاشیہ : اپنا جو حق نہ تھا وہ لیتے ہیں اور خدا تعالےٰ کا جو حق تھا وہ بھی نہیں دیتے اور اپنے اندر دو گناہ ایک ہی وقت میں جمع کرتے ہیں۔

بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

اسلام میں خرچ ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے جہاد ہو رہا ہو اور گولی بارود کسی فاسق فاجر کے ہاں ہو۔ اس وقت محض اس خیال سے رُک جانا کہ یہ گولی بارود مال حرام[1] ہے ٹھیک نہیں۔ بلکہ مناسب یہی ہوگا کہ اس کو خرچ کیا جاوے۔ اس وقت تلوار کا جہاد تو باقی نہیں رہا اور خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی گورنمنٹ دی ہے جس نے ہر ایک قسم کی مذہبی آزادی عطا کی ہے۔ اب قلم کا جہاد باقی ہے۔ اس لیے اشاعتِ اسلام میں ہم اس کو خرچ کر سکتے ہیں۔

موجودہ مُسلمانوں کی حالت فرمایا:

مُسلمانوں کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ ہر ایک قسم کی علمی اور عملی کمزوریاں ان میں آگئی ہیں۔ ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ جرائم پیشہ کثرت کے ساتھ مسلمان ہیں جیلخانوں میں جا کر دیکھو جس قدر شدید اور سنگین جرائم ہیں ان کے مرتکب مسلمان نظر آئیں گے۔ اب یہ کس قدر عار کی بات ہے۔

غرباء سے ہمدردی اور حقوق العباد کی ادائیگی کی تلقین

زکوٰۃ کیا ہے؟ تُؤْخَذُ مِنَ الْاُمَرَاءِ وَتُرَدُّ اِلَی الْفُقَرَاءِ۔

امراء سے لے کر فقراء کو دی جاتی ہے۔ اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی تھی۔ اس طرح سے باہم گرم سرد ملنے سے مُسلمان سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں۔ اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی مدد کی جاوے۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ہمسایہ اگر فاقہ مرتا ہو تو پروا

---

[1] حاشیہ: بدر میں یہ عبارت درج ہے:۔ "اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ گولی بارود کا چلانا کیسا ہی ناجائز اور گناہ ہو لیکن جو شخص اسے ایک جانی دشمن پر مقابلہ کے واسطے نہیں چلاتا وہ قریب ہے کہ خود ہلاک ہو جائے۔ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ تین دن کے بھوکے کے واسطے سؤر بھی حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔ پس سُود کا مال اگر ہم خدا کے لیے لگائیں تو پھر کیونکر گناہ ہو سکتا ہے۔ اس میں مخلوق کا حصّہ نہیں لیکن اعلائے کلمہ اسلام میں اور اسلام کی جان بچانے کے لیے اس کا خرچ کرنا ہم اطمینان اور شرح قلب سے کہتے ہیں کہ یہ بھی فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: ۱۷۴) میں داخل ہے۔ یہ ایک استثناء ہے اسلام کے واسطے ہزاروں حاجتیں ایسی پڑتی ہیں جن میں مال کی ضرورت ہے۔ (بدر جلد ۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۴۔)

نہیں اپنے عیش و آرام سے کام ہے۔ جو بات خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی ہے میں اس کے بیان کرنے سے نہیں رُک سکتا۔ اگر کسی کا ہمسایہ فاقہ میں ہو تو اس کے لیے شرعاً حج جائز نہیں۔ مقدم ہمدردی اور اس کی خبر گیری ہے کیونکہ حج کے اعمال بعد میں آتے ہیں مگر آجکل عبادات کی اصل غرض اور مقصد کو ہرگز مدنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ عبادات کو رسوم کے رنگ میں ادا کیا جاتا ہے اور وہ نری رسمیں ہی رہ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں حاجیوں کے متعلق بدظنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں ایک اندھی عورت بیٹھی تھی۔ کوئی شخص آیا تو اس کی چادر چھین کر لے گیا۔ وہ عورت چلائی کہ بچہ حاجیا! میری چادر دے جا۔ اس نے پوچھا کہ مائی تُو یہ تو بتا کہ یہ کیونکر تجھے معلوم ہوا کہ میں حاجی ہوں۔ اس نے کہا تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے کام حاجی ہی کرتے ہیں پس اگر ایسی ہی حالت ہو تو پھر ایسے حج سے کیا فائدہ؟

حج میں قبولیت ہو کیونکر جبکہ گردن پر بہت سے حقوق العباد ہوتے ہیں۔ ان کو تو ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) فلاح نہیں ہوتی جب تک نفس کو پاک نہ کرے اور نفس تب ہی پاک ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی عزت اور ادب کرے اور ان راہوں سے بچے جو دُوسرے کے آزار اور دُکھ کا موجب ہوتی ہیں۔ انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (اٰل عمران: ۹۳) یعنی تم ہرگز ہرگز اس نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

یہ طریق اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا نہیں کہ مثلاً کسی ہندو کی گائے بیمار ہو جاوے اور وہ کہے کہ اچھا اس کو منس (راہِ خدا پر دینا) دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ باسی اور سڑی بسی روٹیاں جو کسی کام نہیں آسکتی ہیں فقیروں کو دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے خیرات کر دی ہے۔ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں اور نہ ایسی خیرات مقبول ہو سکتی ہے۔ وہ تو صاف طور پر کہتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ حقیقت میں کوئی نیکی نیکی نہیں ہو سکتی جب تک اپنے پیارے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے دین کی اشاعت اور اس کی مخلوق کی ہمدردی کے لیے خرچ نہ کرو۔

(اس موقعہ پر ایک بھائی نے عرض کی کہ حضور بعض فقیر بھی کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی باسی روٹی دیدو۔ پھٹا پُرانا کپڑا دے دو۔ وہ مانگتے ہی پُرانا اور باسی ہیں) فرمایا:

کیا تم نئی دے دو گے؟ وہ کیا کریں۔ جانتے ہیں کہ کوئی نئی نہیں دے گا۔ اس لیے وہ ایسا سوال

کرتے ہیں۔ جہاں تک ہو سکے مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کرو۔ یاد رکھو۔ شریعت کے دو ہی قسم کے حقوق ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی بدقسمت نہ ہو تو حقوق اللہ پر قائم ہونا سہل ہے اس لیے کہ وہ تم سے کھانے کو نہیں مانگتا اور کسی قسم کی ضرورت اسے نہیں وہ تو صرف یہی چاہتا ہے کہ تم اسے وحدہٗ لاشریک خدا سمجھو۔ اس کی صفات کاملہ پر ایمان لاؤ اور اس کے مُرسلوں پر ایمان لاکر ان کی اتباع کرو۔ لیکن حقوق العباد میں آکر مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ جہاں نفس دھوکہ دیتا ہے ۔ ایک بھائی کا حق ہے اور اس کے دبا لینے کا فتویٰ دیتا ہے۔ مقدمات ہوتے ہیں تو چاہتا ہے کہ شریک کو ایک حبّہ نہ ملے سب کچھ مجھ ہی کو مل جاوے۔ غرض حقوق العباد میں بہت مشکلات ہیں۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے اس کی بڑی رعایت اور حفاظت کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی دُوسرے کے حقوق تلف کرنے والا ٹھہرے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ملتا ہے جس کے لیے دُعا کی بڑی ضرورت ہے۔

جاپانیوں کے لیے ایک جامع کتاب کی ضرورت ہے

یہاں تک آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اور احباب تشریف لے آئے۔ حضرت حکیم الامت بھی آگئے۔ اس لیے سلسلہ کلام بند کر دیا اور پھر آپ نے مکرر اُس مسئلہ سُود بینک کے متعلق فرمایا جو میں اُوپر درج کر آیا ہوں۔ زاں بعد جاپان اور اشاعتِ اسلام کے مضمون پر سلسلہ کلام شروع ہو گیا جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔

(ایڈیٹر الحکم)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ جاپانیوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی ایسی جامع کتاب ہو جس میں اسلام کی حقیقت پورے طور پر دَرج کر دی جاوے گویا اسلام کی پوری تصویر ہو جس طرح پر انسان سراپا بیان کرتا ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک کی تصویر کھینچ دیتا ہے[1]۔ اسی طرح سے اس کتاب

---

[1] حاشیہ :- بدر سے :- اسلام کا پورا نقشہ کھینچا جاوے کہ اسلام کیا ہے۔ صرف بعض مضامین مثلاً تعدد ازدواج وغیرہ پر چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنا ایسا ہے۔ جیسا کہ کسی کو سارا بدن نہ دکھایا جائے اور صرف ایک اُنگلی دکھا دی جاوے۔ یہ مفید نہیں ہو سکتا۔ پوری طرح دکھانا چاہیے کہ اسلام میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور پھر ساتھ ہی دیگر مذاہب کا حال بھی لکھ دینا چاہیے۔ وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں کہ اسلام کیا شئے ہے۔ تمام اصول فروع اور اخلاقی حالات کا ذکر کرنا چاہیے۔ اس کے واسطے ایک مستقل کتاب لکھنی چاہیئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں اسلام کی خوبیاں دکھائی جاویں۔ اس کی تعلیم کے سارے پہلوؤں پر بحث ہو اور اس کے ثمرات اور نتائج بھی دکھاتے جاویں۔ اخلاقی حصّہ الگ ہو اور ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جاوے۔

یہ قلم کے جہاد کا زمانہ ہے

فرمایا:

میرے نزدیک تو یہ ضرورت ایسی ضرورت ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔ اُسے بھی چاہیے کہ وہ اپنا روپیہ اس دینی جہاد میں صرف کر دے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچوں نمازیں اکٹھی پڑھنی پڑی تھیں۔ لیکن اب چونکہ تلوار کا جہاد نہیں بلکہ صرف قلم کا جہاد رہ گیا ہے۔

اس لیے اسی ذریعہ سے اس میں ہمت، وقت اور مال کو خرچ کرنا چاہیے۔ خوب سمجھ لو کہ اب مذہبی لڑائیوں کا زمانہ نہیں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو لڑائیاں ہوئی تھیں اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ جبراً مسلمان بنانا چاہتے تھے بلکہ وہ لڑائیاں بھی دفاع کے طور پر تھیں۔ جب مسلمانوں کو سخت دُکھ دیا گیا اور مکّہ سے نکال دیا گیا اور بہت سے مسلمان شہید ہو چکے تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسی رنگ میں ان کا مقابلہ کرو۔ پس وہ حفاظت خود اختیاری کے رنگ میں لڑائیاں کرنی پڑیں مگر اب وہ زمانہ نہیں ہے۔ ہر طرح سے امن اور آزادی ہے۔ ہاں اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں وہ قلم کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قلم ہی کے ذریعہ ان کا جواب دیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک مقام پر فرماتا ہے کہ جس قسم کی تیاریاں تمہارے مخالف کرتے ہیں تم بھی ویسی ہی تیاریاں کرو۔ اب کفار کی تیاریاں جو اسلام کے خلاف ہو رہی ہیں اُن کو دیکھو وہ کس قسم کی ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ فوجیں جمع کرتے ہوں۔ نہیں بلکہ وہ تو طرح طرح کی کتابیں اور رسالے شائع کرتے ہیں[1]۔ اس لیے ہمارا بھی فرض ہے

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ:۔ جس کو پڑھ کر وہ لوگ دُوسری کتاب کے محتاج نہ رہیں۔

بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

[1] حاشیہ:۔ بدر میں ہے: "پادری لوگ طرح طرح کے مکر و فریب کے ساتھ اسلام کے برخلاف کتابیں شائع کرتے ہیں اور غلط باتیں افترا پردازی سے لکھتے ہیں جب تک ان خبیث باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ہونا ثابت نہ کیا جاتے اسلام کی اشاعت کس طرح ہو سکتی ہے۔ پس ہم اس بات سے شرم نہیں کرتے کوئی قبول کرے یا نہ

کہ ہم بھی ان کے جواب میں قلم اٹھائیں اور رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ انکے حملوں کو روکیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بیماری کچھ ہو اور علاج کچھ اور کیا جاوے۔ اگر ایسا ہو تو اس کا نتیجہ ہمیشہ غیر مفید اور بُرا ہو گا۔

یقیناً یاد رکھو کہ اگر ہزاروں جانیں بھی ضائع کر دی جائیں اور اسلام کے خلاف کتابوں کا ذخیرہ بدستور موجود ہو تو اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اصل یہی بات ہے کہ ان کتابوں کے اعتراضوں کا جواب دیا جاوے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پاک کیا جاوے۔ مخالفوں کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- کرے۔ میرا مذہب جس پر خدا تعالیٰ نے مجھے قائم کیا ہے اور جو قرآن شریف کا مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس، عیال، اطفال، دوست، عزیز کے واسطے اس سُود کو مباح نہیں کر سکتے بلکہ یہ پلید ہے اور اس کا گناہ* حرام ہے۔ لیکن اس ضعفِ اسلام کے زمانہ میں جبکہ دین مالی امداد کا سخت محتاج ہے۔ اسلام کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہم نے مثال کے طور پر بیان کیا ہے کہ جاپانیوں کے واسطے ایک کتاب لکھی جاوے۔ اور کسی فصیح بلیغ جاپانی کو ایک ہزار روپیہ دے کر ترجمہ کرایا جائے اور پھر اس کا دس ہزار نسخہ چھاپ کر جاپان میں شائع کر دیا جاوے۔ ایسے موقعہ پر سُود کا روپیہ لگانا جائز ہے، کیونکہ ہر ایک مال خدا کا ہے اور اس طرح پر وہ خُدا کے ہاتھ میں جائے گا مگر بایں ہمہ اضطرار کی حالت میں ایسا ہو گا اور بغیر اضطرار یہ بھی جائز نہیں۔

ایک دوست نے عرض کی کہ اگر اس طرح سے ایک خاص امر کے واسطے سُود کے روپے کمانے کی اجازت دی گئی ہو تو لوگوں میں اس کا رواج وسیع ہو کر عام قباحتیں پیدا ہو جائیں گی۔ فرمایا کہ؛ بیجا عذر تراشنے کے واسطے تو بڑے حیلے ہیں۔ بعض شریر لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (النساء: ۴۴) کے یہ معنے کر دیتے ہیں کہ نماز نہ پڑھو۔ ہمارا منشاء صرف یہ ہے کہ اضطراری حالت میں جب خنزیر کھانے کی اجازت نفسانی ضرورتوں کے واسطے جائز ہے تو اسلام کی ہمدردی کے واسطے اگر انسان دین کو ہلاکت سے بچانے کے واسطے سُود کے روپے کو خرچ کرے تو کیا قباحت ہے۔ یہ اجازت مختص المقام اور مختص الزمان ہے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کے واسطے اس پر عمل کیا جائے جب اسلام کی نازک حالت نہ رہے تو پھر اس ضرورت کے واسطے بھی سُود لینا ویسا ہی حرام ہے کیونکہ دراصل سود کا عام حکم تو حُرمت ہی ہے۔ البدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

---

* سہو کاتب ہے فقرہ یوں چاہیے (اُس کا استعمال حرام ہے)۔ مرتب)۔

طرف سے جو کارروائی ہو رہی ہے اس کا انسداد بجز قلم کے نہیں ہو سکتا۔ یہ نری خام خیالی اور بیہودگی ہے جو مخالف تو اعتراض کریں اور اس کا جواب تلوار سے ہو۔ خدا تعالیٰ نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی جو مسیح موعود کے وقت میں اس قسم کے جہاد کو حرام کر دیا۔ اس ملک میں تو عیسائیوں کی ایسی تحریریں شائع ہوتی ہی رہتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ فتنہ اسی مُلک میں ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ دُوسرے ملکوں میں بھی اس قسم کی شرارتیں ہو رہی ہیں۔ مصر اور بلادِ شام بیروت وغیرہ میں بھی ایسی تحریریں شائع کی جاتی ہیں یہانتک کہ لغت تک کی کتابوں میں شرارتیں کی جاتی ہیں۔

اس مقام پر حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ حضور فقہ اللغۃ ثعلبی کی ایک کتاب ہے۔ اُسے عیسائیوں نے چھاپا ہے۔ اس میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لِاِلٰہِ لکھ دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی نکال دیا ہے۔ یہانتک دشمنی مدنظر ہے۔

پھر جاپان میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ پر فرمایا:

مَیں دوسری کتابوں پر جو لوگ اسلام پر لکھ کر پیش کریں بھروسہ نہیں کرتا۔ کیونکہ ان میں خود غلطیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ان غلطیوں کو ساتھ رکھ کر اسلام کے مسائل جاپان یا دوسری قوموں کے سامنے پیش کرنا اسلام پر ہنسی کرانا ہے۔ اسلام وہی ہے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ ہاں اشاعتِ اسلام کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے اور اس پر اگر وہ روپیہ جو بینکوں کے سُود سے آتا ہے خرچ کیا جاوے تو جائز ہے کیونکہ وہ خالص خدا کے لیے ہے۔ خُدا تعالیٰ کے لیے وہ حرام نہیں ہے۔ جیسے مَیں نے ابھی کہا ہے کہ کسی جگہ کا سکّہ دو بارود ہو وہ جہاد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ بلا تکلف سمجھ میں آجاتی ہیں کیونکہ بالکل صاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سؤر کو حرام کیا ہے لیکن بایں ہمہ فرماتا ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: ۱۷۴) جب اضطراری حالت میں محض اپنی جان بچانے کی خاطر سؤر کا کھانا جائز ہے تو کیا ایسی حالت میں کہ اسلام کی حالت بہت ضعیف ہو گئی ہے اور اس کی جان پر آبنی ہے۔ اس کی جان بچانے کے لیے محض اعلائے کلمۂ اسلام کے لیے سُود کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا؟ میرے نزدیک یقیناً خرچ ہو سکتا ہے اور خرچ کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا ظاہر کرنا مقصودِ خاطر ہو فرمایا:

دُنیا تو ایسی ہے کہ ؎ کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرد

اللہ تعالیٰ کا یہ ایک سربستہ راز ہے جو کسی پر نہیں کھُلا کہ موت کس وقت آجاوے۔ پھر جب موت آگئی تو سب مال و اسباب یہاں کا یہاں ہی رہ جاتا ہے اور بعض اوقات اُس کے وارث وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اگر مرنے والا زندہ ہوتا تو ایک حبّہ بھی ان کو دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر کیسی غلطی ہے کہ انسان اپنے مال کو ایسی جگہ خرچ نہ کرے جو اس کے لیے ہمیشہ کے واسطے راحت اور آسائش کا موجب ہو جاوے۔ مَیں حیران ہوتا ہوں جب یورپ کی طرف دیکھتا ہوں کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنانے کے لیے ان میں اس قدر جوش اور سرگرمی ہے اور ہم میں خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے ظاہر کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ یہ کس قدر بدقسمتی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کریں۔ اگر اُسے خوش کریں تو سب کچھ مل سکتا ہے۔ مگر ان کی یہی تو بدقسمتی ہے کہ وہ اس کو ناراض کر رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے جب مَیں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے ایک سچا دین اسلام عطا کیا تھا مگر انہوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ خدا جانے یہ بے پروائی کیا نتیجہ پیدا کرے۔ دین کی کچھ بھی پروا اور غیرت نہیں۔ باہم اگر جنگ جدل ہے تو اس میں شیخی۔ ریا۔ عُجب مقصود ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا جلال اور اس کی عظمت۔ لیکن جو شخص ہر امر میں اللہ تعالیٰ کو مقدم کرے اور اس کے دین کی حمیت اور غیرت میں ایسا محو ہو کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا ظاہر کرنا اس کا مقصود خاطر ہو۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے دفتر میں صدیق کہلاتا ہے۔

ہم جس طریق پر اسلام کو پیش کر سکتے ہیں دُوسرا نہیں کر سکتا۔ مگر مشکلات یہ ہیں کہ ہماری جماعت کا بہت بڑا حصّہ غرباء کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوجود یکہ یہ غربا۔ کی جماعت ہے تاہم مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں صدق ہے اور ہمدردی ہے اور وہ اسلام کی ضروریات سمجھ کر حتی المقدور اس کے لیے خرچ کرنے سے فرق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ساتھ ہو تو کام بنتا ہے اور ہم اس کے فضل کے امیدوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام حملوں سے بچائے گا

جس طرح پر ایک طُوفان قریب آتا ہو تو انسان کو فکر ہوتا ہے کہ یہ طُوفان تباہ کر دے گا اسی طرح پر اسلام پر طُوفان آرہے ہیں۔ مخالف ہر وقت ان کوششوں میں لگے ہوتے ہیں۔ کہ اسلام تباہ ہو جاوے لیکن مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو ان تمام حملوں سے بچائے گا اور وہ اس طوفان میں بھی اس کا بیڑا سلامتی سے کنارہ پر پہنچا دے گا۔

راتوں کی دعائیں ہی مشکلات کو ختم کریں گی

انبیاء علیہم السلام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کو مشکلات نظر آتی تھیں تو بجز اس کے اور کوئی صورت نہ ہوتی تھی کہ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتے تھے۔ قوم تو صُمٌّ بُکمٌ ہوتی ہے۔ وُہ ان کی باتیں سنتی نہیں بلکہ تنگ کرتی اور دُکھ دیتی ہے۔ اس وقت راتوں کی دُعائیں ہی کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی صورت ہے۔ باوجودیکہ اسلام ضعف کی حالت میں ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی بحالی کے لیے پوری کوشش کی جاوے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہم جب سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرح سے ہماری مخالفت کے لیے سعی کی جاتی ہے۔ یہ میری مخالفت نہیں خدا تعالےٰ سے جنگ ہے۔ میں تو یہانتک یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے کوئی کتاب اسلام پر جاپان میں شائع ہو تو یہ لوگ میری مخالفت کے لیے جاپان بھی جا پہنچیں۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔

وُہ شخص بڑا ہی مبارک اور خوش قسمت ہے جس کا دل پاک ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے اظہار کا خواہاں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو دوسروں پر مقدم کر لیتا ہے۔ جو لوگ میری مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا اور ہمارا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے ہے۔ وہ ہمارے اور ان کے دلوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس کا دل دُنیا کے نمود اور نمائش کے لیے ہے اور کون ہے جو خدا تعالیٰ ہی کے لیے اپنے دل میں سوز و گداز رکھتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی کا باعث آپؐ کے دل کی طہارت تھی

یہ خوب یاد رکھو کہ کبھی رُوحانیت صعود نہیں کرتی جبتک دل پاک نہ ہو۔ جب دل میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے تو اس میں ترقی کے لیے ایک خاص طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے ہر قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور وہ ترقی کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ بالکل اکیلے تھے اور اس بیکسی کی حالت میں دعویٰ کرتے ہیں یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف : ۱۵۹) کون اس وقت خیال کر سکتا تھا کہ یہ دعوےٰ ایسے بے یار و مددگار شخص کا بار آور ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس قدر مشکلات آپ کو پیش آئے کہ ہمیں تو ان کا ہزارواں حصّہ بھی نہیں آئے۔ وہ زمانہ تو ایسا زمانہ تھا کہ سکھا شاہی سے بھی بدتر تھا۔ اب تو گورنمنٹ کی طرف سے پورا امن اور آزادی ہے۔ اس وقت ایک چالاک آدمی ہر قسم کی منصوبہ بازی سے جو کچھ بھی چاہتا دُکھ پہنچاتا۔ مگر مکہ جیسی جگہ میں اور

پھر عربوں جیسی وحشیانہ زندگی رکھنے والی قوم میں آپؐ نے وہ ترقی کی جس کی نظیر دُنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

مخالفوں میں سے ہی خدا کی مرضی پوری کرنے والے پاک دل نکلیں گے

اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ خود ان کی مذہبی تعلیم اور عقاید کے خلاف انہیں سُنایا کہ یہ لات اور عزیٰ جن کو تم اپنا معبود قرار دیتے ہو یہ سب پلید اور حطبِ جہنم ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی بات عربوں کی ضدی قوم کو جوش دلانے والی ہو سکتی تھی۔ لیکن انہیں عربوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشو و نما پایا اور ترقی کی۔ انہیں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے بھی نکل آئے۔ اس سے ہمیں امید ہوتی ہے کہ انہیں مخالفوں سے وہ لوگ بھی نکلیں گے جو خدا تعالیٰ کی مرضی پُورا کرنے والے اور پاک دل ہوں گے اور یہ جماعت جو اس وقت تک تیار ہوئی ہے آخر انہیں میں سے آئی ہے۔

کئی دفعہ میر صاحبؓ نے ذکر کیا کہ دِلّی سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے مگر میرے دل میں یہی آتا ہے کہ یہ بات دُرست نہیں۔ دِلّی میں بھی بعض پاک دل ضرور چھُپے ہوئے ہوں گے۔ جو آخر اس طرف آئیں گے اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا تعلق دلّی سے کیا ہے یہ بھی خالی از حکمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کبھی ناامید نہیں ہو سکتے۔ آخر خود میر صاحب بھی دِلّی ہی کے ہیں[1]۔ غرض یہ کوئی ناامید کرنے والی بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اور کامل نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ مکّہ والوں نے کیسی مخالفت کی اور پھر اسی مکّہ میں سے وہ لوگ نکلے جو دُنیا کی اصلاح کرنے والے ٹھہرے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں میں سے تھے۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جن کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکّہ والوں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ بڑے بھاری مخالف تھے یہانتک کہ ایک مرتبہ مشورہ قتل میں بھی شریک اور قتل کے لیے مقرر ہوتے لیکن آخر خدا تعالیٰ نے ان کو وہ جوش اظہارِ اسلام کا دیا کہ غیر قومیں بھی ان کی تعریفیں کرتی ہیں اور ان کا نام عزت سے

---

[1] میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (مرتب)

[2] حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا منشی عبدالعزیز صاحب بابو محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ بھی دہلوی ہی ہیں۔

لیتی ہیں۔

غرض ہم کو وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے۔ باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے جب تک پورے کامیاب نہیں ہو گئے۔ اور آپ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر: ۲،۳) کا نظارہ دیکھ نہیں لیا۔

آج ہمارے مخالف بھی ہر طرح کی کوشش ہمارے نابود کرنے کی کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے اور انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ جس قدر مخالفت اس سلسلہ کی انہوں نے کی ہے اسی قدر ناکامی اور نامرادی ان کے شامل حال رہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بڑھایا ہے۔ یہ تو خیال کرتے اور رائے لگاتے ہیں کہ یہ شخص مر جاوے گا اور جماعت متفرق ہو جاوے گی۔ یہ فرقہ بھی دُوسرے فرقہ برہموں وغیرہ کی طرح ہے کہ جن میں کوئی کشش نہیں ہے اس لیے اس کے ساتھ ہی اس کا خاتمہ ہو جاوے گا مگر وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے خود ارادہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ کو قائم کرے اور اُسے ترقی دے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرقے نہ تھے۔ اس وقت ان کے مخالف بھی یہی سمجھتے ہوں گے کہ بس اب ان کا خاتمہ ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اُن کو کیسا نشو و نما دیا اور پھیلایا۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر کوئی فرقہ تھوڑی سی ترقی کر کے رُک جاتا ہے تو کیا ایسے فرقوں کی نظیر موجود نہیں جو عالم پر محیط ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ارادوں پر نظر کر کے حکم کرنا چاہیے۔ جو لوگ رہ گئے اور اُن کی ترقی رُک گئی ان کی نسبت ہم یہی کہیں گے کہ وہ اس کی نظر میں مقبول نہ تھے۔ وہ اس کی نہیں بلکہ اپنی پرستش چاہتے تھے مگر میں ایسے لوگوں کو نظیر میں پیش کرتا ہوں جو اپنے وجود سے جل جاویں اور اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور جلال کے خواہشمند ہوں۔ اس کی راہ میں ہر دکھ اور موت کے اختیار کرنے کو آمادہ ہوں۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دے؟ کون ہے جو اپنے گھر کو خود تباہ کر دے؟ اُن کا سلسلہ خدا تعالیٰ کا سلسلہ ہوتا ہے اس لیے وہ خود اسے ترقی دیتا ہے اور اس کے نشو و نما کا باعث ٹھہرتا ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دُنیا میں ہوئے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ان میں سے کون تباہ ہوا؟ ایک بھی نہیں۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجموعی طور پر دیکھ لو کیونکہ آپ جامع کمالات تھے ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی اور اس نے قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آپ کی اللہ تعالیٰ نے وہ تائید کی جس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی۔

ایک دفعہ اوائل دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری قوم کو بُلایا۔ ابوجہل وغیرہ سب ان میں شامل تھے[1]۔ اہل مجمع نے سمجھا تھا کہ یہ مجمع بھی کسی دنیوی مشورہ کے لیے ہوگا۔ لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ کے آنے والے عذاب سے ڈرایا گیا تو ابوجہل[2] بول اُٹھا تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا۔

غرض باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ صادق اور امین سمجھتے تھے مگر اس موقعہ پر انہوں نے خطرناک مخالفت کی اور ایک آگ مخالفت کی بھڑک اٹھی، لیکن آخر آپ کامیاب ہوگئے اور آپ کے مخالف سب نیست و نابود ہوگئے۔

ترقی کرنے کے گُر فرمایا:

لوگ چاہتے ہیں کہ ترقی ہو مگر وہ نہیں جانتے کہ ترقی کس طرح ہوا کرتی ہے۔ دُنیا داروں نے تو یہی سمجھ لیا ہے کہ یورپ کی تقلید سے ترقی ہوگی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ترقی ہمیشہ راستبازی سے ہوا کرتی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نمونہ رکھا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کا نمونہ دیکھو۔ ترقی اسی طرح ہوگی جیسے پہلے ہوئی تھی۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ پہلے جو ترقی ہوئی وہ صلاح اور تقویٰ اور راستبازی سے ہوئی تھی۔ وہ اللہ تعالےٰ کی رضا کے جویا ہوئے اور اس کے احکام کے تابع ہوئے۔ اب بھی جب ترقی ہوگی۔ اسی طرح ہوگی۔

سید احمد خاں قومی قومی کہتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ ایک بیٹے کی بھی اصلاح نہ کر سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دعویٰ کرنا اور چیز ہے اور اس دعویٰ کی صداقت کو دکھانا اور بات۔ اصل یہی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں سکھایا ہے۔ جبتک مُسلمان قرآن شریف کے پُورے متبع اور پابند نہیں ہوتے وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتے۔ جس قدر وہ قرآن شریف سے دُور جا رہے ہیں اسی قدر وہ ترقی کے مدارج اور راہوں سے دُور جا رہے ہیں۔ قرآن شریف پر عمل ہی ترقی اور ہدایت کا موجب ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تجارت، زراعت اور ذرائع معاش سے جو حلال ہوں، منع نہیں کیا۔ مگر ہاں اس کو مقصود بالذات قرار نہ دیا جاوے بلکہ اس کو بطور خادمِ دین رکھنا چاہیے۔ زکوٰۃ سے بھی یہی منشا ہے کہ وہ مال خادمِ دین ہو۔

---

[1] یہاں حضرت اقدس نے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ (ایڈیٹر) [2] ابولہب نے یہ بات کہی تھی۔ ڈائری نویس یا کاتب کی غلطی سے ابوجہل لکھا گیا ہے ۔ (مرتب)

قومی ترقی کا راز

خوب یاد رکھو کہ اصل طریق ترقی کا یہی ہے۔ جبتک قوم اللہ تعالیٰ کے لیے قدم نہیں اُٹھاتی اور اپنے دلوں کو پاک وصاف نہیں کرتی کبھی ممکن نہیں کہ یہ قوم ترقی کر سکے۔ یہ خیال محض غلط ہے کہ صرف انگریزی پڑھنے اور انگریزی لباس پہننے اور شراب پینے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے سے ترقی ہو سکتی ہے۔ یہ تو ہلاک کرنے کی راہ ہے۔ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو قوم رہتی تھی کیا وہ معاش اور آسائش کے سامان نہ رکھتے تھے؟ کیا وہ انگریزی ہی پڑھے ہوئے تھے؟ اسی طرح لُوط علیہ السلام کے زمانہ میں بھی معاش کے ذریعے تھے۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی معاش کے بعض ذریعے ہیں جن میں سے ایک یہ زبان بھی ہے جو معاش کا ذریعہ سمجھی گئی ہے لیکن وہ زبان جو خدا تعالیٰ کی زبان ہے۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کی کنجی بنایا ہے۔ جب انسان تعصب سے پاک ہو کر تدبّر سے قرآن شریف کو دیکھے گا اور اعراض صوری اور معنوں سے باز رہے گا بلکہ دعاؤں میں لگا رہے گا۔ تب ترقی ہوگی۔

یہ لوگ جو قومی ترقی قومی ترقی کا شور مچا رہے ہیں۔ مَیں ان کی آوازوں کو سُنکر حیران ہوا کرتا ہوں کہ شاید ان کو مرنا ہی بھولا ہوا ہے اور ناپائیدار زندگی کو انہوں نے مقدم کر لیا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ یورپ جیسے امیر کبیر بن جاویں۔ ہم منع نہیں کرتے کہ حدِ مناسب تک کوئی کوشش نہ کرے۔ مگر افراط تو مذموم امر ہے افسوس ان ترقی چاہنے والوں کے نزدیک عملی طور پر ہر ایک بدی حلال ہے یہاں تک کہ زنا بھی۔ جیسا کہ یورپ کا عملی طرز بتا رہا ہے۔ اگر یہی ترقی ہے تو پھر ہلاکت کیا ہوگی؟ پس تم اپنی نیتوں کو صاف کرو۔ اللہ تعالےٰ کو رضامند کرو۔ دعاؤں میں لگے رہو اور دین کی اشاعت کے لیے دُعا کرو۔ پھر منع نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس قسم کی استعداد اور مناسبت معاش کے لیے دی ہے اس سے کام لو۔ زراعت ہو یا ملازمت یا تجارت کرو مگر یہ نہیں کہ اس کو مقصود بالذات سمجھ کر دل اس سے لگا لو۔ بلکہ دل اس سے ہمیشہ الگ رکھو اور اسے ایک ابتلا سمجھو اور دُعا کرتے رہو کہ خدا تعالیٰ وہ زمانہ لاوے کہ فراغت کا زمانہ یادِ الٰہی کے لیے میسّر آوے۔ میری غرض اور تعلیم تو یہ ہے۔ جو اس پر مخالفت کرے اس کا اختیار ہے ہنسی کرے اختیار ہے مگر حق یہی ہے۔

جو لوگ آزاد مشرب ہیں وہ ایسی باتوں پر سخت ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اطفال کے درجہ پر ہیں اور ہمیں تیرہ سو برس پیچھے لے جاتے ہیں مگر جن میں تقویٰ ہو اور موت کو یاد رکھتے ہیں وہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟

مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ جب تک صحت ہے اس وقت تک یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں لیکن

جب ذرا مبتلا ہوتے ہیں تو ہوش میں آجاتے ہیں۔ نیچری مذہب کے لیے اسی قدر مستحکم ہوگا جس قدر دُنیوی آسائش و آرام میسر ہوگا۔ جس قدر مصائب ہوں گے ڈھیلا ہوتا جائے گا۔ جو شخص دینوی وجاہت اور عُہدہ پاتا ہے اور قوم میں ایک عزت دیکھتا ہے وہ کیا سمجھ سکتا ہے کہ دین کیا چیز ہے۔؟

جو گروہ نمازوں میں تخفیف کرنی چاہتا ہے اور روزوں کو اڑانا چاہتا ہے اور قرآن شریف کی ترمیم کرنے کا خواہشمند ہے۔ اگر اُسے ترقی ہو تو تم سمجھ لو کہ انجام کیا ہو۔

اس کے ضمن میں آپ نے نواب محمد حیات خاں مرحوم کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح پر قبل از وقت مجھے اس کی بحالی کی اطلاع دی جس کی میں نے اس کو بھی خبر دیدی تھی۔ لیکن جب بحال ہوگیا تو پھر وہ ساری باتیں جو معطلی کے زمانہ میں تھیں بھول گئیں۔[1]

---

۱۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

حقِ محنت کی ادائیگی فرمایا:

خدا تعالیٰ کی طلب میں جو شخص پوری کوشش نہیں کرتا وہ بھی کافر ہے۔ ہر ایک چیز کو جب اس کی حدِ مقررہ تک پہنچایا جاتا ہے تب اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے اس زمین میں چالیس یا پچاس ہاتھ کھودنے سے کنواں تیار ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف چار پانچ ہاتھ کھود کر چھوڑ دے اور کہہ دے کہ یہاں پانی نہیں ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس شخص نے حقِ محنت کا ادا نہیں کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

(قبل از ظہر)

فرمایا: یہ جو قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَبِهُدَاهُمُ

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۳ صفحہ ۹ تا ۱۱ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء

اقْتَدِہ (الانعام : ۹۱) پس ان کی یعنی گذشتہ نبیوں کی جن کا اُوپر ذکر آیا ہے اقتدا کر۔ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر گذشتہ انبیاء ہوئے انہوں نے مخلوق کی ہدایت مختلف پہلوؤں سے کی اور مختلف قسم کی ان میں خوبیاں تھیں کسی میں کوئی خوبی اور کمال تھا اور کسی میں کوئی۔ اور ان تمام نبیوں کی اقتدا کرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ان تمام متفرق خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر لینا چاہیے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص جامع ان تمام خوبیوں کا ہے جو متفرق طور پر تمام انبیاء میں پائی جاتی ہیں وہ تمام متفرق کمالات اپنے اندر جمع رکھتا ہے اس لیے وہ تمام انبیاء سے افضل ہے کیونکہ ہر ایک کی خوبی اس میں موجود ہے۔ اور وہ تمام متفرق خوبیوں کا جامع ہے۔ مگر پہلے اس سے کوئی نبی ان تمام خوبیوں کا جامع نہ تھا۔[1]

---

۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء

(بوقت صبح)

انجام بخیر ہے فرمایا :

طب کے ظنی امور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جو یقین ہوتا ہے وہ کہاں؟
پیشگوئیوں کا معاملہ مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ تکالیف کا ثواب انسان حاصل کرے۔ درمیانی دُکھ ہیں اور انجام بخیر ہے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ایک رؤیا اور اس کی تعبیر

عاجز[2] راقم نے اپنی رؤیا بیان کی کہ "میں رات مولوی عبدالکریم صاحب کے واسطے بہت دُعا کرتا تھا تو تھوڑی غنودگی میں ایسا معلوم ہوا کہ میں کہتا ہوں یا کوئی کہتا ہے

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

"بلاؤں میں جندرے مارے گئے۔" فرمایا:
"مبشر ہے"

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی ایک رؤیا اور اس کی تعبیر

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا کہ کوئی کہتا ہے کہ مولوی صاحب کو خیر ہے۔ استغفار اور لاحول پڑھنا چاہیے اور پھر میں نے ایک آواز سُنی۔
سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔ فرمایا:
"لاحول سے یہ مراد ہے کہ بغیر فضلِ الٰہی کے کوئی حیلہ باقی نہیں رہا۔ اور سَلَامٌ عَلَیْکُمْ سے مراد سلامتی ہے۔" فرمایا:
"سب اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں جہاں حکم ہوتا ہے وہاں چڑھائی کرتے ہیں۔"

مصائب گناہوں کا کفّارہ ہوتے ہیں

مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری کا اور اُن کے متعلق دعا کا ذکر کرتے ہوئے شیخ رحمت اللہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:
"آپ کے واسطے بھی پانچ وقت نماز میں دُعا کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ تکالیف سے اپنے بندوں کو ثواب دے۔ عبادات میں جو قصور رہ جاتے ہیں ان کا ازالہ قضاء وقدر کے مصائب سے ہو جاتا ہے کیونکہ عبادت کی تکلیف میں تو انسان اپنا رگ پٹھا آپ بچا لیتا ہے۔ سردی ہو تو وضو کے لیے پانی گرم کر لیتا ہے۔ کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ لیتا ہے۔ لیکن قضاء وقدر سے جو آسمانی مار پڑتی ہے وہ رگ پٹھہ نہیں دیکھتی۔
دُنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ دُنیا میں ہمیشہ کی خوشی صرف کافر کو حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے لیے عذاب کا گھر آگے ہے۔ لیکن مومن کے لیے ایسی زندگی ہوتی ہے کہ کبھی آرام اور کبھی تکلیف۔ ہاں جان بخیر چاہیے۔
یہ مصائب گناہ کا کفّارہ ہوتے ہیں۔ کرب اور گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں ۔ خدا داری چہ غم داری۔ خدا تعالیٰ پر پورا ایمان اور بھروسہ ہو تو پھر انسان کو تنور میں ڈال دیا جاوے اُسے کوئی غم نہیں ہوتا۔

تکالیف کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر راحت ہے۔ جیسا بچہ پیدا ہونے کے وقت عورت کو تکلیف ہے بلکہ ساتھ والے بھی روتے ہیں لیکن جب بچہ پیدا ہوگیا تو پھر سب کو خوشی ہے۔ ایسا ہی مومن پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تکلیف اور دُکھ کا وقت آتا ہے تاکہ وہ آزمایا جائے اور صبر اور استقامت کا اجر پائے۔ اصل میں تکالیف کے دن ہی مبارک دن ہوتے ہیں۔ انبیاء تکالیف کے ساتھ موافقت کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص پر نوبت بہ نوبت یہ دن آتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اصلی ہے یا نہیں۔ مولوی رُومی نے خوب فرمایا ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است

حدیث میں آیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو اُسے کچھ دُکھ دیتا ہے۔ انبیاء کے معجزات انہیں مصائب کے زمانہ کی دُعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کا اپریشن ہے جو ہر صادق کے واسطے ضروری ہے۔

قبل از ظہر

دعاؤں کی تلقین فرمایا :

آگے پھر طاعون کے دن آرہے ہیں۔ نہیں معلوم کون بچے گا اور کون مرے گا ؟ آجکل توبہ کرنی چاہیے اور راتوں کو اُٹھ کر دُعائیں کرنی چاہئیں تاکہ خدا تعالےٰ اس وقت کے عذاب سے بچائے۔ قادیان کے قریب دو گاؤں طاعون سے ملوث ہیں۔

دُعا کے ذریعہ ہی مشکلات حل ہوتی ہیں فرمایا :

اللہ تعالےٰ مخفی ہے۔ مگر وہ اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دُعا کے ذریعہ سے اس کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ کوئی بادشاہ یا شہنشاہ کہلائے۔ ہر شخص پر ضرور ایسے مشکلات پڑتے ہیں جن میں انسان بالکل عاجز رہ جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اس وقت دُعا کے ذریعہ سے مشکلات حل ہو سکتے ہیں۔

چراغ الدین جمونی جموں والے چراغ الدین کا ذکر تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ بہت تعلق محبت رکھتا ہے۔

فرمایا:

بدقسمت اور بدبخت آدمی ہے۔ اسلام ایسے گندوں کو باہر پھینکتا جاتا ہے۔

عیسائیوں پر ایک سوال یورپ کی شراب نوشی کا ذکر تھا۔ فرمایا:

حقیقی تہذیب شراب خور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ انجیل کی کسی آیت نے سؤر کو بر خلاف توریت کے حلال نہیں کیا مگر یہ لوگ کثرت سے سؤر بھی کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں۔

جب شریعتِ توریت قابلِ عمل نہیں اور باوجود بہت سی باتیں کی حرمت کے جن کا حکم توریت میں موجود ہے۔ عیسائیوں کے واسطے ضروری نہیں کہ ان احکام پر عمل کریں تو پھر رشتہ ناطہ کے معاملہ میں اس قدیم شریعت پر عمل کرنے کی کیا حاجت ہے اور بہن یا سالی وغیرہ سے شادی کرنا انجیل کے کس حکم کے برخلاف ہے۔

خدا تعالیٰ کا حلم بعض لوگوں کے بدیوں اور شرارتوں میں حد سے بڑھ جانے کا ذکر تھا۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ بڑا حلیم اور کریم ہے اور اس کے کام نہایت آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ معصیت میں پڑے ہوئے لوگوں کو وہ مہلت دیتا ہے اور لوگ اس پر حیران ہوتے اور گھبراتے ہیں۔ لیکن گذشتہ واقعاتِ زمانہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر جب عذاب آتا ہے نہایت سخت آتا ہے۔ زمانہ میں راحت کے دن بہت ہیں مگر آخر کار گرفتاری کا بھی ایک دن آ ہی جاتا ہے اور اس وقت ایسا پکڑا جاتا ہے کہ اس کے دکھ کو دیکھ کر سخت سے سخت دل آدمی بھی دردناک ہو جاتا ہے۔

ہاں مشو مغرور از حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

٭ ٭ ٭

قبل نمازِ ظہر

دُعا کا اثر

جیسا اثر دُعا میں ہے ویسا اور کسی شئے میں نہیں ہے مگر دُعا کے واسطے پُورا جوش معمولی باتوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ معمولی باتوں میں تو بعض دفعہ دعا کرنا گستاخی معلوم ہوتی ہے اور طبیعت صبر کی طرف راغب رہتی ہے۔ ہاں مشکلات کے وقت دُعا کے واسطے پورا جوش دل میں پیدا ہوتا ہے تب کوئی خارقِ عادت امر ظاہر ہوتا ہے۔

کہتے ہیں دہلی میں ایک بزرگ تھا۔ بادشاہِ وقت اس پر سخت ناراض ہوگیا۔ اس وقت بادشاہ کہیں باہر جاتا تھا۔ حکم دیا کہ واپس آکر میں تم کو ضرور پھانسی دُوں گا اور اپنے اس حکم پر قسم کھائی۔ جب اس کی واپسی کا وقت قریب آیا تو اس بزرگ کے دوستوں اور مریدوں نے غمگین ہوکر عرض کی کہ بادشاہ کی واپسی کا وقت اب قریب آگیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ہنوز دلّی دُور است۔ جب بادشاہ ایک دو منزل پر آگیا تو انہوں نے پھر عرض کی۔ مگر اس نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ہنوز دلّی دُور است۔ یہانتک کہ بادشاہ عین شہر کے پاس آگیا اور شہر کے اندر داخل ہونے لگا۔ تب لوگوں نے اس بزرگ کی خدمت میں عرض کی کہ اب تو بادشاہ شہر میں داخل ہونے لگا ہے۔ یا داخل ہوگیا ہے مگر پھر بھی اس بزرگ نے یہی جواب دیا کہ ہنوز دلّی دُور است۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ جب بادشاہ دروازہ شہر کے نیچے پہنچا تو اُوپر سے دروازہ گرا اور بادشاہ ہلاک ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ کو کچھ منجانب اللہ معلوم ہوچکا تھا۔

ایسا ہی شیخ نظام الدین کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ کا سخت عتاب ان پر ہوا۔ اور حکم ہوا کہ ایک ہفتہ تک تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ جب وُہ دن آیا تو وہ ایک مُرید کی ران پر سر رکھ کر سوتے تھے۔ اس مرید کو جب بادشاہ کے حکم کا خیال آیا تو وُہ رویا۔ اور اس کے آنسو شیخ پر گرے جس سے شیخ بیدار ہوا اور پُوچھا کہ تُو کیوں روتا ہے۔ اس نے اپنا خیال عرض کیا اور کہا کہ آج سزا کا دن ہے۔ شیخ نے کہا کہ تم غم مت کھاؤ ہم کو کوئی سزا نہ ہوگی۔ مَیں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مارکھنڈ گائے مجھے مارنے کے واسطے آئی ہے۔ مَیں نے اس کے دونوں سینگ پکڑ کر اس کو نیچے گرا دیا ہے؛ چنانچہ اسی دن بادشاہ سخت بیمار ہوا۔ اور ایسا سخت بیمار ہوا کہ اسی بیماری میں مرگیا۔

یہ تصرّفاتِ الٰہی ہیں جو انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ جب وقت آجاتا ہے تو کوئی نہ کوئی تقریب پیدا ہوجاتی ہے۔ سب دل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے تصرّف کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے اِذن کے بغیر تو کوئی جان بھی نہیں نکل

سکتی خواہ کیسے ہی شدید عوارض ہوں۔ ناامید ہونے والا بُت پرست سے بھی زیادہ کافر ہے۔

آئندہ طاعون سے بچنے کا علاج

عاجز راقم نے اپنا آج کا خواب عرض کیا کہ طاعون بہت پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ اور کوئی کہتا ہے یا میں کہتا ہوں کہ جو آجکل رات کو اُٹھ کر دُعا کرے گا وہ اس سے آئندہ طاعون کے وقت بچایا جائے گا۔ فرمایا:

یہ بالکل سچ ہے۔ راتوں کو اُٹھ کر بہت دُعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالےٰ آنے والے عذاب سے اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھے۔

جانوروں کی پرورش میں حفاظت کی ضرورت

فرمایا:

ایک نجاست خور گائے ہوتی ہے جس کو جلالہ کہتے ہیں۔ اس کا گوشت حرام لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے جانور مثل بھیڑ، مرغی کی پرورش میں حفاظت کرنی چاہیے اور ان کو نجاست خوری سے بچانا چاہیے۔[2]

---

۲۳ ستمبر ۱۹۰۵ء

(قبل دوپہر)

چراغ الدین جمونی اور اس کی تصنیف

آج اتفاق سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں میاں چراغ دین ساکن جموں کا ذکر اس تقریب پر شروع ہوگیا کہ اس نے ایک کتاب منارۃ المسیح حال میں شائع کی ہے جس میں اسلام کی سخت ہتک کی گئی ہے۔ اس کتاب کے تذکرہ پر اعلیٰحضرت علیہ الصلوٰۃ

---

[1] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ ۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۲۶ صفحہ ۳ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

والسلام نے فرمایا کہ :

وُہ اسلام کا سخت مخالف ہے۔ ہر امر میں اس نے حضرت مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی ہے۔ پھر یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت میں صلح کرانے آیا ہوں۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ اسلام اور عیسائیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور وہ صلح کراتا ہے۔ مجھے اس کتاب میں بہت گالیاں دی ہیں۔

کشمیر میں بنی اسرائیل اور مسیح علیہ السلام کی قبر

مسیح کی قبر واقع کشمیر کا ذکر تھا۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمایا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

بہت سے شواہد اور دلائل سے یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے۔ اور یہاں نہ صرف ان کی قبر ہی ہے بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ ان کے بعض دوستوں کی قبریں بھی اسی جگہ ہیں۔ اوّل یوسف آسف کا نام ہی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ اپنے وطن میں باغی ٹھہرائے گئے تھے۔ اس لیے اس گورنمنٹ کے تحت ملکومت میں کسی جگہ رہ نہ سکتے تھے۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان پر رحم کر کے پسند کیا کہ شام جیسا سرسبز ملک ہی ان کے لیے تجویز کیا جہاں وہ ہجرت کر کے آگئے اور یہودیوں کی دس تباہ شدہ قومیں جن کا پتہ نہیں ملتا تھا۔ وہ بھی چونکہ یہاں ہی آباد تھیں۔ اس لیے اس فرض تبلیغ کو ادا کرنے کے لیے بھی یہاں اُن کا آنا ضروری تھا۔ اور پھر یہاں کے دیہات اور دُوسری چیزوں کے نام بھی بلادِ شام کے بعض دیہات وغیرہ سے ملتے جلتے ہیں۔

(اس موقعہ پر مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی حضور کاشیر کا لفظ خود موجود ہے۔ یہ لفظ اصل میں کاشیر ہے۔ م تو ہم لوگ ملا لیتے ہیں۔ اصل کشمیری کاشیر بولتے ہیں اور کاشیر کہلاتے ہیں۔ اور آشیر عبرانی زبان میں مُلک شام کا نام ہے اور ک بمعنے مانند ہے۔ یعنی شام کی مانند۔ پھر اور بہت سے نام ہیں۔)

حضرت نے فرمایا کہ :

وہ سب نام جمع کرو تاکہ ان کا حوالہ کسی جگہ دیا جاوے۔

اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ :

اکمال الدین جو پرانی کتاب ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ انیس سو برس کا ایک نبی ہے۔ پھر کشمیریوں کے رسم و رواج وغیرہ یہودیوں سے ملتے ہیں۔ برنیئر فرانسیسی سیاح نے بھی ان کو بنی اسرائیل

ہی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ تھوما حواری کا ہندوستان میں آنا ثابت ہے۔

(اس مقام پر مفتی صاحب نے عرض کی کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب حضرت مریم بیمار ہوئیں تو انہوں نے تھوما سے جو اس وقت ہندوستان میں تھا۔ ملنا چاہا۔ چنانچہ ان کے تابوت کو ہندوستان میں پہنچایا گیا اور وہ تھوما سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور اسکو برکت دی اور پھر تھوما نے اس کا جنازہ پڑھا۔ اس ذکر پر کہا گیا کہ کیا تعجب ہے اگر فی الحقیقت یہ ایک ذریعہ اختیار کیا گیا ہو بیٹے کے پاس آنے کا۔ اس کے متعلق مختلف باتیں ہوتی رہیں)

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي پر ایک اعتراض کا جواب

مندرجہ بالا سلسلہ کلام میں آپ نے فرمایا کہ:

ہم جب مسیح کی موت کے لیے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدۃ: ۱۱۸) پیش کرتے ہیں تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر واقعہ صلیب کے بعد کشمیر چلے آئے تھے تو پھر اُن کو بجائے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے یہ کہنا چاہیے تھا کہ جب تُو نے مجھے کشمیر پہنچا دیا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ایک مغلطہ ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر سے زندہ اُتر آئے اور موقعہ پاکر وہ وہاں سے کشمیر کو چلے آئے۔ لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفوں کا حال تو پوچھا نہیں۔ وہ تو ان کی اپنی اُمت کا حال پُوچھتا ہے۔ مخالف تو بدستور کافر کذاب تھے۔

دُوسرے یہاں مسیح علیہ السلام نے اپنے جواب میں یہ بھی فرمایا ہے مَادُمْتُ فِيهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) مَیں جب تک ان میں تھا۔ یہ نہیں کہا مَادُمْتُ فِي أَرْضِهِمْ۔ مَادُمْتُ فِيهِمْ کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ جہاں مسیح جائیں وہاں ان کے حواری بھی جائیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کا ایک مامور و مرسل ایک سخت حادثہ موت سے بچایا جاوے اور پھر وہ خدا تعالیٰ کے اِذن سے ہجرت کرے اور اس کے پیرو اور حواری اسے بالکل تنہا چھوڑ دیں اور اس کا پیچھا نہ کریں۔ نہیں بلکہ وہ بھی اُن کے پاس یہاں آئے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دفعہ ہی سارے نہ آئے ہوں بلکہ متفرق طور پر آگئے ہوں۔ چنانچہ تھوما کا تو ہندوستان میں آنا ثابت ہی ہے اور خود عیسائیوں نے مان لیا ہے۔ اس قسم کی ہجرت کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی نظیر موجود ہے؛ حالانکہ مکہ میں آپ کے وفادار اور جاں نثار خدام موجود تھے۔ لیکن جب آپ نے ہجرت کی تو صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا۔ مگر اس کے بعد جب آپ مدینہ پہنچ گئے تو دوسرے اصحاب بھی یکے بعد دیگرے وہیں جا پہنچے۔ لکھا

ہے کہ جب آپؐ ہجرت کر کے نکلے اور غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے تو دشمن بھی تلاش کرتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔ اُن کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبہ : ۴۰) کہتے ہیں کہ وہ نیچے اُتر کر اس کو دیکھنے بھی گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ غار کے مُنہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک نے کہا کہ یہ جالا تو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) پیدائش سے بھی پہلے کا ہے۔ اس لیے وہ واپس چلے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اکثر اکابر عنکبوت سے محبت کرتے آئے ہیں۔

غرض جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ایک گروہِ کثیر کے اس وقت ابوبکرؓ ہی کو ساتھ لینا پسند کیا اسی طرح پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تھوما کو ساتھ لے لیا اور چلے آئے۔ پس جب حواری ان کے ساتھ تھے تو پھر کوئی اعتراض نہیں رہتا۔

دوسرا سوال اس پر یہ کرتے ہیں کہ جب کہ وہ ستاسی سال تک زندہ رہے تو ان کی قوم نے ترقی کیوں نہ کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں ترقی کی ہوگی لیکن حوادث روزگار نے ہلاک کر دیا ہوگا۔ کشمیر میں اکثر زلزلے اور سیلاب آتے رہتے ہیں۔ مدت دراز کے بعد قوم بگڑ گئی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک قوم تھی۔ اٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المومنون : ۵۱) کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ وہ شام ہی میں تھا۔ مَیں کہتا ہوں یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف خود اس کے مخالف ہے اس لیے کہ اٰوٰی کا لفظ تو اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں ایک مصیبت کے بعد نجات ملے اور پناہ دی جاوے۔ یہ بات اس رُومی سلطنت میں رہ کر انہیں کب حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ تو وہاں رہ سکتے ہی نہ تھے۔ اس لیے لازمی طور پر انہوں نے ہجرت کی۔

زندگی لائقِ اعتبار نہیں فرمایا :

زندگی اعتبار کے لائق نہیں۔ اس پر مختلف امراض اور خصوصاً طاعون نے اور بھی خوف پیدا کر دیا ہے۔

(قبل نماز عصر)

اصل طریق دعا ہے

حضرت مخدوم الملت[1] کی بیماری کا تذکرہ تھا۔ ایک بزرگ نے

---

[1] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (مرتب)

باتوں ہی باتوں میں حکایتاً عن الغیر ذکر کیا کہ بعض مسمریزم کے عامل توجہ سے مرض کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پر بدل دینے کے دعوے کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا :

یہ کچھ چیز نہیں۔ میری طبیعت اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اصل طریق دُعا ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہے۔ میں تو اس کے سوا دوسرے طریقوں کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے قے کے ساتھ کسی بیماری کا علاج کیا جاوے۔ پس کون پسند کرتا ہے کہ قے کے ساتھ علاج ہو۔ سچا اور خدا شناسی کا جو طریق ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے استعمال کیا وہ یہی دُعا ہے[1]۔

---

۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء

(قبل دوپہر)

مخدومنا[2] الملت کی بیماری کے تذکرہ پر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :

مومن کا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہوتا ہے

اگر انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کے بغیر ہوتا تو کچھ شک نہیں بڑی مصیبت ہوتی، مگر اب تو ذرہ ذرہ کی حفاظت وہ ایک ذات کر رہی ہے۔ پھر کس بات کا غم اور خوف ہے۔ اس کی قدرتیں عجیب ہیں اور اس کے تصرفات بے نظیر۔ قادر خدا کو مان کر مومن کبھی غمگین نہیں ہوتا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اسی میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ مومن اور غیر مومن میں ایمان ہی کا تو فرق ہے۔ دہریہ مزاج اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے والے کی زندگی اس وقت تک عمدہ اور بے خوف و خطر ہوتی ہے جبتک اس پر اس پر مصائب اور مشکلات کا حملہ نہیں ہوتا لیکن جب خفیف سی مشکلات بھی آکر ظاہر ہوتی ہیں تو اس کی عقل ماردیتی ہیں اور وہ ان کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی امید اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہی نہیں اور اسباب اُسے مایوس کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں ذرا ذرا سی بات خلافِ مزاج پیش آجانے پر بعض اوقات یہ لوگ خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ یورپ میں جہاں دہریوں کی کثرت ہے وہاں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں کہ کسی اور ملک میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ ہم و غم اور مصائب کی برداشت نہیں

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء

[2] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ (مرتب)

کر سکتے۔ ان کے دل کمزور ہو جاتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے مومن قوی دل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اس پر اگر مصائب آئیں تو وہ اس کو پست ہمت نہیں بناتیں بلکہ وہ مصائب میں اور بھی قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس کا ایمان پہلے سے اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور سچ پوچھو تو ایمان کا مزہ اور لذت انہیں دنوں میں آتی ہے اور ایمان انہیں ایام کے لیے ہوتا ہے۔ صحت کی حالت میں جبکہ نہ کوئی مالی غم ہو نہ جانی بلکہ ہر قسم کی آسائش اور امن ہو اس وقت کافر اور غیر کافر کی حالت یکساں ہو سکتی ہے لیکن مصیبت اور بیماری اور دوسری مشکلات میں ان باتوں کا امتحان ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق رکھتا ہے اور اس کی قدرتوں پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کا شکوہ کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے۔

ایمان کا کامل معیار

مصیبت اور دکھ ایمان کا ایک کامل معیار ہے اسی سے پہچانا جاتا ہے کہ کون صبر کرتا ہے۔ صبر کیا ہے؟ یہ بھی ایمان ہی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں میں جب مومن صبر کرتا ہے تو یہ صبر بھی ایک نئے رنگ کا صبر معلوم ہوتا ہے کہ کافر اس صبر میں مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کا معاملہ بھی ایک نئے رنگ کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایک نیا خدا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس پر ایمان لا کر معرفت میں ترقی ہوتی ہے۔ جب مشکلات اور مصائب کی وجہ سے مومن دعائیں کرتا ہے تو دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو وہ مصائب بجائے خود اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے ان دعاؤں کے ذریعہ ان سے نجات بھی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کی قدرتوں پر ایمان بڑھتا ہے۔ مصیبت سے انسان کی زندگی کبھی خالی نہیں رہ سکتی۔ کسی نہ کسی رنگ میں کوئی نہ کوئی مصیبت انسان پر آ ہی جاتی ہے۔ خواہ بیماری کے رنگ میں ہو خواہ عزت و آبرو کے متعلق ہو یا مال و اسباب کی صورت میں ہو۔ لیکن مومن کی مصیبت اس پر سہل ہو جاتی ہے اور اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ وہ اس مصیبت کو اپنے لیے خدا تعالیٰ سے تعلقات بڑھانے کا ایک ذریعہ یقین کرتا ہے اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوتا ہے مگر وہی مصیبت بے ایمانوں کے لیے عذاب کے رنگ میں ہو جاتی ہے۔ کبھی دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ تو ایک عبرت کا مقام ہے۔ خود بھی اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تسکین دہ ہے

یہ بھی یاد رکھو کہ مصیبت کے زخم کے لیے کوئی مرہم ایسا تسکین دہ اور آرام بخش نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ سخت سے سخت مشکلات اور مصائب میں بھی

اندر ہی اندر تسلی اور اطمینان پاتا ہے وہ اپنے قلب میں تلخی اور عذاب کو محسوس نہیں کرتا۔ نہایت کار اس مصیبت کا انجام یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تقدیر مبرم ہے تو موت آجاوے۔ لیکن اس سے کیا ہوا؟ دُنیا کوئی ایسی جگہ تو ہے ہی نہیں جہاں کوئی ہمیشہ رہ سکے۔ آخر ایک دن اور وقت سب پر آتا ہے کہ اس دُنیا کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر اگر اُسے موت آگئی تو ہرج کیا ہوا؟ مومن کے لیے تو موت اور بھی راحت رسل اور وصال یار کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور اس کی قدرتوں پر بھروسہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اگلا جہان اس کے لیے اَبدی راحت کا ہے۔ پس نری مصیبت خواہ بیماری کی ہو یا کسی اَور قسم کی تکلیف عذاب کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ مصیبت دُکھ دینے والا عذاب ٹھہرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسہ نہ ہو۔ ایسے شخص کو البتہ سخت عذاب ہوتا ہے اور اگر کوئی یہ خیال کرے کہ موت ہی نہ آوے تو یہ خیال خام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کو ناپائیدار قرار دیا ہے۔ ایسے شخص کے لیے دوسرے جہان میں سخت دردناک جہنم ہوگا جس کے لیے اسے تیار رہنا چاہیے۔

موت کی حقیقت

موت آنے والی ہے اس سے کسی کو چارہ نہیں یقیناً سمجھو کہ اس پیالہ کے پینے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ خدا تعالیٰ کے تمام برگزیدہ بندوں اور انبیاء و رسل کو بھی اس راہ سے گذرنا پڑا تو اَور کون ہے جو بچ جاوے۔ حکیم اور فلاسفر جو سخت دل ہوتے ہیں اُن کو بھی یہ بات سُوجھ گئی ہے اور انہوں نے اعتراف کیا بلکہ موت کو ضروری سمجھا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ زمین تو بقیع مسکون ہے اور اس میں بہت ہی تھوڑا حصّہ آباد ہے۔ اگر وہ تمام لوگ جو ابتدائے آفرینش سے پیدا ہوئے اب تک زندہ رہتے تو ان کے رہنے کو کوئی جگہ اور مقام نہ ملتا۔ یہانتک کہ وہ کھڑے بھی نہ ہو سکتے۔ پس اس قدر کثرت خود چاہتی ہے کہ موت ہو تاکہ پہلے چلے جاویں تو دُوسروں کے لیے جگہ ہو۔ موت کو یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ مر کر انسان بالکل گُم ہو جاتا ہے نہیں بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کوٹھڑی سے نکل کر انسان دُوسری کوٹھڑی میں چلا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کسی قدر خواب سے سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ خواب بھی گویا ہمشیرۂ موت ہے۔ خواب میں بھی ایک قسم کا قبض رُوح ہی ہوتا ہے۔ دُوسروں کے خیال میں جو سونے والے کے پاس بیٹھے ہیں وہ بالکل بے خبری اور محویت کے عالم میں ہیں۔ لیکن خواب دیکھنے والا معاً دُوسرے عالم میں ہوتا ہے۔ اور وہ سیاحت کر رہا ہوتا ہے۔ اب بظاہر اس کے حواس اور قویٰ سب معطّل ہوتے ہیں۔ لیکن سونے والا اور خواب دیکھنے والا خوب جانتا ہے کہ اس کے حواس اور قویٰ سب کام میں لگے ہوئے

ہیں۔ اسی طرح پر مرنے والا موت کے بعد اپنے آپ کو معاً دُوسرے عالم میں دیکھتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب موت آتی ہے تو وہ شخص جس نے اپنی عمرِ عزیز کو دنیا کے حصول میں ہی ضائع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا نہیں کیا تھا۔ وہ چونکہ ابھی بہت سے کاموں کو ناتمام اور ادھورا پاتا ہے۔ اس لیے اس پر حسرت اور افسوس کا استیلاء ہو جاتا ہے اور وہ موت اسے تلخ گھونٹ معلوم ہوتی ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ انسان دلبستگی پیدا نہ کرے اور اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ ہر لحظہ کو غنیمت سمجھ کر اور یقین کر کے کہ شاید ابھی موت آجاوے مرنے کے واسطے تیار رہنا چاہیے۔ جب اس تیاری کی فکر دامنگیر رہے گی تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان اپنے تعلقات کو بڑھائے گا اور اس دوسرے جہان میں آرام پانے کا خیال کرے گا۔

یہ خوب یاد رکھو کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جیسے زمیندار اپنی فصل کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے لیے ہر قسم کے دُکھ اور تکالیف اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح پر مومن کو اس کی حفاظت کے لیے کرنا چاہیے۔ تاکہ دُوسرے جہان میں آرام پاوے۔ اگر اب بے پروائی کرے گا اور وقت کی قدر نہیں کرے گا تو پھر اس کو اس وقت سخت افسوس اور حسرت ہوگی۔ جب اس جہان سے رخصت ہو کر دوسرے عالم میں جانا پڑے گا اور وہاں اس کے لیے بجز دُکھ اور درد کے اور کیا ہوگا؟ اس دُنیا میں وہ اس دنیا کے ہم و غم میں مبتلا رہا اور اُس عالم میں اس ہم و غم کے نتائج ہیں۔

موت کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے

جو شخص اس عالم کے ہم و غم میں مبتلا ہو رہا ہے اور دُوسرے عالم کا اسے کوئی فکر بھی نہیں۔ اگر اسے یکدفعہ ہی پیغامِ موت آجاوے تو خیال کرو اس کا کیا حال ہوگا؟ موت تو ایک بازی گاہ ہے ہمیشہ ناگاہ آتی ہے اور جسے آتی ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں تو قبل از وقت جاتا ہوں۔ ایسا خیال اسے کیوں پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ چونکہ خیالات اور طرف لگے ہوئے تھے اور وہ اس کے لیے تیار نہ تھا۔ اگر تیاری ہو تو قبل از وقت نہ سمجھے بلکہ ہر وقت اسے قریب اور دروازہ پر یقین کرے۔ اس لیے تمام راستبازوں نے یہی تعلیم دی ہے کہ انسان ہر وقت اپنا محاسبہ کرتا رہے اور آزماتا رہے کہ اگر اس وقت موت آجاوے تو کیا وہ تیار ہے یا نہیں؟ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

چو کارِ عمر ناپیدا است بارے آں اولیٰ
کہ روزِ واقعہ پیشِ نگارِ خود باشیم

ان کا مطلب یہی ہے کہ ہر وقت تیار اور مستعد رہنا چاہیے۔ اور کسی وقت بھی اس تیاری سے بے فکر

اور غافل نہ ہونا چاہیے ورنہ عذاب ہوگا۔ یہ بالکل صاف بات ہے کہ جو شخص ہر وقت سفر کی تیاری میں ہے اور کمر بستہ بیٹھا ہے۔ اگر یکایک اُسے سفر کرنا پڑے تو اُسے کوئی تکلیف اور گھبراہٹ نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس نے کبھی یہ خیال بھی نہیں کیا تو پھر ایسے موقع پر سخت گھبراہٹ کا سامنا ہوگا۔ ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

وَلَمْ يَتَّفِقْ حَتّٰى مَضٰى فِيْ سَبِيْلِهٖ
وَكَمْ حَسَرَاتٍ فِيْ بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ

یعنی اس وقت تک اس امر سے اتفاق نہ کیا یہاں تک کہ کوچ کرنا پڑا۔ تب اقرار کیا کہ بہت ساری حسرتیں قبروں میں دفن کی گئی ہیں۔

مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتی کہ انسان غفلت کی زندگی چھوڑ کر عالمِ آخرت کی تیاری میں لگا رہے۔ سُننے کو تو ہر ایک کان سُن سکتا ہے کیونکہ سُننا سہل ہے مگر عمل کرنے کے لیے مشکل پڑتی ہے۔ انسان کی عادت میں داخل ہے کہ جبتک ایک مجلس میں بیٹھا ہے۔ اس مجلس کی باتوں سے متاثر ہوتا ہے لیکن جب وہاں سے اُٹھتا ہے اور مجلس منتشر ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی وہ باتیں بھی بھول جاتی ہیں گویا وہ دین کے لیے تھیں۔ ایسے لوگ سخت نقصان اُٹھاتے ہیں اور دفعتہً موت کے آجانے پر انہیں بہت کچھ حسرت اور افسوس کرنا پڑتا ہے۔ موت انہیں کی اچھی ہوتی ہے جو مرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔

فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ عطاری کی دوکان کیا کرتے تھے۔ ایک دن صبح ہی صبح جب آکر انھوں نے دوکان کھولی تو ایک فقیر نے آکر سوال کیا۔ فریدالدین نے اس سائل کو کہا کہ ابھی بوہنی نہیں کی۔ فقیر نے ان کو کہا کہ اگر تُو ایسا ہی دُنیا کے دھندوں میں مشغول ہے تو تیری جان کیسے نکلے گی۔ فریدالدین نے اس کو جواب دیا کہ جیسے تیری نکلے گی۔ فقیر یہ سُنکر وہیں لیٹ گیا اور کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اور اس کے ساتھ ہی جان نکل گئی۔ فریدالدین نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت ساری دکان لُٹا دی اور ساری عمر یادِ الٰہی میں گذار دی۔ یہ تیاری ہوتی ہے۔ تیاری میں رنج نہیں ہوتا۔ کش مکش ہو تو پھر رنج اور افسوس ہوتا ہے۔

صوفیاء اور مولوی فرمایا :

صوفیوں کی جو کتابیں ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں موت کا خیال دامنگیر رہا ہے۔

لیکن ہندوؤں کے نام سے جو لوگ گذرے ہیں وہ عموماً محجوب رہے ہیں۔ بہت ہی کم جو دراصل وہ بھی فقیر تھے۔ وہ تو اس حجاب سے بچے ہیں ورنہ اہل تصوف سے عموماً الگ رہے ہیں اور ایسے پاکباز لوگوں پر کفر ہی کے فتوے دیتے رہے جو دنیا سے انقطاع کرنے والے تھے۔ صوفی تو ایسے ہیں جیسے ہر وقت کوئی مرنے کو تیار رہتا ہے۔ ان کی کتابوں کو پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ ان سے خوشبو آتی ہے کہ وہ صاحب حال ہیں صاحب قال نہیں۔ اگر فراستِ صحیحہ ہو تو انسان ان باتوں کو سمجھ لیتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوح الغیب بڑی ہی عمدہ کتاب ہے۔ میں نے اس کو کئی مرتبہ پڑھا ہے۔ بدعات سے پاک ہے۔ بعض کتابیں صوفیوں کی اس قسم کی بھی ہیں کہ ان میں بدعات بھی داخل ہو گئی ہیں لیکن یہ کتاب بہت ہی عمدہ ہے۔

وحدتِ وجودی کا فتنہ

فقیروں میں بھی ایک آفت پڑی ہے یعنی بعض فقیر تو ہوئے مگر وحدت وجودی ہو گئے اور خود ہی خدا بن بیٹھے۔ ہمارے ملک میں دوآبہ (بست جالندھر) میں اکثر وجودی ہیں۔ اور جو وجودی کہلاتے ہیں ان کا مذہب عموماً اباحتی دیکھا گیا ہے۔ اور حقیقت میں اس مذہب کا خاصہ اور اثر ہونا بھی یہی چاہیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے متصف نہیں مانتا جو قرآن شریف میں بیان ہوئی ہیں اور اپنے اور خدا تعالیٰ میں کوئی فرق نہیں کرتا بلکہ خود ہی خدا بنتا ہے۔ وہ اگر اباحتی نہ ہو تو اور کیا ہو۔ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دوزخ اور بہشت پر ایمان بھی لاتے ہیں اور ایمان لاکر بھی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی خدا ہیں۔ اور ایک اور بڑی غلطی ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں اور وہ یہ ہے کہ اپنے مذہب کو اکابر سے منسوب کرتے ہیں۔

وحدتِ شہودی

اصل یہ ہے کہ مذہب دو ہیں۔ وجودی اور شہودی۔ وجودیوں نے فلسفیوں کی طرح یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان کے سوا خدا کچھ نہیں ہے یا خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر شہودی اس کے سوا ہیں اور وہ ٹھیک ہیں۔ جنہوں نے استیلاءِ محبت اور تجلیاتِ صفاتِ الٰہی سے ایسا معلوم کیا کہ خدا ہے۔ انہوں نے اس کی ہستی اور وجود کے سامنے اپنی ہستی اور وجود کی نفی کر لی۔ اور 'من تُو شدم تو من شدی' کے مصداق ہوئے۔ حقیقت میں محبت کے ثمرات میں سے نفیٔ وجود ضروری ہے۔ اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قرآن شریف سے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو فنا فی اللہ کہلاتا ہے۔ لیکن وجودیوں کا یہ حال نہیں۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ گویا انہوں نے ڈاکٹروں کی طرح تشریح کر کے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیا ہے۔ تب ہی تو یہ خود بھی خدا بنتے ہیں، حالانکہ یہ صریح غلط اور

ہے وہ وہ امر ہے۔ اللہ تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۴) وجودیوں کا یہ مذہب ہے کہ ہم ہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہیں اور ہم ہی سچے موحد ہیں۔ باقی سب مشرک ہیں۔ اس کا نتیجہ عوام میں یہ ہوا کہ اباحت پھیل گئی اور فسق و فجور میں ترقی ہو گئی، کیونکہ وہ اسے حرام نہیں سمجھتے اور نماز روزہ اور دوسرے اوامر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس سے اسلام پر بہت بڑی آفت آئی ہے۔

میرے نزدیک وجودیوں اور دہریوں میں انیس اور بیس کا فرق ہے

یہ وجودی سخت قابلِ نفرت اور قابلِ کراہت ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ جس قدر گدیاں ہیں ان میں سے شاید ایک بھی ایسی نہیں ہو گی جو یہ مذہب نہ رکھتی ہو۔ سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرقہ جو قادری کہلاتا ہے وہ بھی وجودی ہو گئے ہیں؛ حالانکہ سید عبدالقادر جیلانیؒ وجودی نہ تھے۔ ان کا طرزِ عمل اور ان کی تصنیفات اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی عملی تصدیق دکھاتی ہیں۔

علماء صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صرف پڑھنے کے لیے ہے لیکن اس کے اثرات اور نتائج کچھ نہیں۔ مگر وہ عملی طور پر دکھاتے ہیں کہ ان منعم علیہ لوگوں کے نمونے اس اُمت میں ہوتے ہیں۔

غرض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ گو ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ہیں ضرور جو خدا تعالیٰ سے کامل محبت کرتے ہیں اور اسی دُنیا میں رہ کر انقطاع اور سفرِ آخرت کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ اُمور ایسے ہی لوگوں کے حصہ میں آئے ہیں۔ جیسے سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مگر اب برخلاف ان کے وجودیوں کی کثرت ہے اور اسی وجہ سے فسق و فجور میں ترقی ہے۔

اس دنیا میں معرفت اور بصیرت حاصل کرنے کا نسخہ

قرآن شریف کی تعلیم کا خلاصہ مغز کے طور پر یہی بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس قدر استیلاء کرے کہ ماسوی اللہ جل جاوے۔ یہی وہ عمل ہے جس سے گناہ جلتے ہیں اور یہی وہ نسخہ ہے جو اسی عالم میں انسان کو وہ حواس اور بصیرت عطا کرتا ہے جس سے وہ اُس عالم کی برکات اور فیوض کو اِس عالم میں پاتا ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ یہاں سے رُخصت ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اس زمرہ سے الگ ہیں۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل: ۷۳) اور ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن: ۴۷) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے

سے ڈرتے ہیں ان کو دو جنت ملتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک جنت تو وہ ہے جو مرنے کے بعد ملتی ہے۔ دوسری جنت اسی دُنیا میں عطا ہوتی ہے اور یہی جنت اس دُوسری جنت کے ملنے اور عطا ہونے پر بطور گواہ واقعہ ٹھہر جاتی ہے۔ ایسا مومن دُنیا میں بہت سے دوزخوں سے رہائی پاتا ہے۔ مختلف قسم کی بداخلاقیاں یہ بھی دوزخ ہی ہیں۔ جن چیزوں سے شدید تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہی ہے۔ کیونکہ پھر ان کو چھوڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً مال سے محبت ہو اور اسے چور لے جائیں تو اُسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہانتک کہ بعض اوقات ایسے لوگ مر ہی جاتے ہیں یا ان کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر اور جن فانی اشیاء سے محبت ہے وہ اگر تلف ہو جائیں یا مر جاویں تو اُس کو سخت رنج اور صدمہ ہوتا ہے۔

مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کا ایک دوست مر گیا۔ جس کے غم میں وہ رو رہا تھا۔ اس سے پوچھا گیا تُو کیوں روتا ہے تو اس نے کہا کہ میرا ایک نہایت ہی عزیز مر گیا۔ اس نے کہا کہ تُو نے مرنے والے سے دوستی ہی کیوں کی؟

اصل بات یہ ہے کہ مفارقت تو ضروری ہے اور جُدائی ضروری ہوگی۔ یا یہ خود جائے گا یا وہ جس سے دوستی اور محبت کی ہے۔ پس وہ مفارقت عذاب کا موجب ہو جائے گی لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتے ہیں اور ان فانی اشیاء کے دلدادہ اور گرویدہ نہیں ہوتے وہ اس عذاب سے بچا لیے جاتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

دشتِ دُنیا جُز دَدو جز دام نیست
جُز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کی حقیقت

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہمارا اصل منشا اور آنے کی غرض یہ نہیں کہ عیسیٰ فوت ہو گیا۔ یہ تو ایک سچائی تھی جو ہم نے پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہی ظاہر کیا۔ ہم نے اسی طرح اس کو دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ ہمیں حضرت عیسیٰ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسُول اور پیغمبر ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں گئے ہم کو اُن کی تذلیل منظور نہیں مگر ہم کیا کریں۔ اصل بات ہی یہ ہے۔ جو امر ہم کسی نبی اور رسُول کے لیے نہیں مانتے۔ ہم کیونکر ان کے ساتھ اسے منسلک کریں۔ ہاں ہم کو بخل نہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس جسم کے ساتھ دوسرے پیغمبر آسمان پر گئے ہیں حضرت عیسیٰ بھی اسی جسم کے ساتھ گئے ہیں۔ مگر ان لوگوں

کی غلطیوں اور خود تراشیدہ خیالات کو کیسے مان لیں۔

یہ خوب یاد رہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر رُوح بلا جسم ہرگز نہیں مانتے۔ ہم مانتے ہیں کہ وہ وہاں جسم ہی کے ساتھ ہی ہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ یہ لوگ جسم عنصری کہتے ہیں اور مَیں کہتا ہوں کہ وہ جسم وہی ہے جو دُوسرے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ دوزخیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (الاعراف : ۴۱) یعنی کافروں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاویں گے اور مومنوں کے لیے فرماتا ہے۔ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (صٓ : ۵۱) اب ان آیات میں لَہُمْ کا لفظ اجسام کو چاہتا ہے تو کیا یہ سب کے سب پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ جاتے ہیں؟ نہیں۔ ایسا نہیں۔ جسم تو ہوتے ہیں مگر وہ جسم ہیں جو مرنے کے بعد دیئے جاتے ہیں۔ ایسا ہی فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر : ۲۹،۳۰) بھی اجسام کو چاہتا ہے۔ پھر تیسری شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہے۔ معراج میں آپؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ وہاں آپؐ نے رُوحیں تو نہ دیکھی تھیں۔ یعنی جسم صرف حضرت عیسیٰ کا ہوا اور باقی نبیوں کی رُوحیں تھیں اور مسیح ہی کا جسم تھا۔

سچی اور بالکل سچی اور صاف بات یہی ہے کہ اجسام ضرور ملتے ہیں لیکن یہ عنصری اجسام یہاں ہی رہ جاتے ہیں یہ اُوپر نہیں جا سکتے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے جواب میں فرمایا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۴) یعنی ان کو کہدے میرا رب اس سے پاک ہے جو اپنے وعدوں کے خلاف کرے جو وہ پہلے کر چکا ہے مَیں تو صرف ایک بشر رسُول ہوں۔ سُبْحَانَ کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ سابق جو وعدے ہو چکے ہیں ان کی خلاف ورزی وہ نہیں کرتا۔ وہ وعدہ کیا ہے؟ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرۃ : ۳۷) اور ایسا ہی فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا (المرسلات : ۲۶) اور پھر فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ۔ (الاعراف : ۲۶) ان سب آیتوں پر اگر یکجائی نظر کی جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسم جو کھانے پینے کا محتاج ہے آسمان پر نہیں جاتا۔ پھر ہم دُوسرے نبیوں سے بڑھ کر مسیح میں یہ خصوصیت کیونکر تسلیم کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے شرارت سے یہی سوال کیا تھا کہ آپؐ آسمان پر چڑھ جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے وہ آیات سُن چکے تھے جس میں اس امر کی نفی کی گئی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اب اقرار کریں تو اعتراض کا موقعہ ملے۔ لیکن وہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے ان کو یہی جواب ملا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۴)

یعنی ان کو کہدو کہ ایسا معجزہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اپنے پہلے قول کے خلاف کرے۔

غرض یہ کس قدر موٹی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بار بار پیش کی ہیں۔ مگر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ ان کو سمجھتے نہیں اور خواہ مخواہ حضرت مسیح میں ایسی خصوصیت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو دُوسروں میں نہیں ہے۔ قرآن شریف کی یہ تعلیم اور بخاری اور مسلم کو دیکھو اور صحاح کو پڑھو وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت موجود ہے۔ آپؐ نے حضرت مسیح کو یحییٰ کے ساتھ دیکھا ویسے ہی حضرت مسیح کو اس وقت ان میں کوئی خاص بات نہ تھی جو بطور جسم کے الگ ہو۔ یعنی ان کا تو جسم ہو اور حضرت یحییٰ کی مجرد رُوح ہو۔ جب قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح شہادت موجود ہے پھر یہ نرالا جسم کیسا؟ اگر نرالا نہیں تو بسم اللہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ جسم جو مرنے کے بعد دیا جاتا ہے وہ مسیح کو بھی دیا گیا۔ پھر نزاع لفظی نکلی۔ یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ مسیح کو کوئی الگ جسم دیا جاوے کیونکہ یہ شرک ہے۔ ہم جسم کے قائل ہیں لیکن اس جسمِ عنصری کے قائل نہیں۔ انجیل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جلالی جسم تھا اور ایسا جسم مرنے کے بعد ملتا ہے۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ بہشت میں بھی جسم ہوں گے۔

نعماءِ بہشت کی حقیقت

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ جو لکھا ہے کہ بہشت میں دُودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہاں گایوں کا ایک گلّہ ہوگا اور بہت سارے گوالے ہوں گے جو دُودھ دوہ دوہ کر ایک نہر میں ڈالتے رہیں گے یا بہت سے چھتے شہد کی مکھیوں کے ہوں گے اور پھر ان کا شہد جمع کر کے نہروں میں گرایا جاوے گا۔ یہ مطلب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات نہ ہوگی۔ اگر یہی خربوزہ اور تربوز یا انار ہوں گے تو پھر یہ بات ہی کیا ہوئی؟ کافر بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے یہاں اس دنیا میں کھا لیے۔ تم نے آگے جا کر کھائے۔ اس کی حقیقت جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرۃ: ۲۶) یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس آیت میں بہشت کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔ گویا جو رشتہ نہروں کو باغ کے ساتھ ہے۔ وہی تعلق اور رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس طرح پر کوئی باغ یا درخت بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح پر کوئی ایمان

بغیر اعمال صالحہ کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ پس قرآن شریف نے جو بہشت پیش کیا ہے اس کی حقیقت اور فلاسفی یہی ہے کہ وہ اس دُنیا کے ایمان اور اعمال کا ایک ظل ہے اور ہر شخص کی بہشت اس کے اپنے اعمال اور ایمان سے شروع ہوتی ہے اور اس دُنیا میں ہی اس کی لذت محسوس ہونے لگتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ اور نہریں نظر آتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھُلے طور پر محسوس ہوں گے اور ان کا ایک خارجی وجود نظر آجائے گا۔ قرآن شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی آبپاشی اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے بغیر اس کے وہ خشک ہو جاتا ہے۔ پس یہاں دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ بہشت باغ ہے۔ دوسرا ان درختوں کی نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کو پڑھو اور اوّل سے آخر تک اس پر غور کرو تب اس کا مزہ آئے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ ہم مجاز اور استعارہ ہرگز پیش نہیں کرتے بلکہ یہ حقیقت الامر ہے۔ وہ خدا تعالیٰ جس نے عدم سے انسان کو بنایا ہے اور جو خلقِ جدید پر قادر ہے وہ یقیناً انسان کے ایمان کو اشجار سے متمثل کر دے گا اور اعمال کو اَنہار سے متمثل کرے گا اور واقعی طور پر دکھا دے گا یعنی ان کا وجود فی الخارج بھی نظر آئے گا۔

اس کی مختصر سی مثال یوں بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے انسان خواب میں عمدہ اور شیریں پھل کھاتا ہے اور ٹھنڈے اور خوشگوار پانی پیتا ہے اور فی الواقعہ وہ پھل اور آب سرد ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے ذہن میں کوئی دوسرا امر نہیں ہوتا۔ پھلوں کو کھا کر سیری ہوتی اور پانی پی کر فی الواقعہ پیاس دُور ہوتی ہے لیکن جب اُٹھتا ہے تو نہ اُن پھلوں کا کوئی وجود ہوتا ہے اور نہ اس پانی کا۔ اسی طرح پر جیسے اس حالت میں اللہ تعالیٰ ان اشیاء کا ایک وجود پیدا کر دیتا ہے۔ عالم آخرت میں بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ کو اس صورت میں متمثل کر دیا جائے گا۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا۔ (البقرۃ: ۲۶) اس کے اگر یہ معنے کریں کہ وہ جنتی جب ان پھلوں اور میووں کو کھائیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ وہ پھل اور خربوزے یا تربوز یا انار ہیں جو ہم نے دُنیا میں کھائے تھے تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اس طرح پر تو وہ لذت بخش چیز نہیں ہو سکتے اور نعماءِ جنت کی حقارت ہے۔ اگر کوئی شخص مثلاً کشمیر میں جاوے اور وہاں کی ناشپاتیاں کھا کر کہے کہ یہ تو وہی ناشپاتیاں ہیں جو پنجاب میں کھائی تھیں تو صریح ان ناشپاتیوں کی حقارت ہے۔ پس اگر بہشت کی نعماء کی بھی یہی مثال ہے تو یہ خوشی نہیں بلکہ اُن سے بیزاری ہے۔ اس لیے اس کا یہ مفہوم اور مطلب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہشتی لوگ جو اس دُنیا میں بڑے عابد اور زاہد تھے جب وہ اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے

تمثیلات سے لطف اُٹھائیں گے تو اُن کو وُہ ایمانی لذت آجائے گی اور ان مجاہدات اور اعمال صالحہ کا مزا آجائے گا جو اس عالم میں انہوں نے کئے تھے اس لیے وہ کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرۃ:۲۶)

محبتِ الٰہی کی لذات

غرض جس قدر قرآن شریف کو کوئی تدبر اور غور سے پڑھے گا اسی قدر وہ اس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ ان لذات کا تمثیلی رنگ میں فائدہ اٹھانے کا محبت الٰہی کی لذات ہیں۔ لذت کا لفظ جو مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے وہ جسمانی لذت کے مفہوم سے ہزار درجہ زیادہ رُوحانی لذت میں رکھتا ہے۔ اگر اس کی محبت کی لذت میں غیر معمولی سیری اور سیرابی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے محب جسمانی لذات کو ترک کیوں کریں۔ یہاں تک کہ بعض اس قسم کے بھی ہو گذرے ہیں جنہوں نے سلطنت تک کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ ابراہیم ادہم نے سلطنت چھوڑ دی۔ اور انبیاء علیہم السلام نے ہزاروں لاکھوں مصائب کو برداشت کیا۔ اگر وہ لذت اور ذوق اس محبت الٰہی کی تہہ میں نہ تھا جو انہیں کشاں کشاں لیے جاتا تھا تو پھر کیا بات تھی کہ اس قدر مصائب کو انہوں نے خوشی کے ساتھ اُٹھا لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس درجہ میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لیے آپؐ کی زندگی کا نمونہ بھی سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دُنیا کی ساری نعمتیں اور عزتیں پیش کیں۔ مال و دولت، سلطنت، عورتیں۔ اور کہا کہ آپؐ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں۔ اور یہ توحید کا مذہب پیش نہ کریں۔ اس خیال کو جانے دیں۔ وہ دُنیا دار تھے۔ ان کی نظر دنیا کی فانی اور بے حقیقت لذتوں سے پرے نہ جا سکتی تھی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ تبلیغ انہیں اغراض کے لیے ہو گی مگر آپؐ نے ان ساری باتوں کو رد کر دیا۔ اور کہا کہ اگر دائیں ہاتھ میں آفتاب اور ماہتاب بھی لاکر رکھ دو تب بھی میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر اس کے بالمقابل انہوں نے آپؐ کو وہ تکالیف پہنچائیں جن کا نمونہ کسی دوسرے شخص کی تکالیف میں نظر نہیں آتا۔ لیکن آپؐ نے ان تکالیف کو بڑی لذت اور سرور سے منظور کیا، مگر اس راہ کو نہ چھوڑا۔ اب اگر کوئی لذت اور ذوق نہ تھا تو پھر کیا وجہ تھی جو ان مصائب اور مشکلات کو برداشت کیا؟ وہ وہی لذت تھی جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملتی ہے اور جس کی مثال اور نمونہ کوئی پیش نہیں کیا جا سکتا۔

جماعت کے قیام کا مقصد محبتِ الٰہی کو پیدا کرنا ہے

خدا تعالیٰ نے اس وقت ایک صادق کو بھیج کر چاہا ہے کہ ایسی جماعت تیار کرے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض کچے لوگ داخل ہو جاتے ہیں اور پھر ذرا سی دھمکی ملتی ہے اور لوگ ڈراتے ہیں تو پھر خط لکھ دیتے ہیں کہ کچھ تقیہ کر لیا ہے۔ بتاؤ انبیاء علیہم السلام

اس قسم کے تقیئے کیا کرتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ وہ دلیر ہوتے ہیں اور انہیں کسی مصیبت اور دُکھ کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ جو کچھ سمجھ کر آتے ہیں اسے چھپا نہیں سکتے خواہ ایک شخص بھی دُنیا میں ان کا ساتھی نہ ہو۔ وہ دنیا سے پیار نہیں کرتے۔ ان کا محبوب ایک ہی خدا ہوتا ہے۔ وہ اس راہ میں ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ قتل ہوں اس کو پسند کرتے ہیں۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کا مزا اور لُطف نہیں تو پھر یہ گروہ کیوں مصائب اٹھاتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو پڑھو کہ کفار نے کس قدر دُکھ آپؐ کو دیئے۔ آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا۔ طائف میں گئے تو وہاں سے خون آلود ہو کر پھرے۔ آخر مکّہ سے نکلنا پڑا۔ مگر وہ بات جو دل میں تھی اور جس کے لیے آپؐ مبعوث ہوئے تھے اُسے ایک آن کے لیے بھی نہ چھوڑا۔

یہ مصائب اور تکالیف کبھی برداشت نہیں ہو سکتیں جب تک اندرونی کشش نہ ہو۔ ایک غریب انسان کے لیے دو چار دشمن بھی ہوں وہ تنگ آجاتا ہے اور آخر صلح کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر وہ جس کا سارا جہاں دشمن ہو وہ کیونکر اس بوجھ کو برداشت کرے گا۔ اگر قوی تعلق نہ ہو۔ عقل اس کو قبول نہیں کرتی۔

مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت کی لذت ساری لذتوں سے بڑھ کر ترازو میں ثابت ہوتی ہے۔ پس وہ لذات جو بہشت میں ملیں گی۔ یہ وہی لذتیں ہیں جو پہلے اُٹھا چکے ہیں۔ اور وہی ان کو سمجھتے ہیں جو پہلے اٹھا چکے ہیں۔

نعماءِ جنت کیونکر ہوں گی

اگر کہو کہ وہ نعمتیں کیوں کر ہوں گی؟ تو اس کا جواب صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ خلقِ جدید پر قادر ہے۔ خود انسان کا اپنا وجود بھی خیالی ہے۔ جس قطرہ سے پیدا ہوتا ہے وہ کیا چیز ہے؟ پھر خیال کرو کہ اس سے کیسا اچھا انسان بناتا ہے۔ کیسے عقلمند، خوب صورت، بہادر۔ پھر وہی خدا ہے جو دوسرے عالم میں خلقِ جدید کرے گا۔ دیکھنے میں وہ لذات اور میوہ جات ہم رنگ ہوں گے لیکن کھانے میں ایسے لذیذ ہوں گے کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی زبان نے ان کو چکھا اور نہ وہ کسی خیال میں گذرے۔

بہشت کی لذّات کی کیفیت

بہشت کی لذات میں ایک اَور بھی خوبی ہے جو دُنیا کی لذتوں میں اور جسمانی لذتوں میں نہیں ہے۔ مثلاً انسان روٹی کھاتا ہے تو دوسری لذتیں اسے یاد نہیں رہتی ہیں۔ مگر بہشت کی لذات نہ صرف جسم ہی کیلئے ہوں گی بلکہ رُوح کے لیے بھی لذت بخش ہوں گی۔ دونوں لذتیں اس میں اکٹھی ہوں گی اور پھر اس

ہیں کوئی کثافت نہ ہوگی اور سب سے بڑھ کر جو لذت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا مگر دیدارِ الٰہی کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں ہی سے تیاری ہو۔ اور اس کے دیکھنے کے لیے یہاں ہی سے انسان آنکھیں لے جاوے۔ جو شخص یہاں تیاری کر کے نہ جاوے گا وہ وہاں محروم رہے گا چنانچہ فرمایا مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) اس کے یہ معنے نہیں کہ جو لوگ یہاں نابینا اور اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دیدارِ الٰہی کے لیے یہاں سے حواس اور آنکھیں لے جاوے اور ان آنکھوں کے لیے ضرورت ہے تبتل کی، تزکیۂ نفس کی اور یہ کہ خدا تعالیٰ کو سب پر مقدم کرو۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ دیکھو، سنو اور بولو۔ اسی کا نام فنا فی اللہ ہے اور جبتک یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا نجات نہیں۔

خدا تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کا ذریعہ

ہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق قوی اور محبت صافی تب ہو سکتی ہے جب اس کی ہستی کا پتہ لگے۔ دُنیا اس قسم کے شبہات کے ساتھ خراب ہوتی ہے۔ بہت سے تو کھلے طور پر دہریہ ہو گئے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دہریہ تو نہیں ہوئے مگر ان کے رنگ میں رنگین ہیں اور اسی وجہ سے دین میں سُست ہو رہے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں تا ان کی معرفت زیادہ ہو اور صادقوں کی صحبت میں رہیں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف کے تازہ بتازہ نشان دیکھتے رہیں۔ پھر وہ جس طرح پر چاہے گا اور جس راہ سے چاہے گا معرفت بڑھا دے گا اور بصیرت عطا کرے گا اور شرحِ قلب ہو جائے گا۔

یہ بالکل سچ ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی عظمت پر ایمان ہوگا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت اور خوف ہوگا ورنہ غفلت کے ایام میں جرائم پر دلیر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی عظمت اور جبروت کا رُعب اور خوف ہی دو ایسی چیزیں ہیں جن سے گناہ جل جاتے ہیں اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جن اشیاء سے ڈرتا ہے، پرہیز کرتا ہے۔ مثلاً جانتا ہے کہ آگ جلا دیتی ہے اس لیے آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یا مثلاً اگر یہ علم ہو کہ فلاں جگہ سانپ ہے تو اس راستہ سے نہیں گذرے گا۔ اسی طرح اگر اس کو یہ یقین ہو جاوے کہ گناہ کا زہر اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی عظمت سے ڈرے اور اس کو یقین ہو کہ وہ گناہ کو ناپسند کرتا ہے اور گناہ پر سخت سزا دیتا ہے تو اس کو گناہ پر دلیری اور جرأت نہ ہو۔ زمین پر پھر اس طرح سے چلتا ہے جیسے مُردہ چلتا ہے۔ اس کی رُوح ہر وقت خدا تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے۔

یہ امور ہیں جو ہم اپنی جماعت میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان کی ہی اشاعت ہمارا مقصود ہے۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں اور کھول کر کہتا ہوں کہ انہیں امور کی پابندی سے مسلمان مسلمان ہوں گے اور اسلام دُوسرے ادیان پر غالب آئے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ مسیح کی موت یا مسیح موعود ہونے کے امور کو ہماری راہ میں نہ ڈال دیتا تو ہمیں کچھ بھی ضرورت نہ تھی کہ عیسیٰ کہلاتے مگر مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ جب خود اس نے مجھے اس نام سے پکارا اور اس کی اشاعت اور اعلان پر مجھے حکم دیا۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے لیے مجھے عیسیٰ کہلانے کی کچھ بھی حاجت نہ تھی اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے اس کی کچھ بھی حاجت نہیں اور نہ قرآن شریف میں یہ لکھا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی چاہا اور اس لیے چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت کا اظہار ہو اور ایک عاجز انسان جس کو غلطی سے خدا بنا لیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت دنیا پر کُھل جاوے۔

اللہ تعالیٰ کی برکات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض بند نہیں ہوں گے

مَیں یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ ہم نیکی کے ثمرات کو محدود نہیں کرتے اور نہ خدا تعالیٰ کے فضل اور فیوض کی حد بندی کرتے ہیں کہ وہ اب ختم ہو گئے ہیں اور کسی دوسرے کو نہیں مل سکتے۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بات کی کمی نہیں ہے اور کوئی شخص بھی جو مجاہدہ کرے اور اس راہ پر جو اس نے بتائی ہے چلے محروم نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ جو کچھ ملے گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل اطاعت اور اتباع پر ملے گا۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ بس اب خدا تعالیٰ کے برکات کا دروازہ بند ہے تو اللہ تعالیٰ کو یا تو بخیل ماننا پڑے گا اور یا یہ کہنا پڑے گا کہ خاتمہ ہو گیا۔ مگر سبحان ربی۔ وہ اس قسم کے نقصوں سے پاک ہے۔ جو شخص سچے دل سے خدا تعالیٰ کے حضور آتا ہے وہ خالی نہیں جاتا۔ پاکیزہ قلب ہونے کی ضرورت ہے ورنہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶-۷) کی تعلیم اور تاکید بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اگر وہ انعام اکرام اب کسی کو ملتے ہی نہیں ہیں تو پھر پانچ وقت اس دُعا کے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ یہ بڑی غلطی ہے جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہے، حالانکہ یہی تو اسلام کا حُسن اور خوبی تھی کہ اس کے برکات اور فیوض اور اس کی پاک تعلیم کے ثمرات تازہ بتازہ بہت مل سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے ثمرات

تمام صوفیوں اور اکابرانِ اُمت کا یہی مذہب ہے بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ

کا فی متبع ہو تا ہی نہیں۔ جب تک بروزی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اپنے اندر نہ رکھتا ہو اور حقیقت میں یہ بات صحیح بھی ہے کیونکہ کامل اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لازم ہے کہ اس کے ثمرات اپنے اندر پیدا کرے۔ جب ایک شخص کامل اطاعت کرتا ہے اور گویا اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں محو اور فنا ہو کر گم ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک شیشہ سامنے رکھا ہوا ہو اور تمام و کمال عکس اس میں پڑے۔

میں کبھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور برکات اور ان تاثیرات کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ملتی ہیں محدود نہیں کر سکتا بلکہ ایسا خیال کرنا کفر سمجھتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بہشت میں ایک مقام ہے جو مجھے ہی ملے گا۔ ایک صحابی یہ سُنکر رو پڑا۔ آپؐ نے جو پوچھا کہ تُو کیوں رو پڑا؟ تو اس نے کہا یا رسُول اللہ مجھے آپؐ کے ساتھ محبت ہے۔ جب آپؐ اس مقام میں ہوں گے تو میں کہاں ہوں گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تُو میرے ساتھ ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اس کے وجود کو اپنے اندر لے لیا۔

غرض یہ یقیناً یاد رکھو کہ کامل اتباع کے ثمرات ضائع نہیں ہو سکتے۔ یہ تصوف کا مسئلہ ہے۔ اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا تو اولیا یا متبعت تو مر جاتے۔ یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی تو تھا جس سے بایزیدؒ محمد کہلایا اور اس کہنے پر ستر مرتبہ کفر کا فتویٰ ان کے خلاف دیا گیا اور انہیں شہر بدر کیا گیا۔

مختصر یہ کہ لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا علم نہیں اور وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کاش وہ ان حالی کیفیات سے واقف ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر اور حقیقت ان لوگوں نے سمجھی ہی نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاثیرات اور ثمرات بھی باقی نہیں ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ثبوت ہی کیا ہے؟ اور اسلام کی فضیلت ہی کیا؟ اور اس شریعت کے اتباع کی حاجت ہی کیا جبکہ اس کے نتائج اور برکات ہم کو مل نہیں سکتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ ایک بیہودہ اور کفریہ خیال ہے۔ اسلام کی اتباع کے ثمرات اب بھی اور ہمیشہ مل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بخل نہیں اور نہ اس کے ہاں کسی بات کی کمی۔

بعض آدمی اپنی بیوقوفی اور شقاوت کی وجہ سے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم نے ولی بننا ہے۔ میرے نزدیک ایسے لوگ کفر کے مقام پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو سب کو ولی کہتا ہے اور سب کو ولی بنانا چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی ہدایت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم منعم علیہ گروہ کی مانند ہو جاؤ۔ جو کہتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بخل کی تہمت لگاتا ہے اور اس لیے یہ

کلمہ کفر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقام تو یہ تھا کہ آپ محبوب الٰہی تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے دوسرے لوگوں کو بھی اس مقام پر پہنچنے کی راہ بتائی جیسا کہ فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) یعنی ان کو کہدو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اب غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع محبوب الٰہی بنا دیتی ہے تو پھر اور کیا چاہیے؟ مگر اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ ہی کو شناخت نہیں کیا۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الانعام : ۹۲)۔

ایسا ہی شیعہ ہیں۔ انہوں نے فقط اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے رو پیٹ لینا ہی نجات کے واسطے کافی ہے۔ یہ کبھی ان کو خواہش نہیں ہوتی کہ ہم امام حسین رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ایسے کھوئے جاویں کہ خود حسین بن جاویں! حالانکہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ اس وقت تک نجات نہیں جبتک انسان نبی کا روپ نہ ہو جاوے۔ وہ انسان جو اپنے مراتب اور مدارج میں ترقی نہیں چاہتا وہ مخنثوں کی طرح ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ جس قدر انبیاء و رسل گذرے ہیں ان سب کے کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے آنے کی غرض اور غایت ہی یہی تھی کہ لوگ اس نمونہ اور اُسوہ پر چلیں۔

موت و حیات مسیح کا مسئلہ

یہ امور ہیں جن کی وجہ سے ہم کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ موت و حیات مسیح کا مسئلہ تو یونہی راہ میں آ گیا۔ بہت سے مصالح الٰہی تھے جو یہ مسئلہ پیش آ گیا؛ ورنہ اصل مقاصد اور اغراض ہماری بعثت کے اور ہیں۔ ہاں یہ مسئلہ چونکہ تعلیم الٰہی کے خلاف تھا۔ اور اس میں توحید کے مصفّٰی چشمہ کو مکدر کرنے والے اجزا موجود تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کر دیا اور صاف کر دیا کہ سب نبی فوت ہو گئے ہیں۔ مسیح علیہ السلام میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو دوسرے نبیوں کو نہ ملی ہو۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر گیا ہے۔ لیکن میں یہ کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ دوسرے نبی جسم کے بغیر آسمان پر گئے ہیں جن قسم کے جسم ان کو عطا ہوئے ہیں وہی جسم مسیح کو دیا گیا ہے اور یہ وہ جسم ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوتا ہے۔ یہ پرانی باتیں ہیں نئی نہیں۔ چونکہ انہوں نے قرون ثلاثہ کی باتیں بھلا دی ہیں۔ اس لیے بار بار کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادے غلطی پر تھے۔ میں نہیں کہتا کہ وہ غلطی پر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ وہ زمانہ فیج اعوج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر بھی کفار ایسا ہی کہتے تھے کہ یہ ہمارے باپ دادوں کے خلاف ہے۔ یہ باپ دادوں کی سند صحیح نہیں ہو سکتی۔ ایک زمانہ قرونِ ثلاثہ کے بعد گذرا ہے جس کو شیطانی زمانہ کہتے ہیں یہ درمیانی زمانہ ہزار سال

سال کا زمانہ ہے۔ جس قدر خرابیاں اور فسق و فجور پھیلا ہے۔ اس زمانہ میں ہی پھیلا ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ ہوتے تو وہ بھی شناخت نہ کر سکتے۔ اس زمانہ کا تو حوالہ دینا ہی عقلمندی نہیں۔ وفاتِ مسیح کا مسئلہ تو ایسا صاف ہو چکا ہے کہ اب کوئی عقل اس کے خلاف تجویز نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ فوت ہو گئے۔ خود مسیح نے اپنی وفات کا اقرار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مُردوں میں دیکھا اور پھر صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پہلا اجماع اسی پر کیا اور فیصلہ کر دیا۔ صحابہؓ کا اجماع غلطی پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی فضیلت ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) میں کہتے ہیں کہ خَلَتْ کے معنے موت کے نہیں۔ مگر یہ تو ان کی غلطی ہے اس لیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے خَلَتْ کے معنے کر دیئے ہیں اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (آل عمران: ۱۴۵) اگر اس کے سوا کوئی اور معنے ہوتے جو یہ کرتے ہیں تو پھر رفع الجسد العنصری بھی ساتھ ہوتا۔ مگر قرآن شریف میں تو ہے نہیں پھر ہم کیونکر تسلیم کر لیں۔ ایسی صورت میں درمیانی زمانہ کی شہادت کو ہم کیا کریں؟ اور پھر تعجب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی اسی مذہب کے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس کی وفات کا اقرار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اگر میرا نام عیسےٰ رکھا تو اس میں اسلام کا کیا بُرا ہوا؟ یہ تو اسلام کا فخر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر ہوا کہ وہ شخص جسے چالیس کروڑ انسان خدا سمجھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا ایک فرد ان کمالات کو پا لیتا ہے بلکہ اس سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے لکھا ہے کہ ہارون رشید نے مصر کا علاقہ ایک حبشی کو دیدیا۔ کسی نے پُوچھا تو جواب دیا کہ یہ وہی مصر ہے جس کی حکومت سے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اسی طرح پر مسیح کی خدائی پر زد مارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیح بنا دیا تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِ شان اس سے ظاہر ہو۔

مَسِ شیطان کی حقیقت

میں حیران ہوتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں نے مسیح کو بہت سی خصوصیتیں ایسی دے رکھی ہیں جو اَور کسی کو نہیں دی گئیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ مَسِ شیطان سے وہی پاک ہے حالانکہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ کسی نبی کو بھی مَسِ شیطان نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستباز اَور صادق بندوں میں سے بھی کسی کو مَسِ شیطان نہیں ہوتا۔ مطلب اس سے اَور تھا۔ اور انہوں نے کچھ اور سمجھ لیا۔ اگر صاف یہ اعتقاد رکھا جاوے کہ مسیح ہی مَسِ شیطان سے پاک تھے اور کوئی پاک نہ تھا تو یہ تو کلمۂ کفر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہودی مریم علیہا السلام کو معاذ اللہ زانیہ اور حضرت مسیح کو نعوذ باللہ ولد الزنا

کہتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کے اس الزام سے برئیت کی اور مریم کا نام صدیقہ رکھا۔ اور حضرت مسیح کے لیے کہا کہ وہ مَسِّ شیطان سے پاک ہے۔

اولاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو مَسِّ شیطان سے ہو وہ ولد الحرام کہلاتی ہے۔ دوسری وہ جو رُوح القدس کے مَس سے ہو۔ وہ ولد الحلال ہوتی ہے۔ یہودیوں کا اس پر زور تھا کہ مسیح پر ناجائز پیدائش کا الزام لگاتے تھے اور ان کے ہاں یہ لکھا تھا کہ ولد الحرام سات پُشت تک بھی خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ان کے اس شبہ اور الزام کا جواب ضروری تھا۔ اس لیے ان کے متعلق یہ کہا گیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مَسِّ شیطان سے پاک نہ تھے۔ ایسا اعتقاد کُفر صریح ہے۔ کیا کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آمنہ کی نسبت ایسا الزام لگایا؟ کبھی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ مخالفوں نے امین اور صادق تسلیم کیا۔ برخلاف اسکے مسیح اور ان کی والدہ کی نسبت یہودیوں کے یہ وہ الزام تھے۔ خود عیسائیوں نے انسائیکلو پیڈیا میں مان لیا ہے کہ نعوذ باللہ وہ ولد الحرام تھے۔ پھر ایسی صورت میں کس قدر ضروری تھا کہ اس کا ازالہ ہوتا۔ اب یہ ہمارے مخالف اندھے ہو کر ان کی خصوصیت بتاتے ہیں اور منبروں پر چڑھ کر بیان کرتے ہیں؛ حالانکہ یہ تو حضرت مسیح کا ایک داغ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دھویا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ مثلاً اگر ایک شخص کے چہرہ پر سیاہی کا داغ ہو اور اسے صاف کر دیا جاوے تو یہ کیسی حماقت ہو کہ ایک شخص جس کے چہرہ پر وہ داغ ہی نہیں بلکہ خوبصورت اور روشن چہرہ رکھتا ہو اس سے اس سیاہی کے داغ والے کو افضل کہا جاوے۔ صرف اس لیے کہ اس کا داغ صاف ہوا ہے۔

اس قسم کی غلطیوں میں ہمارے مخالف مبتلا ہیں۔ ہم ان پر صبر کرتے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور ملت پر زد نہ ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو جب آسمان پر جانے کا معجزہ مانگا جاوے تو انہیں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ (بنی اسرائیل: ۹۴) کا جواب ملے اور مسیح کیلئے تجویز کر لیا جاوے کہ وہ آسمان پر چڑھ گئے۔

ایسی خصوصیتوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اسے خدا بنایا جاوے۔ پھر توحید کہاں رہی؟ انہوں نے تو ان چالیس کروڑ کی مدد کی جو اسے خدا بنا رہے ہیں۔ افسوس ان لوگوں نے اصل شریعت کو چھوڑ دیا اور عجوبہ پسند ہو گئے۔

احیاءِ موتیٰ کا مسئلہ

میرے متعلق یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح نے مُردے زندہ کئے تھے انہوں نے کتنے کئے ہیں؟ میں اس کا کیا جواب دوں۔ پہلے یہ تو معلوم

کریں کہ مسیح نے کتنے مُردے زندہ کئے تھے؟ پھر اس کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مجھ سے پہلے ہے میں تو آپؐ کا ایک خادم ہوں۔ آپؐ کے پاس ایک مُردہ کی بابت کہا گیا جس کو سانپ نے کاٹا تھا اور کہا کہ اس کی نئی شادی ہوئی ہے۔ آپ اسے زندہ کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اپنے بھائی کو دفن کرو۔

اگر حقیقی مُردے زندہ ہو سکتے تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معجزہ دیا جاتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بعض اوقات سخت امراض میں مبتلا اور ایسی حالت میں کہ اس میں آثارِ حیات مفقود ہوں اللہ تعالیٰ اپنے مامورو اور مرسلوں کی دعاؤں کی وجہ سے انہیں شفا دے دیتا ہے۔ اس قسم کا احیاء ہم مانتے ہیں اور یہاں بھی ہوا ہے اور اس کے علاوہ دوسری حیات رُوحانی حیات ہے۔ غرض یہ دو قسم کا احیاء موتیٰ ہم مانتے ہیں۔ رُوحانی طور پر مسیح کا اثر بہت کم ہوا۔ کیونکہ یہودیوں نے مانا نہیں اور جنہوں نے مانا اور ان کی تکمیل نہ ہوئی۔ ایک نے لعنت بھیج دی، دوسرے نے پکڑوا دیا اور باقی بھاگ گئے۔ ہاں جسمانی طور پر بعض کے لیے دعائیں کیں اور وہ مریض اچھے ہو گئے۔ اب بھی ہو رہے ہیں۔

غرض ہماری اصل غرض اور مقصد اور تعلیم وہ ہے جس کا میں ذکر کر آیا ہوں۔ یہ امور وفاتِ مسیح وغیرہ ہماری راہ میں آ گئے جو مشرکین کا غلبہ توڑنے کے لیے مصلحتِ الٰہی نے ایسا ہی پسند فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے آخری سلسلہ میں مسیح آیا تھا ویسے ہی یہاں بھی ضروری تھا کہ مسیح آتا چنانچہ آ گیا۔

بعض یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مثیل موسیٰ تھا اس لیے یہاں بھی مثیل مسیح ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہاں موسیٰ ہوتا تو شُبہ پڑ جاتا۔ لیکن یہاں الیاس کی نظیر موجود تھی اس لیے یہاں مسیح ہی کہدیا۔

اصل مقصد فرمایا:

ہماری جماعت کو قیل و قال پر محدود نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اصل مقصد نہیں۔ تزکیہ نفس اور اصلاح ضروری ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے[1]

خواب کی حقیقت خواب کی فلاسفی بیان کرنے کی خاطر ایڈیٹر صاحب "الحکم" نے حضرت

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۵ تا ۱۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک مکتوب گرامی حاشیہ میں شائع کیا ہے، جو درج ذیل ہے۔ یہ مکتوب کس کے نام تھا۔ اس کا ایڈیٹر صاحب نے ذکر نہیں کیا۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مشفقی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی خواب کے آثار یوں ہی نظر آتے ہیں کہ انشاء اللہ رؤیا صالحہ و واقعہ صحیحہ ہوگا۔ مگر اس بات کے لیے کہ مضمونِ خواب حیزِ قوت سے حدِ فعل میں آوے۔ بہت سی محنتیں درکار ہیں۔ خواب کے واقعات اس پانی سے مشابہ ہیں کہ جو ہزاروں من مٹی کے نیچے زمین کی تہہ تک میں واقع ہے جس کے وجود میں تو کچھ شک نہیں لیکن بہت سی جانکنی اور محنت چاہیے تا وہ مٹی پانی کے اُوپر سے بکلی دُور ہو جاتے اور نیچے سے پانی شیریں اور مصفا نکل آوے۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ صدق اور وفا سے خدا تعالیٰ کو طلب کرنا موجب فتحیابی ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۷۰)

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخون جگر شود
گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند
ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

آپ کی ملاقات کے لیے میں بھی چاہتا ہوں مگر وقت مناسب کا منتظر ہوں۔ بے وقت حج بھی فائدہ نہیں کرتا۔ اکثر حاجی جو بڑی خوشی سے حج کرنے کو جاتے ہیں اور پھر دل سخت ہو کر آتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے کہ انہوں نے بے وقت بیت اللہ کی زیارت کی اور بجز ایک کوٹھہ کے اور کچھ نہ دیکھا اور اکثر مجاورین کو صدق اور صلاح پر نہ پایا۔ دل سخت ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ملاقاتِ جسمانی سے بھی کئی قسم کے ابتلا پیش آجاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

آپ کے سوالات کا جواب جو اس وقت میرے خیال میں آتا ہے۔ مختصر طور پر عرض کیا جاتا ہے۔

آپ نے پہلا سوال یہ کیا ہے کہ پُورا پُورا علم جیسا بیداری میں ہوتا ہے۔ خواب میں کیوں نہیں ہوتا۔ اور خواب کا دیکھنے والا اپنی خواب کو خواب کیوں نہیں سمجھتا؟ سو آپ پر واضح ہو کہ خواب اس حالت کا نام ہے جب بباعث غلبۂ رطوبتِ مزاجی جو دماغ پر طاری ہوتی ہے۔ حواس ظاہری و باطنی اپنے کاروبار معمولی سے معطل ہو جاتے ہیں۔ پس جب خواب کو تعطل حواس لازم ہے تو ناچار جو علم اور امتیاز اور تیقظ بذریعہ حواس انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ حالتِ خواب میں بباعث تعطل حواس نہیں رہتا کیونکہ جب حواس

بوجہ غلبہ رطوبت مزاجی معطل ہوجاتے ہیں تو بالضرورت اس فعل میں بھی فتور آجاتا ہے پھر لعلت اس فتور کے انسان نہیں سمجھ سکتا کہ میں خواب میں ہوں یا بیداری میں۔ لیکن ایک اور حالت ہوتی ہے کہ جس سے ارباب طلب اور اصحاب سلوک کبھی کبھی متمتع اور محظوظ ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بباعث دوام مراقبہ وحضور واستیلاء شوق وغلبہ محبت ایک حالت غیبت حواس ان پر وارد ہوجاتی ہے جس کا یہ باعث نہیں ہوتا کہ دماغ پر رطوبت مستولی ہو بلکہ اس کا باعث صرف ذکر اور شہود کا استیلاء ہوتا ہے۔ اس حالت میں چونکہ تعطل حواس بہت کم ہوتا ہے۔ اس جہت سے انسان اس بات پر متنبہ ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر بیدار ہے خواب میں نہیں اور نیز اپنے مکان اور اس کی تمام وضع پر بھی اطلاع رکھتا ہے۔ یعنی جس مکان میں ہے اس مکان کو برابر شناخت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی آواز بھی سنتا ہے اور کل مکان کو بچشم خود دیکھتا ہے۔ صرف کسی قدر بمجذبہ غیبی غیبت حس ہوتی ہے۔ اور جو انسان خواب کی حالت میں اپنی رؤیا میں اپنے تئیں بیدار معلوم کرتا ہے۔ یہ علم بذریعہ حواس نہیں بلکہ اس علم کا منشاء فقط رُوح ہے۔

دُوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ فناء اتم اعنی غایت الواج ونہایت الوصال میں علم حق رہتا ہے یا نہیں۔

اوّل سمجھنا چاہیئے کہ فنا اتم عین وصال کا نام نہیں۔ بلکہ امارات اور آثار وصال میں سے ہے کیونکہ فنا اتم مراد اس حالت سے ہے کہ طالب حق خلق اور ارادت اور نفس سے بکلی باہر ہوجاوے اور فعل اور ارادت الٰہی میں بکلی کھویا جاوے۔ یہانتک کہ اسی کے ساتھ دیکھتا ہو اور اسی کے ساتھ سنتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ پکڑتا ہو اور اسی کے ساتھ چھوڑتا ہو۔ پس یہ تمام آثار وصال کے ہیں نہ عین وصال کے اور عین وصال ایک بھید اور نہ بھگوں نور ہے کہ جس کو اہل وصال شناخت کرتے ہیں مگر بیان نہیں کرسکتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب طالب کمال وصال کا خدا تعالیٰ کے لیے اپنے تمام وجود سے الگ ہوجاتا ہے۔ اور کوئی حرکت اور سکون اس کا اپنے لیے نہیں رہتا بلکہ سب کچھ خدا کے لیے ہوجاتا ہے تو اس حالت میں اس کو ایک رُوحانی موت پیش آتی ہے جو بقا کو مستلزم ہے۔ پس اس حالت میں گویا وہ بعد موت کے زندہ کیا جاتا ہے اور غیر اللہ کا وجود اس کی آنکھ میں باقی نہیں رہتا۔ یہانتک کہ غلبہ شہود ہستی الٰہی سے وہ اپنے وجود کو بھی نابود ہی خیال کرتا ہے۔ پس یہ مقام عبودیت وفنا اتم ہے جو غایت سیر اولیاء ہے اور اسی مقام میں غیب سے باذن اللہ ایک نور سالک کے قلب پر نازل ہوتا ہے جو تقریر اور تحریر سے باہر ہے۔ غلبہ شہود کی ایک ایسی حالت ہے کہ جو علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبہ سے برتر ہے۔ صاحب شہود تام کو ایک علم تو ہے مگر ایسا علم جو اپنے ہی نفس پر وارد ہوگیا ہے جیسے کوئی آگ میں جل رہا ہے۔ سو اگرچہ وہ بھی جلنے کا ایک علم رکھتا

ہے مگر وہ علم الیقین اور عین الیقین سے برتر ہے۔ کبھی شہود تام بے خبری تک بھی نوبت پہنچا دیتا اور حالت سُکر اور بیہوشی کی غلبہ کرتی ہے۔ اس حالت سے یہ آیت مشابہ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف: ۱۴۴) لیکن حالت تام وہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (النجم: ۱۸) یہ حالت اہلِ جنت کے نصیب ہوگی۔ پس غایت یہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ: ۲۳، ۲۴)

خاکسار مرزا غلام احمد۔ ۱۸ مارچ ۱۸۸۳ء مطابق ۸ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ واللہ اعلم بالصواب [1]

---

۲۶ ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

یہاں رہیں اور ان ایام کی قدر کریں

یہ بھی غنیمت ہے کہ انسان اس جگہ کی صحبت کو غنیمت سمجھے جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہاں آنے یا رہنے سے دنیاوی کاروبار میں حرج ہوگا وہ بیمار ہے۔ اسے اس بیماری کا علاج کرنا چاہیئے۔ دُنیا کے کام تو کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں جبتک خود انسان خدا تعالیٰ سے توفیق پاکر ان کا خاتمہ نہ کر دے۔

ابھی ہماری جماعت کو سمجھنے کے لیے بہت سی باتیں ہیں۔ رفتہ رفتہ تحریک ہوتی ہے کسی مجمع میں کوئی تحریک ہوگئی اور کسی میں کوئی۔ اس لیے جبتک یہاں انسان ایک عرصہ تک نہ رہے یا کثرت کے ساتھ نہ آتا رہے کم فائدہ ہوتا ہے اور یہ بڑی خامی اور بے قدری ہوتی ہے اور سلسلہ کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے۔ جب ایک شخص سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اور وہ توجہ کے ساتھ ان مسائل پر جو ہم پیش کرتے ہیں نظر نہیں کرتا اور پھر اگر اس سے کوئی سوال کرتا ہے تو اُسے چُپ ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہماری کتابوں کو غور سے پڑھیں اور فکر کریں اور یہاں رہیں اور ان ایام کی قدر کریں۔

جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ دن وہ نہیں ہیں جن کے لیے بہت سے سعید لوگ حسرت کرتے چلے گئے ہیں اور یہ امور کتابوں میں درج ہیں کہ کس طرح پر ہزاروں رُوحیں اس آرزو میں اس دُنیا سے رخصت ہوئیں کہ وہ مسیح موعود کے زمانہ کو پائیں مگر اس زمانہ کے لوگ جس طرح پر ان ایام کی قدر نہیں کرتے اور مخالفت سے پیش آتے ہیں کیا تعجب اگر وہ یہ زمانہ پاتے تو وہ سیر ہو جاتے۔

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۵ تا ۱۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء

اسی طرح پر آجکل لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو ہم اس طرح خدمت کرتے اور یہ اخلاص دکھاتے اور یہ کرتے اور وہ کرتے لیکن سچ یہی ہے کہ اگر یہ لوگ اس وقت ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے جو آجکل ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔ زمانہ کی معاصرت بھی ایک روک ہے اس سے لوگوں کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک رنگ کا ابتلا ہے۔

ایمان کی سلامتی کے لیے باطن پر نظر رکھنی ضروری ہے

ذوالنون مصری ایک باکمال شخص تھا اور اس کی شہرت باہر دور دور پہنچی ہوئی تھی۔ ایک شخص اس کے کمال کو سُنکر اس کے ملنے کے واسطے گیا اور گھر پر جاکر اسے پکارا تو اس کو جواب ملا کہ خدا جانے کہاں ہے۔ کہیں بازار میں ہوگا۔ وہ جب بازار میں ان کی تلاش کرتا ہوا پہنچا تو وہ بازار میں معمولی طور پر سادگی سے کچھ سودا خرید رہا تھا۔ لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ذوالنون ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ پست قامت آدمی ہے۔ معمولی سا لباس ہے۔ چہرہ پر کچھ وجاہت نہیں۔ معمولی آدمیوں کی طرح بازار میں کھڑا ہے اس سے اس کا سارا اعتقاد جاتا رہا اور کہا کہ یہ تو ہماری طرح ایک معمولی آدمی ہے۔ ذوالنون نے اس کو کہا کہ تو کس لیے میرے پاس آیا ہے جبکہ تیرا ظاہر پر خیال ہے۔ ذوالنون نے اس کے مافی الضمیر کو دیکھ لیا۔ اس لیے کہا کہ تیری نظر ظاہر پر ہے۔ تجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

ایمان تب سلامت رہتا ہے کہ باطن پر نظر رکھی جاوے۔ کہتے ہیں نعمان بھی سیاہ منظر تھے یہی وجہ ہے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں اور برگزیدوں کے پاس ارادت سے جانا سہل ہے لیکن ارادت سے واپس آنا مشکل ہے کیونکہ ان میں بشریت ہوتی ہے۔ اور ان کے پاس جانے والے لوگوں میں سے اکثر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے دل میں اس کی ایک فرضی اور خیالی تصویر بنا لیتے ہیں، لیکن جب اس کے پاس جاتے ہیں تو وہ اس کے برخلاف پاتے ہیں جس سے بعض اوقات وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور ان کے اخلاص اور ارادت میں فرق آجاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر بیان کر دیا کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (حٰمٓ السجدۃ: ۷) یعنی کہدو کہ بیشک میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں یہ اس لیے کہ وہ لوگ اعتراض کرتے تھے وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان: ۸) اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔ ان کو آخر یہی جواب دیا گیا کہ یہ بھی ایک بشر ہے اور بشری حوائج اس کے ساتھ ہیں۔ اس سے پہلے جس قدر نبی اور رسُول آئے وہ بھی بشر ہی تھے۔ یہ بات انہوں نے بنظرِ استخفاف کہی تھی۔ وہ

جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بازاروں میں عموماً سودا سلف خریدا کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نقشہ تھا وہ تو نری بشریت تھی جس میں کھانا پینا۔ سونا۔ چلنا۔ پھرنا وغیرہ تمام امور اور لوازم بشریت کے موجود تھے۔ اس واسطے ان لوگوں نے رد کر دیا۔ یہ مشکل اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ اپنے دل سے ہی ایک خیالی تصویر بنا لیتے ہیں کہ نبی ایسا ہونا چاہیے اور چونکہ اس تصویر کے موافق وہ اسے نہیں پاتے اس لحاظ سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہ مرض یہانتک ترقی کر گیا ہے کہ بعض شیعوں کا بعض ائمہ کی نسبت خیال ہے کہ وہ منہ کے راستہ پیدا ہوئے تھے لیکن یہ باتیں ایسی ہیں کہ ایک عقلمند ان کو کبھی قبول نہیں کر سکتا بلکہ ہنسی کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو شخص گذر جاوے اس کی نسبت جو چاہو تجویز کر لو کہ وہ آسمان سے اترا تھا یا منہ کے راستہ پیدا ہوا تھا لیکن جو موجود ہیں ان میں بشری کمزوریاں موجود ہیں۔ وہ روتا بھی ہے۔ کھاتا بھی ہے اور پیتا بھی ہے غرض ہر قسم کی بشری ضرورتوں اور کمزوریوں کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ان لوگوں کو جو انبیاء و رسل کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی جو اللہ تعالیٰ کو ان کے اس قسم کے اعتراضوں کا رد کرنا پڑا اور قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (حٰمٓ السجدۃ:۷) کہنا پڑا۔ یعنی مجھ میں بشریت کے سوا جو امر تمہارے اور میرے درمیان فارق اور مابہ الامتیاز ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں یہ اعتراض بھی منقول ہوا ہے کہ یہ تو بیویاں کرتا ہے۔ اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں جو بیوی نہ رکھتا ہو۔ غرض ایسی باتوں سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

خانہ کعبہ کی تجلیات اور انوار و برکات ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتے

اسی طرح پر بعض لوگ حج کو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کے دل میں بڑا جوش اور اخلاص ہوتا ہے۔ لیکن جس جوش اور تپاک سے جاتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہی جوش اور اخلاص لے کر واپس نہیں آتے بلکہ واپس آنے پر بسا اوقات پہلے سے بھی گئے گذرے ہو جاتے ہیں۔

سہل است رفتن بارادت
مشکل است آمدن بارادت

واپس آکر ان کے اخلاق میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ وہ تبدیلی کچھ الٹی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ وہ جانے سے پہلے سمجھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں ایک عظیم الشان تجلی نور کی ہوگی۔ اور وہاں سے انوار و برکات نکلتے ہوں گے اور وہاں فرشتوں کی آبادی ہوگی لیکن جب وہاں جاتے ہیں۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ

خانہ کعبہ جل کی تصویر انہوں نے اپنے خیال اور ذہن سے کچھ اور ہی قسم کی تجویز کی تھی وہ محض ایک کوٹھہ ہے اور اس کے ہمسایہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان میں بعض جرائم پیشہ بھی ہیں وہ دنگا فساد بھی کر لیتے ہیں اور اکثر ان میں ایسے مُفسد طبع دیکھے جاتے ہیں کہ بعض خام طبیعت کے آدمی انہیں دیکھ کر متردد ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر وہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ یہاں کی ساری آبادی کا یہی حال ہے۔ اور کُل عرب ایسے ہی ہیں اور اس طرح پر ان کے دل میں بھی قسم کے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ نہ وہاں وہ تجلی انوار و برکات کی دیکھتے ہیں جو انہوں نے بطور خود تجویز کر لی تھی اور نہ ملائک کی بستی پاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ خود خام طبع ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی غلطی ہے جو وہ ایسا سمجھ لیتے ہیں اس میں خانہ کعبہ کا کیا قصور؟ یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے کہ خانہ کعبہ میں سارے قطب اور ابدال اور اولیاء اللہ ہی رہتے ہوں۔ خانہ کعبہ نے اس وقت بھی تو گذارہ کر ہی لیا تھا۔ جب اس کے چاروں طرف بُت پرست ہی بُت پرست رہتے تھے اور خود خانہ کعبہ بُتوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ خانہ کعبہ انوار و برکات کی تجلی گاہ ہے اور اس کی بزرگی میں کوئی کلام اور شُبہ نہیں۔ پہلی کتابوں میں بھی اس کی بزرگی کا ذکر ہے۔ مگر یہ تجلیات اور انوار و برکات اس ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آ سکتے۔ اس کے لیے دوسری آنکھ کی حاجت ہے۔ اگر وہ آنکھ کھُلی ہو تو یقیناً انسان دیکھ لے گا کہ خانہ کعبہ میں کس قسم کے برکات نازل ہو رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ بُتوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے زائرین میں ابوجہل جیسے شریر تھے۔ پھر ان سے مقابلہ کر کے اگر ایسے خام طبع لوگ کوئی بات کہتے تو انہیں شرمندہ ہونا پڑتا کیونکہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو وہ لوگ جو بیت اللہ کے جوار میں رہتے ہیں۔ عوام سے ہزار ہا درجہ اچھے ہیں اور یہ امر مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں کثرت کے ساتھ ان میں نیک اور اچھے لوگ ہیں اور ان کو دیکھ کر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ خانہ کعبہ کی مجاورت نے ان کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔

یہ تو قانون قدرت ہی نہیں کہ دنیا میں آکر فرشتے آباد ہوں۔ پھر ایسا خیال کرنا کیسی غلطی اور نادانی ہے۔ انسانیت کے لازم حال زلّات تو ضرور ہیں۔ پس مکّہ میں جب انسان آباد ہیں تو ان کی کمزوریوں پر نظر کر کے مکہ کو بدنام کرنا یا اس کی بزرگی اور عظمت کی نسبت شک کرنا بڑی غلطی ہے۔ سچ یہی ہے کہ کعبہ کی بزرگی اور نورانیت دوسری آنکھوں سے نظر آتی ہے جیسا کہ سعدی نے فرمایا ہے

چو بیت المقدس دروں پُر زتاب
رہا کردہ دیوار بیروں خراب

موجودہ زمانہ کے پیرزادے اور مشائخ

اولیاء اللہ کی بھی ایسی ہی حالت ہوتی ہے کہ ان میں تکلفات نہیں ہوتے بلکہ وہ بہت ہی سادہ اور صاف دل لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے لباس اور دُوسرے امور میں کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع نہیں ہوتا مگر اس وقت اگر پیرزادوں اور مشائخوں کو دیکھا جاوے تو ان میں بڑے بڑے تکلفات پائے جاتے ہیں۔ ان کا کوئی قول اور فعل ایسا نہ پاؤ گے جو تکلف سے خالی ہو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُمتِ محمدیہ ہی میں سے نہیں ہیں۔ ان کی کوئی اَور ہی شریعت ہے۔ ان کی پوشاک دیکھو تو اس میں خاص قسم کا تکلف ہوگا۔ یہانتک کہ لوگوں سے ملنے جُلنے اور کلام میں بھی ایک تکلف ہوتا ہے۔ ان کی خاموشی محض تکلف سے ہوتی ہے۔ گویا ہر قسم کی تاثیرات کو وہ تکلف ہی سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص: ۸۷) اور ایسا ہی دوسرے تمام انبیاء و رسل جو وقتاً فوقتاً آئے وہ نہایت سادگی سے کلام کرتے اور اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے قول و فعل میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہ ہوتی تھی مگر اِن کے چلنے پھرنے اور بولنے میں تکلف ہوتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن کی اپنی شریعت جُدا ہے۔ جو اسلام سے الگ اور مخالف ہے۔

بعض ایسے پیر بھی دیکھے گئے ہیں جو بالکل زنانہ لباس رکھتے ہیں یہاں تک کہ رنگین کپڑے پہننے کے علاوہ ہاتھوں میں چُوڑیاں بھی رکھتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے بھی بہت سے مُرید پائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے پُوچھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ایسی زنانہ صورت اختیار کی تھی تو اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ ایک نرالی شریعت بنانا چاہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور اختیار سے ایک راہ بنانا چاہتے ہیں۔

مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ اس قسم کی باتیں شعائرِ اسلام میں سے نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ امور بطور رُسوم ہندوؤں سے لئے ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ اَور بھی بہت سی باتیں ہیں جو انہیں سے لی گئی ہیں جیسے دم کشی وغیرہ۔

خوب سمجھو کہ یہ امور اسلام کے بالکل برخلاف ہیں اور ان سے کوئی بھی مطلب اور مُراد حاصل نہیں ہو سکتی۔ اصل غرض تو انسان کی یہ ہونی چاہیے تھی کہ دل پاک ہو جاوے۔ اور ہر قسم کے گندا اور ناپاک مواد جو رُوح کو تباہ کرتے ہیں دُور ہو جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور برکات نازل ہونے لگیں۔ اگر یہ امر حاصل نہیں تو پھر نرے تکلفات کو لے کر کیا کرو گے۔ تمہارا مقصود ہمیشہ یہی ہونا چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو دل صاف ہو جاوے اور عبُودیت کا منشا اور مقصد پورا ہو اور خطرناک زہر جو گناہ کی زہر

ہے جس سے انسان کی رُوح ہلاک ہو جاتی ہے اس سے نجات ملے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک صاف اور سچا تعلق پیدا ہو جاوے، مگر یہ باتیں تکلف سے پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان کے حصول کا ذریعہ تو وہی اسلام ہے جس میں سادگی ہے۔

یقیناً یاد رکھو کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے ایسی سادگی رکھی ہے کہ اگر دوسری قوموں کو اس کی حقیقت پر اطلاع ہو تو وہ اس کی سادگی پر رشک کریں۔ ایک پستے مُسلمان کے لیے کچھ ضرور نہیں کہ ہزار دانہ کی تسبیح اس کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس کے کپڑے بھگوے یا سبز یا اور کسی قسم کے رنگین ہوں اور وہ خُدا رسی کے لیے دم بخشی کرے یا اور اسی قسم کے حیلے حوالے کرے۔ اس کے لیے ان امور کی ہرگز ہرگز ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ سب امور زائدہ ہیں اور اسلام میں کوئی امر زائد نہیں ہوتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اسلام چاہتا ہے۔ کہ تم اندرونی طور پر بڑی بڑی ترقیاں کرو اور اپنے اندر خصوصیتیں پیدا کرو۔ بیرونی خصوصیتیں بُری یا کارآیاں ہیں اور ان کی غرض بجُز اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگوں پر ظاہر کیا جاوے۔ کہ ہم ایسے ہیں اور وہ رجُوع کریں۔

حضرت امام غزالی کے زمانہ کے پیرزادے اور فقراء

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے پیرزادوں اور فقیروں کے عجیب عجیب حالات لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ افسوس ہے بڑی ابتری پھیل گئی ہے کیونکہ یہ فقیر جو اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں وہ فقیر اللہ نہیں ہیں بلکہ فقیر الخلق ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ہر حرکت وسکون، لباس خورو نوش اور کلام میں حکمت پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑوں کے لیے وہ دیکھتے ہیں کہ اگر ہم عام غریبوں کی طرح گزی گاڑھے کے کپڑے پہنیں تو وہ عزت نہ ہوگی جو امراء سے توقع کی جاتی ہے وہ ہم کو کم حیثیت اور ادنیٰ درجہ کے لوگ سمجھیں گے۔ لیکن اگر اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنتے ہیں تو پھر وہ ہم کو کامل دنیادار سمجھ کر توجہ نہ کریں گے اور دُنیا دار ہی قرار دیں گے اس لیے اس میں یہ حکمت نکال لی کہ کپڑے تو اعلیٰ درجہ کے اور قیمتی اور باریک لے لیے۔ لیکن ان کو رنگ دے لیا جو فقیری کے لباس کا امتیاز ہو گئے۔

اسی طرح حرکات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ مثلاً جب بیٹھتے ہیں تو آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں اور اس حالت میں لب ہل رہے ہیں گویا اس عالم ہی میں نہیں ہیں حالانکہ طبیعت فاسد ہوتی ہے۔ نمازوں کا یہ حال ہے کہ بڑے آدمیوں سے ملیں تو بہت ہی لمبی لمبی پڑھتے ہیں اور بطور خود سرے سے ہی نہ پڑھیں۔ ایسا ہی روزوں میں عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں مثلاً یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ نفلی روزے ہم رکھتے ہیں وہ یہ طریق اختیار کرتے ہیں کہ جب کسی امیر کے ہاں گئے اور وہاں کھانے کا وقت

آگیا اور کھانا رکھا گیا تو یہ کہدیتے ہیں کہ آپ کھائیے مجھے کچھ عذر ہے۔ اس کے معنے دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ مجھے روزہ ہے۔ اس طرح پر وہ گویا اپنے روزوں کو چھپاتے ہیں اور دراصل اس طرح پر ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ظاہر کریں کہ ہم نفلی روزے رکھتے ہیں۔

غرض انہوں نے اپنے زمانہ کے فقراء کے اس قسم کے بہت سے گند لکھے ہیں۔ اور صاف طور لکھا ہے کہ ان میں تکلفات بہت ہی زیادہ ہیں۔ ایسی حالت اس زمانہ میں بھی قریب قریب واقع ہوگئی ہے۔ جو لوگ ان پیروں اور پیرزادوں کے حالات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قسم قسم کے تکلفات اور ریاکاریوں سے کام لیتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اسی سے امید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے درست کرتا ہے اور اس طرح پر درست کرتا ہے جس طرح پر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے لیکن جو شخص مخلوق سے ڈرتا اور مخلوق سے امید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو مخلوق کے لیے درست کرتا ہے۔ خدا والوں کو مخلوق کی پروا نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے مرے ہوئے کیڑے سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ ان بلاؤں میں نہیں پھنستے[1]۔ اور دراصل وہ ان کو کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کے ساتھ ہوتا ہے اور وہی اس کی تائید اور نصرت فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ خدا اپنی مخلوق کو خود اس کے ساتھ کردے گا یہی بہتر ہے کہ انبیاء علیہم السلام خلوت کو پسند کرتے ہیں اور میں یقیناً اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتے کہ باہر نکلیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کرتا ہے اور پکڑ کر باہر نکالتا ہے۔

مامورین اور مرسلین کا استغناء۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے مامور کرنا چاہا اور فرعون کی طرف ہدایت اور تبلیغ کی خاطر بھیجنے کی بشارت دی تو انہوں نے عذر شروع کر دیا کہ میں نے اُن کا ایک خون کیا ہوا ہے بھائی کو بھیج دیا جاوے۔ یہ کیا بات تھی؟ یہ ایک قسم کا استغناء اور اہلِ عالم سے الگ رہنے کی زندگی کو پسند کرنا تھا۔ یہی استغناء ہر مامور اور مرسل کو ہوتا ہے اور وہ اس تنہائی کی زندگی کو بہت پسند کرتا ہے اور یہی ان کے اخلاص کا نشان ہوتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے لیے منتخب کرتا ہے کیونکہ وہ ان کے دل پر نظر کر کے خوب دیکھ لیتا ہے کہ اس میں غیر کی طرف قطعاً توجہ نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور تعمیلِ امر ہی کو اپنی زندگی اور حیات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۰ صفحہ ۴، ۵ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۵ء

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کُند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کُند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو دو جہاں را چہ کُند

اس کے دل میں بڑا بننے سے طبعًا نفرت اور کراہت ہوتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو خود اس قسم کی کبریائی کی بیہودہ خواہشوں کے غلام اور اسیر ہوتے ہیں وہ اپنے نفس پر قیاس کر کے ان کی نسبت بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا بننے کی خواہشوں سے ایسے دعوے کرتے ہیں حالانکہ وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ ان کا دعویٰ تو ان پر ایک آفتوں اور مصائب کا طوفان لے آتا ہے اور ان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ ہر طرف سے ان کی مخالفت کے لیے ہاتھ اور زبان چلتی ہے اور کوئی دقیقہ اُن کو دُکھ دینے میں اُٹھا نہیں رکھا جاتا۔ پھر یہ کیسی بے انصافی اور ظلم ہے کہ ان کی نسبت یہ وہم کیا جاوے کہ وہ خواہش کبریائی سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ بہتانِ عظیم ہے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا جلال اور اس کی عظمت کے اظہار اور اس کی کبریائی کے اعلان کو پسند کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنی جان ایک جان کیا ہزار جان بھی دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ افسوس اہلِ دُنیا ان کے حالات سے بے خبر اور ناواقف ہوتے ہیں اس لیے اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مصالح پسند فرماتے ہیں کہ ان کو باہر نکالا جاوے اور وہ دُنیا کے سامنے نکلیں اور وہ خدا جو اہلِ دنیا سے مخفی ہوتا ہے ان کے وجود میں نظر آوے۔

انبیاء کو اللہ تعالیٰ عظمت عطا کرتا ہے

یہ بھی یاد رکھو کہ جس چیز سے انسان نفرت کرتا ہے وہی اس کو دیتا ہے اور جس کی طرف بھاگتا ہے اس سے محروم کیا جاتا ہے۔ انبیاء و رسل کا گروہ ہرگز ہرگز اپنی جاہ و حشمت کو نہیں چاہتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کی بنا پر انہیں عطا کرتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں اور اس لحاظ سے ان سب کو گویا ایک ہی سمجھو کیونکہ سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن میں سے کسی ایک کو بھی ذلیل اور خوار نہیں کیا اس لیے کہ اُن کی ذلت اللہ تعالیٰ کی ذلت ہے۔ (تَعَالٰی شَانُہٗ) جو لوگ ان کے خلاف کرتے ہیں اور مخلوق کو عظمت دیتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی ردا مخلوق کو پہناتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مردود ہوتے ہیں۔

انبیاء میں مخلوق سے ہمدردی

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک طرف انبیاء و رُسل اور خدا تعالیٰ کے مامورین اہلِ دُنیا سے نفور

ہوتے ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے لیے ان کے دل میں اس قدر ہمدردی ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے لیے بھی خطرہ میں ڈال دیتے ہیں اور خود ان کی جان جانے کا اندیشہ ہوتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء) یہ کس قدر ہمدردی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرمایا ہے کہ تو ان لوگوں کے مومن نہ ہونے کے متعلق اس قدر ہم و غم نہ کر۔ اس غم میں شاید تو اپنی جان ہی دے دے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمدردی مخلوق میں کہاں تک بڑھ جاتے ہیں۔ اس قسم کی ہمدردی کا نمونہ کسی اور میں نہیں پایا۔ یہاں تک کہ ماں باپ اور دوسرے اقارب میں بھی ایسی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔

مخلوق تو انہیں کاذب اور مفتری کہتی ہے اور وہ مخلوق کے لیے مرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ یہ ہمدردی والدین میں بھی نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ جب دیکھتے ہیں کہ اولاد سرکش اور نافرمان ہے یا اور نقص اس میں پاتے ہیں تو آخر اسے چھوڑ دیتے ہیں مگر انبیاء رسل کی یہ عادت نہیں وہ مخلوق کو دیکھتے ہیں کہ ان پر حملہ کرتی اور ستاتی ہے لیکن وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہدایت کے لیے اس قدر دعا کرتے تھے جس کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک پیاس لگا دی تھی کہ لوگ مسلمان ہوں اور خدائے واحد کے پرستار ہوں۔

انبیاء کی جذب و کشش اور اس کے اثرات

جسقدر کوئی نبی عظیم الشان ہوتا ہے اسی قدر یہ پیاس زیادہ ہوتی ہے اور یہ پیاس جسقدر تیز ہوتی ہے اسی قدر جذب اور کشش اس میں ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم الانبیاء اور جمیع کمالات نبوت کے مظہر تھے اسی لیے یہ پیاس آپ میں بہت زیادہ تھی اور چونکہ یہ پیاس بہت تھی اسی وجہ سے آپ میں جذب اور کشش کی قوت بھی تمام راستبازوں اور ماموروں سے بڑھ کر تھی جس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ آپ کی زندگی ہی میں کل عرب مسلمان ہو گیا۔ یہ کشش اور جذب جو ماموروں کو دیا جاتا ہے وہ مستعد دلوں کو تو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور ان لوگوں کو جو اس سے حصہ نہیں رکھتے دشمنی میں ترقی کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کی خاصیت ہوتی ہے کہ مومن اور کافر ان کے طفیل سے اپنے کفر اور ایمان میں کمال کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ابوجہل کا کفر پورا نہ ہوتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے۔ پہلے اس کا کفر مخفی تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر اس کا اظہار ہو گیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدق بھی مخفی تھا جو اس وقت ظاہر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی

دعوت کی۔ ایک نے اس دعوت کو قبول کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱) انبیاء و رُسل اس خباثت اور شقاوت کو جو اُن کے اندر ہوتی ہے ظاہر کر دیتے ہیں۔ قرآن شریف نے انبیاء و رسل کی بعثت کی مثال مینہ سے دی ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا۔ (الاعراف: ۵۹)

یہ تمثیل اسلام کی ہے۔ جب کوئی رسُول آتا ہے تو انسانی فطرتوں کے سارے خواص ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور کا یہ خاصہ اور علامات ہیں کہ مخلص سعید الفطرت اور مستعد طبیعت کے لوگ اپنے اخلاص اور ارادت میں ترقی کرتے ہیں اور شریر شرارت میں بڑھ جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب خبیث اور منکر گروہ نے شرارتیں کرنی شروع کیں اور دُکھ اور ایذا رسانی کے منصوبے کیے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ کیسی کیسی خبیث روحیں ہیں۔ ایک وہ لوگ تھے کہ انہوں نے آپؐ کی راہ میں سر کٹوا ڈالے۔ ان کے حالات اور واقعات کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ان میں کیسا اخلاص اور ارادت تھی۔ فی الحقیقت اُن کا اُسوہ اُسوۂ حسنہ ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے اگر کسی کا ایک ضرب سے سر نہیں کٹا تو اس کو شک ہوا کہ شہید نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں کیسے فدا تھے۔ لکھا ہے کہ ایک صحابی نے اپنے مخالف کو ایک تلوار ماری۔ اس کے نہ لگی مگر اپنے لگی۔ دُوسرے نے کہا کہ شہید نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور پوچھا کہ کیا شہید نہیں ہوا؟ آپؐ نے فرمایا۔ دو اجر ملیں گے۔ ایک یہ کہ دشمن پر حملہ کیا اور دوسرا اس لیے کہ اپنے آپ کو محض خدا تعالیٰ کے لیے خطرہ میں ڈالا۔ اس قسم کا ایمان ان لوگوں کا تھا۔ پس جب تک اس قسم کا اخلاص اور استقامت اللہ تعالیٰ کے لیے حاصل نہ ہو کچھ نہیں بنتا۔

مَیں اپنی جماعت میں صحابہ کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہوں

مَیں یہی نمونہ صحابہ کا اپنی جماعت میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ مقدم کر لیں اور کوئی امر ان کی راہ میں روک نہ ہو۔ وہ اپنے مال و جان کو ہیچ سمجھیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں کے کارڈ آتے ہیں۔ کسی تجارت یا اور کام میں نقصان ہوا یا اور کسی قسم کا ابتلا آیا تو جھٹ شبہات میں پڑ گئے۔ ایسی حالت میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اصل مطلب اور مقصد سے وہ کس قدر دُور ہیں۔ غور کرو کیا فرق ہے صحابہؓ میں اور ان لوگوں میں۔ صحابہؓ یہ چاہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو راضی کریں خواہ اس راہ میں کیسی ہی سختیاں اور تکلیفیں اُٹھانی پڑیں۔ اگر کوئی مصائب اور مشکلات میں نہ پڑتا اور

اسے دیر ہوتی تو وہ روتا اور چلاتا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ ان ابتلاؤں کے نیچے خدا تعالیٰ کی رضا کا پروانہ اور خزانہ مخفی ہے۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است

قرآن شریف ان کی تعریف سے بھرا ہوا ہے۔ اسے کھول کر دیکھو۔ صحابہؓ کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا عملی ثبوت تھا۔ صحابہؓ جس مقام پر پہنچے تھے اس کو قرآن شریف میں اس طرح پر بیان فرمایا ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴) یعنی بعض ان میں سے شہادت پا چکے اور انہوں نے گویا اصل مقصود حاصل کر لیا۔ اور بعض اس انتظار میں ہیں کہ چاہتے ہیں کہ شہادت نصیب ہو۔ صحابہؓ دُنیا کی طرف نہیں جھکے کہ عمریں لمبی ہوں اور اس قدر مال و دولت ملے اور یوں بے فکری اور عیش کے سامان ہوں۔ مَیں جب صحابہؓ کے اس نمونہ کو دیکھتا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کمال فیضان کا بے اختیار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کس طرح پر آپ نے انکی کایا پلٹ دی اور اُنہیں بالکل رُو بخدا کر دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

خلاصہ یہ کہ ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے جویا اور طالب رہیں اور اسی کو اپنا اصل مقصود قرار دیں۔ ہماری ساری کوشش اور تگ و دو اللہ تعالیٰ کے رضا کے حاصل کرنے میں ہونی چاہیے۔ خواہ وہ شدائد اور مصائب ہی سے حاصل ہو۔ یہ رضائے الٰہی دنیا اور اس کی تمام لذات سے افضل اور بالاتر ہے۔

شہادت کی حقیقت یہ بھی یاد رکھو کہ یہی شہادت نہیں کہ ایک شخص جنگ میں مارا جاتے بلکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدم رہتا ہے اور اس کے لیے ہر دُکھ درد اور مصیبت کو اٹھانے کے لیے مستعد رہتا ہے اور اٹھاتا ہے وہ بھی شہید ہے۔ شہید کا مقام وہ مقام ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی قدرتوں اور تصرفات پر وہ اس طرح ایمان لاتا ہے جیسے کسی چیز کو انسان مشاہدہ کر لیتا ہے۔ جب اس حالت پر انسان پہنچ جاوے۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس میں راحت اور لذت محسوس کرتا ہے۔ شہادت کا ابتدائی درجہ خدا کی راہ میں استقلال اور ثباتِ قدم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص نہ مَرا اللہ کی راہ میں اور نہ تمنا کی مرگیا وہ نفاق کے شعبہ میں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوتا جبتک اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنا دُنیا کی زندگی سے وہ مقدم نہ کرے۔ پھر یہ کیسا گراں مرحلہ ہے ان لوگوں کے

یہ جنہوں نے دُنیا کی حیات کو عزیز سمجھا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے کے یہ معنے نہیں کہ انسان خواہ مخواہ لڑائیاں کرتا پھرے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام اور اوامر کو اسکی رضا کو اپنی تمام خواہشوں اور آرزوؤں پر مقدم کرے اور پھر اپنے دل میں غور کرے کہ کیا وہ دنیا کی زندگی کو پسند کرتا ہے یا آخرت کو اور خدا کی راہ میں اگر اس پر مصائب اور شدائد بھی پڑیں تو وہ ایک لذت اور خوشی کے ساتھ انہیں برداشت کرے اور اگر جان بھی دینی پڑے تو تردد نہ ہو۔

اصل غرض مقامِ رضا کا حصول ہے

پس یہی وہ امر ہے جو میں اپنی جماعت میں پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں صحابہؓ کا نمونہ قائم ہو۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ جب کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ جن میں دُنیا اور اس کی خواہشوں کا ذکر ہوتا ہے اور لکھا جاتا ہے کہ میرے لیے فلاں امر کے واسطے دُعا کرو۔ میری فلاں آرزو پُوری ہو جاتے۔ بہت ہی تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو محض خدا کی رضا ہی کو مقدم کرتے ہیں اور اسی کی ہی خواہش اور آرزو کرتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ مکرر سے لکھتے ہیں یعنی پہلے تو ذکر کرتے ہیں کہ آپ دُعا کریں کہ ہمارے دل میں ذوق شوق عبادت کا پیدا ہو جاوے اور یہ ہو اور وہ ہو۔ پھر آخر میں اپنی دنیوی خواہشوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ میں ایسی بدبودار تحریروں کو شناخت کر لیتا ہوں کہ ان کی اصل غرض کیا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہ نیات کو خوب دیکھتا ہے۔ اس طرح پر تو گویا خدا کو دھوکہ دینا ہے۔ اس طریق کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے۔ تمہیں چاہیے کہ خالصتہً اللہ کے لیے ہو جاؤ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو مقدم کرو گے تو یقیناً سمجھو دنیا میں بھی ذلیل اور خوار نہیں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے لیے غیرت ہوتی ہے وہ خود ان کا تکفل فرماتا ہے اور ہر قسم کی مشکلات سے انہیں نجات اور مخلصی عطا فرماتا ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر تم میں وہ تخم بویا گیا جو صحابہؓ میں بویا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ ہر طرح اپنے فضل کرے گا ایسے شخص پر کوئی شخص حملہ نہیں کر سکتا۔ اس امر کو خوب یاد رکھو۔ اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا اور مضبوط تعلق ہو جاوے تو پھر کسی کی دشمنی کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے نزدیک عیسیٰ یا موسیٰ کا دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل غرض تو یہ ہے کہ میں مقامِ رضا حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہی سب کو کرنا چاہیے یہ اس کا فضل اور محض فضل ہے کہ وہ اپنے انعامات سے حصہ دے اور اس کے حضور کوئی کمی اور اس کی ذات میں کوئی بُخل نہیں۔ یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک جو شخص ایسا گمان کرتا ہے۔ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر انبیاء و رسل کے انعامات کو حاصل نہیں کر سکتا تو پھر دُنیا میں انکے آنے سے کیا فائدہ اور کیا حاصل؟ خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے والوں اور راستبازوں کی ساری اُمیدوں

کا خون ہو جاوے۔ اور وہ تو گویا زندہ ہی مُرجاویں مگر نہیں ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص پر وہی انعام کر سکتا ہے جو اس نے اپنے برگزیدہ بندوں پر کیے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس قسم کا دل اور اخلاص لے کر اس کے حضور آؤ۔

مسیح کا نام دیئے جانے کی حکمت

مَیں نے از خود کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ مَیں اپنی خلوت کو پسند کرتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے مصالح نے ایسا ہی چاہا اور اس نے خود مجھے باہر نکالا۔ چونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی مناسب عزت سے بڑھ کر عظمت دی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس عظمت کا دشمن ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اسکی توحید کے خلاف ہے۔ اسی طرح پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وہ عظمت تجویز کر دی گئی تھی جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ یہانتک کہ انہیں خدا بنا دیا گیا اور خانۂ خدا خالی ہو گیا۔ عیسائیوں سے پوچھ کر دیکھ لو۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح ہی خود خدا ہے۔ اب جس انسان کو اس قدر عظمت دی گئی اور اسے خدا بنایا گیا۔ (نعوذ باللہ) اور اس طرح پر خدا کا پہلو گم کر دیا گیا تو کیا خدا تعالیٰ کی غیرت مخلوق کو اس انسان پرستی سے نجات دینے کے لیے جوش میں نہ آتی؟ پس اس تقاضا کے موافق اس نے مجھے مسیح کر کے بھیجا تاکہ دنیا پر ظاہر ہو جاوے کہ مسیح بجز ایک عاجز انسان کے اَور کچھ نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس کفر کی اصلاح کرے اور اس کے لیے یہی راہ اختیار کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے ایک فرد کو اسی نام سے بھیج دیا تا ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہو اور دُوسری طرف مسیح کی حقیقت معلوم ہو۔ یہ ایسی موٹی بات ہے کہ معمولی عقل کا انسان بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ دیکھو اگر ایک بڑے آدمی کو معمولی اردلی سے مشابہت دی جاوے تو وہ چڑتا ہے یا نہیں؟ پھر کیا خدا تعالیٰ میں اتنی بھی غیرت نہیں کہ ایک عاجز انسان کو اس کی اُلوہیت کے عرش پر بٹھایا جاوے اور مخلوق تباہ ہو اور وہ انسداد نہ کرے؟ خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مسیح نے ہرگز ایسا دعویٰ نہیں کیا کہ مَیں خدا ہوں۔ اگر وہ ایسا دعویٰ کرے تو مَیں جہنم میں ڈال دُوں۔ ایک مقام پر یہ بھی فرمایا ہے کہ مسیح سے اس کا جواب طلب ہو گا کہ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خُدا بنا لو۔ تو حضرت مسیح اس مقام پر اس سے اپنی برئیت ظاہر کریں گے اور آخر یہ کہیں گے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) یعنی جبتک مَیں ان میں زندہ رہا تھا۔ مَیں نے ہرگز نہیں کہا۔ ہاں جب تُو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تُو آپ ان کا نگران تھا۔ اس سے پہلے مَادُمْتُ فِيهِمْ کا لفظ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ جبتک حضرت مسیح زندہ رہے ان کی قوم میں یہ بگاڑ پیدا نہیں ہوا۔ ساری ضلالت بعد وفات ہوئی ہے۔ اگر حضرت مسیح ابھی تک زندہ ہیں تو پھر

یہ ماننا پڑے گا کہ عیسائی نہیں بگڑے بلکہ حق پر ہیں۔ پس غور کر کے بتاؤ اسلام کی حقانیت پر یہ کس قدر خطرناک حملہ ہوگا۔ کیونکہ جب ایک سچا مذہب موجود ہے اور اس میں کوئی خرابی ہی پیدا نہیں ہوئی تو پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں مان لینا چاہیئے۔ مگر نہیں خدا تعالیٰ کا کلام حق ہے کہ یہی سچ ہے کہ وہ مر گئے اور عیسائی مذہب بھی اُن کے ساتھ ہی مر گیا اور اس میں کوئی رُوحِ حق اور حقیقت کی نہیں رہی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئیں گے کیونکہ وہ عیسائیوں کے بگڑنے کا اقرار اپنی موت کے بعد کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے آنا تھا تو وہ یہ جواب نہ دیتے ورنہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کے حضور جھوٹ سمجھا جاوے گا۔ اور رب العرش العظیم کے حضور حلف دروغی ہوگی کیونکہ اس صورت میں تو انہیں کہنا چاہیے تھا کہ ہیں گیا اور جا کر ان صلیبوں کو توڑا اور ان میں پھر توحید قائم کی وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ میرا دعویٰ جو اللہ تعالیٰ کے ایماء اور حکم صریح سے کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے عظیم الشان مصالح اور حکمت سے ایسا ہی چاہا ہے تاکہ مسیح کی عظمت کو توڑا جاوے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا ہے۔ یہودی خدا تعالیٰ کی برگزیدہ قوم کہلاتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے شریعت کی بے حرمتی کی اور وہ حد سے زیادہ بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت نے نہ چاہا کہ اُن میں نبوت کا سلسلہ رہے اور نبوت کو خاندان بنو اسمٰعیل میں منتقل کر کے ختم کر دیا جیسا کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے بھی باغ والی تمثیل میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہودیوں کی اس شوخی اور گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ذلت کی مار ماری گئی۔ اب وہ ہر سلطنت کے ماتحت ذلیل ہیں بلکہ بعض سلطنتوں سے کئی دفعہ نکالے گئے ہیں۔ اب جبکہ یہود پر ذلت پڑ چکی اور نبوت ان کے خاندان سے منتقل ہو چکی۔ تو کیا یہ انتقال نبوت تنزل کے طور پر تھا اور ناقص تھا؟ اگر ایسا تھا تو پھر یہودی ناز کر سکتے ہیں اور وہ یہ پیش کر سکتے ہیں کہ ہم پر یہ فضل ہوا۔ اور وہ انعام ہوا۔

منجملہ اس کے ایک یہ بھی کہ توریت کی خدمت اور اس کے استحکام کے لیے برابر خلفاء و رسل آتے رہے۔ لیکن قرآن شریف کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا (نعوذ باللہ من ذالک) سوچ کر بتاؤ۔ کہ کیا یہ اسلام کی بے عزتی اور نقص کی دلیل ہوگی یا اس کے لیے عظمت کا ذریعہ؟

مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے مخالفوں نے میری مخالفت میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ اسلام کی بھی سخت ہتک کر لینی انہوں نے گوارا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم الانبیاء اور تمام نبیوں سے افضل اور اکمل تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذ اللہ ناقص نبی ٹھہرایا۔ جب یہ تسلیم کر لیا اور اپنا عقیدہ بنا لیا کہ اب کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ سے شرفِ مکالمہ پا سکے

اور خدا تعالیٰ اس کے ہاتھ پر تائیدی نشان ظاہر کر سکے تو تم خود بتاؤ کہ اس عقیدہ سے اسلام کا کیا باقی رہتا ہے؟ اگر محمد اتعالیٰ پہلے بولتا تھا مگر اب نہیں بولتا تو اس کا ثبوت کیا ہے کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ پہلے خارقِ عادت تصرفات دکھاتا تھا مگر اب نہیں دکھاتا تو اس کا کیا ثبوت ہے؟ قصے کہانیاں کون قوم بیان نہیں کرتی۔ افسوس ان کو تعصب نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ کچھ بھی ان کو سجھائی نہیں دیتا اور میری مخالفت میں یہ اسلام کو بھی ہاتھ سے دیتے ہیں۔

مسیح ناصری کے اس امت میں آنے کے عقیدہ کے نقصانات

غرض اگر یہودی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ کے مصداق ہو چکے ہیں اور نبوت اس خاندان سے منتقل ہو چکی ہے تو پھر یہ ناممکن ہے کہ مسیح دوبارہ اسی خاندان سے آوے۔ اگر یہ تسلیم کیا جاوے گا تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ادنیٰ نبی مانا جاوے اور اس امت کو بھی ادنیٰ اُمّت؛ حالانکہ یہ قرآن شریف کے منشاء کے صریح خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف نے تو صاف طور پر فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اٰلِ عمران: ۱۱۱) پھر اس اُمت کو خیر الامت کی بجائے شر الامت کہو گے؟ اور اس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ پر حملہ ہوگا۔ مگر یقیناً یہ سب جھوٹ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اعلیٰ درجہ کی تھی اور ہے اس لیے کہ وہ اب تک اپنا اثر دکھا رہی ہے اور تیرہ سو سال گذرنے کے بعد مطہر اور مقدس وجود پیدا کرتی ہے۔

اسلام کی برکات اور تاثیرات اب بھی جاری ہیں

اللہ تعالیٰ کا انتقالِ نبوت سے یہی منشاء تھا کہ وہ اپنا فضل و کمال دکھانا چاہتا تھا جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (الفاتحہ: ۶) میں۔ یعنی اے اللہ ہم پر وہ انعام و اکرام کر جو پہلے نبیوں اور صدیقوں شہیدوں اور صالحین پر تو نے کئے ہیں ہم پر بھی کر۔ اگر خدا تعالیٰ یہ انعام و اکرام کر ہی نہیں سکتا تھا اور ان کا دروازہ بند ہو چکا تھا تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی؟ اسرائیلیوں پر تو یہ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اگر یہاں بھی بند ہو گیا تو پھر کیا فائدہ ہوا؟ اور کس بات میں بنی اسرائیل پر اس امت کو فخر ہوا؟ جو خود اندھا ہے وہ دوسرے اندھے پر کیا فخر کر سکتا ہے؟

اگر وحی، الہام، خوارق یہودیوں پر بند ہو چکے ہیں تو پھر یہ بتاؤ کہ یہ دروازہ کسی جگہ جا کر کھلا بھی یا نہیں؟ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ نہیں ہم پر بھی یہ دروازہ بند ہے۔ یہ کیسی بدنصیبی ہے۔ پانچ وقت

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ: ۶) کی دُعا کرتے ہیں اور اس پر بھی کچھ نہیں ملتا۔ تعجب! اللہ تعالیٰ کا خود ایسی تعلیم کرنا تو یہ معنے رکھتا ہے کہ مَیں تم پر انعام و اکرام کرنے کے لیے تیار ہوں جیسے کسی حاکم کے سامنے پانچ امیدوار ہوں اور وہ ان میں سے ایک کو کہے کہ تم یہاں حاضر رہو تو اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ اس کو ضرور کام دیا جاوے گا۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا تعلیم کی اور پانچ وقت یہ پڑھی جاتی ہے مگر ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ اس کا کچھ بھی اثر اور نتیجہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ قرآن شریف کی ہتک اور اسلام کی ہتک نہیں؟ میرے اور ان کے درمیان یہی امر دراصل متنازع فیہ ہے۔ مَیں یہ کہتا ہوں کہ اسلام کے برکات اور تاثیرات جیسے پہلے تھیں ویسے ہی اب بھی ہیں۔ وہ خدا اپنے تصرفات اب بھی دکھاتا ہے اور کلام کرتا ہے۔ مگر یہ اس کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ اب یہ دروازہ بند ہو چکا ہے اور خدا تعالیٰ خاموش ہو گیا وہ کسی سے کلام نہیں کرتا۔ دُعاؤں میں تاثیر اور قبولیت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تاثیرات پیچھے رہ گئی ہیں اب نہیں۔ افسوس ان پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف اور خدا تعالیٰ کی قدر نہیں کی۔

اسلام زندہ مذہب اور ہماری کتاب زندہ کتاب اور ہمارا خدا زندہ خدا اور ہمارا رسُول زندہ رسُول۔ پھر اس کے برکات، انوار اور تاثیرات مُردہ کیونکر ہو سکتی ہیں؟ مَیں اس مخالفت کی کچھ پروا نہیں کر سکتا۔ ان کی مخالفت کے خیال سے مَیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسُول اور اس کی کتاب کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

کیا اُمّت میں وحی والہام کا دروازہ بند ہے

لاہور میں عبدالحکیم نام ایک شخص سے میری گفتگو ہوئی۔ اس نے کہا کہ الہام پہلی اُمتوں کا خاصہ تھا۔ یہانتک کہ عورتوں کو وحی ہوتی تھی مگر اس اُمّت میں یہ دروازہ بند ہے۔ کیسے شرم کی بات ہے۔ کیا یہ اُمّت بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہو گئی اور خدا تعالیٰ نے اس کے لیے یہی چاہا ہے کہ وہ خیرالامم کہلا کر بھی محروم رہے؟

اس عبدالحکیم نے تو یہانتک کہدیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی محدّث نہ تھے۔ وہ بھی صرف ان کو ایک خوش کرنے کی بات تھی۔ محدّث وہ بھی نہ تھے۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی ہتک اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لوگ کرتے ہیں۔ پھر مَیں ان کی مخالفت کی کیا پروا کروں؟ یہ لوگ اسلام کے دوست نہیں۔ دشمن ہیں۔ اگر بقول ان کے سب بے نصیب ہیں تو پھر کیا فائدہ؟ ہزار اتباع کریں۔ معرفت نہ بڑھے گی تو کوئی احمق اور نادان ہی ہو گا جو اس پر

بھی اتباع ضروری سمجھے۔ حضرت عیسیٰ کا آنا نہ آنا تو امر ہی الگ ہے۔ اس سوال کو پیچھے چھوڑ دو۔ پہلے یہ تو فیصلہ کرو کہ کیا اس اُمت پر بھی وہ برکات اور فیوض ہوں گے یا نہیں؟ جب یہ فیصلہ ہو لے تو پھر عیسیٰ کی آمد کا سوال جھٹ حل ہو سکتا ہے۔

یہ لوگ جن مہلکات میں پھنسے ہوتے ہیں۔ وہ بہت خطرناک مرض ہے اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ اس اُمت کی نسبت باوجود خیر الامم ہونے کے یہ یقین کر لیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل شرفِ مکالمہ سے محروم ہے۔ اور خواہ ساری عمر کوئی مجاہدہ کرتا رہے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا (نعوذ باللہ) جیسے کہدیا جاوے کہ خواہ ہزار ہاتھ تک کھودتے چلو مگر پانی نہیں ملے گا۔ اگر یہ سچ ہے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں تو مجاہدہ اور دُعا کی کیا حاجت ہے؟ کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ جس کو ممکن الحصول سمجھتا ہے۔ اسے تلاش کرتا ہے اور اس کے لیے سعی کرتا ہے اور اگر اسے یہ خیال اور یقین نہ ہو تو وہ مجاہدہ اور سعی کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ جیسے ہُما یا عنقا کی کوئی تلاش نہیں کرتا۔ اس لیے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ چیزیں ناممکن الحصول ہیں۔ پس اسی طرح جب یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملنے کا ہی نہیں اور خوارق اب دیتے ہی نہیں جا سکتے۔ تو پھر مجاہدہ اور دُعا جو اس کے لیے ضروری ہیں۔ محض بیکار ہوں گے اور اس کے لیے کوئی جرات نہ کرے گا اور اس اُمت کے لیے نعوذ باللہ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) صادق آئے گا اور اس سے خاتمہ کا بھی پتہ لگ جائے گا کہ وہ کیسا ہوگا کیونکہ اس میں تو کوئی شک و شبہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ جہنمی زندگی ہے۔ پھر آخرت میں بھی جہنم ہی ہوگا اور اسلام ایک جھوٹا مذہب ٹھہرے گا اور نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے بھی اس اُمت کو دھوکا دیا کہ خیر الامت بنا کر پھر کچھ بھی اسے نہ دیا۔

اس قسم کا عقیدہ رکھنا ہی کچھ کم بدقسمتی اور اسلام کی ہتک نہ تھی کہ اس پر دوسری مصیبت یہ آئی کہ اس کے لیے وجوہات اور دلائل پیدا کرنے لگے؛ چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ دروازہ مکالمات و مخاطبات کا اس وجہ سے بند ہو گیا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۱) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ کے بعد یہ فیض اور فضل بند ہو گیا مگر ان کی عقل اور علم پر افسوس آتا ہے کہ یہ نادان اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اگر ختمِ نبوت کے ساتھ ہی معرفت اور بصیرت کے دروازے بھی بند ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) خاتم النبیین تو کجا نبی بھی ثابت نہ ہوں گے۔ کیونکہ نبی کی آمد اور بعثت تو اس غرض کے لیے ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر ایک یقین اور

بصیرت پیدا ہو اور ایسا ایمان ہو جو لذیذ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اس کی قدرتوں اور صفات کی تجلی کو انسان مشاہدہ کرے اور اس کا ذریعہ بھی اس کے مکالمات و مخاطبات اور خوارقِ عادات ہیں لیکن جب یہ دروازہ ہی بند ہو گیا تو پھر اس بعثت سے فائدہ کیا ہوا؟

مَیں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز ہرگز قدر نہیں کی اور آپ کی شانِ عالی کو بالکل نہیں سمجھا ورنہ اس قسم کے بیہودہ خیالات یہ نہ تراشتے اس آیت کے اگر یہ معنے جو یہ پیش کرتے ہیں تسلیم کر لیے جاویں تو پھر گویا آپ کو نعوذ باللہ ابتر ماننا ہو گا۔ کیونکہ جسمانی اولاد کی نفی تو قرآن شریف کرتا ہے اور رُوحانی کی یہ نفی کرتے ہیں تو پھر باقی کیا رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان کمال اور آپ کی قوتِ قدسیہ کا زبردست اثر بیان کرتا ہے کہ آپ کی روحانی اولاد اور رُوحانی تاثیرات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ آئندہ اگر کوئی فیض اور برکت کسی کو مل سکتی ہے تو اسی وقت اور اسی حالت میں مل سکتی ہے جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع میں کھویا جاوے اور فنافی الرسول کا درجہ حاصل کرے۔ بدوں اسکے نہیں اور اگر اسکے سوا کوئی شخص ادعائے نبوت کرے تو وہ کذاب ہو گا۔ اس لیے نبوتِ مستقلہ کا دروازہ بند ہو گیا اور کوئی ایسا نبی جو بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور درزش شریعت اور فنافی الرسول ہونے کے مستقل نبی صاحب شریعت نہیں ہو سکتا۔ ہاں فنافی الرسول اور آپ کے امتی اور کامل متبعین کے لیے یہ دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ اسی لیے براہین میں یہ الہام درج ہے۔

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ

یعنی یہ مخاطبات اور مکالمات کا شرف جو مجھے دیا گیا ہے یہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا طفیل ہے اور اسی لیے یہ آپ ہی سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جس قدر تاثیرات اور برکات و انوار ہیں وہ آپ ہی کے ہیں۔

اب حضرت عیسیٰ کے لیے تم خود فتویٰ دو کہ اس کے متعلق تم کیا سمجھتے ہو اور یقین کرتے ہو۔ کیا یہ مانتے ہو کہ اس کو جو کچھ دیا جائے گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمتی ہونے اور آپ کی کامل اتباع کی وجہ سے نصیب ہو گا یا پہلے سے انہیں دیا گیا ہے؟

یہ مانتے ہیں کہ وہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا متبع تھا۔ پھر یہ تو توریت کا فخر ہوا نہ کہ قرآن مجید کا۔ پھر کیسی بیہودگی ہے کہ ایسا عقیدہ رکھا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید

کی ہتک شان کا موجب ہو۔ اس لیے یہ ضرور ہے کہ آنے والا مسیح اسی اُمت سے ہو اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت اور تعلیم پائے اور آپ ہی کے فیض اور ہدایت سے روشنی حاصل کرے۔

اُمتی کی حقیقت میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے مخالف اس موقعہ پر چالاکی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آنیوالا عیسیٰ اُمتی ہوگا۔ یہ مصیبت انہیں بخاری اور مسلم سے آئی کیونکہ اس میں اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور اَمَّکُمْ مِنْکُمْ لکھا ہوا ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ کو اُمتی بناتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اُمتی تو وہ ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بغیر گمراہ تھا جو رُشد اور ہدایت اس نے پائی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تعلیم سے پائی۔ مگر یہ وہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے گمراہ تھے اور اب بھی گمراہ ہیں۔ جس وقت آئیں گے اس وقت آپ کی ہدایت اور تعلیم پر عمل کرنے سے وہ درجہ اور عزت انہیں ملے گی۔ پھر اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کا مفہوم اس صورت میں تو درست نہ ٹھہرا۔

افسوس کا مقام ہے کہ ان لوگوں نے قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے اور جو حکم ہو کر آیا تھا اسکا انکار کر دیا۔ پھر ان کو سمجھ آوے تو کیونکر۔

اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ صاف اور پر یہی ظاہر کرتا تھا کہ آنے والا امام تم میں سے ہی ہوگا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتے۔ یہ اُمت کو شرّ الائمم اور یہودی بنا کر تو خوش ہو جاتے ہیں لیکن مسیح اور امام کا آنا اس اُمت سے تسلیم نہیں کرتے۔ اب یا تو حضرت مسیح کی نسبت یہ اقرار کریں کہ وہ گمراہ ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ عیسائیوں نے اقرار کر لیا کہ وہ ملعون ہیں (نعوذ باللہ) عیسائیوں نے لعنتی تو ان کو کہہ دیا مگر لعنت کے مفہوم سے بے خبر ہیں۔ اگر ان کو پہلے خبر ہوتی کہ لعنت کا یہ مفہوم ہے تو کبھی نہ کہتے۔ میں نے فتح مسیح کو لکھا کہ لعنت کا مفہوم تو یہ ہے کہ ملعون راندۂ درگاہ ہو اور خدا اس سے بیزار اور وہ خدا سے بیزار ہو اور شیطان سے جا ملے۔ اب بتاؤ کہ تم مسیح کے لیے یہ لفظ تجویز کرتے ہو؟ تو آخر وہ جواب نہ لکھ سکا۔ اور حقیقت میں اس کا جواب ہے ہی نہیں۔ انہوں نے غلطی سے لعنت کے مفہوم سے بے خبر رہ کر یہ لفظ ان کے لیے تراش لیا۔ اب جو خبر ہوئی تو فکر پڑی کہ کیا کیا جاوے۔[1]

اسی طرح پر اگر یہ لوگ اُمتی کے مفہوم پر نظر ڈالیں اور غور کریں تو غلطی نہ کھائیں۔ کیونکہ اُمتی کے معنے یہی ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان و برکات سے مستفیض ہو۔ اور ترقی کرے۔

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۸ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۵ء

لیکن جس کے لیے یہ کہتے ہیں وہ تو پہلے ہی پیغمبر ہے۔ اس کو کونسا موقعہ ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ کرے۔

مسیح موعود کی نبوت

پھر نبی کے لفظ پر بھی بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعویٰ نبوت ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تو نری لفظی نزاع ہے نبی تو خبر دینے والے کو کہتے ہیں اب جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مخاطبات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ اس کا کیا نام رکھا جاوے گا۔ اور یہ نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی طفیل اور اتباع کا نتیجہ ہے۔ میں اس کو کفر اور لعنت سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ کئے بغیر کوئی شخص نبوت کے چشمہ سے حصہ لیتا ہے اور مستقل نبوت کا مدعی ہے۔ یہ نرے دھوکے ہیں جو ان لوگوں کو لگے ہوئے ہیں اور بعض باوجود یکہ اس امر کو بخوبی سمجھتے ہیں لیکن جہلاء اور عوام کو بھڑکانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں تاکہ وہ میری کتابوں سے بیزار ہو جائیں اور انہیں پڑھ کر فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

مسیح علیہ السلام کے لیے تجویز کردہ خصوصیات

کاش یہ لوگ سمجھتے کہ انہوں نے حضرت مسیح کے لیے جو خصوصیتیں تجویز کی ہیں ان کا نتیجہ کیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ مسِ شیطان سے وہی پاک ہے اور رُوح القدس کے سایہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر وہی گئے ہیں اور کوئی دُوسرا اس میں شریک نہیں۔ پھر وہی آسمان سے اُترے گا اور قیامت کے قریب آخری قاضی وہی ہوں گے اور پھر یہ بھی خصوصیت کہ دو ہزار برس ہونے کو آئے وہ اب تک آسمان پر ہیں اور کھانے پینے اور دیگر حوائج انسانی کے محتاج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بھوک سے پتھر پیٹ پر باندھ لیتے مگر ان کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔ کوئی اثر زمانہ کا اس پر نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا اثر ہو مسیح پر بالکل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شیب اور پیرانہ سالی کے آثار ظاہر ہوں مگر مسیح ان سے بھی محفوظ۔ اب سوچو اور بتاؤ کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ یقیناً یہی نتیجہ ہوگا کہ انہیں ساری دنیا سے الگ اور نرالا مانا جاوے یا دوسرے الفاظ میں ان کو خدا ہی کہا جاوے اس لیے کہ ایسی خصوصیتیں یقیناً انہیں خدا بناتی ہیں اور عیسائی اس کو پیش کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات جاری ہیں

غرض اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دے کر اُن کے الزاموں سے اُن کو بَری کیا تھا تاکہ اُن کو زک دے اور پھر اس سلسلہ محمدیہ

کو قائم کر کے بتا دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا فضل جس طرف وہ چاہتا ہے آتا ہے خواہ اسرائیلیوں میں ہو خواہ اسماعیلیوں میں۔ اب تو یہودیوں کے ہاتھ میں نرا حسد ہے لیکن اگر وہ دیکھیں کہ ان کے کمالات کا سلسلہ بند نہیں ہوا تو پھر نری رسالت سے کیا حسد۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود عدم وجود معاذ اللہ برابر ہو جائے گا کیونکہ آپؐ کے کمالات فیوض اور برکات کا سلسلہ بجائے آگے چلنے کے انہیں پر ختم ہو گیا۔

مجھے سخت تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ میری مخالفت میں کچھ ایسے اندھے ہو رہے ہیں کہ وہ اس کے انجام اور نتائج سے بالکل بے خبر اور بے پروا ہو رہے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر آپ کا سلسلہ آپ سے ہی شروع ہو کر آپ ہی پر ختم ہو گیا تو آپ ابتر ٹھہریں گے (معاذ اللہ) حالانکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر: ۴) یعنی تجھے تو ہم نے کثرت کے ساتھ رُوحانی اولاد عطا کی ہے جو تجھے بے اولاد کہتا ہے وہی ابتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی فرزند تو کوئی تھا نہیں۔ اگر رُوحانی طور پر بھی آپ کی اولاد کوئی نہیں تو ایسا شخص خود بتاؤ کیا کہلاوے گا؟ میں تو اس کو سب سے بڑھ کر بے ایمانی اور کُفر سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس قسم کا خیال بھی کیا جاوے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر: ۲) کسی دوسرے نبی کو نہیں کہا گیا۔ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ ہے۔ آپؐ کو اس قدر رُوحانی اولاد عطا کی گئی جس کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ قیامت تک یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ رُوحانی اولاد ہی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں کیونکہ آپؐ کے انوار و برکات کا سلسلہ برابر جاری ہے اور جیسے اولاد میں والدین کے نقوش ہوتے ہیں اسی طرح رُوحانی اولاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور فیوض کے آثار اور نشانات موجود ہیں۔ اَلْوَلَدُ سِرُّ اَبِيْهِ۔

اُمّتِ محمدیہ کا شرف

صوفیوں نے اس حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کو صحیح مانا ہے اور فی الحقیقت یہ صحیح ہے اور یہودیوں پر اسی سے مار پڑتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس اُمت کو ایسا شرف عطا فرمایا کہ علماءِ اُمت کو انبیاءِ بنی اسرائیل کی مثل ٹھہرایا۔ علماء کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ عالم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۹) یعنی بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں سے وہی عالم ہیں۔ ان میں عبودیتِ تامہ اور خشیت اللہ اس حد تک پیدا ہوتی ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے ایک علم اور معرفت سیکھتے ہیں اور اسی سے فیض پاتے ہیں اور یہ مقام اور درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور آپ سے پوری محبت سے ملتا ہے یہانتک کہ

انسان بالکل آپ کے رنگ میں رنگین ہو جاوے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: ۳۲)

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس اتباع کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ پس اب اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ جبتک انسان کامل متبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ سے فیوض و برکات پا نہیں سکتا اور معرفت اور بصیرت جو اس کی گناہ آلود زندگی اور نفسانی جذبات کی آگ کو ٹھنڈا کر دے عطا نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ ہیں جو عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کے مفہوم کے اندر داخل ہیں۔

غرض ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اور دوسری طرف اس اُمت کو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (آل عمران: ۱۱۱) کہا تاکہ یہودیوں پر رد ہو۔ مگر میرے مخالف عجیب بات کہتے ہیں کہ یہ اُمت باوجود خیر الامت ہونے کے پھر شر الامت ہے۔ بنی اسرائیل میں تو عورتوں تک کو شرفِ مکالمہ الٰہیہ دیا گیا۔ مگر اس اُمت کے مرد بھی خواہ کیسے ہی متقی ہوں اور خدا تعالیٰ کی رضا جوئی میں مرمٹیں اور مجاہدہ کریں مگر ان کو حصہ نہیں دیا جائے گا اور یہی جواب ان کے لیے خدا کی طرف سے ہے کہ بس تمہارے لیے مُہر لگ چکی۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخی اور اس پر سُوءِ ظن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کی ہتک کیا ہوگی۔ دُوسری قوموں کو ملزم کرنے کے لیے یہی تو زبردست اور بے مثل اَوزار ہمارے ہاتھ میں ہے اور اسی کو تم ہاتھ سے دیتے ہو۔

سلسلہ موسوی اور سلسلہ محمدیہ میں مشابہت

پھر ایک اور بات قابلِ غور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو سلسلے قائم کئے تھے۔ پہلا سلسلہ سلسلہ موسوی تھا۔ دوسرا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ یعنی محمدی سلسلہ۔ اور اس دوسرے سلسلہ کو مثیل ٹھہرایا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مثیلِ موسیٰ کہا گیا تھا۔ توریت کی کتاب استثناء میں یہی لکھا تھا کہ تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی اُٹھاؤنگا اور قرآن شریف میں یہ فرمایا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل: ۱۶) یعنی بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے۔ اسی طرح یہ رسُول بھیجا گیا ہے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسُول بھیجا گیا تھا (یعنی موسیٰ کی طرح) اب غور کرو کہ اس میں کما کا لفظ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں بھی کمالات و برکات کی کمی نہ ہوگی۔

پھر سورہ نور میں آیت استخلاف میں بھی یہی کَمَا کا لفظ آیا۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (النور : ۵۶)
اسی اُمّت کے اب مومنین اور اعمال صالحہ بجالانے والوں سے خلافت کا وعدہ کیا گیا اسی طرح پر جس طرح بنی اسرائیل میں خلفاء کئے گئے تھے۔ یہاں بھی وہی کَمَا کا لفظ موجود ہے۔ ایک طرف تو اس سلسلہ کو سلسلہ موسویہ کا مثیل ٹھہرایا۔ دُوسری جگہ سلسلہ موسوی کی طرح خلفاء بنانے کا وعدہ کیا۔ پھر کیا دونوں سلسلوں کا طبعی توافق ظاہر نہیں کرتا کہ اس اُمّت میں خلفاء اسی رنگ کے قائم ہوں؟ ضرور کرتا ہے۔

اور اس میں تو کوئی کلام ہی نہیں کہ سلسلہ موسویہ میں تیرھواں خلیفہ مسیح تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سلسلہ مُحمّدیہ میں تیرھواں خلیفہ مسیح نہ کہلائے؟ اس لیے ضرور تھا کہ آنے والے کا نام مسیح رکھا جاتا۔ یہی سِرّ ہے جو خُدا تعالیٰ نے اس اُمّت میں بھی ایک مسیح کا وعدہ کیا۔

بعض نادان اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو مثیل موسیٰ رکھا ہے۔ مگر آخر میں آنے والے خلیفہ کا نام عیسیٰ رکھا ہے مثیل عیسیٰ نہیں رکھا اس لیے وہ آپ ہی آجائے گا۔

اس قسم کے اعتراض بظاہر دھوکا دہ ہیں اور ممکن ہے کہ وہ آدمی جو اصل حالات سے واقف نہیں۔ اس کو سُنکر گھبرا جاوے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو مثیل موسیٰ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ توریت کی کتاب استثناء میں مثیل موسیٰ ہی کہا گیا تھا۔ پس اگر آپ موسیٰ ہونے کا دعویٰ کرتے تو کتاب والے کہتے کہ ہمیں تو مثیل موسیٰ کا وعدہ دیا گیا ہے نہ کہ موسیٰ کا۔ اس لیے ان کو توجہ دلانے کے واسطے وہی لفظ رکھا جو وہاں موجود تھا مگر یہاں اس کے خلاف بات تھی۔ پہلی کتابوں سے اور انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ مگر جب یہ ثابت ہو چکا کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور آچکے ہیں تو کوئی خیال بھی نہیں کرے گا کہ وہ زندہ ہو کر آجائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات

رہا وفات کا مسئلہ۔ وہ ایسا صاف ہے کہ اس پر زیادہ کہنے کی حاجت ہی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے قول سے يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ (آل عمران : ۵۶) اور حضرت مسیح نے اپنے اقرار سے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدۃ:۱۱۸) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیت سے جبکہ معراج کی رات حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ (علیہما السلام) کے ساتھ اکٹھا دیکھا۔ ثابت کر دیا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں؛ ورنہ اگر وہ زندہ ہیں تو مُردہ کے پاس رہنے کا کیا تعلق؟ اور اسکے علاوہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پہلا اجماع یہی کیا کہ مسیح فوت ہو گیا۔ جیسا کہ بارہا میں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی وفات پر تلوار نکال لی اور کہا اگر کوئی آپ کو مُردہ کہے گا تو اس کا سر اُڑا دُوں گا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسُول ہیں اور آپؐ سے پیشتر سب رسُول وفات پا چکے ہیں۔ اب بتاؤ۔ اس میں مسیح یا کسی اَور کی کیا خصوصیت ہے؟ کیا حضرت ابوبکرؓ نے کسی کو باہر رکھ لیا تھا اور صحابہؓ کب گوارا کر سکتے تھے کہ وہ کسی اَور کو تو زندہ تسلیم کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تجویز کریں کہ آپؐ نے وفات پائی ہے۔

غرض صحابہؓ کا اجماع بھی موت پر ٹھہرتا ہے اور پھر عقل سلیم تو دُور سے اس کو دھکے دیتی ہے۔ عام طور پر ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اگر عقل کے سامنے یہ پیش کریں کہ کانوں سے دیکھتے ہیں تو وہ کب اس کو مان لے گی۔ اسی طرح جب آدم سے لے کر اب تک آسمان پر زندہ اسی جسم کے ساتھ جانے کی کوئی نظیر نہیں ملتی تو ہم کیونکر مان لیں کہ مسیح زندہ اور اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلا گیا۔ نظیر اگر کوئی ملتی ہے تو وہ ایلیاء کی آمد کی نظیر ہے جس کا وعدہ ملاکی نبی کی کتاب میں کیا گیا تھا اور اس کے آنے کا فیصلہ خود حضرت مسیح نے کیا کہ آنیوالا ایلیاء یہی یوحنا ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ اب اس نظیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ آمد کے یہی معنے ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ بطور استعارہ کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر فیصلہ موت میں شک ہو تو پہلے ان دلائل کو توڑو اور پھر آنے والے کا جو فیصلہ حضرت عیسیٰ کی اپنی عدالت سے ہوا۔ اس کے خلاف کوئی فیصلہ پیش کرو۔ انہوں نے تو ثابت کیا کہ آنیوالا بروزی رنگ میں آیا کرتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ وہ حقیقی مُردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ پس اگر یہ سچ ہے تو کیوں انہوں نے ایلیاء کو زندہ نہ کر لیا تاکہ ان کی نبوت مشتبہ نہ ہوتی اور یہودیوں کی قوم تباہ نہ ہوتی۔ انہوں نے ملاکی نبی کی پیشگوئی ہی کا تو سوال کیا تھا۔ ان کی راہ میں روک اور پتھر وہی امر ہوا نہ کوئی اَور۔ اس تاویل پر جو حضرت مسیح نے کی تھی وہ راضی نہ ہوئے اور انکار کر کے لعنتی ٹھہرے۔

بعض اوقات جب اس دلیل کا نقض ہمارے مخالف نہیں کر سکتے تو پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتابیں محرّف مبدّل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ محرّف و مبدّل ہی سہی لیکن تواتر قومی کو کیا کرو گے؟ یہودی اب تک موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لو کہ کیا وہ اس امر کے منتظر نہیں ہیں کہ مسیح سے پہلے ایلیاء ضرور آئے گا اور عیسائی بھی اس کے قائل۔ اگر وہ قائل نہ ہوتے تو ایلیاء کا بروز یوحنا کو کیوں تسلیم کرتے۔

پس یہودی اور عیسائی باوجودیکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ مگر اس امر پر بالکل متفق ہیں۔ ایسی صورت میں یہ امر بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ یہ امور ہمارے زبردست مؤید ہیں جیسے یحییٰ کا نام الیاس رکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ اس نام میں حکمت کیا ہوئی؟

اس کے جواب میں یاد رہے کہ یہود اسی شرارت کی وجہ سے منحرف ہوتے تھے کہ الیاس نہیں آیا؛ چنانچہ ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے اس نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ اگر قیامت کو ہم سے سوال ہوگا تو ہم ملاکی نبی کا صحیفہ پیش کریں گے کہ اس میں کہاں لکھا ہے کہ مثیل آئے گا؟۔

پس یہودیوں کے لعنتی اور منحرف ہونے کے لیے یہ ابتلا انہیں آگیا۔ اس امت کے لیے سلسلہ موسوی کی مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ایک مسیح آئے اور علاوہ بریں چونکہ اس اُمت کے لیے یہ کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں وہ یہود کے ہمرنگ ہو جائے گی؛ چنانچہ بالاتفاق غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۷) میں مغضوب سے مراد یہود لی گئی ہے۔ پھر یہ یہودی تو اسی وقت ہوتے جب ان کے سامنے بھی ایک عیسیٰ پیش ہوتا اور اسی طرح پر یہ بھی انکار کر دیتے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنے والا عیسیٰ آگیا اور انہوں نے انکار کر دیا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ تو زیادہ ملزم ہیں۔ اس لیے کہ ان کے سامنے ایلیاء والی نظیر موجود تھی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ انہوں نے غور ہی نہیں کیا اور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ آمین۔

---

۲۷ ستمبر ۱۹۰۵ء

فرمایا:

انکسار اور فروتنی ماموروں کا خاصہ ہے

اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہے۔ وہ ہر طرح انسان کی پرورش فرماتا اور اس پر رحم کرتا ہے اور اسی رحم کی وجہ سے وہ اپنے ماموروں اور مرسلوں کو بھیجتا ہے تا وہ اہلِ دُنیا کو گناہ آلود زندگی سے نجات دیں۔ مگر تکبّر بہت خطرناک بیماری ہے جس انسان میں یہ پیدا ہو جاوے اس کے لیے رُوحانی موت ہے۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ بیماری قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ متکبّر شیطان کا بھائی ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تکبّر ہی نے شیطان کو ذلیل و خوار کیا۔ اس لیے مومن کی یہ شرط ہے کہ اس میں تکبّر نہ ہو بلکہ انکسار، عاجزی، فروتنی اس میں پائی جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے ماموروں کا خاصہ ہوتا ہے ان میں حد درجہ کی فروتنی اور انکسار ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف تھا۔ آپؐ کے ایک خادم سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ آپؐ کا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ

لہ الحکم جلد ۹ نمبر ۳۹ صفحہ ۳ و ۴ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء

مجھ سے زیادہ وہ میری خدمت کرتے ہیں (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ)

یہ ہے نمونہ اعلیٰ اخلاق اور فروتنی کا۔ اور یہ بات بھی سچ ہے کہ زیادہ تر عزیزوں میں خدام ہوتے ہیں جو ہر وقت گرد و پیش حاضر رہتے ہیں۔ اس لیے اگر کسی کے انکسار و فروتنی اور تحمل و برداشت کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض مرد یا عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خدمتگار سے ذرا کوئی کام بگڑا۔ مثلاً پکانے میں نقص ہوا تو جھٹ گالیاں دینی شروع کر دیں یا تازیانہ لے کر مارنا شروع کر دیا اور ذرا شوربے میں نمک زیادہ ہو گیا۔ بس بیچارے خدمت گاروں پر آفت آئی۔

دوسرے غربا کے ساتھ معاملہ تب پڑتا ہے کہ وہ فاقہ مست ہوتے ہیں اور خشک روٹی پر گذارہ کر لیتے ہیں۔ گو یہ باوجود علم ہونے کے بھی پروا نہیں کرتے۔ وہ ان کو امتحان میں ڈالتے ہیں جب بصورت سائل آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو ذرہ ذرہ کا خالق ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ غریبوں کے ساتھ ہی معاملہ کر کے سمجھا جاتا ہے کہ کس قدر ناخدا ترسی یا خدا ترسی سے حصہ لیتا ہے پائے گا۔

نوع انسان پر شفقت کرنا عبادت ہے

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بعض بندوں سے فرمائے گا کہ تم بڑے برگزیدہ ہو اور میں تم سے بہت خوش ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں ننگا تھا تم نے کپڑا دیا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ وہ کہیں گے کہ یا اللہ تو تو ان باتوں سے پاک ہے تو کب ایسا تھا جو ہم نے تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب وہ فرمائے گا کہ میرے فلاں فلاں بندے ایسے تھے تم نے ان کی خبر گیری کی وہ ایسا معاملہ تھا کہ گویا تم نے میرے ساتھ ہی کیا۔ پھر ایک اور گروہ پیش ہوگا۔ اُن سے کہے گا کہ تم نے میرے ساتھ بُرا معاملہ کیا۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ دیا۔ پیاسا تھا پانی نہ دیا، ننگا تھا کپڑا نہ دیا۔ میں بیمار تھا میری عیادت نہ کی۔ تب وہ کہیں گے کہ یا اللہ تعالیٰ تو تو ایسی باتوں سے پاک ہے۔ تو کب ایسا تھا جو ہم نے تیرے ساتھ ایسا کیا۔ اس پر فرمائے گا کہ میرا فلاں فلاں بندہ اس حالت میں تھا اور تم نے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی اور سلوک نہ کیا وہ گویا میرے ہی ساتھ کرنا تھا۔

غرض نوعِ انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ ایک زبردست ذریعہ ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس پہلو میں بڑی کمزوری ظاہر کی جاتی ہے۔ دوسروں کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ان پر ٹھٹھے کیے جاتے ہیں۔ ان کی خبر گیری کرنا اور

کسی مصیبت اور مشکل میں مدد دینا تو بڑی بات ہے۔ جو لوگ غرباء کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ خود اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاویں۔ اللہ تعالیٰ نے جن پر فضل کیا ہے اس کی شکر گذاری یہی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور سلوک کریں۔ اور اس خداداد فضل پر تکبر نہ کریں اور درشتیوں کی طرح غرباء کو کچل نہ ڈالیں۔

بہت سی سعادتیں غرباء کے ہاتھ میں ہیں

خوب یاد رکھو کہ امیری کیا ہے؟ امیری ایک زہر کھانا ہے۔ اس کے اثر سے وہی بچ سکتا ہے جو شفقت علی خلق اللہ کے تریاق کو استعمال کرے اور تکبر نہ کرے لیکن اگر وہ اس کی شیخی اور گھمنڈ میں آتا ہے تو نتیجہ ہلاکت ہے۔ ایک پیاسا ہو اور ساتھ کنواں بھی ہو لیکن کمزور ہو اور غریب ہو اور پاس ایک متمول انسان ہو تو وہ محض اس خیال سے کہ اس کو پانی پلانے سے میری عزت جاتی رہے گی اس نیکی سے محروم رہ جائے گا۔ اس نخوت کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ نیکی سے محروم رہا اور خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آیا۔ پھر اس سے کیا فائدہ پہنچا۔ یہ زہر ہوا یا کیا؟ وہ نادان ہے سمجھتا نہیں کہ اس نے زہر کھائی ہے لیکن تھوڑے دنوں کے بعد معلوم ہو جاتے گا کہ اس نے اپنا اثر کر لیا ہے اور وہ ہلاک کر دے گی۔

یہ بالکل سچی بات ہے کہ بہت سی سعادت غرباء کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے انہیں امیروں کی امیری اور تمول پر رشک نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ انہیں وہ دولت ملی ہے جو ان کے پاس نہیں۔ ایک غریب آدمی بے جا ظلم، تکبر، خود پسندی، دوسروں کو ایذا پہنچانے اتلاف حقوق وغیرہ بہت سی برائیوں سے مفت میں بچ جائے گا۔ کیونکہ وہ جھوٹی شیخی اور خود پسندی جو ان باتوں پر اسے مجبور کرتی ہے اس میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مامور اور مرسل آتا ہے تو سب سے پہلے اس کی جماعت میں غرباء داخل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں تکبر نہیں ہوتا۔ دولت مندوں کو یہی خیال اور فکر رہتا ہے کہ اگر ہم اس کے خادم ہو گئے تو لوگ کہیں گے کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر فلاں شخص کا مرید ہو گیا ہے اور اگر ہو بھی جاوے تب بھی وہ بہت سی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ غریب تو اپنے مرشد اور آقا کی کسی خدمت سے عار نہیں کرے گا مگر یہ عار کرے گا۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے اور دولت مند آدمی اپنے مال و دولت پر ناز نہ کرے اور اس کو بندگان خدا کی خدمت میں صرف کرنے اور ان کی ہمدردی میں لگانے کے لیے موقع پائے اور اپنا فرض سمجھے تو پھر وہ ایک خیر کثیر کا وارث ہے۔

دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو

اصل بات یہ ہے کہ سب سے مشکل اور نازک مرحلہ حقوق العباد ہی کا ہے کیونکہ ہر وقت

اس کا معاملہ پڑتا ہے اور ہر آن یہ ابتلا سامنے رہتا ہے۔ پس اس مرحلہ پر بہت ہی ہوشیاری سے قدم اٹھانا چاہیے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس کی تخریب اور بربادی کے لیے سعی کی جاوے۔ پھر وہ اس فکر میں پڑ کر جائز اور ناجائز امور کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اس کو بدنام کرنے کے واسطے جھوٹی تہمت اس پر لگاتے، افترا کرتے اور اس کی غیبت کرتے اور دوسروں کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ معمولی دشمنی سے کس قدر برائیوں اور بدیوں کا وارث بنا اور پھر یہ بدیاں جب اپنے بچے دیں گی تو کہاں تک نوبت پہنچے گی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ تم کسی کو اپنا ذاتی دشمن نہ سمجھو اور اس کینہ توزی کی عادت کو بالکل ترک کر دو۔ اگر خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور تم خدا تعالیٰ کے ہو جاؤ۔ تو وہ دشمنوں کو بھی تمہارے خادموں میں داخل کر سکتا ہے، لیکن اگر تم خدا ہی سے قطع تعلق کیے بیٹھے ہو اور اس کے ساتھ ہی کوئی رشتہ دوستی کا باقی نہیں۔ اس کی خلاف مرضی تمہارا چال چلن ہے۔ پھر خدا سے بڑھ کر تمہارا دشمن کون ہوگا؟ مخلوق کی دشمنی سے انسان بچ سکتا ہے لیکن جب خدا دشمن ہو تو پھر اگر ساری مخلوق دوست ہو تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے تمہارا طریق انبیاء علیہم السلام کا سا طریق ہو۔ خدا تعالیٰ کا منشاء یہی ہے کہ ذاتی اعداء کوئی نہ ہوں۔

خوب یاد رکھو کہ انسان کو شرف اور سعادت تب ملتی ہے جب وہ ذاتی طور پر کسی کا دشمن نہ ہو۔ ہاں اللہ اور اس کے رسول کی عزت کے لیے الگ امر ہے یعنی جو شخص خدا اور اس کے رسول کی عزت نہیں کرتا بلکہ ان کا دشمن ہے اسے تم اپنا دشمن سمجھو۔ اس دشمنی سمجھنے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ تم اس پر افترا کرو اور بلاوجہ اس کو دکھ دینے کے منصوبے کرو۔ نہیں۔ بلکہ اس سے الگ ہو جاؤ اور خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ ممکن ہو تو اس کی اصلاح کے لیے دعا کرو۔ اپنی طرف سے کوئی نئی بھاجی اس کے ساتھ شروع نہ کرو۔

یہ امور ہیں جو تزکیہ نفس سے متعلق ہیں۔ کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دشمن سے لڑتے تھے اور محض خدا کے لیے لڑتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ نے اس کو اپنے نیچے گرا لیا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اس نے جھٹ حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اس کی چھاتی پر سے اتر آئے اور اسے چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ اب تک تو میں محض خدا تعالیٰ کے لیے تیرے ساتھ لڑتا تھا لیکن اب جبکہ تو نے میرے منہ پر تھوک دیا ہے، تو میرے اپنے نفس کا بھی کچھ حصہ اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ پس میں نہیں چاہتا کہ اپنے نفس کے لیے تمہیں قتل کروں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے

نفس کے دشمن کو دشمن نہیں سمجھا۔ ایسی فطرت اور عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہیے۔ اگر نفسانی لالچ اور اغراض کے لیے کسی کو دُکھ دیتے اور عداوت کے سلسلوں کو وسیع کرتے ہیں تو اس سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والی کیا بات ہوگی۔

ہم سے دو شغل نہیں ہو سکتے

ایک شخص نے ایک جائیداد کے متعلق جو فروخت ہونے والی ہے کہا کہ آپ اس کو خرید لیں۔ ایسا نہ ہو کہ فلاں سکھ یا کوئی اَور خرید لے۔ فرمایا:

ہمیں ان باتوں سے کیا غرض۔ ہم جائیدادیں اور زمینیں خریدنے کے واسطے نہیں آئے۔ ہم کو کیا سکھ خرید لے یا کوئی اَور خرید لے۔ ہمیشہ اس شعر کو یاد رکھا جاوے ؎

خواجہ در بند نقش ایوان است
خانہ از پائے بست ویران است

ہم سے دو شغل نہیں ہو سکتے۔ یہی خدمت جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کی ہے۔ پورے طور پر ادا ہو جائے تو کافی ہے اس کے سوا ہمیں اور کسی کام کے لیے نہ فرصت ہے نہ ضرورت۔

ایک شخص نے کہا کہ تجارت کے متعلق خواہ نخواہ سود دینا پڑتا ہے۔ فرمایا:

ہم جائز نہیں رکھتے۔ مومن ایسی مشکلات میں پڑتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا تکفل کرتا ہے۔ عذرات سے شریعت باطل ہو جاتی ہے۔ کون امر ہے جس کے لیے کوئی عذر آدمی نہیں تراش سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

دقائقِ تقویٰ کی رعایت ضروری ہے

کسی نے پوچھا کہ بعض آدمی غلّہ کی تجارت کرتے ہیں اور خرید کر اُسے رکھ چھوڑتے ہیں جب مہنگا ہو جاوے تو اسے بیچتے ہیں۔ کیا ایسی تجارت جائز ہے؟

فرمایا:

اس کو مکروہ سمجھا گیا ہے۔ میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ میرے نزدیک شریعت اَور ہے اور طریقت اَور ہے ایک آن کی بدنیتی بھی جائز نہیں اور یہ ایک قسم کی بدنیتی ہے ہماری غرض یہ ہے کہ بدنیتی دور ہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بابت لکھا ہے کہ آپ ایک مرتبہ بہت ہی تھوڑی سی نجاست جو ان کے کپڑے پر لگی دھو رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ نے اس قدر کے لیے تو فتویٰ نہیں دیا۔ اس پر آپ نے کیا لطیف جواب دیا کہ آں فتویٰ است واین تقویٰ پس انسان کو دقائق تقویٰ کی رعایت رکھنی چاہیے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہ کرے تو پھر ایک دن وہی چھوٹی چھوٹی باتیں کبائر کا مرتکب بنا دیں گی اور طبیعت میں کسل اور لاپروائی پیدا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ تم اپنے زیر نظر تقویٰ کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنا رکھو اور اس کے لیے دقائق تقویٰ کی رعایت ضروری ہے۔

اسی طرح کہتے ہیں۔ ذوالنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ چالیس مُہر کی کیا زکوٰۃ دینی چاہیے۔ ذوالنون نے کہا کہ چالیس مُہر کی زکوٰۃ چالیس مُہر۔ سائل اس جواب پر حیران ہوا۔ اور پوچھا کہ یہ کیوں؟ اس پر ذوالنون نے کہا کہ چالیس مُہر اس نے رکھی ہی کیوں؟ گویا کیوں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کر دیں۔ جمع ہی کیوں کیا؟ شریعت سے ایسا ہی پایا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کوئی محدث وعظ کرتا تھا۔ ایک صوفی نے بھی سُنا اور اس کو کہا کہ محدث صاحب زکوٰۃ بھی دیا کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو مال ہی نہیں۔ زکوٰۃ کس چیز کی دُوں؟ صوفی بولا۔ چالیس حدیثیں لوگوں کو سُنایا کرو تو ایک پر آپ بھی عمل کر لیا کرو۔

انسانوں کے تین طبقات فرمایا:

اسلام میں انسان کے تین طبقے رکھے ہیں۔ ظالم لنفسہٖ۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔ ظالم لنفسہٖ تو وُہ ہوتے ہیں جو نفس امارہ کے پنجے میں گرفتار ہوں اور ابتدائی درجہ پر ہوتے ہیں جہاں تک ان سے ممکن ہوتا ہے وہ سعی کرتے ہیں کہ اس حالت سے نجات پائیں۔

مقتصد وہ ہوتے ہیں جن کو میانہ رو کہتے ہیں۔ ایک درجہ تک وہ نفس امارہ سے نجات پا جاتے ہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی اس کا حملہ ان پر ہوتا ہے اور وہ اس حملہ کے ساتھ ہی نادم بھی ہوتے ہیں۔ پورے طور پر ابھی نجات نہیں پائی ہوتی۔

مگر سابق بالخیرات وہ ہوتے ہیں کہ ان سے نیکیاں ہی سرزد ہوتی ہیں اور وہ سب سے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کی حرکات و سکنات طبعی طور پر اس قسم کی ہو جاتی ہیں کہ ان سے افعالِ حسنہ ہی کا صدور ہوتا ہے۔ گویا اُن کے نفسِ امارہ پر بالکل موت آجاتی ہے اور وہ مطمئنہ حالات میں ہوتے ہیں۔ ان سے

اس طرح پر نیکیاں عمل میں آتی ہیں گویا وہ ایک معمولی امر ہے۔ اس لیے ان کی نظر میں بعض اوقات وہ امر بھی گناہ ہوتا ہے جو اس حد تک دوسرے اس کو نیکی ہی سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی معرفت اور بصیرت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو صوفی کہتے ہیں حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ مثلاً چندہ کی حالت پر ہی لحاظ کرو۔ ایک آدمی غریب اور دو آنہ روز کا مزدور ہے اور ایک دوسرا آدمی دو لاکھ روپیہ حیثیت رکھتا ہے اور ہزاروں کی روزانہ آمدنی ہے۔ وہ دو آنہ کا مزدور بھی اس میں سے دو پیسہ دیتا ہے اور وہ لاکھ پتی ہزاروں کی آمدنی والا دو روپیہ دیتا ہے۔ تو اگرچہ اُس نے اس مزدور سے زیادہ دیا ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس مزدور کو تو ثواب ملے گا مگر اس دولت مند لاکھ پتی کو ثواب نہیں بلکہ عذاب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق قدم نہیں بڑھایا بلکہ گونہ بخل کیا ہے۔

غرض یہ ہے کہ جس قسم کا انسان ہو اسے اپنی طاقت اور قدرت کے موافق قدم بڑھانا چاہیے۔ ہر شخص اپنی معرفت کے لحاظ سے پوچھا جائے گا جس قدر کسی کی معرفت بڑھی ہوئی ہوگی اسی قدر وہ زیادہ جواب دہ ہوگا۔ اسی لیے ذوالنون نے زکوٰۃ کا وہ نکتہ سُنایا یہ خلافِ شریعت نہیں ہے۔ اس کے نزدیک شریعت کا یہی اقتضاء تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مال رکھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اُسے خدمتِ دین اور ہمدردی نوعِ انسان میں صرف کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آخری وقت ایک مُہر تھی۔ آپ نے اسے نکلوا دیا۔ اصل یہی ہے کہ ہر امر کے مراتب ہوتے ہیں۔ بعض آدمی شُبہ کریں گے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غنی کہلاتے تھے۔ انہوں نے کیوں مال جمع کیا؟ یہ ایک بیہودہ شُبہ ہے۔ اس لیے کہ وہ مہاجن نہ تھے۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس غنی کے کیا معنے ہیں۔ مَیں اتنا جانتا ہوں کہ جو مال خدمتِ دین کے لیے وقف ہو۔ وہ اس کا نہیں ہے۔ اس نیت اور غرض سے جو شخص رکھتا ہے وہ اپنے لیے جمع نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کا مال ہے لیکن جو اپنے اغراضِ نفسانی اور دنیاوی کو ملحوظ رکھ کر جمع کرتا جاتا ہے۔ وہ مال داغ لگانے کے لیے ہے جس سے آخر اس کو داغ دیا جائے گا۔

وہ کام کرو جو اولاد کے لیے بہترین نمونہ اور سبق ہو

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کے لیے کچھ مال چھوڑنا چاہیے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے۔ مگر یہ خیال ان کو نہیں آتا کہ اس کا فکر کریں کہ اولاد صالح ہو طالح نہ ہو۔ مگر یہ وہم بھی نہیں آتا اور نہ اس کی پروا کی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگ اولاد کے لیے مال جمع کرتے ہیں اور اولاد کی صلاحیت کی فکر اور پروا نہیں کرتے۔ وہ اپنی

زندگی ہی میں اولاد کے ہاتھ سے نالاں ہوتے ہیں اور اس کی بداطواریوں سے مشکلات میں پڑ جاتے ہیں اور وہ مال جو انہوں نے خدا جانے کن کن حیلوں اور طریقوں سے جمع کیا تھا آخر بدکاری اور شراب خوری میں صرف ہوتا ہے اور وہ اولاد ایسے مال باپ کے لیے شرارت اور بدمعاشی کی وارث ہوتی ہے۔

اولاد کا ابتلا بھی بہت بڑا ابتلا ہے۔ اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (الاعراف: ۱۹۷) یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اگر بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لیے چھوڑ جاؤ۔ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لیے لازمی ہیں۔ جو شخص اپنی رائے کو خدا تعالیٰ کی رائے اور منشا سے متفق کرتا ہے وہ اولاد کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے اور وہ اسی طرح پر ہے کہ اس کی صلاحیت کے لیے کوشش کرے اور دعائیں کرے۔ اس صورت میں خود اللہ تعالیٰ اس کا تکفل کرے گا۔ اور اگر بدچلن ہے تو جائے جہنم میں۔ اس کی پروا تک نہ کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ میں بچہ تھا۔ جوان ہوا۔ اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت رکھتا ہے۔

پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لیے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لیے سعی اور دعا کرو جس قدر کوشش تم ان کے لیے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔

خوب یاد رکھو کہ جبتک خدا تعالیٰ سے رشتہ نہ ہو اور سچا تعلق اس کے ساتھ نہ ہو جاوے۔ کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی۔ یہودیوں کو دیکھو کہ کیا وہ پیغمبروں کی اولاد نہیں؟ یہی وہ قوم ہے جو اس پر ناز کیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی۔

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (المائدۃ: ۱۹)

ہم اللہ تعالیٰ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں مگر جب انہوں نے خدا تعالیٰ سے رشتہ توڑ دیا اور دنیا ہی دنیا کو مقدم کر لیا تو کیا نتیجہ ہوا؟ خدا تعالیٰ نے اسے سؤر اور بندر کہا۔ اور اب جو حالت ان کی مال و دولت ہوتے ہوتے بھی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

پس وہ کام کرو جو اولاد کے لیے بہترین نمونہ اور سبق ہو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سب

سے اوّل خود اپنی اصلاح کرو۔ اگر تم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ گے۔ اور خدا تعالیٰ کو راضی کر لو گے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے گا۔ قرآن شریف میں خضرؑ اور موسیٰ علیہما السّلام کا قصہ درج ہے کہ ان دونوں نے مل کر ایک دیوار کو بنا دیا جو یتیم بچوں کی تھی وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا۔ ان کا والد صالح تھا یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ کیسے تھے۔ پس اس مقصد کو حاصل کرو۔ اولاد کے لیے ہمیشہ اس کی نیکی کی خواہش کرو۔ اگر وہ دین اور دیانت سے باہر چلے جاویں پھر کیا؟ اس قسم کے اعداد اکثر لوگوں کو پیش آجاتے ہیں۔ بددیانتی خواہ تجارت کے ذریعہ ہو یا رشوت کے ذریعہ یا زراعت کے ذریعہ جس میں حقوقِ شرکاء کو تلف کیا جاتا ہے۔

اس کی وجہ یہی میری سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد کے لیے خواہش ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب جائیداد لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ کوئی اولاد ہو جاوے جو اس جائیداد کی وارث ہو تاکہ غیروں کے ہاتھ میں نہ چلی جاوے مگر وہ نہیں جانتے کہ جب مر گئے تو شرکاء کون اور اولاد کون۔ سب ہی تیرے لیے تو غیر ہیں۔

اولاد کے لیے اگر خواہش ہو تو اس غرض سے ہو کہ وہ خادمِ دین ہو۔

غرض حق العباد میں پیچ در پیچ مشکلات ہیں جب تک انسان ان میں سے نکلے نہیں مومن نہیں ہو سکتا۔ نری باتیں ہی باتیں ہیں۔

نجات نہ قوم پر منحصر ہے نہ مال پر

اللہ تعالیٰ کا کسی سے رشتہ ناطہ نہیں۔ اس کے ہاں اس کی بھی کچھ پروا نہیں کہ کوئی سیّد ہے یا کون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ یہ خیال مت کرنا کہ میرا باپ پیغمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ کسی نے پوچھا کہ کیا آپؐ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔

مختصر یہ کہ نجات نہ قوم پر منحصر ہے نہ مال پر بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور اس کو اعمالِ صالحہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا کامل اتباع اور دُعائیں جذب کرتی ہیں۔ قوم کا ابتلا بھی مال کے ابتلا سے کم نہیں۔ بعض لوگ دوسری قوموں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اس ابتلا میں سیّد سب سے زیادہ مبتلا ہیں۔ ایک عورت گداگر ہمارے ہاں آئی۔ وہ کہتی تھی میں سیّدانی ہوں۔ اس کو پیاس لگی اور پانی مانگا تو کہا کہ پیالہ دھو کر دینا کسی امتی نے پیا ہوگا۔ اس قسم کے خیالات ان لوگوں میں پیدا ہوتے ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور ان باتوں کی کچھ قدر نہیں۔ اس نے فیصلہ کر دیا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: ۱۴)

تنخواہ دار امام الصلوٰۃ

ایک مخلص اور معزز خادم نے عرض کی کہ حضور میرے والد صاحب نے ایک مسجد بنائی تھی وہاں جو امام ہے اس کو کچھ معاوضہ وہ دیتے تھے اس غرض سے کہ مسجد آباد رہے۔ وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں۔ مَیں نے اُس کا معاوضہ بدستور رکھا ہے اب کیا کیا جاوے؟ فرمایا:

خواہ احمدی ہو یا غیر احمدی جو روپیہ کے لیے نماز پڑھتا ہے اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ نماز تو خدا کے لیے ہے۔ اگر وہ چلا جائے گا تو خدا تعالیٰ ایسے آدمی بھیج دے گا جو محض خدا کے لیے نماز پڑھیں اور مسجد کو آباد کریں۔ ایسا امام جو محض لالچ کی وجہ سے نماز پڑھتا ہے میرے نزدیک خواہ وہ کوئی ہو۔ احمدی یا غیر احمدی اس کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی۔ امام اتقیٰ ہونا چاہیے۔ بعض لوگ رمضان میں ایک حافظ مقرر کر لیتے ہیں اور اس کی تنخواہ بھی ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہ درست نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی محض نیک نیتی اور خدا ترسی سے اس کی خدمت کر دے تو یہ جائز ہے۔[1]

---

۲۸ ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

امام مہدی کی جنگیں

آج ایک ترک اور ایک یہودی علیحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس سے چند سوالات پوچھے۔ جواب سمیت ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ سوال جواب عربی زبان میں تھے۔ مَیں اُن کا مفہوم لے کر اُردو میں لکھتا ہوں۔ (ایڈیٹر الحکم)

ترک:۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ مَیں مہدی ہوں اور احادیث میں آیا ہے کہ مہدی جب آئے گا تو لڑائی کرے گا۔

حضرت اقدس:۔ آپ کو معلوم نہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ مہدی کے متعلق جس قدر احادیث اس قسم کی ہیں وہ محدثین نے مجروح قرار دی ہیں۔ صرف ایک حدیث لَا مَهْدِيَ اِلَّا عِيْسٰى ہے یعنی بجز مسیح موعود کے اَور کوئی مہدی آنے والا نہیں ہے۔ وہی موعود جس کو بخاری میں اِمَامُکُمْ

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء

مِنکُم فرمایا ہے یعنی اسی امت میں سے آنے والا۔ اور اس کے متعلق کہیں نہیں لکھا کہ وہ لڑائیاں کرے گا بلکہ بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے صاف لکھا ہے کہ یَضَعُ الْحَرْبَ۔ یعنی اس کے وقت میں مذہبی لڑائیاں نہ ہونگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب حرب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے مخالف ہمارے ساتھ جنگ نہیں کرتے۔ وہ تو قلم کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں پس یہ کیسی مجبوری ہوتی کہ قلم کا جواب قلم سے نہ دیا جاتا بلکہ اس کے لیے ہتھیار استعمال ہوتے۔ ایسی صورت میں جبکہ قلم کے حملے ہو رہے ہیں ہمارا یہی فرض ہے کہ قلم کے ساتھ ان کو روکیں۔

علاوہ بریں اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہوتی کہ ایسے زمانہ میں اسلام کی ترقی جنگ سے وابستہ ہوتی تو ہر قسم کے ہتھیار مسلمانوں کو دیئے جاتے؛ حالانکہ جس قدر ایجادیں آلات حربیہ کے متعلق یورپ میں ہو رہی ہیں کسی جگہ نہیں ہوتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ لڑائی کا زمانہ نہیں ہے۔ اور کبھی بھی کوئی دین اور مذہب لڑائی سے نہیں پھیل سکتا۔ پہلے بھی اسلام کی ترقی اور اشاعت کے لیے تلوار نہیں اٹھائی گئی۔ اسلام اپنے برکات، انوار اور تاثیرات کے ذریعہ پھیلا ہے اور ہمیشہ اسی طرح پھیلے گا پس یہ نہایت ہی غلط اور مکروہ خیال ہے کہ مسیح کے وقت جنگ ہوگی اور نہ مسیح کو اس کی حاجت۔ وہ قلم سے کام لے گا اور اسلام کی حقانیت اور صداقت کو پُرزور دلائل اور تاثیرات کے ساتھ ثابت کر کے دکھائے گا اور دُوسرے ادیان پر اس کو غالب کرے گا اور یہ ہو رہا ہے۔

قرآن دُنیا سے کس طرح اٹھایا جائے گا

ترک:۔ یہ بھی تو آیا ہے کہ مسیح کے زمانہ میں قرآن اٹھایا جائے گا۔ اب کہاں اُٹھایا گیا ہے؟

حضرت اقدس:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک صحابی نے یہ پُوچھا تھا کہ اس وقت قرآن شریف کیسے اُٹھایا جائے گا؟ آپ نے اس کو یہ جواب دیا تھا کہ میں تو تجھے عقلمند سمجھتا تھا۔ یہی جواب میرا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کی حمایت اور حمیت کے لیے کچھ بھی سعی نہیں ہوتی۔ قرآن شریف سے صوری اور معنوی اعراض کیا گیا ہے اس کے حقائق اور معارف اور اس کی تعلیم سے مسلمان بالکل بے خبر ہو رہے ہیں۔ اور کس طرح قرآن اُٹھایا جاوے گا؟

توحید اور شرک کی حقیقت

(ترک صاحب تو دو سوالوں کے بعد خاموش ہو گئے۔ پھر یہودی صاحب نے اپنے سوالات پیش کرنے شروع کئے۔)

یہودی :۔ یہودیوں میں بھی تو توحید موجود ہے۔ اسلام اس سے بڑھ کر کیا پیش کرتا ہے؟

حضرت اقدس :۔ یہودیوں میں توحید تو نہیں ہے۔ ہاں قشر التوحید بے شک ہے اور نرا قشر کسی کام نہیں آ سکتا۔ توحید کے مراتب ہوتے ہیں۔ بغیر ان کے توحید کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ نرا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہہ دینا کافی نہیں۔ یہ تو شیطان بھی کہہ دیتا ہے۔ جبتک عملی طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت انسان کے وجود میں متحقق نہ ہو۔ کچھ نہیں۔ یہودیوں میں یہ بات کہاں ہے؟ آپ ہی بتادیں۔ توحید کا ابتدائی مرحلہ اور مقام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف کوئی امر انسان سے سرزد نہ ہو۔ اور کوئی فعل اس کا اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہ ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی محبت اور اطاعت میں محو اور فنا ہو جاوے۔ اسی واسطے اس کے معنے یہ ہیں۔ لَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَلَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَلَا مُطَاعَ لِیْ اِلَّا اللّٰہُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی میرا معبود ہے اور نہ کوئی محبوب ہے اور نہ کوئی واجب الاطاعت ہے۔

یاد رکھو۔ شرک کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک شرک جلی کہلاتا ہے دوسرا شرک خفی۔ شرک جلی کی مثال تو عام طور پر یہی ہے۔ جیسے یہ بُت پرست لوگ بُتوں، درختوں یا اور اشیاء کو معبود سمجھتے ہیں۔ اور شرک خفی یہ ہے کہ انسان کسی شئی کی تعظیم اسی طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کی کرنا ہے یا کرنی چاہیے۔ یا کسی شئی سے اللہ تعالیٰ کی طرح محبت کرے۔ یا اس سے خوف کرے یا اس پر توکل کرے۔

اب غور کر کے دیکھ لو کہ یہ حقیقت کامل طور پر توریت کے ماننے والوں میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں جو کچھ اُن سے سرزد ہوا۔ وہ آپ کو بھی معلوم ہوگا۔ اگر توریت کافی ہوتی تو چاہیے تھا کہ یہودی اپنے نفوس کو مزکّی کرتے مگر ان کا تزکیہ نہ ہوا۔ وہ نہایت قسی القلب اور گستاخ ہوتے گئے۔ یہ تاثیر قرآن شریف ہی میں ہے کہ وہ انسان کے دل پر بشرطیکہ اس سے صوری اور معنوی اعراض نہ کیا جاوے۔ ایک خاص اثر ڈالتا ہے اور اس کے نمونے ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں، چنانچہ اب بھی موجود ہے۔

قرآن شریف نے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اٰل عمران ۳۲) یعنی اے رسُول تو ان لوگوں کو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع انسان کو محبوبِ الٰہی کے مقام تک پہنچا دیتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کامل موحد کا نمونہ تھے۔ پھر اگر یہودی توحید کے ماننے والے ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسے موحد سے دُور رہتے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے تھا کہ خدا تعالیٰ کے خاتم الرسلؐ کا انکار اور عناد نہایت خطرناک امر ہے۔ مگر انہوں نے پروا نہیں کی اور باوجودیکہ ان کی کتاب میں آپ کی پیشگوئی موجود تھی مگر انکار کر دیا۔ اس کی وجہ بجز اس کے اَور کیا ہو سکتی ہے کہ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (الانعام : ۴۴)

سوائے اسلام کے کسی مذہب میں نجات نہیں ہے

سوال : کیا کسی اور مذہب میں رہ کر انسان نجات نہیں پا سکتا؟

جواب : اس کا جواب خود قرآن شریف نفی میں دیتا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (اٰل عمران: ۲۰) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (اٰل عمران : ۸۶) اسلام کے سوا اَور کوئی دین قبول نہیں ہو سکتا۔ اور یہ نرا دعویٰ نہیں۔ تاثیرات ظاہر کر رہی ہیں۔ اگر کوئی اہلِ مذہب اسلام کے سوا اپنے مذہب کے اندر انوار و برکات اور تاثیرات رکھتا ہے تو پھر وہ آئے ہمارے ساتھ مقابلہ کرے۔ اور ہم نے ہمیشہ ایسی دعوت کی ہے کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔

قرآن شریف کے انوار و برکات

سوال : اگر اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب اپنے اندر انوار و برکات نہ رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں ہو سکتا تھا، تو پھر جزیہ کیوں رکھا تھا؟

جواب : یہ تو ایک الگ امر ہے۔ اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ دوسرے مذاہب سچے تھے۔ ہاں اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلایا گیا۔ ان لوگوں کو سوچنے اور غور کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے اور جیسا فرمایا تھا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ (البقرۃ : ۲۵۷) اس پر عمل کیا گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ تو قابلِ قدر بات تھی جس پر آپ اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت۔ اس لیے

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) یعنی اے رسول ہم نے تجھ کو رحمۃ للعالمین کہہ کے بھیجا ہے پس یہ آپ کی رحمت کا ایک نمونہ تھا۔ قرآن شریف میں اگر تدبر کریں تو اس کی روشن حقیقت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ توریت میں کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ ورنہ چاہیے تھا کہ ان میں اولیاء اللہ اور صلحاء ہوتے۔

یہودی: چونکہ توریت پر عمل نہیں رہا۔ اس لیے ولی اور صلحاء نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس: اگر توریت میں کوئی تاثیر باقی ہوتی تو اسے ترک ہی کیوں کرتے؟ اگر آپ کہیں کہ بعض نے ترک کیا ہے تو پھر بھی اعتراض بدستور قائم ہے کہ جنھوں نے ترک نہیں کیا۔ ان پر جو اثر ہوا ہے وہ پیش کرو۔ اور اگر کل ہی نے ترک کر دیا ہے تو یہ ترک تاثیر کو باطل کرتا ہے۔ ہم قرآن شریف کے لیے یہی نہیں مانتے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں؛ چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے وقت پر اپنے بندوں کو اس کی حمایت اور تائید کے لیے بھیجتا رہا ہے۔ کیونکہ اُس نے وعدہ فرمایا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) یعنی بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ توریت یا کسی اور کتاب کے لیے نہیں۔ اسی لیے ان کتابوں میں انسانی چالاکیوں نے اپنا کام کیا۔ قرآن شریف کی حفاظت کا یہ بڑا زبردست ذریعہ ہے کہ اس کی تاثیرات کا ہمیشہ تازہ بتازہ ثبوت ملتا رہتا ہے اور یہود نے چونکہ توریت کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور ان میں کوئی اثر اور قوت باقی نہیں رہی جو اُن کی موت پر دلالت کرتی ہے۔

قیامت کی حقانیت

یہودی: مسلمان قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ کون سی علامات ہیں جن کی وجہ سے وہ ایمان لاتے ہیں۔

حضرت اقدس: انسان کا اپنا جسم ہی اس کو حشر نشر پر ایمان لانے کے لیے مجبور کرتا ہے کیونکہ ہر آن اس میں حشر نشر ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ تین سال کے بعد یہ جسم رہتا ہی نہیں اور دوسرا جسم آجاتا ہے یہی قیامت ہے۔ اس کے سوا یہ ضروری امر نہیں کہ کل مسائل کو عقلی طور پر ہی سمجھ لے۔ بلکہ انسان

کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور صفات کے ساتھ موجود ہے اور اس کی صفات میں سے یہ بھی ہے یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ (اٰلِ عمران : ۴۸) اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) تو اس بات کے ماننے میں کہ قیامت ہوگی کیا شک ہو سکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہم اس کا ثبوت یہاں بھی رکھتے اور دیکھتے ہوں۔ بے شک قیامت حق ہے۔ اور اس کی قدرتوں کا ایک نمونہ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ : ۱۰۷) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حشر و نشر پر بھی قادر ہے اور حشر و نشر قدرت ہی پر موقوف ہے۔ یہ اسلام کی خصوصیات ہیں کہ اسلام نری تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ جب انسان اس تعلیم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نشانات اور آیات بھی دکھاتا ہے پھر جب وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے تو وہ آیات اللہ کو دیکھتا ہے جس سے اس کا ایمان عرفان کے رنگ میں مضبوط ہو جاتا ہے۔

دوسرے ادیان کے متبعین میں یہ آیات اور نشانات نہیں ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین ہی کو ملتے ہیں جو اپنے دل کو صاف کرتے ہیں اور ان میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ اسوقت انہیں یہ نشانات دیئے جاتے ہیں جو ان کی معرفت اور قوتِ یقین کو بڑھا دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا قادر ہونا

یہودی : اگر خدا قادر ہے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مسیح کو آسمان سے لے آوے؟

حضرت اقدس : بے شک خدا تعالیٰ قادر ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خلاف وعدہ کرتا ہے یا ایسے افعال بھی اس سے صادر ہوتے ہیں جو اس کی صفات کاملہ اور اس کی قدوسیت کے خلاف ہوں۔ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دے یا کوئی اپنا مثیل پیدا کر لے۔ اسی طرح پر جبکہ وہ ایک عہد کر چکا ہے کہ مُردے واپس اس دنیا میں نہیں آتے تو وہ اس کا خلاف کیونکر کرے؟

قادر سمجھ کر خدا تعالیٰ کے لیے ایسے امور تجویز کر لینا جو اس کی صفاتِ کاملہ کے منافی ہوں اللہ تعالیٰ کی سخت ہتک اور توہین ہے اور اس سے ڈرنا چاہیے۔ یہ محلِ ادب ہے۔[1]

(اس مقام پر یہودی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور سلسلہ کلام ختم ہو گیا اور اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے)

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۷، ۸ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء

۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

سلسلۂ مجددین ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ کے بعد بھی مجدد آئے گا؟ اس پر فرمایا:

اس میں کیا حرج ہے کہ میرے بعد بھی کوئی مجدد آجاوے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے مسیح علیہ السلام پر آپ کے خلفا کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ قیامت تک ہے اس لیے اس میں قیامت تک ہی مجددین آتے رہیں گے۔ اگر قیامت نے فنا کرنے سے چھوڑا تو کچھ شک نہیں کہ کوئی اور بھی آجائیگا۔ ہم ہرگز اس سے انکار نہیں کرتے کہ صالح اور ابرار لوگ آتے رہیں گے اور پھر بَغْتَةً قیامت آجائے گی۔

اس زمانہ کے مولوی مولویوں کے ذکر پر فرمایا:

اگر تزکیۂ نفس اور اتباعِ سُنّت ان میں ہوتا تو اس قدر اختلاف اور جھگڑا کیوں ہوتا۔ کوئی ہرج اسلام کا بھی نہ ہوتا۔ مگر اب تو عام طور پر ہر شخص جانتا ہے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی ہو گئی ہے۔ آزمائش کے لیے دو چار مولوی لے آؤ۔ پھر دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے۔ ہم ایک بات کہیں گے قطع نظر اس کے کہ وہ اس پر غور کریں۔ فوراً اس کی تردید پر آمادہ ہو جائیں گے۔ مَیں افسوس سے کہتا ہوں کہ جیسا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہودیوں کی سی حالت ہو جاوے گی۔ وہی حالت ہو چکی ہے۔ مجھے اس امر سے بہت محبت اور خواہش تھی اور ہے کہ کوئی ان میں درندگی چھوڑ کر انسانیت سے ہم پر اعتراض کرے اور اس کا جواب غور سے سُنے۔ مَیں اس بات پر بھی رضامند اور خوش تھا کہ یہاں آکر ہمارے پاس رہتے۔ ہم ہر طرح سے ان کی خاطر داری اور تواضع کرتے۔ وہ ٹھنڈے دل سے اپنے اعتراض پیش کرتے اور سعید الفطرت لوگوں کی طرح جواب سُنتے۔ پھر جو اعتراض رہتا یا جو اس جواب پر ہوتا۔ پیش کرتے۔ مگر انہوں نے اس طریق کو بالکل چھوڑ دیا اور عمداً حق پوشی کی ہے۔ وہ چاہتے نہیں کہ ان کی آنکھ کھُلے۔ اور حق ظاہر ہو۔ اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے اس لیے کہ یہ ارادہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا صریح مخالف ہے۔ کونسی گالی ہے جو انہوں نے ہم کو نہیں دی اور کونسا نام ہے جو انہوں نے ہمارا نہیں رکھا۔

آنے والا موعود حَکَم ہو کر آئے گا

انسان کا فرض تو یہ ہے کہ اگر اسے راستی ملے تو اس کے لینے میں چون و چرا نہ کرے مگر انہوں نے ذرا سے اختلاف کی وجہ سے (جو وہ بھی اختلاف نہ تھا) ساری صداقتوں کا خون کر دیا۔ ہمارا ان کا بہت سے امور میں اتفاق تھا صرف ایک بات پیش کی تھی کہ مسیح ابن مریم مر گیا ہے اور آنے والا موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق تم ہی میں سے آیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آنے والا موعود حَکَم ہو کر آئے گا۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ ایک بات بھی ماننے کو تیار نہیں۔ پھر وہ حَکَم کس بات کا ہوگا؟ اگر ان کے وہم اور خیال کے موافق مسیح آسمان سے بھی آجاتا تب بھی یقینی امر تھا کہ اسے ہرگز تسلیم نہ کرتے کیونکہ بحیثیت حَکَم ہونے کے اس کا تو کام یہ ہوتا کہ وہ سب کی غلطیاں نکال کر صراط مستقیم پر سب کو لاتا اور یہ اپنی غلطیوں کو چھوڑنے والے نہیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، شیعہ، خوارج وغیرہ وغیرہ ہر فرقہ والا اپنی بات اسے منوانی چاہتا اور جس کی وہ نہ مانتا اس کے نزدیک ہی کافر اور بے دین ٹھہرتا پس ایسی صورت میں ہم کیونکر مان لیں کہ یہ اپنے فرضی مسیح کو مان لیں گے۔

حَکَم اسے کہتے ہیں جو قاضی ہو اور غلطیاں نکال کر اصلاح کرے۔ ہم نے تو ذرا سی ہی غلطی پیش کی تھی کہ مسیح مر گیا ہے اور وہ نہیں آئیں گے۔ آنے والا اُمتی ہے جیسا کہ قرآن شریف مِنکُم کہتا ہے اور بخاری اور مسلم میں بھی مِنکُم ہی آیا ہے۔ اب اس غلطی کو جو اسلام کی عظمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کی صریح مخالف ہے یہ چھوڑ نہیں سکتے اور میرا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ خود مجھ پر حَکَم ہونا چاہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ میں اس اختلاف کی وجہ سے جو اسلام کی زندگی کا اصل ذریعہ ہے۔ کافر اور یہ اپنے ہزاروں خطرناک اختلافوں کی وجہ سے بھی مسلمان کے مسلمان ہی ہیں۔

شیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص اور جان نثار صحابہؓ کو سب و شتم کرتے ہیں اور ان کو کافر اور مُرتد بتاتے ہیں اور پھر بھی وہ بچے کے بچے۔ اب کوئی انصاف کرے کہ وہ آنے والا حَکَم ان میں آکر کیا کرے گا؟ کیا وہ بھی ان کے ساتھ تبرا میں شامل ہوگا یا اس سے ان کو باز رہنے کی ہدایت کرے گا؟

اگر ان میں خوفِ خدا ہوتا اور یہ تقویٰ سے کام لیتے اور لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) پر عمل کرتے اور میری باتوں کو غور سے سنتے اور پھر ان پر فکر کرتے۔ اس کے بعد حق تھا جو چاہتے کہتے۔ مگر انہوں نے اس کی پروا نہ کی اور خدا تعالیٰ کے خوف سے نہ ڈرے جو منہ میں آیا کہہ گذرے۔

میں سخت افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی حالت مسخ ہو گئی ہے۔ یہی توفی کا لفظ یوسف علیہ السلام کے لیے ہو تو موت کے معنے کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو تو موت کے معنے

کریں لیکن مسیح کی نسبت ہو تو اس کے معنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا ہو۔ کس قدر جرأت اور دلیری ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی عزت ان کے دل میں نہیں۔ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہی معنے کرتے تو ہم سمجھ لیتے کہ یہ کوئی خصوصیت پیدا نہیں کرتے۔ مگر اب تو یہ خاص طور پر مسیح ہی کے ساتھ اس امر کو مخصوص کرتے ہیں حالانکہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ نہ یہودی قائل نہ عیسائی۔ یہودی تو رفع روحانی کے بھی قائل نہیں۔ عیسائی جلالی جسم کے قائل ہیں گو وہ اس میں جھوٹے ہیں اس لیے کہ انہوں نے جب مسیح کو دیکھا تو وہ وہی عنصری جسم تھا کیونکہ اس میں زخم موجود تھے اور خود انہوں نے ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ بایں عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ جسم عنصری آسمان پر نہیں جاتا۔ اسی لیے انہوں نے جلالی جسم تجویز کیا۔

حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ بہت صاف تھا اور اس کے لیے خود مسیح کا اپنا اقرار۔ اللہ تعالیٰ کا قول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم دید شہادت، صحابہؓ کا اجماع کافی دلائل تھے مگر انہوں نے ذرا بھی پروا نہ کی اور سچ پوچھو تو یہودیوں سے بھی گئے گذرے ہوئے۔ اس لیے کہ وہ تو ایک جماعت بنا کر مسیح کے پاس گئے اور اُن سے اُن کے دعاوی کی تحقیق کی مگر یہ کب میرے پاس آئے اور اُنھوں نے پوچھا؟

---

۳۰ ستمبر ۱۹۰۵ء

قبل دوپہر

قرآن کریم کا اعجاز

مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے اپنا بے نقط عربی قصیدہ سُنایا۔ اسی تحریک سے فرمایا:

ایک پادری نے مجھ پر اعتراض کیا کہ فیضی کی تفسیر اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت میں ہے، کیونکہ ساری بے نقط لکھی ہے۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ بے نقط لکھنا کوئی اعلیٰ درجہ کی بات نہیں یہ ایک قسم کا تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا لغو امر ہے۔ مومنوں کی شان یہ ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المومنون: ۴) یعنی مومن وہ ہوتے ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ اگر بے نقط ہی کو معجزہ سمجھتے ہو تو قرآن شریف میں بھی ایک بے نقط معجزہ ہے اور وہ یہ ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (البقرۃ: ۲)

لے الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء

اس میں ریب کا کوئی لفظ نہیں یہی اس کا معجزہ ہے۔ لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۳) اس سے بڑھ کر اور کیا خوبی ہوتی۔

میں نے کئی بار اشتہار دیا ہے کہ کوئی ایسی سچائی پیش کرو۔ جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام: ۶۰) یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں۔ اگر بشر کا کلام ہوتا تو سطحی خیالات کا نمونہ دکھایا جاتا۔ مگر یہ طرز ہی اور ہے جو بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے۔ اس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی کے نمود نمائش بالکل نہیں۔ خود فرمایا کہ اُمیوں کے لیے ہے۔ اور پھر اور لطف یہ ہے کہ ظاہر تو اُمیوں کے لیے ہے اور باطن ہر ایک کے سیراب کرنے والا ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں تکرار کی حکمت

خواجہ صاحبؓ نے پوچھا کہ سورہ رحمان میں اعادہ کیوں ہوا ہے؟

فرمایا:

اس قسم کا التزام اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ممتاز نشان ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ امر واقع ہوا ہے کہ موزوں کلام اسے جلد یاد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ (القمر: ۱۸) یعنی بے شک ہم نے یاد کرنے کے لیے قرآن شریف کو آسان کر دیا ہے۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی ساری چیزوں میں حُسن ہے تو کیا یہ ضروری نہیں کہ اس کے کلام میں بھی حُسن ہو؟ یہ اس کا ایک حُسن ہے۔ اگر قرآن مجید ژولیدہ بیان ہوتا تو اس سے کیا فائدہ ہوتا۔ طبائع کو اس کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں عجیب عجیب قسم کی مخلوق دیکھی جاتی ہے۔ عجائب خانہ میں جا کر بعض جانور اس قسم کے دیکھے گئے ہیں کہ گویا وہ ایک خوبصورت پینٹنگ ہیں۔ ان ساری باتوں پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ رنگینی خلق خدا تعالیٰ کی عادت ہے۔

یہانتک بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جانور انڈے خود دیتے ہیں اور اس کے بچے اور جانور نکالتے ہیں۔ کوئل انڈے خود دیتی ہے اور کوّے کے آشیانہ میں رکھ دیتی ہے۔ پس جس جس قدر کوئی مخلوقاتِ الٰہی

لہ غالباً خواجہ کمال الدین صاحب مراد ہیں (مرتب)

کا اور افعال اللہ کا مشاہدہ کرے گا۔ اسی قدر اس کا تعجب بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح اس کے اقوال میں لانتہا اسرار ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ افعال اللہ کی غور و بین سے ہو جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ شاعر اور فصیح تو اس طرز بیان پر اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ خود ان کو اس امر کا التزام کرنا پڑتا ہے۔

پھر حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمان: ۱۴)

بار بار توجہ دلانے کے واسطے ہے۔ اسی تکرار پر نہ جاؤ۔ قرآن شریف میں اور بھی تکرار ہے۔ میں خود بھی تکرار کو اسی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ میری تحریروں کو اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اس تکرار کو بکثرت پائے گا۔ حقیقت سے بے خبر انسان اس کو منافی بلاغت سمجھ لے گا۔ اور کہے گا کہ یہ بھول کر لکھا ہے؛ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید پڑھنے والا پہلے جو کچھ لکھا ہے اُسے بھول گیا ہو۔ اس لیے بار بار یاد دلاتا ہوں تاکہ کسی مقام پر تو اس کی آنکھ کھل جائے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

علاوہ بریں تکرار پر اعتراض ہی بے فائدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جبتک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ بار بار کیوں کہلوایا؟ ایک بار ہی کافی تھا۔ نہیں۔ اس میں یہی سر ہے کہ کثرتِ تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال: ۴۶)

یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ جس طرح پر ذہنی تعلق ہوتا ہے اور بکثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے۔ اسی طرح ایک رُوحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔ بدوں تکرار وہ رُوحانی پیوند اور رشتہ قائم نہیں رہتا۔ اور پھر سچ تو یہ ہے کہ اصل بات نیت پر موقوف ہے جو شخص صرف حفظ کرنے کی نیت سے پڑھتا ہے وہ تو وہیں تک رہتا ہے اور جو شخص رُوحانی تعلق کو بڑھا لیتا ہے[1]۔

حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخر وحی ہو جاتی ہے۔ صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں اور وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا (الانفال: ۴۶) کے یہ معنے ہیں کہ

---

[1] نقل مطابق اصل۔

اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام کنٹھ ہو جاوے۔ انبیاء علیہم السلام کے طرزِ کلام میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تا مخلوق کو نفع پہنچے۔ میں خود دیکھتا ہوں اور میری کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اگر چار صفحے میری کسی کتاب کے دیکھے جاویں تو ان میں ایک ہی امر کا ذکر پچاس مرتبہ آتے گا اور میری غرض یہی ہوتی ہے کہ شاید پہلے مقام پر اس نے غور نہ کیا ہو اور یونہی سرسری طور سے گذر گیا ہو۔

قرآن شریف میں اعادہ اور تکرار کی بھی یہی حکمت ہے۔ یہ تو احمقوں کی خشک منطق ہے جو کہتے ہیں کہ بار بار تکرار سے بلاغت جاتی رہتی ہے۔ وہ کہتے رہیں۔ قرآن شریف کی غرض تو ایک بیمار کا اچھا کرنا ہے۔ وہ تو ضرور ایک مریض کو بار بار دوا دے گا۔ اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں تو پھر ایسے معترض جب کوئی ان کے ہاں بیمار ہو جاوے تو اسے بار بار دوا کیوں دیتے ہیں۔ اور آپ کیوں دن رات کے تکرار میں اپنی غذا لباس وغیرہ امور کا تکرار کرتے ہیں؟

پچھلے دنوں میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک انگریز نے محض اسی وجہ سے خودکشی کر لی تھی کہ بار بار وہی دن رات اور غذا مقرر ہے اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

معجزاتِ مسیح کی حقیقت

معجزاتِ مسیح کے متعلق کہا گیا کہ ازالہ اوہام میں جو تصریح کی گئی ہے۔ اس سے انکار پایا جاتا ہے۔ فرمایا:

تعجب کی بات ہے کہ وہ انکار ہے یا اقرار؟ معجزاتِ مسیح کا تو اقرار کیا گیا ہے اور ہم اب بھی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے خوارق کا ظہور ہوا لیکن سچ ہے کہ ان معجزات کی حقیقت جو خدا تعالیٰ نے ہم پر کھولی اسے ہم نے بحیثیت حکم ظاہر کر دیا ہے۔ اس کی ہم کو کچھ پروا نہیں کہ یہ لوگ اس پر گالیاں دیتے ہیں یا کیا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اگر میری بات سے انکار کرتے ہیں تو پھر مجھ سے نہیں بلکہ قرآن شریف سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنی طرف سے تو لکھا ہی نہیں۔ قرآن شریف ہی سے لکھا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ قرآن شریف نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ حقیقی مُردے واپس نہیں آتے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) کے کیا معنے ہیں۔ پھر اگر میں نے یہ کہا کہ وہ مُردے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے وہ حقیقی مُردے نہ تھے جو آیت فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ کے موافق واپس نہیں آتے تو کیا بُرا کیا؟ اس سے معجزات کا انکار کیونکر ثابت ہوا۔

میرا معجزات سے انکار تو ثابت نہیں ہوتا، البتہ ایسا اعتراض کرنے والے کا قرآن شریف سے انکار ثابت ہوتا ہے کیونکہ نہ ایک جگہ نہ دو جگہ بلکہ قرآن شریف کے متعدد مقامات سے یہ امر ثابت

ہو رہا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۹۶) اب بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ کھول کھول کر ایک امر کو بیان کر دے کہ مُردہ حقیقی واپس نہیں آیا کرتا تو پھر قرآن شریف کی تعلیم سے یہ کیسا انحراف ہے کہ خواہ نخواہ یہ تجویز کیا جاوے کہ فلاں شخص ایسا کرتا تھا۔ خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ایسی باتوں کو مُنہ سے نکالتے وقت اللہ تعالیٰ کا ادب کرو۔

ہاں یہ سچ ہے کہ بعض لوگ جو مُردہ ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اور کوئی امید زندگی کی باقی نہیں ہوتی۔ صرف دم باقی ہوتا ہے۔ ہر قسم کی تدابیر کی راہ بند ہوتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے کسی بندہ کی دعاؤں سے اس مُردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ یہ بھی احیاءِ موتیٰ ہی ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

نواب صاحب کے لڑکے عبدالرحیم کو جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اس کی کیا حالت تھی۔ اس کی زندگی کی کوئی بھی امید باقی نہ تھی[1] ایسا ہی خود میرا لڑکا مبارک ایسی حالت تک پہنچ گیا تھا کہ گھر والوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بھی پڑھ دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پھر اُسے زندہ کر دیا۔ یہ احیاءِ موتیٰ ہوتا ہے۔

اور علاوہ اس کے رُوحانی احیاء بھی ہوتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی ایک گمراہی کی زندگی ہوتی ہے وہ بھی مُردہ ہی ہوتے ہیں کیونکہ رُوحانی طور پر مر چکے ہوتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا ہدایت یاب ہو جانا یہ ان کا زندہ ہونا ہے۔ یہ حقیقت احیاءِ موتیٰ کی ہے جو قرآن شریف نے بیان کی ہے اور اسی کے موافق خدا تعالیٰ سے علم پا کر میں نے اس کی تصریح کی۔ اب اگر یہ انکارِ معجزات ہے تو ایسا الزام لگانے والا خود سوچ لے کہ وہ مجھے مُنکر نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ قرآن شریف سے انحراف اور انکار کرتا ہے۔

یہ کس قدر ناسمجھی اور ناواقفی کی بات ہے کہ انسان اس طرز اور کلام کو اختیار کرے جس میں قرآن شریف پر حملہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہو۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ کیا ان کو معجزاتِ مسیح پیارے ہیں یا خدا تعالیٰ کا کلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ یہ اگر معجزاتِ مسیح کے لیے خدا تعالیٰ کے کلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ سکتے ہیں تو چھوڑ دیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو چھوڑ دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کریں۔ اس عقیدہ پر اگر

---

[1] بفضلہٖ تعالیٰ میں نے خود اس مُردہ کو زندہ ہوتے دیکھا۔ (ایڈیٹر الحکم)

ساری دُنیا مجھ کو چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے مجھے اس کی پروا نہیں اس لیے کہ خدا میرے ساتھ ہے۔

ان کو اعتراض کا حق تو اس وقت ہوتا جب ہم خدا تعالیٰ کے کلام کے خلاف کرتے لیکن جب ہم خدا تعالیٰ کے کلام کے بالکل موافق کہتے ہیں تو پھر اعتراض کرنا خدا تعالیٰ کے کلام پر اعتراض ہے نہ مجھ پر۔ اگر مسیح واقعی مُردوں کو زندہ کرتے تھے یعنی ایسے مُردوں کو جو قَضٰی عَلَیْنَا الْمَوْتَ کے نیچے آچکے تھے تو پھر کیوں انہوں نے ایلیاء کو زندہ کرکے نہ دکھا دیا۔ تاکہ یہودی ٹھوکر نہ کھاتے اور خود بھی صلیبی ابتلا سے بچ جاتے۔

سعدی بھی یہی مذہب رکھتا تھا اور یہی سچا مذہب ہے۔ کوئی اکابر اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ سعدی کہتا ہے ؎

وہ کہ گر مردہ باز گردیدے　　رقِ میراث سخت تر بودے
بسرائے قبیلۂ پیوند　　وارثاں را ز مرگ خویشاوند[1]

بلا تاریخ[2]

حضرت اقدس علیہ السلام کے کلماتِ طیبات

(ایک شخص کے اپنے الفاظ میں)

انسان اور آدم فرمانے لگے کہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کو آدم بننا چاہیے۔ آدم سے مراد کامل انسان ہے۔ جب انسان کامل آدم بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم سجدہ (اطاعت) کا دیتا ہے اور اس کے ہر ایک کام کو خدا تعالیٰ

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۹-۱۰ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء

[2] مندرجہ عنوان کے ماتحت بلا تاریخ یہ ملفوظات الحکم جلد ۹ نمبر ۵ کے صفحہ ۴ پر درج ہیں۔ جن کے آخر میں محمد خاں صاحب مرحوم کا نام لکھا ہے معلوم ہوتا ہے مکرم محمد خاں صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی مجلس میں یہ کلمات سُنے اور انہیں اپنے الفاظ میں قلمبند کرکے الحکم میں اشاعت کے لیے بھیجا۔
(مرتب)

فرشتوں کے ذریعہ سے سرانجام کرتا ہے لیکن آدم کامل بننے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو۔ جب انسان ہر ایک حرکت اور سکون حکم الٰہی کے نیچے ہو کر کرتا ہے تو انسان خدا کا ہو جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ انسان کا والی وارث ہو جاتا ہے اور پھر اس پر کوئی مخالفت سے دست اندازی نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ آدمی جو احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ بھی اس کی پروا نہیں کرتا۔ جیسے کہ آیت کریمہ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶) سے ظاہر کرتا ہے۔ یعنی نافرمانوں پر جب وہ عذاب کرنے پر آتا ہے تو ایسی لاأبالی سے عذاب کرتا ہے کہ عذاب کسی ہلاکت سے ان کے بال بچوں کی بھی پروا نہیں کرتا کہ ان کا حال ان کے نافرمان والدین کے بعد کیا ہوگا جیسے کہ آیت کریمہ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) یعنی خدا تعالیٰ کو تمہاری پروا ہی کیا ہے اگر تم اس کی فرماں برداری میں کوشاں نہ ہو اور اس کے احکاموں کو بے پروائی سے دیکھو۔

فرمایا کہ:

دُنیا میں لاکھوں بکریاں بھیڑیں ذبح ہوتی ہیں لیکن کوئی ان کے سرہانے بیٹھ کر نہیں روتا اس کا کیا باعث ہے؟ یہی کہ ان کا خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایسے انسان کی ہلاکت کی بھی آسمان پر کوئی پروا نہیں ہوتی جو اس سے سچا تعلق نہیں رکھتا۔ انسان اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق رکھتا ہے تو اشرف المخلوقات ہے؛ ورنہ کیڑوں سے بھی بدتر ہے۔ اس میں دو اُنس ہیں۔ ایک انس احکام الٰہی سے (جو ہو تو وہ کامل آدم ہے ورنہ وہ مُردہ کیڑا ہے۔) دوم مخلوق الٰہی سے۔ دُنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ کئی ایک محض بے گناہ قید ہو جاتے ہیں اور ظالمانہ دست اندازیوں کا نشانہ بنتے ہیں مگر اس کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پروا نہیں کرتے اور دعاؤں سے اس کی پناہ نہیں چاہتے اور شریعت میں بالکل لاپروا ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی ان سے لاأبالی کا معاملہ کرتا ہے ورنہ ان کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہوتا تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے دوست کو دشمنوں کے ہاتھوں میں یوں چھوڑے کیونکہ وہ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ہونے اور نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۲) کا وعدہ کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام کامل انسان تھے تو فرشتوں کو سجدہ (اطاعت) کا حکم ہوا۔ اسی طرح اگر ہم میں ہر ایک آدم بنے تو وہ بھی فرشتوں سے سجدہ کا مستحق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کامل انسان کوئی نہیں

فرمایا کہ:

کامل انسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہوگا؟ دیکھو جب انہوں نے اپنی جان اپنا مال اپنی حیات ممات رب العالمین پر قربان کر دیئے یعنی سارے کے سارے خدا کے ہو گئے تو کیسا خدا ان کا ہوا۔ اور کیسے فرشتوں سے ان کی مدد کی۔ اگر وہ فرشتوں سے مدد نہ کرتا تو ممکن نہ تھا ایک یتیم بچہ دنیا کو مغلوب کر لیتا۔ حکم اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب : ۴۲) کا وہ تعامل گذرا ہے۔ یعنی لڑائی کے وقت جب جھاگ منہ سے جاری ہے اور مارے غصہ کے آدمی جل رہا ہے۔ اس وقت بھی یہ حکم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو یاد کرکے کسی پر وار چلانا۔ ان دشمنانِ دین کے مقابلہ پر جنھوں نے سینکڑوں صحابہؓ کو ذبح کر دیا تھا۔ فتح مکہ پر کیسا خدا کو یاد کیا اور کیسا ترحم دکھایا۔

ذکرِ الٰہی کی حقیقت

فرمایا کہ:

خدا کا بننا اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر ایک گھنٹہ اور رات میں انسان ذکرِ الٰہی میں رہے۔ ذکرِ الٰہی سے مراد یہ نہیں کہ تسبیح پکڑے بلکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کام شروع کرتے وقت اس کو اس بات کا دھیان ہو کہ آیا یہ کام خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ جب اس طرح انسان کامل بن جاتا ہے تو خدا اس کا بن جاتا ہے اور حسب ولی المومنین اس کو ہر موقعہ پر غموم وہموم سے بچاتا ہے۔

بظاہر اکثر ایسے لوگ ہیں کہ وہ آدمی ہوتے ہیں لیکن حالتِ کشف میں ان کو کتوں اور گدھوں کی شکل میں دیکھا جاتا ہے۔

درازیٔ عمر

پھر فرمایا کہ:

خدا تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی بھی اور زندگی بھی انعام (اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) میں شامل ہے۔ مخالفین اس انعام میں مسیح کو تو شامل کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے نصیب رکھتے ہیں۔ کیوں ان کو اس عقیدہ سے شرم نہیں آتی۔ اور لمبی زندگی اس طرح انعام میں شمار ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد : ۱۸) اور مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان : ۷۸) یعنی نافع چیز کو درازیٔ عمر نصیب ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ دین سے غافلوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے پروا نہیں کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ جو دین سے غافل نہ ہوں۔ ان کی ہلاکت اور موت میں خدا تعالیٰ جلدی نہیں کرتا۔

سلسلہ کا منہاجِ نبوت پر ہونا فرمایا کہ:

ہمارا سلسلہ منہاجِ نبوت پر ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی طرح ہم کو بھی ان یہود صفت مُسلمانوں اور نصاریٰ سے مقابلہ کرنا پڑا۔ کیا یہ مولوی ہم کو رطب و یابس اور ضعیف حدیثوں اور قولوں سے جیتنا چاہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام تورات اور انجیل کی آیات کو محرف قرار دیا جو آپؐ کے حکم ہونے کی معارض تھیں یا ان کے ایسے معنے کئے جو آپؐ کے سلسلہ اسلام کے موافق ثابت ہوں اور ان آیات کے معنے خداداد فراست اور الہام سے کئے اور اہل کتاب کے غلط معنوں کو ردّ کیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری موجودہ تورات اور انجیل کو صحیح قبول نہ کیا۔ بلکہ کئی ایک آیات کو محرّف اور کئی ایک کے معنے صحیح طور سے بذریعہ الہام کئے۔ اسی طرح ہمارا سلسلہ ہے۔

ہم بطور حکم کے آئے ہیں۔ کیا حکم کو یہ لازم ہے کہ کسی خاص فرقہ کا مُرید بن جاوے؟ بہتر فرقوں میں سے کس کی حدیثوں کو مانے؟ حکم تو بعض احادیث کو مردُود اور متروک قرار دے گا اور بعض کو صحیح۔

مظالم سے بچنے کی واحد راہ فرمایا:

بڑے بڑے صریح ظلم مظلوموں پر ڈھاتے جاتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے ظالموں سے کوئی چنداں باز پرس نہیں ہوتی۔ اس کا باعث بھی خدا تعالیٰ نے اسی آیت میں فرمایا ہے۔ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸) یعنی خدا تعالیٰ کو تمہاری پروا کیا ہے۔ اگر تم دُعاؤں اور عبادتِ الٰہی میں تغافل اختیار کرو۔ بے شک ظلم اور دست درازیاں مظلوموں پر ہوویں کوئی پروا نہیں کی جائے گی جب تک وہ مظلوم خدا تعالیٰ سے سچا تعلق بذریعہ صراطِ مستقیم پیدا نہ کریں۔ اور مظلوم پر ظلم اس لیے ہوتے ہیں کہ مظلوم خود ذبیحہ بکری یا بکرے کی طرح ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے سچا تعلق نہیں رکھتا۔ ورنہ ممکن ہے کہ خدا جو اُس کا دین و دُنیا کا متکفل ہو اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ پھر اس پر کسی ظالمانہ مخالفت کا وار چلنے دے[1]؟

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۵ صفحہ ۴، ۵ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۵ء

مامور من اللہ کی صداقت کا نشان

راستباز اور مامور من اللہ کی صداقت کا بڑا نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو غیب کی خبریں دیتا ہے اور پھر ان خبروں میں ایک طاقت ہوتی ہے جو دوسروں کو نہیں دی جاتی نجومی جو خبریں دیتا ہے ان میں وہ طاقت اور جبروت نہیں ہوتی جو مامور کی خبروں میں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں مامور کی خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ فراست اور قیافہ پر ان کی بنا نہیں ہو سکتی۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں جو بالکل بے سروسامانی اور بیکسی کی زندگی تھی۔ اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی اور نامرادی کی پیشگوئی کی تھی۔ کیا کوئی عقلمند اور ملکی مدبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت کی حالت دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ شخص کامیاب ہو جائے گا اور وہ قوم جو اس کی مخالفت پر آمادہ ہے۔ ذلت کے ساتھ نامراد رہے گی؟ پھر دیکھ لو کہ انجام کیا ہوا پس یہ ایک زبردست نشان مامور کو دیا جاتا ہے۔

عیسائیت کا انجام اور اسلام کا مستقبل

عیسائیوں کے حملے اسلام پر اس صدی میں بہت تیزی کے ساتھ ہوئے ہیں۔ اُن کی زبان درازی اور چھیڑ چھاڑ بہت بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک دم میں ان کی مخالفانہ کارروائیوں کا فیصلہ کر دیتا مگر وہ اپنا فیصلہ روزِ روشن کی طرح دکھانا چاہتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس مذہب کی حقیقت دُنیا پر کھُل جاوے۔ شیطان کی آدم کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے ملائکۃ اللہ آدم کے ساتھ ہیں اور اب شیطان ہمیشہ کے لیے ہلاک کر دیا جائے گا۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے اس مُردہ پرستی کے دُور کرنے کے لیے کوئی تحریک نہ بھی ہوتی اور خدا تعالیٰ مجھے نہ بھی بھیجتا۔ تب بھی اس مذہب کی حالت ایسی ہو چکی تھی کہ یہ خود بخود نمک کی طرح پگھل جاتا۔ مَیں خدا تعالےٰ کی تائیدوں اور نُصرتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ جو وہ اسلام کے لیے ظاہر کر رہا ہے اور مَیں اس نظارہ کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ جو موت کا اس صلیبی مذہب پر آنے کو ہے۔ اس مذہب کی بنیاد محض ایک لعنتی لکڑی پر ہے جس کو دیمک کھا چکی ہے اور یہ بوسیدہ لکڑی اسلام کے زبردست دلائل کے سامنے اب ٹھہر نہیں سکتی۔ اس عمارت کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اب وقت آتا ہے کہ یکدم یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوگی۔ اور وہ اس مُردہ پرستی کے مذہب سے بیزار ہو کر حقیقی مذہب اسلام کو اپنی نجات کا ذریعہ یقین کریں گے۔

اسلام، عیسائیت اور آریوں کا خُدا کے متعلق نظریہ

توحید ماننے والوں میں ایک خاص رُعب اور جلال ہوتا ہے جو بُت

پرست کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قلب لزوم کرتا رہتا ہے اور اس کے اعتقاد کی بنیاد علوم حقہ پر نہیں ہوتی بلکہ ظنیات اور اوہام پر ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائیوں نے یسوع کو خدا بنا لیا مگر کوئی ایسی خصوصیت آجتک دو ہزار برس ہونے کو آتے نہیں بتائی جو یسوع میں ہو اور دوسرے انسانوں میں نہ ہو، بلکہ جہاں تک انجیل کے بیان کے موافق یسوع کی حالت پر غور کرتے ہیں۔ اسی قدر اسے انسانی کمزوریوں کا بہت بڑا نمونہ پاتے ہیں۔

بڑی خصوصیت اقتداری معجزات کی ہوتی ہے لیکن یسوع کی لائف میں اقتداری معجزات کا پتہ نہیں ملتا اور اگر عیسائیوں کے بیان کے موافق بعض مان بھی لیں تو پھر ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اسی رنگ کے اقتداری معجزات یسوع کے معجزات سے کہیں بڑھ چڑھ کر پہلے نبیوں کے بائبل میں موجود ہیں۔ پھر خصوصیت کیا رہی؟ وہ کیا بات تھی جس پر اُسے خدا مان لیا گیا۔ اگر ایک مجلس میں اللہ تعالےٰ کے صفات بیان کئے جاویں اور اس میں آریہ، عیسائی اور مسلمان موجود ہوں تو اگر کسی کا ضمیر مر نہیں گیا تو بجز مسلمان کے ہر ایک خدا تعالیٰ کے صفات بیان کرنے سے شرمندہ ہوگا۔ مثلاً آریہ کیا یہ بیان کر کے خوش ہوگا کہ میں ایسے خدا پر ایمان لاتا ہوں جس نے دُنیا کا ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ وہ میری رُوح اور جسم کا خالق نہیں۔ مجھے جو کچھ ملتا ہے میرے اپنے اعمال اور افعال کا ثمرہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا کوئی عطیہ اور کرم نہیں۔ میرا خدا مجھے کبھی ہمیشہ کی نجات نہیں دے سکتا۔ میرے لیے لازمی ہے کہ میں جُونوں کے چکر میں آکر کیڑے مکوڑے بنتا رہوں۔ یا کیا عیسائی صاحب یہ بیان کر کے راضی ہوگا کہ میں ایک ایسے خدا پر ایمان لاتا ہوں جو ناصرہ بستی میں یوسف نجار کے گھر معمولی بچوں کی طرح پیدا ہوا تھا۔ وہ معمولی بچوں کی طرح روتا چلاتا اور کبھی اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ماں باپ سے پٹ کر بھی کھاتا تھا۔ اسے اتنی بھی خبر نہ تھی کہ وہ انجیر کے پھل کے موسم کا علم رکھتا۔ وہ ایسا غصہ ور تھا کہ درختوں تک کو بددعائیں دیتا تھا۔ وہ آخر میرے گناہوں کی وجہ سے صلیب پر لعنتی ہوا۔ اور تین دن ہاویہ میں رہا۔ بتاؤ کیا وہ یہ باتیں خوشی کے ساتھ بیان کرے گا یا اندر ہی اندر اس کا دل کھایا جائے گا۔ لیکن ایک مسلمان بڑی جرأت اور دلیری سے کہے گا کہ میں اس خدا پر ایمان لایا ہوں جو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں اور نقائص سے منزّہ ہے۔ وہ رب ہے۔ بلا مانگے دینے والا رحمان ہے۔ سچی محنتوں کے ثمرات ضائع نہ کرنے والا ہے۔ وہ حیّ و قیّوم، ارحم الراحمین خدا ہے۔ وہ ہمیشہ کی نجات دیتا ہے۔ اس کی عطا غیر مجذوذ ہے پس جب مسلمان اپنے خدا کی صفات بیان کرے گا تو ہرگز شرمندہ نہیں ہوگا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو ہم پر ہے۔ ایسا ہی اور بہت سی باتیں ہیں۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر ہم کبھی کسی کے سامنے

شرمندہ نہیں ہو سکتے۔

معجزاتِ مسیح معجزاتِ مسیح کی حقیقت ڈوئی نے خوب کھولی ہے۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں بھی سلبِ امراض کرتا ہوں۔ اسی طرح پر جس طرح یسوع مسیح کیا کرتا تھا اور عجیب تر یہ بات ہے کہ جہاں کوئی شخص اچھا نہیں ہوتا وہاں وہ شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ کہہ دیتا ہے کہ یسوع مسیح سے بھی فلاں شخص اچھا نہیں ہوا۔

سلبِ امراض فی الحقیقت کوئی ایسی چیز نہیں جس پر ناز کیا جا سکے۔ یہودی بھی اس زمانہ میں سلبِ امراض کرتے تھے اور ہندوستان میں بھی بہت لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں اور آجکل تو ہزاروں ہزار دہریے اور ملحد بھی ایسے ہیں جو سلبِ امراض کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک فن اور مشق ہے جس کے لیے یہ بھی ضرور نہیں کہ اس فن کا عامل خدا تعالیٰ پر یقین رکھتا ہو یا نیک چلن ہو۔ جس طرح پر دوسرے علوم کے حصول کے لیے نیک چلنی اور خدا پرستی شرط نہیں ہے اس کے لیے بھی نہیں یعنی اگر کوئی شخص ریاضی کے قواعد کی مشق کرے تو قطع نظر اس کے کہ وہ دہریہ ہے یا موحد خدا پرست، وہ قواعد اس کے لیے کوئی روک پیدا نہیں کریں گے۔ برخلاف اس کے وہ رُوحانی کمالات جو اسلام سکھاتا ہے اُن کے لیے ضروری ہے کہ اعمال میں پاکیزگی اور صدق اور وفاداری ہو۔ بغیر اس کے وہ باتیں حاصل ہی نہیں ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلبِ امراض والے مسیح کے اچھے کئے ہوئے مر گئے لیکن۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ (الشمس : ۱۰) کی تعلیم دینے والے کے زندہ کئے ہوئے آجتک بھی زندہ ہیں اور اُن پر کبھی فنا آ ہی نہیں سکتی۔

صحابہؓ کرام اور حواریانِ مسیح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں حواریوں کو پیش کرتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ حواریوں کی تعریف میں ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نظر نہ آئے گا۔ کہ انہوں نے میری راہ میں جان دے دی۔ بلکہ برخلاف اس کے ان کے اعمال ایسے ثابت ہوں گے جس سے معلوم ہو کہ وہ حد درجہ کے غیر مستقل مزاج، غدار اور بے وفا اور دُنیا پرست تھے اور صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی راہ میں وہ صدق دکھلایا کہ انہیں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البینۃ : ۹) کی آواز آگئی۔ یہ اعلیٰ درجہ کا مقام ہے جو صحابہؓ کو حاصل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اس مقام کی خوبیاں اور کمالات الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جانا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ یہ توکل، تبتّل اور رضا و تسلیم کا اعلیٰ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کو کسی قسم کا شکوہ شکایت

اپنے مولیٰ سے نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونا یہ موقوف ہے بندے کے کمال صدق و وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے معرفت اور سلوک کے تمام مدارج طے کر لیے تھے۔ اس کا نمونہ حواریوں میں اگر تلاش کریں تو ہرگز نہیں مل سکتا۔ پس نرے سلب امراض پر خوش ہو جانا یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے اور روحانی کمالات کا شیدائی ان باتوں پر خوش نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں تمہارے لیے یہی پسند کرتا ہوں کہ تم اپنے دل کو پاک کرو کہ مولیٰ کریم تم سے راضی ہو جاوے اور تم اس سے راضی ہو جاؤ۔ پھر وہ تمہارے جسم میں تمہاری باتوں میں ایسی برکت رکھ دے گا۔ جو سلب امراض کرنے والے بھی انہیں دیکھ کر حیران اور شرمندہ ہوں گے۔

ایک نکتۂ معرفت قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی صفت مفعول کے صیغہ میں نہیں ہے۔ قدّوس تو ہے مگر معصوم نہیں ہے کیونکہ معصوم کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کو بچانے والا کوئی اَور ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات ہی میں بے عیب پاک خدا ہے اور وحدہٗ لاشریک اکیلا خدا ہے۔ اس کو بچانے والا کون ہو سکتا ہے۔

ایک الزامی جواب ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں مفتی محمد صادق صاحب رسالہ "بے گناہی مسیح" سُنا رہے تھے۔ اس میں ایک مقام پر مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر محض اس بنا پر حملہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیوں کیا؟ اس پر فرمایا:

افسوس یہ لوگ ایسے بیہودہ اعتراض کرتے ہیں جن کو کوئی سلیم الفطرت پسند نہیں کر سکتا ایسی باتیں کر کے یہ لوگ کچھ سُننا چاہتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کرنے سے پہلے اتنا سوچ لیتے کہ ایک شخص جو بیگانی اور بد وضع مشہور عورتوں سے تعلق رکھتا ہے اس کی زندگی کو تو وہ بے عیب اور خدا کی زندگی قرار دیتے ہیں۔ پھر جائز طور پر نکاح کرنے والے پر اعتراض کیوں ہے؟ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے۔ اپنے گھر میں انجیل کا مطالعہ کرے اور کفارہ کی برکات جو یورپ کو اخلاقی طور پر ورثہ میں ملی ہیں ان پر نظر کرے۔ پھر وہ اسلام پر اعتراض کرنے کے لیے مُنہ کھولے جس کے گھر میں اس قدر گند ہو۔ اُسے تو شرم آنی چاہیئے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء

بلا تاریخ[1]

اس زمانہ کی دنیا پرستی

افسوس کا مقام ہے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے لیکن اس کے لیے وہ وہ کوششیں کی جاتی ہیں گویا کبھی یہاں سے جانا ہی نہیں۔ انسان کیسا غافل اور ناسمجھ ہے کہ علانیہ دیکھتا ہے کہ یہاں کسی کو ہمیشہ کے لیے قیام نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ اگر یہ لوگ جو بڑے کہلاتے ہیں۔ اس طرف توجہ کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ دنیا کی عجیب حالت ہو رہی ہے جو ایک دردمند دل کو گھبرا دیتی ہے۔ بعض لوگ تو کھلے طور پر طالبِ دُنیا ہیں اور ان کی ساری کوششیں اور تگ و دَو دُنیا تک محدود ہے لیکن بعض لوگ ہیں تو اسی مردود دنیا کے طلبگار۔ مگر وہ اس پر دین کی چادر ڈالتے ہیں۔ جب اس چادر کو اُٹھایا جاوے تو وہی نجاست اور بدبُو موجود ہے۔ یہ گروہ پہلے گروہ کی نسبت زیادہ خطرناک اور نقصان رساں ہے۔ اکثر لوگ جب ان دینداروں کی حالت کو دیکھتے ہیں تو وہ دہریئے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے اعمال کو ان کے اقوال کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔ سُننے والے جب ان کی باتوں کو سُنکر پھر ان کے اعمال کو دیکھتے ہیں تو ان کا ایمان بالکل جاتا رہتا ہے اور وہ دہریہ ہو جاتے ہیں۔

سلسلہ احمدیہ کے قیام کی وجہ

مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت قریباً علماء کی یہی حالت ہو رہی ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (سورۃ الصف: ۳) کے مصداق اکثر پائے جاتے ہیں اور قرآن شریف پر بگفتن ایمان رہ گیا ہے؛ ورنہ قرآن شریف کی حکومت سے لوگ بکلّی نکلے ہوتے ہیں۔ احادیث سے پایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا تھا کہ قرآن شریف آسمان پر اُٹھ جائے گا۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ وہی وقت آگیا ہے۔ حقیقی طہارت اور تقویٰ جو قرآن شریف پر عمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے آج کہاں ہے؟ اگر ایسی حالت نہ ہو گئی ہوتی تو خدا تعالیٰ اس سلسلہ کو کیوں قائم کرتا۔ ہمارے مخالف اس بات کو نہیں سمجھ سکتے لیکن وہ دیکھ لیں گے کہ آخر ہماری سچائی روزِ روشن کی طرح کھُل جائے گی۔ خدا تعالیٰ خود ایک ایسی جماعت

---

[1] یہ ملفوظات جن پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پُرانی نوٹ بُک میں سے ایک صفحہ" کے زیرِ عنوان الحکم میں شائع کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۰۵ء سے پہلے کی کسی تاریخ کے یہ ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم (خاکسار مرتب)

تیار کر رہا ہے جو قرآن شریف کی ماننے والی ہوگی۔ ہر ایک قسم کی ملونی اس میں سے نکال دی جائے گی اور ایک خالص گروہ پیدا کیا جاوے گا اور وہ یہی جماعت ہے۔ اس لیے مَیں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم خدا تعالیٰ کے احکام کے پورے پابند ہو جاؤ اور اپنی زندگیوں میں ایسی تبدیلی کرو جو صحابہ کرامؓ نے کی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہیں دیکھ کر ٹھوکر کھا دے۔ ہاں مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ افترا اور کذب کے سلسلہ سے الگ ہو جاوے۔ پس تم دیکھو اور منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو دیکھو۔ یہ مَیں جانتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور زمین پر بارش ہوتی ہے تو جہاں مفید اور نفع رساں بُوٹیاں اور پودے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی زہریلی بُوٹیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ کا کلام اُتر رہا ہے اور آسمان کے دروازے کھُلے ہوئے ہیں۔ چونکہ ایک سلسلہ حقہ قائم ہوا ہے۔ ضرور تھا کہ اس کے ساتھ جھوٹے مدعی اور مفتری بھی ہوتے ہیں جو اکثروں کو گمراہ کرتے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ سے کشودِ کار کے لیے دُعا کرے اور دعاؤں میں لگا رہے۔ ہمارے سلسلہ کی بنیاد نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ پر ہے۔ پھر اس سلسلہ کی تائید اور تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیات ارضیہ اور سماویہ کی ایک خاتم ہم کو دی ہے۔ یہ بخوبی یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اسے ایک مُہر دی جاتی ہے اور وہ مُہر محمدی مُہر ہے جس کو ناعاقبت اندیش مخالفوں نے نہیں سمجھا۔

مَیں بڑے یقین اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے۔ وہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جو آپ کے خلاف کسی سلسلہ کو قائم کرتا ہے اور آپؐ کی نبوت سے الگ ہو کر کوئی صداقت پیش کرتا ہے اور چشمۂ نبوت کو چھوڑتا ہے۔ مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ وُہ شخص لعنتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا آپؐ کے بعد کسی اور کو نبی یقین کرتا ہے اور آپؐ کی ختمِ نبوت کو توڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا جس کے پاس وہی مُہر نبوتِ محمدی نہ ہو۔ ہمارے مخالف الرائے مسلمانوں نے یہی غلطی کھائی ہے کہ وہ ختمِ نبوت کی مُہر کو توڑ کر اسرائیلی نبی کو آسمان سے اُتارتے ہیں۔ اور مَیں یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور آپؐ کی ابدی نبوت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد بھی آپؐ ہی کی تربیت اور تعلیم سے مسیح موعودؑ آپ کی امت میں وہی مُہرِ نبوت لے کر آیا ہے۔ اگر یہ عقیدہ کُفر ہے تو پھر مَیں اس کفر کو عزیز رکھتا ہوں۔ لیکن یہ لوگ جن کی عقلیں تاریک ہو گئی ہیں جن کو نُورِ نبوت سے حصہ نہیں دیا گیا اس کو سمجھ نہیں سکتے اور اس کو کُفر قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ وہ بات

ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اور آپ کی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے۔

مامورین کی تائید اور تصدیق کے لیے نشانات

غرض ہر مامور اور راستباز کو اللہ تعالےٰ ایک نشانِ نبوت دیتا ہے اور وہ وہ آیاتِ ارضیہ اور سماویہ ہوتے ہیں جو اس کی تائید اور تصدیق کے لیے ظاہر ہوتے ہیں اور خدا تعالےٰ کا فضل ہے کہ اُس نے میری تائید اور تصدیق میں ایک دو نہیں لاکھوں لاکھ نشان ظاہر کئے ہیں۔ کوئی دیکھنے والا بھی ہو۔

پھر میری تائید اور تصدیق اور اس سلسلہ کی سچائی کے لیے دلائل عقلیہ موجود ہیں۔ کاش یہ لوگ اگر نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ سے واقف نہیں تھے اور ان آیاتِ ارضیہ اور سماویہ کو جو میری صداقت کے ثبوت میں میرے ہاتھ پر ظاہر ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے تو عقل ہی سے کام لیتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں ذکر آیا ہے کہ جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنی غلطی پر اطلاع ہوگی تو کہیں گے۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱)

اے کاش اگر ہم سُنتے اور پھر سُنکر عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے۔

ضرورت زمانہ کی دلیل

میں کہتا ہوں کہ اگر دُوسرے امور پر نظر نہ بھی کریں تو ایک ضرورت موجودہ ہی ایسی ہے جو میری سچائی پر مُہر کر دیتی ہے۔ کیا اس طوفان اور جنگ کے وقت جب عیسائیوں نے اسلام کو نابود کرنا چاہا ہے اور ہر طرف سے اور ہر رنگ سے اس پر حملے کر رہے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں اخبارات اور رسالے اس کی مخالفت میں شائع کر رہے ہیں، اس لیے کہ اسلام اُن کی راہ میں ایک روک اور پتھر ہے۔ اسلام ہی ان کی عیش میں تلخ ہے۔ اخبارات یورپ پکار پکار کر کہتے اور وہاں کے مدبّر اور اہل الرائے اسلام ہی کو اپنی ترقی کی راہ میں روک قرار دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسلام کے نیست و نابود کرنے کی جس قدر فکر عیسائیوں کو ہو سکتی ہے اس سے وہ لوگ جو حجروں میں رہتے ہیں کب آشنا اور واقف ہو سکتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ آئے دن دو چار آدمی مُسلمان ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی ترقی ہو رہی ہے انہیں ان حملوں کی خبر نہیں جو مقدس اسلام پر مختلف رنگوں میں ہو رہے ہیں عیسائیت کی بربادکن آگ اسلام کے گھر کو لگ چکی ہے۔ ۲۹ لاکھ تو ایسے ہیں جو اس آگ کی نذر ہو چکے ہیں۔ اور

اسلام کے لختِ جگر کہلا کر مُسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کھڑے ہو کر وعظ کہتے ہیں۔ یہ تو علانیہ دشمن ہیں۔ پھر ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو گو کھُلے طور پر عیسائی تو نہیں ہوئے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ انہیں اسلام کے ساتھ کوئی محبت اور لگاؤ نہیں ہے وہ اسلام کے ارکان اور شعار پر ہنستے اور ٹھٹھے کرتے ہیں۔ آئے دن اس میں لگے رہتے ہیں کہ جہانتک ممکن ہو اور بس چلے اسلام کے احکام نماز روزہ میں ترمیم کریں اور اپنی تجویز اور تدبیر سے ایک ایسا اسلام پیدا کریں جس کے بانی مبانی وہ آپ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ اسلام سے خواہ وہ الگ ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کی حالت کسی صورت میں عیسائیوں سے کم نہیں ہے۔ وہ کھُلم کھُلا ان کی وردی پہنتے ہیں۔ جو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دشمنِ دین کی وردی وہ کیوں پہنتے ہیں اگر اسلام کے ساتھ انہیں محبت اور پیار ہے۔

منہاجِ نبوت کے معیار پر اس صداقت کو آزماؤ

اگر کوئی شخص ہماری جماعت سے نفرت کرتا ہے تو کرے۔ لیکن اسے کم از کم غیرتِ اسلام کے تقاضا سے اور اسلام کی موجودہ حالت کے لحاظ سے یہ بھی تو ضرور ہے کہ وہ کسی ایسی جماعت کو تلاش کرے اور اس کا پتہ دے جو حجج و براہین اور خدا تعالےٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور روشن آیات سے کسرِ صلیب کر رہی ہو۔ مگر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خواہ شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کہیں بھی چلے جاؤ اس جماعت کا پتہ بجز میرے نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے اس غرض کے واسطے مجھے ہی مبعوث کر کے بھیجا ہے۔ میرے دعویٰ کو سُنکر تری بدظنی اور بدلگامی سے کام نہ لو بلکہ تمہیں چاہیے کہ اس پر غور کرو اور منہاجِ نبوت کے معیار پر اس کی صداقت کو آزماؤ۔ انسان ایک پیسے کا برتن لیتا ہے تو اس کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری باتوں کو سُنتے ہی بغیر فکر کئے گالیاں دینی شروع کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی نامناسب امر ہے۔ جو طریق میں نے پیش کیا ہے اس طرح پر میرے دعویٰ کو آزماؤ اور پھر اگر اس طریق سے بھی تم مجھے کاذب پاؤ تو بے شک افسوس کے ساتھ چھوڑ دو۔ لیکن میں تمہیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میں مفتری نہیں ہوں۔ کاذب نہیں ہوں بلکہ میں وہی ہوں جس کا وعدہ نبیوں کی زبانی ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے۔ وہی مسیح موعود ہوں۔ جو چودھویں صدی میں آنے والا تھا اور جو مہدی بھی ہے۔ مجھے وہی قبول کرتا ہے جس کو خدا تعالےٰ اپنے فضل سے دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے اور یہ جماعت اب دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ یہ بڑھے پس یہ بڑھے گی۔ اور

ضرور بڑھے گی۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۲ صفحہ ۲ بابت ۱۰ رجون ۱۹۰۵ء

بلا تاریخ[1]

حجۃ اللہ کا مقام

جب انسان حجۃ اللہ کے مقام پر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی اس کے جوارح ہو جاتا ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم: ۴) کے یہی معنے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ انسان کامل طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور اس کا وفادار بندہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اسے کامل صلح ہوتی ہے۔ اس کی کوئی حرکت کوئی سکون اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر[2] کی ایک کل ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس پر مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ مقام کامل اور اکمل طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔

مکر کے معنے

مکر کا لفظ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کے لیے استعمال کیا ہے۔ پھر یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی آیا ہے اور براہین احمدیہ میں میرے متعلق بھی ایک الہام ہے۔ مکر کی حد اس وقت تک ہوتی ہے۔ جب تک وہ انسانی تدابیر اور منصوبوں تک ہو۔ لیکن جب انسانی منصوبوں کی طرح نہ ہو تو پھر وہ خارقِ عادت ہوتا ہے مکر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار نے جو منصوبے کئے وہ اس میں پورے ناکام اور نامراد رہے اور اللہ تعالیٰ نے خارقِ عادت طریق سے آپ کو وعدہ کے موافق بچا لیا۔

بروز کا مسئلہ

مذہب کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی رُوحانیت کا بروز نہ ہو اس لیے ضروری تھا کہ اسلام کے کامیاب اور بامراد ہونے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے اور مدینہ طیبہ میں قبر کے اندر رکھے گئے۔ مگر میں یہ ماننے

---

[1] یہ ملفوظات بھی ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پرانی نوٹ بک میں سے کچھ" کے زیرِ عنوان بغیر تاریخ کے شائع کیے ہیں۔ (مرتب)

[2] نقل مطابق اصل۔

کو تیار نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہی ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو قبر میں رکھے گئے وہ ایک پاک دانہ کی طرح رکھے گئے ہیں جس کو بہت سے خوشے لگے ہیں جو اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (ابراہیم: ۲۵) کا سچا مصداق ہے اگر کوئی شخص اس امر کو نہیں مانتا تو وہ گویا تسلیم کرتا ہے کہ معاذ اللہ آپ ضائع ہو گئے؛ حالانکہ آپ کے برکات اور فیوض کا تو یہاں تک اثر ہوا کہ مدینہ طیبہ کا نام یثرب بھی نہیں رہنے دیا، کیونکہ یثرب ہلاک ہونے کو کہتے ہیں۔ میں یقیناً کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس حقیقت کو کھول دیا ہے کہ آپ مدینہ کی خاک میں اس دانے کی طرح تھے جس سے ہزارہا دانے اُگیں۔ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں وہ تعصب اور ضد میں اندھے ہو کر آپ کو اس دانہ سے مشابہ سمجھتے ہیں جو معاذ اللہ کرم خوردہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قدیم سے عادت ہے کہ نبی کے اخلاق، عادات اور توجہ کسی اور کو بھی دیئے جاتے ہیں جو اس کی اتباع میں اس کی محبت میں کامل طور پر فنا ہو گیا ہو۔ اور ظلی طور پر اس کے کمالات اور خوبیوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہو۔ اس صورت میں اس نبی کا حلیہ جو اس کو دیا جاتا ہے۔ اس وقت اس کا نام اس نبی کا ہوتا ہے۔ یہی سِر ہے جو انجیل[1] میں لکھا ہے مسیح نہ آئے گا جب تک ایلیا نہ آئے۔ اور دوسرے مقام پر ایلیا کے آنے سے مراد اس کی خُو اور طبیعت اور طاقت پر آنے سے لی گئی ہے۔ پس مہدی کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر آئے گا اس سے یہی مُراد ہے کہ وہ ظلی اور بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہوگا۔

بعثتِ مسیح موعود کے مقاصد

میرے آنے کے دو مقصد ہیں مُسلمانوں کے لیے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں۔ وہ ایسے سچے مُسلمان ہوں جو مُسلمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔ اور عیسائیوں کے لیے کسرِ صلیب ہو۔ اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آوے۔ دُنیا اس کو بالکل بھُول جاوے۔ خدائے واحد کی عبادت ہو۔

میرے ان مقاصد کو دیکھ کر یہ لوگ میری مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جو کام نفاقِ طبعی اور دنیا کی گندی زندگی کے ساتھ ہوں گے وہ خود ہی اس زہر سے ہلاک ہو جائیں گے۔ کیا کاذب کبھی کامیاب ہو سکتا ہے؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (المومن: ۲۹)

---

[1] لفظ "بائبل" ہونا چاہیے۔ سہو کتابت سے "انجیل" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

کذّاب کی ہلاکت کے واسطے اس کا کذب ہی کافی ہے لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے رسُول کی برکات کے اظہار اور ثبوت کے لیے ہوں۔ اور خود اللہ تعالےٰ کے اپنے ہی ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہو۔ پھر اس کی حفاظت تو خود فرشتے کرتے ہیں۔ کون ہے جو اس کو تلف کر سکے؟ یاد رکھو۔ میرا سلسلہ اگر نری دکانداری ہے تو اس کا نام و نشان مِٹ جائے گا لیکن اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے اور یقیناً اسی کی طرف سے ہے تو خواہ ساری دُنیا اس کی مخالفت کرے یہ بڑھے گا اور پھیلے گا اور فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کوئی بھی مدد نہ دے۔ تب بھی مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سلسلہ کامیاب ہوگا۔

مخالفت کی مَیں پروا نہیں کرتا۔ مَیں اس کو بھی اپنے سلسلہ کی ترقی کے لیے لازمی سمجھتا ہوں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی مامور اور خلیفہ دُنیا میں آیا ہو اور لوگوں نے چُپ چاپ اسے قبول کر لیا ہو۔ دُنیا کی تو عجیب حالت ہے۔ انسان کیسا ہی صدیق فطرت رکھتا ہو۔ مگر دُوسرے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے وہ تو اعتراض کرتے ہی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے سلسلہ کی ترقی فوق العادت ہو رہی ہے۔ بعض اوقات چار چار پانچ پانچ سو کی فہرستیں آتی ہیں اور دس دس پندرہ پندرہ تو روزانہ درخواستیں بیعت کی آتی رہتی ہیں اور وہ لوگ علیحدہ ہیں جو خود یہاں آکر داخلِ سلسلہ ہوتے ہیں۔

سلسلہ کے قیام کی غرض

اس سلسلہ کے قیام کی اصل غرض یہی ہے کہ لوگ دُنیا کے گند سے نکلیں اور اصل طہارت حاصل کریں اور فرشتوں کی سی زندگی بسر کریں۔

وفاتِ مسیح

مسیح کی موت کا جھگڑا بالکل صاف ہو چکا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے قول سے اور مسیح علیہ السلام کے اپنے اقرار سے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدۃ: ۱۱۸) میں موت ثابت کر دی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے معراج کی رات میں اُن کو مُردوں میں دیکھا یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص ابھی اس عالم میں ہے وہ ان رُوحوں میں جو اس جہان سے گذر چکی ہیں کیونکر شامل ہو گیا؟

الحکم جلد ۹ نمبر ۲۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۵ء

یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء

تصویر کی حلت و حرمت

ذکر آیا کہ ایک شخص[1] نے حضور کی تصویر ڈاک کے کارڈ پر چھپوائی ہے تاکہ لوگ کارڈوں کو خرید کر خطوط میں استعمال کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

میرے نزدیک یہ دُرست نہیں۔ بدعت پھیلانے کا یہ پہلا قدم ہے۔ ہم نے جو تصویر فوٹو لینے کی اجازت دی تھی وہ اس واسطے تھی کہ یورپ امریکہ کے لوگ جو ہم سے بہت دُور ہیں اور فوٹو سے قیافہ شناسی کا علم رکھتے ہیں اور اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اُن کے لیے ایک رُوحانی فائدہ کا موجب ہو۔ کیونکہ جیسا تصویر کی حُرمت ہے۔ اس قسم کی حُرمت عموم نہیں رکھتی بلکہ بعض اوقات مجتہد اگر دیکھے کہ کوئی فائدہ ہے اور نقصان نہیں تو وہ حسبِ ضرورت اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ خاص اس وقت یورپ کی ضرورت کے واسطے اجازت دی گئی؛ چنانچہ بعض خطوط یورپ امریکہ سے آئے ہیں جن میں لکھا تھا کہ تصویر کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل وہی مسیح ہے۔ ایسا ہی امراض کی تشخیص کے واسطے بعض وقت تصویر سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ شریعت میں ہر ایک

---

[1] حاشیہ (نوٹ از ایڈیٹر الحکم) بمبئی کے ایک سوداگر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر والے کارڈ چھپوائے تھے اور ان کا اشتہار الحکم میں بھی شائع کر دیا گیا جو ایک معمولی اشتہار سمجھ کر شائع ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میری نیت اس اشتہار کی اشاعت سے کیا تھی۔ میرا ذاتی خیال یہ تھا کہ یہ بھی تبلیغ کا ایک ذریعہ ہوگا۔ لیکن یہ مرض تصویر بازی کا کچھ ایسا ترقی کرنے لگا کہ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ کرنی پڑی اور پُرزور الفاظ میں اس کی حُرمت اور ممانعت کا فتویٰ دیا اور اس طرح پر اس باب البدعت کو کھُلتے ہی بند کر دیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

الحکم کی گذشتہ اشاعت میں مختصر طور پر یہ اعلان دے دیا گیا تھا۔ آج تفصیل کے ساتھ حضرت اقدس (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تقریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ آج کے بعد یقین کیا جاتا ہے کہ علیحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر کا کارڈ استعمال نہ کیا جاوے گا۔ (ایڈیٹر الحکم)

(الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۳)

امر جو مَا یَنْفَعُ النَّاسَ (الرعد : ۱۸) کے نیچے آتے اس کو دیر پا رکھا جاتا ہے لیکن یہ جو کارڈوں پر تصویریں بنتی ہیں ان کو خریدنا نہیں چاہیے۔ بُت پرستی کی جڑ تصویر ہے۔ جب انسان کسی کا معتقد ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ تعظیم تصویر کی بھی کرتا ہے۔ ایسی باتوں سے بچنا چاہیے اور ان سے دُور رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہماری جماعت پر سر نکالتے ہی آفت پڑ جائے۔ مَیں نے اس ممانعت کو کتاب میں درج کر دیا ہے جو زیرِ طبع ہے۔ جو لوگ جماعت کے اندر ایسا کام کرتے ہیں اُن پر ہم سخت ناراض ہیں۔ ان پر خُدا تعالےٰ ناراض ہے۔ ہاں اگر کسی طریق سے کسی انسان کی رُوح کو فائدہ ہو تو وہ طریق مستثنیٰ ہے۔

ایک کارڈ تصویر والا دکھایا گیا۔ دیکھ کر فرمایا :

یہ بالکل ناجائز ہے۔

ایک شخص نے اس قسم کے کارڈوں کا ایک بنڈل لاکر دکھایا کہ مَیں نے یہ تاجرانہ طور پر فروخت کے واسطے خریدے تھے۔ اب کیا کروں؟ فرمایا :

ان کو جلا دو اور تلف کر دو۔ اس میں اہانتِ دین اور اہانتِ شرع ہے۔ نہ ان کو گھر میں رکھو۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ اس سے اخیر میں بُت پرستی پیدا ہوتی ہے۔ اس تصویر کی جگہ پر اگر تبلیغ کا کوئی فقرہ ہوتا تو خوب ہوتا[1]

(قبل دوپہر)

گناہ کی تعریف

تُرک صاحب نے مندرجہ ذیل دو سوال کئے اور جواب پایا۔

سوال۔ اگر کوئی چوری یا زنا کے ارادے سے جاوے مگر نہ کرے تو کیا گناہ ہوگا؟

جواب حضرت اقدس۔ جو خیالات وسوسہ کے رنگ میں دل میں گذرتے ہیں اور ان پر کوئی عزم اور ارادہ انسان نہیں کرتا ان پر مؤاخذہ نہیں ہے لیکن جب کوئی خیالِ بد دل میں گذرے اور انسان اس پر مصمم ارادہ کرے تو اس پر مؤاخذہ ہوتا ہے اور وہ گناہ ہے۔ جیسے ایک اُچکا دل میں خیال کرے کہ فُلاں بچّہ کو قتل کر کے اس کا زیور اُتار لُوں گا تو گو قانونی جُرم نہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء

نزدیک وُہ مجرم ہے اور سزا پائے گا۔ یاد رکھو دل کا ایک فعل ہوتا ہے مگر جب تک اس پر مصمم ارادہ اور عزیمت نہ کرے اس کا کوئی اثر نہیں۔

سوال۔ جو لوگ لڑائیوں میں جاتے ہیں اور وہاں قتل کرتے ہیں۔ کیا وہ قتل ان کا گناہ ہے یا نہیں؟

جواب۔ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اچھا کیا یا بُرا کیا۔[1]

۲؍اکتوبر ۱۹۰۵ء

اسلامی جنگوں کی حقیقت

مسئلہ جہاد کے متعلق ذکر تھا۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

اسلامی جہاد پر یہ اعتراض تو محض فضول ہے کہ وُہ لڑائیاں مذہب اور اشاعتِ اسلام کی خاطر تھیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک مکہ میں کفار کے ہاتھوں سے سخت تکلیف اُٹھاتے رہے اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ نے دُکھ اُٹھائے اور جانیں دیں۔ بعض غریب اور بیکس ضعیف عورتوں کو شرمناک تکالیف کفار نے پہنچائیں۔ یہانتک کہ آخر آپؐ کو ہجرت کرنی پڑی اور ان کفار نے وہاں بھی آپؐ کا تعاقب کیا۔ ایسی صورت میں جب اُن کی شرارتیں اور تکلیفیں حد سے گذر گئیں تو پھر خدا تعالیٰ نے سدِباب اور دفاع کے طور پر حکم دیا کہ ان سے جنگ کرو، چنانچہ پہلی آیت جس میں جہاد کا حکم ہوا وُہ یہ ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الآیۃ) (الحج: ۴۰)

یعنی ان لوگوں کو اجازت دی گئی کہ جنگ کریں جن پر ظلم ہوا۔ مسلمان مظلوم تھے۔ اُن کی طرف سے ابتدا نہیں ہوئی تھی بلکہ بانی فساد کفارِ مکہ تھے۔ ایسی حالت میں بھی جب اُن کی شرارتیں انتہائی درجہ تک جا پہنچیں تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مدافعت کے واسطے مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ اعتراض محض فضول اور لغو ہے کہ وہ لڑائیاں مذہب کے لیے تھیں۔ اگر محض مذہب کے لیے ہوتیں تو جزیہ دینے کی صورت میں اُن کو کیوں چھوڑا جاتا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ عیسائی تو اس قسم کا

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷؍نومبر ۱۹۰۵ء

اعتراض کر ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے گھر میں دیکھیں کہ اسلامی لڑائیاں موسوی لڑائیوں سے زیادہ ہیں؟ اور جبکہ وہ حضرت عیسیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کا بھی (معاذ اللہ) خدا مانتے ہیں تو ان لڑائیوں کا الزام عیسائیوں پر بدستور قائم ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ لڑائیاں اسلامی جنگوں سے زیادہ سخت اور خونریز تھیں۔ اسلامی لڑائیوں میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا لحاظ کیا جاتا تھا اور ان کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر موسوی لڑائیوں میں تو ان امور کی پروا نہیں کی جاتی تھی۔ ایسا ہی اسلامی جنگوں میں مذہبی عبادت گاہوں اور پھلدار درختوں کو بھی ضائع نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر موسوی لڑائیوں میں پھلدار درخت تباہ کر دیئے جاتے۔ غرض اسلامی جنگ موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں کچھ چیز ہی نہیں۔

مامور من اللہ کی جماعت اور ایک الہام فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی عادت چلی آئی ہے کہ جب کوئی مامور اور مُرسل اس کی طرف سے آتا ہے تو اوّلاً اس کی جماعت میں ضعفاء اور غرباء ہی آتے ہیں۔ بادشاہوں یا امراء کو توجہ نہیں ہوتی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ غرباء کی جماعت کو ہر قسم کی برکتیاں دے دیتا ہے۔ میرا ایک الہام ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ وہ بادشاہ مجھے دکھائے بھی گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زمانہ آئے گا جب اللہ تعالیٰ بعض کو اس سلسلہ کی سچائی کا فہم عطا کر دیگا۔

پنجاب کی سرزمین نرم ہے فرمایا:

پنجاب کی سرزمین نرم ہے۔ ان لوگوں میں وہ شور اور شرارت نہیں ہے۔ جو ہندوستانیوں میں ہے۔ ہندوستانیوں نے غدر کر دیا تھا مگر پنجابی گورنمنٹ کے ساتھ تھے۔ ہمارے مرزا صاحب نے بھی پچاس گھوڑے اس وقت مدد کے لیے گورنمنٹ کو دیئے تھے۔

پنجابیوں نے جسقدر مجھے قبول کیا ہے۔ ہندوستان کو ابھی اس سے کچھ نسبت ہی نہیں۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۵ء

۳؍اکتوبر ۱۹۰۵ء

نبی کا انکار کُفر کو مستلزم ہے

فرمایا:

نبی کا انکار موجب کفر ہوتا ہے مگر ولی کا انکار بھی سلبِ ایمان کا موجب ہو جاتا ہے اور آخر کُفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے مَنْ عَادٰی لِیًّا فَاٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ۔ یعنی جو شخص میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے میں اس کو لڑائی کے لیے پکارتا ہوں۔

خدا تعالیٰ نے بلعم کا قصہ بیان کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے اس حد تک گر گیا کہ اس کی کُتے سے مثال دی گئی۔ نبی کا انکار صریح کُفر کو مستلزم ہے مگر ولی کا جب دشمن بنتا ہے تو اندر ہی اندر توفیق چھن جاتی ہے۔

عبادت میں ذوق وشوق خدا تعالیٰ کے فضل پر ملتا ہے

کسی نے پوچھا کہ عبادت میں ذوق شوق کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا:

اعمالِ صالحہ اور عبادت میں ذوق شوق اپنی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق پر ملتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان گھبرائے نہیں اور خدا تعالیٰ سے اس کی توفیق اور فضل کے واسطے دعائیں کرتا رہے۔ اور ان دُعاؤں میں تھک نہ جاوے۔ جب انسان اس طرح پر مستقل مزاج ہو کر لگا رہتا ہے تو آخر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے وہ بات پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے اس کے دل میں تڑپ اور بے قراری ہوتی ہے۔ یعنی عبادت کے لیے ایک ذوق وشوق اور حلاوت پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مجاہدہ اور سعی نہ کرے۔ اور وہ یہ سمجھے کہ پھونک مار کر کوئی کر دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور سنّت نہیں۔ اس طریق پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو آزماتا ہے۔ وہ خُدا تعالیٰ سے ہنسی کرتا ہے اور مارا جاتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا فضل نہ ہو تو دُوسرے دن جا کر عیسائی ہو جاوے یا کسی اَور بے دینی میں مبتلا ہو جاوے۔ اس لیے ہر وقت اس کے فضل کے لیے دُعا کرتے رہو اور اس کی اِستعانت چاہو تاکہ صراطِ مستقیم پر تمہیں قائم رکھے۔ جو شخص خدا تعالیٰ سے بے نیاز ہوتا ہے وہ شیطان ہو جاتا ہے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان استغفار کرتا رہے تاکہ وہ زہر اور جوش پیدا نہ ہو جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔[1]

۱۱ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

چند الہامات

قبل وفات مولوی صاحب۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ

فرمایا:

پہلے الہام کے یہ معنے معلوم ہوئے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی موت پر حد سے زیادہ غم کرنا ایک قسم کی مخلوق کی عبادت ہے کیونکہ جس سے حد سے زیادہ محبت کی جاتی ہے یا حد سے زیادہ اس کی جدائی کا غم کیا جاتا ہے۔ وہ معبود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ خدا ایک کو بلا لیتا ہے۔ دوسرا اس کا قائم مقام کر دیتا ہے۔ قادر اور بے نیاز ہے۔

پہلے اس سے ایک یہ بھی الہام ہوا تھا جبکہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم زندہ تھے کہ:

دو شہتیر ٹوٹ گئے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

یہ الہام بھی خوفناک ہے خدا تعالیٰ اس کے معنے بہتر جانتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۵ء

مقامِ صدیقیت

فرمایا:

مُسلمانوں کو چاہیے کہ وہ محض اللہ کی رضا کو مقدم کر لیں۔ اگر اسے خوش کریں تو سب کچھ مل سکتا ہے۔ مگر ان کی یہی تو بدقسمتی ہے کہ وہ اس کو ناراض کر رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوتا ہے جب مَیں دیکھتا ہوں کہ مُسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے ایک سچا دین اسلام عطا کیا تھا مگر انہوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ خدا جانے یہ بے پروائی کیا نتیجہ پیدا کرے۔ دین کی کچھ بھی پروا اور غیرت نہیں۔ باہم اگر جنگ و جدل ہے تو اس میں شیخی، ریا، عُجب مقصود ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا جلال اور عظمت۔ لیکن جو شخص ہر امر میں اللہ تعالیٰ کو مقدم کرے۔ اور اس کے دین کی حمیت اور غیرت میں ایسا محو ہو کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا ظاہر کرنا اس کا مقصود خاطر ہو۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے دفتر میں صدیق کہلاتا ہے۔

جماعت کا صدق اور ہمدردیٔ اسلام

ہم جس طریق پر اسلام کو پیش کر سکتے ہیں۔ دُوسرا نہیں کر سکتا۔ مگر مشکلات یہ ہیں کہ

ہماری جماعت کا بہت بڑا حصّہ غربا کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شُکر ہے کہ باوجود یکہ یہ غربا کی جماعت ہے؛ تاہم مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں صدق ہے اور ہمدردی ہے اور وہ اسلام کی ضروریات سمجھ کر حتی المقدور اس کے لیے خرچ کرنے سے فرق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ساتھ ہو تو کام بنتا ہے اور ہم اس کے فضل کے امیدوار ہیں۔

اسلام کا ضعف راتوں کی دعاؤں سے ہی دُور ہو سکتا ہے

جس طرح پر ایک طوفان قریب آتا ہو تو انسان

کو فکر ہوتا ہے کہ یہ طُوفان تباہ کر دے گا اسی طرح پر اسلام پر طوفان آ رہے ہیں۔ مخالف ہر وقت ان کوششوں میں لگے ہوتے ہیں کہ اسلام تباہ ہو جاوے لیکن مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو ان تمام حملوں سے بچائے گا اور وہ اس طوفان میں اس کا بیڑا اسلامتی سے کنارہ پر پہنچا دے گا۔ انبیاء علیہم السّلام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کو مشکلات نظر آتی تھیں تو بجز اس کے اَور کوئی صورت نہ ہوتی تھی کہ وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتے تھے۔ قوم تو صمٌ بکمٌ ہوتی ہے وہ ان کی باتیں سُنتی نہیں بلکہ تنگ کرتی اور دُکھ دیتی ہے۔ اس وقت راتوں کی دعائیں ہی

کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی یہی صورت ہے باوجودیکہ اسلام ضعف کی حالت میں ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی بھلائی کے لیے پوری کوشش کی جائے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہم سے جو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرح سے ہماری مخالفت کے لیے سعی کی جاتی ہے یہ میری مخالفت نہیں خدا تعالےٰ سے جنگ ہے۔ میں تو یہاں تک یقین رکھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے کوئی کتاب اسلام پر جاپان میں شائع ہو تو یہ لوگ میری مخالفت کے لیے جاپان بھی جا پہنچیں لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔

رُوحانیت کا صعود پاک دلی پر منحصر ہے

وہ شخص بڑا ہی مبارک اور خوش قسمت ہے جس کا دل پاک ہو اور وہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جلال کے اظہار کا خواہاں ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُسے دُوسروں پر مقدم کر لیتا ہے۔ جو لوگ میری مخالفت کرتے ہیں ان کا اور ہمارا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے ہے۔ وہ ہمارے اور ان کے دلوں کو خوب جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس کا دل دنیا کے نمود اور نمائش کے لیے ہے اور کون ہے جو خدا تعالیٰ ہی کے لیے اپنے دل میں سوز و گداز رکھتا ہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ کبھی رُوحانیت صعود نہیں کرتی جب تک دل پاک نہ ہو جب دل میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے تو اس میں ترقی کے لیے ایک خاص طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے ہر قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور وہ ترقی کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ بالکل اکیلے تھے اور اس بیکسی کی حالت میں دعویٰ کرتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹)

کون اس وقت خیال کر سکتا تھا کہ یہ دعویٰ ایسے بے یار و مددگار شخص کا بار آور ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس قدر مشکلات آپ کو پیش آئیں کہ ہمیں تو ان کا ہزارواں حصہ بھی نہیں آئیں۔ وہ زمانہ تو ایسا تھا کہ سکھا شاہی سے بھی بدتر تھا۔ اب تو گورنمنٹ کی طرف سے پورا امن اور آزادی ہے۔ اس وقت ایک چالاک آدمی ہر قسم کی منصوبہ بازی سے جو کچھ بھی چاہتا دُکھ پہنچاتا۔ مگر مکہ جیسی جگہ میں اور عربوں جیسی وحشیانہ زندگی رکھنے والی قوم میں آپ نے وہ ترقی کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ خود ان کی مذہبی تعلیم اور عقائد کے خلاف انہیں سُنایا کہ یہ لات اور عزیٰ جن کو تم اپنا معبود قرار دیتے ہو۔ یہ سب پلید اور حَطَبِ جہنم ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی بات عربوں کی ضدی قوم کو جوش دلانے والی ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں عربوں میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے نشوونما پایا اور ترقی کی۔ انہیں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے بھی نکل آئے۔ اس سے ہمیں امید ہوتی ہے کہ انہیں مخالفوں میں سے وہ لوگ بھی نکلیں گے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کو پورا کرنے والے اور پاک دل ہوں گے اور یہ جماعت جو اس وقت تک تیار ہوئی ہے آخر انہیں میں سے آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہم کبھی ناامید نہیں ہو سکتے

کئی دفعہ میر صاحبؓ نے ذکر کیا کہ دلی سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے مگر میرے دل میں یہی آتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ دلی میں بھی بعض پاک دل ضرور چھپے ہوتے ہوں گے جو آخر اس طرف آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا تعلق دلی سے کیا ہے۔ یہ بھی خالی از حکمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کبھی ناامید نہیں ہو سکتے۔ آخر خود میر صاحب بھی دلی ہی کے ہیں۔ غرض یہ کوئی ناامید کرنے والی بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اور کامل نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ مکہ والوں نے کیسی مخالفت کی اور پھر اسی مکہ میں سے وہ لوگ نکلے جو دنیا کی اصلاح کرنے والے ٹھہرے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں میں سے تھے۔ وہ ابوبکرؓ جن کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے جو اس کے دل میں ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکہ والوں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ بڑے بھاری مخالف تھے یہانتک کہ ایک مرتبہ مشورۂ قتل میں بھی شریک اور قتل کے لیے مقرر ہوتے لیکن آخر خدا تعالیٰ نے ان کو وہ جوش اظہارِ اسلام کا دیا کہ غیر قومیں بھی ان کی تعریف کرتیں اور ان کا نام عزت سے لیتی ہیں۔

ہم کو وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے۔ باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہ ہوئے جب تک پورے کامیاب نہیں ہو گئے اور آپ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر: ۲-۳) کا نظارہ دیکھ نہیں لیا۔

نبی کا قائم کردہ سلسلہ تباہ نہیں ہوتا

آج ہمارے مخالف بھی ہر طرح کی کوششیں ہمارے نابود کرنے کی کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے اور انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ جس قدر مخالفت اس سلسلہ

؎ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔

کی انہوں نے کی ہے اسی قدر ناکامی اور نامرادی ان کے شاملِ حال رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بڑھایا ہے۔ یہ تو خیال کرتے اور رائے لگاتے ہیں کہ یہ شخص مر جاوے گا اور جماعت متفرق ہو جاوے گی۔ یہ فرقہ بھی دوسرے فرقہ برہمو وغیرہ کی طرح ہے کہ جن میں کوئی کشش نہیں ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے خود ارادہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ کو قائم کرے اور اسے ترقی دے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرقے نہ تھے؟ اس وقت ان کے مخالف بھی یہی سمجھتے ہونگے کہ بس اب انکا خاتمہ ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو کیسا نشوونما دیا اور پھیلایا۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر کوئی فرقہ تھوڑی سی ترقی کر کے رُک جاتا ہے تو ایسے فرقوں کی نظیر موجود نہیں جو عالم پر محیط ہو جاتے ہیں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ارادوں پر نظر کر کے حکم کرنا چاہیے۔ جو لوگ رہ گئے اور ان کی ترقی رُک گئی ان کی نسبت ہم یہی کہیں گے کہ وہ اس کی نظر میں مقبول نہ تھے وہ اس کی نہیں بلکہ وہ اپنی پرستش چاہتے تھے۔ مگر میں ایسے لوگوں کو نظیر میں پیش کرتا ہوں جو اپنے وجود سے جل جاویں اور اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور جلال کے خواہشمند ہوں۔ اس کی راہ میں ہر دکھ اور موت کے اختیار کرنے کو آمادہ ہوں۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دے گا؟ کون ہے جو اپنے گھر کو خود تباہ کر دے؟ ان کا سلسلہ خدا کا سلسلہ ہوتا ہے اس لیے وہ خود اسے ترقی دیتا ہے اور ان کے نشوونما کا باعث ٹھہرتا ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دُنیا میں ہوئے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کون تباہ ہوا۔ ایک بھی نہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجموعی طور پر دیکھ لو۔ کیونکہ آپ جامع کمالات تھے۔ ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی اور اس نے قتل کے منصوبے کئے مگر آپ کی اللہ تعالیٰ نے وہ تائید کی جس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی[1]

۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

زندگی بے اعتبار ہے

فرمایا: ان لوگوں پر مجھے تعجب آتا ہے جو زندگی پر اعتبار کرتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان پر آنی موت وارد ہوتی ہے۔ ایک شخص

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۲ و ۳ مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بڑے مرزا صاحب کے پاس آیا انہوں نے اس کی نبض دیکھ کر کہا کہ فوراً گھر چلے جاؤ اور پاس والوں کو کہا کہ اگر کسی نے مُردہ چلتا ہوا دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لے۔ وہ گھر پہنچ کر فوراً مر گیا۔

ایسا ہی خلیفہ محمد حسین پٹیالہ والے کچہری سے گھر جا کر ایک زینہ پر گرے۔ اُٹھے اور دُوسرے پر گرے اور جان نکل گئی۔

صدقہ اگرچہ قلیل ہو مگر اس پر دوام ہو ایک مخلص سے چندہ کی ضرورت تھی۔ فرمایا:

بعض لوگ ایک بات مُنہ سے نکالتے ہیں اور پھر اس پر قائم نہیں رہ سکتے اور گنہگار ہوتے ہیں۔ صدقہ عمدہ وہ ہے جو اگرچہ قلیل ہو مگر اس پر دوام ہو۔

مولوی یار محمد صاحب کا اخلاص مولوی صاحب مرحوم[1] کی علالتِ طبع کے ایام میں بعض کی خدمت گذاری کے ذکر میں مولوی یار محمد صاحب بی۔ اے۔ ایل کی خدمتگذاری کا ذکر آیا۔ فرمایا:

بہت ہی مخلص یکرنگ آدمی ہے۔ کئی دفعہ بہت تکلیف کا سفر برداشت کیا۔ بدنی خدمت خوب ادا کرتا ہے۔ چالیس کوس روز پیدل چلنا پڑے تو بھی عذر نہیں کرتا۔ رات کو چلنا ہو یا دن کو چلنا ہو۔ ایام مقدمہ میں ہمارے یکہ کے ساتھ برابر پیادہ دوڑ کر گورداسپور اور قادیان آتا جاتا رہا۔ محنت اور دیانت سے کام کرنے والا آدمی ہے۔ جس کے پاس ہوگا وہ مطمئن رہے گا۔ کیونکہ دانستہ غفلت کرنے والا آدمی نہیں سُنّتِ صحابہؓ کا ایک جزو اس میں ہے۔

قبل از نماز عصر

سچے مذہب کی شناخت گجرات کے مشن سکول کے ہیڈ ماسٹر ڈی نیل صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چند تحریری سوال پیش کئے جن کے جوابات تحریری دیئے جائیں گے۔ مختلف مذاہب کا

---

[1] حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ (مرتب)

تذکرہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

آجکل مذاہب کی عجیب حالت ہے۔ گھر گھر ایک نیا مذہب بن رہا ہے اور تلاش کرنے والے کے واسطے ایک حیرت کا مقام ہو رہا ہے اور اس وقت طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ واقعی انسان کو نجات دینے والا سچا مذہب کون سا ہے؟ اس کا جواب ہر ایک شخص اپنے اپنے رنگ میں دیگا، لیکن اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ ہر ایک مذہب میں یہ دیکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کے معاملات کیسے ہیں۔ اس کی عظمت جبروت اور خوف کس قدر دل پر غالب ہے۔ انسان شر سے طبعاً نفرت کرتا ہے اور جس چیز کے فوائد اور منافع مرکوزِ خاطر ہو جائیں اس سے طبعاً محبت کرتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ انسان کو رات رہنا ہو اور اس جگہ سانپ ہو تو گوارا نہ کرے گا کہ وہاں رہے۔ یا کسی گاؤں میں طاعون ہو تو طبعاً اس بات سے نفرت کرے گا کہ اس میں داخل ہو۔ فائدہ مند چیز کی طرف رغبت کرتا ہے۔ بُری چیز سے نفرت رکھتا ہے۔ پس جس شخص کے دل میں خدا کی واقعی عظمت ہو جاوے اور اس کو منافع دینے والا یقین کرے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں اپنی ہلاکت پر پورا ایمان قائم کرے تو پھر باوجود اس فطرت کے وہ کس طرح خدا تعالیٰ کی خلاف مرضی کر سکے گا۔

انسان کو چلتے چلتے سونے کا خزانہ نظر آجائے تو ضرور اس کو لینے کی سعی کرتا ہے۔ پس اصل بات یقین اور ایمان ہے جس کے ذریعہ تمام بدیوں سے بچ کر نیکی کی طرف انسان آسکتا ہے۔ اب وہ یقین اور ایمان کس طرح سے حاصل ہو؟ سچا مذہب وہ ہے جو اس یقین کے واسطے صرف قصہ اور کہانیوں پر مدار نہ رکھے کیونکہ یہ کہانیاں تو سب میں پائی جاتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہم مسیح کے معجزات کا قصہ مان لیں اور ایک ہندو کے دیوتاؤں کے معجزات جو اس کی پرانی کتابوں میں درج ہیں نہ مانیں۔ تاریخی امور میں سب قومیں تواتر پیش کرتی ہیں۔ یہ ایک تحکم ہے کہ ایک کی بات مانی جائے اور دوسرے کا انکار کیا جائے۔ یہ نامناسب ہے کہ انسان اپنے مذہب کے قصے کو درست جانے اور باقی سب کو غلط مانے۔ غرض قصوں کے ذریعہ سے حق کے تلاش کرنے کا سفر بہت دُور دراز کا ہے جو طے نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوائے آسان راہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا پہلے قادر تھا اب بھی قادر ہے۔ جیسا پہلے معجزات ظاہر کر سکتا تھا۔ اب بھی ظاہر کر سکتا ہے۔ جیسا پہلے سنتا تھا اب بھی سنتا ہے۔ اور جیسا پہلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ پہلے تو سُننے اور بولنے کی دونوں صفتیں اس میں تھیں مگر اب سُننے کی صفت تو ہے لیکن بولنے کی نہیں۔ پس سچا طالب وہ ہے جو سب باتوں کو چھوڑ کر اس لَمْ یَزَل ازلی ابدی خدا ہمیشہ کی قدرتوں والے خدا کی طرف جھک جائے۔ اس خدا کی طرف

توجہ کرے جواب بھی وہی صفات اور اخلاق رکھتا ہے جو موسیٰؑ کے وقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت رکھتا تھا۔ وہ اب بھی چاہتا ہے کہ گم گشتہ اس کے پاس آئے۔ وہ اب بھی محبت کرتا ہے کہ کوئی اس کے حضور میں آئے۔ سچا مذہب وہی ہے جو ایسے خدا کو ڈھونڈتا ہے۔ جس مذہب کا مدار صرف قصوں پر ہے وہ مُردہ مذہب ہے۔ سچا مذہب وُہ ہے جس میں وُہ خدا اب بھی بولتا ہے۔ جو تعصب نہیں رکھتا ہے وہ محض خدائے حیّ و قیوم کا طالب ہو کر اس کو پاتا ہے، خدا تعالیٰ اس دل کو دوست رکھتا ہے جو اس کو ڈھونڈنے والا ہو۔[1]

۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

(مقام ریلوے اسٹیشن امرتسر)

حضرت مولوی عبدالکریمؓ کی وفات کے متعلق الہامات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دہلی تشریف لے جاتے ہوئے

امرتسر کے سٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ جماعت امرتسر کے دوست ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ آ گیا۔ حضور نے فرمایا:

بڑے ہی مخلص اور قابلِ قدر انسان تھے مگر اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی۔ اگرچہ بشریت کے لحاظ سے صدمہ ہوتا ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا پر خوش ہیں۔ اس نے ہماری تسلی کیلئے پہلے سے ہی بتا دیا تھا کہ اب مولوی صاحب ہم سے الگ ہوں گے؛ چنانچہ اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِہَامُھَا۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

[2] بدر سے:۔ جب حضرت نے تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو آپ کے حکم اور اجازت سے چند خدام بھی ساتھ ہوئے۔ عاجز راقم (حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ۔ ناقل) کی طبیعت بیمار تھی اور چند روز بخار آتا رہا ہے مگر حضور نے فرمایا کہ:

"چلے چلو۔ تبدیلی آب و ہوا سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔"

بدر جلد ۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

ان کی بابت الہام ہو چکا تھا اور پھر کفن میں لپیٹا گیا اور پھر صاف طور پر سینتالیس[۴۷] برس کی عُمر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ سب الہامات اُن کی موت کی خبر دیتے تھے لیکن ہم ان کی نسبت خیر چاہتے تھے۔ اس لیے اپنے طور پر ان الہامات کو کسی اور مفہوم میں پورا ہونے کے خواہشمند تھے مگر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر وہی تھی جو صاف طور پر ان الہامات میں بتادی گئی تھی اور آخر وہ پورے ہو گئے۔ ان الہامات پر غور کر کے مجھے ایک نکتہ سمجھ میں آیا ہے کہ جب مرض الموت کا وقت آجاوے تو وہ وقت دعا کا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح پر جو حالتیں مہلک بیماریوں کی ہوتی ہیں ان میں بھی نظر آجاتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مولوی صاحب کے معاملہ میں ایک عجیب بات دیکھی گئی کہ ان کی اصل مرض سرطان جس کو انگریزی میں کارسنکل کہتے ہیں بالکل اچھا ہو گیا بلکہ خود انہوں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا اور یہی کہتے رہے کہ اب میں دو چار روز میں پھرنے لگوں گا۔ آخر ذات الجنب کی وجہ سے سخت بخار ہو گیا جو ایک سو چھ[۱۰۶] درجہ تک پہنچ گیا اور اسی عارضہ میں وفات پائی۔ اکیاون[۵۱] دن تک وہ اس بیماری میں زندہ رہے۔ یہ زیادتِ ایام بھی استجابتِ دُعا پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے اُن کو آخر نجات دیدی۔ رہی موت اس سے تو کوئی بچا ہے نہ بچ سکتا ہے۔

ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ کہتے تھے کہ کئی مرتبہ خُدا بُلانے آیا ہے مگر تاخیر ہی ہوتی رہی۔

خدا تعالیٰ کا تردّد اصل بات یہ ہے کہ یہ وہی تردّد ہے جس کا ذکر صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے مومن کی جان لینے میں تردّد ہوتا ہے۔

میں نے باوجودیکہ ان کی وفات کے متعلق الہامات ہو چکے تھے بہت دُعا کی تو الہام ہوا۔ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ پھر یہ بھی الہام ہوا یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب انتہا درجہ تک کسی کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے تو وہ معبود ہو جاتا ہے اور یہ صرف خدا تعالیٰ ہی کا وجود ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ کسی انسان یا اور مخلوق کے لیے ایسا نہیں کہہ سکتے۔

چند الہامات پھر فرمایا: پرسوں الہام ہوا تھا۔ اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَاَرْدُمُ مَا یَرُدُّمُ وَاُعْطِیْکَ مَا یَعُدُّمُ اور آج کا الہام یہ ہے تَاْتِیْکَ وَاَنَا مَعَکَ۔ یہ الہام بخیر و عافیت سفر سے واپس آنے کی خبر دیتا ہے۔[۱]

---

[۱] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۳ صفحہ ۵، ۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۵ء

۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۵ء

مقام دہلی

ایک رؤیا صبح حضرت نے فرمایا کہ:

آج رات مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تھوڑے سے چنے بھُونے ہوئے سفید ہیں اور ان کے ساتھ منقّہ بھی ہے۔

فرمایا۔ ہمارا تجربہ ہے کہ:۔

چنے، مولی، بینگن یا پیاز خواب میں دیکھیں تو کوئی امرِ مکروہ پیش آتا ہے لیکن منقّہ دل کو قوت دینے والی شے ہے اور اس کا دیکھنا اچھا ہے۔ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امرِ مکروہ چھوٹا یا بڑا درپیش ہے جو منقّہ کی آمیزش سے وہ کراہت جاتی رہے گی۔

تنگی کے بعد فراخی آتی ہے فرمایا:

انسان کی زندگی کے ساتھ مکروہات کا سلسلہ بھی لگا ہوا ہے۔ اگر انسان چاہے کہ میری ساری عمر خوشی میں گذرے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (اَلَمْ نَشْرَحْ: ۶،۷) یہ زندگی کا چکر ہے۔ جب تنگی آوے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے بعد فراخی بھی ضرور آئے گی۔

صُبح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مردانہ مکان میں تشریف لائے۔

زیارتِ قبور دہلی کی سیر کا ذکر درمیان میں آیا۔ فرمایا:

لہو و لعب کے طور پر پھرنا دُرست نہیں؛ البتہ یہاں بعض بزرگ اولیاء اللہ کی قبریں ہیں۔ ان پر ہم بھی جائیں گے۔

عاجزؔ[1] کو فرمایا کہ:

ایسے بزرگوں کی فہرست بناؤ تاکہ جانے کے متعلق انتظام کیا جائے۔

---

[1] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

حاضرین نے یہ نام لکھائے۔ (۱) شاہ ولی اللہ صاحب (۲) خواجہ نظام الدین صاحب (۳) جناب قطب الدین صاحب (۴) خواجہ باقی باللہ صاحب (۵) خواجہ میر درد صاحب (۶) جناب نصیر الدین صاحب چراغ دہلی۔

چنانچہ گاڑیوں کا انتظام کیا گیا اور حضرت بمعہ خدام گاڑیوں میں سوار ہو کر سب سے اوّل حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار پر پہنچے۔ راستہ میں حضرت نے زیارتِ قبور کے متعلق فرمایا:

قبرستان میں ایک رُوحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارتِ قبور کے لیے ایک سنّت ہے۔ یہ ثواب کا کام ہے اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آجاتا ہے۔ انسان اس دُنیا میں مسافر ہے۔ آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان قبر پر جائے تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔

زیارتِ قبور کے آداب

خواجہ باقی باللہ کی مزار پر جب ہم پہنچے تو وہاں بہت سی قبریں ایک دوسرے کے قریب قریب اور اکثر زمین کے ساتھ لی ہوئی تھیں۔ میں نے غور سے دیکھا کہ حضرت اقدس نہایت احتیاط سے ان قبروں کے درمیان چلتے تھے تاکہ کسی کے اُوپر پاؤں نہ پڑے۔ قبرِ خواجہ صاحب پر پہنچ کر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دُعا کی اور دُعا کو لمبا کیا۔ بعد دُعا میں نے عرض کیا کہ قبر پر کیا دُعا کرنی چاہیئے تو فرمایا کہ:

صاحبِ قبر کے واسطے دُعائے مغفرت کرنی چاہیئے اور اپنے واسطے بھی خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنی چاہیئے۔ انسان ہر وقت خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کرنے کا محتاج ہے۔

قبر کے سرہانے کی طرف ایک نظم خواجہ صاحب مرحوم کے متعلق لکھی ہے۔ بعد دُعا آپ نے وہ نظم پڑھی اور عاجز راقم کو حکم دیا کہ اس کو نقل کر لو۔[1] فرمایا:

حضرت خواجہ باقی باللہ

خواجہ باقی باللہ بڑے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ احمد سرہندی کے پیر تھے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ ان بزرگوں کی ایک کرامت تو ہم نے بھی دیکھ لی ہے اور وہ یہ ہے کہ دہلی جیسے شہر کو انہوں نے قائل کیا اور یہ وہ شہر ہے جو ہم کو مردود اور مخذول اور کافر کہتا ہے۔

---

[1] چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ نے وہ نظم نقل کر لی اور بدر میں اسے شائع کر دیا۔ (مرتب)

سرزمین دہلی سیٹھ صاحبؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

یہ سرزمین بمبئی سے زیادہ سخت ہے اور اس کے لیے آسمانی سرزنش کا حصہ ہمیشہ رہا ہے صرف انگریزوں کے ساتھ ہی بغاوت نہیں کی بلکہ سلاطین اسلامیہ کے ساتھ بھی شورہ پشتی کرتے رہے ہیں۔ اس جگہ کے اکابر اور مشائخ کے اخلاق کا بھی اس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ انہوں نے ایسے شہر میں کس طرح بسر کی۔ یہ بزرگ بہت ہی مسلوب الغضب تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مٹی کی طرح کر دیا تھا۔ مرزا جانِ جاناں کو ان لوگوں نے قتل کر دیا۔ اور بڑے دھوکے سے کیا۔ یعنی ایک آدمی نذرانے کر آیا اور دھوکا سے طپنچہ مار دیا۔ شاہ ولی اللہ کے لیے بھی دہلی والوں نے ایسے ہی قتل کے ارادے کئے تھے مگر ان کو خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ میرے ساتھ جب مباحثہ ہوا تھا تو آٹھ نو ہزار آدمی کا مجمع تھا اور میں نے سنا ہے کہ بعض کے ہاتھ میں چاقو اور بعض کے ہاتھ میں پتھر بھی تھے۔ یہاں تک کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں غدر نہ ہو جاوے اس واسطے اس نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر مجمع سے باہر کیا اور گھر پہنچایا۔ ایسے وقت میں یہ لوگ کوتاہ اندیش، پست خیال اور سفلہ ہونا ظاہر کرتے ہیں۔

پنجاب میں بڑی سعادت ہے اس کے بالمقابل پنجاب میں بڑی سعادت ہے۔ ہزارہا لوگ سلسلہ حقہ میں شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پنجاب کی زمین بہت نرم ہے اور اس میں خدا پرستی ہے طعن و تشنیع کو برداشت کرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ بہت سخت ہیں جس سے اندیشہ ایسے عذاب الٰہی کا ہے جو پہلے ہوتا رہا ہے کیونکہ جب کوئی مامور من اللہ اور ولی اللہ آتا ہے اور لوگ اس کے درپے ایذا اور توہین ہوتے ہیں، تو عادت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ بعد اس کے ایسے شہر اور ملک پر جو سرکش اور بے ادب ہوتا ہے ضرور تباہی آتی ہے۔ پنجاب میں اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ وہ لوگ خدا تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کثرت سے پنجابیوں کا ہماری طرف رجوع ہو رہا ہے کہ بعض اوقات ان کو ہماری مجالس میں کھڑا ہونے کی جگہ نہیں ملتی۔

فرمایا:

خواجہ باقی باللہ صاحب کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے بھی کم

لہ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مراد ہیں۔ (مرتب)

عمر پائی تھی۔ مولوی صاحب موصوف کی عمر سینتالیس سال کی تھی۔

خواجہ باقی باللہ کی قبر پر کھڑے ہو کر بعد دُعا کے فرمایا کہ:

ان تمام بزرگوں کی جو دہلی میں مدفون ہیں کرامت ظاہر ہے کہ ایسی سخت سرزمین نے ان کو قبول کیا۔ یہ کرامت اب تک ہم سے ظہور میں نہیں آئی۔

ذِلّت کا رزق قبر پر بہت سے سائل جمع تھے فرمایا:

یہ سائلین بہت پیچھے پڑتے ہیں۔ پہلے معلوم نہ تھا ورنہ ان کے واسطے کچھ پیسے ساتھ لے آتے۔ شیخ نظام الدین کی قبر پر سائل اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آپس میں لڑنے لگ جاتے ہیں۔ یہی ان کا رزق ہو گیا ہے جو ذلّت کا رزق ہے۔ رزق کی تنگی بعض لوگوں سے بہت بُرے کام کراتی ہے۔ ایک سائل لودھیانہ میں میرے پاس آیا اور ظاہر کیا کہ ایک آدمی مر گیا ہے اس کے کفن کے واسطے سامان کرتا ہوں۔ مہر (چار آنے) کی کسر باقی ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ پہلے دیکھنا چاہیے کہ وہ میت کہاں ہے؟ پھر اس کی پُوری مدد کرنی چاہیئے چنانچہ وہ آدمی ساتھ گیا تو تھوڑی دُور جا کر سائل بھاگ گیا کیونکہ وہ سب جھوٹا قصہ بنایا ہوا تھا۔ تنگیٔ رزق یہ بد کر کراتی ہے۔

مساجد کی اصل زینت دہلی کی جامع مسجد کو دیکھ کر فرمایا کہ:

مسجدوں کی اصل زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ان نمازیوں کے ساتھ ہے جو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ورنہ یہ سب مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد چھوٹی سی تھی۔ کھجور کی چھڑیوں سے اس کی چھت بنائی گئی تھی اور بارش کے وقت چھت میں سے پانی ٹپکتا تھا۔ مسجد کی رونق نمازیوں کے ساتھ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں دُنیاداروں نے ایک مسجد بنوائی تھی۔ وُہ خدا تعالیٰ کے حکم سے گرا دی گئی۔ اس مسجد کا نام مسجدِ ضرار تھا۔ یعنی ضرر رساں۔ اس مسجد کی زمین خاک کے ساتھ ملا دی گئی تھی۔ مسجدوں کے واسطے حکم ہے کہ تقویٰ کے واسطے بنائی جائیں۔

آثارِ قدیمہ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

اگر آپ نے قلعہ نہیں دیکھا تو دیکھ لیں ؎

آثار پدید است صنادید عجم را

اجل میں تاخیر نہیں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا :

خدا تعالیٰ نے دُعا کو قبول کر کے سرطان سے شفا دے دی۔ مگر جب کسی کی اجل آجاتی ہے تو پھر رُک نہیں سکتی اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ دُعا سے عمر بڑھ جاتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اجل کے آجانے سے پیشتر قبل از وقت جو دُعا کی جاوے وہ کام آتی ہے ورنہ جان کندن کے وقت کون دُعا کر سکتا ہے؟ ایسی سخت بیماری میں مولوی صاحب مرحوم کا اکیاون دن تک زندہ رہنا بھی استجابتِ دعا کا ہی نتیجہ تھا۔ یہ تاخیر بھی تعجب انگیز ہے۔ ہم بہت دُعا کرتے تھے کہ آدمی اچھا ہے زندہ ہی رہے تب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ یعنی کیا اگلے عالم کے تم قائل نہیں ہو جو اس دُنیا کی زندگی کے واسطے اتنا زور دیتے ہو۔

بعد نماز ظہر

جو آنے والا تھا وہ مَیں ہی ہوں ایک شخص عبدالحق نام جو اپنے آپ کو صُوفی ابوالخیر صاحب کے مرید بتلاتے تھے چند طالب علموں کے ساتھ آئے۔ اور بھی دہلی والے آموجود ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا تم سب دہلی کے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ پھر میاں عبدالحق صاحب نے سوال کیا کہ مَیں تشفی کے واسطے ایک بات پوچھتا ہوں۔ حضرت نے اجازت دی۔

عبدالحق۔ کیا آپ اس مسیح اور مہدی کو یاد دلانے والے ہیں جو کہ آنے والا ہے یا کہ آپ خود مسیح اور مہدی ہیں؟

حضرت اقدس۔ مَیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ قرآن اور حدیث کے مطابق اور اس الہام کے مطابق کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے کہا۔ جو آنیوالا تھا وہ مَیں ہی ہوں جس کے کان ہوں وہ سُنے اور جس کی آنکھ ہو وہ دیکھے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رؤیت کی گواہی دی۔ دونو باتیں ہوتی ہیں قول اور فعل یہاں اللہ تعالیٰ کا قول اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو دیگر گذشتہ انبیاء کے درمیان دیکھا۔ ان دو شہادتوں کے بعد تم اور کیا چاہتے ہو؟ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے صدہا نشانات سے تائید کی۔ جو طالب حق ہو۔ اور خوف خدا رکھتا ہو۔ اس کے سمجھنے کے واسطے کافی سامان جمع ہو گیا ہے۔ ایک شخص پہلی پیشگوئی کے مطابق، قال اللہ قال الرسول کے مطابق عین ضرورت کے وقت دعویٰ کرتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ عیسائیت اسلام کو کھا رہی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے جو بات پیش کی ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔ انیس سو سال سے عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ خدا ہے اور معبود ہے اور چالیس کروڑ عیسائی اس وقت موجود ہے۔ اس پر پھر مسلمانوں کی طرف سے اُن کی تائید کی جاتی ہے کہ بیشک عیسیٰ ابتک زندہ ہے نہ کھانے کا محتاج نہ پینے کا محتاج۔ سب نبی مر گئے پر وہ زندہ آسمان پر بیٹھا ہے۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ اس سے عیسائیوں پر کیا اثر ہو گا۔

عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح ہتھیار

عبدالحق۔ عیسائیوں پر تو کوئی اثر ہو نہیں سکتا جبتک کہ شمشیر نہ ہو۔

حضرت اقدس۔ یہ بات غلط ہے۔ تلوار کی اب ضرورت نہیں ہے اور نہ تلوار کا اب زمانہ ہے۔ ابتداء میں بھی تلوار ظالموں کے حملہ کے روکنے کے واسطے اٹھائی گئی تھی ورنہ اسلام کے مذہب میں جبر نہیں۔ تلوار کا زخم تو مل جاتا ہے پر حجت کا زخم نہیں ملتا۔ دلائل اور براہین کے ساتھ اس وقت مخالفین کو قائل کرنا چاہیئے۔ میں آپ لوگوں کی خیر خواہی کی ایک بات کہتا ہوں۔ ذرا غور سے سنو۔ ہر دو پہلوؤں پر توجہ کرو۔ اگر عیسائیوں کے سامنے اقرار کیا جائے۔ کہ وہ شخص جس کو تم خدا اور معبود مانتے ہو بیشک وہ اب تک آسمان پر موجود ہے۔ ہمارے نبی تو فوت ہو گئے پر وہ اب تک زندہ ہے اور قیامت تک رہے گا۔ نہ کھانے کا محتاج نہ پینے کا محتاج۔ اگر ہم ایسا کہیں تو اس کا کیا نتیجہ ہو گا؟ اور اگر ہم عیسائیوں کے سامنے یہ ثابت کر دیں کہ جس شخص کو تم اپنا معبود اور خدا مانتے ہو وہ مر گیا۔ مثل دوسرے انبیاء کے فوت ہو کر زمین میں دفن ہے اور اس کی قبر موجود ہے۔ اس کا کیا نتیجہ ہو گا۔ بحثوں کو جانے دو اور میری مخالفت کے خیال کو چھوڑو۔ میں پروا

نہیں کرتا کہ مجھے کوئی کافر کہے۔ دجال کہے یا کچھ اور کہے۔ تم یہ کہو کہ ان ہر دو باتوں میں سے کونسی بات ہے جس سے عیسائی مذہب بیخ و بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے۔

اس تقریر کا میاں عبدالحق صاحب پر بہت اثر ہوا؛ چنانچہ فوراً کھڑا ہو کر حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ چومے اور کہا۔ میں سمجھ گیا۔ آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ترقی دے۔ انشاء اللہ ضرور آپ کی ترقی ہوگی۔ یہ بات صحیح ہے۔

بدر جلد ۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۵ء

---

۲۵ / اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

ایک رؤیا

دیکھا کہ بڑا سخت زلزلہ آیا ہے۔

ایک رؤیا کی تعبیر

فرمایا:

اگلے دن جو خواب میں پہنے دیکھے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر ناصر نواب صاحب کی بیماری کی طرف اشارہ تھا۔[1]

بدر جلد ۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۴ مورخہ ۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۵ء

مسیح موعود کو ماننا کیوں ضروری ہے

چند مولوی اور طلباء آئے۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں روزے

---

[1] حاشیہ۔ نوٹ ایڈیٹر صاحب بدر :۔ میر صاحب دو روز سے دردِ شکم سے بہت تکلیف میں ہیں۔ لیکن اب بہ نسبت سابق آرام ہے۔ (بدر جلد ۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۴ مورخہ ۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۵ء)

رکھتے ہیں۔ قرآن اور رسول کو مانتے ہیں۔ آپ کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:

انسان جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے وہ سب موجبِ معصیت ہو جاتا ہے۔ ایک ادنیٰ سپاہی سرکار کی طرف سے کوئی پروانہ لے کر آتا ہے تو اس کی بات نہ ماننے والا مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ اور سزا پاتا ہے۔ مجازی حکام کا یہ حال ہے تو احکم الحاکمین کی طرف سے آنیوالے کی بے عزتی اور بے قدری کرنا کس قدر عدولِ حکمی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ خدا تعالیٰ غیور ہے۔ اس نے مصلحت کے مطابق عین ضرورت کے وقت بگڑی ہوئی صدی کے سر پر ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلائے۔ اس کے تمام مصالح کو پاؤں کے نیچے کچلنا ایک بڑا گناہ ہے۔ کیا یہودی لوگ نمازیں نہیں پڑھا کرتے تھے؟ بمبئی کے ایک یہودی نے ہم کو لکھا کہ ہمارا خدا وہی ہے جو مسلمانوں کا خدا ہے اور قرآن شریف میں جو صفات بیان ہیں وہی صفات ہم بھی مانتے ہیں۔ تیرہ سو برس سے اب تک ان یہودیوں کا وہی عقیدہ چلا آتا ہے مگر باوجود اس عقیدہ کے ان کو ستور اور بندر کہا گیا۔ صرف اس واسطے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا۔ انسان کی عقل خدا تعالیٰ کی مصلحت سے نہیں مل سکتی۔ آدمی کیا چیز ہے جو مصلحتِ الٰہی سے بڑھ کر سمجھ رکھنے کا دعویٰ کرے۔ خدا تعالیٰ کی مصلحت اس وقت بدیہی اور اجلیٰ ہے۔ اسلام میں سے پہلے ایک شخص بھی مرتد ہو جاتا تھا تو ایک شور بپا ہو جاتا تھا۔ اب اسلام کو ایسا پاؤں کے نیچے کچلا گیا ہے کہ ایک لاکھ مرتد موجود ہے۔ اسلام جیسے مقدس مطہر مذہب پر اس قدر حملے کئے گئے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیوں سے بھری ہوئی شائع کی جاتی ہیں۔ بعض رسالے کئی کروڑ تک چھپتے ہیں۔ اسلام کے برخلاف جو کچھ شائع ہوتا ہے۔ اگر سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک بڑا پہاڑ بنتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ گویا ان میں جان ہی نہیں اور سب کے سب مر ہی گئے ہیں۔ اس وقت اگر خدا تعالیٰ بھی خاموش رہے تو پھر کیا حال ہوگا۔ خدا کا ایک حملہ انسان کے ہزار حملہ سے بڑھ کر ہے اور وہ ایسا ہے کہ اس سے دین کا بول بالا ہو جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ کو زندہ ماننے کا نتیجہ

عیسائیوں نے انیس سو سال سے شور مچا رکھا ہے کہ عیسیٰ خدا ہے اور ان کا دین اب تک بڑھتا چلا گیا اور مسلمان ان کو اور بھی مدد دے رہے ہیں۔ عیسائیوں کے ہاتھ میں بڑا حربہ یہی ہے کہ مسیح زندہ ہے اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو گئے۔ لاہور میں لارڈ بشپ نے

ایک بھاری مجمع میں یہی بات پیش کی۔ کوئی مُسلمان اس کا جواب نہ دے سکا۔ مگر ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب جو یہ موجود ہیں، اُٹھے اور انہوں نے قرآن شریف، حدیث، تاریخ، انجیل وغیرہ سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں کیونکہ آپ سے فیض حاصل کر کے کرامت اور خوارق دکھانے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ تب اس کا جواب وہ کچھ نہ دے سکا۔ اب خیال کرو کہ عیسیٰ کو زندہ ماننے کا کیا نتیجہ ہے اور دُوسرے انبیاء کی مانند وفات یافتہ ماننے کا کیا نتیجہ ہے۔ ذرا چار دن فوت شدہ مان کر اس کا نتیجہ بھی تو دیکھ لیں۔ مَیں نے ایک دفعہ لدھیانہ میں عیسائیوں کو اشتہار دیا تھا کہ تمہارا ہمارا بہت اختلاف نہیں۔ تھوڑی سی بات ہے یہ کہ تم مان لو کہ عیسیٰ فوت ہو گئے اور آسمان پر نہیں گئے۔ تمہارا اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر وہ بہت جھنجھلائے اور کہنے لگے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ عیسیٰ مر گیا اور آسمان پر نہیں گیا تو آج دُنیا میں ایک بھی عیسائی نہیں رہتا۔

دیکھو۔ خدا تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ اس نے ایسا پہلو اختیار کیا ہے جس سے دشمن تباہ ہو جائے۔ مُسلمان اس معاملہ میں کیوں اُڑتے ہیں۔ کیا عیسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھا؟ اگر میرے ساتھ خصومت ہے تو اس میں حد سے نہ بڑھو اور وہ کام نہ کرو جو دینِ اسلام کو نقصان پہنچائے۔ خدا تعالیٰ ناقص پہلو اختیار نہیں کرتا اور نہ جُز اس پہلو کے تم کسرِ صلیب نہیں کر سکتے۔

اِس زمانہ کا جہاد اگر تم نے جنگوں سے فتح پانی ہوتی اور تمہارے لیے لڑائیاں کرنا مقدر تھا تو خدا تعالیٰ تم کو ہتھیار دیتا۔ توپ و تفنگ کے کام میں تم کو سب سے بڑھ کر چالاکی اور ہوشیاری دی جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ کا فعل ظاہر کر رہا ہے کہ تم کو یہ طاقتیں نہیں دی گئیں بلکہ سلطانِ رُوم کو بھی ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جرمن یا انگلستان وغیرہ سے ممالک سے بنواتا ہے اور آلاتِ حرب عیسائیوں سے خرید کرتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ کے واسطے یہ مقدر نہ تھا کہ مُسلمان جنگ کریں اس واسطے خدا تعالیٰ نے ایک اَور راہ اختیار کی۔

ہاں صلاح الدین وغیرہ بادشاہوں کے وقت ان باتوں کی ضرورت تھی۔ تب خدا تعالیٰ نے مُسلمانوں کی مدد کی اور کفار پر اُن کو فتح دی۔ مگر اب تو مذہب کے واسطے کوئی شخص جنگ نہیں کرتا۔ اب تو لاکھ لاکھ پرچہ اسلام کے برخلاف نکلتا ہے۔ جیسا ہتھیار مخالف کا ہے ویسا ہی ہتھیار ہم کو بھی تیار کرنا چاہیے۔ یہی حکم خداوندی ہے۔ اب اگر کوئی خونی مہدی آجائے اور لوگوں کے سر کاٹنے لگے تو یہ بے فائدہ ہوگا ..... مارنے سے کسی کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ سر کاٹنے سے دلوں

کے شبہات دُور نہیں ہو سکتے۔ خدا تعالیٰ کا مذہب جبر کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام نے پہلے بھی کبھی پیش دستی نہیں کی۔ جب بہت ظلم صحابہؓ پر ہوا تو دشمنوں کو دفع کرنے کے واسطے جہاد کیا گیا تھا۔ خدا تعالےٰ کی حکمت کے مطابق کسی کی دانائی نہیں۔ ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اس معاملہ میں دعا کرے اور دیکھے کہ اس وقت اسلام کی تائید کی ضرورت ہے یا نہیں جسم پر غالب آنا کوئی شئے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دلوں کو فتح کیا جائے۔

اسلام کی فتح وفات مسیح کے عقیدہ میں ہے،

میں نے کوئی بات قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف نہیں کی۔ اگر قرآن اور حدیث میں جسم عنصری کا لفظ آیا ہوتا تو اس کا منکر کافر اور ملعون ہوتا مگر اصل حقیقت خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام کے مجھ پر ظاہر کر دی اور قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہؓ اس کی تائید میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صحابہؓ کے واسطے ایک بڑا صدمہ تھا۔ باسٹھ یا تریسٹھ سال کوئی بڑی عمر نہیں۔ صحابہؓ کو اگر یہ کہا جاتا کہ عیسیٰؑ تو زندہ ہے مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو اُن کے واسطے ایک پشت شکن صدمہ تھا۔ اسی واسطے حضرت ابوبکرؓ نے سب کو اکٹھا کر کے وعظ کیا اور ان کو سمجھایا کہ سب نبی مر گئے۔ کوئی بھی زندہ نہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے۔ صحابہؓ ایک عشق اور محبت کی حالت رکھتے تھے۔ وفات مسیح کے بغیر دوسرا پہلو وہ ہرگز مان نہ سکتے تھے۔ اسلام کبھی ایسا عقیدہ پیش نہیں کر سکتا جو آنحضرت افضل الرسل (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ہتک کرنے والا ہو۔ کوئی ہمیں بُرا یا بھلا کہے ہم تو اپنا کام کرتے چلے جائیں گے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی فتح اسی میں ہے۔ اگر ہم عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملا دیں تو ہم ان کو کیونکر زیر کر سکتے ہیں۔ ہمارے مخالف مرنے کے بعد یقیناً سمجھ لیں گے کہ وہ اسلام کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ عادت بھی ایک بُت ہوتا ہے اور یہ لوگ اس بُت کی پرستش کر رہے ہیں۔

مسیح علیہ السلام کی زندگی اور نزول کے بارہ میں ایک گفتگو

یہاں پر ایک مولوی صاحب مخالفین کی جماعت میں سے بول اُٹھے اور چونکہ پھر انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کو مسلسل تقریر کرنے نہیں دی بلکہ جلدی جلدی سوال پر سوال کرتے گئے اور کسی سوال کے متعلق حضرت کا جواب پُورا نہ سُنا۔ اس واسطے تقریر مذکورہ بالا تو ختم ہو گئی۔ مولوی صاحب

کے سوال و جواب میں مدرج کرتا ہوں تاکہ دہلی کے مولویوں کا نمونہ ناظرین کو نظر آجائے:

مولوی صاحب :- تو جن روایات سے حضرت عیسیٰ کی زندگی ثابت ہے ان کو کیا کریں؟

حضرت اقدس علیہ السلام :- جو روایت قرآن اور حدیث صحیح کے مخالف ہو، وہ ردّی ہے۔ قابلِ اعتبار نہیں۔ قولِ خدا کے برخلاف کوئی بات نہیں ماننی چاہیے۔

مولوی صاحب :- اور جو وہ روایت بھی صحیح ہو۔

حضرت اقدسؑ :- جب قولِ خدا اور قولِ رسول کے برخلاف ہوگی تو پھر صحیح کس طرح؟ خود بخاری میں مُتَوَفِّیْکَ کے معنے مُمِیْتُکَ لکھے ہیں۔

مولوی صاحب :- ہم بخاری کو نہیں مانتے اور روایتوں میں مسیح کی زندگی لکھی ہے۔ قرآن کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ مسیح زندہ ہے۔

حضرت اقدسؑ :- تمہارا اختیار جو چاہو مانو یا نہ مانو اور قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہوگئے اور کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ کے مطابق یہ بات ہے جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے۔ قرآن و حدیث کے مخالف ہم کوئی روایت نہیں مان سکتے۔

مولوی صاحب :- اور جو وہ بھی صحیح ہو تو؟

حضرت اقدسؑ :- وہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔

مولوی صاحب :- اگرچہ صحیح ہو۔

حضرت اقدسؑ :- میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں۔ اب بار بار کیا کہوں۔ کتاب اللہ کے برخلاف جو روایت ہو وہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟

مولوی صاحب :- یہ کس نے لکھا ہے۔ کس کتاب میں درج ہے کہ برخلاف روایت ہو تو نہ مانو۔ امام بخاریؒ نے بھی غلطی کھائی جو مُتَوَفِّیْکَ کے معنے مُمِیْتُکَ کر دیئے۔

حضرت اقدسؑ :- اگر بخاری نے غلطی کھائی تو تم اور کوئی حدیث یا لغت پیش کرو جہاں وفات کے معنے سوائے موت کے کچھ اور کئے گئے ہوں۔

مولوی صاحب :- اچھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے تو فرشتوں کے ساتھ نازل ہونا ہے۔ تمہارے ساتھ فرشتے کہاں ہیں؟

حضرت اقدسؑ :- تمہارے کندھوں پر جو دو فرشتے ہیں وہ تم کو نظر آتے ہیں جو یہ فرشتے تم کو نظر آجائینگے؟

مولوی صاحب :۔ تو زینہ کہاں ہے جس کا ذکر آیا کہ اس پر سے عیسیٰ اُترے گا۔
حضرت اقدسؑ :۔ نزول کے یہ معنی نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ یہ ایک محاورہ ہے جب ہم مسافر سے پُوچھتے ہیں کہ تم کہاں اُترے ہو؟
اس کے بعد وہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔

بوقت شام

اولیائے دہلی کی کرامت

ڈاکٹر (یعقوب بیگ صاحبؓ) کو مخاطب کر کے فرمایا :
آج کہاں کہاں کی سیر کی
انہوں نے عرض کی کہ فیروز شاہ کی لاٹ، پرانا کوٹ، مہابت خاں کی مسجد، لال قلعہ وغیرہ مقامات دیکھے۔ فرمایا :
ہم تو بختیار کاکی۔ نظام الدین صاحب اولیاء۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اصحاب کی قبروں پر جانا چاہتے ہیں۔ دہلی کے یہ لوگ جو سطح زمین کے اُوپر ہیں نہ ملاقات کرتے ہیں اور نہ ملاقات کے قابل ہیں۔ اس لیے جو اہل دل لوگ ان میں سے گذر چکے ہیں اور زمین کے اندر مدفون ہیں ان سے ہی ہم ملاقات کریں تاکہ بدوں ملاقات تو واپس نہ جائیں۔ میں ان بزرگوں کی یہ کرامت سمجھتا ہوں کہ انہوں نے قسی القلب لوگوں کے درمیان بسر کی۔ اس شہر میں ہمارے حصّہ میں ابھی وہ قبولیت نہیں آئی جو ان لوگوں کو نصیب ہوئی۔

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا
خیرہ ام از چشم بندیٔ خدا

مصلح کی ضرورت

اسلام پر یہ کیسا مصیبت کا زمانہ ہے۔ اندرونی مصائب بھی بے انتہا ہیں۔ اور بیرونی بھی بے حد ہیں۔ پھر یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس وقت کسی مصلح کی ضرورت نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں پھر ہم کو

نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر :۔ آج شام کو یہ عاجز کسی کام پر باہر گیا ہوا تھا۔ حضرت مغرب کے وقت نشستگاہ میں تشریف لائے اور ایک تقریر فرمائی جس کو مخدومی اخویم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے قلمبند فرمایا۔

کسی مصلح کی کیا ضرورت ہے مگر نہیں سمجھتے کہ جبتک خدا کی رحمت نہ ہو وہ رقت اور درد پیدا نہیں ہو سکتا جو انسان کے دل کو صاف کرتا ہے۔ چاہیے کہ بہت دعائیں کریں۔ صرف بحث کرنے والا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ وُہ نہیں دیکھتے کہ اسلام پر کس طرح کے مصائب نازل ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام کو گویا خدا تعالیٰ نے فراموش کر دیا ہے۔ دہلی کے لوگ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ لڑنے کو آتے ہیں۔ حق طلبی کا انہیں خیال نہیں۔ حلق کے نیچے بات تب اُترتی ہے جب حلق صاف ہو۔ دوائی کا بھی یہی حال ہے کہ جبتک حلق صاف نہ ہو اور معدہ بھی صاف نہ ہو دوائی کا اثر نہیں ہو سکتا۔ دوائی قے ہو جاتی ہے یا ہضم نہیں ہوتی۔

احمدی نام کیوں رکھا گیا ہے

ایک مولوی صاحب آئے اور انہوں نے سوال کیا کہ خدا تعالیٰ نے ہمارا نام مُسلمان رکھا ہے۔ آپ نے اپنے فرقہ کا نام احمدی کیوں رکھا ہے؟ یہ بات هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج:۷۹) کے برخلاف ہے۔

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا:

اسلام بہت پاک نام ہے اور قرآن شریف میں یہی نام آیا ہے لیکن جیسا کہ حدیث شریف میں آچکا ہے اسلام کے تہتّر فرقے ہو گئے ہیں اور ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ انہی میں ایک رافضیوں کا ایسا فرقہ ہے جو سوائے دو تین آدمیوں کے تمام صحابہؓ کو سب وشتم کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات کو گالیاں دیتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو بُرا کہتے ہیں۔ پھر بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ خارجی حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بُرا کہتے ہیں اور پھر بھی مسلمان نام رکھاتے ہیں۔ بلادِ شام میں ایک فرقہ یزیدیہ ہے۔ جو امام حسینؓ پر تبرّہ بازی کرتے ہیں اور مسلمان بنے پھرتے ہیں۔ اسی مصیبت کو دیکھ کر سلف صالحین نے اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے تمیز کرنے کے واسطے اپنے نام شافعی، حنبلی وغیرہ تجویز کئے۔ آجکل نیچریوں کا ایک ایسا فرقہ نکلا ہے جو جنّت، دوزخ وحی، ملائک سب باتوں کا منکر ہے۔ یہانتک کہ سیّد احمد خاں کا خیال تھا کہ قرآن مجید بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خیالات کا نتیجہ ہے اور عیسائیوں سے سُن کر یہ قصّے لکھ دیئے ہیں۔ غرض ان تمام فرقوں سے اپنے آپ کو تمیز کرنے کے لیے اس فرقہ کا نام احمدیہ رکھا گیا۔

حضرت یہ تقریر کر رہے تھے کہ اس مولوی نے پھر سوال کیا کہ قرآن شریف میں تو حکم ہے کہ

لَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: ۱۰۴) اور آپ نے تو تفرقہ ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا:

ہم تو تفرقہ نہیں ڈالتے بلکہ ہم تفرقہ دُور کرنے کے واسطے آتے ہیں۔ اگر احمدی نام رکھنے میں شک ہے تو پھر شافعی حنبلی کہلانے میں بھی شک ہے، مگر یہ نام ان اکابر کے رکھے ہوئے ہیں جن کو آپ بھی صلحا مانتے ہیں، وہ شخص بدبخت ہوگا جو ایسے لوگوں پر اعتراض کرے اور اُن کو بُرا کہے۔ صرف امتیاز کے لیے ان لوگوں نے اپنے یہ نام رکھے تھے۔ ہمارا کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہم پر اعتراض کرنے والا خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور احمدی ایک امتیازی نام ہے۔ اگر صرف مسلمان نام ہو تو شناخت کا تعہ کیونکر ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ ایک جماعت بنانا چاہتا ہے اور اس کا دُوسروں سے امتیاز ہونا ضروری ہے۔ بغیر امتیاز کے اس کے فوائد مترتب نہیں ہوتے اور صرف مسلمان کہلانے سے تمیز نہیں ہوسکتی۔ امام شافعی اور حنبل وغیرہ کا زمانہ بھی ایسا تھا کہ اس وقت بدعات شروع ہوگئی تھیں۔ اگر اس وقت یہ نام نہ ہوتے تو اہلِ حق اور ناحق میں تمیز نہ ہوسکتی۔ ہزار ہا گندے آدمی ملے جُلے رہتے۔ یہ چار نام اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے۔ اگر یہ لوگ پیدا نہ ہوتے تو اسلام ایسا مشتبہ مذہب ہوجاتا کہ بدعتی اور غیر بدعتی میں تمیز نہ ہو سکتی۔ اب بھی ایسا زمانہ آگیا ہے کہ گھر گھر ایک مذہب ہے۔ ہم کو مسلمان ہونے سے انکار نہیں، مگر تفرقہ دُور کرنے کے واسطے یہ نام رکھا گیا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت والوں سے اختلاف کیا اور عام نظروں میں ایک تفرقہ ڈالنے والے بنے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ تفرقہ خود خدا ڈالتا ہے۔ جب کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ ہوجاتی ہے تو خدا تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ ایک تمیز ہوجائے۔

مولوی صاحب نے پھر وہی سوال کیا کہ خدا نے تو کہا ہے کہ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (الحج: ۷۹)

فرمایا:

کیا اس میں رافضی اور بدعتی اور آجکل کے مسلمان شامل ہیں؟ کیا اس میں آجکل کے وہ لوگ شامل ہیں جو اباحتی ہو رہے ہیں؟ اور شراب اور زنا کو بھی اسلام میں جائز جانتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس کے مخاطب تو صحابہؓ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد قبیح اعوج کا زمانہ ہوگا جس میں جھوٹ اور کذب کا افشا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ نہ اُن کا مجھ سے کوئی تعلق ہے نہ میرا اُن سے کوئی تعلق ہے۔ وہ لوگ مسلمان کہلائیں گے مگر میرے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

جو لوگ اسلام کے نام سے انکار کریں یا اس نام کو عار سمجھیں۔ ان کو تو میں لعنتی کہتا ہوں۔ میں کوئی بدعت نہیں لایا۔ جیسا کہ حنبلی شافعی وغیرہ نام تھے۔ ایسا ہی احمدی بھی نام ہے بلکہ احمد کے نام میں اسلام کے بانی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتصال ہے اور یہ اتصال دوسرے ناموں میں نہیں۔ احمد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ اسلام احمدی ہے اور احمدی اسلام ہے۔ حدیث شریف میں محمدی رکھا گیا ہے۔ بعض اوقات الفاظ بہت ہوتے ہیں مگر مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ احمدی نام ایک امتیازی نشان ہے۔ آجکل اس قدر طوفان زمانہ میں ہے کہ اوّل آخر کبھی نہیں ہوا۔ اس واسطے کوئی نام ضروری تھا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک جو مسلمان ہیں۔ وہ احمدی ہیں۔[1]

۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

صبح کے وقت حضور نے گاڑیاں منگوائیں اور خواجہ میر درد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے۔ راستہ میں قبرستان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

یہ انسان کی دائمی سکونت ہے جہاں ہر قسم کے امراض سے نجات پاکر انسان آرام کرتا ہے۔

خواجہ میر درد صاحب کی قبر پر آپ نے فاتحہ پڑھی اور کتبہ کی طرف دیکھکر فرمایا کہ کتبہ لکھنا شریعت میں منع نہیں ہے۔ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔[2]

یہاں سے ہوکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی قبر پر گئے اور فاتحہ پڑھی۔

فرمایا کہ:

شاہ ولی اللہ صاحب ایک بزرگ اہل کشف اور کرامت تھے۔ یہ سب مشائخ زیر زمین ہیں اور جو لوگ زمین کے اوپر ہیں وہ ایسے بدعات میں مشغول ہیں کہ حق کو باطل بنا رہے ہیں اور باطل کو حق بنا رہے ہیں۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۳ر نومبر ۱۹۰۵ء

[2] " " " " صفحہ ۴ " " " "

راستہ میں اہلِ لدھیانہ کی درخواست کا ذکر آیا کہ حضور واپس جاتے ہوئے راستہ میں لدھیانہ ٹھہریں۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے عرض کہ لدھیانہ کی جماعت اسٹیشن لدھیانہ پر ملاقات کے واسطے آئی تھی، لیکن حضور سوتے ہوئے تھے۔ مَیں نے جگانے نہ دیا۔ فرمایا:-

آپ نے اچھا کیا اس کے عوض ہم اب لدھیانہ میں اُتر کر اہلِ لدھیانہ سے ملاقات کریں گے۔

راستہ میں ذبح کے پاس سے گذرے۔ کثیر التعداد بھیڑیں اور بکریاں ذبح ہو رہی تھیں اور سینکڑوں کا باہر ریوڑ کھڑا تھا۔ ان کو دیکھ کر فرمایا کہ:

کھانے کی حلال اشیاء کا کس قدر ذخیرہ اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا ہے برخلاف اس کے حرام چیزیں مثلاً کتے وغیرہ بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔

فرمایا:

اس شہر میں اس قدر انقلاب آئے ہیں کہ شاید کسی دُوسرے شہر پر یہ حالات وارد ہوئے ہوں۔ کئی دفعہ یہ شہر آباد ہوا اور کئی دفعہ خاک میں مل گیا۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مخاطب تھے اور ان کی رخصت کے قریب الاختتام ہونے کا ذکر تھا۔

فرمایا:

دو دن اور ہیں۔ یہ موقعہ غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ خُدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا موقعہ ہاتھ آسکتا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ رُخصت لینے سے ایسا موقعہ مل جاتا ہے۔ کئی آدمی ایسے بھی ہیں جو نوکر نہیں مگر ان کو ہمارے پاس رہنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ فارغ البالی ہوتی ہے پر صحبت نصیب نہیں ہوتی [1]

جماعتِ احمدیہ کے قیام کا مقصد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں کہ مسیح کی وفات کو

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۵ء

ثابت کرنے والی ایک جماعت پیدا ہو جائے۔ یہ بات تو ان مولویوں کی مخالفت کی وجہ سے درمیان آگئی ہے ورنہ اس کی تو کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا تو یہ ہے کہ ایک پاک دل جماعت مثل صحابہؓ کے بن جاوے۔ رفاقتِ مسیح کا معاملہ تو جملہ معترضہ کی مانند درمیان آگیا ہے۔ مولوی لوگوں نے خواہ مخواہ اپنی ٹانگ درمیان میں اڑا لی۔ ان لوگوں کو مناسب نہ تھا کہ اس معاملہ میں دلیری کر کے قولِ خدا تعالیٰ و سنتِ نبی اور اجماعِ صحابہؓ، یہ تین باتیں اس کے واسطے کافی تھیں ہمیں تو افسوس آتا ہے کہ اس کا ذکر ہمیں خواہ مخواہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہمارا اصلی امر بھی دیگر ہے۔ یہ تو صرف خس و خاشاک کو درمیان میں سے اُٹھایا گیا ہے۔ سوچو کہ جو شخص دنیاداری میں غرق ہے اور دین کی پروا نہیں رکھتا۔ اگر تم لوگ بیعت کرنے کے بعد ویسے ہی رہو تو پھر تو تم میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بعض لوگ ایسے پکے اور کمزور ہوتے ہیں کہ ان کی بیعت کی غرض بھی دنیا ہی ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد ان کی دنیاداری کے معاملات میں ذرا سا فرق آجاوے تو پھر پیچھے قدم رکھتے ہیں۔

یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ دولت اور دنیاداری ترقی کرے اور زندگی آرام سے گذرے۔ ایسے شخص سے تو خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ چاہیئے کہ صحابہؓ کی زندگی کو دیکھو، وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے، ہر وقت مرنے کے لیے تیار تھے۔ بیعت کے معنے ہیں اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان زندگی کو وقف کر چکا تو پھر دُنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے؟ ایسا آدمی تو صرف رسمی بیعت کرتا ہے۔ وہ تو کل بھی گیا اور آج بھی گیا۔ یہاں تو صرف ایسا شخص رہ سکتا ہے جو ایمان کو درست کرنا چاہے۔ انسان کو چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی زندگی کا ہر روز مطالعہ کرتا رہے۔ وہ تو ایسے تھے کہ بعض مر چکے تھے اور بعض مرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کے سوائے بات نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ کنارہ پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں تاکہ ابتلاء دیکھ کر بھاگ جائیں وہ فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔ دنیا کے لوگوں کی عادت ہے کہ کوئی ذرا سی تکلیف ہو تو لمبی چوڑی دُعائیں مانگنے لگتے ہیں اور آرام کے وقت خدا تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ امتحان میں سے گذرنے کے سوائے ہی خدا خوش ہو جائے۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے مگر سچا مومن وہ ہے جو دُنیا کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ابتدا میں مومن کے واسطے دُنیا جہنم کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب پیش آتے ہیں۔ اور ڈراؤنی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں تب وہ صبر کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ اُن کی حفاظت کرتا ہے لیکن ؎

عشق اوّل سرکش و خونی بود ۔ تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو متفق ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کو حیاۃ طیبہ حاصل ہوتی ہے اس کی سب مرادیں پوری کی جاتی ہیں۔ مگر یہ بات ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

ایک شخص کے اپنے دل میں ہزار گند ہوتا ہے۔ پھر خدا پر شک لاتا ہے اور چاہتا ہے کہ مومنوں کا حصہ مجھے بھی ملے۔ جبتک انسان پہلی زندگی کو ذبح نہ کر دے، اور محسوس نہ کرے کہ نفس امارہ کی خواہش مر گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ نہ جائے تب تک مومن نہیں ہوتا۔ اگر مومن کو خاص امتیاز نہ بخشا جائے تو مومنوں کے واسطے جو وعدے ہیں وہ کیونکر پورے ہوں گے۔ لیکن جب تک دورنگی اور منافقت ہو تب تک انسان کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ۔ (النساء: ۱۴۶) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک ایسی جماعت بناتے گا جو ہر جہت میں سب پر فوقیت رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کا فضل کرے گا۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ ہاں کمزوری میں اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے۔ جو شخص کمزور ہے اور ہاتھ اُٹھاتا ہے کہ کوئی اس کو پکڑے اور اُٹھائے، اس کو اُٹھایا جائے گا۔ مگر مومن کو چاہیئے کہ اپنی حالت پر فارغ نہ بیٹھے۔ اس سے خدا راضی نہیں ہے۔ ہر طرح سے کوشش کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کے جو سامان ہیں وہ سب مہیا کئے جائیں۔

ریاکاری ریاکار انسان بے فائدہ کام کرتا ہے۔ مومن کو تو خداوند تعالیٰ خود بخود شہرت دیتا ہے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ مسجدوں میں لمبی نمازیں پڑھا کرتا تھا تاکہ لوگ اُسے نیک کہیں۔ لیکن جب وہ بازار سے گذرتا تو لڑکے بھی اس کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے کہ یہ ایک ریاکار آدمی ہے جو دکھلاوے کی نمازیں پڑھتا ہے۔ ایک دن اس شخص کو خیال ہوا کہ میں لوگوں کا کیوں خیال رکھتا ہوں اور بے فائدہ محنت اٹھاتا ہوں۔ مجھے چاہیے کہ اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤں اور خالص خدا کی خاطر عبادت کروں۔ یہ بات سوچ کر اس نے سچی توبہ کی اور اپنے اعمال کو خدا کے واسطے خاص کر دیا اور دنیوی رنگ کی نمازیں چھوڑ دیں، اور علیحدگی میں بیٹھ کر دعائیں کرنے لگا اور اپنی عبادت کو پوشیدہ رکھنا چاہا۔ تب وہ جس کوچہ سے گذرتا لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے کہ یہ ایک نیک بخت آدمی ہے۔

سچا مومن سچا مومن وہ ہے جو کسی کی پروا نہ کرے۔ خدا تعالیٰ خود ہی سارے بندوبست کر دے گا۔ لوگوں کی تکلیف دہی کی پروا نہیں رکھنی چاہیئے۔

دُنیا میں کوئی کسی کے ساتھ دوستی پکّی کرتا ہے تو دنیا کے لوگ اپنی دوستی کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ کون دوست ہے جس کے ساتھ سلوک کیا جاوے تو وہ بے تعلقی ظاہر کرے۔ ایک چور کے ساتھ ہمارا سچا تعلق ہو تو وہ بھی ہمارے گھر میں نقب زنی نہیں کرتا۔ تو کیا خدا تعالیٰ کی وفا چور کے برابر بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کی دوستی تو وہ ہے کہ دُنیا داروں میں اس کی کوئی نظیر ہی نہیں۔ دُنیا داروں کی دوستی میں تو غدر بھی ہے۔ تھوڑی سی رنجش کے ساتھ دُنیا دار دوستی توڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے تعلقات پکّے ہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستی کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر برکات نازل کرتا ہے۔ اس کے گھر میں برکت دیتا ہے۔ اس کے کپڑوں میں برکت دیتا ہے۔ اس کے پس خوردہ میں برکت دیتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ نوافل کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ نوافل ہر شئے میں ہوتے ہیں۔ فرض سے بڑھ کر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ سب نوافل میں داخل ہے۔ جب انسان نوافل میں ترقی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی سے مقابلہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچی محبت کرنے والے بھی غنی، بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی تکذیب کی کچھ پروا نہیں رکھتے۔ جو لوگ خلقت کی پروا کرتے ہیں وہ خلق کو معبود بناتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے بندوں میں ہمدردی بہت ہوتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک بے نیازی کی صفت بھی لگی ہوئی ہے۔ وہ دُنیا کی پروا نہیں کرتے۔ آگے خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ دنیا کچھی ہوئی ان کی طرف چلی آتی ہے۔

جماعت کو نصیحت ہماری جماعت کو ایسا ہونا چاہیئے کہ نری لفاظی پر نہ رہے بلکہ بیعت کے سچے منشا کو پُورا کرنے والی ہو۔ اندرونی تبدیلی کرنی چاہیئے۔ صرف مسائل سے تم خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ اگر اندرونی تبدیلی نہیں تو تم میں اور تمہارے غیر میں کچھ فرق نہیں۔ اگر تم میں مکر، فریب، کسل اور سستی پائی جاتے تو تم دوسروں سے پہلے ہلاک کئے جاؤ گے۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ اپنے بوجھ کو اُٹھاتے اور اپنے وعدے کو پُورا کرے۔ عمر کا اعتبار نہیں دیکھو مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہو گئے۔ ہر جمعہ میں ہم کوئی نہ کوئی جنازہ پڑھتے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے اب کر لو۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو پھر تاخیر نہیں ہوتی۔ جو شخص قبل از وقت نیکی کرتا ہے امید ہے کہ وہ پاک ہو جائے۔ اپنے نفس کی تبدیلی کے واسطے سعی کرو۔ نماز میں دعائیں مانگو۔

صدقات خیرات سے اور دُوسرے ہر طرح کے حیلہ سے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا (العنکبوت: ۷۰) میں شامل ہو جاؤ۔ جس طرح بیمار طبیب کے پاس جاتا۔ دوائی کھاتا، مسہل لیتا، خون نکلواتا، ٹکور کرواتا اور شفا حاصل کرنے کے واسطے ہر طرح کی تدبیر کرتا ہے۔ اسی طرح اپنی روحانی بیماریوں کو دُور کرنے کے واسطے ہر طرح کی کوشش کرو۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ مجاہدہ کے جس قدر طریق خدا تعالیٰ نے فرمائے ہیں وہ سب بجالاؤ۔ صدقہ خیرات کرو۔ جنگلوں میں جا کر دُعائیں کرو۔ سفر کی ضرورت ہو تو وہ بھی کرو۔ بعض آدمی پیسے لے کر بچوں کو دیتے پھرتے ہیں کہ شاید اسی طرح کشوف باطنی ہو جائے۔ جب باطن پر قفل ہو جائے تو پھر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ حیلے کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ جب انسان تمام حیلوں کو بجالاتا ہے تو کوئی نہ کوئی نشانہ بھی ہو جاتا ہے[1]۔

۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی (بعد نماز جمعہ)

ہر قوم کی طِبّ سے استفادہ کرنا چاہیئے

چند مولوی اور مدرسہ طبیہ کے چند طالب علم اور طبیب آتے طِبّ کا ذکر درمیان میں آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ:

مُسلمانوں کو انگریزی طِبّ سے نفرت نہیں چاہیئے۔ اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حکمت کی بات تو مومن کی اپنی ہے۔ گم ہو کر کسی اَور کے پاس چلی گئی تھی۔ پھر جہاں سے ملے جھٹ قبضہ کرے اس میں ہمارا یہ منشا نہیں کہ ہم ڈاکٹری کی تائید کرتے ہیں بلکہ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ بموجب حدیث کے انسان کو چاہیئے کہ مفید بات جہاں سے ملے وہیں سے لے لے۔ ہندی، جاپانی، یُونانی، انگریزی ہر طِبّ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے اور اس شعر کا مصداق اپنے آپ کو بنانا چاہیئے ؎

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۴۴ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۰۵ء

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

تب ہی انسان کامل طبیب بنتا ہے طبیبوں نے تو عورتوں سے بھی نسخے حاصل کئے ہیں.... لَیْسَ الْحَکِیْمُ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَۃٍ لَیْسَ الْحَلِیْمُ اِلَّا ذُوْ عُثْرَۃٍ۔ حکیم تجربہ سے بنتا ہے اور حلیم تکالیف اُٹھا کر حلم دکھانے سے بنتا ہے اور یوں تو تجربوں کے بعد انسان رہ جاتا ہے کیونکہ تضاد قدر سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات تھے

اللہ تعالیٰ نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ۔ (الانعام : ۹۱) ان کی ہدایت کی پیروی کر یعنی تمام گذشتہ انبیاء کے کمالاتِ متفرقہ کو اپنے اندر جمع کرلے۔ یہ آیت حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی فضیلت کا اظہار کرتی ہے تمام گذشتہ نبیوں اور ولیوں میں جس قدر خوبیاں اور صفات اور کمال تھے وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے۔ سب کی ہدایتوں کا اقتدار کر کے آپ جامع تمام کمالات کے ہو گئے۔ مگر جامع بننے کے لیے ضروری ہے کہ انسان متکبر نہ ہو۔ جو سمجھتا ہے کہ مَیں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے وہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ خاکساری سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ جہاں انسان کوئی فائدہ کی بات دیکھے، چاہیئے کہ اسی جگہ سے فائدہ حاصل کرلے۔ ڈاکٹروں کو بھی مناسب نہیں کہ پرانی طب کو حقارت سے دیکھیں۔ بعض باتیں ان میں بہت مفید ہیں۔ مَیں نے بعض متن کتب طب کے بیس بیس جزو کے حفظ کئے تھے۔ ہزار سے زیادہ کتاب طب کی ہمارے کتب خانے میں موجود تھی۔ جن میں سے بعض کتابیں بڑی بڑی قیمتیں دے کر خرید کی گئی تھیں۔ مگر یہ علم ظنی ہوتا ہے۔ لاف مارنے اور دعوے کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

تقویٰ کی اہمیت فرمایا :

افسوس ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف ہیں کہ دُوسرے پہلو کی طرف ان کو بالکل کوئی توجہ نہیں۔ ہر ایک شخص ایک پہلو پر حد سے زیادہ جُھک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جس قدر بار بار تقویٰ کا ذکر کیا ہے۔ اتنا ذکر اَور کسی امر کا نہیں کیا۔ تقویٰ کے ذریعہ سے انسان

تمام مہلکات سے بچتا ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں تقویٰ سے کام نہ لیا اور کہا کہ جب تک الیاس آسمان سے نہ آئے ہم تم کو نہیں مان سکتے۔ انہیں چاہیے تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور خوارق کا مطالعہ کرتے اور بہت سی باتوں کے مقابلہ میں صرف ایک بات پر نہ اڑتے۔ ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں نے کہا کہ آخری زمانہ کا نبی تو اسرائیلیوں میں سے آنا چاہیے تھا۔ ہم تم کو نہیں مان سکتے۔ تائیداتِ الٰہی، نصرتِ حق اور معجزات کی انہوں نے کچھ پروا نہ کی۔

ہر نبی کے وقت ابتلاؤں کا ہونا ضروری ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نبی کے وقت ابتلاؤں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو توریت میں ایسے لفظ صاف لکھ دیتا کہ آخری زمانہ کے نبی کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ اور مسکن مکہ ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ ایسا ہی اسوقت کے مسیح کے زمانہ میں بھی ہوا۔ اگر لوگ نبی کریم کے ساتھ فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھ لیتے تو کوئی بھی انکار نہ کرتا۔ مگر خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ ابتلاء آتے اور متقی لوگ اس ابتلاء کے وقت بچ رہتے ہیں۔

آسمان سے نازل ہونے کی حقیقت

آسمان سے نازل ہونے کی سُنّت پہلے کبھی قائم نہیں ہوئی۔ آدم سے لے کر آج تک کوئی نظیر پیش کرو کہ کوئی نبی آسمان پر گیا ہو یا آسمان سے نازل ہوا ہو۔ خدا تعالیٰ کی عادت نہیں کہ کسی ایک شخص کے واسطے کوئی امر مخصوص کر دے۔ ایک امر مخصوص کے ساتھ تو کوئی نبی بھی نہیں آیا۔ اس طرح سے تو وہ شخص معبود بن جاتا ہے اور یسوع کو خصوصیت دینا تو خود نصاریٰ کو مدد دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر وفات ظاہر کر دی ہے۔ معراج کی حدیث کو پڑھو۔ جو لوگ معراج کے منکر ہیں وہ تو اسلام کے منکر ہیں۔ لاکھ احادیث کے برابر ایک حدیث معراج کی ہے۔ شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو مُردوں میں دیکھا۔ اگر قبضِ رُوح نہیں ہوا اور زندہ مع الجسم آسمان پر گئے تو دُوسرے عالم میں کس طرح پہنچ گئے۔ متقی کے واسطے تو ایک ہی بات کافی ہوتی ہے۔ خیالی اور ظنی باتوں کے پیچھے پڑ کر اصلی اور صحیح بات کو چھوڑ دینا تقویٰ کے برخلاف

ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بار بار تفہیم ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ نشانات، تائید، نصرتِ الٰہی، تصدیقِ قرآن و حدیث ہیں۔ مَیں جو کچھ کہتا ہوں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ خیال کرو کہ اَحَقّ بِالْاَمن۔ کونسی بات ہے۔ مَیں تو ایسا آیا ہوں جیسا کہ الیاس آیا۔ یہود سے پوچھو کہ وہ مسیح کے ماننے سے کیوں محروم رہے؟ ان کا عذر بھی یہی تھا کہ جیسا توریت میں لکھا ہے الیاس آسمان سے نہیں آیا۔ مگر ہمارے مسلمان تو یہ عذر بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بہت واقعات پہلے کے اپنے آگے رکھتے ہیں کہ نزول کس طرح سے ہوا کرتا ہے۔ یہ لوگ جتنا چاہیں مجھ سے جھگڑا کر لیں۔ مرنے کے بعد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حق کس طرف ہے۔ یہ لوگ عیسائیوں کی اس قدر مدد کرتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو خود ان مولویوں ہی نے عیسائی بنا دیا ہے جو پہلو خدا تعالیٰ نے پکڑا ہے وہی سب سے افضل ہے اور اسلام کی فتح اسی کے ذریعہ ہوگی۔ نزول اور نزیل کا لفظ مہمان کے واسطے بطور اعزاز و اکرام کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر زبان میں یہ محاورہ ہے، چنانچہ اردو میں بھی کہتے ہیں کہ آپ کہاں اُترے ہیں؟

اتنے میں ایک مولوی صاحب درمیان میں بول پڑے اور کہنے لگے کہ مسیح تو دمشق میں نازل ہوگا۔ آپ کہاں نازل ہوئے؟

حضرت اقدس۔ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وہ دمشق کے مشرق کی طرف نازل ہوگا قادیان دمشق سے عین مشرق میں ہے۔

تَوَفّی کے معنے تَوَفّی کے معنے کے متعلق شہر بغداد میں ایک بڑا مباحثہ ہوا تھا کہ اس لفظ کے کیا معنے ہیں۔ اس مباحثہ میں بالآخر یہی فیصلہ ہوا کہ جہاں اللہ تعالےٰ فاعل ہو اور مفعول بہ اَنَا ہو وہاں سوائے مارنے کے اور کوئی معنے نہیں آتے۔ اگر آج تم قرآن حدیث یا لغت سے کوئی اور معنے دکھا دو تو مَیں آج بھی مان لینے کے واسطے تیار ہوں۔ لغت بھی زبان عربی کی کلید ہے، کوئی مثال لغت سے ہی دکھا دو۔ تب بھی مان لُوں گا۔ تعجب ہے کہ دوسروں کی رؤیت کا تم اعتبار کرتے ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت پر تم کو کوئی اعتبار نہیں۔ یہ جسم عنصری کا لفظ تم نے کہاں سے نکال لیا؟ اگر کہیں یہ لفظ دکھا سکتے ہو تو لے آؤ۔ مَیں تو اس وقت بھی قبول کرنے کے واسطے تیار ہوں۔ قرآن شریف میں، حدیث میں، لغت عرب، کہیں کسی نبی، صحابی وغیرہ کے متعلق لفظ توفّی کا بمعنے آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ جانے کا دکھا دو تو مَیں فوراً مان لوں گا۔ لیکن تم حضرت عیسیٰ کے متعلق ایک لفظ کے وہ معنے کیوں کرتے ہو جو کسی نبی، کسی ولی، کسی صحابی،

کسی انسان کے متعلق نہیں کہتے گئے پچیس[۲۵] سال سے خدا تعالیٰ مجھے یہی بتلا رہا ہے پھر تائیداتِ سماوی اور نشانات میرے ساتھ ہیں۔ مَیں خدا تعالیٰ کی باتوں پر اب بھی ویسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ پہلی کتابوں پر رکھتا ہوں۔

اس جگہ بیچ میں پھر وہی مولوی صاحب بول پڑے کہ مَیں تَوَفّی کے معنے آسمان پر جانے کے دکھا سکتا ہوں۔ فوراً ایک قرآن شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا گیا۔ لگے وَرق گردانی کرنے اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے۔ کبھی اُس کو کہتے کیوں میاں تم نکالو۔ کبھی اس کو اشارہ کرتے ہیں کیوں بھائی کچھ بتاؤ نہ۔ بہت سے تھے، کبھی اِس نے اُس ہاتھ سے قرآن چھینا کبھی اُس نے اِس کے ہاتھ سے قرآن چھینا۔ نکلنا تو کیا تھا۔ گھبرا کر بولے اچھا رَافِعُكَ (آل عمران: ۵۶) جو لکھا ہے۔

رفع کے معنے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

رَافِعُكَ کے معنے اس جگہ وہی ہیں جو رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: ۵۸) کے معنے ہیں مسلمان ہر روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی دعا مانگتے ہیں کہ ان کا رفع ہو تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے جائیں؟ بات وہی صحیح ہے جو خدا تعالیٰ نے بتلادی۔ اور الہامات سے اس کی تائید کی۔

سچے الہام کا معیار

مولوی صاحب: الہام کیا ہے؟ الہام تو مجھے بھی ہوتا ہے۔

(بعد میں معلوم ہوا کہ اس مولوی کا نام نظام الدین ہے اور کسی مسجد میں لڑکے پڑھاتا ہے)

حضرت اقدس: مَیں ایسے الہام نہیں مان سکتا جس کے ساتھ تائیداتِ سماوی کا نشان نہ ہو ایسے الہام کے مدعی تو ہر نبی کے زمانہ میں گذرے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی نشان ہے تو دکھلاؤ

اتنے میں حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے لغت کی ایک کتاب مختار الصحاح نکالی اور اس مولوی کو دکھلایا کہ توفّی کے معنے مارنے کے لکھے ہیں۔

مولوی صاحب :۔ میں لغت نہیں مانتا۔ اچھا مان لیا۔ اگر عیسیٰ مرگیا ہے تو اس کی لاش دکھلاؤ۔
حضرت اقدس :۔ جب مرجانا ثابت ہے تو کافی ہے۔ لاشیں حضرت ابراہیم اور موسیٰ کی کہاں ہیں؟
مولوی صاحب :۔ دجّال کانا کہاں ہے؟

حضرت اقدس :۔ اگر اس طرح تم لفظی معنے لوگے تو بہت مشکل پڑے گی۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جو اس دُنیا میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہوگا، تو اس کے یہ معنے ہیں کہ جتنے نابینے ہیں وہ بہرحال سب کے سب جہنّم میں جائیں گے اگرچہ حافظِ قرآن اور مُسلمان ہی ہوں۔

اُمتی کی حقیقت

فرمایا :

آنے والے کے متعلق تو یہ لکھا ہے کہ وُہ اُمتی ہوگا۔ اُمتی تو وہ ہے جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچّی پیروی کے ذریعہ سے نُور حاصل کرتا ہے لیکن وہ جو پہلے ہی نُور اور بصیرت پاکر نبوّت کے درجہ تک پہنچ چکا ہے وہ اب اُمتی کس طرح بنے گا؟ کیا پہلے تمام کمالات حاصل کردہ سے وہ بے نصیب کر دیا جاوے گا؟ ہاں۔ ہم اُمتی ہیں جن کو سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے ملا ہے اور تمام معرفت وہیں سے حاصل ہوئی ہے۔

اتنے میں وہ مولوی صاحب تو گھبرا کر اُٹھ گئے اور ان کے ساتھی گالیاں دیتے گئے اور ایک اور طالب علم آگے بڑھا۔

نبی کی تعریف

طالبعلم :۔ آپ کا مرتبہ کیا ہے، اس کی تعبیر نبوّت سے ہوگی یا کسی اَور لفظ سے؟
حضرت اقدسؑ :۔ جس کے ساتھ خدا تعالیٰ مکالمہ اور مخاطبہ کرتا ہے وہ نبی ہے۔ نبی کے معنے ہیں خدا تعالیٰ سے خبر پاکر بتلانے والا۔ ہاں نبوتِ شریعت ختم ہوچکی ہے۔
سچی معرفت بغیر مخاطباتِ الٰہیہ کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ بات اس اُمّت کو حاصل نہیں تو خیر اُمّت کس طرح سے بن گئی؟ اللہ تعالےٰ نے مخاطبات کا دروازہ بند نہیں کیا؛ ورنہ نجات کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہتا۔

اُمّت محمدیہ میں وحی جاری رہے گی

طالبعلم :۔ تو آپ کہ وحی ہوتی ہے؟ وحی تو صرف انبیاء کو ہوتی ہے۔

حضرت اقدس :۔ خدا تعالیٰ تو قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ موسیٰؑ کی ماں کو بھی وحی ہوئی۔ کیا یہ اُمّت عورتوں سے بھی بدتر ہوگئی؟ اس سے تو عارف کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ کیا ہمارے واسطے تمام دروازے بند ہو گئے؟ دُنیا دار کو آگے قدم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس اُمّت کو خدا تعالیٰ ادھورا رکھنا نہیں چاہتا۔ مَیں نہیں قبول کرسکتا کہ پہلی اُمّتوں نے اس قدر برکات حاصل کیں اور یہ امت بالکل محروم رکھی گئی۔

مسیح موعود کا مرتبہ

طالبعلم :۔ پھر یہ مرتبہ تو ولی کا ہوا۔

حضرت اقدس :۔ ہم کب کہتے ہیں کہ ہمارا مرتبہ وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا؟ مگر تم نہیں جانتے۔ ولی کا مرتبہ کم نہیں بلکہ بعض کے نزدیک تو ولایت بڑھ کر ہے کیونکہ ولایت، محبت، قرب اور معرفت کا ذریعہ ہے اور نبوّت ایک عہدہ ہے۔ یہود کا تو یہ مذہب ہے کہ حضرت ابراہیم ولی تھے اور تمام انبیاء سے بڑھ کر تھے۔ ہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ایک قدم بھی رکھنا کفر سمجھتے ہیں۔ ہم کو الہام ہوا ہے۔ كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ ہم اس دائرہ سے باہر نہیں جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے باہر جانا تو کفر ہے۔ لوگ محجوب ہونے کے سبب وحی کے لفظ سے گھبراتے ہیں؛ ورنہ وہاں تو لکھا ہے کہ مکھی کو بھی وحی ہوئی۔ بلکہ شیخ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے کہ جس کو کبھی بھی وحی نہیں ہوئی۔ خوف ہے کہ اس کا خاتمہ بُرا ہو۔ معرفتِ تامّہ بجز مکالمہ مخاطبہ کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

وحی کی ماہیّت

طالبعلم :۔ وحی کس طرح سے ہوتی ہے؟

حضرت اقدس :۔ کئی طریق ہیں۔ بعض دفعہ دل میں ایک گونج پیدا ہوتی ہے کوئی آواز نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ ایک شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور بعض دفعہ تیزی اور شوکت کے ساتھ ایک لذیذ کلام زبان پر جاری ہوتا ہے جو کسی فکر، تدبّر اور وہم و خیال کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ

خدا تعالیٰ کے نشانات ہزاروں ہیں۔ اگر کوئی چاہے تو اب بھی کم از کم چالیس روز ہمارے پاس رہے اور نشان دیکھ لے۔ صادق اور کاذب میں خدا تعالیٰ فرق کر دیتا ہے۔

آج سے پچیس سال پہلے خداوند تعالیٰ نے مجھے وعدہ دیا تھا کہ تیرے پاس ہر جگہ سے لوگ آئیں گے اور تحفہ تحائف بھی لائیں گے۔ یہ ایسے وقت کا الہام ہے کہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ تھا۔ اب تم اس کی نظیر پیش کرو کہ کیا کوئی آدمی اتنا لمبا افترا کر کے ایسی بڑی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایک بات نہیں۔ اگر ہمارے پاس آئیں اور کچھ مدت قیام رکھیں تو آپ کو معلوم ہو۔

اصل میں تمام مشکلات عدم معرفت کے باعث ہوتی ہیں ورنہ حضرت ابوبکرؓ نے کونسا معجزہ مانگا تھا۔

علمائے امت سے مراد

طالبعلم :۔ اُمت کے علماء بھی انبیاء کی مانند ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت اقدسؑ :۔ مَیں ان لوگوں کو علماء میں شامل نہیں سمجھتا جن کی زبان پر کچھ اَور ہے اور اعمال کچھ اَور ہی ہیں منبر پر چڑھ کر کچھ کہتے ہیں اور گھر میں جا کر کچھ اَور بیان کرتے ہیں۔ علماء اُمت وہ ہیں جو مذہب کی تاکید کرتے ہیں۔

مسیح موعود علیہ السلام مستقل نبی نہیں

طالبعلم :۔ کیا آپ مستقل نبی ہیں؟

حضرت اقدسؑ :۔ میرے متعلق ایسا کہنا ایک تہمت ہوگی۔ مَیں اس کو کفر سمجھتا ہوں کہ کوئی مستقل نبی ہونے کا دعویٰ کرے۔

مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات

طالبعلم :۔ معجزہ تو نبی کا ہوتا ہے۔ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ مَیں معجزہ دکھاتا ہوں؟

حضرت اقدسؑ :۔ ہمارے معجزات سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔ ہمارا اپنا کچھ نہیں۔ سب کاروبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی چلا آتا ہے۔ دین انحطاط پر تھا۔ ہم نے سعی کی۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ ورنہ یہ سلسلہ خود بخود ہی تباہ ہو جائے گا۔

مسیح موعود کی بعثت کا مقصد

ہمارے دو کام ہیں۔ اوّل یہ کہ اعتقادیں نصوص کے برخلاف جو غلطیاں پڑگئی ہیں وہ نکالی جاویں۔ دوم یہ کہ لوگوں کی عملی حالتیں دُرست کی جائیں اور صحابہؓ کے مطابق ان کو تقویٰ اور طہارت حاصل ہوجائے۔

طالبعلم :۔ کیا پہلے بھی کسی نے دعویٰ کیا تھا کہ مَیں اسلام میں نبی ہوں؟

حضرت اقدسؑ :۔ پہلے کس طرح کوئی دعویٰ کرسکتا۔ وہ لوگ مامور نہ تھے کہ ایسا دعویٰ کریں اور مَیں مامُور ہوں۔

طالبعلم :۔ آپ کے مخالف کو کافر کیوں کہا جائے گا؟

حضرت اقدسؑ :۔ کفر کے معنے ہیں انکار کرنا۔ جب یہ لوگ مامور من اللہ کو نہیں مانتے اور گالیاں دیتے ہیں اور انکار کرتے ہیں تو بات یہاں تک نہیں رہتی بلکہ ایک فتح الباب ہوتا ہے اور زبان کُھل جاتی ہے اور رفتہ رفتہ توفیق اعمال کی جاتی رہتی ہے[1]۔

جبتک استقامت نہ ہو بیعت ناتمام ہے ایک شخص نے بیعت کی۔ فرمایا:

خدا تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ ثابت قدمی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جب تک استقامت نہ ہو، بیعت بھی ناتمام ہے۔ انسان جب خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاتا ہے تو راستہ میں بہت سی بلاؤں اور طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جبتک اُن میں سے انسان گذر نہ لے۔ منزل مقصود کو پہنچ نہیں سکتا۔ امن کی حالت میں استقامت کا پتہ نہیں لگ سکتا کیونکہ امن اور آرام کے وقت تو ہر ایک شخص خوش رہتا ہے اور دوست بننے کو تیار ہے۔ مستقیم وہ ہے کہ سب بلاؤں کو برداشت کرے۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۲-۴ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۰۵ء

طُولِ امل سے ہی سب خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

مولوی عبدالکریم صاحب کی موت کو دیکھو اور اس پر غور کرو کہ بڑی عبرت کی جگہ ہے کس طرح ناگہانی موت ان پر وارد ہوئی۔ ہر ایک شخص کو سمجھنا چاہیے کہ یہ دن کسی وقت آنے والا ہے۔ سب کو اس کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔ ان باتوں کا تصور اور مطالعہ انسان کو سچا مومن بنا دیتا ہے۔ جب انسان دنیا کی طرف جھکتا ہے اور بہت امور کو اپنے گلے ڈال لیتا ہے تو ایک طولِ امل پیدا ہو جاتا ہے۔ طولِ امل سے ہی سب خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو شخص عمر کو لمبا سمجھتا ہے اور بڑی بڑی امیدیں کرتا ہے اور کہتا ہے یہ کروں گا وہ کروں گا۔ اس کے واسطے دل کی پاکیزگی کا حصول مشکل ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ رات کو سوئے اور صبح اُٹھنے کی اُمید نہ کرے اور صبح اٹھے تو رات تک زندگی کی امید نہ رکھے۔ سب سے اعلیٰ اور آخری بات یہ ہے کہ دل کی پاکیزگی حاصل ہو۔ جب خدا تعالیٰ کسی پر فضل کرتا ہے تو دل کی پاکیزگی اس کو عطا کرتا ہے۔ بغیر فضلِ الٰہی کے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اوّل بات یہ ہے کہ طولِ امل جاتا رہے۔ تب انسان تسلی پکڑتا ہے۔ جب انسان دن بھر ناجائز وسائل اختیار کرتا ہے اور دنیا کمانے کے پیچھے پڑا رہتا ہے تو دل ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر موت سے زیادہ اور کوئی واعظ نہیں یہی بڑا واعظ ہے۔

مومن میں اللہ تعالیٰ نے قوتِ جذب رکھی ہے

اٹاوہ کے دوست سید صادق حسین صاحب اور دیگر دوست اس جگہ کے مخاطب تھے۔ فرمایا:

اگر ایک آدمی بھی متقی اور صالح کسی مقام پر ہو جو اشاعتِ حق کے لیے پورا جوش رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس میں قوّت جاذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ ایک جماعت بنا ہی لیتا ہے کیونکہ مومن کبھی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ یہ نہیں کہ صرف معجزات کے ذریعہ سے ہی لوگوں پر حجّت پوری کی جاتی ہے۔ بلکہ مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوتِ جذب رکھی ہے۔ سعید لوگ اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اور غیر سعید لوگ بھی سلسلۂ حقّہ کی خدمت میں لگائے جاتے ہیں۔ ان کے سپرد یہ خدمت کی جاتی ہے کہ سلسلۂ حقّہ کی مخالفت میں شور و غوغا مچا کر اس کی تشہیر کریں اور اس کی تبلیغ کو دُور تک پہنچا دیں۔ مومن میں قوتِ جاذبہ ضرور ہوتی ہے۔ جب میں براہین لکھتا تھا تو یہ الہام ہوا تھا کہ ہر ایک دُور کی راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ اس وقت ایک بھی آدمی میرے ساتھ نہ تھا۔ اور یہ کتاب وہ ہے جو ہر ایک

فرقہ عیسائی، ہندو، برہمو، آریہ اور سب مخالفین کے پاس ہے۔ مولوی محمد حسین نے اس پر بڑا ریویو لکھا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پیشگوئیاں ہم نے بنائی ہیں یا ایسے زمانہ میں لکھی گئی تھیں کہ لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ایسے وقت میں یہ الہامات شائع ہوئے اور کئی ایک زبانوں میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی عبرانی سب زبانوں میں الہامات ہوئے۔ یہ اس لیے ہوا کہ ہر ایک زبان گواہ رہے اور اس کتاب کی عظمت ہو۔ اور اس میں یہ بھی ایک راز معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک زبان کے لوگ گواہ ہوں گے اور اس جماعت میں داخل ہوں گے۔

اگر دُنیا میں یہ باتیں انسان اپنی طاقت سے بنا سکتا ہے تو اس کی نظیر کہاں ہے؟ اگر یہ ہو سکتا اور انسان کر سکتا تو تمام انبیاء کی پیشگوئیاں اور خوارق ایک شبہ میں پڑ جاتے۔ مگر بات یہ ہے کہ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ ہر نبی کے وقت میں ابتلاء آئے اور اب بھی وہی سُنّت اللہ جاری ہے۔ مجدد صاحب نے بھی ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو علماء اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کی تکذیب کریں گے۔

جماعت کو صبر کی تلقین فرمایا:

صبر بڑا جوہر ہے۔ جو شخص صبر کرنے والا ہوتا ہے اور غصے سے بھر کر نہیں بولتا اس کی تقریر اپنی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ اس سے تقریر کراتا ہے۔ جماعت کو چاہیے کہ صبر سے کام لے اور مخالفین کی سختی پر سختی نہ کرے اور گالیوں کے عوض میں گالی نہ دے۔ جو شخص ہمارا مکذّب ہے اس پر لازم نہیں کہ وہ ادب کے ساتھ بولے۔ اس کے نمونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی بہت پائے جاتے ہیں۔ صبر جیسی کوئی شے نہیں۔ مگر صبر کرنا بڑا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تائید کرتا ہے جو صبر سے کام لے۔ دہلی کی سرزمین سخت ہے؛ تاہم سب یکساں نہیں۔ کئی آدمی مخفی ہوں گے۔ جب وقت آئے گا تو وہ خود بخود سمجھ لیں گے۔ عرب بہت سخت ملک تھا۔ وہ بھی سیدھا ہو گیا۔ دہلی تو ایسی سخت نہیں۔

مَیں اس کو پسند نہیں کرتا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی پر حملہ کریں یا اخلاق کے برخلاف کوئی کام کریں۔ خدا تعالیٰ بُردباری کا حکم دیتا ہے اور اسی کے مطابق کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کے الہامات کی تقسیم بھی یہی ہے کہ بُردباری کریں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا شربت نہیں کہ فوراً کسی کے ہاتھ پر ڈال

دیں۔ ابھی تو بعض ماننے والے بھی ایسے ہیں کہ وہ پورا یقین نہیں کرتے بلکہ وساوس کی قے کرتے ہیں۔ تاہم کمزوروں پر رحم کرنا چاہیئے اور ہر ایک کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ مَیں جب نیا تھا تو میرا حال بھی ایسا ہی کمزوری کا تھا۔ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ رفتہ رفتہ سکینت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ گذشتہ معاصی کا زہر پیش زنی کرتا رہتا ہے۔ کوئی سہل امر نہیں کہ یک دفعہ یہ سارا زہر نکل جائے۔ رفتہ رفتہ خدا کی رحمت دستگیر ہوتی ہے۔ بیمار تندرست ہوتا ہے تو نقاہت باقی رہتی ہے اور نقاہت کے لوازم میں سے ہے کہ انسان کسی وقت گر جائے بلکہ بعض دفعہ مرض عود کر آتی ہے۔ مومن ولی ہوتا ہے مگر اس نعمت کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ اِسی واسطے کہا گیا ہے کہ اٰمَنَّا نہ کہو بلکہ اَسْلَمْنَا کہو۔

مسیح موعود کو ماننے کی ضرورت

حضرت کی خدمت میں آج پھر سوال پیش ہوا کہ جب ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور شریعت کے دیگر امور کی پیروی کرتے ہیں تو صرف آپ کو نہ ماننے کے سبب کیا حرج ہو سکتا ہے؟

حضرت نے فرمایا:

مَیں نے اس بات کا جواب کئی دفعہ دیا ہے۔ ہم قال اللہ اور قال الرسول کو مانتے ہیں۔ پھر خدا تعالیٰ کی وحی کو مانتے ہیں۔ میرا آنا اللہ اور رسول کے وعدے کے مطابق ہے۔ جو شخص خدا اور رسُول کی ایک بات مانتا ہے اور دوسری نہیں مانتا وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مَیں خدا پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ تو وہ بات ہے جو قرآن شریف میں تذکرہ ہے کہ وہ لوگ بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے؛ ورنہ دراصل ایمان نہیں۔ ایک خدا اور اس کے رسُول کا موعود اپنے وقت پر آیا۔ صدی کے سر پر آیا۔ نشانات لایا۔ عین ضرورت کے وقت آیا۔ اپنے دعویٰ کے دلائل صحیح اور قوی رکھتا ہے۔ ایسے شخص کا انکار کیا ایک مومن کا کام ہے؟ یہودی موحد کہلاتے تھے۔ اب تک ان کا دعویٰ ہے کہ ہم توحید پر قائم ہیں۔ نماز پڑھتے، روزہ رکھتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے۔ اسی سبب کافر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم فرمودہ رسُول کی ایک بات کا بھی جو شخص انکار کرتا ہے اور اس کے مخالف مند کرتا ہے وہ کافر ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ان لوگوں کی غلطی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نماز روزہ ادا کرتے ہیں اور تمام اعمالِ حسنہ بجا لاتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے؟ یہ نہیں جانتے کہ اعمالِ حسنہ کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتی ہے۔ ہر قسم کے شرکِ اَنفسی آفاقی کا نکالنا، خلوصِ لذت اور احسان کے ساتھ عبادت بجا لانا یہ کوئی اختیاری بات نہیں ہے۔ اس کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیروی نہایت ہی ضروری ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کے محبوب بن جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ نیک اعمال کی توفیق فضلِ الٰہی پر موقوف ہے۔ جبتک اللہ تعالیٰ کا خاص فضل نہ ہو اندر کی آلودگیاں دُور نہیں ہوسکتیں۔ جب کوئی شخص نہایت درجہ کے صدق اور اخلاص کو اختیار کرتا ہے تو ایک طاقت آسمانی اس کے واسطے نازل ہوتی ہے۔ اگر انسان سب کچھ خود کرسکتا تو دُعاؤں کی ضرورت نہ ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں اس شخص کو راہ دکھاؤں گا جو میری راہ میں مجاہدہ کرے۔ یہ ایک باریک رمز ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو خدا آنکھیں دے۔ اور تم سب مُردے ہو مگر وہ جس کو خدا تعالیٰ زندگی دے۔ دیکھو یہودیوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مثل گدھوں کے ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ ایسا علم انسان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے جب تک دل آراستہ نہ ہو ہدایت اور سکینت نازل نہیں ہوتی۔ شیطان سے مناسبت آسان ہے مگر ملائک سے مناسبت مشکل ہے کیونکہ اس میں اوپر کو چڑھنا ہے اور اُس میں نیچے گرنا ہے۔ نیچے گرنا آسان ہے مگر اُوپر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ یہ مقام تب حاصل ہوسکتا ہے کہ انسان درحقیقت پاک ہوکر محبت الٰہی کو اپنے اندر داخل کرلیتا ہے لیکن اگر یہ امر آسان ہوتا تو اولیاء، ابدال، غوث اور اقطاب ایسے کمیاب کیوں ہوتے؟ بظاہر تو وہ سب عام لوگوں کی مانند نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں مگر فرق صرف توفیق کا ہے۔ ان لوگوں نے کسی قسم کی شوخی اور کج روی نہ کی بلکہ خاکساری کا راہ اختیار کیا اور مجاہدات میں لگ گئے۔ جو شخص دنیوی حکام کے بالمقابل شوخی کرتا ہے وہ بھی ذلیل کیا جاتا ہے۔ پھر اس کا کیا حال ہوگا جو خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے حکم کے ساتھ شوخی اور گستاخی سے پیش آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ۔ یا اللہ مجھے ایک آنکھ جھپکنے تک بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر۔

اب ان لوگوں کے تقویٰ کے حال کو دیکھنا چاہیئے۔ میں ان کے سامنے آیا۔ میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے۔ کیا انھوں نے میرے معاملہ میں تدبر کیا؟ کیا اُنہوں نے میری کتب کا مطالعہ کیا؟ کیا یہ میرے پاس آئے؟ کہ مجھ سے سمجھ لیں۔ صرف لوگوں کے کہنے کہلانے سے بے ایمان، دجّال اور کافر مجھے کہنا شروع کیا اور کہا کہ یہ واجب القتل ہے۔ بغیر تحقیقات کے انہوں نے یہ سب کارروائی کی اور دلیری کے ساتھ اپنا مُنہ کھولا۔ مناسب تھا کہ میرے مقابلہ میں یہ لوگ کوئی حدیث پیش کرتے۔ میرا مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا اِدھر اُدھر جانا بے ایمانی میں پڑنا ہے

لیکن کیا اس کی پہلے کوئی نظیر دُنیا میں موجود ہے کہ ایک شخص پچیس سال سے خدا پر افترا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ ہر رو اس کی تائید اور نصرت کرتا ہے۔ وہ اکیلا تھا اور خدا تعالیٰ نے تین لاکھ آدمی اس کے ساتھ شامل کر دیا۔ کیا تقویٰ کا حق ہے کہ اس کے مخالف بے ہودہ شور مچایا جاوے اور اس کے معاملہ میں کوئی تحقیقات نہ کی جاوے۔

عقیدہ وفاتِ مسیح علیہ السلام کی اہمیت

وفاتِ مسیح پر قرآن ہمارے ساتھ ہے۔
معراج والی حدیث ہمارے ساتھ ہے۔

صحابہؓ کا اجماع ہمارے ساتھ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم حضرت عیسیٰؑ کو وہ خصوصیت دیتے ہو جو دُوسرے کے لیے نہیں۔ مجھے ایک بزرگ کی بات بہت ہی پیاری لگتی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اگر دنیا میں کسی کی زندگی کا میں قائل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا قائل ہوتا۔ دُوسرے کی زندگی سے ہم کو کیا فائدہ؟ تقویٰ سے کام لو۔ ضد اچھی نہیں۔ دیکھو۔ پادری لوگ گلی اور کوچوں اور بازاروں میں یہی کہتے پھرتے ہیں کہ ہمارا یسوع زندہ ہے اور تمہارا رسُول مر چکا ہے۔ اس کا جواب تم ان کو کیا دے سکتے ہو؟ یہ زمانہ تو اسلام کی ترقی کا زمانہ ہے۔ کسوف خسوف بھی پیشگوئی کے مطابق ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے واسطے وہ پہلو اختیار کیا ہے جس کے سامنے کوئی بول نہیں سکتا۔ سوچو انیس ۱۹ سو سال تک مسیحؑ کو زندہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوا؟ یہی کہ چالیس کروڑ عیسائی ہو گئے۔ اب دُوسرے پہلو کو بھی چند سال کے واسطے آزماؤ اور دیکھو کہ اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ کسی عیسائی سے پُوچھو کہ اگر یسوع مسیح کی وفات کو تسلیم کر لیا جائے تو کیا پھر بھی کوئی عیسائی دنیا میں رہ سکتا ہے۔ تمہارا یہ طیش اور یہ غضب مجھ پر کیوں ہے؟ کیا اسی واسطے کہ میں اسلام کی فتح چاہتا ہوں۔ یاد رکھو کہ تمہاری مخالفت میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ میں اکیلا تھا۔ خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق کئی لاکھ آدمی میرے ساتھ ہو گئے اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ لاہور میں بشپ صاحب نے یہی سوال مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ ہزاروں آدمی جمع تھے اور بڑا بھاری جلسہ تھا۔ یسُوع کی فضیلت اس نے اس طرح بیان کی کہ وہ زندہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں تب کوئی مُسلمان اس کا جواب نہ دے سکا۔ لیکن ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب اُٹھے جو اس جگہ اس وقت موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ثابت کرتا ہوں کہ قرآن، حدیث، انجیل سب کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے ثابت کر دیا۔ تب بشپ کوئی جواب نہ دے سکا اور ہماری جماعت کے ساتھ مخاطب ہونے سے اعراض کیا۔

اسلام کبھی تلوار کے ساتھ نہیں پھیلایا گیا

ان مولویوں پر افسوس ہے کہ میری تذلیل کی خاطر یہ لوگ اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور اسلام کی بے عزتی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مہدی آئے گا تو وہ تلوار کے ساتھ دین پھیلائے گا۔ اے نادانو! کیا تم عیسائیوں کے اعتراض کی مدد کرتے ہو کہ دین اسلام تلوار کے ساتھ پھیلا ہے۔ یاد رکھو کہ اسلام کبھی تلوار کے ساتھ نہیں پھیلایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دین جبراً پھیلانے کے واسطے تلوار نہیں اٹھائی، بلکہ دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے واسطے اور وہ بھی بہت برداشت اور صبر کے بعد غریب مسلمانوں کو ظالم کفار کے ہاتھ سے بچانے کے واسطے جنگ کی گئی تھی اور اس میں کوئی پیش قدمی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی تھی یہی جہاد کا سِرّ ہے۔ آجکل عیسائیوں کے حملے تلوار کے ساتھ نہیں بلکہ قلم کے ساتھ ہیں پس قلم کے ساتھ ان کا جواب ہونا چاہیے۔ تلوار کے ساتھ سچا عقیدہ نہیں پھیل سکتا۔ بعض بیوقوف جنگلی لوگ ہندوؤں کو پکڑ کر ان سے جبراً کلمہ پڑھواتے ہیں مگر وہ جا کر پھر ہندو ہی ہندو ہوتے ہیں۔ اسلام ہرگز تلوار کے ساتھ نہیں پھیلا بلکہ پاک تعلیم کے ساتھ پھیلا ہے۔ صرف تلوار اُٹھانے والوں کو مزہ چکھایا تھا۔ اب قلم کے ساتھ، دلائل اور براہین کے ساتھ اور نشانوں کے ساتھ مخالفوں کو جواب دیا جا رہا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کو یہی منظور ہوتا کہ مسلمان جہاد کریں تو سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو جنگی طاقت دی جاتی اور آلاتِ حرب کی ساخت اور استعمال میں ان کو بہت دسترس عطا کی جاتی ـــــ مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ مسلمان بادشاہ اپنے ہتھیار یورپ کے لوگوں سے خرید کر لیتے ہیں۔ تم میں تلوار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہی نہیں کہ تم تلوار کا استعمال کرو۔ سچی تعلیم اور معجزات کے ساتھ اب اسلام کا غلبہ ہوگا۔ میں اب بھی نشان دکھانے کو تیار ہوں۔ کوئی پادری آئے اور چالیس روز تک میرے پاس رہے۔ تلواروں کو تو زنگ بھی لگ جاتا ہے پر ان نشانات کو جو تازہ ہیں کون زنگ لگا سکتا ہے۔

اسلام کی فتح کا ذریعہ

اسلام کے واسطے ایک انحطاط کا وقت ہے۔ اگر ہمارا طریق ان لوگوں کو پسند نہیں تو فتحِ اسلام کے واسطے کوئی پہلو یہ لوگ ہم کو بتلائیں ہم قبول کر لیں گے۔ اب تو ہر ایک عقلمند نے شہادت دے دی ہے کہ اگر اسلام کی فتح کسی بات سے ہو سکتی ہے تو وہ یہی بات ہے۔ یہانتک کہ عیسائی خود قائل ہیں کہ وفاتِ مسیح کا یہی ایک پہلو ہے جس سے عیسوی مذہب بیخ و بُن سے اُکھڑ جاتا ہے۔

اگر یہ لوگ عیسائیت کو چھوڑ دیں گے تو پھر ان کے واسطے بجز اس کے اور کوئی دروازہ نہیں کہ اسلام قبول کریں اور اس میں داخل ہو جائیں۔ یہی ایک راہ ہے۔ اگر کوئی دوسری راہ کسی کو معلوم ہے تو اس پر فرض ہے کہ اس کو پیش کرے بلکہ اس پر کھانا پینا حرام ہے جبتک اس پہلو کو پیش نہ کرے۔

اے مسلمانو! سوچو۔ اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ عیسیٰ فوت ہو گیا۔ کیا تمہارا پیارا نبی فوت نہیں ہو گیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے نام پر تمہیں غصہ نہیں آتا۔ عیسیٰ کی وفات کا نام سُنکر تمہیں کیوں غصہ آتا ہے؟

میرا مطلب نفسانیت کا نہیں۔ میں کوئی شہرت نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اسلام کی ترقی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے دل کو خوب جانتا ہے۔ اسی نے میرے دل میں یہ جوش ڈال دیا۔ میں اپنی طرف سے بات نہیں کہتا۔ پچیس برس سے خدا تعالیٰ کا الہام مجھ سے یہ بات کہلا رہا ہے۔ اُسی زمانہ کا یہ الہام ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمٰن: ۲،۳) خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ مجرم علیحدہ ہو جائیں اور راستباز علیحدہ ہو جائیں۔ میرے پر حملہ کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ بصیرت والا اپنی بصیرت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی صادق طالب حق ہے تو میرے پاس آوے۔ میں تازہ ترنشان دکھاؤں گا۔ کیا میں اس قدر یقین کو ترک کر کے تمہاری ظنی باتوں کے پیچھے پڑ جاؤں۔ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دی۔ نشانوں کے ساتھ اپنے مخاطبات اور مکالمات کے ساتھ اس کی صداقت پر مُہر لگا دی وہ تمہاری خیالی باتوں کو کیا کرے؟ اگر تم اس قدر باتوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لا سکتے تو اِعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (انعام ۱۳۶) تم اپنی جگہ کام کرو، میں اپنا کام کرتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے۔

---

۲۸ / اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

ویران مساجد

دہلی کے اردگرد بہت سی ویران مساجد کا تذکرہ تھا۔ حضرت نے فرمایا:-

---

لہ بدر جلد ۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۱۷ / نومبر ۱۹۰۵ء

ان کا مرمت کرانا کچھ مشکل امر نہ تھا۔ اگر لوگ چاہتے تو کر لیتے، مگر جب خدا تعالیٰ کسی امر سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے تو پھر کوئی کر ہی کیا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض مساجد کسی صحیح نیت سے نہیں بنوائی جاتیں بلکہ صرف اس واسطے بنائی جاتی ہیں کہ ہماری مسجد ہو اور کہلائے۔

فرمایا:۔

کُل امور نیتِ صحیح اور دل کے تقویٰ پر موقوف ہیں۔ ایک بزرگ کے پاس بہت دولت تھی۔ کسی نے اعتراض کیا اس نے جواب دیا ؎

کے انداختم در دل ٭ مگر انداختم در گل

غرض خدا کے ساتھ دل لگا کر جب دنیوی کاروبار کرتا ہے تو کوئی شئے اُسے خُدا سے مانع نہیں ہو سکتی خواہ کتنے ہی بڑے مشاغل کیوں نہ ہوں۔

ہندوستان میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

فرمایا:

یہ بالکل غلط ہے کہ ہند میں اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا۔ ہرگز نہیں۔ ہند میں اسلام بادشاہوں نے بجبر نہیں پھیلایا بلکہ ان کو تو دین کی طرف بہت ہی کم توجہ تھی۔ اسلام ہند میں ان مشائخ اور بزرگانِ دین کی توجہ، دُعا اور تصرفات کا نتیجہ ہے جو اس مُلک میں گذرے تھے۔ بادشاہوں کو یہ توفیق کہاں ہوتی ہے کہ دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دیں۔ جب تک کوئی آدمی اسلام کا نمونہ خود اپنے وجود سے نہ ظاہر کرے تب تک دُوسرے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں فنا ہو کر خود مجسم قرآن اور مجسم اسلام اور مظہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بن جاتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایک جذب عطا کیا جاتا ہے اور سعید فطرتوں میں ان کا اثر ہوتا چلا جاتا ہے۔ نوّے کروڑ مُسلمان ایسے لوگوں کی توجہ اور جذب سے بن گیا۔ تھوڑے سے عرصہ میں کوئی دین اس کثرت کے ساتھ کبھی نہیں پھیلا۔ یہی لوگ تھے جنہوں نے صلاح و تقویٰ کا نمونہ دکھلایا اور ان کی برہانِ قوی نے جوش مارا اور لوگوں کو کھینچا۔ مگر یہ بزرگ بھی عوام کی طعن و تشنیع سے خالی نہ تھے۔ گو ہم زیادہ تر ان لوگوں کے آگے گالیوں کے لیے تختۂ مشق ہو رہے ہیں تاہم ان سب نے دُکھ اُٹھایا۔ یہ ہمارے علماء ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے ہیں۔

سماع

ذکر آیا کہ بعض بزرگ راگ سُنتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے؟

فرمایا:

اس طرح بزرگانِ دین پر بدظنی کرنا اچھا نہیں حُسنِ ظنی سے کام لینا چاہیئے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشعار سُنے تھے۔ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صحابی مسجد کے اندر شعر پڑھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو منع کیا۔ اس نے جواب دیا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا تو کون ہے جو مجھے روک سکے؟ یہ سُنکر حضرت امیرالمومنینؓ بالکل خاموش ہو گئے۔

قرآن شریف کو بھی خوش الحانی سے پڑھنا چاہیئے۔ بلکہ اس قدر تاکید ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور خود اس میں ایک اثر ہے۔ عمدہ تقریر خوش الحانی سے کی جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ وہی تقریر ژولیدہ زبانی سے کی جائے تو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس شئے میں خدا تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت داؤد کی زبور گیتوں میں تھی جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤد خدا تعالےٰ کی مناجات کرتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ روتے تھے اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔

مزامیر

ایک شخص درمیان میں بول پڑا کہ مزامیر کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟

فرمایا:

بعض نے قرآنِ شریف کے لفظ لھو الحدیث (لقمان: ۷) کو مزامیر سے تعبیر کیا ہے۔ مگر میرا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو مقام اور محل دیکھنا چاہیئے۔ ایک شخص کو جو اپنے اندر بہت سے علوم رکھتا ہے اور تقویٰ کی علامات اس میں پائی جاتی ہیں اور متقی باخدا ہونے کی ہزار دلیل اس میں موجود ہے۔ صرف ایک بات جو تمہیں سمجھ میں نہیں آتی اس کی وجہ سے اُسے بُرا نہ کہو۔ اس طرح انسان محروم رہ جاتا ہے۔ بایزید بسطامیؒ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ لوگ بہت ان کے گرد ہوئے اور ان کے وقت کو پراگندہ کرتے تھے۔ رمضان

کا مہینہ تھا۔ انہوں نے سب کے سامنے روٹی کھانی شروع کر دی۔ تب سب لوگ کافر کہہ کر بھاگ گئے۔ عوام واقف نہ تھے کہ یہ مسافر ہے اور اس کے واسطے روزہ ضروری نہیں۔ لوگ نفرت کر کے بھاگ گئے۔ ان کے واسطے عبادت کے لیے مقامِ خلوت حاصل ہو گیا۔

خضری اسرار

یہ اسرار ہیں اور ان کے واسطے ایک عمدہ مثال خود قرآن شریف میں موجود ہے جہاں حضرت خضرؑ نے ایک کشتی توڑ ڈالی اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ کوئی ظاہر شریعت ان کو ایسے کام کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ اس قصہ سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ خضری اسرار اس امت میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالاتِ متفرقہ کے جامع تھے اور ظلی طور پر وہ کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں موجود ہیں۔ جو خضر نے کیا آئندہ صاحبانِ کمالات بھی حسبِ ضرورت کرتے ہیں۔ جہاں حضرت خضر نے ایک نفسِ زکیہ کو قتل کر دیا اس کے بالمقابل مزا میر کیا شتے ہے۔ لہٰذا جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ جلد بازی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ دوسری علامات کو دیکھنا چاہیئے جو اولیاء الرحمٰن میں پائی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو اعتراض کرے گا وہ مارا جائے گا۔ تعجب ہے کہ زبان کھولنے والے خود گندے لوگ ہوتے ہیں اور ان کے دل ناپاک ہوتے ہیں اور پھر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں۔

یہ بھی میں دیکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ میں کسی ایسی بات کا ہونا بھی سنت اللہ میں چلا آتا ہے۔ جیسا کہ خوبصورت بچے کو جب ماں عمدہ لباس پہنا کر باہر نکالتی ہے تو اس کے چہرے پر ایک سیاہی کا داغ بھی لگا دیتی ہے تاکہ وہ نظرِ بد سے بچا رہے۔ ایسا ہی خدا بھی اپنے پاکیزہ بندوں کے ظاہری حالات میں ایک ایسی بات رکھ دیتا ہے جس سے بد لوگ اس سے دور رہیں اور صرف نیک لوگ اس کے گرد جمع رہیں۔ سعید آدمی چہرے کی اصلی خوبصورتی کو دیکھتا ہے اور شقی کا دھیان اس داغ کی طرف رہتا ہے۔

امرتسر کا واقعہ ہے۔ ایک دعوت میں چند مولوی شریک تھے اور صاحبِ مکان نے مجھے بھی بلایا ہوا تھا۔ چائے لائی گئی۔ میں نے پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ لی۔ تب سب نے اعتراض کیا کہ یہ سنت کے برخلاف کام کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ سنت ہے کہ پیالی دائیں ہاتھ سے پکڑی جائے مگر کیا یہ سنت نہیں کہ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل: ۳۷) یعنی جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق اپنی زبان نہ کھول۔ کیا آپ لوگوں کو مناسب نہ تھا کہ مجھ پر

حُسنِ ظن کرتے اور خاموش رہتے۔ یا یہ نہیں ہوسکتا تھا تو اعتراض کرنے سے پہلے مجھ سے پُوچھ ہی لیتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پھر مَیں نے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دائیں بازو کی ہڈی بچپن سے ٹوٹی ہوئی ہے اور پیالی پکڑ کر مَیں ہاتھ کو اُوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ جب یہ بات انہیں بتلائی گئی، تب وہ سُن کر شرمندہ ہو گئے[1]

۲۹ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

(بعد نمازِ ظہر)

وفاتِ مسیح کے متعلق ایک جامع تحریر

چند مولویوں کو حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک تحریر لکھ کر دی کہ آپ کیوں مسیح کی وفات کے قائل ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحریر درج ذیل کی جاتی ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وجوہ مفصلہ ذیل ہیں جن کی رُو سے مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ قرار دیتا ہوں۔

(۱) قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ آیات ہیں۔ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ (آل عمران: ۵۶) فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ: ۱۱۸) ان آیات کے معنی صحیح بخاری کتاب التفسیر میں موت لکھے ہیں۔ جیسا کہ اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لکھا ہے۔ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ اور پھر تظاہر آیات کے لیے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کا اس جگہ ذکر کیا ہے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ذکر کیا ہے کہ مَیں قیامت کے دن یہی عرض کروں گا کہ یہ لوگ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ جیسا کہ لکھا ہے كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ۔ (الخ)

(۲) دُوسری دلیل تَوَفِّيْ کے ان معنوں پر جو اُوپر ذکر کئے گئے ہیں، لغت عرب کی کتابیں ہیں مَیں نے

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۰۵ء

جہاں تک ممکن تھا قریباً تمام شائع شدہ کتابیں لغت کی دیکھی ہیں۔ جیسے قاموس، تاج العروس، صراح، صحاح جوہری، لسان العرب اور وہ کتابیں جو حال میں بیروت میں تالیف کر کے عیسائیوں نے شائع کی ہیں۔ ان تمام کتابوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ محاورۂ عرب اسی طرح پر ہے کہ جب کسی جملہ میں خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی علم انسان مفعول بہ ہو جیسا کہ تَوَفَّى اللّٰهُ زَيْدًا۔ تو ایسی صورت میں بجز اماتت اور قبضِ رُوح اور کوئی معنے نہیں ہوتے۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے اس پر لازم ہے کہ اس کے برخلاف لغت کی کتابوں سے کوئی نظیر مخالف پیش کرے۔

(۳) مَیں نے بہت محنت اور کوشش سے جہاں تک میرے لیے ممکن تھا صحاحِ ستہ وغیرہ حدیث کی کتابیں غور سے دیکھی ہیں اور مَیں نے کسی ایک جگہ پر توفّی کے معنے بجز وفات دینے کے حدیث میں نہیں پائے بلکہ تین سو کے قریب ایسی جگہ پائی ہیں جہاں ہر جگہ موت دینے کے ہی معنے ہیں۔

(۴) مَیں نے جہاں تک میرے لیے ممکن تھا، عرب کے مختلف دیوان بھی دیکھے ہیں مگر نہ مَیں نے جاہلیت کے زمانہ کے شعراء اور نہ اسلام کے زمانہ کے مستند شعراء کے کلام میں کوئی ایسا فقرہ پایا ہے کہ ایسی صورت میں جو اُوپر بیان کی گئی ہے بجز وفات دینے کے کوئی اور معنے ہوں۔

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب کی الفوز الکبیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ اور مَیں جانتا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بڑے پایہ کے محدّث اور فقیہ اور عالم فاضل تھے۔

(۶) حدیثِ معراج جو بخاری میں موجود ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ انبیاء میں دیکھا تھا پس اس جگہ دو شہادتیں ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ کی شہادت قرآن شریف میں، دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت لیلۃ المعراج میں۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ کنز العمال و طبرانی اور کتاب ماثبت بالسُّنۃ میں شیخ عبدالحق وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی عمر ایک سو پچیس برس کی تھی اور ایک روایت میں ایک سو بیس برس بھی ہے اور ہزاروں برس کی عمر کسی جگہ نہیں لکھی۔

(۸) جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر دلیلِ قاطع ہے جو اس آیت کی رُو سے اجماع تھا۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (آل عمران: ۱۴۵)

(۹) ماسوائے اس کے خدا تعالیٰ نے اپنی وحی قطعی صحیح سے بار بار میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ

حضرت عیسیٰ وفات پا گئے اور اپنے کھلے کھلے نشانوں سے میری سچائی ظاہر فرمائی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے دلائل ہیں مگر اسی قدر کافی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قرآن شریف اور حدیث اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے۔ اور سورہ نور سے ثابت ہے کہ اس اُمت کے کل خلفاء اسی اُمت میں سے آئیں گے اور صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ آنیوالا عیسیٰ اسی اُمت میں سے ہوگا۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ بلکہ صحیح بخاری میں پہلے مسیح کا اور حلیہ لکھا ہے اور آنے والے مسیح کا اور حلیہ لکھا ہے۔ ماسوائے اس کے میرا آنا بے وقت نہیں۔ صدی جس کے سر پر آنا تھا تیئیس برس اس میں سے گذر گئے۔ کسوف خسوف بھی رمضان میں ہوگیا، طاعون بھی پیدا ہوگئی۔ ایک نئی سواری یعنی ریل بھی پیدا ہوگئی اور خدا تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ نشان میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائے ہیں اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی زندگی حضرت عیسیٰ کی موت میں ہے۔ اگر آج یہ امر عیسائیوں پر ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے تو وہ سب کے سب عیسائی مذہب کو ترک کر دیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ؛

مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ
۲۹ر اکتوبر ۱۹۰۵ء

یکم نومبر ۱۹۰۵ء

بمقام دہلی

نزولِ برکات کے مقامات

آج حضرت بختیار کاکیؒ کے مزار پر حضور علیہ السلام نے دُعا کی اور دُعا کو لمبا کیا۔ واپس آتے ہوئے حضرت نے راستہ میں فرمایا کہ :

بعض مقامات نزولِ برکات کے ہوتے ہیں اور یہ بزرگ چونکہ اولیاء اللہ تھے اس واسطے انکے مزار پر ہم گئے۔ ان کے واسطے بھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اپنے واسطے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی اور دیگر بہت دعائیں کیں۔ لیکن یہ دو چار بزرگوں کے مقامات تھے جو جلد ختم ہو گئے۔ اور دہلی

لہ بدر جلد ۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۴ مورخہ ۶ر نومبر ۱۹۰۵ء

کے لوگ تو سخت دل ہیں۔ یہی خیال تھا کہ واپس آتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے ہوئے الہام ہوا۔
دست تو دُعائے تو ترحم زخدا[1]

۴ نومبر ۱۹۰۵ء

لیکچر لُدھیانہ

(جو حضور علیہ السلام نے ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں دیا)

دلائل صداقت اوّل میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھے یہ موقعہ دیا کہ میں پھر اس شہر میں تبلیغ کرنے کے لیے آؤں۔ میں اس شہر میں چودہ[۱۴] برس کے بعد آیا ہوں اور میں ایسے وقت اس شہر سے گیا تھا جبکہ میرے ساتھ چند آدمی تھے اور تکفیر اور تکذیب اور دجّال کہنے کا بازار گرم تھا اور میں لوگوں کی نظر میں اس انسان کی طرح تھا جو مطرود اور مخذول ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں کے خیال میں تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں یہ جماعت مردود ہو کر منتشر ہو جائے گی اور اس سلسلہ کا نام و نشان مِٹ جائے گا؛ چنانچہ اس غرض کے لیے بڑی بڑی کوششیں اور منصوبے کیے گئے اور ایک بڑی بھاری سازش میرے خلاف یہ کی گئی کہ مجھ پر اور میری جماعت پر کُفر کا فتویٰ لکھا گیا اور سارے ہندوستان میں اس فتویٰ کو پھرایا گیا۔ میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ سب سے اوّل مجھ پر کفر کا فتویٰ اس شہر کے چند مولویوں نے دیا۔ مگر میں دیکھتا ہوں اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کافر کہنے والے موجود نہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میری جماعت کو بڑھایا۔ میرا خیال ہے کہ وہ فتویٰ کُفر

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۰۵ء

جو دوبارہ میرے خلاف تجویز ہوا۔ اسے ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں پھرایا گیا اور دو سو کے قریب مولویوں اور مشایخوں کی گواہیاں اور مُہریں اس پر کرائی گئیں۔ اس میں ظاہر کیا گیا کہ یہ شخص بے ایمان ہے۔ کافر ہے، دجّال ہے، مفتری ہے، کافر ہے بلکہ اکفر ہے۔ غرض جو جو کچھ کسی سے ہو سکا میری نسبت اس نے لکھا اور ان لوگوں نے اپنے خیال میں یہ سمجھ لیا کہ بس یہ ہتھیار اب اس سلسلہ کو ختم کر دیگا اور فی الحقیقت اگر یہ سلسلہ انسانی منصوبہ اور افترا ہوتا تو اس کے ہلاک کرنے کے لیے یہ فتویٰ کا ہتھیار بہت ہی زبردست تھا لیکن اس کو خدا تعالیٰ نے قائم کیا تھا۔ پھر وہ مخالفوں کی مخالفت اور عداوت سے کیونکر مر سکتا تھا۔ جس قدر مخالفت میں شدّت ہوتی گئی اسی قدر اس سلسلہ کی عظمت اور عزت دلوں میں جڑ پکڑتی گئی اور آج میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ جب میں اس شہر میں آیا اور یہاں سے گیا تو صرف چند آدمی میرے ساتھ تھے اور میری جماعت کی تعداد نہایت ہی قلیل تھی اور یا اب وہ وقت ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک کثیر جماعت میرے ساتھ ہے اور جماعت کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے اور یقیناً کروڑوں تک پہنچے گی۔

پس اس انقلاب عظیم کو دیکھو کہ کیا یہ انسانی ہاتھ کا کام ہو سکتا ہے دُنیا کے لوگوں نے تو چاہا کہ اس سلسلہ کا نام و نشان مٹا دیں اور اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ کبھی کا اسکو مٹا چکے ہوتے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ جن باتوں کا ارادہ فرماتا ہے دنیا ان کو روک نہیں سکتی اور جن باتوں کا دُنیا ارادہ کرے مگر خدا تعالیٰ ان کا ارادہ نہ کرے وہ کبھی ہو نہیں سکتی ہیں۔ غور کرو۔ میرے معاملہ میں کل علماء اور پیرزادے اور گدّی نشین مخالف ہوئے اور دُوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی میری مخالفت کے لیے اپنے ساتھ ملایا۔ پھر میری نسبت ہر طرح کی کوشش کی۔ مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لیے مجھ پر کفر کا فتویٰ دیا اور پھر جب اس تجویز میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو پھر مقدمات شروع کئے۔ خون کے مقدمے میں مجھے پھنسایا اور ہر طرح کی کوششیں کیں کہ میں سزا پا جاؤں۔ ایک پادری کے قتل کا الزام مجھ پر لگایا گیا۔ اس مقدمے میں مولوی محمد حسین نے بھی میرے خلاف بڑی کوشش کی اور خود شہادت دینے کے واسطے گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں پھنس جاؤں اور مجھے سزا ملے۔ مولوی محمد حسین کی یہ کوشش ظاہر کرتی تھی کہ وہ دلائل اور براہین سے عاجز ہے۔ اس لیے کہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دشمن دلائل سے عاجز ہو جاتا ہے اور براہین سے ملزم نہیں کر سکتا تو ایذا قتل کی تجویز کرتا ہے اور وطن سے نکال دینے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے خلاف مختلف قسم کے منصوبے اور سازشیں کرتا ہے۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جب کفار عاجز آ گئے اور ہر طرح سے ساکت ہو گئے تو آخر انہوں نے بھی اس قسم کے حیلے سوچے کہ آپ کو قتل کر دیں یا قید کریں یا آپ کو وطن سے نکال دیا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ایذائیں دیں مگر آخر وہ سب کے سب اپنے ارادوں اور منصوبوں میں نامراد اور ناکام رہے۔ اب وہی سنت اور طریق میرے ساتھ ہو رہا ہے مگر یہ دُنیا بغیر خالق اور ربّ العالمین کے ہستی نہیں رکھتی۔ وہی ہے جو جھوٹے اور سچے میں امتیاز کرتا ہے اور آخر سچے کی حمایت کرتا اور اُسے غالب کر کے دکھا دیتا ہے۔ اب اس زمانہ میں جب خدا تعالیٰ نے پھر اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا ہے میں اس کی تائیدوں کا ایک زندہ نشان ہوں اور اس وقت تم سب کے سب دیکھتے ہو کہ میں وہی ہوں جس کو قوم نے ردّ کیا اور میں مقبولوں کی طرح کھڑا ہوں۔ تم قیاس کرو کہ اس وقت آج سے چودہ برس پیشتر جب میں یہاں آیا تھا تو کون چاہتا تھا کہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ ہو۔ علماء، فقراء اور ہر قسم کے معظم محترم لوگ یہ چاہتے تھے کہ میں ہلاک ہو جاؤں اور اس سلسلہ کا نام و نشان مٹ جاوے۔ وہ کبھی گوارا نہ کرتے تھے کہ ترقیات نصیب ہوں۔ مگر وہ خدا جو ہمیشہ اپنے بندوں کی حمایت کرتا ہے اور جس نے راستبازوں کو غالب کر کے دکھایا ہے اس نے میری حمایت کی اور میرے مخالفوں کے خلاف ان کی امیدوں اور منصوبوں کے بالکل برعکس اس نے مجھے وہ قبولیت بخشی کہ ایک خلق کو میری طرف متوجہ کیا جو ان مخالفتوں اور مشکلات کے پردوں اور روکوں کو چیرتی ہوئی میری طرف آئی اور آ رہی ہے اب غور کا مقام ہے کہ کیا انسانی تجویزوں اور منصوبوں سے یہ کامیابی ہو سکتی ہے کہ دُنیا کے بارسوخ لوگ ایک شخص کی ہلاکت کی فکر میں ہوں اور اس کے خلاف ہر قسم کے منصوبے کئے جاویں۔ اس کے لیے خطرناک آگ جلائی جاوے۔ مگر وہ ان سب آفتوں سے صاف نکل جاوے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں جو ہمیشہ اس نے دکھائے ہیں۔

پھر اسی امر پر زبردست دلیل یہ ہے کہ آج سے پچیس برس پیشتر جبکہ کوئی بھی میرے نام سے واقف نہ تھا اور نہ کوئی شخص قادیان میں میرے پاس آتا تھا یا خط و کتابت رکھتا تھا، اس گمنامی کی حالت میں، ان کس مپرسی کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَيَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ۔

یہ وہ زبردست پیشگوئی ہے جو ان ایام میں کی گئی اور چھپ کر شائع ہوگئی اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اسے پڑھا۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں کہ میں گمنامی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا اور کوئی شخص مجھے نہ جانتا تھا، خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے پاس دُور دراز مُلکوں سے لوگ آئیں گے اور کثرت سے آئیں گے اور ان کے لیے مہمانداری کے ہر قسم کے سامان اور لوازمات بھی آئیں گے چونکہ ایک شخص ہزاروں لاکھوں انسانوں کو مہمانداری کے جمیع لوازمات مہیا نہیں کر سکتا اور نہ اس قدر اخراجات کو برداشت کر سکتا ہے اس لیے خود ہی فرمایا یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ ان کے سامان بھی ساتھ ہی آئیں گے اور پھر انسان کثرتِ مخلوقات سے گھبرا جاتا ہے اور ان سے کج خلقی کر بیٹھتا ہے اس لئے اس سے منع کیا کہ ان سے کج خلقی نہ کرنا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جانا۔

اب آپ غور کریں کہ کیا یہ امر انسانی طاقت کے اندر ہے کہ پچیس تیس برس پہلے ایک واقعہ کی اطلاع دے؟ اور وہ بھی اسی کے متعلق اور پھر اسی طرح پر وقوع بھی ہو جائے؟ انسانی ہستی اور زندگی کا تو ایک منٹ کا بھی اعتبار نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ دوسرا سانس آئے گا یا نہیں۔ پھر ایسی خبر دینا یہ کیونکر اس کی طاقت اور قیاس میں آسکتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ میں بالکل اکیلا تھا اور لوگوں سے ملنے سے بھی مجھے نفرت تھی اور چونکہ ایک وقت آنے والا تھا کہ لاکھوں انسان میری طرف رجوع کریں اس لیے اس نصیحت کی ضرورت پڑی۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔

اور پھر انہیں دنوں میں یہ بھی فرمایا۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ۔ فَعَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ۔ یعنی وہ وقت آتا ہے کہ تیری مدد کی جاوے گی اور تو لوگوں کے درمیان شناخت کیا جاوے گا۔ اسی طرح پر فارسی، عربی اور انگریزی میں کثرت سے ایسے الہامات ہیں جو اس مضمون کو ظاہر کرتے ہیں۔

اب سوچنے کا مقام ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں کہ اس قدر عرصہ دراز پیشتر ایک پیشگوئی کی گئی اور وہ کتاب میں چھپ کر شائع ہوئی۔ براہین احمدیہ ایسی کتاب ہے جس کو دوست دشمن سب نے پڑھا۔ گورنمنٹ میں بھی اس کی کاپی بھیجی گئی۔ عیسائیوں ہندوؤں نے اسے پڑھا۔ اس شہر میں بھی بُتوں کے پاس یہ کتاب ہوگی وہ دیکھیں کہ اس میں درج ہے یا نہیں؟ پھر وہ مولوی (جو محض عداوت کی راہ سے مجھے دجّال اور کذّاب کہتے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی پیشگوئی

پوری نہیں ہوئی) شرم کریں اور بتائیں کہ اگر یہ پیشگوئی نہیں تو پھر اور پیشگوئی کس کو کہتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا ریویو مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے۔ چونکہ وہ میرے ہم سبق تھے اس لیے اکثر قادیان آیا کرتے تھے۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ اور ایسا ہی قادیان۔ بٹالہ۔ امرتسر اور گرد و نواح کے لوگ کو خوب معلوم ہے کہ اس وقت میں بالکل اکیلا تھا۔ اور کوئی مجھے جانتا نہ تھا اور اس وقت کی حالت سے عند العقل دُور از قیاس معلوم ہوتا تھا کہ میرے جیسے گمنام آدمی پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لاکھوں آدمی اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں اس وقت کچھ بھی نہ تھا۔ تنہا و بیکس تھا۔ خود اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں مجھے یہ دعا سکھاتا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ یہ دعا اس لیے سکھائی کہ وہ پیار رکھتا ہے ان لوگوں سے جو دعا کرتے ہیں کیونکہ دعا عبادت ہے اور اس نے فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) دُعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغز اور مخ عبادت کا دُعا ہی ہے۔ اور دُوسرا اشارہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعا کے پیرایہ میں سکھانا چاہتا ہے کہ تو اکیلا ہے اور ایک وقت آئے گا کہ تُو اکیلا نہ رہے گا۔ اور میں پکار کر کہتا ہوں کہ جیسا یہ دن روشن ہے اسی طرح یہ پیشگوئی روشن ہے اور یہ امر واقعی ہے کہ میں اس وقت اکیلا تھا۔ کون کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہے کہ تیرے ساتھ جماعت تھی۔ مگر اب دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ان دو وعدوں کے موافق اور اس پیشگوئی کے موافق جو اس نے ایک زمانہ پہلے خبر دی، ایک کثیر جماعت میرے ساتھ کر دی[1]۔ ایسی حالت اور صورت میں اس عظیم الشان پیشگوئی کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر جبکہ اسی کتاب میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ لوگ خطرناک طور پر مخالفت کریں گے اور اس جماعت کو روکنے کے لیے ہر قسم کی کوششیں کریں گے مگر میں ان سب کو نامراد کروں گا۔

پھر براہین احمدیہ میں یہ بھی پیشگوئی کی گئی تھی کہ جبتک پاک پلید میں فرق نہ کروں گا نہیں چھوڑونگا۔ ان واقعات کو پیش کر کے میں ان لوگوں کو مخاطب نہیں کرتا جن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کا خوف نہیں اور جو گویا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مرنا ہی نہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں، بلکہ میں ان لوگوں کو مخاطب کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ مرنا ہے اور موت کے دروازے قریب ہو رہے ہیں اس لیے کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ایسا گستاخ نہیں ہو سکتا۔ وہ غور کریں کہ کیا پچیس برس پیشتر ایسی پیشگوئی کرنا انسانی طاقت اور قیاس کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ پھر ایسی حالت

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۱ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۶ء

ہیں کہ کوئی اُسے جانتا بھی نہ ہو اور ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی ہو کہ یہ لوگ مخالفت کریں گے مگر وہ نامراد رہیں گے۔ مخالفوں کے نامراد رہنے اور اپنے بامراد ہو جانے کی پیشگوئی کرنا ایک خارق عادت امر ہے۔ اگر اس کے ماننے میں کوئی شک ہے تو پھر نظیر پیش کرو۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت آدمؑ سے لیکر اس وقت تک کے کسی مفتری کی نظیر دو جس نے پچیس برس پیشتر اپنی گمنامی کی حالت میں ایسی پیشگوئیاں کی ہوں اور وہ یوں روزِ روشن کی طرح پوری ہوگئی ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسی نظیر پیش کر دے تو یقیناً یاد رکھو کہ یہ سارا سلسلہ اور کاروبار باطل ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کے کاروبار کو کون باطل کر سکتا ہے؟ یوں تکذیب کرنا اور بلا وجہ معقول انکار اور استہزا یہ حرامزادے کا کام ہے۔ کوئی حلال زادہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

میں اپنی سچائی کو اسی پر حصر کر سکتا ہوں۔ اگر تم میں کوئی سلیم دل رکھتا ہو۔ خوب یاد رکھو کہ یہ پیشگوئی کبھی ردّ نہیں ہو سکتی جب تک اس کی نظیر پیش نہ کی جاوے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی براہین احمدیہ میں موجود ہے جس کا ریویو مولوی ابوسعید نے لکھا ہے۔ اسی شہر میں مولوی محمد حسن اور منشی محمد عمر وغیرہ کے پاس ہوگی۔ اس کا نسخہ مکہ، مدینہ، بخارا تک پہنچا۔ گورنمنٹ کے پاس اس کی کاپی بھیجی گئی۔ ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، برہموؤں نے اُسے پڑھا اور وہ کوئی گمنام کتاب نہیں بلکہ وہ شہرت یافتہ کتاب ہے کوئی پڑھا آدمی جو مذہبی مذاق رکھتا ہو اس سے بے خبر نہیں ہے۔ پھر اس کتاب میں یہ پیشگوئی لکھی ہوئی موجود ہے کہ ایک دُنیا تیرے ساتھ ہو جائے گی۔ دنیا میں تجھے شہرت دُوں گا۔ تیرے مخالفوں کو نامراد رکھوں گا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ کام کسی مفتری کا ہو سکتا ہے؟ اگر تم یہی فیصلہ دیتے ہو کہ ہاں مفتری کا کام ہو سکتا ہے تو پھر اس کے لیے نظیر پیش کرو۔ اگر نظیر دکھا دو تو میں تسلیم کر لوں گا کہ میں جھوٹا ہوں مگر کوئی نہیں جو اس کی نظیر دکھا سکے۔ اور اگر تم اس کی نظیر نہ پیش کر سکو اور یقیناً نہیں کر سکو گے تو پھر میں تمہیں یہی کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور تکذیب سے باز آؤ۔

یاد رکھو۔ خدا تعالیٰ کے نشانات کو بدوں کسی سند کے ردّ کرنا دانشمندی نہیں اور نہ اس کا انجام کبھی بابرکت ہوا ہے۔ میں تو کسی کی تکذیب یا تکفیر کی پروا نہیں کرتا اور نہ ان حملوں سے ڈرتا ہوں جو مجھ پر کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے آپ ہی مجھے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ تکذیب اور تکفیر ہوگی اور خطرناک مخالفت یہ لوگ کریں گے مگر کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ کیا مجھ سے پیشتر استہزا اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کو ردّ نہیں کیا گیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون اور فرعونیوں نے، حضرت مسیح علیہ السلام پر فقیہوں نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مشرکینِ مکہ نے کیا کیا حملے نہیں کئے؟

مگر ان حملوں کا انجام کیا ہوا؟ ان مخالفوں نے ان نشانات کے مقابلہ میں کبھی کوئی نظیر پیش کی؟ کبھی نہیں۔ نظیر پیش کرنے سے تو ہمیشہ عاجز رہے۔ ہاں زبانیں چلتی تھیں۔ اس لیے وہ کذاب کہتے رہے۔ اسی طرح پر یہاں بھی جب عاجز آ گئے تو اور تو کچھ نہ پیش گئی۔ دجال کذاب کہہ دیا۔ مگر ان کے مُنہ کی پھونکوں سے کیا یہ خدا تعالیٰ کے نُور کو بجھا دیں گے؟ کبھی نہیں بجھا سکتے۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ (الصف: ۹)

دوسرے خوارق اور نشانات کو وہ لوگ جو بدظنی کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ شاید دست بازی ہو مگر پیشگوئی میں انہیں کوئی عذر اور باقی نہیں رہتا اس لیے نشانات نبوت میں عظیم الشان نشان اور معجزہ پیشگوئیوں کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر توریت سے بھی ثابت ہے اور قرآن مجید سے بھی۔ پیشگوئیوں کے برابر کوئی معجزہ نہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ کے مامورین کو ان کی پیشگوئیوں سے شناخت کرنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نشان مقرر کر دیا ہے۔ لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ کے غیب کا کسی پر ظہور نہیں ہوتا مگر اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسُولوں پر ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ بعض پیشگوئیاں باریک اسرار اپنے اندر رکھتی ہیں اور دقیق امور کی وجہ سے ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی ہیں۔ جو دُور بین آنکھیں نہیں رکھتے اور موٹی موٹی باتوں کو صرف سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی ہی پیشگوئیوں پر عموماً تکذیب ہوتی ہے اور جلد باز اور شتاب کار کہہ اُٹھتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔ (یوسف: ۱۱۱) ان پیشگوئیوں میں لوگ شبہات پیدا کرتے ہیں مگر فی الحقیقت وہ پیشگوئیاں خدا تعالیٰ کی سُنن کے ماتحت پوری ہو جاتی ہیں؛ تاہم اگر وہ سمجھ میں نہ بھی آئیں تو مومن اور خدا ترس انسان کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان پیشگوئیوں پر نظر کرے جن میں دقائق نہیں۔ یعنی جو موٹی موٹی پیشگوئیاں ہیں۔ پھر دیکھے کہ وہ کس قدر تعداد میں پوری ہو چکی ہیں۔ یونہی مُنہ سے انکار کر دینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ دیانت اور خدا ترسی سے ان پیشگوئیوں کو دیکھنا چاہیئے جو پوری ہو چکی ہیں۔ مگر جلد بازوں کا مُنہ کون بند کرے؟

اس قسم کے امور مجھے ہی پیش نہیں آئے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئے۔ پھر اگر یہ امر مجھے بھی پیش آوے تو تعجب نہیں۔ بلکہ ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ سُنت اللہ یہی تھی۔ مَیں کہتا ہوں کہ مومن کے لیے تو ایک شہادت بھی کافی ہے۔ اسی سے اس کا دل کانپ

جاتا ہے مگر یہاں تو ایک نہیں صدہا نشان موجود ہیں بلکہ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس قدر ہیں کہ مَیں انہیں گِن نہیں سکتا۔ یہ شہادت تھوڑی نہیں کہ دلوں کو فتح کرے گا۔ مکذبوں کو موافق بنالے گا۔ اگر کوئی خدا تعالیٰ کا خوف کرے اور دل میں دیانت اور دُور اندیشی سے سوچے تو اسے بے اختیار ہو کر ماننا پڑے گا کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔

پھر یہ بھی ظاہر بات ہے کہ مخالف جب تک رَدّ نہ کرے اور اس کی نظیر پیش نہ کرے خدا تعالیٰ کی حجت غالب ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ مَیں اسی خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے اور باوجود اس شر اور طوفان کے جو مجھ پر اُٹھا اور جس کی جڑ اور ابتداء اسی شہر سے اُٹھی اور پھر دلّی تک پہنچی۔ مگر اس نے تمام طوفانوں اور ابتلاؤں میں مجھے صحیح سالم اور کامیاب نکالا اور مجھے ایسی حالت میں اس شہر میں لایا کہ تین لاکھ سے زیادہ زن و مرد میرے مبائعین میں داخل ہیں اور کوئی مہینہ نہیں گذرتا جس میں دو ہزار چار ہزار اور بعض اوقات پانچ پانچ ہزار اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے ہوں۔

پھر اس خدا نے ایسے وقت میں میری دستگیری فرمائی کہ جب قوم ہی دشمن ہو گئی۔ جب کسی شخص کی دشمن اس کی قوم ہی ہو جاوے تو وہ بڑا بیکس اور بڑا بے دست و پا ہوتا ہے کیونکہ قوم ہی تو دست و پا اور جوارح ہوتی ہے۔ وہی اس کی مدد کرتی ہے۔ دُوسرے لوگ تو دشمن ہوتے ہی ہیں کہ ہمارے مذہب پر حملہ کرتا ہے۔ لیکن جب اپنی قوم بھی دشمن ہو تو پھر بچ جانا اور کامیاب ہو جانا معمولی بات نہیں بلکہ یہ ایک زبردست نشان ہے۔

قرآنِ کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میرا عقیدہ ہے

مَیں نہایت افسوس اور دردِ دل سے یہ بات کہتا ہوں کہ قوم نے میری مخالفت میں نہ صرف جلدی کی بلکہ بہت ہی بے دردی بھی کی۔ صرف ایک مسئلہ وفاتِ مسیح کا اختلاف تھا جس کو میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت، صحابہؓ کے اجماع اور عقلی دلائل اور کتبِ سابقہ سے ثابت کرتا تھا اور کرتا ہوں اور حنفی مذہب کے موافق نقل، حدیث، قیاس، دلائلِ شرعیہ میرے ساتھ تھیں مگر ان لوگوں نے قبل اس کے کہ وہ پورے طور پر مجھ سے پوچھ لیتے اور میرے دلائل کو سُن لیتے، اس مسئلہ کی مخالفت میں یہانتک غلُو کیا کہ مجھے کافر ٹھہرایا گیا اور اس کے ساتھ اَور بھی جو چاہا کہا اور میرے ذمہ لگایا۔ دیانت، نکوکاری اور تقویٰ کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے مجھ سے پوچھ لیتے۔ اگر مَیں قال اللہ اور قال الرسول سے تجاوز کرتا تو پھر بیشک

انہیں اختیار اور حق تھا کہ وہ مجھے جو چاہتے کہتے، دجال، کذاب وغیرہ۔ لیکن جبکہ میں ابتداء سے بیان کرتا آیا ہوں کہ میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمی ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال رہتا ہے۔ پھر اگر یہ مخالف خدا تعالیٰ سے ڈرتے تو کیا ان کا فرض نہ تھا کہ فلاں بات خارج از اسلام کی ہے اسکی کیا وجہ ہے یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو۔ مگر نہیں اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی سُنا اور کافر کہہ دیا۔ میں نہایت تعجب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں کیونکہ اوّل تو حیات وفاتِ مسیح کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں مگر بتاؤ کہ کیا اس سے یہ اقرار بھی لیتے ہو؟ بجُز اس کے کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ جبکہ یہ مسئلہ اسلام کی جزو نہیں پھر بھی مجھ پر وفاتِ مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدد کیوں کیا گیا کہ یہ کافر ہیں، دجال ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاوے۔ ان کے مال لُوٹ لینے جائز ہیں اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا دُرست ہے۔ ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک تو وہ زمانہ تھا کہ یہی مولوی شور مچاتے تھے کہ اگر ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیئے، اس کو مسلمان ہی کہو مگر اب کیا ہو گیا۔ کیا میں اس سے بھی گیا گذرا ہو گیا؟ کیا میں اور میری جماعت اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ نہیں پڑھتی؟ کیا میں نمازیں نہیں پڑھتا؟ یا میرے مرید نہیں پڑھتے؟ کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں؟ میں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے اور وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے جس طرح پر ایک سچے مسلمان کو لانا چاہیئے۔ میں ایک ذرہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں اور میرا یہی مذہب ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے اور جس قدر تقرب الی اللہ پا سکتا ہے وہ صرف صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت اور کامل محبت سے پا سکتا ہے؛ ورنہ نہیں۔ آپؐ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔

عقیدہ حیاتِ مسیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ مسیح

علیہ السلام اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر گئے ہوں اور اب تک زندہ قائم ہوں۔ اس لیے کہ اس مسئلہ کو مان کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے۔ میں ایک لحظہ کے لیے بھی ہتک کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترپسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ طیبہ میں آپ کا روضہ موجود ہے۔ ہر سال وہاں ہزاروں لاکھوں حاجی بھی جاتے ہیں۔ اب اگر مسیح علیہ السلام کی نسبت موت کا یقین کرنا یا موت کو ان کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ گستاخی اور بے ادبی کیوں یقین کر لی جاتی ہے؟ مگر تم بڑی خوشی سے کہہ دیتے ہو کہ آپ نے وفات پائی۔ مولود خواں بڑی خوش الحانی سے واقعاتِ وفات کو ذکر کرتے ہیں۔ اور کفار کے مقابلہ میں بھی تم بڑی کشادہ پیشانی سے تسلیم کر لیتے ہو کہ آپ نے وفات پائی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر کیا پتھر پڑتا ہے کہ نیلی پیلی آنکھیں کر لیتے ہو۔ ہمیں بھی رنج نہ ہوتا کہ اگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی وفات کا لفظ سن کر ایسے آنسو بہاتے، مگر افسوس تو یہ ہے کہ خاتم النبیین اور سرورِ دو عالم کی نسبت تو تم بڑی خوشی سے موت تسلیم کر لو اور اس شخص کی نسبت جو اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں بتاتا، زندہ یقین کرتے ہو اور اس کی نسبت موت کا لفظ منہ سے نکالا اور تمہیں غضب آجاتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتک زندہ رہتے تو ہرج نہ تھا اس لیے کہ آپ وہ عظیم الشان ہدایت لیکر آئے تھے جسکی نظیر دنیا میں پائی نہیں جاتی۔ اور آپ نے وہ عملی حالتیں دکھائیں کہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی ان کا نمونہ اور نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی جس قدر ضرورت دنیا اور مسلمانوں کو تھی۔ اس قدر ضرورت مسیح کے وجود کی نہیں تھی۔ پھر آپ کا وجود باجود وہ مبارک وجود ہے کہ جب آپ نے وفات پائی تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ وہ دیوانے ہو گئے۔ یہانتک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا کہ اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مُردہ کہے گا تو میں اس کا سر جدا کر دوں گا۔ اس جوش کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک خاص نور اور فراست عطا کی۔ انہوں نے سب کو اکٹھا کیا اور خطبہ پڑھا۔ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں اور آپ سے پیشتر جس قدر رسول آئے وہ سب

وفات پا چکے۔ اب آپ غور کریں اور سوچ کر بتائیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ آیت کیوں پڑھی تھی؟ اور اس سے آپ کا کیا مقصد اور منشاء تھا؟ اور پھر ایسی حالت میں کہ کل صحابہؓ موجود تھے۔ میں یقیناً کہتا ہوں اور آپ انکار نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے صحابہؓ کے دل پر سخت صدمہ تھا اور اس کو بے وقت اور قبل از وقت سمجھتے تھے۔ وہ پسند نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنیں۔ ایسی حالت اور صورت میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابیؓ اس جوش کی حالت میں ہو ان کا غصہ فرو نہیں ہو سکتا: بجز اس کے کہ یہ آیت ان کی تسلی کا موجب ہوتی۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا یا یہ یقین ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو وہ تو زندہ ہی مر جاتے۔ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق تھے اور آپ کی حیات کے سوا کسی اور کی حیات کو گوارا ہی نہ کر سکتے تھے۔ پھر کیونکر اپنی آنکھوں کے سامنے آپ کو وفات یافتہ دیکھتے اور مسیح کو زندہ یقین کرتے۔ یعنی جب حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھا تو ان کا جوش فرو ہو گیا۔ اس وقت صحابہؓ مدینہ کی گلیوں میں یہ آیت پڑھتے پھرتے تھے۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ گویا یہ آیت آج ہی اتری ہے۔ اس وقت حسان بن ثابت نے ایک مرثیہ لکھا جس میں انہوں نے کہا۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

چونکہ مذکورہ بالا آیت نے بتا دیا تھا کہ سب مر گئے۔ اس لیے حسان نے بھی کہدیا کہ اب کسی کی موت کی پروا نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کی زندگی صحابہؓ پر سخت شاق تھی اور وہ اس کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ پہلا اجماع تھا جو دنیا میں ہوا۔ اور اس حضرت مسیحؑ کی وفات کا بھی کلی فیصلہ ہو چکا تھا۔

میں بار بار اس امر پر اس لیے زور دیتا ہوں کہ یہ دلیل بڑی ہی زبردست دلیل ہے جس سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ آنحضرت کی وفات کوئی معمولی اور چھوٹا امر نہ تھا جس کا صدمہ صحابہؓ کو نہ ہوا ہو۔ ایک گاؤں کا نمبردار یا محلہ دار یا گھر کا کوئی عمدہ آدمی مر جاوے تو گھر والوں یا محلہ والوں یا دیہات والوں کو صدمہ ہوتا ہے۔ پھر وہ نبی جو کل دنیا کے لیے آیا تھا اور رحمۃ للعالمین ہو کر آیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۹) پھر وہ نبی جس نے صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا۔ اور وہ کمالات دکھائے کہ جن کی نظیر نہیں آتی۔ وہ

فوت ہو جاوے اسکے ان جان نثار متبعین پر اثر نہ پڑے جنھوں نے اس کی خاطر جانیں دے دینے سے دریغ نہ کیا۔ جنھوں نے وطن کو چھوڑا۔ خویش و اقارب چھوڑے اور اس کے لیے ہر قسم کی تکلیفوں اور مشکلات کو اپنے لیے راحتِ جان سمجھا۔ ایک ذرا سے فکر اور توجہ سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس قدر بھی دُکھ اور تکلیف انہیں اس خیال کے تصور سے ہو سکتا ہے اس کا اندازہ اور قیاس ہم نہیں کر سکتے۔ ان کی تسلی اور تسکین کا موجب یہی آیت تھی کہ جو حضرت ابوبکرؓ نے پڑھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں صحابہؓ کو سنبھالا۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض نادان اپنی جلد بازی اور شتاب کاری کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت تو بیشک حضرت ابوبکرؓ نے پڑھی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے باہر رہ جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ایسے نادانوں کو میں کیا کہوں۔ وہ باوجود مولوی کہلانے کے ایسی بیہودہ باتیں پیش کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں بتاتے کہ اس آیت میں کونسا لفظ ہے جو حضرت عیسیٰؑ کو الگ کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تو کوئی امر قابلِ بحث اس میں چھوڑا ہی نہیں۔ قَدْ خَلَتْ کے معنے خود ہی کر دیئے۔ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (آل عمران: ۱۴۵) اگر کوئی تیسری شق بھی اس کے سوا ہوتی تو کیوں نہ کہہ دیتا۔ اَوْ رُفِعَ بِجَسَدِہِ الْعُنْصُرِیِّ اِلَی السَّمَآءِ۔ کیا خدا تعالیٰ اس کو بھول گیا تھا جو یہ یاد دلاتے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر صرف یہی آیت ہوتی تب بھی کافی تھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو انہیں ایسی محبوب اور پیاری تھی کہ اب تک آپ کی وفات کا ذکر کر کے یہ لوگ بھی روتے ہیں۔ پھر صحابہؓ کے لیے تو اور بھی درد اور وقت اس وقت پیدا ہو گئی تھی۔ میرے نزدیک مومن وہی ہوتا ہے جو آپ کی اتباع کرتا ہے اور وہی کسی مقام پر پہنچتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۲) یعنی کہدو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے۔ اب محبت کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ محبوب کے فعل کے ساتھ خاص موانست ہو اور مرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ آپ نے مر کر دکھا دیا۔ پھر کون ہے جو زندہ رہے یا زندہ رہنے کی آرزو کرے؟ یا کسی اور کے لیے تجویز کرے کہ وہ زندہ رہے؟

محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ آپؐ کی اتباع میں ایسا گم ہو کہ اپنے جذباتِ نفس کو تمام لے اور یہ سوچ لے کہ میں کسی کی اُمت ہوں۔ ایسی صورت میں جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابتک زندہ ہیں وہ کیونکر آپ کی محبت اور اتباع کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ اس لیے کہ آپؐ

کی نسبت وہ گوارا کرتا ہے کہ مسیحؑ کو افضل قرار دیا جاوے اور آپؐ کو مُردہ کہا جاوے مگر اس کے لیے وہ پسند کرتا ہے کہ زندہ یقین کیا جاوے[1]؟

حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کے نقصانات

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہتے تو ایک فرد بھی کافر نہ رہتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی نے کیا نتیجہ دکھایا۔ بجُز اس کے کہ چالیس کروڑ عیسائی ہیں۔ غور کرکے دیکھو کہ کیا تم نے اس زندگی کے اعتقاد کو آزما نہیں لیا؟ اور نتیجہ خطرناک نہیں ہوا؟ مُسلمانوں کی کسی ایک قوم کا نام لو جس میں سے کوئی عیسائی نہ ہوا ہو۔ مگر مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر طبقہ کے مُسلمان عیسائی ہو چکے ہیں اور ایک لاکھ سے بھی ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ عیسائیوں کے ہاتھ میں مُسلمانوں کو عیسائی بنانے کے واسطے ایک ہی ہتھیار ہے اور وہ یہی زندگی کا مسئلہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ خصوصیت کسی دوسرے میں ثابت کرو۔ اگر وُہ خدا نہیں تو پھر کیوں اُسے یہ خصُوصیت دی گئی؟ وہ حیّ و قیّوم ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

اس حیات کے مسئلہ نے ان کو دلیر کر دیا اور اُنہوں نے مُسلمانوں پر وہ حملہ کیا جس کا نتیجہ مَیں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب اس کے مقابل پر اگر تم پادریوں پر یہ ثابت کر دو کہ مسیح مر گیا ہے تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ مَیں نے بڑے بڑے پادریوں سے پُوچھا ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح مر گیا ہے تو ہمارا مذہب زندہ نہیں رہ سکتا۔

ایک اَور غور طلب بات یہ ہے کہ مسیح کی زندگی کے اعتقاد کا آپ لوگوں نے تجربہ کیا۔ اب ذرا اس کی موت کا بھی تجربہ کرو اور دیکھو کہ عیسائی مذہب پر اس اعتقاد سے کیا زد پڑتی ہے۔ جہاں کوئی میرا مُرید عیسائیوں سے اس مضمون پر گفتگو کرنے کو کھڑا ہوتا ہے وہ فوراً انکار کر دیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ سے ان کی ہلاکت قریب ہے۔ موت کے مسئلہ سے نہ اُن کا کفارہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ان کی اُلوہیت اور ابنیت۔ پس اس مسئلہ کا تھوڑے دنوں تک تجربہ کرو۔ پھر خود حقیقت کھُل جاوے گی۔

مسئلہ وفاتِ مسیح، غلبۂ اسلام اور کسرِ صلیب کا حربہ

سُنو! قرآن شریف اور احادیث میں یہ وعدہ تھا کہ اسلام پھیل جاوے گا اور وُہ دُوسرے ادیان پر غالب آجائے گا اور کسرِ صلیب ہوگی۔ اب غور طلب امر یہ ہے

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء

کہ دُنیا تو جائے اسباب ہے۔ ایک شخص بیمار ہو تو اس میں تو شک نہیں کہ شفا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ادویات میں خواص بھی اسی نے رکھ دیئے ہیں۔ جب کوئی دوا دی جاتی ہے تو وہ فائدہ کرتی ہے۔ پیاس لگتی ہے تو اس کے بجھانے والا تو خُدا ہے مگر اس کے لیے پانی بھی اسی نے مقرر کیا ہے۔ اسی طرح پر بھوک لگتی ہے تو اس کو دُور کرنے والا تو وہی ہے مگر غذا بھی اسی نے مقرر کی ہے۔ اسی طرح پر غلبۂ اسلام اور کسرِ صلیب تو ہوگا جو اس نے مقدر کیا ہے لیکن اس کے لیے اس نے اسباب مقرر کئے ہیں اور ایک قانون مقرر کیا ہے؛ چنانچہ بالاتفاق یہ امر قرآن مجید اور احادیث کی بنا پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں جب عیسائیت کا غلبہ ہوگا۔ اس وقت مسیح موعود کے ہاتھ پر اسلام کا غلبہ ہوگا اور وہ کُل ادیان اور ملتوں پر اسلام کو غالب کر کے دکھا دے گا۔ اور دجّال کو قتل کرے گا اور صلیب کو توڑ دے گا اور وہ زمانہ آخری زمانہ ہوگا۔ نواب صدیق حسن خاں اور دُوسرے بزرگوں نے جنھوں نے آخری زمانہ کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، انہوں نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے بھی تو کوئی سبب اور ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ اسباب سے کام لیتا ہے۔ دواؤں سے شفا دیتا ہے اور اغذیہ اور پانی سے بھوک پیاس کو دُور کرتا ہے۔ اسی طرح پر اب جبکہ عیسائی مذہب کا غلبہ ہو گیا ہے اور ہر طبقہ کے مُسلمان اس گروہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کو اپنے وعدہ کے موافق غالب کرے اس کے لیے بہرحال کوئی ذریعہ اور سبب ہوگا اور وہ یہی موتِ مسیح کا حربہ ہے۔

اس حربہ سے صلیبی مذہب پر موت وارد ہوگی اور ان کی کمریں ٹوٹ جاویں گی۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اب عیسائی غلطیوں کے دُور کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سبب ہو سکتا ہے کہ مسیح کی وفات ثابت کی جاوے۔ اپنے گھروں میں اس امر پر غور کریں اور تنہائی میں بستروں پر لیٹ کر سوچیں۔ مخالفت کی حالت میں تو جوش آتا ہے۔ سعید الفطرت آدمی پھر سوچ لیتا ہے۔ دہلی میں جب مَیں نے تقریر کی تھی تو سعید الفطرت انسانوں نے تسلیم کر لیا اور وہیں بول اُٹھے کہ بیشک حضرت عیسیٰؑ کا پرستش کا ستون ان کی زندگی ہے۔ جب تک یہ نہ ٹوٹے اسلام کے لیے دروازہ نہیں کھُلتا بلکہ عیسائیت کو اس سے مدد ملتی ہے۔ جو ان کی زندگی سے پیار کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ دو گواہوں کے ذریعہ سے پھانسی مل جاتی ہے مگر یہاں اس قدر شواہد موجود ہیں اور وہ بدستور انکار کرتے جاتے ہیں - اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران : ۵۶) اور پھر حضرت مسیحؑ کا اپنا اقرار اسی قرآن مجید میں موجود ہے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ (المائدۃ:۱۱۸)

اور تَوَفّی کے معنے موت بھی قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کیونکہ یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ (یونس: ۴۷)۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کہا ہے جس کے معنے موت ہی ہیں۔ اور ایسا ہی حضرت یوسفؑ اور دُوسرے لوگوں کیلئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ پھر ایسی صورت میں اس کے کوئی اَور معنے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ بڑی زبردست شہادت مسیح کی وفات پر ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰؑ کو مُردوں میں دیکھا۔ حدیثِ معراج کا تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اسے کھول کر دیکھ لو کہ کیا اس میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر مُردوں کے ساتھ آیا ہے یا کسی اَور رنگ میں۔ جیسے آپؐ نے حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا، اسی طرح حضرت عیسیٰ کو دیکھا ان میں کوئی خصوصیت اور امتیاز نہ تھا۔ اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام وفات پا چکے ہیں اور قابض الارواح نے ان کو دُوسرے عالم میں پہنچا دیا ہے۔ پھر ان میں ایک شخص زندہ بجسدہ العنصری کیسے چلا گیا؟ یہ شہادتیں تھوڑی نہیں ہیں۔ ایک سچے مسلمان کے لیے کافی ہیں۔

پھر دُوسری احادیث میں حضرت عیسیٰؑ کی عمر ایک سو بیس یا ایک سو چالیس برس کی قرار دی ہے۔ ان سب امور پر ایک جائی نظر کرنے کے بعد یہ امر تقویٰ کے خلاف تھا کہ جھٹ پٹ یہ فیصلہ کر دیا جاتا کہ مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور پھر اس کی کوئی نظیر بھی نہیں۔ عقل بھی یہی تجویز کرتی تھی۔ مگر افسوس ان لوگوں نے ذرا بھی خیال نہ کیا اور خدا ترسی سے کام نہ لے کر فوراً مجھے دجّال کہدیا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ کیا یہ تھوڑی سی بات تھی؟ افسوس۔

پھر جب کوئی عذر نہیں بن سکتا تو کہتے ہیں۔ درمیانی زمانہ میں اجماع ہو چکا۔ مَیں کہتا ہوں کب؟ اصل اجماع تو صحابہؓ کا اجماع تھا۔ اگر اس کے بعد اجماع ہوا ہے تو اب ان مختلف فرقوں کو اکٹھا کر کے دکھاؤ۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بات ہے مسیح کی زندگی پر کبھی اجماع نہیں ہوا۔ انہوں نے کتابوں کو نہیں پڑھا ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ صُوفی موت کے قائل ہیں اور وہ ان کی دوبارہ آمد بروزی رنگ میں مانتے ہیں۔

غرض جیسے مَیں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے۔ ویسے ہی مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں کہ آپؐ ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور آپؐ ہی کے فیضان اور برکات کا نتیجہ ہے جو یہ نصرتیں ہو رہی ہیں۔ مَیں کھول کر کہتا ہوں اور یہی میرا عقیدہ اور مذہب ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور نقشِ قدم پر چلنے کے بغیر انسان کوئی رُوحانی فیض اور فضل حاصل نہیں کر سکتا۔

حکومت کی امن پسندی، عدل اور مذہبی آزادی کی تعریف

پھر اس کے ساتھ ہی ایک اور امر قابلِ ذکر ہے۔ اگر میں اس کا بیان نہ کروں تو ناشکری ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسی سلطنت اور حکومت میں پیدا کیا ہے جو ہر طرح سے امن دیتی ہے اور جس نے ہم کو اپنے مذہب کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے پوری آزادی دی ہے اور ہر قسم کے سامان اس مبارک عہد میں ہمیں میسّر ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا آزادی ہوگی کہ ہم عیسائی مذہب کی تردید زور شور سے کرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا۔ مگر اس سے پہلے ایک زمانہ تھا۔ اس زمانہ کے دیکھنے والے بھی اب تک موجود ہیں۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ کوئی مسلمان اپنی مسجدوں میں اذان تک نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور حلال چیزوں کے کھانے سے روکا جاتا تھا۔ کوئی باقاعدہ تحقیقات نہ ہوتی تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ ہم ایک ایسی سلطنت کے نیچے ہیں جو ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ یعنی سلطنت انگریزی جو امن پسند ہے۔ جس کو مذاہب کے اختلاف سے کوئی اعتراض نہیں۔ جس کا قانون ہے کہ ہر اہلِ مذہب آزادی سے اپنے فرض ادا کرے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ہماری تبلیغ ہر جگہ پہنچ جاوے۔ اسلئے اس نے ہمکو اس سلطنت میں پیدا کیا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوشیرواں کے عہدِ سلطنت پر فخر کرتے تھے۔ اسی طرح پر ہم کو اس سلطنت پر فخر ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ مامور چونکہ عدل اور راستی لاتا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے کہ وہ مامور ہو کر آئے۔ عدل اور راستی کا اجراء ہونے لگتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس رومی سلطنت سے جو مسیح کے زمانہ میں تھی یہ سلطنت بمراتب اولیٰ اور افضل ہے اگرچہ اس کا اور اس کا قانون ملتا جلتا ہے لیکن انصاف یہی ہے کہ اس سلطنت کے قانون کسی سے دبے ہوتے نہیں ہیں اور مقابلہ سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ رومی سلطنت میں وحشیانہ حصہ ضرور پایا جاوے گا لیکن یہ بزدلی تھی کہ یہودیوں کے خوف سے خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے مسیح کو حوالات دیا گیا۔ اس قسم کا مقدمہ مجھ پر بھی ہوا تھا۔ مسیح علیہ السلام کے خلاف تو یہودیوں نے مقدمہ کیا تھا مگر اس سلطنت میں میرے خلاف جس نے مقدمہ کیا وہ معزز پادری تھا اور ڈاکٹر بھی تھا یعنی ڈاکٹر مارٹن کلارک تھا جس نے مجھ پر اقدام قتل کا مقدمہ بنایا اور اس نے شہادت پوری بہم پہنچائی۔ یہانتک کہ مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی بھی جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے، شہادت دینے کے واسطے عدالت میں آیا اور جہانتک اس سے ہو

ہو سکا اس نے میرے خلاف شہادت دی اور پورے طور پر مقدمہ میرے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ مقدمہ کپتان ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے اجلاس میں تھا جو شاید اب شملہ میں ہیں[1]۔

ان کے روبرو مقدمہ پورے طور پر مرتب ہو گیا اور تمام شہادتیں میرے خلاف بڑے زور شور سے دی گئیں۔ ایسی حالت اور صورت میں کوئی قانون دان اہل الرائے بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں بری ہو سکتا ہوں۔ تقاضائے وقت اور صورتیں ایسی واقع ہو چکی تھیں کہ مجھے سیشن سپرد کر دیا جاتا اور وہاں سے پھانسی کا حکم ملتا یا عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ نے جیسے مقدمہ سے پہلے مجھے اطلاع دی تھی اسی طرح یہ بھی قبل از وقت ظاہر کر دیا تھا کہ میں اس میں بری ہوں گا چنانچہ یہ پیشگوئی میری جماعت کے ایک گروہِ کثیر کو معلوم تھی۔ غرض جب مقدمہ اس مرحلہ پر پہنچا اور دشمنوں اور مخالفوں کا یہ خیال ہو گیا کہ اب مجھے مجسٹریٹ سیشن سپرد کرے گا۔ اس موقعہ پر اس نے کپتان پولیس سے کہا کہ میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ یہ مقدمہ بنا دتی ہے۔ میرا دل اس کو نہیں مانتا کہ فی الواقعہ ایسی کوشش کی گئی ہو اور انہوں نے ڈاکٹر کلارک کے قتل کے لیے آدمی بھیجا ہو۔ آپ اس کی پھر تفتیش کریں۔ یہ وہ وقت تھا کہ میرے مخالف میرے خلاف ہر قسم کے منصوبوں ہی میں نہ لگے ہوئے تھے بلکہ وہ لوگ جن کو قبولیتِ دعا کے دعوے تھے، وہ دعاؤں میں لگے ہوئے تھے اور رو رو کر دعائیں کرتے تھے کہ میں سزایاب ہو جاؤں مگر خدا تعالیٰ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کپتان ڈگلس صاحب کے پاس بعض سفارشیں بھی آئیں۔ مگر وہ ایک انصاف پسند مجسٹریٹ تھا۔ اس نے کہا کہ ہم سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی۔

غرض جب مقدمہ دوبارہ تفتیش کے لیے کپتان لیمار چنڈ کے سپرد کیا گیا تو کپتان صاحب نے عبدالحمید کو بلایا اور اس کو کہا کہ تو سچ سچ بیان کر۔ عبدالحمید نے اس پر بھی وہی قصہ جو اس نے صاحب ڈپٹی کمشنر کے روبرو بیان کیا تھا، دوہرایا۔ اس کو پہلے سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر ذرا بھی خلاف بیانی ہو گی تو تو پکڑا جاوے گا۔ اس لیے وہ وہی کہتا گیا مگر کپتان صاحب نے اس کو کہا کہ تو تو پہلے بھی یہی بیان کر چکا ہے۔ صاحب اس سے تسلی نہیں پاتے کیونکہ تو سچ سچ بیان نہیں کرتا۔ جب دوبارہ کپتان لیمار چنڈ نے اس کو کہا تو وہ روتا ہوا ان کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے بچا لو۔ کپتان صاحب نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ ہاں بیان کرو۔ اس پر اس نے اصلیت کھول دی اور صاف اقرار کیا کہ مجھے دھمکا کر یہ بیان

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء

کرایا گیا تھا۔ مجھے ہرگز ہرگز مرزا صاحب نے قتل کے لیے نہیں بھیجا۔ کپتان اس بیان کو سُنکر بہت خوش ہوا۔ اور اس نے ڈپٹی کمشنر کو تار دیا کہ ہم نے مقدمہ نکال لیا ہے؛ چنانچہ پھر گورداسپور کے مقام پر یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں کپتان لیمار چنڈ کو حلف دیا گیا اور اس نے اپنا حلفی بیان لکھوایا۔ مَیں دیکھتا تھا کہ ڈپٹی کمشنر اصلیت کے کھُل جانے پر بڑا خوش تھا اور ان عیسائیوں پر اسے سخت غصّہ تھا جنہوں نے میرے خلاف جھُوٹی گواہیاں دی تھیں۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ ان عیسائیوں پر مقدمہ کر سکتے ہیں۔ مگر چونکہ میں مقدمہ بازی سے متنفر ہوں۔ مَیں نے یہی کہا کہ مَیں مقدمہ نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے۔ اس پر اسی وقت ڈگلس صاحب نے فیصلہ لکھا۔ ایک مجمع کثیر اس دن جمع ہو گیا ہوا تھا۔ اس نے فیصلہ سناتے وقت مجھے کہا کہ آپ کو مبارک ہو۔ آپ بَری ہوتے۔

اب بتاؤ کہ یہ کیسی خوبی اس سلطنت کی ہے کہ عدل اور انصاف کے لیے نہ اپنے مذہب کے ایک سرگروہ کی پروا کی اور نہ کسی اَور بات کی۔ مَیں دیکھتا تھا کہ اس وقت تو میری دشمن ایک دُنیا تھی اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب دُنیا دُکھ دینے پر آتی ہے تو دَر و دیوار نیش زنی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے جو اپنے صادق بندوں کو بچا لیتا ہے۔

پھر مسٹر ڈوئی کے سامنے ایک مقدمہ ہوا۔ پھر ٹیکس کا مقدمہ مجھ پر بنایا گیا۔ مگر ان تمام مقدمات میں خدا تعالیٰ نے مجھے بَری ٹھہرایا۔ پھر آخر کرم دین کا مقدمہ ہوا۔ اس مقدمہ میں میری مخالفت میں سارا زور لگایا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ بس اب اس سلسلہ کا خاتمہ ہے اور حقیقت میں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ سلسلہ نہ ہوتا اور وہی اس کی تائید اور نصرت کے لیے کھڑا نہ ہوتا تو اس کے مِٹنے میں کوئی شک و شبہ ہی نہ رہا تھا۔ مُلک کے ایک سرے سے دُوسرے سرے تک کرم دین کی حمایت کی گئی اور ہر طرح سے اس کو مدد دی گئی یہانتک کہ اس مقدمہ میں بعض نے مولوی کہلا کر میرے خلاف وہ گواہیاں دیں جو سراسر خلاف تھیں اور یہانتک بیان کیا کہ زانی ہو، فاسق ہو، فاجر ہو پھر بھی وہ متقی ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ ایک لمبے عرصہ تک ہوتا رہا۔ اس اثنا میں بہت سے نشانات ظاہر ہوئے۔ آخر مجسٹریٹ نے جو ہندو تھا مجھ پر پانچسو روپیہ جرمانہ کر دیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے پہلے سے یہ اطلاع دی ہوئی تھی۔ "عدالتِ عالیہ نے اس کو بَری کر دیا"۔ اس لیے جب وہ اپیل ڈویژنل جج کے سامنے پیش ہوا تو خداداد فراست سے انہوں نے فوراً ہی مقدمہ کی حقیقت کو سمجھ لیا اور قرار دیا کہ کرم دین کے حق میں مَیں نے جو کچھ لکھا تھا وہ بالکل درست تھا یعنی مجھے اس کے لکھنے کا حق حاصل تھا؛ چنانچہ اس نے جو فیصلہ لکھا ہے وہ شائع ہو چکا ہے۔ آخر اس نے مجھے بَری ٹھہرایا اور جرمانہ واپس کیا اور ابتدائی عدالت کو بھی مناسب تنبیہہ کی کہ

کیوں اتنی دیر تک یہ مقدمہ رکھا گیا۔

غرض جب کوئی موقعہ میرے مخالفوں کو ملا ہے انہوں نے میرے کچل دینے اور ہلاک کر دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے ہر آگ سے بچایا۔ اسی طرح جس طرح پر وہ اپنے رسولوں کو بچاتا آیا ہے۔ مَیں ان واقعات کو مدِنظر رکھ کر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ بمراتب اس رومی گورنمنٹ سے بہتر ہے جس کے زمانہ میں مسیح کو دُکھ دیا گیا۔ پیلاطوس گورنر جس کے روبرو پہلے مقدمہ پیش ہوا وہ دراصل مسیح کا مُرید تھا اور اس کی بیوی بھی مُرید تھی اسی وجہ سے اُس نے مسیح کے خُون سے ہاتھ دھوئے مگر باوجود اس کے کہ وہ مُرید تھا اور گورنر تھا اس نے اس جرأت سے کام نہ لیا جو کپتان ڈگلس نے دکھائی۔ وہاں بھی مسیح بے گناہ تھا اور یہاں بھی مَیں بیگناہ تھا۔

مَیں سچ کہتا ہوں اور تجربہ سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو حق کے لیے ایک جرأت دی ہے۔ پس مَیں اس جگہ پر تمام مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان پر فرض ہے کہ وہ سچے دل سے گورنمنٹ کی اطاعت کریں۔

یہ بخوبی یاد رکھو کہ جو شخص اپنے محسن انسان کا شُکر گذار نہیں ہوتا، وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کر سکتا۔ جس قدر آسائش اور آرام اس زمانہ میں حاصل ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ریل، تار، ڈاک خانہ، پولیس وغیرہ کے انتظام کو دیکھو کہ کس قدر فوائد ان سے پہنچتے ہیں۔ آج سے ساٹھ ستر برس پہلے بتاؤ۔ کیا ایسا آرام و آسانی تھی؟ پھر خود ہی انصاف کرو۔ جب ہم پر ہزاروں احسان ہیں تو ہم کیونکر شکر نہ کریں۔

مسئلہ جہاد کی وضاحت

اکثر مُسلمان مجھ پر حملہ کرتے ہیں کہ تمہارے سلسلہ میں یہ عیب ہے کہ تم جہاد کو موقوف کرتے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ نادان اس کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں۔ وہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرتے ہیں۔ آپؐ نے کبھی اشاعتِ مذہب کے لیے تلوار نہیں اُٹھائی۔ جب آپؐ پر اور آپؐ کی جماعت پر مخالفوں کے ظُلم انتہا تک پہنچ گئے اور آپؐ کے مخلص خدام میں سے مَردوں اور عورتوں کو شہید کر دیا گیا اور پھر مدینہ تک آپؐ کا تعاقب کیا گیا۔ اُس وقت مقابلہ کا حکم ملا۔ آپؐ نے تلوار نہیں اُٹھائی مگر دشمنوں نے تلوار اٹھائی۔ بعض اوقات آپؐ کو ظالم طبع کفار نے سر سے پاؤں تک خون آلود کر دیا تھا مگر آپؐ نے مقابلہ نہیں کیا۔ خوب یاد رکھو کہ اگر تلوار اسلام کا فرض ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اُٹھاتے۔ مگر نہیں، وہ تلوار جس کا ذکر ہے وہ اس وقت اُٹھی، جب

موذی کفار نے مدینہ تک تعاقب کیا۔

اُس وقت مخالفین کے ہاتھ میں تلوار تھی مگر اب تلوار نہیں اور میرے خلاف جھوٹی مخبریوں اور فتووں سے کام لیا جاتا ہے اور اسلام کے خلاف صرف قلم سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر قلم کا جواب تلوار سے دینے والا احمق اور ظالم ہوگا یا کچھ اَور؟

اس بات کو مت بھولو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے حد سے گذرے ہوئے ظلم و ستم پر تلوار اُٹھائی اور وہ حفاظتِ خود اختیاری تھی جو ہر مہذب گورنمنٹ کے قانون میں بھی جُرم نہیں۔ تعزیراتِ ہند میں بھی حفاظتِ خود اختیاری کو جائز رکھا ہے۔ اگر ایک چور گھر میں گھُس آوے اور وہ حملہ کر کے مار ڈالنا چاہے۔ اس وقت اس چور کو بچاؤ کے لیے مار ڈالنا جُرم نہیں ہے[1]

پس جب حالت یہانتک پہنچی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جان نثار خدام شہید کر دیئے گئے اور مُسلمان ضعیف عورتوں تک کو نہایت سنگدلی اور بے حیائی کے ساتھ شہید کیا گیا تو کیا حق نہ تھا کہ ان کو سزا دی جاتی۔ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ اسلام کا نام و نشان نہ رہے تو البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ تلوار کا نام نہ آتا۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ اسلام دُنیا میں پھیلے اور دنیا کی نجات کا ذریعہ ہو۔ اس لیے اس وقت محض مدافعت کے لیے تلوار اٹھائی گئی۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسلام کا اس وقت تلوار اُٹھانا کسی قانون، مذہب اور اخلاق کی رُو سے قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرتا۔ وہ لوگ جو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیر دینے کی تعلیم دیتے ہیں وہ بھی صبر نہیں کر سکتے اور جن کے ہاں کیڑے کا مارنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے، وہ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر اسلام پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

مَیں یہ بھی کھول کر کہتا ہوں کہ جو جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے۔ وہ نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کرتے ہیں اور اسلام کی ہتک کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اسلام ہمیشہ اپنی پاک تعلیم اور ہدایت اور اس کے ثمرات، انوار و برکات اور معجزات سے پھیلا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان نشانات آپؐ کے اخلاق کی پاک تاثیرات نے اُسے پھیلایا ہے اور وہ نشانات اور تاثیرات ختم نہیں ہوگئی ہیں۔ بلکہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۶ء

رہتی ہیں اور یہی وجہ ہے جو میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں۔ اس لیے کہ آپؐ کی تعلیمات اور ہدایات ہمیشہ اپنے ثمرات دیتی رہتی ہیں اور آئندہ جب اسلام ترقی کرے گا تو اس کی یہی راہ ہوگی نہ کوئی اَور۔ پس جب اسلام کی اشاعت کے لیے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی تو اس وقت ایسا خیال بھی کرنا گناہ ہے، کیونکہ اب تو سب کے سب اَمن سے بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے کافی ذریعے اور سامان موجود ہیں۔

مجھے بڑے ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عیسائیوں اور دُوسرے معترضین نے اسلام پر حملے کرتے وقت ہرگز ہرگز اصلیت پر غور نہیں کیا۔ وہ دیکھتے کہ اس وقت تمام مخالف اسلام اور مُسلمانوں کے استیصال کے دَرپے تھے اور سب کے سب مل کر اس کے خلاف منصوبے کرتے اور مُسلمانوں کو دُکھ دیتے تھے۔ ان دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں اگر وہ اپنی جان نہ بچاتے تو کیا کرتے۔ قرآن شریف میں یہ آیت موجود ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا۔ (الحج: ۴۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا جبکہ مسلمانوں پر ظلم کی حد ہوگئی، تو انہیں مقابلہ کا حکم دیا گیا۔ اس وقت کی یہ اجازت تھی۔ دُوسرے وقت کے لیے یہ حکم نہ تھا؛ چنانچہ مسیح موعود کے لیے یہ نشان قرار دیا گیا۔ یَضَعُ الْحَرْبَ۔ اب تو اس کی سچائی کا نشان ہے کہ وہ لڑائی نہ کرے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں مخالفوں نے بھی مذہبی لڑائیاں چھوڑ دیں۔ ہاں اس مقابلہ نے ایک اَور صورت اَور رنگ اختیار کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قلم سے کام لے کر اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں۔ عیسائی ہیں کہ ان کا ایک ایک پرچہ پچاس پچاس ہزار نکلتا ہے اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔ پس اس مقابلہ کے لیے ہمیں قلم سے کام لینا چاہیئے یا تیر چلانے چاہئیں؟ اس وقت تو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو اس سے بڑھ کر احمق اور اسلام کا دشمن کون ہوگا؟ اس قسم کا نام لینا اسلام کو بدنام کرنا ہے یا کچھ اَور؟ جب ہمارے مخالف اس قسم کی سعی نہیں کرتے حالانکہ وہ حق پر نہیں تو پھر کیسا تعجب اور افسوس ہوگا کہ اگر ہم حق پر ہو کر تلوار کا نام لیں۔ اس وقت تم کسی کو تلوار دکھا کر کہو کہ مسلمان ہو جا ورنہ قتل کر دُوں گا۔ پھر دیکھو نتیجہ کیا ہوگا؟ وہ پولیس میں گرفتار کرا کے تلوار کا مزہ چکھا دے گا۔

یہ خیالات سراسر بیہودہ ہیں۔ ان کو سروں سے نکال دینا چاہیئے۔ اب وقت آیا ہے کہ اسلام کا روشن اور درخشاں چہرہ دکھایا جاوے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تمام اعتراضوں کو دُور کر دیا جاوے۔ اور جو اسلام کے نورانی چہرہ پر داغ لگایا گیا ہے اسے دُور کر کے دکھایا جاوے۔ مَیں یہ بھی افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے جو موقعہ خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور عیسائی مذہب کے اسلام

میں داخل کرنے کے لیے جو راستہ کھولا گیا تھا اُسے ہی بُری نظر سے دیکھا اور اس کا کُفر کیا۔

مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں صادق ہوں

مَیں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ پُورے طور پر اس طریق کو پیش کیا ہے جو اسلام کو کامیاب اور دوسرے مذاہب پر غالب کرنے والا ہے۔ میرے رسائل امریکہ اور یورپ میں جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس قوم کو جو فراست دی ہے انہوں نے اس خداداد فراست سے اس امر کو سمجھ لیا ہے لیکن جب ایک مسلمان کے سامنے مَیں اسے پیش کرتا ہوں تو اُسکے مُنہ میں جھاگ آجاتی ہے گویا وہ دیوانہ ہے یا قتل کرنا چاہتا ہے، حالانکہ قرآن شریف کی تعلیم تو یہی تھی اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۵) یہ تعلیم اس لیے تھی کہ اگر دشمن بھی ہو تو وہ اس نرمی اور حُسن سلوک سے دوست بن جاوے اور ان باتوں کو آرام اور سکون کے ساتھ سُن لے۔ مَیں اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں اس کی طرف سے ہوں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ مَیں مفتری نہیں، کذّاب نہیں۔ اگر تم مجھے خدا تعالیٰ کی قسم پر بھی اور ان نشانات کو بھی جو اُس نے میری تائید میں ظاہر کئے، دیکھ کر مجھے کذّاب اور مفتری کہتے ہو تو پھر مَیں تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کسی ایسے مفتری کی نظیر پیش کرو کہ باوجود اس کے ہر روز افترا اور کذب کے جو وہ اللہ تعالیٰ پر کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی تائید اور نصرت کرتا جاوے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اسے ہلاک کرے، مگر یہاں اس کے برخلاف معاملہ ہے۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں صادق ہوں۔ اس کی طرف سے آیا ہوں۔ مگر مجھے کذّاب اور مفتری کہا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ہر مقدمہ اور ہر بلا میں جو قوم میرے خلاف پیدا کرتی ہے، مجھے نصرت دیتا ہے اور اس سے مجھے بچاتا ہے اور پھر ایسی نصرت کی کہ لاکھوں انسانوں کے دل میں میرے لیے محبت ڈال دی۔ مَیں اس پر اپنی سچائی کو حصر کرتا ہوں۔ اگر تم کسی ایسے مفتری کا نشان دے دو کہ وہ کذّاب ہو اور اللہ تعالیٰ پر اس نے افترا کیا ہو اور پھر خدا تعالیٰ نے اس کی ایسی نصرتیں کی ہوں اور اس قدر عرصہ تک اُسے زندہ رکھا ہو۔ اور اس کی مُرادوں کو پُورا کیا ہو۔ دکھاؤ۔

یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ کے مُرسل ان نشانات اور تائیدات سے شناخت کیے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ اُن کے لیے دکھاتا اور ان کی نصرت کرتا ہے۔ مَیں اپنے قول میں سچا ہوں اور خدا تعالیٰ جو دلوں کو دیکھتا ہے وہ میرے دل کے حالات سے واقف اور خبردار ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں کہہ سکتے جو آلِ فرعون کے ایک آدمی نے کہا تھا۔ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (المومن: ۲۹) کیا تم یہ یقین نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ

جھوٹوں کا سب سے زیادہ دشمن ہے تم سب مل کر جو مجھ پر حملہ کرو خدا تعالیٰ کا غضب اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ پھر اس کے غضب سے کون بچا سکتا ہے۔

وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے اس میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں بعض پوری کر دے گا۔ کُل نہیں کہا۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ حکمت یہی ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں مشروط ہوتی ہیں وہ توبہ، استغفار اور رجوع الی الحق سے ٹل بھی جایا کرتی ہیں۔

پیشگوئی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وعدہ کی جیسے فرمایا۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور:۵۶) اہلِ سنّت مانتے ہیں کہ اس قسم کی پیشگوئیوں میں تخلف نہیں ہوتا کیونکہ خدا تعالیٰ کریم ہے۔ لیکن وعید کی پیشگوئیوں میں وہ ڈرا کر بخش بھی دیتا ہے اس لیے کہ وہ رحیم ہے۔ بڑا نادان اور اسلام سے دُور پڑا ہوا ہے وہ شخص جو کہتا ہے وعید کی سب پیشگوئیاں پُوری ہوتی ہیں۔ وہ قرآن کریم کو چھوڑتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم تو کہتا ہے۔ يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (المومن: ۲۹)۔

افسوس ہے بہت سے لوگ مولوی کہلاتے ہیں مگر انہیں نہ قرآن کی خبر ہے نہ حدیث کی۔ نہ سُنّتِ انبیاء کی۔ صرف بغض کی جھاگ ہوتی ہے اس لیے وہ دھوکہ دیتے ہیں۔ یاد رکھو اَلْكَرِيْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰى۔ رحیم کا تقاضا یہی ہے کہ قابلِ سزا ٹھہرا کر معاف کر دیتا ہے اور یہ تو انسان کی بھی فطرت میں ہے کہ وہ معاف کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے سامنے ایک شخص نے بنا دٹی شہادت دی۔ اس پر جرم ثابت تھا۔ وہ مقدمہ ایک انگریز کے پاس تھا۔ اسے اتفاقاً چھٹی آگئی کہ کسی دُور دراز جگہ پر اس کی تبدیلی ہوگئی ہے۔ وہ غمگین ہوا۔ جو مجرم تھا وہ بوڑھا آدمی تھا۔ منشی سے کہا کہ یہ تو قید خانہ ہی میں مر جاوے گا اس نے بھی کہا کہ حضور بال بچہ دار ہے۔ اس پر وہ انگریز بولا کہ اب مثل مرتب ہو چکی ہے اب کیا ہو سکتا ہے۔ پھر کہا کہ اچھا اس مثل کو چاک کر دو۔ اب غور کرو کہ انگریز کو تو رحم آسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو نہیں آتا؟

پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ صدقہ اور خیرات کیوں جاری ہے اور ہر قوم میں اس کا رواج ہے۔ فطرتاً انسان مصیبت اور بلا کے وقت صدقہ دینا چاہتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ بکرے دو۔ پکڑے دو۔ یہ دو وہ دو۔ اگر اس کے ذریعہ سے ردِّ بلا نہیں ہوتا تو پھر اضطراراً انسان کیوں ایسا کرتا ہے؟ نہیں ردِّ بلا ہوتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کے اتفاق سے یہ ثابت ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ صرف مسلمانوں ہی کا مذہب نہیں بلکہ یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کا بھی یہ مذہب ہے۔ اور میری

سمجھ میں روئے زمین پر کوئی اس امر کا منکر ہی نہیں۔ جبکہ یہ بات تو صاف کھل گیا کہ وہ ارادۂ الٰہی ٹل جاتا ہے۔ پیشگوئی اور ارادہ الٰہی میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی اطلاع نبی کو دی جاتی ہے اور ارادۂ الٰہی پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی اور وہ مخفی رہتا ہے۔ اگر وہی ارادہ الٰہی نبی کی معرفت ظاہر کر دیا جاتا تو وہ پیشگوئی ہوتی۔ اگر پیشگوئی نہیں ٹل سکتی تو پھر ارادۂ الٰہی بھی صدقہ خیرات سے نہیں ٹل سکتا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ چونکہ وعید کی پیشگوئیاں ٹل جاتی ہیں۔ اس لیے فرمایا : وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ۔ (المومن : ۲۹)۔

اب اللہ تعالیٰ خود گواہی دیتا ہے کہ بعض پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ٹل گئیں۔ اگر میری کسی ایسی پیشگوئی پر ایسا اعتراض کیا جاتا ہے تو مجھے اس کا جواب دو۔ اگر اس امر میں میری تکذیب کرو گے تو میری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ٹھہرو گے۔ میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ کل اہلسنت جماعت اور کل دنیا کا مسلم مسئلہ ہے کہ تضرع سے عذاب کا وعدہ ٹل جایا کرتا ہے۔ کیا حضرت یونس علیہ السلام کی نظیر بھی تمہیں بھول گئی ہے؟ حضرت یونس کی قوم سے جو عذاب ٹل گیا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ دُرِّمنثور وغیرہ کو دیکھو اور بائبل میں یونہ نبی کی کتاب موجود ہے۔ اس عذاب کا قطعی وعدہ تھا مگر یونسؑ کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کی اور اس کی طرف رجوع کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ اور عذاب ٹل گیا۔ ادھر حضرت یونس یوم مقررہ پر عذاب کے منتظر تھے۔ لوگوں سے خبریں پوچھتے تھے۔ ایک زمیندار سے پوچھا کہ نینوہ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اچھا حال ہے تو حضرت یونسؑ پر بہت غم طاری ہوا۔ اور انہوں نے کہا لَنْ اَرْجِعَ اِلٰی قَوْمِیْ كَذَّابًا۔ یعنی میں اپنی قوم کی طرف کذاب کہلا کر نہیں جاؤں گا۔ اب اس نظیر کے ہوتے ہوئے اور قرآن شریف کی زبردست شہادت کی موجودگی میں میری کسی ایسی پیشگوئی پر جو پہلے ہی سے شرطی تھی، اعتراض کرنا تقویٰ کے خلاف ہے۔ متقی کی یہ شان نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے منہ سے بات نکال دے اور تکذیب کو آمادہ ہو جاوے۔

حضرت یونس کا قصہ نہایت دردناک اور عبرت بخش ہے۔ اور وہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اسے غور سے پڑھو۔ یہاں تک کہ وہ دریا میں گرائے گئے اور مچھلی کے پیٹ میں گئے تب توبہ منظور ہوئی۔ یہ سزا اور عتاب حضرت یونسؑ پر کیوں ہوا؟ اس لیے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو قادر نہ سمجھا کہ وہ وعید کو ٹال دیتا ہے۔ پھر تم لوگ کیوں میرے متعلق جلدی کرتے ہو؟ اور میری تکذیب کے لیے ساری نبوتوں کو جھٹلاتے ہو؟

خوتی مہدی کا عقیدہ یاد رکھو خدا تعالیٰ کا نام غفور ہے۔ پھر کیوں وہ رجوع کرنے والوں کو

معاف نہ کرے۔ اس قسم کی غلطیاں ہیں جو قوم میں واقع ہوگئی ہیں۔ انہیں غلطیوں میں سے جہاد کی غلطی بھی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ جب میں کہتا ہوں کہ جہاد حرام ہے تو کالی پیلی آنکھیں نکال لیتے ہیں حالانکہ خود ہی مانتے ہیں کہ جو حدیثیں خونی مہدی کی ہیں وہ مخدوش ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس باب میں رسالے لکھے ہیں اور یہی مذہب میاں نذیر حسین دہلوی کا تھا۔ وہ ان کو قطعی صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر مجھے کیوں کاذب کہا جاتا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ مسیح موعود اور مہدی کا کام یہی ہے کہ وہ لڑائیوں کے سلسلہ کو بند کرے گا۔ اور قلم، دُعا، توجہ سے اسلام کا بول بالا کرے گا۔ اور افسوس ہے کہ لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی اس لیے کہ جس قدر توجہ دنیا کی طرف ہے، دین کی طرف نہیں۔ دُنیا کی آلودگیوں اور ناپاکیوں میں مبتلا ہو کر یہ امید کیونکر کر سکتے ہیں کہ ان پر قرآن کریم کے معارف کھلیں وہاں صاف لکھا ہے۔ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (الواقعہ: ۸۰)؎

مسیح موعود کی بعثت کی علّتِ غائی

اس بات کو بھی دل سے سُنو کہ میرے مبعوث ہونے کی علّتِ غائی کیا ہے؟ میرے آنے کی غرض اور مقصود صرف اسلام کی تجدید اور تائید ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ کوئی نئی شریعت سکھاؤں یا نئے احکام دُوں یا کوئی نئی کتاب نازل ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے تو میرے نزدیک وہ سخت گمراہ اور بے دین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت اور نبوّت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس میں اب ایک شعشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوضات اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہوگیا۔ وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں اور انہیں فیوضات اور برکات کے ثبوت کے لیے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے۔ اسلام کی جو حالت اس وقت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ بالاتفاق مان لیا گیا ہے کہ ہر قسم کی کمزوریوں اور تنزّل کا نشانہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ ہر پہلو سے وہ گر رہے ہیں۔ ان کی زبان ساتھ ہے تو دل نہیں ہے اور اسلام یتیم ہوگیا ہے۔ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس کی حمایت اور سرپرستی کروں اور اپنے وعدہ کے موافق بھیجا ہے کیونکہ اس نے فرمایا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰) اگر اس وقت اور حمایت اور نصرت اور حفاظت نہ کی جاتی تو وہ اور کونسا وقت آئے گا۔ اب اس چودھویں صدی میں وہی حالت ہو رہی ہے جو بدر کے موقعہ پر ہوگئی تھی۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ (آل عمران: ۱۲۴)

اس آیت میں بھی دراصل ایک پیشگوئی مرکوز تھی یعنی جب چودھویں صدی میں اسلام ضعیف اور ناتواں ہو جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس وعدہ حفاظت کے موافق اس کی نصرت کرے گا۔ پھر تم کیوں تعجب کرتے ہو کہ اس نے اسلام کی نصرت کی۔ مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میرا نام دجّال اور کذّاب رکھا جاتا ہے۔ اور مجھ پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں اس لیے کہ یہ ضرور تھا کہ میرے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو مجھ سے پہلے فرستادوں کے ساتھ ہوا تا میں بھی اس قدیم سنّت سے حصّہ پاتا۔

میں نے ان مصائب اور شدائد کا کچھ بھی حصّہ نہیں پایا لیکن جو مصیبتیں اور مشکلات ہمارے سیّد و مولا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں آئیں، اس کی نظیر انبیاء علیہم السّلام کے سلسلہ میں کسی کے لیے نہیں پائی جاتی۔ آپؐ نے اسلام کی خاطر وہ دُکھ اٹھائے کہ قلم ان کے لکھنے اور زبان ان کے بیان سے عاجز ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے جلیل الشان اور اولوالعزم نبی تھے۔ اگر خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت آپؐ کے ساتھ نہ ہوتی تو ان مشکلات کے پہاڑ کو اُٹھانا ناممکن ہو جاتا۔ اور اگر کوئی اَور نبی ہوتا تو وہ بھی رہ جاتا مگر جس اسلام کو ایسی مصیبتوں اور دُکھوں کے ساتھ آپؐ نے پھیلایا تھا آج اس کا جو حال ہو گیا ہے وہ میں کیونکر کہوں؟

اسلام کی حقیقت اور تعلیم

اسلام کے معنے تو یہ تھے کہ انسان خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاوے اور جس طرح پر ایک بکری کی گردن قصاب کے آگے ہوتی ہے اسی طرح پر مسلمان کی گردن خدا تعالیٰ کی اطاعت کے لیے رکھ دی جاوے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ ہی کو وحدہٗ لاشریک سمجھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت یہ توحید گُم ہو گئی تھی اور یہ دیش آریہ ورت بھی بُتوں سے بھرا ہوا تھا جیسا کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں ضرور تھا کہ آپ مبعوث ہوتے اس کا ہمرنگ یہ زمانہ بھی ہے جس میں بُت پرستی کے ساتھ انسان پرستی اور دہریت بھی پھیل گئی ہے اور اسلام کا اصل مقصد اور رُوح باقی نہیں رہی۔ اس کا مغز تو یہ تھا کہ خدا ہی کی محبت میں فنا ہو جانا اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھنا اور مقصد یہ ہے کہ انسان رُو بخدا ہو جاوے رُو بدُنیا نہ رہے اور اس مقصد کے لیے اسلام نے اپنی تعلیم کے دو حصّے کیے ہیں۔ اوّل حقوق اللہ، دوم حقوق العباد حق اللہ یہ ہے کہ اس کو واجب الاطاعت سمجھے اور حقوق العباد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی کریں۔ یہ طریق اچھا نہیں کہ صرف مخالفتِ مذہب کی وجہ سے کسی کو دُکھ دیں۔ ہمدردی اور سلوک الگ چیز ہے اور مخالفتِ مذہب دوسری شے۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو جہاد کی غلطی اور

غلط فہمی میں مبتلا ہیں انہوں نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ کفار کا مال ناجائز طور پر لینا بھی دُرست ہے خود میری نسبت بھی ان لوگوں نے فتویٰ دیا کہ ان کا مال لُوٹ لو بلکہ یہانتک بھی کہ ان کی بیویاں نکال لو؛ حالانکہ اسلام میں اس قسم کی ناپاک تعلیمیں نہ تھیں۔ وہ تو ایک صاف اور مصفّٰی مذہب تھا۔ اسلام کی مثال ہم یُوں دے سکتے ہیں کہ جیسے باپ اپنے حقوقِ اُبوّت کو چاہتا ہے اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اولاد میں ایک دُوسرے کے ساتھ ہمدردی ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ ایک دُوسرے کو مارے۔ اسلام بھی جہاں یہ چاہتا ہے کہ خُدا تعالےٰ کا کوئی شریک نہ ہو، وہاں اس کا یہ بھی منشا ہے کہ نوعِ انسان میں مودّت اور وحدت ہو۔[1]

نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہانتک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دُوسرے سے ملے ہوتے ہوں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دُوسرے میں سرایت کر سکیں۔ وہ تمیز جس سے خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں یہ قوت ہے کہ وُہ دوسرے کے انوار کو جذب کرتا ہے پھر اسی وحدت کے لیے حکم ہے کہ روزانہ نمازیں محلّہ کی مسجد میں اور ہفتہ کے بعد شہر کی مسجد میں اور پھر سال کے بعد عیدگاہ میں جمع ہوں اور کُل زمین کے مسلمان سال میں ایک مرتبہ بیت اللہ میں اکٹھے ہوں۔ ان تمام احکام کی غرض وہی وحدت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حقوق کے دو ہی حصّے رکھے ہیں۔ ایک حقوق اللہ دُوسرے حقوق العباد۔ اس پر بہت کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔ (البقرۃ: ۲۰۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح پر تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس جگہ دو رمز ہیں۔ ایک تو ذکر اللہ کو ذکر آباء سے مشابہت دی ہے اس میں یہ سر ہے کہ آباء کی محبت ذاتی اور فطری محبت ہوتی ہے۔ دیکھو بچہ کو جب ماں مارتی ہے وہ اس وقت بھی ماں ماں ہی پکارتا ہے۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے فطری محبت کا تعلق پیدا کرے۔ اس محبت کے بعد اطاعت امر اللہ کی خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ یہی وہ اصلی مقام معرفت کا ہے جہاں انسان کو پہنچنا چاہیئے۔ یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے فطری

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۷/اکتوبر ۱۹۰۶ء

اور ذاتی محبت پیدا ہو جاوے۔ ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔ (النحل : ۹۱) اس آیت میں ان تین مدارج کا ذکر کیا ہے جو انسان کو حاصل کرنے چاہئیں۔ پہلا مرتبہ عدل کا ہے اور عدل یہ ہے کہ انسان کسی سے کوئی نیکی کرے بشرطِ معاوضہ۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایسی نیکی کوئی اعلیٰ درجہ کی بات نہیں بلکہ سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ عدل کرو اور اگر اس پر ترقی کرو تو پھر وہ احسان کا درجہ ہے یعنی بلا عوض سلوک کرو۔ لیکن یہ امر کہ جو بدی کرتا ہے اس سے نیکی کی جاوے، کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے دوسری پھیر دی جاوے۔ یہ صحیح نہیں۔ یا یہ کہو کہ عام طور پر یہ تعلیم عملدرآمد میں نہیں آسکتی؛ چنانچہ سعدی کہتا ہے ؎

نکوئی با بداں کردن چناں است

کہ بد کردن برائے نیک مرداں

اس لیے اسلام میں انتقامی حدود میں جو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور وہ یہ ہے۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ (الشوریٰ : ۴۱) الآیۃ یعنی بدی کی سزا اسی قدر بدی ہے اور جو معاف کر دے مگر ایسے محل اور مقام پر کہ وہ عفو اصلاح کا موجب ہو، اسلام نے عفو خطا کی تعلیم دی لیکن یہ نہیں کہ اس سے شر بڑھے۔

غرض عدل کے بعد دوسرا درجہ احسان کا ہے یعنی بغیر کسی معاوضہ کے سلوک کیا جاوے لیکن اس سلوک میں بھی ایک قسم کی خود غرضی ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی وقت انسان اس احسان یا نیکی کو جتا دیتا ہے اس لیے اس سے بھی بڑھ کر ایک تعلیم دی اور وہ ایتائی ذی القربیٰ کا درجہ ہے۔ ماں جو اپنے بچہ کیساتھ سلوک کرتی ہے وہ اس سے کبھی معاوضہ اور انعام واکرام کی خواہشمند نہیں ہوتی۔ وہ اس کے ساتھ جو نیکی کرتی ہے محض طبعی محبت سے کرتی ہے۔ اگر بادشاہ اس کو حکم دے کہ تو اس کو دودھ مت دے اور اگر یہ تیری غفلت سے مر بھی جاوے تو تجھے کوئی سزا نہیں دی جاوے گی بلکہ انعام دیا جاوے گا۔ اس صورت میں وہ بادشاہ کا حکم ماننے کو تیار نہ ہوگی بلکہ اسکو گالیاں دے گی کہ یہ میری اولاد کا دشمن ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ذاتی محبت سے کر رہی ہے، اس کی کوئی غرض درمیان نہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور یہ آیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر حاوی ہے۔ حقوق اللہ کے پہلو کے لحاظ سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ انصاف کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری پرورش کرتا ہے۔ اور جو اطاعتِ الٰہی میں اس مقام سے ترقی کرے تو احسان کی پابندی سے اطاعت کر کیونکہ وہ محسن ہے اور اس کے احسانات کو کوئی

شمار نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ محسن کے شمائل اور خصائل کو مدِ نظر رکھنے سے اس کے احسان تازہ رہتے ہیں، اس لیے احسان کا مفہوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ ایسے طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس مقام تک انسان میں ایک حجاب رہتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جو تیسرا درجہ ہے ایتاء ذی القربیٰ کا یعنی اللہ تعالیٰ سے اسے ذاتی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور حقوق العباد کے پہلو سے میں اس کے معنے پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ بھی میں نے بیان کیا ہے کہ یہ تعلیم جو قرآن شریف نے دی ہے کسی اور کتاب نے نہیں دی اور ایسی کامل ہے کہ کوئی نظیر اس کی پیش نہیں کر سکتا۔ یعنی جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ الآیۃ (الشوریٰ: ۴۱) اس میں عفو کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ اس میں اصلاح ہو۔ یہودیوں کے مذہب نے تو یہ کہا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ ان میں انتقامی قوت اس قدر بڑھ گئی تھی اور یہاں تک یہ عادت ان میں پختہ ہو گئی تھی کہ اگر باپ نے بدلہ نہیں لیا تو بیٹے اور اسکے پوتے تک کے فرائض میں یہ امر ہوتا تھا کہ وہ بدلہ لے۔ اس وجہ سے ان میں کینہ توزی کی عادت بڑھ گئی تھی اور وہ بہت سنگدل اور بے درد ہو چکے تھے۔ عیسائیوں نے اس تعلیم کے مقابل یہ تعلیم دی کہ ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دو۔ ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلے جاؤ وغیرہ۔ اس تعلیم میں جو نقص ہے، وہ ظاہر ہے۔ کہ اس پر عملدرآمد ہی نہیں ہو سکتا۔ اور عیسائی گورنمنٹوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ تعلیم ناقص ہے کیا یہ کسی عیسائی کی جرأت ہو سکتی ہے کہ کوئی خبیث طمانچہ مار کر دانت نکال دے تو وہ دوسری گال پھیر دے کہ ہاں اب دُوسرا دانت بھی نکال دو۔ وہ خبیث تو اور بھی دلیر ہو جائے گا اور اس سے امن عامہ میں خلل واقع ہوگا۔ پھر کیونکر ہم تسلیم کریں کہ یہ تعلیم عمدہ ہے یا خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو سکتی ہے۔ اگر اس پر عمل ہو تو کسی مُلک کا بھی انتظام نہ ہو سکے۔ ایک مُلک ایک دشمن چھین لے تو دُوسرا خود حوالہ کرنا پڑے۔ ایک افسر گرفتار ہو جاوے تو دس اَور دے دیئے جاویں۔ یہ نقص ہیں جو ان تعلیموں میں ہیں اور یہ صحیح نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ احکام بطور قانون مختص الزمان تھے جب وہ زمانہ گذر گیا تو دوسرے لوگوں کے حسبِ حال وہ تعلیم نہ رہی۔ یہودیوں کا وہ زمانہ تھا کہ وہ چار سَو برس تک غلامی میں رہے۔ اور اس غلامی کی زندگی کی وجہ سے ان میں قساوتِ قلبی بڑھ گئی اور وہ کینہ کش ہو گئے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس بادشاہ کے زمانہ میں کوئی ہوتا ہے اس کے اخلاق بھی اسی قسم کے ہو جاتے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں اکثر لوگ ڈاکو ہو گئے تھے۔ انگریزوں کے زمانہ میں تہذیب اور تعلیم پھیلتی جاتی ہے اور ہر شخص اس طرف کوشش کر رہا ہے۔ غرض بنی اسرائیل نے فرعون کی ماتحتی کی تھی، اسی

وجہ سے ان میں ظلم بڑھ گیا تھا۔ اس لیے توریت کے زمانہ میں عدل کی ضرورت مقدم تھی۔ کیونکہ وہ لوگ اس سے بے خبر تھے اور جابرانہ عادت رکھتے تھے اور انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ دانت کے بدلے دانت کا توڑنا ضروری ہے اور یہ ہمارا فرض ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھایا کہ عدل تک ہی بات نہیں رہتی بلکہ احسان بھی ضروری ہے۔ اس سبب سے مسیحؑ کے ذریعہ انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو۔ اور جب اسی پر سارا زور دیا گیا تو آخر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس تعلیم کو اصل نقطہ پر پہنچا دیا اور وہ یہی تعلیم تھی کہ بدی کا بدلہ اسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص معاف کر دے اور معاف کرنے سے اصلاح ہوتی ہو۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور اجر ہے۔ عفو کی تعلیم دی ہے مگر ساتھ قید لگائی کہ اصلاح ہو۔ بے محل عفو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس اس مقام پر غور کرنا چاہیئے کہ جب توقع اصلاح کی ہو تو عفو ہی کرنا چاہیئے۔ جیسے دو خدمتگار ہوں، ایک بڑا شریف الاصل اور فرمانبردار اور خیر خواہ ہو لیکن اتفاقاً اس سے کوئی غلطی ہو جاوے۔ اس موقعہ پر اس کو معاف کرنا ہی مناسب ہے۔ اگر سزا دی جاوے تو ٹھیک نہیں، لیکن ایک بدمعاش اور شریر ہے۔ ہر روز نقصان کرتا ہے اور شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ اگر اسے چھوڑ دیا جاوے تو وہ اور بھی بیباک ہو جائے گا۔ اس کو سزا ہی دینی چاہیے۔ غرض اس طرح پر محل اور موقع شناسی سے کام لو۔ یہ تعلیم ہے جو اسلام نے دی ہے اور جو کامل تعلیم ہے۔ اس کے بعد اور کوئی نئی تعلیم یا شریعت نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ جو اس کو چھوڑے گا۔ وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔

امت کے لیے مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ کھلا ہے

مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس امت کے لیے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے اور اس کے لیے خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ ہی میں یہ دعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ: ۶، ۷) اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی راہ کے لیے جو دعا سکھائی تو اس میں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کمال دیا گیا وہ معرفت الٰہی ہی کا کمال تھا۔ اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی۔ اسی کے تم بھی خواہاں ہو۔ پس اس نعمت کے لیے یہ خیال کرو کہ قرآن

شریف اس دُعا کی تو ہدایت کرتا ہے مگر اس کا ثمرہ کچھ بھی نہیں یا اس اُمت کے کسی فرد کو بھی یہ شرف نہیں مل سکتا اور قیامت تک یہ دروازہ بند ہو گیا ہے۔ بتاؤ اس سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ثابت ہو گی یا کوئی خوبی ثابت ہو گی؟ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرتا ہے اور اس نے مغزِ شریعت کو سمجھا ہی نہیں۔ اسلام کے مقاصد میں سے تو یہ امر تھا کہ انسان صرف زبان ہی سے وحدہٗ لاشریک نہ کہے بلکہ درحقیقت سمجھ لے اور بہشت و دوزخ پر خیالی ایمان نہ ہو بلکہ فی الحقیقت اسی زندگی میں وہ بہشتی کیفیات پر اطلاع پالے اور ان گناہوں سے جن میں یہ وحشی انسان مبتلا ہیں نجات پالے۔ یہ عظیم الشان مقصد انسان کا تھا اور ہے اور یہ ایسا پاک مطہر مقصد ہے کہ کوئی دوسری قوم اس کی نظیر اپنے مذہب میں پیش نہیں کر سکتی اور نہ اس کا نمونہ دکھا سکتی ہے۔ کہنے کو تو ہر ایک کہہ سکتا ہے مگر وہ کون ہے جو دکھا سکتا ہو؟

مَیں نے آریوں سے عیسائیوں سے پوچھا ہے کہ وُہ خدا جو تم مانتے ہو اس کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ نری زبانی لاف گزاف سے بڑھ کر وہ کچھ بھی نہیں دکھا سکتے۔ وہ سچا خُدا جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اس سے یہ لوگ ناواقف ہیں۔ اس پر اطلاع پانے کے لیے یہی ایک ذریعہ مکالمات کا تھا جس کے سبب سے اسلام دُوسرے مذاہب سے ممتاز تھا۔ مگر افسوس ان مسلمانوں نے میری مخالفت کی وجہ سے اس سے بھی انکار کر دیا۔

یقیناً یاد رکھو کہ گناہوں سے بچنے کی توفیق اس وقت مل سکتی ہے جب انسان پورے طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاوے۔ یہی بڑا مقصد انسانی زندگی کا ہے کہ گناہ کے پنجہ سے نجات پالے۔ دیکھو ایک سانپ جو خوشنما معلوم ہوتا ہے بچہ تو اس کو ہاتھ میں پکڑنے کی خواہش کر سکتا ہے اور ہاتھ بھی ڈال سکتا ہے لیکن ایک عقلمند جو جانتا ہے کہ سانپ کاٹ کھائے گا اور ہلاک کر دے گا وہ کبھی جرأت نہیں کرے گا کہ اس کی طرف لپکے۔ بلکہ اگر معلوم ہو جاوے کہ کسی مکان میں سانپ ہے تو اس میں بھی داخل نہیں ہو گا۔ ایسا ہی زہر کو جو ہلاک کرنے والی چیز سمجھتا ہے تو اُسے کھانے پر وہ دلیر نہیں ہو گا۔ پس اسی طرح پر جبتک گناہ کو خطرناک زہر یقین نہ کرے۔ اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ یقین معرفت کے بُدوں پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ کیا بات ہے کہ انسان گناہوں پر اس قدر دلیر ہو جاتا ہے باوجودیکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور گناہ کو گناہ بھی سمجھتا ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے اَور کوئی نہیں کہ وہ معرفت اور بصیرت نہیں رکھتا جو گناہ سوز فطرت پیدا کرتی ہے۔ اگر یہ بات پیدا نہیں ہوتی تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ اسلام اپنے اصلی مقصد سے خالی ہے۔ لیکن مَیں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں۔ یہ

مقصد اسلام ہی کامل طور پر پورا کرتا ہے اور اس کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین پیدا ہوتا ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ گناہ سے بیزار ہے اور وہ سزا دیتا ہے۔ گناہ ایک زہر ہے جو اوّل صغیرہ سے شروع ہوتا ہے اور پھر کبیرہ ہو جاتا ہے اور انجام کار کُفر تک پہنچا دیتا ہے۔

گناہ سے بچنے کا صحیح علاج

مَیں جملہ معترضہ کے طور پر کہتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ ہر قوم کو فکر لگا ہوا ہے کہ ہم گناہ سے پاک ہو جاویں مثلاً آریہ صاحبان نے تو یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ بجز گناہ کی سزا کے اور کوئی صُورت پاک ہونے کی ہے ہی نہیں۔ ایک گناہ کے بدلے کئی لاکھ جُونیں ہیں جبتک انسان ان جُونوں کو نہ بھگت لے وہ پاک ہی نہیں ہو سکتا۔ مگر اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جبکہ تمام مخلوقات گناہ گار ہی ہے تو اس سے نجات کب ہوگی؟ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے ہاں یہ امر مسلّمہ ہے کہ نجات یافتہ بھی ایک عرصہ کے بعد مکتی خانہ سے نکال دیئے جاویں گے تو پھر اس نجات سے فائدہ ہی کیا ہوا؟ جب یہ سوال کیا جاوے کہ نجات پانے کے بعد کیوں نکالتے ہو تو بعض کہتے ہیں کہ نکالنے کے لیے ایک گناہ باقی رکھ لیا جاتا ہے۔ اب غور کر کے بتاؤ کہ کیا یہ قادر خدا کا کام ہو سکتا ہے؟ اور پھر جبکہ ہر نفس اپنے نفس کا خود خالق ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا خالق ہی نہیں (معاذ اللہ) تو اُسے حاجت ہی کیا ہے کہ وہ اس کا ماتحت رہے۔

دُوسرا پہلو عیسائیوں کا ہے انہوں نے گناہ سے پاک ہونے کا ایک پہلو سوچا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لو اور پھر یقین کر لو کہ اس نے ہمارے گناہ اٹھا لیے اور وہ صلیب کے ذریعہ لعنتی ہوا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اب غور کرو کہ حصولِ نجات کو اس طریق سے کیا تعلق؟ گناہوں سے بچانے کے لیے ایک اَور بڑا گناہ تجویز کیا کہ انسان کو خدا بنایا گیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اَور گناہ ہو سکتا ہے؟ پھر خدا بنا کر اُسے معاً ملعون بھی قرار دیا۔ اس سے بڑھ کر گُستاخی اور بے ادبی اللہ تعالیٰ کی کیا ہوگی؟ ایک کھاتا پیتا حوائج کا محتاج خدا بنا لیا گیا؛ حالانکہ توریت میں لکھا تھا کہ دوسرا خُدا نہ ہو۔ نہ آسمان پر نہ زمین پر۔ پھر دروازوں اور چوکھٹوں پر یہ تعلیم لکھی گئی تھی۔ اس کو چھوڑ کر یہ نیا خدا تراشا گیا جس کا کچھ بھی پتہ توریت میں نہیں ملتا۔

مَیں نے فاضل یہودی سے پُوچھا کہ کیا تمہارے ہاں ایسے خدا کا پتہ ہے جو مریم کے پیٹ سے نکلے اور وہ یہودیوں کے ہاتھوں سے ماریں کھاتا پھرے۔ اس پر یہودی علماء نے مجھے یہی

جواب دیا کہ یہ محض افترا ہے۔ توریت سے کسی ایسے خدا کا پتہ نہیں ملتا۔ ہمارا وہ خدا ہے جو قرآن شریف کا خدا ہے۔ یعنی جس طرح پر قرآن مجید نے خدا تعالیٰ کی وحدت کی اطلاع دی ہے اسی طرح پر ہم توریت کی رُو سے خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں اور کسی انسان کو خدا نہیں مان سکتے۔ اور یہ تو موٹی بات ہے کہ اگر موسیٰ کے ہاں کسی ایسے خدا کی خبر دی گئی ہوتی۔ جو عورت کے پیٹ سے ہونے والا تھا تو وہ حضرت مسیح کی ایسی سخت مخالفت ہی کیوں کرتے یہانتک کہ انہوں نے اس کو صلیب پر چڑھوا دیا۔ اور ان پر کفر کہنے کا الزام لگاتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس امر کو ماننے کے لیے قطعًا تیار نہ تھے۔

غرض عیسائیوں نے گناہ کے دُور کرنے کا جو علاج تجویز کیا ہے وہ ایسا علاج ہے جو بجائے خود گناہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کو گناہ سے نجات پانے کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے[1]۔ انہوں نے گناہ کے دُور کرنے کا علاج گناہ تجویز کیا ہے جو کسی حالت اور صورت میں مناسب نہیں۔ یہ لوگ اپنے نادان دوست ہیں۔ اور ان کی مثال اس بندر کی سی ہے جس نے اپنے آقا کا خون کر دیا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لیے اور گناہوں سے نجات پانے کے لیے ایک ایسا گناہ تجویز کیا جو کسی صورت میں بخشا نہ جاوے یعنی شرک کیا اور عاجز انسان کو خدا بنا لیا۔ مسلمانوں کے لیے کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ ان کا خدا ایسا خدا نہیں جس پر کوئی اعتراض یا حملہ ہو سکے۔ وہ اس کی طاقتوں اور قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی صفات پر یقین لاتے ہیں۔ مگر جنہوں نے انسان کو خدا بنایا یا جنہوں نے اس کی قدرتوں سے انکار کر دیا، ان کے لیے خدا کا عدم و وجود برابر ہے۔ جیسے مثلاً آریوں کا مذہب ہے کہ ذرہ ذرہ اپنے وجود کا آپ ہی خدا ہے اور اس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ اب بتاؤ کہ جب ذرات کے وجود کا خالق خدا نہیں تو اس کے قیام کے لیے خدا کی حاجت کیا ہے جبکہ طاقتیں خود بخود موجود ہیں اور اُن میں اتصال اور انفصال کی قوتیں بھی موجود ہیں تو پھر انصاف سے بتاؤ کہ ان کیلئے خدا کے وجود کی کیا ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس عقیدہ کے رکھنے والے آریوں اور دہریوں میں انیس[19] اور بیس[20] کا فرق ہے اب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کامل اور زندہ مذہب ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ پھر اسلام کی عظمت و شوکت ظاہر ہو۔ اور اسی مقصد کو لے کر میں آیا ہوں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ جو انوار و برکات اس وقت آسمان سے اُتر رہے ہیں، وہ ان کی قدر

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۰۵ء

کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر کریں کہ وقت پر ان کی دستگیری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اس مصیبت کے وقت اُن کی نصرت فرمائی۔ لیکن اگر وہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کرینگے تو خدا تعالیٰ ان کی کچھ پروا نہ کرے گا۔ وہ اپنا کام کر کے رہے گا، مگر اُن پر افسوس ہوگا۔

جو موعود آنے والا تھا وہ مَیں ہوں

مَیں بڑے زور سے اور پورے یقین اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دُوسرے مذاہب کو مٹا دے اور اسلام کو غلبہ اور قوت دے۔ اب کوئی ہاتھ اور طاقت نہیں جو خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کا مقابلہ کرے۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (ھود: ۱۰۸) ہے مسلمانو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں یہ خبر دے دی ہے اور مَیں نے اپنا پیام پہنچا دیا ہے۔ اب اس کو سُننا نہ سُننا تمہارے اختیار میں ہے یہ سچی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وُہ مَیں ہی ہوں۔

اسلام کی زندگی عیسیٰؑ کے مرنے میں ہے

اور یہ بھی سچی بات ہے کہ اسلام کی زندگی عیسیٰ کے مرنے میں ہے۔ اگر اس مسئلہ پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہی مسئلہ ہے جو عیسائی مذہب کا خاتمہ کر دینے والا ہے یہ عیسائی مذہب کا بہت بڑا شہتیر ہے اور اسی پر اس مذہب کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اسے گرنے دو۔ یہ معاملہ بڑی صفائی سے طے ہو جاتا۔ اگر میرے مخالف خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتے۔ مگر ایک کا نام لو جو دنیا کو چھوڑ کر میرے پاس آیا ہو اور اُس نے اپنی تسلی چاہی ہو۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ میرا نام لیتے ہی اُن کے مُنہ سے جھاگ گرنی شروع ہو جاتی ہے اور وہ گالیاں دینے لگتے ہیں۔ بھلا اس طرح پر بھی کوئی شخص حق کو پا سکتا ہے؟ مَیں تو قرآن شریف کے نصوص صریحہ کو پیش کرتا ہوں اور حدیث پیش کرتا ہوں اجماعِ صحابہؓ پیش کرتا ہوں، مگر وہ ہیں کہ ان باتوں کو سنتے نہیں اور کافر کافر دجال دجال کہہ کر شور مچاتے ہیں۔

مَیں صاف طور پر کہتا ہوں کہ قرآن شریف سے تم ثابت کرو کہ مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کے خلاف کوئی امر پیش کرو اور یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جو پہلا اجماع ہوا۔ اس کے خلاف دکھاؤ تو جواب نہیں ملتا۔ پھر بعض لوگ شور مچاتے ہیں کہ اگر آنے والا وہی مسیح ابنِ مریم اسرائیلی نبی نہ تھا تو آنے والے کا یہ نام کیوں رکھا؟ مَیں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کیسی نادانی کا اعتراض ہے۔ تعجب کی بات

ہے کہ اعتراض کرنے والے اپنے لڑکوں کا نام تو موسیٰ، عیسیٰ، داؤد، احمد، ابراہیم، اسماعیل رکھ لینے کے مجاز ہوں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کا نام عیسیٰ رکھ دے تو اس پر اعتراض۔

تائیداتِ سماوی اور نشانات

غور طلب بات تو اس مقام پر یہ تھی کہ آیا آنے والا اپنے ساتھ نشانات رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ان نشانات کو پاتے تو انکار کے لیے جرأت نہ کرتے، مگر انہوں نے نشانات اور تائیدات کی تو پروا نہ کی اور دعویٰ سنتے ہی کہدیا اَنْتَ کَافِرٌ۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خدا تعالیٰ کے مامورین کی شناخت کا ذریعہ اُن کے معجزات اور نشانات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی شخص اگر حاکم مقرر کیا جاوے تو اس کو نشان دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے مامورین کی شناخت کے لیے بھی نشانات ہوتے ہیں اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے میری تائید میں نہ ایک نہ دو نہ دو سو بلکہ لاکھوں نشانات ظاہر کئے اور وہ نشانات ایسے نہیں ہیں کہ کوئی انہیں جانتا نہیں۔ بلکہ لاکھوں اُن کے گواہ ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس جلسہ میں بھی صدہا اُن کے گواہ موجود ہوں گے۔ آسمان سے میرے لیے نشان ظاہر ہوتے ہیں، زمین سے بھی ظاہر ہوتے۔

وہ نشانات جو میرے دعویٰ کے ساتھ مخصوص تھے اور جن کی قبل از وقت اور نبیوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خبر دی گئی تھی، وہ بھی پورے ہو گئے مثلاً ان میں سے ایک کسوف خسوف کا ہی نشان ہے جو تم سب نے دیکھا۔ یہ صحیح حدیث میں خبر دی گئی تھی کہ مہدی اور مسیح کے وقت میں رمضان کے مہینے میں سورج اور چاند گرہن ہوگا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ نشان پورا ہوا ہے یا نہیں؟ کوئی ہے جو یہ کہے کہ اس نے یہ نشان نہیں دیکھا؟ اور ایسا ہی یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ اس زمانہ میں طاعون پھیلے گی۔ یہانتک شدید ہوگی کہ دس میں سے سات مرجاویں گے۔ اب بتاؤ کہ کیا طاعون کا نشان ظاہر ہوا یا نہیں؟ پھر یہ بھی لکھا تھا کہ اس وقت ایک نئی سواری ظاہر ہوگی جس سے اُونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ کیا ریل کے اجراء سے یہ نشان پورا نہیں ہوا؟ میں کہانتک شمار کروں۔ یہ بہت بڑا سلسلہ نشانات کا ہے۔ اب غور کرو کہ میں تو دعویٰ کرنے والا دجال اور کاذب قرار دیا گیا۔ پھر یہ کیا غضب ہوا کہ مجھ کاذب کے لیے ہی یہ سارے نشان پورے ہو گئے؟ اور پھر اگر کوئی آنے والا اور ہے تو اس کو کیا ملے گا؟ کچھ تو انصاف کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ کیا خدا تعالیٰ کسی جھوٹے کی بھی ایسی تائید کیا کرتا ہے؟ پھر عجیب بات ہے کہ جو میرے مقابلہ پر آیا وہ ناکام اور نامراد رہا اور مجھے جس آفت اور

مصیبت میں مخالفین نے ڈالا۔ میں اس میں سے صحیح سلامت اور بامُراد نکلا۔ پھر کوئی قسم کھا کر بتا دے کہ جھوٹوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کرتا ہے؟

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان مخالف الرائے علماء کو کیا ہو گیا۔ وہ غور سے کیوں قرآن شریف اور احادیث کو نہیں پڑھتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس قدر اکابر اُمت کے گذرے ہیں وہ سب کے سب مسیح موعود کی آمد چودھویں صدی میں بتاتے رہے ہیں اور تمام اہلِ کشوف کے کشف یہاں آکر ٹھہر جاتے ہیں۔ حجج الکرامہ میں صاف لکھا ہے کہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جائے گا یہی لوگ منبروں پر چڑھ چڑھ کر بیان کیا کرتے تھے کہ تیرھویں صدی سے تو جانوروں نے بھی پناہ مانگی ہے اور چودھویں صدی مبارک ہوگی مگر یہ کیا ہوا کہ وہ چودھویں صدی جس پر ایک موعود امام آنے والا تھا۔ اس میں بجائے صادق کے کاذب آگیا۔ اور اس کی تائید میں ہزاروں لاکھوں نشان بھی ظاہر ہو گئے اور خدا تعالیٰ نے ہر میدان اور مقابلہ میں نُصرت بھی اسی کی کی۔ ان باتوں کا ذرا سوچ کر جواب دو۔ یُونہی مُنہ سے ایک بات نکال دینا آسان ہے مگر خدا تعالیٰ کے خوف سے بات نکالنا مشکل ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ خدا تعالیٰ ایک مفتری اور کذاب انسان کو اتنی لمبی مہلت نہیں دیتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ جاوے۔ میری عمر ستّر سے ۷۰ سال کی ہے اور میری بعثت کا زمانہ تیئیس ۲۳ سال سے بڑھ گیا ہے۔ اگر میں ایسا ہی مفتری اور کذاب تھا تو اللہ تعالیٰ اس معاملہ کو اتنا لمبا نہ ہونے دیتا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہارے آنے سے کیا فائدہ ہوا ہے؟

مسیح موعود کے آنے کی غرض

یاد رکھو کہ میرے آنے کی دو غرضیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو غلبہ اس وقت اسلام پر دوسرے مذاہب کا ہوا ہے گویا وہ اسلام کو کھاتے جاتے ہیں اور اسلام نہایت کمزور اور یتیم بچے کی طرح ہو گیا ہے۔ پس اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں ادیان باطلہ کے حملوں سے اسلام کو بچاؤں اور اسلام کے پُرزور دلائل اور صداقتوں کے ثبوت پیش کروں اور وہ ثبوت علاوہ علمی دلائل کے انوار اور برکات سماوی ہیں جو ہمیشہ سے اسلام کی تائید میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت اگر تم پادریوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسلام کی مخالفت کے لیے کیا سامان کر رہے ہیں اور ان کا ایک ایک پرچہ کتنی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ اسلام کا بول بالا کیا جاتا۔ پس اس غرض کے لیے مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اسلام کا غلبہ ہو کر رہے گا اور اس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ اس غلبہ کے لیے کسی تلوار اور بندوق کی حاجت نہیں اور نہ

خدا تعالیٰ نے مجھے ہتھیاروں کے ساتھ بھیجا ہے۔ جو شخص اس وقت یہ خیال کرے وہ اسلام کا نادان دوست ہوگا۔ مذہب کی غرض دلوں کو فتح کرنا ہوتی ہے اور یہ غرض تلوار سے حاصل نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلوار اُٹھائی، مَیں بہت مرتبہ ظاہر کر چکا ہوں کہ وہ تلوار محض حفاظتِ خود اختیاری اور دفاع کے طور پر تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ مخالفین اور منکرین کے مظالم حد سے گذر گئے اور بیکس مُسلمانوں کے خُون سے زمین سُرخ ہو چکی۔

غرض میرے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ دُوسرے ادیان پر ہو۔

دُوسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔ یہ صرف زبانوں پر حساب ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ وہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے جو اسلام کا مغز اور اصل ہے۔ مَیں تو یہ جانتا ہوں کہ کوئی شخص مومن اور مُسلمان نہیں بن سکتا جبتک اُبوبکر، عُمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سا رنگ پیدا نہ ہو۔ وہ دُنیا سے محبت نہ کرتے تھے۔ بلکہ اُنہوں نے اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کی ہوئی تھیں۔ اب جو کچھ ہے وہ دنیا ہی کے لیے ہے اور اس قدر استغراق دُنیا میں ہو رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لیے کوئی خانہ خالی نہیں رہنے دیا۔ تجارت ہے تو دُنیا کیلئے عمارت ہے تو دُنیا کیلئے بلکہ نماز روزہ اگر ہے تو وہ بھی دُنیا کیلئے۔ دنیا داروں کے قرب کے لیے تو کچھ کیا جاتا ہے مگر دین کا پاس ذرہ بھی نہیں۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کیا اسلام کے اعتراف اور قبولیت کا اتنا ہی منشا تھا جو سمجھ لیا گیا ہے؟ یا وہ بلند غرض ہے۔ مَیں تو یہ جانتا ہوں کہ مومن پاک کیا جاتا ہے اور اس میں فرشتوں کا رنگ ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کلام سُنتا اور اس سے تسلی پاتا ہے۔ اب تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے دل میں سوچ لے کہ کیا یہ مقام اُسے حاصل ہے؟ مَیں سچ کہتا ہوں کہ تم صرف پوست اور چھلکے پر قانع ہو گئے ہو حالانکہ یہ کچھ چیز نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ مغز چاہتا ہے۔ پس جیسے میرا یہ کام ہے کہ ان حملوں کو روکا جاوے جو بیرونی طور پر اسلام پر ہوتے ہیں ویسے ہی مسلمانوں میں اسلام کی حقیقت اور رُوح پیدا کی جاوے۔

مَیں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو خدا تعالیٰ کی بجائے دُنیا کے بُت کو عظمت دی گئی ہے اس کی امانی اور امیدوں کو رکھا گیا ہے۔ مقدمات، صلح جو کچھ ہے وہ دُنیا کے لیے ہے۔ اس بُت کو پاش پاش کیا جاوے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت ان کے دلوں میں قائم ہو اور ایمان کا شجر تازہ بہ تازہ پھل دے۔ اس وقت درخت کی صورت ہے مگر اصل درخت نہیں کیونکہ اصل درخت کے لیے تو فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم: ۲۵، ۲۶)
یعنی کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ وہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ کی مانند ہے جس کی جڑھ ثابت ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں اور وہ ہر وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہے۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ سے یہ مراد ہے کہ اصولِ ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں اور یقین کامل کے درجہ تک پہنچے ہوئے ہوں اور وہ ہر وقت اپنا پھل دیتا رہے۔ کسی وقت خشک درخت کی طرح نہ ہو۔ مگر بتاؤ کہ کیا اب یہ حالت ہے؟ بہت سے لوگ کہہ تو دیتے ہیں کہ ضرورت ہی کیا ہے؟ اس بیمار کی کیسی نادانی ہے جو یہ کہے کہ طبیب کی حاجت ہی کیا ہے؟ وہ اگر طبیب سے مستغنی ہے اور اس کی ضرورت نہیں سمجھتا تو اس کا نتیجہ اس کی ہلاکت کے سوا اور کیا ہوگا؟ اس وقت مسلمان اَسْلَمْنَا میں تو بے شک داخل ہیں مگر اٰمَنَّا کی ذیل میں نہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک نُور ساتھ ہو۔

غرض یہ وہ باتیں ہیں جن کے لیے مَیں بھیجا گیا ہوں اس لیے میرے معاملہ میں تکذیب کے لیے جلدی نہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور توبہ کرو کیونکہ توبہ کرنے والے کی عقل تیز ہوتی ہے۔ طاعون کا نشان بہت خطرناک نشان ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے متعلق مجھ پر جو کلام نازل کیا ہے وہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس پر لعنت ہے جو خدا تعالیٰ پر افترا کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے ارادے کی اس وقت تبدیلی ہوگی جب دلوں کی تبدیلی ہوگی۔ پس خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے قہر سے خوف کھاؤ۔ کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ معمولی مقدمہ کسی پر ہو تو اکثر لوگ وفا نہیں کر سکتے پھر آخرت میں کیا بھروسہ رکھتے ہو۔ عبس کی نسبت فرمایا: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ۔ (عبس: ۳۵)

مخالفوں کا تو یہ فرض تھا کہ وہ حُسنِ ظنی سے کام لیتے اور لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) پر عمل کرتے مگر انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ یاد رکھو۔ پہلی قومیں اسی طرح ہلاک ہوئیں۔ عقلمند وہ ہے جو مخالفت کرکے بھی جب اسے معلوم ہو کہ وہ غلطی پر تھا، اُسے چھوڑ دے۔ مگر یہ بات تب نصیب ہوتی ہے کہ خدا ترسی ہو۔ دراصل مردوں کا کام یہی ہے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔ وہی پہلوان ہے اور اسی کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

قیاس کی حجّت

ان ساری باتوں کے علاوہ مَیں اب قیاس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ میرے ساتھ ہیں۔ اجماعِ صحابہؓ بھی

میری تائید کرتا ہے۔ نشانات اور تائیداتِ الٰہیہ میری موید ہیں۔ ضرورت وقت میرا صادق ہونا ظاہر کرتی ہے۔ لیکن قیاس کے ذریعہ سے بھی حجت پوری ہو سکتی ہے۔ اس لیے دیکھنا چاہیے کہ قیاس کیا کہتا ہے؟ انسان کبھی کسی ایسی چیز کو ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا جو اپنی نظیر نہ رکھتی ہو۔ مثلاً اگر ایک شخص آکر کہے کہ تمہارے بچے کو ہوا اڑا کر آسمان پر لے گئی ہے یا بچہ کتابن کر بھاگ گیا ہے تو کیا تم اس کی بات کو بلا وجہ معقول اور بلا تحقیق مان لوگے؟ کبھی نہیں، اس لیے قرآن مجید نے فرمایا ہے ــــ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء: ۸) اب مسیح علیہ السلام کی وفات کے مسئلہ پر اور اُن کے آسمان پر اڑ جانے کے متعلق غور کرو۔ قطع نظر ان دلائل کے جو ان کی وفات کے متعلق ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھ جانے کا معجزہ مانگا۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر طرح کامل اور افضل تھے ان کو چاہیئے تھا کہ وہ آسمان پر چڑھ جاتے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے جواب دیا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴) اس کا مفہوم یہ ہے کہ کہدو اللہ تعالیٰ اس امر سے پاک ہے کہ وہ خلاف وعدہ کرے جبکہ اس نے بشر کے لیے آسمان پر مع جسم کے جانا حرام کر دیا ہے اگر میں جاؤں تو جھوٹا ٹھہروں گا۔

اب اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے کہ مسیح آسمان پر چلا گیا ہے اور کوئی بالمقابل پادری یہ آیت پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرے تو تم اس کا کیا جواب دے سکتے ہو۔

پس ایسی باتوں کے ماننے سے کیا فائدہ جن کا کوئی اصل قرآن مجید میں موجود نہیں۔ اس طرح پر تم اسلام کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے والے ٹھہروگے۔ پھر پہلی کتابوں میں بھی تو کوئی نظیر موجود نہیں اور ان کتابوں سے اجتہاد کرنا حرام نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الاحقاف: ۱۱) اور پھر فرمایا كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد: ۴۴) اور ایسا ہی فرمایا۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ: ۱۴۷) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت کے لیے ان کو پیش کرتا ہے تو ہمارا ان سے اجتہاد کرنا کیوں حرام ہو گیا؟

اب انہیں کتابوں میں ملاکی نبی کی ایک کتاب ہے جو بائیبل میں موجود ہے۔ اس میں مسیح سے پہلے ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا گیا۔ آخر جب مسیح ابنِ مریم آئے تو حضرت مسیح سے

الیاس کے دوبارہ آنے کا سوال ملاکی نبی کی اس پیشگوئی کے موافق کیا گیا مگر حضرت مسیح نے فیصلہ کیا کہ وہ آنے والا یوحنا کے رنگ میں آچکا۔

اب یہ فیصلہ حضرت عیسیٰ ہی کی عدالت سے ہو چکا ہے کہ دوبارہ آنے والے سے کیا مراد ہوتی ہے۔ وہاں یحییٰ کا نام مثیل الیاس نہیں رکھا بلکہ انہیں ہی ایلیا قرار دیا گیا۔ اب یہ قیاس بھی میرے ساتھ ہے۔ مَیں تو نظیر پیش کرتا ہوں مگر میرے مُنکر کوئی نظیر پیش نہیں کرتے۔ بعض لوگ اس مقام پر عاجز آجاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتابیں محرف مبدّل ہیں۔ مگر افسوس ہے یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اس سے سند لیتے رہے اور اکثر اکابر نے تحریفِ معنوی مُراد لی ہے۔ بُخاری نے بھی یہی کہا ہے۔ علاوہ اس کے یہودیوں اور عیسائیوں کی جانی دشمنی ہے۔ کتابیں جُدا جُدا ہیں۔ وہ اب تک مانتے ہیں کہ الیاس دوبارہ آئے گا۔ اگر یہ سوال نہ ہوتا تو حضرت مسیح کو وہ مان نہ لیتے؟ ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس ہے وہ بڑے زور سے لکھتا ہے اور اپیل کرتا ہے کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہوگا تو مَیں ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دُوں گا کہ اس میں الیاس کے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

اب غور کرو جبکہ باوجود ان عذرات کے لاکھوں یہودی جہنمی ہوئے اور سؤر بندر بنے تو کیا میرے مقابلہ میں یہ عُذر صحیح ہوگا کہ وہاں مسیح ابن مریم کا ذکر ہے۔ یہودی تو معذور ہو سکتے تھے، ان میں نظیر نہ تھی مگر اب تو کوئی عذر باقی نہیں۔ مسیحؑ کی موت قرآن شریف سے ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت اس کی تصدیق کرتی ہے اور پھر قرآن شریف اور حدیث میں مِنکُم آیا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے مجھے خالی ہاتھ نہیں بھیجا۔ ہزاروں لاکھوں نشان میری تصدیق میں ظاہر ہوئے اور اب بھی اگر کوئی چالیس دن میرے پاس رہے تو وہ نشان دیکھ لے گا۔ لیکھرام کا نشان عظیم الشان نشان ہے۔ احمق کہتے ہیں کہ مَیں نے قتل کرا دیا۔ اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو پھر ایسے نشانات کا امان ہی اُٹھ جائے گا۔ کل کو کہہ دیا جائے گا کہ خسرو پرویز کو معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرا دیا ہوگا۔ ایسے اعتراض حق بین اور حق شناس لوگوں کا کام نہیں ہے۔

مَیں آخر میں پھر کہتا ہوں کہ میرے نشانات تھوڑے نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ انسان میرے نشانوں پر گواہ ہیں اور زندہ ہیں۔ میرے انکار میں جلدی نہ کرو ورنہ مرنے کے بعد کیا جواب دو گے؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سر پر ہے اور وہ صادق کو صادق ٹھہراتا اور کاذب کو کاذب[1]۔

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۱ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء۔
نیز بدر جلد ۲ نمبر ۵۱ صفحہ ۴ تا ۱۸ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۰۶ء

۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء

دو تازہ الہامات

آجکل اعلیٰ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علی العموم معمول ہے کہ صبح کو دس بجے کے قریب نئے مہمانخانہ میں جہاں سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب نزیل ہیں تشریف لے آتے ہیں۔ دُوسرے احباب بھی حاضر ہو جاتے ہیں اور بارہ بجے کے قریب تک وہاں بیٹھے رہتے ہیں۔ کل آپ نے قبل ظہر اپنا تازہ الہام سُنایا جو ۹ار کی شب کو ہوا۔

فرمایا :

رات عجیب طرز کا الہام ہوا تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے اس مفہوم کا ایک الہام ہو چکا ہے مگر یہ طرز عجیب ہے۔

اِنِّیْ مَعَکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

دُوسرا الہام اس کے ساتھ یہ ہے :

سب مُسلمانوں کو جو رُوئے زمین پر ہیں جمع کرو عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ

اس پر فرمایا :

پہلے ایک الہام ہوا تھا جس کو عرصہ ہوتا ہے۔ سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ مَشْرَبِ الْحَسَنِ۔ یُصَالِحُ بَیْنَ النَّاسِ[1]۔ اور اب یہ الہام ہوا ہے جس میں مجھے یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فرمایا ہے۔

دُوسرے الہام کے متعلق فرمایا کہ

یہ امر جو ہے کہ سب مُسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو۔ عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ یہ ایک خاص قسم کا امر ہے۔

احکام و اوامر کی دو قسمیں

احکام اور امر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک شرعی رنگ میں ہوتے ہیں جیسے نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، خون نہ کرو وغیرہ۔ اس قسم کے اوامر میں ایک پیشگوئی بھی ہوتی ہے کہ گویا بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اس کی خلاف ورزی کرینگے

---

[1] حاشیہ :- یہ الہام ۱۹۰۱ء کا ہے اور الحکم میں چھپا ہوا ہے (ایڈیٹر الحکم)

جیسے یہود کو کہا گیا کہ تورات کو محرف مبدل نہ کرنا یہ بتاتا تھا کہ بعض ان میں سے کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غرض یہ امر شرعی ہے اور یہ اصطلاح شریعت ہے۔

دُوسرا امر کونی ہوتا ہے اور یہ احکام اور امر قضاء و قدر کے رنگ میں ہوتے ہیں جیسے قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا (الانبیاء: ۷۰) اور وہ پُورے طور پر وقوع میں آگیا۔ اور یہ امر جو میرے اس الہام میں ہے یہ بھی اس قسم کا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانانِ رُوئے زمین علیٰ دینٍ واحدٍ جمع ہوں اور وہ ہو کر رہیں گے۔ ہاں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان میں کوئی قسم کا بھی اختلاف نہ رہے۔ اختلاف بھی رہے گا مگر وہ ایسا ہوگا جو قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ نہیں[1]۔

۲۶ر نومبر ۱۹۰۵ء

(قبل دوپہر)

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر

حضرت مولوی صاحب کے ذکر پر فرمایا:

مولوی صاحب ہر تقریب اور ہر جلسہ پر یاد آجاتے ہیں۔ ان کے سبب لوگوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ وہ بڑی زبردست تقریر کرنے والے تھے۔ مَیں نے مقابلہ کر کے خوب دیکھا ہے ان کے اندر محبت اور اخلاص کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا اور بجُز اس کے مَیں سمجھتا ہوں کہ اور کچھ تھا ہی نہیں۔ اور اس حد تک تھا کہ مَیں دیکھتا ہوں کہ دوسروں میں وہ نہیں۔ مَیں ان سے بہت عرصہ سے واقف ہوں۔ اس وقت بھی مَیں نے اُن کو دیکھا تھا جب وہ نیچری تھے۔ اس وقت بیعت بھی کر لی تھی، لیکن ابھی بعض اُمور اُن کے دل میں تھے۔ چنانچہ مسیح کے بے پدر ہونے میں مجھ سے گفتگو بھی کیا کرتے تھے اور کئی بار کہا کرتے کہ ان کا بھی فیصلہ کر دو۔ مگر مَیں انہیں جواب دیا کرتا کہ ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باپ ہوئے۔ اس کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ یحییٰ اور عیسیٰ کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا ہے۔ پہلے یحییٰ کا ذکر کیا جو بانجھ سے پیدا ہوئے۔ دوسرا قصہ مسیح کا اس کے بعد بیان فرمایا جو اس سے ترقی پر ہونا چاہیئے تھا اور وہ یہی ہے کہ وہ بن باپ ہوئے اور

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۲ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۰۵ء

یہی امر خارق عادت ہے اگر بانجھ سے پیدا ہونے والے یحییٰ کے بعد باپ سے پیدا ہونے والے کا ذکر ہوتا۔ تو اس میں خارق عادت کی کیا بات ہوتی؟ اور عیسائی جو ان کے بن باپ ہونے سے خدا بناتے ہیں اس کا دوسری جگہ جواب دیدیا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) اب اگر بن باپ پیدا ہونے والا خدا ہو سکتا ہے تو پھر جس کا ماں باپ دونو نہ ہوں وہ تو بدرجہ اولیٰ خدا ہو گا مگر ان کو وہ خدا نہیں مانتے۔ اور ایسا ہی یحییٰ میں بھی خدائی ماننی چاہیے کیونکہ وُہ بانجھ سے پیدا ہوتے تھے۔

غرض اوائل میں اس قسم کی گفتگو ہوتی رہی تھی۔ پھر جب اللہ نے ان کی معرفت زیادہ کی تو ایک دن کہنے لگے آپ گواہ رہیں آج سے مَیں نے سب گفتگو مَیں ترک کر دیں۔ اس کے بعد موت تک بجز تسلیم اَور کچھ نہ ہو گا۔

اور پھر مَیں نے دیکھا کہ اس دن کے بعد موت تک واقعی یہی حالت رہی کہ رضا اور تسلیم کے سوا کوئی اور بات تھی ہی نہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں نے ان کے خُطبات سُنے ہیں وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ان میں بجز میرے حالات اور ذکر کے اَور کچھ نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات مَیں نے سُنا کہ بعض آدمی اس امر کو بھی حد تک پسند نہیں کرتے مگر وُہ بجز اس کے اَور کچھ کہنا نہ چاہتے تھے۔

اس مقام پر مَیں[1] نے عرض کی کہ حضور مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ تقریر اور کلام میرے نزدیک حرام ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ذکر نہ ہو۔ یہ الفاظ سنکر مَیں نے دیکھا کہ حضور کی آنکھیں پُرنم ہو گئی تھیں، لیکن ان لوگوں کا ضبط اور صبر لا نظیر ہوتا ہے اس لیے ضبط کا نمونہ دکھلایا مگر چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اور اس میں خاص قسم کی درخشندگی پائی جاتی تھی۔

پھر اس ذکر کے سلسلہ میں فرمایا کہ:

ان کی بڑی بیوی نے رؤیا دیکھا تھا کہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مَیں احمدی ہو گیا ہوں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری محبت میں فنا ہو گئے تھے۔ اچھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ آمین ثم آمین۔

---

[1] حاشیہ:۔ یعنی ایڈیٹر الحکم (مرتب)

راستباز وہی ہے جس کی شہادت خدا دے

مولوی صاحب کے اس ذکر کے بعد سید امیر علی شاہ صاحب نے جماعت علی کا ذکر کیا کہ وہ ان کی موت کو اپنی پیشگوئی کی بنا پر ظاہر کرتا ہے۔ اس پر فرمایا:

موت فوت سے تو کوئی رہ نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام پر بھی موت آتی۔ انہیں ٹھٹھا کرنا اور اس قسم کی شیخیاں اچھی نہیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کہتے ہیں۔ اگر پیشگوئیاں اور خوارق یہی ہوتے ہیں تو پھر یزید کی کرامت کا بھی ان کو قائل ہونا پڑیگا۔

افسوس یہ لوگ نہیں سوچتے کہ راستباز وہی ہے جس کی شہادت خدا تعالیٰ دے۔ اور کسی قہر کے وقت امتیازی رنگ اس کے ساتھ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت فرعونی تباہ ہوئے مگر موسیٰ اور اس کے ساتھ والوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ طاعون کا ذکر چل پڑا۔ آپ نے پرانی رؤیا۔ ہاتھی والی بیان کی اور بالآخر فرمایا کہ:

میرا الہام تو یہی ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (الرعد ۱۲) جب تک پوری تبدیلی اور اصلاح نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ کا یہ عذاب ٹلتا نظر نہیں آتا۔[1]

۲۹ر نومبر ۱۹۰۵ء

(قبل ظہر)

مدرسہ کے اجرا کی غرض

ہماری غرض مدرسہ کے اجرا سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔ مروجہ تعلیم کو اس لیے ساتھ رکھا ہے کہ یہ علوم خادمِ دین ہوں۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ ایف۔ اے یا بی۔ اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیشِ نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمتِ دین کے لیے زندگی بسر کریں۔ اور اسی لیے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ شاید دینی خدمت کے لیے کام آسکے۔

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۴۲ صفحہ ۲ مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۰۵ء

مشکل یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جاوے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب وہ اکیلے ہیں۔ کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا یا قائم مقام نظر نہیں آتا۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ آریوں کی یہ حالت ہے کہ ایک طرف تو وہ ذرّہ ذرّہ کو خدا بنا رہے ہیں اور اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بے نصیب اور حقوق کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور حقوق العباد کی طرف سے ایسے اندھے ہیں کہ نیوگ جیسے مسئلہ کو مانتے ہیں۔ باوجود ایسا مذہب رکھنے کے پھر ان میں اس کی حمایت کے لیے اس قدر جوش ہے کہ بہت سے تعلیم یافتہ اپنی زندگیاں مذہب کی خاطر وقف کر دیتے ہیں۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ جو مدرسہ سے نکلتا ہے اس کو دنیوی امور کی طرف ہی توجہ ہو جاتی ہے۔

جہاں تک ہو سکے یہی آرزو ہے کہ کوئی دینی خدمت ہو جاوے۔

تازہ الہامات

رات پھر وہی الہام ہوا۔

(۱) بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔

(۲) قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ۔

(۳) اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔

(۴) قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ۔ وَلَا نُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔

ان الہامات پر غور کر کے مَیں بھی سمجھتا ہوں کہ وُہ زمانہ بہت ہی قریب ہے۔ پہلے بھی یہ الہام ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ ایک رؤیا بھی تھی کہ ایک شخص نے مجھے کنوئیں کی ایک کوری ٹنڈ میں ٹھنڈا پانی دیا۔ وہ پانی بڑا ہی مصفّٰی اور مقطّر تھا مگر وہ تھوڑا سا تھا۔ اس کے ساتھ الہام ہوا تھا۔

آبِ زندگی

غرض زندگی کا زمانہ خواہ کتنا ہی لمبا ہو پھر بھی تھوڑا ہی ہے۔

(قبل عصر)

مامورین کے اغراض و مقاصد کا انکے متبعین کے ذریعہ پورا ہونا

۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو جناب سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی واپس وطن کو جانے والے تھے اس لیے حضرت اقدس سیٹھ صاحب کی ملاقات کے واسطے مہمان خانہ جدید میں جہاں سیٹھ صاحب اور دوسرے احباب فروکش تھے، تشریف لائے اور سیٹھ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا:

رات مجھے الہام ہوا ہے (وہی الہام جو اوپر درج ہو چکے ہیں سناتے)

الہام سنانے کے بعد فرمایا:

لَا نُبْقِيْ لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رسوا کرنے والا ذکر باقی نہ چھوڑیں گے۔ یہ بڑا مبشر الہام ہے یعنی تیرے آنے کی جو علت غائی ہے اس کو ہم پورا کر دیں گے۔ کسی مامور اور مرسل کے لیے رسوا کرنے والا ذکر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد و اغراض میں ناکامیاب ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تیرے آنے کی جو غرض اور مقصد ہے اس کو ہم پورا کر دیں گے۔ مگر یہ سنت اللہ ہے کہ جس قدر مامور دنیا میں آتے ہیں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ان کے ہی زمانہ میں پوری تکمیل ہو جاوے۔ بلکہ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ انکے متبعین کے ہاتھوں سے پورے ہوتے ہیں اور انکے ہی ہاتھ پر وہ تکمیل سمجھی جاتی ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں مکہ، مدینہ اور بعض نواح تک اسلام تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور بہت سے امور کی تکمیل صحابہؓ کے ہاتھ پر ہوئی جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کامیابی اور آپ کے دست مبارک پر ہی تکمیل تھی۔ اس کے بعد بنو امیہ اور دوسرے سلاطین کے ذریعہ ان ترقیوں میں اور ترقی ہوئی اور محمود غزنوی نے بھی ان میں حصہ لیا۔ اور یہ سلاطین ہند جو سات سو برس تک حکمران رہے کسی حد تک ان کو بھی حصہ ملا۔ انہوں نے ایسی ایسی جگہ مساجد تعمیر کروائیں جو ہندوؤں کے مرکز تھے۔

غرض یہ سنت اللہ ہے کہ جو مامور ہو کر آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ سب مقاصد اس کے وقت ہی میں مکمل ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں، لیکن وہ کنجیاں آپؐ کے بعد حضرت عمرؓ کو دی گئیں۔

یہ کہنا کہ وُہ آپؐ کو نہیں ملیں غلط ہے۔ کیونکہ اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ متبعین کی فتوحات اور کامیابیاں بھی دراصل متبوع ہی کی فتوحات ہوتی ہیں۔

مامُور کی وفات پر جماعت کا غمگین ہونا فطری امر ہے

"اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی"

اس کے متعلق فرمایا کہ:

یہ بالکل سچ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی مامور دُنیا سے اُٹھتا ہے تو ہر چیز پر اُداسی چھا جاتی ہے خصوصاً ان لوگوں پر جو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ہر بات کو قبل از وقت سمجھتا ہے۔ اس لیے جب اس کی کوئی محبوب چیز جاتی رہے تو پھر ضرور غمگین ہوتا ہے یہ ایک فطرتی تقاضا ہے۔ صحابہؓ کی حالت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تھی۔ ان کو تو قریباً ایک قسم کا جنون ہو گیا تھا اس غم میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں ان پر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو وہ جوش آیا کہ انہوں نے تلوار ہی نکال لی کہ جو شخص کہے گا کہ آپؐ وفات پا گئے ہیں مَیں اسے قتل کر دوں گا۔ گویا وہ یہ لفظ بھی سُننا نہ چاہتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵) پڑھی تو ان کا جوش فرو ہوا۔ یہ آیت دراصل ایک جنگ میں نازل ہوئی تھی جبکہ شیطان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز دی گئی مگر اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا تو صحابہؓ سمجھتے تھے کہ گویا یہ آیت ابھی اُتری ہے۔

یقینی الوجود عالم آخرت فرمایا:

ایسے امور میں حیرت اور سرگشتگی ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ یہ اختیاری بات نہیں کہ نہ ہو۔ مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو قبل از وقت ان امور کو بار بار ظاہر کرتا ہے۔ اس میں یہ سِرّ ہے کہ تا جماعت کی تسلی اور اطمینان کا موجب ہو۔ ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ دو عالم ہیں جو یقینی الوجود ہیں۔ ایک تو یہی عالم جسمیں ہم اب ہیں اور زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دُوسرا وہ عالم جس میں مرنے کے بعد ہم داخل ہوتے ہیں چونکہ انسان کو اس کا وسیع علم نہیں ہوتا اس لیے اسے وہمی سمجھتا اور اس سے کراہت کرتا ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے اَور کچھ نہیں کہ اس کی خبر نہیں۔ اور اس عالم میں چونکہ رہتا ہے اور اس کی خبر اور اطلاع ہے اس لیے اس سے

محبت کرتا ہے اور اسی میں رہنا چاہتا ہے۔ اگر اُس عالم پر پورا یقین ہو جاوے تو اس عالم سے چلے جانے کا کوئی غم اس کو نہ ہو اور ایسی صورت میں یہ عالم تو اسی قدر ہے کہ جیسے مسافر کسی جگہ کو کوچ کرنے کی تیاری کرے تو زادِ راہ کا بندوبست کر لیتا ہے۔ اسی قدر یہ عالم ہے کہ اس عالم کے سفر کے لیے زادِ راہ کا بندوبست کرے اور نہ اس سے زیادہ شریعت حکم دیتی ہے۔ اگر یہ عالم ہمیشہ کے لیے ہوتا تو آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء و رسل اس دُنیا میں گذرے ہیں ان کے ہمیشہ یہاں رہنے کی بہت بڑی ضرورت تھی اور اس کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟ مگر دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے جبتک ان کے لیے اس عالم میں رہنا پسند کیا وہ یہاں رہے اور آخر اپنا کام کر کے اس دُنیا سے رخصت ہوتے خواہ دُوسروں کے نزدیک ان کی وہ رخصت قبل از وقت ہی سمجھی گئی ہو۔ اَوروں کا ذکر چھوڑو کہ بنی اسرائیل میں بھیجے ہوئے رسولوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بڑے اولوالعزم رسُول تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بڑے بڑے وعدے فرمائے۔ منجملہ ان کے ارضِ مقدس میں داخل ہونے کا وعدہ تھا مگر اس ارضِ مقدس کے راستہ ہی میں اُن کو موت آگئی اور وہ اس وعدہ کی زمین میں داخل نہ ہو سکے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کے بعد یشوع بن نون کو برگزیدہ کیا اور وہ اس زمین میں داخل ہوا۔ غرض یہ ایک قسم کے اسرار ہوتے ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعائیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رو رو کر دُعائیں کرتے تھے اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ موت سے ڈرتے تھے یا اس زندگی سے پیار کرتے تھے بلکہ ان کو ناکامی کا اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو میں ناکام دُنیا سے اُٹھوں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعاؤں کو سُنا مگر یہ نہیں کہ وہ موت کا پیالہ اُن سے ٹل گیا۔ اپنے وقت پر انہوں نے پیا اور رخصت ہوتے۔

مامُور کی وفات سے خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں کوئی فرق نہیں آتا

فرمایا:-

ہم تو اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کے کاروبار میں جن کا اس نے ارادہ کیا ہوتا ہے کسی قسم کا فرق آجاتا ہے۔ ایسا تو وہم کرنا بھی سخت گناہ ہے۔ نہیں بلکہ وہ کاروبار جس طرح وہ چاہتا ہے بدستور چلتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اُسے چلاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے کہ وہ راستہ ہی میں فوت ہو گئے۔ قوم چالیس دن تک ماتم کرتی رہی مگر خدا تعالیٰ نے وہی کام یشوع بن نون سے

لیا۔ اور پھر چھوٹے چھوٹے اور نبی آتے رہے یہانتک کہ مسیح ابنِ مریم آگیا اور اس سلسلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے شروع کیا تھا کوئی فرق نہ آیا۔

پس یہ کبھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ سلسلہ میں کوئی فرق آجاتا ہے۔ یہ ایک دھوکہ لگتا ہے اور بُت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ ایک شخص کے وجود کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا کسی اور طرف نظر اُٹھانا بھی پسند نہیں کرتا۔

مولا بس فرمایا :

میرے ایک چچا صاحب فوت ہو گئے تھے۔ عرصہ ہوا میں نے ایک مرتبہ اُن کو عالمِ رؤیا میں دیکھا اور اُن سے اس عالم کے حالات پُوچھے کہ کس طرح انسان فوت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ جب انسان کا آخری وقت قریب آتا ہے تو دو فرشتے جو سفید پوش ہوتے ہیں سامنے آتے ہیں اور وہ کہتے آتے ہیں مولا بس۔ مولا بس۔

[فرمایا :۔ حقیقت میں ایسی حالت میں جب کوئی مفید وجود درمیان سے نکل جاتا ہے تو یہی لفظ "مولا بس" موزون ہوتا ہے۔]

اور پھر وہ قریب آکر دونوں اُنگلیاں ناک کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ اے رُوح! جس راہ سے آئی تھی اسی راہ سے واپس نکل آ۔

فرمایا :۔

طبعی امور سے ثابت ہوتا ہے کہ ناک کی راہ سے رُوح داخل ہوتی ہے اسی راہ سے معلوم ہوا نکلتی ہے۔ توریت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نتھنوں کے ذریعہ زندگی کی رُوح پھونکی گئی۔

وہ عالم عجیب اسرار کا عالم ہے جن کو اس زندگی میں انسان پُورے طور پر سمجھ بھی نہیں سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم خوش قسمتی فرمایا :

اگر دن تھوڑے بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں بسر ہوں تو غنیمت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس مُلک میں رہے تھے وہاں کی زندگی صرف ساڑھے تین سال کی ہی رسالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ رسالت تیئیس ۲۳ سال تھا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش قسمتی ثابت ہوتی ہے اور کوئی دُوسرا اس میں شریک نہیں۔ اُمورِ رسالت میں یہ کامیابی اور سعادت

کسی اور کو نہیں ملی۔ آپؐ کی آمد کا وہ وقت تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے خود ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم : ۴۲) سے بیان کیا ہے یعنی نہ خشکی میں امن تھا نہ تری میں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب بگڑ چکے تھے اور قسم قسم کے فساد اور خرابیاں ان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ گویا زمانہ کی حالت بالطبع تقاضا کرتی تھی کہ اس وقت ایک زبردست ہادی اور مصلح پیدا ہو۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا اور پھر آپؐ ایسے وقت دُنیا سے رخصت ہوتے جب آپؐ کو یہ آواز آگئی.....

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (المائدۃ : ۴)

یہ آواز کسی اور نبی اور رسُول کو نہیں آئی۔ کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری اور پڑھی گئی تو حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ اس آیت کو سُن کر رو پڑے۔ ایک صحابی نے کہا کہ اے بڈھے تجھے کیا ہو گیا۔ آج تو خوشی کا دن ہے تو کیوں رو پڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا تو نہیں جانتا مجھے اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فراست بڑی تیز تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ جب کام ہو چکا تو پھر یہاں کیا کام؟۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی بندوبست کا افسر کسی ضلع کا بندوبست کرنے کو بھیجا جاتا ہے وُہ اس وقت تک وہاں رہتا ہے جبتک کام ختم نہ ہو لے۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو پھر کسی اور جگہ بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح پر مرسلین کے متعلق بھی یہی سُنّت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جب یہ امر دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سچ کہتا ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اگر میں کسی کو دُنیا میں دوست رکھتا تو ابوبکرؓ کو۔

خُلّت کی حقیقت

یہ جُملہ بھی قابلِ تشریح ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ دوست تو رکھتے تھے۔ پھر اس کا کیا مطلب؟ بات اصل میں یہ ہے کہ خُلّت اور دوستی تو وہ ہوتی ہے جو رگ وریشہ میں دھنس جاتے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ اور اسی کے لیے مخصوص ہے۔ دُوسروں کے ساتھ محض اخوت اور برادری ہے۔ خُلّت کا مفہوم ہی یہی ہے کہ وُہ اندر دھنس جاوے۔ جیسے یوسف زلیخا کے اندر رچ گیا تھا۔ بس یہی معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک فقرہ کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں تو کوئی شریک نہیں۔ دُنیا میں اگر کسی کو دوست رکھتا تو ابوبکرؓ کو رکھتا۔

یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کسی کو بیٹا بناتا تو ایک مقرب کو بنا لیتا۔ ایک

مفسر کہتا ہے کہ مقرب سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو مقامِ لدنّی حاصل ہے۔ غرض یہ امور تکمیل کے لیے ضروری ہیں جن کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔

اُمّت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عظیم احسان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہزاروں آدمی مُرتد ہوگئے حالانکہ آپؐ کے زمانہ میں تکمیلِ شریعت ہو چکی تھی۔ یہانتک اس ارتداد کی نوبت پہنچی کہ صرف دو مسجدیں رہ گئیں جن میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ باقی کسی مسجد میں نماز ہی نہیں پڑھی جاتی تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ (الحجرات: ۱۵) مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ دوبارہ اسلام کو قائم کیا اور وہ آدمِ ثانی ہوئے۔ میرے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت بڑا احسان اس اُمّت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں چار جھوٹے پیغمبر ہوگئے۔ مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی ہوگئے تھے۔ اور ان کا نبی ان کے درمیان سے اُٹھ گیا تھا مگر ایسی مشکلات پر بھی اسلام اپنے مرکز پر قائم ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو بات بنی بنائی ملی تھی۔ پھر وہ اس کو پھیلاتے گئے۔ یہاں تک نواحِ عرب سے اسلام نکل کر شام و رُوم تک جا پہنچا اور یہ ممالک مُسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والی مصیبت کسی نے نہیں دیکھی تھی نہ حضرت عمرؓ نے نہ حضرت عثمانؓ نے اور نہ حضرت علیؓ نے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور میرا باپ خلیفہ ہوا اور لوگ مُرتد گئے تو میرے باپ پر اس قدر غم پڑا کہ اگر پہاڑ پر وہ غم پڑتا تو وہ زمین کے برابر ہو جاتا۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ کا مقابلہ ہم کس سے کریں۔ اصل مشکلات اور مصائب کا زمانہ وہی تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت کوئی فتنہ باقی نہ تھا اور حضرت عثمانؓ کو تو میں حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دیتا ہوں اُن کو بھی عمارات کا بڑا شوق تھا۔ حضرت علیؓ کے وقت میں اندرونی فتنے ضرور تھے۔ ایک طرف معاویہ تھے اور دوسری طرف علیؓ۔ اور ان فتنوں کے باعث مُسلمانوں کے خون بہے۔ چھ سال کے اندر اسلام کے لیے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ اسلام کے لیے تو عثمانؓ تک ہی ساری کارروائیاں ختم ہوگئیں۔ پھر تو خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما

حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہوگئے

پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اور خون ہوں۔ اس لیے معاویہ سے گذارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے شیعہ پر زد ہوتی ہے اس لیے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوتے۔ ہم تو دونوں کے ثنا خواں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جُدا جُدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مدنظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونو کی نیت نیک تھی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ یہ الگ امر ہے کہ یزید کے ہاتھ سے بھی اسلامی ترقی ہوئی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ چاہے تو فاسق کے ہاتھ سے بھی ترقی ہو جاتی ہے۔ یزید کا بیٹا نیک بخت تھا۔

ہر شخص اپنے قویٰ کے موافق کام کرتا ہے

اصل یہی ہے کہ ہر شخص اپنے قویٰ کے موافق کام کرتا ہے قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل: ۸۵) بعض لوگ دُنیا داری میں بڑے کامل ہوتے ہیں۔ بعض سادہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ لوگ کھجور کو پیوند کر رہے ہیں۔ یہ پیوند نر کا مادہ کو ہوتا ہے آپ نے انکو منع کیا۔ انہوں نے نہ لگایا۔ اس سال کھجوریں نہ لگیں تو آپ نے فرمایا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی تم اپنے دنیوی معاملات کو بہت جانتے ہو۔

انبیاء علیہم السلام باوجود اس کے کہ بڑے قوی الحوصلہ اور صاحب ہمت لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں قلب رانی کے لیے کہا جاوے تو انہیں کب توفیق ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس غرض کے لیے بنائے ہی نہیں جاتے۔ جس مقصد اور غرض کے لیے وہ آتے ہیں اور اس راہ میں جو تکالیف اور مصائب انہیں اُٹھانے پڑتے ہیں کوئی دوسرا شخص دُنیا کا خواہ وہ کیسا ہی بہادر اور تنومند کیوں نہ ہو وہ ان مشکلات کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کچھ ایسا دل اور حوصلہ عطا کرتا ہے کہ وہ بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ ان کو برداشت کرتے ہیں۔

خود انسان کو دیکھو کہ باوجودیکہ بڑا عقلمند اور عجیب عجیب ایجادیں کرتا ہے مگر بئے کا ساگو نسلا نہیں بنا سکتا۔ اس لیے کہ اس قسم کے قویٰ اُسے نہیں ملے۔ شہد کی مکھی شہد بناتی ہے۔ انسان کا کیا مقدور ہے کہ اس قسم کا شہد بنا سکے۔ وہی بُوٹیاں موجود ہیں۔ مگر انسان عاجز ہے۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے جُدا جُدا طاقت دی ہے۔ اسی طرح ایک طبقہ انا س کا وہ ہے جس کو رُوحانی قوتیں دی جاتی ہیں۔

مُردوں سے استفاضہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ زندگی میں کسی مُردے سے تعلق ہو یا مُرید کا اپنے پیر سے ہو۔ کیا وُہ بھی اس سے فیض پا لیتا ہے؟

فرمایا :-

صُوفی تو کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد بھی فیض پاتا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں ایک دائرہ کے اندر محدود ہوتا ہے اور مرنے کے بعد وہ دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اس کے سب قائل ہیں؛ چنانچہ یہانتک بھی مانا ہے کہ حضرت عیسیٰ جب آسمان سے آئیں گے تو چونکہ وہ علوم عربیہ سے ناواقف ہوں گے، کیا کریں گے؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ علوم عربیہ پڑھیں گے اور حدیث اور فقہ بھی پڑھیں گے بعض کہتے ہیں کہ یہ امر تو ان کے لیے موجب عار ہے کہ وہ کسی مولوی کے شاگرد ہوں۔ اس لیے مانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں بیٹھیں گے اور وہاں بیٹھ کر استفاضہ کریں گے۔ مگر اصل میں یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ مگر اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ قبور سے استفاضہ ہو سکتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ امر بطریق شرک نہ ہو جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔

دارِ فانی

فرمایا :-

ہماری نصیحت یہی ہے کہ ہر شخص گور کے کنارے بیٹھا ہے۔ یہ الگ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اطلاع دیدے اور کسی کو اچانک موت آجاوے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گھر ہے بے بنیاد۔ بہت سے لوگ دیکھے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کے سارے آدمیوں کو مٹی میں دبایا اور اولادوں کو دفن کیا مگر کچھ ایسے سخت دل ہوتے ہیں کہ وہ موت ان پر اثر نہیں کرتی اور تبدیلی ان میں نہیں پائی جاتی۔ یہ بدقسمتی ہے۔ یہ تماشہ سلاطین کے ہاں بہت دیکھا جاتا ہے۔ لاکھوں لاکھ خون ہو جاتے ہیں اور ان پر کوئی اثر نہیں۔ مساکین سے مال لیتے ہیں اور خود عیش کرتے ہیں۔ بڑی بھاری غفلت کا نمونہ ان کے ہاں دیکھا جاتا ہے۔

لہ الحکم جلد ۹ نمبر ۴۳ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۵ء

۲؍دسمبر ۱۹۰۵ء

ایک رؤیا اور ایک الہام

رؤیا دیکھا کہ ایک دیوار پر ایک مُرغی ہے۔ وُہ کچھ بولتی ہے۔ سب فقرات یاد نہیں رہے۔ مگر آخری فقرہ جو یاد رہا یہ تھا:

اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ

(ترجمہ) اگر تم مُسلمان ہو۔

اس کے بعد بیداری ہوئی۔ یہ خیال تھا کہ مُرغی نے یہ کیا الفاظ بولے ہیں۔ پھر الہام ہوا:

اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اگر تم مُسلمان ہو۔

فرمایا کہ:۔

مُرغی کا خطاب اور الہام کا خطاب ہر دو جماعت کی طرف تھے۔ دونوں فقروں میں ہماری جماعت مخاطب ہے۔ چونکہ آجکل روپیہ کی ضرورت ہے۔ لنگر میں بھی خرچ بہت ہے اور عمارت پر بھی بہت خرچ ہو رہا ہے اس واسطے جماعت کو چاہیئے کہ اس حکم پر توجہ کریں۔

پرندوں میں اِنفاق فی سبیل اللہ کا سبق

فرمایا:۔

مُرغی اپنے عمل سے دکھاتی ہے کہ کس طرح اِنفاق فی سبیل اللہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ انسان کی خاطر اپنی ساری جان قربان کرتی ہے اور انسان کے واسطے ذبح کی جاتی ہے۔ اسی طرح مرغی نہایت محنت اور مشقت کے ساتھ ہر روز انسان کے واسطے انڈا دیتی ہے۔

ایسا ہی ایک پرند کی مہمان نوازی پر ایک حکایت ہے کہ ایک درخت کے نیچے ایک مسافر کو رات آ گئی۔ جنگل کا ویرانہ اور سردی کا موسم۔ درخت کے اوپر ایک پرند کا آشیانہ تھا۔ نر اور مادہ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ غریب الوطن آج ہمارا مہمان ہے اور سردی زدہ ہے۔ اس کے واسطے ہم کیا کریں؟ سوچ کر ان میں یہ صلاح قرار پائی کہ ہم اپنا آشیانہ توڑ کر نیچے پھینک دیں اور وہ اس کو جلا کر آگ تاپے؛ چنانچہ انہوں نے کہا کہ یہ بھوکا ہے۔ اس کے واسطے کیا دعوت تیار کی جائے۔ اور تو کوئی چیز

موجود نہ تھی۔ ان دونو نے اپنے آپ کو نیچے اس آگ میں گرا دیا، تاکہ ان کے گوشت کا کباب ان کے مہمان کے واسطے رات کا کھانا ہو جائے۔ اس طرح انہوں نے مہمان نوازی کی ایک نظیر قائم کی۔ سو ہماری جماعت کے مومنین اگر ہماری آواز کو نہیں سُنتے تو اس مرغی کی آواز کو سُنیں۔ مگر سب برابر نہیں۔ کتنے مخلص ایسے ہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ خدائے تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔

۱۴ر دسمبر ۱۹۰۵ء

غیر احمدی کے پیچھے نماز دو آدمیوں نے بیعت کی۔ ایک نے سوال کیا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

وُہ لوگ ہم کو کافر کہتے ہیں۔ اگر ہم کافر نہیں ہیں تو وہ کُفر لوٹ کر اُن پر پڑتا ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے۔ اس واسطے ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ پھر اُن کے درمیان جو لوگ خاموش ہیں وُہ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ اُن کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ اپنے دل کے اندر کوئی مذہب مخالفانہ رکھتے ہیں جو ہمارے ساتھ بظاہر شامل نہیں ہوتے۔[1]

۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء

ایک الہام

فرمایا:

کل پھر الہام ہوا:۔ قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ.

واقفین زندگی کی ضرورت اس پر فرمایا کہ:

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۲ مورخہ ۸ر دسمبر ۱۹۰۵ء

[2] بدر جلد ۱ نمبر ۳۹ صفحہ ۲ مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۵ء

مدرسہ کی حالت دیکھ کر دل پارہ پارہ اور زخمی ہو گیا۔ علماء کی جماعت فوت ہو رہی ہے۔ مولوی عبدالکریم کی قلم ہمیشہ چلتی رہتی تھی۔ مولوی برہان الدین فوت ہو گئے۔ اب قائم مقام کوئی نہیں۔ جو عمر سیدہ ہیں ان کو بھی فوت شدہ سمجھئے۔ دوسرا جیسا کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تقویٰ ہو۔ اس کی تخم ریزی نہیں۔ یہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے؛ ورنہ اچھے آدمی مفقود ہو رہے ہیں۔ آریہ زندگی وقف کر رہے ہیں۔ یہاں ایک طالب علم کے منہ سے بھی نہیں نکلتا۔

ہزار ہا روپیہ قوم کا جو جمع ہوتا ہے وہ ان لوگوں کے لیے خرچ ہوتا ہے جو دنیا کا کیڑا بنتے ہیں۔ یہ حالت تبدیل ہو کر ایسی حالت ہو کہ علماء پیدا ہوں۔ علم دین میں برکت ہے۔ اس سے تقویٰ حاصل ہوتی ہے۔ بغیر اس کے شوخی بڑھتی ہے۔ نبوی علم میں برکت ہے۔

لوگ جو روپیہ بھیجتے ہیں لنگر خانہ کے لیے یا مدرسہ کے لیے۔ اس میں اگر بے جا خرچ ہوں تو گناہ کا نشانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تدبیر کرنے والوں کی قسم کھائی ہے۔ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (النّٰزعٰت:۶) میں تو ایسے آدمیوں کی ضرورت سمجھتا ہوں جو دین کی خدمت کریں۔ میرے نزدیک زبان دانی ضروری ہے۔ انگریزی پڑھنے سے میں نہیں روکتا۔ میرا مدعا یہ ہے اور میں نے پہلے بھی سوچا ہے اور جب سوچا ہے میرے دل کو صدمہ پہنچا ہے کہ ایک طرف تو زندگی کا اعتبار نہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی وحی قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا اس مدرسہ کی بنا سے غرض یہ تھی کہ دینی خدمت کیلئے لوگ تیار ہو جاویں۔ یہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے۔ پہلے گذر جاتے ہیں۔ دوسرے جانشین ہوں۔ اگر دوسرے جانشین نہ ہوں تو قوم کے ہلاک ہونے کی جڑ ہے۔ مولوی عبدالکریم اور دوسرے مولوی فوت ہو گئے اور جو فوت ہوتے ہیں ان کا قائم مقام کوئی نہیں۔ دوسری طرف ہزار ہا روپیہ جو مدرسہ کے لیے لیا جاتا ہے پھر اس سے فائدہ کیا؟ جب کوئی تیار ہو جاتا ہے تو دنیا کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ اصل غرض مفقود ہے۔ میں جانتا ہوں جبتک تبدیلی نہ ہوگی کچھ نہ ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی جماعت دوحانی سپاہیوں کے تیار کرنے والے تھے وہ نہیں رہے دور چلے گئے ہیں۔ ہمیں کیا غرض ہے کہ قدم بقدم ان لوگوں کے چلیں جو دنیا کے لیے چلتے ہیں[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۰۹ء

۷/دسمبر ۱۹۰۵ء

وفات کے متعلق الہامات

فرمایا :

اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے۔ پانچ چھ روز سے یہی متواتر الہام ہو رہا ہے۔ انسان جن چیزوں کی بابت تمنا کرتا ہے ان کی بابت چاہتا ہے کہ معلوم ہوں۔ جن سے کراہت کرتا ہے چاہتا کہ وہ نامعلوم ہوں۔ مگر عادت اللہ یہ نہیں کہ وہ انسانی خواہشات کی پیروی کرے۔ مجھے پانچ چھ روز سے فجر کے قریب یہ الہام ہوتا ہے۔ قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ۔ آج اس کے ساتھ یہ بھی تھا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق سُنّت اللہ یہی ہے کہ وہ تخم ریزی کر جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحابہؓ کا خیال غلط نکلا۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کو فتح کریں گے۔ انہوں نے آپؐ کی وفات کو قبل از وقت سمجھا، مگر ابوبکرؓ کی فراست صحیح تھی۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ۔ مولوی عبدالکریم صاحب کے متعلق جو الہام ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب نصرتِ الٰہی ظاہر ہو۔ میرا مذہب یہی ہے کہ طولِ امل کے طور پر کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ انبیاء علیہم السلام جس قدر آتے ہیں وہ تخم ریزی کر جاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب میں اشاعتِ اسلام کی اور ان میں سے بھی بعض اَسْلَمْنَا میں داخل تھے۔ یہ گویا تخم ریزی تھی۔

وفات پا جانیوالے چند اصحاب کا ذکرِ خیر

مولوی بُرہان الدین صاحب کے متعلق فرمایا کہ :

وہ اوّل ہی اوّل ہوشیار پور میں میرے پاس گئے۔ ان کی طبیعت میں حق کے لیے ایک سوزش اور جلن تھی۔ مجھ سے قرآن شریف پڑھا۔ بائیس برس سے میرے پاس آتے تھے۔ صُوفیانہ مذاق تھا۔ جہاں فقراء کو دیکھتے وہیں چلے جاتے۔ میرے ساتھ بڑی محبت رکھتے تھے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ماتم پُرسی کے لیے لکھ دُوں۔ بہتر ہے کہ ان کا جو لڑکا ہو وہ یہاں آجاوے۔ تاکہ وہ باپ کی جا بجا

ہو۔ اسے لکھو کہ وہ دین کی تکمیل کرے۔ کیونکہ باپ کی ہی روش پر ہونا چاہیئے۔
منشی جلال الدین بھی بڑے مخلص تھے اور ان کے ہمنام پیر کوٹ والے بھی۔ دونوں میں سے ہم کسی کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ سال گذشتہ میں ہمارے کئی دوست جُدا ہو گئے۔ مولوی جمال الدین سیدوالہ بھی۔ مولوی شیر محمد ہوجن والے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ میں کوئی مصالح رکھے ہوں گے۔ اس سال میں حُزن کے معاملات دیکھنے پڑے۔[1]

۸ر دسمبر ۱۹۰۵ء

ایک مثالی قبرستان کی تجویز میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے لیے ایک زمین تلاش کی جاوے جو قبرستان ہو۔ یادگار ہو اور عبرت کا مقام ہو۔

قبروں پر جانے کی ابتداءً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کی تھی۔ جب بُت پرستی کا زور تھا۔ آخر میں اجازت دے دی۔ مگر عام قبروں پر جاکر کیا اثر ہوگا جن کو جانتے ہی نہیں۔ لیکن جو دوست ہیں اور پارسا طبع ہیں ان کی قبریں دیکھ کر دل نرم ہوتا ہے۔ اس لیے اس قبرستان میں ہمارا ہر دوست جو فوت ہو اس کی قبر ہو۔ میرے دل میں خدا تعالیٰ نے پختہ طور پر ڈال دیا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ جو خارجًا مخلص ہو اور وہ فوت ہو جاوے اور اس کا ارادہ ہو کہ اس قبرستان میں دفن ہو۔ وہ صندوق میں دفن کر کے یہاں لایا جاوے۔ اس جماعت کو بہ ہیئتِ مجموعی دیکھنا مفید ہوگا۔ اس کے لیے اوّل کوئی زمین لینی چاہیئے اور میں چاہتا ہوں کہ باغ کے قریب ہو۔

فرمایا:

عجیب مؤثر نظارہ ہوگا جو زندگی میں ایک جماعت تھے مرنے کے بعد بھی ایک جماعت ہی نظر آئے گی۔ یہ بہت ہی خوب ہے۔ جو پسند کریں وہ پہلے سے بندوبست کر سکتے ہیں کہ یہاں دفن ہوں۔ جو لوگ صالح معلوم ہوں ان کی قبروں دُور نہ ہوں۔ ریل نے آسانی کا سامان کر دیا ہے اور اصل تو یہ ہے مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (لقمان: ۳۵) مگر اس میں یہ کیا لطیف نکتہ ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۱۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ر جنوری ۱۹۱۰ء

بِاَیِّ اَرْضٍ تُدْفَنُ نہیں لکھا۔ صلحاء کے پہلو میں دفن بھی ایک نعمت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے، کہ مرض الموت میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جو جگہ ہے انہیں دی جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سے کام لے کر وہ جگہ ان کو دیدی تو فرمایا :

مَا بَقِیَ لِیْ هَمٌّ بَعْدَ ذَالِكَ

یعنی اس کے بعد اب مجھے کوئی غم نہیں۔ جبکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں مدفون ہوں۔ مجاورت بھی خوشحالی کا موجب ہوتی ہے۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ اور یہ بدعت نہیں کہ قبروں پر کتبے لگائے جاویں۔ اس سے عبرت ہوتی ہے اور ہر کتبہ جماعت کی تاریخ ہوتی ہے۔ ہماری نصیحت یہ ہے کہ ایک طرح سے ہر شخص گور کے کنارے ہے کسی کو موت کی اطلاع مل گئی اور کسی کو اچانک آجاتی ہے یہ گھر بے بنیاد بہت سے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے گھر بالکل ویران ہو جاتے ہیں۔ ایسے واقعات کو انسان دیکھتا ہے۔ جبتک مٹی ڈالتا ہے دل نرم ہوتا ہے۔ پھر دل سخت ہو جاتا ہے یہ بدقسمتی ہے۔[1]

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء

ایک الہام اور اس کی لطیف تشریح

یَا قَمَرُ یَا شَمْسُ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ

(ترجمہ) اے چاند اے سورج تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں

فرمایا :-

اس الہام میں خدا تعالیٰ نے ایک دفعہ اپنے آپ کو سورج فرمایا ہے اور مجھے چاند اور دوسری دفعہ مجھے سورج فرمایا ہے اور اپنے آپ کو چاند۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے میری نسبت یہ ظاہر فرمایا ہے کہ میں ایک زمانہ میں پوشیدہ تھا اور اس کی روشنی

---

[1] الحکم جلد ۱۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۳ مورخہ ۷ر جنوری ۱۹۰۹ء

کے انعکاس سے میں ظاہر ہوا۔ اور پھر فرمایا کہ ایک زمانہ میں وہ خود پوشیدہ تھا۔ پھر وہ روشنی جو مجھے دی گئی اس روشنی نے اس کو ظاہر کیا۔ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَاضٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ۔ یعنی چاند کا نور سورج کے نُور سے فیض حاصل کرنے والا ہے۔ پس اس الہام میں اوّل خدا تعالیٰ نے اپنے تئیں سُورج قرار دیا اور اس کے انوار اور فیوض کے ذریعہ سے مجھ میں نُور پیدا ہونا بیان فرمایا۔ اس لیے مَیں قمر کہلایا۔ پھر چونکہ میری روشنی سے جو مجھے دی گئی اس کا نام روشن ہوا۔ اس لیے اس بنا پر مجھے سُورج قرار دیا گیا اور خدا تعالیٰ نے آپ کو قمر قرار دیا کیونکہ وہ میرے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ اور اس نے اپنا زندہ وجود میرے وسیلہ سے لوگوں پر نمایاں کیا۔

یہ شمس و قمر کا خطاب الہام کے دُوسرے حصّہ کی تشریح ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ یہ ایک ایسی نظیر ہے جو انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتی۔[1]

تقریر حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جو ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء کو قبل دوپہر آپ نے مہمان خانہ جدید میں فرمائی

مَیں نے یہ امر پیش کیا تھا کہ ہماری جماعت میں سے ایسے لوگ تیار ہونے چاہئیں جو واقعی طور پر دین سے واقف ہوں اور اس لائق بھی ہوں کہ وُہ ان حملوں کا جو بیرونی اور اندرونی طور پر اسلام پر ہو رہے ہیں، پورا پورا جواب دے سکیں[2]۔ اسلام کی اندرونی بدعات اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ ان کی وجہ اور جہالت سے ہم کافر ٹھہرائے گئے ہیں۔ اور ہم ایسی کراہت کی نظر سے دیکھے گئے ہیں کہ حال کے مخالف علماء کے فتووں کے موافق ہماری جماعت مسلمانوں کے قبرستان میں بھی داخل ہونے کے قابل نہیں۔

---

[1] بدر جلد ۱ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۰۵ء

[2] بدر میں ہے کہ مدرسہ کے متعلق اصلاح کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے یہ بات بیان فرمائی :-
ملاحظہ ہو :- بدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۲ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء

جماعت کی مخالفت کی وجوہات

اندرونی طور پر یہ حالت ہے اور بیرونی دشمن اور مخالف ہمارے فرقہ سے اس درجہ مخالفت اور عداوت رکھتے ہیں اور اس حد تک ہم کو اور ہماری جماعت کو بُرا کہتے ہیں کہ گویا ہم سے ذاتی عداوت ہے۔ اور کسی فرقہ سے ایسی عداوت نہیں۔ عیسائی پادریوں کے سینہ پر بھاری پتھر یہی جماعت ہے۔ آریوں کی نظر کے سامنے سخت دشمن ہم ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی دو وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ کمربستہ ہو کر کفر اور مخالفوں کے طریق کو دُور کرنا ہمارا ہی کام ہے۔ ہم میں نفاق کا شعبہ نہیں پایا جاتا اور حقیقت میں جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی طرف سے آکر تبلیغ کرتا ہے، اس میں نفاق ہوتا ہی نہیں۔ پس ہم چونکہ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور اظہارِ حق سے نہیں رُکتے اور نہیں دبتے اس لیے طبعاً ہم انہیں بُرے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔

دُوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا عکس دُوسروں کے دل پر ضرور پڑتا ہے اور انسان تو انسان حیوانوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے مثلاً ایک بکری کو جس نے ساری عُمر میں کبھی بھیڑیئے کو نہ دیکھا ہو اور ایسا ہی بھیڑیئے نے بھی نہ دیکھا ہو؛ تاہم جب ایک دُوسرے کو دیکھیں گے تو ایک دُوسرے کے دل پر وہ اثر جو ان تعلقات کا ہو سکتا ہے ضرور پڑے گا۔ اسی طرح پر یہ ہمارے مخالف فطرتاً جانتے ہیں کہ ہمارے غلط عقائد کا استیصال اس فرقہ کے ذریعہ ہوگا اور اس لیے وہ فطرتاً ہمارے دشمن ہیں اور فی الحقیقت یہ سچی بات ہے کہ جو آسمان سے نازل ہوتا ہے، اس کا اثر سب پر پڑتا ہے۔ سیاہ دل اور کافر بھی اس اثر کو محسوس کرتے ہیں اور ایسا ہی نیک طینت اور سعید الفطرت بھی اس اثر سے متاثر ہوتے ہیں چونکہ اس کی غرض ہر بدی کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس لیے ان بدیوں کے حامی اس کی مخالفت کو ضرور اُٹھتے ہیں۔ پھر ہم مخالفت سے کیونکر بچ سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے اور آپؐ نے دعوت کی تو جس قدر مخالفت آپؐ کی کی گئی اور جس قدر دُکھ آپؐ کو دیئے گئے کسی جھوٹے پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ خود آپؐ ہی کے زمانہ میں جھوٹے پیغمبر بھی اُٹھے مگر کوئی بتا سکتا ہے کہ مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی کو بھی اس قسم کے دُکھ دیئے گئے اور ان کی بھی ویسی ہی مخالفت کی گئی؟ میں سچ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دُکھ دیا گیا کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ بیان کریں اور نہ الفاظ مل سکتے ہیں کہ اُن کی تفصیل پیش کریں۔ اور آپؐ کے بالمقابل جھوٹے نبیوں کو کوئی دُکھ نہیں دیا گیا۔ اس کی کیا وجہ

تھی؛ یہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فطرتاً دلوں پر اثر پڑ گیا تھا کہ یہی شخص ہے جو اس کفر اور بدعت کو جو اس وقت پھیل رہی ہے دُور کر دے گا اور آخر وہ ہو کر رہا۔

اسی طرح پر آج ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے مخالف طبعاً یقین کرتے ہیں کہ ان کے غلط عقائد کا استیصال ہمارے ہی ہاتھ سے ہوگا۔ اس لیے وہ فطرتاً ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہم کو دُکھ دینے میں کوئی کمی نہیں کرتے مگر اُن کے یہ دُکھ اور ایذائیں ہمیں اپنے کام سے نہیں روک سکتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ آجکل ہم بہت ہی غریب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارا کوئی بھی نہیں۔ اور وہی ہمیں بس ہے۔ ہمیشہ ہمارے خلاف یہ کوشش کی جاتی ہے کہ جب اور جس طرح کسی کا بس چلے اس تھوڑی سی قوم کو نابُود کر دیا جاوے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ وہ ہماری حفاظت کرتا ہے؛ ورنہ مخالفت کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی بیرونی مخالف مقدمہ کرے تو اندرونی مخالف اس سے سازش کرتے ہیں اور اس کو ہر قسم کی مدد دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی اندرونی مخالف حملہ کرے تو بیرونی دشمن اس سے آملتے ہیں۔ اور پھر سب ایک ہو کر مخالفت میں اُٹھتے ہیں۔

یہ ساری مخالفتیں بے حقیقت ہیں

ان ساری مخالفتوں، عداوتوں کو میں دیکھتا ہوں اور برداشت کرتا ہوں اور مجھے یہ سب بے حقیقت نظر آتی ہیں جب خدا تعالیٰ کے وعدوں پر نظر کرتا ہوں۔

چنانچہ اس کا ایک وعدہ یہ ہے جو پچیس برس ہوئے اشاعت پا چکا ہے۔ براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے۔ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (آل عمران: ۵۶)۔

یہ وعدہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے منکروں کو میرے متبعین پر غالب نہیں کرے گا بلکہ وُہ مغلوب ہی رہیں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر لوگ اس فرقۂ حقہ کے مخالف ہیں خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی مغلوب رہیں گے۔

پس اس وعدۂ الٰہی کو دیکھ کر ساری مخالفتیں اور عداوتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ اگرچہ ہم مطمئن ہیں کہ یہ وعدے پورے ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدے سچے ہیں وہ پورے ہو کر رہتے ہیں۔ کوئی انسان ان کو روک نہیں سکتا۔

مجاہدہ اور سعی کی ضرورت

تاہم دنیا جائے اسباب ہے۔ اس لیے اسباب سے کام لینا چاہیئے۔ دُنیا میں لوگ حصولِ مقاصد

کے لیے سعی کرتے ہیں اور اپنے اپنے رنگ میں ہر شخص کوشش کرتا ہے۔ دیکھو ایک کسان کی خواہ کیسی ہی عمدہ زمین ہو۔ آب پاشی کے لیے کنواں بھی ہو لیکن پھر بھی وہ تردد کرتا ہے۔ زمین کو جوتتا ہے قلبہ رانی کر کے اس میں بیج ڈالتا ہے۔ پھر اس کی آب پاشی کرتا ہے۔ حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے اور بہت کوشش اور محنت کے بعد وہ اپنا ماحصل حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پر ہر قسم کے معاملات میں دنیا کے ہوں یا دین کے محنت، مجاہدہ اور سعی کی حاجت اور ضرورت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا اثر

اوائل صدرِ اسلام میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ کو وہ قوتِ قدسی عطا ہوئی کہ جس کے قوی اثر سے ہزاروں با اخلاص اور جان نثار مسلمان پیدا ہو گئے۔ آپ کی جماعت ایک ایسی قابلِ قدر اور قابلِ رشک جماعت تھی کہ ایسی جماعت کسی نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ میں نے اس امر کے بیان کرنے میں ہرگز ہرگز مبالغہ نہیں کیا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ جماعت جس مقام اور درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اس کو پورے طور پر بیان ہی نہیں کر سکتے۔ ہمارے مخالف علماء اور دُوسرے فرقے اگرچہ ہمارے مخالف ہیں تاہم وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس بیان میں ہم نے مبالغہ کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت تو ایسی شریر، کج فہم تھی کہ وہ حضرت موسیٰ کو پتھراؤ کرنا چاہتی تھی۔ بات بات میں سرکشی اور ضد کر بیٹھتے تھے۔ توریت کو پڑھو تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی حالت کیسی تھی۔ وہ ایک سنگدل قوم تھی۔ کیا توریت میں ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کہا گیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہاں تو سرکش، ٹیڑھی، شریر وغیرہ ہی لکھا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت، وہ اس سے بدتر تھی۔ جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ خود حضرت عیسیٰ اپنی جماعت کو لالچی، بے ایمان کہتے رہے بلکہ یہاں تک بھی کہا کہ اگر تم میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو تو تم میں یہ برکات ہوں وہ برکات ہوں غرض وہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جماعت سے ناراض ہی گئے اور انہیں ایک وفادار جماعت کے میسر نہ آنے کا افسوس ہی رہا۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ نہ توریت میں اور نہ انجیل میں کہیں بھی ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ نہیں کہا گیا۔ مگر برخلاف اس کے جو جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی تھی اور جس نے آپ کی قوتِ قدسی سے اثر پایا تھا اس کے لیے قرآن شریف میں آیا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ (البینۃ: ۹) اس کا سبب کیا ہے؟ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ کا نتیجہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجوہِ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ

کی جماعت تیار کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لے کر آخر تک کسی کو نہیں ملی۔

جماعت کی موجودہ حالت

میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ہم کو بھی ایسی جماعت نہیں ملی۔ جب ہم کسی امر میں فیصلہ کر دیں تو تھوڑے ہیں جو اس کو شرح صدر سے منظور کر لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تو وہ ایسے فدائی اور جاں نثار تھے کہ جانیں دے دیں۔ اب اگر اتنا ہی کہا جاوے کہ سو دو سو کوس پر جاؤ اور وہاں دو چار برس تک بیٹھے رہو تو پھر گننے مننے لگ جاویں۔ زبان سے تو کہنے کو کہہ دیتے ہیں کہ آپ جو کر دیں ہم کو منظور ہے لیکن جب کہا جاوے تو پھر ناراضگی کا موجب ہوتا ہے۔ یہ نفاق ہوتا ہے۔ میں منافقوں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ منافقوں کی نسبت فرماتا ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۶)

یقیناً یاد رکھو کہ منافق کافر سے بھی بدتر ہے، اس لیے کہ کافر میں شجاعت اور قوتِ فیصلہ تو ہوتی ہے۔ وہ دلیری کے ساتھ اپنی مخالفت کا اظہار کر دیتا ہے مگر منافق میں شجاعت اور قوتِ فیصلہ نہیں ہوتی۔ وُہ چھپاتا ہے۔

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر جماعت میں وہ اطاعت ہوتی جو ہونی چاہیئے تھی تو اب تک یہ جماعت بہت کچھ ترقی کر لیتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ ابھی تک کمزور ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ میرا کہا نہیں مانتے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی ابتلا آجاوے تو موت آجاوے۔ جماعت کی ایسی حالت دیکھ کر دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے امر اور وحی سے قبرستان کی تجویز

اب جو بار بار اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ تیری اجل کے دن قریب ہیں۔ جیسا کہ یہ الہام ہے:۔

قَرُبَ أَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ۔ وَلَا نُبْقِي لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا

ایسا ہی اُردو زبان میں بھی فرمایا:

بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی۔

غرض جب خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر کر دیا کہ اب تھوڑے دن باقی ہیں تو اسی لیے میں نے وہ تجویز سوچی جو قبرستان کی ہے۔ اور یہ تجویز میں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور وحی سے کی ہے اور اسی کے امر سے اس کی بنا رکھی ہے کیونکہ اس کے متعلق عرصہ سے مجھے خبر دی گئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ یہ

تجویز بھی بہت سے لوگوں کے لیے ابتلاء کا موجب ہوگی لیکن اس بنا سے غرض یہی ہے کہ تا آنیوالی نسلوں کے لیے ایک ایسی قوم کا نمونہ ہو جیسے صحابہؓ کا تھا اور تا لوگ جانیں کہ وہ اسلام اور اس کی اشاعت کے لیے فداشدہ تھے۔ ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اتنی ہی بات پر راضی ہو جاوے اور وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے؛ حالانکہ وہ ابھی امتحان میں نہیں ڈالے گئے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (اٰل عمران: ۹۳) یعنی اس وقت تک تم حقیقی نیکی کو حاصل ہی نہیں کر سکتے جبتک تم اس چیز کو خرچ نہ کرو گے جو تم کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔

اب غور کرو۔ جبکہ حقیقی نیکی اور رضاء الٰہی کا حصول ان باتوں کے بغیر ممکن ہی نہیں تو پھر نری لاف گزاف سے کیا ہو سکتا ہے۔ صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ ان میں سے مثلاً ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قدم اور صدق تھا کہ سارا مال ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ یہ کہ خدا تعالےٰ کے لیے زندگی وقف کر چکے تھے۔ اور انہوں نے اپنا کچھ بھی نہ رکھا تھا۔ مومن کی بھلائی کے دن بھلے آتے ہیں تو ایسے موقعوں پر جبکہ اس کو کچھ خرچ کرنا پڑے خوش ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ جوہرِ صدق و صفا کے جو اب تک چھپے ہوتے تھے ظاہر ہوں گے۔ برخلاف اس کے منافق ڈرتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اب اس کا نفاق ظاہر ہو جائے گا۔

یہ قبرستان کا امر بھی اسی قسم کا ہے مومن اس سے خوش ہوں گے اور منافقوں کا نفاق ظاہر ہو جائے گا۔ میں نے اس امر کو جبتک تواتر سے مجھ پر نہ کھلا پیش نہیں کیا۔ اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ آخر ہم سب مرنے والے ہیں۔ اب غور کرو کہ جو لوگ اپنے بعد اموال چھوڑ جاتے ہیں وہ اموال ان کی اولاد کے قبضہ میں آتے ہیں۔ مرنے کے بعد انہیں کیا معلوم کہ اولاد کیسی ہو؟ بعض اوقات اولاد ایسی شریر اور فاسق فاجر نکلتی ہے کہ وہ سارا مال شراب خانوں اور زنا کاری میں اور ہر قسم کے فسق و فجور میں تباہ کیا جاتا ہے اور اس طرح پر وہ مال بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتا ہے اور چھوڑنے والے پر عذاب کا موجب ہو جاتا ہے جبکہ یہ حالت ہے تو پھر کیوں تم اپنے اموال کو ایسے موقع پر خرچ نہ کرو جو تمہارے لیے ثواب اور فائدہ کا باعث ہو۔ اور وہ یہی صورت ہے کہ تمہارے مال میں دین کا بھی حصّہ ہو۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اگر تمہارے مال میں دین کا بھی حصّہ ہے تو اس بدی کا تدارک ہو جائے گا۔ جو اس مال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ یعنی جو بدی اولاد کرتی ہے۔

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم اس بات کو خوب یاد رکھو کہ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور ایسا ہی دُوسرے نبیوں نے بھی کہا ہے یہ سچ ہے کہ دولت مند کا بہشت میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کا مال اس کے لیے بہت سی روکوں کا موجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا مال تمہارے واسطے ہلاکت اور ٹھوکر کا باعث نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اُسے دین کی اشاعت اور خدمت کے لیے وقف کرو۔

سچا مومن کون ہے؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مومن اور بیعت میں داخل ہوتا ہے جو دین کو دُنیا پر مقدم کرے جیسا کہ وہ بیعت کرتے وقت کہتا ہے۔ اگر دُنیا کی اغراض کو مقدم کرتا ہے تو وہ اس اقرار کو توڑتا ہے اور خدا تعالےٰ کے نزدیک وہ مجرم ٹھہرتا ہے۔ پس اسی غرض سے یہ اشتہار (الوصیت) میں نے خدا تعالےٰ کے اذن سے دیا ہے۔ سچی بات یہی ہے۔ سال دیگر را کہ مے داند حساب۔ لیکن جبکہ خدا تعالےٰ کی متواتر وحی نے مجھ پر کھولا کہ وقت قریب ہے اور اجلِ مقدر کا الہام ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ ہی کے اشارہ سے یہ اشتہار دیا کہ تا آئندہ کے لیے اشاعتِ دین کا سامان ہو اور تا لوگوں کو معلوم ہو کہ آمنّا و صدقنا کہنے والوں کی عملی حالت کیا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ جبتک انسان کی عملی حالت درست نہ ہو زبان کچھ چیز نہیں۔ یہ نری لاف گزاف ہے۔ زبان تک جو ایمان رہتا ہے اور دل میں داخل ہو کر اپنا اثر عملی حالت پر نہیں ڈالتا وہ منافق کا ایمان ہے۔ سچا ایمان وہی ہے جو دل میں داخل ہو اور اسکے اعمال کو اپنے اثر سے رنگین کر دے۔ سچا ایمان ابوبکرؓ اور دُوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا، کیونکہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال تو مال جان تک کو دے دیا اور اس کی پروا بھی نہ کی۔ جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوتی، مگر صحابہؓ نے اُسے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ انہوں نے کبھی اس بات کی پروا بھی نہیں کی کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی یا بچے یتیم رہ جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے کہ خُدا تعالےٰ کی راہ میں ہماری زندگیاں قربان ہوں۔

مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش دل پر ہو جاتا ہے اور کیسی بابرکت وہ قوم تھی اور آپؐ کی قوتِ قدسیہ کا کیسا قوی اثر تھا کہ اس قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ غور کر کے دیکھو کہ آپؐ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ایک حالت اور وقت ان پر ایسا تھا کہ تمام محرمات ان کے لیے شیرِ مادر کی طرح تھیں۔ چوری، شراب خوری، زنا، فسق و فجور سب

کچھ تھا۔ غرض کونسا گناہ تھا جو اُن میں نہ تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تربیت سے اُن پر وُہ اثر ہوا۔ اور ان کی حالت میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی اور کہا اَللّٰہ اَللّٰہ فِیْ اَصْحَابِیْ۔ گویا بشریت کا چولہ اُتار کر مظہر اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم : ۷) کے مصداق ہیں ٹھیک ایسی ہی حالت صحابہؓ کی ہو گئی تھی۔ ان کے دلی ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دُور ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا کچھ رہا ہی نہیں۔ نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور اس کے لیے وُہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔ قرآن شریف ان کی اس حالت کے متعلق فرماتا ہے: مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔ (الاحزاب: ۲۴)

دین کو دُنیا پر مقدم کرلو

یہ حالت انسان کے اندر پیدا ہو جانا آسان بات نہیں کہ وہ خُدا تعالےٰ کی راہ میں جان دینے کو آمادہ ہو جاوے مگر صحابہؓ کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے اس فرض کو ادا کیا۔ جب انہیں حکم ہوا کہ اس راہ میں جان دے دو پھر وُہ دُنیا کی طرف نہیں جُھکے پس یہ ضروری امر ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کرلو۔

یاد رکھو اب جس کا اُصول دُنیا ہے اور پھر وہ اس جماعت میں شامل ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ اس جماعت میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی اس جماعت میں داخل اور شامل ہے جو دنیا سے دست بردار ہے۔ یہ کوئی مت خیال کرے کہ مَیں ایسے خیال سے تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ خدا شناسی کی راہ سے دُور لے جانے والا خیال ہے۔ خدا تعالےٰ کبھی اس شخص کو جو محض اسی کا ہو جاتا ہے۔ ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ خود اس کا متکفّل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کریم ہے جو شخص اس کی راہ میں کچھ کھوتا ہے وہی کچھ پاتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کو پیار کرتا ہے اور انہیں کی اولاد بابرکت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کا سچا فرماں بردار ہو وہ یا اس کی اولاد تباہ و برباد ہو جاوے۔ دُنیا ان لوگوں ہی کی برباد ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کو چھوڑتے ہیں اور دُنیا پر جھکتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہر امر کی طناب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بغیر کوئی مقدمہ فتح نہیں ہو سکتا۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور کسی قسم کی آسائش اور راحت میسّر نہیں آسکتی دولت ہو سکتی ہے مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مرنے کے بعد یہ بیوی یا بچوں کے ضرور کام آئے گی۔ ان باتوں پر غور کرو اور اپنے اندر ایک نئی تبدیلی پیدا کرو۔

غرض مجھے افسوس ہوتا ہے جب مَیں جماعت کو دیکھتا ہوں کہ یہ ابھی تھوڑے ابتلا کے بھی لائق نہیں

وجہ یہ ہے کہ ابھی تک وہ قوتِ ایمانی پیدا نہیں ہوئی جو ہونی چاہیئے۔ ابھی تک جو تعریف کی جاتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی ستاری کرا رہی ہے۔ لیکن جب کوئی ابتلاء اور آزمائش آتی ہے تو وہ انسان کو ننگا کر کے دکھا دیتی ہے۔ اس وقت وہ مرض جو دل میں ہوتی ہے اپنا پورا اثر کر کے انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ (البقرۃ: ۱۱) یہ مرض ابتلاء ہی کے وقت بڑھتی اور اپنا پورا زور دکھاتی ہے خدا تعالیٰ کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ دلوں کی مخفی قوتوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے دل میں ایک نور رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا صدق اور اخلاص ظاہر کر دیتا ہے اور جو دل میں خبث اور شرارت رکھتا ہے اس کو بھی کھول کر دکھا دیتا ہے اور کوئی بات چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی۔

ایک صادق جماعت ملنے کا وعدہ

یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ پیارے نہیں ہیں جن کی پوشاکیں عمدہ ہوں اور وہ بڑے دولت مند اور خوش خور ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ پیارے ہیں جو دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتے ہیں اور خالص خدا ہی کے لیے ہو جاتے ہیں پس تم اس امر کی طرف توجہ کرو نہ پہلے امر کی طرف۔ اگر میں جماعت کی موجودہ حالت پر ہی نظر کروں تو مجھے بہت غم ہوتا ہے کہ ابھی بہت ہی کمزور حالت ہے اور بہت سے مراحل باقی ہیں جو اس نے طے کرنے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر نظر کرتا ہوں جو اس نے مجھ سے کئے ہیں تو میرا غم امید سے بدل جاتا ہے۔ منجملہ اس کے وعدوں کے ایک یہ بھی ہے، جو فرمایا:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اٰل عمران: ۵۶)

یہ تو سچ ہے کہ وہ میرے متبعین کو میرے منکروں اور میرے مخالفوں پر غلبہ دے گا۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ متبعین میں سے ہر شخص محض میرے ہاتھ پر بیعت کرنے سے داخل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے اندر وہ اتباع کی پوری کیفیت پیدا نہیں کرتا متبعین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پوری پوری پیروی جب تک نہیں کرتا۔ ایسی پیروی کہ گویا اطاعت میں فنا ہو جاوے اور نقشِ قدم پر چلے، اس وقت تک اتباع کا لفظ صادق نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسی جماعت میرے لیے مقدر کی ہے جو میری اطاعت میں فنا ہو اور پورے طور پر میری اتباع کرنے والی ہو۔ اس سے مجھے تسلی ملتی اور میرا غم امید سے بدل جاتا ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ ایسی جماعت نہ ہو گی نہیں جماعت تو ضرور ہو گی اس لیے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ایسے لوگ ضرور ہوں گے۔ مگر غم اس

بات کا ہے کہ ابھی جماعت کچی ہے اور پیغامِ موت آرہا ہے۔ گویا جماعت کی حالت اس بچہ کی سی ہے جس نے ابھی دو چار روز دُودھ پیا ہو اور اس کی ماں مرجائے[1]

بہرحال خدا تعالیٰ کے وعدوں پر میری نظر ہے اور وہ خدا ہی ہے جو میری تسکین اور تسلی کا باعث ہے۔ ایسی حالت میں کہ جماعت کمزور اور بہت کچھ تربیت کی محتاج ہے۔ یہ ضروری امر ہے کہ مَیں تمہیں توجہ دلاؤں کہ تم خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرو۔ اور اسی کو مقدم کرلو اور اپنے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک جماعت کو ایک نمونہ سمجھو ان کے نقشِ قدم پر چلو۔

صحابہ کرام کی پاک جماعت کا نمونہ

مَیں ابھی بیان کرچکا ہوں کہ وہ ایک ایسی صادق جماعت تھی جو اپنے ایمان قوی کے لحاظ سے جان فدا کرنے میں بھی دریغ نہ کرتی تھی بلکہ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ اس کی نظیر مل سکتی ہی نہیں۔ جب ہم دوسری قوموں کا اُن سے مقابلہ کرتے ہیں تو اُن کی عظمت اور شوکت کا اَور بھی دل پر اثر ہوتا ہے۔ اور جس قدر غور کرتے جاویں آپؐ کے مراتب اور مدارج پر حیرت ہوتی ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی قوتِ قدسی عنایت فرمائی تھی اور اس میں ایسی تاثیر اور طاقت رکھی تھی کہ صحابہؓ جیسی جان نثار قوم آپؐ نے تیار کی۔ آپؐ ایسی قوم چھوڑ گئے تھے جو خالص خدا ہی کے لیے قدم اٹھانے والی تھی۔ وُہ خدا تعالےٰ کی راہ میں ایسے سرگرم اور تیار تھے اور اس راہ میں انہیں جان دے کر ایسی خوشی ہوتی تھی کہ آجکل کے دُنیا داروں کو کسی مقدمہ کی فتح سے بھی وہ خوشی نہیں ہوسکتی۔ وہ بالکل خدا ہی کے لیے ہوگئے تھے۔ ایسی زبردست اور بے مثل تبدیلی کوئی نبی اپنی قوم میں پیدا نہیں کرسکا۔ لکھا ہے کہ ایک صحابیؓ جنگ کر رہا تھا۔ اس نے دشمن پر تلوار ماری، لیکن وہ تلوار دشمن کو تو نہ لگی اُلٹ کر اُسی کے آلگی۔ بعض نے کہا کہ وہ شہید نہیں ہوا۔ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، تو اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کہ کیا مَیں شہید نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اُسے اس بات کا سخت غم تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تجھ کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس لیے کہ ایک تو تُو نے دشمن پر حملہ کیا۔ دُوسرے خود اسی راہ میں مارا گیا۔ بات کیا تھی؟ صرف یہ کہ وہ نہ چاہتے تھے کہ یہ مرتبہ شہادت ہم سے

---

[1] حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مُنہ سے جس وقت یہ جُملے نکلے ان میں کچھ ایسا درد اور رقت تھی کہ اس نے سامعین کو بے قرار کردیا اور کئی آدمی جو آخر ضبط نہ سکے پھُوٹ پھُوٹ کر رو پڑے۔ (ایڈیٹر)

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء۔

رہ جاوے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیا تھا اور اتنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت الٰہی میں اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئے تھے اور اسی وجہ سے ان کی عقل فہم اور فراست میں بہت بڑی ترقی ہو گئی تھی۔

ایک انگریز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ لکھتا ہے کہ صحابہؓ میں علاوہ اس کے کہ ان میں صدق اور ایمان کی وہ طاقت موجود تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سر دینے کو تیار ہو جاتے تھے اور ایسی جگہ کھڑے ہوتے تھے، جہاں بجز جان دینے کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہوتا تھا، لیکن برخلاف اس کے مسیح کے حواریوں کی یہ حالت تھی کہ خود انہیں میں سے ایک نے تیس روپے لے کر پکڑوا دیا اور دوسرے اس کے پاس سے بھاگ گئے اور دو گھڑی بھی اس کے ساتھ نہ ٹھہر سکے۔ سامنے کھڑے ہو کر ایک نے لعنت کی۔ ایسے حواریوں کو صحابہؓ کے ساتھ کیا نسبت اور کیا مقابلہ؟

پھر عقلی طور پر مقابلہ کر کے لکھا ہے کہ حواریوں کی تو یہ حالت تھی کہ وہ ایک گاؤں کا انتظام کرنے کی بھی قابلیت نہ رکھتے تھے۔ برخلاف اُن کے صحابہؓ نے علوم سیاست اور حکمرانی میں وہ کمال دکھایا اور ایسی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا کہ آج اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انہوں نے ایک عظیم الشان سلطنت کا انتظام کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کا نمونہ موجود ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت میں ایسا خطرناک فتنہ پیدا ہوا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو سخت مشکلات کا سامنا تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا تعالیٰ سے تائید پا کر اس فتنہ کو اور جو جنگلی بادیہ نشین مُرتد ہو گئے تھے ان کو سدھارا اور دُرست کیا۔ غرض باوجود اس بات کے کہ وہ تیار شدہ تھے اور صدق اور نور سے بھرے ہوئے تھے، تاہم اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے :۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (التوبہ : ۱۲۲) یعنی ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو تفقہ فی الدین کریں یعنی جو دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اس میں تفقہ کر سکیں۔ یہ نہیں کہ طوطے کی طرح یاد ہو اور اس میں غور و فکر کی مطلق عادت اور مذاق ہی نہ ہو۔ اس سے وہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے اور وہی غرض ہماری ہے یعنی محل اور موقعہ کے حسب حال جواب دے سکیں۔ مناظرہ کر سکیں۔ لیکن چونکہ سب کے سب ایسے نہیں ہو سکتے۔ اس لیے یہ نہیں فرمایا کہ سب کے سب ایسے ہو جائیں بلکہ یہ فرمایا کہ ہر جماعت اور گروہ میں سے ایک ایک آدمی ہو اور گویا ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہونی چاہیئے جو تبلیغ اور اشاعت کا کام کر سکیں۔

انسانوں کے تین درجات

اس لیے بھی کہ ہر شخص ایسی طبیعت اور مذاق کا نہیں ہوتا۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تقسیم تین طرح پر کی ہے۔ مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: ۳۳) یعنی تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کہلاتے ہیں ان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ خواہش نفس ان پر غالب ہوتی ہے اور وہ گویا پنجۂ نفس میں گرفتار ہوتے ہیں۔ دوم وہ لوگ ہیں جو مقتصد یعنی میانہ کہلاتے ہیں۔ یعنی کبھی نفس ان پر غالب ہو جاتا ہے اور کبھی وہ نفس پر غالب ہو جاتے ہیں اور پہلی حالت سے نکل چکے ہوتے ہیں، لیکن تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو پنجۂ نفس سے کلی رہائی پا لیتے ہیں اور سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ کہلاتے ہیں۔ یعنی نیکی کرنے میں سب سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اور وہ محض خدا ہی کے لیے ہو جاتے ہیں۔ ان میں علمی اور عملی قوت آجاتی ہے۔ ایسے لوگ خدمتِ دین کے لیے مفید اور کارآمد ہوتے ہیں۔ اس قانون کو مدِ نظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے بعض کا حکم دیا۔ کیونکہ کل کے کل تو اس مقصد کے لیے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ بعض لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو تجارت، زراعت یا ملازمت کریں اور ایسے بھی ہونے چاہئیں جو دین کی تبلیغ کرنے والے ہوں تاکہ قوم آئندہ ٹھوکروں سے بچ جاوے۔

یہ یاد رکھو کہ جب کوئی قوم تباہ ہونے کو آتی ہے تو پہلے اس میں جہالت پیدا ہوتی ہے اور وہ دین جو انہیں سکھایا گیا تھا اُسے بھول جاتے ہیں۔ جب جہالت پیدا ہوتی ہے تو اس کے بعد یہ مصیبت اور بلا آتی ہے کہ اس قوم میں تقویٰ نہیں رہتا اور اس میں فسق و فجور اور ہر قسم کی بدکرداری شروع ہو جاتی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ تقویٰ اور خدا ترسی علم سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم خشیت اللہ کو پیدا کر دیتا ہے اور خدا تعالیٰ نے علم کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے کہ جو شخص پورے طور پر عالم ہوگا اس میں ضرور خشیۃ اللہ پیدا ہوگی۔ علم سے مراد میری دانست میں علم القرآن ہے۔ اس سے فلسفہ، سائنس یا اور علوم مروجہ مُراد نہیں کیونکہ اُن کے حصول کے لیے تقویٰ اور نیکی کی شرط نہیں بلکہ جیسے ایک فاسق فاجر اُن کو سیکھ سکتا ہے ویسے ہی ایک دیندار بھی، لیکن علم القرآن بجز متقی اور دیندار کے کسی دُوسرے کو دیا ہی نہیں جاتا۔ پس اس جگہ علم سے مُراد علم القرآن ہی ہے جس سے تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔

مبلغین کے لیے دنیوی علوم کی ضرورت

ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جس قوم سے تمہیں مقابلہ پیش آوے اس مقابلہ میں تم بھی ویسے ہی ہتھیار استعمال کرو جیسے ہتھیار وہ مقابلہ والی قوم استعمال کرتی ہے۔ اور چونکہ آجکل مذہبی مناظرہ کرنے والے لوگ ایسے امور پیش کر دیتے ہیں جن کا سائنس اور موجودہ علوم سے تعلق ہے اس لیے اس حد تک ان علوم میں واقفیت اور دخل کی ضرورت ہے جیسے مثلاً اعتراض کر دیتے ہیں کہ جن ممالک میں چھ ماہ تک آفتاب طلوع یا غروب نہیں ہوتا، وہاں نماز یا روزہ کے احکام کی تعمیل کس طرح پر ہوگی؟ اب جو شخص ان ممالک سے واقف نہیں یا ان باتوں پر اطلاع نہیں رکھتا وہ سنتے ہی گھبرا جاویگا اور حیران ہو کر رہ جاویگا۔ ایسا اعتراض کرنے والوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کی تکمیل کو ناقص قرار دیں کہ ایسے ممالک کے لیے کوئی اور حکم ہونا چاہیئے تھا۔ غرض ایسے اعتراضات چونکہ آجکل ہوتے ہیں، اس لیے ضروری امر ہے کہ ان علوم میں کچھ نہ کچھ دسترس ضرور ہو۔

ایسا ہی بعض لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف گردشِ آسمان کا قائل ہے جیسے فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ (الطارق: ۱۲) حالانکہ آجکل کے بچے بھی جانتے ہیں کہ زمین گردش کرتی ہے۔ غرض اسی قسم کے بیسیوں اعتراض کر دیتے ہیں اور تاوقتیکہ ان علوم میں کچھ مہارت اور واقفیت نہ ہو جواب دینے میں مشکل پیدا ہوتی ہے۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین یا آسمان کی گردش ظنی امور ہیں ان کو یقینیات میں داخل نہیں کر سکتے۔ ایک زمانہ تک گردشِ آسمان کے قائل رہے۔ پھر زمین کی گردش کے قائل ہو گئے۔ سب سے زیادہ ان لوگوں کی طبابت پر شفق ہے لیکن اس میں بھی دیکھ لو کہ آئے دن تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً پہلے ذیابیطس کے لیے یہ کہتے تھے کہ اس کے مریض کو میٹھی چیز نہیں کھانی چاہیئے مگر اب جو تحقیقات ہوئی ہے تو کہتے ہیں کچھ ہرج نہیں اگر سنگترہ بھی کھا لے یا چاپ پی لے۔

غرض یہ سب علوم ظنی ہیں۔ اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ کے معنے بتا دیئے جاویں۔ کیونکہ اس کا ذکر آگیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ سماء کے معنے آسمان ہی کے نہیں ہیں بلکہ سماء مینہ کو بھی کہتے ہیں۔ گویا اس آیت میں اس مینہ کی جو زمین کی طرف رجوع کرتا ہے قسم کھائی ہے اور پھر وہ زمین جس سے شگوفے نکلتے ہیں۔ اکیلی زمین اور اکیلا آسمان کچھ نہیں کر سکتا۔

وحیٔ الٰہی کی ضرورت پر ایک عقلی دلیل

اس آیت کو اللہ تعالیٰ ضرورتِ وحی پر بطور مثال پیش کرتا ہے کہ ہر چند زمین میں جو جوہر

قابل ہوں اور اس کی فطرت میں نشو و نما کا مادہ ہو لیکن وہ نشو و نما نہیں پا سکتا اور فطرت بار آور نہیں ہو سکتی جبتک آسمان سے مینہ نہ برسے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

اس غرض کے لیے کہ عمدہ عمدہ پھل اور پھول پیدا ہوں، عمدہ زمین اور اس کے لیے بارش کی ضرورت ہے جبتک یہ بات نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب اس نظارۂ فطرت کو اللہ تعالیٰ ضرورتِ وحی کے لیے پیش کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو جب مینہ نہ برسے تو قحط کا اندیشہ ہوتا ہے یہانتک کہ زمینی پانی جو کنوؤں اور چشموں میں ہوتا ہے، وہ بھی کم ہونے لگتا ہے۔ پھر جبکہ دنیوی اور جسمانی ضرورتوں کے لیے آسمانی پانی کی ضرورت ہے تو کیا رُوحانی اور ابدی ضرورتوں کے لیے رُوحانی بارش کی ضرورت نہیں؟ اور وہ وحیٔ الٰہی ہے۔ جیسے مینہ کے نہ برسنے سے قحط پڑتا اور کنوئیں اور چشمے خشک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پر اگر انبیاء و رُسل دنیا میں نہ آئیں تو فلسفیوں کا وجود بھی نہ ہو کیونکہ قویٰ عقلیہ کا نشو و نما وحیٔ الٰہی ہی سے ہوتا ہے اور زمینی عقلیں اسی سے پرورش پاتی ہیں۔

پس اس آیت وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق: ۱۲، ۱۳) میں وحی الٰہی کی ضرورت پر عقلی اور فطرتی دلائل پیش کیے ہیں۔ جو شخص اس امر کو سمجھ لے گا وہ بول اُٹھے گا کہ بیشک وحیٔ الٰہی کی ضرورت ہے۔ اور یہ وہ طریق ہے جو آدم سے چلا آتا ہے اور ہر شخص نے اپنی استعداد اور فطرت کے موافق اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہاں جو جاہل اور ناقص تھے یا جن میں تکبّر اور خودسری تھی وہ محروم رہ گئے اور انہوں نے کچھ بھی حصّہ نہ لیا۔ یہی اصل اور سچی بات ہے اور تم یقیناً یاد رکھو کہ آسمانی بارش کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ عملی قوت بجز اس بارش کے پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

تقویٰ کا مدار علم پر ہے

غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تقویٰ بھی تب ہی پُورا ہوتا ہے، جب علمِ الٰہی اس کے ساتھ ہو۔ اور وُہ وُہ علم ہے جو کتاب اللہ میں مندرج ہے:

یہ سچی بات ہے کہ کوئی شخص مراتبِ ترقیات حاصل نہیں کر سکتا جب تک تقویٰ کی باریک راہوں کی پروا نہ کرے اور تقویٰ کا مدار علم پر ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مجید کے شروع ہی میں بیان فرمایا ہے:

یہاں حضرتِ اقدس نے سُورہ بقرہ کے پہلے رکوع کے کچھ حصّہ کی تفسیر بیان فرمائی جس کو میں درج کرتا ہوں۔ لیکن سہولت اور اس تفسیر کی ترتیبِ اَبلغ کے لحاظ سے پہلے وہ حصّہ یکجائی طور پر درج کرتا ہوں اور پھر اس کا ترجمہ دیتا ہوں :

زاں بعد تفسیر (ایڈیٹر الحکم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (البقرۃ : ۱ تا ۶)

ترجمہ :- مَیں اللہ جو بہت جاننے والا ہوں۔ یہ کتاب جس میں کسی قسم کا شک و شُبہ نہیں ہے۔ متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے (متقی کون ہوتے ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو کھڑی کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں عطا کیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور متقی وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اور اس وحی پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

تَفْسِيْر

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

مَیں اللہ جو بہت جاننے والا ہوں۔ یہ کتاب جو شک و شبہ اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے متقیوں کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہے۔

قرآن کریم کی علل اربعہ ہر شئے کی چار علّتیں ہوتی ہیں۔ یہاں بھی ان علل اربعہ کو بیان کیا ہے۔ اور وہ علل اربعہ یہ ہوتی ہیں۔ علّت فاعلی۔ علّت صوری، علّت مادی، علّت غائی۔ اس مقام پر قرآن شریف کی چار علّتوں کا ذکر کیا۔

علّتِ فاعلی تو اس کتاب کی الٓمّٓ ہے۔ اور الٓمّٓ کے معنے میرے نزدیک اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ یعنی مَیں اللہ وہ ہوں جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ اور علّتِ مادی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ہے۔

یعنی یہ کتاب خُدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور علّت صوری لَا رَیْبَ فِیْہِ ہے۔ یعنی اس کتاب کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہی نہیں۔ جو بات ہے مستحکم اور جو دعویٰ ہے وہ مدلّل اور روشن۔ اور علّتِ غائی اس کتاب کی ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے۔ یعنی اس کتاب کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے کہ متقیوں کو ہدایت کرتی ہے۔

متقی کی صفات

یہ چاروں علّتیں بیان کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی عام صفات بتائی ہیں کہ وہ متقی کون ہوتے ہیں جو ہدایت پاتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ یعنی وہ متقی ہوتے ہیں جو خدا پر ہنوز پردۂ غیب میں ہوتا ہے ایمان لاتے ہیں اور نماز کو کھڑا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تجھ پر نازل کی ہے اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل ہوا۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ صفات متقی کے بیان فرمائے۔

اب یہاں بالطبع ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کی غرض و غایت تو یہ بتائی۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ اور پھر متقیوں کے صفات بھی وہ بیان کئے جو سب کے سب ایک باخدا انسان میں ہوتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو۔ صدقہ دیتا ہو۔ کتاب اللہ کو مانتا ہو۔ قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ پھر جو شخص پہلے ہی سے ان صفات سے متصف ہے اور وہ متقی کہلاتا ہے اور ان امور کا پابند ہے تو پھر وہ ہدایت کیا ہوئی جو اس کتاب کے ذریعہ اس نے حاصل کی ہے؟ اس میں وہ امر زائد کیا ہے جس کے لیے یہ کتاب نازل ہوئی ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی اَور امر ہے جو اس ہدایت میں رکھا گیا ہے کیونکہ یہ امور جو بطور صفاتِ متّقین بیان فرمائے ہیں یہ تو اس ہدایت کے لیے جو اس کتاب کا اصل مقصد اور غرض ہے بطور شرائط ہیں؛ ورنہ وہ ہدایت اَور چیز ہے اور وہ ایک اعلیٰ امر ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے اور جس کو میں بیان کرتا ہوں۔

ایمان بالغیب سے اگلا درجہ

پس یاد رکھو کہ متقی کی صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان کی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مومن ایک ابتدائی حالت کا اظہار ہے۔ کہ جن چیزوں کو اس نے نہیں دیکھا ان کو مان لیا ہے۔ غیب اللہ تعالےٰ کا نام ہے۔ اور اس غیب میں بہشت،

دوزخ، حشر اجساد اور وہ تمام امور بھی جو ابھی تک پردۂ غیب میں ہیں، شامل ہیں۔ اب ابتدائی حالت میں تو مومن ان پر ایمان لاتا ہے لیکن ہدایت یہ ہے کہ اس حالت پر اسے ایک انعام عطا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا علم غیب سے انتقال کر کے شہود کی طرف آجاتا ہے اور اس پر پھر ایسا زمانہ آجاتا ہے کہ جن باتوں پر وہ پہلے غائب کے طور پر ایمان لاتا تھا وہ ان کا عارف ہو جاتا ہے اور وہ امور جو ابھی تک مخفی تھے اس کے سامنے آجاتے ہیں اور حالتِ شہود میں انہیں دیکھتا ہے۔ پھر وُہ خدا تعالےٰ کو غیب نہیں مانتا بلکہ اسے دیکھتا ہے اور اس کی تجلّی سامنے رہتی ہے۔ غرض اس غیب کے بعد شہود کا درجہ اُسے عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ایمان کے بعد عرفان کا مرتبہ ملتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو اسی عالم میں دیکھ لیتا ہے۔ اور اگر اس کو یہ مرتبہ عطا نہ ہوتا تو پھر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے مصداق کو کوئی ہدایت اور انعام عطا نہ ہوتا۔ اس کیلئے قرآن شریف گویا موجبِ ہدایت نہ ہوتا مگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کیلئے ہدایت یہی ہے کہ اس کے ایمان کو حالتِ غیب سے منتقل کر کے حالتِ شہود میں لے آتا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل: ۷۳) یعنی جو اس دُنیا میں اندھا ہے وُہ دُوسرے عالم میں بھی اندھا اُٹھایا جاوے گا۔ اس نابینائی سے یہی مُراد ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی تجلّی اور ان امور کو جو حالتِ غیب میں ہیں اسی عالم میں مشاہدہ نہ کرے اور یہ نابینائی کا کچھ حصّہ غیب والے میں پایا جاتا ہے، لیکن هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے موافق جو شخص ہدایت پالیتا ہے اس کی وہ نابینائی دُور ہو جاتی ہے اور وُہ اس حالت سے ترقی کر جاتا ہے اور وہ ترقی اس کلام کے ذریعہ سے یہ ہے کہ ایمان بالغیب کے درجہ سے شہود کے درجہ پر پہنچ جاوے گا اور اس کے لیے یہی ہدایت ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ سے اگلا درجہ

متقی کی دُوسری صفت یہ ہے یُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یعنی وُہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں۔ متقی سے جیسا ہو سکتا ہے نماز کھڑی کرتا ہے۔ یعنی کبھی اس کی نماز گر پڑتی ہے۔ پھر اسے کھڑا کرتا ہے۔ یعنی متقی خدا تعالیٰ سے ڈرا کرتا ہے اور وہ نماز کو قائم کرتا ہے۔ اس حالت میں مختلف قسم کے وساوس اور خطرات بھی ہوتے ہیں جو پیدا ہو کر اس کے حضُور میں حارج ہوتے ہیں اور نماز کو گرا دیتے ہیں۔ لیکن یہ نفس کی اس کشاکش میں بھی نماز کو کھڑا کرتا ہے۔ کبھی نماز گرتی ہے مگر یہ پھر اسے کھڑا کرتا ہے۔ اور یہی حالت اس کی رہتی ہے کہ وہ تکلّف اور کوشش سے بار بار اپنی نماز کو کھڑا کرتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام کے ذریعہ ہدایت عطا کرتا ہے۔ اس کی

ہدایت کیا ہوتی ہے؟ اس وقت بجائے یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کشمکش اور وساوس کی زندگی سے نکل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس غیب کے ذریعہ انہیں وہ مقام عطا کرتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے کہ بعض آدمی ایسے کامل ہو جاتے ہیں کہ نماز ان کے لیے بمنزلہ غذا ہو جاتی ہے اور نماز میں ان کو وُہ لذت اور ذوق عطا کیا جاتا ہے، جیسے سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایت رغبت سے اُسے پیتا ہے اور خوب سیر ہو کر حظ حاصل کرتا ہے یا سخت بھوک کی حالت ہو اور اُسے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا خوش ذائقہ کھانا مل جاوے جس کو کھا کر وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے۔ یہی حالت پھر نماز میں ہو جاتی ہے - وہ نماز اس کے لیے ایک قسم کا نشہ ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ سخت کرب اور اضطراب محسوس کرتا ہے۔ لیکن نماز کے ادا کرنے سے اسکے دل میں ایک خاص سُرور اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہیں پا سکتا اور نہ الفاظ میں یہ لذت بیان ہو سکتی ہے اور انسان ترقی کر کے ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُسے ذاتی محبت ہو جاتی ہے اور اس کو نماز کے کھڑے کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لیے کہ وہ نماز اس کی کھڑی ہی ہوتی ہے اور ہر وقت کھڑی ہی رہتی ہے۔ اس میں ایک طبعی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کی مرضی خدا تعالےٰ کی مرضی کے موافق ہوتی ہے۔ انسان پر ایسی حالت آتی ہے کہ اس کی محبت اللہ تعالیٰ سے محبتِ ذاتی کا رنگ رکھتی ہے۔ اس میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہیں ہوتی۔ جس طرح پر حیوانات اور دُوسرے انسان اپنے ماکولات اور مشروبات اور دُوسری شہوات میں لذت اٹھاتے ہیں اس سے بہت بڑھ چڑھ کر وہ مومن متقی نماز میں لذت پاتا ہے اس لیے نماز کو خوب سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ اس دین میں ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ، راست باز، ابدال، قطب گذرے ہیں۔ انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اسی نماز کے ذریعہ سے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور فی الحقیقت جب انسان اس مقام اور درجہ پر پہنچتا ہے تو اس کے لیے اکمل اتم لذت نماز ہی ہوتی ہے اور یہی معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ہیں۔ پس کشاکشِ نفس سے انسان نجات پا کر اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

لہ الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲ صفحہ ۴ - ۵ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء

غرض یاد رکھو کہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وہ ابتدائی درجہ اور مرحلہ ہے جہاں نماز بے ذوقی اور کشاکش سے ادا کرتا ہے لیکن اس کتاب کی ہدایت ایسے آدمی کے لیے یہ ہے کہ اس مرحلہ سے نجات پاکر اس مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں نماز اس کے لیے قرۃ العین ہو جاوے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقام پر متقی سے مراد وہ شخص ہے جو نفسِ لوّامہ کی حالت میں ہے۔

نفس کے تین درجے

نفس کے تین درجے ہیں۔ نفسِ امّارہ۔ لوّامہ۔ مطمئنّہ

نفسِ امّارہ وہ ہے جو فسق و فجور میں مبتلا ہے اور نافرمانی کا غلام ہے۔ ایسی حالت میں انسان نیکی کی طرف توجہ نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر ایک سرکشی اور بغاوت پائی جاتی ہے لیکن جب اس سے کچھ ترقی کرتا اور نکلتا ہے تو وہ وہ حالت ہے جو نفسِ لوّامہ کہلاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اگر بدی کرتا ہے تو اس سے شرمندہ بھی ہوتا ہے اور اپنے نفس کو ملامت بھی کرتا ہے۔ اور اس طرح پر نیکی کی طرف بھی توجہ کرتا ہے لیکن اس حالت میں وہ کامل طور پر اپنے نفس پر غالب نہیں آتا، بلکہ اس کے اور نفس کے درمیان ایک جنگ جاری رہتی ہے جس میں کبھی وہ غالب آجاتا ہے اور کبھی نفس اسے مغلوب کر لیتا ہے۔ یہ سلسلہ لڑائی کا بدستور جاری رہتا ہے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی دستگیری کرتا ہے اور آخر اُسے کامیاب اور بامراد کرتا ہے اور وہ اپنے نفس پر فتح پالیتا ہے۔ پھر تیسری حالت میں پہنچ جاتا ہے جس کا نام نفسِ مطمئنّہ ہے۔ اس وقت اس کے نفس کے تمام گند دُور ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کے فساد مٹ جاتے ہیں۔ نفسِ مطمئنّہ کی آخری حالت ایسی حالت ہوتی ہے جیسے دو سلطنتوں کے درمیان ایک جنگ ہو کر ایک فتح پاوے اور وہ تمام مفسدہ دُور کر کے اَمن قائم کرے اور پہلا سارا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۔ (النمل : ۳۵) یعنی جب بادشاہ کسی گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو پہلا تانا بانا سب تباہ کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے منبردار، رئیس نواب ہی پہلے پکڑے جاتے ہیں اور بڑے بڑے نامور ذلیل کیے جاتے ہیں اور اس طرح پر ایک عظیم تغیر واقع ہوتا ہے۔ یہی ملوک کا خاصہ ہے اور ایسا ہی ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے۔ اسی طرح پر جب رُوحانی سلطنت بدلتی ہے تو پہلی سلطنت پر تباہی آتی ہے۔ شیطان کے غلاموں کو قابو کیا جاتا ہے۔ وُہ جذبات اور شہوات جو انسان کی

روحانی سلطنت میں مفسدہ پردازی کرتے ہیں۔ اُن کو کچل دیا جاتا ہے اور ذلیل کیا جاتا ہے اور روحانی طور پر ایک نیا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور بالکل امن وامان کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حالت اور درجہ ہے جو نفسِ مطمئنہ کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ اس وقت کسی قسم کی کشمکش اور کوئی فساد پایا نہیں جاتا۔ بلکہ نفس ایک کامل سکون اور اطمینان کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ جنگ کا خاتمہ ہو کر نئی سلطنت قائم ہو جاتی ہے اور کوئی فساد اور مفسدہ باقی نہیں رہتا۔ بلکہ دل پر خدا تعالیٰ کی فتح کامل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ خود اس کے عرشِ دل پر نزول فرماتا ہے۔ اسی کو کمال درجہ کی حالت بیان فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل: ۹۱) یعنی بیشک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے اور پھر اس سے ترقی کرو تو احسان کا حکم دیتا ہے اور پھر اس سے بھی ترقی کرو تو ایتاء ذی القربیٰ کا حکم ہے۔

حالتِ عدل

عدل کی حالت یہ ہے جو متقی کی حالت نفس امّارہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس حالت کی اصلاح کے لیے عدل کا حکم ہے۔ اس میں نفس کی مخالفت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً کسی کا قرضہ ادا کرنا ہے لیکن نفس اس میں یہی خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کو دباؤں اور اتفاق سے اس کی میعاد بھی گذر جاوے۔ اس صورت میں نفس اَور بھی دلیر اور بیباک ہوگا کہ اب تو قانونی طور پر بھی کوئی مؤاخذہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ٹھیک نہیں۔ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا دَین واجب ادا کیا جاوے اور کسی حیلے اور عذر سے اس کو دبایا نہ جاوے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پروا نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے۔ پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سُستی نہیں کرنی چاہیئے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دُور بھاگنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ امرِ الٰہی کے خلاف ہے جو اس نے اس آیت میں دیا ہے۔

حالتِ احسان

اس کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ جو شخص عدل کی رعایت کرتا ہے اور اس کی حد بندی کو نہیں توڑتا۔ اللہ تعالےٰ اسے توفیق اور قوّت دے دیتا ہے اور وہ نیکی میں اَور ترقی کرتا ہے۔ یہانتک کہ عدل ہی نہیں کرتا بلکہ تھوڑی سی نیکی کے بدلے بہت بڑی نیکی کرتا ہے۔ لیکن احسان کی حالت میں بھی ایک کمزوری ابھی باقی ہوتی

ہے اور وُہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت اس نیکی کو جتا بھی دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دس برس تک کسی کو روٹی کھلاتا ہے اور وہ کبھی ایک بات اس کی نہیں مانتا تو اسے کہہ دیتا ہے کہ دس برس کا ہمارے ٹکڑوں کا غلام ہے اور اس طرح پر اس نیکی کو بے اثر کر دیتا ہے۔ دراصل احسان والے کے اندر بھی ایک قسم کی مخفی ریا ہوتی ہے۔ لیکن تیسرا مرتبہ ہر قسم کی آلائش اور آلودگی سے پاک ہے اور وہ ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ ہے۔

حالتِ ایتاءِ ذی القربیٰ

ایتاءِ ذی القربیٰ کا درجہ طبعی حالت کا درجہ ہے یعنی جس مقام پر انسان سے نیکیوں کا صدور ایسے طور پر ہو جیسے طبعی تقاضا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو دُودھ دیتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے کبھی اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ بڑا ہو کر کمائی کرے گا اور اس کی خدمت کرے گا یہانتک کہ اگر کوئی بادشاہ اسے یہ حکم دے کہ تو اگر اپنے بچہ کو دُودھ نہ دے گی اور اس سے وہ مر جاوے تو بھی تجھے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اس حکم پر بھی اس کو دُودھ دینا وہ نہیں چھوڑ سکتی بلکہ ایسے بادشاہ کو دو چار گالیاں ہی سُنا دے گی۔ اس لیے کہ وہ پرورش اس کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ وہ کسی امید یا خوف پر مبنی نہیں۔ اسی طرح پر جب انسان نیکی میں ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچتا ہے کہ وہ نیکیاں اس سے ایسے طور پر صادر ہوتی ہیں گویا ایک طبعی تقاضا ہے تو یہی وہ حالت ہے جو نفسِ مطمئنہ کہلاتی ہے۔

غرض یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے یہ معنے ہیں کہ جبتک نفسِ مطمئنہ نہ ہو، اسی کشاکش میں لگا رہتا ہے۔ کبھی نفس غالب آجاتا ہے اور کبھی آپ غالب آجاتا ہے۔ صبح کو اٹھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ٹھنڈا پانی ہے اس کو نہانے کی حاجت ہے۔ پس اگر نفس کی بات مان لیتا ہے تو نماز کو کھو لیتا ہے اور اگر ہمت سے کام لیتا ہے تو اس پر فتح پا لیتا ہے۔

شکر کی بات ہے کہ ایک مرتبہ خود مجھے بھی ایسی حالت پیش آئی۔ سردی کا موسم تھا۔ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی۔ پانی گرم کرنے کے لیے کوئی سامان اس جگہ نہ تھا۔ ایک پادری کی لکھی ہوئی کتاب میزان الحق میرے پاس تھی، اس وقت وہ کام آئی۔ مَیں نے اس کو جلا کر پانی گرم کر لیا اور خدا تعالیٰ کا شکر کیا۔ اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ بعض وقت شیطان بھی کام آجاتا ہے۔

پھر مَیں اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے یہی معنے ہیں اور اس پر ترقی یہی ہے کہ ایسی حالت سے نجات پا کر مطمئنہ کی حالت میں پہنچ جاوے۔

خوب یاد رکھو کہ نرا غیب پر ایمان لانے کا انجام خطرناک ہوتا رہا ہے۔ افلاطون جب مرنے

لگا تو کہنے لگا کہ میرے لیے بُت پر ایک مُرغا ہی ذبح کرو۔ جالینوس نے کہا میری قبر میں خچر کی پیشاب گاہ کے برابر ایک سوراخ رکھ دینا تاکہ ہوا آتی رہے۔ اب غور کرو کہ کیا ایسے لوگ ہادی ہو سکتے ہیں، جو ایسی مُذبذب اور مضطرب حالت میں ہوتے ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ جبتک اندر روشنی پیدا نہ ہو کیا فائدہ؟ لیکن یہ روشنی خدا تعالیٰ کے فضل ہی سے ملتی ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ سب طبائع یکساں نہیں ہوتی ہیں اور خدا تعالیٰ نے سب کو نبی پیدا نہیں کیا۔

صادقین کی صُحبت کا اثر

لیکن صُحبت میں بڑا شرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک رُوح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ گہری صُحبت نبی اور صاحبِ نبی کو ایک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن شریف میں كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: ۱۱۹) فرمایا ہے۔ اور اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ایک بے نظیر خوبی ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے صادق موجود رہتے ہیں، لیکن آریہ سماجی یا عیسائی اس طریق سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جبکہ ان کے ہاں یہ مسلّم امر ہے کہ اب کوئی شخص خدا رسیدہ ایسا نہیں ہو سکتا جس پر خدا تعالیٰ کی تازہ بہ تازہ وحی نازل ہو اور وُہ اس سے توفیق پاکر ان لوگوں کو صاف کرے جو گناہ آلود زندگی بسر کرتے ہیں۔ مَیں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ آریہ سماج کے اندر ایک پیش ہے وہ بے جا طور سے مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور اعتراض کرنا ہی اپنے مذہب کی خُوبی اور کمال پیش کرتے ہیں لیکن جب ان سے پوچھا جاوے کہ اسلام کے مقابلہ میں رُوحانیت پیش کرو۔ تو کچھ نہیں نکتہ چینی کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ شخص بڑا بدنصیب اور نادان ہے جو بغیر اس کے کہ کسی منزل پر پہنچا ہو دُوسروں پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ ایک بچہ جو اقلیدس کے اصولوں سے ناواقف ہے اور اُن نتائج سے بے خبر ہے جو اس کی اشکال سے پیدا ہوتے ہیں۔ وُہ ان ٹیڑھی لکیروں کو دیکھ کر کب خوش ہو سکتا ہے وہ تو اعتراض کرے گا لیکن عقلمندوں کے نزدیک اس اعتراض کی کیا وقعت اور حقیقت ہو سکتی ہے۔ ایسا ہی حال ان آریوں کا ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہیں مگر خود حق اور حقیقت سے بے خبر اور محروم ہیں۔ وہ اللہ کی قدرتوں سے آگاہ نہیں اور اس کی طاقتوں کا انہیں علم نہیں ہے اور نہ انہیں وہ حواس ملے ہیں جو وہ اسی عالم میں بہشتی نظاروں کو دیکھ سکیں اور اللہ تعالیٰ کی طاقتوں اور قدرتوں کے نمونے مشاہدہ کریں۔ ایسے مذہب کی بنیاد بالکل ریت پر ہے۔ وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں۔

اسلام کی صداقت

یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی نابینا مذہب کی تائید نہیں کرتا اور کوئی نصرت اسے نہیں دی جاتی۔ اسلام کی سچائی کی یہی بڑی زبردست دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرماتا ہے اور اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا میں اس کی تازہ بتازہ نصرتوں کا ثبوت دوں، چنانچہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس نے خدا تعالیٰ کے نشانات نہ دیکھے ہوں۔ اس کے بالمقابل ہمیں کوئی بتائے کہ دید کیا لایا؟ وہ تو بالکل ادھورا ہے، دوسرے لوگوں کو تو خواب بھی آجاتی ہے، مگر دید والوں کے نزدیک خواب بھی بے حقیقت چیز ہے اور وہ بھی نہیں آسکتی جبکہ وہ دروازہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لیے یقینی دروازہ ہے، بند ہے تو اور وسائل خدا رسی کے کیا ہو سکتے ہیں؟

میں سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک میں نے اس فرقہ کے حالات دیکھے ہیں، ان میں شوخیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا یا بعض ایسے لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ مذہب کی اصل غرض کیا ہے؟

غرض اسلام ایک ایسا پاک مذہب ہے جو ساری نیکیوں کا حقیقی سرچشمہ اور منبع ہے اس لیے کہ نیکیوں کی جڑ ہے اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان۔ اور وہ بدوں اس کے پیدا نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کے عجائبات اور نشانات تازہ بتازہ دیکھتا ہے اور یہ بجز اسلام کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر ہے تو کوئی پیش کرے۔

علاوہ بریں اسلام کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ بعض فطرتی نیکیاں جو انسان کرتا ہے یہ ان پر ازدیاد کرتا اور انہیں کامل کرتا ہے اس لیے ہی هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا هُدًى لِّلطَّالِبِيْنَ یا هُدًى لِّلْكَافِرِيْنَ نہیں کہا۔ عرصہ کی بات ہے ایک برہمو اگنی ہوتری نے کہا تھا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ہم بھی کہتے ہیں تم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کیوں کہتے ہو؟ ہم نے کہا تھا کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان دہریہ نہیں ہوتا؛ چنانچہ اب وہ کھلا دہریہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر پورا ایمان ہوتا تو کیوں دہریہ بنتا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف ایسی کامل اور جامع کتاب ہے کہ کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیا وید میں کوئی ایسی شرتی ہے جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا مقابلہ کرے۔ اگر زبانی اقرار کوئی چیز ہے۔ یعنی اس کے ثمرات اور نتائج کی حاجت نہیں تو پھر ساری دنیا کسی نہ کسی رنگ میں خدا تعالیٰ کا اقرار کرتی ہے۔ اور بھگتی، عبادت، صدقہ خیرات کو بھی اچھا سمجھتی ہے اور کسی نہ کسی

صورت میں ان باتوں پر عمل بھی کرتی ہے۔ پھر ویدوں نے آکر دُنیا کو کیا بخشا؟ یا تو یہ ثابت کرو کہ جو قومیں وید کو نہیں مانتی ہیں ان میں نیکیاں بالکل مفقود ہیں اور یا کوئی اور امتیازی نشان بتاؤ۔

قرآن شریف کو جہاں سے شروع کیا ہے ان ترقیوں کا وعدہ کر لیا ہے جو بالطبع رُوح تقاضا کرتی ہے؛ چنانچہ سُورۃ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۔ (الفاتحہ : ۴) کی تعلیم کی اور فرمایا کہ تم یہ دُعا کرو کہ اے اللہ ہم کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔ وہ صراطِ مستقیم جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے انعام واکرام ہوتے۔ اس دُعا کے ساتھ ہی سورۃ البقرہ کی پہلی ہی آیت میں یہ بشارت دے دی۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

گویا رُوحیں دُعا کرتی ہیں اور ساتھ ہی قبولیت اپنا اثر دکھاتی ہے اور وہ وعدہ دُعا کی قبولیت کا قرآن مجید کے نزول کی صورت میں پُورا ہوتا ہے۔ ایک طرف دُعا ہے اور دُوسری طرف اس کا نتیجہ موجود ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور کرم ہے جو اس نے فرمایا مگر افسوس دُنیا اس سے بے خبر اور غافل ہے اور اس سے دُور رہ کر ہلاک ہو رہی ہے۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو ابتدائے قرآن مجید میں متقیوں کے صفات بیان فرمائے ہیں۔ ان کو معمولی صفات میں رکھا ہے لیکن جب انسان قرآن مجید پر ایمان لاکر اُسے اپنی ہدایت کے لیے دستور العمل بناتا ہے تو وہ ہدایت کے ان اعلیٰ مدارج اور مراتب کو پالیتا ہے جو هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ میں مقصود رکھے ہیں۔ قرآن شریف کی اس علتِ غائی کے تصوّر سے ایسی لذّت اور سُرور آتا ہے کہ الفاظ میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور قرآن مجید کے کمال کا پتہ لگتا ہے۔

متقی کی تیسری علامت

پھر متّقی کی ایک اَور علامت بیان فرمائی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (البقرۃ : ۴) یعنی جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ ابتدائی حالت ہوتی ہے اور اس میں سب کے سب شریک ہیں کیونکہ عام طور پر یہ فطرت انسانی کا ایک تقاضا ہے کہ اگر کوئی سائل اس کے پاس آجاوے تو کچھ نہ کچھ اُسے ضرور دے دیتا ہے۔ گھر میں دس روٹیاں موجود ہوں اور کسی سائل نے آکر صدا کی تو ایک روٹی اس کو بھی دے دے گا۔ یہ امر زیرِ ہدایت نہیں ہے بلکہ فطرت کا ایک طبعی خاصّہ ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہاں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ عام ہے۔ اس سے کوئی خاص شئے روپیہ پیسہ یا روٹی

کپڑا مُراد نہیں ہے بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں۔
غرض یہ اِنفاق عام انفاق ہے اور اس کے لیے مُسلمان یا غیر مُسلمان کی بھی شرط نہیں اور اس لیے یہ اِنفاق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک فطرتی، دُوسرا زیرِ اثر نبوت۔ فطرتی تو وہی ہے جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ تم میں سے کون ہے اگر کوئی قیدی یا بھوکا آدمی جو کئی روز سے بھوکا ہو یا ننگا ہو آکر سوال کرے اور تم اُسے کچھ نہ کچھ دے نہ دو۔ کیونکہ یہ امر فطرت میں داخل ہے۔
اور یہ بھی مَیں نے بتا دیا ہے کہ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ روپیہ پیسہ سے مخصوص نہیں خواہ جسمانی ہو یا علمی سب اس میں داخل ہے۔ جو علم سے دیتا ہے وُہ بھی اسی کے ماتحت ہے۔ مال سے دیتا ہے وہ بھی داخل ہے۔ طبیب ہے وہ بھی داخل ہے۔

لِلّٰہی وقف کا مقام

مگر موجب منشار ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا جہاں قرآن شریف اسے لے جانا چاہتا ہے اور وُہ وُہ مقام ہے کہ انسان اپنی زندگی ہی خدا تعالیٰ کے لیے وقف کر دے۔ اور یہ لِلّٰہی وقف کہلاتا ہے۔ اس حالت اور مقام پر جب ایک شخص پہنچتا ہے تو اس میں مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ رہتا ہی نہیں۔ کیونکہ جبتک وہ مِمَّا کی حد کے اندر رہے اس وقت تک وہ ناقص ہے اور اس علت غائی تک نہیں پہنچا جو قرآن مجید کی ہے۔ لیکن کامل اسی وقت ہوتا ہے جب یہ حد نہ رہے اور اس کا وجود، اس کا ہر فعل، ہر حرکت و سکون محض اللہ تعالیٰ کے حُکم اور اذن کے ماتحت بنی نوع کی بھلائی کے لیے وقف ہو۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کا کمال یہی ہے جو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کے منشا کے موافق ہے۔[1]

مُتقی کی چوتھی صِفت

اس کے بعد ایک اور صفت متقیوں کی بیان کی یعنی وہ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (البقرۃ: ۵) کے موافق ایمان لاتے ہیں اور ایسا ہی جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگر اتنا ہی ایمان ہے تو پھر ہدایت کیا ہے؟ وہ ہدایت یہ ہے کہ ایسا انسان خود اس قابل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر وحی اور الہام کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور وُہ وحی الٰہی اس پر بھی اُترتی ہے جس سے اس کا ایمان ترقی کر کے کامل یقین اور

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۶ء

معرفت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور وہ اس ترقی کو پالیتا ہے جو ہدایت کا اصل مقصود تھا۔ اس پر وہ انعام و اکرام ہونے لگتے ہیں جو مکالمہ الٰہیہ سے ملتے ہیں۔

اسلام میں وحی والہام کا دروازہ کھلا ہے

یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے دروازہ کو بند نہیں کیا۔ جو لوگ اس امت کو وحی و الہام کے انعامات سے بے بہرہ ٹھہراتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں اور قرآن شریف کے اصل مقصد کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ ان کے نزدیک یہ امت وحشیوں کی طرح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات اور برکات کا معاذ اللہ خاتمہ ہو چکا اور وہ خدا جو ہمیشہ سے متکلم خدا رہا ہے اب اس زمانہ میں آکر خاموش ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے کہ اگر مکالمہ مخاطبہ نہیں تو هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کا مطلب ہی کیا ہوا؟ بغیر مکالمہ مخاطبہ کے تو اس کی ہستی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اور پھر قرآن شریف یہ کیوں کہتا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا۔ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۱) یعنی جن لوگوں نے اپنے قول اور فعل سے بتا دیا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور پھر انہوں نے استقامت دکھائی ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ فرشتوں کا نزول ہو اور مخاطبہ نہ ہو۔ نہیں بلکہ وہ انہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ یہی تو اسلام کی خوبی اور کمال ہے جو دوسرے مذاہب کو حاصل نہیں ہے۔ استقامت بہت مشکل چیز ہے یعنی خواہ ان پر زلزلے آئیں، فتنے آئیں۔ وہ ہر قسم کی مصیبت اور دکھ میں ڈالے جاویں مگر ان کی استقامت میں فرق نہیں آتا۔ ان کا اخلاص اور وفاداری پہلے سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان پر خدا تعالیٰ کے فرشتے اُتریں اور انہیں بشارت دیں کہ تم کوئی غم نہ کرو۔

یہ یقیناً یاد رکھو کہ وحی اور الہام کے سلسلہ کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ وعدے کئے ہیں۔ اور یہ اسلام ہی سے مخصوص ہے اور نہ عیسائیوں کے ہاں بھی مُہر لگ چکی ہے۔ وہ اب کوئی شخص ایسا نہیں بتا سکتے جو اللہ تعالیٰ کے مخاطبہ مکالمہ سے مشرف ہو۔ اور ویدوں پر تو پہلے ہی سے مُہر لگی ہوئی ہے۔ ان کا تو مذہب ہی یہی ہے۔ کہ ویدوں کے الہام کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ گویا خدا پہلے کبھی بولا تھا مگر اب وہ گونگا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ اس وقت کلام نہیں کرتا اور کوئی اس کے اس فیض سے بہرہ ور نہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ پہلے

بولتا تھا اور یا اب وہ سُنتا اور دیکھتا بھی ہے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب میں مسلمانوں کے مُنہ سے اس قسم کے الفاظ نکلتے سُنتا ہوں کہ اب مکالمہ مخاطبہ کی نعمت کسی کو نہیں مل سکتی۔ یہ کیوں عیسائیوں یا آریوں کی طرح مُہر لگاتے ہیں؟ اگر اسلام میں یہ کمال اور خوبی نہ ہو تو پھر دوسرے مذاہب پر اسے کیا فخر اور امتیاز حاصل ہوگا؟ نری توحید سے تو نہیں ہو سکتا کیونکہ برہمو بھی تو ایک ہی خدا کو مانتا ہے۔ وہ بھی صدقہ دیتا ہے۔ خُدا کو اپنے طور پر یاد بھی کرتا ہے اور یہی اخلاقی صفات اس میں پاتے جاتے ہیں تو پھر ایک مسلمان میں اور اس برہمو میں کیا فرق ہوا؟ یہ امور تو نقل سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اسکا کیا جواب ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ بجُز اسکے کہ اسلام کا روشن چہرہ ان امتیازی نشانوں کے ذریعہ دکھایا جاوے جو خدا تعالیٰ کے مکالمہ کے ذریعہ ملتے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ اصل جو فضل آسمان سے آتا ہے اس کی کوئی چوری اور نقل نہیں کر سکتا۔ اگر اسلام میں مکالمہ مخاطبہ اور تفضلات نہ ہوتے تو اسلام کچھ بھی چیز نہ ہوتا۔ اس کا یہی تو فخر ہے کہ وہ ایک سچے مسلمان کو ان انعامات واکرام کا وارث بنا دیتا ہے اور وہ فی الحقیقت خدا نما مذہب ہے۔ اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دکھا دیتا ہے اور یہی غرض ہے اسلام کی کیونکہ اسی ایک ذریعہ سے انسان کی گناہ آلود زندگی پر موت وارد ہو کر اسے پاک صاف بنا دیتی ہے اور حقیقی نجات کا دروازہ اس پر کھُلتا ہے۔ کیونکہ جبتک خدا تعالیٰ پر کامل یقین نہ ہو گناہ سے کبھی نجات مل سکتی ہی نہیں۔ جیسے یہ ایک ظاہر امر ہے کہ جب انسان کو یقین ہو کہ فلاں جگہ سانپ ہے تو وہ ہرگز ہرگز اس جگہ داخل نہ ہوگا۔ یا زہر کے کھانے سے مر جانے کا یقین زہر کے کھانے سے بچاتا ہے پھر اگر خدا تعالےٰ پر پُورا پُورا یقین ہو کہ وہ سمیع اور بصیر ہے اور ہمارے افعال کی جزا دیتا ہے اور گناہ سے اُسے سخت نفرت ہے تو اس یقین کو رکھ کر انسان کیسے جرأت کر سکتا ہے؟۔

سچی بات یہ ہے کہ اسلام کی رُوح اور اصل حقیقت تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف وہ انسان کو عطا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ آسمان سے انعام و اکرام ملتے ہیں۔ جب انسان اس مرتبہ اور مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی نسبت کہا جاتا ہے اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو کامل ترقی پاکر اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے نجات پائی ہے۔

تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ

غرض جب کہ یہ حالت ہے اور اسلام کے دنیا میں آنے کی یہ غرض اور غایت ہے اور نجات کی حقیقت بغیر اس کے متحقق نہیں ہوتی تو ہماری جماعت کو کس قدر فکر کرنا چاہیئے کہ وہ ان باتوں کو جب تک حاصل نہ کرلیں اس وقت تک بے فکر اور مطمئن نہ ہو جاویں۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری جماعت ایک درخت کی طرح ہے وہ اصلی پھل جو شیریں ہوتا اور لذت بخشتا ہے نہیں آیا۔ جیسے درخت کو پہلے پھول اور پتے نکلتے ہیں۔ پھر اس کو پھل لگتا ہے جو سنیرہ پھل کہلاتا ہے وہ گر جاتا ہے۔ پھر ایک اور پھل آتا ہے۔ اس میں سے کچھ جانور کھا جاتے ہیں اور کچھ تیز آندھیوں سے گر جاتے ہیں آخر جو بچ رہتے ہیں اور آخر تک پک کر کھانے کے قابل ہوتے ہیں وہ تھوڑے ہوتے ہیں۔

اسی طرح سے میں دیکھتا ہوں کہ یہ جماعت تو ابھی بہت ہی ابتدائی حالت میں ہے اور پتے بھی نہیں نکلے چہ جائیکہ ہم آج ہی پھل کھائیں۔ ابھی تو سبزہ ہی نکلا ہے جس کو ایک کتا بھی پامال کر سکتا ہے۔ ایسی حالت میں حفاظت کی کس قدر ضرورت ہے؟ پس تم استقامت اور اپنے نمونے سے اس درخت کی حفاظت کرو۔ کیونکہ تم میں سے ہر ایک اس درخت کی شاخ ہے اور وہ درخت اسلام کا شجر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس شجر کی حفاظت کی جاوے۔

اسلام کی حفاظت اور سچائی کے ظاہر کرنے کے لیے سب سے اوّل تو وہ پہلو ہے کہ تم سچے مسلمانوں کا نمونہ بن کر دکھاؤ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی خوبیوں اور کمالات کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس پہلو میں مالی ضرورتوں اور امداد کی حاجت ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی ضرورتیں پیش آتی تھیں اور صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ ایسے وقتوں پر بعض ان میں سے اپنا سارا ہی مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیتے اور بعض نے آدھا دے دیا اور اس طرح جہاں تک کسی سے ہو سکتا فرق نہ کرتا۔

مجھے افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے ہاتھ میں بجز خشک باتوں کے اور کچھ بھی نہیں رکھتے اور جنہیں نفسانیت اور خود غرضی سے کوئی نجات نہیں ملی اور حقیقی خدا کا چہرہ ان پر ظاہر نہیں ہوا۔ وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کی خاطر ہزاروں لاکھوں روپیہ دے دیتے ہیں اور بعض اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ عیسائیوں میں دیکھا ہے کہ بعض عورتوں نے دس دس لاکھ کی وصیت کر دی ہے۔ پھر مسلمانوں کے لیے کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ اسلام کے لیے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے یا نہیں کرتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے روشن

چہرہ پر سے وہ حجاب جو پڑا ہوا ہے دُور کر دے اور اسی غرض کے لیے اس نے مجھے بھیجا ہے۔

مرکز خُدا کے حضور جانا ہے

یقیناً یاد رکھو کہ خدا ہے اور مرکر اس کے حضور ہی جانا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سال آئندہ کے انہیں دنوں میں ہم میں سے یہاں کون ہوگا اور کون آگے چلا جائے گا۔ جبکہ یہ حالت ہے اور یہ یقینی امر ہے پھر کس قدر بدقسمتی ہوگی۔ اگر اپنی زندگی میں قدرت اور طاقت رکھتے ہوئے اس اصل مقصد کے لیے سعی نہ کریں۔ اسلام تو ضرور پھیلے گا اور رُوہ غالب آئے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہے مگر مبارک ہوں گے وہ لوگ جو اس اشاعت میں حصّہ لیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے جو اُس نے تمہیں موقعہ دیا ہے۔ یہ زندگی جس پر فخر کیا جاتا ہے، سچ ہے اور ہمیشہ کی خوشی کی وہی زندگی ہے جو مرنے کے بعد عطا ہوگی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اسی دُنیا اور اسی زندگی سے شروع ہو جاتی ہے اور اس کی تیاری بھی یہاں ہی ہوتی ہے۔

دین کو دُنیا پر مقدم کرکے وصیت کرنے کی تلقین

عرصہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا تھا کہ ایک بہشتی مقبرہ ہوگا۔ گویا اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں جنتی ہیں۔ پھر اس کے متعلق الہام ہوا۔ اُنْزِلَ فِیْھَا کُلُّ رَحْمَۃٍ۔ اس سے کوئی نعمت اور رحمت باہر نہیں رہتی۔ اب جو شخص چاہتا ہے کہ وہ ایسی رحمت کے نزول کی جگہ میں دفن ہو۔ کیا عمدہ موقعہ ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کرے۔ یہ صدی جس کے تیئیس سال گذرنے کو ہیں گذر جائے گی اور اس کے آخر تک موجودہ نسل میں سے کوئی زندہ رہے گا اور اگر نکما ہو کر رہا تو کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنا صدقہ پہلے بھیجو۔ یہ لفظ صدقہ کا صدق سے لیا گیا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی کامل نمونہ اپنے صدق اور اخلاص کا نہیں دکھاتا۔ لاف زنی سے کچھ بن نہیں سکتا۔

اَلْوَصِیَّت اشتہار میں جو میں نے حصّہ جائیداد کی اشاعتِ اسلام کے لیے وصیت کرنے کی قید لگائی ہے۔ میں نے دیکھا کہ کل بعض نے ۱/۱۰ کی کر دی ہے۔ یہ صدق ہے جو ان سے کراتا ہے اور جب تک صدق ظاہر نہ ہو کوئی مومن نہیں کہلا سکتا۔

تم اس بات کو کبھی مت بھولو کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بغیر جی ہی نہیں سکتے چہ جائیکہ موت سر پر ہو۔ طاعُون کا موسم پھر آ رہا ہے۔ زلزلہ کا خوف الگ دامنگیر ہے۔ وہ تو بڑا ہی

بے وقوف ہے جو اپنے آپ کو امن میں سمجھتا ہے امن میں تو وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا سچا فرمانبردار اور اس کی رضا کا جویاں ہے۔ ایسی حالت میں بے بنیاد زندگی کے ساتھ دل لگانا کیا فائدہ؟

سلسلہ کے قیام اور وصیت کی غرض

دُوسری طرف اسلام سخت اور خطرناک ضعف کی حالت میں ہے۔ اس پر یہی آفت اور مصیبت نہیں کہ باہر والے اس پر حملے کر رہے ہیں؛ اگرچہ یہ بالکل سچ ہے کہ مخالف سب کے سب مل کر ایک ہی کمال سے تیر مار رہے ہیں اور جہاں تک اُن سے ہو سکتا ہے وہ اس کو مٹا دینے کی سعی اور فکر کرتے ہیں۔ لیکن اس مصیبت کے علاوہ بڑی بھاری مصیبت یہ ہے کہ اندرونی غلطیوں نے اسلام کے درخشاں چہرہ پر ایک نہایت ہی تاریک حجاب ڈال دیا ہے۔ اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اس میں رُوحانیت نہیں رہی۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان لوگوں میں جو مسلمان کہلاتے ہیں اور اسلام کے مُدعی ہیں روحانیت موجود نہیں ہے اور اس پر دُوسری بدقسمتی یہ کہ وہ انکار کر بیٹھے ہیں کہ اب کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہو اور وہ خدا تعالیٰ پر زندہ اور تازہ یقین پیدا کر سکے۔ ایسی حالت اور صورت میں اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کے چہرہ پر سے وہ تاریک حجاب ہٹا دے۔ اور اس کی روشنی سے دلوں کو منور کرے اور ان بے جا اتہامات اور حملوں سے جو آئے دن مخالف اس پر لگاتے اور کرتے ہیں، اسے محفوظ کیا جاوے۔ اس غرض سے یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنا نمونہ دکھا دیں۔ یہی وجہ ہے جو میں نے پسند کیا ہے کہ ایسے لوگ جو اشاعتِ اسلام کا جوش دل میں رکھتے ہیں اور جو اپنے صدق اور اخلاص کا نمونہ دکھا کر فوت ہوں اور اس مقبرہ میں دفن ہوں اُن کی قبروں پر ایک تختہ لگا دیا جاوے جس میں اس کے مختصر سوانح ہوں اور اس اخلاص و وفا کا بھی کچھ ذکر ہو جو اس نے اپنی زندگی میں دکھایا تا جو لوگ اس قبرستان میں آویں اور ان کتبوں کو پڑھیں اُن پر ایک اثر ہو اور مخالف قوموں پر بھی ایسے صادقوں اور راستبازوں کے نمونے دیکھ کر ایک خاص اثر پیدا ہو۔ اگر یہ بھی اسی قدر کرتے ہیں جس قدر مخالف قومیں کر رہی ہیں اور وہ لوگ کر رہے ہیں، جن کے پاس حق اور حقیقت نہیں تو انہوں نے کیا کیا۔ پھر انہیں تو ایسی حالت میں شرمندہ ہونا چاہیئے۔ لعنت ہے ایسے بیعت میں داخل ہونے پر جو کافر جتنی بھی غیرت نہ رکھتا ہو۔

اسلام اس وقت یتیم ہو گیا ہے اور کوئی اس کا سرپرست نہیں اور خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو اختیار کیا اور پسند فرمایا کہ وہ اس کی سرپرست ہو اور وہ ہر طرح سے ثابت کر کے دکھائے

کہ اسلام کی سچی غمگسار اور ہمدرد ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہی قوم ہوگی جو بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ ٹھہرے گی۔ اس کے ثمرات برکات آنے والوں کے لیے ہوں گے اور زمانہ پر محیط ہو جائیں گے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ یہ جماعت بڑھے گی لیکن وہ لوگ جو بعد میں آئیں گے ان مدارج اور مراتب کو نہ پائیں گے جو اس وقت والوں کو ملیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا کہ وہ اس جماعت کو بڑھائے اور وہ دینِ اسلام اور توحید کی اشاعت کا باعث بنے۔

خادمِ دین واقفینِ زندگی کی ضرورت

مدرسہ کی سلسلہ جنبانی کی بھی اگر کوئی غرض ہے تو یہی ہے۔ اسی لیے مَیں نے کہا تھا کہ اس کے متعلق غور کیا جاوے کہ یہ مدرسہ اشاعتِ اسلام کا ایک ذریعہ بنے اور اس سے ایسے عالم اور زندگی وقف کرنے والے لڑکے نکلیں جو دُنیا کی نوکریوں اور مقاصد کو چھوڑ کر خدمتِ دین کو اختیار کریں۔ ایسا ہی اس قبرستان کے ذریعہ بھی اشاعتِ اسلام کا ایک مستقل انتظام سوچا گیا ہے۔ مدرسہ کے متعلق میری رُوح ابھی فیصلہ نہیں کر سکی کہ کیا راہ اختیار کیا جاوے۔ ایک طرف ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو عربی اور دینیات میں توغل رکھتے ہوں۔ اور دُوسری طرف ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو آجکل کے طرزِ مناظرات میں پکے ہوں۔ علومِ جدیدہ سے بھی واقف ہوں۔ کسی مجلس میں کوئی سوال پیش آجاوے تو جواب دے سکیں اور کبھی ضرورت کے وقت عیسائیوں سے یا کسی اَور مذہب والوں سے انہیں اسلام کی طرف سے مناظرہ کرنا پڑے تو ہتک کا باعث نہ ہوں بلکہ وہ اسلام کی خُوبیوں اور محاسن کو پُرزور اور پُرشوکت الفاظ میں ظاہر کر سکیں۔

میرے پاس اکثر ایسے خطوط آتے ہیں جن میں ظاہر کیا گیا تھا کہ آریوں سے گفتگو ہوئی یا عیسائیوں نے اعتراض کیا اور ہم جواب نہیں دے سکے۔ ایسے لوگ اسلام کی ہتک اور بے عزتی کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اسلام پر ہر رنگ اور ہر قسم کے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ مَیں نے ایک مرتبہ اس قسم کے اعتراضوں کا اندازہ کیا تھا تو مَیں نے دیکھا کہ اسلام پر تین ہزار اعتراض مخالفوں کی طرف سے ہوا ہے۔ پس یہ کس قدر ضروری ہے کہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہو جو ان تمام اعتراضات کا بخوبی جواب دے سکے۔ آجکل کے مناظروں اور مباحثوں کی حالت اَور بھی بُری ہو گئی ہے کہ اصول کو چھوڑ کر فروع میں جھگڑتے ہیں، حالانکہ اس اصل کو کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے کہ جب کسی سے گفتگو ہو تو وہ ہمیشہ اصول میں محدود ہو، لیکن یا وہ گو اس طریق کو پسند نہیں کرتے وہ جہاں تک ان سے ہو سکتا ہے اس سے نکلتے ہیں اور فروعات میں آکر اُلجھ جاتے ہیں۔ ایسے

لوگ اس امر کی بھی پابندی نہیں کرتے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھ لیں کہ دُوسرے مذاہب پر جو اعتراض کرتا ہوں۔ وُہ میرے گھر میں تو کسی تعلیم پر وارد نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی غرض محض اعتراض کرنا ہوتا ہے حق کو لینا نہیں ہوتا۔

ایک آریہ پر اگر نیوگ کا اعتراض کرو تو وہ قبل اُس کے کہ نیوگ کی حقیقت اور خوبی بیان کرے بلا سوچے سمجھے جھٹ اعتراض کر دے گا کہ تم میں متعہ ہے، حالانکہ اوّل تو مُتعہ ہے ہی نہیں اور علاوہ بریں مُتعہ کی حقیقت تو اتنی ہے کہ وہ میعادی طلاق ہے۔ طلاق کو نیوگ سے کیا نسبت؟ اور کیا تعلق؟ جو شخص محض حصولِ اولاد کے لیے اپنی بیوی کو دُوسرے سے ہمبستر کرواتا ہے وہ طلاق پر اعتراض کرے تو تعجب نہیں تو کیا ہے؟

واقفینِ زندگی کے لیے غیر زبانیں سیکھنے کی تلقین

غرض اعتراض کرنے والوں کی یہ حالت ہے اور نہایت شوخی اور بیباکی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ مَیں جب اسلام کی حالت کو مشاہدہ کرتا ہوں تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ ایسے لوگ میری زندگی میں تیار ہو جاویں جو اسلام کی خدمت کر سکیں۔ ہم تو پا بگور ہیں اور اگر اور تیار نہ ہوں تو پھر مشکل پیش آتی ہے۔ میرا مدعا اس قدر ہے کہ آپ لوگ تدبیر کریں خواہ کسی پہلو پر صاد کیا جاوے مگر یہ ہو کہ چند سال میں ایسے نوجوان نکل آویں جن میں علمی قابلیت ہو اور وہ غیر زبان کی واقفیت بھی رکھتے ہوں اور پُورے طور پر تقریر کر کے اسلام کی خوبیاں دوسروں کے ذہن نشین کر سکیں۔ میرے نزدیک غیر زبانوں سے اتنی ہی مراد نہیں کہ صرف انگریزی پڑھ لیں۔ نہیں اور زبانیں بھی پڑھیں اور سنسکرت بھی پڑھیں تاکہ ویدوں کو پڑھ کر اُن کی اصلیت ظاہر کر سکیں۔ اس وقت تک وید گویا مخفی پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ان کا مستند ترجمہ نہیں۔ اگر کوئی کمیٹی ترجمہ کر کے صاد کر دے تو حقیقت معلوم ہو جاوے۔

اصل بات یہ ہے کہ مَیں چاہتا ہوں کہ اسلام کو ان لوگوں اور قوموں میں پہنچایا جاوے جو اس سے محض ناواقف ہیں اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جن قوموں میں تم اُسے پہنچانا چاہو اُن کی زبانوں کی پُوری واقفیت ہو۔ ان کی زبانوں کی واقفیت نہ ہو اور ان کی کتابوں کو پڑھ نہ لیا جاوے تو مخالف پورے طور پر عاجز نہیں ہو سکتا۔

مولوی عبیداللہ صاحب مرحوم نے تحفۃ الہند نام ایک کتاب لکھی۔ اندرامن نے اس کا جواب دیا اور بڑی گالیاں دیں۔ اسلام پر اعتراض کر دیئے۔ اگرچہ اس کی بعض کتابیں جلا دی گئی تھیں مگر

انہیں اعتراضوں کو لے کر پنڈت دیانند صاحب نے پیش کر دیا۔ اگر مولوی عبید اللہ صاحب نے وید پڑھے ہوتے تو وہ ویدوں سے اس کا جواب دیتے۔ غرض زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔[1]

واقفین کی تعلیم و تربیت

مجھے یہ بھی شُبہ ہے کہ دماغی حالتیں کچھ اچھی نہیں ہیں۔ بہت ہی کم ایسے لڑکے ہوتے ہیں جن کے قویٰ اعلیٰ درجہ کے ہوں، ورنہ اکثر کو سِل یا دِق ہو جاتی ہے۔ پس ایسے کمزور قویٰ کے لڑکے بہت محنت برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اور بھی فکر دامنگیر ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ہم ایسے لڑکے تیار کرنا چاہتے ہیں جو دین کیلئے اپنی زندگی وقف کریں اور فارغ التحصیل ہو کر خدمت دین کریں مگر دوسری طرف اس قسم کی مشکلات ہیں۔ اسلیئے ضروری ہے کہ اس سوال پر بہت فکر کیا جاوے۔ ہاں میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ جو بچے ہمارے اس مدرسہ میں آتے ہیں، اُن کا آنا بھی بے سُود نہیں ہے۔ ان میں اخلاص اور محبت پائی جاتی ہے اس لیے اس موجودہ صورت اور انتظام کو بدلنا بھی مناسب نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ قاعدہ ہونا چاہیئے تھا کہ ان بچوں کو تعطیل کے دن مولوی سید محمد احسن صاحب یا مولوی حکیم نورالدین صاحب زبانی تقریروں کے ذریعہ ان کو قرآن شریف اور علم حدیث اور مناظرہ کا ڈھنگ سکھاتے اور کم از کم دو گھنٹہ ہی اس کام کے لیے رکھے جاتے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ زبانی تعلیم ہی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور طب کی تعلیم بھی زبانی ہوتی آئی۔ زبانی تعلیم سے طالب علموں کو خود بھی بولنے اور کلام کرنے کا طریق آجاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ معلّم فصیح و بلیغ ہو۔ زبانی تعلیم سے بعض اوقات ایسے فائدے ہوتے ہیں کہ اگر ہزار کتاب بھی تصنیف ہوتی تو وہ فائدہ نہ ہوتا۔ اس لیے اس کا التزام ضروری ہے۔ تعطیل کے دن ضرور ان کو سکھایا جاوے۔ پھر باقاعدہ اُن کو قرآن شریف سُنایا جاوے۔ اس کے حقائق و معارف بیان کیے جاویں اور ان کی تائید میں احادیث کو پیش کیا جاوے۔ عیسائی جو اعتراض اسلام پر کرتے ہیں اُن کے جواب ان کو بتائے جائیں اور اس کے بالمقابل عیسائیوں کے مذہب کی حقیقت کھول کر انکو بتائی جاوے تاکہ وہ اس سے خوب واقف ہو جاویں۔ ایسا ہی دہریوں اور آریوں کے اعتراضات اور اُن کے جوابات سے اُن کو آگاہ کیا جاوے۔ اور یہ سب کچھ سلسلہ وار ہو۔ یعنی کسی ہفتہ کچھ اور کسی ہفتہ کچھ۔ اگر یہ التزام کر لیا گیا تو مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ بہت کچھ تیاری کر لیں گے۔ نری عربی زبان کی واقفیت

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء

کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا نہیں ہوتے تھے تو اس زبان نے عربوں کے اخلاق، عادات اور مذہب پر کیا اثر ڈالا؟ اور اب شام و مصر میں کیا فائدہ پہنچایا؟ ہاں یہ سچ ہے کہ عربی زبان اگر عمدہ طور سے آتی ہو تو وہ قرآن شریف کی خادم ہوگی اور انسان قرآن شریف کے حقائق و معارف خوب سمجھ سکے گا۔ چونکہ قرآن اور احادیث عربی زبان میں ہیں اس لیے اس زبان سے پورے طور پر باخبر ہونا بہت ہی ضروری ہوگیا ہے۔ اگر عربی زبان سے واقفیت نہ ہو تو قرآن شریف اور احادیث کو کیا سمجھے گا؟ ایسی حالت میں تو پتہ ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ آیت قرآن شریف میں ہے بھی یا نہیں۔ ایک شخص کسی پادری سے بحث کرتا تھا اس سے کہدیا کہ قرآن شریف میں جو آیا ہے لَوْلَاكَ لَمَا پادری نے جب کہا کہ نکال کر دکھاؤ تو بہت ہی شرمندہ ہونا پڑا۔

سادہ ترجمہ پڑھ لینے سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ ان علوم کا جو قرآن شریف کے خادم ہیں واقف ہونا ضروری ہے۔ اس طرح پر قرآن شریف پڑھایا جاوے اور پھر حدیث۔ اور اس طرح پر ان کو اس سلسلہ کی سچائی سے آگاہ کیا جاوے اور ایسی کتابیں تیار کی جاویں جو اس تقسیم کے ساتھ ان کے لیے مفید ہوں۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح پر جاری ہو جاوے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مقاصد کا بہت بڑا مرحلہ طے ہو جاوے گا۔

یہ بھی یاد رہے کہ بیان کرنے والے تقسیم اوقات کے ساتھ بیان کریں اور پھر وہ ان بچوں سے امتحان لیں۔

غرض میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ تم نے سن لیا ہے اور میری اصل غرض اور منشاء کو تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس کے پورا کرنے کے لیے جو جو تجاویز اور پھر ان تجاویز پر جو اعتراض ہوتے ہیں وہ بھی تم نے بیان کر دیئے ہیں اور میں سن چکا ہوں۔ میں مدرسہ کی موجودہ صورت کو بھی پسند کرتا ہوں۔ اس سے نیک طبع بچے کچھ نہ کچھ اثر ضرور لے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں چاہیئے کہ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ۔ تجربہ کے طور پر سردست ایک سال کے لیے ہی ایسا انتظام کر کے دیکھو کہ ہفتہ وار جلسوں کے ذریعہ ان کو دینی ضروریات سے آگاہ کیا جاوے۔ ہاں عربی زبان کے لیے معقول انتظام ہونا چاہیئے۔ اگر اس کے لیے کچھ نہ ہو تو پھر ہماں اشش در کاسہ والی بات ہوگی۔ گویا زبانی تو سب کچھ ہوا مگر عملی اور حقیقی طور پر کچھ بھی نہ ہوا۔

اس بات کو بھی زیر نظر رکھ لو کہ اگر ان بچوں پر اور بوجھ ڈالا گیا تو وہ پاس ہونے کے خیالات میں دو طرفہ محنت نہیں کر سکیں گے۔ ایک ہی طرف کوشش کریں گے۔ اور اگر علیحدہ تعلیم ہوگی تو

اس کے لیے وقت وہی ہے وہ بڑھ نہیں سکتا۔ اس لیے ایک تو وہی صورت ہو سکتی ہے جو زبانی تعلیم کی میں نے بتائی ہے۔ اور ایک اور یہ صورت ہے کہ وہ بچے جو پاس اور فیل کی پروا نہ رکھیں بلکہ ان کی غرض خدمتِ دین کے لیے تیار ہونا ہو اور محض دین کے لیے تعلیم حاصل کریں ایسے بچوں کے لیے خاص انتظام کر دیا جاوے مگر اُن کے لیے بھی یہ ضروری امر ہے کہ علوم جدیدہ سے انہیں واقفیت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اگر علوم جدیدہ کے موافق کسی نے اعتراض کر دیا تو وہ خاموش ہو جاویں اور کہہ دیں کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں۔ اس لیے موجودہ علوم سے انہیں کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے تاکہ وہ کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور ان کی تقریر کا اثر زائل نہ ہو جاوے۔ محض اس وجہ سے کہ وہ بے خبر ہیں۔

ہاں ایک جماعت یہ ہو کہ وہ دونو علوم حاصل کر سکیں اور بجائے خود انہیں وقت کی پروا نہ ہو۔ پھر اس پر مشکل یہ ہوگی کہ استاد مستعد اور مقرر نہیں۔ غرض ہر پہلو کو سوچ کر یہ انتظام کرنے کی بات ہے۔ اس لیے میں جب ان تمام اُمور کو مدِ نظر رکھ کر سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا کہ ہمارا جو مطلب ہے وہ کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ اگر موجودہ صورت ہی کو قائم رکھیں اور کوئی انتظام نہ کیا گیا تو پھر ان ساری تقریروں سے فائدہ کیا ہوا؟ اور اگر اس پر مضامین بڑھا دیں تو استاد واویلا کرتے ہیں کہ وقت تھوڑا ہے اور ساتھ ہی لڑکوں کی صحت کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس نکتہ کو مدِ نظر رکھو کہ ایسے لوگ تیار ہو جاویں گے۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے تیار ہوں۔ خدا تعالیٰ نے جو نوحؑ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا (ہود: ۳۸) تو کشتی ہمارے سامنے بنا۔ اسی طرح پر میں اس جماعت کو اپنے سامنے تیار کرانا چاہتا ہوں۔ فائدہ اسی سے ہوگا۔

مسیح موعود کی صحبت کا اثر

میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہے اور اُسے ہماری تقریریں سُننے کا موقعہ مل جاوے تو وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جاوے گا۔ اس لیے جو کچھ ہو میرے سامنے ہو۔ آپ لوگ اس کی فکر کریں۔ میں اس امر میں تمہارے ساتھ اتفاق رائے کرتا ہوں کہ مدرسہ کو توڑا نہ جاوے۔ ان کے لیے تو تعطیل کا دن مناظرات اور دینیات کے واسطے قرار دیا جاوے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سب کے سب مولوی ہی ہو جاویں اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر ان میں سے ایک بھی نکل آوے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا اور باقیوں کو کم از کم اپنے دین ہی کی خبر ہو جاوے گی اور وہ غیر قوموں کے فتنہ میں نہ پڑ سکیں گے۔

ہماری کسی سے دشمنی نہیں

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مخالف مذہبوں کے لوگوں سے ہمیں کوئی دشمنی نہیں بلکہ ان کے بچے خیر خواہ اور ہمدرد ہم ہیں لیکن کیا کریں ہمارا مسلک اس جراح کی طرح ہے جس کو ایک پھوڑے کو چیرنا پڑتا ہے اور پھر وہ اس پر مرہم لگاتا ہے۔ بیوقوف مریض پھوڑے کو چیرنے کے وقت شور مچاتا ہے، حالانکہ اگر وہ سمجھے تو اس پھوڑے کو چیرنے کی اصل غرض اسی کے مفید مطلب ہے کیونکہ جبتک وہ چیرا نہ جاوے گا اور اس کی آلائش دُور نہ کی جاوے گی وہ اپنا فساد اَور بڑھائے گا اور زیادہ مُضر اور مہلک ہوگا۔ اسی طرح پر ہم مجبور ہیں کہ ان کی غلطیاں ان پر ظاہر کریں اور صراطِ مستقیم ان کے سامنے پیش کریں۔ جب تک وہ صراطِ مستقیم اختیار نہ کریں گے تو کیا بن سکتے ہیں؟

آریوں کے بعض غیر معقول عقائد

ایک طرف ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا تعالےٰ کے وجود ہی سے مُنکر ہیں اور دوسری طرف ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے وجود کا بظاہر اقرار کیا ہے مگر وہ مانتے ہیں کہ اس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ گویا ذرّہ ذرّہ خود خدا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ اس پر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ میشر سرب شکتی مان ہے۔ یہ کیسا سرب شکتی مان ہے کہ کچھ پیدا نہیں کر سکتا ذرّہ ذرّہ انادی ہے اور رُوحیں انادی ہیں۔ اُن کے خواص اور قویٰ انادی ہیں۔ پھر جوڑنا جاڑنا بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک ایسے عقیدہ میں اور دہریوں کے عقیدہ میں انیس[۱۹] اور بیس[۲۰] کا فرق ہے۔ یہ لوگ درحقیقت اللہ تعالےٰ اور اس کی قدرتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ ہم تو اس خدا کو مانتے ہیں جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) ہے.....

پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسا بیہودہ اور غلط اصول ہے کہ اس کے لیے کسی بڑی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ خواب کے نظارے کس نے نہیں دیکھے؟ یہانتک کہ خواب میں مُردوں سے باتیں کرتا اور کھانے پینے کی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ وُہ ہستی کہاں سے ہوتی ہے؟ کیا نیستی سے نہیں ہوتی؟

اگر عقل ہوتی اور باپ دادا میں رُوحانیت کا اثر ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے۔ یہ باتیں یونانیوں کے اندھے فلاسفروں سے لی ہیں۔ اور علم دین سے محض بے خبر ہیں۔ علم دین کچھ اَور حواس عطا کرتا فلسفی اور طبعی نہیں پہنچ سکتے۔ رؤیا میں سب امور ہست ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات رُوحانی امور جسمانی رنگ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ میری وہ رؤیا ہے جو سُرمہ چشم آریہ میں درج

ہے جس میں سیاہی کے چھینٹے کُرتے پر پڑے تھے اور وہ کُرتہ اب تک موجود ہے۔ یہ عجیب در عجیب اسرار ہیں جنکا ان پر ایمان نہیں وہ ایمان ہی کیا ہے؟

دین وہی ہے جو رُوحانیت سکھاتا ہے اور آگے قدم رکھواتا ہے۔ مَیں افسوس نہیں کرتا کہ ایسی بُری حالت کیوں ہوئی ہے جو اس وقت نظر آرہی ہے۔ یہ سب اسلام کے کمالات کے ظہور کی خاطر ہوا۔ بُت پرستی سے دست برداری کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم پیدا کردی۔ یہ لوگ اسلام کی ڈیوڑھی پر ہیں۔ ایک غیب کا دھکا لگے گا، تو تمہارے بھائی ہو جائیں گے۔[1]

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۵ء

مسیح موعود کی بعثت اور سلسلہ کے قیام کی غرض

اعلیٰحضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تقریر جو آپ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو بعد نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں فرمائی:

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۵ء کی صبح کو مہمان خانہ جدید کے بڑے ہال میں احباب کا ایک بڑا جلسہ اس غرض کے لیے منعقد ہوا تھا کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کی اصلاح کے سوال پر غور کریں۔ اس میں بہت سے بھائیوں نے مختلف پہلوؤں پر تقریریں کیں۔ ان تقریروں کے ضمن میں ایک بھائی نے اپنی تقریر میں کہا کہ جہانتک مَیں جانتا ہوں۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ اور دُوسرے مسلمانوں میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ وہ مسیح ابن مریم کا زندہ آسمان پر جانا تسلیم کرتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اس کے سوا اَور کوئی نیا امر ایسا نہیں جو ہمارے اور ان کے درمیان اصولی طور پر قابلِ نزاع ہو۔ اس سے چونکہ کامل طور پر سلسلہ کی بعثت کی غرض کا پتہ نہ لگ سکتا تھا بلکہ ایک امر مشتبہ اور کمزور معلوم ہوتا تھا اس لیے ضروری امر تھا کہ آپ اس کی اصلاح فرماتے، چونکہ اس وقت کافی وقت نہ تھا۔ اس لیے ۲۷ر دسمبر کو بعد ظہر و عصر آپ نے مناسب سمجھا

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۵ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۶ء

کہ اپنی بعثت کی اصل غرض پر کچھ تقریر فرمائیں۔ آپ کی طبیعت بھی ناساز تھی۔ تاہم محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :۔

فرمایا :

افسوس ہے اس وقت میری طبیعت بیمار ہے اور میں کچھ زیادہ بول نہیں سکتا، لیکن ایک ضروری امر کی وجہ سے چند کلمے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کل میں نے سُنا تھا کہ کسی صاحب نے یہ بیان کیا تھا کہ گویا ہم میں اور ہمارے مخالف مسلمانوں کے درمیان فرق موت و حیات مسیح علیہ السلام کا ہے ورنہ ایک ہی ہیں اور عملی طور پر ہمارے مخالفوں کا قدم بھی حق پر ہے یعنی نماز، روزہ اور دُوسرے اعمال مسلمانوں کے ہیں اور وہ سب اعمال بجا لاتے ہیں۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں ایک غلطی پڑ گئی تھی جس کے ازالہ کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ پیدا کیا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ بات صحیح نہیں۔ یہ تو سچ ہے کہ مسلمانوں میں یہ غلطی بہت بُری طرح پر پیدا ہوئی ہے لیکن اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ میرا دنیا میں آنا صرف اتنی ہی غلطی کے ازالہ کے لیے ہے اور اَور کوئی خرابی مسلمانوں میں ایسی نہ تھی جس کی اصلاح کی جاتی بلکہ وہ صراطِ مستقیم پر ہیں تو یہ خیال غلط ہے۔ میرے نزدیک وفات یا حیاتِ مسیح ایسی بات نہیں کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اتنا بڑا سلسلہ قائم کرتا اور ایک خاص شخص کو دُنیا میں بھیجا جاتا اور اللہ تعالیٰ ایسے طور پر اس کو ظاہر کرتا جس سے اس کی بہت بڑی عظمت پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ دنیا میں تاریکی پھیل گئی ہے اور زمین لعنتی ہو گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت[1] کی غلطی کچھ آج پیدا نہیں ہو گئی بلکہ یہ غلطی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پیدا ہو گئی تھی اور خواص اولیاء اللہ صلحاء اور اہل اللہ بھی آتے رہے اور لوگ اس غلطی میں گرفتار رہے۔ اگر اس غلطی ہی کا ازالہ مقصود ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس وقت بھی کر دیتا مگر نہیں ہوا۔ اور یہ غلطی چلی آئی۔ اور ہمارا زمانہ آ گیا۔ اس وقت بھی اگر نری اتنی ہی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک سلسلہ پیدا نہ کرتا۔ کیونکہ وفات مسیح ایسی بات تو تھی ہی نہیں جو پہلے کسی نے تسلیم نہ کی ہو۔ پہلے سے بھی اکثر خواص جن پر اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ یہی مانتے چلے آئے۔ مگر بات کچھ اَور ہے جو اللہ تعالےٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا۔ یہ سچ ہے کہ مسیح کی وفات[2] کی غلطی کو دُور کرنا بھی اس سلسلہ کی بہت بڑی غرض تھی۔ لیکن صرف اتنی ہی بات کے لیے خدا تعالیٰ

---

[1] یہ لفظ دراصل "حیات" ہے جو سہو کتابت سے "موت" لکھا گیا ہے (مرتب)

[2] سہو کتابت ہے "مسیح کی حیات کی غلطی" ہونا چاہیئے۔ (مرتب)

نے مجھ کو کھڑا نہیں کیا بلکہ بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو چکی تھیں۔ کہ اگر ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالےٰ ایک سلسلہ قائم کر کے کسی کو مامور نہ کرتا تو دُنیا تباہ ہو جاتی اور اسلام کا نام و نشان مٹ جاتا۔ اس لیے اسی مقصد کو دُوسرے پیرایہ میں ہم یُوں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بعثت کی غرض کیا ہے؟

حیاتِ مسیح کا فتنہ

وفاتِ مسیح اور حیاتِ اسلام یہ دونوں مقاصد باہم بہت بڑا تعلق رکھتے ہیں اور وفاتِ مسیح کا مسئلہ اس زمانہ میں حیاتِ اسلام کے لیے ضروری ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ حیاتِ مسیح سے جو فتنہ پیدا ہوا ہے وہ بہت بڑھ گیا ہے۔ حیاتِ مسیح کے لیے یہ کہنا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو زندہ آسمان پر اُٹھا لے جاتا؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی[1] سے ناواقفی کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم تو سب سے زیادہ اس بات پر ایمان لاتے اور یقین کرتے ہیں کہ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (البقرۃ: ۱۰۷)۔

اللہ تعالیٰ بیشک ہر بات پر قادر ہے اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بے شک وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسے امور سے پاک اور منزّہ ہے جو اس کی صفاتِ کاملہ کے خلاف ہوں اور وہ ان باتوں کا دشمن ہے۔ جو اس کے دین کے مخالف ہوں۔ حضرت عیسیٰ کی حیات اوائل میں تو صرف ایک غلطی کا رنگ رکھتی تھی مگر آج یہ غلطی ایک اژدھا بن گئی ہے جو اسلام کو نگلنا چاہتی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں اس غلطی سے کسی گزند کا اندیشہ نہ تھا اور وہ غلطی ہی کے رنگ میں تھی۔ مگر جب سے عیسائیت کا خروج ہوا اور انہوں نے مسیح کی زندگی کو ان کی خدائی کی ایک بڑی زبردست دلیل قرار دیا تو یہ خطرناک امر ہو گیا۔ انہوں نے بار بار اور بڑے زور سے اس امر کو پیش کیا کہ اگر مسیح خدا نہیں تو وُہ عرش پر کیسے بیٹھا ہے؟ اور اگر انسان ہو کر کوئی ایسا کر سکتا ہے کہ زندہ آسمان پر چلا جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی بھی آسمان پر نہیں گیا؟ اس قسم کے دلائل پیش کر کے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا بنانا چاہتے ہیں اور انہوں نے بنایا اور دنیا کے ایک حصّہ کو گمراہ کر دیا۔ اور بہت سے مسلمان جو تیس لاکھ سے زیادہ بتاتے جاتے ہیں اس غلطی کو صحیح عقیدہ تسلیم کرنے کی وجہ سے اس فتنہ کا شکار ہو گئے۔ اب اگر یہ بات صحیح ہوتی اور درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے جاتے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں اور مسلمان اپنی غلطی اور ناواقفی سے ان کی تائید کرتے ہیں تو پھر اسلام کے لیے تو ایک ماتم کا دن ہوتا۔ کیونکہ اسلام تو دُنیا میں اس لیے آیا ہے

---

[1] اس جگہ کتابت کی غلطی سے کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ (مرتب)

تاکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دُنیا کو ایک ایمان اور یقین پیدا ہو اور اس کی توحید پھیلے۔ وہ ایسا مذہب ہے کہ کوئی کمزوری اس میں پائی نہیں جاتی اور نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو وحدہٗ لاشریک قرار دیتا ہے۔ کسی دُوسرے میں یہ خصوصیت تسلیم کی جاوے تو یہ تو اللہ تعالیٰ کی کسرِ شان ہے اور اسلام اس کو روا نہیں رکھتا۔ مگر عیسائیوں نے مسیح کی اس خصوصیت کو پیش کر کے دنیا کو گمراہ کر دیا ہے اور مُسلمانوں نے بغیر سوچے سمجھے ان کی اس ہاں میں ہاں ملا دی اور اس ضرر کی پروا نہ کی جو اس سے اسلام کو پہنچا۔

اس بات سے کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے جو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ مسیح کو زندہ آسمان پر اُٹھا لے جاوے؟ بیشک وہ قادر ہے مگر وہ ایسی باتوں کو کبھی روا نہیں رکھتا جو مبدأ شرک ہو کر کسی کو شریک الباری ٹھہراتی ہوں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک شخص کو بعض وجوہ کی خصوصیت دینا صریح مبدأ شرک ہے۔ پس مسیح علیہ السلام میں یہ خصوصیت تسلیم کرنا کہ وُہ تمام انسانوں کے برخلاف ابتک زندہ ہیں اور خواصِ بشری سے الگ ہیں، یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے عیسائیوں کو موقع دیا کہ وہ اُن کی خدائی پر اس کو بطور دلیل پیش کریں۔ اگر کوئی عیسائی مسلمانوں پر یہ اعتراض کرے کہ تم ہی بتاؤ کہ ایسی خصوصیت اس وقت کسی اور شخص کو بھی ملی ہے؟ تو اس کا کوئی جواب اُن کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ یقین کرتے ہیں کہ سب انبیاء علیہم السلام مر گئے ہیں مگر مسیح کی موت بقول ان مخالف مسلمانوں کے ثابت نہیں کیونکہ توفّی کے معنے تو آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے کرتے ہیں۔ اس لیے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدۃ: ۱۱۸) میں بھی یہی معنے کرنے پڑیں گے کہ جب تو نے مجھے زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور کوئی آیت ثابت نہیں کرتی کہ اس کی موت بھی ہوگی۔ پھر بتاؤ کہ اُن کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے اور وہ اپنی غلطی کو سمجھیں۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جو لوگ مُسلمان کہلا کر اس عقیدہ کی کمزوری اور شناعت کے کُھل جانے پر بھی اس کو نہیں چھوڑتے وہ دشمنِ اسلام اور اس کے لیے مارِ آستین ہیں۔

یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ بار بار قرآن شریف میں مسیحؑ کی موت کا ذکر کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وہ دوسرے نبیوں اور انسانوں کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ کوئی امر ان میں ایسا نہ تھا جو دوسرے نبیوں اور انسانوں میں نہ ہو۔ یہ بالکل سچ ہے کہ توفّی کے موت ہی معنے ہیں۔ کسی لغت سے یہ ثابت نہیں کہ توفّی کے معنے کبھی آسمان پر مع جسم اُٹھانے کے بھی ہوتے ہیں۔ زبان کی خوبی لغات کی توسیع پر ہے۔ دُنیا میں کوئی لغت ایسی نہیں ہے جو صرف ایک کے لیے ہو اور دوسرے کے لیے نہ ہو۔ ہاں خدا تعالیٰ کے لیے یہ خصوصیت ضرور ہے اس لیے کہ وُہ

وحدہٗ لاشریک خدا ہے۔ لغت کی کوئی کتاب پیش کرو جس میں توفی کے یہ معنے خصوصیت سے حضرت عیسیٰؑ کے لیے کئے ہوں کہ زندہ آسمان پر مع جسم اٹھانا ہے اور سارے جہان کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے معنے موت کے ہوں گے۔ اس قسم کی خصوصیت لغت کی کسی کتاب میں دکھاؤ۔ اور اگر نہ دکھا سکو۔ اور نہیں ہے تو پھر خدا تعالیٰ سے ڈرو کہ یہ مبدأ شرک ہے۔ اس غلطی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں کے مدیون ٹھہرتے ہیں۔ اگر عیسائی یہ کہیں کہ جس حال میں تم مسیح کو زندہ تسلیم کرتے ہو کہ وہ آسمان پر ہے اور پھر اس کا آنا بھی مانتے ہو اور یہ بھی کہ وہ حَکَم ہو کر آئے گا۔ اب بتاؤ کہ اس کے خدا ہونے میں کیا شبہ رہا جبکہ یہ بھی ثابت نہ ہو کہ اس کو موت ہو گی۔ یہ کتنا بڑا مصیبت کا امر ہے کہ عیسائی سوال کرے اور اس کا جواب نہ ہو۔

غرض اس غلطی کا اثر بد اب یہاں تک بڑھ گیا۔ یہ تو سچ ہے کہ دراصل مسیح کی موت کا مسئلہ ایسا عظیم الشان نہ تھا کہ اس کے لیے ایک عظیم الشان مامور کی ضرورت ہوتی۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم پر تدبر چھوڑ دیا اور ان کی عملی حالت خراب ہو گئی۔ اگر ان کی عملی حالت درست ہوتی اور وہ قرآن کریم اور اس کی لغات پر توجہ کرتے تو ایسے معنے ہرگز نہ کرتے۔ انہوں نے اسی لیے اپنی طرف سے یہ معنے کر لئے۔ توفّی کا لفظ کوئی نرالا اور نیا لفظ نہ تھا اس کے معنے تمام لغت عرب میں خواہ وہ کسی نے لکھی ہوں موت کے کئے ہیں۔ پھر انہوں نے مع جسم آسمان پر اُٹھانے کے معنے آپ ہی کیوں بنا لیے۔ ہم کو افسوس نہ ہوتا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس لفظ کے یہی معنے کر لیتے کیونکہ یہی لفظ آپ کے لیے بھی تو قرآن شریف میں آیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس: ۴۷) اب بتاؤ کہ اگر اس لفظ کے معنے مع جسم آسمان پر اُٹھانا ہی ہیں تو کیا ہمارا حق نہیں کہ آپ کے لیے بھی یہی معنے کریں۔ کیا وجہ ہے کہ وہ نبی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزارہا درجہ کمتر ہے اس کے لیے جب یہ لفظ بولا جاوے تو اس کے من گھڑت معنے کر کے زندہ آسمان پر لے جاویں لیکن جب سید الاولین والآخرین کے لیے یہ لفظ آوے تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہ کریں۔ حالانکہ آپ کی زندگی ایسی ثابت ہے کہ کسی اور نبی کی ثابت نہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

اور اس لیے ہم زور اور دعویٰ سے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی نبی زندہ ہے تو وہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اکثر اکابر نے حیات النبیؐ پر کتابیں لکھی ہیں۔ اور

ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایسے زبردست ثبوت موجود ہیں کہ کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات ہے کہ زندہ نبی وہی ہوسکتا ہے جس کے برکات اور فیوض ہمیشہ کے لیے جاری ہوں اور یہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک کبھی بھی مسلمانوں کو ضائع نہیں کیا۔ ہر صدی کے سر پر اس نے کوئی آدمی بھیج دیا جو زمانہ کے مناسب حال اصلاح کرتا رہا یہانتک کہ اس صدی پر اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں حیات النبیؐ کا ثبوت دوں۔ یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت کرتا رہا ہے اور کرے گا جیساکہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) یعنی بیشک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کا لفظ صاف طور پر دلالت کرتا ہے کہ صدی کے سر پر ایسے آدمی آتے رہیں گے جو گمشدہ متاع کو لائیں اور لوگوں کو یاد دلائیں۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب پہلی صدی گذر جاتی ہے تو پہلی نسل بھی اُٹھ جاتی ہے اور اس نسل میں جو عالم، حافظِ قرآن، اولیاء اللہ اور ابدال ہوتے ہیں وہ فوت ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر ضرورت ہوتی ہے کہ احیاءِ ملت کے لیے کوئی شخص پیدا ہو، کیونکہ اگر دُوسری صدی میں نیا بندوبست اسلام کے تازہ رکھنے کے لیے نہ کرے تو یہ مذہب مرجاوے۔ اس لیے وُہ ہر صدی کے سر پر ایک شخص کو مامور کرتا ہے جو اسلام کو مرنے سے بچالیتا ہے اور اس کو نئی زندگی عطا کرتا ہے اور دُنیا کو ان غلطیوں بدعات اور غفلتوں اور سُستیوں سے بچالیتا ہے جو اُن میں پیدا ہوتی ہیں۔

یہ خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے اور یہ آپ کی حیات کی ایسی زبردست دلیل ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس طرح پر آپ کے برکات وفیوض کا سلسلہ لاانتہا اور غیر منقطع ہے اور ہر زمانہ میں گویا اُمت آپؐ کا ہی فیض پاتی ہے اور آپ ہی سے تعلیم حاصل کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محب بنتی ہے جیساکہ فرمایا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲) پس خدا تعالیٰ کا پیار ظاہر ہے کہ اس اُمت کو کسی صدی میں خالی نہیں چھوڑتا۔ اور یہی ایک امر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر روشن دلیل ہے۔ بالمقابل حضرت عیسیٰؑ کی حیات ثابت نہیں۔ ان کی زندگی ہی میں ایسا فتنہ برپا ہوا کہ کسی اور نبی کی زندگی میں وہ فتنہ نہیں ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰؑ سے مطالبہ کرنا پڑا کہ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ (المائدۃ: ۱۱۷) یعنی کیا تو نے ہی کہا تھا کہ

مجھے اور میری ماں کو خدا کو بنالو۔ جو جماعت حضرت عیسیٰؑ نے تیار کی وہ ایسی کمزور اور ناقابلِ اعتبار تھی کہ خود ہی عیسائی بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

صحابہؓ اور حواریوں کا موازنہ

انجیل سے ثابت ہے کہ وہ بارہ شاگرد جو اُن کی خاص قوتِ قدسی اور تاثیر کا نمونہ تھے۔ اُن میں سے ایک نے جس کا نام یہوداسکریوطی تھا۔ اس نے تیس روپے پر اپنے آقا و مُرشد کو بیچ دیا اور دُوسرے نے جو سب سے اوّل نمبر پر ہے اور شاگردِ رشید کہلاتا تھا اور جس کے ہاتھ میں بہشت کی کُنجیاں تھیں۔ یعنی پطرس۔ اس نے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ لعنت کی۔ جب خود حضرت مسیح کی موجودگی میں ان کا اثر اور فیض اس قدر تھا تو اب انیس سو سال گذرنے کے بعد خود اندازہ کر لو کہ کیا باقی رہا ہوگا۔ اس کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی تھی وہ ایسی صادق اور وفادار جماعت تھی کہ انہوں نے آپؐ کے لیے جانیں دے دیں، وطن چھوڑ دیئے، عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ دیا۔ غرض آپؐ کے لیے کسی چیز کی پروا نہ کی۔ یہ کیسی زبردست تاثیر تھی۔ اس تاثیر کا بھی مخالفوں نے اقرار کیا ہے اور پھر آپؐ کی تاثیرات کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ اب تک وہ چلی جاتی ہیں۔ قرآنِ شریف کی تعلیم میں وہی اثر وہی برکات اب بھی موجود ہیں۔

قرآنِ کریم اور انجیل کا موازنہ

اور پھر تاثیر کا ایک اور بھی نمونہ قابلِ ذکر ہے کہ انجیل کا کہیں پتہ ہی نہیں لگتا۔ خود عیسائیوں کو اس امر میں شکلات ہیں کہ اصل انجیل کونسی ہے اور وہ کس زبان میں تھی اور کہاں ہے؟ مگر قرآن شریف کی برابر حفاظت ہوتی چلی آئی ہے۔ ایک لفظ اور ایک نقطہ تک اس کا اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ اس قدر حفاظت ہوئی ہے کہ ہزاروں لاکھوں حافظ قرآن شریف کے ہر مُلک اور ہر قوم میں موجود ہیں جن میں باہم اتفاق ہے۔ ہمیشہ یاد کرتے اور سناتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ آپؐ کے برکات اور زندہ برکات نہیں؟ اور کیا ان سے آپؐ کی حیات ثابت نہیں ہوتی؟

غرض کیا قرآن شریف کی حفاظت کی رُو سے اور کیا تجدیدِ دین کے لیے ہر صدی پر مجدّد کے آنے کی حدیث سے اور کیا آپؐ کی برکات اور تاثیرات سے جو اب تک جاری ہیں آپؐ کی حیات ثابت ہوتی ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیات کے عقیدہ نے دُنیا کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ کیا اخلاقی اور عملی طور پر اصلاح ہوئی ہے یا فساد پیدا ہوا ہے؟ اس امر پر جس قدر غور کریں گے اسی قدر اس کی خرابیاں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اسلام نے اس عقیدہ سے بہت بڑا

ضرا اُٹھایا ہے یہاں تک کہ چالیس کروڑ کے قریب لوگ عیسائی ہو چکے ہیں جو سچے خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کو خدا بنا رہے ہیں اور عیسائیت نے دُنیا کو جو نفع پہنچایا ہے۔ وہ ظاہر امر ہے خود عیسائیوں نے اس امر کو قبول کیا ہے کہ عیسائیت کے ذریعہ بہت سی بداخلاقیاں دُنیا میں پھیلی ہیں کیونکہ جب انسان کو تعلیم ملے کہ اس کے گناہ کسی دُوسرے کے ذمہ ہو چکے تو وہ گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے اور گناہ تو ع انسان کے لیے ایک خطرناک زہر ہے جو عیسائیت نے پھیلائی ہے۔ اس صورت میں اس عقیدہ کا ضرر اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

وفاتِ مسیح کے مسئلہ کو مشیتِ ایزدی نے مخفی رکھا

میں یہ نہیں کہتا کہ حیاتِ مسیح کے متعلق اسی زمانہ کے لوگوں پر الہام ہے۔ نہیں بعض پہلوؤں نے غلطی کھائی ہے۔ مگر وہ تو اس غلطی میں بھی ثواب ہی پا رہے۔ کیونکہ مجتہد کے متعلق لکھا ہے یُخْطِئُ وَیُصِیْبُ کبھی مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور کبھی صواب مگر دونوں طرح پر اُسے ثواب ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مشیتِ ایزدی نے یہی چاہا تھا کہ ان سے یہ معاملہ مخفی رہے پس وہ غفلت میں رہے اور اصحابِ کہف کی طرح یہ حقیقت ان پر مخفی رہی جیسا کہ مجھے الہام ہوا تھا۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا اسی طرح مسیح کی حیات کا مسئلہ بھی ایک عجیب سِرّ ہے۔ باوجودیکہ قرآن شریف کھول کھول کر مسیح کی وفات ثابت کرتا ہے۔ اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جو آیت استدلال کے طور پر پڑھی گئی۔ وہ بھی اسی کو ثابت کرتی ہے۔ مگر باوجود اس قدر آشکارا ہونے کے خدا تعالیٰ نے اس کو مخفی کر لیا اور آنے والے موعود کے لیے اس کو مخفی رکھا چنانچہ جب وہ آیا تو اس نے اس راز کو ظاہر کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ وہ جب چاہتا ہے کسی بھید کو مخفی کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اُسے ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس نے اس بھید کو اپنے وقت تک مخفی رکھا مگر اب جبکہ آنیوالا آگیا اور اس کے ہاتھ میں اس سِرّ کی کلید تھی اس نے اسے کھول کر دکھا دیا۔ اب اگر کوئی نہیں مانتا اور ضد کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے۔

وفاتِ مسیح کا مسئلہ ایک ثابت شدہ امر ہے

غرض وفاتِ مسیح کا مسئلہ اب ایسا مسئلہ ہو گیا ہے کہ اس میں کسی قسم کا اخفا نہیں رہا۔ بلکہ ہر پہلو سے صاف ہو گیا ہے۔ قرآن شریف سے مسیح کی وفات

ثابت ہوتی ہے احادیث وفات کی تائید کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج موت کی تصدیق کرتا ہے اور آپ گویا چشم دید شہادت دیتے ہیں، کیونکہ آپ نے شب معراج حضرت عیسیٰ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ اور پھر آیت قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) مسیح کو زندہ آسمان پر جانے سے روکتی ہے۔ کیونکہ جب کفار نے آپؐ سے آسمان پر چڑھ جانے کا معجزہ مانگا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہی جواب دیا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل : ۹۴) یعنی میرا رب اس وعدہ خلافی سے پاک ہے جو ایک مرتبہ تو وہ انسان کے لیے یہ قرار دے کہ وہ اسی زمین پیدا ہوا۔ اور یہاں ہی مرے گا۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ (الاعراف:۲۶) یہ کہ تو ایک بشر رسول ہوں یعنی وہ بشریت میرے ساتھ موجود ہے جو آسمان پر نہیں جا سکتی۔ اور دراصل کفار کی غرض اس سوال سے یہی تھی۔ چونکہ وہ پہلے یہ سُن چکے تھے کہ انسان اسی دُنیا میں جیتا اور مرتا ہے اس لیے اُنہوں نے موقعہ پاکر سوال کیا جس کا جواب ان کو ایسا دیا گیا کہ ان کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ پس یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ مسیح وفات پا چکے۔ ہاں یہ ایک معجزانہ نشان ہے کہ انہیں غفلت میں رکھا اور ہوشیاروں کو مست بنا دیا۔

مسیح کی موت میں اسلام کی زندگی ہے

یہ بھی یاد رکھو کہ جن لوگوں نے یہ زمانہ نہیں پایا وہ معذور ہیں۔ ان پر کوئی حُجت پُوری نہیں ہوئی اور اس وقت اپنے اجتہاد سے جو کچھ وہ سمجھے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب پائیں گے۔ مگر اب وقت نہیں رہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس نقاب کو اُٹھا دیا اور اس مخفی راز کو ظاہر کر دیا ہے اور اس مسئلہ کے بُرے اور خوفناک اثروں کو تم دیکھ رہے ہو کہ اسلام تنزل کی حالت میں ہے۔ اور عیسائیت کا یہی ہتھیار حیاتِ مسیح ہے جس کو لے کر وہ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی ذریت عیسائیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایسے ہی مسائل وہ لوگوں کو سُنا سُنا کر برگشتہ کر رہے ہیں اور وہ خصوصیتیں جو نادانی سے مسلمان اُن کے لیے تجویز کرتے ہیں سکولوں اور کالجوں میں پیش کر کے اسلام سے جُدا کر رہے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اب مسلمانوں کو متنبہ کیا جاوے۔[1]

پس اس وقت چاہا ہے کہ مسلمان متنبہ ہو جائیں کہ ترقی اسلام کے لیے یہ پہلو نہایت ضروری ہے

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۶ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۰۶ء

کہ مسیح کی وفات کے مسئلہ پر زور دیا جاوے اور وہ اس امر کے قائل نہ ہوں کہ مسیح زندہ آسمان پر گیا ہے مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے مخالف اپنی بدقسمتی سے اس سِرّ کو نہیں سمجھتے اور خواہ نخواہ شور مچاتے ہیں۔ کاش یہ احمق سمجھتے کہ اگر ہم سب مل کر وفات پر زور دیں گے تو پھر یہ مذہب (عیسائی) نہیں رہ سکتا۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اسلام کی زندگی اُس کی موت میں ہے۔ خود عیسائیوں سے پوچھ کر دیکھ لو کہ جب یہ ثابت ہو جاوے کہ مسیح زندہ نہیں بلکہ مر گیا ہے تو اُن کے مذہب کا کیا باقی رہ جاتا ہے؟ وہ خود اس امر کے قائل ہیں کہ یہی ایک مسئلہ ہے جو اُن کے مذہب کا استیصال کرتا ہے مگر مسلمان ہیں کہ مسیح کی حیات کے قائل ہو کر ان کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کی وہی مثال ہے ؎

یکے بر سر شاخ و بُن مے برید

صلیب کو توڑنے والا ہتھیار

عیسائیوں کا جو ہتھیار اسلام کے خلاف تھا۔ اسی کو ان مسلمانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا[1] اور اپنی ناسمجھی اور کم فہمی سے چلا دیا جس سے اسلام کو اس قدر نقصان پہنچا مگر خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر اس سے ان کو آگاہ کر دیا اور ایسا ہتھیار عطا کیا جو صلیب کے توڑنے کے واسطے بے نظیر ہے اور اس کی تائید اور استعمال کے لیے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید سے اس موتِ مسیح کے ہتھیار نے صلیبی مذہب کو جس قدر کمزور اور سُست کر دیا ہے وہ اب چھپی ہوئی بات نہیں رہی۔ عیسائی مذہب اور اس کے حامی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی فرقہ اور سلسلہ اُن کے مذہب کو ہلاک کر سکتا ہے تو وہ یہی سلسلہ ہے؛ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ایک اہل مذہب سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں مگر اس سلسلہ کے مقابلہ میں نہیں آتے۔ بشپ صاحب کو جب مقابلہ کی دعوت کی گئی تو ہر چند اس کو بعض انگریزی اخباروں نے بھی جوش دلایا مگر پھر بھی وہ میدان میں نہیں نکلا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پاس عیسائیت کے استیصال کے لیے وہ ہتھیار ہیں جو دُوسروں کو نہیں دیئے گئے اور اُن میں سے پہلا ہتھیار یہی موتِ مسیح کا ہتھیار

---

[1] بدر میں ہے:۔ "تعجب ہے کہ عیسائی تو مسلمانوں کی گردن کاٹنے کے واسطے یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں اور مسلمان بھی اپنی گردنیں کٹوانے کے واسطے ان کی امداد میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

(بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۰۶ء)

ہے۔ موت اصلی غرض نہیں۔ یہ تو اس لیے کہ عیسائیوں کا ہتھیار تھا جس سے اسلام کا نقصان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس غلطی کا تدارک کرے، چنانچہ بڑے زور کے ساتھ اس کی اصلاح کی گئی۔

سلسلہ کے قیام کا ایک اور مقصد

اس کے علاوہ ان غلطیوں اور بدعات کو دُور کرنا بھی اصل مقصد ہے جو اسلام میں پیدا ہوگئی ہیں۔ یہ قلتِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اس سلسلہ میں اور دُوسرے مُسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر موجودہ مسلمانوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں آیا اور دونو ایک ہی ہیں تو پھر کیا خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو عبث قائم کیا؟ ایسا خیال کرنا اس سلسلہ کی سخت ہتک اور اللہ تعالےٰ کے حضور ایک جرأت اور گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں بہت تاریکی چھا گئی ہے۔ عملی حالت کے لحاظ سے بھی اور اعتقادی حالت کی وجہ سے بھی۔ وہ توحید جس کے لیے بے شمار نبی اور رسُول دُنیا میں آئے اور انہوں نے بے انتہا محنت اور سعی کی آج اس پر ایک سیاہ پردہ پڑا ہوا ہے اور لوگ کئی قسم کے شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دنیا کی محبت نہ کرو۔ مگر اب دُنیا کی محبت ہر ایک دل پر غلبہ کر چکی ہے اور جس کو دیکھو اسی محبت میں غرق ہے۔ دین کے لیے ایک تنکا بھی ہٹانے کے واسطے کہا جاوے تو وہ سوچ میں پڑ جاتا ہے اور ہزار دل عذر اور بہانے کرنے لگتا ہے۔ ہر قسم کی بدعملی اور بدکاری کو جائز سمجھ لیا گیا ہے اور ہر قسم کی منہیات پر کُھلم کھلا زور دیا جاتا ہے دین بالکل بیکس اور یتیم ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر اسلام کی تائید اور نصرت نہ فرمائی جاتی تو اَور کونسا وقت اسلام پر آنے والا ہے جو اس وقت مدد کی جاوے۔ اسلام تو صرف نام کو باقی رہ گیا۔ اب بھی اگر حفاظت نہ کی جاتی تو پھر اس کے مٹنے میں کیا شُبہ ہو سکتا تھا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ یہ صرف قلتِ تدبّر کا نتیجہ ہے جو کہا جاتا ہے کہ دوسرے مُسلمانوں میں کیا فرق ہے؟

حُبِّ دُنیا کا فتنہ

اگر صرف ایک ہی بات ہوتی تو اس قدر محنت اٹھانے کی کیا حاجت تھی۔ ایک سلسلہ قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بار بار ظاہر کر چکا ہے کہ ایسی تاریکی چھا گئی ہے کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ توحید جس کا ہمیں فخر تھا اور اسلام جس پر ناز کرتا تھا وہ صرف زبانوں پر رہ گئی ہے ورنہ عملی اور اعتقادی طور پر بہت ہی کم ہونگے جو توحید کے قائل ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا دُنیا کی محبت نہ کرنا۔ مگر اب ہر ایک دل اسی میں غرق ہے اور دین ایک بیکس اور یتیم کی طرح رہ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے صاف طور پر فرمایا تھا۔ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ یہ کیسا پاک اور سچا کلمہ ہے۔ مگر آج دیکھ لو۔ ہر ایک اس غلطی میں مبتلا ہے۔ ہمارے مخالف آریہ اور عیسائی اپنے مذاہب کی حقیقت کو خوب سمجھ چکے ہیں۔ لیکن اب اسے نباہنا چاہتے ہیں۔ عیسائی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے مذہب کے اصول و فروع اچھے نہیں۔ ایک انسان کو خدا بنانا ٹھیک نہیں۔ اس زمانہ میں فلسفہ، طبعی اور سائنس کے علوم ترقی کر گئے ہیں اور لوگ خوب سمجھ گئے ہیں کہ مسیح بجز ایک ناتواں اور ضعیف انسان ہونے کے سوا کوئی اقتداری قوت اپنے اندر نہ رکھتا تھا اور یہ ناممکن ہے کہ ان علوم کو پڑھ کر خود اپنی ذات کا تجربہ رکھ کر اور مسیح کی کمزوریوں اور ناتوانیوں کو دیکھ کر یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ خدا تھا؟ ہرگز نہیں۔

شرک عورت سے شروع ہوا ہے اور عورت سے اس کی بنیاد پڑی ہے یعنی حوا سے جس نے خدا تعالیٰ کا حکم چھوڑ کر شیطان کا حکم مانا۔ اور شرکِ عظیم یعنی عیسائی مذہب کی حامی بھی عورتیں ہی ہیں۔ درحقیقت عیسائی مذہب ایسا مذہب ہے کہ انسانی فطرت دُور سے اس کو دھکے دیتی ہے اور وہ کبھی اس کو قبول ہی نہیں کر سکتی۔ اگر درمیان دُنیا نہ ہوتی تو عیسائیوں کا گروہِ کثیر آج مسلمان ہو جاتا۔ بعض لوگ عیسائیوں میں مخفی مسلمان رہے ہیں اور انھوں نے اپنے اسلام کو چھپایا ہے لیکن مرنے کے وقت اپنی وصیت کی اور اسلام ظاہر کیا ہے۔ ایسے لوگوں میں بڑے بڑے عہدے دار تھے۔ انہوں نے حُبِّ دُنیا کی وجہ سے زندگی میں اسلام کو چھپایا لیکن آخر انہیں ظاہر کرنا پڑا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں اسلام نے راہ بنا لیا ہے اور اب وہ ترقی کر رہا ہے۔ حُبِّ دُنیا نے لوگوں کو محجوب کر رکھا ہے۔

غرض مسلمانوں میں اندرونی تفرقہ کا موجب بھی یہی حُبِّ دُنیا ہی ہوئی ہے کیونکہ اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقدم ہوتی تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا تھا کہ فلاں فرقے کے اصول زیادہ صاف ہیں اور وہ انہیں قبول کر کے ایک ہو جاتے۔ اب جبکہ حُبِّ دُنیا کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہو رہی ہے تو ایسے لوگوں کو کیسے مسلمان کہا جا سکتا ہے جبکہ ان کا قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (آل عمران ۳۲:) یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔ اب اس حُبِّ اللہ کی بجائے اور اتباعِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حُبِّ الدُّنیا کو مقدم کیا گیا ہے۔ کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا دار تھے؟ کیا وہ سُود لیا کرتے تھے؟ یا فرائض اور احکام الٰہی کی بجاآوری میں غفلت کیا کرتے تھے؟ کیا آپؐ میں معاذ اللہ نفاق تھا؟ مداہنہ تھا؟ دنیا کو دین پر مقدم کرتے تھے؟ غور کرو۔ اتباع تو یہ ہے کہ آپؐ کے نقشِ قدم پر چلو اور پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کیسے کیسے فضل کرتا

ہے۔ صحابہؓ نے وہ چلن اختیار کیا تھا۔ پھر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچایا۔ انہوں نے دُنیا پر لات ماردی تھی اور بالکل حُبِّ دُنیا سے الگ ہو گئے تھے۔ اپنی خواہشوں پر ایک موت وارد کر لی تھی۔ اب تم اپنی حالت کا ان سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کیا انہیں کے قدموں پر ہو؟ افسوس اس وقت لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ ان سے کیا چاہتا ہے۔ رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ نے بہت سے بچے دے دیئے ہیں کوئی شخص عدالت میں جاتا ہے تو دو آنے لے کر جھوٹی گواہی دینے میں ذرا شرم و حیا نہیں کرتا۔ کیا وکلاء قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ سارے کے سارے گواہ سچے پیش کرتے ہیں۔ آج دنیا کی حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ جس پہلو اور رنگ سے دیکھو جھوٹے گواہ بناتے جاتے ہیں۔ جھوٹے مقدمہ کرنا تو بات ہی کچھ نہیں جھوٹے اسناد بنا لیے جاتے ہیں۔ کوئی امر بیان کریں گے تو سچ کا پہلو بچا کر بولیں گے اب کوئی ان لوگوں سے جو اس سلسلہ کی ضرورت نہیں سمجھتے پوچھے کہ کیا یہی وہ دین تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تو جھوٹ کو نجاست کہا تھا کہ اس سے پرہیز کرو۔ اِجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج: ۳۱) بُت پرستی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملایا ہے جیسا احمق انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پتھر کی طرف سر جھکاتا ہے ویسے ہی صدق اور راستی کو چھوڑ کر اپنے مطلب کے لیے جھوٹ کو بُت بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بُت پرستی کے ساتھ ملایا اور اس سے نسبت دی جیسے ایک بُت پرست بُت سے نجات چاہتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا بھی اپنی طرف سے بُت بناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس بُت کے ذریعہ نجات ہو جاوے گی کیسی غرابی آکر پڑی ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کیوں بُت پرست ہوتے ہو اس نجاست کو چھوڑ دو۔ تو کہتے ہیں کیونکر چھوڑ دیں اس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ جھوٹ پر اپنا مدار سمجھتے ہیں۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آخر سچ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ بھلائی اور فتح اسی کی ہے۔

سچائی کی برکت

مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امرتسر ایک مضمون بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط بھی تھا۔ رلیا رام کے وکیل ہند اخبار کے متعلق تھا۔ میرے اس خط کو خلافِ قانون ڈاکخانہ قرار دے کر مقدمہ بنایا گیا۔ وکلاء نے بھی کہا کہ اس میں بجز اس کے رہائی نہیں جو اس خط سے انکار کر دیا جاوے۔ گویا جھوٹ کے سوا بچاؤ نہیں۔ مگر میں نے اس کو ہرگز پسند نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر سچ بولنے سے سزا ہوتی ہے تو ہو نے دو جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آخر وہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ ڈاک خانوں کا افسر بحیثیت مدعی حاضر ہوا۔ مجھ سے جس وقت اس کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے صاف طور پر کہا کہ یہ میرا خط ہے مگر میں نے اس کو

جزوِ مضمون سمجھ کر اس میں رکھا ہے۔ مجسٹریٹ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بصیرت دی۔ ڈاکخانوں کے افسر نے بہت زور دیا مگر اس نے ایک نہ سُنی اور مجھے رُخصت کر دیا[1]۔

مَیں کیونکر کہوں کہ جھوٹ کے بغیر گذارہ نہیں۔ ایسی باتیں نری بیہودگیاں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سچ کے بغیر گذارہ نہیں۔ مَیں اب تک بھی جب اپنے اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو ایک مزا آتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے پہلو کو اختیار کیا۔ اس نے ہماری رعایت رکھی۔ اور ایسی رعایت رکھی جو بطور نشان کے ہوگئی ــــ مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۴)۔

---

[1] حاشیہ: ۔ بدر میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ یُوں درج ہے:
تخمیناً ستائیس یا اٹھائیس سال کا عرصہ گذرا ہوگا یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہو کہ اس عاجز نے اسلام کی تائید میں آریوں کے مقابل پر ایک عیسائی کے مطبع میں جس کا نام رلیا رام تھا اور وکیل بھی تھا اور امرتسر میں رہتا تھا اور اس کا ایک اخبار بھی نکلتا تھا ایک مضمون بغرض طبع ہونے کے ایک پیکٹ کی صورت میں جس کی دونوں طرفیں کھُلی تھیں بھیجا۔ اور اس پیکٹ میں ایک خط بھی رکھ دیا۔ چونکہ خط میں ایسے الفاظ تھے جن میں اسلام کی تائید اور دُوسرے مذاہب کے بطلان کی طرف اشارہ تھا اور مضمون کے چھاپ دینے کے لیے تاکید بھی تھی اس لیے وہ عیسائی مخالفتِ مذہب کی وجہ سے افروختہ ہوا۔ اور اتفاقاً اس کو دشمنانہ حملہ کے لیے یہ موقعہ ملا کہ کسی علیحدہ خط کا پیکٹ میں رکھنا قانوناً ایک جُرم تھا جس کی اس عاجز کو کچھ بھی اطلاع نہ تھی اور ایسے جُرم کی سزا میں قوانینِ ڈاک کی رُو سے پانسو روپیہ جُرمانہ یا چھ ماہ تک قید ہے۔ سو اس نے مخبر بن کر افسرانِ ڈاک سے اس عاجز پر مقدمہ دائر کرا دیا اور قبل اس کے جو مجھے اس مقدمہ کی کچھ اطلاع ہو۔ رؤیا میں اللہ تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لیے مجھ کو بھیجا ہے اور مَیں نے اُسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیج دیا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آخر وہ مقدمہ جس طرز سے عدالت میں فیصلہ پایا وہ ایک ایسی نظیر ہے جو وکیلوں کے کام آسکتی ہے۔
غرض مَیں اس جُرم میں صدر ضلع گورداسپور میں طلب کیا گیا اور جن جن وکلاء سے مقدمہ کے لیے مشورہ لیا گیا۔ اُنہوں نے یہی مشورہ دیا کہ بجُز دروغگوئی کے اَور کوئی راہ نہیں اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دو کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا۔۔۔۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یقیناً یاد رکھو جھوٹ جیسی کوئی منحوس چیز نہیں۔ عام طور پر دنیا دار کہتے ہیں کہ سچ بولنے والے گرفتار ہو جاتے ہیں مگر میں کیونکر اس کو باور کروں؟ مجھ پر سات مقدمے ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی ایک میں بھی ایک لفظ بھی مجھے جھوٹ لکھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کوئی بتائے کہ کسی ایک میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے شکست دی ہو۔ اللہ تعالیٰ تو آپ سچائی کا حامی اور مددگار ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ راستباز کو سزا دے؟ اگر ایسا ہو تو دنیا میں پھر کوئی شخص سچ بولنے کی جرأت نہ کرے اور خدا تعالیٰ پر سے ہی اعتقاد اُٹھ جاوے۔ راستباز تو زندہ ہی مر جاویں۔

اصل بات یہ ہے کہ سچ بولنے سے جو سزا پاتے ہیں وہ سچ کی وجہ سے نہیں ہوتی وہ سزا اُن کی بعض اَور مخفی در مخفی بدکاریوں کی ہوتی ہے اَور کسی اور جھوٹ کی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے پاس تو ان کی بدیوں اور شرارتوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ ان کی بہت سی خطائیں ہوتی ہیں اور کسی نہ کسی میں وہ سزا پا لیتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ ؛ رلیا رام نے خود ڈال دیا ہوگا اور نیز بطور تسلی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا اور دو چار جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائے گی؛ ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے اور کوئی طریق رہائی نہیں۔ مگر میں نے ان سب کو جواب دے دیا کہ میں کسی حالت میں راستی کو چھوڑنا نہیں چاہتا جو ہوگا سو ہوگا۔ تب اسی دن یا دُوسرے دن مجھے ایک انگریز کی عدالت میں پیش کیا گیا اور میرے مقابل پر ڈاکخانہ جات کا افسر بحیثیت سرکاری مدعی ہونے کے حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم عدالت نے اپنے ہاتھ سے میرا اظہار لکھا۔ اور سب سے پہلے مجھ سے یہی سوال کیا کہ کیا یہ خط تم نے اپنے پیکٹ میں رکھ دیا تھا اور یہ پیکٹ تمہارا ہے؟ تب میں نے بلا توقف جواب دیا کہ یہ میرا ہی خط اور میرا ہی پیکٹ ہے اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لیے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے کچھ علیحدہ نہیں سمجھا اور نہ اس میں کوئی نج کی بات تھی۔ اس بات کو سُنتے ہی خدا تعالیٰ نے اس انگریز کے دل کو میری طرف پھیر دیا اور میرے مقابل پر افسر ڈاکخانہ جات نے بہت شور مچایا اور لمبی لمبی تقریریں انگریزی میں کیں جن کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس قدر میں سمجھتا تھا کہ ہر ایک تقریر کے بعد زبانِ انگریزی میں وہ حاکم نوٹ کر کے اس کی سب باتوں کو رد کر دیتا تھا۔ انجام کار جب وہ افسر مدعی اپنی تمام وجوہ پیش کر چکا اور اپنے تمام بخارات نکال چکا تو حاکم نے فیصلہ لکھنے کی طرف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میرے ایک استاد گل علی شاہ بٹالے کے رہنے والے تھے۔ وہ شیر سنگھ کے بیٹے پرتاپ سنگھ کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ شیر سنگھ نے اپنے باورچی کو محض نمک مرچ کی زیادتی پر بہت مارا تو چونکہ وہ بڑے سادہ مزاج تھے انہوں نے کہا کہ آپ نے بڑا ظلم کیا۔ اس پر شیر سنگھ نے کہا، مولوی جی کو خبر نہیں۔ اس نے میرا سو بکرا کھایا ہے اسی طرح پر انسان کی بدکاریوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ کسی ایک موقعہ پر پکڑا جا کر سزا پاتا ہے[1]۔ جو شخص سچائی اختیار کرے گا، کبھی نہیں ہو سکتا کہ ذلیل ہو اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ کی حفاظت جیسا اور کوئی محفوظ قلعہ اور حصار نہیں لیکن ادھوری بات فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب پیاس لگی ہوئی ہو تو صرف ایک قطرہ پی لینا کفایت کرے گا یا شدتِ بھوک کے وقت ایک دانہ یا لقمہ سے سیر ہو جاوے گا۔ بالکل نہیں۔ بلکہ جبتک پورا سیر ہو کر پانی نہ پیئے یا کھانا نہ کھائے تسلی نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جب تک اعمال میں کمال نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں۔ ناقص اعمال اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے اور نہ وہ بابرکت ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے کہ میری مرضی کے موافق اعمال کرو پھر میں برکت دوں گا۔

غرض یہ باتیں دُنیا دار خود ہی بنا لیتے ہیں کہ جھوٹ اور فریب کے بغیر گذارہ نہیں، کوئی کہتا ہے فلاں شخص نے مقدمہ میں سچ بولا تھا اس لیے چار برس کو دھرا گیا۔ میں پھر کہوں گا کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں جو عدمِ معرفت سے پیدا ہوتی ہیں ؎

کسبِ کمال کُن کہ عزیزِ جہاں شوی

بقیہ حاشیہ :- توجہ کی اور شاید سطر یا ڈیڑھ سطر لکھ کر مجھ کو کہا کہ اچھا آپ کے لیے رخصت۔ یہ سُنکر میں عدالت کے کمرہ سے باہر ہوا۔ اور اپنے محسنِ حقیقی کا شکر بجا لایا جس نے ایک افسر انگریز کے مقابل پر مجھ کو ہی فتح بخشی اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت صدق کی برکت سے خدا تعالیٰ نے اس بلا سے مجھ کو نجات دی۔ میں نے اس سے پہلے یہ خواب بھی دیکھی تھی کہ ایک شخص نے میری ٹوپی اُتارنے کے لیے ہاتھ مارا۔ میں نے کہا کیا کرنے لگا ہے؟ تب اُس نے ٹوپی کو میرے سر پر ہی رہنے دیا کہ خیر ہے خیر ہے۔ (بدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲ر فروری ۱۹۰۶ء)

[1] بدر میں ہے۔ "انسان گناہ کسی اَور موقعہ پر کرتا ہے اور پکڑا کسی اَور موقعہ پر جاتا ہے"
(بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۹ر فروری ۱۹۰۶ء)

یہ نقص کے نتیجے ہیں۔ کمال ایسے ثمرات پیدا نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر موٹی سی کھدر کی چادر میں کوئی توپا بھر دے تو اس سے وہ درزی نہیں بن جاوے گا۔ اور یہ لازم نہ آئے گا کہ اعلیٰ درجہ کے ریشمی کپڑے بھی وہ سی لے گا۔ اگر اس کو ایسے کپڑے دیتے جاویں تو نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ انہیں برباد کر دے گا پس ایسی نیکی جس میں گند ملا ہوا ہو کسی کام کی نہیں خدا تعالیٰ کے حضور اس کی کچھ قدر نہیں لیکن یہ لوگ اس پر ناز کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ نجات چاہتے ہیں۔

اعمال کے لئے اخلاص شرط ہے

اگر اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ تو ایک ذرہ بھی کسی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ اس نے تو خود فرمایا ہے۔ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ (الزلزال: ۸) اس لیے اگر ذرہ بھر نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر پاتے گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس قدر نیکی کر کے پھل نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں اخلاص نہیں آیا ہے۔ اعمال کے لیے اخلاص شرط ہے جیسا کہ فرمایا مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ (البینۃ: ۶) یہ اخلاص ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ابدال[1] ہیں۔

یہ لوگ ابدال ہو جاتے ہیں اور وہ اس دُنیا کے نہیں رہتے۔ اُن کے ہر کام میں ایک خلوص اور للہیت ہوتی ہے لیکن دُنیا داروں کا تو یہ حال ہے کہ وہ خیرات بھی کرتے ہیں تو اس کے لیے تعریف اور تحسین چاہتے ہیں۔ اگر کسی نیک کام میں کوئی چندہ دیتا ہے تو غرض یہ ہے کہ اخبارات میں اس کی تعریف ہو۔ لوگ تعریف کریں۔ اس نیکی کو خدا تعالیٰ سے کیا تعلق؟ بہت لوگ شادیاں کرتے ہیں۔ اس وقت سارے گاؤں میں روٹی دیتے ہیں مگر خدا کے لیے نہیں صرف نمائش اور تعریف کے لیے۔ اگر ریا نہ ہوتی اور محض شفقت علی خلق اللہ کے لحاظ سے یہ فعل ہوتا اور خالص خدا کے لیے تو ولی ہو جاتے، لیکن چونکہ ان کاموں کو خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق اور غرض نہیں ہوتی اسلئے کوئی اور نیک بابرکت اثر ان میں پیدا نہیں ہوتا۔

یہ خوب یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے ہو جاوے خدا تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کسی کے دھوکے میں نہیں آتا۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ ریاکاری اور فریب سے خدا تعالیٰ کو ٹھگ لوں گا تو یہ حماقت اور نادانی ہے۔ وہ خود ہی دھوکہ کھا رہا ہے۔ دُنیا کی زیب، دُنیا کی محبت ساری خطاکاریوں کی جڑ ہے۔ اس میں اندھا ہو کر انسان انسانیت سے نکل جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ میں کیا کر رہا

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۷ صفحہ ۴ - ۵ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء

ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا۔ جس حالت میں عقلمند انسان کسی کے دھوکا میں نہیں آسکتا تو اللہ تعالیٰ کیونکر کسی کے دھوکے میں آسکتا ہے۔ مگر ایسے افعالِ بد کی جڑ دنیا کی محبت ہے اور سب سے بڑا گناہ جس نے اس وقت مسلمانوں کو تباہ حال کر رکھا ہے اور جس میں وہ مبتلا ہیں وہ یہی دُنیا کی محبت ہے۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت لوگ اسی غم و ہم میں پھنسے ہوتے ہیں۔ اور اُس وقت کا لحاظ اور خیال بھی نہیں کہ جب قبر میں رکھے جاویں گے۔ ایسے لوگ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور دین کے لیے ذرا بھی ہم و غم رکھتے تو بہت کچھ فائدہ اٹھا لیتے۔ سعدیؒ کہتا ہے ؎

گر وزیر از خدا ترسیدے

خدا کی عظمت کو دل میں جگہ دو

ملازم لوگ تھوڑی سی نوکری کے لیے اپنے کام میں کیسے چست و چالاک ہوتے ہیں، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ذرا ٹھنڈا پانی دیکھ کر ہی رہ جاتے ہیں۔ ایسی باتیں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں نہیں ہوتی۔ اگر خدا تعالیٰ کی کچھ بھی عظمت ہو اور مرنے کا خیال اور یقین ہو تو ساری سستی اور غفلت جاتی رہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی عظمت کو دل میں رکھنا چاہیئے اور اس سے ہمیشہ ڈرنا چاہیئے۔ اس کی گرفت خطرناک ہوتی ہے۔ وہ چشم پوشی کرتا ہے اور درگذر فرماتا ہے لیکن جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر بہت سخت پکڑتا ہے یہانتک کہ لَا یَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس: ۱۶) پھر وہ اس امر کی بھی پروا نہیں کرتا کہ اس کے پچھلوں کا کیا حال ہوگا۔ برخلاف اس کے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اُس کی عظمت کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو عزت دیتا اور خود اُن کے لیے ایک سپر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاوے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جو لوگ اس طرف توجہ بھی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف آنا چاہتے ہیں ان میں سے اکثر یہی چاہتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جما دی جاوے۔ وہ نہیں جانتے کہ دین کے کاموں میں کس قدر صبر اور حوصلہ کی حاجت ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ وہ دُنیا جس کے لیے وہ رات دن مرتے اور ٹکریں مارتے ہیں اس کے کاموں کے لیے تو برسوں انتظار کرتے ہیں۔ کسان بیج بو کر کتنے عرصہ تک منتظر رہتا ہے لیکن دین کے کاموں میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پھونک مار کر دلی بنا دو اور پہلے ہی دن چاہتے ہیں کہ عرش پر پہنچ جاویں؛ حالانکہ نہ اس راہ میں کوئی محنت اور مشقت اٹھائی اور نہ کسی ابتلاء کے نیچے آیا۔

دین کے کاموں میں صبر اور محنت کی ضرورت

خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون

اور آئین نہیں ہے۔ یہاں ہر ترقی تدریجی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ نری اتنی باتوں سے خوش نہیں ہو سکتا کہ ہم کہدیں ہم مسلمان ہیں یا مومن ہیں، چنانچہ اس نے فرمایا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا یہ لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اتنا ہی کہنے پر راضی ہو جاوے اور یہ لوگ چھوڑ دیئے جاویں کہ وہ کہدیں ہم ایمان لائے اور ان کی کوئی آزمائش نہ ہو۔ یہ امر سنت اللہ کے خلاف ہے کہ پھونک مار کر ولی اللہ بنا دیا جاوے۔ اگر یہی سنت ہوتی تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے اور اپنے جان نثار صحابہؓ کو پھونک مار کر ولی بنا دیتے۔ ان کو امتحان میں ڈلوا کر اُن کے سر نہ کٹواتے اور خدا تعالیٰ ان کی نسبت یہ نہ فرماتا مِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ (الاحزاب: ۲۴)۔

پس جب دنیا بغیر شکلات اور محنت کے ہاتھ نہیں آتی تو عجیب بے وقوف ہے۔ وہ انسان جو دین کو حلوہ بے دُود سمجھتا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ دین سہل ہے مگر ہر نعمت مشقت کو چاہتی ہے۔ بایں اسلام نے تو ایسی مشقت بھی نہیں رکھی۔ ہندوؤں میں دیکھو کہ ان کے جوگیوں اور سنیاسیوں کو کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں ان کی کمریں ماری جاتی ہیں، کوئی ناخن بڑھاتا ہے۔ ایسا ہی عیسائیوں میں رہبانیت تھی۔ اسلام نے ان باتوں کو نہیں رکھا بلکہ اس نے یہ تعلیم دی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ (الشمس: ۱۰) یعنی نجات پا گیا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کیا۔ یعنی جس نے ہر قسم کی بدعت، فسق و فجور، نفسانی جذبات سے خدا تعالیٰ کے لیے الگ کر لیا اور ہر قسم کی نفسانی لذات کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف کو مقدم کر لیا۔ ایسا شخص فی الحقیقت نجات یافتہ ہے جو خدا تعالیٰ کو مقدم کرتا ہے اور دُنیا اور اس کے تکلفات کو چھوڑتا ہے[1]۔

اور پھر فرمایا قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔ (الشمس: ۱۱) مٹی کے برابر ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو آلودہ کر لیا یعنی جو زمین کی طرف جھک گیا۔ گویا یہ ایک ہی فقرہ قرآن کریم کی ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ یہ بالکل سچی اور پکی بات ہے

---

[1] حاشیہ: بدر سے:۔ جس نے دین کو مقدم کیا وہ خدا کے ساتھ مل گیا۔ نفس کو خاک کے ساتھ ملا دینا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کو ہر بات میں مقدم کرنا چاہیئے۔ یہی دین کا خلاصہ ہے جتنے بُرے طریق ہیں ان سب کو ترک کر دینا چاہیئے۔ تب خدا ملتا ہے۔

بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۳ مورخہ ۹ فروری ۱۹۰۶ء

کہ جب تک انسان قویٰ بشریہ کے بُرے طریق کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک خدا نہیں ملتا۔ دُنیا کی گندگیوں سے نکلنا چاہتے ہو اور خدا تعالیٰ کو ملنا چاہتے ہو تو ان لذات کو ترک کرو۔ ورنہ ؎

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنُوں

انسان کی فطرت میں دراصل بدی نہ تھی اور نہ کوئی چیز بُری ہے لیکن بداستعمالی بُری بنا دیتی ہے۔ مثلاً ریا ہی کو لو۔ یہ بھی دراصل بُری نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی کام محض خدا تعالیٰ کے لیے کرتا ہے اور اس لیے کرتا ہے کہ اس نیکی کی تحریک دُوسروں کو بھی ہو تو یہ ریا بھی نیکی ہے۔

ریا

ریا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دُنیا کے لیے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھا رہا ہے۔ اور پیچھے کوئی بڑا آدمی آ گیا اس کے خیال اور لحاظ سے نماز کو لمبا کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقعہ پر بعض آدمیوں پر ایسا رُعب پڑ جاتا ہے کہ وہ پھُول پھُول جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم ریا کی ہے جو ہر وقت ظاہر نہیں ہوتی مگر اپنے وقت پر جیسے بھُوک کے وقت روٹی کھاتا ہے یا پیاس کے وقت پانی پیتا ہے۔ مگر برخلاف اس کے جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کو سنوار سنوار کر پڑھتا ہے وہ ریا میں داخل نہیں۔ بلکہ رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ غرض ریا کے بھی محل ہوتے ہیں۔ اور انسان ایسا جانور ہے کہ بے محل عیوب پر نظر نہیں کرتا۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو بڑا عفیف اور پارسا سمجھتا ہے۔ راستہ میں اکیلا جا رہا ہے۔ راستہ میں وہ ایک تھیلی جواہرات کی پڑی پاتا ہے وہ اُسے دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ مداخلت کی کوئی بات نہیں۔ کوئی دیکھتا نہیں۔ اگر یہ اس وقت اس پر گرتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ غیر کا حق ہوگا اور روپیہ جو گرا ہوا ہے آخر کسی کا ہے۔ ان باتوں کو سوچ کر اگر اس پر نہیں گرتا اور لالچ نہیں کرتا تو فی الحقیقت پوری عفت اور تقویٰ سے کام لیتا ہے، ورنہ اگر نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے تو اس وقت اسکی حقیقت کھُل جاوے گی اور وہ اسے لے لے گا۔

اسی طرح ایک شخص جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ ریا نہیں کرتا۔ جب ریا کا وقت ہو اور وہ نہ کرے تو ثابت ہوگا کہ نہیں کرتا۔ لیکن جیسا کہ ابھی مَیں نے ذکر کیا بعض اوقات ان عادتوں کا محل ایسا ہوتا ہے کہ وہ بدل کر نیک ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ نماز جو باجماعت پڑھتا ہے۔ اس میں بھی ایک ریا تو ہے۔ لیکن انسان کی غرض اگر تماشہ ہی ہو تو بیشک ریا ہے اور اگر اس سے غرض اللہ اور اس کے رسُول کی فرمانبرداری مقصود ہے تو یہ ایک عجیب نعمت ہے۔ پس مسجدوں میں بھی نمازیں پڑھو اور گھروں میں بھی۔ ایسا ہی ایک جگہ دین کے کام کے لیے چندہ ہو رہا ہو۔ ایک شخص دیکھتا ہے کہ لوگ بیدار نہیں ہوتے اور خاموش ہیں۔ وہ محض اس خیال سے کہ لوگوں کو تحریک ہو سب سے پہلے چندہ دیتا ہے۔ بظاہر

یہ ریا ہوگی لیکن ثواب کا باعث ہوگی۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا (لقمان: ۱۹) زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ایک جنگ میں ایک شخص اکڑ کر اور چھاتی نکال کر چلتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ فعل ناپسند ہے لیکن اس وقت اللہ تعالےٰ اس کو پسند کرتا ہے۔ پس ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

خُلق کی تعریف غرض خُلق محل پر مومن اور غیر محل پر کافر بنا دیتا ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کوئی خُلق بُرا نہیں بلکہ بد استعمالی سے بُرے ہو جاتے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غصّہ کے متعلق آیا ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ قبل از اسلام آپ بڑے غصہ ور تھے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ غصہ تو وہی ہے، البتہ پہلے بے ٹھکانے چلتا تھا مگر اب ٹھکانے سے چلتا ہے۔ اسلام ہر ایک قوت کو اپنے محل پر استعمال کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ پس یہ بھی کوشش مت کرو کہ تمہارے قوی جاتے رہیں بلکہ ان قوی کا صحیح استعمال سیکھو۔

قرآن کریم اور انجیل کی اخلاقی تعلیم کا موازنہ یہ سب جھوٹے اور خیالی عقائد ہیں جو کہتے ہیں کہ ہماری تعلیم یہ ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو۔ ممکن ہے یہ تعلیم اس وقت مخصّص المکان اور مخصّص الزمان کی طرح ہو۔ ہمیشہ کے لیے یہ قانون نہ کبھی ہو سکتا ہے اور نہ یہ چل سکتا ہے۔ اس لیے کہ انسان ایک ایسے درخت کی طرح ہے جس کی شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی ایک ہی شاخ کی پروا کی جاوے تو باقی شاخیں تباہ اور برباد ہو جائیں گی۔ عیسائی مذہب کی اس تعلیم میں جو نقص ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔ اس سے انسان کے تمام قوی کی نشوونما کیونکر ہو سکتی ہے۔ اگر صرف درگذر ہی ایک عمدہ چیز ہوتی تو پھر انتقامی قوت اس کی قوتوں میں کیوں رکھی گئی ہے؟ اور کیوں پھر اس درگذر کی تعلیم پر عمل نہیں کیا جاتا؟ مگر برخلاف اس کے کامل تعلیم وہ ہے جو اسلام نے پیش کی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو ملی ہے اور وہ یہ ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۱)

یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقعہ پر بخش دے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو، کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو تو اسکا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ خواہ نخواہ ضرور ہر مقام پر شر کا مقابلہ نہ کیا

جاوے اور انتقام نہ لیا جاوے بلکہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ محل اور موقعہ کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ موقعہ گناہ کے بخش دینے اور معاف کر دینے کا ہے یا سزا دینے کا۔ اگر اسوقت سزا دینا ہی مصلحت ہو تو اس قدر سزا دی جائے جو سزا وار ہے اور اگر عفو کا محل ہے تو سزا کا خیال چھوڑ دو۔

یہ خوبی ہے اس تعلیم میں کیونکہ وہ ہر پہلو کا لحاظ رکھتی ہے۔ اگر انجیل پر عمل کر کے ہر شریر اور بدمعاش کو چھوڑ دیا جاوے تو دُنیا میں اندھیر مچ جاوے پس تم ہمیشہ یہی خیال رکھو کہ تمام قویٰ کو مُردہ مت تصور کرو۔ تمہاری کوشش یہ ہو کہ محل پر استعمال کرو۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ یہ تعلیم ایسی ہے جس نے انسانی قویٰ کے نقشہ کو کھینچ کر دکھا دیا ہے مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو عیسائیوں کی میٹھی میٹھی باتیں سُن کر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اسلام جیسی نعمت کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ صادق ہر حالت میں دُودھ والے کے واسطے شیریں ظاہر نہیں ہوتا جس طرح کہ ماں ہر وقت بچے کو کھانے کے واسطے شیرینی نہیں دے سکتی بلکہ وقت ضرورت کڑوی دوائی بھی دیتی ہے۔ ایسا ہی ایک صادق مصلح کا حال ہے۔ یہی تعلیم ہر پہلو پر مبارک تعلیم ہے۔ خدا ایسا ہے کہ سچا خدا ہے۔ ہمارے خدا پر عیسائی بھی ایمان لاتے ہیں۔ جو صفات ہم خدا تعالےٰ کی مانتے ہیں وہ سب کو ماننے پڑتے ہیں۔ پادری فنڈر ایک جگہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اگر کوئی ایسا جزیرہ ہو جہاں عیسائیت کا وعظ نہیں پہنچا تو قیامت کے دن ان لوگوں سے کیا سوال ہو گا؟ تب خود ہی جواب دیتا ہے کہ ان سے یہ سوال نہ ہو گا کہ تم یسوع پر اور اس کے کفارہ پر ایمان لائے تھے یا نہ لائے تھے، بلکہ ان سے یہی سوال ہو گا کہ کیا تم خُدا کو مانتے ہو جو اسلام کی صفات کا خدا واحد لاشریک ہے۔

اسلام کا خدا وہ خدا ہے کہ ہر ایک جنگل میں رہنے والا فطرتاً مجبور ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ ہر ایک شخص کا کانشنس اور نورِ قلب گواہی دیتا ہے کہ وہ اسلامی خدا پر ایمان لائے۔ اس حقیقتِ اسلام کو اور اصل تعلیم کو جس کی تفصیل کی گئی، آجکل کے مُسلمان بھُول گئے ہیں اور اسی بات کو پھر قائم کر دینا ہمارا کام ہے۔ یہی ایک عظیم الشان مقصد ہے جس کو لے کر ہم آتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ اور مریمؑ کا مَس شیطان سے پاک ہونا

ان امور کے علاوہ جو اوپر بیان کئے گئے اور بھی علمی اعتقادی غلطیاں مُسلمانوں کے درمیان پھیل رہی ہیں جن کا دُور کرنا ہمارا کام ہے۔ مثلاً ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مَسِ شیطان سے پاک ہیں اور باقی سب نعوذ باللہ پاک نہیں ہیں۔ یہ ایک صریح غلطی ہے بلکہ کفر ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت اہانت ہے۔ ان لوگوں میں ذرہ

بھی غیرت نہیں جو اس قسم کے مسائل گھڑ لیتے ہیں اور اسلام کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام سے بہت دُور ہیں۔ اصل میں یہ مسئلہ اس طرح سے ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدائش دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مسِ رُوح القدس سے اور ایک مسِ شیطان سے۔ تمام نیک اور راستباز لوگوں کی اولاد مسِ رُوح القدس سے ہوتی ہے اور جو اولاد بدی کا نتیجہ ہوتی ہے وُہ مسِ شیطان سے ہوتی ہے۔ تمام انبیاء مسِ رُوح القدس سے پیدا ہوتے تھے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ کے متعلق یہودیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ وُہ نعوذ باللہ ولد الزنا ہیں اور مریم کا ایک اَور سپاہی پنڈارا نام کے ساتھ تعلق ناجائز کا ذریعہ ہیں اور مسِ شیطان کا نتیجہ ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ سے یہ الزام دُور کرنے واسطے ان کے متعلق یہ شہادت دی تھی کہ ان کی پیدائش بھی مسِ رُوح القدس سے تھی۔ چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کے متعلق کوئی اس قسم کا اعتراض نہ تھا۔ اس واسطے ان کے متعلق ایسی بات بیان کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑی۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین عبداللہ اور آمنہ کو تو پہلے ہی سے ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے متعلق ایسا خیال وگمان بھی کبھی کسی کو نہ ہوا تھا۔ ایک شخص جو مقدمہ میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے واسطے صفائی کی شہادت کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن جو شخص مقدمہ میں گرفتار ہی نہیں ہوا۔ اس کے واسطے صفائی کی شہادت کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔

معراج کی حقیقت

ایسا ہی ایک اَور غلطی جو مسلمانوں کے درمیان پڑ گئی ہوئی ہے وہ معراج کے متعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا۔ سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے۔ سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی، اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر وہ کیفیت طاری ہوئی ہو؛ ورنہ ظاہری جسم اور ظاہری بیداری کے ساتھ آسمان پر جانے کے واسطے تو خود یہودیوں نے معجزہ طلب کیا تھا جس کے جواب میں قرآن شریف میں کہا گیا تھا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۹۴) کہدے میرا رب پاک ہے میں تو ایک انسان رسُول ہیں۔ انسان اس طرح اُڑ کر کبھی آسمان پر نہیں جاتے۔ یہی سُنّت اللہ قدیم سے جاری ہے۔

قرآن شریف حدیث پر مقدم ہے

ایک اور غلطی اکثر مسلمانوں کے درمیان ہے کہ وہ حدیث کو قرآن شریف پر مقدم کرتے ہیں، حالانکہ یہ غلط بات ہے قرآن شریف ایک یقینی مرتبہ رکھتا ہے اور حدیث کا مرتبہ ظنی ہے۔ حدیث قاضی نہیں، بلکہ قرآن اُس پر قاضی ہے۔ ہاں حدیث قرآنِ شریف کی تشریح ہے۔ اس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا چاہیے۔ حدیث کو اس حد تک ماننا ضروری ہے کہ قرآن شریف کے مخالف نہ پڑے اور اس کے مطابق ہو۔ لیکن اگر اس کے مخالف پڑے تو وہ حدیث نہیں بلکہ مردود قول ہے۔ لیکن قرآن شریف کے سمجھنے کے واسطے حدیث ضروری ہے۔ قرآن شریف میں جو احکام الٰہی نازل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی رنگ میں کر کے اور کرا کے دکھا دیا اور ایک نمونہ قائم کر دیا۔ اگر یہ نمونہ نہ ہوتا تو اسلام سمجھ میں نہ آسکتا، لیکن اصل قرآن ہے۔ بعض اہلِ کشف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ایسی احادیث سُنتے ہیں جو دُوسروں کو معلوم نہیں ہوتیں یا موجودہ احادیث کی تصدیق کر لیتے ہیں۔

غرض اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کہ ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ ناراض ہے اور جو اسلامی رنگ سے بالکل مخالف ہیں۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ اب لوگوں کو مسلمان نہیں جانتا جبتک کہ وہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہِ راست پر نہ آجاویں اور اس مطلب کے واسطے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں ان سب غلطیوں کو دُور کر کے اصلی اسلام پھر دنیا پر قائم کروں۔

یہ فرق ہے ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان۔ ان کی حالت وہ نہیں رہی جو اسلامی حالت تھی۔ یہ مثل ایک خراب اور نکمّے باغ کے ہو گئے۔ ان کے دل ناپاک ہیں اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ایک نئی قوم پیدا کرے جو صدق اور راستی کو اختیار کر کے سچے اسلام کا نمونہ ہو۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۱ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۶ء

ایام جلسہ دسمبر ۱۹۰۵ء

حضرت مولوی عبدالکریم مرحوم کا ذکرِ خیر

باہر بہشتی مقبرہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر تھا۔ فرمایا:

وہ اس سلسلہ کی محبت میں بالکل محو تھے۔ جب اوائل میں میرے پاس آئے تھے، تو سید احمد کے معتقد تھے۔ کبھی کبھی ایسے مسائل پر میری ان کی گفتگو ہوتی جو سید احمد کے غلط عقائد میں سے تھے اور بعض دفعہ بحث کے رنگ تک نوبت پہنچ جاتی۔ مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک دن علانیہ کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ آج میں نے سب باتیں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد وہ ہماری محبت میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ ہم دن کو کہتے کہ ستارے ہیں اور رات کو کہتے کہ سورج ہے تو وہ کبھی مخالفت کرنیوالے نہ تھے۔ ان کو ہمارے ساتھ ایک پورا اتحاد اور پوری موافقت حاصل تھی۔ کسی امر میں ہمارے ساتھ خلافِ رائے کرنا وہ کفر سمجھتے تھے۔ ان کو میرے ساتھ نہایت درجہ کی محبت تھی اور وہ اصحاب الصفہ میں سے ہو گئے تھے جن کی تعریف خدا تعالیٰ نے پہلے سے اپنی وحی میں کی تھی۔ اُن کی عمر ایک معصومیت کے رنگ میں گذری تھی اور دُنیا کی عیش کا کوئی حصّہ اُنہوں نے نہیں لیا تھا۔ نوکری بھی انہوں نے اسی واسطے چھوڑ دی تھی کہ اس میں دین کی ہتک ہوتی ہے۔ پچھلے دِنوں ان کو ایک نوکری دو سو روپے ماہوار کی ملتی تھی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ خاکساری کے ساتھ اُنہوں نے اپنی زندگی گذار دی۔ صرف عربی کتابوں کے دیکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ اسلام پر جو اندرونی بیرونی حملے پڑتے تھے ان کے اندفاع میں عمر بسر کر دی۔ باوجود اس قدر بیماری اور ضُعف کے ہمیشہ ان کی قلم چلتی رہتی تھی۔ اُن کے متعلق ایک خاص الہام بھی تھا "مُسلمانوں کا لیڈر"

غرض میں جانتا ہوں کہ ان کا خاتمہ قابلِ رشک ہوا، کیونکہ ان کے ساتھ دُنیا کی لَونی نہ تھی جس کے ساتھ دُنیا کی لَونی ہوتی ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔ انجام نیک ان کا ہوتا ہے جو فیصلہ کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے میں خاک ہو جائیں گے۔

ہمارا مسلک سب کی خیر خواہی ہے

فرمایا:

ہمیں کسی کے ساتھ بغض و عداوت نہیں۔ ہمارا مسلک سب کی خیر خواہی ہے۔ اگر ہم آریوں یا عیسائیوں کے برخلاف کچھ لکھتے ہیں تو وہ کسی دلی عناد یا کینہ کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس وقت ہماری حالت اس جرّاح

کی طرح ہوتی ہے جو پھوڑے کو چیر کر اس پر مرہم لگاتا ہے۔ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص میرا دشمن ہے اور اسکو گالیاں دیتا ہے۔ مگر جراح کے دل میں نہ غصہ ہے نہ رنج۔ نہ اس کو گالیوں پر کوئی غضب آتا ہے۔ وہ ٹھنڈے دل سے اپنی خیر خواہی کا کام کرتا چلا جاتا ہے۔

صُحبتِ مسیح موعودؑ کی برکت

مدرسہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:

اس جگہ طلباء کا آکر پڑھنا بہت ضروری ہے۔ جو شخص ایک ہفتہ ہماری صُحبت میں آکر رہے، وہ مشرقی و مغرب کے مولوی سے بڑھ جائے گا۔ جماعت کے بہت سے لوگ ہمارے رُوبرو ایسے تیار ہونے چاہئیں جو آئندہ نسلوں کے واسطے واعظ اور معلّم ہوں اور لوگوں کو راہ راست پر لاویں۔[1]

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۵ء

صُبح نو بجے مہمان خانہ جدید میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ایک عام مجلس ہوئی جس قدر مہمان مختلف شہروں اور قصبوں سے آئے ہوئے تھے وہ سب کے سب موجود تھے جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔ اس تقریر کا مفہوم یہ تھا کہ چونکہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غرض اور غایت یہ ہے کہ اسلام کی عام اشاعت اور تبلیغ ہو اور ہمارے یہاں ایک ایسی جماعت پیدا ہو جو اپنی علمی اور عملی قابلیتوں کی وجہ سے ممتاز ہو کر اس خدمت کو سرانجام دے۔ اس لیے تین دن سے مدرسہ کے جدید انتظام کے مسئلہ پر غور کیا جاتا رہا ہے اور آخر یہ فیصلہ ہوا ہے کہ مدرسہ بصورت موجودہ بھی قائم رہے اور مبلغین اور واعظین کے لیے ایک الگ جماعت کھولی جاوے۔ اس کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے۔ خواجہ صاحب نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا کہ دُنیا کی کامیابی بھی دین ہی کے ماتحت ہیں اور دین سے الگ ہو کر دُنیا کی کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ غرض خواجہ صاحب کی تقریر کا خلاصہ سلسلہ کی ضروریات اور ان کی تکمیل کے لیے قوم کے اپنے فرائض تھا۔ اور اس میں صحابہ کرامؓ کے زمانہ کا اس زمانہ سے مقابلہ کر کے بتایا کہ انہوں نے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۰۶ء

تو جائیں فدا کر دیں۔ اس وقت جانوں کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خدا کے مسیح نے جہاد کی حرمت کا فتویٰ شائع کر دیا ہے۔ اب اگر ضرورت ہے تو مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اس لیے کوئی مستقل فنڈ ہونا چاہیئے۔

خواجہ صاحب اپنی تقریر کر ہی رہے تھے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لائے۔ خواجہ صاحب نے سلسلہ کی ضروریات کے روز افزوں اخراجات کا ذکر کر کے جماعت کو متوجہ کیا۔ ان کے بیٹھ جانے پر خدام نے عرض کی کہ حضور کچھ ارشاد فرمائیں۔ جس پر حضور نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

خدا تعالیٰ کی راہ میں اموال خرچ کرنیوالوں کیلئے بشارت

دیکھو جو کچھ خواجہ صاحب نے بیان کیا ہے یہ سب کچھ صحیح اور دُرست ہے۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ اس جماعت کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اپنی عملی حالت، قوتِ ایمانی کو درست کر کے دکھاویں کیونکہ جبتک عملی رنگ میں ایمان ثابت نہ ہو صرف زبان سے ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک منظور نہیں اور وہ کچھ نہیں۔ زبان میں تو ایک مخلص اور منافق یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو اپنا صدق اور ثبات قدم ثابت کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ عملی طور پر ظاہر کر کے جب تک عملی طور پر قدم آگے نہیں رکھتا آسمان پر اس کو مومن نہیں کہا جاتا۔

بعض شخصوں کے دل میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آئے دن ہم پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں کہاں تک برداشت کریں۔ میں جانتا ہوں کہ ہر شخص ایسا دل نہیں رکھتا کیونکہ ایک طبیعت کے ہی سب نہیں ہوتے۔ بہت سے تنگدل اور کم ظرف ہوتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کر بیٹھتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ کو ان کی پروا کیا ہے۔ ایسے شبہات ہمیشہ دُنیا داری کے رنگ میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو توفیق بھی نہیں ملتی۔ لیکن جو لوگ محض خدا تعالےٰ کے لیے قدم اُٹھاتے ہیں اور اس کی مرضی کو مقدم کرتے ہیں اور اس بناء پر جو کچھ بھی خدمتِ دین کرتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ خود انہیں توفیق دے دیتا ہے۔ اور اعلاءِ کلمۃ الاسلام کے لیے جن اموال کو وہ خرچ کرتے ہیں ان میں برکت رکھ دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے اور جو لوگ صدق اور اخلاص سے قدم اُٹھاتے ہیں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح پر اندر ہی اندر انہیں توفیق دی جاتی ہے

وہ شخص بڑا نادان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (المنافقون: ۸) یعنی خدا تعالےٰ کے پاس آسمان و زمین کے خزانے

ہیں۔ منافق ان کو سمجھ نہیں سکتے لیکن مومن اس پر ایمان لاتا اور یقین کرتا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر سب لوگ جو اس وقت موجود ہیں اور اس سلسلہ میں داخل ہیں یہ سمجھ کر کہ آئندہ دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے وہ دست بردار ہو جائیں اور نخل سے یہ کہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ ایک اور قوم پیدا کر دے گا جو ان سب اخراجات کا بوجھ خوشی سے اٹھائے اور پھر بھی سلسلہ کا احسان مانے۔

ایک عظیم نشان

اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو بڑھائے پس کون ہے جو اُسے روک سکے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بادشاہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ کب تھک سکتا ہے۔ آج سے پچیس برس بلکہ اس سے بھی بہت پہلے خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ایسے وقت میں کہ ایک شخص بھی میرے پاس نہ تھا اور کبھی سال بھر میں بھی کوئی خط نہ آتا تھا۔ اس گمنامی کی حالت میں مَیں نے جو دعوے کئے ہیں وہ براہین احمدیہ میں چھپے ہوئے موجود ہیں۔ اور یہ کتاب مخالفوں موافقوں کے پاس موجود ہے بلکہ ہندوؤں عیسائیوں تک کے پاس بھی ہے۔ مکہ، مدینہ اور قسطنطنیہ تک بھی پہنچی۔ اسے کھول کر دیکھو کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے فرمایا:

يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَيَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

یعنی تیرے پاس دُور دراز جگہوں سے لوگ آئیں گے اور جن راستوں سے آئیں گے وہ راہ عمیق ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ جو کثرت سے آئیں گے تو اُن سے تھکنا نہیں اور اُن سے کسی قسم کی بداخلاقی نہ کرنا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب لوگوں کی کثرت ہوتی ہے تو انسان ان کی ملاقات سے گھبرا جاتا ہے اور کبھی بے توجہی کرتا ہے۔ جو ایک قسم کی بداخلاقی ہے پس اس سے منع کیا اور کہا کہ ان سے تھکنا نہیں اور مہمان نوازی کے لوازم بجا لانا۔ ایسی حالت میں خبر دی گئی تھی کہ کوئی بھی نہ آتا تھا۔ اور اب تم سب دیکھ لو کہ کس قدر موجود ہو۔ یہ کتنا بڑا نشان ہے؟ اس سے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسی خبر بغیر عالم الغیب خدا کے کون دے سکتا ہے۔ نہ کوئی منجم نہ کوئی فراست والا کہہ سکتا ہے۔

ان حالات پر جب ایک سعید مومن غور کرتا ہے، تو اُسے لذت آتی ہے۔ وہ یقین کرتا ہے کہ ایک خدا ہے جو اعجازی خبریں دیتا ہے۔ غرض اس خبر میں اس نے کثرت کے ساتھ مہمانوں کی آمد و رفت کی خبر دی۔ پھر چونکہ ان کے کھانے پینے کے لیے کافی سامان چاہیے تھا اور ان کے فروکش ہونے کے لیے مکانوں کا انتظام ہونا چاہیے تھا۔ پس اس کے لیے بھی ساتھ ہی خبر دی يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔

اب غور کرو کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے خود کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ارادہ کر لیا ہے، کون ہے جو اس کی راہ میں روک ہو۔ وہ خود ساری ضرورتوں کا تکفل اور تہیہ کرتا ہے۔ یہ بات انسانی طاقت سے باہر

ہے کہ اس قدر عرصہ پہلے ایک واقعہ کی خبر دے کہ ایک بچہ بھی پیدا ہو کر صاحب اولاد ہو سکتا ہے یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے جو خدا تعالیٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ صادق کی نشانی پیشگوئی ہے اور یہ بہت بڑا نشان ہے جس پر غور کرنا چاہیے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تدبر اور غور سے بڑھتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نشانوں پر غور نہیں کرتے ان کا قدم پھسلنے والی جگہ پر ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ انسان اپنے ایمان میں اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جبتک خدا تعالیٰ کے اقوال، افعال اور قدرتوں کو نہ دیکھے۔

پس یہ سلسلہ اسی غرض کے لیے قائم ہوا ہے تا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھے۔ یہ نشان جو میں نے ابھی پیش کیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ایسا زبردست ہے کہ کوئی انس کو روک نہیں سکتا۔ برخلاف اس کے کسی دوسرے مذہب والے کو یہ حوصلہ اور ہمت کہاں ہے کہ وہ ایسے تازہ بتازہ نشان پیش کرے۔ جماعت کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ کس قدر نشانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا کاروبار ہے کسی اور کو اس میں دخل نہیں۔

نشانات کا مقصد

یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان پیشگوئیوں کے ساتھ دکھاتا ہے کہ ایمانی قوت بڑھ جاوے اور یہ قوت بغیر ایسے نشانوں کے بڑھ نہیں سکتی کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کا زبردست ہاتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ انسان ایسا جاندار ہے کہ جبتک خدا تعالیٰ کی طرف سے تربیت ایمانی کے لیے فیوض و برکات نہ ہوں وہ خود بخود پاک صاف نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت میں پاک صاف ہونا اور تقویٰ پر قدم مارنا آسان امر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے یہ نعمت ملتی ہے۔

تقویٰ اور احسان

اور سچا تقویٰ جس سے خدا تعالیٰ راضی ہو، اس کے حاصل کرنے کے لیے بار بار اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (آل عمران: ۱۰۳) اور پھر یہ بھی کہا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: ۱۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نصرت میں ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ تقویٰ کہتے ہیں بدی سے پرہیز کرنے کو۔ اور محسنون وہ ہوتے ہیں جو اتنا ہی نہیں کہ بدی سے پرہیز کریں۔ بلکہ نیکی بھی کریں اور پھر یہ بھی فرمایا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی (یونس: ۲۷) یعنی ان نیکیوں کو بھی سنوار سنوار کر کرتے ہیں۔ مجھے یہ وحی بار بار ہوئی اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (النحل: ۱۲۹) اور اتنی مرتبہ ہوئی ہے کہ میں گن نہیں سکتا۔ خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو۔ اس سے غرض یہی ہے کہ تا جماعت کو معلوم ہو جاوے کہ صرف اس بات پر ہی فریفتہ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں یا صرف

خشک خیالی ایمان سے راضی ہو جاؤ۔ اللہ تعالےٰ کی معیت اور نصرت اسی وقت ملے گی جب سچا تقویٰ ہو اور پھر نیکی ساتھ ہو۔

یہ فخر کی بات نہیں کہ انسان اتنی ہی بات پر خوش ہو جاوے کہ مثلاً وہ زنا نہیں کرتا۔ یا اس نے خون نہیں کیا۔ چوری نہیں کی۔ یہ کوئی فضیلت ہے کہ بُرے کاموں سے بچنے کا فخر حاصل کرتا ہے؟ دراصل وہ جانتا ہے کہ چوری کرے گا تو ہاتھ کاٹا جاویگا۔ یا موجودہ قانون کی رُو سے زندان میں جاوے گا۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسلام ایسی چیز کا نام نہیں ہے کہ بُرے کام سے ہی پرہیز کرے، بلکہ جبتک بدیوں کو چھوڑ کر نیکیاں اختیار نہ کرے وہ اس رُوحانی زندگی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ نیکیاں بطور غذا کے ہیں۔ جیسے کوئی شخص بغیر غذا کے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح جبتک نیکی اختیار نہ کرے تو کچھ نہیں۔

قرآن شریف میں ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک حالت تو وہ ہوتی ہے یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (الدھر: ۶) یعنی ایسا شربت پی لیتے ہیں جس کی ملونی کافور ہو۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ دُنیا کی محبت سے دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ کافور ٹھنڈی چیز ہے اور زہروں کو دبا لیتا ہے، ہیضہ اور وبائی امراض کے لیے مفید ہے۔ پس پہلا مرحلہ تقویٰ کا وہ ہے جس کو استعارہ کے رنگ میں یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔ ایسے لوگ جو کافوری شربت پی لیتے ہیں۔ ان کے دل ہر قسم کی خیانت، ظلم، ہر نوع کی بدی اور بُرے قویٰ سے دل ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ اور یہ بات ان میں طبعاً اور فطرتاً پیدا ہوتی ہے نہ کہ تکلف سے۔ وہ ہر قسم کی بدیوں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ معمولی بات نہیں۔ بدیوں کا چھوڑ دینا آسان نہیں۔ انجیل کا اکثر حصّہ اسی سے پُر ہے کہ بُرے کام نہ کرو۔ مگر یہ پہلا زینہ ہے تکمیلِ ایمان کا۔ اسی پر قانع نہیں ہو جانا چاہیے۔ ہاں اگر انسان اس پر عمل کرے اور بدیوں کو چھوڑ دے تو دوسرے حصّہ کے لیے اللہ تعالیٰ آپ ہی مدد دیتا ہے۔ یہ بات انسان مُنہ سے تو کہہ سکتا ہے کہ میں بدیوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ لیکن جب مختلف قسم کے بُرے کام سامنے آتے ہیں۔ تو بدن کانپ جاتا ہے۔

بعض گناہ موٹے موٹے ہوتے ہیں مثلاً جھوٹ بولنا، زنا کرنا، خیانت، جھوٹی گواہی دینا اور اتلافِ حقوق، شرک کرنا وغیرہ۔ لیکن بعض گناہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہی نہیں۔ جوان سے بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اُسے پتہ نہیں لگتا کہ گناہ کرتا ہے۔ مثلاً گلہ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس کو بالکل ایک معمولی اور چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن شریف نے اس کو بہت ہی بڑا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا (الحجرات: ۱۳) خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ انسان ایسا کلمہ زبان پر لاوے جس سے اس کے بھائی کی تحقیر ہو

اور ایسی کارروائی کرے جس سے اس کو حرج پہنچے۔ ایک بھائی کی نسبت ایسا بیان کرنا جس سے اس کا جاہل اور نادان ہونا ثابت ہو یا اس کی عادت کے متعلق خفیہ طور پر بے غیرتی یا دشمنی پیدا ہو۔ یہ سب بُرے کام ہیں۔ ایسا ہی بُخل، غضب یہ سب بُرے کام ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان ان سے پرہیز کرے اور ہر قسم کے گناہوں سے جو خواہ آنکھوں سے متعلق ہوں یا کانوں سے ہاتھوں سے یا پاؤں سے بچتا رہے۔ کیونکہ فرمایا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل: ۳۷) یعنی جس بات کا علم نہیں خواہ نخواہ اس کی پیروی مت کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ، دل اور ہر ایک عضو سے پُوچھا جاوے گا۔ بہت سی بدیاں صرف بدظنی سے ہی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک بات کسی کی نسبت سُنی اور جھٹ یقین کر لیا۔ یہ بہت بُری بات ہے جس بات کا قطعی علم اور یقین نہ ہو اس کو دل میں جگہ مت دو۔ یہ اصل بدظنی کو دُور کرنے کے لیے ہے[1] کہ جب تک مشاہدہ اور فیصلہ صحیح نہ کرے نہ دل میں جگہ دے اور نہ ایسی بات زبان پر لاتے۔ یہ کیسی محکم اور مضبوط بات ہے۔ بہت سے انسان ہیں جو زبان کے ذریعہ پکڑے جائیں گے۔ یہاں دُنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمی محض زبان کی وجہ سے پکڑے جاتے ہیں اور انہیں بہت کچھ ندامت اور نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

دل میں جو خطرات اور سرسری خیال گذر جاتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی مواخذہ نہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں گذرے کہ فلاں مال مجھے مل جاوے تو اچھا ہے۔ یہ ایک قسم کا لالچ تو ہے لیکن محض اتنے ہی خیال پر جو طبعی طور پر دل میں آئے اور گذر جاوے کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن جب ایسے خیال کو دل میں جگہ دیتا ہے اور پھر عزم کرتا ہے کہ کسی نہ کسی حیلے سے وہ مال ضرور لینا چاہیے۔ تو پھر یہ گناہ قابلِ مواخذہ ہے۔ غرض جب دل عزم کر لیتا ہے تو اس کے لیے شرارتیں اور فریب کرتا ہے۔ تو یہ گناہ قابلِ مؤاخذہ لکھا جاتا ہے پس یہ اس قسم کے گناہ ہیں جو بہت ہی کم توجہ کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ اور یہ انسان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے اور کھلے گناہوں سے تو اکثر پرہیز کرتے ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہوں گے جنھوں نے کبھی خون نہیں کیا۔ نقب زنی نہیں کی۔ یا اور اسی قسم کے بڑے بڑے گناہ نہیں کیے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ہیں جنھوں نے کسی کا گلہ نہیں کیا یا کسی اپنے بھائی کی ہتک کر کے اس کو رنج نہیں پہنچایا۔ یا جھوٹ بول کر خطا نہیں کی؟ یا کم از کم دل کے خطرات پر استقلال نہیں کیا؟

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۲ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۶ء

میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہوں گے جو ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوں اور خدا تعالےٰ سے ڈرتے ہوں؛ ورنہ کثرت سے ایسے لوگ ملیں گے جو تقریباً جھوٹ بولتے ہیں اور ہر وقت ان کی مجلسوں میں دوسروں کا شکوہ و شکایت ہوتا رہتا ہے اور وہ طرح طرح سے اپنے کمزور اور ضعیف بھائیوں کو دُکھ دیتے ہیں۔

اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ میں اس وقت بُرے کاموں کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک اوامر اور نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے۔ اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔ خلاصۃً یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو ہرگز منظور نہیں کہ زمین پر فساد کریں۔ اللہ تعالیٰ دُنیا پر وحدت پھیلانا چاہتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی کو رنج پہنچاتا ہے۔ ظلم اور خیانت کرتا ہے، وہ وحدت کا دشمن ہے۔ جبتک یہ بدخیال دل سے دُور نہ ہوں کبھی ممکن نہیں کہ سچی وحدت پھیلے۔ اس لیے اس مرحلہ کو سب سے اوّل رکھا۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کیا ہے؟ ہر قسم کی بدی سے اپنے آپ کو بچانا پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابرار کے لیے پہلا انعام شربت کافوری ہے۔ اس شربت کے پینے سے دل بُرے کاموں سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دلوں میں برائیوں اور بدیوں کے لیے تحریک اور جوش پیدا نہیں ہوتا۔ ایک شخص کے دل میں یہ خیال تو آجاتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں یہانتک کہ چور کے دل میں بھی یہ خیال آ ہی جاتا ہے مگر جذبۂ دل سے وہ چوری بھی کر ہی لیتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو شربت کافوری پلا دیا جاتا ہے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کے دل میں بدی کی تحریک ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ دل بُرے کاموں سے بیزار اور متنفر ہو جاتا ہے۔ گناہ کی تمام تحریکوں کے مواد دبا دیئے جاتے ہیں۔ یہ بات خدا تعالیٰ کے فضل کے سوا میسّر نہیں آتی۔ جب انسان دُعا اور عقدِ ہمت سے خدا تعالےٰ کے فضل کو تلاش کرتا ہے اور اپنے نفس کے جذبات پر غالب آنے کی سعی کرتا ہے تو پھر یہ سب باتیں فضلِ الٰہی کو کھینچ لیتی ہیں اور اُسے کافوری جام پلایا جاتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں زمرۂ ابدال میں داخل فرماتا ہے۔ اور یہی تبدیلی ہے جو ابدال کی حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔

یہ بھی عموماً دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے جب اس قسم کی باتوں کو سنتے ہیں تو اُن کے دل متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ اچھا بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن جب اس مجلس سے الگ ہوتے ہیں اور اپنے احباب اور دوستوں سے ملتے ہیں تو پھر وہی رنگ اُن میں آجاتا ہے اور اُن سُنی ہوئی باتوں کو

یکدم بھول جاتے ہیں اور وہی پہلا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ اس سے بچنا چاہیے۔ جن صحبتوں اور مجلسوں میں ایسی باتیں پیدا ہوں اُن سے الگ ہو جانا ضروری ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ان تمام بُری باتوں کے اجزاء کا علم ہو۔ کیونکہ طلبِ شئے کے لیے علم کا ہونا سب سے اوّل ضروری ہے۔ جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو، اسے کیونکر حاصل کر سکتے ہیں؟ قرآن شریف نے بار بار تفصیل دی ہے پس بار بار قرآن شریف کو پڑھو۔ اور تمہیں چاہیے کہ بُرے کاموں کی تفصیل لکھتے جاؤ۔ اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے کوشش کرو کہ ان بدیوں سے بچتے رہو۔ یہ تقویٰ کا پہلا مرحلہ ہوگا۔ جب تم ایسی سعی کرو گے تو اللہ تعالیٰ پھر تمہیں توفیق دے گا اور وہ کافوری شربت تمہیں دیا جاوے گا جس سے تمہارے گناہ کے جذبات بالکل سرد ہو جائیں گے۔ اس کے بعد نیکیاں ہی سرزد ہوں گی۔ جب تک انسان متقی نہیں بنتا یہ جام اُسے نہیں دیا جاتا اور نہ اس کی عبادات اور دعاؤں میں قبولیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدۃ: ۲۸) یعنی بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی عبادات کو قبول فرماتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ نماز روزہ بھی متقیوں ہی کا قبول ہوتا ہے ان عبادات کی قبولیت کیا ہے اور اس سے مُراد کیا ہے؟

عبادات کی قبولیت سے مراد

سو یاد رکھنا چاہیے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نماز قبول ہوگئی ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ نماز کے اثرات اور برکات نماز پڑھنے والے میں پیدا ہو گئے ہیں جب تک وہ برکات اور اثرات پیدا نہ ہوں اس وقت تک نری ٹکریں ہی ہیں۔

اس نماز یا روزہ سے کیا فائدہ ہوگا جبکہ اسی مسجد میں نماز پڑھی اور وہیں کسی دوسرے کی شکایت اور گلہ کر دیا۔ یا رات کو چوری کر لی۔ کسی کے مال یا امانت میں خیانت کر لی۔ کسی کی شان پر جو خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے بخل یا حسد کی وجہ سے حملہ کر دیا۔ کسی کی آبرو پر حملہ کر دیا۔ غرض اس قسم کے عیبوں اور برائیوں میں اگر مبتلا کا مبتلا رہا تو تم ہی بتاؤ۔ اس نماز نے اس کو کیا فائدہ پہنچایا؟

چاہیے تو یہ تھا کہ نماز کے ساتھ اسکی بدیاں اور وہ برائیاں جن میں وہ مبتلا تھا کم ہو جاتیں اور نماز اس کے لیے ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ پس پہلی منزل اور مشکل اُس انسان کے لیے جو مومن بننا چاہتا ہے یہی ہے کہ بُرے کاموں سے پرہیز کرے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ تقویٰ اس کا نام نہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرے۔ بلکہ باریک در باریک بدیوں سے بچتا رہے مثلاً ٹھٹھے اور ہنسی کی مجلسوں میں بیٹھنا یا ایسی مجلسوں میں بیٹھنا جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کی ہتک ہو یا اس کے بھائی کی شان پر حملہ ہو رہا ہو اگرچہ ان کی ہاں میں ہاں بھی

نہ ملائی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی بُرا ہے کہ ایسی باتیں کیوں سُنیں؟ یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں مرض ہے کیونکہ اگر ان کے دل میں بدی کی پُوری حِس ہوتی تو وہ کیوں ایسا کرتے اور کیوں ان مجلسوں میں جاکر ایسی باتیں سُنتے؟

یہ بھی یاد رکھو کہ ایسی باتیں سُننے والا بھی کرنے والا ہی ہوتا ہے۔ جو لوگ زبان سے ایسی باتیں کرتے ہیں وہ تو صریح مؤاخذہ کے نیچے ہیں کیونکہ انہوں نے ارتکابِ گناہ کا کیا ہے۔ لیکن جو چپکے ہو کر بیٹھے رہے ہیں وہ بھی اس گناہ کے خمیازہ کا شکار ہوں گے اس حصّہ کو بڑی توجہ سے یاد رکھو اور قرآن شریف کو بار بار پڑھ کر سوچو۔

احسان

یہ تو وہ پہلا حصّہ ہے نیکی کا مگر نیکی یہی پر ختم نہیں۔ بعض لوگ ہندوؤں، عیسائیوں اور دُوسری قوموں میں بھی پائے جاتے ہیں جو بعض گناہ نہیں کرتے۔ مثلاً بعض جھوٹ نہیں بولتے۔ کسی کا مال ناحق نہیں کھاتے۔ قرضہ دبا نہیں لیتے بلکہ واپس کرتے ہیں۔ معاملات معاشرت میں بھی پکّے ہوتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اتنی ہی بات نہیں جس سے وہ راضی ہو جاوے — بدیوں سے بچنا چاہیے اور اس کے بالمقابل نیکی کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر مخلصی نہیں۔ جو اسی پر مغرور ہے کہ وہ بدی نہیں کرتا۔ وہ نادان ہے۔ اسلام انسان کو اسی حد تک نہیں پہنچاتا اور چھوڑتا۔ بلکہ وہ دونو شقیں پوری کرانا چاہتا ہے۔ یعنی بدیوں کو تمام وکمال چھوڑ دو اور نیکیوں کو پُورے اخلاص سے کرو۔ جبتک یہ دونوں باتیں نہ ہوں نجات نہیں ہو سکتی۔

مجھے ایک مثال کسی نے بتائی تھی اور وہ صحیح ہے۔ کہتے ہیں۔ ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور بڑے تکلف سے اس کی تواضع کی۔ جب وہ کھانے سے فراغت پا چکا تو اس سے نہایت عجز و انکسار سے میزبان نے کہا کہ میں آپ کی شان کے موافق حقِ دعوت ادا نہیں کر سکا۔ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ مہمان نے سمجھا کہ گویا اس طرح پر احسان جتاتا ہے۔ اُسے کہا کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ بڑی نیکی کی ہے۔ اسے تم یاد نہیں رکھتے اس نے کہا کہ وہ کونسی نیکی ہے؟ تو کہا کہ جب تم مہمان داری میں مصروف تھے تو میں تمہارے گھر کو آگ لگا سکتا تھا مگر میں نے کس قدر احسان کیا ہے کہ آگ نہیں لگائی۔ یہ بدی کی مثال ہے۔ گویا آگ لگا کر خطرناک نقصان نہیں کیا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بدی نہ کرنے کا احسان جتاتے ہیں۔ ایسے لوگ حیوانات کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قدر وہی لوگ ہیں جو بدی سے پرہیز کر کے ناز نہیں کرتے۔ بلکہ نیکی کر کے بھی کچھ نہیں سمجھتے۔

غرض پہلی حالت تو وہ کا فوری شربت کی تھی اور دوسرا مرحلہ زنجبیلی شربت کا ہے

چنانچہ فرمایا۔ يَسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا (الدھر: ۱۸) اور ایسے جام انہیں پلائے جاتے ہیں جو زنجبیل شربت کے ہوتے ہیں۔

بلند رُوحانی مراتب حاصل کرنا انسان کیلئے ناممکن نہیں

انسان کو یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ایسا مرتبہ حاصل ہونا ناممکن ہے۔ یہ سب کچھ مل سکتا ہے اور ملتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ مراتب اور مدارج حاصل کئے وہ بھی تو آخر انسان ہی تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کے سامنے اس کے جرائم کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے تو وہ اسے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے، مگر یہ اس کی انسانی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ بہت سے لوگ یورپ میں بھی اس خیال کے موجود ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا فقط اتنا ہی منشاء ہے کہ انسان سے یہ اقرار کرایا جاوے کہ وہ ان کی تعلیم پر عمل کرنے کے ناقابل ہے یا اس پر قادر نہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت سے محض ناواقف ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر غور نہیں کیا۔ اگر وہ خود انسان کی اپنی حالت اور ان انقلابات پر ہی غور کرتے جن کے اندر سے وہ گذرا ہے تو اس قسم کا کلمہ مُنہ سے نہ نکالتے۔ مگر ان کے علم اور معرفت کی کمزوری نے انہیں ایسا خیال کرنے کا موقعہ دیا۔

دیکھو انسان پر کس قدر انقلاب آتے ہیں۔ ایک زمانہ انسان پر وہ گذرا ہے کہ وہ صرف نطفہ کی حالت میں تھا اور وہ وہ حالت تھی کہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ اگر زمین یا کپڑے پر گرتا تو چند منٹ کے اندر خشک ہو جاتا پھر علقہ بنا۔ اس میں ذرا بستگی پیدا ہوئی۔ اس وقت بھی اس کی کچھ ہستی نہ تھی۔ پھر مضغہ ہوا۔ پھر ایک اور زمانہ آیا کہ جنین کی صورت میں اس میں جان آئی۔ بعد اس کے پیدا ہوا۔ پھر شیر خوار سے بلوغ تک پہنچا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب غور کرو کہ جس قادر خدا نے انسان کو ایسے ایسے انقلابات میں سے گذار کر انسان بنا دیا ہے اور اب ایسا انسان ہے کہ گویا عقل حیران ہے کہ کیا سے کیا بن گیا۔ ناک مُنہ اور دُوسرے اعضاء پر غور کرو کہ خدا تعالیٰ نے اسے کیا بنایا ہے۔ پھر اندرونی حواس خمسہ دیئے اور دوسرے قویٰ اور طاقتیں اس کو عطا کیں۔ پس خدائے قادر نے اس زمانہ سے جو یہ نطفہ تھا، عجیب تصرفات سے انسان بنا دیا۔ کیا اس کیلئے مشکل ہے کہ اسکو پاک حالت میں لے جاوے؟ اور جذبات سے الگ کر دے؟ جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا وہ بے اختیار ہو کر کہہ اُٹھے گا:

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ:۱۴۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ جب گنہگار لوگ جہنم میں ڈالے جاویں گے تو اللہ تعالےٰ فرماتے گا کہ تمہارا ایک ہی گناہ بہت بڑا ہے کہ تم نے خدا پر بدظنی کی۔ اگر بدظنی نہ کرتے تو کامل اور مومن بن کر آتے۔ حقیقت میں یہ بڑا گناہ ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ پر بدظن ہو جاوے۔ باقی جس قدر گناہ ہیں وہ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقی رازق یقین کرے تو پھر چوری، بددیانتی اور فریب سے لوگوں کا مال کیوں مارے؟ افسوس نادان انسان سمجھتا ہے۔ ابیہ جان مٹھا اگلا کس نے ڈِٹھا۔ یہ بھی خدا تعالےٰ پر بدظنی ہے۔ اگر اسے صادق یقین کرتے تو نہ کہتے۔ بلکہ یہ کہتے کہ ؎

دُنیا روزے چند آخر باخُداوند

دُنیا کو چند روز یقین کر کے اس کی عمارتوں اور آسائشوں اور ہر قسم کی دولتوں سے دل نہ لگاتے، بلکہ ہر وقت موت کے فکر میں لرزاں ترساں رہ کر عاقبت کا خیال کرتے اور اس کا بندوبست کرتے کہ آخر مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ عام طور پر ایک غفلت چھائی ہوئی ہے اور لوگ اس طرح پر مصروف اور دلدادۂ دُنیا ہیں۔ گویا انہوں نے کبھی یہاں سے جانا ہی نہیں اور موت کوئی چیز ہی نہیں یا کم از کم اس کا اثر اُن پر کچھ بھی ہونے والا نہیں۔

خدا تعالیٰ پر بدظنی کے نتائج

یہ بدخیالی، یہ غفلت اور خودرفتگی کیوں پیدا ہوئی ہے؟ اس کی جڑ بھی وہی خدا تعالیٰ پر بدظنی ہے۔ اس کو صادق یقین نہیں کیا۔ انسان کی عادت ہے کہ جس کام پر اس کی آنکھ کھُل جاوے اور کسی امر کو یہ اپنے لیے مفید سمجھ لے وہی کرتا ہے۔ ایک تاجر کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں ملک میں اگر اس کا مال جاوے تو اسے اس قدر فائدہ ہوگا تو ضرور اپنا مال وہیں لے جائے گا۔ ایسا ہی ایک زمیندار اور دُوسرے اہلِ حرفہ کرتے ہیں۔ اسی طرح پر اگر انسان کی آنکھ کھُل جاوے اور عاقبت کا فکر اسے دامنگیر ہو اور وہ ایک یقین اپنے اندر پیدا کرلے کہ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا ہے تو اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ظاہر فرمایا ہے کہ اگر مجھ پر نیک ظن ہوتا تو مشکل کیا تھا؟ کیا پانچ وقت نماز پڑھنا مشکل تھا؟ ہرگز نہیں — خدا تعالیٰ کا خوف جب غالب ہو تو آدمی کیسا ہی مصروف ہو۔ اسے چھوڑ کر بھی ادا کر سکتا ہے۔ اس وقت ہم سب یہاں بیٹھے ہیں اور ایک کام میں مصروف ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ اس وقت زلزلہ آجاوے تو ہم میں سے کوئی یہاں رہ سکتا ہے؟ سب کے سب لوگ بھاگ جاویں یہاں تک کہ مریض اور ضعیف بھی دوڑ پڑیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خوف کے ساتھ ایک قوت آتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ ہوتی

تو طاقت آجاتی اور اس کے احکام کی تعمیل کے لیے ایک جوش اور اضطراب پیدا ہو جاتا۔

غرض بدظنی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ جو نیک ظنی سے خدا تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لاویں تو سب کچھ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان ہو تو پھر کیا ہے جو نہیں ہو سکتا۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں گناہ کیونکر چھوٹ سکتا ہے۔ یہ باتیں اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر کامل ایمان نہیں ہوتا۔ چونکہ اس کوچہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے ایسے اوہام طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس نے نطفہ سے انسان کو بنا دیا ہے وہ اس انسان کو ہر قسم کے پاک تغیرات کی توفیق عطا کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ ہاں ضرورت ہے طلبگار دل کی۔

زنجبیلی مقام

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ انسان کا اتنا ہی کمال نہیں ہے کہ بدیاں چھوڑ دے۔ کیونکہ اس میں اور بھی شریک ہیں یہانتک کہ حیوانات بھی بعض امور میں شریک ہو سکتے ہیں۔ بلکہ انسان کامل نیک تب ہی ہوتا ہے کہ نہ صرف بدیوں کو ترک کرے بلکہ اس کے ساتھ نیکیوں کو بھی کامل درجہ تک پہنچاوے۔ پس جب ترکِ شر کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُسے کافوری شربت پلاتا ہے۔ جس سے یہ مُراد ہے کہ وُہ جوش اور تحریکیں جو بدی کے لیے پیدا ہوتی تھیں سرد ہو جاتی ہیں اور بدی کے مواد دَب جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو دُوسرا شربت پلایا جاتا ہے جو قرآن کریم کی اصطلاح میں شربت زنجبیل ہے جیسا کہ فرمایا یُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا (الدھر: ۱۸) زنجبیل مرکب ہے زنا اور جبل سے زنا الجبل کے یہ معنے ہیں کہ ایسی حرارت اور گرمی پیدا ہو جاوے کہ پہاڑ پر چڑھ جاوے۔ زنجبیل میں حرارت غریزی رکھی گئی ہے اور اس کے ساتھ انسان کی حرارت غریزی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بڑے بڑے کام جو میری راہ میں کئے جاتے ہیں جیسے صحابہؓ نے کئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی جانوں سے دریغ نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں سر کٹوا دینا آسان امر نہیں ہے۔ جس کے بچے چھوٹے چھوٹے اور بیوی جوان ہو۔ جبتک کوئی خاص گرمی اس کی رُوح میں پیدا نہ ہو۔ کیونکر انہیں یتیم اور بیوہ چھوڑ کر سر کٹوا لے۔ میں صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی اور تزکیہ نفس کی طاقت کا ہے اور صحابہؓ کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی تبدیلی اور فرمانبرداری کا ہے۔ پس ایسی طاقت اور یہ قوت اسی زنجبیلی شربت کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں کافوری شربت کے بعد طاقت کو نشو و نما دینے کے لیے اس زنجبیلی شربت کی ضرورت بھی تھی۔ اولیاء اور ابدال جو خدا تعالےٰ کی راہ میں سرگرمی اور جوش دکھاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ زنجبیلی جام پیتے رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ کیا تو غور کرو کہ کس قدر مخالفت کا بازار گرم تھا۔ ایک طرف مشرک تھے۔ دوسری طرف عیسائی بے حد جوش دکھا رہے تھے جنھوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنا رکھا تھا اور ایک طرف یہودی سیاہ دل تھے۔ یہ بھی اندر ہی اندر ریشہ دوانیاں کرتے اور مخالفوں کو اکساتے اور اُبھارتے تھے۔ غرض جس طرف دیکھو مخالف ہی مخالف نظر آتے تھے۔ قوم دشمن، پرائے دشمن، جدھر نظر اُٹھاؤ دشمن ہی دشمن تھے۔ ایسی حالت اور صورت میں وہ زنجبیلی شربت ہی تھا جو آپ کو اپنے پیغام رسالت کی تبلیغ کے لیے آگے ہی آگے لے جاتا تھا۔ کسی قسم کی مخالفت کا ڈر آپ کو باقی نہ رہا تھا۔ اس راہ میں مرنا سہل اور آسان معلوم ہوتا تھا؛ چنانچہ صحابہؓ اگر موت کو اس راہ میں آسان اور آرام دہ چیز نہ سمجھ لیتے تو کیوں جانیں دیتے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ جبتک یہ شربت نہیں پیتا ایمان کا ٹھکانا نہیں۔

"قصور میں ایک شخص قادر بخش تھا۔ بڑا موحد کہلاتا تھا۔ گورنمنٹ کی اس وقت اس فرقہ پر ذرا نظر تھی۔ ڈپٹی کمشنر نے اس کو ذرا دھمکایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر آکر اس نے رنڈیوں کا ناچ کرا دیا اور اپنے تمام طریق بدل دیئے۔ اس غرض سے کہ تا ظاہر ہو جاوے کہ مَیں اس فرقہ سے الگ ہوں۔ اب بتاؤ کہ ایسا ایمان کیا کام دے سکتا ہے؟ وہ انسان بھی کچھ انسان ہو سکتا ہے جو خدا سے انسان کو مقدم کر لیتا ہے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ اسکا ایمان ایک کوڑی قیمت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے جو ایمان کے برکات اور ثمرات نہیں ملتے۔"

عام لوگوں اور اہل اللہ کی عبادات میں فرق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز روزہ کی وجہ سے برکات حاصل نہیں ہوتے۔ وُہ غلط کہتے ہیں۔ نماز اور روزہ کے برکات اور ثمرات ملتے ہیں اور اسی دنیا میں ملتے ہیں۔ لیکن نماز روزہ اور دُوسری عبادات کو اس مقام اور جگہ تک پہنچانا چاہیے جہاں وُہ برکات دیتے ہیں۔ صحابہؓ کا سا رنگ پیدا کرو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اِتباع کرو۔ پھر معلوم ہوگا کہ کیا کیا برکات ملتے ہیں۔

مَیں صاف صاف کہتا ہوں کہ صحابہؓ میں ایسا ایمان موجود تھا جو تم میں نہیں۔ انہوں نے خدا تعالےٰ کے لیے اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایسے لوگ قبل از موت مر جاتے ہیں اور قبل اس کے کہ قربانی دیں وہ سمجھتے ہیں کہ دے چکے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا درجہ نماز، روزہ صدقات اور خیرات کی وجہ سے ہے؟ نہیں بلکہ اس چیز کے ساتھ اس کا درجہ بڑا ہے جو اس کے دل میں ہے۔ حقیقت میں وہی بات ہے جو ان اعمال کا بھی موجب اور باعث ہوتی ہے۔ جس قدر لوگ اہل اللہ گذرے ہیں اور ان کے مدارج نرے ان اعمال کی وجہ سے نہیں ہیں۔ ان اعمال میں اَور بھی شریک ہیں۔ مسجدیں بھری پڑی ہیں[1]۔ ان لوگوں کی زندگی سفلی ہوتی ہے۔ یہ دُنیا اور اس کی گندگیوں کو چھوڑ کر الگ نہیں

---

[1] الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۶ء

ہوتے۔ ان کے اعمال میں زندگی کی رُوح نہیں ہوتی۔ لیکن جب انسان اس سفلی زندگی سے نکل آتا ہے تو اس کے اعمال میں اخلاص ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کی ناپاکیوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ پھر اُسے وہ قوت اور طاقت ملتی ہے کہ وہ شئی اور امانت اللہ جس کو اُٹھانا مشکل ہے وہ اُٹھا لیتا ہے جس کی اطلاع فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی۔ وُہ بھی یہی نماز روزہ کرتے ہیں اور دُنیا بھی یہی کرتی ہے۔ مگر اُن کی نماز اور دُنیاداروں کی نماز میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مخلص اور شان کے لائق تھے۔ کیا ان کے عہد میں لوگ نماز روزہ نہ کرتے تھے؟ پھر ان کو سب پر سبقت اور فضیلت کیوں ہے؟ اس لیے کہ دُوسروں میں وہ بات نہ تھی جو اُن میں تھی۔ یہ ایک رُوح ہوتی ہے جب پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں میں شامل کر لیتا ہے۔ لیکن وہ ملوّنی زندگی خدا تعالیٰ کو منظور نہیں جو نماز اور روزہ کی حالت اور صورت میں ریاکاری اور تصنّع سے آدمی بنا لیتا ہے ایسے لوگوں میں زبان کی چالاکیاں اور منطق بڑھ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو لاف وگزاف پسند نہیں۔ وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ وصدقات کسی وقعت اور قدر کے لائق نہیں جن میں اخلاص نہ ہو بلکہ وُہ لعنت ہیں۔ یہ اسی وقت بابرکت ہوتے ہیں، جب دل اور زبان میں پُوری صلح ہو۔

خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ دل کے نہاں در نہاں اسرار سے واقف ہے۔ انسان جو محدود العلم ہے اور جس کی نظر وسیع نہیں ہے دھوکا کھا سکتا ہے۔ ہمارے دوست سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب جو بڑے مخلص اور نیک آدمی ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ ایک ہیرے کے متعلق دھوکا کھایا۔ سیٹھ صاحب یہاں قادیان ہی میں میرے پاس موجود تھے۔ ایک شخص کابل کی طرف کا رہنے والا چند ٹکڑے پتھر کے یہاں لایا اور ظاہر کیا کہ وہ ہیرے کے ٹکڑے ہیں۔ وُہ پتھر بہت چمکیلے اور آبدار تھے۔ سیٹھ صاحب کو وہ پسند آگئے اور وُہ ان کی قیمت میں پانسو روپے دینے کو تیار ہو گئے اور پچیس روپے یا کچھ کم وبیش ان کو دے بھی دیئے۔ پھر اتفاقاً مجھ سے مشورہ کیا کہ مَیں نے یہ سودا کیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے۔ مَیں اگرچہ ان ہیروں کی شناخت اور اصلیت سے ناواقف تھا۔ لیکن رُوحانی ہیرے جو دُنیا میں کمیاب ہوتے ہیں یعنی پاک حالت کے اہل اللہ جن کے نام پر کئی جھوٹے پتھر یعنی مُزوّر لوگ اپنی چمک دمک دکھا کر لوگوں کو تباہ کرتے ہیں۔ اس جوہر شناسی میں مجھے دخل تھا۔ اس لیے مَیں نے اس ہنر کو اس جگہ برتا اور سیٹھ صاحب کو کہا کہ جو کچھ آپ نے دیا ہے وہ تو واپس لینا مشکل ہے لیکن میری رائے یہ ہے کہ پانسو روپیہ دینے سے پہلے کسی اچھے اور قابل جوہری کو یہ پتھر دکھا لینے چاہئیں۔ اگر درحقیقت ہیرے ہوتے تو روپیہ دے دینا۔ چنانچہ وہ پتھر مدراس میں ایک جوہری کے شناخت کرنے کے لیے بھیجے گئے اور دریافت کیا گیا کہ ان کی کیا قیمت ہے۔ وہاں سے جواب آیا کہ یہ نرے پتھر ہیں ہیرے نہیں ہیں

اور اس طرح پر اس دھوکا سے سیٹھ صاحب بچ گئے۔

غرض بات یہ ہے کہ جس طرح دنیوی اُمور میں دھوکے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح پر ان گدی نشینوں اور علماء کے دھوکے ہیں جو اس سلسلہ کی مخالفت میں مختلف قسم کی روکیں پیدا کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ جو سادہ دل ہوتے ہیں اور ان کو پوری واقفیت اس سلسلہ کی نہیں ہوتی اُن کو دھوکا لگ جاتا ہے اور وہ ناراستی کے دوست ہو جاتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہو تو انسان رُوحانی طور پر جوہر شناس ہو جائیں۔ بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں جو اس جوہر کو شناخت کرتے ہیں۔

مجاہدہ اور دُعا سے کام لیں

بہر حال میرا مقصد اس سے یہ ہے کہ نرا بدیوں سے بچنا کوئی کمال نہیں۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ اسی پر بس نہ کرے۔ نہیں بلکہ انہیں دونو کمال حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیے جس کے لیے مجاہدہ اور دُعا سے کام لیں۔ یعنی بدیوں سے بچیں اور نیکیاں کریں۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ خدا کو سادہ نہ سمجھ لے کہ وہ مکر و فریب میں آجائے گا۔ جو شخص سفلہ طبع ہو کر خُدا تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور نیکی اور راستبازی کی چادر کے نیچے فریب کرتا ہے۔ وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ اُسے اَور بھی رُسوا کرے گا۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱)

سچے اخلاص کی نشانی

ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے۔ نفاق اور ریاکاری کی زندگی لعنتی زندگی ہے۔ یہ چھپ نہیں سکتی۔ آخر ظاہر ہو کر رہتی ہے اور پھر سخت ذلیل کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی چیز کو چھپاتا نہیں، نہ نیکی کو نہ بدی کو۔ سچے نیکوکار اپنی نیکیوں کو چھپاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ انہیں ظاہر کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ تُو پیغمبر ہو کر فرعون کے پاس جا تو انہوں نے عُذر ہی کیا۔ اس میں ہتریہ تھا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے لیے پُورا اخلاص رکھتے ہیں وہ نمود اور ریا سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ سچے اخلاص کی یہی نشانی ہے کہ کبھی خیال نہ آوے کہ دُنیا ہمیں کیا کہتی ہے۔ جو شخص اپنے دل میں اس امر کا ذرا بھی شائبہ رکھتا ہے وہ بھی شرک کرتا ہے۔ سچا مخلص اس امر کی پرواہی نہیں کرتا کہ دُنیا اُسے نیک کہتی ہے یا بد۔

مَیں نے تذکرۃ الاولیاء میں دیکھا ہے کہ ایک نیک آدمی جب چھُپ کر مناجات کرتا ہے تو اس کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ وہ اپنے ان تعلقات کو جو خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے کبھی ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اگر اس مناجات کے وقت اتفاق سے کوئی آدمی آجاوے تو وہ ایسا شرمندہ ہوتا ہے جیسے کوئی زناکار عین حالتِ زنا میں پکڑا جاوے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ ہر نیک آدمی جس کے دل میں اخلاص

بھرا ہوا ہے۔ وُہ طبعاً اپنے آپ کو پردہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ ایسا کہ کوئی پاکدامن عورت بھی ایسا نہیں رکھتی۔ یہ امر اُن کی فطرت ہی میں ہوتا ہے۔

انبیاء و رُسل کی خلوت پسندی

یہ مت سمجھو کہ انبیاء و رُسل اپنے مبعوث ہونے کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ وُہ تو ایسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں کہ بالکل گمنام رہیں اور کوئی ان کو نہ جانے۔ مگر اللہ تعالیٰ زور سے اُن کو حجروں سے باہر نکالتا ہے۔ ہر ایک نبی کی زندگی ایسی ہی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو دُنیا سے پوشیدہ رہنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی جو غارِ حرا میں چھُپ کر رہتے اور عبادت کرتے رہتے۔ ان کو کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ وہ وہاں سے نکل کر کہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف: ۱۵۹)

آپ کا منشاء یہی تھا کہ پوشیدہ زندگی بسر کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا۔ اور آپ کو مبعوث فرما کر باہر نکالا۔ اور یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وُہ محروم رہتے ہیں اور جو چھُپنا چاہتے ہیں اُن کو باہر نکالتا اور سب کچھ بنا دیتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں بھی تنہائی کی زندگی کو پسند کرتا ہوں۔ وُہ زمانہ جو مجھ پر گذرا ہے اس کا خیال کر کے مجھے اب بھی لذت آتی ہے۔ میں طبعاً خلوت پسند تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے باہر نکالا۔ پھر اس حکم کو میں کیونکر رد کر سکتا تھا؟ میں اس نمود و نمائش کا ہمیشہ دشمن رہا۔ لیکن کیا کروں۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہی پسند کیا تو میں اس میں راضی ہوں اور اس کے حکم سے منحرف ہونا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اس پر دُنیا کے جو جی میں آئے کہے میں اس کی پروا نہیں کرتا۔

سچے موحّد

یہ خوب سمجھ رکھو کہ سچے موحّد وہی ہیں جو ذرہ بھر نیکی ظاہر نہیں کرتے اور نہ سچائی کے قبول کرنے میں دُنیا سے ڈرتے ہیں۔ اگر دُنیا ان کے کسی فعل سے بدکتی ہے، تو انہیں پروا نہیں ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ صحابہؓ جس قدر مجاہدہ کرتے تھے یا روزہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ثابت نہیں۔ صحابہؓ میں سے بعض بعض قریب قریب رہبانیت کی زندگی کے پہنچ جاتے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے (معاذ اللہ) بڑھے ہوئے تھے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے جبر و اکراہ سے باہر نکالا تھا۔ آپ کی وُہ عادت جو اخفاء کی تھی دُور نہ ہوئی تھی۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ آپ پوشیدہ طور پر کس قدر مجاہدات اور عبادات میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی میرے گھر میں باری تھی۔ رات کو جب میری آنکھ کھُلی تو میں نے

دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔ میں بہت حیران ہوئی اور آپ کو تلاش کیا۔ جب کہیں پتہ نہ لگا تو آپ کو ایک قبرستان میں پایا کہ نہایت الحاح کے ساتھ مناجات کر رہے تھے کہ اے میرے خدا! میری رُوح، میری جان، میری ہڈیوں، میرے بال بال نے تجھے سجدہ کیا۔ اب اگر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس معاملہ کی خبر نہ ہوتی تو کس کو معلوم ہوتا کہ آپ اپنے رب کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کے مجاہدات و عبادات کا حال تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی عادت میں رکھ دیتا ہے کہ وہ اخفاء کرتے ہیں۔ اس لیے دُنیا کو پورے حالات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ وُہ دُنیا کے لیے تو کچھ کرتے ہی نہیں۔ جس سے معاملہ اور تعلق ہوتا ہے وہ ہر جگہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے۔

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً نیکیاں کرنے کا حکم

پس مومنوں کو بھی دو ہی قسم کی زندگی بسر کرنے کا حکم ہے سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (ابراہیم: ۳۲) بعض نیکیاں ایسی ہیں کہ وہ علانیہ کی جاویں اور اس سے غرض یہ ہے کہ تا اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی تحریک ہو اور وہ بھی کریں۔ جماعت نماز علانیہ ہی ہے اور اس سے غرض یہی ہے کہ تا دوسروں کو بھی تحریک ہو اور وُہ بھی پڑھیں۔ اور سِرًّا اس لیے کہ یہ مخلصین کی نشانی ہے جیسے تہجد کی نماز ہے۔ یہانتک بھی سِرًّا نیکی کرنے والے ہوتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے خیرات کرے اور دُوسرے کو علم نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر اخلاص مند ملنا مشکل ہے۔ انسان میں یہ بھی ایک مرض ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگ بھی اسے سمجھیں۔ مگر میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ میری جماعت میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو بہت کچھ خرچ کرتے ہیں۔ مگر اپنا نام تک ظاہر نہیں کرتے۔ بعض آدمیوں نے مجھے کئی مرتبہ پارسل بھیجا ہے اور جب اسے کھولا ہے تو اندر سے سونے کا ٹکڑا نکلا ہے یا کوئی انگشتری نکلی ہے اور بھیجنے والے کا کوئی پتہ ہی نہیں۔ کسی انسان کے اندر اس مرتبہ اور مقام کا پیدا ہونا چھوٹی سی بات نہیں اور نہ ہر شخص کو یہ مقام میسر آتا ہے۔ یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر ایمان لاتا ہے اور اس کے ساتھ اسے ایک صافی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ دُنیا اور اس کی چیزیں اس کی نظر میں فنا ہو جاتی ہیں اور اہلِ دنیا کی تعریف یا مذمت کا اُسے کوئی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس مقام پر جب انسان پہنچتا ہے تو وُہ فنا کو زیادہ پسند کرتا ہے اور تنہائی اور تخلیہ کو عزیز رکھتا ہے[1]۔

غرض بدیوں کے ترک پر اس قدر ناز نہ کرو۔ جبتک نیکیوں کو پورے طور پر ادا نہ کرو گے اور نیکیاں

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء

بھی ایسی نیکیاں جن میں ریا کی ملونی نہ ہو اس وقت تک سلوک کی منزل طے نہیں ہوتی۔ یہ بات یاد رکھو کہ ریا حسنات کو ایسے جلا دیتی ہے جیسے آگ خس و خاشاک کو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس مرد سے بڑھ کر مردِ خدا نہ پاؤ گے جو نیکی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی پر ظاہر نہ ہو۔

ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ اُسے کچھ ضرورت تھی۔ اس نے وعظ کہا اور دورانِ وعظ میں یہ بھی کہا کہ مجھے ایک دینی ضرورت پیش آگئی ہے۔ مگر اس کے واسطے روپیہ نہیں ہے۔ ایک بندۂ خدا نے یہ سُن کر دس ہزار روپیہ رکھ دیا۔ اس بزرگ نے اُٹھ کر اس کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ یہ شخص بڑا ثواب پائے گا۔ جب اس شخص نے ان باتوں کو سُنا تو وہ اُٹھ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا کہ یا حضرت مجھے اس روپیہ کے دینے میں بڑی غلطی ہوئی۔ وہ میرا مال نہ تھا بلکہ میری ماں کا مال ہے۔ اس لیے وہ واپس دے دو۔ اُس بزرگ نے تو اُسے روپیہ دیدیا، مگر لوگوں نے بڑی لعن طعن کی اور کہا کہ یہ اس کی اپنی بدنیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے پہلے وعظ سُن کر جوش میں آگیا اور روپیہ دیدیا اور اب اس روپیہ کی محبت نے مجبور کیا تو یہ عذر بنالیا ہے۔ غرض وہ روپیہ لے کر چلا گیا اور لوگ اُسے بُرا بھلا کہتے رہے اور وہ مجلس برخواست ہوئی۔ جب آدھی رات گذری تو وہی شخص روپیہ لیتے ہوئے اس بزرگ کے گھر پہنچا اور آکر انہیں آواز دی۔ وہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا اور وہی دس ہزار رکھ دیا اور کہا کہ حضرت میں نے یہ روپیہ اسوقت اس لیے نہیں دیا تھا کہ آپ میری تعریف کریں۔ میری نیت تو اور تھی۔ اب میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ مرنے تک اس کا ذکر نہ کریں۔ یہ سُنکر وہ بزرگ رو پڑے۔ اس نے پوچھا کہ آپ روئے کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رونا اس لیے آیا ہے کہ تُو نے ایسا اخفا کیا ہے کہ جبتک یہ لوگ رہیں گے تجھے لعن طعن کریں گے۔ غرض وہ چلا گیا اور آخر خدا تعالیٰ نے اس امر کو ظاہر کر دیا۔

خوش قسمت ہے وہ انسان جو ریا سے بچے

جو شخص خدا تعالیٰ سے پوشیدہ طور پر صُلح کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ جو کام تم چھُپ کر خدا کے لیے کرو گے وہ مخفی رہے گا۔ ریا سے بڑھ کر نیکیوں کا دشمن کوئی نہیں۔ ریاکار کے دل میں کبھی ٹھنڈ نہیں پڑتی ہے۔ جبتک کہ پورا حصّہ نہ لے لے۔ مگر ریا ہر مال کو جلا دیتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو ریا سے بچے۔ اور جو کام کرے وہ خدا تعالیٰ کے لیے کرے۔ ریاکاروں کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے لیے جب خرچ کرنا ہو تو وہ کفایت شعاری سے کام لیتا ہے۔ لیکن جب ریا کا موقعہ ہو تو پھر ایک کی بجائے سو دیتا ہے اور دوسرے طور پر اسی مقصد کے لیے دو کا دینا کافی سمجھتا ہے۔ اس لیے اس مرض سے بچنے کی

دُعا کرتے رہو۔

جو لوگ اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے وہ ان باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ انہیں اس بات کی غرض ہی نہیں ہوتی کہ اُن کے دیئے ہوئے مال کا ذکر بھی کرے۔ دُنیا مزرعہ آخرت ہے۔ یعنی آخرت کی کھیتی ہے۔ جو کچھ بنانا ہے اسی دُنیا میں بناؤ۔ جو شخص رُوحانی مال و دولت اور جائداد یہاں جمع کریگا۔ وہ خوشحال ہوگا؛ ورنہ یہاں سے خالی ہاتھ جانا ہوگا اور بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس وقت نہ مال کام آئے گا نہ اولاد اور نہ دُوسرے عزیز جن کے لیے دین کے پہلو کو چھوڑا تھا۔

خدا کو راضی کرنے کے یہی دن ہیں

اب یاد رکھو۔ وہی خدا جس نے تیرہ سو برس پہلے اس زمانہ کی خبر دی تھی وہی خبر دیتا ہے کہ زمانہ قریب آگیا ہے اور بڑے بڑے حوادث ظاہر ہوں گے۔ اگر ان نشانوں کا انتظار ہے اور ان کے بعد جوش پیدا ہوا تو اس کا ثواب ایسا نہ ہوگا جیسا آج ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس وقت اگر کوئی ایمان پیش کریگا تو ذرہ برابر اس کی قدر نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تو کافر سے کافر بھی سمجھ لے گا کہ دُنیا فانی ہے۔

مَیں نے سُنا ہے کہ طاعون کے زور کے دنوں میں ایک جگہ ایک بڑا متمول ہندو مر گیا۔ مرتے وقت اس نے اپنے مال و دولت کی کُنجیاں اپنے بھائی کو دیں۔ وہ بھی مر گیا۔ اور اس طرح پر ان کا سارا خاندان تباہ ہوگیا اور آخری شخص نے مرتے وقت وہاں کے ایک زمیندار کو کُنجیاں پیش کیں۔ اس نے انکار کر دیا کہ مَیں کیا کروں گا۔ بالآخر وہ مال داخلِ خزانہ سرکار رہا۔

یہ سچی بات ہے کہ جب خوف کے دن آتے ہیں تو بڑے بڑے پاجی اور خبیث لوگ بھی صدقات اور خیرات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ باتیں کام نہیں آتی ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا غضب بھڑک چکا ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص عذاب کے آنے سے پہلے خدا تعالےٰ سے ڈرتا اور اس سے صلح کرتا ہے وہ بچا لیا جاتا ہے۔

پس خدا تعالےٰ کو راضی کرنے کے یہی دن ہیں۔ مَیں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جس قدر اپنی ہستی کا ثبوت مجھے دیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں جن میں مَیں اُسے ظاہر کر سکوں۔ وہی خدا ہے جس نے براہین کے زمانہ میں ان تمام اُمور کی جو آج تم دیکھ رہے ہو خبر دی۔ اُن ہندوؤں سے جو ہمارے جدی دشمن ہیں پُوچھ لو کہ اس زمانہ میں اس جلوۂ قدرت کا کہاں نشان تھا۔ جب وُہ ساری باتیں پُوری ہو چکی ہیں۔ پھر جو باتیں آج وہ بتاتا ہے وہ کیونکر پُوری نہ ہوں گی؟

اس خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب خطرناک وقت آنے والا ہے۔ زلازل آئیں گے اور موتوں

کے دروازے کھل جاویں گے۔ پس اس سے پہلے کہ وہ خطرناک گھڑی آجاوے اور موت اپنا مُنہ کھول کر حملہ شروع کر دے تم نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کو خوش کر لو۔

کسوف وخسوف والی حدیث کی صداقت

مَیں یہ بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس زمانہ کی تمام نبیوں نے خبر دی ہے۔ یہ آخری ہزار کا زمانہ آگیا ہے اور دیکھو یہ وقت ہے جس کے لیے گیارہ سو برس پہلے کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مہدی کے وقت رمضان میں کسوف خسوف ہوگا اور آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کبھی یہ نشان ظاہر نہیں ہوا۔ وہ نشان تم نے دیکھ لیا۔ پھر یہ کیسی قابلِ غور بات ہے۔ بعض جاہل اعتراض کرتے اور بہانہ بناتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ احمق اتنا نہیں جانتے کہ جس حدیث نے اپنے آپ کو سچا کر دیا ہے وہ کیسے جھوٹ ہو سکتی ہے۔

محدثین کے اصول کے مطابق سچی اور صحیح حدیث تو وہی ہے جو اپنی سچائی آپ ظاہر کر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی تو پھر پوری کیوں ہوتی؟ دو مرتبہ کسوف خسوف ہوا۔ اس ملک میں بھی اور امریکہ میں بھی۔ اگر یہ حدیث ضعیف ہے تو پھر اس کی مثال پیش کریں کہ کسی اَور کے زمانہ میں بھی ہوا ہو؟ یہ حدیث اہلِ سُنّت اور شیعہ دونوں کے ہاں کتابوں میں موجود ہے۔ پھر اس سے انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ آسمان کا نشان تھا۔

زمین کا نشان۔ طاعُون

اور زمین کا نشان وُہ ہے جو طاعُون کی صورت میں نمودار ہوا۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (بنی اسرائیل: ۵۹) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب قیامت قریب آجائے گی تو عام طور پر موت کا دروازہ کھولا جاوے گا۔ اور یہ حدیث کُسوف خسوف کی قرآن شریف سے بھی صحیح ثابت ہو چکی ہے۔

طاعُون کے متعلق شیعہ کی کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایسی طاعون ہوگی کہ جہاں دس آدمی ہوں گے ان میں سے سات مرجاویں گے۔ اور حقیقت میں یہ ایسی بلا ہے کہ خاندانوں کے خاندان اس سے مِٹ گئے اور بے نام ونشان ہو گئے۔ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا؟ اس قدر سردی کی شدت میں طاعون ترقی کر رہی ہے۔ امرت سر میں زور شور ہے۔ ایسی حالت میں کوئی کیا امید کر سکتا ہے۔

جبکہ موت کا بازار گرم ہے تو کیا املاک اور جائیدادیں سر پر اُٹھا کر لے جاؤ گے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اگر ان نشانات کو دیکھ کر بھی تبدیلی نہیں کرتے تو کیونکر کہہ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ پر ایمان ہے۔

اسلام کی ترقی کیلئے اپنے مالوں کو خرچ کرو

ہم اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں چاہتے۔ بار بار یہ خیال کیا ہے کہ اپنے گذارہ کے لیے تو پانچ سات روپیہ ماہوار کافی ہیں اور جائیداد اس سے زیادہ ہے۔ پھر میں جو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے کیونکہ اسلام اس وقت تنزل کی حالت میں ہے۔ بیرونی اور اندرونی کمزوریوں کو دیکھ کر طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے۔ اور اسلام دُوسرے مخالف مذاہب کا شکار بن رہا ہے۔ پہلے تو صرف عیسائیوں ہی کا شکار ہو رہا تھا، مگر اب آریوں نے اس پر دانت تیز کیے ہیں اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نام و نشان مٹا دیں۔ جب یہ حالت ہو گئی ہے تو کیا اب اسلام کی ترقی کے لیے ہم قدم نہ اٹھائیں؟ خدا تعالیٰ نے اسی غرض کے لیے تو اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ پس اس کی ترقی کے لیے سعی کرنا یہ اللہ تعالےٰ کے حکم اور منشاء کی تعمیل ہے۔ اس لیے اس راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ سمیع و بصیر ہے۔

یہ وعدے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے دے گا۔ میں اس کو چند گُنا برکت دُونگا۔ دُنیا ہی میں اُسے بہت کچھ ملے گا اور مرنے کے بعد آخرت کی جزا بھی دیکھ لے گا کہ کس قدر آرام میسّر آتا ہے۔ غرض اس وقت میں اس امر کی طرف تم سب کو توجہ دلاتا ہوں کہ اسلام کی ترقی کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرو۔ اسی مطلب کے لیے یہ گفتگو ہے۔ اس وقت جیسا کہ میں شائع کر چکا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ تیری وفات کا وقت قریب ہے جیسا کہ اس نے فرمایا قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ۔ وَلَا نُبْقِيْ لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا۔ اس وحی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا ذکر باقی نہ رہنے دے گا جو کسی قسم کی نکتہ چینی اور خزی کا باعث ہو۔

انبیاء و رسل پر اعتراضات

دشمن بد اندیش اور مریض قلب والوں کے لیے بہت سی باتیں ہوتی ہیں اور انبیاء اور رُسل کی تو قسمت ہی میں اعتراض ہوتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کس قدر اعتراض ہوئے اور ابتک کیے جاتے ہیں۔ کیا کسی معمولی زندگی کے انسان پر بھی کئے جاتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ صدہا انسان ایسے ہوں گے جو معمولی زندگی کے انسان کی تعریف کریں گے۔ مگر جب انبیاء و رسل کا ذکر آئے گا تو وہاں اعتراض کے لیے زبان کھولیں گے۔ بات کیا ہے کہ انبیاء و رسل پر اس قدر اعتراض ہوتے ہیں؟ اصل یہ ہے کہ جیسے دولت پر سانپ ہوتا ہے تاکہ نامحرم پاس نہ جاوے۔ اسی طرح پر انبیاء و رسل بھی ایک بے نظیر دولت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ سعید اور رشید ہی اُن تک پہنچیں۔ اس لیے ان پر قسم قسم کے اعتراض ہوتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو اہل نہیں ہیں دُور رہیں؛ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ نہ جہاد کرتے، نہ بیویاں کرتے،

نہ اعتراض ہوتے۔ مگر وُہ نبی جس کی تعلیم اَتم اور اکمل تھی اس کے لیے خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اُسے نااہل قبول کریں۔ اس لیے چند باتیں ایسی رکھ دیں جو نظر بد دُور کا کام دیتی ہیں اور اُن پر اعتراض ہوا اور نااہل الگ رہے، مگر جو لوگ اہل تھے انہوں نے حقیقت کو پالیا۔

دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک نکتہ چین اور معترض یہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ دُوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی تائید اور نُصرت اور نبی کے صدق و وفا کو دیکھتے ہیں۔ وُہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کے عجائبات مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ اس کے حالات سے خبر پاتے ہیں اور انہیں حیرت نہیں ہوتی کہ کچھ اَور دیکھیں۔ بدبخت نااہل وہ باتیں دیکھتے ہیں جن سے شقاوت بڑھے۔

مَیں نے تذکرۃ الاولیاء میں ایک لطیفہ دیکھا کہ ایک شخص ایک بزرگ کی نسبت بدگمانی رکھتا تھا کہ یہ مکار ہے اور فاسق ہے۔ ایک دن اُن کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت کوئی کرامت تو دکھاؤ۔ فرمایا۔ میری کرامت تو ظاہر ہے۔ باوجودیکہ تم تمام دُنیا کے معاصی مجھ میں بتاتے ہو۔ مگر پھر دیکھتے ہو کہ خدا تعالیٰ مجھے غرق نہیں کرتا۔ لُوط کی بستی تباہ ہوئی۔ عاد و ثمود وغیرہ تباہ ہوئے۔ مگر مجھ پر غضب نہیں آتا۔ کیا یہ تیرے لیے کرامت نہیں ہے؟

بات بڑی لطیف ہے۔ یعنی عیوب پیدا کرنے والے لوگوں کو یہ بھی تو چاہیے کہ وہ دیکھیں کہ وُہ شخص جو منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور جس پر اس قدر اعتراض اور نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں۔ وہ جو ہلاک نہیں ہوتا کیا خدا بھی اس سے دھوکے میں ہی رہا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت

عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

یہی حقیقت سمجھی کہ معاذ اللہ آپ افترا کرتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو وہ نُصرت دی اور وہ فضیلت دی کہ آدمؑ سے اخیر تک کسی کو وہ کامیابی کبھی نصیب نہ ہوئی بلکہ آپؐ کے متعلق ایک ایسا نکتہ ہے جو آپ کی عظمت کو اَور بھی بڑھا دیتا ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ آپ ایسے وقت تشریف لائے جبکہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) کا وقت تھا یعنی اہلِ کتاب بھی بگڑ چکے تھے اور غیر اہلِ کتاب بھی بگڑے ہوئے تھے۔ اور یہ بات مخالفوں کی تصدیق سے بھی ثابت ہے۔ پنڈت دیانند صاحب کہتے ہیں کہ آریہ درت میں بُت پرستی ہو رہی تھی اور اس طرف عرب میں بھی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائیوں کے مذہب کا خاتمہ یہ رہ گیا تھا کہ ایک عاجز انسان کو خُدا بنایا گیا تھا۔ غرض جس طرف دیکھو ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور خدا تعالیٰ سے بالکل غفلت اور لاپروائی ہو چکی تھی اور وہ وقت پُکار پُکار کر کہہ رہا تھا کہ ایک

عظیم الشان مُصلح کی ضرورت ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ ضرورت علوم کی ماں ہوتی ہے۔ ہر قسم کا علم ضرورت سے پیدا ہوا ہے۔ طب، طبعی، ہیئت، جغرافیہ وغیرہ تمام علوم کی ماں ضرورت ہی ہے۔ پس اگر سمجھ دار ہو تو سمجھ لے کہ اس دقیقۂ معرفت[1] کی ماں بھی کوئی عظیم الشان ضرورت ہے۔ بہت سے صحابہؓ آپ پر ایمان لائے یہ دیکھ کر کہ آپ ایسے وقت آئے ہیں جو سخت ضرورت کا وقت ہے۔ اگر آپ نہ آتے تو شاید نوحؑ کی طرح کا ایک طوفان آکر دُنیا کو ہلاک کر دیتا۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ کے لیے ایسا اجلیٰ اور اصفیٰ نظارہ ضرورتوں کا ہے کہ کسی دُوسرے کے لیے وُہ میسّر نہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے لیے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ فقیہ اور فریسی موجود تھے جو موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے کسی نئی شریعت کا دعویٰ ہی نہیں کیا اور پھر جبکہ یہودیوں کے اس قدر گروہ موجود تھے تو نہیں کہہ سکتے کہ سب محرّف تھے۔ بعض عامل بھی تھے اور وحی اور الہام کا بھی دعویٰ کرتے تھے کیا ان میں کوئی ایسا تھا جو انسان کو خدا بناتا ہو؟ وُہ تو موجودہ عیسائی مذہب سے بھی اچھے تھے۔ موحد تھے۔ مَیں نے زین الدین ابراہیم کی معرفت بمبئی میں ایک یہودی عالم سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ انسان خدا ہوگا۔ اس نے قسماً کہا کہ ہرگز نہیں۔ ہم تو اسی خُدا کو مانتے ہیں جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ ہم انسان کو خدا کہنا کُفر سمجھتے ہیں جو تمام لوازم ضعف، ناتوانی، بیماری کے رکھتا ہے۔ یہ لعنتی مذہب ہے جو انسان کو خدا بناتا ہے۔

غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت ایسی واضح اور روشن ہے کہ کسی دُوسرے نبی کا زمانہ ایسی نظیر نہیں رکھتا۔

اب دُوسرا حصّہ دیکھو کہ آپ فوت نہیں ہوتے جبتک اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ: ۴) کی آواز نہیں سُن لی۔ اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر: ۲، ۳) کا نظارہ آپؐ نے نہیں دیکھ لیا۔ یہ آیت نہ توریت میں ہے نہ انجیل میں۔ توریت کا تو یہ حال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام راستہ ہی میں فوت ہوگئے اور قوم کو وعدہ کی سرزمین میں داخل نہ کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کہتے ہیں کہ بہت سی باتیں بیان کرنے کی تھیں۔ کیا قرآن شریف میں بھی ایسا لکھا ہے؟ وہاں تو اَکْمَلْتُ لَکُمْ ہے۔ رہی ان کی تکمیل۔ صحابہؓ کی جو تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اُن کی نسبت فرماتا ہے مِنْہُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ الآیۃ۔ (الاحزاب: ۲۴) اور پھر ان کی نسبت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (البیّنۃ: ۹) فرمایا۔ لیکن

---

[1] یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت (ایڈیٹر الحکم)

انجیل میں مسیح کے حواریوں کی جو تعریف کی گئی ہے۔ وُہ سب کو معلوم ہے کہ جا بجا ان کو لالچی اور کم ایمان کہا گیا ہے اور عملی رنگ ان کا یہ ہے کہ اُن سے ایک نے تیس روپے لیکر پکڑوا دیا اور پھر ایک نے سامنے لعنت کی۔ انصاف کر کے کہو کہ یہ کیسی تکمیل ہے۔ اس کے بالمقابل قرآن شریف صحابہؓ کی تعریف سے بھرا پڑا ہے۔ اور ان کی ایسی تکمیل ہوئی کہ دوسری کوئی قوم اس کی نظیر نہیں رکھتی۔ پھر اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جزا بھی بڑی دی۔ یہانتک کہ اگر باہم کوئی رنجش بھی ہوگئی تو اس کے لیے فرمایا وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ الآیۃ (الحجر: ۴۸) حضرت عیسیٰؑ نے بھی حواریوں کو تختوں کا وعدہ دیا تھا، مگر وُہ ٹوٹ گیا۔ کیونکہ بارہ تختوں کا وعدہ تھا مگر یہودا اسکریوتی کا ٹوٹ گیا۔ جب وہ قائم نہ رہا تو اوروں کا کیا بھروسہ کریں۔ مگر صحابہؓ کے تخت قائم رہے۔ دُنیا میں بھی رہے اور آخرت میں بھی۔ غرض یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ (المائدۃ: ۴) مسلمانوں کے لیے کیسے فخر کی بات ہے۔

لیلۃ القدر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ

اب ان باتوں کو ملا کر غور کرو کہ آپ آئے ایسے وقت جبکہ بالکل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۲) ایک لیلۃ القدر تو وہ ہے جو پچھلے حصّہ رات میں ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تجلی فرماتا ہے اور ہاتھ پھیلاتا ہے کہ کوئی دُعا کرنے والا اور استغفار کرنے والا ہے جو میں اس کو قبول کروں۔ لیکن ایک معنے اس کے اَور ہیں جس سے بدقسمتی سے علماء مخالف اور مُنکر ہیں۔ اور وُہ یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو ایسی رات میں اُتارا ہے کہ تاریک و تار تھی اور وُہ ایک مُستعد مُصلح کی خواہاں تھی۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے جبکہ اس نے فرمایا: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) پھر جب انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تاریکی ہی میں پڑا رہے۔ ایسے زمانے میں بالطبع اس کی ذات جوش مارتی ہے کہ کوئی مُصلح پیدا ہو۔ پس اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۲) اس زمانہ ضرورت بعثتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اَور دلیل ہے اور انجام اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ میں فرما دیا۔ گویا یہ بابِ نبوّت کی دُوسری فصل ہے۔ اِلحال سے یہی مطلب نہیں کہ سُورتیں اُتار دیں بلکہ تکمیلِ نفس اور تطہیرِ قلب کی۔ وحشیوں سے انسان پھر اس کے بعد عقلمند اور با اخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا اور تطہیرِ نفس، تکمیل اور تہذیبِ نفس کے مدارج طے کرا دیئے۔ اور اسی طرح پر کتاب اللہ کو بھی پُورا اور کامل کر دیا۔ یہانتک کہ کوئی سچائی اور صداقت نہیں جو قرآن شریف میں نہ ہو۔ میں نے اگنی ہوتری کو بارہا کہا کہ کوئی ایسی سچائی بتاؤ جو قرآن شریف میں نہ ہو، مگر وہ نہ بتا سکا۔ ایسا ہی ایک زمانہ مجھ

پر گذرا ہے کہ میں نے بائبل کو سامنے رکھ کر دیکھا جن باتوں پر عیسائی ناز کرتے ہیں۔ وہ تمام سچائیاں مستقل طور پر اور نہایت ہی اکمل طور پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف توجہ نہیں۔ وہ قرآن شریف پر تدبر ہی نہیں کرتے اور نہ ان کے دل میں کچھ عظمت ہے، ورنہ یہ تو ایسا فخر کا مقام ہے کہ اس کی نظیر دوسروں میں ہے ہی نہیں۔

تکمیل دین کا مبارک دن

غرض اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ: ۴) کی آیت دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ تمہاری تطہیر کر چکا۔ دوم کتاب مکمل کر چکا۔ کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری وہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی یہودی نے کہا کہ اس آیت کے نزول کے دن عید کر لیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جمعہ عید ہی ہے۔ مگر بہت سے لوگ اس عید سے بے خبر ہیں۔ دوسری عیدوں کو کپڑے بدلتے ہیں۔ لیکن اس عید کی پروا نہیں کرتے اور میلے کچیلے کپڑوں کے ساتھ آتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ عید دوسری عیدوں سے افضل ہے۔ اسی عید کے لیے سورہ جمعہ ہے اور اسی کے لیے قصر نماز ہے۔ اور جمعہ وہ ہے جس میں عصر کے وقت آدم پیدا ہوئے۔ اور یہ عید اس زمانہ پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پہلا انسان اس عید کو پیدا ہوا۔ قرآن شریف کا خاتمہ اسی پر ہوا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فراست

کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری تو ابوبکرؓ رو پڑے۔ کسی نے کہا اے بڈھے۔ کیوں روتا ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بُو آتی ہے۔ کیونکہ یہ مقررشدہ بات ہے کہ جب کام ہو چکتا ہے تو اس کا پورا ہونا ہی وفات پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا دُنیا میں بندوبست ہوتے ہیں اور جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو عملہ وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ والا قصہ سُنا تو فرمایا سب سے سمجھدار ابوبکرؓ ہے اور یہ فرمایا کہ اگر دُنیا میں کسی کو دوست رکھتا تو ابوبکر کو رکھتا اور فرمایا۔ ابوبکرؓ کی کھڑکی مسجد میں کھلی رہے باقی سب بند کر دو۔ کوئی پُوچھے کہ اس میں مناسبت کیا ہوئی؟ تو یاد رکھو کہ مسجد خانہ خدا ہے جو سرچشمہ ہے تمام حقائق و معارف کا۔ اس لیے فرمایا کہ ابوبکرؓ کی اندرونی کھڑکی اس طرف ہے تو اس کے لیے یہ بھی کھڑکی رکھی جاوے۔ یہ بات نہیں کہ اَور صحابہؓ محروم تھے۔ نہیں۔ بلکہ ابوبکرؓ کی فضیلت وہ ذاتی فراست تھی جس نے ابتداء میں بھی اپنا نمونہ دکھایا اور انتہاء میں بھی۔ گویا ابوبکرؓ کا وجود مجموعۃ الفراستین تھا۔

تم اس وصیت کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹاؤ

اب میں پھر یہ ذکر کر کے اس کو ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جہاں میری وفات کی خبر دی ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے لَا نُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ جو مامور ہو کر آتا ہے۔ بڑا اعتراض عقلمندوں کا یہ

ہوتا ہے کہ وُہ مرگیا کام کیا کیا؟ یہ مہذب لوگ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا دعویٰ کیا تھا کہ کسرِ صلیب ہوگا اور یہ ہوگا اور وُہ ہوگا۔ مگر اب خامی کی حالت میں چلے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ پیشگوئی فرماتا ہے۔ لَا نُنَبِّئُكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا۔ اور پچھے آدمی کو غم بھی یہی ہوتا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تیرے بوجھ کو جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی اُٹھا دیا۔ وُہ بھی علتِ غائی کا بوجھ ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اس وحی میں بشارت دی ہے گویا اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اب سُنو! جبکہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے تو یہ ہو کر رہے گا۔ تمہیں مفت کا ثواب ہے پس تم اس وصیت کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ وُہ قادر خدا جس نے پیدا کیا ہے دُنیا اور آخرت کی مُرادیں دیدے گا۔[1]

دسمبر ۱۹۰۵ء کا آخری ہفتہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک آریہ سے گفتگو

ہر سال دسمبر کے آخری ہفتہ میں احمدی احباب مختلف شہروں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور قادیان میں ایک جلسہ کا رنگ ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے آریوں نے بھی چند سالوں سے قادیان میں سالانہ جلسہ کرنے کی تجویز کی ہوتی ہے۔ پہلے تو جھوٹی خبریں اُڑایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کے ساتھ مباحثہ ہوگا اس واسطے دُور و نزدیک کے آریہ تماشہ بینی کے واسطے آجاتے تھے۔ مگر اب بھی خصوصاً ایسے آریہ مہاشے لیکچرار جمع ہو جاتے ہیں کہ اسلام کو گالیاں دینے میں خاص مشق اور ملکہ رکھتے ہیں۔ اس واسطے آریوں کو خوش ہو جانے کا کچھ سامان مل ہی جاتا ہے۔ ان باہر سے آنے والے آریوں میں سے ہر سال کوئی نہ کوئی جماعت ایسی بھی ہوتی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ ہم تو زیادہ تر آپ کے درشنوں کے واسطے آئے تھے اور ایسے لوگ عموماً نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے اور حضُور کی باتیں سُنتے ہیں؛ چنانچہ اس دفعہ بھی جلسہ آریہ کی چند جماعتیں متفرق اوقات میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتی رہیں۔ ایک دن ان میں سے ایک آریہ کے ساتھ حضرت کی

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۷ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۶ء

کچھ گفتگو ہوئی جسکا اندراج دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آریہ سے گفتگو کرنے کے وقت درمیان میں ایک سکھ بول اُٹھا اور اس نے چاہا کہ حضرت کیساتھ کچھ گفتگو کرے مگر آپ نے نرمی کے ساتھ اس کو کہا کہ :

ہم تمہاری عزت کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ ہمارا کوئی مباحثہ نہیں کیونکہ ہم باوا نانکؒ کو ہندوؤں کے درمیان ایک اوتار اور بزرگ مانتے ہیں اور اس کو ایک پاک آدمی سمجھتے ہیں۔ پس جبکہ تمہارے مقصد کو ہم پہلے سے ہی مانتے ہیں تو تمہارے ساتھ مباحثہ کرنے کی ہمیں حاجت نہیں۔

اس کے بعد آپ آریہ کی طرف مخاطب ہوئے جس کا نام پُورن چند تھا جو کہ ہوشیارپُور کے رہنے والے ایک صاحب تھے۔

حضرت اقدس۔ آریوں میں جو لوگ بڑے بڑے لیکچر دیتے ہیں اور قوم کی پست حالت کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اُن کی غایت غائی کیا ہے؟ ہر ایک قوم اپنے لیے ایک انتہائی مقصد رکھتی ہے۔ سو وہ انتہائی مقصد تمہارے ریفارمروں کا کیا ہے؟ لیکن مصلحین کے مقاصد دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہوتے ہیں جو دُنیوی امور کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ ایک وُہ ہوتے ہیں جو دینی امور کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ میرا مطلب اس وقت دینی اُمور میں اصلاح کرنے والوں سے ہے کہ وُہ اپنا انتہائی مقصد کیا رکھتے ہیں؟

آریہ۔ ہمارے نزدیک دین دُنیا سے علیحدہ نہیں۔ دینی لوگ ہی دُنیا کے کاموں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور عمدگی سے کر سکتے ہیں۔ اس واسطے ہم دونوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ ہم دُنیاداری کی اصلاح دین میں شامل رکھتے ہیں۔

حضرت اقدس۔ مَیں قبول کرتا ہوں کہ جس شخص کی دین میں آنکھ کھُلتی ہے وُہ دُنیا کے معاملات میں بھی راستی اور دیانت اختیار کرتا ہے اور اس کے بغیر دُنیا نہیں سنورتی۔ لیکن میرا مطلب اس جگہ صرف دین کے متعلق سوال کرنے اور دُنیا کو علیحدہ رکھنے سے یہ ہے کہ دُنیا کے واسطے ایک خاص عقل بھی ہوتی ہے۔ مثلاً راج[1] کا کام مَیں نہیں جانتا مَیں اس کے کام پر کوئی اعتراض نہیں کرتا نہ اس کے کام کی اصلاح کرتا ہوں۔ اگر گورنمنٹ کو ڈاکٹر کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ایسا آدمی ملازم رکھتی ہے جس نے اس فن میں بہت محنت اور کوشش کر کے ایک استعداد پیدا کی ہوئی ہوتی ہے۔ کیسا ہی کوئی دھرم آتما ہو۔ اگر وہ سرکاری قانون سے آگاہ نہیں تو جج نہیں بن سکتا۔ اس طرح دُنیوی اصلاحوں کی ایک علیحدہ

---

[1] پنجابی زبان میں راج، معمار کو کہتے ہیں (مرتب)

شاخ ہے۔ جیسا کہ لوگ نئی نئی قسم کی ایجادیں کر کے پہلے سے بہتر گاڑیاں اور آوزار اور سامان بناتے ہیں۔ یہ بھی ایک اصلاح ہے۔ ہاں نیک دل لوگ بھی اصلاح کے واسطے ہی آتے ہیں لیکن دُنیوی اُمور میں ان کا دخل ایک عام اتفاق تک ہوتا ہے کہ بدچلنی نکل جاوے اور لوگ تمام کام نیک نیتی سے پُورے کریں۔ باقی علوم وفنون دُنیادار ہی جانتے ہیں۔ دینی مصلح ایک عام اصلاح کرتا ہے جو رفاہِ عام کے متعلق ہو۔

آریہ ۔ جیسا کہ تمام اشیاء قدرت نے ہم کو دی ہیں جو ہماری دُوسری ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ ایسا ہی گیان کے واسطے بھی قدرت نے ہم کو ایک شئے دی ہے اور وہ وید ہیں۔ آریہ سماج کا یہ کام ہے کہ وہ ویدوں کی تعلیم کو پھیلائیں۔

حضرت اقدس۔ وُہ انتہائی نقطہ کونسا ہے جس کی طرف ویدوں کی تعلیم لے جاتی ہے۔

آریہ ۔ جسم کی ترقی۔ سماج کی ترقی اور رُوح کی ترقی۔

حضرت اقدس۔ رُوحانی ترقی کیا ہے؟

آریہ۔ موکش پانا (نجات حاصل کرنا)

حضرت اقدس۔ یہ تو سب کا دعویٰ ہے لیکن ایک اِدّعائی رنگ ہوتا ہے جو صرف خیالی رنگ اور وہم تک محدود ہوتا ہے کہ ہم نے یہ کام کرلیا ہے۔ لیکن اس میں ایک امتیازی رنگ ہونا چاہیئے جس سے تمیز ہوجاوے کہ اس میں نجات ہے اور اس میں نہیں۔ خیر اس وقت ہم ویدوں کی تعلیم پر حملہ نہیں کرتے فرض کرو وہ سب تعلیم عمدہ ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ وہ کسی کی نقل ہو۔ مثلاً جاپان اس وقت ایک طاقت بن گئی ہے لیکن ان کی سب باتیں یُورپ کی نقل ہیں۔ ایسا ہی پارسی کہتے ہیں کہ زند اوستا ویدوں سے بھی پُرانے ہیں اور ویدوں کی بعض باتیں اس سے ملتی بھی ہیں۔ اس لیے اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص وید کی باتوں پر عمل کرے۔ فلسفیانہ رنگ میں اس کو علم کی طرح حاصل کرے لیکن ویدوں کو الہامی کتاب نہ مانے اور نہ اس کے ساتھ کوئی تعلق رکھے تو کیا وہ موکش حاصل کرسکتا ہے؟ جیسا کہ دُنیوی علوم وفنون کے واسطے ضروری نہیں ہوتا کہ اُستاد کس مذہب کا ہو۔ ایک ہندو اُستاد ہو یا عیسائی ہو یا دہریہ ہو۔ سب مدرسوں میں موجود ہوتے ہیں۔

آریہ ۔ ہاں موکش کے واسطے وید کو الہامی ماننا ضروری نہیں۔ جو مثالیں آپ نے دی ہیں وُہ درست ہیں اور جیسا کہ اقلیدس کی شکلیں ہیں ہر ایک اس کو سیکھ اور سکھا سکتا ہے۔ لیکن آریہ سماج ان شکلوں کو درست حالت میں رکھتی ہے باقیوں نے غلطیاں ملادی ہیں۔ اگر وید پر اسلام عمل کرے تو وہ اچھا ہے بہ نسبت

اس ہندو کے جو نہیں کرتا۔

حضرت اقدس ۔ ہمارا سوال تو صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی شخص وید کو خدا تعالیٰ کا کلام نہیں مانتا مگر اس کی باتوں پر عمل کرتا ہے تو کیا وہ مکتی پائے گا؟

آریہ ۔ بے شک مکتی پائے گا۔[1]

فقط

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۰۶ء

انڈیکس

مرتبہ: سیّد عبدالحی

۱۔ کلید مضامین ۳

۲۔ تفسیر آیاتِ قرآنیہ ۳۳

۳۔ اسماء ۳۹

۴۔ مقامات ۵۹

کلیدِ مضامین

ملفوظات

جلد ۴

ا

آخرت
یقینی الوجود دائم ۵۷۵
بچوں کی تکالیف کا اجر دوسرے عالم میں ۲۳۷
اس دُنیا کی بیماریں، مصائب و تکالیف کی تلافی آخرت میں ہوگی ۷۲

آریہ دھرم نیز دیکھئے ہندومت
یہ قوم اللہ تعالیٰ نے بُت پرستی سے دستبرداری کرانے کے لیے پیدا کی ہے۔ یہ لوگ اسلام کی ڈیوڑھی پر ہیں ۶۲۴
ایسے مذہب کی بنیاد ریت پر ہے۔ وہ آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں ۶۰۹
باوجود غلط مذہب کو ماننے کے اس کی حمایت کا جوش ۵۷۳
جاپان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کیلئے کوششیں ۲۹۷
قادیان میں آریوں کے سالانہ جلسے ۶۷۳
آریوں کی حالت ۱۹۳
ان کے سارے دعوے باطل ہیں ۳۵۰
قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ وسلم کے خلاف گندے الفاظ کا استعمال ۱۹۲
ان کو اسلام کی ہر اصلی بات سے چڑ ہے ۱۰۷
مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر آریہ بنا رہے ہیں ۱۷۸
بعض غیر معقول عقائد اور انکار ۱۳۰، ۶۲۳
خدا تعالیٰ کے بارہ میں آریوں کا عقیدہ ۱۴۴، ۵۶۱
خدا کے بارہ میں عقیدہ کر دُہ سُنتا ہے لیکن بولنے کی صفت کے بارہ میں وہ خاموش ہے ۳۴۹، ۳۵۲
ان کے پاس خدا کی ہستی کے لیے کوئی دلیل نہیں ۳۲۹
ذرات عالم اور ارواح کو ازلی ابدی ماننے کا رد ۳۲۹
نجات کے بارہ میں نظریہ اور اس کا رد ۵۶۰
عقیدہ تناسخ پر اعتراضات ۳۴۰
معجزات کے منکر ۲۲۶
دُوسرے عالم کو نہ ماننے کی وجہ سے عقاید میں کجی ۲۲۹
بعض غیر معقول عقائد اور ان کا رد ۲۰۱، ۶۲۳
دُعا کی نصیحت سے محرومی کی وجہ ۱۴۹، ۲۰۳
مسئلہ نیوگ ۶۱۹
بے پروگی پر زور دیتے ہیں ۱۰۵
ایک آریہ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گفتگو ۶۷۵
آریوں کے اخبار ڈیلی ٹائمز اور آریہ پتریکا کے مخالفانہ ریمارکس کا جواب ۲۶۰
رُوحانیت سے محرومی اور اعتراض کی عادت ۶۰۹

اِباحت
موجودہ دُنیا سے اباحت ختم کر کے اسلام پھیلانا انسان کا کام نہیں یہ کام اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے ۳۳۲

ابتلاء نیز دیکھئے عنوانات بلاء اور مصیبت
ہر نبی کے وقت ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے ۱۸۲، ۲۷۹، ۵۰۹
اللہ تعالیٰ مومن پر ابتلاء بھیج کر امتحان کرتا ہے ۴۳
ابتلاؤں کی حکمت ۹۸
بعض فتوحات کا مدار ابتلاؤں پر ہوتا ہے ۲۸۰
اولاد کا ابتلاء ۱۹۰، ۴۴۴
قومیت کا ابتلاء ۴۴۵
زمانہ کی معاصرت بھی ایک رنگ کا ابتلاء ہے ۴۱۴
قبرستان کی تجویز بہتیرے لوگوں کے لیے ابتلاء کا موجب ہوگی ۵۹۳

اَبدال
ابدال کی تعریف ۶۴۰
ابدال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے اندر سچی تبدیلی پیدا کرتے ہیں ۱۴۴
مقربین اور ابدال کا مقام ۱۴۸
زُمرۂ اَبدال میں داخل ہونے والے لوگ ۶۵۵

اجتہاد
مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور صواب بھی مگر دونوں طرح پر اسے ثواب ملتا ہے ۶۳۱

عیسائی عقیدہ کے نتیجہ میں مغربی ممالک میں اباحت

پہلی کتابوں سے اجتہاد کرنا حرام نہیں ہے ۵۶۷
اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے ۱۶۶
نبی سے اجتہادی فعلی ہو سکتی ہے ۸۵
اگر احکام دین کے بارہ میں نبی سے اجتہادی فعلی سرزد ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً متنبہ کیا جاتا ہے ۸۵

اجماع

اسلام میں سب سے پہلا اجماع صحابہ کرام کا تمام انبیاء (بشمول عیسیٰ علیہ السلام) کی وفات پر تھا ۱۲۵، ۳۲۴، ۳۲۵، ۴۰۸، ۴۳۶، ۵۲۷، ۵۴۳

احسان

احسان کی حقیقت ۶۰۷

احمدیت

جماعت کا نام

اپنے فرقہ کا نام احمدی رکھنے کی وجہ ۵۰۰، ۵۰۱
احمد کے نام میں اسلام کے بانی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتصال ہے ۵۰۲

سلسلہ کا مقام

خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو منہاجِ نبوت پر قائم کیا ہے ۱۵۶، ۱۸۴، ۳۶۲، ۵۴۳
مُہرِ نبوتِ محمدی سے تصدیق یافتہ سلسلہ ۴۶۸
اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو اسلام برباد ہو چکا تھا ۲۷
اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادق جماعت ملنے کا وعدہ ۵۹۶
ہماری جماعت میں وہی شریک ہونے چاہئیں جو بیعت کے موافق دین کو دُنیا پر مقدم کرتے ہیں ۳۲۰، ۵۹۵
خدا نے اس غریب جماعت کا نام اس وقت بنی اسرائیل رکھا ہے ۲۶۳
مسیح موعود کا بابرکت زمانہ ۴۱۳
احمدیت قبول کرنے کی شکلات ۱۵۶
احبابِ جماعت کی نیک چلنی اور اطاعت کے بارہ میں حضور کی رائے ۱۸۶
الفرقہ جماعت میں صدق اور بہبودیٔ اسلام ۴۸۰
اسلام کی ضروریات کے لیے خرچ کرنے پر جماعت کی تعریف ۳۷۵

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پُر درد تقریر سے ساتھیوں کا پھوٹ پھوٹ کر رونا ۵۹۷
بیعت کے موقعہ پر ایک دوست کا رونے روتے اپنی خطاؤں کی معافی چاہنا ۸۶
احبابِ جماعت کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکلیف کا احساس ۱۱۴
خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنیوالوں کے لیے بشارت ۶۵۰
جماعت کی حفاظت کے لیے دُعا ۲۶۱
مسیح موعود علیہ السلام کے حضور ایک مجلس کی کیفیت ۱۳۶

قیام کی غرض

جماعت کے قیام کی غرض ۹۹، ۲۱۳، ۴۶۹، ۴۷۳، ۵۰۴، ۵۷۰، ۶۱۷، ۶۶۹
سلسلہ کے قیام کا ایک مقصد ۶۳۴
یہ سلسلہ اسی غرض سے قائم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھے ۶۵۲
قیام کا مقصد ایسی جماعت کا تیار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے ۴۰۲
میں تو اپنی جماعت کو اسی راہ پر لے جانا چاہتا ہوں جو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے ۲۴۲
اصل غرض مقامِ رضا کا حصول ہے ۴۲۴
خدا تعالیٰ اس جماعت کو نمونہ بنانا چاہتا ہے ۲۷۱

صداقت

منہاجِ نبوت پر اس کی صداقت کو آزمانا چاہیئے ۴۷۰
سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک کشش رکھ دی ہے اور لوگ کھچے چلے آتے ہیں ۳۱۸
دلائلِ صداقت ۳۹، ۱۲۶، ۵۲۹
مسلسل ترقی صداقت کا نشان ہے ۱۱۲، ۴۷۳
سلسلہ کی تائید میں کثرت سے نشانات ۲۵۸
ہزارہا افراد کو اعمال اور رویاء کے ذریعہ سلسلہ کی صداقت کے بارہ میں بتایا گیا ۲۳۳
اگر انسانی کا دوبار ہوتا تو آجتک کب کا تباہ ہو جاتا ۱۱۰

طاعون اور احمدیت

طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے اندر سچی تبدیلی پیدا کرنے کی تلقین ۲۲۴
طاعون کے ذریعہ کئی ہزار آدمی سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں ۱۸۴، ۵
بعض احمدیوں کے طاعون سے مرنے کی وجہ ۴، ۶۲

احمدیت کا مستقبل

سلسلہ کے مستقبل کے بارہ میں ایک کشف ۸۳، ۴۷۷
ہماری جماعت کی ترقی کے متعلق خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں ۱۸۰، ۲۶۹، ۳۳۳، ۳۸۸
خدا تعالیٰ کا ارادہ کہ اس جماعت کو بڑھائے اور اسلام اور توحید کی اشاعت کا باعث بنے ۶۱۸
خدا نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو بڑھائے پس کون ہے جو اسے روک سکے ۲۶۱، ۶۵۱
اللہ تعالیٰ میرے منکروں کو میرے متبعین پر غالب نہیں کریگا ۵۹۰
جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہو گئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی ۹۳
اگر ہماری جماعت کی تعداد بیس پچیس لاکھ پر محصر جائے تو کچھ بھی نہیں ہم تو چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اس جماعت سے بھر جائے ۳۴۴

عقائد

جماعتِ احمدیہ کے عقائد ۱۰۷، ۵۳۷
ہم مسلمان ہیں اور امتِ محمدی ہیں اور ہمارے نزدیک نئی نماز بنانی یا قبلہ سے رُوگردانی کفر ہے ۱۰۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی ۵۵۸
مسلمان ہونے کا ثبوت ۵۲۷
غیر احمدیوں سے اختلاف کی وضاحت ۱۲۸
بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں ۱۰۸
جہاد کے بارہ میں جماعت کا موقف ۵۴۷
ہمارے اور ہمارے مخالفوں کے درمیان فرق

یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو لاکر امت بناتے ہیں اور ہم اُمت کو مسیح بناتے ہیں ۳۱۱

نظام وصیت

اشتہار اوصیت خدا تعالیٰ کے اشارہ سے دیا گیا ہے ۵۹۴

وصیت کی غرض ۶۱۷

جماعت کے لیے ایک مثالی قبرستان کی تجویز ۵۸۶

مجوزہ قبرستان کے بنانے کی غرض ۵۹۳

قبرستان کی تجویز خدا تعالیٰ کے امر اور وحی سے کی گئی ہے ۵۹۲

بہشتی مقبرہ میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں متقی ہیں ۶۱۹

افراد جماعت کو وصیت کرنے کی تلقین ۶۱۶

تم اس وصیت کی تکمیل میں میرا ہاتھ بٹاؤ وہ قادر خدا جس نے پیدا کیا ہے دُنیا اور آخرت کی مُرادیں دے گا ۶۷۴

مخالفت

مخالفت سلسلہ کی ترقی کے لیے لازمی ہے ۲۸۴

سلسلہ کی مخالفت کی حکمت ۲۵۹ و ۴۴۳

آریوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے مخالفت کی وجوہات ۵۸۹

جس قدر مخالفت میں شدت ہوتی گئی اسی قدر اس سلسلہ کی عظمت اور حرمت دلوں میں جڑ پکڑتی گئی ۵۳۰

جس شہر میں خاموشی سی ہو اس جگہ جماعت ترقی نہیں پکڑتی ۲۸۴

ہمارے مخالفوں میں سے بھی وہ لوگ نکلیں گے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کو پورا کرنے والے اور پاک دل ہوں گے ۳۷۷

یہ سلسلہ مخالفوں سے تباہ نہیں ہوگا ۴۸۴

مخالفین کی ناکامی ۳۶۲ ، ۴۸۸

اشاعت اسلام کیلئے وقف زندگی

مدرسہ احمدیہ کے قیام کی غرض ۵۷۲

۵۸۴ ، ۶۲۲

واقفین زندگی کی ضرورت ۵۸۴

تفقہ فی الدین کے لیے ایک جماعت کی ضرورت جو تبلیغ و اشاعت کا کام کرسکے ۵۹۸

خدمت دین کے لیے سابق بالخیرات لوگوں کی ضرورت ۵۹۹

آئندہ نسلوں کے لیے واعظین اور معلمین کے تیار کرنے کی ضرورت ۶۴۹

جاپان میں اسلام کی تبلیغ کے لیے جماعت میں سے چند آدمی تیار کیے جائیں ۳۵۱

دینی اور دنیوی علوم سے آراستہ واقفین زندگی کی ضرورت ۶۱۸

جماعت کے مبلغین کے لیے دنیوی علوم کی ضرورت ۶۰۰ ، ۶۲۲

واقفین زندگی کو سنسکرت اور دوسری زبانیں سیکھنے کی تلقین ۶۱۹

جماعت کی قابل اصلاح کمزوریاں

جماعت کی کمزوری پر تشویش ۵۹۶

تربیت کی ضرورت ۵۹۷

جماعت میں کمزوریوں کی نشاندہی ۵۹۲

باہم ہمدردی کا فقدان ۲۶۹

جماعت کے کمزور افراد کے لیے حضور کا دعائیں فرمانا ۵۹

نومبائعین کے لیے نصائح

خوش قسمت وہ ہے جو بیعت کے تخم کو محفوظ رکھے اور اپنے طور پر ترقی کے لیے دُعا کرتا رہے ۲۹

جماعت بیعت کی سچی منشا کو پورا کرنے والی ہو ۵۰۶

نومبائعین کو نصائح ۳۱

بیعت میں داخل ہونے والوں کے اسماء کو باقاعدہ لکھا جائے ۳۱۳

جماعت کے لیے خصوصی نصائح

سچے مرید کی صفات ۳

جماعت کو انقطاع الی اللہ کی تلقین ۳۳ ، ۴۲۳

نصرت الٰہی حاصل کرنے کا طریقہ ۱۳۶

احمدیوں کو خصوصیت سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۶۵۲

جماعت کو احکام خداوندی پر عمل کی تلقین ۴۶۸

صرف اعتقادی بات ہرگز کام نہ آئے گی بیشک تمہارا قول و فعل ایک نہ ہو ۱۱۲

ہماری جماعت کو قیل و قال پر حصر نہیں ہونا چاہیے ... تزکیہ نفس اور اصلاح ضروری ہے ۴۱۰

میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس جماعت کو کامل کرے گا اس لیے تم بھی کوشش، تدبیر، مجاہدہ اور دعاؤں میں لگے رہو ۲۱۹ ، ۲۶۳

مسلمانوں اور خصوصاً ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دُعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیے ۲۰۹

جماعت کو دین کے لیے ہر قسم اختیار کرنے کی تلقین ۳۰۴

صادق مومن بننے کی تلقین ۱۷۹

صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے اور ان کا نمونہ دکھانے کی تلقین ۳۲۲ ، ۵۰۳

تم پہلے مسلمانوں کا نمونہ بنکر دکھاؤ ۶۱۵

تم استقامت اور اپنے نمونے سے اس درخت کی حفاظت کرو ۶۱۵

جس کو اللہ تعالیٰ نمونہ کے طور پر انتخاب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک نمونہ ٹھہرے ۲۰۱

نرمی سے کام لو اور اس سلسلہ کی سچائی کو اپنی پاک باطنی اور نیک چلنی سے ثابت کرو ۱۸۵

ہماری جماعت کے لیے اب عمدہ وقت ہے کہ ایک تبدیلی اپنے اندر پیدا کریں ۳۱۴ ، ۳۰۵

نازک ایام میں اپنے اندر دوسروں سے نمایاں فرق پیدا کرنے اور توبہ و استغفار کی تلقین ۲۵۶ ، ۲۹۸

اگر تم اپنی اصلاح چاہتے ہو تو یہ بھی لازمی امر ہے کہ گھر کی عورتوں کی اصلاح کرو ۱۰۴

جماعت کے لیے خصوصی نصائح ۱۳۴ ، ۱۸۰

اس جماعت میں ملنے والا وہ ہوگا جو ہر قسم کے مصائب اور شدائد کا نشانہ بننے کو آمادہ ہو ۳۵۰

شکلات آنے پر انبیاء و رسل کی پیروی کرو اور صبر کے طریق کو اختیار کرو ۱۵۶

مخالفوں کی اشتعال انگیزی سے بچنا چاہیے اور صبر کرنا چاہیے ۲۸۲ ، ۵۱۶

ہمارے لوگ مخالفین سے سختی سے پیش نہ آیا کریں ۱۷۹

ہر قسم کے فساد اور جھگڑا کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سن کر بھی صبر کرو ۱۵۷

لنگر خانہ کے مہتمم کے لیے خصوصی ہدایات ۱۶۰

ایک صاحب ذی وجاہت روحی اثر کے ماتحت میں مہمانوں کی تواضع کا اہتمام دیا جائے ۱۶۱

مہمانوں کو تاکید کہ وہ اپنی ضروریات کے بارہ میں مہمان خانہ کے عملہ کو بلا تکلف اپنی ضروریات سے آگاہ کیا کریں ۶۹

مرکز میں آنے کی اصل غرض دین ہو ۸۲، ۴۱۳

سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں ۳۶۱، ۴۱۳

نو واردوں سے مذہبی مناظرہ نہ شروع کیا جائے ۱۶۰

اسلام کی ترقی کے لیے اپنے اموال خرچ کرنے کی تلقین ۶۶۹

ایک روپیہ اور ایک الہام میں جماعت سے انفاق فی سبیل اللہ کے بارہ میں خصوصی خطاب ۵۸۲

مجھے وہ لوگ چندہ دے سکتے ہیں جو اپنے پختہ دل سے مجھے خلیفۃ اللہ سمجھتے ہیں ۲۵۰

جماعت کو قرضوں کی ادائیگی کی تلقین ۶۰۷

جماعت کی اپنی مسجد ہونی چاہیے جس میں اپنی جماعت کا امام ہو ۹۳

غیر احمدی کے پیچھے نماز ۵۸۳

مذہبی آزادی دینے والی گورنمنٹ کی اطاعت اور وفاداری فرض ہے ۸۰

دنیاوی تنازعات میں ایک احمدی کا موقف ۹۲

باہم اخوت اور ہمدردی کی تلقین ۲۶۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنی مجلس میں غریبوں کی دلداری فرمانا ۷۰

مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب میں یہ سنتا ہوں کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر لڑتا ہے ۱۵۷

یہ سلسلہ چل نہیں سکتا جبتک رحم۔ دعا۔ ستاری اور غرضاً آپس میں نہ ہو ۶۱

جب کبھی کام اسوقت بیان کرنا چاہیے جب پہلے کم از کم چالیس دن اس کے لیے دردِ کر دعا کی ہو ۶۰، ۶۱

ہمدردیٔ خلائق کی تلقین ۸۲، ۹۲

پلنے تو در کنار میں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور ان سے ہمدردی کرو ۸۲، ۲۱۹

جماعت کو اپنی تصویر شائع نہ کرنے کی تلقین ۴۷۵

جماعت کو خاتمہ بالخیر کے لیے کوشش کرنے کی تلقین ۱۹۷

متفرق

مسیح موعود کو ماننے کی ضرورت ۵۱۸

ہم ہتھیار سے جیت سکتے ہیں اور کسی اور قوت سے ہمارا ہتھیار صرف دعا ہے ۲۹۹

۱۹۰۵ء عام الحزن ۵۸۶

یہ چھاپہ خانے جو اس زمانہ کے عجائبات ہیں دراصل ہمارے ہی غلام ہیں ۲۸۲

براہین احمدیہ عہد حقیقی ہے ۲۳۸

براہین احمدیہ کی دنیا میں اشاعت ۲۸

جماعت کے لیے کامل اخلاقی تعلیم پر رسالہ لکھنے کا ارادہ ۲۱۹

الحکم اور بدر ہمارے دو بازو ہیں الہامات کو فوراً ملکوں میں شائع کرتے ہیں۔ ۲۹۲

اخبار البدر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ادارت میں ۶ اپریل ۱۹۰۵ء سے شائع ہوا ۲۵۲

۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء سے اخبار البدر کا نام بدر رکھا گیا ۲۶۳

جماعت کی تسلی اور اطمینان کے لیے حضور کو قربِ وفات کے الہامات ۵۷۵

احیاءِ موتیٰ

مسیح علیہ السلام کے احیائے موتیٰ کی حقیقت ۴۵۷

اخلاص

خدا تعالیٰ اخلاص کو چاہتا ہے ریاکاری کو پسند نہیں کرتا ۸، ۴۵

اعمال کے لیے اخلاص شرط ہے ۶۴۰

اخلاص کے بغیر عبادات کا درجہ ۶۶۲

سچے اخلاص اور مخلصین کی نشانی ۶۶۳، ۶۶۵

ادب

نفس تب ہی پاک ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی عزت اور ادب کرے ۳۷۰

آدابِ دعا ۱۴۸، ۲۸۳

آدابِ تلاوت ۵۲۴

مہمان داری کے آداب ۱۶۸

زیارتِ قبور کے آداب ۴۸۹

ارتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مسلمانوں میں ارتداد کی لہر ۵۷۹

اس زمانہ میں تیس لاکھ مسلمانوں کا مرتد ہو کر عیسائی بن جانا ۱۳۴، ۱۹۰، ۳۴۹، ۵۳۱، ۶۲۱ — ۶۳۱

استخارہ

اپنے متبعین کو ان کے دنیوی امور میں استخارہ مسنونہ کی ہدایت ۲۲۶

استغفار

استغفار کی ضرورت ۹۷، ۳۷۹

انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کی حقیقت ۹۷، ۳۱۵

منتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ سمجھ کر پڑھو خواہ اپنی زبان میں ہی ہو ۲۵۰

کسی شخص کا اپنے بیٹے کا نام استغفار اللہ رکھنے پر اظہارِ خوشنودی ۳۶۶

استقامت

استقامت کی ضرورت ۲۳۱

جبتک استقامت نہ ہو بیعت ناتمام ہے ۵۱۵

انبیاء کا سب سے بڑا معجزہ انکی استقامت ہوتا ہے۔ ۳۴۰

استقامت کے نتیجہ میں ملائکہ کا نزول ۶۱۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ استقامت ۳۶

اسلام

اسلام کی حقیقت

اسلام کی روح اور اصل حقیقت ۳۵، ۱۴۸، ۶۱۴

اسلام کی غرض ۳۴۳، ۵۵۹

اسلام میں داخل ہونے کی شرط ۵۳۷

حقانیت

صداقت کے دلائل ۱۳۸ ، ۳۲۸ ، ۳۴۹ ، ۳۵۲ ، ۶۱۰

عقاید و تعلیم

اسلام کی حقیقت اور تعلیم ۵۵۴

اسلامی تعلیمات کی برتری ۱۰۵ ، ۵۵۸ ، ۶۴۵

اللہ تعالیٰ کے بارہ میں اسلامی عقاید ۸۳ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۴۶۴

عبادات کا فلسفہ ۱۰۱

اسلام میں جبر نہیں ۴۹۳

خلوق سے ہمدردی کی تعلیم ۲۱۹

پردہ کی اہمیت و حکمت ۱۰۴ ، ۱۰۶

اشاعت

آنحضرتؐ کے وقت کی جنگیں دفاعی تھیں ۳۷۲ ، ۴۷۶ ، ۵۲۱

ہندوستان میں اسلام تلوار سے نہیں بلکہ بزرگوں اور مشائخ کی دُعا اور تصرفات سے پھیلا ہے ۵۲۳ ، ۵۴۷

اسلام اپنے برکات، انوار اور تاثیرات کے ذریعہ پھیلا ہے ۴۴۷

سچی تعلیم اور معجزات کے ساتھ اب اسلام کا غلبہ ہوگا ۵۲۱

خصوصیات

اسلام کی آمد کی تمثیل ۴۲۲

یہ چار نام (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) اسلام کے واسطے مثل چار دیواری کے تھے ۵۰۱

اسلام میں بعض بابرکت ایام ۱۱۴

اسلام کے لیے خاص اکرام ۱۴۹

اسلام کی بے نظیر خوبی ۶۰۹

اسلام کا خزانہ اور اُس کی کلید ۳۴۴

اسلام کا شرف اور امتیاز ۱۷۶ ، ۳۴۳

دُوسرے مذاہب سے امتیازی خصوصیات ۲۳۸ ، ۳۴۲ ، ۳۴۴ ، ۴۵۱ ، ۶۱۳

اسلام کے سوا کسی مذہب میں نجات نہیں ہے ۴۴۹

تہذیب کے اصول اخلاص، صدق اور توحید ہیں جو اسلام کے سوا کسی دُوسرے مذہب میں نہیں مل سکتے ۵۵

اسلام میں رہبانیت ہے نہ ہندوؤں کی طرح مشقتیں ۶۴۲

اس زمانہ میں کوئی مذہب بجز اسلام کے ایسا نہیں جو اعتقادی اور عملی فضیلتوں سے متبرا ہو ۳۲۷

اسلام ہی انسان کی پیدائش کی غرض کو پورا کرتا ہے ۳۲۹

اسلام کی تاثیرات و برکات جاری ہیں ۴۰۶ ، ۴۲۷ ، ۴۲۸

اسلام میں وحی و الہام کا دروازہ کھلا ہے ۶۱۳

ہر صدی کے سر پر سلسلۂ مجددین ۶۲۹

دُعا اسلام کا فخر ہے ۲۰۲

اہلِ اسلام کی وحدت و اخوت اور مساوات کو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں ۱۹۹

اسلام نے وحشیوں کو حقیقی انسانیت تک پہنچایا ۳۳۲

اسلام کا ہندوؤں پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کو تہذیب سکھائی ۱۰۵

اسلام میں سادگی ۴۱۸

واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مُسلمانوں میں ارتداد کی لہر ۵۷۹

حضرت علی کے عہد میں اندرونی فتنہ جنگی ۵۷۹

ایک شخص کا اندھا ہو جانے پر اسلام چھوڑ دینا ۹۸

اسلام کا ضعف اور عیسائیت کا حملہ

سخت اور خطرناک ضعف کی حالت ۲۷ ، ۶۱۷ ، ۱۳۴۰

اندرونی اور بیرونی آفات کا نشانہ ۱۰۹

اسلام کی ہتک ۴۴۴

عیسائیت کے اسلام پر حملے ۴۶۹

اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لاکھوں کتب کی اشاعت ۲۳۳ ، ۴۹۵

مسیح موعود اور اسلام

اسلام میں مُصلح کی ضرورت ۵۰۰

میرے آنے کی غرض اور مقصود صرف اسلام کی تجدید و تائید ہے ۵۵۳

ایک اُمتی کا مسیح بن جانا اسلام کے لیے فخر ہے ۴۰۸

اسلام وہی ہے جو ہم پیش کرتے ہیں ۴۷۳

اسلام کی فتح و غلبہ مسیح کے حقیقہ میں ہے ۴۹۶ ، ۴۹۷ ، ۵۴۲ ، ۵۹۲ ، ۶۲۶ ، ۶۳۲

مستقبل

اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام خلق سے بچائے گا ۴۷۵

ایک طاقتور مذہب ہے یہ سائنس پر غالب آجائے گا ۳۰۰

اسلام کا روشن مستقبل ۴۶۳ ، ۵۶۴ ، ۶۱۶ ، ۶۱۹

غلبہ کی پیشگوئی ۵۶۲

اسلام کا تقاضا

اخوتِ اسلامی اور اس کا تقاضا ۲۶۹

اسلام کو اپنی قیاسیوں کے لیے سپر نہ بناؤ ۵۳

پادریوں کا اسلام کے خلاف لٹریچر اور اس کا جواب دینے کی ضرورت ۳۷۲

اسلام کی تائید و نصرت کی ضرورت ۶۳۴

اسلام کا ضعف دُعاؤں سے ہی دُور ہو سکتا ہے ۴۸۰

اصلاح

مصلح کی صفات ۱۹۲

اطمینانِ قلب

حقیقت اور فلاسفی

ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے لیے صبر اور محنت درکار ہے ۲۳۹

افترا

اِفترا کرنے والے کی رگِ گردن کاٹ دی جاتی ہے ۴۷ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۳۵۸

ایسے مفتری کی نظیر پیش کرنے کا چیلنج جس کی پچیس برس پرانی پیشگوئیاں پوری ہوئی ہوں ۵۳۴

خُدا کے کلام میں تحریف کرنا یہ بھی افترا ہے اس سے بچو ۱۳۰

اللہ تعالیٰ

ہستی باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے بارہ میں اسلام اور مختلف مذاہب کے نظریات ۱۳۸ ، ۳۶۳

اسلام کا پیش کردہ خدا ۸۲ ، ۱۲۷ ، ۶۴۵

ہستی باری تعالیٰ کا مسئلہ اُمّ المسائل ہے ۲۳۸
جاپان کے پتے پر ہر جگہ لکھا پایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۲۶۹
خدا نے جس قدر اپنی ہستی کا ثبوت دیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں جن میں میں اسے ظاہر کر سکوں ۶۶۷
اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ۱۶۵، ۱۶۶، ۲۰۷
بیشمار کلامی و خاطبہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر
کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی ۸۳، ۶۱۳

تعلق باللہ

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (حدیث) ۳۵
صحیح انقطاع الی اللہ ۴۴
تعلق باللہ کے لیے محویت اور عشق کی ضرورت ۳۲
پتے تعلق باللہ کی کیفیت ۱۵
اللہ کے کامل بندے ۱۵
تعلق باللہ سے انسان گناہ آلود زندگی سے
نجات پاتا ہے ۳۲۷
تعلق باللہ کے تبجر میں دُنیا کی تکلیفیں اور مشکلات
آسانی سے برداشت ہوتی ہیں ۱۶

محبتِ الٰہی

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (حدیث) ۶۳۱
اِنْ شَاءَ اللّٰہ کہنے کا مقصد ۲۹۲
جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل پر تجلی کرتا ہے
تو پھر وہ پوشیدہ نہیں رہتا ۳۴
اللہ تعالیٰ کے فضل کے حصول کی راہیں ۸۸
ہر بات اور فعل میں اللہ تعالیٰ کو نصب العین
بنانا ۲۲۰
حقوق اللہ ۲۱۴
محبتِ الٰہی کی لذت ۳۲، ۳۰۲
محبت الٰہی پیدا کرنے کے ذرائع ۳۰۴
اللہ کی رضاء حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ۳۲۸
دیدارِ الٰہی کے لیے تبتّل اور تزکیہ نفس کی سخت
ضرورت ۳۰۴

خدا شناسی کے ذرائع

کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۲۷۶
خدا یابی کے ساتھ دنیا یابی وابستہ ہے ۱۵۱
خدا شناسی اور توکل کی حقیقت ۲۹۹
خدا یابی کا طریق ۶۳۳
خدا شناسی کی اصل راہ دعا ہے ۱، ۲۴۰
خدا کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ ۸۳

اللہ تعالیٰ کی جہرہ نمائی کے ایام

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان نہیں ۱۴۳
وقت آگیا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کو شناخت
کریں ۲۱
اللہ تعالیٰ کی جہرہ نمائی کی ضرورت ۲۳۸، ۲۷۸
اللہ تعالیٰ کی جہرہ نمائی کے ایام ۲۵۹، ۲۷۶

صفاتِ حسنہ

اللہ کی صفات کا کامل نقشہ اسلام نے
کھینچا ہے ۲۵۲
اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ سے مراد صفاتِ
الٰہیہ کا ظہور ۳۰۶
اللہ تعالیٰ کی اُتم الصفات ۲۰۵
صفتِ ربوبیت ۱۹۲، ۲۰۵
صفتِ رحمانیت ۲۰۵
رحیمیت ۲۰۶
رحیمیت کا تقاضا ۵۵۱
مالکیت یوم الدین ۲۰۶
ارحم الراحمین ۱۱
قادر ہونے کی حقیقت ۴۵۱
عالم الغیب ہونے کا ثبوت ۶۵۱
صفتِ خلق ۳۰۱
غیور ۲۶، ۲۲۳
صفتِ توّاب ۱۴۲
بخشش اور چشم پوشی ۱۳۸
حلم اور کرم ۲۲۲، ۳۸۵
صالحین کا متولی ۴۰
هُوَ الشَّافِی ۲۹۵، ۲۹۶
کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ۳۲۱
توحید اور شرک کی حقیقت ۴۴۸
اس کا کرم و رحم بہت کثیر ہے اور اس
کے غضب پر سبقت رکھتا ہے ۱۳۸، ۱۶۶
خدا کے فضل اور فیوض اب بھی جاری ہیں ۴۰۵
جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اپنے
خاص بندوں سے ہمکلام ہوتا چلا آیا ہے ۸۳
، ۱۶۶، ۳۴۹
اللہ تعالیٰ ہی موجودہ دنیا کی اصلاح فرما
سکتا ہے یہ انسان کا کام نہیں ۳۳۲
مومن کی جان بچانے میں اللہ تعالیٰ کے
تردد کی حقیقت ۳۰، ۳۸۷
اللہ تعالیٰ کے بارہ میں تردد۔ پھیپھانے اور
اُفْطِرُ اَصُوْمُ کے الفاظ کی حقیقت ۶
تصرفاتِ الٰہی ۳۸۶
خدا تعالیٰ کا معاملہ انسان کے ساتھ اس
کے گمان اور تبدیلی کے انداز پر ہوتا ہے ۳۰۵
اللہ تعالیٰ لوگوں کے محاورات اور صرف و
نحو کے قواعد کے ماتحت نہیں ہے ۲۵۳
قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ
کوئی صفت مفعول کے صیغہ میں نہیں ہے ۴۶۶
سُبْحَانَ اللّٰہ کے معنی ۲۸۰
کذب باری تعالیٰ کا مسئلہ ۳۶۳
وہ ایسے امور سے پاک اور منزّہ ہے جو
اس کی صفاتِ کاملہ کے خلاف ہوں ۶۲۶
وہ ایسی باتوں کو روا نہیں رکھتا جو عبد کو
شرک میں مبتلا کر کسی کو شریک الباری ٹھہراتی
ہوں ۶۲۷

امام

سلسلہ امامت کے دوران میں خدا کے ظاہری
اسباب کارفرما نہیں ہوتے
قضاء و قدر کے اسرار چونکہ عمیق در عمیق تہ تلے
ہیں اس لیے امامت اور رویاء کی
تفہیم میں غلطی لگ سکتی ہے ۳۳۲
بعض امام بار بار کئی وجوہ ہوتے ہیں اور
ہر وجہ وہ جُدا شان رکھتے ہیں ۳۲۱
کیا کافر کا شریر بطور امام ہو سکتا ہے ۲۹۴
سچے امامت کی علامات ۲۳۲، ۵۱۱
سچے اور من جانب اللہ ہونے کی علامات ۲۳۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فارسی
امام ۱۶۷
اُمتِ محمدیہ میں وحی و امام کی ضرورت
کا اثبات ۱۰۹

اُمّت میں وحی و الہام کا دروازہ کھُلا ہے ۳۱۴ ، ۴۲۷

الہام کے بارہ میں مولوی عبداللہ غزنوی کا عقیدہ ۳۱۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے الہامات کے من جانب اللہ ہونے پر کامل یقین ۲۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مختلف زبانوں میں الہام ہونے کی حکمت ۵۱۷

حضرت اقدس کے نزدیک الہامات کی ترتیب کا اصول ۱۹۶

حضرت اقدس کا اپنے الہامات کو ترتیب دیکر شائع کرنے کی ہدایت ۲۲۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پچیس سال پہلے براہین کے زمانہ کے الہامات کا پورا ہونا ۵۱۴ ، ۵۱۷

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بارہ میں الہامات ۴۸۶ ، ۴۸۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات دیکھئے زیر عنوان غلام احمد قادیانی مسیح موعود

اُمّتِ محمدیہ

اُمّت محمدیہ کا شرف ۱۸۰ ، ۴۲۳

اُمّتِ مرحومہ کے لیے خاص اکرام ۱۴۹

خیر اُمّت ہونے کا تقاضا ۱۳۴

اُمّت مرحومہ ۱۰۹

اُمّتِ مرحومہ کے لیے آسانی ۲۵۶

اس اُمّت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ۴۵

اُمّتی کی حقیقت ۴۳۱ ، ۵۱۲

اُمّت کی تشبیہ عورت سے ۳۶۰

اُمّت پر حضرت ابوبکر کا احسان ۵۷۹

سلسلہ موسوی سے سلسلہ محمدی کی مشابہت ۴۴۳

اُمّتِ محمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان جاری ہے ۶۲۹

خضری اسوار اس اُمّت میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں ۵۲۵

اگر کسی کا ہمسایہ فاقہ میں ہو تو اس کے لیے شرعاً حج جائز نہیں ۳۷۰

اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں تک مخصوص نہ کرو بلکہ خدا کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو ۲۱۷

اُمّت میں مکالمہ و مخاطبہ کا دروازہ کھُلا ہے ۴۲۸ ، ۵۱۳ ، ۵۵۸

وحی صرف اس اُمّت کا حصّہ ہے ۲۴۶

اُمّتِ محمدیہ میں نبوّت کا دروازہ کھُلا ہے ۴۳۰

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ میں شامل لوگ ۳۱۲ ، ۴۳۳ ، ۵۱۴

اُمّتِ محمدیہ کو خلافت کا وعدہ ۲۲۴ ، ۴۲۵

سورۂ نور سے ثابت ہے کہ اس اُمّت کے تمام خلفاء اسی اُمّت سے آئینگے۔ ۲۵ ، ۵۲۸

احادیث کہہ رہی ہیں کہ تمام خلفاء اسی اُمّت سے آئیں گے ۱۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس امت کی دو دیواریں ہیں ایک میں اور ایک مسیح موعود ۱۰۸

اُمّت میں سے کسی شخص کا عیسیٰ بن جانا اُمّت کے لیے فخر کا باعث ہے ۴۰۸

اُمّتِ محمدیہ میں اگر مسیح ناصری آئیں تو یہ اس اُمّت کی ہتک ہوگی ۴۲۷

ہمارے مخالف حضرت عیسیٰ کو لاکر اُمّت بناتے ہیں اور ہم اُمّت کو مسیح بناتے ہیں ۳۱۱

قرآن اور حدیث کے نصوص آنے والے کو اسی امت سے ٹھہراتے ہیں ۱۳۳

امت میں ایک مسیح کی آمد کی وجہ ۴۲۷

امت میں حکم کی ضرورت ۱۵۹

مسیح موعود کی حیثیتِ حکم ۴۵۳

امتِ محمدیہ میں مثیل مسیح کے ظہور کی دلیل ۳۱۳

خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ..... کہ آنے والا (مسیح) اسی اُمّت کا ایک فرد کامل ہے

..... اور وُہ میں ہوں ۱۲۲

اُمّت کے مثیل یہود ہونے کا اقرار ۳۱۳

اُمّت میں تیس دجّال ۱۰۹

اَمر

امر کی دو قسمیں۔ امر شرعی اور امر کونی ۵۶۹

انجیل نیز دیکھئے عیسائیت

قرآن کریم کی تعلیم سے موازنہ ۶۳۰ ، ۶۴۴

اس کا اکثر حصّہ اسی سے پُر ہے کہ بُرے کام نہ کرو، مگر یہ تکمیل ایمان کا پہلا زینہ ہے ۶۵۳

انجیل کی تعلیم کے اثرات ۳۲۲

مسیح کی دولعاب سے اُمّت کی دُلمن سے تشبیہ ۳۶۰

نا اہل کی رُو سے حواریوں کی ایمانی حالت ۶۴۲

اس کی کسی آیت نے سؤر کو حلال قرار نہیں دیا ۳۸۵

انسان

انسان کی حقیقت ۴۶۰

پیدائش کی غرض ۱۳۷ ، ۳۲۹ ، ۴۳۸ ، ۴۴۷

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۲۷۸

انسان اور آدم ۴۵۹

انسان کے دو جسم ہیں ایک زمینی اور ایک آسمانی ۳۴۳

بلند رُوحانی مراتب حاصل کرنے کی قابلیت ۶۵۸

حقیقی محویت سے انسان سُلطان بن جاتا ہے اور ذرّہ ذرّہ اس کا خادم بن جاتا ہے ۳۲

دینی اور دنیوی زندگی میں ہر آن اللہ کے فضل کی ضرورت ۲۳۱

انسان کے دل میں خدا کے قرب کی تڑپ ہونی چاہیے ۲۳۲

انسانوں کے تین طبقے ۳۴۲ ، ۵۹۹

انسان میں جانوروں کی صفات ۷۴

انسان کی عمر کے تین زمانے ۱۹۸

انفاق

انفاق فی سبیل اللہ کا بلند ترین مقام ۶۱۲

پرندوں سے انفاق فی سبیل اللہ کا سبق ۵۸۲

انقطاع

سچا انقطاع الی اللہ ۴۴

انکسار

فروتنی اور انکسار مامُوروں کا خاصہ ہے ۴۳۷

انگریز

اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو حق کے لیے ایک جرأت دی ہے ۵۴۷

انگریزی حکومت کی مذہبی آزادی اور عدل کی تعریف ۵۴۳

انگریزی حکومت چونکہ مذہبی آزادی دیتی ہے اس لیے ان کی عملداری میں رہنا کھٹکا اور بدعت نہیں ۲۳۰

انگریزی تعلیم کے بُرے فلسفہ سے بچو اور اس سے نیک فائدہ اُٹھاؤ ۲۷۶

اس زمانہ میں یہ زبان معاش کا ذریعہ ہے ۳۸۰

اولاد

نبی یا مومن کامل کی اولاد کو کبھی روزِ بد دیکھنا نصیب نہیں ہوا ۳۰۴

مقربین کی اولاد سے اللہ تعالیٰ کا سلوک ۳۲۰

اُنہی کی اولاد بابرکت ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل کرتا ہے ۵۹۵

اولاد کی آرزو کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کا سا دل درکار ہے ۳۰۵

اولاد کے لیے خواہش ہو تو اس لیے ہو کہ وُہ خادمِ دین ہو ۴۴۵

صالح اولاد کی خواہش کرنی چاہیے ۲۹۵

اولاد کا ابتلاء ۱۹۰، ۴۴۳

مرنے والا بچہ والدین کے لیے فوط ہوتا ہے ۲۹۱، ۲۹۵

اولاد کی وفات پر صبر کی تلقین ۲۹۱

اولاد کے لیے ماں باپ کا بہترین ورثہ ۴۴۳

اولوالامر

کون ہے ۳۴۷

اُونٹ

اُونٹ کے بے کار ہونے کا نشان ۲۶

پیشگوئی میں عشار کا لفظ رکھنے کی حکمت ۱۳۳

اہل حدیث

سلسلہ کی مخالفت ۲۵۹

رسالہ اہلحدیث امرتسر کے خلافانہ ریمارکس کا جواب ۲۶۰

اہل کتاب

قرآن کریم میں اہلِ کتاب سے مراد غالباً یہودی ہیں ۶۴

علماءِ اہل کتاب ۶۵

ایتاءِ ذی القربیٰ

نیکی کا سب سے بلند مقام ۶۰۸

ایمان نیز دیکھئے مومن

قابلِ ایمان چار باتیں ۴۶

اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نیکیوں کی جڑ ہے ۶۱۰

ایمان کی سلامتی کے لیے ظاہر کی بجائے باطن پر نظر رکھنا ضروری ہے ۳۱۴

مومنوں کے طبقات ۵۹

کامل الایمان کی صفات ۱۲۳

کامل ایماندار بننے کے لیے مجاہدات کی ضرورت ہے ۱۸

سچا ایمان ۱۴۶، ۵۹۴

پختے ایمان کی شناخت کا معیار ۳۱۲

ایمان کامل کا مزا ہم و غم کے دنوں میں ہی آتا ہے ۱۸۲

ایمان بالغیب سے اگلا درجہ ۶۰۳

ایمان کے ساتھ عمل صالح کی ضرورت ۴۰۱

تکمیلِ ایمان کا پہلا زینہ بدیوں کا چھوڑنا ہے ۶۵۳

ایمان کی جڑ نماز ہے ۲۹۲

تدبر اور غور سے بڑھتا ہے ۶۵۲

فرعون کی طرح آفت میں پڑ کر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا ۲۷۶

جھوٹے قصوں پر ایمان رکھنے کا نتیجہ ۳۱۲

مامور کی مخالفت کرنے سے سلبِ ایمان ہو جاتا ہے ۳۴۸

نیم ملّاں خطرۂ ایمان ۱۸

ب

بائیبل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اس سے سند لیتے تھے ۵۶۸

بدظنی

اس زمانہ میں ہر پہلو سے بدظنی ظاہر ہو رہی ہے ۳۴۴

خدا تعالیٰ پر بدظنی اور اس کے نتائج ۳۵

بدظنی کی مذمت ۲۲۳، ۶۵۹

بچے کی قیمت ۳۵، ۲۱۴

بدی

ترکِ شرک کے ساتھ کسبِ خیر ضروری ہے ۲۰۸

باریک اور مخفی بدیوں سے بچنے کی تلقین ۲۱۰

براہین احمدیہ

حجیت ۲۶۳

عمدہ تحقیق ہے ۲۳۸

اس اعتراض کا جواب کہ حضور نے براہین میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح آسمان سے نازل ہوں گے ۲۳۹

برکت

برکت اور عمر بڑھانے کا نسخہ دین کی فکر میں لگ جانا ہے ۲۰۵

اولیاء الرحمٰن کے مقامات میں برکت ۵۲۸

بروز

مسئلہ بروز ۴۷۱

ایلیاء کی بروزی آمد ۳۵۷

برہمو سماج

اس فرقہ کی بنا انسانی خیال پر تھی اس لیے دن بدن نابود ہوتا جا رہا ہے ۳۲۳

بندہ نیز دیکھئے عبد

اللہ کے بندوں کی علامات ۱۵۱

خدا تعالیٰ کے خاص بندوں اور غیروں میں فرق ۱۸۰

بزدلی

ہم خدا کے مامورین و مرسلین کبھی بزدل نہیں ہوا کرتے ۲۸۶

بلاء

نزولِ بلاء کا فلسفہ ۱۱۶

انبیاء اور عام انسانوں کی بلاؤں میں فرق ۱۱۸

شامتِ اعمال کی وجہ سے آنے والی بلاؤں

کا علاج ۱۱۹

بہشت دیکھئے جنت

بہشت دیکھنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہو ۳۱

دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ ۷۶

دولت مند کا بہشت میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے اُونٹ کا سُوئی کے ناکے میں داخل ہونا ۵۹۴

بیعت

بیعت کی حقیقت ۳ و ۲۳ و ۵۰۴

بیعت کی غرض ۹۸ و ۱۸۱

یہ بیعت تخم ریزی ہے اعمالِ صالحہ کی ۱۷۴

بیعت کے نتیجہ میں انسان زیادہ ذمہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے ۱۸۴

بیعت کے دن کی اہمیت ۱۱۶

صرف بیعت پر قناعت نہ کریں بلکہ اس تعلق کو مضبوط کریں جو آج قائم ہوا ہے ۲۹

نومبائعین کو نصائح ۲۱

شرائطِ بیعت کو پورا کرنے کی تاکید ۱۲۳

جماعت کو بیعت کی سچی منشاء کو پوری کرنے والی ہونا چاہیے ۵۰۶

بیعت کا اقرار کافی نہیں ہے۔ دلوں میں تبدیلی اور خدا تعالیٰ کا خوف ضروری ہے ۹۵

بیعت میں وہی داخل ہے جو دین کو دُنیا پر مقدم کرتا ہے ۵۹۴

جبتک استقامت نہ ہو بیعت ناتمام ہے ۵۱۵

ظاہری رسم کے طور پر بیعت کر لینا بے سُود ہے ۲۲

مشروط بیعت والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں ۳۱۸

عصر سے بیعت کی درخواست آئی ہے ۱۱۲

تین لاکھ سے زائد میرے مبائعین میں شامل ہیں ۵۲۶

بیعت میں داخل ہونے والوں کے اسماء کو باقاعدہ لکھا جائے ۳۱۳



پ

پاکیزگی

بغیر فضلِ الٰہی کے پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی ۵۱۶

پردہ

پردہ کی اہمیت ۱۰۴

پردہ کی حکمت ۱۰۶

بعض رؤساء میں جو اشد درجہ کا پردہ رائج ہے میں اس کے خلاف ہوں ۱۶۴

پیشگوئی

پیشگوئی اور ارادۂ الٰہی میں فرق ۵۵۲

پیشگوئیوں کی دو اقسام ۵۵۱

پیشگوئیوں کا مقصد ایمان کو بڑھانا ہے ۶۵۲

پیشگوئی نشانات نبوت میں عظیم الشان نشان اور معجزہ ہے ۵۳۵ و ۶۵۲

پیشگوئی کرنا ایک معمولی ولی کا کام نہیں ۴۸

وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے ۵۵۱

تمام سماوی کتب میں پیشگوئی کے لیے اتی کا صیغہ استعمال ہوا ہے ۲۸۵

پیشگوئیوں میں سنت اللہ یہی ہے کہ ان میں اخفاء اور ابتلاء کا بھی ایک پہلو ہوتا ہے ۱۵۴ و ۳۵۶ و ۳۸۲

تاریخ کا مقصود یا وقت کی کمی بیشی پیشگوئی کے ظاہر ہونے کی وقعت میں فرق نہیں ڈال سکتے ۲۸۹ و ۲۹۳

پیشگوئی کا صحیح مفسر زمانہ ہے ۲۶۵

بائیبل کی پیشگوئیاں

ملاکی نبی کی کتاب میں مسیح سے پہلے ایلیاہ کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی اور اس کی حقیقت ۱۵۵

توریت میں خاتم الانبیاء کے متعلق پیشگوئی ۱۵۴

یہ وہ زمانہ ہے جس کے لیے سب نبیوں کی پیشگوئیاں ہیں ۱۱۱

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

آنحضرتؐ کے متعلق وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کی پیشگوئی ۲۶۳

ابولہب کے متعلق مکہ میں پیشگوئی کی گئی تھی اور وہ جنگِ بدر کے بعد طاعون سے ہلاک ہوا ۲۸۶

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ میں چودھویں صدی میں نصرتِ الٰہی کی پیشگوئی ۵۵۴

اونٹ کی سواری کے متروک ہونے کی پیشگوئی کا پورا ہونا ۱۳۳

قرآن کریم میں طاعون کی پیشگوئی ۳۶

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں

براہین احمدیہ میں مذکور پیشگوئی کا پورا ہونا ۱۱۰ و ۱۲۷ و ۲۳۸ و ۵۳۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا ۵۲۲

مقدمہ اقدامِ قتل سے بریت کی پیشگوئی اور اس کا پورا ہونا ۵۴۵

اوہیت میں مندرج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کا پورا ہونا ۲۵۵

۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے متعلق گیارہ ماہ پہلے پیشگوئی ۲۸۶

پیشگوئی کے مطابق زلزلہ کا وقوع ۳۰۵

زلزلہ کے متعلق نجومیوں کی پیشگوئی کا غلط ثابت ہونا ۲۶۹

زلزلہ کی پیشگوئی پر اعتراضات کے جوابات ۲۹۳

آئندہ اچانک آنیوالے عذابوں کی خبر ۲۶۸ و ۲۷۸

جبتک وہ (مولوی محمد حسین بٹالوی) زندہ ہیں ہم اس پیشگوئی کی کوئی تاویل نہیں کرتے جو اس کے متعلق ہے ۳۱۳

آتھم ادب کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے میعاد میں مرنے سے بچ گیا ۲۸۶

ت

تبتل

دیدارِ الٰہی کے لیے تبتل کی ضرورت ۴۰۴

تبرک

تبرکات کا ہونا مسلمانوں کے آثار میں پایا جاتا ہے ۲۹۴

تبلیغ

تمام انبیاء کو تبلیغ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۱۵۲

باوجود شدید مخالفت کے آنحضرتؐ تبلیغ میں سُست نہیں ہوتے ۱۵۳
مبلغین کا یہ کام نہیں ہوتا کہ ہر ایک بات پر چڑ کر لوگوں سے متنفر ہوتے رہیں ۵۹
عیسائیوں کو شیریں کلامی اور نرمی سے تبلیغ کی جائے ۲۳۱
جاپان میں تبلیغ کے لیے اسلام پر ایک جامع کتاب کی ضرورت ۳۷۱

تثلیث نیز دیکھئے عیسائیت
یہ زمانہ ہی ان کے ثالوث کا فیصلہ کر جائیگا ۲۹۴

تجسس
بہت تجسس کرنا ناجائز ہے ۷۱

تحریف
خدا کے کلام میں تحریف کرنا یہ بھی افترا ہے اس سے بچو ۱۳۰

تخلیق
اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں حُسن اور نُدرت ۴۵۵

تدبیر
تدبیر بھی ایک مخفی عبادت ہے ۳۰۱

تزکیہ نفس
شریعت کی اصل غرض تزکیہ نفس ہے اور انبیاء اسی مقصد کو لیکر آتے ہیں ۲۴۲
تقویٰ اور طہارت حاصل کرنے کی ضرورتی شرط ۲۰۲
آنحضرتؐ کی ترقی کا باعث آپؐ کے دل کی طہارت تھی ۳۷۶
دیدارِ الٰہی کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ۳۰۴
فلاح نہیں ہوتی جبتک نفس کو پاک نہ کرے ۳۷۰
دل کی پاکیزگی اور طہارت سے ایک خاص طاقت اور قوت پیدا ہوتی ہے ۴۸۱
جب انسان کے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو خدا اس کا متولی اور متکفل ہو جاتا ہے ۹۶
جبتک خدا تعالیٰ کسی کو پاک نہ کرے کوئی پاک نہیں ہو سکتا ۲۰۶ ، ۲۱۱
تزکیہ اخلاق ۲۱۱
غضِ بصر تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے ۱۰۵
تبحر کو چھوڑنا پاک ہونے کا طریق ہے ۲۱۳
جب دُنیا مدِنظر ہو تو تطہیر مشکل ہے ۲۵۸

تسبیح
نماز کے بعد تسبیح ۱۳ ، ۱۴

تصوف
شریعت اور طریقت ۴۳۱
اگر ظلی مرتبہ نہ ہوتا تو اویسیہ امت تو مر جاتے ۴۰۶
صوفیاء کی کتابوں سے غوث شہر آتی ہے کہ وہ صاحب حال ہیں صاحب قال نہیں ۳۹۶
صوفیاء کو موت کا خیال دامنگیر رہا ہے ۳۹۵
بعض صوفیاء کا انقطاع الی اللہ ۴۴
وحدت وجودی اور وحدت شہودی ۳۹۶
فنا کا مقام ۳۲۰
فنا اتم کی حقیقت ۴۱۲
فنا نظری اور فنا وجودی ۷۱
اصفیاء کے نزدیک تناسخ کی حقیقت ۷۴
ہچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام ۷۴
حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ ۴۳۲
وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا کی صوفیانہ تفسیر ۴۵۶
زکوٰۃ کے بارہ میں صوفیاء کے اقوال ۴۳۲
عام لوگوں کے رونے میں اتنا ثواب نہیں جتنا عارف کے ہنسنے میں ہے" کا مطلب ۱۵
صوفی مسیح کی موت کے قائل ہیں ۵۴۳
سماع اور مزامیر ۵۴۴
وحدت شہودی اور دوسری غیر اسلامی رسوم ۴۱۷
قلب جاری ہونا بدعات اور محدثات سے ہے ۲۴۲
وجودی فرقہ کا اباحتی مذہب ۷۱ ، ۳۹۶
قادری فرقہ کے اکثر لوگ وجودی خیالات میں غوث ہو گئے ہیں ۳۹۷
ملامتی فرقہ کا ریاء ۸۷ ، ۱۲۰

تعبیر
خواب میں آنیوالے اشخاص کے ناموں میں استعارات اور تمثلات ۳۶۱
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رویاء اور اس کی تعبیر بیان فرمانا ۲۵۵
حضور کا اپنی ایک خواب کی تعبیر فرمانا ۲۸۹
حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے ایک خواب کی تعبیر ۳۰۲
حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی خوابوں کی تعبیریں ۳۸۳
رویاء میں مبارک نام سے تعبیر ۲۷۳
حضور کی ایک رویاء میں عبداللہ کی بیوی سے مراد ۳۶۱
جوان عورت اگر خواب میں دیکھی جائے تو اس سے مراد دُنیا کے اقبال اور فتوحات ہوتے ہیں ۶۹
رویاء میں سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھنے کی تعبیر ۲۸۰
تعبیر کی رو سے بلّی ایک بیماری کا نمونہ ہوتی ہے ۳۵۳
چنے، مولی، بینگن یا پیاز خواب میں دیکھیں تو کوئی امر مکروہ پیش آتا ہے متنبہ رہنا چاہیئے ۴۸۹ ، ۴۹۳

تعدد ازدواج
مقصد اور حدود ۴۸
اُمت کی تعداد بڑھانے کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں کرنا ۵۳
اسلام کو اپنی عیاشیوں کے لیے سپر نہ بناؤ ۵۳

تفاؤل
۳ اپریل ۱۹۰۶ء کے زلزلہ سے بتوں کا ٹوٹنا قیام توحید کے لیے ایک تفاؤل ۲۶۲

تقدیر
تقدیر معلق و تقدیر مُبرم ۹۷ ، ۶۸
شامتِ اعمال سے مرتّب تقدیر توبہ سے بدل جاتی ہے ۱۲۰
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رضا بالقضاء ۸۱

تقویٰ نیز دیکھئے متقی
تقویٰ کی حقیقت ۶۵۲ ، ۶۵۵
تقویٰ کا مدار علم پر ہے ۶۰۱
تقویٰ کے دو مراحل ۶۵۳
تقویٰ کی اہمیت ۵۰۸
احمدیوں کو خصوصیت سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین ۱۱۲

دقائقِ تقویٰ کی رعایت ضروری ہے ۱۴۱، ۶۵۶

متقی کی تعریف ۵۶، ۵۷

متقیوں کی صفات ۹۲

متقی کے لیے اللہ کی طرف سے رزق کی کفالت ۱۵۱

قرآن کریم میں جہاں بیویوں کا ذکر ہے وہاں مرد پر تقویٰ کا بھی ذکر ہے ۵۳

حق جب ظاہر ہو تو جو اسے خواہ مخواہ رد کرتا ہے وہ متقی نہیں ہو سکتا ۵۸

تقیہ

انبیاء علیہم السلام نے تقیہ نہیں کیا ۴۰۲، ۴۰۳

تکبّر

یہ بیماری قتل سے بڑھ کر ہے ۴۳۷

مختلف قسم کے تکبّر ۲۱۰

علماء اور مشائخ کا تکبّر ۲۱۴

خاندانی تفاخر اور ذات پر تکبّر کا انجام ۱۴۵

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سادات میں کم اولیاء ہوتے ہیں کیونکہ خاندانی تکبّر کا خیال ان میں پیدا ہو جاتا ہے ۸۸

تکبّر شیطان سے آیا ہے اور شیطان بنا دیتا ہے ۲۱۲

تکبّر سے بچنے کی نصیحت ۲۱۳

تکبّر کے روحانی نقصانات ۸۸

تلاوت

خوش الحانی سے کرنی چاہیئے ۵۲۴

تناسخ

آریوں کے عقیدہ تناسخ کا رد ۷۲، ۲۰۱، ۳۴۷

اس عقیدہ پر اعتراضات ۳۴۰

اس عقیدہ کے نقصانات ۲۰۲

تناسخ کی حقیقت ۷۳

توبہ

توبہ کی حقیقت ۱۸۲

توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۹۶، ۱۳۸

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (حدیث) ۱۱۶

اسلام میں توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے ۱۴۱

توبہ کرنے والے کی عقل تیز ہوتی ہے ۵۶۶

گناہوں سے معصوم انبیاء ہیں دوسرے لوگ توبہ و استغفار کے ذریعہ سے ان سے مشابہت پیدا کر لیتے ہیں ۱۶۶

سچی توبہ کی ضرورت ۲۳

حقیقی توبہ کے ساتھ حقیقی پاکیزگی اور طہارت شرط ہے ۱۱۵

بیعت کے وقت توبہ کے اقرار میں ایک برکت ہوتی ہے ۱۷۴

انسان کی زندگی میں توبہ کا دن جمعہ اور عیدین سے بہتر اور مبارک ہے ۱۱۴، ۱۱۵

سچی توبہ کی تاثیریں ۱۲۰

یونسؑ کی قوم توبہ کرنے سے بچ گئی ۲۷۴

شامتِ اعمال سے آنیوالی بلاؤں کا واحد علاج ۱۱۹

ہلاکت کے نشان ظاہر ہونے پر جماعت کو توبہ و استغفار کی تلقین ۲۵۶

طاعون کے عذاب سے بچنے کے لیے توبہ کی تلقین ۱۰، ۱۲۲

توحید

توحید کی حقیقت ۴۴۸

توحید کی ایک دلیل ۴۵۹

سچے موحد ۸۴، ۶۶۴

توحید کے ماننے والوں کو ایک خاص رعب عطا کیا جاتا ہے ۴۶۳

عیسیٰ قیامت کے دن کہیں گے کہ میں تیری توحید ہی کی تعلیم دیتا رہا ۱۴۱

قیامِ توحید کے لیے ایک نیک تفاؤل ۲۹۲

تورات نیز دیکھئے بائیبل

تورات کی خدمت اور استحکام کے لیے خلفاء اور رُسل کا سلسلہ ۴۲۶

حضرت یوسفؑ کی ضعیف والدہ کا ذکر کر خدا نے فرمایا کہ میں نے اس کا رحم کھولا ۱۶۴

تزکیہ نفس کیلئے تورات کافی نہیں تھی ۴۴۸

دوسری بیوی کی موجودگی میں پہلی کے حقوق تلف کرنے کی تعلیم ۴۹

اس بات کا ثبوت کہ تورات میں اثر باقی نہیں رہا ۴۵۰

مسیح نے فرمایا کہ میں توریت کا ایک شوشہ تک نہیں زبر کرنے نہیں آیا ۱۹۵

توریت میں آخری نبی (خاتم الانبیاء) کی پیشگوئی ۱۵۴

آنحضرتؐ نے توراۃ و انجیل کی آیات کی بذریعہ الہام تصحیح فرمائی ۴۶۲

توفّی

توفّی کے معنی ۵۲۶، ۶۲۷

مسیح، آنحضرتؐ اور یوسف علیہم السلام اور سامعین موسیٰ کے لیے اس لفظ کا استعمال ۱۱۲

جب یہ لفظ آنحضرتؐ کے لیے آتا ہے تو اس کے معنی موت کے کرتے ہیں اور عیسیٰ کے لیے آئے تو زندہ آسمان پر جانے کے کہتے ہیں ۱۵۹

رفع سے پہلے لفظ توفّی کی اہمیت ۴۶۳

توکّل

خدا شناسی اور توکّل کی حقیقت ۲۹۹

توکّل کی اہمیت ۲۷۰

سکینت بخشتا ہے ۳۹۲

تہذیب

حقیقی تہذیب ۵۵

سچی تہذیب وہ ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی جس کے ذریعہ رُوحانی زندگی حاصل ہوتی ہے ۳۳۰

تہذیب کے اصول اخلاص، صدق اور توحید ہیں جو اسلام کے سوا کسی دُوسرے مذہب میں نہیں مل سکتے ۵۵

خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دُنیا میں سچی تہذیب اور رُوحانیت پھیلے گی ۳۳۲

اسلام نے ہندوؤں کو تہذیب سکھا کر ان پر احسان کیا ہے ۱۰۵

حقیقی تہذیب شراب خور کو حاصل نہیں ہو سکتی ۳۸۵

تہمت

جو شخص کسی پر تہمت لگاتا ہے وہ مرتا نہیں جبتک کہ اس میں گرفتار نہ ہو جائے ۲۸۲

◎

ث

ثواب

طبیعت پر جبر کرکے جو کام کیا جاتا ہے ثواب اسی کا ملتا ہے ۹۳

ج

جلد بازی

انسان کو ہلاک کر دیتی ہے ۵۲۵

جماعت احمدیہ دیکھئے زیر عنوان احمدیت

جمعۃ المبارک

فضائل و برکات جمعہ ۱۱۴ ، ۶۷۳

جنت نیز دیکھئے بہشت

نعماء بہشت کی حقیقت ۴۰۰

لذات بہشت کی حقیقت ۴۰۳

جَنَّتَان کی حقیقت ۳۹۸

جنگ

آنحضرتؐ کی جنگیں دفاعی تھیں ۳۷۲

(۴۷۶ ، ۴۹۷

یہود اور مسلمانوں کی جنگوں کا موازنہ ۴۷۷

جہاد

جہاد کی حقیقت ۴۷۶

اسلام کا جہاد دفاعی تھا ۳۷۲ ، ۴۷۶ ، ۴۹۷

جہاد کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا موقف ۵۲۷

اس زمانہ میں تلوار کی بجائے قلم کے جہاد کی ضرورت ہے ۲۳۱ ، ۳۶۹ ، ۳۷۲ ، ۴۳۷ ، ۵۲۱

اگر اس زمانہ میں تلوار کی ضرورت ہوتی تو اللہ مسلمانوں کو سامانِ حرب تیار کرنے کی قابلیت دیتا ۴۹۶

جہنم دیکھئے زیر عنوان دوزخ

جھوٹ

جھوٹ اور بت پرستی کا باہمی تعلق ۶۲۶

چ

چودھویں صدی

تمام اہلِ کشف کے نزدیک موعود امام کا زمانہ چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتا ۵۶۴

مسیح موعود کے لیے پیشگوئیوں میں چودھویں صدی کا زمانہ مقرر ہے ۲۷

ح

حج

حج کی غرض و حدتِ جمہوری ہے ۱۰۱

حج سے واپسی پر جو کشش و اخلاص میں کمی کی وجہ ۴۱۵

اگر کبھی پر حج بھی فرض ہے تو وہ اپنا روپیہ (قلم کے) دینی جہاد پر صرف کر دے ۴۶۲

اگر کسی کا ہمسایہ فاقہ میں ہو تو اس کے لیے شرعاً حج جائز نہیں ۴۶۰

حج بند ہونے کی علامات کا پورا ہونا ۵۸

بے وقت حج بھی فائدہ نہیں کرتا ۴۱۱

حُجّۃ اللہ

حجۃ اللہ کا مقام ۴۷۱

حدیث

قرآن کریم کے مقابلہ میں حدیث کا مقام ۶۲۷

ہم بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں ۱۰۸ ، ۴۴۷

اہلِ کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست ایسی حدیثیں بھی سنتے ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں ۶۲۷

احادیث کے باہم اختلاف کی ایک وجہ ۱۴

ہمیں معلوم نہیں کہ اس حدیث (غریبوں کے جنت میں پہلے جانے) کے معنی کیا ہیں لیکن ہم ان الفاظ پر ایمان لاتے ہیں ۸۸

ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے خلاف نہ ہو کو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں ۱۰۸

محدثین کے اصول کے مطابق بھی اور صحیح حدیث وہی ہے جو اپنی سچائی آپ ظاہر کر دے ۶۶۸

ہمیں ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسے قصوں پر جو احادیث میں درج ہیں قرآن کریم کو مقدم رکھنا چاہیے ۱۴۸

جو روایت قرآن اور حدیثِ صحیح کے خلاف ہو وہ ردی ہے ۴۹۸

خونی مہدی کے بارہ میں احادیث مخدوش ہیں ۵۵۳

(اس جلد میں مذکور احادیث بلحاظ حروف تہجی)

ف إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا يُفَقِّهُهُ فِي الدِّيْنِ ۲۷۵

اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ ۵۱۹

إِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ۔ أَمَّكُمْ مِنْكُمْ ۴۳۱

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ ۳۵

أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ ۵۸۰

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۱۸ ، ۵۳ ، ۳۵۶ ، ۵۸۰

إِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ ۳۱

ت اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ ۱۱۶

تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ ۶۱

تُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ إِلٰى فُقَرَائِهِمْ ۳۶۹

ح حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ ۶۳۵

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ ۵۰۷

س سَجَدَتْ لَكَ رُوْحِيْ وَجَنَانِيْ ۱۵

ص اَلصَّلٰوةُ هِيَ الدُّعَاءُ ۲۸۳

اَلصَّلٰوةُ مُخُّ الْعِبَادَةِ ۲۸۲

ع عُلَمَاءُ أُمَّتِيْ كَأَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ ۳۱۳ ، ۴۳۳

ق قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ ۶۰۵

ك كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ۵۲۶

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ ۲۷۶ ، ۳۴۶

ل لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيْسٰى ۴۳۶

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ ۱۵۵

لَيَتْرُكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا ۱۳۳/۲۹

لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ۵۰۱

م اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ ۷۶

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَآذَنْتُهُ لِلْحَرْبِ ۴۵ ، ۹۹ ، ۳۷۸

مَنْ كَانَ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ عَوْنِهٖ ۲۵۳

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ۶۴۱

ی یَضَعُ الْحَرْبَ ۴۴۷

(اس جلد میں مذکور احادیث بالمعنی)

ہر صدی میں مجدد آنے کا وعدہ ۱۳۴

مہدی کے متعلق احادیث ۴۳۶

مہدی کے لیے رمضان میں کسوف وخسوف والی حدیث اکمال الدین اور دارقطنی میں موجود ہے ۱۳۴ ، ۶۶۸

قیامت کے دن خدا کے گواہیں ہو کا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا ...؟ ۲۱۵ ، ۴۲۸

مومن بہشت میں خدا تعالیٰ سے اس کی رضا مانگیں گے ۲۸۸

غریب امیروں سے پانچ سو سال پیشتر جنت میں جائیں گے ۸۸

کافر کے لیے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور بہشت دوزخ کے رنگ میں متشکل کیا جاتا ہے ۳۲

جب ایک بہشتی دوزخ میں قدم رکھے گا تو دوزخ کہے گی تُو نے تو مجھے سرد کر دیا ۲

قرآن غم کی حالت میں دیا گیا ہے پس تم بھی اسے غم کی حالت میں پڑھو ۱۱۸

دُعا عبادت کا مُخ اور مغز ہے ۵۳۳

نوافل کے ذریعہ مومن کا خدا سے اس قدر قُرب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے جوارح بن جاتا ہے ۳۰ ، ۹۹

مومن امام کے متقدی پیش ازیں کہ وہ سجدہ سے سر اُٹھائیں بخش دیئے جاتے ہیں ۳۱

دورانِ نماز چل کر اگر دروازہ کھول دیا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی ۱۹۴

اللہ فرماتا ہے کہ مجھے مومن کی جان لینے میں تردد ہوتا ہے ۶ ، ۴۸۷

ایک صحابی کے جنگ میں اکڑ کر چلنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی ۶۴۴

زمانِ جاہلیت کے نیک اعمال کا ثواب ۲۱۶

ہمسایہ کی خبر گیری کی تاکید ۲۱۵

کثرتِ ازدواج سے اولاد بڑھا تا کہ اُمت زیادہ ہو ۵۳

قبرستان میں داخل ہوتے وقت کی دُعا ۴۸۹

احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۵۴۳

جو شخص نہ مرا اللہ کی راہ میں اور نہ تمنا کی مرگیا وہ نفاق کے شعبہ میں ۴۲۳

زانی یا بدکار اپنے فعل کے وقت مومن نہیں ہوتا ۱۴۶

دو آدمی بدقسمت ہیں ایک وہ جس نے رمضان پایا اور اس کے گناہ نہ بخشے گئے۔ دُوسرا وُہ جس نے والدین پائے اور اس کے گناہ نہ بخشے گئے ۲۸۹

تم سب اندھے ہو مگر جس کو خدا آنکھیں دے اور تم سب مُردے ہو مگر وُہ جس کو خُدا زندگی دے ۵۱۹

دُنیا میں ہمیشہ کی خوشی صرف کافر کو حاصل ہوتی ہے ۳۸۳

استدلال (از احادیث)

احادیث سے وفاتِ مسیح کا اثبات ۲۴

حدیثِ معراج سے وفاتِ مسیح کا استدلال ۵۰۹ ، ۵۲۷

صحاحِ ستہ میں توفّی کے معنی موت ۵۲۷

حقوق العباد

رعایت اور حفاظت کی تلقین ۲۱۴

، ۳۶۹ ، ۳۷۱ ، ۴۳۹

جو شخص حقوق العباد کی پروا نہیں کرتا وہ آخر حقوق اللہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے ۲۷۰

حِلم

لَيْسَ الْحَلِيْمُ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ ۵۰۸

حواری

صحابہ کرامؓ اور حواریانِ مسیح کا موازنہ ۴۶۵ ، ۵۹۸ ، ۶۳۰

اناجیل کی رُو سے حواریوں کی ایمانی حالت اور کردار ۳۳۴ ، ۶۷۲

مسیحؑ کے ساتھ مزدوران کے حواری بھی بہشت میں ساتھ ہوں گے ۳۸۹

خ

خاتمہ بالخیر

خاتمہ بالخیر کے لیے کوشش کرنے کی تلقین ۱۹۷

حاصل کرنے کے ذرائع ۲۰۱

خشیت

حقیقی علم خشیت اللہ پیدا کرتی ہے ۵۹۹

خلافت

موسیٰ علیہ السلام کا سلسلۂ خلافت مسیح علیہ السلام پر ختم ہوا ۴۵۲

اُمتِ محمدیہ کو خلافت کا وعدہ ۴۳۵

خلافت کس کا حق تھا اس کا فیصلہ خدا تعالیٰ نے کر دیا ۲۹۱

حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کر کے اچھا کام کیا ۵۷۹

اس اُمت کے تمام خلفاء اسی اُمت میں سے آئیں گے ۱۱۲ ، ۱۳۳ ، ۵۲۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اسی اُمت میں سے ہونے کی دلیل ۲۵

خُلق / اخلاق

خُلق کی تعریف ۵۵ ، ۶۲۳

خَلق اور خُلق ۱۰۰

اخلاق کی انتہاء ۲۹۰

اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے ۲۱۶

نبی کی زندگی کا آخری حصہ بہ نسبت پہلے کے بلحاظ اخلاق کے بہت ترقی یافتہ ہوتا ہے ۹۰

ہر ایک جماعت کی اصلاح اوّل اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے ۹۹

حصُول کے ذرائع

اخلاق تزکیہ اور اس کے حصول کے ذرائع ۲۱۱

اخلاق میں تبدیلی کے لیے دُعا اور عمل کی ضرورت ۱۰۰

درستیٔ اخلاق کے لیے صحبتِ صالحین ضروری ہے ۱۰۱

شدائد اور مشکلات اخلاق کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں ۳۱۷
اخلاقی بدیاں ۲۱۰
بداخلاقیاں بھی دوزخ ہیں ۳۹۸
اخلاق کی کمزوری بھی ایک دیوار ہے جو خدا اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتی ہے ۱۰۰
یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے ۸۲
انسانی اخلاق کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ باوجود اختلاف رائے (اور مذہب) کے اخلاقی کمزوری نہ دکھائی جائے ۱۶۱
حقیقی مذہب والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا ۱۶۲
خدمت گار اور نوکروں سے سلوک ۸۹
ملاقات میں لوگوں کی کثرت سے گھبرا کر بے توجہی کرنا ایک قسم کی بداخلاقی ہے ۶۵۱

بااخلاق بننے کی تلقین

کامل اخلاق تعلیم پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ ۲۱۹
میرے خُلق کی پیروی کرو (مسیح موعود) ۲۰
تمہیں چاہیے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ بنو ۶۱
اپنے اخلاق کو درست کرنے کی تلقین ۲۱۴

خواب

دیکھئے عنوان رویاء

خوشی

خوشی حاصل کرنے کے دو طریق ۱۷

خیانت

جو بات دل میں آئے اسے مخفی رکھا جائے تو یہ ایک قسم کی خیانت ہے ۱۶۴

د

دجال ۲۶۵

دجال سے مراد پولوس بھی ہو سکتا ہے ۶۷
اُمت میں تیس دجال ۱۰۹
کیا اس امت کے لیے صرف دجال ہی رہ گئے ہیں ؟ ۱۷۷

دُعا

حقیقت اور اہمیت

دُعا کی حقیقت ۱۴۹، ۲۰۳، ۲۸۳
ساری قرآنی نصائح کا مغز ہے ۱۴۴، ۱۴۹
انبیاء کے معجزات ان کے مصائب کے زمانہ کی دُعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں ۳۸۳
ہمارا سارا دارومدار دُعا پر ہے ۴۹، ۲۹۹
ایک زبردست طاقت ۱۴۸

تاثیرات و برکات

اس زمانہ کے لوگ دُعا کی تاثیرات کے مُنکر ہو گئے ہیں ۲۰۳
دُعا کی تاثیرات و برکات ۳۵، ۲۰۴، ۲۰۵، ۳۰۶، ۳۸۶
دُعا اور صدقات سے تقدیر معلّق ٹل سکتی ہے ۶۷
راتوں کی دعائیں ہی مشکلات کو ختم کرتی ہیں ۴۷، ۳۷۶
حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر حاصل کرنے کا ذریعہ ۲۰۲
جہاں اسباب غیر موثر معلوم ہوں وہاں دُعا سے کام لے ۱۹۲
جن امراض کو اطباء اور ڈاکٹر لاعلاج کہہ دیتے ہیں ان کا علاج بھی دُعا کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے ۲۹۵، ۲۹۹، ۳۲۵
دُعا نے کبھی سلسلہ موت فوت کو بند نہیں کر دیا ۳۰۲
دُعا کے ذریعہ سے عمریں بڑھ جاتی ہیں ۳۰۷
جب مرض الموت کا وقت آجائے تو وہ وقت دُعا کا نہیں ہوتا ۳۰۲، ۳۸۷، ۴۹۲

دُعا کی تلقین

مُسلمانوں کو اور خصوصاً ہماری جماعت کو ہرگز ہرگز دُعا کی بے قدری نہیں کرنی چاہیے ۲۰۶
اسلام کا ضعف راتوں کی دُعاؤں سے ہی دُور ہو سکتا ہے ۳۸۰، ۴۸۰
ہر وقت اس کے فضل کے لیے دُعا کرتے رہو اور اس کی استعانت چاہو ۴۷۸
مجاہدہ اور دُعا سے کام لیکر بدیوں سے بچنے اور نیکیاں کرنے کی تحریک ۲۰۰، ۲۶۳
ہمیشہ دُعا کے ذریعہ سے دُوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیے ۶۰
طاعون کے ایام میں دُعاؤں کی تلقین ۳۸۳

آدابِ دعا و شرائطِ قبولیت

قبولیتِ دُعا کی شرائط ۱۷
قبولیتِ دُعا کے آثار ۸۱
استجابتِ دُعا کا ایک وقت ہوتا ہے ۲۸۷
قبولیت دُعا کے اوقات ۲۸۳
صبح دُعا کی قبولیت کا وقت ہے ۳۰۹
آدابِ دُعا ۸۳، ۱۰۲، ۱۴۸، ۲۰۳، ۲۸۳
دُعا کے لوازم ۱۵۰
آدابِ رحمت کھلوانے کے لیے طالب صادق ہونی چاہیے ۲۴۰
دُعاؤں میں بیزار و بجذبا ہو کر کی جائیں، خارقِ عادت اثر ہوتا ہے ۳۰۹
دُعا کے واسطے توجہ مسامی اور مجاہدات ضروری ہیں ۱۴۸، ۱۷۲، ۳۰۰
خلوت میں عاجزی اور دُعا کا لُطف آتا ہے ۳۲۲
دُعاؤں کی کثرت دینی اغراض کے لیے ہونی چاہیے ۹۱
دُعا کے لیے تعلق کی ضرورت ہوتی ہے ۳۲
قبولیتِ دُعا میں تاخیر ڈالنے یا دُعا کے ثمرات سے محروم کرنے والے مکروہات سے انسان کو بچنا چاہیے ۲۸۷
دُعا کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر پاک تبدیلی کرے ۳۱
قبولیتِ دُعا کے لیے ضروری ہے کہ نافرمانی سے باز رہے ۵۴

نماز اور دُعا

اَلصَّلٰوۃُ ھِیَ الدُّعَاءُ - اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ ۲۸۲
مغز اور مُخ عبادت کا دُعا ہی ہے (حدیث) ۵۳، ۵۳۲
دُعا کا ٹھیک محل نماز ہے ۴۵

نماز میں اُونچی آواز کے بعد اپنی زبان میں دُعا کرنے کی تلقین ۲۹، ۱۷۵، ۲۴۳، ۲۸۳

نماز کے بعد دُعا سے جماعت کو روکنے کی حکمت ۲۹

خاص دُعائیں

بہترین دُعا خاتمہ ہے کیونکہ وہ جامع دُعا ہے ۱۷۵، ۱۷۶

آنحضرت کی دُعا اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۳۱۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ ۵۱۹

آنحضرت کا فرمانا سَجَدَتْ لَکَ رُوْحِیْ وَجَنَانِیْ ۱۵

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا کا سبب ۳۱۱

بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا کی تھی۔ یہی دُعا آج ہمارے دل سے بھی نکلتی ہے ۲۷۸

نماز میں وساوس کے علاج کے لیے اور حلِ مشکلات کے لیے استغفار اور یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْتَغِیْثُ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ پڑھنے کا ارشاد ۳۵۰، ۲۶۷

سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مُعافی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو ۳۰

متفرق

ہر مذہب کے آدمی کے لیے دُعا ۳۶۶

اگر دُعائیں کرتے کرتے ناک بھی رگڑے جائیں تب بھی وہ (عیسیٰ) آسمان سے نہیں آئیگا ۳۵۸

دُنیا

یہ غلط ہے کہ دُنیا چھ ہزار سال سے ہے۔ آدم سے پہلے بھی مخلوق تھی ۳۰۱

مزرعۂ آخرت ۳۹۴، ۶۶۷

دنیوی تکالیف اور مصائب کی تلافی اگلے جہان میں ہوگی ۷۲

اس عالم کی مثال ۵۷۶

دُنیا اور اس کی لذات کی بے ثباتی ۱۷ ، ۱۲۷ ، ۵۸۱

دُنیا روزے چند عاقبت باخدا دند ۲۲

خدا یابی کے ساتھ دُنیا یابی وابستہ ہے ۱۵۱

اس دور کے مُسلمانوں میں حبِّ دُنیا کا فتنہ ۲۲۱ ، ۳۲۴ ، ۶۳۴

اس زمانہ میں دُنیا پرستی کی وجہ ۳۱۲

دنیاوی تمتع کا حصّہ انسانی زندگی میں بہت کم ہونا چاہیے ۵۰

دنیاوی لذات میں انہماک کا نتیجہ ۸۴

دُنیا کی تلخیوں اور مشکلات کو سہولت سے برداشت کرنے کا طریق ۱۶

دوزخ

دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ ۷۶

کافر کے لیے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور بہشت دوزخ کے رنگ میں متشکل کیا جاتا ہے ۳۲

عذاب کی شدّت ۳۲۷

بداخلاقیاں بھی دوزخ ہی ہیں ۳۹۸

دہریت

دہریت کی علامات ۹۶ ، ۱۴۳

یہ زمانہ نوحؑ کے زمانہ سے بہت ملتا ہے

اُس وقت بھی اکثر لوگ دہریہ تھے ۲۷۶

اس زمانہ میں دہریت کا غلبہ ۲۱ ، ۲۹ ، ۳۳۳

اس زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ دہریت والی سائنس ہے ۳۰۰

دہریت کو صرف نبی کا وجود جلا سکتا ہے ۲۳۸

دین نیز دیکھئے اسلام

اکمالِ دین سے مُراد ۶۷۲

تکمیلِ دین کا مبارک دن ۶۷۳

دین کا خلاصہ ۶۳۲

دین کے ساتھ دنیا جمع نہیں ہو سکتی مگر بطور خدمتگار کے ۳۲۰

دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والا ہی مبارک ہے ۲۹ ، ۳۲۶

تمام ہم و غم دین کے لیے ہونا چاہیے ۳۰۳

دینی ضروریات کے لیے مال خرچ کرنے کی تلقین ۴۶۵

اس زمانہ میں مذہبی آزادی کی وجہ سے خدمتِ دین کے مواقع ۲۳۱

حقیقی دین سے محروم ہونے کا باعث ۳۲۶

ذ

ذکر

ذکرِ الٰہی کی حقیقت ۳۶۱

اسبابِ غفلت ۱۵

ذکرِ الٰہی میں کثرت کی تاکید ۱۴

ر

راستباز نیز دیکھئے صدق

راستباز کی علامت ۱۰۳

رجوع نیز دیکھئے توبہ

اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں پر اپنا فضل کر دیتا ہے ۱۲۲

سچا رجوع اسوقت ہوتا ہے جب خدا تعالیٰ کی رضا سے رضاءِ انسانی مل جائے ۱۴۸

رجوع کا مسیح وقتِ نزولِ بلا سے پہلے ہوتا ہے ۶۹ ، ۱۰۶

رحم

مَرْحَمَۃ کے معنی ۶۰

رزق

رزق سے مُراد علم، مال اور دُوسرے ظاہری و باطنی قویٰ ۹۲

تقویٰ اختیار کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کفالت ۴۲ ، ۱۵۱

رسُول دیکھئے نبوت

فطرتاً خلوت پسند ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ جبراً ان کو باہر نکالتا ہے ۳۵

کوئی پیغمبر بارسُوں نہیں آیا جس نے دُکھ نہ اُٹھایا ہو ۱۵۲

کوئی رسُول دُنیا کی کوششوں کے باوجود صانع نہیں ہوا ۳۱

رسُول کے آنے پر انسانی فطرتوں کے خواص ظاہر ہو جاتے ہیں ۴۲۲

رضاء

مقامِ رضاء ۳۶۵

رضا بالقضا کے ثمرات اور برکات قبولیت دُعا سے زیادہ ہوتے ہیں ۸۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رضا بالقضا ۸۱

رُوح

رُوحِ انسانی اور اس کا بقا بعد از مرگ ملنے کے قابل چار باتوں میں سے ایک ہے ۷۶

رُوح الامین ۳۲۱

رُوح القدس

نزول رُوح القدس کی حقیقت ۳۲۱

روزہ

روزہ سے کشوف پیدا ہوتے ہیں ۲۹۳

رویاء

خواب کے اسرار ۴۱۱

موت کی بہن ۳۹۳

نبی کے بعض رویاء اس کی اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے پورے ہوتے ہیں ۳۶۲

مومن کبھی رویاء دیکھتا ہے اور کبھی اس کی خاطر کسی اور کو دکھایا جاتا ہے ۲۶۰

رویاء میں بعض اوقات رُوحانی اُمور جسمانی رنگ اختیار کر لیتے ہیں

خواب میں انسان کو اپنے اندرونی حالات کے نقشے دکھائے جاتے ہیں اپنے ہی عجیب و رسیان آ جاتے ہیں ۲۶۶

کبھی خوابیں فاسق اور فاجر لوگوں کو بھی آ جاتی ہیں ۲۴۶

رویاء و الہام کی تقسیم میں غلطی کا امکان ۳۵۱،۲۳۲

ناموں کی تعبیر ۳۶۱

بعض بزرگوں کے رویاء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رویاء کے لیے دیکھئے اسماء میں غلام احمد قادیانی

حضرت نظام الدینؒ اولیاء کی ایک رویاء ۳۸۶

مفتی محمد صادق صاحب کے دو رویاء ۳۸۲، ۳۸۷

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے متعلق ان کی بڑی اہلیہ کی رویاء ۵۷۱

شیخ نور احمد کا مولوی عبدالکریم صاحب کے متعلق خواب ۳۶۵

زہبانیت

آسمان پر زہبانیت کے انقطاع کی کچھ قدر نہیں ۴۴

ریاکاری

ریاء اور عُجب پیدا ہونے کی وجہ ۸۷

ریاء کی حقیقت ۶۴۳

کیا اہل اللہ سے ریاء کا صدور ممکن ہے ۱۹

ریاء تو ہم جنسوں سے ہوتی ہے (مسیح موعود) ۲۰

احسان دانے کے اندر بھی ایک قسم کی مخفی ریاء ہوتی ہے ۶۰۸

ریاء چھپ نہیں سکتا (ایک واقعہ) ۱۱۹

ریاء کی مثال ۸۸

خوش قسمت ہے وہ انسان جو ریاء سے بچے ۶۶۶

ریاکاری کی مذمت ۹، ۵۰۵

نفاق اور ریاکاری کی زندگی لعنتی زندگی ہے ۶۶۳

ریاکار انسان فرعون سے بھی بڑھ کر شقی اور بدبخت ہوتا ہے ۸

حسنات کو ایسے جلا دیتی ہے جیسے آگ خس و خاشاک کو ۶۶۶

ز

زبان

محاورۂ زبان کی اہمیت ۷۷

عربی زبان کے لیے دیکھئے زیرِ ع

زکوٰۃ

تُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ اِلَى الْفُقَرَاءِ ۳۶۹

اس سے بھی یہی منشاء ہے کہ وہ مال خادمِ دین ہو ۳۶۹

صوفیا کا نقطۂ نظر ۳۴۲

آجکل لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ۳۶۸

س

سادات

خاندانی تکبر کے نتیجہ میں روحانی نقصان ۸۸، ۱۲۵، ۳۴۵

سائنس

اس زمانہ کا بڑا فتنہ دہریت والی سائنس ہے ۳۰۰

سجادہ نشین

سجادہ نشینوں کا تکلف اور غیر شرعی اطوار ۴۱۷

سچائی

جو شخص سچائی اختیار کرے گا کبھی ہو نہیں سکتا کہ وہ ذلیل ہو ۶۳۹

سچائی کی برکت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک مقدمہ سے برأت ۶۳۶

سعادت

خدا کی عطاء اور بخشش سعادت ہے ۳۲۹

بہت سی سعادتیں غرباء کے ہاتھ میں ہوتی ہیں ۴۳۹

شرف اور سعادت حاصل کرنے کا طریق ۴۴۰

سکھ مذہب

حضرت اقدس کا تعجب کہ سکھ مذہب کو چھوڑ کر جس میں توحید کی تعلیم ہے کوئی شخص عیسائی کیونکر ہو گیا ۷۹

سکھوں کی تعداد ۳۳۳

سُود

سُود کا لفظ اس روپیہ پر دلالت کرتا ہے جو مُفت بلا محنت کے دیا جاتا ہے ۱۹۵

سُود حرام وہی ہے جس میں صدمہ معاہدہ اور شرائط اوّل ہی کر لی جائیں ۹۴

وہ سُود عیسائیت کی اشاعت کیلئے استعمال ہوتا ہے جو حساب دار وصول نہیں کرتے ۳۶۷

موجودہ مخصوص حالات میں سُود کا روپیہ اشاعتِ اسلام کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۳، ۳۷۴

ش

شجاعت

جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر شجاعت بھی آ جاتی ہے ۳۱۷

شرک

توحید اور شرک کی حقیقت ۳۴۸

شرک عورت سے شروع ہوا اور عورت سے اس کی بنیاد پڑی ۶۲۵

حضرت اقدس کا شرک سے پرہیز اور

دُوسروں کو پر ہیز کرنے کی تلقین ۲۲۸
عیسائیت شرکِ عظیم ۱۳۵
حیاتِ مسیح کا عقیدہ مبدءِ شرک ہے ۱۲۸
ہزاروں برسوں کے معبد اور بُت زلزلہ
۱۴ اپریل ۱۹۰۵ء سے سرنگوں ہو گئے ۲۶۲

شریعت

شریعت کی اصل غرض تزکیۂ نفس ہے ۲۴۲
شریعت کے دو حصے حقوق اللہ اور حقوق العباد
اور ان کی حفاظت کرنے کی تلقین ۲۱۴ ، ۳۷۱
شریعت اور طریقت میں فرق ۳۴۱

شعر

شاعری کا جواز ۵۲۴

شفاعت

مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی
شفایابی کے متعلق شفاعت ۳۶۰

شکر

اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا طریق ۳۳۹
جو شخص اپنے محسن انسان کا شکرگزار نہیں ہوتا
وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کر سکتا ۵۳۷

شہادت

شہادت کی حقیقت ۳۲۳
تعلقاتِ قومی چھوڑ کر اسلام قبول کرنا
ایک شہادت ہے ۳۲۷

شہد

شہد اور دوسری شیرینیوں میں فرق ۱۹۱

شیطان

شیطان کے وجود کا ثبوت ۱۰۳
ایمان کا خطرناک چور ۱۲۰
مسِ شیطان کی حقیقت ۴۰۸ ، ۶۴۵
بشری خواہشات سے شیطان کا مقابلہ ہرگز
نہ ہو سکے گا ۱۰۳
شیطان کے حملوں سے بچنے کے ذرائع ۱۴۲
۲۰۸

شیعیت

حقائق و معارف سے محرومی کی وجہ ۳۲۵
شیعوں کا عقیدہ کہ نبوت در اصل حضرت علیؓ
کو ملی تھی مگر جبرائیل غلطی سے آنحضرتؐ
کو دے گئے ۱۲ ، ۲۹۱
ایک لاہوری شیعہ کا قول کہ تمام انبیاء
نے امام حسینؓ کی وجہ سے نجات پائی ۶۴
امام حسینؓ کی آنحضرتؐ سے افضلیت کا
رد ۳۶۳
امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے رونے
پیٹنے کی بجائے انہیں اُن جیسا نمونہ بننا
چاہیے تھا ۴۰۷
حضرت حسنؓ کے فعل سے شیعیت پر رد ۵۸۰
شیعوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کے فیوض
بارہ اماموں تک ہی محدود رہے ہیں ۶۴
شیعہ کتب میں مہدی کے زمانہ میں
طاعون پڑنے کی پیشگوئی ۶۶۸
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک
استاد شیعہ تھے ۳۲۶
روافض کا صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کو
سب و شتم ۴۵۲ ، ۵۰۰

ص

صالح

اللہ صالحین کا متولی ہوتا ہے ۴۴۴

صبر

انبیاء اور راستبازوں کو صبرِ جمیل دیا
جاتا ہے ۱۱۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم صبر ۱۵۳
دین کے کاموں میں صبر اور حوصلہ کی ضرورت
ہے ۶۳۱
اولاد کی وفات پر والدین کو صبر کی تلقین ۲۹۱
مخالفین کے مقابلہ میں جماعت کو صبر
کی تلقین ۱۵۷ ، ۲۰۳ ، ۵۱۷

صحابہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

مقام

صحابہ کا مقام ۶۷۲
بشریت کا چولہ اُتار کر نظر اللہ ہو
گئے تھے ۵۹۵
قرآن کریم میں صحابہ کی تعریف ۴۲۵ ، ۴۲۳
رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اقرآن) ۵۹۱
اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ (حدیث) ۵۹۵
صحابہ میں سے بعض اس درجہ کے تھے کہ
عنقریب نبی کے مقام پر پہنچ جائیں ۵۹
بے نظیر قوم ۵۹۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ
صحابہ کی تکمیل ۶۷۱
صحابہ کی ترقی بتدریج آہستہ آہستہ
ہوتی تھی ۵۹
موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی جماعتوں سے
صحابہ کا موازنہ ۲۶۵ ، ۵۹۱ ، ۶۳۰
ایک انگریز محقق کے نزدیک صحابہ کرام
اور حواریوں کے صدق اور ایمان کا
موازنہ ۵۹۸

خصائص

صحابہ کی ایمانی حالت ۳۲۰
صحابہ کا ایمان اور ان کی قربانیاں ۵۹۴
انقطاع الی اللہ ۴۴
نماز میں محویت کی کیفیت ۳۳
کبھی خدا تعالیٰ سے دُعاؤں کے قبول نہ
ہونے کا شکوہ نہ کرتے تھے ۳۰۳
ایمان۔ اخلاص اور فدائیت ۳۲۲ ، ۵۹۵
بے مثال اطاعت ۲۹۰ ، ۶۶۰
شانِ وفاداری ۳۲۴
صحابہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا فرمودہ
باہمی اُلفت ۳۳۳
دینی ضروریات کے لیے مالی قربانی ۵۹۳ ، ۶۱۵
شوقِ شہادت و قربانی ۵۳ ، ۵۹۷
صحابہ نے کبھی بزدلی نہیں دکھائی ۲۸۶
علومِ سیاست و کشورانی میں کمال ۵۹۸
اُنہوں نے صرف ترکِ بدی پر ہی اکتفا نہ
کیا بلکہ کسبِ خیر کے لیے اپنی زندگی قربان
کی ۲۰۹

متفرق

جو لوگ بذریعہ کشفِ صحیح آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے صحبت حاصل کرتے ہیں وہ
اصحاب میں سے ہیں ۲۹۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ
کی بے قراری اور فرطِ غم ۱۲۵ ، ۳۲۵ ، ۵۳۹ ، ۵۷۵

صحابہ کا تمام انبیاء بشمول عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اجماع ۶۲، ۱۳۵، ۳۲۳، ۳۵۸، ۴۰۸، ۴۳۹، ۵۲۷

صحابہ کی زندگی کو نمونہ بنانے کی ضرورت ۵۰۴

صحبت

کشفِ مسیح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہو سکتی ہے ۲۹۷

جو شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہے گا وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جائیگا ۶۴۹

صحبتِ صادقین کا اثر ۶۰۹

میں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحبِ نبی کو ایک کر دیتی ہے ۶۰۹

صحبتِ الٰہی پیدا کرنے کے لیے صحبتِ صادقین کی ضرورت ۴۰۴

صحبتِ صادقین نفس اور اخلاق پاکیزگی حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہے ۱۰۱

صادق کی صحبت میں رہے بغیر صحیح علم حاصل نہیں ہوتا ۳۱۱

صحبتِ صادقین حصولِ نجات کا ایک ذریعہ ہے ۲۰۷

گناہ سے بچنے کے لیے وہ مجلسیں اور محفلیں چھوڑنی ضروری ہیں جن سے گناہ کی تحریک ہوتی ہے ۹۶

بُری صحبت سے بچنے کی نصیحت ۲۰۱

صدق

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اُٹھاتا ہے اس کو عظیم الشان طاقت اور خارقِ عادت قوت دی جاتی ہے ۲۳

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صدق دکھلایا تو ان کو ابو الانبیاء بنا دیا ۲۲۴

ابراہیم کی طرح صادق اور وفادار ہونا چاہیے ۲۴۳

صحبتِ صادقین اختیار کرنے کی تلقین ۲۰۷

صدیقیت کی تعریف ۳۷۵، ۴۸۰

صدقہ

صدقہ کی حقیقت ۶۸

ہر مذہب میں صدقہ و خیرات اس بات کی دلیل ہے کہ وعید کے سلسلہ میں ارادۂ الٰہی ٹل جاتا ہے ۵۵۱

دُعا و صدقہ و خیرات سے تقدیرِ معلق ٹل سکتی ہے ۶۷، ۲۷۴

صدقہ عمدہ وُہ ہے جو اگرچہ قلیل ہو مگر اس پر دوام ہو ۴۸۴

صدقہ میں بہترین چیز دینی چاہیے ۳۷۰

عذاب آنے کے بعد صدقہ و خیرات کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۶۶۷

صلیب (نیز دیکھئے عیسائیت)

کسرِ صلیب مسیح موعود کی بعثت کا ایک مقصد ہے ۴۷۲

کسرِ صلیب کا ہتھیار ۶۳۲

وفاتِ مسیح کا مسئلہ کسرِ صلیب کا ذریعہ ہے ۵۳۲

ط

طاعون

طاعون کو سب و شتم کرنا منع ہے کیونکہ وُہ مامور ہے ۱

مومن کے لیے شہادت کا باعث ہے اور دُوسروں کے لیے عذاب ۱۲۳

طاعون کو بھی نارِ جہنم کہا ہے ۲۵۲

ابولہب جنگِ بدر کے بعد طاعون سے مرا تھا ۲۸۶

طاعون کا عذاب لوگوں کی شامتِ اعمال سے آیا ہے ۹، ۱۸۲

مسیح موعود کی صداقت کا نشان

طاعون کے عذاب کے بارہ میں قرآنی پیشگوئی کی وضاحت ۳۶

طاعون مسیح موعود کی صداقت کا نشان ہے ۵، ۲۵، ۵۶۳، ۶۶۸

طاعون کے بارہ میں حضور کے الہامات اور رویاء ۶

طاعون کی شدت کی پیشگوئی ۱۲۱، ۱۸۹

یہ عذاب ٹلتا نظر نہیں آتا ۵۶۲

باوجود موسم سرما آنے کے طاعون میں شدت ۲۲۹

قادیان میں طاعون کے ایام میں اَلذار کی معجزانہ حفاظت ۱۳

طاعونِ جارف سے قادیان کی حفاظت کی خبر ۳۶

حسبِ وعدہ طاعون سے جماعت کی تعداد میں اضافہ ۵، ۱۲۳

احمدیوں میں سے کامل الایمان شخص طاعون سے مزدور بچایا جائے گا ۱۲۴

محبتِ الٰہی کی آگ اور طاعون کی آگ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ۲

جو اپنے اندر سچی تبدیلی پیدا کر لیتے ہیں ان لوگوں کو خدا اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھتا ہے ۱۸۳، ۲۲۳

طاعون کے عذاب سے بچنے کے لیے توبہ کی تلقین ۱۰، ۱۲۲

طاعون کے ایام میں گھروں سے باہر کھلی فضا میں جانا چاہیے ۱۰

لاہور کے لوگوں کا طاعون سے بچنے کے لیے زیارتیں بکثرت ۱۱

اس سوال کا جواب کہ بعض احمدی طاعون سے کیوں مرتے ہیں ۴، ۶۲، ۱۱۰، ۱۲۲، ۱۸۳

صحابہ کرام میں سے بعض طاعون سے فوت ہوتے تھے ۱۱۰، ۱۲۲

طاعون سے مرنے والے احمدیوں کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین میں شرکت کی نصیحت ۲۷۰

طب

یہ علم ظنی ہے ۳۸۲، ۶۰۰

یہ سب ظنی باتیں ہیں علاج وہی ہے جو اللہ اندر ہی اندر کر دیتا ہے ۲۹۶

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ کا قول تھا کہ کوئی نسخہ حکمی نہیں ۸۰

مسلمان اطباء بعض دیکھتے وقت آیت سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا پڑھتے اور نسخہ پر هُوَ الشَّافِي لکھتے تھے ۲۸۱، ۲۹۶

مسلمانوں کو ہندی، جاپانی، یونانی، انگریزی ہر طب سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے ۵۰۷

لَيْسَ الْخَبِيرُ إِلَّا دُوْ تَجْرُبَةٍ ۵۰۸

ڈاکٹروں کو بھی مناسب نہیں کہ پرانی طب کو حقارت سے دیکھیں ۵۰۸

امراض اور علاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ غلط ہے کہ ایک بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے ۲۷۱

بعض خاندانوں میں ساٹھ ستر سال کی عمر کے بعد انسان کے حواس میں فتور آجاتا ہے ۱۹۸

تپ محرقہ اور تپ دِق ۲۱۰

مراق کے یمنی علاج ۱۶۴

ذیابیطس والے کو سرطان ہو جائے تو پھر بچنا مشکل ہوتا ہے ۲۶۰

کثرت پیشاب کا عارضہ اور اس کی علامات ۲۵۲

اگر دودھ منہضم ہونے لگ جائے تو بخار اس سے بھی ٹوٹ جاتا ہے ۲۲۵

تبدیلی آب و ہوا سے بھی فائدہ ہوتا ہے ۴۸۶

عورتوں کے بعض امراض کے لیے مکمل ہوا کی ضرورت ہوتی ہے ۱۶۴

دُعا اور علم توجہ سے علاج

ہر ایک مرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط ہوتا ہے جب اللہ چاہتا ہے مرض ہٹ جاتا ہے ۲۹۵

طب تو ظاہری حکمت ہے ایک اس کے ورا حکمت پردہ میں ہے جبتک وہاں دستک نہ ہوں کچھ نہیں ہوتا ۳۵۳

اسلام میں جو طریق شفا کا لکھا ہے وہ تو دُعا ہی کا طریق ہے ۳۲۵

جن امراض کو اطباء اور ڈاکٹر لاعلاج کہہ دیتے ہیں ان کا علاج بھی دعا کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے ۲۶۵، ۲۹۹

حصولِ اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کی ضرورت ہے ۱۶۴

سلب امراض ایک فن اور مشق ہے جس کے لیے نیک چلنی اور خدا پرستی ضروری نہیں ہے ۴۶۵

علم توجہ سے سلب امراض ۴۲۵

مفردات کے خواص

منقہ دل کو تقویت دینے والی شے ہے ۴۸۸

زنجبیل میں حرارت عزیزی رکھی گئی ہے ۶۶۰

کافور ٹھنڈی چیز ہے اور زہروں کو دافع ہے ہیضہ اور وبائی امراض کے لیے مفید ہے ۲۱۰، ۶۵۳

ترنجبین اور کشنائیل قبض کا علاج ہے ۲۰۴

ذیابیطس میں شہد کا استعمال ۱۹۱

جوؤں کے لیے ادرش دانے کے لیے ریشم کا لباس مفید ہے ۹۴

موسم سرما میں قلفی کا استعمال مضر ہے ۲۲۹

طریقت

شریعت اور طریقت ۴۴۱

ظ

ظلم

مظالم سے بچنے کا طریقہ ۴۶۲

ع

عالَم

ظاہری عالَم اسباب کے ساتھ ساتھ اس دُنیا میں باطنی عالَم اسباب بھی کارفرما ہیں ۳۰۶

عبد

اللہ تعالیٰ کے کامل بندے ۱۵

عبادت

انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا گیا ۱۲۷، ۶۶۲

اسلامی عبادات کی غرض اور فلسفہ ۱۰۱

عبادت کی غرض اور مقصد کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا ۳۷۰

نماز، روزہ اور دُعا کا مقام ۲۹۲

نماز عبادت کا مغز ہے ۲۸۳

دُعا عبادت کا مغز اور مُخ ہے ۵۳۳

نوعِ انسان پر شفقت کرنا عبادت ہے ۴۳۸

نیک مقاصد کے لیے معاش کی تلاش میں تکلیف برداشت کرنا بھی عبادت ہے ۸۴

عبادت میں احسان کا مقام ۵۵۷

جوانی کی عبادت کے پیرانہ سالی میں ثمرات ۱۹۹

عبادات سے فائدہ نہ ہونے کی وجہ ۱۷۵

اخلاص کے بغیر عبادات کا درجہ ۶۶۲

عام لوگوں اور اہل اللہ کی عبادات میں فرق ۶۶۱

ایک کنارے پر کھڑے ہو کر عبادت ۳۰۲

عبادات میں ذوق و شوق خدا کے فضل اور توفیق پر ملتا ہے ۴۰۸

عبادت کے قبول ہونے سے مراد ۶۵۶

سب عبادتوں کا مرکز دل ہے ۲۲۲

عبودیت

مصائب عبودیت کی تکمیل کے لیے ہیں ۲۳۸

عجز و انکسار

فروتنی اور انکسار کے رُوحانی فوائد ۲۱۳

انبیاء کے کلام میں عجز و انکسار کے الفاظ کے استعمال کی وجہ ۳۱۵

عدل

عدل کا تقاضا ۶۰۷

عذاب

امور کی بہتات کے ساتھ عذاب کا آنا سنت اللہ ہے ۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار پر تواتر کا عذاب آیا تھا ۱۲۴، ۱۸۴

تماشی عذاب کا موجب ہے ۲۶۱

اس زمانہ میں طاعون کا عذاب آنیکی وجہ ۹

عذاب ایسے وقت آتا ہے جب لوگ اسے بھول چکے ہوتے ہیں ۲۶۸

نزولِ عذاب کے وقت تک فاسقوں کو ڈھیل دی جاتی ہے ۸۴

جب آثار نمودار ہو جائیں تو پھر عذاب نہیں ٹلتا ۱۲۱

تضرع سے ٹل جاتا ہے ۵۵۲

آئندہ بکثرت آنے والے عذاب ۲۶۸

عربی زبان

عربی زبان کی اہمیت ۶۲۱

اسماء اور اعلام کو ان کے اشتقاق سے لینا چاہیے ۳

محاورۂ زبان کو ملحوظ رکھنے کی اہمیت ۷۷

عربی زبان کی صفات کی تدوین میں پادریوں کی خلافِ اسلام شرارتیں ۳۶۴
جمع کا صیغہ تین پر اطلاق پاتا ہے ۲۵۶
توفی کے معنی از روئے لغات و محاورۂ عرب ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۲۷، ۶۲۸
لفظ دجال کی فلالوجی ۲۸۲
رفع کے معنی ۵۱۱
زنجبیل کے معنی ۶۶۰
عشار حاملہ اُونٹنی کو کہتے ہیں ۱۳۳
لفظ غلام کی حقیقت ۳
مَنْجَنَہ کے معنی ۶۰

عرش

عرش کی حقیقت ۷۷

عزم

مومن کا عزم ۲۳۳

عشق

عشق اوّل سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود ۳۱، ۹۸

عفو

عفو و درگذر کے بارہ میں قرآن کریم اور انجیل کی تعلیمات کا موازنہ ۶۳۳

علم

علم و حکمت تمام دولتوں سے اشرف ہے ۱۶۱
علم کی تعریف ۲۳۲
حقیقی علم سے مراد کتاب اللہ کا علم ہے ۵۹۹، ۶۰۱
حقیقی عالم کی تعریف ۳۳۳
حقیقی علم خشیت اللہ پیدا کرتا ہے ۵۹۹
معرفت کیلئے صحیح علم کی ضرورت اور اس کے حصول کا ذریعہ ۳۱۱
علم سے شجاعت پیدا ہوتی ہے ۳۶۱
ضرورت علم کی ماں ہوتی ہے ۶۷۱
علم کا حجاب ۲۷۷
افلاطون کو علم فراست میں بہت دخل تھا ۱۰۰
آجکل نقوش و قیافہ کا علم بہت بڑھا ہوا ہے ۱۹

عُمر

دین کی خدمت درازیٔ عمر کا باعث ہوتی ہے ۱۸۳، ۳۰۵، ۳۶۱
دُعا کے ذریعہ سے عمریں بڑھ جاتی ہیں ۳۰۷
اگر دن تھوڑے بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں بسر ہوں تو غنیمت ہے ۵۷۷

عمل

عملِ صالح سے مراد ۱۰۲
اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ چاہتا ہے ۸۱
اعمال کی طرف سبقت کی ضرورت ۹۱
ترکِ شر کے ساتھ کسبِ خیر ضروری ہے ۲۰۸
عمل کا دارومدار نیت پر ہے ۱۹
اعمال کے لیے اخلاص شرط ہے ۶۴۰
اعمال کے باغ کی سرسبزی پاکیزگیٔ قلب سے ہوتی ہے ۲۲۲
جبتک اعمال میں کمال نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں ۶۲۹
نیک اعمال کی توفیق فضلِ الٰہی پر موقوف ہے ۵۱۹
اپنے عمل سے خدا کو راضی نہیں کیا جاسکتا ۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے عمل سے نہیں بلکہ خدا کے فضل سے جنت میں جاؤں گا ۲۱۲
بڑھاپے کے نامۂ اعمال میں جوانی کے اعمال لکھے جائیں گے ۱۹۹
ایامِ جاہلیت و کفر کے دور کے اعمال بھی ضائع نہیں ہوتے ۲۱۶
اعمالِ صالحہ کو ضائع کرنیوالے اعمال ۱۰۲
تمام مصائب شامتِ اعمال سے ہی آتے ہیں ۱۴۲
شامتِ اعمال کی وجہ سے آنے والی بلاؤں کا علاج ۱۱۹

عنکبوت

اکثر اکابر کے عنکبوت سے محبت کرنے کی وجہ ۳۹۰

عورت

عورت اور مرد کی مساوات ۱۰۳
اُمت کی تشبیہ عورت سے ۳۶۰
شرک عورت سے شروع ہوا اور عورت سے اس کی بنیاد پڑی ۶۳۵
اگر تم اپنی اصلاح چاہتے ہو تو یہ بھی لازمی امر ہے کہ گھر کی عورتوں کی اصلاح کرو ۱۰۴
پردہ کی اہمیت و حکمت ۱۰۴، ۱۰۶
غیر محرم عورت کا راگ سننا ناجائز ہے ۱۰۵
بعض معاشرہ میں جو اشد درجہ کا پردہ رائج ہے میں اس کے خلاف ہوں ۱۶۴
خاوند کے ذمہ واجب الادا مہر کی ادائیگی ضروری ہے ۲۲۵
قرآن کریم میں جہاں بیویوں کا ذکر ہے وہاں ضرور تقویٰ کا بھی ذکر ہے ۵۳
تعددِ ازدواج کا مقصد اور اس کی حدود ۴۸

عہد

عہد دوستی کی رعایت ۲۰

عیب پوشی

عیب کسی کا اس وقت بیان کرنا چاہیے جب پہلے اس کے لیے چالیس دن رو رو کر دُعا کی گئی ہو ۶۱

عیسائیت

خلافِ فطرت مذہب ۶۳۵
ناقابلِ عمل اور ناقص تعلیم ۵۵۷، ۶۳۴
شرک عظیم ہے ۶۳۵
توریت کی شریعت پر جزوی عمل ۳۸۵
عیسائیوں کا بگڑنا مسلم امر ہے ۱۳۱
انجیل میں بیان ایمان داروں کی علامات کبھی عیسائی میں پائی نہیں جاتیں ۲۳۸
فرقہ بندی اور ایک دوسرے کی تکفیر ۱۸۶
گرجاؤں میں امیر و غریب میں امتیاز برتا جاتا ہے ۱۶۹
پادریوں کی حالت ۲۳۱
دُعا سے محرومی کی وجہ ۱۴۹، ۲۰۲
مکالمہ و مخاطبۃ الٰہیہ سے محروم ہے ۶۱۳
عیسائیت نے یورپ سے ایک بُت پرستی ختم کی اور دُوسری بُت پرستی قائم کی ۳۳۱
سچی عبادت سے آزاد کرکے اباحت کا دروازہ کھولا ہے ۳۳۲
عیسائیت کے ذریعہ بہت سی بداخلاقیاں

دنیا میں پھیلی ہیں ۶۳۱
عیسائیوں کے اخلاق اور خدمتِ خلق کی حقیقت ۵۵
عیسائیوں کے نزدیک تہذیب کے معنی ۳۳۱
اس مذہب کی حامی عورتیں ہیں ۶۲۵
عیسائیت کا انجام ۳۶۳
کہ دور مذہب ہونے کی وجہ سے سائنس کے آگے فرار اگر گیا ہے ۴۰۰
عیسائیت سے دستبرداری دُنیا میں شروع ہوگئی ہے ۲۲۶ ، ۲۳۱
یہ زمانہ ہی ان کے ثالوث کا فیصلہ کر جائے گا ۲۹۴
اس زمانہ میں غالب اثر ۱۱۳
چرچ کے لیے قابلِ قدر مالی قربانی ۶۱۵
اگر دُنیا درمیان نہ ہوتی تو عیسائیوں کا کثیر گروہ مسلمان ہوجاتا ۶۲۵
بشپ لاہور کا مقابلہ میں آنے سے گریز ۶۳۳

تعلیم و عقائد

حضرت مسیح کے وقت کی عیسویت اور موجودہ عیسویت میں کوئی تعلق ہی نہیں ۱۸۶
عیسائیت کے نزدیک خدا کا تصور ۱۳۹، ۳۵۲
یسوع کی اُلوہیت کے بارہ میں عیسائیت کا کمزور عقیدہ ۴۶۴
یورپ میں ایک عیسائی فرقہ کی بنیاد جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا نہیں سمجھتا ۲۲۷
نجات کا نظریہ اور اس کا رد ۱۴۱، ۵۶۰
حضرت عیسیٰ کے بارہ میں غلو ۲۹۱
مسیح علیہ السلام کو ملعون قرار دینے کی جسارت ۴۳۱
مسیح کے جلالی جسم کے ساتھ آسمان پر جانے کا عقیدہ ۴۵۴
مسیح کی آمدِ ثانی کے بارہ میں عیسائیوں کو دہی دھوکہ لگا ہے جو یہود کو لگا تھا ۱۸۸
عیسائیوں میں مسیح کی آمدِ ثانی کا وقت آنے کا احساس ۲۶ ، ۱۳۲
مسیح کی آمدِ ثانی سے مایوس ہوگئے ہیں ۱۱۲
مسیح کی آمدِ ثانی سے کلیسیا کی ترقی مراد لینا ۲۶ ، ۱۸۸

عیسائیت اور اسلام

اسلام کے لیے ایک آفت ۱۰۹
پادریوں کا اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لٹریچر اور اس کا جواب دینے کی ضرورت ۱۵۴، ۳۶۲، ۴۶۹، ۵۴۹
پادریوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی سیلان کس طرف تھا ۵۲
عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی تائید عیسائیت کی تائید ہے ۳۹۳، ۶۲۶
عیسائیت کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح ہتھیار ۳۹۳
مسئلہ وفاتِ مسیح سے عیسوی مذہب بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے ۵۲۱، ۵۳۱، ۵۴۲، ۶۳۳
علماءِ اہلِ نصاریٰ ۶۶

غ

غربت

غربت کی غلامت ۴۲۹
غرباء کو قرآنی بشارت ۸۹
غریب امیروں سے پانصد سال پیشتر جنت میں جائیں گے (حدیث) ۸۸
انبیاء کے ساتھ غربت کا حصہ ۹۰
مامور و مرسل کی جماعت میں اوّلاً غرباء اور ضعفاء ہی آتے ہیں ۴۷۷
غربت اور کم رزقی انسان کو انسان بنانے کے لیے کیا ہے ۹۰
غریبوں کا تزکیہ نفس خدا نے خود کیا ہوتا ہے ۸۸
اللہ تعالیٰ نے غریبوں کی سفارش کی ہے ۷۰
غرباء سے ہمدردی ہی خدا ترسی کا پیمانہ ہے ۴۳۸

غزوہ (نیز دیکھئے عنوان جہاد)

جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ۲۷۸
ایک شخص کے اترا کر چلنے پر حضور کا فرمانا کہ اگرچہ اکڑ کر چلنا منع ہے مگر اس وقت خدا تعالیٰ کو اس کی یہ چال پسند ہے ۱۹

غضب

قوتِ غضبی کے نقصانات ۲۱۳
جماعت میں بے جا غصہ اور غضب بالکل نہ ہو ۹۹

غم

ایمانِ کامل کا مزا ہم و غم کے دنوں میں ہی آتا ہے ۱۸۲
تمام ہم و غم دین کے لیے ہونا چاہیے ۳۰۲

غیب

غیب سے مراد ۶۰۳

غیبت

غیبت کی مناہی ۶۰

ف

فتوح الغیب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصنیف فتوح الغیب کی تعریف ۳۹۶

فرشتہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا رویا میں فرشتوں کو دیکھنا ۶۹

فرقان

فرقان سے مراد حقیقی مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ۱۸۴

فضل

اللہ تعالیٰ کے فضل کے حصول کی راہیں ۸۸
ہدایت اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ۲۳۷
جنت میں جانا اعمال پر نہیں بلکہ خدا کے فضل پر موقوف ہے ۲۱۲
اعمالِ صالحہ خدا کے فضل پر موقوف ہے ۵۱۹

فطرت

انسان کی فطرت میں دراصل بدی نہ تھی ۶۳۳
انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ ممکن الحصول کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ۴۲۹
رسُول کی بعثت پر انسانی فطرتوں کے خواص ظاہر ہو جاتے ہیں ۴۲۲
صدیقی فطرت والے اپنے لیے معجزہ یا نشان طلب کرنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں ۲۱۸

فقہ

اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے ۱۹۶
بے محل استعمال سے حلال بھی حرام ہو جاتا ہے ۵۲
انگریزوں کی عملداری میں رہنا کفر اور بدعت نہ ہونے کی وجوہات ۲۳۰
شریعت میں دو گواہوں کی حکمت ۱۷۲
تنخواہ دار امام الصلوٰۃ کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے ۴۴۶
امام الصلوٰۃ کو چاہیئے کہ نماز میں منفرد کی رعایت رکھے ۲۶۴
ایک مقام پر دو جماعتیں ہرگز نہیں ہونی چاہئیں ۸۵
مسافر کی اقتداء میں جب مقیم نماز پڑھیں تو وہ نماز پوری ادا کریں ۸۶
جماعت کے ٹکڑے الگ نہیں ہونے چاہئیں ۸۶
حدیث کے مطابق نماز میں چل کر دوبارہ کھولنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ۱۹۴
برسات نہ ہونے پر نمازِ استسقاء کا پڑھنا سنت ہے ۳۲۱
سود حرام وہی ہے جس میں عمداً معاہدہ اور شرائط اول ہی کر لی جائیں ۹۴
تجارتی روپے پر منافع اور سود کی تعریف ۱۶۵
بنکوں کا سود اشاعتِ اسلام کیلئے خرچ ہونا چاہیئے ۳۶۷ ، ۳۷۳
غلہ کی ذخیرہ اندوزی ناپسندیدہ ہے ۴۴۱
مردوں کے لیے سونے چاندی اور ریشم کا استعمال ۹۴
جو ذبیحہ اللہ کا نام لے کر کیا جائے اور اس میں اسلام کے آداب مدِنظر ہوں وہ خواہ کسی کا ہو جائز ہے ۷۱
ہندوؤں کے ہاتھ کی تیار کردہ چیزیں کھانے کا جواز ۱۳ ، ۶۶
نصاریٰ کے وہ کھانے جن میں شبہ نہ ہو حلال ہیں ۶۶
ولایت کے بسکٹ اور نین بند کھانے استعمال کرنے خلافِ تقویٰ ہیں ۶۵
نجاست خور گائے کا گوشت حرام لکھا ہے ۳۸۷
تین دن کے بھوکے کے واسطے سؤر بھی حرام نہیں ۳۶۹ ، ۳۷۳
پانی بیٹھ کر پینا چاہیے ۸۶
واجب الادا مہر کی ادائیگی ضروری ہے ۲۲۵
غیر محرم عورت کا راگ سننا منع ہے ۱۰۵
متعہ کی حقیقت ۶۱۹
سماع اور مزامیر ۵۲۳
قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا ناجائز ہے ۷۸
نوٹ گرانی کی علت و حرمت ۱۸ ، ۴۴۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تصویری کارڈ ۱۷۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قبروں پر جانے سے منع فرمایا تھا۔ بت پرستی کا زور ٹوٹا تو اجازت فرمائی ۵۸۶
بزرگ اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کا جواز ۴۸۸
قبر پر فاتحہ پڑھنے کا جواز ۵۰۲
کتبہ لگانا شریعت میں منع نہیں ہے اس میں بہت سے فوائد ہیں ۵۰۲ ، ۵۸۷

فلسفہ

فلسفہ کی حدود ۷۶
جھوٹے فلسفہ اور طبعی علوم سے خدا نہیں پہچانا جا سکتا ۳۰۱
فلسفی کو منکرِ حنانہ است
از حواسِ اولیاء بیگانہ است ۳۰۶

فنا

فنا کا مقام ۳۲۰
فناء اتم کی حقیقت ۳۱۲
فنا نظری اور فناء وجودی ۷۱

فیجِ اعوج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود کے درمیانی زمانہ کے لوگوں کی حیثیت ۱۰۸ ، ۵۰۱
فوائد کا بٹگاؤ ۴۰۷

ق

قبرستان

جماعت کے لیے ایک مثالی قبرستان کی تجویز ۵۸۶
صلحاء کے پہلو میں دفن ہونا بھی ایک نعمت ہے ۵۸۷
زیارتِ قبور کے آداب ۴۸۹

قبلہ

تعظیمِ قبلہ ۷۸

قرآن کریم

نزول کی غرض و غایت ۱۴۲ ، ۶۰۳
قرآن کریم کی چار قسمیں ۶۰۳
قرآن شریف حدیث پر مقدم ہے ۱۴۸ ، ۶۴۷
قرآن کریم کا اعجاز ۴۵۴
قرآن کریم کا اعجاز ۴۵۴
قرآن کریم کا اثر ۴۴۸
صداقت کا ایک ثبوت ۴۶۳
قرآن کریم کی تعلیمات کا خلاصہ ۳۹۷ ، ۶۳۲
ساری قرآنی نسائح کا مغز ۱۴۹
تعلیم کے ساتھ اسوہ کی ضرورت ۹۱
انجیل کی تعلیم سے موازنہ ۶۳۰ ، ۶۳۴
بائیبل کی تمام سچائیاں قرآن مجید میں موجود ہیں ۶۰۳
تاثیرات و برکات اور حفاظت کا وعدہ ۱۴۸ ، ۴۵۰
بعض آیات کے بظاہر الفاظ ایک ہی ہیں، مگر اپنے اپنے موقعہ پر جدا مطابقت رکھتی ہیں ۳۲۱
قرآن شریف کے ایسے معنی جو خود قرآن، سُنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہوں اور آپ کی ہتک شان کا باعث ہوں درست نہیں ۱۹۰
ہم قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں اگر کوئی شخص ایک آیت کا بھی انکار کرے وہ گمراہ اور جہنمی ہے ۱۲۸
قرآن کریم پر ایمان لانے کے ثمرات ۶۱۱
قرآن مجید پر عمل کی تفصیل ۱۴۰
قرآن کی اتباع کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کر سکتے ۳۰۹
اعادہ اور تکرار اور اس کی حکمت ۳۵۵ ، ۴۵۷
صاحبِ حال لوگوں کی تفسیر ہی درست

ہوتی ہے ۴۷۷

سادہ ترجمہ پڑھ لینے سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا ۶۲۱

غوث العانی سے پڑھنے کی تاکید ۵۲۴

قرآن غم کی حالت میں دیا گیا ہے پس تم بھی

لیے غم کی حالت میں پڑھو (حدیث) ۱۱۸

قرآن میں طاعون کی پیشگوئی کا ذکر ۳۶

آخری زمانہ میں قرآن اٹھ جانے کی

خبر اور اس سے مراد ۴۴۷ و ۴۶۷

مقام

کامل اور جامع کتاب ۶۱۰

خاتم الکتب ۵۵۸

خاتم الکتب ہے اس میں ایک شوشہ یا نقطہ

کی کمی و بیشی کی گنجائش نہیں ہے ۵۵۳

حقیقی برکات کا سرچشمہ اور نجات

کا سچا ذریعہ ۱۴۰

کوئی سچائی اور صداقت نہیں جو قرآن شریف

میں نہ ہو ۶۷۲

قانونِ آسمانی اور نجات کا ذریعہ ہے ۱۴۰

دلی اور ابدال بنانے والی راہ ۱۴۴

قرض

جماعت کو قرضوں کی ادائیگی کی تلقین ۶۰۷

قسم

اللہ تعالیٰ کا نفسِ سلسلہ کی بجائے نفسِ نوامہ

کی قسم کھانے کی حکمت ۹۳

قضاء و قدر

دُرار الاوار اسباب ۳۱۰

اس کے اسرار چونکہ عمیق در عمیق ہوتے ہیں

اس لیے الہامات اور رویا کی تفہیم میں

غلطی لگ سکتی ہے ۲۳۲

حصولِ فضل کی آسان راہ ۸۸

قضاء و قدر سے انسانی اعمال کی کما حقہ ادراک ۳۰۹

قضاء و قدر کے مصائب گناہوں کا کفارہ

ہوتے ہیں ۳۸۳

قضاء و قدر میں دعا کے ساتھ دخل دینا

مناسب نہیں ۳۲۴

قوم

قومی ترقی کا راز ۳۸۰

قیامت

قیامت کی حقیقت اور ماہیت ۴۵۰

قیامت بغتۃً آجائے گی ۴۵۲

ک

کسرِ صلیب

یہ زمانہ کسرِ صلیب کا ہے ۲۳۱

کسوف و خسوف

مہدی کا نشان تھا جو آٹھ سال پہلے رمضان

میں وقوع میں آگیا ۵۵۵ بر ۳۸، ۳۴، ۸۸، ۱۳، ۵۶۳

کسوف و خسوف والی حدیث کا رمضان النبارک

میں وقوع ایک مرتبہ اس ملک میں دوسری

مرتبہ امریکہ میں ۱۲۲ و ۶۶۸

کشف

کشف کی حقیقت ۲۴۵

کشف اور رؤیا میں فرق ۲۴۶

حقیقت اور اقسام ۳۴۲

جو لوگ بذریعہ کشف مسیح آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے محبت حاصل کرتے ہیں وہ

اصحاب میں سے ہیں ۲۹۷

اہلِ کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

براہِ راست بھی احادیث سنتے ہیں ۶۴۷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک کشف ۱۲۵

مجھے بڑے ہی کشفِ صحیح سے معلوم ہوا ہے

کہ لوگ بھی اس سلسلہ میں داخل ہوں گے ۸۳

کعبہ

خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات ظاہری آنکھ

سے نظر نہیں آتے ۳۱۵

خانہ کعبہ کی مجاورت کی برکات ۳۱۶

کفر

خدا کی طلب میں جو شخص پوری کوشش

نہیں کرتا وہ بھی کافر ہے ۳۸۱

کافر وہ ہیں جو حیاتِ دنیا پر راضی

ہو گئے ۸۴

کینہ

تم کسی کو اپنا ذاتی دشمن نہ سمجھو اور اس کینہ توزی

کی عادت کو بالکل ترک کر دو ۳۴۰

گ

گرمی

گرمیوں کو بھی روحانی ترقی کے ساتھ

خاص مناسبت ہے ۳۱۶

گناہ

گناہ کی تعریف ۴۷۵

بعض باریک گناہ ۶۵۳

موجودہ مسلمانوں کا سب سے بڑا گناہ حبِ دنیا

ہے ۶۳۱

استیغفار لغات میں مشغول ہونا بھی

گناہ ہے ۵۲

گناہ پر دلیری اور جرأت معرفت کی کمی

کا نتیجہ ہے ۳۴۳

اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

عفو گناہ کی نعمت ۱۳۱

گناہوں سے معصوم انبیاء ہیں دوسرے

لوگ توبہ و استغفار کے ذریعہ ان سے

مشابہت پیدا کر لیتے ہیں ۱۶۶

خدا تعالیٰ کی عظمت کو مدِ نظر رکھ کر گناہ

ترک کیا جائے ۷۸

گناہ کے زہر سے بچنے کی تلقین ۱۳۱

عیسائی عقیدۂ نجات کے نتیجہ میں گناہ کا سیلاب ۱۳۹

گناہ سے بچنے کا صحیح علاج ۵۶۰

گناہوں کو جلانے کے ذرائع ۳۹۷، ۴۰۳

گناہ کے جذبات سرد کرنے والا شربت ۶۵۵

گناہ سے بچنے کی توفیق ایمان باللہ سے

ملتی ہے ۳۱۲ و ۵۵۹

جبتک خدا تعالیٰ پر کامل یقین نہ ہو گناہ سے

نجات نہیں مل سکتی ۶۱۴

تعلق باللہ سے انسان گناہ آلود زندگی

سے نجات پاتا ہے ۳۲۷

ذکرِ الٰہی سے انسان گناہ سے بچا رہتا ہے ۱۵

گناہوں سے بچنے کا ذریعہ خوفِ الٰہی ہے ۹۵

گناہ سے بچنے کے لیے ان مجلسوں اور

محفلوں کو چھوڑنا پڑتا ہے جن سے گناہ

کی تحریک ہوتی ہے ۹۶

ل

لیلۃ القدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ ۶۶۲

م

مامور

بعثت کی غرض اہلِ دُنیا کو گمراہی آلود زندگی سے نجات دلانا ہوتا ہے ۳۳۷

مامور کی صداقت معلوم کرنے کے تین ذرائع ۱۳۲

مامور کی شناخت کا طریق ۲۶، ۵۶۳

مامور من اللہ کی تائید و تصدیق کے نشانات ۳۶۳، ۳۶۹

مامورین میں بظاہر مخفی رہنے کی خواہش ہوتی ہے ۷

انکسار اور فروتنی مامورین کا خاصہ ہے ۳۳۷

مامور کو ہمت۔ حوصلہ اور غنا عطا کیا جاتا ہے ۳۸

مامورین میں ایک قوتِ جاذبہ رکھی جاتی ہے ۷، ۳۱۱

مامورین و مرسلین کا استغنا ۳۱۹

مامورین اور دوسروں میں امتیاز ۲۸۷

مامور من اللہ کے متقی ہونے کے نشانات یہ ہوتے ہیں ۵۶

چونکہ عدل اور راستی لاتا ہے اس لیے اس سے پہلے ہی عدل اور راستی کا ابرا ہونے لگتا ہے ۵۴۴

سب سے پہلے اس کی جماعت میں مُرادِ داخل ہوتے ہیں ۳۳۹

مامور کی بعثت کے ساتھ مذاہب کا آنا سنّت اللہ ہے ۴

سب مقاصد اس کی زندگی میں ہی پورے نہیں ہوتے ۵۷۴

مامور کی وفات پر جماعت کا فکمگیں ہونا فطری امر ہے ۵۷۵

مامور کی وفات سے اس کے قائم کردہ سلسلہ میں کوئی فرق نہیں آتا ۵۷۶

مامور کی مخالفت سلبِ ایمان کا باعث ہوتی ہے ۳۴۸

مامورین کی مخالفت کی افادیت ۸

جھوٹا مامور کامیاب نہیں ہوتا ۱۲۶

ایسے زمانہ میں مامور کی ضرورت ۱۰۹

مباحثہ

حسبِ اعلامِ الٰہی ہم نے مباحثہ کا دروازہ بند کر دیا ہے ۱۰۸، ۳۲۹

مناظرہ اور مباحثہ ہمیشہ اصول تک محدود ہو ۶۱۸

ایک الزامی جواب ۳۶۶

متقی نیز دیکھئے تقویٰ

قرآن کریم کی رُو سے متقی کی تعریف ۶۰۲

متقی کی صفات ۶۰۳، ۶۱۱، ۶۱۲

متقیوں کی کئی پشت تک رعایت ۳۴۴

مثیل

اُمتِ میں مثیلِ مسیح کے آنے کی ایک دلیل ۳۱۳

مجاہدہ

ضرورت و اہمیت ۳۴۴، ۳۵۲

خدا کی راہ میں مجاہدہ کرنے کی ضرورت ۱۹۱، ۲۳۹

کامل ایماندار بننے کے لیے مجاہدات کی ضرورت ہے ۱۸

معرفت کے دروازوں کے کھلنے کے لیے مجاہدہ کی ضرورت ہے ۳۴۰

حصولِ کمال کے لیے مجاہدہ شرط ہے ۱۴۲

حصولِ فضل کی ایک راہ ۸۸

قوتِ مجاہدہ سے اخلاق کی اصلاح ۱۰۰

مجاہدات اکسیر ہیں ۲۴۲

کوشش کی برکت سے نفسِ امارہ نفسِ لوّامہ بن جاتا ہے ۲۲۳

مجاہدہ کے جس قدر طریق خدا نے فرمائے ہیں وہ سب بجا لاؤ ۵۰۷

پیرانہ سالی میں مناسب مجاہدہ ۲۴۵

علماء و فقراء کی خود ساختہ ریاضتیں اور مجاہدات ۲۱۳

مجدد

اسلام میں سلسلۂ مجددین ۶۲۹

صدی کے سر پر مجدد کا آنا سب نے تسلیم کیا ہے ۲۵، ۵۸

وعدہ کے مطابق مجدد کی ضرورت ۱۳۴

جس قدر مجدد گذرے ہیں ان کے نام کا جُز محمد یا احمد ضرور رہا ہے (نورالدین) ۲۳۶

اس میں کیا حرج ہے کہ میرے بعد بھی کوئی مجدد آئے ۴۵۲

محبتِ الٰہی

پیدا کرنے کے ذرائع ۴۰۳

محبتِ الٰہی کی لذات ۴۰۲

محدث

حضرت علیؓ کا مقام محدثیت ۱۴۷

محدثات

محدثات سے پرہیز کرو کیونکہ ہر محدثہ ہلاکت کی راہ ہے ۳۵۷

مذہب

مذہب کا منشاء وحدتِ جمہوری ہے ۱۰۰

جو مذاہب الگ الگ رہنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ وحدتِ جمہوری کی برکات سے محروم رہتے ہیں ۱۰۱

کوئی دین اور مذہب لڑائی سے نہیں پھیل سکتا ۳۴۷

قابلِ قدر مذہب وُہ ہے جو ہستی باری تعالیٰ کو نئے نئے رنگ میں پیش کرے ۲۳۸

اختلافِ مذہب کی وجہ سے اخلاق کو چھوڑ دینا تنگ دلی اور تنگ ظرفی کا نشان ہے ۱۹۱

سچے مذہب کی علامات ۳۲۸، ۳۴۳

مذہب کی غرض دلوں کو فتح کرنا ہوتی ہے ۶۵

سچے مذہب کی خصوصیات ۳۴۸

سچے اور جھوٹے مذہب کو پہچاننے کا طریق ۲۳۳

سچا مذہب وُہ ہے جو خدا کی ہستی کا ثبوت دے اور زندہ خدا کو پیش کرے ۳۴۹

سچا مذہب وُہ ہے جس میں خدا اب بھی بولتا ہے ۴۸۶

آج کوئی مذہب بجز اسلام کے ایسا نہیں جو اعتقادی اور عملی غلطیوں سے مبرا ہو ۳۲۷

صرف مذہب اسلام ہی نجات دے سکتا ہے ۳۴۹

اسلام کے سوا دُوسرے مذاہب دُعا سے محروم ہیں ۲۰۲
اسلام کے سوا دُوسرے مذاہب کی حیثیت ۱۶۳
دُوسرے مذاہب اور اسلام میں مابالامتیاز ۲۴۸
جو فرقے اپنی تدبیر سے بنتے ہیں ان کے درمیان چند روز میں ہی تفرقے پڑ جاتے ہیں ۳۳۳
انگریزی حکومت میں مذہبی آزادی کی تعریف ۲۳۰، ۵۴۳
عیسائیت کے مقابل پر سکھ مذہب ۷۹

مُردہ
مُردوں سے استفاضہ ۵۸۱

مسجد
مساجد کی اہمیت اور برکات ۹۳
جماعت کیلئے مساجد کی ضرورت ۹۳
مُسلمانوں کی مساجد میں امیر و غریب کی تمیز نہ ہونے کی خوبی کا عیسائیوں کی طرف سے اعتراف ۱۶۹
مسجد ضرار ۴۹۱
مساجد کی اصل زینت

مُسلمان نیز دیکھئے اسلام اور ایمان کے عنوانات
حقیقی مُسلمان کی تعریف ۴۵، ۱۹۰
سچے مُسلمان کے اوصاف ۲۷۴
ترقی کرنے کا گُر ۳۷۹
اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو گناہ کی نعمت ۱۳۱
دی صرف مُسلمان کو ہو سکتی ہے جبکہ کشف ہندو کو بھی ہو سکتا ہے ۲۴۶
مُسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو فروعات و جزئیات میں ہے اصول سب کے ایک ہی ہیں ۱۸۶
مُسلمانوں کے لیے انگریزوں کو تبلیغ اور اتمامِ حجت کے مواقع ۲۳۱
باوجود شریعت پر عمل کرنے کے مسیح موعود کو ماننا کیوں ضروری ہے ۴۹۵
موعود مسیح بحیثیت حکم ہر فرقے کی غلطیوں کی نشاندہی کریگا ۴۵۳
مسیح موعود کے زمانے میں مُسلمانوں کی مشکلات ۱۵۵
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مُسلمانوں سے خصوصی خطاب ۱۴۰
حُکام کی اطاعت اور وفاداری ہر مُسلمان کا فرض ہے ۸۰
مُسلمانوں کو قرآن کریم پر عمل کرنے کی تلقین ۱۴۰
انہوں نے دینِ اسلام کی قدر نہیں کی ۴۸۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر نہیں کی اور آپ کی شان کو نہیں سمجھا ۴۳۰
قرآن کریم سے صوری اور معنوی اعراض ۴۳۷، ۶۲۸، ۶۴۳
دُعا جیسی چیز کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں ۲۰۲
ہتھیاروں کے حصول کے لیے مغربی ممالک کی احتیاج ۴۹۶
کسبِ غیر تو کُجا ترکِ بدی میں بھی سُست نظر آتے ہیں ۲۰۹
اس وقت اُستثنا میں تو بے شک داخل ہیں مگر اُستثنا کی ذیل میں نہیں ۵۶۶
بعض اعتقادی غلطیاں اور ان کی تصحیح ۶۴۵
خلافِ قرآن عقیدہ کے حامل ۱۵۸
مسیح کے دوبارہ آنے کے عقیدہ سے مسیح کو خدا کی صفات میں شریک کیا ہے ۸۵
اسرائیلی نبی کو آسمان سے اُتار کر ختمِ نبوت کی مُہر کو توڑتے ہیں ۴۶۸
مسیح کے آسمان سے نزول کے بارہ میں مسلمانوں کی غلطی ۳۵۸
حیاتِ مسیح کا مسئلہ اسلام میں داخل ہونے والے عیسائی ساتھ لائے ۳۲۲
تیس لاکھ مُسلمان مُرتد ہو کر عیسائی ہو چکے ہیں ۱۳۳، ۱۴۸، ۴۶۹، ۵۴۱
تیس لاکھ سے زیادہ مُسلمان عقیدہ حیاتِ مسیح کی وجہ سے عیسائی ہو چکے ہیں ۱۶۰، ۶۲۶، ۶۳۱
موجودہ مُسلمانوں کا سب سے بڑا گناہ حبِّ دُنیا ہے ۶۳۱
مُسلمانوں کی حالت پر افسوس ۱۲۵
یہود سے مماثلت ۴۳۷
عملی اور اعتقادی فساد ۳۶۹، ۶۳۴
دین سے بے پروائی اور اخلاقی حالت ۵۶۵، ۵۶۵
امام غزالیؒ کے زمانہ کے فقراء و مشائخ کے احوال ۴۱۸
اُس زمانہ کے پیرزادے اور مشائخ ۴۱۷
اُس زمانہ کے مولویوں کی حالت ۴۵۲
امراء اور علماء کی دینی حالت ۴۶۷

فرقہ بندی
مختلف فرقوں کے نام رکھے جانے کا جواز ۵۰۱
فرقہ بندیاں اور عجیب و غریب عقائد ۵۰۰
اندرونی تفرقہ کا سبب حبِّ دُنیا ہے ۶۳۵
متفوفین کے تین گروہ وجودی، شہودی اور قادری ۷۱، ۳۹۶، ۳۹۷
صوفیا کا ملامتی فرقہ توحید سے گرا ہوا ہے اور ریاء میں مبتلا ہوتا ہے ۸۷، ۱۲۰
مقلدوں اور غیر مقلدوں کے تنازعات ۱۵۹
بگڑا ہوا فرقہ اہلِ قرآن کی ٹھوکر کا مقام ۹۱

مسیح موعود نیز دیکھئے عنوانات مجدد۔ مہدی اور غلام احمد قادیانی
مامور مہدی اور مسیح کے آنے کی ضرورت ۱۰۹، ۳۵۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و وصایا پر عمل کرتے ہوئے ہی مسیح موعود کا ماننا فرض ہے ۱۰۷، ۱۰۸، ۳۹۳، ۵۱۸
آنے کا وقت ۱۳۳
اگر مسیح نے آسمان سے اُترنا ہے تو یہی وقت ہے جب اسے اُترنا چاہیئے ۳۵۸
اُمت کے اہلِ کشف نے مسیح موعود کی آمد کے لیے چودھویں صدی مقرر کی ہے ۲۷
عیسائیوں میں مسیح کی آمثانی کا زمانہ آنے کا احساس ۲۶
خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ کنتم خیر الائمۃ اُمت کا ایک فرد کامل ہے اور وُہ مَیں ہوں ۱۳۲، ۳۵۸
مسیح ناصری اور مسیح موعود کے حُلیوں میں اختلاف ۵۲۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مسیح موعود کا مقام ۱۰۸

آنیوالے موعود کی حیثیت حکم ۴۵۳
اُمت میں مثیل مسیح ۲۵ ، ۳۱۳
اُمت میں مسیح موعود کی بعثت کا سِر ۴۳۵
حدیث سے ثابت ہے کہ وہ دمشق سے
مشرق کی طرف نازل ہوگا قادیان دمشق
سے عین مشرق میں ہے ۵۱۰
مجدد صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں
لکھا ہے کہ علماء مسیح موعود کا مقابلہ اور
تکذیب کریں گے ۵۱۷
یَضَعُ الْحَرْب مسیح موعود کا نشان ۵۴۹
مسیح موعود کے زمانہ کے دو بڑے نشان ۱۲۱
اُونٹوں کے بے کار ہونے کی نشانی
کا پورا ہونا ۲۶
علاماتِ اثورہ کا پورا ہونا ۲۵ ، ۴۸ ، ۵۸ ، ۱۴۴
مصیبت نیز دیکھئے عنوانات ابتلاء اور بلاء
معصوم بچوں اور انبیاء پر مصائب
آنے کی حکمت ۲۳۹
مصیبت اور دُکھ ایمان کا ایک کامل
معیار ہے ۳۹۲
شدائد و مصائب انسان کی تکمیل
کرتے ہیں ۳۲۷
قضاء و قدر کے مصائب اس کمی کو پورا
کر دیتے ہیں جو انسان سے اعمالِ حسنہ
میں رہ جاتی ہے ۳۰۸ ، ۳۰۹
قضاء و قدر کے مصائب گناہوں کا کفارہ
ہو جاتے ہیں ۳۸۳
مصائب دُنیا موجب مدارجِ آخرت
ہوتے ہیں ۲۲۷ ، ۲۸۷
معجزہ نیز دیکھئے عنوان نشان
معجزہ سے مراد فرقان ہے جو حق اور باطل
میں تمیز کر کے دکھاوے اور خدا کی ہستی
پر شاہد ناطق ہو ۲۳۶
سب سے بڑا معجزہ یہی ہے کہ فرستادہ کی
علتِ غائی باطل نہ ہو جائے ۳۳۴
جہاں دین پر اعتراض وارد ہوتا ہو وہاں
اللہ معجزہ نمائی کرتا ہے ۲۹۶
انبیاء کے وُہ حالات جن میں معجزہ ظاہر
ہوتا ہے ۳۴۵
انبیاء کے معجزات ان کے مصائب کے
زمانہ کی دُعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں ۳۸۴
صدیقی فطرت والے اپنے لیے معجزہ طلب
کرنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں ۳۱۸
جلدی معجزہ دیکھنے کا طریق ۳۶۳
معجزات کے بارہ میں افراط و تفریط ۲۳۶
ہمارے معجزات سب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے معجزات ہیں ۵۱۴
معجزاتِ مسیح کی حقیقت ۴۵۷ ، ۴۶۵
معراج
معراج کی حقیقت ۳۴۱ ، ۶۴۶
جو لوگ معراج کے منکر ہیں وُہ اسلام
کے منکر ہیں ۵۰۹
معراج میں حضرت عیسیٰ وفات یافتہ انبیاء
میں شامل نظر آتے ہیں ۵۲۷ ، ۵۳۲ ، ۵۴۳
معرفت
سچی معرفت ۲۱۳
معرفت کے لیے صحیح علم کی ضرورت ۳۱۱
ہر شخص اپنی معرفت کے لحاظ سے پوچا
جائے گا ۳۴۳
معرفت کے دروازوں کے کھلنے کے لیے
مجاہدہ کی ضرورت ہے ۲۳۰
دُعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت
طلب کرو ۹۶
سچی معرفت بغیر مخاطباتِ الٰہیہ کے حاصل
نہیں ہو سکتی ۵۱۲ ، ۵۱۳
محبت اور خوف معرفت سے پیدا ہوتے ہیں ۹۵ ، ۳۴۳
تمام مشکلات عدمِ معرفت کے باعث
ہوتی ہیں ۵۱۴
گناہ پر جرأت معرفت کی کمی کا نتیجہ ہے ۳۴۳
مناظرہ
مناظرہ اور مباحثہ ہمیشہ اصول تک محدود ۶۱۸
موت
ایک سربستہ راز ۳۷۵
موت کی حقیقت ۲۹۶ ، ۳۹۳
موت کے بارہ میں ایک عرب شاعر کا شعر ۳۹۵
مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا ۳۱۲
موت کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے ۳۹۴
مومن کے لیے موت راحت رساں اور
وصالِ یار کا ذریعہ ہوتی ہے ۳۹۲
موت سے بڑھ کر کوئی واعظ نہیں ۵۱۶
جب مرض الموت کا وقت آجاوے تو وہ
وقت دُعا کا نہیں ہوتا ۴۸۷
اَجل میں تاخیر نہیں ہوتی ۴۹۲
مومن نیز دیکھئے عنوانات ایمان۔ تقویٰ اور متقی
مومنِ کامل کی تعریف ۲۰۹
سچے مومن کی علامات ۱۸۴
۴۲۳ ، ۵۰۵ ، ۵۹۴
مومنوں کے تین درجات ۱۲۲
مومن کو اللہ کی رضا بہت پیاری
ہوتی ہے ۱۸۷ ، ۲۸۸
مومن وہ ہے جس کے دل میں محبتِ الٰہی
نے عشق کے رنگ میں جوش پکڑ لی ہو ۳۱
پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا
کی عبادت نہیں کرتا ۱۰۳
لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۸۷
مومن وہی ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے ۵۳۰
مومن اور کافر کے درمیان ایک فرقان
رکھا جاتا ہے ۱۲۳
مومن کبھی مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ کفر
اس سے مایوس نہ ہو جائے ۳۱
مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک تلخ
زندگی بسر کرے ۵۲
مومن تو خود مصیبت عربتا ہے ورنہ اگر
مداہنہ برتے تو ہر طرح آرام سے رہ سکتا ہے ۸۴
اللہ تعالیٰ مومن پر ابتلاء بھیج کر امتحان
کرتا ہے ۴۳
مومن کے لیے مصائب کا دروغ ۹۸
فرعون اور عمران کی بیویوں سے تشبیہ ۳۶۰
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے مومن کی جان
لینے میں تردد ہوتا ہے (حدیث) ۶ ، ۳۰
۹۹ ، ۴۸۷

مومن کی ہر ایک چیز بابرکت ہو جاتی ہے ۳۱
مومن میں اللہ تعالیٰ قوتِ جاذبہ رکھ دیتا ہے ۵۱۶
اللہ تعالیٰ خود مومن کا متکفل ہوتا ہے ۴۴۱
مہدی نیز دیکھئے عنوانات اُمتِ مسیح موعود اور نبوت
مامور مہدی اور مسیح کی ضرورت ۱۰۹
مہدی کے متعلق احادیث ۴۴۶
لَا مَهْدِيَّ إِلَّا عِيسَىٰ (حدیث) ۴۴۶
آنحضرتؐ کے نام پر آنے کی حقیقت ۴۷۲
مہدی کی علامات کا پورا ہونا ۴۸
رمضان میں کسوف وخسوف مہدی کا نشان قطعاً دو آٹھ سال پہلے وقوع میں آچکا ۲۵
امام مہدی کی جنگوں کی نوعیت ۴۴۶
مہدی کے بارہ میں مولوی محمد حسین اور مولوی نذیر حسین کا مذہب ۵۵۳

ن

نبوت

تعریف

نبی کی تعریف ۴۲۲
اُمتی کی تعریف ۵۱۲
نبی کے ماتحت امت کی تشبیہ عورت سے دینے کی وجہ ۳۶۰

خصائص

انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات ۴۴۵
سچے نبی کی علامت ۹۷، ۲۴۴
شناخت کا ذریعہ معجزات اور نشانات ہوتے ہیں ۵۶۳
نبی کا سب سے بڑا معجزہ ۳۳۴
نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ جب چاہے آیات اللہ دکھا دے ۲۲۴
انبیاء علیہم السلام کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے ۲۱۲
ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی کو اللہ نے ذلیل وخوار نہیں کیا ۳۰۴
، ۳۷۸، ۴۲۰، ۴۸۳
انبیاء کا کمال ۲۰۹
تمام انبیاء مسِ رُوح القدس سے پیدا ہوتے تھے ۶۴۶
انبیاء علیہم السلام کا تزکیۂ اخلاقی ۲۱۱
انبیاء کی تربیت آہستہ آہستہ ہوتی ہے ۲۶۰
بلحاظ اخلاق کے نبی کی زندگی کا آخری حصہ پہلے حصہ کی نسبت ترقی یافتہ ہوتا ہے ۹۰
گناہوں سے معصوم انبیاء ہیں ۱۶۶
انبیاء کے استغفار کی وجہ ۹۷
تمام انبیاء اور رسل نے دُنیا کو چھوڑ کر آخرت کو مدِنظر رکھا ہوا تھا ۵۱
انبیاء تقیہ نہیں کرتے ۳۰۲، ۴۰۳
انبیاء کا استغفار ۴۱۹
انبیاء قوی الوصلہ اور صاحب ہمت ہوتے ہیں ۵۸۰
اللہ تعالیٰ کی تمجید اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی کے لیے انبیاء کی فطرت ۳۴۶، ۴۲۰
احکامِ دین کے بارہ میں اجتہادی غلطی کے متعلق اللہ تعالیٰ فوراً متنبہ فرما دیتا ہے ۸۵
ہر نبی ایک حجاب میں مستور ہوتا ہے مبارک وُہ جو اس حجاب کے اندر سے اس کو پہچان لے ۴۸
نبی طبعاً خلوت پسند ہوتے ہیں ۱۷، ۳۴، ۳۱۷، ۳۱۹، ۶۶۳
انبیاء کی معجزانہ استقامت ۴۶
انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے ۳۶۲
تمام نبیوں کی مشترک تعلیم ۱۸۵
انبیاء کی بشریت ۴۱۴
تمام انبیاء کی وفات کتبِ سماوی، تاریخ اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے ۳۲۳، ۳۲۵
جس طرح سارے نبی آسمان پر گئے ویسے ہی عیسیٰ بھی گئے ۳۲۳
اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز نہیں کیا کہ انبیاء شاہی خاندان سے ہوں ۹۰
زندگی کے ہر میدان میں سادگی اور بے تکلفی ۴۱۷
انبیاء کے کلام میں عجز وانکسار کے الفاظ کے استعمال کی وجہ ۳۱۵
زندہ نبی وہی ہو سکتا ہے جس کے برکات اور فیوض ہمیشہ کے لیے جاری ہوں ۶۲۹
نبی کے بعض رویاء اس کے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں، بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعہ سے ۳۶۲
نبی کا پرتو اُمت پر بھی پڑتا ہے ۲۹۰
انبیاء کے ذریعہ انسانوں کی مخفی قابلیتیں ظاہر ہو جاتی ہیں ۴۲۱
پیغمبر زادگی کام نہیں آتی ۸۱
انبیاء کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ دُعا ہے ۲۰۷

بعثت کی غرض

انبیاء کی بعثت کی غرض ۱۰۱، ۱۴۲، ۱۶۹، ۲۴۲، ۳۲۰، ۳۲۹
دہریت کو صرف نبی ہی جلا سکتا ہے ۲۳۸
بعثت کی غرض ہی یہ تھی کہ لوگ اس نمونہ اور اُسوہ پر چلیں ۴۰۷

انبیاء کے مصائب اور ابتلاء

ہر نبی کے وقت ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے ۲۶۹، ۵۰۹
انبیاء پر شدائد ومشکلات آنے کی حکمت ۹۰، ۱۱۷، ۳۱۷
انبیاء پر آنے والے مصائب کی لذت اور برکات ۱۱۸
انبیاء علیہم السلام کے مصائب ۱۳۲، ۱۵۶
انبیاء کے غموں کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے ۳۴۶
انبیاء وصلحاء کی بیماریوں کی حکمت ۳۰
اللہ نے انبیاء کے ساتھ عزیزی کا حصہ رکھا ہے ۹۰
انبیاء علیہم السلام کے مصائب ان کو محزون نہیں کرتے ۴۶

صرف انبیاء کے قلوب ہی صدمات کو برداشت کر سکتے ہیں ۳۰۹
انبیاء ضعیف کے ساتھ موافقت کر لیتے ہیں ۳۸۴
مشکلات کے وقت انبیاء راتوں کی دعاؤں سے کام لیتے تھے ۳۷۶
انبیاء کو تبلیغ میں مشکلات کا سامنا ۱۵۲
انبیاء و رُسل پر اعتراضات ہونے کی حکمت ۶۶۹
خالفت کی افادیت ۸

خاتم النبیین

بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل کی طرف نبوت کی منتقلی ۴۲۶
یہود سمجھتے تھے کہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے آئیگا کیونکہ توریت میں آخری نبی کی پیشگوئی ہے ۱۵۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے افضل اور بہتر تھے یہانتک کہ اللہ تعالےٰ نے آپ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا ۱۵۲
نبوت شریعت ختم ہو چکی ہے ۵۱۲
اُمتِ محمدیہ میں نبوت کا دروازہ کھلا ہے ۴۳۰
اسرائیلی نبی کو آسمان سے اُتارنا ختمِ نبوت کی مُہر کو توڑنے کے مترادف ہے ۴۶۸

نجات

نجات صرف اسلام میں ہے ۴۴۹
خدا تعالیٰ پر یقینِ کامل کے بغیر گناہ سے نجات نہیں مل سکتی ۶۱۴
اسوقت تک نجات نہیں جبتک انسان نبی کا روپ نہ ہو جائے ۴۰۷
مال اور قوم پر منحصر نہیں ۴۴۵

نزول

نزول کے معنی ۴۹۹
آسمان سے نزول کی حقیقت ۵۰۹
عیسےٰ کے نزول کا مسئلہ ۳۵۸، ۳۵۹

نشانات

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قہری نشانات کے طالب تھے ۱۲۳
رحمت کے نشانات سے انہی کو حصّہ ملے گا جو عاجز، فروتن، خائف اور تائب ہیں ۱۱۱
میں اب بھی نشان دکھانے کو تیار ہوں کوئی پادری آئے اور چالیس روز میرے پاس رہے ۵۱۴، ۵۲۱
خلوق کی قساوتِ قلبی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور لوگوں نے نرمی سے فائدہ نہیں اُٹھایا اس لیے اب وہ قہری نشان دکھانا چاہتا ہے ۲۷۶
مسیح موعود علیہ السلام کی تائید میں نشانات کا ظہور ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۷۷، ۲۴۸، ۵۶۳
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک عظیم نشان ۶۵۱
۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کا نشان ۲۵۵، ۳۶۲
خدا تعالیٰ کی کتابوں میں طاعون ایک نشان مقرر کیا گیا ہے ۱۲۱

نفس

نفسِ انسانی کے مراتب ۱۰۶، ۱۴۷، ۳۴۲، ۶۰۶

نفسِ امّارہ

نفسِ امّارہ کے ہتھ قاتل کا علاج اس کے پاس ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے ۹۶

نفسِ زکیہ ۱۴۷

نفسِ لوّامہ

اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم کھاتا ہے ۲۰۲
ثواب کی حد نفسِ لوّامہ تک ہی ہے ۹۳
نفسِ لوّامہ والا خدا کے رحم کا مستحق ہوتا ہے ۱۴۷

نفسِ مطمئنہ

اس مقام پر ثواب نہیں رہتا ۹۳

نفل

نوافل کی حقیقت اور برکات ۲۰، ۵۰۶

نماز

ہم تو یہی بتاتے ہیں کہ نمازیں سنوار سنوار کر پڑھو ۲۳۲
حضور کی طرف نمازِ اشراق کی ادائیگی ۱۹۲

نماز کا مقام

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ (حدیث) ۶۰۵
نماز ایمان کی جڑ ہے ۲۹۲
نماز خدا کے نُور کی تحصیل اور حفاظت کا ذریعہ ہے ۹۷
روزہ سے افضل ہے ۲۹۳
نماز مومن کی معراج ہے ۶۰۵

حقیقی نماز

سچی اور حقیقی نماز ۹۶، ۱۷۵، ۲۹۲
اقامتِ صلوٰۃ سے اگلا درجہ ۶۰۴
آنحضرت نماز میں اس قدر قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے ۵۳
صحابہ کرام کی نماز میں محویت ۳۲
اہبال میں داخل کرنے والی نماز ۴۳
نماز قبول ہونے سے مراد ۶۵۶
جس کا ہم و غم دنیا کے لیے ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی ۳۰۴
نماز کے نیک نتائج اور اثرات حاصل کرنے کا طریق ۲۳۳
نماز سے رُوحانی فائدہ نہ ہونے کی وجہ ۱۷۵
نماز میں لذت حاصل کرنے کا طریق نماز پر مداومت ہے ۲۴۱
نماز میں وساوس کی وجہ ۲۸۴
دورانِ نماز وساوس کا علاج ۲۶۷

نماز اور دُعا

اَلصَّلٰوةُ هِيَ الدُّعَاءُ۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (حدیث) ۵۴، ۲۸۳
دُعا کا ٹھیک محل نماز ہے ۴۵
صلوٰۃ (نماز) اور دُعا میں فرق ۲۸۳

نماز کے مسائل

نماز کے بارہ میں چند مسائل ۸۵، ۸۶
امام نماز میں ضعفاء کی رعایت رکھے ۲۶۴
تنخواہ دار امام الصلوٰۃ کے پیچھے نماز جائز نہیں ۴۴۶
غیر احمدی کے پیچھے نماز ۵۸۳
دورانِ نماز اگر افسر ہسپتال کی چابی مانگے تو کیا کرنا چاہیے ۱۹۳
نماز میں اپنی زبان میں بھی دُعائیں مانگا کرو ۱۸۵
میں سمجھتا آپ کو کہتا ہوں کہ سرِدست آپ بالکل نماز کے بعد دُعا نہ کریں ۲۹

ارکانِ نماز کی حکمت

پنج وقتہ روزانہ نمازوں اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی ادائیگی کی حکمت اور غرض ۱۰۱

باجماعت نماز میں زیادہ ثواب کی حکمت ۵۵۵

رکعات کی تعداد کا ستر ۱۵

نماز کے بعد تسبیح کی حکمت ۱۴

نماز کے بعد دُعا سے جماعت کو روکنے کی حکمت ۲۹

نیت

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ۱۹

اپنی نیک نیت میں فرق نہ لاؤ ۹۲

حسنِ نیت ۸۳

نیچریت

جنت و دوزخ۔ وحی اور ملائکہ کے منکر ہیں ۵۰۰

معجزات کے منکر ہیں ۲۳۶

نیکی

نیکی کے تین مدارج ۲۱۷، ۵۵۶، ۶۰۷

سرّاً و علانیۃً کرنے کا حکم ۶۶۵

و

والدین

خدمت والدین کی اہمیت ۲۸۹

قرآن شریف نے والدہ کو مقدم رکھا ہے ۲۸۹

والدین کی طرف سے اولاد کے لیے بہترین ورثہ ۳۴۳

اولاد کی وفات پر والدین کو صبر کی تلقین ۲۹۱

وجودی فرقہ

وجودی فرقہ چونکہ ترکِ ادب کا طریق اختیار کرتا ہے اس لیے وہ طاعت اور محبت اور عبادتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے ۷۲

وحی

وحی کی ماہیت و حقیقت ۵۱۳

وحی کا ایک طریق ۳۶۰

کشف اور وحی میں فرق ۲۴۶

وحیٔ الٰہی کی ضرورت پر ایک عقلی دلیل ۶۰۰

بغیر مکالمہ و مخاطبہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی ۶۱۳

حقیقی متقی پر وحیٔ الٰہی کا دروازہ کھولا جاتا ہے ۶۱۲

موسیٰ کی ماں کو بھی وحی ہوئی ۵۱۳

اُمت میں وحی والہام جاری ہے ۱۷۷

و ۴۲۸، ۵۱۳

وصیت

جماعت کو وصیت کی تلقین اور اس کی غرض ۶۱۶، ۶۱۷

وفا

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل وفاداری کی ضرورت ۳۱۱

خدا تعالیٰ وفاداری اور صدق سے پیار کرتا ہے ۸۱

بے وفا قدر ہمیشہ محروم رہتا ہے ۳۶

وفاتِ مسیح نیز دیکھئے عیسیٰ علیہ السلام

مشیت ایزدی نے اس مسئلہ کو آج تک مخفی رکھا ۶۳۱

عقیدہ وفاتِ مسیح کی اہمیت ۵۲۰

اسلام کی فتح وفاتِ مسیح میں ہے ۴۹۷

غلبہ اسلام اور کسرِ صلیب کا حربہ ۵۴۱

وفاتِ مسیح کے دلائل ۱۳۰، ۳۵۸، ۴۰۸

وفاتِ مسیح کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک جامع تحریر ۵۲۶

لفظ توفی کے معنی ۳۵۳، ۵۱۰

منکرِ وفاتِ مسیح سے کن الفاظ میں قسم لی جائے ۶۱

وقف

فی سبیل اللہ وقف ۶۱۲

وعظ

بیشک خدا تعالیٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا ۲۰۱

رشید آدمی کے دل کے اندر ہی خود واعظ پیدا کر دیتا ہے ۲۷۵، ۳۲۹

موت سے بڑھ کر کوئی واعظ نہیں ۳۱۲، ۵۱۶

ولی ولایت

ولی بننے کا طریق ۱۴۴

ولی کا مرتبہ ۵۱۴

اولیاء اللہ کے بارہ میں الٰہی سنت ۵۲۵

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ (حدیث) ۹۹

اولیاء کے مقامات پر برکات نازل ہوتی ہیں ۵۲۸

اولیاء کے پاس ارادت سے جانا سہل ہے لیکن ارادت سے واپس آنا مشکل ہے ۳۱۴

اولیاء الرحمٰن کے بارے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے ۵۲۵

ولی کا انکار سلبِ ایمان کا موجب ہو جاتا ہے ۳۶۸

وید نیز دیکھئے آریہ اور ہندو مذہب

ویدوں میں کوئی امتیازی نشان نہیں ۶۱۱

ناقص ہونے کا ثبوت ۶۱۰

ویدوں کے نزدیک وحی والہام کا دروازہ بند ہے ۶۱۳

ہ

ہجرت

انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے ۳۶۲

دورانِ ہجرت سکڑی کا غار پر جالا تننا ۳۹۰

ہمدردی

مخلوق سے ہمدردی کی تلقین ۲۱۵

نوعِ انسان پر شفقت کرنا بہت بڑی عبادت ہے ۳۳۸

جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کیساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے ۲۱۶

ہندو مذہب

ہندوؤں کے نزدیک خدا کا تصور ۱۳۸

وید کے ماننے والے رُوحانیت سے محروم ہیں ۶۱۰

ان کے نزدیک ویدوں کے بعد وحی اور الہام کا دروازہ بند ہے ۶۱۳

دُعا کی طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ ۲۰۷

عقیدہ تناسخ اور اس کا رد ۴۳

تناسخ کی حقیقت ۴۲
اسلام کا ہندو مذہب پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کو تہذیب سکھائی ۱۰۵
اس اعتراض کا جواب کہ ہندوؤں نے اسلام اس لیے قبول نہیں کیا کہ وہ مہذب تھے ۳۳۰
ہندوؤں اور مسلمانوں میں اچھے تعلقات کی خواہش ۱۶۲
ہندوؤں کو اسلام کے اچھے اصولوں کی مخالفت نہ کرنے کی نصیحت ۱۰۵
ہندو لیڈروں کی مثال ۱۰۶
راجہ رام چندر اور کرشن جی وغیرہ خدا کے راستباز بندے تھے ۱۶۳
کشف ایک ہندو کو بھی ہو سکتا ہے ۳۳۶
ہندوؤں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے ۱۳ / ۶۶
پشاور کے ایک ہندو نوجوان کا حضور کی زیارت کے لیے آنا ۳۲۶

ی

یاجوج ماجوج ۲۶۵
یقین
اللہ تعالیٰ کی اجابت بھی متیقن کے لیے ہے ۴۳
یہود
قرآن کریم میں اہلِ کتاب سے مراد یہود ہیں ۶۷
یہود کے بس گمشدہ قبائل کشمیر میں ہیں ۳۸۸
یہود بھی سلب امراض کا فن جانتے تھے ۴۶۵
ایک یہودی کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اسلام اور یہودیت پر گفتگو ۴۴۸
اُمت کا مثیلِ یہود ہونا ۴۱۲
عقائد و تعلیمات
یہود میں صرف توحید کا چھلکا ہے حقیقی توحید نہیں ہے ۴۴۸
باوجود توحید کے اقرار کے ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا کیوں ضروری ہے ۴۹۵
یہود کے نزدیک حضرت ابراہیم کا مقام ۵۱۲
انتقام کی تعلیم میں غلو ۵۵۷
تورات کی پیشگوئی سے سمجھنا کہ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے آئیگا ۱۵۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ۱۵۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر جانے کا مطالبہ ۴۳۶
یہود خدا مسیح کے منتظر نہیں تھے بلکہ نبی مسیح کے منتظر تھے ۱۸۸
عیسیٰ علیہ السلام کے وقت یہود کی ٹھوکر کا باعث ملاکی نبی کی پیشگوئی تھی ۱۵۵، ۳۵۶
قیامت کے دن خدا کے سامنے ملاکی نبی کی کتاب پیش کرنے کا ذکر ۳۵۹ / ۳۲۷
ایلیا کی دوبارہ آمد کے ابھی تک منتظر ہیں ۵۶۸
مسیح کے ماننے میں یہود کا عذر ۴۱۰ / ۵۱۰
حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں انہوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا ۵۰۹
حضرت مریم پر الزامات ۴۰۸
مسیح کی موت کے بارہ میں یہود میں دو روایات ۳۵۲
یہود کے نزدیک مسیح کی آمد کا وقت آگیا ہے ۱۳۳
مغضوب علیہم
پیغمبروں کی اولاد ہونے کے باوجود مغضوب ہونا ۸۱ / ۳۴۴
مغضوب قرار پانے کی وجہ ۳۵۷
ضربت علیہم الذلۃ کے مصداق ۴۲۷
لعنت کی وجہ کتاب اللہ میں تحریف تھی ۱۲۹
بغیر روح کے رسمی عبادات کرتے تھے ۴۲۲
شریعت کی بے حرمتی کی پاداش میں نبوت سے محروم کر دیئے گئے ۴۲۶
وہ مثل گدھوں کے ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہوں ۵۱۹
قساوتِ قلبی اور اس کے نتائج ۴۳۹
حضرت عیسیٰ کی بعثت کے وقت یہود کی مذہبی حالت ۶۷۱
تباہی کی وجہ ۴۳۶

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ
ترتیب بلحاظ سورۃ

الفاتحہ

دُعا فاتحہ ایسی جامع اور عجیب دُعا ہے جو کہ پہلے کسی نبی نے نہیں سکھائی ۱۷۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱) ۱۶۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۲-۴) ۲۰۵

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۵) ۵۷

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۵-۷) ۶۴ ، ۱۶۲ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۳۱۴ ، ۳۵۷ ، ۳۹۷ ، ۴۰۵ ، ۴۲۷ ، ۴۲۸ ، ۴۳۷ ، ۵۵۸ ، ۶۱۱

البقرۃ

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ..... اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ .... (۱ - ۶) ۹۲ ، ۳۶۶ ، ۴۵۳ ، ۶۰۲ ، ۶۰۳ ، ۶۱۱ ، ۶۱۲ ، ۶۱۴

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (۹) ۱۸

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۱۱) ۳۲۲ ، ۵۹۶ ، ۶۶۳

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (۲۲) ۴۸۷

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲۶) ۳۰۰ ، ۳۰۱ ، ۳۰۶

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (۳۱) ۳۰۱

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۳۳) ۲۸۱ ، ۲۹۶

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (۳۵) ۲۲۸

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۳۷) ۳۹۹

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۳۹) ۳۵۶

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (۶۲) ۸۱ ، ۱۳۵ ، ۴۲۷

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (۶۴) ۲۶۲

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (۸۶) ۶۶

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... (۸۹) ۲۷

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۰۷) ۱۹۰ ، ۳۵۱ ، ۶۲۳ ، ۶۲۶

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (۱۱۶) ۲۸۳

كُنْ فَيَكُوْنُ (۱۱۸) ۳۱۰

يُصَوِّرُكُمْ كَيْفَ يَشَآءُ (۱۴۷) ۵۶۷

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۴۹) ۶۵۹

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (۱۵۵) ۴

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ .... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۱۵۶-۱۵۷) ۱۹۱/۸۹

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (۱۷۳) ۳۶۹ ، ۳۷۴

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۱۸۷) ۸۳ ، ۱۷۵ ، ۲۰۷

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۱۹۱) ۲۳۱

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (۲۰۱) ۵۵۳

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (۲۲۳) ۱۱۵

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲۵۶) ۵۶ ، ۴۴۹

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... (۲۵۸) ۲۲۳

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲۸۶) ۱۹۹

آل عمران

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۲۰) ۴۴۹

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳۲) ۹۱ ، ۱۷۶ ، ۳۰۹ ، ۳۳۴ ، ۴۳۹ ، ۵۴۰ ، ۶۲۹ ، ۶۳۵

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (۴۸) ۴۵۱

يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (۵۶) ۸۲ ، ۱۴۸ ، ۱۵۹ ، ۱۹۰ ، ۴۳۵ ، ۵۴۲ ، ۵۴۳

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (۶۰) ۵۷۱

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (۸۵) ۳۲۸، ۳۴۳، ۴۳۹

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۹۳) ۳۴۰، ۵۹۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (۱۰۳) ۶۵۲

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۱۰۴) ۵۰۱

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۱۱۱) ۳۲۷، ۴۴۳

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (۱۲۳) ۵۵۳

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۱۴۵) ۶۲، ۱۳۵، ۳۲۶، ۴۰۸، ۴۳۶، ۵۲۷، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۷۵

بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (۱۶۹) ۳

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ (۱۷۰) ۳

النساء

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲۰) ۵۰

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (۲۹) ۱۳۸، ۲۷۸

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (۳۵) ۳۹، ۱۰۴، ۱۰۴

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (۴۳) ۳۷۳

يَحْزُنُوْنَ اَنْعَامَكُمْ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ (۴۶) ۱۲۹

كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۱۱۳) ۱۱۳

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۱۴۶) ۵۰۵، ۵۹۲

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (۱۵۸) ۳۵۲

المائدة

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ... (۴) ۱۸۰، ۳۳۷، ۵۴۸، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (۱۹) ۴۳۳

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (۲۸) ۴۳، ۸۱، ۶۵۶

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ (۳۳) ۲۷۴

لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (۵۵) ۸۷

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (۶۸) ۳۶۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ (۱۰۶)

اَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ (۱۱۷) ۶۲۹

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (۱۱۸) ۲۴، ۶۱، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۵۹، ۱۷۰، ۲۸۹، ۳۲۵، ۳۳۵، ۴۳۶، ۵۲۶، ۵۳۲، ۶۲۴

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (۱۲۰) ۵۴

الانعام

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (۴۴) ۴۴۹

لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۶۰) ۴۵۵

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (۸۳) ۶۲

فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۹۰) ۳۸۱، ۵۰۸

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۹۳) ۳۰۷

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (۱۰۳) ۳۹۷

اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ (۱۱۰) ۲۳۴

اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۳۶) ۲۳۳، ۵۲۲

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۶۳) ۲۴۳

الاعراف

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۱۳) ۲۱۲

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۲۳) ۱۹۱، ۲۱۲

فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (۲۶) ۲۹۲، ۶۳۲

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (۴۰) ۳۹۹

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (۵۸) ۴۲۲

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (۱۴۳) ۴۱۳

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۱۵۸) ۳۴۶، ۳۸۱، ۵۲۹، ۶۶۲

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۱۶۶) ۲۴۸

جِلْسًا عِنْدَ رَبِّىْ (۲۰۸) ۳۴۶

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (۱۸۹) ۲۳۳

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (۱۹۷) ۴۰، ۳۳۳

الانفال

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۴۳) ۵۶

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۴۶) ۱۴، ۲۵۶

هُوَ الَّذِىْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ ... اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۶۳-۶۴) ۳۳۳

التوبه

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۴۰) ۳۹۰

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (۸۲) ۵۰

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۱۹) ۱۰۱، ۲۰۶، ۶۰۹

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (۱۲۲) ۵۹۸

یونس

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (۲۷) ۶۵۲

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (۴۷) ۱۵۹، ۵۴۲، ۶۲۸

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (۴۹) ۲۹۳

هود

عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۶) ۵۶

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا (۳۸) ۶۲۲

فَقَالَ لِمَا يُرِيْدُ (۱۰۸) ۵۶۲

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱۵) ۱۷۵

یوسف

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ (۲۲) ۲۳۳

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ

بُرْهَانَ رَبِّهٖ (۲۵) ۲۳

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ

بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ (۵۳) ۲۰۰

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ

تُفَنِّدُوْنِ (۹۵) ۲۳۵

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (۱۱۰) ۵۳۵

الرعد

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۱۲) ۶، ۳۷، ۱۱۹، ۲۴۰

اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ

(۱۸) ۱۲۵، ۱۸۳، ۴۶۱، ۴۷۵

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

(۲۹) ۲۳۹، ۳۵۵

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ

(۴۳) ۵۶۷

ابراھیم

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

كَلِمَةً طَيِّبَةً ..... (۲۶-۲۵) ۵۶۵، ۴۷۲

بِرَوَازٍ عَلَا بِنِيَّةٍ (۳۲) ۶۶۵

الحجر

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ

لَحٰفِظُوْنَ (۱۰) ۲۷، ۹۰، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۴۸، ۳۵۰، ۵۵۳، ۶۲۹

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

(۴۸) ۶۷۲

النحل

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى (۹۱)

۲۱۶، ۲۹۰، ۵۵۶، ۶۰۷

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ بَعْدَ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ

اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (۱۰۶) ۲۹۸

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (۱۲۹)

۱۱۲، ۲۲۳، ۶۵۲

بنی اسرائیل

اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا

(۱۷) ۸۴

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (۳۶)

۳۵۳، ۵۲۵، ۵۶۶، ۶۵۲

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (۳۸) ۱۹

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا

(۵۹) ۳۸، ۶۲۸

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

اَعْمٰى (۷۳) ۳۵، ۱۷۰

۴۵، ۱۷۸، ۲۲۳، ۳۹۸، ۴۰۳، ۴۲۹، ۶۰۳

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (۸۴)

۷۶، ۱۰۰، ۵۸۰

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا

رَّسُوْلًا (۹۳)

۱۱۳، ۳۲۳، ۴۰۹، ۵۶۷، ۶۳۲، ۶۳۶

الکہف

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (۷) ۳۰۷

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (۸۳) ۳۴۵

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (۱۰۶) ۸۳

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ

اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَلَا يُشْرِكْ

بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (۱۱۰) ۱۰۲، ۱۶۱

مریم

رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۵۸) ۵۱۱

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا

لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱-۹۲) ۱۶۹

طٰہٰ

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (۵۳) ۵۶

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (۷۵) ۳۲۷

رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (۱۱۵) ۳۱۱

الانبیاء

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

لَا تَعْلَمُوْنَ (۸) ۱۵۶، ۵۶۷

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (۷۰) ۵۶۰

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ

خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (۹۰) ۱۲۷

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ

لَا يَرْجِعُوْنَ (۹۶) ۳۵۸

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(۱۰۷) ۳۵۶، ۴۵۰، ۵۳۹

اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

(۱۱۰) ۲۸۸

الحج

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ

..... الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (۱۲) ۳۰۲

اِجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۳۱) ۶۳۶

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ

تَقْوَى الْقُلُوْبِ (۳۳) ۷۸

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۳۸) ۸۱

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ

ظُلِمُوْا (۴۰) ۳۴۶، ۵۳۹

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ

(۷۹) ۵۰۰، ۵۰۱

المومنون

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

(۳) ۳۵۳

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ

(۱۵) ۲۹۳

وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ

قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (۵۱) ۳۹۰

النور

اس سورت نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اسی اُمت میں سے ہوں گے ۲۵، ۱۳۳، ۵۲۸

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ

يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (۳۱) ۱۰۵

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ (٣٨) ١٥
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ..... (٥٦)
٣٣٤ ، ٣٣٥ ، ٥٥١

الفرقان
وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (٨) ٣١٢
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (٦٥) ٥٠
مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (٧٨)
١٢٥ ، ٢٢١ ، ٣٦٠ ، ٣٦١ ، ٣٦٢

الشعراء
لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ (٣) ٣٢١

النمل
اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا
وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (٣٤) ٦٠٦

العنكبوت
اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا
اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (٢)
١٨ ، ٢٢ ، ٤٣ ، ٥٩٣ ، ٦٢٢
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا (٧٠)
١٤٣ ، ١٤٤ ، ١٨١ ، ٢٢٣ ، ٢٤٠ ، ٣٤٣
٣١١ ، ٥٠٨ ، ٦١٣

الروم
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (٤٢)
١٨٠ ، ٥٧٨ ، ٦٧٠

لقمان
لَهْوَ الْحَدِيْثِ (٧) ٥٢٣
لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (١٩) ٦٣٣
مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ
(٣٥) ٥٨٦

الاحزاب
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا
اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (٢٣)
٢٨٦ ، ٣٣٥ ، ٣٣٣ ، ٥٩٥ ، ٦٣٢ ، ٦٦١

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ
(٤١) ٣٢٩
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (٤٢) ٣٦١
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (٦٢) ١١٩

فاطر
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ
(٢٥) ١٦٣
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا
(٢٩) ٣٣٣ ، ٥٩٩
مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ (٣٢)
٥٩ ، ١١٠ ، ١٢٢ ، ٥٩٩

ص
مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (٥٠) ٣٩٩
وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (٨٦) ٣١٧

الزمر
يُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ
٤٢ ٣٥٧

المؤمن
اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ
يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
يَعِدُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (٢٩)
٢٣٣ ، ٣٤٢ ، ٥٥٠ ، ٥٥١
اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (٦١)
١٧٥ ، ٢٠٢ ، ٢٤٢ ، ٥٣٣

حٰمٓ السجدة
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ
(٧) ٣١٣ ، ٣١٥
اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ
اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
(٣١) ٢٣٦ ، ٦١٣
نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ (٣٢) ٣٦٠
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (٣٥) ٥٥٠
لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ (٤٣) ٣٥٥

الشورى
جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ
عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (٤١)
٥٥٦ ، ٥٥٧ ، ٦٣٣

الاحقاف
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
(١١) ٥٩٧
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (٣٣) ٣٦٣

الفتح
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (٣٠) ٢١

الحجرات
وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ
اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ
مَيْتًا (١٣) ٦٠ ، ٦٥٣
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (١٣)
٨١ ، ٩٢ ، ٣٦ ، ٣٣٥
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا
وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (١٤) ١٨ ، ٥٧٩

الذريٰت
فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ (٢٣) ٣٢
مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ
(٥٦) ٥٢ ، ١٣٦ ، ٢٢٢ ، ٦٤٢

النجم
مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (٣) ٣٧١
دَنَا فَتَدَلّٰى (٩) ٣٥٦
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (١٨) ٣١٣
لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ... هُوَ اَعْلَمُ
بِمَنِ اتَّقٰى (٣٣) ٥٦ ، ٩٢
لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (٣٩)
١٧٢ ، ١٧٣ ، ٢٣٩

القمر
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (١٨) ٣٥٥

الرحمٰن
تکرار کی حکمت ٣٥٥

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ (۱۳) ۴۵۶

کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (۳۰) ۳۲۱

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ

(۴۷) ۳۹۷ ، ۴۵

الواقعہ

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۸۰) ۵۵۳

الصف

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۳) ۳۹۷

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ

(۹) ۵۳۵

المنافقون

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(۸) ۶۵۰

التغابن

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ

عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (۱۵) ۱۹۰

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ (۱۶) ۱۹۰

الطلاق

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا

وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (۳)

(۴) ۴۳۲

مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۴) ۶۳۷

التحریم

یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۶) ۵۹۵

الملک

لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْۤ

اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (۱۱) ۳۶۹

الحاقۃ

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ (۴۵) ۲۳۵/۴۶

المعارج

یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا

(۷-۸) ۲۶۷

الجن

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ

ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (۲۷) ۵۳۵

◎

المزمل

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا

عَلَیْکُمْ کَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

(۱۶) ۳۳۴

المدثر

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ

(۲-۳) ۳۴

القیامۃ

اَیْنَ الْمَفَرُّ (۱۱) ۵۴ ، ۱۸۹

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ (۱۳) ۵۴

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا

نَاظِرَةٌ (۲۳-۲۴) ۳۱۳

الدھر

یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا

کَافُوْرًا (۵) ۶۵۳

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا

وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا (۹) ۲۱۹

یُسْقَوْنَ فِیْهَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُهَا

زَنْجَبِیْلًا (۱۸) ۶۵۸ ، ۶۶۰

المرسلٰت

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا

(۲۶) ۳۴۲ ، ۳۹۹

النّٰزعٰت

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

(۸) ۱۰۲ ، ۱۹۴ ، ۵۸۴

اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی

النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ

هِیَ الْمَاْوٰی (۴۰-۴۱) ۳۲۰ ، ۳۳۵

عبس

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ (۳۵) ۵۶۶

التکویر

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۵) ۲۹ ، ۱۳۳

الطارق

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ

ذَاتِ الصَّدْعِ (۱۲-۱۳) ۶۰۰ ، ۶۶

الفجر

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ

اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ

فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

(۳۰-۳۱) ۱۳۷ ، ۳۹۹

البلد

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ

(۱۸) ۲۶۹ ، ۶۰

الشمس

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ

دَسّٰىهَا (۱۰-۱۱)

۱۳ ، ۲۲۲ ، ۲۴۱ ، ۲۴۷ ، ۳۴۰

، ۳۶۵ ، ۶۳۲

وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا (۱۵)

۷۰ ، ۳۶۰ ، ۳۶۱

الم نشرح

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

یُسْرًا (۴) ۴۸۸

القدر

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۲) ۶۴۲

البینۃ

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (۶) ۶۳۰

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۹)

۲۰۹ ، ۳۶۵ ، ۵۹۱ ، ۶۰۱

الزلزال

اس سورۃ میں زلزلہ کے واسطے صاف

پیشگوئی ہے ۲۸۱

مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ

(۸) ۳۲۷ ، ۶۳۰

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ

(۹) ۱۳۶

التکاثر

اَلْهٰىکُمُ التَّکَاثُرُ ..... کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ

عِلْمَ الْیَقِیْنِ (۲-۶) ۲۲۱

الکوثر

اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ

(۲) ۳۳۳ ، ۳۳۴

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۴) ۳۳۳

◎

النصر	اللهب	الناس
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ... إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (٢-٣)	تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (٢) ٢٨٥	قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ... مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (٢-٤) ٣١
٥ د ١٨٠ ؛ ٣١٥ ؛ ٣٤٨ ؛ ٣٨٢ ؛ ٦٤١	◎	◎

اسماء

ا

آتھم پادری عبداللہ
آتھم اور لیکھرام میں فرق ۲۷۴
اس نے نرم دلی اختیار کی اس کے معاملہ میں تاخیر کی گئی ۲۶۶
باوجود عیسائی ہونے کے وہ ادب کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اسی لیے وہ میعاد کے اندر مرنے سے بچ گیا ۲۸۶

آدم علیہ السلام ۳۲۳ ، ۵۰۹
آدم سے پہلے بھی مخلوق تھی جن کا جانشین آدم ہوا ۳۰۱
انسان اور آدم ۳۵۹
اللہ نے آدم سے سلسلہ شروع کیا اور آدم پر ختم کیا ۳۵۹
آپ کامل انسان تھے ۳۶۰
آپ جمعہ کو پیدا ہوئے اور جمعہ کو ہی آپ کی توبہ منظور ہوئی تھی ۱۱۴ ، ۶۷۳
آدم کی لغزش اور اپنی کمزوری کا اعتراف ۲۱۲
اس زمانہ کے متعلق آپ کی پیشگوئیاں پوری ہوں گی ۱۱۱
اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ کو ظاہری رنگ میں پورا کرنے کی کوشش اور حضور کا اس حرکت سے منع فرمانا ۲۲۸
آپ سے لیکر آجتک کسی مفتری کی نظیر پیش کرنے کا چیلنج جس کی پھیں برس پرانی پیشگوئیاں پوری ہوئی ہوں ۵۳۴
آپ سے لیکر اب تک کبھی کے آسمان پر جانے کی نظیر نہیں ملتی ۴۳۶

آمنہ والدہ ماجدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۴ ، ۴۰۹
آپ کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۶۴۶

ابراہیم علیہ السلام ۵۱۲ ، ۵۳۳
انقطاع الی اللہ کا نمونہ ۴۴
آپ نے صدق دکھلایا تو ان کو ابوالانبیاء بنا دیا ۲۲۴
یہود کے نزدیک آپ کا مقام ۵۱۳
اس زمانہ کے بارہ میں آپ نے جو کچھ کہا پورا ہوگا ۱۱۱
آپ کی طرح صادق اور وفادار ہونا چاہیے ۲۴۴

ابراہیم آدھم علیہ الرحمہ
محبتِ الٰہی میں سلطنت چھوڑ دی ۴۰۲

ابوسعید عرب مہاجر برہنگون ۶۶ ، ۶۷

ابولہب
ہلاکت کی پیشگوئی ۲۸۵
جنگ بدر کے بعد طاعون سے مرا تھا ۲۸۶

ابن عباس عبداللہ رضی اللہ عنہ
آپ کے نزدیک مُتَوَفِّیْکَ کے معنی مُمِیْتُکَ ہیں ۵۲۹

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۵۹ ، ۴۸۲ ، ۵۳۹

آدمِ ثانی ۵۴۹
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں دُنیا میں کسی کو دوست رکھتا تو ابوبکر کو رکھتا ۵۴۸
آنحضرتؐ کا ہجرت میں آپ کو ساتھ لینا ۳۸۹
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کی قدر و منزلت اس بات سے ہے جو اس کے دل میں ہے ۳۶۸ ، ۴۸۲ ، ۶۶۱

امتاد وحدتا کہنے والی طبیعت ۲۸۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی ہی آپ کے لیے معجزہ بنی اور آپ ایمان لائے ۳۱۸ ، ۵۱۴ ، ۵۹۴
آپ کا مخفی صدق آنحضرتؐ کے جذب سے ظاہر ہوا ۴۲۱
آپ کی فراست ۵۰۸ ، ۵۸۵ ، ۶۷۳
آنحضرتؐ کا یہ فرمان کہ جھکے تہبند نیچے ڈھلکتے ہیں دوزخ میں جائیں گے روپڑتا ۱۹
آنحضرتؐ کا فرمان کہ ابوبکر کی کھڑکی مسجد میں کھلی رہنے کی حقیقت ۶۷۳
سارا مال خدا کے رسولؐ کے حضور پیش کر دینا ۵۹۳
خدا تعالیٰ کے لیے ذلت قبول کر کے سب سے پہلے تخت نشین ہوا ۳۱
آپؐ کے اخلاص کی بنا پر اللہ نے آپ کو خلافت دی ۲۹۱
اُمت پر آپؐ کے احسانات ۵۷۹
نازک وقت میں صحابہ کو سنبھالنا ۵۴۰
صحابہ کو سمجھانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ سے ثابت ہے ۱۱۳ ، ۱۳۵ ، ۳۳۵ ، ۳۳۶ ، ۳۳۹ ، ۳۹۰ ، ۵۳۸ ، ۵۴۵
آپ کے وقت صحابہ کا اجماع ۳۲۳ ، ۵۹۳
سیاست و حکمرانی کا کمال ۵۹۸
آپ کے عہد میں اشاعت اسلام کے دائرہ میں وسعت ۵۷۳
ایک بڑھیا کو باقاعدگی سے حلوہ کھلاتے تھے ۲۹۰
اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو طاعون کی موت

سے محفوظ رکھا ۱۱۰

ابوجہل ۳۷۹ ، ۴۱۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کیلئے انعامی اعلان ۴۷
ہزاروں نشان دیکھ کر بھی کافر رہا ۴۹
اگر آنحضرتؐ مبعوث نہ ہوتے تو اس کا کفر پورا ظاہر نہ ہوتا ۴۲۱
ناکامی اور نامرادی ۱۲۴
مخالفت کی اخاویت ۸
ابوجہل میں بھی ایسی گالیوں کا مادہ نہیں ہوگا جو مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیتے ہیں ۱۵۷

ابوحنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
فتویٰ اور تقویٰ ۴۴۲

ابوالخیر صوفی رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۲

احمد بن حنبل امام رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۱

احمد جان منشی لدھیانوی
آپ کا ذکر خیر ۴۲۵

احمد خان سرسید بانی علیگڑھ یونیورسٹی
دیکھئے سید احمد خان

احمد سرہندی شیخ رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۹
آپ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ جب مسیح آئیگا تو علماء اس کا مقابلہ اور تکذیب کریں گے ۵۱۷

احمد سعید انصاری سہارنپوری
برادر زادہ شیخ محمد انصاری سہارنپوری
احقاق حق کے لیے قادیان تشریف لائے ۲۳۰

احمد شاہ سید سنوسی
حضرت اقدس سے متقی کے بارہ میں سوال ۵۶

ادریس علیہ السلام
آپ کے آسمان پر جانے کا مسئلہ ۳۶۳

اسود عنسی مدعی نبوت
مخالفت سے محروم رہا ۵۸۹

اصحاب کہف
اصحاب کہف تین سو سال تک سوئے رہے تھے ۲۶۵
براہین میں حضور کا نام اصحاب الکہف بھی رکھا ہے ۳۱۳

افلاطون
علم فراست میں بہت دخل تھا ۱۰۰
توحید اور بت پرستی کے بارہ میں تذبذب ۶۰۸

انگنی ہوتری برہو سماجی
باوجود لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے دہریہ ہو جانا ۶۱۰
مطالبہ پر وہ کوئی ایسی سچائی نہ بتا سکا جو قرآن شریف میں نہ ہو ۶۷۲

الٰہی بخش اکونٹنٹ
ان کے الہامات کا حال ۳۱۴
الہام کے بارہ میں غلط نظریہ ۲۰

الٰہی بخش مولوی
بنارس سے حضور کی ملاقات کے لیے گورداسپور تشریف لائے تھے ۳۸

الیاس علیہ السلام نیز دیکھئے ایلیا ۳۱۰ ، ۳۲۶ ، ۵۱۰
یہود میں آپ کے آسمان سے آنے کا عقیدہ ۵۰۹
حضرت مسیح کا فیصلہ کہ یوحنا ہی الیاس کی آمد ثانی کا مصداق ہے ۳۲۳
یحییٰ کا نام الیاس رکھا گیا ۳۲۶

امروی
امروی کا پتہ رکھنا چاہیے تاکہ جب (زلزلہ کی) پیشگوئی پوری ہو تو اس کو بھی اشتہار بھیجا جائے ۳۱۰

امیر علی شاہ سید ڈپٹی انسپکٹر
حضور کی خدمت میں حاضری ۲۵۷
آپ کے نام ایک عزیز کا خط جس میں زلزلہ سے بیس عزیزوں کی موت کا تذکرہ ہے ۲۶۸
جماعت علی کا ذکر ۵۰۲

امیر حسین قاضی
حضور کی خدمت میں جماعت میں باہم پھدوی کے نقصان کی شکایت ۲۶۹

اندرامن
مولوی عبید اللہ صاحب کی کتاب تحفۃ الہند کا جواب دینے والا شخص ۶۱۹

ایشوانند ۳۴۱

ایلیا دیکھئے الیاس علیہ السلام ۳۵۹
لاکی بھی کی کتاب میں مسیح سے پہلے آسمان سے ایلیا کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی ۵۵۱ ، ۵۶۰ ، ۵۶۷
نزول ایلیاء کا مسئلہ ۳۵۹
یعنی علیہ السلام نے بتایا کہ یوحنا بن زکریا کا آنا ہی ایلیاء کی آمد ثانی ہے ۱۵۵ ، ۱۹۸ ، ۳۵۸ ، ۳۳۶ ، ۳۶۲

ب

باقی باللہ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۹
یہ آپ کی کرامت ہے کہ دلی جیسے شہر کو انہوں نے قائل کر لیا ۴۸۹
آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی ۴۹۰

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
یہی کامل اتباع اور بروزی اور ظلی مرتبہ ہی تھا کہ آپ محمد کہلاتے اور آپ پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ۴۰۶
رمضان کے مہینے میں آپ کے کھانا کھانے کا واقعہ ۵۲۳

بختیار کاکی خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۹۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کے مزار پر دُعا فرمانا ۵۲۸

برنیئر فرانسیسی سیاح
اس کے نزدیک کشمیری بنی اسرائیل ہیں ۳۸۸

برہان الدین مولوی رضی اللہ عنہ ۵۸۴
ان کی طبیعت میں حق کے لیے ایک سوزش اور جلن تھی ۵۸۵

بقراط
اپنے علم طب کا ناقص ہونا بیان کرنا ۴۹۶

بشیر احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
آپ کے تولد پر حضور نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اہلیہ فاطمہ سے فرمایا تھا یہ تمہارا بیٹا ہے اپنا بچہ ان کو آپ سے خاص محبت تھی ۲۵۶ ، ۳۰۸

بلعم باعور
موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے وہ اس قدر گر گیا کہ اس کی کتے سے مثال دی گئی ۴۶۹

بنی اسرائیل
باوجود سخت دل قوم ہونے کے موسیٰ علیہ السلام کو فوراً قبول کیا ۱۵۲، ۱۵۳
ان کی عورتوں تک شرفِ مکالمہ الٰہیہ دیا گیا ۴۳۴
خدا نے کس طرح پہاڑ کو بنی اسرائیل کے اوپر کر دیا تھا ۲۶۲
فرعون کی ناحق کی وجہ سے ان میں بھی ظلم رُوپذیر گیا تھا ۵۵۷
فرعون ان کو ایک تباہ ہونے والی قوم سمجھتا تھا ۲۶۱
جب گناہ کرتے تو حکم ہوتا کہ اپنے تئیں قتل کرو ۲۵۶
کشمیر میں بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل ۳۸۸
باوجود نبیوں کی اولاد ہونے کے مغضوب ہونے کی وجہ ۱۴۵
خدا تعالیٰ کے انعامات کا دروازہ ان پر بند ہو چکا ہے ۴۲۷
بنی اسرائیلی مسیح کی موت اور اس کے دوبارہ نہ آنے کی بحث ۲۵
خدا نے اس غریب جماعت کا نام اس وقت بنی اسرائیل رکھا ہے ۲۶۳

بنی اسماعیل
توریت میں تمہارے بھائیوں میں سے مراد بنی اسماعیل ہیں ۱۵۴
بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل کی طرف نبوت کا انتقال ۴۲۶

بنو اُمیہ
اشاعتِ اسلام میں حصہ ۵۷۴

بیک مسٹر
علیگڑھ میں طلباء کے سامنے تہذیب کے موضوع پر لیکچر ۳۳۱

پ

پال کلاتھیوس
حضرت مفتی محمد صادق سے اپنے خط میں ذکر کرنا کہ وہ یسوع کو صرف ہادی سمجھتے ہیں ۲۲۶
پرتاپ سنگھ ولد شیر سنگھ ۶۳۹

پطرس
مسیح کا انکار ۳۲۴

پنڈارا
ایک رومن سپاہی جس سے ناجائز تعلقات کا حضرت مریم پر بہتان لگایا گیا ۶۲۶

پورن چند آریہ ہوشیارپوری
قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مذہبی گفتگو ۶۷۵

پولوس
دجّال سے مُراد پولوس بھی ہو سکتا ہے ۶۷

پیلاطوس رُومی گورنر
باوجود مرید ہونے کے حضرت مسیح کے مقدمہ میں جرأت سے کام نہ لے سکا ۵۴۷

تاج محمود مولوی ساکن لالیاں
حضرتِ اقدس سے نماز میں سُرور اور لذت کے لیے دُعا کی درخواست ۹۳

تھوما (حواری)
حضرت مسیح کے ساتھ آپ کا ہندوستان آنا ثابت ہے ۳۹۹ ، ۴۹۰

ث

ثمود ۶۷۰

ثناء اللہ امرتسری مولوی
موضع تیمہ متصل لودھی ننگل جا کر بتایا کہ احمدی مرزا صاحب کا کلمہ پڑھتے ہیں ۳۱۰

ج

جالینوس یونانی حکیم
تذبذب ۶۰۹

جان جانان مرزا
دہلی والوں نے آپ کو قتل کر دیا تھا ۴۹۰

جبرئیل علیہ السلام
جبرئیل کا وجود اور اس کے نزول کی حقیقت ۳۲۱
شیعوں کا عقیدہ کہ نبوت حضرت علی کو ملنی تھی مگر جبرئیل نے غلطی سے آنحضرتؐ کو دیدی ۱۲

جعفر صادق امام رضی اللہ عنہ
آیات کو اتنی یاد پڑھنا کہ وہ آخر وحی ہو گئی ۴۵۶

جلال الدین پیر کوٹی
آپ کے اخلاص کا ذکر ۵۸۶

جلال الدین رومی
اے کہ خواندی حکمت یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں ۲۹۹

جماعت علی
حضرت مولوی عبدالکریم کی وفات پر استعزاء ۵۷۲

جمال الدین سید والہ
وفات کے بعد ذکرِ خیر ۵۸۶

چراغ دین رئیس لاہور
آپ کے احاطہ میں حضور کا قیام ۹۴

چراغ دین جمونی
اسلام کے خلاف ایک تصنیف ۳۸۷
بدبختی اور بدقسمتی ۳۸۵

ح

حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ ۵۸ ، ۲۹۴
حامد شاہ سیالکوٹی
پسٹرنٹنڈنٹ دفتر ضلع کی اسامی پر مستقل ہونے پر حضور کا اظہارِ مسرت اور ان کی نیکی کا ذکر ۲۵۴

حامد علی حافظ
ایک کام کے لیے بھجوانے کا ذکر ۳۶۷
ٹبالہ کے سٹیشن پر مولوی محمد حسین نے حامد علی سے ٹوما لے کر خود حضور کو وضو کرایا تھا ۳۱۳

حسان بن ثابت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مرثیہ ۱۳۵ ، ۵۳۹

حسن رضی اللہ عنہ
خلافت سے دستبرداری کر کے آپ نے بہت اچھا کام کیا ۵۷۹

حسین رضی اللہ عنہ
حضرت علی سے دریافت فرمانا کہ کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ ۴۴
فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کرنا پسند نہ فرمایا ۵۸۰

شیعوں نے آپ کے لیے رو پیٹ لینا
ہی نجات کے واسطے کافی سمجھ لیا ہے ۴۰۷
آپ نے کبھی افضلیت کا دعویٰ نہیں کیا ۳۶۴
آنحضرت سے آپ کی افضلیت کا رد ۳۶۳
شام کا فرقہ یزیدیہ آپ پر تبرّہ کرتا ہے ۵۰۰
آپ کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ۶۵
صد حسین است در گریبانم ۶۳
حسین بخش منشی تحصیلدار پنڈی گھیب ۳۱۳
مولوی محمد حسین بٹالوی کا آپ کے نام
خط لکھنا ۳۱۳

حوّا
خدا تعالیٰ کا حکم چھوڑ کر شیطان کا
حکم ماننا ۶۳۵

خ

خسرو پرویز شاہ ایران ۵۶۸
خضر علیہ السلام
آپ اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ۴۴۵
خضری اسرار ۵۲۵
خلیل الرحمٰن شاہ سجادہ نشین سرساوہ
(برادر رضاعی سراج الحق نعمانی)
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی پیشگوئی کرنا ۲۴۷

د

دانیال علیہ السلام
آپ نے مسیح موعود کے آنے کا زمانہ مقرر کر دیا ہے ۲۹
داؤد علیہ السلام
آپ کی زبور گیتوں میں تھی اور جب آپ مناجات
کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ساتھ دیتے
اور تسبیح کرتے تھے ۵۲۴
آپ کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کئی پشت تک
متقی کی رعایت رکھتا ہے ۴۴۴
میں بوڑھا ہو گیا لیکن کبھی نہیں دیکھا کہ
صالح آدمی کی اولاد ضائع ہوئی ہو ۹۸
درد میر خواجہ
آپ کی قبر پر حضور کا فاتحہ پڑھنا ۵۰۲
درد میر رحمۃ اللہ علیہ ۳۸۹
دیانند پنڈت
مصنف ستیارتھ پرکاش ۳۴۱، ۷۴

اندامن کی کتابوں سے استفادہ کر کے
اسلام کے خلاف کتابوں کی تصنیف ۶۲۰
اس نے جو کچھ بیان کیا ہے نری اٹکل
ہے ۳۵۰
اس بات کا اعتراف کہ آنحضرتؐ کی
بعثت کے وقت آریہ ورت میں بُت
پرستی ہو رہی تھی ۵۵۴، ۶۷۰

ذ

ذوالفقار علی خان
آپ کی اہلیہ کی وفات پر حضور کا انہیں
تعزیتی خط لکھوانا ۳۰۲
ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ
ایک شخص کا آپ کے ظاہر کو دیکھ کر غلط
اندازہ لگانا ۳۱۴
زکوٰۃ کے بارہ میں آپ کا نکتہ خلافِ
شریعت نہیں تھا ۴۴۲، ۴۴۳
ڈگلس کپتان ڈپٹی کمشنر گورداسپور
آپ کا عدل و انصاف ۵۴۵، ۵۴۶
رُومی گورنر پیلاطوس پر برتری ۵۴۷
ڈوئی
ان کی عدالت میں حضور کے خلاف مقدمہ ۵۳۶
ڈوئی ڈاکٹر جان الیگزینڈر
سلبِ امراض کے متعلق ڈوئی کا دعویٰ ۴۶۵

ر

رام چندر جی راجہ
خدا کے راستباز بندے تھے ۱۶۳
دل کی پاکیزگی ۱۰۵
رجب دین خلیفہ تاجر بریلی لاہور
حضور کی خدمت میں گورداسپور حاضر
ہو کر اپنے بعض شبہات کو دُور کرنا ۴
لاہور کی پبلک کی طرف سے حضرت اقدس
کی خدمت میں سوال کہ مرزا صاحب
کو ماننے کی کیا ضرورت ہے ۱۰۷
رحمت اللہ شیخ ۲۸۶
حضور نے فرمایا شیخ صاحب میں آپ
کے لیے پانچ وقت دعا کرتا ہوں
۲۸۳، ۲۸۷، ۳۸۳

آپ کو مخاطب کر کے فرمایا آپ کے
لیے بھی دُعا کی تھی ۲۸۵
حضور کا رویا میں آپ کی عمر کی گھڑی کو گرتے
دیکھنا ۲۸۸
رسل بابا امرتسری
ناکامی کی موت ۳۶۳
رشید احمد گنگوہی
ناکامی کی موت ۳۶۲
رلیا رام مالک اخبار وکیل ہند
حضور کے خلاف ڈاک خانہ کے قانون
کی خلاف ورزی کا مقدمہ قائم کرنا ۶۳۶

ز

زکریا علیہ السلام
اولاد کی آرزو کے لیے حضرت زکریا علیہ
السلام کا سائل در کار رہے ۳۰۵
زلیخا ۵۷۸
زلیخا کی توسّلِ جاذبہ ۲۳
زید رضی اللہ عنہ
آپ واحد صحابی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید
میں ہے ۶۵
زین الدین ابراہیم
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کی معرفت
بمبئی کے یہود سے بعض باتیں دریافت
کروانا ۶۷۱

س

سجل رضی اللہ عنہ
بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ آپ کا
ذکر قرآن کریم میں ہے ۶۵
سراج الحق نعمانی صاحبزادہ
حضور سے اپنے ایک عزیز کی ملاقات
کے لیے درخواست ۲۲۹
اپنے بھائی شاہ خلیل الرحمٰن سجادہ نشین
سرساوہ کا خط حضور کی خدمت میں
سُنانا ۲۴۷
سراج دین رئیس لاہور
آپ کے احاطہ میں حضور کا قیام ۹۴

سرور شاہ سید
حضرت اقدس نے میاں ہدایت اللہ شاعر آف لاہور کو آپ کے سپرد فرمایا کہ ان کی ضروریات کا خیال رکھیں ۷۹
سعدی مصلح الدین شیرازی
آپ کے اقوال و اشعار ۲۵، ۱۲۵، ۱۳۸، ۲۱۴، ۲۲۰، ۴۱۶، ۵۵۶، ۶۴۱
آپ کے دو شاگردوں کا واقعہ ۶۱
عدم رجوع موتی کے بارہ میں آپ کا مذہب ۴۵۹
سعیدہ بیگم بنت حضرت مفتی محمد صادق صاحب
حضور نے آپ کا جنازہ پڑھا کر مفتی صاحب کو صبر کی تلقین فرمائی ۲۹۱
سکاٹ پادری
ڈسکہ (ضلع سیالکوٹ) کے مشنری کی وزیر آباد سٹیشن پر حضور سے گفتگو ۱۸۵
سلطان احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد ۲۵۶
حضرت مسیح موعود کا آپ کو رویا میں دیکھنا ۲۵۵
حضرت اقدس کا رویا میں آپ کے مکان والے دالان میں اپنے آپ کو بیٹھے ہوئے دیکھنا ۶۹
سلیمان علیہ السلام
آپ کو تعمیرات کا شوق تھا ۹۳
حضرت عثمانؓ کی عمارات بنانے میں آپ سے تشبیہ ۵۷۹
سید احمد خان سر ۳۲۱
حضرت مولوی عبدالکریم اوائل میں آپ سے متاثر تھے ۶۴۸
آپ کا خیال تھا کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات کا نتیجہ ہے ۵۰۰
دعا کے منکر تھے ۲۰۴
کہتا تھا کہ ہماری تحریری بے فائدہ ہیں ۳۶۲
وہ ایک بیٹے کی بھی اصلاح نہ کر سکے ۳۷۹

ش

شاہ دین لدھیانوی - مولوی
ناکامی کی موت ۳۶۲

شافعی امام رحمۃ اللہ علیہ
اپنے ماننے والوں کا نام شافعی رکھنے کی وجہ ۵۰۱
شادی خان (خانصاحب)
حضور کی موجودگی میں اذان دینے کا شرف ۲۲۲
شریف احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد ۲۵۶
حضور کا رویا میں آپ کو دیکھنا ۲۸۹
شیر سنگھ
باورچی کو سزا دینے کا واقعہ ۶۳۹
شیر محمد مولوی ہوجن ضلع سرگودھا
آپ کی وفات کا ذکر ۵۸۶

ص

صادق حسین سید آف اٹاوہ
حضور کا آپ کے خطاب ۵۱۶
صدیق حسن خان نواب
آپ نے تسلیم کیا ہے کہ مسیح موعود کے ہاتھ پر غلبۂ اسلام ہوگا ۵۴۲
حضرت اور یسیٰ کے آسمان پر جانے سے انکار ۳۶۳
ناکامی کی موت ۳۶۲
صلاح الدین ایوبی سلطان ۴۹۶

ظ

ظفر اللہ خان مرزا اے ای سی گورداسپور
آپ کے ایک رشتہ دار کے خط میں زلزلہ سے ان کے بیس رشتہ داروں کے مرنے کی اطلاع ۲۶۸

ع

عاد ۶۷۰
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۲۹۱
آنحضرتؐ کو رات کی تنہائی میں مناجات الٰہی میں مصروف پانا ۱۴، ۵۱، ۶۶۳
حضرت ابوبکرؓ پر خلافت کی ذمہ داریاں پڑنے کا ذکر ۵۷۹
حضرت عمرؓ کا آپ سے قبر کی جگہ کے لیے درخواست فرمانا اور آپ کا ایثار ۵۸۷
آپ رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں ۱۶۴
عبدالحق شیخ محدث دہلوی
آپ کی کتاب ما ثبت بالسنۃ میں حضرت عیسیٰ کی عمر ایک سو چھبیس برس لکھی ہے ۵۲۷
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک قول کی تشریح ۶۸
عبدالحی شیخ ماسٹر (نومسلم) ۳۴۲
عیسائیوں میں سے احمدیت قبول کرنے والے ۲۳۱
آپ کے متعلق پادری سکاٹ کا حضور سے کہنا کہ آپ نے ہمارا لڑکا چھین لیا ہے ۱۸۵
دریافت کرنا کہ اولوالامر کون ہوتا ہے ۳۴۷
عبدالحق منشی دہلی
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقریر کا اثر قبول کر کے حضور کے لیے دعا کرنا ۴۹۴
دہلی میں حضور سے چند سوالات کرنا ۴۹۲
الہام کے بارہ میں غلط نظریہ ۲۰
عبدالحکیم پٹیالوی
اُمت میں وحی و الہام کے جاری رہنے کے بارہ میں گفتگو ۴۲۸
عبدالحمید
حضور کے خلاف مقدمہ اقدام قتل میں پادریوں کا آلۂ کار ۵۴۵
عبدالحی صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول
آپ سے متعلق پہلے سے خبر ۳۶۶
آپ کی آمین ۳۰۸
عبدالحی مولوی
ناکامی کی موت ۳۶۲
عبدالرحمن پنجہ مارسی ۳۹۰، ۵۶۹
ہمارے دوست مخلص اور نیک آدمی ۶۲۲
آپ کی وطن واپسی پر حضور کی نصائح ۵۷۴
عبدالرحیم نواب ابن نواب محمد علی خاں
حضور کی دعا سے آپ کو دوبارہ زندگی عطا ہوئی ۴۵۸
عبدالرحیم شیخ
آپ کو ۲۴ تا ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء ملفوظات قلمبند کرنے کا شرف حاصل ہوا ۲۸۶

عبدالعزیز دہلوی منشی ۳۷۷
عبدالعزیز نمبردار پٹالہ مہر نبی بخش
ایک تفسیر قرآن لکھنے کا ارادہ اور حضور کی آپکو نصیحت ۷۵
عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اہل زمانہ سے آپ کی سبقت اور فضیلت کی وجہ ۶۶۲
آپ کا طرز عمل اور تصانیف اِھدنا الصراط المستقیم کی عملی تصدیق دکھاتی ہیں ۳۹۷
مجاہدات ۲۴۲
آپؓ کی کتاب فتوح الغیب کی تعریف ۳۹۶
فرمایا جس کو کبھی وحی نہیں ہوئی خوف ہے کہ اسکا خاتمہ بُرا ہو ۵۱۳
آپ نے لکھا ہے کہ بعض اوقات میری دُعا سے تقدیر مبرم ٹل گئی ۶۸
عوام میں مشہور آپ کے معجزات ۲۳۶
عبدالقیوم صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل
حضور کی طرف سے آپ کی بیمار پرسی ۳۳۶
عبدالکریم مولوی رضی اللہ عنہ ۳۹۰ و ۵۰۶
آپ کے متعلق شیخ نور احمد صاحب کا خواب ۳۶۵
حضور کی طرف سے آپ کے خواب کی تعبیر ۳۰۲
حضور کا آپ کو ایک الہام سُنانا ۳۶۷
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام کا آپ کی زبان پر جاری ہونا ۲۵۱
حضرت اقدس سے دریافت فرمایا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو بھی ریاء آئے؟ ۱۹
حضور سے عرض کرنا کہ آریوں نے قرآن اور آنحضرتؐ کے خلاف بہت گندے کلمات لکھے ہیں ۱۹۲
بابو عطاء الٰہی سٹیشن ماسٹر کی طرف سے حصول اجازت کی درخواست ۲۴۸
ایک واقعہ کا بیان ۲۳۷
ایک بڑھیا کی درخواست پر اسے چھڑکیاں دینے کا واقعہ ۸۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مضمون ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو لاہور میں پڑھنا ۱۹۱
سلسلہ کے لیے آپ کی قلم ہمیشہ چلتی رہتی ہے ۵۸۴
تسلیم و رضا ۵۷۱
والدہ کی خدمت ۲۸۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ سے ایک دفعہ فرمایا میرے خلق کی پیروی کرو ۲۰
آپ کی بیماری کا ذکر ۳۶۷ و ۳۸۳ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۴۹۲
آپ کی علالت طبع کے ایام میں مولوی یا محمد صاحب کی خدمت گذاری ۴۸۴
آپ کی علالت کے دوران حضور کی کثرت سے دُعائیں ۲۵۲ و ۲۵۴ و ۳۶۰
آپ کی علالت طبع کے ذکر پر حضور کا دُعا کے اثر کے بارہ میں ارشاد ۲۶۵
حضرت مفتی صاحب کا آپ کے لیے دُعا فرمانا ۳۸۲
آپ کی وفات سے پہلے ہی آپ کے وصال کے متعلق الہامات ۴۸۶
آپ کہتے تھے کہ کئی مرتبہ خدا بلانے آیا ہے مگر تاخیر ہی ہوتی رہی ۴۸۷
آپ کی ناگہانی وفات ۵۱۶
آپ کی موت پر حد سے زیادہ غم کرنا مخلوق کی عبادت کے مترادف ہے ۴۷۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے آپ کا ذکر خیر ۴۸۶ و ۵۴۰ و ۶۴۸
عبداللطیف شاہزادہ شہید کابل علیہ الرحمۃ
آپ کا کامل نمونہ ۳۳۵
انقطاع الی اللہ کا عجیب نمونہ ۳۴
آپ کی شہادت کی افضلیت ۳۶۴
آپ کے مریدین کی سلسلہ میں شمولیت ۲۲۷
عبداللہ بن عبدالمطلب
آپ ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۱۵۴ و ۶۴۶
عبداللہ سنوری رضی اللہ عنہ ۳۶۰
حضور کا آپ کو اپنی رویاء میں دیکھنا کہ آپ کسی کاغذ پر دستخط کرانا چاہتے ہیں اور اس کی تعبیر ۳۵۳
عبداللہ غزنوی مولوی
ان کو میں نیک جانتا ہوں ۲۳۲
امام کے بارہ میں آپکا مذہب ۳۱۴
عبیداللہ مولوی
مصنف تحفۃ الہند جس کا جواب اندرا من نے دیا تھا ۶۱۹
عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۵۶۵
غنی کہلانے کی وجہ ۴۴۳
آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ جیسی مصیبتیں نہیں دیکھیں ۵۸۹
آپ نے مسجد نبوی کو پختہ کروایا ۹۳
حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ ۵۰۹ و ۹۳
عزرائیل علیہ السلام
شیخ عبدالقادر جیلانی کا آپ سے قبض شدہ ارواح پھینکنے کا عوامی عقیدہ ۲۳۶
عزّیٰ
ایک عرب دیوی ۳۷۷
عطاالٰہی بابو سٹیشن ماسٹر
حضور کا آپ سے فرمانا کہ کوئی موقعہ یہاں رہنے کے لیے نکالنا چاہیے ۲۴۸
علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵۶۵
مُنہ پر تھوکنے والے شخص کو ذاتی دشمن سمجھ کر چھوڑ دینے کا واقعہ ۴۴۰
حضرت حسینؓ کے مقابل پر اللہ تعالیٰ کی محبت ۴۴
آپ کو ابوبکرؓ جیسے مصائب نہیں دیکھنے پڑے ۵۸۹
شیعوں کا عقیدہ کہ موت آپ کو ملنی تھی مگر جبرئیل غلطی سے آنحضرتؐ کو دے گئے ۱۲
شیعوں کی غلطی ہے کہ وہ خلافت کا حق حضرت علی کو دیتے ہیں ۲۹۱
خوارج آپ کو بُرا کہتے ہیں ۵۰۰
عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۵۶۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے جانے اور حضورؐ کو دیکھ کر متاثر ہونے کا واقعہ ۴۷

اسلام قبول کرنے کے بعد بالکل تبدیل ہو گئے ۴۲۰

آپ کے مقام محمدیت سے وحی کے جاری رہنے کا استدلال ۴۲۸، ۴۷۷

اسلام میں آپ کے خلق کا برحل استعمال ۶۴۳

اظہارِ اسلام کے لیے قابل تعریف جوش ۴۷۷، ۴۸۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کو دیکھ کر رو پڑنا ۵۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر فرطِ غم اور موت پر یقین نہ کرنے کی وجہ ۱۱۳، ۱۲۵، ۴۳۵، ۵۳۸، ۵۷۵

ایک صحابی کو مسجد میں شعر پڑھنے سے روکنا اور صحابی کا جواب ۵۲۴

ایک یہودی کو جواب میں فرمانا کہ جمعہ کا دن عید ہی ہے ۶۷۳

آپ کو حضرت ابوبکر سے بنا بنایا ملک ملا جس میں آپ نے توسیع فرمائی ۵۷۹

آپ کے ذریعہ قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت پوری ہوئیں ۳۶۲

آپ کے عہد میں اشاعتِ اسلام کے دائرہ میں وسعت ۵۷۴

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاعون کی موت سے محفوظ رکھا ۱۱۰

حضرت عائشہؓ سے اپنی قبر کے لیے جگہ کی درخواست فرمانا ۵۸۷

خوارج آپ کو بُرا کہتے ہیں ۵۰۰

عمر دراز گردادر ۳۲۵

عمران

مومن کی تشبیہ عمران کی بیوی سے ۳۶۰

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

۳۸۳، ۵۱۲، ۵۳۷، ۵۷۷

ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے ۵۷۰

آپ کی اصل تعلیم اور ہمارے مذہب کے اصولوں میں اختلاف نہیں ہے ۱۸۵

آپ کے معجزات کی حقیقت ۳۵۷، ۴۰۹، ۴۵۷، ۴۶۵

آپ کے مسِ شیطان سے پاک ہونے کی حقیقت ۴۰۸، ۶۴۵

آپ کے لیے بھی استغفار ضروری تھا ۹۷

یہود نے آپ کے معاملہ میں تقویٰ سے کام نہیں لیا ۵۰۹

معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حضرت یحییٰ کے ساتھ مُردوں میں دیکھا ہے ۶۲، ۱۳۰، ۳۵۸، ۴۰۰، ۴۳۵، ۴۹۳، ۵۰۹، ۶۳۲

کشمیر میں آپ کی قبر ۳۸۸

اپنی وفات کا اقرار ۴۲۵

صحابہ کرام آپ کو زندہ نہیں مانتے تھے ۵۳۹

آپ کی زندگی پر کبھی اجماع نہیں ہوا ۵۴۳

براہین میں حضور نے لکھا ہے کہ مسیح آسمان سے نازل ہوں گے ۲۳۹

جس کو خدا نے مامور کیا ہے اس کو تازہ علم (مسیح کی) وفات کا دیا ہے ۱۶۹

وفاتِ مسیح کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک جامع تحریر ۵۲۶

عقیدہ وفاتِ مسیح علیہ السلام کی اہمیت ۴۰۷، ۵۰۲، ۶۳۲

آپ کی موت کے اثبات میں اسلام کی زندگی ہے ۶۳۲

رفع الی السماء

آپ کے رفع الی السماء کی حقیقت ۸۲، ۱۱۳، ۳۹۸

آپ آسمان پر اسی جسم کے ساتھ گئے ہیں جس کے ساتھ سارے انبیاء گئے ہیں ۴۰۷

آپ کے متعلق رفع سے پہلے توفی کے استعمال کی اہمیت ۳۹۳

نزولِ مسیح

نزولِ مسیح ۲۶۵

نزول کے بعد عربی کیسے سیکھیں گے؟ ۵۸۱

نزول جسمانی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے صعود ثابت ہو ۵۸

اگر دعائیں کرتے کرتے ناک بھی رگڑ دے جائیں تب بھی وہ آسمان سے نہیں آئیگا ۳۵۸

آمدِ ثانی

ممکن ہے کہ آپ کو آپ کے دوبارہ آنے کے الہامات کو آپ نے ظاہر پر محمول کر لیا ہو ۸۵

آپ کی آمدِ ثانی کے متعلق میں مسلمانوں کی غلطی ۱۳۱

اُمتِ محمدیہ میں آپ کے آنے کا عقیدہ تسلیم کرنے کے نقصانات ۴۲۷

اُمتِ محمدیہ میں مثیل مسیح ۲۱۴

ہمارے مخالف مسیح کو لاکر اُمتی بناتے ہیں اور ہم اُمتی کو مسیح بناتے ہیں ۳۱۱

مسلمانوں کے ایسے عقائد جن کی رُو سے حضرت عیسیٰ کو آنحضرتؐ پر فضیلت دی جاتی ہے ۱۱۴، ۱۳۴، ۴۲۵، ۴۳۲

آپ کو خواص بشری سے زیادہ خصوصیات کا حامل قرار دینے کے نتائج ۶۲۷

متفرق

آپ کا وجود باعث ابتلاء ثابت ہوا ہے ۱۸۹

فقیہوں کا تکذیب کرنا ۵۳۴

آپ کے زمانہ کی رُومی حکومت آپ سے انصاف نہ کر سکی ۵۴۴

یہود کے ہاتھ سے آپ کے قتل اور صلیب کی نفی ۳۵۲

مخالفت کے باوجود کامیابی ۳۷۸

آپ نے فرمایا کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی زیر و زبر کرنے نہیں آیا ۱۹۵

آپ کا دعویٰ تھا کہ آپ صرف بنی اسرائیل کی طرف آئے ہیں ۱۱۳

آپ پر موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء کا سلسلہ ختم ہوا ۴۵۲

آنحضرتؐ نے یہود کو بتایا کہ عیسیٰ پچھلے نبی ہیں ۱۵۴

آپ کے وقت بھی جھوٹے مدعیانِ امام تھے ۲۳۴

آپ کا بلند مقام ۱۶۱

آپ منکسر المزاج انسان تھے ۲۱۳

اپنے آپ کو نیک رنگ کہلانے کا ستر ۲۱۲، ۳۱۵
موت کا پیارا ٹالنے کے لیے دعائیں کرنے کی اصل وجہ ۵۷۶
آپ نے فرمایا کہ ابھی بہت سی باتیں کرنے کی ہیں ۶۷۱
آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں ۵۳۸
آپ نے بتایا کہ آنے والا الیاس یوحنا بن زکریا کے رنگ میں ہو کر آیا ہے ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۸۸، ۳۵۷، ۳۵۸، ۴۲۶، ۵۶۸

عقیدہ حیات و ممات مسیح

عقیدہ حیات مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی پیدا ہو گیا تھا ۶۲۵
حیات مسیحی کا مسئلہ اسلام میں داخل کرنے والے عیسائی اپنے ساتھ لائے ۳۲۲
حیات مسیح کا فتنہ ۶۲۶
عقیدہ حیات مسیح کے نقصانات ۱۶۰، ۳۹۵، ۵۴۱
عقیدہ حیات مسیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے ۵۳۸
عیسیٰ کی حیات کا عقیدہ رکھنے والا آنحضرت کی بعث و اتباع کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۵۴۰

وفات مسیح

وفات مسیح کا معاملہ تو جملہ معترضہ کی طرح درمیان میں آ گیا ہے ۵۰۴
وفات مسیح کے دلائل ۲۴، ۵۹، ۱۱۲، ۱۳۰، ۱۵۸، ۲۷۷، ۳۵۸، ۴۰۸، ۴۲۵، ۴۷۳، ۴۹۲، ۵۳۹، ۵۴۳، ۵۶۲، ۵۹۶، ۶۳۱
آپ کی ۱۲۵ اور ۱۲۰ برس عمر کے متعلق احادیث ۵۲۷، ۵۴۳
آپ کو تمام اخلاق کے اظہار کے مواقع ہی میسر نہیں آئے ۳۱۸
اناجیل کی رو سے آپ کی طرف سے یہود کی خوشامد ۱۹۵
آپ کے حواریوں کا کردار (انجیل کی رُو سے) ۳۲۴، ۳۳۵، ۵۹۱
عیسائیت کے آپ کے متعلق عقائد ۴۶۴
عیسائی آپ کی آمد ثانی سے مایوس ہو گئے ہیں ۱۱۲
الوہیت کا رد ۵۷۱
آپ کی خدائی کے خیال سے یورپ کے عیسائیوں کی دستبرداری ۲۲۷

غ

غزالی امام رحمۃ اللہ علیہ
آپ کے زمانہ کے فقراء اور مشائخ کا حال ۴۱۸
ریاکار فقراء کا تذکرہ ۸۷
غلام احمد قادیانی مرزا - مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

دعویٰ اور مقام

میرا دعویٰ اللہ تعالیٰ کے ایما اور حکم صریح سے کیا گیا ہے ۴۲۶
میں چوبیس سال سے دعویٰ کر رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے مجھے مامور کیا ہے ۱۲۶
جو آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں ۴۹۲
میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور خدا نے مجھے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے ۱۸۷
مجھے میرے خدا نے ہزارہا وحیوں میں مامور کیا ہے ۱۷۹
میں تو رات دن وحی کے نیچے کام کرتا ہوں ۱۰۸
وحی قطعی سے آپ پر وفات مسیح کا انکشاف ۵۲۷
میں بھی اسی منہاج نبوت پر آیا ہوں ۲۴۲
آپ کے دعویٰ نبوت کی حقیقت ۴۳۲
مستقل نبی ہونے سے انکار ۵۱۴
مسیح ہونے کا دعویٰ ۱۸۷
خدا تعالیٰ کی مکمل کھلی وحی مجھے مسیح موعود ٹھہراتی ہے ۳۲۳، ۳۵۸
خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آنے والا (مسیح) اسی اُمت کا ایک فرد کامل ہے .... اور وہ میں ہوں ۱۲۲
میں وہ مسیح ہوں جس کا ذکر اور وعدہ احادیث قرآن میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے ۱۰۷
مثیل عیسیٰ کی بجائے عیسیٰ نام رکھے جانے کی حقیقت ۴۰۵، ۴۲۵، ۴۳۶
مثیل مسیح ہونے کی دلیل ۳۱۳
میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور حَکَم ہو کر آیا ہوں ۱۵۹، ۳۶۲
میں تو ایسا آیا ہوں جیسا کہ الیاس آیا ۵۱۰
اس سوال کا جواب کہ آپ نے نام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۶۳
خدا تعالیٰ کے الہامات میں آپ کے مراتب ۶۴، ۵۱۳
اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کا نام آدم رکھا ہے ۳۵۹
خدا اپنی کچھ قدرتیں میرے واسطے ظاہر کرنے والا ہے اس واسطے میرا نام عبدالقادر رکھا ۲۸۸
الہام میں آپ کا نام عبداللہ ۲۶۳
آپ کا ایک اور الہامی نام محمد مُطیع ۳۱۰
براہین کے الہامات میں آپ کا نام مسیح رکھا گیا ہے ۲۳۹
براہین کے میرا نام اصحاب الکہف بھی رکھا ہے - اس کا ستر ۳۱۳
الہام میں آپ کو سُورج اور چاند قرار دینے کی تشریح ۵۸۷
آپ کو ماننے کی ضرورت ۱۰۷، ۳۹۵
پنجابیوں نے جس قدر مجھے قبول کیا ہے ہندوستان کو ابھی اس سے کچھ نسبت ہی نہیں ۴۷۷

مقصد بعثت

ماموریت اور بعثت کے مقاصد ۳۴۳، ۴۷۲، ۵۱۵، ۵۶۳، ۶۱۵، ۶۴۵
ہمارا کام یہ ہے کہ اس دین کی خدمت کریں اور اس کو کُل مذاہب پر غالب کر کے دکھاویں ۱۰۷

مبعوث ہونے کی غلط فہمی اسلام کی تجدید و تائید ہے ۵۵۳
اسلام وہی ہے جو ہم پیش کرتے ہیں ۳۰۴
آپ کی خواہش خدا کی ہستی دُنیا پر ثابت ہو اور دین اسلام کی حقیقت ظاہر ہو ۳۲۲
اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیح بنا دیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان اس سے ظاہر ہو ۳۰۸
اس صدی پر اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ مَیں حیاتِ النبیؐ کا ثبوت دُوں ۶۲۹
مامُوریت کا مقصد تزکیۂ نفس اور اصلاح ۳۱۰
ہماری غرض یہ ہے کہ بدبختی دُور ہو ۳۴۱
کامل اخلاقی تعلیم پر ایک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ ۳۱۹
حقیقتِ بیعت و الہامات کے بارہ میں ایک رسالہ لکھنے کا ارادہ ۳
اگر کوئی شخص ایک ہفتہ ہماری صُحبت میں رہے اور اسے ہماری تقریریں سُننے کا موقعہ مل جائے تو وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جائے گا ۶۲۲
جانے والے ایک مہمان سے فرمایا :
کچھ دن میرے پاس رہو اور عاقبت کا ذخیرہ تیار کرو ۱۹۶
جو خدمت اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپُرد کی ہے ..... اس کے سوا ہمیں اور کسی کام کے لیے نہ فرصت ہے نہ ضرورت ۳۴۱

سیرت طیبہ

ایک امین اور مشفق ناصح ۴۶
دُعائی جوہر شناس ۶۶۲
فطرتاً خلوت گزینی پسند تھی ۱۳۲، ۶۶۳
فارغ نشینی سے نفرت ۲۳۷
نفس پر فتح پانے کا ایک واقعہ ۶۰۸
مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ جب سے مجھے ہوش ہے مَیں دُنیا کے ہم و غم میں کبھی مبتلا نہیں ہوا ۳۰۴
ساری دُنیا مجھ کو چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے مجھے اس کی پروا نہیں اس لیے کہ خدا میرے ساتھ ہے ۴۵۹
۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے شدید زلزلہ کے آنے پر حضور پر خشیتِ الٰہی کا اثر ۲۵۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت حاشیہ ۱۵۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات کے دفاع میں الزامی جواب دینا ۴۶۶
رضا بالقضا ۸۱، ۴۸۶
اصل غرض تو یہ ہے کہ مَیں مقامِ رضا حاصل کرنا چاہتا ہوں ۴۲۴
ہمارا سارا دارومدار دُعا پر ہے ۳۹
دُعا کی تاثیرات کے ذاتی تجربات ۲۲۵
قبولیت دُعا کی راحت ۲۸۷
خدا کی ہستی پر ایمان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہونے کے لیے دُعا ۲۶۱
بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا کی تھی وہی دعا آج ہمارے دل سے بھی نکلتی ہے ۲۷۸
مَیں تو سب کے لیے دُعا کریں ۲۶۳
ہندو یا کسی اور مذہب کا آدمی جو دُعا کے واسطے درخواست کرے ہم سب کے واسطے دُعا کرتے ہیں ۳۶۶
ہمارا کام تو رات دن ان (کمزور احمدیوں) کے لیے دُعا اور ابتہال میں لگا رہنا ہے ۵۹
اپنے دوستوں کی صحت یابی کے لیے کثرت سے دُعائیں فرمانا ۲۲۵، ۲۵۲، ۳۸۳
حضرت مولوی عبدالکریم سے فرمایا مَیں نے آپ کے واسطے اس قدر دُعا کی ہے جس کی حد نہیں ۲۵۴ و ۳۶۰
اپنے مربی شیخ رحمت اللہ صاحب کے لیے پانچ وقت دعا فرمانا
مَیں اپنے دل میں مخلوق کے لیے ہمدردی اور بھلائی کے لیے ایک جوش رکھتا ہوں ۱۲۹
ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو اور خدا تعالیٰ کی کُل مخلوق سے احسان کرو ۸۰
اگر کسی کو مدد ہو اور مَیں نماز میں مصروف ہوں تو مَیں چاہتا ہوں کہ اگر نماز توڑ کر بھی اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو پہنچاؤں ۸۲
ہمارا مسلک سب کی خیر خواہی ہے ۶۴۸
مخالف مذہبوں کے لوگوں سے ہمیں کوئی دشمنی نہیں بلکہ ان کے سچے غیر خواہ اور ہمدرد ہم ہیں ۶۲۳
میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو ۴۴۰
مَیں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی کی دلآزاری یا استخفاف مذہب کی نیت سے نہیں لکھا ۱۶۱
اکرام ضیف ۴۸، ۱۶۸، ۱۸۰
غرباء کی دلجوئی اور اکرام ۶۰
ایک بڑھیا کی درخواست پر اسے اس کا خط پڑھ کر سمجھانے کا واقعہ ۸۲
اپنے خدام کی ضروریات کا خیال ۱۶۶
عہد دوستی کا پاس ۲۰
حضرت مولوی عبدالکریم کے ذکر خیر پر آپ کی آنکھوں کا پُرنم ہونا ۵۷۱
حضرت مولانا نورالدین کی بیمار پُرسی اور غذا کے انتظام کے لیے تاکید ۱۹۴
پابندی شریعت کا اہتمام ۲۵۸
باوجود بیماری کے نماز باجماعت میں شمولیت ۱۹۴
نمازِ اشراق کی ادائیگی ۱۹۲
دُوسروں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا ستر ۱۶۰
آپ پانی ہمیشہ بیٹھ کر پیتے تھے ۸۶
ہم گھر میں ولایتی بسکٹ استعمال نہیں کرتے بلکہ ہندوستان کی ہندو کمپنی کے منگوایا کرتے ہیں ۶۶
ایک مُرید کو اپنا سجدہ کرنے سے روکنا ۲۲۸
وکلاء کے مشورہ کے برخلاف عدالت میں سچا اقرار ۶۳۶، ۶۳۸
آپ کی سادگی آپ کی سچائی کی دلیل ہے ۲۲۹
اپنے گذارہ کیلئے تو پانچ سات روپے ماہوار کافی ہیں ۶۶۹

ایک شخص کے گالیاں دینے پر فرمایا اب ایسے لوگوں سے اِعراض ہی اچھا ہے ۲۷۳
جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے ۶۰
زیارتِ قبور اولیاء اللہ ۴۸۸
بدگمانی کرنے والے احمدیوں سے چندہ نہ لینے کے بارہ میں حضور کا اہم خط ۲۴۹
اپنی جماعت میں صحابہ کا نمونہ دیکھنے کی خواہش ۴۲۲
حضرت مولوی عبدالکریم سے فرمایا: میرے خُلق کی پیروی کرو ۲۰
مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں اور میری جماعت مسلمان ہے ۵۳۷
اپنے عقاید کی وضاحت ۲۸، ۵۳۷، ۵۴۴
قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میرا عقیدہ ہے ۵۳۷
ہمارا مشرب کسی سے نہیں ملتا ہم تو جو کچھ خدا سے پاتے ہیں خواہ اُس کو عقل یا فلسفہ مانے نہ مانے ہم اُس کو ضرور مانتے ہیں ۷۵
خدا تعالیٰ نے جس قدر اپنی ہستی کا ثبوت مجھے دیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں جن میں مَیں اسے ظاہر کر سکوں ۶۶۷
ہم اُمتی ہیں جن کو سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملا ہے ۵۱۲
ہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ایک قدم رکھنا بھی کفر سمجھتے ہیں ۵۱۳
ہمارے معجزات سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں ۵۱۴
مَیں اس شخص سے بہت خوش ہوں جس نے کتاب حیات النبی لکھی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو آنحضرت کے سوا کسی اور نبی کو زندہ کہے وہ کافر ہے ۱۱۳
ہمیں معلوم نہیں کہ اس حدیث (غریبوں کے جنت میں پہلے جانے کی) کے معنی کیا ہیں لیکن ہم ان الفاظ پر ایمان لاتے ہیں ۸۸
ہم تو دونوں (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) کے ثنا خوان ہیں ۵۸۰
سفر کے لیے استخارہ کا اہتمام ۱۶۵
ہمارے واسطے استخارہ نہیں جبتک پہلے سے خدا تعالیٰ کا منشاء نہ ہو ہم کسی امر کی طرف توجہ کر ہی نہیں سکتے ۲۹۸
اپنا فوٹو ہونے کی غرض ۱۸، ۴۷۳
اپنے تصویری کارڈوں کے متعلق فرمایا کہ مَیں تو اسے ناپسند کرتا ہوں ۱۶۱

دلائل صداقت

دلائل صداقت ۳۹، ۴۷، ۵۸، ۱۲۶، ۴۶۹، ۴۹۳، ۵۲۰، ۵۲۸
اگر یہ لوگ منہاج نبوت کو معیار ٹھہرائیں تو آج فیصلہ ہو جاتا ہے ۶۲
من جانب اللہ ہونے کے دلائل ۴۸، ۱۱۱
اپنی سچائی کا حصر ۵۴۴
مامور کی سچائی ظاہر کرنے کے تین ذرائع ۱۳۳
میری سچائی کو ظاہر کر رہے ہیں قیاس کی حجت بھی میری تائید میں ہے ۵۶۷
مسئلہ وفات مسیح میں حنفی مذہب کے موافق نص، حدیث، قیاس دلائل شرعیہ میرے ساتھ تھیں ۵۳۶
میری بعثت کا زمانہ تیئیس سال سے بڑھ گیا ہے (۱۹۰۵ء) ۵۶۴
میرا معاملہ اگر سمجھ میں نہیں آتا تو طریق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگو تاکہ وہ خود تم پر اصل حقیقت کھول دے ۱۳۰
پچیس تیس سال پیشتر کے خدائی وعدوں میں سے بہت سے پورے ہو چکے ہیں ۲۲۵
براھین میں حیاتِ مسیح کے عقیدہ کا ذکر آپ کی صداقت کا ثبوت ہے ۳۲۳
مخالفین کی طرف سے آپ کے خلاف آٹھ مقدمات قائم ہوئے مگر سب میں آپ کو کامیابی ہوئی ۲۳۰، ۵۴۶، ۶۳۸
دشمن بندوں کو اپنی صداقت کا گواہ پیش فرمانا ۶۶۷

نشانات

مَیں اس کی تائیدوں کا ایک زندہ نشان ہوں ۵۳۱
ہزارہا نشانوں کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا ۲۷
ایک لاکھ سے زیادہ انسان میرے نشانوں پر گواہ ہیں اور زندہ ہیں ۵۶۸
نشانات اور تائیداتِ سماوی ۵، ۱۰، ۱۲، ۱۷، ۱۲۳، ۳۶۴، ۵۶۳، ۶۵۱
آپ کی دُعا سے بعض لوگوں کو دوبارہ زندگی عطا کی گئی ۴۵۸
براہین کی اشاعت کے بعد الہامات کے مطابق آپ کا مرجع خلائق بننا ۲۸
طالبین حق کو نشان دکھانے کا وعدہ ۵۲۲
اگر کوئی چاہے تو اب بھی کم از کم چالیس روز ہمارے پاس رہے اور نشان دیکھ لے ۵۲۱، ۵۱۴
جو شخص ایک دفعہ ہماری صحبت میں آکر رہے گا وہ مشرق و مغرب کے مولوی سے بڑھ جائے گا ۶۴۹

مخالفت

آپ کے مخالفین کی حیثیت ۵۱۵
مخالفین کا رویہ ۵۱۹
جلد باز مخالفین کی بدظنی ۵۲۵
آپ کے خلاف فتاویٰ کفر ۵۲۹
مخالفوں کا آپ کو دجال قرار دینے کا جواب ۱۷۷
آپ پر اس اعتراض کا جواب کہ آپ نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ مسیح آسمان سے نازل ہوں گے ۲۳۹
اگر مجھے قبول نہ کرو گے تو پھر تم کبھی بھی آنے والے موعود کو نہیں پاؤ گے ۱۳۵
مخالفین اور ہمارا فیصلہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۳۷۶
مخالفین کی ناکامی والی موت ۳۶۲، ۳۷۸

اپنی صداقت پر کامل یقین

اپنی صداقت اور من جانب اللہ ہونے پر کامل یقین ۱۵۸، ۲۳۵، ۲۴۷، ۵۵۰

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں ۵۶۲
میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں صادق ہوں ۵۵۰
کلمہ طیبہ میں داخل ہو کر اگر خدا تعالیٰ کی قسم دی جائے تو میں کہوں گا کہ میرے الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں ۲۰
اپنے الہامات پر یقین اور ایمان ۲ و ۶۳ و ۱۲۸ و ۲۸۷ و ۵۱۱
خدا تعالیٰ کی وحی کو میں ہرگز نہیں چھوڑ سکتا خواہ ساری دُنیا میری دشمن ہو جائے ۳۵۸
انجام کار اپنی کامیابی پر پختہ یقین ۱۹۵

الہام، کشوف اور رویاء

حضور کے رویاء ۱۹۲ و ۲۸۵
رویاء میں آپ کو ایک کاغذ دکھایا گیا ہے جس میں کچھ سطور فارسی میں لکھی ہوئی ہیں اور باقی انگریزی میں ۳۲۸
حضور کا ایک کشف ۱۲۵
اپنے الہامات کو ترتیب دے کر شائع کرنے کی ہدایت ۲۲۶
پچیس سال پہلے براہین کے زمانہ کے الہامات کا پورا ہونا ۵۱۴ و ۵۱۷
عربی فارسی اُردو اور انگریزی میں الہامات ہونا ۱۲۶
آپ کی فتح فائی کو پورا کرنے کے بارہ میں خدائی بشارت ۵۷۴
قرب وفات کے متعلق متواتر الہامات ۵۸۵، ۵۸۳
علیم و خبیر خدا کی طرف سے خبر کہ زمانہ آنے والا ہے دُنیا میں تیری شہرت ہوگی ۱۲۶
یہی الہام ہوا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے ۲۹۴

متفرق

آپ کے ایک استاد شیعہ تھے ۳۲۶
ہزار سے زیادہ کتاب طب کی ہمارے کتب خانے میں موجود تھی ۵۰۸
میرے دائیں بازو کی ہڈی پچپن سے ٹوٹی ہوئی ہے ۵۲۶
دعویٰ سے پہلے گمنامی ۵۳۳
کبھی مقدمہ کے سلسلہ میں ڈلہوزی تشریف لے جانا ۳۱۶
سفر و حضر میں آپ کے حالات و فرمودات ۱۸۶
قافلہ بنا کے جاتے تھے
۲۸ اگست ۱۹۰۴ء کو لاہور میں ایک جمع سے خطاب ۱۱۴
۲ ستمبر ۱۹۰۴ء کو لاہور میں بارہ ہزار آدمیوں سے خطاب ۱۶۰
۲۹ دسمبر ۱۹۰۴ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضور کا خطاب ۱۹۷
۳۰ دسمبر ۱۹۰۴ء کو حضرت اقدس کی مسجد اقصیٰ میں تقریر ۲۲۰
۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے شدید زلزلہ کے بعد باغ کے مکان میں منتقل ہونا ۲۵۸
مسلمانوں سے خصوصی خطاب ۱۴۰
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک پُر معارف مکتوب گرامی ۴۱۱
اپنی تحریروں میں تکرار کو پسند کرنے کی وجہ ۴۵۶
مباحثہ کا دروازہ ہم بند کر چکے ہیں ۱۰۸
ایک پادری کے ساتھ حضور کی ایمان افروز گفتگو ۱۸۵
حضور کی خدمت میں تین عیسائیوں کا زیارت کے لیے آنا ۱۶۷
حضرت اقدس کے خلاف پادری مارٹن کلارک کی طرف سے اقدام قتل کا مقدمہ ۵۳۴
کپتان ڈگلس کی طرف سے آپ کو عیسائیوں کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی اجازت ۵۴۶

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَهُمْ ۱
اَمْرُ الرَّحْمٰنِ اِلَيْنَا اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۳۹،۲۸
اُرِيْدُ مَا تُرِيْدُوْنَ ۲۸۲
اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ ۶
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۶۲
اَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ سَهْوَلَةً ۲۸۲
اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ۶۳۱
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ۲۶۵
اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَآءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۲۲۵
اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۲۶۷
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۶، ۳۷، ۵۶۶، ۵۷۲
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۶۵۲
اِنَّ الْمَنَايَا لَا تَطِيْشُ سِهَامُهَا ۴۸۶
اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيْدِيْ ۶۴
اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ لَهَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ ۵۳۲
اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِيْ ۶۵
اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ عَرْشِيْ ۶۴
اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةٍ لَا يَعْلَمُهَا الْخَلْقُ ۶۴
اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ ۶۵
اُنْزِلَ فِيْهَا كُلُّ رَحْمَةٍ ۶۱۶
اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ كُلَّ مُسْلِمِيْنَ ۵۸۲
اِنَّمَا اَمْرُكَ اِذَآ اَرَدْتَ شَيْئًا اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۲۳۹
اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۲۲۸
اِنِّيْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِيْكَ بَغْتَةً ۳۲۱
اِنِّيْ مَعَ الرَّسُوْلِ اُقَوِّمُ وَاُرَوِّمُ مَا يُرَوِّمُ وَاُعْطِيْكَ مَا يَدُوْمُ ۴۸۷
اِنِّيْ مَعَ الرَّوْحِ مَعَكَ وَمَعَ اَهْلِكَ ۲۲۸
اِنِّيْ مَعَكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۵۶۹
اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ ۲۸
اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ ۳۶۲، ۳۶۱، ۴۷۹
اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ ۳۶، ۳۷
اِنِّيْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ ۲

إِنِّي فَضَّلْتُكَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ ۲۶۴

ت تَاللّٰهِ وَاِنَّا مَعَكَ ۴۸۷

تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۴۸۷، ۴۹۲

ج جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۲۶۲

ر رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۱۲۷، ۵۳۳

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۵۲۲

رُدَّهَا عَلَيَّ وَدَعَا لَهَا فَسَمَا اِلَيَّ

رَدَدْتُ اِلَيْهَا رُوْحَهَا وَرَجَعَ اِلَيْهَا ۲۸۵

س سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۲۹۶

سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ۔ سَقْيُ الْحَسَنِ

يُصَارِعُ بَيْنَ النَّاسِ ۵۶۹

ش شَرُّ الَّذِيْنَ اَلْعَنْتَ عَلَيْهِمْ ۲۸۵

ط طَبَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ ۵۸۵

ع عَبْدُ الْقَادِرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرَى

رِضْوَانَهُ اللّٰهُ اَصْبِرُ ۲۸۸

عَقَبَ الدِّيَارَ مُحَلِّمًا وَمُقَامُهَا

۲۸۹، ۲۲۴، ۲۵۷، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۹۴

ف فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ ۱۲۶

ق قَرِّبْ اَجَلَكَ الْمُقَدَّرَ ۵۸۳، ۵۸۵

قَرِّبْ اَجَلَكَ الْمُقَدَّرَ وَلَا تُبْقِيْ لَكَ

مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا

۲۶۱، ۵۷۳، ۵۹۲، ۶۶۹

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۱۲۵

قُلْ مِيْعَادُ رَبِّكَ ۵۷۳

قُوَّةُ الرَّحْمٰنِ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ الْقَمَّارِ ۲۶۳

ک كَفَفْتُ عَنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ ۲۶۳

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ ۵۱۱

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ ۴۳۰

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۳۰۶

ل لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ

النَّاسِ ۱۲۷

لَا تُبْقِيْ لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا

۵۷۴، ۶۷۳، ۶۷۴

لَكَ ثُرِّيْ اٰيَاتٍ ۲۶۴

لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ ۳۷

م مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۲۸۶

مُبَارَكٌ وَّمُبَارِكٌ وَّكُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَكٌ

يُجْعَلُ فِيْهِ ۳۲۰

نُمْرُوْدُ نَارَ جَهَنَّمَ ۲۵۳

مَسِيْرُ الْعَرَبِ ۳۶۲

و وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعَالَمِيْنَ ۵۸۵

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۳۲۸

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِيْ ۴۰

وَتَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ فَجَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ

مُوْسٰى صَعِقًا ۲۶۰

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۵۹۶

وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ

النَّاسِ ۲۸، ۴۰، ۵۳۲

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ

خَلَقَكُمْ ۴۶۹

يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ

اِنِّيْ دَجَّالٌ ..... اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۵۹۰

يَا قَمَرُ يَا شَمْسُ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ ۵۸۷

يَا مَسِيْحُ الْخَلْقِ عَدْوَانًا ۶

يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۲۸

يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَّيَاْتِيْكَ مِنْ

كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۱۲۶، ۲۴۸، ۶۵۱

يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَّيَاْتِيْكَ مِنْ

كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ

مِنَ النَّاسِ۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ

خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۵۳۱

يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۵۳۲

يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَّيَاْتُوْنَ

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَّلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ

اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ ۳۸

يَا فِيْ عَلِيٍّ جَبْهَتِهٖ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْنَا اَحَدٌ ۲۵۳

يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ ۳۸

يَنْصُرُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ

نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ ۲۴۹

فارسی الہامات

آبِ زمزمی ۵۷۳

امن است در مقام محبت سرائے ما ۲۵۷

دستِ تو دعائے تو ترحّم زِ خدا ۵۲۹

روزِ نقصاں بر تو نہ آید ۱۹۲

اُردو الہامات

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری

غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے ۲۵۱، ۲

اس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی ۵۷۵، ۵۸۳

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت

ڈھونڈینگے ۲۹۴، ۴۷۷

بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں ۵۷۳

بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اس دن

سب پر اُداسی چھا جائے گی ۵۹۲

بھونچال آیا اور شدید آیا ۲۶۷

تیرے لیے میرا نام چمکا ۳۱۴

"چوہدری رستم علی" ۲۵۱

خدا تیری ساری مُرادیں پوری کریگا ۶۸

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو

قبول نہ کیا پر خدا اسے قبول کرے گا

اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی

سچائی ظاہر کرے گا ۲۷، ۲۵۶، ۳۲۳

دو شہتیر ٹوٹ گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

رَاجِعُوْنَ ۴۶۹

سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں

جمع کرو علیٰ دینٍ واحدٍ ۵۶۹

سیتالیس برس عمر۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

رَاجِعُوْنَ ۴۸۷

عدالتِ عالیہ نے اس کو بری کر دیا ۵۴۶

کفن میں لپیٹا گیا ۴۸۷

محمد مُنفلح ۳۱۰

مُسلمانوں کا لیڈر ۶۴۸

مَیں اس عورت کو سزا دُوں گا ۲۸۵

مَیں ان کو سزا دُوں گا ۲۸۵

مَیں تجھے یہاں تک برکت دونگا کہ بادشاہ

تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے ۲۸۳، ۲۹۱

ہیں زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کروں گا ۳۳۶

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رویاء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طاعون کے متعلق دو رویاء ۶

حضور کے چند رویاء جن میں آپ نے فرشتوں کو دیکھا ۶۹

ایک رویاء جس میں حضور نے ایک نوجوان عورت کو دیکھا جو کہہ رہی تھی۔ میں اس گھر سے جانے کو تھی مگر تیرے واسطے رہ گئی ۶۹

ایک رویاء ۱۹۲

ایک کاغذ دکھایا گیا جس میں کچھ سطور فارسی خط میں ہیں اور باقی خط انگریزی میں ہے ۲۲۸

مرزا سلطان احمد صاحب اور تین فرشتوں کا دیکھنا ۲۵۵

۳ر اپریل ۱۹۰۵ء کی رویاء کا اگلے دن پورا ہونا ۲۵۵

زلزلہ کے متعلق ایک رویاء ۲۶۲

شیخ رحمت اللہ کی گھڑی کو گرتے دیکھنا ۲۸۸

رویاء میں ایک لفافہ دیکھنا جس میں کچھ پیسے ہیں ۳۱۴

مولوی عبداللہ سنوری کو دیکھنا کہ وہ کسی کاغذ پر حاکم سے دستخط کرانا چاہتے ہیں ۳۵۳

مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق ایک رویاء ۳۶۱

خواب میں بُھنے ہوئے چنے اور منقہ دیکھنا ۴۸۸

دیکھا کہ بڑا سخت زلزلہ آیا ہے ۴۹۴

ہاتھی والی رویاء کا ذکر ۵۷۲

قرب وفات کے بارہ میں حضورؑ کی ایک رویاء ۵۷۳

ایک مُرغی کو کچھ بولتے ہوئے دیکھنا ۵۸۲

رویاء میں دیکھنا کہ رلیا رام وکیل نے ایک سانپ حضور کی طرف بھیجا ہے اور حضور نے اسے مچھلی کی طرح تل کر واپس بھیج دیا ۶۳۷

رویاء میں دیکھنا کہ ایک شخص نے حضور کی ٹوپی اُتارنے کے لیے ہاتھ مارا ... ۶۳۹

غلام حسین قاضی سید وشرزی اسسٹنٹ جج ملازمت کے سلسلہ میں حضور سے مشورہ طلب کرنا ۲۲۶

آپ کے بیٹے کی وفات پر آپ کو صبر کی تلقین ۲۹۵

غلام دستگیر قصوری

کہنہ سے کفر کا فتویٰ لایا تھا ۳۶۲

غلام رسول حافظ وزیرآبادی

وزیرآباد اسٹیشن پر حضور اور آپ کے ساتھیوں کی سوڈا واٹر سے تواضع ۱۸۵

مولوی محمد ابراہیم صاحب کو حضور کی خدمت میں پیش کرنا ۲۳۹

غلام رسول راجیکی

اپنا بے نقط مولیٰ قصیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سنانا ۴۵۴

غلام مرتضیٰ مرزا

فن طبابت میں مشہور تھے آپ فرماتے تھے کہ کوئی نسخہ حکمی نہیں ۸۰

ف

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے فرمانا کہ خدا کے حضور پیغمبر زادگی کام نہیں آتی ۸۱، ۱۲۵، ۳۴۵

فاطمہ زوجہ حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل

۲۸ر جولائی ۱۹۰۵ء کو آپ کی وفات پر آپ کا ذکر خیر ۳۰۷

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ساتھ آپکی خاص محبت ۳۰۸

فتح مسیح (پادری)

حضور کے بھجوائے ہوئے ایک رسالہ پر اس کا لکھنا کہ جس قدر دل آپ نے دُکھایا ہے کسی اور نے نہیں دکھایا ۲۱

حضور نے اسے لعنت کا مفہوم سمجھایا ۴۳۱

فرعون

۳۰۸ و ۳۱۹، ۳۴۶، ۳۴۳، ۶۶۳

موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ۵۴۴

بنی اسرائیل کو ایک تباہ ہونے والی قوم سمجھتا تھا ۲۶۱

فرعون کی طرح آفت میں پڑکر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا ۲۷۶

ڈوبتے وقت کہا کہ اب میں موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لایا ۶۹، ۱۰۸

ریاکار فرعون سے بھی بڑھ کر شقی اور بدبخت ہوتا ہے ۸

مومن کی تشبیہ فرعون کی بیوی سے ۳۶۰

فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

دُنیاداری کو ترک کرنے کا واقعہ ۳۹۵

مجاہدات ۲۴۲

فضل دین حکیم ۱۶۲

فنڈر پادری

اس بات کا اعتراف کہ قیامت کے دن اسلام کے خدا کے بارہ میں سوال ہوگا ۶۴۵

فیروزدین میاں

۲۱ر اگست ۱۹۰۳ء کو حضور کی خدمت میں لاہور حاضر ہونا ۹۴

فیضی

بے نقط تفسیر ۴۵۴

ق

قریش

قریش کا اقرار کہ آنحضرتؐ صادق اور امین ہیں ۱۵۲

قطب الدین خواجہ (دہلی) رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۹

قیصر ۵۱

قیصر کی نمبیاں ۳۶۲

ک

کبیر بھگت

بھیرا اچھا ہوا ہم پنچ بھئے سب کو کریں سلام ۸۱

کرشن جی

خدا کے راستباز بندے تھے ۱۹۳

دل کی پاکیزگی ۱۰۵

کرم دین آف بھین ضلع جہلم

حضور کے خلاف مقدمہ دائر کرنا ۵۴۶

کرم دین ستغیث کے ایک گواہ کا بیان کہ گناہ کہ کے بھی انسان متقی رہتا ہے ۴۲
کسرٹی ۵۱
کسرٹی کی کُنجیاں ۳۶۲
کمال الدین خواجہ ۲۹۷، ۴۵۵
مدرسہ احمدیہ کے لیے جماعت کو مالی قربانی کی تحریک ۶۴۹

گ

گل علی شاہ ساکن بٹالہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک استاد ۶۳۹

ل

لات ۳۷۷
لقمان
کہتے ہیں کہ آپ بھی سیاہ منظر تھے ۳۱۴
لُوط ۳۸۰، ۶۷۰
آپ کے زمانہ میں لوگوں کا خدا سے عہد ٹوٹنا ۳۲۱
لیکھرام آریہ
عظیم الشان نشان ۵۶۸
آتھم اور لیکھرام میں فرق ۲۷۴
اس نے شوخی دکھائی اس کے معاملہ میں تقدیم کی گئی ۲۶۶
لیمار چنڈ کپتان
حضور کے خلاف مقدمہ اقدام قتل کی تفتیش آپ کے سپرد کی گئی ۵۴۵

م

مارٹن کلارک ہنری ڈاکٹر
حضرت مسیح موجود علیہ السلام پر اقدام قتل کا مقدمہ دائر کرنا ۵۴۴
مبارک احمد مرزا ابن حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام
حضور کی ایک رویاء میں آپ کا ذکر ۲۷۳
حضور کی دُعا سے آپ کو دوبارہ زندگی ملی ۴۵۸
متھن لال اکسٹرا اسسٹنٹ بٹالہ
حضور کا ایک رویاء میں ان کو دیکھنا ۳۵۳
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۷۹، ۴۸۳، ۵۳۵

مقام

مقام دنا فتدلّٰی ۳۵۶
سید الاوّلین والآخرین ۶۲۸
حجۃ اللہ ۴۷۱
رحمۃ اللعالمین ۴۵۰
مخبرِ صادق ۱۳۰
قرآن کریم میں آپ کا نام عبداللہ آیا ہے ۳۶۱
آپ کے اسم قاسم کا سِر ۳۵۶
آپ کی بعثت کا زمانہ لیلۃ القدر ہے ۶۷۲
شبیہ موسیٰ ۳۱۳
حضرت عیسیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے بھی لائق نہیں ہوں ۵۳۸
افضل اور جامع کمالات ۳۴۸، ۳۴۲، ۵۰۸
خاتم الانبیاء اور جمیع کمالاتِ نبوت کے مظہر ۳۴۱، ۳۴۱، ۳۴۶
جس قدر اخلاق اور خوبیاں انبیاء میں تھیں وہ سب کی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھیں ۱۱۳
آپ خاتم النبیین اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے ۵۵۸
تمام انبیاء سے افضل اور بہتر تھے یہانتک کہ آپ پر سلسلۂ نبوت اللہ نے ختم کر دیا ۱۵۲
آپ پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے ۵۵۳
آپ کی معجزانہ قوتِ جاذبہ ۱۸۰، ۴۲۱
آپ کا صحابہ کو فرمانا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ ۵۸۰
دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہنا ۵۱
آپ بکریاں چرایا کرتے تھے ۹۰
مال جمع نہ فرمانا ۴۴۳
آپ پر غربت اور امارت کے ادوار ۹۱
ریاضت و مشقت کی زندگی ۵۲
تیرہ سال دُکھ اُٹھاتے رہے ۲۴۰
عظیم الشان صبر ۱۵۳
آپ کے بارہ بچے فوت ہوئے ۹۸، ۱۹۰
بشریت کا اقرار ۴۱۴
اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین ۱۹۶
اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا تھے ۱۴، ۴۰۲
آسمانی اور زمینی واقعات پر خشیتِ الٰہی کا آپ پر اثر ۲۵۴
جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے عمل سے جنت میں جائیں گے تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، بلکہ خدا کے فضل سے ۲۱۲
اپنی بیٹی فاطمہ سے فرمایا کہ قیامت کو پیغمبر زادگی کام نہ آئے گی ۱۴۵
آپ کی ترقی کا باعث آپ کے دل کی طہارت تھی ۳۷۶
عبادات میں اخفاء ۶۶۴
شدید گرمی میں تنہا غارِ حرا میں جا کر عبادت فرمانا ۳۱۶
باوجود فوجیوں کے آپ ساری ساری رات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گذارتے تھے ۵۱
راتوں کی تنہائی میں سجدہ ریز اور محوِ دُعا ۱۵، ۴۲۲
کثرتِ عبادت سے پاؤں متورم ہو جاتے ۵۳
قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ۶۰۵
بلند اخلاق ۲۹۰
آپ کے وجود سے تمام اخلاق کا اظہار ۳۱۷
تعلیم کے ساتھ آپ کا عملی نمونہ ۹۱
بہادر اور شجاع ۳۱۷
آپ کی معجزانہ استقامت ۴۶
رحم مجسم اور مخلوق سے بے نظیر ہمدردی ۴۲۱، ۴۱۸
مخلوق کی ہدایت کے غم کی شدت ۳۰۷
فتح مکہ کے موقعہ پر عفو و درگذر ۳۱۸
اگر میں کسی کو دُنیا میں دوست رکھتا تو ابوبکرؓ کو رکھتا ۵۶۸
قاسم ۱۴۷
اکرام ضیف ۱۴۶
اگر آپ دس روپے قرض لیتے تو ادائیگی کے وقت ایک سو تک دے دیا کرتے ۹۴
قریش کا اقرار کہ آپ صادق اور امین ہیں ۱۵۳

آپؐ نے اپنے سر کے بال ایک شخص کو دیئے تھے ۲۹۴

آپ کی رسالت ہی اللہ کی ہستی کا زندہ ثبوت ہے ۳۴۳

محمدؐ رسول اللہ پر ایمان دہریہ ہونے سے بچاتا ہے ۶۱۰

آپؐ نے اگر وہ خدا پیش کیا جو انسانی کانشنس اور فطرت چاہتی ہے ۱۴۰

آپؐ سے بڑھ کر کوئی انسان کامل نہیں ۴۶۱

مَیں اُمّت کا فرط ہوں ۲۹۱

آپؐ کے متعلق بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے الفاظ کی حکمت ۱۶۱

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ۶۲۸

افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیح کو افضل نہ قرار دو ۱۳۴

جس بوجھ نے آنحضرت کی پیٹھ توڑ دی تھی وہ ملّت خاتمی کا بوجھ تھا ۶۷۴

خدا نے اُمّت میں مسیح موعود پیدا کر کے آپؐ کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے ۴۲۵

خصائص

آپؐ کی بعثت کے وقت دُنیا کی حالت

آپؐ کی صداقت کا ثبوت ہے ۵۷۸، ۶۷۰

حضورؐ کی قوتِ قدسیہ کا کمال فیضان ۴۲۳، ۴۲۷، ۴۳۰، ۴۶۸، ۵۹۱، ۵۹۳، ۶۶۰

آپؐ کی اتباعِ کاملہ کی برکات ۴۰۵، ۴۳۳، ۴۵۱

جو کچھ ٹوٹا گاؤ آپؐ کی سچی اور کامل اطاعت اور اتباع پر ملے گا ۴۰۵

مجاہدہ میں آپؐ کے اسوہ کی پیروی کی ضرورت ۲۴۰

زندہ نبی ۵۴۹

آپؐ کے فیوض و برکات قیامت تک جاری ہیں ۴۰۵، ۴۲۷، ۴۵۲، ۵۵۳

آپؐ کی روحانی اولاد اور آپؐ کے انوار و برکات ۴۳۳

اُمّت میں آپؐ کے بروز اور ظل ۴۰۶، ۴۷۲

جلیل الشان اور اولوالعزم ۵۵۴

آپؐ کی بے مثال کامیابی ۳۴۶، ۳۴۸، ۶۷۱

آپؐ کی بے نظیر خوش قسمتی ۵۷۷

جو مجھ پر ایمان لائے اوّل وہ مصائب کے لیے تیار رہے ۹۸

باوجود مشکلات کے بے مثال ترقی ۴۸۱

آپؐ کی شدید مخالفت ۵۸۹

محض خدا تعالیٰ کے لیے سب سے بگاڑ لینا

آپؐ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے ۱۹۵

سیرت

آپؐ طبعاً خلوت پسند تھے ۷، ۳۴، ۳۱۷، ۶۶۴

فروتنی اور انکسار ۴۳۷

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ۴۱۷

واقعات

ایک رئیس قریش کا آپؐ کو تَبًّا لَّکَ سَائِرَ الْیَوْمِ کہنا ۱۵۳

آپؐ کی مخالفت کا زمانہ تیرہ برس تک ممتد ہوا ۱۵۳

بدر میں آپؐ کی دعا ۴۷۸

آپؐ کی وفات پر صحابہ میں فرطِ غم ۱۳۵، ۴۹۷، ۵۷۵

آپؐ کی وفات تریسٹھ برس میں ہوئی ۵۳۸

قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملنے کی خبر حضرت عمرؓ کے ذریعہ پوری ہوئی ۳۶۲

متفرق

آنحضرت کا ایک فارسی الہام ۱۶۷

آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ۳۳۴

آسمان پر جانے کا معجزہ دکھانے سے انکار ۱۱۳، ۳۲۳، ۴۰۹

شبِ معراج تمام انبیاء کو آسمان پر دیکھنا ۳۲۳

احیاء موتیٰ سے انکار ۴۱۰

آپؐ کی جنگیں مدافعت میں تھیں ۲۱۸

آپؐ کے استغفار کی حقیقت ۳۱۵

آپؐ کے زمانہ میں لوگوں کا خدا سے بُعد ۲۲۱

تبلیغ رسالت میں مشکلات ۱۵۲، ۵۴۴، ۶۹۱

آپؐ کے عہد رسالت میں اسلام کی اشاعت کا دائرہ ۵۷۴

آپؐ کے لیے توفّی کا لفظ آئے تو مسلمان اس کے معنی موت کے کرتے ہیں ۱۵۹، ۵۲۲

آپؐ کا وجود مبارک جس کی دنیا کو ضرورت تھی وہ تو تیرہ سو برس گذر گئے خاک میں دفن ہوا اور مسیح آسمان پر ہو؟ ۱۱۳

عقیدہ حیاتِ مسیح سے آپؐ کی توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے ۵۳۸

مَیں اس شخص سے بہت خوش ہوں جس نے کتاب حیات النبی لکھی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص آنحضرتؐ کے سوا کسی نبی کو زندہ کہے وہ کافر ہے ۱۱۳

آپؐ کی محبت کا تقاضا ۵۴۰

محمد انصاری شیخ حافظ الحدیث سہارنپوری

آپ کے برادر زادہ و شاگرد مولوی احمد سعید کی قادیان تشریف آوری ۲۲۰

محمد مولوی لکھو کے

ناکامی کی موت ۲۶۲

محمد ابراہیم مولوی

آپ کو حافظ غلام رسول وزیرآبادی نے حضور کی خدمت میں پیش کیا ۲۲۹

محمد احسن امروہی - مولوی ۸۵

مختار الصحاح سے توفّی کے معنی دکھلانا ۵۱۱

حضورؑ نے فرمایا کہ آپ مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو زبانی قرآن و حدیث اور مناظرہ کی تعلیم دیں ۶۲۰

محمد اسحاق میر

آپ کی شفایابی کے متعلق الہام سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۲۹۶

محمد اسماعیل دہلوی - بابو ۳۰۷

محمد اسماعیل علیگڑھی - مولوی

ناکامی کی موت ۳۶۳

محمد افضل منشی ایڈیٹر اخبار البدر

آپ کی وفات پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا بطور ایڈیٹر تقرر ۲۵۱

محمد حسن (لدھیانہ) ۵۳۴

محمد حسین بٹالوی ابوسعید ۲۸۹

میرے ہم سبق تھے اور اکثر قادیان آیا کرتے تھے ۵۲۳

ایک زمانہ میں حضور کا عقیدت مند تھا ۳۶۱

آپ کے کردار کا مثبت پہلو ۳۱۳

براہین احمدیہ پر ریویو لکھنا ۵۱۷، ۵۳۲

آپ کے متعلق ایک رویاء ۳۶۱

معلوم نہیں وہ کونسی بدی تھی جس نے اس کو سلسلہ کی شناخت سے محروم رکھا ۳۱۳

جنہوں نے بنارس تک پھر کر کفر کا فتویٰ حاصل کیا جبکہ پہلے وہ براہین پر ریویو لکھ چکے تھے ۱۲۷

مارٹن کلارک کے مقدمہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف شہادت دینا ۵۴۴

حضور کے ایک اشتہار پر اعتراض ۳۱۵

صدی کے بارہ میں مذہب ۵۵۲

محمد حسین آف بھین ضلع جہلم

ناکامی کی موت ۳۶۳

محمد حسین خلیفہ پٹیالہ والے

اچانک وفات ۴۸۴

محمد حیات خان نواب

ان کی دُعا کی درخواست پر حضور نے ان کو قبل از وقت ان کی بحالی کی خبر دے دی تھی ۳۸۱

محمد خان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات قلمبند فرمانا ۴۵۹

محمد صادق مفتی ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۸۹

حضور کی طرف سے آپ کا بحیثیت ایڈیٹر اخبار البدر تقرر اور آپ کی خوبیوں کا ذکر ۲۵۱

پرنسپل نیشنل تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ۷۹

اشتہار الندا کی پروف ریڈنگ کے لیے حسب ارشاد لاہور روانگی ۲۶۶

سفر دہلی میں حضور کا آپ کو ساتھ بھیجنا ۴۸۶

آپ سے حضرت اقدس کا فرمانا کہ دلی کے اولیاء کے مزارات کی فہرست بنائی جائے ۴۸۸

حضور کے ارشاد پر بائیبل سے بعض حوالے نکالنا ۳۱۵

علالتِ طبع پر حضور کی عیادت ۲۲۴

آپ کی بیٹی کی وفات پر حضور نے صبر کی تلقین فرمائی ۲۹۱

حضور کی خدمت میں اپنی ایک رویاء کا ذکر ۳۸۲

حضور کی خدمت میں طاعون کے بارہ میں اپنی رویاء کا ذکر ۳۸۷

لاہور کے لارڈ بشپ کے دعویٰ کا جواب دیکر اسے ساکت کر دینا ۴۹۶، ۵۲۰

تہذیب کے موضوع پر سٹریچی کے لیکچر کا ذکر ۳۳۱

ایک یورپین شخص پال کلاتھیوس کا خط حضور کی خدمت میں پیش کرنا ۲۲۶

عیسائیوں کا ایک رسالہ حضور کی خدمت میں سُنانا ۴۶۶

ایک عیسائی وفد کی حضور سے ملاقات کروانا ۱۶۸

محمد علی ایم۔اے مولوی

آپ کی علالت میں آپ کو فرمانا کہ میرے خیال میں اگر آپ کو طاعون ہو تو پھر اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ الہام اور یہ سب کاروبار عبث ٹھہرا ۲

جماعت کو آپ جیسے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے ۵۷۳

پالم پور کے ایک انگریز کا خط پڑھ کر سُنانا ۲۹۷

محمد علی خان نواب رحمۃ اللہ

حضور کی شفاعت سے آپ کے بیمار صاحبزادے کی تقدیر مبرم ٹل جانے کی حقیقت ۶۸

خط میں لکھنا کہ میں اب لاہور ہرگز نہیں رہ سکتا مجھے باغ کے کسی گوشہ میں جگہ دیدیں ۲۶۳

ایک غیر از جماعت سے اپنی گفتگو کا ذکر ۶۲

محمد علی خان ڈاکٹر۔ افریقہ

نماز کے بارہ میں ایک استفسار ۱۹۲

محمد عمر

یکے از مخالفین ۳۶۲

محمد عمر منشی لدھیانہ ۵۲۴

محمد منظور ابن مفتی محمد صادق

آپ کی رویاء کا حضور کی خدمت میں ذکر ۲۵۹

محمود غزنوی سُلطان

اشاعتِ اسلام میں حصّہ ۵۸۳، ۵۸۹

مریم علیہا السّلام ۳۱۵ و ۵۹۰

یہود کے الزامات ۴۰۸

آپ کے مس شیطان سے پاک ہونے کی حقیقت ۴۰۹، ۶۳۵

ہندوستان آنے کا ذکر ۳۸۹

مسیلمہ کذّاب

اس کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھے ۵۷۹

نصرتِ الٰہی سے محرومی ۲۲۴

اس کی مخالفت نہیں ہوئی ۵۸۹

ملاکی نبی علیہ السّلام ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۲۰

آپ نے مسیح سے پہلے ایلیاہ کے آنے کی پیشگوئی فرمائی ۱۵۵، ۳۵۹، ۴۲۰، ۵۶۰

میر درد خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۹

مشرف الدین احمد مولوی

آپ کے صاحبزادہ کے لیے ایڈیٹر الحکم کا حضور کی خدمت میں درخواست دعا کا ۲۵

مظہر الدین شیخ انسپکٹر پولیس پشاور

اپنی ہمشیرہ کے لیے سکینت کی دُعا کی درخواست کرنا ۳۰۹

معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

مجاہدات ۲۴۲

موسیٰ علیہ السّلام

۳۱۲، ۴۸۳، ۴۸۶، ۵۱۲، ۵۲۵، ۵۲۲، ۵۷۲

آپ کی والدہ کو بھی وحی ہوئی ۵۱۳، ۱۰۰

بنی اسرائیل کا آپ کو فوراً قبول کرنا ۱۵۳

وعدہ کی سرزمین دیکھے بغیر وفات پائی ۶۷۱

آپ کی قوم کا ناپسندیدہ نمونہ ۲۹۰، ۳۲۵

جب آپ کی اُمت نے خدا کے حکموں کی قدر نہ کی تو بجلی سے ہلاک کئے گئے ۱۴۹، ۱۱۲

فرعون کی غرقابی کا باعث موسیٰ علیہ السلام کے مصائب ۳۴۶
مامور ہونے پر فرعون کے پاس جانے میں عُذر کرنے کا بہتر ۶۶۳ ، ۷
آپ پر الزام لگایا گیا تھا کہ عذاب ان کی شامت اعمال سے آیا ہے ہیں ۶
فرعون اور فرعونیوں کی تکذیب ۵۳۳
فرعون نے آپ کو کافر کہا اور پھر آپ کے خدا پر ہی ایمان لایا ۱۸۰ ، ۶۹
مخالفت کے باوجود کامیابی ۳۷۸
آپ کے زمانہ میں بھی جھوٹے مدعیانِ امام تھے ۲۳۴
آپ کے زمانہ میں لوگوں کا خدا سے بُعد ۲۲۱
بلعم کی مخالفت ۴۷۸
آپ کی اُمت میں پے در پے چار سو انبیاء کی بعثت ۱۰۹
مسیح علیہ السلام پر آپ کے خلفاء کا سلسلہ ختم ہوگیا ۴۵۲ ، ۴۱۰
حضرت عیسیٰ کی بعثت کے وقت فقیہ اور فریسی آپ کی گدی پر بیٹھے تھے ۶۷۱
آنحضرتؐ کے مقابل پر آپ کو تبلیغ رسالت میں کم مشکلات پیش آئیں ۱۵۲
موسوی قوم کی جنگوں اور اسلامی جنگوں کا موازنہ ۴۷۷
ساحرین موسیٰ کے لیے لفظ توفّی کا استعمال ۱۱۳
اس زمانہ کے متعلق آپ کی پیشگوئیاں پوری ہوں گی ۱۱۱
آپ کی طرف سے ایک سوال کا جواب ۵۶
آپ کو مثیل موسیٰ کی بشارت دی گئی ۴۳۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل موسیٰ ہونا ۳۱۳
آپ کی جماعت شریر اور کج فہم تھی ۵۹۱
آپ کی والدہ نے خدا کے کلام پر ایمان قائم کرکے اپنے بچے کو دریا میں ڈال دیا ۳۱۴
خدا کی تجلّی سے مُوسیٰ بے ہوش ہوا ۲۶۰
اولوالعزم رسول ۵۷۶
استغناء اور علوّ ہمتی ۴۱۹
آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں ۹۰
معاویہ ۵۸۰ ، ۵۸۹

ن

ناصر نواب میر ۳۶۷
آپ کی بیماری ایک رویا کی تعبیر ۴۹۴
آپ فرماتے تھے کہ دوا سے امید نہیں رکھنی چاہیے ۳۸۲ ، ۳۸۷
نانک
ہم آپ کو ہندوؤں کے درمیان ایک اوتار اور بزرگ مانتے ہیں ۶۷۵
مَیں بابا نانک صاحب کو بھی خدا پرست سمجھتا ہوں ۱۶۳
نبی بخش منشی
کو سُنّہ سے ملاقات کے لیے آمد ۳۶۵
ایک ہندو کے لیے دُعا کی درخواست ۳۶۶
نبی بخش معرا المعروف عبدالعزیز نمبردار بٹالہ
ایک تفسیر قرآن لکھنے کا ارادہ اور حضور کی آپ کو نصیحت ۷۵
نذیر حسین دہلوی مولوی
مہدی کے بارہ میں مذہب ۵۵۳
ناکامی کی موت ۳۶۳
نصراللہ خان پلیڈر چوہدری
سیالکوٹ سے ملاقات کیلئے حاضری ۳۶۷
نصرت جہاں بیگم سیدہ۔ حرم حضرت مسیح موعودؑ
آپ ہمارے نکاح والی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے رو رو کر دُعائیں کرتی ہیں ۵۰
آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے:
صوفیا! سب مسیح ہے تیری تراہ تیری تراہ ۲۹۴
نصیرالدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۹
نظام الدین اولیا خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۰۹ ، ۴۹۱ ، ۴۹۹
بادشاہ کے عتاب سے معجزانہ نجات ۴۸۶
نظام الدین مرزا ۲۵۵
نظام الدین (مولوی)
ایک فیراحمدی جو حضرت اقدس سے بحث کرنے آیا تھا ۵۱۱
نظیر حسین منشی
فوٹو گرافی کے بارہ میں استفسار ۱۸ ، ۱۹
نمرود
نمرودی زندگی ۵۲
نوح علیہ السلام ۳۲۳ ، ۳۸۰
آپ کے زمانہ میں لوگوں کا خدا سے بُعد ۲۲۱ ، ۳۰۹
طوفان آنے سے پہلے ایک طوفان نود آپ پر آیا ۳۴۶
آپ کو کشتی بنانے کا حکم ۶۲۲
بیٹے کا ذکر
اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو شاید نوح کی طرح کا ایک طوفان آکر دنیا کو ہلاک کر دیتا ۶۷۱
نور احمد شیخ (جالندھر)
حضرت مولوی عبدالکریم کے متعلق اپنی ایک خواب حضور کی خدمت میں بیان کرنا ۳۶۵
ایک نشان کے گواہ ۳۶۷
نورالدین حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل
حضور کا آپ کو ارشاد کہ مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو قرآن شریف، حدیث اور مناظرہ کی تعلیم دیں ۹۲۰
حضرت اقدس کی عبدالعزیز نمبردار بٹالہ کو نصیحت کردہ قرآن شریف کی تفسیر لکھنے میں آپ سے مشورہ لیں ۷۵
آپ کی بڑی بیوی فاطمہ کی ۱۹۰۵ء میں وفات پر حضور نے ان کا جنازہ پڑھایا نیز ان کا ذکرِ خیر ۳۰۷
آپ کے صاحبزادہ عبدالحی کے متعلق پہلے سے خبر ۳۶۲
آپ کی علالت پر حضرت اقدس کا آپ کے لیے دعائیں فرمانا ۲۲۵
حضور کے ارشاد کی تائید میں ایک قرآنی آیت پیش فرمانا ۲۸۳
حضور سے عرض کرنا کہ آریوں نے آنحضرتؐ

اور قرآن کریم کے خلاف بہت گندے کلمات لکھے ہیں ۱۹۲

روس اور جاپان کی جنگ کا حضرت اقدس کی خدمت میں ذکر ۱۶۶

آپ کا ایک لطیف تفسیری نکتہ بابت آیت فَانْعَمَهٗ بِرَاْتِ اَمْرٌ ۱۹۴

مجددین کے بارہ میں آپ کا فرمودہ ایک لطیف نکتہ ۲۳۶

حضور کی خدمت میں عرض کرنا کہ کانگڑہ میں فحاشی بہت تھی ۲۹۱

عرض کرنا کہ الہام عفت الدیار میں الدیار سے مراد کانگڑہ کی وادی معلوم ہوتی ہے ۲۹۲

آپ نے فرمایا کہ ہماری مسجد میں خود امام الوقت بھی مقتدی بن کر نماز پڑھتا ہے ۱۷۰

نوشیرواں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوشیرواں کے عہدِ سلطنت پر فخر فرماتے تھے ۵۴۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آپ کے ایک نکتہ کی تائید ۳۲۴

تجارتی روپیہ کے منافع کے بارہ میں حضور سے استفسار ۱۶۵

حضرت منشی احمد جان لدھیانوی کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار ۳۲۵

اپنے ایک استاد کی خواب کا ذکر ۲۶۶

گوجرانوالہ کے ایک صاحب کے سوالات کا جواب دینا ۵۶

ایک شخص کی قید سے رہائی کے لیے اسے استغفار کی نصیحت ۱۶۶

آپ نے مراق کے تین علاج بتائے ۱۶۴

نور محمد حکیم

طاعون کے بارہ میں حکیم صاحب کا ایک سوال ۳۶

نیل۔ ڈی ہیڈ ماسٹر مشن سکول گجرات

حضور کی خدمت میں تحریراً چند سوالات پیش کرنا ۴۸۴

◎

و

وزیر الدین ہیڈ ماسٹر سجان پور

زلزلہ ۴ر اپریل ۱۹۰۵ء میں معجزانہ طور پر محفوظ رہنا ۲۶۴

ولی اللہ شاہ (محدث دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ ۳۸۹، ۳۹۹

بزرگ اہلِ کشف اکرامت ۵۰۲

آپ نے لکھا ہے کہ میں بھی تالعین میں سے ہوں ۲۹۷

اہلِ دہلی کے بداراووں سے اللہ تعالیٰ کا آپ کو بچانا ۴۹۰

موعود مسیح کے لیے چراغ الدین کے اعداد میں پیشگوئی ۲۷

آپ کی کتاب الفوز الکبیر میں توفی کے معنی موت ۵۲۷

آپ کی قبر پر حضور کا فاتحہ پڑھنا ۵۰۲

ہ

ہارون علیہ السلام

فرعون کا ڈوبتے وقت موسیٰ اور آپ کے خدا پر ایمان لانا ۶۹

ہارون الرشید عباسی خلیفہ ۸۹

مصر کا علاقہ ایک حبشی کو دینے کی وجہ ۴۰۸

ہدایت اللہ میاں احمدی شاعر لاہور

حضرت اقدس کا آپ کو مزید قیام کے لیے فرمانا ۷۹

ی

یار محمد مولوی بی او ایل

آپ کے اخلاص اور یکرنگی کا ذکر ۴۸۴

یحییٰ علیہ السلام نیز دیکھئے ایلیا ۳۰۰، ۵۷۱

آپ بانجھ سے پیدا ہوئے ۵۷۰

ایلیاء کی آمد ثانی کے مصداق ۳۵۷، ۳۵۸، ۴۳۶

آپ کو مثیل الیاس نہیں بلکہ ایلیاء ہی قرار دیا گیا ۵۶۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ کے ساتھ دیکھا ۲۴، ۱۳۰، ۲۹۹، ۳۲۵، ۶۳۲

یزید ۶۵، ۵۷۲

یزید کا بیٹا نیک بخت تھا ۵۸۰

یسوع دیکھئے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

عیسائیوں نے غلو کر کے آپ کو خدا کا درجہ دے دیا ۵۵، ۲۹۱

یشوع بن نون

حضرت موسیٰ کے خلیفہ جو ارضِ موعود میں داخل ہوئے ۵۷۶

یعقوب علیہ السلام

آپ کو وہ حواس ملے تھے جو دوسروں کو نہیں ملے تھے ۲۴۶

حضرت یوسف کے بارہ میں کشف ۲۴۵

بیٹوں کو متفرق دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت کی حکمت ۲۷۱

یعقوب بیگ مرزا ڈاکٹر ۴۹۱

سفر دہلی میں حضور کی معیت ۵۰۳

دہلی میں حضرت اقدس کے ملفوظات قلمبند فرمانا ۴۹۹

آپ کی ایک رویا اور اس کی تعبیر ۳۸۳

یعقوب علی عرفانی ایڈیٹر الحکم

مولوی شرف الدین احمد کے صاحبزادہ کے لیے حضور کی خدمت میں درخواست دعا ۲۵۰

اس امر کی گواہی دینا کہ نواب عبدالرحیم کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے نئی زندگی دی ۴۵۸

یعقوب علی شیخ

اشتہار انذار کی طباعت کے لیے لاہور روانگی ۲۶۶

الحکم میں ایک اشتہار کی اشاعت پر اظہارِ معذرت ۴۷۴

یوحنا ابن زکریا یحییٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ مسیح سے پہلے جس الیاس کے آنے کی پیشگوئی ہے وہ یوحنا ہے ۵۵، ۱۸۹، ۲۲۳، ۴۳۶، ۵۶۸

یوسف علیہ السلام ۵۷۸

آپ کی والدہ بہت ضعیف تھیں اور

کوئی اولاد نہ تھی تورات میں لکھا ہے
کہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اس کے
رحم کو کھولا ۱۶۴
آپ نے فرمایا میں اپنے نفس کو بری نہیں
ٹھہرا سکتا کیونکہ نفس امارہ بدی کی تحریک
کرتا ہے ۲۰۰
حَسَّرِیٰھَا کی تفسیر ۲۳
آپ کے والد کا آپ کی زندگی کے بارہ
میں کشف ۲۳۵
حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں
سے کہا تھا کہ تم ابواب متفرقہ سے داخل
ہونا اس لحاظ سے کہ مبادا کوئی جاسوس
سمجھ کر پکڑ نہ لے ۲۴۱
قرآن کریم میں آپ کے لیے لفظ توفی کا
استعمال ۱۱۲، ۳۵۳
یوسف آسف (یوز آسف)
حضرت مسیح کا ہی نام ہے ۳۸۸
یوسف نجار ۴۶۴
یونس علیہ السلام
آپ کی قوم سے عذاب ٹل جانے کا واقعہ ۵۵۲
آپ کی قوم توبہ کرنے سے بچ گئی ۲۷۴
آپ پر عتاب کی وجہ ۵۵۲
یہودا اسکریوطی غداری مسیح
اس کا موعودہ تخت ٹوٹ گیا ۶۷۲
مسیح کو گرفتار کرانا ۲۲۴

مقامات

آرمینیا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرمینیوں کے
ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھا لیتے تھے ۱۳
اٹاوہ (بھارت)
سید صادق حسین اٹاوی سے حضور
کی گفتگو ۵۱۶
افریقہ ۶۶
افریقہ سے ڈاکٹر محمد علی خان کا نماز کے
بارہ میں ایک استفسار ۱۹۳
افغانستان
یہاں کے لوگ بھی آکر بیعت کرتے
رہتے ہیں ۲۳۰
الہ آباد (بھارت)
ایک انگریز کا کہنا کہ اسے عیسائیت
کے سچا ہونے کے بارہ میں الہام ہوا ہے ۳۳۲
امرتسر ۵۳۳
براہین کی اشاعت سے پہلے یہاں کے
لوگ حضور کو نہیں جانتے تھے ۲۸
ایک دعوت میں حضور کا بائیں ہاتھ سے چائے
کی پیالی پکڑنا اور مخالفین کا اعتراض ۵۲۵
دہلی جاتے ہوئے امرتسر سٹیشن پر مولوی
عبدالکریم مرحوم کا ذکر خیر ۴۸۶
یہاں کے مطبع کے مالک رلیا رام عیسائی
کا حضور کے خلاف ایک مقدمہ دائر
کرانا ۶۳۶، ۶۳۷
ایک امرتسری ملا کا تذکرہ ۱۲
یہاں کے پرچہ اہلحدیث کی مخالفت
کا ذکر ۲۵۹
یہاں سے ایک سکھ کا لکھنا کہ اسے سکھ مذہب
کے سچا ہونے کے بارہ میں الہام ہوا ہے ۳۳۲
باوجود سردی کے طاعون میں شدت ۶۶۸
امریکہ ۶۵
کسوف وخسوف کا پیشگوئی کے مطابق
وقوع ۱۲۲، ۶۶۸
مسیح کی آمد ثانی سے مایوس ہو کر کلیسیا
کو مسیح کی آمد ثانی قرار دینا ۱۸۸
یہاں کے لوگوں کی خداداد فراست ۵۵۰
آئندہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو
اسلام کی طرف توجہ ہوگی ۴۶۳
امریکہ تک حضرت اقدس کا دعویٰ پہنچا ہے ۱۸۷
اہل یورپ وامریکہ کے لیے مسیح موعود
کا فوٹو بھجوانا ۴۷۴
مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں تحریک ۱۱۲
انگلستان ۴۹۶

ب

بٹالہ (بھارت) ۵۳۳
یہاں کے گل علیشاہ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے استاد تھے ۶۳۹
مولوی محمد حسین بٹالوی نے اوائل میں
یہاں کے سٹیشن پر خود حضور کو وضو کرایا تھا ۳۱۳
سیالکوٹ جاتے ہوئے جماعت کے
دوستوں کی بٹالہ سٹیشن پر حضور سے ملاقات ۱۸۲
ایک بٹالوی مولوی کا کہنا کہ قادیان میں
طاعون پڑی ہے اور مرزا صاحب بھی
طاعون سے بیمار ہیں ۱۲
بخارا
بخارا میں براہین احمدیہ کی اشاعت ۲۸، ۵۳۴
بغداد
لفظ توفی کے بارہ میں بغداد میں مباحثہ ۵۱۰
بمبئی
دہلی کی سرزمین بمبئی سے بھی سخت ہے ۴۹۰
یہاں کے ایک نوجوان کا حضور کی
خدمت میں آنا ۲۷۵
یہاں کے ایک تاجر کا حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی تصویر کارڈ پر چھپوانا ۴۷۴
یہاں کے ایک یہودی کا استفسار ۴۹۵
یہاں کے یہود سے حضور کا ان کے اعتقادات
دریافت فرمانا ۶۷۱
بنارس
مولوی الٰہی بخش صاحب کا بنارس سے
حضور کی ملاقات کے لیے گورداسپور
آنا ۳۸
مولوی محمد حسین نے بنارس تک پہنچ کر حضور
کے خلاف فتویٰ کفر حاصل کیا ۱۲۷
بنگال ۲۲۶
بھاگسو
زلزلہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء سے شدید تباہی ۲۶۴
بہلول پور (لائل پور)
۱۱ رمئی ۱۹۰۵ء کی رات کو شدید زلزلہ ۲۶۹
بیاس (دریا)
زلزلہ کی وجہ سے پہاڑی تودہ دریا میں
گرنے سے دریا کا رک جانا ۲۶۳
بیت المقدس ۴۱۶
بیروت ۳۶۴

پ

پالم پور
یہاں سے ایک انگریز کا خط کہ آپ کے رسالہ میں اسلام کی جیسی تائید ہے کہیں نہیں دیکھی ۲۹۷

پٹھانکوٹ
ڈلہوزی سے واپسی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت میں یہاں نشاط اور انشراح پیدا ہونا ۳۱۶

پٹیالہ
خلیفہ محمد حسین پٹیالہ والوں کی اچانک وفات ۴۸۴

پشاور
یہاں کے ایک دشمن مخالفوں کی ایذا رسانی پر صبر کی تلقین ۳۰۲
یہاں سے ہندو نوجوان کا زیارت کے لیے حاضر ہونا ۳۲۶

پنجاب ۴۰۱
پنجاب میں بڑی سعادت ہے ۴۹۰
(صداقت کی قبولیت کے لیے) پنجاب کی سرزمین نرم ہے ۴۷۷
براہین کی اشاعت سے پہلے یہاں کے بہت کم لوگ حضور کو پہچانتے تھے ۲۸
پنجاب میں طاعون پھیلنے کی پہلے سے خبر دی گئی تھی ۵
طاعون کا مرکز ۲۷۰

پنڈی گھیب
یہاں کے منشی حسین بخش تحصیلدار کے نام مولوی محمد حسین بٹالوی کا خط لکھنا ۳۱۳

پیر کوٹ (ضلع گوجرانوالہ)
یہاں کے منشی جلال الدین کے اخلاص کا ذکر ۵۸۶

ت

تُرکی
سُلطان رُوم کو ہتھیاروں کے لیے جرمنی اور انگلستان کی احتیاج ہے ۴۹۶

تیجہ (متصل لودھی ننگل)
چار افراد کی بیعت ۳۱۰

ج

جاپان
رُوس اور جاپان کی جنگ کا حضور کی مجلس میں ذکر ۱۶۷
اس وقت ایک طاقت بن گیا ہے لیکن ان کی سب باتیں یورپ کی نقل ہیں ۶۶۶
عیسائیوں اور آریوں کا جاپان میں تبلیغی مشن کھولنا ۲۹۷
بعض ہندوستانی مسلمانوں کا ارادہ کہ وہ جاپان جاکر اسلام کی تبلیغ کریں ۳۵۱
جاپان میں جماعت کا مشن کھولنے کی تحریک پر حضور نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ جاپانی قوم میں بھی تحریک کی ضرورت سمجھے گا تو خود ہم کو اطلاع دے گا ۲۹۸
جاپان میں اسلام کی تبلیغ کے لیے جماعت میں سے چند افراد کو تیار کیا جائے ۳۵۱
جاپانیوں کے لیے اسلام کے مسائل پر جماعت کو کتاب لکھنے کی ہدایت ۳۷۱ (۳۷۳، ۳۷۴)
اگر میری طرف سے کوئی کتاب اسلام پر جاپان میں شائع ہو تو یہ لوگ میری مخالفت کے لیے جاپان بھی جا پہنچیں۔ ۴۸۱

جالندھر
اس ضلع میں واقع ایک خانقاہ کا ذکر ۱۶۷
دوآبہ جالندھر میں وجوی فرقہ کی آمد ۳۹۶
یہاں سے منشی نور احمد صاحب کا ملاقات کے لیے آنا ۳۶۵

جموں
چراغ دین جمونی کی اسلام کے خلاف ایک تصنیف کا ذکر ۳۸۷

جرمنی ۴۹۶

چین ۱۷۲

ح

حجاز
ریل جاری ہو کر اُونٹنیوں کا متروک ہو جانا ۴۸

حرا
غار حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات ۳۱۶، ۳۲۲

حصار (عمارت)
یہاں کے قاضی غلام حسین وٹرنری اسسٹنٹ کا ملازمت کے بارہ میں مشورہ طلب کرنا ۲۲۶
قاضی غلام حسین کو ان کے بیٹے کی وفات پر صبر کی تلقین ۲۹۵

حیدر آباد (دکن)
یہاں کے کچھ نومبائعین کو حضور کی نصائح ۲۱

د

دمشق
مسیح کے دمشق سے مشرق میں نازل ہونے کا ذکر ۵۱۰

دھرم سالہ
۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ میں تباہی ۲۶۲
جماعت کے تمام افراد کا زلزلہ عظیمہ سے محفوظ رہنا ۲۶۳

دہلی
شہر انقلابات ۵۰۳
دہلی کی مساجد ۵۲۲
ہنوز دلّی دُور است کا واقعہ ۳۸۶
دہلی کے لوگ سخت دل ہیں ۵۱۷، ۵۲۹
اہلِ دہلی کی شورہ پستی اور حضور علیہ السلام کی مخالفت ۳۸۹، ۴۹۰، ۵۰۲
دہلی والوں کا دعویٰ تھا کہ وہاں طاعون نہیں آئے گی، مگر وہاں بھی آگئی ۳۷
اولیائے دہلی کی کرامت ۴۹۱، ۴۹۹
حضور کا بعض بزرگوں کے مزارات پر جانا ۴۸۸، ۵۰۲
۲۲ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس کی دہلی کے لیے روانگی ۴۸۶
ہنوز دلّی دُور است کا واقعہ ۳۸۶
اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا تعلق دلّی سے کیا ہے یہ بھی خالی از حکمت نہیں ۳۷۷
دلّی میں بھی بعض پاک دل ضرور پیچھے رہے

◎

ہوں گے جو آخر اس طرف آئیں گے ۲۹۶، ۴۸۲
حضرت اقدس کی تقریر سے سید الفطرت لوگوں کا اثر لینا ۵۴۲
دینا نگر (گورداسپور)
یہاں کے دو ہندو رئیسوں کا حضور کی خدمت میں گورداسپور آنا ۹
دیوریا ۳۴۱

ڈ

ڈسکہ (سیالکوٹ)
ڈسکہ کے مشنری پادری سکاٹ کی وزیرآباد سٹیشن پر حضور سے گفتگو ۱۸۵
ڈلہوزی
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کسی مقدمہ کے سلسلہ میں ڈلہوزی تشریف لے جانا ۳۱۶

ر

رحیم آباد
یہاں کے ایک نومسلم کا قادیان تشریف لانا ۳۴۱
رنگون (برما) ۶۶
رُوس
حضور کی مجلس میں رُوس اور جاپان کی جنگ کا ذکر ۱۶۷
رُوم
مسیح کے زمانہ کی رُومی سلطنت سے انگریزی سلطنت افضل ہے ۵۴۳
حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کے زیرنگین آیا ۵۷۹

س

سہجان پور ضلع گورداسپور
زلزلہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء سے تباہی اور ایک احمدی کی عجزانہ حفاظت ۲۶۴
سرساوہ
سجادہ نشین سرساوہ شاہ خلیل الرحمٰن برادر سراج الحق صاحب نعمانی کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی پیشگوئی کرنا ۲۴۷
سڑوعہ ضلع ہوشیارپور
یہاں کے دو بھائیوں کا داخل بیعت ہونا ۳۱۳
سہارن پور
یہاں کے مولوی احمد سعید برادر زادہ مولانا شیخ محمد انصاری حافظ الحدیث کا قادیان تشریف لانا ۲۳۰
سیالکوٹ
حضرت اقدس کا سفر سیالکوٹ کا ارادہ ۱۶۸
حضرت اقدس کا سفر سیالکوٹ ۱۷۲
سیالکوٹ کی احمدی جماعت کی طرف سے حضور کو دعوت کا پیغام ۱۶۵
۲ نومبر ۱۹۰۴ء کو سیالکوٹ میں حضرت اقدس کے ملفوظات ۱۸۱
چوہدری نصراللہ خاں پلیڈر کا ملاقات کے لیے حاضر ہونا ۳۶۷
سید والہ
مولوی جمال الدین سید والہ کا ذکر ۵۸۶
شام ۳۸۸
حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کے زیرنگین آیا ۵۷۹
یہاں کا فرقہ یزیدیہ حضرت حسینؓ پر تبرّہ کرتا ہے ۵۰۰
شملہ ۵۴۵

ط

طائف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں کے لوگوں سے دکھ اُٹھانا ۲۳۰، ۴۰۳
طوس
ایک بزرگ کا واقعہ جنکی خواہش تھی کہ طوس میں ان کی وفات ہو ۳۰۸

ع

عرب
اسلام کے ذریعہ اہل عرب میں روحانی انقلاب ۳۲۲، ۳۳۴
کل عرب کا مسلمان ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش اور جذب کی وجہ سے تھا ۳۲۱
حضرت ابوبکر جانتے تھے کہ عرب کی موجودہ حالت مصلح کا تقاضا کرتی ہے ۳۱۸

ق

قادیان - دارالامان ۶۲، ۶۷، ۳۸۳
دمشق سے بین مشرق میں ہے ۵۱۰
قادیان کی آب وہوا لاہور کی نسبت بہت عمدہ ہے ۱۶۴
یہاں آنے کی اصل غرض دین ہو ۸۲
طاعون سے محفوظ رہنے کے بارہ میں الہام ۳۶
قادیان مُہَلِکُوْھَا میں داخل نہیں ہوگا ۳۷
طاعون کے ایام میں اَلْمَدَار کی معجزانہ حفاظت ۱۳
ایک بناوٹی مولوی کا بٹالہ قادیان میں طاعون پڑی ہوئی ہے ۱۲
قریب کے دو گاؤں طاعون میں فوت ہیں ۳۸۴
۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے شدید زلزلہ میں پیشگوئیوں کے مطابق قادیان کا محفوظ رہنا ۲۵۸
براہین کی اشاعت سے پہلے یہاں کے بھی کم لوگ حضور کو پہچانتے تھے ۲۸
ایک گمنام بستی میں دُور دراز سے لوگوں کا آنا ۳۹
مولوی محمد حسین اکثر قادیان آیا کرتے تھے ۵۳۳
بمبئی سے ایک نوجوان کی تشریف آوری ۲۷۵
دسمبر کے اواخر میں قادیان میں آریوں کا جلسہ ۶۴۳
قسطنطنیہ
جس مہدی نے اسے فتح کیا تھا اس کے نام میں بھی محمد کا لفظ تھا ۲۳۶
یہاں بھی براہین احمدیہ پہنچی ہے ۶۵۱

ک

کابل (افغانستان) ۶۶۲
کانگڑہ
۴ اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ میں تباہی اور اس کا موجب ۲۶۱، ۲۶۲

کربلا

کربلائیست سیر ہر آنم ۶۳

کشمیر

شام جیسا سرد ملک اللہ نے مسیح کی ہجرت کے لیے پسند کیا ۳۸۸

مسیح علیہ السلام کا کشمیر آنا ۳۸۹

ایک اعتراض کا جواب ۳۸۹

مسیح کا کشمیر میں ستاسی سال قیام ۳۹۰

یہود کی دس تباہ شدہ قومیں یہاں آباد ہیں ۳۸۸

کشمیر میں مسیح کی قبر کے بارہ میں ایک یورپین کا لٹریچر طلب کرنا ۲۲۷

کشمیر سے آمدہ ایک درست کا نہایت گریہ وزاری سے اظہارِ محبت کرنا ۲۲۸

کوئٹہ

منشی نبی بخش صاحب کا حضور سے ملاقات کے لیے آنا ۳۶۵

گ

گجرات (پاکستان)

مشن سکول گجرات کے ہیڈ ماسٹر ڈی نیل صاحب کا حضور کی خدمت میں چند سوالات پیش کرنا ۴۸۴

گوجرانوالہ

یہاں کے ایک صاحب کا حضور کی خدمت میں آنا ۵۵

گورداسپور ۲۱، ۶۵، ۱۰۸، ۴۸۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اقدامِ قتل کا مقدمہ ۵۴۵

کپتان ڈگلس کی عدالت میں لیمار چند کا حلفی بیان ۵۴۶

رلیا رام کے دائر کردہ مقدمہ میں حضور کی گورداسپور طلبی ۶۳۷

حضرت اقدس کا احاطہ کچہری میں رونق افروز ہونا ۶۱۶

یہاں نازل ہونے والا ایک الہام ۲۵۰

کچہری میں حضور کے فرمودات ۳۶

۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کو حضور کی ایک تقریر ۳۸

حضور کے سفر گورداسپور کے دوران بعض فقہی مسائل کا حل ۸۵

ایک تحصیلدار صاحب کا عرض کرنا کہ ان دنوں فسق و فجور بڑھا ہوا ہے ۸۴

وینا نگر کے دو ہندو رئیسوں کا حضور کی ملاقات کے لیے آنا ۸

گیا

یہاں سے ایک نومسلم کا قادیان آنا ۳۴۱

ل

لائلپور (ضلع جھنگ)

یہاں کے مولوی تاج محمود صاحب کا حضور سے نماز میں سرور اور لذت پانے کے لیے دُعا کی درخواست ۹۳

لاہور ۲۶۶، ۲۷۵، ۳۲۸

قادیان کی آب و ہوا لاہور کی نسبت بہت عمدہ ہے ۱۶۴

نواب محمد علی خان کا لکھنا کہ میں اب لاہور نہیں رہ سکتا ۲۶۳

یہاں سے ایک شخص کا لکھنا کہ میں آپ کو گالیاں دیا کرتا تھا مجھے معاف کیا جائے ۱۱۰

یہاں کے لوگ جانتے ہیں کہ براہین احمدیہ کی اشاعت سے پہلے کوئی حضور کو نہیں جانتا تھا ۲۸

یہاں کے لارڈ بشپ کی "زندہ نبی" کے بارہ میں تقریر اور حضرت مفتی کا جواب ۴۹۵، ۵۲۰

لاہور میں طاعون ۳۷

طاعون سے محفوظ رہنے کے لیے مسلمانوں کا زیارتیں لیکر شہر سے باہر نکلنا ۳، ۱۱

۲۸ اگست ۱۹۰۴ء کو حضرت اقدس کا خطاب ۱۱۴

۲ ستمبر ۱۹۰۴ء بعد نماز جمعہ حضور کی ایک مجلس کا ذکر ۱۳۶

۲ ستمبر ۱۹۰۴ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بارہ ہزار سے زائد آدمیوں سے خطاب ۱۶۰

احاطہ میاں چراغ دین و سراج دین رئیسان لاہور میں حضور کا جماعت کو نصائح فرمانا ۹۴

لائل پور (فیصل آباد)

بہلول پور علاقہ لائل پور میں ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء کو شدید زلزلہ ۲۷۹

لدھیانہ ۴۹۱

(وہ) حشر اور طوفان جو مجھ پر اُٹھا اس کی جڑ اور ابتدا اسی شہر سے اُٹھی اور پھر دلّی تک پہنچی ۵۳۶

یہاں کے تین مولویوں کی ناکامی کی موت ۳۶۲

ایک فحش گو کی دُشنام دہی ۲۷۳

احباب جماعت لدھیانہ کا حضور کی ملاقات کے لیے سپیشل پر آنا ۵۰۳

۴ نومبر ۱۹۰۵ء کو لدھیانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکچر ۵۲۹

حضور کا عیسائیوں کے لیے ایک اشتہار شائع فرمانا ۴۹۶

لکھوکے (پنجاب)

مولوی محمد لکھوکے کی ناکامی کی موت ۳۶۲

لندن ۵۵، ۱۷۳

یہاں بھی براہین احمدیہ کی اشاعت ہوئی ۲۸

لودھی شکل ۳۱۰

م

مدینہ طیبہ ۲۸۹، ۳۴۱، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۷۴

پرانے نام یثرب کے معنی ۳۴۲

کرے مدینہ کی طرف ہجرت کا سبب ۲۳۴

آنحضرتؐ کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی کافروں نے پیچھا نہ چھوڑا ۲۱۸

مدینہ میں اُونٹ کی بجائے جدید سواریاں ۱۳۴

مدینہ میں براہین احمدیہ کا پہنچنا ۲۸، ۵۳۴، ۶۵۱

مصر

خلیفہ ہارون الرشید کا مصر کو ایک حبشی کے سپرد کرنے کی وجہ ۴۰۸

مصر میں براہین احمدیہ کی اشاعت ۲۸

مصر سے بھی بیعت کی درخواست آئی ہے ۱۱۲

مظفر گڑھ

اس ضلع کے ایک عیسائی کا آپ کے ہاتھ پر قبولِ اسلام ۲۷۴

مکہ مکرمہ ۳۴۲، ۳۸۱، ۵۸۳
اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جیسے گرم شہر میں پیدا فرمایا ۳۱۶
آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ کا مکہ میں تیرہ سال تکالیف اُٹھانا ۲۴۰، ۳۱۶، ۴۷۶
اگر تلوار اسلام کا فرض ہوتی تو آنحضرتؐ اسے مکہ میں اُٹھاتے ۵۴۷
یہاں ہی مخالفت ہوئی اور یہاں ہی قبیل اللہ صحابہ پیدا ہوتے ۳۴۶، ۳۸۹
ابولہب کے متعلق مکہ میں پیشگوئی کی گئی تھی، مگر وہ جنگِ بدر کے بعد طاعون سے ہلاک ہوا ۲۸۶
مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا سبب ۲۴۴
اس شہر سے وہ لوگ نکلے جو دُنیا کی اصلاح کرنے والے ٹھہرے ۴۸۲
ہر سال میں کم از کم ایک دفعہ حج کے موقعہ پر مکہ جانے کی غرض ۱۹
یہاں رہنے والے انسانوں کی کمزوریوں کو دیکھ کر مکہ کو بدنام کرنا غلطی ہے ۴۱۶
یہاں بھی براہین احمدیہ پہنچی تھی ۲۸، ۵۳۴، ۶۵۱
غلام دستگیر قصوری مکہ سے کُفر کا فتویٰ لایا تھا ۳۶۲
پیشگوئی کے مطابق اُونٹوں کی بجائے دوسری سواریوں کا آنا ۱۳۳

ن

ناصرہ (فلسطین)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ۴۶۴
نینوہ (عراق)
حضرت یُونسؑ کا شہر ۵۵۲

و

وزیرآباد
یہاں کے ایک شخص کا مسیح کے آسمان پر زندہ موجود ہونے پر قسم کھانے پر آمادگی ۶۱
ایک وزیرآبادی مولوی کا بے جا سوال اور کلام ۱۰۸
ریلوے سٹیشن پر ایک پادری سے گفتگو ۱۸۵

ہ

ہندوستان ۶۶
سلبِ امراض کا فن جاننے والے ۴۶۵
آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت ہندوستان شرک سے بھرا ہوا تھا ۵۵۴، ۶۷۰
تھوما حواری اور مریم کے یہاں آنیکا ذکر ۳۸۹
سلاطینِ ہند کا بھی اسلام کی ترقی میں حصّہ تھا ۵۷۴
یہاں اسلام مُسلمان بادشاہوں نے جبر سے نہیں پھیلایا بلکہ مشائخ اور بزرگوں نے پھیلایا ۵۲۳
اس اعتراض کا جواب کہ ہندوستان میں اسلام اس لیے نہیں پھیلا کہ ہندو ہمسایہ تھے ۳۳۰
یہاں کے اکابر اولیاء ۲۴۲
ایک زمانہ میں اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت بڑا اتحاد اور اتفاق تھا مگر اب فرق آگیا ہے ۱۶۱
مُسلمانوں اور ہندوؤں میں اچھے تعلقات کی خواہش ۱۶۲
اس ملک کی شائستگی اور خوش قسمتی کا زمانہ تب آئے گا جب بُری زبان نہ ہوگی بلکہ دل پر دارومدار ہوگا ۱۶۳
غدر کے بعد انگریزوں نے تمام باغی ہلاک کر دیئے ۲۱۸
ہر حصّہ میں براہین احمدیہ کی اشاعت ۲۸
ہوجن (ضلع سرگودھا)
مولوی شیر محمد صاحب کا ذکر ۵۸۶
ہوشیارپور
یہاں کے پورن چند نام آریہ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مذہبی گفتگو ۶۷۵
مولوی برہان الدین حضور کے قیام ہوشیارپور میں حضور سے ملے تھے ۵۸۵

ی

یثرب
مدینہ طیبہ کا پرانا نام ۴۶۲
یورپ ۶۵
اکلاستِ حربیہ کی ایجاد ۴۴۷
مسلمان بادشاہ بھی یورپ سے ہتھیار خریدتے ہیں ۵۲۱
عیسائیت نے یورپ میں ایک بُت پرستی کو ختم کرکے دُوسری بُت پرستی رائج کر دی ۳۳۱
ایک عاجز انسان کو خدا بنانے کے لیے جوش اور سرگرمی ۳۷۵
شراب نوشی اور سؤر خوری ۳۸۵
کثرت سے خودکشیوں کے اسباب ۳۹۱
"کفارہ کی برکات کا وارث" ۴۶۶
بے پردگی ۱۰۴
طرزِ عمل ۳۸۰
وہاں کے اخبارات اسلام کو اپنی راہ میں روک سمجھتے ہیں ۴۶۹
یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو سمجھتے ہیں کہ انسان بلند رُوحانی مقامات حاصل نہیں کر سکتا ۶۵۸
جاپان کی سب باتیں یورپ کی نقل ہیں ۶۷۶
دنیادار سمجھتے ہیں کہ یورپ کی تقلید سے ترقی ہوگی ۳۷۹
خداداد فراست ۵۵۰
مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں تحریک ۱۱۲
حضرت اقدس کی اپنی فوٹو بنوانے سے یہ غرض تھی کہ یورپ کو تبلیغ کرتے وقت ان کے مذاق کے مطابق تصویر بھی بھجوا دیں ۱۸، ۴۷۴
آئندہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ ہوگی۔ ۴۶۳

ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود

بانی جماعت احمدیہ

جنوری ۱۹۰۶ء تا مئی ۱۹۰۸ء

جلد پنجم

"اگر میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ اس کی تائید اور نصرت میرے شاملِ حال ہوتی اور میں نے قرآن سے الگ کوئی راہ نکالی ہوتی یا قرآنی احکام اور شریعت میں کچھ دخل و تصرف کیا ہوتا یا منسوخ کیا ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے باہر کوئی اور نئی راہ بتائی ہوتی تو البتہ حق تھا اور لوگوں کا عذر معقول اور قابلِ قبول ہوتا کہ واقعہ میں یہ شخص خدا اور خدا کے رسول کا دشمن اور قرآن شریف اور تعلیم قرآن کا منکر اور منسوخ کرنے والا ہے۔ فاسق ملحد مرتد ہے۔ مگر جب میں نے نہ قرآن میں کوئی تغیر کیا اور نہ پہلی شریعت کا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے، ایک شوشہ اور نقطہ میں نے بدلا بلکہ میں قرآن اور احکام قرآن کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جہاں تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگا دی ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل، اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اس کی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اُتارنے والے کو کافر اور مرتد یقین کرتا ہوں تو پھر اس صورت میں اور باوجود میری صداقت کے ہزارہا نشان ظاہر ہو جانے کے جو کہ خدا تعالیٰ نے آج تک میری تائید میں آسمان اور زمین پر ظاہر کئے پھر مجھے جو شخص کاذب اور مفتری اور دجال کے نام سے پکارتا ہے یا جو میری پروا نہیں کرتا اور میری آواز کی طرف کان نہیں دھرتا یقیناً جانو کہ خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑے گا۔"

صفحہ ۵۸۶



ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۱ر جنوری ۱۹۰۶ء

میت کے واسطے دُعا اور صدقات

صبح کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع خدام سیر کرنے کے واسطے باہر نکلے، تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔ بعد دُعا کے ایک شخص نے چند سوال کئے جو درج کرنے کے لائق ہیں۔

سوال۔ قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب۔ میت کے واسطے دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے ان قصوروں اور گناہوں کو بخشے جو اُس نے اس دُنیا میں کئے تھے اور اس کے پس ماندگان کے واسطے بھی دُعا کرنی چاہیے۔

سوال۔ دُعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہیے؟

جواب۔ یہ تکلفات ہیں۔ تم اپنی ہی زبان جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے، میت کے واسطے دُعا کرو۔

سوال۔ کیا میت کو صدقہ خیرات اور قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

جواب۔ میت کو صدقہ خیرات جو اس کی خاطر دیا جاوے پہنچ جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا پڑھ کر پہنچانا حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی

بجائے دُعا ہے جو میت کے حق میں کرنی چاہیئے۔ میت کے حق میں صدقہ خیرات اور دُعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سُنّت سے ثابت ہے۔ لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جاتے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مُہر لگاتا ہے[1]۔

۱۵ر جنوری ۱۹۰۶ء

نبی کی وفات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی

ایک خادم جو باہر سے آیا تھا حضور کی خدمت میں اس الہام کا ذکر کرکے کہ آپ کی وفات کے دن قریب ہیں رو پڑا۔

فرمایا:

یہ وقت تمام انبیاء کے متبعین کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور اس میں ایک نشان خدا تعالیٰ دکھاتا ہے۔ نبی کی وفات کے بعد اس سلسلہ کو قائم رکھ کر اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ در اصل خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ بعض نادان لوگ نبی کے زمانہ میں کہا کرتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار اور چالاک آدمی ہے اور دُکاندار ہے۔ کسی اتفاق سے اس کی دُکان چل پڑی ہے۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد یہ سب کاروبار تباہ ہو جاوے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نبی کی وفات کے وقت ایک زبردست ہاتھ دکھاتا ہے اور اس کے سلسلہ کو نئے سرے سے پھر قائم کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ بہت سے بادیہ نشین مُرتد ہو گئے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ بے وقت موت ہے۔ صرف دو مسجدوں میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ باقی میں بند ہو گئی۔ تب خدا تعالیٰ نے ابوبکر کو اُٹھایا۔ اور تمام کاروبار اسی طرح جاری رہا۔ اگر انسان کا کاروبار ہوتا تو اس وقت اُدھورا رہ جاتا۔ ایسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو نمونہ ایک ناکامی اور تباہی اور پریشانی کا اُن کی اُمّت نے دیکھا تھا اس کی تو کوئی نظیر ہی موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نمائی کا ایک نمونہ دکھانا چاہتا ہے کہ نبی کے زمانہ میں اُن تمام کاموں کی تکمیل نہیں کرتا۔ سُنّت اللہ ہمیشہ اسی طرح سے جاری ہے کہ لوگوں کا خیال کسی اَور طرف ہوتا ہے اور خُدا تعالیٰ کوئی اَور بات کر دکھلاتا ہے جس سے بہتوں کے واسطے صورت ابتلاء پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۶ مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۰۶ء

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام پہلوؤں کو یہی دھوکا رہا کہ وُہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق الیاس کا دھوکا آجتک یہودیوں کو لگا ہوا ہے۔

لکھا ہے کہ ایک بزرگ جب فوت ہوئے تو اُنہوں نے کہا کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو وہاں ایک سبز چڑیا آئے گی۔ جس کے سر پر وہ چڑیا بیٹھے وہی میرا خلیفہ ہوگا۔ جب وہ اس کو دفن کر چکے تو اس انتظار میں بیٹھے کہ وہ چڑیا کب آتی ہے اور کس کے سر پر بیٹھتی ہے۔ بڑے بڑے پُرانے مُرید جو تھے انکے دلوں میں خیال گذرا کہ چڑیا ہمارے ہی سر پر بیٹھے گی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک چڑیا ظاہر ہوئی اور وہ ایک بقال کے سر پر آبیٹھی جو اتفاق سے شریک جنازہ ہوگیا تھا۔ تب وُہ سب حیران ہوئے لیکن اپنے مرشد کے قول کے مطابق اسکو لے گئے اور اسکو اپنے پیر کا خلیفہ بنایا۔

آنیوالا موعُود ایک ہی ہے

ایک شخص نے سوال کیا کہ لکھا ہے کہ مسیح کئی ہوں گے۔

فرمایا:

جیسا تشابہ فی الصُّوَر ہوتا ہے ایسا ہی تشابہ فی الاخلاق بھی ہوا کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صالح کا دل کسی نہ کسی نبی کے دل پر ہوتا ہے لیکن موعود جو آنیوالا تھا وہ صرف ایک ہی ہے۔

مُرسل کا مقابلہ کرنے والے خطا پر ہیں

فرمایا:- جو لوگ پہلے سے غلطی پر تھے اُن کی غلطی اجتہاد تھی۔ اس میں بھی وہ ثواب پر تھے۔ لیکن اِن لوگوں نے ایک مُرسل کا مقابلہ کیا ہے۔ اس واسطے یہ خطا پر ہیں[1]

---

۲۰ رجنوری ۱۹۰۶ء

وحدت کا دشمن

فرمایا:

خدا تعالیٰ ایک وحدت چاہتا ہے جو شخص اپنے بھائی کو بے جا رنج دیتا ہے۔ جھوٹ خیانت یا غیبت میں حصّہ لیتا ہے وُہ اس وحدت کا دشمن ہے[2]۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۱۹ رجنوری ۱۹۰۶ء

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ رجنوری ۱۹۰۶ء

۲۲ر جنوری ۱۹۰۶ء

معجزات

حضرت مولوی محمد احسن صاحب نے اپنی تحریر کردہ پہلے سیپارہ کی تفسیر کا ایک حصّہ سیر میں حضرت کی خدمت میں سُنایا۔ معجزات کا ذکر تھا۔

حضرت نے فرمایا:

علومِ طبعی ہمیشہ ایک رنگ پر نہیں رہتے مگر خُدا تعالیٰ کا کلام ہمیشہ سچّا ہے۔ پہلے طبعی والوں کا خیال تھا کہ آسمان گردش کرتا ہے اور زمین متحرک ہے۔ اب طبعی والوں کا خیال ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ دن بدن کی تحقیقات کا نتیجہ کچھ اَور ہی نکلتا چلا آتا ہے۔ ایک بات کو خدائی قول جان کر اس پر پختہ ہو جانا دُرست نہیں ہے ہر ایک شئے کے اصل سبب کو انسان پہنچ نہیں سکتا۔ صرف اس بات پر معجزات کا انکار کرنا کہ یہ بات ہم نے کبھی ہوتے نہیں دیکھی جائز نہ ہوگا۔ انسان قدرت کے سارے قوانین کا عالم نہیں ہے۔

صرف ترکِ بدی قابلِ فخر نہیں

فرمایا کہ:

صرف بدی کو ترک کرنا کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ اس کے بالمقابل نیکی اختیار کرنی چاہیے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوست کے ہاں دعوت کے واسطے گیا۔ اس دوست نے بہت پُرتکلّف دعوت پکائی اور ہر طرح سے اس کی خاطر کی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو کہنے لگا کہ آپ نے میرے واسطے بہت تکلیف اُٹھائی اور عمدہ کھانا کھلایا۔ مگر مَیں نے بھی آپ پر ایک بھاری احسان کیا۔ میزبان نے کہا کہ آپ بیان فرمائیں تاکہ اَور بھی زیادہ آپ کا مشکور اور ممنونِ احسان ہو جاؤں۔ تب اس نے کہا کہ جب آپ گھر میں نہ تھے اور مَیں یہاں اکیلا تھا۔ اگر اس وقت مَیں آپ کے گھر کو آگ لگا دیتا تو آپ کا کئی ہزار روپے کا مکان اور اسباب سب جل کر راکھ ہو جاتا۔

اس شخص نے ترکِ بدی پر فخر کیا۔ لیکن اس مثال سے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترکِ بدی میں کوئی عمدگی اور فخر نہیں۔[۲]

---

[۱] سہو کتابت سے "غیر" کا لفظ لکھنے میں رہ گیا ہے۔ اصل فقرہ یُوں ہے۔
"زمین غیر متحرک ہے" (مرتب)

[۲] بدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ر جنوری ۱۹۰۶ء

یکم تا ۸ر فروری ۱۹۰۶ء

خوفناک وقت میں بچ رہنا محض اللہ کے فضل پر منحصر ہے

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کو الہام ہوا کہ پچیس ۲۵ فروری کے بعد جانا ہوگا تو کیا اب ہم شہر کے باہر کوئی مکان لے لیں؟

فرمایا:

اس کا مطلب ہم ابھی نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہے اور نہ ہم ابھی باہر جانے کے واسطے کوئی مشورہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے خوفناک وقت میں بچ رہنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم پر منحصر ہے۔ صرف اندر رہنا یا باہر جانا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو ظاہری اسباب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سچے دل کے ساتھ خدا تعالےٰ کی طرف جھکنا چاہیئے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے۔ استغفار بہت کرنا چاہیئے اور اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرنی چاہیئے۔ سوائے اس کے کوئی صورت بچاؤ کی نہیں۔ زلزلہ کے متعلق متواتر الہامات ہو چکے ہیں اور خوابیں آتی ہیں۔ اور بھی بہت لوگوں نے ایسے خواب دیکھے ہیں[1]۔

۱۱ر فروری ۱۹۰۶ء

دُعاؤں کی قبولیت

فرمایا:

بڑے شکر کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو دُعائیں کی جاتی ہیں وُہ اکثر قبول ہوتی ہیں۔ قضاء و قدر تو رُک نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر ایک کام کرتا ہے۔ لیکن اکثر دُعاؤں میں اپنی مُراد کے مطابق کامیابی ہو جاتی ہے اور ایک قطعی اور یقینی امر یہ ہے کہ دُعا کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہونے والا ہو۔ جواب ضرور مل جاتا ہے۔ خواہ وہ جواب حسبِ مراد ہو اور خواہ خلافِ مراد ہو۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۶ صفحہ ۲ مورخہ ۹ر فروری ۱۹۰۶ء

اللہ تعالیٰ دُعا سے ناراض نہیں ہوتا

فرمایا :

زلزلہ کے بارے میں مَیں نے یہ توجّہ نہیں کی کہ کب اور کس وقت واقع ہوگا، کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اخفاء چاہتا ہے۔ انسان کے مُلکی رازوں میں بھی اخفا ہوتا ہے، ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی اخفاء ہوتا ہے، اس واسطے مَیں ڈرتا ہوں کہ اس کے متعلق زیادہ دریافت کرنے کی کوشش کرنا کہیں بیہودگی نہ سمجھی جاوے۔ تاہم اللہ تعالےٰ غفورٌ رحیم ہے۔ وُہ دُعا کرنے سے ناراض نہیں ہوتا۔ لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔ کہ اگر تو فلاں اشخاص کے متعلق ستّر دفعہ بھی دُعا کرے تب بھی قبول نہ ہوگی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ مَیں ستّر سے بھی زیادہ دفعہ دُعا کروں گا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لُوط کے متعلق مجادلہ کیا۔ حالانکہ مجادلہ کرنا سُوءِ ادب ہے۔ کیونکہ مجادلہ میں بے دلیل درخواست ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ دُعا کا رنگ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا۔

فرمایا :

زلزلہ کے متعلق بہت خطرہ ہے اور اس کا علاج بجز دُعا کے اَور کچھ نظر نہیں آیا۔ راتوں کو اُٹھ کر تہجّد میں دُعائیں کرو تاکہ خدا تعالیٰ رحم کرے۔

میّت کے نام پر قبرستان میں کھانا تقسیم کرنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ میّت کے ساتھ جو لوگ روٹیاں پکا کر یا اَور کوئی شئے لے کر باہر قبرستان میں لے جاتے ہیں اور میّت کو دفن کرنے کے بعد مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا :

سب باتیں نیّت پر موقوف ہیں۔ اگر یہ نیّت ہو کہ اس جگہ مساکین جمع ہو جایا کرتے ہیں اور مُردے کو صدقہ پہنچ سکتا ہے۔ ادھر وُہ دفن ہوا ادھر مساکین کو صدقہ دے دیا جاوے تاکہ اس کے حق میں مفید ہو اور وہ بخشا جاوے۔ تو یہ ایک عمدہ بات ہے۔ لیکن اگر صرف رسم کے طور پر یہ کام کیا جاوے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ثواب نہ مُردے کے لیے اور نہ دینے والوں کے واسطے اس میں کچھ فائدے کی بات ہے۔

میّت کے لئے اسقاط

ایک شخص نے سوال کیا کہ کسی شخص کے مرجانے پر جو اسقاط کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا:

بالکل بدعت ہے۔ اور ہرگز اس کے واسطے کوئی ثبوت سنت اور حدیث سے ظاہر نہیں ہوسکتا۔[1]

۱۸ر فروری ۱۹۰۶ء

خدا تعالیٰ ظالم نہیں

فرمایا:

خدا تعالیٰ ظالم نہیں اور نہ انسان کی طرح چڑچڑا ہے۔ جب کسی کو عذاب ملتا ہے تو وہ دراصل اس انسان کے اپنے ہی اعمال کی ایک حالت ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ کو آزمانا نہیں چاہیئے

ایک شخص نے عرض کی۔ میرے باپ کی دُکان خراب حالت میں ہوگئی ہے۔ اگر وہ دُرست ہوجاوے تو مَیں مرزا صاحب کو مان لُوں گا۔

فرمایا:

خدا تعالیٰ کو ان باتوں کے ساتھ آزمانا نہیں چاہیئے۔ مَیں تعجب کرتا ہوں ان لوگوں کی حالت پر جو اس قسم کے سوال کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ کیا یہ لوگ خدا تعالیٰ پر اپنے ایمان لانے کا احسان رکھتے ہیں؟ جو شخص سچائی پر ایمان لاتا ہے وہ خود گناہوں سے پاک ہونے کا ایک ذریعہ تلاش کرنے والا ہے، ورنہ خدا تعالیٰ کو اس کی کیا حاجت ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم سب کے سب مُرتد ہوجاؤ تو وُہ ایک اور نئی قوم پیدا کرے گا جو اس سے پیار کرے گی۔ جو شخص گناہ کرتا ہے اور کافر بنتا ہے وُہ خدا تعالےٰ کا کچھ نقصان نہیں کرتا اور جو ایمان لاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کچھ بڑھانہیں دیتا۔ ہر ایک شخص اپنا ہی فائدہ یا نقصان کرتا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر احسان رکھ کر اور شرطیں لگا کر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ ان کی وہ حالت ہے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۰۶ء

کہ ایک شخص جو سخت پیاس میں مبتلا ہے پانی کے چشمہ پر جاتا ہے مگر وہ کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ اے چشمہ! میں تیرا پانی تب پیوں گا جبکہ تو مجھے ایک ہزار روپیہ نکال کر دیوے۔ بتاؤ۔ اس کو چشمہ سے کیا جواب ملے گا؟ یہی کہ جا پیاس سے مَر۔ مجھے تیری حاجت نہیں۔ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے۔[1]

۱۹ر فروری ۱۹۰۶ء

عملی کمزوریاں خدا تعالیٰ کے فضل سے دُور ہو جاتی ہیں

ایک دوست نے جو باہر سے تشریف لائے تھے اس جگہ کی جماعت کے ایک شخص کی عملی کمزوری کی شکایت کی۔

فرمایا:۔

جیسے جیسے جماعت بڑھتی جاتی ہے اس قسم کی شکایات بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں کیونکہ ہر قسم کے لوگ داخل ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو رفتہ رفتہ ان کی کمزوریاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔[2]

۲۰ر فروری ۱۹۰۶ء

امریکہ میں دو جگہ سخت زلزلہ کا ذکر تھا۔ فرمایا:

بحالت مجموعی تاریخ میں دیکھا جائے تو ایسا سلسلہ زلازل جو تمام دنیا پر محیط ہو گیا ہو کبھی نظر نہیں آتا۔ اس میں ایک تنبیہ ہے جس سے سمجھنے والے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کسوف خسوف بھی پہلے اس طرف ہوا تھا پھر دُوسرے سال امریکہ میں ہوا تھا۔

بابا نانک کے بظاہر مسلمان نہ ہونے کی حکمت

حضرت بابا نانک کا ذکر تھا۔ فرمایا:

چولہ اور مسلمانوں کی مصاحبت اور دیگر تمام

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۰۶ء

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۰۶ء

اُمور صاف بتلاتے ہیں کہ بابا نانک مُسلمان تھے۔ لیکن ان کا اس طرح سے ظاہر نہ ہونا بھی ایک بڑی مصلحت اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کھُلے طور پر تمام تعلقات چھوڑ کر مُسلمانوں میں شامل ہوتے تو اکیلے ہوتے۔ برخلاف اس کے اب ایک بڑی جماعت کئی لاکھ آدمیوں کی ساتھ لیکر وُہ مسلمان ہیں۔[1]

بلا تاریخ

بچّوں اور عورتوں کے بارہ میں بعض نصائح (جو حضُور نے گھر میں بیان فرمائیں)

(مرتبہ حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب)

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان)

پاکیزہ مزاح

ایک روز کسی بیمار بچّہ نے کسی سے کہانی کی فرمائش کی تو اس نے جواب دیا کہ ہم تو کہانی سُنانا گُناہ سمجھتے ہیں۔ حضور علیہ السّلام نے فرمایا:

گُناہ نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بھی کبھی کبھی کوئی مذاق کی بات فرمایا کرتے تھے اور بچّوں کو بہلانے کے لیے اس کو روا سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ایک بڑھیا عورت نے آپؐ سے دریافت کیا کہ حضرت کیا مَیں بھی جنّت میں جاؤں گی؟ فرمایا نہیں۔ وُہ بڑھیا یہ سُنکر رونے لگی۔ فرمایا۔ روتی کیوں ہے؟ بہشت میں جوان داخل ہوں گے۔ بوڑھے نہیں ہوں گے یعنی اس وقت سب جوان ہوں گے۔

اسی طرح سے فرمایا کہ:

ایک صحابی کی داڑھ میں درد تھا۔ وُہ چھوہارا کھاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ چھوہارا نہ کھا کیونکہ تیری داڑھ میں درد ہے۔ اس نے کہا کہ مَیں دُوسری داڑھ سے کھاتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ:

ایک بچّہ کے ہاتھ سے ایک جانور جس کو حُمیر کہتے ہیں چھُوٹ گیا۔ وُہ بچّہ رونے لگا۔ اس بچّہ کا نام عُمیر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عُمَیْرُ! مَا فَعَلَتْ بِکَ حُمَیْرُ؟ اے عمیر حمیر نے کیا کیا؟

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء

لڑکے کو قافیہ پسند آگیا۔ اس لیے چُپ ہوگیا۔

بچّوں کو تنبیہہ کرنا ضروری ہے

ایک بچّہ کی خبر لگی کہ اس نے کوئی شرارت کی ہے۔ یعنی آگ سے کچھ جلا دیا ہے۔

فرمایا :

بچّوں کو تنبیہہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ اگر اس وقت ان کو شرارتوں سے منع نہ کیا جاوے تو بڑے ہو کر انجام اچھا نہیں ہوتا۔ بچپن میں اگر لڑکے کو کچھ تادیب کی جاوے تو وہ اس کو خوب یاد رہتی ہے کیونکہ اس وقت حافظہ قوی ہوتا ہے[1]۔

اظہارِ تشکّر

ایک دن حضور علیہ السلام بیمار تھے۔ ایک شخص کو کچھ چیزیں فواکہ کی قسم سے لانے کے لیے امرتسر بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس وقت حضرت کی طبیعت زیادہ ناساز تھی اس وقت ایک میوہ کی خواہش ہوئی جو اس شخص سے منگوایا تھا۔ لیکن وہ امرتسر سے نہیں لایا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی کہ قاضی نظیر حسین صاحب تحصیلدار تشریف لائے اور وہی پھل ساتھ لائے۔ آپ نے فرمایا :

ہمارے گھر کے لوگوں کو ان چیزوں کے کھاتے وقت خیال کرنا چاہیئے کہ آج سے چھبیس یا ستائیس برس پہلے خدا تعالیٰ کا وعدہ شائع کیا گیا تھا کہ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ ان سب لوگوں کے آنے سے پہلے خدا تعالیٰ نے اُن کے آنے کی خبر بھی دی۔ اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ اُن کے کھانے کے سامان بھی دُور دُور سے تیرے پاس لاؤں گا۔ ان باتوں کو دیکھ کر کتنا بھروسہ کرنا چاہیئے کہ خود بخود بغیر ہماری کوششوں کے ہر قسم کے سامان مہیا کرتا ہے۔

گلے شکوے کرنا اچھا نہیں ہے

ایک روز ایک عورت نے کسی دوسری عورت کا گلہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر :۔ اس موقعہ پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت صاحب بچّوں کو ہر وقت مارنے اور جھڑکتے رہنے سے بھی سخت منع کرتے ہیں۔ ہر ایک کام ایک اندازہ تک ہونا چاہیئے۔ مندرجہ بالا ذکر سے مُراد حضور علیہ السلام کی یہ ہے کہ بچّہ کو بالکل آوارہ نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ (ایڈیٹر)

دیکھو۔ یہ بہت بُری عادت ہے جو خصوصاً عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ مرد اَور کام بہت رکھتے ہیں، اس لیے ان کو شاذ و نادر ہی ایسا موقعہ ملتا ہے کہ بے فکری سے بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں اور اگر ایسا موقعہ بھی ملے تو ان کو اَور بہت سی باتیں ایسی مِل جاتی ہیں جو وہ بیٹھ کر کرتے ہیں۔ لیکن عورتوں کو نہ علم ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہوتا ہے۔ اس لیے سارے دن کا شغل سوائے گِلہ اور شکایت کے کچھ نہیں ہوتا۔ ایک شخص تھا اس نے کسی دُوسرے کو گنہگار دیکھ کر خوب اس کی نکتہ چینی کی اور کہا کہ تُو دوزخ میں جائے گا قیامت کے دن خدا تعالےٰ اس سے پُوچھے گا کہ کیوں تجھ کو میرے اختیارات کس نے دیئے ہیں؟ دوزخ اور بہشت میں بھیجنے والا تو مَیں ہی ہوں تُو کون ہے؟ اچھا جا مَیں نے تجھ کو دوزخ میں ڈالا اور یہ گنہگار بندہ جس کا تو گِلہ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ ایسا ہے ویسا ہے اور دوزخ میں جائے گا۔ اس کو مَیں نے بہشت میں بھیج دیا ہے۔ سو ہر ایک انسان کو سمجھنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ مَیں ہی اُلٹا شکار ہو جاؤں۔

غیبت سے بچو فرمایا:

دل تو اللہ تعالےٰ کی صندوقچی ہوتا ہے اور اس کی کُنجی اس کے پاس ہوتی ہے۔ کسی کو کیا خبر کہ اس کے اندر کیا ہے؟ تو خواہ مخواہ اپنے آپ کو گناہ میں ڈالنا کیا فائدہ؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص بڑا گنہگار ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کو کہے گا کہ میرے قریب ہو جا۔ یہانتک کہ اس کے اَور لوگوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے پردہ کر دے گا اور اس سے پُوچھے گا کہ تو نے فلاں گناہ کیا۔ فلاں گناہ کیا۔ لیکن چھوٹے چھوٹے گناہ گنائے گا۔ وُہ کہے گا کہ ہاں یہ گناہ مجھ سے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا آج کے دن مَیں نے تیرے سب گناہ معاف کئے اور ہر ایک گناہ کے بدلے دس دس نیکیوں کا ثواب دیا۔ تب وہ بندہ سوچے گا کہ جب ان چھوٹے چھوٹے گناہوں کا دس دس نیکیوں کا ثواب ملا ہے تو بڑے بڑے گناہوں کا تو بہت ہی ثواب ملے گا۔ یہ سوچ کر وُہ بندہ خود ہی اپنے بڑے بڑے گناہ گنائے گا کہ اے خدا مَیں نے تو یہ گناہ بھی کئے ہیں تب اللہ تعالیٰ اس کی بات سُن کر ہنسے گا اور فرمائے گا کہ دیکھو میری مہربانی کی وجہ سے یہ بندہ ایسا دلیر ہو گیا ہے کہ اپنے گناہ خود ہی بتلاتا ہے۔ پھر اُسے حکم دے گا کہ جا بہشت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے تیری طبیعت چاہے داخل ہو جا تو کیا خبر ہے کہ خدا تعالیٰ کا اس سے کیا سلوک ہے یا اس کے دل میں کیا ہے۔ اس لیے غیبت کرنے سے بکلّی پرہیز کرنا چاہیئے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ مارچ ۱۹۰۶ء

۱۹ر مارچ ۱۹۰۶ء

ایک نشان فرمایا :

اس فکر میں ہوں اور توجہ کرتا ہوں کہ اگر پتہ لگ جائے کہ کس ماہ میں آئندہ زلزلہ آنے والا ہے تو یہ پھر ایک بڑا نشان ہو جاتا ہے متعصب آدمی کا تو کیا ذکر ہے۔ لیکن غور کرنے والے کے واسطے یہ ایک بڑا نشان ہے۔

ایک الزامی نکتہ فرمایا :

عیسائیوں کے خدا سے تو آدم ہی اچھا رہا۔ کیونکہ آدم کے سامنے تو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا اور ایک شیطان جس نے سجدہ نہیں کیا تھا وہ ذلیل کیا گیا اور نکالا گیا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کا خدا شیطان کے پیچھے پیچھے لگتا پھرا۔ اور شیطان کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس نے مجھے سجدہ نہیں کیا تھا۔ اس واسطے ذلیل ہوا۔ اور پھانسی دیا گیا۔

یسوع مسیح کا ایک کمزور انسان ہونا ثابت ہے فرمایا :

عیسائی لوگ یسوع کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔ حالانکہ بے گناہ ہونا کوئی خوبی نہیں۔ خوبی تو اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے تعلقات ہوں اور انسان قربِ الٰہی کو حاصل کرے۔ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ یسوع کی لوگ حد سے زیادہ ناجائز عزت کریں گے۔ اس واسطے پہلے ہی سے اس کا وہ حال ہوا جس سے ہر بات میں اس کا عجز اور کمزور انسان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

معنی التوفّی فرمایا :

ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدۃ : ۱۱۸) اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تُو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اگر قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ یہ کلمہ بولے گا تو گویا

وُہ کبھی فوت ہی نہیں ہوگا؟ کیونکہ قیامت کے دن بھی آسمان پر ہی جانے کا ذکر ہوگا۔ مرنے کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ اور اگر اس آیت کے یہ معنے لیے جائیں کہ جب میں فوت ہوگیا یعنی مرگیا۔ لیکن موت قیامت کے دن وارد ہوگی تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عیسائی آجتک نہیں بگڑے اور ان کا مذہب راستی پر ہے۔

تسبیح بعد کی ایجاد ہے

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ لوگ نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن تسبیحیں نہیں رکھتے۔

فرمایا:

صحابہؓ کے درمیان کہاں تسبیحیں ہوتی تھیں۔ یہ تو ان لوگوں نے بعد میں باتیں بنائی ہیں۔

فرمایا:

ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھا کرتا تھا اور کوچہ میں سے گذر رہا تھا۔ راستہ میں ایک بڑھیا نے دیکھا کہ خدا کا نام تسبیح پر گن رہا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا کوئی دوست کا نام گن کر لیتا ہے۔ اس نے اسی جگہ تسبیح پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں ان کو کون گن سکتا ہے[1]۔

یکم اپریل ۱۹۰۶ء

وحیٔ الٰہی

وحی الٰہی اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی کا ذکر تھا۔

فرمایا:

اس سے پہلے دن دُعا کے رنگ میں الہام ہوا تھا کہ رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا دُوسرے دن اس دُعا کی قبولیت کے اظہار میں یہ الہام ہوا۔ خود ہی اللہ تعالیٰ دُعا کراتا ہے اور خود اس کو قبول کرتا ہے۔

طریقِ ادب

ڈاکٹر نور محمد صاحب نے ذکر کیا کہ لاہور میں ایک شخص نے جو اپنی جماعت کا ہے مجھ سے ذکر کیا کہ پٹیالہ میں کسی فقیر نے پیشگوئی

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۰۶ء
نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۰ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۶ء

کی ہے کہ فلاں تاریخ کو زلزلہ آئے گا اور وہ تاریخ قریب ہے۔ مَیں نے کہا کہ اس کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا رسُول بھیجا ہے۔ جبتک اس کے ذریعہ سے کوئی خبر نہ ملے ہرگز کوئی دُوسری بات قابلِ اعتبار نہیں۔

حضرت نے فرمایا:

یہی طریق ادب ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں پر جو فقیر بنے پھرتے ہیں یقین کر لینا ایک اِلحاد ہے اور ایمان سے خارج ہونا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سب لوگوں کو ایک ہی حلقے میں لائے اور اسی کے ذریعہ سے تمام خبریں دُوسروں کو پہنچاوے تو پھر کسی دوسرے شخص کو درمیان میں لانا اور یقین کرنا کہ اس کو زلزلہ کے دن کی خبر دی گئی ہے یہ ایک شرک کی بنیاد ہے۔

ہمیں جب زلزلہ کے متعلق الہام ہوا تب ہم خیموں میں گئے۔ اور اب جب اس کی تاخیر کی خبر دی گئی تو ہم واپس اپنے مکانوں میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ ایسا ہی نکتہ گیر ہے۔ بعض دفعہ انسان سمجھتا ہے کہ تھوڑی سی بات ہے مگر وہ بات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو جاتی ہے۔

ایک نئی تصنیف فرمایا:

ہم نے ایک نیا رسالہ لکھنا شروع کیا ہے جس کا نام "حقیقۃ الوحی" ہوگا۔ بعض لوگ الہام اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ وحی اور الہام کی حقیقت کیا ہے؟

بمبئی

بمبئی کا ذکر تھا کہ ایک جزیرہ ہے اور سمندر کے پانی کو روک کر اکثر جگہ مکانات بنائے گئے ہیں۔ فرمایا:

مجھے بھی کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ جب سخت زلزلہ آئے گا تو اس وقت بمبئی کا کیا حال ہوگا؟

زلزلہ کے بارہ میں فرمایا

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دیر کر دی ہے۔ اس واسطے مخالفین کی شوخیاں بڑھتی جائیں گی اور وہ گالیاں دینے میں اَور بھی تیزی دکھائیں گے۔

"پھر چلے آتے ہیں یارو! زلزلہ آنے کے دن" فرمایا

یہ بیسہ اخبار جو ایک لاکھ چھپا ہے اور ایک ایک پرچہ کو کئی کئی آدمی پڑھیں گے تو اس طرح زلزلہ والی پیشگوئی کئی لاکھ آدمیوں تک پہنچ جائے گی۔ اس نظم[1] میں ہم نے لوگوں کو نیک نصائح کی ہیں اور مخلوق کو توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسلام کی طرف دعوت کی ہے۔ ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ اتفاق نہیں تو کیا وہ نہیں چاہتا کہ لوگ نیک بنیں؟

امرتسر میں ایک رشید فرمایا:

امرتسر ایک ایسی جگہ ہے جس میں مادہ رُشد کے لوگ حق کو قبول کرنے والے کم ہوتے ہیں۔ آج وہاں سے ایک خط آیا ہے جس میں ایک شخص لکھتا ہے کہ میں کتاب چشمہ مسیحی پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام کے واسطے اس قسم کی تائید اور اخلاص ایک مفتری کی تحریر میں نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے میں آپ کے مریدوں میں شامل ہوتا ہوں میرا نام مبائعین میں لکھا جائے۔

فرمایا:

مجھے خوشی ہوئی کہ اس کتاب کے ذریعہ سے ایک جان بچ گئی۔[2]

۷/ اپریل ۱۹۰۶ء

خدا تعالیٰ کی لاانتہا قدرتوں پر ایمان پیدا کرو

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل: ۴۱)

کے معنے ایک شخص نے پوچھے تو فرمایا:

ایک پل میں عرشِ بلقیس کے آجانے میں استبعاد کیا ہے؟ اصل میں ایسے اعتراض ان لوگوں کے دلوں

---

[1] حاشیہ: "پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن" والی نظم مراد ہے۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۳ مورخہ ۵ اپریل ۱۹۰۶ء

میں اُٹھتے ہیں۔ اور وہی ایسی باتوں کی تاویل کرنے پر دوڑتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر پورا پورا یقین نہیں آتا۔ ہم تو یہی جانتے ہیں۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) ایک واقعہ کا انکار صرف اپنے حواسوں کے ناقص تجربے کی بنا پر نہایت بُری بات ہے۔

دیکھو جب تک تار برقی نہ نکلی تھی اس وقت اگر کوئی بیان کرتا کہ ایک سیکنڈ میں اتنی دُور تک خبر پہنچ جاتی ہے تو کوئی یقین کرتا۔ مگر اب جب مشاہدہ میں آگیا تو سب نے مان لیا۔ ویسے ہی خدا تعالیٰ کی لاانتہا قُدرتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ جب معمولی باتیں انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتیں تو خدا تعالےٰ کے بعض اَفعال اگر سمجھ میں نہ آئیں تو ان کا انکار نہیں چاہیئے بلکہ سچے دل سے ایمان لانا چاہیئے، کیونکہ جتنا کسی کو خدا تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے اتنی ہی وہ اس کی مدد کرتا ہے اور جیسی ایمان کی حالت ہو اتنا ہی اسے اسباب میں ڈالتا ہے۔ خود ہم نے خدا تعالیٰ کی ایسی قدرتوں کے نمونے دیکھے۔ دیکھو عبداللہ سنوری والا گُرتہ جس پر بغیر کسی ظاہری اسباب کے سُرخ نشان پڑ گئے تھے اور ہم نے کشف میں دیکھا کہ دستخط کراتے ہوتے بارگاہِ الٰہی سے وہ چھینٹا پڑا۔ ایسا ہی دانت میں سخت درد تھا، طبیب نے مشورہ دیا۔ علاجِ دنداں اخراجِ دنداں۔ مگر بعد ازاں الہام ہوا۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ (الشعراء: ۸۱) تو معًا وہ درد جاتا رہا۔

ایسا ہی ایک دفعہ میں سخت بیمار ہوا حتیٰ کہ سورہ یٰسین بھی تین دفعہ سُنائی گئی۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ کچھ تسبیحیں پڑھ کر دریا کی ریت اور پانی بدن پر ملوں۔ چنانچہ ایسا کرنے پر وہ بیماری جاتی رہی۔ خدا تعالےٰ پر کامل ایمان پیدا کرو تاکہ ایسے شبہات سے نجات ہو۔

(یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو حضور علیہ السلام نے فرمائی)

فاتحہ خوانی اور اسقاط

عرض کیا گیا کہ جب کوئی مسلمان مرجائے تو اس کے بعد جو فاتحہ خوانی کا دستور ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟ فرمایا:

نہ حدیث میں اس کا ذکر ہے نہ قرآن شریف میں نہ سُنّت میں۔

عرض کیا گیا کہ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دُعائے مغفرت ہی ہے؟ فرمایا:

نہ اسقاط درست نہ اس طریق سے دُعا ہے کیونکہ بدعتوں کا دروازہ کُھل جاتا ہے[1]۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۳ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۶ء

۱۴؍اپریل ۱۹۰۶ء

طُوری مشاہدات

فرمایا: خدا تعالیٰ اپنے وجود کو آپ دوبارہ ثابت کرنا چاہتا ہے جیسا کہ کوہ طُور پر تجلیاتِ الٰہیہ کا نمونہ دکھایا گیا تھا۔ ایسا ہی اب بھی دکھایا جائے گا۔ جس طرح فرعون کے پاس رسُول بھیجا گیا تھا وہی الفاظ ہم کو بھی الہام ہوتے ہیں کہ تُو بھی ایک رسُول ہے جیسا کہ فرعون کی طرف ایک رسُول بھیجا گیا تھا۔ بجز طُوری مشاہدات کے اب دُنیا کے لوگ سیدھے نہیں ہو سکتے۔[1]

۱۷؍اپریل ۱۹۰۶ء

معجزات کے بارہ میں سنتِ الٰہی

فرمایا: بعض لوگ یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُن کے مانگے ہوئے معجزات ان کو دکھائے جائیں۔ یہ دُرست نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت نہیں۔ جس حد تک خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت تشفی دینے کا ہے۔ اگر اس حد تک تشفی نہ ہو جائے تو پھر مؤاخذہ کے لائق انسان ہو جاتا ہے۔

جماعت میں داخل ہونیوالوں کی قبولیت

فرمایا:

خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ اُن کو قبول کرے گا۔ باقی جو لوگ اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں اور شقاوت کی راہ سے انکار کرتے ہیں وہ راستباز نہیں ٹھہر سکتے۔

دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے

فرمایا:

دینی عقل اَور ہے اور دُنیوی عقل اَور ہے۔ جو لوگ دُنیوی عقل میں ریاضت کرنے والے ہیں وہ یہ دعویٰ

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶؍اپریل ۱۹۰۶ء

نہیں کر سکتے کہ اُن کو ساتھ ہی دینی عقل بھی حاصل ہو گئی ہے بلکہ دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے۔
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (الواقعۃ : ۸۰) جس قدر پاکیزگی بڑھتی ہے اسی قدر معرفت بھی بڑھتی جاتی ہے[1]

---

۲۴ / اپریل ۱۹۰۶ء

جماعت کی ایمانی حالت مضبوط ہوتی جائیگی

(میاں معراج الدین صاحب عمر کے قلم سے)۔

آج صبح کی گاڑی میں سوار ہو کر میں قریب ایک بجے کے قادیان پہنچا۔ تھوڑے عرصہ بعد اذان نماز ہوئی۔ وضو کر کے میں چھوٹی مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے حجرے میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس مولوی سید محمد احسن صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بیٹھے تھے۔ اور میاں غلام رسول حجام امرتسری کچھ اپنا حال بیان کر رہا تھا۔
اس پر حضور نے فرمایا کہ:
آپ صبر کریں۔ ہماری جماعت کی حالت ابتدائی ہے۔ یہ ابھی کچے درخت کی طرح ہیں۔ دیکھو بڑے سے بڑا درخت شیشم یا کوئی اور جب چھوٹا ہوتا ہے تو بہت تھوڑی طاقت سے بلکہ ناخن سے اُکھڑ سکتا ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے بعض لوگ ابھی ایمانی حالت میں ایسے ہی کمزور ہیں۔ جیسے درخت بڑا ہو کر ایسا مضبوط ہوتا جاتا ہے کہ اس پر آدمی چڑھتے ہیں تو وہ ٹوٹتا نہیں۔ ایسے ہی ان کی ایمانی حالت رفتہ رفتہ مضبوط ہو جائے گی اور پھر مضبوط درخت کی طرح جاگزین ہو جائے گی[2]

---

۲۶ / اپریل ۱۹۰۶ء

غیر معمولی ایام

فرمایا : یہ دن ایسے ہیں کہ گویا آسمان کی زمین کے ساتھ کُشتی ہے۔ بالکل غیر معمولی دن ہیں اور غیر معمولی واقعات ہر طرف سے پیش آ رہے ہیں اور

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ / اپریل ۱۹۰۶ء
[2] بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء

اپنے غیر معمولی ہونے میں روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ کہیں زلازل ہیں۔ کہیں طوفان آرہے ہیں۔ کہیں لڑائیوں میں مخلوق ماری جاتی ہے۔ کہیں طوفان سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ کہیں آگ لگ رہی ہے مگر افسوس کہ لوگ ان سب باتوں کو معمولی سمجھ کر اپنی غفلت میں حسبِ معمول سوئے ہوئے ہیں اور کچھ فکر نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اور ہے اور لوگوں کے ارادے کچھ اور ہیں۔ راستباز اطاعت اور اعمال سے پہچانا جاتا ہے۔ جس صورت میں ہم ان لوگوں کے سامنے نشان پیش کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث کے نصوص دکھاتے ہیں اور پھر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ لوگ راستباز نہیں کہلا سکتے۔ خدا تعالیٰ کو کیا پرواہ ہے کہ یہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کثرت اور تعداد کے رُعب میں نہیں آتا۔ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا: ۱۴) دیکھو حضرت نوحؑ کے وقت کس قدر مخلوق غرقِ آب ہوئی اور ان کے بالمقابل جو لوگ بچ گئے ان کی تعداد کس قدر تھی۔

پیرزادگی کا مرض

فرمایا:

پیرزادگی کا مرض دِق اور سل سے بدتر ہے کیونکہ اس میں رعونت اور تکبّر کا مادہ ہوتا ہے اور خواہ مخواہ ایک عظمت اپنی دکھاتے ہیں اور فقیری کا دم مارتے رہتے ہیں۔[1]

---

۵ رمئی ۱۹۰۶ء

طبقۂ لولاک

الہامِ الٰہی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا تذکرہ تھا۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی کمال رضاجوئی کی حالت میں یہ طبقہ خدمت گذاران کا لولاک کا حکم رکھتا ہے اور یہ بات صاف ہے کہ اگر یہ طبقہ لولاک کا نہ ہو تو افلاک کی خلقت عبث و فضول ہے۔ افلاک کا بنانا محض اس طبقہ لولاک کی خاطر ہے۔

فرمایا: یہ دراصل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں تھا، لیکن ظلّی طور پر ہم پر اس کا اطلاق

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء

ہوتا ہے۔

مرقومہ بالا الہام الٰہی یہ میری کتاب[1] ..... الخ کا ذکر تھا۔

فرمایا :

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو احباب ہماری جماعت میں خدمتِ دین میں سرگرم ہیں اللہ تعالےٰ ان کو درجہ و عظمت دینا چاہتا ہے[2]۔

---

۸ رمئی ۱۹۰۶ء (بوقت عصر)

پورے جوش سے خدا تعالیٰ کی طرف جھک جائیں فرمایا :

جب تک کہ انسان بالکل خدا تعالیٰ کا نہ ہو جائے وہ کچھ نہ کچھ مسِ عذاب اس دُنیا میں پاتا ہے مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے بعض افراد دُنیوی آرائش اور آرام کی طرف جُھکے ہوتے ہیں اور اس میں مصروف ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اپنی عملی حالت کو دُرست کریں اور خدا تعالیٰ کی طرف پورے جوش اور طاقت کے ساتھ جُھک جاویں۔

کمزوروں کے حق میں بُرا نہ بولنے کی تلقین فرمایا

جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی کمزور ہو تو اس کے حق میں بُرا بولنے میں جلد بازی نہ کرو۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ پہلے ان کی حالت خراب ہوتی ہے پھر یکدفعہ ایک تبدیلی کا وقت اُن پر آجاتا ہے جیسا کہ ان کی جسمانی حالت بہت سے مرحلے طے کرتی ہے۔ پہلے نُطفہ ہوتا ہے پھر خون کا لوتھڑا۔ اور ایک ذلیل سی حالت ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کے سوائے سب لوگوں کو تمام مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں۔ مامور من اللہ کی صُحبت سے انسان دُرست ہو جاتا ہے۔ اگر ہر شخص گھر سے ہی ابدال بن کر آتا تو پھر سلسلہ بیعت کی ضرورت ہی کیا ہوتی؟ سلسلہ میں داخل ہو کر کمزور آدمی رفتہ رفتہ طاقت پکڑتا

---

[1] حاشیہ ۔ ڈائری نویس صاحب نے اس کتاب کا نام نہیں لکھا۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۸ نمبر ۷ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء

ہے صحابہؓ کی پہلی حالت پر غور کرو۔ جب کافر مومن بن سکتا ہے تو کیا ایک فاجر صالح نہیں بن سکتا؟ انسان پر کئی حالتیں آتی ہیں اور کئی تغیرات واقع ہوتے ہیں۔[1]

۱۰ر مئی ۱۹۰۶ء

مباہلہ اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے

احمد مسیح عیسائی کے حضرت کو مباہلہ کے واسطے بُلانے کا ذکر تھا۔ (جس کا جواب منظوری گذشتہ اخبار میں شائع ہو چکا ہے) فرمایا:

مباہلہ ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اب بھی عیسائیوں کے دلوں پر حق کا رُعب طاری ہے اور امید نہیں کہ کوئی بشپ مباہلہ کے میدان میں آوے۔ لیکن اگر کوئی آئے گا تو ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک بڑی کامیابی دے گا۔ مباہلہ دشمن پر زد کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے۔

مہدی کے بارہ میں مسلمانوں میں اختلافات

فرمایا:

اس زمانہ میں مُسلمانوں کے ساتھ بھی بحث مباحثہ فضول ہے کیونکہ جن حدیثوں اور روایتوں اور عقائد کی بنا پر وہ ہم سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں خود ان کے اپنے درمیان بڑے بڑے اختلاف موجود ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مہدی فاطمی ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ عباسی ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ حسینی ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ پیدا ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ غار میں سے نکلے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ اُمّت میں سے ایک فرد ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ وہی عیسیٰ ہی مہدی ہوگا۔ غرض اس قدر اختلافات کے ساتھ تعجب ہے کہ پھر یہ ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ آنے والا حکم ہے۔ وہ تمام بحثوں کا خاتمہ کرتا ہے اور اختلافی امور کے درمیان میں سے ایک سیدھی راہ پیش کرتا ہے اور وہی ماننے کے قابل ہے۔[2]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ر مئی ۱۹۰۶ء

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷ر مئی ۱۹۰۶ء

۲۱ر مئی ۱۹۰۶ء

میڈیکل سکول کے خارج شدہ طلباء کو
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصیحت

میڈیکل سکول کے جن طلباء نے اپنے اُستادوں سے ناراض ہوکر اتفاق کرکے مدرسہ جانا بند کر دیا ہے۔ ان میں سے دو طالب علم (عبدالحکیم صاحب اور ایک اَور) قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ۲۱ر مئی کو حاضر ہوئے۔ اور اپنا واقعہ گذشتہ اور پرنسپل کا ۳۱ر مئی تک داخل ہو جانے کی اجازت دے دینے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :

آجکل اس قسم کی کارروائیاں گورنمنٹ کے ساتھ بغاوت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور ان سے بچنا چاہیئے۔ میرے نزدیک اب اس معاملہ کو ترقی نہیں دینا چاہیئے اور پرنسپل صاحب کی اجازت سے فائدہ حاصل کرکے داخل ہو جانا چاہیئے۔ جن اُستادوں کے ساتھ تم نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان کو اندر ہی اندر ضرور تنبیہہ کی گئی ہوگی۔ اور امید نہیں کہ وُہ آئندہ تمہارے ساتھ بُرا سلوک کریں۔ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو بغیر باز پُرس نہیں چھوڑتی گو عام اظہار ایسی بات کا نہ کیا جاوے۔

علاوہ اس کے تمہیں چاہیئے کہ اگر انہوں نے بداخلاقی کی ہے تو تم ان سے اخلاق سیکھو اور اگر تمہیں کبھی ایسی افسری کا موقعہ ملے تو تم اخلاق کا برتاؤ اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کے ساتھ کرو۔ اور جو قسمیں تم نے ضد پر کھائی ہیں وہ ناجائز ہیں۔ ناجائز قسم پر قائم رہنا گناہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسلامی شریعت میں یہی حکم دیا ہے کہ ناجائز قسموں اور ناجائز اقراروں کو توڑ دیا جاوے۔ وقت کو ضائع کرنا اچھا نہیں۔ اپنے آپ کو پریشانی میں مت ڈالو اور اپنے مدرسہ میں داخل ہو جاؤ۔

۲۷ر مئی ۱۹۰۶ء

ایک الہام اور ایک رویاء کا پورا ہونا چوہدری اللہ داد صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا : بڑے مخلص آدمی تھے۔ ایسا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے۔

بدر جلد ۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر مئی ۱۹۰۶ء

فرمایا:

جو الہام الٰہی نازل ہوا تھا کہ "دو شہتیر ٹوٹ گئے"

ان میں سے ایک شہتیر تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تھے۔ دُوسرے چوہدری صاحب معلوم ہوتے ہیں۔

فرمایا:

یہ جو رویا دیکھا تھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی قبر کے پاس دو اَور قبریں ہیں وہ بھی پورا ہوا۔ ایک قبر الٰہی بخش صاحب ساکن مالیر کوٹلہ کی بنی اور دُوسری چوہدری صاحب مرحوم کی بنی۔

مخالف مُلہموں کے واسطے فیصلہ کی آسان راہ

الہام الٰہی اُرِیْحُکَ وَلَا اُجِیْحُکَ وَ اُخْرِجُ مِنْکَ قَوْمًا کا ذکر تھا جس کے معنی ہیں مَیں تجھے راحت دوں گا اور تجھے بڑھاؤں گا اور تجھے تباہ نہ کروں گا اور تجھ سے ایک قوم نکالوں گا۔ فرمایا:

اس وحی الٰہی کو مدِنظر رکھ کر ہمارے مخالف ملہمین آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کو جواب دیا ہے جو اس کوشش میں ہیں کہ ہم کو بے نشان کر دیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کا رد کر دیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی محبت اور فضل و کرم کے خاص الفاظ ہیں جو کاذب کے حق میں نہیں بولے جاتے۔ اب مخالف ملہموں کے واسطے راستہ آسان ہے۔ چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا الہام شائع کریں کہ یہ شخص ہلاک ہو جائے گا۔ ایک تازہ مثال ایسے ملہم کی تو چراغ دین کے وجود میں قائم ہو چکی ہے اَور بھی جو چاہے آزمائش کر لے۔ ہم تو خدا تعالےٰ کی ہزار حلف کھا کر کہتے ہیں کہ یہ جو ہم پر نازل ہوا یہ خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ ایک خدا تعالیٰ کا نشان ہے اور فیصلہ کی آسان راہ ہے جس کا جی چاہے اختیار کرے۔[1]

---

۳۰ مئی ۱۹۰۶ء

مسیح ہمیشہ فتح پائے گا

فرمایا:

ہر ایک نبی جو دُنیا میں آتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اِسم کا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۴ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء

پرتو ہوتا ہے۔ مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے والے نام کا پرتو ہے۔ صوفیوں نے بھی لکھا ہے کہ آنے والا مسیح ہمیشہ فتح پائے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا۔ دشمن ہزار اس کی مخالفت کریں مگر وہ ایسا وجود ہے کہ اس کو ہمیشہ فتح ہی ہوگی شکست تو اس نے کھانی ہی نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے بغیر نجات نہیں

ڈاکٹر عبدالحکیم کا ذکر تھا۔ فرمایا :

جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہو سکتی ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو بات ہم کو سمجھائی ہے وہ بالکل اس کے برخلاف ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو کہدے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تم خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ بغیر متابعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اُن کی کبھی خیر نہیں۔ اس کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ تفسیر لکھنے بیٹھتا کیونکہ نہ تو ظاہری علوم سے اس کو کچھ حصّہ تھا اور نہ باطنی طہارت اور پاکیزگی کو وہ حاصل کر چکا تھا۔ اسی واسطے مَیں نے کبھی اس کی تفسیر کو نہیں پڑھا کیونکہ اس میں تضییع اوقات ہے۔ ایسے آدمی کی کتاب کو پڑھنا صرف اپنے وقت کو خراب کرنا ہے۔ جاہل آدمی پھر متکبر کبھی نیک انجام نہیں پا سکتا۔

ایک الہام

فرمایا :

چند سال ہوئے مجھے الہام ہوا تھا۔

سر انجام جاہل جہنّم بود ❊ کہ جاہل نکو عاقبت کم بود

جماعت کی حفاظت کے بارہ میں ایک مبشر رؤیا اور اس کی تعبیر

فرمایا :

اللہ تعالیٰ جب ایک باغ لگاتا ہے اور کوئی اس کو کاٹنا چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس شخص پر کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔

مدت کی بات ہے مَیں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ مَیں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور باغ کی طرف جاتا ہوں اور مَیں اکیلا ہوں۔ سامنے سے ایک لشکر نکلا جس کا یہ ارادہ ہے کہ ہمارے باغ کو کاٹ دیں۔ مجھ پر ان کا کوئی خوف طاری نہیں ہوا۔ اور میرے دل میں یہ یقین ہے کہ مَیں اکیلا ان سب کے واسطے کافی ہوں۔ وہ لوگ اندر باغ میں چلے گئے اور اُن کے پیچھے مَیں بھی چلا گیا۔ جب مَیں اندر گیا تو مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سب کے سب مَرے پڑے ہیں اور ان کے سر اور ہاتھ اور پاؤں کاٹے ہوئے ہیں اور اُن کی کھالیں اُتری ہوئی ہیں۔ تب خدا تعالےٰ کی قدرتوں کا نظارہ دیکھ کر مجھ پر رقّت طاری ہوئی اور مَیں رو پڑا کہ کس کا مقدور ہے کہ ایسا کر سکے۔

فرمایا :

اس لشکر سے ایسے ہی آدمی مُراد ہیں جو جماعت کو مُرتد کرنا چاہتے ہیں اور ان کے عقیدوں کو بگاڑنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے باغ کے درختوں کو کاٹ ڈالیں۔ خدا تعالیٰ اپنی قدرت نمائی کے ساتھ ان کو ناکام کرے گا۔ اور ان کی تمام کوششوں کو نیست و نابُود کر دے گا۔

فرمایا :

یہ جو دیکھا گیا ہے کہ اس کا سر کٹا ہوا ہے۔ اس سے یہ مُراد ہے کہ ان کا تمام گھمنڈ ٹوٹ جائے گا اور ان کے تکبّر اور نخوت کو پامال کیا جائے گا۔ اور ہاتھ ایک ہتھیار ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے انسان دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ ہاتھ کے کاٹے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس مقابلہ کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا اور پاؤں سے انسان شکست پانے کے وقت بھاگنے کا کام لے سکتا ہے لیکن ان کے پاؤں بھی کٹے ہوئے ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ ان کے واسطے کوئی جگہ فرار کی نہ ہوگی اور یہ جو دیکھا گیا ہے کہ ان کی کھال بھی اُتری ہوتی ہے اس سے یہ مُراد ہے کہ اُن کے تمام پردے فاش ہو جائیں گے اور ان کے عیوب ظاہر ہو جائیں گے۔

دلیلِ صداقت

فرمایا :

اگر ہم افترا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ خود ہمارا دشمن ہے اور ہمارے لیے بچاؤ کی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اگر یہ کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مصائبِ اسلامی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے خود ایک سامان بنایا ہے تو اس کا مقابلہ خدا تعالیٰ کو کس طرح پسند آ سکتا ہے۔ بڑا بدقسمت ہے جو اس کو توڑنا چاہتا ہے۔

خُدا کا جلال خدا کے رسُول کے جلال سے وابستہ ہے — فرمایا:

یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے ادبی سے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار کے واسطے ہے اور نادان نہیں جانتے کہ جبتک خدا تعالیٰ کے نبی اور اس کے رسُول کا جلال نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا جلال وہ کس طرح ظاہر کر سکتے ہیں؟

ڈاکٹر عبدالحکیم — فرمایا:

اگر ڈاکٹر عبدالحکیم کو تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک ذرہ روحانیت نہیں اور نہ ظاہری علم کا کچھ حصّہ ہے۔

صلیب توڑی جانیکے قابل ہی ہے — فرمایا:

صلیب بھی خطا کار ہے کہ وہ اوّل یسُوع پر غالب آئی اور اس کو مُردہ سا کر دیا اور پھر اس کی امّت پر غالب آئی اور اس کو اپنا پرستار بنایا۔ اس واسطے صلیب بھی اس قابل ہے کہ توڑی جاوے۔

سچے الہام کی خصوصیات — فرمایا:

الہام الٰہی کی عبارت عموماً مقفّٰی ہوتی ہے اور اس میں ایک شوکت ہوتی ہے اور اس میں سے کلامِ الٰہی کی ایک خوشبو آتی ہے۔

چوہدری اللہ داد مرحوم — چوہدری اللہ داد صاحب مرحوم کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:

قبرستان کے متعلق جو الہام الٰہی تھا کہ اُنْزِلَ فِیْھَا رَحْمَۃٌ اس کے مستحق چوہدری صاحب موصوف بھی ہوئے۔

سچی توحید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے ہی مل سکتی ہے فرمایا :

توحید آسمان سے نازل ہوتی ہے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ (جیسا کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں وغیرہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہود و نصاریٰ خود بخود نجات پا جائیں گے) انکو کبھی توحید مل ہی نہیں سکتی۔ سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے اندر سے ایمان کی کیفیت کو سلب کر لیتا ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت

ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فرمایا کہ :

تمام اکابر اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ اس امتِ مرحومہ کے درمیان سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا ہمیشہ جاری ہے اس معنے سے ہم نبی ہیں، ورنہ ہم اپنے آپ کو اُمتی کیوں کہتے ؟ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو فیضان کسی کو پہنچ سکتا ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس کے سوائے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک اصطلاح کے جدید معنے اپنے پاس سے بنا لینا درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ آنے والا مسیح نبی بھی ہوگا اور اُمتی بھی ہوگا۔ اُمتی تو وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فیض حاصل کر کے تمام کمال حاصل کرے۔ لیکن جو شخص پہلے ہی سے نبوت کا درجہ پا چکا ہے وہ اُمتی کس طرح سے بن سکے گا؟ وہ تو پہلے ہی سے نبی ہے۔

سائل نے سوال کیا کہ اگر اسلام میں اس قسم کا نبی ہو سکتا ہے تو آپ سے پہلے کون نبی ہوا ہے ؟ حضرت نے فرمایا :۔

یہ سوال مجھ پر نہیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ انہوں نے صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے۔ اس سے پہلے کے کسی آدمی کا نام نبی نہیں رکھا۔ اس سوال کا جواب دینے کا اس واسطے میں ذمہ دار نہیں[1] ہوں۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء

۳۱ رمئی ۱۹۰۶ء

ایک رؤیا

فرمایا :

تین چار روز ہوئے مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بہت سے چھوٹے زنبور ہیں اور مَیں ان کو مارتا ہوں۔ اس سے مراد یہی مخالف دشمن ہیں جو احمق ہیں اور غوغا مچاتے ہیں۔

مخالفین کی تباہی دلائل کے ذریعہ ہوگی

یہ بھی حکمتِ الٰہی ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جوش دیا کہ خلقت کو ہدایت دیں اور ان کو راہ راست پر لاویں اور دُوسری طرف ابوجہل جیسوں کو جوش دیا کہ مخالفت میں شور و غوغا مچائیں۔ مذکورہ بالا رؤیا کے مطابق مخالفوں کی تباہی بذریعہ دلائل اور بذریعہ نشاناتِ الٰہی کے ہے۔ دشمن خود بخود ہلاک ہو رہے ہیں کیونکہ یہ زمانہ تلوار کا نہیں۔ خدا تعالیٰ آپ سامان پیدا کرتا ہے۔

رفعِ درجات کے لیے ابتلا ضروری ہیں

حیدر آباد کے مولوی محمد سعید صاحب نے اپنے ابتلاؤں کا ذکر کیا۔ فرمایا :

جب تک انسان ابتلاء کی برداشت نہ کرے۔ خدا تعالیٰ کے پاس اس کو درجہ نہیں مل سکتا۔

رُوحانی انقلاب کیلئے خدا تعالیٰ کے فضل کی ضرورت ہے

فرمایا:-

ہم غریب اور ضعیف ہیں نہ تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے اور نہ ہم اس امر کے واسطے مامور ہیں کہ تلوار چلائیں اور نہ ہمارے پاس جنگ کے سامان ہیں۔ لیکن ہماری تلوار آسمان پر ہے۔ دُنیا میں جس عظیم الشان انقلاب کو ہم چاہتے ہیں کہ لوگ خدا تعالےٰ کی طرف جُھکیں اور اس کی ہستی پر ایمان لاویں وہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ کتابوں کے لکھنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ گو ایک ہرے بھرے باغ کی طرح دلائل کا مجموعہ ہم نے اکٹھا کیا ہے لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے کچھ کرے گا۔ میرا قلب محسوس کرتا ہے کہ اس وقت دُنیا ایسی سخت غفلت میں پڑی ہوئی ہے کہ بغیر الیم اور شدید عذاب

کے ماننے والے نہیں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ آنے والا مسیح مُردوں کو زندہ کرتا پھرے گا بلکہ یہ فرمایا کہ زندوں کو مارے گا۔ (جیسا کہ طاعون وغیرہ نشانات میں ہلاکت ہو رہی ہے[1]) ؛

بلا تاریخ

خواتین کیلئے خصوصی نصائح

(رقم فرمودہ صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب)

غیبت فرمایا :

غیبت کرنے والے کی نسبت قرآن کریم میں ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ عورتوں میں یہ بیماری بہت ہے۔ آدھی رات تک بیٹھی غیبت کرتی ہیں اور پھر صُبح اُٹھ کر وہی کام شروع کر دیتی ہیں۔ لیکن اس سے بچنا چاہیئے۔ عورتوں کی خاص سُورت قرآن شریف میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں نے بہشت میں دیکھا کہ فقیر زیادہ تھے اور دوزخ میں دیکھا کہ عورتیں بہت تھیں۔

فخر و مباہات فرمایا کہ :

عورتوں میں چند عیب بہت سخت ہیں اور کثرت سے ہیں۔ ایک شیخی کرنا کہ ہم ایسے اور ایسے ہیں۔ پھر یہ کہ قوم پر فخر کرنا کہ فلاں تو کمینی ذات کی عورت ہے یا فلاں ہم سے نیچی ذات کی ہے۔ پھر یہ کہ اگر کوئی غریب عورت ان میں بیٹھی ہوتی ہے تو اس سے نفرت کرتی ہیں اور اس کی طرف اشارہ شروع کر دیتی

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۳ مورخہ ۷ رجون ۱۹۰۶ء

کہ کیسے غلیظ کپڑے پہنے ہیں۔ زیور اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

خاوند کی اطاعت

فرمایا کہ :

عورت پر اپنے خاوند کی فرمانبرداری فرض ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عورت کو اس کا خاوند کہے کہ یہ ڈھیر اینٹوں کا اُٹھا کر وہاں رکھ دے اور جب وہ عورت اس بڑے اینٹوں کے انبار کو دُوسری جگہ پر رکھ دے تو پھر اس کا خاوند اس کو کہے کہ پھر اس کو اصل جگہ پر رکھ دے تو اس عورت کو چاہیئے کہ چون وچرا نہ کرے بلکہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے۔

عورتوں کے حقوق

فرمایا :

عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ ان پر کسی قسم کا ظلم کیا گیا ہے کیونکہ مرد پر بھی اس کے بہت سے حقوق رکھے گئے ہیں بلکہ عورتوں کو گویا بالکل کُرسی پر بٹھا دیا ہے اور مرد کو کہا ہے کہ ان کی خبر گیری کر۔ اس کا تمام کپڑا کھانا اور تمام ضروریات مرد کے ذمہ ہیں۔

دیکھو کہ موچی ایک جُوتی میں بددیانتی سے کچھ کا کچھ بھر دیتا ہے صرف اس لیے کہ اس سے کچھ بچ رہے تو جورو بچوں کا پیٹ پالوں۔ سپاہی لڑائی میں سَر کٹاتے ہیں صرف اس لیے کہ کسی طرح جورو بچوں کا گذارہ ہو۔ بڑے بڑے عہدیدار رشوت کے الزام میں پکڑے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ کیا ہوتا ہے ؟ عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ عورت کہتی ہے کہ مجھ کو زیور چاہیئے کپڑا چاہیئے۔ مجبوراً بیچارے کو کرنا پڑتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسی طرزوں سے رزق کمانا منع فرمایا ہے۔

یہانتک عورتوں کے حقوق ہیں کہ جب مرد کو کہا گیا ہے کہ ان کو طلاق دو۔ تو مہر کے علاوہ ان کو کچھ اَور بھی دو۔ کیونکہ اس وقت تمہاری ہمیشہ کے لیے اس سے جدائی لازم ہوتی ہے۔ پس لازم ہے کہ اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

تَوَفّی کے معنی

قرآن شریف کے ترجمہ کی بابت ذکر ہوا تو فرمایا :

دیکھو توفّی کے معنے ہمارے مخالف مولوی مرنے کے کرتے ہیں۔ لیکن جب مسیح کے بارہ میں یہ

لفظ آجاوے تو اس کا اور ہی مطلب بتاتے ہیں کہ آسمان پر مع جسم عنصری کے چڑھ گیا۔ حضرت یوسفؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب یہ لفظ آجاوے۔ تب تو وفات کے معنے وہی موت کئے جاتے ہیں۔ افسوس! چاہیئے تو تھا کہ اگر معنے بدلنے ہی ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بدلے جاتے۔

آسمان پر جانا ناممکن ہے

فرمایا:

قرآن شریف تو بتاتا ہے کہ آسمان پر جانا تمہارا ناممکن ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہدے کہ میں ایک بشر رسول ہوں۔ میں آسمان پر کیونکر چلا جاؤں اور پھر قرآن شریف میں ہے مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ (البقرۃ: ۳۷)۔

معراج کی حقیقت

پھر فرمایا کہ:

مخالف مولوی ہماری مخالفت میں معراج کی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ حضرت عائشہؓ کا مذہب تھا کہ جو کوئی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم عنصری آسمان پر گئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگاتا ہے۔ اسی طرح اور ائمہ اور اصحاب کرامؓ کا بھی یہی مذہب رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نورانی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے نہ اس جسم کے ساتھ۔ ایسا ہی شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی مذہب تھا۔ اور شاہ عبدالعزیز بھی یہی لکھتے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ ایک اور نورانی جسم ملتا ہے جس سے کہ انسان آسمان پر جاتا ہے۔

بندہ کی فضیلت الہام میں نہیں، اعمالِ صالحہ میں ہے

ایک شخص نے تحریر کیا کہ یہاں اور بہت لوگوں کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو خواب تک نہیں آتی۔ آپ دُعا کریں کہ مجھ کو بھی الہام ہوا کریں کیونکہ میری عمر کا ایک بہت بڑا حصّہ اس میں گذرا ہے۔ اس لیے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میری مُراد پُوری ہو جاوے۔ اس پر جو حضرت نے حکم تحریر کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ناظرین رسالہ ہذا بھی اس سے مطلع کئے جاویں۔ کیونکہ یہ اس امام برحق کے الفاظ ہیں جس کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے جواہرات سے بڑھ کر قیمت رکھتا ہے۔ (ایڈیٹر تشحیذ)

حضرت علیہ السلام نے جواب دیا:۔

السلام علیکم۔ الہام خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندہ کی الہام میں فضیلت نہیں۔ بلکہ اعمالِ صالحہ میں فضیلت ہے۔ اور اس میں کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔ سو نیک کاموں میں کوشش چاہیئے تاکہ موجبِ نجات ہو۔ والسلام۔ مرزا غلام احمد

مسیح موعود کے پیچھے نمازیں جمع کی جائیں گی

چونکہ کچھ مدت سے حضرت کی طبیعت دن کے دُوسرے حصّہ میں اکثر خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے نماز مغرب اور عشاء گھر میں باجماعت پڑھ لیتے ہیں۔ باہر تشریف نہیں لا سکتے۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد چند عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا جو سُننے کے قابل ہے۔ (ایڈیٹر تشحیذ)

فرمایا :

کوئی یہ نہ دل میں گمان کر لے کہ یہ روز گھر میں جمع کر کے نماز پڑھا دیتے ہیں اور باہر نہیں جاتے۔ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی کہ آنیوالا شخص نماز جمع کیا کرے گا۔ سو چھ مہینے تک تو باہر جمع کروا تا رہا ہوں۔ اب میں نے کہا کہ عورتوں میں بھی اس پیشگوئی کو پُورا کر دینا چاہیئے۔ چونکہ بغیر ضرورت کے نماز جمع کرنا ناجائز ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے مجھ کو بیمار کر دیا اور اس طرح سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرے۔ کیونکہ وہ پورا نہ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کو وہ بات جو اس کے اختیار میں ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق پوری کر دینی چاہیئے اور خدا تعالیٰ خود بھی سامان مہیا کر دیتا ہے جیسا کہ مجھ کو بیمار کر دیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کر دے۔ جیسا کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے فرمایا کہ تیرا اس وقت کیا حال ہو گا جبکہ تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کسریٰ کا ملک فتح ہوا۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو سونے کے کڑے جو لُوٹ میں آئے تھے، پہنائے۔ حالانکہ سونے کے کڑے یا کوئی اَور چیز سونے کی مردوں کے لیے ایسی ہی حرام ہے جیسا کہ اَور حرام چیزیں۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ بات نکلی تھی اس لیے پُوری کی گئی۔ اسی طرح ہر ایک دُوسرے انسان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پُورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

دو زرد چادروں سے مُراد

فرمایا کہ :

دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

پیشگوئی کی تھی جو اسی طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اُترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں ایک اُوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی۔ یعنی مراق اور کثرتِ بَول۔ ہمارے مخالف مولوی اس کے معنے یہ کرتے ہیں۔ کہ وُہ سچ مچ جوگیوں کی طرح دو چادریں اوڑھے ہوئے آسمان نیچے اُتریں گے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ چونکہ معبّروں نے ہمیشہ زرد چادر کے معنے بیماری کے ہی لکھے ہیں۔ ہر ایک شخص جو زرد چادر دیکھے یا کوئی اَور زرد چیز تو اس کے معنے بیماری کے ہی ہوں گے اور ہر ایک شخص جو ایسا دیکھے آزما سکتا ہے کہ اس کے معنے یہی ہیں۔

صلح پسندی کے ساتھ مذہب کی غیرت ضروری ہے

دو عورتوں کے جھگڑے پر فرمایا کہ:

قرآن شریف میں آیا ہے وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (النسآء:۱۲۹) اس لیے اگر آپس میں کوئی لڑائی جھگڑا ہو جائے تو صُلح کر لینی چاہیئے کیونکہ اس میں خیر اور برکت ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ غیر مذاہب کے ساتھ بھی یہ بات رکھی جائے بلکہ اُن کے ساتھ سخت مذہبی عداوت رکھنا چاہیئے۔ جبتک مذہب کی غیرت نہ ہو انسان کا مذہب ٹھیک نہیں ہوتا۔ اب یہ جو ہندو عیسائی ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے ہیں تو کیا ہم اُن کے ساتھ صُلح رکھ سکتے ہیں بلکہ ان کی محفلوں میں بیٹھنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے گھروں میں جانا تو معصیت میں داخل ہے

جھگڑوں کی بنیاد بدظنّی ہوتی ہے

ہاں آپس میں جو ایک فرقہ میں ہوں تو لڑائی جھگڑا کی زیادہ تر بنیاد بدظنّی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ دو زخ میں دو تہائی آدمی بدظنّی کی وجہ سے داخل ہوں گے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن مَیں لوگوں سے پُوچھوں گا کہ اگر تم مجھ پر بدظنّی نہ کرتے تو یہ کیوں ہوتا۔ حقیقت میں اگر لوگ خدا تعالےٰ پر بدظنّی نہ کرتے تو یہ کیوں ہوتا۔ حقیقت میں اگر لوگ خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرتے تو اس کے احکام پر کیوں نہ چلتے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ پر بدظنی کی اور کُفر اختیار کیا۔ اور بعض تو خدا کے وجُود تک کے منکر ہو گئے۔ تمام فسادوں اور لڑائیوں کی وجہ یہی بدظنّی ہے۔

پیشگوئیوں کے مطابق زلزلوں کا وقوع

زلزلہ کی نسبت باتوں میں فرمایا کہ:

قرآن شریف میں زلزلہ آنے کی خبر دی گئی ہے کہ مسیح کے وقت ایسے زلزلے آئیں گے کہ شدّت میں نہایت ہی سخت ہوں گے۔ اَبتک ان مولویوں نے

یہ سب باتیں قیامت پر اُٹھا چھوڑی تھیں مگر یہ جو پیشگوئی ہے کہ حمل دار عورتوں کے حمل گر جائیں گے تو قیامت کے دن عورتوں کو حمل بھی ہوں گے؟ یہ بات کچھ بھوپال کے نواب صدیق حسن خاں نے سمجھی ہے لیکن افسوس کہ اب تک کوئی مولوی نہیں سمجھا کہ قیامت کو عورتوں کے حمل کہاں ہوں گے؟ کئی مسائل ہیں جن کا ظاہر ہونا مسیح کے وقت میں بیان کیا گیا تھا یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کھڑا ہوگا اور کہے گا کہ یہ کون شخص ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف باتیں بناتا ہے جو آجتک نہیں سُنیں۔

جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے کہ ان نشانوں میں سے ایک زلزلہ بھی ہے کہ عُلماء اس کو قیامت کے وقت قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھو کہ یہ دونوں زلزلے جو آئے ہیں کیا ایسے کبھی پہلے بھی دیکھے یا سُنے تھے؟ جو اصل میں قرآن شریف کی اس پیشگوئی کے مطابق آئے[1]۔

بلا تاریخ[2]

حقیقی مصلح اور واعظین میں فرق

آجکل کے ایک مشہور لیڈر قوم کا ذکر تھا کہ وہ کہتا ہے کہ ان دنوں مسلمان وعظ کی مجلس میں نہیں آتے، لیکن اگر رنڈیوں کا راگ ناچ ہو تو وہاں خوب جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

یہ بات درست ہے، لیکن اس کا اصل باعث واعظین کی حالتیں ہے۔ آجکل کے وعظ کرنیوالے ہی ایسے ہیں کہ وہ خود پرلے درجہ کے دُنیادار اور بے عمل اور بدکار ہیں۔ اور اُن کے وعظ میں نہ کوئی تاثیر ہے اور نہ کوئی لذت ہے اور

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۳ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۷ رجون ۱۹۰۶ء

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان جلد ۱ نمبر ۲ بابت جون ۱۹۰۶ء)

[2] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ملفوظات پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ لیکن اندازہ ہے کہ یہ ارشادات جون ۱۹۰۶ء کے پہلے تین ہفتوں کی کسی تاریخ کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

نہ کوئی کشش ہے۔ برخلاف اس کے رنڈیوں کے راگ میں خراب کاروں کے واسطے ایک لذت ہے گو وہ ظاہری ہے اور بدی کی طرف ہے۔ مگر لوگ ایک ظاہری لذت کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اگر واعظین کے وعظ میں کشش اور لذت ہوتی تو وہ سب کو کھینچ کر اپنی طرف لے آتے۔ ہر ایک مصلح، ریفارمر، ولی، نبی میں چار باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اوّل اس میں ایک بصیرت ہو جس سے وہ علمی مسائل کو ایسے رنگ میں پیش کرے جس سے سننے والوں کو ایک لذت حاصل ہو۔ کیونکہ نامعقول بات سے انسان کے دل میں ایک خلش رہتی ہے اور معقول بات خواہ مخواہ پسندیدہ ہوتی ہے اور اس میں ایک لذت ہوتی ہے جیسا کہ شربت میں طبعاً ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ اس میں ایک عملی طاقت ہو۔ خود عالم باعمل ہو۔ صدق، وفا اور شجاعت اس میں پائی جاتی ہو، کیونکہ جو شخص خود عمل کرنے والا نہیں۔ اس کا اثر دوسروں پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

سوم یہ کہ اس میں کشش ہو۔ کوئی نبی نہیں جس میں قوتِ جاذبہ نہ ہو۔ ہر ایک مامور کو ایک قوتِ جاذبہ عطا کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا دوسروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور لوگ اس کی طرف کھنچے ہوئے چلے آتے ہیں۔

چہارم یہ کہ وہ خوارق اور کرامات دکھائے اور نشانات کے ذریعہ سے لوگوں کے ایمان کو پختہ کرے۔

ان وعظ کرنے والے لوگوں میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں پائی جاتی۔

ضرورتِ امام

نادان لوگ کہتے ہیں کہ امام کی ضرورت کیا ہے؟ سب لوگ نماز حج وغیرہ فرائض اپنی اپنی جگہ ادا کر رہے ہیں۔ مگر یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ فی زمانہ ان کے درمیان نہ اندرونی خوبیاں ہیں اور نہ بیرونی۔ اللہ تعالیٰ نے جو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں ایسے لوگوں کا ذکر کیا وہ انعامات ان کے درمیان کہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ تو خود ہی تاریکی میں پڑے ہوتے ہیں۔ اخلاق خراب ہیں۔ اعمال خراب ہیں۔ ایمان نہیں۔ دین صرف ایک رسم رہ گیا ہے جس میں خالی استخوان ہے اور مغز نہیں۔ بیرونی حملوں کا یہ حال ہے کہ کوئی خاندان ایسا نہیں جس میں کوئی نہ کوئی مُرتد نہ ہو گیا ہو۔ وہ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تھے اور جن کے کانوں میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھا گیا تھا۔ اب گرجوں میں بیٹھ کر ایک خدا کے ساتھ دوسرے اور تیسرے خدا بناتے ہیں۔ اور مُردوں کی پرستش کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیتے ہیں۔ اسلامی سلطنتوں کا یہ حال ہے کہ سب سے زیادہ فخر سلطانِ روم پر کیا جاتا ہے جو رات دن یورپ کی سطوت سے خوفزدہ رہتا ہے اور بمشکل اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہے وہ کونسی خوش قسمتی کی بات ہے جو اس وقت مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ ہر پہلو سے ان کے حالات پر رونا آتا

ہے۔ایک اہل الرائے ان کے حال سے بالکل ناامیدی ظاہر کرتا ہے۔

ہمارا ہتھیار دُعا ہے

دشمن بداندیش صرف عداوت کے سبب ہماری ہر بات اور ہر فعل پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ اس کا دل خراب ہے اور جب کسی کا دل خراب ہوتا ہے تو پھر چاروں طرف اندھیرا ہی نظر آتا ہے۔ یہ نادان کہتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں اور کچھ کام نہیں کرتے۔ مگر وہ خیال نہیں کرتے کہ مسیح موعود کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ تلوار پکڑے گا اور نہ یہ لکھا ہے کہ وہ جنگ کرے گا بلکہ یہی لکھا ہے کہ مسیح کے دم سے کافر مریں گے یعنی وہ اپنی دُعا کے ذریعہ سے تمام کام کرے گا۔ اگر مَیں جانتا کہ میرے باہر نکلنے سے اور شہروں میں پھرنے سے کچھ فائدہ ہوسکتا ہے تو مَیں ایک سیکنڈ بھی یہاں نہ بیٹھتا مگر مَیں جانتا ہوں کہ پھرنے میں سوائے پاؤں گھسانے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے اور یہ سب مقاصد جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، صرف دُعا کے ذریعہ سے حاصل ہوسکیں گے۔ دُعا میں بڑی قوتیں ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بادشاہ ایک ملک پر چڑھائی کرنے کے واسطے نکلا۔ راستہ میں ایک فقیر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ تم آگے مت بڑھو ورنہ مَیں تمہارے ساتھ لڑائی کروں گا۔ بادشاہ حیران ہوا اور اس سے پوچھا کہ تُو ایک بے سروسامان فقیر ہے تو کس طرح میرے ساتھ لڑائی کرے گا؟ فقیر نے جواب دیا کہ مَیں صبح کی دُعاؤں کے ہتھیار سے تمہارے مقابلہ میں جنگ کروں گا۔ بادشاہ نے کہا مَیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔

غرض دُعا میں خدا تعالیٰ نے بڑی قوتیں رکھی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار بذریعہ الہامات کے یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دُعا ہی کے ذریعہ سے ہوگا۔ ہمارا ہتھیار تو دُعا ہی ہے اور اس کے سوائے اور کوئی ہتھیار میرے پاس نہیں۔ جو کچھ ہم پوشیدہ مانگتے ہیں خدا تعالیٰ اس کو ظاہر کرکے دکھا دیتا ہے۔ گذشتہ انبیاء کے زمانہ میں بعض مخالفین کو نبیوں کے ذریعہ سے بھی سزا دی جاتی تھی مگر خدا جانتا ہے کہ ہم ضعیف اور کمزور ہیں۔ اس واسطے اس نے ہمارا سب کام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اسلام کے واسطے اب یہی ایک راہ ہے جس کو خشک مُلّا اور خشک فلسفی نہیں سمجھ سکتا۔ اگر ہمارے واسطے لڑائی کی راہ کھلی ہوتی تو اس کے لیے تمام سامان بھی مہیا ہو جاتے۔ جب ہماری دُعائیں ایک نقطہ پر پہنچ جائیں گی تو جھوٹے خود بخود تباہ ہو جائیں گے۔ نادان دشمن جو سیاہ دل ہے وہ کہتا ہے کہ انکو سوائے سونے اور کھانے کے اور کچھ کام ہی نہیں۔ مگر ہمارے نزدیک دُعا سے بڑھ کر اور کوئی تیز ہتھیار ہی نہیں۔ سعید وہ ہے جو اس بات کو سمجھے کہ خدا تعالیٰ اب دین کو کس راہ سے ترقی دینا چاہتا ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۴ مورخہ ۲۱ رجون ۱۹۰۶ء

بلا تاریخ[1]

کامل تعلیم کے اوصاف

ایک فرقۂ مذہبی کا ذکر آیا کہ وہ صرف چند باتوں کے ترک پر زور دیتے ہیں اور پس فرمایا :-

یہ تعلیم ناقص ہے۔ صرف ترک سے وصول نہیں ہوتا کیونکہ ترک مستلزم وصول نہیں۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ ایک شخص نے لاہور جانا ہے اور گورداسپور نہیں جانا۔ صرف اتنے سے کہ وہ گورداسپور نہیں گیا یہ امر حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ لاہور پہنچ گیا ہے۔ ترکِ معاصی اور شئے ہے اور نیکیوں کا حصول اور قربِ الٰہی دوسری شئے ہے۔ عیسائیوں نے بھی اس معاملہ میں بڑا دھوکا کھایا ہے اور اسی واسطے انہوں نے کفّارہ کا غلط مسئلہ ایجاد کیا ہے کہ یسوع کے پھانسی ملنے سے ہمارے گناہ دور ہو گئے۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے کہ ایک شخص کا پھانسی ملنا سب کے گناہ دُور کر دے۔ دوم اگر گناہ دُور بھی ہو جاویں تو صرف گناہ کا موجود نہ ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔ بہت کیڑے مکوڑے اور بھیڑ بکریاں دُنیا میں موجود ہیں جن کے ذمہ کوئی گناہ نہیں لیکن وہ خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے نہیں شمار ہو سکتے اور ایسا ہی کثرت سے اس قسم کے ابلہ اور سادہ لوح لوگ موجود ہیں جو کوئی گناہ نہیں کرتے نہ چوری، نہ زنا، نہ جھوٹ، نہ بدکاری، نہ خیانت، لیکن ان گناہوں کے نہ کرنے کے سبب وہ مقربانِ الٰہی میں شمار نہیں ہو سکتے۔ انسان کی خوبی اس میں ہے کہ وہ نیکیاں اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے کام کرے اور معرفتِ الٰہی کے مدارج حاصل کرے اور رُوحانیت میں ترقی کرے اور ان لوگوں میں شامل ہو جاوے جو بڑے بڑے انعام حاصل کرتے ہیں۔ اس کے واسطے قرآنِ شریف میں دو نو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک ترکِ گناہ اور دوم حصولِ قربِ الٰہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابرار کی دو صفتیں ہیں ایک یہ کہ وہ کافوری شربت پیتے ہیں جس سے گناہوں کے جوش ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور پھر زنجبیلی شربت پیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشکل گھاٹیوں کو طے کرتے ہیں۔ وہ آیت کریمہ اس طرح سے ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۔ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۔ (الدھر : ۶ - ۷)

پھر فرمایا :-

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا (الدھر : ۱۸)

---

[1] ان ملفوظات پر کوئی تاریخ تو درج نہیں۔ اندازاً جون ۱۹۰۶ء کے آخری ہفتہ یا جولائی ۱۹۰۶ء کے پہلے عشرہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خاکسار مرتب)

ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا تعالیٰ نے اُن کو وہ شربت پلایا ہے جس نے ان کے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا۔ نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جس کی مِلونی کافور ہے وہ اس چشمہ سے پیتے ہیں جس کو وہ آپ ہی چیرتے ہیں۔ اور مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اس واسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغتِ عرب میں کفر دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ سو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دُنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب دل ان نالائق خیالات سے بہت ہی دُور چلا جاوے اور کچھ تعلقات ان سے باقی نہ رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ نابود ہو جاتے ہیں۔ سو اس جگہ خدا تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ وہ اس کی طرف کامل طور سے جُھک گئے۔ وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دُور نکل گئے اور ایسے خدا تعالیٰ کی طرف جُھکے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے اُن کے دل ٹھنڈے ہو گئے اور ان کے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جن کی ملونی زنجبیل ہے

اب جاننا چاہیئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی زَنَا اور جَبَل سے اور زَنَا لغتِ عرب میں اُوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل پہاڑ کو۔ اس کے ترکیبی معنے یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اب جاننا چاہیئے کہ انسان پر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں۔ ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش دُوبا صلاح ہو جاتا ہے اور سمّی کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اُٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے، لیکن ہنوز اعضاء میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا۔ ابھی مردہ کی طرح اُفتاں و خیزاں چلتا ہے۔ دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصل صحت عود کر آتی ہے اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جاوے اور نشاطِ خاطر سے اُونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جاوے۔ سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسّر آتی ہے۔ ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنی وہ رُوحانی حالت کی پوری قوت پاکر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام اُن کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں حیرت ناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ علمِ طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جسے ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں۔ وہ حرارتِ غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسی واسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ

کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے۔ ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جن میں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا، خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذباتِ نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت کے بعد یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے زہریلے مواد نیچے دبائے جاتے ہیں اور نفسانی جذبات رُو بھی ہونے لگتے ہیں جیسا کہ کافور سے زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جاتی ہے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدا تعالیٰ کے حُسن و جمال کی تجلی ہے جو رُوح کی غذا ہے۔ جب اس تجلی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اُونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لائق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرت ناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو، ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کے لیے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے۔ ایک کافور جو نیچے دبانے والے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں یہی دو حالتیں سالکوں کے لیے واقع ہیں۔[1]

۱۴ر جولائی ۱۹۰۶ء

قبل نماز ظہر

بے ثباتیٔ دنیا

ایک معزز خاندانی ہندو دیوان صاحب جو صرف حضرت کی ملاقات کے واسطے قادیان آئے تھے قبل نماز ظہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ ان کو کچھ نصیحت کی جائے۔

حضرت نے فرمایا:۔

ہر ایک شخص کا ہمدردی کا رنگ جُدا ہوتا ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جائیں تو وہ آپ کے ساتھ یہی ہمدردی کر سکتا ہے کہ آپ کی کسی بیماری کا علاج کرے اور اگر آپ حاکم کے پاس جائیں تو اس کی ہمدردی یہ ہے کہ کسی ظالم کے ظلم سے بچائے ایسا ہی ہر ایک کی ہمدردی کا رنگ جُدا ہے۔ ہماری طرف سے ہمدردی یہ ہے کہ ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ دُنیا روزے چند ہے۔ اگر یہ خیال دل میں پختہ ہو جائے تو تمام جھوٹی خوشیاں پامال ہو جاتی اور انسان خدا تعالیٰ کی طرف اپنا دل لگاتا ہے۔ لمبے منصوبے اور ناجائز کارروائیاں انسان اسی واسطے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸ صفحہ ۳ بابت ۲۸ر جون ۱۲،۵ر جولائی ۱۹۰۶ء

کرتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں کہ زندگی کے ایام کتنے ہیں۔ جب انسان جان لیتا ہے کہ موت اس کے آگے کھڑی ہے تو پھر وہ گناہ کے کاموں سے رُک جاتا ہے۔ خدا رسیدہ لوگوں کو ہر روز اپنے اور اپنے دوستوں کے متعلق معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ اس واسطے وہ دُنیا کی باتوں پر خوش نہیں ہو سکتے اور نہ اُن پر تسلی پکڑ سکتے ہیں۔

دیکھو اس وقت ملک میں طاعون پھیلی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اس کے متعلق ایسے وقت میں اطلاع دی تھی جبکہ یہاں طاعون کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسی وقت میں نے لوگوں کو اس کے متعلق اطلاع کر دی تھی۔ یاد رکھو۔ جب غفلت اور دُنیا پرستی بہت بڑھ جاتی ہے تو پھر تباہیوں کے آنے کا وقت ہوتا ہے۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جب تک یہ لوگ شرارت کو نہ چھوڑیں گے اور اپنی اصلاح نہ کریں گے اور اپنے اخلاق درست نہ کر لیں گے تب تک یہ بیماری ملک سے دُور نہ ہوگی۔

ایسا ہی دوسری بلا زلزلہ کی ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ اس قسم کے خوفناک زلزلوں سے کبھی آگاہ نہ تھے۔ کبھی اتفاقی کوئی زلزلہ آجاتا تھا۔ لیکن اب نہایت خوفناک زلزلے آتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار اطلاع دی ہے کہ ہنوز ایک سخت تباہ کن زلزلہ آنے والا ہے۔ جس سے یہ مطلب ہے کہ لوگ کسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ وہ ربّ جس نے پیدا کیا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے اور خوفناک صدموں کے وقت وہ بچایا جاتا ہے۔

بدظنی سارے گناہوں کی جڑ بدظنی ہے۔ لکھا ہے کہ جب کافر لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے انہیں کہا جائے گا کہ یہ تمہاری بدظنی کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا رسول تمہارے پاس آیا۔ اس نے تمہیں نیکی کی بات سکھائی۔ توبہ اور استغفار کا سبق دیا پر تم نے اس کی مخالفت کی۔ اور اس پر بدظنی کر کے کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام نہیں ہوتا۔ تُو سب باتیں اپنے پاس سے بنا کر کہتا ہے۔

دیکھو ہم خدا تعالیٰ سے خبر پا کر مخلوق کو اطلاع دیتے ہیں کہ ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ تم نیکی اختیار کرو۔ بدیوں سے بچو۔ اپنی اصلاح کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم مصیبت کے وقت میں بچائے جاؤ اور تم پر رحم کیا جاوے۔ اس کے جواب میں یہ لوگ اخباروں میں اور خطوں میں ہم کو گندی گالیاں دیتے ہیں اور ہر طرح سے ستانے کی کوشش کرتے ہیں اور دُکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تُو جھوٹا ہے اور افترا کرتا ہے مگر ہمارا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر ہم کو دی ہے وہ ہم ان لوگوں کو پہنچا دیں۔ ایک شخص ایک گاؤں میں رہنے والا یقیناً جانتا ہے کہ صبح ہوتے یہ گاؤں ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ گاؤں کے رہنے والوں کو اس طوفان سے

مطلع نہ کرے تو کیا کرے ؟ یہی حال حضرت نوحؑ کے زمانہ میں ہوا تھا جبکہ حضرت نوحؑ کشتی بناتے تھے تو لوگ ہنستے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو یہ کیسا دیوانہ ہے کہ خشکی پر شہر میں کشتی بناتا ہے۔ مگر وہ نہ جانتے تھے کہ وہ خود ہی غلطی پر ہیں اور حضرت نوحؑ کی کارروائی درست اور راست ہے۔ اسی طرح آجکل بھی گو اسبابِ باراں ہے مگر قسم قسم کے طوفانوں اور زلازل سے دُنیا پر عذاب آنے والے ہیں۔ جیسا کہ پہلے زمانوں کی تمام شرارتیں اور مفاسد آجکل جمع ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی پہلے زمانوں میں جو عذاب اور بلائیں متفرق وقتوں میں وارد ہوا کرتی تھیں وہ سب کی سب اب اس زمانہ میں جمع ہو گئی ہیں۔

جس قدر قانون بڑھتا جاتا ہے ساتھ ہی فریب اور دھوکہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ سرکار اس واسطے قانون بناتی ہے کہ ملک میں امن پھیلے۔ شریر لوگ اسی قانون میں سے ایک ایسی بات نکالتے ہیں کہ ان کو اپنی شرارت کے پورا کرنے کا اور بھی موقعہ مل جائے۔ اگر کوئی کسی کا قرضدار ہوتا ہے تو اسی فکر میں رہتا ہے کہ قرضہ کی میعاد گذر چکی ہے اور نہیں سوچتا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی میعاد نہیں۔

غیر مذہب والوں سے خوش خُلقی

مذکورہ بالا ہندو صاحب نے عرض کیا کہ مجھے تو لوگ ڈراتے تھے کہ مرزا صاحب تو کسی کے ساتھ بات نہیں کرتے اور ہندوؤں کے ساتھ بہت بدخلقی سے پیش آتے ہیں۔ میں نے یہ سب بات اس کے برخلاف پائی ہے اور آپ کو اعلیٰ درجہ کا خلیق اور مہمان نواز دیکھا ہے۔

حضرت نے فرمایا :۔

لوگ جھوٹی خبریں اُڑا دیتے ہیں۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے وسیع اخلاق سکھلائے ہیں۔ بلکہ ہمیں افسوس ہے کہ ہم پوری طرح سے آپ کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کا اظہار نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کی قومی رسم کے مطابق ہمارا کھانا کھا لینا جائز نہیں۔ ایسے ہندو مہمانوں کے کھانے کے انتظام ہم کسی ہندو کے ہاں کر لیا کرتے ہیں لیکن اس کھانے کی ہم خود نگرانی نہیں کر سکتے۔ ہمارے اصول میں داخل نہیں کہ اختلافِ مذہبی کے سبب کسی کیساتھ بدخلقی کریں اور بدخلقی مناسب بھی نہیں، کیونکہ نہایت کار ہمارے نزدیک غیر مذہب والا ایک بیمار کی مانند ہے جس کو صحتِ رُوحانی حاصل نہیں۔ پس بیمار تو اور بھی قابلِ رحم ہے جس کے ساتھ بہت خلق اور حلم اور نرمی کیساتھ پیش آنا چاہیئے۔ اگر بیمار کے ساتھ بدخلقی کی جاوے تو اس کی بیماری اور بھی بڑھ جائے گی۔ اگر کسی میں کبھی اور غلطی ہے تو محبت کے ساتھ سمجھانا چاہیئے۔

ہمارے بڑے اصول دو ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق صاف رکھنا اور اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا۔ (بدر جلد ۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۳ مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء)

بلا تاریخ[1]

سچے مذہب کی پہچان

ایک ہندو نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ سچے مذہب کی کیا شناخت ہے؟ دُنیا میں اس قدر مذاہب پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے کس طرح شناخت کریں کہ سب سے افضل اور اعلیٰ مذہب قابلِ قبول کونسا ہے؟

حضرت نے فرمایا:

جس مذہب میں سب سے زیادہ تعظیمِ الٰہی اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سامان ہو وہی سب سے اعلیٰ مذہب ہے۔ انسان اسی چیز کی قدر زیادہ کرتا ہے جس کا علم اس کو زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو معلوم ہو کہ فلاں مکان میں ایک سانپ پھرتا ہے اور وہ آدمیوں کو کاٹتا ہے تو وہ شخص کبھی جرأت نہ کرے گا کہ رات کو ایسے مکان میں جاکر سوئے۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کھانے میں جو میرے آگے رکھا ہے زہر ہے تو وہ ہرگز کبھی ایک لقمہ بھی اس کھانے میں سے نہ اُٹھائے گا۔ اگر کسی گاؤں میں طاعون ہو اور لوگ مر رہے ہوں تو کوئی شخص اس گاؤں میں جانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔ جس کو معلوم ہو کہ جنگل میں شیر رہتا ہے وہ اس جنگل میں ہرگز داخل نہیں ہوتا۔ ان سب کا اصل علم اور معرفت ہے جس چیز کا علم انسان کو بخوبی ہو جاوے اور اس کے متعلق معرفتِ تام پیدا ہو جاوے۔ انسان اس کے برخلاف بالکل نہیں کر سکتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ گناہ کو ترک نہیں کرتے؟ اس کا سبب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا کامل علم اور معرفتِ تام اُن کو حاصل نہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے اور اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ صرف ایک رسمی ایمان ہے ورنہ دراصل گناہ سوز معرفت حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ حاصل ہو تو ممکن ہی نہیں کہ انسان پھر گناہ کر سکے۔ ہر شئے کی قدر اس کی پہچان اور معرفت سے ہوتی ہے۔ دیکھو۔ ایک جاہل گنوار کو ایک قیمتی پتھر لعل یا موتی مل جاوے تو وہ حد درجہ اس کو دو چار پیسہ میں فروخت کر دے گا۔ یہی مثال ان نادانوں کی ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا وہ الٰہی احکام کے بالمقابل دو چار پیسوں کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ جہاں کوئی دنیوی تھوڑا سا فائدہ نظر آتا ہے۔ وہاں اپنا ایمان فروخت کر دیتے ہیں۔ جھوٹی گواہیاں عدالتوں میں جاکر دو آنہ یا چار آنہ کے بدلے دیتے ہیں۔ انکے نزدیک خدا تعالیٰ کے اس پاک حکم کی قدر کہ جھوٹ نہ بولو اور سچی گواہی دو اس سے بڑھ کر نہیں کہ دو چار آنہ کی خاطر اس کو چھوڑ دیں اور بیچ ڈالیں۔ خدا تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے مول پر بیچنے کے یہی معنے ہیں کہ انسان تھوڑے سے

---

[1] قیاس ہے کہ شائد جولائی ۱۹۰۶ء کی کسی تاریخ کی یہ ڈائری ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

ظاہری فائدہ کی خاطر احکامِ الٰہی کی بے قدری کرتا ہے۔

آجکل جو مذاہب لوگوں میں رائج ہیں وہ سب قومی مذاہب ہیں یعنی ایک قومیت کی بیخ کی جاتی ہے۔ ورنہ سچا مذہب وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے خوف سے شروع ہوتا ہے اور خوف اور محبت کی جڑھ معرفت ہے پس مذہب وہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے خدا تعالیٰ کی معرفت اور گیان بڑھ جائے اور خدا تعالیٰ کی تعظیم دلوں میں بیٹھ جائے۔ جس مذہب میں صرف پُرانے قصے ہوں وہ ایک مُردہ مذہب ہے۔ دیکھو خدا وہی ہے جو پہلے تھا اس کی عبادت سے جو پھل پہلے لوگ پا سکتے تھے وہی پھل اب بھی پا سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اخلاق بدل نہیں ڈالے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ صرف ایک خشک لکڑی کی طرح ہیں جس کے ساتھ کوئی پھل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں۔ اگر پہچانتے تو ان پر ضرور برکات نازل ہوتے مگر اس راہ میں بہت مشکلات ہیں اور یہ بڑی قوت والوں کا کام ہے اور خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے قوت عطا فرماوے اگر انسان تلاش میں لگا رہے تو ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس کو قوت عطا ہو جائے۔ استقامت شرط ہے ہمت کے ساتھ خدا تعالیٰ کو تلاش کرو تو اسے پالو گے۔[1]

بلا تاریخ[2]

گناہ اور ان کی بخشش

ایک شخص نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ دُنیا میں لوگ بہت گنہگار ہوں گے مگر میرے جیسا گنہگار تو کوئی نہ ہوگا۔ مَیں نے بڑے بڑے سخت گناہ کئے ہیں۔ میری بخشش کس طرح ہوگی؟

حضرت نے فرمایا:-

دیکھو۔ خدا تعالیٰ جیسا غفور اور رحیم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھو کہ وہ تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر دُنیا بھر میں کوئی گنہگار نہ رہے تو مَیں ایک اور اُمت پیدا کرونگا جو گناہ کرے اور مَیں اس کے گناہ بخش دوں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام غفور ہے اور ایک رحیم۔ یاد رکھو کہ گناہ ایک زہر ہے اور ہلاکت ہے مگر توبہ اور استغفار ایک تریاق ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (البقرۃ: ۲۲۳) اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے پیار کرتا ہے جو توبہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پاک ہو جاویں۔ خدا تعالیٰ نے ہر ایک شے میں ایک حکمت رکھی ہے۔ اگر

---

[1] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۶ صفحہ ۹ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۶ء

[2] قیاس ہے کہ غالباً یہ جولائی ۱۹۰۶ء کے دوسرے ہفتہ کی ڈائری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

آدم گناہ کرکے توبہ نہ کرتا اور خدا تعالیٰ کی طرف نہ جُھکتا تو صفی اللہ کا لقب کہاں سے پاتا؟ اگر کوئی انسان ایسا اپنے آپ کو دیکھتا کہ جیسا ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اور اپنے اندر کوئی گناہ نہ دیکھتا تو اس کے دل میں تکبّر پیدا ہوتا جو تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور شیطان کا گناہ ہے۔ شیطان نے گھمنڈ کیا کہ مَیں نے کوئی گناہ نہیں کیا اسی واسطے وہ شیطان بن گیا۔ گناہ جو انسان سے صادر ہوتا ہے وہ نفس کو توڑنے کے واسطے ہے۔ جب انسان سے گناہ ہوتا ہے تو وہ اپنی بدی کا اقرار کرتا ہے اور اپنے عجز کو یقین کرکے خدا تعالیٰ کی طرف جُھکتا ہے جس طرح مکھی کے دو پَر ہیں کہ ایک میں زہر ہے اور دوسرے میں تریاق ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کی چیز میں مکھی پڑے تو وہ اپنا صرف ایک پَر اس کے اندر ڈبوتی ہے جس میں زہر ہے پر تم اس کو نکالنے سے پہلے اس کا دوسرا پَر بھی ڈبولو کہ وہ اس کے بالمقابل تریاق ہے۔ یہ مثال انسان کے گناہ اور توبہ کی ہے۔ اگر گناہ صادر ہو جائے تو توبہ کرو کہ وہ اس کے واسطے تریاق ہے اور گناہ کے زہر کو دُور کر دیتی ہے۔ عاجزی اور تضرع سے خدا تعالیٰ کے حضور میں جُھکو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو ترقی بھی نہ ہوتی۔ جو شخص جانتا ہے کہ مَیں نے گناہ کیا ہے اور اپنے آپ کو ملزم دیکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف جُھکتا ہے تب اس پر رحم کیا جاتا ہے اور وہ ترقی پکڑتا ہے۔ لکھا ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔ لیکن توبہ سچے دل کے ساتھ ہونی چاہیئے اور نیتِ صادق کے ساتھ چاہیئے کہ انسان پھر کبھی اس گناہ کا مرتکب نہ ہوگا گو بعد میں بہ سبب کمزوری کے ہو جاوے لیکن توبہ کرنے کے وقت اپنی طرف سے یہ پختہ ارادہ اور سچی نیت رکھتا ہو کہ آئندہ یہ گناہ نہ کرے گا۔ نیت میں کسی قسم کا فساد نہ ہو بلکہ پختہ ارادہ ہو کہ قبر میں داخل ہونے تک اس بدی کے قریب نہ آئے گا تب وہ توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان میں ڈالتا ہے تاکہ ان کو انعام دیوے۔ انعام حاصل کرنے کے واسطے امتحانوں کا پاس کرنا ضروری ہے۔

نماز کے اندر دُعا

فرمایا:۔

نماز کے اندر ہی اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کرو۔ سجدہ میں، بیٹھ کر، رکوع میں، کھڑے ہو کر، ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرو۔ بیشک پنجابی زبان میں دُعائیں کرو۔ جن لوگوں کی زبان عربی نہیں اور عربی سمجھ نہیں سکتے۔ اُن کے واسطے ضروری ہے کہ نماز کے اندر ہی قرآن شریف پڑھنے اور مسنون دُعائیں عربی میں پڑھنے کے بعد اپنی زبان میں بھی خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگے اور عربی دُعاؤں کا اور قرآن شریف کا بھی ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے۔ نماز کو صرف جنتر منتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ اس کے معانی اور حقیقت سے معرفت حاصل کرو۔ خدا تعالیٰ سے دُعا کرو کہ ہم تیرے گنہگار بندے ہیں اور نفس غالب ہے تو ہم کو معاف کر اور دُنیا اور آخرت کی آفتوں سے ہم کو بچا۔

آجکل لوگ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں اور پیچھے لمبی دُعائیں مانگنے بیٹھتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ جس نماز میں تضرع نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف رُجوع نہیں۔ خدا تعالیٰ سے رقت کے ساتھ دُعا نہیں وہ نماز تو خود ہی لُوٹی ہوئی نماز ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دُعا کا مزا آجاوے۔ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقت طاری ہو جائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اُس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی طرف ہے اور منہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: ۵،۶)

لعنت ہے اُن پر جو اپنی نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ نماز وہی اصلی ہے جس میں مزا آجاوے۔ ایسی ہی نماز کے ذریعہ سے گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز مومن کے واسطے ترقی کا ذریعہ ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۵)

نیکیاں بدیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ دیکھو بخیل سے بھی انسان مانگتا رہتا ہے تو وہ بھی کسی نہ کسی وقت کچھ دے دیتا ہے اور رحم کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو خود حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور مَیں تمہیں دوں گا۔ جب کبھی کسی امر کے واسطے دعا کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا کہ آپ وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے اور نماز کے اندر دُعا کرتے۔

دُعا کے معاملہ میں حضرت عیسیٰؑ نے خوب مثال بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک قاضی تھا جو کسی کا انصاف نہ کرتا تھا اور رات دن اپنی عیش میں مصروف رہتا تھا ایک عورت جس کا ایک مقدمہ تھا وہ ہر وقت اس کے دروازے پر آتی اور اُس سے انصاف چاہتی۔ وہ برابر ایسا کرتی رہتی یہانتک کہ قاضی تنگ آگیا اور اس نے بالآخر اس مقدمہ کا فیصلہ کیا اور اس کا انصاف اُسے دیا۔ دیکھو کیا تمہارا خدا قاضی جیسا بھی نہیں کہ وہ تمہاری دُعا سُنے اور تمہیں تمہاری مُراد عطا کرے۔ ثابت قدمی کے ساتھ دُعا میں مصروف رہنا چاہیئے۔ قبولیت کا وقت بھی ضرور آہی جائے گا۔ استقامت شرط ہے [1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۶ء

۱۶ر جولائی ۱۹۰۶ء

ڈاکٹر عبدالحکیم

ڈاکٹر عبدالحکیم کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔
وہ ہم سے ہی کیا پھرا ہے وہ تو خود اسلام سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پھر گیا ہے۔ افسوس تو ان مولویوں اور مسلمانوں پر ہے جو اسلام کا دعویٰ کر کے ایک ایسے آدمی کی حمایت کرتے ہیں اور اس کا ساتھ دیتے ہیں جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی ضروری نہیں جانتا اور اس کے نزدیک گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے بغض کے سبب یہ لوگ ایسے کام کرتے ہیں کہ خود ہی اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

چراغ دین

چراغ دین مسیح بنتا تھا۔ عیسائیوں نے اس کی امداد کی۔ مگر خدا تعالیٰ کے مسیح کے بالمقابل وہ ناکام رہا۔ ہمارا دعویٰ بھی مسیح ہونے کا ہے لیکن ہمارے ساتھ عیسائی لوگ سخت عداوت رکھتے ہیں۔ اور چراغ دین کا دعویٰ بھی مسیح ہونے کا تھا مگر اُس کی امداد اور نصرت میں کھڑے ہو گئے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ جھوٹا تھا اور یہ بھی جھوٹے ہیں جو انسان کو خدا بناتے ہیں۔ جھوٹا جھوٹے کا حامی اور ناصر بن جاتا ہے، لیکن صادق کا ساتھ صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو راستباز ہوں اور ایسے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔[1]

بلا تاریخ

خواتین کیلئے خصوصی نصائح

(ایک پرانی تحریر سے اقتباس)

① ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سینہ پاکرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات زبان پر لانا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل مسلمانوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لیں۔ کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں مسلمانوں کے لیے قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہیں۔ یعنی ہم خدا تعالیٰ کا مال اور ملک ہیں۔ اُسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ کرے وہ شیطان سے ہے۔

② دوم برابر ایک سال تک سوگ رکھنا اور نئی نئی عورتوں کے آنے کے وقت یا بعض خاص دنوں میں سیاپا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۶ء

کرنا اور باہم عورتوں کا سر ٹکرا کر چلانا رونا اور کچھ کچھ مُنہ سے بھی بکواس کرنا اور پھر برابر ایک برس تک بعض چیزوں کا پکانا چھوڑ دینا اس عذر سے کہ ہمارے گھر میں یا ہماری برادری میں ماتم ہو گیا ہے۔ یہ سب ناپاک رسمیں اور گناہ کی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۳) سیاپا کرنے کے دنوں میں بے جا خرچ بھی بہت ہوتے ہیں۔ حرامخور عورتیں شیطان کی بہنیں جو دُور دُور سے سیاپا کرنے کے لیے آتی ہیں اور مکر و فریب سے مُنہ کو ڈھانپ کر اور بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخیں مار کر روتی ہیں ان کو اچھے اچھے کھانے کھلائے جاتے ہیں اور اگر مقدور ہو تو اپنی شیخی اور بڑائی جتلانے کے لیے صدہا روپیہ کا پُلاؤ اور زردہ پکا کر برادری وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس غرض سے کہ لوگ واہ واہ کریں کہ فلاں شخص نے مرنے پر اچھی کرتوت دکھلائی۔ اچھا نام پیدا کیا۔ سو یہ سب شیطانی طریق ہیں جن سے توبہ کرنا لازم ہے۔

(۴) اگر کسی عورت کا خاوند مر جائے تو گو وہ عورت جوان ہی ہو دوسرا خاوند کرنا ایسا بُرا جانتی ہے جیسا کہ کوئی بڑا بھاری گناہ ہوتا ہے اور تمام عمر بیوہ اور رانڈ رہ کر یہ خیال کرتی ہے کہ میں نے بڑے ثواب کا کام کیا ہے اور پاکدامن بیوی ہو گئی ہوں۔ حالانکہ اس کے لیے بیوہ رہنا سخت گناہ کی بات ہے۔ عورتوں کے لیے بیوہ ہونے کی حالت میں خاوند کر لینا نہایت ثواب کی بات ہے۔ ایسی عورت حقیقت میں بڑی نیک بخت اور ولی ہے جو بیوہ ہونے کی حالت میں بُرے خیالات سے ڈر کر کسی سے نکاح کرلے اور نابکار عورتوں کے لعن طعن سے نہ ڈرے۔ ایسی عورتیں جو خدا اور رسول کے حکم سے روکتی ہیں خود لعنتی اور شیطان کی چیلیاں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے شیطان اپنا کام چلاتا ہے جس عورت کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیارا ہے اُس کو چاہیئے کہ بیوہ ہونے کے بعد کوئی ایماندار اور نیک بخت خاوند تلاش کرلے اور یاد رکھے کہ خاوند کی خدمت میں مشغول رہنا بیوہ ہونے کی حالت کے وظائف سے صدہا درجہ بہتر ہے۔

(۵) عورتوں میں ایک خراب عادت یہ بھی ہے کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کر دیتی ہیں اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ بُرا بھلا اُن کے حق میں کہہ دیتی ہیں۔ ایسی عورتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کے نزدیک لعنتی ہیں۔ ان کا نماز روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالےٰ صاف فرماتا ہے کہ کوئی عورت نیک نہیں ہو سکتی جب تک پوری پوری خاوند کی فرمانبرداری نہ کرے اور دلی محبت سے اس کی تعظیم نہ بجا لائے اور پسِ پشت اس کے لیے اس کی خیر خواہ نہ ہو۔

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے مَردوں کی تابعدار رہیں ورنہ ان کا کوئی عمل منظور نہیں اور نیز فرمایا ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو مَیں حکم کرتا کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو

سجدہ کیا کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کچھ بدزبانی کرتی ہے یا اہانت کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے اور حکم ربانی سنکر بھی باز نہیں آتی تو وہ لعنتی ہے۔ خدا اور رسول اس سے ناراض ہیں۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چرادیں اور نامحرم سے اپنے تئیں بچائیں اور یاد رکھنا چاہیئے کہ بجز خاوند اور ایسے لوگوں کے جنکے ساتھ نکاح جائز نہیں اور جتنے مرد ہیں ان سے پردہ کرنا ضروری ہے جو عورتیں نامحرم لوگوں سے پردہ نہیں کرتیں شیطان انکے ساتھ ساتھ ہے۔

عورتوں پر یہ بھی لازم ہے کہ بدکار اور بدوضع عورتوں کو اپنے گھروں میں نہ آنے دیں اور نہ اُن کو اپنی خدمت میں رکھیں کیونکہ یہ سخت گناہ کی بات ہے کہ بدکار عورت نیک عورت کی ہم صحبت ہو۔

⑥ عورتوں میں یہ بھی ایک بدعادت ہوتی ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند کسی اپنی مصلحت کے لیے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ عورت اور اس کے اقارب سخت ناراض ہوتے ہیں اور گالیاں دیتے اور شور مچاتے ہیں اور بندۂ خدا کو ناحق ستاتے ہیں ایسی عورتیں اور ان کے اقارب بھی نابکار اور خراب ہیں۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جس میں صدہا مصالح ہیں مردوں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کے وقت چار تک بیویاں کرلیں۔ پھر جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق کوئی نکاح کرتا ہے تو اس کو کیوں بُرا کہا جاوے۔ ایسی عورتیں اور ایسے ہی اس عادت والے اقارب جو خدا اور اس کے حکموں کا مقابلہ کرتے ہیں نہایت مردود اور شیطان کے بہن بھائی ہیں کیونکہ وہ خدا اور رسول کے فرمودہ سے منہ پھیر کر اپنے ربِ کریم سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر کسی نیک دل مسلمان کے گھر میں ایسی بدذات بیوی ہو تو اُسے مناسب ہے کہ اس کو سزا دینے کے لیے دوسرا نکاح ضرور کرے[1]

⑦ بعض جاہل مسلمان اپنے ناطہ رشتہ کے وقت یہ دیکھ لیتے ہیں کہ جس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرنا منظور ہے۔ اس کی پہلی بیوی بھی ہے یا نہیں۔ پس اگر پہلی بیوی موجود ہو تو ایسے شخص سے ہرگز نکاح کرنا نہیں چاہتے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے لوگ بھی صرف نام کے مسلمان ہیں اور ایک طور سے وہ ان عورتوں کے مددگار ہیں جو اپنے خاوندوں کے دوسرے نکاح سے ناراض ہوتی ہیں۔ سو ان کو بھی خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

⑧ ہماری قوم میں یہ بھی ایک بدرسم ہے کہ دوسری قوم کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتے بلکہ حتی الوسع لینا بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سراسر تکبر اور نخوت کا طریقہ ہے جو احکام شریعت کے بالکل برخلاف ہے۔ بنی آدم سب خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ رشتہ ناطہ میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس سے نکاح کیا جاتا ہے وہ نیک بخت اور نیک وضع آدمی ہے اور کسی ایسی آفت میں مبتلا تو نہیں جو موجبِ فتنہ ہو اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام میں قوموں کا کچھ بھی لحاظ

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۰۶ء

نہیں۔ صرف تقویٰ اور نیک بختی کا لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات ۱۴) یعنی تم میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ تر بزرگ وہی ہے جو زیادہ تر پرہیزگار ہے۔

(۹) ہماری قوم میں ایک یہ بھی بدرسم ہے کہ شادیوں میں صدہا روپیہ کا فضول خرچ ہوتا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخی اور بڑائی کے طور پر برادری میں بھاجی تقسیم کرنا اور اس کا دینا اور کھانا یہ دونوں باتیں عندالشرع حرام ہیں۔ اور آتشبازی چلانا اور رنڈی بھڑوؤں ڈوم ڈھاریوں کو دینا یہ سب حرام مطلق ہے ناحق روپیہ ضائع جاتا ہے اور گناہ سر پر چڑھتا ہے۔ سو اس کے علاوہ شرع شریف میں تو صرف اتنا حکم ہے کہ نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے یعنی چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلا دیوے۔

(۱۰) ہمارے گھروں میں شریعت کی پابندی میں بہت سستی کی جاتی ہے بعض عورتیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہیں اور بہت سا زیور ان کے پاس ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتیں۔ بعض عورتیں نماز روزہ کے ادا کرنے میں بہت کوتاہی کرتی ہیں۔ بعض عورتیں شرک کی رسمیں بجالاتی ہیں جیسے چیچک کی پوجا۔ بعض فرضی دیویوں کی پوجا کرتی ہیں۔ بعض ایسی نیازیں دیتی ہیں جن میں یہ شرط رکھ دیتی ہیں کہ عورتیں کھاویں کوئی مرد نہ کھاوے یا حقہ نوش نہ کھاوے بعض جمعرات کی چوکی بھرتی ہیں، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب شیطانی طریق ہیں۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ آؤ خدا تعالیٰ سے ڈرو ورنہ مرنے کے بعد ذلت اور رسوائی سے سخت عذاب میں پڑو گے اور اس غضبِ الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے جس کی انتہا نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی[1]

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

---

۲۹ جولائی ۱۹۰۶ء

بزرگانِ اسلام اور علماءِ وقت

امرت سر کے ایک شریف خاندان کا ایک ممبر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا

اثنائے گفتگو میں حضرت نے کہا کہ

کیا آپ امرت سر میں ہمارے لیکچر میں موجود تھے؟

شریف۔ میں اس لیکچر میں موجود تھا اور آپ کی کرسی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ نادانوں نے شرارت

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲ راگست ۱۹۰۶ء

کی مگر اس وقت ان کو کون سمجھاتا۔

حضرت اقدس۔ ہاں اس وقت ان لوگوں کو سمجھانا محال تھا۔ اس وقت تو ان لوگوں کا وہ حال تھا جیسا کہ تاجروں کا قصہ ہے کہ چند تاجر کسی جگہ راہ میں جاتے تھے کہ قزاقوں نے اُن پر حملہ کیا۔ تجار کے ہمراہ ایک حکیم بھی تھا کسی نے حکیم کو کہا کہ ان کو نصیحت کرو۔ حکیم نے جواب دیا کہ اس وقت ان لوگوں کو نصیحت کرنا بے فائدہ ہے۔ یہ نفس پرستی میں اندھے ہیں کہ ان کو اس وقت کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوسکتی۔ ہمارا منشاء اس لیکچر میں یہ تھا کہ اسلام کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے شرارت کی۔

شریف۔ ان کا قصور ہی کیا ہے وہ اندھے ہیں ان کو بصیرت نہیں۔

حضرت اقدس۔ زیادہ تر افسوس تو علماء پر ہے جو عوام کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ دیکھو اسلام پر کس قدر انحطاط کا زمانہ ہے کہ علماء کی حالت ایسی گندی ہے۔

شریف۔ علماء کیوں ایسا نہ کریں جبکہ ان کے واسطے ذریعہ معاش صرف اسی میں ہے۔ آپ نے دیکھا یا سُنا ہوگا۔ آجکل امرت سر کے مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت امام ابوحنیفہ کے حق میں کیسے کیسے خراب کلمات لکھ کر اشتہار دے رہا ہے۔ یہی علماء لوگ اسلام میں فتنہ ڈالتے ہیں۔

حضرت اقدس۔ ائمہ کے حق میں سخت کلامی کرنا بہت ہی نامناسب امر ہے جس زمانہ میں یہ بزرگ گذرے ہیں اگر وہ دین کی خدمت نہ کرتے تو ہزارہا خرابیاں پیدا ہوجاتیں۔ یہ لوگ اسلام میں بطور چار دیواری کے تھے انہوں نے جو کچھ کیا خدا تعالیٰ کے واسطے کیا اور شریر لوگوں کو حد سے بڑھنے سے بچایا۔ ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور بے نفس ہوکر اسلام کی خدمت کی۔ ان لوگوں کی طرح وہ نہ تھے کہ ہر وقت دُنیا کو مقدم رکھتے۔

خواجہ کمال الدین صاحب۔ ان علماء کا تو یہی نمونہ کافی ہے جو ثناء اللہ نے عدالت کے اندر حضور کے برخلاف گواہی کی خاطر دکھایا (یعنی بیان کیا کہ جھوٹ، چوری، زنا جو کچھ مسلمان کرلے اس کے تقویٰ میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ایڈیٹر)

شریف۔ ان لوگوں میں دُنیا طلبی ہے۔ دین نہیں رہا۔

دُعا کے اصول

اس کے بعد شریف مرد نے اپنے بعض ذاتی اُمور کے واسطے دُعا کے لیے حضرت کی خدمت میں درخواست کی جس پر حضرت نے فرمایا:

مَیں آپ کے واسطے انشاء اللہ دُعا کروں گا۔ مگر مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اُصولِ دُعا میں سے یہ بات ہے کہ جب تک انسان کو کسی کے حالات کے ساتھ پُورا تعلق نہ ہو تب تک وہ رقت اور درد اور توجہ نہیں ہوسکتی جو

دُعا کے واسطے ضروری ہے اور اس قسم کے حضور اور توجہ کا پیدا کرنا دراصل اختیاری امر نہیں ہے۔ دُعا میں کوشش ہر دو طرف سے ہونی ضروری ہے۔ دُعا کرنے والا خدا تعالیٰ کے حضور میں توجہ کرنے میں کوشش کرے اور دُعا کرانے والا اس کو توجہ دلانے میں مشغول رہے۔ بار بار یاد دلائے خاص تعلق پیدا کرے۔ صبر اور استقامت کے ساتھ اپنا حالِ زار پیش کرتا رہے۔ تو خواہ مخواہ کسی نہ کسی وقت اس کے لیے درد پیدا ہو جائے گا۔ دُعا بڑی شئے ہے جبکہ انسان ہر طرف سے مایوس ہو جائے تو آخری حیلہ دُعا ہے جس سے تمام مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ مگر ایسی توجہ کی دُعا ضرور ایک وقت چاہتی ہے اور یہ بات انسان کے اختیار میں نہیں کہ کسی کے واسطے دل میں درد پیدا کرلے۔

ایک صُوفی کا ذکر ہے کہ وہ راستہ میں جاتا تھا کہ ایک لڑکا اس کے سامنے گر پڑا۔ اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ صُوفی کے دل میں درد پیدا ہوا۔ اور اسی جگہ خدا تعالیٰ کے آگے دُعا کی اور عرض کی کہ اے خدا تو اس لڑکے کی ٹانگ کو درست کر دے ورنہ تو نے اس قصاب کے دل میں درد کیوں پیدا کیا۔

میرا مذہب یہ ہے کہ کیسی ہی مشکلات مالی یا جانی انسان پر پڑیں۔ ان سب کا آخری علاج دُعا ہے خدا تعالیٰ ہر شئے کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کر سکتا ہے اور ہر شئے پر اس کا قبضہ ہے۔ انسان کسی حاکم یا افسر کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرتا ہے اور اس کو راضی کرتا ہے تو وہ اسے بہت سا فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ جو حقیقی حاکم اور مالک ہے اس کو نفع نہیں دے سکتا؟ مگر دُعا کا معاملہ ایسا نہیں کہ انسان دُور سے گولی چلا دے اور چلا جائے بلکہ جس شخص سے دُعا کرانی چاہیئے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ دیکھو بازار میں آپ کو ایک شخص اتفاقیہ طور پر مل جاوے اور آپ اس کو پکڑ لیں اور کہیں کہ تو میرا دوست بن جا تو وہ کس طرح دوست بن سکتا ہے؟ دوستی کے واسطے تعلقات کا ہونا ضروری ہے اور وہ رفتہ رفتہ ہو سکتے ہیں۔

ہم تو چاہتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ تمام بنی نوع کے واسطے دل میں سچا درد پیدا ہو جاوے مگر یہ امر اپنے ہاتھ میں نہیں، نہ اپنے واسطے، نہ عزیز و اقارب کے واسطے، نہ بیوی بچے کے واسطے ایسے درد کا پیدا ہونا محض خدا تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے لیکن تعلقات کا ہونا بہت ضروری ہے۔

کہتے ہیں کہ کوئی شخص شیخ نظام الدین صاحب ولی اللہ کے پاس اپنے کسی ذاتی مطلب کے لیے دُعا کرانے کے واسطے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے واسطے دُودھ چاول لے آ۔ اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ عجیب ولی ہے۔ مَیں اس کے پاس اپنا مطلب لے کر آیا ہوں تو اس نے میرے آگے اپنا ایک مطلب پیش کر دیا ہے مگر وہ چلا گیا اور دُودھ چاول پکا کر لے آیا۔ جب وہ کھا چکے تو انہوں نے اس کے واسطے دُعا کی اور اس کی مشکل حل ہو گئی۔ تب نظام الدین صاحب نے اس کو بتلایا کہ مَیں نے تجھ سے دُودھ چاول اس واسطے مانگے تھے کہ جب تُو

دُعا کرانے کے واسطے آیا تھا۔ تو تو میرے واسطے بالکل اجنبی آدمی تھا اور میرے دل میں تیرے واسطے کوئی ہمدردی کا ذریعہ نہ تھا۔ اس واسطے تیرے ساتھ ایک تعلقِ محبت پیدا کرنے کے واسطے مَیں نے یہ بات سوچی تھی۔

ایسا ہی توریت میں حضرت اسحٰق کا قصہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ جا تو میرے واسطے شکار لے آ اور پکا کر مجھے کھلا تا کہ مَیں تجھے برکت دُوں اور تیرے واسطے دُعا کروں۔ اس قسم کے بہت سے قصّے اولیاء کے حالات میں درج ہیں اور ان میں حقیقت یہی ہے کہ دُعا کرنے والے اور کرانے والے کے درمیان تعلق ہونا چاہیئے۔

انسان پر جس قدر مصائب مالی یا جانی وارد ہوتے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کی ناراضندی کے سبب سے ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت میں تبدیلی کرے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرے۔ تب تمام تکالیف دُور ہو جاتے ہیں۔ دُنیا کی تمام اشیاء اور تمام دل انسانوں کے خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ دیکھو جب تم کسی کے گھر میں جاؤ اور گھر والا تم پر راضی ہو تو اس کے تمام نوکر تمہاری خاطر کریں گے اور تمہارے ساتھ ادب سے پیش آئیں گے، لیکن اگر تم آقا کو ناراض کر دو تو کوئی نوکر تمہاری پرواہ نہ کریگا بلکہ سب بے عزتی کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے[1]

بلا تاریخ[2]

دُعا اور اس کی قبولیت

فرمایا:-

میرے ساتھ عادت اللہ یہ ہے کہ جب مَیں کسی امر کے واسطے توجہ کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں تو اگر وہ توجہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور دُعا اپنے انتہائی نقطہ کو حاصل کرلے تب ضرور اس کے متعلق کچھ اطلاع دی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب انسان خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے تو اکثر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی دُعا قبول کرتا ہے لیکن بعض دفعہ خدا تعالےٰ اپنی بات منواتا ہے۔ دو دوستوں کی آپس میں دوستی کے قائم رہنے کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ کبھی اِس نے اُس کی بات مان لی اور کبھی اُس نے اس کی بات مان لی۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہمیشہ ایک ہی دوسرے کی بات مانتا رہے اور وہ اپنی بات کبھی نہ منواتے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ہمیشہ اس کی دُعا قبول ہوتی رہے اور اسی کی خواہش پوری ہوتی رہے وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے قرآن شریف میں دو آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ ایک میں فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ مورخہ ۲ اگست ۱۹۰۶ء

[2] غالباً یہ جولائی ۱۹۰۶ء کی کسی تاریخ کے ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن: ۶۱) تم دعا مانگو میں تمہیں جواب دوں گا۔ دوسری آیت میں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ... الخ (البقرۃ: ۱۵۶) یعنی ضرور ہے کہ تم پر قسما قسم کے ابتلاء پڑیں اور امتحان آئیں اور آزمائشیں کی جاویں تاکہ تم انعام حاصل کرنے کے مستحق ٹھہرو۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے لیکن جو لوگ استقامت اختیار کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُنکو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ دُعا کے بعد کامیابی اپنی خواہش کے مطابق ہو یا مصلحتِ الٰہی کوئی دوسری صورت پیدا کر دے ہر حال میں دُعا کا جواب ضرور خدا تعالیٰ کی طرف سے مِل جاتا ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ دُعا کے واسطے اس کی حد تک جو ضروری ہے تضرع کی جاوے اور پھر جواب نہ ملے۔

گناہوں سے بچنے کا واحد ذریعہ

گناہوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ خوفِ الٰہی دل میں پیدا ہو۔ بغیر اس کے انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا اور خوف بغیر معرفت کے پیدا نہیں ہو سکتا جب کسی کے سر پر ننگی تلوار لٹک رہی ہو اور اس کو یقین ہو کہ اگر فلاں کام میں کروں گا تو یہ تلوار میرے سر میں لگے گی پھر وہ کس طرح وہ کام کر سکتا ہے؟ اس کو یقین ہے کہ وہ تلوار اس کو دُکھ دے گی۔ اس قسم کا یقین اگر خدا تعالیٰ پر ہو اور اس کی عظمت اور اس کا جلال اس کے دل میں گھر کر جائے تو کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ بدی کا ارتکاب کرے۔ خدا تعالیٰ کی یہ سنت نہیں کہ وہ انسان کی طرح کسی کو اپنا چہرہ دکھائے۔ بلکہ وہ زبردست نشانات کے ساتھ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب ۴، اپریل کو زلزلہ آیا تو ہمارے عزیز محمد اسمٰعیل میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے وہ ذکر کرتے ہیں کہ اُن کے کالج میں ایک لڑکا دہریہ تھا جب زلزلہ آیا تو وہ بھی رام رام پکارنے لگا۔ لیکن جب زلزلہ گذر گیا اور ہوش ٹھکانے لگے تو پھر کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ میں نے رام رام کہا۔

خدا تعالیٰ کے اقتداری نشانات اس کی ہستی کا ثبوت دے دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو خبر دی ہے کہ ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ دن دُنیا کے واسطے ایک غیر معمولی دن ہوگا جس سے لوگ جان لیں گے کہ خدا تعالیٰ موجود ہے۔ لوگ شیطانی خیالات میں ایسے پڑے ہوئے ہیں کہ ایک قدم پیچھے نہیں ہٹانا چاہتے۔ مگر خدا تعالےٰ جب چاہتا ہے تو وہ ایسی ہیبت ڈال دیتا ہے کہ لوگ تمام بدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں جب تک خدا کسی کو نہ کھینچے وہ کس طرح کھینچا جا سکتا ہے۔ ہمارا بھروسہ تو صرف خدا تعالیٰ پر ہے وہ قوم جو ہم کو کافر کہتی ہے اس سے ہم اُمید ہی کیا کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی سچا بادشاہ اور سچا حکمران ہے۔ جب تک کہ آسمان پر کچھ نہیں ہوتا زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔

طبیب اپنے بیماروں کے واسطے دُعا کیا کریں

فرمایا:۔
طبیب کے واسطے بھی مناسب ہے

کہ اپنے بیمار کے واسطے دُعا کیا کرے کیونکہ سب ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں کیا کہ تم حیلہ کرو۔ اس واسطے علاج کرنا اور اپنے ضروری کاموں میں تدابیر کرنا ضروری امر ہے لیکن یاد رکھو کہ مؤثرِ حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اسی کے فضل سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بیماری کے وقت چاہیئے کہ انسان دوا بھی کرے اور دُعا بھی کرے۔ بعض وقت اللہ تعالیٰ مناسبِ حال دوائی بھی بذریعہ الہام یا خواب بتلا دیتا ہے اور اس طرح دُعا کرنے والا طبیب علمِ طب پر ایک بڑا احسان کرتا ہے۔ کئی دفعہ اللہ تعالےٰ ہم کو بعض بیماریوں کے متعلق بذریعہ الہام کے علاج بتا دیتا ہے۔ یہ اس کا فضل ہے۔[1]

یکم اگست ۱۹۰۶ء

صدمات پر صبر

حافظ محمد ابراہیم صاحب جن کی بیوی کل شام کو فوت ہو چکی ہے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حافظ صاحب کو مخاطب کر کے

حضرت نے فرمایا کہ:

آپ پر اپنی بیوی کے مرنے کا بہت صدمہ ہوا ہے۔ اب آپ صبر کریں تاکہ آپ کے واسطے ثواب ہو۔ آپ نے اپنی بیوی کی بہت خدمت کی ہے۔ باوجود اس معذوری کے کہ آپ نابینا ہیں۔ آپ نے خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر ہے۔ مرنا تو سب کے واسطے مقدر ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن سب کے ساتھ یہی حال ہونے والا ہے۔ مگر غربت کے ساتھ بے ثمر ہو کر مسکینی اور عاجزی میں جو لوگ مرتے ہیں ان کی پیشوائی کے واسطے گویا بہشت آگے آتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے لعزر کے متعلق بیان کیا ہے۔

نماز میں دُعا

نماز کے اندر اپنی زبان میں دُعا مانگنی چاہیئے۔ کیونکہ اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے پورا جوش پیدا ہوتا ہے سورۃ فاتحہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے وہ اسی طرح عربی زبان میں پڑھنا چاہیئے اور قرآن شریف کا حصہ جو اس کے بعد پڑھا جاتا ہے وہ بھی عربی زبان میں ہی پڑھنا چاہیئے اور اس کے بعد مقررہ دُعائیں اور تسبیح بھی اسی طرح عربی زبان میں پڑھنی چاہئیں لیکن ان سب کا ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے اور ان کے علاوہ پھر اپنی زبان میں دُعائیں مانگنی چاہئیں تاکہ حضورِ دل پیدا ہو جاوے۔ کیونکہ جس نماز میں حضورِ دل نہیں وہ نماز نہیں۔ آجکل لوگوں کی عادت ہے کہ نماز تو ٹھونگے دار پڑھ لیتے ہیں۔ جلدی جلدی نماز کو ادا کر لیتے ہیں جیسا کہ کوئی بیگار ہوتی ہے۔ پھر پیچھے سے لمبی لمبی دُعائیں مانگنا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۳ مورخہ ۹ اگست ۱۹۰۶ء نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۶ء

شروع کرتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ حدیث شریف میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں آیا کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد پھر دُعا کی جاوے۔ نادان لوگ نماز کو تو ٹیکس جانتے ہیں اور دُعا کو اس سے علیحدہ کرتے ہیں۔ نماز خود دُعا ہے۔ دین و دنیا کی تمام مشکلات کے واسطے اور ہر ایک مصیبت کے وقت انسان کو نماز کے اندر دُعائیں مانگنی چاہئیں۔

نماز کے اندر ہر موقعہ پر دعا کی جا سکتی ہے۔ رکوع میں بعد تسبیح، سجدہ میں بعد تسبیح، التحیات کے بعد، کھڑے ہو کر رکوع کے بعد بہت دُعائیں کرو تاکہ مالا مال ہو جاؤ۔ چاہیئے کہ دُعا کے واسطے رُوح پانی کی طرح بہہ جاوے۔ ایسی دُعا دل کو پاک و صاف کر دیتی ہے۔ یہ دُعا میسر آوے تو پھر خواہ انسان چار پہر تک دُعا میں کھڑا رہے۔ گناہوں کی گرفتاری سے بچنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعائیں مانگنی چاہئیں۔

دُعا ایک علاج ہے جس سے گناہ کی زہر دُور ہو جاتی ہے بعض نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ غلط خیال ہے۔ اپنے لوگوں کی نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے۔[1]

یکم ستمبر ۱۹۰۶ء

مخالفت ہمیشہ راستبازوں کی ہوتی ہے

ایک اخبار کی مخالفانہ اور تعصب اور جھوٹ سے بھری ہوئی تحریر پیش ہوئی۔ فرمایا:۔

یہ لوگ لکھ لیں جو کچھ ان کا جی چاہتا ہے مگر کب تک؟ آخر کار سچائی سچائی ہے اور جھوٹ جھوٹ ہے اور دُنیا کے سامنے جلد کھل جائے گا کہ حق پر کون ہے اور جھوٹے خود بخود مٹ جائیں گے کیونکہ جھوٹ کو کبھی فروغ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا:۔

تعجب ہے ان لوگوں پر کہ نہایت بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی زلزلہ نہیں آئے گا۔ یہ سب پیشگوئیاں جھوٹی ہیں۔ اُن کو چاہیئے تھا کہ انتظار کرتے اور ایسی جلد بازی سے تکذیب نہ کرتے۔ دنیوی عدالتوں میں ایک مقدمہ پیش ہوتا ہے تو اس جگہ بھی انسان خوفزدہ رہتا ہے اور بیہودہ گوئی سے یہ نہیں کہتا پھرتا کہ مجھ کو ڈگری حاصل ہو جائے گی۔ چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہے اور یہ لوگ اتراتے پھرتے ہیں۔

فرمایا کہ:۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۴ مورخہ ۹ اگست ۱۹۰۶ء نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۶ء

مخالفت ہمیشہ راستبازوں کی ہوتی ہے۔ جھوٹوں کی کوئی مخالفت نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ اُن کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور یہ سُنّت اللہ ہے۔ ہر نبی کے زمانہ میں کوئی نہ کوئی جھوٹا مدعی بھی ضرور پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں بھی دو اور شخصوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا مگر یہودیوں نے ان دونوں کی کچھ مخالفت نہ کی اور نہ ان کو کچھ ستایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پڑ گئے اور اُن کو دُکھ دیا اور مقدمہ بنایا اور سخت مخالفت کی اور بالآخر صلیب پر چڑھا کر چھوڑا۔

ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسیلمہ کذّاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو کفارِ عرب نے ہرگز اس کی مخالفت نہ کی نہ اس کو ستایا نہ دُکھ دیا بلکہ کئی لاکھ آدمی اس کے ساتھ ہو گئے۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت تکلیفیں دیں اور شہر سے نکال دیا۔ قتل کے منصوبے باندھے اور ہر طرح کی ایذا کے درپے رہے یہی ہمیشہ سے سنت اللہ جاری ہے کہ سچے کے ساتھ ایک دو جھوٹے مُدعی بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ سچا باوجود سخت مخالفتوں کے کامیاب ہو جاتا ہے اور جھوٹا باوجود اس کے کہ اس کی کوئی مخالفت نہیں ہوتی ناکام اور نامراد مرتا ہے ایسا ہی ہمارے زمانہ میں بھی ہمارے دعویٰ کے ساتھ کئی ایک جھوٹے مدعی الہام اور وحیٔ الٰہی کے پیدا ہوئے ہیں جن میں سے بعض نہایت نامرادی کے ساتھ مر بھی گئے جیسا کہ لاہور میں ایک شخص مہدی ہونے کا دعویٰ دار تھا اس کی کوئی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ لاہور میں ایک شخص مُلّا محمد بخش بھی الہام کا مدعی ہے۔ اپنے الہامات شائع کرتا ہے۔ کوئی اس کی مخالفت میں اشتہار نہیں دیتا۔ نہ اس کو ستایا جاتا ہے نہ دُکھ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ جھوٹا ہے لیکن ہمارے مقابلہ میں شیطان کو ہلاکت نظر آتی ہے۔ اس واسطے وہ لوگوں کو مخالفت کے لیے جوش دلاتا ہے یہی قدیم سے خدا تعالیٰ کی سنت چلی آتی ہے۔ صادق کی مخالفت سخت ہوتی ہے تاکہ اس کی کامیابی ایک بڑا نمایاں اشتہار ہو۔[1]

---

۹ ستمبر ۱۹۰۶ء

مسیح موعودؑ کا کام

فرمایا:-

ہمارے سامنے جو کام آیا ہے وہ آسان نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے ہمارے دو کام ہیں۔ اندرونی طور پر قوم کو درست کرنا اور تقویٰ وطہارت کا گمشدہ راستہ ان کو دوبارہ دکھانا اور اس پر چلانا اور دوسرا بیرونی حملوں کا روکنا اور کسرِ صلیب کرنا۔ یہ ہر دو کام ایسے مشکل ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے خاص معجزہ نما کاموں کے معمولی انسانی کوششوں سے کبھی یہ کام پُورا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے بے وقوف مخالف نادانی

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۴ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء

کے ساتھ مسیح کو آسمان پر چڑھانے بیٹھے ہیں اور خیال نہیں کرتے کہ اتنے عرصہ تک اس نامعقول عقیدہ نے کیسا فساد ڈالا ہے جو آئندہ اس عقیدۂ فاسدہ کی پیروی سے اُن کو کچھ حاصل ہو جائے گا خدا تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اور عمیق در عمیق باتوں کا واقف کار ہے۔ اس کی حکمت نے جو راہ اختیار کی ہے۔ اسی پر چلنے سے اسلام کا بول بالا ہو سکتا ہے یسوع تو خود داغی ہو چکے کہ ان کے نام پر اس قدر شرک ہوتا ہے۔ اب ان کی آمد میں اسلام کے واسطے کوئی فائدہ کی صورت نہیں بن سکتی۔ اسلام کے واسطے بیرونی اور اندرونی فساد اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ ظاہری عقل کے مطابق تو اب یاس اور ناامیدی کے سوائے اور کچھ باقی نہیں ہے۔ دین کی اشاعت کے لیے جو سامان اور طاقتیں عیسائیوں کے پاس ہیں کہ ایک ایک کتاب کو کئی کئی لاکھ چھاپتے ہیں اور مفت تقسیم کرتے ہیں وہ بات مسلمانوں کو کہاں حاصل ہے؟ یہاں تو ایک چھوٹا سا رسالہ چھاپنا ہو تو اس کے واسطے بھی سامان بمشکل حاصل ہوتا ہے۔

غرض ظاہری دولت اور طاقت اور سعی کے ذریعہ سے ہم فتح نہیں پا سکتے۔ بلکہ ہمارا ہتھیار ہے صرف دعا اور توجہ الی اللہ۔ یہ بھاری مہم صرف دُعا کے عظیم الشان ذریعہ سے سر ہوگی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم نادانی سے اعتراض کرتا ہے کہ یہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیوں ایسا نہیں کرتے کہ شہر بہ شہر گشت کریں۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ اگر میں جانتا کہ ملکوں میں پھرنے سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو میں ضرور ہی ایسا کرتا۔ حدیث شریف میں دجّال کے متعلق آیا ہے کہ لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِہٖ۔ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے ہاتھ کسی کے پاس نہ ہوں گے۔ زمینی اسباب کے ساتھ ہم اس دجّال کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ زمینی اسباب خود اس کے پاس بہت ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسا اعلیٰ ہتھیار ہونا چاہیئے جو اس کے پاس نہ ہو تب تو ہم فتح پا سکتے ہیں۔ آجکل مخلوق پر دُنیا کی حُب حد سے زیادہ غالب ہے۔ اس کو ہم نکالنا چاہتے ہیں اور اسی کو نکالنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ لکھا ہے کہ سب سے آخر جو چیز نفس سے نکلتی ہے وہ دُنیا کی محبت ہے۔ بجز ایک آسمانی طاقت کے ہمارے واسطے کوئی کامیابی کی راہ نہیں۔

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو سُورہ فاتحہ میں یہ دُعا سکھائی کہ اے خدا تو ہمیں مغضوب علیہم میں سے بنا ئیو اور نہ ضالین میں سے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ان ہر دو کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہی ہیں۔ مغضوب علیہ وہ قوم ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ عداوت کرنے اور اُن کو ہر طرح سے دُکھ دینے میں غلو کیا۔ اور ضالین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کے ساتھ محبت کرنے میں غلو کیا اور خدائی صفات ان کو دے دیئے۔ صرف ان دونوں کی حالت سے بچنے کے واسطے ہم کو دُعا سکھلائی گئی ہے۔ اگر دجّال ان کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو یہ دُعا اس طرح ہوتی کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الدَّجَّالِ۔ یہ ایک پیشگوئی ہے جو کہ اس زمانہ کے ہر دو قسم کے شر سے آگاہ کرنے کے واسطے مسلمانوں

کو پہلے سے خبردار کرتی ہے۔ یہ عیسائیوں کے مشن ہی ہیں جو کہ اس زمانہ میں ناخنوں تک زور لگا رہے ہیں کہ اسلام کو سطحِ دنیا سے نابود کر دیں۔ اسلام کے واسطے یہ سخت مضر ہو رہے ہیں اور باوجود ایسے سخت صدمات دیکھنے کے پھر خیالی اور وہمی باتوں کے پیچھے پڑنا اور دجّال کو کسی اور جگہ تلاش کرنا سخت غلطی میں داخل ہے ہمارے سامنے تو ایک ایسا خطرناک دجّال موجود ہے کہ اس کی نظیر پہلی اُمتوں میں موجود نہیں۔ کوئی انسانی طاقت اور ہاتھ اس کو زیر نہیں کر سکتا۔ ہاں خدا کے ہاتھوں سے یہ کام ہوگا۔ یہ کام جو ہمارے درپیش ہے اور جس کا ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم کسرِ صلیب کے واسطے آئے ہیں۔ یہ ہمارے واسطے کوئی تھوڑا سا غم نہیں۔ کیونکہ ہمارا اصل کام پورا نہ ہو تو پھر معجزات اور کرامات بھی کوئی شئے نہیں۔ ایک طبیب اگر بیمار کا علاج نہیں کر سکتا اور بازی اچھی لگا لیتا ہے تو یہ امر مریض کی طبابت کے دعویٰ کو مفید نہیں ہو سکتا۔ پس ہم کو بڑا غم جو دامنگیر ہے وہ یہی ہے کہ کسرِ صلیب کا کام پورا ہو جائے۔

دوسرا پہلو غم کا اندرونی، قوم کے متعلق ہے جو سیدھی بات کو اُلٹا سمجھتے ہیں اور دوست کو دشمن خیال کرتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہماری دشمنی کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دشمنی کرتے ہیں اور جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تائیدی ثبوت ہو وہ اگر ہم میں پایا جاوے تو اس ثبوت سے بھی انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی یہ آیت کہ اگر رسُول خدا تعالیٰ پر اپنی طرف سے کوئی بات بناتا تو فوراً ہلاک کیا جاتا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک بڑی دلیل ہے کہ دعویٰ نبوت کیساتھ آپ تیئیس ۲۳ سال تک کامیاب ہی ہوتے چلے آئے۔ بہت سے اکابر نے اس دلیل کو کفّار کے سامنے پیش کیا ہے۔ مگر اب چونکہ یہ دلیل ہمارے سلسلہ کی بھی تائید کرتی ہے۔ اس واسطے اس سے قطعاً انکار کر بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل ہی نہیں۔ مفتری بڑی مہلت پا سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دلیل تو ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خاص ہے۔ دوسرے انبیاء کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ نادان نہیں جانتے کہ کیا دلیل بھی خاص اور مخصوص ہوا کرتی ہے؟ جو دلیل خاص ہے وہ تو بجائے خود ایک دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ ایسی ہی غلطی عیسائی لوگ کیا کرتے ہیں کہ جب کوئی بات یسُوع کے متعلق پیش کی جاتی ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا؟ تو کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو خدا تھا اور اس کے واسطے جائز تھا جو چاہتا کرتا۔ بیوقوف نہیں جانتے کہ دعویٰ خُدائی تو بجائے خود ایک دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ یہ دعویٰ بطور دلیل کے کس طرح پیش ہو سکتا ہے۔

سو جھُوٹے دعویٰ والا کبھی سرسبز نہیں ہوا۔ کبھی کسی کاذب کو اتنی مہلت نہیں ملی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ افسوس آتا ہے کہ ہماری عداوت کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دشمنی کی جاتی ہے جو تبدیلی ہم اس وقت قوم کے درمیان چاہتے ہیں وہ کسی آسمانی طاقت کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ ورنہ زمینی لوگوں کے

اختیار میں نہیں کہ وہ عظیم الشان کام کر دکھلائیں۔ ابتدائے اسلام میں بھی جو کچھ ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کا نتیجہ تھا جو کہ مکہ کی گلیوں میں خدا تعالےٰ کے آگے رو رو کر آپ نے مانگیں۔ جس قدر عظیم الشان فتوحات ہوئیں کہ تمام دُنیا کے رنگ ڈھنگ کو بدل دیا۔ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کا اثر تھا۔ ورنہ صحابہؓ کی قوت کا تو یہ حال تھا کہ جنگِ بدر میں صحابہؓ کے پاس صرف تین تلواریں تھیں اور وہ بھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔

قوم کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے تقویٰ اور طہارت کو اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تب ہی کچھ بن سکے گا۔[1]

---

۱۹ ستمبر ۱۹۰۶ء

کوئی بیماری لاعلاج نہیں

ایک بیمار حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور اس نے دُعا کے واسطے عرض کی اور اپنی حالت پر مایوسی کا اظہار کیا۔

حضرت نے فرمایا:۔

میرا مذہب یہ ہے کہ کوئی بیماری لاعلاج نہیں۔ ہر ایک بیماری کا علاج ہو سکتا ہے جس مرض کو طبیب لاعلاج کہتا ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ طبیب اس کے علاج سے آگاہ نہیں ہے۔ ہمارے تجربہ میں یہ بات آچکی ہے کہ بہت سی بیماریوں کو اطباء اور ڈاکٹروں نے لاعلاج بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے شفا پانے کے واسطے بیمار کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دی بعض بیمار بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے اس کے ہاتھ میں سب شفاء ہے۔

سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس والے ایک ضعیف آدمی ہیں۔ ان کو مرضِ ذیابیطس بھی ہے اور ساتھ ہی کاربنکل نہایت خوفناک شکل میں نمودار ہوا اور پھر عمر بھی بڑھاپے کی ہے۔ ڈاکٹروں نے نہایت گھبرا دیا اور ان کی حالت نہایت خطرناک ہو گئی یہانتک کہ ان کی نسبت خطرہ کے اظہار کے خطوط آنے لگے۔ تب میں نے ان کے واسطے بہت دُعا کی تو ایک روز اچانک ظہر کے وقت الہام ہوا

آثارِ زندگی

اس الہام کے بعد تھوڑی دیر میں مدراس سے تار آیا کہ اب سیٹھ صاحب موصوف کی حالت روبصحت ہے۔

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۴ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۶ء نیز الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء

بیمار کو چاہیئے کہ توبہ استغفار میں مصروف ہو۔ انسان صحت کی حالت میں کئی قسم کی غلطیاں کرتا ہے۔ کچھ گناہ حقوق اللہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کچھ حقوقِ عباد کے متعلق ہوتے ہیں۔ ہر دو قسم کی غلطیوں کی معافی مانگنی چاہیئے اور دنیا میں جس شخص کو نقصانِ بیجا پہنچایا ہو اس کو راضی کرنا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے حضور میں سچی توبہ کرنی چاہیئے توبہ سے یہ مطلب نہیں کہ انسان جنتر منتر کی طرح کچھ الفاظ منہ سے بولتا رہے بلکہ سچے دل سے اقرار ہونا چاہیئے کہ میں آئندہ یہ گناہ نہ کروں گا اور اس پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے تو خدا تعالےٰ الغفور الرحیم ہے۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اور وہ ستار ہے۔ بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ تمہیں ضرورت نہیں کہ مخلوق کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار کرو۔ ہاں خدا تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔[1]

---

۲۳ ستمبر ۱۹۰۶ء

آریہ مت کی موت کا سبب

آریوں کا ذکر تھا کہ اب تو آریہ صاحبان خود ہی اقرار کرنے لگے ہیں کہ آریہ مذہب مُردہ مذہب ہے اور ایک سو سال تک نیست و نابود ہو جائے گا۔ جب حضور نے پیشگوئی کی تھی کہ آریہ مذہب ایک سو سال تک دُنیا سے مفقود ہو جائے گا۔ تو اس وقت آریوں نے بڑا شور مچایا تھا کہ یہ مذہب ہمیشہ قائم رہے گا مرزا صاحب نے غلط کہا ہے۔ اب تعجب ہے کہ وہی آریہ صاحبان خود ہی اپنے لیکچروں اور رسالوں میں بیان فرماتے ہیں کہ آریہ مذہب مُردہ ہے۔

حضور کی پیشگوئی آریہ مذہب کے متعلق فروری ۱۹۰۳ء میں جب شائع ہوئی تھی کہ ایک صدی نہ گذرے گی جو اس مذہب پر موت وارد ہو جائے گی۔ تو اس وقت پنڈت رام بھجدت نے بڑے زور سے اس کی مخالفت کی تھی اور خود قادیان آکر اپنے لیکچر میں اس پیشگوئی کا ذکر کیا تھا۔ اب وہی پنڈت رام بھجدت صاحب ہیں جنہوں نے ۱۱ ستمبر کے اخبار پرکاش میں فرمایا ہے کہ موجودہ آریہ سماج کبھی بھی سو برس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ نیست و نابود ہو جاوے گا اور اس کے علاوہ نئے آریہ دھرمپال صاحب نے اپنے رسالہ اندر میں آریہ سماج کی موت پر ایک مضمون لکھ دیا ہے۔ غالباً موخر الذکر صاحب اسی واسطے آریہ بنے تھے کہ آریہ مت کی موت کو ثابت کرنے میں جلدی کریں۔ غرض یہ ذکر تھا جس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۰ صفحہ ۴ مورخہ ۴ اکتوبر ۱۹۰۶ء

کوئی مذہب ہو۔ خواہ قوم ہو خواہ جماعت ہو بغیر رُوحانیت کے کوئی قائم نہیں رہ سکتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پختہ نہ ہو کوئی مذہب دُنیا میں کس طرح ٹھہر سکتا ہے چونکہ آریہ مذہب میں رُوحانیت نہیں ہے اس واسطے اس کا قیام محال ہے۔ سارے انبیاء صرف خدا کو جانتے تھے۔ برخلاف اس کے ان کے پیٹ ہزاروں فریبوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں رُوحانیت کا کوئی حصّہ نہیں۔ خدا کی قدرت ہے کہ جس قدر انبیاء دُنیا میں آئے وہ دُنیاوی معاملات میں ایسے تھے کہ ان کو پانچ روپے کی بھی نوکری نہ مل سکتی۔ مگر چونکہ وہ خدا کے بنے اس واسطے دین و دُنیا میں وہ مالا مال ہو گئے۔

حقیقۃ الوحی کے مطالعہ کی تلقین

فرمایا:۔
حقیقۃ الوحی کے تین سو سے زائد صفحات لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل لکھے گئے ہیں۔ جماعت کے لوگوں کو چاہیئے کہ اس کو بغور مطالعہ کریں۔ جن لوگوں کو فرصت شوق اور فہم حاصل ہوگا اور اس کو بغور مطالعہ کریں گے۔ ان میں ایک طاقت پیدا ہو جائے گی اور وہ پھر اس بات کے محتاج نہ رہیں گے کہ ایسے سوالات کے جوابات کسی سے دریافت کریں۔ جماعت کے سب لوگوں کو چاہیئے کہ یہ طاقت اپنے اندر پیدا کریں۔ کیونکہ مخالفین کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ چھیڑ دیتے ہیں اور بعض ایسے شریر ہوتے ہیں کہ خود تو اعتراض کر دیتے ہیں اور جب دوسرا آدمی جواب دینے لگے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو کوئی اعتراض نہیں کرتے ہم نے تو یونہی ایک بات کہی تھی۔ ہماری عادت تو بحث کرنے کی نہیں ایسے لوگ بڑے خبیث ہوتے ہیں ان کو ضرور جواب دینا چاہیئے اور مختصر جواب دینا چاہیئے تاکہ جلدی ان کو شرمندگی حاصل ہو۔

علاوہ ازیں مختصر اور معقول جواب ہر امر کے واسطے یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ آجکل دنیا دار دینی معاملات کی طرف توجہ نہیں رکھتے اور دینی باتوں کے سُننے میں اپنا تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو مختصر بات سُنانی چاہیئے جو کہ فوراً ان کے دماغ میں چلی جاوے اور اپنا اثر کر جائے۔

غلام دستگیر قصوری

غلام دستگیر قصوری کے ذکر پر فرمایا:۔
اس نے ایک ایسا مباہلہ کیا تھا جس کی نظیر پہلے بھی اسلامی دُنیا میں موجود ہے جس کا اس نے خود ہی اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ محمد طاہر نام تھے ان کے زمانہ میں دو شخص پیدا ہوئے۔ ایک نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور ایک نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس پر مولوی محمد طاہر صاحب نے خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا کی کہ یا الٰہی اگر یہ مدعی جھوٹے ہیں تو ان کو ہلاک کر۔ اور اگر ان کو نہ ماننے میں مَیں جھوٹا ہوں تو مجھے ہلاک کر۔ چونکہ وہ دونو کاذب تھے۔ اس واسطے ہر دو ہلاک ہو گئے۔ غلام دستگیر نے بھی اسی طرح مباہلہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ مَیں وہی دُعا کرتا ہوں جو کہ محمد طاہر نے کی تھی چونکہ اس کے مقابل میں جو

شخص تھا وہ سچا ہے اس واسطے خلام دستگیر خود ہلاک ہوگیا[1]

بلا تاریخ[2]

نمازِ تراویح

اکمل صاحب آف گویکی نے بذریعہ تحریر حضرت سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں رات کو اُٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔ لیکن عموماً محنتی مزدور۔ زمیندار لوگ جو ایسے اعمال بجالانے میں غفلت دکھاتے ہیں اگر اوّل شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخر شب کے پڑھا دی جاویں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

حضرت اقدس نے جواب میں فرمایا:۔

کچھ حرج نہیں پڑھ لیں

توکل علی اللہ

کسی دشمن کا ذکر تھا کہ وہ شر کرے گا اور حضور کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ فرمایا:۔

ہم اس بات سے کب ڈرتے ہیں وہ بے شک کرے بلکہ ہم خوش ہیں کہ وہ ایسا کرے کیونکہ ایسے ہی موقعہ پر اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے نشانات دکھلاتا ہے۔ ہم خوب دیکھ چکے ہیں کہ جب کبھی دشمن نے ہمارے ساتھ بدی کے واسطے منصوبہ کیا خدا تعالیٰ نے ہمیشہ اس میں سے ایک نشان ہماری تائید میں ظاہر فرمایا۔ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے انسان کچھ چیز نہیں۔

باوا نانک مسلمان تھے

ایک سکھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوا صاحب کا ذکر آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

باوا صاحب مسلمان تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ سکھ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ جو اپنے گورو کے مذہب کو چھوڑ کر بے ہودہ باتوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور بُت پرست ہندوؤں کے ساتھ اپنے تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔

اس سکھ نے جواب دیا کہ بے شک باوا صاحب فرما گئے ہیں کہ بے نماز کُتا ہوتا ہے اور صبح سویرے اُٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھنی چاہیئے[3]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۰۶ء

[2] غالباً اکتوبر ۱۹۰۶ء کے پہلے ہفتہ کی یہ ڈائری ہے۔ (مرتب)

[3] بدر جلد ۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء

۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

پیشگوئی بڑا معجزہ ہوتی ہے

پیشگوئیوں اور معجزات کا ذکر تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

پہلے انبیاء کی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑا معجزہ پیشگوئی ہی ہے۔ پیشگوئی کے سوائے دوسرے معجزات میں کئی قسم کے شبہات ہوتے ہیں اور وہ صرف ایک عارضی بات ہوتی ہے۔ بہت سے تماشہ کرنے والے بھی ایسے کام کرتے ہیں کہ لوگ حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ مگر کوئی تماشہ کرنے والا پیشگوئی کے کام میں پیش دستی نہیں کر سکتا۔

خواجہ کمال الدین صاحب نے عرض کیا کہ اس زمانہ میں یا تو بالخصوص پیشگوئی ایک نمایاں معجزہ ہے کیونکہ فلسفی اور سائنسدان لوگوں نے دوسرے معجزات کے متعلق کچھ نہ کچھ راز بیان کئے ہیں، لیکن پیشگوئی کے متعلق چونکہ وہ کچھ سمجھ نہیں سکے کہ اس میں کیا راز ہو سکتا ہے یا کس ظاہری سائنس کے مطابق پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ اس واسطے پیشگوئی کا انہوں نے صاف انکار کر دیا ہے کہ پیشگوئی کوئی ہوتی ہی نہیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں پیشگوئی کرنا اور اس کا ثابت کر دینا معجزہ دکھانے کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے جس میں دنیا دار عاجز ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

پیشگوئیوں پر ہی پہلے انبیاء بھی زور دیتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت سی پیشگوئیاں کیں جن میں سے بہت پوری ہو چکی ہیں کیونکہ ان کے پورا ہونے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک بڑی آگ کے نمودار ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور اس کے متعلق تمام نشانات اور علامات کا ذکر کیا تھا۔ وہ پیشگوئی جب صحیح بخاری وغیرہ کتب میں درج ہو گئی اور وہ کتابیں عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں پہنچ چکیں تو اس وقت نمودار ہوئی اس پر مخالف عیسائی بھی آج تک حیران ہیں کہ یہ کیا بات تھی کہ اتنی صدیوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ایسی صراحت کے ساتھ پوری ہوئی۔

مولوی عبداللہ غزنوی

مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:

وہ اچھے آدمی تھے۔ مرد صالح تھے۔ خدا تعالیٰ نے انکو ہمارے دعویٰ کے زمانہ سے پہلے ہی اُٹھا لیا تاکہ وہ کسی ابتلا میں نہ پڑیں۔ مَیں نے اُن کو خواب میں بھی دیکھا تھا۔ انہوں نے میری تصدیق کی اور کہا کہ جب مَیں دُنیا میں تھا تو مَیں ایسے آدمی کے پیدا ہونے کا منتظر تھا۔

گذشتہ اکابر قابلِ مواخذہ نہیں ہونگے

فرمایا:-
گذشتہ بزرگ جو گذر چکے ہیں اگر انہوں نے مسئلہ وفاتِ مسیح کو نہ سمجھا ہو اور اس میں غلطی کھائی ہو تو اس سبب سے ان پر مؤاخذہ نہیں کیونکہ ان کے سامنے یہ بات کھول کر بیان نہیں کی گئی تھی اور یہ مسائل ان کی راہ میں نہ تھے۔ انہوں نے اپنی طرف سے تقویٰ وطہارت میں حتی الوسع کوشش کی۔ ان لوگوں کی مثال اُن یہودی فقہاء کے ساتھ دی جاسکتی ہے جو کہ بنی اسرائیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے گذر چکے تھے اور ان کا عقیدہ پختہ تھا کہ آخری نبی جو آنے والا ہے وہ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہوگا اور اسرائیلی ہوگا وہ مرگئے اور بہشت میں گئے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے یہ مسئلہ روشن ہوگیا کہ آنے والا آخری نبی بنی اسمٰعیل میں سے ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا تب بنی اسرائیل میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے وہ کافر قرار دیئے گئے اور لعنتی ہوئے اور آج تک ذلیل اور خوار اور دربدر مصیبت زدہ ہوکر پھر رہے ہیں۔

سلطنتِ عثمانیہ

سُلطانِ رُوم کا کچھ ذکر تھا۔ فرمایا:-
ان لوگوں میں رُوحانیت نہیں معلوم ہوتی ورنہ وہ یورپ کے محتاج نہ ہوتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حرمین کی حفاظت کرتا ہے یہ غلط ہے بلکہ حرمین اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ورنہ وہ کرتا ہی کیا ہے؟ آج تک بدوؤں تک کا انتظام نہیں کرسکا۔ ہر سال غریب حاجی اس کثرت کے ساتھ قتل کئے جاتے ہیں اور لُوٹے جاتے ہیں اور وہ کچھ انسداد نہیں کرسکتا۔ اگر اسلامی رُوحانیت اس میں ہوتی تو وہ اکیلا بیس سلطنتوں کے مقابلہ کے واسطے بھی کافی تھا چہ جائیکہ اب اپنی سلطنت کا سنبھالنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ سب مخلوق خدا تعالیٰ کی ہے اور سب کے دل اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ سب پر غالب ہے جو خُدا کا بنتا ہے خدا اسے سب پر غالب کردیتا ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔[1]

۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

جماعتی تصانیف مرکز سے منظور ہوکر شائع ہوں

دہلی سے ایک دوست کی تحریری تحریک پیش ہوئی کہ اپنی جماعت کے بہت سے دوست سلسلہ کی تائید میں کتابیں لکھتے ہیں مگر ان کے چھپوانے کا

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ایک سرمایہ کے ساتھ ایک کمپنی بنانی چاہیئے اور ایک کارخانہ مطبع کا بنانا چاہیئے جو کہ دہلی میں قائم ہو۔

اس پر حضرت نے فرمایا کہ:۔

ہمیں ایسی کمپنی بنانے کی تنگیِ صدر نہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ بہت سے لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں جو دینی علوم سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے ان کی تصانیف بجائے فائدہ کے ضرر رساں ہوتی ہیں۔ اس قسم کی تصانیف پہلے قادیان میں آنی چاہئیں اور یہاں لوگ اس کو دیکھیں اور اس پر غور کریں کہ آیا وہ چھپنے کے قابل بھی ہیں یا کہ نہیں۔ اوّل تو اس قسم کے آدمی پیدا ہو جانے چاہئیں جو دینی علوم سے پوری واقفیت رکھنے والے ہوں۔ عالم باعمل ہوں تاکہ ان کی تحریر اور تقریر کا دوسروں پر اثر بھی ہو سکے۔ ایک آدمی جس کے دل میں یہ بات ہو کہ خدا کے واسطے کام کرے وہ کروڑوں آدمی سے بہتر ہے۔

مولوی سیّد محمد احسن صاحب

فرمایا:۔

مولوی سیّد محمد احسن صاحب بحث مباحثہ کے کام میں اور مناظرہ میں یکتا ہیں۔ وہ پورے تحصیل یافتہ ہیں۔ علمِ حدیث اور علمِ فقہ کے بڑے ماہر ہیں۔ مخالف مولویوں کے مقابلہ میں سلسلہ تصانیف کا کام خوب کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کا کام نہیں کہ ایسے امور میں مداخلت کرے۔

کلام پڑھ کر پھونکنا

ایک دوست نے سوال کیا کہ مجھے قرآنِ شریف کی کوئی آیت بتلائی جاوے کہ میں پڑھ کر اپنے بیمار کو دم کروں تاکہ اس کو شفا ہو۔

حضرت نے فرمایا:۔

بیشک قرآن شریف میں شفا ہے۔ رُوحانی اور جسمانی بیماریوں کا وہ علاج ہے مگر اس طرح کے کلام پڑھنے میں لوگوں کو ابتلاء ہے۔ قرآن شریف کو تم اس امتحان میں نہ ڈالو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے بیمار کے واسطے دُعا کرو۔ تمہارے واسطے یہی کافی ہے۔[1]

۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

صاحب نور کابلی رضی اللہ عنہ

صاحب نور مرحوم کا ذکر تھا۔ حضرت نے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

احمد نور[1] کو مخاطب کر کے فرمایا کہ
خدا اس کو بہشت نصیب کرے۔ مَیں اس کی اچانک موت کی خبر سُنکر صدمہ سے خود بیمار ہو گیا تھا اس واسطے جنازہ پڑھنے کے واسطے باہر نہ آسکا۔

مولوی احمد نور صاحب نے ذکر کیا کہ رات بھر قرآن شریف پڑھتا رہا تھا اور صبح کو بالکل تندرست دکان پر بیٹھا تھا۔ اچانک موت آگئی۔

دوسرے لوگوں نے ذکر کیا کہ نیک آدمی تھا۔ دنیاوی دھندوں جھگڑوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا علیحدہ رہتا تھا۔

حضرت نے فرمایا:۔
وہ تو دنیوی تعلقات پہلے ہی چھوڑ کر اور ہجرت کر کے قادیان میں آبسا تھا۔[2]

بلا تاریخ[3]

نماز میں بے حضوری کا علاج

ایک شخص نے سوال کیا کہ جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے حضورِ قلب حاصل نہیں ہوتا۔ کیا اس صورت میں میری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

فرمایا کہ:۔
انسان کی کوشش سے جو حضورِ قلب حاصل ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان وضو کرتا ہے۔ اپنے آپ کو کشاں کشاں مسجد تک لے جاتا ہے۔ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ یہانتک انسان کی کوشش ہے اس کے بعد حضورِ قلب کا عطا کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان اپنا کام کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی ایک وقت پر اپنی عطا نازل کرتا ہے۔ نماز میں بے حضوری کا علاج بھی نماز ہی ہے۔ نماز پڑھتے جاؤ۔ اس سے سب دروازے رحمت کے کھل جاویں گے۔[4]

---

[1] یہ صاحب نُور مرحوم کے بھائی تھے یہ دونوں بھائی صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؓ کے مرید تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاکر ہجرت کر کے قادیان میں مقیم ہو گئے۔ (مرتب)

[2] بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء

[3] غالباً اکتوبر ۱۹۰۶ء کے ابتدائی ایام کے یہ ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

[4] بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ صفحہ ۱۳ مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء

۲۸ ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

(صبح کی سیر)

قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ معلوم کرکے

کہ لاہور سے شیخ محمد چٹو آئے ہیں اور احباب بھی آئے ہیں۔ محض اپنے خُلقِ عظیم کی بناء پر باہر نکلے غرض یہ تھی کہ باہر سیر کو نکلیں گے۔ احباب سے ملاقات کی تقریب ہوگی۔ چونکہ پہلے سے لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ حضرت اقدس باہر تشریف لائیں گے اس لیے اکثر احباب چھوٹی مسجد میں موجود تھے۔ جب حضرت اقدس اپنے دروازے سے باہر آئے تو معمول کے موافق خدام پروانہ وار آپ کی طرف دوڑے۔ آپ نے شیخ صاحب کی طرف دیکھ کر بعد سلام مسنون فرمایا:۔

حضرت اقدس۔ آپ اچھی طرح سے ہیں؟ آپ تو ہمارے پُرانے ملنے والوں میں سے ہیں۔

بابا چٹو۔ شکر ہے۔

حضرت اقدس۔ (حکیم محمد حسین قریشی کو مخاطب کرکے) یہ آپ کا فرض ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ ان کے کھانے ٹھہرنے کا پورا انتظام کردو۔ جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو اور میاں نجم الدین کو تاکید کردو کہ ان کے کھانے کے لیے جو مناسب ہو اور پسند کریں وہ تیار کرے۔

حکیم محمد حسین۔ بہت اچھا حضور۔ انشاء اللہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

حضرت اقدس۔ (بابا چٹو کو خطاب کرکے) آپ تو مسافر ہیں۔ روزہ تو نہیں رکھا ہوگا؟

بابا چٹو۔ نہیں مجھے تو روزہ ہے میں نے رکھ لیا ہے۔

حضرت اقدس۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسافر اور بیمار کو دوسرے وقت رکھنے کی اجازت اور رخصت دی ہے اس لیے اس حکم پر بھی تو عمل رکھنا چاہیئے۔ میں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالتِ سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے۔ کیونکہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرمانبرداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے۔ اس نے

لہ پہلے یہ فرقہ اہلحدیث میں شامل تھے۔ بعد میں چکڑالوی مسلک اختیار کرلیا۔ حضور کی خدمت میں جب آئے تو چکڑالوی تھے (مرتب)

تو یہی حکم دیا ہے مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (البقرۃ: ۱۸۵) اس میں کوئی قید اور نہیں لگائی کہ ایسا سفر ہو یا ایسی بیماری ہو۔ مَیں سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھتا اور ایسا ہی بیماری کی حالت میں۔ چنانچہ آج بھی میری طبیعت اچھی نہیں اور مَیں نے روزہ نہیں رکھا۔ چلنے پھرنے سے بیماری میں کچھ کمی ہوتی ہے اس لیے باہر جاؤں گا۔ کیا آپ بھی چلیں گے۔

بابا چٹو۔ نہیں میں تو نہیں جا سکتا۔ آپ ہو آئیں۔ یہ حکم تو بے شک ہے مگر سفر میں کوئی تکلیف نہیں پھر کیوں روزہ نہ رکھا جاوے۔

حضرت اقدس۔ یہ تو آپ کی اپنی رائے ہے۔ قرآن شریف نے تو تکلیف یا عدم تکلیف کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اب آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ زندگی کا اعتبار کچھ نہیں۔ انسان کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاوے اور صراطِ مستقیم مل جاوے۔

بابا چٹو۔ مَیں تو اسی لیے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ فائدہ اُٹھاؤں۔ اگر یہی راہ سچی ہے تو ایسا نہ ہو کہ ہم غفلت ہی میں مر جاویں۔

حضرت اقدس۔ ہاں یہ بہت عمدہ بات ہے۔ مَیں تھوڑی دُور ہو آؤں۔ آپ آرام کریں۔ (یہ کہہ کر حضرت اقدس سیر کو تشریف لے گئے)[1]

(قبل دوپہر)

اَلصُّلْحُ خَيْرٌ[2]

حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور دو بھائیوں کے کسی باہمی نزاع کا ذکر خواجہ صاحب نے کیا۔ یہ امر انسانی فطرت کے خلاف نہیں کہ باہم نزاع ہو۔ حقیقی بھائیوں میں بھی ہو جاتا ہے اور انسانی اَمْزِجَہ کا اختلاف جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا بیّن اور واضح ثبوت ہے اس امر کا مقتضی ہے کہ اختلافِ رائے اور اختلافِ خیال سے کبھی نزاع بھی پیدا ہو مگر وہ نزاع قابلِ ذکر یا قابلِ لحاظ نہیں ہوا کرتا جہاں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر کے اپنے نزاع کو چھوڑ دیا جاوے۔ بہرحال دو بھائیوں کے نزاع کا ذکر تھا اور خواہش یہ کی گئی تھی کہ حضور ارشاد فرما دیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی شکایت باقی نہ رہے گی اس پر حضور نے عام طور پر فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۱۴ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء ؛ [2] سورۃ النساء: ۱۲۹

مَیں صلح کو پسند کرتا ہوں اور جب صلح ہو جاوے پھر اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نے کیا کہا یا کیا کیا تھا مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص جس نے مجھے ہزاروں مرتبہ دجّال اور کذّاب کہا ہو اور میری مخالفت میں ہر طرح کوشش کی ہو اور وہ صلح کا طالب ہو تو میرے دل میں خیال بھی نہیں آتا اور نہیں آسکتا کہ اس نے مجھے کیا کہا تھا اور میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا ہاں خدا تعالیٰ کی عزّت کو ہاتھ سے نہ دے۔

یہ سچی بات ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو فائدہ پہنچے اس کو کینہ ور نہیں ہونا چاہیئے اگر وہ کینہ ور ہو تو دوسروں کو اس کے وجود سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ جہاں ذرا اس کے نفس اور خیال کے خلاف ایک امر واقع ہوا وہ انتقام لینے کو آمادہ ہو گیا۔ اسے تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر ہزاروں نشتروں سے بھی مارا جاوے پھر بھی پروا نہ کرے۔

میری نصیحت یہی ہے کہ دو باتوں کو یاد رکھو۔ ایک خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ دوسرے اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو جیسی اپنے نفس سے کرتے ہو۔ اگر کسی سے کوئی قصور اور غلطی سرزد ہو جاوے تو اسے معاف کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اس پر زیادہ زور دیا جاوے اور کینہ کشی کی عادت بنالی جاوے۔

نفس انسان کو مجبور کرتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی امر نہ ہو اور اس طرح پر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر بیٹھ جاوے اس لیے اس سے بچتے رہو۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ بندوں سے پورا خُلق کرنا بھی ایک موت ہے مَیں اس کو نا پسند کرتا ہوں کہ اگر کوئی ذرا بھی کسی کو توں تاں کرے تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاوے۔ مَیں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ اگر کوئی سامنے بھی گالی دے دے تو صبر کر کے خاموش ہو رہے۔

انبیاء کی سختی

بعض لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ نبی بعض اوقات سختی کرتے ہیں وہ اس امر کو سمجھ نہیں سکتے کہ ان کی سختی کا رنگ اَور ہے۔ اس میں کینہ ملا ہوا نہیں ہوتا وہ اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے۔ اس میں کوئی ذاتی غرض ان کی مدّنظر نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالےٰ کی عزّت کے لیے اور اس کی اپنی اصلاح کے لیے۔

دیکھو ماں بچے کو بعض وقت مارتی بھی ہے اور سخت مارتی ہے۔ دوسرا دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ کیسی بے دردی سے مار رہی ہے مگر وہ اس سے ناواقف ہے کہ اس کی شفقت کا اندازہ کر سکے۔ اگر ماں کی محبّت اور ہمدردی کی اُسے خبر ہوتی تو وہ ایسا وہم نہ کرتا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر بچے کو ذرا بھی درد ہو تو ماں ساری رات بے قرار رہتی اور اس کی خدمت گذاری میں گذار دیتی ہے۔ دوسرا کون ہے جو اس شفقت اور ہمدردی کا مقابلہ کر سکے۔ اسی طرح پر نبی کی سختی ہوتی ہے اس کے دل میں ایک درد اور کوفت ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح کے لیے۔ وہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاوے۔ اگر اپنے کسی خادم پر سختی کرتا ہے تو شفیق ماں کی طرح راتوں

اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں بھی تو اسی کے لیے کرتا ہے۔ غرض ماں باپ اور شفیق اُستاد کی سختی سختی نہیں وہ تو عین رحمت اور شفقت ہے۔ ایسا ہی عادل بادشاہ کی سختی بھی سختی نہیں۔ نادانی سے لوگ اعتراض کر اُٹھتے ہیں اور شور مچاتے ہیں عادل بادشاہ ہمیشہ اپنی رعایا کی بھلائی اور خیر خواہی چاہتا ہے۔

میں بار بار یہی کہوں گا کہ نفس پرستی کی شیخی خدا تعالےٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے اس لیے اس قسم کے نزاعوں کو یکدم چھوڑنا چاہیئے[1]

یاد رکھو۔ اگر ایک بھی راستباز ہوگا وہ ہزاروں کو اپنی طرف کھینچ لائے گا اور راستباز وہ ہے جو اس کے اور اس کے نفس کے درمیان ہزاروں کوس کا فاصلہ ہو۔ مذہب کی جڑ یہی ہے۔ تقویٰ اور خدا ترسی اور مذہب یہی ہے دکانداری کا نام دین نہیں ہے[2]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت کے دلائل

اس تقریر کے دوران ہی میں

شیخ صاحب بھی تشریف لے آئے اور جب حضرت اقدس کو اپنی طرف متوجہ پایا تو پھر آپ سے سلسلہ کلام شروع کیا۔ وہ مکالمہ درج ذیل ہے:۔

بابا چٹو۔ قرآن سے اپنا دعویٰ پیش کریں۔

حضرت اقدس۔ میرا دعویٰ انہیں دلائل سے ثابت ہے جن سے قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ثابت ہوتا ہے پس پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے قرآن شریف کو کیوں مانا ہے؟ جو طریق آپ پیش کریں گے اسی طرح پر میرا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔

بابا چٹو۔ قرآن کو تو اسی طرح مانا ہے جس طرح خدا کو مانا ہے۔

حضرت اقدس۔ آخر وہ صورت بھی تو آپ بتائیں کہ کس طرح مانا ہے؟ خدا تعالیٰ تو اپنی قدرتوں سے شناخت ہوا ہے مگر قرآن شریف کے ماننے کے وجوہات آپ کے پاس کیا ہیں؟ نرا زبان سے کہہ دینا کہ میں اس کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتا ہوں دوسرے کی تسلی کا موجب تو نہیں ہوا کرتا۔ ہر نبی اور رسُول جو خدا تعالیٰ کی طرف

---

[1] اس مقام پر حضرت حجۃ اللہ پہنچے تھے کہ ایک بھائی نے فوراً ہی اپنے دوسرے بھائی سے السلام علیکم کہہ کر ہاتھ ملا لیا اور صلح کر لی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء (ایڈیٹر الحکم)

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء

سے مامور ہو کر آیا کرتا ہے وہ بھی اپنے صدقِ دعویٰ کے دلائل اور نشانات رکھا کرتا ہے۔ یونہی اگر اس کے کہنے ہی پر ماننے والے ہوں تو پھر دلائل کیوں پوچھیں؟ اس لیے دلائل ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ نری منقولی باتوں کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کی سچائی کے لیے ان کی تائید میں خارق عادت نشانات ظاہر فرماتا ہے۔ پھر ان نشانات سے بھی فائدہ اُٹھانے والے سب نہیں ہوتے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے دلائل کچھ تھوڑے تھے؟ مگر پھر بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہہ دیا۔ ان کی تو کتابوں میں بھی آپ کی پیشگوئیاں موجود تھیں۔ اسی طرح پر میری سچائی ثابت ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے اصل اور آسان راہ وہی ہے جو آپ اُن دلائل کو پیش کریں جن سے آپ نے قرآن شریف کو قبول کیا ہے۔

(حضرت حجۃ اللہ اس طرز پر کلام فرما رہے تھے کہ بابا چٹو نے اپنی عمر اور آدابِ مجلس کا کچھ بھی لحاظ نہ کر کے آپ کا قطعِ کلام کیا اور درمیان ہی میں بول اُٹھے کہ مجھے یہی علم پہنچا ہے کہ سب نبیوں پر قرآن نازل ہوا تھا۔

حضرت اقدس۔ اب آپ نے ایک اور دعویٰ کر دیا۔ اچھا آپ یہ تو بتائیں کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل تو نہیں ہوا کرتا۔ آپ یہ امر ثابت کریں کہ یہودی جو اس وقت موجود ہیں۔ وہ توریت کا درس کرتے ہیں یا قرآن شریف کا؟ اور قرآن شریف ان پر توریت کے ذریعہ اتمامِ حجت کرتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے۔ کیا وہ اس انجیل کو پڑھتے ہیں یا قرآن شریف کو؟ آپ کے اس دعویٰ کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ کیا یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس توریت اور انجیل کے سوا یہ قرآن بھی تھا؟

بابا چٹو۔ نہیں۔ ان کے پاس قرآن تو نہ تھا مگر نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وہ بھی کرتے تھے۔

حضرت اقدس۔ پھر کیا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اُن پر بھی قرآن شریف اُترا تھا؟ یہ تو سچ ہے کہ بعض احکام مشترک چلے آئے ہیں اور بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ ایک اُمت اور قوم کے لیے خاص ہوتے ہیں۔ جیسے یہودیوں میں اونٹ کا گوشت کھانا یا بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنا۔ اور بھی بہت سے احکام ایسے دونو قوموں میں ہیں جو اُن کے لیے مخصوص تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وقت اور موقعہ کے حسبِ حال ہوتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت چونکہ ہر قسم کے فساد کمال تک پہنچ چکے تھے اس لیے ان کی اصلاح کے لیے جو تعلیم دی گئی وہ کامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم الکتب قرآن مجید نازل ہوا۔ اور آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔

(حضرت اقدس اس موقعہ پر بھی لمبی تقریر کرنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ بابا چٹو کی جلد بازی نے پھر انہیں

قطعِ کلام پر دلیر کر دیا اور جھٹ بول اُٹھے کہ)

مَیں چاہتا ہوں کہ بیعت سے محروم نہ ہوں۔

حضرت اقدس۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے یہ میرا کام نہیں۔ ہاں مَیں اپنی سچائی کا ثبوت دے سکتا ہوں اور ایسا ثبوت دے سکتا ہوں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو اور جس کی نظیر پہلے انبیاء اور مرسلین کے سوا نہ ملتی ہو۔

بابا چٹو۔ ہاں ٹھیک ہے۔

حضرت اقدس۔ پھر قصہ مختصر ہے۔

(یہ جُملہ بالطبع چاہتا ہے کہ حضرت اقدس اب اپنے ثبوتِ دعویٰ پر دلائل بیان کریں۔ مگر سید محمد یوسف صاحب کو جو چیز اندر ہی اندر دُکھ دے رہی تھی وہ باہر نکلے بغیر رہ نہ سکتی تھی اور ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جُبّہ و دستار کی فضیلت جاتی رہے گی اگر اس موقعہ پر انہوں نے کلام نہ کیا۔ اس لیے وہ بے اختیار ہو کر بولے)

بابا صاحب آپ کا سوال نہیں سمجھے۔ میں جواب دیتا ہوں۔

اس پر بابا چٹو نے کہا کہ ہاں مولوی صاحب بیان کریں گے۔ اس لیے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ان کو اختیار ہے کہ یہ بیان کریں[1]

جب مولوی سید محمد یوسف صاحب اسی سلسلہ گفتگو میں آدابِ مجلس کے خلاف دخل در معقولات دینے لگے تو پھر سلسلہ کلام بابا چٹو کے اشارے سے یوں شروع ہوا۔

وکیل بابا چٹو۔ آپ کا سوال یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے کیونکر مانا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے اس لیے مانا کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔

حضرت اقدس۔ یہ تو عجیب دلیل ہے۔ اس طرح پر تو ہر شخص اپنی کتاب اور اپنے مذہب کی حقانیت آسانی سے ثابت کر سکتا ہے۔ صرف یہ کہہ کر کہ مَیں ہندوؤں یا عیسائیوں کے گھر میں پیدا ہوا ہوں آپ کی اس دلیل میں اور قرآن مجید کے مقابلہ میں مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہنے والوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

وکیل بابا چٹو۔ جب سب مسلمان قرآن کو متفق طور پر مانتے ہیں پھر اس کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت ہی نہیں۔

حضرت اقدس۔ یہ تو خوب جواب ہے۔ جو شخص مسلمانوں کے گھر میں پیدا نہ ہوا ہو کیا اس کو بھی یہی دلیل دو گے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۱۴-۱۵ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اعتقاد کے موافق قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل اب پیدا ہوئی جب تیرہ سو سال گذر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت معاذ اللہ کوئی ہی نہ تھی۔

وکیل بابا چٹو۔ اس وقت دلیل کی حاجت ہی کیا تھی؟

حضرت اقدس۔ تو آپ کے اس جواب کے موافق قرآن شریف اب ثابت ہوا۔ اس وقت تک محض ایک بے ثبوت کتاب تھی۔ یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کوئی دلیل ہی پیش نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (المائدۃ: ۱۰۵) یہ تو کفار بھی کہتے تھے۔ اگر یہ اصول آپ قرآن مجید کی حقانیت کا پیش کریں گے کہ سب فرقے مانتے ہیں تو پھر ثابت ہوگا کہ دوسرے مذاہب سچے ہیں کیونکہ وہ بھی تو اپنی مذہبی کتاب کو مانتے ہیں۔

وکیل بابا چٹو۔ ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ ہم کہدیں گے لَنَآ اَعْمَالُنَا (البقرۃ: ۱۴۰)

حضرت اقدس۔ میں بہت افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے اسلام کی حالت پر غور ہی نہیں کی اور قرآن کریم کو سمجھا ہی نہیں۔ اسلام تو اس وقت تیس دانتوں میں زبان ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے اس پر حملے اور اعتراض ہو رہے ہیں۔ اگر یہی جواب دیا جاوے تو پھر کیا فائدہ ہوگا؟

میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ اب بھی یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ طریق استدلال صحیح ہو تو قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ فرقوں کا مختلف[1] طور پر ایک بات کو مان لینا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ ہتھیار اس زمانہ میں ہمارے لیے کام نہیں دے سکتا۔ اگر ایک پادری آپ پر اعتراض کرے اور آپ اس کے جواب میں یہ کہہ دیں کہ چونکہ سب فرقے مان رہے ہیں اس لیے ہم قرآن مجید کو خدا کی کتاب مانتے ہیں تو آپ ہی بتائیں کہ اس کا کیا اثر ہوگا؟

میں آپ کو سچ سچ کہتا ہوں اور محض خدا کے لیے کہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ پر غور کریں۔ ضد اور تعصب اور بات ہے اور حق کو قبول کرنا اور شئے ہے۔ میں نے بھی مرنا ہے اور آپ نے بھی ایک دن ضرور مرنا ہے۔ پھر کیوں موت کو سامنے رکھ کر میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے کیا اس امر میں میں خدا تعالیٰ پر افترا کر سکتا ہوں۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مفتری نہیں ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اس صدی پر امام بنا کر بھیجا ہے اور اپنے وعدوں کے موافق بھیجا ہے اور میں اس میں آپ پر جبر نہیں کرتا کہ آپ ضرور اس کو مان لیں کیونکہ قرآن مجید میں تو یہ حکم ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ: ۲۵۷) ہاں یہ سچ

---

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے "متفق طور پر" ہونا چاہیئے۔ (مصحح)

ہے کہ میں یہ حق رکھتا ہوں کہ اپنے دعویٰ کی سچائی پر دلائل پیش کروں اور اسی لیے میں نے کہا تھا کہ جن دلائل سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح پر میرا ثبوت ہے مگر آپ وہ طرزِ استدلال پیش نہیں کرتے اور میری بات سُنتے نہیں پھر میں کیا کروں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں روشن دلائل دیئے ہیں۔ انہیں ہم ایک ترازو میں رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان دلائل کو رکھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سچائی کے دلائل ہیں پھر یہ دونو پلڑے برابر ہوں گے۔ میں جس طرح کتاب اللہ کو مانتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فی الواقعہ نازل ہوئی۔ اسی طرح پر میں اس وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ پر اُترتی ہے۔ میں اس کو خدا ہی کا کلام اور خالص کلام یقین کرتا ہوں۔ میں قرآن شریف کا ایک خادم ہوں اور یہ وحی جو مجھ پر اُترتی ہے یہ قرآن شریف کی سچائی کا ایک روشن ثبوت ہے۔

نبوت کے فقط یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے کلام کرے اور قدرتی معجزات دکھائے یہ آپ کا حق ہے کہ قرآن شریف سے اس کے معارض ثابت کریں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا وہ کلام جو مجھ پر اُترتا ہے میں اس پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسے قرآن شریف پر یعنی جیسے قرآن شریف خدا تعالیٰ ہی کا کلام ہے وہ وحی بھی اسی کی طرف سے ہے۔

وکیل بابا چٹو۔ میں اس امر میں آپ کی تکذیب کرتا ہوں۔ اگر تکذیب نہ کرتا تو آپ کی بیعت کر لیتا۔

حضرت اقدس۔ تو کیا پھر آپ مجھے مفتری علی اللہ سمجھتے ہیں؟

وکیل بابا چٹو۔ نہیں میں نہیں کہتا کیونکہ لَا تَسُبُّوا پر میرا عمل ہے۔

حضرت اقدس۔ میں آپ سے اور کچھ نہیں کہتا بجز اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لو۔ سعادت اسی میں ہے۔

وکیل بابا۔ زندہ رسول کے موافق ہو تو مان لیں۔ میں آپ کو مجدد بھی نہیں مان سکتا۔

حضرت اقدس۔ پھر سہل راہ یہ ہے کہ مباہلہ کر لو۔

وکیل بابا۔ میں موجود ہوں۔

حضرت اقدس۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ سادہ لوح کی تکذیب کچھ چیز نہیں۔ اس لیے پہلے ضروری ہے کہ آپ پر اتمام حجت ہو لے۔ میں نے ایک کتاب حقیقۃ الوحی لکھی ہے۔ آپ اس کو خوب غور سے پڑھ لیں اور میرے دلائل پر غور کریں۔ اس کے بعد بھی اگر بعد امتحان آپ میری تکذیب کریں تب آپ کو مباہلہ کا اختیار ہے۔

وکیل بابا۔ بہت اچھا میں تعمیل کروں گا۔

(اور اس وقت بار بار کہتا تھا کہ میں جھوٹا ہوں تو میرا مرنا ہی بہتر ہے) اس کے بعد مباہلہ کے لیے مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھا گیا:۔

مباہلہ کیلئے اقرار نامہ

جو حکیم مولوی محمد یوسف صاحب سیاح سے ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو قبل ظہر ہوا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

مباہلہ سے پہلے کتاب حقیقۃ الوحی کو آپ پڑھ لیں اور خوب غور سے سمجھ لیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ میری تکذیب کریں تو مباہلہ ہوگا مگر پہلے دس سوال اس کتاب سے کروں گا۔ اُن کے جواب لوں گا تاکہ معلوم ہو آپ نے سمجھ لیا ہے جو دس سوال میں کروں گا ان کا جواب انہیں الفاظ میں دینا ہوگا جو میں نے لکھے ہیں اور پھر ایک شخص اس وقت لکھتا جاوے گا اور کتاب سے مقابلہ ہوگا۔ اگر موافق نہ ہوا تو پھر کتاب دیکھنی ہوگی اور پھر اس طرح پر دس سوال ہوں گے۔

مکرر یہ بات یاد رہے کہ متفرق مقامات کتاب حقیقۃ الوحی سے دس طور کی باتیں میں مولوی حکیم محمد یوسف صاحب سے دریافت کروں گا اور یہ ایک لازمی امر ہوگا کہ ہر ایک سوال کا کتاب کے موافق پُورا پورا جواب دیں۔ کسی حصہ میں کمی نہ ہو۔ اور اگر کسی سوال کے جواب دینے میں پُورا جواب نہ پایا جاوے تو پھر لازم ہوگا کہ دوبارہ کتاب کو اوّل سے آخر تک دیکھیں اور پھر نئے دس سوال انتخاب کئے جاویں گے۔ اگر اس میں بھی کسی جواب کے دینے میں کمی ہو تو یہی قاعدہ جاری رہے گا جب تک دس سوال کا پورے طور پر جواب نہ دیں۔

حکیم محمد یوسف صاحب نے یہ بھی اقرار کیا کہ وہ کتاب پڑھ کر جب اس غرض کے لیے آئیں گے تو وہ دن اس مطلب کے لیے شمار نہ ہوگا اور وہ خود اس مطلب کے لیے آئیں گے۔ اس کتاب کے پُورے دیکھنے سے ایک دن پہلے ہمیں اطلاع دیں تاکہ سوالات کے انتخاب کے لیے وقت مِل سکے۔

المعتصم بحبل الفتاح سید محمد یوسف سیاح بقلم ۲۸ اکتوبر

دستخط ہندی بابا چیٹو

مرزا غلام احمد عفی عنہ

گواہ شد: خواجہ کمال الدین وکیل [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۲، ۳ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ

حقیقی مسلمان کا مقصد

حقیقی مسلمان کا یہ مقصد نہیں ہوا کرتا کہ اس کو خوابیں آتی رہیں بلکہ اس کا مقصد تو ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے

اور جہاں تک اس کی طاقت اور ہمت میں ہے اس کو راضی کرنے کی سعی کرے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ یہ بات نرے مجاہدہ اور سعی سے نہیں ملتی بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور توفیق پر موقوف ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ رحیم کریم ایسا ہے کہ اگر کوئی اس کی طرف بالشت بھر آتا ہے تو وہ ہاتھ بھر آتا ہے اور اگر کوئی معمولی رفتار سے اسکی طرف قدم اُٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ غرض مومن کبھی ان باتوں کو اپنی زندگی کا مقصد تجویز نہیں کرتا کہ اُسے خوابیں آنے لگیں یا کشوف ہوں یا الہامات ہوں۔ وہ تو ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی مقادیر اور قضا سے راضی ہو جانا بھی سہل امر نہیں۔ یہ ایک مشکل اور تنگ راہ ہے۔ اس سے ہر کوئی گذر نہیں سکتا۔

پس جب انسان ان اغراض کو مدِّ نظر رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو جاوے اور متقی اور مخلص مومن ہو کر اعمالِ صالحہ بجالاوے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جو معاملات ہوا کرتے ہیں اور جو سُنّت اللہ اس کی جاری ہے وہ اس کے ساتھ بھی ضرور ہی ہوگی۔ اس کی خواہش کی حاجت ہی کیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (حٰمٓ السجدہ: ۳۱) یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر انہوں نے سچی استقامت دکھائی یعنی ہر قسم کے مصائب اور مشکلات عُسر یُسر میں انہوں نے قدم آگے ہی بڑھایا اور ہر قسم کے امتحانوں میں وہ پاس ہو گئے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو اُن کو خوشخبریاں دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ولی ہیں۔ اس حیاتِ دُنیا میں تمہیں کوئی غم اور حزن نہ ہوگا۔ یا دوسری جگہ فرمایا اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرۃ: ۲۵۸) یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہوتا ہے اور انہیں ہر قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کو اس بات کا ٹھرک ہوتا ہے کہ انہیں کشف ہو اور بعض کشفِ قبور تسخیر

لہ اس ڈائری پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ آخر میں ایڈیٹر صاحب الحکم نے "پُرانی یادداشت سے" کے الفاظ لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پُرانے ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (خاکسار مرتب)

وغیرہ بیہودہ باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں مگر میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ یہ چیزیں کچھ بھی نہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ انسان کا دل خدا تعالیٰ کی خالص محبت سے اس طرح پر لبریز ہو جاوے جیسے کہ عطر کا شیشہ بھرا ہوا ہو اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو جاوے۔ یہ مُراد اگر مل جاوے تو اس سے بڑھ کر اَور کوئی مُراد نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب اور تعلق ہو کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کا تخت گاہ ہو تو یہ ناممکن ہے کہ یہ اس کے انوار و برکات سے مستفیض نہ ہو اور اس کا کلام نہ سُنے۔

اگر چاہتے ہو کہ اس کا کلام سُنو تو اس کا قرب حاصل کرو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اصل مقصود تمہارا یہ نہ ہو۔ ورنہ میرا اپنا یہی مذہب ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہو گا[1] کیونکہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی محبت کی غرض اصل تو یہ ہوئی کہ الہام ہوں یا کشوف ہوں اور پھر باریک طور پر اس کے ساتھ نفسانی غرض یہ ملی ہوئی ہوتی ہے کہ اس سے ہماری شہرت ہو۔ لوگوں میں ہم ممتاز ہوں۔ ہماری طرف رجُوع ہو۔ یہ باتیں صافی تعلقات میں ایک روک ہو جاتی ہیں اور اکثر اوقات شیطان ایسے وقت پر قابو پا لیتا ہے۔ وہ باریک نفسانی غرض کو پا لیتا ہے۔ پھر نفسانی خواہشیں بھی آنے لگتی ہیں اور اس طرح پر آخر موقعہ پر شیطان ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لیے نہایت امن کی راہ یہی ہے کہ انسان اپنی غرض کو صاف کرے اور خالصتاً رُو بخدا ہو۔ اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو صاف کرے اور بڑھائے اور وجہ اللہ کی طرف دوڑے۔ وہی اس کا مقصود اور محبوب ہو اور تقویٰ پر قدم رکھ کر اعمالِ صالحہ بجا لاوے۔ پھر سنّت اللہ اپنا کام آپ کرے گی۔ اس کی نظر نتائج پر نہ ہو بلکہ نظر تو اسی ایک نقطہ پر ہو۔ اس مدتک پہنچنے کے لیے اگر یہ شرط ہو کہ وہاں پہنچ کر سب سے زیادہ سزا ملے گی تب بھی اسی کی طرف جاوے۔ یعنی کوئی ثواب یا عذاب اس کی طرف جانے کا اصل مقصد نہ ہو۔ محض خدا تعالیٰ ہی اصل مقصد ہو۔ جب وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف آئے گا اور اس کا قرب حاصل ہو گا تو یہ وہ سب کچھ دیکھے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہ گذرا ہو گا اور کشوف اور خواب تو کچھ چیز ہی نہ ہوں گے۔ پس میں تو اس راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور یہی اصل غرض ہے اسی کو قرآن شریف میں فلاح کہا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (الشمس: ۱۰)

---

[1] اللہ اکبر۔ اللہ تعالےٰ سے کیسی محبت اور اخلاص حضور کا ہے اور توحید کے کس اعلیٰ مقام پر آپ کا قدم ہے۔ (نوٹ از ایڈیٹر الحکم)

[2] الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء

۵ نومبر ۱۹۰۶ء

استقامت

حیدر آباد سے ایک صاحب عابد حسین نام کا خط تجدید بیعت کے واسطے حضرت کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔

"آپ کی جدید بیعت منظور ہے۔ آئندہ استقامت رکھیں اور خدا تعالیٰ سے استقامت کیلئے دُعا کرتے رہیں۔

مرزا غلام احمد"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی صاحبِ شریعت نبی نہیں آسکتا

اس امر کا ذکر تھا کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں ہوسکتا۔ حضرت نے فرمایا:۔

یہی درست ہے کہ کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں ہوسکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ پر ایسا مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بڑے علم اور فہم کی ہے اور وہ اصل حقیقت سے آگاہ تھیں کہ خدا تعالیٰ نے سلسلہ مکالمات اور مخاطبات کو تو بند نہیں کر دیا۔ البتہ کوئی شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں اور نہ کوئی شخص ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے سوائے براہِ راست خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکے۔

گوشت خوری

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک ہندو کے ساتھ گوشت خوری کے متعلق اپنی گفتگو کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کے فعل سے استدلال کرنا چاہیئے۔ دُنیا میں جیسا کہ ہزاروں نباتات ہیں اور مختلف ضرورتوں کے واسطے انسان کی خدمت کے واسطے کارآمد ہیں۔ ایسا ہی ہزاروں جانور بھی ہیں جو کہ انسان کی بہت سی ضرورتوں کے واسطے کارآمد ہوتے ہیں اور ضرورتاً ہندو لوگ بھی استعمال کرتے ہیں۔ بیماری کے وقت مچھلی کا تیل پیتے ہیں۔

علاوہ ازیں گوشت خور قومیں ہمیشہ فاتح رہی ہیں۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ذکر کیا کہ راولپنڈی میں ایک ہندو ہماری خاطر خربوزے لایا اور ان کو تراش کر اور صاف کر کے اور مصری لگا کر ہمارے آگے رکھا اور گوشت خوری کے مسئلہ کو

پیش کیا۔ میں نے کہا کہ ہم تو گوشت نہیں کھاتے جیسا کہ ہم گھاس بھی نہیں کھاتے دیکھو ہم خربوزہ بھی نہیں کھاتے۔ کیونکہ اگر ہم خربوزہ کھانے والے ہوتے تو تم کو یہ کانٹ چھانٹ نہ کرنی پڑتی۔ کچھ تم نے اُوپر سے کاٹ کر پھینک دیا اور کچھ اندر سے نکال کر پھینک دیا۔ پھر جو درمیان میں رہا اس پر بھی مصری لگائی اور ایک مرکب مصفّٰی چیز بنا کر ہمارے آگے رکھی۔ اس مرکب کو ہم کھاتے ہیں۔ ایسا ہی انسان گوشت خور بھی نہیں بلکہ ایک معجون مرکب کو کھاتا ہے جو کئی ایک مصالحہ جات اور گھی اور گوشت وغیرہ سے مل کر بنتا ہے۔

میر ناصر نواب صاحب نے فرمایا کہ :

اگر گوشت خوری گناہ ہوتا تو ہزاروں لاکھوں بھیڑ بکریاں جو کہ ذبح کی جاتی ہیں ان کے سبب سے خدا تعالیٰ کی ناراضگی انسان پر وارد ہوتی۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی کسی بادشاہ یا قوم نے کسی دوسری قوم پر ظلم کیا اور بسبب ظلم کے ان کو یا اُن کے بچوں کو قتل کیا تو خدا تعالیٰ کا عذاب ضرور ان پر نازل ہوا اور خدا تعالیٰ نے اس سلطنت اور قوم کو ہلاک کر دیا۔ لیکن ہمیشہ سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں جو لاکھوں کروڑوں ہوتے ہیں اور خود ان قوموں کے درمیان ہوتے ہیں جو فاتح قومیں ہیں اور اس وجہ سے ان پر کوئی عذاب نازل نہیں ہوتا۔

فرمایا :۔

خدا تعالیٰ کے کام بے نیازی کے بھی ہیں اور وہ رحم بھی کرنے والا ہے۔ لیکن میرا عقیدہ یہی ہے کہ اس کی رحمت غالب ہے انسان کو چاہیئے کہ دُعا میں مصروف رہے۔ آخر کار اس کی رحمت دستگیری کرتی ہے۔[1]

---

۷ نومبر ۱۹۰۶ء

حالتِ زمانہ

ذکر تھا کہ ہر ایک شخص جو فی زمانہ بڑا بننا چاہتا ہے یا شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اپنی عزت کے حصول کے ذرائع میں یہ ایک ضروری جزو قرار دیتا ہے کہ سلسلۂ حقہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ عداوت کا اظہار کرتا رہے۔

حضرت نے فرمایا :۔

ان لوگوں کی مثال اس پٹھان کی طرح ہے جس کے متعلق رافضی کہا کرتے ہیں کہ اس کو کسی شیعہ نے کہا کہ سُنّی تو

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۵ صفحہ ۴ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۰۶ء

وہ ہوتا ہے جو حضرت علیؓ کے ساتھ بمقدار جَو بُغض رکھتا ہو تو اُس نے جواب دیا الحمد للہ مَن بمقدارِ خربوزہ دارم۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جس کو دیکھو ہمارے ساتھ بڑھ چڑھ کر بغض رکھنے میں فخر کرتا ہے۔

دجّال

حدیثوں سے ثابت ہے کہ دجّال گرجے سے نکلے گا۔ وہ ایک ہزار برس تک دَیر (یعنی گرجے) میں مقید تھا۔ اس کے بعد وہ دُنیا میں نکلا اور مسلمانوں کے برخلاف اپنی کوششوں کو شروع کیا۔ حدیثوں میں اس کا نام دجّال آیا ہے اور پہلی کتابوں میں اس کو اژدہا اور شیطان کر کے لکھا ہے۔ دراصل وہ ایک ہی ہے اور گرجے سے نکلنے کے الفاظ صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے اور اس کی کیا کرتوت ہے۔

آنے والا مصلح

فرمایا:۔

آنے والے مصلح اور مجدد کے مختلف نام پہلی کتابوں میں لکھے ہیں۔ مطلب ان سب کا ایک ہی ہے اور ایک ہی آدمی کی طرف سب اشارے ہیں۔ مسیح، مہدی، ایک فارسی الاصل شخص وغیرہ۔ مگر سب سے عظیم الشان کام جو اس کا ہے یعنی گمشدہ ایمان کو دوبارہ قائم کرنا، اس کے لحاظ سے اس کو اسی اُمت کا ایک شخص فارسی الاصل کہکر بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایمان تمام جہان سے مفقود ہو کر ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تب بھی وہ اس کو واپس زمین پر قائم کر دے گا۔

دو قسم کے کام ہوتے ایک رفعِ شر کے اور دوسرے جلبِ خیر کے۔ اس جگہ جلبِ خیر کے کام کا ذکر کرتے ہوئے اُسے اس اُمت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب کی تعریف

ریویو آف ریلیجنز کا ذکر تھا۔ ایک صاحب نے تعریف کی کہ اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں۔

فرمایا:۔

اس کے ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایک لائق اور فاضل آدمی ہیں۔ ایم۔ اے پاس ہیں اور اس کیساتھ دینی مناسبت رکھتے ہیں۔ ہمیشہ اوّل درجہ پر پاس ہوتے رہے ہیں اور ای۔ اے۔ سی میں ان کا نام درج تھا۔ مگر سب باتوں کو چھوڑ کر یہاں بیٹھ گئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کی تحریر میں برکت ڈالی ہے۔

ترکِ دُنیا

فرمایا:۔

ترکِ دُنیا کے یہ معنے نہیں ہیں کہ انسان سب کام کاج چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلے۔ ہم اس بات سے منع نہیں کرتے کہ ملازم اپنی ملازمت کرے اور تاجر اپنی تجارت میں مصروف رہے اور

زمیندار اپنی کاشت کا انتظام کرے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کو ایسا ہونا چاہیئے کہ ؎

دست در کار و دل با یار

انسان خدا تعالیٰ کی رضامندی پر چلے۔ کسی معاملہ میں شریعت کے برخلاف کوئی کام نہ کرے جب خدا تعالیٰ مقدم ہو تو اسی میں انسان کی نجات ہے۔ دنیا داروں میں مداہنہ کی عادت بہت بڑھ گئی ہے۔ جس مذہب والے سے ملے اسی کی تعریف کر دی۔ خدا تعالیٰ اس سے راضی نہیں۔ صحابہؓ میں بعض بڑے دولت مند تھے اور دنیا کے تمام کاروبار کرتے تھے اور اسلام میں بہت سے بادشاہ گذرے ہیں جو درویش سیرت تھے۔ تختِ شاہی پر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے لیکن دل ہر وقت خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا۔ مگر آجکل تو لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب دُنیا کی طرف جھکتے ہیں تو ایسے دُنیا کے ہو جاتے ہیں کہ دین پر ہنسی کرتے ہیں۔ نماز پر اعتراض کرتے ہیں اور وضو پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ یہ لوگ ساری عُمر تو دنیوی علوم کے پڑھنے میں گذار دیتے ہیں اور پھر دین کے معاملات میں رائے زنی کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ انسان کسی مضمون میں عمیق اسرار تب ہی نکال سکتا ہے جب اس کو اس امر کی طرف زیادہ توجہ ہو۔ ان لوگوں کو دین کے متعلق مصالح، معارف اور حقائق سے بالکل بے خبری ہے۔ دُنیا کی زہریلی ہوا کا ان لوگوں کے دلوں پر زہرناک اثر ہے۔

دنیائے فانی

فرمایا:۔ دُنیا کا انجام تو ظاہر ہے اور اس کا نتیجہ ہر روز ہمارے سامنے اپنی مثالیں پیش کرتا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایک شخص زندہ ہے اور کل فوت ہو جاتا ہے۔ طاعون کی موت کو دیکھو کتنی جلدی آجاتی ہے۔ آناً فاناً سینکڑوں مر جاتے ہیں۔ گورنمنٹ نے بھی ٹکریں ماریں اور تدبیریں کیں مگر آج تک کچھ بن نہیں سکا۔ خدا تعالیٰ کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ دنیا کبھی وفا نہیں کر سکتی۔ انسان ضرور مر جائے گا اور گھر تو قبر میں ہے۔ پس دُنیا کے ساتھ دل لگانے سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

ذاتِ خدا

ایک ذات در پردہ ہے جو اپنے وجود کو اپنے قہری نشانات کے ساتھ دُنیا پر ظاہر کرتی ہے تاکہ دُنیا کو معلوم ہو کہ وہ موجود ہے۔ عقلمند آدمی اس کے نشانات سے اس کو پہچانتا ہے۔

اسلام اور دیگر مذاہب

فرمایا:۔ عیسائیوں کا کیا دین ہے کہ ایک انسان کو خدا بنایا گیا ہے اور ہندیں تو اکثر عیسائی اس قسم کے ہیں کہ اگر آج ان کی تنخواہ بند ہو جاوے تو عیسائیت کو چھوڑ کر فوراً علیحدہ ہو بیٹھیں۔ دوسری طرف آریہ ہیں کہ اُن کے نزدیک گناہ معاف ہی نہیں ہو سکتے۔ سؤر اور کُتّے بلّے ہی ہمیشہ بنتے چلے

جاؤ۔ عیسائیوں نے توبہ رکھی تو ایسی کہ اخلاقِ انسانی کا ہی ستیاناس کر دیا۔ زنا کرو۔ چوری کرو۔ خیانت کرو جھوٹ بولو۔ بس مسیح کفارہ ہو گئے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ آریہ کہتے ہیں جب انسان گناہ کر چکا تو ہزار پچھتائے، ہزار روئے گناہ معاف ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک ادنیٰ مالک اپنے نوکر کو معاف کر سکتا ہے پر خدا کی لغات میں معافی کا لفظ ہی نہیں۔ اسلام نے ان دونوں کے درمیان صحیح اور سچی راہ دکھائی ہے کہ انسان جب دل سے پشیمان ہوتا اور اپنے رب کی طرف جھکتا ہے تو رفتہ رفتہ اُسے خدا تعالےٰ کی طرف سے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے اور ایک گناہ سوزِ محبت اس کے کاروبار میں اثر دکھاتی ہے۔ ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کے تابع ہے، بغیر اس کی اطاعت کے ہرگز کچھ بن نہیں سکتا۔ اب تو لوگ ہماری باتوں پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے کہنے سے تو نہیں سمجھتے مگر زمانہ خود ان کو سمجھائے گا۔

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ

ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ جو صوفیوں نے بنایا ہوا ہے کہ توجہ کے واسطے اس طرح بیٹھنا چاہیئے اور پھر اس طرح دل پر چوٹ لگانی چاہیئے اور ذکرِ اَرّہ اور دیگر اس قسم کی کتابیں۔ کیا یہ جائز ہیں؟

فرمایا:۔

یہ جائز نہیں ہیں بلکہ سب بدعات ہیں۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ۔ ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن شریف کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب سلوک کے واسطے کافی ہے جو باتیں اب ان لوگوں نے نکالی ہیں یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ میں ہرگز نہ تھیں۔ یہ صرف ان لوگوں کا اختراع ہے اور اس سے بچنا چاہیئے۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ: ۱۱۹) صادق کی صحبت میں رہو تو خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے امور میں مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے خدا رسیدہ اور بڑے قبولیت والے انسان تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جس نے خدا تعالےٰ کا راہ دیکھنا ہو وہ قرآن شریف کو پڑھے اب اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ طریق پر کچھ بڑھائیں اور نئی باتیں ایجاد کریں یا اس کے برخلاف چلیں تو یہ کفر ہوگا۔ اس زمانہ میں جیسا کہ علماء کے درمیان بہت سے فرقے بن گئے ہیں۔ ایسا ہی فقراء کے درمیان بھی بہت سے فرقے بن گئے ہیں۔ اور سب اپنی اپنی باتیں نئی طرز کی نکالتے ہیں۔ تمام زمانہ کا یہ حال ہو رہا ہے کہ ہر جگہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں وہ مجدد بھیجا ہے جس کا نام مسیح موعود رکھا گیا ہے اور جس کا انتظار مدت سے ہو رہا تھا اور تمام نبیوں نے اس کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں اور اس سے پہلے زمانہ کے بزرگ خواہش رکھتے تھے کہ وہ اس کے وقت کو پائیں۔[1]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۰۶ء

۱۸ر نومبر ۱۹۰۶ء

دفعِ شر کیلئے باطنی تدابیر

اس بات کا ذکر تھا کہ بعض شہروں میں جہاں طاعون کا خوف تھا۔ گورنمنٹ چوہے مروانے کا انتظام کر رہی ہے اور ایک اخبار والے نے جو سناتن ہندو ہے اور کسی جی کا مارنا گناہ سمجھتا ہے اس تجویز کی اس پیرایہ میں تردید کی ہے کہ چونکہ چوہوں میں طاعون کا مادہ ہوتا ہے اس واسطے ان کو پکڑنا اور مارنا خود بخود طاعون کے ردی مادہ کو منتشر کرتا ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔

یہ ظاہری تدابیر ہیں مگر جب تک باطنی تدبیر نہ کی جاوے طاعون کا اس ملک سے جانا ناممکن ہے۔ ممکن ہے کہ جیسا کہ اس اخبار والے نے لکھا ہے۔ طاعونی چوہوں کو پکڑنا اور ہاتھ لگانا وغیرہ بھی کسی حد تک ضرر رساں ہو۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ سب حیلے کیمیاگروں کے سے خیال ہیں کہ شاید اس بوٹی سے سونا بن جاوے۔ شاید اس سے سونا بن جاوے۔ خدا تعالےٰ اس وقت شمشیر برہنہ لے کر کھڑا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دنیا اس کے وجود پر ایمان لائے۔ جب تک دنیا کے لوگ اپنی بدکاریوں اور ضد اور تعصب اور فحش گوئی کو چھوڑ کر اور خدا تعالےٰ کے نشانات کی تحقیر سے توبہ کر کے نیکی اختیار نہ کریں تب تک خدا تعالیٰ اس عذاب کو اُن کے سر سے دُور نہ کرے گا۔

تعجب ہے کہ ہماری گورنمنٹ ظاہری اسباب کو لیتی ہے مگر خدا تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتی۔ پہلے اسلامی بادشاہوں کے متعلق سُنا جاتا ہے کہ وہ ایسے مصائب کے وقت راتوں کو اُٹھ کر رو رو کر دُعائیں کرتے تھے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کو سچے دل سے ماننے والے ہوتے ہیں وہ یہ تماشا دیکھ لیتے ہیں کہ ذرہ ذرہ اس کے اختیار میں ہے۔ یہانتک کہ ہمارے سر کے بال بھی گنے ہوئے ہیں۔ برخلاف اس کے آجکل کے تعلیمیافتوں کا یہ حال ہے کہ اپنی گفتگو میں لفظ انشاء اللہ بھی بولنا خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں۔ کتابوں کی کتابیں پڑھ جاؤ کہیں خدا تعالیٰ کا نام تک نہیں آتا۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ہستی کو منوانا چاہتا ہے۔[1]

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴۷ صفحہ ۴ مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۰۶ء

۲۹ر نومبر ۱۹۰۶ء

عملِ صالح

ایک درویش حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے ذکر کیا کہ پہلے میں بہت وظائف پڑھتا تھا اور مجھ پر فتوحات کا دروازہ کُھلا تھا اور آمد ہوتی تھی مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ حالت جاتی رہی۔ اب باوجود بہت وظائف پڑھنے کے کچھ نہیں آتا۔ کوئی ایسا طریق بتلائیں کہ پھر وہ بات شروع ہو جاوے۔

حضرت نے فرمایا:۔

فتوحات وغیرہ مقاصد کو مدِنظر رکھنا ہماری شریعت کے نزدیک شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی خاطر کرنی چاہیئے۔ اس میں کسی اور بات کو نہ ملاؤ اور نہ کوئی اور نیت رکھو۔ عملِ صالح وہ ہے جس میں کوئی فساد نہ ہو۔ اگر انسان کچھ دین کا بننا چاہے اور کچھ دُنیا کا بننا چاہے تو یہ محض ایک فساد ہے۔ ایسی حالت سے بچنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا۔ عمل صالح وہ ہے جو محض خدا تعالیٰ کے واسطے ہو۔ پھر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی پرورش آپ کرتا ہے اور اس کے واسطے گذارے کی صورتیں خود بخود ظاہر ہو جاتی ہیں مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ انسان کے واسطے مناسب نہیں کہ اپنی عبادت کے وقت ایسی باتوں کا خیال دل میں لائے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رزق آسمان پر ہے دیکھو جب انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو اس میں بھی خالص محبت وہ سمجھی جاتی ہے جس کے درمیان کوئی غرض نہ ہو۔ اصلی محبت کا نمونہ دُنیا کے اندر ماں کی محبت میں قائم ہے کہ وہ اپنے بچے سے کسی غرض کے واسطے محبت نہیں کرتی بلکہ وہ محبت طبعی ہوتی ہے۔ اگر کوئی بادشاہ بھی کسی عورت کو کہے کہ تو اپنے بچے کے واسطے اتنی تکلیف نہ اُٹھا۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ مرے یا زندہ رہے کوئی باز پُرس تجھ سے نہیں ہوگی تو وہ عورت بادشاہ پر بجائے خوش ہونے کے سخت ناراض ہوگی کہ یہ میرے بچے کے حق میں موت کا کلمہ مُنہ سے نکالتا ہے اور محبت کا جوش دو طرفہ ہوتا ہے۔ بچہ نابالغ ہوتا ہے۔ اس کو کوئی سمجھ نہیں کہ دوست کیا ہے اور دشمن کیا۔ مگر ہر حالت میں ماں کی طرف دوڑتا ہے اور اسی سے اُنس پکڑتا ہے۔ دل رابدل رہیست والا معاملہ ہے۔ جب بچہ نادان ہو کر ماں کی محبت کے عوض میں محبت کرتا ہے تو خدا ایک بچے سے بھی گیا گذرا ہے کہ وہ تمہاری محبت کا عوض تم کو نہ دے گا؟ وہ ضرور محبت کرنے والوں کیساتھ محبت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان نرم رفتار سے خدا تعالیٰ کی طرف چلتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ جب انسان کا دل خالص ہو جاتا ہے تو پھر دُنیا کچھ چیز نہیں وہ تو خود بخود خدمت کرنے کے واسطے تیار ہو جاتی ہے لیکن وظائف کے ساتھ خواہش کرنا کہ دُنیا مِل جاوے یہ ایک بُت پرستی ہے اور

اس سے سالک کو سخت پرہیز درکار ہے۔ جب خدا مل جاوے تو پھر دُنیا کچھ شئے نہیں۔ جو لوگ دنیا کے پیچھے پڑتے ہیں دنیا اُن سے بھاگتی ہے اور جو دُنیا کو چھوڑتے ہیں دنیا خود بخود اُن کے پیچھے آتی ہے [1]

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۶ء

حق کا غلبہ

قبل از نماز ظہر بہت سے دوست تشریف لا چکے تھے جو کہ مسجد مبارک میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اس امر کا ذکر تھا کہ غیر مذاہب کے لوگ احمدی جماعت کے آگے نہیں ٹھہرتے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

جیسا ہمارے مخالفین نے جو کہ عام مسلمان ہیں ہماری مخالفت میں حق کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے اس مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی غیر مذاہب کے لوگوں کا حال ہے۔ اگر وہ کسی مجلس میں ہمارے برخلاف بات کریں تو اپنی اندرونی باتوں کا اظہار کرا کر خود بخود شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ پس ہمارے مقابلہ میں وہ بھی عاجز ہو جاتے ہیں اور یہ بھی عاجز ہو جاتے ہیں۔

سیالکوٹ کے تاجروں کی ہڑتال

ذکر تھا کہ سیالکوٹ کے تجار نے بہ سبب محصول چنگی میں زیادتی کے دوکانیں بند کر دی تھیں اور چند روز کا نقصان اُٹھا کر پھر خود بخود کھول دیں۔

فرمایا:۔

اس طرح کا طریق گورنمنٹ کی مخالفت میں برتنا ان کی بے وقوفی تھی۔ جس سے اُن کو خود ہی باز آنا پڑا۔ محصول تو دراصل پبلک پر پڑتا ہے۔ آسمانی اسباب کے سبب سے بھی جب کبھی قحط پڑ جاتا ہے تو تاجر لوگ نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ اس وقت کیوں دکانیں بند نہیں کر دیتے؟

امراضِ سینہ کا علاج

ایک دوست کا ذکر تھا کہ وہ مرض سل و دق میں مبتلا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ

ہم نے ایک شخص کو دیکھا تھا کہ وہ امراضِ سینہ میں گرفتار تھا۔ ڈاکٹر نے اس کو مشورہ دیا کہ سمندر کے کنارے

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۰۶ء

کچھ مدت رہے۔ ایسا کرنے سے وہ بالکل تندرست ہوگیا اور اب تک زندہ ہے۔

صادقوں کی مخالفت

سیالکوٹ کا ذکر تھا کہ اب مخالفوں کا چنداں زور نہیں رہا۔ حضرت نے فرمایا:۔

جب کسی کی مخالفت شروع ہوتی ہے تو ایک فریق ضرور تھک کر رہ جاتا ہے۔ مُدّعی اگر کاذب ہو تو وہ لوگوں کی مخالفت سے تنگ آکر تھک جاتا ہے اور اپنا کام چھوڑ دیتا ہے اور اگر وہ صادق ہو تو اس کے مخالف اپنی مخالفت میں بالآخر تھک کر رہ جاتے ہیں۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ اور یہی حال تمام انبیاء کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ صادق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن مخالفوں کے درمیان جہاں تعصب اور بے وقوفی دونو باتیں مِل جاویں وہاں بہت ہی زہریلا اثر ہوتا ہے۔

دلیلِ صداقت

فرمایا:۔

جتنے لوگ مباہلہ کرنے والے ہمارے مقابلہ میں آئے۔ خدا تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آپ موت مانگی۔ مخالفوں کو چاہیئے کہ اس بات پر غور کریں کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ جو شخص مقابلہ میں آتا ہے وہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو پھر کیا سبب ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے مقابلین کو نیست کر دیتا ہے اور اس کو دن بدن سرسبزی ہوتی جاتی ہے؟ ہمارے مخالفوں میں بہت سے لوگ اس قسم کے بھی ہیں جو کہ سچے دل سے ہمارے برخلاف دعائیں مانگتے رہے اور ہم کو اسلام کا دشمن جان کر ناکیں رگڑتے رہے۔ لیکن کیا خدا تعالیٰ اسلام کا بھی دشمن تھا کہ اس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو کہ سچے مسلمان تھے اور ان کے بالمقابل جس کو وہ اسلام کا دشمن اور دجّال یقین کرتے تھے اس کو خدا تعالیٰ نے زندہ رکھا اور اس کے سلسلہ کو روز بروز ترقی دی۔[1]

۲۵ر دسمبر ۱۹۰۶ء

صبح کی سیر

رُوح ازلی اور ابدی نہیں ہے

۲۵ر کی صبح کو جب حضرت اقدس سیر کے واسطے باہر تشریف لے گئے تو ایک

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵۲ صفحہ ۳، ۵ مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء

مجمع کثیر آپ کے ہمراہ تھا جن میں اکثر حصہ سیالکوٹ کے ضلع کے احمدی برادران کا تھا جو کہ اپنے لائق مہتمم چوہدری مولا بخش صاحب کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

ایک شخص نے چند ایک سوالات پیش کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ جبکہ خدا تعالیٰ ازل سے خالق ہے اور ابد تک ہے اور ارواح بھی ہمیشہ اس کی خلق میں شامل ہیں اور ہمیشہ چلی جائیں گی تو پھر آریوں کے اعتقاد کے مطابق رُوح بھی ازلی اور ابدی ہوا۔

فرمایا:-

یہ بات درست نہیں۔ اس سوال میں مغالطہ دیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے مگر اس کی تمام صفات کو دیکھنا چاہیئے۔ وہ محیی ہے اور ممیت بھی ہے۔ اثبات بھی کرتا ہے تو محو بھی کرتا ہے پیدا بھی کرتا ہے فنا بھی کرتا ہے اس بات کی کیا دلیل ہے کہ رُوح کو فنا نہیں اور کہ یہی رُوح ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔ وہ جب تک کسی کو چاہے رکھے۔ ہر ایک چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ باقی رہنے والی ذات صرف خدا کی ہی ہے۔ رُوح میں جبکہ ترقی بھی ہوتی ہے اور تنزل بھی ہوتا ہے تو پھر اس کو ہمیشہ کے واسطے قیام کس طرح ہو سکتا ہے؟ جب تک رُوح کا قیام ہے وہ امرِ الٰہی کے قیام کے نیچے ہے۔ خدا تعالیٰ کے امر کے ماتحت ہی کسی کا قیام ہو سکتا ہے اور وہی فنا بھی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ خالق بھی ہے اور ہمیشہ خلق کو مٹاتا بھی ہے۔ مسلمان قدامت کا قائل ہے مگر قدامتِ نوعی کا نہ کہ قدامتِ شخصی کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ پہلے کیا چیزیں اور کیا نہ تھیں۔ اگر اس کے برخلاف قدامتِ شخصی کا عقیدہ رکھا جاوے تو وہ دہریت میں داخل ہونا ہوتا ہے۔[1]

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۶ء

(تقریر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضور نے بعد نماز ظہر و عصر جامع مسجد میں کھڑے ہو کر فرمائی)

اب صاحبو! آرام سے سُن لو۔ اگرچہ میری طبیعت بیمار ہے اور مَیں اس لائق نہ تھا کہ کھڑا ہو کر ایک لمبی تقریر کرتا۔ تاہم مَیں نے خیال کیا کہ لوگ دُور دُور سے آئے ہیں تا کہ ہماری باتیں سُنیں۔ ایسی صورت میں کچھ نہ کہنا معصیت میں داخل ہوگا۔ لہٰذا باوجود حالتِ بیماری کے مَیں نے مناسب جانا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت دی ہے میں اس سے سب لوگوں کو اطلاع دوں۔[2]

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۵۲ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء [2] بدر میں ہے "ہدایت دوں" بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۱

کلمہ طیبہ کی حقیقت

مَیں کئی بار ظاہر کر چکا ہوں کہ تمہیں صرف اتنے پر خوش نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ جو لوگ قرآن پڑھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف زبانی قیل و قال سے کبھی راضی نہیں ہوتا اور نہ نری زبانی باتوں سے کوئی خوبی انسان کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔ کچھ بھی نہیں بنتا۔ یہودیوں[1] پر بھی ایک زمانہ ایسا آیا تھا کہ ان میں نری زبان درازی ہی رہ گئی تھی اور انہوں نے صرف زبانوں کی باتوں پر ہی کفایت کر لی تھی۔ زبان سے تو وہ بہت کچھ کہتے تھے مگر دل میں طرح طرح کے گندے خیالات اور زہریلے مواد بھرے ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر طرح طرح کے عذاب نازل کئے اور ان کو مختلف مصیبتوں میں ڈالا اور ذلیل کیا یہانتک کہ انہیں سؤر اور بندر بنایا۔

اب غور کا مقام ہے۔ کیا وہ تورات کو نہیں مانتے تھے؟ وہ ضرور مانتے تھے اور نبیوں کے بھی ماننے والے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی بات کو پسند نہ کیا کہ وہ نرے زبان سے ماننے والے ہوں اور ان کے دل زبان سے متفق نہ ہوں۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص زبان سے کہتا ہے کہ مَیں خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔ اور ایسا ہی اور ایمانی امور کا قائل ہوں لیکن اگر یہ اقرار صرف زبان ہی تک ہے اور دل معترف نہیں تو یہ زبانی باتیں ہوں گی اور نجات اس سے نہیں مل سکے گی جب تک انسان کا دل ایمان نہ لائے اور اس کا ایمان لانا یہی ہوگا کہ وہ عملی حالت میں ان امور کو ظاہر کر دے۔ اس وقت تک کوئی بات بنتی نہیں[2]

مَیں سچ کہتا ہوں کہ اصل مراد تب ہی حاصل ہوتی ہے جب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ

---

[1] بدر میں ہے:۔

"قرآن شریف میں یہودیوں کے قصے درج ہیں۔ ان پر خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے فضل پہلے ہوئے لیکن جب اُن پر ایسا زمانہ آیا کہ ان کی باتیں صرف زبان تک محدود رہ گئیں اور ان کے دل دغا اور خیانت اور خیالاتِ بد سے پُر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب ان پر وارد کئے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۱)

[2] بدر سے:۔

"جو ایمان صرف زبان پر ہے اور دل کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا وہ گندہ، ناکارہ اور کمزور ہے۔ وہ نہ اس جہان میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہے اور نہ اُس جہان میں۔" (بدر حوالہ مذکور)

ہو اور درحقیقت دُنیا پر دین کو مقدم کر دے۔

یاد رکھو۔ مخلوق کو انسان دھوکہ دے سکتا ہے اور لوگ یہ دیکھ کر کہ پنج وقت نماز پڑھتا ہے یا اور نیکی کے کام کرتا ہے دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اس لیے اعمال میں ایک خاص اخلاص ہونا چاہیئے یہی ایک چیز ہے جو اعمال میں صلاحیت اور خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔

اب یاد رکھنا چاہیئے کہ کلمہ جو ہم ہر روز پڑھتے ہیں اس کے کیا معنے ہیں؟ کلمہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کہ میرا معبود، محبوب اور مقصود خدا تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اِلٰہ کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کے لیے آتا ہے۔ یہ کلمہ قرآن شریف کی ساری تعلیم کا خلاصہ ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ چونکہ ایک بڑی اور مبسوط کتاب کا یاد کرنا آسان نہیں۔ اس لیے یہ کلمہ سکھا دیا گیا تاکہ ہر وقت انسان اسلامی تعلیم کے مغز کو مدِنظر رکھے[1] اور جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہ ہو جاوے۔ سچ یہی ہے کہ نجات نہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

یعنی جس نے صدقِ دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو مان لیا وہ جنّت میں داخل ہو گیا۔ لوگ دھوکہ کھاتے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ طوطے کی طرح لفظ کہہ دینے سے انسان جنّت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر اتنی ہی حقیقت اس کے اندر ہوتی تو پھر سب اعمال بے کار اور نکمّے ہو جاتے اور شریعت (معاذ اللہ) لغو ٹھہرتی۔ نہیں! بلکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ مفہوم جو اسی میں رکھا گیا ہے وہ عملی رنگ میں انسان کے دل میں داخل ہو جاوے جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا انسان فی الحقیقت جنّت میں داخل ہو جاتا ہے[2]۔ نہ صرف مرنے کے بعد بلکہ اسی زندگی میں وہ جنّت میں ہوتا ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس نے ایک مختصر سا کلمہ سُنا دیا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جبتک خدا کو مقدم نہ کیا جاوے جب تک خدا کو معبود نہ بنایا جاوے جب تک خدا کو مقصود نہ ٹھہرایا جاوے انسان کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ - ۲ صـ۱۱)

[2] بدر سے:۔ "خدا تعالےٰ الفاظ سے تعلّق نہیں رکھتا۔ وہ دلوں سے تعلّق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت اس کلمہ کے مفہوم کو اپنے دل میں داخل کر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عظمت پورے رنگ کے ساتھ اُن کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ وہ جنّت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی شخص سچے طور پر کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے تو بجُز خدا کے اور کوئی اس کا پیارا نہیں رہتا۔ بجُز خدا کے کوئی اس کا معبود نہیں رہتا اور بجز خدا کے کوئی اُس کا مطلوب باقی نہیں رہتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ سچی بات ہے اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا کوئی محبوب اور مقصود نہ رہے تو پھر کوئی دُکھ یا تکلیف اُسے ستا ہی نہیں سکتی۔ یہ وہ مقام ہے جو ابدال اور قطبوں کو ملتا ہے۔

آپ یہ خیال نہ کریں کہ ہم کب بُتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ہم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ یاد رکھو یہ تو ادنیٰ درجہ کی بات ہے کہ انسان بتوں کی پرستش نہ کرے۔ ہندو لوگ جن کو حقائق کی کوئی خبر نہیں۔ اب بُتوں کی پرستش چھوڑ رہے ہیں۔ معبود کا مفہوم اسی حد تک نہیں کہ انسان پرستی یا بُت پرستی تک ہو اور بھی معبود ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہوائے نفس اور ہوس بھی معبود ہیں۔ جو شخص نفس پرستی کرتا ہے یا اپنی ہوا و ہوس کی اطاعت کر رہا ہے اور اس کے لیے مَر رہا ہے وہ بھی بُت پرست اور مشرک ہے۔ یہ لَا نفیٔ جنس ہی نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے معبودوں کی نفی کرتا ہے خواہ وہ انفسی ہوں یا آفاقی۔ خواہ وہ دل میں چھپے ہوئے بُت ہیں یا ظاہری بُت ہیں۔ مثلاً ایک شخص بالکل اسباب ہی پر توکل کرتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا بُت ہے۔ اس قسم کی بت پرستی تپ دق کی طرح ہوتی ہے جو اندر ہی اندر ہلاک کر دیتا ہے۔ موٹی قسم کے بُت تو جھٹ پٹ پہچانے جاتے ہیں اور اُن سے مخلصی حاصل کرنا بھی سہل ہے اور مَیں دیکھتا ہوں کہ لاکھوں ہزاروں انسان اُن سے الگ ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ یہ ملک جو ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا کیا سب مسلمان ان میں سے ہی نہیں ہوئے؟ پھر انہوں نے بُت پرستی کو چھوڑا یا نہیں؟ اور خود ہندوؤں میں بھی ایسے فرقے نکلتے آتے ہیں جو اَب بُت پرستی نہیں کرتے۔ لیکن یہانتک ہی بُت پرستی کا مفہوم نہیں ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ موٹی بت پرستی چھوڑ دی ہے مگر ابھی تو ہزاروں بُت انسان بغل میں لیے پھرتا ہے اور وہ لوگ بھی جو فلسفی اور منطقی کہلاتے ہیں۔ وہ بھی ان کو اندر سے نہیں نکال سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے سوا یہ کیڑے اندر سے نکل نہیں سکتے یہ بہت ہی باریک کیڑے ہیں اور سب سے زیادہ ضرر اور نقصان ان کا ہی ہے۔ جو لوگ جذباتِ نفسانی سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حدود سے باہر ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر حقوق العباد کو بھی تلف کرتے ہیں وہ ایسے نہیں کہ پڑھے لکھے نہیں بلکہ ان میں ہزاروں کو مولوی فاضل اور عالم پاؤ گے اور بہت ہوں گے جو فقیہہ اور صوفی کہلاتے ہوں گے مگر باوجود ان باتوں کے وہ بھی ان امراض میں مبتلا نکلیں گے ان بُتوں سے پرہیز کرنا ہی تو بہادری ہے اور اُن کو شناخت کرنا ہی کمال دانائی اور دانشمندی ہے۔ یہی بُت ہیں جن کی وجہ سے آپس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وہ مقام جو ابدال کا مقام ہے اور وہ جو قطب کا مقام ہے اور وہ جو غوث کا مقام ہے وہ یہی ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر دل سے ایمان ہو اور اس کے سچے مفہوم پر عمل ہو۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ - ۲ صفحہ ۱۱)

نفاق پڑتا ہے اور ہزاروں کشت وخون ہو جاتے ہیں۔ ایک بھائی دوسرے کا حق مارتا ہے اور اسی طرح ہزاروں ہزار بدیاں اُن کے سبب سے ہوتی ہیں۔ ہر روز اور ہر آن ہوتی ہیں اور اسباب پر اس قدر بھروسہ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محض ایک عضو معطّل قرار دے رکھا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جنہوں نے توحید کے اصل مفہوم کو سمجھا ہے۔ اور اگر انہیں کہا جاوے تو جھٹ کہدیتے ہیں کیا ہم مسلمان نہیں اور کلمہ نہیں پڑھتے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ انہوں نے اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ بس کلمہ منہ سے پڑھ دیا اور یہ کافی ہے۔

مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر انسان کلمہ طیبہ کی حقیقت سے واقف ہو جاوے اور عملی طور پر اس پر کاربند ہو جاوے تو وہ بہت بڑی ترقی کر سکتا ہے اور خدا تعالےٰ کی عجیب در عجیب قدرتوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ امر خوب سمجھ لو کہ مَیں جو اس مقام پر کھڑا ہوں۔ مَیں معمولی واعظ کی حیثیت سے نہیں کھڑا ہوں اور کوئی کہانی سُنانے کے لیے نہیں کھڑا ہوں بلکہ میں تو ادائے شہادت کے لیے کھڑا ہوں مَیں نے وہ پیغام جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، پہنچا دینا ہے۔ اس امر کی مجھے پروا نہیں کہ کوئی اُسے سُنتا ہے یا نہیں سنتا اور مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ اس کا جواب تم خود دو گے۔ مَیں نے فرض ادا کرنا ہے۔ مَیں جانتا ہوں بہت سے لوگ میری جماعت میں داخل تو ہیں اور وہ توحید کا اقرار بھی کرتے ہیں مگر مَیں افسوس سے کہتا ہوں کہ وہ مانتے نہیں۔ جو شخص اپنے بھائی کا حق مارتا ہے یا خیانت کرتا ہے یا دوسری قسم کی بدیوں سے باز نہیں آتا مَیں یقین نہیں کرتا کہ وہ توحید کا ماننے والا ہے[1] کیونکہ یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کو پاتے ہی انسان میں ایک خارق عادت تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس میں بغض، کینہ، حسد، ریا وغیرہ کے بُت نہیں رہتے اور خدا تعالیٰ سے اس کا قرب ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی اسی وقت ہوتی ہے اور اسی وقت وہ سچا موحّد بنتا ہے۔ جب یہ اندرونی بُت تکبّر، خود پسندی، ریا کاری، کینہ وعداوت، حسد و بخل، نفاق و بدعہدی وغیرہ کے دُور ہو جاویں۔ جب تک یہ بُت اندر ہی ہیں۔ اس وقت تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے میں کیونکر سچا ٹھہر سکتا ہے؟ کیونکہ اس میں تو کُل کی نفی مقصود ہے پس یہ پکی بات ہے کہ صرف مُنہ سے کہدینا کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ ابھی مُنہ سے کلمہ پڑھتا ہے اور ابھی کوئی امر ذرا مخالفِ مزاج ہوا اور غصہ اور غضب کو خدا بنا لیا۔

---

[1] بدر سے:۔ "خدا کے واحد ماننے کے ساتھ یہ لازم ہے کہ اس کی مخلوق کی حق تلفی نہ کی جاوے جو شخص اپنے بھائی کا حق تلف کرتا ہے اور اس کی خیانت کرتا ہے وہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل نہیں"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱ و ۲ صفحہ ۱۲)

مَیں بار بار کہتا ہوں کہ اس امر کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک یہ مخفی معبود موجود ہوں ہرگز توقع نہ کرو کہ تم اس مقام کو حاصل کر لو گے جو ایک سچے موحد کو ملتا ہے جیسے جب تک چوہے زمین میں ہیں مت خیال کرو کہ طاعون سے محفوظ ہو۔ اسی طرح پر جب تک یہ چوہے اندر ہیں اس وقت تک ایمان خطرہ میں ہے[1]۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو خوب غور سے سُنو اور اس پر عمل کرنے کے لیے قدم اُٹھاؤ۔ مَیں نہیں جانتا کہ اس مجمع میں جو لوگ موجود ہیں آئندہ ان میں سے کون ہوگا اور کون نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں نے تکلیف اُٹھا کر اس وقت کچھ کہنا ضروری سمجھا ہے تا مَیں اپنا فرض ادا کر دوں۔

پس کلمہ کے متعلق خلاصہ تقریر کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا معبود اور محبوب اور مقصود ہو۔ اور یہ مقام اسی وقت ملے گا جب ہر قسم کی اندرونی بدیوں سے پاک ہو جاؤ گے اور اُن بتوں کو جو تمہارے دل میں ہیں نکال دو گے۔

نماز کی حقیقت

بعد اس کے سُنو۔ دوسرا امر نماز ہے جس کی پابندی کے لیے بار بار قرآن شریف میں کہا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ اسی قرآن مجید میں ان مُصلّیوں پر لعنت کی ہے جو نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور اپنے بھائیوں سے بُخل کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور ایک سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے محفوظ کر دے۔ انسان درد اور فرقت میں پڑا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہو۔ جس سے وہ اطمینان اور سکینت اسے ملے جو نجات کا نتیجہ ہے مگر یہ بات اپنی کسی چالاکی یا خوبی سے نہیں مِل سکتی جب تک خدا نہ بُلا دے یہ جا نہیں سکتا۔ جب تک وہ پاک نہ کرے یہ پاک نہیں ہو سکتا[2]۔ بہتیرے لوگ اس پر گواہ ہیں کہ بارہا یہ جوش طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے کہ فلاں گناہ دُور ہو جاوے جس میں وہ مبتلا ہیں لیکن ہزار کوشش کریں دُور نہیں ہوتا باوجودیکہ نفسِ لوّامہ ملامت کرتا ہے لیکن پھر بھی لغزش ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے پاک کرنا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اپنی طاقت سے کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس کے لیے سعی کرنا ضروری امر ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "جب تک کہ کُل جھوٹے معبود جو کہ چوہوں کی طرح انسان کے دل کی زمین کو دبا زدہ کرتے ہیں بَسم نہ کر دیئے جائیں تب تک انسان صاف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ زمینی چوہے طاعون لانے والے ہوتے ہیں ایسا ہی یہ چوہے انسان کے دل کو خراب کر کے اُسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ - ۲ صفحہ ۱۲)

[2] بدر سے:۔ "طرح طرح کے طوق اور قسم قسم کے زنجیر انسان کی گردن میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بہتیرا چاہتا ہے کہ یہ دور ہو جاویں پر وہ دُور نہیں ہوتے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ - ۲ صفحہ ۱۲)

غرض وہ اندر جو گناہوں سے بھرا ہوا ہے اور جو خدا تعالیٰ کی معرفت اور قرب سے دُور جا پڑا ہے اس کو پاک کرنے اور دُور سے قریب کرنے کے لیے نماز ہے۔ اس ذریعہ سے ان بدیوں کو دُور کیا جاتا ہے اور اس کی بجائے پاک جذبات بھر دیئے جاتے ہیں۔ یہی سِرّ ہے جو کہا گیا ہے کہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے یا نماز فحشاء یا مُنکر سے روکتی ہے۔

پھر نماز کیا ہے؟ یہ ایک دُعا ہے جس میں پُورا درد اور سوزش ہو اسی لیے اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ کیونکہ سوزش اور فرقت اور درد سے طلب کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بد ارادوں اور بُرے جذبات کو اندر سے دُور کرے اور پاک محبت اس کی جگہ اپنے فیضِ عام کے ماتحت پیدا کر دے۔

صلوٰۃ کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نِرے الفاظ اور دُعا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ضروری ہے کہ ایک سوزش، رِقت اور درد ساتھ ہو۔ خدا تعالیٰ کسی دُعا کو نہیں سُنتا جب تک دُعا کرنے والا موت تک نہ پہنچ جاوے۔ دُعا مانگنا ایک مشکل امر ہے اور لوگ اس کی حقیقت سے محض ناواقف ہیں۔ بہت سے لوگ مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہم نے فلاں وقت فلاں امر کے لیے دُعا کی تھی مگر اس کا اثر نہ ہوا اور اس طرح پر وہ خدا تعالیٰ سے بدظنی کرتے ہیں اور مایوس ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ جب تک دُعا کے لوازم ساتھ نہ ہوں وہ دُعا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

دُعا کے لوازم میں سے یہ ہے کہ دل پگھل جاوے اور رُوح پانی کی طرح حضرتِ احدیت کے آستانہ پر گرے اور ایک کرب اور اضطراب اس میں پیدا ہو اور ساتھ ہی انسان بے صبر اور جلد باز نہ ہو بلکہ صبر اور استقامت کے ساتھ دُعا میں لگا رہے پھر توقع کی جاتی ہے کہ وہ دُعا قبول ہوگی۔

نماز بڑی اعلیٰ درجہ کی دُعا ہے مگر افسوس لوگ اس کی قدر نہیں جانتے اور اس کی حقیقت صرف اتنی ہی سمجھتے ہیں کہ رسمی طور پر قیام رکوع سجود کر لیا اور چند فقرے طوطے کی طرح رٹ لیے خواہ اُسے سمجھیں یا نہ سمجھیں ایک اور افسوسناک امر پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے ہی مسلمان نماز کی حقیقت سے ناواقف تھے اور اس پر توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس پر بہت سے فرقے ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے نماز کی پابندیوں کو اُڑا کر اس کی جگہ چند وظیفے اور وِرد قرار دے دیئے۔ کوئی نوشاہی ہے۔ کوئی چشتی ہے کوئی کچھ ہے کوئی کچھ۔ یہ لوگ اندرونی طور پر اسلام اور احکامِ الٰہی پر حملہ کرتے ہیں اور شریعت کی پابندیوں کو توڑ کر ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ ہمیں اور ہر ایک طالبِ حق کو نماز ایسی نعمت کے ہوتے ہوئے کسی اَور بدعت کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی تکلیف یا ابتلا کو دیکھتے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور ہمارا اپنا اور ان راستبازوں کا جو پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان سب کا تجربہ ہے کہ "نماز سے بڑھ کر خدا کی طرف لے

جانے والی کوئی چیز نہیں"۔

جب انسان قیام کرتا ہے تو وہ ایک ادب کا طریق اختیار کرتا ہے۔ ایک غلام جب اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر رکوع بھی ادب ہے جو قیام سے بڑھ کر ہے اور سجدہ ادب کا انتہائی مقام ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو فنا کی حالت میں ڈال دیتا ہے اس وقت سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ افسوس ان نادانوں اور دُنیا پرستوں پر جو نماز کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور رکوع سجود پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تو کمال درجہ کی خوبی کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اس عالم سے حصّہ نہ رکھتا ہو جہاں سے نماز آئی ہے[1]

نماز ایسی چیز ہے جو جامع حسنات ہے اور دافعِ سیئات ہے۔ مَیں نے پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کیا ہے کہ نماز کے جو پانچ وقت مقرر کئے ہیں اس میں ایک حقیقت اور حکمت ہے۔ نماز اس لیے ہے کہ جس عذاب شدید میں پڑنے والا مبتلا ہے وہ اس سے نجات پالیوے۔ اوقاتِ نماز کے لیے لکھا ہے کہ وہ زوال کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب انسان غنی ہوتا ہے تو وہ طاغی ہو جاتا ہے اور حدود اللہ سے نکل جاتا ہے لیکن جب اس کو کوئی دُکھ اور درد پہنچے تو پھر یہ فطرتاً دوسرے کی مدد چاہتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پس جب اس پر ابتداءِ مصیبت ہو تو اسی وقت سے گویا نماز شروع ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص پر غیر متوقع گورنمنٹ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا کہ فلاں امر کے متعلق تم اپنا جواب دو۔ یہ پہلا مرحلہ ہے جو مصیبت کا آغاز ہوا۔ اور اس کے امن و سکون میں زوال شروع ہو گیا۔ یہ وقت ظہر کی نماز سے مشابہ ہے[2]

---

[1] کتابت کی غلطی سے عبارت نامکمل رہ گئی ہے۔ بدر میں یہ عبارت یوں درج ہے :-

"جب تک کہ انسان اس عالم میں سے حصہ نہ لے جس سے نماز اپنی حد تک پہنچتی ہے تب تک انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ مگر جس شخص کا یقین خدا پر نہیں وہ نماز پر کس طرح یقین کر سکتا ہے"۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۶ء)

[2] بدر میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے :-

"حالتِ اوّل زوال سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے انسان اپنے آپ کو غنی سمجھتا ہے اور طاقتور جانتا ہے اور روزِ روشن کی طرح اس کے تمام امور ایک جلوہ رکھتے ہیں اور ان پر کوئی تاریکی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو غیر محتاج کی طرح خیال کرتا ہے اور ایک پوری راحت اور آرام کی صورت میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے اچانک اس پر ایک وقت آتا ہے کہ وہ زوال کے ساتھ ایک مشابہت رکھتا ہے وہ ابتداءِ مصیبت کا وقت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر بعد اس کے جب وہ عدالت میں حاضر ہوا اور بیانات ہونے کے بعد اس پر فرد قرار داد جرم لگ گئی اور شہادت گذر گئی تو اس کی مصیبت اور کرب پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہ گویا عصر کا وقت ہے۔ کیونکہ عصر کی نماز کا وہ وقت ہے جب سورج کی روشنی بہت ہی کم ہو جاوے۔ یہ عصر کا وقت اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کی عزت و توقیر بہت گھٹ گئی[1] اور اب وہ مجرم قرار پا گیا۔ اس کے بعد مغرب کا وقت آتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت سے مشابہ ہے جب حاکم نے اپنا آخری حکم اس کے لیے سنا دیا اور عشاء کا وقت اس سے مشابہ ہے کہ جب وہ جیل چلا جاوے[2] اور پھر فجر کا وقت ہے جب اس کی رہائی ہو جاوے[3]۔ ان حالات کے ماتحت ایسے انسان کا درد و سوزش ہر آن بڑھتی جاوے گی۔ یہانتک کہ آخر اس کی سوزش و اضطراب اس کے لیے وہ وقت لے آوے کہ وہ نجات پا جاوے۔

اور یہ جو پہلے مَیں نے بیان کیا ہے قیام، رکوع اور سجود کے متعلق، اس میں انسانی تضرع کی ہیئت کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ پہلے قیام کرتا ہے۔ جب اس پر ترقی کرتا ہے تو پھر رکوع کرتا ہے اور جب بالکل فنا ہو جاتا ہے تو پھر سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ مَیں جو کچھ کہتا ہوں صرف تقلید اور رسم کے طور پر نہیں بلکہ اپنے تجربہ سے کہتا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہوتا ہے اور دُکھ، درد اور محتاجی کا احساس شروع ہوتا ہے۔ قبل ازیں اس کو معلوم نہ تھا کہ مجھ پر ایسا وقت آنے والا ہے۔ اچانک بیٹھے بیٹھے یہ حالت شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ گھر میں آرام سے بیٹھے ہوئے اچانک کسی کے پاس گورنمنٹ کی طرف سے وارنٹ آتا ہے اور کسی جُرم پر جواب طلبی کی جاتی ہے۔ یہ مصیبت کا پہلا مرحلہ ہے اور نماز ظہر کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ چونکہ انسان کی راحت اور جمعیت میں ایک زوال آ گیا ہے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء)

---

[1] بدر سے:- "اور اس کے نور کی رُوح کھینچ لی گئی ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۲)

[2] بدر سے:- "کیونکہ تمام روشنی جاتی رہی اور چاروں طرف سے اس پر تاریکی چھا گئی اور وہ قید خانے میں پڑا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:- "اس لمبی تاریکی کے بعد پھر فجر کا وقت آتا ہے جبکہ وہ قید خانہ سے رہائی پانے لگتا ہے اور دوبارہ اس پر روشنی کا پرتو پڑتا ہے اور اس کے اردگرد نور چمکتا ہے۔ یہ پانچ اوقات انسان کے حال پر لازم رکھے گئے ہیں اور ان پانچوں حالتوں کی یاد میں جو کہ اس پر آنے والی ہیں وہ روزانہ خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعائیں کرتا ہے کہ وہ ان مشکلات سے بچایا جاوے۔" (بدر حوالہ مذکور)

بلکہ ہر کوئی اس کو اس طرح پر پڑھ کر اور آزما کر دیکھ لے[1] اس نسخہ کو ہمیشہ یاد رکھو اور اس سے فائدہ اُٹھاؤ کہ جب کوئی دُکھ یا مصیبت پیش آوے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاؤ اور جو مصائب اور مشکلات ہوں انکو کھول کھول کر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرو کیونکہ یقیناً خدا ہے اور وہی ہے جو ہر قسم کی مشکلات اور مصائب سے انسان کو نکالتا ہے وہ پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو مدد گار ہو سکے۔ بہت ہی ناقص ہیں وہ لوگ کہ جب اُن کو مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ وکیل، طبیب یا اور لوگوں کی طرف تو رجوع کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کا خانہ بالکل خالی چھوڑ دیتے ہیں۔ مومن وہ ہے جو سب سے اوّل خدا تعالیٰ کی طرف دوڑے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو اور رجوع نہ کرو تو اس سے اس کی ذات میں کوئی نقص پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ تمہاری کچھ بھی پروا نہیں رکھتا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان: ۷۸)

یعنی ان کو کہدو کہ میرا رب تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم سچے دل سے اس کی عبادت نہ کرو۔ جیسا کہ وہ رحیم و کریم ہے ویسا ہی وہ غنی بے نیاز بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ طاعون نے کیا کیا اور زلزلوں نے کیا دکھایا؟ گھروں کے گھر اور شہروں کے شہر تباہ ہو گئے اور ہزاروں لاکھوں خاندان ہمیشہ کے لیے مِٹ گئے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی کیا پروا بلباوجود اس کے کہ وہ بہت ہی رحم کرنے والا ہے مگر بے نیاز بھی ہے۔ نوح کے وقت، لُوط کے وقت، موسیٰؑ کے وقت کیا ہوا؟ کیا جو قومیں اور بستیاں اس وقت ہلاک ہوئیں وہ انسان نہ تھے؟ وہ بھی انسان تھے اور تم بھی انسان ہو لیکن جب اُس نے دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے اور حق کا انکار کرتے ہیں تو آخر خدا تعالیٰ کا قہر نازل ہوا اور آن کی آن میں انہیں مٹا دیا۔ مگر یاد رکھو اور خوب یاد رکھو۔ صرف اتنی ہی بات کہ ہم نے مان لیا ہے کافی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ مجرد اقرار نہیں چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ جو اقرار تم نے کیا ہے اسے کر کے دکھا دو۔ بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص بیعت میں داخل تھا پھر وہ طاعون سے کیوں مرگیا؟ مَیں کہتا ہوں کہ مَیں اس کا ذمہ دار ہوں کہ کیوں مرگیا؟ اپنے اندر کے طاعون سے مرگیا۔ اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز ظلّام نہیں ہے وہ اپنے سچے بندوں کو محفوظ رکھتا ہے اور ان میں اور ان کے غیروں میں فرق رکھدیتا ہے۔ مجھے ان لوگوں پر بہت ہی تعجب آتا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی ہوئی تھی ہم پر یہ مصیبت کیوں آئی؟ وہ نادان نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ نری بیعت اور زبانی اقرار کیا بنا سکتا ہے؟ جب تک دل صاف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے سچا پیوند قائم نہ ہو۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے

---

[1] بدر سے:۔ "وہ بڑا بدقسمت ہے جو اس نسخہ کو آزما کر نہیں دیکھتا اور اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۳)

وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے اہل کو بچالوں گا، لیکن جب ان کا بیٹا ہلاک ہونے لگا تو نوح علیہ السلام نے دُعا کی اور اس امر کو پیش کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کا کیا جواب دیا؟ یہی کہ تو جاہل مت بن وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔ گویا وہ چھپا ہوا مرتد تھا۔ پھر جب انہیں اپنے ایسے بیٹے کے لیے دُعا کرنے پر یہ جواب ملا تو اور کون ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ سے تو سچا تعلق پیدا نہیں کرتا اور اپنے اعمال اور حال میں اصلاح نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ وہ معاملہ ہو جو اس کے مخلص اور وفادار بندوں سے ہوتا ہے۔ یہ سخت نادانی اور غلطی ہے۔

سچے خُدا پرست بنو

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ میں جانتا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو چھپے ہوئے مُرتد ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ بیعت میں داخل ہیں اور پھر مجھے خط لکھتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے کہا کہ جب تک تیرے گھر بیٹا نہ ہو وہ کیونکر سچا ہو سکتا ہے؟۔ یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ کیا خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو بیٹے دوں؟ کسی کے گھر بیٹا ہو یا بیٹی مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اور نہ میں اس لیے بھیجا گیا ہوں۔ میں تو اس لیے آیا ہوں کہ تا لوگوں کے ایمان درست ہوں پس جو لوگ چاہتے ہیں کہ انکے ایمان درست ہوں اور خدا تعالیٰ سے ان کا سچا تعلق پیدا ہو ان کو میرے ساتھ تعلق رکھنا چاہیئے خواہ بیٹے مریں یا جئیں[1]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: ۲۹)

جو لوگ ایسے خطوط لکھتے ہیں یا اپنے دل میں ایسے خیالات رکھتے ہیں وہ یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ وہ مجھ پر نہیں خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یقیناً سمجھو کہ میرے پیچھے آنا ہے اور سچے مسلمان بننا ہے تو پہلے بیٹوں کو مار لو۔ بابا فرید کا مقولہ بہت صحیح ہے کہ جب کوئی بیٹا مر جاتا تو لوگوں سے کہتے کہ ایک کتورہ (کُتّی کا بچہ) مر گیا ہے اس کو دفن کر دو۔

پس کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا نہیں کر سکتا جب تک باوجود اولاد کے بے اولاد نہ ہو اور باوجود مال کے دل میں مفلس و محتاج نہ ہو اور باوجود دوستوں کے بے یار و مددگار نہ ہو۔ یہ ایک مشکل مقام ہے جو انسان کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اسی مقام پر پہنچ کر وہ سچا خدا پرست بنتا ہے۔ یہ جو قرآنِ مجید میں فرمایا ہے کہ میں شرک نہیں بخشوں گا۔ اس کا مفہوم نادانوں نے اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ اس سے بت پرستی مراد ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "نہ کہ لوگ مُرید ہو کر آزمائش کیا کریں کہ بیٹے پیدا ہوتے ہیں یا کہ نہیں"۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۱-۲ صفحہ ۱۳)

نہیں اتنی ہی بات نہیں بلکہ اس سے وہ سب محبوب مراد ہیں جو انسان اپنے لیے بنا لیتا ہے ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں کہ جب انہیں ذرا بھی تکلیف یا مصیبت پہنچے یا کوئی اولاد مر جاوے تو فوراً خدا تعالیٰ سے تعلق توڑ بیٹھتے ہیں اور شکوہ اور شکایت کرنے لگتے ہیں۔ یہ سخت مشرک اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں پس تم ایسے مت بنو اور اس قسم کے خیالات کو دل سے نکال دو اور اس کی ترکیب یہی ہے کہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنی نمازوں میں دُعائیں کرو اور اس کی توفیق چاہو۔

مَیں کھول کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری بیعت اس لیے کرتا ہے کہ اُسے بیٹا ملے یا فلاں عہدہ ملے یعنی شرعی باتوں پر بیعت کرتا ہے تو وہ آج نہیں۔ کل نہیں۔ ابھی الگ ہو جاوے اور چلا جاوے۔ مجھے ایسے آدمیوں کی ضرورت نہیں اور نہ خدا کو اُن کی پروا ہے۔

یقیناً سمجھو۔ اس دُنیا کے بعد ایک اور جہان ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس کے لیے تمہیں اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے۔ یہ دُنیا اور اس کی شوکتیں یہاں ہی ختم ہو جاتی ہیں مگر اس کی نعمتوں اور خوشیوں کا کوئی بھی انتہا نہیں ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جو شخص ان سب باتوں سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف آتا ہے وہی مومن ہے اور جب ایک شخص خدا کا ہو جاتا ہے تو پھر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ اُسے چھوڑ دے۔ یہ مت سمجھو کہ خدا ظالم ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے کچھ کھوتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ پا لیتا ہے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لو اور اولاد کی خواہش نہ کرو تو یقیناً اور ضروری سمجھو کہ اولاد مل جاوے گی۔ اور اگر مال کی خواہش نہ ہو تو وہ ضرور دیدے گا تم دو کوششیں مت کرو کیونکہ ایک وقت دو کوششیں نہیں ہو سکتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو پانے کی سعی کرو۔

مَیں پھر کہتا ہوں کہ اسلام کی اصل جڑ توحید ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی چیز انسان کے اندر نہ ہو اور خدا اور اُس کے رسولوں پر طعن کرنے والا نہ ہو خواہ کوئی بُلا یا مصیبت اس پر آئے۔ کوئی دُکھ یا تکلیف یہ اُٹھائے مگر اس کے منہ سے شکایت نہ نکلے بلا جو انسان پر آتی ہے وہ اس کے نفس کی وجہ سے آتی ہے خدا تعالیٰ ظلم نہیں کرتا۔ ہاں کبھی کبھی صادقوں پر بھی بلا آتی ہے مگر دوسرے لوگ اُسے بلا سمجھتے ہیں درحقیقت وہ بلا نہیں ہوتی وہ ایلام برنگ انعام ہوتا ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق بڑھتا ہے اور ان کا مقام بلند ہوتا ہے اس کو دوسرے لوگ

لے بدر سے:۔

"جو لوگ درحقیقت خدا کے واسطے دُنیا کو چھوڑ دیتے ہیں خدا تعالیٰ انہیں دنیا بھی دیتا ہے۔ پس تم خدا کے واسطے مال کی خواہش چھوڑ دو اور اس کے واسطے اولاد کے خیال کو ذلیل جانو تو تم کو خدا مال اور اولاد سب کچھ دے گا وہ سب کچھ دیتا ہے مگر وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی شریک ہو۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۱۴)

سمجھ ہی نہیں سکتے لیکن جن لوگوں کو خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا اور ان کی شامتِ اعمال ان پر کوئی بلا لاتی ہے تو وہ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱)

پس ہمیشہ ڈرتے رہو اور خدا تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ تا ایسا نہ ہو کہ تم خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرنیوالوں میں ہو جاؤ۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے اس کو ایسی توفیق عطا کی۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ایک قوم کو فنا کر کے دوسری پیدا کرے۔ یہ زمانہ نوحؑ اور نوحؑ کے زمانہ سے ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی شدید عذاب آتا اور دنیا کا خاتمہ کر دیتا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحم سے اصلاح چاہی ہے اور اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔

بدیوں کو دُور کرنے کیلئے مرسلین کا آنا ضروری ہے

یہ بھی مت سمجھو کہ ہم خود ہی بدیوں سے باز آسکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عیسائی اور یہودی موجود تھے اور توریت اور انجیل بھی موجود تھی۔ پھر تم خود ہی بتاؤ کہ کیا وہ لوگ فسق و فجور اور ہر قسم کے جرائم اور معاصی سے باز آگئے تھے؟ نہیں بلکہ باوجود ان کتابوں کے موجود ہونے کے بھی وہ حدود اللہ سے نکل گئے تھے۔ سُنّت اللہ یہی ہے کہ جب زمین فسق و فجور سے بھر جاتی ہے تو اس کے روکنے والی قوت آسمان سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو آسمان سے بھیج دیتا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ جو یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھے وہ ہزار سال سے ویسے ہی رہے تھے لیکن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو گئے وہ فرشتے بن گئے۔ اگر انسان خود ہی کر سکتا تو بگڑتا ہی کیوں؟ اور پھر نبیوں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ خدا تعالیٰ کے مُرسل اسی غرض کے لیے تو آیا کرتے ہیں اور ضرور آتے ہیں۔ ہاں سُنّت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب خزاں کا وقت آتا ہے تو درختوں کے پتے گر جاتے ہیں نہ پھل ہوتا ہے نہ پھول نہ خوشبو بلکہ خوشبو کی جگہ بدبو ہوتی ہے اور خوبصورتی کی بجائے بدصورتی ہوتی ہے۔ لیکن پھر یک دفعہ جب بہار کا موسم آتا ہے تو پھر تدریجی طور پر سب کچھ بحال ہو جاتا ہے۔ یہی سلسلہ رُوحانی عالم میں ہے۔ جب دیکھو کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں خزاں کا دَور شروع ہے اور ہر طرف پھل، پھول اور پتے تک گر رہے ہیں تب سمجھو کہ بہار آئی۔ انبیاء علیہم السلام کا وقت بہار سے مشابہ ہے۔ مَیں نے سب کتابیں دیکھی ہیں۔ توریت اور انجیل کو خوب پڑھا ہے مگر مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ جو ثبوت قرآن مجید نے دیا ہے۔ ہرگز ہرگز کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جس قدر قصے شریروں اور بدکاروں کے بیان کئے ہیں ساتھ ہی یہ بیان کیا کہ یہ اس وقت موجود ہیں۔ اس سے غرض کیا تھی؟ اصل غرض یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ جب ایک یا دو قسم کی بدیوں

کے دُور کرنے کے لیے رسولوں کا آنا ضروری تھا پھر جہاں اس قدر بدیاں پھیل رہی ہیں اور تمام شرارتیں جمع ہوگئی ہیں۔ وہاں کیوں ضروری نہیں؟ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت حق تھی اور عین ضرورت کے وقت تھی۔ یہ ان لوگوں پر حُجت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ سوچیں کہ جو بداعمالیاں کبھی کسی زمانہ میں پیدا ہوئیں اور اُن کے لیے رسول آیا۔ پھر جب اُن کا مجموعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوگیا یہانتک کہ کہنا پڑا کہ بحر و بر میں فساد پیدا ہوگیا۔ اس زمانہ میں ایسی ہوا چلی ہوئی تھی کہ سب بگڑ گئے تھے[1] آریہ ورت کے لیے پنڈت دیانند نے شہادت دی ہے کہ وہ بھی بگڑا ہوا تھا۔ جگن ناتھ اور سومنات وغیرہ بُت خانے اسی وقت کے ہیں۔ گویا اتنی بڑی خزاں تھی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور وہ وقت بالطبع چاہتا تھا کہ ایک عظیم الشان مصلح پیدا ہو۔ جو ان تمام فسادوں کی اصلاح کرے۔ چنانچہ اس وقت کے حسبِ حال آپؐ پیدا ہوئے۔ یہ بڑا نشان ہے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ نے آکر کیا کیا؟ اس وقت جو حالت ملک اور قوم بلکہ دنیا کی ہو رہی تھی اس کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ سب شہادت دیتے ہیں اور خود قرآن مجید نے شہادت دی ہے وہ ان میں شائع ہوتا تھا اگر کوئی امر جو اُن کے حالات کے متعلق اس میں بیان کیا گیا ہے خلاف واقعہ ہوتا تو وہ شور مچا دیتے کہ جھوٹ کہا ہے لیکن کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے بہت بڑی خزاں کا وقت تھا اور اسی کے مقابل میں بہار بھی وہ آئی کہ اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔ اس لیے کہ آئندہ تو اسی بہار کا سماں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قریب کا زمانہ تھا اور وہ بھی ایک بہار کا وقت تھا مگر اس وقت جو ترقی یا تبدیلی ہوئی وہ اس سے ہی ظاہر ہے کہ آپ نے بارہ آدمی تیار کئے جو بارہ حواری مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک نے جو بڑا مخلص سمجھا جاتا تھا۔ تیس روپے لے کر گرفتار کرا دیا اور دوسرے نے جس کو بہشت کی کنجیاں دی گئی تھیں تین مرتبہ لعنت کی اور باقی بھاگ گئے مگر اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت تیار کی وہ صدق و اخلاص میں ایسی وفادار تھی کہ اس نے بھیڑ بکری کی طرح سر کٹوا دیئے۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز تبدیلی کیا ہوگی وہ جو ہر قسم کے عیبوں اور معاصی میں مصروف رہنے والی قوم تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کے نیچے آئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ مخلصانہ پیوند کیا کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ ہی سے محبت کرتے تھے۔

یہ دو نشان ایسے زبردست ہیں کہ جو شخص تعصب سے خالی ہو کر ان پر تدبر کرے گا اور غور کرنا

---

[1] بدر سے :۔ "وہ ایسا زمانہ تھا کہ جاہل اپنی جہالت میں حد سے گذر چکے تھے اور اہل کتاب بھی بگڑ گئے تھے"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱ و ۲ صفحہ ۱۴)

چاہیئے اس کو ایک دفعہ اقرار کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی تھے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت کی اصلاح کیلئے مُرسل کا ظہور

اب یہ زمانہ جس میں ہم ہیں اس کی حالت پر نظر کرو کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کی اندرونی حالت میں تغیر نہیں ہوا۔ ان کی عملی اور اعتقادی حالت بگڑ گئی ہے۔ ان کی اخلاقی حالت تباہ ہوگئی ہے جس پہلو سے دیکھو اور جس حیثیت سے نظر کرو اسے دیکھ کر رونا آتا ہے۔ بیرونی حالت دیکھتے ہیں تو وہ اور بھی قابلِ افسوس ہے۔ اسی ملک میں لاکھوں مُرتد ہوگئے ہیں۔ یہ وہ دین تھا کہ ایک بھی مُرتد ہو جاتا تو قیامت آجاتی مگر اب یہ حالت ہے کہ دو چار روپیہ کے لالچ میں آکر گرجا میں جاکر مُرتد ہو جاتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق تلف کرتے ہیں۔ قرضہ لے کر دینے کا نام نہیں لیتے۔ طرح طرح کے معاصی اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ اب کیا یہ حالتِ زمانہ ایسی تھی کہ خدا تعالیٰ چُپ رہتا اور اس کی اصلاح کے لیے کسی کو نہ بھیجتا؟ اگر وہ چپ رہتا تو پھر عذاب آتا اور اس کو تباہ کر دیتا۔ مگر نہیں اُس نے اپنی رحمت سے ایک شخص کو بھیج دیا ہے جو تم ہی میں سے آیا ہے۔ اس کے آنے کی غرض یہی ہے کہ تا وہ فساد مٹا دیئے جاویں جو اسلام میں سے آیا ہے اس کے آنے کی غرض یہی ہے کہ تا وہ فساد مٹا دیئے جاویں جو اسلام میں اور مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں اور جنہوں نے اُن کو اس ذلیل حالت تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن یاد رکھو اس کا آنا فضول ہو جاتا ہے۔ اگر لوگ اس بات کو مضبوط نہ پکڑیں جو وہ لے کر آیا ہے صرف اتنی بات پر خوش ہو جانا کہ ہم میں ایک رسُول آیا ہے کافی نہیں۔ جب حضرت لُوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا۔ کیا وہ اس وقت زندہ نہ تھے؟ یا موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اسرائیلیوں پر بعض عذاب آئے تو وہ ان کے ساتھ نہ تھے؟ اتنے پر خوش نہ ہو کہ ہمارے پاس خُدا کا مُرسل ہے جو شخص اس دھوکہ میں ہے۔ قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔

یاد رکھو اسلام ایک موت ہے۔ جب تک کوئی شخص نفسانی جذبات پر موت وارد کر کے نئی زندگی نہیں پاتا اور خدا ہی کے ساتھ بولتا، چلتا، پھرتا، سُنتا، دیکھتا نہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہوتا۔

دیکھو یہ چھوٹی سی بات نہیں اور معمولی امر نہیں کہ اس نے ایک شخص کو بھیجا اور تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرایا۔ یہ اس کا بڑا بھاری فضل اور رحمت کا نشان ہے اس کو حقیر مت سمجھو۔ اس کی قدر کرو۔ مجھے اس شہادت کو ادا کرنا پڑتا ہے جو میرے ذمہ ہے۔

سُنو! مجھے دکھایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قہری نشان نازل ہوں گے۔ زلزلے آئیں گے اور طاعون کی موتیں ہوں گی اس لیے میں تمہیں اس سے پہلے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب نازل ہو تمہیں اور ہر سُننے والے کو متنبہ اور آگاہ کرتا ہوں کہ توبہ کرو۔ ہر شخص جو عذاب سے پہلے توبہ کرتا ہے اور اپنی اصلاح کے لیے تبدیلی کر لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے

رحم کا اُمیدوار ہو سکتا ہے لیکن جب عذاب نازل ہوگیا۔ پھر توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔ اس وقت جو امن کی حالت ہے توبہ کرو اور اصلاح کے لیے قدم بڑھاؤ۔ میری باتوں کو اس طرح مت سُنو۔ جس طرح پر لڑکے کہانیاں سُنا کرتے ہیں اُٹھو اور تبدیلیاں کرو۔

جب مصیبت آگئی پھر خواہ کوئی ہزار کہے کہ دُعا کرو کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ عذاب تو آچکا۔ ہاں اب وقت ہے۔

اصلاح کے ذرائع

تبدیلی اور اصلاح کس طرح ہو؟ اس کا جواب وہی ہے کہ نماز سے جو اصل دُعا ہے۔ قرآن شریف پر تدبّر کرو اس میں سب کچھ ہے۔ نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانہ کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بتازہ ملتے ہیں۔ انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اُس کی تعلیم اُس زمانہ کے حسبِ حال ہو تو ہو۔ لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔ یہ فخر قرآن مجید ہی کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے اور جو بدی ظاہر کی ہے اس کے دُور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دُعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس کی تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو۔

روزہ

پھر تیسری بات جو اسلام کا رُکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اسکے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدِنظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اُسے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو رُوح کی تسلّی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کے لیے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔

حج

ایسا ہی حج بھی ہے۔ حج سے صرف اتنا ہی مطلب نہیں کہ ایک شخص گھر سے نکلے اور سمندر چیر کر چلا جاوے اور رسمی طور پر کچھ لفظ منہ سے بول کر ایک رسم ادا کر کے چلا آوے۔ اصل

بات یہ ہے کہ حج ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا اپنے نفس سے انقطاع کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں کھویا جاوے اور تعشق باللہ اور محبتِ الٰہی ایسی پیدا ہو جاوے کہ اس کے مقابلہ میں نہ اُسے کسی سفر کی تکلیف ہو اور نہ جان و مال کی پروا ہو نہ عزیز و اقارب سے جُدائی کا فکر ہو جیسے عاشق اور مُحب اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کرنے سے دریغ نہ کرے۔ اس کا نمونہ حج میں رکھا ہے۔ جیسے عاشق اپنے محبوب کے گرد طواف کرتا ہے اسی طرح حج میں بھی طواف رکھا ہے یہ ایک باریک نکتہ ہے۔ جیسا بیت اللہ ہے ایک اس سے بھی اُوپر ہے۔ جب تک اس کا طواف نہ کرو یہ طواف مفید نہیں اور ثواب نہیں۔ اس کا طواف کرنے والوں کی بھی یہی حالت ہونی چاہیئے جو یہاں دیکھتے ہو کہ ایک مختصر سا کپڑا رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اس کا طواف کرنے والوں کو چاہیئے کہ دُنیا کے کپڑے اُتار کر فروتنی اور انکساری اختیار کرے اور عاشقانہ رنگ میں پھر طواف کرے۔ طواف عشقِ الٰہی کی نشانی ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ گویا مرضاتِ اللہ ہی کے گرد طواف کرنا چاہیئے اور کوئی غرض باقی نہیں۔

زکوٰۃ

اسی طرح پر زکوٰۃ ہے۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ دے دیتے ہیں۔ مگر وہ اتنا بھی نہیں سوچتے اور سمجھتے کہ یہ کس کی زکوٰۃ ہے۔ اگر کُتّے کو ذبح کر دیا جاوے یا سؤر کو ذبح کر ڈالو تو وہ صرف ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو جائے گا۔ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلی ہے۔ مال کو پاک کرو اور پھر اس میں سے زکوٰۃ دو۔ جو اس میں سے دیتا ہے اُس کا صدق قائم ہے لیکن جو حلال حرام کی تمیز نہیں کرتا وہ اس کے اصل مفہوم سے دُور پڑا ہوا ہے اس قسم کی غلطیوں سے دست بردار ہونا چاہیئے اور ان ارکان کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے تب یہ ارکان نجات دیتے ہیں ورنہ نہیں اور انسان کہیں کا کہیں چلا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ فخر کرنے کی کوئی چیز نہیں[1] ہے اور خدا تعالیٰ کا کوئی نفسی یا آفاقی شریک نہ ٹھہراؤ اور اعمالِ صالحہ بجالاؤ۔ مال سے محبت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۳) یعنی تم بِر تک نہیں پہنچ سکتے جب تک وہ مال خرچ نہ کرو جس کو تم عزیز رکھتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو اپنا اُسوہ بناؤ اور دیکھو کہ وہ زمانہ تھا جب صحابہؓ نے نہ اپنی جان کو عزیز سمجھا نہ اولاد اور بیویوں کو۔ بلکہ ہر ایک اُن میں سے اس بات کا حریص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں شہید ہو جاؤں۔ تم حلفاً بیان کرو کیا

---

[1] بدر سے:۔ "انسان کو اپنے اعمال پر فخر نہیں کرنا چاہیئے اور نہ خوش ہونا چاہیئے جب تک ایسا ایمانِ خالص حاصل نہ ہو جائے کہ انسان کی عبادت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۵)

تمہارے اندر یہ بات ہے؟ جب ذرا سا بھی ابتلاء آجاوے تو گھبرا جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہی کی شکایت کرنے لگتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبھی مسلمان نہیں کہلا سکتے۔

مَیں بار بار یہی کہتا ہوں کہ تمہارا اُسوہ حسنہ وہی ہو جو صحابہؓ کا تھا۔ میرا کہنا تو صرف کہہ دینا ہے۔ توفیق کا عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل کی بات ہے۔ اس بات کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو کہ تمہارے اعمال اور افعال میں اخلاص ہو۔ ریاکاری اور بناوٹ نہ ہو۔ کیونکہ تم جانتے ہو اگر کوئی شخص سونے کی بجائے پیتل لے کر بازار میں جاوے تو وہ فوراً پکڑا جاویگا اور آخر اُسے جیل میں جاکر اپنی جعلسازی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ پس اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے حضور دھوکا نہیں چل سکتا۔ انسان کو دھوکا لگ سکتا ہے مگر وہاں نہیں ہو سکتا۔ جو چاہتا ہے کہ وہ خدا کا اور خدا اس کا ہو جاوے اسے چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ننگا ہو جاوے۔

یہ مت سمجھو کہ مَیں تمہیں اس امر سے منع کرتا ہوں کہ تم تجارت نہ کرو یا زراعت اور نوکری یا دوسرے ذرائع معاش سے تمہیں روکتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ میرا مطلب یہ ہے ؎

دل با یار دست با کار

تمہارا اُسوہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی تجارت اور بیع و شریٰ انہیں ذکر اللہ سے نہیں روکتا۔ ہزاروں لاکھوں کی تجارت میں بھی وہ خدا تعالیٰ سے ایک لحظہ کے لیے جُدا نہیں ہوتے۔ اس لیے تمہارا فخر اور دستاویز ایسے اعمال ہونے چاہئیں جو حقیقی ایمان کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

سچی خواب مدارِ نجات نہیں

مَیں اس امر کا افسوس سے ذکر کرتا ہوں کہ بعض لوگ مَیں نے دیکھے ہیں جن کی زندگی کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انہیں خواب آجاتے ہیں یا آنے چاہئیں۔ وہ سارا زور اسی امر پر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ابتلاء ہے جو لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں وہ یاد رکھیں۔ اس امر سے نجات وابستہ نہیں ہے کبھی یہ سوال نہیں ہوگا تجھے کتنے خواب آئے تھے۔ مَیں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے چوری میں سزا پائی اور جب سزا پاکر آئے اور اُن سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ چوری کرنے گئے تھے۔ خواب میں معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا ہوگا۔ بڑے بڑے بدکار جو کنجر کہلاتے ہیں انہیں بھی سچی خواب آسکتی ہے۔ یہاں ہمارے ایک چوہڑی تھی اس کو بھی خواب آجاتے تھے۔ پس تم ابتلاء میں مت پھنسو۔ خدا تعالیٰ سے اپنے تعلقات بڑھاؤ اور اس کو راضی کرو۔ اپنے اعمال میں ایک خوبصورتی پیدا کرو انسان کو چاہیئے کہ اس امر کا مطالعہ کرے کہ کیا قرآن شریف کے موافق مَیں نے اپنے اعمال کو بنا لیا ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات نہیں ہے تو خواہ اس کو ہزاروں خواب آئیں بیہودہ اور بے فائدہ ہیں۔ قرآن شریف میں یہی حکم ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا پورا ادا کرو۔ ان میں ریا، خیانت، شرارت باقی نہ ہو۔ وہ خالصتہً للہ ہوں۔

پس پہلے اس بات کو پیدا کرو۔ پھر اس کے ثمرات خود بخود حاصل ہوں گے۔

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ بُری چیزیں ہیں یا بُرا طریق ہے۔ نہیں نہیں۔ اصل مطلب یہ ہے کہ بداستعمالی بُری ہے۔ بیمار کا فرض یہ ہے کہ وہ اوّل علاج کرائے نہ یہ کہ علاج تو کرائے نہیں اور کہے مجھے الف لیلہ کی سیر کے دو چار ورق سُنا دو۔ اسی طرح کشوف اور رؤیا روحانی سیر ہیں۔ جب رُوحانی بیماریوں کا علاج ہو جاوے گا اور رُوحانی صحت درست ہو گی اس وقت سیر بھی مفید ہو گی۔

جب انسان اپنے نفس کو کھو دیتا ہے اور غیر اللہ کی طرف التفات نہیں رہتی اور کسی کو اپنی نظر میں نہیں دیکھتا اور خدا ہی کو دیکھتا اور اس کو ہی سُناتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی اس کو سُناتا ہے مگر وہ لوگ جن کے باوجود یہ دوکان ہوتے ہیں مگر وہ حرص، ہوا، غصہ، کینہ وغیرہ ہر قسم کی طاقتوں کی باتیں سُنتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی بات کیونکر سُن سکتے ہیں۔ ہاں ایک قوم ہوتی ہے جو باقی سب کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور سب طرف سے کانوں کو بند کر لیتے ہیں۔ نہ کسی کی سُنتے ہیں نہ کسی کو سُناتے ہیں۔ انہیں ہی خدا بھی اپنی سناتا ہے اور ان کی سُنتا ہے اور وہی مبارک ہوتا ہے[1]

پس اگر اس قوم میں داخل ہونا چاہتے ہو تو ان کے نقشِ قدم پر چلو۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو ایسی آوازوں اور خوابوں پر ناز نہ کرو۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ حدیث میں اضغاث احلام اور حدیث النفس کا ذکر موجود ہے۔ یہ کوئی چیز نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک تو حمل حقیقی ہوتا ہے جب مدتِ مقررہ نو ماہ گذر جاتے ہیں تو لڑکا یا لڑکی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک اس کے مقابلہ میں حمل کاذب ہوتا ہے بعض عورتیں رات دن اولاد کی خواہش کرتی رہتی ہیں جس سے رجاء کی مرض پیدا ہو جاتی ہے اور جھوٹا حمل ہو کر پیٹ پھولنے لگتا ہے اور حمل کی علامات

---

[1] بدر سے :- "خوابوں کے ذریعہ سے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ یہ طریق بُرا نہیں مگر اس کی بداستعمالی نقصان رساں ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ و ۲ صفحہ ۱۶)

[2] بدر سے :- "بیمار کو چاہیئے کہ اوّل اپنا علاج کرائے۔ اگر بیمار اپنا علاج نہ کرے اور چند قصّے سُننے لگے تو اس سے وہ اچھا نہ ہو جائے گا۔ ایک شخص جو اپنی خراب صحت کے سبب دو چار روز میں مرنے والا ہے اگر وہ کہے کہ میں امریکہ کی سیر کے واسطے جاتا ہوں تا کہ دُنیا کے عجائبات دیکھوں تو یہ اس کی نادانی ہے۔ اس کو تو چاہیئے کہ اوّل اپنا علاج کرائے۔ جب تندرست ہو جائے تو پھر سیر بھی کر سکتا ہے۔ حالتِ بیماری میں تو سیر و سیاحت اور بھی نقصان رساں ہو گی۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے :- "ایک کان جو ہزاروں طرف لگا ہوا ہے اور شرک کے ساتھ بھرا ہوا ہے اور جذباتِ نفسانی اور ہوا و ہوس کی متابعت میں پُر ہے وہ کیونکر خدا تعالیٰ کے کلام کو سُن سکتا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

ظاہر ہوتی ہیں لیکن نو ماہ کے بعد پانی کی مشک نکل جاتی ہے۔ ایسا ہی حال ان کشوف اور خوابوں کا ہے جبتک انسان محض خدا ہی کا نہ ہو جاوے۔ یہ کچھ بھی چیز نہیں۔ انسان کی عزت اسی میں ہے اور یہی سب سے بڑی دولت اور نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ جب وہ خدا کا مقرب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہزاروں برکات اس پر نازل کرتا ہے زمین سے بھی اور آسمان سے بھی اس پر برکات اُترتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتکنی کے لیے قریش نے کس قدر زور لگایا۔ وہ ایک قوم تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنِ تنہا۔ مگر دیکھو! کون کامیاب ہوا۔ اور کون نامراد رہے۔

نصرت اور تائید خدا تعالیٰ کے مقرب کا بہت بڑا نشان ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسا شخص خزاں کے وقت آتا ہے اور بہار ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی طرف سے نہ ہوں اور اس قسم کی شیخیاں مارنے والے ہوں انکی مثال ایسی ہے جیسے مُردار پر بیٹھے ہوں[1]۔ مگر جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے حیّ و قیوم خدا اس کے ساتھ ہے وہ خود زندہ ہے اُسے زندہ کرے گا۔ وہ اپنے وعدوں کو جو اُس سے کئے ہیں سچا کر دکھائے گا[2]۔

میری نصیحت بار بار یہی ہے کہ جہانتک ہو سکے اپنے نفسوں کا بار بار مطالعہ کرو۔ بدی کا چھوڑ دینا یہ بھی ایک نشان ہے اور خدا تعالیٰ ہی سے چاہو کہ وہ تمہیں توفیق دے کیونکہ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: ۹۷) قویٰ بھی اس نے ہی پیدا کئے ہیں[3]۔

پھر میں ایک اور نقص بھی دیکھتا ہوں۔ بعض لوگ تھک جاتے ہیں۔ میرے پاس ایسے خطوط آئے ہیں جن میں لکھنے والوں نے ظاہر کیا کہ ہم چار سال یا اتنے سال تک نماز پڑھتے رہے دُعائیں کرتے رہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایسے لوگوں کو میں مُخنّث سمجھتا ہوں تھکنا نہیں چاہیئے۔

گر نبا شد بدوست راہ بُردن ٭ شرطِ عشق است در طلب مُردن

میں تو یہانتک کہتا ہوں اگر تیس چالیس برس گذر جاویں تب بھی تھکے نہیں اور باز نہ آوے خواہ جذبات بڑھتے

---

[1] بدر سے:۔ "وہ اس مُردار سے کیا حاصل کر سکتا ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۶)

[2] بدر سے:۔ "جبتک خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں پورے نہ ہوں تب تک وہ مرتا نہیں اور اس کے سلسلہ میں کچھ کمی نہیں آتی۔" بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ صفحہ ۱۶)

[3] بدر سے:۔ "بدیوں کو چھوڑ دینا کسی کے اختیار میں نہیں۔ اس واسطے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں خُدا کے حضور دُعائیں کرو۔ وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ پس اور کون ہے جو ان بدیوں کو دُور کر کے نیکیوں کی توفیق تم کو دے۔" (بدر حوالہ مذکور ص۱۶)

ہی جاویں۔ اللہ تعالیٰ دُعا کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا[1] جب تضرع سے دُعا کرتا ہے اور مصیبت میں مبتلا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ یہ شخص بچایا جاوے اور وہ بچایا جاتا ہے کیونکہ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (البقرۃ: ۲۲۳)

یاد رکھو جو شخص مرا ہے اور ہلاک ہوا ہے وہ تھکنے سے مرا ہے۔ خدا تعالیٰ سے مانگنا اور دُعا کرنا موت ہے ہر شخص جو خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے ضرور پاتا ہے مگر وہ آپ ہی بدظنی کرتا ہے تب حاصل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آپ نے دیر تک جماعت کے لیے دُعا کی۔[2]

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء

تقریر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمودہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۶ء بعد نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ قادیان

میں[3] نے جو کچھ کل بیان کیا تھا اس میں سے کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا اس لیے میں نے مناسب اور ضروری سمجھا کہ اس حصہ کو بیان کر دوں تاکہ وہ مکمل ہو جاوے۔

---

[1] بدر سے:۔ یقیناً خدا رحیم کریم اور حلیم ہے۔ وہ دُعا کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ تم دُعا میں مصروف رہو اور اس بات سے مت گھبراؤ کہ جذباتِ نفسانی کے جوش سے گناہ صادر ہو جاتا ہے۔ وہ خدا سب کا حاکم ہے وہ چاہے تو فرشتوں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تمہارے گناہ نہ لکھے جاویں۔ دیکھو دُعا کے ساتھ عذاب جمع نہیں ہوتا۔ مگر دُعا صرف زبان سے نہیں ہوتی بلکہ دعا وہ ہے کہ ؎

جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا" (بدر جلد ۶ نمبر ۱ - ۲ صفحہ ۱۶)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲ صفحہ ۳ تا ۱۱ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء

[3] بدر سے:۔ "میں نے کل جو کچھ بیان کیا تھا۔ اس کی تکمیل بسبب بیماری کے نہ ہو سکی"۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء)

مذہبی آزادی پر اظہارِ تشکر

سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ جو نئے طور سے قائم کیا ہے[1] اسے قائم ہوتے ہی مصائب اور مشکلات پیدا ہو گئے اندرونی اور بیرونی طور پر طرح طرح کے دُکھ اس کو دیئے گئے[2] مگر بیرونی طور پر جو دُکھ دیا گیا ہے اس پر افسوس نہیں اس لیے کہ وہ دُکھ صرف زبان کا دُکھ ہے اور اس دُکھ کے مقابلہ میں یہ کچھ چیز نہیں جو ابتدائے اسلام اور غربتِ اسلام کے وقت اُن لوگوں کو اُٹھانا پڑا جو اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ دُکھ اس قسم کے تھے کہ اُن کو بیان کرنے سے بھی دل کانپ جاتا ہے کہ وہ کیسے سنگدل انسان تھے کہ انہوں نے صرف مسلمان ہونے پر اُن کو طرح طرح کی مشکلات اور مصائب میں ڈالا اور بہتوں کو بے دردی سے ایذائیں دیں اور قتل کر ڈالا لیکن اس زمانہ میں جو آزادی کا زمانہ ہے اس قسم کی کوئی تکلیف نہیں دے سکتے۔ صرف زبان سے دُکھ دیتے ہیں اور یہ کچھ چیز نہیں۔

ہم پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے اور ہم اس کا شکر نہیں کر سکتے کہ اُس نے محض اپنے فضل سے ایسی گورنمنٹ کے ماتحت کر دیا جس کی وجہ سے ہمارے مخالف ہمارے خلاف اپنے جوشِ مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ اسی گورنمنٹ کی آزادی اور انصاف پسندی کا ہی سبب ہے کہ وہ جوش ہمارے مخالف ظاہر نہیں کر سکتے جو انہیں ہمارے لیے ہونا چاہیئے۔ وہ دانت پیستے ہیں اور اگر اُن کے اختیار میں ہوتا تو ہمیں نیست و نابود کر کے ہی خوش ہوتے۔ مگر انہیں کوئی قابو نہیں ملتا۔

مَیں اس امر پر غور کر کے اور پچھلے دُکھوں کو جو ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو پہنچے یاد کر کے خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں جس نے محض اپنے ہی فضل و کرم سے ہمیں ایسی نیک خیال گورنمنٹ عطا کی۔ وہ کیسا رحیم و کریم خدا ہے۔ جب اس نے چاہا کہ ضعفِ اسلام کے وقت یہ سلسلہ قائم کرے خود ہی اس نے انتظام کر دیا کہ ایسی گورنمنٹ کو بھیج دیا جو امن پسند ہے۔ مَیں یہ بات ریاکاری سے نہیں کہتا۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ ریاکار اور خوشامدی منافق ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نفاق کو دُور کرنے آئے ہیں اور واقعات ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی تعریف کریں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہوں۔ ہم اپنے ہی حالاتِ زندگی کو دیکھتے

---

[1] بدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ اس واسطے قائم کیا ہے کہ لوگ نئے طور پر اس کی ہستی پر ایمان اور یقین حاصل کریں۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

[2] بدر سے:۔ "یہ ایذا رسانی صرف بیرونی لوگوں کی طرف سے نہیں جو غیر مذاہب کے لوگ ہیں بلکہ اندرونی لوگوں کی طرف سے بھی جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں ہم دُکھ دیئے جاتے ہیں اور وہ لوگ ہماری مخالفت میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑ سکتے۔" (بدر حوالہ مذکور)

ہیں کہ اس وقت کس امن اور آزادی کے ساتھ اس سلسلہ کی اشاعت کر رہے ہیں۔ پچیس ۲۵ سال سے زیادہ عرصہ سے ہم اس اشاعت کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور پوری آزادی اور امن سے اُسے کر رہے ہیں۔ خود گورنمنٹ کے ملکوں (بلادِ یورپ) میں سولہ ہزار اشتہار دعوتِ اسلام کا میں نے جاری کیا۔ اور وہ اشتہارات معمولی آدمیوں میں تقسیم نہیں کئے گئے بلکہ معززین کو بھیجے گئے (جن میں شاہی خاندان کے ممبر اور گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدے دار اور ارکین شامل تھے) یہانتک کہ ملکہ معظمہ کو بھی ایک کتاب دعوتِ اسلام کی بھیجی گئی اور انہوں نے ایسی محبت اور قدر سے اُسے دیکھا کہ بذریعہ تار ایک اور نسخہ اس کا منگوایا۔ یہ عجیب بات ہے۔ یہ کیسا خدا تعالیٰ کا ہم پر فضل اور احسان ہے کہ اس نے ایسی جگہ ہمیں بھیجا جہاں ہر طرح پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کر سکتے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں پا سکتے۔ لوگ اس پر تعجب کریں گے یا خام خیالی اور ظاہر پرستی کی وجہ سے میری ان باتوں کو خوشامد پر قیاس کریں گے۔ مگر مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ مکہ معظمہ میں جاری ہوتا تو ہر روز دو چار خون ہوتے۔ ایسا ہی مدینہ یا روم میں ہوتا تو کوئی سزا پاتا، کوئی کوئی دُکھ پاتا۔ غرض کسی نہ کسی مصیبت کا سامنا رہتا۔ ایسا ہی کابل میں ہوتا تو قسم قسم کے حملے ہوتے اور تجربہ نے ثابت بھی کر دیا ہے سب کو معلوم ہے کہ ہمارے دو معزز دوست کابل میں شہید ہو چکے ہیں۔ انہوں نے وہاں کوئی بغاوت نہیں کی خون نہیں کیا اور کوئی سنگین جرم نہیں کیا۔ صرف یہ کہا کہ جہاد حرام ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ انہوں نے اس سے زیادہ ہرگز نہیں کہا جو مَیں یہاں گورنمنٹ کو عیسائی مذہب کی بابت سُنا چکا ہوں۔ وہ نہایت نیک، راستباز اور خاموش تھے۔ مولوی عبداللطیف صاحب تو بہت ہی کم گو تھے۔ مگر کسی خود غرض نے جا کر امیر کابل کو کہدیا اور انہیں ان کے خلاف بھڑکایا کہ یہ شخص جہاد کا مخالف ہے اور آپ کے عقاید کا مخالف ہے۔ اس پر وہ ایسی بے رحمی سے قتل ہوئے کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس امر پر غور کر کے کہ وہ کیا گناہ تھا جس کے بدلہ میں وہ قتل کئے گئے بے اختیار ہر شخص کو کہنا پڑے گا کہ یہ سخت ظلم ہے جو آسمان کے نیچے ہوا ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں ہماری تیس سالہ کارروائی کو دیکھو۔ بار بار پادریوں اور عیسائیوں کے مذہب پر حملہ ہوا ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ تم سخت غلطی پر ہو۔ تمہاری تثلیث غلط ہے۔ کفارہ باطل ہے مگر کبھی ان مسائل کی غلطیوں کے ظاہر کرنے پر اور یہ بیان کرنے پر کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور یہی نجات کا ذریعہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی افضل الرسل ہیں اور ان کی کامل اتباع ہی سے نجات ملتی ہے۔ کوئی وارنٹ گرفتاری کا گورنمنٹ کی

لہ بدر سے :۔ "اور ملک میں نہایت معزز تھے اور ہزاروں آدمی اُن کے مُرید تھے اور دربارِ کابل میں ان کی بڑی عزت تھی۔"
(بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸)

طرف سے جاری نہیں ہوا۔ اور نہیں پوچھا گیا کہ تم اپنے مذہب کی اشاعت کیوں کرتے ہو؟ پھر بتاؤ کہ ہم اگر اس کی اس آزادی اور امن کے لیے اس کی تعریف کریں اور اس کے لیے شکر گذاری کا جوش ظاہر کریں تو یہ خوشامد ہو سکتی ہے؟ یہ تو امرِ واقعہ کا اظہار ہے اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سخت گنہگار ہے۔ مَیں نے خوب غور کیا ہے اور تجربہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ اس قوم کی فطرت میں ہے کہ باوجودیکہ ہم نے عیسائی مذہب کی غلطیوں اور کمزوریوں کو سخت سے سخت طریق سے ظاہر کیا ہے مگر اس نے یہ سمجھ کر جو آزادی اُس نے عیسائیوں کو دی ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کا رد کریں اور اپنے دین کی اشاعت کریں اسکے سایہ میں ہونے کی وجہ سے ویسے ہی حقدار ہیں اور اُن کے فطرتی انصاف نے اس مساوات کو توڑنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہر ایک کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے پوری آزادی دی ہے بلکہ اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ جب ایک جنٹلمین پادری نے مجھ پر اقدامِ قتل کا مقدمہ کیا تو گورنمنٹ نے اپنے انصاف کا کامل نمونہ دکھایا۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی کینہ ہوتا تو یہ عمدہ موقعہ تھا کہ ہمیں دُکھ دیا جاتا۔ لیکن مَیں دیکھتا تھا کہ کوئی رعایت اس جنٹلمین پادری کی میرے مقابلہ میں نہیں کی جاتی تھی۔ صاحبِ ضلع مجھے عزت سے بُلاتے تھے اور کُرسی دیتے رہے۔ انجام کار جب انہیں بخوبی معلوم ہو گیا کہ وہ مقدمہ محض شرارت سے مجھ پر بنایا گیا ہے اور سراسر جھوٹا ہے تو اس نے کہا کہ یہ بدذاتی مجھ سے نہیں ہو سکتی کہ سزا دے دوں۔ چنانچہ اس نے عزت کے ساتھ مجھے بَری کیا۔[1]

اور یہ بات مجھ سے ہی خاص نہیں بلکہ سب کے لیے یکساں حقوق حاصل ہیں۔ اگر ہمیں یہ تجربہ ذاتی بھی نہ ہوتا تو بھی ہم شکر گذاری کے لیے بہت سے سامان پاتے ہیں اور علاوہ بریں یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو اس قدر اقبال مندی اور غیر ملکوں پر اس قدر فتوحات نہیں دیتا جب تک اس میں خوبی نہ ہو اور یہ تو ایک کُھلی کُھلی بات ہے کہ اس وقت اگر گورنمنٹ نہ ہو تو سب کے سب آپس ہی میں لڑ کر مر جاویں۔ یہ ایسا ثالث ہے کہ اُس نے اپنے انصاف اور اقبال سے باہمی جھگڑوں سے بچا لیا ہے۔ ہماری جماعت کا ہر ایک آدمی سوچ کر دیکھ لے کہ کیا اس کا کسی اَور جگہ گذارہ ہو سکتا ہے۔ وہ اگر اس سلطنت کے سایہ میں نہ ہو تو اس کے دشمن اسے قسم قسم کے عذاب دے کر ہلاک کر دیں۔ اگر کوئی جاہل یہ سمجھے کہ ہاں کسی اور جگہ گذارہ ہو سکتا ہے تو مَیں اُسے حیوانات میں سمجھتا ہوں۔

---

[1] بدر سے:۔ "مَیں نے سُنا ہے کہ اس کے پاس میرے برخلاف سفارشیں کی گئیں تو اس نے جواب دیا کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی کہ مَیں ایک شریف آدمی کو بے گناہ سزا دوں۔ پس اس نے مجھے عزت کے ساتھ بَری کیا اور عدالت میں مجھے مبارکباد کہی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۸ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

دن رات ہم اپنے منصب کی وجہ سے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ عیسائی مذہب کی غلطیوں سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ہم اس کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن گورنمنٹ کو باوجود عیسائی ہونے کے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کے احسانوں میں سے ایک نشان ہے جو اُس نے ہمارے لیے ظاہر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس درخت کا نشوونما کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اچھی زمین تجویز ہوتی ہے جہاں وہ لگایا جاتا ہے اور اس کی آبپاشی اور نشوونما کے دوسرے سامان وہاں اُسے بہم پہنچائے جاتے ہیں اور جسے ستیاناس کرنا چاہتا ہے اُسے ایسی زمین میں جگہ ملتی ہے جہاں وہ کچلا جاتا ہے۔ پس اسی طرح پر یہ بیج جو ہمارے سلسلہ کا بیج ہے ایسی زمین میں لگایا گیا ہے جو اس کی ترقی اور نشوونما کے لیے بہت ہی مفید اور مبارک ہے کیونکہ یہاں کوئی آفت اسکو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ اپنے دشمنوں سے محفوظ ہے اور اس کا بڑا بھاری ذریعہ یہ گورنمنٹ ہے جبکہ یہ احسان ہم پر ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس احسان شناسی کے بعد اس کا شکریہ ادا کریں کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمٰن : ۶۱)

اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ مسلمان احسان کرے تو اس کے بدلہ میں احسان کرو اور اگر غیر مذہب والا کرے تو نیش زنی کرو۔ یہ تو خبیث کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ کوئی ہو جو احسان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ احسان کرنا فرض ہے۔ احسان کی تو یہ طاقت ہے کہ اگر ایک کُتّے کو تم ٹکڑا ڈال دو تو وہ بار بار تمہاری طرف آئے گا خواہ تم اُسے مار کر بھی نکالو مگر وہ تمہیں دیکھ کر اس احسان کے شکریہ کے لیے دُم ہلا دے گا۔ پھر وہ انسان تو کُتّے سے بھی بدتر ہے جو انسان ہو کر احسان شناسی سے کام نہیں لیتا۔

مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان نادان، تنگ خیال اور سفلہ مزاج ملاؤں سے نفرت اور پرہیز کریں جو بغاوت پسند ہیں اور ناحق خون کر کے غازی بنتے ہیں[1]۔ میری جماعت کے ہر فرد کو لازم ہے کہ وہ گورنمنٹ کی قدر کریں اور پوری اطاعت اور وفاداری کے ساتھ اس کے احسانات کے شکر گذار ہوں اور یقیناً سمجھیں کہ جو شخص مخلوق کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ کا شکر گذار بھی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پنجاب کو منتخب کرنے کی حکمت

غرض اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے

ایک یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت میں قائم کیا جو آزادی پسند اور امن دوست گورنمنٹ ہے اور اللہ تعالےٰ کے احسانات میں سے یہ دوسرا احسان ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو پنجاب میں قائم کرنا پسند فرمایا اور اس سرزمین کو اس کے لیے منتخب کیا۔ ہندوستان بھی تو تھا پھر کیا وجہ ہے اور اس میں کیا

---

[1] بدر سے :۔ "ان کے کام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھو" (بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۹)

حکمت ہے کہ پنجاب کو ترجیح دی؟ اس میں جو حکمت ہے وہ تجربہ سے معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پنجاب کی زمین نرم ہے اور اس میں قبولِ حق کا مادہ ہندوستان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ مجھے کئی مہینے تک دلّی اور دوسری جگہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے مگر انہوں نے قبول نہیں کیا اور برخلاف اسکے پنجاب میں لوگوں نے مجھے اس وقت قبول کیا جب دوسروں نے نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے انکو اپنے دعویٰ کے دلائل سناتے قرآن اور حدیث کو انکے سامنے پیش کیا، نشانات پیش کئے مگر انہوں نے نہیں مانا (الا ماشاء اللہ) پس یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس ملک میں اُس نے اِس سلسلہ کو قائم کیا۔ علاوہ بریں یہ ملک حق رکھتا تھا کہ یہ سلسلہ قائم ہو کیونکہ چالیس پچاس برس تک سکھوں کا دھکا کھا چکا تھا۔ بچوں کو تو ان دکھوں اور تکلیفوں کی خبر نہیں اور میں بھی اس وقت بچہ تھا۔ اس لیے پورا علم تو نہیں مگر جس قدر علم مجھے ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا رؤیت کا علم ہوتا ہے۔ اس وقت اگر بانگ دی جاتی تو اس کی سزا بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی تھی کہ بانگ دینے والا قتل کیا جاوے۔ حالانکہ یہ لوگ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جب وہ سنکھ وغیرہ بجاتے ہیں تو ہم کبھی اُن کے مزاحم نہیں ہوتے اور نہ انہیں تکلیف دیتے ہیں مگر بانگ سے انہیں ایسی ضد تھی کہ جونہی کسی نے دی وہ قتل کیا گیا۔ جس جگہ میں اس وقت کھڑا ہوں یہ کاروباروں کی جگہ تھی اور دارالحکومت نہیں بلکہ دارالظلم تھا۔ جب انگریزی عدالت کا شروع شروع میں دخل ہوا۔ اس وقت یہاں ایک کاردار رہتا تھا[1]۔ اس کا ایک سپاہی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ اُس نے مُلّاں کو کہا کہ بانگ دے۔ مگر مُلّاں نے بہت ہی آہستہ آہستہ بانگ کہی۔ سپاہی نے کہا کہ اونچی آواز سے بانگ کیوں نہیں دیتا جو دوسروں تک بھی پہنچ جائے؟ مُلّاں نے کہا میں اونچی آواز سے بانگ کیونکر دوں کیا میں پھانسی چڑھوں؟ اس پر سپاہی نے کہا کہ نہیں تو کوٹھے پر چڑھ کر بہت اونچی آواز سے بانگ دے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سلطنت کی تبدیلی ہو چکی ہے۔ آخر جب مُلّاں نے سپاہی کے کہنے سے بلند آواز سے اذان دی تو ایک شور مچ گیا اور کاردار کے پاس جاکر شکایت کی گئی کہ ہمارے آٹے بھرشٹ ہو گئے اور ہم اور ہمارے بچے بھوکے رہے۔ ہم پر ظلم ہوا۔ اس پر کاردار نے کہا کہ اچھا پکڑ لاؤ۔ مُلّاں کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ نیک بخت سپاہی بھی مُلّاں کے پیچھے پیچھے گیا۔ جب مُلّاں کاردار کے سامنے گیا تو کاردار نے اُس سے پوچھا کہ تُو نے بانگ دی ہے؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اس نے نہیں دی بانگ تو میں نے دی ہے۔ جب کاردار نے یہ سُنا تو اُس نے شکایت کرنے والوں کو کہا کہ اندر جاکر بیٹھو۔ لاہور میں تو گائے ذبح ہوتی ہے[2]۔

---

[1] بدر سے:۔ "ابتدا میں انگریزوں کا دخل پنجاب پر ہوا اور ہنوز لوگوں کو عام خبر نہ تھی اور کاردار وہی پُرانے تھے اور مقامِ عدالت بھی وہی پُرانے تھے کہ ایک مسلمان سپاہی باہر سے یہاں قادیان میں آیا اور ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔" (بدر جلد ۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۹)

[2] بدر سے:۔ "گورنمنٹ انگریزی کی پہلی برکت تھی جو کہ ہم کو حاصل ہوئی تھی۔ کیونکہ بانگ دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ ہے جو مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

اذان بھی ایک اسلامی دعوت ہے اور اس حالت میں اسلام کی اجمالی دعوت ہے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ مسلمان ہو جاؤ۔ مگر یہ لوگ اسلام کے دشمن تھے۔ اس لیے اس بانگ کے دشمن تھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ہوشیار پور میں ہوا۔ وہاں کسی شخص نے بانگ دی تو اس کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ صاحب ضلع نے اس مقدمہ کو نہایت حیرانی سے سُنا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو حاضر کرو۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو اُسے کہا گیا کہ اچھا بانگ دو اور جس قدر اُونچی آواز سے تم نے وہاں دی ہے اسی قدر آواز سے یہاں بھی دو اور اپنے سررشتہ دار کو بھی کہا کہ تم بھی خیال رکھو اس سے کیا تکلیف ہوتی ہے۔ بانگ دینے والے نے آہستہ آواز سے بانگ دی تو شکایت کرنے والوں نے کہا کہ اس نے اُونچی آواز میں دی تھی اب یہاں آہستہ دیتا ہے۔ تب اسے کہا گیا کہ خوب زور سے دو۔ آخر اُس نے بانگ دی۔ جب وہ ختم کر چکا تو صاحب نے سررشتہ دار سے پوچھا کہ تمہیں کچھ تکلیف ہوئی؟ اس نے کہا کہ نہیں صاحب۔ صاحب نے کہا کہ ہم کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور اُسے کہا کہ جاؤ بیشک جا کر بانگ دو کچھ ہرج نہیں ہے[1]

---

[1] بدر میں یہ واقعہ یوں درج ہے:۔

"مسلمان کے مسجد میں بلند آواز سے اذان کہنے پر تمام پنڈت برہمن جمع ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے مجسٹریٹ ضلع کے پاس پہنچے جو کہ انگریز تھا اور اس کے سامنے شکایت کی کہ ہم پر بڑا سخت ظلم ہوا ہے کہ ایک مسلمان نے بانگ دی ہے اور اس بانگ نے سخت نقصان کیا ہے کیونکہ اس سے ہماری چیزیں بھرشٹ ہو گئی ہیں۔ نہ آٹے گوندھے ہوئے پکانے کے کام کے رہے نہ روٹیاں پکی ہوئی کھانے کے لائق رہیں۔ نہ کپڑا پہننے کے قابل رہا۔ گھر کے سب برتن بھرشٹ ہو گئے۔ مجسٹریٹ دانا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ بڑی پُرتاثیر اذان معلوم ہوتی ہے۔ اس مؤذن کو فوراً بلایا چنانچہ وہ مؤذن طلب کیا گیا اور مجسٹریٹ کے سامنے حاضر ہوا۔ ایک طرف غریب مؤذن اکیلا کھڑا تھا اور دوسری طرف پنڈتوں، برہمنوں اور کھتریوں کے گروہ کے گروہ داد فریاد کرتے ہوئے جمع تھے۔ انگریز نے اس مؤذن کو کہا کہ ہم تمہاری اذان سُننا چاہتے ہیں تم ہمارے سامنے اسی طرح اذان کہو۔ چنانچہ اس نے اذان کہی۔ صاحب نے کہا کہ اس اذان سے تو کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوتی اور ہندوؤں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا اس مُلّاں نے اسی طرح اذان بانگ دی تھی؟ اس پر سب برہمن اور اُن کے ساتھی چلّا اُٹھے کہ نہیں حضور وہ بانگ تو بلند آواز سے تھی۔ تب مجسٹریٹ نے کہا کہ تم نے یہ بانگ بہت آہستہ کہی ہے۔ تم بلند آواز سے بانگ کہو۔ تب اس نے بہت بلند آواز سے بانگ کہی جس کو مجسٹریٹ نہایت غور سے سُنتا رہا اور بعد ختم ہونے کے تعجب کے ساتھ اپنے سررشتہ دار کی طرف منہ کر کے کہنے لگا کہ اس بانگ سے تو ہمارا کچھ بھرشٹ نہیں ہوا۔ کیا تم پر کوئی ایسا اثر ہوا ہے کہ تمہاری کوئی چیز بھرشٹ ہو گئی ہو؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

پُرامن دورِ حکومت

اب خیال کرو کہ انگریزوں کا قدم کس قدر مبارک ہے اور ان کے آنے سے کس قدر ترقیات ہوئی ہیں۔ کتابوں کی اشاعت ہی کی طرف دیکھو کیسی ہو رہی ہے۔ ایک شخص کہتے شاہ نام کہنے لگا کہ میرے مُرشد ہمیشہ صحیح بخاری کی تلاش میں رہا کرتے تھے اور پنج وقت اس کے ملنے کے لیے دُعا کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی مایوس ہو کر رونے لگتے تھے اور اس قدر روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور اب یہ حال ہے کہ صحیح بخاری تین چار روپے کو مِل جاتی ہے۔ لیکن اُس وقت یہ حال تھا کہ کسی ملّاں کے پاس بھی اگر کوئی کتاب ہو تو بس کنز، قدوری، کافیہ تک ہی اس کی تعداد ہو سکتی تھی اور اس وقت اس قدر خزانے نکل آئے ہیں کہ کوئی ان کو گن بھی نہیں سکتا۔

غرض میں سچ کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کا قدم ڈالنا اس سلسلہ کے لیے بطور ارہاص تھا۔ ارہاص یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز کے ظہور سے پہلے علامات ظاہر ہوں[1]۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ یہ کیسے صاف صاف نشان ہیں۔ کتابوں کے ذخیرے نکل آئے۔ ان کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہر قسم کی آسانیاں ہو گئیں۔ ارکانِ مذہبی کے ادا کرنے میں کوئی روک اور مزاحمت نہیں۔ کوئی بانگ اور نماز سے روک نہیں سکتا یا تو وہ وقت تھا کہ گائے کے بدلے خون ہو جاتے تھے مجھے معلوم ہے کہ ایک دفعہ سکھوں کے عہد میں محض ایک جانور کے لیے سات ہزار آدمی مارے گئے۔ اور بٹالہ کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ بھنڈاری جو وہاں کے رئیس ہیں ان کی حکومت تھی۔ ایک سید شام کو دروازے میں داخل ہوا تو وہاں گائے بھینسوں کا بڑا ہجوم تھا۔ اُس نے تلوار کی نوک سے ایک گائے کو ہٹایا۔ جس کی وجہ سے اس کی دُم کے پاس ذرا سی خراش ہو گئی۔ برہمن اُسے پکڑ کر لے گئے اور اس جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ اس قسم کے ظلم اور سختیاں ہوتی تھیں۔ اب بتاؤ کہ ہم لوگ جنہوں نے اس قدر مصیبتیں اُٹھائی ہیں اگر اس کا انکار کریں[2] تو پھر خدا کا انکار کرنے والے ٹھہریں گے۔ اس وقت ایسا امن ہے کہ جو چاہے اور جس طرح چاہے عبادت کرے، بانگ دے، کوئی روکنے والا نہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ خدا تعالےٰ کی اس نعمت (گورنمنٹ انگلشیہ) کا شکریہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

سررشتہ دار ہنسا اور کہا کہ کچھ نہیں۔ تب مجسٹریٹ نے کہا کہ یہ پنڈت شریر معلوم ہوتے ہیں۔ ان سب کے مچلکے لیے جاویں اور اگر آئندہ کوئی ایسی شرارت کریں تو اُن کو سزا دی جاوے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۲۰۰۹ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

---

[1] بدر سے :- "کسی امر کے ظہور سے پہلے مقدمہ اور پیش خیمہ ہوتا ہے۔ انگریزوں کا آنا اسلام کی ترقی کا مقدمہ ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۶)

[2] بدر سے :- "اگر اب اس نعمت کا انکار کریں تو خدا کا انکار ہوگا۔ کیونکہ خدا ہی نے یہ نعمت بھیجی ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۹)

ادا کریں اور اس کی قدر کریں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے جیسا شکر گذاری کا حق تھا ادا نہیں کیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب امن ہو گیا تھا تو خدا تعالےٰ کی طرف زیادہ توجہ کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے۔ مگر نماز تو درکنار بانگ تک کے روادار نہیں ہیں بلکہ ناگفتنی عیبوں میں مبتلا ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ امن تو اس لیے تھا کہ نیکی میں ترقی کریں مگر انہوں نے اس کے برخلاف کیا۔ یہ سچ ہے کہ امن کی حالت دو پہلو رکھتی ہے خواہ انسان نیکی میں ترقی کرے یا شراب خانے میں چلا جاوے مگر میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ مگر ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائے[1]

حالتِ زمانہ ضرورتِ امام کی داعی ہے

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ پنجاب میں یہ سلسلہ کیوں قائم ہوا؟ سکھوں کا زمانہ ایسا تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ میں قریش کا زمانہ تھا۔ اب تک بھی کہ ان کے عہد کو گذرے پچاس ساٹھ سال ہونے کو آئے پھر بھی دوسرے ہندوؤں کی نسبت ان کی حالت وحشیانہ پائی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسانی فطرت کا تنزل ہو گیا تھا اور قریب تھا کہ لوگ جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے لگیں۔ صرف دُم کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ مسلمانوں سے بعض کی حالت یہانتک پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے کچھ پہن لی تھی اور سکھ ہو گئے تھے اس لیے یہ ملک حق رکھتا تھا کہ خدا تعالیٰ اس سلسلہ کو یہاں ہی قائم کرتا کیونکہ جو ملک زیادہ جہالت میں ہو اس کا حق ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح ہو یہی وجہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کا حق سب سے بڑھ کر تھا کیونکہ وہاں کی حالت ایسی خراب ہو چکی تھی کہ کسی دوسری جگہ اس کی نظیر پائی نہیں جاتی تھی۔ ان کی حالت ایسی وحشیانہ تھی کہ اس کو بیان کرتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ وہ بالکل خلیع الرسن ہو چکے تھے۔ قمار باز وہ تھے۔ شرابخور وہ تھے۔ یتیموں کا مال مار کر کھا جاتے تھے۔ زنا کرنے میں دلیر اور بے باک تھے۔ غرض خیانت، بد دیانتی اور ہر قسم کے فسق و فجور اور معصیت

---

[1] بدر سے :- "اس قدر امن پاکر تو مسلمانوں کو لازم تھا کہ اور بھی زیادہ دین کی طرف توجہ کرتے لیکن برخلاف اس کے اب تو مساجد بھی خالی پڑی ہیں۔ پہلے تو یہ شکایت تھی کہ سکھ اذان نہیں کہنے دیتے اور اب یہ ہے کہ اذان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ دنیا کے جھگڑوں میں اور ناگفتنی عیبوں میں ایسے مبتلا ہوئے ہیں کہ دین کو بالکل بھول ہی گئے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ نیکی میں ترقی کرتے نہ کہ بدی میں۔ امن کی حالت میں انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ خواہ مساجد کو آباد کرے اور خواہ قمار خانے کو۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان نیکی کی طرف نہیں جھکے اور انہوں نے بدی کو اختیار کیا ہے مگر ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ ایسا نہ کرے بلکہ اس امر کی قدر دانی کرے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۹ - ۱۰ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

میں دلیر تھے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہی آتے جہاں نہ حقوق اللہ کی پروا کی جاتی تھی اور نہ حقوق العباد کی کوئی رعایت باقی تھی۔ جیسا کہ میں نے کل ذکر کیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے جو یہ ذکر قرآن مجید میں کیا ہے کہ اگلے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت ایسے ایسے خبیث موجود تھے کہ اُن کی مختلف بدیاں ذکر کی ہیں اور پھر اس کے بعد یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر بدیاں مختلف اوقات میں پیدا ہوئیں وہ آپ کے وقت میں سب جمع ہوگئی تھیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زمانہ بالطبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کو پکار پکار کر بیان کر رہا تھا اور یہ ایک امر آپ کی سچائی کی دلیل ہے اور یہ ایسی واضح دلیل ہے کہ اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ عام طور پر سب جانتے ہیں کہ جب مثلاً کوئی بیماری درجۂ کمال تک پہنچ جاوے اور وہ ایسی عالمگیر ہو جاوے کہ ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگے تو عادت اللہ یہی ہے کہ اس وقت کوئی نہ کوئی علاج اس کا نکل آتا ہے اور گورنمنٹ کو بھی اس کے انسداد اور علاج کی طرف خاص توجہ ہونے لگتی ہے وہ دیکھتی ہے کہ یہ اندھیر ہوا کہ موت ہی موت ہونے لگی۔ اسی طرح پر روحانی نظام ہے جب کسی ملک اور قوم کی حالت بگڑ جاتی ہے اور وہ انسانیت کے جامہ سے نکل کر وحشیانہ حالت میں آجاتی ہے اور ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کا کوئی سامان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بالکل صاف بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل

پس جب عرب کی حالت ایسی خراب ہوگئی تو ضروری تھا کہ اس کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کامل انسان کو بھیجتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ جو ایسے وقت آئے کہ دنیا آپ کی اصلاح کے لیے پکار رہی تھی۔ یہ خدا تعالیٰ کے رحم کا تقاضا تھا اور مسلمانوں کے لیے یہ فخر اور ناز کا مقام ہے کہ آپکی بعثت کے وقت زمانہ کی حالت آپکی سچائی کی ایک روشن دلیل ہے پھر اسکے بعد آپ نے جو اصلاح کی وہ بھی آپکی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ جب ایک طبیب بیماروں میں آوے اور مختلف قسم کے مریض موجود ہوں۔ کوئی طاعون میں مبتلا ہو۔ کوئی دق سل کا شکار اور کوئی ذات الریہ اور ذات الجنب وغیرہ میں اور پھر وہ طبیب اپنے علاج سے اکثروں کو اچھا کر دے تو اس کے حاذق اور ڈاکٹر ماننے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ بلا تکلف ماننا پڑیگا کہ وہ کامل طبیب ہے لیکن جبکہ وہ سب ہی کو اچھا کر دے اور جو دعویٰ کرے اس کو پورا کر دکھائے اور ایسا کہ اس کی نظیر ہی نہ مل سکے تو پھر اس کے کمال میں کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے راستباز اور اپنے فن میں یکتا ماننا پڑے گا۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ وہ ایسے وقت آئے کہ ضرورت پکار رہی تھی اور پھر اپنی تاثیرات سے ان تمام روحانی مریضوں کو جو اس وقت پڑے ہوئے تھے اچھا کر دیا۔ میں دیکھتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دو دلیلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سچائی کی ایسی جمع ہوئی ہیں کہ نہ حضرت موسیٰ کو ملیں اور نہ حضرت عیسیٰ کو (علیہما السلام) سب جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایسی قوم میں آئے جو تورات پڑھتے تھے اور فقیہوں فریسیوں کے تابع تھے۔ یہ سچ ہے کہ ان میں غافل دُنیا دار بھی تھے لیکن پھر بھی تورات پڑھی جاتی تھی۔ بیت المقدس قبلہ موجود تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں آئے وہ تو کسی بات کے بھی قائل نہ تھے نہ اُن میں کوئی شریعت تھی اور نہ وہ کسی کتاب کے قائل اور پابند بلکہ اکثر تو خدا تعالیٰ کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے۔

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیۃ: ۲۵)

وہ جو کچھ سمجھتے تھے اسی دنیا کو سمجھتے تھے کہ آگے جاکر کسی نے کیا دیکھا ہے۔ یہی دُنیا ہی دُنیا ہے۔ اس آیت میں دہر کا لفظ اسی لیے بیان کیا ہے تاکہ ظاہر کیا جاوے کہ وہ دہریہ تھے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت عرب میں قریباً تمام بیہودہ اور باطل مذہب جمع ہوئے تھے۔ وہ گویا ایک چھوٹا سا نقشہ تھا جو گندے اور افراط تفریط کے طریق تھے۔ وہ عملی طور پر اس میں دکھائے گئے تھے۔ جیسے کسی ملک کا نقشہ ہو۔ اس میں سب مقام موٹے موٹے دکھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہاں کی حالت تھی۔ یہ کیسی بڑی روشن دلیل آپ کی سچائی کی ہے کہ ایسی قوم اور ایسے ملک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ جو انسانیت کے دائرہ سے نکل چکا تھا۔

میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ خواہ کیسا ہی پکا دشمن ہو اور خواہ وہ عیسائی ہو یا آریہ جب وہ ان حالات کو دیکھے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کے تھے اور پھر اس تبدیلی پر نظر کرے گا جو آپ کی تعلیم اور تاثیر سے پیدا ہوئی تو اسے بے اختیار آپ کی حقانیت کی شہادت دینی پڑے گی۔ موٹی سی بات ہے کہ قرآن مجید نے اُن کی پہلی حالت کا تو یہ نقشہ کھینچا ہے۔ يَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمد: ۱۳) یہ تو ان کی کفر کی حالت تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تاثیرات نے ان میں تبدیلی پیدا کی تو ان کی یہ حالت ہوگئی يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان: ۶۵) یعنی وہ اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے راتیں کاٹ دیتے ہیں جو تبدیلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے وحشیوں میں کی اور جس گڑھے سے نکال کر جس بلندی اور مقام تک انہیں پہنچایا۔ اس ساری حالت کے نقشہ کو دیکھنے سے بے اختیار ہو کر انسان رو پڑتا ہے کہ کیا عظیم الشان انقلاب ہے جو آپ نے کیا۔ دُنیا کی کسی تاریخ اور کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ نری کہانی نہیں۔ یہ واقعات ہیں جن کی سچائی کا ایک زمانہ کو اعتراف کرنا پڑا ہے۔

(۴) قرآن مجید تو ایسی کتاب ہے کہ وہ ان میں پڑھی جاتی تھی اور یہ سب باتیں اس میں درج ہیں۔ کفار سُنتے تھے جہاں وہ اس کی مخالفت کے لیے ہر قسم کی کوششیں کرتے تھے۔ اگر یہ باتیں غلط ہوتیں تو وہ آسمان سر پر اُٹھا لیتے کہ یہ ہم پر اتہام اور الزام ہے۔ یہ معمولی بات نہیں بلکہ بہت ہی قابلِ غور مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سچائی پر ہزاروں ہزار دلائل ہیں۔ لیکن یہ پہلو آپ کی حقانیت کے ثبوت میں ایک علمی پہلو ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور جس دلیل کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ یا تو عربوں کی وہ حالت تھی اور یا یہ تبدیلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ[1] اللہ تعالیٰ کے نام سے ناواقف اور اس سے دُور پڑی ہوئی قوم کو اس مقام تک پہنچا دینا کہ پھر ان کی نظر ماسوی اللہ سے خالی ہو جاوے۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے۔

(۳) پھر آپ کی حقانیت پر ایک اور دلیل بھی عجیب تر ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں پائی نہیں جاتی اور وہ آپ کے دیئے ہوئے مذہب کا زندہ مذہب ہونا ہے۔ زندہ مذہب وہ مذہب ہوتا ہے جس کی زندگی کے آثار ہر وقت ثابت ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے ثمرات اور برکات اور تاثیرات کبھی مُردہ نہیں ہوتے بلکہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پائے جاتے ہیں۔ جو درخت خریف کے دنوں میں ٹنڈ ہو جاتے ہیں اور کوئی پھل پھُول اور پتا ان کا نظر نہیں آتا بلکہ نری خشک لکڑیاں نظر آتی ہیں انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھلدار درخت ہے[2]۔ لیکن جب ربیع کا موسم شروع ہوتا ہے اور خزاں کا دَور ختم ہو جاتا ہے تو پھلدار درختوں کی شان ہی الگ ہوتی ہے۔ ان میں پھل پھُول شروع ہو جاتے ہیں جیسے یہ خریف اور ربیع کا دَور جسمانی رنگ میں ہے اسی طرح پر رُوحانی طور پر دین میں بھی خریف اور ربیع کے دو سلسلے ہوتے ہیں۔ ایک صدی جب گذر جاتی ہے تو لوگوں میں سُستی اور غفلت اور دین کی طرف سے لاپرواہی شروع ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوریاں اور عملی اور اعتقادی غلطیاں اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ زمانہ غفلت اور لاپرواہی کا خریف کے زمانہ سے مشابہ ہوتا ہے[3]۔ اس کے بعد دوسرا دَور شروع ہوتا ہے اور یہ ربیع کا زمانہ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک مجدد کو بھیج دیتا ہے جو نئے سرے سے دین کو تازہ کرتا ہے۔

پس یہ مجدد کا اور اسلام کا تازہ بتازہ رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ اسی سے اس مذہب کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ غور کرو کہ جن باغوں کے لیے خریف ہی ہو اور ربیع میں وہ اپنا کوئی نمونہ

---

[1] بدر سے :- "میرے اصحاب میں اللہ ہی اللہ ہے۔ ان کا رنگ ہی بدل گیا تھا"
(بدر جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

[2] بدر سے :- "اس وقت کوئی شناخت نہیں کر سکتا کہ ان درختوں کے درمیان پھل دینے والا زندہ درخت کونسا ہے اور مُردہ درخت کونسا ہے"
(بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے :- "مرورِ زمانہ سے وہ اصلیت نہیں رہتی۔ چھ سات دن میں تو بدن کا کپڑا بھی مَیلا ہو جاتا ہے"
(بدر حوالہ مذکور)

دکھائیں اور ان میں تازگی اور شگفتگی پیدا نہ ہو۔ پھر وہ کیا پھیں گے۔ آخر وہ تو کاٹ کر جلا لیے جائیں گے۔ یہی حال اس وقت دوسرے مذاہب کا ہو رہا ہے۔ ان پر خزاں کا اثر تو ہو چکا مگر ربیع کا دَور اُن میں نہیں آتا۔ اور خود انکے ماننے والے تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں وہ برکات، تاثیرات اور ثمرات جو ایک زندہ مذہب میں ہونے چاہئیں، نہیں ہیں تو پھر ان کی اپنی شہادت کے موجود ہوتے ہوئے کسی اور دلیل کی کیا حاجت ہے؟

ہندو مذہب اور عیسائیت

ہندوؤں اور عیسائیوں کے مذہب پر تو خزاں کا تصرف اور دخل ہو چکا۔ ان میں کوئی تاثیرات اور نشانات نہیں ہیں۔ مَیں علانیہ کہتا ہوں کہ ان میں زندہ مذہب کی برکات نہیں ہیں۔ اگر مَیں جھوٹ کہتا ہوں تو مَیں ہر سزا کے لیے جو وہ میرے لیے تجویز کریں تیار ہوں، لیکن سچ یہی ہے کہ وہ روحانیت سے خالی ہیں اور بالکل مر چکے ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار بالکل نہیں۔ وہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں اور ان مذاہب کو ماننے والے صرف ایک مُردہ کو لیے ہوئے ہیں کیونکہ وہ خدا جس پر کامل یقین اس سے سچا تعلق پیدا کر دیتا ہے اور جس تعلق سے پھر نجات ملتی ہے وہ اُن کے نزدیک ایک وہمی ہستی ہے جس پر کوئی روشن دلیل نہیں ہے۔ کیا کوئی ان میں ایسا شخص ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کو خود بولتے سُنا ہے؟ اس نے میری دُعاؤں کا جواب دیا ہے؟ یا اُس نے اپنے فضل سے غیروں میں امتیاز کے لیے کوئی خارق عادت نشانات ایسے دیئے ہیں جس سے اس میں اور اس کے غیروں میں امتیاز قائم ہو جاوے اگر کوئی ایسا شخص ہے تو اس کا نشان دو۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس امر کے تسلیم کرنے میں سب طرح[1] سے کام نہ لو کہ فی الحقیقت یہ مذہب خزاں کا نشانہ ہو چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی ہستی پر جیسی یہ واضح دلیل ہے کہ خود وہ اپنے بندے سے کلام کرے اور نشانات ظاہر ہوں اور کوئی دلیل اس کے مقابلہ میں نہیں آسکتی باقی صرف قیاسات ہیں۔

آریوں کے عقیدہ کے موافق خدا کی ہستی پر کوئی دلیل نہیں

ویدکی رو سے یہ طے شدہ امر ہے

کہ اب کوئی نشان ظاہر نہیں ہو سکتا اور خدا تعالیٰ کسی سے کلام نہیں کرتا اور خواہ کوئی شخص کتنا ہی اُسے پکارے اس کی پکار کا جواب اُسے مل ہی نہیں سکتا۔ کبھی ایک بار خدا تعالیٰ نے کلام کیا تھا مگر اب وہ خاموش ہے۔ جب یہ اُصول اور عقیدہ ہو تو بتاؤ اس سے انسان کو خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین لانے کے لیے کیا تسلی ہو سکتی ہے اور اس سے وہ یقین کیونکر پیدا ہو سکتا ہے جس سے انسان حقیقی نجات حاصل کرے۔

یہ تو سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانے کے لیے دلائل کی حاجت ہے اگر مصنوعات اور

---

[1] نقل مطابق اصل

مخلوقات اس کے وجود پر دلائل ہیں، مثلاً یہ کہ چاند سورج بطور نشان کے ہیں تو اُن کے عقیدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یہ دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے مذہب کے موافق ارواح یعنی جیو خود بخود ہیں اور وہ انادی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا۔ جب وہ پیدا شدہ ہی نہیں ہیں تو اپنے پیدا کرنے والے پر دلیل کس طرح ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح پران کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ذرات جن کو اجسام کہتے ہیں یہ بھی خود بخود ہیں۔ پرمیشر کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ ان کو جوڑ جاڑ دیتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب وہ عظیم الشان کام خود بخود ہیں تو جوڑنے جاڑنے کے لیے اس کی کیا حاجت ہے وہ بھی خود بخود ہو جائے گا۔ اس لیے آریوں کے عقیدہ کے موافق پرمیشر کے وجود پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر ان سے پوچھا جاوے کہ پرمیشر کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ تو جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں۔ نہایت کار وہ یہ کہیں گے کہ وہ ارواح اور مواد کو جوڑتا جاڑتا ہے۔ سو یہ کچی اور بیہودہ بات ہے۔ کوئی عقلمند انسان اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا۔

اسلام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت

برخلاف اس کے اسلام یہ سکھاتا ہے کہ کوئی چیز خود بخود نہیں خواہ وہ

ارواح ہوں یا اجسام، سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز کا مبدء فیض اور سرچشمہ وہی ہے۔ اس لحاظ سے اس کے مصنوعات پر نظر کر کے ہم اس کو پہچان سکتے ہیں۔ پس یہ دلیل اگر کام دے سکتی ہے اور مفید ہو سکتی ہے تو مسلمانوں کے لیے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی معرفت مسلمانوں کو نہیں دی بلکہ اپنی شناخت اور معرفت کے اور بہت سے نشانات ان کو دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس: ۶۵)

اور پھر فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱)

یعنی جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر انہوں نے استقامت دکھائی اور کوئی مشکل اور مصیبت انہیں اس اقرار سے پھرا نہیں سکی ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ یہ بڑا بھاری طریق ہے خدا کو پہچاننے کا۔ اس سے وہ یقین پیدا ہوتا ہے جو انسان کو نجات کا وارث بنا دیتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے وجود پر کامل یقین پیدا ہو جاوے تو انسان کی زندگی میں ایک معجزہ نما تبدیلی ہوتی ہے وہ گناہ آلود زندگی سے نکل آتا ہے اور پاکیزگی اور طہارت کا جامہ پہن لیتا ہے اور یہی نجات ہے جو اس کو گناہ سے بچا لیتی ہے۔ اس کے ثمرات اور برکات خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور توکل پیدا ہونے لگتے ہیں اور معجزات اور نشانات مشاہدہ کرائے جاتے ہیں۔

اب چونکہ زمین و آسمان پر مدت ہائے دراز گذر گئی ہیں اس لیے نرا اُن کا وجود یقین کے لیے کافی نہیں۔ اگر یہ کافی

ہوتے تو لوگ دہریہ کیوں بنتے؟[1] مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ دوسرے لوگ دہریوں کو خدا تعالیٰ کی ہستی پر قائل نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے سامنے لاؤ۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مان جاوینگے مگر ہم یہ دعویٰ سے کہتے ہیں کہ وہ لاجواب ہو جائیں گے۔ وہ طریق جس سے ہم دہریوں اور دوسروں پر حجت قائم کرتے ہیں وہ کیا ہے؟ خدا تعالیٰ کے اقتداری نشان اور اقتداری پیشگوئیاں۔ اسلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور رحم ہے کہ ایک سچا مسلمان یہانتک ترقی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کو مکالمہ مخاطبہ نصیب ہو جاتا ہے مگر یہ سب کچھ تقویٰ سے نصیب ہوتا ہے۔

تقویٰ تمام دینی علوم کی کُنجی ہے

جہاں قرآنِ شریف میں تقویٰ کا ذکر کیا ہے وہاں بتایا ہے کہ ہر ایک علم (اس سے اُخروی علم مراد ہے زمینی اور دنیوی علم مراد نہیں) کی جڑ تقویٰ ہی ہے اور تمام نیکیوں کی جڑ یہی تقویٰ ہے متقی کا خدا تعالیٰ خود متکفل ہوتا ہے اور اس کے لیے عجیب در عجیب نشان ظاہر کرتا ہے۔ قرآن شریف نے شروع میں ہی فرمایا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۳) پس قرآن شریف کے سمجھنے اور اس کے موافق ہدایت پانے کے لیے تقویٰ ضروری اصل ہے۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ: ۸۰) دوسرے علوم میں یہ شرط نہیں۔ ریاضی، ہندسہ وہیئت وغیرہ میں اس امر کی شرط نہیں کہ سیکھنے والا ضرور متقی اور پرہیزگار ہو۔ بلکہ خواہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہو وہ بھی سیکھ سکتا ہے مگر علمِ دین میں خشک منطقی اور فلسفی ترقی نہیں کر سکتا اور اس پر وہ حقائق اور معارف نہیں کھل سکتے جس کا دل خراب ہے اور تقویٰ سے حصہ نہیں رکھتا اور پھر کہتا ہے کہ علومِ دین اور حقائق اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہرگز ہرگز اُسے دین کے حقائق اور معارف سے حصہ نہیں ملتا بلکہ دین کے لطائف اور نکات کے لیے متقی ہونا شرط ہے جیسا کہ یہ فارسی شعر ہے:۔

عروسِ حضرتِ قرآں نقاب آنگہ بردارد
کہ دارالملکِ معنی را کند خالی زہر غوغا

جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اور دارالملکِ معنے خالی نہ ہو، وہ غوغا کیا ہے؟ یہی فسق و فجور دنیا پسندی ہے۔ ہاں یہ جُدا امر ہے کہ چور کی طرح کچھ کہلائے تو کہہ دے۔[2] لیکن جو روح القدس سے بولتے ہیں وہ بجز تقویٰ کے

---

[1] بدر سے:۔ "خدا تعالیٰ کی شناخت کے واسطے یہ ایک بڑا طریق ہے کہ نشانات کا مشاہدہ کرایا جاوے۔ جب ایک سلسلہ نشانات اور کرامات کو مدت دراز گذر جاتی ہے تو لوگ دہریہ مزاج ہو جاتے ہیں اور بیہودہ باتیں بنانے لگتے ہیں۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۱۷ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

[2] بدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام کیا ہے کہ فسق و فجور اور شماتت کیساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں بولتے یہ خوب یاد رکھو کہ تقویٰ تمام دینی علوم کی کُنجی ہے۔ انسان تقویٰ کے سوا ان کو نہیں سیکھ سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ (البقرۃ: ۲-۳) یہ کتاب تقویٰ کرنے والوں کو ہدایت کرتی ہے اور وہ کون ہیں؟ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (البقرۃ: ۴) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی ابھی وہ خدا نظر نہیں آتا اور پھر نماز کو کھڑی کرتے ہیں یعنی نماز میں ابھی پُورا سرور اور ذوق پیدا نہیں ہوتا تاہم بے لطفی اور بے ذوقی اور وساوس میں ہی نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ تجھ پر یا تجھ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ متقی کے ابتدائی مدارج اور صفات ہیں۔ جیسا کہ مَیں نے ایک مرتبہ بیان کیا تھا بظاہر یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ جب وہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، خرچ کرتے ہیں اور ایسا ہی خدا کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، پھر اس کے سوائی ہدایت کیا ہوئی؟ یہ تو گویا تحصیل حاصل ہوئی۔ يُنفِقُونَ میں دونوں باتیں داخل ہیں۔ یعنی دوسروں کو روٹی یا کپڑا یا مال دیتا ہے اور یا قومی خرچ کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارتیں اور یہ الفاظ اسی حد تک جو بیان کی گئی ہیں انسان کے کمال سلوک اور معرفتِ تامہ پر دلالت نہیں کرتے۔ اگر ہدایت کا انتہائی نقطہ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ہی تک ہو تو پھر معرفت کیا ہوئی[1]؟ اس لیے جو شخص قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہوگا وہ معرفت کے اعلیٰ مقام تک پہنچے گا۔ اور وہ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ سے نکل کر مشاہدہ کی حالت تک ترقی کرے گا گویا خدا تعالیٰ کے وجود پر عین الیقین کا مقام ملیگا۔

اسی طرح پر نماز کے متعلق ابتدائی حالت تو یہی ہوگی جو یہاں بیان کی کہ وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں یعنی نماز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کسی کو دینی علوم بھی حاصل ہو جائیں۔ ہاں چور کی طرح کوئی دوسروں کی بات لے کر بیان کر دے تو وہ مالِ مسروقہ ہے لیکن وہ کلام جو رُوح القدس کی تائید کے ساتھ ہوتا ہے وہ تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ تمام دینی علوم کی کُنجی تقویٰ ہی ہے۔"

(بدر جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۱۷ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء)

---

[1] بدر سے:۔ "پہلا ایمان غیب پر ہے لیکن اگر ایمان صرف غیب تک محدود رہے تو اس میں کیا فائدہ؟ وہ تو ایک سُنی سُنائی بات ہے۔ اس کے بعد معرفت اور مشاہدہ کا درجہ حاصل کرنا چاہیئے جو کہ اس ایمان کے بعد رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام کے عطا ہوتا ہے اور انسان کی حالت غیب سے منتقل ہو کر علمِ شہود کی طرف آجاتی ہے جن باتوں پر وہ پہلے غیب کے طور پر ایمان لاتا تھا اب ان کا عارف بن جاتا ہے اور اس کو رفتہ رفتہ وہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ پس غیب پر ایمان لانے کو آگے ترقی دی جاتی ہے اور وہ مشاہدہ کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

گویا گری پڑتی ہے گرنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ذوق اور لذت نہیں بے ذوقی اور وساوس کا سلسلہ ہے اس لیے اس میں وہ کشش اور جذب نہیں کہ انسان جیسے بھوک پیاس سے بیقرار ہو کر کھانے اور پانی کے لیے دوڑتا ہے اسی طرح پر نماز کے لیے دیوانہ وار دوڑے، لیکن جب وہ ہدایت پاتا ہے تو پھر یہ صورت نہیں رہے گی اُس میں ایک ذوق پیدا ہو جائے گا۔ وساوس کا سلسلہ ختم ہو کر اطمینان اور سکینت کا رنگ شروع ہوگا۔ کہتے ہیں کسی شخص کی کوئی چیز گم ہوگئی تو اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ نماز میں یاد آجائیگی یہ نماز کاموں کی نہیں ہوا کرتی کیونکہ اس میں تو شیطان انہیں وسوسہ ڈالتا ہے لیکن جب کمال کا درجہ ملے گا تو ہر وقت نماز ہی میں رہے گا اور ہزاروں روپیہ کی تجارت اور مفاد بھی اس میں کوئی ہرج اور روک نہیں ڈال سکتا۔ اسی طرح پر باقی جو کیفیتیں ہیں وہ نرے قال کے رنگ میں نہ ہوں گی ان میں حال کیفیت پیدا ہو جائے گی اور غیب سے شہود پر پہنچ جاوے گا یہ مراتب نرے سُنانے ہی کو نہیں ہیں کہ بطور قصہ تم کو سُنا دیا اور تم بھی تھوڑی دیر کے لیے سُنکر خوش ہو گئے۔ نہیں یہ ایک خزانہ ہے اس کو مت چھوڑو۔ اس کو نکال لو۔ یہ تمہارے اپنے ہی گھر میں ہے اور تھوڑی سی محنت اور سعی سے اس کو پا سکتے ہو۔ ایک شخص کے پاس کنواں ہو اور وہ اس کے گھر ہی میں ہو۔ لیکن وہ کیسا بدنصیب ہے اگر اسے اس کا علم نہ ہو۔ اسی طرح اس مسلمان سے کون زیادہ بدنصیب ہے جس کو خدا تعالیٰ وعدہ دیتا ہے کہ میں اپنے کلام سے مشرف کروں گا مگر وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے اور اسلام سے خاص ہے۔ کسی آریہ سے پوچھو کہ تم وعدہ ہی دکھاؤ وہ یہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ ماتم زدہ اور مُردہ وہ مذہب ہے جس کے الہام پر مہر لگ گئی اور ویران اور اُجڑا ہوا وہ باغ ہے جس پر خزاں کا قبضہ ہو چکا لیکن ربیع کا اثر اس پر نہیں ہو سکتا۔

کیسے افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ انسانی فطرت پر تو مہر نہ لگی اس میں تو معرفت حقیقی کی وہی بھوک پیاس موجود ہے لیکن الہام پر مُہر لگا دی گئی جو معرفتِ الٰہی کا سرچشمہ تھا افسوس بھوک میں غذا پھینک دی گئی اور پیاس کی حالت میں پانی لے لیا گیا۔

عیسائیت اور اسلام

ایسا ہی عیسائی مذہب کا حال ہے۔ باوجود ہزاروں ضعف اور غربت کے ایک عاجز انسان کو خدا بنانا اور بات ہے یہ تو نری لاف زنی ہے۔ زبان سے کہدیا لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس کی خدائی مان کر جو فضل تم پر ہوا اور جو معرفت بڑھی ہے اُسے بھی تو پیش کرو۔ یہ کیسا میزبان ہے کہ دعوت کر کے بُلایا ہے اور بھوک پیاس بھی لگی ہوئی ہے۔ ہاتھ دُھلا دیتے ہیں مگر نہ روٹی دیتا ہے اور نہ پانی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ وہ مُردہ مذہب ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار اور زندگی کی حس و حرکت نہیں۔ وہ خشک ٹہنیاں ہیں۔ ان میں اب پھل پھُول نہیں نکل سکتے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو زندہ مذہب ہے۔ یہی ہے جس کا ربیع ہمیشہ آتا ہے جبکہ اس کے درخت سرسبز ہوتے ہیں اور شیریں اور لذیذ پھل دیتے ہیں اسکے

سوا اور کوئی مذہب یہ خوبی نہیں رکھتا۔ اگر اس میں سے یہ خوبی نکال دی جاوے تو یہ بھی مُردہ ہو جاتا۔ مگر نہیں وہ زندہ مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اس کی زندگی کا ثبوت دیا ہے چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس نے اپنے فضل سے اس سلسلہ کو اسی لیے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کے زندہ مذہب ہونے پر گواہ ہو اور تا خدا کی معرفت بڑھے اور اس پر ایسا یقین پیدا ہو جو گناہ اور گندگی کو بھسم کر جاتا ہے اور نیکی اور پاکیزگی پھیلاتا ہے۔

موجودہ زمانہ کی حالت

یہ زمانہ سخت ابتلا کا زمانہ ہے۔ ہر قسم کے جرائم کا مجموعہ ہے۔ ہر قسم کی ضلالت پورے جوش میں ہے۔ وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں ہر قسم کے عیب اور معاصی ان میں پائے جاتے ہیں۔ زانی، شرابی، قمار باز، بد دیانت اور خائن ہیں۔ قرضہ دیا جاوے تو دیتے نہیں عہد کرتے ہیں تو توڑتے ہیں۔ دوسروں کے حقوق کو پامال کرنے اور ظلم کرنے میں دلیر ہیں۔ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں۔ غرض وہ کونسا عیب اور جرم ہے جو نہیں کرتے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ان کی وہی حالت ہو رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت قریش کی تھی۔ پھر اس قسم کے فسق و فجور کے ساتھ ایک اور خطرناک ابتلا دوسرے مذاہب کا ہے۔ وہ ہر قسم کے لالچ دے کر مُرتد کر لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ اب اندرونی طور پر تو مسلمانوں کی وہ حالت ہے جو مَیں نے ابھی بیان کی ہے اور بیرونی حالت وہ ہے جو عیسائی اور آریہ اور دوسرے مذاہب اسلام سے گمراہ کرنے کے لیے اپنی تدبیروں کو کام میں لا رہے اور اس طرح پر نہ اندرونی حالت کو دیکھ کر آرام آتا ہے اور نہ بیرونی حالت کو دیکھ کر کوئی راحت ہو سکتی ہے۔

پھر جبکہ اس حد تک اسلام کی حالت ہو گئی ہے تو کیا خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) بالکل غلط ہو گیا؟ کیا حق نہ تھا کہ اس وقت اس کی حفاظت کی جاتی؟ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ قوم پورا پورا صدمہ خریف کا اُٹھا چکی ہے اب ضروری ہے کہ اسے ربیع کا حصہ ملے اور اسلام کے پاک درخت کے پھل پھول نکلیں۔ سکھوں کے عہد میں اسلام کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ بہت ہی ناگوار ہے۔ مساجد گرا دی گئیں۔ وحشیانہ حالت ایسی تھی کہ بانگ اور نماز تک سے روکا جاتا اور شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو جسے قرآن آتا ہو۔ اپنی حالت بھی انہوں نے سکھوں کی سی بنا لی۔ کچھ پہن لیے اور مونچھیں بڑھا لیں اور السلام علیکم کی جگہ واگورو جی کی فتح رہ گئی۔ یہ تو وہ حالت تھی جو سکھوں کے عہد میں ہوئی۔ اب جب امن ہوا تو فسق و فجور میں ترقی کی اور ادھر عیسائیوں نے ہر قسم کے لالچ دیکر ان کو عیسائی بنانا چاہا اور ان کا وار خالی نہیں گیا۔ ہر گرجا میں ہر شریف قوم کی لڑکیاں اور لڑکے پاؤ گے جو مُرتد ہو کر ان میں مل گئے ہیں۔ وہ کیسا دردناک واقعہ ہوتا ہے جب کسی شریف خاندان کی لڑکی کو پھسلا کر لے جاتے ہیں اور پھر وہ بے پردہ ہو کر پھرتی ہے اور ہر قسم کے معاصی سے حصہ لیتی ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر ایک معمولی

عقل کا آدمی بھی کہہ اُٹھے گا کہ یہ زمانہ بالطبع تقاضا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد آوے۔ ان لوگوں کا تو ہم منہ بند نہیں کر سکتے جو کہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑا۔ ایسے لوگوں کے نزدیک تو اگر سب کے سب دہریہ ہو جائیں تب بھی کچھ نہیں بگڑے گا لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس وقت اسلام خدا کی مدد کا سخت محتاج ہے۔

خدا تعالیٰ نے مجھے اس صدی کا مجدد کر کے بھیجا ہے

اور یہ کیسی خوشی کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے وقت میں اسلام کو بے مدد نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنے قانون کے موافق مجھے بھیجا ہے تا میں اسے زندہ کروں مگر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ باوجودیکہ زمانہ کی حالت مجدد کی داعی تھی اور مولویوں سے پوچھو وہ اقرار کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد آئے گا۔ لیکن جب اُن سے پوچھا جاوے کہ اب بتاؤ اس صدی کا مجدد کون ہے؟ تو جواب نہیں دیتے۔ حالانکہ چوبیس سال صدی میں سے گذر گئے اور جب میں پیش کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس صدی کا مجدد کر کے بھیجا ہے تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں دجال آیا۔ اور ابھی کہتے ہیں کہ ایک نہیں تیس دجال آنے والے ہیں۔

افسوس باوجود اس سرگردانی کے کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی آیا ہے۔ کیا کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے مجدد آئیں گے مگر چودھویں صدی پر جو سب سے زیادہ فتنوں کی صدی ہے دجال آئے گا۔ موجودہ حالت تو کھول کھول کر پکار رہی ہے کہ اصلاح کی ضرورت ہے مگر یہ ابھی اور فساد چاہتے ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ جب زمین پر معصیت اور پاپ پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اصلاح کے لیے کسی کو بھیجتا ہے اور اب وہ حالت ہو چکی تھی اس لیے اب بھی اسی نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔

حالتِ زمانہ کے بعد وہ نشانات ہیں جو اس سلسلہ کی سچائی کے لیے ظاہر ہوئے اور ان نشانات سے وہ نشانات مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دئے تھے اور قبل از وقت بتا دیئے تھے۔ منجملہ ان کے ایک کسوف خسوف کا نشان ہے۔ مولوی جب تک یہ نشان پورا نہیں ہوا تھا دور و کر اس حدیث کو پڑھا کرتے تھے۔ مولوی محمد لکھوکے والے نے اپنی کتاب احوال الآخرت میں اس نشان کو بڑے زور شور سے بیان کیا ہے کہ مہدی کے زمانہ میں رمضان کے مہینے میں کسوف اور خسوف ہوگا۔ دار قطنی کھول کر دیکھ لو کہ کیا یہ حدیث اس میں موجود ہے یا نہیں؟ لیکن جب یہ نشان پورا ہوا اور نہ ایک دفعہ بلکہ دو مرتبہ۔ ایک مرتبہ اس ملک میں ہوا۔ دوسری مرتبہ امریکہ میں ہوا۔ اس میں حکمت یہ

لہ بدر سے:۔ "کیا سبب ہے کہ اس صدی کے سر پر آکر وہ حدیث بھی جھوٹی ہو گئی جو تیرہ سو سال تک ٹھیک ثابت ہوتی چلی آتی تھی؟" (بدر جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۱۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء)

تھی کہ تادو مرتبہ حجت پوری ہو جاوے اور اس ملک میں اس لیے کہ چونکہ وہ ملک عیسائی مذہب کی اشاعت کرتے ہیں۔ ان پر بھی اتمامِ حجت ہو۔ اب بتاؤ کہ علاوہ اور بے شمار نشانات کے یہ زبردست نشان ظاہر ہوا۔ اور اس کو پورا ہوئے بھی دس گیارہ سال گذر گئے۔ اگر حقیقی مدعی موجود نہ تھا تو پھر یہ نشان کس لیے ظاہر ہوا؟ نشان پورا ہو چکا مگر تم ابھی تک حقیقی دعویدار کو دجال اور واجب القتل کہے جاتے ہو۔ میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ جب یہ نشان پورا ہوا تو ایک مولوی غلام مرتضیٰ نام نے خسوف قمر کے وقت اپنی رانوں پر ہاتھ مار مار کر (جیسے کوئی سیاپا کرتا ہے۔ ایڈیٹر) کہا کہ اب دُنیا گمراہ ہوگی۔ خیال تو کرو کیا وہ خدا تعالےٰ سے بڑھ کر دُنیا کا خیر خواہ تھا، اس نے کیسی غلطی کھائی۔ اگر انصاف اور خدا ترسی ہوتی تو میرے معاملہ میں اس کے بعد خاموش ہو جاتے۔ مگر نہیں اور بھی دلیر ہوئے۔ یہ کسوف خسوف کا نشان حدیث ہی میں بیان نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن مجید نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

پھر قرآن شریف میں ایک اور نشان بتایا گیا تھا کہ اس زمانہ میں طاعون کثرت سے پھیلے گی۔ احادیث میں بھی یہ پیشگوئی تھی۔ قرآن مجید میں لکھا تھا۔ اِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا (بنی اسرائیل: ۵۹) اور دوسری جگہ صاف طور پر بتایا گیا تھا کہ وہ ایک زمینی کیڑا ہوگا (دابۃ الارض) آخری زمانہ میں بہت سے لوگ اس سے مریں گے۔ اب کوئی بتائے کہ کیا اس نشان کے پورا ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ گیا ہے؟

پھر اس آخری زمانے کے نشانات میں بتایا گیا تھا کہ نہریں نکالی جاویں گی اور نئی آبادیاں ہوں گی پہاڑ چیرے جاویں گے۔ کتابوں اور اخباروں کی اشاعت ہوگی۔ اور یہ بھی لکھا تھا وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) یعنی ایک ایسی نئی سواری نکلے گی جس کی وجہ سے اُونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور ایسا ہی حدیث میں بھی فرمایا گیا تھا لَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا۔ اب دیکھ لو کہ ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی کیسی صاف صاف پوری ہوگئی۔ اور عنقریب جب کہ تک ریل آئے گی تو اور بھی اس کا نظارہ قابلِ دید ہوگا جب وہاں کے اُونٹ بے کار ہو جائیں گے۔ مگر میں افسوس سے ظاہر کرتا ہوں کہ انہوں نے محض میرے ساتھ بخل کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر بھی حملہ کیا اور آپ کی پیشگوئیوں کی تکذیب کی۔ وہ امر جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت ثابت ہوتی تھی۔ میری عداوت کی وجہ سے اُسے مٹانا چاہا ہے۔ مجھ سے عداوت ہی سہی لیکن آپؐ کی پیشگوئی کو کیوں پامال کر دیا؟ میں سچ کہتا ہوں کہ طاعون اور ریل کے اجراء وغیرہ کی پیشگوئیوں کا محض اس وجہ سے انہوں نے انکار کیا کہ اُن سے میری سچائی ثابت ہوتی تھی جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہیں کوئی تعلق محبت کا باقی نہیں کیونکہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ دشمن کو آزار پہنچانے کیلئے

محبوب کے نشانات کو پامال کر دیا جاوے مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات اور نشانات کو جو اس زمانہ میں ظاہر ہوئے پامال کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو نشانات اور معجزات آپ کے وقت میں ظاہر ہوئے وہ اس زمانہ کے لوگوں تک محدود تھے اور اس زمانہ کے لیے وہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کے مصداق تھے۔ لیکن چونکہ آپ کا دامنِ نبوت بہت وسیع ہے اور اس زمانہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ معجزات رکھے تھے اور وہ ظاہر ہوئے لیکن میری مخالفت اور عداوت کی وجہ سے اُنہوں نے بُخل سے مٹانا چاہا ہے۔ ایک طرف تو آپ کی محبت اور آپ کی اتباع کا دعویٰ ہے۔ دوسری طرف جب نشان ظاہر ہوتا ہے تو انکار کر دیتے ہیں۔

یہ تو وہ نشانات تھے جو اس زمانہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر بیان کئے تھے مگر اس کے سوا نشانات کا ایک اور بھی نیا سلسلہ ہے۔ یہ وہ نشانات ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے جن کی قبل از وقت خبر دی گئی۔ اُن کی تعداد بہت بڑی ہے۔

منجملہ ان کے ایک زلزلہ کی پیشگوئی ہے جو اگرچہ قرآن شریف میں بھی اس کی خبر دی گئی تھی لیکن خدا تعالےٰ نے مجھے بھی اس کا علم دیا جیسا کہ براہین احمدیہ اور دوسری کتابوں میں مَیں نے درج کر دیا۔ اور پھر جن دنوں مَیں گورداسپور میں تھا "زلزلہ کا دھکا" الہام ہوا تھا جو انہیں ایام میں اخبارات میں شائع کر دیا گیا اور پھر عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَ مُقَامُهَا بھی الہام ہوا تھا اور یہ پیشگوئی ۴ اپریل گذشتہ کو پُوری ہوگئی اور پھر اسی کے ضمن میں اور زلزلوں کی پیشگوئیاں تھیں جو آتے رہے۔ منجملہ ان کے ایک بھاری زلزلہ کی پیشگوئی تھی۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پُوری ہوئی"۔ چنانچہ وہ بھاری زلزلہ بھی آگیا۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ محض میری عداوت کی وجہ سے قرآن شریف کی پیشگوئی کا بھی انکار کر دیا۔ یہ ان کی ایمانی حالت ہے جو کچھ میرے تصدیق دعویٰ میں ظاہر ہو خواہ وہ قرآن مجید میں بھی موجود ہو یہ اس سے ضرور انکار کر دیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ نشان پر نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ کہاں تک خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا مقابلہ کریں گے اور میرے ساتھ کُشتی لڑیں گے۔ جو لوگ حقیقۃ الوحی کو جب وہ شائع ہوگی پڑھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر نشانات کا سلسلہ ہے۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ اب غور کرو کہ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو تو کیا اس کی اس قدر نصرت اور تائید ہوا کرتی ہے؟ پھر جبکہ اُسے یہ بھی کہا جائے کہ وہ خدا کا دشمن اور خدا اس کا دشمن ہے۔

جس قدر مقدمات مجھ پر کئے گئے یا کرائے گئے ان میں میرے ہی مخالفوں کو ناکامی اور نامرادی ہوئی اور خدا تعالیٰ نے مجھے ہی بامُراد کیا۔ آتھم رام کے سامنے یہ ناکام ہوئے۔ جہلم میں انہیں نامرادی ہوئی اور اس

سے پہلے وہ شرمندہ ہوئے۔

ماسوا اس کے ایک اور بات میں پیش کرتا ہوں جو بہت ہی صاف اور بدیہی بات ہے۔ براہین احمدیہ کے زمانہ میں جسکو تیئیس ۲۳ سال کے قریب گذرے۔ کیونکہ کتاب تالیف پہلے ہوتی ہے اور پھر طبع ہوتی ہے۔ اس کو شائع ہوئے بھی چھبیس ۲۶ سال گذرے۔ اور وہ تالیف اس سے بہت پہلے ہوئی۔ اس میں اس قدر پیشگوئیاں ہیں کہ میں اس وقت ان سب کو بیان نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے طور پر میں ایک کو بیان کرتا ہوں۔

ایک زبردست نشان جو ہر روز پورا ہوتا ہے

اس کتاب براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ مجھے ایک دُعا سکھاتا ہے یعنی بطور الہام فرماتا ہے:۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ

یعنی مجھے اکیلا مت چھوڑ اور ایک جماعت بنا دے۔ پھر دوسری جگہ وعدہ دیتا ہے:۔

یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

ہر طرف سے تیرے لیے وہ زر اور سامان جو مہمانوں کے لیے ضروری ہیں اللہ تعالیٰ خود مہیا کرے گا اور وہ ہر ایک راہ سے تیرے پاس آئیں گے۔ اور پھر فرمایا:۔

یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ

ہر ایک طرف اور ہر ایک راہ سے تیرے پاس مہمان آئیں گے اور اس قدر کثرت سے آئیں گے کہ قریب ہے تو اُن سے تھک جاوے یا بدخُلقی کرے۔ اس لیے پہلے سے بتا دیا کہ نہ تو اُن سے تھکے اور نہ اُن سے بدخُلقی کرے۔

یہ پیشگوئیاں اس براہین احمدیہ میں موجود ہیں۔ جن کو شائع ہوئے چھبیس سال کا عرصہ گذرتا ہے اور جس کی تالیف پر تیئیس ۲۳ سال گذرتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو مخالفوں کے پاس بھی موجود ہے اور گورنمنٹ میں بھی بھیجی گئی اور مکہ مدینہ اور بخارا میں بھی اس کے نسخے پہنچے۔ اب تو اس میں یہ الہامات درج نہیں کر دیئے گئے۔

اب غور کرو کہ جس زمانہ میں یہ پیشگوئی شائع ہوئی یا لوگوں کو بتائی گئی اس وقت کوئی شخص یہاں آتا تھا؟ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا۔ اور کبھی سال بھر میں بھی ایک خط یا مہمان نہ آتا تھا۔ میں بالکل ایک گمنامی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ یہ ہندو جو یہاں رہتے ہیں اور اب گالیاں دیتے ہیں اور ہر قسم کی مخالفت کرتے اور خباثت دکھاتے ہیں۔ ان کو قسم دو اور یا وہ بغیر قسم ہی بتائیں کہ کیا ان لوگوں میں سے کوئی ہمارے پاس تھا؟ یہ سب سے پہلے گواہ ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے ان نشانات کو دیکھا ہے اور اب وہ چھپاتے ہیں اس طرح پر گویا سب سے پہلے جہنم کے لیے تیار ہیں۔

آریہ سماج والے ملاوامل اور شرمپت رائے یہاں موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھ عموماً آیا جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ براہینِ احمدیہ چھپوایا کرتے اور اس کے پروف بھی انہوں نے دیکھے ہیں اور جب ہم امرتسر جاتے تھے تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کہاں گئے اور وہاں جاکر کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں رہے۔ اب اگر وہ ایمان رکھتے ہیں اور دھرم رکھتے ہیں تو وہ جواب دیں۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے بہت سے نشانات دیکھے ہیں اور وہ گواہ ہیں لیکن قوم اور برادری کے ڈر سے خاموش ہیں۔ وہ کیوں اس شہادت کو ظاہر نہیں کرتے؟ یہ سچائی کا خون کرنا ہے وہ عنقریب جان لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہے۔ وہ قسم کھاکر بتائیں کہ کیا یہ رجوع لوگوں کا تھا؟ کیا اسی طرح فتوحات آتی تھیں؟ اسی طرح پر خطوط آتے تھے؟ تم نے یہ عبارتیں پڑھی تھیں۔ اگر یہ سچ ہے اور تمہارے سامنے قبل از وقت ایسی حالت میں کہ کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا، خدا تعالیٰ سے وحی پاکر مَیں نے خبر دی تھی اور وہ پوری ہوئی تو پھر بتاؤ کہ کیا یہ انسان کا اپنا کلام ہے کہ اس طرح پر قبل از وقت خبر دے اور ایک زمانہ دراز کے بعد وہ پوری ہو جاوے؟ ایک آدمی جو گمنامی کی حالت میں ہے اسکو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ تیرے لیے ایک زمانہ آتا ہے کہ تو عالم میں مشہور ہو جائیگا۔ فَعَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ۔

ایک زمانہ آئے گا کہ تیری مدد کی جائے گی اور تُو لوگوں میں شناخت کیا جائے گا۔ کیا یہ انسانی کام اور منصوبہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کہ پہلے ایک واقعہ کی خبر دیتا ہے کیونکہ علمِ غیب اسی کو ہے اور یہ اسی کا خاصہ ہے اور وہ اپنے مرسلین پر ایسے ظاہر کرتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر سوچو کہ مَر کر خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ کیا باوجودیکہ تم نے اپنی آنکھوں سے ان نشانات کو دیکھا اور تم اُن کے گواہ ٹھہرے اور سُنے سُنائے گواہ نہیں بلکہ رؤیت کے گواہ اور وہ بھی ایسے کہ دُنیا بھر میں جواب نہ دے سکیں۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی حُجّت تم پر قائم ہے۔ مَیں حلفاً کہتا ہوں سب سے زیادہ حُجّت تم پر قائم ہے۔ اگرچہ ساری دُنیا پر حُجّت ہے مگر تم پر سب سے زیادہ ہے۔ میرا وجود اس وقت نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک محض وجود تھا۔ پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور جس کا تمہیں علم دے دیا گیا تھا اسی طرح پُورا ہونا آسان بات نہیں ہے۔ دیکھو یہ کیسا بزرگ نشان ہے، ایسا نشان ہے جو ہر روز تازہ بتازہ پورا ہو رہا ہے۔

یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ وہ رحیم و کریم خدا ہے لیکن جب انسان شوخی کرتا ہے تو اُسے ڈرنا چاہیئے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اسی قادیان میں طاعون نہیں ہوا تھا تو مَیں نے شائع کر دیا تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوؤں کے تو گھر خالی ہو جاویں اور میرے گھر کا چُوہا بھی نہ مَرے۔ مَیں پھر کھول کر کہتا ہوں کہ یہ اور اس قسم کے بہت سے نشانات یہاں کے ہندوؤں نے دیکھے ہیں جو اگرچہ سب دُنیا پر حُجّت ہیں لیکن ان پر سب سے زیادہ حُجّت ہے۔ وہ مجھے اور میری جماعت کو طرح طرح

کی اذیتیں دینے اور دُکھ دینے کے ارادوں میں رہتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا ہے اور ضرور ہے اور وہ بے باک اور شوخ کو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

جماعت کیلئے نصیحت

آخر کار میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم دشمن کے مقابلہ پر صبر اختیار کرو۔ تم گالیاں سُن کر چُپ رہو۔ گالی سے کیا نقصان ہوتا ہے۔ گالی دینے والے کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ مَیں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی زدوکوب بھی کرے تب بھی صبر سے کام لو۔ یہ یاد رکھو کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے دل سخت نہ ہوتے تو وہ کیوں ایسا کرتے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ ہماری جماعت امن جُو ہے۔ اگر وہ ہنگامہ پرداز ہوتی تو بات بات پر لڑائی ہوتی اور پھر اگر ایسے لڑنے والے ہوتے اور ان میں صبر و برداشت نہ ہوتی تو پھر ان میں اور ان کے غیروں میں کیا امتیاز ہوتا؟

ہمارا مذہب یہی ہے کہ ہم بدی کرنے والے سے نیکی کرتے ہیں۔ یہی گھر جو سامنے موجود ہے اس کے متعلق میرے لڑکے مرزا سلطان احمد نے مقدمہ کیا تھا۔ باوجودیکہ میرے لڑکے نے مقدمہ کیا تھا اور یہ سخت ایذا دینے والے دشمن تھے مگر مَیں نے کہا کہ میں اظہار نہیں دوں گا۔ کیا اس وقت مَیں نے سلطان احمد کی رعایت کی تھی یا اُن کی؟ اور اُن کی دشمنیوں کا خیال رکھا یا ان کے ساتھ نیکی کی؟ یہ ایک ہی بات نہیں۔ جب جب ان کو میری مدد کی ضرورت ہوئی مَیں نے اُن کو مدد دی ہے اور دیتا رہتا ہوں۔ جب ان کو مصیبت آئی یا کوئی بیمار ہوا تو مَیں نے کبھی سلوک یا دوا دینے سے دریغ نہیں کیا۔ ایسی حالت میں کہ ہم ان سے سلوک کرتے ہیں اور ان کی سختیوں پر صبر کرتے ہیں تم اُن کی بدسلوکیوں کو خدا پر چھوڑ دو۔ وہ خوب جانتا ہے اور اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ مَیں تمہیں بار بار کہتا ہوں کہ ان سے نرمی کرو اور خدا تعالیٰ سے دُعا کرو۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ دُعائیں منظور نہ ہوں گی جب تک تم متقی نہ ہو اور تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کی دو قسم ہیں۔ ایک علم کے متعلق دوسرا عمل کے متعلق۔ علم کے متعلق تو مَیں نے بیان کر دیا کہ عُلومِ دین نہیں آتے اور حقائق معارف نہیں کھلتے جب تک متقی نہ ہو اور عمل کے متعلق یہ ہے کہ نماز۔ روزہ اور دوسری عبادات اس وقت تک ناقص رہتی ہیں جب تک متقی نہ ہو۔

اس بات کو بھی خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے دو حکم ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں نہ عبادات میں۔ اور دوسرے نوعِ انسان سے ہمدردی کرو۔ اور احسان سے یہ مراد نہیں کہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں ہی سے کرو بلکہ کوئی ہو۔ آدم زاد ہو اور خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کوئی بھی ہو۔ مت خیال کرو کہ وہ ہندو ہے یا عیسائی۔ مَیں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا انصاف اپنے ہاتھ میں لیا ہے وہ نہیں چاہتا کہ تم خود کرو۔ جس قدر نرمی تم اختیار کرو گے اور جس قدر فروتنی اور تواضع کرو گے اللہ تعالیٰ

اسی قدر تم سے خوش ہوگا۔ اپنے دشمنوں کو تم خدا تعالیٰ کے حوالے کرو۔ قیامت نزدیک ہے۔ تمہیں اُن تکلیفوں سے جو دشمن تمہیں دیتے ہیں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تم کو اُن سے بہت دُکھ اُٹھانا پڑے گا کیونکہ جو لوگ دائرہ تہذیب سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اُن کی زبان ایسی چلتی ہے جیسے کوئی پُل ٹوٹ جاوے تو ایک سیلاب چھوٹ نکلتا ہے۔ پس دیندار کو چاہیئے کہ اپنی زبان کو سنبھال کر رکھے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے جیسے مقدمات میں ہوتا ہے۔ اس لیے آرام اسی میں ہے کہ تم ایسے لوگوں کا مقابلہ ہی نہ کرو۔ سدِ باب کا طریق رکھو اور کسی سے جھگڑا مت کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گذر جاؤ گویا سُنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لیے قرآن شریف نے فرمایا ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ اگر یہ باتیں اختیار کرو گے تو یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی رپورٹ کی حاجت نہیں۔ وہ خود دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اگر تم تین ہو تو چوتھا خدا ہوتا ہے۔ اس لیے خدا کو اپنا نمونہ دکھاؤ۔

اگر تمہارے نفسانی جوش اور بدزبانیاں ایسی ہیں جیسے تمہارے دشمنوں کی ہیں پھر تم ہی بتاؤ کہ تم میں اور تمہارے غیروں میں کیا فرق اور امتیاز ہوا؟ تمہیں تو چاہیئے کہ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ جو مخالف خود شرمندہ ہو جاوے۔ بڑا ہی عقلمند اور حکیم وہ ہے جو نیکی سے دشمن کو شرمندہ کرتا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ نرمی اور رفق سے معاملہ کرو۔ اپنی ساری مصیبتیں اور بلائیں خدا تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ یقیناً سمجھو اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ ہر شخص کی شرارت پر صبر کرتا ہے اور خدا پر اُسے چھوڑتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرے گا۔ اگرچہ دنیا میں ایسے آدمی موجود ہیں جو ہنسی کریں گے اور ان باتوں کو سُن کر ٹھٹھا کریں گے مگر تم اس کی پروا نہ کرو۔ خدا تعالیٰ خود اس کے لیے موجود ہے۔ وہ خدا پُرانا نہیں ہوگیا جیسے انسان بڈھا ہو کر پیر فرتوت ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تھا اور وہی خدا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا۔ اس کی وہی طاقتیں اب بھی ہیں جو پہلے تھیں۔ لیکن جو کچھ مَیں کہتا ہوں تم اس پر عمل نہ کرو تو میری جماعت میں نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کو خوب جانتا ہے۔ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہمیں مارا اور مسجد سے نکال دیا۔ مَیں یہی جواب دیتا ہوں کہ اگر تم جواب دو تو میری جماعت میں سے نہیں۔ تم کیا چیز ہو۔ صحابہؓ کی حالت کہ اُن کے کس قدر خُون گرائے گئے۔ پس تمہارے لیے اُسوۂ حسنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ دیکھو وہ کیسے دُنیا سے باہر ہو گئے تھے۔ انسان میں جس قدر جوش ہوتے ہیں وہ دُنیا کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ کسی ہنگامہ کی خبر دو دنیا کا مال، عزت یا اولاد

خدا سے آتی ہے[1]۔ اس کے سوا جھوٹی عزتوں کا کیا ہے۔ نبیوں سے بڑھ کر عزت کسی کی نہیں۔ مگر دیکھو انہیں کیسے کیسے دُکھ دیئے گئے۔ نماز میں ان پر گندے گوبر ڈالے گئے۔ قتل کے ارادے کئے گئے اور آخر مکہ سے نکالا گیا لیکن خدا تعالیٰ کے حضور آپ کی وہ عزت اور عظمت ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۳۲) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ بغیر اس کے یہ مقام مل ہی نہیں سکتا۔

اب بتاؤ کہ کیا یہ اطاعت کا کام ہے کہ دشمن کا ایسا دشمن بنے کہ جب تک اُسے پیس نہ لے اور تکلیف اور دُکھ نہ پہنچا لے صبر ہی نہ کرے۔ یہ مَیں جانتا ہوں کہ انسانی فطرت میں یہ بات ہے کہ گالی سے مشتعل ہو جاتا ہے مگر اس سے ترقی کرنی چاہیئے۔ جو دُکھ دیتے ہیں انہیں سمجھو کہ وہ کچھ چیز نہیں[2]۔ اگر تم پر خدا راضی ہے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ ناراض ہے تو خواہ ساری دُنیا تم سے خوش ہو وہ بے فائدہ ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم مداہنہ سے دوسری قوموں کو ملو تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خدا ہی ہے جو کامیاب کرتا ہے اگر وہ راضی ہے تو ساری دُنیا ناراض ہو تو پروا نہ کرو۔ ہر ایک جو اس وقت سُنتا ہے یاد رکھے کہ تمہارا ہتھیار دُعا ہے اس لیے چاہیئے کہ دُعا میں لگے رہو۔

یہ یاد رکھو کہ معصیت اور فسق کو نہ واعظ دُور کر سکتے ہیں اور نہ کوئی اَور حیلہ۔ اُس کے لیے ایک ہی راہ ہے اور وہ دُعا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہی ہمیں فرمایا ہے۔ اس زمانہ میں نیکی کی طرف خیال آنا اور بدی کو چھوڑنا چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ یہ انقلاب چاہتی ہے اور یہ انقلاب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ دُعاؤں سے ہوگا۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ راتوں کو رو رو کر دُعائیں کریں۔ اس کا وعدہ ہے اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۱) عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ دعا سے مراد دنیا کی دُعا ہے۔ وہ دُنیا کے کیڑے ہیں۔ اس لیے اس سے پرے نہیں جا سکتے۔ اصل دُعا دین ہی کی دُعا ہے[3]۔ لیکن یہ مت سمجھو کہ ہم گنہگار ہیں یہ دُعا کیا ہوگی اور ہماری تبدیلی

---

[1] بدر سے:۔ "دراصل کوئی شخص عزت کو پا نہیں سکتا جب تک کہ آسمان سے اس کو عزت نہ ملے۔ سچی اور پاک عزت خدا سے ہی ملتی ہے۔" (بدر حوالہ مذکور صفحہ ۱۵)

[2] بدر سے:۔ "تم کو جو دُکھ اور گالیاں دی جاتی ہیں وہ کچھ چیز نہیں۔ اس کی ہرگز پروا نہ کرو۔ اور انسانوں کے راضی رکھنے کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ اپنے خدا کو راضی کرو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا یہی مضمون ہے کہ اگر تم لوگوں کو راضی رکھنے کے واسطے ان کے ساتھ مداہنت سے پیش آؤ گے تو اس میں تم کو ہرگز کامیابی نہیں ہوگی۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:۔ "اصل دُعا دین کے واسطے ہے اور اصل دین دُعا میں ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

کیسے ہو سکے گی[1]۔ یہ غلطی ہے۔ بعض وقت انسان خطاؤں کے ساتھ ہی ان پر غالب آسکتا ہے۔ اس لیے کہ اصل فطرت میں پاکیزگی ہے۔ دیکھو پانی خواہ کیسا ہی گرم ہو لیکن جب وہ آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ بہرحال آگ کو بجھا دیتا ہے اس لیے کہ فطرتاً برودت اس میں ہے۔ ٹھیک اسی طرح پر انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے۔ ہر ایک میں یہ مادہ موجود ہے وہ پاکیزگی کہیں نہیں گئی۔ اسی طرح تمہاری طبیعتوں میں خواہ کیسے ہی جذبات ہوں بروکر دُعا کروگے تو اللہ تعالیٰ دُور کردے گا۔

اس کے بعد آپ نے نہایت درد سے ایک لمبی دُعا کی[2]۔

---

۳ جنوری ۱۹۰۷ء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

فرمایا:۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزے تو ایسے ہیں کہ اس زمانے میں وہ بالکل معمولی سمجھے جا سکتے ہیں اکمہ سے رادشب کو رہے۔ اب ایسا بیمار معمولی کلیجی سے بھی اچھا ہو سکتا ہے احیاءِ موتیٰ سے مراد بھی خطرناک مریضوں کا تندرست ہونا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں یہ باتیں کچھ بھی نہیں[3]۔

---

۱۵ جنوری ۱۹۰۷ء

دعویٰ اور مذہب

فرمایا کہ:۔

طاعون کی موت بالخیر موت ہے۔ نمونہ جس سے چند گھنٹوں میں فیصلہ ہو جائے طاعون نہیں تو اور کیا ہے؟

مولوی محمد حسین کا ذکر آیا کہ وہ رجوع کیونکر کرے گا۔ فرمایا:۔

---

[1] بدر سے:۔ "اس سے مت گھبراؤ کہ ہم گناہ سے ملوث ہیں گناہ اس میل کی طرح ہے جو کپڑے پر ہوتی ہے اور دُور کی جا سکتی ہے"۔ (بدر حوالہ مذکور صفحہ ۱۶)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۱۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۷ء

[3] ان ملفوظات پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ جنوری کے پہلے یا دوسرے ہفتے کے معلوم ہوتے ہیں۔ (مرتب)

[4] بدر جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۷ء

اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل بات نہیں۔ وہ جب چاہے دل پھیر دے۔ وہ اگر غور کرے تو اس کے لیے یہی ایک نشان کافی ہے کہ براہینِ احمدیہ کے ریویو کے زمانہ میں مَیں اکیلا تھا اور اب یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کی پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ باقی رہے عقائد سو ان میں تو کوئی اتنا بڑا فرق نہیں۔ صرف سمجھ کا پھیر ہے۔ پہلے لیجئے وفاتِ مسیح کو۔ سو اس مسئلہ میں خود اُن کے اپنے علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ پس ہمیں ایک قول کو ترجیح دینے سے یہ کیونکر بُرا کہہ سکتے ہیں۔ تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنوں میں جھگڑا ہے۔ مگر میرے نزدیک تو جو معنے کریں ہمارا مطلب حاصل ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے اگر یہ معنے ہوں کہ جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو پھر تُو ہی اُن کا نگرانِ حال تھا۔ اس صورت میں بھی یہ ظاہر ہے کہ آپ دوبارہ دُنیا میں تشریف نہیں لائے۔ ورنہ یہ حصر نہ کرتے۔ پھر معراج کو لو۔ ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں کہ وہ ایک خواب تھا یا صرف رُوح گئی بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عین بیداری میں معراج ہوا اور ایک لطیف جسم بھی ساتھ تھا۔ مگر یہ باطنی امور ہیں۔ خشک مُلّاں اسے کیا سمجھیں؟

پھر مکالمۂ الٰہی کا دعویٰ ہے۔ یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ سنت اللہ سے بھی یہ بات ثابت ہے اور انسان کے دل کی تڑپ بھی یہی چاہتی ہے۔ فتوح الغیب میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور اشاعت السنۃ میں بھی چھپا تھا۔ وَلَهُمْ مُكَالِمَاتٌ مجدد صاحب نے بھی یہی لکھا ہے اور ولی و نبی میں قلت و کثرت مکالمات کا فرق بتایا ہے یہ نبی کا لفظ صرف انہی معنوں میں ہے اور اپنی اپنی اصطلاح ہے ورنہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی نہیں۔

عوام الناس کو بدظن کرنے کے لیے ہم پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ملائکہ کے منکر ہیں کبھی کچھ۔ حالانکہ ہم ملائک پر، خدا کی کتابوں پر، احادیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، بہشت، دوزخ، عذابِ قبر، تقدیر، حشر اجساد سب پر صدقِ دل سے ایمان لاتے ہیں۔ ہم ایسے امور کی تفاصیل خدا کے حوالے کرتے ہیں کیونکہ محتاط مذہب یہی ہے کہ انسان مجمل پر ایمان لاوے اور تفاصیل کو حوالہ بخدا کر دے۔ باقی رہا شریعت کا عملی حصہ، سو ہمارے نزدیک سب سے اوّل قرآن مجید ہے۔ پھر احادیثِ صحیحہ جن کی سُنّت تائید کرتی ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ان دونوں میں نہ ملے تو پھر میرا مذہب تو یہی ہے کہ حنفی مذہب پر عمل کیا جاوے کیونکہ ان کی کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہی ہے۔ مگر ہم کثرت کو قرآن مجید و احادیث کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ انکے بعض مسائل ایسے ہیں کہ قیاسِ صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی حالت میں احمدی علماء کا اجتہاد اولیٰ بالعمل ہے دیکھو مفقود الخبر کیلئے نوّے برس یا کم و بیش میعاد رکھی ہے۔ یہ ہی نہیں کہدیا کہ وہ نکاح نہ کرے۔ یہ واہیات ہے۔

حکیم الامت نے عرض کیا کہ حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جس ملک میں جس مذہب کی کتابیں بسہولت میسر آئیں اس پر عمل ہونا چاہیئے۔

فرمایا:۔

بیشک ہماری طرف حنفی مذہب کی کتابیں ہی ہیں۔ اعمال کی اصل رُوح تو معرفتِ الٰہی و اخلاص ہے۔ یہ نہ ہو تو یہ لفظی جھگڑے ہیچ ہیں ہماری بعثت کی ایک بھاری غرض یہ ہی ہے کہ ہم مسلمانوں کو عملاً مسلمان بنادیں [1]

بلا تاریخ

چند فقہی مسائل

(۱) ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ روزہ دار کو آئینہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا:۔

جائز ہے

(۲) اسی شخص کا ایک اور سوال پیش ہوا کہ حالتِ روزہ میں سر کو یا داڑھی کو تیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

جائز ہے

(۳) اسی شخص کا ایک اور سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اس میں دوائی ڈالنی جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

یہ سوال ہی غلط ہے۔ بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں

(۴) اسی شخص کا یہ سوال پیش ہوا کہ جو شخص روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو۔ اس کے عوض مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ اس کھانے کی رقم قادیان کے یتیم فنڈ میں بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

ایک ہی بات ہے خواہ اپنے شہر میں کسی مسکین کو کھلائے یا یتیم اور مسکین فنڈ میں بھیج دے۔

(۵) سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

جائز ہے

(۶) سوال پیش ہوا کہ روزہ دار آنکھوں میں سُرمہ ڈالے یا نہ ڈالے؟ فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۴ مورخہ ۷ فروری ۱۹۰۷ء

[2] "المفتی" کے زیرِ عنوان "بدر" میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ملفوظات استفتا کے جواب میں بلا تاریخ درج ہیں۔ (مرتب)

مکروہ ہے اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سُرمہ لگائے۔ رات کو سُرمہ لگا سکتا ہے۔

⑦ ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو شخص بسبب ملازمت کے ہمیشہ دَورہ میں رہتا ہو اس کو نمازوں میں قصر کرنی جائز ہے یا نہیں ؟

فرمایا:۔

جو شخص رات دن دَورہ پر رہتا ہے اور اسی بات کا ملازم ہے وہ حالت دَورہ میں مسافر نہیں کہلا سکتا۔ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

⑧ ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ نمازِ فجر کی اذان کے بعد دوگانہ فرض سے پہلے اگر کوئی شخص نوافل ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں ؟

فرمایا:۔

نماز فجر کی اذان کے بعد سُورج نکلنے تک دو رکعت سُنّت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہے۔

⑨ ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ بندوق کی گولی سے جو حلال جانور ذبح کرنے سے پہلے مر جائے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

فرمایا:۔

گولی چلانے سے پہلے تکبیر پڑھ لینی چاہیئے۔ پھر اس کا کھانا جائز ہے۔[1]

۱۶ر جنوری ۱۹۰۷ء

مسیحِ موعودؑ کے بارہ میں ایک حدیث

آج حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں حضرت مولوی سید محمد احسن فاضل امروہی نے مسیح موعود کے متعلق ایک حدیث نواس بن سمعان کی جو حاشیہ مسند احمد بن حنبل پر چڑھی ہوئی ہے کے دو جُملے پیش کئے۔ ایک جُملہ ہے تُقْبِضُ لَهُ الْاَرْضُ یعنی مسیح موعود کے لیے زمین طے کی جاوے گی جس سے ریل اور اگنبوٹ وغیرہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ کتب و رسالہ جات تبلیغ اسلام کے یورپ و امریکہ وغیرہ ممالک میں انہی ذرائع سے شائع ہو رہے ہیں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۴ مورخہ ۷ر فروری ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ
بیشک اس سے پہلے کسی مامور من اللہ کے لیے طی الارض واقع نہیں ہوا۔ اور نہ یہ اسباب ظاہر ہوئے تھے۔
دوسرا جملہ اس حدیث میں سے مولوی صاحب نے یہ پیش کیا۔ مَنْ مَسَّ ابْنَ مَرْیَمَ یَطُوْنُ لَہٗ اَرْفَعُ تَدْرًا وَ یُعْظَمُ مَسُّہٗ یعنی جو شخص کہ چھوئے گا مسیح موعود کو اس کی قدر خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہوگی اور اس کا مس کرنا و چھونا اس کے حلقۂ خادمین میں داخل ہونا خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت رکھتا ہے۔
سبحان اللہ! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس حدیث کی خبر بھی نہیں۔ قریباً اکتیس برس کا الہام مطبوعہ براہین احمدیہ میں درج ہے کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" اس الہام کا مضمون قریباً حدیث مذکورہ سے ملتا ہے۔

---

۲۴ جنوری ۱۹۰۷ء

ریاء

حضرت اقدس بوقت صبح مع احباب باہر سیر کو تشریف لے جاتے ہیں۔ آج جب حضرت اقدس باہر تشریف لائے تو پہلے ایک بھائی نومسلم نے دُعا کے لیے عرض کی۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ حضور یہ شخص اپنی قوم میں واعظ بھی ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔
وعظ و اعمال صالحہ کا فائدہ تب ہی ہوتا ہے کہ محض خدا کے لیے ہو۔ اس میں کوئی غرض نہ ہو۔ ریائی عمل کو خدا تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ اگر عمل میں کسی اور کو شریک سمجھا جاوے تو خدا کئے ہوئے عمل کو رد کر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جس کے لیے تم نے یہ عمل کیا ہے اس سے اس کا ثواب بھی لو۔
بعد ازاں قادیان کے آریوں کے تعصب اور ان کی حق پوشی کا ذکر ہوا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات بینات دیکھ کر اُن کو چھپا رہے ہیں۔
اثنائے راہ میں آج کا الہام بیان فرمایا:۔
اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے اے اہل بیت ناپاکی دُور کر دے اور تم کو بالکل پاک کر دے پھر پچیس چھبیس برس

الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۷ء

کا ایک پُرانا الہام بیان فرمایا جو کسی شخص کے متعلق ہے :۔
"فَارْتَدَّ اَعْمٰی اَتَارِ مِمَّا وُھِبَ لَہٗ الْجَنَّۃُ"[1] اتنے میں طاقت بالا اس کو کھینچ کرلے گئی۔"

صبح کی سنتوں کے بعد نفل

مفتی محمد صادق صاحب نے ایک شخص کے خط میں سے بیان کیا کہ وہ پوچھتا ہے کہ جب صبح روشن ہو جائے تو اس وقت فرضوں سے پہلے صبح کی سنتوں کے بعد نوافل کی نماز درست ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

حضرت اقدس و مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ :۔
دو رکعت سُنّت کے سوا فرضوں سے پہلے اور کوئی نماز جائز نہیں۔

حلِ مشکلات

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا کہ وہ پوچھتا ہے کہ مشکلات و مصائب کے وقت کیا کرنا چاہیئے ؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔
استغفار بہت پڑھے اور اپنے قصوروں کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے[2]

۲۶ر جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

ایک احمدی بھائی کا خط پیش کیا گیا کہ میں نے ایک احمدی بھائی کے دو بیٹوں کا معالجہ کیا تھا ایک ان میں سے شفایاب ہوا اور دوسرا مر گیا اور اس بھائی نے دس روپے فیس کے دیئے تھے کیا وہ میرے لیے جائز ہیں ؟

فرمایا :۔

ہاں جائز ہے

ولیمہ

تعریفِ ولیمہ بھی اس ضمن میں پوچھی گئی تھی۔ فرمایا کہ :۔
ولیمہ یہ ہے کہ نکاح کرنے والا نکاح کے بعد اپنے احباب کو کھانا کھلائے[3]

---

[1] (ترجمہ از مرتب) پھر وہ دونوں پچھلے پاؤں واپس لوٹ گئے اور اس کو جنّت عطا کی گئی (مرتب)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۷ء

[3] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۷ء

۲۷ر جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع احباب بوقت صبح باہر سیر کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں آریوں کے تعصب اور ان نشانات بینات الٰہی کا ذکر ہوا جو خدا تعالیٰ نے اُن کو دکھائے اور پھر بھی اپنی ضد پر اڑے رہے ہیں۔

سلسلہ کے ساتھ مصری لوگوں کی دلچسپی و توجہ کا ذکر ہوا کہ وہ لوگ حضور کی تصانیف چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

عربی کتابوں کی کثیر تعداد ان کو ارسال کی جاوے۔

حضرت امام بخاریؒ اور وفاتِ مسیحؑ

تھوڑی دُور گئے تھے کہ حضرت اقدس کو طبیعت میں ناسازی معلوم ہوئی اور واپس لوٹ آئے۔ واپس آتے ہوئے کتاب صحیح بخاری کا ذکر ہوا کہ اب بہت سستی ہوگئی ہے۔ ایک زمانہ میں صد ہا روپیہ سے نہ ملتی تھی اور آجکل صحیح بخاری مصر کی چھپی ہوئی اڑھائی روپیہ سے مل سکتی ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

بخاری والے وفاتِ مسیح پر زبردست دلائل پیش کئے ہیں۔ مُتَوَفِّیْکَ کے معنی مُمِیْتُکَ کے لکھے ہیں اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ بطور تظاہر آیات وفاتِ مسیح کے لیے آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کو پیش کیا اور وہ حدیث لکھی جس میں نبی علیہ السلام نے اپنے متعلق آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ فرمائی اور اس میں تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنے وفات کے ظاہر فرمائے۔[1]

۲۸ر جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

چند مسائل

حضرت اقدس ظہر کی نماز میں تشریف لائے تو مندرجہ ذیل سوالات خطوط سے حضرت کے حضور میں پیش ہوئے۔

① ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میری پہلی بیوی کو جلدی اولاد ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ کمزور ہوگئی

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۱۵ مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۷ء

ہے کیا میں دوسرا نکاح کر سکتا ہوں یا نہیں ؟
حضرت نے فرمایا :۔

اس کو ہر صورت اختیار ہے

(۲) سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ جس کی عورت آگے موجود ہو اس کو ہم نا طہ نہیں دیتے۔
حضرت نے فرمایا :۔

پھر وہ اس سے تو مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (النساء: ۴) کو بند کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) پھر ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ مجھ سے گناہ ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہوں۔ پھر گناہ ہو جاتا ہے کیا علاج کروں ؟
حضرت نے فرمایا :۔

پھر توبہ کرے اور اس کا کیا علاج ہے ؟

(۴) سوال پیش ہوا کہ بندوق کے شکار کے متعلق کیا حکم ہے ؟
حضرت نے فرمایا :۔

تکبیر پڑھ کر بندوق مارے، شکار مر جاوے تو حلال ہے [1]

---

۲۹ جنوری ۱۹۰۷ء

(صبح کی سیر)

دُشنام دہی کا انجام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بوقت صبح مع احباب باہر سیر کو تشریف لے گئے۔ مُرتد ڈاکٹر عبدالحکیم کے تذکرہ پر حضرت نے فرمایا کہ :۔

ایک آریہ اخبار نے باوجود ہمارے مذہبی تخالف کے لکھا کہ عبدالحکیم کا آپ کو گالیاں دینا اس کی سفلہ پنی کو ظاہر کرتا ہے۔ نہایت نامناسب امر ہے۔

ایک صاحب نے کہا عبدالحکیم کہتا ہے۔ جعفر زٹلی جو مرزا صاحب کو سخت گالیاں دیتا رہا ہے اسکو کیا ہوا جو مجھے کچھ ہوگا۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء

حضرت نے فرمایا:۔

اس کو پادری عبداللہ آتھم، لیکھرام، چراغدین ساکن جموں اور دوسرے مباہلین کے احوال سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

اسی سیر کے دوران کے مزید ملفوظات بدر سے:۔

کلمۂ طیبہ کی اصل رُوح

مَیں نے عرض کیا کہ حضور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بار بار پڑھنے اور اس کے ذکر کا بھی ثواب ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔

دل میں خدا تعالیٰ سے تعلق ہو تو

پھر زیادہ تشریح طلب کرنے پر فرمایا:۔

اصل بات یہ ہے کہ میرا مذہب یہ نہیں کہ زبانی جمع خرچ کیا جاوے۔ ان طریقوں میں بہت سی غلطیاں ہیں ان تمام اذکار کی اصل روح اس پر عمل کرنا ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ اللہ باآواز بلند کہہ رہے تھے تو حضرتؐ نے فرمایا تمہارا خدا بہرہ نہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ کلمہ سے مراد ہے توحید کو قائم رکھنا اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اب ثواب اس میں ہے کہ ہر بات میں اللہ کو مقدم رکھے اور اللہ پر پورا پورا ایمان لائے۔ اس کی صفات کے خلاف کوئی کلام کوئی کام نہ کرے حتیٰ کہ خیال بھی نہ لائے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) اس سے بھی یہی مراد ہے کہ دُنیا کے کاموں میں بھی میرے احکام کو نہیں بھلاتے۔ دیکھو اس وقت ہم ان طریقوں کی طرح ذکر نہیں کر رہے مگر حقیقت میں اسی کی عظمت و جلال کا ذکر ہے۔ پس یہی ذکر ہے۔[۲]

الہام کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے

ایک صاحب نے ایک شخص مرید کے کچھ الہامات حضرت اقدس کو سنائے[۳]

---

[۱] اس سے مراد قاضی محمد اکمل صاحب گویکی ہیں۔ (مرتب)

[۲] بدر جلد ۶ نمبر ۷ صفحہ ۸ مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۷ء

[۳] بدر سے:۔ "عرض کیا گیا ایک نوجوان احمدی یہ الہامات سُناتا ہے۔ رؤیا میں مخلوق نے مجھے سجدہ کیا۔ بہشت کی سیر کی اور الہام اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ۔

فرمایا:۔ "یہ بڑے ابتلاء کا مقام ہے۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ جب تک درخشاں نشاں اس کے ساتھ بار بار نہ لگائے جاویں تب تک الہامات کا نام لینا بھی سخت گناہ اور حرام ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ قرآن مجید اور میرے الہامات کے خلاف تو نہیں۔ اگر ہے تو یقیناً خدا کا نہیں بلکہ شیطانی القاء ہے۔ اصل میں ایسے تمام لوگوں کی نسبت میرا تجربہ ہے کہ انجام کار ہلاک ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال کی طرف خیال نہیں کرتے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت نے فرمایا:۔

الہام کا بڑا نازک معاملہ ہے۔ انسان کو اپنے اعمال صاف کرنا چاہیئے۔ الہام کا مہبط صاف ہونا چاہیئے۔ اب جو خدا تعالیٰ کی چلائی ہوئی ہوا چل رہی ہے۔ یہی ہوا بعض انسانوں کے جسموں کے لیے مفید اور بعض کے لیے مفسد ہوگی۔ اگر کسی کا اندر غلیظ ہو۔ معدہ گندہ ہو اور بیمار ہو تو اس کو اچھی غذا مضر ہوگی۔ ایسا ہی خدا کا کلام ہے۔ ابھی تھوڑے روز ہوئے فقیر مرزا ساکن دولیاں ضلع جہلم جس نے ہماری مخالفت میں لوگوں کو الہام سُنایا کہ مجھے عرش سے آواز آئی ہے کہ مرزا جھوٹا ہے رمضان میں مَر جاوے گا اور اسی پر اس نے بس نہیں کی بلکہ لوگوں کو کہا کہ یہ معمولی بات نہ سمجھو۔ میرا دستخط لے لو کہ یہ بات ضرور ہونے والی ہے اور خود اس نے اپنا دستخط کر کے اور بہت سے لوگوں کو اپنے الہام کا گواہ ٹھہرایا اور ان کے بھی دستخط لیے۔ جب رمضان کا مہینہ آیا تو خود ہی مر گیا۔

(بوقتِ ظہر)

طاعون کا علاج

عام نمازیوں سے پیشتر ہی حضرت اقدس نماز ظہر کے لیے مسجد میں تشریف لے آئے۔ کسی نے ذکر کیا کہ بعض قرب وجوار کے دیہات

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہمارے قلب کا اللہ سے کیسا تعلق ہے اور ان الہامات میں پڑ جاتے ہیں۔ ان سے عُجب و استکبار پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ پھر کسی کی بات پسند نہیں کرتے اور ہر سچی بات کو اپنے اوہام کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ جب مطابق نہیں پاتے تو انکار کرتے اور ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں ایک قسم کا گند ہوتا ہے اور شیطان متسلط ہونے کے لیے ایک عجیب راہ نکال لیتا ہے۔ استغفار پڑھنا چاہیئے اور بالکل ان باتوں سے کُلی طور سے مجتنب۔ ورنہ یاد رکھیں کہ یہ بڑے خطرے کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کے الہام کو نہیں پوچھے گا۔ بیشک یہ الہام الہامِ الٰہی سے ہے مگر دیکھو ہوا بنفسہٖ تو ایک بڑی اور مفرح ذات چیز ہے مگر ایک روڑی پر گذرے تو کثافت پھیلائے گی۔ یہی حال ہے ایسے لوگوں کا۔ مَیں سمجھتا ہوں۔ مخلوق نے کیا سجدہ کرنا تھا۔ شیطان اور اس کی ذریت نے سجدہ کیا ہوگا کہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ بیشک گرا ہی پھیلا۔

عرض کیا گیا۔ حضور ایسے لوگوں کی نسبت ہم تو اس لیے کچھ نہیں کہتے کہ وہ آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ فرمایا:۔

یہ جھوٹ بات ہے ان کے دلوں میں گند پنہاں ہے۔ ان کے جھوٹے الہامات کو شیطانی کہا جائے تو فوراً ہماری بھی تکذیب کریں۔

آپ نے بہت تاکیدی الفاظ سے پُورے جوش میں تقریر فرمائی۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۷ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء)

میں طاعون ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔

اس دفعہ یہ بیماری زیادہ تر خطرناک صورت میں ہے۔ سارے موسم سرما میں بھی اکثر مقامات میں ترقی پر رہی ہے، اعتدالی ایام میں اور بھی خطرناک ہوگی۔ بجز توبہ و استغفار اس کا کوئی علاج نہیں۔

نمازِ ظہر کے بارہ میں حضور کا طریق

فرمایا:۔

مولوی نورالدین صاحب کو بلاؤ کہ نماز پڑھی جاوے۔

مولوی صاحب بلائے گئے اور ڈیڑھ بجے نماز ظہر ادا کی گئی۔ فرض کی نماز باجماعت ادا کر کے حضرت اندر تشریف لے گئے۔ حضرت اقدس کا مدام یہی اُصول ہے کہ آپ ظہر کی پہلی چار سُنتیں گھر میں ادا کر کے باہر تشریف لاتے ہیں۔ پچھلی دو سُنتیں بھی جا کر اندر پڑھتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ادائے فرض کے بعد مسجد میں بیٹھنا منظور ہو تو پچھلی دو سُنتیں فرضوں کے بعد مسجد میں ہی ادا فرماتے ہیں۔[1]

---

۳۰ جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

آج ظہر کی نماز میں حضرت اقدس تشریف لائے۔ آپ کی طبیعت قدرے علیل معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔ نماز باجماعت ادا فرما کر اندر تشریف لے گئے عصر کی نماز میں آپ اذان ہونے کے بعد جلدی تشریف لے آئے۔

فرمایا:۔

مولوی صاحب کو بُلاؤ۔ نماز ادا کی جائے

فرمایا:۔

درد گُردہ ہو رہا ہے۔ سرد ہوا تیز چلتی ہے تو درد شروع ہو جاتا ہے۔ پھر آپ بیٹھ گئے۔ مولوی محمد علی صاحب و مفتی محمد صادق صاحب بھی آ گئے۔ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔

رسول (THE CIVIL & MILITARY GEZETTE) میں کوئی نئی خبر آپ نے پڑھی ہے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء

مولوی صاحب نے عرض کی کہ یورپ کی تار خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ سخت سردی پڑ رہی ہے حتیٰ کہ انجنوں میں بھی پانی جم جاتا ہے۔
آپ نے پوچھا کہ

کیا غیر معمولی سردی لکھا ہے یا کہ معمولی؟

مولوی صاحب نے عرض کی کہ غیر معمولی سردی کی تار خبریں درج ہیں۔ اتنے میں مولوی محمد احسن صاحب بھی آگئے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور کا الہام ہے ؎

پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن

ثلج برف کے معنے ہیں اور یہ غیر معمولی سردی اس پیشگوئی کو پورا کر رہی ہے۔ اتنے میں حضرت حکیم الامت تشریف لے آئے۔ نماز کی جماعت کھڑی ہوگئی۔ آپ نماز باجماعت ادا فرما کر اندر تشریف لے گئے[1]

۳۱ر جنوری ۱۹۰۷ء

(بوقت عصر)

خطوط کے جواب میں حضور کا طریق

حضرت اقدس نماز عصر میں تشریف لائے مفتی صاحب سے فرمایا کہ:۔

بعض شکایتیں آئی ہیں کہ خطوں کا جواب نہیں ملتا۔ خطوں کے جواب لکھے جاویں ..... واضح ہو کہ حضرت اقدس امام ہمام علیہ السلام کے نام جو خطوط آتے ہیں وہ براہ راست چٹھی رساں حضرت اقدس کو جا کر دیتا ہے اور سب خطوں کو حضرت اقدس خود ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اکثر جواب لکھنے کے لیے ہدایتیں کر کے منشی کو سپرد فرماتے ہیں۔ ناسازیٔ طبع نہ ہو اور فرصت ہو تو بہت کا جواب خود تحریر فرماتے ہیں[2]

۹ر فروری ۱۹۰۷ء

خط سے سوال پیش ہوا کہ مکان میں میرا پانچ سو روپیہ کا حصہ ہے۔ اس حصہ میں مجھ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۷ء

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۵ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۰۷ء

حضرت نے فرمایا:۔

جواہرات و مکانات پر کوئی زکوٰۃ نہیں

بوقتِ عصر

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

اس وقت جو بے وقت بارش متواتر برس رہی ہے۔ واللہ اعلم اس سے طاعونی کیڑے ہی پرورش پا رہے ہیں۔[1]

۱۰ر فروری ۱۹۰۷ء

مینجر گوردکل گوجرانوالہ کا ایک اَور خط حضرت صاحب کے نام آیا جس کا جواب حضور نے مفتی صاحب کو لکھنے کے لیے فرمایا۔ چنانچہ مفصلہ ذیل خط لکھا گیا۔

جناب مینجر صاحب گوردکل گوجرانوالہ تسلیم! آپ کا دوسرا خط حضرت کی خدمت میں پہنچا جس میں آپ نے ظاہر کیا ہے کہ آپ نصف گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتے اور ایک عالم کے واسطے بسبب اس کے علم کے اتنا وقت کافی ہے۔ بجواب گذارش ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اہم مذہبی امور پر گفتگو کرنے کے واسطے اتنا تھوڑا وقت کسی صورت میں کافی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ہم ایسی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کم از کم تین گھنٹہ کا وقت ہمارے مضمون کے واسطے رکھتے تو ممکن تھا کہ ہم خود جاتے یا اپنا کوئی فاضل دوست اپنا مضمون دے کر بھیج دیتے ہم کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایسے مضامینِ عالیہ میں صرف آدھ گھنٹہ کی تقریر کافی ہے۔ ہم رسوم کے پابند نہیں ہم پابندِ احقاق ہیں۔ باقی آپ کا یہ فرمانا کہ بڑے عالم کے واسطے نصف گھنٹہ کافی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ بات کیونکر آپ درست قرار دیتے ہیں جبکہ آپ کے وید مقدس کے لکھنے والوں نے اپنی باتوں کو ختم نہ کیا جب تک کہ وہ ایک گدھے کے بوجھ کے برابر نہ ہو گئے تو پھر آپ ہم سے یہ اُمید کیونکر رکھتے ہیں۔ ایک نکتہ معرفت کا قبل از تکمیل گلا گھونٹنا درحقیقت سچائی کا خون کرنا ہے جس کو کوئی راستباز پسند نہیں کرے گا۔ اگر علم اور نفس کا معیار حد درجے کے اختصار اور تھوڑے وقت میں ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وید صرف چند سطروں میں ختم ہو جاتا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تھوڑے وقت نے مجھے اس اشتراک سے محروم رکھا۔ کیا خدا تعالیٰ کی ذات صفات کی نسبت کچھ بیان کرنا اور پھر رُوح اور مادہ میں جو فلاسفی مخفی ہے اس کو کھولنا آدھ گھنٹہ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لفظ ہی

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۳ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۷ء

سوءِ اَدب میں داخل ہے جن لوگوں کو محض شراکت کا فخر حاصل کرنا مقصود ہے وہ جو چاہیں کریں مگر ایک محقق ناتمام تقریر سے خوش نہیں ہو سکتا۔ سچائی کو ناتمام چھوڑنا ایسا ہے جیسا کہ بچہ اپنے پورے دنوں سے پہلے پیٹ سے ساقط ہو جائے آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

خادمِ مسیح موعود محمد صادق عفا اللہ عنہ[1]

۱۷ر فروری ۱۹۰۷ء

۱۱ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

مفتی صاحب نے کسی شخص کا سوال خط سے پیش کیا کہ میں نے ایک بیوہ عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اس کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا کیا اس پر عمل کیا جاوے یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ لہٰذا اس پر عمل کیا جاوے۔

چند فقہی مسائل

① پھر خط سے سوال پیش ہوا کہ کئی اشخاص نے ایک گائے قربانی کرنے کے لیے خریدی تھی جن میں سے ایک احمدی تھا۔ غیر احمدیوں نے اس کو اس وجہ سے اس گائے کا حصہ قیمت واپس دے دیا کہ اس کا حصہ قربانی میں رکھنے سے قربانی نہ ہوگی۔ اس لیے اس شخص نے لکھا کہ میں اپنی قربانی کا حصہ نقد قادیان میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

اس کو لکھو کہ قربانی کا جانور اس قیمت سے لے کر وہاں ہی قربانی کر دے۔

عرض کی گئی کہ اس کا حصہ قیمت جو گائے کے خریدنے میں تھا وہ بہت تھوڑا ہے۔ اس سے دُنبہ بکرا خرید نہیں سکے گا۔

حضرت نے فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۵ مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۰۷ء نیز دیکھئے الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۳ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۷ء

اس کو لکھو کہ تم نے جبکہ اپنے اُوپر قربانی ٹھہرائی ہے اور طاقت ہے تو اب تم پر اس کا دینا لازم ہے اور اگر طاقت نہیں تو پھر اس کا دینا لازم نہیں۔

② خط سے سوال پیش ہوا کہ میں بوقتِ سحر بماہِ رمضان اندر بیٹھا ہوا بے خبری سے کھاتا پیتا رہا۔ جب باہر نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سفیدی ظاہر ہو گئی ہے۔ کیا وہ روزہ میرے اوپر رکھنا لازم ہے یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

بے خبری میں کھایا پیا تو اس پر اس روزہ کے بدلے میں دوسرا روزہ لازم نہیں آتا۔

③ پھر سوال پیش ہوا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ سے فرضی روزے مراد ہیں یا اور روزے مراد ہیں؟ فرمایا:۔

کُتِبَ سے فرضی روزے مراد ہیں [1]

---

۱۲ فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

افغانستان میں مذہبی آزادی نہیں ہے

ایک مولوی صاحب حدودِ افغانستان سے حضرت کی ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے۔ مصافحہ کے بعد حضرت نے ان کے کوائفِ سفر و صعوبتِ راہ کی حالت دریافت فرمائی بعد ازاں حکومتِ افغانستان کی عدمِ حریت و آزادی کے متعلق ذکر ہوا [2]

فرمایا کہ:۔

اخبارات میں جو آجکل لکھا جا رہا ہے کہ حکومت افغانستان میں ہر مذہب کے لوگوں کو عام آزادی حاصل ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے کیونکہ اگر افغانستان میں ہندوستان جیسی حریت و آزادی ہر مذہب کے لوگوں کو حاصل ہوتی تو اخوندزادہ حضرت مولوی عبداللطیفؓ کو اس بیدری سے اختلافِ مذہب کے سبب اس حکومت میں ہلاک نہ کیا جاتا [3]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۳-۱۴ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء

[2] بدر سے:۔ "افغانستان کا ذکر تھا کہ اگر ہماری جماعت کے لوگ جو کہ اس جگہ ہیں تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں تو امید ہے کہ بہت فائدہ ہو۔ فرمایا:۔ اگر ایک شخص بھی تمہارے ذریعہ سے دین کو اچھی طرح سمجھ لے تو یہ ایک بڑے ثواب کا کام ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۴)

[3] بدر سے:۔ "خیر ہم خدا تعالیٰ پر اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ضرور کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر دے گا جس سے ان ممالک میں پوری تبلیغ ہو گی۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۴ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۰۷ء)

تازہ وحی

بعدازاں حضرت نے خدا تعالیٰ کی تازہ وحی کا ذکر فرمایا جو پہلے درج ہو چکی ہے اور اس میں سے مندرجہ ذیل فقرہ سُنایا:۔

آسمان ٹوٹ پڑا سارا معلوم نہیں کیا ہونیوالا ہے

تشریح میں فرمایا:۔

اگرچہ کثرت بارش سے بھی آسمان کا ٹوٹ پڑنا مراد ہو سکتا ہے مگر ان الہامات کی تشریح میں ہم کسی پہلو پر زور نہیں دیتے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جس رنگ وصورت میں چاہا، واقع ہوں گے۔ ان الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشت ناک امر واقع ہونے والا ہے جس سے لوگ متحیر و خوف زدہ ہو جاویں گے لہٰذا خدا تعالیٰ نے ان کی طرف سے حکایتاً بیان فرمایا ہے کہ معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔

فرمایا:۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت دُور نہیں ہے۔ قریب آگیا ہے۔

پھر حضرت اقدس نے فاضل امروہی سے استفسار فرمایا کہ:۔

خطوط سے معلوم ہوتا ہوگا آپ کی طرف بارش زور سے برس رہی ہے یا نہیں؟

مولوی صاحب نے عرض کی۔ اُس طرف اتنی بارش نہیں ہے جس قدر اِس طرف برس رہی ہے

پھر حضرت نے بیماری طاعون کا حال پوچھا۔ مولوی صاحب نے عرض کی کہ بیماری اس طرف بہت ہے۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مولوی ثناء اللہ امرتسری

ثناء اللہ لکھتا ہے کہ سعد اللہ کی وفات کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ پیشگوئی روز روشن کی طرح پوری ہوگئی ہے حقیقۃ الوحی میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے متعلق زبردست دلائل لکھے جاویں گے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی

فرمایا:۔

ثناء اللہ بہ نسبت محمد حسین بٹالوی کے بدگوئی میں بڑھ گیا ہے۔

محمد حسین بٹالوی کا ذکر ہوا۔ فاضل امروہی نے عرض کی کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس نے کہا تھا کہ میں نے ہی ان کو یعنی حضور کو عروج پر چڑھایا تھا اور میں ہی گراؤں گا مگر معاملہ برعکس ہوا۔ اس جگہ تو یوماً فیوماً ترقی ہو رہی ہے اور شرق وغرب کی مخلوق آپہنچی ہے اور محمد حسین اکیلا طریدہ گیا ہے۔ اکثر احباب نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اشاعت السنۃ سے اس کو تین سو روپیہ تک بچ جاتا تھا۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ کیا حال ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

محمد حسین ہمیشہ ہمارے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ پندرہ روز تک بٹالہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا بلکہ ہمارے پاس آجاتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے متعلق اس کے باپ نے ایک سخت ناگوار اشتہار دینا چاہا تھا اور محمد حسین نے مجھے کہا کہ میرے باپ کو اس امر سے منع کرو۔ چنانچہ ہم نے اس کو اس امر سے روکا تھا۔

میر ناصر نواب صاحب نے خواب بیان کیا کہ تھوڑے روز ہوئے مَیں نے محمد حسین کو خواب میں دیکھا کہ سامنے سے چلا آتا ہے اور میرے ساتھ مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ تو میں نے بھی اس کے ساتھ مصافحہ کیا اتنے میں مجھے آواز آئی۔ جو جُھکے آپ سے اس سے جُھک جائیے۔

بوقت عصر

احوالِ افغانستان

حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے تو نووارد افغان مولوی صاحب سے بزبانِ فارسی استفسار فرمایا کہ آپ کے ملک میں سردی کا کیا حال ہے۔ انہوں نے عرض کی ہمارے ملک میں بہت سردی ہوتی ہے۔ بالخصوص تین ماہ میں سخت سردی پڑتی ہے۔ فصل برف کے نیچے دب جاتے ہیں۔

حضرت نے پوچھا کہ

افغانستان میں عربی کی کیا کیا کتابیں لوگ پڑھتے ہیں۔

افغان مولوی صاحب نے عرض کی کہ فقہ کا زیادہ رواج ہے۔ قدوری۔ کنز۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ پڑھ لیتے ہیں۔ زیادہ علوم سے اکثر علماء بے بہرہ ہوتے ہیں۔ حدیث کے علم کا رواج افغانستان میں نہیں ہے۔ سفر یل میں ایک افغان مولوی مجھے ملا۔ میرے پاس بخاری شریف دیکھکر کہا۔ تم وہابی ہو۔

حضرت حکیم الاُمّت نے فرمایا خود مولف بخاری شریف کو ان لوگوں کے بھائی بندوں نے بخارا سے جلاوطن کر دیا تھا۔

بعد ازاں نماز کھڑی ہوگئی۔ ادائے نماز کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے۔[1]

۱۳ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

مسٹر ویب کا ذکر

مفتی صاحب نے مسٹر ویب باشندہ امریکہ کا خط حضرت اقدس کو سُنایا۔ حضرت نے فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۲ مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۷ء

ویب اگر دلی کوشش کرتا تو ضرور اس کا اثر لوگوں میں ہوتا کیونکہ

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

ویب اہلِ امریکہ کو کیا کوستا ہے اس کو اپنے دل کو کوسنا چاہیئے۔ اس نے ہمارے سلسلہ کی طرف پوری توجہ نہیں کی بلکہ بدگوئی کے ساتھ ہندوستان سے واپس چلا گیا تھا۔ اس سے تو ہمارے نزدیک عبداللہ کوئم بدرجہا بہتر ہے جس نے ایک جماعت مسلمانوں کی بنالی ہے۔

فاضل امروہی نے عرض کیا کہ ویب کے متعلق حضور نے ایک پیشگوئی کی تھی جبکہ وہ قادیان میں آنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ وہ یہاں نہیں آئے گا اور واپس چلا جاوے گا اور جس بات کے لیے واپس گیا تھا وہ بھی اس کو نصیب نہ ہوئی۔ چنانچہ واپس جاکر نادم ہوا۔

(بوقتِ عصر)

اہلِ مغرب میں تبلیغ

قبل نماز عصر حضرت اقدس مسجد میں تشریف لائے۔ مولوی محمد علی صاحب کو فرمایا کہ:۔

اگر اہلِ امریکہ و یورپ ہمارے سلسلہ کی طرف توجہ نہیں کرتے تو وہ معذور ہیں اور جب تک ہماری طرف سے ان کے آگے اپنی صداقت کے دلائل نہ پیش کئے جاویں وہ انکار کا حق رکھتے ہیں۔ ہماری صداقت کے دلائل و حقیقتِ اسلام پر ایک مستقل کتاب انگریزی میں چھاپ کر ان کو پیش کی جاوے۔ جن باتوں کو ہمارے مخالف مسلمان ان کے آگے پیش کرتے ہیں ان میں بہت غلطیاں ہیں۔ مثلاً حیاتِ مسیح مسئلہ ختمِ نبوت۔ مکالماتِ الٰہی کے متعلق اس زمانہ کے مسلمانوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ اس کتاب میں ان مسائل کی تنقیح اور ہمارے سلسلہ کے دلائل صداقت لکھے جاویں۔

ویب نے ایک چٹھی لکھی کہ جو معجزات اب پیش کئے جاتے ہیں ان پر سب ٹھٹھے کئے جاتے ہیں۔ ان سب باتوں کے لیے ایک مستقل کتاب جامع ہو جس میں یہ سب مضمون لکھے جاویں[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء

بدر سے:۔ "مولوی محمد علی صاحب کو بُلا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہم چاہتے ہیں کہ یورپ امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے واسطے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جاوے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آجکل جو ان ملکوں میں اسلام نہیں پھیلتا اور اگر کوئی مسلمان ہوتا بھی ہے تو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۵ر فروری ۱۹۰۷ء

الہام کی کیفیت

ایک الہام کا ذکر تھا فرمایا:۔
یاد نہیں لیکن لکھا ہوا ہے۔

پھر فرمایا:۔

بعض دفعہ الہامِ الٰہی ایسی سرعت کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ ایک پرندہ پاس سے نکل جاتا ہے اور اگر اسی وقت لکھ نہ لیا جاوے یا اچھی طرح سے یاد نہ کر لیا جاوے تو بھول جانے کا خوف ہوتا ہے۔

ایک الہام

آج کی وحی الٰہی "اس ہفتہ میں کوئی باقی نہ رہے گا" کے متعلق فرمایا کہ:۔
ابھی ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس الہام میں ہفتہ سے کیا مراد ہے اور یہ کس کے متعلق ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ بعض اس قسم کے الہامات کسی خاص مکان اور خاص زمانہ کے متعلق ہوتے ہیں۔

فرمایا:۔

درست ہے۔ دانیال کی کتاب میں صدہا سال کو ہفتہ کہا گیا ہے اور دنیا کی عمر بھی ایک بتلائی گئی ہے۔ اس جگہ ہفتہ سے مراد سات ہزار سال ہیں۔ ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج: ۴۸) تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وہ بہت کمزوری کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور نہ اُن کے سامنے اصل حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھلایا جاوے جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے۔ وہ امتیازی باتیں جو کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں۔ وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں اور خدا تعالیٰ کے مکالمات مخاطبات کا سلسلہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہیئے اور ان سب باتوں کو جمع کیا جاوے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانہ میں وابستہ ہے۔ ان تمام دلائل کو ایک جگہ جمع کیا جاوے جو اسلام کی صداقت کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہم کو سمجھائے ہیں۔ اس طرح ایک جامع کتاب تیار ہو جاوے تو اُمید ہے کہ اس سے ان لوگوں کو بہت فائدہ حاصل ہو۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۴ مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۰۷ء)

دنیا کی عمر اور اس کا انجام

فرمایا:-
آخر ایک دن اس دنیا کا خاتمہ ہونے والا ہے اور سب فنا ہو جائینگے اور اس فنا کا وقت دنیا کی عمر کے مطابق ساتویں ہزار سال کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ یہ گنتی ہم حضرت آدم سے کرتے ہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ اس سے پہلے انسان نہ تھا یا دُنیا نہ تھی بلکہ ایک خاص مورثِ اعلیٰ سے اس گنتی کو لیا جاتا ہے جس کا نام آدم تھا۔ جیسا کہ اوّل میں وہ آدم تھا ایسا ہی آخر میں ایک آدم ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اس دنیا کی عمر کے روز میں گویا عصر کا وقت تھا۔ جبکہ وہ عصر کا وقت تھا تو خود اندازہ ہو سکتا ہے کہ اب کتنا وقت باقی ہوگا۔ انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اب دُنیا کی عمر تھوڑی باقی ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ اس قسم کے الفاظ جیسا کہ قیامت فنا وغیرہ ہیں بعض جگہ کسی خاص قرن اور خاص قوم کے متعلق آتے ہیں۔

فرمایا:-

یہ درست ہے اور خدا تعالیٰ قدیم سے خالق چلا آتا ہے لیکن اس کی وحدت اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ کسی وقت سب کو فنا کر دے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن: ۲۷) سب جو اس پر ہیں فنا ہو جانے والے ہیں۔ خواہ کوئی وقت ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ وقت کب آئے گا۔ مگر ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ یہ اس کے آگے ایک کرشمۂ قدرت ہے۔ وہ چاہے پھر خلقِ جدید کر سکتا ہے۔

تمام آسمانی کتابوں سے ظاہر ہے کہ ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ خدا کی قدرت کا خیال کیا جاوے تو یہ بات مستبعد اور قابلِ تجویز نہیں رہتی۔ زلزلہ کا ایک دھکا لگتا ہے تو شہروں کے شہر ویران ہو جاتے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ جب امن کا زمانہ ہوتا ہے تو لوگوں کو منطق یاد آتی ہے اور باتیں بناتے ہیں لیکن جب خدا تعالیٰ ایک ہاتھ دکھاتا ہے تو تمام فلسفہ بھول جاتا ہے۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل ذکر کرتے ہیں کہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ میں ان کے کالج کا ایک ہندو لڑکا دہریہ بے ساختہ رام رام بول اُٹھا۔ جب زلزلہ تھم گیا تو پھر کہنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ غرض ایسے لوگ درست نہیں ہوتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ عجوبۂ قدرت نہ دکھائے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تک کہ ایسا نہ ہو توحید قائم نہیں ہوتی۔

کیا ہر طاعونی موت شہادت ہے؟

ذکر آیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طاعون کوئی عذابِ الٰہی نہیں بلکہ یہ تو ایک شہادت ہے۔

فرمایا:-

لہ نقل مطابق اصل۔ (مرتب)

شہادت تو مومن کے واسطے ہوتی ہے جو پہلے ہی سے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس کو قربان کر چکا ہوتا ہے اس کی موت ہر حالت میں شہادت ہے۔ لیکن یہ ایک عام قانون بنانا کہ ہر ایک شخص جو طاعون سے مرتا ہے وہ شہید ہے تو پھر کیا چوہڑے، چمار، ہندو۔ آریہ، عیسائی، دہریہ، بُت پرست جو ہزارہا طاعون سے مَر رہے ہیں وہ سب درجہ شہادت کو حاصل کر رہے ہیں؟ سید عبدالحی عرب نے مولوی ثناء اللہ کو کہا تھا کہ امرتسر کا رسل بابا طاعون کے عذاب سے ہلاک ہوا ہے تو ثناء اللہ نے کہا کہ وہ شہادت کی موت مرا ہے تو عرب صاحب نے کہا پھر خوب ہے مَیں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو بھی اس قسم کی شہادت کی موت دے۔

غرض شہادتِ نفس طاعونی موت میں شامل نہیں ہے بلکہ شہادت کا درجہ تو ان مومنوں کے واسطے ہے جو اپنی زندگی میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر چکے ہیں۔ طاعونی عذاب حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بھی اُن کے مخالفوں پر پڑا تھا اور پھر حضرت مسیحؑ کے بعد بھی یہ عذاب ان کے مخالفوں پر وارد ہوا تھا اور اب بھی خدا تعالیٰ نے بطور نشان کے یہ عذاب نازل فرمایا ہے۔

آدم کا بہشت

ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ بہشت میں جو لوگ داخل ہوں گے وہ لوگ نکالے نہیں جاویں گے تو پھر آدم اور حوا کیوں نکالے گئے تھے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

آدم جس بہشت سے نکالا گیا تھا وہ زمین پر ہی تھا بلکہ تورات میں اس کی حدود بھی بیان کی گئی ہیں نصوصِ قرآنیہ سے یہی ثابت ہے کہ انسان کے رہنے اور مرنے کے واسطے یہی زمین ہے جو شخص اس کے برخلاف کچھ مذہب رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے کلام کی بے ادبی کرتا ہے۔

بلا تاریخ

قرض پر زکوٰۃ

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو روپیہ کسی شخص نے کسی کو قرضہ دیا ہوا ہے کیا اس پر اس کو زکوٰۃ دینی لازم ہے؟

فرمایا:۔ نہیں۔

اعتکاف

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ جب آدمی اعتکاف میں ہو تو اپنے دنیوی کاروبار کے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔

بدر جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۴ - ۵ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء

سخت ضرورت کے سبب کر سکتا ہے اور بیمار کی عیادت کے لیے اور حوائجِ ضروری کے واسطے باہر جا سکتا ہے۔[1]

۱۶ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

مباحثات تحریری ہوں

مونگھیر کی جماعت اور وہاں کے کسی مباحثہ کا ذکر ہوا۔ فرمایا:۔ تحریری سوالات ہوں تو ہماری طرف سے بھی مخالفین کے لیے تحریری جواب دیا جاوے اور زبانی مباحثات مظنۂ فساد ہوتے ہیں۔

قصیدۂ اعجازیہ

قاضی ظفر الدین متوفی کے قصیدہ کا ذکر ہوا جو اس نے حضرت کے قصیدہ کے مقابلہ میں بنایا تھا اور اس کو خدا نے اتنی فرصت نہیں دی کہ شائع کر سکے۔ اب اس کو ثناء اللہ چھاپتا ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔

قصیدہ بنانے والا تو اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا اور جہان سے رخصت ہو گیا اور وہ اس کو اپنی زندگی میں بھی شائع نہ کر سکا۔ ثناء اللہ کو تو اتنی لیاقت نہیں کہ اس کی تصحیح کر سکے۔[2]

۱۷ر فروری ۱۹۰۷ء

خدا تعالیٰ کا غضب اور آفاتِ سماوی

حضرت حکیم الامت نے کسی شخص کا مقولہ بیان فرمایا کہ وہ کہتا ہے کہ زلزلے بیماریاں آیا ہی کرتی ہیں۔ ان کو خدا تعالیٰ کے غضب سے کیا تعلق ہے؟

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کے منکر ہیں۔ دہریے ہیں۔ کیا موسیٰ، نوح علیہما السلام کے وقت میں یونہی بیماریاں آتی تھیں یا کہ خدا تعالیٰ نے ان کا کوئی سبب بیان فرمایا ہے؟

فرمایا:۔

اس دفعہ طاعون خطرناک شکل پکڑتی جاتی ہے۔ ہمیں تو اس سے خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۵ مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۰۷ء

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء

کی ہستی اور دُنیا کی ناپائیداری اہلِ دُنیا پر ثابت ہو رہی ہے ۔

خدا را بخود تو اندشناخت

سوفسطائی جو حقیقتِ اشیاء کے منکر ہیں ان کا جواب یہی لکھا ہے کہ جب ان کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تب حقیقتِ اشیاء کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت دُنیا پر واضح فرما رہا ہے ۔

سعد اللہ لدھیانوی

سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا تو فرمایا :-

مَیں نے اپنے قصیدہ انجامِ آتھم میں اسکے متعلق لکھا تھا:-

اَذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ

اِنْ لَّمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بَغَاءِ

یعنی خباثت سے تُو نے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو مَیں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا اے سرکش انسان !

فرمایا:-

اسی طرح سعد اللہ نے بھی میرے حق میں لکھا ہے کہ تیرا خذیمین اور قطع وتین اور تیرا سلسلہ تباہ ہوگا۔ اب یہ اس نے مباہلہ کر لیا تھا۔ دیکھو اب کون تباہ و ہلاک ہوا۔ یہی مباہلہ کا نتیجہ تھا کہ وہ لکھتا ہے کہ یہ کذّاب ہے۔ اب دیکھو کہ کذّاب کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ اس کے مقابل پر مومن اور سچے ہلاک ہوتے جاویں ؟ ہر امر میں کاذب غالب ہو اور اس کو خدا کی نصرت ملتی جاوے اور خدا تعالیٰ سچوں پر تباہی اور ہلاکت وارد کرتا جاوے ؟

ہماری صداقت کا آفتاب چڑھ آیا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ دجالوں اور کاذبوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا آیا ہے کہ کاذبوں کو صلت دیتا جاوے اور اُن کے مقابل سچوں کو ہلاک کرتا جاوے ؟ کیا اس بات کا ثبوت کسی سابق زمانہ میں کوئی بھی گذرا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا ہو ؟ دراصل اب دنیا میں دہریت پھیل گئی ہے۔ اب تو ہماری صداقت کا آفتاب چڑھ آیا ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ملتا ہے[1]

(بوقتِ ظہر)

خدا تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سبب مؤثر نہیں

آج کل جو خطرناک امراض ترقی پذیر ہو رہے ہیں ان کے متعلق

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۷ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء

ذکر ہونے پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تقریر فرما رہے تھے۔ جب خاکسار[1] حاضر ہوا تو کلمات ذیل برزبان دُرافشاں جاری تھے:۔

توحید اسلام ہی کی توحید ہے۔ اسلام سکھلاتا ہے کہ جو زہریلے ذرات انسان کے اندر جاکر خطرناک امراض کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ سب خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت چلتے اور اثر پذیر ہوتے ہیں۔ بغیر اذنِ الٰہی کوئی ذرہ اثر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کے آگے تضرع وزاری کرنی چاہیئے کہ وہ زہریلے ذرات ومواد کے اثر سے محفوظ رکھے۔ اگر زہریلے ذرات ومواد انسان کے اندر خود بخود اثر پذیر ہوتے تو پھر ان ذرات کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑتے کہ اثر نہ کریں مگر ایسا امر نہیں ہے بلکہ کوئی چیز وذرہ خدا تعالیٰ کے حکم واذن کے سوا اثر نہیں کر سکتا۔[2]

۲۱ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

ایک الہام کی تشریح

ذکر ہوا کہ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون روز بروز ترقی پکڑتی جاتی ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:۔

شاید وہ جو ہمارا الہام ہے ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہ رہے گا، یہ خاص اشخاص کے متعلق ہو اور اس کا ظہور اس شکل میں ہو۔

کل دہلی سے خط آیا ہے کہ مولوی عبدالمجید دہلوی جو ہمارا سخت معاند تھا یکایک مرگیا۔ ایسا ہی ایک اور بڑے معاند کی مرگِ مفاجات کا ذکر تھا۔

نواب بہاولپور کا حسنِ خاتمہ

نواب بہاولپور کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

میرے نزدیک اس کا خاتمہ اچھا ہوا۔ اس خاندان کا پیر (غلام فرید صاحب مرحوم ساکن چاچڑاں) ہمارا معتقد تھا۔ نواب بہاولپور شاید اس نوجوانی کی عمر میں واپس آتا تو غلطیوں میں منسلک ہو جاتا۔ اس کا حسنِ خاتمہ بطور یادگار رہے گا۔

---

[1] یعنی ایڈیٹر صاحب الحکم (مرتب)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۸ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقت عصر)

آدابِ تلاوت

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قرآن شریف کس طرح پڑھا جاوے؟
حضرت اقدس نے فرمایا:-

قرآن شریف تدبر و تفکر و غور سے پڑھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رُبَّ قَارٍ یَلْعَنُهُ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی بہت ایسے قرآن کریم کے قاری ہوتے ہیں جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔ جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا اس پر قرآن مجید لعنت بھیجتا ہے۔ تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیت رحمت پر گذر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالےٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے اور تدبر و غور سے پڑھنا چاہیئے اور اس پر عمل کیا جاوے۔[1]

بلا تاریخ

امیر حبیب اللہ خان والیٔ افغانستان

یہ ڈائری اس وقت کی ہے جبکہ حضرت اقدس اندر کے مکان میں ہوتے ہیں اور اس کو صاحبزادہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب نے لکھ کر اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان کے جلد ۲ نمبر ۱ میں درج کیا ہے۔ وہاں سے ہم درج کرتے ہیں:-

"امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کی آمد پر فرمایا کہ:-

لوگ اس کے لیے بڑے بڑے جلسے کرتے ہیں اور اس کے آنے پر خوش ہیں۔ مگر ہم اس کا آنا نہ آنا برابر سمجھتے ہیں۔ ہم اس آدمی کی پرواہی کیا کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرے۔ ہمارا بادشاہ خدا ہے اور امیر حبیب اللہ اس کا مجرم ہے کیونکہ اس نے بلا کسی حق کے صاحبزادہ عبد اللطیف کو صرف اس لیے کہ وہ گورنمنٹ انگریزی سے جہاد کرنا ناجائز قرار دیتے تھے قتل کیا اور پھر نہایت بیدردی کے ساتھ۔ ایسے شخص کے لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النساء: ۹۴) یعنی جو شخص کہ ایک مومن کو بلا کسی کافی عذر کے قتل کر دے پس اس کی سزا جہنم ہے۔ پس ہم تو الٰہی فیصلہ کے منتظر ہیں اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے شخص پر میرا غضب نازل ہوگا۔ پس خدا کے غضب سے اور کونسی چیز ہے جو خطرناک ہے۔

مسواک کو پسند فرمانا

حضرت صاحب مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں اور علاوہ مسواک کے اور مختلف چیزوں سے دن میں کئی دفعہ دانتوں کو صاف کرتے

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۸ صفحہ ۱۵ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء

ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سُنت تھی۔ پس سب کو چاہیئے کہ اس طرف بھی توجہ رکھا کریں۔

آزمائش کے بغیر ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا

فرمایا:۔ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور مسلمان ہیں لیکن دراصل وہ نہیں ہوتے۔ زبانی اقرار تو ایک آسان بات ہے لیکن کر کے دکھانا اور بات ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ مومن اور سچے ایماندار ہیں اور ابھی وہ آزمائے نہیں گئے۔ پس جب تک آزمائش نہ ہو ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بہت لوگ ہیں جو آزمائش کے وقت پھسل جاتے ہیں اور تکلیف کے وقت ان کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔

ایک یہودی کا قصہ ہے جو کہ ایک بڑا طبیب گذرا ہے اور جس کا نام ابوالخیر تھا کہ ایک دفعہ وہ ایک کوچہ میں سے گذر رہا تھا جبکہ اس نے ایک شخص کو یہ پڑھتے ہوئے سُنا کہ اَحَسِبَ النَّاسُ الآیۃ۔ اگرچہ وہ یہودی تھا۔ اُس نے آیت کو سُنکر اپنے ہاتھوں سے ایک دیوار پر ٹیک لگا لی اور سر جُھکا کر رونے لگا۔ جب رو چکا تو اپنے گھر آیا اور جب وہ سو گیا تو اس نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے آکر فرمایا کہ اے ابوالخیر تعجب ہے کہ تیرے جیسا فضل و کمال والا انسان مسلمان نہ ہو۔ صبح جب اُٹھا تو اُس نے تمام شہر میں اعلان کر دیا کہ مَیں آج مذہبِ اسلام قبول کرتا ہوں۔

فرمایا کہ

یہود کا قبولِ اسلام

یہودی اگرچہ آجکل بہت تھوڑے ہیں لیکن وہ اصل میں بہت سے مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ اوپر ایک قصہ بیان بھی کیا ہے کچھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور کچھ دیگر سلاطین کے زمانہ میں۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک یہودی کو بہت نصیحت کی کہ تو مسلمان ہو جا۔ اُس یہودی نے جواب دیا کہ مَیں جانتا ہوں کہ اسلام کوئی آسان مذہب نہیں۔ صرف مُنہ سے کہدینا کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ مَیں نے اپنے ایک بیٹے کا نام خالد رکھا تھا یعنی ہمیشہ رہنے والا اور دوسرے دن میں اس کو گاڑ بھی آیا تھا۔ پس صرف نام رکھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مگر انسان کا نام رکھا ہوا اگر خطا جاتا ہے تو خدا کا نہیں۔ خدا جس کا نام رکھتا ہے وہی ٹھیک ہوتا ہے۔

خواب اور تعبیر

ایک دفعہ ہمارے والد صاحب نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے تاج اُترا اور انہوں نے فرمایا یہ تاج غلام قادر کے سر پر رکھ دو (آپ کے بڑے بھائی) مگر اس کی تعبیر اصل میں ہمارے حق میں تھی جیسا کہ اکثر دفعہ ہو جاتا ہے کہ ایک عزیز کے لیے خواب دیکھو اور وہ دوسرے کے

لیے پوری ہو جاتی ہے۔ اور دیکھو کہ غلام قادر تو وہی ہوتا ہے جو قادر کا غلام اپنے آپ کو ثابت بھی کر دے اور انہیں دنوں میں مجھ کو بھی ایسی ہی خوابیں آتی تھیں۔ پس میں دل میں سمجھتا تھا کہ یہ تعبیر الٹی کرتے ہیں۔ اصل میں اس سے مَیں مراد ہوں۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی لکھا ہے کہ ایک زمانہ انسان پر ایسا آتا ہے کہ اس کا نام عبدالقادر رکھا جاتا ہے جیسا کہ میرا نام بھی خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے عبدالقادر رکھا ہے۔

حُقّہ نوشی

فرمایا کہ:۔

انسان عادت کو چھوڑ سکتا ہے بشرطیکہ اس میں ایمان ہو اور بہت سے ایسے آدمی دُنیا میں موجود ہیں جو اپنی پُرانی عادات کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جو ہمیشہ سے شراب پیتے چلے آئے ہیں۔ بڑھاپے میں آکر جبکہ عادت کا چھوڑنا خود بیمار پڑنا ہوتا ہے بلا کسی خیال کے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور تھوڑی سی بیماری کے بعد اچھے بھی ہو جاتے ہیں۔ مَیں حُقّہ کو نہ منع کہتا اور نہ جائز قرار دیتا ہوں مگر ان صورتوں میں کہ انسان کو کوئی مجبوری ہو۔ یہ ایک لغو چیز ہے اور اس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔[1]

۲۵ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظُہر)

نشانات کا ظُہور

فرمایا:۔

اب تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اتمامِ حجّت کر دی ہے۔ نشان پر نشان ظاہر ہو رہا ہے وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جیسے تسبیح کے دانے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اسی طرح متواتر نشان ظاہر ہوں گے اسی وقت کے لیے تھا چنانچہ تم دیکھ رہے ہو کہ ایک نشان پورا ہو رہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دوسرا پورا ہو جاتا ہے۔

طاعون کے متعلق ایک شخص نے ذکر کیا کہ لدھیانہ میں پانچ جنازے ایک گھر کے ایک ہی وقت میں نکلے۔ دوسرے نے یہاں سے بارہ چودہ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا ذکر کیا کہ وہاں تو آدمی ایک کُنبہ کے اکٹھے رات کو چنگے بھلے سوئے اور صُبح سات مُردہ پائے گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد ایک لڑکا مرگیا۔

آپ نے فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۷ء

یہ خدا تعالیٰ کے قہری نشان ہیں۔ افسوس کہ لوگ اس پر بھی نہیں سمجھتے۔ الہام اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲) سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جب تک خلقت رجوع الی الحق نہ کرے گی یہ بیماری نہ جائے گی۔ دیکھو اس سال سب کی رائے یہ بندھی تھی کہ طاعون سے یہ ملک بہت کچھ پاک ہوگیا ہے اور اب عنقریب بالکل صاف ہوجائے گا مگر اس سال پہلے سالوں سے بڑھ کر حملہ ہوا ہے۔ ایسا حملہ کہ کئی گھرانے تباہ ہوگئے ہیں۔ بعض گاؤں کے گاؤں خالی ہوگئے۔ وہ جو قرآنِ مجید میں ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا (بنی اسرائیل: ۵۹) سب کچھ پورا ہو رہا ہے۔ قادیان کے متعلق مجھے الہام ہوا تھا لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکْتَ اَلْمُقَامُ۔ یعنی یہ گاؤں بھی ہلاکت کا مستوجب تھا مگر اکرام کے سبب محفوظ رکھ لیا گیا جس کے متعلق اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ ہے۔ اٰوٰی کے معنے تمام لغت کی کتابوں میں یہی لکھے ہیں کہ کسی مصیبت کے بعد پناہ دینا۔ قرآن مجید میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (الضحیٰ: ۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قادیان میں کچھ عذاب طاعون آنا تھا اور پھر اس کے بعد حفاظت ہوگی۔

شرع میں حیلہ

عاجز اکمل نے آیت خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّہٖ وَلَا تَحْنَثْ (صٓ: ۴۵) کی نسبت پوچھا کہ اگر اس کے وہ معنی کئے جاویں جو عام مفسروں نے کئے ہیں تو شرع میں حیلوں کا باب کھل جائے گا۔

آپ نے فرمایا:۔

چونکہ حضرت ایوبؑ کی بیوی بڑی نیک، خدمتگذار تھی اور آپ بھی متقی صابر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تخفیف کردی اور ایسی تدبیر سجھا دی جس سے قسم بھی پوری ہو جائے اور ضرر بھی نہ پہنچے۔ اگر کوئی حیلہ اللہ تعالیٰ سمجھائے تو وہ شرع میں جائز ہے کیونکہ وہ بھی اسی راہ سے آیا جس سے شرع آئی۔ اس لیے کوئی حرج کی بات نہیں ہے[1]

۲۶ر فروری ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

حضرت اقدس نے جو رسالہ "قادیان کے آریہ اور ہم" لکھا ہے وہ چھپ کر شائع ہوگیا ہے۔ بعض مخالفین کو بھی ارسال کرنے کے لیے فرمایا۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۶ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۷ء

فرمایا:-
قلوب کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کو نثر سے بعض کو نظم سے اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص کو صرف ہماری براہین احمدیہ کی نظم سے اثر ہوا۔ اور وہ ہمارے پاس پہنچا۔

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنیکے دن"

سال گذشتہ کا الہام ہے۔ اس کے متعلق ذکر ہوا کہ ہر طرف سے خبریں آرہی ہیں کہ اس سال غیر معمولی سردی پڑی ہے اور یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔

(بوقتِ عصر)
آریوں کے گندے اعتقادات کا ذکر ہوا۔ فرمایا:-
آریوں کا اعتقاد ہے کہ خدا نے تو کچھ پیدا ہی نہیں کیا اور اولاد حرام طور پر حاصل کرنے کے شائق ہیں۔[1]

یکم مارچ ۱۹۰۷ء

طاعون زدہ گاؤں سے باہر کھلی جگہ ڈیرہ لگانا چاہیئے

ایک دوست نے ذکر کیا کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے۔ فرمایا کہ:-
گاؤں سے فوراً باہر نکل جاؤ اور کھلی ہوا میں اپنا ڈیرہ لگاؤ۔ مت خیال کرو کہ طاعون زدہ جگہ سے باہر نکلنا انگریزوں کا خیال ہے اور اس واسطے اس کی طرف توجہ کرنا فرض نہیں۔ یہ بات نہیں طاعون والی جگہ سے باہر نکلنا یہ فیصلہ شرعی ہے۔ گندی ہوا سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ جان بوجھ کر ہلاکت میں مت پڑو اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہ بخشواؤ کہ وہ قادر خدا ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے باوجود ان احتیاطوں کے اگر تقدیر الٰہی آجاوے تو صبر کرو۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء

۳؍مارچ ۱۹۰۷ء

(قبل نماز ظہر)

دین کو مقدم رکھیں

سید حبیب اللہ صاحب آئی۔ سی۔ ایس مجسٹریٹ[1] آگرہ[2] بمعہ ایک عزیز رفیق کے قبل نماز ظہر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے

ان کو مخاطب کر کے حضرت نے فرمایا کہ:۔

اتنی تکلیف اُٹھا کر اس جگہ کوئی شخص بغیر قوتِ ایمانی کے نہیں آسکتا۔ دنیا دی کے خیال سے تو یہاں آنا گویا اپنے وقت کو ضائع کرنا سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

فرمایا:۔

دین اور دُنیا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے سوائے اس حالت کے جب خدا چاہے تو کسی شخص کی فطرت کو ایسا سعید بنائے کہ وہ دنیا کے کاروبار میں پڑ کر بھی اپنے دین کو مقدم رکھے۔ ایسے شخص بھی دُنیا میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا ذکر تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ ایک شخص ہزارہا روپیہ کے لین دین کرنے میں مصروف تھا۔ ایک ولی اللہ نے اس کو دیکھا اور کشفی نگاہ اس پر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا دل باوجود اس قدر لین دین روپیہ کے خدا تعالیٰ سے ایک دم غافل نہ تھا۔ ایسے ہی آدمیوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (النور: ۳۸) کوئی تجارت اور خرید و فروخت ان کو غافل نہیں کرتی۔ اور انسان کا کمال بھی یہی ہے کہ دنیوی کاروبار میں بھی مصروفیت رکھے اور پھر خدا کو بھی نہ بھولے۔ وہ ٹوکس کام کا ہے جو بروقت بوجھ لادنے کے بیٹھ جاتا ہے اور جب خالی ہو تو خوب چلتا ہے۔ وہ قابلِ تعریف نہیں۔ وہ فقیر جو دنیوی کاموں سے گھبرا کر گوشہ نشین بن جاتا ہے وہ ایک کمزوری دکھلاتا ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ ہم کبھی نہیں کہتے کہ عورتوں کو اور بال بچوں کو ترک کر دو اور دنیوی کاروبار کو چھوڑ دو۔ نہیں بلکہ ملازم کو چاہیئے کہ وہ اپنی ملازمت کے فرائض ادا کرے اور تاجر اپنی تجارت کے کاروبار کو پورا کرے لیکن دین کو مقدم رکھے[3]۔

---

[1] "جو گورنمنٹ انڈیا کی طرف سے امیرِ کابل کے ہمراہ تھے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰)

[2] الحکم نے مجسٹریٹ الٰہ آباد لکھا ہے۔ (مرتب)

[3] الحکم میں ہے:۔ "تجارت کرو۔ نوکری کرو۔ دُنیا کے کام کرو مگر خدا تعالیٰ کو نہ بھولو۔ جو لوگ بیوی بچوں اور روزگارِ دنیا کے تعلقات میں ہو کر خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں وہ نامرد ہوتے ہیں۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۷ء)

اس کی مثال خود دنیا میں موجود ہے کہ تاجر اور ملازم لوگ باوجود اس کے کہ وہ اپنی تجارت اور ملازمت کو بہت عمدگی سے پورا کرتے ہیں۔ پھر بھی بیوی بچے رکھتے ہیں اور ان کے حقوق برابر ادا کرتے ہیں۔ ایسا ہی ایک انسان ان تمام مشاغل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حقوق کو ادا کر سکتا ہے اور دین کو دُنیا پر مقدم رکھ کر بڑی عمدگی سے اپنی زندگی گذار سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تو انسان کا فطرتی تعلق ہے کیونکہ اس کی فطرت خدا تعالیٰ کے حضور میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (الاعراف: ۱۷۳) کے جواب میں قَالُوْا بَلٰی کا اقرار کر چکی ہوئی ہے۔

یاد رکھو کہ وہ شخص جو کہتا ہے کہ جنگل میں چلا جائے اور اس طرح دنیوی کدورتوں سے بچ کر خدا کی عبادت کرے وہ دُنیا سے گھبرا کر بھاگتا ہے اور نامردی اختیار کرتا ہے۔ دیکھو ریل کا انجن بے جان ہو کر ہزاروں کو اپنے ساتھ کھینچتا ہے اور منزلِ مقصود پر پہنچاتا ہے۔ پھر افسوس ہے اس جاندار پر جو اپنے ساتھ کسی کو بھی کھینچ نہیں سکتا۔ انسان کو خدا تعالیٰ نے بڑی بڑی طاقتیں بخشی ہیں۔ اس کے اندر طاقتوں کا ایک خزانہ خدا تعالیٰ نے رکھ دیا ہے لیکن وہ کسل کے ساتھ اپنی طاقت کو ضائع کر دیتا ہے اور عورت سے بھی گیا گذرا ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جن قویٰ کا استعمال نہ کیا جائے وہ رفتہ رفتہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر چالیس دن تک کوئی شخص تاریکی میں رہے تو اس کی آنکھوں کا نُور جاتا رہتا ہے۔

ہمارے ایک رشتہ دار تھے انہوں نے فصد کرایا تھا۔ جراح نے کہہ دیا کہ ہاتھ کو حرکت نہ دیں۔ انہوں نے بہت احتیاط کے سبب بالکل ہاتھ کو نہ ہلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۰ دن کے بعد وہ ہاتھ بالکل خشک ہو گیا۔ انسان کے قویٰ خواہ رُوحانی ہوں اور خواہ جسمانی جب تک کہ اُن سے کام نہ لیا جائے وہ ترقی نہیں پکڑ سکتے[1] بعض لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جو شخص اپنے قویٰ سے خوب کام لیتا ہے اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ بے کار ہو کر انسان مُردہ ہو جاتا ہے بیکار رہو تو آفت آئی ہے[2]

مہمان کا حق

سید حبیب اللہ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

آج میری طبیعت علیل تھی اور میں باہر آنے کے قابل نہ تھا مگر آپ کی اطلاع ہونے پر میں نے سوچا کہ مہمان کا حق ہوتا ہے جو تکلیف اُٹھا کر آیا ہے اس واسطے میں اس حق کو ادا کرنے کیلئے باہر آگیا ہوں۔

علماءِ زمانہ کا رویّہ

فرمایا :-

خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے سلسلہ کے متعلق علماء زمانہ نے بے دیکھے سمجھے

---

[1] الحکم سے :- "انسان کو خدا نے دل تدبر و تفکر کے لیے دیا ہے۔ لوگ تدبر و تفکر سے کام نہیں لیتے۔ اس سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

فتویٰ دیدیا اور ہم کو نصاریٰ سے بھی بدتر لکھا۔ ان کو چاہیئے تھا کہ پہلے ہمارے حالات کی تحقیقات کرتے ہماری کتابیں اچھی طرح سے پڑھ لیتے پھر جو انصاف ہوتا وہ کرتے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ اب تک اسلام کی حالت سے غافل ہیں گویا ان کو معلوم ہی نہیں کہ اسلام کس شکنجہ میں پڑا ہے۔ اسلام کی اندرونی حالت بھی اس وقت خراب ہے اور بیرونی حالت بھی خراب ہو رہی ہے۔

وفات وحیاتِ مسیح

سارا زور ان لوگوں کا اس بات پر ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ نہیں سوچتے کہ یہ بات تو قرآن شریف میں لکھی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر شہادت دی ہے کہ میں ان کو مُردوں میں دیکھ آیا ہوں۔ قرآن شریف میں پہلے توفّی کا لفظ ہے اور رفع اس کے بعد ہے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ماننے میں اسلام کو کیا فائدہ حاصل ہے۔ سوائے اس کے کہ عیسائیوں کے جھوٹے خدا کو ایک خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے اور عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا بنا لیتے ہیں۔ اور جاہل مسلمانوں کو دھوکہ دے کر عیسائی بنا لیتے ہیں۔ یسوع کو زندہ ماننے کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک لاکھ مسلمان مُرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔ یہ نسخہ تو آزمایا جا چکا ہے۔ اب چاہیئے کہ دوسرا نسخہ بھی چند روز آزمالیں جو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک دوائی سے فائدہ حاصل نہ ہو تو انسان دوسری کو استعمال کرلے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عیسائیت کو مٹانے کے واسطے اس سے بڑا اور کوئی ہتھیار نہیں کہ جس وجود کو وہ خدا بناتے ہیں اُسے مُردوں میں داخل ثابت کیا جائے۔ پہلے پادری لوگ قادیان میں بہت آیا کرتے تھے اور خیموں میں ڈیرے لگاتے تھے اور وعظ کیا کرتے تھے مگر جب سے ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے قادیان آنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ایسا ہی لاہور میں لارڈ بشپ نے ایک بڑے مجمع میں مسیح کی زندگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک بڑا لیکچر دے کر حضرت مسیح کی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنی چاہی تھی۔ تب کوئی مسلمان بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ لیکن ہماری جماعت میں سے مفتی محمد صادق صاحب نے اُٹھ کر جواب دیا اور کہا کہ قرآن شریف اور انجیل ہر دو سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں کیونکہ آپ سے فیض حاصل کر کے معجزات دکھانے والے اب تک موجود ہیں۔ اس سے بشپ لاجار ہو گیا[1] اور اس

---

[1] الحکم سے:۔ "رفع کے لفظ کو لیے پھرتے ہیں حالانکہ قرآن شریف میں مسیح علیہ السلام کے فوت ہونے کا بار بار ذکر ہو چکا ہے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

[2] الحکم سے:۔ "آخر اس نے جواب دیا کہ تم میرزائی معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے مخالف مسلمانوں نے اس وقت کہا کہ یہ لوگ کافر تو ہیں مگر ہمارے کام آئے۔ ہم کو مدد دی اور ہماری عزت رکھ لی۔" (الحکم حوالہ مذکور)

نے ہماری جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے سے بالکل گریز کیا۔

ہمارے اُصول عیسائیوں پر ایسے پتھر ہیں کہ وہ ان کا ہرگز جواب نہیں دے سکتے۔ یہ مولوی لوگ بڑے بدقسمت ہیں جو ترقی اسلام کی راہ روکتے ہیں۔ عیسائیوں کا تو سارا منصوبہ خود بخود ٹوٹ جاتا ہے جبکہ ان کا خدا ہی مر گیا تو پھر باقی کیا رہا؟

اسلام کیلئے موسم بہار کی آمد

اسلام نے بڑے بڑے مصائب کے دن گذارے ہیں۔ اب اس کا خزاں گذر چکا ہے اور اب اس کے واسطے موسم بہار ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ تنگی کے بعد فراخی آیا کرتی ہے۔ مگر ملاں لوگ نہیں چاہتے کہ اسلام اب بھی سرسبزی اختیار کرے۔ اسلام کی حالت اس وقت اندرونی بیرونی سب خراب ہو چکی ہوئی ہے۔ ظاہری سلطنت اسلامی جو کچھ ہے وہ بھی نہایت ضعف کی حالت میں ہے اور اندرونی حالت یہ ہے کہ ہزاروں گرجاؤں میں جا بیٹھے ہیں اور بہت سے دہریہ ہو گئے ہیں۔ جب یہ حالت اسلام کی ہو چکی تو کیا وہ خدا جس کا وعدہ تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ کیا وقت نہیں آیا کہ اب بھی اسلام کی حفاظت کرے؟

چودھویں صدی کا مجدد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لوگ تکذیب کرتے ہیں کہ اس صدی کے مجدد کو نہیں مانتے۔ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوگا؟ صدی سے پچیس ۲۵ سال گذر چکے یعنی چوتھا حصہ صدی کا طے ہو گیا ہے۔ اب بتائیں کہ وہ مجدد کون ہے اور کہاں ہے؟ ہم سے پہلے سب لوگ اس مجدد کے منتظر تھے بلکہ صدیق حسن خاں کا یہ خیال تھا کہ شاید میں ہی بن جاؤں اور عبدالحی لکھنو والے کا بھی ایسا ہی خیال تھا۔ مگر اپنے خیال سے کیا بنتا ہے جب تک خدا تعالیٰ کسی کو نہ بنائے کون بن سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کسی کام پر مامور کرتا ہے وہ اس کو عمر عطا کرتا ہے۔ اسے اس کے کام کے واسطے توفیق عطا کرتا ہے۔ اس کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے۔ دوسرے لوگ اپنے خیال میں ہی مرکھپ جاتے ہیں اور ان سے کچھ بن نہیں سکتا۔ کوئی جھوٹا تحصیلدار بھی بنے تو دو چار روز کے بعد گرفتار ہو کر جیل خانہ میں چلا جاتا ہے چہ جائیکہ کوئی خدا کی طرف سے مامور اپنے آپ کو کہے حالانکہ وہ مامور نہ ہو[1]

---

[1] الحکم سے:۔ اب دیکھو جو شخص انسانی سلطنت میں جھوٹا دعویدار تحصیلداری یا چپڑاسی ہونے کا کرے اس کو پکڑا جاتا ہے اور سزا دی جاتی ہے۔ پھر کیا خدا کی سلطنت میں ایسا اندھیر اچل سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قِیَامَ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ

ایک صاحب نے اپنا ایک خواب بیان کیا جس میں کسی بڑے کام کے کرنے کی طرف اشارہ تھا مگر اس کام کے واسطے سامان سردست مہیا نہ تھے اور ان کا منشا تھا کہ خواب کی بنا پر فوراً اس کام کو شروع کر دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ :-

بعض خوابیں مدت کے بعد پوری ہونے والی ہوتیں ہیں۔ جب تک کہ اس کام کے واسطے اللہ تعالیٰ اسباب مہیا نہ کرے تب تک صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ پر جس قدر مصائب آئے وہ سب بے وقت خواب سُنانے کی وجہ سے آئے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ فقیر کو چاہیئے کہ قِیَامَ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ پر عمل کرے۔ یعنی جہاں خدا تعالیٰ نے کھڑا کیا ہے وہاں کھڑا رہے جب تک کہ خدا تعالیٰ خود وہاں سے نکلنے کے سامان نہ بنائے۔[1]

نماز میں امام

ذکر ہوا کہ پگڑالوی کا عقیدہ ہے کہ نماز میں امام آگے نہ کھڑا ہو بلکہ صف کے اندر ہو کر کھڑا ہو۔ فرمایا :-

امام کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ وہ آگے کھڑا ہو۔ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو دوسرے کے آگے کھڑا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ پگڑالوی زبانِ عربی سے بالکل جاہل ہے۔[2]

ایمانی طاقت علم سے پیدا ہوتی ہے

بات یہ ہے کہ ایمانی طاقت علم کے سوا پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت صحابہؓ نے بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی جانیں دے دی تھیں۔ اُن کو حق کا علم ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو نہ دیکھا۔ مَیں نے جو کتاب حقیقۃ الوحی لکھی ہے اس کو جو شخص حرف بحرف پڑھ لے گا میں نہیں خیال کرتا کہ پھر وہ یہ خیال کرے کہ میں وہی ہوں جو اس کے خیال میں پڑھنے سے پہلے تھا۔ جو شخص ہمارے سلسلہ کو آہستگی اور ٹھنڈے دل سے دیکھے گا۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں حق پر پائے گا۔ سچائی میں خدا تعالیٰ نے ایک قوت رکھی ہے۔ سچائی دلوں کو خود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو لوہے میں بھی ایک کشش کی خاصیت رکھی ہے تو کیا سچ میں کوئی جذب نہیں ہے ؟ سچ میں ایک کشش ہے وہ خود بخود دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ ۴۵ تا ۴۷) یعنی اگر یہ نبی ہمارے اوپر بعض باتیں جھوٹی بنا لیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگِ جان کو کاٹ دیتے۔ یہ آیت صاف بیان کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی جھوٹی وحی والہام بنانے والا جلدی پکڑا جاتا اور ناکامیاب ہو کر مرتا ہے۔" (الحکم جلد ۱ نمبر ۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۷ء)

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء [2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۸ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۰۷ء

عذاب سے بچنے کیلئے اپنی اصلاح کریں

دُنیا میں ایک دہریت پھیل رہی ہے۔ تحصیلِ دنیا کے لیے ہر وقت دوڑ دھوپ میں لوگ لگے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے مجلسیں ہوتی ہیں اور شور و پکار ہے کہ یہ کرو وہ کرو مگر اسلام کی بہبودی کا کسی کو کوئی فکر نہیں۔ ایسی غفلت میں پھنسے ہوئے ہیں کہ عذاب کے سوائے ان سے غفلت رفع نہیں ہوتی۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے صدہا بار بتایا ہے کہ خدا کے عذاب کے دن نزدیک ہیں اور جب تک لوگوں کے دل سیدھے نہ ہو جاویں خدا تعالیٰ کے عذاب پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲) یعنی خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو درست نہ کریں۔ طاعون کو دفع کرنے کے لیے بیچارے چوہوں کے مارنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ جب تک ان کے اندر کا چوہا نہ مرے گا اس وقت تک طاعون ان کا ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گی۔ پس اپنی اصلاح کریں اور خدا تعالیٰ سے ڈریں۔ اگر یہ لوگ اپنی اصلاح کریں تو خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ ہلاک ہی کرے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء: ۱۴۸) کہ خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔

ہمارے مسلمان سلاطین کا ذکر ہے کہ جب کوئی بلا آتی تھی تو بادشاہ دُعا و زاری بدرگاہِ رب العالمین کرتے تھے اور رعیت کو نیکیوں کی طرف رغبت دلاتے تھے۔ جب ٹیکہ لگایا جانا شروع ہوا تو میں نے کتاب کشتی نوح لکھی تھی اور اس میں مَیں نے ظاہر کیا تھا کہ اس ٹیکہ سے جو میں آسمانی ٹیکہ پیش کرتا ہوں بہتر ہے۔ آخر وہی بات سچی ثابت ہوئی جو ہم نے پیش کی تھی۔ شاید کسی کو کسی وقت سمجھ آ جاوے۔ طاعون تو اب ہاتھ دھو کر لوگوں کے پیچھے ہو پڑی ہے۔

قادیان کے کسی شخص کا ذکر ہوا کہ فلاں جگہ طاعون ہے اور وہ وہاں بار بار جاتا رہا۔ آخر وہ طاعون میں گرفتار ہو کر مر گیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

جبکہ ایک جگہ آگ برستی ہے تو اس جگہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟

مخالفین کا مباہلہ

فرمایا:۔

اس ملک کے کئی ایک آدمی جو ہمیں گالیاں دیتے رہتے تھے اور پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ جب ان کی مدت نزدیک آئی تو خود ہی انہوں نے مباہلہ کر لیا کہ یا الٰہی! ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس کو ہلاک کر دے آخر وہ خود ہی ہلاک ہو کر ہماری سچائی پر مُہر کر گئے۔ ایسا ہی ابوجہل نے بدر کے دن نبی علیہ السلام سے مباہلہ کیا تھا۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ جو ہم دونوں میں سے قطع رحم کرنے والا اور مفسد ہو اے خدا اس کو آج ہلاک کر دے۔ آخر خدا تعالیٰ نے ابوجہل

کو اسی دن ہلاک کر دیا اور اس کی دُعا قبول ہو کر اس پر ہی پڑی۔[1]

بلا تاریخ

دسویں محرم کو شربت اور چاول کی تقسیم

قاضی ظہور الدین صاحب اکمل نے سوال کیا کہ محرم دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للہ بہ نیت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟

فرمایا:۔

ایسے کاموں کے لیے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو گا مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لیے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جبتک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائدِ باطلہ دُور نہیں ہوتے۔

دو افراد کا جمعہ

یہ مسئلہ پیش ہوا کہ دو احمدی کسی گاؤں میں ہوں تو وہ بھی جمعہ پڑھ لیا کریں یا نہ؟ حضور نے مولوی محمد احسن صاحب سے خطاب فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ دو سے جماعت ہو جاتی ہے۔ اس لیے جمعہ بھی ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

ہاں پڑھ لیا کریں۔ فقہاء نے تین آدمی لکھے ہیں۔ اگر کوئی اکیلا ہو تو وہ اپنی بیوی وغیرہ کو پیچھے کھڑا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے۔

روزۂ وصال

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن روزہ رکھنا ضروری ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔ ضروری نہیں ہے

روزۂ محرم

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ محرم کے پہلے دس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔ ضروری نہیں ہے

چٹھے

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ برائے برآمدگی مراد یا سیرابی ملک یا بطور چٹھہ جو لوگ ذبیحہ دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ:۔ جائز نہیں ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱ صفحہ ۱۰-۱۱

جھنڈیا بودی

جھنڈ یعنی بودی رکھی جاتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا:۔ ناجائز ہے۔ ایسا نہیں چاہیئے۔

محرم پر تابوت کا بنانا

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ محرم پر جو لوگ تابوت بناتے ہیں اور محفل کرتے ہیں۔ اس میں شامل ہونا کیسا ہے؟ فرمایا کہ:۔ گناہ ہے۔[1]

---

۹ مارچ ۱۹۰۷ء

رسول کے ذریعہ روحانی پرورش

الہام الٰہی "ہزاروں تیرے پروں کے نیچے ہیں" پر فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول آتا ہے اس کے ذریعہ سے ایک باطنی پرورش انسانوں کی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اوّل نزولِ فیضان اس پر ہوتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ مولوی معنوی صاحب فرماتے ہیں ؎

قطب شیر و صید کردن کارِ او ؎ باقیاں ہستند باقی خوارِ او

اصل غرض جو تقویٰ اور ایمان سے ہے وہ تو سب کو حاصل ہو ہی جاتی ہے کسی کو بلا واسطہ اور کسی کو بالواسطہ۔ اصل مقصود تو یہ ہے کہ انسان کامل ایمان حاصل کرے اور ابدی نجات کو پالے۔ اگر یہ بات خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو جائے تو پھر اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسا کہ کچھ آدمی راہ چلتے ہیں اور کچھ دوسرے ان کے ذریعہ راہ کو پہچانتے ہیں۔ منزلِ مقصود پر پہنچکر سب برابر ہو جاتے ہیں۔ باعتبارِ بہشت میں داخل ہو جانے کے تو سب مومن برابر ہی ہو جائیں گے۔[2]

---

۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقت دس بجے دن)

دنیوی معاملات کے سبب کسی سے بغض نہ رکھیں

ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب
حکیم محمد حسین صاحب قریشی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۴ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

ڈاکٹر حکیم نور محمد صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، بابو غلام محمد صاحب لاہور سے آکر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس ملاقات کے واسطے قریب دس بجے صبح کے مسجد مبارک میں تشریف لائے اور قریب دو گھنٹہ کے تشریف فرما رہے۔ چند آدمیوں نے بیعت کی اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ دو ایک دوستوں کے درمیان کسی دنیوی امر پر اختلاف اور باہمی رنج کا ذکر تھا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ:

دیکھو آجکل موسم کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے اور ایک غیر معمولی تغیر زمانے کی حالت میں نظر آتا ہے آسمان ہر وقت غبار ناک رہتا ہے گویا کہ وہ بھی اُداس ہو رہا ہے۔ چاہیئے کہ آپس میں جلد صفائی کریں معلوم نہیں کہ کس کی موت آجائے۔ مَیں تو یہ بھی سُننا نہیں چاہتا کہ اختلاف کی کیا باتیں ہیں معلوم نہیں کہ کس کی زندگی ہے اور کون اس سال میں مر جائے گا۔

جب تک سینہ صاف نہ ہو دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر کسی دنیوی معاملہ میں ایک شخص کے ساتھ بھی تیرے سینہ میں بغض ہے تو تیری دُعا قبول نہیں ہو سکتی۔ اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے اور دنیوی معاملہ کے سبب کبھی کسی کے ساتھ بغض نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور دنیا اور اس کا اسباب کیا ہستی رکھتا ہے کہ اس کی خاطر تم کسی سے عداوت رکھو۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا عمدہ واقعہ بیان کیا ہے کہ دو شخص آپس میں سخت عداوت رکھتے تھے۔ ایسا کہ وہ اس بات کو بھی ناگوار رکھتے تھے کہ ہر دو ایک آسمان کے نیچے ہیں۔ ان میں سے ایک قضائے کار فوت ہو گیا۔ اس سے دوسرے کو بہت خوشی ہوئی۔ ایک روز اس کی قبر پر گیا اور اس کو اُکھاڑ ڈالا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا نازک جسم خاک آلود ہے اور کیڑے اس کو کھا رہے ہیں۔ ایسی حالت دیکھ کر دُنیا کے انجام کا نظارہ اسکی آنکھوں کے آگے پھر گیا اور اس پر سخت رقت طاری ہوئی اور اتنا رویا کہ اس کی قبر کی مٹی کو تر کر دیا اور پھر اس کی قبر کو درست کرا کر اس پر لکھوایا ؎

مکن شادمانی بمرگِ کسے
کہ دہرت پس ازوے نماند بسے

خدا کا حق تو انسان کو ادا کرنا ہی چاہیئے مگر بڑا حق برادری کا بھی ہے جس کا ادا کرنا نہایت مشکل ہے۔ ذرا سی بات پر انسان اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ سخت کلامی کی ہے۔ پھر علیحدہ ہو کر اپنے دل میں اس بدظنی کو بڑھاتا رہتا ہے اور ایک رائی کے دانے کو پہاڑ بنا لیتا ہے اور اپنی بدظنی کے مطابق اس کینے کو زیادہ کرتا رہتا ہے۔ یہ سب بعض ناجائز ہیں۔

لِلّٰہ بغض

ہم بھی بعض دفعہ کسی پر ناراض ہوتے ہیں۔ مگر ہماری ناراضگی دین کے واسطے اور اللہ کے لیے ہے جس میں نفسانی جذبات کی ملونی نہیں اور دنیوی خواہشات کا کوئی حصّہ نہیں ہمارا بغض اگر کسی کے ساتھ ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے واسطے ہے اور اس واسطے وہ بغض ہمارا نہیں بلکہ خود خدا تعالیٰ کا ہی ہے کیونکہ اس میں کوئی ہماری نفسانی یا دنیوی غرض نہیں۔ ہم کسی سے کچھ لینا نہیں چاہتے نہ کسی سے کوئی خواہش رکھتے ہیں۔ جوشِ نفسانی اور للّٰہی جوش میں فرق کے واسطے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے سبق حاصل کرو۔

حضرت علیؓ کا ایک سبق آموز واقعہ

لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا ایک کافر پہلوان کے ساتھ جنگ شروع ہوا۔ بار بار آپ اس کو قابو کرتے تھے وہ قابو سے نکل جاتا تھا۔ آخر اس کو پکڑ کر اچھی طرح سے جب قابو کیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قریب تھا کہ خنجر کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیتے کہ اس نے نیچے سے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ جب اس نے ایسا فعل کیا تو حضرت علیؓ اس کی چھاتی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا اور الگ ہو گئے۔ اس پر اُس نے تعجب کیا اور حضرت علیؓ سے پُوچھا کہ آپ نے اس قدر تکلیف کے ساتھ پکڑا۔ اور میں آپ کا جانی دشمن ہوں اور خون کا پیاسا ہوں پھر باوجود ایسا قابو پا چکنے کے آپ نے مجھے اب چھوڑ دیا۔ یہ کیا بات ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں۔ چونکہ تم دین کی مخالفت کے سبب مسلمانوں کو دُکھ دیتے ہو اس واسطے تم واجب القتل ہو اور مَیں محض دینی ضرورت کے سبب تم کو پکڑتا تھا۔ لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا اور اس میں مجھے غصّہ آیا تو مَیں نے خیال کیا کہ یہ اب نفسانی بات درمیان میں آگئی ہے اب اس کو کچھ کہنا جائز نہیں تاکہ ہمارا کوئی کام نفس کے واسطے نہ ہو۔ جو ہو سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔ جب میری اس حالت میں تغیر آئیگا اور یہ غصہ دُور ہو جائے گا تو پھر وہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔ اس بات کو سُنکر کافر کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ تمام کُفر اس کے دل سے خارج ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر اور کونسا دین دُنیا میں اچھا ہو سکتا ہے جس کی تعلیم کے اثر سے انسان ایسا پاک نفس بن جاتا ہے۔ پس اس نے اسی وقت توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔

غرض انسانوں کو چاہیئے کہ دنیوی کدورتوں کے سبب باہم رنجش پیدا نہ کریں اور پھر یہ دن تو وبا اور زلازل اور قہرِ الٰہی کے دن ہیں۔ ان میں خدا تعالیٰ کے خوف سے لرزاں رہنا چاہیئے۔

مولویوں کے پیروکار

ایک شخص نے ذکر کیا کہ بعض مولوی قسما قسم کے افتراء کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

ان کے ہاتھ سوائے افتراء پردازی کے اور کیا ہے؟ لیکن جو لوگ ان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں وہ خود کمزور اور ضعیف ہیں اور دُنیا داری میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ دین کی ان کو ہرگز کوئی خبر ہی نہیں۔ وہ خود سوچ فکر

سے کام نہیں لیتے ورنہ ایسے شریر لوگوں کے شر سے محفوظ رہتے جو ہماری باتوں کو تراش خراش کر افتراء کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

کتاب حقیقۃ الوحی کیلئے قسم

فرمایا:۔
کتاب حقیقۃ الوحی میں ہم نے تمام قسم کی باتوں کو مختصر طور پر جمع کر دیا ہے اور اُس میں قسم دی ہے کہ لوگ کم از کم اوّل سے آخر تک اس کو پڑھ لیں۔ دوسرے کی قسم کا نہ ماننا بھی تقویٰ کے برخلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دوسرے کی قسم پوری ہونے دی تھی اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی دوسرے آدمی کی قسم کو پورا کیا تھا۔ غرض ہم ایک نیک کام کے واسطے قسم دیتے ہیں کہ وہ بلا سوچے سمجھے گالیاں نہ دیں اور مخالفت نہ کریں کم از کم ہمارے دلائل کو ایک دفعہ بغور مطالعہ کر لیں خواہ تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھیں۔ پھر انکو معلوم ہو جائے گا کہ حق کس بات میں ہے۔

(بوقت ظہر)

طلباء کی سٹرائیک

علی گڑھ کالج کے طالب علم مولوی غلام محمد صاحب نے وہاں کے طلباء کی سٹرائیک اور اپنے استادوں کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جماعت (فرقہ احمدیہ) کا کوئی لڑکا اس سٹرائیک میں شامل نہیں ہوا۔ میاں محمد دین۔ عبدالغفار خاں وغیرہ سب علیحدہ رہے لیکن عزیز احمد ان طلباء کے ساتھ شریک رہا اور باوجود ہمارے سمجھانے کے باز نہ آیا اور چونکہ بعض اخباروں میں اس قسم کے مضمون نکلے تھے کہ مسیح موعود کا پوتا علیگڑھ کالج میں ہے اس وجہ سے عام طور پر عزیز احمد کا رشتہ حضور کے ساتھ سب کو معلوم ہونے کے سبب وہاں کے اراکین نے اس امر پر تعجب ظاہر کیا کہ عزیز احمد اس مفسدہ میں ایسا حصہ لیتا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔
عزیز احمد نے اپنے استادوں اور افسروں کی مخالفت میں مفسد طلباء کے ساتھ شمولیت کا جو طریق اختیار کیا ہے یہ ہماری تعلیم اور ہمارے مشورہ کے بالکل مخالف ہے لہٰذا وہ اس دن سے وہ اس بغاوت میں شریک ہے ہماری جماعت سے علیحدہ اور ہماری بیعت سے خارج کیا جاتا ہے۔ ہم ان لڑکوں پر خوش ہیں جنہوں نے اس موقعہ پر ہماری تعلیم پر عمل کیا۔ بہت سے لوگ بیعت میں آکر داخل ہو جاتے لیکن جب وہ شرائط بیعت پر عمل نہیں کرتے تو خود بخود اس سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہی حال عزیز احمد کا تھا۔ اس میں خصوصیت نہ تھی اور یہ امر کہ ہمارا وہ

پوتا ہے اس وجہ سے وہ ہمارا رشتہ دار ہے سو واضح ہو کہ ہم ایسے رشتوں کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ ہمارے رشتے سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں۔ عزیز احمد کا باپ خود ہم سے برگشتہ ہے اور ہم اس کو اپنا بیٹا نہیں سمجھتے تو پھر عزیز احمد کا پوتا ہونا کیسا؟ عزیز احمد کو چاہیئے تھا کہ اس معاملہ میں اوّل ہم سے مشورہ کرتا یا اس مثال کو دیکھتا جو پہلے میڈیکل کالج لاہور میں قائم ہو چکی تھی کہ جب طلباء نے لاہور میں اپنے پروفیسروں کی مخالفت میں سٹرائیک کیا تھا تو جو لڑکے اس جماعت میں شامل تھے ان کو میں نے حکم دیا تھا کہ وہ اس مخالفت میں شامل نہ ہوں اور اپنے استادوں سے معافی مانگ کر فوراً کالج میں داخل ہو جاویں۔ چنانچہ انہوں نے میرے حکم کی فرمانبرداری کی اور اپنے کالج میں داخل ہو کر ایک ایسی نیک مثال قائم کی کہ دوسرے طلباء بھی فوراً داخل ہو گئے۔ عزیز احمد کو اس واقعہ کی خبر ہو گی کیونکہ اخبار میں چھپ چکا تھا۔ اور اگر خبر نہ ہوتی تو اس کے واسطے ضروری تھا کہ اوّل مجھ سے مشورہ کرتا یا اپنے ساتھیوں کے مشورہ پر چلتا۔ اس کا علیگڑھ میں جانا بھی اس کے باپ کے مشورہ اور حکم سے تھا نہ کہ ہمارا اس میں کوئی حکم تھا۔ ایسا ہی مخالفتِ استادان میں شمولیت ہمارے کسی تعلق کی وجہ سے نہیں اور اسی وجہ سے اس کو خارج از بیعت کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ اپنے فعل سے توبہ کر کے اپنے استادوں سے معافی نہ مانگے[1] ہاں دوسرے طلباء مولوی غلام محمد صاحب وغیرہ نے علی گڑھ جانے سے پہلے ہم سے مشورہ لیا تھا اور ہم نے یہی مشورہ دیا تھا کہ وہاں کے لڑکوں کی صحبت سے بچتے رہیں اور کسی بدی میں شامل نہ ہوں تو ہرج نہیں کہ وہاں جائیں۔ انسان ضرورتاً پاخانہ میں بھی جاتا ہے مگر اپنے

---

[1] **مرزا عزیز احمد صاحب کی تجدید بیعت**

مرزا عزیز احمد صاحب نے میانوالی سے جہاں آپ بتقریب موسمی رخصت مقیم ہیں مفصلہ ذیل خط حضرت کی خدمت میں بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت امام زمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

فدوی اپنے گذشتہ قصوروں کی معافی طلب کرتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ اس خاکسار کی گذشتہ کوتاہیوں کو معاف کر کے زمرۂ تائبین میں شامل کیا جائے۔ نیز اس عاجز کے حق میں دُعا فرماویں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

حضور کا عاجز — عزیز احمد"

اس کے جواب میں حضرت صاحب نے فرمایا کہ:۔

ہم وہ قصور معاف کرتے ہیں۔ آئندہ اب تم پرہیزگار اور سچے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرو اور بُری صحبتوں سے پرہیز کرو۔ بُری صحبتوں کا انجام آخر بُرا ہی ہوا کرتا ہے۔"

(بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۱۷ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

آپ کو نجاست سے بچائے رکھتا ہے۔
عاجزؑ کو مخاطب کر کے حضور نے فرمایا کہ:۔
ان باتوں کو عام اطلاع کے واسطے اخبار بدر میں شائع کر دیں۔[۲]

وفاتِ مسیح علیہ السلام

مخالفین کے اس مذہب کا ذکر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے ہیں اور پھر قیامت سے پہلے دُنیا میں آئیں گے اور چالیس سال تک اس زمین پر رہیں گے اور عیسائیوں کی خوب خبر لینگے اور اُن کو بتائیں گے کہ تمہارا دین باطل ہے اور کسرِ صلیب کریں گے اور پھر اس زمین پر فوت ہو جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس عقیدہ کو قرآن شریف کی اس آیت کے آگے پیش کرنا چاہیئے کہ

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۚ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۚ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ (المائدہ: ۱۱۷، ۱۱۸)

یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو کہیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تُو نے لوگوں کو یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خُدا کر کے مانو اور اللہ کو چھوڑ دو؟ تو حضرت عیسیٰ جواب دیں گے کہ یا اللہ تُو پاک ہے مجھے کب لائق تھا کہ مَیں ایسا کلمہ بولتا جو حق نہیں ہے۔ اگر مَیں کہتا تو تجھے معلوم ہوتا۔ تُو جانتا ہے جو کچھ کہ میرے نفس میں ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ تیرے نفس میں کیا ہے تُو علّام الغیوب ہے۔ مَیں نے تو انہیں سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جو تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جب تک کہ مَیں ان میں رہا۔ مَیں اُن کا

---

[۱] یعنی ایڈیٹر صاحب بدر۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب (مرتب)

[۲] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

نگران رہا اور جب تُو نے مجھے وفات دے دی اس کے بعد تو خود ان کا نگران تھا (مجھے کچھ خبر نہیں) اور تو ہر بات کو دیکھتا ہے۔"

اب اس جگہ سوچنے کے قابل یہ بات ہے کہ قیامت کا دن ہوگا اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے اور وہ گھڑی ہوگی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (المائدۃ: ۱۲۰) وہ دن ہوگا جبکہ سچ بولنے والوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔ اچھا تو ایسے وقت میں حضرت عیسےٰ خدا تعالیٰ کو یہ کہیں گے کہ میں جب تک دُنیا میں تھا تب تو اُن کو وحدانیت کا وعظ کرتا تھا۔ بعد کی خبر نہیں انہیں کیا ہوگیا۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ اس وقت زمین میں مدفون ہیں یا کہیں آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس جگہ یہ امر سب سے زیادہ قابلِ غور ہے کہ اگر وہ قیامت سے پہلے دُنیا میں آئیں گے اور چالیس سال تک رہیں گے اور عیسائیوں کو انہیں اور ان کی ماں کو خدا بنانے کے سبب خوب سزا بھی دیں گے اور پھر ان کی اصلاح بھی کریں گے اور ماننے والوں کو مسلمان بنائیں گے تو پھر قیامت کے دن اُن کا جواب یہ کیوں ہونا چاہیئے کہ مجھے تو کچھ خبر نہیں کہ میرے بعد کیا ہوا اور کیا نہ ہوا بلکہ انہیں تو یہ جواب دینا چاہیئے کہ اے باری تعالیٰ میں نے تو ان کے ایسے عقیدے کے سبب ان کو خوب سزائیں دی ہیں اور ان کی صلیب کو توڑا ہے اور چالیس سال تک اُن کی خوب خبر لی ہے۔

سو دیکھنا چاہیئے کہ اگر مسیح دوبارہ دنیا میں آوے گا تو کیا اس کا یہ جواب جو قرآن شریف میں درج ہے سچا ہوگا اور اگر ان قانون کی بات درست مان لی جاوے تو روزِ قیامت حضرت عیسیٰ کو ایسا جواب دینے سے کیا انعام ملے گا؟ نادان یہ بھی نہیں جانتے کہ ایسی باتیں بنا کر وہ ایک خدا کے نبی کو نعوذ باللہ جھوٹ بولنے والا قرار دے رہے ہیں اور پھر جھوٹ بھی قیامت کے دن اور پھر وہ بھی خدا تعالیٰ کے دربار میں نعوذ باللہ من ذالک۔

خشیتِ الٰہی ایمان سے پیدا ہوتی ہے

ذکر تھا کہ باوجود اس قدر دبا اور تکالیف کے لوگوں میں شوخی بڑھی ہوئی ہے اور کچھ پروا نہیں کرتے۔ فرمایا:۔

خدا تعالیٰ پر پورا ایمان ہو تو انسان کے دل میں خوف اور خشیت بھی ہوتی ہے۔ جیسے ایمان کم ہوتا جاتا ہے ویسے ہی خشیت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔

دنیا میں عذابِ الٰہی کا باعث شوخی اور تکذیب ہے

فرمایا:۔

میرا مذہب سچائی کے ساتھ اس بات پر قائم ہے کہ جس قدر لوگ نُوحؑ اور لُوطؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر پیغمبروں کے زمانہ میں ہلاک ہوئے اگر وہ انبیاء کے ساتھ شوخی سے پیش نہ آتے اور ان کی تکذیب نہ کرتے تو معمولی طور پر زندگی بسر کرتے۔ دنیا میں جو گناہ فسق و فجور

کے کرتا ہے ان کے واسطے جزا کا وقت آخرت میں رکھا گیا ہے۔ اس دنیا میں عذاب جب آتا ہے وہ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے زیادہ تر آتا ہے۔ اگر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتا تو چند دن اور دُنیا میں سلطنت کر لیتا۔ معمولی گناہوں کے واسطے محاسبہ اور مؤاخذہ کا دن قیامت ہے۔ لیکن وہ گناہ جس پر خدا تعالیٰ بڑی غیرت دکھلاتا ہے وہ اس کے فرستادوں کی تکذیب اور اُن کے ساتھ شوخی سے پیش آتا ہے جبکہ شوخی حد سے بڑھ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کو دُکھ دیا جاتا ہے اور اس کے برخلاف ظلم اور شرارت اور بدمعاشی سے کام لیا جاتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو اسی دُنیا میں عذاب کا مزا چکھاتا ہے۔ اگر یہ لوگ انکسار اختیار کرتے تو ہلاک نہ ہوتے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے مخالفوں کو کہا تھا کہ تم کنجروں سے بدتر ہو کیونکہ وہ گناہ کرتے ہیں پر اپنے آپ کو گناہگار سمجھ کر انکسار اختیار کرتے ہیں اور تم گناہ کرتے ہو اور اس پر خوش ہوتے ہو اور کارِ ثواب جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (النساء: ۱۴۸) یعنی اگر تم شکریہ ادا کرو اور ایمان لاؤ تو خدا نے تمہیں عذاب کر کے کیا لینا ہے۔ یہ تمہارے بداعمال ہی تم کو عذاب میں گراتے ہیں۔

امریکہ میں تبلیغ

یہ اعتراض ناجائز ہے کہ امریکہ میں آپ کی تبلیغ نہیں پہنچی پھر وہاں عذاب کیوں آیا۔ ہماری تبلیغ بہت ہو چکی ہے۔ ابتداء میں مَیں نے ایک اشتہار سولہ ہزار چھپوا کر یورپ امریکہ میں روانہ کیا تھا اور اسی اشتہار کو پڑھ کر امریکہ سے محمد ویب نے خط و کتابت شروع کی تھی جبکہ وہ مسلمان بھی نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ڈوئی کے متعلق پیشگوئی کے اشتہارات امریکہ میں کثرت سے تقسیم ہوئے اور امریکہ کی بہت سی اخباروں میں ہماری تصویر اور ہمارے حالات چھپے جس کو لاکھوں آدمیوں نے پڑھا اور ان کے درمیان اس سلسلہ کی تبلیغ ہو چکی ہے۔

عذاب کے متعلق سنتِ الٰہی

علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قدیم سے سُنت اللہ اسی طور پر جاری ہے کہ جب عذاب الٰہی آتا ہے تو بدوں کے ساتھ جو نیک ملے جلے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بھی بعض کو لپیٹتا ہے۔ پھر اُن کا حشر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کے وقت میں پلوٹھے ہلاک ہوئے تھے تو پلوٹھوں کا اس میں کیا قصور تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قحط پڑا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا اثر سب پر ہوا تھا نہ یہ کہ صرف بعض پر ہوا ہو۔ یہ لوگ سُنت اللہ سے بے خبر ہیں جو اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔

صدقات اور توبہ سے بَلا ٹل جاتی ہے

فرمایا:۔
تمام مذاہب کے درمیان یہ امر متفق ہے کہ صدقہ خیرات کے ساتھ بَلا ٹل جاتی ہے اور بَلا کے آنے کے متعلق اگر خدا تعالیٰ پہلے سے خبر دے تو وہ وعید کی

پیش گوئی ہے۔ پس صدقہ وخیرات سے اور توبہ کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجُوع کرنے سے وعید کی پیش گوئی بھی ٹل سکتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس بات کے قائل ہیں کہ صدقات سے بلا ٹل جاتی ہے۔ ہندو بھی مصیبت کے وقت صدقہ خیرات دیتے ہیں۔ اگر بلا ایسی شئے ہے کہ ٹل نہیں سکتی تو پھر صدقہ خیرات سب عبث ہو جاتے ہیں۔

آتھم اور لیکھرام کا رویہ

آتھم اور لیکھرام میں بھی فرق تھا کہ پیش گوئی کو سُن کر آتھم خوف کھا گیا۔ اسی وقت بھری مجلس میں کانوں کو ہاتھ لگا کر کہنے لگا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گالی نہیں دی۔ اور تمام شوخیاں چھوڑ دیں۔ اس واسطے اس کو چند روز اور مہلت مل گئی۔ لیکن برخلاف اس کے لیکھرام نے شوخی اختیار کی اور روز بروز شوخی میں بڑھتا گیا۔ پس اس کو میعاد کے دنوں کی بھی پوری مہلت نہ دی گئی۔ اگر وہ بھی آتھم کی طرح خاموش ہو جاتا اور خدا سے ڈرتا تو اس کے ایام میں بھی تاخیر دی جاتی۔ ایسا ہی احمد بیگ نے چونکہ کوئی نمونہ نہ دیکھا ہوا تھا۔ اُس نے خوف نہ کھایا اور جلد ہلاک ہوا اور پچھلے خوفزدہ ہو گئے اور مہلت حاصل کی۔

یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نبی کو سب نے مان لیا ہو۔ اختلاف تو ضرور ہوتا ہی ہے۔ کچھ نہ کچھ مخالفت ضرور باقی رہتی ہے۔ ہر نبی کے وقت میں ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

قرآن مشکل نہیں ہے

فرمایا:-

بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کو نہیں سمجھ سکتے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ قرآن شریف نے اعتقادی مسائل کو ایسی فصاحت کے ساتھ سمجھایا ہے جو بے مثل اور بے مانند ہے اور اس کے دلائل دلوں پر اثر ڈالتے ہیں یہ قرآن ایسا بلیغ اور فصیح ہے کہ عرب کے بادیہ نشینوں کو جو بالکل اَن پڑھ تھے سمجھا دیا تھا تو پھر اب کیونکر اس کو نہیں سمجھ سکتے۔[1]

قبل از نماز عصر

تفریحی سفر

ریاست جموں کے ایک معزز ہندو اہلکار ساکن قادیان حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھے۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے کشمیر کی آب وہوا کی تعریف کرتے ہوئے عرض کیا کہ جناب بھی کبھی کشمیر کی سیر کے واسطے تشریف لاویں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۰۷ء

فرمایا:۔

ہمارا یہ مذہب نہیں کہ صرف تفریح کے واسطے یا سیر و تماشا کے واسطے کوئی سفر کریں۔ ہاں جس دینی کاروبار میں ہم مصروف ہیں اگر اس کی ضرورتوں میں ہم کو کوئی سفر پیش آجاوے۔ اور خدمتِ دین کے واسطے کشمیر جانا بھی ضروری پڑ جاوے تو پھر ہم تیار ہیں کہ اس ملک کو جاویں۔

آریوں کیلئے قابلِ توجہ

رسالہ جدیدہ "قادیان کے آریہ اور ہم" کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ:۔ سُنا گیا تھا کہ مخاطب آریوں میں سے ایک کہتا تھا کہ ہم بذریعہ اشتہار شبھ چنتک کے مضمون کی تردید کر دیتے ہیں حضرت صاحب رسالہ نہ لکھیں۔ مگر ہم نے کہا کہ اب رسالہ کا نکلنا نہیں رُک سکتا۔ ان کو چاہیئے کہ بعد رسالہ کے نکلنے کے تصدیق یا تکذیب میں قسم کھالیں۔ تمام ہندوستان کے آریوں کو چاہیئے کہ اس امر پر غور کریں۔ ان کے واسطے اسلام پر حملہ کرنا حرام ہے جب تک کہ اس بات کا فیصلہ نہ کریں۔ اُن کو چاہیئے کہ ایک ڈیپوٹیشن بنا کر ملاوامل اور شرمپت کے پاس آویں اور ان کو حلف دے کر پوچھیں کہ کیا وہ ہمارے نشانات کے گواہ ہیں یا کہ نہیں ہیں؟ ہماری یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر اس نے آریوں کا فیصلہ کر دیا ہے۔

تمام ادیانِ باطلہ پر حُجّت

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ سے تمام ادیانِ باطلہ پر حجت قائم کر دی ہے اور ہر ایک مذہب کے متعلق ایک ایسی بات پیش کی گئی ہے جو قطعاً لاجواب ہے۔ آریوں کے واسطے اوّل تو اسی کتاب کا مضمون ہے کہ خود آریہ ہمارے نشانات کے پورا ہونے کے گواہ ہیں جس سے وہ کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ پھر ان کا مسئلہ نیوگ اندر ہی اندر ان کے دلوں کو ملزم اور خوار کر رہا ہے۔ پھر اُن کا یہ مذہب کہ خدا تعالیٰ کسی کا خالق نہیں وغیرہ ایسی باتیں ظاہر ہوئی ہیں کہ کوئی آریہ جواب نہیں دے سکتا۔ سکھوں کی ہدایت کے واسطے خدا تعالیٰ نے چولا صاحب ظاہر کر دیا ہے جس پر صاف لکھا ہے کہ اسلام کے سوائے کوئی مذہب مقبول نہیں اور اس سے ثابت ہے کہ بابا نانک کا مذہب کیا تھا۔ عیسائیوں کے خدا کی خود قبر ہی نکل آئی ہے اور ہمارے مخالف مسلمانوں پر بھی حجت قائم ہے کیونکہ قرآن شریف حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا قائل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو مُردوں میں دیکھا ہے[1]

مسیح موعودؑ کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام

فرمایا:۔

یہ عجیب بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء

نے مسیح موعود کو سلام کہا ہے اور وصیت کی ہے کہ مسیح موعود کو میرا سلام کہہ دینا۔ اب اگر آنے والا مسیح وہی ہے جو آسمان پر نبیوں کے درمیان موجود ہے تو وہ تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر دُنیا میں آئے گا۔ چاہیئے تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام لے کر مسلمانوں کے پاس آتا نہ یہ کہ جب وہ یہاں آوے تو اس جہان کے لوگ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچائیں۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "گھر سے میں آؤں اور خبریں تم سناؤ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلام پہنچانا صاف بتلاتا ہے کہ وہ اُمت میں سے پیدا ہونے والا ایک شخص ہے جس کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہوئی۔[1]

بلا تاریخ[2]

عورتوں کیلئے ضروری نصائح

(رقم فرمودہ حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد)

ایک لڑکی کی اس کی ساس کے ساتھ اچھی طرح نہیں بنتی تھی۔ لڑکی نے بر سبیلِ شکایت اور گلہ کچھ عورتوں کے سامنے کہا کہ بُرا مقام ہے جس میں میری ساس وغیرہ رہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بہت بُرا منایا کہ:۔

شہر تو کوئی بُرا ہوتا ہی نہیں۔ اگر کسی شہر کو بُرا کہا جائے تو اس سے مُراد اس کے شہر والے ہوتے ہیں پس نہایت قابلِ افسوس ہے اس عورت کی حالت جو ایسا فقرہ اپنی زبان پر لاتی ہے یا اور اس طرح اپنے خاوند اور اس کے والدین کی بُرائی کرتی ہے۔

اور اس کے بعد اس عورت کو بہت سمجھایا اور کہا کہ:۔

خدا تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا۔ یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا ہے کہ وہ ذرا سی بات پر بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھ بھلا بُرا کہتی ہیں بلکہ اپنی ساس اور سُسر کو بھی سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے خاوند کے بھی قابلِ عزّت بزرگ ہیں۔ وہ اس کو ایک معمولی بات سمجھ لیتی ہیں اور ان سے لڑنا وہ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

[2] یہ ملفوظات "اندرونی ڈائری" کے زیرِ عنوان الحکم نے شائع کئے جن پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ "اندرونی ڈائری" کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے اندر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ارشادات فرمائے۔ (مرتب)

ایسا ہی سمجھتی ہیں جیسا کہ محمد کی اور عورتوں سے جھگڑا حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے یہانتک کہ حکم ہے کہ اگر والدین کسی لڑکے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دیدے تو اس کے لڑکے کو چاہیئے کہ وہ طلاق دیدے۔ پس جبکہ ایک عورت کی ساس اور سُسر کے کہنے پر اس کو طلاق مل سکتی ہے تو اور کونسی بات رہ گئی ہے۔ اس لیے ہر ایک عورت کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے خاوند اور اس کے والدین کی خدمت میں لگی رہے اور دیکھو کہ عورت جو کہ اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے تو اس کا کچھ بدلہ بھی پاتی ہے۔ اگر وہ اسکی خدمت کرتی ہے تو وہ اس کی پرورش کرتا ہے مگر والدین تو اپنے بچہ سے کچھ نہیں لیتے وہ تو اس کے پیدا ہونے سے لے کر اس کی جوانی تک اس کی خبر گیری کرتے ہیں اور بلا کسی اجر کے اس کی خدمت کرتے ہیں اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو اس کا بیاہ کرتے اور اس کی آئندہ بہبودی کے لیے تجاویز سوچتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور پھر جب وہ کسی کام پر لگتا ہے اور اپنا بوجھ آپ اُٹھانے اور آئندہ زمانہ کے لیے کسی کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو کس خیال سے اس کی بیوی اس کو اپنے ماں باپ سے جُدا کرنا چاہتی ہے یا کسی ذرا سی بات پر سب وشتم پر اُتر آتی ہے اور یہ ایک ایسا ناپسند فعل ہے جس کو خدا تعالیٰ اور مخلوق دونو ناپسند کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ داریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور ایک حقوق العباد۔ پھر اس کے دو حصے کئے ہیں یعنی اوّل تو ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال۔ اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سُسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بدقسمت ہے جو اِن لوگوں کی خدمت نہ کر کے حقوقِ عباد اور حقوق اللہ دونو کی بجا آوری سے مُنہ موڑتی ہے۔

کسی نام سے بُری فال لینا

کسی لڑکی کا نام جنّت تھا۔ کسی شخص نے کہا کہ یہ نام اچھا نہیں کیونکہ بعض اوقات انسان آواز مارتا ہے کہ جنّت گھر میں ہے؟ اور اگر وہ نہ ہو تو گویا اس سے ظاہر ہے کہ دوزخ ہی ہے۔ یا کسی کا نام برکت ہو اور یہ کہا جائے کہ گھر میں برکت نہیں تو گویا نحوست ہوئی۔ فرمایا:-

یہ بات نہیں ہے۔ نام کے رکھنے سے کوئی ہرج نہیں ہوتا اور اگر کوئی کہے کہ برکت اندر نہیں ہے تو اس کا تو مطلب یہ ہے کہ وہ انسان اندر نہیں ہے نہ یہ کہ برکت نہیں یا اگر کہے کہ جنّت نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنّت نہیں اور دوزخ ہے بلکہ یہ کہ وہ انسان اندر نہیں جس کا نام جنّت ہے۔

کسی اور نے کہا کہ حدیث میں بھی حرمت آئی ہے۔

فرمایا کہ:-

میں ایسی حدیثوں کو ٹھیک نہیں جانتا اور ایسی حدیثوں سے اسلام پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے

بتائے ہوئے نام عبداللہ، عبدالرحیم اور عبدالرحمٰن جو ہیں ان پر بھی بات لگ سکتی ہے کیونکہ جب ایک انسان کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن اندر نہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ عبدالشیطان اندر ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ شخص جس کا نام نیک فال کے طور پر رکھا جاتا ہے تاوہ شخص بھی اس نام کے مطابق ہو۔

بہادر شاہ ظفر سے انگریزوں کا سلوک

ذکر ہوا کہ خاندانِ مغلیہ کے آخری بادشاہ کے وقت جو کچھ انگریزوں نے سلوک کیا ہے اس پر ایک اخبار نے بہت سا شور مچایا ہے اور اس کو بُرا منایا ہے۔

فرمایا:۔

یہ بات نہیں۔ خدا تعالیٰ کسی قوم پر یا کسی خاص شخص پر ظلم نہیں کرتا۔ جب انسان خود کوئی گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کی تادیب کے لیے خدا تعالیٰ اس پر مصیبتیں نازل فرماتا ہے۔ بہادر شاہ سے اور اُس کے چند پہلے بزرگوں سے چونکہ بہت کچھ خطائیں سرزد ہوئیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس بات کے لائق نہ دیکھا کہ وہ حکومت کر سکیں۔ تب انگریزوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ اگر وہ ایسے کام نہ کرتے تو خدا تعالیٰ بھی ایسا نہ کرتا۔ بلکہ میرے خیال میں خدا تعالیٰ نے بہادر شاہ پر بہت بڑا احسان کیا کیونکہ اس طرح تکلیفیں برداشت کر کے اس کے گناہ معاف ہو گئے اور جو سلوک انگریزوں نے کیا وہ تو فاتح قومیں کیا ہی کرتی ہیں۔ اگر بہادر شاہ فتحیاب ہو جاتا تو کیا وہ ایسا نہ کرتا؟

معالج کیلئے ضروری صفات

ایک صاحب گھر میں آئے۔ طب کا ذکر شروع ہوا۔ فرمایا کہ:۔

طبیب میں علاوہ علم کے جو اس کے پیشہ کے متعلق ہے ایک صفت نیکی اور تقویٰ بھی ہونی چاہیئے ورنہ اس کے بغیر کچھ کام نہیں چلتا۔ ہمارے پچھلے لوگوں میں اس کا خیال تھا اور لکھتے ہیں کہ جب نبض پر ہاتھ رکھے تو یہ بھی کہے سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرۃ: ۳۳) یعنی اے خداوند بزرگ ہمیں کچھ علم نہیں مگر وہ جو تُو نے سکھایا۔

شفا محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے

فرمایا:۔ دیکھو پچھلے دنوں میں مبارک احمد کو خسرہ نکلا تھا اس کو اس قدر کھجلی ہوتی تھی کہ وہ پلنگ پر کھڑا ہو جاتا تھا اور بدن کی بوٹیاں توڑتا تھا۔ جب کسی بات سے فائدہ نہ ہوا تو میں نے سوچا کہ اب دُعا کرنی چاہیئے۔ میں نے دُعا کی اور دُعا سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کچھ چھوٹے چھوٹے چوہوں جیسے جانور مبارک احمد کو کاٹ رہے ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ ان کو چادر میں باندھ کر باہر پھینک دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب میں نے بیداری میں دیکھا تو مبارک احمد کو بالکل آرام ہو گیا تھا۔ اسی طرح دستِ شفا جو مشہور ہوتے ہیں۔ اس میں کیا

ہوتا ہے وہی خدا تعالیٰ کا فضل اور کچھ نہیں۔

قبولیتِ دُعا کا ایک طریق

فرمایا کہ:۔
دُعا میں بعض دفعہ قبولیت نہیں پائی جاتی تو ایسے وقت اس طرح سے بھی دُعا قبول ہو جاتی ہے کہ ایک شخص بزرگ سے دُعا منگوائیں اور خدا تعالیٰ سے دُعا مانگیں کہ وہ اس مرد بزرگ کی دُعاؤں کو سُنے۔ اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ اس طرح دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ بھی بعض دفعہ ایسا واقعہ ہوا ہے اور پچھلے بزرگوں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ باوا غلام فریدؒ ایک دفعہ بیمار ہوئے اور دُعا کی مگر کچھ بھی فائدہ نظر نہ آیا۔ تب آپ نے اپنے ایک شاگرد کو جو نہایت ہی نیک مرد اور پارسا تھے (شاید شیخ نظام الدینؒ یا خواجہ قطب الدینؒ) دُعا کے لیے فرمایا۔ انہوں نے بہت دُعا کی مگر پھر بھی کچھ اثر نہ پایا گیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ایک رات بہت دُعا مانگی کہ اے میرے خدا۔ اس شاگرد کو وہ درجہ عطا فرما کہ اس کی دُعائیں قبولیت کا درجہ پائیں۔ اور صبح کے وقت ان کو کہا کہ آج ہم نے تمہارے لیے یہ دُعا مانگی ہے۔ یہ سُنکر شاگرد کے دل میں بہت ہی رقت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ جب انہوں نے میرے لیے ایسی دُعا کی ہے تو آؤ پہلے انہیں ہی شروع کرو اور انہوں نے اس قدر زور شور سے دُعا مانگی کہ باوا غلام فریدؒ کو شفا ہو گئی۔

آفات کے وقت دُعا کی ضرورت

بارش سخت زور سے ہو رہی تھی اور کوئی وقت ایسا نہ ہوتا تھا کہ بادل پھٹے۔ مکانوں کے گرنے کا سخت اندیشہ ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ

ہمیشہ بارشوں یا آندھیوں یا اور طوفانوں میں خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنی چاہیئے کہ وہ ہمارے لیے اس عذاب میں کوئی بہتری کی ہی صورت پیدا کرے اور ہر ایک شر سے محفوظ رکھے جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح پیغمبرِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے وقتوں میں دُعا مانگا کرتے تھے اور جب بارش یا آندھی آتی تھی تو گھبراہٹ سے معلوم ہوتے تھے اور کبھی اندر جاتے تھے اور کبھی باہر جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی۔ گو قیامت کی بہت سی نشانیاں ان کو بتائی گئی تھیں اور ابھی مسیح کی آمد کا بھی انتظار تھا مگر پھر بھی وہ خیال کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے اس لیے سب کو چاہیئے کہ اس کی بے نیازی سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ ایسے موقعوں پر خصوصیت سے دُعا میں لگے رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا مہد میں کلام

فرمایا کہ:۔
حضرت عیسیٰؑ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مہد میں بولنے لگے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پیدا ہوتے ہی یا دو چار مہینہ کے بولنے لگے بلکہ اس سے مطلب ہے کہ جب وہ

دو چار برس کے ہوئے کیونکہ یہی وقت تو بچوں کا پنگھوڑوں میں کھیلنے کا ہوتا ہے اور ایسے بچے کے لیے باتیں کرنا کوئی تعجب انگیز امر نہیں۔ ہماری لڑکی امتہ الحفیظ بھی بڑی باتیں کرتی ہے۔[1]

۴ر مارچ ۱۹۰۷ء

دل کی استقامت کیلئے استغفار کی ضرورت

امرتسر سے برادر احمد حسین صاحب کا خط حضرت کی خدمت میں آیا جس میں دل کے خوف کا علاج حضرت سے پوچھا ہوا تھا اور لکھا تھا کہ سُنا گیا ہے کہ حضور نے فرمایا ہے کہ پچیس ۲۵ دن سے پہلے سب لوگ یہاں چلے آئیں اور ڈوئی کے نشان پر مبارکباد تھی۔ اس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا:-

"دل کی استقامت کے لیے بہت استغفار پڑھتے رہیں"۔

آفات سے بچنے کا طریق

"اور میں نے کسی کو نہیں کہا کہ زلزلہ یا طاعون سے ڈر کر قادیان میں آجائیں۔ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور زلزلہ کے دن قریب آتے جاتے ہیں جس سے جانوں کا بہت نقصان ہوگا مگر نہیں معلوم کہ وہ نہایت سخت زلزلہ کب آئے گا۔ ڈوئی کا مرنا حقیقت میں بڑی فتح ہے۔ تمام اخباروں میں اس کا ذکر ہے"۔

ایک تازہ نشان

ذکر تھا کہ آجکل بہت سے شہروں میں سخت طاعون ہے اور قادیان کے ارد گرد بھی بہت طاعون ہے۔ صرف گاؤں میں نسبتاً آرام ہے۔

فرمایا:-

ہر ایک خبر کا حال نسبتاً ہی معلوم ہوتا ہے دوسری جگہوں میں قہر الٰہی کی آگ برس رہی ہے مگر جب سے کہ یہ الہام ہوا ہے کہ

"یا اللہ! اب شہر کی بلائیں بھی ٹال دے"

تب سے قادیان میں گویا امن ہے۔ یہ بھی ایک تازہ نشان ہے اور سوچنے والوں کے واسطے ازدیادِ ایمان کا موجب ہے۔

خواص کی موت کا نشان

ذکر آیا کہ اب تو اخباروں میں بڑے بڑے آدمیوں کے مرنے کی خبریں آرہی ہیں۔ فرمایا:-

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱۱ صفحہ ۱۰۔ ۱۱ مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۷ء

یہ اس الہام الٰہی کے منشاء کے مطابق ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ مِنَ النَّاسِ وَ الْعَامَّۃِ یعنی طاعون میں اس حصہ خاص کے لوگ بھی ہلاک ہوں گے اور عام بھی۔

جہنم کا عذاب دائمی نہیں ہوگا

ایک دوست کا خط پیش ہوا کہ چکڑالوی مُلّاں نے اپنا مذہب یہ شائع کیا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو ساتھ ہی رُوح بھی مَرجاتی ہے اور قیامت کے دن پھر ہر دو زندہ کئے جاویں گے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی کو جو پہلے مرا ہے زیادہ مدت تک عذاب ہو اور جو قیامت کے قریب مرے گا اس کو عذاب تھوڑی مدت ہو۔

حضرت نے فرمایا:۔

یہ چکڑالوی کی جہالت کا خیال ہے۔ یہ اعتراض تو تب وارد ہو سکتا ہے جبکہ جہنم کا عذاب ہمیشہ کے واسطے ہو جس سے انسان کے واسطے کبھی بھی چھٹکارا ہونے والا نہیں ہے اور ہمیشہ کے واسطے وہ جہنم میں رہے گا۔ یہ مذہب بالکل غلط ہے اور قرآنِ شریف اور حدیث کے بالکل برخلاف ہے۔ قرآن شریف سے یہ امر ثابت ہے کہ ایک وقت عذاب کا گذار کر انسان رفتہ رفتہ عذاب جہنم سے بچایا جائے گا خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ جس انسان کو خدا تعالیٰ نے آپ پیدا کیا ہے اور وہ اس کی مخلوق ہے اور اس کی کمی بیشی میں اس کے خلق کا حصہ ہے وہ اس کو ایسا عذاب دیدے کہ کبھی اس کے واسطے نجات ہی نہ ہو۔ یہ مذہب تو آریوں کا ہے کہ انسان کے واسطے نجات کبھی نہیں۔ وہ کسی نہ کسی جُون میں پڑا رہے گا، لیکن معلوم نہیں ہوتا ہے کہ لاکھوں کروڑوں کیڑے مکوڑے کب تک انسان بنیں گے۔ ایک ایک قطرے میں صدہا کیڑے پائے جاتے ہیں آریوں کا پرمیشر کیا دیالو ہے کہ کلجگ آگیا مگر تا حال کوئی صورت کمتی کی انسانوں کے واسطے پیدا نہیں ہوئی۔[1]

بلا تاریخ

بچے کے کان میں اذان

حکیم محمد عمر صاحب نے فیروز پور سے دریافت کیا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان اس کے کان میں اذان کہتے ہیں۔ کیا یہ امر شریعت کے مطابق ہے یا صرف ایک رسم ہے؟ فرمایا:۔

یہ امر حدیث سے ثابت ہے اور نیز اس وقت کے الفاظ کان میں پڑے ہوئے انسان کے اخلاق اور حالات پر ایک اثر رکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ رسم اچھی ہے اور جائز ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

نشان کے پورا ہونے پر دعوت دینا جائز ہے

خانصاحب عبدالحمید نے کپورتھلہ سے حضرت کی خدمت میں ڈوئی کے شاندار نشان کے پورا ہونے کی خوشی پر دوستوں کو دعوت دینے کی اجازت حاصل کرنے کے واسطے خط لکھا۔

حضرت نے اجازت دی اور فرمایا کہ :۔

تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ایسی دعوت کا دینا جائز ہے۔

مسافر کی تعریف

ایک صاحب محمد سعید الدین کا ایک سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ میں اور میرے بھائی ہمیشہ تجارت عطریات وغیرہ میں سفر کرتے رہتے ہیں کیا ہم نماز قصر کیا کریں۔ فرمایا :۔

سفر تو وہ ہے جو ضرورتاً گاہے گاہے ایک شخص کو پیش آوے نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ آج یہاں کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں ہی گذار دے۔

صنعتِ کفار سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ جب ریل دجال کا گدھا ہے تو ہم لوگ اس پر کیوں سوار ہوں ؟ فرمایا :۔

کفار کی صنعت سے فائدہ اُٹھانا منع نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھوڑی کو گدھے کے ساتھ ملانا دجل ہے۔ پس ملانے والا دجال ہے۔ لیکن آپ برابر خچر پر سواری کرتے تھے۔ اور ایک کافر بادشاہ نے ایک خچر آپ کو بطور تحفہ کے بھیجی تھی اور آپ اس پر برابر سواری کرتے رہے[1]

---

۱۹ مارچ ۱۹۰۷ء

ڈوئی کی ہلاکت کا نشان

فرمایا :۔

ڈوئی کے ساتھ کوئی ہمارا ذاتی جھگڑا نہ تھا بلکہ وہ مذہب عیسوی کا اس زمانہ میں ایک ہی پیغمبر تھا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے واسطے دُعا اور کوشش میں مصروف

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

تھا۔ پس اس کی ہلاکت سے اسلام اور عیسائیت کے مابین فیصلہ ہو گیا ہے وہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود خنزیر کو قتل کرے گا وہ خنزیر یہی ڈوئی تھا اور اتنا بڑا آدمی تھا کہ اس کے مرنے کی تاریں فوراً تمام دُنیا میں دی گئی تھیں اور صدہا اخباروں میں اس کا ذکر چھپا کرتا تھا اور سب لوگ اُسے بخوبی جانتے ہیں لیکھرام وغیرہ کے حالات تو اسی ملک میں محدود تھے اور ممکن ہے کہ ان کے متعلق پیشگوئی اور پھر ان کی موت کی خبر ان ممالک میں نہ پہنچی ہو۔ مگر اس کے متعلق کوئی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ لیکھرام تو صرف پنجاب اور بعض علاقہ جاتِ ہند میں مشہور تھا ورنہ ایک گمنام اور بے نشان آدمی تھا لیکن ڈوئی کے نام اور حالات سے یورپ اور امریکہ کے بادشاہ بھی واقف تھے۔ اس نے ایک دفعہ دُنیا کے گرد دورہ کیا تھا اور ہند کے جزیرہ سیلون میں بھی آیا تھا۔ جو شخص ایسے عظیم الشان نشان کا بھی انکار کرے وہ بہت ہی بے حیا ہوگا اور اس کا جُرم قابلِ عفو نہ ہوگا۔ قدرتِ خدا! اُدھر ڈوئی مرا اِدھر بذریعہ الہام ہم کو اس کی موت کی خبر دی گئی اور ساتھ ہی الہام ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ

یہ اس مباہلہ کی طرف اشارہ تھا جو اس کے اور میرے درمیان ہو چکا تھا کہ خدا تعالیٰ نے صادق کو فتح دی۔

لیکھرام کی موت

ذکر تھا کہ ایک آریہ کہتا تھا کہ ہم لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ ہم میں کوئی مرتا نہیں اور لیکھرام مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔

لیکھرام نے جب خود مباہلہ کیا تھا۔ اپنے پرمیشر کے آگے وید پیش کر کے فیصلہ چاہا تھا کہ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ ہو جائے اور میرے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ مرزا صاحب تین سال میں مرجائیں گے اور میں نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر پیشگوئی کی تھی کہ وہ چھ سال میں مرجائے گا۔ تو پھر جب وہ اس مباہلہ کے نتیجہ میں مرگیا اور اپنی موت سے خود شہادت دے گیا کہ اسلام سچا ہے اور وید جھوٹے ہیں تو اب اس کو زندہ کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟ اور اگر بہرحال تناسخ ہی درست ہوتا تو پھر بھی کسی کو کیا معلوم ہے کہ وہ کس کیڑے یا چرندے یا چارپائے کی جُون میں ہے اور کس عذاب اور دُکھ میں گرفتار ہے۔

ویدوں کی حیثیت

فرمایا:۔

تعجب ہے کہ آریہ لوگ ویدوں کے کیوں شیدائی بنے پھرتے ہیں۔ نہ اُن میں کوئی معجزہ ہے نہ کوئی نشان ہے نہ کوئی عمدہ تعلیم ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے اس کو دیکھا نہیں۔ اس کو پڑھا نہیں۔ ان کے بڑے بڑے پنڈت اس کے فہم سے قاصر ہیں۔ کیونکہ اوّل تو سنسکرت خود مُردہ زبان ہے پھر ویدوں کی سنسکرت اَور بھی نرالی ہے۔ باوجود اس قدر جہالت کے یہ لوگ شوخیاں دکھاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شوخی

اچھی نہیں ہوتی۔ اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ اپنی شوخیوں سے ہی آدمی مارا جاتا ہے۔

کثرتِ ملاقات کی برکات

سیالکوٹ کے ایک مولوی صاحب کا ذکر ہوا کہ وہ ایک جگہ مخالف مولویوں کے ساتھ مباحثہ کرنے گئے ہیں۔

فرمایا:۔

مباحثات کا حق ان کو نہیں پہنچتا کیونکہ وہ ہماری ملاقات سے بہت تھوڑا حصہ لیے ہوئے ہیں اور ان کو ہماری صحبت میں رہنے کا اتفاق بہت تھوڑا ہوا ہے اور جو ہوا ہے اس کو بہت مدت گذر چکی ہے۔ یہاں رات دن نئے دلائل پیدا ہوتے ہیں۔ صرف کتابوں کے دیکھنے سے کام نہیں چلتا بلکہ حاضری شرط ہے کیونکہ علم میں دن بدن ترقی ہوتی ہے۔

حضرت مولوی محمد احسن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔

ہاں یہ حق آپ کو پہنچتا ہے کیونکہ آپ کی توجہ دن رات اسی کام کی طرف ہے۔ پرانی باتیں بھی آپ کے ذہن نشین ہیں اور تازہ باتیں بھی آپ کے دماغ میں ہیں اور آپ کو اس سلسلہ کے امور اور دلائل سے اچھی طرح واقفیت ہے جب تک ایسا آدمی نہ ہو اس سے خطرہ ہے کہ لاعلمی کے سبب کہیں ٹھوکر کھائے۔

مسلمان کیلئے فری میسن ہونا اِرتداد کا حکم رکھتا ہے

امیرِ کابل کا ذکر تھا کہ اس کے فری میسن ہونے کے سبب اس کی قوم اس پر ناراض ہے۔ فرمایا:۔

اس ناراضگی میں وہ حق پر ہیں کیونکہ کوئی موحد اور سچا مسلمان فری میسن میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کا اصل شعبہ عیسائیت ہے اور بعض مدارج کے حصول کے واسطے کھلے طور پر بپتسمہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں داخل ہونا ایک ارتداد کا حکم رکھتا ہے۔[1]

---

۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء

دُعا جامع کرنی چاہیئے

ایک دوست نے کسی خاص چیز کے حصول کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا کہ:

یہی دُعا کرو کہ جو امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہے وہی ہو جائے کیونکہ بعض دفعہ انسان ایک چیز کو اپنے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۹ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء

لیے بہتر سمجھ کر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے لیکن اور شر اس سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے شر سے بڑھ کر ہوتا ہے اس واسطے دُعا جامع کرنی چاہیئے۔ مَیں آپ کے واسطے دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے اور دراصل محفوظ رکھنے والا وہی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد

فرمایا:۔

ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دُنیا میں ہو گئے۔ دوبارہ اگر وہ کیا بنائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہشمند ہیں۔[1]

۲۱ر مارچ ۱۹۰۷ء

پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن[2]

فرمایا کہ:

دیکھو۔ ثلج کے آنے کے دن والی پیشگوئی کس طرح پوری ہو گئی اور مَیں نے اس کے دو پہلو لیے تھے ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کچھ ایسے نشان دکھائے جن کی وجہ سے لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور دل تسکین پکڑ جائے اور دوسرا یہ کہ سخت بارش اور سردی اور ژالہ باری ہو جو ایک زمانہ دراز سے کبھی نہ ہوئی ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ دونو پہلو پورے کر دیئے۔ یہ نشان اس طرح متواتر ظہور میں آئے کہ نہ صرف پنجاب بلکہ یورپ اور امریکہ پر بھی حجت قائم ہو گئی یعنی ڈوئی کی موت سے۔ کیونکہ جب ڈوئی نے کہا کہ میں دُعا کرتا ہوں کہ اسلام بالکل تباہ ہو جائے اور اُمید کرتا ہوں کہ میری دُعا قبول ہو گی تو اس وقت مَیں نے ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں ڈوئی سے مباہلہ کیا کہ تو تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور عیسائیت کو سچا سمجھتا ہے مگر مَیں اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک انسان اور خدا تعالیٰ کا نبی مانتا ہوں اور اسلام کو سچا مذہب جانتا ہوں۔ پس ہم میں سے جو جھوٹا ہو گا وہ سچے کے سامنے مر جائے گا اور مَیں نے یہ بھی لکھا کہ اگر تُو مباہلہ نہ کرے گا تو بھی تُو ضرور ہلاک ہو گا۔ اس کے مقابلہ میں ڈوئی نے لکھا کہ میں کیڑوں مکوڑوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا اور اگر مَیں چاہوں تو اُن کو پاؤں کے نیچے کچل

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ مورخہ ۹ر مئی ۱۹۰۷ء

[2] بدر میں یہ ملفوظات تشحیذ الاذہان سے نقل کئے گئے ہیں۔ (مرتب)

دوں۔ اور یہ ڈوئی امریکہ کا ایک شخص تھا جس کا دعویٰ تھا کہ میں نبی ہوں اور اس کا اثر امریکہ سے لے کر یورپ تک پڑا تھا اور کہتے ہیں کہ سات کروڑ روپے کا مالک تھا۔ پس اس مباہلہ کے بعد اس کا روپیہ چھینا گیا اور صیحون گاؤں جس کو اس نے بسایا تھا اس میں سے نکالا گیا۔ پھر فالج پڑا اور ایسا پڑا کہ پچکاری سے پاخانہ نکالتے تھے اور آخر فروری ۱۹۰۷ء میں مر ہی گیا۔

پس یہ ایک نشان تھا جس نے تمام یورپ اور امریکہ پر اور سعد اللہ کی موت نے ہندوستان پر حجت قائم کر دی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ شخص بھی ہمارا سخت دشمن تھا۔ پس ان دو نشانوں اور دوسرے کئی نشانوں نے مل کر دُنیا پر مسیح کی پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت کر دیا۔ اور پھر یہی نہیں اصل الفاظ میں بھی یہ پیشگوئی کھلے طور سے پوری ہوگئی یعنی اس موسم بہار کے موسم میں جیسا کہ لکھا گیا تھا کہ بہار کے موسم میں ایسا ہوگا۔ ایسی سخت سردی اور بارش اور ژالہ باری ہوئی ہے کہ دُنیا چیخ اُٹھی ہے۔ جیسا کہ آج (۲۱ مارچ ۱۹۰۷ء) کو بھی بارش ہو رہی ہے اور سخت سردی پڑ رہی ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ کیسے کھلے الفاظ میں اور کیسی صریح یہ پیشگوئی تھی جو کہ اپنے ہر ایک پہلو پر پُوری ہوئی۔

طاعون کا نشان

فرمایا:۔

ہندوستان میں چاروں طرف طاعون پھیل رہی ہے اور قریباً گیارہ برس ہوگئے کہ یہ مرض یہاں ترقی کر رہا ہے اور اب کے سال تو بہت ہی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ معلوم نہیں کہ کب تک اس کا دور دورہ رہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک لوگ اپنے دلوں کو صاف نہیں کریں گے میں اس مرض کو نہیں ہٹاؤں گا۔ اور باوجود انگریزوں کے زور لگانے کے اس کا اب تک تو علاج کوئی نہیں نکلا۔ ٹیکہ ایجاد کیا وہ بھی ناکارہ ثابت ہوا۔ چوہے مروائے اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اب مچھر مروانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر طاعون اسی طرح تیزی پر شروع ہے بلکہ اور بھی بڑھ رہا ہے۔ مگر مجھ کو خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ تیرے گھر کی چار دیواری میں رہنے والوں کو اس مرض سے بچاؤں گا اور دیکھو کہ اب تک کئی دفعہ اس نواح میں سخت طاعون پڑ چکی ہے اور گاؤں کے گاؤں خالی ہوگئے ہیں اور خود قادیان میں بھی طاعون کئی دفعہ پڑ چکا ہے مگر اس گھر کو خدا تعالیٰ نے بچائے رکھا اور کوئی آدمی بھی اس مرض سے نہیں مرا بلکہ اس گھر کا کوئی چوہا بھی ہلاک نہیں ہوا۔ پس کیا ہی خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم ہے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء

۲۸ / مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

صدقہ جاریہ

ایک شخص کا خط حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ انسان اپنی زندگی میں کس طرح کا صدقہ جاریہ چھوڑ جائے کہ مرنے کے بعد قیامت تک اس کا ثواب ملتا رہے۔

فرمایا کہ:۔

قیامت تک کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں ہر ایک عمل انسان کا جو اس کے مرنے کے بعد اس کے آثار دُنیا میں قائم رہیں وہ اس کے واسطے موجبِ ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کا بیٹا ہو اور وہ اسے دین سکھلائے اور دین کا خادم بنائے تو یہ اسکے واسطے صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ ہر ایک عمل جو نیک نیتی کے ساتھ ایسے طور سے کیا جائے کہ اس کے بعد قائم رہے وہ اس کے واسطے صدقہ جاریہ ہے۔

طاعون سے بچنے کا طریق

ذکر ہوا کہ اس سال طاعون بہت پھیل رہی ہے اور پچھلے سالوں کی طرح صرف عام لوگ گرفتار نہیں ہوئے بلکہ خواص اور بڑے بڑے امیر ہلاک ہو رہے ہیں جیسا کہ اخباروں میں درج ہو رہا ہے۔

فرمایا:۔

باوجود اس سختی کے جو طاعون کے سبب وارد ہو رہی ہے لوگ اس طرف ابتک نہیں آتے کہ دُنیوی حیلے تو سب فضول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جُھکنا چاہیئے بلکہ ابھی تک لوگ یہی تجاویز پیش کرتے ہیں کہ مچھروں کو مارو اور پسوؤں کو مارو لیکن جب تک اپنے آپ کو مارنے کی طرف متوجہ نہ ہوں گے وہ کبھی نجات نہ پائیں گے۔

محنت کا پھل

ذکر تھا کہ جو لوگ دراصل خدا تعالیٰ کے عابد نہیں ہیں لیکن ریا کے طور پر یا غلط راہ پر چل کر لمبی عبادتیں کرتے ہیں ان کو بھی کچھ کچھ ظاہری قبولیت اور فوائد حاصل ہو ہی جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

چونکہ ایک محنتِ شاقہ اُٹھاتے ہیں اس کا عوض کچھ نہ کچھ ان کو دے دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک گبر چالیس سال تک ایک جگہ آگ پر بیٹھا رہا اور اس کی پرستش میں مصروف رہا۔ چالیس سال کے بعد جب وہ اُٹھا تو لوگ اس کے پاؤں کی مٹی آنکھ میں ڈالتے تھے تو اُن کی آنکھ کی بیماری اچھی ہو جاتی تھی۔ اس بات کو دیکھ کر ایک صوفی گھبرایا اور اس نے سوچا کہ جھوٹے کو یہ کرامت کس طرح سے مل گئی اور وہ اپنی حالت میں مذبذب ہو گیا

اس پر ہاتف کی آواز اُسے پہنچی جس نے کہا کہ تُو کیوں گھبراتا ہے سوچ کہ جب جھوٹے اور گمراہ کی محنت کو خدا تعالیٰ نے ضائع نہیں کیا تو سچا اس کی طرف جائے گا اس کا کیا درجہ ہوگا۔ اور اس کو کس قدر انعام ملے گا۔ تم اس زمانہ میں نہیں دیکھتے کہ پادری لوگ باوجود جھوٹے ہونے کے اپنی محنت کے سبب چالیس کروڑ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

توفّی کے معنی

فرمایا:۔ آج علیگڑھ سے ماسٹر محمد دین صاحب کا خط آیا ہے۔ انہوں نے خوب لطیفہ لکھا ہے کہ مصر کے اخباروں میں بھی ڈوئی کے مرنے کی خبریں لکھی ہیں۔ ایک عربی اخبار تو لکھتا ہے کہ مَاتَ ڈوئی اور دوسرا لکھتا ہے کہ توفی ڈوئی۔ آپس میں تو انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ توفی کے معنے مات کے ہیں لیکن ہمارے مولوی کہیں عربی اخباروں کو پڑھ کر اس کی جگہ بھی یہ معنے نہ کریں کہ ڈوئی مرا نہیں۔ آسمان پر چلا گیا ہے۔[1]

---

۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

ایک الہام کا پورا ہونا

صبح نو بجے کے قریب حضرت اقدس مع خدام سیر کے واسطے باہر تشریف لے گئے۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی کی لڑکی کے فوت ہو جانے کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

اُن کے خطوط اور تاریں آئی تھیں اور میں نے اُن کے واسطے دُعا کی تھی۔ وہ ہماری جماعت کے مخلص اور بڑی خدمت کرنے والے ہیں۔ ان کی لڑکی کے متعلق بہت دن پہلے الہام ہو چکا تھا کہ "لاہور سے افسوسناک خبر آئی"۔ ہمیں تو بہت فکر تھا کہ اس سے کیا مراد ہے اور اس وقت ایک آدمی بھی لاہور بھیجا تھا۔ اچھا خدا کرے کہ اب اتنے پر ہی اکتفا ہو۔

ظاہری اسباب کی رعایت

لاہور میں بیماری کا ذکر تھا کہ بہت پھیلتی جاتی ہے اور قریباً ہر محلہ میں اس کا اثر ہے فرمایا:۔

یہ ہمارا حکم ہے۔ بہتر ہے کہ لاہور کے دوست اشتہار دے دیں کہ جس گھر میں چوہے مریں اور جس کے قریب بیماری ہو فوراً وہ مکان چھوڑ دینا چاہیئے اور شہر کے باہر کسی کھلے مکان میں چلا جانا چاہیئے۔ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ ظاہری اسباب کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ گندے اور تنگ و تاریک مکانوں میں رہنا تو ویسے بھی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ مورخہ ۴ اپریل ۱۹۰۷ء

منع ہے خواہ طاعون ہو یا نہ ہو۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کا حکم ہے۔ ہر ایک پلیدی سے پرہیز رکھنا چاہیئے۔ کپڑے صاف ہوں۔ جگہ ستھری ہو۔ بدن پاک رکھا جائے۔ یہ ضروری باتیں ہیں اور دُعا اور استغفار میں مصروف رہنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی طاعون ہوئی تھی۔ ایک جگہ مسلمانوں کی فوج گئی ہوئی تھی۔ وہاں سخت طاعون پڑی۔ جب مدینہ شریف میں امیرالمومنین کے پاس خبر پہنچی تو آپ نے حکم لکھ بھیجا کہ فوراً اس جگہ کو چھوڑ دو اور کسی اونچے پہاڑ پر چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ فوج اس سے محفوظ ہوگئی۔ اس وقت ایک شخص نے اعتراض بھی کیا کہ کیا آپ خدا تعالےٰ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟ فرمایا۔ مَیں ایک تقدیرِ خداوندی سے دوسری تقدیرِ خداوندی کی طرف بھاگتا ہوں اور وہ کونسا امر ہے جو خدا تعالیٰ کی تقدیر سے باہر ہے۔

طاعون سے بچانیکے دو وعدے

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے دو وعدے اپنی وحی کے ذریعہ سے کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس گھر کے رہنے والوں کو طاعون سے بچائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ دوسرا وعدہ اس کا ہماری جماعت کے متعلق ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (ترجمہ) جن لوگوں نے مان لیا ہے اور اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظُلم کو نہ ملایا۔ ایسے لوگوں کے واسطے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ جماعت کے وہ لوگ بچائے جائیں گے جو پوری طور سے ہماری ہدایتوں پر عمل کریں اور اپنے اندرونی عیوب اور اپنی غلطیوں کی مَیل کو دُور کر دیں گے اور اپنے نفس کی بدی کی طرف نہ جُھکیں گے بہت سے لوگ بیعت کر کے جاتے ہیں مگر اپنے اعمال درست نہیں کرتے۔ صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کیا بنتا ہے۔ خدا تعالےٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے۔[1]

بلا تاریخ

ہمدردی اور احتیاط

سوال ہوا کہ طاعون کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں طبیب کے واسطے کیا حکم ہے؟

فرمایا:۔

طبیب اور ڈاکٹر کو چاہیئے کہ وہ علاج معالجہ کرے اور ہمدردی دکھائے لیکن اپنا بچاؤ رکھے۔ بیمار کے بہت قریب جانا اور مکان کے اندر جانا اس کے واسطے ضروری نہیں ہے وہ حال معلوم کر کے مشورہ دے۔ ایسا ہی خدمت کرنے والوں کے واسطے بھی ضروری ہے کہ اپنا بچاؤ بھی رکھیں اور بیمار کی ہمدردی بھی کریں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۷ مورخہ ۴ اپریل ۱۹۰۷ء

طاعون سے مرنے والا مومن شہید ہوتا ہے

سوال ہوا کہ طاعون زدہ کے واسطے کیا حکم ہے؟

فرمایا:-

مومن طاعون سے مرتا ہے تو وہ شہید ہے۔ شہید کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں۔

سوال ہوا کہ اس کو کفن پہنایا جائے یا نہیں؟

فرمایا:-

شہید کے واسطے کفن کی ضرورت نہیں۔ وہ انہیں کپڑوں میں دفن کیا جاوے۔ ہاں اس پر ایک سفید چادر ڈال دی جائے تو ہرج نہیں۔

اسمِ اعظم

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ قرآنِ شریف میں اسمِ اعظم کونسا لفظ ہے؟

فرمایا:-

اسمِ اعظم اللہ ہے

خواب کو پورا کرنا

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں اپنی بیوی کا خواب لکھا کہ "کسی شخص نے خواب میں میری بیوی کو کہا کہ تمہارے بیٹے پر بڑا بوجھ ہے اس پر سے صدقہ اُتارو اور کروکہ چنے بھگو کر مٹی کے برتن میں رکھ کر اور لڑکے کے بدن کا کُرتہ اُتار کر اُس میں باندھ کر رات سوتے وقت سرہانے چارپائی کے نیچے رکھ دو اور ساتھ چراغ جلا دو صبح کسی غیر کے ہاتھ اُٹھوا کر چوراہے میں رکھ دو" یہ خواب لکھ کر حضرت سے دریافت کیا کہ کیا جائز ہے کہ ہم خواب اسی طرح سے پورا کریں۔

جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ:-

جائز ہے کہ اس طرح سے کریں اور خواب کو پورا کریں

دُعا میں صیغہ واحد کو جمع کرنا

ایک دوست کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ مَیں ایک مسجد میں امام ہوں بعض دُعائیں جو صیغہ واحد متکلم

میں ہوتی ہیں۔ یعنی انسان کے اپنے واسطے ہی ہو سکتی ہیں مَیں چاہتا ہوں کہ ان کو صیغہ جمع میں پڑھ کر مقتدیوں کو بھی اپنی دُعا میں شامل کر لیا کروں اس میں کیا حکم ہے ؟

فرمایا:-

جو دُعائیں قرآن شریف میں ہیں ان میں کوئی تغیر جائز نہیں کیونکہ وہ کلامِ الٰہی ہے وہ جس طرح قرآن شریف میں ہے اسی طرح پڑھنا چاہیئے۔ ہاں حدیث میں جو دعائیں آئی ہیں۔ اُن کے متعلق اختیار ہے کہ صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع پڑھ لیا کریں [1]

یکم اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

طاعون زدہ علاقوں کے احمدیوں کے واسطے حکم

صبح کو حضرت اقدس مع خدام باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ راستہ میں عاجز[2] راقم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

اخبار میں چھاپ دو اور سب کو اطلاع کر دو کہ یہ دن خدا تعالیٰ کے غضب کے دن ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے کئی بار مجھے بذریعہ وحی فرمایا ہے کہ غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا۔ آجکل طاعون بہت بڑھتا جاتا ہے اور چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ مَیں اپنی جماعت کے واسطے خدا تعالیٰ سے بہت دُعا کرتا ہوں کہ وہ اس کو بچائے رکھے۔ مگر قرآنِ شریف سے یہ ثابت ہے کہ جب قہرِ الٰہی نازل ہوتا ہے تو بدوں کے ساتھ نیک بھی پیسے جاتے ہیں اور پھر ان کا حشر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔ دیکھو۔ حضرت نوحؑ کا طوفان سب پر پڑا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک مرد عورت اور بچے کو اس سے پورے طور پر خبر نہ تھی کہ نوحؑ کا دعویٰ اور اس کے دلائل کیا ہیں۔ جہاد میں جو فتوحات ہوئیں وہ سب اسلام کی صداقت کے واسطے نشان تھیں۔ لیکن ہر ایک میں کفار کے ساتھ مسلمان بھی مارے گئے۔ کافر جہنم کو گیا اور مسلمان شہید کہلایا۔ ایسا ہی طاعون ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان ہے اور ممکن ہے کہ اس میں ہماری جماعت کے بعض آدمی بھی شہید ہوں۔ ہم خدا تعالیٰ کے حضور دُعا میں مصروف ہیں کہ وہ ان میں اور غیروں میں تمیز قائم رکھے لیکن جماعت کے آدمیوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۶ مورخہ ۴ اپریل ۱۹۰۷ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر (مرتب)

کچھ نہیں بنتا جب تک کہ ہماری تعلیم پر عمل نہ کیا جاوے۔ سب سے اوّل حقوق اللہ کو ادا کرو۔ اپنے نفس کو جذبات سے پاک رکھو۔ اس کے بعد حقوقِ عباد کو ادا کرو اور اعمالِ صالحہ کو پورا کرو۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور تضرع کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرتے رہو اور کوئی دن ایسا نہ ہو جس دن تم نے خدا تعالیٰ کے حضور رو کر دُعا نہ کی ہو۔ اس کے بعد اسبابِ ظاہری کی رعایت رکھو۔ جس مکان میں چوہے مرنے شروع ہوں اس کو خالی کر دو۔ اور جس محلہ میں طاعون ہو اس محلہ سے نکل جاؤ اور کسی کھلے میدان میں جا کر ڈیرا لگاؤ۔ جو تم میں سے بتقدیرِ الٰہی طاعون میں مبتلا ہو جاوے اس کے ساتھ اور اس کے لواحقین کے ساتھ پوری ہمدردی کرو اور ہر طرح سے اس کی مدد کرو اور اس کے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھو لیکن یاد رہے کہ ہمدردی کے یہ معنے نہیں کہ اس کے زہریلے سانس یا کپڑوں سے متاثر ہو جاؤ۔ بلکہ اس اثر سے بچو۔ اُسے کھلے مکان میں رکھو اور جو خدانخواستہ اس بیماری سے مَر جائے وہ شہید ہے۔ اس کے واسطے ضرورت غُسل کی نہیں اور نہ نیا کفن پہنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے وہی کپڑے رہنے دو اور ہو سکے تو ایک سفید چادر اس پر ڈال دو اور چونکہ مرنے کے بعد میت کے جسم میں زہریلا اثر زیادہ تر ترقی پکڑتا ہے اس واسطے سب لوگ اس کے گرد جمع نہ ہوں۔ حسبِ ضرورت دو تین آدمی اس کی چارپائی کو اُٹھائیں اور باقی سب دُور کھڑے ہو کر مثلاً ایک سَو گز کے فاصلہ پر جنازہ پڑھیں۔ جنازہ ایک دُعا ہے اور اس کے واسطے ضروری نہیں کہ انسان میت کے سر پر کھڑا ہو۔ جہاں قبرستان دُور ہو مثلاً لاہور میں سامان ہو سکے تو کسی گاڑی یا چھکڑے پر میت کو لاد کر لے جاویں اور میت پر کسی قسم کی جزع فزع نہ کی جاوے۔ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔

اس بات کا خوف نہ کرو کہ ایسا کرنے سے لوگ تمہیں بُرا کہیں گے وہ پہلے کب تمہیں اچھا کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں شریعت کے مطابق ہیں اور تم دیکھ لو گے کہ آخر کار وہ لوگ جو تم پر ہنسی کریں گے خود بھی ان باتوں میں تمہاری پیروی کریں گے۔

مکرراً یہ بہت تاکید ہے کہ جو مکان تنگ اور تاریک ہو اور ہوا اور روشنی خوب طور پر نہ آسکے اس کو بلا توقف چھوڑ دو کیونکہ خود ایسا مکان ہی خطرناک ہوتا ہے گو کوئی چوہا بھی اس میں نہ مرا ہو اور حتی الامکان مکانوں کی چھتوں پر رہو۔ نیچے کے مکان سے پرہیز کرو اور اپنے کپڑوں کو صفائی سے رکھو۔ نالیاں صاف کراتے رہو سب سے مقدم یہ کہ اپنے دلوں کو بھی صاف کرو اور خدا تعالیٰ کے ساتھ پوری صلح کر لو۔

کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم"

حضرت نے فرمایا ہے کہ کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" تمام دوست مرد اور عورت جو مقدرت رکھتے ہیں۔ ایک ایک جلد خرید فرما دیں اور نیز آریوں کے درمیان مفت تقسیم کرنے کے واسطے

خریدی جائے۔ کیونکہ یہ کتاب غلطی کے سبب ساری کی ساری ہر دو اخباروں میں یک دفعہ چھپ چکی ہے اور جس دوست کی ملکیت میں وہ کتاب ہے اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے[1]

---

۵ اپریل ۱۹۰۷ء

ایک تازہ الہام

تازہ الہام حٰمٓ۔ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ۔ راز کھل گیا کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔
تفہیم یہی ہوئی ہے کہ یہ پیشگوئی ہے

سابقہ کتب کی مثال

پہلی کتابوں کا ذکر تھا جو منسوخ شدہ ہیں اور محرف و مبدل ہیں۔ فرمایا:۔
اب ان کی مثال ایک مسمار شدہ عمارت کی طرح ہے۔ جس طرح کوئی عمارت گر جاتی ہے اور اسکی اینٹیں اُوپر نیچے کہیں کی کہیں جا پڑتی ہیں۔ پاخانے کی اینٹ باورچی خانے میں اور باورچی خانے کی اینٹ پاخانے میں چلی جاتی ہے۔ وہ مکانات اب اس قابل نہیں رہے کہ اُن میں رہائش اختیار کی جائے جو اُن کو اپنا مسکن بنائے وہ محلات میں رہنے والوں کی طرح آرام پا نہیں سکتا۔

دیسی جڑی بُوٹیاں

سیر میں برلب سڑک خودرَو بوٹیوں کی طرف اشارہ کرکے اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب کو مخاطب کرکے حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔
یہ دیسی بُوٹیاں بہت کارآمد ہوتی ہیں مگر افسوس کہ لوگ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔
حضرت مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ بوٹیاں بہت مفید ہیں۔ گندلوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ہندو فقیر لوگ بعض اسی کو جمع کر رکھتے ہیں اور اسی پر گذارا کرتے ہیں۔ یہ بہت مقوی ہے اور اس کے کھانے سے بواسیر نہیں ہوتی۔ ایسا ہی کنڈیاری کے فائدے بیان کئے جو پاس ہی تھی۔
حضرت نے فرمایا کہ:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۴ صفحہ ۵ - ۶ مورخہ ۴ اپریل ۱۹۰۷ء

ہمارے ملک کے لوگ اکثر اُن کے فوائد سے بے خبر ہیں اور اس طرح توجہ نہیں کرتے کہ اُن کے ملک میں کیسی عمدہ دوائیں موجود ہیں جو کہ دیسی ہونے کے سبب اُن کے مزاج کے موافق ہیں[1]

۱۰ر اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

اچھی تلاوت کو پسند فرمانا

صبح کو حضرت سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ خدام ساتھ تھے۔ حافظ محبوب الرحمٰن صاحب جو کہ اخویم منشی حبیب الرحمٰن صاحب رئیس حاجی پورہ اور بھائی جان منشی ظفر احمد صاحب کے عزیزوں میں سے ہیں ساتھ تھے۔ حضرت نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ:۔

یہ قرآن شریف اچھا پڑھتے ہیں اور میں نے اسی واسطے ان کو یہاں رکھ لیا ہے کہ ہر روز اُن سے قرآنِ شریف سُنا کریں گے۔ مجھے بہت شوق ہے کہ کوئی شخص عمدہ، صحیح، خوش الحانی سے قرآنِ شریف پڑھنے والا ہو تو اس سے سُنا کروں۔

پھر حافظ صاحب موصوف کو مخاطب کر کے حضرت نے فرمایا کہ:

آج آپ سیر میں کچھ سنائیں

چنانچہ تھوڑی دُور جا کر آپ نہایت سادگی کے ساتھ ایک کھیت کے کنارے زمین پر بیٹھ گئے اور تمام خدام بھی زمین پر بیٹھ گئے اور حافظ صاحب نے نہایت خوش الحانی سے سورہ دہر پڑھی جس کے بعد آپ سیر کے واسطے آگے تشریف لے گئے۔

اخبارات میں قرآنِ کریم کی آیات

فرمایا:۔

بڑا افسوس ہے کہ قرآنِ شریف کی جو آیات اخبار الحکم اور بدر میں لکھی جاتی ہیں اُن میں اکثر غلطیاں ہوتی ہیں۔ اخبار والوں کو بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۱ر اپریل ۱۹۰۷ء

مخالفین کا انجام

ذکر تھا کہ لیکھرام کی یادگار میں ایک رسالہ نکلتا ہے۔ چونکہ لیکھرام نے اپنا نام آریہ مسافر لکھا تھا اس واسطے اس رسالہ کا نام بھی آریہ مسافر رکھا گیا ہے

حضرت نے فرمایا کہ :-

وہ تو اپنے اعتراضات کا جواب اپنی موت کے ساتھ آپ ہی دے گیا ہے۔ وہ مسافر بنتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اُسے ایسا مسافر بنایا کہ پھر کبھی واپس نہ آیا۔

فرعون کہنے والے مرتے جاتے ہیں

ایسا ہی وہ تمام لوگ جو مجھے فرعون کہتے تھے ہلاک ہو گئے۔ محی الدین لکھوکے والے نے اپنا الہام شائع کیا تھا کہ مرزا صاحب فرعون ہیں۔ چراغ الدین نے بھی مجھے فرعون لکھا تھا۔ الٰہی بخش نے بھی مجھے فرعون لکھا۔ مگر یہ عجیب فرعون ہے کہ پہلا فرعون تو موسیٰ کے مقابلہ میں ہلاک ہو گیا تھا اور یہاں فرعون تو زندہ ہے اور موسیٰ دن بدن ہلاک ہوتے جاتے ہیں۔

نزولِ بلا کا وقت

فرمایا :-

حدیثوں سے ثابت ہے کہ نزولِ بلا عموماً رات کے وقت اور بعد مغرب تاریکی پھیلنے کے وقت ہوتا ہے [1]

خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا گستاخی ہے

فرمایا :-

خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرنا بڑی گستاخی ہے۔ یہ لوگ کس گنتی میں ہیں۔ ایک نبی (یونسؑ) بھی صرف لَنْ اَرْجِعَ اِلٰی قَوْمِیْ کَذَّابًا کہنے سے زیرِ عتاب ہوا اور اصل خدا تعالیٰ کے کسی فعل پر شرح صدر نہ رکھنا ایک مخفی اعتراض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (القلم: ۴۹) ایسے امور میں مخاطب تو انبیاء ہوتے ہیں مگر دراصل سبق اُمت کو دینا منظور ہوتا ہے۔ ہمارے بارے میں حق کے فیصلہ کے لیے کس قدر کھلی ہوئی راہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی نظیر اگلی اُمتوں میں موجود نہیں۔ دیکھو مسیح کی دوبارہ آمد کا مسئلہ ایلیا کی آمد سے کیسا صاف ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس پر دونوں قوموں کا باوجود اختلاف کے اتفاق ہے جیسا مسیح کے صلیب پر چڑھایا جانے کے بارے میں۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۷ صفحہ ۷ مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء

آتھم جب رجوع والی شرط سے فائدہ اُٹھا کر پندرہ ماہ میں نہ مرا تو خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے نے کیا عمدہ جواب دیا کہ بعض اشخاص آسمان پر مرجاتے ہیں اور اللہ کا ولی اس کو مُردہ دیکھ لیتا ہے مگر دوسرے عوام الناس اس معرفت تک نہیں پہنچتے اور اعتراض کرتے ہیں۔

نبی کے مخالفین کی تباہی کا وقت

ان سب کی تہ میں وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراھیم: ۱۶) کا قانون کام کر رہا ہے۔ ہر نبی پہلے صبر کی حالت میں ہوتا ہے۔ پھر جب ارادۂ الٰہی کسی قوم کی تباہی سے متعلق ہوتا ہے تو نبی میں درد کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دُعا کرتا ہے۔ پھر اس قوم کی تباہی یا خیر خواہی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام پہلے صبر کرتے رہے اور بڑی مدت تک قوم کی ایذائیں سہتے رہے۔ پھر ارادۂ الٰہی جب اُن کی تباہی سے متعلق ہوا تو درد کی حالت پیدا ہوئی اور دل سے نکلا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: ۲۷) جب تک خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال پہلے صبر کرتے رہے۔ پھر جب درد کی حالت پیدا ہوئی تو قتال کے ذریعہ مخالفین پر عذاب نازل ہوا۔ خود ہماری نسبت دیکھو جب یہ شبھ چنتک جاری ہوا تو اس کا ذکر تک بھی نہیں کیا گیا۔ مگر جب ارادۂ الٰہی اس کی تباہی کے متعلق ہوا تو ہماری توجہ اس طرف بے اختیار ہو گئی اور پھر تم دیکھتے ہو کہ رسالہ ابھی اچھی طرح شائع بھی نہ ہونے پایا کہ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہو گئیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اللہ کو صفتِ خلق یا تکوین دی گئی۔ اس سے یہی مراد ہے کہ وہ اُن کی دُعا کا نتیجہ ہوتا ہے اور الٰہی صفت ایک پردہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

یہ عیسائی اور آریہ کہتے ہیں کہ شمشیر کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کئے۔ ہم کہتے ہیں یہ بھی ایک دو برس تلوار چلا کر دیکھیں کوئی ان کے مذہب میں داخل ہوتا ہے یا نہیں۔ ایمان جو ایک قلبی معاملہ ہے ہم نہیں سمجھ سکتے تلوار کے ذریعہ کیونکر کسی کو شرح صدر حاصل ہو سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی حکمت

اس میں بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ فلاں فلاں مسلمان عالم ہمارے سلسلہ میں داخل نہیں۔ اگر یہ داخل ہوتے تو خدا جانے کیا کیا فتنے برپا کرتے۔ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ (الانفال: ۲۴) یہ وہ وقت ہے جس کی تمام نبیوں نے خبر دی کہ اس وقت عام تباہی ہوگی اور کوئی ایسی آفت باقی نہ رہے گی جو دُنیا پر نازل نہ ہو۔ تضرع کا مقام ہے[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۷ء

۱۱ اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ

غلام دستگیر قصوری کے بارے میں ذکر تھا کہ بعض مخالفین کہتے ہیں۔ اس نے کب مباہلہ کیا؟

حضور نے فرمایا کہ:۔

یہ جو اس نے لکھا قُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (الانعام: ۴۶) اس کا مصداق بنا۔ اس فقرے کے اس کے سوا اور کیا معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ ظالم کی ہلاکت کا خدا تعالیٰ سے خواستگار رہے اب اللہ تعالیٰ کے فعل نے بتا دیا کہ ظالم کون ہے۔ قرآن مجید میں بھی لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (آل عمران: ۶۲) آیا ہے۔ یوں کھول کر تو نہیں کہا گیا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر عذاب نازل ہو۔ گو اس کا مفہوم یہی ہے مگر یہ عبارت نہیں۔ ایسا ہی وہاں جو قصوری نے اپنی کتاب میں لکھا تو اس کا مطلب یہی تھا۔ پھر بطریق تنزّل ہم مان لیتے ہیں کہ اس نے صرف ہمارے لیے بد دُعا کی مگر اب بتاؤ کہ اس کی دُعا کا اثر کیا ہوا؟ کیا وہ الفاظ جو میرے حق میں کہے اور وہ دُعا جو میرے برخلاف کی اُلٹی اس پر ہی پڑی؟ اب بتلاؤ کہ کیا مقبولانِ الٰہی کا یہی نشان ہے کہ جو دعا وہ نہایت تضرّع و ابتہال سے کریں اس کا اُلٹا اثر ہو اور اثر بھی یہ کہ خود ہی ہلاک ہو کر اپنے کاذب ہونے پر مُہر لگا جاویں۔ خصوصاً ایسے شخص کے مقابل میں جسے وہ مفتری اور کیا کیا سمجھتا ہے۔ دراصل وہ مجمع البحار والے کی مثال دے کر خود اس کا قائمقام بننا چاہتا تھا اور اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ جاتا تو بڑے لمبے لمبے اشتہار شائع ہوتے لیکن خدا تعالیٰ نے دشمن کو بالکل موقعہ نہ دیا کہ وہ کسی قسم کی خوشی منائے۔ اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے میرے برخلاف بد دُعا کی اور خدا تعالیٰ سے میری جڑ کے کٹ جانے کی درخواست کی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی جڑ کٹ گئی اور مجھے روز افزوں ترقی حاصل ہوئی۔ کیا یہ متعصب مخالف کے لیے عبرت کا مقام نہیں؟ افسوس کہ یہ لوگ ذرا بھی غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ قرآن مجید کی آیت یہاں کیسی صادق آ رہی ہے یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَائِرَ عَلَیْھِمْ دَآئِرَۃُ السَّوْءِ (التوبہ: ۹۸) (تاکتے ہیں تم پر زمانے کی گردشیں انہی پر آوے گردش بُری)

مامور کے مخالفین کا انجام

خدا تعالیٰ کے مامور کے جو مقابل میں آتا ہے سب دُعائیں اور لعنتیں اسی پر اُلٹ کر پڑتی ہیں جیسا کہ سب نے دیکھ لیا۔ یہ آریہ جو مرے ہیں خدا تعالیٰ نے پسند نہیں کیا کہ اس کے مرکزِ تجلیات میں کوئی ہم پر افترا کرے۔ واقعی یہ بڑی خیانت کا کام ہے کہ اپنی آنکھوں سے نشان دیکھیں اور پھر نہ صرف خود انکار کریں بلکہ اوروں کو بھی بہکائیں۔ یہ سخت بُرا

کام تھا جو انہوں نے اپنے ذمہ لیا جیسا روشنی میں سیاہ دل چور نہیں ٹھہر سکتا ایسے ہی اس مقام میں جو تجلیات وانوار الٰہی کا مرکز ہو۔ کوئی سیاہ دل خائن بہت مدت نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا (الاحزاب: ۶۱) (نہ پڑوس میں رہیں گے تیرے مگر چند دن)۔

نسخۂ کیمیا میرے نزدیک سب سے بڑے مشرک کیمیا گر ہیں کہ یہ رزق کی تلاش میں یوں مارے مارے پھرتے ہیں اور ان اسباب سے کام نہیں لیتے جو اللہ تعالیٰ نے جائز طور سے رزق کے حصول کے لیے مقرر کئے ہیں اور نہ پھر توکل کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذّٰریات ۲۳) (اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم وعدہ دیئے جاتے ہو) ہم ایسے موسوں کو ایک کیمیا کا نسخہ بتلاتے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳، ۴) پس تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے یہ حاصل ہو اسے گویا تمام جہان کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ یاد رکھو متقی کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ اس مقام پر ہوتا ہے کہ جو چاہتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لیے اس کے مانگنے سے پہلے مہیا کر دیتا ہے۔

میں نے ایک دفعہ کشف میں، اللہ تعالیٰ کو تمثّل کے طور پر دیکھا۔ میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا:

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

پس یہ وہ نسخہ ہے جو تمام انبیاء واولیاء وصلحاء کا آزمایا ہوا ہے۔ نادان لوگ اس بات کو چھوڑ کر بوٹیوں کی تلاش میں مارے پھرتے ہیں۔ اتنی محنت اگر وہ ان بوٹیوں کو پیدا کرنے والے کے پانے میں کرتے تو سب من مانی مرادیں پا لیتے۔

تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو ہماری جماعت کو چاہیئے کہ تقویٰ کی راہوں پر قدم ماریں اور اپنے دشمن کی ہلاکت سے بے جا خوش نہ ہوں۔ توراۃ میں لکھا ہے بنی اسرائیل کے دشمنوں کے بارے میں کہ میں نے اُن کو اس لیے ہلاک کیا کہ وہ بد ہیں نہ اس لیے کہ تم نیک ہو۔ پس نیک بننے کی کوشش کرو میرا ایک شعر ہے ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

ہمارے مخالف جو ہیں وہ بھی متقی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ہر چیز اپنی تاثیرات سے پہچانی جاتی ہے۔ نرا زبانی دعویٰ ٹھیک نہیں۔ اگر یہ لوگ متقی ہیں تو پھر متقی ہونے کے جو نتائج ہیں وہ ان میں کیوں نہیں؟ نہ مکالمۂ الٰہی سے مشرف ہیں نہ عذاب سے حفاظت کا وعدہ ہے۔ تقویٰ ایک تریاق ہے جو اسے استعمال کرتا ہے وہ تمام

زہروں سے نجات پاتا ہے۔ مگر تقویٰ کامل ہونا چاہیئے۔ تقویٰ کی کسی شاخ پر عمل پیرا ہونا ایسا ہے جیسے کسی کو بھوک لگی ہو اور وہ ایک دانہ کھالے۔ ظاہر ہے کہ اس کا کھانا اور نہ کھانا برابر ہے۔ ایسا ہی پانی کی پیاس ایک قطرہ سے نہیں بجھ سکتی۔ یہی حال تقویٰ کا ہے۔ کسی ایک شاخ پر عمل موجبِ نجات نہیں ہو سکتا۔ پس تقویٰ وہی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (النحل: ۱۲۹) خدا تعالیٰ کی معیت بتا دیتی ہے کہ یہ متقی ہے۔

جب سے خالق ہے تب سے مخلوق ہے

خدا تعالیٰ جب سے خالق ہے تب سے اس کی مخلوق ہے گو ہمیں یہ علم نہ ہو کہ وہ مخلوق کس قسم کی تھی۔ غرض نوعی قِدم کے ہم قائل ہیں۔ ایک نوع فنا کر کے دوسری بنا دی مگر یہ نہیں کہ جیسے آریہ مانتے ہیں روح مادہ ویسا ہی ازلی ابدی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ۔ ہمارا ایمان ہے کہ رُوح ہو یا مادہ۔ غرض خواہ کچھ ہی ہو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔[1]

۱۳؍ اپریل ۱۹۰۷ء

مومنِ کامل طاعون سے نہیں مرتا

جو کچھ ہے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو چاہے کرتا ہے بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسٓ: ۸۴) دیکھو خدا تعالیٰ نے ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں کیسا امتیاز رکھا ہے۔ یہی قادیان ہے جس میں کئی مرے اور پھر ہماری جماعت بالکل محفوظ رہی۔ ان مسلمانوں میں کئی گدی نشین ہیں۔ کئی امام کا دعویٰ کرتے ہیں کئی مقربانِ الٰہی بنتے ہیں۔ مگر کیا کسی کو یہ بھی وعدہ دیا گیا ہے اِنِّيْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ۔ یقیناً نہیں۔ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہے تو پیش کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ثابت کرے۔ دیکھو ان میں سے جس نے دعویٰ کیا وہ فوراً پکڑے گئے۔ جموں کے چراغ دین نے دعویٰ کیا تھا اور پھر الٰہی بخش جو میری نسبت طاعون سے مرنے کا خیال رکھتا تھا طاعون ہی سے ہلاک ہوئے۔ مومنِ کامل تو کبھی طاعون سے نہیں مرتا۔ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی نظیر موجود ہے کیا کوئی نبی طاعون سے مرا؟ پھر کامل مومنین حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی سوانح کو پڑھو۔ کیا اُن میں سے کوئی طاعون سے مرا؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ تورات و انجیل میں اس طاعون کو عذاب قرار دیا گیا۔ گویا ایک قسم کا جہنم ہے۔ چنانچہ میرے الہامات میں اکثر جہنم کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد طاعون ہی ہے پس مومنِ کامل تو جہنم سے بالکل محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر وہ اس میں پڑے تو پھر مومن کیسا ہوا؟ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (البقرۃ: ۶۰) یعنی طاعون کا عذاب

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵؍ اپریل ۱۹۰۷ء

ظالموں اور فاسقوں کے لیے ہے۔ یہ مامور من اللہ کے انکار اور فسق کی سزا ہے گویا اس کی خصوصیت کفر کیساتھ ہے ہاں جو مومن کامل نہیں بلکہ معمولی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی تمحیص مقصود ہوتی ہے اس لیے ممکن ہے کہ انہیں دُنیا میں اصلاح کے لیے بطور کفارۂ ذنوب جہنم میں داخل کرے اور یہ سب فرقہ ہائے اسلام کی مانی ہوئی بات ہے کہ ایک فریق مومنوں کا بھی جہنم میں کچھ مدت کے لیے پڑے گا۔ پس ماننا پڑتا ہے کہ بعض مومنوں کو بھی طاعون ہو سکتا ہے مگر یاد رہے وہی مومن جو کامل نہیں۔ اسی لیے میرے الہام میں ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ رہیں گے جو لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ کے مصداق ہیں یعنی اپنے ایمان کے نور میں کسی قسم کی تاریکی شامل نہیں کرتے اور یہ مقام سوائے کاملین کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ۱۳ھ ہجری میں جب طاعون پڑا ہے تو کوئی مسلمان نہیں مرا لیکن جب حضرت عمرؓ کے عہد میں طاعون پڑا تو کئی صحابی بھی شہید ہوئے وجہ یہ کہ کامل مومن ہی ایسی باتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اب دیکھنا تو یہ ہے کہ جسے موسیٰ ہونے کا دعویٰ تھا وہ تو یقیناً کامل مومنین سے ہے۔ پس اس کے لیے ضرور تھا کہ طاعون سے محفوظ رہتا کیونکہ یہ ایک عذاب جہنم ہے جس میں خدا تعالیٰ کے برگزیدے نہیں پڑ سکتے۔ وہ تو اپنی نسبت یہ الہام سناتا تھا کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اب ایسے عالیشان آدمی کو (اگر وہ واقعی تھا) یہ جہنم (طاعون) کیوں نصیب ہوا۔ یہ تو واقعی عجیب بات ہے کہ جسے وہ فرعون کہتا تھا وہ تو اب تک زندہ ہے اور اس کے گھر کا ایک چوہا بھی نہیں مرا مگر وہ جو موسیٰ تھا وہ طاعون سے مر گیا جو ایک عذاب جہنم ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کے فرشتہ کو دھوکا ہو گیا؟ جیسے روافض کہا کرتے ہیں کہ وحیِ نبوت آنی تو علیؓ پر تھی مگر بھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چلی گئی۔ ایسا ہی طاعون کا فرشتہ بجائے قادیان میں آنے کے لاہور چلا گیا۔

اس نکتہ کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جو معمولی مومن ہو اس کے لیے ممکن ہے کہ تمحیص کے لیے طاعون کے جہنم میں پڑے تاکہ آخرت میں جنت نصیب ہو۔ مگر وہ جو کامل مومنین سے ہو اس کے لیے ہرگز سنت اللہ نہیں کہ ایسے عذاب میں گرفتار ہو۔ بعض لوگوں کی نسبت اعتراض کیا جاتا ہے کہ فلاں تو نماز پڑھتا تھا یا ایسا تھا پھر کیوں اُسے طاعون ہوا۔ اصل میں اعمال کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کے حالات سے بجز اللہ کے کوئی آگاہ نہیں پس نہیں کہہ سکتے کہ فلاں متقی تھا یا مخلص احمدی تھا۔ پھر کیوں طاعون سے مرا؟ کیونکہ ہر انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ فلاں کے دل میں کیا کیا گند بھرے ہیں۔ دُعا کرتا رہتا تھا تو کیا عیسائی دُعا نہیں کرتے؟ کیا وہ بعض اوقات نہیں روتے؟ پس ایسے معاملے خدا تعالیٰ کے سپرد ہونے چاہئیں ہاں جب ایمان کا ثبوت ہو تو پھر ایسے طاعون سے مرنے والے شہید ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہزاروں نشان دکھائے مگر یہ لوگ ایسے ہیں کہ مانتے نہیں۔ اگر نجاست قلبی نہ ہو تو بعض اوقات

ایک نکتہ ہی کفایت کرتا ہے۔ دیکھو جب لدھیانہ میں بیعت ہوئی تو صرف قریباً چالیس آدمی تھے۔ پھر اب چار لاکھ ہیں۔ کیا ایسی کامیابی کسی مفتری کو بھی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی پیشگوئی بھی کر چکا ہو؟ اچھا میں نے اگر کوئی نشان نہ دکھلایا تو اُن کے موسیٰ نے کیا دکھایا؟ کیا یہی کہ طاعون سے مر گیا۔ اگر خدا تعالیٰ کے اولیاء کا یہی انجام ہوتا ہے تو پھر اسلام کا خدا ہی حافظ۔

(بوقتِ ظہر)

سچے الہام کے ساتھ فعلی شہادت ہوتی ہے

محض قول پر فریفتہ ہونے والوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو الٰہی بخش کا ہوا۔ یاد رکھو محض الہام جب تک اس کے ساتھ فعلی شہادت نہ ہو ہرگز کسی کام کا نہیں۔ دیکھو جب کفار کی طرف سے اعتراض ہوا لَسْتَ مُرْسَلًا تو جواب دیا گیا كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ (الرعد: ۴۴) یعنی عنقریب خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت میری صداقت کو ثابت کر دے گی۔ پس الہام کے ساتھ فعلی شہادت بھی چاہیئے۔ دیکھو گورنمنٹ جب کسی کو ملازمت عطا کرتی ہے تو اس کی وجاہت کے سامان بھی مہیا کر دیتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس کا مقابلہ کرتے ہیں وہ توہینِ عدالت کے جرم میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو مامورانِ الٰہی کے مقابلہ پر آتے ہیں وہ ہلاک ہو جاتے ہیں آجکل پچاس آدمی کے قریب ایسے ہیں جو اس مرض میں گرفتار ہیں یعنی اپنے قولِ الہام پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں شیطان انسان کا بڑا دشمن ہے مگر خود مفتری بھی ایک شیطان ہے پس وہ اپنا آپ دشمن ہے اس لیے جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔ کیسے ناعاقبت اندیش ہیں وہ لوگ جو ایسوں کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں جس کے دعویٰ کے ساتھ عظمت و جلال ربانی کی چمک نہ ہو تو ایسے شخص کو تسلیم کرنا اپنے تئیں آگ میں ڈالنا ہے۔

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کی حقیقت

دو مخالفوں کا ذکر تھا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف باہم کفر کے فتوے دے رہے ہیں۔ ایک کہتا ہے ضرور ہے کہ انبیاء بہشت میں اور فاسقین جہنم میں پڑیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ: ۱۰۷) کی بنا پر چاہے تو انبیاء کو دوزخ میں ڈال دے۔

فرمایا:۔

اوّل الذکر حق پر ہے۔ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کے یہ معنے تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ خودکشی پر بھی قادر ہے۔

اس طرح تو وہ اپنا بیٹا بنانے پر بھی قادر کہا جا سکتا ہے؟ پھر عیسائی مذہب کے اختیار کرنے میں کیا تامل ہے؟
یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ بیشک قادر ہے مگر وہ اپنے تقدس اور ان صفات کے خلاف نہیں کرتا جو قدیم سے الہامی کتب میں بیان کی جارہی ہیں گویا ان کے خلاف اس کی توجہ ہوتی ہی نہیں۔ وہ ذات پاک اپنے مواعید کے خلاف بھی نہیں کرتا اور نہ اس طرف وہ متوجہ ہوتا ہے پس ازلی ابدی اس کی صفت ہر کتاب الٰہی میں پڑھ کر پھر اس بات کے امکان پر بحث کرنا کہ وہ خودکشی پر قادر ہے یا هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ - اَللّٰهُ الصَّمَدُ - لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (الاخلاص: ۲-۴) پڑھتے ہوئے پھر اس کے بیٹے کے امکان کا قائل ہونا نہایت لغو حرکت ہے۔ پس ایسی باتوں کے بارے میں اس بہانے سے گفتگو کرنا کہ ہم نفسِ امکان پر بحث کرتے ہیں سخت درجے کی گستاخی ہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کروڑ معجزوں سے بڑھ کر معجزہ تو یہ تھا کہ جس غرض کے لیے آئے تھے اُسے پُورا کر گئے۔ یہ ایسی بے نظیر کامیابی ہے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے نبی میں کامل طور سے نہیں پائی جاتی۔ حضرت موسیٰؑ بھی رستے ہی میں مر گئے اور حضرت مسیح کی کامیابی تو اُن کے حواریوں کے سلوک سے ہویدا ہے۔ ہاں آپ کو ہی یہ شان حاصل ہوئی کہ جب گئے تو رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر: ۳) یعنی دین اللہ میں فوجوں کی فوجیں داخل ہوتے دیکھ کر۔

دوسرا معجزہ تبدیلِ اخلاق ہے کہ یا تو وہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: ۱۸۰) چارپایوں سے بھی بدتر تھے یا يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (الفرقان: ۶۵) رات دن نمازوں میں گذارنے والے ہو گئے۔

تیسرا معجزہ۔ آپ کی غیر منقطع برکات ہیں۔ کل نبیوں کے فیوض کے چشمے بند ہو گئے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمۂ فیض ابد تک جاری ہے چنانچہ اسی چشمہ سے پی کر ایک مسیح موعود اس اُمّت میں ظاہر ہوا۔

چوتھی یہ بات بھی آپ ہی سے خاص ہے کہ کسی نبی کے لیے اس کی قوم ہر وقت دُعا نہیں کرتی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں نماز میں مشغول ہوتی ہے اور پڑھتی ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ اس کے نتائج برکات کے رنگ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے سلسلۂ مکالماتِ الٰہی ہے جو اس اُمّت کو دیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء

۱۴؍اپریل ۱۹۰۷ء

(قبل عصر)

صداقتِ اسلام کیلئے طاعون کی تلوار

ابوسعید عرب صاحب نے ذکر کیا کہ رنگون میں بندروں میں بھی طاعون کی وبا پڑی تھی حضرت نے فرمایا کہ :-

براہین کے لکھنے کے زمانے میں خدا تعالیٰ نے ہم کو اس طاعون کے پڑنے کی خبر دی تھی۔ بدقسمت کفار کی ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ وہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی موت کا نشان مانگا کرتے ہیں۔ اب ہمارے مخالفوں کا بھی یہی حال ہے۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے ان کے واسطے یہ تلوار بھیج دی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ براہین میں جو دلائل کا وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوا۔ حالانکہ براہین میں صداقتِ اسلام کے واسطے کئی لاکھ دلیل ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے اس میں یہ باتیں لکھوا دی ہیں۔ کیا ہی شان ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ پہلے زمانہ میں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کو نامراد اور ذلیل کرکے ہلاک کیا جاتا تھا ایسا ہی آخر میں بھی ہو رہا ہے۔ اُس وقت شریروں کی سزا کے واسطے تلوار آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دی گئی تھی اور اُس زمانہ میں تلوار خدا خود چلا رہا ہے جو لوگ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں وہ دیکھ لیں کہ بدقسمت کفار اس وقت بھی اپنی شامتِ اعمال کے سبب اسی طرح ہلاک ہوئے تھے جیسے کہ اب ہو رہے ہیں۔ دینِ اسلام کی خاطر اگر اس وقت تلوار چلی تھی تو اس وقت بھی دینِ اسلام ہی کی خاطر تلوار چل رہی ہے۔

سب سے بڑی کرامت استجابتِ دُعا ہے

فرمایا :-

یہ زمانہ کے عجائبات ہیں۔ رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک ایک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس کی طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ (البقرۃ : ۱۸۷) صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابتِ دُعا ہی ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔

خدا تعالیٰ کی دی ہوئی تسلی

احمد صاحب جو کہ مدراس سے بیعت کے واسطے آئے ہیں۔ ان کے متعلق عرب صاحب ابو سعید نے ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ قادیان میں آنے سے پہلے مَیں نے رؤیا میں یہ سارا نقشہ ہو بہو دیکھا تھا۔ یہ تمام مکانات وغیرہ مجھے بعینہٖ دکھائے گئے تھے۔

حضرت نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ تسلی دینے کے واسطے یہ باتیں دکھلا دیتا ہے اور اس کی تسلی بے نظیر ہوتی ہے۔ دیکھو شرقاً غرباً تمام زمین پر کسی کو یہ تسلی دی گئی کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ یہ تسلی فقط ہم کو اس گھر کے متعلق عطا فرمائی گئی ہے یہ خدا تعالیٰ کے عجیب کام ہیں۔

دُعا کا معجزہ

اس جگہ ایک لڑکے کو طاعون شدید ہو گئی تھی۔ حضرت نے اس کے واسطے دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحت دی۔ اس کا ذکر تھا۔ مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ غور کرتا رہا ہوں کہ جس شخص کو طاعون کے سبب خون شروع ہو جاوے وہ کبھی نہیں بچتا۔ صرف یہی ایک لڑکا دیکھا ہے جو باوجود خون آنے کے پھر بچ گیا۔

فرمایا:۔

یہ صرف دُعا کا نتیجہ ہے اور اُس کا بچنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عبدالکریم کا بچنا تھا جس کے واسطے کسولی سے تار آیا تھا کہ اب اس کی دنیوانگی کے آثار نمودار ہونے پر کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے حق میں ہماری دُعا کو قبول کیا اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ کبھی کوئی اس طرح سے بچتا دیکھا یا سُنا نہیں گیا۔

ایک الہام کے معنی

فرمایا:۔

یہ جو الہام تھا کہ "یا اللہ! اب شہر کی بلائیں بھی ٹال دے" گو اس کے معنے اور بھی ہوں مگر ایک معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ یہ سخت بدزبان آریہ سوم راج اور اچھر جو ہر ہفتہ گندی گالیوں سے بھرے ہوئے اخبار چھاپتے تھے یہ بھی اس شہر کی بلائیں تھیں۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو ٹال دیا اور جہنم واصل کر دیا۔

اس سال طاعون کا بہت ہی سخت زور ہے۔ دوسرے شہروں میں بہت تیز ہے اس کے بالمقابل یہاں گویا کچھ نہیں۔ بعض گاؤں بالکل تباہ ہو گئے ہیں۔ بعض میں صرف ایک یا دو آدمی باقی رہ گئے ہیں اور بس۔ بہت سے گاؤں حصیدبن گئے ہیں اور ابھی معلوم نہیں کہ انجام کیا ہو گا۔ بڑے احمق ہیں وہ لوگ جو بے باکی نہیں چھوڑتے اور خدا تعالیٰ کے ارادے سے

غافل اور بے خبر بیٹھے ہیں۔

طاعون کے جراثیم بھی دابۃ الارض ہیں

دابۃ الارض بھی یہی طاعونی کیڑا ہے تکلیم کاٹنے کو کہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو ہلاک کر رہا ہے۔ آئے دن بادل بھی بن جاتا ہے اور موسم بہار قائم رہتا ہے جس میں طاعون کا زور ہوتا ہے۔ اس سال موت بہت کثرت سے ہو رہی ہے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح خدا پہچانا اور مانا جاوے خواہ کتنے ہی ہلاک ہوں۔ اس کی کیا پروا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے منکر اور گستاخ زندہ رہے تو اس میں کوئی فائدہ کی بات نہیں۔ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بس نہ کرے گا جب تک کہ اس کی قہری تجلی اس کی ہستی کو منوا نہ لے گی۔[1]

۱۶ر اپریل ۱۹۰۷ء

مامور من اللہ کی بات قولِ فیصل ہوتی ہے

فرمایا:۔
خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے سے کسی نے سوال کیا کہ ہم میں وہ سب پیشگوئیاں ظاہری طور پر پوری نہیں ہوتیں تو انہوں نے کیا اچھا جواب دیا کہ کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہودیوں کے خیال کے مطابق سب باتیں پوری ہو گئی تھیں؟ وہ تو کہتے تھے کہ بنی اسحاق میں سے ہوگا تو کیا پھر وہ بنی انہیں میں سے آیا؟ ایسا ہی مسیح کی نسبت جو کچھ لوگ خیال کئے بیٹھے تھے کہ پہلے اُن سے ایلیا آئے گا تو کیا الیاس آسمان سے اُتر آیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس اسی طرح ضرور نہیں کہ مسیح موعود کے بارے میں سب نشان ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہی ظہور میں آتے۔ ایسی غلطیاں ہر ایک قوم میں پڑ جاتی ہیں۔ آخر مامور من اللہ آکر ان عقائد و خیالات کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اصل میں جب کسی شخص کے منجانب اللہ ہونے کو اللہ تعالیٰ اپنے متواتر نشانوں سے ثابت کر دے تو پھر اس کی ہر بات اختلافی مسئلہ میں قولِ فیصل ہوتی ہے اور سب پیشگوئیوں کے معنے وہی کئے جانے چاہئیں جو وہ کہے۔

الہامات میں مابہ الامتیاز

الہام کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ ایک حدیث النفس ہے۔ انسان کے جو اپنے خیالات ہوں وہی سُنائی دیتے ہیں۔ دوم اللہ تعالیٰ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۷ - ۸ مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء

کی طرف سے کلام کا نزول ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر مابہ الامتیاز کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کسی کی ایک آدھ بات شاذ و نادر پوری ہو جاوے تو اسے نبی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ فاسق سے فاسق شخص کا خواب بھی بعض اوقات سچا ہو جاتا ہے۔ فاسق تو درکنار ایک کافر کا خواب بھی بعض اوقات ٹھیک نکل آتا ہے۔ یہ اصل میں اتمام حجت کے لیے ہے۔ گویا خدا تعالیٰ سمجھتا ہے کہ یہ مادہ انسان کی فطرت میں داخل ضرور ہے کیونکہ جس کا کوئی نمونہ بن نہ ہو اسے تو لوگ مانتے ہی نہیں مگر یہ بات نہیں کہ جسے کوئی خواب آوے وہی ولی بن جاوے بلکہ جب پوری شوکت کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہو اور ساتھ بارش کی طرح نشانوں کا نزول ہو تو پھر یقین کرنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنا الہام یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ پیش کیا اور فرمایا کہ:۔

دیکھو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ اس قدر مخلوق الٰہی یہاں آئے گی کہ چلنا بھی دشوار اور سب سے مصافحہ کرنا بھی ناممکن ہو جائے۔

خدا تعالیٰ کے نبی شہرت پسند نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے تئیں چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر الٰہی حکم انہیں باہر نکالتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کو جب مامور کیا جانے لگا تو انہوں نے پہلے عرض کیا کہ ہارون مجھ سے زیادہ افصح ہے۔ پھر کہا وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ (الشعراء:۱۵) مگر الٰہی منشاء یہی تھا کہ وہی نبی بنیں اور وہی اس لائق تھے اس لیے حکم ہوا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم جاؤ اور تبلیغ کرو۔

(بوقتِ ظہر)

ایک الہام کا پورا ہونا

۱۳-۱۴ اپریل کی درمیانی رات کو گیارہ بجے کے قریب سخت زلزلہ آنے کے بہت سے خط آئے ہیں جو پڑھ کر بھی سنائے گئے۔

فرمایا:۔

الہام پہلے ہو چکا تھا۔ کیا یہ کسی انسان کا کام ہے کہ پردۂ غیب کی باتیں قبل از ظہور متواتر بتاتا جاوے اور پھر اسی طرح پوری ہو جاویں۔ اب جو لوگ نہیں مانتے وہ یقیناً بڑے مجرم ہیں۔ ایک نشان کے متعلق خطوط و خبروں کا سلسلہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ہم افترا کرتے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اُسے پورا کرتا جاتا ہے۔ کیا جب سے دُنیا ہے کسی اور مفتری سے بھی ایسا سلوک ہوا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ ہمارا محکوم ہے کہ ہم جو کچھ کہیں وہ پورا کر دے۔ آخر کچھ تو سوچنا چاہیئے۔ یہ لوگ جب ایک نشان دیکھ کر دیدہ دانستہ حق پوشی کرتے ہیں اور نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ ایک اور نشان کی پیشگوئی کرا دیتا ہے تاکہ ان پر اتمام حجت ہو۔

الٰہی بخش کی موت

حکیم الامت کے نام امرت سر سے خط آیا تھا کہ الٰہی بخش کو موت سے پہلے اَلرَّحِیْلُ کا الہام ہوا۔ فرمایا:۔

طاعون کے معنے ہی موت ہیں۔ پس ایسی حالت میں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اب میرا کُوچ ہے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ بالفرض اگر یہ الہام پورا بھی ہو گیا تو اس سے پہلے جو الہاموں کا انبار تھا وہ کیا ہوا۔ وہ سب کیوں دریا بُرد ہو گئے؟ کہاں گئے اس کے وہ دعوے کہ یہ سلسلہ میرے سامنے تباہ ہو گا۔ عجیب بات ہے کہ موسیٰ تو طوفانِ طاعون میں غرق ہو گیا اور فرعون جیتا موجود ہے۔ انذاری الہام تو پورا ہوا یا نہ ہوا مگر وہ مبشّرات کیا ہوئے۔ انذاری خبر تو بجائے خود ایک عذاب ہے۔ جس شخص کو بتا دیا جائے کہ تین دن بعد تم پھانسی ملو گے اس کے دل پر جو گذرتی ہے اور گذرنی چاہیئے۔ وہ ہر ایک شخص جانتا ہے۔ الہام تو وہ ہوتا ہے جس سے کچھ تسکین و راحت ہو نہ کہ اُلٹا عذاب۔ اپنے پر عذاب کی خبر پہلے ہو جاتا تو معمولی بات ہے۔ جنگِ بدر سے پہلے ایک عورت مشرکہ کو خواب آیا تھا کہ ہمارے خیموں کے نیچے لہو بہہ رہا ہے۔ آخر وہ بات پوری ہو گئی تو کیا اس سے وہ نبیہ سمجھ لی جاوے؟

ممکن ہے اَلرَّحِیْلُ شیطان نے کہا ہو کہ لواب میں رخصت ہوتا ہوں جیسا کہ لکھا ہے کہ جب عذاب دیکھے گا تو شیطان کہے گا میں تم سے جُدا ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

دشمنوں سے نرم گفتاری کی تلقین

فرمایا:۔

دشمن اگر سخت کلامی کرے تو اس کے مقابل سختی کرنے سے فائدہ نہیں کیونکہ سخت الفاظ سے برکت دُور ہو جاتی ہے۔

رحم کا مقتضاء

فرمایا:۔

انشاء اللہ کے واسطے بھی ہم نے توبہ کی شرط لگا دی ہے کیونکہ رحم کا مقتضاء ہوتا ہے کہ توبہ سے انسان بچ جاوے[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء

۱۷؍اپریل ۱۹۰۷ء

(قبل ظہر)

نشانات کا ظہور

فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کی قدرتیں اس کے نشانات کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اگر یہ معجزات اور نشانات جو اس وقت ظاہر ہو رہے ہیں ایک شخص کے ایمان کے واسطے کافی نہیں تو پھر کسی نبی کے واسطے کوئی راہ دُنیا میں باقی نہیں رہتی، اگر معجزات اور خوارق کسی کی سچائی کے واسطے کافی نہیں تو پھر کسی نبی کے ثبوت کے واسطے کوئی دلیل قائم نہیں رہتی۔

ٹھٹھا کرنے کا انجام

ایک شخص کا ذکر تھا کہ جو سلسلہ حقہ کے ساتھ ہنسی کیا کرتا تھا اور اب طاعون میں اس کا بیٹا اور پوتا مر گیا ہے۔

فرمایا:-

خدا تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ ہنسی کرنے والا مرتا نہیں جب تک کہ وہ نشانات کا نمونہ اپنے پر وارد ہوتا نہ دیکھ لے[1]

سجدہ تعظیم ناجائز ہے

ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا۔ اس نے سر نیچے جھکا کر آپ کے پاؤں پر رکھنا چاہا۔ حضرت نے ہاتھ کے ساتھ اس کے سر کو ہٹایا اور فرمایا:-

یہ طریق جائز نہیں۔ السلام علیکم کہنا اور مصافحہ کرنا چاہیئے[2]

۲۱؍اپریل ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

تَفَقُّہ فِی الدِّیْن کی ضرورت

فرمایا:-

ہماری جماعت کو علم دین میں تَفَقُّہ پیدا کرنا چاہیئے۔ مگر اس کے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷؍جون ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ مورخہ ۸؍اگست ۱۹۰۷ء

وہ مسئلے نہیں جو عام مُلّاں لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں کہ استنجا وغیرہ کے چند مسائل آگئے وہ بھی تقلیدی رنگ میں فقیہ بن بیٹھے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی اور ہمارے کلام میں تدبّر کریں۔ قرآنی معارف و حقائق سے آگاہ ہوں۔ اگر کوئی مخالف ان پر اعتراض کرے تو اُسے کافی جواب دے سکیں۔ ایک دفعہ جو امتحان لینے کی تجویز کی گئی تھی بہت ضروری تھی۔ اس کا ضرور بندوبست ہونا چاہیئے۔ حقیقۃ الوحی اس مطلب کے لیے بہت مفید کتاب ہے۔ اصل میں مسلمانوں کے لیے تو یہی جواب کافی ہے کہ تم کوئی ایسا اعتراض اس سلسلہ پر کرکے دکھاؤ جو اور انبیاء علیہم السلام پر نہ ہو سکے وہ ہرگز کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکیں گے۔

وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے

یہ آتھم یا احمد بیگ والی پیشگوئیوں پر تو اعتراض کرتے ہیں مگر دوسری پیشگوئیوں اور نشانیوں کا ذکر تک نہیں کرتے۔ یہ کیسی بے انصافی ہے۔ ہم انہیں بارہا سمجھا چکے ہیں کہ وعید میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے۔ دیکھو یونس نبی کی پیشگوئی ٹل گئی اور اس کی قوم پر عذاب نہ آیا۔ یاد رکھو کہ یہ تمام اقوام کا مذہب ہے کہ صدقہ سے ردّ بلا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ یہی فرماتا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال: ۳۴) استغفار عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ہمارے تجربوں کی طرف کوئی جائے تو ایک مُنذِر امر صبح کو ہو تو شام کو منسوخ ہو جاتا ہے۔

اجتہادی غلطی

دوسرا اعتراض ہمارے بعض الہامات کی نسبت اپنی رائے پر ہے کہ وہ غلط نکلی۔ بشرطِ تسلیم ہم کہتے ہیں کہ امر تنقیح طلب تو یہ ہے کہ نبی اپنے اجتہاد میں غلطی کھا سکتا ہے یا نہیں؟ سو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے پہلے پہلے اپنی بادشاہت دنیاوی سمجھ کر مریدوں کو ہتھیار خریدنے کا حکم دیا مگر آخر معلوم ہو گیا کہ یہ میری غلطی تھی اور وہ اس ارادہ سے باز آئے۔ پھر ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح حدیبیہ والا معاملہ کہ آپ کس ارادے سے آئے اور پھر کیا ہوا؟ چونکہ آپ کی ذات بابرکات تمام انبیاء کے کمالات کی جامع تھی اس لیے صرف ایک ہی واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ نبی اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے۔ پس اس صورت میں ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔[1]

۲۲ر اپریل ۱۹۰۷ء

مسیح کا جسم عنصری کیساتھ آسمان پر جانے کا عقیدہ

فرمایا:۔ تعجب کی بات ہے کہ مسلمان نصاریٰ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۴ مورخہ ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء

سے بھی گئے گذرے ہیں عیسائیوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر گئے۔ وہ سب قائل ہیں کہ جسم تھا۔ مگر یہ مسلمان ہو کر کہتے ہیں کہ نہیں اسی خاکی جسم کے ساتھ گئے اور اسی کے ساتھ اتریں گے۔ حالانکہ عیسائی ان کے رسول کو بھی ایسا نہیں مانتے۔

مقام لولاک کی حقیقت

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ میں کیا مشکل ہے؟ قرآن مجید میں ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرۃ: ۳۰) زمین میں جو کچھ ہے وہ عام آدمیوں کی خاطر ہے تو کیا خاص انسانوں میں سے ایسے نہیں ہو سکتے کہ ان کے لیے افلاک بھی ہوں؟ دراصل آدم کو جو خلیفہ بنایا گیا تو اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ وہ اس مخلوقات سے اپنے منشاء کا خدا تعالیٰ کی رضامندی کے موافق کام لے اور جن پر اس کا تصرف نہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے انسان کے کام میں لگے ہوئے ہیں سورج، چاند، ستارے وغیرہ۔

ہندوؤں کی حکومت کیا انصاف کریگی؟

آریہ اور بنگالیوں کی شورش کا ذکر تھا فرمایا:۔

ان کے خیالات و حرکات سے ہمیں قطعی نفرت ہے۔ ہماری جماعت کو بالکل ان سے الگ رہنا چاہیئے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو قوم حیوان کو انسان پر ترجیح دیتی ہو اور ایک گائے کے ذبح سے انسان کا خون کر دینا کچھ بات نہ سمجھتی ہو۔ وہ حاکم ہو کر کیا انصاف کریگی۔

مردانِ خدا۔ خدا نہ باشند ؎ لیکن از خدا۔ جدا نہ باشند

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے وہ کام دکھلاتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے[1]

بلا تاریخ

فاتحہ خوانی

سوال پیش ہوا کہ کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع رہتے اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ فاتحہ خوانی ایک دعائے مغفرت ہے پس اس میں کیا مضائقہ ہے؟

فرمایا کہ:۔

ہم تو دیکھتے ہیں وہاں سوائے غیبت اور بے ہودہ بکواس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبیؐ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء

کریمؐ یا صحابہ کرامؓ و ائمہ عظام میں سے کسی نے یوں کیا؟ جب نہیں کیا تو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی؟ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں۔ تاجائز ہے جو جنازہ میں شامل نہ ہو سکیں وہ اپنے طور سے دُعا کریں یا جنازہ غائب پڑھ دیں[1]

---

۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء

ایک فقہی مسئلہ

نماز مغرب میں آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے پیش امام صاحب کی آواز آخری صفوں تک نہ پہنچ سکنے کے سبب درمیانی صفوں میں سے ایک شخص حسب معمول تکبیر کی باآواز بلند تکرار کرتا جاتا تھا۔ آخری رکعت میں جب سب التحیات بیٹھے تھے اور دُعائے اَلتحیات اور درود شریف پڑھ چکے تھے اور قریب تھا کہ پیش امام صاحب سلام کہیں مگر ہنوز انہوں نے سلام نہ کہا تھا کہ درمیانی تکبر کو غلطی لگی اور اس نے سلام کہدیا جس پر آخری صفوں کے نمازیوں نے بھی سلام کہدیا اور بعض نے سُنتیں بھی شروع کر دیں کہ امام صاحب نے سلام کہا اور درمیانی تکبر نے جو اپنی غلطی پر آگاہ ہو چکا تھا دوبارہ سلام کہا۔ اس پر ان نمازیوں نے جو پہلے سے سلام کہہ چکے تھے اور نماز سے فارغ ہو چکے تھے مسئلہ دریافت کیا کہ آیا ہماری نماز ہو گئی یا ہم دوبارہ نماز پڑھیں؟

صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے جو خود بھی پچھلی صفوں میں تھے اور امام سے پہلے سلام کہہ چکے تھے فرمایا کہ یہ مسئلہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا جا چکا ہے اور حضرت نے فرمایا ہے کہ:۔

آخری رکعت میں التحیات پڑھنے کے بعد اگر ایسا ہو جائے تو مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مسجد میں دو جُمعے

سوال پیش ہوا کہ بعض مساجد اس قسم کی ہیں کہ وہاں احمدی اور غیر احمدی کو اپنی جماعت اپنے امام کے ساتھ الگ الگ کر لینے کا اختیار قانوناً یا باہمی مصالحت سے حاصل ہوتا ہے تو ایسی جگہ جمعہ کے واسطے کیا کیا جاوے؟ کیونکہ ایک مسجد میں دو جُمعے جائز نہیں ہو سکتے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء

فرمایا:۔
جو لوگ تم کو کافر کہتے ہیں اور تمہارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے وہ تو بہرحال تمہاری اذان اور تمہاری نماز جمعہ کو اذان اور نماز سمجھتے ہی نہیں اس واسطے وہ تو پڑھ ہی لیں گے اور چونکہ وہ مومن کو کافر کہکر بموجب حدیث خود کافر ہو چکے ہیں۔ اس واسطے تمہارے نزدیک بھی ان کی اذان اور نماز کا عدم وجود برابر ہے۔ تم اپنی اذان کہو اور اپنے امام کے ساتھ اپنا جمعہ پڑھو۔

حج بدل خوشاب سے ایک مرحوم احمدی کے ورثاء نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا کہ مرحوم کا ارادہ پختہ حج پر جانے کا تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ کیا جائز ہے کہ اب اس کی طرف سے کوئی آدمی خرچ دے کر بھیج دیا جاوے۔

فرمایا:۔
جائز ہے۔ اس سے متوفی کو ثواب حج کا حاصل ہو جائے گا۔[1]

۲۸ر اپریل ۱۹۰۷ء

خدا تعالیٰ کیساتھ کون لڑ سکتا ہے؟ حضرت اقدس کی طبیعت کسی قدر علیل ہے اس واسطے خدام کو جن میں زیادہ تر باہر سے آئے ہوئے دوست ہیں جیسا کہ شیخ رحمت اللہ صاحب، شیخ عبدالرحمن صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، میاں چراغ الدین صاحب، صاحبزادگان میاں صاحب موصوف، میاں معراج الدین صاحب، سردار فضل حق صاحب وغیرہ سب کو صبح کے وقت ملاقات کے واسطے از روئے شفقت اندر ہی طلب کیا اور فرمایا:۔

وہ دن آتے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے روشن نشانوں کے ساتھ تمام پردے اُٹھاتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا ہی ایک دو زبردست ہاتھ اور دکھا دیگا تو پھر کہاں تک لوگ برداشت کر سکیں گے۔ آخر ان کو ماننا پڑیگا کہ حق اسی میں ہے جو ہم کہتے ہیں۔ ہمارے مخالف جو ہمارے ساتھ لڑائی کرتے ہیں دراصل ہمارے ساتھ لڑائی نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کیساتھ لڑائی کرتے ہیں اور کون ہے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ لڑائی میں کامیاب ہو؟

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲ رمئی ۱۹۰۷ء

مخفی گناہوں سے بچنے کی تلقین

فرمایا:۔
جب کوئی مصائب میں گرفتار ہوتا ہے تو قصور آخر بندے کا ہی ہوتا ہے خدا تعالیٰ کا تو قصور نہیں۔ بعض لوگ بظاہر بہت نیک معلوم ہوتے ہیں اور انسان تعجب کرتا ہے کہ اس پر کوئی تکلیف کیوں وارد ہوئی یا کسی نیکی کے حصول سے یہ کیوں محروم رہا لیکن دراصل اس کے مخفی گناہ ہوتے ہیں جنہوں نے اس کی حالت یہانتک پہنچائی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ بہت معاف کرتا ہے اور درگذر فرماتا ہے۔ اس واسطے انسان کے مخفی گناہوں کا کسی کو پتہ نہیں لگتا۔ مگر مخفی گناہ دراصل ظاہر کے گناہوں سے بدتر ہوتے ہیں۔ گناہوں کا حال بھی بیماریوں کی طرح ہے۔ بعض موٹی بیماریاں ہیں ہر ایک شخص دیکھ لیتا ہے کہ فلاں بیمار ہے مگر بعض ایسی مخفی بیماریاں ہیں کہ بسا اوقات مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے کوئی خطرہ دامنگیر ہو رہا ہے۔ ایسا ہی تپ دق ہے کہ ابتداء میں اس کا پتہ بعض دفعہ طبیب کو بھی نہیں لگ سکتا یہانتک کہ بیماری خوفناک صورت اختیار کرتی ہے ایسا ہی انسان کے اندرونی گناہ ہیں جو رفتہ رفتہ اُسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے رحم کرے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:۱۰) اس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔ لیکن تزکیہ نفس بھی ایک موت ہے۔ جب تک کہ کل اخلاق رذیلہ کو ترک نہ کیا جاوے تزکیہ نفس کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر ایک شخص میں کسی نہ کسی شر کا مادہ ہوتا ہے وہ اس کا شیطان ہوتا ہے۔ جبتک کہ اس کو قتل نہ کرے کام نہیں بن سکتا

تکبر بڑا گناہ ہے

فرمایا:۔
سب سے اوّل آدم نے بھی گناہ کیا تھا اور شیطان نے بھی۔ مگر آدم میں تکبر نہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ کے حضور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور اس کا گناہ بخشا گیا۔ اسی سے انسان کے واسطے توبہ کے ساتھ گناہوں کے بخشا جانے کی اُمید ہے۔ لیکن شیطان نے تکبر کیا اور وہ ملعون ہوا جو چیز کہ انسان میں نہیں ہتکبر آدمی خواہ مخواہ اپنے لیے اس چیز کے دعوے کے واسطے تیار ہو جاتا ہے۔ انبیاء میں بہت سے ہنر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہنر سلب خودی کا ہوتا ہے۔ ان میں خودی نہیں رہتی۔ وہ اپنے نفس پر ایک موت وارد کر لیتے ہیں کبریائی خدا کے واسطے ہے۔ جو لوگ تکبر نہیں کرتے اور انکساری سے کام لیتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوتے۔

استخارہ کا بھی وقت ہوتا ہے

ایک شخص کا خط آیا کہ میں آپ کے متعلق استخارہ کرنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ حق پر ہیں یا نہیں۔ فرمایا:۔
ایک وقت تھا کہ ہم نے خود اپنی کتاب میں استخارہ لکھا تھا کہ لوگ اس طرح سے کریں۔ تو خدا تعالیٰ ان پر حق کو کھول دیگا۔ مگر اب استخاروں کی کیا ضرورت ہے جبکہ نشانات الٰہی بارش کی طرح برس رہے ہیں اور ہزاروں کرامات

اور معجزات ظاہر ہو چکے ہیں۔ کیا ایسے وقت میں استخاروں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے؟ کھلے نشانات کو دیکھ کر پھر استخارہ کرنا خدا تعالیٰ کے حضور میں گستاخی ہے۔ کیا اب جائز ہے کہ کوئی شخص استخارہ کرے کہ اسلام کا مذہب سچا ہے یا جھوٹا اور استخارہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے نبی تھے یا نہیں تھے۔ اس قدر نشانات کے بعد استخاروں کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں[1]

---

۵ مئی ۱۹۰۷ء

اظہارِ غیب

فرمایا:-

آج قرآن شریف کی آیت شریفہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷، ۲۸) سے مجھے ایک نکتہ خیال میں آیا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس کے غیب کا اظہار سوائے برگزیدہ رسولوں کے اور کسی پر نہیں ہوتا۔ اس میں سوچنے کے لائق لفظ اظہار ہے اظہار سے مراد یہ ہے کہ کھلا کھلا غیب کثرت کے ساتھ کسی پر کھولا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف متشابہات کے طور پر تھوڑا سا غیب تو گاہے گاہے کسی دوسرے پر بھی کھولا جاتا ہے۔ مگر اس میں محکم بات نہیں ہوتی اور اس کے واسطے شرط نہیں کہ جس پر کھولا جائے وہ مومن ہو یا کافر ہو۔ ہر ایک مذہب کے آدمی کو یہ حالت گاہے حاصل ہو سکتی ہے کہ کوئی تھوڑی سی بات مشتبہ یا غیر مشتبہ اس کو غیب سے مل جائے۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن منع صرف اظہار علی الغیب ہے۔ اظہار کا لفظ اس کی کیفیت اور کمیت پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ غیب کی خبر مصفّٰی ہو۔ شک اور شُبہ سے پاک ہو اور دوسرا کثرت سے ہو جس سے ظاہر ہو کہ یہ خارق عادت اور معجزہ نما ہے۔ اس آیت سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ رسولوں کے سوائے دوسرے لوگوں کو بھی غیب کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے مگر ان کے غیب میں اظہار کا رنگ نہیں ہوتا۔ اظہار کا لفظ ایک خاص امتیاز کو ظاہر کرتا ہے۔

پیشگوئیوں میں اخفاء ضروری ہے

فرمایا:-

پیشگوئی میں کسی قدر اخفاء اور متشابہات کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہی ہمیشہ سے سُنّتِ الٰہی ہے۔ ملاکی نبی اگر پیشگوئی میں صاف لکھ دیتا کہ ایسا ہی خود نہ آئے گا بلکہ اس کا

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ مورخہ ۲ مئی ۱۹۰۷ء

شیل۔ تو حضرت عیسیٰ کے ماننے میں اس قدر دقتیں اس زمانہ کے علماء کو پیش نہ آتیں۔ ایسا ہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں تورات اور انجیل میں ہیں وہ نہایت ظاہر الفاظ میں ہوتیں کہ آنے والا نبیٔ آخر الزمان اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ہوگا اور شہر مکہ میں ہوگا تو پھر یہودیوں کو آپ کے ماننے سے کوئی انکار نہ ہو سکتا تھا، لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ ان میں متقی کون ہے جو صداقت کو اس کے نشانات سے دیکھ کر پہچانتا اور اس پر ایمان لاتا ہے

کسی احمدی کا طاعون سے مرنا

فرمایا:۔

مخالفین کا یہ اعتراض کہ بعض ہماری جماعت کے آدمی طاعون سے کیوں مرتے ہیں بالکل ناجائز ہے۔ ہم نے کبھی کوئی ایسی پیشگوئی نہیں کی کہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کوئی شخص کبھی طاعون میں گرفتار نہ ہوگا۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ اوّل طبقہ کے لوگ اس قسم کی بیماری میں گرفتار ہو کر نہیں مرتے۔ کوئی نبی، صدیق، ولی کبھی طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی طاعون ہوئی تھی مگر کیا حضرت عمرؓ پر بھی اس کا اثر ہوا تھا؟ عظیم الشان صحابہؓ میں سے کوئی طاعون میں گرفتار نہیں ہوا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گذرے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی طاعون سے مرا ہے؟ ہاں اس میں شک نہیں کہ ایسی بیماری کے وقت بعض ادنیٰ طبقہ کے مومنین طاعون میں گرفتار ہوتے ہیں مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی کمزوریوں اور گناہوں کو اس طرح سے غفر کرتا ہے جیسا کہ ان جہادوں میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ کئے۔ اگرچہ پہلے سے پیشگوئی تھی کہ ان جہادوں میں کفار جہنم میں گرائے جائیں گے تاہم بعض مسلمان بھی قتل کئے گئے مگر اعلیٰ طبقہ کے صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ جیسوں میں سے کوئی شہید نہیں ہوا۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے جنگ میں شہادت میں اعلیٰ درجہ کے لوگ شامل نہیں ہوتے اسی طرح طاعون میں بھی اگر ہماری جماعت کا کوئی آدمی گرفتار ہو جائے تو یہ اس کے واسطے شہادت ہے اور خدا تعالیٰ اس کا اس کو اجر دے گا۔

عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ ہونا قرآن سے ثابت ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ مسیح کو بن باپ مانا جائے؟ فرمایا:۔

قرآنِ شریف سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اور قرآنِ شریف پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ پھر قانونِ قدرت میں ہم اس کے برخلاف کوئی دلیل نہیں پاتے۔ کیونکہ سینکڑوں کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں جو نہ باپ رکھتے ہیں اور

مثال۔ قرآن شریف میں جہاں اس کا ذکر ہے وہاں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دو عجائب نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ اوّل حضرت زکریاؑ کا ذکر ہے کہ ایسی پیرانہ سالی میں جبکہ بیوی بھی بانجھ تھی خدا تعالیٰ نے بیٹا پیدا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ دوسرا واقعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی قدرتِ عجیبہ کا نمونہ ہے۔ اس کے ماننے میں کونسا ہرج پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح بن باپ ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے کَمَثَلِ اٰدَمَ جو فرمایا اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس میں ایک عجوبہ قدرت ہے جس کے واسطے آدم کی مثال کا ذکر کرنا پڑا۔

شہید کا جنازہ فرشتے پڑھتے ہیں

ذکر تھا کہ بعض جگہ چھوٹے گاؤں میں ایک ہی احمدی گھر ہے اور مخالف ایسے متعصب ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی احمدی مر جائے گا تو ہم جنازہ بھی نہ پڑھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ:۔

ایسے مخالفوں کا جنازہ پڑھا کر احمدی نے کیا لینا ہے۔ جنازہ تو دُعا ہے۔ جو شخص خود ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں ہے۔ اس کی دُعا کا کیا اثر ہے؟ احمدی شہید کا جنازہ خود فرشتے پڑھیں گے۔ ایسے لوگوں کی ہرگز پروانہ کرو اور اپنے خدا پر بھروسہ رکھو۔

طاعون اور ہماری جماعت

فرمایا:۔

یہ نادان لوگوں کا غلط خیال ہے کہ طاعون ہماری جماعت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اگر طاعون سے کوئی آدمی ہماری جماعت کا شہید ہوتا ہے تو یہاں تو خدا تعالےٰ ایک کی بجائے سو بھیج دیتا ہے۔ لیکن ہمارے مخالفوں کا یہ حال ہے کہ ایک تو طاعون سے ہزاروں مر رہے ہیں۔ وہ بھی اُن میں سے کم ہو گئے اور جو زندہ ہیں اُن میں سے ہزاروں نکل کر ہماری جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہماری جماعت تو دن بدن بڑھ رہی ہے اور مخالفوں کی جماعت دن بدن گھٹ رہی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ گھاٹے میں کون ہیں اور فائدے میں کون ہیں۔

آریہ سماج کا انجام

فرمایا:۔

افسوس ہے کہ آریہ سماج نے ایسی بُری راہ اختیار کی ہے جس کا انجام کسی صورت میں نیک نہیں ہو سکتا اور اب اُن کے لیڈر کو ہی جلا وطن نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ دراصل آریہ سماج ہی جلا وطن ہو گیا ہے اور اب اس کا خاتمہ ہے۔

اہلسنت والجماعت کون ہے

حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ایک عمدہ نکتہ بیان کیا۔ فرمایا۔ مَیں نے ایک سُنّی مولوی سے پوچھا کہ تم اہلسنت والجماعت بنتے ہو۔ تمہارا امام کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کئی ایک لوگ امام ہیں۔ مَیں نے کہا کہ امام تو ایک ہی ہوتا ہے اور وہ تمہارے درمیان کوئی نہیں اس واسطے تمہیں اہل سنت والجماعت کہلانے کا کوئی حق نہیں۔

امام والی جماعت ایک ہی ہے

اس وقت دنیا بھر میں ایک ہی مذہبی جماعت (احمدیہ) ہے جو اپنا ایک امام رکھتی ہے ورنہ تمام دوسری جماعتیں شخصی ہیں۔ ان کا کوئی پیشوا نہیں۔ آپس میں قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر: ۱۵) کا مصداق بن رہے ہیں[1]

تواضع اور عاجزی

فرمایا:۔ تواضع اور مسکنت عمدہ شے ہے۔ جو شخص باوجود محتاج ہونے کے تکبر کرتا ہے وہ کبھی مراد کو نہیں پا سکتا۔ اس کو چاہیئے کہ عاجزی اختیار کرے۔ کہتے ہیں کہ جالینوس حکیم ایک بادشاہ کے پاس ملازم تھا۔ بادشاہ کی عادت تھی کہ ایسی ردّی چیزیں کھایا کرتا تھا جس سے جالینوس کو یقین تھا کہ بادشاہ کو جذام ہو جائیگا چنانچہ وہ ہمیشہ بادشاہ کو روکتا تھا مگر بادشاہ باز نہ آتا تھا۔ اس سے تنگ آکر جالینوس وہاں سے بھاگ کر اپنے وطن کو چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ کے بدن پر جذام کے آثار نمودار ہوئے۔ تب بادشاہ نے اپنی غلطی کو سمجھا اور اس نے انکسار اختیار کیا۔ اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھایا اور خود فقیرانہ لباس پہن کر وہاں سے چل نکلا اور جالینوس کے پاس پہنچا۔ جالینوس نے اس کو پہچانا اور بادشاہ کی تواضع اسے پسند آئی اور پورے زور سے اس کے علاج میں مصروف ہوا۔ تب خدا تعالیٰ نے اُسے شفا دی۔[2]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء

۷ مئی ۱۹۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اپنی جماعت کیلئے ضروری نصیحت

چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل ایسی ایسی حرکات ظاہر کرتے ہیں جن سے بغاوت کی بُو آتی ہے بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ ان کی طبائع میں پیدا ہو جائیگا اس لیے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو جو مختلف مقامات پنجاب ہندوستان میں موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ کئی لاکھ تک اُن کا شمار پہنچ گیا ہے۔ نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں جو قریباً چھبیس ۲۶ برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشین کرتا آیا ہوں یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں کیونکہ وہ محسن گورنمنٹ ہے۔ اس کے ظلِ حمایت میں ہمارا یہ فرقہ احمدیہ چند سال میں لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اس کے زیرسایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے کہ اُس نے اس گورنمنٹ کو اس بات کے لیے چُن لیا کہ تا یہ فرقہ احمدیہ اس کے زیرسایہ ہو کر ظالموں کے خونخوار حملوں سے اپنے تئیں بچاوے اور ترقی کرے۔ کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ تم سلطانِ رُوم کی عملداری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ میں ہی اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ میں ہی تم تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ گے۔ تم سُن چکے ہو کہ کس طرح صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب جو ریاست کابل کے ایک معزز اور بزرگوار اور نامور رئیس تھے جن کے مرید پچاس ہزار کے قریب تھے جب وہ میری جماعت میں داخل ہوئے تو محض اس قصور کی وجہ سے کہ وہ میری تعلیم کے موافق جہاد کے مخالف ہو گئے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں نے نہایت بے رحمی سے ان کو سنگسار کرا دیا۔ پس کیا تمہیں ایسے لوگوں سے کچھ توقع ہے کہ تمہیں ایسے سلاطین کے ماتحت کوئی خوشحالی میسر آئے گی۔ بلکہ تم تمام اسلامی مخالف علماء کے فتووں کی رُو سے واجب القتل ٹھہر چکے ہو۔ سو خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے کہ اس گورنمنٹ نے ایسا ہی تمہیں اپنے سایۂ پناہ کے نیچے لے لیا جیسا کہ نجاشی بادشاہ نے جو عیسائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو پناہ دی تھی میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکر گذاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے

نصیحت کروں۔

سو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ایسا شخص میری جماعت میں داخل نہیں رہ سکتا جو اس گورنمنٹ کے مقابل پر کوئی باغیانہ خیال رکھے اور میرے نزدیک یہ سخت بدذاتی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجے سے بچائے جاتے ہیں اور اس کے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے اس کے احسان کے ہم شکر گذار نہ ہوں اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن : ۶۱) یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ جو انسان کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا۔ یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے آئے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک تم کافر اور مُرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنتِ انگریزی؛ تمہاری بھلائی کے لیے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کر دے گی یہ مسلمان لوگ جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں۔ تم ان علماء کے فتوے سن چکے ہو یعنی یہ کہ تم اُن کے نزدیک واجب القتل ہو اور ان کی آنکھ میں ایک کُتا بھی رحم کے لائق ہے۔ مگر تم نہیں ہو۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے نے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو اور تمہیں قتل کرنا اور تمہارا مال لُوٹ لینا اور تمہاری بیویوں پر جبر کر کے اپنے نکاح میں لے آنا اور تمہاری میت کی توہین کرنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا نہ صرف جائز بلکہ بڑا ثواب کا کام ہے۔

سو یہی انگریز ہیں جن کو لوگ کافر کہتے ہیں جو تمہیں ان خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کے خوف سے تم قتل کئے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے۔ پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور تمہارے مخالف جو مسلمان ہیں ہزار ہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ تمہیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت کرنا نہیں چاہتے۔ کچھ بہت دن نہیں گذرے کہ ایک پادری نے کپتان ڈگلس کی عدالت میں میرے پر اقدامِ قتل کا مقدمہ کیا تھا۔ اس دانشمند اور منصف مزاج ڈپٹی کمشنر نے معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ سراسر جھوٹا اور بناوٹی ہے اس لیے مجھے عزت کے ساتھ بَری کیا بلکہ مجھے اجازت دی کہ اگر چاہو تو جھوٹا مقدمہ بنانے والوں پر سزا دلانے کے لیے نالش کرو۔ سو اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ انگریز کس انصاف اور عدل کے ساتھ ہم سے پیش آتے ہیں۔

اور یاد رکھو کہ اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی

مسئلہ نہیں ہے۔ جس دین کی تعلیم عمدہ ہے جس دین کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے معجزات دکھلائے ہیں اور دکھلا رہا ہے ایسے دین کو جہاد کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ظالم لوگ اسلام پر تلوار کے ساتھ حملے کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے نابود کر دیں۔ سو جنہوں نے تلواریں اُٹھائیں وہ تلوار سے ہی ہلاک کئے گئے۔ سو وہ جنگ صرف دفاعی جنگ تھی۔ اب خواہ نخواہ ایسے اعتقاد پھیلانا کہ کوئی مہدی خونی آئے گا اور عیسائی بادشاہوں کو گرفتار کرے گا یہ محض بناوٹی مسائل ہیں جن سے ہمارے مخالف مسلمانوں کے دل خراب اور سخت ہو گئے ہیں اور جن کے ایسے عقیدے ہیں وہ خطرناک انسان ہیں اور ایسے عقیدے کسی زمانہ میں جاہلوں کے لیے بغاوت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بلکہ ضرور ہوں گے سو ہماری کوشش ہے کہ مسلمان ایسے عقیدوں سے رہائی پاویں۔ یاد رکھو کہ وہ دین خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ جس میں انسانی ہمدردی نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ زمین پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم کیا جاوے۔ والسلام۔

خاکسار میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایّدہ

مورخہ ۷ مئی ۱۹۰۷ء [1]

---

۱۴ مئی ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکسار

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ حضور نے حقیقۃ الوحی کے لکھنے اور پروفوں کے بار بار پڑھنے میں بہت محنت اُٹھائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بار بار حضور کی طبیعت علیل ہو جاتی ہے اب حضور چند روز بالکل آرام فرمائیں اور پڑھنے لکھنے کے کام کو بالکل ترک فرماویں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا:۔

ہماری محنت ہی کیا ہے۔ ہمیں تو شرم آتی ہے جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محنتوں کی طرف نگاہ کرتے ہیں کہ کس طرح خوشی کے ساتھ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے سر بھی کٹوا دیئے [2]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۶ مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ

غسّال کے پیچھے نماز

ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ غسّال کو نماز کے واسطے پیش امام بنانا جائز ہے؟ فرمایا:-

یہ سوال بے معنے ہے۔ غسّال ہونا کوئی گناہ نہیں۔ امامت کے لائق وہ شخص ہے جو متقی ہو۔ نیکوکار، عالم باعمل ہو۔ اگر ایسا ہے تو غسّال ہونا کوئی عیب نہیں جو امامت سے روک سکے[1]

---

۱۸ مئی ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

خواب میں بادل کا دیکھنا

فرمایا:-

مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بادل چڑھا ہے۔ میں ڈرا ہوں مگر کسی نے کہا کہ تمہارے لیے مبارک ہے۔

قرآنِ کریم سے بھی ثابت ہے کہ عذاب کو بادل کے رنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ لوگ نشان پر نشان دیکھتے ہیں مگر کچھ پروا نہیں کرتے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے فعل کو عبث نہیں جانے دیگا۔ جو اس کے فعل کو عملی رنگ میں عبث قرار دیتے ہیں وہ ضرور پکڑے جاویں گے۔ موسیٰ کے زمانہ کی طرح ایک نشان سے بڑھ کر دوسرا نشان دکھایا جاتا ہے مگر ان کی فرعونیت فرعون سے بھی بڑھ گئی اپنی تدبیروں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر دیکھو کیسی اُلٹی مُنہ پر پڑتی ہے۔ رائے ظاہر کی کہ

طاعون اب رو بہ کمی ہے۔ اس کا کیڑا مر چکا ہے۔ مگر دیکھو کہ اس سال تمام پچھلے سالوں سے بڑھ کر مَری پڑی ہے اور آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر پڑے گی۔

بعض عیسائیوں کی درخواستوں کا تذکرہ تھا جو ضلالت کی ظُلمات سے نکل کر ہدایت کے نُور میں آنا چاہتے ہیں۔ فرمایا:-

کسی کی غرض دین ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے سب سامان مہیا کر دیتا ہے۔ بیکار لوگ جو کسی کام کے نہ ہوں

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۶ مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۷ء

صرف کھانے پینے اور روپیہ جمع کرنے کی فکر میں ہوں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ بعد میں تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی رحیمیت پر اعتراض کا جواب

لاہور کا دہریہ اپنے اخبار جیون تت میں مختلف حوادثِ سماوی اور طاعون سے بعض جگہ آدمیوں کے تلف ہونے پر خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت پر اعتراض کرتا ہے اور نادان کو اتنا خیال نہیں آتا کہ گورنمنٹ کسی بدمعاش کو جیل خانہ بھیجتی ہے یا کسی مجرم کو پھانسی کا حکم دیتی ہے تو کیا کبھی کسی دانا نے گورنمنٹ کو ظالم یا بے رحم قرار دیا ہے؟ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دینا خود رحم ہے۔ کیا نادان دہریہ کے نزدیک جیل کے داروغے اور سیشن کورٹ کے جج سب ظالم اور سفاک ہیں؟ اور محکمہ جات سب بند کر دینے چاہئیں؟[1]

بلا تاریخ

حضرت ابراہیمؑ کیلئے آگ کا ٹھنڈا کیا جانا

ایک دوست کا خط حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ پر جو آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی آیا وہ فی الواقعہ آتشِ ہیزم تھی یا کہ فتنہ و فساد کی آگ تھی۔

حضرت نے فرمایا:۔

فتنہ و فساد کی آگ تو ہر نبی کے مقابل میں ہوتی ہے اور وہی ہمیشہ کوئی ایسا رنگ اختیار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نما طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔ ظاہری آتش کا حضرت ابراہیمؑ پر فرو کر دینا خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل امر نہیں اور ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ ہزاروں سالوں کی بات ہے۔ ہم خود اس زمانہ میں ایسے واقعات دیکھ رہے ہیں اور اپنے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔

معجزانہ حفاظت کے چند واقعات

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح بھر گیا اور گندھک کی سی بُو آتی تھی، لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۷ء و بدر جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۸ مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۷ء

اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کرتیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے مطابق طواف کے واسطے پیچ در پیچ اردگرد دیوار بنی ہوئی تھی اور وہ اندر بیٹھا ہوا تھا۔ بجلی ان تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا۔ دیکھو وہی بجلی کی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہیں دے سکی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔

(۲) ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کو میں ایک مکان کی دوسری منزل میں سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ سولہ اور آدمی بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کوئی چوہا ہوگا کچھ خوف کی بات نہیں۔ اور یہ کہہ کر پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی ہی آواز سُنی۔ تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پروانہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب میں نے اُن کو سختی سے اُٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی میں دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور دوسری چھت کو بھی ساتھ لے کر نیچے جا پڑی۔ اور چارپائیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ہم سب بچ گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی معجزہ نما حفاظت ہے جب تک کہ ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے سے محفوظ رہا۔

(۳) ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر ہر دو بار خدا تعالیٰ نے مجھے ان کے ضرر سے محفوظ رکھا۔

(۴) ایک دفعہ میرے دامن کو آگ لگ گئی تھی۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور اس آگ کو بجھا دیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس کسی کے بچانے کی ایک راہ نہیں بلکہ بہت راہیں ہیں۔ آگ کی گرمی اور سوزش کے واسطے بھی کئی ایک اسباب ہیں اور بعض اسباب مخفی در مخفی ہیں۔ جن کی لوگوں کو خبر نہیں اور خدا تعالیٰ نے وہ اسباب اب تک دُنیا پر ظاہر نہیں کئے جن سے اس کی سوزش کی تاثیر جاتی رہے۔ پس اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔[1]

بلا تاریخ

اگر آپکو طاعون ہے تو ہمارا سلسلہ ہی جھوٹا ہے

ایک دفعہ مولوی محمد علی صاحب کو طاعون کے ایام میں سخت تپ چڑھا جو یہانتک

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۳، ۴ مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۰۷ء و بدر جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۵ مورخہ ۶ رجون ۱۹۰۷ء

شدید تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ مجھ کو طاعون ہوگیا ہے اور اس خیال کا ان پر اس قدر اثر پڑا کہ مفتی محمد صادق صاحب کو بُلا کر وصیت بھی لکھوانی شروع کردی۔ اتفاقاً یہ خبر مجھ کو ملی اور میں ان کی عیادت کے لیے گیا تو ان کے اس خیال کو دُور کرنے کے لیے میں نے کہدیا کہ آپ کو قطعاً طاعون نہیں۔ اگر آپ کو طاعون ہے تو ہمارا سلسلہ ہی جھوٹا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے صاف کہدیا ہے کہ میں ہر ایک شخص کو جو اس چار دیواری میں ہے اس مرض سے بچاؤں گا اور یہ کہکر میں نے ان کی نبض جو دیکھی تو تپ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ (منقول از تشحیذ الاذہان)

مسلمانوں کی یہود سے نسبت

جہاد کی ممانعت کی نسبت جو نظم درثمین میں شائع ہو چکی ہے اس میں ایک شعر ہے ؎

اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے ؎ مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے

اس کی نسبت فرمایا کہ:۔

دیکھو آجکل ہر طرح کا فسق و فجور پھیلا ہوا ہے اور مسلمانوں کی پہلی سی حالت نہیں رہی۔ ان کے ہاتھوں سے سلطنت بھی اسی لیے چھینی گئی ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیا۔ خدا تعالیٰ تو کسی کا رشتہ دار نہیں کہ وہ باوجود اس کے بگڑ جانے کے پھر بھی اس کی پاسداری کرتا چلا جاوے۔ چونکہ یہودیوں سے مسلمانوں کو نسبت ہے اس لیے ان کی طرح ان پر بھی دو دفعہ سخت عذاب آنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ تو تب ان پر عذاب آیا جبکہ ہلاکو خاں نے حملہ کرکے بغداد کو تباہ کیا اور مسلمانوں کو اس قدر ہلاک کیا کہ صرف بغداد میں کہتے ہیں کہ چھ لاکھ انسان قتل ہوا۔ اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک بزرگ کے پاس لوگ اکٹھے ہوئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ سے دُعا کیجئے گا کہ وہ ہم کو اس عذاب سے نجات دے اور یہ طوفان تھم جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ کم بختو تمہاری وجہ سے ہم بھی اس عذاب میں پھنس گئے میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے کھڑے کہتے ہیں یَا اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ۔ یعنی اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کرو۔ پس وہی حالت اس وقت دوبارہ ہوگئی ہے اور انگریزوں کی حکومت بھی جو کہ مذہب کی رُو سے کافر ہیں ہندوستان میں اسی لیے ہوئی ہے کہ مسلمان خود فاجر ہوگئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے رحم کو حاصل کرنے کے لائق نہیں ہیں اور میرے اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ خود تمہاری حالت ایسی نہیں رہی کہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو جہاد کیسا؟[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۷ء و بدر جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۲ مورخہ ۶ جون ۱۹۰۷ء

۲۱ رمئی ۱۹۰۷ء

انسان ہر دم خدا تعالیٰ کا محتاج ہے

ہم نے جو کیمیا کو شرک قرار دیا تھا تو اس کا یہ مطلب تھا کہ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان مستغنی ہو اسی لیے فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی - اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (العلق: ۷،۸) وہ فرماتا ہے۔ انسان سرکشی کرتا ہے جبکہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔ عبودیت کا الوہیت سے ایسا تعلق ہے کہ عبد اپنے مولا کا ذرہ ذرہ کے لیے محتاج ہے اور ایک دم خدا تعالیٰ کے سوا نہیں گذار سکتا۔ پس جو شخص ایسے اسباب تلاش کرتا ہے جن سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہ رہے (اور توجہ مبنی ہے احتیاج پر) تو گویا شرک میں پڑتا ہے۔ کیونکہ اپنا قبلہ مقصود ایک کے سوا دوسرا بھی بناتا ہے۔ مومن تو وہ ہے جو ایسے امور کا نام تک نہ لے جن سے توحید میں رخنہ اندازی ہوتی ہو۔ اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ بیمار اسی وقت تک طبیب کے پاس رہتا ہے جب تک کہ بیمار ہے۔ پس عبد بھی اسی وقت تک متوجہ رہے گا جب تک عبودیت کی حالت باقی ہے۔

اَلْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ

دو فریق ہوتے ہیں جن میں مقابلہ ہوتا ہے مگر آخر کار وہی فتح پاتے ہیں جن کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ موسیٰؑ بظاہر فرعون کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے اپنی عجیب در عجیب قدرتوں سے فتح بخشی۔

آخری فیصلہ کا وقت

بڑے تعجب کی بات ہے کہ مخالف اپنے دوسرے ہلاک شدہ بھائیوں سے ذرا بھی عبرت حاصل نہیں کرتے بلکہ ایک بولتا ہے تو دوسرا اس کی تائید کرتا ہے۔ یہ آریہ ہوں یا مسلم یا ہندو یا سکھ۔ ہماری مخالفت میں سب ایک ہو جاتے ہیں (ایک حدیث میں مسیح موعود کا یہ نشان بھی ہے کہ کینہ و بغض باہمی چلا جائے گا اور حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے[1]) حالانکہ یہ صرف اس بات پر تقویٰ و خدا ترسی کے ساتھ غور کریں کہ چھبیس[26] برس کا زمانہ کوئی تھوڑا زمانہ نہیں بلکہ اس میں تو ایک بچہ بھی پیدا ہو کر بالغ ہو سکتا ہے۔ اب وہ زمانہ آتا ہے کہ آخری فیصلہ کر دیا جاوے اور وہ فرقان حاصل ہو۔ جو انبیاء اور ان کے مخالفین میں ہوا کرتا ہے۔ پہلے خدا تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ دو فریق آپس میں کشتی کریں پھر آخر وہ وقت آتا ہے کہ ایک فریق کی حمایت کر کے ان کو کامیاب کرے اور دوسرے کو فنا یا مغلوب کرے[2]

---

[1] غالباً یہ نوٹ ڈائری نویس کا ہے۔ واللہ اعلم (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۲ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ رمئی ۱۹۰۷ء

ایک دُعا اور اس کا جواز

میاں محمد دین احمدی کباب فروش لاہور (حال ساکن موضع دھورہ ڈھیری بٹاں ریاست جموں) نے ایک عریضہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا جس میں لکھا تھا "یا حضرت میں نے چند روز سے محض رضائے الٰہی کے لیے جناب باری تعالیٰ میں یہ دُعا شروع کی ہے کہ میری عمر میں سے دس سال حضرت اقدس مسیح موعود کو دی جاوے کیونکہ اسلام کی اشاعت کے واسطے میری زندگی ایسی مفید نہیں۔ کیا ایسی دُعا مانگنا جائز ہے؟"

حضرت اقدس نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"ایسی دُعا میں مضائقہ نہیں بلکہ ثواب کا موجب ہے"

ہندوؤں سے ہمدردی

ایک شخص کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش ہوا کہ بسبب پرانے تعلقات کے ایک ہندو ہمارے شہر کا ہمارے معاملاتِ شادی اور غمی میں شامل ہوتا ہے اور کوئی مر جائے تو جنازہ میں بھی ساتھ جاتا ہے۔ کیا ہمارے واسطے بھی جائز ہے کہ ہم اُن کے ساتھ ایسی شمولیت دکھائیں؟

فرمایا کہ:۔

ہندوؤں کی رسوم اور امور مخالفِ شریعتِ اسلام سے علیحدگی اور بیزاری رکھنے کے بعد دنیوی امور میں ہمدردی رکھنا اور ان کی امداد کرنا جائز ہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد احتیاطی

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ بعض لوگ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

فرمایا کہ:۔

قرآنِ شریف کے حکم سے جمعہ کی نماز جب مسلمانوں پر فرض ہے جبکہ جمعہ کی نماز پڑھ لی تو حکم ہے کہ جاؤ اب اپنے کاروبار کرو۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت میں جمعہ کی نماز اور خطبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بادشاہ مسلمان نہیں ہے تعجب ہے کہ خود بڑے امن کے ساتھ خطبہ اور نماز پڑھتے بھی ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا پھر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ جمعہ ہوا یا نہیں اس واسطے ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھا ہے۔

ایسے لوگ ایک شک میں گرفتار ہیں۔ ان کا جمعہ بھی شک میں گیا اور ظہر بھی شک میں گئی۔ نہ یہ حاصل ہوا نہ وہ۔ اصل بات یہ ہے کہ نماز جمعہ پڑھو۔ اور احتیاطی کی کوئی ضرورت نہیں [1]

۸ر جون ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

اِستخارہ کی اہمیت

فرمایا کہ:۔

آجکل اکثر مسلمانوں نے استخارہ کی سُنّت کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ امر میں استخارہ فرمایا کرتے تھے۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ تھا۔ چونکہ دہریت کی ہوا پھیلی ہوئی ہے اس لیے لوگ اپنے علم و فضل پر نازاں ہو کر کوئی کام شروع کر لیتے ہیں اور پھر نہاں در نہاں اسباب سے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اصل میں یہ استخارہ ان بدرسومات کے عوض میں رائج کیا گیا تھا جو مشرک لوگ کسی کام کی ابتداء سے پہلے کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان اُسے بھول گئے حالانکہ استخارہ سے ایک عقلِ سلیم عطا ہوتی ہے جس کے مطابق کام کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ کوئی کام خود ہی اپنی رائے سے شروع کر بیٹھے ہیں اور پھر درمیان میں آکر ہم سے صلاح پوچھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جس علم و عقل سے پہلے شروع کیا تھا اسی سے نبھائیں۔ اخیر میں مشورے کی کیا ضرورت؟ [2]

۱۱ر جون ۱۹۰۷ء

آریوں کی فطرت

فرمایا:۔

ہمارا ایک پُرانا واقف ہندو ہے اس کا خط آیا تھا کہ آریہ لوگ دراصل گورنمنٹ کے خیر خواہ ہیں۔ سرکار کو غلط فہمی ہوئی۔ میں نے اسے خط لکھا ہے یہ تمہاری غلطی ہے کہ آریہ سرکار کے خیر خواہ ہیں۔ اس سلوک کو دیکھا جائے جو گورنمنٹ نے ان کے ساتھ کیا ہے کہ ان کو اعلیٰ تعلیم دی ہے اور تمام معزز عہدوں پر انکو ممتاز

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۸ مورخہ ۶ر جون ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۳ مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء

کیا ہے اور دفاتر اُن سے بھر دیئے ہیں اور پھر اس سلوک کو دیکھا جائے جو کہ اب انہوں نے گورنمنٹ کے ساتھ کیا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے صرف بدخواہ ہی نہیں بلکہ نمک حرام بھی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کی فطرت میں یہ بدی ہے کہ اپنے محسن کے ساتھ ایسی بدسلوکی کریں۔

فرمایا:۔

مَیں نے اس کو صلاح دی ہے کہ تم اپنا تعلق آریوں سے بالکل علیحدہ کر لو۔

ناجائز وعدہ کو توڑنا ضروری ہے

ایک شخص کی درخواست پیش ہوئی کہ میری ہمشیرہ کی منگنی مدت سے ایک غیر احمدی کے ساتھ ہو چکی ہے اب اس کو قائم رکھنا چاہیئے یا نہیں؟

فرمایا:۔

ناجائز وعدہ کو توڑنا اور اصلاح کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ شہد نہ کھائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایسی قسم کو توڑ دیا جاوے۔ علاوہ ازیں منگنی تو ہوتی ہی اسی لیے ہے کہ اس عرصہ میں تمام حسن و قبح معلوم ہو جاویں۔ منگنی نکاح نہیں ہے کہ اس کو توڑنا گناہ ہو۔

مجالس مشاعرہ

ایک جگہ بعض شاعرانہ مذاق کے دوست ایک باقاعدہ انجمنِ مشاعرہ قائم کرنا چاہتے تھے اس کے متعلق حضرت سے دریافت کیا گیا۔

فرمایا:۔

یہ تضیعِ اوقات ہے کہ ایسی انجمنیں قائم کی جاویں اور لوگ شعر بنانے میں مستغرق رہیں ہاں یہ جائز ہے کہ کوئی شخص ذوق کے وقت کوئی نظم لکھے اور اتفاقی طور پر کسی مجلس میں سُنائے یا کسی اخبار میں چھپوائے۔ ہم نے اپنی کتابوں میں کئی نظمیں لکھی ہیں مگر اتنی عمر ہوئی آج تک کبھی کسی مشاعرہ میں شامل نہیں ہوئے۔ مَیں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شاعری میں اپنا نام پیدا کرنا چاہے۔ ہاں اگر حال کے طور نہ صرف قال کے طور پر اور جوشِ رُوحانی سے اور نہ خواہشِ نفسانی سے کبھی کوئی نظم جو مخلوق کے لیے مفید ہو سکتی ہو لکھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر یہی پیشہ کر لینا ایک منحوس کام ہے[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۷ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۳ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۰۷ء

ملفوظات

احسان دل کو مسخر کر لیتا ہے

فرمایا کہ:۔

احسان ایک نہایت عمدہ چیز ہے۔ اس سے انسان اپنے بڑے بڑے مخالفوں کو زیر کر لیتا ہے چنانچہ سیالکوٹ میں ایک شخص تھا جو کہ تمام لوگوں سے لڑائی رکھتا تھا اور کوئی ایسا آدمی نہ ملتا تھا جس سے اس کی صلح ہو۔ یہانتک کہ اس کے بھائی اور عزیز و اقارب بھی اس سے تنگ آچکے تھے۔ اُس سے مَیں نے بعض دفعہ معمولی سا سلوک کیا اور وہ اس کے بدلہ میں کبھی ہم سے بُرائی سے پیش نہ آتا بلکہ جب ملتا تو بڑے ادب سے گفتگو کرتا۔ اسی طرح ایک عرب ہمارے ہاں آیا اور وہ وہابیوں کا سخت مخالف تھا یہانتک کہ جب اس کے سامنے وہابیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تو گالیوں پر اُتر آتا۔ اس نے یہاں آکر بھی سخت گالیاں دینی شروع کیں اور وہابیوں کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ ہم نے اس کی کچھ پروانہ کرکے اس کی خدمت خوب کی اور اچھی طرح سے اس کی دعوت کی۔ اور ایک دن جبکہ وہ غصہ میں بھرا ہوا وہابیوں کو خوب گالیاں دے رہا تھا کسی شخص نے اس کو کہا کہ جس کے گھر تم مہمان ٹھہرے ہو وہ بھی تو وہابی ہے۔ اس پر وہ خاموش ہوگیا اور اس شخص کا مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا۔ کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ خیر وہ شخص چند دن کے بعد چلا گیا۔ اس کے بعد ایک دفعہ لاہور میں مجھ کو پھر ملا۔ اگرچہ وہ وہابیوں کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا مگر چونکہ اس کی تواضع اچھی طرح سے کی تھی اس لیے اس کا وہ تمام جوش و خروش دب گیا اور وہ بڑی مہربانی اور پیار سے مجھ کو ملا۔ چنانچہ بڑے اصرار کیساتھ مجھ کو ساتھ لے گیا اور ایک چھوٹی سی مسجد میں جس کا وہ امام مقرر ہوا تھا مجھ کو بٹھلایا اور خود نوکروں کی طرح پنکھا کرنے لگا اور بہت خوشامد کرنے لگا کہ کچھ چائے وغیرہ پی کر جاویں۔ پس دیکھو کہ احسان کس قدر دلوں کو مسخر کر لیتا ہے[1]

اِخلاص کی ایک علامت

ایک صاحب کی لڑکی بیمار تھی۔ انہوں نے اس کی دُعا کے لیے تار بھیجا تھا۔ آپ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ:۔

دیکھو یہ لوگ ہم سے کتنا اخلاص رکھتے ہیں۔ جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جھٹ ہماری طرف آتے اور دُعا کے خواستگار ہوتے ہیں۔ مَیں دُعا کروں گا۔ آگے شفا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

چند دن ہوئے مجھ کو الہام ہوا تھا کہ "لاہور سے ایک افسوسناک خبر آئی"۔ چنانچہ یہ چھپ بھی چکا ہے اور اس

---

[1] قیاس ہے کہ غالباً یہ دونو واقعات حضور علیہ السلام کے دعویٰ ماموریت سے پہلے کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (خاکسار مرتب)

انام کی وجہ سے ہم نے ایک آدمی لاہور بھیج کر پچھوایا بھی تھا کہ وہاں کے دوستوں کا کیا حال ہے مگر کیا معلوم تھا کہ یہ چند دن کے بعد پورا ہوگا۔[1]

لنگر خانہ کی اہمیت

فرمایا:۔

آجکل لوگ لنگر کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں اور دوسری مدات کی طرف بہت متوجہ ہیں۔ حالانکہ سب سے ضروری مد یہی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ علم حاصل کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کئی کئی دن تک ایک ایک دو دو روپیہ ہی آتے ہیں اور خرچ دوسرے دن کا سو روپیہ ہوتا ہے۔ شاید اسی کی وجہ یہ ہے کہ دوسری مدات کی تحریکات ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں اور لنگر کی کوئی تحریک نہیں ہوتی۔[2]

بلا تاریخ

جسکے ہاں ماتم ہو اس کیساتھ ہمدردی

حضرت کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ کیا یہ جائز ہے کہ جب کارِ قضا کسی بھائی کے گھر میں ماتم ہو جائے تو دوسرے دوست اپنے گھر میں اس کا کھانا تیار کریں۔

فرمایا:۔

نہ صرف جائز بلکہ برادرانہ ہمدردی کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ایسا کیا جاوے۔[3]

---

۶ جولائی ۱۹۰۷ء

دجّال کے دو مظاہر

فرمایا:۔

دجّال کی دو شانیں ہیں۔ ایک تو پادری لوگ ہیں جو گویا نبوت کا دعویٰ

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر:۔ چنانچہ چند روز کے بعد خبر آئی کہ مریض فوت ہو گیا ہے چونکہ وہ ایک معصوم بچہ تھا خدا تعالیٰ نے اس کو بخش ہی دیا ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کے والدین کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (ایڈیٹر)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۲۷ صفحہ ۷ مورخہ ۴ جولائی ۱۹۰۷ء

[3] بدر جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۳ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء

کرتے ہیں۔ ہر قسم کے مکر و فریب کے ساتھ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور عیسائی بناتے ہیں خود انجیل اور تورات کا ترجمہ در ترجمہ کرتے ہیں۔ اصل کتاب ان کے پاس موجود نہیں۔ تراجم میں ہمیشہ تبدیلیاں کرتے ہیں اور اپنی اپنے خیالات کے الفاظ کو دُنیا کے سامنے پیش کرکے بیان کرتے ہیں کہ خدا کا کلام ہے۔ یہ ایک طرح سے نبوت کا دعویٰ ہے۔ دوسرے اس زمانہ کے فلسفی لوگ ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کے ہی منکر ہو بیٹھے ہیں اور رات دن مادی دُنیا کی طرف ایسے جُھکے ہوئے ہیں کہ دین کو کچھ نہیں سمجھتے بلکہ دین کو غیر ضروری اور اپنی دنیوی ترقی کی راہ میں ایک عارج یقین کرتے ہیں۔

وقت کے مُرسل کو ماننا ضروری ہے

فرمایا:۔
خدا تعالیٰ کی عدول حکمی سے کوئی شخص کس طرح بچ سکتا ہے۔ جو لوگ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کے مُرسل کو نہیں مانتے وہ خدا تعالیٰ کی عدول حکمی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود اور عیسائی تھے وہ صاحب شریعت تھے۔ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے۔ تمام انبیاء کو مانتے تھے مگر آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کے سبب وہ کافر قرار دیئے گئے۔ اس زمانہ کے لوگ جو نہ صرف ہمارے مخالف ہیں بلکہ ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ بموجب حدیثِ نبویؐ مومن کو کافر کہہ کر خود کافر بنتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

مُعلّق مال پر زکوٰۃ واجب نہیں

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تجارت کا مال جو ہے جس میں بہت سا حصہ خریداروں کی طرف ہوتا ہے اور اُگراہی میں پڑا ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔
جو مال مُعلّق ہے اس پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ آجائے لیکن تاجر کو چاہیئے کہ حیلے بہانے سے زکوٰۃ کو نہ ٹال دے۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اخراجات بھی تو اسی مال میں سے برداشت کرتا ہے۔ تقویٰ کے ساتھ اپنے مالِ موجودہ اور مُعلّق پر نگاہ ڈالے اور مناسب زکوٰۃ دیکر خدا تعالیٰ کو خوش کرتا رہے۔ بعض لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی حیلے بہانے کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔

دین کو دُنیا پر مُقدّم رکھنا چاہیئے

فرمایا:۔
دین کو دنیا پر مقدم رکھنا نہایت مشکل امر ہے۔ کہنے کو تو

انسان کہہ لیتا ہے اور اقرار بھی کر لیتا ہے مگر اس کا پورا کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا اس طرح سے پہچانا جاتا ہے کہ جب انسان کا دنیوی مال میں نقصان ہو تو کس قدر درد اس کے دل کو پہنچتا ہے اور اس کے بالمقابل جب کسی دینی امر میں نقصان ہو جائے تو پھر کس قدر درد اس کے دل کو ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اس شناخت کے واسطے اپنے دل کو ہی ترازو بنائے کہ دنیاوی نقصان کے واسطے وہ کس قدر بیقرار ہوتا ہے اور چیختا چلاتا ہے اور پھر دینی نقصان کے وقت اس کا کیا حال ہوتا ہے؛ بدبہ ہے وہ شخص جو دوسرے کو دھوکا دیتا ہے مگر بدتر وہ ہے جو اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتا ہے۔ دین کو مقدم نہیں کرتا اور خیال کرتا ہے کہ میں دین کو مقدم کئے ہوئے ہوں۔ وہ سچے طور پر خدا تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں بنا اور ظن کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ جو شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے ممکن ہے وہ ظلم کر کے بھاگ جائے گا اور اس طرح اپنے آپکو بچا لے مگر وہ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا وہ کہاں بھاگ کر جائیگا اور اس ظلم کی سزا سے کس طرح بچ سکے گا۔ مبارک ہے وہ جو دین کو اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم رکھتا ہے کیونکہ خدا بھی اُسے مقدم رکھتا ہے۔

حقیقۃ الوحی کو غور سے پڑھیں

فرمایا:۔

ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ حقیقۃ الوحی کو اوّل سے آخر تک بغور پڑھیں بلکہ اس کو یاد کر لیں۔ کوئی مولوی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا کیونکہ ہر قسم کے ضروری امور کا اس میں بیان کیا گیا ہے اور اعتراضوں کے جواب دیئے گئے ہیں۔

خواجہ غلام فریدؒ صاحب کا ذکرِ خیر

فرمایا:۔

خواجہ غلام فریدؒ صاحب کی سوانح کی ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں خواجہ صاحب نے جا بجا ہماری تائید کی ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ بعض مولویوں نے خواجہ صاحب مرحوم سے دریافت کیا تھا کہ آپ کیوں اُن کی تائید کرتے ہیں مولوی لوگ تو ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ تو انہوں نے کیا خوب جواب دیا کہ مولوی لوگوں نے پہلے کس کو مانا ہے اور کس کو کافر قرار نہیں دیا؟ ان کا تو کام ہی یہ ہے ان کی طرف مت خیال کرو۔

فیصلہ کی آسان راہ

ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ذکر کیا کہ حضور کی اس تحریر پر جو اخبار میں چھپی ہے کہ "اگر ہمارے مکذب ہمارے شائع کردہ الہام الٰہی اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کو افترا سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ محض ہم نے اپنے دل

سے یہ بات بنائی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے اور صرف اتفاقی طور پر ہمارے گھر کی حفاظت ہو رہی ہے تو چاہیئے کہ ہمارے مکذبوں میں سے بھی کوئی ایسا الہام شائع کرے تب اس کو جلد معلوم ہو جاوے گا کہ افتراء کا کیا نتیجہ ہے"۔ اس بات کو پڑھ کر بعض مخالف یہ کہتے ہیں کہ ہم مفتری نہیں ہیں جو خدا تعالیٰ پر افتراء کریں۔ ہم کس طرح ایسا الہام شائع کر سکتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا:۔

یہی بات ہے جو ہم ان کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔ اگر یہ کلام ہم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہوتا اور ہمارا افتراء ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کلمہ کے مطابق ہمارے گھر کی حفاظت کیوں کرتا جبکہ ایک کلام صریح الفاظ میں پورا ہو گیا ہے تو پھر اس کے ماننے میں کیا شک ہے۔ لیکن ہم نے مخالفین کے واسطے فیصلہ کی دوسری راہ بھی بیان کر دی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ انسان کا افتراء ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر ان الفاظ کے ساتھ بیان کرے کہ یہ انسان کا افتراء ہے۔ خدا تعالیٰ کا کلام نہیں وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَحَنَثَ اللّٰهِ۔ اگر کوئی شخص ایسی قسم کھاوے تو خدا تعالیٰ اس قسم کا نتیجہ ظاہر کر دے گا۔

چاہیئے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اور جعفر زٹلی لاہوری اور ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب اور غزنوی صاحبان بہت جلد اس کی طرف توجہ کریں۔

ایک الہام کی تشریح

ایک سوال پیش ہوا کہ حضور کو جو الہام ہوا ہے "قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں"۔ اس الہام الٰہی میں میرے کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے۔ یعنی کس کے منہ کی باتیں؟

فرمایا:۔

خدا کے منہ کی باتیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے منہ کی باتیں۔ اس طرح کے ضمائر کے اختلاف کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ فرمایا:۔

بعض رؤیا یا الہامات ظاہر الفاظ میں مُنذِر ہوتے ہیں اور مُلہَم اس وقت ڈر جاتا ہے اور خوف کھاتا ہے مگر دراصل اس کے معنے کچھ اور ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو سخت درد گردہ تھا۔ کسی دوا سے آرام نہ ہوتا تھا۔ الہام ہوا "الوداع" اس کے بعد درد بالکل یک دفعہ بند ہو گیا۔ تب معلوم ہوا کہ یہ الوداع درد کا تھا۔

آریہ کب سمجھیں گے

فرمایا:۔

بعض اخبارات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راجپت رائے اور اجیت سنگھ

کی جلاوطنی سے آریوں کو پورے طور پر نصیحت حاصل نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کو وہ صرف ایک شخصی وبال خیال کرتے ہیں اور قومی وبال نہیں سمجھتے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ گورنمنٹ ان لوگوں کے ایسے حالات دیکھ کر اب ان کی نسبت ضرور محتاط ہے گی۔ ان کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کے متعلق اپنے رویہ کو ہمیشہ کے واسطے درست کر لیں۔

علمِ طب کی بنیاد ظنیات پر ہے

فرمایا:۔

علمِ طب کی بناء بھی ظنیات پر ہے۔ جب مرض الموت آتی ہے تو کوئی دوا شفا نہیں دیتی بلکہ ہر ایک دوا اُلٹی پڑتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ شفا دینا چاہتا ہے تو معمولی دوائی بھی کارگر ہو جاتی ہے[1]

---

۹ جولائی ۱۹۰۷ء

نسل کشی کیلئے سانڈ رکھنا

ایک شخص نے سوال کیا کہ خالصۃً لوجہ اللہ نسل افزائی کی نیت سے اگر کوئی سانڈ چھوڑے تو کیا یہ جائز ہے؟

فرمایا:۔

اَصْلُ الْاَشْیَاءِ اِبَاحَۃٌ۔ اشیاء کا اصل تو اباحت ہی ہے۔ جنہیں خدا تعالیٰ نے حرام فرمایا وہ حرام ہیں باقی حلال۔ بہت سی باتیں نیت پر موقوف ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔

عرض کیا گیا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ فرمایا:۔

مَیں نے جواب دیتے وقت اسے زیرِ نظر رکھ لیا ہے۔ وہ تو دیوتوں کے نام پر دیتے۔ یہاں خاص خدا تعالیٰ کے نام پر ہے۔ نسل افزائی ایک ضروری بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اَنْعَام وغیرہ کو اپنی نعمتوں سے فرمایا ہے۔ سو اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے اور قدر میں نسل کا بڑھانا بھی ہے۔ پس اگر ایسا نہ ہو تو پھر چارپائے کمزور ہوں گے اور دُنیا کے کام بخوبی نہ چل سکیں گے اس لیے میرے نزدیک تو حرج کی بات نہیں۔ ہر ایک عمل نیت پر موقوف ہے۔ ایک ہی کام جب غیر اللہ کے نام پر ہو تو حرام اور اگر اللہ کے لیے ہو تو حلال ہو جاتا ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۵ - ۶ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء

باآواز بلند اپنی زبان میں دُعا

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور امام اگر اپنی زبان میں (مثلاً اردو میں) باآواز بلند دُعا مانگتا جائے اور پچھلے آمین کرتے جاویں تو کیا یہ جائز ہے جبکہ حضور کی تعلیم ہے کہ اپنی زبان میں دُعائیں نماز میں کرلیا کرو۔

فرمایا:-

دُعا کو باآواز بلند پڑھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا۔ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف: ۵۶) اور دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الاعراف ۲۰۶)

عرض کیا کہ قنوت تو پڑھ لیتے ہیں۔ فرمایا:-

ہاں ادعیۂ ماثورہ جو قرآن و حدیث میں آچکی ہیں وہ بیشک پڑھ لی جاویں۔ باقی دُعائیں جو اپنے ذوق وحال کے مطابق ہیں وہ دل ہی میں پڑھنی چاہئیں۔

کنوئیں کو پاک کرنے کے بارہ میں اُصولی فتویٰ

سوال ہوا کہ یہ جو مسئلہ ہے کہ جب چوہا یا بلی یا مُرغی یا بکری یا آدمی کنوئیں میں مرجاویں تو اتنے ڈلو پانی نکالنے چاہئیں۔ اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟ پہلے تو ہمارا یہی عمل تھا کہ جب تک رنگ بُو مزا نہ بدلے پانی کو پاک سمجھتے۔

فرمایا:-

ہمارا تو وہی مذہب ہے جو احادیث میں آیا ہے۔ یہ جو حساب ہے کہ اتنے ڈلو نکالو اگر فلاں جانور پڑے اور اتنے اگر فلاں پڑے۔ یہ ہمیں تو معلوم نہیں اور نہ اس پر ہمارا عمل ہے۔

عرض کیا گیا کہ حضور نے فرمایا ہے جہاں سنّتِ صحیحہ سے پتہ نہ ملے وہاں حنفی فقہ پر عمل کرلو۔ فرمایا:-

فقہ کی معتبر کتابوں میں کب ایسا تعین ہے" ہاں نجات المومنین" میں لکھا ہے۔ سو اس میں تو یہ بھی لکھا ہے۔

سر ٹوٹے وچہ دے کے بیٹھ نماز کرے

کیا اس پر کوئی عمل کرتا ہے اور کیا یہ جائز ہے جبکہ حیض و نفاس کی حالت میں نماز منع ہے۔ پس ایسا ہی یہ مسئلہ بھی سمجھ لو۔

مَیں تمہیں ایک اصل بتا دیتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر: ۶) جب پانی کی حالت اس قسم کی ہو جائے جس سے صحت کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو صاف کر لینا چاہیئے۔ مثلاً پتے پڑ جاویں یا کیڑے وغیرہ (حالانکہ اس پر یہ ملاں وغیرہ نجس ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے) باقی یہ کوئی مقدار مقرر نہیں۔ جب

تک رنگ و بُو و مزا نجاست سے نہ بدلے وہ پانی پاک ہے[1]

۱۲ر جولائی ۱۹۰۷ء

(قبل از خطبہ جمعہ)

احسان اور دُعا

باہر سے آئے ہوئے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور میری بیوی کسی صورت میں مسلمان نہیں ہوتی۔ کیا کروں میں تو اُسے بہتیرا سمجھا چکا ہوں۔

فرمایا:-

دیکھو۔ زبانی دعظوں سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا اپنی حالت درست کرکے اپنے تئیں نمونہ بنانے سے۔ تم اپنی حالت کو ٹھیک کرو اور ایسے بنو کہ لوگ بے اختیار بول اُٹھیں کہ اب تم وہ نہیں رہے۔ جب یہ حالت ہوگی تو تمہاری بیوی کیا کئی لوگ تمہارا مذہب قبول کریں گے۔ حدیث میں آیا ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ۔ پس جب بیوی سے تمہارا اچھا سلوک ہوگا وہ تو خود بخود محجوب ہوکر تمہاری مخالفت چھوڑ دے گی اور دل سے جان لے گی کہ یہ مذہب بہت ہی اچھا ہے جس میں ایسے نرم و عمدہ سلوک کی ہدایت ہوتی ہے پھر وہ خواہ مخواہ متابعت کریگی۔ احسان تو ایسی چیز ہے کہ اس سے ایک کُتا بھی نادم ہو جاتا ہے چہ جائیکہ ایک انسان۔

اس شخص نے عرض کی کہ حضور وہ تو کبھی نہیں ماننے کی۔

فرمایا:-

دیکھو۔ مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ جب کسی دل میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہے تو کسی چھوٹی سی بات سے کر دیتا ہے۔ دُعا کرنی چاہیئے کہ دل سے نکلی ہوئی دُعا ضائع نہیں جاتی اور لطیف پیرایہ میں نصیحت بھی کرتے رہیں مگر سختی نہ کریں۔ اُسے سمجھائیں کہ ہمارا وہی اسلام دین ہے۔ یہ کوئی نیا مذہب نہیں۔ وہی نماز وہی روزہ وہی حج وہی زکوٰۃ۔ صرف فرق اتنا ہے کہ یہ باتیں جو صرف جسم بے رُوح رہ گئی ہیں۔ ہم ان میں اخلاص کی خاص روح پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے اثر جو مرتب نہیں ہوتے ہم چاہتے ہیں کہ ایسے طور سے ادا کئے جاویں کہ اُن میں اثر پیدا ہوں۔ عقیدہ میں یہ بات ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو ہم اور نبیوں کی طرح فوت شدہ مانتے ہیں اور ایک مسلمان کی محبت جو اُسے اپنے متبوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ جب آپ فوت ہو گئے تو اُنکے بعد

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۸ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۷ء

کسی کو زندہ نہ سمجھے۔ صحابہ کرامؓ کس قدر درد و اَلم میں تھے جب مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران : ۱۴۵) سُنا تو سب کو ٹھنڈ پڑ گئی۔ مگر یاد رکھو ان وعظوں سے کچھ نہیں بنتا جب تک ساتھ دُعا اور اپنا عملی نمونہ نہ ہو۔ ہر جمعہ کس قدر مولوی سر کھپاتے ہیں مگر خاک بھی اثر نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ جو کچھ کہتے ہیں اُن کا خود اس پر عمل نہیں۔ جتنے پیغمبر دُنیا میں آئے ان میں سے کسی نے بھی وعظوں پر اتنا سر نہیں مارا۔ جتنا دُعا و عملی نمونہ کام دیتا ہے سو اُسے میسر لانے کی کوشش کرو۔[1]

۱۴ر جولائی ۱۹۰۷ء

طاعون سے بچنے کا حقیقی علاج

حضرت اُم المومنین مع صاحبزادگان و اقارب و خُدام اچانک کس بغرض تبدیل ہوا ۱۴ر جولائی ۱۹۰۷ء کو لاہور کی طرف روانہ ہوئے تھے اور ۱۴ر جولائی ۱۹۰۷ء کو بروز اتوار ایک بجے دن کے بٹالہ میں واپس پہنچ گئے۔ اس واسطے حضرت اقدس مع چند خدام کے ۱۴ر جولائی کی صبح کو بٹالہ تک تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ گرمی کا موسم ہے اس واسطے صبح سویرے پانچ بجے کے قریب یہاں سے روانہ ہوئے۔ آپ پالکی میں بیٹھے ہوئے تھے بہت سے عاشقانہ مزاج خدام پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے بٹالہ تک گئے۔ قریب دس بجے کے آپ بٹالہ میں پہنچے۔ بٹالہ کے شریف اور لائق تحصیلدار جناب رائے جسمل صاحب کا شکریہ ہے کہ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت اقدس تشریف لاتے ہیں اور چند گھنٹہ وہاں قیام کریں گے تو انہوں نے سٹیشن کے پاس ہی اپنے مکان کے متصل ایک عمدہ آرام کی جگہ مہیا کر دی۔ تحصیلدار صاحب خود بھی حضرت کی ملاقات کے واسطے تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے فرمایا کہ میں شہر سے باہر اسی جگہ رہتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا کہ :۔

اسی جگہ رہنا بہتر ہے کیونکہ شہر میں اکثر بیماری کا خوف ہوتا ہے اور گذشتہ موسم میں بٹالہ میں بہت طاعون تھی اور اگرچہ اب آرام ہے تاہم جائے امن نہیں۔ کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ لوگ اصلاحِ عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جب تک کہ اصلاحِ عمل نہ ہو گی یہ عذاب دُور نہ ہو گا۔ پہلے پہل جبکہ طاعون سے بچنے کے واسطے ٹیکے کی تجویز

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۷ء

کی گئی تھی اور بڑے زور شور سے ہر جگہ ٹیکہ لگایا جاتا تھا۔ اس وقت ہم نے بھی ایک کتاب بنام کشتی نوح لکھی تھی جس میں ہم نے یہ بات ظاہر کی تھی کہ اس بیماری سے بچنے کا اصلی اور حقیقی علاج یہ ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اس وقت ایک انگریز اور ایک دیسی افسر جو کہ ای۔ اے۔ سی تھا ہر دو ٹیکہ لگانے کے واسطے قادیان میں بھی آئے تھے تب ہم نے اپنی کتاب کا ایک نسخہ اس کو بھیجا تھا جس کو دیسی افسر نے پڑھ کر اس انگریز کو سُنایا۔ اس کو سنکر انگریز نے کہا کہ سچ تو یہی ہے جو اس کتاب میں لکھا ہے باقی تو سب حیلے ہی ہیں اصل علاج یہی ہے۔

غرض خدا تعالیٰ سے جو ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ میں یہ باتیں کس طرح لوگوں کے دلوں میں ڈال دوں کیونکہ یہ آسمانی اور روحانی باتیں ہیں اور زمینی لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ ابھی یہ عذاب ختم ہونے والا نہیں ہے جب تک لوگ اپنی اصلاح نہ کریں۔ خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوتا رہے گا۔ خیال ان ظاہری حیلوں سے کچھ نہیں بنتا خواہ چوہوں کو مارا جائے خواہ مچھروں کو اور خواہ کوؤں کو۔ جب تک کہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف نہ جھکیں گے ان پر کس طرح رحم ہو سکے گا۔

ایک گاؤں کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بالکل ویران ہو گیا۔ پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون نے بعض جگہ شہروں کے شہر بالکل ویران کر دیئے اور جب سب آدمی مر گئے۔ تب یہ بیماری جانوروں پر پڑی اور جب وہ بھی مر گئے تو پھر جنگل کے سانپوں پر پڑی اور وہ ہلاک ہو کر بالکل ویرانہ رہ گیا۔ صدہا کوس تک آبادی کا نام و نشان مٹ گیا۔ خدا تعالیٰ کے رحم کے سوائے کہیں گذارہ نہیں۔ جو لوگ دردِ دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن پر اپنا رحم کرتا ہے اور ان کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلایا گیا ہے کہ ابھی بیماری اس سے بھی سخت پڑنے والی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ سال وہ سختی آوے یا درمیان میں ایک سال نرم ہو کر پھر سختی دکھاوے بہر حال آئندہ آنے والا طاعون گذشتہ سے بہت ہی سخت ہے اور ایسا ہی مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ایک سخت زلزلہ ابھی آنے والا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں کو ان باتوں کی طرف خیال نہیں کہ خدا تعالیٰ کا عذاب کس طرح بھڑک رہا ہے۔ باوجود اس کے فریب اور چالبازیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ دُنیا کی حرکت بے انتہائی کی طرف ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے تحصیلدار صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے آپ کے واسطے مکان کا عمدہ انتظام کیا اور ان کی شرافت کی تعریف کی۔

خواب کے متعلق ایک نکتہ

مرزا اکبر بیگ صاحب نے حضرت کی خدمت میں اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں ایک عمدہ خواب دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایک شخص محمد حسین نے فوراً جگا دیا۔

حضرت نے فرمایا کہ :۔
جگانے والے کا وجود بھی خواب کا ایک جزو ہوتا ہے اور اس کے نام میں اس خواب کے متعلق تعبیر ہوتی ہے۔
فرمایا:۔
اگر خدا تعالیٰ کا منشا نہ ہو تو کوئی جگا بھی نہیں سکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔

تندرستی ہزار نعمت ہے

مخدومی اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب بھی گیارہ بجے کی گاڑی پر شملہ سے بٹالہ پہنچ گئے تھے اور قادیان جانے کو تیار تھے لیکن ایک آدمی نے سٹیشن پر اُن کو اطلاع کر دی تھی کہ حضرت صاحب اسی جگہ ہیں۔ وہ بھی حضرت کی خدمت میں تیسرے پہر تک حاضر رہے اور پھر لاہور چلے گئے۔ شیخ صاحب موصوف ولایت کا ذکر کرتے تھے کہ وہاں بعض چشمے ایسے عمدہ ہوتے ہیں اور سمندر کے کنارے بعض جگہ ایسی عمدہ ہوتی ہیں کہ چند روز اگر لوگ وہاں جا کر رہیں تو صحت بہت عمدہ حالت میں ہو جاتی ہے۔
حضرت نے فرمایا کہ :۔
صحت عمدہ شئے ہے تمام کاروبار دینی اور دنیاوی صحت پر موقوف ہیں۔ صحت نہ ہو تو عمر ضائع ہو جاتی ہے[1]

۲۱ر جولائی ۱۹۰۷ء

آخری فیصلہ

ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت کے متعلق جو الہام شائع کیا ہے اس کا ذکر تھا۔
حضرت نے فرمایا کہ :۔
یہ آخری مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اب آخری فیصلہ کی تقریب پیدا کر دی ہے۔ براہین احمدیہ کے آخر میں وحی الٰہی درج ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح: ۲) وہ یہی فتح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ایسے امور ظاہر کریگا کہ لوگ سمجھ لیں گے کہ اب آخری فیصلہ ہے۔
ایک دوست نے عرض کی کہ حضور کا ایک پرانا الہام ہے لَا تَنْقَطِعُ اِلَّا عِدَاءُ اِلَّا بِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ترجمہ :۔ دشمن نہیں منقطع ہوں گے مگر ان میں سے ایک کی موت کے ساتھ۔
فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ مورخہ ۱۸ر جولائی ۱۹۰۷ء

ہاں یہ پُرانا الہام ہے ہمیں اس وقت یاد نہیں کہ یہ الہام کہیں چھپ چکا ہے یا نہیں۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت

فرمایا:۔
پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہوئے تھے۔ مگر جھوٹا ہمیشہ بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ سچا پہلے ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر اُس کی ریس کر کے جھوٹے بھی نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے دعوے سے پہلے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی نے اس طرح خدا تعالیٰ سے الہام پاکر مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ مگر ہمارے دعویٰ کے بعد چراغ دین اور عبدالحکیم اور کئی دوسرے ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔

اپنے بھائی کو حقارت سے نہ دیکھو اس کیلئے دُعا کرو

حضرت کی خدمت میں ایک شخص کا خط پیش ہوا کہ میں کئی جگہ گیا تھا اور میں نے آپ کی جماعت کے آدمیوں کو نماز کی بروقت پابندی میں اور باہمی اخوت کے شرائط کی پابندی میں قاصر پایا۔

فرمایا:۔
اصلاح ہمیشہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ بعض مستعجل لوگ ہیں جو نکتہ چینی پر جلدی کرتے ہیں اخلاص اور ثباتِ قدم خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے اور اس سلسلہ میں داخل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے داخلہ کے فضل کی توفیق پائی اور ثباتِ قدم اور اخلاص کی توفیق کے حاصل کرنے کے واسطے ہنوز وہ منتظر ہیں۔ ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی حالت کو دیکھے۔ کیا وہ جس دن اس سلسلہ میں داخل ہوا اس دن اس کی حالت وہ تھی جو آج اس کی ہے۔ ہر ایک آدمی رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے اور کمزوریاں آہستہ آہستہ دُور ہو جاتی ہیں گھبرانا نہیں چاہیئے اور اصلاح کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنے بھائی کو حقارت سے نہ دیکھو بلکہ اس کے واسطے دُعا کرو۔ اس کیساتھ لڑائی نہ کرو بلکہ اس کی اصلاح کی فکر کرو۔

اپنی موت کو یاد رکھو

ایک شخص نے عرض کی کہ مجھے نماز میں لذت نہیں آتی۔ فرمایا کہ:۔
موت کو یاد رکھو۔ یہی سب سے عمدہ نسخہ ہے۔ دنیا میں انسان جو گناہ کرتا ہے اس کی اصل جڑ یہی ہے کہ اُس نے موت کو بُھلا دیا ہے۔ جو شخص موت کو یاد رکھتا ہے وہ دنیا کی باتوں میں بہت تستی نہیں پاتا۔ لیکن جو شخص موت کو بُھلا دیتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کے اندر طولِ اَمل پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ لمبی لمبی امیدوں کے منصوبے اپنے دل میں باندھتا ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ جب کشتی میں کوئی بیٹھا ہو اور کشتی

غرق ہونے لگے تو اس وقت دل کی کیا حالت ہوتی ہے۔ کیا ایسے وقت میں انسان گناہگاری کے خیالات دل میں لا سکتا ہے؟ ایسا ہی زلزلہ اور طاعون کے وقت میں چونکہ موت سامنے آجاتی ہے اس واسطے گناہ نہیں کر سکتا اور نہ بدی کی طرف اپنے خیالات کو دوڑا سکتا ہے۔ پس اپنی موت کو یاد رکھو۔

خدا تعالیٰ کا سلام

ایک دوست نے عرض کی کہ مخالفین نے ہم کو سلام کہنا چھوڑ دیا۔

فرمایا:۔

تم نے اُن کے سلام سے کیا حاصل کر لینا ہے۔ سلام تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ خدا تعالیٰ کا سلام وہ ہے جس نے ابراہیمؑ کو آگ سے سلامت رکھا۔ جس کو خدا کی طرف سے سلام نہ ہو بندے اس پر ہزار سلام کریں اس کے واسطے کسی کام نہیں آسکتے۔ قرآن شریف میں آیا ہے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یٰسٓ: ۵۹)

ایک دفعہ ہم کو کثرتِ پیشاب کے باعث بہت تکلیف تھی۔ ہم نے دُعا کی۔ الہام ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

اسی وقت تمام بیماری جاتی رہی۔ سلام وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ باقی سب رسمی سلام ہیں۔

حدیث کی اہمیت

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں ایک فقہی مسئلہ پیش کر کے درخواست کی کہ اس کا جواب صرف قرآن شریف سے پیش کیا جاوے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

متقی کے واسطے مناسب ہے کہ اس قسم کا خیال دل میں نہ لاوے کہ حدیث کوئی چیز نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمل تھا وہ گویا قرآن کے مطابق نہ تھا۔ آجکل کے زمانہ میں مُرتد ہونے کے قریب جو خیالات پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے ایک خیال حدیث شریف کی تحقیر کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کاروبار قرآن شریف کے ماتحت تھے۔ اگر قرآن شریف کے واسطے معلّم کی ضرورت نہ ہوتی تو قرآن رسُول پر کیوں اُترتا۔ یہ لوگ بہت بے ادب ہیں کہ ہر ایک اپنے آپ کو رسول کا درجہ دیتا ہے اور ہر ایک اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہے کہ قرآن شریف اسی پر نازل ہوا ہے۔ یہ بڑی گستاخی ہے کہ ایک چکڑالوی مولوی جو معنے قرآن کے کرے اس کو مانا جاتا ہے اور قبول کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے رسول پر جو معنے نازل ہوئے اُن کو نہیں دیکھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو انسانوں کو اس امر کا محتاج پیدا کیا ہے کہ ان کے درمیان کوئی رسُول مامُور مجدّد ہو۔ مگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ہر ایک رسول ہے اور اپنے آپ کو غنی اور غیر محتاج قرار دیتے ہیں۔ یہ سخت گناہ ہے۔ ایک بچہ محتاج ہے کہ وہ اپنے والدین وغیرہ سے تکلّم سیکھے اور بولنے لگے۔ پھر اُستاد کے پاس بیٹھ کر سبق پڑھے۔ جائے استاد خالی است۔

پکڑالوی لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ کیا قرآن محتاج ہے۔ اے نادانو! کیا تم بھی محتاج نہیں؟ اور خدا تعالےٰ کی ذات کی طرح بے احتیاج ہو۔ قرآن تمہارا محتاج نہیں پر تم محتاج ہو کہ قرآن کو پڑھو سمجھو اور سیکھو۔ جبکہ دُنیا کے معمولی کاموں کے واسطے تم اُستاد پکڑتے ہو تو قرآن شریف کے واسطے اُستاد کی ضرورت کیوں نہیں؟ کیا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی قرآن پڑھنے لگے گا؟ بہرحال معلّم کی ضرورت ہے۔ جب مسجد کا مُلّاں ہمارا معلّم ہو سکتا ہے تو کیا وہ نہیں ہو سکتا جس پر خود قرآن شریف نازل ہوا ہے۔ دیکھو قانون سرکاری ہے اس کے سمجھنے اور سمجھانے کے واسطے بھی آدمی مقرر ہیں حالانکہ اس میں کوئی ایسے معارف اور حقائق نہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں ہیں۔ یاد رکھو کہ سارے انوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہیں۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے انکو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بجز نورِ اتباع خدا تعالیٰ کو بھی پہچاننا مشکل ہے۔ شیطان شیطان اسی واسطے ہے کہ اس کو نورِ اتباع حاصل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سیٹھ سال دُنیا میں رہے۔ متقی کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس بات کو محبت کی نگاہ سے دیکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریق عمل تھا۔[1]

۲۵ر جولائی ۱۹۰۷ء

آجکل کے فقیر اور فقراء

فرمایا:-

مَیں تعجب کرتا ہوں کہ آجکل بہت لوگ فقیر بنتے ہیں مگر سوائے نفس پرستی کے اور کوئی غرض اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اصل دین سے بالکل الگ ہیں جس دُنیا کے پیچھے عوام لگے ہوئے ہیں اسی دُنیا کے پیچھے وہ بھی خراب ہو رہے ہیں۔ توجہ اور دم کشی اور منتر جنتر اور دیگر ایسے امور کو اپنی عبادت میں شامل کرتے ہیں جن کا عبادت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ صرف دُنیا پرستی کی باتیں ہیں اور ایک ہندو کافر اور ایک مشرک عیسائی بھی ان ریاضتوں اور ان کی مشق میں ان کے ساتھ شامل ہو سکتا بلکہ اُن سے بڑھ سکتا ہے اصل فقیر تو وہ ہے جو دنیا کی اغراضِ فاسدہ سے بالکل الگ ہو جائے اور اپنے واسطے ایک تلخ زندگی قبول کرے تب اس کو حالتِ عرفان حاصل ہوتی ہے اور وہ ایک قوتِ ایمانی کو پاتا ہے۔ آجکل کے پیرزادے اور سجادہ نشین نماز جو اعلیٰ عبادت ہے اس کی تو پروا نہیں کرتے یا ایسی جلدی جلدی ادا کرتے ہیں جیسے کہ کوئی بیگار کاٹنی ہوتی ہے، اور اپنے اوقات کو خود تراشیدہ عبادتوں میں لگاتے ہیں جو خدا اور رسُول نے نہیں فرمائیں۔ ایک ذکر اَرّہ بنایا ہوا ہے جس سے انسان کے پھیپھڑے کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ بعض آدمی ایسی مشقوں سے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ ان کو جاہل لوگ ولی سمجھنے لگ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۶ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۷ء

جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی جو راہیں خود ہی مقرر فرمادی ہیں وہ کچھ کم نہیں۔ خدا تعالیٰ ان باتوں سے راضی ہوتا ہے کہ انسان عفت اور پرہیزگاری اختیار کرے۔ صدق وصفا کے ساتھ اپنے خدا کی طرف جھکے۔ دنیوی کدورتوں سے الگ ہو کر تبتل الی اللہ اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر اختیار حاصل ہے۔ خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے۔ نماز انسان کو منزہ بنا دیتی ہے۔ نماز کے علاوہ اُٹھتے بیٹھتے اپنا دھیان خدا تعالیٰ کی طرف رکھے یہی اصل مدعا ہے جس کو قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اسکی قدرتوں میں فکر کرتے ہیں۔ ذکر اور فکر ہر دو عبادت میں شامل ہیں۔ فکر کے ساتھ شکر گذاری کا مادہ بڑھتا ہے۔ انسان سوچے اور غور کرے کہ زمین اور آسمان، ہوا اور بادل، سورج اور چاند، ستارے اور سیارے، سب انسان کے فائدے کے واسطے خدا تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ فکر معرفت کو بڑھاتا ہے۔

غرض ہر وقت خدا کی یاد میں اس کے نیک بندے مصروف رہتے ہیں۔ اسی پر کسی نے کہا کہ جو دم غافل سو دم کافر۔ آجکل کے لوگوں میں صبر نہیں۔ جو اس طرف جھکتے ہیں وہ بھی ایسے مستعجل ہوتے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر ایک دم میں سب کچھ بنا دیا جائے اور قرآن شریف کی طرف دھیان نہیں کرتے کہ اس میں لکھا ہے کہ کوشش اور محنت کرنے والوں کو ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تمام تعلق مجاہدہ پر موقوف ہے۔ جب انسان پوری توجہ کیساتھ دعا میں مصروف ہوتا ہے تو اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ آستانہ الٰہی پر آگے سے آگے بڑھتا ہے تب وہ فرشتوں کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے۔

ہمارے فقراء نے بہت سی بدعتیں اپنے اندر داخل کر لی ہیں۔ بعض نے ہندوؤں کے منتر بھی یاد کئے ہوئے ہیں اور ان کو بھی مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ ہمارے بھائی صاحب کو ورزش کا شوق تھا۔ اُن کے پاس ایک پہلوان آیا تھا۔ جاتے ہوئے اُس نے ہمارے بھائی صاحب کو الگ لیجا کر کہا کہ میں ایک عجیب تحفہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو بہت ہی قیمتی ہے۔ یہ کہکر اُس نے ایک منتر پڑھ کر اُن کو سُنایا اور کہا کہ یہ منتر ایسا پُر تاثیر ہے کہ اگر ایک دفعہ صبح کے وقت اس کو پڑھ لیا جاوے تو پھر سارا دن نہ نماز کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ وضو کی ضرورت۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے کلام کی ہتک کرتے ہیں۔ وہ پاک کلام جس میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۳) کا وعدہ دیا گیا ہے خود اسی کو چھوڑ کر دوسری طرف بھٹکتے پھرتے ہیں۔ انسان کے ایمان میں ترقی تب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فرمودہ پر چلے اور خدا پر اپنے توکل کو قائم کرے۔ ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو دیکھا کہ وہ کھجوریں جمع کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کس لیے ایسا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ کل کے لیے جمع کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا توکل کے خدا پر ایمان نہیں رکھتا؟ لیکن یہ بات بلالؓ کو فرمائی ہر کسی کو نہیں فرمائی۔ اور ہر ایک کو وعظ اور نصیحت اس کی برداشت کے مطابق کیا جاتا ہے۔

بہترین ریاضت

ایک شخص نے عرض کی کہ میں پہلے فقراء کے پاس پھرتا رہا اور کئی طرح کی مشکل ریاضتیں انہوں نے مجھ سے کرائیں۔ اب میں نے آپ کی بیعت کی ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

فرمایا:-

نئے سرے سے قرآن شریف کو پڑھو اور اس کے معانی پر خوب غور کرو۔ نماز کو دل لگا کر پڑھو اور احکام شریعت پر عمل کرو۔ انسان کا کام یہی ہے۔ آگے پھر خدا کے کام شروع ہو جاتے ہیں۔ جو شخص عاجزی سے خدا تعالیٰ کی رضا کو طلب کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے۔

اختلافِ فقہاء

فرمایا:-

آجکل علماء کے درمیان باہم مسائل میں اس قدر اختلاف ہے کہ ہر ایک مسئلہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ لاہور میں ایک طبیب غلام دستگیر نام تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مریضوں اور اس کے لواحقین کی اس ملک میں رسم ہے کہ وہ طبیب سے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ دوا گرم ہے یا سرد؟ تو میں نے اس کے جواب میں ایک بات رکھی ہوئی ہے۔ میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ اختلاف ہے۔ اوّل تو اس اختلاف کے سبب کئی فرقے ہیں۔ پھر مثلاً ایک فرقہ حنفیوں کا ہے ان میں آپس میں اختلاف ہے۔ پھر خود امام ابو حنیفہؒ کے اقوال میں اختلاف ہے۔

آجکل کے پیر

فرمایا:-

آجکل کے پیر اکثر فاحشہ عورتوں کو مُرید بناتے ہیں بعض ہندوؤں کے پیر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی بدکرداریوں پر اور اپنے کُفر پر برابر قائم رہتے ہیں۔ صرف پیر کو چندہ دے کر وہ مُرید بن سکتے ہیں۔ اعمال خواہ کیسے ہی ہوں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کو بھی مُرید بنا سکتے تھے وہ اپنے بُتوں کی پرستش بھی کرتا رہتا اور اس قدر لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہ پڑتی مگر یہ باتیں بالکل گناہ ہیں[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۳ مورخہ یکم اگست ۱۹۰۷ء و الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۸ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ[1]

حج کیلئے نہ جانے کی وجہ

ایک شخص نے عرض کی کہ مخالف مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب حج کو کیوں نہیں جاتے ؟

فرمایا :-

یہ لوگ شرارت کے ساتھ ایسا اعتراض کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے۔ صرف دو دن کا راستہ مدینہ اور مکہ میں تھا مگر آپ نے دس سال میں کوئی حج نہ کیا۔ حالانکہ آپ سواری وغیرہ کا انتظام کر سکتے تھے۔ لیکن حج کے واسطے صرف یہی شرط نہیں کہ انسان کے پاس کافی مال ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو۔ وہاں تک پہنچنے اور امن کے ساتھ حج ادا کرنے کے وسائل موجود ہوں۔ جب وحشی طبع علماء اس جگہ ہم پر قتل کا فتویٰ لگا رہے ہیں اور گورنمنٹ کا بھی خوف نہیں کرتے تو وہاں یہ لوگ کیا نہ کریں گے۔ لیکن ان لوگوں کو اس امر سے کیا غرض ہے کہ ہم حج نہیں کرتے۔ کیا اگر ہم حج کریں گے تو وہ ہم کو مسلمان سمجھ لیں گے ؟ اور ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے ؟ اچھا یہ تمام مسلمان علماء اوّل ایک اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ہم حج کر آویں تو وہ سب کے سب ہمارے ہاتھ پر توبہ کر کے ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے اور ہمارے مُرید ہو جائیں گے۔ اگر وہ ایسا لکھ دیں اور اقرار علنی کریں تو ہم حج کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے اسباب آسانی کے پیدا کر دے گا تاکہ آئندہ مولویوں کا فتنہ رفع ہو۔ ناحق شرارت کے ساتھ اعتراض کرنا اچھا نہیں ہے۔ یہ اعتراض ان کا ہم پر نہیں پڑتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پڑتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف آخری سال میں حج کیا تھا۔

توکّل

فرمایا :-

توکل کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی طرف جُھکنے والے کبھی ضائع نہیں ہوتے۔ جو آدمی صرف اپنی کوششوں میں رہتا ہے اس کو سوائے ذلت کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہمیشہ سے سنّت اللہ یہی چلی آتی ہے کہ جو لوگ دنیا کو چھوڑتے ہیں وہ اس کو پاتے ہیں اور جو اس کے پیچھے دوڑے ہیں وہ اس سے محروم رہتے ہیں جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے وہ اگر چند روز مکر و فریب سے کچھ حاصل بھی کریں تو وہ لاحاصل ہے کیونکہ آخر اُن کو سخت ناکامی دیکھنی پڑتی ہے۔ اسلام میں عمدہ لوگ وہی گذرے ہیں جنہوں نے دین کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ پروا نہ کی۔ ہندوستان میں قطب الدینؒ اور معین الدینؒ خدا کے اولیاء گذرے ہیں۔ ان لوگوں نے

---

[1] اس ڈائری پر کوئی تاریخ تو درج نہیں لیکن اندازاً جولائی ۱۹۰۷ء کی کسی تاریخ کے یہ ملفوظات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

پوشیدہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی مگر خدا تعالیٰ نے ان کی حرمت کو ظاہر کر دیا۔

ہم نے بٹالہ میں ایک بیرزادہ کو دیکھا کہ وہ اپنی ذہین کے مقدمات کے واسطے غبار آلودہ ہوا کسی ڈپٹی کے پیچھے پھرتا تھا۔ میں حیران ہوا کہ اگر اس شخص میں سچی نیکی ہوتی اور یہ خدا تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہوتا تو ایسے مکدرات میں کیوں گرتا۔

مذہب فروشی سکھانے والے پادری

ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ دیسی عیسائی ہے اور مسلمان ہونا چاہتا ہے مگر روپیہ مانگتا ہے یا تنخواہ مانگتا ہے حالانکہ یہ بات کچھ نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

پادریوں نے ہندوستانیوں کے اخلاق خراب کر دیئے ہیں اور ان کو مذہب فروش بنا دیا ہے کئی عیسائی دیکھے ہیں کہ وہ ہندوؤں یا مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان یا ہندو ہونے کے واسطے تیار ہیں لیکن عیسائی لوگ ہم کو اس قدر تنخواہ دیتے ہیں تم کیا تنخواہ دو گے؟ جدھر سے زیادہ تنخواہ کی امید ہو اُدھر ہی جُھک پڑتے ہیں اور لبا اوقات کبھی اِدھر سے اور کبھی اُدھر سے بطور نیلام کے اپنی قیمت کے بڑھانے میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ بداخلاقی ہندوستان میں پادریوں نے ہی پھیلائی ہے ورنہ ان سے پہلے ہندوستانی لوگ مذہب کے معاملہ میں ایسے رذیل اخلاق رکھنے والے نہ تھے۔

آدمیوں کو چاہیئے کہ جب ایک مذہب کو سچا سمجھ کر قبول کرے تو پھر اس پر استقامت دکھلائے۔ خدا تعالیٰ رازق ہے وہ خود تمام سامان مہیا کر دے گا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو پھر اس کو موت کی پروا نہیں رہتی اور نہ اُسے خدا تعالیٰ ضائع کرتا ہے۔ اندرونی تقویٰ اور طہارت کا خیال کرنا چاہیئے۔ جن لوگوں کے دل اور دماغ میں صرف دنیا ہی رہ جاتی ہے وہ کس کام کے آدمی ہیں۔ جو لوگ سچے دل کے ساتھ خلوصِ نیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کی دستگیری کرتا ہے۔ اس قسم کے عیسائی نومسلموں کی نسبت تو ہم نے ان لوگوں کو بہت ثابت قدم دیکھا ہے جو ہندوؤں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں جیسا کہ شیخ عبدالرحیم ہیں۔ سردار فضل حق ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب، شیخ عبدالعزیز صاحب ہیں۔ ان لوگوں نے اسلام کی خاطر بہت دُکھ اُٹھائے مگر اپنے ایمان پر قائم رہے۔ جب سردار فضل حق صاحب مسلمان ہوئے تو اُن کو قتل کرنے کے واسطے کئی سکھ یہاں آئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو بچایا اور سردار صاحب نے کسی کا خوف نہ کیا۔ ایسا ہی شیخ عبدالرحیم صاحب کے چہرے سے نیک بختی کے آثار نمایاں ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو ایک دفعہ اُن کے رشتہ دار دھوکے سے لے گئے تھے اور وہاں

لے جاکر اُن کو قید کر دیا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو بچا لیا اور خود بخود وہاں چلے آئے۔

برخلاف اس کے عیسائیوں کا مذہب عموماً تنخواہ پر ہے۔ اگر آج ان کو موقوف کر دیا جائے تو بس ساتھ ہی ان کی عیسائیت بھی موقوف ہو جائے۔ امرت سر میں ایک پادری رجب علی تھا۔ وہ کئی مرتبہ مسلمانوں میں آکر ملتا تھا۔ پھر عیسائی ہو جاتا تھا۔ عیسائی ہونے کی حالت میں اس کا ایک اخبار نکلتا تھا۔ عیسائیوں سے کچھ ناراض تھا۔ ان دنوں میں ایک گرجا پر بجلی گری تھی۔ اس خبر کو اپنے اخبار میں درج کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ گرجے پر بجلی گرنا دو اسباب سے خالی نہیں۔ یا تو اس کا سبب یہ ہوا ہے کہ روح القدس کو مصالحہ بہت لگ گیا تھا اور اس نے گرجے پر اُتر کر گرجے کو جلا دیا۔ اور اگر یہ سبب نہیں تو پھر یہ سبب ہے کہ میری آہ گرجے پر پڑی ہے اور اس نے گرجا کو جلا دیا ہے۔ اکثر اس قسم کے عیسائی دہریہ اور کینہ طبع ہوتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے کفارہ نے ایسی بے قیدی کر دی ہے کہ جو گناہ چاہو کرلو سزا تو یسوع بھگتے گا۔ اسی واسطے ضرب المثل ہو گئی ہے کہ ؎

عیسائی باش ہر چہ خواہی کُن

کیونکہ اگر زنا اور شراب حرام ہے تو پھر کفارہ سے فائدہ کیا؟ کفارے کا یہی تو فائدہ ہے کہ اس نے معافی کی ایک راہ کھول دی ہے۔ اگر عیسائی بھی گناہ کرنے سے پکڑا جاتا ہے جیسا کہ غیر عیسائی پکڑا جاتا ہے تو پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اور کسی کو عیسائی بننے سے فائدہ کیا حاصل ہوا؟

یکم اگست ۱۹۰۷ء

صادق کا دعویٰ پہلے ہوتا ہے اور کاذب کا بعد میں

تازہ الہام الٰہی اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ

اِھَانَتَکَ کا ذکر تھا۔

فرمایا کہ:-

قریب العہد اہانت کرنے والا تو ڈاکٹر عبدالحکیم ہے جس نے بہت اہانت کے لفظوں میں ایک خط لکھا ہے اور ہماری موت کے متعلق پیشگوئی کی ہے۔ یہ وحیٔ الٰہی پہلے بھی بہت بار نازل ہو چکی ہے۔ مگر ہر بار اس کا شانِ نزول جدید ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مخالفت سے رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ ضرور تھا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تاکہ صادق

لے بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۸ مورخہ ۸ اگست ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۱۰-۱۱ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۷ء

اور کاذب کے درمیان ایک فرق ہو جائے۔ سب انبیاء کے وقتوں میں ایسے مخالف ہوتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسے آدمی موجود تھے۔ مگر اس قسم کے لوگ ہمیشہ بعد میں آتے ہیں۔ شروع میں صادق ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ اس میں خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ اچھی طرح سے شائع نہ ہو گیا۔ تب تک کوئی ایسا آدمی پیدا نہ ہوا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تاکہ کوئی ایسا نہ کہہ سکے کہ اس شخص نے فلاں شخص کی دیکھا دیکھی دعویٰ نبوت کر دیا ہے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں مطلق خاموشی تھی۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ سے وحی پانے کا اور مسیح موعود ہونے کا مدعی نہ تھا ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے ہم پر اپنی وحی نازل کر کے ہمیں مسیح موعود بنایا۔ یہ امر بھی مناہج نبوت میں داخل ہے کہ صادق کا دعویٰ اوّل ہو اور کاذب پیچھے ہوں۔ اور لوگوں کی بے خبری کے علاوہ ہم تو خود بھی بے خبر تھے۔ اپنے طور پر میری عادت تھی کہ غیر مذاہب کے برخلاف اخبارات میں مضامین دیتا تھا اور اسلام کی صداقت کے ظہور میں کوشاں رہتا تھا۔ ان ایام میں ایک عیسائی کا اخبار سفیر ہند نام نکلا کرتا تھا اور ایک برہمو دن کا رسالہ بنام برادر ہند شائع ہوتا تھا۔ ان ہر دو میں بعض مضامین میں نے لکھے تھے مگر ان مضامین میں ہمارا مطلب صرف عقلی دلائل کے پیش کرنے کا ہوتا تھا اور وحی الٰہی اور نشانات کے دکھانے کا کوئی خیال نہ تھا۔ دو جلدیں براہین احمدیہ کی میں لکھ چکا تھا اور اس وقت تک مجھے خبر نہ تھی جبکہ یکدفعہ یہ الہام ہوا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اسی براہین احمدیہ میں ہم نے یہ الہام بھی درج کیا ہے کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ اور اسی میں ہم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق اپنا وہی عقیدہ پیش کیا ہے جو پرانا عقیدہ تھا کہ مسیح آسمان پر ہے۔ اس سے دیکھنے والے کے واسطے یہ امر ظاہر ہے کہ اگر ہم تصنع اور بناوٹ سے کوئی کام کرتے اور افتراء کے ساتھ یہ باتیں بناتے تو ہم ایسا کیوں کرتے۔ جو شخص افتراء کرنے لگتا ہے وہ تو اوّل ہی سب پہلو سوچ لیتا ہے۔ اس میں بھی خدا تعالیٰ کی ایک مصلحت تھی کہ ہم نے ایسا لکھ دیا تاکہ ہماری سچائی پر ایک دلیل قائم ہو جائے۔ پہلے سے ہی براہین کے اندر ایک تناقض ہو گیا۔ اور ہم خود بھی اس تناقض کو نہ سمجھ سکے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک بڑی حکمت تھی۔

نشانات کا ظہور

فرمایا:۔

گذشتہ دنوں میں خدا تعالیٰ بہت سے نشانات دکھا چکا ہے جن میں سے بعض کتاب حقیقۃ الوحی میں بھی درج ہو چکے ہیں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کسی اور نشان کی تیاری ہو رہی ہے تاکہ ایمانداروں کے ایمان اور قوی ہو جاویں۔ ہر ایک نشان جو ظاہر ہوتا ہے اس سے لوگوں کے ایمان قوی ہوتے ہیں کیونکہ نشان کے ذریعہ سے ایک انکشافِ تام ہو جاتا ہے جب آدمی اچھی طرح سے معلوم کر لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ

کس بات میں راضی ہے اور کس دین کے حق میں وہ اپنے نشانات زبردست دکھاتا ہے۔ تب انسان اس دین کو سچے دل سے قبول کرتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کی خاطر ہر ایک تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے نشانات کے ذریعہ تکمیلِ ایمان ہوتی ہے۔ جماعت کے واسطے خدا تعالیٰ نے یہ ایک عمدہ راہ نکالی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی فرمائی ہوئی باتیں پوری ہوتی ہیں تو دل کو سرور اور خوشی ہوتی ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کے فضل سے سیراب ہو جاتا ہے اور اس کا یقین بڑھتا ہے کہ اس سلسلہ کے اختیار کرنے میں مَیں نے کوئی غلطی نہیں کھائی۔ مگر یہ مت خیال کرو کہ غلطی کے نہ کھانے میں تمہاری کوئی بہادری ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ تم نے غلطی نہیں کھائی ورنہ بڑے بڑے فاضل اور مولوی لوگ اس جگہ ٹھوکر کھا گئے ہیں[1]

اگست ۱۹۰۷ء[2]

ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ مَیں ایک گاؤں میں دوکان پر گڑ شکر بیچتا ہوں۔ بعض دفعہ لڑکے یا زمینداروں کے مزدور اور خادم چاکر کپاس یا گندم یا ایسی شئے لاتے ہیں اور اس کے عوض میں سودا لے جاتے ہیں جیسا کہ دیہات میں عموماً دستور ہوتا ہے لیکن بعض لڑکے یا چاکر مالک سے چوری ایسی شئے لاتے ہیں۔ کیا اس صورت میں ان کو سودا دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:۔

جب کسی شئے کے متعلق یقین ہو کہ یہ مالِ مسروقہ ہے تو پھر اس کا لینا جائز نہیں لیکن خواہ مخواہ اپنے آپ کو بدظنی میں ڈالنا امرِ فاسد ہے۔ ایسی باتوں میں تفتیش کرنا اور خواہ مخواہ لوگوں کو چور ثابت کرنا دوکاندار کا کام نہیں۔ اگر دوکاندار ایسی تحقیقاتوں میں لگے گا تو پھر دوکانداری کس وقت کرے گا؟ ہر ایک کے واسطے تفتیش کرنا منع ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو۔ بہتر تھا ایک گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے۔ حکم کی تعمیل ہو جاتی۔ انہوں نے خواہ مخواہ اور باتیں پوچھنی شروع کیں کہ وہ کیسی گائے ہے اور کیا رنگ ہے اور اس طرح کے سوال کر کے اپنے آپ کو اور دقت میں ڈال دیا۔ بہت مسائل پوچھتے رہنا اور باریکیاں نکالتے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۸ اگست ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۷ء

[2] اس ڈائری پر صرف اگست ۱۹۰۷ء لکھا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ ملفوظات ۶ تا ۸ اگست کی کسی تاریخ کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

رہنا اچھا نہیں ہوتا[1]

---

۶ راگست ۱۹۰۷ء

کھانا کھلانے کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی شخص حضرت سید عبدالقادر کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا پکا کر کھلا دے تو کیا یہ جائز ہے؟

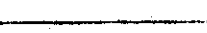
حضرت نے فرمایا کہ:۔

طعام کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔ گذشتہ بزرگوں کو ثواب پہنچانے کی خاطر اگر طعام پکا کر کھلایا جائے تو یہ جائز ہے لیکن ہر ایک امر نیت پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کے کھانے کے واسطے کوئی خاص تاریخ مقرر کرے اور ایسا کھانا کھلانے کو اپنے لیے قاضی الحاجات خیال کرے تو یہ ایک بُت ہے اور ایسے کھانے کا لینا دینا سب حرام ہے اور شرک میں داخل ہے۔ پھر تاریخ کی تعیین میں بھی نیت کا دیکھنا ہی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ملازم ہے اور اُسے مثلاً جمعہ کے دن ہی رخصت مِل سکتی ہے تو حرج نہیں کہ وہ اپنے ایسے کاموں کے واسطے جمعہ کا دن مقرر کرے۔ غرض جب تک کوئی ایسا فعل نہ ہو جس میں شرک پایا جائے صرف کسی کو ثواب پہنچانے کی خاطر طعام کھلانا جائز ہے۔

قرآنِ شریف کے اوراق کا ادب

ایک شخص نے عرض کی کہ قرآنِ شریف کے بوسیدہ اوراق کو اگر بے ادبی سے بچانے کے واسطے جلا دیا جائے تو کیا جائز ہے؟ فرمایا:۔

جائز ہے حضرت عثمانؓ نے بھی بعض اوراق جلائے تھے۔ نیت پر موقوف ہے[2]



---

[1] [2] بدر جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ مورخہ ۸ راگست ۱۹۰۷ء

۱۵ر اگست ۱۹۰۷ء

(بعد از نماز ظہر)

سچے سلسلہ کی مخالفت اسکی صداقت کا نشان ہے

ایک شخص نور محمد نامی نے بیعت کے واسطے عرض کی۔ فرمایا:۔

عصر کے وقت کر لینا

عصر کے وقت جب حضرت تشریف لائے تو وہ شخص بیعت کیلئے آگے بڑھا۔ حضرت نے فرمایا:۔

جس جس نے بیعت کرنی ہے آجاؤ

چونکہ جگہ تنگ اور لوگ زیادہ تھے حضرت نے فرمایا:۔

تم لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دو

بیعت کے بعد حضرت نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

کیا آپ ملتان سے آئے ہیں؟

شخص: حضور ملتان سے

حضرت: خاص ملتان گھر ہے یا گرد و نواح میں؟

شخص: حضور امیر پور ایک گاؤں تحصیل کبیر والہ میں ہے۔ وہاں بڑے بھاری مخالف ہیں۔

حضرت: اس طرف بھی بارش ہوئی ہے؟

شخص: حضور اس طرف کم بارش ہوئی ہے۔

حضرت: اس طرف بارش ہمیشہ کم ہی ہوا کرتی ہے۔ اس طرف لوگوں کی صحت تو اچھی ہوگی۔ کوئی بیماری تو نہیں ہوگی۔

شخص: بیماری کم ہی ہے۔

حضرت: اس طرف تو سلسلہ کی مخالفت کثرت سے نہیں؟

شخص: بہت لوگ مخالف ہیں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

عادت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جس سلسلہ کو خدا تعالیٰ خود قائم کرتا ہے اس کی سب سے زیادہ مخالفت ہوتی ہے جس سلسلہ کی مخالفت نہ ہو یا اگر ہو بھی تو بہت کم ہو وہ سلسلہ سچا سلسلہ نہیں ہوتا۔ سچے سلسلہ کی سچائی کا ایک بڑا نشان یہ بھی ہے کہ اس کی بہت مخالفت ہو۔ دیکھو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا تو کمبخت مخالفوں

نے بہت شور مچایا اور بڑی مخالفت کی۔ مگر جب مسیلمہ کذاب نے دعویٰ کیا تو سب آپس میں مل جل گئے۔ کسی نے مخالفت نہ کی۔ وجہ یہ ہے کہ شیطان جھوٹے کا دشمن نہیں ہوتا۔ سچے کی مخالفت میں سب اپنا زور لگاتا ہے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بیگانے سب دشمن ہوگئے۔ کیا عالم اور کیا جاہل سب کے سب مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ یہانتک کہ جن کو دین سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا وہ بھی دشمن ہوگئے۔

آجکل بھی یہی حال ہے۔ ہر ایک نے مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے جرائم پیشہ اور بدکار لوگ ہماری مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو دنیا طلبی کی ہی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور بھولے سے بھی کبھی دین کا نام نہیں لیتے۔ ہر وقت زمینداری اور ملازمت میں ہی مست رہتے ہیں اور دین کی ذرہ بھی پروا نہیں کرتے اور مذہب سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے۔ وہ ہماری مخالفت کرتے اور ہمارا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر تمام دُنیا سے بدتر ہوں تو میں ہی ہوں۔ سو ایسے لوگوں کا فیصلہ تو اب خدا خود کرے گا۔ ایسوں کو کیا جواب دیا جاوے ان کا فیصلہ تو خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بہت گندوں اور شرارتوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف اشارات ہی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایسے لوگوں کی بابت لکھا ہے کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہتے تھے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو شور ڈالا کرو اور تالیاں بجایا کرو اور پھر بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کی نسبت اللہ کریم فرماتا ہے وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرہ: ۱۵) اور ایسے لوگ بہت پائے جاتے تھے جو دوسروں کو کہتے تھے کہ جھوٹے طور پر بیعت کر آؤ اور پھر کہو کہ ہم سب کچھ دیکھ آئے ہیں کوئی بات نہیں وہ تو دکانداری ہے اور پھر مُرتد ہو جاؤ اور پھر ایسے لوگوں کو جو بیعت کر کے پھر جاتے تھے، پیش کر کے کہتے تھے کہ دیکھو یہ تجربہ کار لوگ ہیں مُرتد ہوگئے ہیں۔ یہ محض جھوٹا سلسلہ ہے ایسا ہی چند آدمیوں نے ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے۔ پہلے جھوٹے طور پر یہاں آکر بیعت کی۔ پھر بعد ازاں یہاں سے جا کر چھپوا دیا کہ ہم سب کچھ دیکھ آئے ہیں کچھ بھی نہیں۔ ہم بھی مُرید ہوئے سب پتہ لیا محض دھوکہ بازی ہے۔ بیوقوف اتنا نہیں جانتے کہ آخر کار کام تو وہی ہو کر رہے گا جو ارادۂ الٰہی میں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ جہاں ہماری مخالفت میں زیادہ شور اُٹھا ہے وہاں ہی زیادہ جماعت تیار ہوئی ہے۔ جہاں مخالفت کم ہے وہاں ہماری جماعت بھی کم ہے۔

ایک شخص نے سلسلۂ تقریر میں عرض کی کہ اگر کوئی حقیقۃ الوحی کو خدا کے خوف سے پڑھے تو ضرور مان لیوے۔

حضرت نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کا خوف ان میں رہا ہی کہاں ہے۔ خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا تو ہماری مخالفت ہی کیوں کرتے۔ خدا تعالیٰ نے اتمامِ حجت کر دی۔ ہماری تائید میں بڑے بڑے نشان دکھائے گئے۔ مگر ان لوگوں کا کیا کیا جاوے۔ اتنے نشانات

ہیں کسی کی نظیر تو پیش کریں اور نشان جانے دو۔ ان سے کوئی پوچھے کہ چھبیس ستائیس سال ہمیں دعویٰ کئے گذر گئے اور ہزاروں نشانات ہماری تائید میں ظاہر ہوئے۔ کسی ایسے جھوٹے کی نظیر تو پیش کرو جس نے خدا تعالےٰ پر افترا کیا ہو اور اتنی مہلت اور نشانات اس کی تائید میں دکھائے گئے ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اس کے مخالف ہلاک تباہ اور ذلیل کر دیئے ہوں۔ حالانکہ خدا جانتا تھا کہ وہ مفتری ہے۔ بھلا کوئی نظیر تو دو۔ سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ جب کوئی خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے تو عبدالحکیم وغیرہ کی طرح بعض لوگ الہام کے دعویدار بن بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی رسول ہیں۔ مگر ایسے دعویٰ کرنے والے ہمیشہ بعد میں ہوتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ کیا۔ اور اُس کی اچھی طرح سے شہرت ہو گئی تب مسیلمہ کذاب وغیرہ نے بھی دعویٰ کر دیا۔ ایسا ہی ہمیں بھی چھبیس ستائیس برس دعویٰ کئے گذر گئے تو ان لوگوں کو بھی دعوے یاد آ گئے۔

سچے مدعی کی نشانی

مگر یاد رکھو کہ سچے کی نشانی یہ بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے دعویٰ کرتا ہے وہ کسی کی ریس نہیں کرتا۔ ابوسفیان وغیرہ جب کفر کے زمانہ میں قیصر کے پاس گئے تو اُس نے اُن سے یہی پوچھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی کسی نے دعویٰ کیا ہوا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ تب اُس نے کہا کہ اگر اس سے پہلے کوئی دعویٰ کرنے والا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ ریس کرتا ہے۔ ابتداءً دعویٰ کرنا یہ سچے کی شناخت پر ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔ دیکھو چھبیس ستائیس برس گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں تو ایک بچہ بھی پیدا ہو کر باپ بن سکتا ہے[1]

---

۱۷ اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

نئے نشانات کا ظہور

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔
آج رات کے دو بجے الہام ہوا تھا

اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاقِعٌ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پیشگوئی واقع ہونے والی ہے۔ دو تین ماہ میں کوئی نہ کوئی نشان ظہور میں آجاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کے خاتمہ کے دن قریب ہیں کیونکہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں نئے نئے نشانات ظہور

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء

میں آئیں گے اور جیسے تسبیح کا دھاگا توڑ دیا جاوے تو دانے پر دانہ گرتا ہے ویسے ہی نشان پر نشان ظاہر ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کوئی سال اب خالی نہیں جاتا۔ دو چار مہینہ میں کوئی نہ کوئی نشان ضرور واقع ہو جاتا ہے۔ تمام نبیوں نے اس بات کو مان لیا ہے کہ جس زور سے آخری زمانہ میں نشانات کا نزول ہوگا اس سے پہلے ویسا کبھی نہیں ہوا ہوگا۔

مخالفت ہمارے لیے مفید ہے

فرمایا:۔

مخالفوں کا انکار ہمارے واسطے بہتر ہے کیونکہ جتنی گرمی زور سے پڑتی ہے اتنی ہی بارش زور سے ہوتی ہے جس قدر مخالفوں میں تپش بڑھتی جائے گی اتنے ہی نشانات بارش کی طرح برستے جائیں گے۔[1]

۱۸ر اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

مخالف ہمیں منہاجِ نبوت پر پرکھیں

کسی شخص کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

مجوسیوں یہودیوں اور نصرانیوں نے یہی تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کئے تھے جس طرح سے لوگ انبیاء پر اعتراض کرتے رہے ہیں اور خدا تعالیٰ آخر اُن کے جواب دیتا رہا ہے اسی طرح کے جواب ہم سے بھی لو۔ ان کو چاہیئے کہ ہم پر کوئی ایسا اعتراض کریں جو کسی پہلے نبی پر نہ ہو سکتا ہو۔ چاہیئے کہ منہاجِ نبوت پر ہمیں پرکھ لیں۔

آتھم کی پیشگوئی

آتھم کی نسبت اعتراض کرتے ہیں۔ مگر ان کو خیال کرنا چاہیئے کہ جب اسے کہا گیا تھا کہ چونکہ تم نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہا ہے اس لیے تمہاری نسبت یہ پیشگوئی کی گئی ہے۔ تو یہ بات سُنکر اُس نے سر ہلایا اور کہا کہ نہیں جی، نہیں جی۔ مَیں نے تو نہیں کہا اور زبان نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑا انکار کیا۔ اور اکثر روتا رہتا تھا اور اِدھر اُدھر اس طرح پھرتا رہتا تھا جیسے کسی کو قُطب کی بیماری ہو جاتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ مخالف کی بات کا اس قدر اثر پڑ جانا کہ اکثر اوقات روتے رہنا کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ اس نے رجُوع کیا تھا۔ ساٹھ ستر آدمیوں کے سامنے اس نے زبان نکالی

---

[1] (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۷ء

اور کانوں پر ہاتھ رکھ کر دجال کہنے سے رجوع کیا تھا۔

لیکھرام کی پیشگوئی

لیکھرام کی نسبت چھ برس کی پیشگوئی تھی۔ پانچ برس اس نے شوخی سے گذارے اور میری نسبت پیشگوئی بھی کی کہ تم تین سال کے اندر ہیضہ سے مرجاؤ گے چونکہ اس نے بہت شوخی کی تھی اس لیے وہ مہلت بھی اس کے لیے کم دی گئی اور پانچ برس کے اندر ہی ہلاک ہوگیا اور یہ ایک جلالی رنگ کی پیشگوئی تھی مگر آتھم نے چونکہ انکساری اختیار کی تھی اس لیے خوف اور رجوع کے سبب اس کی میعاد بڑھ گئی۔ اور یہ ایک جمالی رنگ کی پیشگوئی تھی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی بے باکی

عبدالحکیم کی شوخی اور بے باکی پر حضرت نے فرمایا کہ:۔
ہزاروں لوگ خود پسندی اور رعونت کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی دلیر ہوگیا ہے اور حد سے بڑھ گیا ہے۔ جتنی گالیاں انسان سوچ سکتا ہے وہ سب اُس نے ہمیں دی ہیں۔ اس کے رُوبرو بڑے بڑے نشانات خدا تعالیٰ نے دکھائے۔ اُس نے خود بھی تصدیق کی بیس برس تک یہ ہمارا مصدق رہا۔ اس کے خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہوسکتی ہے۔ ہم نے اُسے نصیحت کی اور اس کی غلطی سے اُسے متنبہ کیا۔ مگر اس نے بُرا منایا۔ آخر اس کا یہ مرض بڑھتا گیا اور تکبر پیدا ہوتا گیا۔ شیطان بھی تو تکبر کی وجہ سے ہی ہلاک کیا گیا تھا۔ اس کو چاہیئے تھا کہ جب ہم نے روکا تھا تو خود قادیان میں آجاتا۔ ہماری صحبت سے فائدہ اُٹھاتا اور اپنے وساوس کو انکساری سے پیش کرتا۔ ایسے گندے نبیوں کے ذریعہ سے ہی دُور ہوسکتے ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ نبیوں کی اتباع کی ضرورت نہیں خاکساری کے ساتھ آتا۔ ہم دُعا بھی کرتے اور اس کے وساوس کا جواب بھی دے دیتے۔ اس نے اپنا ایک خواب بھی چھپوایا تھا کہ جس میں یہ ایک شخص کو کہتا ہے کہ مرزا صاحب نے میرا نام بیعت سے کاٹ دیا ہے۔ اب اگر اس کے دل میں واقعی اعتراض تھے تو اس کو خود الگ ہونا چاہیئے تھا نہ کہ ہم خود کاٹتے۔ اگر وہ ہمارے سلسلہ کو بُرا سمجھ کر چھوڑ دیتا۔ پھر تو ایک بات تھی مگر ہم نے اُس کو خود جماعت سے کاٹ دیا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں مانتا ہے کہ انہوں نے خود میرا نام بیعت سے کاٹ دیا۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء

۱۹ر اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

الہام

"آید آں روزے کہ مستخلص شود"

طبابت ایک ظنّی علم ہے

طبیبوں کے علاج اور بعض بیماریوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

اکثر طبیبوں کا یہ کام ہے کہ جب انہیں مایوسی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور بظاہر نظر کامیابی کی راہیں مسدود نظر آتی ہیں تو کہدیا کرتے ہیں کہ یہ خاص خاص شبہات پیدا ہو گئے تھے ورنہ یہ ہوتا تو ٹھیک تھا۔ یہ بات نہیں ہوگی وہ نہیں ہوگی۔ ایسا کرنا چاہیئے تھا ویسا کرنا چاہیئے تھا مگر یہ سب باتیں توحید کے برخلاف ہیں۔ اگر طبیب سے غلطی ہو گئی ہے یا کامیابی نہیں ہوگی تو پھر کیا ہوا۔ اس کا کام تو صرف ہمدردی کرنا تھا تقدیر کا مقابلہ نہ کرنا تھا۔

ایک طبیب کا ذکر ہے کہ وہ قبرستان کو جاتے وقت بُرقع پہن لیا کرتے تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ طبیب نے جواب دیا کہ یہ سب آدمی میری دوائیوں سے ہی ہلاک ہوئے تھے۔

سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ کام تو وہ خود کرتا ہے مگر اپنی حکمت سے اسباب کا ایک سلسلہ بھی قائم کر دیا ہوا ہے۔ پنجابی میں ایک مثل ہے کہ "مارے آپ تے نام دھرایا "تاپ" عجیب بات ہے کہ کل بگڑتی کی بگڑتی چلی جاتی ہے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ ہوتا کیا ہے۔ کوئی دعویٰ کرنے کا امکان نہیں۔ دیکھو جہاں پیچ پڑنا ہوتا ہے وہاں بے اختیار خود بخود صورت بگڑتی جاتی ہے۔ ایک مرض کا علاج کرو تو ساتھ ہی تے کے ذریعہ سے یا کسی اور وجہ سے کئی مرضیں اور پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر جہاں آرام آنا ہوتا ہے تو صرف عورتوں کے سولف اجوائن بانٹنے سے بھی آرام ہو جاتا ہے اور خود بخود سب علاج کر لیتی ہیں۔ طبابت ایک ظنّی علم ہے۔ دعویٰ کا کوئی امکان نہیں۔ جب بیماری بڑھتی ہو تو علاج کرتے کرتے بھی بڑھتی جاتی ہے۔ مرنا برحق ہے اور ایک دن موت ضرور آکر رہے گی حدیث شریف میں آیا ہے کہ خوش قسمت انسان وہ ہے جو نیک اعمال کر کے مرے۔ عمر کا کیا ہے۔ ساٹھ برس جئیں خواہ سو برس، آخر موت برحق ہے۔

جنون کا مرض

حضرت حکیم الامت نے ایک خط پڑھ کر سنایا جس میں ایک شخص کی بیماری کی نسبت بعض باتیں درج تھیں اور دُعا کیلئے حضرت اقدس

کی خدمت میں بھی التجا کی ہوئی تھی۔

اس پر حضرت نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ یہ مرض جنون کی نہایت خطرناک ہے۔

حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ حضور انبیاء نے بھی یہ دُعا مانگی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ ..... الخ

بوقتِ عصر

طاعون

موسمی تغیر و تبدل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں طاعون کا ذکر چل پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اب کی دفعہ طاعون بہت کم پڑے گی کیونکہ زور بہت ہو گیا ہے اور چوہے بھی بہت مارے گئے ہیں۔ ان کی ایسی رایوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا جس کی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا (بنی اسرائیل: ۵۹) مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲) معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس جگہ ڈاکٹروں اور مدبروں کو ہرا دے۔

دُمدار ستارہ کا طلوع

آجکل دُمدار ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک شخص سے حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ:۔

کیا آپ نے بھی دُمدار ستارے دیکھے ہیں

اس نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو ابھی نہیں دیکھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ضرور دیکھنا۔ آج ہی دیکھنا وہ ایک نہیں ہے دو ہیں۔ میں نے بھی دیکھے تھے۔ ایک چھوٹا ہے اور ایک بڑا ہے۔ تین بجے سے دکھائی دینا شروع ہوتا ہے۔ مفسروں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب بہت ستارے ٹوٹے تھے تو اس سے کچھ عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ جو ستارے وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اثر زمین پر ضرور ہوتا ہے۔ میرے دعویٰ سے پہلے اس قدر ستارے ٹوٹے تھے کہ ایسی کثرت آگے کبھی نہیں ہوتی تھی۔ میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ ستاروں کی آپس میں ایک قسم کی لڑائی ہوتی تھی۔ کوئی سو دو سو ایک طرف تھے اور سو دو سو ایک طرف تھے۔ ہمارے لیے گویا وہ ایک پیش خیمہ تھے۔ اِس طرف سے اُس طرف نکل جاتے تھے اور اُس طرف

سے اِس طرف نکل جاتے تھے۔ میرے خیال میں تو کسوف خسوف کا بھی خاص اثر زمین پر ہوتا ہے۔ دُمدار ستارے کا پیدا ہونا ایک خارقِ عادت امر ہے۔ آسمان پر اس کا ظاہر ہونا ظاہر کرتا ہے کہ زمین پر بھی ضرور کوئی خارقِ عادت امر ظاہر ہوگا۔ یہ زمین کے لیے شہادتیں ہوتی ہیں۔ آئندہ زمین پر جو خارقِ عادت نشان ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں اُنکے لیے یہ پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اس طرف ہمیں الہام بھی ہو رہے ہیں کہ آئندہ خارقِ عادت نشان ظاہر ہونے والے ہیں اور کل جو مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے اور سر پر آگیا ہے۔ مَیں نے خیال کیا تھا کہ ضرور اس کی کوئی تعبیر ہوگی۔ ذوالسنین ستارہ کی نسبت جب نکلا تھا تو انگریزی اخبار والوں نے لکھا تھا کہ یہ وہی ستارہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں طلوع ہوا تھا۔

فرمایا:-

بعض منذر الہام اور خواب ہوتے ہیں۔ اُن سے ڈر ہی لگ جاتا ہے۔

اپنے محبّین کیلئے دُعا

فرمایا کہ:-

مولوی صاحبؓ کے واسطے دُعا کرتے کرتے یہانتک اثر ہوا کہ ہمیں خود بھی دست لگ گئے۔[1]

---

۲۰ اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

امانت داری

مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کیا کہ ایک شخص نے لکھا ہے کہ میں نے حضورؑ کی خدمت میں دو روپیہ نقد اور ایک طلائی ڈنڈی بھیجی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ:-

ہاں پہنچ گئی ہے اور روپے بھی مل گئے ہیں مگر ہم نے تو امانتاً رکھدی ہے کیونکہ معلوم نہیں اس نے کس لیے بھیجی ہے کچھ لکھا نہیں۔

اس پر مفتی صاحب نے عرض کیا کہ اس نے لکھا ہے جہاں حضرت پسند فرمائیں خرچ کریں۔

---

[1] یعنی حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ (مرتب)

[2] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۴ - ۵ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء

اولاد کیلئے باپ کی دُعا

فرمایا:۔
باپ کی دُعا اپنی اولاد کے لیے منظور ہوتی ہے۔

سید کیلئے زکوٰۃ

سوال ہوا کہ غریب سید ہو تو کیا وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہوتا ہے؟ فرمایا:۔
اصل میں منع ہے۔ اگر اضطراری حالت ہو۔ فاقہ پر فاقہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں جائز ہے اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ (الانعام: ۱۲۰) حدیث سے فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ دینی چاہیئے اگر سید کو اور قسم کا رزق آتا ہو تو اُسے زکوٰۃ لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے[1]

۲۱ر اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

طاعون کا نشان

فرمایا:۔
امریکہ کے ایک بڑے حصہ میں بڑی تیزی سے طاعون شروع ہو گئی ہے۔ ایسا ہی یورپ کے بعض حصوں کی نسبت بھی لکھا ہے۔ اصل میں یہ دونو ملک آپس میں بہت آمد و رفت رکھتے ہیں۔ ایک ہی طرح کا لباس ہے۔ ایک ہی بولی ہے اور تقریباً ایک ہی طرح کی سردی ہے۔ اخبار والوں نے بڑا خطرہ ظاہر کیا ہے کہ چونکہ یہ ملک سرد ہے اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ بیماری زیادہ تباہی لاوے۔
ہماری پیشگوئی میں یورپ بھی ہے اور کابل بھی ہے۔ سُنا گیا ہے کہ کابل میں ہیضہ ہے۔ مگر اس سے کچھ نہیں ہوتا یہ کوئی عذاب نہیں ہے۔ پوری خبر تو طاعون ہی لیتی ہے۔ دیکھو ابھی اس بیماری کا نام و نشان بھی نہ تھا تو میں نے اشتہار شائع کرا دیا تھا کہ پنجاب میں طاعون کے پودے لگائے گئے ہیں۔ ثناء اللہ کو بھی یہ اشتہار پہنچ گیا تھا۔ تاریخ کو دیکھ لو۔ ایک طرف طاعون کی آمد کی تاریخ اور دوسری طرف اشتہار کے طبع ہونے کی تاریخ موجود ہے۔ اب گیارہ سال سے تباہی شروع ہے۔ کیا یہ انسانی کوشش اور طاقت کا کام ہے کہ اتنے بڑے واقعہ کی قبل از وقت خبر دیدے اب یورپ۔ کابل وغیرہ کی باری آئی ہے مگر پھرے گی سارے جہان میں۔ اللہ کریم فرماتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا (بنی اسرائیل: ۵۹)

---

[1] (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۰ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۷ء

اس کے یہی معنے ہیں کہ طاعون آخری زمانہ میں تمام جہان میں دورہ کرے گی۔ اور حدیث شریف میں لکھا ہے کہ اگر کسی گھر میں دس آدمی ہوں گے تو سات مر جائیں گے اور تین بچے رہیں گے اور یہ مہدی کی علامات میں سے ہے کہ اس کی مخالفت سے سخت طاعون پڑے گی۔

عجیب بات ہے کہ خسوف کسوف کے رمضان میں واقع ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یہ ایک خارقِ عادت امر ہے پھر یہ زلزلے اور طاعون بھی خارق عادت امور ہیں۔ مگر نہیں سوچتے اور نشان پر نشان مانگتے ہیں۔ یہ اُن کے لیے اچھے تو نہیں ہوں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نشان جب آئیں گے تو پھر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔

(پھر لیکھرام کے نشان کا ذکر فرماتے رہے)

حکومت سے تعاون

قیصر کی چٹھی متعلقہ طاعون کا ذکر کر کے حضور نے فرمایا:۔

ہم نے ایک اعلان کے ذریعہ لکھ دیا ہے کہ ایسے امور میں گورنمنٹ کو ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہیں۔ ہم اپنی جماعت کو بھی یہی تاکید کریں گے کہ وہ خاص احتیاط کرے اور گورنمنٹ کی ہدایت کے بموجب جب ضرورت پڑے باہر کھلے میدانوں اور کھلی ہوا میں چلی جاوے۔ ہماری تمام جماعت ایسے امور میں گورنمنٹ کو خاص امداد دے گی کیونکہ وہ گورنمنٹ کی خیر خواہی کو مذہبی فرض سمجھتی ہے۔

اپنی حفاظت کیلئے حکومت کو توجہ دلائی جائے

ایک معزز خادم نے عرض کی کہ پشاور جیسے سرحدی مقام پر کیا کیا جاوے کیونکہ وہاں تو لوگ قتل سے نہیں ڈرتے۔ وہ انجام کو نہیں سوچتے۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل ہو جاتے ہیں ایک شخص نے ڈیڑھ روپیہ قرضہ دینا تھا۔ اس پر یہاں تک نوبت پہنچی کہ تین آدمی قتل ہو گئے اور قاتل علاقہ غیر میں بھاگ گئے۔

ان باتوں کو سُنکر فرمایا:۔

ایسے مقامات پر گورنمنٹ کو توجہ دلائی جاوے تو وہ ہماری جماعت کی طرف خاص توجہ کرے گی اور حفاظت کے سامان بہم پہنچاوے گی۔ کیونکہ یہ بالکل سچ ہے کہ بعض اضلاع میں لوگ ڈاکہ کے عادی ہیں اور ہماری جماعت سے بھی خاص دشمنی رکھتے ہیں اس لیے خاص طور پر گورنمنٹ کو حفاظت کا انتظام کرنا چاہیئے۔ ہم گورنمنٹ کی ہدایتوں پر عمل کرنے کو تیار ہیں مگر ایسے خطرناک مقامات کے لیے ہم یہ ضرور کہیں گے کہ چونکہ ڈاکو لوگ مخالف مولویوں کے

بھڑکانے سے اور بھی تکلیف دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اس لیے گورنمنٹ کو حفاظت کا پورا انتظام کرنا چاہیئے۔ ایسے موقعہ پر کافی اور مسلح پہرہ اگر ہو تو خطرہ دُور ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر طاعون نے نہ مارا تو ڈاکوؤں نے مار دیا[1]

---

۱۳ اگست ۱۹۰۷ء

ادائیگی قرض کی اہمیت

ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ ایک دوسرے شخص کی امانت جو اس کے پاس جمع تھی لے کر کہیں چلا گیا ہے۔

فرمایا:۔

ادائے قرضہ اور امانت کی واپسی میں بہت کم لوگ صادق نکلتے ہیں اور لوگ اس کی پروا نہیں کرتے حالانکہ یہ نہایت ضروری امر ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس پر قرضہ ہوتا تھا۔ دیکھا جاتا ہے کہ جس التجا اور خلوص کے ساتھ لوگ قرض لیتے ہیں۔ اسی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ واپس نہیں کرتے بلکہ واپسی کے وقت ضرور کچھ نہ کچھ تنگی ترشی واقع ہو جاتی ہے۔ ایمان کی سچائی اسی سے پہچانی جاتی ہے[2]

---

۲۳ اگست ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

ڈاکٹر عبدالحکیم کا دعویٰ مسیحیت

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مُرتد کی مسیحیت کا ذکر تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہمارا نام وہ دجّال رکھتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بیس برس تک دجّال ہی کا مصدق رہا ہے اور اسی کا ماتحت رہا ہے۔ بھلا کوئی دنیا میں ایسا بھی مسیح گذرا ہے جو بیس سال تک دجّال کے ماتحت رہا ہو۔

ایک ہندو نے عبدالحکیم کی نسبت لکھا ہے کہ جن کی وہ بیعت ہے ان کی زبان سے تو کوئی گندہ لفظ تک نہیں نکلا مگر یہ بڑا کمبخت ہے کہ جس کی بیس برس تک بیعت میں رہا ہے اسکو گالی نکالتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۰۷ء

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۶ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

اس سوال کا جواب سُننے کا مجھے بہت شوق ہے کہ وہ کیسا مسیح ہے جو بیس برس تک دجّال کے ماتحت رہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سچا بھی تھا مسیح بھی تھا اور رسُول بھی تھا مگر بیس برس تک دجّال کی بیعت رہا۔ اس کا مصدق رہا اس کی تائید میں سچی خوابیں رؤیا اور الہامات بھی سُناتا رہا۔

ایک شخص کی بابت کسی کو لکھتا ہے کہ مجھے یہ خواب آئی ہے کہ یہ شخص طاعون سے ہلاک ہوگا کیونکہ یہ سچے مسیح کا منکر ہے اور پھر اس خواب کے سچا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اس پر ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اس کے دل میں تو یہ بات ہوگی کہ آپ ہی حقیقت میں سچے مسیح ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

دل مسخ ہوگیا ہے مسیلمہ کذاب کی طرح پہلے مانا پھر انکار کر دیا۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (البقرۃ:۸) کے بھی یہی معنے ہیں مسیلمہ کذاب کی تو پہلے نظیر بھی موجود تھی مگر اس کی تو نظیر بھی کوئی نہیں[1]

بلا تاریخ

بسم اللہ کی رسم ایک شخص نے بذریعہ تحریر عرض کی کہ ہمارے ہاں رسم ہے کہ جب بچے کو بسم اللہ کرائی جاوے تو بچے کو تعلیم دینے والے مولوی کو ایک عدد تختی چاندی یا سونے کی اور قلم و دوات چاندی یا سونے کی دیجاتی ہے۔ اگرچہ میں ایک غریب آدمی ہوں مگر چاہتا ہوں کہ یہ اشیاء اپنے بچے کی بسم اللہ پر آپ کی خدمت میں ارسال کروں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا :۔

تختی اور قلم و دوات سونے یا چاندی کی دینا یہ سب بدعتیں ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیئے اور باوجود غربت کے اور کم جائیداد ہونے کے اس قدر اسراف اختیار کرنا سخت گناہ ہے۔

جماعتِ جمعہ سوال پیش ہوا کہ نماز جمعہ کے واسطے اگر کسی جگہ صرف ایک دو مرد احمدی ہوں اور کچھ عورتیں ہوں تو کیا یہ جائز ہے کہ عورتوں کو جماعت میں شامل کر کے نمازِ جمعہ ادا کی جائے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۱ صفحہ ۱۳ مورخہ ۳۱ راگست ۱۹۰۷ء نیز بدر جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۶ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

حضرت نے فرمایا کہ: جائز ہے۔

دریائی جانوروں کی حلّت کا اُصول

سوال پیش ہوا کہ دریائی جانور حلال ہیں یا نہیں؟

فرمایا:۔

دریائی جانور بے شمار ہیں۔ ان کے واسطے ایک ہی قاعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں فرما دیا ہے کہ جو ان میں سے کھانے میں طیّب، پاکیزہ اور مفید ہوں اُن کو کھالو دوسروں کو مت کھاؤ۔

ناول نویسی و ناول خوانی

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک سوال پیش ہوا کہ ناولوں کا لکھنا اور پڑھنا کیسا ہے؟

فرمایا کہ:۔

ناولوں کے متعلق وہی حکم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کے متعلق فرمایا ہے کہ حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور قبیح قبیح ہے۔ اعمال نیت پر موقوف ہیں مثنوی مولوی رُومی میں جو قصے لکھے ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں اور اصل واقعات نہیں ہیں۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمثیلوں سے بہت کام لیتے تھے۔ یہ بھی ایک قسم کے ناول ہیں جو ناول نیّتِ صالح سے لکھے جاتے ہیں۔ زبان عمدہ ہوتی ہے نتیجہ نصیحت آمیز ہوتا ہے اور بہر حال مفید ہیں اُن کے حسبِ ضرورت لکھنے پڑھنے میں گناہ نہیں[1]

بلا تاریخ

صحیح عہد

فرمایا:۔

صحیح عہد وہ ہوتا ہے کہ عہد کرنے سے پہلے طرفین نے قلبِ صافی کے ساتھ تمام معاملات ایک دوسرے کو سمجھا دیئے ہوں اور کوئی بات ایسی درمیان میں پوشیدہ نہ رکھی ہو جو کہ اگر ظاہر کی جاتی تو دوسرا آدمی اس عہد کو منظور نہ کرتا۔ ہر ایک عہد جائز نہیں ہوتا کہ اس کو پورا کیا جاوے بلکہ بعض عہد ایسے ناجائز ہوتے ہیں کہ اُن کا توڑنا ضروری ہوتا ہے ورنہ انسان کے دین میں سخت حرج واقعہ ہوتا ہے۔

کامل تزکیۂ نفس

فرمایا:۔

پورے طور پر تزکیہ نفس تھوڑے ہی شخصوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اکثر لوگ جو نیک

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۳ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

ہوتے ہیں وہ بسبب کمزوری کے کچھ نہ کچھ خرابی اپنے اندر رکھتے ہیں اور ان کے دین میں کوئی حصہ دنیوی ملونی کا بھی ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے سارے امور میں صاف ہو اور ہر بات میں پوری طرح تزکیہ نفس رکھتا ہو وہ ایک قطب اور غوث بن جاتا ہے۔

آپ نے ایک مشہور مولوی کا نام لیا اور فرمایا کہ :۔

وہ ایک رسالہ ماہواری نکالتا تھا۔ ایک دفعہ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا یہ خدمت رسالہ کی خالصۃً اللہ کے واسطے ہے یا اس میں کچھ ملونی دُنیا کی بھی ہے؟ ان دنوں میں اس کے دل کی حالت کچھ اچھی تھی۔ اس نے صفائی سے کہہ دیا کہ یہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہے بلکہ اس میں دُنیا کی ملونی بھی ہے۔ اگر کوئی فعل انسان خاص خدا کے لیے کرے تو وہ انسان کو یکدفعہ آسمان پر لے جاتا ہے۔

براہین کا اشتہار صدقِ نیت سے تھا

فرمایا :۔

جبکہ ہم نے براہین کا اشتہار دیا کہ اگر کوئی ان دلائل کو توڑے تو اس کو ہم دس ہزار روپیہ دیں گے تو یہ اشتہار صدقِ نیت سے تھا۔ ہم نے اتنا ہی روپیہ لکھا تھا جتنا کہ ہم دے سکتے تھے اور یہی اس وقت ہمارے پاس جمع ہو سکتا تھا۔ صرف اسلام کی محبت کے واسطے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قائم کرنے کی خاطر ہم نے ایسی کتاب لکھی اور اس کے ساتھ اتنا اشتہار دیا ورنہ ہم کو ہرگز وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہم اس کے ذریعہ سے کوئی روپیہ کمائیں اور کسی قسم کی دنیوی ملونی اس میں نہ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں دس ہزار چھوڑ کر ایک روپیہ بھی نہ دینا پڑا بلکہ کئی دس ہزار روپیہ اس کے بعد ہمارے پاس آیا۔ یہ خلوصِ نیت کا نتیجہ تھا۔

مثالی طبیب

ایک بیمار جو کہ باہر سے حضرت مولوی نورالدین صاحب کے پاس معالجہ کے واسطے آیا تھا۔ حضرت کی خدمت میں بھی سلام کے واسطے حاضر ہوا۔

حضرت نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ :۔

مولوی صاحب کا وجود از بس غنیمت ہے۔ آپ کی تشخیص بہت اعلیٰ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بیمار کے واسطے دُعا بھی کرتے ہیں۔ ایسے طبیب ہر جگہ کہاں مل سکتے ہیں؟

گوشت خوری کا جواز

مذکورہ بالا بیمار ہندو تھا حضرت نے اس سے دریافت کیا کہ :۔

آپ لوگ گوشت کھایا کرتے ہیں؟

اس نے عرض کی کہ ہاں میں کھایا کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

ایسی بیماریوں میں قوت کے قائم رکھنے کے واسطے گوشت کی یخنی مفید ہوتی ہے اور وہ لوگ بے وقوف ہیں

جو کہتے ہیں کہ گوشت حرام ہے۔ طبیب اور ڈاکٹر لوگ جانتے ہیں کہ انسان کے واسطے گوشت کی خوراک کیسی مفید ہے کس قدر انسانی ضرورتیں ہیں جو شن گوشت کے ہیں۔ اگر جانوروں پر رحم کے یہ معنے ہیں کہ گوشت حرام کیا جاوے تو پھر تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو حرام کرنا پڑے گا۔ اوّل تو دودھ کو ہی حرام کرنا چاہیئے کیونکہ یہ جانوروں کے بچوں کی خوراک ہے۔ پھر ریشم کو لو جو کیڑوں کو مارنے سے نکلتا ہے۔ پھر شہد کو دیکھو جو ہزارہا مکھیوں سے چھین کر انسان اپنے مُنہ میں ڈالی لیتا ہے۔ حالانکہ مکھی ایک غریب اور چھوٹا سا جانور ہے۔ پھر کستوری کو دیکھو جو آریوں اور ہندوؤں کی عبادت میں مانند شہد کے استعمال ہوتی ہے وہ ایک ہرن کو مار کر اس کی ناف میں سے نکالی جاتی ہے۔ پھر موتی کو لو جن کے تاجر سب ہندو ہی چلے آتے ہیں۔ وہ بھی جانور کو مار کر اس کے پیٹ میں سے نکالا جاتا ہے۔ پھر انسان اپنے پاؤں کی جُوتی کو ہی دیکھے کہ وہ کس سے بنتی ہے غرض کس کس چیز کو دیکھا جاوے۔ کیا لباس انسانی، کیا خوراک انسانی، کیا دیگر ضروریات سب میں اس قسم کی اشیاء ہیں جو کسی جاندار کے مارنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں بعض انسانوں کو ایسی بیماری ہوتی ہے کہ اُن کے ناک میں کیڑے پڑ جاتے ہیں لاچرم ان کیڑوں کو مارنا پڑتا ہے۔ بعض آدمیوں کے زخموں میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو زخم کے اندر ایسی دوائی ڈالی جاتی ہے جس سے وہ کیڑے مر جاویں۔ ایام وبا میں جب کنوئیں کے پانی میں کیڑے ہو جاتے ہیں تو کنوئیں کے اندر دوائی ڈال دی جاتی ہے تاکہ وہ کیڑے مر جاویں۔ کس کس شئے کا ذکر کیا جائے ہندوؤں کے بڑے بڑے بزرگ راجہ رام چندر وغیرہ سب شکار کھیلتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کی رعایت رکھ کر دیکھنا چاہیئے کہ آیا بغیر اس کے انسان کا گذارہ چل سکتا ہے؟

ایمان میں عورتوں کی مسابقت

فرمایا:۔

بہت عورتیں گھر میں آکر بیعت کرتی ہیں۔ ان کے نام مبائعین کے درمیان لکھنے کا تا حال کوئی انتظام نہیں ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض عورتیں بسبب اپنی قوتِ ایمانی کے مردوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ فضیلت کے متعلق مردوں کا ٹھیکہ نہیں جس میں ایمان زیادہ ہو وہ بڑھ گیا۔ خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو۔

خدا تعالیٰ کو مقدم رکھیں

ایک دوست جو باوجود ایک لمبی رُخصت لینے کے قادیان نہ آسکے تھے کیونکہ وہ ایک عمارت بنوا رہے ہیں۔ ایک دو روز کے واسطے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کسی نے عرض کی کہ ان کی رخصت لمبی ہے ان کو قادیان رہنا چاہیئے۔

فرمایا:۔

ایک پنجابی ضرب المثل ہے کہ ؎

یا تُوں لوڑ مقدمیں یا اللہ نوں لوڑ

یعنی یا تو انسان خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو یا دنیاوی دھندے مثلاً مقدمہ بازی وغیرہ میں لگے۔ ایک طرف کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ دو طرفہ چلنا مشکل ہے۔

سلسلہ کے کارکنان کی صفات

اس امر کا ذکر تھا کہ سلسلہ حقہ کے واسطے واعظ مقرر کئے جاویں جو مختلف شہروں اور گاؤں میں جا کر وعظ بھی کریں

اسلام کے واسطے چندے بھی جمع کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

جب تک کسی میں تین صفتیں نہ ہوں وہ اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کے سپرد کوئی کام کیا جائے۔ اور وہ صفتیں یہ ہیں۔ دیانت۔ محنت۔ علم۔ جب تک کہ یہ تینوں صفتیں موجود نہ ہوں۔ تب تک انسان کسی کام کے لائق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص دیانتدار اور محنتی بھی ہو لیکن جس کام میں اس کو لگایا گیا ہے۔ اس فن کے مطابق علم اور ہنر نہیں رکھتا۔ تو وہ اپنے کام کو کس طرح سے پورا کر سکے گا۔ اور اگر علم رکھتا ہے، محنت بھی کرتا ہے دیانتدار نہیں تو ایسا آدمی بھی رکھنے کے لائق نہیں۔ اور اگر علم و ہنر بھی رکھتا ہے۔ اپنے کام میں خوب لائق ہے اور دیانت دار بھی ہے مگر محنت نہیں کرتا تو اس کا کام بھی ہمیشہ خراب رہے گا۔ غرض ہر سہ صفات کا ہونا ضروری ہے۔

فرمایا :۔

کارکن آدمی ہر جگہ جماعت کے اندر مل سکتے ہیں ایسے لوگوں کو ذاتی اخراجات کے واسطے جو کچھ دیا جاوے وہ بھی ناگوار نہیں گذرتا خواہ وہ معمولی واعظ کی تنخواہ سے زیادہ ہو کیونکہ کارکن کو جو کچھ دیا جائے وہ ٹھکانے پر لگتا ہے اس میں کوئی اسراف نہیں۔

سیکھوانی برادران

سیکھوانی برادران میاں جمال الدین، میاں امام الدین، میاں خیر الدین صاحبان کا ایک دوست نے ذکر کیا کہ وہ بھی اس کام کے واسطے رکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا :۔

بیشک وہ بہت موزوں ہیں مخلص آدمی ہیں۔ ہمیشہ اپنی طاقت سے بڑھ کر خدمت کرتے ہیں۔ تینوں بھائی ایک ہی صفت کے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کون ان میں سے دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

محصلین کیلئے ہدایت

فرمایا :۔

بیرون جات میں جو لوگ چندہ لینے کے واسطے بھیجے جاویں اُن کو سمجھا دیں کہ

چندہ ایسے طور سے وصول کرنا چاہیئے کہ لوگ جو کچھ طیب خاطر سے دیں وہ قبول کیا جائے کسی قسم کا اصرار نہ ہو۔ کوئی شخص ایک پیسہ دے خواہ ایک دھیلہ دے اس کو خوشی کے ساتھ قبول کر لینا چاہیئے۔

کسرِ صلیب کی حقیقت

فرمایا:۔

چند روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ کسرِ صلیب سے کیا مراد ہے؟ یہ بات تو صحیح نہیں ہو سکتی کہ مسیح لکڑی یا پتھر کی صلیبیں توڑتا پھرے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ بعد سوچنے کے یہی بات دل میں آئی کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ایک زبانہ ہی ایسا لائے گا کہ اس میں خود بخود آسمان سے ایک ہوا ہی ایسی چلے گی کہ خواہ مخواہ عیسائیت کے بیہودہ مذہب سے لوگوں کے دل ٹھنڈے پڑنے لگ جائیں گے۔ عیسائیت جیسے مذہب کو دُنیا سے مٹانا اور چالیس کروڑ آدمی کی اصلاح کرنا یہ واحد جان کا کام نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ایسی تحریک نہ ہو جس سے وہ خود بخود اس مذہب سے بیزار ہوتے چلے جائیں۔ اور اگر غور سے دیکھو تو یہ کارروائی شروع ہو گئی ہے۔ لوگ تربیت یافتہ ہوتے جاتے ہیں اور عقلی اور دماغی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اب ایسی کچی باتوں کو کون مان سکتا ہے۔ اگر تھوڑا بہت کچھ ایمان ہے تو عورتوں میں ہے اور بس۔

پرچوں کا تبادلہ جاری رکھنا چاہیئے

مولوی ثناء اللہ صاحب کے پرچہ اہلحدیث کے تبادلہ میں یہاں سے میگزین اُردو جاتا تھا مینجر ریویو نے بدیں خیال کہ یہاں اہلحدیث اور دفتروں میں آتا رہتا ہے ضروری نہ سمجھا کہ اس کے ساتھ تبادلہ وہ بھی جاری رکھیں اس واسطے بند کر دیا تھا جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت کے نام ایک کارڈ لکھا کہ کیا یہ تجویز آپ کی منظوری سے ہوئی ہے اس پر حضرت نے دریافت کیا کہ

تبادلہ کیوں بند کیا گیا ہے؟

اور پھر فرمایا کہ:۔

تبادلہ جاری رکھنے میں یہ فائدہ ہے کہ مولوی صاحب پر اتمامِ حجت ہوتا رہے گا اور شاید کوئی بندۂ خدا اُنکے دفتر میں اس کو پڑھ کر اس سے مستفید ہو جائے[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۵ - ۶ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں

آج صبح ۹ بجے حضرت روح اللہ کے دستِ مبارک پر دس بارہ آدمیوں نے دارالبرکات کے صحن میں بیعت کی۔ حضور نے ایک لمبی تقریر فرمائی جس کا خلاصہ عرض ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ اب جو تم لوگوں نے بیعت کی تو اب خدا تعالیٰ سے نیا حساب شروع ہوا ہے۔ پہلے گناہ صدق و اخلاص کے ساتھ بیعت کرنے پر بخشے جاتے ہیں۔ اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ اپنے لیے بہشت بنالے یا جہنم۔

انسان پر دو قسم کے حقوق ہیں۔ ایک تو اللہ کے دوسرے عباد کے۔ پہلے میں تو اسی وقت نقصان ہوتا ہے۔ جب دیدہ دانستہ کسی امر اللہ کی مخالفت قول یا عمل کی جائے مگر دوسرے حقوق کی نسبت بہت کچھ بچ بچ کے رہنے کا مقام ہے۔ کئی چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں جنہیں انسان بعض اوقات سمجھتا بھی نہیں۔ ہماری جماعت کو تو ایسا نمونہ دکھانا چاہیئے کہ دشمن پکار اُٹھیں کہ گو یہ ہمارے مخالف ہیں مگر ہیں ہم سے اچھے۔ اپنی عملی حالت کو ایسا درست رکھو کہ دشمن بھی تمہاری نیکی خدا ترسی اور اتقاء کے قائل ہو جائیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی نظر جذرِ قلب تک پہنچتی ہے۔ پس وہ زبانی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ زبان سے کلمہ پڑھنا یا استغفار کرنا انسان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے جب وہ دل و جان سے کلمہ یا استغفار نہ پڑھے۔ بعض لوگ زبان سے اَستغفر اللہ کرتے جاتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی خلوصِ دل سے چاہی جائے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے باز رہنے کا عہد باندھا جائے اور ساتھ ہی اس کے فضل و امداد کی درخواست کی جائے۔ اگر اس حقیقت کے ساتھ استغفار نہیں ہے تو وہ استغفار کسی کام کا نہیں۔ انسان کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ عذاب آنے سے پہلے اس کے حضور میں جھک جائے اور اس کا امن مانگتا ہے۔ عذاب آنے پر گڑگڑانا اور رَبَّنَا وَقِنَا پکارنا تو سب قوموں میں یکساں ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ خدا کا عذاب چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے ہو ایک عیسائی، ایک آریہ، ایک چوہڑا بھی اس وقت پکار اُٹھتا ہے کہ الٰہی ہمیں بچا۔ اگر مومن بھی ایسا کرے تو پھر اس میں اور غیروں میں فرق کیا ہوا۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ عذاب آنے سے قبل خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان لاکر خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے۔

اِس نکتہ کو خوب یاد رکھو کہ مومن وہی ہے جو عذاب آنے سے پہلے کلامِ الٰہی پر یقین کرکے عذاب کو وارد سمجھے اور اپنے بچاؤ کے لیے دُعا کرے۔ دیکھو ایک آدمی جو توبہ کرتا ہے دُعا میں لگا رہتا ہے تو وہ صرف اپنے پر نہیں بلکہ اپنے

بال بچوں پر اپنے قریبیوں پر رحم کرتا ہے۔ کہ وہ سب ایک کے لیے بچائے جا سکتے ہیں۔ ایسا ہی جو غفلت کرتا ہے تو نہ صرف اپنے لیے بُرا کرتا ہے بلکہ اپنے تمام کُنبے کا بدخواہ ہے۔

یہ بڑا نازک وقت ہے۔ خدا تعالیٰ کے غضب کی آگ مشتعل ہے۔ نہیں معلوم کہ آئندہ موسم طاعون میں کیا ہونے والا ہے۔ اس کا کلام مجھے اطلاع دیتا ہے کہ آگے سے بڑھ کر مری پڑے گی۔ پس مومنو۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم: ۷) دُعا میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان) ایک انسان جو دُعا نہیں کرتا۔ اس میں اور چارپائے میں کچھ فرق نہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ یعنی چارپائیوں کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جہنم اُن کا ٹھکانا ہے۔ پس تمہاری بیعت کا اقرار اگر زبان تک محدود رہا تو یہ بیعت کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی۔ چاہیئے کہ تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں۔ مَیں ہرگز یہ بات نہیں مان سکتا کہ خدا تعالیٰ کا عذاب اس شخص پر وارد ہو جس کا معاملہ خدا تعالیٰ سے صاف ہو۔ خدا تعالیٰ اُسے ذلیل نہیں کرتا جو اس کی راہ میں ذلت اور عاجزی اختیار کرے۔ یہ سچی اور صحیح بات ہے۔ مزا تو بیشک سب نے ہے مگر یہ موتیں جو آجکل ہو رہی ہیں یہ تو ذلت کی موتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے کہ ایک ابھی دفن نہیں ہوا تھا کہ دوسرا جنازہ تیار ہے۔ پس راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں مانگو۔ کوٹھڑی کے دروازے بند کر کے تنہائی میں دُعا کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اپنا معاملہ صاف رکھو کہ خدا کا فضل تمہارے شاملِ حال ہو جو کام کرو نفسانی غرض سے الگ ہو کر کرو تا خدا تعالیٰ کے حضور اجر پاؤ۔

حضرت علیؓ کی نسبت روایت ہے کہ ایک کافر نے جس پر قابو پا چکے تھے اُن کے مُنہ پر تھوکا تو آپ نے چھوڑ دیا۔ اُس نے پوچھا کیوں؟ تو فرمایا اب میرے نفس کی بات درمیان میں آگئی۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ لوگ نفسانی کاموں سے اس قدر الگ ہیں تو مسلمان ہو گیا۔ ایسے ایسے عملی نمونوں سے وہ کام ہو سکتا ہے جو کئی تقریریں اور وعظ نہیں کرتے[1]

بلا تاریخ

طلاق

فرمایا:۔

جائز چیزوں میں سے سب سے زیادہ بُرا خدا اور اس کے رسُول نے طلاق کو قرار دیا ہے اور یہ صرف ایسے موقعوں کے لیے رکھی گئی ہے جبکہ اشد ضرورت ہو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے جورو ہے کہ سانپوں اور بچھوؤں

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

کے لیے خوراک مہیا کی ہے ویسا ہی ایسے انسانوں کے لیے جن کی حالتیں بہت گری ہوئی ہیں اور جو اپنے اُوپر قابو نہیں رکھ سکتے۔ طلاق کا مسئلہ بنا دیا ہے کہ وہ اس طرح آفات اور مصیبتوں سے بچ جاویں جو طلاق کے نہ ہونے کی صورت میں پیش آئیں یا بعض اوقات دوسرے لوگوں کو بھی ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں اور ایسے واقعات ہو جاتے ہیں کہ سوائے طلاق کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ پس اسلام نے جو کہ تمام مسائل پر حاوی ہے یہ مسئلہ طلاق کا بھی رکھ دیا ہے اور ساتھ ہی اُس کو مکروہ بھی قرار دیا ہے۔ (منقول از تشحیذ الاذہان)

رازق اللہ تعالیٰ ہے

فرمایا:۔

اصل رازق خدا تعالیٰ ہے۔ وہ شخص جو اس پر بھروسہ کرتا ہے کبھی رزق سے محروم نہیں رہ سکتا۔ وہ ہر طرح سے اور ہر جگہ سے اپنے پر توکل کرنے والے شخص کے لیے رزق پہنچاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مجھ پر بھروسہ کرے اور توکل کرے میں اس کے لیے آسمان سے برساتا اور قدموں میں سے نکالتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ ہر ایک شخص خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔

بیوی پر ظلم کا نتیجہ

ایک صاحب کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

اُن کے مجھ کو بہت سے خطوط آئے ہیں کہ میں اکثر بیمار رہتا ہوں اور بہت کمزور ہو گیا ہوں یہانتک کہ میں اپنا کام بھی اچھی طرح نہیں کر سکتا اور اس لیے مجبوراً مجھے ایک لمبی رخصت لینی پڑتی مگر اصل بات یہ ہے کہ ظلم کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ وہ اپنی پہلی بیوی پر بہت کچھ سختی کرتے ہیں اور یہ کام خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ بہت دفعہ مولوی نورالدین صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ان کو نصیحت کی۔ مگر وہ سمجھتے نہیں۔ میں نے کنایتاً کئی دفعہ ان کو جتایا ہے مگر انہوں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ وہ کسی دن اپنے کام سے پچھتائیں اور میری بات کو سمجھیں[1]

---

۱۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

(قبل نمازِ ظہر)

ابتلاؤں کی برکات

فرمایا:۔

اصل میں دیکھا گیا ہے کہ ابتلاء اور تکالیف کا زمانہ جو انسان پر آتا ہے وہ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۷ مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۰۷ء

اس کے واسطے مفید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں قاعدین پر مجاہدین کو فضیلت دی ہے۔ مجاہدین دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی راہ میں مشکل کام ڈال لیتے ہیں اور اس کی تکالیف کو برداشت کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن پر قضاء و قدر سے مشکلات اور تکالیف وارد ہوتی ہیں اور وہ صبر اور تحمل کے ساتھ ان مشکلات کو برداشت کرتے ہیں۔ جو شخص رات دن اپنے کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں اور اسی طرح اُن کی زندگی گذر جاتی ہے اور اُن پر کوئی تنگی نہیں آتی کہ وہ صبر کریں تو وہ قاعدین میں داخل ہیں۔

جس زمانہ کو انسان بسبب تنگی کے بُرا زمانہ کہتا ہے اور اس کو ناگوار جانتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ویسا زمانہ ہی پر آوے دراصل وہی زمانہ اس کے واسطے اچھا ہوتا ہے بشرطیکہ صبر اور تحمل سے بسر کرے۔

حسن بصریؒ کا ذکر ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا کہ تم کو غم کب ہوتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب کوئی غم نہ ہو۔ سوچ کر دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تنگی کی مصائب شدائد کی انسان پر پڑتی ہے اور وہ ان کو برداشت کرتا ہے تو اس کے بعد پوشیدہ انعامات وارد ہوتے ہیں۔ دُنیا کی وضع ہی کچھ ایسی بنی ہے کہ اوّل تکلیف ہوتی ہے تو پھر آرام حاصل ہوتا ہے۔ اچھی طرح کھانے کا مزا اسی وقت ہوتا ہے جبکہ انسان بھوک کی شدت کو برداشت کر چکا ہو جو مزا ٹھنڈے پانی میں روزے دار کو حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے معمولی طور پر ہر روز کھایا جاتا ہے مگر اس میں وہ لُطف نہیں جو لُطف اس کھانے میں ہوتا ہے جو مثلاً سفر کے بعد بھوک کی شدت سے حاصل ہوتا ہے۔ وضع دُنیا کی ایسی واقع ہوئی ہے کہ درد کے بعد ہی راحت حاصل ہوتی ہے[1]

---

۱۱ ستمبر ۱۹۰۷ء

(قبل نمازِ ظہر)

فطرت مستقل ہادی نہیں

فطرت ایسی چیز نہیں جو مستقل طور پر ہادی ہو سکے کیونکہ وہ شیطان کے قائم مقام مُضِل بھی تو ہو جاتی ہے۔ فطرت میں تو تہمات کے داخل ہو جانے سے جو بعض نقص پیدا ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (الروم: ۳۳) کہا گیا ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۴ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۷ء نیز الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۹ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء

مداہنہ بُری مرض ہے

کبخت مکہ والے لوگ بھی مداہنہ کیا کرتے تھے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱) کے یہی معنے ہیں کبخت خبیث جو مداہنہ کا گند اپنے اندر رکھتے ہیں اُن کا گند نکالنا اچھا ہی ہوتا ہے۔

نشان بڑی چیز ہے

ساری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جن باتوں کا اعتراض عیسائی آریہ اور دوسرے مخالفین اس وقت تک اسلام پر کرتے ہیں اور بے سمجھی سے الزام لگاتے ہیں اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ پھر انہیں باتوں کو از سرِ نو تازہ کیا جاوے۔ کیا خدا تعالیٰ کے پاس اپنے رسُول کی نصرت کے لیے اور کوئی ہتھیار نہیں۔ ان ہتھیاروں کی چوٹ تو جسم پر لگتی تھی مگر اس جگہ قلب پر لگتی ہے۔ ایک ہی نشان ہزاروں اعتراضوں کو دُور کر سکتا ہے۔

عدمِ تصنع اور سادگی کا ثبوت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے متعلق فرمایا کہ:۔

وہ ہمارا ایک پرانا تقلیدی خیال تھا اور رسمی طور پر براہین احمدیہ میں لکھا گیا تھا اور یہ بات کہ مسیح ناصری فوت ہو گیا ہے اور آنے والا مسیح میں ہوں خدا تعالیٰ کی وحی سے ہے اور خدا تعالیٰ کا الہام ہے جس براہین میں یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ آسمان پر چلا گیا۔ اسی میں یہ بھی لکھا ہے اور واضح طور پر لکھا ہے کہ میں مسیح ہوں۔ جیسے یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (آل عمران: ۵۶) وغیرہ۔ اگر یہ انسانی کاروبار اور بناوٹی منصوبہ ہوتا تو یہ ظاہراً تناقض کیوں ہوتا؟ اگر تقویٰ ہو اور تھوڑا بہت انصاف ہو تو ایک طرف پرانا رسمی عقیدہ لکھ دینا اور دوسری طرف کُل الہامات بھی لکھ دینا جو اس عقیدہ کے صریح مخالف ہیں ایک ایسی بات ہے جس سے انسان عدمِ تصنع اور سادگی کا استدلال کر سکتا ہے۔ دیکھو کُل الہام مخالف ہیں جیسے یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ ۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِیْبًا مِّنَ الْقَادِیَانِ ۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۔

بعض انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب حکمت ہوتی ہے کہ ان سے ذہول سرزد ہو جاتا ہے اور وہ ذہول بھی ایک حکمت رکھتا ہے ورنہ سمجھا جاتا کہ بناوٹ سے دعویٰ کر دیا ہے اور اس طرح سے تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب خزانہ موجود تھا اس وقت دعویٰ نہ کیا اور اب کر دیا۔ یہ بناوٹ نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا دعویٰ

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

جو شخص اپنے آپ کو مسیح سمجھتا ہے، رسول سمجھتا ہے۔

رحمۃ للعالمین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہم عبدالحکیم سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ ایسا شخص بیس برس تک دجّال کا مرید رہا ہو۔ یہ اس کی کونسی شامتِ اعمال ہے اور کونسے بُرے کرم اُس نے کئے جو دجّال کی بیعت میں رہا۔ اس قدر ذلّت اور رُسوائی اُٹھائی کہ بیس برس تک شیطان کا مرید رہا۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی اس کی نظیر تو پیش کرو کہ ایک شخص مسیح بھی ہو، رسُول بھی ہو اور پھر بیس برس تک دجّال کی بیعت میں رہا ہو۔

ایک نکتہ

ڈاکٹر عبدالحکیم نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور بابو محمد افضل مرحوم کی موت کا باعث اپنی تفسیر کی مخالفت قرار دیا ہے۔ اس پر منشی احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی تو اپنی تفسیر کے مخالف ہو گئے ہیں۔

بعد نماز ظُہر

ڈاکٹر عبدالحکیم کی غلطی

حضرت حکیم الامت سلمہ ربہٗ نے مرتد ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کے خط کا ذکر کیا جس میں وہ لکھتا ہے کہ تمام انبیاء سے غلطیاں ہوتی رہیں ایسے ہی مجھ سے بھی ہو گئیں۔ حضرت نے فرمایا:۔

مگر ایسی غلطیاں کہ بیس برس تک دجّال کے مرید بنے رہنا ایسی ذلّت اور رُسوائی کسے نصیب ہوئی کہ بیس برس تک شیطان کا مُرید رہا اور جسے دجّال سمجھتا تھا اس کی بیعت رہا اور پھر خود مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

اس خط میں عبدالحکیم گویا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ میرا دعویٰ غلط ہے میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی نسبت قرآن شریف اور احادیث میں وعدہ ہے۔ چونکہ وہ مسیح ناصری کی وفات کا اقرار کرتا ہے اس لیے کسی دوسرے مسیح کی آمد کا ہی قائل ہوگا۔ مگر جب وہ ایسے زمانہ میں جو مقررہ علامتوں کے ساتھ پُکارتا ہے نہ آیا تو پھر بتلاؤ وہ کس زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ چودھویں صدی میں سے بھی پچیس برس گذر گئے۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی لکھا ہے کہ مسیح صدی کے سر پر آئے گا۔ اگر ابھی تک وہ مسیح نہیں آیا تو بقول اس کے یہ صدی ہی خالی گئی۔ سب نشانات پورے ہو گئے مگر مسیح ابھی تک نہ آیا۔ احادیث میں لکھا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو علماء زمانہ اُس کی بہت مخالفت کریں گے کیونکہ وہ ان کی حدیثوں کے خلاف کرے گا۔ نواب صدیق حسن خاں نے بھی لکھا ہے کہ مولوی لوگ اس پر تکفیر کے فتوے لکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ دینِ اسلام کو تباہ کر رہا ہے۔

اب عبدالحکیم جو میری نسبت ایسا ویسا لکھتا ہے تو یہ خود پیشگوئیوں کو پورا کر رہا ہے۔ گالی گلوچ نکالنے اور طرح طرح کے بُہتان باندھنے سے یہ مجھ کو جھٹلاتا نہیں بلکہ تصدیق کرتا ہے اور اُن پیشگوئیوں کو پورا کرتا ہے جن میں لکھا ہے کہ اس زمانہ کے علماء مسیح کی بڑی مخالفت کریں گے اور اس کو دین کے تباہ کرنے والا اور مفتری قرار دیں گے۔[1]

---

۱۲ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

مسیح موعودؑ کیلئے علامات کا پورا ہونا

فرمایا:-

سوال اخبار میں لکھا ہے کہ روز بروز اب اونٹ بیکار ہوتے جاتے ہیں کیسی بیّن طور پر قرآن شریف اور حدیث میں لکھا ہے۔ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا اور قرآن شریف میں وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) لکھا ہے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دُنیا میں کوئی مامور من اللہ مبعوث ہوتا ہے تو زمانہ میں جتنی بڑی بڑی کارروائیاں ہوں اور بڑے بڑے انقلاب ظہور میں آویں تو وہ سب اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔

کسرِ صلیب اور وضعِ حرب کی حقیقت

آجکل جنگ وجدال کو دُور کرنے کے لیے جو بڑے بڑے عہد و پیمان ہو رہے ہیں۔ اور زمانہ خود بخود صلح اور امن کی طرف رجوع کرتا جاتا ہے اس پر فرمایا کہ:-

يَضَعُ الْحَرْبَ اور يَكْسِرُ الصَّلِيْبَ سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ ایک شخص ہوگا اور وہ لڑائیوں میں جا جا کے صُلح کراتا پھرے گا اور دو دو چار چار آنہ کی صلیبوں کو توڑتا پھریگا۔ کیونکہ اس طرح سے اگر دو چار توڑیں تو سینکڑوں اور بن گئیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ارادۂ الٰہی سے کوئی ہوا ہی ایسی چلے گی اور ایسے ایسے اسباب اور وسائل پیدا ہو جائیں گے کہ لڑائی دُور ہو جائے گی اور صلیب پرستی جاتی رہے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں دفاعی تھیں

فرمایا:-

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء

کے لیے بعثت نہیں کی تھی بلکہ ان لوگوں نے خود بعثت کی تھی۔ خون کئے۔ ایذائیں دیں۔ تیرہ برس تک طرح طرح کے دُکھ دیئے آخر جب صحابہ کرامؓ سخت مظلوم ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے بدلہ لینے کی اجازت دی جیسے فرمایا اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج: ۴۰) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرۃ: ۱۹۱) اس زمانہ کے لوگ نہایت وحشی اور درندے تھے۔ خون کرتے تھے۔ جنگ کرتے تھے۔ طرح طرح کے ظلم اور دکھ دیتے تھے۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی طرح مار دھاڑ کرتے پھرتے تھے اور ناحق کی ایذا دہی اور خونریزی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ دیا کہ ایسے ظالموں کو سزا دینے کا اِذن دیا جاتا ہے اور یہ ظلم نہیں بلکہ عین حق اور انصاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے انہوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ طرح طرح کے منصوبے کئے یہاں تک کہ ہجرت کرنی پڑی مگر پھر بھی اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تک تعاقب کیا اور خون کرنے کے درپے ہوئے۔ غرض جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت تک صبر کیا اور مدت تک تکلیف اُٹھائی تب خدا تعالیٰ نے فیصلہ دیا کہ جنہوں نے تم لوگوں پر ظلم کئے اور تکلیفیں دیں اُن کو سزا دینے کا اِذن دیا جاتا ہے اور پھر بھی یہ فرمایا کہ اگر وہ صلح پر آمادہ ہو دیں تو تم صلح کر لو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یتیم، غریب، بیکس پیدا ہوئے تھے وہ لڑائیوں کو کب پسند کر سکتے تھے۔[1]

---

۱۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

هُوَ الشَّافِي

سید نادر علی شاہ صاحب سب رجسٹرار رئیس چکوال کے بیعت کر لینے کے بعد ذکرِ امراض پر فرمایا:۔

قبرستان میں جتنے لوگ دفنائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اصل میں یہ سب طبیبوں کی غلطیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ بہت کم آدمی ہوں گے جو عمرِ طبعی تک پہنچے ہوں۔ عمرِ طبعی عموماً ستّو اسّی سال تک سمجھی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں لکھا ہے۔ مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا لَهٗ دَوَاءٌ یعنی کوئی بیماری نہیں جس کی دوائی موجود نہ ہو اگر اصلی دوا اور علاج ہوتا رہے تو عمرِ طبعی سے پہلے انسان مرے کیوں؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان ایک نہایت ہی کمزور ہستی ہے۔ ایک ہی بیماری میں باریک در باریک اور بیماریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ انسان غلطی سے کب تک بچ سکتا ہے انسان بڑا کمزور ہے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اکثر اوقات تشخیص میں ہی غلطی ہو جاتی ہے اور اگر تشخیص میں نہیں ہوتی تو پھر دوا میں ہو جاتی ہے۔ غرض انسان نہایت کمزور ہستی ہے غلطی سے خود بخود نہیں بچ سکتا۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہی چاہیئے۔ اس کے فضل کے بغیر انسان کچھ چیز نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دافع بلیات تو صرف خدا تعالیٰ ہے۔ ہندو تو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں کبھی نہ کبھی خیال آ ہی جاتا ہوگا کہ اپنے ہی ہاتھوں سے انہیں بنایا ہے اور پھر انہیں کی پوجا کی جاتی ہے۔ مگر اسباب کی پرستش کرنے والے ان سے بھی زیادہ مشرک ہوتے ہیں۔ نیچری وغیرہ جو اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ جو اپنی علمیت دولت پر گھمنڈ کرتے ہیں وہ خطرناک مقام پر ہوتے ہیں۔ ہاں اسباب کا تلاش کرنا منع نہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اپنے کام کاج کی تلاش میں لگ جاؤ اور اللہ کریم کا فضل مانگتے رہو۔ اسباب پر بھروسہ مت کرو۔ مومن کو چاہیئے کہ بظاہر اسباب تلاش کرے اور نظر اللہ تعالیٰ پر رکھے۔

علم طب پہلے یونانیوں کے پاس تھا۔ پھر اُن سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو اُنہوں نے ہر نسخہ سے پہلے ہوالشافی لکھنا شروع کر دیا اور یہ طریق مسلمانوں کے سوا کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ بڑا سعید طبیب وہ ہے جو ایک طرف تو دوا کرے اور دوسری طرف دُعا میں مشغول رہے اور یہ سمجھے کہ شفا صرف خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

دوسروں پر رحم کرو تا تم پر رحم کیا جاوے

فرمایا:۔ شیخ سعدیؒ لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ کو ناروا کی بیماری تھی۔ اس نے کہا کہ میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ کریم مجھے شفا بخشے تو میں نے جواب دیا کہ آپ کے جیل خانہ میں ہزاروں بے گناہ قید ہوں گے ان کی بد دعاؤں کے مقابلہ میں میری دُعا کب سُنی جا سکتی ہے۔ تب اس نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور پھر وہ تندرست ہو گیا۔ غرض خدا کے بندوں پر اگر رحم کیا جاوے تو خدا بھی رحم کرتا ہے۔ جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں ان پر اللہ اور اس کے رسول کو بھی رحم آ جاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا اور بے جا طور پر مال اکٹھا کرنا اور اسباب پر ہی گرے رہنا بہت بُری بات ہے۔

تقویٰ اختیار کریں

فرمایا:۔ گو اعادہ کلام کا ہوتا ہے مگر چونکہ غفلت لگی ہوئی ہے۔ ایک طرف وعظ و نصیحت سُنی جاتی ہے اور دل میں تقویٰ حاصل کرنے کے لیے جوش پیدا ہوتا ہے مگر پھر غفلت ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہماری جماعت کو یہ بات بہت ہی یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حالت میں نہ بھلایا جاوے۔ ہر وقت اسی سے مدد مانگتے رہنا چاہیئے۔ اس کے بغیر انسان کچھ چیز نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ وہ ایک دم میں فنا کر سکتا ہے۔ طرح طرح کے دُکھ

اور مصیبتیں موجود ہیں۔ بے خوف اور نڈر ہونے کا مقام نہیں۔ اس دنیا میں بھی جہنم ہو سکتا ہے اور بڑے بڑے مصائب آسکتے ہیں۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی کسی کی مصیبت میں کام نہیں آسکتا۔ اور کوئی شریک ہمدردی نہیں کر سکتا جب تک خدا خود دستگیری نہ کرے اور اپنے فضل سے آپ اس مصیبت کو دُور نہ کرے۔ اسی واسطے ہر ایک کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوشیدہ علاقہ رکھے۔

جو شخص جُرات کے ساتھ گناہ، فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا ہوتا ہے وہ خطرناک حالت میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا عذاب اس کی تاک میں ہوتا ہے۔ اگر بار بار اللہ کریم کا رحم چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو اور وہ سب باتیں جو خدا تعالیٰ کو ناراض کرنیوالی ہیں چھوڑ دو۔ جب تک خوفِ الٰہی کی حالت نہ ہو تب تک حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کوشش کرو کہ متقی بن جاؤ۔ جب وہ لوگ ہلاک ہونے لگتے ہیں جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے تب وہ لوگ بچا لیے جاتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔ ایسے وقت اُن کی نافرمانی انہیں ہلاک کر دیتی ہے اور اُن کا تقویٰ انہیں بچا لیتا ہے۔ انسان اپنی چالاکیوں شرارتوں اور غداریوں کے ساتھ اگر بچنا چاہے تو ہرگز نہیں بچ سکتا۔ کوئی انسان بھی نہ اپنی جان کی حفاظت کر سکتا ہے نہ مال و اولاد کی حفاظت کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ جبتک کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ پوشیدہ طور پر ضرور تعلق رکھنا چاہیئے اور پھر اس تعلق کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ عقلمند انسان وہی ہے جو اس تعلق کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس تعلق کو محفوظ نہیں رکھتا وہ بیوقوف ہے جو اپنی چترائی پر نازاں ہے وہ ہلاک کیا جائے گا اور کبھی بامراد اور کامیاب نہیں ہوگا۔ دیکھو یہ زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں نظر آرہا ہے اتنا بڑا کارخانہ کیا یہ خدا تعالیٰ کے پوشیدہ ہاتھ کے سوائے چل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

یاد رکھو جو امن کی حالت میں ڈرتا ہے وہ خوف کی حالت میں بچایا جاتا ہے اور جو خوف کی حالت میں ڈرتا ہے تو وہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ ایسے موقعہ پر تو کافر مشرک بیدین بھی ڈرا کرتے ہیں۔ فرعون نے بھی ایسے موقعہ پر ڈر کر کہا تھا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس: ۹۱) اس سے صرف اتنا فائدہ اسے ہوا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا بدن تو ہم بچا لیں گے مگر تیری جان کو اب نہیں بچائیں گے آخر خدا تعالیٰ نے اس کے بدن کو ایک کنارے پر لگا دیا۔ ایک چھوٹے سے قد کا وہ آدمی تھا۔ غرض جب گناہ اور معصیت کی طرف انسان ترقی کرتا ہے تو پھر لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف: ۳۵) والا معاملہ ہوتا ہے۔ جب اَجل کی بلا آجاتی ہے تو پھر آگے پیچھے نہیں ہوا کرتی۔ انسان کو چاہیئے کہ پہلے ہی سے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھے۔ مگر ؎

خیال زلفِ تُو بستن نہ کارِ خاماں است
کہ زیر سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

انبیاء کا ہی گروہ ایسا گروہ ہوتا ہے کہ وہ بے سلسلہ چلتے ہی نہیں۔ جو لوگ انبیاء کی زندگی میں فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں اور عاقبت کی کچھ فکر نہیں کرتے اور راستبازوں پر حملے کرتے ہیں ایسوں ہی کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایک موذی بے ایمان کو اللہ کریم مارتا ہے تو پھر کچھ پروا نہیں رکھتا کہ اس کے عیال اطفال کا گذارہ کس طرح ہوگا اور اس کے پسماندہ کیسی حالت میں بسر کرینگے۔

ستاروں کا ٹوٹنا

ایک شخص نے ستاروں کے ٹوٹنے کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:۔
جہانتک پتہ لگ سکتا ہے مفسرین یہی لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے پہلے بہت ستارے ٹوٹے تھے اور یہاں بھی شاید ۱۸۸۵ء میں ہمارے دعویٰ سے پہلے بہت سے ستارے ٹوٹے تھے۔ ایک لشکر کا لشکر اس طرف سے اُس طرف چلا جاتا تھا اور اُس طرف سے اس طرف چلا آتا تھا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (النجم:۲) کا بھی یہی مطلب ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کا کوئی نشان زمین پر ظاہر ہونے والا ہوتا ہے تو اس سے پہلے آسمان پر کچھ آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے مفسر اور اہل کشف بھی یہی بیان کرتے ہیں اور قرآن شریف میں بھی یہی لکھا ہے۔ مجھے ایک خط آیا تھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا جس سے بہت روشنی ہوگئی اور پھر ایسی خطرناک آواز آئی کہ لوگ دہشت ناک ہوگئے اور بڑا خوف ہوا۔ اور پھر نہیں معلوم کہ آئندہ ابھی کیا کیا ہونے والا ہے۔ آئے دن نئے نئے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں کوئی نہ کوئی حادثہ واقع نہ ہو۔ ستاروں کا ٹوٹنا ظاہر کرتا ہے کہ زمین پر بھی اب کچھ نشانات ظاہر ہونے والے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ نے بھی مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ میں بہت سے عجیب نشان ظاہر کروں گا کچھ اوّل میں اور کچھ آخر میں۔ زلزلہ کی خبر بھی اس نے دی ہے۔ گذشتہ کی نسبت زیادہ سخت طاعون پڑنے کی بھی اطلاع دی ہے معلوم نہیں کہ اس سال وہ خطرناک طاعون پڑے گی یا آئندہ سال میں مگر وہ خطرناک بہت ہوگی۔

خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا گُر

اس پر سیّد نادر علی شاہ صاحب نے عرض کی کہ ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے؟

فرمایا:۔
توبہ استغفار کرنی چاہیئے۔ بغیر توبہ استغفار کے انسان کر ہی کیا سکتا ہے۔ سب نبیوں نے یہی کہا ہے کہ اگر توبہ استغفار کروگے تو خدا بخش دے گا۔ سو نمازیں پڑھو اور آئندہ گناہوں سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ سے مدد چاہو اور پچھلے گناہوں کی معافی مانگو اور بار بار استغفار کرو تاکہ جو قوت گناہ کی انسان کی فطرت میں ہے وہ ظہور میں نہ آوے۔ انسان کی فطرت میں دو طرح کا ملکہ پایا جاتا ہے۔ ایک تو کسب خیرات اور نیک کاموں کے کرنے کی قوت ہے

اور دوسرے بُرے کاموں کو کرنے کی قوت۔ اور ایسی قوت کو روکے رکھنا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور یہ قوت انسان کے اندر اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کہ پتھر میں ایک آگ کی قوت ہے۔

اِستغفار کے معنے اور استغفار کے یہی معنے ہیں کہ ظاہر میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور گناہوں کے کرنے والی قوت ظہور میں نہ آوے۔ انبیاء کے استغفار کی بھی یہی حقیقت ہے کہ وہ ہوتے تو معصوم ہیں مگر وہ استغفار اس واسطے کرتے ہیں کہ تا آئندہ وہ قوت ظہور میں نہ آوے اور عوام کے واسطے استغفار کے دوسرے معنے بھی لیے جاویں گے کہ جو جرائم اور گناہ ہو گئے ہیں اُن کے بد نتائج سے خدا بچائے رکھے اور اُن گناہوں کو معاف کر دے اور ساتھ ہی آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔

بہر حال یہ انسان کے لیے لازمی امر ہے وہ استغفار میں ہمیشہ مشغول رہے۔ یہ جو قحط اور طرح طرح کی بلائیں دُنیا میں نازل ہوتی ہیں ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لوگ استغفار میں مشغول ہو جائیں۔ مگر استغفار کا یہ مطلب نہیں ہے جو اَستغفر اللہ اَستغفر اللہ کہتے رہیں۔ اصل میں غیر ملک کی زبان کے سبب لوگوں سے حقیقت چھپی رہی ہے۔ عرب کے لوگ تو ان باتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر ہمارے ملک میں غیر زبان کی وجہ سے بہت سی حقیقتیں مخفی رہی ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے اتنی دفعہ استغفار کیا۔ سَو تسبیح یا ہزار تسبیح پڑھی مگر جو استغفار کا مطلب اور معنے پوچھو تو بس کچھ نہیں بہکا بکا رہ جاویں گے انسان کو چاہیئے کہ حقیقی طور پر دل ہی دل میں معافی مانگتا رہے کہ وہ معاصی اور جرائم جو مجھ سے سرزد ہو چکے ہیں اُن کی سزا نہ بھگتنی پڑے اور آئندہ دل ہی دل میں ہر وقت خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہے کہ آئندہ نیک کام کرنے کی توفیق دے اور معصیت سے بچائے رکھے۔

خوب یاد رکھو کہ لفظوں سے کچھ کام نہیں بنے گا۔ اپنی زبان میں بھی استغفار ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پچھلے گناہوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق دے اور یہی حقیقی استغفار ہے۔ کچھ ضرورت نہیں کہ یونہی استغفر اللہ استغفر اللہ کہتا پھرے اور دل کو خبر تک نہ ہو۔ یاد رکھو کہ خدا تک وہی بات پہنچتی ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ اپنی زبان میں ہی خدا تعالیٰ سے بہت دُعائیں مانگنی چاہئیں۔ اس سے دل پر بھی اثر ہوتا ہے۔ زبان تو صرف دل کی شہادت دیتی ہے۔ اگر دل میں جوش پیدا ہو اور زبان بھی ساتھ مل جائے تو اچھی بات ہے۔ بغیر دل کے صرف زبانی دُعائیں عبث ہیں ہاں دل کی دُعائیں اصلی دُعائیں ہوتی ہیں۔ جب قبل از وقتِ بلا انسان اپنے دل ہی دل میں خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتا رہتا ہے اور استغفار کرتا رہتا ہے تو پھر خداوند رحیم و کریم ہے وہ بلا ٹل جاتی ہے۔ لیکن جب بلا نازل ہو جاتی ہے پھر نہیں ٹلا کرتی۔ بلا کے نازل ہونے سے پہلے دُعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔ اور بہت استغفار کرنا چاہیئے۔ اس طرح سے خدا بلا کے وقت محفوظ رکھتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کوئی امتیازی بات بھی دکھائے۔ اگر کوئی شخص بیعت کر کے جاتا ہے اور کوئی

امتیازی بات نہیں دکھاتا۔ اپنی بیوی کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہے جیسا پہلے تھا اور اپنے عیال واطفال سے پہلے کی طرح ہی پیش آتا ہے تو یہ اچھی بات نہیں۔ اگر بیعت کے بعد بھی وہی بدخلقی اور بدسلوکی رہی اور وہی حال رہا جو پہلے تھا تو پھر بیعت کرنے کا کیا فائدہ؟ چاہیئے کہ بیعت کے بعد غیروں کو بھی اور اپنے رشتہ داروں اور ہمسائیوں کو بھی ایسا نمونہ بن کر دکھا دے کہ وہ بول اُٹھیں کہ اب یہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔

خوب یاد رکھو کہ صاف ہو کر عمل کرو گے تو دوسروں پر تمہارا ضرور رُعب پڑے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا بڑا رُعب تھا۔ ایک دفعہ کافروں کو شک پیدا ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بد دُعا کریں گے تو وہ سب کافر مل کر آئے اور عرض کی کہ حضور بد دُعا نہ کریں۔ سچے آدمی کا ضرور رُعب ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ بالکل صاف ہو کر عمل کیا جاوے اور خدا کے لیے کیا جاوے تب ضرور تمہارا دوسروں پر بھی اثر اور رُعب پڑے گا۔[1]

قومی ترقی کا راز

۱۴ ستمبر ۱۹۰۷ء کو قادیان میں ایک بیرسٹر صاحب تشریف لائے تھے جن کا نام نامی مسٹر فضل حسین صاحب ہے۔ اُن کے ساتھ ہی میاں حسین بخش صاحب پنشنر رئیس بٹالہ بھی تھے۔ حضرت اقدس سے بھی ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں بعض باتیں ایسی تھیں جو نہایت مؤثر اور اس زندہ ایمان کا ثبوت تھیں جو حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اس لیے مَیں اس کو یہاں درج کرتا ہوں۔

مسٹر فضل حسین۔ آریوں نے اپنا یہ اصل قرار دیا ہے کہ جب تک بہت سی پابندیاں دُور نہ ہوں، قومی ترقی نہیں ہو سکتی۔

حضرت اقدس۔ یہ غلط خیال ہے۔ ترقی کا یہ اُصول نہیں ہے۔ اسلام نے کیسے ترقی کی۔ کیا بے قیدی اور آزادی سے یا پابندیٔ شریعت اور اطاعت سے۔ بعض مسلمانوں کو بھی ایسا ہی خیال ہو رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بے قیدی سے ترقی ہوگی مگر مَیں اس راہ کو سخت مُضر اور خطرناک سمجھتا ہوں۔ مسلمان جب ترقی کریں گے خدا پرستی سے کریں گے جس طرح پر اوائل میں اسلام نے ترقی کی وہی خدا اب بھی موجود ہے۔ میری جماعت ہی کو دیکھو۔ مجھے کافر و دجّال بنایا گیا۔ میرے قتل کے فتوے دیئے۔ راہ و رسم بند کیا۔ مسلمان میرے دشمن ہو گئے۔ یہانتک فتویٰ دیا کہ کوئی مسلمان ہم سے گُشادہ پیشانی سے بھی پیش نہ آئے۔ مگر آپ ہی بتائیں۔ اس مخالفت کا کیا نتیجہ ہوا؟ اب میری جماعت چار لاکھ کے قریب ہے جس میں ڈاکٹر ہیں۔ حکماء ہیں۔ وکلاء ہیں۔ تاجر ہیں۔ ہر پیشہ ور

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

طبقہ کے لوگ موجود ہیں۔ یہ مخالفت ہمارا کیا بگاڑ سکی ہے ؎ خدا داری چہ غم داری

مَیں تو یہی ایمان رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر اُسے نہ چھوڑے تو ساری دُنیا اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر خالص سونا لینا ہو تو پابندی شریعت سے ملے گا۔ ہاں اگر راس المال بھی کھونا ہو۔ تو پھر بے قیدی اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اگر کوئی بات نہ ہو تو کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ دیکھو لالہ لاجپت رائے کی گرفتاری پر اخباروں میں آریوں کی طرف سے کیا نکلا یہی کہ ہمارا تعلق نہیں۔

بیرسٹر۔ آریوں کے نزدیک اس وقت مصلحتِ وقت یہی تھی۔

حضرت اقدس۔ یہ کیا مصلحتِ وقت تھی۔ یہ تو بزدلی ہے۔ صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرتؐ کے صحابہؓ ذبح ہو گئے مگر حق کہنے سے نہ رُکے۔ انہوں نے ایسی کشور کشائی کی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ ان میں اخلاص تھا صدق اور وفا تھی۔ اس قسم کے مصلحت اندیش دہریئے ہوتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ پر وثوق رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کیلئے ایک بات کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔ اس لیے وہ ایسا نہیں کرتے کہ حق بات کے کہنے سے رُکیں۔ مجھ سے اگر سوال ہو کہ تم مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر میں بتاؤں کہ اس کا کیا جواب دیتا ہوں سوا صدق اور مردانہ ہمت کے کام نہیں چلتا۔ ہم پر اس قدر مقدمے کئے گئے مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان باتوں سے ڈر کر ہم نے قدم پیچھے ہٹایا۔ یہ تو شرک ہے۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہے اور وہ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس سے یہ جوہر پیدا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ملک و ملت کے دشمن ہیں۔ ان کی صحبت سے بچنا چاہیئے۔ گورنمنٹ کے ہم مسلمانوں پر بہت بڑے احسان ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی شکر گذاری کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔

بیرسٹر۔ مَیں نے فلسفہ پر بہت سا وقت ضائع کیا ہے اور مَیں نے دیکھا ہے کہ ان کا فلسفہ کمزور ہے۔

حضرت اقدس۔ پھر ہم تو یہ کہتے ہیں ؎

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں ٭ حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

بیرسٹر۔ ہاں ان میں ایثارِ نفس ہے۔

حضرت اقدس۔ مَیں اس بات کو نہیں مانتا۔ مَیں تو یہ جانتا ہوں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کیا چوروں میں باہم وفاداری کے تعلقات نہیں ہوتے۔ ایک خود پھنس جاتا ہے۔ مگر دوسرے کو بچانا چاہتا ہے کنجریوں میں بھی ناپاک تعلقات کے رنگ میں ہمدردی اور ایثار کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مگر کیا ان باتوں میں

کوئی خوبی ہو سکتی ہے؟ اس[1] لیے کہ ان تعلقات کی بناء خدا تعالیٰ کیلئے نہیں ہوتی۔ سچا اور پاک تعلق جو ہوتا ہے اس کے نمونے اسلام میں پاؤ گے کیونکہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر جو محبت ہوتی ہے وہ صرف اسلام ہی میں ہے۔

بیرسٹر۔ عملی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔

حضرت اقدس۔ یہ تو سچ ہے کہ عملی حالت کو دیکھنا چاہیئے مگر پہلے نیت بھی تو دیکھو آپ تو قانون دان ہیں۔ قانون میں بھی نیت کا سوال ہوتا ہے۔ ظاہری ترقیات سے یہ کبھی نتیجہ نہیں ہوا کرتا کہ نیک نیتی بھی ہے۔ بعض ظالم طبع لوگ بھی ایسے گذرے ہیں کہ انہوں نے عالمگیر سلطنتیں پیدا کر لی تھیں مگر لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔ اس واسطے یہ بالکل سچی بات ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

خیر یہ ترقیاں بھی نظر آجائیں گی اور ان کی حقیقت کھل جائے گی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ پر جو کچھ ظاہر کیا ہے اور جس کی میں پیشگوئی کر چکا ہوں کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہوں گے جو یہ[2] تباہ ہو جائیں گے۔ ایسی ترقیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ترقی وہی مبارک ہوگی جو خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی سے ہو[3]

---

۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر حضرت اقدس کی تقریر

ابتلاؤں کی حکمت

فرمایا:۔

قضاء و قدر کی بات ہے۔ اصل مرض سے (مبارک احمد نے) بالکل مخلصی پالی تھی۔ بالکل اچھا ہو گیا تھا۔ بخار کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔ یہی کہتا رہا کہ مجھے باغ میں لے چلو۔ باغ کی خواہش بہت کرتا تھا سو آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب میں لکھا ہے اِنِّیْ اُسْقِطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا۔ پھر ایک جگہ پیشگوئی ہے۔ "ہے تو بھاری مگر خدائی

---

[1] معلوم ہوتا ہے یہاں "ہرگز نہیں" کے الفاظ کاتب کی غلطی سے رہ گئے ہیں۔ (مرتب)

[2] حضور کا اشارہ آریوں کی طرف ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ (مرتب)

[3] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

امتحان کو قبول کر" پھر کئی دفعہ یہ الہام بھی ہوا ہے۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" اور پھر اہلِ بیت کو مخاطب کرکے فرمایا ہے۔ "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ" اور پھر فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے یہ بڑا تطہیر کا موقع ہے۔ ان کو بڑے بڑے تعلقات ہوتے ہیں اور اُن کے ٹوٹنے سے رنج بہت ہوتا ہے۔ مَیں تو اس سے بڑا خوش ہوں کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔ گھر کے آدمی اس کی بیماری میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتے تھے۔ مَیں نے ان کو جواب دیا تھا کہ آخر نتیجہ موت ہی ہونا ہے یا کچھ اور ہے۔ دیکھو ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) یعنی اگر تم مجھ سے مانگو تو قبول کروں گا اور دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ ..... وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۶ تا ۱۵۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی امتحان آیا کرتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی بھی ہے کہ میری بیوی کے مُنہ سے سب سے پہلا کلمہ جو نکلا ہے وہ یہی تھا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کوئی نعرہ نہیں مارا۔ کوئی چیخیں نہیں ماریں۔ اصل بات یہ ہے کہ دُنیا میں انسان اسی واسطے آتا ہے کہ آزمایا جاوے۔ اگر وہ اپنی منشاء کے موافق خوشیاں مناتا رہے اور جس بات پر اس کا دل چاہے وہی ہوتا رہے تو پھر ہم اس کو خدا کا بندہ نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے ہماری جماعت کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے اس لیے اس تقسیم کے ماتحت چلنے کی کوشش کی جاوے۔ ایک حصہ تو اس کا یہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو مانتا ہے اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہ اپنی منواتا ہے جو شخص ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اس کی مرضی کے مطابق کرتا رہے اندیشہ ہے کہ شاید وہ کسی وقت مُرتد ہو جاوے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ میرے پر ہی تکلیف اور ابتلاء کا زمانہ آیا ہے بلکہ ابتداء سے سب نبیوں پر آتا رہا ہے حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جب فوت ہوا تھا تو کیا انہیں غم نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت میں لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے۔ آخر بشریت ہوتی ہے غم کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ مگر ہاں صبر کرنیوالوں کو بڑے بڑے اجر ملا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں کا منشا یہی ہے کہ انسان رضا بالقضا سیکھے۔ جو شخص اپنے ہاتھ سے آپ تکلیف میں پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے لیے ریاضات اور مجاہدات کرتا ہے وہ اپنے رگ پٹھے کی صحت کا خیال بھی رکھ لیتا ہے اور اکثر اپنی خواہش کے موافق ان اعمال کو بجا لاتا ہے اور حتی الوسع اپنے آرام کو مدِنظر رکھتا ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی امتحان پڑتا ہے اور کوئی ابتلاء آتا ہے تو وہ رگ اور پٹھے کا خیال مدِنظر نہیں ہوتا۔ انسان جب کوئی مجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنا تصرف رکھتا ہے مگر جب خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی امتحان آتا ہے تو اس میں انسان کے تصرف کا دخل نہیں ہوتا۔ انسان خُدا تعالیٰ کے امتحان

میں بہت جلد ترقی کر لیتا ہے اور وہ مدارج حاصل کر لیتا ہے جو اپنی محنت اور کوشش سے کبھی حاصل نہیں کر سکتا اسی واسطے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بشارت نہیں دی مگر وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ (البقرۃ:۱۵۶) میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہی طریق ہے جس سے انسان خدا تعالیٰ کو راضی کر سکتا ہے نہیں تو اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بن جاوے اور اپنی مرضی کے مطابق اُسے چلانا چاہے تو یہ ایک خطرناک راستہ ہوگا جس کا انجام ہلاکت ہے۔ ہماری جماعت کو منتظر رہنا چاہیئے کہ اگر کوئی ترقی کا ایسا موقعہ آجاوے تو اس کو خوشی سے قبول کیا جاوے۔

آج رات کو (مبارک احمد نے) مجھے بُلایا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مصافحہ کیا جیسے اب کہیں رُخصت ہوتا ہے اور آخری ملاقات کرتا ہے۔ جب یہ الہام اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ ہوا تھا تو میرے دل میں کھٹکا ہی تھا۔ اسی واسطے میں نے لکھ دیا تھا کہ یا یہ لڑکا نیک ہوگا اور رُوبخدا ہوگا یا یہ کہ جلد فوت ہو جائیگا۔ قرآن شریف پڑھ لیا تھا۔ کچھ کچھ اُردو بھی پڑھ لیتا تھا اور جس دن بیماری سے افاقہ ہوا۔ میرا سارا اشتہار پڑھا اور یا کبھی کبھی پرندوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہو جاتا تھا۔

فرمایا:۔

بڑا ہی بدقسمت وہ انسان ہے جو خدا تعالیٰ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تو دوست والا معاملہ چاہیئے۔ کبھی اس کی مان لی اور کبھی اپنی منوالی ؎

زبختِ خویش برخوردار باشی
بشرطِ آں کہ بامن یار باشی

ہمارے گاؤں میں ایک شخص تھا۔ اس کی گائے بیمار ہوگئی۔ صحت کے لیے دُعائیں مانگتا رہا ہوگا مگر جب گائے مَر گئی تو وہ دہریہ ہوگیا۔

خدا تعالیٰ نے اپنی قضاء و قدر کے راز مخفی رکھے ہیں اور اس میں ہزاروں مصالح ہوتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ کوئی انسان بھی اپنے معمول مجاہدات اور ریاضات سے وہ قُرب نہیں پا سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء آنے پر پا سکتا ہے۔ زور کا تازیانہ اپنے بدن پر کون مارتا ہے۔ خدا تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہم نے تو آزمایا ہے ایک تھوڑا سا دُکھ دے کر بڑے بڑے انعام و اکرام عنایت فرماتا ہے۔ وہ جہان ابدی ہے جو لوگ ہم سے جُدا ہوتے ہیں وہ تو واپس نہیں آسکتے ہاں ہم جلدی اُن کے پاس چلے جاویں گے۔ اس جہان کی دیوار کچی ہے اور وہ بھی گرتی جاتی ہے سوچنے والی بات یہ ہے کہ یہاں سے انسان نے لے ہی کیا جانا ہے اور پھر انسان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کب جانا

ہے۔ جب جائے گا بھی تو بے وقت جائے گا اور پھر خالی ہاتھ جائے گا۔ ہاں اگر کسی کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں تو وہ ساتھ ہی جائیں گے۔ بعض آدمی مرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں میرا اسباب دکھا دو اور ایسے وقت میں مال و دولت کی فکر پڑ جاتی ہے۔

ہماری جماعت کے لوگ بھی اس طرح کے ابھی بہت ہیں جو شرطی طور پر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں بعض لوگ خطوں میں لکھتے ہیں کہ اگر ہمیں اتنا روپیہ مل جاوے یا ہمارا یہ کام ہو جاوے تو ہم بیعت کریں گے۔ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کو تمہاری بیعت کی ضرورت کیا ہے۔ ہماری جماعت کا ایمان تو صحابہ والا چاہیئے جنہوں نے اپنے سر خدا تعالیٰ کی راہ میں کٹوا دیئے تھے۔

اگر آج ہماری جماعت کو یورپ اور امریکہ میں اشاعتِ اسلام کے لیے جانے کو کہا جاوے تو اکثر یہی کہہ دیں گے جی ہمارے بال بچوں کو تکلیف ہوگی۔ ہمارے گھروں کا ایسا حال ہے۔ یہ ہے وہ ہے۔ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ (الاحزاب: ۱۴) اور ہم نے یہ تو نہیں کہنا کہ جا کر سر کٹوائیں بلکہ یہی ہے کہ دین کے لیے سفر کی تکالیف اور صدمے اٹھاویں مگر اکثر یہی کہہ دیں گے۔ جی گرمی بہت ہے زیادہ تکلیف کا اندیشہ ہے مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ جہنم کی گرمی اس سے بھی زیادہ ہوگی۔ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (التوبۃ: ۸۱) صحابہؓ کا نمونہ مسلمان بننے کے لیے پکا نمونہ ہے ابھی تو جماعت پر مجھے یہ بھی اطمینان نہیں کہ اس کا نام میں جماعت رکھوں۔ ابھی تو یہ حشو ہے۔ ایسا انسان تو ہمیں نہیں چاہیئے جو صرف خوشی میں ہی خدا تعالیٰ کو پکارے۔ ایسے شخص پر تو ذرا خدا تعالیٰ کا امتحان آیا اور طرح طرح کی مایوسیاں اور بے امیدیاں ظاہر کرنی شروع کر دیں۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف اتنا کہہ دینے سے ہی کہ ہم ایمان لائے چھوٹ جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جاوے گا۔ امتحان کا ہونا تو ضروری ہے اور امتحان بڑی چیز ہے۔ سب پیغمبروں نے امتحان سے ہی درجے پائے ہیں۔ یہ زندگی دنیا کی بھروسہ والی زندگی نہیں ہے۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ آخر چھوڑنی پڑتی ہے۔ مصائب کا آنا ضروری ہے۔ دیکھو ایوبؑ کی کہانی میں لکھا ہے کہ طرح طرح کی تکالیف اسے پہنچیں اور بڑے بڑے مصائب نازل ہوئے اور اس نے صبر کئے رکھا۔ ہمیں یہ بہت خیال رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ ہماری جماعت صرف خشک استخواں کی طرح ہو۔ بعض آدمی خط لکھتے ہیں تو ان سے مجھے بُو آجاتی ہے شروع میں تو وہ بڑی لمبی چوڑی باتیں لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے دعا کرو کہ ہم اولیاء اللہ بن جاویں اور ایسے اور ویسے ہو جاویں اور اخیر پر جا کر لکھ دیتے ہیں کہ فلاں ایک مقدمہ ہے اس کے لیے ضرور دُعا کریں کہ فتح نصیب ہو۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اصل میں یہ ایک مقدمہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے خط لکھا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی مدِنظر نہ تھی۔

اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے۔ کبھی تو وہ اپنی منوانا چاہتا

ہے اور کبھی انسان کی مان لیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ہمیشہ انسان کی مرضی کے مطابق ہی کام ہوا کریں۔ اگر ایسا سمجھا جائے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کے ارادوں کے موافق ہو تو پھر امتحان کوئی نہ رہا۔ کون چاہتا ہے کہ آرام عیش و عشرت اور ہر طرح کے سکھ سے دُکھ میں مبتلا ہوؤں جس کے تین چار بیٹے ہوں، وہ کب چاہتا ہے کہ یہ مر جائیں اور کون چاہتا ہے کہ میری تمام خوشیاں دُکھوں اور مصیبتوں سے تبدیل ہو جاویں۔ غرض خدا تعالیٰ نے امتحان کو انسان کی ترقی کے لیے اور یا اُس کی بدگوہری ظاہر کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ بہت لوگ امتحان کے وقت طرح طرح کی باتیں بنانے لگ جاتے ہیں اور طرح طرح کے باطل توہمات اور وساوس انہیں اُٹھا کرتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۱۱)

یاد رکھو خدا تعالیٰ کا ساتھ بڑی چیز ہے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ نہ کوئی بیٹا رہے نہ کوئی مال و دولت رہے پھر بھی خدا بڑی دولت ہے۔ اس نے یہ کبھی نہیں کیا کہ جو اس کے ہو کر رہتے ہیں ان کو بھی تباہ کر دیا ہو۔ اس کے امتحان میں استقلال اور ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ یاد رکھو کہ امتحان ہی وہ چیز ہے جس سے انسان بڑے بڑے مدارج حاصل کر سکتا ہے۔ نری نمازیں اور دُنیا کے لیے ٹکریں کچھ چیز نہیں۔ مومن کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے قضا و قدر کے ساتھ شکوہ نہ کرے اور رضا بالقضا پر عمل کرنا سیکھے اور جو ایسا کرتا ہے میرے نزدیک وہی صدیقوں شہیدوں اور صالحوں میں سے ہے۔ جان سے بڑھ کر اور تو کوئی چیز نہیں اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور یہی وہ بات ہے جو ہم چاہتے ہیں۔

فرمایا:۔

ہمیشہ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ انسان جہاں چاہتا ہے کہ بیمار بچ جاوے وہاں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

اس پر ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے عرض کی کہ چند دن ہوئے حضور نے فرمایا تھا کہ خواب میں دیکھا ہے کہ اس مکان میں موت ہونے والی ہے اور بکری ذبح کی گئی اور ان دنوں میں مولوی نور الدین صاحب چونکہ بیمار تھے اس لیے ان کی نسبت خطرہ پڑ گیا تھا اور نواب محمد علی خاں صاحب اور ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب اور میں ہم تینوں اس بات کے گواہ ہیں۔

فرمایا:۔

تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے ایک کو تقدیر معلق کہتے ہیں اور دوسری کو تقدیر مبرم کہتے ہیں۔ ارادۂ الٰہی جب ہو چکتا ہے تو پھر اس کا تو کچھ علاج نہیں ہوتا۔ اگر اس کا بھی کچھ علاج ہوتا تو سب دنیا بچ جاتی۔ مبرم کی علامات ہی ایسی ہوتی ہیں کہ دن بدن بیماری ترقی کرتی جاتی ہے اور حالت بگڑتی چلی جاتی ہے۔ دیکھو نو دن کا تپ ٹوٹ گیا تھا بالکل نام و نشان باقی نہ رہا تھا مگر پھر دوبارہ چڑھ گیا۔ یہ تو خدا تعالیٰ نے نہیں کہا تھا کہ بخار ٹوٹنے کے بعد زندہ بھی

رہے گا خدا تعالیٰ کی دونوں پیشگوئیاں پوری ہونی تھیں۔ بخار بھی ٹوٹ گیا۔ اور خورد سالی میں فوت بھی ہوگیا۔

کچھ مدت گذری کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک جگہ پانی بہہ رہا ہے اور مبارک اس میں گر گیا ہے۔ بہتیرا دیکھا اور غوطے بھی لگائے مگر تلاش کرنے پر نہ ملا۔ یہ خواب ہمیشہ میرے مدِنظر رہا ہے۔

سید میر حامد شاہ صاحب نے عرض کی کہ حضور میری والدہ نے آج صبح کو خواب میں دیکھا تھا کہ حضور کے چار روشن ستارے ہیں۔ ایک اُن میں سے ٹوٹ کر زمین کے اندر چلا گیا ہے۔

پھر خلیفہ ڈاکٹر رشید الدین صاحب نے عرض کیا کہ مبارک احمد کو لوگ اکثر "ولی ولی" کر کے پکارا کرتے تھے۔ فرمایا:۔

ہاں ولی وہی ہوتا ہے جو بہشتی ہو

میاں مبارک احمد کی قبر دوسری قبروں سے کسی قدر فاصلہ پر ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

بعض اوقات اگر باپ خواب دیکھے تو اس سے مراد بیٹا ہوتا ہے اور اگر بیٹا خواب دیکھے تو اس سے باپ مراد ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں خواب میں یہاں (بہشتی مقبرہ) آیا اور قبر کھودنے والوں کو کہا کہ میری قبر دوسروں سے جُدا چاہیئے۔ دیکھو جو میری نسبت تھا وہ میرے بیٹے کی نسبت پورا ہوگیا۔[1]

---

۱۸ ستمبر ۱۹۰۷ء[2]

(بوقت سیر)

ایک الہام

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

مبارک احمد کی فوتیدگی سے دو دن پہلے یہ الہام ہوا تھا۔

"لَا عِلَاجَ وَلَا یُحْفَظُ"

ورزش جسمانی

فرمایا:۔

حکیم لکھتے ہیں کہ ریاضاتِ بدنی اَدویہ کی مشق سے بہتر ہوتی ہیں۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

[2] ۱۸ ستمبر کی ڈائری کا کچھ حصہ اس واسطے درج کیا گیا ہے کہ الحکم ایک دن دیر کر کے شائع ہوتا ہے۔ (ایڈیٹر)

ایک الہام

فرمایا:-

براہین احمدیہ میں ایک یہ الہام بھی درج ہے۔

"اِنِّیْ اِنِّیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ - اے خدا رحم کر"

یہ کسی خطرناک ابتلاء پر دلالت کرتا ہے معلوم نہیں اس کے پورا ہونے کا کونسا زمانہ ہے۔ ہماری جماعت بہت کمزور ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ یقین کی طرف ترقی کریں بدظنی کی طرف زیادہ مائل ہو جاتے ہیں۔ مجھے اس بات کا بہت خیال رہتا ہے کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے جس خدا نے اتنی پیشگوئیاں پوری کر دی ہیں اور فتح پر فتح اور نصرت پر نصرت دیتا رہا ہے ضروری ہے کہ وہ امتحان بھی لے۔ بعض لوگ نادان ہوتے ہیں سُنت اللہ کو سمجھتے نہیں ہیں اُن میں انجام شناسی اور پیش وپس پر غور کر کے صحیح رائے قائم کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ اس لیے اکثر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ چند دن ہوئے ہم نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک شخص ہے جو گویا مرتدین میں داخل ہو گیا ہے۔ مَیں اس آدمی کے پاس گیا ہوں۔ آدمی سنجیدہ معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے اس سے کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے جو ارتداد اختیار کر لیا ہے تو اُس نے مجھے جواب دیا خدا محفوظ رکھے کسی کو یہ ابتلاء پیش نہ آجاوے[1]

جوہڑ کے پانی کا استعمال

قادیان کے اردگرد نشیب زمین میں بارش اور سیلاب کا پانی جمع ہو کر ایک جوہڑ سا بن جاتا ہے جس کو یہاں ڈھاب کہتے ہیں۔ جن ایام میں یہ نشیب زمین (ساری یا اس کا کچھ حصّہ) خشک ہوتی ہے تو گاؤں کے لوگ اس کو رفع حاجت کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور اس میں بہت سی ناپاکی جمع ہو جاتی ہے جو سیلاب کے پانی کے ساتھ مل جاتی ہے۔

آج[2] صبح حضرت اقدس مع خدام جب باہر سیر کے واسطے تشریف لے گئے تو اس ڈھاب کے پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ:-

ایسا پانی گاؤں کی صحت کے واسطے مُضر ہوتا ہے

پھر فرمایا:-

اس پانی میں بہت سا گند شامل ہو جاتا ہے اور اس کے استعمال سے کراہت آتی ہے۔ اگرچہ فقہ کے مطابق اس سے وضو کر لینا جائز ہے کیونکہ فقہاء کے مقرر کردہ دَہ در دَہ (10 X 10) سے زیادہ ہے تاہم اگر کوئی شخص

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۳ صفحہ ۲ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء ؛ [2] یعنی ۱۸ ستمبر ۱۹۰۷ء (مرتب)

جس نے اس میں گندگی پڑتی دیکھی ہو اس کے استعمال سے کراہت کرے تو اس کے واسطے مجبوری نہیں کہ خواہ مخواہ اس سے یہ پانی استعمال کرایا جائے جیسا کہ گوہ کا کھانا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا ہے مگر خود کھانا پسند نہیں فرمایا۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے ؎

سعدیا حبِّ وطن گرچہ حدیث است درست
نتواں مُرد بہ سختی کہ دریں جا زادم

بدامنی کی جگہ پر احمدی کا کردار

سرحد پار کے علاقہ جات سے ایک جگہ سے چند احمدیوں کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ اس جگہ بدامنی ہے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں۔ کوئی پُرسان نہیں۔ چند مقامی ہم کو قتل کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم بھی اُن کو قتل کرنے کی کوشش کریں؟

حضرت نے فرمایا کہ:

ایسا مت کرو۔ ہر طرح سے اپنی حفاظت کرو لیکن خود کسی پر حملہ نہ کرو۔ تکالیف اُٹھاؤ اور صبر کرو۔ یہانتک کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے کوئی انتظام احسن کر دے۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسکے ساتھ ہوتا ہے۔

اضطراری حالات کے بعض مسائل

① آبکاری کی تحصیلداری

ایک دوست جو محکمہ آبکاری میں نائب تحصیلدار ہیں ان کا خط حضرت کی خدمت میں آیا اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا اس قسم کی نوکری ہمارے واسطے جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس وقت ہندوستان میں ایسے تمام امور حالتِ اضطرار میں داخل ہیں۔ تحصیلدار یا نائب تحصیلدار نہ شراب بناتا ہے نہ بیچتا ہے نہ پیتا ہے۔ صرف اس کی انتظامی نگرانی ہے اور بلحاظ سرکاری ملازمت کے اس کا فرض ہے۔ ملک کی سلطنت اور حالات موجودہ کے لحاظ سے اضطراراً یہ امر جائز ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے رہنا چاہیئے کہ وہ انسان کے واسطے اس سے بھی بہتر سامان پیدا کرے۔ گورنمنٹ کے ماتحت ایسی ملازمتیں بھی ہو سکتی ہیں جن کا

ایسی باتوں سے تعلق نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

---

② ننگوں کیساتھ میل جول

افریقہ سے ایک دوست نے بذریعہ تحریر حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ اس جگہ کے اصلی باشندے مرد و زن بالکل ننگے رہتے ہیں اور معمولی خورد و نوش کی اشیاء کا لین دین ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے تو کیا ایسے لوگوں سے ملنا جلنا گناہ تو نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

تم نے تو ان کو نہیں کہا کہ ننگے رہو وہ خود ہی ایسا کرتے ہیں۔ اس میں تم کو کیا گناہ؟ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں بعض فقیر اور دیوانے ننگے پھرا کرتے ہیں۔ ہاں ایسے لوگوں کو کپڑا پہننے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ایسے ہی لوگوں کی نسبت یہ بھی سوال کیا گیا کہ چونکہ ملک افریقہ میں غریب لوگ بھی ہیں جو نوکری پر بآسانی سستے مل سکتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں سے کھانا پکوایا جائے تو یہ کیا جائز ہے؟ یہ لوگ حرام حلال کی پہچان نہیں رکھتے۔

فرمایا:۔

اس ملک کے حالات کے لحاظ سے جائز ہے کہ اُن کو نوکر رکھ لیا جائے اور اپنے کھانے وغیرہ کے متعلق ان سے احتیاط کرائی جائے۔

③ ایسی عورتوں سے نکاح

یہ بھی سوال ہوا کہ کیا ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟

فرمایا:۔

اس ملک میں اور ان علاقوں میں بحالتِ اضطرار ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہے لیکن صورتِ نکاح میں اُن کو کپڑے پہنانے اور اسلامی شعار پر لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

نوٹوں پر کمیشن

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ نوٹوں کے بدلے روپیہ لینے یا دینے کے وقت یا پونڈ یا روپیہ توڑانے کے وقت دستور ہے کہ کچھ پیسے زائد لیے یا دیئے جاتے ہیں کیا اس قسم کا کمیشن لینا یا دینا جائز ہے؟

حضرت نے فرمایا:۔

یہ جائز ہے اور سُود میں داخل نہیں۔ ایک شخص وقت ضرورت ہم کو نوٹ بھم پہنچا دیتا ہے یا نوٹ لے کر روپے دے دیتا ہے تو اس میں کچھ ہرج نہیں کہ وہ کچھ مناسب کمیشن اس پر لے لے۔ کیونکہ نوٹ یا روپیہ یا ریزگاری کے محفوظ رکھنے اور تیار رکھنے میں وہ خود بھی وقت اور محنت خرچ کرتا ہے۔

فاسقہ کا حقِ وراثت

ایک شخص نے بذریعہ خط حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ ایک شخص مثلاً زید نام لاولد فوت ہوگیا ہے۔ زید کی ایک ہمشیرہ تھی جو زید کی حینِ حیات میں بیاہی گئی تھی۔ بسبب اس کے کہ خاوند سے بَن نہ آئی اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی اور وہیں رہی یہانتک کہ زید مرگیا۔ زید کے مرنے کے بعد اس عورت نے بغیر اس کے کہ پہلے خاوند سے باقاعدہ طلاق حاصل کرتی ایک اور شخص سے نکاح کر لیا جو کہ ناجائز ہے۔ زید کے ترکہ میں جو لوگ حقدار ہیں کیا ان کے درمیان اس کی ہمشیرہ بھی شامل ہے یا اس کو حصہ نہیں ملنا چاہیئے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس کو حصہ شرعی ملنا چاہیئے کیونکہ بھائی کی زندگی میں وہ اس کے پاس رہی اور فاسق ہو جانے سے اس کا حقِ وراثت باطل نہیں ہو سکتا۔ شرعی حصہ اس کو برابر ملنا چاہیئے باقی معاملہ اس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس کا پہلا خاوند بذریعہ گورنمنٹ باضابطہ کارروائی کر سکتا ہے۔ اس کے شرعی حق میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔

انبیاء کے مصائب

فرمایا:۔

انبیاء کے سوانح اور حالات میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں کہ کفار کے واسطے موجبِ ٹھوکر ہو جاتے ہیں۔ مگر اُس میں قصور ان کفار کا ہوتا ہے کیونکہ وہ صرف ایک واقعہ کو پکڑ لیتے ہیں اور باقی تمام باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ تمام امور کو یکجائی نظر سے دیکھا جائے۔ انبیاء پر جو مصائب آتے ہیں اُن میں بھی اللہ تعالیٰ کے ہزارہا اسرار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے مصائب آتے تھے۔ جنگِ اُحد میں ایک روایت ہے کہ آپؐ کو ستر تلواروں کے زخم لگے تھے اور مسلمانوں کی ظاہری حالت خراب دیکھ کر کفار کو بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ ایک کافر نے یہ یقین کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کبار سب شہید ہو گئے ہوں گے بآواز بلند پکار کر کہا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ خاموش رہو اس کا جواب نہ دو۔ خاموشی سے اُسے خوشی ہوئی کہ فوت ہو گئے ہوں گے اس واسطے جواب نہیں آیا۔ پھر اسی طرح اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آواز دی۔ تب بھی اُدھر سے خاموشی اختیار کی۔ پھر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق آواز دی۔ حضرت

عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے کہا کمبخت کیا کہتا ہے۔ سب زندہ ہیں۔

ایسی تلخیوں کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے مگر اُن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کے بعد کفار ہم پر چڑھائی نہ کریں گے بلکہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے۔ مکہ سے نکلنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی تلخی کا وقت تھا۔

ہمارے مخالف اس بات پر خوش ہوتے ہونگے کہ ان کا بیٹا مر گیا۔ مگر اس میں تو پیشگوئی پوری ہوئی ہے اور نیز خدا کے ساتھ جو زندگی ہوتی ہے وہ مصائب اور شدائد کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ہی لڑکے فوت ہوئے تھے۔ ایسا ہی کفار نے اس وقت بھی خوشیاں منائی ہوں گی۔ دشمن میں ہمدردی کی طاقت سلب ہو جاتی ہے مگر آخری فیصلہ خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور تمام باتوں کو ملا کر یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ انجام کیا ہوتا ہے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم لوگوں کو اسی سُنّت پر لائے جو قرآنِ کریم میں مرقوم ہے کیونکہ پہلے تمام انبیاء پر مصائب شدائد پڑتے رہے۔ خدا تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے کہ تم پر ان آزمائشوں کا پڑنا ضروری ہے جو پہلوں پر پڑیں۔ ان امتحانوں میں پاس ہونے کے بعد تم سچے مومن کہلا سکتے ہو۔ آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ اپنی خواب کی بناء پر حج کے واسطے گرمی میں سفر کیا تھا اور پھر اس سال حج نہ ہوا تو یہ امر بہتوں کے واسطے موجب ابتلاء ہوا تھا مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے بہت ساری فتوحات دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب سب سے بڑھکر تھے

تمام انبیاء پر مصائب اور تکالیف پڑیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکالیف آئیں وہ سب سے بڑھ کر تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا وقت بھی بہت تھوڑا تھا صرف تین سال لوگوں کو تبلیغ کی وہ بھی اکثر حصہ گمنامی میں گذر گیا۔ صرف ایک مصیبت واقعہ صلیب کی اُن پر پڑی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سخت مصائب پڑے۔ تیرہ سال تک بڑے صبر اور استقلال کے ساتھ آپ نے مکہ میں زندگی بسر کی اور ہر طرح کا دُکھ اُٹھایا اور آخر نہایت مجبوری کی حالت میں ہجرت کی۔ آپؐ پر تکالیف سب سے بڑھ کر تھیں۔

آنحضرتؐ کی کامیابی سب سے بڑھکر تھی

مگر آپؐ کو جو کامیابی نصیب ہوئی وہ بھی سب سے بڑھ کر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اصحاب دیئے گئے جنہوں نے آپؐ کی خاطر جانیں دے دیں اور اس کو فخر سمجھا، لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب کو دیکھتے ہیں تو ایک نے تیس روپے لے کر اپنے نبی کو بیچ ڈالا گویا وہ اس کا مُرشد نہ تھا غلام تھا۔ دوسرے نے مُنہ پر لعنت کی۔ حضرت موسیٰؑ کے

لہ "غزوہ خندق کے بعد" الفاظ معلوم ہوتا ہے سہواً رہ گئے ہیں (مرتب)

ساتھیوں نے کہا کہ جا تو اور تیرا خدا کافروں سے لڑائی کرو۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو وعدہ کی زمین بھی اپنی عمر میں دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

مسیح موعودؑ تمام انبیاء کا مظہر ہے

فرمایا:۔
اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام آدمؑ بھی رکھا ہے۔ نوحؑ بھی رکھا ہے۔ موسیٰؑ بھی رکھا ہے۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ عیسیٰؑ۔ محمدؐ غرض بہت سے انبیاء کے نام ہم کو دیئے ہیں اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ جس میں یہ اشارہ ہے کہ مسیح موعود تمام انبیاء گذشتہ کا مظہر ہے۔ ہمارے مخالف مولوی ہم پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگاتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمارا نام محمدؐ بھی رکھا ہے وہ اس وجہ سے کیوں کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ کیا اُن کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ حضرت عیسیٰؑ سے کم ہے یا اُن کو عیسیٰؑ سے بہت محبت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اُن کے دل میں کوئی غیرت باقی نہیں رہی۔

جماعت کمزور ہے

کسی شخص کے مُرتد ہونے والا خواب جو گذشتہ اخبار میں چھپ چکا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔
جماعت بہت کمزور ہے۔ اکثر نادان لوگ بدظنی کے قریب چلے جاتے ہیں اور تھوڑی بات پر ٹھوکر کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

بدیہی اور نظری باتیں

حافظ احمد اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور کا ایک الہام جو اخبار بدر ۲۰ ستمبر ۱۹۰۶ء میں چھپا تھا اس طرح سے ہے مَآ اَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ وَسَیُظْھَرُ عَلٰی یَدَیَّ مَا ظَھَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں چونکہ آیاتِ محکمات کے ساتھ آیاتِ متشابہات بھی ہیں اسی کے موافق مامورمن اللہ کا حال و قال ہے بعض باتیں بدیہی ہیں اور بعض نظری۔
فرمایا:۔ یہ درست ہے

چند فقہی مسائل

① بعض اوقات رمضان ایسے موسم میں آتا ہے کہ کاشت کاروں سے جبکہ کام کی کثرت مثل تخم ریزی و درودگی ہوتی ہے۔ ایسے ہی مزدوروں سے

سے جن کا گذارہ مزدوری پر ہے روزہ نہیں رکھا جاتا ان کی نسبت کیا ارشاد ہے؟

فرمایا:۔

اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ وطہارت سے اپنی حالت سوچ لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدوری پر رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ مریض کے حکم میں ہے۔ پھر جب میسر ہو رکھ لے۔

(۲) اور وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ (البقرۃ: ۱۸۵) کی نسبت فرمایا کہ:۔

اس کے معنے یہ ہیں کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔

(۳) اور نصف شعبان کی نسبت فرمایا کہ:۔

یہ رسوم حلوا وغیرہ سب بدعات ہیں[1]

---

۱۹ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

حضور کے متعلق ایک شخص کی پیشگوئی

پیسہ اخبار مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۷ء میں شائع شدہ دہلی کے ایک شخص نور احمد نامی کا مندرجہ ذیل مراسلہ حضرت اقدس کی خدمت میں پڑھ کر سنایا گیا:۔

"پچھلے سال اکتوبر مہینہ میں افسر الاطباء جناب حافظ محمد اجمل خاں صاحب کے دولتکدہ میں بموجودگی جناب نواب شجاع الدین صاحب رئیس لوہارو۔ خان بہادر غلام حسن خان صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس دہلی۔ نواب مرزا اکبر علی خاں صاحب۔ حاجی عبدالغنی و دیگر معززین جناب مولانا مولوی میر کرامت علی خاں صاحب نے فرمایا تھا کہ اب کے طاعون فروری میں زور پکڑے گا اور اپریل مئی میں یہانتک زور ہوگا کہ نوّے ہزار فی ہفتہ اموات طاعون سے ہونگی ۲۴ اپریل صبح ۵½ بجے اٹلی میں زلزلہ آئے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ دلّی میں بھی طاعون ہوگا اور افراتفری پھیلے گی لیکن جس محلہ میں آپ کا مسکن ہے وہاں طاعون نہیں ہوگا۔ جس طاعون کے مریض کو میں چھوؤں گا وہ طاعون سے نہیں مرے گا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی من وعن پوری ہوئی۔ فراش خانہ میں حضرت کا مکان ہے وہاں طاعون نہیں ہوا۔ اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ جن بیماروں کو آپ نے تعویذ دیا وہ بچ گئے۔ چنانچہ ولایت علی اور قمرالدین سوداگران صدر بازار

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۶-۷ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء

دہلی کا بیان ہے کہ ساٹھ مریضوں کو تعویذ پلائے گئے سب کے سب بچ گئے۔ اب کہ طاعون کے متعلق جو پیشگوئی کی گئی ہے برائے اندراج پیسہ اخبار ارسال خدمت ہے۔

پیشگوئی متعلقہ طاعون بابت سال ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء۔ پنجاب میں اب کے طاعون کا پہلے سال جیسا زور نہیں ہوگا البتہ ممالک مغربی و شمالی میں بہت زور ہوگا۔ دلی میں بھی گذشتہ سال سے زیادہ ہوگا۔ پنجاب کے ایک بہت بڑے مذہبی لیڈر جن کو دعویٰ ہے کہ ان کو طاعون نہیں ہو سکتا طاعون سے انتقال کریں گے۔ ان کے مرید اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے کئے سے پشیمان ہوں گے۔ ہندوستان سے طاعون دُور نہیں ہوگا جب تک کہ اصلی مسیح موعود یعنی پرنس ایڈورڈ خلف جناب پرنس آف ویلز وبیرہ حضور ملک معظم شاہ ایڈورڈ ہندوستان میں بطور وائسرائے نہیں آئیں گے۔ (نیاز مند نور احمد خریدار روزانہ پیسہ اخبار معرفت ایجنٹ دہلی)[1]

یہ مراسلہ سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا:۔

پیشگوئیاں تو وہ ہوتی ہیں جو قبل از وقت وقوع اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے عام طور پر شائع ہوں اور دُنیا میں ان کی عام طور پر شہرت ہو۔ آجکل کے لوگوں کی زبانی شہادتوں کا کیا بھروسہ ہے۔

ہمارے مخالفوں کی اس وقت عجیب حالت ہو رہی ہے۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ ایک جگہ آٹھ آدمیوں نے قسم کھا کے بیان کیا کہ ہم دیکھ آئے ہیں جو مجھے جذام ہو گیا ہے۔ زبانی شہادتوں پر تو بڑی بڑی کرامتیں لوگوں میں مشہور ہو جایا کرتی ہیں حالانکہ اصلیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔

فرمایا:۔

یہ اخبار تو رکھنے کے لائق ہے۔ اس کی پہلی پیشگوئی کی نسبت صرف زبانی شہادتوں کو ہم کافی نہیں سمجھتے۔ ہاں یہ ایک پیشگوئی ہے جو اس اخبار میں درج ہے۔ اب خود بخود سچائی ظاہر ہو جاوے گی۔ اس نے بڑا ہی ظلم کیا ہے جو دلی میں ہزاروں آدمی طاعون سے مر گئے اور اُس نے اُن کو چھوا تک بھی نہیں۔ زبانی شہادتیں آجکل کے لوگوں کی قابلِ قدر نہیں البتہ اس کی یہ پیش گوئی محفوظ رکھنے کے لائق ہے۔

یہ کیسی حیلہ سازی ہے کہ جو پیشگوئی کرتا ہے وہ تو چُپ ہے اور اس کی بجائے ایک دوسرا شخص شائع کرتا ہے۔ دیکھو جتنی پیشگوئیاں ہم کرتے ہیں خود ہی لکھتے اور شائع کرواتے ہیں۔ اصل میں قرونِ ثلاثہ[2] کا حال کمال پر پہنچ چکا ہے۔ اس زمانہ میں جھوٹ تو حلوا بے دُود سمجھا جاتا ہے۔ ہم پر بڑے بڑے افتراء کئے گئے اور طرح طرح کے بہتان

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

[2] غالباً یہ لفظ "قرونِ سابقہ" ہوگا جو کاتب کی غلطی سے "ثلاثہ" لکھا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

لگائے گئے۔ عدالتوں میں ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور ان لوگوں نے ہمارے برخلاف آتمارام اور چندولال کے سامنے کتنے جھوٹ بولے۔ فسق و فجور کی کوئی حد نہیں رہی اور خاص کر جھوٹ میں تو ان لوگوں نے وہ کمال حاصل کیا ہے کہ اگر لاکھ آدمی بھی مل کر شہادت دیں تو اعتبار نہیں ہو سکتا۔

شیخ یعقوب علی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :۔

یہ تمہارا ذمہ ہے کہ پیسہ اخبار کی طرف اصلیت کو دریافت کرنے کے لیے ایک خط لکھو بلکہ میں کہتا ہوں کہ خود ہی ایک دو آدمی کرامت علی کے پاس دلی چلے جاؤ اور اس کو یہ اخبار دکھا دو۔

کسی شخص نے عرض کی کہ منشی قاسم علی اور ڈاکٹر محمد اسماعیل دلی میں موجود ہیں اور بڑے مخلص ہیں انہیں کو لکھا جاوے۔ حضرت نے مولوی محمد احسن صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا :۔

ہم تو اسی وقت آدمی بھیجنے کو بھی تیار تھے مگر خیر انہیں کو لکھ دو اور تاکیداً لکھ دو کہ ہمارا خط دیکھتے ہی خود اس کے پاس جائیں اور اخبار دکھا دیں۔ اگر وہ اقرار کرے تو بھی اس سے لکھوالیں اور اگر انکار کرے تو بھی اس سے لکھوالیں۔ منشی قاسم علی اور ڈاکٹر محمد اسمٰعیل ہمارے خط کو دیکھتے ہی اس کے پاس جاویں اور پوری کوشش سے کام لے کر اس سے اقرار لیں۔ ایسی چور کا رروائی ٹھیک نہیں ہے۔ اُن کو تاکیداً لکھ دو کہ خود جا کر اس سے اقرار لیویں اور اس کے ہاتھ سے لکھوائیں۔ یہ تو بڑی فیصلہ کی بات ہے۔ گویا تمام دنیا کو ایک فیصلہ نے ہی چھڑا دیا ہے۔ اس کے پاس ضرور خود جا کر اس کی تصدیق کرانی چاہیئے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرنے کے لیے ایسی پیشگوئیاں کر دیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (البقرۃ: ۷۳) ایک ہفتہ تک پتہ لگ جائے گا کہ اصلیت کیا ہے؟ چاہیئے کہ یہی اخبار اُن کو بھیجدیا جاوے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ وہاں سے اخبار ہی تلاش کرتے پھریں۔ کرامت علی کے پاس جا کر اخبار کی وہ جگہ اُسے دکھلائیں جہاں پیشگوئی درج ہے اور اس کو کہدیں کہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہے۔ اس کی تصدیق ہم کرنے آئے ہیں۔ اور وہ اس بات کی بھی اچھی طرح سے تصدیق کر لیں کہ وہ کونسے ساٹھ آدمی ہیں جن کو چھونے سے اُن کی طاعون جاتی رہی اور وہ تندرست ہو گئے۔

خوشنودی کے چند الہامات

فرمایا :۔

کئی دنوں سے ابتلاؤں کا سامنا تھا۔ بیس پچیس دن رات تو میں سویا بھی نہیں۔ آج ذرا سی میری آنکھ لگ گئی تو یہ فقرہ الہام ہوا۔

"خدا خوش ہو گیا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کریم اس بات سے بہت خوش ہوا ہے کہ اس ابتلاء میں میں پورا اترا ہوں۔ اور اس

الہام کا یہی مطلب ہے کہ اس ابتلاء میں تو پورا اُترا۔

اس کے بعد پھر آنکھ لگ گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت خوشخط خوبصورت کاغذ میرے ہاتھ میں ہے جس پر کوئی پچاس ساٹھ سطریں لکھی ہوئی ہیں۔ میں نے اس کو پڑھا ہے مگر اس میں سے یہ فقرہ مجھے یاد رہا ہے کہ

"یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِنِّیْ مَعَکَ"

یعنی اے خدا کے بندے میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور اس کو پڑھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ گویا خدا کو دیکھ لیا۔ دیکھو ہمارے ساتھ تو خدا تعالیٰ کے یہ معاملے ہیں اور یہ ہیں جو ہماری ہلاکت کی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کو اپنے دین کا بیڑا غرق کر دینا منظور ہے تو جو چاہے سو کرے۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ مگر یہاں تو اُس نے بڑے بڑے وعدے دیئے ہوئے ہیں۔ ایک طرف خدا تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے:۔

وَلَکَ نُرِیْ اٰیَاتٍ وَنَھْدِمُ مَا یَعْمُرُوْنَ ۔ اُرِیْحُکَ وَلَا اُجِیْحُکَ وَاُخْرِجُ مِنْکَ قَوْمًا ۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ ۔ کَمِثْلِکَ دُرٌّ لَّا یُضَاعُ ۔ لَکَ دَرَجَۃٌ فِی السَّمَآءِ وَفِی الَّذِیْنَ ھُمْ یُبْصِرُوْنَ ۔

(یعنی میں تجھے آرام دوں گا اور تیرا نام نہیں مٹاؤں گا اور تجھ سے ایک بڑی قوم پیدا کروں گا اور تیرے لیے ہم بڑے بڑے نشان دکھلاویں گے اور ہم ان عمارتوں کو ڈھا دینگے جو بنائی جاتی ہیں۔ تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا اور تیرے جیسا موتی ضائع نہیں ہو سکتا۔ آسمان پر تیرا بڑا درجہ ہے اور نیز ان لوگوں کی نگاہ میں جن کو آنکھیں دی گئی ہیں)۔

مگر یہ کہتے ہیں کہ اس کی تمام جماعت پاش پاش ہو جاوے گی اور یہ خود بھی طاعون سے ہلاک ہو جائے گا۔

تَوَفّیٰ کے معنی

فرمایا:۔

ایک دفعہ دلّی میں تین شخص ہمارے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ مسیح ناصری فوت ہو چکا اور آنے والا مسیح میں ہوں اور توفّی کے معنے قبض رُوح کے کرتے ہو حالانکہ اس کے معنے پورا کرنے کے بھی ہیں اور اس کی تائید میں یہ فقرہ پڑھ کر سنایا تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا ضَمِنَتْ۔

لہ یہ فقرہ کہ "تیرے لیے ہم بڑے بڑے نشان دکھلاویں گے اور ہم اُن عمارتوں کو ڈھا دیں گے جو بنائی جاتی ہیں"۔ ترجمہ کی ترتیب کے لحاظ سے سب سے پہلے ہونا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے بعد میں لکھ دیا ہے۔ دراصل یہ الہامی عبارت کے پہلے فقرہ کا ترجمہ ہے۔ (مرتب)

میں نے جواب دیا کہ مولوی بن کر مفسر بن کر ایسی بات کرنی؟ بھلا یہ تو پہلے بتلاؤ کہ یہ صیغہ کاہے کا ہے بس پھر تو یہی کہنے لگ گیا۔ جی غلطی ہوگئی۔

(توفی کے معنے پورا دینے کے وہاں ہوں گے جہاں بابِ تفعیل ہوگا اور قبض رُوح کے معنے وہاں ہونگے جہاں باب تفعّل سے ہوگا۔

میر کرامت علی خان دہلوی کا عقیدہ

فرمایا:۔

عجیب بات ہے کہ ہمیں تو رد کر دیا اور ایک عیسائی کو مسیح بنا دیا۔ امید ہے کہ یہ ایک ہنسی ٹھٹھا کی پیشگوئی ہوگی۔ ورنہ ایک مسلمان کا ایسے شخص کو مسیح قرار دینا جو انسان کی پرستش کرتا اور انسان کو خدا بناتا اور مسلمانوں کے نزدیک کفر کا عقیدہ رکھتا ہے نیک نیتی پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ محض ہنسی ٹھٹھا معلوم ہوتا ہے۔

حضور کے متعلق ہلاکت کی پیشگوئیاں کرنیوالوں کا انجام

فرمایا:۔

طاعون تو ابھی سر پر ہے۔ یہ کوئی صحیح فیصلہ تو نہیں کہ اب طاعون دور ہوگئی ہے۔ یاد رکھو کہ مفتری کو خدا تعالیٰ بے سزا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ابھی تو طاعون کی نسبت گورنمنٹ خود بھی حیران ہے کہ اس کو روکنے کی کیا تدبیر کی جاوے اور اس طرف خدا تعالیٰ نے ہمیں بھی خبر دے رکھی ہے کہ اس سال یا اگلے سال سخت طاعون پڑے گی اور شدت سے پڑے گی اور مغربی ممالک میں بھی خطرناک طاعون پڑے گی اور کابل کی نسبت طاعون تو نہیں مگر یہ فرمایا ہے کہ وہاں پچاسی ہزار آدمی ہلاک ہوں گے اور ساتھ ہی ہمارے ساتھ وعدہ ہے کہ

"اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ"

اگر یہ افتراء ہے تو دکھاؤ کہ ان گیارہ برسوں میں کتنے ہلاک ہوئے؟

دیکھو فقیر مرزا نے میری نسبت کتنے زور سے یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص آئندہ ماہِ رمضان میں طاعون سے مرے گا اور بڑا بڑا دعویٰ کیا کہ میرا عرشِ معلّٰی تک گذر ہوا ہے اور میری نسبت بار بار کہا کہ یہ جھوٹا ہے اور مجھے خدا کی آواز آئی ہے کہ اس پر آئندہ ماہِ رمضان کی فلاں تاریخ کو بڑا غضب نازل ہوگا اور تباہ ہو جائے گا مگر دیکھو کہ پھر خود ہی طاعون سے ہلاک ہوگیا اور پھر عجیب بات یہ کہ آئندہ رمضان کی اسی تاریخ کو آپ ہی ہلاک ہوگیا جس تاریخ کو میری ہلاکت کی پیشگوئی لکھی تھی۔

پھر چراغ الدین کو دیکھو جو بڑا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ نے مجھے عصا دیا ہے اور پھر میری ہلاکت کے لیے بڑی بڑی دُعائیں کرتا رہا مگر آخر خود ہی اپنے لڑکوں سمیت طاعون سے مارا گیا۔ یہ تو ان پیشگوئی

کرنے والوں کے حال ہیں اور اُن کے کشفوں اور الہاموں کا حال یہ ہے کہ خدا ان کو کہتا تو کچھ اَور ہے اور ہو کچھ اَور جاتا ہے اور پھر ایک نہیں دو نہیں کئی ہیں۔ حقیقۃ الوحی میں ہم نے نمونہ کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔

دیکھو غلام دستگیر نے لکھا تھا کہ جیسے مجمع بحار الانوار کے مؤلف کی دُعا سے اُن کے زمانہ کے مہدی کا ذب کا بیڑا غارت ہوا تھا ویسے ہی میری دُعا سے مرزا قادیانی جڑ سے کاٹا جائے گا۔ پھر دیکھو وہ خود ہی تباہ ہو گیا اور یہ باتیں ایسی نہیں جو یُونہی چھوڑ دی جاویں بلکہ ان پر غور کرنا چاہیئے۔

فرمایا:۔

اصل میں جیسے کافر اور مشرک لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اُڑانا چاہتے تھے ویسے ہی یہ ہم کو بھی ہنسی ٹھٹھے میں اُڑانا چاہتے ہیں۔ آپ تو وہ عورتوں کی طرح چُپ کر بیٹھا ہوا ہوگا۔ اصل میں دلی میں ہنسی ٹھٹھا بہت ہے۔ کوئی دیندار ایسے لفظ کب استعمال کر سکتا ہے کہ ایسا شخص جو نصرانیت کے شرک میں مبتلا ہو اور ایک انسان کو پوجنے والا ہو اصل مسیح ہے۔ خیال تو کرو کہ مسلمان ہو کر اپنے مذہب کو کیسے ہنسی ٹھٹھے میں اُڑاتا ہے۔ آریہ وغیرہ بھی اپنے مذہب سے ایسے ٹھٹھے نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دلی کی کمبختی کچھ باقی ہے[1]

---

۲۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

الدّار کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

فرمایا:۔

آج رات کو پھر الہام ہوا کہ

"اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال یا دوسرے سال شدت سے طاعون پڑے گی۔ گو بڑے بڑے انتظام ہو رہے ہیں کہ کسی طرح طاعون دُور ہو مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان تدابیر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا۔ ہم نے مانا کہ قواعد بھی ہیں۔ طبیب اور ڈاکٹر بھی ہیں۔ انتظام بھی ہیں۔ مگر یہ تو بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ اصلی اور حقیقی محافظ کا اشارہ تک نہیں کیا جاتا۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون ہیضہ یا کوئی اور وبائی امراض پھیلنے والے ہیں اور اللہ کریم وعدہ فرماتا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اور اخبار روزانہ میں جو میری نسبت پیشگوئی کی گئی ہے کہ طاعون سے

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۵ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

ہلاک ہوجاؤں گا اس کا جواب اللہ تعالیٰ دیتا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ ہماری طرف سے تو بالکل خاموشی تھی مگر خدا تو سمیع علیم ہے۔

حضور کے خلاف پیشگوئیوں کی حقیقت

پیشگوئی میں جو لکھا ہے کہ میں ہلاک ہوجاؤں گا اور میری جماعت پاش پاش ہوجاوے گی خدا تعالےٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ میں ہر ایک کی جو تیرے گھر میں ہوگا حفاظت کروں گا۔ ہمیں تو شک پڑتا ہے کہ کرامت علی بھی کہیں فرضی نام نہ ہو ورنہ مسلمان ہوکر اسلام پر ہنسی ٹھٹھا کرنا کچھ تعجب ہی آتا ہے۔

ہم یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ جو پیشگوئی کی گئی ہے آیا کسی الہام کی بناء پر کی گئی ہے یا فرضی طور پر ہنسی ٹھٹھے سے کام لیا گیا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ نے بتلائی ہے تو پھر اس وحی اور الہام کو بھی شائع کیا جاوے ورنہ یوں تو یہاں اچھر نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ میں طاعون سے نہیں مروں گا۔ اپنے ارادوں[1] پر تو ہر ایک نے مرنا ہی ہے۔ ایسے فضول دعووں پر ہم توجہ نہیں کیا کرتے۔ چاہیئے کہ ہمارے مقابلہ میں یہ شائع کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے تاکہ خدا تعالےٰ کو بھی غیرت آوے۔ خدا تعالےٰ کو تو غیرت تبھی آئے گی جب اس پر افترا کیا جاوے گا اور اُس کا نام لے کر جھوٹ بولا جاوے گا۔ اور پھر اس پیشگوئی میں ایک انسان کی پرستش کرنے والے اور اسلامیوں کی رُو سے کُفر کا عقیدہ رکھنے والے کو اس نے حقیقی مسیح قرار دیا۔ کیا کوئی مسلمان اس سے خوش ہوسکتا ہے؟ ہمارا تو خیال ہے کہ ایک پادری بھی اس کو پسند نہیں کرے گا اور ایسی بات سے کبھی خوش نہیں ہوگا۔ عیسائی ایسی باتوں کو کب مانتے ہیں۔ یہ تو سب فرضی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ گورنمنٹ کی اطاعت اَور امر ہے اور مذہبی امور اور بات ہے۔ جانتک ہمارا خیال ہے ایسی چور کارروائی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرضی نام ہوگا۔ کئی خطوط آتے ہیں۔ جب اُن کا جواب بھیجا جاتا ہے تو کئی دنوں کے بعد وہی واپس آجاتا ہے جس پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس نام کی بہتیری تلاش کی گئی۔ مگر کوئی شخص اس نام اور پتہ کا نہیں ملا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

میں نے پڑھا ہے۔ اصل میں یہ لوگ ہمارے مقابلہ پر ہر ایک شرّ سے کام لینا چاہتے ہیں اور ہمیں ہر طرح کے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ امام حسینؓ کو قریباً پچاس ہزار کوفے کے آدمیوں نے خط لکھا کہ آپ آئیں ہم نے بیعت کرنی ہے اور جب وہ آئے تو سب مل کر قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم نے تو کوئی خط روانہ نہیں کیا اور صاف انکار کردیا اور ابھی تقویٰ اس زمانہ میں بہت تھا کیونکہ زمانۂ نبوت کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ مگر اس زمانہ کے لوگوں

---

[1] یہ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔ غالباً عبارت یوں ہوگی۔ "اپنے ارادوں پر تو ہر ایک نے مرنا نہیں ہے" (مرتب)

ہیں تو تقویٰ اور دیانت امانت کا نام و نشان بھی نہیں رہا اور جھوٹ تو ایسے مزے سے بولتے ہیں کہ گویا وہ گناہ ہی نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

فرمایا:-
ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکے کا باپ جنگ میں شہید ہوگیا۔ جب لڑائی سے واپس آئے تو اس لڑکے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کو گود میں اُٹھا لیا اور کہا کہ مَیں تیرا باپ ہوں۔

صحابیات کا مثالی ایمان

ایک عورت کا حال بیان کرتے ہیں کہ اس کا خاوند اور بیٹا اور بھائی جنگ میں شہید ہوئے۔ جب لوگ جنگ سے واپس آئے تو انہوں نے اس عورت کو کہا کہ تیرا خاوند، بیٹا اور بھائی تو لڑائی میں مارے گئے تو اس عورت نے جواب دیا کہ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو صحیح سلامت زندہ بچ کر آگئے ہیں یا نہیں؟ تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی عورتوں کا بھی کتنا بڑا ایمان تھا۔

حضرت اُمّ المومنین کا اعلیٰ ایمان

فرمایا:-
کل والا الہام کہ "خدا خوش ہوگیا" ہم نے اپنی بیوی کو سنایا تو اس نے سُن کر کہا کہ مجھے اس الہام سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مَر جاتا تو مَیں پروانہ کرتی۔

فرمایا:-
یہ اس الہام کی بناء پر ہے کہ "میں خدا کی تقدیر پر راضی ہوں"۔ اور پھر چار دفعہ یہ الہام بھی ہوا تھا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ اور پھر "ہے تو بھاری امتحان مگر خدائی امتحان کو قبول کر"۔ اور پھر "لائف آف پین" یعنی تلخ زندگی۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی وفات خدائی وعدوں کے مطابق ہے

فرمایا:-
اگر کیمیائی نظر سے دیکھا جائے۔ تو ایک انسان بھی انکار نہیں کر سکتا اور پھر پیدا ہوتے ہی الہام ہوا تھا اِنِّیْ اُسْقِطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ میرے دل میں خدا تعالیٰ نے اسی وقت ڈال دیا تھا۔ تبھی تو مَیں نے لکھ دیا تھا یہ لڑکا نیک ہوگا اور رُوبخدا ہوگا اور خدا تعالیٰ کی طرف اس کی حرکت ہوگی اور یا یہ جلد فوت ہو جائے گا۔ کوئی بدمعاش اور راستی کا دشمن ہو تو اور بات ہے

مگر یکجائی طور پر نظر کرنے سے ایک دشمن بھی مان جائے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے خدائی وعدوں کے مطابق ہوا ہے اور پھر یہ الہام بھی ہوا تھا "اِنِّیْ مَعَ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ حَالٍ" اب بتلاؤ ایسی صاف بات سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔

ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے

اصل میں ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ اگر انسان عمدہ عمدہ کھانے، گوشت پلاؤ اور طرح طرح کے آرام اور راحت میں زندگی بسر کر کے خدا تعالیٰ کو ملنے کی خواہش کرے تو یہ محال ہے۔ بڑے بڑے زخموں اور سخت سے سخت ابتلاؤں کے بغیر انسان خدا تعالیٰ کو مل ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) غرض بغیر امتحان کے تو بات بنتی ہی نہیں اور پھر امتحان بھی ایسا جو کمر کو توڑنے والا ہو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑھ کر مشکل امتحان ہوا تھا جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ (الم نشرح: ۳، ۴) جب سخت ابتلاء آئیں اور انسان خدا کے لیے صبر کرے تو پھر وہ ابتلاء فرشتوں سے جا ملاتے ہیں۔ انبیاء اسی واسطے زیادہ محبوب ہوتے ہیں کہ ان پر بڑے بڑے سخت ابتلاء آتے ہیں اور وہ خود ہی ان کو خدا تعالیٰ سے جا ملاتے ہیں۔ امام حسینؓ پر بھی ابتلاء آئے اور سب صحابہ کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کہ وہ سخت سے سخت امتحان میں ڈالے گئے۔ گوشت اور پلاؤ کھانے سے اور آرام سے بیٹھ کر تسبیح پھیرتے رہنے سے خدا تعالیٰ کا ملنا محال ہے۔ صحابہؓ کی تسبیح تو تلوار تھی اگر آجکل کے لوگوں کو کسی جگہ اشاعتِ اسلام کے واسطے باہر بھیجا جاوے تو دس دن کے بعد تو ضرور کہہ دیں گے کہ ہمارا گھر خالی پڑا ہے۔ صحابہؓ کے زمانہ پر اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ابتداء سے فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینی پڑ جائے تو پھر دے دیں گے۔ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے کو قبول کیا ہوا تھا۔ جتنے صحابہؓ جنگوں میں جاتے تھے کچھ تو شہید ہو جاتے تھے اور کچھ واپس آجاتے تھے اور جو شہید ہو جاتے تھے اُن کے اقرباء پھر اُن سے خوش ہوتے تھے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دی اور جو بچ آتے تھے وہ اس انتظار میں رہتے تھے اور شاکی رہتے کہ شاید ہم میں کوئی کمی نہ رہ گئی ہو جو ہم جنگ میں شہید نہیں ہوئے اور وہ اپنے ارادوں کو مضبوط رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ کے لیے جان دینے کو تیار رہتے تھے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا (الاحزاب: ۲۴)

سب سے زیادہ تقویٰ پر قدم مارنے والی، استقامت اور رضا کے نمونے دکھانے والی تو ہماری جماعت ہی ہے مگر ان میں سے بھی ابھی بہت ایسے ہیں جو دُنیا کے کیڑے ہیں اور ایسے موقعہ پر میں ایک شعر سُنا دیتا ہوں کہ ؎

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است ومحال است وجنوں

موت کو یاد رکھو اور خدا تعالیٰ کو مت بھولو

اور پھر موت کا اعتبار نہیں کہ کب آجاوے۔ اس لیے انسان کو نڈر نہیں ہونا چاہیئے اور سفلی دنیا کی خاطر دین سے غفلت نہیں کرنا چاہیئے ؎

مکن تکیہ بر عمرِ ناپائیدار ؎ مباش ایمن از بازیٔ روزگار

وہ موت تاریکی کی موت ہے۔ جو انسان اپنے دنیاوی دھندوں میں مصروف ہوتا ہے اور موت اُوپر سے آدباتی ہے۔ حافظ نے ایسے موقعہ پر ایک شعر کہا ہے ؎

چو روزِ مرگ نہ پیداست بارے آں اولیٰ
کہ روزِ واقعہ پیشِ نگار خود باشد

یعنی موت کا دن تو مخفی ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مرنے کے دن میرا محبوب اور میرا معشوق میرے پاس ہو۔ موت جب آتی ہے تو ناگہانی طور پر آجاتی ہے۔ انسان کہیں اور تدبیروں اور دھندوں میں پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ یہ کام اس طرح ہو جاوے یہ ایسے ہو جاوے اور اُوپر سے موت آجاتی ہے اور پھر لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف: ۳۵) والا معاملہ ہوتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ملازمت، تجارت، زمینداری اور دوسرے وجوہِ معاش کو انسان چھوڑ دیوے بلکہ چاہیئے کہ عملی طور پر اس تعلق کو بھی ثابت کرکے دکھاوے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھنے کا اقرار کرتا ہے۔ جتنی جانفشانیاں اور جدوجہد دُنیا کے لیے کرتا ہے دوسری طرف دین کے لیے بھی تو کرکے دکھاوے۔ ورنہ زبانی دعوے تو خواہ آسمان تک پہنچ جاویں جب تک عملی طور پر کرکے نہ دکھاؤ گے کچھ نہیں بنے گا۔ مومن آدمی کا سب ہم و غم خدا تعالیٰ کے واسطے ہوتا ہے۔ دنیا کے لیے نہیں ہوتا اور وہ دنیاوی کاموں کو کچھ خوشی سے نہیں کرتا بلکہ اُداس سا رہتا ہے اور یہی نجات حیات کا طریق ہے اور وہ جو دنیا کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کے ہم و غم سب دنیا ہی کے لیے ہوتے ہیں ان کی نسبت تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: ۱۰۶) ہم قیامت کو ان کا ذرہ بھر بھی قدر نہیں کریں گے۔

حضرت اماں جان کا عظیم نمونہ

فرمایا:۔

مبارک احمد کی وفات پر میری بیوی نے یہ بھی کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کو میں نے اپنے ارادوں پر قبول کر لیا ہے اور یہ اس الہام کے مطابق ہے کہ "میں نے خدا کی مرضی کے لیے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے"۔

فرمایا:۔

پچیس برس شادی کو ہوئے اس عرصہ میں انہوں نے کوئی واقعہ ایسا نہیں دیکھا جیسا اب دیکھا۔ میں نے انہیں

کہا تھا کہ ایسے محسن اور آقا نے جو ہمیں آرام پر آرام دیتا رہا۔ اگر ایک اپنی مرضی بھی کی تو بڑی خوشی کی بات ہے۔

فرمایا:-

ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا۔

مومن ضائع نہیں کیا جاتا

فرمایا:-

مَیں تو کبھی نہیں مان سکتا کہ جو شخص دل سے خدا تعالیٰ کی طرف قدم رکھے وہ ضائع ہو۔ مومن آدمی کبھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس کو دین بھی ملتا ہے اور دُنیا میں بھی عزت ملتی ہے اور مال بھی۔

اِنفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں مثالی نمونہ

فرمایا:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے گھر میں آکر پوچھا کہ ہمارے گھر میں کیا ہے؟ عائشہؓ نے دو اشرفیاں نکال کر دیں اور کہا کہ یہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیلی پر رکھ لیں اور کہا کہ کیا حال ہے اس نبی کا جو پیچھے دو اشرفیاں چھوڑ جائے۔ اور پھر اسی وقت تقسیم کر دیں۔

فرمایا:-

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اگر ہمارے پاس کبھی کچھ ہو تو دوسرے دن سب خرچ ہو جاتا ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے جماعت کا ہوتا ہے اور وہ بھی لنگر خانہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات کچھ بھی نہیں رہتا اور ہمیں غم پیدا ہوتا ہے تب خدا تعالیٰ کہیں سے بھیج دیتا ہے۔ اکثر لوگ خدا تعالےٰ کی پُوری پوری قدر نہیں سمجھتے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام: ۹۲) خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذٰریات: ۲۳) اس زمانہ کے فلسفی تو ایسی باتیں کرنے والے کو نادان بے وقوف اور پاگل کہتے ہیں۔ مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے مجرب اور آزمودہ فلسفہ کو ہم رد کس طرح کر سکتے ہیں۔ چونکہ خدا پر پورا ایمان نہیں ہوتا اس لیے اس کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بھی دریغ کرتے ہیں مگر ہمارے خیال میں مال تو پھر مال ہے اس راہ میں تو جانیں بھی قربان کر دینی چاہئیں[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ صفحہ ۸ - ۹ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء

۲۱ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

سچی خوابوں کے بارہ میں سنّت اللہ

فرمایا:-

سنت اللہ اسی طرح سے جاری ہے اور ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے کہ بعض لوگوں کو نہ تو خدا کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے اخلاق عادات اچھے ہوتے ہیں۔ مگر جب کسی اپنے پرائے نے مرنا ہو یا کوئی اور ایسا ہی واقعہ ہونا ہو تو بعض اوقات خوابوں کے ذریعہ سے کچھ نہ کچھ اطلاع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ایک چوہڑی کو بھی میں نے دیکھا ہے کہ اس کی اکثر خوابیں سچی نکلا کرتی تھیں۔ بلکہ ایک پرلے درجہ کی زانیہ اور بدکار عورت کو بھی کچھ نہ کچھ خوابیں آسکتی ہیں اور بازاری عورتیں طوائف وغیرہ بھی اکثر اوقات بیان کیا کرتی ہیں کہ میری فلاں خواب سچی نکلی۔ ہاں اگر یہ سوال کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ تا یہ لوگ ایسا نمونہ پاکر کارخانۂ نبوت کو سمجھ لیں اگر ایسا نمونہ نہ ہوتا تو پھر نبیوں کے تعلق کو سمجھنے میں دقت ہوتی۔

یہ سچی بات ہے کہ کافر فاسق فاجر سب کو سچی خوابیں کبھی کبھی آیا کرتی ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تم لوگ باوجود طرح طرح کے عیبوں، فسق و فجور اور دنیا کے گند میں مبتلا ہونے کے ایسی خوابیں دیکھ لیا کرتے ہو تو پھر وہ جو ہر وقت خدا تعالیٰ کے پاس رہتے ہیں اور اسی کے آستانہ پر ہر وقت گرے رہتے ہیں ان کو سچا کیوں نہ سمجھا جائے

ایک دفعہ چند آریہ ہندو ہمارے پاس آئے تھے اور کہنے لگے کہ ہمیں بھی سچی خوابیں آتی ہیں۔ میں نے اُن کو یہی کہا تھا کہ ہم تو مانتے ہیں کہ چوہڑوں اور چماروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ جس کو سچی خواب آوے۔ اس کی عملی حالت بھی بڑی اعلیٰ ہے اور اس کا دل بڑا پاک ہے بلکہ یہ تو کارخانۂ نبوت کو سمجھنے کے لیے ہر ایک کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ رکھا ہے۔

مرزا مبارک احمد کی وفات کا نشان

فرمایا:-

مبارک احمد کی نسبت جو کچھ قبل از وقت لکھا گیا تھا اور پھر اس کی والدہ کی نسبت خاص طور پر الہام ہونا کہ "ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر" اور پھر چار دفعہ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" اور پھر "لائف آف پین" یعنی تلخ زندگی۔ اگر یکجائی طور پر ایک دشمن بھی دیکھے تو بجز اس کے کچھ بھی جواب نہیں دے سکے گا کہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ظہور میں آیا ہے۔ ہاں اگر بے حیائی اور شرارت سے کام لے تو اور بات ہے۔ چاہیئے کہ منہاجِ نبوت

سے پرکھا جاوے یا کم از کم عقل کی رُو سے ہی سمجھی کہ اتنے بچے تھے اور صرف مبارک کی نسبت ایسا لکھا گیا کوئی انسان عقل سے ایسا کر سکتا ہے؟ موت فوت کی خبر دینا یہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کام نہیں خدا تعالیٰ کا فضل ہے جو سب کچھ پہلے ہی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اب اگر کہتے تو کون مانتا۔

سوچنا چاہیئے کہ آیا جو کچھ وفات سے پہلے ظاہر کیا گیا ہے وہ وفات بتلا رہا ہے یا زندگی؟ "اِنِّیْ اُسْقِطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" تو مبارک کی ولادت سے بھی پہلے کہا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ تو صاف فرماتا ہے۔ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۷، ۲۸)

ایک الہام

فرمایا:۔

کل ذرا سی مجھے غنودگی ہوئی تو الہام ہوا جس کا اتنا حصہ یاد رہا کہ "اِنِّیْ مُبَارِکُکَ" اس کے معنے بہت ہیں۔ جیسے اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر: ۴) ہے۔ ویسے ہی یہ ہے[1]

---

۲۵ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقت ظہر)

جماعت کے مبلغین کیلئے ضروری صفات

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ایک تجویز کی تھی۔ اگر راست آجاوے تو بڑی مراد ہے۔ یونہی عمر گذرتی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے اپنے لیے کچھ حصہ دین کا اور کچھ حصہ دُنیا کا رکھا ہو اور ایک صحابی بھی ایسا نہیں تھا جس نے کچھ دین کی تصدیق کر لی ہو اور کچھ دُنیا کی بلکہ وہ سب کے سب منقطعین تھے اور سب کے سب اللہ کی راہ میں جان دینے کو تیار تھے۔ اگر چند آدمی ہماری جماعت میں سے بھی تیار ہوں جو مسائل سے واقف ہوں اور اُن کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ قانع بھی ہوں تو ان کو باہر تبلیغ کے لیے بھیجا جاوے۔ بہت علم کی حاجت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سب اُمّی ہی تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواری بھی اُمّی تھے۔ تقویٰ اور طہارت چاہیئے۔ سچائی کی راہ ایک ایسی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ خود ہی عجیب عجیب باتیں سُجھا دیتا ہے۔

بچوں کو تعلیم کیلئے مرکز میں بھجوانے کا فائدہ

لوگ جو اپنے لڑکوں کو تعلیم دینے کے لیے یہاں کے سکول میں بھیجتے ہیں اگرچہ وہ اچھا کرتے ہیں

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۵ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

اور یہ اچھا کام ہے مگر وہ محض لِلّٰہ نہیں بھیجتے۔ کیونکہ اُن کا خیال ہوتا ہے کہ جو سرکاری تعلیم اور جماعت بندی اور دوسرے قواعد دیگر سکولوں میں ہیں وہی یہاں بھی ہیں اور یہاں بھیجتے وقت دنیاوی تعلیم کا بھی خصوصیت سے خیال رکھ لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو تعلیم دوسرے سکولوں میں ہے وہی یہاں ہے مگر تاہم بھی نیک نیتی کی بناء پر یہ سب عمدہ باتیں ہیں اور اس سے کچھ عمدہ نتیجہ ہی نکلنے کی توقع ہے۔ اور یہاں کے سکول میں تعلیم پانے سے اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ دن رات نیکوکاروں اور صادقوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے۔ عمدہ عمدہ کتابوں اور ہماری تصانیف کے پڑھنے کا موقعہ بھی ملتا رہتا ہے اور مولوی (نورالدین) صاحب کی عمدہ عمدہ باتوں اور نصیحتوں اور درس کے سُننے سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور جب بچپن سے ہی ان طالب علموں کے کانوں میں صالح اور راستباز استادوں کی آواز پڑتی ہے تو اس سے وہ متاثر ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ دینداری کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں۔ غرض یہ سچی بات ہے کہ اس مدرسہ کی بناء فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر تین یا چار سو لڑکا تعلیم پاتا ہو تو اتنی امید ہے کہ تیس یا چالیس ہماری منشا کے مطابق بھی نکل آویں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمونہ اختیار کرو

مگر جو بات ہم چاہتے ہیں وہ اس سے پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ خواہ کچھ ہی ہو یہ باتیں ملونی سے خالی نہیں۔ ہمارا مطلب اس بات کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس نمونہ پر اس جماعت کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمونہ ہے۔ ہم تو منہاجِ نبوت کے طریقہ پر ترقیات دیکھنی چاہتے ہیں۔ موجودہ کارروائی کو خالص کارروائی نہیں کہہ سکتے۔ ہزار ہا مرتبہ رائے زنی کی جائے اصل میں جیسا کہ میں نے کل کہا تھا ابھی تو پانی کے ساتھ پیشاب کی ملونی ہے۔

غرض اس طرح کی تعلیم ہماری ترقیات کے لیے کافی نہیں۔ ہمارے سلسلہ کو تو صرف اخلاص، صدق اور تقویٰ جلد ترقی دے سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایک لاکھ سے متجاوز تھے۔ میرا ایمان ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی ملونی والا ایمان نہ تھا۔ ایک بھی ان میں سے ایسا نہ تھا جو کچھ دین کے لیے ہو اور کچھ دنیا کے لیے بلکہ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لیے تیار تھے جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴)

منافق کون ہوتا ہے

جو لوگ ملونی والے ہوتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ نے منافق کہا ہے بیعت کرنے والوں کو خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ منافق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ ملونی کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھے اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے تو بڑے بزرگ اور مؤمن سمجھے

جاتے۔ کیونکہ شر جب بہت بڑھ جاتا ہے تو اس وقت تھوڑی سی نیکی کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو منافق کہا گیا ہے۔ اصل میں وہ بڑے بڑے صحابہؓ کے مقابل پر منافق تھے۔ یاد رکھو جس شخص نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کچھ حصہ شیطان کا ڈالا وہی منافق ہے۔

فرمایا:۔

قرآنِ شریف میں ہماری جماعت کی نسبت لکھا ہے:۔

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة:۴)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں سے ایک اور گروہ بھی ہے مگر ابھی وہ ان سے ملے نہیں۔ ان کے اخلاق۔ عادات۔ صدق اور اخلاص صحابہؓ کی طرح ہوگا۔

جماعت کے مبلغین کی صفات

میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ اب دیر کی جاوے۔ چاہیئے کہ ایسے آدمی منتخب ہوں جو تبلیغ زندگی کو گوارا کرنے کے لیے تیار ہوں اور اُن کو باہر متفرق جگہوں میں بھیجا جاوے۔ بشرطیکہ ان کی اخلاقی حالت اچھی ہو۔ تقویٰ اور طہارت میں نمونہ بننے کے لائق ہوں۔ مستقل، راست قدم اور بُردبار ہوں اور ساتھ ہی قانع بھی ہوں اور ہماری باتوں کو فصاحت سے بیان کر سکتے ہوں۔ مسائل سے واقف اور متقی ہوں کیونکہ متقی میں ایک قوتِ جذب ہوتی ہے۔ وہ آپ جاذب ہوتا ہے۔ وہ اکیلا رہتا ہی نہیں۔

جس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ اس نے پہلے ازل سے ہی ایسے آدمی رکھے ہیں جو بکلی صحابہؓ کے رنگ میں رنگین اور انہیں کے نمونہ پر چلنے والے ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کے مصائب کو برداشت کرنے والے ہوں گے اور جو اس راہ میں مر جائیں گے وہ شہادت کا درجہ پائیں گے۔

دین کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نرے اقوال کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا لفظ ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے ویسے ہی انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لیے تیار رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم آئی اور کہنے لگی کہ ہمیں فرصت کم ہے ہماری نمازیں معاف کی جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دین ہی نہیں جس میں نمازیں نہیں۔ جب تک عملی طور پر ثابت نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے لیے تکلیف گوارا کر سکتے ہو تب تک نرے اقوال سے کچھ نہیں بنتا۔ نصاریٰ نے بھی جب عملی حالت سے لاپرواہی کی تو پھر ان کی دیکھو کیسی حالت ہوئی کہ کفّارہ جیسا مسئلہ بنا لیا گیا۔

صدقِ دل سے ایک ہی قدم میں ولی بن سکتے ہو

اگر آدمی صدقِ دل سے محض خُدا تعالیٰ کے لیے قدم اُٹھائے تو میرا

ایمان ہے کہ پھر بہت برکت ہوگی۔

مَیں تو جانتا ہوں کہ وہ اولیاء اللہ میں داخل ہو جائے گا۔ یاد رکھو ایک قدم سے ہی انسان ولی بن جاتا ہے جب غیر اللہ کی شراکت نکال لی بس عباد الرحمٰن میں داخل ہو گیا۔ جب اس کے دل میں محض خدا ہی خدا ہے اور کچھ نہیں تو پھر ایسے کو ہی ہم ولی کہتے ہیں دیکھو۔ صادق کے واسطے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اس میں ایک کشش ہوتی ہے وہ خالی جاتا ہی نہیں۔

دُنیا کی زندگی کا آرام ہو۔ ہر طرح سے آسودگی اور عیش و عشرت کے سامان ہوں۔ یہ ایمانی اُصول کے مخالف پڑا ہوا ہے۔ ایمانی اصول تو چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کا نہ دن نہ رات کوئی وقت آرام سے گذرتا ہی نہیں۔ ایک مرحلہ مصائب کا اگر طے کرتے ہیں تو دوسرا مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔ کاش اگر صحابہؓ کی طرح بعد میں آتے تو ایک بھی کافر نہ رہتا مگر وہ دل نہ ہوئے جو اُن کے تھے۔ وہ اخلاص اور صدق نہ ہوا جو ان کا تھا وہ تقویٰ اور استقلال نہ رہا جو اُن کا تھا۔

تبلیغ کا صحیح طریق

ہماری جماعت کے لوگ گو مالی امداد میں تو کچھ فرق نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ تو ہر امر میں آزمانا چاہتا ہے۔ اب تلوار کی بجائے گالیاں کھا کر صبر کرنا چاہیئے کہ بڑی نرمی اور خوش خلقی سے لوگوں پر اپنے خیالات ظاہر کئے جاویں۔ بہ نسبت شہروں کے دیہات کے لوگوں میں سادگی بہت ہے اور ہمارے دعویٰ سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔ اگر ان کو نرمی سے سمجھایا جاوے تو اُمید ہے کہ سمجھ لیں گے۔ جلسوں کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہی بازاروں میں کھڑے ہو کر لیکچر دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس طرح سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ ایک ایک فرد سے علیحدہ علیحدہ مل کر اپنے قصے بیان کئے جاویں۔

جلسوں میں تو ہار جیت کا خیال ہو جاتا ہے۔ چاہیئے کہ دوستانہ طور پر شریفوں سے ملاقات کرتے رہیں اور رفتہ رفتہ موقعہ پاکر اپنا قصہ سُنا دیا۔ بحث کا طریق اچھا نہیں بلکہ ایک ایک فرد سے اپنا حال بیان کیا اور بڑی آہستگی اور نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر تم دیکھو گے کہ بہت سے آدمی ایسے بھی نکلیں گے جو کہیں گے کہ ہم پر تو ان مولویوں نے اصلیت ظاہر ہی نہیں ہونے دی۔ چاہیئے کہ جس شخص میں علم اور رُشد کا مادہ دیکھا اسی کو اپنا قصہ بتا دیا اور فرداً فرداً واقفیت بڑھاتے رہے۔ یہ نہیں کہ سب کے سب ظالم طبع اور شریر ہوتے ہیں بلکہ شریف اور مخلص بھی انہیں میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

لاہور کے ایک شخص نے رات کے پہلے حصہ میں کشف میں دیکھا کہ زنا، فسق و فجور، بدکاری اور بے حیائی کا بازار بڑا گرم ہے۔ تب وہ جاگا اور خیال کیا کہ اگر ایسا ہی حال ہے تو یہ شہر تباہ کیوں نہیں ہوتا۔ مگر جب وہ تہجد کی نماز پڑھ کر پچھلی رات کو پھر سویا تو کیا دیکھتا ہے کہ صدہا آدمی ہیں جو دُعاؤں میں مشغول ہیں اور خدا تعالیٰ کی یاد میں

مصروف ہیں۔ کوئی صدقہ وخیرات کر رہے ہیں۔ کوئی بیکسوں اور یتیموں کی مدد کر رہے ہیں۔ غرض توبہ اور استغفار کا بازار گرم ہے۔ تب اس نے سمجھا کہ انہیں کی خاطر یہ شہر بچا ہوا ہے۔ یہ سنت اللہ ہے کہ ابرار اخیار کے واسطے بڑے بڑے بدکار اور بدمعاش آدمی بھی بچائے جاتے ہیں۔

یاد رکھو کہ کچھ نہ کچھ نیک لوگ بھی ضرور مخفی ہوتے ہیں۔ اگر سب ہی بُرے ہوں تو پھر دُنیا ہی تباہ ہو جاوے۔[1]

---

۲۸ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ عصر)

طاعون سے بچنے کیلئے حفظِ ماتقدم

کسی نے ٹیکہ لگوانے کی بابت دریافت کیا۔

فرمایا:-

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی بیماری نہیں جس کی دوا نہ ہو۔ ٹیکہ بھی ایک دوا ہے مسلمانوں کو اگر وہ مسلمان بن جاویں تو خدا تعالیٰ ہی ان کا ٹیکہ ہے۔ چاہیئے کہ جس جگہ بیماری زور پکڑ جاوے وہاں نہ جاویں اور جس جگہ ابھی ابتدائی حالت ہو تو وہاں سے باہر کھلی ہوا میں چلے جائیں۔ مکان، بدن اور کپڑے کی صفائی کا بہت خیال رکھیں کوشش تو اس کے روکنے کی بہت ہو رہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بار بار فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد: ۱۲)

یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اس حالت کو نہیں بدلائے گا جب تک دلوں کی حالت میں یہ لوگ خود تبدیلی نہ کریں مجوزوں نے سب زور اسباب کے مہیا کرنے میں لگا دیا ہے۔ اگر یہ بیماری دُور بھی ہو جاوے تو ممکن ہے کوئی اور بلا آ جاوے۔ توکّل کی جو بات خدا تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے وہ تو ان کے وہم میں بھی نہیں آتی ہو گی۔ اگر اسباب اور دوسری باتوں پر اتنا بھروسہ کیا گیا تو شاید کوئی اَور وبا آ جاوے۔

ہماری جماعت کے لیے بہت بہتر ہے کہ جس جگہ کوئی چوہا مرے تو وہاں سے نکل جاوے۔ اور دُور اندیشی تو یہ ہے کہ پہلے ہی سے جگہ تجویز کر لی جاوے اور عام میل جول نہ رکھے۔ صرف اپنے زیادہ قریبیوں اور دوستوں سے ملاقات رکھنی چاہیئے۔ ایسے دنوں میں کثرت سے پرہیز کرنی چاہیئے اور گندی اور زہریلی ہوا سے علیحدہ رہنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر: ۶) اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ایسی جگہ

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۵ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۰۷ء

پر ٹھہرنے سے منع کیا تھا جہاں پہلے ایک دفعہ عذاب آچکا تھا۔

قہرِ الٰہی ابھی بھڑکنے والا ہے

فرمایا:۔

طاعون کیسا قہرِ الٰہی ہے کہ ہر سال سر پر آجاتی ہے اور پھر ایسی آتی ہے کہ لوگ دیوانہ کی طرح ہو جاتے ہیں اور مَیں نے یہ بھی سُنا ہے کہ بعض آدمی قبریں پہلے ہی سے کھود رکھتے ہیں بڑے ہی خوفناک دن ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے یہ جو دوبارہ فرمایا ہے کہ گذشتہ طاعون کی نسبت آئندہ شدت سے طاعون کا حملہ ہونے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نہایت ہی خطرناک دن آنے والے ہیں اور آگے کی نسبت سخت زور سے طاعون پھیلنے والی ہے۔

فرمایا:۔

بالفرض اگر کسی انسان کا گھر محفوظ بھی رہے۔ مگر بچے کھچے، دائیں بائیں پچیک چھاڑ اور شور وغوغا ہو تو وہ بھی ایک مصیبت ہے۔

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کے الہام کے مطابق سخت اندیشہ ہے کہ اب کے سال ہی یا دوسرے ایسی سخت طاعون پڑے کہ پہلے نہ پڑی ہو۔ اس لیے یہ دن نہایت خوف کے دن ہیں۔

طاعون کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ میں روزہ بھی رکھوں گا اور افطاری بھی کروں گا۔

کلامِ الٰہی میں استعارات

اس پر ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا بھی اب روزے رکھنے لگ گیا ہے۔

فرمایا:۔

ساری کتابوں میں اس قسم کے فقرات پائے جاتے ہیں۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ: ۲۰۱) اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۱) ایسے فقرات قرآنِ مجید میں لکھے ہیں۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ تردّد کرتا ہے۔ توریت میں لکھا ہے خدا طوفان لاکے پھر پچھتایا۔ یہ تو استعارات ہوتے ہیں۔ ان پر اعتراض کرنے کے معنے ہی کیا۔ بلکہ ان سے تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اس بات کو سوچنا چاہیئے کہ بناوٹ والے انسان کو کیا مشکل بنی ہے جو وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرے جن پر خواہ نخواہ اعتراض ہوں۔

دیکھو۔ قرآنِ شریف میں صاف لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دو۔ اس وقت بھی بعض نادان لوگ کہنے لگ گئے تھے کہ اب خدا مفلس اور محتاج ہو گیا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے الفاظ استعمال نہ کرتا۔ اصلیت دیکھنی چاہیئے۔ قرض کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ وہ شئے جس کے واپس دینے کا وعدہ ہو۔ ضروری نہیں کہ لینے والا مفلس بھی ہو۔ ایسی باتیں ہر کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میں بیمار تھا تم نے بیمار پرسی نہ کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو سب استعارات ہوتے ہیں[1]۔

طاعون کی جگہ کو چھوڑنا چاہیئے

حکیم محمد حسین صاحب قریشی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔
لاہور میں اکتوبر کے ماہ میں طاعون کا خوف معلوم ہوتا ہے۔ آپ ہمارے پہلے اصول کو یاد رکھیں کہ جب اردگرد طاعون کا غلبہ ہو یا مکان میں چوہے مریں تو فوراً اس مکان کو چھوڑ دو اور شہر سے باہر کہیں کھلی ہوا میں اپنے لیے جگہ بناؤ۔ باہر نکل کر بھی اس امر کی احتیاط کرنی چاہیئے کہ پھر ایک ہی جگہ بہت سے آدمی جمع ہو کر وہی صورت خراب ہوا کی پیدا نہ کر لیں جو شہر میں تھی۔ سنّتِ انبیاء یہی ہے کہ ایسی جگہ سے بھاگ جانا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا اچھا نہیں۔

چوہوں کو ختم کرنے کا بہتر ذریعہ

ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ اس گاؤں میں سرکار کی طرف سے پنجرے لے کر آیا ہے کہ چوہوں کو مارا جائے۔

فرمایا:۔
ہمارے گھر میں تو ایسے موقعہ پر بلیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ پنجروں کی نسبت بلیوں کی خدمات ایسے موقعہ پر بہتر معلوم ہوتی ہیں کیونکہ بلی کے خوف سے چوہے بھاگ جاتے ہیں۔

طاعون ایک خوفناک بیماری

فرمایا:۔
طاعون ایک بے نظیر وبا ہے۔ اس کے اثر سے نہ صرف انسان مرتے ہیں بلکہ جانوروں پر بھی پڑتی ہے۔ سرگودھا کے علاقہ میں سُنا گیا ہے کہ جنگل میں گلہریاں، بھیڑیئے اور

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء

گیدڑ بھی اس بیماری سے مرتے ہوئے دکھائی دیئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا غضب سخت ہے کہ کوئی ایسی بیماری نہیں جو جانوروں اور آدمیوں اور چرندوں اور پرندوں سب پر اس طرح مساوی پڑے اور سب کو تباہ کر دیوے[1]

---

۲۹ ستمبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

اس زمانہ میں ایک رسول کے آنیکی پیشگوئی

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :-
اس عذاب کی اللہ کریم نے پہلے ہی سے قرآن مجید میں خبر دے رکھی ہے۔ جیسے فرمایا :-

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (بنی اسرائیل : ۵۹)

اور پھر ساتھ ہی قرآنِ مجید میں یہ لکھا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۱۶)

اگر ان دونو آیتوں کو ملا کر پڑھا جاوے تو صاف ایک رسول کی نسبت پیشگوئی معلوم ہوتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کا آنا اس زمانہ میں ضروری ہے۔ یہ کہنا کہ فلاں فلاں رسول کے زمانہ میں یہ یہ عذاب آئے ان لوگوں کے خیال کے بموجب تو جب کُل دنیا میں عذاب شروع ہو گیا اس وقت کوئی رسُول نہ آیا تو اس بات کا کیا اعتبار رہا کہ پہلے زمانہ میں جو عذاب آئے تھے اُن رسولوں کے انکار سے ہی آئے تھے۔ کیسی صاف بات تھی کہ آخری زمانہ میں سخت عذاب آئیں گے اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ جب تک رسُول مبعوث نہ کریں عذاب نہیں بھیجتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر صاف پیشگوئی اور کیا ہو سکتی ہے[2]؟ زمانہ کی موجودہ حالت بھی اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ کوئی رسُول آوے۔ سب دُنیا اسباب پر ہی گر گئی ہے۔ اصل مسبب الاسباب کو بالکل بھلا دیا ہے۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ / اکتوبر ۱۹۰۷ء

[2] بدر سے :- "قرآنِ شریف سے تو ثابت ہے کہ کسی ایک گاؤں پر بھی عذاب نہیں آتا جب تک کہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ کا کوئی رسُول نہ آئے۔ تعجب ہے کہ ایسا عالمگیر عذاب زمین پر پڑ رہا ہے اور ہنوز ان لوگوں کے نزدیک خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نذیر نہیں آیا اور نہ ان لوگوں کے نزدیک کسی نذیر کی ضرورت ہے۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ / اکتوبر ۱۹۰۷ء)

سچی خوابیں

اور پھر دوسری تباہی یہ آرہی ہے کہ جس شخص کو کوئی سچی خواب یا رؤیا یا الہام ہوتا ہے وہی اپنے آپ کو مامور من اللہ اور رسُول سمجھنے لگ جاتا ہے[1]۔ اور کوئی پچاس آدمی کے قریب ہوں گے جو اسی طرح ہلاک ہو رہے ہیں اور خلقِ خدا کو راہِ راست سے پھیر رہے ہیں اور اس زمانہ میں ایسی باتوں کا وہ چرچا پھیل گیا ہے کہ پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ہندو میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ فلاں آدمی کی تبدیلی کی نسبت میں نے خواب دیکھی تھی پھر ویسے ہی ظہور میں آگئی تھی اور طاعون کی نسبت بھی پہلے ہی سے خواب دیکھی ہوئی تھی۔ مَیں نے اس کو جواب دیا کہ انہی باتوں نے ہی تجھے ہلاک کرنا ہے۔

ایسے ہی ایک چوہڑی اپنی خوابیں بیان کیا کرتی تھی جو اکثر سچی ہوا کرتی تھیں۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوجہل کو بھی خوابیں آیا کرتی تھیں اور اکثر سچی نکل آتی تھیں[2]۔ ہر ایک اس فرق کو معلوم نہیں کر سکتا۔

ایسی خوابوں وغیرہ پر اپنے آپ کو پاک صاف نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ بلکہ اپنی عملی حالت کو پاک کرنا چاہیئے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ : ۱۵) اپنی حالت کا بہت مطالعہ کرنا چاہیئے اور ایسی باتوں کی خواہش بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر تخم ریزی سے ہی انسان سمجھ لے کہ میں رسول ہوں تو ٹھوکر کھائیگا[3]۔

---

[1] بدر سے :۔ "سمجھ لیتا ہے کہ مَیں ولی ہوگیا ہوں۔ رسول ہوگیا ہوں۔ خدا کا برگزیدہ بن گیا ہوں۔ اس کا پیارا ہوگیا ہوں۔ اور نہیں سوچتا کہ اس کے نفس کا کیا حال ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت اور وفا اور صدق اور اخلاص کا تعلق اس کو کہاں تک حاصل ہے اور کہ اس کا دل کہاں تک بدیوں سے پاک ہو کر نیکیاں حاصل کر چکا ہے صرف خوابوں کا آنا اور ان کا سچا ہو جانا کوئی شئے نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو تخم ریزی کے طور پر انسان میں رکھی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کے کسی مامور رسول کے وقت اس کی کثرت ہو جاتی ہے جیسا کہ چشمۂ صافی سے پانی نکلتا ہے تو کچھ اور جگہوں پر پڑتا ہے۔ اس میں خواب دیکھنے والے کی کوئی خوبی اور نیکی کی نشانی نہیں۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

[2] بدر سے :۔

"غرض یہ کوئی قابل فخر امر نہیں اور افسوس ہے کہ لوگ اس سے ٹھوکر کھاتے ہیں اور سخت نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے بہتر تھا کہ ان کو کوئی خواب نہ آتا اور یہ دھوکے میں پڑ کر تکبر نہ کرتے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ان خوابوں کی بناء پر اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگنا ان کے واسطے موجب ہلاکت ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے :۔ "جو شخص اپنی خوابوں کی طرف جاتا ہے وہ ٹھوکر کھا کر ہلاک ہو جائے گا۔ اس جگہ بہت عقلمندی درکار ہے۔ مجھے الٰہی بخش کی نسبت بھی ہمیشہ یہ کھٹکا تھا اور آخر وہی نتیجہ نکلا۔"

(بدر حوالہ مذکور)

یہاں تو معاملہ ہی اور ہے اور اس کے شرائط اور آثار بھی الگ ہیں۔ اس جگہ بڑی عقلمندی درکار ہے۔ بدر کی لڑائی سے پہلے ایک عورت نے خواب میں دیکھا کہ بکرے ذبح ہو رہے ہیں تو ابوجہل سُنکر کہنے لگا کہ ایک اور نبیہ ہمارے گھر میں پیدا ہو گئی ہے۔

چاہیئے کہ انسان اپنی حالت کو دیکھے اور اپنے اس تعلق کو دیکھے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے اور اپنے نفس کا مطالعہ کرے کہ کہاں تک عملی حالت درست ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ مجھے سچی خواب آ گئی ہے۔ یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون کو بھی خواب آیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بادشاہ وقت کے خواب کی تعبیر کی تھی۔ بہتیرے لوگ ہماری جماعت میں ایسے پائے جاتے ہیں جو بڑے بڑے الہامات لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اور اپنی بڑی بڑی خوابیں اور رؤیا بیان کرتے ہیں اور اُن کی حالت دیکھ کر مجھے اندیشہ ہی رہتا ہے کہ کہیں ٹھوکر نہ کھاویں۔ ان کی نسبت تو سادہ طبع لوگ ہی اچھے ہوتے ہیں۔ غرض ایسی تمنا ہی نہیں کرنی چاہیئے[1]

(قبل نماز عصر)

جماعت کے واعظین اور مبلغین کی صفات

فرمایا:-

میں واعظین کے متعلق دیگر لوازمات کے سوچنے میں مصروف ہوں۔ بالفعل بارہ آدمی منتخب کر کے روانہ کئے جائیں اور یہاں قریب کے اضلاع میں بھیجے جائیں۔ بعد میں رفتہ رفتہ دوسری جگہوں میں جا سکتے ہیں۔ ان کا اختیار ہو گا کہ مثلاً ایک دو ماہ باہر گذاریں اور پھر دس پندرہ روز کے واسطے قادیان آ جائیں۔

اس کام کے واسطے وہ آدمی موزوں ہوں گے جو کہ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ (یوسف: ۹۱) کے مصداق ہوں۔ ان میں تقویٰ کی خوبی بھی ہو اور صبر بھی ہو۔ پاک دامن ہوں۔ فسق و فجور سے بچنے والے ہوں۔ معاصی سے دُور رہنے والے ہوں، لیکن ساتھ ہی مشکلات پر صبر کرنے والے ہوں۔ لوگوں کی دُشنام دہی پر جوش میں نہ آئیں۔ ہر طرح کی تکلیف اور دُکھ کو برداشت کر کے صبر کریں۔ کوئی مارے تو بھی مقابلہ نہ کریں جس سے فتنہ و فساد ہو جائے۔ دشمن جب گفتگو میں مقابلہ کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے جوش دلانے والے کلمات بولے جن سے فریقِ مخالف صبر سے باہر ہو کر اس کے ساتھ آمادہ بجنگ ہو جائے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۷ء

اخراجات کے معاملہ میں ان لوگوں کو صحابہؓ کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے کہ وہ فقر و فاقہ اُٹھاتے تھے اور جنگ کرتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ معمولی لباس کو اپنے لیے کافی جانتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہوں کو جاکر تبلیغ کرتے تھے۔ یہ ایک بہت مشکل راہ ہے۔ قبل امتحان کسی کے متعلق ہم کوئی رائے نہیں لگا سکتے اور مَیں جانتا ہوں کہ اس امتحان میں بعض مدعی کچے نکلیں گے۔ اب تک جس قدر درخواستیں آئی ہیں مَیں اُن سب پر نیک ظن رکھتا ہوں کہ وہ عمدہ آدمی ہیں اور صابر اور شاکر ہیں، لیکن بعض ان میں سے بالکل نوجوان ہیں۔ نیز عرفاً اور شرعاً لازم ہے کہ ان کے واسطے ہم قوت لایموت کا فکر کریں گو ہر جگہ جہاں وہ جائیں گے مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت میں وہ بات پائی جاتی ہے جو اخوتِ اسلامی کے واسطے ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ ان کی خدمت کریں گے۔ مگر پہلے سے اُن کے واسطے اسی جگہ انتظام مناسب ہو جانا بہتر ہے۔

واعظ ایسے ہونے چاہئیں جن کی معلومات وسیع ہوں۔ حاضر جواب ہوں۔ صبر اور تحمل سے کام کرنیوالے ہوں۔ کسی کی گالی سے افروختہ نہ ہو جائیں۔ اپنے نفسانی جھگڑوں کو درمیان میں نہ ڈال بیٹھیں۔ خاکسارانہ اور مسکینانہ زندگی بسر کریں۔ سعید لوگوں کو تلاش کرتے پھریں جس طرح کہ کوئی کھوئی ہوئی شئے کو تلاش کرتا ہے۔

مفسدہ پرداز لوگوں سے الگ رہیں۔ جب کسی گاؤں میں جائیں وہاں دو چار دن ٹھہر جائیں۔ جس شخص میں فساد کی بدبُو پائیں اس سے پرہیز کریں۔ کچھ کتابیں اپنے پاس رکھیں جو لوگوں کو دکھائیں۔ جہاں مناسب جانیں وہاں تقسیم کر دیں۔ یہ عمدہ صفات سید سرور شاہ صاحب میں پائے جاتے ہیں اور کشمیر کے واسطے مولوی عبداللہ صاحب اس کام کے لیے موزوں معلوم ہوتے ہیں[1]

بلا تاریخ

بیوگان کا نکاح

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کن صورتوں میں فرض ہے۔ اس کے نکاح کے وقت عمر، اولاد، موجودہ اسباب، نان و نفقہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے یا کہ نہیں؟ یعنی کیا بیوہ باوجود عمر زیادہ ہونے کے یا اولاد بہت ہونے کے یا کافی دولت پاس ہونے کے ہر حالت میں مجبور ہے کہ اس کا نکاح کیا جائے؟

فرمایا:-

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۳ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

بیوہ کے نکاح کا حکم اسی طرح ہے جس طرح کہ باکرہ کے نکاح کا حکم ہے۔ چونکہ بعض قومیں بیوہ عورت کا نکاح خلافِ عزت خیال کرتے ہیں اور یہ بدرسم بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اس واسطے بیوہ کے نکاح کے واسطے حکم ہوا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہر بیوہ کا نکاح کیا جائے۔ نکاح تو اسی کا ہوگا جو نکاح کے لائق ہے۔ اور جس کے واسطے نکاح ضروری ہے۔ بعض عورتیں بوڑھی ہوکر بیوہ ہوتی ہیں۔ بعض کے متعلق دوسرے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نکاح کے لائق نہیں ہوتیں۔ مثلاً کسی کو ایسا مرض لاحق ہے کہ وہ قابلِ نکاح ہی نہیں یا ایک کافی اولاد اور تعلقات کی وجہ سے ایسی حالت میں ہے کہ اس کا دل پسند ہی نہیں کرسکتا کہ وہ اب دوسرا خاوند کرے۔ ایسی صورتوں میں مجبوری نہیں کہ عورت کو خواہ مخواہ جکڑ کر خاوند کرایا جائے۔ ہاں اس بدرسم کو مٹا دینا چاہیئے کہ بیوہ عورت کو ساری عمر بغیر خاوند کے جبراً رکھا جاتا ہے[1]

بلا تاریخ

متبنّٰی بنانا حرام ہے

کسی کا ذکر تھا کہ اس کی اولاد نہ تھی اور اس نے ایک اور شخص کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا کر اپنی جائیداد کا وارث کر دیا تھا۔

فرمایا:۔

یہ فعل شرعاً حرام ہے

شریعتِ اسلام کے مطابق دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا قطعاً حرام ہے۔

بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھیں

بیمار اور مسافر کے روزہ رکھنے کا ذکر تھا۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ شیخ ابن عربی کا قول ہے کہ اگر کوئی بیمار یا مسافر روزہ کے دنوں میں روزہ رکھ لے تو پھر بھی اسے صحت پانے پر ماہ رمضان کے گذرنے کے بعد روزہ رکھنا فرض ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرۃ: ۱۸۵) جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ ماہِ رمضان کے بعد کے دنوں میں روزے رکھے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مریض یا مسافر اپنی ضد سے یا اپنے دل کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے انہی ایام میں روزے رکھے تو پھر بعد

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء

میں رکھنے کی اس کو ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ کا صریح حکم یہ ہے کہ وہ بعد میں روزے رکھے۔ بعد کے روزے اس پر بہر حال فرض ہیں۔ درمیان کے روزے اگر وہ رکھے تو یہ امر زائد ہے اور اس کے دل کی خواہش ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کا وہ حکم جو بعد میں رکھنے کے متعلق ہے ٹل نہیں سکتا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔ خدا تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔

مسافر اور مریض فدیہ دے سکتے ہیں

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بناء آسانی پر رکھی ہے جو مسافر اور مریض صاحبِ مقدرت ہوں۔ ان کو چاہیئے کہ روزہ کی بجائے فدیہ دے دیں۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔[1]

بلا تاریخ

المفتی

ایک غلطی کی اصلاح

کونسا مریض صرف فدیہ دے سکتا ہے

گذشتہ پرچہ اخبار نمبر ۴۲ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۷ کالم اول میں یہ لکھا گیا تھا کہ مریض اور مسافر ایام مرض اور ایام سفر میں روزہ نہ رکھیں بلکہ ان ایام کے عوض میں ماہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں بصورتِ صحت اور قیام ان روزوں کو پورا کریں۔ اسی عبارت کے اخیر میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "جو مریض

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۷ زیر عنوان المفتی مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء

اور مسافر صاحبِ مقدرت ہوں ان کو چاہیئے کہ روزہ کی بجائے فدیہ دیں۔" اس جگہ مریض اور مسافر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو کبھی اُمید نہیں کہ پھر روزہ رکھنے کا موقعہ مل سکے۔ مثلاً ایک نہایت بوڑھا ضعیف انسان یا ایک کمزور حاملہ عورت جو دیکھتی ہے کہ بعد وضع حمل بہ سبب بچے کو دودھ پلانے کے وہ پھر معذور ہو جائے گی۔ اور سال بھر اسی طرح گذر جائے گا۔ ایسے اشخاص کے واسطے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں کیونکہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے اور فدیہ دیں۔ باقی اور کسی کے واسطے جائز نہیں کہ صرف فدیہ دے کر روزے رکھنے سے معذور سمجھا جا سکے۔ چونکہ اخبار بدر کی مذکورہ بالا عبارت صاف نہ تھی اس واسطے یہ مسئلہ دوبارہ حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

صرف فدیہ تو شیخِ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پاکر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھول دینا ہے جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ تیری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہی ہدایت دی جاوے گی۔

پانچ مجاہدات

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے دینِ اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ صدقات، حج، اسلامی دشمن کاذب اور دفع خواہ سیفی ہو خواہ قلمی۔ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے رہتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں۔ یعنی ایسا نہیں چاہیئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہیئے کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے

صدقہ کی جنس خریدنا جائز ہے

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ میں مُرغیاں رکھتا ہوں اور ان کا دسواں حصہ خدا تعالیٰ کے نام پر دیتا ہوں اور گھر سے روزانہ تھوڑا تھوڑا آٹا صدقہ کے واسطے الگ کیا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے کہ وہ چوزے اور وہ آٹا خود ہی رکھ لوں اور اس کی قیمت مدِ متعلقہ میں بھیج دوں؟

فرمایا:۔

ایسا کرنا جائز ہے

نوٹ:۔ لیکن اس میں یہ خیال کر لینا چاہیئے کہ اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی اشیاء

کو اس واسطے خود ہی خرید کر لیگا کہ چونکہ خرید و فروخت ہر دو اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ جیسی تھوڑی قیمت سے چاہے خرید لے۔ تو یہ اس کے واسطے گناہ ہوگا۔[1]

بلا تاریخ

القول الطیّب

مومن کی فراست

بعض دوستوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں ایک شخص کی سفارش کی کہ وہ اب اپنی اصلاح کر رہا ہے۔

فرمایا:۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ۔ مومن کی فراست سے ڈرو۔ میری فراست اس کی حالت کو تم سے بہتر جانتی ہے۔

فرمایا:۔

ایک بزرگ کے پاس دو شیعہ آئے اور اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کیا اور اس بزرگ سے سوال کیا کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ کے کیا معنے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے شیعہ پن سے توبہ کرو اور سچے دل سے سُنّی مسلمان بن جاؤ۔

ثمالی صبر و شکر

فرمایا:۔

بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ مبارک احمد کا مرنا ہمارے واسطے سخت رنج اور صدمہ کا سبب ہوا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اس واقعہ پر خدا تعالیٰ نے کس قدر تشفی اور تسلی اور اپنی خوشنودی کا اظہار اپنی پاک وحی کے ذریعہ سے کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے صبر اور شکر اور والدہ مبارک احمد کے صبر پر جو خوشی کا اظہار کیا ہے اور فتح و نصرت کے وعدے دیئے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ تیرے ہر قدم کے ساتھ ہوگا۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ والدہ مبارک احمد نے کہا کہ خدا تعالیٰ کا خوش ہو جانا مجھے ایسا پیارا ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد مر جائے تو مجھے اس کا غم نہیں۔

حلم کی تعلیم

ایک دوست کو حضرت نے ایک مخالف کو کسی موقعہ پر سمجھانے کے واسطے تاکید کی۔ فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء

وہ مانے یا نہ مانے، آپ تبلیغ کا حق ادا کریں۔ کیونکہ جو شخص تبلیغ کرتا ہے اس کو بہرحال ثواب مل جاتا ہے اور تم یہ امید نہ رکھو کہ مخالف تمہارے ساتھ خوش خلقی یا تہذیب سے پیش آئے گا۔ کیونکہ وہ تو مخالف ہے۔ ہم کو بُرا جانتا ہے اس کے دل میں ہمارا ادب نہیں۔ جب تک کہ وہ دشمن ہے اس کے دل میں نہ ہمارا ادب ہو سکتا ہے نہ اعزاز اور نہ خیر اندیشی اور نہ وہ منصف مزاجی سے گفتگو کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک ایلچی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ وہ بار بار آپ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا اور حضرت عمرؓ تلوار کے ساتھ اس کا ہاتھ ہٹاتے تھے آخر حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ ایسی گستاخی کرتا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے اس کو قتل کر دوں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تمام گستاخی حلم کے ساتھ برداشت کی۔

سرشتِ زمین

فرمایا:۔

سیالکوٹ۔ گجرات۔ گوجرانوالہ اور جہلم کے اضلاع کی سرزمین اپنے اندر اسلامی سرشت کی خاصیت رکھتی ہے۔ ان اضلاع میں بہت لوگوں نے حق کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور کثرت سے مرید ہوئے ہیں۔ ان کی تبلیغ کے خاص ذرائع پیدا کرنے چاہئیں[1]

بلا تاریخ

فاتحہ خلف امام

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ فاتحہ خلف امام پڑھنا ضروری ہے؟

فرمایا:۔

"ضروری ہے"

رفعِ یدین

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ کیا رفع یدین ضروری ہے؟ فرمایا کہ:۔

"ضروری نہیں جو کرے تو جائز ہے"

رمضان کا چاند

سیالکوٹ سے ایک دوست نے دریافت کیا ہے کہ یہاں چاند منگل کی شام کو نہیں دیکھا گیا بلکہ بُدھ کو دیکھا گیا ہے۔ اس واسطے پہلا روزہ جمعرات

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء

کو رکھا گیا تھا۔ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

اس کے عوض میں ماہ رمضان کے بعد ایک اور روزہ رکھنا چاہیئے۔

جوازِ نکاح

سوال پیش ہوا کہ ایک احمدی لڑکی ہے جس کے والدین غیر احمدی ہیں۔ والدین اس کی ایک غیر احمدی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے تھے اور لڑکی ایک احمدی کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ والدین نے اصرار کیا۔ عمر اس کی اسی اختلاف میں بائیس سال تک پہنچ گئی۔ لڑکی نے تنگ آکر والدین کی اجازت کے بغیر ایک احمدی سے نکاح کر لیا۔ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

نکاح جائز ہو گیا

امام مقتدیوں کا خیال رکھے

سوال پیش ہوا کہ ایک پیش امام ماہِ رمضان میں مغرب کے وقت لمبی سورتیں شروع کر دیتا ہے۔ مقتدی تنگ آتے ہیں کیونکہ روزہ کھول کر کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ دن بھر کی بھوک سے ضعف لاحق حال ہوتا ہے۔ بعض ضعیف ہوتے ہیں۔ اس طرح پیش امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

پیش امام کی اس معاملہ میں غلطی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ مقتدیوں کی حالت کا لحاظ رکھے اور نماز کو ایسی صورت میں بہت لمبا نہ کرے۔

ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھیں کٹانا مستحسن ہے

ڈاڑھی اور مونچھ کے متعلق ذکر آیا کہ نئے نئے فیشن نکلتے ہیں۔

کوئی ڈاڑھی منڈاتا ہے کوئی ہر دو ڈاڑھی اور مونچھ منڈاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا:۔

مستحسن یہی بات ہے جو شریعتِ اسلام نے مقرر کی ہے کہ مونچھیں کٹائی جائیں اور ڈاڑھی

بڑھائی جاوے[1]

بلا تاریخ[2]

تزکیۂ اخلاق کی ضرورت

بڑے دردِ دل کے ساتھ سلسلۂ کلام شروع کیا کہ:۔
ہماری جماعت کا اعلیٰ فرض ہے کہ وہ اپنے اخلاق کا تزکیہ کریں اور حقوقِ عباد اور حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دقیق سے دقیق رعایت کیا کریں۔ کوئی منصوبہ اور حیل ان کے کسی عضو پر نہ ہو۔ کوئی کُتا اور بلی بھی ان کے احسان سے محروم نہ رہے چہ جائیکہ بنی آدم۔ مَیں اُن لوگوں کو بہت بُرا جانتا ہوں جو دین کی آڑ میں کسی غیر قوم کی جانی و مالی ایذاء روا رکھتے ہیں۔

غرض خلاصہ ساری تقریر کا یہی ہے کہ اب وقت ہے کہ جماعت اپنی حالت میں بیّن تبدیلی دکھائے۔

نشانات کی قدردانی کریں

فرمایا کہ:۔
مجھے پختہ وعدہ دیا گیا ہے کہ بہت سے عظیم الشان نشان تیرے ہاتھ سے ظاہر ہونگے مگر یہ علم مجھ کو نہیں دیا گیا کہ کون کون لوگ اس سے مستفید ہوں گے۔

فرمایا کہ:۔
نشانوں کی ناقدردانی دو طرح سے وقوع میں آتی ہے۔ ایک کفر و انکار سے، اور ایک اس طرح سے کہ دو روز تک اس کے وقوع کے بعد واہ واہ کی جائے اور پھر اُسے قطعاً فراموش کر ڈالا جائے اور خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت اس کے وقوع کے بعد نئے سرے دل پر وارد نہ کی جائے۔ سو مَیں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کا بھی یہی حال ہے کہ نشانِ الٰہی کی چنداں پروا نہیں کرتے اور غفلت اور تساہل سے وقت گذارتے ہیں اور اکثر انہیں ایسے ہیں کہ سوز و گداز ان کے افعال میں نظر نہیں آتا۔

فرمایا:۔
اگر دینِ الٰہی کے اعلاء اور تعظیم اور حُرماتِ الٰہیہ کی ہتک کے انتقام کے لیے رُوح میں جوش اور قوت

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء

[2] حضور کے ان ملفوظات پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ ایڈیٹر صاحب بدر نے ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کے پرچہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "رات اس قدر لمبی تقریر فرمائی کہ اگر کوئی لکھتا تو رسالہ مرتب ہو جاتا" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کے قریب کی کسی تاریخ کے یہ ملفوظات ہیں۔ (مرتب)

اور عقدِ ہمت نہ ہو تو یہ نمازیں نری جنتر منتر ہیں۔ اب وقت ہے کہ گداز گداز ہو ہو جائیں اور رات دن دُعاؤں میں مصروف رہیں۔ میں فکروں میں ہلاک ہو رہا ہوں۔ مگر دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ہنوز یہ رُوح پیدا نہیں ہوئی۔ میں ان روکھی سوکھی نمازوں کا ہرگز قائل نہیں جو رسم و عادت کے پیرایہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ اس وقت دیکھتا ہے کہ کن لوگوں نے گذشتہ نشانوں کی قدر دانی کی اور اپنے اعمال میں تبدیلی پیدا کی۔ وہ اُن ہی کو آئندہ بھی مستفید ہونے کی توفیق بخشے گا۔[1]

۲؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

جھوٹا مباہلہ کرنیوالا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتا ہے

ہماری جماعت کے ایک شخص نے کسی غیر احمدی کا سوال پیش کیا کہ آپ نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے یہ دُرست نہیں کیونکہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فوت ہوا تھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو وہ کونسی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہوا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے تو مباہلہ کیا ہی نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا فرمایا تھا کہ اگر تو میرے بعد زندہ بھی رہا تو ہلاک کیا جائے گا سو ویسا ہی ظہور میں آیا۔ مسیلمہ کذاب تھوڑے ہی عرصہ بعد قتل کیا گیا اور پیشگوئی پوری ہوئی۔

یہ بات کہ سچا جھوٹے کی زندگی میں مرجاتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے؟ بلکہ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے تھے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء

[2] کاتب کی غلطی ہے۔ دراصل یہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے۔ "یہ بات کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے یہ بالکل غلط ہے" چنانچہ سیاق و سباق میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ (مرتب)

والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے اور مخالفوں کے وجود کا قیامت تک ہونا ضروری ہے جیسے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: ۵۶) سے ظاہر ہے۔

ہم تو ایسی باتیں سُن سُنکر حیران ہوتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا یہ کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے زمانہ میں ہوا کہ اس کے سب اعداء مر گئے ہوں؟ بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے ساتھ مباہلہ کرنیوالوں کا حال ہو رہا ہے۔

جماعت کو خود سوچکر عام سوالوں کا جواب دینا چاہیئے

مجھے تو اپنی جماعت پر افسوس ہوتا ہے کہ کیا ان میں اتنی عقل بھی نہیں۔ کہ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ عقل میں فہم میں ہر طرح سے ترقی کریں اور ایسی باتوں کا خود سوچ کر جواب دیا کریں اور اپنی ایمانی روشنی سے ان باتوں کو حل کیا کریں۔ مگر دنیا داری کے دھندوں میں مت ماری جاتی ہے۔ اتنا نہیں کر سکتے کہ معترض سے ہماری کتاب کی وہ جگہ ہی پوچھیں جہاں یہ لکھا ہے کہ سچے کی زندگی میں سب جھوٹے مر جاتے ہیں۔ بلکہ جھوٹے تو قیامت تک رہیں گے۔

مبلغین کیلئے حضرت اقدس کی کتب کے مطالعہ کی اہمیت

فرمایا:۔ اس تحریک سے مجھے یہ بھی یاد آگیا ہے کہ وہ لوگ جو اشاعت اور تبلیغ کے واسطے باہر جاویں۔ وہ ایسے نہ ہوں کہ اُلٹ پلٹ کر ہماری باتوں کو کچھ اَور کا اَور ہی بناتے رہیں اور بات تو کچھ اَور ہو اور سمجھانے کچھ اَور لگ جاویں۔ دوسروں کو تو ہمارے دعویٰ سے آگاہ کریں اور خود ہماری کتابوں کو کبھی پڑھا بھی نہ ہو۔ اس طرح سے ہی تحریف ہوا کرتی ہے۔ ایسے وقتوں میں صرف زبانی فیصلہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تحریر پیش کرنی چاہیئے۔"

ہم پر الزام لگائے جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام حسینؓ کی توہین کی جاتی ہے حالانکہ ہم ان کو راستباز اور متقی سمجھتے ہیں۔ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت بے عزتی کی جاتی ہے اور ان کو گالی دی جاتی ہے حالانکہ ہم ان کو ایک اولوالعزم نبی اور خدا تعالیٰ کا راستباز بندہ سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر عیسیٰ کا مر جانا

ثابت کرنا ان کے نزدیک گالی دینا ہے تو اس طرح سے تو ہم نے نکالی ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ دوسرے نبیوں کی طرح وفات پا گئے ہیں[1]

۳؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

(قبل نمازِ ظہر)

ترقی مدارج کیلئے آزمائش ضروری ہے

ایک شخص نے عرض کی کہ میں روحی فائدہ کے واسطے یہاں آیا ہوں۔ مجھے کچھ بتایا جاوے۔ فرمایا:۔

رُوحانی فائدہ بھی انہیں کو پہنچتا ہے جو آپ کوشش کرتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ اور افضل تھے مگر انہوں نے بھی دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب اُٹھائے۔ دین بھی تو مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا تو ایسا نہ کرتا مگر اس نے دُنیا کے لیے بھی یہی قانون رکھا ہے کہ محنت سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا فضل بھی ہو اور محنت بھی ہو تو انسان منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ دُنیا کے کاموں کیلئے انسان کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتا اور کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرتا ہے اور تب جاکر کچھ حاصل ہوتا ہے تو کیا دین کے لیے کچھ بھی محنت اور سعی نہیں کرنی چاہیئے؟ اگر تھوڑا سا مقدمہ آجاوے تو پھر انسان اس کے واسطے کہاں کہاں سے سفارشیں لاتا ہے اور کسقدر خرچ کرتا ہے اور کتنی کوشش کرتا ہے اور اگر باوجود اتنی کوشش کے وہ مقدمہ خارج ہو جاتا ہے تو پھر اپیل کراتا ہے بلکہ اگر وہ بھی خارج ہو جاتی ہے تو پھر کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کرکے اپیل در اپیل کرتا اور کیا کیا کر گذرتا ہے تو کیا دین کو ہی ایسا سمجھنا چاہیئے کہ وہ محض پھونک مارنے اور کسی وِرد وظیفہ کے کرنے سے حاصل ہو جائے گا۔ اور یونہی آرام طلبی سے گذارنے پر اس میں کامیابی حاصل ہو جائے گی؟ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ (العنکبوت: ۳) کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف زبانی قیل وقال پر ہی ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور صرف اتنا کہنے سے ہی کہ ہم ایمان لے آئے دین دار سمجھے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ ہوگا؟ بلکہ امتحان اور آزمائش کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ سب انبیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ترقی مدارج کے لیے آزمائش ضروری ہے اور جب تک کوئی شخص آزمائش اور امتحان کی منازل طے نہیں کرتا

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۹ مورخہ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

دیندار نہیں بن سکتا۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ دُکھ کے بعد ہی ہمیشہ راحت ہوا کرتی ہے۔ یاد رکھو جو شخص خدا تعالےٰ کی راہ میں دُکھ اور مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں وہ کاٹا جاوے گا۔ ترقی ہمیشہ مصائب اور تکالیف کے بعد ہوتی ہے اور ایمانی حالت کا پتہ اسی وقت لگتا ہے۔ جب تکالیف اور مصائب آویں۔

رُوحانی فوائد حاصل کرنے کے لیے پہلے اپنے آپ کو دُکھ اور تکالیف اُٹھانے کے لیے تیار کر لینا چاہیئے۔

عشق اول سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

بعض لوگ آتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں پھونک مارو کہ اولیاء اللہ بن جاویں اور ہمارا سینہ صاف ہو جاوے اور رُوحانی معراج پر پہنچ جاویں اور ہمارے قلب میں پاکیزگی پیدا ہو جاوے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ سب کچھ دُکھوں اور تکالیف کے بعد مل جاتا ہے اور ضرور مل جاتا ہے مومن کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا۔ جب انسان دُنیا کے لیے طرح طرح کی تکالیف برداشت کر لیتا ہے۔ ایک کسان کو ہی دیکھو کہ پہر رات کے قریب اُٹھتا ہے۔ ہل جوتتا ہے اور کتنی تکالیف اُٹھاتا اور محنت کرتا ہے۔ نہ رات کو آرام کرتا ہے اور نہ دن کو۔ بلکہ جب بہت سی مشکل کے بعد فصل پک بھی جاتا ہے اس وقت بھی اس کے حاصل کرنے کے لیے کیا کیا مصائب اُٹھاتا ہے اور اپنے عیال و اطفال سے علیحدگی اختیار کر کے اُسے کاٹتا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتا ہے اور اس دنیا کے لیے، جو آج ہے اور کل فنا ہو جائیگی، مارا مارا پھرتا ہے اور مصیبت پر مصیبت اور دُکھ پر دُکھ اُٹھاتا ہے تو کیا پھر دین ہی ایسی چیز ہے جو محض پھونک مارنے سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس میں کسی امتحان آزمائش اور محنت کی ضرورت نہیں؟

دین کیلئے محنت کی ضرورت

دین کے لیے ایسی توقع کرنا اور اس کو ایک حلوۂ بے دود کی طرح سمجھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ پر غور کرو کہ انہوں نے دین کی خاطر کیسے کیسے مصائب اُٹھائے اور کن کن دُکھوں میں وہ مبتلا ہوئے۔ نہ دن کو آرام کیا اور نہ رات کو۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر ایک مصیبت کو قبول کیا اور جان تک قربان کر دی اور دین کی خاطر سر کٹوا دیئے۔ مجھے اس وقت یاد آگیا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دشمن کے مقابلہ پر ایسے موقعہ پر نکلے کہ دوپہر کا وقت اور گرمی کا موسم تھا۔ سخت گرمی اور تپش تھی۔ لُو چلتی اور تیز دھوپ پڑتی تھی۔ چلتے چلتے ایک نہایت ہی خوشگوار اور سرسبز و شاداب چشمے پر پہنچے۔ ایک صحابیؓ نے ایسی خوشگوار سرسبز اور ہری بھری جگہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے اجازت دی جاوے کہ اس جگہ پر عبادت کروں۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ توبہ کرو کیا تو نہیں جانتا کہ یہ سب مصیبت ہم خدا تعالیٰ کی خاطر برداشت کر رہے ہیں ایسی خوشکن جگہ پر آرام کر کے عبادت کرنے کا تو کوئی فائدہ نہیں۔

ذبح ہونے کے بعد زندگی ملتی ہے

وہ تو بندگی ہی نہیں جو دُکھ درد کے ساتھ نہیں ہندوؤں کے گوروؤں کی طرح کسی تالاب یا عمدہ حوض کے کنارے پر بیٹھ کر بآرام زندگی بسر کرنا اور سرسبز ہری بھری جگہ پر لیٹ کر خدا تعالیٰ کی یاد کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔ چاہیئے کہ ابتلاؤں اور امتحانوں میں ثابت قدم رہو اور خدا تعالیٰ کے لیے جان دینے میں بھی فرق نہ رکھو اور اس کی راہ میں قربان ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ جب انسان اپنے دل میں فیصلہ کر لیتا ہے اور دُکھ کے لیے تیار رہتا ہے تب پھر خدا بھی ملتا ہے اور رُوحانی فائدہ بھی ہوتا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی اور انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا بغیر دُکھ اور تکالیف کے برداشت کرنے کے خدا تعالیٰ راضی نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی دین حاصل ہوتا ہے۔

بعض لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کسی جنتر منتر یا پھونک سے ہی ہمیں اولیاء اللہ بنا دیویں اور ایک زندگی کی رُوح پھونک دیویں۔ مگر خدا تعالیٰ تو پہلے ذبح کر لیتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے بلکہ ایسے ایسے امتحانوں اور آزمائشوں کے وقت انسان خود بھی معلوم کر لیتا ہے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے امتحانوں میں پُورا اُترنے کے بعد خدا تعالیٰ ضرور ملتا ہے۔ جب تک انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں تکالیف اور مصائب برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتا۔ تب تک ترقی کی امید بھی نہیں ہو سکتی۔

نماز بھی اضطرابی حالت کو ظاہر کرتی ہے

دیکھو یہ جو نماز پڑھی جاتی ہے اس میں بھی ایک طرح کا اضطراب ہے۔ کبھی کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کبھی رکوع کرنا پڑتا ہے اور کبھی سجدہ کرنا پڑتا ہے اور پھر طرح طرح کی احتیاطیں کرنی پڑتی ہیں۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کیلئے دُکھ اور مصیبت کو برداشت کرنا سیکھے ورنہ ایک جگہ بیٹھ کر بھی تو خدا تعالیٰ کی یاد ہو سکتی تھی۔ پر خدا تعالیٰ نے ایسا منظور نہیں کیا۔ صلوٰۃ کا لفظ ہی سوزش پر دلالت کرتا ہے۔ جب تک انسان کے دل میں ایک قسم کا قلق اور اضطراب پیدا نہ ہو اور خدا تعالیٰ کے لیے اپنے آرام کو نہ چھوڑے تب تک کچھ بھی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ فطرتاً اس قسم کے ہوتے ہیں جو ان باتوں میں پورے نہیں اُتر سکتے اور پیدائشی طور پر ہی ان میں ایسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو وہ ان امور میں استقلال نہیں دکھا سکتے مگر تاہم بھی توبہ اور استغفار بہت کرنا چاہیئے کہ کہیں ہم ان میں ہی شامل نہ ہو جاویں جو دین سے بالکل بے پروا ہوتے ہیں اور اپنا مقصود بالذات دُنیا کو ہی سمجھتے ہیں۔

ہر زمانہ کی آزمائشیں الگ الگ ہوتی ہیں

ہر ایک زمانہ میں علیحدہ علیحدہ امتحان اور آزمائشیں ہوا کرتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو خدا تعالیٰ کی راہ میں جانیں دی تھیں اور اپنے سر کٹوائے تھے اور دوسرے نبیوں کے زمانہ میں کسی اور قسم کے ہی دُکھ اور مصائب تھے۔ غرض جب تک انسان ابتلاؤں اور آزمائشوں میں پورا نہیں اُترتا تب تک ترقی نہیں کرتا اور مقبول حضرتِ احدیت نہیں ہوتا۔ بغیر تکلیفوں اور طرح طرح کے مصائب کے تو کچھ بنتا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ پر بدظنی مت کرو

یاد رکھو اللہ تعالیٰ رحیم کریم ہے۔ اس پر بدظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ جو اس کی سنت کو نگاہ میں رکھے گا اور اس کے لیے دُکھ اور تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاوے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ اگر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہیں چلے گا اور بخل سے کام لے گا تو رہ جاوے گا۔ دیکھو فوجوں میں جو لوگ بھرتی ہوتے ہیں اور دُنیا کی خاطر لڑنے مرنے اور جان دینے کے لیے نوکر ہوتے ہیں وہ کوئی ہزاروں روپیہ تو تنخواہ نہیں پاتے۔ یہی دس بارہ روپیہ کی خاطر جان دینا قبول کر لیتے ہیں مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر اور اس دائمی بہشت اور دائمی خوشنودی کے لیے کوئی فکر نہیں کرتے۔

دائمی سُکھ کیلئے کوشش کرنی چاہیئے

جب دُنیا کے لیے ایسے کام کر لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حقیقی آرام اور ہمیشہ کے سُکھ کے لیے اتنی کوشش نہیں کی جاتی۔ اصل میں ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی اور خدا تعالیٰ کے انعام واکرام کی قدر نہیں کرتے۔ اگر اس کی قدر کرتے تو جان کیا چیز تھی جو قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو جاتے۔ اصلی زندگی اور حقیقی سُکھ تو ہے ہی وہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی زندگی تو اپنے آپ پر ایک موت وارد کر لینے سے ہی ملا کرتی ہے ایسے لوگ جو جنتروں اور منتروں اور ٹونوں اور ٹوٹکوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں دین کے لیے کوشش کرنا چاہتے ہی نہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ بڑے آرام سے اور گھر بیٹھے بٹھائے قلب کی صفائی حاصل ہو جاوے اصل میں جھوٹے قصوں اور کہانیوں نے ان لوگوں کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور ایسی باتوں سے انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دین ایک ایسی چیز ہے جو جنتروں منتروں اور تعویذوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی واسطے ان لوگوں نے بعض بعض ریاضتیں بھی مقرر کی ہوئی ہیں جن پر عمل کرنے سے کہتے ہیں قلب جاری ہو جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجود قلب جاری ہونے کے عملی حالت اُن کی اَور بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اور ایسے وظائف میں سے ایک ذکر اَرّہ بھی ہے کہ جس کا نتیجہ آخر میں سِل ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی راہ رکھا ہے جیسے فرمایا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) اور یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ راضی ہو جاوے۔ کوئی دوئی نہ رہے۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کی ملونی نہ رہے اور کسی قسم کی دُوری یا جُدائی نہ رہے۔

صدق، وفا اور استقلال کی ضرورت

یہ تھوڑی سی بات نہیں۔ یہی وہ مشکل گھاٹی ہے جو بڑے بڑے مصائب اور امتحانوں کے بعد طے ہوا کرتی ہے

یہ نماز جو تم لوگ پڑھتے ہو۔ صحابہؓ بھی یہی نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی نماز سے انہوں نے بڑے بڑے روحانی فائدے اور بڑے بڑے مدارج حاصل کئے تھے۔ فرق صرف حضور اور خلوص کا ہی ہے۔ اگر تم میں بھی وہی اخلاص، صدق، وفا اور استقلال ہو تو اسی نماز سے اب بھی وہی مدارج حاصل کر سکتے ہو جو تم سے پہلوں نے حاصل کئے تھے۔ چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں دُکھ اُٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہو۔

یاد رکھو جب اخلاص اور صدق سے کوشش نہیں کرو گے کچھ نہیں بنے گا۔ بہت آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ یہاں سے تو بیعت کر جاتے ہیں مگر گھر میں جاکر جب تھوڑی سی بھی تکلیف آئی اور کسی نے دھمکایا تو جھٹ مُرتد ہو گئے۔ ایسے لوگ ایمان فروش ہوتے ہیں۔ صحابہؓ کو دیکھو کہ انہوں نے تو دین کی خاطر اپنے سر کٹوا دیئے تھے اور جان و مال سب خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ کسی دشمن کی دشمنی کی انہیں پروا تک بھی نہ تھی۔ وہ تو خدا تعالیٰ کی راہ میں سب طرح کی تکالیف اُٹھانے اور ہر طرح کے دُکھ برداشت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے اور انہوں نے اپنے دلوں میں یہی فیصلہ کیا ہوا تھا۔ مگر یہ ہیں جو ذرا بھی نبردار یا کسی اور شخص نے دھمکایا تو دین ہی چھوڑ دیا۔ ایسے لوگوں کی عبادتیں بھی محض پوست ہی پوست ہوتی ہیں۔ ایسوں کی نمازیں بھی خدا تک نہیں پہنچتیں بلکہ اسی وقت ان کے منہ پر ماری جاتی ہیں اور اُن کے لیے لعنت کا موجب ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون: ۵، ۶)

وہ لوگ جو نمازوں کی حقیقت سے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کی نمازیں نری ٹکریں ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ ایک سجدہ اگر خدا تعالیٰ کو کرتے ہیں تو دوسرا دنیا کو کرتے ہیں جب تک انسان خدا کے لیے تکالیف اور مصائب کو برداشت نہیں کرتا۔ تب تک مقبول حضرتِ احدیت نہیں ہوتا۔ دیکھو دُنیا میں بھی اس کا نمونہ پایا جاتا ہے۔ اگر ایک غلام اپنے آقا کا ہر ایک تکلیف اور مصیبت میں اور ہر ایک خطرناک میدان میں ساتھ دیتا رہے تو وہ غلام غلام نہیں رہتا بلکہ دوست بن جاتا ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کا حال ہے اگر انسان اس کا دامن نہ چھوڑے اور اسی کے آستانہ پر گرا رہے اور استقلال کے ساتھ وفاداری کرتا رہے تو پھر خدا بھی ایسے کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کے ساتھ دوست والا معاملہ کرتا ہے۔

وفاداری کا مادہ تو کُتّے میں بھی پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ بھوکا رہے۔ بیمار ہو جائے کمزور ہو جائے خواہ کچھ ہی ہو مگر اپنے مالک کے گھر کو نہیں چھوڑتا۔ اور وہ لوگ جو ذرا سی تکلیف پر دین سے ہی روگرداں ہو جاتے ہیں

ان کو کُتّے سے سبق سیکھنا چاہیئے۔

لکھا ہے کہ ایک یہودی مشرف باسلام ہوا۔ کچھ دن بعد جو مصیبت کا سامنا ہوا۔ اور بھوکا مرنے لگا اور فاقے پر فاقہ آنے لگا تو کسی یہودی کے مکان پر بھیک مانگنے کے لیے گیا۔ یہودی نے اس نومسلم کو چار روٹیاں دیں۔ جب وہ روٹیاں لے کر جا رہا تھا تو ایک کُتّا بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس شخص نے یہ خیال کر کے کہ شاید ان روٹیوں میں سے کُتّے کا بھی کچھ حصہ ہے ایک روٹی کُتّے کے آگے پھینک دی اور آگے چل دیا۔ کُتّا اس روٹی کو جلدی جلدی کھا کر پھر پیچھے پیچھے ہو لیا تب اس نے خیال کیا کہ شاید ان روٹیوں میں سے نصف حصہ کُتّے کا ہو۔ تب اُس نے ایک اور روٹی کُتّے کے آگے پھینک دی۔ مگر کُتّا اس کو بھی کھا کر پیچھے پیچھے چل دیا۔ پھر اس نے جب معلوم کیا کہ کُتّا پیچھا نہیں چھوڑتا تو اسے خیال گذرا کہ شاید تین حصے اس کے ہوں اور ایک حصہ میرا ہو اس لیے اس نے ایک روٹی اَور ڈال دی مگر کُتّا وہ روٹی کھا کر بھی واپس نہ گیا۔ تب اُسے کُتّے پر غصہ آیا اور کہا تُو تو بڑا بدذات ہے۔ مانگ کر مَیں چار روٹیاں لایا تھا مگر اُن میں سے تین کھا کر بھی تُو پیچھا نہیں چھوڑتا۔ خدا تعالیٰ نے اس وقت کُتّے کو بولنے کے لیے زبان دے دی۔ تب کُتّے نے جواب دیا کہ مَیں بدذات نہیں ہوں۔ مَیں خواہ کتنے فاقے اُٹھاؤں مگر مالک کے سوائے دوسرے گھر پر نہیں جاتا۔ بدذات تو تُو ہے جو دو تین فاقے اُٹھا کر ہی کافر کے گھر مانگنے کے لیے آ گیا۔ تب وہ مسلمان یہ جواب سُنکر اپنی حالت پر بہت پشیمان ہوا۔

ایسے ہی گورداسپور میں ایک بلّی تھی خواہ کچھ ہی اس کے پاس پڑا رہے مگر وہ بغیر اجازت کچھ نہ کھاتی تھی ایک دفعہ بعض دوستوں نے اس بلّی کے مالک کو کہا کہ ہم بھی یہ تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حلوہ، دودھ، چھیچھڑے وغیرہ بلّی کے پاس رکھ کر باہر سے قفل لگا دیا۔ تین دن کے بعد جو دیکھا تو بلّی مری پڑی تھی اور وہ کھانا اسی طرح صحیح سالم موجود تھا۔ اگر ارذل مخلوقات کے صفاتِ حسنہ بھی انسان میں نہ پائے جائیں تو پھر وہ کس خوبی کے لائق ہے؟[1]

۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ سیر)

عبادت کے اُصول کا خلاصہ

ایک شخص نے سوال کیا کہ نماز میں کھڑے ہو کر اللہ جل شانہٗ کا کس طرح کا نقشہ پیشِ نظر ہونا چاہیئے؟

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۰-۱۱-۱۴ مورخہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء نیز
بدر جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۸-۹-۱۰ مورخہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

موٹی بات ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے اُدْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف:۳۰) اخلاص سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیئے اور اس کے احسانوں کا بہت مطالعہ کرنا چاہیئے۔ چاہیئے کہ اخلاص ہو۔ احسان ہو اور اس کی طرف ایسا رجوع ہو کہ بس وہی ایک رب اور حقیقی کارساز ہے۔

عبادت کے اصول کا خلاصہ اصل میں یہی ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح سے کھڑا کرے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یا یہ کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔ ہر قسم کی ملونی اور ہر طرح کے شرک سے پاک ہو جاوے اور اسی کی عظمت اور اسی کی ربوبیت کا خیال رکھے۔ اَدعیہ ماثورہ اور دوسری دعائیں خدا تعالیٰ سے بہت مانگے اور بہت توبہ استغفار کرے اور بار بار اپنی کمزوری کا اظہار کرے تاکہ تزکیۂ نفس ہو جاوے اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہو جاوے اور اسی کی محبت میں محو ہو جاوے اور یہی ساری نماز کا خلاصہ ہے اور یہ سارا سورہ فاتحہ میں ہی آجاتا ہے۔ دیکھو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحۃ:۵) میں اپنی کمزوریوں کا اظہار کیا گیا ہے اور امداد کے لیے خدا تعالیٰ سے ہی درخواست کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ سے مدد اور نصرت طلب کی گئی ہے اور پھر اس کے بعد نبیوں اور رسولوں کی راہ پر چلنے کی دعا مانگی گئی ہے اور ان انعامات کو حاصل کرنے کے لیے درخواست کی گئی ہے جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے اس دُنیا پر ظاہر ہوئے ہیں اور جو انہیں کی اِتّباع اور انہیں کے طریقہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی گئی ہے کہ ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے تیرے رسولوں اور نبیوں کا انکار کیا اور شوخی اور شرارت سے کام لیا اور اسی جہان میں ہی ان پر غضب نازل ہوا یا جنہوں نے دنیا کو ہی اپنا اصلی مقصود سمجھ لیا اور راہ راست کو چھوڑ دیا اور اصلی مقصد نماز کا تو دُعا ہی ہے اور اس غرض سے دُعا کرنی چاہیئے کہ اخلاص پیدا ہو اور خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو اور معصیت سے جو بہت بُری بلا ہے اور نامۂ اعمال کو سیاہ کرتی ہے طبعی نفرت ہو اور تزکیۂ نفس اور رُوح القدس کی تائید ہو۔ دُنیا کی سب چیزوں جاہ و جلال، مال و دولت، عزت و عظمت سے خدا مقدم ہو اور وہی سب سے عزیز اور پیارا ہو اور اس کے سوائے جو شخص دوسرے قصے کہانیوں کے پیچھے لگا ہوا ہے جن کا کتاب اللہ میں ذکر تک نہیں وہ گرا ہوا ہے اور محض جھوٹا ہے۔ نماز اصل میں ایک دُعا ہے جو سکھائے ہوئے طریقہ سے مانگی جاتی ہے یعنی کبھی کھڑے ہونا پڑتا ہے کبھی جھکنا اور کبھی سجدہ کرنا پڑتا ہے اور جو اصلیت کو نہیں سمجھتا وہ پوست پر ہاتھ مارتا ہے۔

مصائب و شدائد ضروری ہیں

فرمایا:۔ مصائب اور شدائد کا آنا نہایت ضروری ہے۔ کوئی نبی نہیں گذرا جس کا امتحان نہیں لیا گیا۔ جب کسی کا کوئی عزیز مرجاتا ہے تو اس کے لیے یہ بڑا نازک وقت ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ ایک پہلو پر جانے والے لوگ مُشرک ہوتے ہیں۔ آخر

خدا کی طرف قدم اُٹھانے اور حقیقی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحۃ:۶) والی دُعا مانگنے کے یہی معنے تو ہیں کہ خدایا وہ راہ دکھا جس سے تو راضی ہو اور جس پر چل کر نبی کامیاب اور بامراد ہوئے۔ آخر جب نبیوں والی راہ پر چلنے کے لیے دُعا کی جاوے گی تو پھر ابتلاؤں اور آزمائشوں کے لیے بھی تیار رہنا چاہیئے اور ثابت قدمی کے واسطے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہنا چاہیئے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ صحت و عافیت بھی رہے۔ مال و دولت میں بھی ترقی ہو اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان اور مالی و جانی آرام بھی ہوں۔ کوئی ابتلاء بھی نہ آوے اور پھر یہ کہ خدا بھی راضی ہو جاوے وہ ابلہ ہے۔ وہ کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں پر خدا راضی ہوا ہے ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے کہ وہ طرح طرح کے امتحانوں میں ڈالے گئے اور مختلف مصائب اور شدائد سے ان کا سامنا ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ پر دیکھو کیسا نازک ابتلاء آیا تھا اور پھر اس کے بعد سب نبیوں کے ساتھ یہی معاملہ رہا۔ یہانتک کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا۔ دیکھو ان کو پیدا ہوتے ہی یتیمی کا سامنا ہوا یتیمی بھی تو بُری بلا ہے خدا جانے کیا کیا دُکھ اُٹھائے اور پھر دعویٰ کرتے ہی مصیبتوں کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

یاد رکھو۔ انبیاء کا دوسرا نام اہل بلاء و اہل ابتلاء بھی ہے۔ ابتلاؤں سے کوئی نبی بھی خالی نہیں رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے اور پھر انبیاء کو تو رہنے دو۔ امام حسینؓ کو دیکھو کہ ان پر کیسی کیسی تکلیفیں آئیں۔ آخری وقت میں جو ان کو ابتلاء آیا تھا کتنا خوفناک ہے۔ لکھا ہے کہ اُس وقت اُن کی عمر ستاون برس کی تھی اور کچھ آدمی اُن کے ساتھ تھے۔ جب سولہ یا سترہ آدمی ان کے مارے گئے اور ہر طرح کی گھبراہٹ اور لاچاری کا سامنا ہوا تو پھر ان پر پانی کا پینا بند کر دیا گیا۔ اور ایسا اندھیر مچایا گیا کہ عورتوں اور بچوں پر بھی حملے کئے گئے اور لوگ بول اُٹھے کہ اس وقت عربوں کی حمیت اور غیرت ذرا بھی باقی نہیں رہی۔ اب دیکھو کہ عورتوں اور بچوں تک بھی اُن کے قتل کئے گئے اور یہ سب کچھ درجہ دینے کے لیے تھا۔ جاہل تو کہیں گے کہ وہ گنہگار اور بداعمال تھے اس لیے ان پر یہ تکلیف آئی مگر ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آرام سے کوئی درجہ نہیں ملا کرتا جو لوگ ایک ہی پہلو پر زور دیتے چلے جاتے ہیں اور ابتلاؤں اور آزمائشوں میں صبر کرنا نہیں چاہتے۔ اندیشہ ہے کہ وہ دین ہی چھوڑ دیں۔ جیسے کہ شیعہ لوگ ہیں کہ اس حقیقت کو دیکھتے نہیں جو امتحانوں اور آزمائشوں کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس کی پروا کرتے ہیں مگر سیاپا لگا تار کئے جاتے ہیں اور چھوڑنے میں نہیں آتے۔ کیا امام حسینؓ نے انہیں وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرا سیاپا کرتے رہنا؟ یاد رکھو جتنے اولیاء اللہ اور مقدس لوگ گذرے ہیں۔ انکے بڑے بڑے تلخ امتحان ہوئے ہیں اور جو پہلوں کا حال ہے وہ آنے والوں کے لیے ایک سبق ہے۔

یہ تو بڑی غلطی ہے کہ ایک طرف تو انسان چاہے کہ ہر طرح کی آسودگی اور آرام ہو اور خوشنودی کے سب سامان مہیا ہوں اور دوسری طرف مقرب اللہ بھی بن جاوے۔ یہ تو ایسا ہی مشکل ہے جیسے اُونٹ کا سُوئی کے ناکے

میں سے گذر جانا بلکہ اس سے بھی ناممکن۔ جب تک ابتلاؤں اور امتحانوں میں انسان پورا نہ اُترے کچھ نہیں بنتا۔[1]

بلا تاریخ

چند سوالات کے جوابات

ایک شخص نے حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں چند سوال پیش کئے جو بمعہ جواب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

سوال نمبر ۱:۔ زردشت نبی تھا یا نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہم تو یہی کہیں گے کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ[2] خدا تعالیٰ کے کل رسولوں[3] پر ہمارا ایمان ہے مگر اللہ کریم نے ان سب کے نام اور حالات سے ہمیں آگاہی نہیں دی[4]۔ جیسے فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن: ۷۹) اتنے کروڑ مخلوقات پیدا ہوتی رہی اور کروڑہا لوگ مختلف ممالک میں آباد رہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو یونہی چھوڑ دیا ہو اور کسی نبی کے ذریعہ سے ان پر اتمام حجت نہ کی ہو۔ آخر ان میں رسول آتے ہی رہے ہیں[5]۔ ممکن ہے کہ یہ بھی انہیں میں سے ایک رسول ہوں مگر ان کی تعلیم کا صحیح صحیح پتہ اب نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ زمانہ دراز گذر جانے سے تحریف لفظی اور معنوی کے سبب بعض باتیں کچھ کا کچھ بن گئی ہیں حقیقی طور پر محفوظ رہنے کا وعدہ تو صرف قرآن مجید کے لیے ہی ہے مومن کو

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء نیز
بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء

[2] بدر میں ہے:۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ" لکھا ہے۔ (بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ)

[3] بدر میں لکھا ہے:۔" خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں" (" " " " ")

[4] بدر سے:۔ "یہ تفصیل کہ وہ کون تھے اور کہاں کہاں تھے اور کس ملک میں رہتے تھے۔ اس کو ہم نہیں جانتے"۔
(بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

[5] بدر سے:۔ ہم ایسا نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمام ممالک اور وہ تمام مخلوق ہمیشہ انبیاء سے خالی رہی ہے ہم یہی مانتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی خدا تعالیٰ کے پیغمبر گذرے ہیں اور ایران میں بھی ہوئے اور دوسرے ممالک میں بھی ہوئے ہیں"۔
(بدر حوالہ مذکور)

سوءظن کی نسبت نیک ظن کی طرف زیادہ جانا چاہیئے[1] قرآن مجید میں وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر: ۲۵) لکھا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ایک رسُول ہوں۔

سوال نمبر ۲:۔ براہین احمدیہ میں آپ نے کلام الٰہی کی ایک نشانی یہ بھی لکھی ہے کہ وہ ہر ایک پہلو میں دوسری کلاموں سے افضل ہوتا ہے۔ توریت انجیل بھی تو خدا تعالیٰ کا کلام ہیں کیا ان میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ان کتابوں کی نسبت قرآن مجید میں يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدۃ: ۱۴) لکھا ہے وہ لوگ شرح کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا کرتے تھے۔ اس لیے جو کتابیں محرف مبدل ہو چکی ہیں ان میں یہ نشانی کب مل سکتی ہے؟

اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ حضور توریت میں لکھا ہے "پھر موسیٰ خدا کا بندہ مر گیا اور موسیٰ جیسا نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہوگا اور اس کی قبر بھی آج تک کوئی نہیں جانتا" تو یہ کلام حضرت موسیٰ کی ہو ہی کس طرح سکتی ہے اور انجیل کی نسبت تو عیسائی خود قائل ہیں کہ وہ اصلی جو عیسیٰ کی انجیل تھی نہیں ملتی۔ یہ سب تراجم در تراجم ہیں اور ترجمے مترجم کے اپنے خیالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت سا حصہ اس قسم کا پایا جاتا ہے جو دوسروں کا بیان ہے جیسے صلیب کا واقعہ وغیرہ۔

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

یہ ٹھیک بات ہے۔ اگر تمام دنیا میں تلاش کریں تو قرآن مجید کی طرح خالص اور محفوظ کلام الٰہی کبھی نہیں مل سکتا بالکل محفوظ اور دوسروں کی دست بُرد سے پاک کلام تو صرف قرآن مجید ہی ہے۔

دو باتیں بڑی یاد رکھنے والی ہیں ایک تو قرآن مجید کی حفاظت کی نسبت کہ رُوئے زمین پر ایک بھی ایسی کتاب نہیں جس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ کریم نے کیا ہو اور جس میں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: ۱۰) کا پر زور اور متحدیانہ دعویٰ موجود ہو۔ اور دوسرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی حالتوں کی نسبت۔ کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک طرح کے اخلاق ظاہر کرنے کا موقعہ ملا۔ حضرت موسیٰؑ کو دیکھو کہ وہ راستہ

---

[1] بدر سے:۔ "حضرت عمرؓ نے پارسیوں کو اہل کتاب میں داخل سمجھا تھا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو اہل کتاب کے ساتھ کرنا چاہیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریق تھا۔ ایسے جلیل القدر اصحاب کی رائے کی اس معاملہ میں قدر کرنی چاہیئے اس طرح ایک فیصلہ شدہ امر ہو جاتا ہے۔" (بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۷ء)

میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حضرت عیسیٰؑ تو ہمیشہ مغلوب ہی رہے معلوم نہیں اگر غالب ہوتے تو کیا کرتے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح سے اقتدار اور اختیار حاصل کر کے اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اپنے سامنے بُلا کر کہدیا

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: ۹۳)

اور پھر یہ بھی دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مبعوث ہوئے تھے جب فسق و فجور، شرک اور بُت پرستی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) والا معاملہ ہو رہا تھا۔ اور گئے اس وقت تھے جب وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (النصر: ۳) والا نظارہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر تمام دُنیا میں نہیں پائی جاتی اور یہی تو کامیابی ہے کہ جس مقصود کے لیے آئے تھے اس کو پورا کر کے دکھا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صلیب کا ہی مُنہ دیکھتے پھرے اور یہودیوں سے رہائی نہ پا سکے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب ہو کر وہ اخلاق دکھائے جن کی نظیر نہیں ملتی۔

سوال نمبر ۳:۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو قرآن شریف میں کلمۃ اور رُوحٌ مِّنْهُ لکھا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہم بھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو مسِ شیطان سے پاک سمجھتے اور دوسرے نبیوں کی ارواح کی طرح اسکی رُوح کو بھی رُوحٌ مِّنْهُ مانتے ہیں اور نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ (الاعراف: ۱۵۹) پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر اس سے عزت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسرے انبیاء پر کوئی فضیلت تو ثابت نہیں ہو سکتی۔ آپ ہی بتائیں کہ ہر ایک شخص رُوحٌ مِّنْهُ ہوتا ہے یا کسی اور طرف سے؟ سب ارواح خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کی طرف سے ہوتی ہیں نہ کہ کسی اور طرف سے۔ ہاں اس میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ فاسقوں، فاجروں کی ارواح کو بسبب اُن کے فسق و فجور اور شرک کی گندگی کے روحٌ منہ نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ روح الشیطان ہوتے ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (بنی اسرائیل: ۶۵) اور اس طرح سے ہم مانتے ہیں کہ بعض روح الشیطان ہوتے ہیں اور بعض روح منہ ہوتے ہیں بعض آدمی ایسے خراب ہوتے ہیں کہ وہ نہایت ہی خبیث الفطرت اور شیطان خصلت ہوتے ہیں۔ ان سے توقع ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ کبھی رجوع الی اللہ کر سکیں۔ ایسے لوگوں پر روحٌ منہ کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ وہ روح الشیطان ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو رُوحٌ مِّنْهُ یا کلمۃ کا لفظ بولا گیا ہے تو وہ بطور ذب اور دفع کے ہے اور اس الزام کو دُور کیا گیا ہے جو اُن پر لگایا گیا تھا ورنہ کل راستباز اور نیکوکار لوگ روحٌ منہ ہی ہوتے ہیں۔

سوال نمبر ۴:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خدا تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا تھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

اگر بے باپ پیدا ہونا دلیلِ الوہیت اور ابنیت ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں کیونکہ نہ اُن کی ماں ہے نہ باپ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے سے خلقت کو دھوکا لگنے کا اندیشہ تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کر کے ایک نظیر پہلے ہی سے قائم کر دی تھی، لیکن اگر اس کے آسمان پر جانے والی بات بھی صحیح مانی جاوے تو چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی ایک نظیر قائم کر دیتا۔ اب بتلاؤ جبکہ خدا تعالیٰ نے آسمان پر جانے کی کوئی نظیر پیش نہیں کی تو پھر اسی سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے آسمان پر جانے والی کہانی محض جھوٹ ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کفار نے سوال کیا تھا کہ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ (بنی اسرائیل: ۹۴) یعنی آسمان پر چڑھ جاؤ تو خدا تعالیٰ نے یہی جواب دیا تھا کہ بشر آسمان پر نہیں جا سکتا جیسے فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) اگر بشر آسمان پر جا سکتا تھا تو چاہیئے تھا کہ کفار نظیر پیش کر دیتے۔

افسوس ان لوگوں نے بے وجہ پادریوں کی مدد پر کمر باندھ لی ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی رُو سے بشر تو آسمان پر جا نہیں سکتا مگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اس لیے وہ خدا ہیں تو پھر منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایک کمزور اور عاجز انسان تھے اور خدا تعالیٰ کے رسول تھے۔ ایک ذرہ بھی اس سے زیادہ نہ تھے۔ اگر وہ خدا تھا تو یہ بار ثبوت عیسائیوں پر ہے کہ وہ کوئی سورج، چاند یا زمین کا پتہ دیویں جو اس نے بنائی تھی۔ وہ بیچارے تو ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ قرآنِ مجید میں تو صاف لکھا ہے کہ وہ ایک جسد تھے۔ کھانے پینے اور دوسرے حوائج کے محتاج تھے اور دوسرے نبیوں کی طرح وفات پا گئے تھے۔

سوال نمبر ۵:۔ ایسے موقعہ پر مسلمان معراج پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

معراج جس وجود سے ہوا تھا وہ یہ گھنے مُوتنے والا وجود تو نہ تھا بلکہ وہ ایک اَلْطَف اور نہایت ہی نورانی وجود تھا۔ کس کس غلطی کی اصلاح کی جاوے۔ بخاری میں صاف طور پر ثُمَّ اسْتَیْقَظَ لکھا ہے یعنی پھر وہ جاگ اُٹھے۔ اب بتلاؤ ہم یہ بات کس طرح مان لیں کہ وہ یہی وجود تھا۔ ہمارا تو تجربہ ہے کہ پاک لوگوں کو ایک نُورانی وجود ملتا ہے۔

یاد رکھو ایک الہام ہوتا ہے اور ایک رؤیا اور کشف بھی ہوتا ہے۔ کشف رؤیا سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ صاحبِ کشف جانتا ہے کہ میں ایک اَور جگہ پر ہوں اور وہ دوسروں کی آواز بھی سنتا ہے۔ صوفیاء کرام اس بات کے قائل ہیں کہ اولیاء اللہ کو ایک نوری جسم ملتا ہے بلکہ بعض اوقات اُسے دوسرے لوگ بھی دیکھ لیتے ہیں اور سب صوفی اس بات کے بھی قائل ہوتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ بند نہیں ہوتا بلکہ ظلی طور پر انسان نبی بن سکتا ہے مگر کمزوری کے ساتھ وحیِ دل کہہ دیتے ہیں۔

خوب یاد رکھو کہ وہ یہ وجود نہیں تھا جو معراج میں تھا بلکہ وہ ایک اَور ہی وجود ہوتا ہے۔ اسی سے انسان مُردوں سے بھی ملاقات کرتا ہے اور اس کا نمونہ کسی قدر خواب میں بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کا یہ وجود تو چارپائی پر ہوتا ہے مگر ایک آنکھیں ہوتی ہیں جن سے دیکھتا ہے اور ایک پاؤں ہوتے ہیں جن سے چلتا ہے اور خواب کو موت کی بہن بھی اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اس سے اس عالم کی کسی قدر سمجھ آجاتی ہے۔

جب بخاری جیسی کتاب میں ثُمَّ اسْتَیْقَظَ لکھا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی مذہب ہے تو ہمیں کیا بنی ہے جو یونہی کچھ کا کچھ پیش کر دیا کریں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا مذہب بھی یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج اس وجود سے نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ایک اور نورانی وجود تھا ورنہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مخالفت میں شور برپا کرتے [1]

۱۹ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

مجدد کی ضرورت

فرمایا:-

طرح طرح کے نشانات اور موجودہ حالات زمانہ کے اور صدی کا سر سب کے سب ضرورتِ مجدد ثابت کر رہے ہیں اور مجدد کا کام اپنے زمانہ کی اصلاح اور اس فتنہ موجودہ کا دُور کرنا ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ ہو۔ اور وہ اسی زمانہ کے مطابق ضروری اصلاح کرنے کے لیے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بڑھ کر فتنہ نہیں کہ ایک طرف تو ایک عاجز بندہ کو خدا بنایا جائے اور اسی کو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا سمجھا جائے اور دوسری طرف ایک صادق نبی کو جو دنیا میں سب سے بڑھ کر توحید کا حامی آیا ہے نعوذ باللہ جھوٹا

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۹ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

قرار دیا جائے۔ یہ وہ فتنہ ہے جس نے لاکھوں انسانوں کو خدا پرستی سے برگشتہ کر کے انسان پرست بنا دیا اور اسی کے اثر سے اکثر لوگ دہریہ بن گئے اور توحید کی محبت دلوں سے جاتی رہی اور اسلام صرف برائے نام رہ گیا اور سب کے سب چھوٹے بڑے اس فتنہ عظیمہ سے اثر پذیر ہو رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس زمانہ کی اصلاح کے لیے اور فتنہ کے مناسب حال جو امام اور مجدد بھیجنا تھا اس کا نام اسی فتنہ کو دُور کرنے کے لیے مسیح رکھا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی اُمت نے ہی بگڑ کر یہ فتنہ برپا کیا ہے۔ اس لیے اس کی اصلاح کے لیے اور زمانہ کو اس کے فتنہ سے بچانے کے لیے ضرور تھا کہ اسی نام پر کوئی پیدا کیا جاتا۔ اسی مصلحت سے اس صدی کے مجدد اور امام کا نام مسیح موعود رکھا گیا۔ فتنے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک بیرونی اور دوسرے اندرونی۔ بیرونی طور پر تو پادریوں اور دوسرے مخالف مذاہب والوں نے اسلام پر وہ وہ ناجائز اور بے بنیاد اعتراض کئے کہ جن کو سُن کر ہزارہا لوگ مُرتد ہو گئے۔ ہزاروں رسالے اور کتابیں اسلام کی مخالفت میں لکھی گئیں اور ہر ایک قسم کے محض غلط اعتراضوں سے اس پاک مذہب کے نابُود کرنے کی کوشش کی گئی اور ایک عورت کے بچہ کو طرح طرح کے پیرایوں میں پیش کر کے خدا کا بیٹا بنایا گیا۔

یہ تو سچ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا رسُول تھا مگر خدا تو نہیں تھا اور نہ اس میں اور رسولوں سے ایک ذرہ زیادتی ہے اور نہ اس کے معجزات کچھ انوکھے معجزات ہیں اور اندرونی طور پر اسلام کو یہ فتنہ درپیش تھا کہ خود مسلمانوں نے عیسیٰ میں وہ وہ صفات قائم کیں جو صرف خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص تھیں اور اس طرح سے عیسائیوں کو بہت مدد دی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء مسِّ شیطان سے پاک ہیں

مسیح کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعہ خدام سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔

فرمایا:۔

مَیں نے ایک مولوی صاحب کی ایک تازہ تصنیف پڑھی جس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور اس کی ماں مریم کے سوائے مسِّ شیطان سے دُنیا میں کسی کی پیدائش پاک نہیں۔ صرف یہی دو نفس مریم اور ابن مریم مسِّ شیطان سے پاک ہیں اور بس۔ اس عبارت کو پڑھ کر مجھے بہت ہی افسوس ہوا کہ ہمیں تو یہ لوگ کافر کہتے ہیں اور اپنا یہ حال ہے کہ تمام انبیاء اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پاکوں کے سردار ہیں نعوذ باللہ مسِّ شیطان سے محفوظ نہیں سمجھتے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۸ صفحہ ۱ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۷ء

گویا اُن کے نزدیک نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں شیطان کا حصہ تھا مگر عیسیٰؑ اور انکی ماں کی پیدائش میں شیطان کا حصہ نہ تھا۔ بار بار افسوس آتا ہے کہ ان لوگوں کی حالت کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فرمایا:۔ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں ہے اور نہیں سوچتے کہ سب سے مقدم تو قرآن شریف ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے شیطان کو کہا کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ (بنی اسرائیل: ۶۶) میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک عباد میں شامل نہ تھے؟ اوّل تو جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو وہ حدیث ہی نہیں خواہ بخاری میں ہو اور خواہ مسلم میں ہو۔ دوسرا جس حدیث سے حضرت نبی کریم محمد مصطفےٰ، حبیب خدا محبوب الٰہی کی، تمام نبیوں کے سردار کی اس قدر ہتک اور توہین لازم آتی ہو کیونکر ایک مسلمان کی غیرت مان سکتی ہے کہ اسے صحیح حدیث تسلیم کرلے۔ ان لوگوں میں کچھ شرم اور حیا باقی نہیں رہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے ناجائز حملے کرتے ہیں اگر ان لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ محبت ہوتی تو یہ لوگ اس حدیث کے یہ معنے نہ کرتے۔ ہر ایک کلام کے واسطے ایک شانِ نزول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ مریم کے واسطے ضرورتاً اس قسم کے لفظ بولے گئے ہیں کہ مریم صدیقہ تھی اور حضرت عیسیٰؑ کا رُوح خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ ایسا ہی حدیث میں ضرورتاً یہ کلمات بولے گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش مسِ شیطان سے پاک تھی اور یہ ضرورت اس طرح سے واقعہ ہوئی تھی کہ یہودی لوگ کہا کرتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں کہ حضرت مریم نعوذ باللہ زانیہ تھیں اور یسوع کی پیدائش ناجائز تھی اور مسِ شیطان سے تھی۔ اس الزام کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں یہ بات فرمائی کہ یہ الزام جھوٹے ہیں بلکہ مریم صدیقہ تھی اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش مسِ شیطان سے پاک تھی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی والدہ ماجدہ کے متعلق کبھی کسی کافر کو ایسا وہم و گمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ سب کے نزدیک آپ اپنی ولادت کی رُو سے طیب اور طاہر تھے اور آپ کی والدہ عفیفہ اور پاک دامن تھیں اس لیے آپ کی نسبت یا آپ کی والدہ ماجدہ کی نسبت ایسے الفاظ بیان کرنے ضروری نہ تھے کہ وہ مسِ شیطان سے پاک ہیں مگر حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کی نسبت یہودیوں کے بہتان کی وجہ سے ایسے بَری کرنے والے الفاظ کی ضرورت پڑی۔ یہی حال دیگر انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ ان کے متعلق بھی نہ کبھی ایسا اعتراض ہوا اور نہ اُن کے دفعیہ کی ضرورت کبھی محسوس ہوئی۔ افسوس ہے کہ ان علماء کو یہ خبر بھی نہیں کہ یہ باتیں کیوں قرآن و حدیث میں ذکر کی گئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ایسی باتیں کسی بہتان کے دفع کرنے کے لیے آتی ہیں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مریم صدیقہ پر ایک بڑا بہتان باندھا گیا تھا۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اس کا نام صدیقہ رکھدیا۔ افسوس ہے نہ تو ان لوگوں

کے اکابر سمجھتے ہیں اور نہ ان کا اقتداء کرنے والوں کو کچھ خیال آتا ہے کہ ایسے عقیدہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر داغ لگایا جاتا ہے۔ اگر قرآن شریف میں خدا کے بندوں کا مسِ شیطان سے پاک ہونے کا ذکر بھی نہ ہوتا تب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت اور آپ پر ایمان کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ ایسا ناپاک عقیدہ آپ کے متعلق نہ رکھا جاتا۔ حضرت مریم کے متعلق یہ دُعا تھی کہ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (آل عمران : ۳۷) مگر یہ دُعا بھی اسی اعتراض کے رفع کرنے کے واسطے ذکر کی گئی ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کے متعلق تو پہلے سے اللہ تعالیٰ کا خاص ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو مقدس رسول بنایا جاوے گا۔ وہی ارادہ الٰہی ابتداء سے ان کی پیدائش اور تمام امور کو مقدس رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام تو مادرزاد پاک ہوتے ہیں اور شیطان سے دُور رکھے جاتے ہیں۔

دُنیا میں پیدائش دو قسم کی ہوتی ہے ایک رحمانی اور دوسری شیطانی۔ خدا تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کی پیدائش رحمانی ہوتی ہے۔ شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور انہیں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وَرُوْحٌ مِّنْہُ ان کا روح خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے خدا تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کی روح خدا کی طرف سے آتی ہے۔

علامہ زمخشریؒ کی تعریف

فرمایا:۔

زمخشری نے بخاری کے حاشیہ میں اس حدیث کے یہی معنے کئے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ یہ علماء زمخشری کو اچھا نہیں سمجھتے۔ مگر ہمارے خیال میں وہ ان علماء سے بہتر اور افضل تھا گو معتزلی تھا مگر اس کے ایمان نے گوارا نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر داغ لگا دے بلکہ اس کے دل میں اسلامی غیرت اور محبت نے جوش مارا۔

اصل میں ان لوگوں میں تزکیۂ نفس نہیں ہے۔ جب انسان تزکیہ نفس اختیار کرتا ہے تو قرآن شریف کے معانی اور معارف اس پر کھولے جاتے ہیں[1]

ضرورتِ مجدد

فرمایا:۔

ان علماء نے ایسے عقائد کے ساتھ عیسائیوں کی بہت امداد کی ہے حضرت عیسیٰؑ کو

---

[1] الحکم سے:۔ "تزکیہ نفس ایک ایسی چیز ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے حصہ کی سمجھ اس کے بغیر آ ہی نہیں سکتی جن لوگوں کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور جو پاک دل اور مطہر لوگ ہوتے ہیں ان کو بہت سی باتیں خود بخود ہی ایسی سُوجھ جایا کرتی ہیں جو کہ قرآن مجید کے منشاء کے مطابق ہوتی ہیں اور قرآن مجید خود بخود ہی حل ہوتا جاتا ہے۔" (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

خصوصیت کے ساتھ ایسے صفات دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسرے انسانوں میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں ۔ عیسائیوں کو اس سے مدد مل جاتی ہے کہ جب تم خود کہتے ہو کہ یہ صفات کسی انسان میں نہیں پائے جاتے تو ضرور ہے کہ وہ خدا ہو جس میں خاص بلا شرکتِ غیر ایسے صفات پائے جاتے ہیں۔

اس وقت اسلام پر دو بڑے فتنے ہیں۔ ایک تو بیرونی فتنہ ہے کہ کئی لاکھ آدمی مُرتد ہو کر عیسائی ہو چکا ہے اور باقی بہت سے نیم مُرتد پھرتے ہیں۔ ارتداد کے دروازے ہر طرف سے کھُلے ہیں۔ دوسرا بیرونی[1] فتنہ ہے کہ مسلمان لوگ اپنے عقائد کے ساتھ اس ارتداد میں امداد کرتے ہیں۔ کیا ایسے فتنہ عظیمہ کے وقت کسی مجدّد کے آنے کی ضرورت نہیں؟ قاعدہ ہے کہ جس قسم کی اصلاح کے واسطے کوئی شخص دنیا میں آتا ہے اس کے مطابق اس کا نام بھی رکھا جاتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں بڑا فتنہ عیسویت کا تھا۔ اس واسطے اس کی اصلاح کے واسطے جو مجدّد بھیجا گیا اس کا نام مسیح ہی رکھا گیا ہے[2]

بلا تاریخ

مُردہ کو ثواب کا پہنچنا

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مُردے کو کھانے کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور ساتھ ہی مختلف اشیاء کے نام لے کر تفصیل وار پوچھنا شروع کر دیا کہ اُن کا ثواب بھی پہنچتا ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

طعام کا ثواب پہنچتا ہے بشرطیکہ حلال کا طعام ہو۔

قرآن شریف جس طرز سے حلقہ باندھ کر پڑھتے ہیں یہ تو سنت سے ثابت نہیں۔ مُلّاں لوگوں نے اپنی آمدن کے لیے یہ رسمیں جاری کر دی ہیں۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ چاہے تو مُردہ کے حق میں دُعا بھی قبول ہو جاتی ہے لیکن یاد رکھو کہ اپنے ہاتھ سے ایک پیسہ دینا بھی بہتر ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی دوسرا آدمی اس کے عوض میں بہت سا مال خرچ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے وہ نیتوں کو جانتا ہے اور وہی ثواب پہنچانے والا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے کہ مُردوں کو بھی ثواب مل جاتا ہے تو پھر تفصیلوں کی کیا ضرورت ہے؟ ایک صحابیؓ کا بیٹا دُعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے بہشت بھی دے اور انار اور انگور بھی دے۔ صحابیؓ نے کہا کہ جب

---

[1] یہ لفظ "اندرونی" ہے جو کاتب کی غلطی سے "بیرونی" لکھا گیا ہے (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۴۳ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ / اکتوبر ۱۹۰۷ء

بہشت مل گیا تو انار انگور سب چیزیں اسی میں آگئیں۔ اس کی تفصیلوں کی ضرورت کیا ہے۔ اس عالم کی تفصیلیں ہو نہیں سکتیں۔ وہ تو ایک پوشیدہ اور مخفی عالم ہے۔

انسان کا اصل مقصد دین ہے

فرمایا:۔
آجکل دُنیا کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ تم لوگ اچھی طرح سے نظر ڈال کر دیکھ لو۔ شہروں اور بازاروں میں جاکر دیکھ لو۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر محض دنیا کی خاطر مارے مارے پھرتے ہیں۔ ایسے آدمی تھوڑے نکلیں گے جو دین کی غرض سے پھرتے ہوں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے تو یہی دُعا سکھلائی تھی کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ: ۷) کہ یا الٰہی وہ راہ دکھا اور اسی راہ پر چلنے کی توفیق دے جس پر چلنے سے منعم علیہ گروہ میں شامل ہو جاویں۔

اصل مقصد انسان کا تو دین ہونا چاہیئے اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ جو لوگ یہاں دین کی خاطر آتے ہیں ان کو کچھ دن ضرور ٹھہرنا چاہیئے۔ شاید کوئی مفید کلمہ ان کے کانوں میں پڑ جاوے بعض لوگوں کی کوششیں اور تدبیریں محض دنیا کمانے کی خاطر ہوتی ہیں۔ یہانتک کہ بڑی بڑی پنشنیں پالیتے ہیں لیکن پھر بھی بس نہیں کرتے۔ اندر ہی اندر اس جستجو میں لگے رہتے ہیں کہ اب کوئی خطاب ہی مل جاوے لیکن جونہی یہ مال متاع چھوٹتا نظر آتا ہے اور موت سر پر آجاتی ہے۔ تب ہاتھ ملتے ہیں۔ کہ او ہو یہی دنیا تھی جس کے لیے ہم مارے مارے پھرتے تھے اور ہر وقت اسی کی فکر اور غم میں مبتلا رہتے تھے اور اس وقت سخت دُکھ اور پریشانی ہوتی ہے اور اسی میں جان نکل جاتی ہے۔

فرمایا:۔
جب ایک چیز کی کثرت ہو جاوے تو پھر اس کی قدر نہیں رہتی۔ پانی اور اناج جیسی کوئی چیز نہیں اور یہ سب چیزیں آگ، ہوا، مٹی، پانی ہمارے لیے نہایت ہی ضروری ہیں مگر کثرت کی وجہ سے انسان ان کی قدر نہیں کرتا۔ لیکن اگر ایک جنگل میں ہو اور کروڑہا روپیہ بھی پاس ہو۔ مگر پانی نہ ہو تو اس وقت کروڑ ہا روپیہ بھی ایک گھونٹ کے بدلے دینے کو تیار ہوتا ہے اور آخر بڑی حسرت سے مرتا ہے۔ دُنیا کی دولت چیز ہی کیا ہے جس کے لیے انسان مارا مارا پھرتا ہے۔ ذرا سی بیماری آجاوے۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے مگر سکھ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں آتا۔ جب یہ حال ہے تو انسان کی کیس قدر غفلت ہے کہ اس حقیقی کارساز کی طرف توجہ نہ کرے جس کا بنایا ہوا یہ سب کارخانہ ہے اور اس کا ذرہ ذرہ جس کے تصرف اور اختیار میں ہے۔

صُحبتِ صادقین

فرمایا:۔
لوگ تلاش کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقت ملے۔ لیکن یہ بات جلد بازی سے حاصل نہیں ہوا کرتی۔ جب انسان کی رُوح گھل کر آستانۂ الوہیت پر گرتی ہے اور اسی کو اپنا اصل مقصود خیال

کرتی ہے تب اس کے لیے حقیقت کا دروازہ بھی کھولا جاتا ہے لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور صحبتِ صادقین سے یہ باتیں حاصل ہوا کرتی ہیں۔

دنیا داری کا انجام

فرمایا:۔

لوگ دنیا کا حساب وکتاب کس قدر محنت سے یاد رکھتے ہیں لیکن عمر کا حساب نہیں رکھتے اور خیال بھی نہیں کرتے کہ اب عمر کا کس قدر حصہ باقی رہ گیا ہے اور اس کا اعتبار کیا ہے۔

فرمایا:۔

دُنیا دار دُنیا کے ہمّ وغم میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ انجام کا اُسے بھُولے سے بھی خیال نہیں گذرتا اور جس طرح ایک خارش والا بس نہیں کرتا جب تک کہ خون نہ نکل آوے۔ اسی طرح وہ بھی سیر نہیں ہوتا اور کُتّے کی طرح اپنا خون آپ پیتا ہے اور جانتا نہیں کہ دُنیا کی زندگی چیز ہی کیا ہے۔ اسی واسطے اللہ کریم نے مسلمانوں کو غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحة: ۷) والی دُعا سکھائی ہے کہ جو لوگ اسی دُنیا کے کیڑے ہوتے ہیں اور اسی دُنیا کی خاطر رسُولوں اور نبیوں کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر اسی دُنیا میں ہی ان پر عذاب نازل ہوتا ہے ان میں شامل ہونے سے بچا۔ یہ بڑے خطرے کا مقام ہے۔ دیکھو اب تو مرنے کے لیے نئے نئے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔ بہت سی ایسی بیماریاں نکل آئی ہیں جو بالکل نئی ہیں اور پھر طاعون کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ گھر کے گھر خالی ہو گئے ہیں اور دُنیا میں ایک تباہی آگئی ہے [1]

۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

الہام کا دعویٰ کرنیوالے لوگ

فرمایا:۔

ہماری جماعت میں کوئی بیس ۲۰ پچیس ۲۵ بلکہ تیس ۳۰ کے قریب ایسے آدمی ہوں گے جو الہام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مجھے ان کے جنون کا ہی اندیشہ رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی حالت کا مطالعہ کرے اور اپنے اس معاملہ کو دیکھے جو وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اور حدیثُ النفس کا خیال نہ رکھے۔ ایسے لوگوں کے خط جب مجھے بھی آتے ہیں تو بجائے اس کے کہ میں خوش ہوں اللہ تعالیٰ جانتا ہے

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۷ء

کہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کو جنون نہ ہو جاوے۔ جب وہ خط میں پڑھتا ہوں تو بدن کانپ جاتا ہے! اللہ کریم نے کاہنوں اور مجنونوں کی جو تردید کی ہے تو اسی واسطے کہ آخر ان کو بھی بعض باتیں معلوم ہو جایا کرتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے تعلق کو خدا تعالیٰ سے پاک کرے۔ زانی، فاسق، فاجر تو ابھی توبہ کر سکتے ہیں مگر ایسے لوگ کبھی توبہ نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھ لیتے ہیں اور ایسی باتوں سے اکڑ باز ہو جاتے ہیں۔

الزامی جواب دینے کی وجہ

فرمایا:-

موقعہ کے مناسب حال بعض اوقات الزامی جوابات دینے پڑتے ہیں۔ جب دل بہت دُکھایا جاتا ہے تو عیسائیوں کو متنبہ کرنے کے لیے کہ اگر جواب انہیں باتوں کو کہا جاتا ہے تو ایسا جواب ہم بھی دے سکتے ہیں۔ انہیں کی کتابوں سے وہ باتیں پیش کی جاتی ہیں اور ایسے جواب قرآن مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وہ جواب صرف پادریوں کو متنبہ کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ ورنہ حضرت عیسیٰؑ کو ہم خدا تعالیٰ کا رسول اور خدا تعالیٰ کا مقبول اور برگزیدہ سمجھتے ہیں۔[1]

۲۳ر اکتوبر ۱۹۰۷ء

(بوقت سیر)

انبیاء پر جادو اثر نہیں کرتا

ایک شخص نے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں نے جو جادو کیا تھا۔ اس کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

جادو بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ رسُولوں اور نبیوں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ ان پر جادو کا کچھ اثر ہو سکے۔ بلکہ ان کو دیکھ کر جادو بھاگ جاتا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ: ۷۰) دیکھو حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر جادُو تھا۔ آخر موسیٰؑ غالب ہوا کہ نہیں؟ یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر جادو غالب آگیا۔ ہم اس کو کبھی نہیں مان سکتے۔ آنکھ بند کر کے بخاری اور مسلم کو مانتے جانا یہ ہمارے مسلک کے برخلاف ہے۔ یہ تو عقل بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ ایسے عالی شان نبی پر جادو اثر کر گیا ہو۔ ایسی باتیں کہ اس جادُو

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ صفحہ ۷۔۸ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۷ء

کی تاثیر سے (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حافظہ جاتا رہا۔ یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی خبیث آدمی نے اپنی طرف سے ایسی باتیں ملادی ہیں۔ گو ہم نظرِ تہذیب سے احادیث کو دیکھتے ہیں لیکن جو حدیث قرآنِ کریم کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے برخلاف ہو اس کو ہم کب مان سکتے ہیں۔ اس وقت احادیث جمع کرنے کا وقت تھا۔ گو انہوں نے سوچ سمجھ کر احادیث کو درج کیا تھا مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لے سکے۔ وہ جمع کرنے کا وقت تھا لیکن اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے۔ آثارِ نبی جمع کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جمع کرنے والے خوب غور سے کام نہیں لے سکتے۔ اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ خوب غور اور فکر سے کام لے جو ماننے والی ہو۔ وہ مانے اور جو چھوڑنے والی ہو وہ چھوڑ دے ایسی بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ اس سے تو ایمان اٹھ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (بنی اسرائیل: ۴۸) ایسی ایسی باتیں کہنے والے تو ظالم ہیں نہ مسلمان۔ یہ تو بے ایمانوں اور ظالموں کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) سحر اور جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جب (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر اُمت کا کیا ٹھکانا؟ وہ تو پھر غرق ہو گئی معلوم نہیں ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جس معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء مسِ شیطان سے پاک سمجھتے آئے ہیں یہ ان کی شان میں ایسے ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

مقامِ مریمی

فرمایا:۔

یہ بات تو ہمارے وہم و قیاس میں بھی نہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے ہمارا نام مریم رکھا ہے اور پھر اس میں نفخِ رُوح کر کے عیسیٰ پیدا کیا ہے۔

فرمایا:۔

باوجود براہین احمدیہ کے ریویو لکھنے کے کسی نے اس پر جرح نہیں کی کہ کیوں مریم نام رکھا۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اسی کتاب میں یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ کا الہام بھی درج ہے مگر اس طرف کسی نے ذرا بھی توجہ نہ کی۔[1]

●●●●●●●●●●●●●●

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۷ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب کون ہے

فرمایا:- یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انبیاء کو گالی نکالتے ہیں۔ حالانکہ کسی کو وفات یافتہ کہنا گالی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وفات پاگئے تو اور کون ہے جو زندہ رہے؟ انہوں نے خود مر کر دکھایا کہ سب نبی فوت ہوگئے ہیں اور پھر معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کو وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔ اصل میں گالی تو یہ لوگ نکالتے ہیں جو افضل الرسل سید المعصومین کو (معاذ اللہ) شیطانی مس سے آلودہ سمجھتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو پاک سمجھتے ہیں۔ کتنے اندھیر کی بات ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں۔ انہیں کا کلمہ پڑھتے اور انہیں کی اُمت سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر پھر انہیں سے نافرمان ہو کر انہیں پر الزام لگاتے ہیں۔ یہ آخری زمانہ ہے اگر عیسائی ہدایت پا جائیں تو پا جائیں مگر یہ لوگ اپنے اس عقیدہ سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اسی کی تائید پر زور دیں گے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا گیا تھا۔ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ یعنی آسمان پر چڑھ جاؤ کہا گیا تھا تو خدا تعالیٰ نے یہی جواب دیا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) یعنی خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے وعدے کا تخلف کرے۔ میں تو ایک بشر رسول ہوں۔ بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔ اب یہ لوگ جو حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اُسے بشر بھی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ بشر کے لیے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آسمان پر نہیں جا سکتا۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس نہیں وہ بے ایمان ہے۔ خدا تعالیٰ تو ایک مومن کا بھی پاس کرتا ہے جیسے فرمایا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۶۹) وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (الجاثیۃ: ۲۰) افسوس ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے کیسے الزام لگائے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک چاروں طرف دوڑو۔ کسی سچے مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ تو مسِ شیطان سے پاک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) پاک نہیں۔ اس بات کا ہمیں کوئی جواب دے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونسؑ سے بھی گئے گذرے ہوگئے؟ افسوس کہ ان لوگوں نے دین کا ستیاناس کر دیا۔ جب کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائی تھیں کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر دکھا دیں اس کے بعد ہمارا آپ سے

لہ یہ فقرہ "حضرت عیسیٰؑ سے بھی گئے گذرے ہوگئے" ہونا چاہیئے کیونکہ انہیں کا ذکر چل رہا ہے۔ غالباً سہوِ کتابت سے "یونس" لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

کوئی جھگڑا نہیں ہوگا بلکہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہمیں بتلاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر چڑھنے سے کیوں انکار کر دیا تھا اور کیوں کہدیا تھا کہ بشر آسمان پر نہیں جا سکتا اور پھر ان لوگوں کے پاس اگر کسی بشر کے آسمان پر جانے کی نظیر موجود تھی تو وہ پیش کر دیتے۔ کیوں وہ اس جواب کے سُنتے ہی خاموش ہو گئے۔ ہمیں بتلاؤ کہ جب انہوں نے آسمان پر چڑھتے دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا تو کیوں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر چڑھ کر دکھا دیا۔ یہ کیوں کہہ دیا کہ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴)

سبحان کا لفظ اس واسطے بولا گیا ہے کہ سبحان کے معنے ہیں ہر عیب سے مبرا۔ لیکن وعدہ کو توڑنا تو سخت عیب ہے۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا (المرسلات: ۲۶، ۲۷) جس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کے سمیٹنے کے لیے کافی بنایا ہے اور اس میں ایک کشش ہے جس کی وجہ سے زمین والے کسی اور جگہ زندگی بسر کر ہی نہیں سکتے۔ اب اگر بشر آسمان پر گیا ہوا مان لیا جاوے تو نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔ غرض اسی کی تائید کے واسطے سبحان کا لفظ بولا گیا ہے کہ اللہ بے عیب ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا اور میں تو ایک بشر ہوں۔ بشر آسمان پر نہیں جا سکتا۔

وفات کے بارہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار

اور پھر دیکھو کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں حضرت عیسیٰؑ کا صاف طور پر اقرار موجود ہے کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھے خبر نہیں۔ اب ان لوگوں کی یہ عجیب قسم کی مولویت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تو قیامت کے دن اقرار کریں گے کہ میں دوبارہ زمین پر نہیں گیا اور عیسائیوں کے بگڑنے کا جب اُن سے سوال کیا جائے گا تو وہ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور اپنی بے خبری جتلائیں گے۔ لیکن یہ ہیں کہ ان کو دوبارہ اُتار رہے ہیں۔ اب انصاف سے بتلاؤ کہ کیا یہ ہماری اپنی بنائی ہوئی باتیں ہیں؟ سوچو تو سہی کہ وہ تو بیچارے بار بار خدا تعالیٰ کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ عیسائیوں نے مجھے پوجا ہے یا کسی اور کو۔ اور اپنے خدا یا خدا کا بیٹا بنائے جانے سے لاعلمی ظاہر کریں گے مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے دنیا میں نازل ہوں گے۔ کسر صلیب کرینگے لڑائیاں کریں گے اور سب مشرکوں کو قتل کر کے مسلمان کر دیں گے۔ جس سے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولیں گے اور باوجود عیسائیوں کے اعتقاد سے خبر رکھنے کے لاعلمی ظاہر کریں گے۔

مامور من اللہ کی صداقت کے نشان

اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ اس کے لیے چند نشان ہوا کرتے ہیں جن سے اس کی سچائی پرکھی جاتی ہے۔

اوّل یہ کہ وہ پاک اور صاف تعلیم لے کر آتا ہے جب اس کی تعلیم گندی ہو گی تو اس کو قبول کون کریگا؟ دیکھو

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیسی پاک ہے۔ اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں اور کسی قسم کے شرک کی گنجائش نہیں دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ بڑے بڑے نشان ہوتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی دُنیا میں کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تیسرے یہ کہ گذشتہ انبیاء کی جو پیشگوئیاں اس کے متعلق ہوتی ہیں وہ اس پر صادق آتی ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس وقت زمانہ کی حالت خود ظاہر کرتی ہے کہ کوئی مامور من اللہ آوے۔

پانچویں بلند یہ ہے کہ سچے مدعی کا صدق اور اخلاص، استقلال اور تقویٰ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور اس میں ایک کشش ہوتی ہے جس سے وہ اوروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

تمام قرآن مجید میں یہی موٹی باتیں ہیں جن سے کسی مامور کی سچائی کا پتہ لگتا ہے۔ اب جس کو ایمان کی ضرورت ہے وہ یہی پانچ علامتیں پیش کر کے ہمارا امتحان کر لے۔

اس صدی کا مجدد کون ہے

اور پھر دیکھو کہ یہ لوگ خود بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آیا کرتا ہے لیکن افسوس کہ بقول ان کے چودھویں صدی کے سر پر کوئی مجدد نہ آیا۔ حالانکہ چوتھائی حصہ صدی کا گذر بھی گیا ہے اور ہزارہا لوگ دین اسلام سے مُرتد بھی ہو چکے ہیں۔ ہر ایک خاندان اور ہر ایک قوم کے لوگ عیسائی بن چکے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ اگر ایک مسلمان بھی مُرتد ہو جاتا تھا تو قیامت برپا ہو جاتی تھی، لیکن اب تو ہر ایک قوم سادات، مغل، قریش، پٹھان اور ہر ایک طبقہ کے لوگ عیسائی مذہب میں موجود ہیں اور مخلوق پرستی کا وہ طوفان برپا ہے کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ایسا سُننے میں نہیں آیا۔ تو اب بتلاؤ کہ جن صدیوں میں ایسا طوفان نہ تھا اُن میں تو مجدد آتے رہے لیکن جس صدی میں اسلام کو نیست و نابود کرنے کے ہزارہا سامان پیدا ہو گئے اور لاکھوں انسان مُرتد ہو گئے اور بے دینی اور فسق و فجور حد سے زیادہ بڑھ گیا اور صدی میں سے پچیس برس گذر بھی گئے اس میں کوئی مجدد نہ آیا۔ اور جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس صدی کا مجدد میں ہوں تو اُسے دجّال سمجھا جاتا ہے اور کذّاب اور مُفتری خیال کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ ہمارے انجام کو دیکھتے۔ ہم نے ایک سَو سے اسی نشانات کتاب حقیقۃ الوحی میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں۔ اب ان کو چاہیئے کہ کسی جھوٹے میں وہ نشانات ثابت کریں۔

ہمارا موقف

تعلیم کی نسبت سُن لو کہ ہم ان ناپاکیوں کو دُور کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسِ شیطان سے پاک نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ افضل الرُسل۔ سیّد المعصومین، رحمۃٌ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں اور مسِ شیطان سے سب سے بڑھ کر پاک ہیں اور تمام کمالاتِ نبوت انہیں کی ذات پاک پر ختم ہو گئے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ کوئی بشر آسمان پر نہیں جا سکتا۔ قرآن مجید میں صاف طور پر سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) لکھا ہے اور پھر اسی قرآنِ مجید میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ بھی درج ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ دوبارہ دُنیا میں آئے ہوتے کسرِ صلیب کی ہوتی۔ کافروں کو قتل کیا ہوتا۔ تو کیا اُن کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں یہی جواب دینا چاہیئے تھا کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی خبر نہیں؟ باوجودیکہ دوبارہ آکر انہوں نے کافروں اور مشرکوں کو مسلمان کیسا۔ اپنے ذاتی مشاہدہ سے تمام حالات معلوم کر لیے مگر خدا تعالیٰ کے رُوبرُو کہیں گے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی خبر نہیں۔ کیا وہ خدا تعالیٰ کے عرش کے سامنے جھوٹ بولیں گے اور خدا تعالیٰ خاموش ہو رہے گا؟ کیا خدا تعالیٰ اتنا بھی نہ کہے گا کہ تم کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ تم تو دوبارہ دُنیا میں گئے تھے۔ عیسائیوں کو تم نے مسلمان کیا تھا پھر یہ کیوں کہتے ہو کہ اس کی خبر نہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ عدالتوں میں بھی انسان حلفِ دروغی کے باعث پکڑا جاتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کی درگاہ میں جھوٹ کی پُرسش نہیں ہوگی؟ افسوس کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات اور صفات کو بٹہ لگایا۔ قرآنِ مجید کی توہین کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ تمام راستبازوں کی توہین کی۔ اب ایسے مذہب کو کون قبول کرے؟ ایسی باتیں تو وہی بولے گا جس کو خدا تعالیٰ کا خوف نہ ہو۔ دوسرا شخص ایسی باتوں کو کب مان سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ

بار بار ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے نبی اور رسُول ہونے کی دلیل کیا ہے؟

اوّل تو ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ صرف نبی اور رسول ہونے کا نہیں ہے اور نہ ہم کسی شریعت لانے کے مدعی ہیں۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ میں ایک پہلو سے اُمتی ہوں اور ایک پہلو سے نبی اور وہ نبوت براہ راست نہیں بلکہ اُمتی ہونے کی کامل برکات نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضِ تامہ نے مجھے یہ درجہ نبوت بخشا ہے اور درحقیقت وہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے جو میرے آئینہ صافیہ میں جلوہ نما ہوئی ہے اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ میرے پاس بھی اپنی اس قسم کی نبوت کے وہی دلائل ہیں جو سب انبیاء کے پاس ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض انبیاء کے پاس تو صرف ایک دلیل تھی۔ کہاں لکھا ہے کہ ان کے پاس پچاس یا ساٹھ نشان تھے بلکہ اکثر انبیاء کے لیے نو یا اس سے بھی کم نشان ہوا کرتے تھے، لیکن ہم نے تو نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہوئے ایک سو تاسی نشان حقیقۃ الوحی میں لکھ دیئے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ابھی بڑے بڑے نشانوں کا وعدہ کرتا ہے۔ کم از کم یہ لوگ کچھ مدت کے لیے کفِ لسان اختیار کرتے اور ہمارے انجام کو دیکھتے۔ مگر افسوس کہ بغیر کسی یقینی علم اور پختہ دلیل کے ہماری تکفیر اور تکذیب پر آمادہ ہو گئے حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷)

اور اگر حضرت عیسیٰ کے مرنے پر ان لوگوں کو طیش آتا ہے تو یہ سچی بات ہے کہ وہ مر گئے ہیں اور سب انبیاء مرتے ہی آئے ہیں۔ آخر یہ لوگ بھی تو مانتے ہیں کہ وہ دوبارہ آ کر مریں گے پھر تکفیر کے کیا معنے ؟

الزامی جوابات دینے کی وجہ

باقی رہا یہ کہ عیسائیوں کو جواب دیتے وقت بعض اوقات سخت الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں تو یہ بات بالکل صاف ہے جب ہمارا دل بہت دُکھایا جاتا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے ناجائز حملے کئے جاتے ہیں تو صرف متنبہ کرنے کی خاطر انہیں کی مسلمہ کتابوں سے الزامی جواب دیئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ ہماری کوئی بات ایسی نکالیں جو حضرت عیسیٰ کے متعلق ہم نے بطور الزامی جواب کے لکھی ہو اور وہ انجیل میں موجود نہ ہو۔ آخر یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سُنکر چُپ رہیں اور اس قسم کے جواب تو خود قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں جیسے لکھا ہے اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى (النجم: ۲۲) فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۵۰) وہ لوگ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تمہارے بیٹے اور ہماری بیٹیاں ؟

غرض الزامی رنگ کے جواب دینا تو طریق مناظرہ ہے۔ ورنہ ہم حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا رسول اور ایک مقبول اور برگزیدہ انسان سمجھتے ہیں اور جن لوگوں کا دل صاف نہیں اُن کا فیصلہ ہم خدا پر چھوڑتے ہیں[1]

بلا تاریخ

بد دُعا دینا اچھا نہیں

فرمایا کہ :-

ذرا ذرا سی بات پر بد دُعا دینا اچھا نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں حکم آیا ہے کہ صبر کرو۔ جو لوگ ذرا ذرا سی بات پر بد دُعا دیتے ہیں اکثر انہیں پشیمان ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس وقت تو وہ جوش میں آ کر کچھ کا کچھ کہہ دیتے ہیں اور پیچھے جب سوچتے ہیں تو خود ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے کہ اس قدر خفیف معاملہ پر اس قدر خفگی اور ناراضی دکھائی جو اخلاق کے سراسر خلاف ہے۔

حرام و حلال

فرمایا کہ :-

جو چیز بُری ہے وہ حرام ہے اور جو چیز پاک ہے وہ حلال۔ خدا تعالیٰ کسی پاک چیز کو

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۱ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۷ء

حرام قرار نہیں دیتا بلکہ تمام پاک چیزوں کو حلال فرماتا ہے۔ ہاں جب پاک چیزوں ہی میں بُری اور گندی چیزیں ملائی جاتی ہیں تو وہ حرام ہو جاتی ہیں۔ اب شادی کو دَف کے ساتھ شہرت کرنا جائز رکھا گیا ہے لیکن اس میں جب ناچ وغیرہ شامل ہو گیا تو وہ منع ہو گیا۔ اگر اسی طرح پر کیا جائے جس طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تو کوئی حرام نہیں۔

خدا تعالیٰ کے فیصلوں پر انشراح

برادرم[1] مبارک احمد کی وفات پر فرمایا کہ :-

خدا تعالیٰ اتنی مدت سے ہم پر رحم کرتا آیا ہے۔ ہر طرح سے ہماری خواہش کے مطابق کام کرتا آیا ہے اور اُس نے اٹھارہ برس کے عرصہ میں ہم کو طرح طرح کی خوشیاں پہنچائیں اور انعام واکرام کئے۔ گویا اپنی رضا پر ہماری رضا کو مقدم کر لیا۔ پھر اگر ایک دفعہ اس نے اپنی مرضی ہم سے منوانی چاہی تو کون سی بڑی بات ہے۔ اگر ہم باوجود اس کے اس قدر احسانات کے پھر بھی جزع فزع اور واویلا کریں تو ہمارے جیسا احسان فراموش کوئی نہ ہوگا۔ اور پھر اس نے تو پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ یہ جلد فوت ہو جائیگا جیسا کہ تریاق القلوب میں لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ دوستی تو اسی کو کہتے ہیں کہ کچھ دوست کی باتیں مانی جاویں اور کچھ اس کو منوائی جاویں یہ تو دوستی نہیں کہ اپنی ہی منوائے جانا۔ اور جب دوست کی بات ماننے کا وقت آئے تو بُرا ماننا۔ پس جبکہ ہم نے خدا تعالیٰ سے تعلق کیا ہے تو چاہیئے کہ کچھ اس کی مانیں اور کچھ اس سے منوائیں[2]

(منقول از تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۹)

بلا تاریخ

(القول الطیب)

مغربی اقوام کے بارہ میں پیشگوئیوں کا ظہور

جنگوں میں کام آنے والے نئے ہیلون کا ذکر تھا اور اس امر کا ذکر تھا کہ

بعض انگریز اس تجویز میں ہیں کہ مریخ سیارے کے لوگوں سے باتیں کی جاویں۔

فرمایا :-

---

[1] یہ فقرہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرزا محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس وقت تشحیذ الاذہان کے ایڈیٹر تھے (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء

یہ وہی بات پوری ہو رہی ہے جو ان کی نسبت پہلے سے کہا گیا ہے کہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے۔
فرمایا:۔
ان لوگوں کے واسطے خدا تعالیٰ نے ہر امر کے واسطے طاقت کھول دی ہے۔ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔

سید احمد صاحب مثیلِ یوحنا تھے

فرمایا:۔
جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یوحنا نبی خدا تعالیٰ کی تبلیغ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اسی طرح ہم سے پہلے اسی ملک پنجاب میں سید احمد صاحب توحید کا وعظ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ بھی ایک مماثلت تھی جو خدا تعالیٰ نے پوری کر دی۔

خدا کی اولاد سے مراد

فرمایا:۔
اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو مخاطب کیا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ اس جگہ یہ تو نہیں کہ تو میری اولاد ہے بلکہ یہ کہا کہ بمنزلہ اولاد کے ہے یعنی اولاد کی طرح ہے اور دراصل یہ عیسائیوں کی اس بات کا جواب ہے جو وہ حضرت عیسیٰ کو حقیقی طور پر ابن اللہ مانتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور خدا تعالیٰ نے یہودیوں کے اس قول کا عام طور پر کوئی رد نہیں کیا جو کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ:۱۹) بلکہ یہ ظاہر کیا کہ تم ان ناموں کے مستحق نہیں ہو۔ دراصل یہ ایک محاورہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کے حق میں اکرام کے طور پر ایسے الفاظ بولتا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور میں اسکے ہاتھ ہو جاتا ہوں اور جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ اے بندے میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ دیا اور میں بھوکا تھا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ ایسا ہی توریت میں بھی لکھا ہے کہ یعقوب خدا کا فرزند بلکہ نخست زادہ ہے۔ سو یہ سب استعارے ہیں جو عام طور پر خدا تعالیٰ کی عام کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور احادیث میں ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ الفاظ میرے حق میں اسی واسطے استعمال کئے ہیں کہ تا عیسائیوں کا رد ہو۔ کیونکہ باوجود ان لفظوں کے میں کبھی ایسا دعویٰ نہیں کرتا۔ کہ نعوذ باللہ میں خدا کا بیٹا ہوں بلکہ ہم ایسا دعویٰ کرنا کفر سمجھتے ہیں اور ایسے الفاظ جو انبیاء کے حق میں خدا تعالیٰ نے بولے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑا عزت کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا قُلْ یٰعِبَادِیَ (الزمر:۵۴) جس کے معنے ہیں کہ اے میرے بندو۔
اب ظاہر ہے کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کے بندے تھے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے۔ اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کا اطلاق استعارہ کے رنگ میں کہاں تک وسیع ہے۔

کشمیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر

ابو سعید عرب صاحب جو حال میں کشمیر کی سیاحت سے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدس (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ کشمیر کے اندر عام لوگ تو اب تک حضرت عیسیٰؑ کی قبر کو پہلے کی طرح نبی صاحب کی قبر یا عیسیٰؑ کی قبر کہتے ہیں مگر وہاں کے علماء جو اس سلسلہ احمدیہ کے حالات سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بسبب عداوت اب ایسا کہنا چھوڑ دیا ہے تاکہ اس فرقہ کو مدد نہ ملے۔

حضرت نے فرمایا:۔

اب ان لوگوں کی ایسی کارروائیوں سے کیا بنتا ہے جبکہ پرانی کتابیں جو کشمیر میں اور دوسری جگہوں میں موجود ہیں۔ اور ایک عربی پرانی کتاب گیارہ سو برس کی جو کسی فاضل شیعہ کی تصنیف ہے۔ اس میں یوز آسف کو شاہزادہ نبی لکھا ہے اور اس کی قبر کشمیر میں بتلائی ہے اور اس کا وقت بھی وہی لکھا ہے۔ جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت تھا۔ عیسائی بھی تو یہاں تک قائل ہو گئے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا اور اس کے نام پر سیلی میں ایک گرجا بھی بنا ہوا ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ وہ حواری کون تھا جو شہزادہ بھی کہلایا ہو اور نبی بھی کہلایا ہو؟ اس کا جواب عیسائی نہیں دے سکتے [1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۵ صفحہ ۳ مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۷ء



بلا تاریخ[1]

مخالفت مفید ہوتی ہے

ذکر ہوا کہ کشمیر میں ایک بڑا مولوی میرا واعظ ہے وہ پہلے اس سلسلہ کے متعلق خاموش تھا۔ مگر جب سے مولوی عبداللہ صاحب نے اس کو مخاطب کر کے اشتہارات دیئے وہ بھی اپنے وعظ میں مخالفت کرنے لگا ہے

حضرت نے فرمایا:۔

اس معاملہ میں مولوی عبداللہ کی کارروائی درست تھی۔ مخالفت سے ڈرنا نہیں چاہیئے بلکہ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہی قدیم سے سنت چلی آتی ہے جب کبھی کوئی نبی پیدا ہوتا ہے لوگ اس کی مخالفت شروع کرتے ہیں سب وشتم سے کام لیتے ہیں۔ اسی ضمن میں کتابوں کے دیکھنے اور صحیح حالات کے سُننے اور معلوم کرنے کا بھی انکو موقعہ مل جاتا ہے۔ دُنیا کے کیڑے جو اپنے دنیاوی کاموں میں مستغرق ہوتے ہیں ان کو فرصت ہی کہاں ہے کہ دینی اُمور کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن مخالفت کے سبب ان کو بھی غور وفکر کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ان کے شور وغل کے سبب دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف توجہ ہو جاتی ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ اصل میں بات کیا ہے۔ کئی لوگوں کے ہمارے پاس خطوط آئے کہ مولوی محمد حسین یا مولوی ثناء اللہ وغیرہ کا انہوں نے نام لیا کہ ان کی مخالفانہ تحریریں اور کتب پڑھ کر ہمیں اس طرف خیال ہوا کہ آخر مرزا صاحب کی تحریر بھی منگوا کر دیکھنی چاہیئے اور جب آپ کی کتاب پڑھی تو اس کو رُوحانیت سے پُر پایا۔ اور حق ہم پر کُھل گیا۔

جب انسان توجہ کرتا ہے تو اس کا دلی انصاف خود اُسے ملزم کرتا ہے۔ جہاں مخالفت کی آگ بھڑکتی ہے اور شور اُٹھتا ہے اس جگہ ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ انبیاء سے پہلے تمام لوگ نیک و بد بھائی بھائی بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ نبی کے آنے سے ان کے درمیان ایک تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ سعید الگ ہو جاتے اور شقی الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخالفین کو یہ کلمہ نہ سُناتے کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

---

[1] قیاس ہے کہ یہ ملفوظات اکتوبر ۱۹۰۷ء کے اواخر یا پھر نومبر ۱۹۰۷ء کے ابتدائی ایام کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

اللّٰہِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: ۹۹) تم اور تمہارے معبود جہنم کے لائق ہیں تو کفار ایسی مخالفت نہ کرتے مگر اپنے معبودوں کے حق میں ایسے کلمات سُنکر وہ جوش میں آگئے۔

پنجاب میں سب سے زیادہ مخالفت ہوئی اور اسی جگہ خدا تعالیٰ نے سب سے زیادہ جماعت بھی بنائی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگ امتِ واحدہ ہوتے ہیں پھر نبی کے آنے سے ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مباہلہ کیا تھا اور آخری دُعا کی تھی کہ اے خدا جس نے ملک میں فساد پیدا کر رکھا ہے اور قطعِ رحم کرتا ہے آج اس کو ہلاک کر دے جس کے نتیجہ میں وہ خود ہلاک ہوا۔ اس کی دُعا سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ملک کی کیا حالت ہو گئی تھی اور باہمی فساد کو کفار کس کی طرف منسوب کرتے تھے جب شور اُٹھتا ہے تو ایسے آدمی بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو انصاف کی پابندی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مخالفینِ انبیاء کی عادت ہے کہ رسم و عادت کی پیروی کرتے ہوئے ایک بات پر اڑ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے اُمید منقطع کر کے اسی پر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم اسی پر مر جائیں گے خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر خدا تعالیٰ انہی لوگوں میں سے سعید الفطرت انسان بھی پیدا کر دیتا ہے۔

احمدی نام کی وجہ

ذکر آیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا ایک الگ نام احمدی کیوں رکھ لیا ہے۔

فرمایا:۔

یہ نام تو صرف شناخت کے واسطے ہے جیسا کہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو حنفی کہتا ہے کوئی شافعی کوئی اہلحدیث وغیرہ۔ چونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس واسطے اس جماعت کا نام احمدی ہوا۔ اور یہ نام اسی زمانہ اور اسی جماعت کے واسطے مقدر تھا۔ اس سے پہلے اگرچہ بعض ایسے آدمی ہوئے جو کسی جماعت کے امام بنے اور ان کے نام میں احمد کا لفظ تھا مگر کبھی خدا تعالیٰ نے کسی جماعت کا نام احمدی نہ ہونے دیا۔ مثلاً امام احمد بن حنبل تھے۔ ان کی جماعت حنبلی کہلائی۔ سید احمد بریلوی تھے تو ان کی جماعت مجاہدین کہلائی۔ سید احمد علیگڈھ کے تھے تو اُن کے ہمخیال نیچری کہلائے۔ علیٰ ہذا القیاس اور کسی کا نام کبھی احمدی نہیں ہوا۔[1]

---

[1] بدر جلد ۳ نمبر ۴۵ صفحہ ۷، مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ

ڈاکٹروں کیلئے عبرت کے مواقع

مختلف قسم کی بیماریوں کا ذکر تھا۔ فرمایا:۔
ڈاکٹروں کے واسطے عبرت کے نظاروں سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے بہت موقعہ ہوتا ہے۔ قسم قسم کے بیمار آتے ہیں بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے ہیں بعض کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ شدتِ بیماری کے سبب لَا مِنَ الْاَحْیَاءِ وَلَا مِنَ الْاَمْوَاتِ۔ نہ زندوں میں داخل نہ مُردوں میں۔ لیکن ایسے نظاروں کو کثرت کے ساتھ دیکھنے سے سخت دلی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ضروری بھی ہے کیونکہ نرم دل اور رقیق القلب ایسا کام نہیں کر سکتا کیونکہ سرجری کا کام بہت حوصلے کا کام ہے۔

اس زمانہ کے مُلّاں

فرمایا:۔
اس زمانہ کے مُلّانوں کو بھی مُردوں کے عبرت انگیز نظاروں کو بہت دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی سخت دل ہو گئے ہیں۔ کلکتہ میں ایک مُلّاں کا ذکر اخبار میں لکھا ہے کہ اس پر کسی قرضخواہ نے نالش کی تو اس نے جواب دعویٰ لکھا کہ امسال کلکتہ کی صحت اچھی رہی اور لوگ بہت نہیں مرے اس واسطے میں کچھ دے نہیں سکتا۔ البتہ بسبب قحط و وبا اگلے سال لوگوں کے بہت مرنے اور معقول آمدنی حاصل ہونے کی اُمید ہے پھر قرضہ ادا کیا جائے گا۔ ایسا ہی اِس جگہ دو مُلّانوں کے درمیان جو بھائی تھے باہمی تنازعے ہونے پر انکے درمیان مسلمانوں کے گھروں کی تقسیم کر دی گئی تو ایک مُلّاں اس بات پر ناراض ہوا کہ جو لوگ میرے حصے میں آئے ان کے قد چھوٹے ہیں اور ان کے کفن پر سے جو چادر اُتریگی وہ چھوٹی ہو گی۔ اس قدر رذالت ان لوگوں میں آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

ایک آیت کا التقائی ترجمہ

فرمایا:۔
آیت قرآنی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس: ۱۰، ۱۱) کا ترجمہ میں اُردو میں ایک دفعہ سوچتا تھا تو یہ شعر لکھا گیا ؎

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے ۔۔۔ کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

تصوف کی غلط اصطلاحات

فرمایا:۔
سیدھی اور سچی اور سادہ عام فہم منطق وہ ہے جو قرآن شریف

ہیں ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ ایک سیدھی راہ ہے جو خدا تعالیٰ نے ہم کو سکھلا دی ہے۔ چاہیئے کہ آدمی قرآن شریف کو غور سے پڑھے۔ اس کے امر اور نہی کو جدا جدا دیکھ رکھے اور ان پر عمل کرے اور اسی سے وہ اپنے خدا کو خوش کرلے گا۔ باقی منطقیوں اور صوفیوں نے جو اصطلاحیں بنائی ہیں وہ اکثر لوگوں کے واسطے ٹھوکر کا موجب ہوجاتی ہیں کیونکہ ان میں پیچیدگیاں اور مشکلات ہیں۔

فرمایا:۔

ایک بزرگ نے جس پر ہم حسن ظن رکھتے ہیں کہ اس نے کسی نیک نیتی سے لکھا ہوگا۔ گو اس کا قول صحیح نہیں ہے یہ لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کامل نہ تھے کیونکہ ان کا پورے طور پر نزول نہ تھا صرف صعود تھا اسی وجہ سے ان سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ اگر نزول پورا ہوتا تو کوئی کرامت صادر نہ ہوتی۔ اس قول میں جس قدر تخالف قرآنی ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ ایسا قول ہے کہ قرآن اور حدیث سے سراسر مخالف ہے۔ درحقیقت شیخ عبدالقادر جیلانی خدا تعالیٰ کے کامل بندوں میں سے تھے۔ اگر ان پر معجزات کے متعلق اعتراض کیا جاوے تو پھر یہ اعتراض تمام انبیاء پر وارد ہوتا ہے۔ یہ ان صوفیوں کی غلط اصطلاحوں کی پیروی کا نتیجہ ہے جن کی تصدیق قرآن و حدیث سے نہیں ملتی۔

الہام بھول جانے میں حکمت الٰہی ہوتی ہے

فرمایا:۔

شاید ہی کوئی ایسی رات گذرتی ہوگی جس میں کوئی نظارہ آئندہ کے متعلق مجھے نہ دکھایا جاتا ہو۔ لیکن بہت سی باتیں صبح تک بھول جاتی ہیں اور توفیق ہی نہیں ہوتی کہ ان کو ایسے وقت لکھ لیا جاوے کہ پھر نہ بھولیں۔ اس میں حکمت الٰہی ہے وہ جس بات کو چاہے یاد دلواتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بھلوا دیتا ہے [1]

بلا تاریخ

انذاری امور ٹل سکتے ہیں

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ ہمارا آزمودہ ہے کہ بعض دفعہ ایک الہام ہوتا ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہوتا ہے اگر وہ انذاری امر ہوتا ہے اور ہم دعا میں مصروف ہوجاتے ہیں تو

---

[1] بدر جلد ۲ نمبر ۴۷ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۶ء

بعض اوقات مثلاً ایک گھنٹہ کے بعد وہ منسوخ ہو جاتا ہے اور وہ بات خدا تعالیٰ کے دوسرے حکم سے ٹل جاتی ہے۔

فرشتوں کے ذریعہ سے الہام

فرمایا کہ:۔

بعض الہامات کے وقت اگرچہ فرشتہ نظر نہیں آتا تاہم الفاظ کے معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام فرشتے کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے مثلاً الہامات میں ایسے الفاظ کہ قَالَ رَبُّكَ اور مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم: ۶۵)

قادیان کی تاریخی حیثیت

فرمایا کہ:۔

اس قادیان میں پانچ سو حافظ قرآن شریف کے رہتے تھے اس وقت اس جگہ کا نام اسلام پور تھا۔ اب یہاں کیا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بھی اس قدر تعداد حفاظ کی نہیں مل سکتی۔ اس جگہ کی اسلامی شوکت کو سکھوں نے خراب کر دیا تھا۔ یہاں بہت سے سکھ رہتے تھے جن میں سے بعض نے سید احمد صاحب کے ساتھ بھی لڑائیاں کی تھیں مگر رفتہ رفتہ وہ سب مر گئے اور اب دو چار باقی ہوں گے۔

جہاد کی حقیقت

فرمایا:۔

جہاد کا مسئلہ بھی ہمارے مولویوں نے کچھ اُلٹا ہی سمجھا ہے۔ قرآن شریف اور احادیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح سے کہیں ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اس قسم کا جہاد اسلام میں جائز ہو یا کبھی کیا گیا ہو کہ کفار کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ تیرہ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے کفار کے ہاتھوں سے دُکھ اُٹھایا۔ جب کفار کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تب اجازت ہوئی کہ ان لوگوں کو قتل کرو جو تم کو قتل کرتے ہیں اور بسبب مظلوم ہونے کے مسلمانوں کو بھی اجازت دی گئی کہ ہاتھ اُٹھائیں۔ سارا خلاصہ جہاد کا یہی ہے اور جزیہ جو بہت ہی قلیل رقم کا ٹیکس ہے خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کفار کو اپنے ماتحت امن کے ساتھ رکھنے کا اسلامیوں کو حکم تھا۔ اسی بات پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کہا کہ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحج: ۴۱)

اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کی خاطر جنگ کرنا اور دوسرے مذاہب کو تلوار کے ذریعہ سے منہدم کرنے کی

کوشش کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے نشانات کو قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو سچا ہے اس کی خاص نصرت فرماتا ہے۔ وہ خود بخود فروغ پکڑتا ہے اس کو کسی جہاد کی ضرورت نہیں۔

انبیاء کی تعریف کی وجہ

حضرت نے فرمایا:۔

آجکل یہ حالت ہے کہ رات کے وقت جس کی زبان پر ایک لفظ جاری ہوا وہ سمجھتا ہے کہ میں مُلہم ہوگیا اور اس پر فخر کرنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی حالت کو نہیں دیکھتا کہ وہ کیسی ہے۔ سارے قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھو اس میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ کسی شخص پر خدا تعالیٰ اس واسطے خوش ہوا کہ اس پر الہام ہوتا تھا بلکہ انبیاء کی تعریف خدا تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں اس وجہ سے کی ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور میں صدق اور وفا کا کمال دکھایا اور اعمالِ صالحہ بجا لائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کیا۔ یہ ایک نہایت کمزور طریق ہے جو ایک خواب پر انسان فخر کرتا ہے یہ ایک زہرناک غلطی ہے۔ یہ باتیں انسان کے واسطے ناز کے لائق نہیں۔

انسان کا تو یہ کام ہے کہ اپنے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ خدا تعالیٰ کے تمام حکموں پر عمل کرے۔ تب وہ خدا تعالیٰ کا ولی ہوگا۔ بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ نہیں مانا جا سکتا۔ بغیر دلیل کے تو پیغمبر بھی نہیں مانے جاتے حضرت موسیٰؑ نے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ مجھے کوئی دلیل دی جاوے جو کہ میں دُنیا کے آگے پیش کروں[1]

۱۱ر نومبر ۱۹۰۷ء

(بوقتِ ظہر)

سائیں عالم دین صاحب ساکن دھارووال نے اپنے مجاہدات کا حال سُنایا اور طرح طرح کے الہامات اور کشوف بیان کئے اور ایسے ایسے حیرت انگیز مقامات کا ذکر کیا جہاں وہ خود بخود پہنچ کر کل نبیوں اور پیغمبروں سے اپنے آپ کو افضل اور اعلیٰ سمجھتے تھے اور (معاذ اللہ) بذات خود خدائی کے دعویدار بن بیٹھتے تھے اور کبھی خیال کرتے تھے کہ میں خالق اور مخلوق میں درمیانی واسطہ اور وسیلہ ہوں اور خلقت میری محتاج ہے اور پھر اپنے آپ کو بالکل بے پروا اور بے نیاز سمجھتے تھے۔ بیان کرتے تھے کہ آئندہ مجھ

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۴۸ صفحہ ۳ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۰۷ء

سے کچھ نشان ظاہر ہونگے اور عجیب تر یہ کہ حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر یہ بھی کہنے لگ جاتے تھے کہ میں آپ کو مسیح اور مہدی سمجھتا ہوں اور ایسا اُولوالعزم امام مانتا ہوں کہ جیسا نہ آگے کبھی ہوا اور نہ ہوگا اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بھی دم بھرتے تھے۔ غرض ایک فقرہ تو ایسا بولتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ سائیں صاحب اپنے آپ کو تمام دُنیا سے اعلیٰ اور زکی النفس خیال کرتے ہیں اور ساتھ ہی کل ذات اور کل فعل والے سبقوں کی عجیب عجیب تجلیات سُناتے تھے لیکن پھر باتوں ہی باتوں میں اپنے آپ کو حقیر ذلیل اور کچھ کا کچھ سمجھنے لگ جاتے تھے۔ غرض بیچارے (خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر رحم کرے) پیچ در پیچ مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے اور فیجِ اعوج کی مقرر کردہ منزلوں کو طے کرتے کرتے عجیب وغریب اُتار چڑھاؤ میں مشغول تھے اور مصیبت پر مصیبت یہ تھی کہ اس قسم کے معاملات سے اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ گئے تھے اور خود ستائی اور کبریائی کی منازل میں بھی کافی گذر چکے تھے۔ اسی لیے وہاں کے احمدی احباب نے سائیں صاحب کو مخبوط الحواس اور پاگل خیال کر کے نماز کے لیے امام بنانا چھوڑ دیا اور اُن کے پیچھے نماز کا ادا کرنا ناجائز جانا۔ سائیں صاحب موصوف کی اس قسم کی سرگذشت سُنکر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا:۔

سچے الہام کی شناخت

اصل بات یہ ہے کہ دُنیا میں مختلف طبقات کے انسان پائے جاتے ہیں مگر مسلمان تو انسان اسی صورت میں رہ سکتا ہے۔ جب سچے دل سے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لاوے اور پورے طور سے اس پر کاربند ہو جاوے۔ اور اس کے بعد قرآن شریف پر ایمان رکھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب ہے اور وہی ایک کلام ہے جس پر خدا تعالیٰ کی مُہر ہے۔ انسان کو اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا چاہیئے اور اسی کے بتائے ہوئے احکام پر چلنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھائے ہوئے نمونہ پر کاربند ہونا یہی صراطِ مستقیم ہے اس کے سوائے کوئی تحریر کشف رویا، یا الہام بغیر مہر کے جائز نہیں۔ جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتا۔

دیکھو قرآن شریف کو عربوں جیسے اَشدّ کافر کب مان سکتے تھے اگر خدا تعالیٰ کی مُہر اس پر نہ ہوتی۔ ہمیں بھی اگر کوئی کشف رُویا یا الہام ہوتا ہے تو ہمارا دستور ہے کہ اُسے قرآنِ مجید پر عرض کرتے ہیں اور اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر کوئی الہام قرآنِ مجید کے مطابق بھی ہو لیکن کوئی نشان ساتھ نہ ہو تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ قابلِ قبول الہام وہی ہوتا ہے جو قرآنِ مجید کے مطابق بھی ہو اور ساتھ ہی اس کی تائید میں نشان بھی ہوں۔ اگر ایک شخص کہے کہ میں بادشاہ کے دربار سے فلاں عہدہ حاصل کر کے آیا ہوں لیکن اس کے ساتھ کوئی

نشان نہ ہو اور بادشاہی سامان اور فوج سپاہ سے بالکل خالی ہو تو صرف یہ کہنے سے کہ مجھے فلاں عہدہ مل گیا ہے اس کی کچھ عزت نہیں ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور خاتم الانبیاء تھے

ہمارا تو یہی ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ معصوم نبی ہیں کہ جن پر تمام کمالات نبوت کے ختم ہو گئے ہیں اور ہر ایک طرح کا کمال اور درجہ انہیں پر ختم ہو گیا ہے اور ان پر وہ کامل اور جامع کتاب نازل کی گئی جس کے بعد قیامت تک کوئی اور شریعت نہیں آئے گی۔ وہ ایسی کلام ہے جس پر خدا تعالیٰ کی مُہر ہے اور جو ہزاروں فرشتوں کے ساتھ اور ان کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی الہام ہو یا کشف ہو یا وحی ہو جب تک وہ اس کے ساتھ مطابقت نہ رکھے گی منجانب اللہ نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاں اگر کوئی الہام یا وحی اس کے مطابق ہو اور ساتھ ہی اپنی تائید میں نشانات بھی رکھتی ہو تو سب سے پہلے ہم اس کو قبول کریں گے۔ ہمارا مقدور نہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی چون وچرا کریں۔

کشوف والہامات کی تین اقسام

الہام۔ کشف یا رؤیا تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) اوّل وہ جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ ایسے شخصوں پر نازل ہوتے ہیں جن کا تزکیہ نفس کامل طور پر ہو چکا ہوتا ہے اور وہ بہت سی موتوں اور محویتِ نفس کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسا شخص جذباتِ نفسانیہ سے بکلّی الگ ہوتا ہے اور اس پر ایک ایسی موت وارد ہو جاتی ہے جو اس کی تمام اندرونی آلائشوں کو جلا دیتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا تعالیٰ سے قریب اور شیطان سے دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص جس کے نزدیک ہوتا ہے اسی کی آواز سنتا ہے

(۲) دوسرے حدیث النفس ہوتا ہے جس میں انسان کی اپنی تمنا ہوتی ہے اور انسان کے اپنے خیالات اور آرزوؤں کا اس میں بہت دخل ہوتا ہے اور جیسے مثل مشہور ہے بلی کو چھیچھڑوں کی خوابیں وہی باتیں دکھائی دیتی ہیں جن کا انسان اپنے دل میں پہلے ہی سے خیال رکھتا ہے اور جیسے بچے جو دن کو کتابیں پڑھتے ہیں تو رات کو بعض اوقات وہی کلمات ان کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں یہی حال حدیث النفس کا ہے۔

(۳) تیسرے شیطانی الہام ہوتے ہیں۔ ان میں شیطان عجیب عجیب طرح کے دھوکے دیتا ہے کبھی سنہری تخت دکھاتا ہے اور کبھی عجیب وغریب نظارے دکھا کر طرح طرح کے خوش کُن وعدے دیتا ہے۔ ایک دفعہ سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو شیطان اپنے زرّین تخت پر دکھائی دیا اور کہا کہ میں تیرا خدا ہوں۔ میں نے تیری عبادت قبول کی۔ اب تجھے عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ جو چیزیں اب اوروں کے لیے حرام ہیں۔ وہ سب تیرے لیے حلال کر دی گئی ہیں سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ دُور ہو اے شیطان جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال نہ ہوئیں وہ

مجھ پر کیسے حلال ہوگئیں؟ پھر شیطان نے کہا کہ اے عبدالقادر تو میرے ہاتھ سے علم کے زور سے بچ گیا ورنہ اس مقام پر کم لوگ بچتے ہیں۔

یہ سُنکر سائیں صاحب بول اُٹھے کہ میں کیا ہوں اور کس مرتبے پر ہوں اور میرا کیا حال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ تم کس مرتبہ پر ہو۔ توبہ استغفار بہت کرو۔

مُلہمین کیلئے نصیحت

اور یہ باتیں میں صرف تمہارے لیے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک کے لیے کہتا ہوں۔ ہماری جماعت میں کوئی پچاس ساٹھ آدمیوں کے قریب ہونگے جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صاحبِ وحی ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو وہ بے نشان نہ تھا۔ کافروں نے جب ثبوت مانگا تھا کہ آپ کی وحی کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل کیا ہے تو ان کو جواب دیا گیا تھا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد: ۴۴) کہ میرے پاس دو گواہیاں ہیں۔

① ایک تو اللہ تعالیٰ کی کہ اس کے تازہ تازہ نشانات میری تائید میں ہیں اور

② دوسرے وہ لوگ جن کو کتاب اللہ کا علم دیا گیا ہے وہ بتا سکتے ہیں کہ میں سچا ہوں۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا نام غیب بھی ہے۔ وہ نہاں در نہاں اور پوشیدہ سے پوشیدہ ہے کسی کا حق نہیں کہ کسی بات کو خدا تعالیٰ کا الہام سمجھ لے جب تک کہ خدا تعالیٰ کا فعل اس پر شہادت نہ دے۔ شہادت کے بغیر تو کوئی کام نہیں چلتا۔ اگر شہادتوں یعنی خدا تعالیٰ کے نشانوں سے یہ بات ثابت ہو جاوے کہ یہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو سب سے پہلے ایمان لانے والے ہم ہیں۔ اپنا قیل و قال تو قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے فعل کی اس کے ساتھ شہادت ہونی چاہیئے۔

ہماری جماعت کے مولوی عبداللہ صاحب تیماپوری اپنے خطوط کے ذریعہ سے بہت کچھ الہامات اور کشوف لکھا کرتے تھے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چند دنوں کے بعد ان کو جنون ہوگیا۔ تھوڑے دن گذرے ہیں کہ قادیان میں آکر ایسے الہامات سے انہوں نے توبہ کی اور نیز میری بیعت کی۔ میں مانتا ہوں کہ مکالماتِ الٰہیہ حق ہیں اور خدا تعالیٰ کے اولیاء مخاطباتُ اللہ سے شرف پاتے ہیں۔ لیکن یہ مقام بغیر تزکیۂ نفس کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر تزکیۂ نفس کے شیطان ان سے یاری کرتا ہے۔ علاوہ اس کے سچے الہام کے لیے ہم پر تین گواہ ہوتے ہیں۔ (۱) اپنی پاک حالت (۲) خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ گواہی (۳) الہام کی کلامِ الٰہی سے مطابقت۔

یہاں پر پھر سائیں صاحب کہنے لگے کہ پھر میرے ایمان کا کیا حال ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

میرا کام تو ایک حق بات کا پہنچا دینا ہے۔ آگے فائدہ اور نقصان صرف تمہارے لیے ہوگا۔ دوسرے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تم توبہ اور استغفار بہت کرو اور رو رو کر خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگو۔

سائیں صاحب بولے کہ پھر یہ جو مجھے سیر ہوتے ہیں اور عجیب عجیب مقامات دیکھنے میں آتے ہیں کیا یہ یونہی ہیں؟ اور کیا ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہم کس سیر کے قائل ہیں

ایسی سیروں کا تو میں قائل ہی نہیں۔ ہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کے قائل ہیں۔ جنہوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سر جھکا دیئے۔ قرآنِ مجید میں صاف لکھا ہے کہ شیطان کی طرف سے بھی وحی ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ جو وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس میں ایک تاجِ عزت پہنایا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے نشان اس کی تائید میں گواہ بن کر آتے ہیں۔

سائیں صاحب نے آدابِ رسُول کا لحاظ نہ کرکے پھر قطع کلام کیا اور بولے کہ پھر میرے اختیار میں کیا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

تم قال اللہ اور قال الرسول پر عمل کرو اور ایسی باتیں زبان پر نہ لاؤ جن کا تمہیں علم نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل: ۳۷) تم نیکی کی طرف پورے زور سے مشغول ہو جاؤ اور اعمالِ صالحہ بجا لاؤ۔ اگر تمہاری حالت اس لائق ہو گئی اور تم نے پورے طور پر اپنا تزکیۂ نفس کر لیا تو پھر خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اکثر لوگ آجکل ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان کی یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی حالت کا مطالعہ نہیں کرتے اور اس تعلق کو نہیں دیکھتے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ کس زور سے خدا تعالیٰ کی طرف جا رہے ہیں اور کیسے کیسے مصائب آنے پر ثابت قدم نکلے ہیں اور ابتلاؤں میں پورے اُترے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنا فرض ادا کرے اور اعمالِ صالحہ میں ترقی کرے۔ الہام کرنا اور رؤیا دکھانا یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنے اعمال کو درست کرنا چاہیئے۔

خیر البریّہ کون ہیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (البینۃ: ۸) یہ نہیں کہا کہ جن کو کشوف اور الہامات ہوتے ہیں وہ خیر البریّہ ہیں۔ یاد رکھو۔ ایسی باتیں ہرگز زبان پر نہ لاؤ جو قال اللہ اور قال الرسول کے

برخلاف ہوں۔ اس قسم کے الہامات کچھ چیز نہیں۔ دیکھو بارش کا پانی سب کو خوش کرتا ہے مگر پرنالہ کا پانی لڑائی ڈالتا ہے اور فساد پیدا کرتا ہے۔ جن الہامات کی تائید میں خدا تعالیٰ کا فعل نہیں ہوتا اور نشانات الٰہیہ گواہی نہیں دیتے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پرنالہ کا پانی۔ مثلاً ایک شخص ایسا ہے کہ نہ اس کے سر پر پگڑی ہے اور نہ پاؤں میں جوتی۔ پھٹے پرانے کپڑے اور ابتر سی حالت ہے اور پھر کہے کہ میں بادشاہ ہوں اور اس ملک کی سب فوجیں میرے کہنے پر عمل کرتی ہیں تو ایسا شخص سوائے سودائی کے اور کون ہو سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ قول بغیر فعل کے کچھ چیز نہیں اور یہ آیت کہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد: ۴۴) اس میں ایک عجیب نکتہ ہے یعنی اگر خدا میری گواہی دیتا ہے تو مانو ورنہ نہ مانو۔

اسی طرح براہین احمدیہ میں وہ الہام درج ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھے کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ قُلْ عِنْدِیْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ۔ قُلْ عِنْدِیْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یعنی ان کو کہدے کہ میرے پاس میری سچائی پر خدا تعالیٰ کی گواہی ہے پس کیا تم خدا تعالیٰ کی گواہی قبول کرتے ہو یا نہیں۔

خدا تعالیٰ کی شہادت

دیکھو براہین احمدیہ میں یہ سلسلہ الٰہی شروع ہی ہوا تھا کہ ساتھ اس کے خدا تعالیٰ کی شہادت بھی موجود ہو گئی۔ سارے انبیاء اولیاء کا اسی پر اتفاق ہے کہ بغیر کسی شہادت کے دعویٰ کرنا جنون ہے۔

سائیں صاحب نے کہا کہ میں تو آپ کو مسیح اور مہدی مانتا ہوں اور دوسرے لوگوں کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا ہوں۔ یہ احمدی لوگ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کی بابت کیا حکم ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

اگر توبہ کر لو اور زبان بند رکھو اور قال اللہ اور قال الرسول کے برخلاف کوئی بات نہ کہو تو پھر یہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بغیر دلائلِ قویہ اور براہینِ قاطعہ کے دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا۔ یہ کہنا کہ میں فلاں نبی ہوں یا فلاں رسول سے افضل ہوں۔ یہ کفر کے کلمات ہیں۔ دل پر تو کسی کی حکومت نہیں۔ زبان سے ہی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں زبان سے ہی سب کام چلتے ہیں۔

زبان کو قابو میں رکھو

دیکھو عورت اور مرد کا آپس میں نکاح ہوتا ہے تو صرف زبان سے ہی اقرار لیا جاتا ہے اور صرف اتنا کہنے سے کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں ان کا یہ سب رشتہ ٹوٹ جاتا ہے ایسے ایسے دعوے کرنے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تکذیب کرنا ہے

اگر خدا کا خوف ہو تو پھر انسان ایسا نہیں کرتا۔ اگر آپ زبان کو بند رکھیں تو بہتر ورنہ یاد رکھو ان کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

ہر چہ دانا کند کند ناداں ؎ لیک بعد از کمال رُسوائی

سائیں صاحب نے کہا تو کیا مَیں یہ سب باتیں جھُوٹ کہتا ہوں؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

مَیں اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا جانے سچ کہتے ہو یا جھُوٹ کہتے ہو۔

سائیں صاحب بولے۔ "تُوں مسیح ہیں۔ خلقت دا بادشاہ ہیں۔ اچھا میرے واسطے دُعا کر"

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

ہاں دُعا کروں گا[1]

بلا تاریخ

عقیقہ کے واسطے کتنے بکرے مطلوب ہیں

ایک صاحب کا حضرت اقدس کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ عقیقہ پر صرف ایک ہی بکرا ذبح کرے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ:۔

عقیقہ میں لڑکے کے واسطے دو بکرے ہی ضروری ہیں۔ لیکن یہ اس کے واسطے ہے جو صاحبِ مقدرت ہے اگر کوئی شخص دو بکروں کے خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک خرید سکتا ہے تو اس کے واسطے جائز ہے کہ ایک ہی ذبح کرے اور اگر ایسا ہی غریب ہو کہ وہ ایک بھی قربانی نہیں کر سکتا تو اس پر فرض نہیں کہ خواہ مخواہ قربانی کرے۔ مسکین کو معاف ہے۔

نمازِ تراویح

ایک شخص نے سوال کیا کہ ماہ رمضان میں نماز تراویح آٹھ رکعت باجماعت قبل خفتن مسجد میں پڑھنی چاہیئے یا کہ پچھلی رات کو اُٹھ کر اکیلے گھر میں پڑھنی چاہیئے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۱ صفحہ ۱۲-۱۳ مورخہ ۱۷۔ نومبر ۱۹۰۷ء

نمازِ تراویح کوئی جُدا نماز نہیں۔ دراصل نماز تہجد کی آٹھ رکعت کو اوّل وقت میں پڑھنے کا نام تراویح ہے اور یہ ہر دو صورتیں جائز ہیں جو سوال میں بیان کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو طرح پڑھی ہے۔ لیکن اکثر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر تھا کہ آپ پچھلی رات کو گھر میں اکیلے یہ نماز پڑھتے تھے [1]

بلا تاریخ

فترتِ وحی

فرمایا کہ:-

وحی الٰہی کا یہ قاعدہ ہے کہ بعض دنوں میں تو بڑے زور سے بار بار الہام پر الہام ہوتے ہیں اور الہاموں کا ایک سلسلہ بندھ جاتا ہے اور بعض دنوں میں ایسی خاموشی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس قدر خاموشی کیوں ہے اور نادان لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اب خدا تعالیٰ نے ان سے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک زمانہ ایسا ہی آیا تھا کہ لوگوں نے سمجھا کہ اب وحی بند ہو گئی چنانچہ کافروں نے ہنسی شروع کی کہ اب خدا نعوذ باللہ ہمارے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ناراض ہو گیا ہے اور اب وہ کلام نہیں کرے گا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن شریف میں اس طرح دیا ہے کہ وَالضُّحٰی۔ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی۔ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی (الضحیٰ: ۲تا۴) یعنی قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی۔ اور رات کی۔ نہ تو تیرے ربّ نے تجھ کو چھوڑ دیا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جیسے دن چڑھتا ہے اور اس کے بعد رات خود بخود آجاتی ہے اور پھر اس کے بعد دن کی روشنی نمودار ہوتی ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کی خوشی یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں یعنی دن چڑھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنے بندوں پر خوش ہے اور نہ رات پڑنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر ناراض ہے بلکہ اس اختلاف کو دیکھ کر ہر ایک عقلمند خوب سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور یہ اس کی سنّت ہے کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ہوتا ہے پس اس سلسلہ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کہ اس وقت خدا تعالیٰ خوش ہے اور اس وقت ناراض ہے غلط ہے۔

اسی طرح سے آجکل جو وحی الٰہی کا سلسلہ کسی قدر بند رہا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالےٰ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے یا یہ کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ یہ اس کی سنّت ہے کہ کچھ مدت تک وحی الٰہی بڑے زور سے اور پے در پے ہوتی ہے اور کچھ دنوں تک اس کا سلسلہ بند رہتا ہے اور پھر شروع ہو جاتا ہے اور اس کی

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء

بھی وہی مثال ہے جو دن اور رات کے آگے پیچھے آنے کی ہے[1]

(منقول از رسالہ تشحیذ الاذہان دسمبر ۱۹۰۷ء)

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۷ء

(صبح بوقتِ سیر)

آریوں کیساتھ مسلمانوں کی صُلح کی تجاویز

فرمایا:۔ سچا مسلمان تو وہ ہے جو اپنے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت رکھتا ہے کہ اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک میں ایک لفظ بھی بولے یا اشارہ بھی کرے تو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ہم نے آریوں کے اخباروں میں ایسے مضامین پڑھ کر کہ وہ مسلمانوں سے صلح چاہتے ہیں صلح کی ایک تجویز اپنے مضمون میں پیش کی تھی مگر افسوس ہے کہ انہوں نے قدر نہ کی۔

نوٹ از ایڈیٹر صاحب "بدر":۔

حضرت اقدس نے آریوں کی بدزبانی کو دیکھ کر پہلے ہی ایک مضمون میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہماری صُلح کس طرح ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ الفاظ کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" میں اس طرح چھپے تھے۔

"ہماری شریعت صُلح کا پیغام ان کو (آریوں کو) دیتی ہے اور ان کے ناپاک اعتقاد جنگ کی تحریک کر کے ہماری طرف تیر چلا رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے بزرگوں کو مکار اور جھوٹا مت کہو مگر یہ کہو کہ ہزارہا برسوں کے گذرنے کے بعد یہ لوگ اصل مذہب کو بھول گئے مگر بمقابل ہمارے یہ ناپاک طبع لوگ ہمارے برگزیدہ نبیوں کو گندی گالیاں دیتے ہیں اور ان کو مفتری اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔ کیا کوئی توقع کر سکتا ہے کہ ایسے بندوں سے صُلح ہو سکے؟ ان لوگوں سے بہتر سناتن دھرم کے اکثر نیک اخلاق لوگ ہیں جو ہر ایک نبی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور فروتنی سے سر جھکاتے ہیں۔ میری دانست میں اگر جنگلوں کے درندے اور بھیڑیئے ہم سے صُلح کر لیں اور شرارت چھوڑ دیں تو یہ ممکن ہے مگر یہ خیال کرنا کہ ایسے اعتقاد کے لوگ کبھی دل کی صفائی سے اہلِ اسلام سے صلح کریں گے سراسر باطل ہے بلکہ ان کا ان عقیدوں کے ساتھ مسلمانوں سے سچی صلح کرنا ہزاروں محالوں سے بڑھ کر محال ہے۔ کیا

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء

کوئی سچا مسلمان برداشت کر سکتا ہے جو اپنے پاک اور بزرگ نبیوں کی نسبت ان گالیوں کو سُنے اور پھر صُلح کرے۔ ہرگز نہیں۔ پس ان لوگوں کے ساتھ صُلح کرنا ایسا ہی مُضر ہے جیسا کہ کاٹنے والے زہریلے سانپ کو اپنی آستین میں رکھ لینا۔ یہ قوم سخت سیاہ دل قوم ہے جو تمام پیغمبروں کو جو دُنیا میں بڑی بڑی اصلاحیں کر گئے مُفتری اور کذّاب سمجھتے ہیں۔ نہ حضرت موسیٰؑ ان کی زبان سے بچ سکے نہ حضرت عیسیٰؑ اور نہ ہمارے سیّد و مولا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے سب سے زیادہ دُنیا میں اصلاح کی جن کے زندہ کئے ہوئے مُردے اب تک زندہ ہیں۔"

اس کے بعد جبکہ اخباروں میں بہت شور مچا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہونی چاہیئے۔ تب حضرت صاحب نے لیکچر لاہور میں صُلح کی ایک تجویز پیش کی جس کے الفاظ یہ تھے:۔

"ہم اس بات کا اعلان کرنا اور اپنے اس اقرار کو تمام دُنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہدایتیں آریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں آنے والے جو آریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ رامچندر اور کرشن۔ یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔

دیکھو یہ کیسی بنیادی تعلیم ہے جو دُنیا میں صُلح کی بنیاد ڈالتی ہے اور تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنانا چاہتی ہے یعنی یہ کہ دوسری قوموں کے بزرگوں کو عزت سے یاد کرو۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ سخت دشمنی کی جڑ ان نبیوں اور رسولوں کی تحقیر ہے جن کو ہر ایک قوم کے کروڑہا انسانوں نے قبول کر لیا۔ ایک شخص جو کسی کے باپ کو گندی گالیاں دیتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے خوش ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

غرض ہم اس اُصول کو ہاتھ میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ گواہ رہیں جو ہم نے مذکورہ بالا طریق کے ساتھ آپ کے بزرگوں کو مان لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھے اور آپ کی صلح پسند طبیعت سے ہم امیدوار ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی مان لیں یعنی صرف یہ اقرار کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول اور صادق ہیں۔

جس دلیل کو ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہ نہایت روشن اور کھُلی کھُلی دلیل ہے اور اگر اس طریق سے صلح نہ ہو تو آپ یاد رکھیں کہ کبھی صُلح نہ ہوگی بلکہ روز بروز کینے بڑھتے جاویں گے۔"[1]

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۴، ۵ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء

بلا تاریخ[1]

بعض فقہی مسائل کی تشریح

ایک صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے؟ اور تراویح کے متعلق کیا حکم ہے اور سفر میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور کچھ اپنے ذاتی معاملات کے متعلق دُعا کرائی تھی اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نماز وہی ہے جو پڑھی جاتی ہے۔ صرف تضرع اور انکسار سے نماز ادا کرنی چاہیئے اور دین و دُنیا کے لیے نماز میں بہت دُعا کرنی چاہیئے خواہ اپنی زبان میں دُعا کریں۔

اور تمہارے قرضہ کے لیے انشاء اللہ دُعا کروں گا۔ یاد دلاتے رہیں۔ لڑکے کے لیے بھی دُعا کرونگا۔

سفر میں دوگانہ سُنّت ہے۔ تراویح بھی سُنّت ہے پڑھا کریں اور کبھی گھر میں تنہائی میں پڑھ لیں کیونکہ تراویح دراصل تہجد ہے کوئی نئی نماز نہیں۔ وتر جس طرح پڑھتے ہو۔ بیشک پڑھو۔

عالمِ آخرت کے اجسام کیسے ہونگے

ایک دوست نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ عالمِ آخرت میں کیا یہی اجسام و مکانات وغیرہ جو یہاں ہیں ہوں گے یا اور؟

حضرت نے فرمایا کہ:۔

خدا تعالیٰ نے جو کچھ مجھے قرآن شریف کا علم دیا ہے وہ یہی ہے کہ وہ عالم اس عالم سے بالکل علیحدہ ہے مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَىٰ قَلْبِ بَشَرٍ (الحدیث) ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ وہ دوسرا عالم بالکل اس عالم سے الگ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ بہشت کی تمام چیزیں ایسی ہوں گی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی دل میں گذریں بلکہ حشرِ اجساد میں بھی یہی ہمارا مذہب ہے کہ وہ عالم بھی ایک دوسرا عالم ہے۔ اجسام ہوں گے مگر وہ نورانی اجسام ہوں گے نہ یہ تاریک اور زوال پذیر اجسام۔ اس جگہ کی حویلیاں اور مکانات جو اینٹ پتھر کی ہیں بہشت میں نہیں جائیں گی۔ واللہ اعلم[2]

---

[1] حضرت اقدسؑ کے یہ ارشادات دسمبر ۱۹۰۷ء کی کسی تاریخ کے معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب (مرتب)

[2] بدر جلد ۶ نمبر ۵۲ صفحہ ۶ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء

۲۷ دسمبر ۱۹۰۷ء

بروز جمعہ

جلسہ سالانہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر بے نظیر

ایک عظیم الشان معجزہ

دیکھو اوّل اللہ جلشانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کے دلوں کو اس نے ہدایت دی اور باوجود اس بات کے کہ ہزاروں مولوی ہندوستان اور پنجاب کے تکذیب میں لگے رہے اور ہمیں دجّال اور کافر کہتے رہے آپ کو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کا موقع دیا۔ یہ بھی اللہ جلّ شانہٗ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات کی سرتوڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی اور یہ بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔ جانتے ہو کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کے روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذّب آخر کار بڑی حسرت سے مرتے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہماری مخالفت کرنے والے اور ہمارے سلسلہ کو روکنے والے بیسیوں مر چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے ارادہ کو جو درحقیقت اس کی طرف سے ہے کوئی بھی روک نہیں سکتا اور خواہ کوئی کتنی ہی کوششیں کرے اور ہزاروں منصوبے سوچے مگر جس سلسلہ کو خدا شروع کرتا ہے اور جس کو وہ بڑھانا چاہتا ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ اگر ان کی کوششوں سے وہ سلسلہ رُک جائے تو ماننا پڑے گا کہ روکنے والا خدا پر غالب آگیا۔ حالانکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

پچیس برس پہلے کی ایک پیشگوئی کا ظہور

پھر ایک یہ معجزہ ہے کہ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں اللہ جلّ شانہٗ نے براہین احمدیہ میں پہلے ہی سے خبر دے رکھی تھی اور یہ وہ کتاب ہے جو عرب فارس انگلستان اور دیگر ممالک میں پچیس برس کا عرصہ گذرا شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بہت سے اسی زمانہ کے الہام بھی درج ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس سے کوئی یہودی، عیسائی، مسلمان، برہمو، آریہ انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب

کا ہمارے اشد العداوت یعنی مولوی محمد حسین صاحب نے اسی زمانہ میں ریویو بھی لکھا تھا اور اسی کتاب براہین احمدیہ میں آنے والی مخلوق کی صاف طور پر پیشگوئی درج ہے اور یہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں بلکہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے۔

الہاماتِ الٰہیہ

يَأْتِيكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ - يَأْتُونَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ - يَنْصُرُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ - يَرْفَعُ اللّٰهُ ذِكْرَكَ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۝۲۴ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَانْتَهٰى اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَيْنَا اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۝۲۵ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُتْرِكَكَ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۝۲۶ فَكَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ ۝۲۷ اِنِّيْ نَاصِرُكَ - اِنِّيْ اُحَافِظُكَ - اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۝۲۸

یہ اس کی عبارت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس وقت تو اکیلا ہے مگر وہ زمانہ تجھ پر آنے والا ہے کہ تو تنہا نہیں رہے گا۔ فوج در فوج لوگ دور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئیں گے اور آپ جانتے ہیں کہ جب اسقدر مخلوق آئے گی تو آخر اُن کے کھانے کے واسطے بھی انتظام چاہیئے اس لیے فرمایا يَأْتِيكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ یعنی وہ لوگ تحفے تحائف اور ہزاروں روپے تیرے لیے لے کر آویں گے۔ پھر خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ ۝۲۹ یعنی کثرت سے مخلوق تیرے پاس آئے گی۔ اس کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جانا اور ان کے ساتھ کج خلقی سے پیش نہ آنا۔

پیشگوئی کے وقت قادیان کی حالت

اس وقت جبکہ یہ الہام براہین احمدیہ میں شائع کئے گئے تھے قادیان ایک غیر مشہور قصبہ تھا۔ اور ایک جنگل کی طرح پڑا ہوا تھا۔ کوئی اسے جانتا بھی نہ تھا اور اتنے لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت بھی اس کی یہی شہرت تھی۔ بلکہ تم میں سے تقریباً سب کے سب ہی اس گاؤں سے ناواقف تھے۔ اب بتلاؤ کہ خدا کے ارادہ کے بغیر آج سے پچیس چھبیس برس پیشتر اپنی تنہائی اور گمنامی کے زمانہ میں کوئی کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھ پر ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ ہزار ہا لوگ میرے پاس آئیں گے اور طرح طرح کے تحفے اور تحائف میرے لیے لاویں گے اور میں دُنیا بھر میں عزت کے ساتھ مشہور کیا جاؤں گا۔

عظیم الشان معجزہ

دیکھو جتنے انبیاء آج سے پہلے گذر چکے ہیں ان کے بہت سے معجزات تو نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ بعض کے پاس تو صرف ایک ہی معجزہ ہوتا تھا اور جس معجزہ کا میں نے بیان کیا ہے یہ ایک ایسا عظیم الشان معجزہ ہے جو ہر ایک پہلو سے ثابت ہے اور اگر کوئی ذرا

پیٹ دھرم اور ضدی نہ ہو گیا ہو تو اُسے میرا دعویٰ بہر صورت ماننا پڑتا ہے۔ میری اس تنہائی اور گمنامی کے زمانے کے یہاں کے ہندو بھی گواہ ہیں اور وہ بتا سکتے ہیں کہ میں اس وقت اکیلا تھا اور ارد گرد کے لوگ بھی مجھے نہ جانتے تھے۔ ہاں اگر کوئی ہندو اس سے انکار کرے تو اس کو چاہیئے کہ میرے سامنے آکر جھوٹ بولے کہ اس وقت بھی اس طرح سے لوگ آیا کرتے تھے اور اگر وہ کہیں کہ یہ اتفاقی بات ہے تو پھر کسی اور جگہ سے اس کی نظیر بتاویں اور دُنیا بھر میں اس کی نظیر بتاویں اور دُنیا بھر میں اس کا پتہ دیں کہ ایک شخص پچیس برس پہلے گمنامی کی حالت میں ہو اور اس وقت اس نے پیشگوئی کی ہو کہ میرے پاس فوج در فوج لوگ آویں گے اور ہزارہا روپوں کے مال و متاع اور تحفے تحائف لے کر آویں گے اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح سے مدد دیا جاؤں گا اور پھر اس طرح سے وہ پیشگوئی پوری بھی ہو گئی ہو۔ اگر یہ دکھا دیویں تو ہم مان لیں گے۔ یونہی بہانہ جوئیاں تو ہم قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس طرح سے تو کسی نبی کا کوئی بھی معجزہ قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو چاہیئے کہ کسی کذاب کی نظیر پیش کریں کہ اس نے پچیس برس پہلے اس طرح اقتداری پیشگوئی کی ہو اور پھر وہ پوری بھی ہو گئی ہو۔ اگر یہ ایسا کر دیں تو ہم تیار ہیں کہ انہیں قبول کر لیں۔ اگر کوئی کہے کہ خیر خوابیں آیا ہی کرتی ہیں اور ان میں سے بعض پوری بھی ہوا ہی کرتی ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ خوابیں تو اکثر چوہڑوں اور چماروں کو بھی آتی ہیں اور ان سب سے پوری ہو جاتی ہیں بلکہ کنچنیاں بھی عموماً کہا کرتی ہیں کہ ہماری فلاں خواب پوری نکلی۔ اور ہمارے گھر میں ایک چوہڑی تھی جو اکثر اپنی خوابیں سُناتی تھی اور وہ سچی بھی ہوتی تھیں لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ان میں یہ قدرت اور نُصرت کہاں ہوتی ہے۔ اس طرح کی فتح اور مدد، اور دشمنوں کا ادبار اور اپنا اقبال، دشمنوں کی ذلت اور اپنی عزت یہ تو صرف انبیاء کے ہی سپرد ہے۔ دوسرے کا تو اس میں کچھ حصہ ہی نہیں۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے یہ خوابیں تو نہیں۔

براہین احمدیہ وہ کتاب ہے کہ جس کے کل مذہبوں والے گواہ ہیں اور ہر ایک ملک میں جس کی اشاعت ہو چکی ہے اور یہاں کے ہندو بھی جس کے گواہ ہیں مثلاً لالہ ملاوامل اور شرمپت جو اسی قادیان کے رہنے والے ہیں وہ پہچان سکتے ہیں کہ یہی باتیں تھیں جو اس وقت لکھی گئی تھیں۔ اب دیکھ لو کہ کیا معجزات اس سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ یہی تو معجزہ ہے کہ پیشگوئی کے بعد ہندو، آریہ، عیسائی، مسلمان، نیچری، وہابی، اپنے بیگانے سب کے سب ہمارے دشمن ہو گئے تھے۔ ہمارے تباہ کرنے میں پورے زور لگائے گئے اور ایسی ایسی حد بندیاں کی گئی تھیں کہ جو ہمیں السلام علیکم کہے وہ بھی کافر اور جو خوش خلقی سے پیش آوے وہ بھی کافر۔ اور ہمارے ساتھ وہ وہ باتیں کر لینی روا رکھی گئیں جن کو شریف طبع سُن بھی نہیں سکتے۔ راستوں میں بیٹھ بیٹھ کر لوگوں کو یہاں آنے سے روکا گیا اور طرح طرح کی باتیں پیش کر کے لوگوں کو ورغلایا گیا۔ مگر آخر وہی ہوا جو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے فرمایا ہوا تھا کہ لاکھوں لوگ تیرے پاس آویں گے اور ہزارہا روپے اور تحفے تحائف لائیں گے۔

اور پھر[1] عجیب بات یہ ہے کہ ان کی مخالفت اور دشمنی کی بابت بھی خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے اطلاع دی تھی بلکہ اسی کتاب میں ایک یہ الہام بھی درج ہے۔

یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَعْصِمْکَ النَّاسُ (ضمیمہ)

یعنی اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا اور شریروں کی شرارتوں اور دشمنوں کے منصوبوں سے وہ خود تجھے محفوظ رکھے گا اور اگرچہ لوگ تیری حفاظت اور مدد نہ کریں گے مگر خدا ان سب الزاموں اور بہتانوں سے جو شریر لوگ تجھ پر لگائیں گے تیرا معصوم ہونا ثابت کر دیگا۔ اب دیکھو یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو پوری ہوئی۔ آخر سچائی کی جستجو کرنے والے کو ماننا ہی پڑیگا اور جو بے ایمان ہے اس کا ہم کیا کریں۔ کیونکہ جو سچا ہی نہیں اس کا مذہب بھی کچھ نہیں کتنا بڑا معجزہ ہے کہ یہ سب مخالف پورا زور لگالیں اور جو کچھ کر سکیں کریں۔ مگر ہم اپنے وعدوں کو پورا کریں گے۔

لیکھرام کی ہلاکت کا نشان

ایسا ہی ایک پنڈت لیکھرام تھا وہ قادیان میں آیا اور دو ماہ کے قریب یہاں رہا۔ یہاں کے لوگوں نے اُسے بہکایا اور میری مخالفت پر اُسے آمادہ کیا۔ آخر اُس نے مباہلہ کے طور پر ایک دُعا لکھی اور اس میں میرا نام اور اپنا نام لکھ کر اپنے پرمیشر سے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ پرارتھنا کی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے پرمیشر اُسے ہلاک کرے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وید سچے، ویدوں کے رشی منی بھی سچے اور (نعوذ باللہ) ہمارے نبی کریم جھوٹے اور ہمارا قرآن شریف جھوٹا ہے۔ غرض اسی قسم کی باتیں لکھ کر اس نے اپنے پرمیشر سے فیصلہ چاہا اور بہت دُعائیں کیں۔ بہتیرا چلایا اور بہت ناک رگڑی۔ ادھر سے چھ برس کی پیشگوئی کی گئی۔ مگر وہ اپنی شوخی کے سبب سے پانچ برس میں ہی مرگیا اور مرا بھی اسی طرح جس طرح پیشگوئی میں لکھا تھا یعنی عید کے دوسرے دن چھری سے قتل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائیدات

غرض میرے پاس اس قدر نشان ہیں کہ ان کے بیان کرنے کے لیے وقت کافی نہیں میرے پاس تو یہی نشان کافی ہے کہ اتنے آدمی جو یہاں آتے ہیں ان میں سے ہر ایک آدمی ایک ایک نشان ہے اور خدا تعالیٰ نے ان سب کی پہلے سے خبر دے رکھی ہے اور یہ سب نصرتیں اور تائیدیں جو ہمارے شاملِ حال ہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اکٹھا ہمارے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ لیکن جو جھوٹا اور مفتری علی اللہ ہوتا ہے اس کو خدا کبھی نصرت نہیں دیتا۔ بلکہ اُلٹا ہلاک

---

[1] بدر سے:۔ اب خود سوچکر دیکھو کیا یہ کسی انسان کے بس میں ہے کہ تن تنہا اپنی مشکلات پر غالب آئے ہم کسی کو بالجبر نہیں منواتے بلکہ ہر ایک اپنے طور سے غور کرکے یہ بات سمجھے کہ آیا ہم سچ کہتے ہیں یا نہیں"

(بدر جلد ۷، نمبر ۱ صفحہ ۴ مورخہ ۹، جنوری ۱۹۰۸ء)

کرتا ہے لیکن تم لوگ جانتے ہو کہ ہم پر طرح طرح کے جھوٹے الزام لگائے گئے، مقدمے کئے گئے۔ کچہریوں میں ہمیں بدنام اور بے عزت کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ قتل کے مقدمے دائر کئے گئے۔ قتل کے مقدمہ میں ڈگلس صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جس کی پیشی میں یہ مقدمہ تھا پوری طرح سے تحقیقات کر کے آخر مجھے کہا کہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ بری ہیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو ان پر نالش کر کے سزا دلا سکتے ہیں۔

اب بتلاؤ کہ اگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو اس قسم کی فتح اور نصرت ہمیں حاصل ہو سکتی تھی؟ اس خون کے مقدمہ میں مولوی محمد حسین نے بھی گواہی دی تھی[1]۔ لیکن میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ میں بری کیا جاؤں گا۔ اب بتلاؤ کہ ان مقدموں سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا۔ بجز اس کے کہ ایک اور نشان ظاہر ہو گیا۔

یاد رکھو کہ ایک مفتری اور کذاب کا کام کبھی نہیں چلتا اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر مفتری کا کام بھی اسی طرح سے دن بدن ترقی کرتا جاوے تو پھر اس طرح سے تو خدا کے وجود میں بھی شک پڑ جاوے اور خدا کی خدائی میں اندھیر پڑ جاوے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی عادت اللہ اسی طرح سے ہے کہ ایک جہان ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے اور جس طرح سے کوئی مسافر چلتا ہے تو کتے اس کے اردگرد جمع ہو کر بھونکتے اور شور مچاتے ہیں اسی طرح سے جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے وہ چونکہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا اس لیے دوسرے لوگ کتوں کی طرح اس پر پڑتے ہیں اور مخالفت کا شور مچاتے اور دکھ دینے کی کوششیں کرتے ہیں لیکن آخر خدا تعالیٰ ایک نظر میں ان سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔

زبانی اسلام کافی نہیں

اب یہ بھی سن لو کہ وہ بڑا ہی خوش قسمت انسان ہے جو اسلام جیسے پاک مذہب میں داخل ہے لیکن صرف زبان سے اسلام اسلام کہنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ سچے دل سے انسان اس پر کاربند نہ ہو جاوے۔ اکثر لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں جن کی نسبت قرآن شریف میں لکھا ہے وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرۃ: ۱۵) یعنی جب وہ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب وہ دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یہ وہ لوگ

---

[1] بدر سے:۔ "ان لوگوں نے جان توڑ کوششیں کیں۔ اگر خدا ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو کچھ جاتے۔ آجکل تین چار گواہ گذار کر پھانسی دلا سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے آٹھ گواہ گذارے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ہوتے جن کو قرآنِ شریف میں منافق کہا گیا ہے۔ اس لیے جب تک کوئی شخص پورے طور پر قرآنِ مجید پر عمل نہیں کرتا تب تک وہ پورا پورا اسلام میں بھی داخل نہیں ہوتا۔

قرآنِ کریم کے فضائل

قرآنِ مجید ایک ایسی پاک کتاب ہے جو اس وقت دُنیا میں آئی تھی جبکہ بڑے بڑے فساد پھیلے ہوئے تھے اور بہت سی اعتقادی اور عملی غلطیاں رائج ہوگئی تھیں اور تقریباً سب کے سب لوگ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں گرفتار تھے۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہ قرآن مجید میں اشارہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یعنی تمام لوگ کیا اہل کتاب اور کیا دوسرے سب کے سب بدعقیدگیوں میں مبتلا تھے اور دُنیا میں فسادِ عظیم برپا تھا۔ غرض ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمام عقائدِ باطلہ کی تردید کے لیے قرآنِ مجید جیسی کامل کتاب ہماری ہدایت کے لیے بھیجی جس میں کل مذاہب باطلہ کا ردّ موجود ہے۔

سُورۂ فاتحہ کی فضیلت

اور خاص کر سورۂ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کُل عقائد کا ذکر ہے جیسے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ یعنی ساری خوبیاں اس خدا کے لیے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے اَلرَّحْمٰنِ وہ بغیر اعمال کے پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔ اَلرَّحِيْمِ اعمال کا پھل دینے والا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا سزا کے دن کا مالک۔ ان چار صفتوں میں کل دُنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔

آریوں کا ردّ

بعض لوگ اس بات سے مُنکر ہیں کہ خدا ہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جیو یعنی ارواح اور پرمانو یعنی ذرات خود بخود ہیں اور جیسے پرمیشر آپ ہی آپ چلا آتا ہے ویسے ہی وہ بھی آپ ہی آپ چلے آتے ہیں اور ارواح اور اُن کی کُل طاقتیں، گُن اور خواص جن پر دفتروں کے دفتر لکھے گئے خود بخود ہیں اور باوجود اس کے کہ ان میں قوتِ اتصال اور قوتِ انفصال خود بخود پائی جاتی ہے وہ آپس میں میل ملاپ کرنے کے لیے ایک پرمیشر کے محتاج ہیں۔ غرض یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

سناتن دھرم کے عقائد کی تردید

دوسرا فرقہ وہ ہے جس کی طرف اَلرَّحْمٰنِ کے لفظ میں اشارہ ہے اور یہ فرقہ سناتن دھرم والوں کا ہے گو وہ مانتے ہیں کہ پرمیشر سے ہی سب کچھ نکلا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ خدا کا فضل کوئی چیز نہیں وہ کرموں کا ہی پھل دیتا ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی مرد بنا ہے تو وہ بھی اپنے اعمال سے اور اگر کوئی عورت بنی ہے تو وہ بھی اپنے اعمال

سے اور اگر ضروری اشیاء حیوانات نباتات وغیرہ بنے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے کرموں کی وجہ سے۔ الغرض یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت رَحْمٰن سے منکر ہیں۔ وہ خدا جس نے زمین، سورج، چاند، ستارے وغیرہ پیدا کئے اور ہوا پیدا کی تاکہ ہم سانس لے سکیں اور ایک دوسرے کی آواز سُن سکیں۔ اور روشنی کے لیے سورج چاند وغیرہ اشیاء پیدا کیں اور اس وقت پیدا کیں جبکہ ابھی سانس لینے والوں کا وجود اور نام ونشان بھی نہ تھا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی اعمال کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ کیا کوئی اپنے اعمال کا دم مار سکتا ہے؟ کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ سورج چاند ستارے ہوا وغیرہ میرے اپنے عملوں کا پھل ہے؟[1] غرض خدا کی صفتِ رحمانیت اس فرقہ کی تردید کرتی ہے جو خدا کو بلا مبادلہ یعنی بغیر ہماری کسی محنت اور کوشش کے بعض اشیاء کے عنایت کرنے والا نہیں مانتے۔

اعمال اور مجاہدات کی ضرورت

اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفت اَلرَّحِیْم کا بیان ہے یعنی محنتوں، کوششوں اور اعمال پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا۔

یہ صفت اس فرقہ کو رد کرتی ہے جو اعمال کو بالکل لغو خیال کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں نماز کیا روزے کیا؟ اگر غفور رحیم نے اپنا فضل کیا تو بہشت میں جائیں گے نہیں تو جہنم میں۔ اور کبھی کبھی یہ لوگ اس قسم کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں عبادتیں کر کے دل تو ہم نے تھوڑا ہی بنانا ہے۔ "کچھ کیا کیا نہ کیا نہ سہی" غرض اَلرَّحِیْم کہہ کر خدا ایسے ہی لوگوں کا رد کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور خدا کے عشق اور محبت میں محو ہو جاتا ہے وہ دوسروں سے ممتاز اور خدا کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی خود دستگیری کرتا ہے جیسے فرمایا وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) یعنی جو لوگ ہماری خاطر مجاہدات کرتے ہیں۔ آخر ہم ان کو اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ جتنے اولیاء، انبیاء اور بزرگ لوگ گذرے ہیں انہوں نے خدا کی راہ میں جب بڑے بڑے مجاہدات کئے تو آخر خدا تعالیٰ نے اپنے دروازے ان پر کھول دیئے، لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی اس صفت کو نہیں مانتے۔ عموماً انکا یہی مقولہ ہوتا ہے کہ میاں ہماری کوششوں میں کیا پڑا ہے جو کچھ تقدیر میں پہلے روز سے لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ ہماری محنتوں کی کوئی ضرورت نہیں جو کچھ ہونا ہے وہ آپ ہی ہو جائے گا۔ اور شاید چوروں اور ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں کا اندر ہی اندر یہی مذہب ہوتا ہوگا۔

---

[1] بدر سے:۔ "یہ لوگ بھولے ہوئے اور کفر میں گرفتار ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ اللہ کا فضل ہے کئی نعمتیں ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل نہیں اور کئی ایسی ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے جیسے عابد زاہد بندگی کرتے ہیں اور اس کا اجر ملتا ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

غرض یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے فعل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن میں اعمال کا کوئی دخل نہیں جیسے سورج چاند ہوا وغیرہ جو خدا تعالیٰ نے بغیر ہمارے کسی عمل کے ہمارے وجود میں آنے سے بھی پیشتر اپنی قدرتِ کاملہ سے تیار کر رکھے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن میں اعمال کا دخل ہے اور عابد، زاہد اور پرہیزگار لوگ عبادت کرتے اور پھر اپنا اجر پاتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ میں غلط عقائد کی تردید

① اب تین فرقوں کی بابت تو تم سن چکے ہو یعنی ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو ربّ نہیں سمجھتا اور ذرہ ذرہ کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اَرواح اور ذرّاتِ عالم کا پیدا کرنا اللہ تعالےٰ کی طاقت سے باہر ہے اور جیسے خود بخود خدا ہے ویسے ہی وہ بھی خود بخود ہیں اس لیے ربّ العالمین کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے۔

② دوسرا فرقہ وہ ہے جو سمجھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے کچھ نہیں دے سکتا جو کچھ بھی ہمیں ملا ہے اور ملے گا وہ ہمارے اپنے کرموں کا پھل ہے اور ہوگا۔ اس لیے لفظ رحمٰن کے ساتھ اس کا رد کیا گیا ہے۔

③ اور اس کے بعد الترحیم کہہ کر اس فرقہ کی تردید کی گئی ہے جو اعمال کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔

④ اب ان تینوں فرقوں کا بیان کر کے فرمایا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی جزا سزا کے دن کا مالک۔ اور اس سے اس گروہ کی تردید مطلوب ہے جو کہ جزا سزا کا قائل نہیں۔ کیونکہ ایسا ایک فرقہ بھی دنیا میں موجود ہے جو جزا سزا کا منکر ہے۔ جو لوگ خدا کو رحیم نہیں مانتے ان کو تو بے پروا بھی کہہ سکتے ہیں مگر جو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ والی صفت کو نہیں مانتے وہ تو خدا تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہوتے ہیں اور جب خدا کی ہستی ہی نہیں جانتے تو پھر جزا سزا کس طرح مانیں۔

غرض ان چار صفات کو بیان کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تم کہو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی اے چار صفتوں والے خدا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اس کام کے لیے مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے عرش کو چار فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کی ان چاروں صفات کا ظہور موجود ہے اور اگر یہ چار نہ ہوں یا چاروں میں سے ایک نہ ہو تو پھر خدا کی خدائی میں نقص لازم آتا ہے۔

عرش کی حقیقت

اور بعض لوگ ناسمجھی سے عرش کو جو ایک مخلوق چیز مانتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ عرش کوئی ایسی چیز نہیں جس کو مخلوق کہہ سکیں۔ وہ تو تقدس اور تنزہ کا ایک وَراء الوَراء مقام ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ جیسے ایک بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے ویسے

ہی خدا بھی عرش پر جلوہ گر ہے جس سے لازم آتا ہے کہ محدود ہے۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآنِ مجید میں اس بات کا ذکر تک نہیں کہ عرش ایک تخت کی طرح ہے جس پر خدا بیٹھا ہے کیونکہ نعوذ باللہ اگر عرش سے مراد ایک تخت لیا جاوے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے تو پھر ان آیات کا کیا ترجمہ کیا جاوے گا۔ جہاں لکھا ہے کہ خدا ہر ایک چیز پر محیط ہے اور جہاں تین ہیں وہاں چوتھا اُن کا خدا[1]۔ اور جہاں چار ہیں وہاں پانچواں ان کا خدا[2]۔ اور پھر لکھا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (قٓ: ۱۷) اور وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید: ۵) غرض اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ کلام الٰہی میں استعارات بہت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ دل کو بھی عرش کہا گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی تجلی بھی دل پر ہوتی ہے اور ایسا ہی عرش اس وراء الوراء مقام کو کہتے ہیں جہاں مخلوق کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک تو تشبیہ ہوتی ہے اور ایک تنزیہ ہوتی ہے مثلاً یہ بات کہ جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جہاں پانچ ہوں وہاں چھٹا ان کا خدا ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہ ہے جس سے دھوکا لگتا ہے کہ کیا خدا پھر محدود ہے۔ اس لیے اس دھوکا کے دُور کرنے کے لیے بطور جواب کے کہا گیا ہے کہ وہ تو عرش پر ہے جہاں مخلوقات کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ کوئی اس قسم کا تخت نہیں ہے جو سونے چاندی وغیرہ کا بنا ہوا ہو اور اس پر جواہرات وغیرہ جڑے ہوئے ہوں بلکہ وہ تو ایک اعلیٰ ارفع اور وراء الوراء مقام ہے اور اس قسم کے استعارات قرآنِ مجید میں بکثرت پائے جاتے ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا (بنی اسرائیل: ۷۳) ظاہراً تو اس کے معنے یہی ہیں کہ جو اس جگہ اندھے ہیں وہ آخرت کو بھی اندھے ہی رہیں گے۔ مگر یہ معنے کون قبول کرے گا جبکہ دوسری جگہ صاف طور پر لکھا ہے کہ خواہ کوئی سو جا لکھا ہو خواہ اندھا جو ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ جاوے گا وہ تو بینا ہو گا لیکن جو اس جگہ ایمانی روشنی سے بے نصیب رہے گا اور خدا کی معرفت حاصل نہیں کریگا وہ آخر کو بھی اندھا ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ دُنیا مزرعہ آخرت ہے جو کچھ کوئی یہاں بوئے گا وہی کاٹے گا اور جو

---

[1] بدر سے:۔ "جاہل نہیں سمجھتے کہ اگر قرآن میں ایک طرف اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: ۶) ہے تو دوسری طرف یہ بھی ہے کہ کوئی تین نہیں جس میں چوتھا وہ نہیں اور کوئی پانچ نہیں جس میں چھٹا وہ نہیں اور فرمایا کہ جہاں کہیں تم ہو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۵ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] اس سے ظاہر ہے کہ بعض وقت ڈائری نویس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل الفاظ نہیں لکھتے بلکہ مفہوم اور اپنی سمجھ کے مطابق لکھتے ہیں۔ بدر نے جو لکھا ہے وہ قرآنِ مجید کی آیت کے مطابق ہے۔ الحکم نے معلوم ہوتا ہے تین کے بعد چار کا ذکر اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ورنہ حضور نے وہی فرمایا ہو گا جو بدر نے ذکر کیا ہے کیونکہ قرآنی آیت کے وہی مطابق ہے۔ (شمس)

اس جگہ سے بینائی لے جائے گا وہی بینا ہوگا۔

مومن کا فرض

پھر اس کے آگے خدا تعالیٰ نے ایک دُعا سکھلائی ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ: ۶،۷) یعنی اے خدا کہ تو رب العالمین رحمٰن۔ رحیم اور مالک یوم الدین ہے ہمیں وہ راہ دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا بے انتہا فضل ہوا اور تیرے بڑے بڑے انعام اکرام ہوئے۔ مومن کو چاہیئے کہ ان چار صفات والے خدا کا صرف زبانی اقرار ہی نہ کرے بلکہ اپنی ایسی حالت بناوے جس سے معلوم ہو کہ وہ صرف خدا کو ہی اپنا رب جانتا ہے۔ زید عمرو کو نہیں جانتا اور اس بات پر یقین رکھے کہ درحقیقت خدا ہی ایسا ہے جو عملوں کی جزا سزا دیتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ اور نہاں در نہاں گناہوں کو جانتا ہے[1]

عملی حالت کی اہمیت

یاد رکھو کہ صرف زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک عملی حالت درست نہ ہو۔ جو شخص حقیقی طور پر خدا کو ہی اپنا رب اور مالک یوم الدین سمجھتا ہے ممکن ہی نہیں کہ وہ چوری، بدکاری، قمار بازی یا دیگر افعالِ شنیعہ کا مرتکب ہو سکے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہلاک کر دینے والی ہیں اور ان پر عملدرآمد کرنا خدا تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی ہے۔ غرض انسان جب تک عملی طور پر ثابت نہ کر دیوے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے تب تک وہ فیوض اور برکات حاصل نہیں ہو سکتے جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔ وہ فیوض جو مقربانِ الٰہی اور اہل اللہ پر ہوتے ہیں وہ صرف اسی واسطے ہوتے ہیں کہ ان کی ایمانی اور عملی حالتیں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کو ہر ایک چیز پر مقدم کیا ہوا ہوتا ہے۔

سمجھنا چاہیئے کہ اسلام صرف اتنی بات کا ہی نام نہیں ہے کہ انسان زبانی طور پر ورد وظائف اور ذکر اذکار کرتا رہے بلکہ عملی طور پر اپنے آپ کو اس حد تک پہنچانا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور نصرت شاملِ حال ہونے لگے اور انعام واکرام وارد ہوں۔ جس قدر انبیاء اولیاء گذرے ہیں ان کی عملی حالتیں نہایت پاک صاف تھیں اور ان کی راستبازی اور دیانتداری اعلیٰ پایہ کی تھی اور یہی نہیں کہ جیسے یہ لوگ احکامِ الٰہی بجا لاتے ہیں اور روزے رکھتے اور زکوٰتیں ادا کرتے ہیں۔ اور نمازوں میں رکوع سجود کرتے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے تھے اور احکام الٰہی بجا لاتے تھے بلکہ ان کی نظر میں تو سب کچھ مُردہ معلوم ہوتا تھا اور ان کے وجودوں پر ایک قسم کی موت طاری ہو گئی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تو ایک خدا کا وجود ہی رہ گیا تھا۔ اسی کو وہ اپنا کارساز اور حقیقی رب

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۸ء

یقین کرتے تھے۔ اسی سے ان کا حقیقی تعلق تھا اور اسی کے عشق میں وہ ہر وقت محو اور گداز رہتے تھے۔

خدا تعالیٰ سے محبت رکھنے والوں کو اسکی نصرت حاصل ہوتی ہے

جب ایسی حالت ہو تو قدیم سے یہ سنت اللہ ہے کہ ایسے شخص کی خدا تعالیٰ تائید اور نصرت کرتا ہے اور غیبی طور پر اسے مدد دیتا ہے اور ہر ایک میدان میں اُسے فتح نصیب کرتا ہے۔ دیکھو مذہب اسلام میں ہزاروں اولیاء گذرے ہیں۔ ہر ایک ملک میں ایسے چار پانچ لوگ تو ضرور ہی ہوتے ہیں[1] جن کو اس وقت تک لوگ بڑی عزت سے یاد کرتے ہیں اور ان کے مجاہدات اور کرامات کا عجیب عجیب طرح سے تذکرہ کرتے ہیں اور دہلی کا تو ایک بڑا میدان اسی قسم کے بزرگوں سے بھرا پڑا ہے۔

غرض سوچنا چاہیئے کہ اگر انسان ایک ڈاکو اور چور سے دلی محبت رکھے تو اگر وہ چور زیادہ احسان نہ کرے گا تو اتنا ضرور کریگا کہ اسکی چوری نہ کریگا۔ تو اب سمجھنا چاہیئے کہ جب محبت کرنے سے چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو کیا خدا سے فائدہ نہیں ہوتا؟ ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے کیونکہ خدا تو بڑا رحیم کریم اور بڑے فضلوں اور احسانوں والا ہے۔ جو لوگ کرموں۔ اوگن اور جُونوں کی ماہ لیے بیٹھے ہیں میرا یقین ہے کہ ان کو اس راہ کا خیال تک بھی نہیں۔

جب محبت کے ثمرات اسی دنیا میں پائے جاتے ہیں اور جب ایک شخص کو دوسرے سے سچی اور خالص محبت ہوتی ہے تو وہ اس سے کوئی فرق نہیں کرتا۔ تو کیا خدا ہی ایسا ہے کہ جس کی دوستی کسی کام نہیں آتی؟

ہندوؤں کا نظریۂ نجات

وہ لوگ قابلِ الزام ہیں جو خدا کو شرمناک الزاموں سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں اور آریوں میں دائمی مکتی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مکتی خانہ میں داخل کرتے وقت ایک گناہ پر میشر باقی رکھ لیتا ہے اور پھر ایک وقت کے بعد اس ایک گناہ کے عوض میں ان رشیوں مُنیوں اور مکتی یافتوں کو گدھوں، بندروں اور سُوروں وغیرہ کی جُونوں میں بھیجتا ہے مگر اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پرمیشر ان مقدسوں پر ناراض تھا اور جان بُوجھ کر اُن کو مکتی خانہ سے نکالنا چاہتا تھا تو پھر پہلے ہی ان کو مکتی خانہ میں کیوں داخل کیا؟ آخر اُن پر راضی ہی ہوگا تو داخل کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہ اندھا دھند ہی مکتی خانہ میں دھکیل دیا تھا لیکن رضا اور گناہ اکٹھے نہیں رہ سکتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر ان پر پہلے ہی راضی نہیں

---

[1] بدر میں ہے:۔

"دارالکفر والشرک میں بھی کم ایسی جگہ ہیں جہاں دو چار قبریں ایسے بزرگوں کی نہ ہوں جو ولی اللہ کہلائے"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

ہوا تھا[1] اور اگر راضی تھا تو ماننا پڑے گا کہ اس کو ان کے گناہوں کی خبر نہ تھی کیونکہ جب اُسے خبر ہوئی تھی تب تو اس نے اُن کو مکتی خانہ سے باہر نکال دیا تھا۔ لیکن بعض آریہ اس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ ان کو مکتی خانہ سے اس واسطے نکالا گیا تھا کہ اُن کے عمل محدود تھے اور چونکہ عمل محدود تھے اس لیے ان کا پھل بھی محدود ہونا چاہیئے۔ لیکن ان کو اتنی خبر نہیں کہ ان پیچاریوں نے جو پرمیشر کی راہ میں ایسی ایسی سختیاں جھیلی تھیں اور اپنا ہر ایک ذرہ اس کی راہ میں قربان کر دیا تھا تو وہ اس واسطے نہیں تھا کہ چند دن تک تو ہمیں مکتی خانہ کی سیر کرالو اور اس کے بعد جس گندی سے گندی جون میں چاہو بھیجدو۔ ان کی نیتوں کو دیکھنا چاہیئے اگر ان کی نیتیں صرف اسی قدر تھیں کہ دو چار برس پرمیشر سے محبت کر کے پھر چھوڑ دیں گے تو ایک بات ہے ورنہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ان مکتی یافتوں کا کیا قصور؟ یہ تو پرمیشر کا قصور ہے کہ ان کو مار دیا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ رہتے تو پرمیشر کی محبت کو کبھی نہ چھوڑتے۔ انہوں نے تو صرف اس واسطے پرمیشر کی راہ میں مصائب شدائد برداشت کئے تھے کہ جب تک ہم رہیں گے پرمیشر کے ہو کر رہیں گے ان کو پرمیشر کی بیوفائی کا تو خیال نہ تھا۔ ایک شخص کسی سے بہت محبت رکھتا ہے اور آگے پیچھے اس کی محبت کے گُن گاتا پھرتا ہے اگر وہ مر جائے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دشمنی بھی ساتھ لے گیا ہے۔

اور پھر اس بات کو بھی سمجھنا چاہیئے کہ مکتی خانہ سے باہر نکالنے کے لیے جو گناہ پرمیشر نے انکے ذمہ رکھے ہوئے ہونگے وہ ہر صورت ایک ہی قسم کے ہونگے۔ یہ تو جائز نہیں کہ کسی کو کسی گناہ سے نکال دیا جائے اور کسی کو کسی گناہ کے سبب سے۔ لیکن کیا یہ انصاف ہے کہ باہر نکالتے وقت باوجود ایک ہی قسم کے گناہ ہونے کے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو گدھا اور کسی کو بندر بنا دیا۔

سورۃ فاتحہ میں مذکور اللہ تعالیٰ کی صفات

غرض قصہ کوتاہ اللہ تعالیٰ نے الحمد شریف میں اپنی صفاتِ کاملہ کا بیان کر کے ان مذاہبِ باطلہ کا رد کیا ہے جو عام طور پر دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ سُورۃ جو اُمّ الکتاب کہلاتی ہے اسی واسطے پانچوں وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے کہ اس میں مذہبِ اسلام کی تعلیم موجود ہے اور قرآن مجید کا ایک قسم کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفات بیان کر کے یک نظارہ دکھانا چاہا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام نہایت ہی مبارک مذہب ہے۔ جو اس کی طرف رہبری کرتا ہے

---

[1] بدر سے:۔ "جب کوئی شخص کسی سے کہتا ہے مَیں تجھ پر راضی ہو گیا تو یہ معنے ہوتے ہیں کہ گناہ بھی بخشدیا۔ یہ نہیں کہ راضی ہو گیا مگر گناہ نہیں بخشے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

جو نہ تو عیسائیوں کے خدا کی طرح کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ ایسا ہے کہ آریوں کے پرمیشر کی طرح مکتی دینے پر ہی قادر نہ ہو اور جھوٹے طور پر کہہ دیتا ہے کہ عمل محدود ہیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ اس میں نجات دینے کی طاقت ہی نہیں کیونکہ روحیں تو اس کی بنائی ہوئی نہیں۔ جیسے وہ آپ خود بخود ہے ویسے ہی ارواح بھی خود بخود ہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اور رُوحیں پیدا کرے اس لیے یہ سوچ کر کہ اگر ہمیشہ کے لیے کسی رُوح کو مکتی دی جاوے تو آہستہ آہستہ وہ وقت آجاوے گا کہ تمام رُوحیں مکتی یافتہ ہو کر میرے قبضہ سے نکل جاویں گی۔ جس سے یہ تمام بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے وہ بہانہ کے طور پر ایک گناہ ان کے ذمہ رکھ لیتا ہے اور اس دَور کو چلائے جاتا ہے۔[1]

اسلام کا قدوس اور قادر خدا

لیکن اسلام کا خدا ایسا قدوس اور قادر خدا ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر اس میں کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی۔ ہمارا خدا تمام جہانوں کا پیدا کرنیوالا خُدا ہے۔ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے مبرا ہے کیونکہ جس میں کوئی نقص ہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور اس سے ہم دعائیں کس طرح مانگ سکتے ہیں۔ اور اس پر کیا اُمیدیں رکھ سکتے ہیں۔ وہ تو خود ناقص ہے نہ کہ کامل۔ لیکن اسلام نے وہ قادر اور ہر ایک عیب سے پاک خدا پیش کیا ہے جس سے ہم دُعائیں مانگ سکتے ہیں اور بڑی بڑی اُمیدیں پُوری کر سکتے ہیں۔ اسی واسطے اس نے اسی سُورۃ فاتحہ میں دعا سکھائی ہے کہ تم لوگ مجھ سے مانگا کرو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی یا الٰہی ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرے بڑے بڑے فضل اور انعام ہوئے اور یہ دعا اس واسطے سکھائی کہ تا تم لوگ صرف اس بات پر ہی نہ بیٹھ رہو کہ ہم ایمان لے آئے ہیں بلکہ اس طرح سے اعمال بجا لاؤ کہ ان انعاموں کو حاصل کر سکو جو خدا تعالیٰ کے مقرب بندوں پر ہوا کرتے ہیں۔

رسمی عبادات

بعض لوگ مسجدوں میں بھی جاتے ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دوسرے ارکانِ اسلام بھی بجا لاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نُصرت اور مدد ان کے شاملِ حال نہیں ہوتی اور اُن کے اخلاق اور عادات میں کوئی نمایاں تبدیلی دکھائی نہیں دیتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عبادتیں بھی رسمی عبادتیں ہیں۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ احکامِ الٰہی کا بجالانا تو ایک بیج کی طرح ہوتا ہے

---

[1] "دُنیا میں کوئی خالقیت سے منکر ہے کوئی رحمانیت سے، کوئی رحیمیت سے اور کوئی اس کے مالکِ یوم الدین ہونے سے۔ اس قسم کا تفرقہ تمام مذاہب میں ہے مگر اسلام ہی ایسا پاک مذہب ہے جس نے سب صفاتِ کاملہ کو جمع کر دیا۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۶ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

جس کا اثر روح اور وجود دونو پر پڑتا ہے۔ ایک شخص جو کھیت کی آبپاشی کرتا اور بڑی محنت سے اس میں بیج بوتا ہے اگر ایک دو ماہ تک اس میں انگوری نہ نکلے تو ماننا پڑتا ہے کہ بیج خراب ہے۔ یہی حال عبادات کا ہے۔ اگر ایک شخص خدا کو وحدہ لاشریک سمجھتا ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور بظاہر نظر احکامِ الٰہی کو حتی الوسع بجا لاتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص مدد اس کے شاملِ حال نہیں ہوتی تو ماننا پڑتا ہے کہ جو بیج وہ بو رہا ہے وہی خراب ہے۔

یہی نمازیں تھیں جن کو پڑھنے سے بہت سے لوگ قطب اور ابدال بن گئے مگر تم کو کیا ہو گیا جو باوجود اُن کے پڑھنے کے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا[1]

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب تم کوئی دوا استعمال کرو گے اور اگر اس سے کوئی فائدہ محسوس نہ کرو گے تو آخر ماننا پڑے گا کہ یہ دوا موافق نہیں۔ یہی حال ان نمازوں کا سمجھنا چاہیئے۔

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

حقیقی مومن کبھی ضائع نہیں ہوتا

جو شخص سچے جوش اور پورے صدق اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ یہ یقینی اور سچی بات ہے کہ جو خدا کے ہوتے ہیں خدا ان کا ہوتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے بلکہ ان پر اپنے اس قدر انعام واکرام نازل کرتا ہے کہ لوگ ان کے کپڑوں سے بھی برکتیں حاصل کرتے ہیں[2]۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو دُعا سکھائی ہے تو یہ اس واسطے ہے کہ تا تم لوگوں کی آنکھ کھلے کہ جو کام تم کرتے ہو دیکھ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔ اگر انسان ایک عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں تو اس کو اپنے اعمال کی پڑتال کرنی چاہیئے کہ وہ کیسا عمل ہے جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔

سورۃ فاتحہ میں ایک پیشگوئی

پھر اس کے آگے خدا فرماتا ہے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحۃ: ۷) یعنی اے مسلمانو! تم خدا سے دُعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن پر اس دُنیا میں تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ ہی ان لوگوں

---

[1] بدر سے:۔ "آخر سوچنا چاہیئے کہ یہی نماز تھی جس سے لوگ قطب ہو گئے غوث ہو گئے اور تم اسی طرح تحت الثریٰ میں پڑے ہو۔ یہ بات کیا ہے؟" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "وہ اپنے خاص بندوں پر ایسے ایسے فضل کرتا ہے کہ زمین و آسمان اس کے تابع کر دیتا ہے"۔ (بدر حوالہ مذکور)

کا راستہ دکھانا جو کہ راہِ راست سے گمراہ ہو گئے ہیں اور یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ بطور قصہ یا کتھا کے بیان نہیں کیا بلکہ وہ جانتا تھا کہ جس طرح پہلی قوموں نے بدکاریاں کیں اور نبیوں کی تکذیب اور تفسیق میں حد سے بڑھ گئیں۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی ایک وقت آئے گا جبکہ وہ فسق و فجور میں حد سے بڑھ جاویں گے اور جن کاموں سے ان قوموں پر خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکا تھا ویسے ہی کام مسلمان بھی کریں گے اور خدا تعالیٰ کا غضب اُن پر نازل ہوگا تفسیروں اور احادیث والوں نے مغضوب سے یہود مراد لیے ہیں۔ کیونکہ یہود نے خدا تعالیٰ کے انبیاء کے ساتھ بہت ہنسی ٹھٹھا کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر دُکھ دیا تھا اور نہایت درجہ کی شوخیاں اور بے باکیاں انہوں نے دکھائی تھیں جن کا آخری نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسی دُنیا میں ہی خدا تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا تھا۔

خدا تعالیٰ کے غضب کی حقیقت

مگر اس کی جگہ خدا کے غضب سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ (معاذ اللہ) خدا چڑ جاتا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان بسبب اپنے گناہوں کے نہایت درجہ کے پاک اور قدوس خدا سے دور ہو جاتا ہے یا مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ ایک شخص کسی ایسے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہو جس کے چار دروازے ہوں۔ اگر وہ ان دروازوں کو کھولے گا تو دھوپ اور آفتاب کی روشنی اندر آتی رہے گی اور اگر وہ سب دروازے بند کر دے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روشنی کا آنا بند ہو جائے گا۔ غرض یہ بات سچی ہے کہ جب انسان کوئی فعل کرتا ہے تو سنت اللہ اسی طرح سے ہے کہ اس فعل پر ایک فعل خدا تعالیٰ کی طرف سے سرزد ہوتا ہے۔ جیسے اس شخص نے بدقسمتی سے جب چاروں دروازے بند کر دیئے تھے تو اس پر خدا تعالیٰ کا فعل یہ تھا کہ اس مکان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔ غرض اس اندھیرا کرنے کا نام خدا کا غضب ہے۔

یہ مت سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا غضب بھی اسی طرح کا ہوتا ہے کہ جس طرح سے انسان کا غضب ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا خدا ہے اور انسان انسان ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جس طرح سے ایک انسان کام کرتا ہے خدا بھی اسی طرح سے ہی کرتا ہے مثلاً خدا سُنتا ہے تو کیا اس کو سُننے کے لیے انسان کی طرح ہوا کی ضرورت ہے اور کیا اس کا سُننا بھی انسان کی طرح سے ہے کہ جس طرف ہوا کا رُخ زیادہ ہوا۔ اُس طرف کی آواز کو زیادہ سُن لیا۔ یا مثلاً دیکھنا ہے کہ جب تک سُورج چاند چراغ وغیرہ کی روشنی نہ ہو انسان دیکھ نہیں سکتا تو کیا خدا بھی روشنیوں کا محتاج ہے؟ غرض انسان کا دیکھنا اور رنگ کا ہے اور خدا کا دیکھنا اور رنگ کا ہے۔ اس کی حقیقت خدا کے سُپرد کرنی چاہیئے[1]

---

[1] بدر سے:۔ "خدا کا غضب خدا کی رحمت اس کے سمع بصر کی طرح الگ ہے۔ ایمان لانا چاہیئے اور حقیقت کو خدا کے سُپرد کرنا مومن کی شان ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

آریہ وغیرہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں خدا تعالیٰ کو غضب ناک کہا گیا ہے۔ یہ ان کی صریح غلطی ہے اُن کو چاہیئے تھا کہ قرآن مجید کی دوسری جگہوں پر بھی نظر کرتے۔ وہاں تو صاف طور پر لکھا ہے۔ عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف: ۱۵۷) خدا کی رحمت تو کُل چیزوں کے شاملِ حال ہے۔ مگر ان کو دِقت ہے تو یہ ہے کہ خدا کی رحمت کے تو وہ قائل ہی نہیں۔ اُن کے مذہبی اصول کے بموجب اگر کوئی شخص بصد مشکل نجات حاصل کر بھی لے تو آخر پھر وہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔

غرض خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے کلام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا ہر ایک عیب سے پاک ہے ویسے ہی اس کا کلام بھی ہر ایک قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔

یہود کی شوخیاں

اور یہ جو فرمایا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ تو اس سے یہ مراد ہے کہ یہود ایک قوم تھی جو توریت کو مانتی تھی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تکذیب کی تھی اور بڑی شوخی کے ساتھ اُن سے پیش آئے تھے۔ یہانتک کہ کئی بار ان کے قتل کا ارادہ بھی انہوں نے کیا تھا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی فن کو کمال تک پہنچا دیتا ہے تو پھر وہ بڑا نامی گرامی اور مشہور ہو جاتا ہے اور جب کبھی اس فن کا ذکر شروع ہوتا ہے تو پھر اسی کا نام ہی لیا جاتا ہے۔ مثلاً دُنیا میں ہزاروں پہلوان ہوئے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ مگر رُستم کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو پہلوانی کا خطاب بھی دیا جاتا ہے تو اُسے بھی رُستمِ ہند وغیرہ کہہ کے پکارا جاتا ہے۔ یہی حال یہود کا ہے۔ کوئی نبی نہیں گذرا جس سے اُنہوں نے شوخی نہیں کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو انہوں نے یہانتک مخالفت کی کہ صلیب پر چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور ان کے مقابلہ پر ہر ایک شرارت سے کام لیا۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دُعا کی ضرورت

ہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ یہود نے تو انبیاء کے مقابل پر شوخیاں اور شرارتیں کی تھیں مگر اب تو سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اس لیے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دُعا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود نازل ہوگا اور مسلمان لوگ اس کی تکذیب کر کے یہود خصلت ہو جائیں گے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور قسم قسم کی شوخیوں اور شرارتوں میں ترقی کر جاویں گے اس لیے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ والی دعا سکھائی گئی کہ اے مسلمانو پنجگانہ نمازوں کی ہر ایک رکعت میں دُعا مانگتے رہو کہ یا الٰہی ہمیں ان کی راہ سے بچائے رکھیو جن پر تیرا غضب اسی دنیا میں نازل ہوا تھا اور جن کو تیرے مسیح موعود کی مخالفت کرنے کے سبب سے طرح طرح کے آفاتِ ارضی و سماوی کا ذائقہ چکھنا پڑا تھا۔ سو جاننا چاہیئے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کی طرف آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اشارہ کرتی ہے اور

وہی خدا کا سچا مسیح ہے جو اس وقت تمہارے درمیان بول رہا ہے۔

مسیح موعودؑ کی مخالفت اور تکفیر

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پچیس ۲۵ برس سے صبر کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے کوئی دقیقہ میری مخالفت کا اُٹھا نہیں رکھا۔ ہر طرح سے شوخیاں کی گئیں۔ طرح طرح کے الزام ہم پر لگائے گئے اور ان شوخیوں اور شرارتوں میں پوری سرگرمی سے کام لیا گیا۔ ہر پہلو سے میرے فنا اور معدوم کرنے کے لیے زور لگائے گئے اور ہمارے لیے طرح طرح کے کفر نامے تیار کئے گئے اور نصاریٰ اور یہود سے بھی بدتر ہمیں سمجھا گیا۔ حالانکہ ہم کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر دل و جان سے یقین رکھتے تھے۔ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کی سچی اور کامل کتاب سمجھتے تھے اور سچے دل سے اُسے خاتم الکتب جانتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے دل سے خاتم النبیین سمجھتے تھے۔ وہی نمازیں تھیں۔ وہی قبلہ تھا۔ اسی طرح سے ماہِ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ حج اور زکوٰۃ میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کونسے وجوہات تھے جن کے سبب سے ہمیں یہود اور نصاریٰ سے بھی بدتر ٹھہرایا گیا اور دن رات ہمیں گالیاں دینا موجبِ ثواب سمجھا گیا۔[1] آخر شرافت بھی تو کوئی چیز ہے۔ اس طرح کا طریق تو وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے ایمان مسلوب اور دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔

غرض چونکہ خدا جانتا تھا کہ ایک وقت آئے گا جبکہ مسلمان یہود سیرت ہو جائیں گے اس لیے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ والی دُعا سکھا دی اور پھر فرمایا وَلَا الضَّآلِّیْنَ یعنی نہ ہی ان لوگوں کی راہ پر چلانا جنہوں نے تیری سچی اور سیدھی راہ سے مُنہ موڑ لیا۔ اور یہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجیل کے ذریعہ سے یہ تعلیم ملی تھی کہ خدا کو ایک اور واحد لاشریک مانو۔ مگر انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا اور ایک عورت کے بیٹے کو خدا بنا لیا۔

یہود اور نصاریٰ کا موازنہ

کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ تو بڑا سخت لفظ ہے اور ضالین نرم لفظ ہے۔ یہ نرم لفظ نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کا تھوڑا گناہ تھا وہ توریت کے پابند تھے اور اس کے حکموں پر چلتے تھے گو وہ شوخیوں اور شرارتوں میں بہت

---

[1] بدر سے:۔ "مَیں نے اُن کے کُفر ناموں میں دیکھا کہ لکھتے ہیں اس کا کُفر یہود و نصاریٰ کے کُفر سے بڑھکر ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے ہیں قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔ جان تک فدا کرنے کو حاضر ہیں۔ کیا وہ اُن سے بدتر ہیں جو ہر وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے رہتے ہیں"۔ (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

بڑھ گئے تھے مگر وہ کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے سخت دشمن تھے[1] اور سورۃ فاتحہ میں ان کا نام جو پہلے آیا ہے تو وہ اس واسطے نہیں کہ ان کے گناہ زیادہ تھے بلکہ اس واسطے کہ اسی دنیا میں ہی ان کو سزا دی گئی تھی اور اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک تحصیلدار انہی کو جرمانہ کرتا ہے جن کا قصور اس کے اختیار سے باہر نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی بھاری سے بھاری گناہ پر وہ اپنی طرف سے ۵۰ روپیہ جرمانہ کر سکتا ہے لیکن اگر قصوروار زیادہ کا حقدار ہو تو پھر تحصیلدار یہ کہہ کر کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور کہ تمہاری سزا کا یہاں موقع نہیں، کسی اعلیٰ افسر کے سپرد کرتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں کی شرارتیں اور شوخیاں اسی حد تک ہیں کہ ان کی سزا اسی دنیا میں دی جا سکتی تھی لیکن ضالین کی سزا یہ دُنیا برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ ان کا عقیدہ ایسا نفرتی عقیدہ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم: ۹۱، ۹۲) یعنی یہ ایک ایسا بُرا کام ہے جس سے قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ غرض یہودیوں کی چونکہ سزا تھوڑی تھی اس لیے ان کو اسی جہان میں دی گئی اور عیسائیوں کی سزا اس قدر سخت ہے کہ یہ جہان اس کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے ان کی سزا کے واسطے دوسرا جہان مقرر ہے اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ یہ عیسائی صرف ضالّ ہی نہیں ہیں بلکہ مُضِلّ بھی ہیں۔ ان کا دن رات یہی پیشہ ہے کہ اوروں کو گمراہ کرتے پھریں۔ پچاس پچاس ہزار، ساٹھ ساٹھ ہزار بلکہ لاکھوں پرچے روز شائع کرتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی اشاعت کے لیے ہر طرح کے بہانے عمل میں لاتے ہیں۔

انگریز قوم کی انصاف پسندی

یاد رکھو گورنمنٹ کو ان پادریوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ایک انگریز یہاں آیا تھا۔ جاتی دفعہ پُوچھنے لگا کہ میرے راستہ میں کسی پادری کی کوٹھی تو نہیں؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پادریوں سے سخت نفرت کرتا تھا[2]

---

[1] بدر سے:۔ "ہم نے ایک یہودی سے اس کے مذہب کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا ہمارا خدا کی نسبت وہی عقیدہ ہے جو قرآن میں ہے۔ ہم نے اب تک کسی انسان کو خدا نہیں بنایا۔ اس اعتبار سے تو یہ ضالین سے اچھے ہیں مگر شوخی شرارت میں ضالین سے بڑھ کر ہیں۔ پس اس لیے کہ انہیں دُنیا میں سزا ملی ان کا ذکر پہلے آیا۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں مزید لکھا ہے:۔ ایک اَور انگریز تھا جس کی عدالت میں ہمارا مقدمہ ہوا۔ فریق مخالف ایک جنٹلمین پادری تھا۔ آٹھ دس گواہ بھی گذارے اور یوں بھی تم جانتے ہو کہ حکام کے اختیار میں سب کچھ ہوتا ہے قومیت کا سوال بھی تھا مگر میں نے سُنا کہ اُس نے صاف کہدیا کہ مجھ سے یہ بدذاتی نہیں ہو سکتی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ لوگ بڑے منصف مزاج ہوتے ہیں۔ اگر یہ منصف نہ ہوتے تو حکومت نہ رہتی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی حکومت کا ہونا بھی خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل ہے۔

سکھوں کے زمانہ کو دیکھو کہ کوئی اذان بھی دیتا تھا تو وہ قتل کر دیتے تھے۔ مگر اس سلطنت میں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح سے آزادی ہے اور اس کا ہونا ہمارے لیے بڑی بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ خود ہمارے اس گاؤں قادیان میں جہاں ہماری مسجد ہے کارداروں کی جگہ تھی۔ اس وقت ہمارے بچپن کا زمانہ تھا۔ لیکن میں نے معتبر آدمیوں سے سُنا ہے کہ جب انگریزوں کا دخل ہو گیا تو چند روز تک وہی سابقہ قانون رہا۔

انہی ایام میں ایک کاردار یہاں آیا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک مسلمان سپاہی تھا وہ مسجد میں آیا اور مؤذن کو کہا کہ اذان دو۔ اس نے وہی ڈرتے ڈرتے گنگنا کر اذان دی۔ سپاہی نے کہا کیا تم اسی طرح سے بانگ دیا کرتے ہو؟ مؤذن نے کہا۔ ہاں اسی طرح دیتے ہیں۔ سپاہی نے کہا کہ نہیں۔ کوٹھے پر چڑھ کر اونچی آواز سے اذان دو اور جس قدر زور سے ممکن ہو سکتا ہے بانگ دو۔ وہ ڈرا۔ آخر اس نے سپاہی کے کہنے پر زور سے بانگ دی[1]۔ اس پر ہندو اکٹھے ہو گئے اور بُلا کو پکڑ لیا۔ وہ بیچارہ بہت ڈرا اور گھبرایا کہ کاردار مجھے پھانسی دے دے گا۔ سپاہی نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ آخر وہ اس کو پکڑ کر کاردار کے پاس لے گئے اور کہا۔ کہ مہاراج اس نے ہم کو بھرشٹ کر دیا ہے۔ کاردار تو جانتا تھا کہ اب سلطنت تبدیل ہو گئی ہے اور اب وہ سکھا شاہی نہیں رہی۔ اس لیے ذرا دبی زبان سے پوچھا کہ تُو نے اُونچی آواز سے کیوں بانگ دی؟ سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اس نے نہیں دی میں نے بانگ دی ہے۔ تب کاردار نے ہندوؤں کو کہا کمبختو کیوں شور ڈالتے ہو۔ لاہور میں تو اب کھلے طور پر گائیاں ذبح ہوتی ہیں اور تم اذان کو روتے ہو۔ جاؤ چپکے ہو کر بیٹھ رہو۔

ایسے ہی بٹالے کا واقعہ ہے کہ ایک سید وہیں کا رہنے والا باہر سے دروازے پر آیا وہاں گائیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے تلوار کی نوک سے مویشیوں کو ذرا ہٹایا۔ ایک گائے کے چمڑے کو خفیف سی خراش پہنچ گئی تھی۔ اس پر اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کہ کسی بے گناہ کو سزا دوں۔ مجھے بُلا کر کہا آپ کو مبارک ہو۔ اگر یہ لوگ ان اوصاف والے نہ ہوتے تو ہمارے حاکم بھی نہ رہتے مسلمانوں میں جب یہ حالت ہو گئی کہ ایک دوسرے کو کاٹنے دوڑتے جیسے کُتّے کے آگے ہڈی ڈال دیں تو وہ ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں اور اخوت ہمدردی کا نام و نشان نہ رہا تو خدا کی حکمتِ بالغہ نے اُن سے سلطنت لے لی۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[1] بدر سے:۔ "اور اس نے زور سے اذان دی کہ چالیس برس پہلے تک اس علاقہ میں کوئی اذان نہ دی گئی تھی۔"

(بدر حوالہ مذکور)

بیچارہ کو پکڑ لیا گیا اور اس امر پر زور دیا گیا کہ اس کو قتل کر دیا جاوے۔ آخر بڑی سفارش کے بعد جان سے تو بچ گیا لیکن اس کا ہاتھ ضرور کاٹا گیا۔ ایسے ہی ایک گائے کے مقدمہ میں ایک دفعہ پانچ ہزار غریب مسلمان قتل کئے گئے۔

اب دیکھو کہ اس حکومت کا وجود ایک مبارک وجود ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا حاکم بد ہو تو وہ بد نہیں۔ اصل میں تم ہی بد ہو۔ سو یاد رکھو کہ یہ لوگ بڑے انصاف پسند ہوتے ہیں۔ ہمارے مقدمہ میں ہی دیکھ لو کہ آتمارام نے سات سو روپیہ جرمانہ کر ہی دیا تھا مگر سیشن جج کے سامنے جب وہ کاغذات پیش ہوئے تو باوجودیکہ وہ عیسائی تھا مگر انصاف کی خاطر اُس نے تمام دن محنت کی اور پورے غور اور فکر کے بعد کرم الدین کو بُلا کر کہا کہ تم لئیم کے معنے ولد الزنا اور کذاب کے معنے بڑا جھوٹا کرتے ہو۔ اگر کسی کو اُلو کہا جائے تو اُلو چھوٹا کیا اور بڑا کیا؟ جو کچھ فیصلہ آتمارام نے کیا ہے وہ غلط ہے۔ ہم جُرمانہ واپس کرتے ہیں۔ اگر لئیم کذاب سے بڑھ کر بھی تم کو کہا جاتا تو یہ شخص حق رکھتا تھا۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہندوؤں سے بالکل جوڑ نہ رکھیں۔ اگر انگریز آج یہاں سے نکل جاویں تو ہندو مسلمانوں کی بوٹی بوٹی کر دیں۔

ضالین سے مراد انگریز نہیں بلکہ عیسائی پادری ہیں

اب نتیجہ یہ ہے کہ یہ جو میں نے ضالین کہا ہے تو اس سے مراد عیسائی اور پادری ہیں انگریز اس سے مراد نہیں۔ کیونکہ انگریز تو اکثر ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی انجیل پڑھی ہوتی نہیں ہوتی۔ ان پادریوں پر اسلام ایک بڑا بھاری صدمہ ہے کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو وہ مغلوب نہیں کر سکتے۔

آریہ مذہب

آریوں کا کیا ہے جن کے مذہب میں نیوگ جیسی گندی رسم موجود ہو اور جن کو حکم ہو کہ اولاد کی خاطر اپنی جوان اور پیاری بیوی کو غیر آدمی سے ہمبستر کرا لیا کرو اور جو باوجود اس کے کہ خود جوان اور تندرست ہوتے ہیں اپنی پاکدامن عورت کو دوسرے نوجوانوں سے ہمبستر کرا کے دس پُشتوں تک اولاد حاصل کر سکتے ہیں اور جن کا پرمیشر ایک کھی تو درکنار ایک ذرہ بھی پیدا نہ کر سکتا ہو وہ کب کسی مذہب پر غلبہ پا سکتے ہیں۔

عیسائیت کا عظیم فتنہ

عیسائی تو اسلام کے مقابلہ پر کسی صورت میں نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ انہوں نے ایک انسان کو جس کا باپ بھی موجود تھا۔ چار بھائی اور دو بہنیں بھی

لہ الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۶ جنوری ۱۹۰۸ء

تھیں اور پھر یہودیوں کے ہاتھ سے ماریں بھی کھاتا پھرتا تھا خدا تجویز کر لیا ہے اور اپنی نجات کے لیے اس کو لعنتی موت سے مرا ہوا سمجھ لیا ہے حالانکہ دُنیا بھر میں یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ سر درد تو ہو زید کو اور بکر اپنے سر پر پتھر مار کر پھوڑ لے اور پھر اس سے زید کی سر درد جاتی رہے[1]۔ سوچنا چاہیئے کہ گناہ تو کیا زید نے، مگر بکر اُس کی جگہ سولی چڑھے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں ورنہ ان کے دل تو اس عقیدہ سے متنفر ہیں اور اب تو خدا کی طرف سے توحید کی ہوا چل رہی ہے اور بہت سے لوگ اس انسان پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتے جاتے ہیں[2]۔

دجّال اور ضالّین ہم معنی ہیں

یہ جو میں نے ضالّین کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد تھی پادری لوگ جو نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ اوروں کو گمراہ کرنے میں پوری ہمت اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو حدیثوں میں دجّال کا ذکر آیا ہے تو اس سے مراد ضالّین ہی ہیں اور اگر دجّال کے معنے ضالّین کے نہ لیے جاویں تو ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے ضالین کا ذکر تو قرآن شریف میں کر دیا بلکہ ان کے فتنہ عظیم سے بچنے کے لیے دُعا بھی سکھا دی مگر دجّال کا ذکر تک بھی نہ کیا حالانکہ وہ ایک ایسا عظیم فتنہ تھا جس سے لکھوکھا لوگ گمراہ ہو جانے تھے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ دجّال اور ضالّین ایک ہی گروہ کا نام ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور اس آخری زمانہ میں اپنے پورے زور پر ہیں اور ہر ایک طرح کے مکر اور فریب سے خلقت کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں اور چونکہ دجّال کے معنے بھی گمراہ کرنے والے کے ہیں۔ اسی واسطے احادیث میں یہ لفظ ضالّین کی بجائے بولا گیا ہے۔

اور احادیث میں ضالّین کی بجائے دجّال کا لفظ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ لوگ اپنی طرف سے ایک دجّال بنالیں گے اور عجیب عجیب قسم کے خیالات اس کی طرف منسوب کریں گے کہ اس کے ایک ہاتھ میں بہشت ہوگا اور ایک ہاتھ میں دوزخ اور وہ خُدائی کا بھی دعویٰ کرے گا اور نبوت کا بھی اور اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا اور اس کا ایک گدھا ہوگا جس کے کانوں میں اس قدر فاصلہ ہوگا اور اس میں یہ

---

[1] بدر سے:۔ "میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایک مسلمان کا بچہ ان لغویات کو قبول نہیں کر سکتا۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۸ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "ولایت کے جو سمجھدار لوگ ہیں وہ خود اس بات کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ مبارک زمانہ آگیا۔ توحید کی ہوا چل رہی ہے۔ عنقریب تمام دُنیا جان لیگی کہ ہر جگہ پر اسلام کے سوا ضلالت ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

یہ باتیں ہوں گی۔ اس لیے خدا فرماتا ہے کہ وہ دجالی گروہ ضالین کا ہی ہے جو طرح طرح کے پیرایوں میں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں اور بڑے بڑے وعدے دے دے کر خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف و تبدیل کرتے ہیں اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کے حکموں سے بالکل روگردان کر رہے ہیں یہاں تک کہ سؤر جیسی گندی چیز کو بھی حلال خیال کر رہے ہیں۔ حالانکہ توریت میں سؤر خاص طور پر حرام کیا گیا ہے اور خود مسیح نے بھی کہا ہے کہ سؤروں کے آگے موتی مت ڈالو۔

اور ایسا ہی کفارہ جیسا گندہ مسئلہ ایجاد کر کے انہوں نے گناہوں کے لیے ایک وسیع میدان تیار کر دیا ہے خواہ انسان کیسے ہی کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو۔ مگر یسوع کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھنے سے وہ سب عیب جاتے رہینگے اور انسان نجات پا جائے گا۔ اب بتلاؤ کیا یہ صاف سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ وہی گمراہ کرنے والا گروہ ہے جس کو احادیث میں دجال اور قرآن کریم میں ضالین کہہ کے پکارا گیا ہے۔

کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر

اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صحیح بخاری میں آنے والے مسیح کی نسبت (جو کہ اس وقت آگیا ہے) جو لکھا ہے کہ یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ یعنی وہ صلیبوں کو توڑیگا اور خنزیروں کو قتل کریگا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنگلوں میں چوہڑوں اور چماروں کی طرح شکار کھیلتا پھریگا اور گرجوں پر چڑھ کر صلیبیں توڑتا پھریگا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خنزیر نجاست کھانے والے کو کہتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہ نجاست جانوروں کی ہی ہو۔ بلکہ جھوٹ اور دروغ کی جو نجاست ہے وہ سب سے گندی اور بدبودار نجاست ہے اس لیے ایسے لوگوں کا جو ہر وقت جھوٹ اور فریب سے دنیا کو گمراہ کرتے رہتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے خنزیر نام رکھا ہے اور یہ جو فرمایا یکسر الصلیب تو اسکے یہ معنے نہیں کہ مسیح جب آوے گا تو پتھر، تانبے اور لکڑی وغیرہ کی صلیبوں کو جو پیسے پیسے پر فروخت ہوتی ہیں توڑتا پھرے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیبی مذہب کی بنیاد کو توڑے گا اب دیکھ لو کہ اُن کے مذہب کا تمام دارومدار تو عیسیٰ کی زندگی پر ہے اور یہ نہیں کہ دوسرے انبیاء کی طرح وہ زندہ ہے بلکہ وہ ایسا زندہ ہے کہ پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا اور خلقت کا فیصلہ کرے گا اور پھر معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں عیسیٰ کی زندگی کا مسئلہ کہاں سے آگیا بدقسمتی سے انہوں نے بھی عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔

غرض سمجھنا چاہیئے کہ عیسائیوں کے مذہب کی بنیاد تو صرف عیسیٰ کی زندگی پر ہے جب وہ مر گیا تو پھر ان کا مذہب بھی ان کے ساتھ ہی مر گیا۔

لدھیانہ میں ایک دفعہ ایک پادری میرے پاس آیا۔ اثنائے گفتگو میں مَیں نے اسے کہا کہ عیسیٰ کی موت ایک معمولی سی بات ہے۔ اگر تم مان لو کہ عیسیٰ مر گیا ہے تو اس میں تمہارا کیا ہرج ہے تو اس پر وہ کہنے لگا کہ کیا یہ

معمولی سی بات ہے۔ اسی پر تو ہمارے مذہب کا تمام دارومدار ہے[1]

ایسے ہی دہلی میں جب میں گیا تھا تو بہت سے آدمی جمع ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ زندہ موجود ہیں اور وہی دوبارہ آئیں گے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ سوائے اس کے کہ کئی ہزار آدمی مُرتد ہو گئے اور اس کا نتیجہ ہی کیا نکلا ہے اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ تب میں نے کہا کہ اچھا اس نسخہ کا تو آپ لوگوں نے تجربہ کر لیا ہے یہ تو غلط نکلا۔ اب ہمارا نسخہ بھی چند روز استعمال کر کے دیکھ لو کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے[2]۔ اس پر ایک شخص اُٹھا اور کہنے لگا اسلام کی سچی خیر خواہی جیسی آپ کر رہے ہیں اور کوئی نہیں کر رہا۔ آپ بڑی خوشی سے اس کام میں لگے رہیں۔

موجودہ مسلمانوں کے غلط عقاید

غرض مسلمانوں کی عجیب حالت ہو رہی ہے۔ بات بات میں پیچھے۔ جگہ جگہ پر شکست۔ ان کے نزدیک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے ہیں مگر عیسیٰ زندہ ہیں اور (نعوذ باللہ) ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مسِ شیطان سے پاک نہیں تھے مگر عیسیٰ پاک تھا اور پھر بے باپ تھا تو عیسیٰ، پرندوں کا خالق تھا تو عیسیٰ، مُردے زندہ کرتا تھا تو عیسیٰ، آسمان پر چڑھ گیا تھا اور پھر دوبارہ نازل ہو گا تو عیسیٰ۔ اب بتلاؤ سوائے مُرتد ہونے کے اس کا اور کیا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ غرض عیسیٰؑ کی زندگی مُرتد کرنے کا آلہ ہے۔ جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں تو وہ ایسی ایسی باتیں ہی سُن کر ہو جایا کرتے ہیں جنکا میں ذکر کر چکا ہوں۔

مرزائی ہیں تو کافر مگر آج عزت رکھ لی ہے

ایک دفعہ بشپ صاحب لاہور میں لیکچر دے رہے تھے اور اس قسم کی باتیں پیش کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب تو فوت ہو چکے ہیں اور ان کی مدینہ میں قبر موجود ہے۔ مگر یسوع مسیح کی نسبت خود مسلمان بھی مانتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر کہتے تھے مسلمانو۔ تم خود منصف بن کے دیکھ لو کہ آیا یہ باتیں سچی ہیں یا نہیں؟ تب ہمارے مفتی صاحب آگے بڑھے اور بشپ صاحب کو کہنے لگے کہ بتاؤ یہ باتیں

---

[1] بدر سے:۔ "اس نے کہا کہ اگر مسیح کے زندہ ہونے کا عقیدہ نہ ہو تو پھر سب عیسائی یکدم مسلمان ہو جائیں گے۔ ہمارے مذہب کی رُوح یہی بات ہے جب یہ نکلی تو ہم بیجان ہو جائیں گے۔"
(بدر جلد ۷، نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اب ہمارے نسخہ کو بھی آزما دیکھو کہ مسیح کی وفات ماننے میں اسلام کی زندگی اور صلیبی مذہب کی موت ہے یا نہیں۔" (بدر حوالہ مذکور)

قرآنِ شریف میں کہاں لکھی ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مر گئے ہیں اور عیسیٰ آسمانوں پر زندہ ہیں۔ قرآن مجید میں تو صاف طور پر عیسیٰ کی موت لکھی ہے اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدۃ: ۱۱۸) اسی بات کی شہادت دے رہی ہے کہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ تب بشپ صاحب سے اور تو کچھ بن نہ آیا گھبرا کر کہنے لگے "معلوم ہوتا ہے کہ تم مرزائی ہو"۔ پھر اس کے بعد وہ لوگ جو دغا سن رہے تھے باہر آکر کہنے لگے کہ "مرزائی ہیں تو کافر مگر آج تو عزت رکھ لی ہے۔

رُوحانی ہتھیار اب ہمارے پاس ہیں

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اقبال دیتا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہی دیتا ہے۔ دیکھو جسمانی طور پر آجکل یورپ کا ہی بول بالا ہے مگر ہر ایک قسم کے عجیب عجیب ہتھیار بھی تو یورپ والوں نے ہی تیار کر رکھے ہیں یہانتک کہ اگر سُلطانِ رُوم کو بھی کسی ہتھیار کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ بھی انہیں سے منگوا بھیجتا ہے۔ اسی طرح رُوحانی ہتھیار اب ہمارے ہاتھ میں ہیں[1]۔ اور جس کے ہاتھ میں ہتھیار نہیں وہ غلبہ کس طرح پا سکتا ہے۔

اب تم لوگ جہاں جاؤ گے کہو گے کہ عیسیٰ مر گیا اور اس کی وفات قرآنِ مجید میں موجود، احادیث صحیحہ میں موجود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی کہ میں نے معراج کی رات حضرت عیسیٰ کو مُردوں میں دیکھا اور خود مر کر دکھا دیا کہ مجھ سے پہلے جتنے نبی آتے رہے ہیں وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔

یہ اور ایسے ہی کئی قسم کے اور بھی چمکتے ہوئے دلائل خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیئے ہیں جن کو سُنکر مخالفوں کا ناک میں دم آتا ہے۔

مسلمانوں نے اسلام کے ضعف کو سمجھا ہی نہیں

اصل میں مسلمانوں نے اسلام کے ضعف کو سمجھا ہی نہیں۔ ایک شخص (عبدالحکیم) ہے جو بیس برس تک میرا مُرید رہا ہے اور ہر طرح سے میری تائید کرتا رہا ہے اور میری سچائی پر اپنی خوابیں سُناتا رہا ہے۔ اب مُرتد ہو کر اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اس نے میری طرف منسوب کر کے کانا دجّال رکھا ہے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ اس کو اس بات کی خبر ہی نہیں ہے کہ اسلام کا کیا حال ہو رہا ہے۔ جن لوگوں کے دھوکوں اور فریبوں سے آٹھ دن لوگ اسلام سے مُرتد ہو رہے ہیں وہ تو اس کے نزدیک دجّال نہیں ہیں اور ان کا ذکر تک

---

[1] بدر سے:۔ "خدا تعالیٰ نے ہمیں رُوحانی ہتھیار دیئے ہیں یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ جو قوم بے ہتھیار ہوتی ہے ضرور ہے کہ وہ تباہ ہو جائے۔ یاد رہے کہ ہتھیاروں سے مُراد رُوحانی قوتیں اور دلائلِ قاطعہ ہیں۔ ظاہری سامان کی مذہب کے معاملہ میں ضرورت نہیں۔ دیکھو۔ اگر مسیح کی وفات کا ہتھیار نہ ہوتا تو تم ان کے سامنے بات بھی نہ کر سکتے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ / جنوری ۱۹۰۸ء)

بھی اپنی کتابوں میں نہیں کرتا ہے اور جو اسلام کا زندہ چہرہ دکھا رہا ہے اور تازہ بتازہ نشانوں سے اس کی تائید کر رہا ہے اور ہر طرح سے اسلام کی مدد کر رہا ہے اور دشمنانِ اسلام کا دندانِ شکن جواب دے رہا ہے وہ اس کی نظر میں دجّال ہے۔

صفائی ذہن کیلئے تقویٰ ضروری ہے

سو سمجھنا چاہیئے کہ صفائی ذہن بھی تو آخر تقویٰ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (البقرۃ: ۲، ۳) یعنی یہ کتاب انہیں کو ہدایت نصیب کرتی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں۔ وہ تو اندھے ہیں۔[1]

اگر کوئی پاک نظر سے اور خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اس کو دیکھتا ہے تب تو اس کو سب کچھ اس میں سے نظر آجاتا ہے اور اگر ضد اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھی ہوئی ہے تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

شیطان کا مغلوب ہونا مسیح موعودؑ کے ہاتھوں مقدر ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ دجّال اصل میں شیطان کے مظہر کو کہتے ہیں جس کے معنے ہیں راہِ ہدایت سے گمراہ کرنے والا۔ لیکن آخری زمانہ کی نسبت پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس وقت شیطان کے ساتھ بہت جنگ ہوں گے لیکن آخر کار شیطان مغلوب ہو جائے گا۔ گو ہر نبی کے زمانہ میں شیطان مغلوب ہوتا رہا ہے مگر وہ صرف فرضی طور پر تھا حقیقی طور پر اس کا مغلوب ہونا مسیح کے ہاتھوں سے مقدر تھا اور خدا تعالیٰ نے یہاں تک غلبہ کا وعدہ دیا ہے کہ جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۵۶) فرمایا ہے کہ تیرے حقیقی تابعداروں کو بھی دوسروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ غرض شیطان اس آخری زمانہ میں پورے زور سے جنگ کر رہا ہے مگر آخری فتح ہماری ہی ہوگی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو اور تمہارے نزدیک یہ ایک معمولی سی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ مر چکے ہیں اور اس بات میں تم نے ہر طرح سے فتح بھی حاصل کر لی ہے۔[2]

---

[1] بدر سے:۔ "اور جیسے اندھا سورج سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح جو متقی نہیں وہ قرآن کے نور سے کچھ روشنی نہ پا سکے گا۔ جو تعصب سے نظر کرتا ہے۔ بات بات میں بدظنی سے کام لیتا ہے وہ بشر تو کجا اگر فرشتہ بھی آئے تو کبھی ماننے کا نہیں۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۹ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اصل میں ہمارا وجود دو باتوں کے لیے ہے ایک تو ایک نبی کو ماننے کے لیے، دوسرا شیطان کو مارنے کے لیے۔" (بدر حوالہ مذکور)

شیطان کا مرنا ابھی باقی ہے

مگر شیطان کا مرنا ابھی باقی ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کا بہت سا تسلط ابھی تم لوگوں پر باقی ہے۔ اکثر لوگ یہاں سے بیعت کر جاتے ہیں اور گھر میں پہنچ کر ایک خط ارتداد کا لکھ دیتے ہیں اور اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی مولوی انہیں مل جاتا ہے جو طرح طرح کی باتیں سُنا کر اور ہم پر قسم قسم کے جھوٹے الزام قائم کر کے ان کو پھسلا دیتا ہے اور ان لوگوں میں بھی چونکہ شیطان کا بہت سا حصہ باقی ہوتا ہے اس لیے وہ شیطان سیرت لوگوں کے پھندوں میں بہت جلد پھنس جاتے ہیں۔ چونکہ میں اپنے دعویٰ کے متعلق کتاب حقیقۃ الوحی میں بہت کچھ بیان کر چکا ہوں اور تم اس کو پڑھ بھی چکے ہو۔ اس لیے اگر میں اس کے متعلق کچھ بیان کروں تو تقریر کا سلسلہ لمبا ہو جائے گا۔ سو اس وقت تم لوگوں کو شیطان کی وفات کا مسئلہ یاد کر لینا چاہیئے۔ حضرت عیسیٰ کی جو ایک فرضی حیات مانی ہوئی تھی اسکو مارنے میں تو تم لوگ کامیاب ہو گئے ہو مگر شیطان کا مارنا ابھی باقی ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا مارنا صرف اسی قدر نہیں ہے کہ صرف زبان سے ہی کہہ دیا جائے کہ شیطان مر گیا ہے اور وہ مر جاوے بلکہ تم لوگوں کو عملی طور پر دکھانا چاہیئے کہ شیطان مر گیا ہے شیطان کی موت قال سے نہیں بلکہ حال سے ظاہر کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آخری مسیح کے زمانہ میں شیطان بالکل مر جائے گا۔ گو شیطان ہر ایک انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔

شیطان کے لاحول سے بھاگنے کی حقیقت

اسی طرح خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس زمانہ میں شیطان کی بالکل بیخ کنی کر دی جائے گی۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ مگر وہ ایسا سادہ لوح نہیں کہ صرف زبانی طور پر لاحول کہنے سے بھاگ جائے۔ اس طرح سے تو خواہ سو دفعہ لاحول پڑھا جاوے وہ نہیں بھاگے گا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے ذرہ ذرہ میں لاحول سرایت کر جاتا ہے اور جو ہر وقت خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور استعانت طلب کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں۔ وہ شیطان سے بچائے جاتے ہیں اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو فلاح پانے والے ہوتے ہیں۔

دُعا کی ضرورت اور حقیقت

مگر یاد رکھو کہ یہ جو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی ابتداء بھی دُعا سے ہی کی ہے اور پھر اس کو ختم بھی دُعا پر ہی کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ایسا کمزور ہے کہ خدا کے فضل کے بغیر پاک ہو ہی نہیں سکتا[1] اور جب تک خدا تعالیٰ سے مدد اور نصرت نہ

---

[1] بدر سے :- "تم اپنے تئیں پاک مت ٹھہراؤ۔ کیونکہ کوئی پاک نہیں جب تک خدا پاک نہ کرے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

نیکی میں ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب مُردے ہیں مگر جس کو خدا زندہ کرے اور سب گمراہ ہیں مگر جس کو خدا ہدایت دے اور سب اندھے ہیں مگر جس کو خدا بینا کرے۔

غرض یہ سچی بات ہے کہ جب تک خدا کا فیض حاصل نہیں ہوتا تب تک دُنیا کی محبت کا طوق گلے کا ہار رہتا ہے اور وہی اس سے خلاصی پاتے ہیں جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کا فیض بھی دُعا سے ہی شروع ہوتا ہے۔

لیکن یہ مت سمجھو کہ دُعا صرف زبانی بک بک کا نام ہے بلکہ دُعا ایک قسم کی موت ہے جس کے بعد زندگی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ پنجابی میں ایک شعر ہے ؎

جو منگے سو مر رہے ۔ مرے سو منگن جا

دُعا میں ایک مقناطیسی اثر ہوتا ہے وہ فیض اور فضل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

یہ کیا دُعا ہے کہ مُنہ سے تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کہتے رہے اور دل میں خیال رہا کہ فلاں سودا اس طرح کرنا ہے، فلاں چیز رہ گئی ہے۔ یہ کام یوں چاہیئے تھا اگر اس طرح ہو جائے تو پھر یوں کریں گے۔ یہ تو صرف عُمر کا ضائع کرنا ہے جب تک انسان کتاب اللہ کو مقدم نہیں کرتا اور اسی کے مطابق عمل درآمد نہیں کرتا تب تک اس کی نمازیں محض وقت کا ضائع کرنا ہے۔

دُعا کے لوازمات اور نتائج

قرآن مجید میں تو صاف طور پر لکھا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المؤمنون: ۲،۳)

یعنی جب دُعا کرتے کرتے انسان کا دل پگھل جائے اور آستانہ الوہیت پر ایسے خلوص اور صدق سے گر جاوے کہ بس اسی میں محو ہو جاوے اور سب خیالات کو مٹا کر اسی سے فیض اور استعانت طلب کرے اور ایسی یکسوئی حاصل ہو جائے کہ ایک قسم کی رقت اور گداز پیدا ہو جائے تب فلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے دُنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دو محبتیں ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتیں۔ جیسے لکھا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی لیے اس کے بعد ہی خدا فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون: ۴) یہاں لغو سے مراد دُنیا ہے۔ یعنی جب انسان کو نمازوں میں خشوع اور خضوع حاصل ہونے لگ جاتا ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دُنیا کی محبت اس کے دل سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ پھر وہ کاشتکاری، تجارت نوکری وغیرہ چھوڑ دیتا ہے بلکہ وہ دنیا کے ایسے کاموں سے جو دھوکہ دینے والے ہوتے ہیں اور جو خدا سے غافل

کر دیتے ہیں اعراض کرنے لگ جاتا ہے[1] اور ایسے لوگوں کی گریہ وزاری اور تضرع اور ابتہال اور خدا کے حضور عاجزی کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص دین کی محبت کو دنیا کی محبت، حرص، لالچ اور عیش و عشرت سب پر مقدم کر لیتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ایک نیک فعل دوسرے نیک فعل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ایک بد فعل دوسرے بد فعل کی ترغیب دیتا ہے۔ جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کرتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبعاً وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں اور اس گندی دُنیا سے نجات پا جاتے ہیں اور اس دُنیا کی محبت ٹھنڈی ہو کر خدا کی محبت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (المؤمنون: ۵) یعنی وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہ ایک نتیجہ ہے عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ کا۔ کیونکہ جب دنیا سے محبت ٹھنڈی ہو جائے گی[2] تو اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں گے اور خواہ قارون کے خزانے بھی ایسے لوگوں کے پاس جمع ہوں وہ پروا نہیں کریں گے اور خدا کی راہ میں دینے سے نہیں جھجکیں گے۔ ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے یہانتک کہ اُن کی قوم کے بہت سے غریب اور مفلس آدمی تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں مگر وہ ان کی پروا بھی نہیں کرتے حالانکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک چیز پر زکوٰۃ دینے کا حکم ہے یہانتک کہ زیور پر بھی۔ ہاں جواہرات وغیرہ چیزوں پر نہیں۔ اور جو امیر، نواب اور دولت مند لوگ ہوتے ہیں ان کو حکم ہے کہ وہ شرعی احکام کے بموجب اپنے خزانوں کا حساب کر کے زکوٰۃ دیں لیکن وہ نہیں دیتے۔ اس لیے خدا فرماتا ہے کہ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون: ۴) کی حالت تو اُن میں تب پیدا ہوگی جب وہ زکوٰۃ بھی دیں گے گویا زکوٰۃ کا دینا لغو سے اعراض کرنے کا ایک نتیجہ[3] ہے۔

پھر اس کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المومنون: ۶) یعنی جب وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع خضوع کریں گے۔ لغو سے اعراض کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ

---

[1] بدر سے:۔ "فرمایا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) یعنی ہمارے ایسے بندے بھی ہیں جو بڑے بڑے کارخانہ تجارت میں ایک دم کے لیے بھی ہمیں نہیں بھولتے۔ خدا سے تعلق رکھنے والا دُنیادار نہیں کہلاتا۔ بلکہ دنیادار وہ ہے جسے خدا یاد نہ ہو۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "دُنیا کی محبت بخیل بنا دیتی ہے۔ آخرت کو بھلانا اور دُنیا سے دل لگانا یہ سخت منع ہے۔" (بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:۔ "یہ قوت زکوٰۃ دینے کی لغو سے کنارہ کشی پر حاصل ہوتی ہے۔ پس تم دُنیا کی محبت کم کرو بلکہ نہ کرو تا زکوٰۃ دینے کی قوت حاصل ہو اور تم فلاح پاؤ۔" (بدر حوالہ مذکور)

وہ لوگ اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ جب ایک شخص دین کو دُنیا پر مقدم رکھتا ہے اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ کسی اَور کے مال کو ناجائز طریقہ سے کب حاصل کرنا چاہتا ہے اور کب چاہتا ہے کہ مَیں کسی دوسرے کے حقوق کو دبا لُوں[1]۔ اور جب وہ اپنی مال جیسی عزیز چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا تو پھر آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ کو غیر محل پر کب استعمال کرنے لگا۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایک شخص اوّل درجہ کی نیکیوں کی نسبت اس قدر محتاط ہوتا ہے تو ادنیٰ درجہ کی نیکیاں خود عمل میں آتی جاتی ہیں۔ مثلاً جب خشوع خضوع سے دُعا مانگنے لگا تو پھر اس کے ساتھ ہی لغو سے بھی اعراض کرنا پڑا۔ اور جب لغو سے اعراض کیا تو پھر زکوٰۃ کے ادا کرنے میں دلیر ہونے لگا اور جب اپنے مال کی نسبت وہ اس قدر محتاط ہو گیا تو پھر غیروں کے حقوق چھیننے سے بدرجۂ اولیٰ بچنے لگا۔ اس لیے اس کے آگے فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المؤمنون: ۹) کیونکہ جو شخص دوسرے کے حق میں دست اندازی نہیں کرتا اور جو حقوق اس کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے عہدوں کا پکّا ہو اور دوسرے کی امانتوں میں خیانت کرنے سے بچنے والا ہو۔ اس لیے بطور نتیجہ کے فرمایا کہ جب ان لوگوں میں یہ وصف پائے جاتے ہوں گے تو پھر لازمی بات ہے کہ وہ اپنے عہدوں کے بھی پکّے ہوں گے۔

نماز کی اہمیت اور حقیقت پھر ان سب باتوں کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المؤمنون: ۱۰) یعنی ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور کبھی ناغہ نہیں کرتے اور انسان کی پیدائش کی اصل غرض بھی یہی ہے کہ وہ نماز کی حقیقت سیکھے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریات: ۵۷)

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز ہی وہ شئے ہے جس سے سب مشکلات آسان ہو جاتے ہیں اور سب بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ مگر نماز سے وہ نماز مراد نہیں جو عام لوگ رسم کے طور پر پڑھتے ہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے جس سے انسان کا دل گداز ہو جاتا ہے اور آستانۂ احدیت پر گر کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ پگھلنے لگتا ہے۔ اور پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ نماز کی حفاظت اس واسطے نہیں کی جاتی کہ خدا کو ضرورت ہے خدا تعالیٰ کو ہماری نمازوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ضرورت ہے اور یہ ایک راز کی بات ہے کہ انسان خود اپنی بھلائی چاہتا ہے اور اسی لیے وہ خدا سے مدد طلب کرتا ہے کیونکہ یہ سچی

---

[1] بدر سے:۔ "سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان دوسرے کی بیوی پر بدنظری نہ کرے۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

بات ہے کہ انسان کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جانا حقیقی بھلائی کا حاصل کر لینا ہے۔ ایسے شخص کی اگر تمام دُنیا دشمن ہو جائے اور اس کی ہلاکت کے درپے رہے تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور خدا تعالیٰ کو ایسے شخص کی خاطر اگر لاکھوں کروڑوں انسان بھی ہلاک کرنے پڑیں تو کر دیتا ہے اور اس ایک کی بجائے لاکھوں کو فنا کر دیتا ہے۔

حقیقی نماز

یاد رکھو۔ یہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور دین بھی۔ لیکن اکثر لوگ جو نماز پڑھتے ہیں تو وہ نماز ان پر لعنت بھیجتی ہے[1]۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون: ۵، ۶) یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے ہی بے خبر ہوتے ہیں۔

نماز تو وہ چیز ہے کہ انسان اس کے پڑھنے سے ہر ایک طرح کی بدعملی اور بے حیائی سے بچایا جاتا ہے۔ مگر جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اس طرح کی نماز پڑھنی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اور یہ طریق خدا کی مدد اور استعانت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور جب تک انسان دُعاؤں میں نہ لگا رہے اس طرح کا خشوع اور خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے چاہیئے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات غرض کوئی گھڑی دُعاؤں سے خالی نہ ہو۔

بہت سخت دن آنیوالے ہیں

یاد رکھو کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں جن میں دنیا کو خطرناک شدائد اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب سخت وبائیں اور طرح طرح کی آفاتِ ارضی وسماوی ظاہر ہونے والی ہیں اور ایک شدید زلزلہ کی بھی خبر دے رکھی ہے جو کہ قیامت کا نمونہ ہوگا اور جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے بَغْتَةً فرمایا ہے یعنی وہ زلزلہ ناگہانی طور پر آجائے گا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی ڈراونی خبریں خدا تعالیٰ نے دے رکھی ہیں۔ اگر تمہیں ان باتوں کا پتہ ہو جائے جو میں دیکھ رہا ہوں تو سارا سارا دن اور ساری ساری رات خدا تعالیٰ کے آگے روتے رہو۔ دیکھو اسی ایک مہینہ میں ہی تین زلزلے آچکے ہیں اور یہ سب بطور پیش خیمہ کے ہیں[2]۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

[1] بدر میں ہے:۔ "ایک حدیث ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان عمل نہ کرے۔ دلی حضور نہ ہو تو گویا وہ عبادت سانپ کی خاصیت رکھتی ہے دیکھنے میں خوبصورت اور خوشنما مگر بباطن دُکھ دینے والی زہر سے پُر۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اللہ تعالیٰ کے انذار کی باتیں نرمی سے شروع ہوتی ہیں۔ (بدر حوالہ مذکور)

کے وقت میں پہلے تو ٹڈیوں، جُوؤں اور مینڈکوں وغیرہ کے عذاب ہی آتے رہے تھے اور مخالفوں نے اُن کو ایک قسم کا تماشا سمجھ رکھا تھا[1] اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان بدبختوں کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک وہ معجزہ بھی ظاہر ہوگا جبکہ اُسے اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس: ۹۱) بھی کہنا پڑے گا۔

ابتدائی مُنذرات کو عبرت کی نظر سے دیکھو

سو اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھو کہ اگر ابتدائی مُنذرات کو عبرت کی نظر سے دیکھو گے اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر استغفار۔ لاحول اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول ہو جاؤ گے تو یہ تمہارے لیے اچھا ہوگا۔ لیکن جو بے پرواہی سے کام لیتا ہے تو آخر کار جب وہ وقت آئے گا تو اس وقت رونے چلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور آخر کار بڑی ذلت اور نامرادی سے ہلاکت کا مُنہ دیکھنا پڑے گا اور پھر جس دُنیا کے لیے دین سے مُنہ موڑا تھا اس کو بھی بڑی حسرت سے چھوڑنا پڑے گا۔

دیکھو طاعون بھی آنے والی ہے۔ دُنیا کہتی ہے کہ اب تو دُور ہو گئی ہے اور اس کا دَورہ ختم ہو گیا ہے مگر خدا کہتا ہے کہ عنقریب ایسی طاعون پھیلنے والی ہے جو پہلے کی نسبت نہایت ہی سخت ہوگی اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک سخت وبا پھیلے گی جس کا کوئی نام بھی نہیں رکھ سکتے۔

توبہ۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا متفق علیہ مسئلہ

لیکن ان سب باتوں کے بعد میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی رحمتیں سمندروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اگر وہ شدید العقاب ہے تو غفور رحیم بھی تو ہے۔ جو شخص توبہ کرتا اور استغفار اور لاحول میں مشغول ہو جاتا ہے اور دین کو دُنیا پر مقدم کر لیتا ہے تو وہ ضرور بچایا جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو عذاب آنے سے پہلے ڈرتے ہیں اور خدا کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ اس وقت ضرور بچائے جاتے ہیں جبکہ عذاب اچانک آ دباتا ہے۔ لیکن جو اس وقت روتے اور آہ وزاری کرتے ہیں جبکہ عذاب آپہنچتا ہے اور اس وقت گڑگڑاتے اور توبہ کرتے ہیں جبکہ ہر ایک سخت سے سخت دل والا بھی لرزاں اور ترساں ہوتا ہے تو وہ بے ایمان ہیں وہ ہرگز نہیں بچائے جاتے۔

---

[1] بدر سے:۔ "پہلے نرم نرم عذاب آئے کہ حشرات الارض نکل آئے۔ خون پھیل گیا۔ قحط پڑ گیا۔ بھلا فرعون قحط کو کیا جانتا تھا۔ وہ تماشا سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ قحط کا اثر تو غریبوں پر پڑتا ہے مگر اس کو یہ خبر نہ تھی کہ ایک دن الطش شدید کا آنے والا ہے جبکہ اس کے مُنہ سے بے اختیار نکلے گا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ" (یونس: ۹۱) (بدر حوالہ مذکور)

آنے والے سخت ایام

یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کتنے آدمی ہیں جو سچے دل سے ان باتوں کو مانتے ہیں۔ مگر میں پھر بھی وہی کہتا ہوں کہ یہ دن جو آنے والے ہیں تو یہ نہایت سخت ہیں۔ لوگوں کی بداعتقادیوں اور بدعملیوں نے خدا کے عذاب کو بھڑکا دیا ہے تمام نبیوں نے اس زمانہ کی نسبت پہلے ہی سے خبر دے رکھی ہے کہ اس وقت ایک مری پڑے گی اور کثرت سے اموات ہوں گی۔

اور پھر حدیثوں میں لکھا ہے کہ جا تک خدا کے مسیح کی نظر پہنچ سکے گی کافر تباہ اور ہلاک ہوتے جائیں گے یہ بھی بالکل سچی بات ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس پر اس کی نظر پڑے گی وہی تباہ ہوتا جائے گا۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو اس کی نظر میں نشانہ بنیں گے وہ تباہ اور ہلاک ہوتے جائیں گے لیکن اب تو تمام دنیا نشانہ بن رہی ہے۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) یعنی تمام جن اور انسان صرف اسی واسطے پیدا کئے گئے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی معرفت میں ترقی کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلتے۔

دنیوی مشاغل میں انہماک

مگر اب تم خود سوچ لو کہ کتنے لوگ ہیں جو دینداری سے زندگی بسر کر رہے اور دین کو دُنیا پر مقدم کر رہے ہیں۔ تم خود کسی بڑے شہر مثلاً کلکتہ، دہلی، پشاور اور لاہور، امرتسر وغیرہ کے چوک میں کھڑے ہو کر دیکھ لو۔ ہزاروں لاکھوں لوگ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ مگر اُن کی یہ سب دوڑ دھوپ محض دُنیا کے لیے ہوتی ہے۔ آپ کو بہت تھوڑے ایسے ملیں گے جو دین کے کام میں ایسی سرگرمی سے مشغول ہوں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا کی خاطر بڑے بڑے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں مگر دین میں نہایت بودے پائے جاتے ہیں۔ ایک ذرا سے ابتلاء پر جھوٹ جیسی نجاست کو کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کن کن حیلوں سے کام لیتے ہیں کہ گویا خدا ہی نہیں۔

انسان جتنی محنتیں اپنی بیوی کو خوش کرنے اور اس کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مارتا ہے۔ اگر خدا کی راہ میں اتنی کوشش کرے تو کیا وہ خوش نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا مگر کوئی کوشش کر کے بھی دیکھے۔ اگر ایک کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تو محض ایک بچہ کی خاطر وہ کیسی کیسی سختیاں جھیلتا ہے اور کس طرح کے وسائل اور تدابیر سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہاں کا کہاں خوار ہوتا پھرتا ہے گویا خدا اس کے نزدیک ہے ہی نہیں۔

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب اپنی زندگی کی اصل غرض سے غافل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس قسم کے

دھندوں اور کھیڑوں میں سرگردان اور مارا مارا پھرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ جتنی جلدی اُس سے ہو سکے خدا سے اپنا تعلق قائم کرے۔ جب تک اس کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔ تب تک کچھ بھی نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر انسان آہستہ آہستہ خدا کی طرف جاتا ہے تو خدا جلدی سے اس کی طرف آتا ہے اور اگر انسان جلدی سے اس کی راہ میں ترقی کرتا ہے تو خدا دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ لیکن اگر بندہ خدا سے لاپروا بن جائے اور غفلت اور سُستی سے کام لے پھر اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

ذوالقرنین سے مراد مسیح موعودؑ ہے

ایک دفعہ سُورۂ کہف جس میں ذوالقرنین کا بھی ذکر ہے[1] مَیں دیکھ رہا تھا تو جب میں نے اس قصّہ کو غور سے پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں بعینہٖ اسی زمانہ کا حال درج ہے۔ جیسے لکھا ہے کہ جب اس نے سفر کیا تو ایسی جگہ پہنچا جہاں کہ اُسے معلوم ہوا کہ سورج کیچڑ میں ڈوب گیا ہے اور یہ اس کا مغربی سفر تھا اور اس کے بعد پھر وہ ایسے لوگوں کے پاس پہنچتا ہے جو دھوپ میں ہیں اور جن پر کوئی سایہ نہیں۔ پھر ایک تیسری قوم اُسے ملتی ہے۔ جو یاجوج ماجوج کے حالات بیان کرکے اس سے حمایت طلب کرتی ہے۔ اب مثالی طور پر تو خدا تعالیٰ نے یہی بیان کیا ہے لیکن ذوالقرنین تو اس کو بھی کہتے ہیں جس نے دو صدیاں پائی ہوں اور ہم نے دو صدیوں کو اس قدر لیا ہے کہ اعتراض کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔ مَیں نے ہر صدی پر دو صدیوں سے حصہ لیا ہے۔ تم حساب کرکے دیکھ لو اور یہ جو قرآن میں قصص پائے جاتے ہیں تو یہ صرف قصّہ کہانیاں نہیں بلکہ یہ عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ جو شخص ان کو صرف قصّے کہانیاں سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں۔ غرض اس حساب سے تو مجھے بھی ذوالقرنین ماننا پڑے گا۔ اور ائمہ دین میں سے بھی ایک نے ذوالقرنین سے مسیح مراد لیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ نے اس قصّہ میں مغربی اور مشرقی دو قوموں کا ذکر کیا ہے۔ مغربی قوم سے مراد تو وہ لوگ ہیں جن کو انجیل اور دیگر صحیفہ جات کا صاف شفاف پانی دیا گیا تھا۔ مگر وہ روشن تعلیم انہوں نے ضائع کر دی اور اپنے پاس کیچڑ اور گند باقی رہنے دیا اور مشرقی قوم سے وہ مسلمان لوگ مراد ہیں جو امام کے سایہ کے نیچے نہیں آئے[2] اور دھوپ کی شعاعوں سے جُھلسے جا رہے ہیں لیکن ہماری

---

[1] بدر میں ہے:۔ "مَیں نے ایک مرتبہ ذوالقرنین کا حال قرآن مجید میں دیکھا تھا۔ تدبر سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ دراصل اسی زمانہ کے لیے بطور پیشگوئی ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر میں ہے:۔ "وہ قرآن مجید سے کچھ فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے بلکہ جاہلیت میں مر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

جماعت بہت خوش نصیب ہے[1]۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائی۔ لیکن یہ ابھی ابتدائی حالت ہے۔

جماعت کیلئے ضروری نصائح

مَیں خوب جانتا ہوں کہ ابھی بہت سی کمزوریاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس: ۱۰، ۱۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ نجات پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور خائب اور خاسر ہو گیا وہ شخص جو اس سے محروم رہا اس لیے اب تم لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کس کو کہا جاتا ہے۔

تزکیۂ نفس کی حقیقت سو یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے واسطے ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے اور جیسے زبان سے خدا تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے ایسے ہی عملی طور پر اس کو دکھانا چاہیئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ملائمت سے پیش آنا چاہیئے اور اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بھی بغض حسد اور کینہ نہیں رکھنا چاہیئے اور دوسروں کی غیبت کرنے سے بالکل الگ ہو جانا چاہیئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ معاملہ تو ابھی دُور ہے کہ تم لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے از خود رفتہ اور محو ہو جاؤ کہ بس اُسی کے ہو جاؤ اور جیسے زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو عمل سے بھی کر کے دکھاؤ۔ ابھی تو تم لوگ مخلوق کے حقوق کو بھی کما حقہٗ ادا نہیں کرتے۔ بہت سے ایسے ہیں جو آپس میں فساد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اپنے سے کمزور اور غریب شخصوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے کی غیبتیں کرتے اور اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ[2]۔ اور جب تم ایک وجود کی طرح ہو جاؤ گے اس وقت کہہ سکیں گے کہ اب تم نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کر لیا۔ کیونکہ جب تک تمہارا آپس میں معاملہ صاف نہیں ہوگا اس وقت تک خدا تعالیٰ سے بھی معاملہ صاف نہیں ہو سکتا[3]۔ گو ان دونوں قسم کے حقوق میں بڑا حق خدا تعالیٰ کا ہے مگر اس کی

---

[1] بدر میں ہے:۔ "تیسری ہماری قوم جو بڑی خوش نصیب ہے۔ یہ امام کے سایہ میں آگئے اور چاہا کہ یاجوج ماجوج کے آگے انہیں سدّ بنا دی جائے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳ صفحہ ۲ تا ۵ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۸ء

[3] بدر سے:۔ "تزکیۂ نفس اسے کہتے ہیں کہ خالق و مخلوق دونو طرف کے حقوق کی رعایت کرنے والا ہو۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲)

مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا یہ بطور آئینہ کے ہے۔ جو شخص اپنے بھائیوں سے صاف صاف معاملہ نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کے حقوق بھی ادا نہیں کر سکتا۔

یاد رکھو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکلی صاف ہو جانا یہ آسان کام نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے۔ منافقانہ طور پر آپس میں مِلنا جُلنا اَور بات ہے مگر سچی محبت اور ہمدردی سے پیش آنا اور چیز ہے۔ یاد رکھو اگر اس جماعت میں سچی ہمدردی نہ ہوگی تو پھر یہ تباہ ہو جائے گی اور خدا اس کی جگہ کوئی اور جماعت پیدا کرلے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صحابہؓ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت بنائی تھی۔ ان میں سے ہر ایک زکی النفس تھا اور ہر ایک نے اپنی جان کو دین پر قربان کر دیا ہوا تھا ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو منافقانہ زندگی رکھتا ہو۔ سب کے سب حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے تھے سو یاد رکھو اس جماعت کو بھی خدا تعالیٰ انہیں کے نمونہ پر چلانا چاہتا ہے اور صحابہؓ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ جو شخص منافقانہ زندگی بسر کرنے والا ہوگا وہ آخر اس جماعت سے کاٹا جائے گا۔

یاد رکھو یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ خبیث اور طیب کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ابھی وقت ہے کہ اپنی اپنی اصلاح کر لو۔ یاد رکھو کہ انسان کا دل خدا کے گھر کی مثال ہے۔ خانۂ خدا اور خانۂ انسان ایک جگہ نہیں رہ سکتا جب تک انسان اپنے دل کو پورے طور پر صاف نہ کرلے اور اپنے بھائی کے لیے دُکھ اُٹھانے کو تیار نہ ہو جائے تب تک

---

[1] بدر سے:۔ "پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جب تک تم ایک وجود کی طرح بھائی بھائی نہ بن جاؤ گے اور آپس میں بمنزلہ اعضاء نہ ہو جاؤ گے تو فلاح نہ پاؤ گے۔ انسان کا جب بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں تو خدا سے بھی نہیں۔ بیشک خدا تعالیٰ کا حق بڑا ہے مگر اس بات کو پہچاننے کا آئینہ کہ خدا کا حق ادا کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ مخلوق کا حق بھی ادا کر رہا ہے یا نہیں؟ جو شخص اپنے بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں رکھ سکتا وہ خدا سے بھی صاف نہیں رکھتا۔ یہ بات سہل نہیں یہ مشکل بات ہے۔ سچی محبت اور چیز ہے اور منافقانہ اور۔ دیکھو مومن کے مومن پر بڑے حقوق ہیں۔ جب وہ بیمار پڑے تو عیادت کو جائے اور جب مرے تو اس کے جنازہ پر جائے۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جھگڑا نہ کرے بلکہ درگذر سے کام لے۔ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ تم ایسے رہو۔ اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "اس گھر کو بُتوں سے صاف کرو تا یہ خدا کا گھر کہلائے۔ فرمایا طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ (البقرۃ: ۱۲۶) یعنی میرے گھر کو فرشتوں کے لیے پاک کرو انسان کا دل خدا کا گھر ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف نہیں ہو سکتا اور یہ باتیں میں اس واسطے بیان کرتا ہوں کہ آپ لوگ جو یہاں قادیان میں آئے ہو ایسا نہ ہو کہ پھر خالی کے خالی ہی واپس چلے جاؤ۔

توبہ کی حقیقت زندگی کا کچھ اعتبار نہیں معلوم نہیں کہ آئندہ سال تک کون مرے اور کون زندہ رہے گا۔ اس لیے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم: ۹) سو انسان کو چاہیئے کہ اگر توبہ کرے تو خالص توبہ کرے۔ توبہ اصل میں رجوع کو کہتے ہیں۔ صرف الفاظ ایک قسم کی عادت ہو جاتی ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ صرف زبان سے توبہ توبہ کرتے پھرو بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو جیسا کہ حق ہے رجوع کرنے کا۔ کیونکہ جب متناقض جہات میں سے ایک کو چھوڑ کر انسان دوسری طرف آجاتا ہے تو پہلی جگہ دُور ہو جاتی ہے اور جس کی طرف جاتا ہے وہ نزدیک ہوتی جاتی ہے۔ یہی مطلب توبہ کا ہے کہ جب انسان خدا کی طرف رجوع کر لیتا ہے اور دن بدن اسی کی طرف چلتا ہے تو آخر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ شیطان سے دُور ہو جاتا ہے اور خدا کے نزدیک ہو جاتا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو جس کے نزدیک ہوتا ہے اسی کی بات سُنتا ہے۔ اس لیے ایسے انسان پر جو عملی طور پر شیطان سے دُور اور خدا سے نزدیک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا نزول ہوتا ہے اور سفلی آلائشوں کا گند اُس سے دھویا جاتا ہے جیسے آگے فرمایا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (التحریم: ۹) کیونکہ توبہ میں ایک خاصیت ہے کہ گذشتہ گناہ اس سے بخشے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک اور جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ (البقرۃ: ۲۲۳)

تَوّاب اور مُتَطَہِّر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو تواب ہوتے ہیں اور ایک متطہر ہوتے ہیں۔ تواب ان کو کہا جاتا ہے جو کلّی خدا کی طرف رُجوع کر لیتے ہیں اور متطہر وہ ہوتے ہیں کہ وہ مجاہدات اور ریاضات کرتے رہتے ہیں اور اُن کے دل میں ایک کھٹک سی لگی رہتی ہے کہ کسی طرح سے اُن آلائشوں سے پاک ہو جاویں اور نفسِ امارہ کے جذبات پر ہر طرح سے غالب آکر زکی النفس

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

یہ خدا کا گھر اس وقت کہلائے گا اور اس وقت فرشتوں کا طواف گاہ بنے گا۔ جب یہ اوہام باطلہ و عقائد فاسدہ سے بالکل پاک و صاف ہو۔ جب تک انسان کا دل صاف نہ ہو۔ اس کی عملی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ دیکھو یہ وقت ہے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بوجہ مخالفت دُنیا سے بھی رہے اور دین سے بھی خالی چلے جاؤ۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۲ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

بن جاویں۔

نفس کی اقسام

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں نفس کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ نفسِ امارہ۔ نفسِ لوّامہ۔ نفسِ مطمئنہ۔

نفسِ امارہ اس کو کہتے ہیں کہ سوائے بدی کے اور کچھ چاہتا ہی نہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف: ۵۴) یعنی نفسِ امارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جُھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ جتنے بدکار چور ڈاکو دُنیا میں پائے جاتے ہیں وہ سب اسی نفس کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ ایسا شخص جو نفسِ امارہ کے ماتحت ہو ہر ایک طرح کے بدکام کر لیتا ہے۔ ہم نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے صرف بارہ آنہ کی خاطر ایک لڑکے کو جان سے مار دیا تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

حضرتِ انساں کہ مدمشترک را جامع است
مے تواند شد مسیحا مے تواند شد خرے

غرض جو انسان نفسِ امارہ کے تابع ہوتا ہے وہ ہر ایک بدی کو شیرِ مادر کی طرح سمجھتا ہے اور جب تک کہ وہ اسی حالت میں رہتا ہے بدیاں اُس سے دُور نہیں ہو سکتیں۔

پھر دوسری قسم نفس کی نفسِ لوّامہ ہے جیسے کہ قرآنِ شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیٰمۃ: ۳) یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کاموں اور نیز ہر ایک طرح کی بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ ایسے شخص سے اگر کوئی بدی ظہور میں آجاتی ہے تو پھر وہ جلدی سے متنبہ ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اور اسی لیے اس کا نام نفسِ لوّامہ رکھا ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ جو شخص اس نفس کے تابع ہوتا ہے وہ نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور پر قادر نہیں ہوتا اور طبعی جذبات اس پر کبھی کبھی غالب آجاتے ہیں لیکن وہ اس حالت سے نکلنا چاہتا ہے اور اپنی کمزوری پر نادم ہوتا رہتا ہے۔

اس کے بعد تیسری قسم نفس کی نفسِ مطمئنہ ہے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر: ۲۸ تا ۳۱) یعنی اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا ہے اپنے ربّ کی طرف واپس چلا آ تو خدا سے راضی ہے اور خدا تجھ پر راضی ہے پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر داخل ہو جا۔ غرض یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ جب انسان خُدا سے پُوری تسلی پا لیتا ہے اور اس کو کسی قسم کا اضطراب باقی نہیں رہتا اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی ہی نہیں سکتا۔ نفسِ لوّامہ والا تو ابھی بہت خطرے کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ

اندیشہ ہوتا ہے کہ ٹوٹ کر وہ کہیں پھر نفسِ امارہ نہ بن جاوے۔ لیکن نفس مطمئنہ کا وہ مرتبہ ہے کہ جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پاکر رُوحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے۔

غرض یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک انسان اس مقام تک نہیں پہنچتا اس وقت تک وہ خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ جب تک انسان اس مرتبہ کو حاصل نہ کرلے مجاہدات اور ریاضات میں لگا رہے۔

رُوح کا جذام

سوچنا چاہیئے کہ انسان کے بدن پر جذام کا داغ نکل آتا ہے تو پھر کیسے کیسے خیالات اس کے دل میں اُٹھتے ہیں اور کیسے دُور دراز کے نتیجوں پر وہ پہنچتا ہے اور اپنی آنے والی حالت کا خیال کرکے وہ کیسا غمگین ہوتا ہے کبھی خیال کرتا ہے کہ شاید اب لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگ جائیں گے اور میرے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے اور کبھی سوچتا ہے کہ خدا جانے اب میں کیسی ابتر حالت میں ہو جاؤں گا اور کن کن دُکھوں میں مبتلا ہوں گا۔ لیکن افسوس کہ اس بات کا خیال تک بھی نہیں کیا جاتا کہ آخر مرنا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس وقت کیا حالت ہوگی۔

یہ جذام تو ایسا ہے کہ مرنے کے بعد ہی اس سے خلاصی ہو جاتی ہے مگر وہ کوڑھ جو رُوح کو لگ جاتا ہے وہ تو ابد تک رہتا ہے کیا کبھی اس کا بھی فکر کیا ہے۔

دو جنتیں

یاد رکھو جو خدا تعالیٰ کی طرف صدق اور اخلاص سے قدم اُٹھاتے ہیں وہ کبھی ضائع نہیں کئے جاتے۔ ان کو دو نو جہان کی نعمتیں دی جاتی ہیں جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن: ۴۷) اور یہ اس واسطے فرمایا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میری طرف آنیوالے دنیا کھو بیٹھتے ہیں۔ بلکہ انکے لیے دو بہشت ہیں ایک بہشت تو اسی دُنیا میں اور ایک جو آگے ہوگا۔ دیکھو اتنے انبیاء گذرے ہیں کیا کسی نے اس دُنیا میں ذلت اور خواری دیکھی؟ سب کے سب اس دنیا میں سے کامیاب اور مظفر و منصور ہو کر گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو تباہ کیا اور ان کو عزت اور جلال کے تخت پر جگہ دی۔ لیکن اگر وہ اس دُنیا کے پیچھے پڑتے تو زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپیہ ماہوار کی نوکری انہیں ملتی کیونکہ وہ صاف گو اور سادہ طبع تھے مگر جب انہوں نے خدا کے لیے اس دُنیا کو چھوڑا تو ایک دُنیا اُن کے تابع کی گئی۔

غور کرکے دیکھو کہ اگر ان لوگوں نے خدا کے لیے اس دُنیا کو چھوڑ دیا تھا تو نقصان کیا اُٹھایا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی دیکھو کہ جب وہ شام کے ملک سے واپس آرہے تھے تو راستہ میں ایک شخص ان کو ملا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کوئی تازہ خبر سناؤ۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ البتہ تمہارے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ نے اس کو جواب دیا کہ اگر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ سچا ہے۔ وہ جھوٹا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سیدھے حضرت نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مکان پر چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ آپ گواہ رہیں کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا میں ہوں۔ دیکھو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ نہیں مانگا تھا۔ صرف پہلے تعارف کی برکت سے وہ ایمان لے آئے تھے۔

یاد رکھو۔ معجزات وہ طلب کیا کرتے ہیں جن کو تعارف نہیں ہوتا۔ جو لنگوٹیا یار ہوتا ہے اس کے لیے تو سابقہ حالات ہی معجزہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا ہوا۔ طرح طرح کے مصائب اور سخت درجہ کے دُکھ اُٹھانے پڑے۔ لیکن دیکھو اگر سب سے زیادہ انہیں کو دُکھ دیا گیا تھا اور وہی سب سے بڑھ کر ستائے گئے تھے تو سب سے پہلے تختِ نبوت پر وہی بٹھائے گئے تھے۔ کہاں وہ تجارت کرتا تھا دن دھکے کھاتے پھرتے تھے اور کہاں یہ درجہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اول خلیفہ انہیں کو مقرر کیا گیا۔

خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرو

انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنے سے بچے کیونکہ اسکا انجام آخر میں تباہی ہوا کرتا ہے۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ (حٰمٓ السجدۃ: ۲۴) اس لیے سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنا اصل میں بے ایمانی کا بیج بونا ہے جس کا نتیجہ آخر کار ہلاکت ہوا کرتا ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا ہے تو جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے

مامور کے مخالف آخر پکڑے جاتے ہیں

یاد رکھو جب ایک مامور من اللہ آتا ہے تو اس سے منہ پھیرنا اصل میں خدا سے منہ پھیرنا ہے۔ دیکھو گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی ہوتا ہے۔ پانچ روپیہ ماہوار اس کی تنخواہ ہوتی ہے لیکن جب وہ گورنمنٹ کے حکم سے سرکاری پروانہ لے کر زمینداروں کے پاس جاتا ہے۔ اگر زمیندار یہ خیال کر کے کہ یہ ایک پانچ روپیہ کا ملازم ہے اس کو تنگ کریں اور بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے اُلٹا اس کو ماریں پیٹیں اور بدسلوکی سے پیش آویں۔ تو اب بتلاؤ کہ کیا گورنمنٹ ایسے شخصوں کو سزا نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی کیونکہ گورنمنٹ کے چپڑاسی کو بے عزت اور ذلیل کرنا اصل میں گورنمنٹ کو ہی بے عزت اور ذلیل کرنا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی مخالفت کرتا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے[1]

---

[1] بدر سے:۔ "خدا جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور جس کی عظمت اور جس کے جلال کے مقابل میں کسی کا جلال نہیں۔ کیا وہ اپنے فرستادہ اپنے رسُول کی ہتک دیکھ کر خاموش رہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مامور کی بے ادبی درحقیقت خدا تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔" (بدر ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۰۸ء)

یاد رکھو خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں اُلٹے خدا تعالیٰ کے رسول کو ستاتے اور دُکھ دیتے ہیں وہ آخر پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں دیکھو۔ دن نہایت نازک آتے جاتے ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو اور تضرع اور ابتہال کے ساتھ دن رات اس سے دُعائیں مانگتے رہو۔ خدا تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔ اب دُعا کر لو۔

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے بعہ سامعین نہایت خلوص کے ساتھ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگیں۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔

(آل عمران ۱۹۴ تا ۱۹۵)

۲۸ر دسمبر ۱۹۰۷ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری تقریر جو آپ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر ۲۸ر دسمبر ۱۹۰۷ء کو یوم شنبہ بعد جمع نماز ظہر و عصر مسجد اقصیٰ میں فرمائی

جو کچھ کل میں نے تقریر کی تھی اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔ کیونکہ بسبب علالتِ طبع تقریر ختم نہ ہو سکی۔ اس واسطے آج پھر میں تقریر کرتا ہوں۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ جس قدر لوگ آج اس جگہ موجود ہیں معلوم نہیں ان میں سے کون سال آئندہ تک زندہ رہے گا اور کون مر جائے گا۔

یہ زمانہ بہت نازک ہے

ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر طرح سے لوگوں کو سمجھا دیں کہ یہ زمانہ بہت نازک ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس قدر بار بار مجھے آئندہ اور بھی خطرناک زمانہ کے آنے کے متعلق وحی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب ہے اور وہ جلد آنے والی ہے جیسا کہ کل بیان کیا گیا تھا۔ طرح طرح کے بلاؤں میں موتیں وارد ہو رہی ہیں۔ طاعون ہے۔ وبائیں ہیں۔ قحط ہے۔

لہ الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۸ء

زلزلے ہیں۔ جب ایسی مصیبتیں وارد ہوتی ہیں تو دنیاداروں کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ ایک سخت غم اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں جس سے نکلنے کا کوئی طریق ان کو نہیں سُوجھتا۔ قرآن شریف میں اسی کی طرف اشارہ ہے وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى۔ تو لوگوں کو دیکھتا ہے کہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ کسی نشے میں نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ نہایت درجہ کے غم اور خوف سے ان کی عقل ماری گئی ہے اور کچھ حوصلہ باقی نہیں رہا۔ ایسے موقعہ پر بجز متقی کے کسی کے اندر صبر کی طاقت نہیں رہتی۔ دینی امور میں بجز تقویٰ کے کسی کو صبر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلا کے آنے کے وقت سوائے اس کے کون صبر کر سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اپنی رضا کو ملائے ہوئے ہو جب تک کہ پہلے ایمان پختہ نہ ہو۔ ادنیٰ نقصان سے انسان ٹھوکر کھا کر دہریہ بن جاتا ہے جس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں۔ اس میں مصیبت کی برداشت نہیں۔

مصائب کا آنا ضروری ہے

دُنیادار لوگ تو ایسے مصائب کے وقت وجودِ باری تعالیٰ کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ دُنیا کی وضع ہی ایسی بنی ہے کہ اس میں مصائب کا آنا ضروری ہے۔ دُنیا میں جس قدر آدمی گذرے ہیں ان میں سے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی مصیبت وارد نہیں ہوئی۔ کسی کی مصیبت اولاد پر وارد ہوتی ہے اور کسی کے مال پر اور کسی کی عزت پر۔ غرض ہر ایک کو کوئی نہ کوئی مصیبت اور ابتلاء دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ بغیر اس کے دُنیا میں چارہ نہیں۔ یہ دنیا کا لازمہ ہے۔ عرب کا ایک پُرانا شاعر لکھتا ہے ؎

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ
ثَمَانِيْنَ حَوْلاً لَا اَبَا لَكَ يَسْئَمِ

دُنیا میں مَیں نے بڑی بڑی تکلیفیں دیکھی ہیں اور جو کوئی میری طرح اسّی سال تک جئے گا وہ بھی لامحالہ کچھ دیکھے گا۔

دُنیا کے مصائب تو دراصل چند روز کے واسطے ہیں۔ کوئی جلدی مرا اور کوئی دیر سے مرا۔ آخر سب نے مرنا ہے۔

تکالیفِ شرعیہ

دین کی راہ میں دو قسم کی تکلیفیں ہیں۔ ایک تکالیفِ شرعیہ جیسا کہ نماز ہے اور روزہ ہے اور حج ہے اور زکوٰۃ ہے۔ نماز کے واسطے انسان اپنے کاروبار کو ترک کرتا ہے اور ان کا ہرج بھی کر کے مسجد میں جاتا ہے۔ سردی کے موسم میں پچھلی رات اُٹھتا ہے۔ ماہِ رمضان میں دن بھر کی بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے۔ حج میں سفر کی صعوبتیں اُٹھاتا ہے زکوٰۃ میں اپنی محنت کی کمائی دوسروں کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ سب تکالیفِ شرعیہ ہیں۔ اور انسان کے واسطے موجبِ ثواب ہیں۔ اس کا قدم خدا کی طرف بڑھاتی ہیں، لیکن ان سب میں انسان کو ایک وسعت دی گئی ہے اور وہ اپنے آرام کی راہ

تلاش کر لیتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں وضو کے واسطے پانی گرم کر لیتا ہے۔ بہ سبب علالت کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لیتا ہے۔ رمضان میں سحری میں اُٹھ کر خوب کھانا کھا لیتا ہے بلکہ بعض لوگ ماہِ صیام میں معمول سے بھی زیادہ خرچ کھانے پینے پر کر لیتے ہیں۔ غرض ان تکالیفِ شرعیہ میں کچھ نہ کچھ آرام کی صورت ساتھ ساتھ انسان نکالتا رہتا ہے۔ اس واسطے اس سے پُورے طور پر صفائی نہیں ہوتی اور منازلِ سلوک جلدی سے طے نہیں ہو سکتے۔

تکالیفِ سماوی

لیکن تکالیفِ سماوی جو آسمان سے اُترتی ہیں اُن میں انسان کا اختیار نہیں ہوتا اور بہر حال برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس واسطے ان کے ذریعہ سے انسان کو خدا تعالےٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

ہر دو قسم کی تکلیف شرعی اور سماوی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔

(۱) تکالیف شرعی کے متعلق پہلے سیپارہ میں فرمایا ہے۔ الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۲-۳) یعنی مومن وہ ہے جو خدا تعالیٰ پر غیب سے ایمان لاتے ہیں۔ اپنی نماز کو کھڑا کرتے ہیں۔ یعنی صدہا وساوس آکر دل کو اور طرف پھیر دیتے ہیں۔ مگر وہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے اپنی نماز کو جو بہ سبب وساوس کے گرتی رہتی ہے بار بار کھڑا کرتے رہتے ہیں خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ تکالیفِ شرعیہ ہیں مگر ان پر پورے طور سے بھروسہ حصولِ ثواب کا نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سی باتوں میں انسان غفلت کرتا ہے اکثر نماز کی حقیقت اور مغز سے بے خبر ہو کر صرف پوست کو ادا کرتے ہیں۔

(۲) اس واسطے انسانی مدارج کی ترقی کے واسطے سماوی تکالیف بھی رکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۶ تا ۱۵۸) یہ وہ مصائب ہیں جو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے ڈالتا ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے جس میں کبھی تو انسان پر ایک بھارے درجہ کا ڈر لاحق ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اس خوف میں ہوتا ہے کہ شاید اب معاملہ بالکل بگڑ جائے گا۔ کبھی فقر و فاقہ شاملِ حال ہو جاتا ہے۔ ہر ایک امر میں انسان کا گذارہ بہت تنگی سے ہونے لگتا ہے۔ کبھی مال میں نقصان نمودار ہوتا ہے۔ تجارت اور دکانداری بگڑ جاتی ہے یا چور لے جاتے ہیں۔ کبھی ثمرات میں نقصان ہوتا ہے یعنی پھل خراب ہو جاتے ہیں کھیتی ضائع ہو جاتی ہے یا اولادِ عزیز مرجاتی ہے محاورہ عرب میں اولاد کو بھی ثمر کہتے ہیں۔ اولاد کا فقدان بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مجھے گھبرا کر خط لکھتے رہتے ہیں

کہ آپ دُعا کریں کہ میری اولاد ہو۔ اولاد کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ بعض نادان اولاد کے مرجانے کے سبب دہریہ ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ اولاد انسان کو ایسی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا شریک بن جاتی ہے بعض لوگ اولاد کے سبب سے دہریہ، ملحد اور بے ایمان بن جاتے ہیں۔ بعضوں کے بیٹے عیسائی بن جاتے ہیں تو وہ بھی اولاد کی خاطر عیسائی ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے چھوٹی عمر میں مرجاتے ہیں تو وہ ماں باپ کے واسطے سبب ایمان کا موجب ہو جاتے ہیں۔

صدمہ کے مطابق اجر ہوتا ہے

لیکن اللہ تعالیٰ ظالم نہیں۔ جب کسی پر صدمہ سخت ہو اور وہ صبر کرے تو جتنا صدمہ ہوا اتنا ہی اس کا اجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ رحیم، غفور اور ستار ہے۔ وہ انسان کو اس واسطے تکلیف نہیں پہنچاتا کہ وہ تکلیف اُٹھا کر دین سے الگ ہو جائے بلکہ تکالیف اس واسطے آتی ہیں کہ انسان آگے قدم بڑھائے۔ صوفیاء کا قول ہے کہ ابتلاء کے وقت فاسق آدمی قدم پیچھے ہٹاتا ہے لیکن صالح آدمی اور بھی قدم آگے بڑھاتا ہے۔

انبیاء اور رُسل کے ابتلاء اور امتحانات

ایک روایت میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ لڑکے فوت ہوئے تھے انبیاء اور رُسل کو جو بڑے بڑے مقام ملتے ہیں وہ ایسی معمولی باتوں سے نہیں مل جاتے جو نرمی سے اور آسانی سے پوری ہو جائیں بلکہ ان پر بھاری ابتلاء اور امتحان وارد ہوئے جن میں وہ صبر اور استقلال کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ تب خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم پر کیسا بڑا ابتلاء آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چھُری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور اس چھُری کو اپنے بیٹے کی گردن پر اپنی طرف سے پھیر دیا مگر آگے بکرا تھا۔ ابراہیم امتحان میں پاس ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے بیٹے کو بھی بچا لیا۔ تب خدا تعالیٰ ابراہیم پر خوش ہوا کہ اُس نے اپنی طرف سے کوئی فرق نہ رکھا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ بیٹا بچ گیا ورنہ ابراہیم نے اس کو ذبح کر دیا تھا۔ اس واسطے اس کو صادق کا خطاب ملا۔ اور توریت میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم تو آسمان کے ستاروں کی طرف نظر کر کیا تو ان کو گن سکتا ہے۔ اسی طرح تیری اولاد بھی نہ گنی جائے گی۔ تھوڑے سے وقت کی تکلیف تھی وہ تو گذر گئی۔ اس کے نتیجہ میں کس قدر انعام ملا۔ آج تمام سادات اور قریش اور یہود اور دیگر اقوام اپنے آپ کو ابراہیم کا فرزند کہتے ہیں[1]۔ گھڑی دو گھڑی کی بات تھی وہ تو ختم ہو گئی اور اتنا

---

[1] انگریزوں میں بھی ایک فرقہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔
(یہ غالباً ایڈیٹر صاحب بدر کا اپنا نوٹ ہے۔ مرتب)

بڑا انعام ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ درحقیقت انسان کا تقویٰ تب محقق ہوتا ہے جبکہ اس پر کوئی مصیبت وارد ہو۔ جب وہ تمام پہلو ترک کر کے خدا تعالیٰ کے پہلو کو مقدم کرلے اور آرام کی زندگی کو چھوڑ کر تلخ زندگی قبول کرلے تب انسان کو حقیقی تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی اندرونی حالت کی اصلاح نری رسمی نمازوں اور روزوں سے نہیں ہوسکتی بلکہ مصائب کا آنا ضروری ہے۔

؎ عشق اوّل سرکش وخونی بود ؎ تا گریزد ہرکہ بیرونی بود

اوّل حملہ عشق کا شیر کی طرح سخت ہوتا ہے۔ جس قدر انبیاء اور رسُول اور صدیق گذرے ہیں اُن میں سے کسی نے معمولی امور سے ترقی نہیں پائی بلکہ ان کے مدارج کا راز اس بات میں تھا کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کے ساتھ موافقتِ تامہ کی۔ مومن کی ساری اولاد ذبح کردی جائے اور اس کے سوائے بھی اس پر تکالیف پڑیں تب بھی وہ بہرحال قدم آگے بڑھاتا ہے۔ دیکھو انسان باوجود ہزاروں کمزوریوں کے اپنے سچے دوست کے ساتھ وفاداری کرتا ہے تو کیا خدا جو رحمان اور رحیم ہے وہ تمہارے ساتھ وفاداری نہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ سے ایسا پیار کرو کہ اگر ہزار بچہ ایک طرف ہو اور خدا ایک طرف تو خدا کی طرف اختیار کرو اور بچوں کی پروا نہ کرو۔ مصائب تمام انبیاء پر وارد ہوتے رہے ہیں۔ کوئی اُن سے خالی نہیں رہا۔ اسی واسطے مصائب کے برداشت کرنیوالے کے لیے بڑے بڑے اجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں فرمایا ہے اور اپنے رسُول کو خطاب کیا ہے کہ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ ہمارا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور اس کی ہم امانت ہیں اور اسی کے پاس جانا ہے۔ ایسے لوگوں کے واسطے بشارت ہے۔ ان مصائب کے ذریعہ سے جو برکات حاصل ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو خاص بشارت ملتی ہے وہ نماز روزہ زکوٰۃ سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ نماز کما حقہٗ ادا ہو جاوے تو بہت عمدہ شئے ہے مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نشانہ لگتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ٹھیک بیٹھتا ہے اور اسی سے ہدایت اور رستگاری حاصل ہوتی ہے۔

جماعت کو تکالیف برداشت کرنے کی تلقین

اب اہلِ جماعت غور سے سنیں اور اس بات کو سمجھیں کہ دونوں قسم کی تکالیف خدا تعالیٰ نے تمہارے واسطے رکھی ہیں۔ اول تکالیفِ شرعی ہیں ان کی برداشت کرو۔ دوسری تکالیف قضا و قدر کی ہیں۔ اکثر انسان شرعی تکالیف کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیتے ہیں اور ان کو پورے طور سے ادا نہیں کرتے۔ مگر قضا و قدر سے کون بھاگ سکتا ہے۔ اس میں انسان کا اختیار نہیں۔

یاد رکھو۔ انسان کے واسطے یہی ایک عالم نہیں بلکہ اس کے بعد ایک اَور عالم ہے۔ یہ تو ایک بہت ہی

مختصر زندگی ہے کوئی پچاس ساٹھ سال کی عمر میں مر گیا کسی نے دس بارہ سال اور گذار لیے۔ اس جگہ کی مصائب کا خاتمہ تو موت کے ساتھ ہو جاتا ہے مگر اُس عالم کا خاتمہ نہیں۔ جب قیامت برحق ہے اور وہ ایمان کا لازمہ ہے تو اس چند روزہ زندگی کی تکالیف کا برداشت کر لینا کیا مشکل ہے۔ اس دائمی جہان کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے۔ جو شخص کوئی تکلیف بھی نہیں اُٹھاتا۔ وہ کیا سرمایہ رکھتا ہے۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ صرف صبر کرنے والا نہ ہو بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مصیبت پر راضی ہو۔ خدا کی رضا کے ساتھ اپنی رضا ملا لے۔ یہی مقام اعلیٰ ہے۔ مصیبت کے وقت خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ مُنعِم کو نعمتوں پر مقدم رکھو۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ شکوہ شروع کرتے ہیں گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ قطع تعلق کرتے ہیں۔ بعض عورتیں کوستی ہیں اور گالیاں دیتی ہیں۔ بعض۔ رد بھی ایمانی حالت میں ناقص ہوتے ہیں۔ یہ ایک ضروری نصیحت ہے اور اس کو یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مصیبت زدہ ہو تو اُسے ڈرنا چاہیئے کہ ایسا نہ ہو کہ اس سے بڑھ کر اس پر کوئی مصیبت گرے۔ کیونکہ دنیا دار المصائب ہے اور اس میں غافل ہو کر بیٹھنا اچھا نہیں۔ اکثر مصائب متنبہ کرنے کے واسطے آتے ہیں۔ ابتداء میں اس کی صورت خفیف ہوتی ہے۔ انسان اسکو مصیبت نہیں سمجھتا۔ پھر وہ بیتاب کرنے والی مصیبت ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر کسی کو آہستگی سے دبایا جائے تو اس کے بدن کو آرام پہنچتا ہے۔ وہی ہاتھ زور سے مارا جائے تو موجب دُکھ ہو جاتا ہے۔ ایک مصیبت سخت ہوتی ہے جو وبالِ جان بن جاتی ہے۔ قرآن شریف نے ہر دو مصائب کا ذکر کر دیا ہے۔

خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو

مصائب رفعِ درجات کے واسطے ہوتے ہیں حضرت ابراہیم اس بات پر روتے دھوتے نہ رہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے بیٹا مانگا ہے بلکہ انہوں نے اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر کیا کہ ایک خدمت کا موقعہ ملا ہے۔ لڑکے کی ماں نے بھی رضامندی دی اور لڑکا بھی اس بات پر راضی ہوا۔

ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک مسجد کا مینار گر گیا تو شاہِ وقت نے سجدہ کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس خدمت میں سے حصہ لینے کا موقعہ دیا ہے جو بزرگ بادشاہوں نے اس مسجد کے بناء کرنے میں حاصل کی تھی۔

صبر کا اجر

وقت تو بہر حال گذر جاتا ہے۔ گوشت پلاؤ کھانے والے بھی آخر مر جاتے ہیں لیکن جو شخص تلخیاں دیکھ کر صبر کرتا ہے اس کو بالآخر اجر ملتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی اس بات پر شہادت ہے کہ صبر کا اجر ضرور ہے۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کی خاطر صبر نہیں کرتے ان کو بھی صبر کرنا ہی پڑتا ہے مگر پھر نہ وہ ثواب ہے اور نہ اجر۔ کسی عزیز کے مرنے کے وقت عورتیں سیاپا کرتی ہیں۔ بعض نادان مرد سر پر راکھ ڈالتے ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد

ہی صبر کرکے بیٹھ جاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ایک عورت کا ذکر ہے کہ اس کا بچہ مر گیا تھا اور وہ قبر پر کھڑی سیاپا کر رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو آپ نے اُسے فرمایا تُو خدا تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔ اس کمبخت نے جواب دیا کہ تو جا تجھ پر میرے جیسی مصیبت نہیں پڑی۔ بدبخت نہیں جانتی تھی کہ آپ تو گیارہ بچوں کے فوت ہونے پر بھی صبر کرنے والے ہیں۔ جب اس کو بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو نصیحت کرنے والے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو پھر آپ کے گھر میں آئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ میں صبر کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی۔ صبر وہ ہے جو پہلے ہی مصیبت پر کیا جائے۔ غرض بعد میں خود وقت گذرنے پر رفتہ رفتہ صبر کرنا ہی پڑتا ہے صبر وہ ہے جو ابتداء ہی میں انسان اللہ تعالیٰ کی خاطر کرے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیتا ہے۔ یہ بے حساب اجر کا وعدہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہی مقدر ہے۔

دُعا اور استغفار میں مصروف رہو

کسی کو کیا خبر ہے کہ آج کیا ہے اور کل کیا ہونے والا ہے۔ ابھی ہمارے پاس کئی خط راولپنڈی سے آئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ ایک زلزلہ آیا کہ لوگ چیخ اُٹھے بلکہ بعض نے کہا کہ یہ زلزلہ ۱۹۰۵ء اپریل والے زلزلہ کے برابر تھا۔ دیکھو اس ایک مہینہ میں تین بار زلزلہ آچکا ہے اور آگے ایک سخت زلزلہ کے آنے کی خبر خدا تعالیٰ دے چکا ہے۔ وہ زلزلہ ایسا سخت ہوگا کہ لوگوں کو دیوانہ کر دے گا۔ لوگوں نے غفلت کرکے خدا کو بھلا دیا ہے اور خوشی میں بیٹھے ہیں مگر جن لوگوں نے خدا کو پا لیا ہے وہ تلخ زندگی کو قبول کرنے کے واسطے تیار رہیں۔ مصائب کا آنا ضروری ہے۔ خدا کی سُنّت ٹل نہیں سکتی۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ خدا سے دُعا اور استغفار میں مصروف رہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اپنی رضا کو ملائے۔ جو شخص پہلے سے فیصلہ کر لیتا ہے ٹھوکر نہیں کھاتا، مال، اولاد، بیوی بھائیوں سے پہلے ہی سمجھ لے کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ سب امانتِ خداوندی ہیں۔ جب تک ہیں ان کی قدر عزت، خاطر خدمت کرو۔ جب خدا اپنی امانت کو واپس لے لے تو پھر رنج نہ کرو۔

ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو

دین کی جڑ اس میں ہے کہ ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو۔ دراصل ہم تو خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے اور کسی سے ہم کو کیا غرض ہے۔ ایک نہیں کروڑ اولاد مر جائے پر خدا راضی رہے تو کوئی غم کی بات نہیں۔ اگر اولاد زندہ بھی ہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجبِ ابتلاء ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی اولاد کی وجہ سے جیل خانوں میں جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اولاد کی شرارت کے سبب پا بزنجیر تھا۔ اولاد کو محال سمجھنا چاہیئے اسکی خاطرداری کرنی چاہیئے، اسکی دلجوئی کرنی چاہیئے مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیئے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے،

نماز میں وساوس پیدا ہونے کی وجہ

جن لوگوں کو خدا کی طرف پورا التفات نہیں ہوتا انہیں کو نماز میں بہت وساوس آتے ہیں۔ دیکھو ایک قیدی جبکہ

ایک حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کیا اس وقت اس کے دل میں کوئی وسوسہ گذر جاتا ہے ہرگز نہیں۔ وہ بہ تن حاکم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس فکر میں ہوتا ہے کہ ابھی حاکم کیا حکم سُناتا ہے۔ اس وقت تو وہ اپنے وجود سے بھی بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ ایسا ہی جب صدقِ دل سے انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور سچے دل سے اس کے آستانہ پر گرے تو پھر کیا مجال ہے کہ شیطان وساوس ڈال سکے۔ شیطان انسان کا پورا دشمن ہے قرآن شریف میں اس کا نام عدو رکھا گیا ہے۔ اس نے اوّل تمہارے باپ کو نکالا۔ پھر وہ اس پر خوش نہیں۔ اب اس کا یہ ارادہ ہے کہ تم سب کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہ دوسرا حملہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ ابتدا سے بدی کرتا چلا آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم پر غالب آوے۔ لیکن جب تک کہ تم ہر بات میں خدا تعالےٰ کو مقدم رکھو گے وہ ہرگز تم پر غالب نہ آسکے گا۔ جب انسان خدا کی راہ میں دُکھ اُٹھاتا ہے اور شیطان سے مغلوب نہیں ہوتا۔ تب اس کو ایک نُور ملتا ہے۔

شہاب ثاقب کی حقیقت

جبکہ ایک مومن سب باتوں پر خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیتا ہے تب اس کا خدا کی طرف رفع ہوتا ہے۔ وہ اسی زندگی میں خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھایا جاتا ہے اور ایک خاص نُور سے منور کیا جاتا ہے۔ اس رفع میں وہ شیطان کی زد سے ایسا بلند ہو جاتا ہے کہ پھر شیطان کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر ایک چیز کا خدا تعالیٰ نے اس دُنیا میں بھی ایک نمونہ رکھا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان جب آسمان کی طرف چڑھنے لگتا ہے تو ایک شہاب ثاقب اس کے پیچھے پڑتا ہے جو اس کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقبؔ روشن ستارے کو کہتے ہیں۔ اسؔ چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو سُوراخ کر دیتی ہے اور اس چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو بہت اونچی چلی جاتی ہو۔ اس میں حالتِ انسانی کے واسطے ایک مثال بیان کی گئی ہے جو اپنے اندر ایک نہ صرف ظاہری بلکہ ایک مخفی حقیقت بھی رکھتی ہے جب ایک انسان کو خدا تعالیٰ پر پکا ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو جاتا ہے اور اس کو ایک خاص قوت اور طاقت اور روشنی عطا کی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ شیطان کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقب مارنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ ہر ایک مومن کے واسطے لازم ہے کہ وہ اپنے شیطان کو مارنے کی کوشش کرے اور اسے ہلاک کر ڈالے جو لوگ رُوحانیت کی سائنس سے ناواقف ہیں وہ ایسی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں مگر دراصل وہ خود ہنسی کے لائق ہیں۔ ایک قانونِ قدرت ظاہری ہے۔ ایسا ہی ایک قانونِ قدرت باطنی بھی ہے۔ ظاہری قانون باطنی کے واسطے بطور ایک نشان کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنی وحی میں فرمایا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ نجم ثاقب ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ مَیں نے تجھے شیطان کے مارنے کے واسطے پیدا کیا ہے۔ تیرے ہاتھ سے شیطان ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان بند نہیں جا سکتا۔ اگر

مومن بلندی پر چڑھ جائے تو شیطان پھر اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرے کہ اس کو ایک ایسی طاقت مِل جائے جس سے وہ شیطان کو ہلاک کر سکے۔ جتنے بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کا دُور کرنا شیطان کو ہلاک کرنے پر منحصر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ استقلال سے کام لے۔ ہمت نہ ہارے۔ شیطان کو مارنے کے پیچھے پڑا رہے۔ آخر وہ ایک دن کامیاب ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے جو لوگ اس کی راہ میں کوشش کرتے ہیں وہ آخر ان کو کامیابی کا مُونہہ دکھا دیتا ہے۔ بڑا درجہ انسان کا اسی میں ہے کہ وہ اپنے شیطان کو ہلاک کرے۔

اپنے خوابوں اور الہامات پر ناز نہ کرو

ایسے ضروری کام کو چھوڑ کر جو مومن کا اصل منشاء ہے بعض لوگ اور باتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں مثلاً کسی کو ایک خواب آ جائے یا چند الفاظ زبان پر جاری ہو جائیں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں اب ولی ہو گیا ہوں۔ یہی نقطہ ہے جس پر انسان دھوکہ کھاتا ہے۔ خواب تو چوہڑوں، چماروں اور کنجروں کو بھی آ جاتے ہیں اور سچے بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی چیز پر فخر کرنا لعنت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو چند خوابیں آ گئی ہیں اور وہ سچی بھی ہو گئی ہیں مگر اس سے کیا بنتا ہے؟ کیا سخت پیاس کے وقت ایک شخص کو دو چار قطرے پانی کے پلائے جاویں تو وہ بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کی تپش اَور بھی بڑھے گی۔ ایسا ہی جب تک کہ کسی انسان کو پوری مقدار معرفت کی اپنی کیفیت اور کثرت کے ساتھ حاصل نہ ہو تب تک یہ خوابیں کچھ شئے نہیں۔ انسان کی عمدہ اور قابلِ تشفی وہ حالت ہے کہ وہ عملی رنگ میں درست اور صاف ہو۔ اس کی عملی حالت خود اس پر گواہی دے۔ خدا تعالیٰ کی برکات اور زبردست خوارق اس کے ساتھ ہوں اور ہر دم اس کی تائید کرتے ہوں تب خدا اس کے ساتھ ہے اور وہ خدا کے ساتھ ہے۔

ہر ایک بات میں شیطان ایک موقعہ نکال لیتا ہے کہ لوگوں کو کسی طرح سے بہکائے۔ چونکہ ہم بار بار اپنی رؤیا اور الہام پیش کرتے ہیں اس واسطے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ یہ ایک ابتلاء ہے جو اُن پر وارد ہوا۔ اور اس کی ہلاکت کی راہ میں شیطان نے اُن کی امداد کی اور ان کو شیطانی القاء اور حدیث النفس شروع ہوا۔ چراغ دین، الٰہی بخش، فقیر مرزا اور دوسرے بہت سے اس راہ میں ہلاک ہو گئے اور ہنوز بہت سے ایسے ہیں جن کا قدم اسی راہ پر ہے۔

ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے کہ ایسی باتوں سے دل ہٹا لیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اُن سے یہ نہیں پوچھے گا کہ تم کو کس قدر الہام ہوئے تھے یا کتنی خوابیں آئی تھیں بلکہ عملِ صالح کے متعلق سوال ہو گا کہ کس قدر نیک عمل تم نے کئے ہیں۔ الہام وحی تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ کوئی انسانی عمل نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فعل پر اپنا فخر جاننا اور خوش ہونا جاہل کا کام ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ بعض دفعہ

رات کو اس قدر عبادت میں کھڑے ہوتے تھے کہ پاؤں پر ورم ہو جاتا تھا۔ ساتھی نے عرض کی کہ آپ تو گناہوں سے پاک ہیں اس قدر محنت پھر کس لیے۔ فرمایا۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا میں شکر گذار نہ بنوں۔

انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے

انسان کو چاہیئے کہ مایوس نہ ہووے۔ گناہوں کا حملہ سخت ہوتا ہے اور اصلاح مشکل نظر آتی ہے مگر گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو بڑے گنہگار ہیں نفس ہم پر غالب ہے۔ ہم کیونکر نیکوکار ہو سکتے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ مومن کبھی نا اُمید نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونے والا شیطان ہے اور کوئی نہیں۔ مومن کو کبھی بزدل نہیں ہونا چاہیئے۔ گو کیسا ہی گناہ سے مغلوب ہو۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انسان میں ایک ایسی قدرت رکھی ہے کہ وہ بہر حال گناہ پر غالب آ ہی جاتا ہے۔ انسان میں گناہ سوز قوت خدا تعالیٰ نے رکھی ہے جو اسکی فطرت میں موجود ہے۔

ایک لطیف مثال

دیکھو پانی کو کیسا ہی گرم کیا جائے۔ ایسا سخت گرم کیا جائے کہ جس چیز پر ڈالیں وہ چیز جل بھی جائے۔ پھر بھی اگر اس کو آگ پر ڈالو تو وہ آگ کو بجھا دے گا کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ آگ کو بجھا دیوے۔ ایسا ہی انسان کیسا ہی گناہ میں ملوّث ہو اور کیسا ہی بدکاری میں غرق ہو پھر بھی اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ معاصی کی آگ کو بجھا سکتا ہے۔ اگر یہ بات انسان میں نہ ہوتی تو پھر وہ مکلف نہ ہوتا بلکہ پیغمبر رسُول کا آنا بھی پھر غیر ضروری ہوتا۔ مگر دراصل فطرتِ انسانی پاک ہے اور جیسا کہ جسم کے لیے بھوک اور پیاس ہے تو کھانا اور پینا بھی آخر میسر آ جاتا ہے۔ انسان کے واسطے دَم لینے کے واسطے ہوا کی ضرورت ہے تو وہ موجود ہے اور جسم کے لیے جس قدر سامان ضروری ہیں جبکہ وہ سب مہیا کر دیئے جاتے ہیں تو پھر رُوح کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ کیوں مہیا نہ ہوں گی؟ خدا تعالیٰ رحیم غفور اور ستار ہے اس نے رُوحانی بچاؤ کے واسطے بھی تمام سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ رُوحانی پانی کو تلاش کرے تو وہ اُسے ضرور پالے گا۔ اور رُوحانی روٹی کو ڈھونڈے تو وہ اُسے ضرور دی جائے گی۔ جیسا کہ ظاہری قانونِ قدرت ہے ویسا ہی باطن میں بھی قانونِ قدرت ہے لیکن تلاش شرط ہے جو تلاش کرے گا وہ ضرور پالے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں جو شخص سعی کرے گا خدا تعالیٰ اس سے ضرور راضی ہو جائے گا۔

اس زمانہ کے مولوی

یہ آخری زمانہ تھا اور تاریکی سے بھرا ہوا تھا۔ اس زمانہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اس زمانہ میں ایک آفتاب نکلے گا۔ مولوی لوگوں کو دیکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں تقویٰ کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ایک آدمی نے چار روپے کے زیور کے پیچھے ایک بچے کو قتل

کر دیا تھا۔ ان مولویوں سے جو ہم پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں کوئی یہ پوچھے کہ کیا ہم کلمہ نہیں پڑھتے پھر کیا وجہ ہے کہ انکے نزدیک ہم ہندو عیسائی وغیرہ ہر ایک سے بدتر ہیں ؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ مولوی لوگ طمع نفسانی کے بندے ہیں۔ ایک شخص نے مجھے خوب کہا تھا کہ ان مولویوں کا خاموش کرانا کیا مشکل تھا۔ آپ ان سب کو بلا کر دو دو روپے دے دیتے تو سب خاموش ہو جاتے اور کوئی بھی آپ کی مخالفت نہ کر سکتا۔ میں نے کہا کہ ہم نے تو ان لوگوں کے تقویٰ پر بھروسہ کیا تھا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ایسے نفسانی بندے نکلیں گے یہ تو منبروں پر کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے کہ موسیٰ کہاں اور عیسیٰ کہاں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ باوجود ایسے خطبے پڑھنے اور سنانے کے یہ وفاتِ مسیح پر ایسے مشتعل ہوں گے کہ گویا تمام دارومدار اسلام کا حضرت عیسیٰ کی زندگی پر ہے۔

شیطان کیساتھ آخری جنگ

لیکن یہ لوگ جو چاہیں سو کر لیں۔ اب تو خدا تعالیٰ کا ارادہ ہو چکا ہے کہ شیطان کو ہلاک کر دے۔ شیطان کی یہ آخری جنگ ہے اور وہ ضرور ہلاک ہو گا۔ وہ ضرور قتل کیا جائے گا۔ شیطان نے بھی حیاتِ مسیح میں پناہ لی ہے۔ مگر وفاتِ مسیح کے ثبوت کے ساتھ ہی شیطان بھی ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان نے پادریوں کے ہاں اور ان کے حامیوں کے ہاں بسیرا کیا ہے مگر خدا کے مسیح کے ساتھ ملائک اور راستباز لوگ جمع ہو رہے ہیں اور اسلام کی مخالفت میں ہر طرح کا زور دکھایا جا رہا ہے۔

ہندوستان مجموعۃ المذاہب ہے

اوّل تو یہ زمانہ ہی ایسا ہے کہ بسبب تار۔ ڈاک۔ ریل تمام زمین گویا ایک ہی شہر بن رہی ہے۔ ہر وقت کی خبریں آتی ہیں۔ کثرت سے لوگ اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں مگر بالخصوص ہندوستان ایسا ملک ہے جس میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو وجودِ باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔ پھر بے قید لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں جو چاہو سو کرو۔ پھر کتاب کے منکر برہمو موجود ہیں۔ انسان کے پجاری بھی ہیں۔ پتھروں کو خدا ماننے والے بھی ہیں۔ ایک لاکھ سے زائد مُرتد عیسائی موجود ہیں۔ سورج پرست ہیں۔ پانی کی پوجا کرنے والے، آگ کی پوجا کرنے والے ہیں۔ آتش پرستی کے بڑے مندر کو زلزلے نے گرا دیا تھا تو اب نیا بنا رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک زلزلہ اور آنے والا ہے۔ آزادی اس قسم کی ہے کہ جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کہہ گذرتا ہے۔ کسی کی پروا نہیں۔ غرض یہ وہی وقت ہے اور بالخصوص ہند میں وہی نظارہ موجود ہے جس کے واسطے پہلے سے پیشگوئی کی گئی تھی۔ عیسائی لوگ پچاس پچاس ہزار کتاب اسلام کے برخلاف شائع کر رہے ہیں۔

❖ ❖ ❖

آریوں کے عقاید کا بودا پن

① آریہ سماجی کہتے ہیں کہ کئی ارب سالوں کے بعد دنیا میں ایک کتاب آتی ہے اور وہ بار بار وید ہی ہوتے ہیں اور ہند میں ہی آتے ہیں اور سنسکرت کی ہی زبان اُن کے لیے خاص ہے گویا پرمیشر کو اور کسی ملک یا زبان کی خبر ہی نہیں۔ نہیں معلوم کہ پرمیشر ہندوستان پر ایسا کیوں ریجھ گیا ہے اور باوجود اس کے ہندوؤں کو ایسی ذلت میں کیوں رکھا ہے؟ اس وقت عیسائی بھی بادشاہ ہیں مسلمان بھی بادشاہ ہیں۔ بدھ بھی بادشاہ ہیں مگر کہیں آریوں کی بادشاہی نہیں۔ معلوم نہیں کہ پرمیشر کو کیوں یہ بہت پسند آیا؟ شاید اس وجہ سے کہ یہاں نیوگی لوگ رہتے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی بیوی کے واسطے موٹا تازہ خاوند تلاش کرتے ہیں کہ اس سے بہتر ہو اور اس کے لیے خوبصورت بچے جنے اور یہ بھی شرط ضروری ہے کہ وہ بیرج داتا برہمن ہو۔

② پھر انسان کو ہنسی آتی ہے کہ آریوں کا یہ ناپاک عقیدہ ہے کہ انسان ایک مدت تک نجات یافتہ ہو کر مکتی خانہ میں رہے اور پھر ناکردہ گناہ کی وجہ سے وہاں سے نکالا جاوے اور کُتا سُور بلا بنایا جاوے۔ آریہ کہتے ہیں کہ پرمیشر ہر ایک انسان میں تھوڑا سا گناہ بطور بیج کے لازماً باقی رکھ لیتا ہے جو اس کو دوبارہ پھنسانے کے کام آتا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس بقیہ گناہ کے سبب پھر سزائیں ایسی مختلف کیوں دی جاتی ہیں کہ کوئی شیر بنایا جاوے اور کوئی بکری۔ کوئی بچھو اور سانپ بنایا جاوے اور کوئی گھوڑا اور ہاتھی اور کوئی کرم ناپاک بنایا جائے اور کوئی انسان پوتر۔ پھر انسانوں میں کوئی مرد بنایا جائے اور کوئی عورت۔ اس تفریق کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟

③ پھر یہ بھی آریوں کا ایک عجیب مسئلہ ہے کہ مختلف گناہوں کے سبب مختلف جُونیں بنتی ہیں۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جس قدر جُونیں ہیں اسی قدر گناہوں کی تعداد ہو اور چونکہ الہامی کتاب صرف وید ہی ہے اس واسطے وہ تمام گناہ وید میں مذکور ہونے چاہئیں۔ لیکن جب وید کے احکام کو دیکھا جاتا ہے تو اُن کی گنتی آریوں کے نزدیک بھی چند سَو سے زائد نہ ہوگی۔ لیکن کئی ہزار قسم کے جانور تو جنگلوں میں موجود ہیں۔ کئی ہزار قسم کے کیڑے مکوڑے زمین پر رینگ رہے ہیں۔ پھر درختوں کے پرند اور سمندروں کے جانور جن کی گنتی ہی نہیں یہ اتنی جُونیں کہاں سے آگئیں۔

④ آریہ لوگ کہتے ہیں کہ رُوحوں کو بہشت میں سے نکالنے کی ضرورت اس واسطے پڑے گی کہ ان کی عبادت بہت محدود زمانہ کی تھی۔ ایسی محدود عبادت کا بدلہ بھی محدود وقت کے لیے ہونا چاہیئے مگر یہ عقیدہ بہت ہی فاسد ہے۔ آریہ لوگ ایسے محدود وقت کے خیال سے عبادت کرتے ہوں گے۔ اسلام میں تو یہ بات نہیں۔ ہمارا عہد تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ابدی ہے ہم کسی محدود وقت کی نیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ایسی

نیت کو کُفر جانتے ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی عبادت کا جُوا اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں وفات دے تو اس سے ہماری نیت میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اسی عبادت کے ثواب کو ساتھ لے کر فوت ہوتے ہیں۔ ہم اس کو محدود نہیں رکھتے۔

اسلام کا خُدا خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ قرآن شریف نے ایسا خدا پیش نہیں کیا جو ایسی ناقص صفات والا ہو کہ نہ وہ رُوحوں کا مالک ہے نہ ذرات کا مالک ہے نہ اُن کو نجات دے سکتا ہے نہ کسی کی توبہ قبول کر سکتا ہے۔ بلکہ ہم قرآنِ شریف کی رُو سے اس خدا کے بندے ہیں جو ہمارا خالق ہے۔ ہمارا مالک ہے۔ ہمارا رازق ہے۔ رحمان ہے۔ رحیم ہے۔ مالکِ یوم الدین ہے۔ مومنوں کے واسطے یہ شکر کا مقام ہے کہ اس نے ہم کو ایسی کتاب عطا کی جو اس کی صحیح صفات کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

افسوس ہے ان پر جنہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ ان مسلمانوں پر بھی افسوس ہے۔ جن کے سامنے عمدہ کھانا اور ٹھنڈا پانی رکھا گیا ہے لیکن وہ پیٹھ دے کر بیٹھ گئے ہیں اور اس کھانے کو نہیں کھاتے۔ زمانے کے مصائب سے بچانے کے واسطے ان کے لیے ایک وسیع محل تیار کیا گیا جس میں ہزاروں آدمی داخل ہو سکتے ہیں مگر افسوس اُن پر کہ وہ خود بھی داخل نہ ہوئے اور دوسروں کو بھی داخل ہونے سے روک دیا۔

یہ نفخِ صُور کا وقت ہے کیا پہلے سے نہیں کہا گیا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک قرنا آسمان سے پھُونکی جائے گی۔ کیا وحی خدا کی آواز نہیں۔ انبیاء جو آتے ہیں وہ قرنا کا حکم رکھتے ہیں۔ نفخِ صُور سے یہی مراد تھی کہ اس وقت ایک مامور کو بھیجا جائے گا۔ وہ سُنا دے گا کہ اب تمہارا وقت آگیا ہے۔ کون کسی کو درست کر سکتا ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ درست نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایک قوتِ جاذبہ عطا کرتا ہے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کام کبھی جبط نہیں جاتے۔ ایک قدرتی کشش کام کر دکھائے گی۔ اب وہ وقت آگیا ہے جس کی خبر تمام انبیاء ابتداء سے دیتے چلے آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا وقت قریب ہے اس سے ڈرو اور توبہ کرو[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۴ تا ۹ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۸ء و
الحکم جلد ۱۲ نمبر ۵ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۸ر جنوری ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ

سفر میں نمازوں کا قصر

سوال پیش ہوا کہ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟

فرمایا:۔

ہاں۔ دیکھو اپنی نیت کو خوب دیکھ لو۔ ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ہر روز معمول کاروبار یا سفر کے لیے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لیے گھر چھوڑ کر جائے اور عُرف میں وہ سفر کہلاتا ہو۔ دیکھو۔ یوں تو ہم ہر روز سیر کے لیے دو دو میل نکل جاتے ہیں مگر یہ سفر نہیں ایسے موقعہ پر دل کے اطمینان کو دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر وہ بغیر کسی خلجان کے فتویٰ دے کہ یہ سفر ہے تو قصر کرے۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ (اپنے دل سے فتویٰ لو) پر عمل چاہیئے۔ ہزار فتویٰ ہو پھر بھی مومن کا نیک نیتی سے قلبی اطمینان عمدہ شئے ہے۔

عرض کیا گیا کہ انسانوں کے حالات مختلف ہیں بعض نو دس کوس کو بھی سفر نہیں سمجھتے۔ بعض کے لیے تین چار کوس بھی سفر ہے۔

فرمایا:۔

شریعت نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا۔ صحابہ کرام نے تین کوس کو بھی سفر سمجھا ہے۔

عرض کیا گیا۔ حضور ٹبالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں۔ فرمایا:۔

ہاں کیونکہ وہ سفر ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دورہ کئی گاؤں میں پھرتا ہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اسے سفر نہیں کہہ سکتا۔

قربانی کا بکرا

سوال پیش ہوا۔ ایک سال کا بکرا بھی قربانی کے لیے جائز ہے؟

فرمایا:۔

مولوی صاحب سے پوچھ لو۔ اہلحدیث و حنفاء کا اس میں اختلاف ہے[1]

قربانی کیلئے ناقص جانور

ایک شخص نے حضرت سے دریافت کیا کہ اگر جانور مطابق علامات مذکورہ در حدیث نہ ملے تو کیا ناقص کو ذبح کر

---

[1] نوٹ از ایڈیٹر صاحب بدر:۔ "مولوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ دو سال سے کم کا بکرا قربانی کیلئے اہل حدیث کے نزدیک جائز نہیں"۔

سکتے ہیں؟

فرمایا:-

مجبوری کے وقت تو جائز ہے مگر آجکل ایسی مجبوری کیا ہے۔ انسان تلاش کر سکتا ہے اور دن کافی ہوتے ہیں خواہ مخواہ حجت کرنا یا تساہل کرنا جائز نہیں[1]

۳؍جنوری ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

قرآنِ کریم میں مذکور آخری زمانہ کی علامات

فرمایا:-

قرآن مجید میں آتا ہے کہ کفار کہیں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (الملک: ۱۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تدبّر کے سوا ایمان صحیح نہیں ہوتا۔ سورۃ تکویر میں سب نشانات آخری زمانے کے ہیں۔ انہیں میں سے ایک نشان ہے وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) یعنی جب اونٹنیاں بیکار چھوڑی جائیں گی۔ اسی کی تفسیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَيُتْرَكُنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعَىٰ عَلَيْهَا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود بھی اسی زمانہ میں ہو گا بلکہ اس کے ابتدائی زمانے کے یہ نشان ہیں۔

پھر فرمایا وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (التکویر: ۸) یعنی ایسے اسباب سفر مہیا ہو جائیں گے کہ قومیں باوجود اتنی دُور ہونے کے آپس میں مل جائیں گی حتیٰ کہ نئی دُنیا پُرانی سے تعلقات پیدا کر لے گی۔ یاجوج ماجوج کا آنا، دجّال کا نکلنا اور صلیب کا غلبہ یہ بھی اسی زمانہ کے نشان ہیں۔ ان کے متعلق لوگوں نے غلط فہمی سے تناقض پیدا کر لیا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب الگ الگ ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام روئے زمین پر محیط ہو جائیں گے۔ پس اگر یاجوج ماجوج محیط ہو گئے تو پھر دجّال کہاں احاطہ کرے گا اور صلیب کا غلبہ کس جگہ ہو گا؟ سوائے یہ کہنے کے کچھ چارہ نہیں کہ یہ سب ایک ہی قوم کے مختلف افراد ہیں اور اگر ان کو ایک بنا دیں تو پھر کوئی مشکل نہ رہے گی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا ہے۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا (الکہف: ۱۰۰) جس سے ظاہر ہے کہ نہایت درجہ

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۲ مورخہ ۲۳؍جنوری ۱۹۰۸ء

کا اختلاف پیدا ہو جائے گا اور سب مذاہب ایک دنگل میں ہو کر نکلیں گے۔ تَرَکْنَا کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آزادی کا زمانہ ہوگا اور یہ آزادی کمال تک پہنچ جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے مامور کی معرفت ان کو جمع کرنے کا ارادہ کرے گا۔ پہلے دیکھو جَمَعْنٰھُمْ فرمایا اور ابتدائے عالم کے لیے خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (النساء: ۲) فرمایا۔ لفظ بَثَّ اور جَمَعَ آپس میں پورا تناقض رکھتے ہیں۔ گویا دائرہ پورا ہو کر پھر وہی زمانہ ہو جائے گا۔ پہلے تو وحدتِ شخصی تھی۔ اب خیر میں وحدتِ نوعی ہو جائے گی اس سے آگے فرماتا ہے وَعَرَضْنَا جَھَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ عَرْضًا (الکھف: ۱۰۱) یہ مسیح موعود کے زمانے کا ایک نشان بتلایا کہ اس دن جہنم پیش کیا جاوے گا ان کافروں پر۔ یہ قیامت کا ذکر نہیں کیونکہ اس دن جہنم کا پیش کیا کرنا ہے اس روز تو اس میں کفار داخل ہوں گے جہنم سے مراد طاعون ہے۔ چنانچہ ہمارے الہامات میں کئی بار طاعون کو جہنم فرمایا گیا ہے۔ یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَّیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ بھی ایک الہام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرقوں کا ذکر فرما دیا۔ ایک تو وہ سعید جنہوں نے مسیح کو قبول کیا دوسرے وہ شقی جو مسیح کا کفر کرنے والے ہوں گے۔ اُن کے لیے فرمایا کہ ہم طاعون بطور جہنم بھیجیں گے اور نُفِخَ فِی الصُّوْرِ (الکھف: ۱۰۰) سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وحی کے ذریعہ ان میں آواز دی جاتی ہے اور پھر یہ آواز اُن کی معرفت تمام جہان میں پہنچتی ہے۔ پھر ان میں ایک ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ باوجود اختلافِ خیالات وطبائع وحالات کے اس کی آواز پر جمع ہونے لگتے ہیں اور آخر کار وہ زمانہ آجاتا ہے کہ ایک ہی گلہ اور ایک ہی گلہ بان ہو۔

خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے خود ہی ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جس سے تمام سعید رُوحیں ایک دین پر جمع ہو سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا تھا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۹) ایک طرف یہ جَمِیْعًا دوسری طرف جَمَعْنٰھُمْ ایک خاص علاقہ رکھتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کارروائی تو اس جمع کی تو اسی زمانہ نبوی میں شروع ہو گئی تھی مگر اسباب کا تہیہ کمال پر اس زمانہ میں پہنچا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سفر کی تمام راہیں نہ کھلی تھیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہیں پہنچی مگر اب تو ڈاک تار، ریل سے زمین کے اس سرے سے اُس سرے تک خبر پہنچ سکتی ہے۔ یہ حجاز ریلوے جو بن رہی ہے یہ بھی اسی پیشگوئی کے ماتحت ہے۔ عرب کے کئی لوگ کہنے لگ گئے ہیں کہ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) کا زمانہ آگیا۔ عِشَار (گابھن اونٹنیاں) کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب قیامت سے پہلے ہوگا کیونکہ اس دن کی نسبت تو لکھا ہے کہ ہر حمل والی اپنا حمل گرا

دے گی اور پھر اس دن تو ہر چیز معطّل ہو جائے گی، اونٹنیوں کی خصوصیت کیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ اب تجارت کا دارومدار اُونٹنیوں پر ہے پھر ریل پر ہوگا اور چونکہ حدیث میں یہی زمانہ مسیح موعود کا لکھا ہے اس لیے اب عرب والوں کو مسیح موعود کی تلاش کرنی چاہیئے۔ دیکھو اب تو اُن کے گھر میں ریل بن رہی ہے اور خود ہمارے دشمن اس میں سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی ایک نشان ہے کہ ہمارے دشمنوں کو خدا نے ہمارے کام میں لگا دیا ہے۔ چندہ تو دے رہے ہیں وہ اور صداقت ہماری ثابت ہو گی۔

نشانات کی تکذیب

افسوس کہ یہ لوگ ہمارے بغض کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی تکذیب بھی کر دیتے ہیں مگر کس کس نشان کی یہ تکذیب کریں گے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے لیے طاعون بھیجا۔ زلزلہ بھی آیا۔ یاجوج ماجوج، دجّال کا خروج ہو چکا، کسوف خسوف ماہِ رمضان میں غیر معمولی طور سے ہو چکا۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ جب واقع ہو گئی تو اب راویوں پر جرح فضول ہے۔ جب کوئی امر واقع ہو جائے تو بڑا ہی بیوقوف ہے وہ شخص جو پھر بھی کہے کہ فلاں راوی ایسا ہے اور فلاں ایسا۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ بعض حدیثیں صحیح، عجب نہیں اگر موضوع ثابت ہوں اور کئی ایسی حدیثیں جنہیں موضوع کہتے ہیں صحیح واقعات نے صحیح ثابت کیں۔ ان لوگوں میں ذرا بھی ایمان ہو تو مان لیں۔ دیکھو حدیث و قرآن و حالاتِ موجودہ کا آپس میں کیا تطابق ہوا ہے۔ یہ ہمیں مفتری کہتے ہیں۔ اچھا الہام بنانے پر تو ہمارا اختیار ہے کیا آسمان پر بھی ہمارا اختیار تھا کہ ہم ماہِ رمضان میں خلافِ معمول کسوف و خسوف کراتے؟ کیا طاعون پر ہمارا اختیار تھا کہ اُسے لے آتے؟ کیا ریل ہماری کوشش سے بن رہی ہے؟ اصل بات وہی ہے جو خدا نے عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا (الکھف: ۱۰۱) سے آگے فرمایا اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (الکھف: ۱۰۲) ذکر سے مراد یہ ہے کہ جو میں نے ان کو اپنے مامور کی معرفت یاد کیا۔ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا یہی ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے ایک مصلح کو بھیج دیا۔ سو اس مامور سے وہ غفلت میں رہے۔ ان کی آنکھوں کے آگے طرح طرح کے شبہات کے حجاب چھائے رہے اور حق کا نور نظر نہ آیا کیونکہ جوشِ تعصب سے ان کی ایسی حالت ہو گئی جو وہ اس مامور کی بات کو سُن ہی نہیں سکتے (وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا) (الکھف: ۱۰۲) اب ان لوگوں کی حالت یہی ہو رہی ہے اور اس کی سزا بھی وہی مل رہی ہے جو قرآن مجید میں ہے کہ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا (الکھف: ۱۰۱)

لہ بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء

۶ر جنوری ۱۹۰۸ء

موجودہ حالات میں مصلح کی ضرورت

ایک دوست نے اپنا خواب بیان کیا جس میں یہ آیت بھی تھی وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔

(الطّلاق : ۳)

فرمایا :-

ایک عالمگیر عذاب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جس سے نجات کا ذریعہ صرف تقویٰ ہی ہے۔ دیکھو یہ قحط جو بڑھتا جاتا ہے یہ بھی شامتِ اعمال ہی ہے۔ جو اس سے بچنا چاہتے ہیں وہ اللہ کے حضور توبہ کریں مگر توبہ کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ بار بار تکذیب کرتے ہیں۔ نشان پر نشان دیکھتے ہیں اور پھر نہیں مانتے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ کیوں تکذیب و تکفیر پر کمربستہ ہیں۔ نہ قرآن مجید ان کے ساتھ نہ احادیث ان کے ساتھ موجودہ حالات پکار پکار کر ایک مصلح کی ضرورت بتا رہی ہیں۔ غرض عقلی نقلی دونو طریق سے یہی جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے۔ بار بار جہاد کو پیش کرتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ جب کوئی گورنمنٹ مذہب کیلئے نہیں لڑتی تو وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا وہ کس لیے تلوار سے جہاد کرتا۔ اب تو زمانہ دلائل سے جہاد کرنے کا ہے جو ہو رہا ہے۔

یہ لوگ عجیب قسم کی تاریکی میں ہیں کہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جو اُن کے رہبر بنے ہوئے ہیں وہ عجیب قسم کے مکروں سے کام لے رہے ہیں۔ دُنیا ہی دُنیا ان کا مقصود ہے۔ اسلام میں ایک بیج بویا گیا تھا بجائے اس کے کہ اس کی آبیاری کرتے اس کو اُجاڑنے کے درپے ہیں۔[1]

۸ر جنوری ۱۹۰۸ء

آخری زمانہ کے اکثر نشانات پُورے ہو چکے ہیں

فرمایا :-

بڑے تعجب کی بات ہے کہ آخری زمانہ کے متعلق جس قدر نشانات تھے ان میں سے بہت نشانات پُورے ہو چکے مگر پھر بھی لوگ توجہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اس کو ان لوگوں کی پروا نہیں جو اس سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں یہ لوگ دُنیا کے معمولی کاموں کے

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۸ء

یہ کس قدر تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اس کا عشر عشیر بھی دین کی تحقیق کے لیے محنت نہیں اُٹھاتے۔ بلکہ طرح طرح کے بیہودہ عذر کرتے ہیں۔ حالانکہ جیسے اور معمولی کام دُنیا کے کر رہے ایسے ہی اس اَلنَّبَاِ الْعَظِیْمِ کی تحقیق بھی یہ کر سکتے ہیں جس پر اُخروی زندگی کی بہبودی کا دارو مدار ہے۔

مامور من اللہ کا انکار سب سے بڑا گناہ ہے

ایک شخص نے جو اکثر صوفیوں کی صُحبت میں رہا ہے عرض کیا کہ دُعا کریں کہ مجھے خدا کا شوق و معرفت حاصل ہو۔ فرمایا:۔

پہلے ایمان کو درست کرو۔ یہ ریاضتیں جو طریقۂ نبوی سے باہر ہیں یہ تو کسی کام نہ آئیں گی اور نہ منزلِ مقصود کو پہنچائیں گی۔ دیکھو بعض جوگی اس قدر ریاضتیں کرتے ہیں کہ اپنے بازو سُکھا دیتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ ایک تو ارشادِ نبوی کے خلاف۔ دوم ایمان ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدۃ: ۲۸) یعنی اللہ ان کی عبادت قبول کرتا ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور ڈرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے منشاء کے مطابق کام کرتے ہیں اور سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ اس کے مامور کو مانیں۔ دیکھو یہودی خدا کو مانتے ہیں اور مُشرک بھی نہیں۔ قبلہ بھی ان کا وہ ہے جو پہلے مسلمانوں کا رہ چکا ہے مگر پھر بھی خدا کے حضور مقبول نہیں۔ صرف اس لیے کہ خدا کے رُسول کو نہ مانا۔ رسولوں کو نہ ماننے سے وہی جنہیں عالمین پر فضیلت دی گئی تھی ملعون ہوئے۔ کیونکہ گناہ تو اور بھی ہیں مگر سب سے بڑا گناہ مامور من اللہ کا انکار ہے۔

غور کر کے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے بڑا گناہ یہ کیوں ہے۔ جس قدر گناہ ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے احکام کی نافرمانبرداری سے پیدا ہوتے ہیں اور خدا کے احکام ماموروں کی معرفت دنیا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پس جب ان احکام کے لانے والے کو نہ مانا تو گویا اللہ کے کسی حکم کو بھی نہ مانا کیونکہ جس نے اللہ کی مرضی ظاہر کرنی تھی جب اس کا انکار کیا تو اس کی رضامندی کی راہوں کا کیونکر علم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی باوجود خدا کو ماننے۔ نماز روزہ کرنے کے بندر سُور کہلائے۔

وصول الی اللہ کا ذریعہ

اس شخص نے عرض کیا حضور میں ایمان لایا۔ فرمایا:۔

پھر توبہ استغفار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) پوری کوشش سے اس کی راہ میں لگے رہو منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے بُخل نہیں۔ آخر انہیں مسلمانوں میں سے وہ تھے جو قطب اور ابدال اور غوث ہوئے۔ اب بھی اس کی رحمت کا دروازہ بند نہیں۔ قلبِ سلیم پیدا کرو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ دُعائیں کرتے رہو۔ ہماری تعلیم پر چلو۔ ہم بھی دُعا کریں گے۔

طریق اسلام یاد رکھو۔ ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا۔ آجکل فقراء نے کئی بدعتیں نکال لی ہیں۔ یہ چلّے اور وِرد وظائف جو انہوں نے رائج کر لیے ہیں ہمیں ناپسند ہیں۔ اصل طریق اسلام قرآن مجید کو تدبر سے پڑھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا اور نماز توجہ کے ساتھ پڑھنا اور دُعائیں توجہ اور انابت الی اللہ سے کرتے رہنا۔ بس نماز ہی ایسی چیز ہے جو معراج کے مراتب تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ والسلام[1]

۹ر جنوری ۱۹۰۸ء

اپنی کتابوں میں تکرارِ مضامین کی وجہ فرمایا:۔

ہم جو کتاب کو لمبا کر دیتے ہیں اور ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ مختلف طبائع مختلف مذاق کے ناظرین کسی نہ کسی طریقے سے سمجھیں اور شاید کسی کو کوئی نکتہ دل لگ جائے اور اس سے ہدایت پا لے اور یوں بھی اکثر دل جو طرح طرح کی غفلتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اُن کو بیدار کرنے کے لیے ایک بات کا بار بار بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

آریوں کا رویہ تقویٰ سے بعید ہے فرمایا:۔

عیسائیوں کی دشمنی تو اسلام سے پُرانی ہو گئی ہے اور ان کے پادری اب گلے پڑا ڈھول بجا رہے ہیں۔ مگر یہ آریہ ابھی تازہ تازہ دشمنی رکھتے ہیں اس لیے زیادہ پُر جوش ہیں۔ مگر افسوس کہ ان میں طلبِ حق نہیں۔ اُن کے اعتراضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معترضوں نے صحیح طریق سے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ چنانچہ یہ لکھتا ہے کہ مسلمان کہتے ہیں قرآن آسمان سے لکھا لکھایا اُترا۔ بھلا جی وہ کس طرح اُترا؟ دراصل مسلمان جو استعارے کے رنگ میں کہتے ہیں کہ قرآن مجید آسمان سے اُترا ہے اس کے غلط معنے اس نے کر لیے مگر یہ طریق تقویٰ سے بہت بعید ہے[2]

۱۲ر جنوری ۱۹۰۸ء

عوام میں مشہور ایمان کی علامات جمعہ کے دن مرنا، مرتے وقت ہوش کا قائم رہنا یا چہرہ کا رنگ اچھا ہونا۔ ان علامات کو ہم قاعدہ کلیہ کے طور

---

[1]، [2] بدر جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۸ء

سے ایمان کا نشان نہیں کہہ سکتے کیونکہ دہریہ بھی اس دن مرتے ہیں۔ ان کا ہوش قائم اور چہرہ سفید رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض امراض ہی ایسے ہیں مثلاً دق و سل کہ ان کے مریضوں کا اخیر تک ہوش قائم رہتا ہے بلکہ طاعون کی بعض قسمیں بھی ایسی ہی ہیں۔ ہم نے بعض دفعہ دیکھا کہ مریض کو کلمہ پڑھایا گیا اور یٰسٓ بھی سُنائی۔ بعد ازاں وہ بچ گیا اور پھر وہی بُرے کام شروع کر دیئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدقِ دل سے ایمان نہیں لایا۔ اگر سچی توبہ کرتا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا۔

اصل میں اس وقت کا کلمہ پڑھنا ایمان لانا نہیں۔ یہ تو خوف کا ایمان ہے جو مقبول نہیں[1]

۱۳ر جنوری ۱۹۰۸ء

بوقتِ ظہر

علماء کے نزدیک

فرمایا:۔

گویا ان کے نزدیک اپنی ہی قوم میں دجال، اپنی ہی میں کافر، اپنی ہی میں سب بدیاں ہیں۔ باہر نظر نہیں جاتی تا دیکھیں کہ دجالیت کس فرقہ میں ہے اور کفار کون ہیں[2]

۱۸ر جنوری ۱۹۰۸ء

ہمارے مقابل پر خواب اور الہام

جو الہام یا خواب ہمارے مقابل پیش کئے جائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیش از وقت دعویٰ کے ساتھ شائع کئے گئے ہوں اور پھر پورے ہوں۔ یُوں تو ہر ایک مفتری کہہ سکتا ہے کہ میں نے ایسا خواب دیکھا جو پورا ہو گیا[3]

۱۹ر جنوری ۱۹۰۸ء

سچا مسیح کہاں ہے؟

اگر ہم رسمی "المسیح الدجال" ہیں اور یہ بات کسی صحیح واقعہ پر مبنی ہے تو پھر احادیث میں تو اس کے ساتھ ہی مسیح موعود کا ذکر بھی ہے۔ پس

---

[1] بدر جلد ۷، نمبر ۳ صفحہ ۳ مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۰۸ء ؛ [2] [3] بدر جلد ۷، نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۹۰۸ء

بتلائیں کہ وہ سچا مسیح کہاں ہے اور کب آسمان سے اُترا؟[1]

بلاتاریخ

قرض کا علاج

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ پر بڑا قرض ہے۔ دُعا کیجئے۔

فرمایا:۔

توبہ استغفار کرتے رہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو استغفار کرتا ہے اُسے رزق میں کشائش دیتا ہے۔

سودی لین دین

پھر پوچھا کہ: اتنا قرض کس طرح چڑھ گیا؟

اس نے کہا۔ بہت سا حصہ سُود ہی ہے۔

فرمایا:۔

بس پھر تو شامتِ اعمال ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے اسے سزا ملتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے فرما دیا کہ اگر سود کے لین دین سے باز نہ آؤ گے تو لڑائی کا اعلان ہے۔ خدا تعالیٰ کی لڑائی یہی ہے کہ ایسے لوگوں پر عذاب بھیجتا ہے۔ پس یہ مفلسی بطور عذاب اور اپنے کئے کا پھل ہے۔

سُودی لین دین سے بچنے کا طریق

اس شخص نے عرض کیا۔ کیا کریں مجبوری سے سُودی قرضہ لیا جاتا ہے۔

فرمایا:۔

جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کا کوئی سبب پردۂ غیب سے بنا دیتا ہے۔ افسوس کہ لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے کہ متقی کے لیے خدا تعالیٰ کبھی ایسا موقعہ نہیں بناتا کہ وہ سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ یاد رکھو جیسے اور گناہ ہیں مثلاً زنا، چوری ایسے ہی یہ سُود دینا اور لینا ہے۔ کس قدر نقصان وہ یہ بات ہے کہ مال بھی گیا، حیثیت بھی گئی اور ایمان بھی گیا۔ معمولی زندگی میں ایسا کوئی امر ہی نہیں کہ جس پر اتنا خرچ ہو جو انسان سُودی قرضہ لینے پر مجبور ہو۔ مثلاً نکاح ہے اس میں کوئی خرچ نہیں۔ طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنت ہے۔ سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے۔ انسان اگر کفایت شعاری سے کام لے تو اس کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ اپنی نفسانی خواہشوں اور عارضی خوشیوں کے لیے خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیتے

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۰۸ء

ہیں جو ان کی تباہی کا موجب ہے۔ دیکھو سُود کا کس قدر سنگین گناہ ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں۔ سُور کا کھانا تو بحالتِ اضطرار جائز رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ: ۱۷۴) یعنی جو شخص باغی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ غفور رحیم ہے مگر سُود کے لیے نہیں فرمایا کہ بحالتِ اضطرار جائز ہے بلکہ اس کے لیے تو ارشاد ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (البقرۃ: ۲۷۹-۲۸۰) اگر سُود کے لین دین سے باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اسے حاجت ہی نہیں پڑتی۔ مسلمان اگر اس ابتلاء میں ہیں تو یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے۔ ہندو اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو مالدار ہو جاتے ہیں۔ مسلمان یہ گناہ کرتے ہیں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کے مصداق ہیں۔ پس کیا ضروری نہیں کہ مسلمان اس سے باز آجائیں؟

انسان کو چاہیئے کہ اپنے معاش کے طریق میں پہلے ہی کفایت شعاری مدِنظر رکھے تاکہ سُودی قرضہ اُٹھانے کی نوبت نہ آئے جس سے سود اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ ابھی کل ایک شخص کا خط آیا تھا کہ ہزار روپیہ دے چکا ہوں۔ ابھی پانچ چھ سو باقی ہے۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ عدالتیں بھی ڈگری دے دیتی ہیں۔ مگر اس میں عدالتوں کا کیا گناہ جب اس کا اقرار موجود ہے تو گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ سُود دینے پر راضی ہے۔ پس وہاں سے ڈگری جاری ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بہتر تھا کہ مسلمان اتفاق کرتے اور کوئی فنڈ جمع کر کے تجارتی طور سے اُسے فروغ دیتے تاکہ کسی بھائی کو سُود پر قرضہ لینے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ اسی مجلس سے ہر صاحبِ ضرورت اپنی حاجت روائی کر لیتا اور میعاد مقررہ پر واپس دے دیتا۔

حکیم فضل دین صاحب نے سُنایا کہ علامہ نورالدین بھیرہ میں حدیث پڑھا رہے تھے۔ باب الربوٰ تھا۔ ایک سُود خور ساہوکار آکر پاس بیٹھ گیا۔ جب سُود کی ممانعت سُنی تو کہا اچھا مولوی صاحب آپ کو نکاح کی ضرورت ہو تو پھر کیا کریں؟ انہوں نے کہا بس ایجاب قبول کر لیا جائے۔ پوچھا اگر رات کو گھر میں کھانا نہ ہو تو پھر کیا کرو؟ کہا۔ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے لاؤں روزنہ بیچ کر کھاؤں۔ اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگا آپ کو دس ہزار تک اگر ضرورت ہو تو مجھ سے بلا سُود لے لیں۔

فرمایا:۔

دیکھو جو حرام پر جلدی نہیں دوڑتا بلکہ اس سے بچتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے حلال کا ذریعہ نکال دیتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق: ۳) جو سود دینے سے اور ایسے حرام کاموں سے بچے خدا تعالیٰ

اس کے لیے کوئی سبیل بنا دے گا۔ ایک کی نیک اور نیک خیال کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ کوئی اپنی جگہ پر استقلال رکھے تو سود خود بھی مفت دینے پر راضی ہو جاتے ہیں [1]

بلا تاریخ

بنک کا سود

ایک صاحب کا ایک خط حضرت کی خدمت میں پہنچا کہ جب بنکوں کے سود کے متعلق حضور نے اجازت دی ہے کہ موجودہ زمانہ اور اسلام کے حالات کو مدنظر رکھ کر اضطرار کا اعتبار کیا جائے سو اضطرار کا اصول چونکہ وسعت پذیر ہے اس لیے ذاتی، قومی ملکی، تجارتی وغیرہ اضطرابات بھی پیدا ہو کر سود کا لین دین جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا:۔

اس طرح سے لوگ حرامخوری کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ بنک کا سود بہ سبب اضطرار کے کسی انسان کو لینا اور کھانا جائز ہے۔ بلکہ اشاعت اسلام میں اور دینی ضروریات میں اس کا خرچ جائز ہونا بتلایا گیا ہے۔ وہ بھی اس وقت تک کہ امداد دین کے واسطے روپیہ مل نہیں سکتا اور دین غریب ہو رہا ہے کیونکہ کوئی شئے خدا تعالیٰ کے واسطے تو حرام نہیں۔ باقی رہی اپنی ذاتی اور ملکی اور قومی اور تجارتی ضروریات۔ سو اُن کے واسطے اور ایسی باتوں کے واسطے سود بالکل حرام ہے۔ وہ جواز جو ہم نے بتلایا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ مثلاً کسی جاندار کو آگ میں جلانا شرعاً منع ہے لیکن ایک مسلمان کے واسطے جائز ہے کہ اس زمانہ میں اگر کہیں جنگ پیش آوے تو توپ بندوق کا استعمال کرے کیونکہ دشمن بھی اس کا استعمال کر رہا ہے۔

تراویح کی رکعات

تراویح کے متعلق عرض ہوا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس رکعت پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہے

فرمایا:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہے اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رات کے اوّل حصے میں اُسے پڑھا۔ بیس رکعات بعد میں پڑھی گئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی [2]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء ؛ [2] بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۷ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ

محرم کی رسوم

شیعہ تو اس غلطی میں تھے ہی ہمارے سُنّی بھائی بھی کچھ اس رنگ میں رنگین ہوتے جاتے ہیں اور محرم کے دنوں میں مرثیہ خوانی کی مجلسوں میں شریک ہوتے تعزیئے بناتے ہیں۔ اور پھر کچھ شربت اور چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے متعلق امام الائمہ حجۃ اللہ خلیفۃ اللہ علی الارض کا فتویٰ نقل کر دیا جاتا ہے کہ کم از کم ہمارے احمدی بھائی ہی اس سے الگ رہیں۔

نیاز مند اکمل نے سوال کیا کہ محرم کی دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للہ بنیت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے (اماموں کے نام پر دینا تو حسب آیت وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرۃ: ۱۷۴) حرام ہے)

فرمایا:-

ایسے کاموں کے لیے دن اور وقت مقرر کر دینا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لیے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائدِ باطلہ دُور نہیں ہوتے [1]

بلا تاریخ

خواب تعبیر طلب ہوتی ہے

کسی نے اپنا خواب بیان کیا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ گجرات میں انجیر ہوتی ہے اس کا شربت بنوا کر پیو۔

فرمایا:-

خواب تعبیر طلب بھی ہوتی ہے۔ انجیر گرمی سے بچاتی ہے۔ قرآن شریف میں بھی تین کا ذکر ہے مگر وہاں اور اشارات ہیں۔ اس سے ثبوتِ نبوت دیا گیا ہے۔

طبابت ظنّی علم ہے

علمِ طبابت ظنی ہے۔ کسی کو کوئی دوا پسند کسی کو کوئی۔ ایک دوا ایک شخص کے لیے مُضر ہوتی ہے دوسرے کے لیے وہی دوا نافع۔ دوائیوں کا راز اور شفا دینا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی کو یہ علم نہیں۔ کل ایک دوائی میں استعمال کرنے لگا تو الہام ہوا "خطرناک"

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۵ مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء

دوائیں اندازہ کرنے پر مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ضرورتوں کو لینا چاہیئے۔

مسلمان کس طرح ترقی کر سکتے ہیں؟

آریہ اگر یہ گند نہ بولتے تو ہمارے لیے تحریک نہ ہوتی۔ حقائق و معارف کے لیے اُن کے اعتراضات بہانہ ہو گئے۔ غیر قوموں میں اپنے قومی مذہبی کاموں میں چندہ دینے کا جو جوش ہے وہ مسلمانوں میں نہیں۔ شاید اس لیے کہ "کریماں را بدست اندر درم نیست"۔ مگر مسلمانوں میں بھی کئی نواب ہیں۔ کئی اُمراء و دولتمند۔ ہر مسلمان کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ سچائی پھیل جائے۔ مسلمانوں پر پہلے بھی جب اقبال کا زمانہ آیا تو دینی رنگ میں ترقی کرنے سے اب بھی اگر وہ پہلا زمانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دین کی طرف توجہ کریں۔ ان لوگوں کی تقلید سچے مسلمانوں کے لیے کوئی نتیجہ نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں میں جو آجکل مصلح بنے ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنی حالت درست کریں، نماز روزہ کے احکام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں قوم کی ترقی سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو دین کے ذریعہ ترقی چاہتا ہے اور یہ لوگ بے دین ہونے سے ترقی طلب کرتے ہیں۔ جس میں کبھی کامیابی نہیں ہوگی۔ اسلام ہی خدا کو واحد لاشریک مانتا ہے۔ اگر مسلمان بھی اس توحید سے الگ ہو گئے تو ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

دوسری قوموں کی تقلید اُن کے لیے مبارک نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کو اگر بے دینی سے کامیابی ہوتی بھی ہے تو یہ بطور ابتلاء ہے۔ ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا معاملہ علیحدہ ہے۔ عیسائی قومیں ناپسند کریں۔ شراب خوری قمار بازی کریں تو یہ اُن کے لیے مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر مسلمان ایسے کام کریں تو ان پر ضرور عذاب نازل ہوگا۔ دیکھو ظاہری سلطنت کا بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر ملازم کسی شورش کے جلسہ میں شامل ہو تو اس کو عبرت ناک سزا دی جاتی ہے۔ پس اسی طرح جو کلمہ پڑھنے والے ہیں یہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ اگر یہ لوگ گستاخی کریں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کریں تو ضرور گرفتار ہوں گے۔ یہ الہام جو ہم کو ہوا

"وہ وعدہ ٹلے گا نہیں جب تک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہہ نہ جائیں"

تو اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کی توحید دُنیا سے گم ہو۔ جب مسلمان ہی کفر و شرک کو پسند کرنے لگیں تو پھر دوسری قوموں کا کیا گلہ ہو سکتا ہے۔ پہلے گھر صاف ہو تو پھر دوسرے لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے تمام قوموں میں دہریت بڑھتی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی ہستی ثابت کرنا چاہتا ہے اور اوّل خویشاں بعد درویشاں کے مطابق ہمارا فرض ہے کہ پہلے اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ جب مسلمانوں ہی میں ہزاروں گند ہوں تو دوسروں کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ جہاد جہاد پکارتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ہمیں جہاد کرنے کا حکم ہوتا تو سب سے پہلے انہیں سے کیا جانا چاہیئے تھا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ جس قوم کے اندر کتاب ہو پہلے اسے درست کیا جاتا ہے۔ پھر دوسری

قوموں کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ موجود ہے۔ سب سے پہلے قریش کی اصلاح کی۔ پھر یہود و نصاریٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

مسلمانوں کے دو گروہ

مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک جو پورا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے جن میں سے وہ بھی ہیں جن کی نسبت آریہ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے اتنے مسلمانوں کو آریہ کر لیا پہاڑ میں ایسے آدمی ہم نے بہت دیکھے ہیں کہ جن کو اسلام کی کچھ خبر ہی نہیں دوسرے وہ جو مہذب تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ یہ اسلام کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نماز کے ارکان پر ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ نماز روزہ وحشیانہ زمانے کی باتیں ہیں۔ یہ احکام آجکل کے زمانہ میں مناسب نہیں۔ پس ان دونو گروہوں کی اصلاح سب سے اوّل ضروری ہے۔ مگر ہم کیا اصلاح کر سکتے ہیں۔ جب تک آسمان ہی سے نہ ہو۔ جس کے کان سُننے کے ہوں اسے ہم بخوشی سُناتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ بیان کرو تو وہ سنیں گے ہی نہیں یا بات کو دوسری طرف لے جائیں گے۔ بے دینی کی ایک زہرناک ہوا چل رہی ہے جس نے کسی کو ہلاک کر دیا، کسی کو اندھا، کسی کو مست۔ وہ جو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے ہیں۔ بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ فرقے تو بہت ہو گئے تھے مگر دہریہ سب سے زیادہ ہیں عظمتِ الٰہی مطلق نہیں رہی۔ عظمت کیا ہو جبکہ خدا کے وجود پر ہی یقین نہیں رہا۔

آخری علاج

ہر نبی کے زمانہ میں کچھ نہ کچھ خونریزی ہوئی۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (الانفال: ۶۸) انسانوں کے ہاتھوں پر جو امور مقدر تھے وہ تو ختم ہو چکے۔ اب خدا تعالیٰ نے ایسے کُل امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ طاعون، زلزلے، طرح طرح کے امراض، مصائب سب خدا کی تلواریں ہیں۔ تعجب ہے کہ حادثے پر حادثے آتے ہیں مصیبت پر مصیبت آتی ہے مگر ہماری جماعت کے سوا دوسرا کوئی ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ سب بلائیں اس لیے ہیں کہ لوگوں کی غفلت دُور ہو۔ وہ تضرّع اختیار کریں اور سمجھیں کہ خدا ہے۔ دیکھو ہر پہلو سے حادثے واقع ہو رہے ہیں اور ابھی کیا معلوم کہ آگے آگے کیا ہونے والا ہے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اب جو کچھ کرے گا خدا ہی کرے گا۔ جرّاحی آخری علاج ہے اور علاج تو سب ہو چکے۔ پس یہ آخری علاج ہے۔ اب یا بیمار مرے گا یا صحتیاب ہوگا۔ کئی لاکھ انسان مر چکا ہے مگر عملی حالت دکھاتی ہے کہ ابھی کچھ بھی نہیں ہوا۔ نیکی کی طرف سے بہت دُور ہیں اور بدی کی جانب قریب ہیں۔ استغفار کرنا چاہیئے۔

آگے قاعدہ تھا کہ مسلمان بادشاہ عام طور پر وباؤں کے وقت انابت الی اللہ اور دُعا و صدقہ و خیرات کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔ اب یہ بھی نہیں بلکہ خدا کا نام لینا بھی خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہے۔

سُلطان[1] المعظم نے وزراء سے ایک امر کی نسبت مشورہ کیا اور اس کے متعلق تجویزیں پوچھیں۔ جب سب تجویزیں بیان ہو چکیں تو کہا کہ اور تو سب کچھ کہا مگر یہ کسی نے نہ کہا کہ دُعا بھی کرو۔ آخر مسلمان کا بچہ تھا۔ کچھ نہ کچھ خدا پرستی تو تھی۔ سلطان المعظم جمعہ کی نماز کو بھی جاتا ہے۔ فقراء سے بھی نیاز رکھتا ہے اس لیے اچھا ہے۔

اس زمانہ کی ضلالت

خدا تعالیٰ ابتداء زمانہ میں بولا کہ مَیں تیرا خدا ہوں۔ ایسا ہی اخیر زمانہ میں بھی اس نے فرمایا اَنَا الموجود یاد رکھو کہ وہ ہادی ہے۔ اگر چھوڑ دے تو سب دہریہ بن جائیں۔ پس وہ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا رہتا ہے اور یہ زمانہ تو بالخصوص اس بات کا محتاج ہے۔ جس چیز کی حکومت ہو اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ آجکل اگر صالح آدمی جس نے حق پالیا ہے ضالّ پر اثر نہیں ڈال سکتا تو معلوم ہوا کہ ضلالت کی حکومت ابھی باقی ہے۔ جب ایسی ہوا چلتی ہے تو سب اس کے اثر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مومن اگرچہ بچا رہتا ہے مگر دوسروں پر اثر نہیں ڈال سکتا۔ ضلالت کے رُعب کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے تعلیم یافتہ ہیں۔ اُن سے مذہب کی نسبت کوئی کچھ نہیں کہتا کہ شاید یہ ناراض ہو جائیں یا مجھ سے ہنسی ٹھٹھا ہو۔

حق کا اعلان

مگر صحابہ کرام کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کی ضُعف کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو خط لکھ دیا۔ اس وقت ایسا مہذبانہ زمانہ بھی نہیں تھا نہ یہ امن کی صورت۔ صحابہؓ نے ان خطوط کو پہنچایا اور برسر دربار اپنے عقائد کو کھول کر بیان کیا۔ ایک عیسائی بادشاہ کو جب اسلام کا پیغام پہنچا اور اس نے صحابہؓ سے کلام الٰہی سُنا تو وہ بول اُٹھا یہ اس کا کلام معلوم ہوتا ہے جس نے تورات نازل کی اور کہا اگر اس نبی کے پاس میں جا سکتا تو اس کے قدم چُومتا۔ پادریوں کو بُلا کر کہا۔ دیکھو اسلام کیسا عمدہ مذہب ہے کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟ جب ان سے مخالفت محسوس کی تو کہدیا مَیں تو تمہیں آزماتا تھا۔ یہ کمزوری دُنیا کی حرص کا نتیجہ تھی جس میں دُنیا پرستی نہیں وہ حق کہنے اور حق کا اعلان کرنے سے نہیں ڈرتے اور ان کی خدا مدد کرتا ہے۔

قولِ مُوجّہ کی ضرورت

ہماری جماعت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے انسانوں کو مناسب حال دعوت کرنے کا طریق سیکھے۔ بعض کو باتوں کا ایسا ڈھنگ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ کہہ لیتے ہیں اور اس سے ناراضی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بعض ظاہر میں خبیث معلوم ہوتے ہیں جن سے نا امیدی ہوتی ہے مگر وہ قبول کر لیتے ہیں اور بعض غریب طبع دکھائی دیتے ہیں اور ان پر بہت کچھ امید پیدا ہوتی ہے مگر وہ قبول نہیں کرتے اس لیے قولِ مُوجّہ کی ضرورت ہے جس سے آخرکار فتح

---

[1] حضور کا اشارہ غالباً سلطان ٹرکی کی طرف ہے۔ (مرتب)

ہوتی ہے۔

دہلی میں سخت مخالفت ہوئی۔ آخر میں نے کہا کہ تیرہ سو برس وہ نسخہ (حیاتِ مسیح) آزمایا۔ اس کا نتیجہ دیکھا کہ کئی مُرتد ہو گئے۔ اب یہ نسخہ (وفاتِ مسیح) آزما دیکھو۔ دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ایک شخص بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا حق وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں۔ غرض قولِ موجہ بڑی نعمت ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ایہو ہیگی کیمیا جو کوئی جانے بول

پیغامِ حق پہنچانے کا طریق

ہر ایک کو ایسی بات کرنی نہیں آتی۔ پس چاہیئے کہ جب کلام کرے تو سوچکر اور مختصر کام کی بات کرے۔ بہت بحثیں کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ پس چھوٹا سا چٹکلہ کسی وقت چھوڑ دیا جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے پھر کبھی اتفاق ہوا تو پھر سہی۔ غرض آہستہ آہستہ پیغام حق پہنچاتا رہے اور تھکے نہیں کیونکہ آجکل خدا کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق کو لوگ دیوانگی سمجھتے ہیں۔ اگر صحابہؓ اس زمانہ میں ہوتے تو لوگ انہیں سودائی کہتے اور وہ انہیں کافر کہتے۔ دن رات بیہودہ باتوں اور طرح طرح کی غفلتوں اور دنیاوی فکروں سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ بات کا اثر دیر سے ہوتا ہے۔ ایک شخص علیگڑھی غالباً تحصیلدار تھا۔ میں نے اُسے کچھ نصیحت کی۔ وہ مجھ سے ٹھٹھا کرنے لگا۔ میں نے دل میں کہا میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنے کا۔ آخر باتیں کرتے کرتے اس پر وہ وقت آگیا کہ وہ یا تو مجھ پر تمسخر کر رہا تھا یا چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ بعض وقت سعید آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شقی ہے۔

یاد رکھو۔ ہر قفل کے لیے ایک کلید ہے۔ بات کے لیے بھی ایک چابی ہے۔ وہ مناسب طرز ہے۔ جس طرح دواؤں کی نسبت میں نے ابھی کہا ہے کہ کوئی کسی کے لیے مفید اور کوئی کسی کے لیے مفید ہے۔ ایسے ہی ہر ایک بات ایک خاص پیرائے میں خاص شخص کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں کہ سب سے یکساں بات کی جائے۔ بیان کرنے والے کو چاہیئے کہ کسی کے بُرا کہنے کو بُرا نہ مناوے بلکہ اپنا کام کئے جائے اور تھکے نہیں۔ امراء کا مزاج بہت نازک ہوتا ہے اور وہ دُنیا سے غافل بھی ہوتے ہیں۔ بہت باتیں سُن بھی نہیں سکتے۔ انہیں کسی موقعہ پر کسی پیرائے میں نہایت نرمی سے نصیحت کرنا چاہیئے[1]

بلا تاریخ

عقیقہ کس دن کرنا چاہیئے

عقیقہ کی نسبت سوال ہوا کہ کس دن کرنا چاہیئے۔ فرمایا:-

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۸ء

ساتویں دن۔ اگر نہ ہو سکے تو پھر جب خدا تعالیٰ توفیق دے۔ ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عمر میں کیا تھا۔ ایسی روایات کو نیک ظن سے دیکھنا چاہیئے۔ جب تک قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہوں۔

مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز

پیل پایوں کے بیچ میں کھڑے ہونے کا ذکر آیا کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں۔

فرمایا:۔

اضطراری حالت میں تو سب جائز ہے۔ ایسی باتوں کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کے موافق خلوصِ دل کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے ان باتوں کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا۔[1]

---

۲۶ جنوری ۱۹۰۸ء

قربِ قیامت سے مراد

ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور نے اپنی تقریر جلسہ ماہِ دسمبر میں فرمایا تھا کہ قیامت آنے والی ہے اور اس کا وقت قریب ہے۔ کیا اس سے یہ مُراد ہے کہ کچھ سالوں کی بات ہے؟

فرمایا کہ:۔

قرآن میں بھی ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر: ۲) اور ایسی دیگر آیات۔ پس سمجھ سکتے ہو کہ قریب کے کیا معنے ہیں۔ قربِ الساعۃ کے جو نشانات تھے وہ تو ظاہر ہو چکے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آخری زمانہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ہولناک واقعہ پیش آتا تو فرماتے کہ قیامت آگئی۔

نشان وہ ہوتا ہے جو اپنی عظمت سے رُعب ڈال دے

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ حضور کا الہام تھا سنائیں کو خوشیاں منائیں گے۔ سو ۲۷ ماہ پوہ کو بارش ہوگئی اور لوگوں نے خوشیاں منائیں۔

فرمایا:۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء

یہ تکلفات ہیں جو ہم نہیں چاہتے۔ خدا کا وہ نشان ہوتا ہے جو دل بول اُٹھیں بلکہ دشمن بھی کہدیں کہ یہ بات ہوگئی گو دشمن کا اقرار زبان سے محال ہے مگر تاہم نشان وہ ہوتا ہے جو اپنی عظمت سے رُعب ڈال دے۔

دُعا کی دو قسمیں

فرمایا:۔
جو خط آتا ہے میں اُسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا جب تک دُعا نہ کروں کہ شاید موقعہ نہ ملے یا یاد نہ رہے۔ مگر دُعا دو قسم کی ہے جو اس کو چیر میں داخل ہووے وہی خوب سمجھتا ہے۔ ایک معمولی۔ ایک شدتِ توجہ سے۔ اور یہ آخری صورت ہر دُعا میں میسّر نہیں آتی۔ سوز اور قلق کا پیدا ہونا اپنے اختیار میں نہیں۔ کوئی مخلص ہو تو اس کے لیے خود ہی دُعا کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یُوں تو ہر ایک شخص جو ہماری جماعت میں داخل ہے اس کے لیے ہم دُعا کرتے ہیں مگر مذکورہ بالا حالت ہر ایک کے لیے میسّر نہیں آتی۔ یہ اختیاری بات نہیں۔ پس جسے جوش دلانا ہو وہ زیادہ قرب حاصل کرے۔

حقیقی دُعا

دُعا دو قسم ہے، ایک تو معمولی طور سے، دوم وہ جب انسان اُسے انتہا تک پہنچا دیتا ہے پس یہی دُعا حقیقی معنوں میں دُعا کہلاتی ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ کسی مشکل پڑنے کے بغیر بھی دُعا کرتا رہے۔ کیونکہ اسے کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کے کیا ارادے ہیں اور کل کیا ہونے والا ہے۔ پس پہلے سے دُعا کرو تا بچائے جاؤ۔ بعض وقت بلا اس طور پر آتی ہے کہ انسان دُعا کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ پس پہلے اگر دُعا کر رکھی ہو تو اُس آڑے وقت میں کام آتی ہے۔

مکر کے معنے

فرمایا:۔
جب انسان مکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ خدا تعالیٰ بھی مکر کرتا ہے۔ مکر کا مقابلہ مکر کرے جب ہی بات بنتی ہے۔ نادان مکر کے لفظ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے اس میں کوئی بُری بات نہیں۔ مکر اس باریک تدبیر کو کہتے ہیں جو خبیث آدمی کے دفع کے لیے کی جائے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے اپنا نام خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (آل عمران: ۵۵) رکھا۔

عذاب کا فلسفہ

جب لوگ حد سے زیادہ دُنیا میں دل لگاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے بے پروائی اختیار کرتے ہیں تو انہیں متنبہ کرنے کے لیے عذاب نازل ہوتا ہے۔ دیکھو طاعون کیسی تباہی ڈال رہی ہے۔ ایک کو دفن کر کے آتے ہیں تو دوسرا جنازہ تیار ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ بُت پرستی، انسان پرستی، مخلوق پرستی کی سزا آخرت میں ہے۔ مگر شوخیوں، بدمعاشیوں، ظلم و تعدی

خصلت اور اہلِ حق کو ستانے اور دُکھ دینے کی سزا اسی دُنیا میں دی جاتی ہے۔ نوح کے وقت جو عذاب آیا اگر خدا تعالےٰ کے رسول کو نہ ستاتے تو وہ عذاب نہ آتا۔ یہ شوخی پر اس لیے عذاب آتا ہے کہ "ایک چور دوسرا چتر" دنیا دار المکافات نہیں۔ اس میں دست بدست سزا صرف اُسے ملتی ہے جو بدمعاشی کرے۔ جو شرافت کے ساتھ گناہ میں گرفتار ہو تو اس کی سزا آخرت میں ہے اور اب جو دُنیا میں عذاب آیا تو اسی لیے کہ دلیری، شوخی، شرارت حد سے بڑھ گئی ایسی کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ طاعون نے اس قدر سخت بربادی کی مگر ابھی اُن کے دلوں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ پوچھو تو ہنسی ٹھٹھے میں گذار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں معمولی بیماری ہے گویا خدا کی قضاء و قدر سے منکر ہیں۔ بیشک یہ بیماری ہے۔ مگر انہی بیماریوں سے عذاب آیا کرتا ہے۔ یہودیوں پر جب یہ وبا پڑی تو خدا تعالیٰ نے اسے عذاب فرمایا یاد رکھو کہ جب خدا چاہتا ہے انہیں بیماریوں کو شدت و کثرت میں بڑھا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کی بے یقینی کی یہ علامت ہے کہ عذاب کو عذاب نہیں سمجھتے۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے۔ سزا دینے میں دھیما ہے مگر یہ لوگ یاد رکھیں کہ جب تک وہ وقت نہ آئے گا کہ پکار اُٹھیں "اب ہم سمجھے" یہ عذاب ہٹنے کا نہیں۔ اس کا علاج وہی ہے جو ہم بارہا دفعہ بتا چکے ہیں یعنی تضرع و انابت الی اللہ[1]

۱۳ر فروری ۱۹۰۸ء

مومن پر ابتلاء نہ آنا سنت اللہ کے خلاف ہے

خدا تعالیٰ کے مامور پر ایمان لانے کے ساتھ ابتلاء ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) کیا لوگوں نے سمجھا کہ چھوڑے جائیں گے یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور آزمائے نہ جائیں گے۔ گویا ایمان کی شرط ہے آزمایا جانا۔ صحابہ کرام کیسے آزمائے گئے۔ ان کی قوم نے طرح طرح کے عذاب دیئے اُن کے اموال پر بھی ابتلاء آئے۔ جانوں پر بھی، خویش و اقارب پر بھی۔ اگر ایمان لانے کے بعد آسائش کی زندگی آجاوے تو اندیشہ کرنا چاہیئے کہ میرا ایمان صحیح نہیں کیونکہ یہ سُنّت اللہ کے خلاف ہے کہ مومن پر ابتلاء نہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ جب اپنی رسالت پر ایمان لائے تو اسی وقت سے مصائب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عزیزوں سے جُدا ہوئے۔ میل ملاپ بند کیا گیا۔ ملک سے نکالے گئے۔ دشمنوں نے زہر تک دے دیا۔ تلواروں کے سامنے زخم

---

[1] بدر جلد ۷، نمبر ۷، صفحہ ۳ مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۰۸ء

کھائے۔ اخیر عمر تک یہی حال رہا۔ پس جب ہمارے مقتداء و پیشوا کے ساتھ ایسا ہوا تو پھر اس پر ایمان لانے والے کون ہیں جو بچے رہیں۔ ایسے ابتلاء جب آویں تو مردانہ طریق سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔

ابتلاء اسی واسطے آتے ہیں کہ صادق جُدا ہو جائے اور کاذب جُدا۔ خدا رحیم ہے مگر وہ غنی اور بے نیاز بھی ہے۔ جب انسان اپنے ایمان کو استقامت کے ساتھ مدد نہ دے۔ تو خدا تعالیٰ کی مدد بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی صرف اتنی سی بات سے دہریہ ہو جاتے ہیں کہ ان کا لڑکا مر گیا یا بیوی مر گئی یا رزق کی تنگی ہو گئی حالانکہ یہ ایک ابتلاء تھا جس میں پُورا نکلتے تو انہیں اس سے بڑھ کر دیا جاتا اور رزق کی تنگی سے پراگندہ دل ہونا مومن کا کام متقی کا شیوہ نہیں یہ جو ؎

پراگندہ روزی پراگندہ دل

کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ جو پراگندہ دل ہو وہ پراگندہ روزی رہتا ہے۔ اور اوّل تو صادقوں کے سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنے تئیں پراگندہ روزی بنا لیا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ تاجر تھے۔ بڑے معزز، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر سب کو دشمن بنا لیا۔ کاروبار میں بھی فرق آ گیا یہاں تک کہ اپنے شہر سے بھی نکلے۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ سچا تقویٰ ایسی چیز ہے جس سے تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور کُل پراگندگیوں سے نجات ملتی ہے۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر تہمتیں دیتے ہیں۔ تمام انبیاء و راستبازوں کی گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم و کریم کوئی نہیں۔ انسان جو حد سے زیادہ تنگ ہو جاتا ہے تو اس کی اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔ توکل میں کمی ہوتی ہے۔ صدق قدم نہیں ہوتا۔ صحیح طور سے مومن معلوم کرنا مشکل ہے انسان کہہ سکتا ہے میں صالح ہوں، زاہد ہوں مگر خدا کے نزدیک وہ بدکار ہوتا ہے۔ ایسے ہی بعض ایسے بندے بھی ہیں جو لوگوں میں بُرے سمجھے جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی صالح ہیں۔ دیکھو ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بُرا سمجھا مگر اللہ کے نزدیک آپ سرورِ کائنات تھے۔ ابوجہل کو آپؐ کے بُرے ہونے پر یقین تھا کہ اُس نے مباہلہ تک کر لیا اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ اَفْسَدُ لِلْقَوْمِ وَاَقْطَعُ لِلرَّحِمِ فَاَھْلِکْہُ الْیَوْمَ معلوم ہوتا ہے اسے پکا یقین تھا جبھی تو یہ کلمات کہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ خدا تعالیٰ نے فعلی رنگ میں ظاہر کر دیا کہ صادق اور پاکباز کون ہے اور کاذب اور بدکار کون۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک: ۱۱) علمِ صحیح اور عقلِ سلیم یہ بھی خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں۔ جس میں شقاوت ہو اس کی مت ماری جاتی ہے وہ نیک کو بد اور بد کو نیک سمجھتا ہے[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۳۔ ۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۸ء

بلا تاریخ

امرِ حق کے پہنچانے میں کسی قسم کا اخفا نہیں رکھنا چاہیئے

ایک مخلص بھائی نے اپنا قصہ سُنایا کہ ایک

نواب ریاست نے جو شیعہ ہے اُن سے آپ کے بارے میں چند سوال کئے اور انکے مَیں نے یہ جواب دیئے۔ مرزا صاحب کا آلِ نبیؐ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ وہ ان کی توہین کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کا ایک شعر ہے ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است

دوم یہ کہ یزید کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

ہر طرف کُفر است جوشاں ہیچو افواجِ یزید
دین حق بیمار و بیکس ہیچو زین العابدین

جب اس طرح کوئی اعتراض کا موقعہ نہ پایا تو پوچھا کہ تم ان کے نہ ماننے والوں کو کیا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ جو مہدی موعود کے مخالفین کو سمجھنا چاہیئے اور جو کچھ اہلِ سُنّت و شیعہ سمجھتے ہیں۔

پوچھا کہ رسالت کے مدعی ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ان کا ایک شعر ہے ؎

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
ہاں ملہم استم و زخداوند منذرم

اس پر دوسرے روز فرمایا کہ

اس کی تشریح کر دینا تھا کہ ایسا رسول ہونے سے انکار کیا گیا ہے جو صاحبِ کتاب ہو۔ دیکھو جو امورِ عادی ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کرنے میں ڈرنا نہیں چاہیئے اور کسی قسم کا خوف کرنا اہلِ حق کا قاعدہ نہیں۔ صحابہ کرام کے طرزِ عمل پر نظر کرو۔ وہ بادشاہوں کے درباروں میں گئے اور جو کچھ ان کا عقیدہ تھا وہ صاف صاف کہہ دیا۔ اور حق کہنے سے ذرا نہیں جھجکے۔ جبھی تو لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدۃ: ۵۵) کے مصداق ہوئے۔

❊ ❊ ❊

لہ یہ ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے اور اسی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ایک غلطی کا ازالہ" لکھا تھا۔ (مرتب)

مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نبوت

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ اصل میں یہ نزاع لفظی ہے۔ خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بڑھ کر ہو اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے پس ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ صرف خدا کی طرف سے پیشگوئیاں کرتے تھے جن سے موسوی دین کی شوکت و صداقت کا اظہار ہوتا۔ پس وہ نبی کہلائے۔ یہی حال اس سلسلہ میں ہے۔ بھلا اگر ہم نبی نہ کہلائیں تو اس کے لیے اور کونسا امتیازی لفظ ہے جو دوسرے ملہموں سے ممتاز کرے۔

دیکھو اور لوگوں کو بھی بعض اوقات سچے خواب آجاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ کوئی کلمہ بھی زبان پر جاری ہو جاتا ہے جو سچ نکل آتا ہے۔ یہ اس لیے تا اُن پر حجت پوری ہو اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو یہ حواس نہ دیئے گئے۔ پس ہم سمجھ نہیں سکتے کہ یہ کس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ کو سمجھانا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ کس قسم کی نبوت کے مدعی ہیں۔

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مُردہ ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں کے دین کو جو ہم مُردہ کہتے ہیں تو اسی لیے کہ اُن میں اب کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اگر اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو پھر ہم بھی قصہ گو ٹھہرے۔ کس لیے اس کو دوسرے دینوں سے بڑھ کر کہتے ہیں۔ آخر کوئی امتیاز بھی ہونا چاہیئے۔ صرف سچے خوابوں کا آنا تو کافی نہیں کہ یہ تو چوہڑے چماروں کو بھی آجاتے ہیں۔ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہونا چاہیئے اور وہ بھی ایسا کہ جس میں پیشگوئیاں ہوں اور بلحاظ کمیت و کیفیت کے بڑھ چڑھ کر ہو۔ ایک مصرعہ سے تو شاعر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح معمولی ایک دو خوابوں یا الہاموں سے کوئی مدعی رسالت ہو تو وہ جھوٹا ہے۔ ہم پر کئی سالوں سے وحی نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی نشان اس کے صدق کی گواہی دے چکے ہیں۔ اسی لیے ہم نبی ہیں۔ امر حق کے پہنچانے میں کسی قسم کا اخفاء نہ رکھنا چاہیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی

فرمایا:۔

آریہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی۔ یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے کیونکہ پاک ناپاک ہونا بہت کچھ دل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حال سوائے اللہ کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ پس پاک وہ ہے جس کے پاک ہونے پر خدا گواہی دے۔ دیکھو ابوجہل نے مباہلہ کیا تھا کہ جو ہم میں اَفْسَدُ لِلْقَوْمِ اور اَقْطَعُ لِلرَّحِمِ ہے اسے ہلاک کر۔ وہ اسی روز ہلاک ہو گیا۔ ایسا

ہی خسرو پرویز۔ وہ تو خدا کی بات ہے۔ خود اس کے گھر میں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام سے مباہلہ کیا۔ مدت مقررہ کے اندر مر کر گواہی دے گیا۔

اسلام کی فتح پھر اسی آریہ نے لکھا ہے کہ الہامی کتاب وہ ہے جس سے اللہ کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق ظاہر ہوں۔

فرمایا:

یہ سچ ہے اور اس میں بھی اسلام ہی کی فتح ہے۔ یہ آریہ اللہ کے رحیم و غفور ہونے کے قائل نہیں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی مقدمہ میں پھنس جائے تو یہ دل سے چاہتا ہے کہ خواہ میں نے قصور کیا ہے مجھے حاکم بخش دے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ اس کا حاکم غفورٌ رحیم ہو۔ پھر باوجود اس کے اللہ کی اس صفت سے انکار ایک ہٹ دھرمی ہے۔[1]

۱۰ر فروری ۱۹۰۸ء

بوقت ظہر

شیعوں کا مبالغہ فرمایا:

شیعوں نے مبالغہ کی حد کر دی۔ ایک شیعہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ تمام انبیاء حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی امام حسینؓ کی شفاعت کے محتاج ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ پر وحی آئی تھی مگر جبریل بھول گیا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کو گئے تو آگے علیؓ موجود تھے اور ایک شخص حضرت علیؓ کو خدا کہتا ہے تو کہا کہ اچھا لاکھوں کروڑوں بندے خدا کے اور ایک بندہ تو میرا ہی سہی۔ گویا حضرت علیؓ کو خدا بنا دیا ہے۔ تعجب ہے کہ علی آسمان پر تو خدا ہے مگر زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک صحابی ہے جو معمولی خلافت کو بھی نہ سنبھال سکا۔ معلوم نہیں کہ لوگ شیعہ (مذہب) میں کونسا اسلام پاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابہؓ کو سوائے دو چار کے یہ مُرتد کہتے ہیں۔ اُمہات المومنین پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ قرآن کو بیاضِ عثمانی قرار دیتے ہیں۔ جس قوم کے پاس کتاب اللہ نہیں اس کا مذہب ہی کیا ہوا۔ کیا گالیاں دینا اور گھر بیٹھ کر دوسروں پر اور مرے ہوؤں پر تبرے بھیجتے رہنا یہ بھی کوئی مذہب ہے؟

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء و الحکم جلد ۱۲ نمبر ۷ صفحہ ۵ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

پھر تقیہ جس سے بُری بات کوئی نہیں ہو سکتی یعنی جس سے دب گئے یا جہاں کوئی اپنا مطلب جاتا دیکھا وہاں اپنے عقیدہ سے انکار کر دیا۔

پھر بتائیں کہ ان کی کوئی عمدہ تفسیر بھی ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ لوگ کلام الٰہیہ کے واقف ہیں۔ ہم نے تو جو تفسیر دیکھی ان میں ہر ایک آیت کے یہی معنے دیکھے کہ یہ علی کے حق میں ہے۔ مقطعات میں بھی یہی خبط رہا ہے۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ ک سے مراد کربلا ہے۔ پھر توحید جو مذہب اسلام کی رُوح ہے۔ اس کا یہ حال کہ آریہ باوجود سخت معاندِ اسلام ہونے کے ان سے اچھے ہیں جو ہزارہا بُتوں کی پرستش سے نفرت رکھتے ہیں اور ان لوگوں نے بُت پرستی کو از سرِ نو جاری کر دیا۔ اجی کوئی پتھر پرست یا درخت پرست یا انسان پرست ہو۔ ایک ہی بات ہے۔

یہ امام حسینؓ کے فضائل بیشک بیان کریں ہم منع نہیں کرتے اور جب تک انبیاء کرام کی تکذیب لازم نہ آئے اور راستبازوں کی ہتک نہ ہو ہم ماننے کو تیار ہیں مگر یہ تو نہیں کہ انہیں خدا بنا لیں۔ اگر واقعی ان کو امام حسینؓ سے محبت ہے تو ان کی پیروی کریں جس سے انسان کو محبت ہو وہ اس کے رنگ سے رنگین ہونا چاہتا ہے اور اُس کے سے کام کرنا اپنا دین و ایمان سمجھتا ہے۔ اتنے پیغمبر گذرے ہیں کیا کبھی کسی نے کہا ہے کہ میری بندگی کرو؟ اصل بات تو یہ ہے کہ دُور دُور سے گمراہوں کا جو اسلام میں ہو کر اس درجہ تک پہنچے ہدایت پانا نسبتاً مشکل ہے۔ امام حسینؓ کو میں نے دو مرتبہ دیکھا کہ دُور سے ایک شخص چلا آرہا ہے اور میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔

ابو عبداللہ حسین

پھر دوبارہ دیکھا۔

آدابِ مجلس

ہمارا مذہب تو یہ ہے اور یہی مومن کا طریق ہونا چاہیئے کہ بات کرے تو پُوری کرے۔ ورنہ چُپ رہے۔ جب دیکھو کہ کسی مجلس میں اللہ اور اس کے رسُول پر ہنسی ٹھٹھا ہو رہا ہے تو یا تو وہاں سے چلے جاؤ تاکہ ان میں سے نہ گنے جاؤ اور یا پھر پورا پورا کھول کر جواب دو۔ دو ٹوک باتیں ہیں یا جواب یا چپ رہنا۔ یہ تیسرا طریق نفاق ہے کہ مجلس میں بیٹھے رہنا اور ہاں میں ہاں ملائے جانا۔ دبی زبان سے اِخفاء کے ساتھ اپنے عقیدہ کا اظہار کرنا۔[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء

۲۵ر فروری ۱۹۰۸ء

قبل نمازِ عصر

والدین کی فرمانبرداری بجا لیکن خدا تعالیٰ کا حق مقدم ہے

ایک شخص نے سوال کیا کہ

یا حضرت! والدین کی خدمت اور ان کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ نے انسان پر فرض کی ہے مگر میرے والدین حضور کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کی وجہ سے مجھ سے سخت بیزار ہیں اور میری شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں حضور کی بیعت کے واسطے آنے کو تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہم سے خط و کتابت بھی نہ کرنا اور اب ہم تمہاری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے اب میں اس فرضِ الٰہی کی تعمیل سے کس طرح سبکدوش ہو سکتا ہوں۔

فرمایا کہ:۔

قرآن شریف جہاں والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری کا حکم دیتا ہے وہاں یہ بھی فرماتا ہے کہ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا (بنی اسرائیل: ۲۶) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم صالح ہو تو وہ اپنی طرف جھکنے والوں کے واسطے غفور ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی بعض ایسے مشکلات پیش آ گئے تھے کہ دینی مجبوریوں کی وجہ سے ان کی ان کے والدین سے نزاع ہو گئی تھی۔ بہر حال تم اپنی طرف سے ان کی خیریت اور خبر گیری کے واسطے ہر وقت تیار رہو۔ جب کوئی موقعہ ملے اسے ہاتھ سے نہ دو۔ تمہاری نیت کا ثواب تم کو مل کے رہے گا۔ اگر محض دین کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرنے کے واسطے والدین سے الگ ہونا پڑا ہے تو یہ ایک مجبوری ہے۔ اصلاح کو مدنظر رکھو اور نیت کی صحت کا لحاظ رکھو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو۔ یہ معاملہ کوئی آج نیا نہیں پیش آیا حضرت ابراہیمؑ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ بہر حال خدا کا حق مقدم ہے۔ پس خدا تعالیٰ کو مقدم کرو اور اپنی طرف سے والدین کے حقوق ادا کرنے کی کوشش میں لگے رہو اور اُن کے حق میں دُعا کرتے رہو اور صحتِ نیت کا خیال رکھو۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۹ر فروری ۱۹۰۸ء

۲۶ر فروری ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

ہمارے دعویٰ کے دو پہلو
مسیح کی وفات اور ان کی آمدِ ثانی

فرمایا کہ:-

اصل میں ہمارے دعویٰ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰ کی وفات، دوسرا ان کی آمدِ ثانی۔ وفات کے متعلق تو ہم ہزاروں بار بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف میں خود مسیح کا اقرار لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) یہ عجیب نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیان کو قیامت کے دن کے لیے خاص کر دیا ہے۔ اس سے تو صاف ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں کہ کیا ایسے مشرکانہ خیالات اور عقائد تم نے ان لوگوں کو بتائے ہیں۔ حضرت مسیح صاف انکار کرتے ہیں اور کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کہ یا الٰہی! میں نے تو ان کو توحید کی تعلیم دی تھی۔ یہ مشرکانہ تعلیم میری وفات کے بعد انہوں نے اختیار کی ہے۔ میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے تیرے بندے ہیں۔ اب صاف بات ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ دوبارہ دُنیا میں آئے ہوتے اور عیسائیوں کے ایسے فاسد عقائد کی اصلاح کی ہوتی تو بڑے زور سے عرض کرتے کہ یا اللہ! میں نے بڑے بڑے جنگ کئے ہیں اور بہت مشکلات اُٹھا کر ان کے مشرکانہ خیالات اور عقائد کی جگہ دوبارہ تیری توحید ان میں قائم کی ہے۔ میں تو بڑے انعامات کا مستحق ہوں چہ جائیکہ مجھ سے ایسا سوال کیا جاتا۔ غرض خود ان کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وفات پا چکے اور دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیں گے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معراج کی رات مُردوں میں دیکھا۔ بھلا زندوں کو مُردوں سے کیا تعلق؟ اگر مسیح زندہ تھے تو پھر مُردوں میں کیوں جا شامل ہوئے؟

اس کے سوا سینکڑوں مقامات قرآن شریف میں ہیں جن سے ان کی وفات ثابت ہے۔

عجیب بات ہے کہ یہی تَوَفّٰی کا لفظ ہے جب اَوروں کے واسطے آوے تو اس کے معنے موت کے کئے جاتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ کے واسطے آوے تو کچھ اَور کئے جاتے ہیں۔ نہ معلوم یہ خصوصیت حضرت عیسیٰ کو کیوں دی جاتی ہے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ کی دُعا ہے تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (یوسف: ۱۰۲)

علاوہ ازیں اور بیسیوں جگہ تَوَفّیٰ کا لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوا ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ توفی فعل کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی رُوح چیز ہو تو معنے بجز موت کوئی اور ہو سکتے ہیں۔

مسیح کے احیاءِ موتیٰ کی حقیقت

ان کے مُردے زندہ کرنے کے معجزے کو بھی خواہ مخواہ خصوصیت دی گئی ہے۔ تعجب آتا ہے ان مولویوں پر کہ حضرت عیسیٰ کے واسطے احیاء موتیٰ کا لفظ آوے تو حقیقی مُردے زندہ ہو جاویں جو سنت اللہ اور قرآنِ مجید کے خلاف ہیں۔ مگر جب وہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے آتے ہیں تو اس سے مراد رُوحانی مُردے بن جاتے ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے کہ جتنے مُردے قبروں میں تھے سب زندہ ہو کر شہروں میں آ گئے اس کثرت سے آپ نے مُردے زندہ کئے۔ بھلا ان سے کوئی سوال تو کرے کہ ہزاروں مُردے زندہ ہو کر شہروں میں آ گئے ان کا گذر کیسے ہوا؟ اور دوسرا یہ کہ باوجود اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے پھر وہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے؟ ان کو کوئی سمجھاتا کہ انہوں نے ہی دُعا کی اور تم زندہ ہوئے اب ان پر ایمان لے آؤ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا بڑا معجزہ نہ اُن مُردوں کے واسطے مفید ہوا نہ ان کے رشتہ داروں کے واسطے جنہوں نے ان مُردوں کو بچشم خود زندہ ہوتے قبروں میں سے نکل کر شہروں میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ علم تعبیر رؤیا میں لکھا ہے کہ جب کوئی دیکھے کہ مُردے قبروں میں سے زندہ ہو کر شہروں میں آ گئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ اس وقت کے نیک طبع لوگ قید سے رہائی پا جائیں گے۔ اس وقت چونکہ خود حضرت مسیح قید میں تھے تو ممکن ہے کہ انہوں نے خود یا کسی اور نے یہ رؤیا یا مکاشفہ دیکھا مگر بعد میں وہ مکاشفہ یا رؤیا تو ترک کر دیا گیا اور اصل مطلب لے لیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی مُردے زندہ کرنے کے متعلق کئی روایات تھیں مگر معتبر کتبِ احادیث میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دیکھو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے مشکلات جھیل کر قریب ایک لاکھ کے حدیث جمع کی۔ مگر آخر ان میں سے صرف چالیس ہزار رکھیں باقی متروک کر دیں۔ ہمارے مسلمان اس بارے میں بڑے محقق گذرے ہیں۔

مسئلہ خلقِ طیور

اسی طرح حضرت عیسیٰ کا خلقِ طیور کا مسئلہ ہے۔ ہم معجزات کے منکر نہیں بلکہ قائل ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا خلقِ طیور کا مسئلہ بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام کے سوٹے والی بات ہے دشمنوں کے مقابلہ کے وقت وہ اگر سانپ بن گیا تھا تو دوسرے وقت میں وہی سوٹے کا سوٹا تھا نہ یہ کہ وہ کہیں سانپوں کے گروہ میں چلا گیا تھا۔ پس اسی طرح حضرت عیسیٰ کے وہ طیور بھی آخر مٹی کے مٹی ہی تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰ کا سوٹا تو چونکہ مقابلہ میں آ گیا تھا اور وہ مقابلہ میں غالب ثابت ہوا تھا اس واسطے حضرت عیسیٰؑ کے طیور سے بہت بڑھا ہوا

ہے کیونکہ وہ بطور تلوار کسی مقابلہ میں آئے اور نہ اُن کا غلبہ ثابت ہوا۔

غرض ایک حصہ تو ہمارے دعاوی کا حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کرنے کے متعلق ہے جس کو ہم نے ہر طرح سے عقل سے، نقل سے، اقوالِ ائمہ سے غرض ہر پہلو سے بیسیوں کتابیں تالیف کر کے ثابت کر دیا ہے۔

مسیح کی آمدِ ثانی

دوسرا حصہ آمدِ ثانی کے متعلق ہے۔ سو وہ اللہ تعالیٰ نے خود آسمانی نشانات اور تائیداتِ سماوی کے ذریعہ سے اور آئے دن ہماری ترقی اور دشمنوں کا تنزل کر کے ظاہر کر دیا ہے۔ ایک طوفان اور دریا کی لہریں تائید اور نصرت کی خدا تعالیٰ کی طرف سے آرہی ہیں۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تازہ نشانات اور قبل از وقت زبردست کثیر پیشگوئیاں دلوں پر اثر ڈالتی ہیں۔ اور انہیں سے ترقی ہوئی۔ ان ملانوں کے پرانے رطب و یابس جو ان کے پاس قصے کہانیوں کے رنگ میں ہیں ان سے کیا ترقی ہو سکتی ہے بلکہ تنزل کے اسباب ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ منبروں پر چڑھ کر رویا کرتے تھے کہ یہ تیرھویں صدی سخت منحوس ہے۔ چودھویں صدی انعامات و برکات کا موجب ہوگی اور امام مہدی اور مسیح موعود اس صدی میں آوے گا۔ صدیق حسن خاں نے کئی اولیاء اللہ کی روایات سے اپنی کتاب میں ثابت کیا ہے کہ سب کا اتفاق تھا کہ مسیح آنے والا چودھویں صدی میں آوے گا مگر خدا جانے اب لوگوں کو کیا ہو گیا۔

زبانی بیعت کی کچھ بھی حقیقت نہیں

غرض اصل بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی صفائی کرنی چاہیئے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ میں نے بیعت کر لی ہے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا جب تک عملی طور سے کچھ کر کے نہ دکھلایا جاوے۔ صرف زبان کچھ نہیں بنا سکتی۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳،۴) یہ وقت ہے کہ سابقون میں داخل ہو جاؤ یعنی ہر نیکی کے کرنے میں سبقت لے جاؤ۔ اعمال ہی کام آتے ہیں۔ زبانی لاف و گزاف کسی کام کی نہیں۔ دیکھو حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ فاطمہ اپنی جان کا خود فکر کر لے میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔ بھلا خدا کا کسی سے رشتہ تو نہیں۔ وہاں یہ نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے بلکہ اعمال کی پرسش ہوگی۔

انسان میں کئی قسم کے گناہ، کسل، کبر، سستیاں اور باریک در باریک گناہ ہوتے ہیں ان سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں نفسِ انسان کے تین مرتبے بیان فرمائے ہیں۔ امارہ۔ لوامہ۔ مطمئنہ۔ نفسِ امارہ تو ہر وقت انسانوں کو گناہ اور نافرمانی کی طرف کھینچتا رہتا ہے اور بہت خطرناک ہے۔ لوامہ وہ ہے کہ کبھی کوئی بدی ہو جاوے تو ملامت کرتا ہے۔ مگر یہ بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے مقابلِ اطمینان

صرف نفس کی وہ حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفسِ مطمئنہ کے نام سے پکارا ہے اور وہی اچھا ہے۔ وہ اس حالت کا نام ہے کہ جب انسان خدا کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ اسی حالت میں آکر انسان گناہ کی آلائش سے پاک کیا جاتا ہے۔ یہی ایک گناہ سوز حالت ہے اور اسی درجہ کے انسانوں کے ساتھ برکات کے وعدے ہوئے ہیں۔ ملائکہ کا نزول ان پر ہوتا ہے اور حقیقی نیکی اور پاکی صرف انہیں کا حصہ ہوتی ہے۔

صرف زبان کا اقرار تو خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ چیز ہی نہیں۔ ہم نے اکثر ہندو دیکھے ہیں کہ خیانت کرتے ہیں۔ کم تولتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ دنیا کی محبت میں مرے جاتے ہیں۔ مگر زبان سے دوسری طرف یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ اجی صاحب دُنیا فانی ہے ناپائیدار ہے۔

میری حقیقی جماعت بنو

پس تم ایسے ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ کے ارادے تمہارے ارادے ہو جاویں اسی کی رضا میں رضا ہو۔ اپنا کچھ بھی نہ ہو۔ سب کچھ اس کا ہو جاوے۔

صفائی کے یہی معنے ہیں کہ دل سے خدا تعالیٰ کی عملی اور اعتقادی مخالفت اُٹھا دی جاوے۔ خدا تعالیٰ کسی کی نصرت نہیں کرتا۔ جب تک وہ خود نہیں دیکھتا کہ اس کا ارادہ میرے ارادے اور اس کی مرضی میری رضا میں فنا نہیں ہے۔

مَیں کثرتِ جماعت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ اب اگرچہ چار لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے مگر حقیقی جماعت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر صرف بیعت کر لی۔ بلکہ جماعت حقیقی طور سے جماعت کہلانے کی تب مستحق ہو سکتی ہے کہ بیعت کی حقیقت پر کاربند ہو۔ سچے طور سے ان میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جاوے اور ان کی زندگی گناہ کی آلائش سے بالکل صاف ہو جاوے۔ نفسانی خواہشات اور شیطان کے پنجے سے نکل کر خدا تعالیٰ کی رضا میں محو ہو جاویں۔ حق اللہ اور حق العباد کو فراخ دلی سے پورے اور کامل طور سے ادا کریں۔ دین کے واسطے اور اشاعتِ دین کے لیے ان میں ایک تڑپ پیدا ہو جاوے۔ اپنی خواہشات اور ارادوں، آرزؤں کو فنا کر کے خدا کے بن جاویں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو پر جیسے میں ہدایت دوں۔ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو مَیں نُور بخشوں۔ تم سب مُردے ہو مگر وہی زندہ ہے جس کو میں رُوحانی زندگی کا شربت پلاؤں۔ انسان کو خدا تعالیٰ کی تلاش ڈھانکے رکھتی ہے ورنہ اگر لوگوں کے اندرونی حالات اور باطن دنیا کے سامنے کر دیئے جاویں تو قریب ہے کہ بعض بعض کے قریب تک بھی جانا پسند نہ کریں۔ خدا تعالیٰ بڑا ستار ہے۔ انسانوں کے عیوب پر ہر ایک کو اطلاع نہیں دیتا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ نیکی میں کوشش کرے اور ہر وقت دُعا میں لگا رہے۔

یقیناً جانو کہ جماعت کے لوگوں میں اور ان کے غیر میں اگر کوئی مابہ الامتیاز ہی نہیں ہے۔ تو پھر خدا کوئی کسی کا رشتہ دار تو نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اِن کو عزت دے اور ہر طرح حفاظت میں رکھے۔ اور اُن کو ذلت دے اور عذاب میں گرفتار کرے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدۃ: ۲۸) متقی وہی ہیں کہ

خدا تعالیٰ سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشاء الٰہی کے خلاف ہیں نفس اور خواہشاتِ نفسانی کو اور دُنیا و مافیہا کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں۔ ایمان کا پتہ مقابلہ کے وقت لگتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک کان سے سُنتے ہیں دوسری طرف نکال دیتے ہیں ان باتوں کو دل میں نہیں اُتارتے۔ چاہے جتنی نصیحت کرو گران کو اثر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے جب تک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دُعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا۔ دیکھو کسی کی بیوی یا بچہ بیمار ہو یا کسی پر سخت مقدمہ آجاوے تو ان باتوں کے واسطے اس کو کیسا اضطراب ہوتا ہے۔ پس دُعا میں بھی جب تک سچی تڑپ اور حالتِ اضطراب پیدا نہ ہو تب تک وہ بالکل بے اثر اور بیہودہ کام ہے۔ قبولیت کے واسطے اضطراب شرط ہے جیسا کہ فرمایا اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (النمل: ۶۳)

اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بناؤ

ہماری جماعت کے لوگوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے اگر کسی کی زندگی بیعت کے بعد بھی اسی طرح کی ناپاک اور گندی زندگی ہے جیسا کہ بیعت سے پہلے تھی اور جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا ہے اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ تمام جماعت کو بدنام کرتا ہے اور ہمیں بھی اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ بُرے نمونے سے اوروں کو نفرت ہوتی ہے اور اچھے نمونہ سے لوگوں کو رغبت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے ہمارے پاس خط آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں اگرچہ آپ کی جماعت میں ابھی داخل نہیں مگر آپ کی جماعت کے بعض لوگوں کے حالات سے البتہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اس جماعت کی تعلیم ضرور نیکی پر مشتمل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل: ۱۲۹) خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔ پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے اور اس میں غور کرنا چاہیئے کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس ایک کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔

ایک شخص جو اولیاء اللہ میں سے تھے ان کا ذکر ہے کہ وہ جہاز میں سوار تھے۔ سمندر میں طوفان آگیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ اس کی دُعا سے بچا لیا گیا اور دُعا کے وقت اس کو الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ مگر یہ باتیں نرا زبانی جمع خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ دیکھو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ دیا ہے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ مگر دیکھو ان میں غافل عورتیں بھی ہیں۔ مختلف طبائع اور حالات کے انسان ہیں خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی طاعون سے مر جاوے یا جیسا کہ بعض آدمی ہماری جماعت میں طاعون سے فوت

ہوگئے ہیں تو ان دشمنوں کو ایک اعتراض کا موقعہ ہاتھ آگیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ (الانعام: ۸۳) بہرحال جماعت کے افراد کی کمزوری یا بُرے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پس اس واسطے ہماری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔ جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی پاک ہوگیا۔ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم: ۷) فنا فی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہیئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی بچوں خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعثِ رحمت بن جاؤ۔ مخالفوں کے واسطے اعتراض کا موقعہ ہرگز ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ (فاطر: ۳۳) پہلی دو نوصفات ادنیٰ ہیں۔ سابق بالخیرات بننا چاہیئے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں ہے۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے۔ کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبودار اور بدمزا ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ ستھرا اور مزیدار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہیئے۔ یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہیئے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہیئے ورنہ خدا تعالیٰ انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

اپنی اصلاح میں اپنے اہل وعیال کو شامل رکھو

خدا تعالیٰ کی نصرت انہیں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ ان میں بڑا شوق ذوق اور شدت رقت ہوتی ہے مگر آگے چل کر بالکل ٹھہر جاتے ہیں اور آخران کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دُعا سکھلائی ہے کہ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ (الاحقاف: ۱۶) میرے بیوی بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دُعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔ دیکھو پہلا فتنہ حضرت آدم پر بھی عورت ہی کی وجہ سے آیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں بلعم کا ایمان جو جبط کیا گیا اصل میں اس کی وجہ بھی توریت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلعم کی عورت کو اس بادشاہ نے بعض زیورات دکھا کر طمع دے دیا تھا اور پھر عورت نے بلعم کو حضرت موسیٰؑ پر بد دُعا کرنے کے واسطے اُکسایا

تھا۔ غرض ان کی وجہ سے بھی اکثر انسان پر مصائب شدائد آجایا کرتے ہیں تو اُن کی اصلاح کی طرف بھی پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ان کے واسطے بھی دُعائیں کرتے رہنا چاہیئے [1]

۳ر مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز عصر

بیعت کی حقیقت اور غرض وغایت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میں نے پیشتر بذریعہ خط کے بیعت کی ہوئی ہے کیا وہی کافی ہے؟ فرمایا کہ :۔

ہزاروں آدمی ہیں کہ ان بیچاروں کو دنیوی مشکلات کی وجہ سے استطاعت نہ ہونے کے باعث قادیان میں آنا دشوار ہے اور انہوں نے بذریعہ خطوط ہی بیعت کی ہوئی ہے۔ بیعت کرنے سے مطلب بیعت کی حقیقت سے آگاہ ہونا ہے۔ ایک شخص نے روبرو ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی۔ اصل غرض اور غایت کو نہ سمجھا یا پروانہ کی تو اس کی بیعت بے فائدہ ہے اور اس کی خدا کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ مگر دوسرا شخص ہزار کوس سے بیٹھا بیٹھا صدق دل سے بیعت کی حقیقت اور غرض و غایت کو مان کر بیعت کرتا ہے اور پھر اس اقرار کے اوپر کاربند ہو کر اپنی عملی اصلاح کرتا ہے وہ اس روبرو بیعت کرکے بیعت کی حقیقت پر نہ چلنے والے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

دیکھو مولوی عبداللطیف صاحب شہید اسی بیعت کی وجہ سے پتھروں سے مارے گئے ایک گھنٹہ تک برابر ان پر پتھر برسائے گئے حتیٰ کہ ان کا جسم پتھروں میں چھپ گیا مگر انہوں نے اُف تک نہ کی۔ ایک چیخ تک نہ ماری بلکہ ان کو اس ظالمانہ کارروائی سے پیشتر تین بار خود امیر نے اس امر سے توبہ کرنے کے واسطے کہا اور وعدہ کیا کہ اگر تم توبہ کرو تو معاف کر دیا جائے گا اور پیشتر سے زیادہ عزت اور عہدہ عطا کیا جاوے گا۔ مگر وہ تھا کہ خدا کو مقدم کیا اور کسی دُکھ کی جو خدا کے واسطے اُن پر آنے والا تھا پروانہ کی اور ثابت قدم رہ کر ایک نہایت عمدہ زندہ نمونہ اپنے کامل ایمان کا چھوڑ گئے۔ وہ بڑے فاضل، عالم اور محدث تھے۔

سُنا ہے کہ جب ان کو پکڑ کر لے جانے لگے تو اُن سے کہا گیا کہ اپنے بال بچوں سے مِل لو ان کو دیکھ لو مگر

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۰۸ء

انہوں نے کہا کہ اب کچھ ضرورت نہیں۔ یہ ہے بیعت کی حقیقت اور غرض وغایت۔

بعض لوگوں کے ہمارے پاس خطوط آتے ہیں کہ میں ایک مسجد کا مُلّاں تھا۔ آپ کی بیعت کرنے کی وجہ سے لوگ مجھ سے ناراض ہیں۔ مخالفت کرتے ہیں۔ غرض مجھے بیعت کی وجہ سے سخت تکلیف ہے حالانکہ اس آزادی اور امن کے زمانہ اور سلطنت میں ان لوگوں کو کوئی تکلیف ہی کیا پہنچا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کسی نے زبان سے گالیاں نکال دی ہوں گی۔ تو ان باتوں سے ہوتا بھی کیا ہے۔ مگر وہ اس کو تکلیف سمجھتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ بیعت کرنے کی وجہ سے مجھے یہ تکلیف پہنچی۔ غرض بعض لوگ ذرا سی مخالفت کی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اصل میں انہوں نے بیعت کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا[1]

۵ر مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

کرشن جی مہاراج کا مذہب

مولوی ابو رحمت صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کرشن جی مہاراج کا مذہب جیسا کہ خود ان کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے ان کے زمانہ کے عام اہل ہنود سے الگ تھا۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

یہ واقعی اور صحیح بات ہے کہ بعد کے لوگ بزرگوں کی تعلیم کو بوجہ امتدادِ زمانہ بھول جاتے ہیں اور اُن کی سچی تعلیموں میں بہت کچھ بے جا تصرف کر لیا کرتے ہیں اور مرورِ زمانہ سے ان کی اصلی تعلیم پر سینکڑوں پردے پڑ جاتے ہیں اور حقیقتِ حال دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اصل بات یہی سچ ہے کہ اُن کا مذہب موجودہ مذہب اہلِ ہنود سے بالکل مختلف اور توحید کی سچی تعلیم پر مبنی تھا۔

حضرت اقدس نے اس جگہ اپنے دو الہام بیان فرمائے۔ اوّل یہ ہے کہ

ہے کرشن رُودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے

اور دوسرا الہام یہ بیان فرمایا کہ

ایک بار الہام ہوا تھا کہ آریوں کا بادشاہ آیا۔

ایک اور خواب حضرت اقدس نے بیان فرمایا کہ

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۹۰۸ء

ایک بار ہم نے کرشن جی کو دیکھا کہ وہ کالے رنگ کے تھے اور پتلی ناک، کشادہ پیشانی والے ہیں۔ کرشن جی نے اُٹھ کر اپنی ناک ہماری ناک سے اور اپنی پیشانی ہماری پیشانی سے ملا کر چسپاں کر دی۔

ایک اور واقعہ آپ نے یوں بیان فرمایا کہ

خواجہ باقی باللہ صاحب کے سامنے کسی شخص نے اپنی خواب یوں بیان کی کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آگ ہے اور راجہ رامچندر جی اس کے کنارے پر ہیں اور کرشن جی عین اس کے وسط میں پڑے ہیں۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے یوں اس خواب کی تعبیر بیان کی کہ چونکہ وہ دونو کافر ہیں اس واسطے آگ میں ہیں۔ مگر ایک کافر کم ہے اس لیے وہ کنارے پر ہے اور دوسرا سخت کافر ہے اس واسطے وہ آگ کے بیچوں بیچ پڑا ہے مگر مرزا جان جاناں صاحب جو کہ خواجہ صاحب کے مُرید تھے انہوں نے عرض کی کہ حضور! یہ تعبیر صحیح نہیں ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تم کیا بیان کرتے ہو۔ اس پر مرزا جان جاناں نے یوں تعبیر کی کہ وہ آگ آتشِ محبتِ الٰہی ہے دوزخ کی آگ نہیں۔ رامچندر جی سالک ہیں اور ابھی کمالِ عشق حاصل نہیں ہوا۔ اس واسطے اس کو کنارے پر دیکھا۔ مگر کرشن جی مجذوب ہیں اور محبتِ الٰہی کی آگ جس سے غیر اللہ جل جاتا ہے اس میں ان کو کمال حاصل ہو گیا ہے۔ اس واسطے ان کو عین بیچوں بیچ میں دیکھا ہے۔

ایک اور واقعہ اسی مضمون کے متعلق حضرت اقدسؒ نے یوں بیان فرمایا کہ

اولیاء اللہ میں سے ایک صاحب کشف ایک دفعہ اجودھیا میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر مسجد میں لیٹ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ کرشن جی آئے اور سات روپے اُن کی نذر کئے کہ ہماری طرف سے بطور دعوت قبول کیا جاوے۔ وہ ولی اللہ صاحب چونکہ مسلمان تھے انہوں نے کہا کہ تم لوگ کافر ہو ہم تمہارا مال نہیں کھاتے تو اس پر کرشن جی نے عرض کیا کہ کیا آپ موجودہ ہندوؤں سے ہماری حالت اور ایمان کا اندازہ لگاتے ہیں؟ ہم ان میں سے ہرگز ہرگز نہیں ہیں بلکہ ہمارا مذہب توحید ہے اور ہم آپ لوگوں کے بالکل قریب ہیں۔

علاوہ ازیں ابن عربی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيٌّ اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُهٗ كَاهِنٌ یعنی ہندوستان میں ایک نبی گذرا ہے جس کا رنگ کالا تھا اور نام اس کا کاہن تھا۔

مجدد الف ثانی سرہندی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض قبریں ایسی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں کہ نبیوں کی قبریں ہیں۔

غرض ان سب واقعات اور شہادتوں سے اور نیز قرآنِ شریف سے صاف طور سے ثابت ہے کہ ہندوستان میں بھی نبی گذرے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ شریف میں آیا ہے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر: ۲۵) اور حضرت کرشن بھی انہیں انبیاء میں سے ایک تھے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر خلق اللہ

کی ہدایت اور توحید قائم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم میں نبی آئے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ ان کے نام ہمیں معلوم نہ ہوں۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المؤمن: ۷۹) لمبے زمانے گذر جانے کی وجہ سے لوگ ان کی تعلیمات کو بھول کر کچھ اور کا اور ہی ان کی طرف منسوب کرنے لگ جاتے ہیں۔ اب دیکھو بیچارے حضرت عیسیٰؑ وہ تو خود اپنی وفات کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کا ایک عاجز بندہ اور معمولی انسان کی طرح کھاتا پیتا اور دیگر حوائج انسانی کا محتاج بیان کرتے ہیں اور خدائی سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں مگر عیسائی ہیں کہ ان کو زبردستی خدا بنائے بیٹھے ہیں یہی حال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہے۔

ایک شخص نے کچھ عرصہ ہوا لکھا تھا کہ تمام انبیاء اولیاء اور ہر طبقہ کے لوگ حضرت امام حسین کی شفاعت ہی سے نجات پاویں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے تو انہوں نے پہلے ہی قصہ تمام کر رکھا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہ گئے تھے۔ سو اب دیکھ لو کہ آپؐ کے متعلق بھی قصہ تمام کر دیا کہ ان کو بھی بجز امام حسینؓ نعوذ باللہ نجات نہیں ہوگی اور بجز شفاعت امام حسینؓ آپ کو بھی کوئی چارہ نہ ہوگا۔ دیکھو ان لوگوں نے کہاں تک غلو کر دیا ہے۔

غرض انبیاء کے دُنیا سے گذر جانے کے بعد ان کی پاک تعلیمات کا یہ حال کیا جاتا ہے قرآنِ شریف کیا ہے حَکَمْ ہے۔ کُل کتبِ سابقہ کی اصلیت کھول کر دکھا دی ہے۔

سچا مومن بننا چاہیئے

مولوی ابورحمت صاحب نے عرض کی۔ حضور میرے واسطے دُعا فرمائی جاوے کہ پیشتر تو میری زندگی اور رنگ میں تھی مگر اب جب سے میں نے علی الاعلان حضور کے عقائد کی اشاعت اپنا فرض مقرر کر لیا ہے تو میری برادری بھی مخالف ہو گئی ہے اور درپئے آزار ہے اور عام طور سے لوگ بھی مجمعوں میں کم آتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

آپ صبر سے کام لیں اور استقلال رکھیں۔ آپ دیکھ لیں گے کہ پہلے سے بھی زیادہ لوگ آپ کے مجمعوں میں جمع ہوں گے اور ساری مشکلات دُور ہو جاویں گی۔ ایسی مشکلات کا آنا ازبس ضروری ہے۔ دیکھو امتحان کے بغیر کسی کی کچھ قدر نہیں ہوتی۔ دُنیا ہی میں دیکھ لو کہ پاسوں کی کیسی پُوچھ ہوتی ہے کہ کیا پاس کیا ہے؟ پس جو لوگ خدائی امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں پھر اُن کے واسطے ہر طرح کے آرام و آسائش، رحمت اور فضل کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت: ۳) صرف زبان سے کہہ لینا تو آسان ہے مگر کچھ

کرکے دکھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہونا بڑی بات ہے۔

دیکھو۔ ہماری ہی ابتدائی حالت پر غور کرو کہ اوّل اوّل ہمارے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا۔ مولوی محمد حسین نے ہمارے واسطے کُفر کا فتویٰ تیار کیا اور پشاور سے لے کر بنارس تک تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مولویوں کی دو تین صد مُہریں لگوائیں اور فتویٰ دے دیا کہ ان کا قتل کرنا، ان کا مال لوٹ لینا، ان کی عورتیں چھین لینا سب جائز ہے۔ اور یہ لوگ کافر، اکفر، ضالّ، مُضِل اور یہود نصاریٰ سے بھی بدتر ہیں۔ مگر دیکھ لو کہ ان کی کیا پیش گئی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو کیسا ذلیل کیا۔

پس سچے مومن بننا چاہیئے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر ذرا نظر ڈالو۔ آپ کے زمانہ میں کیسی مشکلات کا سامنا تھا۔ مگر آپ کے اور آپ کے صحابہؓ کے وفا، صدق، صبر اور استقامت نے کیا کچھ کر دکھایا یقیناً جانو کہ اگر کروڑ توپ بھی ہوتی جب بھی یہ کام جو ان لوگوں کے ایمان، صدق، صبر اور استقلال نے کر دکھایا ہرگز ہرگز نہ کر سکتی۔ دیکھو آپ کے پاس نہ کوئی فوج تھی نہ توپیں تھیں نہ سپاہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کیسی تائید کی کہ بڑے بڑے لوگ خس و خاشاک کی طرح فتح ہوتے چلے گئے۔

ہمیں خیال آیا کہ ہمارا نام مہدی ہے۔ عیسیٰ ہے اور کرشن کے نام سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں پکارا ہے اور انہیں تینوں کی آمد کی انتظار میں اس وقت تین بڑی قومیں لگی ہوئی ہیں۔ مسلمان مہدی کے، عیسائی عیسیٰ کی آمدِ ثانی کے اور ہندو کرشن اوتار کے۔ چنانچہ ان ناموں میں یہی حکمتِ الٰہی ہے۔

کرشن کی گوپیوں کی حقیقت

مولوی ابو رحمت صاحب نے عرض کی کہ حضور کرشن کے معنے ان کی لغت کے بموجب ہیں وہ روشنی جو آہستہ آہستہ دُنیا کو روشن کرتی ہے۔ تاریکی جہالت کے مٹانے والے کا نام کرشن ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ان کے متعلق جو گوپیوں کی کثرت مشہور ہے اصل میں ہمارے خیال میں بات یہ ہے کہ اُمت کی مثال عورت سے بھی دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سے بھی اس کی نظیر ملتی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ۔ الخ (التحریم: ۱۲) یہ ایک نہایت ہی باریک رنگ کا لطیف استعارہ ہوتا ہے۔ اُمت میں جو ہر صلاحیت ہوتا ہے اور نبی اور اُمت کے تعلق سے بڑے بڑے حقائق معارف اور فیضان کے چشمے پیدا ہوتے ہیں اور نبی اور اُمت کے سچے تعلق سے وہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے خُدائی فیضان اور رحم کا جذب ہوتا ہے۔ پس کرشن اور گوپیوں کے ظاہری قصہ کی تہ میں ہمارے خیال میں یہی رازِ حقیقت پنہاں ہے۔

مولوی ابورحمت صاحب نے عرض کی کہ گوپی کے معنے یوں بھی ہیں کہ گو کہتے ہیں زمین کو اور پی پالنے والے یعنی کرشن جی کے مریدان باصفا ایسے لوگ تھے جو نیک مزاج اور مخلوق کی پرورش کرنے والے تھے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ انسان کو زمین سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید: ۱۸) ارض کے زندہ کرنے سے مراد اہل زمین ہیں

پھر مولوی ابورحمت صاحب نے عرض کی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرشن جی نے اپنی تعلیم کو عورتوں ہی کے ذریعہ سے پھیلایا ہو کیونکہ ان کے مرد تو عموماً کھیتی کے دھندوں میں جنگلوں بنوں میں رہتے تھے اور ان کو اشاعتِ مذہب کے واسطے کم فرصت ہوتی تھی۔ عورتیں ہی یہ کام کرتی ہوں گی۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

ہمیں ایک دفعہ خیال آیا کہ کرشن جی کو داؤدؑ کے ساتھ بالکل مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ بلحاظ راگ، رقص مجمع مستورات اور بہادری میں۔ خدا جانے یہ کیا بات ہے۔

کتاب "چشمہ معرفت"

فرمایا کہ:۔

ہم نے اپنی کتاب کا نام (جس کا ابھی کچھ حصہ باقی ہے) چشمہ معرفت رکھا ہے کیونکہ اس میں بڑی معرفت کی باتیں اور حقائق و معارف درج کئے گئے ہیں۔

فرمایا:

وہ لیکچر تو ہم نے خاص اس مجمع کا لحاظ رکھ کر اور ان کے شائع کردہ شرائط کے مطابق اور مناسبِ موقعہ اختصار سے لکھا تھا مگر جب انہوں نے خود اپنے پیش کردہ شرائط کی پابندی نہ کی۔ اور اپنے اقرار کی ذرہ بھی پروا نہ کر کے بہت سے وہی پرانے اعتراضات جن کا بار بار جواب دے دیا گیا ہے۔ پھر دلآزاری کے واسطے بیان کئے تو ہمیں بطور تتمہ ان کے سب سوالات کا جواب لکھنے کے واسطے کتاب کو اور بڑھانا پڑا۔

فرمایا:۔

مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کہ ہماری کتاب نہ پڑھیں۔ جہل، نادانی اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھی ہوئی ہے۔ ہماری کسی کتاب کو نہیں پڑھتے۔ دلائل کو نہیں مانتے بے تحاشا اعتراض کئے جاتے ہیں۔

فرمایا:-

اس کتاب میں ہم نے بڑی بسط سے ان کے متعلق لکھدیا ہے اور اگر کوئی حق جُو بن کر مطالعہ کرے تو اس کے واسطے کافی ہے۔

دورانِ تقریر میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ:-

آریوں کے ہاتھ میں آجکل مسلمانوں کے برخلاف غلط فہمی پھیلانے کے واسطے صرف تعددِ ازدواج ہی کا مسئلہ رہ گیا ہے جس پر یہ لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے اس کی حکمت اور حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ زمانہ پکار اُٹھا ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ واقعی تعددِ ازدواج کی ضرورت ہے۔ آریوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ غرض ضرورت کا احساس تو سب نے کر لیا ہے باقی رہی یہ بات کہ اس ضرورت کو ہم نے کس رنگ میں پورا کیا اور آریوں نے اس کے پورا کرنے کی کیا راہ سوچی۔ سو وہ تعددِ ازدواج اور نیوگ ہے۔ اب ان دونو باتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کونسی راہ اچھی ہے[1]

قبل از نماز ظہر

لائف انشورنس

ایک دوست کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا جس میں لکھا تھا۔

بحضور جناب مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام

مارچ ۱۹۰۰ء میں مَیں نے اپنی زندگی کا بیمہ واسطے دو ہزار روپے کے کرایا تھا۔ شرائط یہ تھیں کہ اس تاریخ سے تا مرگ میں ۴۶ سالانہ بطور چندہ کے ادا کرتا رہوں گا۔ تب دو ہزار روپیہ بعد مرگ میرے وارثان کو ملے گا اور زندگی میں یہ روپیہ لینے کا حقدار نہ ہوں گا۔ اب تک میں نے تقریباً مبلغ چھ سو روپیہ کے بیمہ کرنے والی کمپنی کو دے دیا ہے۔ اب اگر میں اس بیمہ کو توڑ دوں تو بموجب شرائط اس کمپنی کے صرف تیسرے حصہ کا حقدار ہوں۔ یعنی دو صد روپیہ ملے گا اور باقی چار صد روپیہ ضائع جائے گا۔ مگر چونکہ مَیں نے آپ کے ہاتھ پر اس شرط کی بیعت کی ہوئی ہے کہ مَیں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اس واسطے بعد اس مسئلہ کے معلوم ہو جانے کے میں اس حرکت کا مرتکب ہونا

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء

[2] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۷ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۹ کالم اوّل سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ ڈائری ۵ مارچ ۱۹۰۸ء قبل از نمازِ ظہر کی ہے۔ (مرتب)

نہیں چاہتا جو خدا اور اس کے رسول کے احکام کے برخلاف ہو اور آپ حَکَم اور عدل ہیں۔ اس واسطے نہایت عجز سے ملتجی ہوں کہ جیسا مناسب حکم ہو صادر فرمایا جاوے تاکہ اس کی تعمیل کی جائے

اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:۔

زندگی کا بیمہ جس طرح رائج ہے اور سُنا جاتا ہے اس کے جواز کی ہم کوئی صورت بظاہر نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ایک قمار بازی ہے۔ اگرچہ وہ بہت سا روپیہ خرچ کر چکے ہیں لیکن اگر وہ جاری رکھیں گے تو یہ روپیہ اُن سے اَور بھی گناہ کروائے گا۔ اُن کو چاہیئے کہ آئندہ زندگی کے گناہ سے بچنے کے واسطے اس کو ترک کر دیویں اور جتنا روپیہ اب مل سکتا ہے وہ واپس لے لیں۔

قبولیتِ دُعا

ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ میرے واسطے آپ ایسی دُعا کریں جو ضرور قبول ہو اور اس اور اُس معاملہ میں ہو۔

حضرت نے فرمایا:۔

اس کو جواب لکھ دیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ ہر ایک دُعا قبول کرے۔ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ایسا کہیں نہیں ہوا۔ ہاں مقبولوں کی دُعائیں بہ نسبت دوسروں کے بہت قبول ہوتی ہیں۔ خدا کے معاملہ میں کسی کا زور نہیں[1]

---

۶ مارچ ۱۹۰۸ء

(قبل نمازِ عصر)

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ظاہر و باطن

مولوی محمد حسین صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ ایک دو خطوں کے اور زبانی بھی کسی مقدمہ میں منصف بننے کے واسطے لکھا اور کہلا بھیجا تھا اور ساتھ ہی دھمکیاں بھی دی تھیں کہ اگر آپ اس معاملہ میں منصف نہ بنیں گے تو میں عدالت میں آپ کو گواہ لکھوا دوں گا اور اس طرح سے آپ کو عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۳ مورخہ ۹ اپریل ۱۹۰۸ء

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

تعجب آتا ہے کہ ایک طرف تو ہمیں کافر و دجال، بیدین اور مُرتد ٹھہرایا جاتا ہے اور پھر یہی نہیں کہ اپنے آپ تک ہی محدود رکھا ہو بلکہ اس فتویٰ میں قریباً تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مولویوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے واسطے سر توڑ کوشش کرتا رہا ہے۔ دوسری طرف ہمیں ایک شرعی معاملہ میں منصف بنانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک جب ہم دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہیں۔ تو پھر ایک شرعی معاملہ میں ہمارا دخل کیا اور فیصلہ کیسا؟ اس سے کہو کہ پہلے تم ہمارے کُفر و اسلام کا تو فیصلہ کر لو۔ پھر ہمیں منصف بھی بنا لینا۔

اس شخص نے تو جہاں تک اس سے ممکن ہو سکا اور اس کا بس چلا ہے ہمیں پھانسی دلانے کی کوششوں میں بھی کمی نہیں کی۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خاص نصرت تھی کہ اُس نے ہمیں ہر میدان میں عزت دی اور اعداء اور ہماری ذلت چاہنے والوں کو ذلیل کیا۔ دیکھو لیکھرام کے قتل کے وقت بھی اس نے کس طرح آریوں کو اُکسایا۔ ہماری تلاشی ہوئی اور پھر خُون کے مقدمہ میں ایک عیسائی کی طرف سے گواہ بن کر ہمارے برخلاف اقدام قتل کے ثبوت کے واسطے کوششیں کیں۔ گورنمنٹ کو ہم سے بدظن کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہمیں باغی بتایا اور صاف کہا کہ گورنمنٹ کیوں ایسے باغی کو نہیں پکڑتی۔ عام لوگوں کو ہم سے بدظن کرنے میں اپنے ناخنوں تک زور لگایا۔ لوگوں سے کہہ دیا کہ ان سے سلام مت کرو۔ مصافحہ مت کرو، ان کی چوری کرنا، ان کو قتل کر دینا اور ان کی عورتیں چھین لینا جائز ہے۔ پھر جب اس کے ہم پر ایسے ایسے احسانات ہیں تو اب یہ نامہ و پیام کیسے ہیں؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں جس کے واسطے یہ اتنے زور دیتا ہے اس کی کوئی ذاتی اور نفسانی غرض ہے اگر کچھ بھی سعادت کا حصہ اس میں ہوتا تو اسی معاملہ میں غور کرتا کہ جس دن سے اس نے ہماری مخالفت کا بیڑا اُٹھایا ہے اور ہمارے نیست و نابود کرنے میں جان توڑ کوششیں کی ہیں۔ اسی دن سے اندازہ تو لگائے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے کیسے فیضان نازل ہوئے اور ہمیں کس طرح خدا تعالیٰ نے بڑھایا اور اس کا اپنا کیا حال ہوا۔ ایک سعید انسان اور سلیم الفطرت آدمی کے ہدایت پا جانے کے واسطے صرف یہی بات کافی تھی۔

پھر اپنے خط میں لکھا ہے کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔ یہ فقرہ لکھنے سے اس کی مراد نکتہ چینی ہے اور پیشگوئیوں اور امورِ نبوت کا نعوذ باللہ استخفاف کرنا مدِ نظر ہے۔ سو اس کے جواب میں اس سے کہہ دیا جاوے کہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی کا مطالعہ کرے۔ ہم نے ان امور کو اُس میں بالتفصیل لکھ دیا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ خواب تو اکثر چوہڑے چماروں اور مُردار خوروں کو بھی ہو جاتا ہے اور اکثر سچا بھی ہوتا ہے تو پھر اس میں کیا شیخی ہے کہ میرے گھر لڑکا ہوگا۔

عام لوگوں کے سچے خوابوں اور مامورین کے الہامات میں مابہ الامتیاز

ہمارے پاس بعض ہندو آتے ہیں اور

خواب سُناتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ خواب سچا بھی نکلا۔ اس سے مطلب ان کا صرف یہ ہوتا ہے کہ اعتراض کریں کہ اسلام کی اس میں خصوصیت ہی کیا ہے۔ ہم ایسی نظیریں بتلا سکتے ہیں کہ بعض فاسق، فاجر، بدمعاش، مشرک، چور، زانی ڈاکوؤں کو بھی خواب آجاتے ہیں اور ان میں سچے بھی ہوتے ہیں تو پھر اس میں مولوی محمد حسین کی کیا خصوصیت ہوئی؟

شرمپت یہاں کا ایک آریہ ہے اس نے ایک خواب میں اپنے ہاں لڑکا پیدا ہونا بتایا تھا۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا۔ اور پھر ایک بار بیان کیا کہ بالو اللہ دتہ تبدیل ہو جاوے گا۔ چنانچہ یہ خواب بھی اس کا پورا ہو گیا اور بالو اللہ دتہ کو وہ اس معاملہ کا گواہ بھی کرتا ہے تو پھر کیا ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ شرمپت کو یا اور ایسے لوگوں کو نعوذ باللہ ہم نبی مان لیں؟

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ امور بطور شہادت اللہ تعالیٰ نے ہر طبقہ کے لوگوں میں اس لیے ودیعت کر دیئے ہیں کہ تا انسان ملزم ہو جاوے اور قبولِ نبوت کے واسطے اس کے پاس اپنے نفس میں سے شاہد پیدا ہو جاوے خواب کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے انسان کی بناوٹ میں رکھ دیا ہے کہ کہیں یہ نبوت کا انکار ہی نہ کر دے۔

سچی خواب کے واسطے اللہ تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں رکھی بلکہ بلا امتیاز کفر و اسلام، نیک و بد یہ ملکہ ہر فرد بشر میں رکھ دیا ہے۔ بھلا دیکھو تو حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو دو آدمی قید تھے ان دونوں کو بھی خوابیں آئیں اور وہ دونوں سچی بھی تھیں۔ فرعون کو بھی جو اس وقت کا بادشاہ تھا خواب آئی اور سچی نکلی تو کیا حضرت یوسفؑ نے ان کی کوئی تعظیم کی یا ان کو نبی مان لیا؟ یا بتاؤ تو بھلا تم نے بھی ان کو کوئی مرتبہ دیا ہے؟ بھلا ایک نے تو اپنے خواب کو قتل ہو کر سچا کر دیا مگر دوسرا تو بادشاہ کا مقرب بن گیا تھا اس کی عزت کی ہوتی؟ اگر اسی طرح کی ایک دو خوابیں سچی ہو جانے سے کوئی نبی بن جاتا ہے اور اس میں نبوت کی شان آجاتی ہے تو بتاؤ کس کس کو امام مانو گے؟ نعوذ باللہ اس طرح تو شانِ نبوت کی ہتک اور انبیاء کا تمسخر کرتے ہو۔

یاد رکھو کہ ایک دو پیسے پاس ہونے سے یا دو چار آنے کا مالک بننے سے یا چند پونڈوں کے پاس ہونے سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا۔ بلکہ پیسے روپے اور پونڈ تو کثرتِ مال و زر کی ایک شہادت ہیں کہ تا ان سے قیاس کر لیا جاوے کہ کروڑ در کروڑ پونڈ اور لاتعداد خزانے بھی ضرور اور یقیناً ہیں۔

پس ان لوگوں کی خوابوں اور انبیاء کے الہامات مکالمات اور مخاطبات میں ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے۔ انبیاء کی وحی اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس میں ایک شوکت اور جلال و رُعب ہوتا ہے۔ انبیاء کی وحی کیا بلحاظ کیفیت اور کیا بلحاظ کمیت عام لوگوں سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ ان کی کامیابی اور ان کے دشمنوں کی نامرادی پر مبنی ہوتی ہے۔ انبیاء کی وحی غیب پر مشتمل ہوتی ہے لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ۲۷، ۲۸) غرض انبیاء کی وحی میں کسی انسان کو کسی طرح کا اشتراک نہیں ہوتا۔

جنسیت کے لحاظ سے جو اشتراک رکھا گیا ہے وہ بھی صرف اس واسطے کہ تا انسان کو انبیاء کی پاک وحی پر ایمان لانے میں مدد دے ورنہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ تو انبیاء کی وحی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

پس مولوی محمد حسین صاحب کو آپ (جو صاحب پیغام لائے تھے) کہدیں کہ مولوی ہو کر آپ کے مُنہ سے کس طرح ایسی باتیں نکلتی ہیں۔ جن سے نعوذ باللہ شانِ نبوت کا تمسخر اور استخفاف ہوتا ہے۔ اوّل تو آپ کا یہ خواب یا الہام جو کچھ بھی ہے تعبیر طلب ہے۔ دوسرے اگر یہ سچا بھی ہو تو نہ یہ شانِ نبوت کے لیے اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ ہی آپ اس سے نبی بن سکتے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی ایک شخص نے ہمارے مقابلہ میں امرتسر سے اپنے ہاں لڑکا ہونے کی پیشگوئی کی تھی۔ مگر خدا جانے کیا ہوا وہ موہوم حمل بھی حمل نہ رہا اور ایک چوہا بھی پیدا نہ ہوا۔ غرض آپ کا خواب یا الہام بھی تو ابھی تصدیق طلب ہے مگر جن کے خوابوں کی تصدیق ہو چکی ہے اور ان میں سے بعض مشرک اور دہریہ بھی ہیں اور بعض فاسق و فاجر اور چور و زانی۔ ان کو بھی تو آپ کچھ جواب دیں کہ کیا آپ ان کو نبی یا ولی اللہ مان لیں گے؟

یہاں آنا ہو تو نفسانی غرض سے نہ آؤ بلکہ تحقیقِ حق کے لیے آؤ۔ اسی تصفیہ کے واسطے آجاؤ کہ خوابیں کفّار فُجّار کو بھی آجاتی ہیں اور انبیاء کو بھی۔ جنسیت میں دونو مشترک ہیں تو پھر کفّار اور انبیاء کی خوابوں اور الہامات میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟ ان میں کوئی معیار بھی خدا تعالیٰ نے رکھا ہے کہ نہیں؟ یہ ایک دینی کام ہے اس کی تحقیق کے واسطے آجاؤ۔ ثواب بھی ہے۔

یاد رکھو کہ قرآن شریف نے ان دونو قسموں میں امتیازی معیار پیشگوئی کو رکھا ہے جو انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خارق عادت رنگ میں غیب پر مشتمل ہو۔

معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کہ موسیٰؑ کے سوٹے کی طرح فوراً دکھا دیئے جاتے ہیں۔ دوسرے علمی رنگ کے معجزات اور غیب پر مشتمل پیشگوئیاں۔ اوّل الذکر معجزات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان سے دشمنوں کے مُنہ بند ہو جاتے ہیں مگر دیرپا اور ہمیشہ کے واسطے نہیں ہوتے بلکہ وہ وقتی ضرورت کے مناسب حال ہوتے ہیں پیچھے آنے والی قوموں کے واسطے وہ کوئی حجت اور دلیل نہیں ہوتے کیونکہ ان میں تدبر و فکر کا انسان کو موقعہ نہیں ملتا۔ مگر موخر الذکر معجزات ایسے علمی رنگ میں ہوتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے واسطے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ انسان جوں جوں ان میں غور و خوض کرتا ہے توں توں ان کی شوکت اور عظمت بھی بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں بُعدِ زمانی ہوتا جاتا ہے۔ ان کی ضیاء اور شوکت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ان کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اس قسمِ ثانی کے ہیں۔ دیکھ لو۔ تیرہ سو برس گذر چکے ہیں۔ زمانہ ترقی کے لحاظ سے معراج پر پہنچ گیا ہے۔ نئے نئے علوم اور طبعیات نکلے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا کوئی نقص

کوئی ثابت نہ کر سکا اور نہ ہی آپ کے معجزات کی قدر و عظمت میں فرق آیا بلکہ روز افزوں ان کی عظمت اور شوکت بڑھتی ہی جاتی ہے اور جُوں جُوں نئے نئے علوم نکلتے ہیں، سائنس اور فلسفہ ترقی کرتا جاتا ہے توں توں آپ کی تعلیم کی عظمت اور آپ کے معجزات کی شوکت زیادہ ہوتی ہے۔

دیکھو ایک اور بڑا بھاری مابہ الامتیاز اللہ تعالیٰ نے یہ قائم کیا ہے لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ: ۴۵تا۴۷) یعنی اگر کوئی شخص تقول علی اللہ کرے تو وہ ہلاک کر دیا جاوے گا۔ خبر نہیں کیوں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت رکھی جاتی ہے۔ کیا وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تقول علی اللہ کریں تو اُن کو تو گرفت کی جاوے اور اگر کوئی اور کرے تو اس کی پروانہ کی جاوے۔ نعوذ باللہ اس طرح سے تو امان اُٹھ جاتی ہے۔ صادق اور مفتری میں مابہ الامتیاز ہی نہیں رہتا۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ (طٰہٰ: ۷۵) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: ۸-۹) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (الانعام: ۲۲) ان آیات سے صاف طور سے عموم ظاہر ہو رہا ہے۔ کوئی خصوصیت نہیں۔ تو نہ معلوم پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر افتراء علی اللہ کریں تو خدا بُرا مناتا ہے مگر کوئی اور یہی جُرم کر دے تو خیر چنداں ہرج کی بات نہیں۔ معاذ اللہ،

براہین کے زمانہ کو دیکھو جبکہ اس نے خود دیویو بھی لکھا ہے۔ اس سے قسماً پوچھ لو کہ اس وقت میں اکیلا تھا اور اب اس وقت چار لاکھ سے بھی زیادہ آدمی ہمارے ساتھ ہیں۔ بھلا کبھی مفتری کی بھی اللہ تعالیٰ ایسی نُصرت کرتا ہے؟

پس عام لوگوں کی خوابوں اور انبیاء کی وحی میں اللہ تعالیٰ نے خود مابہ الامتیاز مقرر کر دیئے ہیں۔ جنسیت کے لحاظ سے تو کم و بیش ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں مگر بلحاظ اپنی کیفیت اور کمیت، مقدار و نصرت انبیاء ہی کی وحی ممتاز اور قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔

پھر ہمیں تشریعی نبوت کا دعویٰ نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ تشریعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ اب اسی شریعت کی خدمت بذریعہ الہامات، مکالمات، مخاطبات اور بذریعہ پیشگوئیوں کے کرنے کا ہمارا دعویٰ ہے۔

مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ یہی خوابیں اور الہامات جو گاہ گاہ انسان کو ہوتے ہیں اگر کثرت سے کسی کو ہوں تو وہ محدث کہلاتا ہے۔ غرض یہ سب کچھ ہم نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں مفصل لکھ دیا ہے۔ اس کا مطالعہ کر کے تسلی کر لیں۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۸ صفحہ ۴-۵ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۸ء

۷ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

تحویلِ قبلہ کی حقیقت

کسی آریہ کے اس اعتراض پر کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی وحی اور الہامات پر یقین اور وثوق نہ تھا اسی واسطے تحویلِ قبلہ ہوئی۔

فرمایا کہ:۔

یہ نادان لوگ نہیں جانتے کہ تحویلِ قبلہ اور یہ انقلاب اللہ تعالیٰ نے اس واسطے کرائے کہ تا یہ ظاہر ہو جاوے کہ مسلمان کعبہ پرست نہیں ہیں۔ ہر دو متبرک مقامات جن کی بزرگی اور عزت کی وجہ سے کبھی کسی زمانے میں کسی کو ان کی پرستش کا خیال ہو سکتا تھا ان کو پیٹھ کے پیچھے کرا کے اس امر کا اظہار عام طور پر کرا دیا کہ مسلمان واقعی اور حقیقی طور سے خدا پرست ہیں نہ کعبہ پرست۔ بایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں پر حجرِ اسود کی پرستش کا الزام دیئے ہی جاتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ عبادت کے لیے انسان کو کسی نہ کسی طرف تو مُنہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس ایک شخص تو خود اپنی خواہش سے کسی طرف کو پسند کرتا ہے اور دوسرا حکمِ الٰہی سے ایک خاص طرف مُنہ کرتا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی ان میں سے کون اچھا ہے۔ ایک تو حکم پرست ہے اور دوسرا نفس پرست۔ بایں ہمہ یہ لوگ مسلمانوں کو کعبہ پرست کہتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں؟

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحویلِ قبلہ کرنا اسی حقیقت پر مبنی تھا کہ مسلمان خاص موحّد اور توحید کے پابند ہو جاویں۔ کعبہ پرستی کا وہم تک بھی ان کے دل سے نکل جاوے نہ کسی تلوّن اور یقین کی کمی کی وجہ سے جیسا کہ نادان آریوں کا وہم ہے کیونکہ آپ تو صاف کہتے ہیں قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف: ۱۰۹)

اس اعتراض کا جواب کہ مسلمانوں نے جنگوں میں لونڈیاں کیوں بنائیں؟

ایک دوسرے اعتراض پر کہ مسلمان لوگ جو جنگوں میں لونڈیاں بنا لیا کرتے تھے یہ بڑا ظلم اور وحشت ہے،

فرمایا کہ:۔

مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا تھا سب کچھ کفارِ مکّہ کے جَور و ستم اور ظلم و تعدّی کے بعد کیا تھا۔ ان کے مظالم کے کارنامے دیکھ کر پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ بھلا غور کرو کہ مکّہ میں آپ کی زندگی کس طرح گذری ہے۔

کس غربت اور انکساری سے اہلِ مکّہ کے تشدّد اور مظالم کا مسلمان نشانہ بنتے رہے تھے کہ آخران کی شرارتوں سے تنگ آکر آپ کو اپنا عزیز وطن بھی چھوڑنا پڑا۔ اس زندگی میں ایک مسلمان بیوی کا ایک جگر خراش واقعہ ہے جو کفار مکّہ کے جَور و ظلم کا مُشتے نمونہ از خروارے است۔ ہماری فطرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس ظُلم کی تفصیل اور تشریح کریں۔ جنہوں نے وہ واقعہ کتبِ تواریخ میں پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ کیسا جانکاہ واقعہ ہے۔

غرض مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا ہے دفاعی رنگ میں کیا ہے۔ مقابل لوگوں نے پہلے وہ سارے کام کئے تھے بعد میں مسلمانوں نے کئے۔ جیسا جیسا انہوں نے کیا تھا ویسا ان سے کیا گیا۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشوریٰ: ۴۱)

اصل بات یہ ہے کہ دُنیا کے انتظام کے واسطے خدا تعالیٰ نے دو حکومتیں بنائی ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونو حکومتیں عطا کی گئی تھیں۔ پس شریروں، بدمعاشوں، لٹیروں، راہزنوں کو ان کی شرارتوں کی سزا دینی ملک میں امن قائم کرنے کے واسطے ضروری تھی۔ مدینہ کے لوگوں نے آپؐ کو اس وقت اپنا ظاہری بادشاہ بھی مان لیا تھا۔ اکثر مقدمات کے فیصلے آپؐ سے ہی کراتے تھے۔ چنانچہ ایک مقدمہ ایک مسلمان اور یہودی کا تھا۔ آپؐ نے یہودی کو اس میں ڈگری دی تھی۔ بعض وقت آپ نے کفار کے جرائم انکو معاف بھی کئے اور بعض رسومِ بد کو آپ نے مقابلہ میں بھی ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ کفارِ مکّہ لڑائی میں مسلمان مُردوں کی بے حُرمتی کیا کرتے تھے۔ ناک کان کاٹ لیے جاتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس رسمِ بد کے ترک کر دینے کا حکم دیا تھا۔

غرض ان معترضوں کو دونو آنکھوں سے کام لینا چاہیئے۔ دو آنکھوں کے ہوتے کانے کیوں بنتے ہیں؟ کفارِ مکّہ کے مظالم کو پہلے مطالعہ کریں۔ پھر مسلمانوں کی اگر کوئی زیادتی ثابت ہو تو ان کو حق ہے۔ مسلمانوں کے تمام جنگ اور کفّار کے ساتھ تمام سلوک دفاعی رنگ میں ہیں۔ ابتداء ہرگز ہرگز مسلمانوں نے کبھی نہیں کی۔ اچھا اب دیکھو یہ سرحدی لیڈر جو آئے دن گورنمنٹ کی رعایا کے جان و مال پر حملے کرتے ہیں اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ تو کیا گورنمنٹ کو چُپکے بیٹھے رہنا چاہیئے اور ان کی سرکوبی اور سزا کی کوئی مناسب تجویز نہیں کرنی چاہیئے؟ ذرا غور کرو اور سوچو![1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء

۱۰ر مارچ ۱۹۰۸ء

(بوقتِ سیر)

دینی ضرورت کے لیے چندوں کی ضرورت

فرمایا:۔

دینی ضروریات کے انجام دینے کے واسطے چندوں کی ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئی تھی۔ دیکھو ہماری جماعت جو اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہے اگر اس میں سے صرف دس ہزار آدمی جو خواہ غریب کسان ہی ہوں اور اخلاص سے ضروریاتِ دینی کے واسطے اپنے نفس پر وہ اگر صرف آٹھ آنے (۸ر) ماہوار ہی مقرر کریں اور التزام سے ماہوار ادا کرتے رہیں تو پانچ ہزار روپیہ ماہوار کی کافی امداد دینی ضروریات کی انجام دہی کے واسطے پہنچ سکتی اور یہ امر جفاکش، محنتی اور دیانتدار واعظوں کے ذریعہ سے اچھی طرح سے پورا ہو سکتا ہے جو لوگوں کو دینی ضروریات سے آگاہ کرتے رہیں۔

فرمایا کہ:۔

سلسلہ خطوط کے دیکھنے سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس قدر لوگوں کے خط ہر روز بیعت کے واسطے آتے ہیں اور یوں بھی کوئی ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دس بیس آدمی بیعت نہ کرتے ہوں۔ اب اس طرح سے بیعت کے رجسٹروں کی تعداد میں تو روز افزوں ترقی ہے مگر یہ رجسٹر (یعنی باقاعدہ چندہ دہندگان کا) اپنی اسی حالت پر ہے۔ اس میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوتی۔ اصل وجہ یہی ہے کہ لوگ بذریعہ خطوط بیعت کرتے ہیں یا اس جگہ آکر بیعت کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر ان کو ضروریاتِ سلسلہ سے مطلع کرنے کا کوئی کافی ذریعہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں مولوی فتح دین صاحب بھی اس کام کے واسطے موزوں ہیں۔ آدمی مخلص دیانتدار ہیں اور یوں ان کی کلام بھی مؤثر ہے۔ ان کی پنجابی نظم جو اس ملک کی مادری زبان ہے اور جسے لوگ خوب سمجھتے ہیں وہ بھی اچھی مؤثر ہے ہمارے خیال میں ان کے ذریعہ سے تبلیغ و اشاعت کا کام بھی ہوتا رہے گا اور چندہ کی وصولی کا بھی باقاعدہ انتظام ہو جاوے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عظمت اور رُعب عطا کرتا ہے

مولوی فتح دین صاحب کی کسی عرض پر فرمایا کہ:۔

خدا جب بندے سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بندے کو خود عظمت اور رُعب عطا کر دیتا ہے کیونکہ حق کے ساتھ ایک عظمت اور رُعب ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل وغیرہ جو اس وقت مکہ میں بڑے آدمی بنے ہوئے تھے

اصل میں ان کا سارا تکبر اور دبدبہ جھوٹا تھا۔ ان کی عظمت فانی تھی۔ چنانچہ نتیجہ میں دیکھ لو کہ ان کی عظمت و شوکت کہاں گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ سچا رُعب اور حقیقی عظمت ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو اوّل خدا کے واسطے اپنے اُوپر ایک موت وارد کر لیتے ہیں اور اپنی عظمت اور جلال کو خاکساری سے، انکساری سے، تواضع سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ تب چونکہ انہوں نے خدا کے لیے اپنا سب کچھ خرچ کیا ہوتا ہے خدا خود اُن کو اُٹھاتا ہے اور قدرت نمائی سے ان کو نوازتا ہے۔ دیکھو تو بھلا اگر حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی اپنی پہلی خاندانی بزرگی اور عظمت ہی کو دل میں جگہ دیئے رہتے اور خدا کے لیے وہ اپنا سب کچھ نہ کھو بیٹھتے تو کیا تھے زیادہ سے زیادہ مکّہ کے کھڑپنچ بن جاتے مگر نہیں خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کے اندرونی حالات کو خلوص سے بھرا پایا اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی کسی بزرگی اور عظمت و سطوت کی پروا نہ کی بلکہ سب کچھ نثار کر دیا اور خدا کے لیے فردتن، مُتواضع اور خاکسار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا نوازا۔ کیسی عظمت اور جبروت عطا کی۔ بھلا جو کچھ خدا نے ان کو دیا اس کا وہم بھی کبھی کسی عرب کے دل میں اس وقت آسکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس سچی عظمت اور سچا رُعب یہی تھا نہ کہ ابوجہل وغیرہ کا۔ اور یہ سچی باتیں انہی کو دی جاتی ہیں جو پہلے اپنے اُوپر خدا کے لیے ایک موت وارد کر لیتے ہیں۔

استقامت اور دُعا سے کام لیں

فرمایا کہ:۔

بات دراصل یہ ہے کہ صبر سے کام لینا چاہیئے۔ ترقی ہو رہی ہے۔ قبولیت دلوں میں پیدا ہوتی جاتی ہے اور دُنیا کے کناروں تک اب یہ سلسلہ پہنچ چلا ہے۔ ہمارے پاس بعض ایسے لوگوں کے بھی خط آتے ہیں جن میں سے بعض رؤسائے ریاست بھی ہوتے ہیں اور انہوں نے بیعت بھی نہیں کی ہوتی وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے فلاں امر میں دُعا کی جاوے۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے دل مان گئے ہیں اور اب دیکھو متواتر چھبیس یا ستائیس برس سے ہمارا دعویٰ چلا آرہا ہے اور خدا تعالیٰ اس میں روز بروز ترقی دے رہا ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس بات کی نظیر نہیں ملتی کہ کسی مفتری علی اللہ کو اس قدر مہلت دی گئی ہو اور ایسی قبولیت اور ترقی عطا کی گئی ہو۔ آسمانی اور زمینی نشان اس کے واسطے بطور شاہد پیدا کئے گئے ہوں۔ آخر ان باتوں کا بھی تو دلوں پر اثر ہوتا ہے۔ گھبرانا نہیں چاہیئے۔ صبر، استقامت اور دعا سے کام لینا چاہیئے۔

حضور کی ذرّہ نوازی

سیر سے واپسی پر ایک کسان منگو نام سکنہ بھینی نے سامنے سے آکر سلامِ مسنون اور مصافحہ کرنے کے بعد عرض کی کہ حضور تھوڑی دیر ٹھہر جاویں میں کچھ گنے نذر کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا:۔

کچھ ضرورت نہیں تمہیں ثواب ہوگیا۔ اب تکلیف مت کرو
مگر اس نے نہ مانا اور اصرار کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اچھا میاں شادی خاں کو دیدو۔ وہ ہمارے واسطے لے آوے گا

مگر اس شخص نے نہایت ہی الحاح سے عرض کی کہ نہیں حضور ٹھہر ہی جاویں اور حضور کے سارے ساتھی گنّوں کی دعوت قبول کریں۔ یہ کہہ کر لپٹ گیا اور حضور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھیت میں لے گیا حضرت اقدس مسکرائے اور اس کے کھیت میں چند منٹ تک ٹہلتے رہے۔ اتنے میں اس نے گنّے لا ڈھیر کئے۔ چنانچہ حضرت کے تمام ساتھیوں نے لے لیے۔ چلنے سے پہلے حضرت اقدس نے نہایت لُطف اور مہربانی سے اس شخص کو بُلا کر اس کا نام وغیرہ دریافت کیا اور اس کے صدق اور خلوصِ محبت سے مسکرا کر رُخصت ہوئے۔ اس واقعہ سے حضرت کے ہمراہیوں پر خاص اثر ہوا کہ لطف اور شفقت سے اور فراخدلی سے حضرت اقدس اس سے پیش آئے اور یہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ کا ایک نمونہ تھا۔

ویدوں میں مورتی پوجا اور توحید

فرمایا :۔
ہر قوم کی اصلی تعلیم کا خواہ اس پر ہزاروں ہی برس کیوں نہ گذر جائیں کچھ نہ کچھ اثر یا نمونہ بطور بیج کے رہ ہی جاتا ہے۔ ویدوں میں اگر توحید کی تعلیم کا کوئی بھی شعبہ موجود ہوتا تو اس تعلیم کا اثر اس کے ماننے والوں میں ضرور کچھ نہ کچھ تو پایا جاتا۔ کروڑوں نمونے بُت پرستی کے موجود ہیں۔ لاکھوں مندروں میں طرح طرح کے بُت رکھے ہیں بلکہ اکثروں میں تو فحش اور ننگی مورتیاں انکے تمدن اور ویدوں کی تعلیم کی اصلیت کا راز عملی طور سے دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ علمی رنگ میں انکی کتب جو دیانند سے پہلے اسلام کے مقابل میں علمِ مناظرہ میں لکھی گئی ہیں وہ ان کی تعلیم کی اصلیت ظاہر کرتی ہیں چنانچہ وہ لوگ ہمیشہ مسلمان موحدوں کے مقابلہ میں بُت پرستی کے اثبات کے دلائل اپنی انہی کتبِ متبرکہ یعنی ویدوں سے پیش کیا کرتے تھے۔ اور ان کی ساری جدوجہد مورتی پوجا کے اثبات کے لیے ہوا کرتی تھی سوائے چند ان آدمیوں کے جن کو دیانند نے پیدا کیا ہے۔ کُل بڑے بڑے علماء اور فضلاء مورتی پوجا ہی کے معتقد تھے۔ اب ہم ان لاکھ در لاکھ پنڈتوں اور متقدمین بزرگانِ اہلِ ہنود کو ان معدودے چند دیانندی خیال کے مقلدوں کے مقابلہ میں کس طرح جھوٹا جان سکتے ہیں۔ والفضل للمتقدم۔

یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ دعویٰ توحید پنڈت دیانند کا زمانہ حال کی موجودہ روش اور ترقی کو دیکھ کر خود ساختہ مسئلہ ہے اور دراصل ویدوں میں اس کا نام و نشان نہیں بلکہ وہی مُورتی پُوجا کا پُرانا مسلّمہ مسئلہ

ان کتب میں اصل الاصول ہے جس کا ثبوت مدت ہائے دراز سے اہلِ ہنود کے کروڑوں رشی اور پنڈت بزرگ اپنے عملی نمونے سے دنیا میں قائم کر گئے ہیں اور یا اگر پنڈت دیانند کو اپنے دعویٰ میں سچا مان لیں اور ان متقدمین کو جو ان کتابوں کے اصل وارث اور اہل تھے غلطی پر خیال کریں تو یوں ماننا پڑے گا کہ وید گونگے ہیں اور وہ اپنے اظہارِ مطلب سے بالکل عاری ہیں۔ توحید اور بُت پرستی میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر ان دونوں کا سرچشمہ وہی کتبِ مقدسہ یعنی وید ہی بتایا جاتا ہے۔ ایک طرف متقدمین اہلِ ہنود انہی ویدوں کو ہاتھ میں لیکر بُت پرستی ثابت کرتے ہیں اور موحدوں سے مباحثہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف انہی پاک کتب سے آج کل موجودہ نسل کے دیانندی خیال کے لوگ جو بلحاظ زمانہ اور زبان کے بہت پیچھے کی نسلیں ہیں وہ انہی کتب سے توحید نکالتے ہیں اور بت پرستی کے دشمن ہیں۔ بہرحال ایک بات سے انکار نہیں یا تو پہلے بزرگ راستی پر ہیں اور یا وید گونگے ہیں کہ اپنے اظہارِ مطلب سے عاجز اور عاری ہیں۔ بھلا کبھی کسی نے کسی مسلمان کو بھی بُت پرستی اور مُورتی پوجا کا حامی دیکھا یا سُنا ہے۔ قرآنِ شریف نے توحید کے مسئلہ کو ایسا صاف اور بیّن دلائل سے کھُلے کھُلے طور سے بیان کیا ہے کہ بُت پرستی کا کبھی کسی مسلمان کے دل میں وہم و گمان تک بھی نہیں پیدا ہوا۔

فرمایا کہ:۔

چشمہ معرفت میں ہم نے ان لوگوں کے کُل اعتراضات کا پُورے طور سے ہمیشہ کے واسطے فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر کوئی حق جُو انسان تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حق کی تلاش کے واسطے ہماری اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھ لے گا تو وہ کم از کم کبھی بھی اسلام کے برخلاف زبان یا قلم نہیں اُٹھا سکتا۔ پوری توجہ سے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظرِ انصاف سے پڑھنا شرط ہے[1]

---

۱۷ مارچ ۱۹۰۸ء

حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے تھے

فرمایا:۔

شیعہ کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں کچھ کمی بیشی ہے۔ اس اعتراض کی زد میں سب سے پہلے وہی آتے ہیں۔ حضرت علیؓ اس لیے خلیفہ نہیں ہوئے تھے کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کریں بلکہ ان کا فرض تھا کہ قرآنِ شریف کی حفاظت کریں جو اصل الاصول دین ہے۔ پس

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء

وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اصل قرآن کو شائع کر جاتے۔ کیا جس قرآن مجید کی اشاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہزاروں مخالف و موافق لوگوں میں ہوتی رہی ہو اس میں کچھ تغیر ممکن تھا؟ یہ کیسی لغو بات ہے۔

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ان ہی خلفاء کے پیچھے حضرت علیؓ نمازیں پڑھتے رہے۔ اگر ان کے غاصب ظالم ہونے کا یقین تھا تو ایسا کیوں کیا؟ دیکھو ہمارے مُرید ہیں وہ دوسروں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے تو کیا حضرت علیؓ ان سے بھی ایمانی حالت میں کمزور تھے جو تقیہ کرتے رہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے ایسی بات ہو تو ہجرت کر جاؤ۔ آپ نے یہ بھی نہ کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خلفائے ثلاثہ کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے تھے۔

امراء اہل اللہ کے محتاج ہوتے ہیں

فرمایا:۔ شَرُّ الْفُقَرَاءِ مَنْ هُوَ عَلٰى بَابِ الْاُمَرَاءِ۔

یہ لوگ (اولیاء، انبیاء) اللہ تعالیٰ سے بہتری پاتے ہیں۔ پس انہیں امراء کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے ہاں امراء ان کے بہت محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا احسان

فرمایا:۔ لوگ دینِ حق اختیار کر کے داعی الی اللہ پر احسان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا یہ تو میرا احسان ہے کہ تمہیں ہلاکت سے بچا لیا۔ تم بجائے احسان نمائی کے نبی کا شکریہ ادا کرو۔

کیمیاء گری اور رزقِ کریم

فرمایا کہ:۔ بہت سے لوگ کیمیاء کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور عمر کو ضائع کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ کچھ حاصل کریں جو کچھ پاس ہوتا ہے اس کو بھی کھو دیتے ہیں۔ ایک شخص بٹالہ کا رہنے والا تھا جو کہ کسی قدر غربت سے گذارہ کرتا تھا اور اس نے جو مکان رہائش کے لیے بنایا تھا اس کے باہر کی ایک ایک اینٹ تو پکی تھی اور باقی اندر سے کچا تھا۔ ایک دن اسے ایک فقیر ملا جو بہت وظیفہ پڑھتا رہتا تھا اور ظاہراً نہایت نیک معلوم ہوتا تھا۔ بوجہ اس کے ظاہری ورد و وظائف کے وہ سادہ لوح آدمی اس کے ساتھ بہت بیٹھتا اور تعلق رکھتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اس فقیر نے بڑی سنجیدگی سے اُس آدمی سے پوچھا کہ تم نے یہ مکان اس طرح پر کیوں بنایا ہے کیوں نہیں سارا پختہ بنا لیتے۔ اس نے جواب دیا کہ روپیہ نہیں غریب ہوں۔ اس پر فقیر نے

کہا روپیہ کی کیا بات ہے اور اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ اس ذومعنے جواب پر اس شخص کو کچھ خیال پیدا ہوا۔ اور اس نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کچھ کیمیا جانتے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں اُستاد صاحب جانتے تھے اور بہت اصرار کے بعد مان لیا کہ مجھ کو بھی آتا ہے پر میں کسی کو بتاتا نہیں۔ چونکہ تم بہت پیچھے پڑے ہو اس لیے کچھ تم کو بتا دیتا ہوں اور یہ کہہ کر اس کو گھر کا زیور اکٹھا کرنے کی ترغیب دی اور کچھ مدت تک باہر میدان میں جاکر وظیفہ پڑھتا رہا۔ ایک دن زیور لے کر ہنڈیا میں رکھنے لگا مگر کسی طرح اس زیور کو تو چرا لیا اور اس کی جگہ اینٹیں اور روڑے بھر دیئے اور خود وظیفہ کے بہانے باہر چلا گیا اور جاتے وقت کہہ گیا کہ اس ہنڈیا کو بہت سے اُپلوں میں رکھکر آگ دو۔ مگر دیکھنا کچا نہ اُتارنا بلکہ جب تک میں نہ آؤں اسے ہاتھ نہ لگانا۔ اس نے اسکے کہنے کے مطابق اس ہنڈیا کو خوب آگ دی اور اس قدر دھواں ہوا کہ ہمسائے اکٹھے ہوگئے اور دروازہ کھلوا کر اندر گئے اور جب اُس سے پوچھنے پر معلوم کیا کہ کیمیا بن رہا ہے تو انہوں نے اس شخص کو سمجھایا کہ وہ تجھے لوٹ کر لے گیا اور جب ہنڈیا کھولی تو اس میں سے روڑے نکلے۔ چنانچہ وہ شخص جب کسی کام کے لیے گورداسپور گیا تو اُسے وہاں معلوم ہوا کہ وہی شخص کسی اَور کو دھوکا دے گیا ہے اور وہاں آگ جل رہی ہے۔ پس اس نے ان کو بھی سمجھا دیا کہ مجھ کو بھی لوٹ کر لے گیا ہے اور وہاں بھی ہنڈیا کھولنے پر اینٹ پتھر ہی نکلے۔

اسی طرح قادیان کے پاس ایک گاؤں ہے۔ وہاں ایک کیمیاگر آیا اور مسجد میں ٹھہرا۔ مسجد والے سے پوچھا کہ یہ مسجد ٹوٹی پھوٹی ہے اس کو بناتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں یہ مسجد بنی تھی اب ہم غریب ہیں اس قدر روپیہ نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں روپیہ کا کیا ہے بندوبست ہو جائے گا اور پوچھے جانے پر جواب دیا کہ میں چاندی بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ اس شخص نے پچیس روپے دیئے اور وہ کیمیاگر اس کو لے کر بٹالہ آیا اور وہاں پہنچ کر اس کو صاف کی ہوئی قلعی دیدی۔ وہ شخص بیچارہ سادہ لوح تھا فرق نہ کر سکا اور اپنے گاؤں آکر سُنار کو دکھلائی تو معلوم ہوا کہ بالکل بے قیمت ہے۔

اسی طرح ایک ڈپٹی صاحب تھے جن کو مُدت سے کیمیا کا شوق تھا اور اس میں بہت روپیہ ضائع کر چکے تھے۔ ایک دن ایک آدمی اُن کے پاس آیا اور کہا کہ میں کیمیا بنانی جانتا ہوں مگر سامان وغیرہ کے لیے پانچ سو روپیہ درکار ہے۔ وہ ڈپٹی صاحب نے فوراً دلوا دیا۔ روپیہ لے کر وہ شخص ایک پاس کی دکان میں بیٹھ گیا اور ڈپٹی صاحب کو کہلا بھیجا کہ روپیہ تو میں لے چکا۔ اب جو مرضی ہو کرو۔ میں نہیں دیتا۔ لینا ہے تو عدالت میں نالش کرو۔ ڈپٹی صاحب اب ایسے بوڑھاپے میں نالش کس طرح کرتے اور کرتے تو اپنی بے عزتی ہوتی۔ چُپ ہو رہے۔ غرض یہ سب بیہودہ ہے۔

کیمیا کی مرض پہلے زمانہ میں تو عام طور پر تھی اور ہنود اس میں مدت سے پھنسے ہوئے تھے مگر افسوس بعض

تعلیم یافتہ لوگ اب تک اس کے دلدادہ ہیں۔ اسلام اس کو بالکل ناجائز قرار دیتا ہے اور قرآنِ شریف سے ثابت ہے کہ رزقِ کریم متقی کو ضرور ملتا ہے اور وہ رزق جس سے فائدہ پہنچے کریم ہی ہوتا ہے۔ ورنہ بہت سے ایسے مال ہوتے ہیں جو ناجائز طریقوں سے کمائے جاتے ہیں اور ناجائز باتوں میں اور فضول رسُومات میں اُٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ محنت اور نیکی سے کمایا ہوا روپیہ اپنے اصل موقعہ پر خرچ ہوتا ہے جیسا کہ ان دو بھائیوں کے قصہ سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکھف: ۸۳) کی وجہ سے دونبیوں کو اس بات پر مامور کیا کہ اس روپیہ کی حفاظت کیلئے جو کہ نیکی اور تقویٰ سے کمایا ہوا تھا ایک دیوار بنائیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (الذاریات: ۲۳-۲۴) یعنی ہر ایک انسان کو خدا تعالیٰ اپنے پاس سے روزی دیتا ہے۔ حضرت داؤد کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور بوڑھا ہو گیا ہوں مگر آج تک میں نے کسی صالح کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح توریت میں ہے کہ نیک بخت انسان کا اثر اس کی سات پُشت تک جاتا ہے۔ پھر قرآنِ مجید میں بھی ہے کہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکھف: ۸۳) یعنی ان کا باپ صالح تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا خزانہ محفوظ رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکے کچھ ایسے نیک نہ تھے۔ باپ کی نیکی کی وجہ سے بچائے گئے۔

پس انسان کے لیے متقی اور نیک بننا کیمیا گر سے بہت بہتر ہے۔ اس کیمیا گری میں تو روپیہ ضائع ہوتا ہے مگر اس کیمیا گری میں دین بھی اور دُنیا بھی دونو سدھر جاتے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو ساری عمر یونہی فضول ضائع کر دیتے ہیں اور کیمیا کی تلاش میں ہی مر جاتے ہیں حالانکہ اس کوچہ میں سوائے نقصانِ مال اور نقصانِ ایمان اور کچھ نہیں اور ایسا شخص یکے نقصان مایہ و دیگر شماتتِ ہمسایہ کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اصل کیمیا تقویٰ ہے جس نے اس کو حاصل کر لیا اس نے سب کچھ حاصل کر لیا اور جس نے اس نسخہ کو نہ آزمایا اُس نے اپنی عمر ضائع کی۔ اگر کیمیا واقعی ہو بھی تو بھی اس کے پیچھے عمر کھونے والا کبھی متقی اور پرہیزگار نہیں ہو سکتا جس کو رات دن دُنیا کی محبت لگی رہے گی وہ اپنے پاک اور پیارے خدا کی محبت کو اپنے دل میں کس طرح جگہ دے گا۔

عقیدۂ کفارہ

کفارہ کی نسبت فرمایا کہ:۔

عیسائی کفارہ پر اس قدر زور دیتے ہیں حالانکہ یہ بالکل لغو بات ہے۔ انکے اعتقاد کے موافق مسیح کی انسانیت قربان ہو گئی مگر صفتِ خدائی زندہ رہی۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہ جو دنیا کے لیے فدا ہوا وہ تو ایک انسان تھا خدا نہ تھا۔ حالانکہ کفارہ کے لیے بموجب انہی کے اعتقاد کے خدا کو قربان ہونا ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک انسانی جسم فدا ہوا اور خدا زندہ رہا۔ اور اگر خدا فدا ہوا تو اس پر موت آئی۔

اصل میں اس کفارہ کی وجہ سے ہی دُنیا میں گناہوں کی کثرت ہو رہی ہے مگر جب عیسائیوں کو کہا جاتا ہے کہ کفارہ نے دُنیا میں گناہ پھیلایا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کفارہ صرف نجات کے لیے ہے۔ ورنہ جب تک انسان پاک نہ ہو اور گناہوں سے پرہیز نہ کرتا ہو کفارہ کچھ نہیں۔ مگر جب انہی لوگوں کی طرف دیکھا جاتا ہے جو اس قول کے کہنے والے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ایک دفعہ ایک پادری کسی گندگی کی وجہ سے پکڑا گیا تو اس نے جواب دیا کہ کفارہ ہو چکا ہے اب کوئی گناہ نہیں۔ اگر کفارہ گناہ کرنے سے نہیں بچاتا تو اس کا کیا فائدہ؟ چنانچہ اس کا جواب عیسائی کچھ نہیں دے سکتے۔[1]

غیروں کے پیچھے نماز

۱۷ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک صاحب علاقہ بلوچستان نے حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا کہ "آپ کا ایک مرید نور محمد نام میرا دلی دوست ہے۔ وہ بڑا نمازی ہے، نیکوکار ہے۔ سب اس کی عزت کرتے ہیں۔ ہمہ صفت موصوف نیک شخص ہے۔ دیندار ہے۔ اس سے ہم کو آپ کے حالات معلوم ہوئے تو ہمارا عقیدہ یہ ہو گیا ہے کہ حضور بڑے ہی خیر خواہ اُمتِ محمدیہ و مدّاحِ جناب رسُول مقبول و اصحابِ کبار ہیں۔ آپ کو جو بُرے نام سے یاد کرے وہ خود بُرا ہے مگر باوجود ہمارے اس عقیدہ و خیال کے نور محمد مذکور ہمارے ساتھ باجماعت نماز نہیں پڑھتا اور نہ جمعہ پڑھتا ہے اور وجہ یہ بتلاتا ہے کہ غیر احمدی کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔ آپ اس کو تاکید فرماویں کہ وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیا کرے تاکہ تفرقہ نہ پڑے کیونکہ ہم آپ کے حق میں بُرا نہیں کہتے۔" یہ اس خط کا اقتباس اور خلاصہ ہے۔ اس کے جواب میں اسی خط پر حضرت نے عاجزؔ کے نام تحریر فرمایا۔

جواب میں لکھ دیں کہ چونکہ عام طور پر اس ملک کے ملّاں لوگوں نے اپنے تعصّب کی وجہ سے ہمیں کافر ٹھہرایا ہے اور فتوے لکھے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیرو ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ ہوں کہ وہ صفائی ثابت کرنے کے لیے اشتہار دے دیں کہ ہم ان مکفّر مولویوں کے پیرو نہیں ہیں تو پھر ان کے ساتھ نماز پڑھنا روا ہے ورنہ جو شخص مسلمانوں کو کافر کہے وہ آپ کافر ہو جاتا ہے پھر اس کے پیچھے نماز کیونکر پڑھیں یہ تو شرعِ شریف کی رُو سے جائز نہیں ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۰۸ء

[2] یعنی حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ ایڈیٹر "بدر" (مرتب)

فوٹوگرافی ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ کیا عکسی تصویر لینا شرعاً جائز ہے؟

فرمایا کہ:-

یہ ایک نئی ایجاد ہے۔ پہلی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض اشیاء میں ایک منجانب اللہ خاصیت ہے جس سے تصویر اُتر آتی ہے۔ اگر اس فن کو خادمِ شریعت بنایا جاوے تو جائز ہے۔

قضاء نماز ایک شخص نے سوال کیا کہ چھ ماہ تک تارکِ صلوٰۃ تھا۔ اب میں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟

فرمایا:-

نماز کی قضا نہیں ہوتی۔ اب اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے[1]

بلا تاریخ[2]

تین سال کے اندر طلبِ نشان والی پیشگوئی کے اشتہار کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر لاہور میں طبع ہونے کے واسطے آیا ہوا تھا۔ اس کو لیکر ہفتہ کی شام کو میں یہاں سے روانہ ہوا۔ اور جھینہ کے سٹیشن پر اُتر کر دارالامان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں سے چراغ علی صاحب جو کہ شیخ حامد علی صاحب کے چچا ہیں نہایت مہربانی سے میرے ساتھ ہوئے اور میرا بوجھ اُٹھایا اور مجھے راستہ دکھایا اور ہم دارالامان میں پہنچے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

نمازِ فجر کے وقت حضور اقدس کی زیارت مسجد میں ہوئی جس سے قلب کو نُور حاصل ہوا اور نمازِ فجر کے بعد آپ نے وہ انگریزی اشتہار اوّل سے آخر تک سُنا۔ عبارت انگریزی پڑھ کر اور ہر ایک فقرہ کے ساتھ ترجمہ کر کے مَیں نے سُنایا اور اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور پھر

---

[1] بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴-۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء

[2] حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ نے دسمبر ۱۸۹۹ء میں ڈاکٹر رحمت علی صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں دارالامان کے حالات اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملفوظات درج کئے یہ خط ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء کے بدر میں "دارالامان کے حالات آج سے آٹھ سال پہلے" کے عنوان سے شائع ہوا چنانچہ یہ ملفوظات اسی مکتوب میں سے لیے گئے ہیں جو ۱۸۹۹ء کے ہیں

(مرتب)

نو بجے کے قریب سیر کے واسطے تشریف لائے۔ ملتے ہی فرمایا:۔
آپ نے اس کام میں خوب ہمت کی۔

انگریزی دانوں کیلئے حصولِ ثواب کی راہ

فرمایا کہ:۔
اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہم نے انگریزی نہیں پڑھی کہ آپ لوگوں کو ثواب میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ انگریزی اگر ہم پڑھے ہوئے ہوتے تو اردو کی طرح اس کے بھی دو چار صفحے ہم لکھ دیا کرتے مگر خدا نے چاہا کہ جیسے آپ ہیں اور مولوی محمد علی صاحب ہیں آپ لوگوں کو بھی یہ ثواب دیا جاوے۔

مَیں نے عرض کی کہ یہ ہمت اور ثواب تو مولوی محمد علی صاحب کی ہی ہے۔

فرمایا کہ:۔
عالمگیر کے زمانہ میں مسجد شاہی کو آگ لگ گئی تو لوگ دوڑے دوڑے بادشاہ سلامت کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ مسجد کو تو آگ لگ گئی۔ اس خبر کو سُنکر وہ فوراً سجدہ میں گرا اور شکر کیا۔ حاشیہ نشینوں نے تعجب سے پوچھا کہ حضور سلامت یہ کونسا وقت شکر گذاری کا ہے کہ خانۂ خدا کو آگ لگ گئی اور مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ تو بادشاہ نے کہا کہ مَیں مدت سے سوچتا تھا اور آہ سرد بھرتا تھا کہ اتنی بڑی عظیم الشان مسجد جو بنی ہے اور اس عمارت کے ذریعہ سے ہزارہا مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کاش کوئی ایسی تجویز ہوتی کہ اس کارِ خیر میں کوئی میرا بھی حصہ ہوتا لیکن چاروں طرف سے میں اس کو مکمل اور بے نقص دیکھتا تھا کہ مجھے کچھ سوجھ نہ سکتا کہ اس میں میرا ثواب کس طرح ہو جاوے۔ سو آج خدا نے میرے واسطے حصولِ ثواب کی ایک راہ نکال دی۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (البقرۃ: ۲۲۵)

تین آریہ معاندینِ اسلام

پھر لیکھرام کے متعلق دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ فرمایا:۔
اسلام پر حملہ کرنے میں اور مسلمانوں کا بے جا دل دکھانے میں آریوں کے درمیان ایک طرح کی تریمورتی تھی جن میں سے سب سے بڑھ کر لیکھرام تھا اور اس کے بعد اندرمن اور الکھ دھاری تھے۔

فرمایا کہ:۔
دیانند بھی تھا مگر اس کو ایسا موقعہ نہیں ملا تھا اور نہ وہ اس طرح سے کتابیں لکھتا تھا۔

فرمایا:۔
ان تینوں نے اور خصوصاً لیکھرام نے بڑی بے ادبیاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا طریق ہے کہ جس راہ سے کوئی بدی کرے اسی راہ سے گرفتار کیا جاتا ہے۔ چونکہ لیکھرام نے زبان کی چھری کو اسلام کے برخلاف حد سے بڑھ کر چلایا۔ اس واسطے خدا نے اس کو چھری سے سزا دی۔

فرمایا:۔

لیکھرام کے معاملہ میں غیب کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک شخص کا شدھ ہونے کے لیے اس کے پاس آنا، اس کا اس پر بھروسہ کرنا یہانتک کہ اپنے گھر میں بلا تکلف اس کو لے جانا۔ شام کے وقت دیگر ملاقاتیوں کا چلا جانا، ان کا اکیلا رہ جانا، عین عید کے دوسرے دن اس کا اس کام کے لیے عازم ہونا، لیکھرام کا لکھتے لکھتے کھڑے ہو کر انگڑائی لینا اور اپنے پیٹ کو سامنے نکالنا اور چھری کا وار کاری پڑنا، مرتے وقت تک اس کی زبان کو خدا تعالیٰ نے ایسا بند کرنا کہ باوجود ہوش کے اور اس علم کے کہ ہم نے اس کے برخلاف پیشگوئی کی ہوئی ہے ایک سیکنڈ کے واسطے اس شبہ کا اظہار بھی نہ کرنا کہ مجھے مرزا صاحب پر شک ہے۔ پھر آج تک اس کے قاتل کا پتہ نہ چلنا، یہ سب خدا کے فعل ہیں جو ہیبت ناک طور پر اس کی قدرت اور طاقت کو جلوہ دے رہے ہیں۔

فرمایا کہ:۔

لیکھرام بڑا ہی زبان دراز تھا اور اس کے بعد ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا کیونکہ اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ۔ اب اللہ تعالیٰ زمین کو ایسے لوگوں سے پاک رکھے گا۔

معجزات اور شعبدہ بازی میں فرق

فرمایا کہ:۔

دنیا کے اندر جو نشانات حضرت موسیٰ یا دیگر انبیاء نے اس طرح کے دکھائے جیسا کہ سوٹے سے رسی کا سانپ بنانا۔ یہ سب شبہ میں ڈالنے والی باتیں ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ کے درمیان جبکہ ہر طرح کی شعبدہ بازیاں مداری لوگ دکھاتے ہیں کہ انسان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ یہ امر کس طرح سے ہو گیا اور انگریز لوگ ایسے ایسے کرتوت شعبدہ بازی کے دکھاتے ہیں کہ مرا ہوا آدمی واپس آجاتا ہے اور ٹوٹی ہوئی چیزیں ثابت دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ آئین اکبری میں بھی ابوالفضل نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک شعبدہ باز آسمان پر لوگوں کے سامنے چڑھ گیا اور اُوپر سے اس کے اعضاء ایک ایک ہو کر گرے اور اس کی بیوی ستی ہو گئی لیکن وہ آسمان سے پھر اُتر آیا اور اُس نے اپنی بیوی کے لیے مطالبہ کیا اور ایک وزیر پر شبہ کیا کہ اُس نے چھپا رکھی ہے اور یہ اس پر عاشق ہے اور پھر اس کی تلاشی کی اجازت بادشاہ سے لیکر اسی کی بغل سے نکال لی۔

فرمایا:۔

ایسی صورتوں میں پھر سوائے اس کے اور کچھ باقی نہیں رہتی ہے کہ انسان ایمان سے کام لے اور انبیاء کے کاموں کو خدا کی طرف سے سمجھے اور شعبدہ بازوں کے کاموں کو دھوکا اور فریب خیال کرے اور اس طرح سے یہ

معاملہ بہت نازک ہو جاتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو جو معجزہ عطا فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم اور اصولِ تمدن کا ہے اور اس کی بلاغت اور فصاحت کا ہے جس کا مقابلہ کوئی انسان کر نہیں سکتا اور ایسا ہی معجزہ غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں کا ہے۔ اس زمانہ کا کوئی شعبدہ بازی میں اُستاد ہرگز ایسا کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نشانات کو ایک تمیزِ صاف عطا فرمائی ہے تاکہ کسی شخص کو حیلہ حجت بازی کا نہ رہے اور اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کھول کھول کر دکھائے ہیں جن میں کوئی شک و شُبہ اپنا دخل نہیں پیدا کر سکتا۔

ایک شخص نے کہا کہ کوئی اعتراض کرتا تھا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کو آپ مروا ڈالا۔

فرمایا:۔

ایک بیہودہ اور جھوٹ بات ہے۔ مگر ان لوگوں کو یہ تو خیال کرنا چاہیئے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع اور کعب کو کیوں قتل کروایا تھا؟

فرمایا:۔

ہماری پیشگوئیاں سب اقتداری پیشگوئیاں ہیں اور یہ نشان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔

قرآنِ شریف کا اعجاز

فرمایا:۔

لوگوں کی فصاحت اور بلاغت الفاظ کے ماتحت ہوتی ہے اور اس میں سوائے قافیہ بندی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے ایک عرب نے لکھا ہے سَافَرْتُ اِلٰی رُوْمَ وَ اَنَا عَلٰی جَمَلٍ مَالُوْمٍ۔ میں روم کو روانہ ہوا۔ اور میں ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوا جس کا پیشاب بند تھا۔ یہ الفاظ صرف قافیہ بندی کے واسطے لائے گئے ہیں۔ یہ قرآنِ شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جا سکتا اور کسی کو دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے قافیہ بندی اور فصاحت و بلاغت کے تمام لوازم موجود ہیں

کلمۂ طیبہ کے بغیر حقیقی شجاعت پیدا نہیں ہوتی

ایک شخص نے کسی صوفی گدی نشین کی تعریف کی کہ وہ آدمی بظاہر نیک معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کو سمجھایا جاوے تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس بات کو پا جاوے اور عرض کی کہ میرا اس کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ اگر حضور مجھے ایک خط ان کے نام لکھ دیں تو میں لے جاؤں اور امید ہے کہ ان کو فائدہ ہو۔

فرمایا:۔

آپ دو چار دن اور یہاں ٹھہریں۔ مَیں انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خود بخود استقامت کے ساتھ کوئی بات دل میں ڈال دے تو مَیں آپ کو لکھ دوں۔

پھر فرمایا کہ:۔

جب تک ان لوگوں کو استقامت، حُسنِ نیت کے ساتھ چند دن کی صحبت نہ حاصل ہو جاوے تب تک مشکل ہے۔ چاہیئے کہ نیکی کے واسطے دل جوش مارے اور خدا کی رضا کے حصول کے لیے دل ترساں ہو۔

اس شخص نے عرض کی کہ ان لوگوں کو اکثر یہ حجاب بھی ہوتا ہے کہ شاید کسی کو معلوم ہو جاوے تو لوگ ہمارے پیچھے پڑ جاویں۔

فرمایا:۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ لا الٰہ الا اللہ کے قائل نہیں ہوتے اور سچے دل سے اس کلمہ کو زبان سے نکالنے والے نہیں ہوتے۔ جب زید و بکر کا خوف درمیان میں ہے تب تک لا الٰہ الا اللہ کا نقش دل میں نہیں جم سکتا۔

فرمایا:۔

یہ جو رات دن مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کہنے کے واسطے تائید اور تاکید ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوت اور طاقت ہیچ ہو کر صرف اللہ کو دیکھتا ہے اور اس کے سوائے سب اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں پس وہ شجاعت اور بہادری کے ساتھ کام کرتا ہے اور کوئی ڈرانے والا اس کو ڈرا نہیں سکتا۔

فراست

فرمایا:۔

فراست بھی ایک چیز ہے جیسا کہ اس یہودی نے دیکھتے ہی حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہدیا کہ مَیں ان میں نبوت کے نشان پاتا ہوں اور ایسا ہی مباہلہ کے وقت عیسائی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آئے کیونکہ ان کے مشیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ میں ایسے مونہہ دیکھتا ہوں کہ اگر وہ پہاڑ کو کہیں گے کہ یہاں سے ٹل جا تو وہ ٹل جائے گا۔

فرمایا:-
اگر کسی کے باطن میں کوئی حصہ رُوحانیت کا ہے تو وہ مجھ کو قبول کرے گا۔

ایک کتاب لکھنے کی خواہش

فرمایا کہ:-
مَیں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے کیا کیا حقوق ہم پر ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔

اولیاء کی کراماتِ مشہورہ

فرمایا:-
زمانہ نبوت تو نورٌ علیٰ نور تھا اور ایک آفتاب تھا، لیکن اس کے بعد کے اولیاء کے جو خوارق و کرامات بتلائے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ انکشاف نہیں رکھتے اور ان کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں لگ سکتا۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے کرامات ان کے دو سو سال بعد لکھے گئے اور علاوہ اس کے ان لوگوں کو یہ موقعہ مقابلہ دشمن کا نہیں ملا اور نہ ان کو ایسا فتنہ درپیش آیا جیسا کہ ہم کو۔
ایسی ہی باتوں پر سیر کا وقت ختم ہوا۔ اور رُوحوں کو ایک تازگی حاصل ہوئی۔

لُوقا کے بارہ میں تحقیق کی ضرورت

اس کے بعد حضور اقدس ظہر اور عصر کی نمازیں ہمارے ساتھ شامل ہوئے اور مغرب سے عشاء کے پڑھ چکنے تک باہر تشریف فرما رہے اور مغرب کے بعد آپ نے ایک مخلص کا خط سُنا اور دو اخباریں سنیں ایک تو سیالکوٹ کی جس میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے اور اس کو سُنکر بہت محظوظ ہوئے مَیں اُمید کرتا ہوں کہ لکھنے والے کا اجر قائم ہو گیا۔ خصوصاً ڈاکٹر لُوقا کے لفظ پر بہت خوش ہوئے اور اس کے ڈاکٹر ہونے کے متعلق زیادہ تحقیقات کرنے کے واسطے اس عاجز کو ارشاد صادر فرمایا۔
نمازِ فجر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور نماز کے بعد اندر چلے گئے اور اس کے بعد نو بجے کے قریب سیر کے واسطے تشریف لائے اور احباب ہمہ گوش ہو کر ساتھ ہو لیے۔ وہی رات والے مضمون ڈاکٹر لوقا کا ذکر درمیان آیا۔ میاں اللہ دیا صاحب لدھیانوی بھی اتفاقاً ساتھ تھے انہوں نے بھی تصدیق کی کہ لُوقا ڈاکٹر تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ حضرت مسیح کے زمانہ میں تھا۔ اسکے واسطے زیادہ تحقیقات کے لیے میاں اللہ دیا کو بھی ارشاد ہوا۔ اسی پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی چلی

گئی۔ حضرت نے فرمایا:۔
عربی میں لق چٹنی کو بھی کہتے ہیں۔
مَیں نے عرض کی کہ انگریزی میں لق چاٹنے کو کہتے ہیں۔
فرمایا:۔
چٹنی تک تو بات پہنچ گئی ہے۔ اُمید ہے مرہم پٹی تک بھی بات نکل آوے۔
فرمایا کہ:۔
انگریزی کتابوں اور تاریخ کیلیسا سے اس کے حالات کے متعلق تحقیقات کرنی چاہیئے یہ ایک نئی بات نکلی ہے۔
پھر فرمایا کہ:۔
یہ مشکل امر نہیں ہے۔ اگر ہم چاہیں تو توقا پر توجہ کریں اور اس سے سب حال دریافت کریں مگر ہماری طبیعت اس امر سے کراہت کرتی ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی اور کی طرف توجہ کریں۔ خدا تعالیٰ آپ ہمارے سب کام بناتا ہے۔

کشفِ قبور

پھر فرمایا کہ:
یہ لوگ جو کشفِ قبور لیے پھرتے ہیں یہ سب جھوٹ اور لغو اور بیہودہ بات ہے اور شرک ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ اس طرف ایک شخص پھرتا ہے اور اس کو بڑا دعویٰ کشفِ قبور کا ہے اگر اس کا علم سچا ہے تو چاہیئے کہ وہ ہمارے پاس آئے اور ہم اس کو ایسی قبروں پر لے جائیں گے جن سے ہم خوب واقف ہیں۔ مگر یہ سب بیہودہ باتیں ہیں اور ان کے پیچھے پڑنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ سعید آدمی کو چاہیئے کہ ایسے خیالات میں اپنے اوقات کو خراب نہ کرے اور اس طریق کو اختیار کرے جو اللہ اور اس کے رسُول اور اس کے صحابہؓ نے اختیار کیا۔

گدی نشینوں کے عُرس

اس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے ایک اشتہار پڑھا جو کہ ان کے بھائی صاحب نے اپنے سلسلہ کے عرس کے واسطے مریدین کو دیا ہے۔ اس میں ہر قسم کے کھانوں اور ہر قسم کے کھیل تماشوں اور ناچ رنگوں اور آتشبازیوں کا نقشہ بڑی مقفیٰ عبارت میں اور رنگین فقروں میں کھچا ہوا تھا۔ اس پر گدی نشینوں کے حالات پر افسوس ہوتا رہا اور مولوی برہان الدین صاحب نے اپنے مشاہدہ کی چند گدیوں اور ان کی مجلسوں کا نقشہ کھینچ کر احباب کو خوش کیا۔ چونکہ اس میں سرود سے حظ اُٹھانے اور سرود لینے کا ذکر تھا۔ اس پر

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

انسان میں ایک ملکہ احتظاظ کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اُٹھاتا ہے اور اس کے نفس کو دھوکا لگتا ہے کہ مَیں اس مضمون سے سرور پا رہا ہوں مگر دراصل نفس کو صرف حظ درکار ہوتا ہے خواہ اس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی۔ جب یہ لوگ اس میں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں تو ان کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی سب برابر ہو جاتے ہیں۔

ہماری مخفی جماعت

اس پر آج کا سیر ختم ہوا۔ لیکن کل کے سیر میں سے ایک بات رہ گئی تھی جس کو مَیں اب عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ :۔

ابھی ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی بھی ہیں جن کا ہماری جماعت میں داخل ہونا مقدر ہے۔ وہ مخالفت کرتے ہیں پر فرشتے ان کو دیکھ کر ہنستے ہیں کہ تم بالآخر انہی لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے وہ ہماری مخفی جماعت ہے جو کہ ہمارے ساتھ ایک دن مل جائے گی۔

خدا تعالیٰ کی توحید و تفرید کیلئے جوش کی ضرورت

پھر کھانے کے وقت حضور اقدس تشریف لائے اور روٹی کھانے کے بعد حضور اقدس نے ایک تقریر فرمائی جو دلوں کے واسطے نور اور ہدایت حاصل کرنے کا موجب ہوئی۔ جو کچھ اس میں سے مَیں ضبط رکھ سکا وہ آپ کو سُناتا ہوں آپ توجہ سے سُنیں۔ اس زمانہ کے فتنہ و فساد کا ذکر تھا۔ فرمایا :۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے درمیان جو فتنہ اسلام پر پڑا ہوا ہے اس کے دُور کرنے میں کچھ حصہ لے جاوے۔ بڑی عبادت یہی ہے کہ اس فتنہ کے دور کرنے میں ہر ایک حصہ لے۔ اس وقت جو بدیاں اور گستاخیاں پھیلی ہوئی ہیں چاہیئے کہ اپنی تقریر اور علم کے ساتھ اور ہر ایک قوت کے ساتھ جو اس کو دی گئی ہے مخلصانہ کوشش کے ساتھ ان باتوں کو دنیا سے اُٹھا دے۔ اگر اسی دنیا میں کسی کو آرام اور لذت مل گئی تو کیا فائدہ؟ اگر دنیا میں ہی اجر پالیا تو کیا حاصل؟ عقبیٰ کا ثواب جو جس کا انتہا نہیں۔ ہر ایک کو خدا کی توحید و تفرید کے لیے ایسا جوش ہونا چاہیئے جیسا خود خدا کو اپنی توحید کا جوش ہے۔ غور کرو کہ دُنیا میں اس طرح کا مظلوم کہاں ملے گا۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی گند اور گالی اور دُشنام نہیں جو آپ کی طرف نہ پھینکی گئی ہو۔ کیا یہ وقت ہے کہ مسلمان خاموش ہو کر بیٹھ رہیں۔ اگر اس وقت میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا اور حق کی گواہی دے کر جھوٹے کے منہ کو بند نہیں کرتا اور جائز رکھتا ہے کہ کافر بے حیائی سے ہمارے نبی پر اتہام لگاتا جائے اور لوگوں کو گمراہ کرتا

جائے۔ تو یاد رکھو کہ وہ بیشک بڑی باز پرس کے نیچے ہے۔ چاہیئے کہ جو کچھ علم اور واقفیت تم کو حاصل ہے وہ اس راہ میں خرچ کرو اور لوگوں کو اس مصیبت سے بچاؤ۔ حدیث سے ثابت ہے کہ اگر تم دجال کو نہ مارو تب بھی وہ تو مرہی جائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ہر کمالے را زوالے۔ تیرھویں صدی سے یہ آفتیں شروع ہوئیں اور اب وہ وقت قریب ہے کہ اس کا خاتمہ ہو جاوے۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے پوری کوشش کرے۔ نور اور روشنی لوگوں کو دکھائے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ولی اللہ اور صاحب برکات وہی ہے جس کو یہ جوش حاصل ہو جائے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ نماز میں جو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہا جاتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہونے کی تمنا ہے خدا تعالیٰ کی ایسی عظمت ہو کہ اس کی نظیر نہ ہو۔ نماز میں تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ طبعاً جوش کے ساتھ اپنے کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھا دے کہ اس کی عظمت کے برخلاف کوئی شئی مجھ پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ بڑی عبادت ہے۔ جو اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں وہی مؤید کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے واسطے جوش نہیں رکھتے ان کی نمازیں جھوٹی ہیں اور ان کے سجدے بیکار ہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کے لیے جوش نہ ہو۔ یہ سجدے صرف جنتر منتر ٹھہریں گے جن کے ذریعہ یہ بہشت کو لینا چاہتا ہے۔

یاد رکھو کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہو سکتی جیسا کہ خدا تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے ایسے ہی تمہارے رکوع اور سجود بھی نہیں پہنچتے جب تک ان کے ساتھ کیفیت نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے۔ خدا ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی عزت اور عظمت کے لیے جوش رکھتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جب تک کیفیت نہ ہو انسان ترقی نہیں کر سکتا گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس کے لیے جوش نہ ہو کوئی لذت نہیں دے گا۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک تمنا ہوتی ہے پر مومن نہیں بن سکتا جب تک ساری تمناؤں پر خدا تعالیٰ کی عظمت کو مقدم نہ کرلے۔ ولی قریب اور دوست کو کہتے ہیں۔ جو دوست چاہتا ہے وہی یہ چاہتا ہے تب یہ ولی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت: ۵۷) چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے لیے جوش رکھے۔ پھر یہ اپنے ابنائے جنس سے بڑھ جائے گا۔ خدا تعالیٰ کے مقرب لوگوں میں سے بن جائے گا۔ مُردوں کی طرح نہیں ہونا چاہیئے کہ مُردہ کے مُنہ میں ایک شئے ایک طرف سے ڈالی جاتی ہے تو دوسری طرف سے نکل آتی ہے۔ اسی طرح شقاوت کے وقت کوئی چیز اچھی ہو اندر نہیں جاتی۔

یاد رکھو کہ کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جوش نہ ہو۔ ذاتی جوش نہ ہو۔

جس کے ساتھ کوئی ہوتی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو۔ ایسا ہو کہ خود بھی نہ جانے کہ یہ جوش میرے میں کیوں ہے۔ بہت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں مگر سوائے خدا کے ارادہ کے کچھ ہو نہیں سکتا اور جو لوگ اس طرح دینی خدمات میں مصروف ہوتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ خدا پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہر ایک فصل کے کاٹنے کا وقت آجاتا ہے ایسا ہی مفاسد کے دُور کر دینے کا اب وقت آگیا ہے۔

عیسائیت کے زوال کا وقت آگیا ہے

تثلیث پرستی حد کو پہنچ گئی ہے صادق کی توہین و گستاخی انتہا تک کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدر مکھی اور زنبور جتنا نہیں کیا گیا۔ زنبور سے بھی آدمی ڈرتا ہے اور چیونٹی سے بھی اندیشہ کرتا ہے۔ مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے میں کوئی نہیں جھجکا۔ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (البقرۃ: ۴۰) کے مصداق ہو رہے ہیں۔ جتنا مُنہ اُن کا کھل سکتا ہے انہوں نے کھولا اور مُنہ پھاڑ پھاڑ کر سب وشتم کئے۔ اب وہ وقت واقعی آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کا تدارک کرے۔ ایسے وقت میں وہ ہمیشہ ایک آدمی کو پیدا کیا کرتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (الاحزاب: ۶۳) وہ ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو اس کی عظمت وجلال کے لیے بہت ہی جوش رکھتا ہو۔ باطنی مدد کا اس آدمی کو سہارا ہوتا ہے۔ دراصل سب کچھ خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے مگر اس کا پیدا کرنا صرف ایک سُنّت کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کو قرآنِ کریم میں نصیحت کی تھی کہ اپنے دین میں غلو نہ کریں پر انہوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور پہلے وہ صرف ضالین تھے پر اب مضلین بھی بن گئے۔ خدا تعالیٰ کے صحفِ قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بات حد سے گذر جاتی ہے تو آسمان پر تیاری کی جاتی ہے۔ یہی اس کا نشان ہے کہ اب تیاری کا وقت آگیا ہے۔ سچے نبی رسول مجدد کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ وقت پر آوے، ضرورت کے وقت آوے۔ لوگ قسم کھا کر کہیں کہ کیا یہ وقت نہیں کہ آسمان پر کوئی تیاری ہو؟

مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سب کچھ آپ کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت اگر سب کے سب حجروں میں بیٹھ جاویں تب بھی کام ہو جاوے گا اور دجال کو زوال آوے گا۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا (آل عمران: ۱۴۱) اس کا کمال بتاتا ہے کہ اب اس کے زوال کا وقت ہے۔ اس کا ارتفاع ظاہر کرتا ہے کہ اب وہ نیچا دیکھے گا۔ اس کی آبادی اس کی بربادی کا نشان ہے۔ ہاں ٹھنڈی ہوا چل پڑی ہے۔ خدا تعالیٰ کے کام آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اگر ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تو پھر بھی مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ دیوانہ وار پھرتے اور تلاش کرتے کہ مسیح اب تک کیوں نہیں آیا؟ کسرِ صلیب کے لیے آیا ان کو چاہیئے نہیں تھا کہ یہ اس کو اپنے جھگڑوں کے لیے

بلاتے؟ اس کا کام کسرِ صلیب ہے اور اسی کی زمانہ کو ضرورت ہے اور اسی واسطے اس کا نام مسیح موعود ہے۔ اگر تلواروں کو نورِ انسان کی بہبودی مدِنظر ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ ان کو سوچنا چاہیئے تھا کہ ہم نے فتویٰ لکھ کر کیا بنا لیا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ ہو جا دے اس کو کون کہہ سکتا ہے کہ نہ ہو دے۔ یہ ہمارے مخالف بھی ہمارے نوکر چاکر ہیں کہ مشرق و مغرب میں ہماری بات کو پہنچا دیتے ہیں۔ ابھی ہم نے سُنا ہے کہ گولڑے والا پیر ایک کتاب ہمارے برخلاف لکھنے والا ہے سو ہم خوش ہوئے کہ اس کے مریدوں میں سے جس کو خبر نہ تھی اس کو بھی خبر ہو جائے گی اور ان کو ہماری کتابوں کے دیکھنے کے لیے ایک تحریک پیدا ہو گی۔

اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔

ایک اور وقت میں فرمایا کہ :۔

یہ جو حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ذلیل لوگ عزت پا جائیں گے۔ سو یہ بات چوہڑوں اور چماروں کے عیسائی ہونے میں پوری ہوئی کہ انگریزی کی تعلیم دے کر اور انگریزی نام رکھ کر دفتروں میں افسر کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے خاندانی ان کے سامنے ایک ذلیل کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

وحدتِ شہود

صاحبزادہ سراج الحق صاحب نے لطیفہ سُنایا کہ میں وحدتِ وجود کے مسئلہ کا قائل تھا اور شہودیوں کا سخت مخالف۔ جب میں پہلے پہلے حضرت اقدس مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچا تو آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ :۔

ایک سمندر ہے جس سے سب شاخیں نکلتی ہیں مگر ہمیں شہودیوں والی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن شریف کے شروع ہی میں جو کہا گیا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحۃ :۲) عالمین کا رب۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب اور ہے اور عالم اور ہے۔ ورنہ اگر وحدتِ وجود والی بات صحیح ہوتی تو رب العین کہا جاتا[1]

---

۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

شیعوں کا غلو قرآن شریف میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے

فرمایا :۔ شیعہ لوگ خواہ مخواہ غلو

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۸ء

کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں خارجی ان کا مُنہ بند کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہؓ میں کبھی کوئی نزاع بھی اگر واقع ہو گئی ہو تو کیا ہرج کی بات ہے۔ نزاع اور جھگڑا ہمیشہ وہیں ہوا کرتا ہے جن کے آپس میں گہرے تعلقات ہوں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب باتوں کا یوں فرما کر فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ (الحجر: ۴۸) پس خدائی فیصلہ کے بعد ان امور میں زبان کھولنا ایمان کا نشان نہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں تو خارجی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھی تو اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ ابوجہل کی لڑکی سے شادی کریں مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا کہ خدا کے رسول کی لڑکی اور خدا کے دشمن کی لڑکی ایک گھر میں جمع ہوں۔ اگر ایسا ہی کرنا منظور ہو تو فاطمہؓ کو طلاق دے دی جاوے۔ بلکہ خارجی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے نعوذ باللہ اپنے اسی ارادے کو پورا کرنے کے واسطے خود دانستہ حضرت فاطمہؓ کو زہر دے کر مار دیا تھا اور آخر کار اس طرح اپنے اس ارادے کو پورا بھی کر لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق قرآنِ شریف نے فرمایا ہے کہ وہ امہات المؤمنین ہیں تو حضرت علی گویا مدت تک ماں سے جھگڑا کرتے رہے ہیں۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ کے مقابلہ میں ملک ہی چھوڑ دیا تھا مگر دیکھو حضرت علیؓ نے ماں سے جھگڑا نہ چھوڑا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اوّل اوّل حضرت ابوبکر کی بیعت سے بھی تخلف کیا تھا۔ مگر پھر گھر میں جا کر خدا جانے یک دفعہ کیا خیال آیا کہ پگڑی بھی نہ باندھی اور فوراً ٹوپی سے ہی بیعت کرنے کو آ گئے اور پگڑی پیچھے منگائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خیال آ گیا ہوگا کہ یہ تو بڑی معصیت ہے۔ اسی واسطے اتنی جلدی کی کہ پگڑی بھی نہ باندھی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں قرآنِ شریف میں تدبّر نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

مسیح علیہ السّلام کا رفع

وفاتِ مسیح پر فرمایا کہ:۔

قرآنِ شریف یہود و نصاریٰ کے اختلافات کے لیے بطور حَکَم ہے اصل جھگڑا تو یہ تھا کہ توریت میں لکھا تھا کہ جو سُولی پر لٹکایا جاوے اس کا رفع رُوحانی نہیں ہوتا اور وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے شخص کو خلعتِ نبوت عطا کیا جاوے۔ بلکہ ملعون اور لعنتی ہوتا ہے۔ سُولی جرائم پیشہ لوگوں کی سزا ہے اور جو جرائم پیشہ لوگوں کی سزا سے موت کا لقمہ بن جاوے وہ اس قابل کہاں ہوتا ہے کہ اس کا رفع رُوحانی ہو۔ غرض ان یہود کا دعویٰ تو صرف یہی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا رفع رُوحانی

نہیں ہوا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کے رفع رُوحانی کے قائل تھے نہ کہ رفع جسمانی کے۔ رفع جسمانی کا تو ان کے دلوں میں خیال تک بھی نہ تھا۔ پس سچی بات یہی ہے کہ مسلمانوں اور یہود کا متفقہ اور مسلّم اعتقاد اس پر ہے کہ خدا کے نیک بندوں کا بعد وفات رفع رُوحانی ہوا کرتا ہے اور یہی قابلِ بڑائی بات ہے۔ رفع جسمانی کے یہ نہ قائل ہیں اور نہ کوئی اس میں فضیلت مدّنظر ہے۔ چنانچہ قرآنِ شریف بھی اسی اُصول کو یوں بیان فرماتا ہے کہ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (صٓ: ۵۱) یعنی جو خدا کے نزدیک متقی اور برگزیدہ انسان ہوتے ہیں خدا ان کے لیے آسمانی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان کا رفع رُوحانی بعد الموت کیا جاتا ہے اور ان کے مقابل میں جو لوگ بدکار اور خدا تعالیٰ سے دُور ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق صدق و اخلاص نہیں ہوتا اُن کے واسطے آسمانی دروازے نہیں کھولے جاتے جیسا کہ فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: ۴۱)

غرض یہود کا اعتراض تو یہی تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ سُولی پر چڑھائے گئے ہیں اس واسطے وہ ملعون ہیں اور صاف بات ہے کہ ملعون کا رفع رُوحانی نہیں ہو سکتا۔ اسی کے جواب میں قرآنِ شریف نے فرمایا ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء: ۱۵۹)

اچھا ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر یہودیوں کا یہی اعتراض تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کا رفع جسمانی نہیں ہوا تو پھر قرآن شریف جو کہ ان دونو قوموں میں حَکَم ہو کر آیا ہے اس نے یہود کے اس اعتراض کا کیا جواب دیا ہے؟ کیا وجہ کہ قرآن شریف نے یہود کے اصل اعتراض کا تو کہیں جواب نہ دیا اور رفع رُوحانی پر اتنا زور دیا اور رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرمایا رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ کیوں نہ فرمایا۔

عرشِ الٰہی ایک وراء الوراء مخلوق ہے جو زمین سے اور آسمان سے بلکہ تمام جہات سے برابر ہے۔ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ عرشِ الٰہی آسمان سے قریب اور زمین سے دُور ہے۔ یعنی ہے وہ شخص جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے عرش مقامِ تنزیہ ہے اور اسی لیے خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے جیسا کہ فرماتا ہے هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید: ۵) اور مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (المجادلۃ: ۸) اور فرماتا ہے کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ: ۱۷)

غرض اصل جھگڑا تو صرف ان کے رفع رُوحانی اور مقرب بارگاہِ سلطانی ہونے کے متعلق تھا سو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ہی کر دیا یہ فرما کر کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اب کوئی بتائے کہ بھلا اس سے ان کا آسمان پر چڑھ جانا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ آسمان پر ہے اور زمین پر نہیں؟

٭ ٭ ٭

وفات مسیح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے تو حضرت عیسیٰؑ کا قصہ ہی تمام کر دیا ہے جہاں یہ سوال و جواب ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدۃ: ۱۱۸) اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو حضرت عیسیٰؑ کا وفات پا جانا اور دوسرے ان کا دوبارہ دُنیا میں نہ آنا۔ کیونکہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن کو ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال حضرت عیسیٰ سے کہ کیا تم نے عیسائیوں کو یہ شرک کی تعلیم دی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کا یہ جواب دینا کہ یا الٰہی یہ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ میرے بعد انہوں نے کیسے عقائد اختیار کر لیے۔ میں نے تو ان کو صرف توحید کی تعلیم دی تھی۔ اس سوال و جواب سے صاف صریح اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور وہ دُنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے ورنہ اگر وہ دوبارہ کبھی دُنیا میں آئے ہوتے اور ان کی گندی تعلیم اور مشرکانہ عقائد کی اصلاح کی ہوتی۔ صلیب توڑی ہوتی اور خنزیر قتل کئے ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ انکو ایسے صریح جھوٹ سے سرزنش نہ کرتا؟ اور وہ ایسی جرأت اور دلیری سے حضورِ الٰہی کے سامنے قیامت کے دن ایسا جھوٹ بولتے؟ ہرگز نہیں۔ پس واقعی اور حق بات یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے اور وہ دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا قول ہوا اس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فعل سے کر دی۔ اور آپ نے معراج کی رات حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰ کے پاس بیٹھے دیکھا۔ غور کا مقام ہے کہ زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیا کام؟ حیات اور وفات تو دو ضدیں ہیں جس طرح نور اور ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مُردے اور زندہ لوگوں کا بھی آپس میں کوئی تعلق نہیں کہ ایک جگہ رہیں بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے واسطے تو کوئی الگ کوٹھڑی درکار تھی۔

مسیحِ موعودؑ کی آمد اور پیشگوئیوں کا ظہور

اس کے بعد اور زیادہ تشریح بخاری اور مُسلم نے کر دی ہے۔ جنہوں نے آخری زمانہ کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے ایک نئی سواری کا ذکر کر کے یہ کہا کہ لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا اور قرآن شریف نے اسی مضمون کو عبارت ذیل میں بیان فرما کر اور بھی صراحت کر دی کہ إِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) قرآن و حدیث کا تطابق اور پھر عملی رنگ میں اس دُور دراز زمانہ میں جبکہ ان پیشگوئیوں کو تیرہ سَو برس سے بھی زائد عرصہ گذر چکا ہے ان کا پورا ہونا ایمان کو کیسا تازہ اور مضبوط کرتا ہے۔ چنانچہ ایک اخبار میں ہم نے دیکھا ہے کہ شاہِ روم نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ ایک سال کے اندر حجاز ریلوے تیار ہو جاوے۔ سبحان اللہ کیسا عجیب نظارہ ہوگا اور ایمان کیسے تازے ہوں گے کہ جب پیشگوئی کے بالکل مطابق بجائے اونٹوں کی لمبی قطاروں کے ریل کی قطاریں دوڑتی ہوئی نظر آویں گی۔ پس جب یہ پیشگوئی جو آثارِ قُربِ قیامت اور مسیحِ موعودؑ کی آمد کے نشانات

ہیں سے ایک زبردست اور اقتداری پیشگوئی ہے پوری ہو رہی ہے تو ایمان لانا چاہیئے کہ مسیح موعود بھی موجود ہے۔

زلازل اور طاعون کا سلسلہ

فرمایا کہ:۔
زلازل اور طاعون کا سلسلہ بھی حکامِ وقت کے دورہ کی طرح دورہ ہی کر رہا ہے۔ جس طرح حکامِ وقت اپنے انتظامی دوروں میں جہاں کوئی سرکشی یا بدنظمی پاتے ہیں اس کی اصلاح کرتے ہیں اسی طرح زلازل اور طاعون بھی ملک کے مختلف حصوں میں دورہ کر رہے ہیں۔ بعض ممالک میں سُنا گیا ہے کہ زلزلوں سے پہاڑ گر گئے اور شہروں کے شہر فنا ہو گئے۔ یہی حال طاعون کا ہے جب لوگ کسی قدر وقفہ دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور گناہ اور غفلت میں ترقی کرنے لگ جاتے ہیں تو پھر خدا طاعون کو ان کی سرزنش اور سرکوبی کے واسطے بھیج دیتا ہے۔ پس بے فکر اور مطمئن نہیں ہونا چاہیئے بلکہ قبل اس کے کہ کوئی مصیبت اچانک آن پکڑے اپنی اصلاح میں لگے رہنا چاہیئے اور توبہ استغفار میں مشغول ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کے اقتداری نشانات

فرمایا:۔
خدا جب کسی کام کو کرانا ہی چاہتا ہے تو گردن سے پکڑ کر بھی کرا دیتا ہے۔ اس کے منوانے کے عجیب عجیب رنگ ہیں۔ چنانچہ ایک مسلمان بادشاہ کا ذکر ہے کہ اُس نے امام موسیٰ رضا کو کسی وجہ سے قید کر دیا ہوا تھا۔ خدا کی قدرت ایک رات بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو نصف رات کے وقت بلوایا اور نہایت سخت تاکید کی کہ جس حالت میں ہو اسی حالت میں آجاؤ حتیٰ کہ لباس بدلنا بھی تم پر حرام ہے۔ وزیر حکم پاتے ہی ننگے سر ننگے بدن فوراً حاضر ہوئے اور اس جلدی اور گھبراہٹ کا باعث دریافت کیا۔ بادشاہ نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک حبشی آیا اور اس نے گنڈاسے کی قسم کے ایک ہتھیار سے مجھے ڈرایا اور دھمکایا ہے اس کی شکل نہایت پُرہیبت اور خوفناک ہے اس نے مجھے کہا ہے کہ امام موسیٰ کو ابھی چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں ہلاک کر دوں گا اور اسے ایک ہزار اشرفی دے کر جہاں اس کا جی چاہے رہنے کی اجازت دو۔ سو تم ابھی جاؤ اور امام موسیٰ رضا کو قید سے رہا کر دو۔ چنانچہ وزیر اعظم قید خانہ میں گئے اور قبل اس کے کہ وہ اپنا عندیہ ظاہر کرتے امام موسیٰ رضا بولے کہ پہلے میرا خواب سُن لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا خواب یُوں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تم آج ہی قبل اس کے کہ صبح ہو قید سے رہا کئے جاؤ گے۔ غرض یہ ہیں خدا تعالیٰ کے اقتداری نشانات۔

شیعوں کے عقاید کا ردّ

فرمایا:۔
شیعہ لوگ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس راہ سے تو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا مذہب ہی برباد جاتا ہے دیکھو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر ۲، ۳) اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی یعنی اسلام میں بہت کثرت اور بہتات سے لوگ شامل ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عینِ حیات میں ہی ایسا ظہور میں آوے گا۔ بھلا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ کیا دو چار آدمیوں کا نام ہی افواج ہے اور کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی لمبی محنت اور جانکاہ کوششوں کا نتیجہ تھا؟ افسوس۔ دیکھو فوج ہی کچھ کم نہیں ہوتی یہاں تو اللہ تعالیٰ نے فوج کی بھی جمع کا لفظ بولا ہے اور اَفْوَاجًا کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فوجوں کی فوجیں داخل اسلام ہو جاویں گی۔ ان لوگوں کے عقائد کے لحاظ سے تو قرآن شریف ہی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ انہوں نے قرآنِ شریف کو تو محرف مبدّل کا الزام دے کر چھوڑ دیا۔ رہے قرآنِ شریف کے پہنچانے والے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (البینۃ: ۹) فرمایا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کا وارث بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہوئی پیشگوئیوں کی تصدیق کرنے والے اور پُورا کرنے والے بتایا۔ انہی کے ہاتھ سے بڑے بڑے قرآنی وعدے پورے کئے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت اور خزانے انہی کے ذریعہ اسلام کا ورثہ بنائے۔ سو اُن کو غدار، ظالم، منافق اور غاصب کا لقب دے کر چھوڑ دیا۔ ان کا تو وہ حال ہے جس طرح ایک عورت کو جب اس کے دن حمل کے پورے ہو چکتے ہیں تو دردِ زہ شروع ہوتی ہے جس کی تکلیف سے وہ اور اس کے عزیز و اقارب اور خویش روتے اور دردمند ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک تاریک حالت ہوتی ہے۔ نتیجہ کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ مگر جب اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو جاوے اور وہ چلّہ پورا کر کے غسلِ صحت بھی کر لے اور بچہ بھی اس کا صحیح سالم جیتا جاگتا ہو اس وقت لگے کوئی آدمی رونے تو اس کا رونا کیسا بے محل اور بے موقعہ ہوگا۔

سو یہی حال ہے ان کا، وقت گذر چکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیابی کے ساتھ تختِ خلافت کو مقررہ وقت تک زیب دے کر اپنی اپنی خدمات بجا لا کر بڑی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضوان لے کر چل بسے اور جنّات و عُیُون جو آخرت میں ان کے واسطے مقرر تھے اور وعدے تھے وہ اُن کو عطا ہو گئے۔ اب یہ روتے ہیں اور چلّاتے ہیں کہ نعوذ باللہ ایسے تھے اور ایسے تھے۔

محرم میں شہیدانِ کربلا کو یاد کر کر کے رونے سے کیا حاصل؟ اپنے نفس کا غم کرنا چاہیئے اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔ سب سے بڑا فکر انسان کو جو کرنا چاہیئے وہ یہی ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کر لے اور آخرت کے واسطے زادِ راہ لے لے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا کہا تھا۔ اے فاطمہؓ اپنی جان کو آگ سے بچانے کی فکر کر لے مَیں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر اور کسی کا کیا حال؟

لہ الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۰۸ء

۲۴ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

پیشگوئی میں مذکور سورج اور چاند گرہن کی شرائط

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب جو کہ کسی کارِ ضروری کے واسطے حضرت اقدس کی اجازت سے امروہہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کا نے دجال[1] نے بڑا دجل کر رکھا ہے اور بعض جاہل اور بے علم لوگ اس کے دھوکے میں آئے ہوئے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب میں پچیس[۲۵] یا چھبیس[۲۶] دفعہ چاند یا سورج گرہن رمضان میں ہونے کا ثبوت دیا ہے اس پر فرمایا کہ:۔

ہم نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا کہ پہلے بھی رمضان میں کبھی کسوف خسوف ہوا ہو بلکہ ہم تو نظامِ شمسی کے قائل ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کبھی پہلے بھی ایسا واقعہ ہو گیا ہو۔ ہمارا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ جن شرائط اور لوازم کا ذکر حدیث دار قطنی میں درج ہے ایسا آج سے پہلے کبھی واقعہ نہیں ہوا۔ مثلاً اس حدیث میں صاف تاریخ مقرر کی گئی ہے کہ چاند گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے اوّل تاریخ میں اور سورج گرہن اپنے گرہن کی مقررہ تاریخوں میں سے ان کے نصف میں یعنی تیرھویں چاند اور اٹھائیسویں کو سورج گرہن ہوگا اور اس وقت پہلے سے ایک مدعی مہدویّت کا دعویٰ موجود ہوگا نہ کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کو دیکھ کر دعویٰ کرے گا بلکہ وہ پیشتر ہی سے دعویٰ موجود ہوگا اور اس کی تائید اور نصرت کے واسطے آسمان پر اس طرح سے چاند اور سورج گرہن ہوگا اور علاوہ ازیں اَور اَور نشانات زمینی و آسمانی اور دلائل و براہین سے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرتا ہوگا اور اس کا دعویٰ خوب طرح سے شہرت پاکر دُور دُور اطراف میں مشہور ہو گیا ہوگا۔

پس کیا عبدالحکیم نے ایسا بھی ثبوت دیا ہے کہ وہ پہلے گرہن جو رمضان میں واقع ہوئے تھے ان میں سے کوئی ان شرائط و لوازم اور قید تاریخ سے بھی واقع ہوا تھا؟ اور کیا اس وقت پہلے اس کے کہ وہ اس طرح کا موعودہ کسوف خسوف ظہور میں آوے کوئی مدعی مہدویت اور مسیحیت موجود تھا جس نے اپنے دعویٰ کو عام کتب کے ذریعہ سے شائع بھی کیا ہو اور اس کا دعویٰ دُنیا میں شہرت یافتہ ہو اور پھر اس کے ساتھ کوئی آسمانی یا زمینی نشان اور

---

[1] ڈاکٹر عبدالحکیم مُرتد کی طرف اشارہ ہے۔ (مرتب)

تائیدات بھی موجود ہوں یا قرآن و حدیث سے مبرہن کیا گیا ہو۔ ہمارا مطالبہ تو ان شرائط و لوازم کے ساتھ کسوف خسوف ثابت کرنے کا ہے۔

دیکھو اس واقعہ کا بیان تو انگریزی اخبارات مثل سول ملٹری اور پاؤنیر وغیرہ نے بھی کر دیا تھا کہ اس ہیئت کذائی سے اس سے پہلے کبھی کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ اس سے بڑھ کر دجل اور بے ایمانی کیا ہوگی کہ سب لوازم کو ترک کر کے صرف ایک بات کو ہاتھ میں لے کر اعتراض گھڑ دینا۔ دکھانا تو یہ چاہیئے تھا کہ ایسا نشان ظاہر ہونے سے پہلے کہ وہ مقررہ تاریخوں میں ظاہر ہوا ہو، کوئی مدعی بھی موجود ہو۔ پھر اُس نے دعویٰ بھی کیا ہو۔ اس دعویٰ کی اشاعت بھی کی ہو اور اس کو آیات و نشانات ارضی و سماوی اور دلائل قاطعہ سے مبرہن بھی کیا ہو۔ یونہی زبانِ اعتراض ہلا دینے سے کیا ہوتا ہے۔ اس طرح سے تو تمام نبوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کے عقاید

مولوی عبداللہ خاں صاحب پٹیالوی نے عرض کیا کہ حضور تمام جماعت پٹیالہ نے بڑا شکر کیا تھا جس دن یہ شخص جماعت میں سے خارج کیا گیا تھا۔ وہ بارہا مجھ سے یوں مخاطب ہوا کرتا تھا کہ مولوی صاحب جب کونین میں ذاتی خاصیت شفا کی موجود ہے تو کیا ضرورت ہے کہ عبدالحکیم کو ڈاکٹر ماننے ہی سے کونین شفا دے اس طرح سے جب توحید الٰہی پر ایمان لانے کا نتیجہ نجات ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم محمدؐ کو نبی مانیں بلکہ جس طرح سے کونین بغیر اس کے بھی کہ کسی زید بکر کو ڈاکٹر تسلیم کیا جاوے نفع پہنچاتی ہے اسی طرح توحید بھی اپنے نفع پہنچانے اور نجات دلانے کے لیے کسی کے رسُول اور نبی ماننے کی محتاج نہیں۔

فرمایا:۔

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض سُنیں اور ایمان لانے کی ضرورت نہ سمجھنے کا سوال سُنیں کیوں عبدالحکیم ہی کو جماعت سے خارج نہ کر دیں [1]

---

۲۵ مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

مسلمان ریاستوں کی تباہی کی وجہ

جناب خلیفہ ڈاکٹر رشیدالدین صاحب اسسٹنٹ سرجن فرخ آباد کے گذشتہ نوابی حالات کا ذکر کرتے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء

ہوئے ان کی تباہی اور بربادی اور ان کے محلات کے کھنڈرات بنائے جانے کے متعلق ذکر کرتے تھے اس پر حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا کہ:۔

پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں یہ قاعدہ ہوتا تھا کہ ان کے درباروں میں کوئی نہ کوئی اہل اللہ بھی موجود ہوا کرتے تھے جن کے صلاح مشوروں سے بادشاہ کام کیا کرتے تھے اور ان کی دُعاؤں سے فائدہ اُٹھایا کرتے تھے مگر اب وہ حال نہیں رہا بلکہ ان مسلمانوں کا بھی بنی اسرائیل والا حال ہو گیا۔ ان کو بھی خدا نے بوجہ ان کی بدکاریوں کے چھوڑ دیا تھا اور کوئی نصرت ان کی نہیں ہوتی تھی۔ وہی حال اب بھی ہو رہا ہے۔ اسلام کی نصرت اور مدد کا خدا تعالیٰ نے خود وعدہ کیا ہے مگر کوئی مسلمان بھی ہو مسلمان تو خود ہی مورد قہر و عذاب الٰہی ہو رہے ہیں۔ ان کی نصرت کیسے ہو۔ یہ چند ہندوستانی مسلمانوں کی ریاستیں جو خدا کے قہر کا نشانہ بنیں۔ اگر یہ کچھ بھی نیک طینت ہوتے تو خدا ضرور ان کو محفوظ رکھتا اور ان کی نصرت کرتا۔ یہ عذاب اور تنزل جو اُن کو نصیب ہوا یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا باعث تھا۔ دیکھو بنی اسرائیل کو خود موسیٰ کے ہوتے ہوئے شکست ہوئی تھی اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ ان کی حالت خود جاذبِ نصرت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ نے ان کو کہدیا تھا اس وقت مقابلہ مت کرو۔ موقعہ مناسب نہیں اور نہ ہی وہ وقت آیا ہے کہ تمہاری نصرت ہو۔

صلاح الدین ایوبی

صلاح الدین ایک نیک بخت شخص تھا۔ نمازوں کا بھی پابند تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی اس کی تائید کی اور سخت سے سخت مشکلات اور مخالفوں کے حملوں میں اس کو فتح نصیب کی۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم بگڑ جاتی ہے اور خدا کو چھوڑ کر دُنیا کی طرف جُھک جاتی ہے اور بدکاریوں اور فسق و فجور میں غرق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم کو خود اپنے ارادہ سے اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

والدہ کا حق

ایک دوست نے خط کے ذریعہ اس امر کا استفسار کیا کہ میری والدہ میری بیوی سے ناراض ہے اور مجھے طلاق کے واسطے حکم دیتی ہے مگر مجھے میری بیوی سے کوئی رنجش نہیں۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟

فرمایا کہ:۔

والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اس کی اطاعت فرض۔ مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا اس ناراضگی کی تہہ میں کوئی اور بات تو نہیں ہے جو خدا کے حکم کے بموجب والدہ کی ایسی اطاعت سے بری الذمہ کرتی ہو مثلاً اگر والدہ اس سے کسی دینی وجہ سے ناراض ہو یا نماز روزہ کی پابندی کی وجہ سے ایسا کرتی ہو تو اُس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا مشروع امر ممنوع نہیں ہے جب تو وہ خود واجب الطلاق ہے۔

اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کی وجہ سے ساس کو دُکھ دیتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں۔ ستاتی ہیں۔ بات بات میں اس کو تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہوا کرتی۔ سب سے زیادہ خواہشمند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے خدا خدا کر کے بیٹے کی شادی کرتی ہے تو بھلا اس سے ایسی اُمید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بے جا طور سے اپنے بیٹے کی بہو سے لڑے جھگڑے اور خانہ بربادی چاہے۔ ایسے لڑائی جھگڑوں میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔ ایسے بیٹے کی بھی نادانی اور حماقت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ والدہ تو ناراض ہے مگر میں ناراض نہیں ہوں جب اسکی والدہ ناراض ہے تو وہ کیوں ایسی بے ادبی کے الفاظ بولتا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ یہ کوئی سوکنوں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ والدہ اور بیوی کے معاملہ میں اگر کوئی دینی وجہ نہیں تو پھر کیوں یہ ایسی بے ادبی کرتا ہے۔ اگر کوئی وجہ اور باعث اور ہے تو فوراً اُسے دُور کرنا چاہیئے۔ خرچ وغیرہ کے معاملہ میں اگر والدہ ناراض ہے اور یہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ دیتا ہے تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ سے خرچ کرادے اور کُل انتظام والدہ کے ہاتھ میں دے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج اور دستِ نگر نہ کرے۔ بعض عورتیں اوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی بڑی نیش زنیاں کرتی ہیں پس سبب کو دُور کرنا چاہیئے اور جو وجہ ناراضگی ہے اس کو ہٹا دینا چاہیئے اور والدہ کو خوش کرنا چاہیئے۔ دیکھو شیر اور بھیڑیئے اور اَور درندے بھی تو ہلائے سے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے بھی دوستی ہو جاتی ہے اگر صلح کی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔

سوکنوں کی مشکلات

فرمایا کہ:-

ایک شخص کی دو بیویاں تھیں۔ بیویوں میں باہم نزاع ہو جانے پر ایک بیوی خود بخود بلا اجازت اپنے گھر میکے چلی گئی۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طلاق دیدوں۔ میں نے سوچا کہ یہ معاملات بہت باریک ہوتے ہیں۔ سوکن کو بڑی بڑی تلخیاں اُٹھانی پڑتی ہیں اور بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض عورتیں اپنی مشکلات کی وجہ سے خودکشی کر لیتی ہیں۔ جس طرح سے دیوانہ آدمی مرفوع القلم ہوتا ہے اسی طرح سے یہ بھی ایسے معاملات کی وجہ سے مرفوع القلم اور واجب الرحم ہوتی ہیں کیونکہ سوکن کی مشکلات بھی دیوانگی کی حد تک پہنچا دیتی ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ وہ شخص خود بھی دوسری بیوی کی طرف ذرا زیادہ التفات کرتا تھا اور وہ بیوی بھی اس بیچاری کو سوکن اور تنگ کرتی تھی۔ آخر مجبور ہو کر اور ان کی مشکلات کی برداشت نہ کر کے چلی گئی۔ چنانچہ اس شخص نے خود اقرار کیا کہ واقعی یہی بات تھی اور اپنے ارادے سے باز آیا۔

ایسے قصوروں کو تو خود خدا تعالیٰ بھی معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا

طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرۃ: ۲۸۷) جو امر فوق الطاقت اور ناقابلِ برداشت ہو جاوے اس سے خدا بھی درگذر کرتا ہے دیکھو حضرت ہاجرہؑ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو کہ مومنین کی دادی تھی پہلی مرتبہ جب وہ نکالی گئی تو فرشتہ نے اُسے آواز دی اور بڑی تسلی دی اور اس سے اچھا سلوک کیا مگر جب دوسری مرتبہ نکالی گئی تو سوکن نے کہا کہ اس کو ایسی جگہ چھوڑو جہاں نہ دانہ ہو نہ پانی۔ اس کی غرض یہی تھی کہ وہ اس طرح سے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی اور حضرت ابراہیمؑ کا ایسا منشاء نہ تھا مگر خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ اچھا جس طرح یہ کہتی ہے اسی طرح کیا جاوے اور سارہ کی بات کو مان لے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کا منشاء قدرت نمائی کا تھا۔ توریت میں یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ بچہ جب بوجہ شدت پیاس رونے لگا تو بی بی ہاجرہؑ پہاڑ کی طرف پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھبراہٹ سے دوڑتی بھاگتی پھرتی رہی مگر جب دیکھا کہ اب یہ مرتا ہے تو بچے کو ایک جگہ ڈال کر پہاڑ کی چوٹی پر دُعا کرنے لگ گئی کیونکہ اس کی موت کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ اسی اثناء میں غیب سے آواز آئی کہ ہاجرہ! ہاجرہ الڑکے کی خبر لے وہ جیتا ہے۔ آکر دیکھا تو لڑکا جیتا تھا اور پانی کا چشمہ جاری تھا۔ اب وہی کنواں ہے جس کا پانی ساری دنیا میں پہنچتا ہے اور بڑی حفاظت اور تعظیم اور شوق سے پیا جاتا ہے۔

غرض یہ سارا معاملہ بھی سوکنوں کے باہمی حسد و ضد کی وجہ سے تھا۔

انبیاء کا وجود خدا تعالیٰ کے ظہور کا باعث ہوتا ہے

فرمایا:۔ خدا کا نام ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہی ظاہر ہے اور کوئی ظاہر نہیں۔ خدا کا ظہور دنیا میں انبیاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ انبیاء کا وجود خدا تعالیٰ کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔ انبیاء کے آنے سے پہلے خدا مخفی ہوتا ہے۔ لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اور زبان حال سے دُنیا بول اُٹھتی ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں۔ انبیاء آکر دُنیا کو خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اسی واسطے انبیاء خدا نما کہلاتے ہیں۔ وہ خود فنا ہو جاتے ہیں جب خدا کا ظہور ہوتا ہے۔

دیکھو جب تک انسان اپنے نفسانی جذبات اور خودی سے فنا نہ ہو جاوے تب تک خواہ الہام بھی ہو اور کشوف بھی دکھائے جاویں مگر کسی کام کے نہیں ہیں کیونکہ بجز اس کے کہ خدا میں اپنے آپ کو فنا کر دیا جاوے یہ امور عارضی ہوتے ہیں اور دیرپا نہیں ہوتے اور ان کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

٭ ٭ ٭

قبولیتِ دُعا کا راز

دُعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ انسان جب تک اپنی خواہشات، ارادوں اور علموں کو ترک کر کے خدا میں فنا نہ ہو جاوے اور خدا کی قدرتِ کاملہ اور قادرِ مطلق ہونے اور سُننے اور قبول کرنے والا ہونے پر یقینِ کامل اور پورا وثوق نہ رکھتا ہو تب تک دُعا بھی ایک بے حقیقت چیز ہے۔ فلسفیوں کو کیوں قبولیت دعا پر ایمان نہیں ہوتا؟ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو خدا کی وسیع قدرت اور باریک در باریک سامانوں کے پیدا کر دینے والا ہونے پر ایمان نہیں ہوتا اور وہ خدا کی قدرت کو محدود جانتے ہیں اور اپنے تجارب اور علوم پر بھی بھروسہ کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو اپنے تجارب کے مقابلہ میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ خدا بھی ہے اور وہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات بعض سخت مہلک امراض میں وہ لوگ یقینی اور قطعی حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا یا اتنے عرصے میں مر جاویگا یا اس طرز سے مرے گا۔ مگر بسیوں مثالیں ایسی خود ہماری چشم دید ہیں اور بعض کو ہم جانتے ہیں جن میں باوجود ان کے یقینی اور قطعی حکم لگا دینے کے خدا تعالیٰ نے ان بیماروں کے واسطے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ وہ آخر کار بچ گئے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض وہ بیمار جن کے حق میں یہ لوگ موت کا قطعی اور اٹل فتویٰ دے چکے تھے زندہ سلامت ہو گئے اور کسی دوسرے موقعہ پر ان کو مل کر شرمندہ کیا اور ان کے علم و دعویٰ کو بھی شرمندہ کیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا وَلَهٗ دَوَاءٌ ایک مشہور ڈاکٹر کا ہمیں قول یاد ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی مرض بھی ناقابلِ علاج نہیں ہے بلکہ یہ ہماری سمجھ اور عقل و علم کا نقص ہے کہ ہمارے علم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرض کے واسطے بعض ایسے ایسے اسباب پیدا کئے ہوں جن سے وہ شخص جس کو ہم ناقابلِ علاج یقین خیال کرتے ہیں قابلِ علاج اور صحت یاب ہو کر تندرست ہو جاوے پس قطعی حکم ہرگز نہ لگانا چاہیئے بلکہ اگر رائے ظاہر بھی کرنی ہو تو یوں کہدو کہ ہمیں ایسا شک پڑتا ہے مگر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسے سامان پیدا کر دے کہ جن سے یہ روک اُٹھ جاوے اور بیمار اچھا ہو جاوے۔ دُعا ایک ایسا ہتھیار خدا تعالیٰ نے بنایا ہے کہ انہونے کام بھی جن کو انسان ناممکن خیال کرتا ہے ہو جاتے ہیں کیونکہ خدا کے لیے کوئی بات بھی انہونی نہیں [1]

خدا تعالیٰ کا فضل

حاجی الٰہی بخش صاحب گجراتی حضرت کے حضور میں حاضر تھے انہوں نے عرض کی کہ مجھے قبل از بیعت پندرہ سال کی عادت افیون اور

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء

حقہ نوشی کی تھی۔ بیعت کے بعد میں شرمندہ ہوا کہ اب تک مجھ میں ایسی عادتیں پائی جاتی ہیں تب میں جنگل میں جاکر خدا تعالیٰ کے آگے رویا اور میں نے دُعا کی اور پھر یک دفعہ دونو چیزوں کو چھوڑ دیا نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور نہ کوئی بیماری وارد ہوئی۔

فرمایا:۔

یہ خدا تعالےٰ کا فضل ہے

قبل از ظہر

بہشت دائمی ہے اور دوزخ غیر دائمی

فرمایا:۔

بہشت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود: ۱۰۹) یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کا انقطاع نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہشت کے درمیان بھی مومنوں کو کھٹکا رہتا کہ کہیں نکالے نہ جاویں۔ لیکن برخلاف اس کے دوزخ کے متعلق ایسا نہیں۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ سب دوزخ سے نکل چکے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ آخر انسان خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ خدا تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو دُور کر دیگا اور اس کو رفتہ رفتہ دوزخ کے عذاب سے نجات بخشے گا۔[1]

۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

اخلاقی معجزات کی زبردست تاثیر

فرمایا:۔

اگر انسان تکبر چھوڑ دے اور اخلاق اور ملنساری سے پیش آوے تو یہ ایک بھاری معجزہ ہوتا ہے۔ اخلاقی معجزہ ہمیشہ اپنے اندر ایک زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ سچی تعلیم اور پاک ایمان کا اثر اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

درجہ کمال کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک تعظیم لِاَمرِ اللہ، دوسرے شفقت علیٰ خلق اللہ۔ امرِ اوّل کا تعلق تو

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۴ صفحہ ۴ مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۰۸ء

دل سے اور خدا سے ہوتا ہے جس کو یکایک ہر کوئی نہیں جان سکتا۔ دوسرا پہلو چونکہ خلقت سے تعلق رکھتا ہے اور اوّل ہی اوّل انسان کی نظر انسانی اخلاق پر پڑتی ہے اس واسطے اس خُلق کا کمال ایک بڑا بھاری اور شاندار معجزہ ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے کئی ایک نمونے پائے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محض آپ کے اخلاق کمال کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشرک عیسائی مہمان آیا۔ صحابہؓ اس کو اپنا مہمان بنانا چاہتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ میرا مہمان ہے اس کا کھانا میں لاؤں گا۔ چنانچہ اس مشرک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاں مہمان رکھا اور اس کی بہت خاطر تواضع کی اور عمدہ عمدہ کھانے اس کو کھلائے اور عمدہ مکان اور اچھا بستر اس کو رات بسر کرنے کے واسطے دیا مگر وہ بوجہ کھانا زیادہ کھا جانے کے بدہضمی کی وجہ سے رات بھر اسی کوٹھڑی میں رفع حاجت کرتا رہا۔ مکان اور بستر خراب کر دیا۔ صبح منہ اندھیرے ہی شرم کے مارے اُٹھ کر چلا گیا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کی اور وہ نہ ملا تو بہت ہی افسوس کیا اور کپڑے جو نجاست سے آلودہ ہو گئے تھے خود اپنے دستِ مبارک سے صاف کر رہے تھے کہ وہ اتنے میں واپس آ گیا کیونکہ وہ اپنی ایک بیش قیمت صلیب بھول گیا تھا۔ اس کو آتے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس سے کوئی اظہارِ رنج نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اس کی مدارات اور خاطر کی اور اسکی صلیب نکال کر اس کو دیدی۔ وہ شخص اس واقعہ سے ایسا متاثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گیا۔

اس کے سوا اور کئی ایسے ایسے واقعات اس قسم کے اعلیٰ درجہ اخلاق کے موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اخلاقی معجزہ صداقت کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔

اسلام کی تمام جنگیں دفاعی تھیں

یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اسلام کو ظالم کہا جاتا ہے حالانکہ ظالم وہ خود ہیں جو تعصب کی وجہ سے بے سوچے سمجھے اسلام پر بے جا اعتراض کرتے ہیں اور باوجود بار بار سمجھانے کے نہیں سمجھتے کہ اسلام کے کل جنگ اور مقابلے کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر دفاعی رنگ میں حفاظت جان و مال کی غرض سے تھے اور کوئی بھی حرکت مسلمانوں کی طرف سے ایسی سرزد نہیں ہوئی جس کا ارتکاب اور ابتداء پہلے کفار کی طرف سے نہ ہوئی ہو۔ بلکہ بعض قابلِ نفریں حرکات کا مقابلہ بتقاضائے وسعتِ اخلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمداً ترک کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مثلاً کفار میں ایک سخت قابلِ نفرت رسم تھی جو کہ وہ مسلمان مُردوں سے کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیح فعل سے مسلمانوں کو قطعاً روک دیا۔

قرآنِ شریف میں بڑی بسط اور تفصیل سے اس امر کا ذکر موجود ہے مگر کوئی غور کرنے والا اور بے تعصب دل سچائی اور حق کی پیاس بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ قرآنِ شریف میں صاف طور سے اس امر کا ذکر آ گیا ہے

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبہ:۱۳) یعنی ہر ایک شرارت اور فساد کی ابتدا پہلے کفار کی طرف سے ہوئی ہے بلکہ قرآن شریف نے تو اس امر کی بڑی وضاحت کر دی ہے کہ جنہوں نے مقابلہ کیا ان کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے اور جو لوگ الگ رہتے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ان سے تم بھی جنگ مت کرو بلکہ اُن سے بیشک احسان کرو اور ان کے معاملات میں عدل کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنة:۹)

اب جائے غور ہے کہ قرآن شریف نے جن اضطراری حالتوں میں جنگ کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے آج اس زمانہ میں کوئی بھی حالت موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی جبر و تشدد کسی دینی معاملہ میں ہم پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پوری آزادی دی گئی ہے اب نہ کوئی جنگ کرتا ہے کسی دینی غرض کے لیے اور نہ ہی لونڈی غلام کوئی بناتا ہے۔ نہ کوئی نماز روزے اذان حج اور ارکانِ اسلام کی ادائیگی سے روکتا ہے تو پھر جہاد کیسا اور لونڈی غلام کیسے؟

عورت اور مرد میں مساوات

فرمایا کہ:۔

آریہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ایک یہ بھی اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد اور عورت میں مساوات نہیں رکھی۔ مردوں کو ترجیح دی ہے۔

فرمایا:۔

تعصب اور حق کی مخالفت نے ان کو اندھا کر دیا ہے ایسا کہتے ان کو شرم نہیں آتی۔ پہلے اپنے گریبان میں تو مُنہ ڈال کر دیکھیں اور پھر انصاف کریں۔ غور کا مقام ہے کہ ان میں سے اگر کسی آریہ کے ہاں چالیس لڑکیاں بھی ہو جاویں جب بھی ان کے مذہب کی رُو سے اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے مُنہ کالا کرانے کے واسطے بھیجنا پڑیگا تاکہ وہ اپنی نجات کے واسطے لڑکا حاصل کرے کیونکہ ویدوں کی تعلیم کے مطابق جس کے ہاں لڑکا نہیں اس کی مُکتی نہیں۔

اب ذرا انصاف تو کریں کہ مساوات کس جانور کا نام ہے۔ چالیس پچاس لاتعداد لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی برابری نہیں کر سکتیں اور لڑکیاں بلحاظ کثرت کے خواہ کتنی بھی ہوں اپنی ماں کو اس قابلِ نفرت اور خلاف فطرت قبیح فعل سے بچا نہیں سکتیں جب تک لڑکا پیدا نہ ہو اسے نیوگ کرانا ہی پڑے گا۔ اب بتاؤ کہ کیا تم نے مرد و عورت میں مساوات رکھی ہے؟

اسلام جو کہ بڑا پاک اور بالکل فطرت انسانی کے مطابق واقع ہوا ہے اور بڑی کامل اور حکیمانہ تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے اس نے عورتوں کے نکاح میں جس طرح ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح ان کی طلاق میں بھی ایک ولی کا ہونا ضروری رکھا ہے مثلاً جس طرح عورت اپنے نکاح کے واسطے اپنے ولی کی محتاج ہے اسی طرح طلاق کے واسطے بھی ولی کی محتاج ہے۔ اگر کسی عورت کا کسی خاص شخص سے گذارہ اور نباہ نہیں ہو سکتا تو اس کو اجازت ہے کہ قاضی یا حاکم وقت کی معرفت خلع کرائے۔ وہی قاضی یا حاکم وقت اس کا ولی طلاق ہوگا۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔

باقی رہا ورثہ کے متعلق سو قرآن شریف نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین کے ترکہ میں سے مل جاتا ہے اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں سے لیتی ہے اور پھر اس کے نان و نفقہ، لباس و پوشاک کا ذمہ دار بھی اس کا خاوند ہوتا ہے۔ اس طرح پر ایک طرح سے عورت مرد سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان معترضوں کو شرم اور حیا سے کام لینا چاہیئے۔ پہلے اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر جھانک لیا کریں، پھر زبانِ اعتراض کھولا کریں۔

آرام کی زندگی بسر کرنے کا طریق

فرمایا:۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظالم کو ظالم مت کہو بلکہ خود اپنے آپ کو کوسو۔ بادشاہ یا حاکم کو مت کوسو۔ اگر تم اپنی حالت کو سنوار لو تو حاکم بھی نرم اور رحمدل ہو جاویں گے اگر کسی کا حاکم ظالم اور جابر ہے تو وہ جان لے کہ اس کے اعمال ہی اس لائق ہیں۔ قرآن شریف نے کیا پاک اصول قائم کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) جب انسان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی فردِ جرم لگ جاوے تو کون ہے جو اس کی رعایت کرے اور بچا سکے۔ حکام خدا کے قہر اور رحم کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر خدا خوش ہو تو حکام کے دل میں خود بخود رحم پیدا ہو جاتا ہے اور اگر خدا ہی ناراض ہے تو پھر انسان خود واجبِ سزا ہے کسی کے کیا بس کی بات۔

پس اگر تم اس دُنیا میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خدا کی طرف جھک جاؤ اور اپنی اصلاح کر لو اور پورے طور سے خدا کے ہو جاؤ۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ، پنجابی کی مشہور مثل ہے کہ جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا خوش ہو تو سب خوش ہو جاتے ہیں۔ خدا کا راضی کرنا مقدم ہے نادر شاہ کے حملہ کے وقت دلی کے بعض عقلمندوں نے کیا خوب کہا ہے ؎ شومئے اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء

۲۹ رمارچ ۱۹۰۸ء

قبل از ظہر

ایک دل آویز نصیحت

ایک معزز صاحب جو حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوستوں میں سے ہیں اور رامپور میں قیام رکھتے ہیں۔ رامپور سے کانگڑہ تشریف لیجا رہے تھے حضرت حکیم الامت کی ملاقات کے واسطے قادیان بھی تشریف لائے حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ذکر کیا کہ گرما کی شدت کی میں برداشت نہیں کر سکتا اور تمام گرما اپریل سے نومبر تک کانگڑہ میں جہاں میرے چائے کے باغ ہیں بسر کرتا ہوں اور آج ہی واپس جانے کا ارادہ ہے کیونکہ میں گرمی کی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

موسم تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ نہیں بنایا۔ آپ نے جہاں جسمانی تپش سے بچنے کا فکر کیا ہے اور آرام و آسائش کی راہیں سوچی ہیں وہاں چند روز یہاں رہ کر رُوحانی تپش کی اصلاح کے واسطے بھی غور کریں۔

ہمارا کام صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا ہے

قبل عصر ایک شخص نے اپنی کچھ حاجات تحریری طور سے پیش کیں۔ حضرت اقدس نے پڑھ کر فرمایا کہ :۔

اچھا ہم دُعا کریں گے

تو وہ شخص کسی قدر متحیر ہو کر پوچھنے لگا۔ آپ نے میری عرضداشت کا جواب نہیں دیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ہم نے تو کہا ہے کہ دُعا کریں گے

اس پر وہ شخص بولا کہ حضور کوئی تعویذ نہیں کیا کرتے ؟ فرمایا :۔

تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا ہے [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۶ / اپریل ۱۹۰۸ء

۳۰ر مارچ ۱۹۰۸ء

قبل از عصر

لائف انشورنس

ملک مولا بخش صاحب کا ایک خط حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں بدیں مضمون آیا تھا کہ لائف انشورنس کی کسی کمپنی میں وہ حضرت اقدس کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہونے سے کئی سال پیشتر سے ممبر ہیں اور کہ وہ قریب چھ سو روپیہ کے اس کمپنی کو دے چکے ہیں۔ وہ خط حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کر کے اس کے متعلق استفسار کیا۔ ملک صاحب موصوف نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ چونکہ میں نے حضور کے ہاتھ پر دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد کر لیا ہے اس واسطے اگر اب یہ مسئلہ دین کے کسی رنگ میں بھی مخالف ہو تو میں خوشی سے اس سے دست بردار ہونا چاہتا ہوں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہم تو اس کے جواز کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ جو نقصان ہو چکا ہے وہ خدا کی راہ میں نقصان سمجھ کر آئندہ گناہ سے توبہ کر لینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اجر دینے والا ہے۔ اصل میں یہ بھی ایک قمار بازی ہے[1]

۳۱ر مارچ ۱۹۰۸ء

قبل نماز ظہر

مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت

پیر عبداللہ شاہ صاحب ساکن پنڈ صاحب خاں ضلع اٹک جو کہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے ایک معزز خلیفہ ہیں اور ان کو پیر صاحب موصوف کی طرف سے بیعت لینے کی بھی اجازت ہے، دو تین دن سے قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے آج حضرت اقدس کی خدمت میں نہایت ادب اور حق جوئی اور اطمینانِ قلب کی خاطر یوں عرض کی کہ "خدا کے بندوں کے ساتھ خدا کے نشان ہوتے ہیں اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مامور و مُرسل بنا کر دُنیا میں بھیجا ہے اور آپ کے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۱ مورخہ ۶ر اپریل ۱۹۰۸ء

ہزاروں نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ مگر چونکہ میں ایک بہت دُور دراز ملک کا رہنے والا ہوں اور ہم نے آپ کے ان نشانات سے کوئی حصہ نہیں لیا جس طرح آپ کی موجودہ جماعت کے لوگوں نے آپ کے نشانات کو دیکھا ہے۔ لہٰذا میری عرض یہ ہے کہ کوئی نشان دکھایا جاوے جو کہ اطمینانِ قلب اور ترقی ایمان کا باعث ہو۔"

فرمایا:- اصل بات یہ ہے کہ بموجب تعلیم قرآنِ شریف ہمیں یہ امر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے کرم، رحم، لطف اور مہربانیوں کی صفات بیان کرتا ہے اور رحمان ہونا ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف فرماتا ہے کہ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم : ۴۰) اور وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) فرما کر اپنے فیض کو سعی اور مجاہدہ میں منحصر فرماتا ہے نیز اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل ہمارے واسطے ایک اسوہ حسنہ اور عمدہ نمونہ ہے۔ صحابہ کی زندگی میں غور کر کے دیکھو۔ بھلا انہوں نے محض معمولی نمازوں سے ہی وہ مدارج حاصل کر لیے تھے؟ نہیں! بلکہ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے واسطے اپنی جانوں تک کی پروا نہیں کی اور بھیڑ بکریوں کی طرح خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان ہو گئے جب جا کر کہیں ان کو یہ رُتبہ حاصل ہوا تھا۔ اکثر لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ ایک پھُونک مار کر ان کو وہ درجات دلا دیئے جاویں اور عرش تک ان کی رسائی ہو جاوے۔

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہو گا وہ افضل البشر افضل الرسل والانبیاء تھے جب انہوں نے ہی پھُونک سے وہ کام نہیں کئے تو اور کون ہے جو ایسا کر سکے۔ دیکھو آپ نے غارِ حرا میں کیسے کیسے ریاضات کئے۔ خدا جانے کتنی مدت تک تضرعات اور گریہ وزاری کیا کئے۔ تزکیہ کے لیے کیسی کیسی جانفشانیاں اور سخت سے سخت محنتیں کیا کئے جب جا کر کہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے فیضان نازل ہوا۔

اصل بات یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں جب تک اپنے اوپر ایک موت اور حالتِ فنا وارد نہ کر لے تب تک ادھر سے کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ البتہ جب خدا دیکھتا ہے کہ انسان نے اپنی طرف سے کمال کوشش کی ہے اور میرے پانے کے واسطے اپنے اوپر موت وارد کر لی ہے تو پھر وہ انسان پر خود ظاہر ہوتا ہے اور اس کو نوازتا اور قدرت نمائی سے بلند کرتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں ہے۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء : ۹۶) قاعدین یعنی سُست اور معمولی حیثیت کے لوگ اور خدا کی راہ میں کوشش اور سعی کرنے والے ایک برابر نہیں ہوتے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اور سالہائے دراز سے ایسا ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔

انسان دُنیا میں دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو بدقسمتی سے یہ سکھایا جاتا ہے کہ بعض اولیاء اور اقطاب دنیا میں ایسے بھی موجود ہیں کہ جن کی ایک توجہ سے انسان ولایت کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے اور عرش تک کی اُسے

خبر ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو قرآن شریف میں تدبر کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کے پانے کے واسطے صدق و اخلاص سے کوشش اور ورزش کرتے ہیں اور یہی ہیں کہ آخر جن کی پُرسوز اور دردمندانہ محنتیں اور کوششیں ضائع نہیں کی جاتیں اور آخر یہ لوگ جو صبر سے خدا تعالیٰ کے دروازے پر مانگتے ہیں اور اخلاص اور صدق سے کھٹکھٹاتے ہیں ان کے واسطے کھولا جاتا ہے اور آخر وہ اپنے صدق و اخلاص اور سچی تڑپ اور حقیقی اضطراب کی وجہ سے خدائی فیوض کے خزانوں کے مالک اور وارث بنائے جاتے ہیں۔

دیکھو خدا بڑا بے نیاز ہے۔ اس کو اس بات کی کیا پروا ہے کہ کوئی جہنم میں جاوے یا کہ بہشت میں جاوے کسی کے دوزخ میں جانے سے خدا کا کچھ بگڑتا نہیں اور کسی کے بہشت میں جانے سے سنورتا نہیں۔ خدا کا اس میں ذاتی نفع یا نقصان کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ (العنکبوت : ۳) یعنی کیا بس اتنی بات سے کہ لوگ زبان سے اتنا کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے۔ خدا راضی ہو جاتا ہے اور حال یہ کہ ابھی ان کے اس قول کا امتحان نہیں کیا گیا کہ آیا وہ حقیقتاً مومن ہیں بھی یا کہ نہیں اور ان کے اس قول کا صدق و کذب ظاہر نہیں ہوا۔ پس سچی اور پکی بات یہی ہے کہ انسان اوّل صدق، اخلاص اور گدازش اختیار کرکے اپنے اُوپر ہزاروں موتیں وارد کرے جب جاکر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے اور اس کی طرف جھکتا ہے۔ جنتر منتر سے ولی بن جانے والے خیالات کے لوگ اور صرف ایک پھوہ سے آسمانی خزانوں کے مالک بن جانے کے خیالات رکھنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور کہا کہ میں تو ایسے کامل انسان کی تلاش میں ہوں جو دم بھر میں ایک توجہ سے ولی بنا دیوے۔ ہم نے بہتیرا سمجھایا مگر جب وہ باز نہ آیا تو ہم نے کہا کہ اچھا جاؤ تلاش کرو۔ اگر کہیں ایسا کوئی قطب غوث مل جاوے۔ آخر ایک مدتِ دراز کے بعد وہ ہمیں پھر مل گیا۔ بُرے حال مندے وہاڑے۔ ہم نے پوچھا کہ کیوں، تم کو ایسا پھُونک مارنے والا آدمی ملا بھی جسے تم تلاش کرتے تھے؟ وہ چُپکا ہی رہ گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

ہمارے عقیدہ کے موافق تو یہ بات ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ نے اور نہ ہی اس کے رسُول نے کسی نے بھی یہ راہ نہیں سکھائی۔ دیکھو صحابہؓ نے کس قدر کوششیں کی ہیں جس کی قسمت میں ہی ایسا ہو کہ اس کی عُمر ضائع ہو وہ کتاب اللہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قرآنِ شریف پڑھ کر دیکھ لو اس میں کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ خدا تعالیٰ اس شخص پر بھی راضی ہوتا ہے جو اس کی رضامندی کی راہوں سے غافل اور لاپرواہی کرنے والا ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی جو راہیں مقرر کر دی ہیں۔ انہیں کے اختیار کرنے سے وہ راضی ہوتا ہے۔ صاف طور سے اُس نے یہ دُعا سکھا دی ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحۃ:۶) دیکھو انسان انسان سے خوش ہو کر اس کو انعامات عطا کرتا ہے

تو کیا خدا اپنی رضامندی کی راہوں پر چلنے والوں اور اس کی تلاش کرنے والوں سے محبت نہیں کرے گا مگر استعداد بھی ہو اس کے فیوض کے لینے کی۔ ایک گندہ پھوڑا جس میں پیپ اور گندے مواد بھرے ہوں۔ اس پر کیسے رحم کیا جاوے۔ دیکھو صحابہؓ نے حقِ فرماں برداری اور رضا جوئی ادا کیا تھا اور وہ ایک عمدہ نمونہ اور اعلیٰ مثال ہیں۔ اس ثبوت کے واسطے انہوں نے کس طرح اپنی جانیں قربان کر دیں، اطاعت کی، خون کی ندیاں بہادیں تو وہ بھی ان کی اس حالت پر کیسا راضی ہو گیا۔

جتنے بھی بزرگ اور اولیاء گذرے ہیں وہ سب مجاہدات اور ریاضات میں اپنے اوقات گذارتے تھے۔ دیکھو باوا فرید صاحب اور جتنے بھی اولیاء اور ابدال گذرے ہیں یہ سب گروہ ایک وقت تک خاص ریاضات اور مجاہدات شاقہ کرنے کی وجہ سے ان مدارج پر پہنچے ہیں اور ان لوگوں نے بڑی سختی سے اور پورے طور سے اتباعِ سنت کی ہے جب جا کر ان کی شیخت، ننگ و ناموس اور خواہ نخواہ کی کبریائی نکلی اور وہ گویا کہ سوئی کے ناکے میں سے ہو کر نکلے ہیں جس سے ہمیشہ ایسے لوگ نکلا کرتے ہیں جب جا کر کہیں ان لوگوں کو یہ حالتیں نصیب ہوئی ہیں۔ دعائیں بھی انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہیں ورنہ دیکھو جس طرح سے ایک حکیم کی دوائی بجز پرہیز کرنے کے مؤثر نہیں ہوتی اسی طرح سے دعا کی قبولیت کا بھی یہی راز ہے۔ دعا کچھ اثر نہیں کر سکتی جب تک انسان پورا اور کامل پرہیزگار نہ ہو۔

لوگوں نے بعض اولیاء کی نسبت بعض جھوٹے قصے کہانیاں بنا رکھی ہیں وہ بھی مخلوق کی راہ میں بڑا بھاری پتھر اور روک ہو جاتے ہیں اور بہتوں کی ٹھوکر کا باعث ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایک قصہ ایسا گھڑ رکھا ہے کہ ایک چور ان کے سامنے آیا اور انہوں نے گویا ایک ہی پھونک سے اس کو ولی اور قطب بنا دیا تھا۔ یاد رکھو کہ کوئی بھی بجز اپنے اوپر ایک موت وارد کرنے اور پوری اتباعِ سنت کے کسی خاص اور اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا۔

فیضان بھی استعداد پر ہوتے ہیں

ہاں البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ استعداد کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ بعض طبیعتیں اور استعدادیں ہی اس قسم کی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہوتی ہیں اور ان میں ایسا مادہ رکھا ہوتا ہے کہ نخوت، تکبر، عجب، پندار وغیرہ رذیل اخلاق ان سے خود بخود آسانی سے نکل جاتے ہیں اور ایک فانی اور لاشئے بن جاتے ہیں اور جس طرح سے ایک دانہ زمین میں مل کر پہلے خاک ہو جاتا ہے تو پھر خدا اس کو قدرت سے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح سے وہ لوگ بھی اول اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں کھو دیتے ہیں۔ تب خدا ان کو پھر زندہ کرتا ہے اور بڑھاتا اور پھیلاتا ہے اور ان کی قبولیت دنیا کے دلوں میں بڑھا دیتا ہے۔ پس اس طرح سے جو انسان کل مشکلات کو جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے

امتحان کے واسطے وقتاً فوقتاً وارد ہوں۔ اُن کی برداشت کر لیتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی خاص حدود اور شرائط نہیں مقرر کرتا بلکہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے تو خدا اس کو اپنے فضل سے وہ کچھ دکھا دیتا ہے جس سے اس کا ایمان قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے اور سلیم قلب حاصل ہو جاتا ہے مگر جو لوگ ضد کرتے ہیں اور خدا کو اپنے ارادوں کے ماتحت چلانے کی خواہش کرتے ہیں وہ لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور پھر خُدا ایسے لوگوں کی پرواہی کیا رکھتا ہے وہ بے نیاز ہے۔ اس کے کروڑوں بندے ہیں۔ اگر نہیں مانتا تو نہ سہی وہ بھی جنہی گروہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نشان دکھانے میں بندے کی خواہش اور ارادے کے ماتحت نہیں ہوتا۔ فیضان بھی استعداد پر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح سے اگر ایک کھایا ہوا دانہ زمین میں باقاعدہ طور سے کاشت کیا جائے تو نہیں اُگتا اور بار ور نہیں ہوتا اسی طرح سے بدبخت لوگ جن پر فردِ جرم شقاوت کا لگ چکا ہے خدا تعالیٰ کے انعامات اور نشانات کے وارث نہیں ہو سکتے۔ بھلا نبی سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ سارا قرآن شریف تدبّر سے پڑھ کر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے فیض کے حصول کے جو سامان مقرر فرمائے ہیں۔ انہی کی پیروی سے وہ فیضان ملے گا اور ان کی خلاف ورزی کرنے سے ہرگز ہرگز ممکن نہیں کہ کوئی خدا کے فیض کا وارث ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ (ھود: ۱۰۶) یعنی انسان بلحاظ اپنی استعدادوں کے دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ جس کو ایسے سامانوں کے جمع کرنے اور ایسے اعمال بجا لانے کی توفیق ہوتی ہے جو فیوض و برکاتِ الٰہی کے انوار کے جاذب ہوتے ہیں اور وہ سعید کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے اعمالِ بد اور خُبثِ باطن انکی ترقیوں کے آگے روک ہو کر ان کو اعمالِ صالحہ اور خدائی فیوض و برکات سے دور و مہجور کر دیتے ہیں اب بھی دیکھ لو کہ خوب زور سے تائیدات سماوی اور نشانات کی ایک بارش ہو رہی ہے اور ایک سیلاب کی طرح ترقی ہو رہی ہے، مگر اس میں بھی وہی داخل ہو سکتے ہیں جن کی روحوں میں سعادت کا حصہ ہے۔ شقی اور بدبخت لوگ باوجود ہزارہا نشانات کے دیکھنے کے ان میں بھی وساوسِ شیطانی کو داخل کر کے سعادت اور قبولِ حق سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا کا بھی یہی منشاء ہے کہ بعض سعادت کی وجہ سے سعید اور بعض شقاوت کی وجہ سے شقی ہو کر یہ اختلاف قیامت تک برابر قائم رہے۔ پس جن کو خدا تعالیٰ کا منشاء ہی ہماری جماعت سے باہر رکھنے کا ہو اس کو ہم کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔

نشانات خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں

دیکھو کسی خاص شخص کی پروا نہ خدا کو ہوا کرتی ہے اور نہ ہی اس کے رسول کسی خاص شخص کی ہدایت کے لیے زور دیا کرتے ہیں بلکہ ان کی دُعائیں اور اضطراب عام خلقِ خدا کے واسطے ہوتے ہیں۔ دیکھو رسول اکرمؐ سے بھی معجزات مانگے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کیا جواب دیا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔

(الانعام: ۳۸) قُلْ اِنَّمَا الْاٰیَاتُ عِنْدَ اللّٰہِ (الانعام: ۱۱۰) اللہ تعالیٰ نے اقتراح کو منع کیا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ اقتراح کرنے والے لوگ ہمیشہ ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نہ ان کی مرضی اور خواہشات کا تابع ہوتا ہے اور نہ وہ ہدایت پاتے ہیں۔ دیکھو جب نشانات اور معجزات اقتراحی رنگ میں طلب کئے گئے جب ہی یہی جواب ملا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) خدا تعالیٰ کے اب بھی ہزاروں نشانات ہیں جو گنے سے گنے نہیں جا سکتے اور ہماری کتابوں میں تفصیل سے درج ہیں۔ ان کو دیکھا جاوے کیا وہ قابلِ قبول اور خدائی شان و شوکت کا رُعب اپنے اندر رکھتے ہیں یا کہ کسی انسان کی طاقت میں ان کا امکان ہے؟ پھر جو نشانات خدا تعالیٰ نے خود اپنی مرضی سے اور خوشی سے دیئے ہیں۔ ان سے تسلی تشفی نہ پاکر اپنی تسلی تشفی کے واسطے خاص نشانات طلب کرنا نہ تو قرآنِ کریم میں ثابت ہے اور نہ کسی پہلے نبی کی زندگی میں ملتا ہے پس ہم سے کیوں منہاجِ نبوت سے باہر سوال کیا جاتا ہے ایسا ہرگز جائز نہیں۔ پہلے سوال کرنے والوں اور معجزات مانگنے والوں کو دیکھ لو اُن سے کیا معاملہ ہوا۔ وہی اب موجود ہے۔

ہم نے خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا۔ نشان خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب اور جس قسم کے وہ چاہے اپنی مرضی سے ظاہر کرے۔ وہ کسی زید بکر کی خواہشات کا پابند اور ماتحت نہیں ہے اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا انسان کبھی کامیاب بھی ہوا ہو۔ وہی قرآن شریف موجود ہے اسمیں دیکھ لیا جاوے۔ خدا تعالیٰ کبھی مجبور نہیں ہوا۔ اور نہ وہ مجبور ہو کر ایسا کیا کرتا ہے بلکہ جب وہ چاہتا ہے اپنی مرضی سے مانگنے والوں کی خواہشات سے ہزار درجہ بڑھ چڑھ کر بھی نشان دکھا سکتا ہے اور دکھاتا ہے۔ اس کو کسی خاص انسان کی پروا نہیں ہوا کرتی کہ یہی شخص ہدایت پاوے گا تو یہ کارخانہ چلے گا۔

آپ بھی مسلمان ہیں بھلا آپ نے بھی کہیں قرآن شریف میں اس قسم کا مضمون پایا ہے کہ کبھی کسی نے اقتراحی رنگ میں معجزہ مانگا ہو اور پھر اس نے پا بھی لیا ہو۔ ہرگز ایسا ثابت نہ ہوگا کہ کسی نے اس طرح مانگا اور پھر پالیا ہو۔ پس اگر ایسا ثابت نہیں ہوتا تو یہ ایک قسم کی جرأت اور بے ادبی ہے اس سے مسلمان کو بچنا چاہیئے۔ پس جس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان مانگنے والوں کو کہا اور جواب دیا تھا۔ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ نشان خدا کے پاس ہیں وہ جس طرح کے چاہے اور جس وقت چاہے دکھا سکتا ہے۔ نشان دکھانا ہمارا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ کے دکھائے ہوئے نشانات ہزاروں موجود ہیں۔ ہاں البتہ ان میں یہ بات ضرور ہے کہ وہ کسی کے خاص کر کے مانگے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود اپنے ارادے اور خوشی سے دکھائے۔

میں تو ایسے شخص کے اسلام میں ہی شک کرتا ہوں جو مسلمان کہلا کر قرآن شریف اور سُنّتِ رسولؐ سے باہر کوئی سوال کرتا ہے اگر سعادت و رُشد کا انسان میں کچھ بھی حصہ ہو اور حق طلبی کی پیاس اور سچی تڑپ موجود ہو تو کیوں خدائی نشانات میں غور نہیں کی جاتی اور اُن کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا؟ کیا وہ نشانات باسی ہو گئے ہیں کہ

ان کی پروا نہیں کی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ جو ہم مانگتے ہیں وہ ہمیں دیا جاوے۔

یاد رکھو یہ بڑی بھاری جُرأت اور بے ادبی ہے۔ خدا بڑا بے نیاز ہے اُسے کسی کی پروا ہی کیا ہے۔ اگر ساری دُنیا بھی اس سے مُنہ پھیر لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کسی کی خواہشات کا ماتحت ہو کر اور مجبور ہو کر وہ نہیں چلے گا۔

تسلی پانے کیلئے دُعا کی ضرورت

نماز ظہر کے بعد پھر پیر صاحب موصوف کو بُلا کر نہایت نرمی، اخلاق اور محبت بھرے الفاظ سے یوں فرمایا کہ:۔

اصل بات یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب انسان کے دل کی حالت صاف ہوتی ہے اور خدا کو جو دلوں کے حالات سے واقف ہے اس کے لیے کوئی امر ہدایت کا منظور ہوتا ہے تو خدا اپنے مامورین کے دل میں اس شخص کے لیے ایک خاص جوش اور توجہ پیدا کر دیتا ہے اور الہامِ خفی سے مامور کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے مگر جب یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو سائل کی حالتِ تقویٰ اور سچی تڑپ معلوم ہو جاوے۔ پس اس سے سمجھا جاتا ہے کہ حضورِ الٰہی میں سائل کا سوال قابلِ قبول ہو گیا ہے۔ پس آپ اس امر کے لیے خدا تعالیٰ کے حضور دُعا کریں اور توبہ استغفار سے کام لیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی دُعا کی وجہ سے خدا تعالیٰ کوئی ایسے سامان مہیا کر دے جس سے آپ کے واسطے تسلی کے سامان مہیا ہو جاویں۔ اس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ وہ بڑا بے نیاز ہے اور انسان اس کا ہر آن محتاج ہے اور اسی کی مدد کا محتاج ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدس تشریف لے گئے۔[1]

۴ر اپریل ۱۹۰۸ء

خدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے

کسی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس قسم کی ایک درخواست کی تھی کہ یہاں کے رئیس اعظم کو حضرت اقدس کے حالات کی تحقیق کا شوق ہے لہٰذا اگر ان کی خدمت میں براہِ راست اس قسم کی کوئی تحریر بھیج کر تحریک کی جاوے تو خالی از فائدہ نہ ہوگی۔

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۰۸ء

ہم اس قسم کی سردردی کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اگر ان کو اس قسم کی تحقیق کا خیال ہے تو کیوں خود اپنے ہاتھ سے درخواست نہیں کی۔ اصل میں ان لوگوں میں ایک قسم کا مخفی کبر ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یہ لوگ رعایا پر تو حکومت کرتے ہیں مگر اس طرح سے خدا پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ خدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے کیونکہ وہ ظلِ الٰہی ہوتے ہیں۔ خدا سے ان کو تواضع اور بندوں سے لاپروائی ہوتی ہے۔ بجز اس کے کہ ان لوگوں میں سے کوئی شخص خود توجہ کرے اور پھر خدا بھی اُس کے لیے دل میں جوش پیدا کر دے۔ خواہ مخواہ بناوٹ سے توجہ کرنا بھی ایک قسم کی بُت پرستی ہے۔ خدا کے مامور کسی فرد واحد کی خصوصیت کرنا بھی شرک جانتے ہیں کیونکہ ایسے لوگوں میں باریک در باریک رنگ میں کبر مخفی ہوتا ہے[1]

۷؍اپریل ۱۹۰۸ء

۱۰½ بجے دن

ایک امریکن میاں بیوی سے عیسائیت اور اپنی صداقت پر گفتگو

۷؍اپریل ۱۹۰۸ء کو ایک انگریز اور لیڈی جنہوں نے اپنے آپ کو امریکہ (شکاگو) کے رہنے والے ظاہر کیا اور کہ وہ سیاحت کی غرض سے ملک بہ ملک پھر رہے ہیں اور ہندوستان میں بھی یہاں کے پولیٹیکل اور ریلیجس حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے واسطے آئے ہیں لاہور سے بھرا ہی ایک سکاچ انگریز قادیان میں قریب دس بجے کے پہنچے۔ مسجد مبارک کے نیچے دفتروں میں ان کو اچھی طرح سے بٹھایا گیا اور چونکہ انہوں نے حضرت اقدس سے ملاقات کرنے کی درخواست کی اس لیے حضرت اقدس بھی وہیں تشریف لے آئے اور سلسلہ گفتگو مترجم کے ذریعہ سے یوں شروع ہوا۔

(مترجم کا کام اوّل اوّل ڈپٹی علی احمد صاحب نے اور پھر جناب مفتی محمد صادق صاحب نے کیا)

سوال:۔ ہم نے سُنا ہے کہ آپ نے مسٹر ڈوئی کو کوئی چیلنج دیا تھا کیا یہ درست ہے؟

جواب:۔ ہاں یہ درست ہے ہم نے ڈوئی کو چیلنج دیا تھا۔

سوال:۔ کس بناء پر آپ نے اس کو چیلنج دیا تھا؟

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۲ مورخہ ۲۲؍اپریل ۱۹۰۸ء

جواب:۔ ڈوئی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں خدا کا رسُول ہوں اور کہ خدا نے مجھے بذریعہ الہام یہ بتایا ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا اور خود خدا تھا اور کہ خود مسیح نے مجھے بحیثیت خدا ہونے کے ایسا الہام کیا ہے اور کہ (نعوذ باللہ) اسلام تباہ ہو جاوے گا اور کہ (نعوذ اللہ) آنحضرتؐ جھُوٹے نبی تھے۔ چونکہ ہمیں خدا نے بذریعہ اپنے الہام کے یہ بتایا ہے کہ مسیح نہ خدا، نہ خدا کا بیٹا بلکہ صرف ایک پاکباز انسان اور رسُول تھا اور کہ ڈوئی اپنے اس دعویٰ رسالت میں کاذب ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک ہی وقت میں اسی ایک ہی خدا کی طرف سے ایک دوسرے کے بالکل متضاد اور مخالف راہوں پر چلنے والے دو رسُول موجود ہوں۔ پس چونکہ اس طرح سے دُنیا میں فساد پیدا ہوتا اور حق و باطل میں امتیاز اُٹھ جاتا ہے ہم نے اسے صادق اور کاذب کے فیصلہ کرنے کے واسطے چیلنج دیا۔ اگرچہ مسیح کو ابن اللہ اور پھر واحد یگانہ خدا ماننے والے لوگ دُنیا میں بہت پائے جاتے ہیں مگر ان پر ایسا افسوس نہیں کیونکہ وہ خیالات اور عقائد صرف پُرانے غلط اور مصنوعی قصّے کہانیوں کی بنا پر ہیں اور وہ لوگ منقولات کے پیرو ہیں۔ مگر ڈوئی نے تو اپنے اس دعویٰ سے خدا پر ایک افتراء کیا اور اس طرح سے خدا پر تہمت باندھ کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا تھا اور وہ تو کہتا تھا کہ خود خدا نے مجھے ایسا بتایا ہے اور بحیثیت ایک خدا کے رسول ہونے کے وہ مسیح کی ابنیت اور الوہیت کی منادی کر کے لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے اس فیصلہ کے واسطے چیلنج دیا۔

سوال:۔ ڈوئی نے تو ایک جھُوٹا دعویٰ کیا تھا کیونکہ وہ اپنی صداقت ثابت نہیں کر سکا اور بائبل میں لکھا ہے کہ آخر زمانے میں جھُوٹے نبی آئیں گے تو پھر آپ کے دعویٰ کی سچائی کی کیا دلیل ہے؟

جواب:۔ فرمایا:۔

بائبل میں جہاں یہ لکھا ہے کہ جھُوٹے نبی آئیں گے وہاں سچے نبی کے آنے کی نفی تو نہیں کی گئی۔ یہ تو نہیں لکھا کہ سچا نہیں آئے گا بلکہ جھُوٹے نبیوں کا آنا خود بخود اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ ان میں سچا بھی ہوگا۔

سوال:۔ حضرت مسیح نے مُردے زندے کئے تھے چنانچہ ایک شخص جس کا نام[1] اسے زندہ کرنا ثابت ہے اور بائبل حضرت مسیح کی وفات کے بہت جلد بعد ہی ضبط تحریر میں لائی گئی اور بجز حضرت مسیح کے کسی اور کا مُردے زندہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ پس یہ شہادت اُن کے دعویٰ کی دلیل اور ثبوت کے واسطے کافی ہے۔

جواب:۔ مُردوں کا زندہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بھی قرآن شریف میں مذکور ہے مگر ہم آنحضرت

---

[1] یہاں نام درج نہیں (مرتب)

صلی اللہ علیہ وسلم کے مُردے زندہ کرنے کو رُوحانی رنگ میں مانتے ہیں نہ کہ جسمانی رنگ میں۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ کا مُردے زندہ کرنا بھی رُوحانی رنگ میں مانتے ہیں نہ کہ جسمانی طور پر۔ اور یہ امر کوئی حضرت عیسیٰؑ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بائیبل میں لکھا ہے کہ ایلیا نبی نے بھی بعض مُردے زندہ کئے تھے بلکہ وہ حضرت عیسیٰؑ سے اس کام میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اگر فرض محال کے طور پر ہم مان بھی لیں کہ بائیبل میں حضرت عیسیٰؑ کا حقیقی مُردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے تو پھر ساتھ ہی ایلیا نبی کو بھی خدا ماننا پڑے گا۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی خدائی کی خصوصیت ہی کیا ہوئی؟ اور مابہ الامتیاز کیا ہوا؟ بلکہ یسعیاہ نبی کے متعلق تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ مُردے ان کے جسم سے چھُو جانے پر ہی زندہ ہو جایا کرتے تھے۔ ان باتوں سے جو کہ اس بائیبل میں درج ہیں صاف شہادت ملتی ہے کہ مُردوں کا زندہ کرنا حضرت مسیح کی خُدائی کے واسطے کوئی دلیل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کو دلیل مانا جاوے تو کیوں ان دوسرے لوگوں کو بھی جنہوں نے حضرت مسیح سے بھی بڑھ کر یہ کام کیا خدا نہ مانا جاوے اور خدائی کا خاصہ صرف حضرت مسیح کی ذات تک ہی محدود مخصوص رکھا جاوے؟ بلکہ ہمارے خیال میں تو حضرت موسیٰ کا سوٹے کا سانپ بنانے کا معجزہ مُردے زندہ کرنے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ مُردہ کو زندہ سے ایک تشبیہ اور لگاؤ بھی ہے کیونکہ وہی چیز ابھی زندہ تھی اور مُردے میں زندہ ہونے کی ایک استعداد خیال کی جا سکتی ہے۔ مگر سانپ کو سوٹے سے کوئی بھی نسبت اور تعلق نہیں ہے وہ ایک نبات کی قسم کی چیز اور وہ سانپ۔ تو یہ سوٹے کا سانپ بن جانا تو مُردوں کے زندہ ہو جانے سے نہایت ہی عجیب بات ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو بڑا خدا ماننا چاہیئے۔ مگر حقیقی اور اصلی بات یہ ہے کہ ہم حقیقی مُردوں کی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔

سوال:۔ حضرت مسیح ازلی ابدی ہیں اور وہ اب بھی زندہ ہیں اور اس وقت خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ ان کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس میں یہ خاصے پائے جاتے ہوں۔

جواب:۔ ہم قطعی طور سے انکار کرتے ہیں کہ کوئی حقیقی مُردے بھی زندہ کر سکتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ الخ (الزمر: ۴۳)

باقی رہے آپ کے دعوے سو ہم ان کو بغیر کسی دلیل کے قبول نہیں کر سکتے۔ مُردوں کے زندہ کرنے کے ساتھ ان کا خود ازلی ابدی ہونا اور اب زندہ اور خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھے ہونا بھی آپ کے دعوے ہیں جن کی کوئی دلیل آپ نے پیش نہیں کی اور دلیل کی جگہ ایک اور دعویٰ پیش کر دیا۔

حضرت عیسیٰ کو بھی ہم اور انبیاء کی طرح خدا تعالیٰ کا ایک نبی یقین کرتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں صدق اور اخلاص رکھنے والے لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے

اور مخلص بندوں کے حق میں بباعث ان کے کمالِ صدق اور محبت کے بیٹے کا لفظ بولا ہے۔ اس طرح سے حضرت عیسیٰؑ بھی انہی کی ذیل میں ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ میں کوئی ایسی بڑی طاقت نہ تھی جو اور نبیوں میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی اُن میں کوئی ایسی نئی بات پائی جاتی ہے جس سے دوسرے محروم رہے ہوں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ میں مُردے زندہ کرنے کی طاقت تھی تو اب بھی اُن کا پیرو مُردے زندہ کرکے دکھائے۔ مُردے نہ زندہ کرنے تو درکنار بلکہ ہمارے مقابلہ میں کوئی نشان ہی دکھا دیوے۔

دیکھو انسان اپنی انسانی حدود اور ہیئت کے اندر ترقی مدارج کرسکتا ہے نہ یہ کہ وہ خدا بھی بن سکتا ہے جب انسان خدا بن ہی نہیں سکتا تو پھر ایسے نمونے کی کیا ضرورت جس سے انسان فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ انسان کے واسطے ایک انسانی نمونے کی ضرورت ہے جو کہ رسولوں کے رنگ میں ہمیشہ خدا کی طرف سے دُنیا میں آیا کرتے ہیں نہ کہ خدائی نمونہ کی جس کی پیروی انسانی مقدرت سے بھی باہر اور بالاتر ہے۔ ہم حیران ہیں کہ کیا خدا کا منشاء انسانوں کو خدا بنانے کا تھا کہ اُن کے واسطے خُدائی کا نمونہ بھیجا تھا۔ پھر یہ اور بھی عجیب بات ہے کہ خدا ہوکر پھر یہود کے ہاتھ سے اتنی ذلت اُٹھائی اور رُسوا ہوا اور ان پر غالب نہ آسکا بلکہ مغلوب ہوگیا۔

سوال:۔ آپ نے جو دعویٰ کیا ہے اس کی سچائی کے دلائل کیا ہیں؟

جواب:۔ مَیں کوئی نیا نبی نہیں۔ مجھ سے پہلے سینکڑوں نبی آچکے ہیں۔ توریت میں جن انبیاء کا ذکر ہے اور آپ ان کو سچا مانتے ہیں۔ جو دلائل ان کی صداقت کے اور ان کو نبی اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ یقین کرنے کے ہیں وہ آپ پیش کریں انہی دلائل سے میری صداقت کا ثبوت مِل جائے گا۔ جن دلائل سے کوئی سچا نبی مانا جاسکتا ہے وہی دلائل میرے صادق ہونے کے ہیں۔ مَیں بھی منہاجِ نبوت پر آیا ہوں۔

سوال:۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے وہ دلائل سُنیں جن سے آپ کو اپنے صدق کا یقین ہو اور آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں؟

جواب:۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں اپنے کلام سے اس بات کا علم دیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آنیوالے لوگوں کے ساتھ خدائی نشان ہوتے ہیں جو کہ اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں کے رنگ میں انکو عطا کئے جاتے ہیں۔ کوئی دشمن ان پر فتح نہیں پاسکتا اور باوجود کمزور اور ناتواں اور بے سروسامان، بے یارومددگار ہونے کے انجام کار انہی کی فتح ہوتی ہے ان کی مخالفت کرنے والوں کا نام ونشان مٹا دیا جاتا ہے منجملہ ہزاروں نشانات کے آپ لوگوں کے واسطے تو ایک ڈوئی کا معاملہ ہی جو کہ آپ کے ملک میں ہی ظہور میں آیا۔ اگر غور کریں تو کافی ہے۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ مسیح خدا ہے۔ مگر ہمارے خدا نے ہم پر یہ ظاہر کیا کہ وہ خدا نہیں بلکہ ایک

عاجز انسان ہے۔ تب ہم نے اُس سے اس معاملہ میں خط و کتابت کی مگر وہ اپنے دعویٰ سے باز نہ آیا۔ آخر ہم نے خدا سے خبر پاکر اس کی ہلاکت اور نامُرادی کی پیشگوئی کی۔ جو ہماری زندگی میں پُوری ہونی ضروری تھی چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا اور وہ پیشگوئی کے مطابق نہایت ذلّت اور عذاب سے صادق کی زندگی ہی ہلاک ہوگیا۔ اب کوئی غور کرنے والا دماغ اور مان لینے والا دل چاہیئے کہ اس میں غور کرے کہ آیا یہ پیشگوئی اس قابل ہے یا کہ نہیں کہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یقین کیا جاوے یا کیا یہ بھی کوئی انسانی منصوبہ ہے۔

دوم۔ آپ لوگوں کا یہاں آنا بھی تو ہمارے واسطے ایک نشان ہے جو اگر آپ کو اس کا علم ہوتا تو شاید آپ یہاں آنے میں بھی مضائقہ اور تأمّل کرتے۔ اصل میں آپ لوگوں کا اتنے دور دراز سفر کرکے یہاں ایک چھوٹی سی بستی میں آنا بھی ایک پیشگوئی کے نیچے ہے اور ہماری صداقت کے واسطے ایک نشان اور دلیل ہے کہاں امریکہ اور کہاں قادیان۔ مُردے زندہ کر لینا تو ایک طرف دھرا رہ گیا ایک کوڑھی (مجذوم) تو صحتیاب ہو نہ سکا اور اُسے تو حضرت مسیح چنگا نہ کر سکے تو مُردے زندہ کرنا کیسا؟ وہ باتیں تو ہزاروں سال کی ہیں اور خدا جانے ان میں کیا کچھ ملاوٹیں ہوگئی ہیں اور وہ صرف قصّے کہانیوں کے رنگ میں باقی رہ گئی ہیں۔ ان کی صداقت کا کوئی نشان یا ان کے سچے ہونے کے کوئی آثار ہی پائے جاتے تو بھی اُن کو مان لینے کی ایک راہ ہوتی۔ مگر وہ تو اب باتیں ہی باتیں اور نرے دعوے ہی دعوے ہیں۔ مگر ہم تو آجکل کی موجودہ اور زندہ مثال پیش کرتے ہیں۔

سوال:۔ ڈوئی کے انجام کا تو ہر شخص اندازہ لگا سکتا تھا کیونکہ اس نے ایک جھُوٹا دعویٰ کیا تھا اور یہ صاف بات ہے کہ جھُوٹا مدعی ذلیل ہوا کرتا ہے۔ ہم تو آپ کے دعویٰ کی عظمت کی وجہ سے یہاں آئے ہیں کہ اتنا بڑا دعویٰ کرنے والا انسان کیسا ہوگا نہ یہ کہ آپ کے واسطے نشان بننے کے واسطے آئے ہوں۔

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

اگر ڈوئی کو آپ لوگ ایسا ہی سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھُوٹا ہے اور خُدا پر بُہتان باندھ رہا ہے تو پھر کیا اسی یقین سے آپ لوگوں نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپوں کے نذرانے اُسے دیئے اور بیش قیمت تحائف اس کے واسطے دور دراز سے مہیا کئے؟ اور اس کی حد سے زیادہ عزّت کی حتّٰی کہ دس ہزار سے بھی زیادہ لوگ اس کے مُرید بن گئے۔ تعجب کی بات ہے کہ ایک انسان کو باوجود جھُوٹا یقین کرنے کے بھی کوئی یہ عزّت و عظمت دیتا ہو اور اپنا مال و جان اس پر نثار اور تصدّق کرتا ہو۔

امرِ دوم کے لیے ان کو سُنانا چاہیئے کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ ایک فرد واحد بھی ہمارا واقف نہ تھا اور کسی

کو ہمارے وجود کا علم تک بھی نہ تھا بلکہ بہت کم لوگ تھے جن کو قادیان کے نام سے بھی اس وقت واقفیت ہوگی حتیٰ کہ ہماری طرف کسی کا خط تک بھی نہ آتا تھا اور ہم ایک گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ اور بعض اس مضمون کے الہام زبانِ انگریزی میں بھی تھے۔ حالانکہ ہم زبانِ انگریزی سے بالکل ناآشنا ہیں اور یہ سب خبریں اس زمانہ کی ہیں جبکہ ان کے کچھ بھی آثار موجود نہ تھے اور ہماری اس وقت کی حالت کو دیکھنے اور جاننے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس حالت میں ایسی خبروں کے امکان کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ان الہامات کے بعد اندرونی اور بیرونی طور سے یعنی خود اپنی قوم بھی اور دیگر عیسائی اور ہندو وغیرہ بھی سب دشمن ہو گئے مگر باوجود ان سب امور کے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رہی اور اس نے ایسی ایسی تائیدات کیں کہ اب اس وقت چار لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ انسان ہمارے ساتھ ہیں اور دور دراز سے آتے ہیں۔ تحفے تحائف اور نقد وجنس جن کے وعدے خدا تعالیٰ کے کلام میں کئے گئے تھے سب پورے ہوتے اور ہو رہے ہیں۔ پیشگوئیوں کو انکے تمام لوازم پیشگوئی کے وقت اور حالت سے دیکھنا چاہیئے اور پھر اُسکا انجام دیکھنا چاہیئے کہ کس کروفر سے پورا ہوا۔ اگر کسی مفتری کے سوانح میں بھی اسکی نظیر ہے تو پیش کرو اگر ہماری اس پیشگوئی کے ماننے سے انکار ہے تو کوئی نظیر دو کہ بجز خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے کسی مفتری نے بھی ایسا عروج پالیا ہو۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا لڑکا عبدالسلام حضرت اقدس کے نزدیک کھڑا تھا۔ حضرت اقدس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے انگریزوں کے روبرو کیا اور فرمایا کہ :۔

ان کو سمجھایا جاوے کہ اگر مثلاً یہ لڑکا آج اس حالت میں پیشگوئی کرے کہ میں ستر برس کی عمر پاؤں گا یا لاکھوں انسان دور دراز کی راہوں سے میرے دیکھنے کے واسطے آئیں گے یا کوئی اور عظیم الشان انقلاب کی خبر دے تو کیا ایسی پیشگوئیوں کی اس کی موجودہ حالت کے لحاظ سے کچھ وقعت کی جاوے گی؟ اور پھر اگر بالفرض جو کچھ اس نے اس حالت میں کہا ہو وہ ایک وقت میں پورا ہو جاوے تو اس وقت اس کو کوئی جھوٹا کہہ سکے گا؟ یا کسی کو یہ کہنے کا استحقاق ہوگا کہ یہ امر انسانی منصوبوں یا تدبیروں سے اسے حاصل ہوا ہے؟

حضرت اقدسؑ کے اتنے بیان کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ پیشگوئیاں ثبوتِ دعویٰ کی ایک دلیل ہوتی ہیں۔

سوال :۔ ہم کوئی اور دلیل بھی سُننا چاہتے ہیں۔

جواب :۔ فرمایا :۔

اور دلیل قبولیت دُعا ہے۔

اس موقعہ پر حضرت حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند صاحبزادہ عبدالحی بھی حضرت اقدس کے قریب ہی موجود تھا۔ حضرت حکیم الامت نے اُسے آگے کر دیا اور حضرت نے اُسے بازو سے پکڑ کر ان لوگوں کے روبرو کر کے یوں فرمایا کہ :۔

ایک شخص نے جو کہ مولوی صاحب کا دشمن تھا اس نے آپ کے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ ابتر ہیں اور اشتہار بھی شائع کر دیا تھا۔ اس پر ہم نے دُعا کی وہ جناب الٰہی میں قبول کی گئی اور ہمیں بتایا گیا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا یہ نشان ہوگا کہ اس کے بدن پر پھنسیاں ہونگی اور یہ اس کی پیدائش کے چھ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے لڑکا پیدا ہوا اور اس کے بدن پر پھنسیاں نکلیں جن کے داغ ابتک موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اور ایسے ہزاروں نمونے قبولیتِ دُعا کے موجود ہیں۔

سوال :۔ آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے اور اب آئندہ کیا ہوگا ؟

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

ہمارے آنے کا یہ مقصد ہے کہ عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو غلطیاں (خواہ وہ عملی ہوں یا اعتقادی) پیدا ہوگئی ہیں ان کی اصلاح کی جاوے۔ بھلا آپ ہی بتائیں کہ آیا عیسائیت یورپ میں اپنی اصلیت پر ہے ؟ یا عیسائیوں نے توریت یا انجیل کی تعلیم کے کسی نقطہ پر بھی عمل کیا ہے ؟ تمام یورپ کی عملی حالت کیا کہہ رہی ہے ؟ آیا ان لوگوں کے دلوں میں خدا تعالیٰ پر بھی ایمان ہے ؟ اور کیا ان کو خدا کا خوف بھی ہے ؟

(ان باتوں کے جواب میں انگریز نے صاف اقرار کیا کہ واقعی نہ تو توریت پر عمل ہے اور نہ ہی یورپ کی عملی حالت درست ہے)

فرمایا کہ :۔

ہمیں خدا نے بتایا ہے کہ حضرت مسیح خدا کے ایک برگزیدہ بندے اور نبی تھے۔ یہ نہیں کہ وہی ایک ہی ایسا نمونہ تھے اور پھر خدا تعالیٰ نے اپنا فیضان کسی پر نازل نہیں کیا اور ہمیشہ کے واسطے ایسی برکات کا دروازہ بند کر دیا ہو بلکہ وہ خدا جس کی شان بلند ہے اور وہ تمام ملکوں کا ایک اکیلا خدا ہے۔ اس نے اپنے فیضان بھی تمام ملکوں پر کئے ہیں۔

دیکھو توریت چھوڑ دی گئی۔ اس کی تعلیمات کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اس میں ہزاروں غلطیاں لگائی گئی

ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی شان کی بے ادبی کی جاتی ہے کیونکہ ان کو خواہ نخواہ خدا بنایا جاتا ہے۔ کیا یہ کافی نہ تھا کہ اُن کو خدا کے ایک برگزیدہ بندے مان کر ان کی پیروی کی جاتی اور ان کے نقشِ قدم پر ان کا نمونہ اور رنگ اختیار کیا جاتا۔

انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ خدا بن جاوے تو پھر اُسے ایسے نمونے کیوں دیئے جاتے ہیں؟ جب کسی کو کوئی نمونہ دیا جاتا ہے تو اس سے نمونہ دینے والے کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ اس نمونہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کی جاوے اور پھر وہ اس شخص کی طاقت میں بھی ہوتا ہے کہ اس نمونے کے مطابق ترقی کر سکے خدا جو فطرتِ انسانی کا خالق ہے اور اسے انسانی قویٰ کے متعلق پورا علم ہے اور کہ اس نے انسانی قویٰ میں یہ مادہ ہی نہیں رکھا کہ خدا بھی بن سکے تو پھر کیوں اس نے ایسی صریح غلطی کھائی کہ جس کام کے کرنے کی طاقت ہی انسان کو نہیں دی اس کام کے کرنے کے واسطے اُسے مجبور کیا جاتا۔ کیا یہ ظلمِ صریح نہ ہوگا، رسالت اور نبوت کے درجہ تک تو انسان ترقی کر سکتا ہے کیونکہ وہ انسانی طاقت میں ہے پس اگر حضرت عیسیٰؑ خدا تھے تو اُن کا آنا ہی لاحاصل ٹھہرتا ہے اور اگر ان کو نبی اور رسُول مانا جاوے تو بے شک مفید ثابت ہوتا ہے۔

پھر اس میں خدا تعالیٰ کی بھی ہتک اور بے ادبی لازم آتی ہے۔ گویا خدا نے بخل کیا کہ اپنی تجلیات کا مظہر صرف ایک ہی شخص کو ٹھہرایا اور اپنے فیوض کو صرف حضرت عیسیٰ تک ہی محدود کر دیا۔ غور تو کرو اگر کسی بادشاہ کی رعایا صرف ایک فرد واحد ہی ہو تو کیا اس میں اس بادشاہ کی تعریف ہے یا ہتک؟ اگر یہ کہا جاوے کہ بادشاہ کا فیض اور انعام صرف ایک خاص نفسِ واحد تک ہی محدود ہے تو پھر اس میں اس بادشاہ کی کیا بڑائی ہوگی؟ پس جب خدا کے کروڑوں بندے دنیا کے مختلف ممالک میں موجود تھے تو کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فیوض کو صرف بنی اسرائیل ہی تک محدود رکھا۔ دیکھو بند پانی بھی آخر کار گندہ ہو جاتا ہے اور کیچڑ کی صحبت سے اس میں ایک قسم کا تعفن پیدا ہو جاتا ہے تو پھر خدا کے اُوپر ایسا بہتان باندھنا کہ اس کے فیوض اور برکات صرف ایک خاص قوم تک ہی محدود اور بند ہیں خدا کی شان کی ہتک اور بے ادبی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے میں فائدہ کیا؟ اور ان کی شان میں ترقی کیا؟ بلکہ اُلٹی اس میں تو ان کی ہتک اور کسرِ شان ہے۔ مَردی اس میں ہے کہ جو کام وہ کرتے تھے وہ کام کئے جاویں اور ان کی تعلیم پر عمل درآمد کر کے اچھا نمونہ دکھانے کے ذریعہ دکھایا جاوے کہ وہ خود اعلیٰ قسم کے انسان تھے اور ان کے اَنفاس میں تزکیہ کا اثر اور تعلیم میں اعلیٰ درجہ تک ترقی کرنے کی طاقت موجود تھی۔ زبانی تعریف کرنے میں غلو کرنے سے

کیا فائدہ ؟ کیا ان کی تعلیم کا اثر اسی زمانہ تک محدود تھا یا اب بھی ہے ؟ اور اگر ہے تو کہاں اور کس ملک میں ؟

افسوس آتا ہے اگر عیسیٰ اب آجاویں تو وہ تو اس قوم کو پہچان بھی نہ سکیں۔ ہم اُن سے محبت رکھتے ہیں اور آپ محبت نہیں رکھتے ہوں گے کیونکہ آپ کو اُن کی خبر نہیں۔ ہم نے تو اُن کو بارہا دیکھا ہے۔ بلکہ ہم تو جانتے ہیں کہ اب بھی خود آپ لوگوں کے گھر میں ہی تفرقہ ہے، اختلاف ہے۔ بعض ایسے فرقے عیسائیوں میں اب بھی موجود ہیں جو حضرت عیسیٰ کو خدا نہیں مانتے بلکہ صرف ایک برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے تو جب گھر میں ہی اختلاف ہے تو کیوں وہ راہ ترک نہیں کی جاتی جو کہ بالاتفاق خطرناک ثابت ہو چکی ہے۔ باقی رہا یہ کہ اب دُنیا میں کیا ہوگا سو اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ دُنیا اپنی اس موجودہ حالت پر نہیں رہے گی بلکہ اس میں ایک عظیم الشان تغیر اور انقلاب واقع ہوگا۔

سوال :۔ مسیح کو آپ نے کس طور سے دیکھا ہے۔ آیا جسمانی رنگ میں دیکھا ہے ؟

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

ہاں جسمانی رنگ میں اور عین حالتِ بیداری میں دیکھا ہے۔

سوال :۔ ہم نے بھی مسیح کو دیکھا ہے اور دیکھتے ہیں مگر وہ رُوحانی رنگ میں ہے۔ کیا آپ نے بھی اسی طرح دیکھا ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں۔

جواب :۔ نہیں ہم نے ان کو جسمانی رنگ میں دیکھا ہے اور بیداری میں دیکھا ہے۔

اس تقریر کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ان کے واسطے چائے تیار ہے لہٰذا ان کو چائے پلائی جاوے

اور اس طرح سے جلسہ برخواست ہوا۔ انگریزوں نے حضرت اقدس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور کچھ کھانا اور چائے پینے کے بعد مدرسہ کو دیکھتے ہوئے جہاں ایک طالب علم ہائی کلاس محمد منظور علی ثناکر نے سورۂ مریم کی چند ابتدائی آیات نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سُنائیں کیونکہ اس وقت ان کی قرآن شریف کی گھنٹی تھی۔ قرآن شریف سُنکر وہ خوش ہوئے اور پھر بٹالہ کو چلے گئے۔

کھانا کھانے کے میز پر بیٹھے ہوئے انہوں نے حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے ایک سوال کیا کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد کیا ہوگا ؟ جسکا جواب مفتی صاحب موصوف نے یوں دیا کہ آپ کی وفات کے بعد وہ ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا اور جو ہمیشہ انبیاء کی موت کے بعد ہوا کرتا ہے۔ (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۶ صفحہ ۱ تا ۴ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء)

۱۱ر اپریل ۱۹۰۸ء

بوقتِ سیر

مرزا احمد بیگ کے بارہ میں پیشگوئی پر اعتراض کا جواب

کسی معترض کا ایک خط حضرت مولانا

مولوی سید محمد احسن صاحب کی خدمت میں آیا تھا جس میں اس نے مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض کیا تھا۔ حضرت مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بوقتِ سیر اس کا تذکرہ کیا۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

ایسے آدمی سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہیئے کہ آیا تم کلمہ گو بھی ہو یا کہ نہیں؟[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اور انبیاءِ سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہو یا کہ نہیں؟ تعجب آتا ہے ایسے لوگوں کی حالت اور عقل پر کہ ہزارہا قسم کے نشانات دیکھتے ہیں ان کی تو کچھ پروا نہیں کرتے اور نہ اُن سے کوئی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر جب ایک ایسے امر کو جو متشابہات میں سے ہوتا ہے بوجہ اپنی کم فہمی اور کم عقلی کے اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کے باعث اعتراض کرنے بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ اُن سے اگر یہ سوال کیا جاوے کہ اور جو ہزارہا بیّن نشان موجود ہیں۔ اُن سے تم نے کیا فائدہ اُٹھایا ہے تو یقیناً اُن سے کوئی جواب بن نہیں آتا۔ حالانکہ وہ امر جس کو وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے نشانۂ اعتراض بناتے ہیں۔ عین سنت اللہ کے موافق ایک امر ہوتا ہے اور کوئی بھی نبی نہیں گذرا جو اس سنت سے باہر رہا ہو۔ پس اس سُنت سے انکار کرنے والے کا ایمان کیسے خطرے میں ہے وہ صرف ہماری پیشگوئی پر ہی اعتراض نہیں کرتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تکذیب کرتا ہے اور اس طرح سے تو دوسرے تمام انبیاء کی بھی تکذیب لازم آتی ہے۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح حدیبیہ کا معاملہ جس میں بعض بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کو بھی ٹھوکر لگ گئی تھی مگر پھر خدا نے ان کی دستگیری فرما کر ان کو بچا لیا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں شریک تھے۔ پھر

---

[1] بدر سے۔ فرمایا :-

"یہ شخص ہمیں چھپا ہوا نیم مُرتد معلوم ہوتا ہے۔ ہزارہا روشن نشانات دیکھنے کے بعد بھی ابھی اُسے تاریکی ہی نظر آتی ہے۔ یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ اگر وہ اس قسم کے شبہات کرنے لگا تو قریب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا ایمان نہ رہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ر اپریل ۱۹۰۸ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امر کا اظہار فرمانا کہ ابوجہل مسلمان ہو جاوے گا۔ ماسوائی ان کے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کے بارہ تختوں کا معاملہ۔ حضرت یونسؑ نبی کی قوم کا معاملہ۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں بھی ایسا معاملہ موجود ہے[1] تو پھر ہم حیران ہیں کہ ایسا معترض مسلمان کہلا کر کس کس بات کا انکار کرے گا۔ یہ تو ایک بیہودہ بات ہے کہ جس بات کی سمجھ نہ آئی اس کا انکار کر دیا۔

دیکھو ہماری اس پیشگوئی کی ایک ٹانگ تو اسی وقت پیشگوئی کے عین مطابق ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے ان لوگوں پر خوف طاری ہوا اور انہوں نے صدقہ اور خیرات سے اور اور طرح سے عجز و انکسار، گریہ و بکا سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی مطابق اپنی سنت کے اُن سے سلوک کیا۔ دیکھو حضرت یونس نبی کا قوم سے جو عذاب کا وعدہ ہوا تھا اس میں تو کوئی بھی شرط موجود نہ تھی اور صاف اور صریح الفاظ تھے کہ چالیس دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہو جاوے گا۔ پس جب ایک غیر مشروط اور قطعی پیشگوئی کا توبہ اور اضطراب اور گریہ و بکا سے ٹل جانا سنت اللہ کے مطابق ہے تو پھر مشروط پیشگوئی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے جس میں صاف یہ الفاظ موجود ہیں تُوَفِّنِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکَ[2]

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ قَدْ یُوْعَدُ وَلَا یُوْفٰی کہ بعض وعدے خدا تعالیٰ کے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پورے نہیں کئے جاتے۔ خود قرآن شریف میں متشابہات کا ذکر ہے۔ مومن اور کافر میں ایسے متشابہات سے تمیز ہو جاتی ہے اور چھپے ہوئے مُرتد اور منافق لوگوں کے الگ کرنے کا یہ ایک آلہ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اگر متشابہات نہ رکھتا تو دُنیا دُنیا ہی نہ رہتی۔ منافق کا قاعدہ ہے کہ

---

[1] بدر سے:۔ "ابوجہل کی نسبت دیکھا گیا کہ بہشتی انگور کا خوشہ اس کو ملا ہے مگر وہ مسلمان نہ ہوا"
(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔
"حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ اس ارض کے تم مالک ہو گے اور اس میں کئی برس گذر گئے"
(بدر حوالہ مذکور)

[3] بدر سے:۔
"جس سے صاف ظاہر ہے کہ توبہ سے یہ سب باتیں ٹل جاویں گی اور احمد بیگ کی موت سے جو خوف ان پر چھا گیا اس نے پیشگوئی کے حصہ کو ٹال دیا۔ اصل بات یہ ہے۔ خدا ہزارہا نشان دکھا کر بعض نشان ایسی حالت میں بھی رکھ لیتا ہے ہے جو منافقین وغیرہ کے امتیاز کا موجب ہوں"
(بدر حوالہ مذکور)

اس کو دریا بہتا ہوا نظر نہیں آتا اور وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتا بلکہ خس و خاشاک کی طرف جُھک جاتا ہے اور مُرتد ہو جاتا ہے۔

اگر ہم منہاجِ نبوت سے باہر کوئی امر پیش کرتے ہوں اور کوئی نئی بات اپنی طرف سے پیش کرتے تو اعتراض کا موقعہ بھی تھا۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ (الملک : ۱۱) پس جس شخص نے نہ کبھی صحبت میں رہ کر ہماری باتوں کو سُنا ہو اور نہ خود منہاجِ نبوت کے ثبوت پر پرکھنے کی عقل ہو وہ کیسے ہدایت پا سکتا ہے[1]۔ دیکھو موجودہ زمانے میں خدا نے اتنی کثرت سے زبردست نشانات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ایسے ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ اگر ایک لاکھ نبی بھی ان نشانات سے اپنی نبوت کا ثبوت کرنا چاہے تو کر سکے کیونکہ اس وقت نہ تو ایسی ضرورتیں تھیں اور نہ ہی ایسے ذرائع و اسباب مہیا تھے۔ دیکھو اگر انبیاء کی بعثت کے ساتھ ہی بڑے بڑے زبردست نشانات اور کُھلے کُھلے معجزات دکھا دیئے جایا کریں تو پھر ایمان ایمان ہی نہیں رہ سکتا بلکہ وہ تو عرفان ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس میں انسان کو ثواب اور مدارج کے حصول کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی۔ اگر ابتداء ہی میں کُھلی کُھلی کامیابیاں اور فتوحات ہو جائیں تو سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہونے والے بدمعاش اور فاسق فاجر لوگ ہی ہوتے[2] اور صادق اور کاذب، مخلص اور منافق میں تمیز کی کوئی راہ باقی رہ نہ جاتی اور نعوذ باللہ اس طرح سے تو امان اُٹھ جاتی۔ دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فراستِ صحیحہ اور نُورِ ایمان سے پہچان لیا تھا کیا انہوں نے کوئی معجزہ مانگا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ابتدائی واقعات ہی سے آپ کے صدقِ دعویٰ کو بڑی قوت اور استقلال سے قبول کر لیا۔

نبی کے بعد خلیفہ بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے

صوفیاء نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے جب کوئی رسُول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے

---

[1] بدر سے :- "پس انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے :-
"اگر تمام نشانات یکساں روشن اور بین اور حسبِ خواہش ہوتے تو ابوجہل بھی ایمان ہی لے آتا مگر وہ خبیث النفس تھا۔ خدا نے نہ چاہا کہ ایسی پاک جماعت میں شامل ہو۔" (حوالہ مذکور)

ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نَو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا۔

حضرت مولانا المکرم سید محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے الہام میں بھی تو یہی مضمون ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ اور آیتِ استخلاف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسناد لَیَسْتَخْلِفَنَّ اور لَیُمَکِّنَنَّ کی اپنی طرف ہی فرمائی ہے نہ کہ رسول کی طرف۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام بھی شیخ رکھا ہے۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ اور ایک اور الہام میں یوں آیا ہے کہ کَمِثْلِکَ دُرٌّ لَّا یُضَاعُ۔ ان الہامات سے ہماری کامیابی کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

مومن خود جماعت ہے

حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب نے ایک اور خط کے متعلق عرض کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ہمارے پاس تو جب کوئی اس قسم کا خط آتا ہے کہ میں اکیلا ہوں تو ہمیں اس کے ایمان ہی کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ مومن خود جماعت ہے۔ مومن اکیلا کبھی نہیں رہتا۔ جس کا خدا تعالیٰ پر ایمان کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسے اکیلا نہیں رہنے دیتا۔

غیر احمدی کو لڑکی دینے میں گناہ ہے

فرمایا کہ:۔

غیر احمدیوں کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہلِ کتاب عورتوں سے بھی تو نکاح جائز ہے بلکہ اس میں تو فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی کسی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیئے۔ اگر لے تو لے بیشک لو۔ لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے۔

حُبِّ دنیا کا غلبہ سلبِ ایمان کا باعث بنتا ہے

فرمایا:۔

بعض لوگ جو یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ

(المومن: ۲۹) میں داخل ہیں اور بعض مخفی در مخفی معقول وجوہات کے باعث وہ اپنے ایمان کا اظہار بھی نہیں کر سکتے اور وہ ایسے نہیں ہیں کہ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ (النساء: ۱۴۴) بلکہ انہوں نے تمہارے پاس اپنے ایمان اور صدقِ خلوص کا اظہار کر دیا ہے تو وہ لوگ معذور ہیں اور بعض وہ لوگ جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کفرین میں داخل نہیں ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کا ایک اشتہار دے دیں کہ وہ ہمارے کفرین میں سے نہیں ہیں اور جو لوگ ہم کو کافر وغیرہ ناموں سے یاد کرتے ہیں اُن سے اپنے آپ کو یوں الگ کر دیں بلکہ یہ بھی لکھ دیں کہ جو لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ایک مسلمان کو کافر کہنے کی وجہ سے خود کافر ہیں۔ لیکن پچھلے چپکے کبھی ہم میں آئے تو ہمارے بن بیٹھے اور ان میں گئے تو ان کے ہو گئے۔ یہ ایمانداروں کی روش نہیں ہے۔ ہم کوئی غیب کا علم تو رکھتے نہیں کہ کسی کے دل کی حالت سے ہمیں آگاہی ہو جاوے۔ پس یہ ایک راہ ہے کہ جس سے یہ لوگ اگر ان کے دلوں میں کوئی نفاق کا مرض نہیں ہے تو ہمارے کفرین میں سے الگ ہو کر الگ ایک جماعت بن سکتے ہیں اور اگر فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرۃ: ۱۱) والا معاملہ ہے اور ان کے دلوں میں واقعی نفاق کی آگ ہے تو اس طرح سے ان کی بیماری اور بھی زیادہ ہو جاوے گی اور ظاہر ہو جاوے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات حبِّ دُنیا کا غلبہ بھی سلبِ ایمان کا باعث ہو جایا کرتا ہے لہٰذا دنیوی اُمور میں بہت انہماک اور دنیوی امور کو اتنی اہمیت دے دینا کہ گویا دین ایمان اور آخرت کی پرواہی نہ رہے۔ یہ بھی خطرناک زہریلا مرض ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ، درختوں کے تنوں سے لگ جاؤ اور جس طرح سے بن پڑے زمانہ کے فتن سے اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش کرو۔ پس اگر بحالتِ مجبوری کوئی احمدی اکیلا ہی ہو تو اُسے تنہا ہی نماز گذار لینی چاہیئے اور کوشش اور دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا اسے جماعت بنا دے۔

بعض دفعہ سختی کرنا ضروری ہوتا ہے

اصل میں مومن کو بھی تبلیغِ دین میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ جہاں نرمی کا موقعہ ہو وہاں سختی اور درشتی نہ کرے اور جہاں بجُز سختی کرنے کے کام ہوتا نظر نہ آوے وہاں نرمی کرنا بھی گناہ ہے[1]

گر حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی

---

[1] بدر سے:۔ "ہر معترض سے جو بادجود سمجھانے کے پھر بھی اعتراض کرتا چلا جائے نرمی کا برتاؤ ٹھیک نہیں!" (بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴)

دیکھو فرعون بظاہر کیسا سخت کافر انسان تھا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو یہی ہدایت ہوئی کہ قَوْلًا لَّهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ: ۴۵) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھی قرآن شریف میں اسی قسم کا حکم ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: ۶۲) مومنوں اور مسلمانوں کے واسطے نرمی اور شفقت کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایسی ہی حالت بیان کی گئی جہاں فرمایا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح) چنانچہ ایک دوسرے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبۃ: ۷۳) غرض ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے بھی حفظِ مراتب کا لحاظ رکھا ہے۔ مومنین اور ایمانداروں کے واسطے کیسی نرمی کا حکم ہے اور کفار میں سے بعض میں مادہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ان کو سختی کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح سے بعض بیماریوں یا زخموں میں ایک حکیم حاذق کو چیرا پھاڑی اور عملِ جراحی سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابن عربی لکھتے ہیں کہ فرعون کے لیے کیوں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایت کی۔ اس میں بھید یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آخر اسے ایمان نصیب ہو جاوے گا۔ چنانچہ اٰمنتُ کا لفظ اسی کے مُنہ سے نکلا۔ بلکہ وہ تو یہانتک لکھتے ہیں کہ قرآنِ شریف سے اس کی نجات بھی ثابت ہے۔ قرآنِ شریف میں یہ نہیں لکھا کہ فرعون جہنم میں داخل ہوگا۔ صرف یہی لکھا ہے يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (ھود: ۹۹)

آسمانی بجلی

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ کی ہیبت ناک اور غضب کی تجلیات کا سب سے اکمل اور اتم مظہر صاعقہ ہے اس میں دونو باتیں سمندر میں میٹھے اور کڑوے پانی کی طرح خدا تعالیٰ کے غضب اور مراحم کی پہلو بہ پہلو چلی جارہی ہیں[1]۔ ایک طرف صاعقہ خدا تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے تو دوسری طرف روشنی اور بارش خدا تعالیٰ کے رحم کے مظہر بھی موجود ہیں۔

فرمایا:۔

ایک الہام بھی ہے کہ اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَةُ

---

[1] بدر سے:۔ "خدا تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں۔ جلال اور جمال۔ دونوں ساتھ ساتھ کام کر رہی ہیں"

(بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۴)

فرمایا کہ:۔

بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بغیر اس کے کہ بجلی اپنا اثر کرے موت کا باعث ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے دیکھا کہ ایک موقعہ پر کچھ گدھے بجلی کے صدمے سے ہی مر گئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم سیالکوٹ میں ایک مکان پر تھے اور پندرہ یا سولہ آدمی اَور بھی ہمارے ساتھ تھے۔ دفعتاً بجلی اس مکان کے دروازے پر پڑی اور دروازے کی شاخ کو دو ٹکڑے کر دیا اور مکان دھواں دھار ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بڑی کثرت سے گندھک جلائی گئی ہے۔ پھر چند منٹ کے بعد ہی ایک دوسرے محلے میں ایک مندر تھا اور اس کے پیچ در پیچ راستے تھے۔

چنانچہ اس موقعہ پر آپ نے کھڑے ہو کر اپنے دستِ مبارک کی لکڑی سے زمین پر ذیل کی صورت کا ایک نقشہ کھینچا



اور فرمایا کہ:۔

اس قسم کے پیچ در پیچ راستوں سے ہو کر وہ بجلی اندر مندر میں گئی اور وہاں ایک سادھو بیٹھا تھا اس پر جا کر گری چنانچہ وہ سادھو ایک پُچّو[1] کی طرح ہو گیا ہوا تھا۔

صداقت کی ایک دلیل

فرمایا کہ:۔

ہمارا معاملہ تو غور کرنے والوں کے واسطے بالکل صاف اور کھلا ہے عقلمند انسان کے واسطے تو اگر اَور کوئی بھی معجزہ نہ ہو (حالانکہ یہاں تو ہزاروں زمینی آسمانی نشانات اور تائیدات موجود ہیں) تو بھی اتنی مدت دراز تک ہمارے وجود کا (ایسے زبردست دعاوی اور ایسے خطرناک حالات کے باوجود) ابقاء ہی کافی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ابھی تیرھویں صدی میں سے کچھ سال باقی تھے جب سے ہمارا دعویٰ ہے اور اب چودھویں صدی کے بھی چھبیس برس گذر چکے ہیں۔ اندرونی بیرونی دشمنوں کی مخالفتیں اور جوشیلی تدابیر کے ساتھ ساتھ خود ہمارے اپنے وجود کی بعض خطرناک بیماریوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی خدا نے ہمیں معجزانہ زندگی عطا کی ہے پھر خود ہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے تو ایک آدھ گھڑی کا افتراء بھی خطرناک اور رگِ جان کے کٹ جانے کا باعث تھا مگر ہمیں خدا نے باوجودیکہ ہم ان کے زُعم میں مفتری ہیں برابر تیس برس تک مہلت دی

---

[1] پنجابی میں جلی ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں۔ (مرتب)

اور پھر یہی نہیں بلکہ ہزارہا قسم کے زمینی آسمانی نشانوں سے ہمارے صدقِ دعویٰ کی تائید کی اور سارے معاملے ہمارے ساتھ صادقوں والے کئے۔ ایک بھی ایسی بات نہ کی جو کاذبوں والی ہو پھر بایں خدا جانے ان کی عقلوں پر کیسی جہالت کے پردے پڑگئے ہیں اور یہ کیوں نہیں سمجھتے [1]

۱۲؍اپریل ۱۹۰۸ء

فرمایا:-

یہ زندگی کچھ شئے نہیں

ذوالقرنین

فرمایا:-

وہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور ہے اور سکندر رومی اور شخص ہے۔ بعض لوگ ہر دو کو ایک سمجھتے ہیں۔ دو صدیوں میں سے حصہ لینے والا ہے [2]

بلا تاریخ

سفوفِ بھلاوہ کے خواص

سفوف بھلاوہ کا ذکر تھا۔

فرمایا:-

باہ کے مایوسوں کے واسطے مفید ہے

فرمایا:-

یہ امر گناہ میں داخل ہے کہ انسان لوگوں کے ہنسی ٹھٹھے سے ڈر کر حق گوئی سے رہ جاوے۔

سلطانِ روم کا ذکرِ خیر

سلطانِ روم کا ذکر تھا۔ فرمایا:-

اس گئے گذرے زمانے میں بھی اسلامی بادشاہوں نے خدا تعالیٰ کی یاد

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۱تا ۳ مورخہ ۱۴؍اپریل ۱۹۰۸ء

[2] بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴، ۳۱؍دسمبر ۱۹۰۸ء

کی راہ کو نہیں چھوڑا۔ سُنا گیا ہے کہ سلطانِ روم نمازِ جمعہ کے واسطے مسجد جاتا ہے اور فقراء کو ملتا ہے۔

اس زمانہ کی سب سے اہم ضرورت

فرمایا:۔
ہمارے اُصول میں یہ بات ہے کہ سچائی کو دُنیا میں پھیلایا جائے۔ اس زمانہ میں بڑی ضرورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کیا جاوے۔

قولِ مُوجّہ

فرمایا:۔
قولِ مُوجّہ صفتِ انبیاء ہے

اونٹ کی سواری کا طبّی فائدہ

فرمایا:۔
اونٹ کی سواری بھی محلّل ہے۔ امراضِ ذیابطیس سلیس البول کو مفید ہے۔

مبلغ کیلئے ایک اہم بات

فرمایا:۔
مبلغ کو چاہیئے کہ امراء کو جو لمبا کلام نہیں سُن سکتے ایک چھوٹا سا ٹوٹکا سنائے جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے اور اپنا کام کرے۔

تعدّدِ ازدواج

تعدّدِ ازدواج کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:۔
شریعتِ حقّہ نے اس کو ضرورت کے واسطے جائز رکھا ہے۔ ایک لائق آدمی کی بیوی اگر اس قسم کی ہے کہ اس سے اولاد نہیں ہو سکتی تو وہ کیوں بے اولاد رہے اور اپنے آپ کو بھی عقیم بنا لے۔ ایک عمدہ گھوڑا ہوتا ہے تو اس کی نسل بھی قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انسان کی نسل کو کیوں ضائع کیا جاوے؟ پادری لوگ دوسری شادی کو زناکاری قرار دیتے ہیں تو پھر پہلے انبیاء کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان کی کتنے ہی سو بیویاں تھیں اور ایسا ہی حضرت داؤد کی تھیں۔ نیت صحیح ہو اور تقویٰ کی خاطر ہو تو دس بیس بیویاں بھی گناہ نہیں۔ اگر نعوذ باللہ عیسائیوں کے قول کے مطابق ایک سے زیادہ نکاح سب زنا ہیں تو حضرت داؤد کی اولاد سے ہی ان کا خدا بھی پیدا ہوا ہے۔ تب تو یہ نسخہ اچھا ہے اور بڑی برکت والا طریق ہے۔

پادری لوگ نکمی باتوں کی طرف جاتے اور اصل امر کو نہیں دیکھتے۔ انجیل میں لکھا ہے جس کے اندر رائی کے برابر ایمان ہے وہ پہاڑ کو کہے کہ یہاں سے اُٹھ کر وہاں چلا جا تو وہ چلا جائے گا۔ عیسائیوں کو چاہیئے کہ اپنے ایمان کا ثبوت دیں ورنہ سب بے ایمان ہیں۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جنہوں نے نشانات دکھلائے۔

ایک سرکاری افسر کی ملاقات کے وقت فرمایا:۔
خدا وہ دن لائے کہ رُوحانی ملاقاتیں ہوں جسمانی ملاقات کوئی شئے نہیں نہ زبان کوئی شئے ہے دل چاہیئے۔

فرمایا:۔
جس قدر کوئی شخص انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔
جو لوگ اس نبی کی تکذیب کرتے ہیں وہ سب انبیاء کے مکذّب ہیں۔

فرمایا:۔
دین آسمان سے آیا ہے اور ہمیشہ آسمان سے ہی اس کو آبپاشی حاصل ہوتی ہے[1]

۱۵ر اپریل ۱۹۰۸ء

بوقتِ ظہر

لوگوں کے پیچھے پڑنا مومن کا کام نہیں ہے

ایک شخص کا خط حضرت اقدس کی خدمت میں پیش ہوا کہ فلاں شخص نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، یہ ہے، وہ ہے، اس کو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں۔ وہ احمدی ہے یا نہیں؟

---

[1] بدر جلد ۸ نمبر ۷-۸-۹ صفحہ ۳ مورخہ ۲۴، ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۸ء

فرمایا:۔

اس کو کہنا چاہیئے کہ تم اپنے آپ کو سنبھالو اور اپنی حالت کو درست کرو۔ ہر شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ الگ ہے۔ تم کو کس نے داروغہ بنایا ہے جو تم لوگوں کے اعمال پڑتال کرتے پھرو اور ان پر کُفر یا ایمان کا فتویٰ لگاتے پھرو۔ مومن کا کام نہیں کہ بے فائدہ لوگوں کے پیچھے پڑتا رہے۔

مشورہ بابرکت ہوتا ہے

ایک صاحب کے ایک خوفناک جگہ پر مکان بنوانے اور بسبب کمی روپیہ تعمیرِ مکان کو پورا نہ کرسکنے کا ذکر تھا۔

فرمایا:۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ پہلے مشورہ نہیں کرلیتے۔ مشورہ ایک بڑی بابرکت چیز ہے اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ خود اپنے رسُول کو حکم دیتا ہے کہ وہ مشورہ کیا کرے تو پھر دوسروں کے لیے یہ حکم کس قدر زیادہ تاکیدی ہوسکتا ہے۔ آجکل لوگوں کا حال یہ ہے کہ یا تو مشورہ پوچھتے نہیں یا پوچھتے ہیں تو پھر مانتے نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔

پھر ایسی بات کی لوگ سزا بھی پاتے ہیں۔ ایسوں کے حالات سے زیادہ تر وہ لوگ اب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو عبرت حاصل کریں [1]

بلا تاریخ

اعلیٰ عہدہ پر فائز لوگوں کیلئے نصیحت

فرمایا کہ:۔

آجکل کے نواب اور امراء عیاشی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دین کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ ہر قسم کے عیش و عشرت کے کاموں میں مصروف ہیں مگر دین سے بالکل غافل ہیں اور دوسرے آدمی بھی جب ان کو کوئی بڑا عہدہ ملتا ہے یا کسی اعلیٰ جگہ پر مقرر ہوتے ہیں تو پھر غافل ہوجاتے ہیں اور بالکل مخلوق کی بہتری کا خیال نہیں رہتا۔ دُنیا میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان کسی اعلیٰ مرتبہ کو حاصل کرلیتا ہے تو پھر وہ مغرور ہوجاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس عرصہ میں بہت کچھ نیک کام کرسکتا ہے اور بنی نوعِ

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۳ / اپریل ۱۹۰۸ء

انسان کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراھیم: ۸) اگر تم میرا شکر ادا کرو تو میں اپنے احسانات کو اور بھی زیادہ کرتا ہوں اور اگر تم کفر کرو تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ یعنی انسان پر جب خدا تعالیٰ کے احسانات ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس کا شکر ادا کرے اور انسانوں کی بہتری کا خیال رکھے اور اگر کوئی ایسا نہ کرے اور اُلٹا ظلم شروع کر دے تو پھر خدا تعالیٰ اس سے وہ نعمتیں چھین لیتا ہے اور عذاب کرتا ہے۔ آجکل نواب اور راجہ بالکل بھولے ہیں اور پھر اپنے عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے کاموں میں مخلوق کی بھلائی کا خیال رکھیں اور ان باتوں کو بھولیں نہیں جن سے اہلِ ملک کا فائدہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ بڑا عہدہ پاکر انسان خدا کو بھول جائے اور اس کا دماغ آسمان پر چڑھ جائے بلکہ چاہیئے کہ نرمی اور پیار سے کام کیا جائے اور چاہیئے کہ جو شخص کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مقرر ہو تو وہ لوگوں سے خواہ امیر ہوں یا غریب نرمی اور اخلاق سے پیش آئے کیونکہ اس میں نہ صرف ان لوگوں کی بہتری ہے بلکہ خود اس کی بھی بہتری ہے [1]

(منقول از تشحیذ الاذہان اپریل ۱۹۰۸ء)

۲۰ر اپریل ۱۹۰۸ء

قبل ظہر

خانہ کعبہ کی عظمت دلوں میں کم نہیں ہونی چاہیئے

شیخ فضل کریم صاحب جنہوں نے اسی سال حج کعبۃ اللہ کا شرف حاصل کیا ہے چند روز سے دارالامان میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبل ظہر حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس سال کی ناقابل برداشت تکالیف کا جو حجاج کو برداشت کرنی پڑیں سارا حال بیان کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ انگلش حدود سے نکل کر ٹرکش حدود میں داخل ہوتے ہی ایسی مشکلات کا سامنا ہوا کہ جن کی وجہ سے یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشکلات ایسی ہیں جن سے حج کے بالکل بند ہو جانے کا اندیشہ ہے خصوصاً اہلِ ہند کے واسطے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ٹرکی حدود میں کوارنٹائن کی ناقابلِ برداشت سختیاں وہاں کے ڈاکٹروں اور حاکموں

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱۴ مورخہ ۲۳ر اپریل ۱۹۰۸ء

کا سخت درجہ کا حریص اور طامع ہونا اور اپنے فائدے کے لیے ہزاروں جانوں کی ذرہ بھر پروا نہ کرنا، لوگوں کا سامان خوراک پوشاک بھپارہ میں ضائع کر دینا یا نقدی کا ضائع جانا۔ اور پھر جو چیز ایک مصری حاجی دس روپے میں حاصل کر سکتا ہے وہ ہندیوں کو تیس روپے تک بھی بمشکل دینا۔ راستوں میں باوجودیکہ سلطان المعظم نے ہر دو میل پر کنواں تیار کروا رکھا ہے عُمّال اور کارکنوں کا بغیر دو چار آنے لیے کے پانی کا گلاس تک نہ دینا اور پھر راستہ میں باوجود چوکی پہروں کے انتظام کے جو کہ سلطان المعظم کی طرف سے کیا گیا ہے پرلے درجہ کی بدامنی کا ہونا یہانتک کہ انسان اگر راستے سے دو چار گز بھی اِدھر اُدھر ہو جاوے تو پھر وہ زندہ نہیں بچ سکتا اور پھر ہندیوں سے خصوصاً سخت برتاؤ ہونا، بات بات پر پٹ جانا اور کوئی داد فریاد نہیں۔ بات بات پر کذّاب، بطّال اور الفاظ حقارت سے مخاطب کیا جانا وغیرہ وغیرہ ایسے سامان ہیں کہ بہت ہی مصیبت کا سامنا نظر آتا ہے۔

یہ سارا ماجرا سُنکر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ہم آپ کو ایک نصیحت کرتے ہیں۔ ایسا ہو کہ ان تمام امورِ تکالیف سے آپ کی قوتِ ایمانی میں کسی قسم کا فرق اور تزلزل نہ آوے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتلا ہے۔ اس سے پاک عقائد پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ ان باتوں سے اُس متبرک مقام کی عظمت دلوں میں کم نہ ہونی چاہیئے کیونکہ اس سے بدتر ایک زمانہ گذرا ہے کہ یہی مقدس مقام نجس مشرکوں کے قبضہ میں تھا اور انہوں نے اُسے بُت خانہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ یہ تمام مشکلات اور مصائب خوش آئند زمانے اور زندگی کے درجات ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے بھی زمانہ کی حالت خطرناک ہو گئی تھی اور کفر و شرک اور فساد اور ناپاکی حد سے بڑھ گئے تھے تو اس ظُلمت کے بعد بھی ایک نُور دُنیا میں ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح اب بھی اُمید کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات کے بعد کوئی بہتری کے سامان بھی پیدا کر دیگا اور خدا تعالیٰ کوئی سامانِ اصلاح پیدا کر دیگا بلکہ اسی متبرک اور مقدس مقام پر ایک اور بھی ایسا ہی خطرناک اور نازک وقت گذر چکا تھا جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے توجہ دلائی تھی۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (الفیل : ۲)

غرض یہ اب تیسرا واقعہ ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ضرور توجہ کرے گا اور خدا کا توجہ کرنا تو پھر قہری رنگ میں ہی ہو گا۔

دین العجائز والوں سے مؤاخذہ میں نرمی ہو گی

ایک شخص کابلی سید عبدالمجید خاں نامی چند روز سے قادیان میں آیا

ہوا تھا۔ اس نے عرض کی کہ حضور میرا ارادہ ہے کہ حضور کے قدموں میں رہوں اور تحصیلِ علم دینی کروں۔
فرمایا کہ:۔
اب تمہاری عمر اس قابل نہیں کہ تحصیلِ علم کی طرف توجہ کرو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ محنت کرو اور کماؤ اور خدا کی راہ میں تقویٰ اختیار کرو۔ تمام علوم صحیحہ کی انتہائی غرض عمل ہوتی ہے۔ اگر انسان پڑھ کر عمل نہیں کرتا تو وہ سخت گناہ کرتا ہے اور پکڑ بھی سخت ہوگی۔ مولوی ہو اور پھر گناہ کرے یہ خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کی علامت ہے اور جو لوگ دین العجائز رکھتے ہیں اور معمولی مسلمان ہیں مؤاخذہ میں بھی اُن سے نرمی کی جاوے گی۔ پس کوشش کرو۔ عملی حالت میں ترقی کرو۔[1]

۲۱ر اپریل ۱۹۰۸ء

قبل از ظہر

ایمان قوی ہو تو نشہ چھوڑا جا سکتا ہے

تمباکو، افیون اور شراب وغیرہ کے متعلق ذکر تھا کہ ان کی عادت جن لوگوں کو ہو جاتی ہے پھر ان کا چھوٹنا مشکل ہو جاتا ہے اور بالخصوص شراب تو ایک ایسی چیز ہے کہ چھوڑ دینے کے بعد بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کا عام دوری امراض کی طرح بعض اوقات دورہ ہو جاتا ہے اور وہ ایسا خطرناک اور شدید دورہ ہوتا ہے کہ ایک انسان پاگل ہو جاتا ہے اور آخر کار پی ہی لیتا ہے خواہ پھر ہوش سنبھالنے پر توبہ ہی کرے۔
فرمایا:۔
وہ معاصی کا دورہ ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی بات انہونی نہیں ہے۔ جہاں قوتِ ایمانی ہو وہاں معاصی ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کی طرف دیکھا جاوے کہ انہوں نے حرمت کی آیت نازل ہونے کے بعد کیسی چھوڑی کہ پھر اس توبہ کی حالت میں ہی مر گئے۔ وہاں تو شراب نے کبھی دورہ نہ کیا اور نہ ہی کسی کو از خود رفتہ کر لیا کہ وہ مجبور ہو جاتا۔ حکمِ حرمت کے دن شہر کی گلیوں میں ٹخنوں تک بہہ نکلی۔ مگر یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور تاثیر کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ کے ایمان ایسے قوی ہو گئے تھے کہ شراب بھی جس کا

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۱ مورخہ ۲۲ر اپریل ۱۹۰۸ء

وہ لوگ پانی کی جگہ استعمال کرتے تھے شرک کی طرح ایسی نابود ہوئی کہ پھر نہ عود کر سکی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے کیسا معصوم رکھا تھا کہ باوجودیکہ آپ کے تمام رشتہ دار اور اقرباء اور ہم قوم اس خبیث چیز کے استعمال میں مستغرق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائی چالیس سالہ زندگی انہی لوگوں میں بسر کی مگر کسی کا اثر آپ پر نہ ہوا۔ گویا۔ روزِ ازل ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا تھا اور یہ آپ کی فطرتِ سلیم کی اور عصمت کی ایک خاص دلیل ہے [1]

۲۲ر اپریل ۱۹۰۸ء

احبابِ جماعت پر نکتہ چینی نامناسب ہے

کسی شخص کا یہ اعتراض پیش ہوا کہ احمدیوں نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی

بات بات پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔
فرمایا:۔
ایسے اعتراض باریک در باریک بُغض کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کیا شرک گناہ اور ناپاک زندگی سے توبہ کرنا تبدیلی نہیں ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص بیعت کر کے جاتا ہے اس میں تبدیلی ضرور ہوتی ہے شاذ و نادر پر اعتراض کرنا ایمانداری نہیں ہے بلکہ قرآن شریف نے تو نکتہ چینی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (النساء: ۹۵) یعنی تم بھی تو ایسے ہی تھے۔ خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔

غور سے دیکھا جاوے تو جو کچھ ترقی اور تبدیلی ہماری جماعت میں پائی جاتی ہے۔ وہ زمانہ بھر میں اس وقت کسی دوسرے میں نہیں ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دُنیا میں کیسا طوفانِ ارتداد برپا ہوا تھا کہ سوائے چند ایک جگہ کے جماعت بھی نہ ہوتی تھی۔ معترض کو کوئی خاص عناد اور بغض ہے اور اس نے ظلم کیا ہے اور خواہ مخواہ حملہ کیا ہے ورنہ ان لوگوں کی تبدیلی تو حیرت میں ڈالتی ہے معترض غیب دان تو ہے نہیں کہ دوسرے کے دل کے خیالات نیک و بد پر اطلاع پا سکے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اندر ہی اندر تبدیلی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایک خاص خلوص اور تعلقِ محبت رکھتا ہے مگر وہ دوسروں کی نظر

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱ مورخہ ۲۶ر اپریل ۱۹۰۸ء

سے پوشیدہ ہوتا ہے [1]

۲۴ر اپریل ۱۹۰۸ء

دُعا کے نتیجہ میں امراض سے شفا

فرمایا کہ:۔
بیماریوں میں جہاں قضا مُبرم ہوتی ہے وہاں تو کسی کی پیش ہی نہیں جاتی اور جہاں ایسی نہیں وہاں البتہ بہت سی دُعاؤں اور توجہ سے اللہ تعالیٰ جواب بھی دے دیتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشابہ بمُبرم ہوتی ہے اس کے ٹلا دینے پر بھی خدا تعالیٰ قادر ہے۔ یہ حالت ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ تحقیقات بھی کام نہیں دیتی اور ڈاکٹر بھی لاعلاج بتا دیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے فضل کی یہ علامت ہوتی ہے کہ بہتر سامان پیدا ہوتے جاویں اور حالت دن بدن اچھی ہوتی جاوے ورنہ بصورت دیگر حالت مریض کی دن بدن ردّی ہوتی جاتی ہے اور سامان ہی کچھ ایسے پیدا ہونے لگتے ہیں کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اکثر ایسے مریض جن کے لیے ڈاکٹر بھی فتویٰ دے چکتے ہیں اور کوئی سامان ظاہری زندگی کے نظر نہیں آتے۔ ان کے واسطے دُعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو معجزانہ رنگ میں شفا اور زندگی عطا کرتا ہے گویا کہ مُردہ زندہ ہونے والی بات ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا

حضرت عیسیٰؑ کے مُردوں کو زندہ کرنے کے جو قصے مشہور ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جھوٹ کی بہت کچھ ملاوٹ کی گئی ہے ورنہ اگر ہزاروں مُردے زندہ ہو جاتے تو یہودی کیا بالکل ہی اندھے ہو گئے تھے کہ ایسا کھُلا کھُلا نشان دیکھ کر بھی کہ جس میں غیب بالکل اُٹھ گیا اور گویا کہ خدا خود سامنے نظر آ گیا ایسی حالت دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ کیا وہ ایسے ہی قسی القلب تھے کہ ایمان لانا تو درکنار بلکہ خود حضرت مسیحؑ کو جن کے لیے ایسے ایسے معجزات خدا نے دکھائے کہ گویا آسمان کے کُل پردے اُٹھا دیئے ان کو پکڑ کر سُولی دی اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا۔

اصل بات یہی ہے کہ زمانہ دراز گذرا ہے۔ اصل کتاب موجود نہیں۔ نرے تراجم ہی تراجم رہ گئے ہیں۔ خدا جانے کیا کچھ ان لوگوں نے اپنی طرف سے بڑھایا اور کیا کیا نکال دیا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۶ر اپریل ۱۹۰۸ء

فرمایا کہ :۔

خدا کے معجزات تو ہوتے ہیں مگر ان سے فائدہ صرف مومن ہی اُٹھاتے ہیں۔ بے ایمان لوگ ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اور محروم ہی رہ جاتے ہیں کیونکہ معجزات میں بھی ایک قسم کا پردہ اور غیب ضرور ہوتا ہے۔

مسیحیت کی ناقص تعلیم کے نتائج

کرمی جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا کہ بعض انگریز ان پادریوں سے سخت متنفر ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض تو گرجوں کو بجائے اس کے کہ ان میں نماز پڑھیں کسی اور مفید کام پر لگا لینا بہتر جانتے ہیں۔

اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

اکثر ایسے کہ وہ تو خدا سے انکار کر بیٹھے ہیں کیونکہ عیسائی ہو کر سب سے پہلی نیکی شراب پینا ہے اور پھر آگے جُوں جُوں ترقی کریگا اور اپنے کمال کو پہنچے گا تو کفارہ پر ایمان لاوے گا اور یقین کرے گا کہ شریعت لعنت ہے اور کہ حضرت مسیح ساری اُمت کے گناہوں کے بدلے پھانسی پاکر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا۔ پھر گناہ کرے گا اور پیٹ بھر کر کرے گا اور اُسے کسی کا خوف نہ ہوگا اور خوف ہو تو کیسے؟ کیا مسیح انکے لیے پھانسی نہیں دیا گیا؟ غرض یہ تو ان کی عملی حالت ہے پھر دُنیا کو خدائی کا جو نمونہ دیا گیا تھا وہ ایسا کمزور اور ناتواں نکلا کہ تھپیڑ کھائے۔ پھانسی دیا گیا اور دشمنوں کا کچھ نہ کر سکا۔ پس انہی باتوں سے وہ خدا کے بھی منکر ہو گئے ہیں اور وہ لوگ بیچارے ہیں بھی معذور۔ کیونکہ یہ سب امور فطرتِ انسانی کے بالکل خلاف پڑے ہیں۔ بھلا کفارہ ایسی بیہودہ تعلیم سے بجز ناپاک زندگی کے اور ایسے کمزور و ناتواں خدا کے ماننے سے بجز ذلت و ادبار کی مار کے اور حاصل ہی کیا؟ انہوں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ ایسے خدا سے ہم یونہی اچھے ہیں۔ یہ ان کا قصور نہیں بلکہ تعلیم کا قصور ہے آریوں کو دیکھا جاوے تو انہوں نے ذرہ ذرہ کو خدا بنا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے اعمال ہی ان کے سُکھ اور دُکھ کا باعث ہیں گویا ان کے اعمال ہی ان کا خدا ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ ذراتِ عالم مع اپنے خواص کے خدا کی طرح ازلی ابدی ہیں تو پھر خدا کو ان پر فضیلت کیسی اور حکم کیسا؟ خواہ مخواہ مداخلتِ بیجا کر کے ان کی آزادی میں تصرف کرنے کا حق ہی کیا تھا خدا کا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے کہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا (الکہف : ۱۰۰) موجودہ آزادی کی وجہ سے انسانی فطرت نے ہر طرح کے رنگ ظاہر کر دیئے ہیں اور تفرقہ اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ گویا ایسا زمانہ ہے کہ ہر شخص کا ایک الگ مذہب ہے۔ یہی امور دلالت کرتے ہیں کہ اب نفخ صور کا وقت بھی یہی ہے اور فَجَمَعْنَاهُمْ

جَمْعًا کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا بھی یہی زمانہ ہے[1]

۲۷ر اپریل ۱۹۰۸ء

بمقام بٹالہ (دورانِ سفر لاہور)

توحید کی برکت سے مسلمان معاشرہ کی خوبیاں

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور کیا اچھا ہو کہ اگر کوئی ایسی سبیل ہو جاوے کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف اُٹھ جاوے اور جس طرح دیگر اقوام دنیوی معاملات میں اپنی یکجائی اور متفقہ کوششوں سے کامیاب ہو رہے ہیں مسلمان بھی کم از کم دنیوی معاملات میں تو مل کر کام کریں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت اقدس (علیہ السلام) نے فرمایا:۔

خدا تعالیٰ نے تو کہا ہے کہ اختلاف ہمیشہ رہے گا تو پھر انسان کون ہے جو اس اختلاف کو مٹانے کی کوشش کرے؟ اصل میں غور سے دیکھا جاوے تو اندرونی اتحاد تو انگریزوں میں بھی نہیں ہے۔ انہی میں سے بعض لوگ تو ایسے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ خدا مانتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو مُوَحِّد ہیں وہ ان کو صرف ایک رسول خدا کا یقین کرتے ہیں اور پھر بعض انہی میں ایسے بھی موجود ہیں کہ وہ نہ عیسیٰ کو مانتے ہیں نہ خدا کو، دہریہ ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ کسی نے تو درندگی سے اپنے ان عقائد کا اظہار کیا ہے اور بعض نے ذرا نرمی سے اظہار کیا ہے۔ پس جب سب کا اختلاف ہے تو باوجود اس اختلاف کے کسی کی ہاں میں ہاں ملانے کے تو یہی معنے ہیں کہ انسان نفاق کا طریق اختیار کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس اُمّت کو منافق نہیں بنانا چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو نفاق سے ڈراتا ہے اور اس طریقِ زندگی کو بدترین حالت بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۶) کسی سچے مسلمان کی غیرت اور حمیت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ اپنے معتقدات اور مذہبی مسلمہ پائے عقائد کے خلاف سُن سکے یا ان کی توہین ہوتی دیکھ سکے یا ایسے لوگوں سے جو اس کے بزرگوں کو جن کو وہ دین کا پیشوا یقین کرتا ہے بُرا کہنے والے یا گالیاں دینے والوں سے سچی محبت اور اتفاق رکھ سکے۔ ہمارے نزدیک تو ایسا انسان جو بایں ہمہ کسی سے محبت و موّدت رکھتا ہے دُنیا کا کُتّا اور منافق ہے کیونکہ ایک سچے مسلمان کی

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۰ صفحہ ۲ مورخہ ۲۶ر اپریل ۱۹۰۸ء

غیرت یہ چاہ سکتی ہی نہیں کہ وہ نفاق کرتا ہے۔

ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک انگریز سیاح امریکہ سے ہمارے پاس آیا تھا ہم نے اس سے سوال کیا کہ آپ لوگ جو اتنی جان توڑ کوششیں کرتے ہو کہ لوگ آپ کا مذہب قبول کریں اور ساری دُنیا کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں بھلا آپ یہ تو فرمائیں کہ عیسائی ہو کر آپ لوگوں نے کیا بنایا ہے کہ دوسرے وہ فائدہ اٹھاویں گے۔ فسق و فجور میں عیسائی قوم نے جو ترقی کی ہے وہ کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ اکثر حصہ اس قوم کا ایسا ہے کہ خدا سے بھی برگشتہ ہے اور گویا کہ اپنے فعل سے بتا رہا ہے کہ خدا کی ان کو ضرورت ہی نہیں۔ اب کہئے کہ آپ ایک ایسی قوم کے کس طرح حامی بنتے ہیں جو خود ایسا اقرار کرتے ہیں۔ آپ کس طرح مسلمانوں سے ایسی خطرناک عادات اور فسق و فجور میں غرق شدہ قوم کی تقلید کرانا چاہتے ہیں جن پر خوف ہے کہ ان کے اعمالِ بد کی وجہ سے عذاب نازل ہو۔

خدا تعالیٰ تقویٰ طہارت کو چاہتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ مسلمان بھی فاسق ہیں، فاجر ہیں، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نسبتاً دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی اُن کے مقابلہ میں ہزار درجہ بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں میں توحید کی برکت سے یہ فسق و فجور اور بے غیرتی پیدا نہیں ہونے دی۔ خود بعض انگریز مصنفوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسلمان قوم دُنیا میں غنیمت ہے اور عیسائی اقوام کے مقابلہ میں اُنکی زندگی ہزار درجہ بہتر ہے۔ عیسائی قوم کے واسطے کفارہ کی جو راہ کھلی ہے اس کے ذریعہ سے اس قوم میں کونسا گناہ ہے جو جرأت اور دلیری سے کیا نہیں جاتا؟ اور وہ کونسی بدی ہے جس کے کرنے سے کسی عیسائی کو کوئی روک پیدا ہو سکتی ہے؟ اصل میں کفارہ کا عقیدہ ہی ان میں ایسا ہے کہ سارے حرام ان کے واسطے حلال ہو گئے ورنہ کفارہ باطل ہوتا ہے۔

نور افشاں جو عیسائیوں کا ایک معتبر اخبار ہے اسی میں ایک دفعہ لکھا گیا تھا کہ مسلمانوں میں ان کی عبادت گاہوں اور مساجد میں ایک ادنیٰ مسلمان بادشاہِ وقت کے برابر بلکہ اس کے آگے کھڑا ہو سکتا ہے اور دنیوی ثروت اور جاہ و جلال کا کوئی اثر ان کی مسجدوں میں باقی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ عیسائیوں میں ایک خاص یورپ کا عیسائی کبھی دیسی عیسائیوں سے گرجا میں بھی اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ حتّٰی کہ ان میں گرجا میں بھی کرسیوں کے درجے موجود ہوتے ہیں۔

غرض مسلمانوں میں بڑی بڑی برکات ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور اب بھی ہیں۔ آپ ان معاملات میں غور کریں اور اپنے علم کو بڑھاویں۔ بغیر معلومات وسیع کے آپ کو ایسا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے کہ عیسائی مسلمانوں سے نیکی، تقویٰ، طہارت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ ہر امر میں حکم نسبتاً لگایا جاتا ہے مسلمان نسبتاً ان سے نیکی میں تقویٰ میں، طہارت میں، خدا ترسی میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ مسلمانوں میں باہمی اتفاق نہیں ہے سو اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا خود بھی منشاء ہے اور

اس میں رحمت ہے۔ البتہ ایک حد تک جب خدا کو منظور ہوگا خود بخود اتفاق اور اتحاد بھی پیدا ہو جاوے گا۔ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہمیشہ شاملِ حال رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو گرنے کے وقت سنبھال لیتا ہے حالانکہ اور قومیں اس سے محروم ہیں۔ مشکلات بھی دن اور رات کی طرح ہر قوم کے ساتھ دَورہ کرتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کو ایسے اوقات میں تائید غیبی سے سنبھال لیا ہے۔ جس صلح کے آپ خواہش مند ہیں وہ تو ہمارے خیال میں نفاق ہے اور ہم ایسی صلح کے دشمن ہیں۔ یہ کہنا کہ انگریز قوم بڑی علم دوست ہے۔ کیسی ایک بیہودہ بات ہے۔ علم بھی ایک طاقت ہے۔ انسان اس طاقت کے ذریعہ سے ہر ظلمت اور ذلیل عقائد سے بچ جاتا ہے۔

ان کا علم کیا خاک علم ہے کہ ایک ناتواں کمزور اور ضعیف انسان جو کہ معمولی انسانوں کی طرح ماں کے پیٹ سے قانونِ قدرت کے موافق پیدا ہوا۔ اور دنیوی سختیوں اور تلخیوں سے بچنے کی مشکلات برداشت کرتا ہوا آخر یہودیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی ذلتیں سہتا اور ماریں کھاتا ہوا سُولی پر چڑھایا گیا۔ ایسے ایک انسان کو خدا بنا لیا۔ کیا علم اسی کا نام ہے؟ ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور دکھانے کے اَور جب کوئی بادشاہ بنتا ہے تو اس سے قسماً عہد لیا جاتا ہے کہ وہ انجیل کے احکام کی پیروی کرے گا۔ کیا اسی کا نام ہے کہ انگریز علم دوست ہوتے ہیں؟

سائل نے کہا کہ ہر وقت ان کے ہاتھ میں کتاب یا اخبار موجود رہتی ہے۔

فرمایا:۔

جو شخص علومِ حقیقی اور الٰہیات سے بے نصیب محض ہو اس کو علم دوست نہیں کہا جا سکتا۔

ایمان کا امتحان

طلباء کے امتحان کا ذکر ہونے پر فرمایا:۔

عِنْدَ الْاِمْتِحَانِ يُكْرَمُ الْمَرْءُ اَوْ يُهَانُ

فرمایا:۔

اصل میں لڑکے بھی معذور ہیں۔ امتحان کے مشکلات بہت سخت ہوتے ہیں۔ جب دنیوی امتحانوں کا یہ حال ہے تو پھر دینی امتحان کا کیا حال ہے۔ انسان دنیوی امتحان کے واسطے کیا کیا تیاریاں کرتا ہے اور کسقدر فکر اور غم اس کو ہوتا ہے اور کیسی کیسی شاقہ محنت برداشت کرتا ہے۔ بے فکری ہے تو کس سے؟ دینی امتحان سے۔ نہیں محنت کی جاتی تو کس کے واسطے؟ دین کے امتحان کے واسطے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) اللہ تعالیٰ بھی ایک امتحان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کا بھی کچھ فکر کرنا چاہیئے اور اس امتحان کے واسطے بھی کچھ تیاری کرنی از بس لازمی ہے۔ دیکھو ہر صدی کے سرے پر جو ایک مجدد آتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک امتحان ہی ہوتا ہے۔ اب اس وقت

بھی مسلمانوں کا ایک امتحان ہو رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایک مامور بھیجا ہے اور اس کے ساتھ ہزاروں زمینی اور آسمانی نشانات اور تائیدات کر کے روشن نشانوں سے دُنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اب بھی لوگوں کے ایمان کا امتحان ہے۔ اب بھی یُعْرَفُ الْمَرْءُ اَوْیُهَانُ کا نظارہ موجود ہے۔ پس مبارک وہ جو خدائی امتحان کی فکر رکھتے ہیں اور پھر مبارک وہ جو خدائی امتحان میں پاس ہوتے ہیں۔

خدا کا کلام ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا ہے

پھر اسی شخص نے سوال کیا کہ یہ جو بڑی بڑی سورتیں قرآنِ شریف میں موجود ہیں کیا یہ یکبارگی نازل ہو گئی تھیں؟

فرمایا کہ:۔

خدا تعالیٰ کا کلام ہمیشہ ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا ہے اور پھر پُورا حصہ بن جاتا ہے۔ ہم اس معاملہ میں صاحبِ تجربہ ہیں جس طرح سے اب اُترتا ہے اسی طرح پہلے اُترتا تھا۔ اس میں اعتراض کی بات ہی کیا ہے اور خلافِ قانون کس امر کو کہا جاتا ہے۔ خلافِ قانون تو جب کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی اس بات کا دعویٰ کرے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے سارے اَسرار کا مطالعہ کر لیا ہے اور سارے قانونِ قدرت کا اس نے احاطہ کر لیا ہے۔ پھر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ فلاں امر قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ مگر جب خدا تعالیٰ کی قدرت کا کوئی انتہاء ہی نہیں پا سکا تو پھر یہ دعویٰ کیسا؟ ہمارے الہامات کی کتاب تو بنیاد ہی ہے[1] مگر شریعت نہیں ہے۔ شریعت وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور جو قرآنِ شریف نے دنیا کو سکھلائی۔ ایک نقطہ نہ گھٹایا گیا نہ بڑھایا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ اب بھی کلام کرتا ہے

خدا تعالیٰ جس طرح پہلے دیکھتا تھا اب بھی دیکھتا ہے اسی طرح جس طرح پہلے کلام کرتا تھا اب بھی صفت تکلم اس میں موجود ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب خدا تعالیٰ کلام نہیں کرتا۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو خدا سُنتا تھا مگر اب نہیں سُنتا۔ پس اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جو پہلے موجود تھیں۔ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ میں تغیر نہیں۔ شریعت چونکہ تکمیل پا چکی ہے۔ لہٰذا اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اَکْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدۃ: ۴) پس اکمالِ دین کے بعد اور کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں۔

فراست

فرمایا:۔

خدا تعالیٰ جس کو حکومت دیتا ہے اُسے فراست بھی عطا فرماتا ہے بشرطیکہ وہ خود اپنے

---

[1] سہو کتابت سے عبارت مشتبہ ہو گئی ہے۔ غالباً اصل فقرہ یوں ہو گا "ہمارے الہامات کی تو کتاب پر بنیاد ہے اور یہ شریعت نہیں ہے"۔ (مرتب)

اس پاک جوہر کو شرارت یا تعصب کی کدورت سے کمزور نہ کر دے۔ نیک طبع حکام کو اللہ تعالیٰ تائید غیبی سے بعض ایسے امور میں جن میں حق و باطل پوشیدہ ہوتا ہے حق ظاہر کر دیتا ہے اور فراستِ صحیحہ سے وہ اس امر کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر ان کو دلائل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

ہمارے اس مقدمہ کی حالت جو لوگس کے سامنے پیش ہوا تھا اُس میں غور کرنے والے کے واسطے کئی نشان موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ فراست اچھی چیز ہے۔ انسان اندر ہی اندر سمجھ جاتا ہے کہ یہ سچا ہے۔ سچ میں ایک جرأت اور دلیری ہوتی ہے۔ جھوٹا انسان بزدل ہوتا ہے۔ وہ جس کی زندگی ناپاکی اور گندے گناہوں سے ملوث ہے وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے اور مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک صادق انسان کی طرح دلیری اور جرأت سے اپنی صداقت کا اظہار نہیں کر سکتا اور اپنی پاکدامنی کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ دنیوی معاملات میں ہی غور کر کے دیکھ لو کہ کون ہے جس کو ذرا سی بھی خدا نے خوش حیثیتی عطا کی ہو اور اس کے حاسد نہ ہوں۔ ہر خوش حیثیت کے حاسد ضرور ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی لگے رہتے ہیں۔ یہی حال دینی امور کا ہے۔ شیطان بھی اصلاح کا دشمن ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنا حساب صاف رکھے اور خدا سے معاملہ درست رکھے۔ خدا کو راضی کرے۔ پھر کسی سے نہ خوف کھائے اور نہ کسی کی پروا کرے۔ ایسے معاملات سے پرہیز کرے جن سے خود ہی مورد عذاب ہو جاوے مگر یہ سب کچھ بھی تائید غیبی اور توفیق الٰہی کے سوا نہیں ہو سکتا۔ صرف انسانی کوشش کچھ بنا نہیں سکتی جب تک خدا کا فضل بھی شاملِ حال نہ ہو۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۹) انسان ناتواں ہے۔ غلطیوں سے پُر ہے۔ مشکلات چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پس دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا کرے اور تائیداتِ غیبی اور فضل کے فیضان کا وارث بنا دے۔

توکل

اصل میں توکل ہی ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کو کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (الطلاق: ۴) جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ سچے دل سے توکل کے اصلی مفہوم کو سمجھ کر صدق دل سے قدم رکھنے والا ہو اور صبر کرنے والا اور مستقل مزاج ہو۔ مشکلات سے ڈر کر پیچھے نہ ہٹ جاوے۔ دنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے اور اس کے کام بھی ایسے ہی ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اس کا غم نہ کرے اور آخرت کا فکر زیادہ رکھے۔ اگر دین کے غم انسان پر غالب آجاویں تو دُنیا کے کاروبار کا خود خدا متکفل ہو جاتا ہے۔

عذاب نازل ہونے سے پہلے توبہ کرنی چاہیئے

افسوس ہے بڑے بڑے حوادث روز ہو رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ توجہ نہیں

کرتے۔ پروا نہیں کرتے۔ حضرت موسیٰؑ کے کافر ہی اچھے تھے کہ جب ان پر عذاب نازل ہوتے تھے، تب تو توجہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ ٹل جاوے تو مان لیں گے۔ مگر آجکل کے کافر ان سے بھی زیادہ سخت جان ہیں کہ نت نئے عذاب آتے ہیں۔ نئی نئی صورت میں خدا کا قہر نازل ہوتا ہے مگر یہ ہیں کہ کان پر جوں نہیں چلتی۔ دیکھو ایک طاعون نے ہی کیسے کیسے خطرناک حملے کئے۔ کیسی کیسی جانگداز تباہیاں واقع ہوئی ہیں کہ ان کا ذکر سُننے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کسی پر اثر نہیں ہوا۔ وہ لوگ تھے کہ ایسے اوقات میں حضرت موسیٰؑ سے دُعا کرایا کرتے تھے مگر یہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں کوئی نہیں معمولی بات ہے ایسا ہوا ہی کرتا ہے اور ایسے عذاب آیا ہی کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قدیم سے یہ وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں طرح طرح کے عذاب آویں گے اس وقت بعض ہدایت پا جاویں گے اور اکثر ہلاک ہوں گے۔ نشان تو خدا دکھاتا ہے مگر نشان سے بھی فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جو مومن ہوتے ہیں اور وہ قلیل ہیں۔

ایک شخص ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے ذکر کیا کہ ہمارے شہر میں طاعون نے سخت تباہی ڈالی ہے۔ بہت لوگ تیار ہیں کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور اصل بات یہی ہے کہ مجھے بھی طاعون ہی حضور کے پاس لائی ہے۔ اس سال طاعون کسی قدر کم ہے اس وجہ سے دل بھی سخت ہیں۔ دلیر ہیں۔ مگر کسی کو علم کیا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے پس مطمئن نہیں رہنا چاہیئے اور قبل اس کے کہ عذاب نازل ہو جاوے توبہ کرنی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی طرف جُھکنا اور حفاظت طلب کرنی چاہیئے مگر یہ سب کچھ اسی کی توفیق سے ہو سکتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات شیطان بڑے بڑے وسوسے پیدا کر دیتا ہے۔ میرے رشتے ناطے ٹوٹ جاویں گے میرے جاہ و عزت میں فرق آجاوے گا یا وجوہ معاش بند ہو جاویں گے یا میرے حکام مجھ سے ناراض ہو جاویں گے مگر یاد رکھو کہ ہدایت کے قبول کرنے سے یہ سب امور روکتے نہیں۔

گورنمنٹ کو تو کسی مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں اور پھر خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے اُصول ہی ایسے نہیں کہ گورنمنٹ ان سے ناراض ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ رشتے ناطے ٹوٹ جاویں گے یا معاش میں فرق آجاویگا سو یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان جب خدا تعالیٰ کے واسطے کچھ چھوڑتا ہے اور اپنے اوپر مشکلات برداشت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ہر حال میں اس کا خود مددگار اور کارساز ہو جاتا ہے[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۶ رمئی ۱۹۰۸ء

۲۹ر اپریل ۱۹۰۸ء

اہلِ امرتسر کی عقیدت مندی اور اخلاص

۲۹ر اپریل ۱۹۰۸ء کو جبکہ بٹالہ سے لاہور کو جانے والی ٹرین امرتسر پہنچی جس میں حضرت اقدس خلیفۃ اللہ فی حل الانبیاء علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام رونق افروز تھے اور مخلصین جماعتِ احمدیہ امرتسر صدق اور عقیدت مندی کا ایک نہ رکنے والا جوش اور اپنے آقا و مولا کی زیارت کے واسطے شوق بھرے دل لیے ہوئے پہلے ہی سے سٹیشن پر موجود تھے۔ ٹرین کے کھڑا ہوتے ہی تمام عقیدت مندانِ مخلص آگے بڑھ بڑھ کر سعادتِ مصافحہ اور شرفِ حضوری حاصل کرتے تھے۔ ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ میں آگے بڑھوں اور ان کے دلوں کا شوقِ عقیدت ان کے چہروں سے نمایاں تھا۔ جذب جو خاصۂ خاصانِ خدا اور علامت بندگانِ عالی ہوتی ہے اور وہ خدا کی طرف سے آنے والوں کو بطور نشان کے عطا ہوتا ہے اس کا یہ عالم تھا کہ سٹیشن بھر کے جس انسان کے کان میں آپ کا نام پہنچا اس کے دل میں شوقِ زیارت نے گدگدی کی اور وہ بے تحاشا بھاگا چلا آیا۔ وہ سلامتی کا شہزادہ اور محبوبِ خدا سیکنڈ کلاس ڈیپارٹمنٹ[1] میں متمکن تھا۔ جلال و شوکت اور رُعب و وقار، شہادتِ صداقت ادا کرنے کے واسطے حضوری میں حاضر کھڑے تھے۔ لوگ آتے اور زیارت کر کر کے چلے جاتے تھے۔ اہلِ ہنود اور سکھ صاحبان اپنے طرز میں اور مسلمان اپنے طریق سے سلام و نیاز عرض کرتے تھے۔ پلیٹ فارم کی جانب پلیٹ فارم پر اور گاڑی کے دوسرے پہلو سے لوگ پائیدانوں پر کھڑے کھڑکیوں میں سے حضورِ پُر نور کی صورت دیکھنے کے واسطے شوق سے جھانکتے تھے۔ سیری کسی کو نہ ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک مسلمان صاحب مع چند آدمیوں کے تشریف لائے۔ حضرت اقدس نے ان کو گاڑی کے اندر بُلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور ان کے سوال پر ان کو یوں مخاطب فرمایا:

وفات وحیاتِ مسیح میں قرآن کریم سے فیصلہ لینا چاہیئے

خدا تعالیٰ کی شہادت سب سے پہلے زیادہ معتبر ہے

خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمارے پاس موجود ہے۔ مسائلِ مختلفہ میں فیصلہ کرنے اور حق پانے کے واسطے

---

[1] نقل مطابق اصل

مسلمانوں کو اوّل قرآنِ شریف ہی کی طرف رجُوع کرنا چاہیئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ ابدی کی کوئی دلیل اگر اُن کے پاس ہے تو اُن کو چاہیئے کہ قرآنِ کریم کی کوئی آیت پیش کریں۔ مگر قرآن شریف میں جب ہم اس غرض کے لیے غور کرتے ہیں تو ہمیں تو ان کے حق میں خدا تعالیٰ کا یہی کلام ملتا ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (آل عمران) فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ (المائدۃ: ۱۱۸) اب جانے غور ہے کہ آیا یہ لفظ قرآنِ شریف میں کسی اور نبی کے حق میں بھی آیا ہے یا کہ نہیں؟ سو ہم صاف پاتے ہیں کہ اور انبیاء اور ہمارے سید و مولیٰ محمد مجتبیٰ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہی لفظ تَوَفّی کا استعمال ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس: ۴۷) اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں بھی یہی لفظ نظر آتا ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف: ۱۰۲) اب ہم پوچھتے ہیں کہ ہمیں کوئی اس خصوصیت کی وجہ تو بتا دے کہ کیوں یہ لفظ اور انبیاء پر تو موت کے معنوں میں وارد ہوتا ہے اور کیوں حضرت عیسیٰ کے حق میں آوے تو لفظ کی یہ خاصیت بدل جاتی ہے اور یہ لفظ موت کے معنے نہیں دیتا۔ ان کو چاہیئے کہ تعصب کو الگ کر کے ایک گھڑی بھر کے لیے حق جُو ہو کر اس میں غور کریں۔

گالیاں دینا تو ان لوگوں کا ایک فرض ہو چکا ہے سو دے لیں۔ مگر اب ہمیں شوق ہے تو صرف یہی کہ آیا تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کو مدِّنظر رکھ کر اس فرقہ کے مُنہ سے کوئی علمی بات بھی نکلتی ہے؟ مگر افسوس یہ بات کبھی پوری نہ ہوئی۔

جو حق پر ہوتا ہے اس کے ساتھ خدا کی تائید اور نصرت، اس کے کلام میں قوت اور شوکت اور اس کے انفاس میں ایک جذب ہوتا ہے۔

فرمایا:۔

حیات کا مسئلہ ان کو مبارک نہ ہوا۔ کیونکہ ان میں سے بہت سے حیات حیات ہی پکارتے بصد حسرت و ارمان گذر گئے مگر حیاتِ مسیح نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔

اتنے میں گھنٹی بجی۔ وِسل ہوا۔ اور گاڑی لاہور کو چل دی [1]

۳۰ر اپریل ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ احمدیہ بلڈنگز

موجودہ مسلمانوں کی حالت

فرمایا:۔

صدق و صفا، تقویٰ طہارت، یہ اسلام کے برکات تھے جو کہ

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۴۔ ۵ مورخہ ۶ر اگست ۱۹۰۸ء

مسلمانوں میں لازماً پائے جاتے ہیں مگر اب تو ان صفات سے لوگ بھی محروم ہوگئے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں تو بہت ہی کم۔ مسجدیں ویران پڑی ہیں۔ نمازی کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک وقت تھا کہ نمازیوں کو مسجدیں نہ ملتی تھیں جتنے پڑھتے ہیں ان میں بھی اکثر دکھلاوے کی نماز پڑھتے ہیں کیونکہ حقیقی نماز کے آثار برکات اور ثمرات سے محروم ہیں۔ عیسائی تو حضرت مسیح کو پھانسی دے کر بے فکر ہو بیٹھے تھے اکثر مسلمان حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں نجات پا چکے ہیں۔

شہوات کی آگ بجھانے کا ذریعہ

فرمایا:۔ جسمانی شہوات کے دلدل میں سے نکلنا ہی مشکل ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے واسطے مقدر کیا ہوتا ہے کہ اسے سعادت میں سے کوئی حصہ عطا فرماوے تو اس کے واسطے کوئی ایسا عجوبہ اور خارق عادت نشان یا اپنی کوئی دل کو پکڑ لینے والی تجلی دکھا دیتا ہے بجز اس کے دلوں کی گندگی دھوئی نہیں جاتی اور شہوات کی آگ بجھائی نہیں جاتی۔

غفلت اور بے باکی کے آثار

فرمایا:۔ جس قدر کسی کو دنیا کے سامانِ عیش و عشرت سے دیئے جاتے ہیں اسی قدر وہ خدا سے غافل اور بے پروا ہو کر متکبر ہو جاتے ہیں اور اسی قدر اس کا تکبر بڑھ جاتا ہے۔ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے۔ سیالکوٹ میں ہمارے ساتھ کیا بُرا سلوک کیا گیا۔ یہ سب غفلت اور بے باکی ہی کے آثار ہیں۔

ایک خدائی وعدہ

فرمایا:۔ خدا نے ہمیں ایک پکا وعدہ دیا ہوا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں اور وہ یہ ہے کہ

"بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

اس الہام کے بعد وہ بادشاہ بھی دکھائے گئے تھے۔

مسیح کے مرنے میں اسلام کی زندگی ہے

فرمایا:۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہی اسی میں ہے کہ مسیح

مرجائے۔ اب زمانہ ہی ایسا آگیا ہے کہ خیال تبدیل ہوتے ہیں۔ کچھ مان جائیں گے کچھ مرجائیں گے۔ باقی ایسے ضعیف ہوجائیں گے کہ ان کو طاقت ہی نہ رہے گی اور ان کا عدم وجود برابر ہوگا۔ پس مسیح کو مرنے دو کہ اسلام کی زندگی اسی میں ہے۔

فروتنی کرنیوالا خدا کا محبوب ہوتا ہے

فرمایا:۔
متکبر خدا تعالیٰ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے پس اس قبیح خصلت سے ہمیشہ پناہ مانگو۔ خدا تعالیٰ کے تمام وعدے بھی خواہ تمہارے ساتھ ہوں مگر تم جب بھی فروتنی کرو۔ کیونکہ فروتنی کرنے والا ہی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیاں اگرچہ ایسی تھیں کہ تمام انبیائے سابقین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مگر آپ کو خدا تعالیٰ نے جیسی جیسی کامیابیاں عطا کیں آپ اتنی ہی فروتنی اختیار کرتے گئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آپ کے حضور پکڑ کر لایا گیا۔ آپ نے دیکھا تو وہ بہت کانپتا تھا اور خوف کھاتا تھا مگر جب وہ قریب آیا تو آپ نے نہایت نرمی اور لطف سے دریافت فرمایا کہ تم ایسے ڈرتے کیوں ہو؟ آخر میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں اور ایک بڑھیا کا فرزند ہوں۔

خدا تعالیٰ کی حکمتوں کو کوئی نہیں پاسکتا

فرمایا:۔
جب بات حد سے بڑھ جاتی ہے تو فیصلہ کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ہمیں چھبیس سال ہوئے تبلیغ کرتے اور جہاں تک ممکن تھا ہم ساری تبلیغ کر چکے ہیں اب وہ خود ہی کوئی ہاتھ دکھلاوے اور فیصلہ کرے۔ پس جس نے یہ شرط کرلی ہو کہ میں نے تو اس شخص کو ماننا ہی نہیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اور اس کا غبار حد سے بڑھ گیا ہو تو اس کا حال خدا ہی کے سپرد ہے اسکے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے۔ خدا کی حکمتوں کو کوئی نہیں پاسکتا۔ یہ خدائی تصرفات ہیں جس کو چاہے اپنی طرف کھینچ لے اور جس کو چاہے رد کردے۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دنیا کے واسطے رحمت تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) مگر کیا ابوجہل کے واسطے بھی آپ رحمت ہوئے؟ وہ لوگ تو خیال کرتے ہوں گے کہ ابھی یہ ایک یتیم بچہ تھا۔ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ کمزور اور غریب تھا۔ نکاح تک بھی تو میسر نہ آیا۔ غرض کچھ ایسے ہی خیالات ان کے دل میں آتے ہوں گے مگر ان بدقسمتوں کو کیا خبر تھی کہ ایک دن

یہی یتیم دُنیا کا شہنشاہ اور نجات دہندہ ہوگا۔[1]

یکم مئی ۱۹۰۸ء

خدا کی طرف آنیوالا کبھی ضائع نہیں ہوتا

نماز جمعہ سے پہلے جبکہ چند اجنبی آپ کی ملاقات کے واسطے آئے۔

فرمایا:۔

ہمیں تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل اسلام کی خوش قسمتی نہیں بلکہ بدقسمتی کے دن ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو دینی اُمور سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بلکہ لوگ خدا کو بھی بھُول چکے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ ایک غلطی ہے جو شاید غرغرے کے وقت ان کو معلوم ہو جائے گی اور لوگ اس وقت یقین کریں گے کہ واقعی ہم نے جو کچھ سمجھا ہوا تھا وہ سراسر نابانا غلط تھا۔

جو انسان کوشش کرے گا وہی پائے گا۔ کوشش تو ہو ساری دُنیا کے واسطے اور خدا کا نام درمیان بھُولے سے بھی نہ آئے۔ تقویٰ ہو نہ طہارت۔ پھر ایسا انسان امیدوار ہو خدا کے ملنے کا، یہ محال ہے۔ آخر اب وقت آگیا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں اجر دیا جاوے جو دین کو دُنیا پر مقدم کریں۔ بجز توفیقِ الٰہی کے کچھ نہیں ملتا۔

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو خدا کے لیے ترک کر دیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے کس طرح ذلیل کر کے دنیا کو آپ کے سامنے غلاموں کی طرح حاضر کر دیا۔ دُنیا طلب سے بھاگتی اور کوسوں دُور جاتی ہے مگر جو صدقِ دل سے خدا کی طرف جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں دُنیا کی کچھ پروا نہیں کرتا دنیا اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ دیکھو حضرت مسیح کو اس وقت چالیس کروڑ انسان پوجنے والا موجود ہے۔ نبی ماننا تو درکنار اس کی خدائی کے قائل ہیں۔ یہ سب خدا کی قدرت کے نمونے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف آنے والا کبھی ضائع نہیں کیا جاتا دین بھی اسے ملتا ہے اور دُنیا بھی اس کے لیے حاضر کی جاتی ہے۔ دنیا کا پرستار چند روز جو چاہے سو کرے مگر آخر کار دُنیا بھی چھُوٹ جائے گی اور آخرت بھی برباد۔

دیکھو دُنیا بھی آخر مفت تو نہیں مل جاتی۔ دنیا کے وعدے دینے والے بھی تو محنتیں چاہتے ہیں۔ امتحان

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹۔ ۵۰ صفحہ ۳ مورخہ ۲۶، ۳۰ اگست ۱۹۰۸ء

لیتے ہیں۔ بصورت کامیابی اور پھر عمدہ کارگذاری سے کچھ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر وہی محنت دوسرے رنگ میں خدا کے واسطے کی جاوے تو اجر یقینی ہیں۔ نہ دین جاوے اور نہ دُنیا۔ بلکہ بیک کرشمہ دو کار والی بات۔ نالے حج نالے رنج کا معاملہ ہو جاوے گر کم ہیں جو ان باتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ دُعا میں لگا رہے اور کسی قدر تبدیلی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ توفیق دیدے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت و حرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸) والا معاملہ ہو۔ دست با کار دل با یار والی بات ہو۔ تاجر اپنے کاروبارِ تجارت میں اور زمیندار اپنے امورِ زراعت میں اور بادشاہ اپنے تختِ حکومت پر بیٹھ کر، غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔ اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔

اسلام کہاں ایسی تعلیم دیتا ہے کہ تم کاروبار چھوڑ کر لنگڑے لُولوں کی طرح نکمے بیٹھے رہو اور بجائے اسکے کہ اَوروں کی خدمت کرو خود دوسروں پر بوجھ بنو۔ نہیں بلکہ سُست ہونا گناہ ہے۔ بھلا ایسا آدمی پھر خُدا اور اس کے دین کی کیا خدمت کر سکے گا۔ عیال و اطفال جو خدا نے اس کے ذمے لگائے ہیں ان کو کہاں سے کھلائے گا۔

پس یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ تم دُنیا کو بالکل ترک کر دو۔ بلکہ اس کا جو منشاء ہے وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) تجارت کرو، زراعت کرو، ملازمت کرو اور حرفت کرو، جو چاہو کرو مگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں۔ پھر جو تمہاری دُنیا ہے یہی دین کے حکم میں آجاوے گی۔

انسان دُنیا کے واسطے پیدا نہیں کیا گیا۔ دل پاک ہو اور ہر وقت یہ لَو اور تڑپ لگی ہوئی ہو کہ کسی طرح خدا خوش ہو جائے تو پھر دنیا بھی اس کے واسطے حلال ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ [1]

بعد نماز جمعہ

مسیحِ موعودؑ کو ماننے کی ضرورت

سوال کیا گیا کہ ہم اللہ اور اس کی کتاب قرآن شریف اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۹ - ۵۰ صفحہ ۳ - ۴ مورخہ ۲۶ / ۳۰ اگست ۱۹۰۸ء

صدقِ دل سے مانتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ اعمال بھی بجالاتے ہیں۔ پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ آپ کو بھی مانیں۔

فرمایا :-

دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسُول اور کتاب کو ماننے کا دعویٰ کرکے ان کے احکام کی تفصیلات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تقویٰ طہارت کو بجا نہ لاوے اور ان احکام کو جو تزکیۂ نفس، ترکِ شر اور حصولِ خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں چھوڑ دے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اس پر ایمان کے زیور سے آراستہ ہونے کا اطلاق صادق نہیں آسکتا۔ اسی طرح سے جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بھی حقیقتِ اسلام اور غایتِ نبوت اور غرضِ رسالت سے بے خبر محض ہے اور وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو سچا مسلمان، خدا اور اس کے رسُول کا سچا تابعدار اور فرمانبردار کہہ سکیں کیونکہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قرآن شریف میں احکام دیئے ہیں اسی طرح سے آخری زمانہ میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی بھی بڑے زور سے بیان فرمائی ہے اور اس کے نہ ماننے والے اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں فرق (جو کہ فرق نہیں بلکہ بالفاظِ دیگر قرآنِ شریف کے الفاظ کی تفسیر ہے) صرف یہ ہے کہ قرآنِ شریف میں خلیفہ کا لفظ بولا گیا ہے اور حدیث میں اسی خلیفہ آخری کو مسیح موعود کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس قرآنِ شریف نے جس شخص کے مبعوث کرنے کے متعلق وعدے کا لفظ بولا ہے اور اس طرح سے اس شخص کی بعثت کو ایک رنگ کی عظمت عطا کی ہے وہ مسلمان کیسا ہے جو کہتا ہے کہ ہمیں اس کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟

خلفاء کے آنے کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لمبا کیا ہے اور اسلام میں یہ ایک شرف اور خصوصیت ہے کہ اس کی تائید اور تجدید کے واسطے ہر صدی پر مجدد آتے رہے اور آتے رہیں گے دیکھو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ کما کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے۔ شریعتِ موسوی کے آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ تھے جیسا کہ خود وہ فرماتے ہیں کہ میں آخری اینٹ ہوں اسی طرح شریعتِ محمدی میں بھی اس کی خدمت اور تجدید کے واسطے ہمیشہ خلفاء آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے اور اس طرح سے آخری خلیفہ کا نام بلحاظ مشابہت اور بلحاظ مفوضہ خدمت کے مسیح موعود رکھا گیا۔

اور پھر یہی نہیں کہ معمولی طور سے اس کا ذکر ہی کر دیا ہو بلکہ اس کے آنے کے نشانات تفصیلاً کل کتب سماوی میں بیان فرما دیئے ہیں۔ بائبل میں، انجیل میں، احادیث میں اور خود قرآنِ شریف میں اس کی آمد کی نشانیاں دی گئی ہیں اور ساری قومیں یہودی، عیسائی اور مسلمان متفق طور سے اس کی آمد کے قائل اور منتظر ہیں

اس کا انکار کر دینا کس طرح سے اسلام ہو سکتا ہے اور پھر جبکہ وہ ایک ایسا شخص ہے کہ اس کے واسطے آسمان پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید میں نشان ظاہر کئے اور زمین پر بھی معجزات دکھائے۔ اس کی تائید کے واسطے طاعون آیا اور کسوف وخسوف اپنے مقررہ وقت پر بموجب پیشگوئی عین وقت پر ظاہر ہو گیا۔ تو کیا ایسا شخص جس کی تائید کے واسطے آسمان نشان ظاہر کرے اور زمین اُنؤقت کہے وہ کوئی معمولی شخص ہو سکتا ہے کہ اسکا ماننا اور نہ ماننا برابر ہو اور لوگ اسے نہ مان کر بھی مسلمان اور خدا کے پیارے بندے بنے رہیں؟ ہرگز نہیں۔

یاد رکھو کہ موعود کے آنے کی کل علامات پوری ہو گئی ہیں۔ طرح طرح کے مفاسد نے دُنیا کو گندہ کر دیا ہے خود مسلمان علماء اور اکثر اولیاء نے مسیح موعود کے آنے کا یہی زمانہ لکھا ہے کہ وہ چودھویں صدی میں آئے گا۔ حجج الکرامہ میں بھی اسی چودھویں صدی کے متعلق لکھا ہے اور کوئی بھی نہیں جو اس صدی سے آگے بڑھا ہو۔ تیرھویں صدی سے تو جانوروں نے بھی پناہ مانگی تھی اور لکھا ہے کہ اب چودھویں صدی مبارک ہو گی۔ اس قدر متفقہ شہادت کے بعد بھی جو کہ اولیاء اور اکثر علماء نے بیان کی۔ اگر کوئی شبہ رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ قرآن شریف میں تدبر کرے اور سورۃ النور کو غور سے مطالعہ کرے۔ دیکھو جس طرح حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد حضرت عیسیٰ آئے تھے اسی طرح یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی ہی میں مسیح موعود آیا ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰ سلسلہ موسوی کے خاتم الخلفاء تھے۔ اسی طرح ادھر بھی مسیح موعود خاتم الخلفاء ہو گا۔

اسلام اس وقت اس بیمار کی طرح تھا جس کی زندگی کا جام لبریز ہو چکا ہو۔ اسلام پر ظلم کیا گیا اور بڑی بے رحمی سے دشمن چاروں طرف سے اپنے پورے ہتھیاروں سے اس کو نیست ونابود کرنے کے واسطے مسلح وتیار ہو کر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اسلام اس وقت مُردہ ہو چکا تھا اور اندرونی اور بیرونی حملوں سے نیم جان۔ اسلام کی شمع کا اب آخری وقت تھا اور اس کی گردن پر بڑی بے رحمی سے چھری پھیری جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) کس وقت کے لیے کیا گیا تھا؟ کیا ابھی کوئی اور مصیبت بھی رہ گئی تھی جو اسلام پر آنی باقی ہو؟ یاد رکھو حفاظت سے اوراق کی حفاظت ہی مراد نہیں بلکہ اس کی تشریح ایک حدیث میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ قرآن شریف دُنیا سے اُٹھ جاوے گا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ لوگ قرآن کو پڑھتے ہوں گے تو اُٹھ کیسے جاوے گا؟ فرمایا کہ میں تو تمہیں عقلمند خیال کرتا تھا مگر تم بڑے بیوقوف ہو کیا عیسائی انجیل نہیں پڑھتے؟ اور کیا یہودی توریت نہیں پڑھتے؟ قرآن شریف کے اُٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ قرآن شریف کا علم اُٹھ جاوے گا اور ہدایت دُنیا سے نابود ہو جاوے گی۔ انوار اور اسرار قرآنیہ سے لوگ بے بہرہ ہو جاویں گے اور عمل کوئی نہ کریگا۔

قرآن جس کے سکھانے کو آیا ہے لوگ اس راہ کو ترک کر دیں گے اور اپنی ہوا و ہوس کے پابند ہو جاویں گے۔ جب یہ حال ہوگا تو اَبنائے فارس میں سے ایک شخص آوے گا اور وہ دین کو از سرِ نو واپس لائے گا اور دین کو اور قرآن کو از سرِ نو تازہ کرے گا۔ قرآن کی کھوئی ہوئی مُعظمت اور بھولی ہوئی ہدایت اور ثریا پر چڑھ گیا ہوا ایمان دوبارہ دُنیا میں پھیلا وے گا۔ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ (ابناء فارس)

غرض قرآن شریف سے اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس اُمت میں آخری زمانہ میں ایک خلیفہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے اور اس کے علامات اور نشانات بھی بتا دیئے گئے ہیں۔ ہمیں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ہے۔ اب ہر شخص کا جو خدا اور رسُول سے پیار کرتا ہے اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہتا ہے فرض ہے کہ اس معاملہ میں غور کرے کہ آیا ہم نے جو دعویٰ کیا ہے سچا ہے کہ جھوٹا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والوں کے ساتھ خدائی نشان ہوتے ہیں۔ صرف نرا زبانی دعویٰ قابلِ پذیرائی نہیں ہوتا۔

منجملہ اور علامات کے جو ہمارے آنے کے واسطے اللہ اور رسول کی کتابوں میں مندرج ہیں ایک اونٹوں کی سواریوں کا معطل ہو جانا بھی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو قرآن شریف نے بالفاظ ذیل تعبیر کیا ہے وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا۔

اب سوچنے والے کو چاہیئے کہ ان امور میں جو آج سے تیرہ سو برس پہلے خدا اور اس کے رسول کے مُنہ سے نکلے اور اِس وقت وہ الفاظ بڑی شان اور شوکت سے پورے ہو کر اپنے کہنے والوں کے جلال کا اظہار کر رہے ہیں۔ دیکھئے اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کیسے کیسے سامان پیدا ہو رہے ہیں حتیٰ کہ حجاز ریلوے کے تیار ہو جانے پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر بھی۔ بجائے اونٹ کے ریل کے ذریعہ ہوا کریں گے اور اونٹنیاں بیکار ہو جاویں گی۔

رہی یہ بات کہ ان پیشگوئیوں کو مسیح موعود کے لفظ سے کیا تعلق ہے کیونکہ قرآن شریف میں تو مسیح موعود کا نام کہیں نہیں آیا۔ سو اس کے واسطے یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم خاتم الخلفاء ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خاتم الخلفاء کا قربِ قیامت کے وقت ظہور ہونے کا وعدہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر ہمیں بار بار بذریعہ الہام الٰہی اس امر کی بھی اطلاع دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بھی ہمارا ہی نام رکھا ہے جس کے آنے کے متعلق احادیث میں وعدہ تھا۔ یاد رکھو کہ جو شخص احادیث کو ردّی کی طرح پھینک دیتا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے کہ جو بغیر مدد احادیث ادھورا رہ جاتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ مجھے احادیث کی ضرورت

نہیں وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتا۔ اسے ایک دن قرآن کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

پس قرآنِ شریف میں جس شخص کا نام خاتم الخلفاء رکھا گیا ہے اسی کا نام احادیث میں مسیح موعود رکھا گیا ہے اور اسی طرح سے دونو ناموں کے متعلق جتنی پیشگوئیاں ہیں وہ ہمارے ہی متعلق ہیں۔ خلیفہ کہتے ہیں پیچھے آنے والے کو۔ اور کامل وہ ہے جو سب سے پیچھے آوے۔ اور ظاہر ہے کہ جو قربِ قیامت کے وقت آوے گا وہی سب سے پیچھے ہوگا۔ لہٰذا وہی سب سے اکمل اور افضل ہوا۔ صرف تغیّرِ الفاظ ہی ہے۔ قرآنِ شریف نے خلیفہ کے لفظ سے پکارا ہے اور حدیث میں اس کو مسیح موعود کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔ رہا یہ کہ ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت کیا ہے۔ سو یاد رکھو کہ ہماری صداقت کا ثبوت وہی ہے جو ہمیشہ سے انبیاء اور ماموروں کا ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا جو ثبوت کوئی شخص پیش کر سکتا ہے اسی دلیل سے ہم اپنے دعویٰ کا صدق ظاہر کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے خدا تعالیٰ ہی کی گواہی سے سچے ٹھہرا کرتے ہیں۔ دعویٰ تو صادق بھی کرتا ہے اور کاذب بھی۔ اور نفسِ دعویٰ کرنے میں تو دونوں یکساں ہیں مگر اُن میں مابہ الامتیاز بھی تو ہوتا ہے۔

بھلا فرض کرو کہ مسیح موعودؑ کا ذکر قرآن میں بھی نہ ہوتا اور حدیث میں بھی پایا نہ جاتا تو پھر کیا تھا؟ پھر بھی صادق اپنے نشانوں سے شناخت کر لیا جاتا۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کا ذکر بھلا کس پہلی کتاب میں درج تھا؟ کوئی بتا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے آنے کی خبر اور پیشگوئی کس کتاب میں موجود تھی؟ پھر حضرت موسیٰؑ کس طرح نبی مان لئے گئے؟ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی تازہ تازہ گواہی ہی صدق کی دلیل ہو سکتی ہے۔ صرف دعویٰ بلا دلیل صدق کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس دعویٰ کے ساتھ خدائی شہادت نہ ہو وہ جھوٹا ہے اور خدا کے مؤاخذہ کے قابل ہے۔ جھوٹے مدعی کو خدا خود ہلاک کرتا ہے اور اس کو مہلت نہیں دی جاتی کیونکہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے اور حق و باطل میں گڑبڑ ڈالنا چاہتا ہے۔

مَیں اِسی شریعت کی خدمت اور تجدید کے واسطے آیا ہوں

مَیں کوئی نئی بات نہیں لایا اور نہ ہی مَیں نے کوئی نئی شریعت قائم کی ہے۔ مَیں اسی شریعت کی خدمت اور تجدید کے واسطے آیا ہوں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے تھے اور میری سچائی دعویٰ کے لیے بھی منہاجِ نبوت پر ہی نشان موجود ہیں۔ مَیں نے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ ابھی ایک تازہ کتاب حقیقۃ الوحی مَیں نے لکھی ہے اس کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جاوے کہ کسقدر نشان خدا تعالیٰ نے میری تائید کے واسطے ظاہر فرمائے۔ کیا یہ کسی جھوٹے کے واسطے بھی دکھائے جاتے ہیں؟ دیکھو بعض انبیاء صرف ایک ہی معجزہ سے صادق قبول کر لیے گئے۔ مگر یہاں تو ہزاروں نشان موجود ہیں۔ پھر ہم اگر کسی نئے دین کا دعویٰ کرتے۔ کتاب اللہ کے خلاف کوئی نیا حکم اپنی طرف سے بیان کرتے۔ سنّتِ رسُول

صلی اللہ علیہ وسلم میں کمی بیشی کرتے یا ان کو منسوخ کرنے کا دعویٰ کرتے۔ نماز، روزہ اور حج کے مسائل میں کوئی تغیر تبدل کرتے تو اس قسم کا کوئی دغدغہ اور شک وشبہ بھی بجا تھا۔ مگر ہم تو کہتے ہیں کہ کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے روگردانی کرنے والا ہی ہمارے نزدیک جب کافر ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال جو کوئی نئی شریعت لانے کا دعویٰ کرے یا قرآن اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تغیر تبدل کرے یا کسی حکم کو منسوخ جانے ہمارے نزدیک تو مومن وہی ہے جو قرآن شریف کی سچی پیروی کرے اور قرآن شریف ہی کو خاتم الکتب یقین کرے اور اسی شریعت کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لائے تھے۔ اسی کو ہمیشہ تک رہنے والی مانے اور اس میں ایک ذرہ بھر اور ایک شوشہ بھی نہ بدلے اور اس کی اِتباع میں فنا ہو کر اپنا آپ کھو دے اور اپنے وجود کا ہر ذرہ اسی راہ میں لگائے عملاً اور علماً اس کی شریعت کی مخالفت نہ کرے تب پکا مسلمان ہوتا ہے۔ البتہ ہمارے اوپر جو کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے کسی نئی اور تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے بلکہ مکالمہ مخاطبہ کی کثرت کیا بلحاظ کمیت اور کیا بلحاظ کیفیت کی وجہ سے نبی کہا گیا ہے۔ اب اس مجلس میں اگر کوئی صاحب عبرانی یا عربی سے واقف ہے تو وہ جان سکتا ہے کہ نبی کا لفظ نبأ سے نکلا ہے اور نبأ کہتے ہیں خبر دینے کو۔ اور نبی کہتے ہیں خبر دینے والے کو۔ یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کلام پاکر جو غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیاں ہوں مخلوق کو پہنچانے والا اسلامی اصطلاح کی رُو سے نبی کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ (البقرۃ: ۳۲) اصل میں ہماری اور ان لوگوں کی نزاع صرف لفظی ہے۔

ہمارے مخالف اگر تقویٰ طہارت نہ چھوڑیں اور تعصب اور عناد نہ کریں تو سب جانتے ہیں اور متقدمین بزرگ اور اولیاء اللہ صاف لکھ گئے ہیں وَ لِلّٰہِ بِاَوْلِیَاءِہٖ مُکَالِمَاتٌ وَّ مُخَاطِبَاتٌ دُنیا میں صدہا نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں بلکہ سچی خواب تو بعض اوقات بلا امتیاز نیک و بد کافر و مسلم کو بھی آ جاتی ہے۔ بعض وقت زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کو، چوہڑے چماروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں۔ پھر مومن کو جو کہ بوجہ اپنے ایمان صحیح کے ان سے بڑھ کر اس بات کا مستحق ہے کیوں سچی خواب یا کشوف اور الہامات نہ ہونے جاویں۔ بلکہ مومن کو بہت بڑھ چڑھ کر یہ سب باتیں میسر آ سکتی ہیں۔

اس سے یہ مت خیال کرو کہ اس طرح صادقوں اور مامورین انبیاء و رسل کی رؤیا اور کشوف اور الہامات کی بے رونقی ہوتی ہے یا ان کی شان میں کوئی فرق یا بے وقعتی لازم آتی ہے۔ نہیں بلکہ یہ امور تو اس وحی نبوت اور خدا تعالیٰ کے مکالمات مخاطبات کے واسطے جو کہ اس کے انبیاء اور رسولوں کو اس کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کی صداقت کی ایک قوی دلیل ہیں کیونکہ اگر اس کا بیج ان لوگوں میں نہ پایا جاتا تو

ممکن تھا کہ وہ فاسق فاجر اور بے دین لوگ وحی اور الہام کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتے اور پھر ان کا اعتراض قوی ہوتا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے انبیاء اولیاء کے مکالمات اور مخاطبات اور وحی نبوت کے واسطے بطور تحمہ یدی یہ ایک شہادت ہر طبقہ کے لوگوں میں خود ان کے نفسوں میں پیدا کر دی تاکہ انسان کو انکار کرنے کے واسطے کوئی مفر نہ رہ جاوے اور اندر ہی اندر ملزم ہوتا رہے۔

سلسلۂ مکالمہ و مخاطبہ اسلام کی رُوح ہے

قاعدہ کی بات ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا نمونہ نہ دیا جاوے تو اس کے متعلق شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ بات صرف صرف اسلام ہی میں پائی جاتی ہے اور یہ صداقتِ مذہب کی ایک اعلیٰ دلیل ہے جو کسی دوسرے مذہب میں پائی نہیں جاتی۔ اسلام ہی خدا کو پسند اور خدا تعالیٰ کا مقرب و مقبول مذہب ہے اس واسطے اس نے محض اپنے رحم سے اسلام میں مسلمانوں کو ٹھوکر اور شبہات سے بچانے کے واسطے سلسلہ مکالمات اور مخاطبات کا ہمیشہ جاری رہنے والا اکمل فیضان عطا کیا۔ لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات اکثر جاگزیں ہو جایا کرتے ہیں کہ میں بھی انسان ہوں اور یہ مدعی الہام بھی آخر میری ہی طرح کا انسان ہے تو کیا وجہ ہے کہ مجھے الہام اور مکالمہ الٰہیہ نہیں ہوتا اور اس کو ہوتا ہے۔ اس واسطے ایسے شبہات کا قلع قمع کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اس فیضان کی ایک جھلک بطور نمونہ رکھ دی۔ دیکھو جس طرح ایک پیسہ لاکھ دو لاکھ پیسوں کے وجود کے لیے اور ایک روپیہ کروڑ دو کروڑ روپوں اور خزائن کے واسطے دلیل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک سچا خواب الہام کے واسطے دلیلِ صحیح ہو سکتا ہے۔ سچے خواب بطور ایک نمونہ کے فطرتِ انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں تاکہ اس نقطہ سے اس انتہائی کمال فیضان کا وجود یقین کر لیا جاوے۔ جب ایک خواب معمولی بلکہ ادنیٰ درجہ کے انسان کو بھی ممکن ہے تو کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کے کامل اور پاک مطہر انسان میں اس خواب کا اعلیٰ مرتبہ جس کو الہام کہتے ہیں موجود نہ ہو۔ کیونکہ سچا خواب بھی کمالاتِ نبوت کا ایک ادنیٰ ترین حصہ ہے۔

یاد رکھو کہ سلسلۂ مکالمہ مخاطبہ اسلام کی روح ہے۔ ورنہ اگر اسلام کو یہ شرف حاصل نہ ہوتا تو یقیناً اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مُردہ مذہب ہوتا۔ اس بات کو خوب سمجھ لو کہ اگر اسلام اس فضلِ الٰہی اور برکت سے خالی ہوتا تو یقیناً اسلام میں بھی کوئی وجہ فضیلت نہ تھی۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ وہ اس قسم کے زندہ نمونے اسلام میں ہر صدی کے سر پر بھیجتا رہا ہے اور اس طرح سے ہمیشہ اسلام کا زندہ مذہب ہونا دُنیا پر ثابت کرتا رہا ہے۔

اسلام ایک وقت وہ مذہب تھا کہ ایک شخص کے مُرتد ہو جانے سے قیامت برپا ہو جاتی تھی، مگر اب

وہی اسلام ہے کہ لاکھوں انسان اس سے مُرتد اور بے دین ہو گئے۔ اندرونی بیرونی دشمنوں کے حملوں سے اسلام کو نابود کرنے کی کوشش کی گئی اور اسلام کی ہتک کی گئی۔ پاؤں کے نیچے روندا اور کچلا گیا۔ خود مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے دین کی حقیقت سے بے خبر ہو کر دین کے دشمن ثابت ہو رہے ہیں۔ اب بتاؤ کہ وہ کونسی ضلالت اور گمراہی باقی ہے جس کی اب انتظار کی جاتی ہے۔ عیسائیوں میں پادری فنڈر کی کتابیں مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ وہ لکھتا ہے کہ اسلام میں ایک بھی پیشگوئی نہیں جو کی گئی اور نہ ہی کوئی پوری ہوئی۔ الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم: ۲،۳) والی پیشگوئی کو بھی وہ غلط اور ڈھکوسلا بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) واقعات موجود کو دیکھ کر ایسا اندازہ کر لیا تھا اور اس طرح سے پیشگوئی کر دی تھی۔ اس کے سوا اور سینکڑوں کتابیں اور رسائل ہیں جو اسلام کے خلاف لکھے گئے۔ کوئی مسلمان کسی عیسائی کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور دشمنانِ اسلام کو کوئی دندان شکن جواب نہیں دے سکتا۔ اگر اسلام اور اسلام کی زندگی صرف پرانے قصے کہانیوں پر ہی آ رہی ہے تو پھر یاد رکھو کہ اسلام آج بھی نہیں ہے اور کل بھی نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ اسلام کی جس طرح خدا تعالیٰ نے ابتداء میں حمایت کی اور کرتا آیا ہے۔ اسی طرح آج بھی اسلام کی حمایت میں وہ تازہ بتازہ نشان دکھا سکتا ہے اور ہر مومن کے واسطے وہ بشرطیکہ کوئی مومن ہو فرقان پیدا کر سکتا ہے مگر یہ ہیں نام کے مُلّاں اور حامیانِ دینِ متین کہ خود منبروں پر چڑھ کر بلند آوازوں سے کہتے ہیں کہ اب اسلام میں نشان دکھانے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے خود جلسہ مہوتسو میں جہاں کہ تمام مذاہب کے لوگ جمع تھے اس بات کا اقرار کیا کہ افسوس ہے کہ اسلام میں آجکل ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو نشان دکھا سکیں۔ گویا خود اقرار کر لیا کہ ہمارا مذہب بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مُردہ مذہب ہے اور زندگی کی جو علامات ہوتی ہیں وہ اب اس میں موجود نہیں ہیں۔

اب غور کرو کہ اسلام کی عزت ایسی ہی باتوں میں ہے؟ نہیں! بلکہ اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہو گی کہ اسلام کو ایسے لوگوں سے خالی مانا جاوے جن سے خدا تعالیٰ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہو اور جن کی صداقت کے ثبوت کے واسطے ان کے ساتھ زبردست غیب پر مشتمل نشان موجود ہوں۔ یاد رکھو کہ اگر خدانخواستہ ایسا بھی کوئی زمانہ آجاوے کہ اسلام میں یہ برکات نہ رہیں تو یقین رکھو کہ اسلام بھی اور مذہبوں کی طرح مر گیا۔ کیونکہ زندگی کی جو علامت تھی جب وہی مفقود ہے تو پھر زندگی کیسی؟ دیکھو برہمو بھی تو لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں وہ اگر تم سے سوال کریں کہ محمد رسول اللہ کے زیادہ کرنے سے تم میں کیا طاقت اور خصوصیت پیدا ہو گئی؟ تو بتاؤ ان کو کیا جواب دو گے؟ مسلمان کو چاہیئے کہ ایک ایسی زبردست بات پکڑے اور ایسا اصول اختیار کرے کہ جس سے وہ دوسروں پر غالب آجاوے۔ اچھا اگر یہی بات ہے تو پھر بتاؤ تو سہی کہ تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہی کیا ہے جبکہ برہمو بھی

توحید کے قائل ہیں۔ عیسائی بھی توحید کے خیالات رکھتے ہیں۔ آریہ بھی توحید کے حامی بنتے ہیں۔ یہودی بھی مُوحِد ہیں۔ ہم نے ایک خط فاضل یہودی کو لکھا تھا کہ توحید کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ اس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ ہماری تعلیم توحید کی ہے اور ہمارا وہی خدا ہے جو قرآن کا خدا ہے۔ اب یہ سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جب یہ لوگ بھی توحید کا ہی دعویٰ کرتے ہیں تو مسلمانوں میں خصوصیت کی وجہ کیا ہے۔

حق و باطل میں تمیز کرنیوالے معجزات

رہی نظری اور دقیق بحثیں سو وہ تو ذبح کرنیوالی باتیں ہیں۔ بحثوں سے کبھی کوئی مانا نہیں ہو دیکھو لیکھرام کا مجھ سے مقابلہ ہوا تھا۔ اس نے میرے واسطے پیشگوئی کی تھی کہ تین برس میں مرجاؤ نگا میں نے خدا سے خبر پاکر اس کے حق میں پیشگوئی کی تھی کہ چھ برس میں بذریعہ قتل ہلاک ہوگا۔ لیکھرام کی کتاب "خبط احمدیہ" کھول کر دیکھ لو کہ کس طرح اس نے رو رو کر گریہ و بکا سے پرمیشر کے حضور نہایت عجز و انکسار سے التجا کی ہے اور خدا تعالیٰ سے صادق کی تائید اور نصرت اور کاذب کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ مانگا ہے تاکہ حق و باطل میں تمیز ہو سکے۔ اور دُنیا پر ظاہر ہو جاوے کہ آریہ مت اور مذہب اسلام دونو میں سے خدا کے حضور کونسی راہ پیاری اور منظور ہے اور کونسی مردود۔ آخر کار جو فیصلہ ہوا ایک دُنیا اس کو جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے کس کی تائید کی اور کون نامراد مرا۔ اور اس طرح سے سچے اور جھوٹے اور اسلام اور آریہ مذہب کا ہمیشہ کے واسطے تصفیہ ہوگیا۔[1]

یہ ہیں خدا کے نشان اور ان کا نام ہے مابہ الامتیاز۔ خشک مباحثات سے کیا ہو سکتا ہے۔ بھلا کبھی کسی نے دیکھا بھی کہ مباحثہ سے کسی نے ہار منوائی ہو؟ ایک طرف خبط احمدیہ کو لے لو اور دوسری طرف میری کتابوں کو لے لو جن میں یہ پیشگوئی بڑی بسط سے درج ہے پھر مقابلہ کرو کہ کونسا خدا کا کلام ہے اور کونسا شیطان کا۔ اگر میرا نطق خدا کی طرف سے اور خدا کے حکم سے نہ ہوتا تو کیا ممکن نہ تھا کہ میں ہی مرجاتا اور وہ زندہ رہتا کیونکہ ظاہر اسباب اس بات کے متقاضی تھے۔ میں اس کی نسبت عمر میں زیادہ تھا اور پھر بیماری میرے لاحق حال تھی مگر برخلاف اس کے وہ مضبوط توانا اور تندرست تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے سوا اور بھی جس جس نے مباہلہ کیا وہی ذلیل ہوا۔ ہلاک ہوا۔ غلام دستگیر قصوری۔ محی الدین لکھوکے والا۔ ان لوگوں نے مباہلے کئے اور خود ہی ہلاک ہو کر ہماری صداقت پر ہمیشہ کے واسطے مہریں کر گئے۔ مولوی چراغ دین جموں والا نے میری نسبت پیشگوئی کی کہ طاعون سے مرے گا اور مباہلہ کیا۔ مگر دیکھو خود ہی طاعون سے مرا۔ ایک فقیر مرزا تھا۔ اس نے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۱ صفحہ ۳ تا ۶ مورخہ ۶ رمئی ۱۹۰۸ء

بھی اعلان کیا تھا کہ مرزا رمضان کے مہینے میں مرجائے گا۔ مجھے عرش سے یہ خبر دی گئی ہے۔ آخر جب وہ رمضان کا مہینہ آیا تو خود ہلاک ہوگیا۔ بابو الٰہی بخش صاحب نے بھی ہماری نسبت اپنی کتاب میں طاعون سے مرنے کی پیشگوئی کی تھی مگر آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ کس طرح مرے۔

اب بتاؤ کہ معجزات کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ ڈوئی جو سمندروں کے پار بیٹھا تھا جب وہ ہمارے مقابلہ میں آیا اور ہم نے خدا سے خبر پاکر اس کے واسطے اس کی پر حسرت ہلاکت کے واسطے پیشگوئی کی تو فوراً اس پر آثار ادبار ظاہر ہونے شروع ہوگئے اور آخر کار بڑی نامرادی سے مفلوج ہوکر اور طرح طرح کے دُکھ اور ذلتیں دیکھتا ہوا ہلاک ہوگیا۔ غرضکہ اگر نشانات کی ایک کتاب بنائی جاوے تو یقین ہے کہ پچاس جزو کی ایک کتاب تیار ہو۔ دیکھو عبداللہ آتھم بھلا اب کہاں ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے کوئی نیا معجزہ دکھاؤ۔ خدائی نشانات کیا باسی ہوگئے ہیں اور وہ ردی ہو گئے ہیں کہ ان کو ردّ کر دیا جاتا ہے اور اپنی مرضی کے نشانات مانگے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کا ماتحت ہوکر نہیں چلنا چاہتا کہ وہ کسی کی مرضی کا تابع ہو۔ وہ نشان دکھا رہا ہے مگر اپنی مرضی کے موافق دکھاتا ہے کیا ان سے تسلی نہیں ہوتی کہ اور مانگے جاتے ہیں۔

الغرض قرآن شریف میں آخری زمانہ کے موعود کا نام خلیفہ رکھا گیا ہے اور احادیث نبویہ میں مسیح کے نام سے اس کو یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دو نام رکھے ہیں جو کہ ہماری کتاب میں جس کو عرصہ چھبیس سال ہوگیا کہ چھپ کر شائع ہوگئی اور دوست دشمن کے ہاتھ میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک الہام میں یوں آیا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور ایک دوسرے الہام میں ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ۔ غرض حدیث اور قرآن شریف کے رو سے اللہ تعالیٰ نے ہمارا ہی یہ نام رکھا ہے اور آنے والا موعود ہمیں ہی مقرر فرمایا ہے۔

مسیح ناصری تو مرگیا اور قرآن شریف میں بار بار اس کی وفات کا بڑے زور سے ذکر کیا گیا ہے۔ وہ تو اب کسی طرح زندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو بٹھا دیا تو اب بھی اس کا انتظار کرنا کیسی نادانی اور جہالت ہے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ لوگ جو اس معاملہ میں بحث کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارے منہ مانگے نشان دیئے جاویں۔ دیکھو صدہا نبی ایسے بھی آئے کہ ان کی پیشگوئی کسی پہلی کتاب میں نہیں کی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ سچے نبی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہیبت ہوتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اس کے ساتھ خدائی نشان اور تائید کا عَلَم لازمی طور سے ہوتا ہے۔ دیکھو بائیبل، انجیل، قرآن، حدیث میں جن معجزات کا ذکر ہے دشمن ان کو نہ ماننے کے کئی وجوہ پیدا کر سکتا ہے۔ تحریف تبدیل کا الزام لگا سکتا ہے اور

اور رنگ کے دوسرے پہلو کے معنے کر سکتا ہے۔ غرضکہ گذشتہ امور پر ہی اگر فیصلہ کا انحصار اور دارومدار ہو تو اس میں بڑی مشکلات پیش آسکتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حق و باطل میں خلط ہو اور حق دنیا پر مشتبہ رہے۔ اسی واسطے اس کی سُنّت ہے کہ وہ تازہ بتازہ نشانات سے امرِ حق کا ہمیشہ اظہار کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جبکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں مامور کر کے بھیجا اور مسیح موعود اور خاتم الخلفاء ہمارا نام رکھا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ قُلْ عِنْدِیْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یعنی ساتھ ہی اپنی شہادت اور گواہی بھی عطا فرمائی۔ پس اس وقت ہمارے ساتھ بھی خدائی شہادت موجود ہے۔ کوئی بھی اعتراض جو منہاجِ نبوت پر قرآن اور حدیث کی رو سے ہو ہم اس کا جواب دینے کو ہر وقت تیار ہیں۔ ہر مدعی سے یہی ہوتا ہے کہ اس کے صدقِ دعویٰ کا ثبوت مانگا جاتا ہے۔ سو ہم اس امتحان کے واسطے ہر وقت تیار ہیں بشرطیکہ منہاجِ نبوت پر ہو۔

خدا جانے ان پرانے قصوں میں کیا رکھا ہے کہ یہ لوگ تازہ بتازہ نشانات کو تو نہیں مانتے اور قصوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ قصوں سے تمہیں حاصل ہی کیا؟ یہودیوں کے قصے تو تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں تو کیا ان کو مان لو گے؟ ہر قوم میں قصوں کی بھرمار ہے مگر خشک قصے تقویتِ ایمان اور تازگیٔ رُوح کے واسطے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ قصوں والا ایمان بھی کچھ بودا ہی ہوتا ہے۔ تازہ بتازہ نشانات اور خدا تعالیٰ کی گواہی کو جو لوگ نہیں مانتے ان کی سزا ہی آخر یہی ہے کہ وہ قصے کہانیوں کے پیرو ہیں۔

خلفاء اور مصلحین کا مُدّعا

سوال کیا گیا کہ خلیفہ کے آنے کا مدعا کیا ہوتا ہے؟

فرمایا:-

اصلاح۔ دیکھو حضرت آدم سے اس نسلِ انسانی کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک مدتِ دراز کے بعد جب انسانوں کی ملی حالتیں کمزور ہو گئیں اور انسان زندگی کے اصل مدعا اور خدا کی کتاب کی اصل غایت بھول کر ہدایت کی راہ سے دُور جا پڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک مامور اور مُرسل کے ذریعہ سے دُنیا کو ہدایت کی اور ضلالت کے گڑھے سے نکالا۔ شانِ کبریائی نے جلوہ دکھایا اور ایک شمع کی طرح نورِ معرفت دُنیا میں دوبارہ قائم کیا گیا۔ ایمان کو نورانی اور روشنی والا ایمان بنا دیا۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سُنّت چلی آتی ہے کہ ایک زمانہ گذرنے پر جب پہلے نبی کی تعلیم کو لوگ بھول کر راہ راست اور متاعِ ایمان اور نورِ معرفت کو کھو بیٹھتے ہیں اور دُنیا میں ظلمت اور گمراہی، فسق و فجور کا چاروں طرف سے خطرناک اندھیرا چھا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات جوش مارتی ہیں اور ایک بڑے عظیم الشان انسان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا نام اور توحید اور اخلاقِ فاضلہ پھر نئے سرے سے دُنیا میں اس کی معرفت قائم

کرکے خدا تعالیٰ کی ہستی کے بیّن ثبوت ہزاروں نشانوں سے دیئے جاتے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ کھویا ہوا عرفان اور گذشتہ تقویٰ طہارت دُنیا میں قائم کی جاتی ہے اور ایک عظیم الشان انقلاب واقع ہوتا ہے۔ غرض اسی سنّتِ قدیمہ کے مطابق ہمارا یہ سلسلہ قائم ہوا ہے۔

یاد رکھو کہ ایمان ہی ایمان کو پہچانتا ہے اور روشنی سے روشنی کی شناخت ہوتی ہے سُورج دُنیا میں موجود ہے مگر جس کی آنکھ میں ہی نُور نہ ہو وہ سُورج سے فائدہ ہی کیا اُٹھا سکتا ہے۔ مُنہ سے یہ دعویٰ کر دینا کہ ہمیں کسی امام یا مصلح کی کیا ضرورت ہے۔ بڑا خطرناک ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے پانے کے واسطے بڑی بڑی سخت مشکلات اور دشوار گذار گھاٹیاں ہیں۔ ایمان صرف اسی کا نام نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان ایک نہایت باریک اور گہرا راز ہے اور ایک ایسے یقین کا نام ہے جس سے جذباتِ نفسانیہ انسان سے دُور ہو جاویں۔ اور ایک گناہ سوز حالت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے۔ جن کے وجود میں ایمان کا سچا نُور اور حقیقی معرفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی حالت ہی کچھ الگ ہو جاتی ہے اور وہ دُنیا کے معمولی لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ممتاز ہوتے ہیں۔ کوئی ایک گناہ چھوڑ کر ایسا مغرور ہو جانا اور مطمئن ہو جانا کہ بس اب ہم مومن بن گئے اور تمام مدارجِ ایمان ہم نے طے کر لیے۔ یہ ایک اپنا خیال ہے۔

دیکھو انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ پس جب تک لمبے تجربہ اور استقامت سے یہ امر پایۂ ثبوت نہ پہنچ جاوے کہ واقعی اب تم نے خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیا ہے اور تمہاری حالت گناہ سوز مستقل ہو گئی ہے اور تم کو نفسِ امّارہ اور لوّامہ سے نکل کر نفسِ مطمئنّہ عطا کیا گیا ہے اور عملی طور سے سچی پاکیزگی تم نے حاصل کر لی ہے تب تک مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

ترکِ شر اور کسبِ خیر کے مراتب

دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ (الاعلیٰ: ۱۵) فلاح وہ شخص پاوے گا جو اپنے نفس میں پوری پاکیزگی اور تقویٰ طہارت پیدا کر لے اور گناہ اور معاصی کے ارتکاب کا کبھی بھی اس میں دورہ نہ ہو اور ترکِ شر اور کسبِ خیر کے دونو مراتب پورے طور سے یہ شخص طے کر لے تب جا کر کہیں اسے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ایمان کوئی آسان سی بات نہیں۔ جب تک انسان مر ہی نہ جاوے تب تک کہاں ہو سکتا ہے کہ سچا ایمان حاصل ہو۔

دیکھو ایمان کی دو ہی نشانیاں ہیں۔ اوّل درجہ یہ ہے کہ گناہ کو انسان چھوڑ دے اور ایسی حالت اس کو میسر آجاوے کہ گناہ کرنا گویا آگ میں پڑنا ہے یا کسی کالے سانپ کے مُنہ میں انگلی دینا ہے یا کوئی خطرناک زہر کا

پیالہ پینے کے برابر ہے۔ پھر یاد رکھو کہ صرف ترکِ شر ہی نیکی نہیں ہے۔ نیکی اس میں ہے کہ ترکِ شر کے ساتھ ہی کسبِ خیر بھی ہو۔ ترکِ گناہ میں جب انسان اس درجہ تک ترقی کر جاوے تو پھر چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق سنتِ رسول پر بڑی سرگرمی سے نیک اعمال کو بجالاوے اور کوئی روک اس کی طبیعت میں پیدا نہ ہو اور انشراحِ صدر سے نیکی کرنے پر قادر ہو جاوے۔

دیکھو بعض لوگ فطرتاً ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں بعض قسم کے معاصی کے ارتکاب کی طاقت اور مادہ ہی نہیں ہوتا۔ کیا ایک ایسا شخص جس کو قوتِ رجولیت دی ہی نہیں گئی یہ شیخی مار سکتا ہے کہ میں زنا نہیں کرتا۔ یا وہ جس کو دن بھر میں دو پیسے کی روٹی بھی مشکل سے میسر آتی ہے دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ یا ایک ضعیف، ناتواں، کس مپرس جو کہ خود ہی ذلیل و خوار پھرتا ہے کہ سکتا ہے کہ میں ہمیشہ صبر اور تحمل اور بردباری کرتا ہوں اور کسی کا مقابلہ نہیں کرتا۔ عفو کرتا ہوں۔ غرض بعض لوگ فطرتاً ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ بعض گناہوں پر قادر ہی نہیں ہو سکتے۔ ممکن ہے کہ بعض سادہ لوح انسان ایسے بھی ہوں کہ جنہوں نے عمر بھر میں کوئی بھی گناہ نہ کیا ہو۔ پس صرف ترکِ ذنوب ہی نیکی کی شرط نہیں بلکہ کسبِ خیر بھی اعلیٰ جزو ہے۔ کوئی انسان کامل نہیں ہو سکتا جب تک دونو قسم کے شربت پی نہیں لیتا۔ سورۂ دہر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایک شربت کافوری ہوتا ہے اور دوسرا شربت زنجبیلی۔ مقربوں اور برگزیدہ لوگوں کو دونو شربت پلائے جاتے ہیں۔ کافوری شربت کے پینے سے انسان کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور گناہ کے قویٰ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ کافور میں گندے مواد کے دبانے کی تاثیر ہے۔ پس وہ لوگ جن کو شربت کافوری پلایا جاتا ہے۔ ان کے گناہ والے قویٰ بالکل دب ہی جاتے ہیں اور پھر ان سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہی نہیں اور ایک قسم کی سکینت جس کو شانتی کہتے ہیں میسر آجاتی ہے اور ایک نور پانی کی طرح اُترتا ہے جو اُن کے سینے میں سے سارے گندوں کو دھو ڈالتا ہے اور سفلی زندگی کے تمام تعلقات ان سے الگ کر دیئے جاتے ہیں اور گناہ کی آگ کی بھڑک ہمیشہ کے واسطے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ مگر یاد رکھو صرف یہی امر نیکی اور خوبی نہیں ہے۔ ایک شخص کا ہمیں واقعہ یاد ہے کہ اس کی کسی نے دعوت کی اور کھانا وغیرہ کھلا چکنے کے بعد میزبان نے اپنے مہمان کی خدمت میں عذر کیا کہ میں جیسا کہ آپ کی خدمت کا حق تھا ادا نہیں کر سکا یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے اپنی طرف سے معذرت کی۔ مگر مہمان کچھ ایسا شوریدہ مغز تھا کہ میزبان کی اس بات سے بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا کہ کیا تم مجھ پر اس طرح سے اپنا احسان جتانا چاہتے ہو۔ تمہارا نہیں بلکہ میرا تم پر بہت بھاری احسان ہے۔ میزبان نے فرمایا کہ یہ اور خوشی کی بات ہے میں وہ بھی جاننا چاہتا ہوں۔ تو اس مہمان نے کہا کہ دیکھو جب تم سامانِ مہمان داری میں مصروف تھے اور میری طرف سے بالکل بے خبر تھے میں تنہا اس جگہ موجود تھا اگر میں تمہارے اس مکان میں آگ لگا دیتا تو تمہارا کتنا نقصان ہوتا۔ پس میں نے تم پر احسان کیا ہے

نہ کہ تم نے۔

غرض ترکِ شر کی یہ ایک مثال ہے مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ وہاں تو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ ترکِ ذنوب کو اللہ تعالیٰ نے شربتِ کافوری کی طونی سے تشبیہ دی ہے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو شربت زنجبیلی پلایا جاوے۔ زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں۔ زنجبیل مرکب ہے لفظ زَنَا اور جَبَل سے۔ زنجبیل کی تاثیر ہے کہ حرارتِ غریزی کو بڑھاتی ہے۔ اور لغوی معنے اس کے ہیں پہاڑ پر چڑھنا۔ اس میں جو نکتہ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح سے پہاڑ پر چڑھنا مشکل کام ہے اور وہ اس مقوی چیز کے استعمال سے آسان ہو جاتا ہے اسی طرح رُوحانی نیکی کے پہاڑ پر چڑھنا بھی سخت دشوار ہے وہ رُوحانی شربتِ زنجبیل سے آسان ہو جاتا ہے۔

خالص اعمال محض للہ اخلاص اور ثواب کے ماتحت بجالانا بھی ایک پہاڑ ہے اور سخت دشوار گذار گھاٹی سے مشابہ ہے۔ ہر ایک پاؤں کا یہ کام نہیں کہ وہاں پہنچ سکے۔ دیکھو دنیوی امور میں تو ایک ظاہر نتیجہ مدِ نظر ہوتا ہے اور امر مخصوص کے واسطے کوشش کی جاتی ہے اور ضمیر میں ایک خاص غرض اور مقصد مدِ نظر رکھ کر محنت کی جاتی ہے اور کامیابی کے واسطے کس قدر جان توڑ کوشش کی جاتی ہے۔ حصولِ عزت اور مدارج کے پانے کے واسطے کیسی کیسی جانکاہ سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں کہ بعض اوقات انسان ان محنتوں کی وجہ سے پاگل اور مجنون اور بعض اوقات ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ سِل اور دِق وغیرہ امراض اس کے لاحق حال ہو جاتی ہیں۔ جب دنیوی امتحانات کی گھاٹیاں ایسی مشکل ہیں تو پھر دینی اور روحانی مقاصد کی گھاٹیاں جن کے نتائج ابھی ایک قسم کے پردہ غیب میں ہیں اور بعض ظنی طبائع ان کے وجود اور عدمِ وجود میں بھی فیصلہ نہیں کر سکتے انکے حصول کے واسطے پھر کیسی کیسی محنت اور کوشش کی ضرورت ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ ہم ایک پھونک سے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں اور صرف لسانی اقرار سے ہی پاک ہو سکتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے اصلاح نہ کبھی دیکھی اور نہ سُنی۔

پاکیزگی کے مراحل بہت دور ہیں

یاد رکھو کہ پاکیزگی کے مراحل بہت دُور ہیں اور وہ ان خیالات سے بالاتر ہیں۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنا اور سچے طور سے صغائر کبائر سے بچ جانا ان لوگوں کا کام ہے جو ہر وقت خدا کو آنکھ کے سامنے رکھتے ہیں اور فرشتہ سیرت بھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ دیکھو ایک بکری کو اگر ایک شیر کے سامنے باندھ دیں تو وہ اپنا کھانا پینا ہی بھول جاوے چہ جائیکہ وہ اِدھر اُدھر کھیتوں میں مُنہ مارے اور لوگوں کی محنت اور جانفشانیوں سے پیدا کی ہوئی کھیتیوں سے کھا وے۔ پس یہی حال انسان کا ہے اگر اس کو یقین ہو کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا کم از کم خدا تعالیٰ مجھے

دیکھ رہا ہے تو بھلا پھر ممکن ہے کہ کوئی گناہ اس سے سرزد ہو سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ جب یقین اور قطعی علم ہو کہ اس جگہ قدم رکھنا ہلاکت ہے یا ایک سوراخ جس میں کالا سانپ ہو اور یہ خود اسے دیکھ بھی لیوے تو کیا اس میں انگلی ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض یہ فطرتِ انسانی میں ہی رکھا گیا ہے کہ جہاں اس کو ہلاکت کا یقین ہوتا ہے اس جگہ سے بچتا اور پرہیز کرتا ہے۔ جب تک اس درجہ تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو جاوے اور یہ یقین پیدا نہ ہو جاوے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے یا ایک خطرناک زہر ہے تب تک حقیقتِ ایمان کو نہیں سمجھا گیا اور بغیر ایسے کامل یقین اور معرفت کے پھر ایمان بھی اُدھورا ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کا اعمال پر بھی اثر نہ ہو۔ یا جو ایمان امتحانی حالات میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہ کر سکے کس کام کا ایمان ہے اور اس کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا کے کاروبار میں آرام سے زندگی بھی بسر کرتے رہیں اور خدا بھی مل جاوے اور انسان پاک بھی ہو جاوے اور اسے کوئی محنت اور کوشش نہ کرنی پڑے یہ بالکل غلط خیال ہے۔ کل انبیاء، اولیاء، اتقیاء اور صالحین کا یہ ایک مجموعی مسئلہ ہے کہ پاک کرنا خدا کا کام ہے اور خدا کے اس فضل کے جذب کے واسطے اتباعِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم از بس ضروری اور لازمی ہے جیسا کہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲) سورج دُنیا میں موجود ہے مگر چشم بینا بھی تو چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت لغو اور بے فائدہ نہیں ہے۔ جو ذرائع کسی امر کے حصول کے خدا تعالیٰ نے بنائے ہیں آخر انہیں کی پابندی سے وہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ کان سننے کے واسطے خدا نے بنائے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔ آنکھ جو دیکھنے کے واسطے بنائی گئی ہے وہ سننے کا کام نہیں کر سکتی۔ بس اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل کے فیضان کے حصول کی جو راہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ اُس سے باہر رہ کر کیسے کوئی کامیاب ہو سکتا ہے۔ حقیقی پاکیزگی اور طہارت ملتی ہے اِتّباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ خود خدا نے فرمایا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو رسولؐ کی پیروی کرو۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کسی نبی یا رسول کی کیا ضرورت ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پاک نہیں ہو سکتے جب تک کہ میں کسی کو پاک نہ کروں۔ تم اندھے ہو مگر جسے میں آنکھیں دوں۔ تم مُردے ہو مگر جسے میں زندگی عطا کروں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ دُعا میں لگا رہے اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کی سچی تڑپ اور سچی خواہش پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی محبت کی پیاس دل میں پیدا کرے تاکہ پھر خدا تعالیٰ کا فیضان بھی اس کی نصرت کرے اور اسے قدرت نمائی سے اُٹھائے۔ خدا تعالیٰ کی تلاش میں اور اس کی مرضی کے ڈھونڈنے میں فنا ہو جاوے تا خدا پھر اسے زندہ کرے اور شربتِ وصل پلاوے

اور اگر انسان جلدی کرے گا اور خدا تعالیٰ کی چنداں پروا نہ کرے گا یا معمولی طور سے لاپرواہی کرے گا تو پھر یاد رکھو کہ خدا بھی غنی عَنِ العالمین ہے۔ کیا کوئی ہے جو خدائی قانون کو مٹا سکے جو کہ اس نے فضل کے حصول کے واسطے بنا دیا ہے کہ فضل کے حصول کے امیدوار از راہِ نیاز اس دروازے سے داخل ہوں۔ جب ان کی امیدیں پوری ہوں گی ورنہ اگر تمام عمر بھی بھٹکتے پھریں بجز اس اصلی راہ کے (جو اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے) ہرگز ہرگز منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ایک راہ بتا دی ہے۔ ہلاک ہوگا وہ جو پیروی نہ کرے گا۔ مگر لوگ باوجود سمجھانے کے نہیں سمجھتے اور لاپرواہی کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس راہ کو جس کی ہم ان کو دعوت دیتے ہیں آزمائیں کہ آیا ہم سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ ہماری طرف سے تو خدا بحث کر رہا ہے اور اس نے ہماری تائید میں آجتک ہزاروں نشان بھی دکھائے۔ کون شخص ہے جس نے ہمارا کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو ابھی ایک انگریز امریکہ سے ہمارے پاس آیا تھا۔ وہ خود اقرار کر گیا ہے کہ واقعی میں ڈوئی آپ کی پیشگوئی کے عین منشاء کے مطابق مرا مگر وہ تو خود بُرا تھا۔

غرض ایک ڈوئی کیا ہزاروں روشن اور زبردست نشان موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی کا محکوم تو ہے نہیں وہ چاہے مُردے زندہ کرے یا زندوں کو مارے۔

غرض دنیا کے کاموں کے واسطے اپنی عمریں، مال، دولت، صحت، وقت آپ لوگ خرچ کرتے ہیں۔ آخر دین کا بھی حق ہے کہ اس کے لیے بھی کوئی وقت، عمر، دولت خرچ کی جاوے آپ ولایت میں ساڑھے تین سال رہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ تین کو جانے دیں وہ باقی کی ساڑھ ہی ہمارے پاس رہ جاویں۔ پھر دیکھیں کہ آپ کی معلومات میں کیسا مفید اضافہ ہوتا ہے۔

خاتم النّبیین کے معنی

سوال کیا گیا کہ خاتم النبیین کے کیا معنے ہیں؟

فرمایا:-

اس کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں آوے گا اور یہ کہ کوئی ایسا نبی آپ کے بعد نہیں آسکتا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔

رئیس المتصوفین حضرت ابنِ عربی کہتے ہیں کہ نبوت کا بند ہو جانا اور اسلام کا مرجانا ایک ہی بات ہے دیکھو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تو عورتوں کو بھی الہام ہوتا تھا۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰؑ کی ماں سے بھی خدا تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔ وہ دین ہی کیا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اس کے برکات اور فیوض آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر اب بھی خدا اسی طرح سُنتا ہے جس طرح پہلے زمانہ میں سنتا تھا اور اسی طرح سے دیکھتا ہے جس طرح پہلے دیکھتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ جب پہلے زمانہ میں سُننے اور دیکھنے کی طرح صفتِ تکلم بھی موجود تھی تو اب کیوں مفقود ہوگئی؟ اگر

ایسا ہی ہے تو کیا اندیشہ نہیں کہ کسی وقت خدا تعالیٰ کی صفت سُننے کی اور دیکھنے کی بھی معطل ہو جاوے۔ افسوس ایسے بیہودہ خیالات پر۔ خدا تعالیٰ جس طرح سے پہلے تمام انبیاء کے ساتھ بولتا تھا اور کلام کرتا تھا اسی طرح اب بھی بولتا ہے۔ چنانچہ ہم خود اس ثبوت کے واسطے موجود ہیں۔ یقین جانو کہ جس طرح خدا دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اسی طرح کلام بھی کرتا ہے بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات کو اسلام میں ہمیشہ کے واسطے مانا جاوے اسلام کی زندگی ہی نہیں رہتی اور کبھی عزت ہی نہیں پا سکتا اور اسلام بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک بے فیض اور بے برکت مُردہ مذہب رہ جاتا ہے۔

آپ اگر آج اس وقت اس بات کو نہ سمجھو گے تو پھر کسی دوسرے وقت میں سمجھ جاؤ گے۔ اس کے مانے بغیر تو پھر اسلام رہ ہی نہیں سکتا اور آپ کو بھی مانے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔ اگر فطرت ہی کسی کی بے پروا ہو تو فطری نقص کو تو کوئی دُور کر نہیں سکتا۔ ورنہ اگر فطرت سلیم ہے تو پھر کبھی نہ کبھی کشاں کشاں ادھر آ ہی جاوے گا۔

سوال کیا گیا کہ کیا ایک ہی وقت میں کئی نبی ہو سکتے ہیں؟

فرمایا:۔

ہاں۔ خواہ ایک ہی وقت میں ہزار بھی ہو سکتے ہیں مگر چاہیئے ثبوت اور نشانِ صداقت۔ ہم انکار نہیں کرتے۔

کیا یہ آخری صدی ہے؟

سوال کیا گیا کہ کیا یہ آخری صدی ہے؟

فرمایا:۔

اس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ وہ قادر ہے کہ ایک زلزلہ سے تمام دُنیا کا خاتمہ کر دے۔ اصل بات یہ ہے کہ آرام اور خوشی کے وقت میں بھی انسان کو ایسے ایسے سوالات سوجھتے ہیں اگر کوئی ذرا سی بھی مشکل آ جاوے یا ابھی ایک زلزلہ آ جاوے اور مکانات لرزنے لگ جاویں تو اس وقت معاً خیال کر لیں گے کہ قیامت آ گئی اور یہی دُنیا کے خاتمہ کا وقت ہے اور سچے دل سے خدا کو مان لیں گے۔ مگر جب امن ہو جاتا ہے تو پھر ایسے ایسے سوالات ہی سوجھا کرتے ہیں۔

فرمایا:۔

میر محمد اسمٰعیل صاحب نے گذشتہ ۴ اپریل ۱۹۰۵ء والے زلزلہ کے متعلق قصہ سنایا کہ ایک شخص دہریہ تھا اور خدا سے منکر تھا مگر جب زلزلہ آیا وہ بھی رام رام کرنے لگ گیا۔ آخر جب وہ وقت جاتا رہا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تم خدا کے منکر ہو پھر اس وقت رام رام کیسا تھا؟ شرمندہ سا ہو کر کہنے لگا کہ اصل میں میں نے غلطی ہی کھائی میری عقل ہی ماری گئی تھی۔

غرض خدا تعالیٰ چاہے تو صرف ایک ہی زلزلہ سے ہلاک کر دے۔ خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل بات نہیں اب بھی خدا نے ایک زلزلہ کی خبر دی ہوئی ہے۔ آوے گا اور بغتۃً آوے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں بے فکری سے مصروف ہوگا۔ قلسفے بھی آرام کی حالت میں سوچتے ہیں۔ عذاب نظر آجاوے تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ وہ جو ۴ اپریل والا زلزلہ تھا۔ اس کی بھی ہم نے قبل از وقت خبر دی تھی اور یہ طاعون جس نے دُنیا میں ایک کہرام مچا رکھا ہے۔ اس کی بھی ہم نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ کتابوں میں اشتہاروں میں اس بات کو شائع کر دیا تھا۔ کوئی زبانی بات ہی نہیں۔ چنانچہ وہ بعینہٖ بالکل پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوئی اور ابھی خدا نے بس نہیں کی۔ اس نے دُنیا کو متنبہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور نہیں چھوڑے گا جب تک طاقتور حملوں سے دنیا کو منوا نہ لے گا۔ ہمارے لیے تو ہر رات نئی ہوتی ہے۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے اور کیا کچھ ہوگا۔ ہمیشہ ترساں ولرزاں اور دُعاؤں میں مصروف رہنا چاہیئے [1]

---

۱۲ مئی ۱۹۰۸ء

قبل ظہر۔ بمقام لاہور

سچائی کی تلاش کیلئے کوشش کرنا فرض ہے

ایک گریجویٹ صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ آپ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور کے اس نور کی شناخت کی توفیق دے تاکہ اس نعمت سے محروم نہ رہ جائیں۔ وغیرہ۔ فرمایا:۔

اگرچہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے جیسا کہ قرآن شریف نے صراحت سے حکم دیا ہے کہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم: ۴۰) یعنی انسان جتنی جتنی کوشش کریگا اسی کے مطابق فیوض سے مستفیض ہو سکے گا۔ اور دوسری جگہ فرمایا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) جو لوگ خدا میں ہو کر خدا کے پانے کے واسطے تڑپ اور گدازش سے کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنت اور کوشش ضائع نہیں جاتی اور ضرور ان کی راہبری اور ہدایت کی جاتی ہے۔ جو کوئی صدق اور خلوصِ نیت سے خدا کی طرف قدم اُٹھاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف راہ نمائی کے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۲ صفحہ ۱ تا ۵ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۸ء

واسطے بڑھتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ تدبّر کرے اور حق طلبی کی سچی تڑپ اور پیاس اپنے اندر پیدا کرے۔ معلومات کے وسیع کرنے کی جو سبیل اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے ان پر کاربند ہو۔ خدا بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس شخص سے جو خدا سے لاپروائی کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (آل عمران: ۹۸) قبولیتِ دُعا کے واسطے بھی کوشش اور صدقِ دل کی سچی تڑپ ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو دنیوی امتحانات کے واسطے لوگ کیسی کیسی خطرناک کوششیں کرتے ہیں۔ محنت کرتے کرتے ان کے دماغ پھر جاتے ہیں اور بعض اوقات خطرناک امراض مثل جنون اور سل دِق وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اور بصورت ناکامی بعض لوگ تو ایسے صدمات کے نیچے آجاتے ہیں کہ خودکشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ غرض ایک چند روزہ اور دنیوی زندگی کے لیے کیسی کیسی سختیاں برداشت کرتے ہیں۔ آخر یہ کامیابیاں کسی قدر ان کی محنتوں ہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں اور امتحان کی تیاری نہ کریں تو کبھی کسی کو وہم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کامیاب ہوں مگر جب بایں ہمہ سخت محنت اور کوشش کے بھی بعض لوگ ناکام ہو جاتے ہیں تو بالکل نکمے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے والوں کا کیا حال؟ مانا کہ کوشش کرنے والے بھی ناکام ہو جاتے ہیں مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ اب آئندہ کوشش ہی نہ کی جاوے۔ یہ بالکل غلط راہ ہے۔ کیا عجب کسی کا شعر ہے ؎

گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند
ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

دیکھو ایک کسان کیسی جانکاہی اور محنت سے ایک فصل تیار کرتا ہے مگر بعض اوقات ژالہ باری سے اور بعض اوقات امساکِ باراں کی وجہ سے اس کا فصل ضائع ہو جاتا ہے مگر اس ناکامی پر ایسا اثر نہیں ہوتا کہ پھر آئندہ کے واسطے لوگ زراعت ہی ترک کر دیں۔ ہزاروں ہیں کہ باوجود ان ناکامیوں کے پھر بھی پورے زور سے کوشش کئے جاتے ہیں اور آخر اپنی کوششوں کے ثمرات سے مستفید بھی ہوتے ہیں۔

فیضانِ الٰہی کوشش پر موقوف ہے۔ دیکھو شاعر بھی جب کوشش کرتا ہے اور ٹکریں مارتا ہے تو آخر کوئی نہ کوئی شعر سوجھ ہی جاتا ہے۔ آپ کے واسطے بھی ضروری ہے کہ سلسلہ کی کتابیں مطالعہ کریں اور غور اور انصاف پسندی سے دیکھیں کہ آیا ان میں حق ہے یا کہ نہیں۔ کسی امر کے متعلق رائے قائم کرنے کے واسطے معلومات کا ہونا از بس ضروری ہے جس کی معلومات وسیع ہو جاتی ہیں وہ خود موازنہ کر سکتا ہے کہ فریقین میں سے کون حق بجانب ہے۔ اکثر لوگ غرورِ نفس کی وجہ سے اوّل تو ہمارے پاس آنے میں ہی مضائقہ کرتے ہیں اور اگر آتے بھی ہیں تو وہ گھر سے ہی فیصلہ کر کے آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی گذرے ہیں اور ہمیشہ محروم ہی رہ جایا کرتے ہیں۔ ایمان ان کے نصیب ہوتا ہی نہیں۔ اصل میں ایسے لوگ

دہریہ بے دین اور بے قید ہوتے ہیں۔ جو شخص سچے طور پر پکا مسلمان ہوتا ہے اس پر حق کے پرکھنے کے واسطے بہت بڑی مشکلات پیش نہیں آتیں۔ کیونکہ ایک مسلمان جو حقیقت میں مسلمان ہے اور سُنّت اللہ اور سنّتِ رسُول سے واقف ہے وہ ہمیشہ منہاجِ نبوت کو مدِنظر رکھ کر ہی تحقیق کرے گا۔ ایسے لوگوں کے اعتراضات بہت تھوڑے رہ جاتے ہیں اور اس راستے کا بہت تھوڑا حصّہ ان کے واسطے باقی رہ جاتا ہے اور اگر ایسا شخص ہے کہ اُسے خود اسلام کے متعلق ہی شک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں اور ابھی اس نے اسلام کی صداقت کا ہی فیصلہ نہیں کیا تو پھر ایسے لوگوں کے واسطے سلامتی کی کوئی راہ نہیں اور یہی ہیں کہ آخر وہ ہلاک ہو جاتے ہیں ایسے لوگ دراصل رُوحانی امور کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان میں ایک قسم کا کبر اور غرور ہوتا ہے۔ وہ لوگ اتباع کو عار سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ نئی روشنی میں بھی ہلاک ہو گئے مگر خدا کے آسمانی نُور کو قبول نہ کیا۔

خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ قانون چلا آتا ہے کہ جب دُنیا فسق وفجور اور گناہ سے پُر ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے مفاسد دُنیا میں پھیل جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک رُوحانی سلسلہ قائم کر کے زمانہ کی اصلاح کرتا ہے مگر وہ جو کہتا ہے کہ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے گویا وہ خدا کے قانون کو بدلنا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں سے تو یہ بھی خوف ہے کہ ایک دن اسلام سے بھی انکار کر دیں اور یہانتک کہ خود خدا کی ہستی کی بھی ضرورت محسوس نہ کریں یہ بڑی خطرناک راہ ہے کیونکہ جو حقیقی اور سچی راہ شناختِ اسلام اور وجودِ باری تعالیٰ پر دیل تھی ان لوگوں نے اسی سے روگردانی کر لی ہے۔ اکثر ان میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ معلوماتِ وسیع کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جاہل بلکہ اجہل ہوتے ہیں۔ دین اور علومِ دینی سے ان کو مَس بھی نہیں ہوتا۔ فائدہ وہ لوگ اُٹھاتے ہیں جو خالی النفس ہوتے ہیں۔ دین اور خدا تعالیٰ کی راہ میں سچی پیاس، نرمی اور صبر سے کام کرتے ہیں۔ روشنی کی ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جو ظلمت میں ہو۔ جس کے پاس پہلے ہی روشنی ہے وہ روشنی کا کیسے محتاج ہو سکتا ہے۔ جو برتن پہلے ہی پُر ہے اس میں اور کیا داخل ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ خالی برتن میں کچھ بھرا جاتا ہے۔ عُمر کا اعتبار نہیں۔ زمانہ بڑا خطرناک ہے۔ بہت جلدی اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

طاعُون میں کمی خوشی کا مقام نہیں

طاعُون کے ذکر پر فرمایا کہ:۔
اس سال طاعُون کسی قدر کم ہے۔ یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں کیونکہ لوگوں نے طاعُون سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ جس غرض کے واسطے یہ آیا تھا وہ غرض ابھی پوری نہیں ہوئی۔ اصل میں طاعُون نام ہے موت کا۔ لغت میں وہ خطرناک عوارض جن کا انجام موت ہوتا ہے اس کا نام طاعُون ہی رکھا ہے اور یہ لفظ لغت کی رو سے بڑا وسیع ہے۔ ممکن ہے کہ اب کسی اور رنگ میں نمودار

ہوجاوے یا اسی رنگ میں آئندہ اور بھی زور سے پھوٹ نکلے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی اَفْطِرُ وَ اَصُوْمُ کا لفظ ہے۔ یعنی ایک وہ وقت ہے جس طرح افطار میں کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔ اسی طرح طاعون لوگوں کو کھاتا جاوے گا اور ایک وقت ایسا بھی ہوگا کہ صوم کی طرح امن ہوجاوے گا۔ اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ۔ اَفْطِرُ وَ اَصُوْمُ وَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ اِلَی الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ۔

لوگ امن اور آرام کے واسطے جلدی ایک بات بنالیا کرتے ہیں۔ اجی ایک بیماری تھی سو چلی گئی۔ کیسا نشان اور کیسی تنبیہ! غرض اس طرح کے خیالات سے اپنی تسلی کر لیتے ہیں۔ اصل میں طاعون بڑا وسیع لفظ ہے۔ اَلطَّاعُوْنُ۔ اَلْمَوْتُ کل امراض دَوری کا نام۔ یہ چیچک ہے۔ ذات الجنب ہے۔ تپ۔ گلٹیاں۔ قے۔ سکتہ۔ اس قسم کی کل امراض اس میں داخل ہیں یہ لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صحابہؓ کے وقت میں بھی ایک قسم کا طاعون پھوٹا تھا مگر وہ بہت باریک ایک دانہ کی طرح ایک پھنسی ہوتی تھی جو کہ ہتھیلی میں نکلتی تھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ غشی اور نیند کی حالت میں اور بعض ہنستے ہنستے ہی اس دُنیا سے چل گذرتے ہیں۔ بعض کو خون کے جلاب لگ جاتے ہیں بعض کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا کہ ہوا کیا؟ دس آدمی تھے رات اچھے بھلے سوئے مگر صبح ہوتے ہی ان میں سے ایک بھی زندہ نہ اُٹھا۔ غرض اس قسم کے کئی واقعات ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرض کا کسی کو پتہ نہیں لگا اور اس کے کئی رنگ ہیں۔

اصل میں یہ وقفہ بھی شامتِ اعمال کی وجہ سے مفید نہیں بلکہ بہت ہی خطرناک ہے کیونکہ لوگ اب دلیر ہو جاویں گے اور جرأت سے ارتکابِ جرائم کریں گے اور اس وقفے سے یہ نتیجہ نکال لیں گے کہ اجی صاحب! ایک بیماری تھی گذر گئی۔ نہ کوئی نشان ہے کسی کا اور نہ عذاب۔ غرض یہ خوشی کا مقام نہیں بلکہ جائے خوف ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ طاعون کی وجہ سے ایک قہرِ الٰہی ٹوٹ پڑا تھا دُنیا پر ایسے وقت میں یہ الہام ہوا تھا کہ اَفْطِرُ وَ اَصُوْمُ یعنی ایک استعارہ تھا کہ کبھی یہ مرض زور پکڑ جاوے گا اور کبھی اس میں وقفہ بھی آجاوے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد: ۱۲) خدا تعالیٰ نہیں چھوڑے گا اور ہرگز نہیں چھوڑے گا جب تک لوگ اپنے اخلاق، اعمال اور خیالات میں ایک تبدیلی پیدا نہ کر لیں۔

اصل میں ان لوگوں کو یہ امر بھی گراں گذرتا ہے کہ خدا کی طرف کوئی امر منسوب کیا جاوے بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ اتفاقی طور سے ہوگئی۔ خدا کا اس میں کیا دخل و تصرف ہے۔ اب ہمیں تو اس بات کا فکر ہے کہ اب لوگ خواہ نخواہ یہ رائے قائم کر لیں گے اور پھر اس رائے کو صحیح یقین کریں گے کہ ایک اتفاقی مرض تھا سو جاتا رہا، اب امن و امان ہوگیا۔ غرض اس طرح سے اطمینان اور تسلی کر کے خدا سے منہ پھیریں گے اور بے باکی اور جرأت میں ترقی کر جاویں گے۔ دلوں میں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ہی اُٹھ چکی ہے۔ دنیا کے حکام کی اور اپنی اغراض کی

جس قدر عظمت اور تڑپ ان کے دلوں میں ہوتی ہے خدا اور اس کے رسول اور ان کی رضا کی اتنی بھی تڑپ اور عظمت باقی نہیں رہی۔ طاعون کا عالمگیر اور قہری نشان بھی ان کے واسطے مفید نہ ہوا۔ زلزلے بھی خدا کے وعدے کے عین مطابق آگئے اور شہروں کے شہر جو کسی وقت بڑے آباد تھے ویران ہوگئے۔ مگر دُنیا نے تبدیلی پیدا نہ کی۔ چند روز ہوئے الہام ہوا۔ زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ یہ بھی ایک مخفی اور خوفناک بات پر استدلال کرتا ہے۔ خواہ ظاہری ہو خواہ اندرونی۔ کیونکہ زلزلہ کا لفظ ظاہر معنوں کے سوا دوسرے معنوں پر بھی بولا گیا ہے جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا (الاحزاب: ۱۲) اب جتنے نشان بھی خدا تعالیٰ نے ظاہر کئے ہیں ان سب کا ان پر اُلٹا اثر پڑے گا اور سب کو یہ طاعون کی طرح اتفاقی سمجھ کر سخت دل ہو جاویں گے۔ فرعون والا حال ہے۔ وہ بھی جب ایک عذاب میں افاقہ ہوتا تھا تو اسے عارضی اور اتفاقی جان کر اور بھی سخت دل ہو جاتا تھا۔ آخر کار پھر غرق ہوتے وقت کہا میں بھی اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ خدا کا نام پھر بھی نہ لیا۔ یہی حال اس وقت اس قوم کا ہے۔ طاعون تھا سو وہ کسی قدر کم ہو ہی گیا ہے قحط بھی اب چنداں زور پر نہیں اور صورت امن کی نظر آنے لگ گئی ہے اب مطمئن ہو جاویں گے اور بے خوف ہو کر جرأت اور دلیری سے ارتکاب معاصی اور جرائم میں آگے سے بھی سخت دل ہو کر ترقی کر جاویں گے۔ اور توبہ اور استغفار اور توجہ الی اللہ اور تبدیلی کی فکر دلوں میں پیدا نہ ہوگی۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

بعد نماز عصر

صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کے دو حصے حقوق اللہ اور حقوق العباد

(جناب شاہزادہ محمد ابراہیم خاں صاحب کی ملاقات کے وقت حضرت اقدس (علیہ السلام) نے بزبانِ فارسی تقریر فرمائی)

فرمایا:۔

دُنیا میں اس زمانہ میں نفاق بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت کم ہیں جو اخلاص رکھتے ہیں۔ اخلاص اور محبت شعبۂ ایمان ہے۔ آپ کو خدا آپ کی محبت اور اخلاص کا اجر دے اور تقویت عطا کرے۔ اخلاقِ فاضلہ اسی کا نام ہے بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوع انسان سے نیکی کی جاوے۔ اسی کا نام انسانیت ہے۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے۔

صفاتِ حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے دو ہی حصے ہیں اور وہی قرآن شریف کی پاک تعلیم کا خلاصہ اور لُبِ لباب ہیں۔ اوّل یہ کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں عبادت کرنا فسق و فجور سے بچنا اور کل محرماتِ الٰہی سے پرہیز کرنا اور اوامر کی تعمیل میں کمربستہ رہنا۔ دوم یہ کہ حق العباد ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بنی نوعِ انسان سے نیکی کرے۔ بنی نوع انسان کے حقوق بجا نہ لانے والے لوگ خواہ حق اللہ کو ادا کرتے ہی ہوں بڑے خطرے میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ستار ہے، غفار ہے۔ رحیم ہے اور حلیم ہے اور معاف کرنے والا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ اکثر معاف کر دیتا ہے مگر بندہ (انسان) کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ کبھی کسی کو کم ہی معاف کرتا ہے۔ پس اگر انسان اپنے حقوق معاف نہ کرے تو پھر وہ شخص جس نے انسانی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو یا ظلم کیا ہو خواہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری میں کوشاں ہی ہو۔ اور نماز، روزہ وغیرہ احکامِ شرعیہ کی پابندی کرتا ہی ہو۔ مگر حق العباد کی پروانہ کرنے کی وجہ سے اس کے اور اعمال بھی حبط ہونے کا اندیشہ ہے۔

غرض مومن حقیقی وہی ہے جو حق اللہ اور حق العباد دونو کو پورے التزام اور احتیاط سے بجالاوے۔ جو دونو پہلوؤں کو پوری طرح سے مدِنظر رکھ کر اعمال بجالاتا ہے وہی ہے کہ پورے قرآن پر عمل کرتا ہے ورنہ نصف قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ مگر یہ ہر دو قسم کے اعمال انسانی طاقت میں نہیں کہ بزورِ بازو اور اپنی طاقت سے بجالانے پر قادر ہو سکے۔ انسان نفسِ امارہ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور توفیق اس کے شاملِ حال نہ ہو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ دُعائیں کرتا رہے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی پر قدرت دی جاوے اور نفسِ امارہ کی قیدوں سے رہائی عطا کی جاوے۔ یہ انسان کا سخت دشمن ہے۔ اگر نفسِ امارہ نہ ہوتا تو شیطان بھی نہ ہوتا۔ یہ انسان کا اندرونی دشمن اور مارِ آستین ہے اور شیطان بیرونی دشمن ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب چور کسی کے مکان میں نقب زنی کرتا ہے تو کسی گھر کے بھیدی اور واقف کار سے پہلے سازش کرنی ضروری ہوتی ہے۔ بیرونی چور بجز اندرونی بھیدی کی سازش کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیطان بیرونی دشمن، نفسِ امارہ اندرونی دشمن، اور گھر کے بھیدی سے سازش کر کے ہی انسان کے متاعِ ایمان میں نقب زنی کرتا ہے اور نورِ ایمان کو غارت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِيْ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ (یوسف: ۵۴) یعنی میں اپنے نفس کو بَری نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے مطمئن نہیں کہ نفس پاک ہو گیا ہے بلکہ یہ تو شریر الحکومت ہے۔

❊ ❊ ❊

مدارِ نجات تزکیۂ نفس پر موقوف ہے

تزکیۂ نفس بڑا مشکل مرحلہ ہے اور مدارِ نجات تزکیۂ نفس پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) اور تزکیۂ نفس بجز فضلِ خدا میسر نہیں آسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (الفتح: ۲۴) اور اس کا قانون جو جذبِ فضل کے واسطے ہمیشہ سے مقرر ہے وہ یہی ہے کہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاوے۔ مگر دُنیا میں ہزاروں ایسے موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ اعمالِ بد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اصل میں ان کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ ان کو اتباعِ رسول کی ضرورت نہیں مگر یاد رکھو یہ بڑی غلطی ہے اور یہ بھی شیطان کا ایک بڑا دھوکہ ہے کہ ایسا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں تزکیہ اور محبت الٰہی کو مشروط باتباعِ رسول رکھا ہے تو کون ہے کہ وہ دعویٰ کرسکے کہ میں خود بخود ہی اپنی طاقت سے پاک ہوسکتا ہوں۔ سچا یقین اور کامل معرفت سے پُر ایمان ہرگز ہرگز میسر ہی نہیں آسکتا جب تک انبیاء کی سچی فرماں برداری اور محبت اختیار نہ کی جاوے گناہ سوز ایمان اور خدا کو دکھا دینے والا یقین بجز اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں کے جو انسانی طاقت اور وہم و گمان سے بالاتر ہوں۔ ہرگز ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ دُنیا اپنے کاروبارِ دنیوی میں بھی استغراق اور انہماک سے مصروف ہوتی اور جیسی جیسی جانکاہ اور خطرناک مشکل سے مشکل کوششیں اپنی دنیا کے واسطے کرتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف بھی اسی طرح کی کوشش سے قدم اُٹھاویں اور اس وقت جو ایک آسمانی سلسلہ خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہوں تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ضرور اللہ تعالیٰ ان کے واسطے رحمت کے نشان دکھانے پر قادر ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس پہلو سے لاپرواہی اور نہ دینی امور اور اعمال کیا مشکل ہیں۔ نماز میں کوئی مشکل نہیں۔ پانی موجود ہے۔ زمین سجدہ کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اگر ضرورت ہے تو ایک فرماں بردار اور پاک دل کی جس کو محبتِ الٰہی کی سچی تڑپ ہو۔ دیکھو اگر ساری نمازوں کو جمع کیا جاوے اور ان کے وقت کا اندازہ کیا جاوے تو شاید ایک گھڑی بھر میں ساری پوری ہوسکیں آخر پاخانہ بھی جاتے ہیں۔ اگر اتنی ہی قدر نماز کی ان لوگوں کے دلوں میں ہو تو بھی یہ نماز کو ادا کرسکتے ہیں۔ مگر افسوس اسلام اس وقت بہت خطرے میں ہے اور مسلمان درحقیقت نورِ ایمان سے بے نصیب ہیں۔ اگر کسی کو ایک مہلک مرض لگ جاوے تو کیسا فکر لگ جاتا ہے مگر اس روحانی جذام کی کسی کو بھی پروا نہیں جس کا انجام جہنم ہے۔

مامورین کیساتھ دنیا کا سلوک

اصل میں ہمارے پاس آنا خدا کے حضور جانا ہے اور ہماری عزت درحقیقت خدا اور رسول کے کلام کی عزت ہے

متواتر چھبیس سال ہوئے ہیں کہ اس نے ہمیں مامور کیا۔ مجدد بنایا اور اصلاحِ مفاسدِ زمانہ کی غرض سے دُنیا میں بھیجا۔ اور پھر یہی نہیں کہ صرف ہمارا زبانی دعویٰ ہو بلکہ اُس نے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہزاروں زبردست نشان بھی دیئے۔ منہاجِ نبوت پر بھیجا۔ مگر لوگوں نے پروانہ کی بلکہ اُلٹا کافر کہا۔ اکفر کہا۔ دجّال کہا۔ کذّاب کہا۔ حالانکہ جس خدا نے مجھے بھیجا اُس نے مجھے میری صداقت کے لیے نشان بھی ظاہر کئے۔ ایک نہیں۔ دو نہیں بلکہ ہزاروں نشان۔ دنیوی عدالتوں میں خواہ کتنا ہی سخت سے سخت مقدمہ ہو مگر دو تین گواہ گذرنے پر سزائے موت تک بھی دی جاتی ہے مگر یہاں تو ہزاروں لوگ ہیں جو ہمارے ان نشانات کے گواہ ہیں مشرق سے مغرب تک کوئی جگہ نہیں جہاں ہمارے نشانوں کی گواہی موجود نہ ہو مگر بایں ہمہ ان لوگوں نے پروا نہیں کی۔

گورنمنٹ کا ادنیٰ چپڑاسی وصولی لگان کے واسطے آجاوے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرتا اور اگر کرے تو گورنمنٹ کا باغی ٹھہرتا ہے اور سزا پاتا ہے مگر خدائی گورنمنٹ کی لوگ پروا نہیں کرتے خدا تعالیٰ سے آنے والے لاریب غربت کے لباس میں ہوتے ہیں۔ لوگ ان کو حقارت اور تمسخر سے دیکھتے ہیں ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (یٰسٓ: ۳۱) اللہ تعالیٰ سچا ہے وہ جھوٹ نہیں کہتا۔ وہ فرماتا ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جتنے بھی نبی آئے ہیں ان تمام سے ہنسی ٹھٹھا کیا گیا ہے مگر جب وقت گذر جاتا ہے پھر لگتے ہیں تعریفیں کرنے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پر بھی قریباً دو سو علماءِ وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ ابن جوزی جو محدثِ وقت تھا اس نے ایک کتاب لکھی اور تلبیس ابلیس اس کا نام رکھا اور بہت کچھ تلخ اور نازیبا الفاظ ان کے حق میں استعمال کئے۔ مگر ان کے دو سو برس بعد ان کو کیسا کامل اور پاکباز صادق انسان مانا گیا اور کیسی قبولیت ہوئی۔ دُنیا جانتی ہے۔ یہ صرف انہی پر نہیں بلکہ تمام اولیاء کے ساتھ یہی سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔

غرض اسی منہاج پر مجھے بھی تمام پنجاب اور ہندوستان کے علماء نے کافر، دجّال، فاسق، فاجر وغیرہ کے خطاب دیئے ہیں اور کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ میں انبیاء کو گالیاں دیتا ہوں۔ حالانکہ میں ان تمام انبیاء کی عزت کرتا ہوں اور ان کی عظمت اور صداقت ظاہر کرنے کے واسطے ہی میری بعثت ہوئی ہے یقین جانو کہ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور میں ہی جھوٹا ہوں تو پھر تمام انبیاء میں سے کسی کی نبوت کو کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر کرنا گالیاں دینا ہے تو پھر سب سے پہلے جس نے حضرت عیسیٰؑ کو گالی دی وہ خدا ہے۔

مُصلح کی ضرورت

میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ سے ایسا چلا آیا ہے کہ جب دنیا میں حق اللہ اور حق العباد کی پروا دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور ظلم اور تعدی انسانوں

کا شیوہ ہو جاتا ہے اور لوگ اپنے خالق اور معبودِ حقیقی سے منہ پھیر کر سینکڑوں بُت اپنے واسطے تجویز کر لیتے ہیں اور انبیاء کی تعلیم لوگ بھُول جاتے ہیں۔ ایسے خطرناک وقت میں اللہ تعالیٰ ایک رُوحانی سلسلہ پیدا کر کے ان سب مفاسد کی اصلاح کرتا ہے۔ آج بھی اگر کسی انسان میں فراست موجود ہے تو دیکھ سکتا ہے کہ کیا اسلام کی حالت اس خطرناک حالت تک پہنچی ہے یا کہ نہیں۔ جس وقت خدا تعالیٰ اس کی خبر گیری کرے۔ زمانہ خود پکار پکار کر زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مصلح کی ضرورت ہے۔

مسلمان حکمرانوں کی حالت

مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے معمولی مسلمان تو کسی شمار میں ہی نہیں۔ جو لوگ بادشاہ کہلاتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین امیر المومنین ہیں۔ خود ان کا حال ایسا ہے کہ باوجود بادشاہ ہونے کے ان کو اتنی جرأت نہیں کہ ان کی سلطنت میں کوئی شخص جرأت اور آزادی سے اظہارِ حق بھی کر سکے۔ سلطانِ روم کی سلطنت میں کوئی چار سطر بھی مذہب عیسوی کے خلاف نہیں لکھ سکتا۔ شاید یہ خیال ہوگا کہ تمام عیسائی سلطنتیں ناراض ہو کر سلطنت چھین لیں گی۔ مگر خدا کی سلطنت کا ذرہ بھی خیال نہیں اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے۔ خود داری بھی ایک حد تک اچھی ہوتی ہے۔ مگر جہاں ایمان جائے وہاں ایسی باتوں کا کیا خیال۔ حالانکہ ہمارا تجربہ بتلاتا ہے کہ گورنمنٹ کو مذہب سے تعلق ہی کوئی نہیں۔ دیکھو ہم نے عیسائیوں کے خلاف کتنی کتابیں لکھی ہیں اور کس طرح کے زور سے ان کے عقائدِ باطلہ کا رد کیا ہے مگر گورنمنٹ میں یہ بڑی بھاری خوبی ہے کہ کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اصل وجہ اپنی ہی کمزوری ہوتی ہے ورنہ گورنمنٹ دین کے معاملات میں کبھی بھی دست اندازی نہیں کرتی۔ دیکھو ہمارے اس مقدمہ کی طرف ہی غور کر کے دیکھ لو کہ کس دیانت داری اور انصاف سے اس کا فیصلہ کیا گیا۔ امرتسر سے چالیس ہزار روپیہ کی ضمانت پر وارنٹ نکالا گیا۔ مگر خدا کی قدرت وہ کتاب ہی میں پڑا رہ گیا اور بعد میں اس حاکم کو معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرنے کا مجاز بھی نہ تھا مگر خدا کا تصرف جو ہمیشہ اپنے فرستادوں کے واسطے رنگا رنگ طرزوں میں ظاہر ہوا کرتا ہے اس نے اس خطرناک وقت میں بھی ہماری نصرت کی۔ پھر مقدمہ تبدیل ہو کر معاً گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں آگیا جس نے کوئی وارنٹ نہ نکالا اور ہمیں بُلوا کر بڑے احترام اور عزت سے ہمارے ساتھ سلوک کرتا رہا۔

ہماری غرض اس امر کے اظہار سے صرف یہی ہے کہ اوّل تو گورنمنٹ پر مذہبی معاملات کی وجہ سے مخالف ہو یا موافق کوئی اثر نہیں پڑتا اور وہ کیا جاتا ہے جو انصاف اور دیانت کا تقاضا ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کا تعلق ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر مشکل کے وقت اسے تسلی اور ہر بلا سے نجات عطا کی جاتی ہے جو خدا کا ہو جاتا ہے۔ خدا بھی پھر ہر بات میں اس کا پاس کرتا ہے۔ ایسے لوگ مومن کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جو دنیا کے خطرات اور

تفکرات میں ہی غرق ہوں اور خدا کا خانہ بالکل خالی پڑا رہے۔ مومن وہ کہلاتا ہے کہ ہلاکت کے قریب بھی پہنچ جاوے مگر خدا کو نہ چھوڑے۔ ایمان کا یہ ایک نشان ہے کہ آخر تک کل امور اسی کے ہاتھ میں یقین کرے اور ناامید نہ ہو۔

بادشاہ اور خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلا کر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بے پروائی اچھی بات نہیں۔ مخلوق سے اتنا ڈرنا کہ گویا خدا کو قادر ہی نہیں سمجھتا یہ ایک قسم کی سخت کمزوری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خادم الحرمین ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ حرمین اس کے محافظ ہیں۔ حرمین کی برکت اور طفیل ہے کہ اب تک وہ بچا ہوا ہے۔ جو مذہبی آزادی کسی ملک میں ہمیں نصیب ہے وہ مسلمان ممالک میں خود مسلمانوں کو بھی نصیب نہیں۔ دیکھو کس آزادی سے ہم کام کر رہے ہیں اور پھر کیا اثر ہماری تالیفات کا ملک پر ہوا ہے۔ قادیان میں ہمیشہ پادری لوگ آیا کرتے تھے۔ ان کے نیمے ہمیشہ قادیان کے باہر کی طرف نصب کئے جاتے تھے اور پھر کرا پنا وعظ کیا کرتے تھے۔ مگر اب عرصہ پندرہ برس کا ہوتا ہے کہ کبھی کسی پادری کی شکل بھی نظر نہیں آئی۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے اور مسلمانوں کو دعوئی سے بلایا کرتے تھے کہ کوئی ان سے مباحثہ کرے اور کہتے تھے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ زندہ نبی کے مضمون پر بحث کی جاوے۔ مگر اب یہ معاملہ ہے کہ ہم بلاتے ہیں۔ انعام دیتے ہیں مگر کوئی ادھر آتا ہی نہیں گویا وہ پہلو ہی بدل دیا ہے۔ ہم جہاں تک کوئی طریق اتمام حجت کا ہو سکتا ہے کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔

اسلام پر بیرونی حملے

وہ وقت بھی آپ کو یاد ہوگا کہ کہا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک بھی معجزہ نہیں ہے۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم: ۳) والی پیشگوئی محض ایک اٹکل تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) دو نوطاقتوں کا مقابلہ کرنے سے کر دی تھی۔ نوبت یہاں تک تھی۔

پھر ایک اور خطرناک وجہ ہمیشہ سے اسلام کے پاک اور نورانی چہرہ پر لگاتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ غرضکہ طرح طرح کے الزامات اور بے جا اعتراضات کا ایسا طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا تھا کہ ان کی کتابوں اور رسائل کو جو انہوں نے اسلام کے برخلاف اس نصف صدی میں لکھی ہیں جمع کیا جاوے تو میرے خیال میں ایک پہاڑ بنتا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اتنے حملے نہ کبھی کسی نبی پر کئے گئے اور نہ اتنی گندہ دہانی کسی نبی کے مقابل پر کی گئی اور جب سے دنیا پیدا ہوئی نہ کسی کو اتنی گالیاں دی گئیں اور نہ کسی نبی کی اتنی ہتک کی گئی۔

آریوں کو دیکھو ان کی کتابوں میں تو اتنا گند بھرا پڑا ہے کہ کوئی باغیرت مسلمان میں سمجھتا ہوں کہ ان کتابوں کی ایک سطر بھی پڑھ نہیں سکتا۔ خصوصاً اگر لیکھرام کی کتابوں کو دیکھا جاوے اصل میں یہ لوگ اسلام کو ایک ذلیل اور

جھوٹا مذہب دکھانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کا دُنیا سے بالکل استیصال ہو جاوے۔

اسلام کے اندرونی دشمن

غرض یہ تو بیرونی دشمنوں کا حال ہے۔ خود گھر کا حال اس سے بدتر ہے اور اندرونی دشمن دوستی کے مدعی بن کر اس سے بھی زیادہ نقصان اور مضرت کا باعث ہو رہے ہیں۔ علماء جو دین کے ستون اور نجات کا باعث سمجھے جاتے تھے ان کا یہ حال ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے عین سنتِ قدیمہ کے مطابق محض حق و حکمت سے عین ضرورت کے وقت ان مفاسد کی اصلاح اور انسداد کے واسطے ایک آسمانی سلسلہ قائم کیا اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی صداقت کے واسطے ہزاروں اقتداری نشانات ظاہر فرمائے ہیں۔ یہ لوگ جن کا بوجہ اس کے کہ دین کے ستون اور قرآن اور حدیث کے علوم سے واقف و آگاہ ہونے کے زیادہ مستحق اس بات کے تھے کہ اس سلسلہ کی تائید کرتے، اُلٹے دشمن اور استیصال چاہنے والے بن گئے اور طرح طرح کے منصوبوں سے اس خدائی نُور کے بُجھا دینے کی کوشش میں مصروف ہو گئے اور ان کی علمی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہے کہ حافظ شیرازی کا یہ شعر ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر مے کنند
چوں بخلوت مے روند آں کارِ دیگر مے کنند

شاید انہی علماء کے واسطے لکھا گیا تھا۔

پھر ان سے دوسرے طبقہ کے لوگ جو امراء ہیں ان کا جو حال ہے وہ بھی اَظہر من الشمس ہے وہ تو دین سے بے تعلق ہیں۔ ان کو اپنے عیش و عشرت سے ہی فرصت نصیب نہیں۔ اگر فرصت نصیب ہو گی تو شطرنج کھیلنے میں گذار دیں گے۔

پھر اگر تیسرے طبقہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا جاوے جو کہ عوام ہیں تو اور بھی اسلام کی غربت اور نازک حالت پر رحم آتا ہے۔ جیلخانوں میں مسلمان بھرے پڑے ہیں۔ شراب خانوں میں مسلمان خراب ہو رہے ہیں۔ طوائف کے رنگ میں مسلمان کہلانے والے ہی بدحال ہیں۔ غرض ہر فسق و فجور اور معاصی اور گناہ کی مجلس میں غور سے دیکھو تو مسلمانوں کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔ جھوٹی گواہیاں دینا بھی مسلمانوں بلکہ خصوصاً نام کے مولویوں کا پیشہ ہی ہو گیا ہے پھر بایں ہمہ ہم پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں اور طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔

ہماری یہ خواہش ہے اور ہمیں اس بات کا اشتیاق ہے کہ صاحب اثر مسلمانوں کی ایک جماعت اس معاملہ کی تحقیقات تو کرے کہ آیا ہم پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ سچے ہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم نے قرآن اور رسُول کو چھوڑ دیا ہے؟ اور نعوذ باللہ کوئی نیا دین بنا لیا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم انبیاء کو گالیاں دیتے ہیں؟

٭ ٭ ٭

تحریری اور زبانی تبلیغ کا موازنہ

شاہزادہ صاحب موصوف نے سوال کیا کہ آپ بجائے اس کے کہ قادیان میں ہمیشہ قیام رکھیں دورہ کرکے پنجاب اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں اگر پھر کر وعظ و تبلیغ کا کام کریں تو زیادہ مفید ہوگا۔

فرمایا کہ:-

اصل بات یہ ہے کہ تبلیغ کے وسائل ہر زمانہ میں مناسب وقت اور مناسب حال الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس زمانہ کی آزادی اگرچہ عمدہ چیز ہے مگر ساتھ ہی اس میں بعض نقائص بھی ہیں آپ نے جو طریق فرمایا ہے میں نے اس طریق تبلیغ کو بھی استعمال کیا ہے اور بعض مقامات میں اس غرض کے لیے سفر بھی کئے ہیں۔ مگر اس میں تجربہ سے دیکھا ہے کہ اصل مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دورانِ تقریر میں بعض لوگ بول اُٹھتے ہیں۔ دو چار گالیاں بھی سُنا دیتے ہیں اور شور و خوفا کرکے بدنظمی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اس لاہور میں ہی ایک دفعہ حالانکہ خود ہمارا اپنا مکان تھا اور پولیس وغیرہ کا بھی انتظام تھا۔ مگر ایک شخص دورانِ تقریر میں عین بھری مجلس میں کھڑا ہوا اور مُنہ پر کھڑے ہو کر گالیاں سُنائیں۔ میاں محمد خاں صاحب مرحوم جو کہ ہمارے بڑے مخلص اور محبت کرنے والے تھے ان کو جوش آگیا مگر ہم نے ان کو بند کر دیا کہ ہمارے اخلاق کے یہ امر برخلاف ہے کہ اسی قسم کا پہلو اختیار کیا جاوے۔

غرض لاہور میں، امرتسر میں، دہلی میں، سیالکوٹ وغیرہ میں ہم نے اچھی طرح سے آزما لیا ہے کہ یہ نسخہ فتنہ سے خالی نہیں اور اس میں شر کا اندیشہ زیادہ ہے چنانچہ امرتسر میں ہمیں پتھر مارے گئے اور ایک پتھر ہمارے رتھ کے بھی لگا۔ بعض دوستوں کو جوتیاں بھی لگیں۔ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ پس آزمودہ نسخہ کو ہم دوبارہ کیسے آزما سکتے ہیں؟

پھر دوسرا بڑا نقص یہ ہے کہ زبانی گفتگو میں نقل کرنے والے جوان کا دل چاہے کریں اور چاہیں تو رائی کا پہاڑ بنالیں۔ قلم ان کے ہاتھ میں ہے۔ پھر بعض شریر النفس لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دو دو گھنٹے تک ان کو سمجھایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان زبانی تقریروں میں انسان کو سوچنے کا بہت کم موقعہ ملتا ہے اور زبانی تقریریں صرف آنی اور فوری ہوتی ہیں ان کا اثر دیرپا نہیں ہوتا اس واسطے مجبوراً اس راہ سے اجتناب کرنا پڑا اور سلسلہ تحریر میں میں نے اتمامِ حجت کے واسطے مفصل طور سے نثر و پخ کتابیں لکھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک جُداگانہ طور سے ایسی جامع ہے کہ اگر کوئی طالبِ حق اور طالبِ تحقیق ان کا غور سے مطالعہ کرے تو ممکن نہیں کہ اس کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا ذخیرہ بہم نہ پہنچ جاوے۔ ہم نے اپنی عمر میں ایک بھاری ذخیرہ معلومات کا جمع کر دیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی اشاعت بھی کی گئی ہے اور دوست اور دشمنوں نے ان کو پڑھا بھی ہے۔ زبانی تقریر کا عرصہ کم ہوتا ہے۔

انسان کو اس میں تدبر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ بلکہ بعض جوشیلی طبیعت کے آدمیوں کو سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا کیونکہ وہ تو اپنے خیالات کے خلاف سنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں اور ان کے منہ میں جھاگ آنے لگ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کتاب کو انسان ایک الگ حجرے میں لے کر بیٹھ جاوے تو تدبر کا بھی موقعہ ملتا ہے اور چونکہ اس وقت مدمقابل کوئی نہیں ہوتا اس واسطے خالی الذہن ہو کر سوچنے کا اچھا موقعہ ملتا ہے۔ مگر بایں ہمہ ہم نے دوسرے پہلو کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا اور اس غرض کے واسطے مختلف شہروں میں گئے تبلیغ کی ہے۔ بعض مقامات میں تو ہمارا اینٹ پتھروں سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے۔ ابھی آپ کے نزدیک تبلیغ نہیں کی گئی۔

ہم اپنا کام ختم کر چکے ہیں

ہم نے اپنی زندگی میں کوئی کام دنیوی نہیں رکھا۔ ہم قادیان میں ہوں یا لاہور میں جہاں ہوں ہمارے انفاس اللہ ہی کی راہ میں ہیں معقولی رنگ میں اور منقولی طور سے تو اب ہم اپنے کام کو ختم کر چکے ہیں۔ کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا جس کو ہم نے پورا نہ کیا ہو۔ البتہ اب تو ہماری طرف سے دعائیں باقی ہیں۔ خدا نے بھی کوئی امر باقی اٹھا نہیں رکھا معجزات اس کثرت اور ہیبت سے دکھائے ہیں کہ دشمن ان کی عظمت اور شوکت کو مان گئے ہیں۔ اب اگر کوئی ہدایت نہ پاوے تو یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: ۵۷)

وفاتِ مسیح کا نسخہ

خدا تعالیٰ کے سلسلے کو ہتک اور خفت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ اس نے بہت بڑا ارادہ کیا ہے۔ اسلام کی خیر اسی میں ہے۔ ایک دفعہ ہم دلی میں گئے تھے۔ ہم نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ تم نے تیرہ سو برس سے یہ نسخہ استعمال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدفون اور حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر بٹھایا۔ یہ نسخہ تمہارے لیے مفید ہوا یا مضر؟ اس سوال کا جواب تم خود ہی سوچ لو۔ ایک لاکھ کے قریب لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ ہر قوم اور ہر فرقے میں سے، سید، مغل، پٹھان قریشی وغیرہ۔ یہ تو حضرت عیسیٰ کو بار بار زندہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ مگر اب دوسرا نسخہ ہم بتاتے ہیں وہ استعمال کر کے دیکھو اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو (جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فعلی شہادت دے دی) وفات شدہ مان لو۔ ان میں سے ایک شخص جو کہ لمبے قد کا تھا وہ بولا کہ آپ سچ کہتے ہیں آپ اپنا کام کئے جاویں میں نے آپ کا طریق سمجھ لیا ہے۔ واقع میں اسلام کی خیر اسی میں ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے حق میں توفّی کا لفظ استعمال کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رویت سے فعلی شہادت دی کہ ان کو معراج کی رات مُردوں کے ساتھ دیکھا۔ بھلا زندوں کو مُردوں سے کیا تعلق؟ حضرت عیسیٰ اگر زندہ ہوتے تو ان کے واسطے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی نہ یہ کہ وہ بھی مُردوں کے ساتھ ہی رہیں۔ توفّی کا لفظ بجز وفات کے جسم عنصری سے آسمان پر چڑھ جانے کے ہرگز

قرآنِ شریف سے کوئی ثابت نہ کرسکے گا۔ دیکھو یہی لفظ توفّی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قرآنِ شریف نے بولا ہے۔ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس: ۴۷) اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی لفظ توفی ہی آیا ہے تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف: ۱۰۲)

اب جائے غور ہے کہ اوروں کے واسطے تو یہی لفظ موت پر دلالت کرے مگر حضرت عیسیٰ کے حق میں اگر آجاوے تو اس میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کے معنے بجائے موت کے جسمِ عنصری سے آسمان پر چڑھ جانے کے ہوجاتے ہیں۔

سب سے پہلا اجماع جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوا وہ وفاتِ عیسیٰ کے مسئلہ پر ہے۔ ایک دفعہ مفتی محمد صادق صاحب جو ایک بڑے مخلص آدمی ہیں ان کو ایک بشپ پادری سے زندہ رسول کے مسئلہ پر مباحثہ کرنے کا موقعہ ملا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور میں ایک لارڈ بشپ نے ایک بڑے بھاری مجمع میں بیان کیا کہ مسلمانوں کا رسول (نعوذ باللہ) زندہ نبی کہلانے کا مستحق نہیں ہے زندہ نبی صرف حضرت عیسیٰ ہی ہیں۔ مسلمانوں کے رسول مدینہ میں مدفون اور مسیح زندہ آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ سب مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا کہ تم ہی سوچو اور فیصلہ کرو کہ افضل ان میں سے کون ہے؟ مسلمان بیچاروں کے پاس اس سوال کا کیا جواب تھا۔ اتفاق سے مفتی محمد صادق صاحب اس جلسہ میں موجود تھے۔ انہوں نے یہ حال دیکھ کر غیرتِ اسلامی کے تقاضا اور جوش سے اُٹھ کر کہا کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح کی وفات کو بیان کرکے کہا کہ قرآنِ شریف میں حضرت مسیح کی حیات کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ قرآنِ شریف ان کو بار بار انبیاء کی طرح وفات یافتہ قرار دے چکا ہے۔ یہ جواب سُنکر وہ بشپ چونک پڑا اور کوئی جواب اس سے بن نہ آیا۔ صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ معلوم ہوتا ہے تم مرزائی ہو۔ ہم تم سے گفتگو نہیں کرتے۔ ہمارے مخاطب عام مسلمان ہیں۔ اس واقعہ نے ہمارے دشمنوں کے دلوں پر بھی اثر کیا اور اندر ہی اندر وہ نادم ہوگئے اور ان کو یقین ہوگیا کہ آج اگر کوئی عیسائیوں پر غالب آسکتا ہے تو وہ یہی فرقہ ہے اور لوگوں نے متفق اللفظ ہوکر یہ کہا کہ اگرچہ ہیں تو یہ کافر مگر آج اسلام کی عزت انہی لوگوں نے رکھ لی ہے۔

صداقت کے زبردست نشانات

فرمایا کہ:۔
قربان جائیے ایسے کُفر کے جو اسلام کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا باعث ہو۔

پس یاد رکھو کہ دُنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی غریب۔ مسافر گٹھڑی باندھے سفر کو تیار بیٹھا ہوتا ہے۔ دُنیا کے بہت سے فکر اپنے ذمے ڈال لینے ٹھیک نہیں ہوتے۔ دیکھو دُنیا میں طرح طرح کے آفات کیسے خطرناک حملے کر رہے ہیں طاعون ہے۔ زلزلے ہیں۔ قحط ہے۔ ان کے علاوہ اور سینکڑوں آفات ارضی وسماوی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے انسان مطمئن کیسے ہو سکتا ہے۔ دیکھو یہی طاعون بھی ہماری صداقت کا ایک زبردست نشان ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر اس مرض کی خبر اس وقت دی تھی جبکہ پنجاب میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اور یہ کوئی ہمارا زبانی دعویٰ نہیں بلکہ بار بار ہم نے اس کے متعلق اپنی کتابوں اور سلسلہ کے اخباروں میں لکھ کر دُنیا کو اطلاع دی تھی کہ خطرناک طاعون ملک میں پھیلنے والا ہے۔ ہر ایک کو چاہیئے کہ قبل اس کے کہ وہ وارد ہو جاوے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ اور اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر لو مگر بہت تھوڑے تھے جنہوں نے ہماری بات کو سچا جانا اور اس کی طرف توجہ کی۔ ہم نے دیکھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں بعض لوگ سیاہ رنگ کے درخت لگا رہے تھے۔ اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ درخت طاعون کے ہیں۔ اور پھر ہاتھی کا سا جانور جس کے اعضاء مختلف حیوانات سے مشابہ تھے اور مجموعی شکل ہاتھی سے مشابہ تھی، دیکھا کہ وہ ہاتھی ایک بن میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر مختلف سمتوں میں جاتا تھا اور مختلف قسم کے جنگلی جانوروں مثل ہرن، بکری، سانپ، خرگوش وغیرہ وغیرہ پر حملہ کرتا اور ان کو کھا جاتا۔ جب وہ حملہ کرتا تو جانوروں کے شور وغل سے ایک قیامت کا شور بپا ہو جاتا اور اس کے ہڈیوں وغیرہ کے چبانے کی آواز ہم سنتے تھے ایک طرف سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجاتا اور اس کے چہرہ سے بڑے علم اور غربت کے آثار نمایاں تھے اور گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ میرا اس میں کیا قصور ہے میں تو مامور ہوں۔ مجھے جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر ہمارے پاس ٹھہرنے کے بعد پھر دوسری طرف جاتا اور وہاں بھی پہلے کی طرح عمل کرتا اور پھر میرے پاس آبیٹھتا۔ ایک طرف تو وہ جنگلی جانوروں کو کھاتا اور دوسری طرف ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ کے نازل شدہ غضب سے وہ خود بھی ہیبت زدہ تھا۔

یہ باتیں ہم نے آج نہیں بنائیں بلکہ یہ اس وقت کی ہیں کہ جب طاعون کا ملک میں نام ونشان بھی نہ تھا۔ کیا اس قسم کی غیبی پیشگوئیاں انسان کی طاقت میں ہیں؟ اور انسان ایسے غیب کے بتانے پر قادر ہو سکتا ہے؟ غور تو کرو کہ یہ کس قسم کا افتراء ہے جو عین دعویٰ کے مطابق ظہور پذیر ہو کر صدقِ دعویٰ کی ایک زبردست اور لاجواب دلیل بن گیا ہے۔

پھر زلزلہ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ زلزلہ کا دھکا اور عَفَتِ الدِّیَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا دیکھو پھر کیسا زلزلہ آیا اور کیسی کیسی تباہیاں دنیا میں واقع ہوئیں۔ ذرا کانگڑہ کے مندر کے حالات

ہی غور سے پڑھ سن لیے جاویں تو اس پیشگوئی کی عظمت اور ہیبت معلوم ہو گی۔ کیا یہ انسان کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اگر یہ خدا کا کلام ہے تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسی جرأت اور دلیری کی جاتی ہے۔

اولیاء اور صاحب کشف لوگوں کے نزدیک مہدی اور مسیح موعود کا زمانہ

میں کمزور اور ایک عاجز انسان ہوں مگر خدا تعالیٰ جس سے چاہے کام لے لے۔ یہ اس کی بندہ نوازی ہے کسی کا حق نہیں کہ خدا تعالیٰ کے فعل پر اعتراض کرے۔ زمانہ آگیا تھا اور تمام اہل اللہ نے اس وقت کی خبر دی تھی۔ حجج الکرامہ میں بہت سے اولیاء اللہ اور اہلِ کشف لوگوں کے اقوال کے حوالے درج کر کے صدیق حسن خاں نے یہ ثابت کیا ہے کہ جتنے بڑے بڑے اولیاء اور صاحبِ کشف لوگ تھے تمام نے متفق طور سے یہی خبر دی ہے کہ آنے والا مہدی اور مسیح موعود چودھویں صدی میں ہی آئے گا۔ چودھویں صدی سے آگے کوئی بھی نہیں بڑھا۔ پھر آگے چل کر لکھا ہے کہ "کاش وہ میرے زمانہ میں پیدا ہوں تو میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا دوں ورنہ میں اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کو پاویں گے میرا سلام پہنچا دیں"۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو بہت کم توفیق قبولِ حق کی ملتی ہے کیونکہ سنت اللہ یہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ سے پہلے ایک شخص بڑے زور سے وعظ کیا کرتا تھا کہ لوگو! نبی آخر الزمان آنے والے ہیں۔ ان کی آمد کے تمام نشانات اور لوازم پورے ہو گئے ہیں مگر خدا کی شان کہ جب آپؐ مبعوث ہوئے تو اوّل المکذبین ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم زمانہ ہونا بھی ایک فخر اور تکبر بیجا پیدا کر دیتا ہے جو قبولِ ہدایت سے محرومی کا باعث ہو جاتا ہے۔ صدیق حسن نے بھی ہماری کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور بے ادبی کی تھی مگر بہت دن نہ گذرے کہ خدائی عتاب میں آگیا اور آخر بڑی عاجزی اور انکساری سے دُعا کے واسطے لکھا ہم نے اس کے واسطے دُعا کی۔ اور خدا تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ ہم نے اس کی عزت کو سرکوبی سے بچا لیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے واسطے نوابی کا خطاب بحال رکھنے کا حکم آگیا مگر وہ اس حکم کے آنے سے پہلے وفات پا چکا تھا۔[1]

انبیاء کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہوتے ہیں

مسٹر محمد علی جعفری ایم۔ اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کو جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ صفحہ ۱ تا ۷ مورخہ ۱۴ مئی ۱۹۰۸ء

کی خدمت میں ملاقات کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس نے مخاطب کر کے فرمایا:۔

میں جب مامور ہوا تھا اور خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو بہت صاف طور سے قائم کیا۔ کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور قرآن شریف کے عین منشاء کے مطابق اور ٹھیک وقت پر ظہور ہوا تھا اور پھر صداقتِ دعویٰ کے ساتھ خدائی نشان بھی تھے تو میں نے سب سے اوّل اس امر کو گروہ علماء کے پیش کیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ علماء اس امر کو سب سے پہلے قبول کریں گے۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ بوجہ علومِ دین سے واقفیت رکھنے کے بلا عذر مجھے قبول کریں گے۔ کیونکہ میرا دعویٰ میں قرآن و حدیث کے مطابق اور ضرورتِ حقہ کے واسطے تھا اور یہ لوگ خود انتظار میں تھے اور تحریراً تقریراً اپنے واعظوں اور لیکچروں میں کہا کرتے تھے کہ چودھویں صدی میں مسیح موعود کا آجانا یقینی اور قطعی ہے اور علاوہ ازیں کل علامات جو یہ بیان کرتے تھے میری صداقت کے لیے ظاہر ہو چکی تھیں۔ مگر ہماری وہ امید بالکل غلط نکلی۔ علماء کی طرف سے ہمیں اس دعوت کا جو جواب ملا وہ ایک فتویٰ تھا جس میں ہمیں کافر، اکفر، دجال، مضل، دائرہ اسلام سے خارج، یہود اور نصاریٰ سے بدتر قرار دیا اور لکھا گیا کہ ان لوگوں کو اپنی قبروں میں داخل نہ کیا جائے۔ ان کے جنازے نہ پڑھے جاویں۔ ان کے ساتھ ملاقات نہ کی جاوے۔ ان سے مصافحہ نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ یہانتک تشدد کیا کہ جو ان سے میل جول رکھے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔

پھر ان لوگوں سے یہ جواب پاکر ہمیں خیال آیا کہ تعلیم یافتہ لوگ عموماً بے تعصب اور عناد سے پاک ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسی خیال سے ہم نے پھر اپنی دعوت نئے تعلیم یافتہ گروہ کے پیش کی مگر ان میں سے اکثر کو بے قید پایا اور اکثر کو دیکھا کہ وہ خود اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام کی تعلیم ایک جاہلانہ اور وحشیانہ زمانہ کی تعلیم تھی اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب اس سے فراغت حاصل کرنی چاہیئے اور زمانہ کی رفتار کے کے مناسب حال ترمیم کر لینی چاہیئے۔ غرض اس طرح سے اس قوم کے لوگوں سے بھی محرومی ہی ہوئی۔ الا ماشاء اللہ

پھر رؤساء کے گروہ کی طرف اپنی دعوت بھیجی کہ ان کو دُنیا کا حصّہ دیا جاتا ہے اور یہ سیدھے سادے مسلمان ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص صدیق حسن خاں نے ہماری کتاب کو چاک کر کے واپس بھیجدیا اور اس طرح سے اپنی قساوتِ قلبی کا اظہار کیا۔ ان کے بعد ہم نے سمجھا کہ یہ سعادت ہمیشہ ضعفاء ہی کا حصہ ہوتی ہے چنانچہ ہمارا یہ خیال بالکل صحیح نکلا اور سنّتِ قدیمہ کے بموجب ضعفاء ہی اکثر ہمارے ساتھ ہوئے جن کو نہ ولایت کا گھمنڈ اور نہ دولت کا تکبّر بلکہ سادہ لوح اور پاک نفس ہوتے ہیں۔ اور وہی خدا تعالیٰ کے بھی مقرب ہوتے ہیں، چنانچہ اسی گروہ میں سے کئی لاکھ انسان اب ہمارے ساتھ ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب نبوت کا خلعت خدا تعالیٰ سے پاکر دعوتِ اسلام کے خط بادشاہوں

کو لکھے تھے تو ان میں سے ہرقل قیصر روم کے نام بھی ایک خط لکھا تھا۔ اس نے پڑھ کر کسی عرب کی جو آپ کی قوم کا ہو تلاش کرائی۔ چنانچہ چند قریشی جن میں ابوسفیان بھی تھا پیش خدمت کئے گئے۔ ان سے بادشاہ نے چند سوال کئے جن میں یہ بھی تھا کہ اس شخص کے آباء و اجداد میں سے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا؟ جسکا جواب نفی میں دیا گیا پھر پوچھا گیا کہ کوئی بادشاہ تو نہیں گذرا اُسکے بزرگوں میں؟ اسکا جواب بھی نفی میں دیا گیا۔ پھر یہ سوال کیا کہ اس شخص کے پیرو کون لوگ ہیں؟ اسکے جواب میں کہا گیا کہ انکی پیروی کرنیوالے غریب اور کمزور لوگ ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ لڑائیوں میں کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جواب دیا گیا کہ کبھی وہ فتح پاتا ہے اور کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ ان سوالات کے جوابات سُنکر قیصر نے اقرار کیا کہ انبیاء ہمیشہ دُنیا میں اسی شان میں آیا کرتے ہیں، انکے ساتھ اوّل میں ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہی شامل ہوا کرتے ہیں۔ اس شخص نے اپنی فراستِ صحیحہ سے معلوم کر لیا کہ واقعی یہ شخص سچا نبی ہے اور یہ وہی نبی ہے جس کی پیشگوئی کی گئی ہے چنانچہ اس نے یہ بھی کہا وہ وقت قریب ہے کہ وہ میرے تخت کا بھی مالک ہو جاویگا۔

غرض یہ سُنّتِ قدیمہ ہے کہ انبیاء کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور ضعیف لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ اس سعادت سے محروم ہی رہ جاتے ہیں ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ان باتوں سے پہلے ہی فارغ التحصیل سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بڑائی اور پوشیدہ کبر اور شیخوخت کی وجہ سے ایسے حلقہ میں بیٹھنا بھی ہتک اور باعثِ ننگ و عار جانتے ہیں جس میں غریب لوگ مخلص کمزور مگر خدا تعالیٰ کے پیارے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ صدہا لوگ ایسے بھی ہماری جماعت میں داخل ہیں جن کے بدن پر مشکل سے لباس بھی ہوتا ہے۔ شکل سے چادر یا پاجامہ بھی ان کو میسر آتا ہے۔ ان کی کوئی جائیداد نہیں مگر ان کے لا انتہاء اخلاص اور ارادت سے محبت اور وفا سے طبیعت میں ایک حیرانی اور تعجب پیدا ہوتا ہے جو اُن سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہتی ہے یا جس کے آثار اُن کے چہروں سے جلی ہوتے ہیں وہ اپنے ایمان کے ایسے پکے اور یقین کے ایسے سچے اور صدق و ثبات کے ایسے مخلص اور با وفا ہوتے ہیں کہ اگر ان مال و دولت کے بندوں ان دنیوی لذّات کے دلدادوں کو اس لذت کا علم ہو جائے تو اس کے بدلے میں یہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جاویں۔ ان میں سے مثال کے طور پر ایک شخص شاہزادہ مولوی عبداللطیف صاحب مرحوم ہی کے حالات کو غور سے دیکھ لو کہ کیسا صدق کا پکا اور وفا کا سچا تھا۔ جان تک سے دریغ نہیں کیا۔ جان دے دی مگر حق کو نہیں چھوڑا۔ ان کی جب مخبری کی گئی اور ان کو امیر کے روبرو پیش کیا گیا تو امیر نے ان سے یہی پوچھا کہ کیا تم نے ایسے شخص کی بیعت کی ہے؟ تو اُس نے چونکہ وہ ایک راستباز انسان تھا صاف کہا کہ "ہاں مَیں نے بیعت کی ہے مگر نہ تقلیداً اندھا دھند بلکہ علیٰ وجہ البصیرۃ اس کی اتباع اختیار کی ہے۔ مَیں نے دُنیا بھر میں اس کی مانند کوئی شخص نہیں دیکھا۔ مجھے اس سے الگ ہونے

سے اس کی راہ میں جان دے دینا بہتر ہے"

غرض مرحوم اس بات کا ایک نمونہ چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے تعلق رکھنے والے کیسے صادق الایمان اور صادق الاعتقاد ہیں۔

منکرین کا انجام

اصل بات یہ ہے کہ مشکلات صرف یہی ہیں کہ لوگوں کو امورِ دینی میں تدبر کرنا اور خدا سے ڈر کر کسی معاملہ میں غور کرنا اور حق و باطل میں امتیاز چاہنا اور یہ تڑپ رکھنا کہ آیا یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں اس طرف توجہ ہی نہیں مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل عبث نہیں بلکہ اُس نے حق و حکمت سے سلسلہ قائم کیا ہے اور ضرورتِ حقہ کے وقت اس کو کھڑا کیا ہے۔ پس وہ منکروں سے ضرور مطالبہ کرے گا مَا اَرْسَلَ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَّا اَخْزٰى بِهٖ قَوْمًا لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ یاد رکھو کہ دنیا میں ایسا کوئی بھی نبی یا رسُول نہیں گذرا جس کے منکروں کو خدا تعالیٰ نے ذلت اور رسوائی کا عذاب نہ دیا ہو۔ یہ ضروری اور لازمی ہوتا ہے کہ رسُول کی حجت پوری کر دینے کے بعد منکر قوم کو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے واسطے عذاب دیا جاوے۔

خدا تعالیٰ کے نزدیک دو بڑے گناہ

خدا تعالیٰ کے نزدیک دو بڑے ہی سخت گناہ ہیں۔ اوّل افتراء اور تقوّل علی اللہ۔ یعنی یہ کہ کوئی شخص دعویٰ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے یا وحی یا الہام کرتا ہے حالانکہ اسے نہ کوئی وحی ہوتی ہے اور نہ الہام اور نہ خدا اس سے کبھی ہمکلام ہوا حتیٰ کہ جھوٹی خواب کا بنا لینا بھی اسی میں داخل ہے۔ غرض ایک تو یہ امر کہ خدا پر افتراء کرنا حالانکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کاذب ہے۔ دوسرے وہ شخص خدا تعالیٰ کے بڑے سخت غضب اور عتاب کا مورد ہوگا جو ایک صادق اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کا انکار کرتا ہے۔

بہرحال ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہمیشہ سے چلی آئی ہے اور اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عملی طور پر ایک سلسلۂ نبوت قائم کر کے دکھا دیا ہے۔ اس سے اس قدر فائدہ تو اُٹھانا چاہیئے کہ جہاں اور اپنے دنیوی کاروبار کے واسطے اتنی سرگردانی اور محنت اور کوشش کرتے ہو اس بات کی بھی کچھ تحقیقات تو کرو کہ آیا جو اپنے کاروبار کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے اور اتنا بڑا دعویٰ پیش کرتا ہے اتنا تو معلوم کریں کہ یہ صادق ہے یا کاذب۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے رسُول کی نافرمانی کرے گا میں اس کو نہیں چھوڑونگا جب تک اس سے اس انکار کا مطالبہ نہ کروں معمولی حکام اور گورنمنٹ بھی اپنے احکام کی تحقیر کرنے والوں اور باغیوں کو بغیر سزا نہیں چھوڑتی تو پھر وہ جو خدا ہے اور احکم الحاکمین ہے ذرّہ ذرّہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اسکے

مرسل کی نافرمانی اور اس کے احکام کی ہتک کرنے والا کس طرح امن میں رہ سکتا ہے۔

صداقت مسیح موعود علیہ السلام اگر میرے ساتھ خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہ ہوتا اور نہ اس کی تائید اور نصرت میرے شامل حال ہوتی اور میں نے قرآن سے الگ کوئی راہ نکالی ہوتی یا قرآنی احکام اور شریعت میں کچھ دخل و تصرف کیا ہوتا یا منسوخ کیا ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے باہر کوئی اور نئی راہ بتائی ہوتی تو البتہ حق تھا اور لوگوں کا عذر معقول اور قابلِ قبول ہوتا کہ واقعہ میں یہ شخص خدا اور خدا کے رسول کا دشمن اور قرآن شریف اور تعلیم قرآن کا منکر اور منسوخ کرنیوالا ہے۔ فاسق ہے۔ فاجر ہے۔ مُرتد ہے۔ مگر جب میں نے نہ قرآن میں کوئی تغیر کیا اور نہ پہلی شریعت کا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے ایک شوشہ اور نقطہ میں نے بدلا بلکہ میں قرآن اور احکام قرآنی کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مذہب کی خدمت کے واسطے کمربستہ ہوں اور جان تک میں نے اپنی اسی راہ میں لگا دی ہے۔ اور میرا یقین کامل ہے کہ قرآن کے سوا جو کامل اکمل اور مکمل کتاب ہے اور اسکی پوری اطاعت اور بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نجات ممکن ہی نہیں اور قرآن میں کمی بیشی کرنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنے والے کو کافر اور مُرتد یقین کرتا ہوں تو پھر اس صورت میں اور باوجود میری صداقت کے ہزارہا نشان ظاہر ہو جانے کے جو کہ خدا تعالیٰ نے آج تک میری تائید میں آسمان اور زمین پر ظاہر کئے پھر مجھے جو شخص کاذب اور مفتری اور دجال کے نام سے پکارتا ہے یا جو میری پروا نہیں کرتا اور میری آواز کی طرف کان نہیں دھرتا یقیناً جانو کہ خدا تعالیٰ بغیر مؤاخذہ اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑے گا۔ اسلام کی کشتی غرق ہونے کو ہے۔ زمانہ شہادت دے رہا ہے اور وقت پکار پکار کر ضرورت کو محسوس کر رہا ہے۔ اندرونی حالت ایسی خطرناک ہے کہ اس سے ہرگز ہرگز کسی کا دل مطمئن اور خوش نہیں ہو سکتا۔ بیرونی حملے ایسے خطرناک ہیں کہ قریب ہے کہ اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکیں تو کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی کو خدا تعالیٰ اسلام کی حمایت کے واسطے مبعوث فرماتا اور کوئی مجدد بھیجتا جو اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو سنبھال لیتا۔ صدی کا سر بھی گذر گیا مگر کل وعدے جھوٹے ہی جھوٹے نکلے؟ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں کہ خدا اسلام کی خبر گیری کرتا؟ یا کیا کوئی اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نازک حالت ہوگی؟ کیا جب اسلام بالکل مَر ہی جاویگا اور اس میں کوئی دم باقی نہ رہیگا اس وقت کوئی آویگا؟ پھر ایسے آنیوالے سے کیا فائدہ اور کیا حاصل؟

یاد رکھو کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر اسلام بھی جھوٹا ہے اور اگر اسلام بھی دوسروں کی طرح ایک مُردہ مذہب ہے تو پھر اسلام میں کیا بڑائی ہے اور اس کی کیا خصوصیت ہے؟ توحید جس کا تم کو ناز ہے اس کے تو برہمو اور آریہ بھی دعویدار ہیں۔ ایک شخص نے اسی لاہور میں ایک دفعہ لیکچر دیا تھا کہ ہم لوگ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں پھر ہمیں

محمد رسول اللہ کی کیا حاجت ہے؟ جب یہ صورت ہے اور توحید کے اور مذاہب بھی قائل ہیں تو پھر تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہی کیا ہوا؟

جہاد کی حقیقت اگر یہی جہاد وغیرہ کے عقائد ہی مابہ الامتیاز ہیں تو پھر یاد رکھو کہ یہ سخت غلطی ہے اور اس طرح تم اسلام کے حامی نہیں بلکہ دشمن ہو، اسلام کو بدنام کرتے ہو۔ دیکھو اگر ہمیں اس بات کا علم ہوتا کہ واقعہ میں قرآن شریف کا یہی منشاء ہے تو پھر ہم اس ملک کے باہر چلے جاتے اور ایسی جگہ اپنی قیام گاہ بناتے جہاں سے ہمیں ان احکام کی ادائیگی میں ہر طرح کی سہولت اور آسانی ہوتی اور خوب دل کھول کر ان احکام کو بجالاتے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن کا یہ منشا نہیں جو بدقسمتی سے بعض نادان مخالفوں نے سمجھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ آپ کے بہت سے جان نثار اور عزیز دوست ظالم کفار کے تیر و تفنگ کا نشانہ بنے اور طرح طرح کے قابلِ شرم عذاب ان لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پہنچائے حتیٰ کہ آخر کار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کر لیا۔ چنانچہ آپ کا تعاقب بھی کیا۔ آپ کے قتل کرنے والے کے واسطے انعام مقرر کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ تعاقب کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ مگر یہ تو خدا تعالیٰ کا تصرف تھا کہ آپ کو ان کی نظروں سے باوجود سامنے ہونے کے بچا لیا اور ان کی آنکھوں میں خاک ڈال کر خود اپنے رسول کو ہاتھ دے کر بچا لیا۔ آخر کار جب ان کفار کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے باہر نکال کر بھی وہ سیر نہ ہوئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الحج: ۴۰) خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور اس اجازت میں یہ ثابت کر دیا کہ واقع میں یہ لوگ ظالم تھے۔ اور شرارت ان کی حد سے بڑھ چکی تھی اور مسلمانوں کا صبر بھی اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکا تھا۔ اب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے تلوار سے مقابلہ کیا وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جاویں اور گو یہ چند اور ضعیف ہیں مگر میں دکھا دوں گا کہ میں بوجہ اس کے کہ وہ مظلوم ہیں ان کی نصرت کرونگا اور تم کو ان کے ہاتھ سے ہلاک کراؤں گا۔ چنانچہ پھر اس حکم کے بعد ان ہی چند لوگوں کی جو ذلیل اور حقیر سمجھے گئے تھے اور جنکا نہ کوئی حامی بنتا تھا اور نہ مددگار اور وہ کفار کے ہاتھ سے سخت درجہ تنگ اور مجبور ہو گئے تھے انکی مشارق اور مغارب میں دھاک بیٹھ گئی اور اس طرح سے خدا نے اُن کی نصرت کر کے دُنیا پر ظاہر کر دیا کہ واقعی وہ مظلوم تھے۔ غرض ہر طرح سے، ہر رنگ میں اور ہر پہلو پر نظر ڈال کر دیکھ لو واقع میں اس وقت مسلمان مظلوم تھے یا کہ نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ ایسے خطرناک اور نازک وقت میں بھی ان چند کمزور مسلمانوں کو اپنی حفاظت

جان کے واسطے تلوار اُٹھانے اور دفاعی طور سے لڑائی کرنے کی اجازت نہ دیتا تو کیا ان کو دُنیا کے تختہ سے نابود ہی کر دیتا؟ تو پھر اس حالت میں ان کا تلوار اُٹھانا جبکہ ہر طرح سے ان کا حق تھا کہ وہ تلوار اُٹھاتے کیا شرعاً اور کیا عُرفاً مگر وہ بھی آج تک نشانۂ اعتراض بنا ہوا ہے اور متعصب اور جاہل دشمن اب تک اس کو نہیں بھولتے تو کیا اب یہ لوگ خونی مہدی کا عقیدہ پیش کر کے ان کے ان اعتراضوں کو پھر تازہ کرتے اور مسلمانوں سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھو مہدی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صاف فرمایا ہے کہ یَضَعُ الْحَرْبَ وہ جنگ کا خاتمہ کر دے گا اور وہ جنگ ایک علمی جنگ ہوگی۔ قلم تلوار کا کام کرے گا اور اسرارِ رُوحانی، برکاتِ سماوی اور نشاناتِ اقتداری سے دُنیا کو فتح کیا جاوے گا اور تازہ بتازہ غیبی پیشگوئیوں اور تائیداتِ خدائی سے سچے مذہب کو ممتاز کر کے دکھایا جاوے گا۔ یہ کہدینا کہ معجزات سابقہ ہمارے پاس موجود ہیں کافی نہیں۔ یاد رکھو کہ ہندوؤں کے پُستکوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی کتابوں کے قصّے کہانیوں سے بڑھ کر تمہارے پاس بھی کچھ نہیں۔ اگر تم قصّے پیش کرو گے تو وہ تم سے بڑھ چڑھ کر قصّے پیش کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی سچائی کا معیار بھی صرف قصّے کہانیوں کی بناء پر رہ گیا ہے تو پھر یاد رکھو کہ یہ امر مشتبہ ہے۔

انبیاء کے وجود اور نشانات کی ضرورت

اسلام میں فرقان ہے۔ خدا نے ہمیشہ سے اسلام میں ایک امرِ فارق رکھا ہے اور تازہ بتازہ نشانات ہیں۔ نشان کا نام سُنکر آجکل کے فلسفہ پڑھنے والے کچھ کشیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کے وجود کا پتہ لگانے کے واسطے نشانات اور انبیاء کے وجود کی کیا ضرورت ہے؟

مگر یاد رکھو کہ اس نظامِ شمسی اور اس ترتیبِ عالم سے جو کہ ایک اَبلغ اور مُحکم رنگ میں پائی جاتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکالنا کہ خدا ہے یہ ایک ضعیف ایمان ہے اس سے خدا کے وجود کے متعلق پوری تسلی نہیں ہو سکتی، امکان ثابت ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یقیناً خدا ہے اگر اس میں یقینی اور قطعی دلائل ہوتے تو پھر لوگ دہریہ کیوں ہوتے؟ بڑے بڑے محقق کتابیں تالیف کرتے ہیں مگر ان کے دلائل ناطقہ اور براہین قاطعہ نہیں ہوتے۔ کسی کا منہ بند نہیں کر سکتے اور نہ ان سے یقینی ایمان تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ اگر ایک شخص ان امور سے خدا تعالیٰ کی ہستی کے دلائل بیان کرے گا تو ایک دہریہ اس کے خلاف دلائل بیان کر دیگا۔

دراصل بات یہ ہے کہ اس طرح اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "ہے"۔ ہونا چاہیئے اور ہے میں بہت بڑا فرق ہے۔ "ہے" مشاہدہ کو چاہتا ہے۔ مگر دوسرا حصہ بوجودِ باری تعالیٰ کے واسطے انبیاء نے پیش کیا ہے کہ زبردست نشانات معجزات اور خدا کی زبردست طاقت کے ظہور سے اس کی ہستی ثابت کی جاوے۔ یہ ایک ایسی راہ ہے کہ تمام سر اس دلیل کے آگے جُھک پڑتے ہیں

اصل میں بہت سے عرب دہریہ تھے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا (المؤمنون: ۳۸) کیا عرب جیسے اجڈ اور بے باک، بے قید، بے دھڑک لوگ تلوار سے آپ نے سیدھے کئے تھے۔ اور ان کی آپ کی بعثت سے پہلی اور پچھلی زندگی کا عظیم الشان امتیاز اور فرق اس وجہ سے تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا مقابلہ نہ کر سکے تھے؟ یا کیا صرف سادہ اور نری اخلاقی تعلیم تھی جس سے ان کے دلوں میں ایسی پاک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یاد رکھو کہ تلوار انسان کے ظاہر کو فتح کر سکتی ہے مگر دل کبھی تلوار سے فتح نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ وہ انوار تھے جن میں خدا کا چہرہ نظر آتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسے ایسے خارق عادت نشانات دکھائے تھے کہ خود خدا ان لوگوں کے سامنے موجود ہوا تھا اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے جلال اور جبروت کو دیکھ کر گناہ سوز زندگی اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لی تھی۔

خدا تعالیٰ پر زندہ ایمان پیدا کرنے کی ضرورت

اب پھر وہی وقت ہے اور ویسا ہی زمانہ۔ پس اس وقت بھی خدا کی ہستی کا یقین اسی ذریعہ سے ہوگا جس ذریعہ سے ابتداء میں ہوا تھا۔ اسلام وہی اسلام ہے لہٰذا اس کی کامیابی اور سرسبزی کے بھی وہی ذریعے ہیں جو ابتداء میں تھے۔ اب بھی ضرورت ہے تو اس بات کی کہ خدا کے چہرہ نما ہیبت ناک اقتداری نشانات ظاہر ہوں اور یقین جانو کہ کوئی شخص گناہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا تعالیٰ کی معرفت کامل نہ ہو۔ یہ گناہ اور طرح طرح کے معاصی جو چاروں طرف دنیا میں بھرے پڑے ہیں ان کے دُور کرنے کے واسطے صرف خشک ایمان کافی نہیں۔ کیا وہ خوفِ خدا جیسا کہ چاہیئے دنیا میں موجود ہے نہیں ہرگز نہیں۔ اصل میں انسان نفسِ امارہ کی زنجیروں میں ایسا جکڑا ہوا ہے جیسے کوئی چڑیا کا بچہ ایک شیر کے پنجے میں۔ جب تک اس نفس کے پنجے سے نجات نہ پا جاوے تب تک تبدیلی محال ہے اور گناہ سے بچنا مشکل۔ مگر دیکھو اگر ابھی ایک ہیبت ناک زلزلہ آجاوے اور در و دیوار اور مکان کا چھت لرزنے لگے تو دلوں پر ایک ایسی ہیبت طاری ہوگی اور ایسا خوف دلوں پر چھا جائے گا کہ اس وقت گناہ کا خیال تک بھی دلوں میں نہ رہے گا۔ ایک خطرناک مہلک مرض کے وقت جو حالت انسان کی ہوتی ہے وہ امن اور آرام و آسائش کی زندگی میں ہرگز ممکن نہیں۔

انسان اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کے واسطے خدا تعالیٰ کی تجلیات اور زبردست نشانوں کا محتاج ہے۔ ضروری ہے کہ خدا کوئی ایسی راہ پیدا کر دے کہ انسان کا ایمان خدا تعالیٰ پر تازہ اور پختہ ہو جاوے اور صرف زبان تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس ایمان کا اثر اس کی عملی حالت پر بھی ظاہر ہو جاوے اور اس طرح

سے انسان سچا مسلمان ہو جاوے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں الہاماً یہ فرمایا ؎

چو دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

یہ خدا کا کلام ہے۔ آجکل اگر عمیق نظر سے اور غور سے دیکھا جاوے تو زبانی ایمان ہی کثرت سے نظر آوے گا۔ پس خدا کا یہی منشاء ہے کہ لفظی اور زبانی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جاوے۔ یہودی کیا توریت پر نہ کرتے تھے؟ مگر خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی اور کہا کہ تم مومن نہیں ہو بلکہ بعض نمازیوں کی نماز پر بھی لعنت بھیجی ہے جہاں فرمایا ہے وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: ۵، ۶) یعنی لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ صلوٰۃ اصل میں آگ میں پڑنے اور محبتِ الٰہی اور خوفِ الٰہی کی آگ میں پڑ کر اپنے آپ سے جل جانے اور ماسوی اللہ کو جلا دینے کا نام ہے اور اس حالت کا نام ہے کہ صرف خدا ہی خدا اس کی نظر میں رہ جاوے اور انسان اس حالت تک ترقی کر جاوے کہ خدا کے بُلانے سے بولے اور خدا کے چلانے سے چلے۔ اس کی کل حرکات اور سکنات، اس کا فعل اور ترکِ فعل سب اللہ ہی کی مرضی کے مطابق ہو جاوے خودی دُور ہو جاوے۔

غرض یہ باتیں ہیں اگر خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے تو۔ مگر جب تک خدا کسی کے دل کے دروازے نہ کھولے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ دلوں کے دروازے کھولنا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اَقَامَ وَاعِظًا فِيْ قَلْبِهٖ۔ جب انسان کے اچھے دن آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو انسان کی دوستی اور بہتری منظور ہوتی ہے تو خدا انسان کے دل میں ہی ایک واعظ کھڑا کر دیتا ہے اور جب تک خود انسان کے اندر ہی واعظ پیدا نہ ہو۔ تب تک بیرونی وعظوں کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ مگر وہ کام خدا کا ہے۔ ہمارا کام نہیں ہے ہمارا کام صرف بات کا پہنچا دینا ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ: ۱۰۰) تصرف خدا کا کام ہے ہم اپنی طرف سے بات کو پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پوچھے جاویں کہ کیوں اچھی طرح سے نہیں بتایا۔ اسی واسطے ہم نے زبانی بھی لوگوں کو سنایا ہے۔ تحریری بھی اس کام کو پورا کر دیا ہے۔ دُنیا میں کوئی کم ہی ہوگا جو اب بھی یہ کہدے کہ اس کو ہماری تبلیغ نہیں پہنچی یا ہمارا دعویٰ اُس تک نہیں پہنچا[1]

○○○○○○○○

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۱۸ رجون ۱۹۰۸ء

۳ رمئی ۱۹۰۸ء

بروز اتوار۔ بمقام لاہور۔ برمکان ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

خدا تعالیٰ کو شناخت کرنے کا طریق

ایک دہریہ سے ملاقات کے دوران فرمایا:۔
طبائع میں اختلاف ہوتا ہے بعض طبائع میں ایسی استعداد ہوتی ہے کہ وہ حق کے قبول کرنے میں جلدی کرتی ہیں اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں کہ حق ان کی سمجھ میں تو آجاتا ہے مگر دیر بعد۔ اور بعض ایسی بھی ہیں کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد دبتے دبتے ایک وقت بالکل زائل ہی ہوجاتی ہے۔ خدا تعالیٰ جس کا وجود مخفی در مخفی اور نہاں در نہاں ہے۔ ہم نے اس کو ایسا نہیں مانا کہ وہ ایک ہیولیٰ ہے۔ ایسا ایک انسان جس کو سچا شوق، حقیقی جوش اور دلی تڑپ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو پہچانے۔ اس کے لیے تمام گذشتہ قصص اور واقعات پر نظر ڈال کر غور کرنا از بس مفید ہوسکتا ہے۔ تاریخ ایسے انسان کے واسطے رہبری کرسکتی ہے۔ تاریخ اور تمام واقعاتِ سلف بجز اس کے اَور کوئی راہ نہیں بتاتے کہ خدا کو خدا کے عجائباتِ قدرت اور تصرفات سے جو کہ وہ بذریعہ اپنے الہامات، وحی اور مکالمات دنیا پر ظاہر کرتا ہے پہچان سکتے ہیں۔ اس راہ سے بڑھ کر اور کوئی یقینی راہ خدا تعالےٰ کی شناخت کی ہرگز نہیں ہے۔ جن لوگوں کو وہ خاص کر لیتا ہے اور حصۂ معرفت ان کو عطا کرتا ہے ان پر وہ مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے۔ مشتاق کی تسلی اور تسکین کے لیے دیدار یا گفتار دو ہی چیزیں ہیں۔ جہاں دیدار نہیں ہوسکتا وہاں گفتار دیدار کی جا بجا اور قائم مقام ہوجاتی ہے۔ ایک مادر زاد نابینا گفتار ہی کے ذریعے شناسائی کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ غیر محدود ہے اور اس کی ذات ایسی نہیں کہ اس کی رؤیت اور دیدار جسمانی چیزوں کی طرح ہو سکے۔ اس واسطے اُس نے اپنی گفتار جس کو بالفاظ دیگر الہام، وحی، مکالمات کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، دیدار کے قائمقام رکھ دی ہے۔ کم ہیں جن کو دیدار ہوتا ہو۔ اکثر گفتار ہی کے ذریعہ تسلی پاتے اور طمانیت حاصل کرتے ہیں۔

کلام اللہ کا امتیاز

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا یہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ گفتار جو انسان سُنتا ہے واقعی خدا کا کلام ہے کسی اَور کا نہیں۔ سو اس کے لیے یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ خدائی طاقت، جبروت اور عظمت ہوتی ہے جس طرح تم لوگ ایک معمولی انسان اور بادشاہ کے کلام میں فرق کرسکتے ہو اسی طرح اس احکم الحاکمین کے کلام میں بھی شوکت و سطوتِ سلطانی ہوتی ہے جس سے شناخت ہوسکتی ہے کہ واقعی یہ کلام بجز خدائے عزوجل کے

اور کسی کا نہیں۔

مُلہمین کی علامات دوسرا بڑا بھاری نشان اس شناخت اور تمیز کا یہ ہوتا ہے کہ جس انسان سے خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے وہ خالی نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی خدائی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور وہ بھی ایک گونہ خدائی صفات کا مظہر اور جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ لوازم پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ علوم غیبی جو سفلی خیالات کے انسانوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے وہ ان کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس کی دُعائیں قبول کرکے اس کو اطلاع دی جاتی ہے اور اس کے کاروبار میں خاص نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور جس طرح خدا سب پر غالب ہے اور اس کو کوئی جیت نہیں سکتا۔ اسی طرح انجامکار وہ بھی غالب اور ہر طرح سے مظفر و منصور اور کامیاب و بامراد ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ نشان ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے عقلمند انسان کو ضرور تاً ماننا ہی پڑتا ہے کہ خدا بھی ضرور ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں سے بھی گفتگو اور ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جو مصنوعات سے صانع کو پہچاننے اور شناخت کرنے کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس طریق کو ہم نے آزمایا بھی ہے۔ مگر یاد رکھو کہ یہ راہ ٹھیک نہیں ادھوری ہے۔ اس راہ سے انسان کو حقیقی معرفت اور یقین کامل جو انسان کی عملی حالت پر اثر ڈال سکے ہرگز ممکن نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بس یہی ہوتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ مگر ہے اور ہونا چاہیئے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

معرفتِ کاملہ اس بیان سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ معرفت بھی وہی فائدہ بخش ہو سکتی ہے جس سے انسان میں ایک تبدیلی بھی پیدا ہو۔ ایک شخص جو بینائی اور قوتِ رویت کا دعویٰ کرے مگر اس کے دعوے کے ساتھ کوئی عملی ثبوت نہ ہو اور وہ کھڑا ہوتے ہی دیواروں سے ٹکریں کھائے کیا اس کا دعویٰ قابلِ پذیرائی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کارآمد صنعت کمال ہی ہے۔ نیم مُلّاں خطرۂ ایمان اور نیم حکیم خطرۂ جان مشہور مقولے ہیں۔ پس کامل معرفت کی تلاش کرنا شرط ہے اور وہ اس راہ سے میسر آسکتی ہے جو راہ انبیاء دُنیا میں لائے۔

ایک دہریہ تو وہ ہے جو صانع کے وجود کا منکر ہے اور یہ گروہ قدیم سے ہے مگر میں کہتا ہوں فرض کرو کہ دنیا میں ایسا ایک بھی متنفس نہیں تو بھی ہر وہ جس کو کامل معرفت نہیں وہ بھی دہریہ ہے۔ جب تک کامل معرفت نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں۔ جس طرح ایک دانہ بھوک کو اور ایک قطرہ پیاس کو نہیں مٹا سکتے اسی طرح خشک ایمان جس کے ساتھ کمال معرفت اپنے تمام لوازم کے ساتھ نہیں نجات نہیں دلا سکتا۔ جس طرح وہ انسان زندہ نہیں رہ سکتا جس کو بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی دیکھنا تک بھی نصیب نہیں ہوا۔ اسی

طرح وہ بھی ہلاک ہو جائے گا جس نے بھوک کے وقت ایک دانہ دیکھ لیا یا کھا لیا اور ایک قطرہ شدید پیاس کے وقت دیکھ لیا یا پی بھی لیا ہو۔ پس بعینہٖ اسی طرح سے معرفتِ کامل ہی موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان محسوسات میں بھی کامل علم اور معرفت ہی کا اثر ہوتا ہے۔ ایک انسان کے پاس خواہ ایک شیر یا بھیڑیا آجاوے مگر جب تک وہ شیر کو شیر اور بھیڑیئے کو بھیڑیا بمع ان کے تمام لوازم اور خواص کے یقین نہیں کر لیتا ان سے کوئی خوف نہیں کرتا۔ ایک زہریلے سانپ کو جو انسان ایک چوہا یقین کرتا ہوگا وہ اس سے ہرگز گریز اور پرہیز نہ کرے گا مگر اس علم کے ساتھ ہی کہ یہ ایک زہریلا سانپ ہے اور اس کا کاٹنا گویا پیغامِ اجل ہے۔ وہ اس سے خوف کرے گا اور معاً الگ ہو جاوے گا۔

عقیدہ کفارہ

دیکھو نفسِ امارہ انسان کے ساتھ ساتھ لگا ہوا ہے اور خون کی طرح انسان کے ہر رگ و ریشہ میں اور ذرہ ذرہ میں داخل ہے۔ عیسائیوں نے تو ایک سہل اور آسان راہ نکال لی۔ ایک شخص کو سُولی پر چڑھا دیا۔ اب قیامت تک عیسائی نسل کا ہر فرد جو چاہے سو کرے اس سے کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔ خونِ مسیح ان کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو چکا ہے۔ نادان نہیں سمجھتے کہ زید کے تو سر درد ہے بکر نے اُٹھ کر اپنے سر میں پتھر مار لیا۔ بھلا زید کو اس سے کیا فائدہ؟ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بیمار کو مُرغ کی یخنی جس قدر فائدہ پہنچا سکتی ہے ان کا کفارہ اور خونِ مسیح اس قدر بھی مفید نہیں ہے۔ ان کے پادری جو دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں خود ان کے اپنے حالات نہایت ہی خطرناک ہیں۔ کفارہ کے عقیدہ نے اُن کو بہت دلیر کر دیا ہے۔ گناہ ایک خطرناک زہر ہے مگر جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خونِ مسیح کافی ہے اور کفارہ پر ایمان لے آنا تمام گناہوں کے واسطے کفارہ ہو جاتا ہے وہ گناہ کے زہر کو زہر یقین کرے تو کیسے؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک پادری زنا کے جرم میں پکڑا گیا۔ عدالت میں جب اُس سے سوال ہوا تو اس نے بڑی دلیری اور جرأت سے کہا کہ کیا مسیح کا خون میرے واسطے کافی نہیں ہو چکا ہے؟ غرض ان کا کفارہ ہی تمام بدیوں کی جڑ ہے۔

ہمارے نزدیک کوشش کر کے انسان جب تک ایک پاک تبدیلی کی طرف نہیں جُھکتا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ نفسِ امارہ کا مغلوب کرنا بہت بڑا بھاری مجاہدہ ہے۔ اسی نفسِ امارہ ہی کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے انسان نہ حق اللہ کو ادا کر سکتا ہے اور نہ حق العباد سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔

حق اللہ اور حق العباد

شریعت نے دو ہی حصے رکھے ہیں۔ ایک حق اللہ اور دوسرا حق العباد۔ حق اللہ کیا ہے؟ یہی کہ اس کی عبادت کرنا اور اس کی عبادت

میں کسی کو شریک نہ کرنا اور ذکر اللہ میں لگے رہنا، اس کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کرنا، اس کے محرمات سے بچتے رہنا وغیرہ۔

حق العباد کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرنا اور کسی کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنا جہاں اس کا حق نہیں ہے۔ جھوٹی گواہی نہ دینا وغیرہ۔

اب یہ دونو امر ایسے مشکل ہیں کہ تمام گناہ، جرائم، معاصی اور دوسری طرف تمام نیکیوں کے اصول اسی میں آگئے ہیں۔ کہنے کو تو ہر ایک کہہ لیتا ہے کہ میں اپنی قوت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں مگر انسان فطرت سے الگ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ فطرتِ انسانی کسی کپڑے کا دامن تو ہے نہیں کہ پلید ہوا تو کاٹ کر الگ کر دیا جا سکے۔ فطرت روح کا پیدائشی جزو ہے۔ پس جبکہ انسانی فطرت میں ہی یہی رکھا گیا ہے کہ انسان انہی امور سے خائف ہوتا اور پرہیز کرتا ہے۔ جن کو وہ اپنی ہلاکت کا باعث اور مضر یقین کرتا ہے۔ کسی نے کوئی نہ دیکھا ہوگا کہ سٹرکنیا کو باوجود سٹرکنیا تسلیم کرنے کے دانستہ استعمال کرے یا سانپ کو سانپ یقین کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑ لے یا ایک طاعون زدہ گاؤں میں جہاں موتا موتی کا بازار گرم ہے خواہ مخواہ جا گھسے۔ اس اجتناب اور پرہیز کی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ ان باتوں کو وہ مہلک یقین کرتا ہے۔

گناہ سے بچنے کا راز

پس انسان معاصی اور جرائم کی مرض سے تب ہی نجات پا سکتا ہے کہ اسے چور اور سانپ وغیرہ سے بڑھ کر ان کے مضر اور نقصان دہ ہونے کا یقین ہو اور خدا کا جلال، اس کی عظمت اور جبروت ہر وقت اس کے مدِ نظر ہو۔ انسان اپنی حرص و خواہش اور دلی آرزوؤں کو بھی ترک کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ذیابیطس کا مریض جس کو ڈاکٹر کہدے کہ شیرینی کا استعمال بالکل ترک کر دو۔ پھر اپنی جان کی خاطر میٹھے کو چھوتا بھی نہیں۔ پس یہی حال روحانی حرص و ہوا اور خواہشاتِ نفسانی کا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال سچے طور سے اس کے دل میں گھر کر چکا ہو تو پھر اس کی نافرمانی کو آگ کے کھانے سے اور موت سے بھی بدتر محسوس کرے گا۔

انسان کو جس قدر خدا تعالیٰ کے اقتدار اور سطوت کا علم ہوگا اور جس قدر یقین ہوگا کہ اس کی نافرمانی کرنے کی سخت سزا ہے اسی قدر گناہ اور نافرمانی اور حکم عدولی سے اجتناب کرے گا۔ دیکھو بعض لوگ موت سے پہلے ہی مر رہے ہیں۔ یہ اخیار، ابدال اور اقطاب کیا ہوتے ہیں؟ اور ان میں کیا چیز زائد آجاتی ہے؟ وہ یہی یقین ہوتا ہے یقینی اور قطعی علم ضرورتاً اور فطرتاً انسان کو ایک امر کے واسطے مجبور کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نسبت ظن کفایت نہیں کر سکتا۔ شبہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اثر صرف یقین ہی میں رکھا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کا یقینی علم ایک ہیبت ناک بجلی سے بھی زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اسی کے اثر سے تو یہ لوگ سر ڈال دیتے اور گردن جھکا دیتے ہیں۔

پس یاد رکھو کہ جس قدر کسی کا یقین بڑھا ہوا ہوگا اسی قدر وہ گناہ سے اجتناب کرتا ہوگا۔

بظاہر نظر تو گناہ سے بچنے والے اور اس قسم کا دعویٰ کرنے والے بہت ہوں گے مگر ان کی مثال وہی ہے جس طرح ایک پھوڑا جو کہ پیپ سے خوب بھر گیا ہو ظاہری جانب سے چمک اُٹھتا ہے اور باقی حصہ جسم سے بھی اس کی چمک دمک اور روشنی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے مگر اندر اس کے پیپ اور گندہ مواد بھرے ہوتے ہیں۔ گناہ سے بچنے کے آثار بھی تو ساتھ ہوں۔ روشنی، دھوپ اور گرمی اس بات کے شاہد ہیں کہ آفتاب نکلا ہوا ہے مگر جو شخص کہ رات کے وقت کہتا ہے کہ آفتاب چڑھا ہوا ہے حالانکہ آفتاب کے آثار نہیں۔ اب بتاؤ کہ کوئی اس کی بات کو باور کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اس ایمان کے آثار یعنی گناہ سے کلی نفرت اور پھر اس کے آثار کہ خدا تعالیٰ کے فیوض و برکات اور تائیدات اور سچی پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت ان میں مفقود ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے خلاف کاموں سے بالکل دست کش ہو جائے اور گناہ اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اُسے آگ کھانے سے بھی بدتر نظر آوے اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی دنیوی جاہ و جلال کا رُعب داب اس پر اثر نہ کرے بلکہ یہ ماسوی اللہ کو بجز ارادۂ الٰہی کسی کے نفع اور ضرر پہنچانے میں ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح سمجھے اور ایسا ہو جاوے کہ اس کا سکون اور اس کی حرکت اور اس کے تمام افعال خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاویں اور یہ اپنے آپ سے فنا ہو کر خدا میں محو ہو جائے۔

گناہ سوز حالت پیدا کرنے کیلئے مامور کی ضرورت

یہ تمام امور انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ انسان کی اپنی طاقت نہیں کہ ان سب فضائل کو حاصل کر سکے اور تمام رذائل سے کلی پاک ہو سکے۔ سو اس غرض کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ ہمیشہ سے قاعدہ ہے کہ وہ دنیا میں ایک انسان کو مامور کر کے بھیجا کرتا ہے اور اپنے عجائباتِ قدرت اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کی دُعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دیتا ہے۔ اس پر مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر ایسے ایسے خارق عادت معجزات اور غیبی امور ظاہر کرتا ہے جن سے سفلی خیالات کے انسان عاجز ہوتے ہیں اور ایسے چمکتے ہوئے اور ہیبت ناک امور اس کی تائید میں ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کے دل نورِ عرفان اور لذتِ یقین سے پُر ہو کر گویا خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت، سطوت اور ہیبت کے نظارہ کرنے سے ان کے دلوں میں سے غیر اللہ اور تمام گندی اور نفسانی خواہشات جو گناہ کا مبداء ہوتی ہیں جل جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کا جلال اور کبریائی ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ غرض اس طرح سے وہ ایک جماعت پاک دل انسانوں کی تیار کر

دیتا ہے۔

گناہ سوز حالت جب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے جلال اور ہیبت کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے اور جب اس کے جبروت و سطوت کا دورہ ہو کر دُنیا پر ایک قہری تجلی ہوتی ہے اور جس طرح ایک خطرناک بجلی جسمیں ایک خوفناک کڑک اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک ہوتی ہے۔ دلوں پر اپنا تسلط اور رُعب بٹھا جاتی ہے۔ اسی طرح اس مامور کے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی جلالی صفات جلوہ گر ہو کر دُنیا میں ایک پاک تبدیلی پیدا کر جاتا ہے۔

دیکھئے اگر آپ کے پاس ایک آدمی نہایت ہی ردّی اور خستہ حالت میں آوے خواہ وہ درحقیقت بادشاہ ہی کیوں نہ ہو آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور آپ اس کے آنے کی کچھ پروا نہ کریں گے بلکہ اگر وہ کچھ کہنا چاہے گا تو آپ حقارت سے اس کی بات کی طرف بھی متوجہ نہ ہوں گے۔ مگر اگر وہی شخص اپنی شاہانہ شان و شوکت اور سلطانی جلال اور ہیبت لے کر آوے۔ تو آپ کو اس کا استقبال بھی کرنا پڑے گا۔ عزت و عظمت بھی کرنی پڑے گی اور ضرور ہے کہ آپ ہمہ تن گوش ہو کر اس کے احکام کی بجا آوری کے لیے تیار ہو جائیں۔ پس یہی حال خدا تعالیٰ کی معرفت کا ہے۔ جب تک کسی کو خدا تعالیٰ کی معرفت ہی نہیں وہ تذلّل اور انکسار جو عبادت کا خلاصہ ہے کیسے بجا لاوے گا۔ سچ ہے ؎

آناں کہ عارف تر اند ترساں تر

میں نے آپ کو یہ سب کچھ قصّے کہانی کے رنگ میں نہیں سُنایا بلکہ عذاب بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ وید، توریت اور انجیل کے زمانہ میں تھا اور خدا اسی طرح اب بھی سُنتا ہے جیسا کہ پہلے زمانوں میں سُنتا تھا اور اسی طرح اب بھی بولتا ہے جس طرح ان زمانوں میں بولا کرتا تھا اور اسی بات کے ثابت کرنے کے واسطے ہم آئے ہیں۔

گناہ کی حقیقت

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اتنی تقریر فرما چکے تھے کہ سوال کیا گیا کہ بعض لوگ ایک امر کو گناہ یقین کرتے ہیں حالانکہ ایک دوسرے ملک یا خود اسی ملک کے بعض لوگ اسی امر کو گناہ نہیں مانتے یا ثواب یقین کرتے ہیں تو اب ان میں امرِ فیصل کیا ہوا؟

فرمایا:-

آپ کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ کم از کم اختلاف تو ہے پس اسی اختلاف میں ہی ہماری فتح ہے ایک مومن اور محتاط انسان کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ مختلف امور کو اختیار کرے۔ مثلاً آپ ہی کے سامنے ایک کھانا رکھا جاوے۔ اتنے میں کوئی شخص آپ کو یہ بتا دے کہ اس کھانے میں زہر کا احتمال ہے اب

آپ ہی فرماویں کہ کیا آپ اُس کو استعمال کریں گے؟ میں تو ہرگز یقین نہیں کرسکتا کہ ایک ایسا آدمی جس کو اپنی زندگی عزیز ہو اس کا ایک لقمہ بھی کھا سکے۔

بیشک یہ سچی بات ہے کہ دہریہ ایک بے باکی کا طریق اختیار کرتا ہے مگر اس کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر اس کے واسطے مضر نہیں اور وہ بچ گیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جس طرح ہر درخت کے پھل لانے کا ایک معین وقت ہوتا ہے اسی طرح ہر زہر کے اثر کا بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ بعض زہر ایسے ہیں کہ ہاتھوں ہاتھ اپنا اثر دکھا دیتے ہیں۔ بعض گھڑی اور بعض گھنٹے بعد اور بعض کی میعاد اس سے بھی زیادہ کئی دنوں کی ہوا کرتی ہے۔

عقلمند انسان کو دیکھنا یہ چاہیئے کہ اتنے نامی اور مشہور اوتار، نبی، رسول جو لاکھوں لاکھ دنیا میں آئے۔ انہوں نے دُنیا میں کیا راہ قائم کی؟ اچھا آپ ہی بتائیں کہ مہذب فرقہ کے لوگ چوری، جھوٹ، زنا وغیرہ امور کو کیسا خیال کرتے ہیں۔ پس اب یقین جانیں کہ خود یہ اختلاف ہی ظاہر کرتا ہے کہ واقعی وہ اُمور جن میں اختلاف کیا گیا ہے گناہ ہیں۔ علاج مرض کا کیا جانا چاہیئے ہم کہتے ہیں کہ گناہ تو ایسی چیز ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو نہ ماننے والا بھی طبعاً اس سے نفرت کرتا ہے۔ پس ایک صحیح الفطرت انسان خواہ اس تک آسمانی تعلیم نہ بھی پہنچی ہو۔ فطرتاً گناہ کو گناہ یقین کرتا اور قابلِ نفرت جانتا ہے۔

دوم یہ کہ بعض امور جو ممنوعات میں سے ہوتے ہیں وہ قانون اور باریک حکمت کے خلاف ہوتے ہیں اور خود انسان کے اپنے حق میں یا بنی نوع انسان کے واسطے بھی ان کا ارتکاب مضر ہوتا ہے مثلاً زنا سے زانی کو آتشک، سوزاک وغیرہ خطرناک امراض لاحق ہوکر وبالِ جان ہو جاتی ہے۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ خدا نے گناہ سے اس واسطے روکا ہے کہ اس میں اس کا کوئی نقصان متصوّر ہے اور نہ نیکی کی اس واسطے تاکید فرمائی ہے کہ اس میں اس کا کوئی فائدہ ہے بلکہ یہ اس کا رحم ہے کہ اس نے ایسے امور جو خود انسان کے اپنے ہی واسطے مضر تھے یا بنی نوع انسان کے واسطے مضر تھے ان سے روک دیا اور یہ اس کا کمالِ رحم ہے وہ چونکہ قدوس اور پاک ہے اس کی قدوسیت اور پاکی کا تقاضا ہے کہ دُنیا میں نیکی پھیلے۔ ورنہ انسان اگر بے قید ہوکر بدی اور گناہ کرے گا اور ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کا وبال بھی خود ہی برداشت کرے گا۔ خدا تعالیٰ کا اس میں کچھ نقصان نہیں [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۶ راگست ۱۹۰۸ء

برمکان خواجہ کمال الدین صاحب

وفاتِ مسیح علیہ السّلام کے دلائل

خلیفہ رجب الدین صاحب نے سوال کیا کہ حضورؑ بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ وفاتِ مسیحؑ کے کیا دلائل ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت اقدس نے ذیل کی تقریر فرمائی۔ فرمایا:۔

حضرت عیسیٰ کی وفات قرآنِ شریف میں بہت آئی ہے۔ دو قسم کی آیات ہیں جن سے ان کا وفات پانا ثابت ہوتا ہے۔ بعض آیات عام ہیں اور بعض خاص حضرت عیسیٰ ہی کے متعلق۔ عام طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات کے متعلق جس میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں۔ یہ آیت واضح اور کھلا بیان کرتی ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۵)۔

خَلَتْ کا لفظ قرآنِ شریف کے محاورے میں ہرگز کسی ایسے شخص کے واسطے استعمال نہیں ہوا جو زندہ ہو بلکہ ہمیشہ وفات یافتہ لوگوں پر ہی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ نے جوشِ محبت اور دورِ الفت کی وجہ سے تلوار کھینچ لی تھی اور آپ ننگی تلوار لیے گلیوں میں پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اس کی گردن مار دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ سے خبر پاکر مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں ابتداءً یہی آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران: ۱۴۵) اس وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس آیت کو سُنکر رو پڑے اور یہ سمجھے کہ گویا یہ آیت آج ہی اُتری ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی جن کو اتنا جوش تھا اور تلوار لیے پھرتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی وفات نہیں پائی اس خطبہ کے بعد تلوار چھوڑ دی اور پھر کبھی کوئی ایسا ذکر نہ کیا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی ایک نفسِ واحد کا بھی یہ اعتقاد ہوتا کہ حضرت عیسیٰ زندہ بجسم عنصری آسمان پر ہیں تو کیوں وہ اس وقت اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم کا رسول تو زندہ ہے پر ہمارا رسول جس کو خدا نے تمام جہان کے واسطے قیامت تک کی تمام انسانی نسلوں کے لیے بلا کسی خصوصیت کے بھیجا۔ وہ تو ستر برس تک بھی زندہ نہ رہ سکے۔ پس صحابہؓ کا سکوت اور خاموشی اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تمام صحابہؓ حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات یافتہ یقین کرتے تھے اور کسی ایک کا بھی ہرگز یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ آسمان پر زندہ بجسمِ عنصری خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور یہ اسلام میں سب سے پہلا اجماع ہے۔

دوسری آیت جو حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بارہ میں خصوصیت سے ذکر ہوئی ہے وہ خود حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے جو وہ قیامت کے دن خدا کے حضور عرض کریں گے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المائدۃ: ۱۱۸) اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ کیا تُو نے اس قوم کو ایسی بدراہی اور گمراہی کی تعلیم دی کہ تجھے اور تیری ماں کو معبود بنالیں اور خدائے عزوجل واحد ویگانہ کی عبادت کو ترک کر دیں؟ حضرت عیسیٰؑ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اور قوم نصاریٰ کے گمراہ ہونے سے اپنی لاعلمی اور معذرت عرض کریں گے کہ اے خداوند مجھے ان کے حالات سے اسی وقت تک اطلاع تھی جب تک کہ میں ان میں رہا تب تک میں نے ان کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی خدا ہے۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی اس کے بعد کا تو ہی نگران اور واقفِ حال ہے مجھے کوئی علم نہیں۔

اب یہ بات دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ لوگ اقرار کریں کہ واقعی قوم نصاریٰ ابھی تک بگڑی نہیں اور جو عقیدہ اتخاذِ ولد اور تثلیث وغیرہ کا انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے یہی عین توحید اور رضاء الٰہی کا موجب اور موافق تعلیم حضرت مسیح ہے جس کا اقرار ان کی زبانی قرآن میں موجود ہے اور یا یہ لوگ اس بات کا اقرار کریں کہ درحقیقت مسیح ناصری جو کہ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے واسطے مامور کیا گیا تھا۔ اپنی مفوّضہ خدمت کو انجام دیکر بموجب حکم الٰہی اپنی طبعی موت سے وفات پا گیا ہے اور کہ آئندہ وہ کبھی دُنیا میں نہیں آسکتا بلکہ آنے والا اُمّتِ محمدیہ میں سے ہوگا جو کہ ان کی خوبو پر ہونے اور مناسب وقت اور مناسب کام کے لحاظ سے مسیح کہلائے گا۔

ظاہر ہے کہ صورتِ اوّل خدا اور خدا کے رسول، قرآن اور قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور ایسی ہے کہ اس کے ماننے کے ساتھ ہی تمام اسلام کی عمارت گرتی ہے۔ اور صورتِ دوم خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق حقیقت الامر اور قرآنی تعلیم کا سچا اُصول ہے اور اسی میں اسلام کی فتح، کامیابی، صداقت اور بزرگی کا اظہار ہے۔ اب ان کا اختیار ہے کہ ان دونوں راہوں میں سے جو راہ چاہیں اختیار کریں۔

ہم علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ تَوَفِّی کے معنے لغتِ عرب میں اور کلام خدا اور رسول میں ہرگز مع جسم عنصری اُٹھائے جانے کے نہیں ہیں۔ تمام قرآن شریف کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ قرآن خدائے علیم وخبیر کی طرف سے علم اور حکمت سے نازل کیا گیا ہے۔ اس میں اختلاف ہرگز نہیں۔ بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔ اگر ایک متشابہات ہیں تو دوسری محکمات ہیں۔ جب یہی لفظ اور مقامات میں دوسرے انبیاء کے حق میں بھی وارد ہوا ہے۔ تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہیں کئے جاتے تو پھر نہ معلوم کہ کیوں حضرت مسیح کو ایسی خصوصیت دی جاتی ہے کیا ابھی تک مسیح کو خصوصیت دینے کا انہوں

نے مزہ نہیں چکھا۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صاف لفظ ہیں۔ اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس: ۴۷) پھر حضرت یوسف کے متعلق بھی قرآن شریف میں یہی توفّی کا لفظ وارد ہوا ہے اور اس کے معنے بجز موت اور کچھ نہیں ہیں۔ دیکھو تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف: ۱۰۲) یہ حضرت یوسفؑ کی دُعا ہے تو کیا اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ اے خدا مجھے زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھا لے اور پچھلے صلحاء کے ساتھ شامل کر دے جو کہ زندہ آسمان پر موجود ہیں؟ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں جو ساحر فرعون نے بُلائے تھے۔ ان کے ذکر میں تَوَفَّنِیْ کا لفظ مذکور ہے جہاں فرمایا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (الاعراف: ۱۲۷) اب ایک مسلمان کی یہ شان نہیں کہ خدا اور اس کے کلام کے مقابلہ میں دم مارے۔ قرآن حضرت عیسیٰؑ کو سراسر مارتا ہے اور اُن کے وفات پا جانے کو دلائل اور براہین قطعیہ سے ثابت کرتا ہے اور رسُول اکرمؐ نے اس کو معراج کی رات میں وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔ جائے غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھائے جا چکے تھے تو پھر ان کو وفات شدہ انبیاء سے کیا مناسبت؟ زندہ کو مُردہ سے کیا تعلق اور کیسی نسبت؟ اُنکے لیے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرۃ: ۲۵۷)

کوئی گڑبڑ نہیں اور نہ کوئی شک و شبہ اس میں باقی ہے۔ مسلمان کہلا کر ایسی بات پیش کرنا جو قرآن کے خلاف اسلام کے متضاد۔ کیا عقلمندی ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف جو شخص کسی امر پر اجماع کا قائل ہے وہ کذّاب ہے۔ صوفیاء کرام اور بعض صلحاءِ اُمّت خیر الانام کا یہی مذہب تھا کہ وہ وفات پا چکے اور آنے والا اسی اُمّت میں سے ہوگا۔ مگر تعصب ایک ایسی بَلا ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتے اور باوجود جاننے کے نہیں سمجھتے۔ باوجود کانوں کے نہیں سنتے۔ افسوس تعصب اور ضد نے ان میں اپنے نفع نقصان کی بھی تمیز باقی نہیں رہنے دی۔ چالیس کروڑ انسان ایک ضعیف اور ناتواں انسان کو انہی دلائل سے خدا مان رہا ہے کہ وہ ازلی ابدی ہے۔ زندہ آسمان پر موجود ہے اور اس نے خلقِ طیر کیا۔ مُردوں کو زندہ کیا۔ اور یہ مسلمان ہیں کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارتے اور اپنی گردن کاٹنے کے واسطے خود ان کے ہاتھ میں چھُری دیتے اور ان کی اس خطرناک بُت پرستی میں مدد کرتے ہیں جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے ایسا غضب ظاہر کیا۔ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (مریم: ۹۱)

ان نام کے مسلمانوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ ان کی اپنی ہی اولاد کو خود ان کے اپنے اقوال کو حجت پکڑ کر ملزم کر کے مُرتد کیا جاتا ہے۔ کاش یہ اِس خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور دوست و دشمن اور اپنے نفع

نقصان کو پہچانیں۔ یہ اسلام کے نادان دوست اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تو ایسا غیور ہے کہ ان کے عقائدِ فاسدہ کو بیخ و بن سے اُکھاڑتا اور ذرا سی دیر کے واسطے بھی ان کے مشرکانہ اُصولوں کو سُن نہیں سکتا۔ قرآن شریف میں تدبر اور خوض کرنے والے جانتے ہیں کہ باطل کا سر کچلنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے کیسے کیسے حربے اختیار کئے ہیں دیکھو۔ نصاریٰ نے مسیح کے بن باپ ہونے کو اس کی خدائی کی دلیل خیال کیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے کس طرح ان کو آدم کی نظیر پیش کر کے لاجواب کیا اور ان کے دعوے کو باطل کیا۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) مسیح تو بن باپ تھا۔ آدم اس سے بھی بڑھ کر خدائی کے لائق ہے کیونکہ یہاں باپ نہ ماں دونو ندارد۔

پس یاد رکھو کہ اگر فی الواقع حضرت مسیح زندہ مع جسم عنصری آسمان پر گئے ہوتے اور خدا ان کی اس دلیل کو بھی سچا مانتا تو ضرور تھا کہ اس کی کوئی نظیر پیش کر کے ان کے اس باطل خیال کو بھی ملیا میٹ کر دیتا مگر خدا نے ان کی اس بات کو نفی کے رنگ میں باطل کیا ہے اور یہی جواب دیا ہے کہ وہ تو مر گیا آسمان پر جانا کیسا؟ یاد رکھو کہ اگر خدا کا بھی یہی منشاء ہوتا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر ہیں تو ضرور تھا کہ بُت پرستی کی اس دلیل اور باطل کے اس دیو کے سر کچلنے کے واسطے بھی کوئی نظیر ہی کا حربہ چلاتا مگر خدا نے نظیر پیش نہ کرنے سے اور وفات کا جا بجا ذکر کرنے سے یہ صاف عیاں ہے کہ وہ ضرور وفات پا چکا اور زندہ آسمان پر نہیں ہے اور خدا نے ان کی اس دلیل کو مانا ہی نہیں ورنہ ضروری تھا کہ جس طرح پہلے نظیر پیش کر کے اُن کو ملزم و خوار کیا یہاں بھی نظیری وجہ سے عیسائیت کے بُت کو پاش پاش کرتا مگر خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ خدا نے ان کی اس دلیل کو ان کی وفات کے بیان سے رد کیا ہے اور درحقیقت ان کی اس حجت کا حقیقی اور اصل جواب یہی ہے کہ قرآن کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے بلکہ وہ بھی وفات پا چکے جس طرح تمام انبیاء وفات پا گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چونکہ وہ قتل نہیں ہوئے اس واسطے آسمان پر چڑھ گئے۔ کیا جو قتل نہیں کیا جاتا وہ لازماً آسمان پر چلا جاتا ہے۔ جب تو پھر لاکھوں کروڑوں کو زندہ آسمان پر ماننا پڑے گا۔

اصل جھگڑا تو یہود کا یہ تھا کہ حضرت مسیح کا رفع روحانی نہیں ہوا۔ وہ تو اس بات کو ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نعوذ باللہ مسیح لعین اور مردود ہیں۔ اسی واسطے وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب دیا اور اس طرح سے ان کو قتل کرنے کے مدعی تھے تاکہ اپنی کتاب کے فرمودہ کے مطابق ان کو جھوٹا نبی ثابت کریں۔ رفع جسمانی کے متعلق تو کوئی جھگڑا ہی نہ تھا۔ قرآن شریف چونکہ بنی اسرائیل کے متنازع فیہ امور میں حَکَم اور قولِ فیصل ہے اس نے یہود کے اس اعتراض اور بہتان کا جو انہوں نے مسیح کو لعنتی اور جھوٹا ثابت کرنے

کے واسطے باندھا تھا جواب دیا کہ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹) کہ یہود نے جیسا کہ ان کا زعم ہے حضرت مسیح کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس طرح سے وہ ان کو جھوٹا نبی ثابت کرنے کے دعویٰ میں کامیاب ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رفع رُوحانی کیا اور ان کو ایسی ذلت اور ادبار سے بچا لیا۔ اگر رفع جسمانی ہی نجات اور پاکیزگی اور مقبول اور محبوب الٰہی ہونے کا موجب ہے تو پھر تو سارے ہی نبی جھوٹے ٹھہرتے ہیں، اور کوئی بھی نجات یافتہ نہیں رہتا چہ جائیکہ کوئی خدا کا مقبول اور محبوب بھی ہو (نعوذ باللہ من ذٰلک) تعصب نے ان کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔[1]

بلا تاریخ

خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر مقدم کرنا ہی نیک بختی ہے

فرمایا کہ:۔ وہ ایمان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی چیز کو یا کسی انسان کو خدا پر مقدم کرلے۔ جب تک ہر ایک چیز پر خدا کو مقدم نہ کیا جائے تو وہ شرک کہلاتا ہے۔ دیکھو ہمیں دو دفعہ موقعہ پیش آیا ہے۔ ایک دفعہ تو مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر جبکہ نہایت زور سے دُعا مانگنے کے بعد الہام ہوا۔

اِنَّ الْمَنَايَا لَا تَطِيْشُ سِهَامُهَا

اور پھر بھی دُعاؤں کا سلسلہ جاری رہا تو الہام ہوا کہ

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

یعنی اس شخص نے مرنا ضرور ہے اور عبادت کے لائق وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ یعنی زندہ رہنے والا وہی ہے اس سے دل لگاؤ۔ پس ایمانداری تو یہی ہے کہ خدا سے خاص تعلق رکھا جائے اور دوسری سب چیزوں کو اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا جائے اور جو شخص اولاد کو یا والدین کو یا کسی اور چیز کو ایسا عزیز رکھے کہ ہر وقت انہیں کا فکر رہے تو وہ بھی ایک بُت پرستی ہے۔

بُت پرستی کے یہی تو معنے نہیں کہ ہندوؤں کی طرح بُت لے کر بیٹھ جائے اور اس کے آگے سجدہ کرے حد سے زیادہ پیار و محبت بھی عبادت ہی ہوتی ہے۔ ہمیں تو بچپن سے اس بات کی سمجھ آگئی تھی اور اب بھی ہمارا لڑکا مبارک احمد فوت ہوگیا ہے اور اگر ایک مبارک کی جگہ لاکھ مبارک بھی آجائے اور خدا تعالیٰ فرمائے

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۶ صفحہ ۲ تا ۴ مورخہ ۱۴ر اگست ۱۹۰۸ء

کر یا ان کی طرف جاؤ یا ہماری طرف تو قسم بخدا ایک منٹ کے لیے یا ایک سیکنڈ کے لیے بلکہ اس کے ہزارویں حصّہ کے لیے کبھی دل میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ اس کی طرف نہ جائیں اور مبارک احمد کی طرف چلے جاویں۔ اولاد چیز کیا ہے؟ بچپن سے ماں اس پر جان فدا کرتی ہے مگر بڑے ہو کر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لڑکے اپنی ماں کی نافرمانی کرتے ہیں اور اس سے گستاخی سے پیش آتے ہیں۔ پھر اگر فرمانبردار بھی ہوں تو دُکھ اور تکلیف کے وقت وہ اس کو ہٹا نہیں سکتے۔ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو تمام عاجز آجاتے ہیں۔ نہ بیٹا کام آسکتا ہے نہ باپ نہ ماں نہ کوئی اور عزیز۔ اگر کام آتا ہے تو صرف خدا۔ پس ان کی اس قدر محبت اور پیار سے فائدہ کیا جس سے شرک لازم آئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: ۱۶) اولاد اور مال انسان کے لیے فتنہ ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر خدا کسی کو کہے کہ تیری کُل اولاد جو مر چکی ہے زندہ کر دیتا ہوں مگر پھر میرا تجھ سے کچھ تعلق نہ ہوگا تو کیا اگر وہ عقلمند ہے اپنی اولاد کی طرف جانے کا خیال بھی کریگا؟

پس انسان کی نیک بختی یہی ہے کہ خدا کو ہر ایک چیز پر مقدم رکھے۔ جو شخص اپنی اولاد کی وفات پر بُرا مناتا ہے وہ بخیل بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ اس امانت کے دینے میں جو خدا تعالیٰ نے اس کے سُپرد کی تھی بخل کرتا ہے اور بخیل کی نسبت حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ جنگل کے دریاؤں کے برابر بھی عبادت کرے تو وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔ پس ایسا شخص جو خدا سے زیادہ کسی چیز کی محبت کرتا ہے اس کی عبادت نماز روزہ بھی کسی کام کے نہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا مثالی صبر

حضرت ایوبؑ کی طرف دیکھو کہ وہ کیسے صابر تھے خدا تعالیٰ نے اُن کا ذکر قرآن شریف میں بھی کیا ہے کہ وہ میرا ایک صابر بندہ ہے۔ پہلی کتابوں میں اُن کا ذکر بالتفصیل لکھا ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کیوں صبر نہ کرے کہ اس کو تو نے مال دیا ہے۔ دولت دی ہے۔ غلام دیئے ہیں۔ نوکر چاکر دیئے ہیں۔ اولاد دی ہے۔ بیوی دی ہے۔ صحت دی ہے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اس کو آزما۔ اس پر پہلے تو اس کی بھیڑ بکریاں ماری گئیں۔ پھر بڑے بڑے جانور مارے گئے مگر پھر بھی حضرت ایوبؑ نے صبر سے کام لیا۔ اس پر شیطان نے کہا کہ ابھی اس کے پاس دولت اور غلام اور اولاد ہے وہ صبر کیوں نہ کرے۔ اس پر اس کے غلام بھی مر گئے۔ پھر انہوں نے صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے سب کچھ ہلاک ہو گیا۔ ایک وہ اور ان کی بیوی رہ گئیں۔ پھر بھی شیطان نے کہا کہ ابھی ان کی صحت درست ہے اس پر ان کو جُذام ہو گیا یعنی کوڑھ ہو گیا۔ پھر بھی انہوں نے صبر سے کام لیا۔ پس جب وہ اس طرح صابر اور صادق ثابت ہوئے تو خدا تعالیٰ نے ان کو آگے سے بھی زیادہ مال و دولت، غلام، لونڈیاں اور اولاد عطا فرمائی اور صحت بھی عطا فرمائی۔

پس جب انسان صبر سے کام لے تو اس کو سب کچھ ہی مل رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے جو کام کرے خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرے۔ شیخ سعدی صاحب کیا عمدہ فرماتے ہیں ؎

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطا است
اگر خوں بہ فتویٰ بریزی روا است

یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کے منشاء کے برخلاف پانی پیو تو وہ گناہ ہے لیکن اگر اس کے حکم کے مطابق خون بھی کر دو تو وہ جائز ہے۔

پس میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا کے سوا جس چیز کی انسان خواہش کرتا ہے نہ وہ اس کو ملتی ہے نہ خدا۔ کیونکہ اس کے سوا ہر ایک چیز فانی ہے لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو پسند کرتا ہے اس کو خدا بھی ملتا ہے اور دوسری چیزیں بھی ملتی ہیں اور اس کی جو خواہش ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ اب میں نے جو کچھ خدا کے لیے کہنا تھا وہ کہہ چکا تم کو چاہیئے کہ اپنے دین کی حفاظت کرو۔[1]

---

۴ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز عصر۔ بمقام لاہور

جماعت کو نصیحت

فرمایا:۔ ملاقات سے غرض یہی ہوتی ہے کہ امرِ دین کے متعلق کچھ سوچا جاوے میں بار بار اور کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ ظاہر نام میں تو ہماری جماعت اور دوسرے مسلمان دونو مشترک ہیں۔ تم بھی مسلمان ہو۔ وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ تم کلمہ گو ہو وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ تم بھی اتباعِ قرآن کا دعویٰ کرتے ہو۔ وہ بھی اتباعِ قرآن ہی کے مدعی ہیں۔ غرض دعووں میں تو تم اور وہ دونو برابر ہو مگر اللہ تعالیٰ صرف دعووں سے خوش نہیں ہوتا جب تک کوئی حقیقت ساتھ نہ ہو اور دعویٰ کے ثبوت میں کچھ عملی ثبوت اور تبدیلی حالت کی دلیل نہ ہو۔ اس واسطے اکثر اوقات مجھے اس غم سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ ظاہری طور سے جماعت کی تعداد میں تو بہت ترقی ہو رہی ہے کیا خطوط کے ذریعہ سے اور کیا خود حاضر ہو کر دونو طرح سے سلسلۂ بیعت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ آج کی ڈاک میں بھی ایک لمبی فہرست بیعت کنندگان کی آئی ہے، لیکن بیعت

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۸ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء (منقول از تشحیذ الاذہان)

کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل کرنی چاہیئے اور اس پر کاربند ہونا چاہیئے اور بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت کنندہ اپنے اندر سچی تبدیلی اور خوفِ خدا اپنے دل میں پیدا کرے اور اصل مقصود کو پہچان کر اپنی زندگی میں ایک پاک نمونہ کر کے دکھاوے اگر یہ نہیں تو پھر بیعت سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ بیعت پھر اس کے واسطے اَور بھی باعثِ عذاب ہوگی کیونکہ معاہدہ کر کے جان بوجھ اور سوچ سمجھ کر نافرمانی کرنا سخت خطرناک ہے۔

مَیں خوب جانتا ہوں کہ ان باتوں کا کسی دل میں پہنچا دینا میرا کام نہیں اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ میں اپنی بات کسی کے دل میں بٹھا دوں مگر یہ معاملہ مجھ سے ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء اسی راہ پر آئے ہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: ۵۷) یہ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے۔ اب اَور کون ہے جو اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت پر قائم کر سکے۔ نصیحت کرنا اور بات پہنچا نا ہمارا کام ہے یوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس جماعت نے اخلاص اور محبت میں بڑی نمایاں ترقی کی ہے۔ بعض اوقات جماعت کا اخلاص، محبت اور جوشِ ایمان دیکھ کر خود ہمیں تعجب اور حیرت ہوتی ہے اور یہاں تک کہ دشمن بھی تعجب میں ہیں۔ ہزارہا انسان ہیں جنہوں نے محبت اور اخلاص میں تو بڑی ترقی کی ہے مگر بعض اوقات پُرانی عادات یا بشریت کی کمزوری کی وجہ سے دُنیا کے اُمور میں ایسا وافر حصہ لیتے ہیں کہ پھر دین کی طرف سے غفلت ہو جاتی ہے۔

ہمارا مطلب یہ ہے کہ بالکل ایسے پاک اور بے لوث ہو جاویں کہ دین کے سامنے امورِ دنیوی کی حقیقت نہ سمجھیں اور قسما قسم کی غفلتیں جو خدا سے دُوری اور مہجوری کا باعث ہوتی ہیں وہ دُور ہو جاویں۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اس وقت تک حالت خطرناک ہے اور قابلِ اطمینان نہیں۔ کیونکہ جب تک ان باتوں کا ذرہ بھی وجود موجود ہے تو اندیشہ ہے اور ایک دبدہ لگی رہتی ہے کہ کسی وقت یہ باتیں زور پکڑ جاویں اور باعثِ حبطِ اعمال ہو جاویں۔ جب تک ایک قسم کی مناسبت پیدا نہیں ہوتی تب تک حالت قابلِ اطمینان نہیں ہوتی۔

دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کا عہد یاد رکھو

موت کا کوئی وقت نہیں۔ آئے دن طاعون ہیضہ، زلازل، وبائیں، قحط اور اور طرح کے امراض انسان پر حملہ کر رہے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوں تب بھی بعض اوقات خدا تعالیٰ کی ناگہانی گرفت اس طور سے انسان کو آدباتی ہے کہ پھر کچھ بَن نہیں پڑتا۔ پس ضروری ہے کہ جو اقرار کیا جاتا ہے کہ مَیں دین کو دُنیا پر مقدم رکھونگا اس اقرار کا ہر وقت مطالعہ کرتے رہو اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کا عمدہ نمونہ پیش کرو۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ دیکھو ہر سال میں کئی دوست ہم سے جُدا ہو جاتے ہیں اور کئی دشمن بھی چل بستے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بعض خوفناک خبریں دی ہیں اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔ ان سے اَور بھی خوف آتا ہے وہ بھی بہت ہی خطرناک ہیں۔

رنگا رنگ کے خوف احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

طاعون نام ہے مری کا۔ لغت میں ہے الطاعون : الموت۔ کسی کو کیا معلوم کہ خدا تعالیٰ کا کیسا غضب بھڑکنے والا ہے۔ خدا محفوظ رکھے ممکن ہے کہ ایسا شدید ہو کہ جس کی برداشت ہی نہ ہو۔ قاعدہ کی بات ہے۔ جیسا کہ ہم نے کل بھی بیان کیا تھا کہ جب کوئی عذاب اور قہرِ الٰہی دُور ہو جاتا ہے ہیضہ ہو یا طاعون، وبا ہو یا قحط تو لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ وقت جاتا رہا۔ پھر اس طرح سے دل سخت ہو جاتے ہیں مگر تمہارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے آئندہ وعدوں کو یاد کر کے ترساں ولرزاں رہو اور قبل از وقت سنبھل جاؤ۔ نت نئی توبہ کرو۔ جو توبہ کرتا ہے وہ نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو توبہ نہیں کرتا وہ گناہ کی طرف جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرتا ہے توبہ نہ کرنے والا گناہ کی طرف جُھکتا ہے اور گناہ آہستہ آہستہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کوئی مابہ الامتیاز بھی تو پیدا کرو تم میں اور تمہارے غیروں میں اگر کوئی فرق پایا جاوے گا تو جب ہی خدا بھی نصرت کرے گا۔ ورنہ بنی اسرائیل کی طرف دیکھ لو کہ جب ان میں اور ان کے غیر میں فرق نہ پایا گیا تو باوجودیکہ حضرت موسیٰؑ اُن میں موجود تھے کافروں سے کیسی ذلت کی ہزیمت دلائی۔ ان کے مقابل میں ایک کافر کی تائید کی اور ان کو سزا دی۔ نبی موجود، کتاب موجود احکام موجود، بایں انہوں نے خلاف کیا۔ آخر کافروں سے بھی شکست کھائی۔ کافر تو احکامِ الٰہی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ ایسے مواخذہ کے قابل نہیں ہوتے جیسے کوئی مان کر۔ جان پہچان کر خلاف ورزی احکام کرنے والا۔

تقویٰ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل : ۱۲۹) تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی اختیار کرنے والے خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہوتے ہیں اور وہ ہر وقت نافرمانی کرنے سے ترساں ولرزاں رہتے ہیں۔ آجکل دُنیا کا اُصول منافقانہ زندگی بسر کرنا ہو گیا ہے۔ اوّل اوّل انسان انسان سے نفاق کرتا ہے اور منافقانہ رنگ میں ہاں میں ہاں ملاتا ہے حالانکہ دلوں میں کدورت اور رنج و بغض بھرا ہوتا ہے۔ پھر یہ عادت ترقی کرتے کرتے ایسی بڑھتی ہے کہ خدا تعالیٰ سے بھی منافقانہ تعلق کرنا چاہتا ہے اور خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ خدا عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے دل سے تو مومن ہوتا نہیں مگر خدا کے آگے مومن بننا چاہتا ہے بھلا خدا کسی کے دھوکے میں آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دیکھو تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک متقی انسان کی خاطر دوسروں پر بھی رحم کرتا ہے اور اس کے اہل وعیال، خویش واقارب اور متعلقین پر بھی اثر پڑتا ہے اور اسی طرح سے اگر جرائم اور فسق وفجور کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا اثر بھی پڑتا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ سے ڈرنا اور متقی بننا بڑی چیز ہے خدا اس کے ذریعہ سے ہزار آفات سے بچا لیتا ہے۔ بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے شامل ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بلا نہیں پکڑے گی اور کسی کو بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ آفات تو ناگہانی طور سے آجاتے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ رات کو کیا ہوگا۔

استغفار کی تلقین

لکھا ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ پہلے بہت روئے اور پھر لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ یا عباد اللہ خدا سے ڈرو آفات اور بلیات چیونٹیوں کی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں بجز اس کے کہ سچے دل سے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ۔

استغفار اور توبہ کا یہ مطلب نہیں جو آجکل لوگ سمجھے بیٹھے ہیں۔ استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے معنے بھی کسی کو معلوم نہیں۔ استغفر اللہ ایک عربی زبان کا لفظ ہے۔ ان لوگوں کی تو چونکہ یہ مادری زبان تھی اور وہ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھے ہوئے تھے۔ استغفار کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اپنے گذشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا اور آئندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔ استغفار انبیاء بھی کیا کرتے تھے اور عوام بھی۔

بعض نادان پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ انکے استغفار کرنے سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ استغفار تو ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انسان فطرتاً ایسا بنا ہے کہ کمزوری اور ضُعف اس کا فطری تقاضا ہے۔ انبیاء اس فطرتی کمزوری اور ضُعفِ بشریت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ دُعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو ہماری ایسی حفاظت کر کہ وہ بشری کمزوریاں ظہور پذیر ہی نہ ہوں۔ غفر کہتے ہیں ڈھکنے کو۔ اصل بات یہی ہے کہ جو طاقت خدا کو ہے وہ نہ کسی نبی کو ہے نہ ولی کو اور نہ رسُول کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنی طاقت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں پس انبیاء بھی حفاظت کے واسطے خدا کے محتاج ہیں۔ پس اظہارِ عبودیت کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور انبیاء کی طرح اپنی حفاظت خدا تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے۔

یہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے کہ حضرت عیسیٰؑ استغفار نہ کرتے تھے۔ یہ ان کی بیوقوفی اور بے سمجھی ہے اور یہ حضرت عیسیٰؑ پر تہمت لگاتے ہیں۔ انجیل میں غور کرنے سے صریح اور صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جا بجا اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا اور استغفار بھی کیا۔ اچھا بھلا اَیلِی اَیلِی لِمَا سَبَقْتَانِی سے کیا مطلب؟ ابی ابی کرکے کیوں نہ پکارا؟ عبرانی میں اَیل خدا کو کہتے ہیں۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ رحم کر اور فضل کر اور مجھے ایسی بے سروسامانی میں نہ چھوڑ (یعنی میری حفاظت کر)

درحقیقت مشکل تو یہ ہے کہ ہندوستان میں بوجہ اختلاف زبان استغفار کا اصل مقصد ہی مفقود ہوگیا ہے اور ان دُعاؤں کو ایک جنتر منتر کی طرح سمجھ لیا ہے۔ کیا نماز اور کیا استغفار اور کیا توبہ؟ اگر کسی کو نصیحت کرو کہ استغفار پڑھا کرو تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ میں تو استغفار کی سو بار یا دو سو بار تسبیح پڑھتا ہوں مگر مطلب پوچھو تو کچھ جانتے ہی نہیں۔ استغفار ایک عربی لفظ ہے اس کے معنے ہیں طلب مغفرت کرنا کہ یا الٰہی ہم سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں ان کے بد نتائج سے ہمیں بچا کیونکہ گناہ ایک زہر ہے اور اس کا اثر بھی لازمی ہے۔ اور آئندہ ایسی حفاظت کر کہ گناہ ہم سے سرزد ہی نہ ہوں۔ صرف زبانی تکرار سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

توبہ توبہ کے معنے ہیں ندامت اور پشیمانی سے ایک بدکام سے رجوع کرنا۔ توبہ کوئی بُرا کام نہیں ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ خدا کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام بھی تواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنے گناہوں اور افعالِ بد سے نادم ہو کر پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ اس بدکام سے باز رہنے کا عہد کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رجوع کرتا ہے رحمت سے۔ خدا انسان کی توبہ سے بڑھ کر توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف ایک بالشت بھر جاتا ہے تو خدا اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر انسان چل کر آتا ہے تو خدا تعالیٰ دوڑ کر آتا ہے یعنی اگر انسان خدا کی طرف توجہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت، فضل اور مغفرت میں انتہاء درجہ کا اس پر فضل کرتا ہے، لیکن اگر خدا سے مُنہ پھیر کر بیٹھ جاوے تو خدا تعالیٰ کو کیا پروا۔

دیکھو یہ خدا تعالیٰ کے فیضان کے لینے کی راہیں ہیں۔ اب دروازے کھُلے ہیں تو سورج کی روشنی برابر اندر آ رہی ہے اور ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن اگر ابھی اس مکان کے تمام دروازے بند کر دیئے جاویں تو ظاہر ہے کہ روشنی آنی موقوف ہو جاوے گی۔ اور بجائے روشنی کے ظلمت آجاوے گی۔ پس اسی طرح سے دل کے دروازے بند کرنے سے تاریکیٔ ذنوب اور جرائم آموجود ہوتی ہے اور اس طرح انسان خدا کی رحمت اور فضل کے فیوض سے بہت دُور جا پڑتا ہے۔ پس چاہیئے کہ توبہ استغفار منتر جنتر کی طرح نہ پڑھو۔ بلکہ ان کے مفہوم اور معانی کو مدِنظر رکھ کر تڑپ اور سچی پیاس سے خدا تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرو۔ توبہ میں ایک مخفی عہد بھی ہوتا ہے کہ فلاں گناہ میں کرتا تھا۔ اب آئندہ وہ گناہ نہیں کروں گا۔ اصل میں انسان کی خدا تعالیٰ پردہ پوشی کرتا ہے کیونکہ وہ ستار ہے بہت سے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ستاری نے ہی نیک بنا رکھا ہے۔ ورنہ اگر خدا تعالیٰ ستاری نہ فرماوے تو پتہ لگ جاوے کہ انسان میں کیا کیا گند پوشیدہ ہیں۔

انسان کے ایمان کا کمال انسان کے ایمان کا بھی کمال یہی ہے کہ تخلّق باخلاق اللہ کرے۔ یعنی جو جو اخلاق فاضلہ خدا میں ہیں اور صفات ہیں

ان کی حتی المقدور اتباع کرے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً خدا تعالیٰ میں عفو ہے۔ انسان بھی عفو کرے۔ رحم ہے حلم ہے۔ کرم ہے۔ انسان بھی رحم کرے حلم کرے۔ لوگوں سے کرم کرے۔ خدا تعالیٰ ستار ہے۔ انسان کو بھی ستاری کی شان سے حصہ لینا چاہیئے اور اپنے بھائیوں کے عیوب اور معاصی کی پردہ پوشی کرنی چاہیئے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی کی کوئی بدی یا نقص دیکھتے ہیں جب تک اس کی اچھی طرح سے تشہیر نہ کر لیں ان کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ حدیث میں آیا ہے جو اپنے بھائی کے عیب چھپاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ انسان کو چاہیئے شوخ نہ ہو۔ بے حیائی نہ کرے مخلوق سے بدسلوکی نہ کرے۔ محبت اور نیکی سے پیش آوے۔

اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے کسی سے بُغض نہ رکھو

اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے کسی سے بغض نہ رکھے۔ سختی اور نرمی مناسب موقعہ اور مناسب حال کرے اور اگر کسی جگہ درشتی کرنی بھی پڑ جائے تو اس طرح کرے جس طرح کوئی کسی کا مامور یا نائب حکم کی پابندی کی وجہ سے کرتا ہے انبیاء نے بھی بعض اوقات سختی کی ہے مگر نہ جوشِ نفس سے بلکہ محض خدا تعالیٰ کے حکم اور اصلاح کی غرض سے۔

ہم نے کسی کتاب میں ایک حکایت پڑھی ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک کافر سے جنگ ہوئی جنگ میں مغلوب ہو کر وہ کافر بھاگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اس کا تعاقب کیا اور آخر اُسے پکڑا۔ اس سے کُشتی کر کے اس کو زیر کر لیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اس کی چھاتی پر خنجر نکال کر اس کے قتل کرنے کے واسطے بیٹھ گئے تو اس کافر نے آپ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اس کی چھاتی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس سے الگ ہو گئے۔ وہ کافر اس معاملہ سے حیران ہوا اور تعجب سے اس کا باعث دریافت کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تو محض خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ کسی نفسانی غرض سے نہیں کرتے بلکہ ہم تو تم لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ مَیں نے تم کو پکڑا خدا کے لیے تھا۔ مگر جب تم نے میرے مُنہ پر تھوک دیا تو اس سے مجھے بشریت کی وجہ سے غصہ آگیا تب مَیں ڈرا کہ اگر اس وقت جبکہ اس معاملہ میں میرا نفسانی جوش بھی شامل ہو گیا ہے تم کو قتل کروں تو میرا سارا ساختہ پرداختہ ہی برباد ہو جاوے اور جوشِ نفس کی ملونی کی وجہ سے میرے نیک اور خالصاً لِلّٰہ اعمال بھی حبط نہ ہو جاویں۔ یہ ماجرا دیکھ کر کہ ان لوگوں کا اتنا باریک تقویٰ ہے۔ اس نے کہا کہ میں نہیں یقین کر سکتا کہ ایسے لوگوں کا دین باطل ہو۔ لہٰذا وہ مسلمان ہو گیا۔

غرض اسی طرح ہماری جماعت کے بھی جنگ ہوتے ہیں ان میں جوشِ نفس کو شامل نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو۔

اگر ہم خدا تعالیٰ کے نزدیک کافر اور دجّال نہیں ہیں تو پھر کسی کے کافر اور دجّال وغیرہ کہنے سے ہمارا کچھ بگڑتا نہیں اور اگر واقعی میں ہی ہم خدا تعالیٰ کے حضور میں مقبول نہیں بلکہ مردود ہیں تو پھر کسی کے اچھا کہنے اور نیک بنانے سے ہم خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

دلوں کو فتح کرو

پس تم یاد رکھو کہ نرمی عمدہ صفت ہے۔ نرمی کے بغیر کام چل نہیں سکتا۔ فتح جنگ سے نہیں۔ جنگ سے اگر کسی کو نقصان پہنچا دیا تو کیا کیا؟ چاہیئے کہ دلوں کو فتح کرو۔ اور دل جنگ سے فتح نہیں ہوتے بلکہ اخلاقِ فاضلہ سے فتح ہوتے ہیں۔ اگر انسان خدا کے واسطے دشمنوں کی اذیتوں پر صبر کرنے والا ہو جاوے تو آخر ایک دن ایسا بھی آجاتا ہے کہ خود دشمن کے دل میں ایک خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اثر ہوتا ہے اور جب وہ برکات، فیوض اور نصرتِ الٰہی کو دیکھتا ہے اور اخلاقِ فاضلہ کا برتاؤ دیکھتا ہے تو خود بخود اس کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہی ہوتا اور خدا تعالیٰ پر افترا کرنے والا ہی ہوتا تو اس کی یہ نصرت اور تائید تو ہرگز نہ ہوتی۔

ان لوگوں نے ہمیں ہی یہ گالیاں نہیں دیں بلکہ یہ معاملہ تمام انبیاء کے ساتھ اسی طرح چلا آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کذاب، ساحر، مجنون، مفتری وغیرہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا اور انجیل کھول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ سے بھی ایسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی گالیاں دی گئی تھیں۔ اصل میں تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ والی بات ہے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسٓ: ۳۱) کوئی بھی ایسا سچا نبی نہیں آیا کہ اسکی ہتک نہ کی گئی ہو۔ ہم کیونکر سنت اللہ سے باہر ہو سکتے ہیں۔ بات تو آسان ہی تھی اور معاملہ بڑا صاف تھا۔ مگر ان منصوبہ بازوں نے معاملہ کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ ہم نبیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ ہم تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہماری کتابیں دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس طرح ہمارا ہر ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا اور قربان ہے۔

دعویٰ نبوت کی حقیقت

باقی رہی یہ بات کہ ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ نزاعِ لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کے تو یہ لوگ خود بھی قائل ہیں۔ اسی مکالمہ مخاطبہ کا نام اللہ تعالیٰ نے دوسرے الفاظ میں نبوت رکھا ہے ورنہ اس تشریعی نبوت کا تو ہم نے بارہا بیان کیا ہے کہ ہم نے ہرگز ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔ قرآن سے برگشتہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو تو ہم واجب القتل اور لعنتی کہتے ہیں۔ اس طرح کی نبوت کا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو منسوخ کر دے، دعویٰ کرنے والے کو ہم ملعون اور واجب القتل جانتے ہیں۔

ہم پر جو اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں یہ سب رسُول اکرمؐ کے فیض سے ہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوکر ہم سچ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں اور خاک بھی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور مرتبہ دل میں اور ہر رگ وریشہ میں ایسا سمایا ہے کہ ان کو اس درجہ سے خبر تک بھی نہیں۔ کوئی ہزار تپسیا کرے، جپ کرے۔ ریاضتِ شاقہ اور محنتوں سے مشتِ استخواں ہی کیوں نہ رہ جاوے مگر ہرگز کوئی سچا رُوحانی فیض بجُز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتّباع کے کبھی میسر آسکتا ہی نہیں اور ممکن ہی نہیں۔ اب جبکہ ہمارا یہ حال ہے اور ایسا ایمان ہے تو پھر ان کا ہمیں کافر و دجّال کہنا کیا معنے رکھتا ہے؟

ابھی چند روز ہوئے ہمارے پاس ایک اور نیا فتویٰ چھپ کر آیا ہے جس میں ہمیں طرح طرح کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان باتوں سے ہمارا کچھ بگڑتا نہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہیں تو پھر ان کے فتوے ہمیں کوئی ضرر دے سکتے ہی نہیں ہمیں کافر کہنے والے خود بھی تو کفر سے نہیں بچے بلکہ ان کا کفر تو بہت پکّا کفر ہے۔ ان کے واسطے تو لکھا جا چکا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ صرف دھونے سے پاک نہیں ہو سکتی بلکہ اینٹیں اُکھاڑ کر نیا فرش لگایا جانے سے مسجد پاک ہوتی تھی۔ ہمارے واسطے ایسی بات تو نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جتنے اہل اللہ گذرے ان میں کوئی بھی تکفیر سے نہیں بچا۔ کیسے کیسے مقدّس اور صاحب برکات تھے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان پر بھی قریباً دو سو علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لکھا تھا ابن جوزی جو محدّث وقت تھا اس نے ان کی تکفیر کی نسبت ایک خطرناک کتاب تالیف کی اور اس کا نام تلبیسِ ابلیس رکھا۔ سُنا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب پر بھی کُفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ یہ تو کفر بھی مبارک ہے جو ہمیشہ اولیاء اور خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں کے حصہ میں ہی آتا رہا ہے۔

خاکسار اور متواضع بنو

ہمارا اس وقت اصل مدعا یہ ہے کہ ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کفر سچا ہی ثابت ہو جاوے۔ انسان اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی موردِ قہر و عذابِ الٰہی ہو تو پھر دشمن کی بات پکّی ہی ہو جایا کرتی ہے۔ خالی شیخیوں سے اور بے جا تکبّر اور بڑائی سے پرہیز کرنا چاہیئے اور انکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہیئے۔ دیکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حقیقتاً سب سے بڑے اور مستحق بزرگی تھے ان کے انکسار اور تواضع کا ایک نمونہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ لکھا ہے کہ ایک اندھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس عمائدِ مکّہ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور آپ ان سے گفتگو میں مشغول تھے۔ باتوں میں مصروفیت کی وجہ سے کچھ دیر ہو جانے سے وہ نابینا اُٹھ کر چلا گیا۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق سورۃ

نازل فرمادی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر میں گئے اور اُسے ساتھ لاکر اپنی چادر مبارک بچھا کر بٹھایا۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں عظمتِ الٰہی ہوتی ہے ان کو لازماً خاکسار اور متواضع بننا ہی پڑتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے ہیں ؎

آنانکہ عارف تراند ترساں تر

کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے اسی طرح نکتہ گیر بھی ہے۔ اگر کسی حرکت سے ناراض ہو جاوے تو دم بھر میں سب کارخانہ ختم ہے پس چاہیئے کہ ان باتوں پر غور کرو اور ان کو یاد رکھو اور عمل کرو۔[1]

---

۹ مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور

(قبل نماز ظہر)

احمدی ڈاکٹروں اور اطباء کیلئے خاص نصیحت

طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کا ذکر تھا فرمایا۔

بدقسمت ہے وہ انسان کہ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے سائنس، طبعی یا ڈاکٹروں وغیرہ کی طرف توجہ کرکے سامان تلاش کرتا ہے اور خوش قسمت ہے وہ جو خدا تعالیٰ کی پناہ لیتا ہے اور کون ہے جو بجز خدا تعالیٰ کے ان آفات سے پناہ دے سکتا ہو؟ اصل میں یہ لوگ جو فلسفی طبع یا سائنس کے دلدادہ ہیں ایسی مشکلات کے وقت ایک قسم کی تسلی اور اطمینان پانے کے واسطے بعض دلائل تلاش کر لیتے ہیں اور اس طرح سے ان وباؤں کے اصل بواعث اور اغراض سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے پھر بھی غافل ہی رہتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ڈاکٹروں سے میں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں اپنے ہی علوم کو کافی نہ سمجھیں بلکہ خدا کا خانہ بھی خالی رکھیں اور قطعی فیصلے اور یقینی رائے کا اظہار نہ کر دیا کریں کیونکہ اکثر ایسا تجربہ میں آیا ہے کہ بعض ایسے مریض جن کے حق میں ڈاکٹروں نے متفقہ طور سے قطعی اور یقینی حکم موت کا لگا دیا ہوتا ہے ان کے واسطے خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بچ جاتے ہیں اور بعض ایسے لوگوں کی نسبت جو کہ اچھے بھلے اور بظاہر ڈاکٹروں کے نزدیک ان کی موت کے کوئی آثار نہیں نظر آتے خدا قبل از وقت ان کی موت کی

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۴ صفحہ ۳ تا ۴ مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

نسبت کسی مومن کو اطلاع دیتا ہے۔ اب اگرچہ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا خاتمہ نہیں۔ مگر خدا کے نزدیک اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آجاتا ہے۔

علم طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر مسلمان چونکہ موحد اور خدا پرست قوم تھی۔ انہوں نے اسی واسطے اپنے نسخوں پر ھوالشّافی لکھنا شروع کر دیا۔ ہم نے اطباء کے حالات پڑھے ہیں۔ علاج الامراض میں مشکل امر تشخیص کو لکھا ہے۔ پس جو شخص تشخیصِ مرض میں ہی غلطی کرے گا وہ علاج میں بھی غلطی کرے گا کیونکہ بعض امراض ایسے ادق اور باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمان اطباء نے ایسی دقتوں کے واسطے لکھا ہے کہ دُعاؤں سے کام لے۔ مریض سے سچی ہمدردی اور اخلاص کی وجہ سے اگر انسان پوری توجہ اور دردِ دل سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مرض کی اصلیت کھول دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی غیب مخفی نہیں۔

پس یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر صرف اپنے علم اور تجربہ کی بناء پر جتنا بڑا دعویٰ کرے گا اتنی ہی بڑی شکست کھائے گا۔ مسلمانوں کو توحید کا فخر ہے۔ توحید سے مراد صرف زبانی توحید کا اقرار نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ عملی رنگ میں حقیقتاً اپنے کاروبار میں اس امر کا ثبوت دے دو کہ واقعی تم موحد ہو اور توحید ہی تمہارا شیوہ ہے مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ہر ایک امر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس واسطے مسلمان خوشی کے وقت الحمدللہ اور غمی اور ماتم کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۷) کہہ کر ثابت کرتا ہے کہ واقع میں اس کا ہر کام میں مرجع صرف خدا ہی ہے جو لوگ خدا تعالیٰ سے الگ ہو کر زندگی کا کوئی حظ اُٹھانا چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کی زندگی بہت ہی تلخ ہے کیونکہ حقیقی تسلی اور اطمینان بجز خدا میں محو ہونے اور خدا کو ہی ہر کام کا مرجع ہونے کے حاصل ہو سکتا ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی تو بہائم کی زندگی ہوتی ہے اور وہ تسلی یافتہ نہیں ہو سکتے۔ حقیقی راحت اور تسلی انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو خدا سے الگ نہیں ہوتے اور خدا تعالیٰ سے ہر وقت دل ہی دل میں دُعائیں کرتے رہتے ہیں۔

سچے مذہب میں پابندیاں ہوتی ہیں

مذہب کی صداقت اس میں ہے کہ انسان خدا تعالیٰ سے کسی حالت میں بھی الگ نہ ہو۔ وہ مذہب ہی کیا ہے اور زندگی ہی کیسی ہے کہ تمام عمر گذر جائے مگر خدا تعالیٰ کا نام درمیان کبھی بھی نہ آوے اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے نقائص صرف بے قیدی اور آزادی کی وجہ سے ہیں اور یہ بے قیدی ہی ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوق کا بہت بڑا حصہ اس طرز زندگی کو پسند کرتا ہے۔

آج ہی ایک کتاب ہم نے دیکھی ہے جس میں بُدھ کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہیں تھا اور کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہی ہے آئندہ کچھ نہیں۔ ایسے بے قید اور آزاد عقائد ہی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دُنیا کا ۱/۴ یا ۱/۵ حصہ بدھ عقائد کا پابند ہے یا ان عقائد کو پسند کرتا ہے۔ مذہب کا دائرہ جتنا تنگ ہوگا اتنا ہی اس میں داخل ہونے والے لوگ بھی کم ہوں گے اور اتنی ہی نسبتاً پاکیزگی اور طہارت اس میں موجود ہوگی۔

اسلامی پابندیاں

اسلام نے شرائط پابندی ہر دو عورتوں اور مردوں کے واسطے لازم کئے ہیں۔ پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غضِ بصر کا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، حلال وحرام کا امتیاز، خدا تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی عادات رسم ورواج کو ترک کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی پابندیاں ہیں جن سے اسلام کا دروازہ نہایت ہی تنگ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص اس دروازے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ عیسائی باش و ہر چہ خواہی کن۔ اور ان کا مذہب بھی ایک بے قید مذہب ہے اور مسلمانوں میں بھی آجکل ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ اصل میں یہ سب امور اسی بے قیدی اور آزادی کے خواہشمندوں کو سوجھتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ بے قیدی اور پاکیزگی تو نور وظلمت کی طرح آپس میں دشمن ہیں۔ لاہور میں بھی طبائع میں قبولِ حق کی استعداد تو معلوم ہوتی ہے مگر بے قیدی اور آزادی ان کے راستے میں ایک سخت روک ہے۔

لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک قوم مسلمان ہوئی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسُول اللہ ہمیں نماز معاف کر دی جاوے۔ مگر آپ نے ان کو یہی فرمایا کہ دیکھو جس مذہب میں خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں وہ مذہب ہی کچھ نہیں۔

جب دنیا کی حالت کے اس آزاد اور بے قید حصہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو دل پر ایک قسم کا زلزلہ اور لرزہ وارد ہوتا ہے اور خیال آتا ہے کہ حقیقت میں اصلاح کی راہ میں سے اسی پتھر کا اُٹھنا مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ دُنیا پر ایک عظیم الشان انقلاب آجاوے جو دلوں میں خدا تعالیٰ کی ہیبت اور سطوت اور جبروت وجلال کا یقین پیدا کر دے۔

آجکل اگر کوئی شراب کو چھوڑ بھی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب کا استعمال ناجائز ہے۔ اصل میں اس کا بھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کثرت سے استعمال نہ کی جاوے یا یہ کہ باہر لوگوں کے سامنے گلی بازاروں میں نہ پی جاوے۔ گھر کی چار دیواری میں جو چاہیں کریں۔ مگر اسلام نے ان سب امور کے ساتھ سچے تقویٰ اور حقیقی پاکیزگی کی سخت تاکیدی شرط اور خدا تعالیٰ کی حدود میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

* * *

ساری بندگیوں کا خلاصہ

اتنی تقریر کر چکنے پر چند دوستوں نے بیعت کی اور ان کے ساتھ ہی ایک بڑے ضعیف العمر بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے۔

فرمایا:۔

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ نہ معلوم کہ موت کس وقت انسان کو آپکڑے گی اور پھر اس کے ساتھ توبہ استغفار کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنا اور اس کی رضا کے حصول کی تڑپ دل میں پیدا کرنا اسی میں سب دین اور دنیا آجاتا ہے۔ ساری بندگیوں کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوں اور اس سے خدا تعالیٰ خوش ہو جاوے۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ

آپ کا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کی کہ مستقیم۔

فرمایا:۔

اچھا خدا تعالیٰ آپ کو مستقیم کرے۔

بابا مستقیم صاحب نے عرض کی کہ حضور میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔

فرمایا:۔

سب کچھ نیت میں آجاتا ہے۔ آپ کو آپ کی نیت کا ثواب مل گیا۔ آپ نے یہاں تک آنے کی جو تکلیف اُٹھائی ہے اس کا بھی اجر دیا جاوے گا۔ اچھا خدا تعالیٰ پر راضی رہو۔

موجودہ زمانہ میں اصلاح کا کام

اس کے بعد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر اس سلسلہ کلام کو شروع کر کے فرمایا کہ:۔

زمانہ موجودہ کے حالات کے لحاظ سے مسئلہ اصلاح کچھ بہت ہی مشکل اور پیچیدہ سا نظر آتا ہے۔ آجکل کچھ ہَوا ہی اس کے خلاف چل رہی ہے۔ ہم جو امر پیش کر رہے ہیں وہ تو ایک دارو ئے تلخ ہے۔ یہ لوگ اپنی میٹھی میٹھی عادات چھوڑ کر کڑوی دوا جب ہی استعمال کر سکتے ہیں کہ اس کی حقیقت سے ان کو پوری واقفیت اور آگاہی ہو کہ واقع میں وہ مٹھائی ان کے حق میں مضر ہے اور یہ دارو ئے تلخ آب حیات کا اثر رکھتی ہے اور جب ہی کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو قید لگائی ہے اس میں سراسر رحمت اور کرم ہے۔ بھلا ان

بے قیدیوں کا انجام ہی کیا ہے؟ یہی ہوتا ہے کہ شراب خوری اور فسق و فجور میں یہ لوگ غرق نظر آتے ہیں اور پھر ان سے جو بد نتائج نکلتے ہیں وہ کیسے خطرناک ہیں؟ دُنیا اُن کا روز نظارہ کر رہی ہے۔ لقوہ، فالج، آتشک، سوزاک اور بعض اوقات جذام تک نوبت پہنچتی ہے اور اس طرح زندگی خطرناک مصائب میں مبتلا ہو کر خوار ہو جاتی ہے چاہیئے کہ اس بے قیدی اور اس قید کے نتائج کا مقابلہ کر کے تو دیکھیں مگر یہ نوجوان جن کو نئی تعلیم کے مصالح لگے ہوئے ہیں سمجھتے نہیں۔ اس مصالح سے ہی ڈر آتا ہے۔ مگر پھر بھی نا اُمید نہیں ہونا چاہیئے۔

مَیں اس تجویز کا بھی مخالف نہیں جو اس گروہ کی سچی ہمدردی اور اصلاح کے واسطے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے بلکہ زور سے اس کے موافق ہوں۔ سَو میں سے ایک ہی سہی ورنہ ان کے ٹھٹھا ہنسی کرنے سے ہی ہمیں اپنی محنت کا ثواب مل رہے گا۔

قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی ایسے مجمع میں جہاں سَو پچاس آدمی جمع ہوں کوئی بات کہی جاتی ہے تو ان میں اختلاف ضرور ہو جاتا ہے۔ اگر بعض ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں تو بعض کو اس صداقت کی سمجھ بھی آ ہی جاتی ہے اگرچہ یہ سچ ہے کہ صداقت کے حصہ میں تھوڑے ہی آتے ہیں مگر وہ تھوڑے ہی جوانمرد ہوتے ہیں کیونکہ صداقت کا قبول کرنا بھی ایک جوانمردی ہے اور پھر حق اور صداقت میں ایک رُعب اور طاقت ہوتی ہے۔ اس طرح سے ان کی قوت کے ساتھ ایک اور قوت شامل ہو کر بہت بڑی طاقت ہو جاتی ہے۔

خبیث سے طیّب کی تمیز

اور پھر ایک اَور خدا کا فضل ہمارے حصہ میں یہ آیا ہے کہ ہماری طرف آنے والے حلیم، سلیم اور نیک آدمی ہی ہوتے ہیں ان لوگوں کے گندے اشتہاروں اور ان کی خلاف تہذیب اور خارج از انسانیت تحریروں، تقریروں اور گالی گلوچ دیکھ کر تو ہمیں خوش ہی ہونا پڑتا ہے۔ ہمیں فائدہ ہی کیا ہوتا اگر یہ گندے لوگ ہم میں آ شامل ہوتے خدا تعالیٰ نے ہمیں جو بتایا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے کلام میں داخل ہے کہ میں خبیث سے طیّب کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ اس تمیز اور تمحیص کے ذرائع بھی خود خدا نے ہی بنا دیئے ہیں ورنہ ممکن تھا کہ یہ لوگ موت[1] کے بھی قائل ہو جاتے اور اس طرح سے ان میں اور ہم میں کوئی اختلاف نہ رہ جاتا۔ مگر خدا جو خبیث اور طیّب میں فرق کرنا چاہتا ہے اس نے اپنی حکمت سے اُن میں اور ہم میں کچھ ایسے اختلاف ڈال دیئے کہ اُن کو ہم سے بالکل الگ ہی کر دیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان کے پاس کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی یہ غیظ و غضب میں بھر

---

[1] مراد عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے۔ (مرتب)

رہے ہیں۔ اگر کہیں قرآن شریف میں حضرت مسیح کی زندگی کا لفظ صریح طور سے لکھا ہوتا یا احادیث صحیحہ سے حضرت مسیح کی زندگی ثابت ہوتی جب تو اُن کا حق بھی تھا کہ غیظ و غضب کرتے اور ہمیں جو دل چاہتا کہتے مگر جب خود قرآن اور حدیث ہی ان لوگوں کو دھکے دے رہے ہیں تو پھر ان کا حق نہیں ہے کہ اس قدر جھوٹا جوش دکھاویں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس پُرفتن زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میل کچیل سے نکال کر ایک علیحدہ فرقہ بنا دے اور دنیا کو دکھا دے کہ اسلام اس کو کہتے ہیں۔

حالات دو ہی قسم کے ماتحت ہوتے ہیں عملی اور اعتقادی۔ مگر اس زمانہ کے مسلمانوں نے ہر دو رنگ میں اسلام کو بدنام کیا ہے۔ اسلام ہر گند سے پاک اور ہر میدان میں غالب ہے مگر ہم نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں نے جو ہتھیار اختیار کئے ہیں ان سے کبھی اسلام غالب ہو سکے۔

جہنم دائمی نہیں

اسلام ایک ایسا پاک اور کامل مذہب ہے کہ اس کے کسی اعتقاد پر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ معاد کے متعلق بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ اگر دوزخ کا خلود اور حالتِ کفر میں مر جانے کی سزا بھی ابدالآباد اور لاانقطاع زمانہ کے واسطے مانی جاوے تو اس طرح سے ایک ظلم لازم آتا ہے اور یہ امر خدا تعالیٰ کے بے انتہا رحم کے برخلاف ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ دوزخ کی ابدیت، جنت کی ابدیت اور خلود کی طرح لاانقطاع نہیں ہے۔ کیونکہ جن قویٰ سے انسان ارتکاب گناہ کرتا ہے آخر ان کا خالق بھی تو خود خدا ہی ہے۔ انسان وہ قویٰ اور وہ فطرت آخر گھر سے تو لایا نہیں۔ مانا کہ انسان فعل اور ترکِ فعل میں بعض اوقات دخل و تصرف رکھتا ہے اور خود بدی کرتا ہے مگر چونکہ خالقِ فطرت خدا تھا اور اس نے خود فرمایا ہے کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء: ۲۹) لہٰذا اس کو اس کا فائدہ بھی دیا جانا چاہیئے تھا۔ پس گناہ کی سزا ہوگی اور عذاب ہوگا مگر یہ ابدیت وہ نہیں جس طرح خدائی ابدیت ہے ایک خاص وقت تک جہنم میں رکھ کر اصلاح ہو جانے پر رہائی ہو جاوے گی۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ مگر خدا تعالیٰ کے کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں بہشت کا ذکر ہے وہاں عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود: ۱۰۹) کا لفظ ہے اور جہاں جہنم کا ذکر ہے۔ وہاں یہ فرمایا کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (ھود: ۱۰۸) ان آیات میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہشتیوں کو خوف نہیں دلایا گیا مگر دوزخیوں کو مخلصی کی امید ضرور دلائی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر بہشت کے متعلق عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ کا لفظ نہ ہوتا تو بہشت والوں کو بھی کھٹکا ہی رہتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ کا لفظ بڑھا

کر وہ کھٹکا ہی مٹا دیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے وہ واپس نہیں لی جاتی۔ اور اس کی نسبت ہم نے ایک اور حدیث بھی دیکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَّیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ وَّ نَسِیْمُ الصَّبَا تُحَرِّكُ اَبْوَابَھَا۔

اب دیکھو۔ یہ کیسا پاک اُصول اور عقیدہ ہے جو اسلام نے دوزخ اور بہشت کے متعلق مسلمانوں کو سکھایا ہے جس میں ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں اور نہایت پاک اور حق و حکمت کا اُصول ہے کہ ایک خاص حد تک سزا ہوگی۔ بعد اس کے نجات ہو جاویگی کیونکہ آخر فطرتوں اور قویٰ انسانی کا خالق تو خدا تعالیٰ ہی ہے کوئی فطرت سلیم اور کانشنس منظور ہی نہیں کر سکتی کہ ایک کمزور اور ناتواں انسان کے گناہ کو ایسا عظیم الشان مانا جاوے جو کبھی بخشا ہی نہ جاوے۔

معراج کی حقیقت

دوسرا معاملہ معراج کا ہے۔ بیشک ہم بھی مانتے ہیں کہ جسم کے ساتھ آپ گئے تھے۔ بیداری بھی تھی اور جسم بھی تھا مگر وہ ایک اعلیٰ درجہ کی کشفی حالت تھی اس دلیل کے واسطے بخاری کو دیکھو کہ یہ سارا واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہوگا کہ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ بھلا اس کے کیا معنے ؟ دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو بہت عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا تھا۔ اور جن کا علم بھی بہت بڑا تھا ان کی یہ روایت ہے۔ اِسْتَیْقَظَ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خواب دیکھا تھا بلکہ ایک قسم کی بیداری تھی اور اس میں یہ بھی شعور تھا کہ مع جسم گئے۔ یہ ایک خدا تعالیٰ کا تصرف ہوتا ہے کہ غیبوبتِ حس نہیں ہوتی اور یہ ایک نکتہ ہے کہ علم سے حل نہیں ہو سکتا بلکہ تجربہ صحیحہ اس کو حل کر سکتا ہے۔ فلسفہ اور طبعی کا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی اعتراض کے قابل بات ہے مگر بعض لوگ خود اسلام کو بگاڑتے اور قابل اعتراض بناتے ہیں[1]

---

۱۲ مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور

قبل نماز ظہر

انگلستان کے پروفیسر ریگ سے گفتگو

پروفیسر ریگ جو کہ انگلستان کا رہنے والا ایک بڑا بھاری ماہر علم ہیئت ہے۔ وہ تمام دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء

کی سیر کے ارادے سے وطن سے نکلا اور علم ہیئت پر بڑے بڑے لیکچر دیتا پھرتا ہے۔ چنانچہ چند روز سے لاہور میں وارد ہے اور ایک لیکچر لاہور میں بھی دیا جس میں بڑے بڑے انگریز لیکچر سننے کے واسطے شامل تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق بھی حُسنِ اتفاق سے اس لیکچر میں موجود تھے۔ لیکچر کے خاتمہ پر مفتی صاحب ممدوح نے پروفیسر صاحب سے ملاقات کی اور حضرت اقدس کے دعاوی اور دلائل وغیرہ ان کو سُنائے۔ چنانچہ پروفیسر موصوف اسی وقت تیار ہوگیا کہ حضرت اقدس کے حضور حاضر ہو مگر مفتی صاحب نے کہا کہ پہلے میں حضرت اقدس سے اجازت لے کر وقت مقرر کرالوں پھر آپ کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اجازت دی اور ۱۲ مئی قبل ظہر ملاقات ہوئی۔

سوال:۔ مَیں ایک علمی مذاق کا آدمی ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ زمین جس میں ہم رہتے ہیں ایک چھوٹی سی زمین ہے اور ہزار در ہزار اور لاکھ در لاکھ جسے اس کے علاوہ مخلوق الٰہی کے موجود ہیں اور یہ ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتی تو پھر کیا وجہ کہ خدا کے فضل کو صرف اسی حصہ زمین یا کسی خاص مذہب وملت میں ہی محدود رکھا گیا؟

جواب:۔ دراصل یہ صحیح نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ایک خاص فرقے یا قوم کے ذریعہ خدا تعالےٰ اپنی ہستی ظاہر کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو کسی خاص قوم سے اُنس یا رشتہ نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خدا تمام دُنیا کا خدا ہے اور جس طرح اس نے ظاہر جسمانی ضروریات اور تربیت کے واسطے مواد اور سامان تمام قسم کی مخلوق کے واسطے بلا کسی امتیاز کے مشترکہ طور سے پیدا کئے ہیں اور ہمارے اُصول کی رو سے وہ ربّ العالمین ہے اور اُس نے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سامان تمام مخلوق کے واسطے بنائے ہیں اسی طرح سے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے واسطے وقتاً فوقتاً مصلح بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر:۲۵) خدا تعالیٰ تمام دُنیا کا خدا ہے۔ کسی خاص قوم سے اس کو کوئی رشتہ نہیں اور یہ جو مختلف اوقات میں مختلف آسمانی کتابیں آئی ہیں ان میں بھی دراصل کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جو قابل اصلاح اُمور ہوتے ہیں جب دنیا عملی رنگ سے بالکل بگڑ جاتی ہے اور فسق وفجور اور چوری شرارت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ پاکیزگی سے دور ہو کر نفسانی شہوات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور اعتقادی طور سے بھی خدا کو چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف جُھک جاتے ہیں تو پھر خدا جو انسان کا جسمانی اور رُوحانی مُربّی ہے اس کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ ان مفاسد کی اصلاح کے واسطے کوئی شخص پیدا کرے اور اس طرح کا مصلح قانونِ قدرت سے باہر نہیں۔ جس طرح ہمارے واسطے وہ اناج جو حضرت آدمؑ یا اور

گذشتہ انبیاء کے وقت میں پیدا ہوا تھا باعثِ زندگی نہیں ہو سکتا اور وہ پانی جو پہلے لوگوں کے واسطے تھا ہماری پیاس نہیں مٹا سکتا اسی طرح رُوحانی طور سے بھی ہمیں تازہ بتازہ رُوحانی غذا اور پانی کی ضرورت ہے۔

یہ عادت اللہ ہے کہ جس طرح سے وہ جسمانی سلسلے کی پرورش اور تربیت کرتا ہے اور گذشتہ پرورش کافی نہیں ہوتی اسی طرح سے رُوحانی سلسلہ کا حال ہے اور رُوحانی جسمانی دونو سلسلے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا سے ہی منکر ہو تو اس بحث کا الگ ایک طریق ہے۔ خدا تعالیٰ کے قائل کو چاہیئے کہ دونوں سلسلوں کو بالمقابل رکھ کر ایک ہی نظر سے دیکھ کر فائدہ اُٹھائے۔ جس نے جسمانی سلسلہ پیدا کیا ہے اسی نے رُوحانی سلسلہ بھی پیدا کیا ہے جس طرح وہ جسمانی سلسلہ کی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے اسی طرح وہ رُوحانی سلسلہ کی بھی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے۔ جس طرح جسمانی حالت ایک تازہ پانی کی محتاج ہے اسی طرح رُوحانی حالت بھی تازہ آسمانی وحی کی محتاج ہے۔ جس طرح جسم بغیر پرورش کے مرجاتا ہے اسی طرح رُوح بھی بغیر پرورش کے مُردہ ہو جاتی ہے۔ رُوحانی امور میں اگر ہمیشہ گذشتہ ہی گذشتہ کا حوالہ دیا جاوے تو بجز اس کے رُوحانی حالت ایک مردہ حالت ہو جاوے گی اور کیا ہو سکتا ہے؟

خدا تعالیٰ ہمیشہ طبعاً چاہتا ہے کہ وہ پہچانا جاوے۔ وہ اپنی شناخت اور زندگی کے ثبوت میں ہمیشہ حقائق، معارف اور تازہ بتازہ نشان دکھایا کرتا ہے اور یہ امور کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں رکھتے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے۔ انہوں نے عملی طور سے ثبوت دیئے۔ دُنیا پر حجت پوری کی۔ اب کوئی شخص صرف یہ کہہ کر کہ میں سائنس دان یا فلاسفر ہوں ایک ایسی متواتر اور ثابت شدہ شہادت کو کیسے توڑ سکتا ہے۔ چاہیئے کہ جس طرح سے اس گروہ پاک نے عملی زندگی اور نمونے سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیا اسی طرح سے اس کا رد بھی کیا جاتا۔ ہاں البتہ ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق پہنچتا تھا کہ پُرانے قصے کہانیاں کیوں پیش کی جاتی ہیں کوئی زندہ نمونہ یا ثبوت پیش کیا جاوے۔ سو اس کے واسطے ہم تیار ہیں۔ صرف ہیئت دان اپنی ہیئت وغیرہ یا نظام شمسی میں غور کرنے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ ایک امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ بات کہ خدا ہے اور یقیناً ہے ہمیشہ انبیاء کے پیش کردہ اصول سے ہی ثابت ہوتا رہا ہے۔ اگر ہماری طرح کے انسان دُنیا میں نہ آتے تو خدا کے ثبوت کا کوئی حقیقی اور کامل ذریعہ ہرگز ہرگز دُنیا میں نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی منصف مزاج ہوتا اور شرافت بھی اس کے حصہ میں آئی ہوتی تو اس

ابلغ اور محکم ترتیب اور نظام شمسی وغیرہ سے اتنا نتیجہ نکال سکتا تھا کہ خدا ہونا چاہیئے۔ باقی یہ امر کہ یقیناً خدا ہے اور وہ دُنیا کا مالک، متصرف اور حکمران ہے۔ بجز خدا سے آکر خدانمائی کرنے والوں کے ممکن نہیں۔ وہ لوگ مشاہدہ کرانے والے ہوتے ہیں اور تازہ بتازہ نشانوں کے پیش کرنے سے گویا خدا کو دکھا دیتے ہیں۔

سوال:۔ لکھا ہے کہ ایک آدم اور حوا تھے۔ حوا ایک کمزور عورت تھی۔ اس نے ایک سیب کھا لیا۔ اب اس کے ایک سیب کھانے کی سزا ہمیشہ جاری رہے گی۔ یہ امر میری سمجھ میں نہیں آتا اور کہ یہ زمین جس سے ہمارا تعلق ہے اس کے سوا اور ہزاروں کروڑوں سلسلے خدا نے پیدا کئے ہیں تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور انعامات کو کیوں اس زمین تک محدود کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس آسمان اور زمین کے سوا اور کوئی سلسلہ ہی نہیں۔ بلکہ ہمارا خدا کہتا ہے کہ وہ ربّ العالمین ہے یعنی کہ وہ کل جہانوں کا رب ہے اور کہ جہاں جہاں کوئی آبادی ہے وہاں وہاں ہی اس نے رسُول بھیجے ہیں۔ عدمِ علم سے عدمِ شیٔ لازم نہیں آتی۔ جس خدا نے اس ایک چھوٹی سی زمین کے واسطے اتنا وسیع سامان پیدا کیا اس نے کیوں دوسری تمام آبادیوں کے واسطے سامان نہ پیدا کئے ہوں گے؟ وہ سب کا یکساں ربّ ہے اور سب کی ضرورتوں سے واقف۔

باقی یہ کہنا کہ انسانی رنج و محن حوا کے سیب کھانے کی وجہ سے ہیں اسلام کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام: ۱۶۵) زید کے بدلے بکر کو سزا نہیں مل سکتی اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ متصوّر ہے۔ حوا کی سیب خوری ان مشکلات اور رنج و سزا کا باعث نہیں ہے بلکہ ان کی وجوہات قرآن نے کچھ اَور ہی بیان فرمائے ہیں۔

سوال:۔ دو باتیں میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ گناہ کیا چیز ہے۔ ایک ملک کا انسان ایک امر کو گناہ یقین کرتا ہے۔ حالانکہ ایک دوسرے ملک کا انسان اسی امر کو گناہ نہیں سمجھتا۔ انسان ایک کیڑے سے ترقی کرتا کرتا انسان بنا اور پھر حق و باطل میں امتیاز حاصل کیا۔ صداقت اور جھوٹ میں فرق کیا۔ نیکی اور بدی کو سمجھا۔ گناہ اور ثواب کا علم پیدا کیا۔ باینہمہ پھر اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک امر ایک شخص کے نزدیک گناہ۔ دوسرا اس کو گناہ نہیں سمجھتا اور کرتا ہے۔

دوسرا یہ کہ شیطان کیا چیز ہے۔ خدا تعالیٰ کے اس علم اور قدرت کا مالک ہوتے ہوئے بھی شیطان کا اس قدر قابو پا جانا کہ اس کی اصلاح کے واسطے خود خدا کو دُنیا میں آنا پڑا۔ اس سے کیا مراد ہے؟

٭ ٭ ٭

گناہ کی حقیقت

جواب:- اصل میں جو لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ماننے والے ہیں۔ ہم ان کے مذاق پر گفتگو کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات انسان کی زندگی کے واسطے ایک دائمی راحت اور خوشی کا سرچشمہ ہے۔ جو شخص اس سے الگ ہوتا ہے یا کسی نہ کسی پہلو سے اس کو چھوڑتا ہے۔ اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے گناہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے فطرتِ انسانی پر نظر ڈال کر جو اعمال باریک در باریک رنگ میں خود انسان کی اپنی ہی ذات کے واسطے مُضر پڑنے والے تھے۔ ان کا نام بھی گناہ رکھا۔ گو بعض اوقات انسان انکی مضرت کو نہ سمجھ سکتا ہو۔ مثلاً چوری کرنا اور دوسروں کے حقوق میں دست اندازی کر کے ان کو نقصان پہنچانا۔ گویا خود اپنی پاک زندگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ زانی کا زنا کرنا اور دوسروں کے حق میں دست درازی کرنا اور خود اپنی فطرت کی پاکیزگی کو برباد کرنا اور طرح طرح کی مشکلات جسمانی، رُوحانی میں مبتلا ہوتا ہے اس طرح سے وہ امور بھی جو فطرتِ انسانی کی پاکیزگی اور طہارت کے خلاف ہوں گناہ کہلاتے ہیں اور پھر ان امور کے لوازم قریبہ یا بعیدہ بھی گناہ کے مِنْ ضمیمہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ علم والا، انسان اور ذرہ ذرہ کا خالق حقیقی ہے اور وہ ان کے خواص کا بھی خالق اور دانا ہے۔ وہ اپنی کامل حکمت اور کامل علم سے ایک بات تجویز کرتا ہے کہ یہ تمہارے حق میں مضر ہے اس کا ارتکاب ہرگز ہرگز تمہارے حق میں مفید نہیں بلکہ سراسر مضر ہے تو انسان ہاں سلیم الفطرت انسان کا یہ کام نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ڈاکٹر جب ایک مریض کے واسطے کوئی پرہیز تجویز کرتا ہے تو بیمار کس طرح بے چون وچرا اس کی تعمیل کرتا ہے کیوں ایسا کرتا ہے؟ اس لیے کہ وہ ڈاکٹر کو اپنے سے زیادہ وسیع معلومات رکھنے والا یقین کرتا ہے۔

غرض اسی طرح بعض اُمور ایسے بھی ہیں کہ وہ انسان کے جسم یا رُوح کے واسطے مضر ہوتے ہیں خواہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔ بعض امور ایسے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ ان کے واسطے نہ بھی حکم دیتا تو بھی وہ مضر ہی تھے طب جسمانی میں بھی بعض گناہ رکھے گئے ہیں۔ قواعدِ طب کا علم نہ ہونا عذر نہیں ہو سکتا اس شخص کے واسطے جو خلاف ورزی قواعدِ طب کرتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو ڈاکٹروں اور اطباء سے پوچھ لو۔ یاد رکھنے کے لائق نکتہ یہی ہے کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جن کے کرنے سے سچی پاکیزگی اور تقویٰ طہارت سے انسان دُور جا پڑے۔ خدا تعالیٰ کی سچی محبت اور اس کا وصال ہی سچی راحت اور حقیقی آرام ہے۔ پس خدا سے دُوری اور الگ ہونا بھی گناہ اور باعث دُکھ اور رنج و مصیبت ہے۔ جن باتوں کو خدا

اپنی تقدیس کی وجہ سے پسند نہیں کرتا وہی گناہ ہے۔ اگر بعض امور میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ تو دوسری طرف اکثر حصہ گناہ کا دُنیا میں مشترکہ طور سے مسلّم ہے۔ جھوٹ، چوری، زنا اور ظلم وغیرہ ایسے امور ہیں کہ تمام مذہب وملت کے لوگ مشترکہ طور سے ان کو گناہ ہی یقین کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ گناہ کی جڑ وہی امور ہیں جو خدا سے بعید کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تقدیس کے خلاف ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ذاتی تقاضے کے برخلاف اور فطرتِ انسانی کے واسطے مضر ہیں وہی گناہ ہیں۔ ہر انسان گناہ کو محسوس کرتا ہے دیکھو جب کوئی کسی بے گناہ کو طمانچہ مارتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا حق نہیں کہ ایسا کروں۔ وہ آخر ایک وقت جب ٹھنڈے دل سے بیٹھے گا اپنے دل میں خود نادم اور شرمندہ ہوگا اور محسوس کریگا کہ میں نے بُرا کیا۔ ایک انسان جو کسی بھوکے کو کھانا دیتا ہے۔ پیاسے کو پانی پلاتا ہے، ننگے کو کپڑا پہناتا ہے وہ اپنے اندر ہی اندر ایک قسم کا احساس پاتا ہے کہ میں نے نیکی کی اور اچھا کام کیا۔ انسان کا دل اور کانشنس نورِ ایمان ہر کام کے وقت اس کو معلوم کرا دیتا ہے کہ آیا اس نے ثواب کیا یا گناہ کیا۔

شیطان شیطان کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی سرشت اور بناوٹ میں دو قوتیں رکھی گئی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ اس واسطے رکھی گئی ہیں کہ انسان ان کی وجہ سے آزمائش اور امتحان میں پڑ کر بصورت کامیابی قربِ الٰہی کا مستحق ہو۔ ان دو قوتوں میں سے ایک قوت نیکی کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری بدی کی طرف بلاتی ہے۔ نیکی کی طرف کھینچنے والی قوت کا نام ملک یا فرشتہ ہے اور بدی کی طرف بلانے والی قوت کا نام شیطان ہے یا بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ انسان کے ساتھ دو قوتیں کام کرتی ہیں ایک داعی خیر اور دوسری داعی شر۔ اگر کسی کو شیطان اور فرشتہ کا لفظ گراں گذرتا ہے تو یوں ہی سمجھ لے انسان میں دو قوتوں سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے کسی بدی کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے جو کیا خیر ہی خیر کیا ہے۔

دیکھو اگر دنیا میں گناہ کا وجود نہ ہوتا تو نیکی بھی نہ ہوتی۔ نیکی گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کے وجود سے ہی نیکی کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کو زنا کا موقعہ ملتا ہے اور اس میں طاقت موجود ہے اور پھر وہ گناہ سے بچتا ہے تو اس کا نام نیکی ہے۔ اگر کسی کو چوری اور ظلم وغیرہ گناہ کے مواقع ملتے ہیں اور پھر وہ اس کے کرنے پر قادر بھی ہو۔ بایں ہمہ وہ ان کا ارتکاب نہ کرے اور اپنے آپ کو بچا دے تو وہ نیکی کرتا ہے۔ گناہ کا موقعہ اور قدرت پا کر گناہ نہ کرنا یہی ثواب اور نیکی ہے۔

سوال:۔ دُنیا میں دو مختلف طاقتیں کام کرتی ہیں۔ مثبت اور منفی۔ اگر ہم ہمیشہ مثبت سے کام لیتے

رہیں اور منفی سے کام نہ لیں تو ایک دن ایسا ہوگا کہ منفی آہستہ آہستہ جمع ہو کر زور پکڑ جاوے گی اور کسی وقت یک دفعہ پھوٹ کر دُنیا کو تباہ کر دے گی۔ یہی حال نیکی اور بدی کا ہے اگر تمام دنیا میں نیکی ہی نیکی کی جاوے اور کوئی بدی نہ کرے تو اس طرح ایک دن بدی زور پکڑ کر دُنیا کو تباہ کر دے گی۔

جواب:۔ فرمایا:۔

دیکھو۔ اگر ایک شخص چلّا کر بولنے پر قادر ہی نہیں تو اس کا نرمی سے بولنا اخلاقِ فاضلہ میں سے نہیں سمجھا جاوے گا۔ اگر انسان ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا اور دوسرا پہلو بدل ہی نہ سکتا تو پھر نیکی نیکی ہی نہ رہ سکتی۔ افراط اور تفریط دونوں کی موجودگی ہی نیکی پیدا کرتی ہے۔ یکطرفہ حالات ہوتے اور دوسرے قویٰ انسان کو دیئے ہی نہ جاتے اور انسان ہمیشہ نیکی کے واسطے ہی مجبور ہوتا۔ بدی کرنے کی طاقت ہی اُسے نہ ملتی تو پھر فرمانبرداری اور نیکی نام ہی کس چیز کا ہوتا؟ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک اختیار دیا ہے۔ ادھر بھی پہلو بدل سکتا ہے نیکی کی بھی طاقت ہے اور بدی کا بھی اختیار۔ اب جیسا کریگا اس کا اجر پاوے گا۔

دیکھو اگر اخلاقِ بَد نہ ہوتے تو اخلاقِ فاضلہ کن کا نام ہو سکتا؟ اخلاقِ رذیلہ ہوئے جب ہی اخلاقِ فاضلہ بھی ہوئے۔ کوئی اخلاقِ بد انسان کے ذہن میں ہوتے ہیں جب ہی تو انسان ان کا نقشہ ذہن میں رکھ کر ان کی مذمت کرتا اور اخلاقِ فاضلہ کسی خاص کام کا نام رکھتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے اگر ذہن میں کوئی کسی امرِ بَد کا نقشہ موجود نہیں تو پھر اخلاقِ حسنہ بھی کچھ نہیں۔ ہمیشہ بدی سے ہی نیکی ممتاز کی جاتی ہے اگر ایک ہی پہلو پیدا کیا جاتا تو یقیناً کوئی اجر بھی نہ ہوتا اور کوئی خوشنودی بھی نہ ہوتی (رنج سے راحت، دُکھ سے سُکھ، ظلمت سے نُور، کڑوے سے میٹھا، زہر سے تریاق، بد سے نیک اور گناہ سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ ضدیں دنیا میں پیدا نہ کی جاتیں تو پھر زندگی ہی بدمزہ ہو جاتی) اگر صرف ایک ہی پہلو ہوتا تو وہ تو فطرت میں داخل تھا۔ اس پر اجر کیسا اور ثواب کیا؟ وہ ذریعہ رضامندی کیونکر ہو سکتا؟ وہ تو ایک مجبوری تھی کہ فطرتاً انسان سے اس کے مطابق ہی اعمال سرزد ہوتے۔ یاد رکھو کہ انسان ذوالختیار بنایا گیا ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ نیکی کرے یا بدی، احسان کرے یا ظلم، مروت کرے یا بخل، ہمیشہ دونو پہلوؤں پر لحاظ رکھ کر ہی کسی خاص انسان کے متعلق رائے زنی ہو سکتی ہے کہ نیک ہے یا بد۔ اعمال کا مفہوم ہی یہی ہے کہ دوسری طرف بھی قدرت رکھتا ہو جو انتقام لینے کی طاقت رکھتے ہوئے انتقام نہیں لیتا وہ نیکی کرتا ہے۔ مگر جس کو انتقام کے واسطے مکّہ مارنے کا ہاتھ ہی نہیں دیا گیا وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے نیکی کی اور احسان کیا کہ مکّہ نہیں مارا۔ قَدْ

اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس : ۱۰،۱۱) اس آیتِ کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور خوبی کا مدار ہی دونو پہلوؤں پر ہے۔ جس کو ایک ہی قوت دی گئی ہے اور دوسری قوت اس کو عطا نہیں ہوئی وہ تو ایک نقش ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ جو شخص ملک اور شیطان کا انکار کرتا ہے وہ گویا بدیہیات اور امورِ محسوسہ مشہودہ کا انکاری ہے۔ ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ لوگ نیکی بھی کرتے ہیں اور ارتکابِ جرائم بھی دُنیا میں ہوتا ہے اور دونو قوتیں دُنیا میں برابر اپنا کام کر رہی ہیں۔ اور ان کا تو کوئی فرد بشر بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کون ہے جو ان دونوں کا احساس اور اثر اپنے اندر نہیں پاتا؟ یہاں کوئی فلسفہ اور منطق پیش نہیں جاتی۔ جبکہ دونو قوتیں موجود ہیں اور اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔

باقی یہ امر کہ اگر نیکی ہی نیکی کی جاوے تو بدی زور پکڑ کر دنیا کو تباہ کر دے گی۔ اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ ایسا ہو تو ایسا ہو اور ایسا ہو تو ایسا ہو۔ ہم اتنا دیکھتے ہیں کہ طبیعتیں مستعد بنائی ہیں۔ کیا اخلاقِ فاضلہ کے واسطے اور کیا رذیلہ کے واسطے۔ ہم اس سے آگے نہیں بڑھتے۔

سوال :۔ عیسائیوں میں یہ ایک مسئلہ مشہور ہے کہ دُنیا گمراہ ہو گئی تھی مگر خدا نے پھر شیطان سے اس کو خریدا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

ہم ایسی لغو باتوں کے قائل نہیں۔ یہ ایک لغوبات ہے۔ عیسائیوں سے پوچھا جاوے۔

سوال :۔ عیسائی عقائد سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم ایک اعلیٰ حالت سے ادنیٰ حالت کی طرف آ گئے تھے حالانکہ انسان ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے۔

جواب :۔ فرمایا کہ :۔

یہ ہمارا عقیدہ نہیں اور نہ ہی اس کو مانتے ہیں۔

سوال :۔ مَیں آئندہ زندگی کو مانتا ہوں کہ وہ ایک چولہ ہے۔ انسان اس کے ذریعہ ایک حالت سے دوسری حالت میں چلا جاتا ہے۔ مجھے سپرچوئل ازم سے خاص دلچسپی ہے۔ مَیں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آئندہ زندگی کس طرح سے ہوگی اور وہاں کیا کیا حالات ہوں گے؟

جواب :۔ فرمایا :۔

بیشک اس زندگی کا خاتمہ ہو کر ایک اَور نئے رنگ کی زندگی شروع ہوگی مگر اس وقت ابھی وقت نہیں کہ اس کی تفصیل بیان کریں۔ جنہوں نے اس زندگی میں اچھی تخم ریزی کی ہوگی۔ ان کے واسطے ایک پاک

سلسلہ شروع ہوگا اور جنہوں نے بُری تخم ریزی کی ہوگی۔ ان کے لیے مشکلات اور عذاب کا سلسلہ ہوگا۔ اس نئی زندگی کا ایک قسم کا تعلق اس زندگی سے بھی رہتا ہے اور بالکل ٹوٹ نہیں جاتا۔ مثال کے طور پر عالمِ خواب موجود ہے۔ بیداری میں ایک زندگی ہوتی ہے مگر سوتے ہی ایک عظیم الشان انقلاب آجاتا ہے بعض تفاصیل معلوم تو ہیں مگر ان کا بیان اس وقت نہیں ہوسکتا کیونکہ اس امر کے واسطے ایک لمبا وقت چاہیئے۔ منٹوں میں یہ امر طے نہیں ہوسکتا۔

سوال لیڈی صاحبہ۔ آیا یہ ممکن ہے کہ جو لوگ اس دُنیا سے گذر گئے ہیں اور مر چکے ہیں ان سے باتیں ہوسکیں یا کوئی تعلق یا واسطہ ہوسکے اور ان کے صحیح حالات معلوم کرسکیں؟

جواب:۔ یہ بات ممکن تو ہے کشفی طور سے روحوں سے انسان مل سکتا ہے مگر اس امر کے حصول کے واسطے ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ سخت کی اشد ضرورت ہے۔ ہم نے خود آزمایا ہے اور تجربہ کیا ہے اور بعض اوقات روحوں سے ملاقات کرکے باتیں کی ہیں۔ انسان ان سے بعض مفید مطلب امور اور دوائیں وغیرہ بھی دریافت کرسکتا ہے ہم نے خود حضرت عیسیٰؑ کی رُوح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرامؓ سے بھی ملاقات کی ہے اور اس معاملہ میں صاحبِ تجربہ ہیں، لیکن انسان کے واسطے مشکل یہ ہے کہ جب تک اس راہ میں مشق اور قاعدہ کی پابندی سے مجاہدات نہیں کرتا یہ امر حاصل نہیں ہوسکتا اور چونکہ ہر ایک کو یہ امر میسر بھی نہیں آسکتا۔ اس واسطے اس کے نزدیک یہ ایک قصہ کہانی ہی ہوتی ہے اور اس میں حقیقت نہیں ہوتی۔

انسانی قلب بڑے بڑے عجائبات کا مرکز ہے مگر جس طرح صاف اور عمدہ پانی حاصل کرنے کے واسطے سخت سے سخت محنت اُٹھا کر زمین کھودی جاتی ہے، مٹی نکالی جاتی ہے اور پھر صفائی کی جاتی ہے اسی طرح دل کے عجائباتِ قدرت سے اطلاع پانے کے واسطے بھی سخت محنت اور مجاہدات کی ضرورت ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ اصلیت اس امر کی ضرور مانی جاتی ہے جس کے ہم خود گواہ ہیں اور صاحب تجربہ۔

سوال:۔ مجھے اس قسم کی ایک کمیٹی کی طرف سے بعض کاغذات آئے تھے اور میری خاص غرض آپ کے پاس حاضر ہونے کی یہی تھی کہ انکے متعلق آپ سے دریافت کروں اور آپ کی ہدایات سُنوں۔ کیا آپ مجھے اپنا کچھ عزیز وقت دے سکتے ہیں؟

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

ان دنوں میں ہماری طبیعت بیمار ہے۔ ہم زیادہ محنت نہیں برداشت کرسکتے۔ البتہ صحت کی حالت ہو تو ممکن ہے۔ فقط [1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۶ صفحہ ۶ تا ۸ مورخہ ۲ رجون ۱۹۰۸ء

۱۴ر مئی ۱۹۰۸ء

بوقتِ صبح

کلام کی عمدگی

فرمایا:-

قرآنِ مجید ایک ایسی غذا کی مانند ہے جو ہر طبقے ہر مزاج کے لوگوں کے مناسب حال ہے اور یہی اس کے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں۔ ان کا طرزِ تقریر بھی ایسا ہی ہو کہ جیسا وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لیے بھی مفید اور ادنیٰ کے لیے بھی فائدہ رساں ہے۔ اصل میں کلام کی عمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کے مطابقِ حال ہو۔

اسلام ایک وسطی راہ ہے

فرمایا:-

خدا تعالیٰ نے اسلام کو دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ اس میں ایسی وسطی راہ اختیار کی گئی ہے جو افراط و تفریط سے بالکل خالی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرۃ: ۱۴۴)

الزامی جواب کا جواز

فرمایا:-

جواب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تحقیقی، دوسرے الزامی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض جگہ الزامی جوابوں سے کام لیا ہے اس میں معترض کو اپنے مذہب کی کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اور دلیل یہ کہ مریم کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (اٰل عمران: ۶۰) یعنی اگر عیسیٰ اس کا بیٹا ہونے کا ثبوت ہے تو آدم بطریقِ اوّل بیٹا ہونا چاہیے۔

چھوت چھات

چھوت وغیرہ دراصل اس بات کا نشان ہے کہ ہندوؤں کا مذہب کمزور ہے جو ہاتھ لگانے سے بھی جاتا رہتا ہے۔ اسلام کی بنیاد چونکہ قوی تھی اس لیے اس نے ایسی باتوں کو اپنے مذہب میں نہیں رکھا۔ چنانچہ کھانے کے متعلق فرمادیا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (النور: ۶۲)

مخلصانہ بیان کا اثر

بیان میں جب تک رُوحانیت اور تقویٰ وطہارت اور سچا جوش نہ ہو اس کا کچھ نیک نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ہے۔ وہ بیان جو کہ بغیر روحانیت وخلوص کے ہے وہ اس پرنالہ کے پانی کی مانند ہے جو موقعہ بے موقعہ جوش سے پڑ جاتا ہے اور جس پر پڑتا ہے اسے بجائے پاک وصاف کرنے کے پلید کر دیتا ہے۔ انسان کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔ پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ (المائدۃ:۱۰۶) یعنی اے مومنو پہلے اپنی جان کی فکر کرو۔ اگر تم اپنے وجود کو مفید ثابت کرنا چاہو تو پہلے خود پاکیزہ وجود بن جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ باتیں ہی باتیں ہوں اور عملی زندگی میں اُن کا کچھ اثر دکھائی نہ دے۔ ایسے شخص کی مثال اس طرح سے ہے کہ کوئی شخص ہے جو سخت تاریکی میں بیٹھا ہے۔ اب اگر یہ بھی تاریکی ہی لے گیا تو سوائے اس کے کہ کسی پر گر پڑے اور کیا ہوگا؟ اُسے چراغ بن کر جانا چاہیئے تاکہ اُس کے ذریعہ سے دوسرے روشنی پائیں۔

دل کا تقدس اور تطہّر ہی صحیح ہتھیار ہیں

جسمانی علوم پر نازاں ہونا حماقت ہے چاہیئے کہ تمہاری طاقت رُوح کی طاقت ہو۔

خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے سائنس یا فلسفہ یا منطق پڑھایا اور اُن سے مدد دی بلکہ یہ کہ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلۃ:۲۳) یعنی اپنی روح سے مدد دی۔ صحابہؓ اُمّی تھے۔ ان کا نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُمّی۔ مگر جو پُر حکمت باتیں انہوں نے بیان کیں وہ بڑے بڑے علماء کو نہیں سُوجھیں۔ کیونکہ اُن کو خدا تعالیٰ کی خاص تائید تھی۔ تقویٰ وطہارت وپاکیزگی سے اندرونی طور سے مدد ملتی ہے۔ یہ جسمانی علوم کے ہتھیار کمزور ہیں۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مخالف کے پاس ان سے بھی زیادہ تیز ہتھیار ہوں۔ پس ہتھیار وہ چاہیئے جس کا مقابلہ دشمن نہ کر سکے۔ وہ ہتھیار سچی تبدیلی اور دل کا تقدس وتطہر ہے۔ جیسے نزول الماء ہو۔ دوسروں کے نزول الماء کو کیا تندرست کرے گا۔ صاحبِ باطن کی بات اگر اس وقت بظاہر رد بھی کر دی جائے تو بھی وہ خالی نہیں جاتی بلکہ انسانی زندگی پر ایک خفیہ اثر کرتی ہے۔

ع سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

بوقتِ ظہر

ہنسی

ہنسی کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ وہ فرماتا ہے اَنَّهٗ

هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (النجم: ۴۴)

اصلاح کا صحیح طریق

ڈاڑھی منڈوانے کا ذکر آیا۔ فرمایا:۔
لوگ کن بیہودہ اعتراضوں میں پڑے ہیں وہ ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ ہماری نگاہ باطن پر ہے۔ جب انسان کا دل پاک ہو جائے تو پھر یہ معمولی اصلاحیں خود بخود ہو جاتی ہیں۔ اگر پہلے ہی ایسی باتوں پر اعتراض کر دیا جائے تو انسان ابتلاء میں آجاتا ہے اور بہت سی بڑی باتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ بعض نومسلم صحابہؓ پر بھی ایسے اعتراض کئے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یوں نہیں چاہیئے۔ جب انسان نے ایک صداقت کو اختیار کر لیا تو آہستہ آہستہ دوسری صداقتوں کے اختیار کی توفیق بھی حاصل ہو جائیگی۔ تدریجی احکام اسی لیے نازل ہوتے رہے۔ شراب کی حرمت یکدم نازل نہ ہوئی۔ کہ ابھی طبائع تیار نہ ہوئی تھیں ایسے غیر معترضوں سے ہمیں اُمید نہیں کہ وہ کچھ بھی فائدہ حاصل کریں۔ وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتے تو ان پر بھی اعتراض کرنے سے نہ رُکتے اور آخر مُرتد ہو جاتے۔ ہر نبی اور اس کی جماعت پر ایسے اعتراض ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ بعض نادانوں نے کہدیا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان: ۸) طعام سے مراد اچھا مکلف عمدہ کھانا ہے۔ جب انکار حد سے گذر جاتا ہے تو ایسے ہی اعتراض سوجھتے ہیں۔

اس پر ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک شخص کہتا تھا کہ اگر قرآن سے حضرت کی صداقت کا ثبوت مل جائے تو میں اس قرآن کو بھی نہیں مانتا۔ اگر خدا اپنے نشانوں سے سچا ثابت کر دے تو میں اس خدا پر بھی ایمان نہ لاؤں۔
یہ لعنتی قول انتہاء درجے کی قساوتِ قلبی پر دال ہے۔

خلوص کی قدر

حضرت عیسیٰؑ پر ایک شخص نے جو ان کا مُرید بھی تھا اعتراض کیا کہ آپ نے ایک فاحشہ سے عطر کیوں ملوایا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھ تو پانی سے میرے پاؤں دھوتا ہے اور یہ آنسوؤں سے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک خلوص کی قدر ہوتی ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ آجکل کے جو فقیہ اور فریسی ہیں اُن سے ایسی کنچنیاں پہلے بہشت میں جائیں گی۔ درحقیقت انہوں نے اس زمانہ کے علماء کی حالت کے اعتبار سے ٹھیک کہا۔

جائز قیاس وہ ہے جو قرآن و سنت سے مستنبط ہو

ایک شخص نے مسئلہ پوچھا۔ مرغی کی گردن بلی اُتار کر لے گئی۔

مُرغی پھڑک رہی ہے ذبح کر لی جائے؟

فرمایا:-

ایسے مسائل میں اُصول کے طور پر یاد رکھو کہ دین میں صرف قیاس کرنا سخت منع ہے۔ قیاس وہ جائز ہے جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہو۔ ہمارا دین منقول طور سے ہمارے پاس پہنچا ہے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث ثابت ہو جائے تو خیر ورنہ کیا ضرورت ہے دو چار آنے کے لیے ایمان میں خلل ڈالنے کی۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ (النحل: ۱۱۷)

اِنذاری پیشگوئی ٹل سکتی ہے

آنے والے زلزلہ کی نسبت سوال ہوا۔ فرمایا:-

حقیقۃ الوحی پڑھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حکم میں کچھ منسوخ بھی فرما دیا ہے چنانچہ فرمایا۔ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (النحل: ۶۲) ہمارا خدا قادر مطلق خدا ہے۔ وہ کامل اختیارات رکھتا ہے۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ ہمارا ایمان ہے۔ وہ جوتشی کی طرح نہیں۔ وہ ایک حکم صبح دیتا ہے اور رات کو اس کے بدلنے کے کامل اختیارات رکھتا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ (البقرۃ: ۱۰۷) والی آیت اس پر گواہ ہے۔ آخر صدقہ و استغفار سے ردِّ بلا ہوتا ہے۔ بلا کیا چیز ہے۔ یعنی وہ تکلیف دہ امر جو خدا تعالیٰ کے ارادے میں مقدر ہو چکا ہے۔ اب اس بلا کی اطلاع جب کوئی نبی دے تو وہ پیشگوئی بن جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ وہ تضرع کرنے والوں پر اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اس لیے ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں اٹل ہیں، بلکہ وہ ٹل جاتی ہیں۔

دیکھو جہاں میں نے زلزلہ کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی توبہ استغفار تضرع و صدقہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ یہ عظیم بلا ٹل سکتی ہے۔ افسوس لوگ ہماری عداوت میں ایسے بڑھ گئے ہیں کہ وہ اسلام کے مسائل کو بھی بھول گئے ہیں۔ وہ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال: ۳۴) اور پھر ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے[1]

---

۱۵ رمئی ۱۹۰۸ء

۱۰ بجے دن

دو معزز بیرسٹرایٹ لاء ملاقات کو آئے۔ اُن سے مفصلہ ذیل مکالمہ ہوا۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ رمئی ۱۹۰۸ء

انشاء اللہ کہنا ضروری ہے

آپ نے آئندہ کے متعلق ایک بات کہی کہ ایسا کیا جائے گا۔ مگر ساتھ ہی انشاء اللہ فرمایا اور بتلایا کہ :-

انشاء اللہ کہنا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسان کے تمام معاملات اس کے اپنے اختیار میں نہیں۔ وہ طرح طرح کے مصائب اور مکارہ و موانع میں گھرا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ جو کچھ ارادہ اس نے کیا ہے وہ پورا نہ ہو۔ پس انشاء اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے مدد طلب کی جاتی ہے۔ آجکل کے ناعاقبت اندیش و نادان لوگ اس پر ہنسی اُڑاتے ہیں۔

مخالفت کا فائدہ

مخالفوں کے سب و شتم کا ذکر تھا۔ فرمایا :-

دیکھو کاشتکاری میں سب چیزوں ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ پانی ہے۔ بیج ہے۔ مگر پھر بھی اس میں کھاد ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے جو سخت ناپاک ہوتی ہے پس اسی طرح ہمارے سلسلے کے لیے بھی گندی مخالفت کھاد کا کام دیتی ہے۔

جماعت کے قیام کا مقصد

فرمایا :-

اسلامی فرقوں میں دن بدن پھوٹ پڑتی جاتی ہے۔ پھوٹ اسلام کے لیے سخت مضر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الانفال: ۴۷) جب سے اسلام کے اندر پھوٹ پڑی ہے دم بدم تنزل کرتا جاتا ہے۔ اس لیے خدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا تا لوگ فرقہ بندیوں سے نکل کر اس جماعت میں شامل ہوں جو بے ہودہ مخالفتوں سے بالکل محفوظ ہے اور اس سیدھے راستے پر چل رہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔

دوسرے کلمہ گوؤں سے ہمارا اختلاف

ہم چاہتے ہیں کہ چند مہذب و شائستہ و منصف مزاج و خدا ترس لوگ جمع ہوں اور ہم انہیں سمجھائیں کہ ہمارا مذہب کیا ہے اور دوسرے کلمہ گوؤں سے ہمارا کس بات میں اور کیوں اختلاف ہے۔ دراصل ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے جبکہ اسلام دو حملوں کے صدمے اُٹھا رہا ہے۔ ایک بیرونی طور سے حملہ ہے اور ایک اندرونی طور سے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں ہی میں سے کہتے ہیں کہ اسلام کے احکام کوئی نہیں یہ روزہ و نماز و حج پرانے زمانے کی باتیں ہیں جو کچھ عرب کے وحشیوں کے لیے ہی مفید ہو سکتی تھیں۔ پھر قیامت کے

حالات پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں۔ دوم وہ لوگ ہیں جو افراط کی طرف گئے ہیں۔ اور وہ بعض انبیاء کی شان میں غلو کرتے کرتے یہانتک پہنچے ہیں کہ انہیں خدا تک بنا دیا ہے۔ ایک حضرت عیسیٰؑ ہی کو لو۔ ان کو بعض ایسی صفات کا صاحب گردانا ہے جو خاصۂ الوہیت ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے واسطے خصوصیت کیوں؟

وہ بیشک خدا تعالیٰ کے مقربین میں سے تھے۔ ان پر خدا تعالیٰ کا فضل تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نبوت سے ممتاز تھے مگر ان کے لیے کوئی ایسی خصوصیت مقرر کرنا جو دوسرے انبیاء میں نہ ہو ٹھیک نہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان پر کئی صدیوں سے بجسدہ العنصری متمکن ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم ضرور مان لیں گے اگر آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جاویں۔ اس کا جواب جو دیا گیا وہ یہ تھا کہ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۹۴) جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے ایک قانون مقرر کر دیا کہ فِیْهَا تَحْیَوْنَ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے خلاف کیوں کرتا۔ اگر یہ عقیدہ (عیسیٰؑ کے مع جسم آسمان پر چڑھ جانے کا) اس وقت کے مسلمانوں میں ہوتا تو کافروں کا حق تھا کہ انہیں یہ کہہ کر ملزم کریں کیا وجہ ہے ایک نبی کیلئے یہ امر جائز قرار دیتے ہیں اور دوسرے کیلئے نہیں حالانکہ تم اس بات کے بھی قائل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے اور بالخصوص حضرت عیسیٰؑ سے افضل اور جامع کمالاتِ نبوت ہیں۔

غرض یہ زندہ آسمان پر چڑھ جانے کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے بلکہ قرآن تو اس عقیدہ کی تردید کرتا ہے یہ آیت ہے جو میں نے پڑھی ہے حدیث نہیں کہ اس پر ضعیف یا وضعی ہونے کا اعتراض ہو سکتا ہو۔ سارا قرآن مجید اول سے آخر تک دیکھ لو عیسیٰؑ کے اب تک زندہ رہنے کا ثبوت نہ پاؤ گے۔ اگر پاؤ گے تو یہ کہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ عیسیٰ علیہ السلام رب العزت کے حضور عرض کر رہے ہیں۔ جب تُو نے مجھے وفات دی تو پھر تُو نگرانِ حال تھا۔ میں دوبارہ نہیں آیا اور یہ کہ عیسائی میرے بعد بگڑے ہیں۔ توفّی کے معنے موت ایسی بدیہی بات ہے کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ لفظ قرآنِ مجید میں اور انبیاء کے لیے بھی آیا ہے مثلاً حضرت یوسفؑ نے کہا تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (یوسف: ۱۰۲) اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ (یونس: ۴۷) دونو باب تفعّل سے ہیں۔ کسی لغت کی کتاب میں بھی اس کے خلاف معنے نہ پاؤ گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام کی شہادت ہوئی۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی شہادت کی طرف دیکھو جو آپ کی رویت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات عیسیٰ کو یحییٰ کے ساتھ دیکھا۔ اب اس میں تو کسی مسلمان کو شک نہیں کہ یحییٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس فوت شدہ گروہ میں جو بہشت جا چکا ہے کسی کو دیکھنا سوا

اس بات کے اور کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ بھی مر چکا ہے۔ غرض یہ دو شہادتیں ہیں۔ آپ خود ہی انصاف کریں کہ ان سے کیا بات ثابت ہوتی ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ عیسیٰؑ کے لیے خصوصیات پیدا کی جائیں۔ پادری عیسیٰؑ کے خدا ہونے کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ وہ مُردے زندہ کرتا تھا حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) اب خدا تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں کہ ایک آیت میں کہے مُردے دوبارہ دُنیا میں نہیں آتے اور دوسری میں کہے کہ مُردہ زندہ ہوتے ہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کے ہاتھ پر مُردے زندہ ہوتے ہیں۔ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال: ۲۵) اور سب کو معلوم ہے کہ اس سے مُراد رُوحانی مُردوں کا زندہ ہونا ہے۔ پس مسلمان جو پادریوں کی متابعت میں عیسیٰؑ کے مُردے زندہ کرنے کے قائل تھے غلطی کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ جو مسِ شیطان سے پاک ہے وہ صرف عیسیٰ اور اس کی ماں ہی تھی۔ دیکھو۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر ہتک ہے۔ ایسے ہی اور بہت سی خصوصیتیں ہیں جو مسلمانوں نے عیسیٰ کو دے رکھی ہیں۔ جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک لازم آتی ہے اور ہم اس بات کو کبھی بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ اس سید الرسل سے بڑھ کر کسی کو بنایا جاوے جو عیسیٰ سے بدرجہا افضل اور اعلیٰ تھا (اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمدٍ)

مکالماتِ الٰہیہ جاری ہیں

پھر ان مسلمانوں کا ہم سے اس بات میں اختلاف ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مکالمات و مخاطبات اس اُمّت کے لوگوں سے قیامت تک جاری ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ یہی تمام اولیاء اُمّت کا مذہب رہا ہے۔ یاد رکھو کہ دینِ اسلام ایسا دین نہیں جس کے کمالات پیچھے رہ گئے ہیں اور آگے کے لیے اس میں کچھ نہیں۔ اگر یہ بات ہو اور اس کا دار و مدار بھی قصوں پر ہی ہو تو پھر بتاؤ کہ اس میں اور دوسرے دینوں میں فرق کیا رہ گیا؟ اسلام میں اگر کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے تو یہی کہ اس کے پیرو الٰہی مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ خشک توحید کے قائل تو اور مذاہب بھی ہیں مثلاً یہود پھر برہمو سماج۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ یہی تو فائدہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی و تصدیقِ رسالت اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور ان انعامات کا وارث جو اگلے برگزیدہ انبیاء پر ہوئے۔ چنانچہ فرمایا۔ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۳۰) یعنی وہ تمہیں ایک فرقان دے گا پس دوسرے مذاہب اور اس میں ایک مابہ الامتیاز اسی جہان میں ہونا ضروری ہے۔

ہم اپنی بات کا ذکر نہیں کرتے۔ ہمارے معاملہ کو الگ رکھ کر کوئی ہمیں سمجھائے کہ اگر اسلام بھی خشک

توحید ہی لے کر آیا تھا جیسے کہ یہودی رکھتے ہیں اور برہمو سماج کے لوگ اس کے قائل ہیں۔ تو اتنا بڑا شریعت کا بوجھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک طرف تو مانتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور دوسری طرف اس میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں بتاتے اور اس کے جو کمالات اور خوبیاں ہیں وہ بھی مُردوں میں بتاتے ہیں۔ گویا زندوں کے لیے کچھ نہیں۔

مصنوع سے صانع کی طرف جانا خدا تعالیٰ کی ہستی کا اعلیٰ ثبوت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا شناسی کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ خود آنا الموجود کہے۔ پچھلے قصے تو دوسرے مذاہب بھی سُناتے ہیں۔ پس اس کے مقابل میں اگر تم بھی دو چار گذشتہ قصے سُنا دو تو اس میں بہتری کیا ہوئی اور اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ تو سچ ہے مگر جو دوسرا بیان کرتا ہے کہ ہمارے راہنما نے یہ معجزہ دکھایا وہ غلط ہے۔ دیکھو انجیل میں ایسے معجزوں کا بھی ذکر ہے کہ جب عیسیٰؑ کو صلیب دیا گیا تو سب مُردے قبروں سے نکل آئے۔ ہماری عقل کا تو یہاں آکر خاتمہ ہے کہ ایک شہر میں تمام مُردے کس طرح سما گئے۔ اور پھر باوجود ان کے نکلنے کے یہودیوں نے عیسیٰؑ کو کیوں نہ مانا۔ پس ایسے قصوں کے مقابلہ میں اگر ہماری طرف سے بھی قصے ہی ہوں تو کسی مخالف پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

معجزہ شق القمر

اس پر ایک صاحب نے پوچھا۔ شق القمر کی نسبت حضور کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا:۔

ہماری رائے میں یہی ہے کہ وہ ایک قسم کا خسوف تھا۔ ہم نے اس کے متعلق اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں لکھ دیا ہے۔

معراج کی حقیقت

پھر معراج کی نسبت سوال ہوا۔ فرمایا:

بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری ہے، تمام معراج کا ذکر کر کے اخیر میں فَاسْتَيْقَظَ لکھا ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ وہ کیا تھا۔ قرآن مجید میں بھی اس کے لیے رؤیا کا لفظ ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ (بنی اسرائیل: ۶۱)

مسلمانوں کے موجودہ فرقے

پھر دوسرے صاحب نے پوچھا کہ اسلام میں جو اور فرقے ہیں مثلاً حنفی، شافعی، نقشبندی، چشتی، قادری، کیا جیسا ان کا باہم اختلاف ہے ایسا ہی یہ ایک فرقہ ہے یا اس میں کچھ زیادہ ہے؟

فرمایا:

ہمارے نزدیک تو یہ سب فرقے موجودہ صورتِ حالات میں اس تعلیم سے دُور ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے متعلق فرمائی۔ یہ طرح طرح کی بدعات میں گرفتار ہیں۔ ایسے درُود و وظائف اور ذکر کے طریقے نکال رکھے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اُن میں ایک ذکر اَرّہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کو مِرگی ہو جاتی ہے بعض مجنون ہو جاتے ہیں جنہیں پیرولی اللہ کہتے ہیں۔ اسلام میں ایسی پاگل کر دینے والی تعلیمات نہیں اور نہ یہ وصول الی اللہ کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں تو یہ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس ۱۰،۱۱) جب انسان محض اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے جذبات کو روک لیتا ہے تو اس کا نتیجہ دین و دُنیا میں کامیابی اور عزت ہے۔ فلاح دو قسم کی ہے۔ تزکیۂ نفس حسبِ ہدایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرنے سے آخرت میں بھی نجات ملتی ہے اور دُنیا میں بھی آرام ہوتا ہے۔ گناہ خود ایک دُکھ ہے۔ وہ بیمار ہیں جو گناہ میں لذت پاتے ہیں۔ بدی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا۔ بعض شرابیوں کو مَیں نے دیکھا ہے کہ انہیں نزول الماء ہو گیا۔ مفلوج ہو گئے۔ رعشہ ہو گیا۔ سکتہ سے مر گئے۔ خدا تعالیٰ جو ایسی بدیوں سے روکتا ہے تو لوگوں کے بھلے کے لیے۔ جیسے ڈاکٹر اگر کسی بیمار کو پرہیز بتاتا ہے تو اس میں بیمار کا فائدہ ہے نہ کہ ڈاکٹر کا۔

پس فلاحِ جسمانی و رُوحانی پانی ہے تو تم ان تمام آفات و منہیات سے پرہیز کرو۔ نفس کو بے قید نہ کرو کہ تم پر عذاب نہ آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے سب دُکھوں سے بچنے کی راہ بتا دی۔ اب کوئی اگر ان دُکھوں سے، ان گناہوں سے نہ بچے تو اسلام پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔

حاصل کلام دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو نیچریت میں حد سے بڑھ گئے ہیں قریب ہے کہ وہ دہریہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک ارکانِ صلوٰۃ ایک نوعِ حرکت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں نبی بھی اُمّی۔ صحابہؓ بھی اُمّی۔ پس انہی کے لائق یہ حکم تھا۔ یہ افراط کا طریق ہے دوسرے وہ لوگ جو تفریط میں پڑے ہیں حقوقِ اسلام کو کھا گئے۔ فقیر ذکر اللہ کے طرح طرح کے طریقے نکال بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اُمّۃً وَّسَطًا ہو۔ پس اعتدال چاہیئے اور درمیانی راہ اختیار کرنی لازم ہے۔

ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے

پھر اس معزز ملاقات کرنیوالے
(مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ

لاء) نے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔ فرمایا:۔

ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب میں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابوسعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے، دجّال ہے۔ ضالّ ہے۔ اس کا جنازہ نہ

پڑھا جائے جو اُن سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ کرے یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سُنو یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی کہدیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لیے کیا راہ ہے؟ ہم نے ان پر پہلے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو یہ انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی ہم نے کہا کہ دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے جواب لکھا کہ ہم تو تجھے پکا کافر سمجھتے ہیں۔

اس شخص نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

فرمایا کہ:۔

جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے اُسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔

اس شخص نے کہا کہ جو کافر نہیں کہتے ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے؟

فرمایا:۔

لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ ہم خوب آزما چکے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل منافق ہوتے ہیں ان کا حال ہے وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرۃ: ۱۵) یعنی سامنے تو کہتے ہیں کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی مخالفت نہیں مگر جب اپنے لوگوں سے خلی بالطبع ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اُن سے استہزاء کر رہے تھے پس جب تک یہ لوگ ایک اشتہار نہ دیں کہ ہم سلسلہ احمدیہ کے لوگوں کو مومن سمجھتے ہیں بلکہ ان کو کافر کہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو میں آج ہی اپنی تمام جماعت کو حکم دے دیتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لیں۔ ہم سچائی کے پابند ہیں۔ آپ ہمیں شریعتِ اسلام سے باہر مجبور نہیں کر سکتے۔ جب اس میں یہ بالاتفاق مسلمہ مسئلہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہے تو ہم انہیں کس طرح مسلمان کہیں؟ اور ان مکفرینِ اہل حق کو کافر نہ جانیں؟ ہم کس طرح سمجھیں کہ وہ سچے مسلمان ہیں۔ جب ان کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی عظمت نہیں ہے حالانکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پاس کرے اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اسی کے مطابق عقیدہ رکھے۔

اس پر اس شخص نے پھر کہا کہ وہی کہا۔ آپ نے پھر بالتفصیل سمجھایا کہ دیکھو۔ پہلے اپنے فلاں لوگوں سے پوچھ تو دیکھیں کہ وہ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں یہ ایسا کافر ہے

کہ یہود و نصاریٰ سے بھی اس کا کُفر بڑھ کر ہے۔ پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو جب مخلصی کا پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ پہلے ان سے یہ تو پوچھو کہ میرا قصور کیا ہے؟ سو آپ صلح سے پہلے یہ تو پُوچھئے کہ ہم میں کُفر کی کونسی بات ہے ہم تو جو کچھ کرتے ہیں جو کہتے ہیں سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، جلال و عزت کا اظہار موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (فاطر:۳۳) ہم تو تینوں طبقوں کے لوگوں کو مسلمان کہتے ہیں مگر ان کو کیا کہیں کہ جو مومن کو کافر کہیں۔ جو ہمیں کافر نہیں کہتے ہم انہیں بھی اس وقت تک ان کے ساتھ سمجھیں گے جب تک کہ وہ اُن سے اپنے الگ ہونے کا اعلان بذریعہ اشتہار نہ کریں اور ساتھ ہی نام بنام یہ نہ لکھیں کہ ہم ان کفرین کو بموجب حدیث صحیح کافر سمجھتے ہیں۔

تعلیم نسواں

پھر دوسرے صاحب نے پُوچھا کہ تعلیم نسواں کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں؟ فرمایا:۔

حدیث ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ میں پہلے مردوں کا ذکر کرتا ہوں کہ قبل اس کے جو اسلام کی حقیقت معلوم ہو اور اس کی خوبیاں معلوم ہوں پہلے ان علوم کی طرف مشغول ہو جانا سخت خطرناک ہے۔ چھوٹے بچوں کو جب دین سے بالکل آگاہ نہ کیا جائے اور صرف مدرسہ کی تعلیم دی جائے تو وہی باتیں ان کے بدن میں شیر مادر کی طرح رچ جائیں گی۔ پھر سوا اس کے اور کیا ہے کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ عیسائی تو بہت کم ہوں کیونکہ تثلیث و کفارہ اور ایک انسان کو خدا ماننے کا عقیدہ ہی کچھ ایسا لغو ہے کہ اسے کوئی عقیل و فہیم قبول نہیں کر سکتا۔ البتہ دہریہ ہو جانے کا بہت خطرہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ پہلے روز ساتھ ساتھ رُوحانی فلسفہ پڑھایا جاوے۔ جب آجکل کی تعلیم نے مَردوں پر مذہب کے لحاظ سے اچھا اثر نہیں کیا تو پھر عورتوں پر کیا توقع ہے۔ ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے دین کا قلعہ محفوظ کیا جائے تا بیرونی باطل تاثرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سواء السبیل، توبہ، تقوےٰ و طہارت کی توفیق دے۔

ملازمت کیسی ہو

فرمایا:۔ ملازمت اگر منہیات سے روکے تو ایک نعمت ہے جو ہر طرح سے قابلِ شکریہ ہے اور اگر برخلاف اس کے بداعمال کا مرتکب کرے تو پھر ایک لعنت ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

تعلق پیدا کرنا بڑے کام کی چیز ہے

تعلق پیدا کرنا بڑے کام کی چیز ہے۔ دیکھو کوئی چور ہے اور ایک شخص کا بڑا دوست ہے

وہ شخص اس سے احسان و مدارات سے پیش آتا ہے تو وہ چور خواہ کس قدر بُرا ہے مگر اس شخص کی کبھی چوری نہ کریگا اور کبھی اس کے گھر میں نقب نہیں لگائے گا تو کیا خدا چور جیسا بھی نہیں؟ کیا خدا سے وفاداری کا تعلق بے فائدہ جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

تمام اخلاقِ حمیدہ اسی کے صفات کا پرتو ہیں۔ جو سچے دل سے اس کے پاس آتے ہیں وہ ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرقان رکھ دیتا ہے۔

سچے دل سے تضرّع ایک حصار ہے

صوفی کہتے ہیں جس شخص پر چالیس دن گذر جائیں اور خدا کے خوف سے ایک دفعہ بھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں تو ان کی نسبت اندیشہ ہے کہ وہ بے ایمان ہو کر مرے۔ اب ایسے بھی بندگانِ خدا ہیں کہ چالیس دن کی بجائے چالیس سال گذر جاتے ہیں اور ان کی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ دانشمند انسان وہ ہے جو بلا آنے سے پہلے بلا سے بچنے کا سامان کرے۔ جب بلا نازل ہو جاتی ہے تو اُس وقت نہ سائنس کام دیتی ہے اور نہ دولت۔ دوست بھی اس وقت تک ہیں جب تک صحت ہے پھر تو پانی دینے کے لیے بھی کوئی نہیں ملتا۔ آفات بہت ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی توبہ کرو۔ کہ انسان کے گرد چیونٹیوں سے بڑھ کر بلائیں ہیں۔ جن لوگوں کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے جس طرح وہ بلاؤں سے بچائے جاتے ہیں دوسرے ہرگز نہیں بچائے جاتے۔ تعلق بڑی چیز ہے کہ ؎

بہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

کوئی انسان نہیں جس کے لیے آفات کا حصہ موجود نہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (الم نشرح ۷) انسان کو مایوس بھی نہیں ہونا چاہیئے ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ایک منٹ میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے ؎

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش ؎ ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

امن اور صحت کے زمانہ کی قدر کرو۔ جو امن و صحت کے زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی تکلیف و بیماری کے زمانہ میں مدد کرتا ہے۔ سچے دل سے تضرّع ایک حصار ہے جس پر کوئی بیرونی حملہ آوری نہیں ہو سکتی [1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹۔ ۲۰ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء

۱۷ مئی ۱۹۰۸ء

تقریر حضرت اقدس علیہ السلام

۱۱ بجے صبح تا ایک بجے دوپہر

بمقام لاہور

تکمیل التبلیغ و اتمام الحجۃ[1]

شکریہ

مجھے اس وقت اس بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہمیں تین قسم کا شکر کرنا چاہیئے۔

سب سے مقدم اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں زندگی دی، صحت دی، تندرستی بخشی، امن دیا اور اشاعتِ دین کے لیے سامان مہیا کر دیئے اور حقیقتاً سچی بات یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز ممکن نہیں کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں[2]

---

[1] بدر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تقریر "البلاغ المبین" کے زیرِ عنوان ۲۵ جون ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں درج کی ہے جس کے شروع میں یہ نوٹ لکھا ہے:۔

۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کا وجد انگیز نظارہ آخر دم تک مجھے یاد رہے گا جب خدا تعالیٰ کے ہاتھوں سے مظفر کیا ہوا مسیح گیارہ بجے معزز رؤساء و امرائے لاہور کے سامنے ایک تقریر فرما رہا تھا۔ تقریر کیا تھی معرفت کا ایک سمندر تھا جو اپنے پورے جوش میں تھا۔ عرفان کا ایک بادل تھا جو ابرِ رحمت بن کر اُن پر برسا۔ وہ ایک آخری پیغام تھا جو دار الخلافہ میں عزالخلافت نے اپنے قادر و توانا مالک الملکوت سلطان الجبروت کی طرف سے پہنچایا۔ بارہ بج گئے اور آپ نے فرمایا کھانے کا وقت گذرا جاتا ہے چاہو تو میں اپنی تقریر بند کر دوں مگر سب نے یہی کہا کہ یہ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں۔ ہمیں رُوحانی غذا کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تقریر ایک بجے ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر چیف کورٹ کی مساعی جمیلہ کو مشکور کریں جنہوں نے اپنے دوستوں کیلئے حضور سے نیاز حاصل کرنے اور ان کے کلماتِ طیبات سُننے کا یہ موقعہ دعوت کے رنگ میں نکال دیا۔" بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء

[2] بدر سے:۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم: ۳۵) (حوالہ مذکور)

اس کے انعامات ہر دو روحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہیں اور جیسا کہ سورہ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سورۃ ہے اور تمام قرآن شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے اور وہ پنجوقت نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہے اس کا نام ہے رب العالمین یعنی ہر حالت میں اور ہر جگہ پر اسی کی ربوبیت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے اور اگر عمیق نظر سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کی بقاء اور آسودگی اور آرام، راحت و چین اسی صفتِ الٰہی سے وابستہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اٹھا لے تو دنیا تباہ ہو جاوے۔ پھر اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن اور رحیم میں فرق بیان کر دوں۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق

الرحمٰن سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل، محنت اور کوشش کے انسان کے شاملِ حال ہوتی ہے رحمانیت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے نظامِ دنیا بنا دیا، سورج پیدا کیا، چاند بنایا، ستارے پیدا کئے، ہوا، پانی، اناج بنائے۔ ہماری طرح طرح کی امراض کے واسطے شفا بخش دوائیں پیدا کیں۔ غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں کہ بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت و کوشش کے اس نے محض اپنے فضل سے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائے گا اور اس کو کوئی وجہ انکار کی نہ ملے گی اور ماننا ہی پڑے گا کہ وہ انعامات اور سامانِ راحت جو ہمارے وجود سے بھی پہلے کے ہیں بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں؟

دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور ان میں کی تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اس وقت کے قویٰ یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں؟ میں ان لوگوں کا یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں مگر ہاں اتنا بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر اتنے لاتعداد انعام اور فضل ہیں کہ ان کو کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔ بھلا کوئی بتا تو دے کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا، سورج بنایا، زمین بنائی اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیا کر دیں۔ یہ کل انعامات کس عمل کے ساتھ وزن کریں گے؟

پس ضروری طور سے یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ رحمٰن ہے اور اس کے لاکھوں فضل ایسے بھی ہیں کہ جو محض اس کی رحمانیت کی وجہ سے ہمارے شاملِ حال ہیں اور اس کے وہ عطایا ہمارے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ نہیں ہیں اور کہ جو لوگ ان امور کو اپنے کسی گذشتہ عمل کا

نتیجہ خیال کرتے ہیں وہ محض کوتاہ اندیشی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا فضل اور رحمانیت ہماری رُوحانی جسمانی تکمیل کی غرض سے ہے اور کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں۔

الرّحیم انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے۔ ایک کسان سچی محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اس کے مقابل میں یہ عادت اللہ ہے کہ وہ اس کی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا اور بابرگ و بار کرتا ہے۔ شاذ و نادر حکم عدم کا رکھتا ہے[1]

صفتِ ربوبیت اللہ کی ایک صفت رب ہے یعنی پرورش کرنے اور تربیت کرنے والا۔ کیا رُوحانی اور کیا جسمانی دونو قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان میں رکھے ہیں۔ اگر قویٰ ہی نہ رکھے ہوتے تو انسان ترقی ہی کیسے کر سکتا۔ جسمانی ترقیات کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قویٰ رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی فطرتاً رکھ دی۔

صفتِ مالکیت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحۃ: ۴) خدا مالک ہے جزا سزا کے دن کا۔ ایک رنگ میں اسی دُنیا میں بھی جزا سزا ملتی ہے۔ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے۔ ایک روز نہ پکڑا جاوے گا دو روز نہ پکڑا جاوے گا آخر ایک روز پکڑا جائے گا اور زندان میں جائے گا اور اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔ یہی حال زانی، شراب خور اور طرح طرح کے فسق و فجور میں بے قید زندگی بسر کرنے والوں کا ہے کہ ایک خاص وقت تک خدا کی شانِ ستاری ان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دُکھوں میں مبتلا ہو کر اُن کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور یہ اس اُخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے۔ اسی طرح سے جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور فرماں برداری ان کی زندگی کا اعلیٰ فرض ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اُن کی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا اور مقررہ وقت پر ان کی نیکی بھی پھل لاتی اور بار آور ہو کر دُنیا میں ہی ان کے واسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنت حاصل کر دیتی ہے۔

غرض جتنے بھی بدیوں کا ارتکاب کرنے والے، فاسق، فاجر، شراب خور اور زانی ہیں۔ ان کو خدا کا اور روزِ جزا کا خیال آنا تو درکنار۔ اسی دُنیا میں ہی اپنی صحت، تندرستی، عافیت اور اعلیٰ قویٰ کھو بیٹھتے

---

[1] بدر سے: "کسی پوشیدہ حکمت یا کاشتکار کی بدعملی کی وجہ سے فصل برباد ہو جائے تو یہ علیحدہ بات ہے۔ یہ شاذ و نادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے۔" (بدر جلد ۷، نمبر ۲۵ صفحہ ۳ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

ہیں اور پھر بڑی حسرت اور مایوسی سے ان کو زندگی کے دن پورے کرنے پڑتے ہیں۔ سِل، دق، سکتہ اور رعشہ اور اَور خطرناک امراض ان کے شاملِ حال ہو کر مرنے سے پہلے ہی مُردہ رہتے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

پس انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا جو اس نے انسانی تربیت اور تکمیل کے واسطے مہیا کئے ہیں۔ ان کا خیال کر کے اس کا شکریہ کرے اور غور کرے کہ اتنے قویٰ اس کو کس نے عطا کئے ہیں۔ انسان شکر کرے یا نہ کرے۔ یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ لیکن اگر فطرتِ سلیم رکھتا ہے اور سوچ کر دیکھے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ کیا ظاہری اور کیا باطنی ہر قسم کے قویٰ اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے ہیں اور اسی کے تصرف میں ہیں۔ چاہے تو ان کو شکر کی وجہ سے ترقی دے اور چاہے تو ناشکری کی وجہ سے ایک دم ضائع کر دے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر یہ تمام قویٰ خود انسان کے اپنے اختیار اور تصرف میں ہوں تو کون ہے کہ اس کا مرنے کو جی چاہے۔ انسان کا دل دُنیا کی محبت کی گرمی کی وجہ سے آخرت سے بے فکری و سرد مہری اختیار کر لیتا ہے۔ غافل انسان ایسا نادان ہے کہ اگر اس کو خدا سے پروانہ بھی آجاوے کہ تمہیں بہشت ملے گا۔ آرام ہوگا۔ اور طرح طرح کے باغ اور نہریں عطا کی جاویں گی تمہیں اجازت ہے اور تمہاری اپنی خواہش اور خوشی پر منحصر ہے کہ چاہو تو ہمارے پاس آجاؤ اور چاہو تو دُنیا میں ہی رہو۔ تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ اسی دُنیا کے گذارہ کو ہی پسند کریں گے اور باوجود طرح طرح کی تلخیوں اور مشکلات کے اسی دُنیا سے محبت کریں گے۔

دُنیا حدِ اعتدال سے باہر ہو چکی ہے

دیکھو عمر کا بھروسہ نہیں۔ زمانہ بڑا ہی نازک آگیا ہے۔ آپ لوگ دیکھتے ہوں گے کہ ہر سال کئی دوست اور کئی دشمن، کئی عزیز اور کئی پیارے بھائی اور بہن اس دُنیا سے کُوچ کر جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی رشتہ دار انسان کی مشکلات میں سہارا دینے والا نہیں ہو سکتا مگر بایں ہمہ انسان جس قدر محنت اور کوشش اور مجاہدہ ان کے واسطے اور اپنے دنیوی امور کے واسطے کرتا ہے۔ وہ بمقابلہ خدا کے بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت اور فرماں برداری اور اس کی راہ میں کوشش اور سوز و گداز بہت کچھ نابود ہے۔ اعتدال نہیں کیا گیا۔ دُنیا حدِ اعتدال سے باہر ہو چکی ہے۔ دنیوی کاروبار میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ترقی ہو رہی ہے۔ مگر بھلا کسی نے ایسی کوشش بھی کی ہے کہ ایک دن اس کی موت کا مقرر ہے اس سے بھی یہ خود اپنے آپ کو یا کوئی دوسرا شخص اس کو باز رکھ سکے یا بچا سکے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی موت کا یاد دلانے والا ہوگا تو اس کی بھی

پروانہ کریں گے اور ہنسی ٹھٹھے میں ٹال دیں گے۔ اکثر انسان بہت ہی غلطی پر ہیں۔

توجہ الی اللہ

دیکھو یہ نہ سمجھنا کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے کہ تم تجارت نہ کرو یا کاروبار دُنیا کو ترک کر کے بیٹھ جاؤ۔ عیال و اطفال جو تمہارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اُن کی خبر گیری نہ کرو یا بیوی بچوں یا بنی نوع انسان کے بعض حقوق جو تمہاری ذمہ داری میں داخل ہیں انکی پروانہ کرو۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی بجا لاؤ اور خدا تعالیٰ سے بھی غافل نہ ہو۔ جب تم اپنی دنیوی آنی اور فانی ضروریات میں اس طرح کا انہماک اور استغراق پیدا کرتے ہو تو خدا تعالیٰ سے منہ پھیر لینا اور اس کی رضاجوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا تعالیٰ سے مُنہ پھیر لینا بھلا کس عقلمندی کا کام ہے وہ خدا جس نے ابتداء میں پیدا کیا اور درمیانی حالات بھی اس کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور انجام کار بھی اسی کی حکومت اور اسی سے واسطہ پڑے گا۔ اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہو جانا اس کا نتیجہ ہرگز خیر نہیں ہو سکے گا۔ وہ خدا جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال میں شامل رہتے ہیں اور وہ بے شمار اور بے اندازہ احسانات ہیں اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ شکر اسی کو کہتے ہیں کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ایسی ہیں کہ بیشمار اور بے اندازہ ہیں۔

انصاف پسند گورنمنٹ کا شکریہ

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں اور کہوں گا۔ گو بعض لوگ اسے ظاہری خیال یا بناوٹ یا کچھ سمجھیں وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا احسان ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ سوچ کر دیکھ لو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عہد حکومت سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں ہی ہم لوگوں پر کیسے کیسے مشکلات تھے۔ ہمارے باپ دادا کی حالت کیسی خطروں میں گھری ہوئی تھی اور احکام شرعیہ کا رواج تو بجائے خود اذان تک تو اُونچی آواز سے کوئی کہہ نہ سکتا تھا۔ بلند آواز سے اذان کہنا ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا موت ہوتی تھی۔ کسی قسم کے حلال شرعیہ بھی استعمال نہ کئے جا سکتے تھے بات بات پر انسان کیڑوں مکوڑوں کی طرح ذلت سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ مگر آج اس عہد حکومت میں کیسا امن کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ اپنی نیت میں خرابی نہ رکھتا ہو۔ تکمیل دین کے واسطے ہر کام کو آزادی سے ادا کر سکتا ہے۔ چاہے جس زور سے اذانیں کہو، نمازیں پڑھو، اعمال بجالاؤ۔ علوم کی تحصیل کرو یا کسی کا رد لکھو۔ خواہ خود عیسائیوں کا رد لکھو کوئی ناراضگی نہیں۔

ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ جناب فنانشل کمشنر صاحب بہادر دورہ کرتے ہوئے قادیان میں تشریف لائے۔ ملاقات کے وقت انہوں نے بیان کیا کہ کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک شخص ایک خاص حد تک جو قانون

کی حد سے نکل نہ جاوے۔ آزادی سے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ کتابیں لکھ سکتا ہے۔ تقریریں کر سکتا ہے اگر کوئی تعصب ہوتا تو عیسائیوں کے رد کرنے والوں پر تو کم از کم سختی کی جاتی۔

غرض یہ امر اس گورنمنٹ کی انصاف پسندی اور بے تعصبی کا ایک عمدہ نمونہ اور دلیل ہے مگر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ بات کو اس حد تک نہ پہنچاوے کہ قانونی گرفت کے اندر آجائے اور جرم کی حد تک پہنچاوے۔ پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر اس کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بندے کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں بن سکتا۔

یاد رکھو کہ گورنمنٹ کی ناراضگی کی وجہ بغاوت ہوتی ہے ورنہ جائز طور سے دینی معاملات کی انجام دہی اور امن کی زندگی گذارنے سے گورنمنٹ ہرگز کسی پر عتاب نہیں کرتی۔ ایسے صلح کاری، امن پسندی اور انصاف شعاری کے اصول رکھنے والی گورنمنٹ کا شکریہ نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ پس مسلمانوں پر عموماً اور ہماری جماعت پر خصوصاً واجب ہے کہ اپنی مہربان گورنمنٹ کا بھی شکریہ ادا کریں۔ اگر یہ گورنمنٹ سر پر نہ ہو تو پھر دیکھ لو کہ کیا حال ہوتا ہے۔ انسان کس طرح سے بے دریغ بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس گورنمنٹ کی حکومت آئی تو اُن پر کیا الزام۔ یہ تو مشیتِ ایزدی ہی اسی طرح پر واقع ہوئی تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ عیش و عشرت میں پڑ کر حکومت اور رعایا کے حقوق کی پروا نہ کی۔ عورتوں کی طرح زیب و زینت میں مصروف ہو گئے۔ سیاست مدن کے امور کو ترک کر دیا۔ خدا نے اُنکو نااہل اور ان کو اہل پا کر عنانِ حکومت انہی کے ہاتھ میں دی۔ یہ اگر کسی پر سختی بھی کرتے ہیں تو کسی وجہ سے۔ البتہ اگر کسی معاملہ میں علم نہ ہو تو مجبوری ہے کیونکہ بے علمی کی وجہ سے تو زاہد اور پارسا آدمی بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ دیدہ دانستہ ظلم کو ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ سلیم الطبع حکام بعض اوقات ظاہری امور کی پروا نہ کر کے اور ان سے تسلی نہ پانے کی وجہ سے مقدمات کی تہہ نکالنے کے واسطے اور اصلیت دریافت کرنے کی غرض سے اکثر بڑی محنت اور جانفشانی اور سچی انصاف پسندی سے کام کرتے ہیں۔

ہمارا ہی ایک مقدمہ تھا جو کہ ایک معزز پادری نے ہم پر اقدامِ قتل کا کیا کہ گویا ہم نے اس کے قتل کرنے کے واسطے آدمی بھیجا۔ عبدالحمید اس کا نام تھا۔ آٹھ نو آدمی گواہ بھی گذر گئے۔ وہی نہیں بلکہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب جو کہ مسلمانوں کے پیشوا کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسی گواہی دی جس منصف مزاج حاکم کی عدالت میں ہمارا مقدمہ تھا۔ اس کا نام ڈگلس تھا اُس نے ان سب امور کے ہوتے ہوئے کہا کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی کہ اس طرح سے ایک بے گناہ انسان کو ہلاک کر دوں اور حالانکہ مقدمہ سیشن سپرد کرنے کے لائق ہو گیا تھا مگر اس نے پھر کپتان صاحب پولیس کو حکم دیا کہ اس کی اچھی طرح سے تحقیقات کی جاوے۔ چنانچہ آخر کار اُسی

عبدالحمید نے اقرار کیا کہ مجھے اصل میں ان پادریوں نے سکھایا تھا کہ میں ایسا کہوں۔ اصل میں کوئی بات نہیں۔ یہ معلوم کر کے وہ ایسا خوش ہوا اور ہمیں اس کے تبسم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسا خوش ہے جیسا کہ کسی کو بہت سامان و دولت حاصل ہونے کی بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی اور آخر کار خود مجھے کہا کہ مبارک ہو آپ بری کئے گئے۔ اب بتایئے کہ اگر کسی مسلمان کی عدالت میں ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا؟ اور وہ اس طرح سے صفائی اور انصاف کی جستجو کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیں تو حالات موجودہ کے ماتحت یہی اُمید پڑتی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس ہمارا ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ہمیں ضرور ہی خوار کرتا۔ آٹھ نو گواہ گذر چکے تھے مسل مکمل ہو چکی تھی۔ اب چھوڑتا تو کیونکر؟ مگر یہ قوم ہے کہ اس کو اسی انصاف کی وجہ سے ہر جگہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ جب کوئی جس قدر انصاف اختیار کرتا ہے اسی قدر روشن ضمیری بھی اسے عطا کی جاتی ہے۔ مخالفتِ دینی اور مذہبی اور چیز ہے اور حکومت اور چیز ہے۔ اگر عدالت کو مدِ نظر نہ رکھیں تو ایک دن میں یہ تختہ اُلٹ جاوے۔

مسلمانوں کا یہ خیال کہ ہمیں اعلیٰ اعلیٰ عہدے کیوں نہیں دیئے جاتے یہ اُن کی اپنی غلطی ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی کام جب تک پہلے آسمان پر نہیں ہو لیتا زمین پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خود نیک چلنی اختیار کرو اور اپنی حالت کو سنوارو۔ اس قابل بنو کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں آسمان پر تم اس قابل ٹھہر جاؤ کہ تمہیں عزت مل سکے تو پھر خود خدا تعالیٰ تمہیں سب کچھ دے دیگا۔ اپنی حالتوں کو بدلو کہ تا خدا تعالیٰ بھی تمہارے واسطے کوئی اور راہ بنا دے۔ ورنہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نہیں چھوڑے گا جب تک کہ تم اپنی حالت کو نہیں سنوار دگے۔

تزکیۂ نفس میں ہی کامیابیوں کا راز پنہاں ہے

تیسرا مقام خدا تعالیٰ کے شکر کا یہ ہے کہ یہ خاص خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرف توجہ ڈالی اور آپ لوگ یہاں تکلیف اُٹھا کر تشریف لائے۔ خدا کرے کہ جس طرح ہم جسمانی طور سے مل کر بیٹھے ہیں اور جسمانی ملاقات ہوئی ہے اسی طرح ایک دن وہ بھی آوے کہ روحانی طور سے بھی ہم مل بیٹھیں۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے۔ صرف زبان سے کوئی فتح نہیں ہو سکتی۔ دلوں کو فتح کرنے والا دل ہی ہوتا ہے جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے یاد رکھو کہ وہ کبھی بھی فتحیاب نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کہ کیا اُن کے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں۔ مگر پھر بایں ہمہ کہ وہ بے سروسامان تھے اور دشمنِ کثیر اور ہر طرح کے سامان سے مہیا تھے ان کو خدا تعالیٰ نے کیسی کیسی بے نظیر کامیابیاں عطا کیں بھلا کہیں کسی تاریخ میں ایسی کامیابی کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ تلاش کر کے دیکھ لو مگر لاحاصل۔ پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے اور چاہتا

ہے کہ اس کی دُنیا ٹھیک ہو جاوے، خود پاک دل ہو جاوے۔ نیک بن جاوے اور اس کی تمام مشکلات حل اور دُکھ دُور ہو جاویں اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اس کے واسطے اللہ تعالےٰ نے ایک اُصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس ۱۰) کامیاب ہو گیا، بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ تزکیۂ نفس میں ہی تمام برکات اور فیوض اور کامیابیوں کا راز پنہاں ہے۔

فلاح صرف امورِ دینی ہی میں نہیں۔ بلکہ دنیا و دین میں کامیابی ہو گی۔ نفس کی ناپاکی سے بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ، ہیئت اور سائنس کا ماہر ہونے سے تزکیۂ نفس بھی ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قویٰ تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ان علوم کو رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ بعض اوقات یہ امور رُوحانی ترقی کی راہ میں ایک زوک ہو جاتے ہیں اور آخری نتیجہ اس کا بجز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرتِ سلیم رکھتا ہے۔ اکثر کبر و نخوت ہی دیکھا ہے۔ کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی [1]

ضرورت انسان کی راہ نما ہے

ایک اور امر قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے اور قانونِ قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لباس، خوراک سواریاں اور آلاتِ معیشت جتنے بھی ہیں۔ یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے رُوحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں اور جب کبھی ضرورت ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے پُوری کی جاتی ہے۔ ضرورت انسان کی رُوحانی جسمانی تمام امور میں راہ نما ہے اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جس طرح کوئی چیز بلا ضرورت اور بے فائدہ نہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ضرورتِ حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اس وقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا۔ سخت غلطی ہے۔

اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے اس میں اس قدر مفاسد بھرے

---

[1] بدر سے:۔ "کبر ایسی بُری بلا ہے کہ انسان اس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی سے رُک جاتا ہے"۔
بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۴)

ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو کوئی بھی خوش کن نہیں۔ بیرونی طور پر اسلام پر اس قدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اس قدر صدمے اُٹھائے ہیں کہ ایک بہت بڑا حصہ مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اور پھر انکے بعد ایک بہت بڑا حصہ مُذبذَب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے۔ جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقینِ کامل رکھنے والے اور علیٰ وجہ البصیرۃ اسلام پر ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں۔ اور آریہ اور پادری لوگ اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بلکہ نکتہ چینی کرنا سہل ہے مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا حملہ

علوم جدیدہ کا بھی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے۔ آجکل کی تعلیم، فلسفہ، طبعی اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہے۔ مَیں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور سے ان علوم کو حاصل کیا ہو خواہ ناقص طور سے وہ عموماً بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہی ان کے دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ خود خدا سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اُن کے کلام سے ہی ایک قسم کی بدبُو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہاتھ سے گئے اور کل بھی گئے اور درحقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں کے حملوں سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ان کے اعتراض عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا اثر بہت سخت اور بُرا پڑتا ہے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑھے ہوئے اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے کہ ازما است کہ بر ما است۔ اصل میں یہ قصور خود مسلمانوں کا ہے جنہوں نے اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اس کے کہ ان کو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں اُن مدرسوں اور کالجوں میں بھیج دیا۔ مانا کہ طلب علم ہر مرد و عورت پر فرض ہے جیسا کہ حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ سے ظاہر ہے مگر اوّل علوم دینیہ کا حصول فرض ہے۔ جب بچے علوم دینی سے پُورے واقف ہو جاویں اور ان کو اسلام کی حقیقت اور نور سے پُوری اطلاع ہو جاوے تب ان مروجہ علوم کے پڑھانے کا کوئی حرج نہیں۔ اصل میں ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھو پہلے ایک عورت کو بازاری کنجری بنا کر پھر توبہ کرائی جائے تو وہ کیسی توبہ کرے گی؟ شراب، بدکاری اور بے قید زندگی اس کی عادتِ ثانی ہو جاوے گی۔ اوّل تو اُسے توبہ کرنا ہی مشکل اور اگر کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہو گی؟

اس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال ان لڑکوں کا ہے جن کو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھا کر خود خدا کی ہستی پر ہی شبہات پیدا کرا دیئے جاتے ہیں اور پھر اُن سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کے بھی شیفتہ ہوں [1]

علومِ جدیدہ کے حملے کا علاج

ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم کبھی بھی اس پر غالب نہیں آسکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے کہ اس کو علومِ قرآن سے مَس ہی نہیں اور اُس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآنِ شریف کی غور و تدبّر کی نظر سے نہیں پڑھی۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم رُوحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک قصّہ ہے مگر قصّہ نہیں گو کہ قصّہ کے رنگ میں آگیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس وقت کے لوگ علوم رُوحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ ایسے باریک اور رُوحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسب حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآنِ شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (محمد: ۱۶) یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ قرآنِ شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ وہ جنّت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر نعماءِ جنّت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی وغیرہ۔ مگر وہ باتیں جن کی مثال دے کر جنّت کی نعماء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے بھی ہیں اور سُنتے بھی ہیں ایک مقام پر قرآنِ شریف میں اللہ تعالیٰ جنّت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرۃ: ۲۶) اس آیت میں ایمان کو اعمال صالحہ کے مقابل پر رکھا ہے جنّات اور انہار۔ یعنی ایمان کا نتیجہ تو جنّت ہے اور اعمالِ صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جس طرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانے والی چیز ہے اور دیرپا

---

[1] بدر سے:۔ "پادریوں کے یا آریوں کے مدرسوں میں اپنی اولاد کو بھیج دینا اور پھر ان سے اس بات کا طلبگار ہونا کہ یہ سچے مسلمان ہوں ۔ ایں خیال است و محال است و جنوں" (بدر جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۴)

نہیں اسی طرح ایمان بے عمل صالح بھی کسی کام کا نہیں۔ پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار (درختوں) سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کی طرف مسلمانوں کو بُلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں اور اعمالِ صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔ غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبّر کیا جاوے اسی قدر معارف سمجھ میں آوینگے جس طرح سے ایک کسان کاشتکار کے واسطے ضروری ہے کہ وہ تخم ریزی کرے۔ اسی طرح رُوحانی منازل کے کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ رُوحانیات کی تخم ریزی ہے ضروری اور لازمی ہے اور پھر جس طرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے اسی طرح سے رُوحانی باغِ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالحہ کے ایسا ہی بیکار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکما ہے۔ درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہوں اور اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہوں مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپروائی کرے گا تو اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجرِ ایمان کا ہے۔ ایمان ایک درخت ہے جس کے واسطے انسان کے اعمالِ صالحہ روحانی رنگ میں اسکی آبپاشی کے واسطے نہریں بن کر آبپاشی کا کام کرتے ہیں پھر جس طرح ہر ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے رُوحانی فیوض و برکات کے ثمراتِ حسنہ کے حصول کے واسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] (العنکبوت: ۷۰)

نفسِ انسانی کی تین حالتیں

نفسِ انسانی ایک بیل کے مشابہ ہے اور اسکے تین درجے ہوتے ہیں۔ نفسِ امّارہ۔ امّارہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امّارہ کہتے ہیں بدی کی طرف لے جانے والا۔ بہت بدی کا حکم کرنے والا[2]

دوسری قسم نفس کی نفسِ لوّامہ ہے۔ لوّامہ کہتے ہیں ملامت کرنے والے کو۔ انسان سے ایک وقت بدی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی اس کا نفس اس کو بدی کی وجہ سے ملامت بھی کرتا اور نادم ہوتا ہے۔ یہ انسانی فطرت میں رکھا گیا ہے مگر بعض طبائع ایسے بھی ہیں کہ اپنی گندہ حالت اور سیاہ کاریوں کی وجہ سے وہ ایسے محجوب ہو جاتے ہیں کہ ان کی فطرت فطرتِ سلیم کہلانے کی مستحق نہیں ہوتی۔ ان کو اس ملامت کا احساس ہی نہیں ہوتا مگر شریف الطبع انسان ضرور اس حالت کا احساس کرتا اور بعض اوقات وہی ملامتِ نفس اس کے واسطے باعثِ ہدایت ہو کر موجبِ نجات ہو جاتی ہے۔ مگر یہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جاوے۔

نفس کی ایک تیسری حالت ہے جسے مطمئنّہ کے نام سے پکارا گیا ہے اور وہ انسان کو جب حاصل ہوتی ہے

---

[1] بدر سے:۔ "یعنی تم ہلکے کام پر نہ رہو بلکہ اس راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہے۔" (بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ ص ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "بدی کی طرف بار بار جانے والا" (" " " " " ")

کہ انسان نفسِ امارہ اور پھر نفسِ لوامہ کی مشکلات کو حل کر جائے اور اس جنگ میں اس کو فتح نصیب ہو۔ نفسِ امارہ انسان کا دشمن ہے اور وہ گھر کا پوشیدہ دشمن ہے۔ لوامہ بھی کبھی کبھی دشمنی کا ارادہ کرتا ہے مگر باز آجاتا ہے مگر برخلاف ان دونوں حالتوں کے جب انسان ترقی کر کے نفسِ مطمئنہ کے درجہ تک ترقی کر جاتا ہے تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ گویا اس کا دشمن اس کے زیر ہو گیا اور اُس نے دشمن پر نمایاں فتح حاصل کر لی اور صلح ہو گئی۔ انسانی ترقیات کی آخری حد اور اس کی زندگی کا انتہائی نقطہ اسی بات پر ختم ہوتا ہے کہ انسان حالتِ مطمئنہ حاصل کر لے اور وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اس کی رضا خدا کی رضا اور اس کی ناراضگی خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہو جاتی ہے اس کا ارادہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور وہ خدا کے بلائے بولتا اور خدا کے چلائے چلتا ہے۔ تمام افعال حرکات و سکنات اس سے نہیں بلکہ خدا سے سرزد ہوتے ہیں اور انسان کی پہلی حالت پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی کا جامہ اُسے از سرِ نو عطا کیا جاتا ہے۔

غرض قانونِ قدرت میں ایسا پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو سلسلے پہلو بہ پہلو بنائے ہیں ایک جسمانی اور دوسرا رُوحانی۔ جو کچھ جسمانی طور سے مہیا ہے وہی رُوحانی طور سے بھی ہوتا ہے۔ پس جو شخص ان دونو سلسلوں کو نصب العین رکھ کر کاروبار میں کوشش اور محنت کریگا وہ جلدی ترقی کرے گا۔ اس کی معلومات وسیع ہوں گی۔ ہر صورت میں ہر جسمانی کام اُن کے رُوحانی اُمور کے مشابہ ہوگا۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔

ہر زمانہ میں مُزکّی اور مامور من اللہ کی ضرورت

ہم جسمانی نظام میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے اور اگر اس کی محنتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کی فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ اور محنت برباد ہو جاتی ہے۔ پس یہی حال رُوحانی رنگ میں ہے انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ رُوحانی بارش نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اس کے اندرونی گند دھو کر اس کو صاف نہ کرے۔ چنانچہ قرآنِ شریف اسی کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق ۱۲، ۱۳) یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے سبزہ نکلتا ہے۔ بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ خدا کو قسم کی کیا ضرورت تھی مگر ایسے لوگ آخر کار اپنی جلد بازی کی وجہ سے ندامت اُٹھاتے ہیں۔ قسم کا مفہوم اصل میں قائم مقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دنیوی گورنمنٹ میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر ہی قسم پر رکھا جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے خدا تعالیٰ بھی بارشِ آسمانی کی قسم کھا کر نظامِ جسمانی کی طرح نظامِ رُوحانی میں اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح سے زمین کی

سرسبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی اور زمین مُردہ ہو جاتی ہے بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے اور دنیا زیر و زبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے اور لوگ بھوکے پیاسے مرتے ہیں۔ قحط کی وجہ سے انسان و حیوان اور پھر چرند و پرند اور درندوغیرہ پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح سے ایک رُوحانی سلسلہ بھی ہے۔

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہیں اور ان کو کسی مزکّی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ان کے پاس موجود ہے۔ ان کو چاہیئے کہ پانی بھی اپنے گھروں میں ہی پیدا کر لیا کریں[1]۔ اُن کو آسمانی بارش کی کیا احتیاج؟ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا مدار کن چیزوں پر ہے۔ پس اس سے سمجھ لو کہ بعینہٖ اسی کے مطابق رُوحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابدّ اور ضروری ہے۔

انسان کا یہ دعویٰ کہ میں نے سب کچھ سیکھ لیا ہے اور میں نے سارے علوم حاصل کر لیے ہیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ انسان کا علم کیا ہے جس طرح سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر نکال لی جاوے۔ یہی حال انسان کے علم کا ہے کہ اس کو معارف اور حقائق میں سے دیا گیا ہے ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بتُرکستان است

پھر تعجب آتا ہے کہ بعض لوگ معمولی مُروّجہ علوم کے پڑھ لینے سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتے ہیں حالانکہ دین کی راہ ایک عمیق در عمیق راہ ہے اور اس کے حقائق اور روحانی فلسفہ ایسا نہیں کہ ہر فرد اس کا ماہر ہونے کا دعویٰ کر سکے[2]۔ یہ دین آسمان سے ہی آیا اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی سرسبزی کے سامان بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر زمینی علوم اور مُروّجہ تعلیم یافتوں سے سوال کیا جاوے تو اکثر اصحاب ایسے نکلیں گے کہ اُن کے ماہر ہی ہوں گے۔ مگر ہمیں اس جگہ ان اصحاب کی خدمت میں کہ وہ زمینی اور دنیوی علوم کے ماہر ہیں یہ بھی کہنا ہے کہ ؎

---

[1] بدر سے:۔ "جو لوگ کہتے ہیں ہمیں اب نبیوں کی کیا ضرورت ہے وہ جسمانی بارش کیوں مانگتے ہیں"۔
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

[2] بدر سے:۔ "جو شخص دین سے بہرہ نہ رکھے اور پھر دعویٰ کرے کہ مجھے دوسرے کی کچھ ضرورت نہیں وہ نادان ہے"۔ (بدر حوالہ مذکور)

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

حقیقی راحت دین سے ہی وابستہ ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل بہت سے ایسے بھی خیالات والے لوگ موجود ہیں کہ اُنکی نظر میں دین ایک جنون ہے اور اس کی قدر ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ وحشی تھے اور اُمّی تھے۔ اس وقت ان کی ضرورتوں کے مناسبِ حال قرآن نازل ہوا۔ اب دُنیا ترقی کر گئی ہے اور روشنی کا زمانہ ہے۔ اب موجودہ زمانہ کے مناسبِ حال دین میں ترمیم ہونی چاہیئے مگر آپ لوگ سن رکھیں کہ دین کوئی لغو نہیں ہے بلکہ دُنیا کی حقیقی راحت اور اُخروی نجات اسی دین سے ہی وابستہ ہے وہ عرب کے اُمّی جو اس دین کے سچے خادم تھے۔ اُن کا اُمّی ہونا بھی ایک معجزہ ہی تھا تاکہ دُنیا کو دکھا دے کہ اُمّی لوگوں نے قرآنی تعلیم کے نیچے آکر کیا کچھ کر دکھایا کہ بڑے بڑے علوم کے مدعیوں سے بھی انکے مقابلہ میں کچھ بن نہ آیا۔

قرآنِ کریم کی پاک تعلیم کا انجیل سے موازنہ

خدا تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اس زمانہ میں کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہوں گے اور خود مسلمانوں میں کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ ان سب باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دے رکھا ہے اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہیں جو قرآنِ شریف کو مغلوب کر سکے اور کوئی صداقت نہیں کہ اب پیدا ہو گئی ہو اور وہ قرآنِ شریف میں پہلے ہی سے موجود نہ ہو۔ جو راہ قرآنِ شریف نے پیش کی ہے وہ نہ انجیل میں پائی جاتی ہے نہ توریت میں اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی دُنیا کی کوئی اور کتاب اس کمال اور جامعیت کا دعویٰ کر سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے قرآنِ شریف کو عطا کی ہے۔ قرآن کے مقابل پر ان کا ذکر ہی کیا ہے۔ انجیل نے ایک ضعیف ناتواں انسان کو خدا بنایا مگر اس کی طاقت کا اندازہ قومِ یہود کے مقابلہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری بات اور مایۂ ناز انجیل کی اخلاقی تعلیم تھی مگر وہ ایسی بودی اور نامکمل ہے کہ کوئی صحیح الفطرت انسان اس کی پابندی نہیں کر سکتا بلکہ خود پادری صاحبان کا عمل بھی اس تعلیم کے بالکل برخلاف ہے۔ مثلاً انجیل تعلیم دیتی ہے کہ اگر تجھے کوئی ایک طمانچہ مارے تو تُو دوسری گال پھیر دے اور اگر کوئی تیرا کُرتہ مانگے تو اس کو چادر بھی اُتار دے اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے تو تُو دو کوس اس کیساتھ چل۔

اب ہم اوّل ان انجیل کی حمایت اور تعریف کرنے والے پادری صاحبوں سے ہی دریافت کرتے

ہیں کہ ان کا اس تعلیم پر کہاں تک عمل درآمد ہے۔ انہوں نے اس تعلیم کا عملی نمونہ کیا دکھایا ہے کہ دوسروں کو بھی اس تعلیم کی طرف بُلاتے ہیں۔

پھر اسی انجیل میں لکھا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ غرض انجیل کی تعلیم تفریط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور بجز بعض خاص حالات کے ماتحت ہونے کے انسان اس پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو وہ افراط کی طرف جھکی ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے۔ اس میں عفو اور درگذر کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کتابیں مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھیں مگر قرآن شریف نے ہمیں کیا پاک راہ بتائی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے مثلاً مثال کے طور پر قرآن شریف میں فرمایا ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی جتنی بدی کی گئی ہو اسی قدر بدی کرنی جائز ہے لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اس معافی میں اصلاح مدنظر ہو۔ بے محل اور بے موقعہ عفو نہ ہو بلکہ برمحل ہو تو ایسے معاف کرنے والے کے واسطے اس کا اجر ہے جو اسے خدا سے ملیگا۔

دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے نہ افراط نہ تفریط۔ انتقام کی اجازت ہے مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔ بشرطِ اصلاح یہ ایک سیدھا مسلک ہے جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے کہ ان میں خود موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لے کہ کونسی تعلیم فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور کونسی تعلیم ایسی ہے کہ فطرتِ صحیح اور کانشنس اسے دھکے دیتی ہے۔ یہودیوں میں باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا تھا کہ میرا انتقام میرا بیٹا لے، میرا پوتا لے۔ چنانچہ بعض اوقات بیٹا اور پوتا باپ کے انتقام لیتے تھے۔ غرضکہ توریت میں تو سخت تشدد کیا گیا تھا۔

باقی رہی انجیل۔ سو اس کی اخلاقی تعلیم پر ناز کرنے والے نہیں سمجھتے کہ اوّل تو وہ تعلیم ہی ایسی ناقص ہے کہ بوجہ مختص الزمان اور مختص القوم ہونے کے آج اس کی ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ اس وقت اخلاقی تعلیم کہلانے کی مستحق ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو کوئی شخص نہیں کہ اس تعلیم کا عامل نظر آتا ہو۔ خود اس کے شیفتہ لوگ ہی اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔ اصل میں یہ ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اَور دکھانے کے اَور۔ تاہم فلسفہ حقہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ انسان ایک شاخ دار درخت ہے اور انجیلی تعلیم اس کی صرف ایک شاخ۔ کیا باقی قوائے انسانی بے کار ہیں؟

یاد رکھو کہ کُل قوائے انسانی اسی خالقِ فطرت ہی کی طرف سے انسان کو ملے ہیں۔ ان میں ایک قوت

غضبی بھی ہے، قوتِ انتقام بھی ہے۔ یہ قویٰ بے کار یا فضول نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی بداستعمالی اور ان کا بے محل و بے موقع استعمال بُرا ہے۔ انجیل میں تو ایک موقعہ پر خصی بن جانے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر سچے عیسائی اس تعلیم کا عملی نمونہ بنتے تو یقین ہے کہ دُنیا کا خاتمہ ہی ہو گیا ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس عمل پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ایسے کارِ خیر میں کوئی عیسائی بھی حصّہ نہیں لیتا۔

قرآن شریف میں کوئی دکھا تو دے کہ کوئی ایسا حکم بھی دیا گیا ہو جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو یا کوئی ایسا حکم بھی ہو جس کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہو یا نظامِ دین میں فساد کا اندیشہ ہو۔ کیا ایسی ایک کتاب جس میں ایسے احکام داخل ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں یا اُن کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہے اور نظامِ عالم درہم برہم ہوتا ہے کبھی اس خدا کی طرف منسوب ہو سکتی ہے جو خالقِ فطرت اور منتظمِ نظامِ دنیا اور قوائے انسانی کے پورے اندازے جاننے والا ہے اور کیا وہ کتاب کامل اور مکمل شریعت کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونو کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں۔ نہ حضرت عیسیٰؑ نے اور نہ حضرت موسیٰؑ نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام دُنیا کے واسطے رسُول ہو کر آئے تھے بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں۔ ان کا اپنا اقرار موجود ہے[1]۔ پس بلحاظ ضرورت کے ان کو جو کتاب ملی وہ بھی ایک قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا۔

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کے لیے ایک خاص زمانے اور مکان کے واسطے آئی تھی۔ اگر اس کو زبردستی اور خواہ نخواہ تمام دُنیا پر محیط ہونے کے واسطے کھینچ تان کی جائے گی تو اس کا لازمی یہی نتیجہ ہو گا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی جس بوجھ کے اُٹھانے کے واسطے وہ وضع ہی نہیں کی گئی اس کی کیسے متحمل ہو سکے گی؟ اور یہی وجہ ہے کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔ مگر قرآنِ مجید مختص الزمان نہیں، مختص القوم نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانے والے کا دعویٰ ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اور ایک دوسری آیت میں یُوں بھی آیا ہے۔ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: ۲۰) یعنی لازمی ہو گا کہ جس کو قرآنی تعلیم پہنچے وہ

---

[1] بدر سے:۔ "چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے خود کہا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ قرآنِ مجید سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (آل عمران: ۵۰)

(بدر جلد ۷، نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

خواہ کہیں بھی ہو اور کوئی بھی ہو اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اُٹھائے۔

انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانونِ قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔ جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں۔ ان کی نبوت کا دروازہ بھی ان کے اپنے ہی گھر تک محدود ہے۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: ۲۵) دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانے والی بات اور کیسا سچا اُصول ہے مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خُدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں۔

یہی حال آریوں کا ہے وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمیشہ وید ہی اُتارا جاتا ہے اور صرف چار آدمی ہی اس کام کے واسطے مخصوص ہیں اور ہمیشہ کے واسطے زبان سنسکرت ہی خدا کو پسند آگئی ہے۔ مجال نہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ نعمت وحی والہام کسی اور انسان یا زبان کو مل سکے۔ ان لوگوں کے اعتقاد کے موجب وحی الٰہی اب آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور اب ہمیشہ کے واسطے اس کو مُہر لگ چکی ہے مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح سے تو خدا کی ہستی کے ثبوت میں ہی مشکلات پڑ جاویں گی۔ صرف شُنید سے انسان کب مطمئن ہو سکتا ہے اور کامل یقین اور سچی معرفت صرف دوسروں کی زبانی سُن لینے سے کہاں میسر آتی ہے ؎

شُنیدہ کے بود مانند دیدہ

وحی والہام کی ضرورت

جب تک خدا خود اَنَا الْمَوْجُوْد کی آواز نہ دے یا اپنے پیارے کلام سے اور زبردست غیبی نشانات سے اپنا چہرہ نہ دکھا دے تب تک وہ پیاس کب مٹ سکتی ہے جو حق کی طلب کی پیاس انسان کو لگی ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ خدا پہلے تو نشانات اور معجزات دکھاتا تھا مگر اب نہیں۔ یہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی ذات کی سخت توہین اور بے ادبی ہے[1] کیا وجہ ہے کہ اب وہ سُنتا تو ہے اور دیکھتا بھی ہے مگر بولتا نہیں؟ اچھا تو اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ قوتِ شنوائی اور بینائی بھی قوت گویائی کی طرح جاتی نہیں رہیں۔

انسان اپنی فطرت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ بکری سے بھیڑیئے کا کام لیں تو دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال فطرتِ انسانی کا ہے کہ اپنی بناوٹ کے خلاف ہرگز نہیں چل سکتی۔ نرے قصوں سے کب وہ تسلی

---

[1] بدر سے:۔ "اب خدا کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں"۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۶ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

پاسکتی ہے۔ اگرچہ کوئی ظاہرداری کے واسطے ہاں میں ہاں ملا دے مگر دل لعنت بھیجتا ہوگا اور انکار کرتا ہوگا کہ میں نہیں مانتا۔ یاد رکھو کہ اگر پہلے کبھی الہام تھا تو اب بھی ضروری ہے کہ الہام ہو۔ اسلام جب صرف ایک ہی فرقہ تھا اور مختصر بھی تو اُس وقت تو نبی اور رسُول آنے اور الہامات ہونے کی ضرورت تھی۔ مگر اب جبکہ ایک سے تہتّر فرقے ہو گئے ہیں اور تفرقہ کی حد و نہایت نہیں رہی کلام الٰہی پر مُہر لگائی جاتی ہے اور خدا تعالےٰ کا منہ بند کیا جاتا ہے۔ کوئی فطرت سلیم اور عقل صحیح اس منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

ہر چیز کے پیدا ہونے کی ماں ضرورت ہے۔ دیکھو ایک چھوٹی سی مثال ریلوے تصادم کی ہے۔ تصادم کی واردات ترقی کرنے لگیں تو اصلاح کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ یہ سب طرح طرح کی کلیں جو دیکھنے میں آتی ہیں یہ سب ضرورت نے ہی مہیا کرا دی ہیں۔ تو اب جبکہ انسانی حالت کیا بلحاظ اپنی ظاہری حالت کے اور کیا بلحاظ اپنی باطنی حالت کے ابتری کے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے اور ہر فرقہ پر دہریت (ناستک مت) نے اپنا تسلط جمایا ہوا ہے زندہ ایمان کسی میں باقی نہیں۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ زندہ ایمان ہی اعمال کی تحریک کرتا ہے۔ جب ایمان ہی نہیں جو کہ اعمال کا اصل محرک ہے تو پھر عمل کیسے؟

غرض اس طرح ایمان کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے باعث اعمالِ صالحہ کا بھی ساتھ ہی نام و نشان مٹ چکا ہے تو پھر کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسی خطرناک حالت اور ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اپنی سنتِ قدیمہ کو ترک کر کے کوئی رسول اور نبی یا مسیح نہ بھیجا؟

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ توحید کا کلمہ ہے۔ اس کے معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت اور سچی فرماں برداری کے لائق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ اگر توحید کے پھیلانے میں کسی دوسرے کا محتاج ہوتا یا کسی اَور کو اس کام میں اپنا شریک بناتا تو بھی شرک لازم آتا تھا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا جُملہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ شامل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تا توحید کا سبق کامل ہو اور دُنیا کو معلوم ہو کہ جو کچھ آتا ہے درحقیقت اسی خدا کی طرف سے آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہدایات کو خدا تعالیٰ سے پاکر مخلوق کو پہنچانے والے ہیں اور کہ جو کچھ اوپر سے آتا ہے وہ اسی راہ سے آتا ہے۔

شرک صرف پتھروں ہی کے پوجنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ شرک کی ایک قسم یہ بھی لکھی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف اسباب ہی پر تکیہ کرلے اور یہ شرک فی الاسباب کہلاتا ہے۔ برہمو وغیرہ اس رازِ توحید کو نہیں سمجھے جو خدا را بخدا باید شناخت میں دکھلایا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والا ایسا ہی ہے کہ گویا خود خدا ہی ہے۔ انسانی گورنمنٹ کی طرف سے آنے والا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رسُول بھی

خدا میں فنا ہو کر وہ وہ نہیں ہوتا بلکہ خود خدا ہوتا ہے۔ غرض مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا فقرہ توحید کامل کرنے کے واسطے لازمی تھا۔ خدا تعالیٰ توحید کو پسند کرتا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے جس کو آج ہم پیش کرتے ہیں۔ کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔

عیسائیوں کی دوڑ کفارہ مسیح تک ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس تین ہیں مگر تین مت کہو ایک کہو۔ یہ عجیب گورکھ دھندا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ یہودی بھی بڑے سخت دل ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں ان کو اس طرف توجہ ہی نہیں۔ آجکل کے آریہ صاحبان جن کو اسلام کے خلاف اپنے عقائد پر بڑا گھمنڈ اور ناز ہے ان کا مذہب ہے کہ رُوح بمع اپنے تمام صفات کے اور مادہ بمع اپنے تمام صفات کے خود بخود ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ممکن نہیں۔ غرض انہوں نے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے انسانی ظاہری قویٰ کو تو خدا تعالیٰ کی طرف سے مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ رُوح میں جو قویٰ ہیں وہ خود بخود ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ ارواح اور ذرات بمع اپنے قویٰ کے خود بخود موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کام صرف انکو جوڑنا ہی ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں جائز نہیں کہ باہمی جوڑ ملاپ کی طاقت بھی انکی اپنی ذاتی خاصیت مانی جاوے؟

غرض تازہ معجزات کے یہ لوگ مُنکر ہیں۔ وید میں معجزات کا کوئی ذکر نہیں تو پھر خدا تعالیٰ کے وجود پر نشانی ہی کیا ہے؟ اور اس کی زندگی کی علامت ہی کیا؟ جب دو حصے خود بخود موجود ہیں تو پھر کیوں نہ مان لیا جاوے کہ تیسرا حصہ (باہمی جُڑ جانے کی خاصیت) بھی خود بخود ہے۔ جب ایک اہم کام خود بخود ہے تو سہل کے واسطے کیوں کسی کی احتیاج مانی جاوے؟

غرض یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو صرف اسلام ہی کے شاملِ حال ہے کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیم کی مخالف نہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک قول ہے۔ اس کا عملی ثبوت بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (البقرۃ: ۱۱۳) فعل ہے۔ برا قول (ایمان کا دعویٰ) کسی کام کا نہیں اور نہ ہی وہ کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ خشک ایمان ایک بے بال و پر مُرغ کی مثال ہے جو ایک مُضغۂ گوشت ہے جو نہ چل پھر سکتا ہے نہ اُڑنے کی اس میں طاقت ہے بلکہ اسلام اس کو کہتے ہیں کہ انسان باوجود ہیبت ناک نظارے دیکھنے کے اور اس امر پر یقین ہونے کے کہ اس مقام پر کھڑا ہونا ہی گویا جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے پھر بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں سر ڈال دے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے کسی نقصان کی پروا نہ کرے۔ جنگ کے موقعہ پر سپاہی جانتا ہے کہ میں موت کے منہ میں جا رہا ہوں اور اسے بہ نسبت زندہ پھرنے کے مرنا یقینی نظر آتا ہے مگر بایں ہمہ وہ اپنے افسر کی فرمانبرداری اور وفاداری کر کے آگے ہی بڑھتا ہے اور کسی خطرے کی پروا نہیں کرتا اس کا نام اسلام ہے۔

غرض ایک فقرہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ) میں تو اللہ تعالیٰ نے توحید سکھائی ہے اور دوسرے (مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ) میں یہ سکھایا کہ اس توحید پر سچے اور زندہ ایمان کا ثبوت اپنے اس فعل سے دو اور خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔ اس بات کو توجہ سے سُننا چاہیئے۔ مسلمانوں کے واسطے یہ ایک مفید مسئلہ ہے۔ صرف اس بات سے راضی نہ ہونا چاہیئے کہ ہم مسلمان ہیں یا ظاہری نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں۔ خطرناک شکلات میں ثابت قدم رہنا اور قدم آگے ہی آگے اُٹھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہو جانا سچے اور حقیقی ایمان کی دلیل ہے۔ مشکلات کا آنا اور ابتلاؤں کا آنا مومن پر ضروری ہے تا ظاہر ہو کہ کون سچا مومن اور کون صرف زبانی ایمان کا مدعی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) مسلمانوں کے صدر نے عمل سے ثابت کیا تھا کہ واقعی انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے دین کی خدمت کے واسطے وقف کر دی تھیں کوئی دین ترقی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ کے احکام کو دُنیا کے کل کاموں پر مقدم نہ کیا جاوے۔ معمولی نماز روزے زکوٰۃ وغیرہ اعمال تو کرتے کرتے آخر عادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثنوی رُومی میں ایک شعر میں یہ مضمون خوب ادا کیا گیا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم اپنے کوٹھے میں غلہ بھرتے رہتے ہیں مگر وہ بھرنے میں نہیں آتا۔ جب دیکھو خالی ہی نظر آتا ہے آخر کوئی چوہا تو ہے جو اس کوٹھے کو لگا ہوا ہے اس کا اناج کھائے جاتا ہے اور ایسے خالی کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ہم بھرتے ہیں وہ خالی کرتا ہے۔ آخر کار دروازہ کھول کر دیکھا تو واقعی ایک چوہا تھا کہ اس غلہ کو کھا جایا کرتا تھا۔ پس انسان کو اپنے اعمال پر ہی راضی نہ ہونا چاہیئے۔

ریاکاری سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں

بعض بدیوں سے بعض اعمال حبط بھی ہو جاتے ہیں۔ ریاکاری بھی حبطِ اعمال کے واسطے ایک خطرناک کیڑا ہے۔ مثلاً ایک مجلس میں چندہ ہوتا ہے ایک شخص اُٹھتا ہے میرا پانصد روپیہ لکھا جاوے۔ اب اگر صرف دکھاوے اور واہ واہ کی آواز کے واسطے یا نام پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس کا اَجر اس نے پالیا عنداللہ اس کے واسطے کوئی اجر نہ ہوگا اس موقعہ پر ہمیں ایک نقل تذکرۃ الاولیاء کی یاد آگئی۔ لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کو دس ہزار روپیہ کی سخت ضرورت پیش آگئی۔ انہوں نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا تو ایک شخص نے دس ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے آگے لا رکھی۔ اب وہ بزرگ لگے اس شخص کی تعریف کرنے اور ایک گھنٹہ تک برابر اس کی تعریف کی۔ آخر وہ شخص جس نے روپیہ دیا تھا مجلس میں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور گھر سے واپس لَوٹ کر عرض کی کہ مجھ سے تو سخت غلطی ہوئی۔ اصل میں وہ روپیہ تو میری ماں کا تھا اور میں اس کا روپیہ خود بخود دینے کا مختار نہ تھا۔ روپیہ مجھے دے دیا جاوے۔ اب لگی اس کو بجائے تعریف کے

لعن طعن ہونے اور لوگ کہنے لگے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بناوٹ کی ہے۔ بہانہ کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ مگر جب وقت گذر گیا اور رات کی سنسان گھڑیاں تھیں کہ وہی شخص وہی روپیہ لے کر اسی بزرگ کے مکان پر چپکے سے گیا اور وہی روپیہ پیش کر کے عرض کی کہ حضور میں نے روپیہ اللہ تعالیٰ کے واسطے دیا تھا نہ کہ تعریفیں سُننے کے واسطے۔ اب آپ کو قسم ہے خدا کی کہ آپ اس روپیہ کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ یہ سُن کر وہ بزرگ رو پڑے اس خیال سے کہ اب جب تک یہ شخص جیتے گا لوگ اُسے گالیاں دیں گے۔ لعن و تشنیع کرینگے، ملامت ہی کیا کریں گے۔ ان کو اس حقیقت کی کیا خبر؟

غرض جس کام میں ریاکاری کا ذرہ بھی ہو وہ ضائع جاتا ہے۔ اس کی وہی مثال ہے جیسے ایک اعلیٰ قسم کے عمدہ کھانے میں تھُتا مُنہ ڈال دے۔ آج کل بھی یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے اور اکثر امور میں ریاکاری کی ملونی ساتھ ہوتی ہے۔ پس اعمال میں یہ ملونی ہونی نہ چاہیئے۔ اصل میں انسان ایک حد تک معذور بھی ہے کہ ملونی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے کیونکہ مکمل تو ہے نہیں۔ جب تک اُسے نفسِ مطمئنہ حاصل نہ ہو جائے اور کسی کی لعن کی پروانہ کرے۔ اس کے اعمال میں ایسا اخلاص ہو جائے کہ تعریف کرنے والا اور گالی دینے والا، مناقب بیان کرنے والا اور حقارت سے دیکھنے والا اس کی نظر میں یکساں ہو جائیں اور یہ دونو کو برا جانے، مُردے کی طرح جانے جو نہ اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار سکتا ہے۔

اس وقت میں سِرّاً و علانیۃً پر بحث نہیں کرتا بلکہ نفس کی ملونی کا ذکر کرتا ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیشہ خفیہ ہی خیرات کرو اور علانیہ نہ کرو۔ نیک نیتی کے ساتھ ہر کام میں ثواب ہوتا ہے۔ ایک نیک طبع انسان ایک کام میں سبقت کرتا ہے اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کارِ خیر میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے اس شخص کو بھی ثواب ملتا ہے بلکہ ان کے ثواب میں سے بھی حصہ لیتا ہے۔ پس اس رنگ میں کوئی نیک کام اس نیت سے کرنا کہ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص ہو بڑا ثواب ہے۔

اخلاص کی اہمیت

شریعتِ اسلام میں بڑے بڑے باریک امور ایسے ہیں تاکہ اخلاص کی قوت پیدا ہو جائے۔ اخلاص ایک موت ہے جو مخلص کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی ہے۔ جو شخص دیکھے کہ علانیہ خرچ کرنے اور خیرات دینے یا چندوں میں شامل ہونے سے اس کے نفس کو مزا آتا ہے اور ریا پیدا ہوتی ہے تو اس کو چاہیئے کہ ریاکاری سے دست بردار ہو جائے اور بجائے علانیہ خرچ کرنے کے خفیہ طور سے خرچ کرے اور ایسا کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو۔ پھر خدا قادر ہے کہ نیک کو اس کی نیکی اور پاک تبدیلی کی وجہ سے بخش دے۔ اس میں کوئی سَو برس کی ضرورت

نہیں، اخلاص کی ضرورت ہے[1]

دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بُڑھیا کو بلاناغہ حلوا کھلایا کرتے تھے اور ان کے اس فعل کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ایک دن جب بُڑھیا کو حلوا نہ پہنچا۔ اُس نے اِس سے یقین کر لیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا گئے۔ اب جائے غور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کیسے تعاھُد سے اس بُڑھیا کی جو کہ اور کچھ نہ کھا سکتی تھی خدمت کیا کرتے تھے کہ ایک دن حلوا نہ پہنچنے سے اس کو یقین ہو گیا کہ آپ وفات پا گئے۔ یعنی اس بُڑھیا کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ آپؓ زندہ ہوں اور اس کو حلوا نہ پہنچے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا۔

غرض یہ ہے اخلاص اور یہ ہیں محض خدا کی راہ میں محض نیک نیتی کے اعمال۔ اخلاص جیسی اور کوئی تلوار دلوں کو فتح کرنے والی نہیں۔ ایسے ہی امور سے وہ لوگ دُنیا پر غالب آگئے تھے۔ صرف زبانی باتوں سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ اب نہ پیشانی میں نُور اور نہ رُوحانیت ہے اور نہ معرفت کا کوئی حصّہ۔ خدا تعالےٰ ظالم نہیں ہے۔ اصل بات ہی یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص نہیں۔

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں

صرف ظاہری اعمال سے جو رسم اور عادت کے رنگ میں کئے جاتے ہیں کچھ نہیں بنتا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں نماز کی تحقیر کرتا ہوں۔ وہ نماز جس کا ذکر قرآن میں ہے اور وہ معراج ہے۔ بھلا ان نمازیوں سے کوئی پُوچھے تو سہی کہ ان کو سُورہ فاتحہ کے معنے بھی آتے ہیں۔ پچاس پچاس برس کے نمازی ملیں گے مگر نماز کا مطلب اور حقیقت پوچھو تو اکثر بے خبر ہونگے حالانکہ تمام دنیوی علوم ان علوم کے سامنے ہیچ ہیں۔ بایں دنیوی علوم کے واسطے تو جان توڑ محنت اور کوشش کی جاتی ہے اور اس طرف سے ایسی بے التفاتی ہے کہ اُسے جنتر منتر کی طرح پڑھ جاتے ہیں۔ میں تو یہاں تک بھی کہتا ہوں کہ اس بات سے مت رُکو کہ نماز میں اپنی زبان میں دُعائیں کرو۔ بیشک اُردو میں، پنجابی میں، انگریزی میں، جو جس کی زبان ہو اُسی میں دُعا کرے۔ مگر ہاں یہ ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی طرح پڑھو۔ اس میں اپنی طرف سے کچھ دخل مت دو۔ اس کو اسی طرح پڑھو اور معنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح ماثورہ دُعاؤں کا بھی اسی زبان میں التزام رکھو۔ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد جو چاہو خدا تعالیٰ سے

---

[1] بدر میں ہے:۔ "یہ خیال نہ کرو کہ سو سال تک عبادت کرنے ہی سے نجات ہوتی ہے بلکہ خدا تو نکتہ نواز ہے وہ ایک نیکی سے بخشش دیتا ہے۔ صرف اخلاص چاہیئے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۷ مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۰۸ء)

مانگو اور جس زبان میں چاہو مانگو۔ وہ سب زبانیں جانتا ہے۔ سُنتا ہے قبول کرتا ہے۔

اگر تم اپنی نماز کو باحلاوت اور پُرذوق بنانا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ دُعائیں کرو۔ مگر اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ نمازیں تو ٹکریں مار کر پوری کر لی جاتی ہیں پھر لگتے ہیں دُعائیں کرنے۔ نماز تو ایک ناحق کا ٹیکس ہوتا ہے۔ اگر کچھ اخلاص ہوتا ہے تو نماز کے بعد میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ نماز خود دُعا کا نام ہے جو بڑے عجز، انکسار، خلوص اور اضطراب سے مانگی جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کنجی صرف دُعا ہی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دُعا ہی ہے۔

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں بلکہ ایسے نمازیوں پر تو خود خدا تعالیٰ نے لعنت اور ویل بھیجا ہے چہ جائیکہ ان کی نماز کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔ وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (الماعون:۵) خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ان نمازیوں کے حق میں ہے جو نماز کی حقیقت سے اور اس کے مطالب سے بے خبر ہیں۔ صحابہؓ تو خود عربی زبان رکھتے تھے اور اس کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر ہمارے واسطے یہ ضروری ہے کہ اس کے معانی سمجھیں اور اپنی نماز میں اس طرح حلاوت پیدا کریں۔ مگر ان لوگوں نے تو ایسا سمجھ لیا ہے جیسے کہ دوسرا نبی آگیا ہے اور اس نے گویا نماز کو منسوخ ہی کر دیا ہے۔

دیکھو خدا تعالیٰ کا اس میں فائدہ نہیں بلکہ خود انسان ہی کا اس میں بھلا ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کی حضوری کا موقعہ دیا جاتا ہے اور عرض معروض کرنے کی عزت عطا کی جاتی ہے جس سے یہ بہت سی مشکلات سے نجات پا سکتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ لوگ کیونکر زندگی بسر کرتے ہیں جن کا دن بھی گذر جاتا ہے اور رات بھی گذر جاتی ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے۔ یاد رکھو کہ ایسا انسان آج بھی ہلاک ہوا اور کل بھی[1]۔

میں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں۔ کاش لوگوں کے دل میں پڑ جاوے۔ دیکھو عمر گذری جا رہی ہے غفلت کو چھوڑ دو اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو کر خدا تعالیٰ سے دُعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے اور تم پر وہ راضی اور خوش ہو جائے۔

ترقی کرنے کے دو طریق

اوّل تو انسان تشریعی احکام یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ تکالیفِ شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجا

---

[1] بدر سے:۔ "یہ بات سُن لو کہ دُنیا فانی ہے۔ بی بی بھی ہے بھائی بھی۔ سب رشتہ داریں۔ مال و دولت ہے یہ سب کچھ لیکن جب تک خدا تعالیٰ کو اپنی سپر نہیں بناتا تو کچھ بھی نہیں۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۷ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

لاتا ہے۔ مگر یہ اُمور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس لیے کبھی ان میں سُستی اور تساہل بھی کو مٹھتا ہے اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت ہی پیدا کر لیتا ہے۔ لہٰذا دوسرا وہ طریق ہے جو براہِ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے اور یہی انسان کی اصل ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ تکالیفِ شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام و آسائش کی نکال ہی لیتا ہے۔ دیکھو کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اُسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو تو قاعدہ کی بات ہے کہ آخر اپنے بدن کی محبت دل میں آ ہی جاتی ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو دُکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھ دی اور فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۶، ۱۵۷) ہم آزماتے رہیں گے تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیج کر، کبھی فاقہ سے کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے۔ مگر ان مصائب شدائد اور فقر و فاقہ پر صبر کرکے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۷) کہنے والوں کو بشارت دے دو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں۔ دیکھو ایک کسان کس محنت اور جانفشانی سے قلبہ رانی کرکے زمین کو درست کرتا، پھر تخم ریزی کرتا، آبپاشی کی مشکلات جھیلتا ہے۔ آخر جب طرح طرح کی مشکلات، محنتوں اور حفاظتوں کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے تو بعض اوقات خدا تعالیٰ کی باریک در باریک حکمتوں سے ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کی وجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ایک مثال ہے ان مشکلات کی جن کا نام تکالیفِ قضا و قدر ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے وہ کیسی رضا بالقضاء کا سچا نمونہ اور سبق ہے اور یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصہ ہے۔ آریہ جو کہ رُوح اور ذات مع ان کے خواص کے خود بخود اور خدا کی طرح ازلی ابدی مانتے ہیں وہ کیونکر اِنَّا لِلّٰهِ کہہ سکتے ہیں اور یہ توفیق ان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

غرض تکالیف دو قسم کی ہیں ایک حصہ تو وہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں کسی قدر عذر اور حیلے وغیرہ کی بھی گنجائش ہے اور جب تک پورا اخلاص اور کامل یقین نہ ہو انسان ان سے کسی نہ کسی قدر بچنے کی یا آرام کی صورت پیدا کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ پس اس طرح کی کوئی کسر جو انسانی کمزوری کی وجہ سے رہ گئی ہو۔ اس کسر کے پورا کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تکالیفِ قضا و قدر رکھ دی ہیں تاکہ انسانی فطرت کی کمزوری کی وجہ سے جو کمی رہ گئی ہو خدا تعالیٰ کے فضل کے ہاتھ سے پُوری ہو جاوے تکالیفِ قضا و قدر کا نام آریہ لوگ پہلی جون کا پھل رکھتے ہیں۔ مگر ہم

اُن سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تمہارے جپ تپ کس مرض کی دوا ہیں۔ اگر آسمانی تکالیف تمہارے پہلے اعمال کا نتیجہ ہیں تو کیوں ایک اور عذاب جپ تپ کی مصیبت میں پڑ کر اپنے واسطے پیدا کرتے ہو۔

غرض یہ دونوں سلسلے کہ کبھی انسان تکالیفِ شرعیہ کی پابندی کرکے اپنے ہاتھوں اور کبھی قضاوقدر کے آگے گردن جُھکاتا ہے اس واسطے ہیں کہ انسان کی تکمیل ہو جاوے۔ اسی کی طرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (البقرۃ: ۱۱۳) یعنی اسلام کیا ہے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے واسطے گردن ڈال دینا۔ ابتلاؤں کا ہیبت ناک نظارہ لڑائی میں ننگی تلواروں کی چمک اور کھٹاکھٹ کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ جان جانے کا اندیشہ ہے مگر کسی بات کی پروا نہ کرکے خدا کے واسطے یہ سب کچھ اپنے نفس پر وارد کر لینا یہ ہے اسلام کی تعلیم کا لُبِ لباب۔

حقوق العباد کی ادائیگی کے تین مراتب

دوسرا حصہ حق اللہ اور حق العباد کے متعلق ہے اس کے متعلق قرآنی تعلیم یوں بیان ہوئی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: ۹۱) پہلے فرمایا کہ عدل کرو۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر فرمایا۔ احسان کا بھی خدا تعالیٰ نے تم کو حکم کیا ہے یعنی صرف اُس سے نیکی نہ کرو جس نے تم سے نیکی کی ہو بلکہ احسان کے طور پر بھی جو کہ کوئی حق نہ رکھتا ہو کہ اس سے نیکی کی جاوے اس سے بھی نیکی کرو مگر احسان میں بھی ایک قسم کا باریک نقص اور مخفی تعلق اس شخص سے رہ جاتا ہے جس سے احسان کیا گیا ہے کیونکہ کبھی کسی موقعہ پر اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس مُحسن کے خلافِ طبیعت ہو یا نافرمانی کر بیٹھے تو محسن ناراض ہو کر اس کو احسان فراموش یا نمک حرام وغیرہ کہہ دے گا اور اگرچہ وہ شخص اس بات کو دبانے کی کوشش بھی کریگا مگر پھر بھی اس میں ایک ایسا مخفی اور باریک رنگ میں نقص باقی رہ جاتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اسی واسطے اس نقص اور کمی کی تلافی کرنے کے واسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ احسان سے بھی آگے بڑھو اور ترقی کرکے ایسی نیکی کرو کہ وہ ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو یعنی جس طرح سے ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہے نہ کہ کسی طمع پر۔ دیکھو بعض اوقات ایک ماں ساٹھ برس کی بُڑھیا ہوتی ہے اس کو کوئی توقع خدمت کی اپنے بچے سے نہیں ہوتی کیونکہ اس کو کہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس کے جوان اور لائق ہونے تک زندہ بھی رہونگی غرض ایک ماں کا اپنے بچے سے محبت کرنا بلا کسی خدمت یا طمع کے خیال کے فطرتِ انسانی میں رکھا گیا ہے۔ ماں خود اپنی جان پر دُکھ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ خود گیلی جگہ پر لیٹتی ہے اور اُسے خشک حصہ بستر پر جگہ دیتی ہے۔ بچہ بیمار ہو جائے

تو راتوں جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماں جو کچھ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہے اس میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی بھی شعبہ پایا جاتا ہے؟

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احسان کے درجہ سے بھی آگے بڑھو اور ایتاء ذی القربیٰ کے مرتبہ تک ترقی کرو اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجر یا نفع و خدمت کے خیال کے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو کہ اس میں تصنع اور بناوٹ ہرگز نہ ہو۔ ایک دوسرے موقعہ پر یوں فرمایا ہے لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (الدھر ۱۰) یعنی خدا رسیدہ اور اعلیٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالصاً للہ ہوتی ہے اور اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کے واسطے دُعا کی جاوے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے جو ہمدردی بنی نوع انسان کے واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت میں دیکھی ہے اور نہ انجیل میں۔ ورق ورق کر کے ہم نے پڑھا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام و نشان نہیں۔

اس زمانہ میں مصلح اور مجدد کی ضرورت

اس وقت دُنیا میں تاریکی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کے واسطے جو قوت درکار ہے اس میں بہت کمزوری ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ قدیم سے عادت چلی آئی ہے کہ جب دُنیا میں گناہ کی ظلمت پھیل جاتی ہے لوگ زندگی کے مقصدِ اصلی سے دُور جا پڑتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے ایمانوں کو تازہ کرنے کے واسطے انتظام کرتا ہے اور مصلح اور مجدد مبعوث کرتا ہے۔ سفلی ریفارمر اس وقت کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ لوگوں ہی کا یہ منصب ہوتا ہے کہ دلوں پر قابو پا کر ان میں پاک زندگی پیدا کر جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے رُوحانی اصلاح کے لیے مقرر ہونے والے لوگ چراغ کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف میں آپؐ کا نام دَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (الاحزاب: ۴۷) آیا ہے دیکھو کسی اندھیرے مکان میں جہاں سو پچاس آدمی ہوں اگر ان میں سے ایک کے پاس چراغ روشن ہو تو سب کو اس کی طرف رغبت ہوگی اور چراغ ظلمت کو پاش پاش کر کے اُجالا اور نُور کر دے گا۔[1]

---

[1] بدر سے:۔ "چراغ والا اندر اندھیرے میں چلا جائے تو یکدم سب مکان جگمگا اُٹھتا ہے پھر ہر ایک کو اس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

اس جگہ آپ کا نام چراغ رکھنے میں ایک اور باریک حکمت یہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی نقص بھی نہیں آتا۔ چاند سورج میں یہ بات نہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکھوں انسان اس مرتبہ پر پہنچیں گے اور آپ کا فیض خاص نہیں بلکہ عام اور جاری ہوگا۔ غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دے کر بھیجتا ہے اور اس کے کلام میں تاثیر اور اس کی توجہ میں جذب رکھ دیتا ہے۔ اس کی دُعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ مگر وہ ان ہی کو جذب کرتے ہیں اور ان ہی پر اُن کی تاثیرات اثر کرتی ہیں جو اس انتخاب کے لائق ہوتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سِراجًا منیرًا ہے۔ مگر ابوجہل نے کہاں قبول کیا؟ ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

جس طرح بارش آسمانی سے زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق روئیدگی پیدا کرتی ہیں۔ کہیں خس وخاشاک اور کہیں گلاب کے پھول۔ بعینہٖ یہی حال رُوحانی بارش کے وقت انسانی رُوحانیت کا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر ہے کوئی نرالی بات نہیں۔ آدم سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ وحی جاری رہا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ تجدیدِ دین کے واسطے مجدد پیدا کرے گا۔ تجدید کہتے ہیں ایک کپڑا جو میل کچیل سے آلودہ ہوگیا ہو اس کو دھو کر صاف کر لیا جاوے اور میل اس سے قطعاً الگ کر دی جاوے اور بالکل نئے کی طرح کر دیا جاوے۔ اسی طرح جب دین میں ایک زمانہ گذرنے کے بعد عقائد اور اعمال میں طرح طرح کے گند داخل ہو جاتے ہیں اور ایمان کی بناء صرف پُرانے قصہ کہانیوں پر ہی رہ جاتی ہے اور قصوں کے سوائے کچھ ہاتھ میں نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ وعدہ دیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص بھیجتا رہے گا جو تجدید دین کیا کرینگے مگر چودھویں صدی کا سرا تو بجائے خود چھبیس برس بھی گذر گئے۔ آنے والا حسب وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین وقت پر آگیا مگر یہ لوگ اب تک بھی شک میں ہیں۔

بعض الزامات کا جواب

اور مجھ پر خواہ مخواہ جھوٹ اور تہمت سے الزام لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ میں پیغمبروں کو گالیاں دیتا ہوں مگر کیسا ہی خبیث اور ملعون ہے وہ شخص جو کہ برگزیدہ بندوں کا انکار کرے یا ان کی کسی طرح سے اپنے قول سے یا فعل سے توہین کرے۔

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میں معجزات سے منکر ہوں حالانکہ میرا ایمان ہے کہ بغیر معجزات کے زندہ ایمان ہی نصیب نہیں ہو سکتا[1] عقل انسان کا کہاں تک ساتھ دے سکتی ہے اور اس کی مدد سے یہ کہاں تک ترقی کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ زندہ موجود ہے اور جس طرح اُس نے پہلے کام کئے ہیں اب بھی ضرور ہے کہ اسی طرح کرے۔ کیا وجہ کہ پہلے معجزات اور خوارق پر ایمان لایا جاتا ہے اور گذشتہ کا حوالہ دیا جاتا ہے کیا اب خدا بڈھا ہو گیا ہے؟ یا خدا کی قوتِ گویائی جاتی رہی ہے؟ یا اسکی قوت نصرت و قدرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے؟

حال کے فلسفہ والے ان باتوں کو نہیں مانتے مگر میں خود اس میں صاحبِ تجربہ ہوں جس طرح پہلے نشان ظاہر ہوتے تھے اب بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی تائید اور نصرت کرتا ہے اور اسی طرح وحی اور الہام سے ان کی تائید کرتا ہے۔ اگر تمہارے اعتقاد کے موافق مان لیا جاوے کہ اب کوئی سلسلہ وحی والہام نہیں رہا اور وہ مُردہ ہو گیا ہے تو پھر مُردے سے کیا اُمید رکھ سکتے ہو؟ کیا مُردہ مُردے کو زندہ کر سکتا ہے اور اندھا اندھے کی راہبری کر سکتا ہے؟

میں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اسی طرح زندہ ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھا خدا تعالیٰ نے ہمیں ایک خاص مقام پر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا اب وہ ہمیں راستے میں ہی چھوڑ دیگا؟ مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً ایک اندھے سے کسی نے وعدہ کیا کہ تمہیں مدراس یا کلکتہ تک پہنچا دیں گے مگر جب وہ نصف راستہ میں پہنچا تو اس کو چھوڑ دیا۔ اب وہ نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا۔ کیا یہ انصاف ہے اور ظلم نہیں؟ ہم خدا تعالیٰ پر ایسا الزام نہیں لگا سکتے کہ اس نے وعدہ تو کیا کہ قیامت تک خلفاء اور مجددین کا سلسلہ جاری رکھوں گا مگر ایک خاص وقت کے بعد اس نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ سورۃ نور میں آیت استخلاف کو غور سے پڑھ کر دیکھ لو۔ میں بھی اسی وعدہ کے موافق آیا ہوں اور اس واسطے موعود کہلاتا ہوں۔ یہ نہیں کہ آواگون کے طور پر وہی مسیح آ گیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخری زمانہ میں اُمت بگڑ جائے گی اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی حالت تھی وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح محمدی کے زمانہ میں ہو جائے گی۔ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحۃ: ۷) میں اسی کی طرف تو اشارہ ہے، خود مسلمانوں سے پوچھ لو کہ آخری زمانہ کے مسلمانوں اور علماء کا کیا حال لکھا ہے۔ یہی لکھا ہے کہ ایسے ہو جاویں گے

---

[1] بدر سے:۔ "جس دین میں زندہ معجزات نہیں وہ دین قائم رہ سکتا ہی نہیں"
(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

کہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ ایمان صرف زبانوں پر ہی ہوگا۔ اب صاف ہے کہ ایسے وقت میں ان کی اصلاح کے واسطے جو شخص آوے گا وہ بھی مناسب حال ہی آوے گا اور ضرورت اور کام کے لحاظ سے اس کا نام بھی مسیح ہوگا۔ کیا یہ ظاہر نہیں کہ دین مرگیا۔ تو پھر جب کسی آدمی کا عزیز دوست حتّٰی کہ پالتو کتّا۔ بلی ہی مرجائے تو اسے رنج ہوتا ہے اور افسوس آتا ہے تو کیا وجہ کہ دین کی موت کا کسی کو رنج نہیں اور کسی کے دل میں ماتم نہیں نظر آیا ؟

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور کہ میں نے نیا دین بنالیا ہے یا میں کسی الگ قبلہ کی فکر میں ہوں، نماز میں نے الگ بنائی ہے یا قرآن کو منسوخ کرکے اور قرآن بنالیا ہے۔ سو اس تہمت کے جواب میں مَیں، بجز اس کے کہ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (آل عمران ۶۲) کہوں اور کیا کہوں ؟

مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ

میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا اخفاء نہیں کرسکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں۔ نبأ ایک عربی لفظ ہے جس کے معنے خبر کے ہیں۔ اب جو شخص کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پاکر خلق پر ظاہر کرے گا اس کو عربی میں نبی کہیں گے۔ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوکر کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرتِ مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اس امر کی صراحت کرتا ہے نبوت اگر اسلام میں موقوف ہوچکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مرگیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔ ایک باغ جس کو اس کے مالی اور باغبان نے چھوڑ دیا، اسے بھلا دیا، اس کی آبپاشی کی اس کو فکر نہیں تو پھر نتیجہ ظاہر ہے کہ چند سال بعد وہ باغ خشک ہوکر بے ثمر ہوجاوے گا اور آخر کار لکڑیاں جلانے کے کام میں لائی جاویں گی۔

اصل میں ان کی اور ہماری نزاع لفظی ہے۔ مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ مجدد صاحب[1] بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا

---

[1] "مجدد صاحب سرہندی"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۸ء)

ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں[1]۔ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک انسان خدا تعالیٰ سے خبر پاکر دُنیا پر ظاہر کرے تو اس کا نام آپ لوگ عربی زبان میں بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر زبانِ اُردو میں یا پنجابی میں بیان کیا جائے تو مان لیتے ہیں اور اگر عربی زبان میں پیش کریں تو نفرت اور انکار کرتے ہیں۔ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

اب صرف یہی بات باقی ہے جسے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے شاید اس مہذب اور تعلیم یافتہ گروہ کو بھی اس امر میں دھوکا دیا ہو اور ہم سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہو۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں پر ظاہر کردوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تجدید دین کے واسطے تائید اور نصرت کے ساتھ تازہ نشانات دیکر بھیجا ہے۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے نہ بھیجا ہوتا تو یہ دین بھی اور دینوں کی طرح صرف قصے کہانیوں میں ہی محدود ہو جاتا۔ خدا تعالیٰ سے آنے والا نابود نہیں کیا جاتا۔ انجام کار خدا اُس کی سرسبزی دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے۔

ان لوگوں نے میری توہین کے واسطے جھوٹ سے، تہمت سے، افتراء سے اور طرح طرح کے حیلوں سے کام لیا ہے اور ہماری ترقی کو روکنے کے واسطے، ہم سے لوگوں کو بدظن کرنے کے واسطے سخت سے سخت کوششیں کی ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے باینہمہ ہماری ترقی ہی ہوتی گئی اور ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ اب چار لاکھ سے بھی زیادہ لوگ مختلف ممالک میں ہماری جماعت کے موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سمجھ دار لوگ جب سمجھ لیتے ہیں کہ یہی راہ دشمن پر غلبہ پانے کی ہے تو پھر وہ اس پر سچے دل سے قائم ہو جاتے ہیں۔

اب ہمیں بتائیں کہ جن کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاکر مدینہ میں مدفون ہیں۔ بتایئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر کیسا حملہ کیا ہے؟ اور پھر کہتے ہیں کہ وہی اسرائیلی نبی پھر دُنیا میں آکر اُمتِ محمدیہ کی اصلاح اور تجدید دین کرے گا۔ اب فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ایک اسرائیلی نبی آگیا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح خاتم النبیین ہے؟ اس اعتقاد سے تو خاتم النبیین حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حاشا و کلا عیسیٰؑ تو خود براہ راست خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ کیا ان کی پہلی شریعت اور نبوت منسوخ ہو جائے گی؟ جب سورۃ نور میں ہمیں صاف الفاظ میں وعدہ مل چکا ہے کہ جو آوے گا تم میں سے ہی آوے گا۔ تمہارے غیر کو قدم رکھنے کی

---

[1] بدر میں یہ الفاظ ہیں:۔ "حضرت مجدد سرہندی بھی ایسے مکالمہ کے قائل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی خدا سے خبر پاکر پیشگوئی کرتا ہے تو اسے عربی میں نبوت کے سوا اور کیا کہیں گے۔" (بدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۸ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۰۶ء)

اب گنجائش نہیں اور بخاری میں بھی جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ موجود ہے اور پھر جب ان کی وفات بھی صراحت سے قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے تو کیوں ایسا اعتقاد رکھا جاتا ہے جو کہ سراسر قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک عقیدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو معراج کی رات میں وفات شدہ انبیاء کے ساتھ دیکھا۔ اگر وہ زندہ تھے تو ان کے واسطے الگ کوئی مقام تجویز ہونا چاہیئے تھا نہ کہ مُردوں میں۔ زندہ کو مُردہ سے کیا تعلق اور کیا واسطہ؟

غرض خدا تعالیٰ نے قول سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ وفات پا چکے۔ اب فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس: ۳۳) مسلمان ہو کر قرآن اور قول الرسولؐ کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں ان کا اختیار ہے۔ میری تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کی جس کی طرف سے میں آیا ہوں اور اس کی جس کا میں غلام ہوں تکذیب کرتے ہیں۔ میں کیا اور میری تکذیب کیا، بلکہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ بات تو ایک ہی ہے قرآن میں خلیفہ کے آنے کی نص موجود ہے اور احادیث میں قربِ قیامت کے وقت آنے والے خلیفہ کا نام مسیح رکھا گیا ہے۔ اب ان میں اختلاف کیا ہے؟

ان الزامات کے سوا دوسرے الزام بھی اسی قسم کے بے حقیقت اور ضد اور تعصب کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب کا ردّ مفصلاً ہم نے اپنی کتابوں میں کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے بعض عقائد تو ایسے ہیں جن سے ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ مثلاً ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی مسِ شیطان سے پاک نہیں بجز عیسیٰ علیہ السلام کے۔ ان کا یہ مسئلہ کیسا قابلِ شرم ہے۔ ہمارے نبی کریم افضل الرسل، پاکوں کے سردار تو مسِ شیطان سے (نعوذ باللہ) پاک نہیں اور حضرت عیسیٰ پاک ہیں۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔ خدا جانے مسلمان کہلا کر ان کو کیا ہو گیا۔

دیکھو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے اور خود مسلمان آریوں اور عیسائیوں کے ہمزبان بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا اپنا سب سے پیارا نبی جس کی پیروی ہمارا فخر اور ہمارے واسطے باعثِ عزت اور موجبِ نجات ہے اگر وہ وفات پا چکے ہیں تو ہم عیسیٰ کو کیا کریں۔

بس یہ باتیں ہیں جن پر ہمیں کافر کہا جاتا ہے۔ دجال کہا جاتا ہے اور اسلام سے خارج کہا جاتا ہے اور ہم سے سلام علیکم کرنے والا، مصافحہ کرنے والا، ملاقات کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے ایسا متعدی کفر ہے اور تمام جماعت ایک کافروں کا مجموعہ ہے۔ کیسا افسوس آتا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے دین کی تجدید اور خدمت کرنے کے واسطے ہر وقت کمربستہ ہے۔ اس کو گندی گالیاں نکالتے ہیں۔ بُرے بُرے ناموں سے یاد کرتے ہیں میرے صندوق بھرے پڑے ہیں ان کی گندی گالیوں سے بعض اوقات بیرنگ خط محصول ادا کر کے وصول کیا کھول

کر دیکھا تو اس میں اوّل سے آخر تک بے نقط گالیوں کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں اور مولوی کہلا کر چوہڑے چماروں کی طرح گندی اور فحش گالیاں نکالتے ہیں کہ انسان کو پڑھتے ہوئے بھی شرم آجاتی ہے۔ ابھی کہتے ہیں کہ اسلام کو کسی کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن موجود ہے اور مولوی موجود ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ ان کے مولوی جو ان بھیڑوں کے گلہ بان ہیں خود بھیڑیئے ہیں اور وہ ریوڑ کیسے خطرہ میں ہے جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو۔ اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہیں اور ماریں کھا رہا ہے۔ پس ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ مغالطے اور مشکلات دُور کر کے پیچیدہ مسائل کو حل کر کے رستہ صاف کرتا اور اسلام کی اصلی روشنی اور سچا نُور دوسری قوموں کے سامنے پیش کرتا۔ دیکھو ایک وہ زمانہ تھا کہ عیسائی لوگ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کوئی پیشگوئی ہے نہ معجزہ۔ مگر اب میرے سامنے کوئی نہیں آتا حالانکہ ہم بُلاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق وقت پر اپنے دین کی خبر گیری اور دستگیری فرمائی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) اسلام کو اس نے دنیا میں قائم کیا۔ قرآن کی تعلیم پھیلائی اور اس کی حفاظت کا بھی وہی خود ذمہ دار ہے۔ جب انسان اپنے لگائے ہوئے بُوٹے کو التزام سے پانی دیتا ہے تا وہ خشک نہ ہو جاوے تو کیا خدا انسان سے بھی گیا گزرا اور لاپروا ہے؟ یاد رکھو کہ اسلام نے جن راہوں سے پہلے ترقی کی تھی اب بھی انہی راہوں سے ترقی کرے گا۔ خشک منطق ایک ڈائن ہے اس سے انجان آدمی کے اعتقاد میں خلل آجاتا ہے اور ظاہری فلسفے رُوحانی فلسفے کے بالکل مخالف ہیں۔

صاحبان! یہ امور ہیں جن کی اصلاح کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس مجلس میں سے بعض ایسے بھی لوگ اُٹھیں گے کہ ان میں کچھ بھی تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہو گی یا ان کے خیالات پر میری ان باتوں کا ذرہ بھی اثر نہ ہو گا۔ مگر یاد رکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اگر ادنیٰ پیچڑاسی کی ہتک کی جائے اور اس کی بات نہ مانی جائے تو گورنمنٹ سے ہتک کرنے والے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور باز پُرس ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی بے عزتی کرنا اس کی بات کی پروا نہ کرنا کیونکر خالی جا سکتا ہے۔ مَیں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو یُونہی بگڑ جائے گا خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى (طٰہٰ: ۶۲) اور فرمایا مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (الانعام: ۲۲) اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا اور دن کو لوگوں کو بتاتا اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے وہ کیونکر بامُراد اور بابرگ و بار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقۃ: ۴۵ تا ۴۷) جب ایک ایسے عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے تو پھر ادنیٰ انسان کے واسطے تو چھوٹی سی چھری کی ضرورت تھی اور کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔[1]

---

۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز ظہر۔ بمقام لاہور

پروفیسر ریگ کے بعض سوالات کے جوابات

وہی پروفیسر ریگ جن کا کسی پہلی اشاعت میں حضرت اقدس سے ملاقات کرنا اور سوال و جواب شائع ہو چکا ہے۔ ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء کو پھر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی تحریک اور وساطت سے حضرت اقدس کے حضور حاضر ہوئے اور خیریتِ حال دریافت کرنے کے بعد ذیل کا سوال و جواب ہوا۔

سوال:۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے خدا محدود ہے یا کہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور اس میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں؟

جواب:۔ ہم خدا تعالیٰ کو محدود نہیں سمجھتے اور نہ ہی خدا محدود ہو سکتا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ جیسا وہ آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہے۔ اس کے دو قسم کے تعلق پائے جاتے ہیں ایک عام تعلق جو عام مخلوق کے ساتھ ہے اور ایک دوسرا خاص تعلق جو ان خاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کر کے اس کی محبت میں ترقی کرتے ہیں۔ تب وہ ان سے ایسا قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے اندر ہی سے بولتا ہے۔ یہ اس میں ایک عجیب بات ہے کہ باوجود دُور ہونے کے وہ نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دُور ہے وہ بہت ہی قریب ہے مگر پھر بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ایک جسم دوسرے جسم سے قریب ہوتا ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے مگر پھر بھی وہ عمیق در عمیق ہے۔ جس قدر انسان سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کے وجود پر اس کو اطلاع ہوتی ہے۔

فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۴ صفحہ ۲ تا ۱۳ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء

جذبات سے مراد غالباً ان کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ذمے شریعت کا بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے اور حرام و حلال کی پابندی میں اسے کیوں قید کر رکھا ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ قدوس ہے وہ اپنی تقدیس کی وجہ سے ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ اور چونکہ وہ رحیم و کریم ہے اس واسطے نہیں چاہتا کہ انسان ایسی راہوں پر چلے جن میں اس کی ہلاکت ہو۔ پس یہ اس کے جذبات ہیں جن کی بناء پر مذہب کا سلسلہ جاری ہے۔ اب ان کا نام خواہ آپ کچھ ہی رکھ لو۔

سوال:۔ کیا خدا کی کوئی شکل ہے؟

جواب:۔ جب وہ محدود ہی نہیں تو شکل کیسی؟

سوال:۔ جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے۔ تو کیا وجہ کہ نظام دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنا دیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف و رحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھا جائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونو برابر ہیں۔

جواب:۔ جب محبت کا لفظ خدا تعالیٰ کی نسبت بولا جاتا ہے تو اسکو انسانی محبت پر قیاس کر لینا بڑی بھاری غلطی ہے محبت کا لفظ جس طرح انسانوں میں اطلاق پاتا ہے اور جو مفہوم اس کا انسانی تعلقات کی حیثیت میں سمجھا جاتا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ پر اطلاق نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی وہ معنے اور مراد خدا تعالیٰ پر صادق آتے ہیں انسان میں محبت اور غضب کی قوت ہے مگر جو مفہوم ان کا انسان کے متعلق بولتے وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ خدا تعالیٰ پر ہرگز ہرگز اطلاق نہیں پا سکتا۔ یہ غلطی ہے۔ فطرتِ انسانی میں یہ رکھا گیا ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے فراق سے اس کو صدمہ بھی پہنچتا ہے۔ ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ مگر اگر اس کا بچہ اس سے جُدا ہو جاوے تو اس کو کیسا صدمہ ہوتا ہے اور کتنا دُکھ اور رنج پہنچتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص کسی دوسرے پر غضب کرتا ہے اوّل وہ خود اپنے آپ میں اس کا صدمہ اور اثر پاتا ہے گویا دوسرے کو سزا دینے کے ساتھ ہی خود اپنی جان کو بھی سزا دیتا ہے۔ غضب ایک دُکھ ہے جس کا اثر پہلے اپنی ہی ذات پر پڑتا ہے اور ایک قسم کی تلخی پیدا ہو کر طبیعت میں سے راحت اور چین نکل جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اس رنگ میں جس رنگ میں ہم انسان پر کرتے ہیں اور جو مفہوم ان کا انسانی تعلق میں ہو سکتا ہے اس رنگ میں خدا تعالیٰ پر نہیں بول سکتے اور نہ ہی وہ خدا پر صادق آتے ہیں۔ اس واسطے ہم ان الفاظ کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ان لوگوں کا بنایا ہوا لفظ ہے۔ جو خدا کو محض انسانی حالت پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ

پاک ذات ہے۔ جو اس کی رضا کے موافق چلتا ہے اس سے اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے ہاں البتہ استعارہ کے رنگ میں محبت اور غضب کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔

پس یاد رکھو کہ یہ ایک دُنیا کا کارخانہ ہے جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے موجودہ نظام مقرر فرمایا ہے اور یہ اس نظام کے ماتحت اس طرح سے چل رہا ہے۔ البتہ اس کے واسطے یہ الفاظ موزون نہیں ہیں۔ محبت کا لفظ ایک درد اور گداز رکھتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ خدا محبت ہے اور اس کی صفت غضب بھی ہے (انسانی حالت کے خیال سے) تو پھر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خدا کو بھی ایک قسم کی تکلیف اور رنج و دُکھ ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھو ایسے ناقص الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے۔

سوال:۔ یہ تو میں نے سمجھ لیا ہے مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنیٰ اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے۔

جواب:۔ ہم نے تو ابھی بیان کیا ہے کہ خدا کی صفات محبت، رحم اور غضب کی تشریح ہم اس طور سے نہیں کر سکتے جیسا کہ انسانوں میں یہ صفات ہیں۔ انسانی حالت پر خدا تعالیٰ کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک وسیع نظام ہے جو اس نے اسی طرح بنایا ہے اس نظام میں انسان اپنی حد سے زیادہ دست اندازی نہیں کر سکتا اور یہ مناسب نہیں کہ دقیق در دقیق مصالحِ خدائی میں دخل دیکر ہر بات میں ایک سوال پیدا کرے۔ یہ عالم ایک مختصر عالم ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ایک وسیع عالم رکھا ہے جس میں اس نے ارادہ اور وعدہ کیا ہے کہ سچی اور ابدی خوشحالی دی جاوے گی۔ ہر دُکھ جو اس جہان میں ہے اس کا تدارک اور تلافی دوسرے عالم میں کر دی جاوے گی۔ جو کمی اس جہان میں پائی جاتی ہے وہ آئندہ عالم میں پوری کر دی جاوے گی۔ باقی رہا دُکھ، درد، تکلیف، رنج و محن، یہ تو ادنیٰ و اعلیٰ کو یکساں برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس نظامِ عالم کے قیام کے واسطے لازمی اور ضروری تھے۔ اگر وسیع نظر سے دیکھا جاوے تو کوئی بھی دُکھ سے خالی نہیں۔ ہر مخلوق کو علیٰ قدرِ مراتب اس میں سے حصہ لینا ہی پڑتا ہے البتہ کسی کو کسی رنگ میں ہے اور کسی کو کسی رنگ میں۔ اگر باز چڑیوں اور پرندوں کو کھاتا ہے تو شیر، چیتے اور بھیڑیئے انسان کے بچوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ سانپ بچھو وغیرہ بھی ستاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ تو اس طرح سے چل رہا ہے اس سے خالی کوئی بھی نہیں۔ البتہ ان کی تلافی اور تدارک کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا عالم رکھا ہے۔ اسی واسطے تو قرآن شریف میں اس کا نام مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان خوشحال ہو مگر ممکن

ممکن ہے کہ پرند چرند اس سے بھی زیادہ خوشحال ہوں۔ یہ دُنیا ایک عالمِ امتحان ہے۔ اس کے حل کرنے کے واسطے دوسرا عالم ہے۔ اس دُنیا میں جو تکالیف رکھی ہیں اس کا وعدہ ہے کہ آئندہ عالم میں خوشی دیگا۔ اگر اب بھی کوئی کہے کہ کیوں ایسا کیا اور ایسا نہ کیا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ وہ تحکم اور مالکیت بھی تو رکھتا ہے۔ اُس نے جیسا چاہا کیا کسی کو اس کے اس کام پر اعتراض کی گنجائش اور حق نہیں۔

دوسری بات جو قابلِ غور ہے یہ ہے کہ چونکہ تکالیفِ انسانی، تکالیفِ حیوانی سے بڑھی ہوئی ہیں (اسی واسطے انسانی اجر بھی حیوانی اجر سے بڑھا ہوا ہوگا) تکالیفِ انسانی دو قسم کی ہیں۔ ایک تکالیفِ شرعیہ دوسری تکالیف قضا و قدر۔ تکالیف قضا و قدر میں انسان و حیوان مشترک اور قریباً برابر ہیں۔ اگر انسان کے ہاتھ سے حیوان مرتے ہیں تو حیوانوں کے ہاتھ سے آخر انسان بھی تو مرتے ہیں۔ اسی طرح اَور اَور تکالیف میں بھی ان کا آپس میں ایک قسم کا اشتراک پایا جاتا ہے۔

باقی تکالیفِ شرعیہ میں انسان کے ساتھ حیوانات کا کوئی اشتراک نہیں ہے۔ احکامِ شرعیہ بھی ایک قسم کی چھُری ہے جو انسانی گردن پر چلتی ہے مگر حیوان اس سے بری الذمہ ہیں۔ امورِ شرعیہ بھی ایک موت ہیں جو انسان کو اپنے اوپر وارد کرنی پڑتی ہے۔ پس اس طرح سے ان باتوں کو یکجائی طور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوگا کہ تکالیفِ انسانی، تکالیفِ حیوانی سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

تیسری بات جو قابلِ یاد ہے یہ ہے کہ انسانی حواس میں بہت تیزی ہے۔ انسان میں قوتِ احساس زیادہ پائی جاتی ہے۔ حیوانات یا نباتات اس کے مقابل میں بہت کم احساس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات کو اتنی عقل بھی نہیں دی گئی۔ عقل سے ہی شعور پیدا ہوتا ہے۔ حیوانات میں چونکہ عقل و شعور بہت کم درجہ کا ہوتا ہے۔ اسی واسطے ایک قسم کی مستی کی حالت میں رہتے ہیں۔ احساس کا مسئلہ زیادہ تر انسان میں پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں یہ قویٰ ایسے کم درجہ کے ہیں کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس حیوانات ان تکالیف کا بہت کم احساس کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ بعض اوقات بالکل ہی نہ کرتے ہوں۔

اب جائے غور ہے کہ دُنیا میں ان تکالیف کا بوجھ کس پر زیادہ ہے آیا انسان پر یا حیوان پر؟ صاف ظاہر ہے کہ انسان ہی کو ان مشکلات دنیوی میں بہ نسبت حیوانات کے زیادہ حصہ لینا پڑتا ہے۔

سوال:۔ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا۔ مَیں نے سمجھ لیا۔ اب یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ حیوانات کو بھی آئندہ عالم میں کوئی بدلہ دیا جاوے گا؟

جواب:۔ فرمایا:۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ علیٰ قدرِ مراتب سب کو ان کی تکالیفِ دنیوی کا بدلہ دیا جاوے گا اور انکے دکھوں

اور تکالیف کی تلافی کی جاوے گی۔

سوال:۔ تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں۔

جواب:۔ فرمایا کہ:۔

ہاں یہ ضروری بات ہے وہ فنا نہیں ہوئے اُن کی رُوح باقی ہے وہ حقیقتاً نہیں مرے بلکہ وہ بھی زندہ ہیں۔

سوال:۔ بائبل میں لکھا ہے کہ آدم یا یُوں کہئے کہ پہلا انسان جیحون سیحون میں پیدا ہوا تھا اور اس کا وہی ملک تھا تو پھر کیا یہ لوگ جو دُنیا کے مختلف حصوں امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں یہ اُس آدم کی اولاد سے ہیں؟

جواب:۔ فرمایا:۔

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس مسئلہ میں ہم توریت کی پیروی کرتے ہیں کہ چھ سات ہزار سال سے ہی جب سے یہ آدم پیدا ہوا تھا اس دُنیا کا آغاز ہوا ہے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا اور خدا گویا معطل تھا اور نہ ہی ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ تمام نسلِ انسانی جو اس وقت دُنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے یہ اسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرۃ:۳۱) خلیفہ کہتے ہیں جانشین کو۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی مخلوق موجود تھی۔ پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ کے سوال کے مناسبِ حال ایک قول حضرت محی الدین ابنِ عربی صاحب کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں حج کرنے کے واسطے گیا تو وہاں مجھے ایک شخص ملا جس کو میں نے خیال کیا کہ وہ آدم ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو ہی آدم ہے؟ اس پر اُس نے جواب دیا کہ تم کون سے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو؟ آدم تو ہزاروں گذر چکے ہیں۔

سوال:۔ کیا حضور مسئلہ ارتقاء کے قائل ہیں یعنی یہ کہ انسان نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت میں ترقی کی ہے پہلے سانپ، بچھو وغیرہ سے ترقی کرتے کرتے بندر بنا اور بندر سے انسان بنا۔ اور رُوح کس وقت پیدا ہوئی؟

جواب:۔ فرمایا:۔

ہمارا یہ مذہب نہیں کہ انسان کسی وقت بندر تھا مگر آہستہ آہستہ دُم بھی کٹ گئی اور پشم بھی جاتی رہی اور ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کا بار ثبوت اس دعویٰ کے مدعی کے ذمے ہے چاہیئے کہ

کوئی ایسا بندر پیش کیا جاوے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے انسانی حالت میں آجاوے۔ ہم ایسے بے دلیل قصے کہانیوں پر کیونکر ایمان لا سکتے ہیں۔ البتہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ آدم بہت سے گذرے ہیں مگر موجودہ حالات کے ماتحت جو ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بندر سے انسان یا انسان سے بندر کبھی کسی نے پیدا ہوتا نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ تو ایک ناولوں کا قصہ ہے۔ ہمیشہ نوع سے نوع ہی پیدا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنا قانون ہماری آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے کہ گدھے سے گدھا، گھوڑے سے گھوڑا اور بندر سے بندر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے خلاف جو کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ بندر سے انسان بھی پیدا ہوتا ہے اس کو اپنے دعوے کی دلیل بھی پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہہ دینا کہ شاید ایسا ہو گیا ہو۔ شاید کے کیا معنے؟

ہمارے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے ایک مشاہدہ دلیل کے طور سے رکھا ہوا ہے اس کے خلاف کہنے والوں کو کوئی بیّن دلیل پیش کرنی چاہیئے ورنہ نفی باتوں اور مرفنا دعوؤں سے کوئی امر حجت نہیں ہو سکتا۔

رُوح ایک مخلوق چیز ہے۔ اسی عنصری مادے سے خدا تعالیٰ اُسے بھی پیدا کرتا ہے (جیسا کہ مفصل طور سے اس امر کو ہم نے تازہ تصنیف کتاب چشمۂ معرفت میں بیان کیا ہے) رُوحِ انسانی باریک اور مخفی طور سے نطفۂ انسانی میں ہی موجود ہوتی ہے اور وہ بھی نطفہ کے ساتھ ساتھ ہی آہستگی سے نشوونما کرتی اور ترقی پاتی پاتی چوتھے مہینے کے انجام اور پانچویں مہینے کی ابتداء میں ایک بیّن تغیر اور نشوونما پاکر ظہور پذیر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے کہ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔

(المؤمنون: ۱۵)

یہ درست نہیں جیسا کہ آریہ بتاتے ہیں کہ رُوح بھی خدا کی طرح ازلی ابدی ہے۔ اس اعتقاد پر اتنے شبہات پڑتے ہیں کہ پھر خدا خدا ہی نہیں رہتا۔ رُوح ایک لطیف جوہر ہوتا ہے جو مخفی طور سے انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتا اور نشوونما پاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک گولر کے پھل کو لو۔ جب وہ کچا ہوگا تو اس میں ایک قسم کے نامکمل حالت میں زندہ جانور پائے جاویں گے مگر جونہی کہ وہ پک کر تیار ہوگا اس میں سے جانور چلتے پھرتے نظر آویں گے اور یہانتک کہ پُر لگ کر اُڑنے بھی لگ جاویں گے۔ اس کے سوا اور بھی کئی درختوں کے پھل ہیں جن میں اس قسم کے مشاہدات پائے جاتے ہیں۔

غرض ہمارے پاس تو ہمارے دعویٰ کا ثبوت ہے۔ ثابتہ سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اصل میں ان پھلوں میں ایک قسم کا مادہ اندر ہی اندر موجود ہوتا ہے جو پھل کے نشوونما کے ساتھ ساتھ نشوونما کرتا اور ترقی پاتا ہے۔

سوال:۔ سپرچولزم والوں کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے اُتری اور عقل مشتری سے اور چاند زمین سے بنا۔ ابتداء میں زمین بہت نرم تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا اُڑ کر آسمان پر چلا گیا اور وہ چاند بن گیا۔ اصل میں زندگی زمین ہی سے نکلی۔ زمین سے چاند میں گئی اور چاند سے پھر انسان میں اُترتی ہے۔ اس میں آپ کا اعتقاد کیا ہے؟

جواب:۔ فرمایا:۔

چاند، سُورج اور سیاروں کی تاثیرات کے ہم قائل ہیں۔ ان سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے اور بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی تاثیرات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ یہ امر شریعت کے خلاف نہیں۔ اسی واسطے ہمیں اُن کے ماننے میں انکار نہیں۔ نباتات میں چاند کی روشنی کا اثر بین طور سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے ہیں۔ ان میں شیرینی پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات لوگوں نے اناروں سے چٹخنے کی آواز تک بھی سُنی ہے جو چاند کی روشنی کے اثر سے پھُوٹتے ہیں اس سے زیادہ جو حصہ پیچیدہ اور ثابت شدہ نہیں اس کے ماننے کے واسطے ہم تیار نہیں ہیں۔ قرآنِ شریف میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ چاند، سُورج اور تمام سیارے انسان کے خادم اور مفید مطلب ہیں اور ان میں انسانی فوائد مرکوز ہیں۔ پس ہم اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں پاتے کہ جس طرح نباتات سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح ان تمام سیاروں سے بھی ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ عقل کو مشتری سے تعلق ہے تو اس کے ماننے کے واسطے بھی ہم تیار ہیں۔

اتنا سُنکر پروفیسر موصوف نے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اُٹھا دیا ہے۔

فرمایا:۔

یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اُصولِ اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔

سوال:۔ مکھیوں یا ادنیٰ قسم کے جانوروں میں جو چیز پائی جاتی ہے۔ اس کو کس نام سے تعبیر کیا جاویگا؟

جواب:۔ رُوح تین قسم کی ہوتی ہے۔ رُوح نباتی۔ رُوح حیوانی۔ رُوح انسانی۔ ان تینوں کو ہم برابر نہیں مانتے۔ ان میں سے حقیقی زندگی کی وارث اور جامع کمالات صرف انسانی رُوح ہے۔ باقی حیوانی اور نباتی رُوح میں بھی ایک قسم کی زندگی ہے۔ مگر وہ انسانی رُوح کی برابری نہیں کر سکتی۔ نہ ویسے مدارج

حاصل کر سکتی ہے۔ نباتات میں انسانی رُوح کی برابری کر سکتی ہے۔ کچھ تشابہ ہو تو اس باریک بحث میں ہم پڑنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض خاص خاص صفات میں یہ رُوحیں انسانی رُوح سے مشابہت رکھتی ہوں۔ مگر جس طرح انسان میں اور ان میں ظاہری اختلاف اور فرق ہے اسی طرح اختلاف رُوحانی بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ یہانتک بھی مانا گیا ہے کہ بعض نباتات میں بھی ایک قسم کا شعور پایا جاتا ہے۔ ایک بانس کا درخت گھر کی چھت کے نیچے لگایا جاوے مگر جب بڑھتے بڑھتے وہ چھت سے قریب ایک بالشت کے رہ جاویگا تو وہ اپنا رُخ بدل لے گا اور دوسری طرف کو بڑھنا شروع کر دے گا۔ ایک اور قسم کی نباتی بُوٹی ہے جس کو پنجاب میں چھوئی موئی کہتے ہیں۔ وہ انسان کا ہاتھ لگتے ہی سمٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں پُرانی اچھی اچھی طبعیات کی کتابوں میں لکھی ہیں اور نیز تجربہ سے بھی ثابت ہیں مگر ان کے پیچھے بہت زیادہ نہ پڑنا چاہیئے۔ وہ شعر کیا ہی موزون ہے کہ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ان کے دقیق در دقیق مباحثات میں پڑ کر ان کی تفصیلات کی جستجو میں وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں۔

سوال:۔ میں ایک روز گرجا میں گیا تھا وہاں پادری صاحب نے لیکچر میں بیان کیا کہ "انسان ایک بالکل ذلیل ہستی ہے اور گندہ کیڑا ہے۔ یہ روز بروز نیچے ہی نیچے گرتا ہے اور ترقی کے قابل ہی نہیں۔ اسی واسطے اس کی نجات اور گناہ سے بچانے کے واسطے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو کفارہ کیا" مگر میں جانتا ہوں کہ انسان نیکی میں ترقی کر سکتا ہے۔ میرا یہ بچہ اس وقت اگر بے علمی کی وجہ سے کوئی حرکت ناجائز کرے تو پھر ایک عرصہ بعد جب اُسے عقل آوے گی اور اس کا علم ترقی کرے گا تو یہ خود بخود سمجھ لے گا کہ یہ کام بُرا ہے اس سے پرہیز کر کے اچھے کام کرے گا۔ حضور کا اس میں کیا اعتقاد ہے؟

جواب:۔ فرمایا:۔

انسان نیک ہے۔ نیکی کر سکتا ہے اور ترقی کرنے کے قویٰ اس کو دیئے گئے ہیں۔ نیکی میں ترقی کر کے انسان نجات پا سکتا ہے۔

سوال:۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان لاکھ نیکی کرے مگر وہ برباد ہے۔ بجز اس کے کہ کفارۂ مسیح پر ایمان لاوے۔ آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔

جواب:۔ انسان کو عمل اور کوشش کی ضرورت ہے۔ کفارہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا جسمانی نظام ہے ویسا ہی رُوحانی نظام ہے۔ نظامِ جسمانی میں ایک کاشتکار کی مثال ہی کو لے لو۔ وہ کس محنت سے قبل از

کرتا ہے اور بیج بوتا اور پانی دینے وغیرہ کی محنت برداشت کرتا ہے۔ کیا اُسے کسی کفّارہ کی ضرورت ہے؟ نہیں بلکہ اُسے محنت اور عمل کی ضرورت ہے۔ اس بات کو ہم مانتے ہی نہیں کہ بجز کفّارہ کے کوئی راہِ نجات ہی نہیں۔ بلکہ کفّارہ تو انسانی ترقیات کی راہ میں ایک روک اور تعطّل ہے۔

سوال:۔ پاکیزگی سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ انسان کو جو اس کے جذباتِ نفسانیہ خدا تعالیٰ سے رُوگرداں کرکے اپنی خواہشات میں محو کرنا چاہتے ہیں ان کا مغلوب نہ ہو۔ اور کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق اس کی رفتار ہو۔ یہانتک کہ اس کا کوئی قول فعل خدا تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر سرزد ہی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ قدّوس اور پاک ہے وہ اپنی صفات کے مطابق ہی انسان کو بھی چلانا چاہتا ہے۔ وہ رحیم ہے انسان سے بھی رحم چاہتا ہے۔ وہ کریم ہے انسان سے بھی کرم چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات خدا تعالےٰ کے قانونِ قدرت میں ظاہر ہیں جسمانی طور سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا مدت ہائے دراز سے چلی آتی ہے۔ ان کو اناج، پانی، لباس، روشنی وغیرہ تمام حوائجِ ضروریہ اور لوازمِ انسانیہ ہمیشہ سے بہم پہنچاتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہی اس کے رحم اور کرم کی صفات اور اسماء حسنہ کے تقاضے ساتھ ساتھ مخلوق کی دستگیری کرتے چلے آئے ہیں۔ پس غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد پروفیسر اور لیڈی نے حضرت اقدس علیہ السلام کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم شکور ہیں کہ آپ نے گفتگو کی عزت بخشی اور ہماری معلومات میں ایک مفید اضافہ فرمایا اور ہمارا وقت بہت اچھی طرح سے گذرا۔[1]

---

۱۹ مئی ۱۹۰۸ء

عبدالحکیم پٹیالوی کا ذکر

عبدالحکیم کی کتاب کا ذکر تھا کہ بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ فرمایا:۔

ہم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے۔ بحثیں ہو چکیں۔ کتابیں مفصل لکھی جا چکی ہیں۔ اب بحث میں پڑنا فضولیوں میں داخل ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۰ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء

فرمایا:-

ہر ایک کی فطرت جُدا ہوتی ہے۔ ہمیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح کوئی شخص ایک آدمی کی بیس سال مُریدی کرنے کے بعد اور اس کے ماتحت تعلیم حاصل کرنے کے بعد اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے بعد پھر اس کے حق میں ایسی گندی گالیاں بول سکتا ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مگر ہر ایک شخص کی فطرت جُدا ہوتی ہے۔

عرب صاحب عبدالحی نے عرض کیا کہ میں پٹیالہ سے آیا ہوں۔ عبدالحکیم نے آپ کے متعلق پیشگوئی کی ہے کہ آنے والی ۱۲ ساون کو آپ کی وفات ہو جاوے گی۔ لیکن پٹیالہ کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک جھوٹا آدمی ہے۔

حضرت نے فرمایا:-

كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل: ۸۵) اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیگا کہ راستباز کون ہے۔

دعویٰ رسالت کی ماہیت

فرمایا:-

ہم نے ان معنوں میں کوئی دعویٰ رسالت نہیں کیا جیسا کہ فلاں لوگ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دعویٰ مُفہم اور مُنذر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے آج کوئی نئی بات نہیں۔ چوبیس سال سے یہ الہام ہے جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ [1]

---

۲۰ مئی ۱۹۰۸ء

بوقتِ عصر

صُلح کا فائدہ

صلح سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے صلح کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ موقوف ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ کفار کا میل جول ہو گیا اور انہیں اسلام کی صداقتوں پر نظر کرنے کا موقعہ مل گیا۔ پھر ان میں سے کئی سعید رُوحیں اسلام کے لیے تیار ہو گئیں۔

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹-۲۰ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء

خدا تعالیٰ کا ہاتھ سب سے بڑھ کر طاقتور ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں کے لیے انگریزوں کا وجود ایک نعمت ہے۔ اگر انگریز نہ ہوتے تو جو کچھ نظارہ ہوتا اس کے تصور سے جی گھبراتا ہے۔ مسلمانوں کو عیسائیوں سے باوجود اختلاف کے ایک قسم کا اتحاد ہے۔ مگر ہندو تو بالکل الگ ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انتقام سے کام نہیں لیا۔ کوئی پوچھے کہ کتنے سو سوروں کو ہلاک کر دیا۔ پھر کپڑے بیچ کر تلواروں کے مول لینے کا حکم دیا[1]

بلا تاریخ

پٹواریوں کیلئے زمینداروں کے نذرانے

ایک شخص نے جو اپنی جماعت میں داخل ہیں اور پٹواری ہیں بذریعہ خط حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ پٹواریوں کے واسطے کچھ رقوم گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہیں لیکن عام رسم ایسی پڑ گئی ہے کہ پٹواری بعض باتوں میں اس سے زیادہ یا اس کے علاوہ بھی لیتے ہیں اور زمیندار بخوشی خاطر خود ہی بغیر مانگے کے دے جاتے ہیں آیا اس کا لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

فرمایا:-

اگر ایسے لینے کی خبر باضابطہ حکام تک بالفرض پہنچ جائے اور بموجب قانون اس پر فتنہ اُٹھنے کا خوف ہو سکتا ہو تو یہ ناجائز ہے۔

حضور کی نظموں کی ریکارڈنگ

ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا جائز ہے کہ حضور کی نظمیں فونوگراف میں بند کر کے لوگوں کو سُنائی جائیں؟

فرمایا:-

اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ تبلیغ کی خاطر اس طرح سے نظم فونوگراف میں سُنانا جائز ہے کیونکہ اشعار سے بسا اوقات لوگوں کے دلوں کو نرمی اور رقت حاصل ہوتی ہے[2]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۱۹، ۲۰ صفحہ ۷ مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء

[2] " " " ۸ " " " " " " "

۲۳ مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ قبل نمازِ ظہر

تبلیغ سلسلہ کیلئے قناعت شعار آدمیوں کی ضرورت

ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں کہ نخوت اور تکبر سے بکلی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ البتہ شیخ غلام احمد اس کام کے واسطے اچھا آدمی معلوم ہوا ہے۔ اس کے کلام میں بھی تاثیر ہے اور اخلاص و محبت سے اس نے اپنے اُوپر اس شدتِ گرمی میں اتنا وسیع دورہ کرنے کا بوجھ اُٹھایا ہے۔ کچھ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ لوگ اس کا کلام سُننے کے واسطے جمع بھی ہو ہی جاتے ہیں ایک جگہ اس کو پتھر بھی پڑے مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ پتھر بجائے ان کے کسی دوسرے کو لگا اور وہ زخمی ہوا۔

تبلیغِ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مِل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی اشاعتِ اسلام کے واسطے دور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے۔ یہ جو چین کے ملک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہؓ میں سے کوئی شخص پہنچا ہوگا۔

اگر اسی طرح بیس یا تیس آدمی متفرق مقامات میں چلے جاویں تو بہت جلدی تبلیغ ہو سکتی ہے مگر جب تک ایسے آدمی ہمارے منشا کے مطابق اور قناعت شعار نہ ہوں۔ تب تک ہم اُن کو پورے پورے اختیارات بھی نہیں دے سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گذر کر لیتے تھے۔

تمام ہندوستان ہمارے دعاوی سے ایسا بے خبر پڑا ہے کہ گویا کسی کو خبر ہی نہیں۔ میرے نزدیک یہ مدرسہ یا کالج وغیرہ کا بنانا اوّل سلسلہ کی مضبوطی پر موقوف ہے۔ اوّل چاہیئے کہ سلسلہ میں ایسے لوگ ہوں جو سلسلہ کی ضروریات کی مدد کرنیوالے ہوں۔ جب سلسلہ کی ضروریات مثل لنگر وغیرہ ہی پوری نہیں ہوتیں تو اَور کاموں میں بہت توجہ کرنا بھی بے فائدہ ہے۔ اگر کچھ ایسے لائق اور قابل آدمی سلسلہ کی خدمات کے واسطے نکل جاویں جو فقط لوگوں کو اس سلسلہ کی خبر ہی پہنچا دیں تو بھی بہت بڑے فائدہ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

پروفیسر ریگ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا تذکرہ

مسٹر ریگ (جس کے نام نامی سے الحکم کے ناظرین کو میں قبل ازیں بذریعہ دو مضامین بطور سوال و جواب انٹرویو کرا چکا ہوں ان کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :-

دیکھو وہ ہمارے پاس آیا تو آخر کچھ نہ کچھ تو تبادلۂ خیالات کر ہی گیا۔

اس پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب جن کو تبلیغ سلسلہ احمدیہ کی ایک قسم کی لَو اور دھت لگی ہوئی ہے اور بہت کم ایسے مقام ولایت میں ہوں گے جہاں کے محقق انگریزوں اور اخبارات کے ایڈیٹران وغیرہ کی اطلاع پاکر انہوں نے ان معاملات میں خط و کتابت نہ کی ہو اور مسیح موعود علیہ الف الف الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کی تبلیغ ان کو نہ کی ہو۔ امریکہ کے ڈوئی کی حسرت ناک تباہی اور لنڈن کے پگٹ کی مایوسانہ ناامرادی بھی حضرت مفتی صاحب ممدوح ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے جس طرح ڈوئی اور پگٹ کا بیڑا غرق کر دیا اسی طرح کئی سعید روحوں کے واسطے باعث ہدایت بھی آپ ہی ہوئے اور آپ ہی کی سچی مخلصانہ کوششیں اور جوشِ تبلیغ حق کا یہ نتیجہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ کے بعض انگریزوں اور پادریوں نے حضرت اقدس کی صداقت کو مان لیا اور اپنے خیالاتِ فاسدہ سے توبہ کی۔ غرض مفتی صاحب موصوف کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ ساری احمدی دُنیا اُن کے نام نامی سے واقف اور اُن کے اخلاص صدق و وفا سے آگاہ ہے۔ یہ شخص جو پروفیسر ریگ کے نامِ نامی سے مشہور ہے یہ بھی آپ ہی کی سعی اور جوش کا نتیجہ ہے۔ آپ نے آج کے تذکرہ پر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اس کے خیالات میں حضور کی ملاقات کے بعد عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ پہلے وہ ہمیشہ جب اپنے لیکچروں میں اجرامِ سماوی وغیرہ کی تصاویر دکھاتا اور کبھی مسیح کی مصلوب تصویر پیش کیا کرتا تھا تو یہ کہا کرتا تھا کہ یہ مسیح کی تصویر ہے جس نے دنیا پر رحم کر کے تمام دُنیا کے گناہوں کے بدلے میں اپنی اکلوتی جان خدا کے حضور پیش کی اور تمام دُنیا کے گناہوں کا کفّارہ ہو کر دنیا پر اپنی کامل محبت اور رحم کا ثبوت دیا مگر اب جبکہ اس نے حضور سے ملاقات کی اور پھر لیکچر دیا تو مسیح کی مصلوب تصویر دکھاتے ہوئے صرف یہ الفاظ کہے کہ یہ تصویر صرف عیسائیوں کے واسطے موجب خوشی ہو سکتی ہے سچی تعریف اور ستائش کے لائق وہی سب سے بڑا خدا ہے۔ پہلے اپنے لیکچر میں کہا کرتا تھا کہ نسلِ انسانی آہستہ آہستہ ترقی کر کے ادنیٰ حالت سے بندر اور پھر بندر سے ترقی پا کر انسان بنا۔ مگر اس دفعہ کے لیکچر

میں اس نے صاف اقرار کیا کہ یہ ڈیوون کا قول ہے۔ اگرچہ اس قابل نہیں کہ اس سے اتفاق کیا جائے بلکہ انسان اپنی حالت میں خود ہی ترقی کرتا ہے۔ غرضکہ اس پر بہت بڑا اثر ہوا ہے اور وہ حضور کی ملاقات کے بعد ایک نئے خیالات کا انسان بن گیا ہے اور ان خیالات کو جرأت سے بیان کرتا ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصل تقریر کی طرف رجوع کیا اور فرمایا کہ:۔

ابھی ایسے لمبے سفروں کی چنداں ضرورت نہیں کہ ممالک یورپ اور امریکہ میں جاویں بلکہ ابھی تو خود ہندوستان ہی اس بات کا ازبس محتاج ہے۔

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ان ممالک میں جانا ایسے لوگوں کا کام ہے جو اُن کی زبان سے بخوبی واقف ہوں اور ان کے طرزِ بیان اور خیالات سے خوب آگاہ، سفر کے شدائد اُٹھا سکیں اور ان کی صحت کی حالت بھی بہت اچھی ہو۔ بصورت موجودہ یہ کام بھی بہت بڑا بھاری ہے کہ چند ایسے آدمی ہوں کہ وہ اسی ملک میں اچھی طرح سے گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو ہماری بعثت کی اطلاع دے دیں۔

اسلام کی زندگی کا ثبوت دینے کیلئے مامور کی ضرورت

کسی لیکچر کے متعلق ذکر تھا کہ انہوں نے اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ اسلام بذریعہ اخلاق کے پھیلا ہے نہ تلوار سے۔ جنہوں نے اپنے اخلاقِ کریمہ کی وجہ سے دنیا میں اسلام کو پھیلایا ہے وغیرہ۔ مگر موجودہ زمانہ کے متعلق بجز خاموشی کچھ پیش نہیں کر سکتے۔

فرمایا:۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ (البقرۃ: ۱۳۵) ان اولیاء اور بزرگوں کو اس موجودہ زمانہ سے تعلق ہی کیا؟ وہ اپنے وقت پر آئے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ اب زمانہ موجودہ میں بھی کسی مجدد یا خادمِ دین کی ضرورت ہے یا کہ بخیال ان کے یہ زمانہ وجالوں ہی کے آنے کا زمانہ ہے؟ ضرورت کا احساس تو دلوں میں موجود ہے۔ حالاتِ موجودہ پکار کر کہہ رہے ہیں کہ کسی مصلح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آج ہی پیسہ اخبار میں ایک انگریز کا مضمون تھا۔ اس نے کسی جگہ پر اپنے لیکچر میں بیان کیا کہ زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہندو، مسلمان، عیسائیوں اور یہودیوں کو اتفاق کی ضرورت ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان یہودی اور نصرانی سب کے سب بلا امتیاز انسانی گروہ میں اتحاد و اتفاق دیکھنے کے مشتاق ہیں اور مہدیٔ موعود کے آنے کا انتظار دیکھ رہے ہیں جو کہ دیر یا سویر عالمِ وجود میں آکر تمام انسانوں میں یگانگت کا رشتہ قائم

کرویگا۔ میں اس مہدی کے متعلق اپنی ذاتی رائے یہ رکھتا ہوں کہ وہ اہلِ قلم میں سے ہوگا اور اسی زبردست آلہ کے ذریعہ سے اقوامِ عالم کے دلوں میں تخمِ یگانگت بو سکے گا۔" [1]

غرض اس امر کا احساس تو ہر ملک و ملت کے لوگوں میں پایا جاتا ہے مگر چاہیئے تھا کہ ضرورت کے مطابق کوئی پیدا بھی ہوتا اور وہ اسلام کا نور اور برکات دکھا کر زندہ معجزات سے اسلام کے فیوض اور زندگی کا ثبوت دیتا نہ یہ کہ اس زمانہ پر پہنچ کر خاموشی اختیار کی جاتی اور کہا جاتا کہ اب اسلام زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہے اور کوئی ولی یا بزرگ موجود نہیں جو نشانات دکھا کر اسلام کی زندگی کا ثبوت دے۔ مانا کہ اخلاقِ فاضلہ بھی کسی مذہب کی صداقت کی کسی قدر دلیل ہو سکتے ہیں اور ان کا بھی کسی قدر اثر بیرونی لوگوں پر ہوتا ہے۔ مگر صرف اخلاقِ فاضلہ ہی حقیقی اور زندہ ایمان نہیں دے سکتے بلکہ وہ درجہ ایمان جو انسان کو خدا تعالےٰ پر کامل ایمان عطا کرتا ہے اور گناہ سوز زندگی کا آغاز ہوتا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کے اپنے تازہ نشانوں سے ہی پیدا ہوتا ہے جو وہ اپنے ماموروں کی معرفت دُنیا میں ظاہر کرتا ہے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کی خواہش

فرمایا:۔

موجودہ صورت میں تو بہ نسبت مسلمانوں کے ہمیں ہندوؤں سے زیادہ اُمید نظر آتی ہے کیونکہ وہ تعلیم کی ترقی کی وجہ سے اور کچھ تجربہ کی وجہ سے بہت کچھ سمجھ گئے ہیں۔ ہمارا تو خود کبھی بھی یہ منشا نہیں کہ ان لوگوں کے مسلمہ بزرگوں کو گالیاں دی جائیں یا ان کی عزت نہ کی جاوے اور اسی طرح ہم ان سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی اتنا ہی کریں خواہ ایمان نہ لاویں مگر اُن کو بُرا بھی نہ کہیں اور کہہ دیں کہ سچا مانتے ہیں۔ یہ جو موجودہ زمانہ میں پھوٹ اور نفاق کا سلسلہ جاری ہے اس کو بند کر دیں اور بالکل ممانعت کر دیں کہ باہم ایک دوسرے کے مذہب کی مخالفت میں ہتک آمیز کلمات اور کتابیں بالکل بند کر دی جاویں اور چھاپی ہی نہ جاویں اور ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ آپس میں محبت ہو اور اتفاق بڑھے۔ جس طرح سے ایک ہوا پہلے چل گئی تھی کہ بچہ بچہ بھی اسلام سے متنفر تھا۔ اس طرح کی ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ باہمی اخوت اور اتحاد بڑھے اور نفاق اور بغض و تعصب دلوں سے نکل جاوے۔

عقیدت اور اعتقاد

فرمایا:۔

قاعدہ کی بات ہے انسان کو ایک مخفی امر پر جتنا اعتقاد ہوتا ہے

---

[1] پیسہ اخبار ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء

اس پر اتنا اعتقاد نہیں رہتا جب وہ ظاہر ہو کر سامنے آجاوے۔ مثلاً ان ہندوؤں کے دیوی دیوتا جتنے بھی ہیں اور ان پر ان کو کامل اعتقاد ہے اگر وہ ان کے روبرو آجاویں تو ان لوگوں کے دلوں میں ہرگز انکی اتنی وقعت نہ رہے۔ یہ نبیوں ہی کا کام ہے کہ وہ اپنی شکل بھی دکھا دیتے ہیں اور اپنی عظمت بھی دلوں میں قائم کر جاتے ہیں۔ مسیح جن کو آجکل لوگ خدا مانتے ہیں اگر وہ یہاں آجاویں اور لوگوں کے حلقے میں بیٹھیں تو ممکن نہیں کہ اُن کی پُرانی خدائی کی عظمت بھی لوگوں کے دلوں میں رہ سکے چہ جائیکہ وہ کچھ اور خدائی کا دبدبہ بٹھا سکیں کیونکہ لوگوں نے جس خیال سے ان کو خدا تسلیم کیا ہوا ہے ظاہر ہو جانے پر ان میں وہ باتیں نہ پاکر ضرور ہے کہ انکار کر دیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب کسی خاص شخص کے متعلق کوئی اعتقاد پیدا کرتا ہے تو ساتھ ہی اس کی ایک خیالی تصویر بھی اس کے ذہن میں آجاتی ہے۔ جب تک وہ اس کی نظروں سے غائب تھی تب تک تو خیر مگر جب وہ شخص یا چیز اس کے سامنے آجاتی ہے اور انسان اس کو اپنے خیالی بت یا تصویر کے خلاف پاتا ہے تو اس کے دِل سے اس کی عظمت اُٹھ جاتی ہے یا کم از کم وہ عزت نہیں رہتی۔ چنانچہ یہی حال ان لوگوں کے مصنوعی خدا کا ہے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اصل میں وہ شخص ان کے دل کی خیالی تصویر کے مطابق نہیں ہوتا۔ جو کچھ انہوں نے سمجھا ہوتا ہے وہ نہیں بلکہ کچھ اَور ہی پاتے ہیں۔ تو بد اعتقاد اور بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور اصل میں یہ دین ہوتا ہے جہاں ایسے امور میں اوّل غلو سے کام لیا جاوے مگر انبیاء ایسی ذات اور وجود ہوتے ہیں کہ وہ اپنا وجود دکھا کر اپنی عظمت قائم کرتے ہیں [1]

---

۲۴ مئی ۱۹۰۸ء [2]

قبل عصر

ہندو مستورات کو شرک ترک کرنے کی تلقین

۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو بعد نماز عصر چند ہندو مستورات حضرت

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۷ صفحہ ۵-۶ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۸ء نیز بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۹، ۱۰ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء

[2] ہندو مستورات حضور علیہ السلام کی زیارت کے لیے ۲۳ مئی کو بعد نماز عصر آئیں اور حضور علیہ السلام نے ۲۴ مئی کو قبل نماز عصر ان سے اپنی گفتگو کا ذکر فرمایا۔ اس لیے ان ملفوظات پر ۲۴ مئی کی تاریخ درج ہے (خاکسار مرتب)

امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ دولت پر آتیں اور بیان کیا کہ ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آتی ہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع کی گئی چنانچہ آپ نے نہایت لطف اور مہربانی سے اُنکو اجازت دی اور وہ گھر میں جاکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حضرت اقدس چونکہ ان دنوں مضمون رسالہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ

اب درشن ہوگئے اب تم جاؤ

مگر انہوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کوئی وعظ سُناویں ہم اسی واسطے حاضر خدمت ہوئی ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے اصرار اور اخلاص کی وجہ سے ان کو یُوں مخاطب کیا (جو کہ آپ نے ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کو قبل عصر بیان فرمایا)

فرمایا:-

اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اگر دو ایک باتیں نہ ہوں تو آپ لوگ آریہ وغیرہ لوگوں سے سو درجہ بہتر اور اچھے ہو۔ اُن میں سے پہلی بات تو یہی ہے کہ خدا کو جو کہ ہمارا تمہارا پیدا کنندہ اور پروردگار حقیقی ہے اس کو واحد لاشریک جان کر اس کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی دوسرے دیوی دیوتا، پتھر یا پہاڑ، سانپ یا کسی دوسرے ہیبت ناک درندے، گنگا مائی یا جمنا یا کوئی درخت ہو یا نباتات غرض کوئی بھی بُت اس کے ساتھ شریک نہ کیا جاوے اور اسے ایک اکیلا خدا کر کے پوجا کرو۔ یہ جو تم لوگوں نے تینتیس۳۳ کروڑ دیوتا بنا رکھے ہیں ان کی کیا ضرورت تھی اور یہ کیوں بنائے گئے ہیں؟ اتنے خدا تمام دُنیا میں اور تو کسی کے بھی نہیں ہیں۔

(حضرت اقدس کا اتنا بیان سُنکر ان مستورات نے طلبِ حق کی غرض سے عرض کی کہ یہ بات آپ ہمیں سمجھا دیں)

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

دیکھو گدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو نرگدا، دوسرے خرگدا۔ نرگدا کا تو قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک آواز کی اور اگلے دروازے پر چل دیئے۔ کسی نے کچھ دے دیا تو ٹھیک ورنہ خیر بلکہ ایسے لوگوں کو بعض لوگ پیچھے سے آ کر بھی خیرات دیتے ہیں۔ ان کا کام صدا کرنا اور آگے بڑھنا ہوتا ہے مگر برخلاف ان کے خرگدا دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک ہی دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں جب تک ان کا سوال پورا نہ کیا جاوے اور آخر ایسے گدا کو ملتا ہے اور ضرور ملتا ہے۔ یہی حال خدا سے مانگنے والوں کا ہے۔ خدا سے بھی وہی پاتے ہیں جو خرگدا بن کر خدا ہی کے دروازے کے ہو رہتے ہیں اور پکے ہو کر استقلال سے خدا تعالیٰ کے حضور سے

مانگتے ہیں۔ غیر مستقل اور جلد باز جو جلدی ناامید یا بدظن ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدق اور ثبات کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان اور یقین بھی ضروری ہے یہ امر صدق اور اخلاص کے خلاف ہے کہ جلدی ہی خدا تعالیٰ سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانا اور دربدر مارے مارے پھرنا، کبھی کسی بُت کے حضور التجائیں کرنا کبھی کسی دیوتا، پتھر، پہاڑ، جنگل کے درخت یا گنگا ماتا کی طرف حاجت کو لے جانا اس امر کی دلیل ہے کہ ایک خدا پر بھروسہ نہیں اور اس کو ساری حاجتوں کو پورا کرنے والا ہونے پر کامل ایمان نہیں یا جلدی سے تھک کر اس سے ناامید ہو کر اوروں کی طرف دامنِ حاجت پھیلانا خرگدائی کے بالکل خلاف ہے۔ ایک چھوڑ کر دوسرا اور دوسرا چھوڑ تیسرا خدا بنانا اور اُن سے اپنی حاجتیں چاہنا بالکل غلط راہ ہے بلکہ چاہیئے کہ ایک کو پکڑو اور اسی سے اپنی ساری حاجتیں چاہو اور وہ سب کا حاجت روا ہے شرط صبر اور استقلال اور ایمان ہے۔

(اتنا حصہ سُنکر انہوں نے عرض کی کہ بات تو سچی ہے مگر حضرت اقدس کے منشا کو پاکر حضرت اقدس چاہتے ہیں کہ چلی جائیں پھر نرمی سے عرض کی کہ ہم دُور سے آئی ہیں۔ پنکھا ہلانے کی خواہش ہے اور صرف درشن اور باتیں سُننے کو آئی ہیں۔ اب فرمائیے کہ پرمیشر سے پرارتھنا کیسے کیا کریں؟)

فرمایا:۔ پرارتھنا بیشک اپنی زبان میں کر لیا کرو۔ یوں کہا کرو کہ اے سچے اور واحد خدا۔ اے کہ تو ساری مخلوق کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اور سب کے حالات سے واقف ہے۔ تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اور ہر ذرہ تیرے تصرف میں ہے تو جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ تو ہمیں گناہ اور بھرشٹ زندگی سے نکال کر سیدھا راستہ بتا۔ ایسا ہو کہ ہم تیری مرضی کے موافق ہو جاویں۔ بدیوں سے ہمیں بچا۔ بدیاں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ ہم چاہتی ہیں کہ یہ ہم سے دُور ہو جائیں۔ ان کا تو آپ ہی کوئی علاج فرما۔ ان کا دُور کرنا ہماری طاقت سے دُور ہے اور ایسا ہو کہ ہم تیری رضا کی راہوں پر چل کر ہمیشہ کی نجات اور سُکھ کی وارث ہو جاویں اور کوئی دُکھ ہمارے نزدیک نہ آوے۔ پہلے بدکرموں کے پھل سے بچا اور آئندہ نیک کرموں کی توفیق عطا فرما۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ سے سچے دل سے اور نیک نیتی سے خرگدا کی طرح پکی بن کر اسی سے نرمی اور دُعا کیا کرو اور سب دیوی دیوتے ترک کر دو۔ آخر اس طرح کی سچی تڑپ اور دُعا سے ایسا دن آجاویگا کہ دلوں کے سب گند دھو دیئے جاویں گے اور شانتی اور سُکھ کی زندگی شروع ہو جاوے گی۔ فرمایا:۔

ان عورتوں کی حالت سے ٹپکتا تھا کہ شریف اور مخلص عورتیں تھیں۔ لاہور جیسے شہر میں ایسی شریف اور نیک عورتوں کا وجود غنیمت ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷ صفحہ ۶، ۷ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۸ء نیز بدر جلد ۷ نمبر ۲۴ صفحہ ۱۰، ۱۱ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء

۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء

بمقام لاہور۔ بوقت ظہر
(وفات سے قریباً ۲۰ گھنٹے پہلے کی تقریر)

نبوت کی حقیقت

ایک شخص سرحدی آیا۔ بہت شوخی سے کلام کرنے لگا۔ اس پر فرمایا۔
میں نے اپنی طرف سے کوئی اپنا کلمہ نہیں بنایا۔ نہ نماز علیحدہ بنائی ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دین و ایمان سمجھتا ہوں۔ یہ نبوت کا لفظ جو اختیار کیا گیا ہے صرف خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ جس شخص پر پیشگوئی کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا اظہار بکثرت ہو اسے نبی کہا جاتا ہے۔ خدا کا وجود خدا تعالیٰ کے نشانوں کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں مثنوی میں لکھا ہے۔

آں نبی وقت باشد اے مرید

محی الدین ابن عربی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ حضرت مجدد نے بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے پس کیا سب کو کافر کہو گے؟ یاد رکھو کہ سلسلہ نبوت قیامت تک قائم رہے گا۔

مجدد کی ضرورت

اس پر اس سرحدی نے سوال کیا کہ دین میں کیا نقص رہ گیا تھا جس کی تکمیل کے لیے آپ تشریف لائے؟

فرمایا:۔
احکام میں کوئی نقص نہیں۔ نماز، قبلہ، زکوٰۃ، کلمہ وہی ہے۔ کچھ مدت کے بعد ان احکام کی بجاآوری میں سستی پڑ جاتی ہے۔ بہت سے لوگ توحید سے غافل ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنی طرف سے ایک بندے کو مبعوث کرتا ہے جو لوگوں کو از سرِ نو شریعت پر قائم کرتا ہے۔ سو برس تک سستی واقع ہو جاتی ہے۔ ایک لاکھ کے قریب تو مسلمان مرتد ہو چکا ہے۔ ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں؟ لوگ قرآن چھوڑتے جاتے ہیں سنتِ نبوی سے کچھ غرض نہیں۔ اپنی رسوم کو اپنا دین قرار دے لیا ہے اور ابھی آپ کے نزدیک کسی کی ضرورت نہیں۔

اس پر اس شخص نے کہا کہ اس وقت تو سب کافر ہوں گے کوئی تیس چالیس مومن رہ جائیں گے۔

فرمایا:۔
کیا مہدی کے ساتھ جو مل کر لڑائی کریں گے وہ سب کافر ہی ہوں گے۔

آپ نے کیا اصلاح کی؟

پھر اس شخص نے پوچھا کہ آپ نے کیا اصلاح فرمائی؟

فرمایا:۔

دیکھو چار لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے میرے ہاتھ پر فسق و فجور اور دیگر گناہوں اور فاسد عقیدوں سے توبہ کی۔ انسان جب فسق و فجور میں پڑتا ہے تو کافر کا حکم رکھتا ہے۔ کوئی دن نہیں گذرتا جب کئی اشخاص توبہ کرنے کے لیے نہیں آتے۔ ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ایک بڑی بات ہے۔ مسلمانی صرف یہی نہیں جیسے تم سمجھتے ہو۔ نیکی کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ ریاکاری کے ساتھ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنا مشکل ہے۔ دنیا کی طرف لوگوں کی توجہ ہے۔ ہر صدی کے سر پر اس قسم کی غلطیوں کو مٹانے اور توجہ الی اللہ دلانے کے لیے مجدد کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اگر ہر صدی پر مجدد کی ضرورت نہ تھی بلکہ بقول آپ کے قرآن کریم اور علماء کافی تھے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض آتا ہے حج کرنے والے حج کو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو برس کے بعد مجدد آئے گا۔ مخالفین بھی اس بات کے قائل ہیں۔ پس اگر میرے وقت میں ضرورت نہ تھی تو پیشگوئی باطل جاتی ہے۔ ظاہری حالت پر ہی نہیں جانا چاہیئے۔ غیب کا حال تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون ۵،۶) یعنی لعنت ہے ان نمازیوں پر جو اپنی صلوٰۃ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

پس فلاح وہی پاتا ہے اور وہی سچا مومن کہلاتا ہے جو نیکی کو اس کے لوازم کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ بات اس زمانہ میں بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ پس ان اندرونی بیرونی کمزوریوں کو دُور کرنے کے لیے میں اپنے وقت پر آیا۔ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو یہ سلسلہ تباہ ہو جاوے گا۔ اگر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو یاد رکھو کہ پھر مخالف ناکام رہیں گے۔[1]

---

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲۳ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۸ء

۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء

(قبل نمازِ عصر)

حضرت اقدس علیہ السلام کی آخری تقریر

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ اپنے کسی خاص قاصد کے ایک خط بھیجا جس میں بعض مسائل مختلفہ پر زبانی گفتگو کرنے کی اجازت چاہی اور وعدہ کیا کہ میں بہت نرمی اور پاسِ ادب سے گفتگو کروں گا۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے قبل عصر حضرت مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ وہ اخلاق کے کیسے ہیں مغلوب الغضب اور فوراً جوش میں آجانے والے یا بھڑک اُٹھنے والی طبیعت کے تو نہیں ہیں؟ اس کے جواب میں بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضور ایسے تو نہیں۔ ان کی طبیعت میں نرمی پائی جاتی ہے۔ البتہ اگر بعض عوام کا ہجوم ان کے ہمراہ ہوگا تو اندیشہ ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام خود چونکہ "پیغام صلح" لکھنے میں مصروف تھے اور فرصت نہ تھی۔ اسلئے حضرت اقدس علیہ السلام نے مولٰنا مولوی سید محمد احسن صاحب سے فرمایا کہ آپ انکو خط کا جواب لکھ دیں۔ اصل خط ان کا ہم بھیج دیں گے اور بیشک نرمی سے اور آہستگی سے ان سے ان مسائل میں گفتگو کریں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے ہمراہ سوائے دو چار معزز اور شریف آدمیوں کے اور زیادہ ہجوم نہ ہو اور آپ بھی علیحدگی میں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کر دیا کہ وہ حضرت عیسٰی کے سُولی پر لٹکائے جانے کے ہی قائل نہیں اور کہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں آیتِ کریمہ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (المائدۃ: ۱۱۱) پیش کرتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھایا جانا

اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا:-

خلافِ تواتر امورِ محسوسہ مشہودہ کی پروانہ کرکے ایسی ایک راہ اختیار کرنا۔ جسکی کوئی بھی دلیل نہیں، یہ عقل اور ایمان کے سراسر خلاف ہے۔ میں کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا اور نہ ہی میں کسی ایسی بے دلیل بات کے منوانے کی کوشش کرتا ہوں جس کا قوی ثبوت اور بیّن شہادت میرے ہاتھ میں نہیں۔ میرے ساتھ میری شہادت کے واسطے اس وقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادت پیش

کر رہی ہیں۔ اگر کسی کو کوئی شک و شبہ ہو تو یہودی موجود ہیں، نصرانی موجود ہیں۔ اُن سے پوچھ لو کہ اُن کا اِس بارہ میں کیا عقیدہ ہے۔ دونو متخاصم موجود ہیں، اُن سے پوچھ لو کہ آیا وہ بھی اس بات کے قائل ہیں جو تم پیش کرتے ہو۔ دیکھو تواترِ قومی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجتِ نیرہ کے توڑ دینا اور اس کی پروا نہ کرنا یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔

تعجب کی بات ہے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کسی دوسرے آدمی کو پکڑ کر خواہ نخواہ بے قصور سُولی پر چڑھا دیا جاوے اور وہ چُوں بھی نہ کرے اور دہائی بھی نہ دیوے کہ میں تو تمہارا ساتھی ہوں مجھے کیوں بیگناہ سُولی پر چڑھاتے ہو۔ تمہارا اصل ملزم تو بچ گیا اور میں جو کہ تمہارا ہی ساتھی ہوں یہ میرا نام ہے، فلانے ماں باپ کا بیٹا ہوں۔ یہ میرے رشتہ دار ہیں۔ مجھے کیوں مارتے ہو؟ جان کا معاملہ اور لعنتی موت کا نشانہ بننا ہے اصل ملزم بچایا جاتا ہے ایک بے گناہ بے قصور بے تعلق آدمی سولی چڑھایا جاتا ہے اور پھر تعجب یہ کہ بولتا تک نہیں۔ یہ بھید تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ علاوہ وحی اور علمِ غیب کے جو ہمیں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بخشا اور مکالمہ مخاطبہ کا خاص فیضان جاری کر کے ہمیں اس نے ان امور میں حقیقی علم عطا کیا۔ ہمارا ضمیر اس کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرتا کہ اتنا بھاری تواتر اور کروڑوں انسانوں کی متفقہ شہادت بالکل غلط ہے اور یہ سب جو سمجھے بیٹھے تھے ایک وہم تھا اور خیال غلط۔ دیکھو ؎

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

مَیں نہیں سمجھتا کہ خدا تعالیٰ کو ایسی کمزوری کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ علیٰ رؤس الاشہاد مسیح کو بچانے پر قادر نہ تھا کہ اس کو ایسا ظلم روا رکھنا پڑا۔ اور ایک بے گناہ انسان کی جان خواہ نخواہ ہلاکت میں ڈالی۔ قرآن اور حدیث کے خلاف ایک نئی راہ نکال کر پیش کرنا اس کا بارِ ثبوت مدعی کے ذمّے ہے۔

تَوَفّی کے معنی

میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ سب امور ایسے ہیں کہ آسانی سے ان کو رد کیا جاوے۔ قرآن شریف میں صرف لفظ توفّی ہی کو لے کر اس کو دیکھ لو کہ بھلا کسی مقام پر اس کے معنی بجُز موت کے کچھ اَور بھی ہیں یا مع جسم عنصری کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے ہیں؟ یہی توفّی کا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آیتِ کریمہ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس: ۴۷) پر غور کر کے دیکھ لو۔ پھر یہی توفّی کا لفظ ہے جو حضرت یوسفؑ کے حق میں وارد ہے۔ پھر ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ برخلاف نصِ قرآنی کے اور تمام انبیاء کے کیوں حضرت عیسیٰؑ کو یہ خصوصیت دی جاتی ہے۔

کتبِ احادیث میں قریباً تین سو مرتبہ یہی لفظ توفّی کا آیا ہے مگر کہیں بھی بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھائے

جانے کے معنے نہیں ہیں۔ جہاں دیکھو یہ لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوتا ہے۔

اصل میں جو شخص طالب حق نہیں اور محض ایک قسم کی شیخی اور تکبّر کے واسطے ایسی خواہش کرتا ہے اس سے مجھے بدبُو آجاتی ہے۔ مَیں ایسے آدمی پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جس کو حق کی سچی پیاس نہیں اور جس کی تڑپ خدا اور خدا کے دین کے واسطے نہیں بلکہ نفس کا بندہ اور نفس کی عزّت وجاہ کے واسطے مرتا ہے۔ میرے پاس اگر کوئی شخص طلبِ حق اور خداجوئی کی پیاس اور سچی تڑپ لے کر آتا ہے تو مجھے اس سے ایک قسم کی خوشبو آجاتی ہے اور پھر میں اس کے واسطے اپنے بازو بچھا دیتا ہوں اور اس کو اپنی آنکھوں سے قبول کرتا ہوں اور جہانتک مجھ سے بَن پڑتا ہے مَیں اس کی خدمت کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ مگر ایک ناپاک دل انسان جس میں شرارت پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ حق جو نہیں بلکہ دُنیا طلب ہوتا ہے تو ہمیں اس سے بدبُو آجاتی ہے اور پھر اس کے بعد ہم اس سے کلام کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات

خدا تعالیٰ نے جس بات پر ہمیں قائم کیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام مجید میں حضرت مسیح کی موت کو صراحت سے ایک جگہ نہیں بلکہ بیسیوں مقام پر ظاہر کر دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے شہادت دے دی کہ اس کو مُردوں کی ذیل میں دیکھا اور کوئی مابہ الامتیاز اس میں اور اس کے غیروں میں بیان نہیں فرمایا۔

آج ہندوستان میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ مُرتد صرف اسی بات سے ہو چکا ہے کہ نام کے مسلمانوں کے عقائدِ غلط سے عیسائیوں نے مسیح کی فضیلت ثابت کر کے اپنے مذہب سے ناواقف لوگوں کے سامنے اُسے پیش کیا اور ان کے اپنے ہی معتقدات میں سے اُن پر ایسے ایسے الزام دیئے جن کا جواب ان میں سے کسی سے بھی بن نہ پڑا۔ مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کسی بھی خصوصیت کو قائم نہیں رہنے دیا بلکہ ان کی ہر بات کا جواب دے کر خود ان کو ہی خوار کیا ہے۔

نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا کہ حضرت عیسٰیؑ چونکہ بن باپ کے ہیں لہٰذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا اور اس سے وہ حضرت عیسٰی میں ایک خصوصیت ثابت کر کے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان کا یوں مُنہ توڑا۔ اور ان کا ردّ یوں بیان کیا کہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) یعنی اگر حضرت عیسٰی کی پیدائش اعجازی رنگ میں پیش کر کے تم اس کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہو تو پھر آدم بطریق اولیٰ خدا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اوّل آدم کو بڑا خدا مان لو پھر اس بات کو عیسٰیؑ

کی خُدائی کی دلیل ٹھہرانا۔

پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استدلال کو غلط ثابت کر دیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح کو بن باپ کی پیدائش سے ان کی خُدائی اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی نظیر پیش کر کے باطل ٹھہرا دیا۔

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خُدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ زندہ ہیں اور مع جسم عنصری آسمان پر خُدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور اس امر سے انہوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کر کے اس کو ان کی خدائی کی ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتا دے کہ اگر توفّی کے معنے مع جسم عنصری آسمان پر ہی اُٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنے حضرت عیسیٰ کے لیے موت کے نہیں ہیں تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیلِ اوّل کو ایک نظیر پیش کر کے توڑا تھا اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتاؤ کہ حضرت مسیح سے پہلے یا پیچھے اور بھی کوئی ایسی نظیر پائی جاتی ہے؟ اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا۔ نصاریٰ تم کو خود تمہارے اپنے عقیدہ سے ملزم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خود حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اور جسم عنصری سے آسمان پر مانتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رسُول خاکِ مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ! کون افضل ہے عیسیٰؑ یا محمدؐ!

افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کے واسطے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چھُری دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہوتا اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اُس نے بیان کیا ہوتا کہ واقعہ میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ مع جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کر کے قومِ نصاریٰ کو اس امر کے حضرت مسیح کی خدائی کی دلیل پکڑنے سے بند اور لاجواب کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز ہرگز یہ منشاء نہیں جو تم محض افتراء سے خدا تعالیٰ کے کلام پر تھوپ رہے ہو[1] بلکہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے اور یہی حقیقت اور اصل حال ہے۔

---

[1] بدر سے:۔ "پس ایسا ہی زندہ آسمان پر موجود ہونے کو عیسائی دلیل ابن اللہ ہونے کی قرار دیتے ہیں اس کی مثال کیوں نہ بیان کی تا عیسیٰ کسی بات میں وحدہٗ لاشریک نہ ٹھہرے۔

تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر اسلام میں وحیٔ و الہام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مر گیا۔"

(بدر جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۷ کالم نمبر ۳ مورخہ ۲ رجون ۱۹۰۸ء)

دیکھو ہر ایک خصوصیت جو کہیں کسی خاص شخص کے متعلق پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ضرور جواب دیا ہے مگر کیا وجہ کہ اتنی بڑی خصوصیت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔

یہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دورانِ تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہو گیا تھا کہ نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رُعب، ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہو گی جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی [1]

(فقط مرتبہ عبدالرحمٰن قادیانی)

آخری دن

۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء

بوقت نمازِ فجر

جب فجر کی اذان کان میں پڑی تو حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ

"کیا صبح ہو گئی؟"

جواب ملنے پر فجر کی نماز کی نیت باندھی اور ادا کی۔

آخری الفاظ

وہ الفاظ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے یہ تھے:۔

"اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ" [2]

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۲ صفحہ ۷۔ ۸ مورخہ ۱۸ رجولائی ۱۹۰۸ء

[2] الحکم جلد ۱۵ نمبر ۱۹، ۲۰ مورخہ ۲۱، ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء

اِنڈیکس

مرتّبہ: سیّد عبدالحی

۱۔ کلید مضامین ۳

۲۔ تفسیر آیاتِ قرآنیہ ۳۷

۳۔ اسماء ۴۵

۴۔ مقامات ۶۵

کلیدِ مضامین
ملفوظات
جلد پنجم

آخرت
آخرت کے اجسام اور چیزوں کی ماہیت ۳۷۳
آریہ دھرم
عقائد اور تعلیمات
غیر معقول عقائد ۸۱، ۳۸۵، ۶۵۵
آریہ عقائد کا بودا پن ۴۲۴
آریہ بھی توحید کے حامی بنتے ہیں ۵۵۸
ان کے عقیدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کوئی دلیل نہیں۔ ۱۱۹
اللہ تعالیٰ کی صفات غفور و رحیم کے منکر ہیں۔ ۳۸۹، ۴۴۸
راضی بالقضاء نہیں ہو سکتے ۶۶۲
روح کو ازلی ابدی قرار دیتے ہیں ۶۵۷، ۶۷۶
تمام انبیاء کو مفتری اور کذاب سمجھتے ہیں۔ ۳۷۲
نظریہ نجات ۱۸۴، ۳۸۴، ۴۲۴
نیوگ کی شرمناک تعلیم ۳۹۳
مرد اور عورت میں عدم مساوات ۵۰۳
آریوں کے نزدیک ترقی کے اصول ۲۸۳
سورۃ فاتحہ سے آریہ عقائد کا رد ۳۷۹
آریوں پر حجت ۱۷۸
آریہ مذہب کا خاتمہ
آریہ مذہب میں چونکہ روحانیت نہیں اس لیے اسکا قیام محال ہے ۶۱
اب اس کا خاتمہ ہے ۲۱۹
ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہونگے جو یہ (آریہ) تباہ ہو جائینگے ۲۸۵
آریہ مت کے ایک سو سال کے اندر نابود ہونے کے متعلق حضورؑ کی پیشگوئی۔ ۶۰
متفرق
تین مشہور مخالفِ اسلام آریہ، ایکھرام، اندرمن اور الکھ دھاری ۴۸۰
رسالہ شبھ چنتک کا اجراء اور تباہی ۱۹۹
آریہ لیڈروں کی جلاوطنی ۲۳۶
اپنے محسن کے ساتھ بدسلوکی کی فطرت ۲۳۰
آریوں کی اسلام دشمنی ۴۳۲، ۴۶۲
قادیان کے آریوں کا تعصب اور حق پوشی ۱۳۷، ۱۳۹
کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" کی اشاعت کے بعد آریوں پر فرض ۱۷۸
آریوں سے صلح کی تجاویز پر تبصرہ ۳۷۱
حضور کی طرف سے لیکچر لاہور میں
آریوں سے صلح کی پیشکش ۳۷۲
آزادی
انگریزوں کی مذہبی آزادی پر اظہارِ تشکر ۱۰۸
ابتلاء
ایمان کی شرط ہے ۱۶۸، ۴۴۴، ۶۵۸
انبیاء اور رُسل کے ابتلاء ۴۱۶
تکالیفِ قضاء و قدر ۶۶۲
اپلام برنگِ انعام ۹۸
ابتلاؤں کی برکات ۲۷۴
ابتلاؤں کو برداشت کرکے ہی درجات ملتے ہیں۔ ۲۸
صوفیاء کہتے ہیں کہ ابتلاء کے وقت صالح آدمی قدم آگے بڑھاتا ہے۔ ۴۱۶
اجماع
صحابہ کا سب سے پہلا اجماع وفاتِ مسیح پر تھا۔ ۵۸۰
احمدیت
احمدی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالی نام احمد کی نسبت سے ہے ۳۵۹
سلسلہ کی حقانیت ۳۷۴
مقام
دنیا کی واحد جماعت جسکا امام ہے ۲۲۰
رُوحانی ہتھیار اب ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ ۳۹۷
جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (الہام) ۳۹۸
دُنیا کے کناروں تک اب یہ سلسلہ پہنچ چلا ہے۔ ۴۷۲
ہماری جماعت بہت خوش نصیب ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے

اسے ہدایت نصیب کی ہے اسکو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ ۴۰۷
سلسلہ کو اختیار کرنا بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہے انسان کی بہادری نہیں ۲۵۲
ہر شخص جو ہماری جماعت میں داخل ہے ہم اس کیلئے دُعا کرتے ہیں ۴۴۳
جماعت میں داخل ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ قبول کریگا ۱۷
جماعت کی ایمانی حالت رفتہ رفتہ بڑھیگی ۱۸
حق بار ہونے کی وجہ سے غالب رہتی ہے ۸۵
جس کا خدا تعالیٰ پر ایمان کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسے اکیلا نہیں رہنے دیتا۔ ۵۲۵
جماعت کی حفاظت کے بارہ میں حضورؑ کا ایک مبشر رؤیا ۲۴
سچے احمدیوں کو طاعون سے بچائے جانے کا وعدہ ۱۹۲
ہماری جماعت کا کوئی آدمی اگر طاعون سے مرے تو وہ شہید ہے ۲۱۸
اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صحابہ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ ۳۱۰، ۴۰۸
قرآن شریف میں ہماری جماعت کے متعلق لکھا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعۃ) ۳۱۱
ہماری جماعت کا ایمان تو صحابہ والا چاہیئے جنہوں نے اپنے سر خدا تعالیٰ کی راہ میں کٹوا دیئے۔ ۲۸۸
سنت قدیر کے بموجب ضعفاء ہی اکثر ہمارے ساتھ ہوتے۔ ۵۸۳
دشمنوں سے امتیاز ۲۰۲
ہماری طرف آنے والے حلیم، سلیم اور نیک آدمی ہی ہوتے ہیں ۶۱۶
تعجب کی حد تک اخلاص محبت اور جوش ۶۰۵
غربت اور اخلاص ۵۸۴
انفرادی کمزوریاں ۸
کسی کا یہ کہنا کہ احمدیوں نے اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی نہایت نامناسب ہے ۵۳۶
چھپے ہوئے مُرتد ۹۷

قیام کی غرض

سلسلہ کے قیام کی غرض ۹۹
اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ اس واسطے قائم کیا ہے کہ لوگ نئے طور پر اُس کی ہستی پر ایمان اور یقین حاصل کریں ۱۰۸
سلسلہ کے قیام کی غرض اسلام کے زندہ مذہب ہونے کی گواہی دینا ہے ۱۲۴
خدا نے اس سلسلہ کو قائم کیا تا لوگ فرقہ بندیوں سے نکل کر اُس میں شامل ہوں۔ ۶۳۱
اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میل کچیل سے نکال کر ایک علیحدہ فرقہ بنا دے ۶۱۷

تاریخ

لدھیانہ کی بیعت میں چالیس آدمی تھے اب چار لاکھ ہیں ۲۰۴
جماعت کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے ۲۲۱
۱۹۰۷ء میں تعداد چار لاکھ سے زیادہ ۳۷۴، ۶۶۸
کابل میں دو مخلص احمدیوں کی شہادت ۱۰۹
جلسہ سالانہ ۱۹۰۷ء کے موقعہ پر حضور کی تقریر ۳۷۴
ڈاکٹر عبدالحکیم کا غلط عقاید رکھنے اور ان کی اشاعت کرنے پر جماعت سے اخراج ۴۹۶

عقاید

ہمارے عقاید ۱۳۴، ۵۵۴، ۵۸۶
دوسرے مسلمانوں سے اختلاف ۲۳۹، ۶۳۱
دوسروں سے اختلاف کی حکمت ۶۱۶
ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے ۶۳۵

مسائل فقہ

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ، جنکی سنت تائید کرتی ہو، کے بعد فقہ حنفی پر عمل کیا جاتا ہے۔ ۱۳۴
فدیہ رمضان مرکز میں بھیجنا جائز ہے ۱۳۵
غیر احمدیوں کی لڑکی لینے میں حرج نہیں ہے دینے میں گناہ ہے ۵۲۵
غیر احمدی والدین کی احمدی لڑکی کا نکاح ۳۲۵
غیروں کے پیچھے نماز ۴۷۸
اگر بحالت مجبوری کوئی احمدی اکیلا ہی ہو تو اُسے تنہا ہی نماز گذار لینی چاہیئے ۵۲۶
اگر کسی احمدی کا کوئی بھی جنازہ نہ پڑھے ۲۱۹

مخالفت

سچے سلسلہ کی مخالفت زیادہ ہوتی ہے ۲۵۴
تمام مذاہب احمدیت کی مخالفت میں ایک ہو جاتے ہیں ۲۲۸
جہاں ہماری مخالفت میں شور اُٹھا ہے وہاں ہی زیادہ جماعت تیار ہوتی ہے ۲۵۵، ۳۵۸
ہمارے سلسلہ کیلئے گندی مخالفت کھاد کا کام دیتی ہے ۶۳۱
جماعت کے خلاف علماء کے فتاویٰ ۲۲۲
مخالفوں کا انکار ہمارے لیے بہتر ہے۔ ۲۵۷
بعض علماء کے سلسلہ میں داخل نہ ہونے میں بھی کوئی حکمت ہے ۱۹۹
ہمارے مخالفوں میں سے بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کا ہماری جماعت میں شامل ہونا مقدر ہے ۴۸۶
مخالفوں کی تباہی دلائل اور نشانات کے ذریعہ ہوگی۔ ۲۸
امرتسر میں مخالفین کی سنگباری سے

حضور کے ایک صاحبزادے کا زخمی ہونا ۵۷۸

نصائح

بیعت کی حقیقت ۶۰۵

بیعت کی غرض و غایت کو مدنظر رکھو ۴۵۷

جماعت کے افراد کی کمزوری اور بُرے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے ۴۵۶

دوسروں سے اپنے اندر مابہ الامتیاز پیدا کرو۔ ۲۸۲، ۶۰۶

تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں۔ ۲۷۲

ہماری جماعت کو ایسا نمونہ دکھانا چاہیئے کہ دشمن پکار اُٹھیں کہ یہ ہم سے اچھے ہیں ۲۷۱

اپنے دعووں کے عملی ثبوت دو ۶۰۴

دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد پیش نظر رکھو ۶۰۵

مبارک ہے وہ جو دین کو اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم رکھتا ہے ۲۳۵

اللہ تعالیٰ کو کسی حالت میں نہ بھلاؤ ۲۷۹

"دست در کار دل با یار" والی بات ہو ۵۵۰

حقیقی جماعت بننے کی تلقین ۴۵۴

جماعت کے لیے حضور کی نصائح ۱۳۰، ۴۰۷

تقویٰ کی نصیحت ۲۰۱

ترقی کا راز ۲۸۳

رفق اور نرمی کی تلقین ۱۳۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو اپنا اُسوہ بناؤ ۱۰۳

مشورہ بابرکت ہوتا ہے ۵۳۲

دلوں کو فتح کرو اور دل اخلاقِ فاضلہ سے فتح ہوتے ہیں۔ ۶۱۰

دنیوی آرام و آسائش کی طرف جھکے ہوئے افراد کو عملی حالت درست کرنے کی تلقین ۲۰

نشانات کی ناقدر دانی نہ کریں ۳۲۶

اگر اس جماعت میں سچی ہمدردی نہ ہوگی تو پھر یہ تباہ ہو جائے گی۔ ۴۰۸

کوئی کُتا اور بلی بھی ان کے احسان سے محروم نہ رہے چہ جائیکہ بنی آدم ۳۲۶

دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت ۶۲۷

ہماری جماعت کو علم دین میں تفقہ پیدا کرنا چاہیئے۔ ۲۱۱

اخلاص کی ایک علامت تکلیف کے وقت دُعا کے لیے لکھنا ۲۳۲

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ راتوں کو رو رو کر دُعائیں کریں ۱۳۲

کمزور احمدیوں کو حقارت سے دیکھنے کی بجائے ان کیلئے دُعا کرنی چاہیئے ۲۴۳

طاعون کے دنوں میں جماعت کے لیے حکم ۱۹۴

طاعون سے بچنے کے اقدامات میں گورنمنٹ سے تعاون کی تلقین ۲۶۳

بدامنی کی جگہ پر احمدی کا کردار ۲۹۲

حکومت کی اطاعت کے بارہ میں جماعت کو نصیحت ۲۲۱

حالات کے پیش نظر حکومت کو اپنی حفاظت کی طرف توجہ دلائی جاتے ۲۶۳

اعلیٰ عہدوں پر فائز احمدیوں کے لیے نصیحت ۵۳۲

جماعت کے ڈاکٹروں کے لیے خاص نصیحت ۶۱۲

میڈیکل سکول کے خارج شدہ طلباء کو حضور کی نصائح ۲۲

احمدی خواتین کیلئے حضور کی خصوصی نصائح ۲۹، ۴۶

دوسرے لوگوں کے اعمال کی پڑتال نہ کرتے پھرو۔ ۵۳۲

مخالفین سے سلوک میں جوشِ نفس شامل نہ کیا جائے۔ ۶۰۹

ہماری جماعت میں جو لوگ الہام کا دعویٰ کرتے ہیں مجھے ان کے جنون کا اندیشہ رہتا ہے ۳۴۷

جماعت کے کمزوروں کے حق میں بُرا بولنے میں جلد بازی نہ کرو ۲۰

تبلیغ اور دعوت الی اللہ

تبلیغ کی اہمیت ۱۴۷

خدمتِ دین میں سرگرم احباب کو اللہ تعالیٰ درجہ عظمت دینا چاہتا ہے۔ ۲۰

جماعت کے واعظین اور مبلغین کی ضروری صفات ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۸

تبلیغ سلسلہ کے لیے نخوت و کبر سے پاک قناعت شعار افراد کی ضرورت ۶۸۲

مبلغین کو مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھنے کی ضرورت ۳۲۸

تبلیغ کا صحیح طریق ۳۱۲

دعوت الی اللہ کے لیے معقول اور مختصر جوابات یاد رکھنے چاہئیں ۶۱

مباحثات تحریری ہونے بہتر ہیں ۱۵۴

جماعت کی طرف سے مباحثہ کا حق کس کو پہنچتا ہے؟ ۱۸۷

ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں ۶۲۷

دشمن کے ساتھ بھی نرم گفتگو کرنا چاہیئے ۲۱۰

ہماری جماعت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے انسانوں سے مناسب حال دعوت کرنے کا طریق سیکھے ۴۴۰

ہماری جماعت کو عقل و فہم میں ترقی کرکے اعتراضات کا جواب خود سوچ کر دینا چاہیئے ۳۲۸

سفلہ مزاج ملاؤں سے پرہیز کریں ۱۱۱

امر حق پہنچانے میں اخفاء سے کام لینا اچھا نہیں ۴۴۶

سیالکوٹ، گجرات، گوجرانوالہ اور جہلم کے اضلاع کی تبلیغ کے خاص

ذرائع پیدا کرنے چاہئیں ۳۲۴
صاحب اثر مسلمانوں کو جماعت کے
عقاید پر تحقیقات کرنے کی تحریک ۵۷۷
ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ حقیقۃ الوحی
کو اوّل سے آخر تک بغور پڑھیں بلکہ
اس کو یاد کر لیں ۶۱، ۲۳۵
"قادیان کے آریہ اور ہم" ہر احمدی
مرد اور عورت اسے خرید کر مفت
تقسیم کرے ۱۹۵
تبلیغ کی غرض سے حضور کی نظموں
کی ریکارڈنگ جائز ہے ۶۸۱
مرکز اور مرکزی کارکن
سلسلہ کے کارکنان میں تین صفات
ضروری ہیں۔ دیانت۔ محنت۔ علم ۲۶۹
سلسلہ کی جملہ تصانیف مرکز سے
پاس ہو کر شائع ہوں ۶۵
احمدی اخبارات کو صحت کے ساتھ قرآنی
آیات لکھنی چاہئیں ۱۹۷
مخالفین کے پرچوں کے تبادلہ میں
سلسلہ کے رسالے اور اخبار ضرور
جانے چاہئیں ۲۷۰
دینی علوم کا امتحان لینے کی تجویز بہت
ضروری ہے۔ ۲۱۲
مرکز میں کچھ دن قیام کی تلقین ۳۴۶
بچوں کو تعلیم کے لیے مرکز میں بھیجنے
کے فوائد ۳۰۹
دینی ضروریات کے لیے باقاعدہ
چندوں کی ضرورت ۴۷۱
لنگر خانہ کے لیے چندہ کی اہمیت ۲۳۳
چندہ وصول کرنیوالوں کے لیے ہدایت ۲۶۹

احسان
احسان کی حقیقت ۶۶۳
دل کو مسخر کرتا ہے ۲۳۲
احسان سے بڑا مرتبہ ۶۶۳

اخلاص
تمہارے اعمال اور افعال میں
اخلاص ہو ۱۰۴
اہمیت ۶۵۹
اخلاص جیسی کوئی تلوار دلوں کو فتح
کرنے والی نہیں ۶۶۰

ادب
طریق ادب ۱۴
تلاوت قرآن کریم کے آداب ۱۵۷
آداب مجلس ۴۴۹
بچپن کی تادیب خوب یاد رہتی ہے ۱۰
بچوں سے مزاح جائز ہے ۹

اذان
دعوتِ اسلام کا مختصر طریق ۱۱۲، ۱۱۳

ارتداد
اس زمانہ میں لاکھوں مسلمان مُرتد ہو کر
عیسائی ہو چکے ہیں۔
۱۰۱، ۱۲۴، ۳۴۵، ۳۵۲
ہندوستان میں ایک لاکھ سے زائد
مُرتد عیسائی موجود ہیں ۱۶۴، ۴۲۳

ارتقاء
مسئلہ ارتقاء ۶۷۵

ارہاص
ارہاص کی حقیقت ۱۱۴

استخارہ
استخارہ سے عقل سلیم حاصل ہوتی ہے
اور یہ سنت ہے ۲۳۰
نشانات دیکھ کر استخارہ کرنا جائز
نہیں۔ ۲۱۶

استغفار
اہمیت اور حقیقت ۲۷۱، ۲۸۲، ۶۰۷
گناہ ایک زہر ہے اور توبہ و استغفار
ایک تریاق ۴۳
وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے ۴۳۱
دل کی استقامت کے لیے استغفار
پڑھنا چاہیئے ۱۸۳
جو استغفار کرتا ہے اللہ اسے رزق
میں کشائش دیتا ہے۔ ۴۳۴
عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے ۲۱۲
توبہ و استغفار سے رد بلا ہوتا ہے ۶۳۰
بیمار کو توبہ استغفار کرنا چاہیئے ۶۰
مشکلات و مصائب کے وقت
استغفار پڑھے اور قصوروں سے
معافی طلب کرنی چاہیئے۔ ۱۳۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار ۶۰۷

استقامت ۱۲۰
خدا تعالیٰ کو پانے کے لیے استقامت
شرط ہے ۴۳
استقامت رکھیں اور خدا تعالیٰ سے
استقامت کی دُعا کرتے رہیں ۷۸
غیر مستقل اور جلد باز ہمیشہ محروم
رہتے ہیں ۶۸۸
جو استقامت اختیار کرتے ہیں اللہ
تعالیٰ انکو ضائع نہیں کرتا۔ ۵۳
استقامت کا نتیجہ ۷۶
دل کی استقامت کے لیے استغفار
پڑھنا چاہیئے ۱۸۳

استقاط
میت کے لیے اسقاط بدعت ہے ۱۶، ۷

اسلام نیز دیکھئے مسلمان
حقیقت
اسلام کی حقیقت اور لُبّ لباب
۳۱۱، ۶۵۷، ۶۶۳
اسلام کی اصل جڑ توحید ہے ۹۸

خصوصیات
ایک زندہ مذہب ۱۱۸
دوسرے مذاہب سے مابہ الامتیاز
۱۲۱، ۶۳۳
ایک وسطی راہ جو افراط و تفریط سے
پاک ہے ۶۲۷

دُنیا کی حقیقی راحت اور اُخروی نجات اسی دین سے وابستہ ہے ۶۵۲
اسلام پر خدا تعالیٰ کا خاص فضل ۶۵۷
صدق و صفا، تقویٰ و طہارت اسلام کے برکات تھے ۵۴۶
اسلام میں فرقان ہے اور تازہ بتازہ نشانات ہیں ۵۸۸
تائید و تجدید کے لیے ہر صدی کے سر پر مجدد آنے کا شرف ۵۵۱
ایسا دین نہیں جس کے کمالات پیچھے رہ گئے ہیں ۶۳۳
تلوار کے ذریعہ سے نہیں پھیلا ۱۹۹
پہلے اسلامی بادشاہ مصائب کے وقت راتوں کو اُٹھ کر دُعائیں کیا کرتے تھے۔ ۸۱، ۸۳

تعلیمات

اسلام کی تعلیمات عقل سلیم اور فطرت سلیم کے خلاف نہیں ۶۵۷
متوازن تعلیم ۸۲
اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور ۴۲۵
اسلام کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ۱۲۰
اسلام کا قدوس اور قادر خدا ۳۸۶
دین اسلام کے پانچ مجاہدات ۳۲۲
مختلف قسم کی پابندیاں ۶۱۴
سلسلہ مکالمہ و مخاطبہ اسلام کی رُوح ہے۔ ۵۵۶
اگر اسلام میں وحی و الہام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مرگیا ۶۶۷، ۶۹۴
رضاء بالقضاء کی تعلیم ۶۶۲
کلمہ طیبہ پڑھ لینا کافی نہیں اسکے مطابق عمل اور ایمانی حالت ہونی چاہیئے۔ ۸۸
تحویل قبلہ کی حقیقت ۴۶۹
جہاد کی حقیقت ۵۸۷
تمام جنگیں دفاعی اور خود حفاظتی کے لیے تھیں۔ ۵۰۲
جنگوں میں لونڈیاں بنانے کے اعتراض کا جواب ۴۶۹
مُثلہ کی ممانعت ۵۰۲
عورت کے لیے ولی کی ضرورت ۵۰۴
عورت کو ورثہ میں مرد سے نصف حصہ ملنے کی حکمت ۵۰۴
پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کے واسطے بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غض بصر کا۔ ۶۱۴
تعدد ازدواج ۴۶۳
اسلام میں رہبانیت نہیں ۱۶۲
اسلام میں چھوت چھات کا نہ ہونا اس کے قوی ہونے کی دلیل ہے ۶۲۷

مصائب اسلام

سکھوں کے عہد میں اسلام کیلئے صدمات ۱۲۴
اسلام کی حالتِ زار ۱۶۵
عیسائیوں اور آریوں کے حملے ۵۷۶
اندرونی اور بیرونی حملے اور ایک حامی کی ضرورت ۵۷، ۳۴۲، ۳۴۵، ۵۵۲، ۵۸۶، ۶۳۱، ۶۴۷
جب سے اسلام کے اندر پھوٹ پڑی ہے دم بدم تنزل کرتا جاتا ہے۔ ۵۷۷، ۶۳۱
موجود فرقوں کی حیثیت ۶۳۵
صرف زبان سے اسلام اسلام کہنے سے کچھ نہیں بنتا ۲۷۸
غالی شیعوں کا اسلام ۴۴۸
سلطنت عثمانیہ کے زوال کی وجہ ۶۴
مصائب اسلامی کا خدا تعالیٰ کی طرف سے علاج ۲۵، ۱۲۴

مستقبل

اسلام کیلئے موسم بہار کی آمد ۱۶۵
اسلام کی فتح کی راہ انہی راہوں سے ترقی کریگا جن راہوں سے پہلے ترقی کی تھی ۶۷۰
اسلام کی فتح صرف دُعا سے ہوگی ۵۷
ابنائے فارس میں سے ایک شخص دین اسلام کو زندہ کریگا (حدیث) ۵۵۳
اس وقت اسلام کی زندگی ثابت کرنے کے لیے مامور کی ضرورت ہے ۶۸۵
یورپ و امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک جامع کتاب کی ضرورت ۱۵۰
مسیح کی وفات میں اسلام کی زندگی اور صلیبی مذہب کی موت ہے۔ ۳۹۶، ۵۴۸، ۶۹۴
یسوع کی آمد سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ۵۷

اسم اعظم

اسم اعظم اللہ ہے ۱۹۳

اصلاح

اصلاح کے ذرائع ۱۰۲
انسان کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے ۶۲۸

اعتکاف

اعتکاف میں سخت ضرورت کے وقت اپنے دنیوی کاروبار کے متعلق بات کرسکتا ہے۔ ۱۵۳

افتراء

افتراء اور تقوّل بڑا گناہ ہے ۵۸۵
مفتری کامیاب نہیں ہوتا ۶۷۰

اِلحاد

بناوٹی فقیروں کی باتوں پر یقین کرنا اِلحاد ہے ۱۴

اللہ تعالیٰ

ہستی باری تعالیٰ

اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور ۴۲۵
اسلام کے نزدیک ہستی باری تعالےٰ کا ثبوت ۱۲۰
اللہ تعالیٰ کو شناخت کرنے کا طریق ۵۹۱

خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت اور خدا شناسی کا ذریعہ ۶۳۴
اللہ تعالیٰ کا دُنیا میں ظہور انبیاء کے ذریعہ ہوتا ہے ۴۹۹، ۵۸۸، ۶۲۰
ایک در پردہ ذات جو قہری نشانات سے اپنے وجود کو ظاہر کرتی ہے ۵۳، ۸۱، ۶۲۰
اس زمانہ میں بڑی ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کیا جاتے ۴۸۷، ۵۳۰
اللہ تعالیٰ کے وجود پر یقین کامل انسان میں معجزہ نما تبدیلی پیدا کرتا ہے ۱۲۰
آریوں کے نزدیک خدا کی ہستی کی کوئی دلیل نہیں ۱۱۹
اللہ تعالیٰ کو پانے کے لیے استقامت شرط ہے۔ ۴۳

صفات باری تعالیٰ

رب العالمین ۶۲۱، ۶۴۰
رب العالمین ہونے کی وجہ سے اللہ نے ہر زمانہ اور ہر قوم میں مصلح بھیجے ہیں۔ ۵۱۹، ۶۱۹
صفت رحم ۶۷۹
صفت رحمانیت ۶۴۰
صفت رحیمیت پر اعتراض کا جواب ۲۲۵
اللہ تعالیٰ کی رحمت غالب ہے ۷۹
صفات رحمٰن و رحیم میں فرق ۶۴۰
رحیم و کریم ۷۶
غفور و رحیم ۴۳، ۶۰، ۱۸۴
آریہ اللہ کی صفات غفور اور رحیم کے منکر ہیں ۳۸۹، ۴۴۸
مالک یوم الدین ۶۷۳
قدوسیت ۶۷۲
اسلام کا قدوس اور قادر خدا ۳۸۶
قدوسیت کا تقاضا ۵۹۷
تواب ۶۰۸
خدا انسان کی توبہ سے بڑھکر توبہ کرتا ہے۔ ۶۰۸
ستار ۶۰۸
غنی ۹۶، ۵۰۸، ۵۶۸
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی حقیقت ۲۰۴
خیر الماکرین ۴۴۳
حاضر و ناظر ۴۹۱
اللہ تعالیٰ کا نام غیب بھی ہے ۳۶۶
اللہ کے غضب کی حقیقت ۳۸۸
محدود نہیں ۶۷۱
اللہ کی صفت تکلم معطل نہیں ہوئی ۵۴۲، ۵۶۶، ۶۵۵
اللہ تعالیٰ کے کلام کا امتیاز ۵۹۱
کلام اللہ میں استعارات ۳۱۴
بکتہ نواز بھی ہے اور نکتہ گیر بھی ۱۴۰، ۶۱۲، ۶۶۰
دوائیوں کا راز اور شفا دینا خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۱۵۶، ۴۳۷
خدا کے عرش کو چار فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے ۳۸۱
اس کی وحدت اس بات کو چاہتی ہے کہ کسی وقت سب کو فنا کردے ۱۵۲
اللہ تعالیٰ کی لا انتہا قدرتوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ۱۶

تعلق باللہ

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر مقدم کرو ۶۰۲
اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اصل مقصد ہونا چاہیئے ۷۷
اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے بڑی نعمت ہے ۱۰۶
خدا کی رضامندی کی راہیں ۲۴۶
کم ہیں جن کو دیدار ہوتا ہو اکثر گفتار سے ہی تسلی پاتے ہیں ۵۹۱
خدا کی طرف آنے والا کبھی ضائع نہیں ہوتا ۵۴۹
انسان کو اپنی صفات میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ ۶۷۹
اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا تعلق فطرتی ہے ۱۶۳
اپنے خاص بندوں سے تعلق کی کیفیت ۶۷۱
اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوست والا معاملہ چاہیئے کبھی اس کی مان لی کبھی اپنی منوالی ۲۸۷
خدا تعالیٰ کو آزمانا نہیں چاہیئے ۷
خدا تعالیٰ کے کسی فعل پر شرح صدر نہ رکھنا ایک مخفی اعتراض اور گستاخی ہے ۱۹۸
انشاء اللہ کہنے کی اہمیت ۶۳۱
اللہ تعالیٰ کی اولاد سے مراد ۳۵۶

الہام نیز دیکھئے وحی

اگر اسلام میں وحی والہام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مر گیا ۶۹۴
کشوف والہامات کی تین اقسام ۳۶۵
بعض دفعہ کلام فرشتہ کے ذریعہ سے نازل ہوتا ہے ۳۶۲
اللہ تعالیٰ بعض دفعہ بذریعہ الہام مناسب حال دوائی اور علاج بتلا دیتا ہے۔ ۵۴
خدا کا کلام ہمیشہ ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا ہے۔ ۵۴۲
وحی والہام میں فترت اور وقفہ ۳۷۰
الہام جفنی ۵۱۲
بعض دفعہ الہام ایسی سرعت کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ پرندہ پاس سے نکل جاتا ہے ۱۵۱
الہام بھول جانے میں بھی حکمت الٰہی ہوتی ہے ۳۶۱
موسیٰ کی والدہ کو الہام ۵۶۵
سچے الہام کی علامات ۲۶
سچے الہام کے تین گواہ ۳۶۶
خدائی کلام کی صفات ۵۹۱
ملہم کی علامات ۵۹۲

انبیاء اور عام لوگوں کے الہامات میں مابہ الامتیاز ۴۶۶
سچے الہام کے ساتھ فعلی شہادت ضروری ہے ۲۰۴
جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مُہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتا ۳۶۴
الہام کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ ۱۴۱، ۱۴۲
بندہ کی الہام میں فضیلت نہیں بلکہ اعمالِ صالحہ میں فضیلت ہے ۳۲
اپنے خوابوں اور الہامات پر ناز نہ کرو ۴۲۱
ہماری جماعت میں جو لوگ الہام کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے بارہ میں جنون کا اندیشہ ہی رہتا ہے ۳۴۷
جھوٹا مدعی الہام جلدی پکڑا جاتا ہے ۱۶۶
تقوّل علی اللہ کرنے والے کو اللہ ہلاک کرتا ہے۔ ۴۶۸
مخالف ملہمین کے واسطے فیصلہ کی آسان راہ ۲۳
الہام کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام عبدالقادر رکھا گیا ۱۵۹
آپ کو انگریزی زبان میں بھی الہام ہوتے حالانکہ آپ انگریزی سے بالکل ناآشنا ہیں ۵۱۸
میرے الہامات میں جہنم سے اکثر جگہ طاعون مراد ہے (مسیح موعود) ۲۰۲
مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے لیے دیکھئے اسماء میں غلام احمد قادیانی مرزا

امام

ائمہ کے خلاف سخت کلامی بہت نامناسب امر ہے ۵۰

امامت

نماز میں امام کی ضروری صفات ۲۲۴

اُمّت

بعض امور میں مخاطب نبی ہوتا ہے مگر سبق اُمّت کو دینا منظور ہوتا ہے ۱۹۸
اُمّت میں سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا ہمیشہ جاری رہنا تمام اکابر کو مسلّم ہے ۲۷، ۶۳۳
اُمّت کا ہمہ وقت آنحضرت پر درود بھیجنے کی خصوصیت ۲۰۵
اُمّت کی مثال عورت سے اور اس کی حکمت ۴۶۱
اُمّت کا اختلاف رحمت ہے ۵۴۰، ۵۴۱
آخری زمانہ میں اُمّت کا بگاڑ ۶۶۶
اُمّتی کی تعریف ۲۷
امتِ محمدیہ میں ایک امام کی ضرورت ۳۵
سورۃ نُور کے وعدہ کے موافق جو آئیگا اُمّت میں سے آئیگا ۶۶۸
امتِ محمدیہ میں آخری زمانہ میں ایک خلیفہ کے آنے کا وعدہ ۵۵۳
آنحضرت کے فیض سے اُمّت میں مسیح موعود کا ظہور ۲۰۵، ۶۶۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت میں صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے۔ ۲۷

انجیل

موجودہ انجیل عیسٰی کی اصل انجیل نہیں ہے۔ ۳۸۸
اس میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا ۱۰۲
نامکمل اخلاقی تعلیم ۶۵۲
ناقابلِ یقین معجزات کا ذکر ۶۳۴
اناجیل کی رو سے دُنیا کی عمر ۱۵۲
حضرت عیسٰی کے متعلق بطور الزامی جواب جو کچھ لکھا گیا ہے وہ انجیل میں موجود ہے ۳۵۴

انسان

پیدائش کی اصل غرض ۴۰۲
اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی صفات میں رنگین کرنا چاہتا ہے ۶۷۹
خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا فطرتی تعلق ہے ۱۶۳
انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے ۱۳۳
اللہ تعالیٰ نے انسان میں گناہ سوز قوت رکھی ہے ۴۲۲
انسان میں احتفاظ کا ملکہ ۴۸۶
ذوالاختیار بنایا گیا ہے ۶۲۴
اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے طاقتوں کا ایک خزانہ رکھا ہے لیکن وہ کسل کیساتھ اپنی طاقت ضائع کرتا ہے ۱۶۳
انسانی ترقی کے دو طریق تکالیف شرعیہ اور تکالیفِ قضاء وقدر ۶۶۲
انسان کا کمال یہ ہے کہ دنیوی کاروبار میں مصروف رہ کر بھی اللہ کو نہ بھولے ۱۶۲
اگر ارذل مخلوقات کے صفات حسنہ بھی انسان میں نہ پائے جائیں تو پھر وہ کس خوبی کے لائق ہے؟ ۳۳۴
قوائے خواہ رُوحانی ہوں یا جسمانی۔ اگر ان سے کام نہ لیا جائے تو وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ ۱۶۳
نفس انسانی کے تین مراتب ۴۱۰، ۴۵۳
انسانی ترقیات کی آخری حد نفسِ مطمئنہ کا حصول ہے ۶۵۰
مسئلہ ارتقاء ۶۷۵
آدم سے پہلے بھی نسلِ انسانی موجود تھی ۶۷۵
انسانی زندگی پر اجرامِ فلکی کے اثرات ۶۷۷
انسان کے رہنے اور مرنے کے واسطے یہی زمین ہے ۱۵۳

انصاف

انصاف کرنے والے کو روشن ضمیری عطاء کی جاتی ہے ۵۳۱، ۶۴۵

انکساری

انکساری سے کام لینے والے ضائع

نہیں ہوتے ۲۱۶

انگریز

انگریزی حکومت میں مذہبی آزادی اور امن ۱۰۹، ۱۱۴، ۶۴۳

پنجاب کے مسلمانوں کے لیے انگریزوں کا وجود ایک نعمت ہے ۶۸۱

انصاف پسندی ۳۹۱

بہادر شاہ ظفر سے سلوک ۱۸۱

ضالین عیسائی پادری ہیں انگریز نہیں ۳۹۳

ان کے ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ وہ ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں ۴۱۶

انگریزوں کے علم دوست ہونے کی نفی ۵۴۱

اولاد

اولاد کو خدا پر مقدم نہ رکھو ۴۱۹، ۶۰۳

اولاد کا فتنہ ۴۱۵، ۴۱۹

اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی بچوں خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعث رحمت بن جاؤ ۴۵۶

ایمان

ایمان اور عرفان کا فرق ۵۲۴

سچے اور حقیقی ایمان کی دلیل ۶۵۸

ایمان کے آثار ۵۹۵

ایمان کا کمال تخلق باخلاق اللہ ہے ۶۰۸

اخلاص اور محبت شعبۂ ایمان ہے جہاں قوت ایمانی ہو وہاں معاصی ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ ۵۳۵

کامل درجہ کا گناہ سوز ایمان اخلاق فاضلہ سے نہیں بلکہ تازہ نشانات سے حاصل ہوتا ہے ۶۸۵

ایمان کے دو مراتب ۵۶۱

ایمان اور عمل کا تعلق ۶۴۸

ایمانی طاقت علم سے پیدا ہوتی ہے ۱۶۶

ابتلا سے ایمان کی شرط ہے ۱۵۸، ۴۴۴

زندہ ایمان ہی اعمال کی تحریک کرتا ہے۔ ۶۵۶

خشیتِ الٰہی ایمان سے پیدا ہوتی ہے ۱۷۵

مومن حقیقی ۵۷۲

اتقوا فراسة المومن (حدیث) ۳۲۳

مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ صرف صبر کرنے والا نہ ہو بلکہ مصیبت پر راضی ہو۔ ۴۱۸

مومن کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے قضاء قدر کیساتھ شکوہ نہ کرے اور رضا بالقضاء پر عمل کرنا سیکھے ۲۸۹

مومن بات کرے تو پوری کرے ورنہ چُپ رہے۔ ۴۴۹

مومن کے مومن پر حقوق ۴۰۸

مومن کبھی ضائع نہیں ہوتا ۳۰۷

عوام میں مشہور ایمان کی علامات ۴۳۲

اس زمانہ میں اللہ پر زندہ ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ۵۸۹

اگر ایمان ثریا پر بھی چڑھ گیا ہو تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے واپس دُنیا میں لے آئے گا۔ (حدیث) ۸۰، ۵۵۳

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ آخری زمانہ کے فتنوں سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے نہیں اگر پہاڑوں پر جانا پڑے تو جاؤ ۵۲۶

ب

بدظنی

سارے گناہوں کی جڑ ۴۰

دوزخ میں دو تہائی لوگ بدظنی کی وجہ سے داخل ہونگے (حدیث) ۳۳

اللہ تعالیٰ پر بدظنی کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے ۴۱۲

بدی

بدیوں کو دُور کرنے کے لیے مرسلین کا آنا ضروری ہے ۹۹

بدیوں کو دُور کرنے کے لیے دُعا کی ضرورت ۱۰۶

ترکِ بدی قابل فخر بات نہیں ۴۰

بخل

بخیل اگر جنگل کے دریاؤں جتنی عبادت بھی کرے وہ جنت میں نہیں جائیگا۔ (حدیث) ۶۰۳

بغض

باہم بغض سے پرہیز کی تلقین ۱۷۰

بلا

نزولِ بلا عموماً رات کے وقت اور مغرب کے بعد تاریکی پھیلنے کے وقت ہوتا ہے ۱۹۸

ردِّ بلا کے ذرائع ۶۳۰

بیعت

بیعت کی حقیقت ۶۰۵

بیعت کی حقیقت پر چلو ۴۵۷

صدق و اخلاص کے ساتھ بیعت کرنے سے پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں ۲۷۱

زبانی بیعت کافی نہیں ۹۶، ۴۵۳

تمہاری بیعت کا اقرار اگر زبان تک محدود رہا تو یہ بیعت کچھ فائدہ نہ دیگی۔ ۲۷۲

مشروط بیعت قابلِ قبول نہیں ۹۸

بیعت کے بعد انسان کے لیے ضروری امور ۲۴۷

بیعت کے بعد اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں ۲۸۳

تجدید بیعت ۷۸

لدھیانہ کی بیعت میں چالیس آدمی تھے ۲۰۴

بیمۂ زندگی

لائف انشورنس ۴۶۳، ۵۰۶

پ

پارسی

حضرت عمرؓ اور علیؓ نے پارسیوں کو اہلِ کتاب کا درجہ دیا تھا ۳۳۸

پردہ

پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غضِ بصر کا ۶۱۴

پیشگوئی

پیشگوئی بڑا معجزہ ہے ۶۳

انبیاء اور عام آدمی کی خوابوں کا امتیازی معیار پیشگوئی ہے ۴۶۷

پیشگوئیوں میں اخفاء اور متشابہات کا ہونا ضروری ہے ۲۱۷

متشابہات قسم کی پیشگوئیاں ۵۲۳

مشروط پیشگوئی ۵۲۳

وعید کی پیشگوئیاں ٹل سکتی ہیں ۲۱۲، ۶۳۰

غیر مشروط اور قطعی پیشگوئی بھی توبہ و استغفار سے ٹل جاتی ہے ۵۲۳

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

سورۃ فاتحہ میں ایک پیشگوئی ۳۸۸

آخری زمانہ میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی ۵۵۱

ذوالقرنینؑ کے واقعہ میں عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں ۴۰۶

قرآن کریم میں آخری زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں ۱۲۶

قرآن کریم اور احادیث کے مطابق اونٹنیوں کا بیکار ہونا ۲۷۷، ۵۵۳

قرآن کریم کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود کے وقت میں زلزلوں کا وقوع ۳۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں

ابوجہل کے مسلمان ہونے کی پیشگوئی کا بظاہر پورا نہ ہونا ۵۲۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسریٰ کے طلائی کڑے ایک صحابی کو پہناتے جانے کی پیشگوئی اور اس کا پورا ہونا ۳۲

نارِ مشرق کے متعلق آنحضرتؐ کی پیشگوئی کا ظہور ۶۳

خانہ کعبہ کو ظالم حاکموں سے پاک کرنے کے بارہ میں پیشگوئی ۵۳۴

یاجوج ماجوج کی طرف سے آسمان کی طرف تیر چلانے والی پیشگوئی پورا ہونے کے آثار ۳۵۵

حدیث میں مذکور کسوف وخسوف کی پیشگوئی کی شرائط ۴۹۵

مسیح موعودؑ کے دو زرد چادروں میں آنے کی پیشگوئی اور اسکا مطلب ۳۲

مسیح موعودؑ کے لیے نماز میں جمع کئے جانے کی پیشگوئی ۳۲

مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں

آریہ مت کے ایک سو سال کے اندر نابود ہونے کی پیشگوئی ۶۰

ابھی اس زمانہ کے لوگ زندہ ہونگے جو یہ (آریہ) تباہ ہو جائینگے ۲۸۵

دُنیا اپنی موجودہ حالت پر نہیں رہیگی بلکہ اس میں ایک عظیم الشان تغیر اور انقلاب واقع ہوگا ۵۲۱

ایک سخت وبا پھیلے گی جس کا کوئی نام بھی نہیں رکھ سکتے ۴۰۴

کابل میں پچاسی ہزار انسانوں کی ہلاکت کی خبر ۳۰۱

ایک شدید زلزلہ اور آفات سماوی وارضی آنے کی خبر ۴۰، ۲۴۱، ۴۰۳

زلزلہ کے دن قریب آتے جاتے ہیں۔ ۱۸۳

زلزلہ کی پیشگوئی پر مشتمل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم ۱۵

براہین احمدیہ میں مذکور پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۱۲۸، ۳۷۴، ۳۷۵

"پھر بہار آئی تو آتے ثلج کے آنے کے دن" اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے مختلف پہلو ۱۸۹

زلازل اور طاعون کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۵۶۷

مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق پیشگوئیوں کا ظہور ۴۲۸، ۴۹۲

طاعون کے بارے میں گیارہ سال قبل پیشگوئی کی گئی تھی ۲۶۲

ایک پیشگوئی کا پورا ہونا ۱۶۱

مخالفین آتھم اور احمد بیگ کے متعلق پیشگوئیوں پر تو اعتراض کرتے ہیں باقی پیشگوئیاں چھوڑ دیتے ہیں ۲۱۲

لیکھرام کی نسبت پیشگوئی جلالی اور آتھم کی نسبت پیشگوئی جمالی رنگ کی تھی ۲۵۸

لیکھرام کی پیشگوئی غلط ثابت ہوئی اور اس کے متعلق حضور کی پیشگوئی پوری شان سے پوری ہوئی ۵۵۸

مرزا احمد بیگ کے متعلق پیشگوئی پر اعتراض کا جواب ۵۲۲

ت

تبلیغ

آنحضرت نے باوجود ضعف کے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے ۴۴۰

تحریری تبلیغ زبانی تبلیغ سے زیادہ موثر ہے ۵۷۸

یورپ وامریکہ میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک جامع کتاب کی ضرورت ۱۵۰

سلسلہ کی تبلیغ کے لیے کبر و نخوت سے پاک قناعت شعار افراد کی ضرورت ۶۸۲
تبلیغ میں طرز گفتگو کی اہمیت ۴۴۱
مومن کو تبلیغ دین میں حفظ مراتب کا خیال رکھنا چاہیئے ۵۲۶
امراء کو تبلیغ کا طریق ۵۳۰
ہماری جماعت کو چاہیئے کہ ہر طبقہ کے انسانوں کو مناسب حال دعوت کرنے کا طریقہ سیکھے
ہمیں چھبیس سال ہو گئے تبلیغ کرتے اور جہاں تک ممکن تھا ہم ساری تبلیغ کر چکے ۵۴۸
دنیا میں کوئی کم ہی ہوگا جو اب بھی کہدے کہ اس کو ہماری تبلیغ نہیں پہنچی ۵۹۰
ہندوستان میں تبلیغ کی ضرورت ۶۸۲
تجدید نیز دیکھئے عنوان مجدد
تجدید کی حقیقت ۶۶۵
تراویح
سنت سے آٹھ رکعت ہی ثابت ہے ۴۳۶
تزکیہ نفس
تزکیہ نفس کی حقیقت ۴۰۷، ۶۷۹
تزکیہ نفس کا طریق ۳۳۵
حقیقی پاکیزگی اور طہارت ملتی ہے
اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۶۴
اس کے نتیجہ میں قرآن کریم کا فہم عطاء ہوتا ہے ۳۴۴
نجات تزکیہ نفس پر موقوف ہے۔ ۵۷۳، ۶۳۵
تزکیہ نفس کل اخلاق رذیلہ کو ترک کرنا ہے۔ ۲۱۶
جماعت کو تزکیہ اخلاق کی تلقین ۳۲۶
پاکیزگی کے مراحل بہت دور ہیں ۵۶۳
◎
تسبیح
تسبیح تسبیح کا استعمال ۱۳
تصوف
سلوک کی دو منزلیں ۳۸
ابدال، قطب اور غوث کا مقام ۹۰
وحدت شہود کا مسئلہ زیادہ دوست ہے۔ ۴۸۹
سب صوفی اس بات کے قائل ہیں کہ وحی کا سلسلہ بند نہیں ہوتا بلکہ ظلی طور پر انسان نبی بن سکتا ہے۔ ۳۴۱
سید عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ انسان پر ایک زمانہ آتا ہے جب اس کا نام عبدالقادر رکھا جاتا ہے ۱۵۹
صوفیاء کا قول ہے کہ ابتلاء کے وقت صالح قدم آگے بڑھاتا ہے اور فاسق قدم پیچھے ہٹاتا ہے ۴۱۶
طریقہ نبوی سے باہر ریاضتیں کسی کام نہیں آئیں گی۔ ۴۳۱
چلے اور ورد و وظائف جو رائج کئے گئے ہیں بدعت ہیں ۸۳، ۴۳۲
"فتوحات" کے لیے وظائف پڑھنا شرک ہے۔ ۸۴
ذکر آرہ وغیرہ ۸۲
دنیوی کاموں سے گھبرا کر گوشہ نشینی قابل تعریف نہیں ۱۶۲
صوفیاء کی غلط اور پیچیدہ اصطلاحیں ۳۶۱
آجکل کے فقراء کا حال ۲۴۵
شَرُّ الْفُقَرَاءِ مَنْ هُوَ عَلٰى بَابِ الْاُمَرَاءِ ۴۷۵
ایک صوفی کا واقعہ ۵۱
تعبیر نیز دیکھئے خواب۔ رؤیا
اکثر ایک عزیز کے متعلق خواب دوسرے کے لیے پوری ہو جاتی ہے ۱۵۸
خواب میں باپ سے بیٹا اور بیٹے سے باپ مراد ہو سکتا ہے۔ ۲۹۰
آیت ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا کی تعبیر ۴۳۰
زرد رنگ کی تعبیر بیماری ہوتی ہے ۳۳
مُردوں کے قبروں سے نکل کر شہر میں آنے کی تعبیر ۴۵۲
بادل کی تعبیر ۲۲۴
حضرت مرزا جان جاناں کا ایک خواب کی تعبیر بیان فرمانا ۴۵۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک خواب کی تعبیر ۲۵
الہام "ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہیں رہیگا" کی تشریح ۱۵۶
تعدد ازدواج
نیت صحیح ہو اور تقویٰ کی خاطر ہو ۵۳۰
تعلیم و تدریس
دنیوی تعلیم کے ساتھ پہلے دن سے ہی دینی تعلیم کی ضرورت ۶۳۷
دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم نہ دینے کے نقصانات ۶۴۷
پادریوں یا آریوں کے سکولوں میں اپنی اولاد کو بھیجنا اور پھر اس بات کا طلبگار رہنا کہ وہ سچے مسلمان ہوں محال ہے ۶۴۸
خواتین کی تعلیم کے لیے ایک سکول کا کھولا جانا ۶۳۷
تعویذ
تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں ۵۰۵
تقدیر
تقدیر معلق اور تقدیر مبرم ۲۸۹
تقویٰ
تقویٰ کی دو قسمیں ۱۳۰
اہمیت ۶۰۶
مذہب کی جڑ تقویٰ اور خدا ترسی ہے ۷۰
اصل کیمیا تقویٰ ہے ۴۷۷

خوفِ الٰہی کے بغیر حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا ۲۸۰
قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے ۶۷
تقویٰ کی تاثیرات ۲۰۱
دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے ۱۸
رُوحانی علوم کے حصول کیلئے تقویٰ شرط ہے۔ ۱۲۱
صفائی دین تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے ۳۹۸
متقی کو رزق کریم دیا جاتا ہے ۴۷۷
متقی کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا ۲۰۱
متقی کے ابتدائی مدارج ۱۲۲
حضرت علیؓ کا تقویٰ کی باریک راہوں پر عمل ۶۰۹
قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے ۶۷

تکبر
بڑا گناہ ہے ۲۱۶
شیطان کا گناہ تکبر تھا ۴۴
متکبر کبھی نیک انجام نہیں پا سکتا ۲۴
اس قبیح خصلت سے ہمیشہ پناہ مانگو ۵۴۸

تلاوت
قرآنِ کریم کی تلاوت کے آداب ۱۵۷

تواضع ۲۲۰
(نیز دیکھئے انکساری)

توبہ
توبہ کی حقیقت ۶۰، ۴۰۹، ۶۰۸
ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا متفقہ مسئلہ ۴۰۴
توبہ گناہ کا تریاق ہے ۴۳، ۴۴
وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے ۴۳۱
توبہ و صدقہ سے بلا ٹل جاتی ہے ۱۷۶
غیر مشروط اور قطعی پیشگوئی بھی توبہ سے ٹل جاتی ہے ۵۲۳
اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ (حدیث) ۴۴
اللہ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو توبہ کرتا ہے (حدیث) ۶۰۶
خدا انسان کی توبہ سے بڑھکر توبہ کرتا ہے۔ ۶۰۸
سچے دل اور صادق نیت سے ہونی چاہیئے۔ ۴۴
قبل اس کے کہ کوئی مصیبت اچانک آپڑے توبہ و استغفار میں مشغول ہونا چاہیئے۔ ۴۹۳
جب خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے ۱۰۲
توبہ ٹوٹنے کا علاج ۱۴۰

توحید
توحید کی حقیقت ۹۱، ۶۱۳
اسلام کی اصل جڑ توحید ہے ۹۸
سچی توحید آنحضرت پر ایمان لانے سے ہی مل سکتی ہے ۲۷
توحید کی برکت سے مسلمانوں میں فسق و فجور اور بے عزتی پیدا نہیں ہوئی۔ ۵۴۰
توحید کا عقیدہ رکھنے والے مذاہب ۵۵۸
برہمو اور آریہ بھی توحید کے قائل ہیں ۵۸۶
ہندوؤں کو ایک خدا کی پوجا کی تلقین ۶۸۷
مبارک زمانہ آگیا توحید کی ہوا چل رہی ہے۔ ۳۹۴
اللہ تعالیٰ کی توحید و تفرید کے لیے اپنے اندر جوش پیدا کرنے کی ضرورت ۴۸۶

تورات
استعاروں کا استعمال ۳۵۶
آدم کی جنت کی حدود کا بیان ۱۵۳
تورات میں سؤر خاص طور پر حرام کیا گیا ہے۔ ۳۹۵
تعلیمات میں افراط ۶۵۳
محرف مبدل ہونے کا ایک ثبوت ۳۳۸

توفّی
نیز دیکھئے عنوانات عیسیٰ اور وفاتِ مسیح
توفی کے معنی موت ۳۰، ۱۳۴، ۳۰۰
۴۵۱، ۵۷۹، ۵۹۹، ۶۳۲، ۶۹۲
باب تفعّل میں قبض روح کے معنی ہیں ۳۰۱
اور باب تفعیل میں پورا دینے کے ۳۰۱
کتب احادیث میں قریباً تین سو دفعہ یہ لفظ آیا ہے مگر کہیں بھی اس کے معنی آسمان پر اُٹھائے جانے کے نہیں ۶۹۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف کے لیے قرآن میں لفظ توفی کا استعمال ۵۴۶
امام بخاری نے مُتَوَفِّیْكَ کے معنی مُمِیْتُكَ کئے ہیں ۱۳۹

توکّل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت بلالؓ کو ایک نصیحت ۲۴۶
انسان کو کامیاب و بامراد بنا دیتا ہے ۵۴۳
توکل کرنیوالے کو اللہ رزق پہنچاتا ہے ۲۷۳
توکل کرنیوالے کبھی ضائع نہیں ہوتے ۲۴۸
جو توکل کرتا ہے اسے سودی کاروبار کی حاجت ہی نہیں پڑتی ۴۳۵

ج

جادو
انبیاء پر جادو کا اثر نہیں ہوتا ۳۴۸

جنازہ
اگر کسی احمدی کا کوئی جنازہ نہ پڑھے تو ۲۱۹

جنّت
جنت کی حقیقت ۶۴۸
بہشت کی چیزوں کی ماہیت ۳۷۳
جنت دائمی ہے اور جہنم غیر دائمی ۵۰۱، ۶۱۷
آدم جس بہشت سے نکالے گئے تھے وہ زمین پر ہی تھا ۱۵۳
صدق و اخلاص رکھنے والوں کے

لیے دو جنتیں ہیں ۴۱۱

جوانمردی

صداقت کا قبول کرنا بھی ایک جوانمردی ہے۔ ۶۱۶

جہاد

جہاد کی حقیقت ۵۸۷

دفاعی جنگ تھی ۲۲۳

جہاد میں جو فتوحات ہوئیں وہ سب اسلام کی صداقت کے واسطے نشان تھیں ۱۹۴

کفار کو زبردستی مسلمان بنانے کو جہاد قرار دینا قرآن و سنت کے مطابق نہیں ۳۶۲

مروجہ مسئلہ جہاد اسلام کو بدنام کرنے والا ہے۔ ۲۲۲

موجودہ زمانہ میں کسی دینی غرض سے جنگ نہیں کی جاتی اس لیے جہاد کیسا؟ ۵۰۳

اب زمانہ دلائل سے جہاد کرنے کا ہے ۴۳۰

جہنم

جہنم کی ابدیت لاانقطاع نہیں ۱۸۴، ۶۱۷

اصلاح ہو جانے پر جہنم سے رہائی ہو گی۔ ۶۱۷

يَأْتِي عَلَى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ (حدیث) ۴۲۸

ایک وقت آئیگا کہ سب اس سے نکل چکے ہونگے (حدیث) ۵۰۱

جہنم سے مراد طاعون ۴۲۸

چ

چکڑالوی ۶۷

حدیث کی تحقیر کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ۲۴۴

ایک غلط عقیدہ کا رد ۱۸۴

عربی زبان سے ناواقفیت ۱۶۶

ح

حج

حج کی حقیقت ۱۰۲، ۱۰۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حج کیلئے نہ جا سکنے کی وجوہات ۲۴۸

حج بدل کا جواز ۲۱۵

ترکوں کے عہد میں حاجیوں کی مشکلات ۵۳۳

حدیث

مقام حدیث

حدیث کا مقام اور اہمیت ۲۴۴

قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں ۲۳۲

جو شخص احادیث کو ردی کی طرح پھینک دیتا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ ۵۵۳

جب کوئی حدیث واقع ہو جاتے تو اسکے راویوں پر جرح فضول ہے ۴۲۹

احادیث میں استعارات کا کلام ۳۵۶

وہ جمع کرنے کا وقت تھا اور اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے ۳۴۹

جو حدیث قرآن کریم کے برخلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے برخلاف ہو اس کو ہم کب مانتے ہیں۔ ۳۴۹

جو حدیث قرآن شریف کے مخالف ہو وہ حدیث ہی نہیں خواہ وہ بخاری شریف میں ہو ۳۴۳

آنکھیں بند کر کے بخاری اور مسلم کو ماننا ہمارے مسلک کے برخلاف ہے ۳۴۸

بعض ناقابل قبول احادیث ۱۸۰

اس جلد میں مذکور احادیث

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ ۲۷۱، ۴۴

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ ۳۲۳

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اَقَامَ وَاعِظًا فِيْ قَلْبِهٖ ۵۹۰

اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ ۴۸۱

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ ۴۲۶

اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى ۴۱۹

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۴۲۲

اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ ۱۱۸

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ ۲۶۰

اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ۶۶۹

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۸۵، ۵۵۰

تُقْبَضُ لَهُ الْاَرْضُ ۱۳۶

ثُمَّ اسْتَيْقَظَ ۳۴۰، ۳۴۱

حَسَنَةٌ حَسَنٌ وَقَبِيْحَةٌ قَبِيْحٌ ۲۶۶

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ ۲۳۹

رُبَّ نَارٍ يَلْعَنُهَا الْقُرْاٰنُ ۱۵۷

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ ۶۳۷، ۶۴۷

قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ ۶۶۷

كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيٌّ اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُهٗ كَاهِنٌ ۴۵۹

لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهٖ ۵۷

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ ۵۷۸، ۶۳۶

لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ ۵۵۳

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ۲۱۳

لَيُنْزَعُنَّ الْخِلَافُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا ۱۲۶، ۲۷۷

۴۲۷، ۴۹۲، ۵۵۳

مَا اَرْسَلَ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَّا اَخْزٰى بِهٖ قَوْمًا لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۸۵

مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ ۳۷۳

مَا مِنْ دَاءٍ اِلَّا لَهٗ دَوَاءٌ ۲۷۸، ۵۰۰

مَنْ رَاٰنِيْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ ۱۲۶

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۸۹

مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ۵۰۴

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً ۴۰۶

مَنْ مَسَّ ابْنَ مَرْيَمَ يَكُوْنُ لَهٗ اَرْفَعُ قَدْرًا وَيُعْظَمُ مَسُّهٗ ۱۳۷

يَاْتِيْ عَلٰى جَهَنَّمَ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ وَنَسِيْمُ الصَّبَا تُحَرِّكُ اَبْوَابَهَا ۴۲۸، ۶۱۸

يَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ ۳۹۵

احادیث بالمعنی

اللہ تعالیٰ کے عرش کو چار فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔ ۳۸۱

خدا تعالیٰ تردد کرتا ہے ۳۱۴

مغفرت الٰہی کے بارہ میں ایک حدیث ۱۱

اگر انسان آہستہ آہستہ خدا کی طرف جائے تو اللہ تعالیٰ جلد جلد اس کی طرف آتا ہے ۸۴، ۴۰۶، ۶۰۸

اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا ۳۱۵

آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق حضرت عائشہؓ کا قول ۷۸

دُنیا کی عمر اگر ایک دن شمار ہو تو آنحضرتؐ کا زمانہ وقتِ عصر کا تھا۔ ۱۵۲

بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے ۴۰۳

ایک زمانہ آئیگا کہ قرآن شریف دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ ۵۵۲

جنت ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سُنی ۶۴۸

اگر بہشت کے متعلق عطاءً غیر مجذوذ کا لفظ نہ ہوتا تو بہشتیوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ۶۱۷

آنحضرتؐ کو بہشت میں فقیر زیادہ اور دوزخ میں عورتیں زیادہ نظر آئیں ۲۹

دوزخ میں دو تہائی لوگ بدظنی کی وجہ سے داخل ہونگے ۳۳

ایک وقت آئیگا کہ سب دوزخ سے نکل چکے ہونگے ۵۰۱

ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک مجدد کو بھیج دیتا ہے ۱۱۸

حدیثوں سے ثابت ہے کہ دجال گرجے سے نکلے گا۔ ۸۰

حدیث سے ثابت ہے کہ اگر تم دجال کو نہ مارو تب بھی وہ مر جائیگا ۴۸۷

حدیث میں ہے کہ آنے والا مسیح نبی بھی ہوگا اور اُمتی بھی ۲۷

مسند احمد بن حنبلؒ کے حاشیہ کی ایک حدیث مسیح موعود کے متعلق ۱۳۶

جیسے تسبیح کے دانے ٹوٹ پڑتے ہیں اسی طرح متواتر نشان ظاہر ہونگے ۱۵۹

صدی کیلئے رمضان میں کسوف وخسوف اور اسکی شرائط ۱۲۵، ۴۹۵

جب مسیح موعود آئیگا تو علماء زمانہ اس کی بہت مخالفت کرینگے ۲۷۶

جہانتک خُدا کے مسیح کی نظر پہنچ سکے گی کافر تباہ اور ہلاک ہوتے جائینگے ۲۹، ۴۰۵

طاعون مہدی کی علامت ۲۶۳

آخری زمانہ میں ذلیل لوگوں کے عزت پانے کی خبر کا پورا ہونا ۴۸۹

کتبِ احادیث میں تقریباً تین سو دفعہ لفظ توفّی آیا ہے ۶۹۲

مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ ۵۲۶

جو شخص بندے کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں بن سکتا ۲۲۲، ۶۴۴

جو اپنے بھائی کے عیب چھپاتا ہے خدا تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے ۶۰۹

بخیل اگر جنگل کے دریاؤں جتنی عبادت بھی کرے تو وہ جنت میں نہیں جائیگا ۶۰۳

خوش قسمت انسان وہ ہے جو نیک اعمال کر کے مرے ۲۵۹

سب مُردے ہیں مگر جس کو خدا زندہ کرے اور سب گمراہ ہیں مگر جس کو خدا ہدایت دے اور سب اندھے ہیں مگر جس کو خدا بینا کرے ۴۰۰

اللہ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو توبہ کرتا ہے۔ ۶۰۶

جلدی توبہ کرو کہ انسان کے گرد چیونٹیوں سے بڑھکر بلائیں ہیں ۶۳۸

بچّہ کے کان میں اذان دینا ۱۸۴

سیّد کیلئے زکوٰۃ منع ہے ۲۶۲

تمہارا حاکم بد ہو تو وہ بد نہیں بلکہ تم بد ہو ۳۹۳، ۵۰۴

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو عورت کو خاوند کا سجدہ کرنے کا حکم ہوتا ۴۷

کوئی بیماری نہیں جس کی دوا نہ ہو ۳۱۳

اگر کھانے پینے میں کمی پڑے تو اسکا دوسرا پہر بھی ڈبو کر نکالنا چاہیئے۔ ۴۴
حدیثوں سے ثابت ہے کہ نزول بلاء عموماً رات کے وقت اور بعد مغرب ہوتا ہے۔ ۱۹۸

حق

حقوق اللہ اور حقوق العباد ۱۸۰، ۵۷۲، ۵۹۳
حقوق العباد کی ادائیگی کے تین مراتب ۶۶۳
سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان دوسرے کی بیوی پر بد نظری نہ کرے ۴۰۲
والدین اور ساس سسر کے حقوق ۱۸۰
بڑا حق برادری کا بھی ہے ۱۷۰

حقہ نوشی

یہ ایک نوچیز ہے اور اس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے ۱۵۹

حواری

ایمانی حالت ۱۰۰
صحابہ سے موازنہ ۲۹۵

حیوان

حیوانات میں تکلیف کا احساس ۶۷۴
حیوانات کی دوسری زندگی ۶۷۴
حیوانات کو آئندہ عالم میں دنیوی تکالیف کا بدلہ دیا جائے گا ۶۷۴

خ

خاتم النبیین نیز دیکھئے نبوت

معنی اور حقیقت ۵۶۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسرائیلی نبی آنے کا نتیجہ ۶۶۸

خلافت

جو شخص نبی یا رسول کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے اللہ سب سے پہلے اس کے دل میں حق ڈالتا ہے (صوفیاء) ۵۲۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلیفہ کیوں مقرر نہیں کیا۔ ۵۲۵
آدم کے خلیفہ بنائے جانے کی حکمت ۲۱۳
خلیفہ کے آنے کا مدعا ۵۶۰
قرآن کریم میں آخری زمانہ میں آخری خلیفہ آنے کی پیشگوئی ۵۵۱
قرآن میں خلیفہ کے آنے کی نفی موجود ہے اور احادیث میں قرب قیامت کے وقت آنے والے خلیفہ کا نام مسیح رکھا گیا ہے ۶۶۹
عیسیٰ سلسلہ موسوی کے خاتم الخلفاء تھے اور مسیح موعود سلسلہ محمدی کے خاتم الخلفاء ہیں۔ ۵۵۲
ہم خاتم الخلفاء ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ۵۵۳

خلق

اسلام قدامت نوعی کا قائل ہے نہ کہ قدامت شخصی کا ۸۷

خُلق مرادِ اخلاق

اخلاق فاضلہ کی حقیقت ۵۷۱
خدا تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنا ایمان کا کمال ہے۔ ۶۰۹
سچی تعلیم اور پاک ایمان کا اثر اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۵۰۱
اخلاقی معجزہ زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ ۵۰۱
دلوں کو فتح کرو اور دل اخلاق فاضلہ سے فتح ہوتے ہیں۔ ۶۱۰
اخلاق فاضلہ کے دو حصے حقوق اللہ اور حقوق العباد ۵۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تبدیلیٔ اخلاق ۲۰۵
بچہ کے کان میں اذان دینے کا اخلاق پر اثر پڑتا ہے ۱۸۴
مذہبی اختلاف کی بناء پر کسی سے بدخلقی سے پیش نہیں آنا چاہیئے ۴۱

خواب نیز دیکھئے زیر عنوان رؤیا

خواب موت کی بہن ہے ۳۴۱
اگر ممکن ہو تو خواب کو ظاہری رنگ میں پورا کیا جائے ۱۹۳
مامور رسول کے زمانہ میں لوگوں کو سچی خوابیں کثرت سے آتی ہیں ۳۱۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب کی بناء پر حج کے لیے سفر ۲۹۵
امام موسیٰ رضا کا خواب میں قید سے اپنی رہائی کی بشارت پانا ۴۹۳
حضرت امام موسیٰ رضا کو رہا کرنے کے لیے بادشاہ وقت کی خواب ۴۹۳
سچے خواب بطور ایک نمونہ فطرت انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں ۵۵۶
سچی خواب نیک و بد اور کافر و مسلم کو آسکتی ہے۔ ۴۶۶، ۵۵۵
سچی خوابوں سے غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ ۳۱۷
فرعون کو سچی خواب آتی تھی ۳۱۸
فرعون اور حضرت یوسف کے قید کے دو ساتھیوں کو جو کافر تھے سچی خوابیں آئیں۔ ۴۶۶
ابوجہل کو بھی سچی خوابیں آیا کرتی تھیں ۳۱۷
بدر کی جنگ سے پہلے ایک عورت کا خواب کہ بکرے ذبح ہو رہے ہیں ۳۱۸

خوش قسمتی

علم صحیح اور عقل سلیم خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں ۴۴۵

د

دابۃ الارض

طاعونی جراثیم مراد ہیں ۱۲۶، ۲۰۸

دجال

شیطان کے مظہر کو کہتے ہیں ۳۹۸

ظہور ۴۲۹
حدیثوں سے ثابت ہے کہ دجال گرجے سے نکلے گا۔ ۸۰
عیسائیت اور دجال ایک چیز ہیں ۵۷
دجال اور ضالین ہم معنی ہیں ۳۹۴
دجال اور یاجوج و ماجوج ایک ہیں ۴۲۷
دجال کے دو مظاہر پادری اور فلاسفر ۲۳۳
لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِہٖ (حدیث) اس سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں ہوگی۔ ۵۷
دجال کے زوال کا وقت آگیا ہے ۴۸۸
حدیث سے ثابت ہے کہ اگر تم دجال کو نہ بھی مارو تب بھی وہ مرہی جائیگا ۴۸۷
کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی آیا ہے؟ ۱۲۵
گھوڑی کو گدھے کے ساتھ ملانا دجل ہے۔ ۱۸۵

دُعا

مکّہ کی گلیوں میں آنحضرتؐ کی دُعاؤں کا اثر ۵۹
پانی نہ ملنے پر حضرت ہاجرہ کا دُعا کرنا ۴۹۹
پہلے اسلامی بادشاہ مصائب کے وقت راتوں کو اُٹھ کر دُعائیں کیا کرتے تھے۔ ۸۳

حقیقت واہمیت

دُعا کی حقیقت ۴۰۰
قرآن مجید کی ابتداء بھی دُعا سے ہے اور اختتام بھی دُعا پر ہے ۳۹۹
دُعا کی قوت ۳۶
آخری حیلہ دُعا ہے ۵۱
ہمیشہ ترساں ولرزاں دُعاؤں میں مصروف رہنا چاہیئے۔ ۵۶۷
بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کُنجی صرف دُعا ہی ہے۔ ۶۶۱
دُعا سے اَنہونے کام بھی ہوجاتے ہیں ۵۰۰
موجودہ زمانہ میں اسلام کی فتح صرف دُعا سے ہوگی۔ ۵۷
تسلّی اور ہدایت پانے کے لیے دُعا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۵۱۲
نفس امارہ سے رہائی کا ذریعہ دعا ہے ۵۷۲
دُعا کے نتیجہ میں معجزانہ شفا اور زندگی عطا ہوتی ہے ۵۳۷
ڈاکٹر اور طبیب تشخیص امراض کے وقت دُعا سے کام لیا کریں ۶۱۳
طبیب اپنے اپنے بیماروں کے واسطے دعا کیا کرے۔ ۵۳
دُعا کرنے والوں کو اللہ ضائع نہیں کرتا۔ ۱۰۷
اللہ تعالیٰ دُعا کرنے سے ناراض نہیں ہوتا۔ ۶

دُعا کے آداب وشرائط

دُعا کے اُصول ۵۰
لوازمات اور نتائج ۹۳، ۴۰۰
دُعا جامع کرنی چاہیئے ۱۸۸
دُعا صرف زبان سے نہیں ہوتی ۱۰۷
دل سے نکلی ہوئی دُعا ضائع نہیں جاتی۔ ۲۳۹
سچی تڑپ اور اضطراب کی ضرورت ۴۵۵
یاد رکھو کہ دُعائیں منظور نہیں ہونگی جب تک تم متقی نہ ہو ۱۳۰
دُعاؤں میں تھکنا نہیں چاہیئے ۱۰۶
اکیلے ہو کر دُعا کرو کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے ۶۶۱
دُعا کرنے والے اور کرانے والے کے درمیان قلبی تعلق ہونا ضروری ہے ۵۱
اصل دُعا دین ہی کی دُعا ہے ۱۳۲
اپنی حالت کی پاک تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دُعا کرتے رہنا چاہیئے ۴۵۶
آفاتِ سماوی کے وقت دُعا کی ضرورت ۱۸۲
کسی بزرگ کے لیے اپنی عمر لگنے کی دُعا کا جواز ۲۲۹
حدیث میں مذکور دُعاؤں کے صیغہ واحد کو صیغہ جمع میں بدلنا جائز ہے ۱۹۴
ذرا ذرا سی بات پر بددعا دینا اچھا نہیں۔ ۳۵۴

قبولیتِ دُعا

صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابتِ دُعا ہے ۲۰۶
قبولیت کا راز ۵۰۹
قبولیت دُعا کا ایک طریق ۱۸۲
دُعا کی قبولیت کے متعلق ایک نکتہ معرفت ۵۲
قبولیت کیلئے استقامت شرط ہے ۴۵
جب تک سینہ صاف نہ ہو دُعا قبول نہیں ہوتی۔ ۱۷۰
باپ کی دُعا اپنی اولاد کے لیے منظور ہوتی ہے ۲۶۲
ہر دُعا کو قبول کرنا خدا کی عادت نہیں ۴۶۴

نماز اور دُعا

نماز کا اصل مقصد دُعا ہے ۳۳۵
نماز اعلیٰ درجہ کی دُعا ہے ۹۳
سنت یہی ہے کہ دُعا نماز میں کی جاتی۔ ۴۵
نماز میں دین و دُنیا کے لیے بہت دُعا کرنی چاہیئے۔ خواہ اپنی زبان میں دعا کریں ۳۷۳
نماز میں ماثورہ دُعاؤں کے بعد اپنی زبان میں دُعائیں کرنی چاہئیں ۴۴، ۵۴، ۶۶۰
اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی ۵۵
نماز میں بآوازِ بلند اپنی زبان میں دُعائیں ۲۳۸

نماز کے بعد دُعا ۴۵، ۵۴۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دُعا

ہمارے سب مقاصد دعا سے حاصل ہونگے۔ ۳۶

ہر شخص جو ہماری جماعت میں داخل ہے ہم اسکے لیے دعا کرتے ہیں۔ ۴۴۳

تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں ہمارا کام تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا ہے۔ ۵۰۵

قبولیت دُعا حضور کی صداقت کی دلیل ۵۱۹

حضور کی اکثر دُعائیں قبول ہوئیں ۵

حضور کی دُعا کی قبولیت کے دو معجزات ۲۰۷

حضور کی دُعا کے نتیجہ میں حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن مدراسی کی معجزانہ شفایابی ۵۹

دُعا کے نتیجہ میں صاحبزادہ مبارک احمد کی شفا ۱۸۱

ہندوؤں کیلئے ایک پیاری پرارتھنا ۶۸۸

دُنیا

دُنیا کی عمر ۱۵۲

دُنیا پر ایک دور فنا کا بھی آئیگا ۱۵۲

بے ثباتیٔ دُنیا ۳۹، ۸۱

حبِ دنیا کو ہی ہم نکالنا چاہتے ہیں اور یہی سب سے مشکل کام ہے ۵۷

ترکِ دُنیا کی حقیقت ۸۰

دہریت

قدامت شخصی کا عقیدہ دہریت ہے ۸۷

بعثت نبوی کے وقت عربوں میں دہریت ۱۱۷، ۵۸۹

مسلمانوں میں دہریت ۴۳۹

اس زمانہ میں ہر فرقہ پر دہریت نے تسلط جمایا ہوا ہے ۶۵۶

۳ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دہریہ سے ہستی باری تعالیٰ کے بارہ میں گفتگو ۵۹۱

لاہور کے ایک دہریہ کا خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت پر اعتراض ۲۲۵

مصیبت کے وقت دہریوں کو بھی خدا یاد آتا ہے ۱۵۲

دین نیز دیکھئے زیر عنوان "مذہب"

تمام ادیان پر حجت ۱۷۸

جس میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مُردہ ہے۔ ۴۴۷

جس دین میں زندہ معجزات نہیں وہ دین زندہ نہیں رہ سکتا ۶۶۶

جس دین میں انسانی ہمدردی نہ ہو وہ خدا کی طرف سے نہیں ۲۲۳

ذ

ذوالسنین

جب یہ ستارہ نکلا تھا تو اخباروں نے لکھا تھا کہ یہ وہی ستارہ ہے جو حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں طلوع ہوا تھا ۲۶۱

ر

راستباز

وہ ہے کہ اس کے اور اس کے نفس کے درمیان ہزاروں کوس کا فاصلہ ہو ۷۰

اطاعت اور احوال سے پہچانا جاتا ہے ۱۹

صادق کا ساتھ صرف راستباز دیتے ہیں ۴۶

مخالفت ہمیشہ راستبازوں کی ہوتی ہے جھوٹوں کی نہیں۔ ۵۶

رزق

کشائش رزق کا صحیح طریق ۸۴

رزق حاصل کرنے کا نسخہ کیمیا ۲۰۱

رسول نیز دیکھئے ماموراور نبی کے مخاطبین

کائنات میں جہاں جہاں بھی آبادی ہے وہاں اللہ نے رسول بھیجے ہیں ۶۲۱

اظہار علی الغیب صرف رسولوں سے مخصوص ہے۔ ۲۱۷

رسول کے ذریعہ رُوحانی پرورش ۱۶۹

اس زمانہ میں ایک رسول کے آنے کی پیشگوئی ۳۱۶

خُدا کے رسولوں کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کا انجام ۲۱۱

رُوح

روح ازلی اور ابدی نہیں ہے ۸۷

روح کی تین قسمیں ۶۷۷

روح انسانی باریک اور مخفی طور پر نطفۂ انسان میں موجود ہوتی ہے ۶۷۶

روزہ

روزہ کی حقیقت ۱۰۲

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ سے فرضی روزے مراد ہیں۔ ۱۴۷

حالتِ سفر یا بیماری میں روزہ رکھنا اکابر نے معصیت قرار دیا ہے ۱۶۷، ۳۲۱

روزہ کے متعلق چند فقہی مسائل ۱۳۵

بے خبری میں کھانے پینے سے روزہ قائم رہتا ہے۔ ۱۴۷

کاشت کاروں اور مزدوروں کے لیے روزہ کی صورت ۲۹۶

دائمی روزے رکھنے منع ہیں ۳۲۲

روزۂ وصال اور روزۂ محرم ۱۶۸

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ کے معنی ۲۹۷

ہیں جو طاقت نہیں رکھتے

مسافر اور مریض صاحب مقدرت ہوں تو روزہ کی بجائے فدیہ دیں ۳۲۱

روزہ کا فدیہ تو شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہوسکتا ہے۔ ۳۲۲

رؤیا

رؤیا و کشوف کا مقام ۱۰۴

کشوف۔ رویاء اور الہامات کی تین اقسام ۳۶۵

حقیقی مسلمان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کو خوابیں آئیں یا کشوف و

الہامات ہوں۔ ۷۶
اپنے خوابوں اور الہامات پر نماز نہ کرو ۴۲۱
خواب میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیں تو اس پر عمل کیا جاتے ۱۴۶
خواب اور اس کی تعبیر کے متعلق ایک نکتہ ۲۴۱
بے وقت خواب سنانے کے نقصانات ۱۶۶
فاسق اور کافر کو بھی سچا خواب آجاتا ہے ۱۰۴، ۲۰۹
فاجروں اور بدکاروں کو سچی خوابیں آنے کی حکمت ۳۰۸
ابوالخیر یہودی کو رویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ۱۵۸
جنگِ بدر سے پہلے ایک مشرک عورت کی خواب ۲۱۰
حضور کے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ کی ایک رویا اور اسکی تعبیر ۱۵۸
میر ناصر نواب صاحب کی مولوی محمد حسین کے بارہ میں ایک خواب ۱۴۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رویا دیکھئے زیر عنوان غلام احمد قادیانی

رسوم و رواج
شادی کی مروجہ رسمیں ناجائز ہیں ۴۹
کسی کی موت پر غیر شرعی رسوم ۴۶

ریاء
ریائی عمل کو خدا تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ۱۳۷
ریاکاری حبط اعمال کا باعث ہے ۶۵۸، ۶۹۰

ز

زبان
ایک دیندار کو چاہیئے کہ اپنی زبان سنبھال کر رکھے۔ ۱۳۱

زکوٰۃ
زکوٰۃ کی حقیقت ۱۰۳
زکوٰۃ دینے کی قوت لغو سے کنارہ کشی کرکے حاصل ہوتی ہے۔ ۴۰۱
مالِ معلق پر زکوٰۃ نہیں ۲۳۴
قرضہ میں دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ نہیں ہے ۱۵۳
جواہرات اور مکانات پر زکوٰۃ نہیں ۱۴۵
عورتوں کو زیورات پر زکوٰۃ دینی چاہیئے ۴۹
سید کیلئے زکوٰۃ سوائے اضطراری حالت کے منع ہے ۲۶۲

زلزلہ نیز دیکھئے زیر عنوان پیشگوئی
خدائی غضب سے تعلق ۱۵۴
زلزلہ کا علاج راتوں کی دعائیں ہیں ۶
ساری دنیا پر محیط زلازل کا سلسلہ ۸
ایک تباہ کن زلزلہ کی پیشگوئی ۴۰، ۵۳، ۴۱۹
ایک زلزلہ کی خبر جو اچانک آئیگا ۵۶۶
زلزلہ کی پیشگوئی پر مشتمل نظم ۱۵
قرآن کریم میں مسیح موعود کے وقت زلزلوں کے وقوع کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۳۳
زلزلہ کی پیشگوئی کا ۴ اپریل کو پورا ہونا ۱۲۷

س

سائنس
سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۶۷۷

سجدہ
سجدۂ تعظیم جائز نہیں ۲۱۱

سعید
سعید وہ ہے جو اس بات کو سمجھے کہ خدا تعالیٰ اب دین کو کس راہ سے ترقی دینا چاہتا ہے ۳۶

سکھ
پنجاب میں سکھوں کا ظالمانہ دور ۱۱۵
سکھوں کے عہد میں اسلام کو شدید صدمہ ۱۲۴
سکھوں کے عہد میں مسلمانوں کے حالات ۱۱۲، ۳۹۲، ۶۴۳
سکھوں کے عہد میں گائے کے ذبیحہ پر سات ہزار آدمی مارے گئے ۱۱۴
قادیان کی اسلامی شوکت سکھوں نے خراب کی تھی۔ ۳۶۲
چولا بابا نانک کی حجت ۱۷۸

سود
سود سے بچنے کا طریق ۴۳۵
سودی لین دین کے نقصانات ۴۳۴
حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں ۴۳۵
بنک کا سود اشاعت اسلام میں اور دینی ضروریات میں خرچ کیا جاتے۔ ۴۳۶

شجاعت
کلمہ طیبہ حقیقی شجاعت پیدا کرتا ہے ۴۸۳

شراب
شراب چھوڑنے کے بارہ میں صحابہ کا بے نظیر نمونہ ۵۳۵

شرک
شرک کی حقیقت ۹۷
اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شرک نہ کرنے کا حکم ۱۳۰
خدا کو ہر چیز پر مقدم نہ کرنا شرک ہے ۶۰۲
ایک قسم کا شرک ۷۷
شرک فی الاسباب ۶۵۶
بت پرستی کی مختلف شکلیں ۹۰

شریعت
احکام کے تدریجاً نازل ہونے کی حکمت ۶۲۹
شریعت کے دو حصے حقوق اللہ اور حقوق العباد ۵۹۳
تکالیفِ شرعیہ ۴۱۴
اکمالِ دین کے بعد کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں۔ ۵۴۲
تشریعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ ۴۶۸
کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر جاتا ہے ۵۵۵
مَیں اسی شریعت کی خدمت اور تجدید کے واسطے آیا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لاتے تھے۔ ۵۵۴
شریعت موسوی کے آخری خلیفہ عیسیٰ اور شریعت محمدی کے آخری خلیفہ کا نام مسیح موعود ہے۔ ۵۵۱
شرع میں حیلہ ۱۶۰

شعروشاعری
شاعری کا پیشہ اختیار کرنا منحوس کام ہے۔ ۲۳۱

شق القمر
ایک قسم کا خسوف تھا ۶۳۴

شکر
شکر کی تعریف ۶۴۳
احسانات وانعامات خداوندی پر شکر کرنے کی نصیحت ۶۴۲
جو شخص مخلوق کا شکرگذار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکرگذار نہیں ہوسکتا ۱۱۱
گورنمنٹ انگریزی کی شکرگذاری کی تلقین ۶۴۳

شہاب ثاقب
حقیقت ۴۲۰

شہادت
شہادت مومن کے واسطے ہوتی ہے ۱۵۳
کیا ہر طاعونی موت شہادت ہوتی ہے؟ ۱۵۴

شہوات
شہوات کی آگ بجھانے کا ذریعہ ۵۴۷

شیطان
شیطان کی حقیقت ۶۲۳
تکبر کی وجہ سے ملعون ہوا ۴۴، ۲۱۶
شیطان پر شہاب ثاقب کا حملہ ۴۲۰
لَاحَوْل سے شیطان کے بھاگنے کی حقیقت ۳۹۹
خدا تعالیٰ کو مقدم کرنے والوں پر شیطان غالب نہیں آتا ۴۲۰
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہوگیا تھا ۳۹۹
اس کا مغلوب ہونا مسیح موعود کے ہاتھوں مقدر ہے ۳۹۸
حضرت عیسیٰؑ کے مسِّ شیطان سے پاک ہونے کی ضرورت ۳۴۳، ۶۶۹

شیعہ
شیعوں کے غالی عقاید ۴۴۸، ۴۸۹
قرآن کریم میں کمی بیشی کا عقیدہ ۴۷۴
شیعوں کے عقاید کا ردّ ۴۹۳
ان کے نزدیک وحی نبوت حضرت علیؓ پر آنی تھی مگر غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ۲۰۳

ص

صبر
ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی شہادت ہے کہ صبر کا اجر ضرور ہے ۴۱۸
اگر تقدیر الٰہی آجاتے تو صبر کرو ۱۶۱
اگر کوئی گالی بھی دے تو صبر کرکے خاموش رہے۔ ۶۹
صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر حضور اور حضرت اماں جان کے صبر اور شکر پر اللہ کی طرف سے خوشنودی کا اظہار ۳۲۳
صحابہ رضی اللہ عنہم ۲۱

مقام
رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۴۹۴
اللہ اللہ فی اصحابی ۱۱۸
تمہارے لیے اُسوہ حسنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے ۱۳۱
حواریانِ مسیح سے موازنہ ۲۹۵
بعض صحابہ کرام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات ۶۲۶
شیعوں کا صحابہ کو ظالم اور منافق قرار دینا بے جا ہے۔ ۴۹۴
صحابہ کی تسبیح تو تلوار تھی ۳۰۵

صفات
صحابہ کی صفات ۴۰۸
صحابہ ایک لاکھ سے متجاوز تھے میرا ایمان ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی ملونی والا ایمان نہ تھا ۳۱۰
ایک صحابیہ کا مثالی ایمان ۳۰۴
باوجود دولت مند ہونے کے خدا تعالیٰ کو مقدم رکھتے تھے۔ ۸۱
خدا کی رضا کے حصول کیلئے مجاہدات ۵۰۷
سب کے سب منقطعین تھے اور سب کے سب اللہ کی راہ میں جان دینے کو تیار تھے۔ ۳۰۹
باوجود اُمّی ہونے کے ان کی پُرحکمت باتیں ان کے تقویٰ وطہارت کی وجہ سے تھیں۔ ۶۲۸
انتہاء درجہ کی مظلومیت ۲۷۸
مصائب اور مشکلات ۴۴۴
صدق وصبر واستقامت کا اعلیٰ معیار ۱۰۰، ۴۶۱
صحابہ کا دین کے لیے تکالیف برداشت کرنا ۳۳۰، ۳۳۳
شوقِ شہادت ۱۰۳، ۳۰۵
خدا تعالیٰ کی راہ میں جانوں کی قربانی ۲۲۳، ۵۰۹
بادشاہوں کے درباروں میں جرأت سے اسلام کی تبلیغ ۴۴۰، ۴۴۶
ذبح ہوگئے مگر حق کہنے سے نہ رُکے ۲۸۴
بے سروسامانی کے باوجود انکو فتوحات دی گئیں ۶۴۵
اشاعت اسلام کے لیے قناعت شعاری کے ساتھ دور دراز کے سفر ۶۸۲

آیت حرمت نازل ہونے پر شراب سے توبہ کا عظیم مظاہرہ ۵۳۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر غم ۲۴۰

پہلا اجماع وفات مسیح کے مسئلہ پر تھا۔ ۵۸۰، ۵۹۸

باہمی نزاع ۴۹۰

صحبت

صحبت صادقین کی ضرورت ۳۴۶

صادق کی صحبت میں رہو ۸۲

مامور من اللہ کی صحبت سے انسان درست ہو جاتا ہے۔ ۲۰

بُری صحبتوں کا انجام آخر بُرا ہی ہوا کرتا ہے ۱۷۳

صحت

تمام کاروبار دینی و دنیاوی صحت پر موقوف ہیں۔ صحت نہ ہو تو عمر ضائع ہو جاتی ہے۔ ۲۴۲

صدقہ

صدقہ و استغفار سے ردِّ بلا ہوتا ہے ۱۷۶، ۶۳۰

صدقہ سے ردِّ بلا تمام اقوام کا متفقہ مذہب ہے۔ ۲۱۲

صدقہ جاریہ ۱۹۰

اپنے صدقہ کی جنس خود خرید نا جائز ہے بشرطیکہ نیت نیک ہو۔ ۳۲۲

صُلح

باہم صلح کی تلقین ۶۹

دو بھائیوں کی باہم صلح ۷۰

کفار سے صلح کا فائدہ ۶۸۰

صلیب

توڑی جانے کے قابل ہے ۲۶

یہ کہانی کہ عیسیٰؑ کی بجائے دوسرے کسی شخص کو صلیب دیا گیا خیر معقول بھی ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں کے تواتر قومی کے خلاف ہے ۶۹۲

ط

طاعون

لغوی معنی موت کے ہیں ۶۰۶

کل امراضِ دَوری کا نام طاعون ہے ۵۷۰

جہنم سے مراد طاعون ۴۲۸

طاعون کے جراثیم دابۃ الارض ہیں ۱۲۶، ۲۰۸

کیا ہر طاعونی موت شہادت ہے ۱۵۲

طاعون سے مرنے والا مومن شہید ہے اس لیے اسے غسل اور کفن کی ضرورت نہیں۔ ۱۹۳، ۱۹۵

ماضی کی تاریخ

طاعون کا عذاب موسیٰؑ کے زمانہ میں اور عیسیٰؑ کے بعد بھی آیا تھا ۱۵۳

سنہ ہجری اور حضرت عمرؓ کے عہد میں ظاہر ہوئی۔ ۲۰۳

طاعون بطور عذاب

قرآن کریم میں طاعون کے بطور عذاب اور نشان کا ذکر ۱۲۶

توریت و انجیل کی رو سے عذاب ہے ۲۰۲

بطور نشان اور عذاب ۲۹، ۴۰، ۱۵۳، ۱۶۰

پہلے کی نسبت سخت طاعون پھیلنے کی خبر ۴۰۴

پیشگوئی کے مطابق ظہور ۵۶۷

طاعون کے نتیجہ میں کثرت سے اموات ۱۵۹

خدا کی ہستی اور دُنیا کی ناپائیداری کو ثابت کر رہی ہے ۱۵۵

صداقتِ اسلام کے لیے تلوار ۲۰۶

ہماری صداقت کا نشان ہے ۱۸۹، ۱۹۴، ۵۸۱

کوئی نبی یا اوّل درجہ کا مومن طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ ۲۱۸

کامل مومن ہی طاعون سے محفوظ رہتے ہیں۔ ۲۰۳

قادیان میں طاعون کے باوجود اَلْدّار کی حفاظت ۱۲۹

حضور کے گھر کے رہنے والوں اور سچے احمدیوں کے طاعون سے بچائے جانے کا وعدہ ۱۹۲

بچنے کی تدابیر

طاعون سے بچنے کی تدابیر ۳۱۳

طاعون سے بچنے کا حقیقی علاج ۲۴۰

طاعون کے خاتمہ کے لیے باطنی تدابیر ہی کارگر ہو سکتی ہیں ۸۳

طاعون کا علاج خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہے ۱۹۰، ۲۴۱

بجز توبہ و استغفار کے اس کا کوئی علاج نہیں ۱۴۳، ۱۶۱، ۴۹۳

طاعون زدہ علاقوں کے احمدیوں کے لیے حکم ۱۹۴

طاعون زدہ علاقہ چھوڑنے کی ہدایت ۱۶۱، ۳۱۵

حضرت عمرؓ کی طرف سے فوج کو طاعون زدہ علاقہ چھوڑنے کا حکم ۱۹۲

طاعون والی جگہ میں نہیں جانا چاہیئے ۱۶۷

مستقبل کے متعلق پیشگوئیاں

مستقبل میں زیادہ شدت سے طاعون آ رہی ہے۔ ۳۱۴، ۴۴۴

ممکن ہے اب کسی اور رنگ میں ظاہر ہو۔ ۵۶۹

مغربی ممالک میں طاعون پڑنے کی خبر ۳۰۱

طالب علم

طلباء کو حضور کی نصائح ۲۲

طب

علمِ طب کی بنیاد فلنیات پر ہے ۲۳۷، ۲۵۹، ۴۳۷، ۵۰۰

علمِ طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ۶۱۳

علمِ طب پر احسان کرنے کا ایک طریق ۵۴

طبعی عمر سو۱۰۰ سال تک سمجھی جاتی ہے ۲۷۸
کوئی بیماری لاعلاج نہیں ۵۹، ۵۰۰
شفا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۲۷۹
بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بذریعہ الہام
مناسب دوائی بتا دیتا ہے۔ ۵۴
شفایابی کا روحانی علاج ۶۰
علاج الامراض میں مشکل امر تشخیص ہے ۶۱۳
ڈاکٹر اور اطباء کیلئے نصائح
ڈاکٹروں کیلئے حضور کی خاص نصیحت ۶۱۲
ہر نسخہ سے پہلے ھو الشافی لکھنا
مسلمان اطباء سے خاص ہے ۲۷۹
طبیب میں علاوہ پیشہ ورانہ مہارت
کے نیکی اور تقویٰ بھی ہونا چاہیئے۔ ۱۸۱
ڈاکٹروں کے نزدیک لاعلاج مریض
بھی دعا کے نتیجہ میں شفا پا جاتے ہیں ۵۳۷
سعید طبیب وہ ہے جو ایک طرف
تو دوا کرے اور دوسری طرف دعا
میں مشغول رہے ۲۷۹
ڈاکٹر اور طبیب تشخیص کے وقت
دعا سے کام لیا کریں ۶۱۳
طبیب اپنے بیماروں کے واسطے
دعا کیا کرے ۵۳
وبا میں طبیب اور ڈاکٹر علاج
بھی کریں اور احتیاط بھی کریں ۱۹۲
ڈاکٹروں کے لیے عبرت کے نظاروں
سے فائدہ اٹھانے کا بہت موقعہ
ہوتا ہے۔ ۳۶۰
حفظانِ صحت کے اصول
تمام کاروبار دینی اور دنیاوی صحت
پر موقوف ہیں۔ ۲۴۲
ریاضاتِ بدنی ادویہ کی مشق سے
بہتر ہوتی ہیں۔ ۲۹۰
مکان۔ بدن اور کپڑوں کی صفائی ۳۱۳
تنگ و تاریک مکانوں میں رہنا
منع ہے ۱۹۲

طاعون زدہ گاؤں سے نکل کر باہر
کھلی ہوا میں ڈیرہ لگانا چاہیئے ۱۶۱
امراض
بہت سی ایسی بیماریاں نکل آئی ہیں
جو بالکل نئی ہیں ۳۴۷
ممکن ہے کہ طاعون اب کسی اور
رنگ میں ظاہر ہو ۵۶۹
دِق سل کے مریضوں کا ہوش اخیر
تک قائم رہتا ہے ۴۳۳
رجاء کا مرض ۱۰۵
نمونیہ اور طاعون ۱۳۳
کل امراض دَوری کا نام طاعون ہے ۵۷۰
مفردات کے خواص
کوئی چیز اور ذرہ اللہ تعالیٰ کے اذن
کے بغیر اثر نہیں کرتا ۱۵۶
مکھی کے ایک پَر میں زہر ہے دوسرے
میں تریاق ۴۲
اونٹ کی سواری بھی محلِ ہے امراضِ
ذیابیطس، سلسل البول کو مفید ہے ۵۳۰
یہ دیسی بوٹیاں بہت کارآمد ہوتی ہیں
مگر افسوس کہ لوگ ان کی طرف توجہ
نہیں کرتے۔ ۱۹۶
انجیر گرمی سے بچاتی ہے ۴۳۷
زنجبیل حرارت غریزی کو بڑھاتی
ہے۔ ۳۸، ۵۶۳
سفوفِ بھلاوہ باہ کے مایوسوں
کیلئے مفید ہے ۵۲۹
کافور زہریلے مادوں کو دباتا ہے
۳۸، ۵۶۲
کلیجی شب کوری کا علاج ہے ۱۳۳
گندل اور کنڈیاری ۱۹۶
امراض سینہ کا علاج ۸۵

طلاق
جائز چیزوں میں سب سے بُری چیز ۲۷۲

طواف
طواف بیت اللہ کی حقیقت ۱۰۳

ع

عبادت
عبادت کی حقیقت ۹۰
عبادت کے اُصول ۳۳۵
ساری بندگیوں کا خلاصہ ۶۱۵
اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی خاطر
کرنا چاہیئے۔ ۸۴
کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں
ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کے واسطے
جوش نہ ہو۔ ۴۸۷
جس مذہب میں خدا کی عبادت نہیں
وہ مذہب ہی کچھ نہیں۔ ۶۱۴
ریاضتوں کے ظاہری نتائج ۱۹۰
اس زمانہ کی سب سے بڑی عبادت ۴۸۶

عذاب
عذاب کے متعلق سنتِ الٰہی ۱۷۶
جب قہرِ الٰہی نازل ہوتا ہے تو بدوں
کیساتھ نیک بھی پیسے جاتے ہیں ۱۹۴
دنیوی عذاب کن گناہوں پر ملتا ہے ۴۴۴
دنیا میں عذاب الٰہی کا باعث شوخی اور
تکذیب ہے۔ ۱۷۵
دنیوی عذاب کا علاج تضرع اور
اِنابت الی اللہ ۴۴۴
آئندہ عذابوں سے بچنے کیلئے نفس
کی اصلاح کی ضرورت ۱۶۷

عربی (زبان)
محاورہ عرب میں اولاد کو بھی ثمر
کہتے ہیں ۴۱۵
اَوی کے معنی ۱۶۰

عرش
عرش کی حقیقت ۳۸۱
وہ ورا الورا مقام جہاں مخلوق
کا نقطہ ختم ہو جاتا ہے ۳۸۲، ۴۹۱

◎

چار فرشتوں کے اُٹھانے سے مراد ۳۸۱

عرفان

ایمان اور عرفان کا فرق ۵۲۴

عقل

علم صحیح اور عقلِ سلیم خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں ۴۴۵

بڑا ہی عقلمند اور حکیم وہ ہے جو نیکی سے دشمن کو شرمندہ کرتا ہے ۳۱۱

دینی عقل تقویٰ سے تیز ہوتی ہے ۱۸

عقیقہ

ساتویں دن کرنا چاہیئے نہ ہو سکے تو جب توفیق ملے تب کرے ۴۴۲

علم

تحصیلِ علم کے لیے عمر مناسب ہونی ضروری ہے۔ ۵۳۵

ایمانی طاقت علم سے پیدا ہوتی ہے ۱۶۶

علوم صحیحہ کی انتہائی غرض عمل ہوتی ہے۔ ۵۳۵

جو شخص علوم حقیقی اور الٰہیات سے بے نصیب محض ہو اسکو علم دوست نہیں کہا جا سکتا۔ ۵۴۱

انسانی علم کے محدود ہونے کی مثال ۶۵۱

اوّل علوم دینیہ کا حصول فرض ہے ۶۴۷

دینی علوم کی کنجی تقویٰ ہے۔ ۱۲۱

علوم دین نہیں آتے اور حقائق معارف نہیں کھلتے جب تک متقی نہ ہو۔ ۱۳۰

دنیوی علوم انسان کا تزکیہ نہیں کر سکتے۔ ۶۴۶

علوم جدیدہ کا اسلام پر حملہ ۶۴۷

علوم جدیدہ کبھی قرآن پر غالب نہیں آ سکتے۔ ۶۴۸

عمل

عمل اور ایمان کا تعلق ۶۴۸

بندہ کی الہام میں فضیلت نہیں بلکہ اعمالِ صالحہ میں ہے۔ ۳۲

عمل صالح وہ ہے جو محض خدا تعالیٰ کے واسطے ہو۔ ۸۴

اعمال میں اخلاص کی ضرورت ۸۹

ریا کاری سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ۶۵۹

عورت

عورت کا مقام

اُمت کی مثال عورت سے اور اس کی حکمت ۴۶۱

بعض عورتیں بسبب اپنی قوتِ ایمانی کے مردوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں ۲۶۸

آریوں کے نزدیک عورت کی حیثیت ۵۰۳

لاہور کی ہندو خواتین کا اخلاص اور شرافت ۶۸۸

خواتین کے لیے خصوصی نصائح

عورتوں کے لیے مسیح موعود علیہ السلام کی خصوصی نصائح ۲۹، ۴۶، ۱۷۹

شریعت کی پابندی کی نصیحت ۴۹

عورتوں کے خاص عیب اور ان سے بچنے کی تلقین ۲۹

ہندو خواتین سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خطاب ۶۸۷

خاوند کی تابعداری کی تلقین ۳۰، ۴۷

خاوند کے دوسرے نکاح میں ناراض نہ ہو۔ ۴۸

ساس اور سسر کا احترام کرنے کی تلقین ۱۸۰

گلے شکوے نہ کرنے کی نصیحت ۱۰

نامحرموں سے پردہ کی تلقین ۴۸

حسنِ معاشرت کی تلقین

عورت کے حقوق ۳۰

والدہ کو بیوی کا محتاج اور دست نگر نہیں کرنا چاہیئے۔ ۴۹۸

بیوی پر ظلم کا نتیجہ ۲۷۳

سوکن کی مشکلات ۴۹۸

جوان عورت کا بیوہ رہنا گناہ ہے ۴۷

نکاح کے قابل بیوگان کے نکاح کی تلقین ۳۱۹

متفرق

تعدد ازدواج کی ضرورت ۴۶۳، ۵۳۰

ورثہ میں مرد سے نصف حصہ کی حکمت ۵۰۴

نماز جمعہ میں عورتوں کی شمولیت ۲۶۵

پردہ کرنے کا حکم جیسا کہ عورتوں کو ہے مردوں کو بھی ویسا ہی تاکیدی حکم ہے غضِ بصر کا۔ ۶۱۴

سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان دوسرے کی بیوی پر بدنظری نہ کرے ۴۰۲

عورت بھی فتنہ کا باعث بنتی ہے ۴۵۶

عہد

بعض عہد توڑنے ضروری ہوتے ہیں ۲۶۶

عیسائیت

عقائد اور اعمال

باوجود تورات و انجیل کی موجودگی کے گمراہ ہوئے۔ ۹۹

عقاید میں غیر منطقی رویہ ۵۸

غیر معقول عقاید ۳۹۴

عیسائی عقائد کا رد ۵۱۴

خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرانی عقیدہ کا رد ۶۹۳

ان کے مذہب کی بنیاد عیسیٰ کی زندگی پر ہے جب وہ مر گیا تو ان کا مذہب بھی ساتھ ہی مر گیا۔ ۳۹۵

ایک انسان کو خدا بنایا گیا ہے۔ ۸۱

عقیدۂ تثلیث ایک گورکھ دھندا ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ ۶۵۷

عقیدۂ کفارہ کی لغویت ۳۷، ۴۷۷، ۶۷۸

عقیدہ کفارہ کے نتائج ۵۹۳

اکثر عیسائی مذہب کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ ۲۵۰

یورپ میں تورات یا انجیل پر عمل نہیں ۵۱۹

گرجوں میں پوپ بن اور دیسی عیسائی میں تفریق ۵۴۰
یت کی موجودہ تعلیم کے نتائج ۵۳۸
عملی اور اعتقادی حالت ۵۴۰
دجال اور ضالین
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے نصاریٰ کافر قرار پاتے ۲۳۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مباہلہ کرنے سے اعراض ۴۸۴
اس زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ ۳۴۱
ایک سب سے تیز مذہب ۶۱۴
مُردہ مذہب ہونے کی دلیل ۱۱۹
دجال اور ضالین ہم معنی ہیں اور مراد عیسائی پادری ہیں ۳۹۴
عیسائیت اور دجال ایک ہی چیز ہیں ۵۷
عیسائی پادری دجال کا مظہر ہیں ۲۳۳
ضالین سے مراد پادری ہیں انگریز نہیں۔ ۳۹۳
یہود اور نصاریٰ کے گناہوں کا موازنہ ۳۹۰
اسلام پر حملہ
اسلام پر حملہ ۱۲۴
اشاعت دین کیلئے لامحدود وسائل ۵۷
اسلام کے خلاف کتابوں کی وسیع اشاعت ۴۲۳
پندرہ برس پہلے عیسائی پادری قادیان کے باہر آکر خیمہ زن ہوتے اور تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ۵۷۶
پادریوں نے ہندوستانیوں کے اخلاق خراب کرکے انہیں مذہب فروش بنا دیا ہے۔ ۲۴۹
عیسائیوں کا مدعی مسیحیت چراغ دین کی حمایت کرنا ۴۶
کسر صلیب
کسر صلیب مسیح موعود کے کاموں میں سے ایک ہے۔ ۵۶
کسر صلیب سے مراد ۲۷۰
عیسائیوں کے دلوں پر حق کا رُعب طاری ہے اُمید نہیں کہ کوئی بشپ مباہلہ کے لیے میدان میں آئے۔ ۲۱
وفاتِ مسیح کا عقیدہ عیسائیت کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار ہے ۱۶۴
اس کے زوال کا وقت آگیا ہے ۴۸۸
عیسائیوں پر حجت ۱۷۸
لارڈ بشپ کے لاہور پہنچکر پر حضرت مفتی محمد صادق کا مسکت جواب ۳۹۶، ۵۸۰
عیسائیوں کو الزامی جوابات دینے کی وجہ ۳۴۸
ایک الزامی نکتہ ۱۲

غ

غضب
ایک دُکھ ہے جس کا اثر پہلے اپنی ذات پر ہی پڑتا ہے ۶۷۲
غیب
اللہ تعالیٰ کا نام غیب بھی ہے ۱۲۲، ۳۶۶
اظہار علی الغیب ۲۱۷
غیبت
غیبت سے پرہیز کی تلقین ۱۱، ۲۹

ف

فترت
وحی الٰہی میں وقفہ سُنت اللہ ہے ۳۷۰
فخر و مباہات نیز دیکھئے تکبر
شیخی اور فخر و مباہات سے بچنے کی تلقین ۲۹
فراست
فراست ایک حقیقت ہے ۴۸۳
ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کو فراستِ صحیحہ اور نورِ ایمان سے پہچانا تھا ۵۲۴
اللہ جسے حکومت دیتا ہے اسے فراست بھی عطا کرتا ہے ۵۴۲
ہرقل قیصر روم کی فراست صحیحہ ۵۸۴
فروتنی نیز دیکھئے انکساری"
فروتنی کرنے والا ہی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے ۵۴۸
فری میسن
کوئی موحد اور سچا مسلمان فری میسن میں داخل نہیں ہوسکتا اس میں داخل ہونا ارتداد کا حکم رکھتا ہے ۱۸۷
حبیب اللہ خان والی افغانستان کا فری میسن ہونا ۱۸۷
فطرت
فطرتِ انسانی پاک ہے ۴۲۲
انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ ۶۵۵
انسانی فطرت کی دو قوتیں ۲۸۱
طبائع کی استعداد ۵۰۹
انسانی فطرت میں گناہ پر ملامت کا احساس ۶۴۹
فطرت مستقل طور پر ہادی نہیں ہوسکتی ۲۷۴
فطرت میں توہمات داخل ہونے سے بعض نقص پیدا ہوتے ہیں ۲۷۴
فقہ اور فقہ کے مسائل
تفقہ فی الدین سے مراد ۲۱۲
اَصْلُ الْاَشْیَاءِ اِبَاحَۃٌ ۲۳۷
قیاس وہ جائز ہے جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہو۔ ۶۳۰
اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ (اپنے دل سے فتویٰ لو) ۴۲۶
قرآن و سنت کے بعد فقہ حنفی پر عمل کیا جاتا۔ ۱۳۴
شرع میں حیلہ ۱۶۰
ائمہ اسلام میں بطور چار دیواری کے تھے۔ ۵۰
ہر مسئلہ میں فقہاء کا باہم اختلاف ۲۴۷

◎

نماز

نماز میں امام کی جگہ ۱۶۶
غسال کے پیچھے نماز ۲۲۴
فاتحہ خلف الامام ضروری ہے ۳۲۴
التحیات پڑھنے کے بعد مقتدی اگر غلطی سے سلام پھیر دیں تو نماز ہو جاتی ہے ۲۱۴
رفع یدین جائز ہے ۳۲۴
نماز میں بآوازِ بلند اپنی زبان کی دعائیں پڑھنا ۲۳۸
اذانِ فجر کے بعد نوافل ۱۳۶
صبح کی سنتوں کے بعد فرائض سے پہلے کوئی نماز جائز نہیں ۱۳۸
دو افراد کا جمعہ ۱۶۸
ایک مسجد میں دو جمعے ۲۱۴
نماز جمعہ کے بعد احتیاطی نماز کا کوئی جواز نہیں ۲۲۹
نماز تراویح ۶۲، ۳۶۹
فوت شدہ نمازوں کی قضا ۴۷۹
نمازوں کے قصر کی غرض سے سفر کی تعریف ۴۲۶

روزہ

روزہ کے بارہ میں چند فقہی مسائل ۱۳۵
بے خبری میں کھانے پینے سے روزہ قائم رہتا ہے ۱۴۷
کاشتکار اور مزدور کے لیے روزہ رکھنے کی صورت ۲۹۶
روزہ کے سلسلہ میں قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے ۶۷
مسافر کی تعریف ۱۳۶، ۱۸۵
مسافر اور مریض کا روزہ رکھنا خدا کی حکم عدولی ہے۔ ۳۲۱
مسافر اور بیمار صاحب مقدرت ہوں تو روزہ کی بجائے فدیہ دیں ۳۲۱
اَلَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ کے معنی ہیں جو طاقت نہیں رکھتے۔ ۲۹۷
روزہ کا فدیہ شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہے۔ ۳۲۲
روزۂ وصال اور روزۂ محرم ۱۶۸
معتکف بیمار کی عیادت اور حوائج ضروری کے لیے باہر جا سکتا ہے اور سخت ضرورت کے وقت دنیوی امور کے بارہ میں بات کر سکتا ہے ۱۵۴

حج قربانی

حج بدل ۲۱۵
کیا قربانی کے لیے ایک سال کا بکرا جائز ہے؟ ۴۲۶
قربانی کی رقم مرکز میں بھجوانا ۱۴۶

زکوٰۃ اور مالی معاملات

فاسق ہونے کی وجہ سے کسی کا حق وراثت باطل نہیں ہوتا ۲۹۴
کرنسی کے تبادلہ پر کمیشن لینا جائز ہے ۲۹۴
محکمہ آبکاری کی ملازمت بصورت اضطرار جائز ہے ۲۹۲
جواہرات اور مکانات پر زکوٰۃ نہیں ۱۴۵
مالِ معلق پر زکوٰۃ نہیں ۲۳۴
قرضہ پر دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ نہیں ۱۵۳
لائف انشورنس ۴۶۳

پیدائش

بچہ کے کان میں اذان دینا حدیث سے ثابت ہے۔ ۱۸۴
لڑکے کے عقیقہ کے واسطے دو بکرے ضروری ہیں۔ بشرط استطاعت ۳۶۹
متبنیٰ بنانا شرعاً حرام ہے ۳۲۰

شادی

جوان عورت کا بیوہ رہنا گناہ ہے ۴۷
شادی کو دف کے ساتھ شہرت دینا جائز ہے اگر اس میں ناچ شامل کر دیں تو منع ہے ۳۵۵
ولیمہ کی تعریف ۱۳۸
ولیمہ سنت ہے لیکن استطاعت نہ ہو تو معاف ہے ۴۳۴

وفات

میت کو گاڑی یا چھکڑے پر لاد کر قبرستان لے جانا ۱۹۵
طاعون سے مرنے والے کا من کیئے غسل اور کفن کی ضرورت نہیں ۱۹۳، ۱۹۵
ماتم والے گھر میں کھانا بھجوانا ضروری ہے۔ ۲۳۳
کھانا کھلانے کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے ۲۵۳، ۳۴۵
میت کے لیے فاتحہ خوانی اور اسقاط ۱۶، ۲۱۳
ماتم میں جزع فزع اور سیاپا جائز نہیں ۴۶

متفرق مسائل

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو بے ادبی سے بچانے کیلئے جلانا جائز ہے۔ ۲۵۳
کلام اللہ پڑھکر پھونکنا ۶۵
سجدۂ تعظیم جائز نہیں ۲۱۱
ناجائز قسم پر قائم رہنا گناہ ہے ۲۲
کسی نشان کے پورا ہونے پر دعوت دینا جائز ہے۔ ۱۸۵
دریائی جانوروں میں سے طیب۔ پاکیزہ اور مفید جانور حلال ہیں ۲۶۶
مستحسن یہی ہے کہ مونچھیں کٹائی جائیں اور داڑھی بڑھائی جائے ۳۲۵
کنویں کو پاک کرنے کے بارہ میں اصولی فتویٰ ۲۳۸
جوہڑ کے پانی سے اگرچہ وضو جائز ہے مگر اگر کوئی کراہت کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ۲۹۱
خچر پر سواری جائز ہے ۱۸۵
افریقہ کے بے لباس قبائل کے ساتھ معاشرتی تعلقات ۲۹۳
کفار کی صنعت سے فائدہ اُٹھانا

منع نہیں ہے۔ ۱۸۵
فوٹوگرافی کا جواز ۴۷۹
نسل افزائی کیلئے سانڈ ۲۳۷
توپ بندوق کا بگل بھی استعمال جائز ہے ۴۳۶
بندوق کی گولی سے مرنے والا شکار
جائز ہے یا نہیں ۱۳۶
بگیر پڑھ کر بندوق چلانے پر شکار
حلال ہوگا۔ ۱۴۰

رسومات

محرم کی رسوم ۴۳۷
دسویں محرم کو شربت اور چاولوں کی تقسیم ۱۶۸
محرم کے موقعہ پر تابوت بنانا ۱۶۹
نصف شعبان کی رسمیں بدعت ہیں ۲۹۷
رسم بسم اللہ ۲۶۵
جھنڈ یا بودی ۱۶۹
بطور چٹھہ ذبیحہ ۱۶۸

فلاح

قرآن شریف کی رو سے فلاح کی
تعریف ۷۷

فوٹوگرافی

اگر اس فن کو خادم شریعت بنایا جائے
تو جائز ہے۔ ۴۷۹

ق

قبر

قبر پر میت کے واسطے کیا دعا
کرنی چاہیئے۔ ۱
قبرستان (بہشتی مقبرہ)
اس کے متعلق الہام اُنْزِلَ فِیْهَا
رَحْمَةٌ ۲۶

قرآن کریم

تدریجاً نازل ہونے کی حکمت ۶۲۹
استعارات کی زبان کا استعمال
۳۵۶، ۳۸۲
شیعوں کے اس عقیدہ کا رد کہ
قرآن مجید میں کمی بیشی ہے ۴۷۴
قرآن شریف پر تدبر کرو اسی میں
سب کچھ ہے۔ ۱۰۲
مسلمانوں کو امور مختلفہ میں رہنمائی
کے لیے قرآن شریف کی طرف
رجوع کرنا چاہیئے۔ ۵۴۶
قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہونے
سے انسان معرفت کے اعلیٰ مقام
تک پہنچتا ہے۔ ۱۲۲
سمجھنا مشکل نہیں ہے ۱۷۷
تزکیۂ نفس کے نتیجہ میں قرآن کا فہم
عطا ہوتا ہے۔ ۳۴۴
جو حدیث قرآن شریف کے مخالف
ہو وہ حدیث ہی نہیں خواہ وہ
بخاری شریف میں ہو۔ ۳۴۴
بہت سے قرآن پڑھنے والے
ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا
ہے۔ (حدیث) ۴۰۳
ایک زمانہ آئیگا کہ قرآن شریف دُنیا
سے اُٹھ جائے گا (حدیث) ۵۵۲

فضائل

قرآن کریم کے فضائل ۳۷۹
خاتم الکتب ۷۱
مختص الزمان، مختص القوم اور
مختص المکان نہیں ہے ۶۵۴
حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ ۸۲
دوسری الہامی کتب سے موازنہ ۹۹
قرآن کریم کی جامعیت کے ساتھ
توریت اور انجیل مقابلہ نہیں کرسکتے ۶۵۲
انسانی فطرت کا کامل عکس ۶۵۵
بیشک قرآن شریف میں شفا ہے ۶۵
ہر طبقے اور ہر مزاج کے لوگوں کے
واسطے مناسب حال ہے ۶۲۷
بحیثیت حکم کل کتب سابقہ کی
اصلیت کھول کر دکھاتا ہے ۴۶۰
بنی اسرائیل کے متنازع فیہ امور میں
حکم ہے ۶۰۱
علوم جدیدہ کبھی قرآن پر غالب نہیں
آسکتے۔ ۶۲۸
سائنس خواہ کتنا عروج پکڑ جائے
مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو
ہرگز نہ جھٹلا سکیگی۔ ۶۷۷
کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی
نہیں جو قرآن شریف کو مغلوب
کرسکے۔ ۶۵۲

صداقت

من جانب اللہ ہونے کا ایک ثبوت ۶۲۷
خالص اور محفوظ کلام الٰہی ۳۳۸
فصاحت و بلاغت کا نشان ۴۸۲

حفاظت

ہزاروں فرشتوں کی حفاظت میں
نازل ہوا۔ ۳۶۵
محفوظ رہنے کا وعدہ صرف قرآن
مجید کے لیے ہے۔ ۳۳۷
اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ خود
ذمہ دار ہے۔ ۶۷۰

تعلیم

سورۃ فاتحہ میں اسلامی تعلیم کا خلاصہ
ہے۔ ۳۸۵
سورۃ فاتحہ میں تمام باطل عقاید
کا رد ہے۔ ۳۷۹
تعلیم کا خلاصہ ۵۶۲
افراط و تفریط سے پاک تعلیم ۶۵۳
کامل اور مکمل تعلیم ۳۷
اس کی تعلیمات اور فصاحت و
بلاغت کا مقابلہ کوئی انسان
نہیں کرسکتا۔ ۴۸۲
وفاتِ مسیح کا ذکر ۱۶۴
قرآن کریم کی پیشگوئیاں
قرآن کریم میں مسیح موعود کی بعثت کا ذکر ۵۵۱
آخری زمانہ کے بارہ میں نشانات

کا ذکر ۱۲۶

قرآن کریم سے متعلق مسائل

تلاوتِ قرآن کریم کے آداب ۱۵۷
قرآن کریم کی دُعاؤں میں تغیر جائز نہیں ۱۹۴
بوسیدہ اوراق کو بے ادبی سے بچانے کیلئے جلانا جائز ہے ۲۵۳
میت کے لیے قرآن شریف پڑھکر بخشنے کا ثبوت نہیں۔ ۱

قربانی ۴۲۶
قربانی کی رقم قادیان بھجوانے کے بارہ میں استفسار ۱۴۶

قرض
قرض کی ادائیگی کی اہمیت ۲۶۴
قرض کا علاج توبہ و استغفار ہے ۴۳۴

قَسَم
دوسرے کی قَسَم کا نہ ماننا تقویٰ کے خلاف ہے۔ ۱۷۲
ناجائز قسم پر قائم رہنا گناہ ہے ۲۲
ناجائز وعدہ اور قسم کو توڑنا چاہیئے ۲۳۱

قیامت نیز دیکھئے آخرت
قُربِ قیامت ۴۴۲
اگلے جہان کی زندگی ۶۲۵

ک

کبر نیز دیکھئے تکبّر
کبر ایسی بُری بلا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی ہر قسم کی ترقی رُک جاتی ہے۔ ۶۴۶
نفس سے کبریائی نکالنے کا طریق ۵۰۹

کبریائی
خدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے کیونکہ وہ ظلِ الٰہی ہوتے ہیں ۵۱۳

کتاب
سابقہ الہامی کُتب کی مثال ۱۹۶

◎

کسرِ صلیب نیز دیکھئے زیرعنوان عیسائیت
کسرِ صلیب کی حقیقت ۲۷۰
کسرِ صلیب سے مراد ارادۃ الٰہی سے ایسی ہوا کا چلنا جس سے صلیب پرستی جاتی رہے ۲۷۷

کسوف وخسوف
اسکا خاص اثر زمین پر ہوتا ہے ۲۶۱
ظہور ۵۵۲
حدیث میں مذکورہ پیشگوئی کی شرائط ۴۹۵
جب سے دُنیا پیدا ہوئی ایسا نشان کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ ۲۶۳
رمضان میں واقعہ ہونا ۴۲۹

کشف
کشف کی حقیقت ۳۴۱
کشوف والہامات کی تین اقسام ۳۶۵
کشفِ قبور کی حیثیت ۴۷۶، ۴۸۵
انسان کشفی طور پر روحوں سے مل سکتا ہے۔ ۶۲۶

کعبہ
سفر کی تکالیف اور عُمال کی بدسلوکی کے نتیجہ میں اس متبرک مقام کی عظمت دل سے کم نہیں ہونی چاہیئے ۵۳۴

کفّارہ نیز دیکھئے عیسائیت
غیر فطری ہے ۶۷۸
انسانی ترقیات میں روک ہے ۶۷۹
گناہ پر دلیر کرتا ہے۔ ۵۹۳
کفارہ کے نتائج ۵۳۸

کفایت شعاری
اپنانے کی نصیحت ۴۳۴
تلقین ۴۳۵

کلمہ طیبہ
قرآن شریف کی تعلیم کا خلاصہ ہے ۸۹
اصل رُوح ۱۴۱
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے کا فائدہ ۶۳۳
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ شامل کرنے کا سِرّ ۶۵۶
پڑھنے کا ثواب ۱۴۱
جو سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا تعالیٰ اسکے ساتھ ہوتا ہے۔ ۲۸۴
ایک ایسے یقین کا نام جس سے جذباتِ نفسانیہ انسان سے دُور ہو جائیں ۵۶۱
اس کے بغیر شجاعت پیدا نہیں ہوسکتی۔ ۴۸۳

کیمیا
نسخہ کیمیا ۲۰۱

کیمیاگری
اصل کیمیا تقویٰ ہے ۴۷۵، ۴۷۷

کینہ
کینہ ور نہیں ہونا چاہیئے ۶۹

گ

گناہ
گناہ کی حقیقت ۵۹۶، ۶۲۲
گناہ کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا علم اور معرفتِ تام حاصل نہیں۔ ۴۲
اگر دُنیا میں گناہ کا وجود نہ ہوتا تو نیکی بھی نہ ہوتی۔ ۶۲۳
اگر انسان اپنے اندر گناہ نہ دیکھے تو اس میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے جو سب سے بڑا گناہ ہے۔ ۴۴
گناہ سے پاک کرنا خدا کا ہی کام ہے ۹۲
گناہ سوز حالت پیدا کرنے کے لیے مامور کی ضرورت ہوتی ہے ۵۹۵
اللہ تعالیٰ نے انسان میں گناہ سوز قوت رکھی ہے۔ ۴۲۲
گناہوں کی بخشش ۴۳
بچنے کا راز ۵۹۴

گناہوں سے بچنے کا واحد ذریعہ ۵۳
گناہ سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ کی معرفت ضروری ہے ۵۸۹
گناہوں سے بچنے کے لیے دعائیں مانگنی چاہئیں ۵۵
گناہ ایک زہر ہے اور توبہ و استغفار ایک تریاق ہے۔ ۴۳
صدق و اخلاص کے ساتھ بیعت کرنے سے پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ ۲۷۱
صرف ترکِ گناہ کافی نہیں ۳۷
ترکِ گناہ کے بعد کا درجہ ۵۶۲
تمہیں ضرورت نہیں کہ مخلوق کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار کرو ۶۰
سب سے بڑا گناہ مامور من اللہ کا انکار ہے۔ ۴۳۱
دو بڑے گناہ افترا و تقوّل اور صادق کا انکار ۵۸۵
تکذیب اور شوخی جیسے گناہوں پر اللہ تعالیٰ غیرت دکھلاتا ہے۔ ۱۷۶
کن گناہوں پر دنیوی عذاب ملتا ہے ۴۴۴

گوشت خوری

فطری امر اور مفید ہے ۲۶۸
جواز کے بارے میں دلائل ۷۸

م

مامور نیز دیکھئے نبوت / رسالت
نفخِ صُور سے مراد مامور کی آمد ۴۲۵
اسلام کی زندگی ثابت کرنے کے لیے مامور کی ضرورت ۶۸۴
مامور من اللہ کی صداقت کے نشان ۳۵۱
جس کے دعویٰ کے ساتھ عظمت و جلالِ ربانی کی چمک نہ ہو ایسے شخص کو تسلیم کرنا ہلاکت ہے۔ ۲۰۴
مامور رسول کے زمانہ میں لوگوں کو کثرت سے سچی خوابیں آتی ہیں ۳۱۷
مامور من اللہ کی صحبت سے انسان درست ہو جاتا ہے ۲۰
گناہ سوز حالت پیدا کرنے کیلئے مامور کی ضرورت ہوتی ہے ۵۹۵
مامور کو ایک قوتِ جاذبہ عطا کی جاتی ہے۔ ۳۵
خدا کے ماموروں میں کبریائی ہوتی ہے کیونکہ وہ ظلِّ الٰہی ہوتے ہیں ۵۱۳
مامور کی بے ادبی درحقیقت خدا تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔ ۴۱۲
ہر اختلافی مسئلہ میں مامور کی بات قولِ فیصل ہوتی ہے ۲۰۸
مامور کے مقابلہ میں آنے والے کی سب دعائیں اور لعنتیں الٹ کر اس پر ہی پڑتی ہیں۔ ۲۰۰
سب سے بڑا گناہ مامور من اللہ کا انکار ہے۔ ۴۳۱
سچے مامور کی مخالفت لازمی طور ہوتی ہے۔ ۳۷۸
جھوٹا دعویدار ضرور پکڑا جاتا ہے ۱۶۵

ماں نیز دیکھئے والدین
ماں کی شفقت ۶۹

مباہلہ

ایک اعلیٰ درجہ کا ہتھیار ہے ۲۱
دو مسلمانوں کے درمیان مباہلہ جائز نہیں ۶۳۶
مباہلہ کرنے سے پہلے اتمامِ حجت ضروری ہے۔ ۷۴
مباہلہ کی صورت میں جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتا ہے۔ ۳۲۷
مباہلہ کے وقت عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آتے ۴۸۳
ابوجہل کا مباہلہ اور ہلاکت ۱۶۷، ۳۵۹، ۴۴۷
جنگ بدر کے موقعہ پر ابوجہل کی دعا ۴۴۵
امام محمد طاہرؒ کا تاریخی مباہلہ جسکے نتیجہ میں جھوٹے مدعیان ہلاک ہوگئے ۶۱
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف مباہلہ کرنے والوں کی ہلاکت ۸۶، ۱۴۱، ۱۶۷، ۵۵۸
مباہلہ کے نتیجہ میں ڈوئی اور لیکھرام کی ہلاکت ۱۸۶
لیکھرام کا مباہلہ اور ہلاکت ۳۷۷
حضور سے مباہلہ کے لیے حکیم مولوی محمد یوسف کا اقرار نامہ ۷۵

مجادلہ

مجادلہ میں بے دلیل درخواست ہوتی ہے۔ ۶

مجاہدہ نیز دیکھئے جہاد
مجاہدہ اور ریاضات کی ضرورت ۵۰۷
خدا سے ملنے کے لیے محنت اور کوشش کی ضرورت ہے ۵۶۴
دین اسلام کے پانچ مجاہدات ۳۲۲
مجاہدین کی دو قسمیں ۲۷۴

مجدد

تجدیدِ دین کے واسطے ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجنے کا وعدہ ۱۱۸، ۳۵۲، ۶۶۵
ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا بھی امتحان ہے ۵۴۱
کتاب و سنت کی موجودگی میں مجدد کی ضرورت ۶۸۹
مجدد کا کام ۳۴۱
موجودہ حالات میں مجدد کی ضرورت ۱۲۵، ۳۴۵، ۶۶۴
چودھویں صدی کا مجدد ۱۶۵
اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھا گیا ہے ۸۲

محدّث

مجدد الف ثانی کے نزدیک محدث

کی تعریف ۴۶۸
مداہنت
مداہنت بُری مرض ہے ۲۷۵
مزاح
پاکیزہ مزاح جائز ہے ۹
مذہب نیز دیکھئے دین
سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۶۷۷
زندہ مذہب کی علامات ۱۱۸، ۵۵۷
سچے مذہب کی پہچان ۴۲
مذہب کی جڑ تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔ ۴۳، ۷۰
کوئی مذہب روحانیت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ۶۱
جس مذہب میں خدا کی عبادت نہیں وہ مذہب ہی کچھ نہیں۔ ۶۱۴
جب تک مذہب کی غیرت نہ ہو انسان کا مذہب ٹھیک نہیں ہوتا ۳۳
سچے مذہب میں پابندیاں لازماً ہونگی ۶۱۳
ایسا زمانہ آگیا ہے کہ ہر شخص کا الگ الگ مذہب ہے۔ ۵۳۸
اسلام کا دوسرے مذاہب سے مابہ الامتیاز ۶۳۳
تلوار کے زور سے نہیں پھیلتا ۱۹۹
اختلافِ مذہب کی بنا پر کسی سے بدخلقی نہیں کرنی چاہیئے۔ ۴۱
مذہبی آزادی کا ماحول قابل تشکر ہے۔ ۱۰۸
انگریزی حکومت کی آزادیٔ مذہب کی پالیسی کی تعریف ۱۰۹
افغانستان میں مذہبی آزادی کا فقدان ۱۴۷
مُرسَل۔ نیز دیکھئے رسول۔ نبی اور مامور
بدیوں کو دُور کرنے کے لیے مرسلین کا آنا ضروری ہے ۹۹
اس زمانہ میں مُرسَل کی ضرورت ۱۰۱
مسیح موعود۔ نیز دیکھئے غلام احمد قادیانی
مقام
تمام انبیاء کا مظہر ۲۹۶
حَکَم ہے ۲۱
مسیح موعود کو چُھونا خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت رکھتا ہے (حدیث) ۱۳۷
آنحضرتؐ کے چشمہ فیض کی برکت سے اُمّت میں مسیح موعود کا ظہور ۲۰۵
آنے والا اُمّتِ محمدیہ میں سے ہوگا جو مسیح کی خُو بُو پر ہونے اور مناسبتِ وقت اور مناسبتِ کام کے لحاظ سے مسیح کہلائے گا۔ ۵۹۹
قرآن شریف میں جس شخص کا نام خاتم الخلفاء رکھا گیا ہے احادیث میں اس کا نام مسیح موعود رکھا گیا ہے ۵۵۴
مسیح، مہدی اور فارسی الاصل شخص ایک ہی وجود ہے۔ ۸۰
ابنائے فارس میں سے ایک شخص ہوگا جو ایمان کو ثریا سے واپس دُنیا میں لے آئیگا۔ (حدیث) ۵۵۳
آنحضرتؐ کا آپ کے لیے سلام بھیجنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عیسیٰ نہیں جو نبیوں کے درمیان موجود ہے ۱۷۹
اُمّت میں سے پیدا ہونے والا ایک شخص ۱۷۹
آنے والا موعود ایک ہی ہے۔ ۳
آپ کے بارہ میں نواس بن سمعان کی ایک حدیث ۱۳۶
دعویٰ
قرآن کریم میں مسیح موعود کی بعثت کا ذکر ۵۵۱
جس کے متعلق تمام نبیوں نے پیشگوئیاں کی تھیں۔ ۸۲
آمد اور پیشگوئیوں کا ظہور ۴۵۳، ۴۹۲
دعوائے نبوت و رسالت ۴۴۷
مسیح موعود کی نبوت ۲۷
بعثت کی غرض
دو بنیادی کام ۵۶
شیطان کا مغلوب ہونا مسیح موعود کے ہاتھوں مقدر ہے۔ ۳۹۸
اس پر اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے والے نام کا پرتو ہے۔ ۲۳
آپ کے ذریعہ آنے والا رُوحانی انقلاب آسمانی نشانات سے آئیگا ۲۸
علامات و نشانات
علماء اور اولیاء نے چودھویں صدی کو مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ بتایا ہے۔ ۵۵۲، ۵۸۲
آپ کے زمانہ کے نشانات ۴۲۷
پیشگوئیوں کے مطابق نشانات کا ظہور ۴۲۹، ۵۵۲
اخبار کے مطابق رمضان میں کسوف و خسوف کا ظہور ۱۲۵
ذوالسنین ستارہ کا طلوع ۲۶۱
مسیح موعود کے وقت زلزلوں کے وقوع کی قرآنی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ۳۳
اس سے پہلے کسی مامور من اللہ کے لیے طی الارض واقع نہیں ہوا۔ ۱۳۷
آپکے زمانہ میں وحدتِ نوعی ہو جائیگی ۴۲۸
حدیثوں میں ہے کہ آنے والا مسیح زندوں کو مارے گا۔ ۲۹
کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر کی حقیقت ۳۹۵
قتلِ خنزیر سے مراد ڈوئی کی ہلاکت ۱۸۶
جہاں تک خدا کے مسیح کی نظر پہنچ سکے گی کافر تباہ اور ہلاک ہوتے جائینگے۔ (حدیث) ۴۰۵
مسیح موعود کے دم سے کافروں کے مرنے کی حقیقت ۳۶
نمازوں کے جمع کئے جانے کے متعلق پیشگوئی ۳۲
دو زرد چادروں کی حقیقت ۳۲

متفرق

مسیح موعود کو ماننے کی ضرورت ۵۵۱
عیسیٰ موسوی کی بجائے عیسیٰ محمدی کو آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے ۶۹۲
اگر ہم المسیح الدجال ہیں تو سچا مسیح موعودؑ کہاں ہے؟ ۴۳۴
مخالفت اور تکفیر ۳۹۰
علماء زمانہ کی بہت مخالفت کریں گے (حدیث) ۲۷۶
مسلمان نیز دیکھئے "اسلام"
مسلمان کی تعریف ۳۶۴
سچے دل سے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لائے ۳۶۴
اہل سنت والجماعت کون ہے؟ ۲۲۰
حقیقی مسلمان کا مقصود ۷۶
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ کی دعا مانگنے کی مسلمان کو کیوں ضرورت ہے ۳۸۹
مسلمانوں کو از سر نو مسلمان بنانے کا منشاء الٰہی ۵۹۰
مسلمانوں کی قومی ترقی کا راز ۲۸۳، ۴۳۸
مسلمانوں کا فرض تھا کہ کسر صلیب کے لیے آدمی تلاش کرتے ۴۸۸
مسلمانوں پر حجت ۱۷۸
مسلمانوں کی زندگی عیسائیوں کی نسبت بدرجہا بہتر ہے ۵۴۰
دین العجائز رکھنے والے مسلمانوں سے مواخذہ میں نرمی ہوگی ۵۳۵
کفار سے صلح کا فائدہ ۶۸۰
مسلمان سلاطین کا نیک نمونہ ۱۶۷
ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم محبت و اتفاق کی ضرورت ۶۸۵
ہندوؤں سے تعلق نہ رکھنے کی نصیحت ۳۹۳
مسلمانوں پر یہود کی طرح دو دفعہ عذاب کا آنا مقدر تھا۔ ۲۲۷
پنجاب کے مسلمانوں کے حالات سکھوں کے عہد میں ۳۹۲
مسلمانوں کے لیے سکھوں اور انگریزوں کے عہد کے حالات کا موازنہ ۶۴۳
دینی حالت
عیسیٰ کے وقت یہود کی جو حالت تھی وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح محمدی کے وقت ہوگی۔ ۶۶۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کا ارتکاب ۶۳۳
آریوں اور عیسائیوں کے ہمزبان ۶۶۹
مسیح موعود کی تکفیر اور مخالفت ۳۹۰
ہم کو کافر قرار دینے والوں کی حیثیت ۲۳۴
ڈاکٹر عبدالحکیم کے خلاف اسلام عقاید کے باوجود اس کی حمایت کرنا ۴۶
عقاید
غلط اور متضاد عقاید ۳۵۰، ۳۹۶
باہمی اختلاف اور خدا تعالیٰ کی منشاء ۵۳۹
ظہور مہدی کے بارہ میں اختلافات ۲۱
عقیدہ حیات مسیح کا نقصان ۶۹۴
غلط عقاید کی وجہ سے ہندوستان کے ایک لاکھ مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ ۴، ۱۶، ۶۹۳
عیسائیوں کی بت پرستی میں انکی مدد ۶۰۰
علماء اور پیروں کی حالت
آجکل کے پیر ۲۴۷
پیرزادگی کا مرض ۱۹
علماء کی حالت ۵۰، ۴۲۳
ملاؤں کی حالت ۳۶۰
دنیوی ادبار
مسلمانوں کی موجودہ حالت ۱۲۴، ۵۴۷
دینی اور دنیاوی زوال ۳۵
موجودہ زمانہ میں اندرونی اور بیرونی حالت ۱۰۱
اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے مسلمانوں سے سلطنت چھینی ۳۹۲
یَا اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ ۲۲۷
مسلمان بادشاہوں کی اپنے فرائض سے غفلت ۵۷۵، ۶۴۴
ہندوستان کی مسلمان ریاستوں کی تباہی کے اسباب ۲۲۷، ۴۹۷
اسلام کے ضعف کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ ۳۹۷
موجودہ مسلمانوں میں اسلام سے برگشتگی اور دہریت ۴۳۹
دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم نہ دینے کا نقصان ۶۴۷
غیر قوموں کی طرح مسلمانوں میں قومی ضروریات کیلئے چندہ دینے میں جوش نہیں ہے ۴۳۸
پُرامن دورِ حکومت کے نہ شکر گذار ہوتے نہ کوئی رُوحانی فائدہ اُٹھایا ۱۱۵

مشابہت
تشابہ فی الصُّور کی طرح تشابہ فی الاخلاق بھی ہوتا ہے۔ ۳

مشاعرہ
مجالس مشاعرہ کا انعقاد ناپسندیدہ ہے ۲۳۱

مشورہ
مشورہ بابرکت چیز ہے ۵۳۲

مصلح نیز دیکھئے "مامور۔ مجدد"
اس زمانہ میں مصلح اور مجدد کی ضرورت ۶۶۴
آنیوالے مصلح کے مختلف نام ہیں لیکن وہ ایک ہی وجود ہے۔ ۸۰
مصلح اور ریفارمر کی چار صفات ۳۵
حقیقی مصلح اور پیشوروں میں فرق ۳۴

معراج
معراج کی حقیقت ۳۱، ۶۱۸
قرآن و حدیث کی رو سے حقیقت ۶۳۴
عین بیداری میں ایک لطیف جسم کے ساتھ ہوا ۱۳۴
ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا ۳۴۰

معراج کی حقیقت اور حضرت عائشہؓ کا مذہب ۳۴۱
معراج کے دوران آنحضرتؐ نے عیسیٰؑ کو یحییٰؑ کے ساتھ دیکھا تھا ۴۹۲، ۶۳۲
آنحضرتؐ کا معراج کی رات عیسیٰؑ کو مُردوں میں دیکھنا ۶۰۰، ۶۶۹

معرفت
جس قدر پاکیزگی بڑھتی ہے اسی قدر معرفت بھی بڑھتی ہے۔ ۱۸
فکر معرفت کو بڑھاتا ہے ۲۴۶
خوفِ الٰہی معرفت کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ ۵۳
معرفت کاملہ ہی نجات کا موجب ہو سکتی ہے۔ ۵۹۳
گناہ سوزِ معرفت ۴۲

معجزہ
معجزات کے بارہ میں سنتِ الٰہی ۱۷
معجزات کی دو قسمیں ۴۶۷
معجزات اور شعبدہ بازی میں فرق ۴۸۱
پیشگوئی بڑا معجزہ ہے ۶۳
علمی معجزات کی شوکت دائمی ہوتی ہے ۴۶۷
اخلاقی معجزہ ہمیشہ اپنے اندر ایک زبردست تاثیر رکھتا ہے ۵۰۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ۲۰۵
معجزہ شق القمر کی حقیقت ۶۳۴
مسیح علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت ۴۵۲
انجیل میں مذکور معجزات ۶۳۴
بغیر معجزات کے زندہ ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ ۶۶۶
اگر اسلام میں تازہ معجزات نہیں تو وہ بھی دوسرے مذاہب کی طرح ہی ہے۔ ۵۸۸
معجزات سے صرف مومن فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ۵۳۸
صرف اس بات پر معجزات کا انکار کہ ہم نے کبھی ایسا ہوتے نہیں دیکھا، جائز نہیں۔ ۴
اگر نبی کی بعثت کیساتھ ہی کھلے کھلے معجزات دکھائے جائیں تو ایمان ایمان نہیں رہتا۔ ۵۲۴
ایک عظیم الشان معجزہ ۳۷۵

مغفرت
مغفرتِ الٰہی کے بارہ میں ایک حدیث ۱۱

مقرب
مقربانِ الٰہی کی علامات ۱۰۶
مکالمہ و مخاطبہ نیز دیکھئے الہام۔ وحی کے عنوانات
سلسلۂ مکالمہ و مخاطبہ اسلام کی رُوح ہے۔ ۵۵۶
اُمتِ محمدیہ کو حاصل ہے ۲۰۵
وَلِلّٰہِ بَاوْلِیَاءِہٖ مکالماتٌ و مخاطباتٌ ۵۵۵
مکالمہ و مخاطبہ کے بارہ میں شیخ عبدالقادرؒ اور مجدد الف ثانیؒ کا مذہب ۱۳۴
منگنی نیز دیکھئے نکاح
منگنی نکاح نہیں کہ اس کا توڑنا گناہ ہو۔ ۲۳۱
مہدی نیز دیکھئے مسیح موعود ۶۸۹
تمام اقوام کی طرف سے مہدی معہود کا انتظار ۶۸۴
آپکے ذریعہ علمی جنگ ہوگی اور اسرارِ روحانی اور برکاتِ سماوی سے دُنیا کو فتح کیا جائیگا۔ ۵۸۸
یَضَعُ الْحَرْب ۵۸۸
مہدی کیلئے کسوف وخسوف کی پیشگوئی کی شرائط ۴۹۵
علامات میں سے ایک طاعون کا پڑنا ہے۔ ۲۶۳
ظہورِ مہدی کے بارہ میں مسلمانوں کے اختلافات ۲۱
خونی مہدی کا عقیدہ بناوٹی ہے ۲۲۳
لاہور میں ایک مدعی مہدویت ۵۶

مہمان نوازی
مہمان کا حق ۱۶۳

میت
ماتم میں جزع فزع اور نوحہ کرنا جائز نہیں۔ ۴۶
میت کے لیے فاتحہ خوانی اور اسقاط ۱۶۷
صدقہ وخیرات اور کھانا کھلانے کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے ۱، ۲۵۳، ۳۴۵
میت کے نام پر قبرستان میں کھانا تقسیم کرنا۔ ۶

ن

ناول
ناول لکھنا اور پڑھنا ۲۶۶

نباتات
روحِ نباتی ۶۷۷
نباتات میں شعور ۶۷۸
اجرامِ فلکی کا نباتات پر اثر ۶۷۷

نبوت
پہلے لوگ اُمت واحدہ ہوتے ہیں نبی کے آنے سے ان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے ۳۵۹
انبیاء کا ساتھ ہمیشہ ضعیف اور کمزور لوگ ہی دیتے ہیں ۵۸۴
بعض امور میں مخاطب نبی ہوتا ہے مگر سبق اُمت کو دینا منظور ہوتا ہے ۱۹۸
انبیاء کی تعریف کی وجہ ۳۶۳
اپنا وجود دکھا کر بھی اپنی عظمت قائم کر جاتے ہیں۔ ۶۸۶
پہلے صبر اور پھر درد کی حالت میں وہ قوم کی تباہی کی دُعا کرتا ہے ۱۹۹
انبیاء کی تعلیم وقت اور موقعہ کے حسب حال ہوتی ہے ۷۱

حقیقتِ نبوت
نبی کے لغوی اور اصطلاحی معنی ۵۵۵

نبی کی تعریف ۶۸۹
ولی اور نبی کا فرق ۱۴۴
نبی اور امت کا باہمی تعلق ۴۶۱
بنی اسرائیل میں کئی ایسے نبی ہوتے جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی صرف خدا کی طرف سے پیشگوئیاں کرتے تھے۔ ۴۴۷

مقام

ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کا پرتو ہوتا ہے۔ ۲۳
خدا کا ظہور انبیاء کے ذریعہ ہوتا ہے ۴۹۹
اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقینی ثبوت انبیاء کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے ۶۲۰
خدا تعالیٰ کا جلال خدا تعالیٰ کے رسول کے جلال سے وابستہ ہے ۲۶
نبی قرنا (صور) کا حکم رکھتے ہیں ۴۲۵

صفات

نبی اور مصلح کی چار صفات ۳۵
قولِ موجّہ صفتِ انبیاء ہے ۵۳۰
کوئی نبی نہیں جس میں قوتِ جاذبہ نہ ہو۔ ۳۵
انبیاء میں سلبِ خودی کا جذبہ ہوتا ہے ۲۱۶
مادر زاد پاک ہوتے ہیں۔ ۳۴۴
تمام انبیاء نفسِ خبیثان سے پاک ہیں ۳۴۲
انبیاء پر جادو کا اثر نہیں ہوتا ۳۴۸
شہرت پسند نہیں ہوتا۔ ۲۰۹
انبیاء کی سختی کرنے میں کوئی دنیاوی غرض نہیں ہوتی۔ ۶۹
اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے ۲۱۲
انبیاء سے ذہول ۲۷۵
نبی کی وفات کی حکمت ۲
انبیاء کے استغفار کی حقیقت ۲۸۲

ضرورتِ نبوت

انبیاء کی ضرورت ۵۸۸، ۶۶
ایک وقت میں ایک سے زائد نبی ۵۶۲
ہندوستان میں انبیاء کی بعثت ۴۵۹
ہر قوم میں نبی آئے مگر سب کا ذکر قرآن میں نہیں ہے ۴۶۰

صداقت

انبیاء کی صداقت دلائل اور خارق عادت نشانات سے ثابت ہوتی ہے۔ ۷۱
صادق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے ۸۶
سچے نبی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہیبت ہوتی ہے۔ ۵۵۹
یہ امر بھی منہاجِ نبوت میں داخل ہے کہ صادق کا دعویٰ اوّل ہو اور کاذب کا پیچھے ۲۴۳، ۲۵۱
ہر نبی کے زمانہ میں کوئی نہ کوئی جھوٹا مدعی نبی پیدا ہوتا ہے۔ ۵۶
کسی نبی نے دنیا میں ذلت و خواری نہیں دیکھی ۴۱۱
ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کوئی طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ ۲۰۲، ۲۱۸
جھوٹا مدعی ناکام ہو کر مرتا ہے ۱۶۶

نبی اور ابتلاء و مصائب

انبیاء اور رسل کے ابتلاء ۴۱۶
انبیاء کا دوسرا نام اہلِ بلا اور اہلِ ابتلاء بھی ہے۔ ۳۳۶
تکلیف اور ابتلاء کا زمانہ سب نبیوں پر آیا ہے ۲۸۶
ہر نبی کے زمانہ میں الگ الگ آزمائشیں ہوتی ہیں۔ ۳۳۲
تمام انبیاء کو گالیاں دی گئیں ۶۱۰

خاتم النبیین

خاتم النبیین کے معنی ۵۶۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت والا نبی نہیں آسکتا۔ مگر آپ کی وساطت سے بغیر شریعت کے نبی آسکتا ہے (مفہوم قول حضرت عائشہؓ) ۷۸
زندہ نبی ۵۸۰

اُمّت میں نبوت

اُمّت میں نبوت کے بارہ میں محی الدینؒ ابن عربی کا مذہب ۵۶۵
امت میں سلسلہ نبوت کے بارہ میں بزرگانِ سلف کا عقیدہ ۶۸۹
صوفیاء مانتے ہیں کہ انسان خلقی طور پر نبی بن سکتا ہے۔ ۳۴۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت میں صرف ایک کا نام نبی رکھا ہے ۲۷
مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کی حقیقت ۴۴۷، ۶۶۷

نجات

نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر۔ ۳۲۱
معرفت کاملہ ہی نجات کا موجب ہو سکتی ہے۔ ۵۹۳
تزکیۂ نفس پر موقوف ہے۔ ۵۷۳
نجات سچی خوابوں سے وابستہ نہیں ہے ۱۰۴
خوفناک حالات سے بچاؤ کا طریق ۵
ہندوؤں اور آریوں کا نظریہ نجات ۳۸۴، ۴۲۴

نشان

نشان وہ ہوتا ہے جو اپنی عظمت سے رُعب ڈال دے۔ ۴۴۳
مامور من اللہ کی صداقت کے نشانات ۳۵۱
اللہ تعالیٰ اپنی شناخت اور زندگی کے ثبوت کے لیے نشانات دکھاتا ہے ۶۲۰
نشانات کے ذریعہ تکمیلِ ایمان ہوتی ہے۔ ۲۵۲
فرمائش سے نشانات نہیں دکھاتے جاتے۔ ۵۱۰، ۵۱۱
اگر انبیاء کی بعثت کے ساتھ ہی بڑے بڑے نشانات اور معجزات دکھاتے

جائیں تو ایمان ایمان نہیں رہتا ۵۲۴
نشانات کی ناقدر دانی نہ کریں ۳۲۶
آخری زمانہ میں نشانات کی کثرت کی خبر ۲۵۶
آخری زمانہ کے بارہ میں نشانات کا ظہور ۱۲۶
ستاروں کا کثرت سے ٹوٹنے کا نشان ۲۸۱
دُمدار ستارہ کا طلوع ۲۶۰
مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ ۱۲۷
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہونے والے نشانات ۱۵۹، ۴۲۹
نفاق
ریاکار اور خوشامدی منافق ہوتے ہیں ۱۰۸
نفخِ صُور
نفخِ صُور سے مراد ایک مامور کی آمد ہے ۴۲۵
نفس
نفس کی تین قسمیں۔ امّارہ۔ لوّامہ اور مطمئنّہ ۴۱۰، ۴۵۳، ۶۴۹
نفسِ امّارہ سے رہائی پانے کا ذریعہ دُعا ہے۔ ۵۷۲
نکاح
رشتہ و ناطہ کا اسلامی معیار ۴۸
منگنی نکاح نہیں کہ اس کا توڑنا گناہ ہو۔ ۲۳۱
عورت کیلئے ولی کی ضرورت ۵۰۴
شادی کو دَف کے ساتھ شہرت کرنا جائز ہے لیکن اگر اس میں ناچ شامل ہو تو منع ہے۔ ۳۵۵
تعددِ ازدواج کی ضرورت ۴۶۳، ۵۳۰
نکاحِ ثانی ۱۳۹، ۱۴۰
خاوند کے نکاحِ ثانی میں بیوی ناراض نہ ہو۔ ۴۸
غیر احمدیوں کی لڑکی لینے میں حرج نہیں ہے لیکن دینے میں گناہ ہے ۵۲۵
غیر احمدی والدین کی احمدی لڑکی کا نکاح ۳۲۵
نماز
نماز کا خلاصہ ۳۳۵
مقام
معراج کے مراتب تک پہنچاتی ہے ۴۳۲
جامع حسنات اور دافعِ سیئات ہے ۹۴
وہ شے ہے جس سے سب مشکلات دُور ہوتے ہیں ۴۰۲
حقیقت
نماز کی اہمیت اور حقیقت ۹۲، ۴۰۲، ۴۱۵، ۵۹۰
ارکانِ نماز کی حقیقت ۹۵
پانچ اوقات کی حکمت ۹۴
شمالی ممالک
کاملوں کی نماز کی کیفیت ۲۵، ۱۲۳
حقیقی نماز ۴۰۳
نماز میں حضورِ قلب ۶۶
پُر ذوق اور باحلاوت بنانے کا طریق ۶۶۱
نماز میں لذت کے لیے سورت کو ہمیشہ یاد رکھو ۲۴۳
صلوٰۃ کے معنی ہی سوزش ہیں اسکے بغیر نماز کچھ نہیں ۳۳۱
نماز کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی اہمیت ۶۶۰
نماز اور دُعا
بڑی اعلیٰ درجہ کی دعا ہے ۹۳
اصل مقصد نماز کا دُعا ہے ۳۳۵
نماز جو اصل دُعا ہے اسی سے مسیح ہوتی ہے۔ ۱۰۲
نماز خشوع اور انکسار سے ادا کرنی چاہیئے اور دین و دنیا کے لیے نماز میں بہت دعا کرنی چاہیئے۔ ۳۷۳
متفرق
جلسہ سالانہ کے موقعہ پر نماز ظہر و عصر کا جمع ہونا ۴۱۳
ایک قوم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کی معافی طلب کرنا اور حضورؐ کا انکار ۶۱۴
قابلِ لعنت نماز ۶۶۱
خدا کی عظمت اور جلال و تقدیس کے واسطے جوش نہ رکھنے والوں کی نمازیں جھوٹی ہیں۔ ۴۸۷
رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں۔ ۶۶۰
مسائلِ نماز
امام کی صفات ۲۲۴
نماز میں امام کی جگہ ۱۶۶
پیشِ امام مقتدیوں کے حالات کا لحاظ رکھے۔ ۳۲۵
فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین ۲۲۴
غیروں کے پیچھے نماز ۴۷۸
غسّال کے پیچھے نماز ۲۲۴
التحیات پڑھنے کے بعد اگر مقتدی غلطی سے پہلے سلام پھیر دیں تو نماز ہو جاتی ہے ۲۱۴
اپنی زبان میں دُعا مانگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی ۴۴، ۵۵
نماز میں حضورِ دل پیدا کرنے کیلئے اپنی زبان میں بھی دُعائیں مانگنی چاہئیں ۵۴
نماز کے دوران باآواز بلند اپنی زبان میں دُعا ۲۳۸
نماز کے بعد دُعا ۵۴
مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز ۴۴۲
اذانِ فجر کے بعد نوافل ۱۳۶
صبح کی سنتوں کے بعد فرضوں سے پہلے نفل جائز نہیں ۱۳۸
سفر میں نمازوں کا قصر ۴۲۶
فوت شدہ نمازوں کی قضا ۴۷۹

ایک مسجد میں دو جمعے ۲۱۴
دو افراد کا نماز جمعہ ۱۶۸
نماز جمعہ میں عورتوں کی شمولیت ۲۶۵
نماز جمعہ کے بعد احتیاطی نماز کی
کوئی ضرورت نہیں ۲۲۹
نماز تراویح ۳۶۲، ۳۶۹
تراویح دراصل تہجد ہے اور سنت ہے ۳۷۳
تراویح کی آٹھ رکعات ہی سنت
سے ثابت ہیں ۴۴۷

نیچریت
قریب ہے کہ یہ لوگ دہریہ ہو جائیں ۶۳۵

نیکی
نیکی کی حقیقت ۶۲۳
ترکِ ذنوب ہی نیکی کی شرط نہیں بلکہ
کسبِ خیر ضروری ہے ۵۶۲

و

والدین
باپ کی نیکی کی وجہ سے اولاد بچائی
جاتی ہے ۴۷۷
والدین کے حقوق ۱۸۰
والدین کی خدمت ضروری ہے مگر
اللہ کا حق مقدم ہے ۴۵۰
ماں کی محبت بھی کسی قسم کا طمع
نہیں ہوتا ۶۶۳
والد کا حق ۴۹۷
والد کو بیوی کا تعلق جاوبیجا نہ
نہیں کرنا چاہیئے ۴۹۸

وحدت
وحدت کا دشمن ۳
وحی نیز دیکھئے الہام
وحی الٰہی میں فترت کا دور ۳۷۰
صوفیاء وحی کو بند نہیں مانتے ۳۴۱

وظائف
مسلمانوں کے خود ساختہ وظائف ۶۳۵
صوفیاء کے خود ساختہ وظائف ۸۳
وظائف کے ساتھ دنیا حاصل کرنے
کی خواہش ایک بت پرستی ہے ۸۴۰
خاوند کی خدمت بیوہ رہ کر وظائف
پڑھنے سے بہتر ہے ۴۷

وعظ
زبانی وعظوں سے اتنا اثر نہیں ہوتا
جتنا اپنی حالت درست کر کے
عملی نمونوں سے کام ہو سکتا ہے جو
کئی تقریریں اور وعظ نہیں کرتے ۲۷۲

ولی جمع اولیاء
خدا کے نزدیک ولی اللہ اور صاحب
برکات ۴۸۷
ولی اور نبی کا فرق ۱۳۴
آں نبی وقت باشد اے مرید
(مثنوی) ۶۸۹
وَعِظُوا بِاَدْنٰی مَا یَعِظُ بِہٖ
مخاطبات ۵۵۵
اولیاء اللہ ابتلاؤں سے گذرتے ہیں ۳۳۶
ایک قوم سے ولی بننے کا راز ۳۱۲
اولیاء کی کرامات اور خوارق ۴۸۴
اولیاء کو صفتِ خلق یا تکوین دینے
جانے سے مراد ۱۹۹
اولیاء کی مشہور کرامات ۴۸۴
جنتر منتر سے کوئی ولی نہیں بن سکتا ۵۰۸

وید نیز دیکھئے ہندومت
۱۴۵، ۱۸۶، ۴۷۳

ہ

ہڑتال (سٹرائیک)
علی گڑھ کے طلباء کی سٹرائیک پر
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ناراضگی ۱۷۲
سیالکوٹ کے تاجروں کی ہڑتال پر
اظہارِ ناپسندیدگی ۸۵

ہمدردی
اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو
جیسی اپنے نفس سے کرتے ہو ۶۹
ماتم والوں کے ہاں کھانا بھجوانا
ضروری ہے ۲۳۳
نوعِ انسان کیلئے قطع نظر مذہب
کے ہمدردی کی تلقین ۱۳۰
ہندوؤں سے دنیوی امور میں ہمدردی ۲۲۹

ہندو مذہب
کرشن جی مہاراج کا مذہب موجودہ
ہندو سے مختلف تھا ۴۵۸
ہندوؤں میں احمدیت قبول کرنے
والوں کی استقامت ۲۴۹
ہندوؤں کے لیے ایک پیادی پرانتھا ۶۸۸
ہندو خواتین سے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کا خطاب ۶۸۷
ہندوؤں سے دنیوی اُمور میں ہمدردی
دکھانا اور امداد کرنا جائز ہے ۲۲۹
ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم محبت و
اتفاق کی ضرورت ۶۸۵
مُردہ ہونے کی دلیل ۱۱۹
حیوان کو انسان پر ترجیح دینے والی
قوم کیا انصاف کریگی ۲۱۳
چھوت چھات کمزوری کا نشان ہے ۶۲۷
ویدوں کی حیثیت ۱۸۶
وید توحید کی تعلیم سے خالی معلوم
ہوتے ہیں ۴۷۳
مضحکہ خیز نظریۂ نجات ۳۸۴
اکثریت مورتی پوجا کی حامی ہے ۴۷۴
ہندو اب بتوں کی پرستش چھوڑ
رہے ہیں ۹۰
مصیبت کے وقت صدقہ و خیرات
دیتے ہیں ۱۷۷
مسئلہ گوشت خوری ۷۸
برہمو بھی لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں ۵۵۷
برہمو رازِ توحید کو نہیں سمجھ سکے ۶۵۶
سناتن دھرم کے لوگ اکثر نیک اخلاق
ہیں اور سب بیبیوں کی عزت کرتے ہیں ۳۷۱

سناتن دھرم کے عقاید کا رد ۳۷۹
قادیان کے ہندوؤں کا گواہی کو چھپانا ۱۲۸
قادیان کے ہندوؤں سے مخاطب کرکے فرمایا مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ حجت تم پر قائم ہے۔ ۱۲۹

ی

یاجوج وماجوج ۴۰۶، ۴۰۷
ظہور ۴۲۹
دجال اور یاجوج وماجوج ایک ہیں ۴۲۷

یہود
موحد ہیں ۵۵۸
ان کی کُتب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں موجود تھیں ۷۱
یہود کی بہت بڑی تعداد آنحضرتؐ اور سلاطین کے زمانہ میں مسلمان ہوگئی تھی۔ ۱۵۸
ایک یہودی نومسلم کا سبق آموز واقعہ ۳۳۴
آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے کے یہودی فقہا۔ بعض غلط عقاید میں قابلِ مواخذہ نہیں تھے۔ ۶۴
یہود اور نصاریٰ کے گناہوں کا موازنہ ۳۹۰
باوجود تورات کی موجودگی کے گمراہ ہوتے۔ ۹۹، ۵۹۰
یہودی شریعت کے بعض مخصوص احکام ۷۱
مسیح سے پہلے ایلیا کی آمد کا عقیدہ ۳، ۲۰۸
موسیٰؑ کے رفع رُوحانی کے قائل تھے ۴۹۱
مسیح کے رفع رُوحانی کے مُنکر تھے ۶۰۱
خدا کے انبیاء کے ساتھ بہت ہنسی ٹھٹھا کیا تھا۔ ۳۸۸
یہود کا سب سے بڑا گناہ ماموریں اللہ کا انکار تھا۔ ۴۳۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت تکذیب کی اور بہت شوخی سے پیش آئے۔ ۳۸۹
حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر الزامات ۳۴۳
آجکل کے فقیہوں اور فریسیوں سے پہلے کنجنیاں جنت میں جائیں گی۔ (عیسیٰ علیہ السلام) ۶۲۹
عملی حالت ۸۸
بڑے سخت دل ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں۔ ۶۵۷
جھوٹے مدعیان مسیحیت کی مخالفت نہیں کی۔ ۵۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے کافر قرار پاتے۔ ۲۳۴
مسلمانوں کی یہود سے نسبت ۲۲۷

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ
ترتیب بلحاظ سورۃ

الفاتحۃ

۲ر۳ر۴۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۳۷۹ ، ۴۸۹

۵۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۳۵۵

۶ر۷۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۳۳۶، ۳۴۶

۶ر۷۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۵۷، ۳۴۷، ۳۸۷، ۶۶۶

البقرۃ

۲ر۳۔ الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۱۲۱، ۱۲۲، ۲۴۶، ۳۹۸، ۴۱۵

۴۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۱۲۲

۸۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ۲۶۵

۱۱۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۹۹، ۲۷۵، ۲۸۹، ۵۲۶

۱۵۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۲۵۵، ۲۵۸، ۶۳۶

۲۶۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۶۴۸

۳۰۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۲۱۳

۳۱۔ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۶۷۵

۳۲۔ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ ۵۵۵

۳۳۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۱۸۱

۳۶۔ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۳۱

۴۰۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ ۴۸۸

۶۰۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۲۰۲

۷۳۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۲۹۹

۱۰۶۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ۶۳۰

۱۰۷۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۶، ۲۰۴

۱۱۳۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ۶۵۶، ۶۵۸، ۶۶۳

۱۲۶۔ وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ ۴۰۸

۱۳۵۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۶۸۴

۱۴۰۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا ۷۳

۱۴۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۶۲۷

۱۵۶، ۱۵۷۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ..... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۴۶، ۵۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۴۱۵، ۶۱۳، ۶۶۲

۱۷۴۔ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۴۳۵

۱۸۵۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ۳۲۰، ۶۰۴

۱۹۱۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ۲۷۸

۲۰۱۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ

آبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ٣١٤
٢٢٣- اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ١٠٧،٤٣ ٤٠٩
٢٢٥- وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٤٨٠
٢٥٦- لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ٧٣
٢٥٨- اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ٧٦
٢٧٩،٢٨٠- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ٤٣٥
٢٨٦- لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ٤٩٨

اٰل عمران

٣٢- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ٢٤،١٣٢،٥٦٤
٣٧- اِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٣٤٤
٥٠- رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ٦٥٤
٥٦- اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ٥٤٦
٦٠- اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ٣٤٠،٦٠١،٦٢٧ ٦٩٣
٦٢- لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٢٠٠،٦٦٧
٦٩- وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ٣٥٠
٩٣- لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ١٠٣
٩٨- اِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥٦٨
١٤١- تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا ٤٨٨
١٤٥- مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ٢٤٠،٥٩٨
١٩٤،١٩٥- رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ .... اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ٤١٣

النسآء

٢- خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ٤٢٨
٣- مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ١٤٠
٢٩- خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ٥٤٣،٦١٧
٩٢- مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ١٥٧
٩٥- كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ٥٣٦
٩٦- وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ٥٠٧
١٢٩- وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ٣٣
١٤٣- لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ٥٢٦
١٤٦- اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ٥٣٩
١٤٨- مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ١٦٧،١٧٦
١٥٨،١٥٩- مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ٤٩١،٦٠٢

المآئدة

٤- اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ٥٤٢
١٤- يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ٣٣٨
١٩- نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ٣٥٦
٢٨- اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ٤٣١،٤٥٤
٥٥- لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ٤٤٦
١٠٠- مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ٥٩٠
١٠٥- مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ٧٢،٧٣
١٠٦- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ٦٢٨
١١١- اِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ ٦٩١
١١٧،١١٨- وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ .... وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ١٢،١٧٤،٣٩٧،٤٥١،٤٩٢،٥٤٦،٥٩٩ ٦٣٢
١٢٠- هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ١٧٥

الانعام

٢٠- لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ٦٥٤
٢٢- مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ٦٧٠
٣٨- وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ٥١٠
٤٦- قُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ٢٠٠
٨٣- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ٤٥٦
٩٢- وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ٣٠٧
١١٠- قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

اللّٰهِ ٥١١
١٢٠۔ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ٢٦٢
١٦٥۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ٦٢١

الاعراف

٢٦۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ٦٣٢
٣٠۔ أُدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ٣٣٥
٣٥۔ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ٢٨٠، ٣٠٦
٤١۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ٤٩١
٥٥۔ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ٢٣٨
١٢٦۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ٦٠٠
١٥٧۔ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ٣٨٩
١٥٩۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٣٣٩، ٤٢٨، ٦٥٤
١٧٣۔ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ١٦٣
١٨٠۔ أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ٢٠٥
٢٠٦۔ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ٢٣٨

الانفال

٢٤۔ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ١٩٩
٢٥۔ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ٦٣٣
٢٩۔ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ٩٧
٣٠۔ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا
٣٤۔ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ٢١٢، ٦٣٠
٤٦۔ لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ٦٣١
٦٢۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ٥٢٧
٦٨۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّكُونَ لَهُ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ٤٣٩

التوبة

١٣۔ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ٥٠٣
٧٣۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ٥٢٧
٨١۔ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ٢٨٨
٩٨۔ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ٢٠٠
١١٩۔ كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ٨٢

يونس

٣٣۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ ٦٦٩
٤٧۔ إِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ٥٤٦، ٦٠٠، ٦٣٢، ٦٩٢
٦٥۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ١٢٠
٩١۔ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُوا إِسْرَائِيلَ ٢٨٠، ٤٠٤

هود

٩٩۔ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ٥٢٧
١٠٦۔ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيدٌ ٥١٠
١٠٨۔ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ٦١٧
١٠٩۔ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ٥١٠، ٦١٧
١١٥۔ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ٤٥

يوسف

٥٣۔ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ ٤١٠، ٥٧٢
٩١۔ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ ٣١٨
٩٢۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ٣٣٩
١٠١۔ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ٤٥١، ٥٤٦، ٥٨٠، ٦٠٠، ٦٣٢
١٠٨۔ قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ٤٦٩

الرعد

١١۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ٤٦٠، ٤٦٧، ٥٠٤، ٥٤٠
٣٩۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ٦٣٠
٤٣۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ ٢٠٤، ٣٦٦، ٣٦٨

ابراهيم

٨۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ٥٢٣
١٦۔ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ١٩٩
٣٥۔ إِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ٦٣٩

الحجر

١٠۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ
۱۲۴، ۱۶۵، ۳۳۸، ۵۵۲، ۶۷۰
۴۸۔ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۴۹۰

النحل

۶۲۔ یُؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۶۳۰
۹۱۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ۶۶۳
۱۱۷۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ ۶۳۰
۱۲۹۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۲۰۲، ۴۵۵، ۶۰۶

بنی اسراءیل

۱۶۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۳۱۶
۲۶۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا۔ ۴۵۰
۳۷۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۳۵۳، ۳۶۷
۴۸۔ اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۳۴۹
۵۹۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ۱۲۶، ۱۶۰، ۲۶۲، ۳۱۶
۶۱۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ ۶۳۴
۶۵۔ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ

الْاَوْلَادِ ۳۳۹
۶۶۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۳۴۳
۷۳۔ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۳۸۲
۸۵۔ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ۶۸۰
۹۴۔ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ.... قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ ۳۴۰، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۳، ۵۱۱، ۶۳۲

الکہف

۸۳۔ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۴۷۷
۱۰۰۔ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۴۲۷، ۵۳۸
۱۰۱۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا ۴۲۸، ۴۲۹
۱۰۲۔ اَلَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا۔ ۴۲۹
۱۰۶۔ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۳۰۶

مریم

۹۱، ۹۲۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۳۹۱، ۶۰۰

طٰہٰ

۶۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی۔ ۳۸۲
۴۵۔ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا ۵۲۷
۶۲۔ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ۶۷۰
۷۰۔ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ ۳۴۸
۷۵۔ اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۴۶۸

الانبیاء

۹۹۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ ۳۵۸
۱۰۸۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۵۴۸

الحج

۳۔ وَتَرَی النَّاسَ سُكٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰی ۴۱۴
۴۰۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ ۲۷۸، ۵۸۷
۴۱۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ .... عَزِیْزٌ ۳۶۲
۴۸۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۱۵۱

المؤمنون

۲، ۳۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۴۰۰
۴۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۴۰۰، ۴۰۱
۵۔ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۴۰۱
۶۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۴۰۱
۹۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۴۰۲
۱۰۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۴۰۲
۱۵۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۶۷۶
۳۸۔ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا

نَمُوْتُ وَنَحْيٰ ۵۸۹

النّور

۳۸۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔
۱۴۱، ۱۶۲، ۴۰۱ و ۵۵۰

۶۲۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۶۲۷

الفرقان

۸۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۶۲۹

۶۵۔ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ ۱۱۷، ۲۱۵

۷۳۔ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۱۳۱

۷۸۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۹۶، ۲۷۲

الشعراء

۱۵۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ ۲۰۹

۸۱۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ ۱۶

النّمل

۴۱۔ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۱۵

۶۳۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ ۴۵۵

القصص

۵۷۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۵۷۹، ۶۰۵

العنکبوت

۳۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۱۵۸، ۲۸۸

۳۵، ۳۲۹، ۴۴۴، ۴۶۰، ۵۰۸، ۵۴۱، ۶۵۸

۷۰۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۳۸۰، ۴۳۱، ۵۰۷، ۵۶۷، ۶۴۹

الروم

۲، ۳۔ الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۵۵۷، ۵۷۶

۳۳۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۲۷۴

۴۲۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۳۳۹، ۳۷۹

الاحزاب

۱۲۔ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ ۵۷۱

۱۴۔ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۲۸۸

۲۴۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۳۰۵، ۳۱۰

۴۷۔ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۶۶۴

۶۱۔ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۲۰۱

۶۳۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ ۴۸۸

سبا

۱۴۔ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۱۹

فاطر

۲۵۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۳۳۸، ۴۵۹ و ۶۱۹، ۶۵۵

۳۳۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ ۶۳۷

یٰسٓ

۳۱۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۵۷۴، ۶۱۰

۵۹۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۲۴۴

۸۳۔ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۲۰۲

الصّٰفّٰت

۹۷۔ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۱۰۶

۱۵۰۔ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۳۵۴

صٓ

۴۵۔ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۱۶۰

۵۱۔ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۴۹۱

الزمر

۴۳۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ۵۱۵، ۶۳۳

۵۴۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

المؤمن

۲۹۔ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ ۵۲۵

۶۱۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۵۳، ۳۲، ۳۸۶، ۳۸۷

۷۹۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۳۳۷، ۴۶۰

حٰمٓ السّجدة

۲۲۔ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۴۱۲

۳۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۷۶، ۱۲۰

الشوریٰ

۴۱۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۴۷۰، ۶۵۳

الجاثیة

۲۰۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ۳۵۰

۲۵۔ وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۱۱۷

الاحقاف

۱۶۔ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۴۵۶

محمد

۱۳۔ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۱۱۷، ۲۷۲

۱۶۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۶۴۸

الفتح

۱۱۔ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۳۱۴

۲۴۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۵۷۳

۳۰۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۵۲۷

الحجرات

۱۴۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۴۹

ق

۱۷۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۳۸۲، ۴۹۱

الذّٰریٰت

۲۳، ۲۴۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۲۰۱، ۳۰۷، ۴۷۷

۵۶۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۴۰۲، ۴۰۵۔ ۴۸۷

النّجم

۲۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۲۸۱

۲۲۔ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی۔ ۳۵۴

۴۰۔ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۵۰۷، ۵۶۷

۴۴۔ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی ۶۲۹

القمر

۲۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۴۴۲

الرّحمٰن

۲۷۔ كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۱۵۲

۴۷۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۴۱۱

۶۱۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۱۱۱، ۲۲۲

الواقعة

۸۰۔ لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۱۸، ۱۲۱

الحدید

۵۔ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ ۳۸۲، ۴۹۱

۱۸۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۴۶۲

المجادلة

۸۔ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ۴۹۱

۲۳۔ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۶۲۸

الحشر

۱۵۔ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ۲۳۰

الممتحنة

۹۔ لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ۵۰۳

الصف

۳، ۴۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۴۵۳

الجمعة

۴۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ ۳۱۱

التغابن

۱۶۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۶۰۳

الطلاق

۳، ۴۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۲۰۱، ۴۳۰، ۴۳۵

۴۔ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۵۴۳

التحریم

۷۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ۲۷۲، ۴۵۶

۹۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۴۰۹

۱۲۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۴۶۱

الملک

۱۱۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۴۲۷، ۴۴۵، ۵۲۴

القلم

۴۹۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۱۹۸

الحاقة

۴۵۔ ۴۷۔ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۱۶۶، ۴۶۸، ۶۷۰

نوح

۲۷۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ ۱۹۹

الجن

۲۷، ۲۸۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۲۱۷، ۳۰۹، ۴۶۶

المدثر

۶۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۱۹۲، ۲۳۸، ۳۱۳

القيامة

۳۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۴۱۰

الدهر

۶، ۷۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۳۷

۱۰۔ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۶۶۴

۱۸۔ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۳۷

المرسلت

۲۶، ۲۷۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۳۵۱

التكوير

۵۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۱۲۶، ۲۷۷، ۴۲۸، ۴۹۲، ۵۵۳

۸۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۴۲۷

الطارق

۱۲، ۱۳۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۶۵۰

الاعلى

۱۵۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۳۱۷، ۵۶۱

الفجر

۲۸۔۳۱۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۴۱۰

الشمس

۱۰، ۱۱۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۲۱۶، ۷۷، ۳۳۲، ۳۶۰، ۴۰۷، ۵۵۰، ۵۷۳، ۶۲۵، ۶۳۵، ۶۴۶

۱۶۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۲۸۱

والضحى

۲۔۴۔ وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ ۳۷۰

۷۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۱۶۰

الم نشرح

۳، ۴۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۳۰۵

۷۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۱۶۵، ۶۳۸

العلق

۷، ۸۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اِنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۲۲۸

البينة

۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۳۶۷

۹۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۴۹۴

الزلزال

۷، ۸۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۴۶۸

الفيل

۲۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۵۳۴

الماعون

۶، ۵۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۴۵، ۳۳۳، ۴۰۳، ۵۹۰، ۶۶۱، ۶۹۰

الكوثر

۴۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۳۰۹

النصر

۲۔۴۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۲۰۵، ۳۳۹، ۴۹۳

الاخلاص

۲۔۴۔ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ ۲۰۵

اسماء

ا

آتمارام (مجسٹریٹ) ۲۹۹
ناحق سات سو روپے جرمانہ کرنا ۳۹۳
مقدمہ میں مخالفین کی ناکامی ۱۲۷
آتھم عبداللہ ۲۱۲
دجال کہنے سے انکار اور رجوع ۲۵۷
آتھم پیشگوئی سُن کر خوف کھا گیا، لیکن لیکھرام نے شوخی اختیار کی ۱۷۷
آتھم کے متعلق حضرت خواجہ غلام فرید کا عمدہ جواب ۱۹۹
آدم علیہ السلام
۱۲، ۱۱۶، ۲۹۶، ۵۷۴، ۶۱۹، ۶۲۱، ۶۲۵
خلیفہ بنائے جانے کی حکمت ۲۱۳
آدم میں تکبر نہیں تھا اس لیے اس کا گناہ بخشا گیا۔ ۲۱۶
اگر توبہ نہ کرتا تو صفی اللہ کا لقب کہاں سے پاتا ۴۴
آدم بہت سے گذرے ہیں ۶۷۵، ۶۷۶
آدم سے پہلے بھی نسل انسانی تھی ۶۷۵
جس بہشت سے نکالے گئے تھے وہ زمین پر ہی تھا۔ ۱۵۳
بائبل کے مطابق آدم جیحون سیحون میں پیدا ہوا۔ ۶۷۵
دُنیا کی عمر سات ہزار سال حضرت آدم سے گنی جاتی ہے۔ ۱۵۲
آپ سے لیکر آنحضرتؐ تک سلسلۂ وحی جاری رہا۔ ۶۶۵
جیسا کہ اوّل میں وہ آدم تھا ایسا ہی آخر میں ایک آدم ہے ۱۵۲
آپ بھی بن باپ تھے ۳۴۰
عیسیٰ کی آپ سے مشابہت ۲۱۹، ۶۰۱
بے باپ اور بے ماں ہونے کی بناء پر بطریق اولیٰ انہیں خُدا ہونا چاہیئے ۶۹۳
بیٹے کی وفات ۲۸۶
آپ پر عورت کی وجہ سے فتنہ آیا تھا ۴۵۶
ابراہیم علیہ السلام ۲۲۶، ۴۵۰، ۴۹۹
ابتلاء ۳۳۶
آپ کا ابتلاء اور عظیم اجر ۴۱۶
ابتلاء کے موقعہ پر بھی خدا سے راضی رہے ۴۱۸
آگ فرد ہونے کا معجزہ ۲۲۵
خدا کے سلام کے نتیجہ میں آگ سے سلامت رہے۔ ۲۴۴
قوم لوط کے متعلق خدا تعالےٰ کے حضور مجادلہ ۶
ابراہیم سیالکوٹی مولوی
مسائل مختلفہ پر حضور سے زبانی گفتگو کی اجازت طلبی ۶۹۱
ابن جوزی
حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے خلاف تلبیس ابلیس نامی کتاب لکھنا ۵۷۴، ۶۱۱
ابن عربی دیکھئے محی الدین ابن عربی
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۰۲، ۲۱۸، ۲۹۴، ۴۹۰
شام سے واپسی پر آنحضرتؐ کے دعویٰ کی خبر سنتے ہی بغیر تحقیق کے ایمان لے آئے۔ ۴۱۱
آپ نے آنحضرتؐ کو فراست صحیحہ اور نورِ ایمان سے پہچان لیا تھا ۵۲۴
ایمان لاکر مشکلات کو دعوت دی ۴۴۵
خفیہ نیکی ۶۶۰
فروتنی ۴۷۲
آپکے اخلاص کی وجہ سے ہی آپ کو خدا نے پہلا خلیفہ مقرر کیا ۴۱۲
اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ مقرر کیا اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا ۵۲۵
آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی ۲
آنحضرتؐ کی وفات پر وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل کی تلاوت ۵۹۸
ابوجہل ۳۱۸
رحمۃ للعالمین سے فیض نہ پاسکا ۵۴۸، ۶۶۵
اس کی عظمت و شوکت سب جھوٹی تھی ۴۷۱
خدا نے نہ چاہا کہ ایسا خبیث النفس پاک جماعت میں شامل ہو ۵۲۴
اسکو بھی سچی خوابیں آتی تھیں ۳۱۷
اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا کہ اس کو بہشتی انگوروں کا خوشہ ملا ہے۔ ۵۲۳
بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مُباہلہ اور ہلاکت ۱۶۷، ۳۵۹، ۴۴۷
اس نے دُعا کی اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ

اَفْسَدَ لِنَقُوْمٍ وَ اَقْطَعُ لِلتِّرِمِ
فَاَهْلِكْهُ اَلْيَوْمَ ۴۴۵
ابوحنیفہ امام۔ رحمۃ اللہ علیہ
مولوی ثناء اللہ امرتسری کی آپ کے
خلاف اشتہار بازی ۵۰
ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ
قبول اسلام کا واقعہ ۱۵۸
ابورافع مدینہ کا یہودی سردار
قتل ہونا ۴۸۲
ابورحمت مولوی ۴۵۸، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲
ابوسعید عرب ۲۰۶، ۲۰۷
کشمیر کی سیاحت سے واپس آکر
بتانا کہ کشمیر کے لوگ خانیار کی قبر کو
نبی صاحب یا عیسیٰ کی قبر کہتے ہیں ۳۵۷
ابوسفیان
قیصر کے دربار میں ۲۵۶، ۴۱، ۵۸
ابوالفضل
آئین اکبری کا ایک واقعہ ۴۸۱
اجیت سنگھ
جلاوطنی ۲۳۶
اچھر چند
"قادیان کا آریہ جو طاعون سے ہلاک
ہوا۔ ۲۰۷، ۳۰۳
احمد سرہندی۔ مجدد الف ثانی
آپ مکالمہ ومخاطبہ کے قائل ہیں۔
۱۳۴، ۶۶۷
آپ کے نزدیک سلسلہ نبوت جاری ہے ۶۸۹
آپ کے نزدیک محدث کی تعریف ۴۶۸
ہندوستان میں انبیاء کی قبروں کا ذکر ۴۵۹
احمد بریلوی سید ۳۵۹، ۳۶۲
یوحنا نبی سے مماثلت ۳۵۶
احمد مدراسی
بیعت کے لیے قادیان آمد ۲۰۷
احمد بن حنبل امام رحمۃ اللہ علیہ ۳۵۹
احمد بیگ مرزا ۲۱۲
پیشگوئی کے مطابق ہلاکت ۵۲۳
خوف نہ کھانے کی وجہ سے مدت کے
اندر ہلاک ہوگیا۔ ۱۷۷
اس کے متعلق حضور کی پیشگوئی پر
اعتراض کا جواب ۵۲۲
احمد خان سید علیگڑھ ۳۵۹
احمد اللہ حافظ
ایک علمی نکتہ ۲۹۶
احمد حسین امرتسری
حضور کی خدمت میں دُعا کا خط ۱۸۳
احمد دین منشی اپیل نویس گوجرانوالہ
ڈاکٹر عبدالحکیم کے متعلق ایک نکتہ ۲۷۶
احمدی مسیح عیسائی
حضور کی طرف سے اس کی دعوت
مُباہلہ کی منظوری ۲۱
احمد نور کابلی
آپ کے بھائی صاحب نور کی وفات
پر حضور کا آپ سے اظہارِ تعزیت ۶۶
اسحاق علیہ السلام
بیٹے کو برکت دینے کا واقعہ ۵۲
یہود کا عقیدہ تھا کہ آخری نبی
بنی اسحاق میں سے ہوگا۔ ۶۴
اسماعیل علیہ السلام ۲۱۸، ۴۱۸
اکبر بیگ مرزا
حضور کی خدمت میں ایک خواب سنانا ۲۴۱
اکبر علی خان مرزا۔ نواب دہلی ۲۹۷
اکمل ظہور الدین آف گولیکی
نماز تراویح کے بارہ میں آپ کا
استفسار ۶۲
الٰہی بخش ساکن مالیر کوٹلہ
مولوی عبدالکریم صاحب کی قبر کے
پاس آپ کی قبر کا ہونا ۲۳
الٰہی بخش حاجی گجراتی
دُعا کے نتیجہ میں افیون اور حقہ نوشی
کی دیرینہ عادت سے رہائی ۵۰۰
الٰہی بخش اکونٹنٹ
اس کے متعلق اندیشے درست
ثابت ہوتے۔ ۳۱۷
اپنے الہامات پر بے جا ناز سے ہلاکت ۴۲۱
طاعون سے ہلاکت
۱۹۸، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۱۰، ۵۵۹
الکھ دھاری
معاند اسلام آریہ ۴۸۰
اللہ داد چوہدری
الہام "دو شتیر چھوٹ گئے" میں سے
ایک آپ معلوم ہوتے ہیں ۲۲
الہام "اُنْزِلَ فِیْهَا رَحْمَةٌ" کے مستحق
قرار پاتے ۲۶
اللہ دتہ بابو
اس کی تبدیلی کے متعلق لالہ شرمپت
کی خواب ۴۶۶
اللہ دیا لدھیانوی
لوقا کے ڈاکٹر ہونے کے متعلق تحقیق
کا ارشاد ۴۸۴
الیاس علیہ السلام نیز دیکھئے "ایلیا"
آمد ثانی ۳، ۲۱۷
آمد ثانی کے بارہ میں یہود کا عقیدہ ۲۰۸
امام الدین لیکھرانی
آپ کے اخلاص کی تعریف ۲۶۹
امۃ الحفیظ بنت حضرت مسیح موعود علیہ السلام
بچپن میں بہت باتیں کرنا ۱۸۳
اندرمن مراد آبادی
معاند اسلام آریہ ۴۸۰
اورنگ زیب عالمگیر
حصول ثواب کا جذبہ ۴۸۰
ایڈورڈ ۲۹۸
ایلیا نیز دیکھئے "الیاس"
دوبارہ آمد ۱۹۸
بائبل کی رُو سے آپ نے بھی مُردے

◎

زندہ کئے تھے۔ ۵۱۵
ایوب علیہ السلام
ابتلاء میں مثالی صبر ۲۸۸، ۶۰۳
اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی تدبیر سجھا
دی جس سے قسم بھی پوری ہو اور ضرر
بھی نہ پہنچے۔ ۱۶۰

ب

باقی باللہ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ
کرشن اور رام چندر کے متعلق ایک
عجوبہ کا آپ کے سامنے ذکر ۴۵۹
بدھ گوتم
لکھا ہے کہ وہ خدا کا قائل ہی نہیں تھا ۶۱۴
برہان الدین مولوی
گدی نشینوں کے حالات کا تذکرہ ۴۸۵
بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود
گھر کے اندر بیان فرمودہ ملفوظات
مسیح موعود علیہ السلام رقم فرمانا ۲۹، ۱۷۹
اپنے بھائی مرزا مبارک احمد کی وفات
پر رضا بالقضاء کا اعلیٰ نمونہ ۳۵۵
بلال رضی اللہ عنہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کو
ایک نصیحت ۲۴۶
بلعم
اس کی بیوی اس کے لیے فتنہ کا
باعث بنی تھی۔ ۴۵۶
بلقیس
عرش بلقیس ایک پل میں لانے میں
کوئی استبعاد نہیں ۱۵
بنی اسرائیل نیز دیکھئے "یہود"
ان میں کئی ایسے نبی ہوتے جن پر
کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی ۴۴۷
حکم کی تعمیل کی بجائے سوالات پوچھنا ۲۵۲
دوسروں سے مابہ الامتیاز نہ ہونے
کی وجہ سے شکست کھائی ۶۰۶
ان میں سے جو آنحضرتؐ پر ایمان نہ
لاتے کافر قرار پاتے ۶۴
بنی اسماعیل ۶۴
بہادر شاہ ظفر
انگریزوں کا آپ سے سلوک ۱۸۱

پ - ت - ٹ

پگٹ
مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ
میں ہلاکت ۶۸۳
تیجا سنگھ
تیجا سنگھ کا مندر ۲۲۶
ثناء اللہ امرتسری
عربی زبان کی لیاقت ۱۵۴
حضرت امام ابو حنیفہ کے خلاف
اشتعار بازی ۵۰
بدگوئی میں محمد حسین بٹالوی سے بڑھ گیا ہے ۱۴۸
سعد اللہ کے متعلق پیشگوئی پوری
ہونے کا انکار ۱۴۸
سلسلہ کی مخالفت کے نتیجہ میں تبیغ ۳۵۸
اس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس
کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے
رکھی گئی ہے۔ ۲۰۶
طاعون کی پیشگوئی کا گواہ ۲۶۲
توبہ کی شرط ۲۱۰
فیصلہ کی آسان راہ ۲۳۶
سید عبد الحی عرب کا آپکو مسکت جواب ۱۵۳
ان کے پرچہ اہلحدیث کے تبادلہ میں
جماعت کا پرچہ ضرور جاری ہونا چاہیئے۔ ۲۷۰

ج ، چ

جالینوس ۲۲۰
جان جاناں مرزا
کرشن اور رامچندر کے متعلق ایک خواب
کی تعبیر بیان فرمانا ۴۵۹
جمعل راستے تحصیلدار بٹالہ
حضور کے آرام کے لیے مکان مہیا کرنا ۲۴۰
جعفر زٹلی لاہوری
فیصلہ کی آسان راہ ۲۳۶
دشنام دہی ۱۴۰
جلال الدین رومی
اولیاء کے متعلق فرمایا
آں نبی وقت باشد اے مرید! ۶۸۹
مثنوی رومی میں ایک مثال ۶۵۸
مثنوی کے تمام قصے تمثیلیں ہیں ۲۶۶
جمال الدین سیکھوانی
آپ کے اخلاص کی تعریف ۲۶۹
چراغ الدین میاں ۲۱۵
چراغ دین جمونی
حضور کے بعد الہام کا دعویٰ ۲۴۳
اپنے الہامات پر بے جا فخر سے ہلاکت ۴۲۱
مسیحیت کا جھوٹا مدعی ۴۶
مباہلہ کے نتیجہ میں ہلاکت ۵۵۸
عبرتناک انجام
۲۳، ۱۴۱، ۱۹۸، ۲۰۲، ۳۰۱
چراغ علی
شیخ حامد علی کے چچا ۴۷۹
چندو لال ۲۹۹

ح - خ

حافظ شیرازی ۲۰۶، ۵۷۷
حامد شاہ میر سید
صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات کے
متعلق آپ کی اہلیہ کی ایک خواب ۲۹۰
حامد علی شیخ ۴۷۹
حبیب الرحمن رئیس حاجی پورہ ۱۹۷
حبیب اللہ خان والی افغانستان
بے رحمی سے صاحبزادہ عبد اللطیف
کو سنگسار کرنا ۲۲۱
اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے.... اور ہم
الٰہی فیصلہ کے منتظر ہیں ۱۵۷

حبیب اللہ سید آئی۔ سی۔ ایس مجسٹریٹ آگرہ
ملاقات کے لیے قادیان تشریف آوری
۱۶۲، ۱۶۳

حسن رضی اللہ عنہ ۴۹۰

حسن بصریؒ
آپ کا ایک عارفانہ قول ۲۷۴

حسین رضی اللہ عنہ ۵۴۷
کوفہ کے پچاس ہزار آدمیوں کی طرف
سے بیعت پر آمادگی کے خطوط ۳۰۳
آخری وقت کا ابتلاء ۳۰۵، ۳۳۶
غالی شیعوں کے نزدیک آپ کا مقام
۴۴۸، ۴۶۰

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آپ کو
دو مرتبہ رویاء میں دیکھنا ۴۴۹
ہم ان کی توہین نہیں کرتے بلکہ انہیں
راستباز اور متقی سمجھتے ہیں ۳۲۸

حسین بخش رئیس بٹالہ
فضل حسین بیرسٹر کے ساتھ ملکر حضور
سے ملاقات ۲۸۳

حوا علیہا السلام ۶۲۱
جس بہشت سے نکالی گئیں وہ اسی
زمین پر تھا۔ ۱۵۳

خسرو پرویز
ہلاکت ۴۴۸

خیر الدین سکھیرانی
آپ کے اخلاص کی تعریف ۲۶۹

د۔ ڈ۔ ذ ۔ ر۔ ز

داؤد علیہ السلام ۲۹۶
آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی صالح کی
اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا ۴۷۷
حضرت کرشن کی آپ سے مشابہت ۴۶۲
آپ کی بہت بیویاں تھیں ۵۳۰

دانیال علیہ السلام
آپ کی کتاب میں صدہا سال کو ہفتہ
کہا گیا ہے۔ ۱۵۱

دھرم پال (آریہ)
آریہ سماج کی موت کا اعتراف ۶۰

دیانند پنڈت مصنف ستیارتھ پرکاش ۴۸۰
مسئلہ توحید ویدوں کی بجائے موجود
زمانہ کے زیر اثر اپنایا ہے ۴۷۳، ۴۷۴
آریہ ورت کے بگڑنے کی شہادت ۱۰۰

ڈاروِن
مخصوص نظریۂ ارتقاء ۶۸۴

ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور
مقدمہ اقدام قتل میں حضور کو بری
کرنا۔ ۲۲۲، ۳۷۸
آپ کا انصاف ۶۴۴
فراست ۵۴۳

ڈوئی جان الیگزینڈر ۱۶۶ - ۱۹۱
ڈوئی کے عقائد ۵۱۴
یورپ امریکہ اور دنیا کے دیگر ممالک
میں مشہور تھا۔ ۱۸۶
حضور کا اُسے چیلنج دینا ۵۱۳
مُباہلہ کے نتیجہ میں ہلاکت
۱۸۵، ۱۸۸، ۱۸۹، ۵۵۹، ۵۶۵، ۶۸۳
اس کی ہلاکت مسیح موعود علیہ السلام کی
صداقت کا نشان ہے۔ ۵۱۶
ڈوئی کے نشان پر مبارکباد ۱۸۳
ڈوئی کے نشان کے پورا ہونے پر دعوت
دینا جائز ہے۔ ۱۸۵

ذوالقرنین
دو صدیوں میں سے حصہ لینے والا ۵۲۹
مسیح موعود بھی ذوالقرنین ہے ۴۰۶
سکندر رومی سے مختلف شخص ہے ۵۲۹

رام بھجدت پنڈت
آریہ دھرم کی ناکامی کا اعتراف ۶۰

رام چندر
آپ مقدس تھے ۳۷۲
آپ کے متعلق ایک خواب ۴۵۹

رجب الدین خلیفہ
وفات مسیح کے بارہ میں استفسار ۵۹۸

رجب علی پادری
بار بار مذہب تبدیل کرنا ۲۵۰

رحمت اللہ شیخ ۲۱۵
بٹالہ میں حضور سے ملاقات ۲۴۲

رحمت علی ڈاکٹر ۴۷۹

رُستم ۳۸۹

رسل بابا امرتسری
طاعون سے ہلاکت ۱۵۳

رشید الدین خلیفہ ڈاکٹر ۲۹۰
حضور کے ایک رویاء کی گواہی ۲۸۹
عیسائیت سے متنفر انگریزوں کا ذکر ۵۳۸

فرخ آباد کی تباہی کا تذکرہ ۴۹۶

ریگ پر پروفیسر ماہر علم ہیئت
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گفتگو ۶۱۸
اپنی دوسری ملاقات میں حضرت اقدس
سے بعض سوالات دریافت کرنا ۶۷۱
حضور سے ملاقاتوں کے بعد نظریات
اور عقاید میں انقلاب ۶۸۳

زردشت
کیا آپ نبی تھے؟ ۳۳۷
حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے
پارسیوں کو اہل کتاب کا درجہ دیا تھا ۳۳۸

زکریا علیہ السلام
پیرانہ سالی میں بانجھ بیوی سے اولاد ۲۱۹

زمخشری
علامہ زمخشری کی تعریف ۳۴۴

زین العابدین ۴۴۶

س۔ ش

سارہ علیہا السلام
آپ کی تجویز پر حضرت ہاجرہ کا گھر سے
نکالا جانا ۴۹۹

سراج الحق صاحبزادہ
وحدت شہود کا مسئلہ ۴۸۹

سرور شاہ سید
بہترین و اخلاق صفات کے حامل ۳۱۹
سعد اللہ لدھیانوی
پیشگوئی کے مطابق ہلاکت
۱۴۸، ۱۵۵، ۱۸۹
سعدی مصلح الدین شیرازی
۱۷۰، ۲۷۹، ۲۹۲، ۶۰۴
سکندر رومی
ذوالقرنین نہیں ۵۲۹
سلطان احمد مرزا ۱۳۰، ۱۴۳
سوم راج
قادیان کا بدزبان آریہ جو طاعون
سے ہلاک ہوا۔ ۲۰۷
سلیمان علیہ السلام ۲۹۶، ۵۳۰
شادی خان میاں ۴۷۳
شجاع الدین نواب رئیس لوہارو ۲۹۷
شرمپت لالہ
حضور کی پیشگوئیوں کا گواہ ۱۲۹، ۱۴۸، ۳۴۶
دوستی خواہیں ۴۶۶

ص۔ض۔ط۔ظ

صاحب نور کابلی
آپ کی وفات سے حضور کو صدمہ ۶۵
صدیق حسن خان نواب
کتاب براہین احمدیہ پھاڑ کر
واپس بھیجنا ۵۸۳
خدائی عتاب کا نشانہ بن کر دعا کے
لیے لکھنا ۵۸۲
قرآنی پیشگوئی کو صحیح سمجھنا ۳۴
نجم الکرامہ میں مسیح موعود کا زمانہ
چودھویں صدی قرار دینا
۱۶۵، ۲۷۶، ۴۵۳، ۵۸۲
صلاح الدین الیوبی
ایک نیک بخت شخص جو نمازوں
کا بھی پابند تھا ۴۹۷
ظفر احمد منشی ۱۹۷
ظفر الدین قاضی
قصیدۃ اعجازیہ کے مقابلہ میں قصیدہ
لکھا اور شائع کرنے کی فرصت پانے
سے پہلے مر گیا۔ ۱۵۴
ظہور الدین اکمل قاضی نیز دیکھئے اکمل
آپ کے استفسارات ۱۶۰، ۱۶۸

ع

عابد حسین حیدر آبادی
تجدید بیعت ۷۸
عالم دین سائیں ساکن دھارووال ۳۶۳
عالمگیر دیکھئے اورنگ زیب ۴۸۰
عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ۳۰۷
آپ کا علم بہت بڑا تھا ۶۱۸
آپ کا فرمان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو خاتم النبیین تو کہو لیکن یہ نہ کہو
کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا
۶۶۷، ۶۷۸
معراج کے بارہ میں آپ کا مذہب
۳۱، ۳۴۱، ۶۱۸
عبد الحکیم (طالب علم) میڈیکل سکول ۲۲
عبد الحکیم خان ڈاکٹر پٹیالوی
اسے اسلام کے اصل مطالب کا ادراک
ہی نہیں ۳۹۷
اس کی تفسیر میں ایک ذرہ روحانیت
نہیں ہے۔ ۲۶
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے
کو ضروری نہیں سمجھتا ۲۷، ۴۶
اسکے ایک عقیدہ کی تغلیط ۲۴
رمضان میں سورج گرہن کے بارہ میں
مغالطہ دہی۔ ۴۹۵
حضور کے خلاف کتاب کی تصنیف ۶۷۹
حضور کو ایک اہانت آمیز خط لکھنا ۲۵۰
حضور پر بے جا اعتراض کا جواب ۵۷
حضور کے دعویٰ سے پچیس سال
بعد دعویٰ الہام ۲۴۳، ۲۵۶
مسیح اور رحمۃ العالمین ہونے کا
مدعی ۲۶۵، ۲۷۵، ۲۷۶
بیس سال کی مریدی کے بعد حضور
کے خلاف دشنام دہی ۱۴۰، ۲۶۴، ۶۸۰
بے باکی اور شوخی ۲۵۸
فیصلہ کی آسان راہ ۲۳۶
حضور نے اس کے متعلق فرمایا کہ اب
آخری فیصلہ ہے۔ ۲۴۲
عبد الحمید خان آف کپورتھلہ
ایک استفسار ۱۸۵
عبد الحمید
حضور کے خلاف مقدمہ اقدام قتل کا
گواہ ۶۴۴، ۶۴۵
عبد الحی لکھنوی مولوی
آپ کا خیال تھا کہ شاید آپ چودھویں
صدی کے مجدد ہوں گے۔ ۱۶۵
عبد الحی ابن حضرت مولانا نور الدین
حضور کی دعا کے نتیجہ میں آپ کی
پیدائش ۵۱۹
عبد الرحمن المعروف بھائی عبد الرحمن قادیانی ۲۱۵
اسلام پر استقامت ۲۴۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری
تقریر کو قلمبند فرمانا ۶۹۵
عبد الرحمن مدراسی سیٹھ
حضور کی دعا سے معجزانہ شفایابی ۵۹
عبد الرحیم المعروف بھائی عبد الرحیم
اسلام پر استقامت ۲۴۹
عبد الستار سید ڈاکٹر
حضور کے ایک رویاء کے گواہ ۲۸۹
عبد السلام ابن حضرت مفتی محمد صادق
حضور کا آپ کو بطور مثال پیش فرمانا ۵۱۸
عبد العزیز شاہ دہلوی
معراج کے بارہ میں آپ کا مذہب ۳۱
عبد العزیز مکھیج
اسلام پر استقامت ۲۲۹

عبدالغفار خان طالب علم علی گڑھ
طلباء کی سٹرائیک میں شامل نہ
ہونے پر حضور کا اظہار خوشنودی ۱۷۲
عبدالغنی حاجی دہلی ۲۹۷
عبدالقادر جیلانی سید رحمۃ اللہ علیہ
خدا تعالیٰ کے کامل بندوں میں
سے تھے۔ ۳۶۱
رویاء میں شیطان کا آنا ۳۶۵
ابن جوزی سمیت دو سو علماء نے آپ
کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ۵۷۴، ۶۱۱
فرمایا۔ فقیر کو چاہیئے کہ قیام فی ما اقام
اللہ پر عمل کرے۔ ۱۶۶
آپ نے فرمایا کہ انسان پر ایک زمانہ
آتا ہے کہ اس کا نام عبدالقادر رکھا
جاتا ہے۔ ۱۵۹
مکالمہ الٰہیہ کے بارہ میں فتوح الغیب
میں آپ کا مذہب ۱۳۴
فرمایا خدا تعالیٰ کی راہ دیکھنے کیلئے
قرآن کریم پڑھنا چاہیئے ۸۲
فرمایا "قَدْ يَعْلَمُ وَدَّ يُوْنِيْ"
(فتوح الغیب) ۵۲۳
آپ کی روح کو ثواب پہنچانے کے
لیے کھانا کھلانا ۲۵۳
آپ کی مشہور کرامات ۴۸۴
ایک پھونک سے ولی بنانے کا قصہ ۵۰۹
عبدالکریم مولوی ۲۷۳، ۲۷۶
الہام "دو شہتیر ٹوٹ گئے" میں سے
ایک شہتیر تھے ۲۳
آپ کی وفات پر الہام ہوا اِنَّا
اَنْشَاْنَا لَا تُبْقِيْ مِنْهَا ۶۰۲
آپ کی قبر پر حضور کی دعا ۱
عبدالکریم حیدر آبادی
معجزانہ طور پر باؤلے کتے کے کاٹے
سے صحت یابی ۲۰۷

عبداللہ آتھم نیز دیکھئے آتھم
پیشگوئی کے مطابق ہلاکت ۵۵۹
عبرتناک انجام ۱۴۱
عبداللہ تیماپوری
اپنے الہامات سے توبہ اور بیعت ۳۶۶
عبداللہ سنوری
سُرخی کے چھینٹوں والا کرتہ ۱۶
عبداللہ شاہ پیر ساکن پنڈ صاحب خان اٹک
نشان دکھانے کی درخواست ۵۰۶
عبداللہ خان پٹیالوی
ڈاکٹر عبدالحکیم کے عقاید کا بیان ۲۹۶
عبداللہ غزنوی
مرد صالح تھے ۶۳
عبداللہ کوتکم
دیوبند سے بدرجہا بہتر ہے اس نے
مسلمانوں کی ایک جماعت بنالی ہے ۱۵۰
عبداللہ مولوی آف سرینگر کشمیر
کشمیر میں احمدیت کی تبلیغ ۳۵۸
کشمیر کے لیے بطور واعظ موزوں
معلوم ہوتے ہیں۔ ۳۱۹
عبداللطیف صاحبزادہ شہید ۶۶
صدق کا پکا اور وفا کا سچا تھا ۵۸۴
کامل ایمان کا عمدہ نمونہ ۴۵۷
آپ بہت کم گو تھے ۱۰۹
امیر حبیب اللہ نے آپ کو ناحق
قتل کیا۔ ۱۵۷
محض اختلاف مذہب کی بناء پر
آپکو شہید کیا گیا ۱۴۷، ۲۲۱
عبدالمجید خان کابلی سید
حضور کی آپ کو نصیحت ۵۳۴
عبدالمجید دہلوی مولوی
ہلاکت ۱۵۶
عبدالحی عرب سید ۶۸۰
مولوی ثناء اللہ کو مسکت جواب ۱۵۳

عثمان بن عفان۔ ذوالنورین رضی اللہ عنہ ۲۰۲
بے ادبی سے بچانے کیلئے آپ نے
قرآن کریم کے اوراق جلاتے تھے ۲۵۳
عرب قوم
اُمّی رکھے جانے کی حکمت ۶۵۲
بعثت نبوی کے وقت بہت سے
عرب دہریہ تھے ۵۸۹
عزیز احمد مرزا ابن مرزا سلطان احمد صاحب
طلباء کی سٹرائیک میں شمولیت ۱۷۲، ۱۷۳
تجدید بیعت اور تحریری معافی اور
حضور کا قصور معاف فرمانا ۱۷۳
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
۲۰۲، ۲۹۴، ۲۹۵
خدا کے لیے فروتنی اختیار کرنا ۴۷۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غیرت ۳۲۴
آنحضرتؐ کی وفات پر آپ کی حالت ۵۹۸
صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ٹھوکر
کھانے کا خطرہ ۵۲۲
پیشگوئی کے مطابق صحابی کو کسریٰ
کے طلائی کنگن پہنانا ۳۲
آپ نے پارسیوں کو اہل کتاب کا
درجہ دیا تھا۔ ۳۳۸
آپ کے عہد میں طاعون ۲۰۳
آپ کی طرف سے طاعون زدہ علاقہ
چھوڑنے کا حکم ۱۹۲
آپ کے زمانہ میں طاعون سے کوئی
صحابی ہلاک نہیں ہوا ۲۱۸
عُمیر رضی اللہ عنہ
عُمَيْرُ! مَا فَعَلَتْ بِكَ عُمَيْرُ؟ ۹
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۸۰، ۴۷۴
تقویٰ کی باریک راہوں پر عمل ۶۰۹
ایک کافر پہلوان کی گستاخی پر اس کو
چھوڑ دینے کا سبق آموز واقعہ
۱۴۱، ۲۷۲
حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ۴۹۰

خلفائے ثلاثہ کو اپنا مقتدا تسلیم کرتے تھے۔ ۴۷۵
آپ نے بھی پارسیوں کو اہل کتاب کا درجہ دیا تھا۔ ۳۳۸
ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا ارادہ ۴۹۰
غالی شیعوں کے نزدیک آپکا مقام ۴۴۸
روافض کے نزدیک وحی نبوت دراصل آپ پر نازل ہوئی تھی مگر غلطی سے آنحضرت پر چلی گئی۔ ۲۰۳
علی احمد ڈپٹی
حضرت اقدس کے مترجم کے طور پر کام کرنا ۵۱۳
عیسیٰ علیہ السلام ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۳۱، ۱۹۸، ۲۳۹، ۲۹۶، ۳۷۲، ۳۸۸، ۴۲۳، ۵۴۷، ۶۶۶، ۶۸۱
آپ موسیٰ سے چودہ سو سال بعد آئے تھے۔ ۵۵۲
شریعت موسوی کے آخری خلیفہ ۵۵۱
آپ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔ ۶۵۴
آپ کی آمد سے پہلے ایلیا کی آمد ثانی کا عقیدہ ۲۰۸
آپ سے پہلے یوسانبی کی شہادت ۳۵۶
آپ کے وقت میں ظاہر ہونے والے ذوالسنین ستارہ کا دوبارہ طلوع ۲۶۱
آپ کے وقت دو اور شخصوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ۵۶
صلیب کے واقعہ کا انکار تواتر قوی اور امور محسوسہ مشہودہ کے خلاف ہے ۶۹۱
آپ ہی کو یوز آسف کہا گیا ہے ۳۵۷
تمثیلوں سے کام لیتے تھے ۲۶۶
اجتہاد میں غلطی ۲۱۲
آپ کا ایک نکتہ معرفت ۱۷۶
قبولیت دعا کے بارہ میں آپ کی ایک مثال ۴۵
ایلی ایلی لما سبقتانی کا مطلب ۶۰۷
لعزر کے متعلق آپ کا خیال ۵۴
اپنے مرید کے اعتراض کا جواب دینا ۶۲۹
آپ نے دوسرے آدمی کی قسم کو پورا کیا تھا۔ ۱۷۲
آپ دوسرے انبیاء سے زائد خصوصیات نہیں رکھتے تھے۔ ۶۳۲
کیا صرف آپ ہی مس شیطان سے پاک ہیں؟ ۳۴۲، ۶۶۹
مہد (پنگوڑے) میں کلام کرنے سے مراد ۱۸۲
معجزہ احیائے موتیٰ کی حقیقت ۱۳۳، ۲۵۲، ۵۱۵، ۵۳۷، ۶۳۳
خلق طیر کے معجزہ کی حقیقت ۴۵۲
آپ کا صحیح مرتبہ ۵۱۹
قرآن کریم کی رو سے ایک عبد تھے اور کھانے پینے کے محتاج تھے اور دوسرے نبیوں کی طرح وفات پائی ۳۴۰
اگر آپ خدا تھے تو آپ کا آنا ہی لاحاصل ٹھہرتا ہے۔ ۵۲۰
آدم سے مشابہت ۲۱۹
آپ کا بن باپ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ۲۱۸
آپ کا بن باپ ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں ہے۔ ۳۴۰، ۶۰۱، ۶۹۳
حضرت عیسیٰ کی ابنیت ۵۱۶
ابن اللہ ہونے کا رد ۶۲۷
کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کی حقیقت ۳۳۹، ۳۴۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آپ کے مصائب ۲۹۵
آپ کے ذریعہ روحانی انقلاب بہت کم درجہ کا تھا۔ ۱۰۰
آپ کی کامیابی ۲۰۵
ہمیشہ مغلوب رہے ۳۳۹
عیسیٰ کے بارہ حواریوں کو جنت کے تختوں پر دیکھنے کی پیشگوئی کا بظاہر پورا نہ ہونا ۵۲۳
ماننے میں دقتوں کی حکمت ۲۱۸
مغضوب علیہم اور ضالین ہر دو کا مرجع آپ ہیں۔ ۵۷
آپ کو بھی مخالفین نے گالیاں دیں ۶۱۰
آپکے مخالفوں پر طاعون کا عذاب ۱۵۳
آپکے بعد آپ کی امت کی پریشانی ۲
آپ کی اصلی انجیل موجودہ اناجیل نہیں ۳۳۸
آپ کو پوجنے والے اسوقت چالیس کروڑ موجود ہیں۔ ۵۴۹
وفات مسیح کے دلائل ۱۶۴، ۱۷۴، ۱۷۸، ۳۵۱، ۳۵۳، ۴۵۱، ۴۶۰، ۴۹۲، ۵۴۶، ۵۵۹، ۵۷۹، ۵۹۸، ۶۶۹، ۶۹۳
توفی کے معنی ۱۲
آپ کے متعلق لفظ توفی کے کیوں خاص معنی کئے جاتے ہیں ۳۰، ۶۹۲
معراج کی رات آنحضرت نے آپکو وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔ ۳۵۰، ۳۹۷، ۴۹۲، ۶۳۲
صحابہ کا سب سے پہلا اجماع وفات مسیح پر تھا۔ ۵۸۰
مریم عیسیٰ ۴۸۴
آپ کے رفع کی حقیقت ۴۹۰، ۴۹۱
آسمان پر جانے کی نفی ۶۰۱
آمد ثانی کی حقیقت ۴۵۳
اگر زندہ ہو کر واپس آجائیں ۱۸۸، ۶۸۶
انکی آمد کی صورت میں وہ خاتم النبیین قرار پاتے ہیں۔ ۶۶۸
حضرت امام بخاری اور وفات مسیح ۱۳۹
گذشتہ اکابر جو حیات مسیح کے قائل تھے قابل مواخذہ نہیں۔ ۶۴
آپکو وفات یافتہ کہنا گالی نہیں ہے ۵۷۴

عیسیٰ کی موت میں عیسائیت کی موت ہے ۳۹۵
ہم انکی توہین کے مرتکب نہیں بلکہ انہیں
اولوالعزم نبی اور راستباز سمجھتے ہیں ۳۲۸
ہم آپ کی پیدائش کو مسِ شیطان
سے پاک سمجھتے ہیں۔ ۳۳۹
آپ کو ہم خدا تعالیٰ کا رسول اور
اس کا مقبول اور برگزیدہ سمجھتے ہیں ۳۴۸
ہم آپ کو خدا کا نبی یقین کرتے ہیں ۵۱۵
آپ کی رُوح سے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی ملاقات ۶۲۶
براہین احمدیہ میں پہلے عیسیٰ علیہ السلام
کے آسمان پر زندہ ہونے کا عقیدہ
لکھا گیا۔ وفات کا عقیدہ خدا تعالیٰ
کی وحی سے ہے۔ ۲۵۱، ۲۷۵

غ

غلام احمد قادیانی مرزا
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

دعاوی

مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ
مَیں مفتری نہیں ہوں ۷۳
ہم تو خدا تعالیٰ کی ہزار حلف کھا کر
کہتے ہیں کہ جو ہم پر نازل ہوا، یہ
خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ ۲۳
مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
الگ ہو کر کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ ۶۶۷
مجھے خدا تعالیٰ نے اس صدی پر امام
بنا کر بھیجا ہے۔ ۷۳
چودھویں صدی کے مجدد ہونے کا دعویٰ ۱۲۵
آپ کی آمد سورۃ نور کی آیت استخلاف
کے وعدہ کے مطابق ہے۔ ۶۶۶
ہم خاتم الخلفاء ہونے کا دعوے
کرتے ہیں۔ ۵۵۳
مسیح موعود اور خاتم الخلفاء ۵۶۰
مسیح موعود ہونے کی حقیقت ۶۶۶
آپکا دعوائے نبوت و رسالت ۴۴۷
آپکے دعوائے نبوت کی حقیقت
۲۷، ۱۳۴، ۶۱۰، ۶۷۷، ۶۸۰، ۶۸۹
آپ کے دعویٰ کی وضاحت ۳۵۳
ہمیں تشریعی نبوت کا دعویٰ نہیں ہے ۴۶۸
آپ کو بہت سے انبیاء کے نام
دیئے گئے ۲۹۶
آپکو مہدی، عیسیٰ اور کرشن کے ناموں
سے پکارا گیا ہے۔ ۴۶۱
آپ بھی ذوالقرنین ہیں۔ ۴۰۶
آپ نے سب سے پہلے علماء کے
سامنے اپنے دعاوی پیش کئے ۵۸۳

مقاصد بعثت

آمد کا مقصد ۵۱۹، ۵۹۶
آپ کے دو بنیادی کام ۵۶
خدا تعالیٰ کے وجود کا یقینی ثبوت
بہم پہنچانے کے واسطے ہم تیار ہیں ۶۲۰
بعثت کی غرض انبیاء کی صداقت
اور عظمت ظاہر کرنا ہے ۵۷۴
مَیں اسی شریعت کی خدمت اور
تجدید کے واسطے آیا ہوں جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ ۵۵۴
براہین احمدیہ صرف اسلام کی محبت
کے واسطے اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی عزت قائم کرنے کی
خاطر لکھی۔ ۲۶۷
میں قرآن اور احکام قرآنی کی خدمت
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاک مذہب کی خدمت کے واسطے
کمر بستہ ہوں۔ ۵۸۶
اس نے مجھے بھیجا ہے تا میں اسلام
کو زندہ کروں۔ ۱۲۵
خدا نے مجھے تجدید دین کے واسطے
تائید اور نصرت کے ساتھ نشانات
دیکر بھیجا ہے۔ ۶۶۸
آنے کی غرض ان فسادوں کو مٹانا ہے
جو مسلمانوں میں پیدا ہوتے ہیں ۱۰۱
ہماری بعثت کی ایک بھاری غرض
مسلمانوں کو ملّا مسلمان بنانا ہے۔ ۱۳۵
مَیں تو اس لیے آیا ہوں کہ لوگوں کے
ایمان درست ہوں۔ ۹۷
خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نفاق کو
دُور کرنے آئے ہیں۔ ۱۰۸
حبِّ دُنیا کو ہی ہم نکالنا چاہتے ہیں
اور یہی سب سے مشکل کام ہے۔ ۵۷
آپ نے کیا اصلاح کی۔ ۶۹۰
کسرِ صلیب کے عظیم کام کا غم ۵۸
بلادِ یورپ میں دعوت اسلام کے
کام کا جاری فرمانا ۱۰۹
ملکہ برطانیہ اور شاہی خاندان کو اسلام
کی تبلیغ ۱۰۹
ڈوئی کو چیلنج کرنے کی وجہ ۵۱۴
جہاں تک ممکن تھا ہم ساری تبلیغ
کر چکے۔ ۵۴۸
فرضِ رسالت کی تکمیل ۵۹۰
اب ہم اپنے کام ختم کر چکے ہیں
(اپریل ۱۹۰۸ء) ۵۷۹

مقام

جری اللہ فی حلل الانبیاء ۲۹۶
حدیث لولاک کا ظلی طور پر اطلاق ۱۹
اصل میں ہمارے پاس آنا خدا کے
حضور جانا ہے۔ ۵۷۳
ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام
بھی شیخ رکھا ہے۔ ۵۲۵
جیسا کہ اوّل میں وہ آدم تھا ایسا ہی
آخر میں ایک آدم ہے ۱۵۲
جس طرح فرعون کے پاس رسول بھیجا
گیا تھا وہی الفاظ ہم کو بھی الہام ہوئے ۱۷
خدا تعالیٰ نے ہمارا نام مریم رکھا ہے
اور پھر اس میں نفخ روح کر کے عیسیٰ

پیدا کیا ہے۔ ۳۴۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مشابہت ۳۵۶
وہی خدا کا سچا مسیح جو اس وقت تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ ۳۹۰
آپ کے والد کی ایک رویا۔ جو آپ کے حق میں تھی۔ ۱۵۸
میرا نام بھی خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے عبدالقادر رکھا ہے۔ ۱۵۹
مَیں قرآن شریف کا ایک خادم ہوں ۷۴

دلائل صداقت

آپ کی صداقت کے دلائل
۲۳، ۵۸، ۱۵۵، ۳۷۶، ۵۱۶، ۵۵۴
آپ کی صداقت کیلئے نشانات ۱۲۵
آپ کے دعویٰ کی تائید میں نشانات کا ظہور ۵۵۲
قبولیت دُعا آپکی صداقت کی دلیل ۵۱۹
الہامات کا پورا ہونا آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ ۵۱۸
براہین احمدیہ میں مذکور پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔ ۱۲۸
معجزانہ زندگی ۵۲۸
معجزانہ حفاظت کے چند واقعات ۲۲۵
آپ کے گھر کی طاعون سے حفاظت ۱۸۹
قبولیت ۴۷۲
آپ کے معجزات و نشانات کو ایک تمیز عطاء کی گئی ہے۔ ۴۸۲
مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ ۱۲۷
طاعون ہماری صداقت کا نشان ہے ۱۹۴
اقدامِ قتل کے مقدمہ میں باعزت بریت ۱۱۰
آپ کے دعویٰ سے پہلے ۱۸۸۵ء میں کثرت سے ستارے ٹوٹے تھے۔ ۲۸۱
مولوی عبداللہ غزنوی کا رویاء میں آپ کی تصدیق کرنا۔ ۶۳
مَیں اپنی سچائی کا ایسا ثبوت دے سکتا ہوں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو اور جس کی نظیر صرف انبیاء اور مرسلین میں ملتی ہو۔ ۷۲
جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ۶۷۰
اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو یونہی بگڑ جائیگا خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے۔ ۶۷۰
اگر مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو یہ سلسلہ تباہ ہو جائیگا۔ اگر مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو یاد رکھو کہ پھر مخالف ناکام رہیں گے۔ ۶۹۰
اگر ہم افترا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ خود ہمارا دشمن ہے۔ ۲۵
خدا تعالیٰ سے آنے والا نابود نہیں کیا جاتا انجام کار خدا اسکی سرسبزی دُنیا پر ظاہر کر دیتا ہے۔ ۶۶۸
آپ سے پہلے کسی نے دعویٰ نہیں کیا تھا کہ آپ کے دعویٰ کو کسی کی رئیس قرار دیا جاتا ۲۵۶
آپکے دعویٰ کے بعد بعض جھوٹے مدعی الہام بھی کھڑے ہوتے، لیکن لوگوں نے ان کی مخالفت نہیں کی۔ ۵۶
سنتِ قدیمہ کے بموجب ضعفاء ہی اکثر ہمارے ساتھ ہوتے ۵۸۳

تصانیف

آپ کی تصانیف اور انکی اہمیت ۵۷۸
اپنی تصانیف میں تکرارِ مضامین کی اہمیت ۴۳۲
تعلیم کے متعلق ایک کتاب لکھنے کی خواہش ۴۸۴
کتاب حقیقۃ الوحی کی اہمیت ۱۲۷
کتاب حقیقۃ الوحی کے بارہ میں آپ نے قسم دی ہے کہ لوگ اسے کم از کم اوّل سے آخر تک پڑھ لیں ۱۷۲
حقیقۃ الوحی کی تصنیف ۱۴، ۱۶۶
کتاب حقیقۃ الوحی میں نشانات کا ذکر ۳۵۲، ۵۵۴
اپنی تصنیف "چشمہ معرفت" کا ذکر ۴۶۲
رسالہ "قادیان کے آریہ اور ہم" کی اشاعت ۱۶۰
رسالہ "قادیان کے آریہ اور ہم" کی اشاعت پر آریوں کی گھبراہٹ ۱۷۸
کتاب کشتی نوح ۱۶۷
یکچر لاہور میں آریوں سے صلح کی تجویز ۳۷۲

عادات و شمائل

خدا تعالیٰ کے کلام کے نزول کے بارے میں صاحب تجربہ ۵۴۲
اللہ تعالیٰ کی وحی کے بارہ میں طریق ادب ۱۴
ہم کسی سے کچھ لینا نہیں چاہتے نہ کسی سے کوئی خواہش رکھتے ہیں ۱۷۱
اولاد کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کو مقدم فرمانا ۳۰۷، ۶۰۳
صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر آپ نے فرمایا "میں تو اس سے بڑا خوش ہوں کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔" ۲۸۶
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ۶۳۹
خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا مثالی نمونہ ۳۰۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں انتہا کا اظہار ۱۴۶
زندگی کے آخری دن تک نماز کی پابندی ۶۹۵
ظہر کی پہلی چار اور پچھلی دو سنتیں گھر میں ادا فرمانا ۱۴۳
حضرت مولوی نورالدین صاحب کو

نمازوں کے لیے بلوانا ۱۴۳
عمدہ، صحیح اور خوش الحانی سے قرآن شریف کی تلاوت سننے کا شوق ۱۹۷
حضور ساری ڈاک خود ملاحظہ فرماتے اور حتی الوسع خود جوابات دیتے۔ یا پھر منشی کو جواب کے لیے ہدایات دیتے۔ ۱۴۴
فارسی زبان میں گفتگو فرمانا ۵۷۱
انگریزی نہ پڑھنے کی حکمت ۴۸۰
مہمان کے حق کی ادائیگی ۱۶۳
دوستوں کی احوال پرسی کے لیے ایک آدمی کو لاہور بھیجنا ۲۳۳
حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم کی پیشوائی کے لیے سفر فرمانا ۲۴۰
توکل علی اللہ اور جرأت ۶۲
دعویٰ پر استقامت ۲۸۴
ادائے شہادت ۹۱
صلح پسندی ۶۹
غریب نوازی ۴۷۲
کسی سے بُغض نہیں مگر للہ ۱۷۱
موذی دشمنوں سے حُسنِ سلوک ۱۳۰
انکساری ۲۲۳
سادگی ۱۹۷
فراست ۳۲۳
تصنع اور بناوٹ سے پاک ۲۵۱، ۲۷۵
ہمارا یہ مذہب نہیں کہ صرف تفریح کے واسطے یا سیر و تماشا کے واسطے کوئی سفر کریں۔ ۱۷۸
سیر کی عادت ۶۸، ۸۶، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۷
مسواک کو پسند فرماتے تھے ۱۵۷

تاریخی واقعات

دَورِ گمنامی ۱۲۸
دعویٰ سے پہلے سفیرِ ہند اور برادرِ ہند اخباروں میں مذہبی مضامین شائع فرمانا ۲۵۱
تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۰۶ء ۱۰۷
جلسہ سالانہ ۱۹۰۷ء میں حضور کی دوسری تقریر ۴۱۳
وفات سے چند دن پہلے روسا ملاپور کے سامنے حضور کی پُرمعارف تقریر ۶۰۹
ہندو خواتین سے خطاب ۶۸۷
آپ کی آخری تقریر (۲۵ مئی ۱۹۰۸ء قبل نماز عصر) ۶۹۱
مقدمہ اقدام قتل میں ڈگلس کا انصاف ۶۴۴
ایک امریکن میاں بیوی کی قادیان آمد اور حضور سے ملاقات ۵۱۳
جن شہروں میں حضور نے اپنے دعاوی کی تبلیغ فرمائی ۵۷۸
قادیان سے بٹالہ تک پالکی میں سفر ۲۴۰
پیشگوئی کے مطابق دو بیماریوں کا ذکر ۳۳
دردِ گردہ کی تکلیف ۱۴۳
دردِ گردہ سے شفایابی ۲۳۶
ایک شدید بیماری سے شفا ۱۶
آپ کے آخری الفاظ ۶۹۵

عقاید و تعلیمات

ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا ۴۳۲
ہم جو امر پیش کر رہے ہیں وہ تو ایک دارو تلخ ہے اور یہ دارو تلخ آبِ حیات کا اثر رکھتی ہے ۶۱۵
اپنے عقاید کا بیان ۱۳۴، ۳۹۰، ۵۵۵
ہمارے دو اصول ہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق صاف رکھنا اور اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا ۴۱
قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں ۲۳۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپکا عقیدہ ۳۵۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دین و ایمان سمجھتا ہوں۔ ۶۸۹
ہمارا ایمان ہے کہ تشریعی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے ۴۶۸
کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ذرہ بھر بھی اِدھر اُدھر ہو۔ ۵۵۵
قرآن سے برگشتہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو ہم واجب القتل اور لعنتی کہتے ہیں۔ ۶۱۰
ہم حضرت عیسیٰ کو خدا کا رسول اور ایک مقبول اور برگزیدہ انسان سمجھتے ہیں۔ ۳۵۴
براہین احمدیہ میں مسیح کے آسمان پر ہونے کے عقیدہ کا ذکر ۲۵۱
آپ کی نصائح ۶۹
تبلیغ کی غرض سے آپ کی نظموں کی ریکارڈنگ جائز ہے۔ ۶۸۱

دُعا

ہمارے سارے مقاصد دُعا سے حاصل ہونگے ۳۶
تعویذ گنڈے کرنا ہمارا کام نہیں ہمارا کام تو صرف دُعا کرنا ہے۔ ۵۰۵
ہر شخص جو ہماری جماعت میں داخل ہے اس کے لیے ہم دُعا کرتے ہیں ۱۹۴، ۴۴۳
اپنے محبین کیلئے دعا کی کیفیت ۲۶۱
ہماری اکثر دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ۵
قبولیتِ دُعا کے دو معجزات ۲۰۷

رویا۔ کشوف اور الہامات

اپنی وحی پر کامل ایمان ۷۴
اپنے کشف رویا۔ اور الہام کو قرآن شریف پر عرض کرتے ہیں۔ ۳۶۴
ابتلاؤں میں پورا اُترنے پر خوشنودی کے الہامات ۲۹۹
السلام علیکم کے الہام کیساتھ ہی

بیماری دُور ہوگئی۔ ۲۴۴
آپ سے خُدائی وعدہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے" ۵۴۷
سُرخی کے چھینٹوں والا کشف ۱۶
کشف میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ۲۰۱
ہم نے خود حضرت عیسیٰ کی روح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے بھی ملاقات کی ہے ۶۲۶
ہم نے عیسیٰ کو بارہا دیکھا ہے جسمانی رنگ میں اور عین حالتِ بیداری میں۔ ۵۲۱
امام حسینؓ کو میں نے دو مرتبہ دیکھا ۴۴۹
اگر ہم چاہیں تو لوگوں پر توجہ کرکے اس سے سب حال دریافت کریں ۴۸۵
جماعت کی حفاظت کے بارہ میں حضور کا ایک مبشر رؤیا ۲۴
مولوی عبدالکریم صاحب کی قبر کے پاس دو اور قبروں کا دکھایا جانا ۲۳
آپ کی ایک رؤیا ۲۸
خدا تعالیٰ نے بعض خوفناک خبریں دی ہیں (۴ مئی ۱۹۰۸ء) ۶۰۵
اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب نشانات اور زلزلے کی خبر ۲۸۱
آنے والے عذابوں کا انذار ۱۰۱
ایک تباہ کن زلزلہ کی پیشگوئی ۴۰
آریہ مت کے ایک سو سال کے اندر نابود ہونے کی پیشگوئی۔ (فروری ۱۹۰۳ء) ۶۰
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا
کرشن جی مہاراج سے خواب میں ملاقات ۴۵۹
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا امام حسینؓ کو دو دفعہ دیکھنا ۴۴۹
حضور نے مولوی عبداللہ غزنوی کو خواب میں دیکھا انہوں نے آپ کی تصدیق کی۔ ۶۳
احمد صاحب مدراسی کو رویا میں قادیان دکھایا جانا ۲۰۷
ایک خوشخط عبارت میں یا عبداللہ انی معك دیکھنا ۳۰۰
خواب میں بہشتی مقبرہ آنا اور فرمانا کہ میری قبر دوسروں سے جُدا چاہیئے ۲۹۰
حضور کی ایک رؤیا ۲۸
حضور کا رویا میں بادل دیکھنا ۲۲۴
چوہوں جیسے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو دیکھنا جو صاحبزادہ مبارک احمد کو کاٹ رہے ہیں۔ ۱۸۱
کل میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا ہے اور سر پر آگیا ہے ۲۶۱
حضور نے خواب میں دیکھا کہ اس مکان میں موت ہونے والی ہے اور بکری ذبح کی گئی۔ ۲۸۹
خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ پانی بہہ رہا ہے اور مبارک احمد اس میں گر گیا ہے بستر اد دیکھا اور غوطے بھی لگائے مگر تلاش کرنے پر نہ ملا۔ ۲۹۰
ملک کے مختلف حصوں میں سیاہ رنگ کے پودے لگانے کا نظارہ دیکھنا اور بتانا کہ یہ طاعون کے پودے ہیں ۵۸۱
ہاتھی کا سا جانور خواب میں دیکھنا ۵۸۱
خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گویا مرتدین میں داخل ہوگیا ہے۔۔۔ ۲۹۱
مخالفت اور مخالفین کا انجام
ہمارے مخالفوں کا قیامت تک رہنا ضروری ہے۔ ۳۲۸
یہ مخالف بھی ہمارے لوکر چاکر ہیں کہ مشرق مغرب میں ہماری بات کو پہنچاتے ہیں۔ ۴۸۹
مخالف ہمیں منہاج نبوت پر پرکھیں ۲۵۷
حضور کو مفتری سمجھنے والے مخالفین کیلئے فیصلہ کی آسان راہ ۲۳۶
آپ کے خلاف مولوی محمد حسین بٹالوی کا فتویٰ کفر ۴۶۱
علمائے وقت کی طرف سے کفر کے فتوے ۵۷۴، ۵۸۳
آپ کی ہلاکت کی پیشگوئیاں کرنے والوں کا انجام ۳۰۱
آپ کے طاعون سے وفات پا جانے کے بارہ میں دہلی کے ایک شخص کی پیشگوئی ۲۹۸
علماء۔ دنیوی تعلیم یافتہ اور روسا۔ کا حضور کے متعلق رویہ ۵۸۳
آپ کی ذات پر مخالفین کے اعتراضات اور تہمتوں کا جواب ۶۶۵
حج پر نہ جانے کے اعتراض کا جواب ۲۴۸
مخالفوں کی جھوٹی تہمتوں پر لعنۃ اللہ علی الکاذبین فرمانا ۶۶۷
اشد مخالفین نے مباہلہ کے نتیجہ میں ہلاک ہوکر حضور کی سچائی پر مہر کردی ۸۶، ۱۴۱، ۱۶۷، ۱۹۸، ۵۵۸
قصیدہ اعجازیہ کے جواب میں قاضی ظفرالدین کا قصیدہ لکھ کر ہلاک ہونا ۱۵۴
مقدمات میں مخالفین کی ناکامی ۱۲۷
آپ کے دعویٰ کے بعد چراغ دین، عبدالحکیم اور دوسرے جھوٹے مدعیان ۲۴۳
آریوں سے صلح صرف اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ وہ انبیاء کو بُرا کہنا چھوڑ دیں۔ ۳۷۲
عیسائیوں کو الزامی جوابات دینے کی وجہ ۳۵۴

الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عربی الہامات

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ ۲۰۶
اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی ۱۳
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا ، اَلَیْسَ ھٰذَا

بِالْحَقِّ۔ ۳۷۵

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ ۵۷۱

اُرِيْحُكَ وَلَا اُجِيْحُكَ وَاُخْرِجُ مِنْكَ تَوْمًا ۲۳، ۳۰۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَكَ

اَلْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۵۲۵، ۵۵۹

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ قُلْ

اِنِّيْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۵۱

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ۲۴۴

اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاقِعٌ ۲۵۶

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ ۱۹۲

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۱۶۰، ۳۱۳

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ۱۸۶

اِنَّ الْمَنَايَا لَا تُطِيْشُ سِهَامُهَا ۶۰۲

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۲۷۵

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۲۴۲

اَنْتَ الشَّيْخُ الْمَسِيْحُ الَّذِيْ لَا يُضَاعُ وَقْتُهٗ ۳۰۰، ۵۲۵

اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِيْ ۳۵۶

اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ النَّجْمِ الثَّاقِبِ ۴۲۰

اُنْزِلَ فِيْهَا رَحْمَةٌ ۲۶

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۱۳۷، ۲۸۶، ۳۰۴، ۳۰۸

اِنَّهٗ اَوَى الْقَرْيَةَ ۱۶۰

اِنِّيْ حَافِظٌ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ ۱۲۹، ۱۹۲، ۲۰۲، ۲۰۷، ۲۳۵، ۳۰۱، ۳۰۲، ۴۵۵

اِنِّيْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰهِ وَاُصِيْبُهٗ ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۰۴، ۳۰۹

اِنِّيْ اَنَا الْعَاصِفَةُ ۵۲۷

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۵۵۹

اِنِّيْ مُبَارِكٌ ۳۰۹

اِنِّيْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ وَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ اِلَى الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۵۷۰

اِنِّيْ مَعَ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ ۳۰۵

اِنِّيْ مُهِيْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ ۲۵۰

اِنِّيْ نَاصِرُكَ اِنِّيْ حَافِظُكَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۳۷۵

اِيْلِي اِيْلِي لِمَا سَبَقْتَانِيْ اے خدا رحم کر۔ ۲۹۱

ت۔ تُوْفِّيْ تُوْفِّيْ قَبْلَ الْبَلَاءِ عَلٰى عَقِيْبِكَ ۵۲۳

ج۔ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۳۹۸

جَرِيَ اللّٰهُ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَاءِ ۲۹۶، ۶۸۰

ح۔ حٰمٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ راز کھل گیا۔ ۱۹۶

ر۔ رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ هٰذَا ۱۳

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ۱۲۸

ص۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَكَانَ اَمْرًا مَّفْعُوْلًا ۲۷۵

ع۔ عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا وَمُقَامُهَا ۱۲۷، ۲۸۱

غ۔ غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِيْدًا ۱۹۴

ف۔ فَارْتَدَّ اَعْمٰى اَثَارِهِمَا وَوُهِبَ لَهُ الْجَنَّةُ۔ اتنے میں طاقتِ بالا اس کو کھینچ کر لے گئی۔ ۱۳۸

فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ۔ ۱۲۹، ۳۷۵

ق۔ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَ قُلْ عِنْدِيْ شَهَادَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۳۶۸، ۵۶۰

ک۔ كَبِيْشُكَ وُرِّيَ لَا يُضَاعُ ۳۰۰، ۵۲۵

ل۔ لَا تَنْقَطِعُ الْاَعْدَاءُ اِلَّا بِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۲۴۲

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يُحْفَظُ ۲۹۰

لَكَ دَرَجَةٌ فِي السَّمَاءِ وَفِي الَّذِيْنَ هُمْ يُبْصِرُوْنَ ۳۰۰

لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ ۱۶۰

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ۱۹

م۔ مَا اَنَا اِلَّا كَاَنْقُرَانِ وَسَيَظْهَرُ عَلٰى يَدَيَّ مَا ظَهَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ ۲۹۶

مِنَ النَّاسِ وَالْعَامَّةِ ۱۸۴

و۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۱۶

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۳۲۸

وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ ۳۷۵، ۵۱۸

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۱۲۹

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ وَلِنُرِيَ اٰيَاتٍ وَّنُهْدِمَ مَا يَعْمُرُوْنَ ۳۰۰

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَتْرُكَكَ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۳۷۵

ی۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ۲۸۶

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ۲۸۶، ۶۰۲

يَاتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَ يَاتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۱۰، ۱۲۸، ۱۳۴، ۲۰۹، ۳۷۵، ۵۱۸

يَاتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ ۱۲۸

يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ ۲۵۱، ۲۷۵، ۳۴۹

يَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ وَ اِنْ لَّمْ يَعْصِمْكَ النَّاسُ ۳۷۷

يَنْصُرُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ۔ يَرْفَعُ اللّٰهُ ذِكْرَكَ وَ يَتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ ۳۷۵

اُردو۔ فارسی اور پنجابی زبان کے الہامات

آثارِ زندگی ۵۹

آریوں کا بادشاہ آیا ۴۵۸

آسمان ٹوٹ پڑا سارا معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔ ۱۴۸

آید آں روزے کہ مستخلص شود ۲۵۹

"اس ہفتہ میں کوئی باقی نہیں رہیگا" ۱۵۱

الوداع ۲۳۶

ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ ۱۵۶

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے ۱۳۷، ۵۴۷

پھر بہار آئی تو آتے خلیج کے آنے کے دن ۱۴۴، ۱۶۱، ۱۸۸

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی ۱۲۷

جے توں میرا ہوریں سب جگ تیرا ہو ۲۰۱

چو دور خسروی آغاز کردند ۵۹۰

مسلماں را مسلماں باز کردند

خدا خوش ہوگیا۔ ۲۹۹، ۳۰۴

خطرناک ۴۳۷

دو شتیر اُڑے گئے ۲۳

رُوِدر گوپال! تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ ۴۵۸

زلزلہ کا دھکا ۱۲۷، ۵۸۱

سرانجام جاہل جہنم بود کہ جاہل نکو عاقبت کم بود ۲۴

"قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں" کی تشریح ۲۳۶

لاہور سے ایک افسوسناک خبر آئی ۱۹۱، ۲۳۲

لائف آف پین ۳۰۴، ۳۰۸

مَیں خدا کی تقدیر پر راضی ہوں ۳۰۴

میں نے خدا کی مرضی کے لیے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے۔ ۳۰۶

"وہ وعدہ ٹلے گا نہیں جب تک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہہ نہ جائیں" ۴۳۸

"ہزاروں تیرے پروں کے نیچے ہیں" ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر ۲۸۵، ۳۰۴، ۳۰۸

یا اللہ! اب شہر کی بلائیں بھی ٹال دے۔ ۱۸۳، ۲۰۷

غلام احمد شیخ

تبلیغ اور تربیت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کی تعریف ۶۸۲

غلام حسن خان رئیس دہلی خان بہادر ۲۹۷

غلام دستگیر طبیب ۲۴۷

غلام دستگیر قصوری

مؤلف مجمع البحار کی طرح دُعا کرنے کا دعویٰ اور پھر ہلاکت ۶۱، ۲۰۰، ۳۰۲، ۵۵۸

غلام رسول امرتسری (میاں) ۱۸

غلام فرید خواجہ چاچڑاں شریف

حضور کے معتقد تھے ۱۵۶

حضور کی جابجا تائید ۲۳۵

قبولیت دُعا کا ایک واقعہ ۱۸۲

آتھم کے متعلق پیشگوئی کے بارہ میں آپ کا عمدہ جواب ۱۹۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے بارہ میں آپ کا عمدہ جواب ۲۰۸

غلام قادر مرزا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے بھائی ۱۵۸

ورزش کا شوق ۲۴۶

غلام محمد بالو

لاہور سے ملاقات کیلئے قادیان آمد ۱۷۰

غلام محمد مولوی طالب علم علی گڑھ

علی گڑھ جاتے ہوئے حضور کی آپ کو نصائح ۱۷۳

غلام مرتضیٰ مرزا

حضور کے والد آپ کی ایک رؤیا اور اسکی تعبیر ۱۵۸

غلام مرتضیٰ مولوی

خسوف قمر کے وقت واویلا کرنا ۱۲۶

ف

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ۴۹۰

آنحضرت کا آپ سے فرمانا کہ اپنی جان کو آگ سے بچانے کی فکر کر لے میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔ ۴۹۴

فتح دین مولوی

سلسلہ کی تبلیغ اور چندوں کی وصولی کیلئے مفید ثابت ہوسکتے ہیں ۴۷۱

فرعون ۱۷، ۲۲۴، ۶۰۰

سخت کافر انسان تھا۔ ۵۲۷

ابتدائی طور پر غداروں کو معمولی اور اتفاقی سمجھتا رہا۔ ۴۰۴، ۵۷۱

خوف کے وقت ایمان ۲۸۰

اسے بھی سچی خواب آتی تھی ۳۱۸، ۴۶۶

حضرت ابن عربیؒ کے نزدیک فرعون نجات یافتہ ہوگیا تھا۔ ۵۲۷

موسیٰ کی فتح ۲۲۸

فرید باوا شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
ریاضات و مجاہدات ۵۰۹
آپ کا ایک مقولہ ۹۷
فضل حسین بیرسٹرایٹ لاء
حضور سے ملاقات کے دوران
بعض استفسارات ۲۸۳، ۴۳۵، ۶۳۵
فضل حق سردار ۲۱۵
اسلام پر استقامت ۲۴۹
فضل دین حکیم
بھیرہ کے ایک سود خور کا واقعہ ۴۳۵
فضل کریم شیخ
حج بیت اللہ سے واپسی پر قادیان
آنا۔ ۵۳۳
فقیر مرزا دولیالی
مباہلہ کے نتیجہ میں ہلاکت ۱۴۲، ۵۵۸
اپنے الہامات پر فخر ۴۲۱
خود اسی تاریخ اور مہینے میں ہلاک ہوا
جسکی اس نے حضور کے متعلق پیشگوئی
کی تھی۔ ۳۰۱
فنڈر پادری
اسلام پر اعتراضات ۵۵۷

ق

قارون ۴۰۱
قاسم علی منشی ۲۹۹
قطب الدین خواجہ شاگرد بابا غلام فرید ۱۸۲
ہندوستان کے اولیاء میں سے ایک ۲۴۸
قمرالدین سوداگر صدر بازار دہلی ۲۹۷
قیصر ہرقل
ابوسفیان کی دربار میں حاضری ۲۵۶
قیصر ہند
طاعون کے بارہ میں قیصر کی چٹھی
کے مطابق جماعت کو تعاون کی
تلقین ۲۶۳

ک

کرامت علی خان میرد ہلوی ۲۹۹
ایک عیسائی مشرک کو مسیح قرار دیتا ہے ۳۰۱
طاعون، زلزلہ اور حضور کی ذات کے
متعلق پیشگوئیاں ۲۹۷
کسریٰ شہنشاہ ایران
کسریٰ کے سونے کے کڑوں کے متعلق
پیشگوئی کا پورا ہونا ۳۲
کرشن
كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيٌّ اَسْوَدُ
اللَّوْنِ اِسْمُهٗ كَاهَنَ (حدیث) ۴۵۹
کرشن کے معنی ایسی روشنی جو آہستہ
آہستہ دُنیا کو روشن کرتی ہے ۴۶۱
مقدس وجود ۳۷۲
آپ کا مذہب موجود ہندوؤں سے
مختلف تھا ۴۵۸
ایک ولی اللہ کو خواب میں بتانا کہ
ہمارا مذہب توحید ہے ۴۵۹
حضرت داؤد سے مشابہت ۴۶۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رؤیا
میں آپ سے ملاقات ۴۵۹
آپ کے متعلق ایک خواب ۴۵۹
کرشن کی گوپیوں کی حقیقت ۴۶۱
کرم دین (بھیں ضلع جہلم)
سیشن جج کا کرم دین کو لئیم اور
کذاب سے بڑھ کر قرار دینا ۳۹۳
کعب بن اشرف مدینہ کا یہودی سردار ۴۸۲
کمال الدین خواجہ ۶۳، ۶۸، ۲۱۵
آپ کے مکان پر حضور کی مجلس ۵۹۸
مولوی ثناء اللہ کے متعلق آپ کی
گواہی ۵۰
بطور گواہ اقرار نامہ حکیم مولوی
محمد یوسف ۷۵
کُملے شاہ
آپکے مُرشد کو ساری عمر صحیح بخاری کی
تلاش رہی۔ ۱۱۴

ل

لاجپت رائے لالہ
جلاوطنی ۲۳۶
گرفتاری پر آریوں کی لاتعلقی
کا اظہار ۲۸۴
لعزر
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے
متعلق فرمان ۵۴
لوط علیہ السلام ۹۶، ۹۹، ۱۰۱، ۱۷۵
قوم لوط کے متعلق حضرت ابراہیم
علیہ السلام کا مجادلہ ۶
لوقا
کیا لوقا ڈاکٹر تھے؟ ۴۸۴، ۴۸۵
لیکھرام ۲۶۳
معاند اسلام آریہ ۴۸۰
اس نے اسلام کے خلاف بدزبانی
سے پُر کُتب لکھیں ۵۷۶
مُباہلہ کے نتیجہ میں ہلاکت
۱۸۶، ۳۷۷، ۵۵۸
عبرتناک انجام ۱۴۱
اس کی شوخی اس کی ہلاکت کا سبب
ہوئی ۱۷۷، ۲۵۸
اسکے معاملہ میں غیب کا ہاتھ ۴۸۱
وہ اپنی موت کیسا تھ اپنے تمام اعتراضات
کا جواب دے گیا ۱۹۸
مولوی محمد حسین کا آریوں کو لیکھرام کے
قتل ہونے پر اکسانا ۴۶۵

م

مبارک احمد مرزا ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۳۸۹
لوگ انہیں اکثر "ولی" کہہ کر پکارتے
تھے۔ ۲۹۰
آپ کے متعلق الہام اِنِّیْ اُسْقِطُ
مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ ۲۸۵، ۲۸۷
حضور نے اسکی پیدائش پر فرمایا کہ
یہ لڑکا نیک اور روبخدا ہوگا یا

کم عمری میں فوت ہو جائیگا ۲۸۷، ۳۰۴
آپ کے بارہ میں حضور کا ایک رویاء ۲۹۰
آپ کی وفات ایک بڑا نشان ہے ۳۰۸
آپ کی وفات پر حضرت اقدس جان
کا مثالی صبر ۳۰۶
حضور اور حضرت اقدس جان کے
صبر پر اللہ تعالیٰ کا خوش ہو جانا ۳۲۳
آپکی وفات پر حضرت مصلح موعود کے
جذبات رضا بالقضا ۳۵۵
آپکی وفات پر حضرت اقدس کی تقریر ۲۸۵
خسرہ کی تکلیف میں دعا سے آرام ۱۸۱
آپکی پیاری یادیں اور ذکر خیر ۲۸۷
وفات سے پہلے حضور سے مصافحہ ۲۸۷
نو دن کا بخار ٹوٹنے کے بعد وفات ۲۸۹
وفات ۶۰۲

محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
۱۱۶، ۱۳۱، ۲۹۶، ۳۶۲

آپ کے متعلق پیشگوئیاں
یہود کی کتب میں آپ کے متعلق
پیشگوئیاں موجود تھیں۔ ۷۱
آپ کے دعویٰ سے پہلے کثرت سے
ستارے ٹوٹے تھے ۲۶۰، ۲۸۱
ایک یہودی نے آپ کو دیکھکر کہا کہ
ان میں نبوت کے نشانات ہیں ۴۸۳
آپکی بعثت سے پہلے ایک شخص کا
بتانا کہ نبی آخر الزمان آنے والے ہیں
اور پھر آپ کا مکذب بننا۔ ۵۸۲
آپ کے متعلق پیشگوئیوں میں اخفاء
کی حکمت ۲۱۸
آپ کے متعلق یہودیوں کو یہی دھوکا رہا
کہ آپ بنی اسرائیل میں سے ہونگے ۲
دلائل صداقت
آپ کی صداقت کے دلائل ۵۸، ۱۱۶، ۱۶۶
آپ کی بعثت حق تھی۔ ۱۰۰
آپ کی وفات آپ کے من جانب اللہ
ہونے کا ثبوت تھی۔ ۲
آپ کے معجزات ۲۰۵
آپ کے معجزات دائمی شوکت و عظمت
کے حامل ہیں۔ ۴۶۷
آپ کے ہاتھ پر مُردوں کا زندہ ہونا
قرآن شریف میں مذکور ہے ۵۱۴، ۶۳۳
آپ کے وقت میں قحط کا نشان ۱۷۶
آپ کی کامیابی سب سے بڑا معجزہ ہے ۲۰۵
باوجود تن تنہا ہونے کے کامیاب ہونے ۱۰۶
آپ واحد نبی ہیں جو اپنی زندگی میں
ہی کامیاب ہوتے۔ ۳۳۹
مکہ کی گلیوں میں آپ کی دعاؤں کے
نتیجہ میں عظیم روحانی انقلاب ۵۹
آپ کی اصلاح آپ کی حقانیت
کی دلیل ہے۔ ۱۱۶
آپ کے قتل کے منصوبے اور خدا تعالیٰ
کی حفاظت ۵۸۷
کفار پر آپ کی بددعا کا رُعب تھا ۲۸۳
آپ سے پہلے کسی نے دعویٰ نہیں کیا تھا ۲۵۶
آپ کے دعویٰ کی خبر سنتے ہی حضرت
ابوبکرؓ کا آپ پر ایمان لے آنا ۴۱۱

مقام
مقام لولاک کے اصل مصداق ۱۹
افضل الرسل ۱۰۹
زندہ نبی ۱۶۴
آپ کی برکات غیر منقطع ہیں ۲۰۵
پاکوں کے سردار ۳۴۲
داعیاً الی اللہ اور سراج منیر ۶۶۴
آپ کی بعثت مختص الزمان مختص
القوم اور مختص المکان نہیں۔ ۶۵۴
تشریعی نبوت آپ پر ختم ہو گئی ہے
۷۱، ۴۶۸
ہم کہتے ہیں کہ آپ افضل الرسل۔
سید المعصومین رحمۃ اللعالمین اور
خاتم النبیین اور مس شیطان سے
پاک ہیں اور تمام کمالات نبوت آپ
کی ذات پر ختم ہیں۔ ۳۵۲
ہمارا تو یہی ایمان ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم معصوم نبی ہیں اور جن پر
تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے ہیں ۳۶۵
باوجود اُمّی ہونے کے آپ کی باتوں
کے پُر حکمت ہونے کی وجہ دل کا تقدس
اور تطہیر ہے۔ ۶۲۸
آپ کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا ۳۹۹
سب سے بڑے مظلوم ۴۸۶
حضرت موسیٰ سے تشبیہ ۵۵۱
عیسیٰ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ۶۳۳
آپ کے مقابلہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے
معجزات کچھ بھی نہیں۔ ۱۳۳
آپ کی بیویاں اُمہات المؤمنین ہیں ۴۹۰

نجات کیلئے آپکی اتباع لازمی ہے
اتباع رسول کی اہمیت ۵۷۳
قرآن کریم کیساتھ آپکے وجود کی ضرورت ۲۴۴
سچی توحید آنحضرت پر ایمان لانے سے
ہی مل سکتی ہے۔ ۲۷
آپ کی اطاعت خدا تعالیٰ کی محبت
کا ذریعہ ہے۔ ۱۳۲
سارے انوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی اتباع میں ہیں۔ ۲۴۵
آپ کی پیروی اور اتباع کے بغیر
کوئی سچا روحانی فیض حاصل نہیں
ہو سکتا۔ ۲۷، ۶۱۱
آپ کی اتباع کے بغیر نجات نہیں
ہو سکتی۔ ۲۴
اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی فلاح
کی راہ ہے۔ ۵۶۵
آپ کے بعد کوئی صاحب شریعت
نبی نہیں آسکتا مگر آپ کی وساطت
سے شریعت کے بغیر نبی آسکتا ہے ۷۸

آنحضرت کے قول کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ۳۲
خواب میں اگر آپ کوئی حکم دیں تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ ۱۴۶
خُلقِ عظیم
فطرت سلیم اور عصمت کی ایک خاص دلیل ۵۳۶
قوتِ قدسی اور تاثیر ۵۳۵
آپ نے تلوار سے نہیں بلکہ انوار سے عربوں کے دل فتح کئے تھے ۵۸۹
بعض لوگوں نے آپ کے اخلاقی کمال کی وجہ سے اسلام قبول کیا ۵۰۲
آپ کے ذریعہ عظیم روحانی انقلاب ۱۱۷
آپ کی پاکیزہ زندگی ۴۴۷
پاکیزہ مزاح ۹
تواضع اور انکساری کا ایک نمونہ ۵۴۸، ۶۱۱
خُلقِ عظیم کا ایک واقعہ ۵۰۲
شفقت کی ایک مثال ۳۰۴
حِلم ۳۲۴
خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا بے مثال نمونہ ۳۰۷
ریاضات، تضرعات اور مجاہدات ۵۰۷
آپ نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا ۴۲۲
آپ کا فرمانا کہ میں ستر سے بھی زیادہ دفعہ دُعا کرونگا۔ ۶
جب کوئی ابتلاء یا تکلیف دیکھتے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاتے ۴۵، ۹۳
آپ کی پیشگوئیاں
مسیح موعود کے ظہور کے لیے نشانات کا بیان ۱۲۵
مسیح موعود کے لیے آپ کے سلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کی اُمت میں پیدا ہوگا۔ ۱۷۹
نازِ مشرق کے بارہ میں آپکی پیشگوئی کا پورا ہونا۔ ۶۳
مصائب و مشکلات اور مخالفت
آپ کے مصائب دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھے۔ ۲۹۵، ۳۰۵، ۴۴۴
یتیمی کا سامنا ۳۳۶
گیارہ بیٹوں کی وفات کا صدمہ ۲۸۶، ۳۳۶، ۴۱۶، ۴۱۹
ایک روایت کے مطابق جنگ اُحد میں آپ کو ستر زخم آئے تھے ۲۹۴
آپ کی شدید مخالفت ۲۵۵
مخالفین نے آپ کو کذاب۔ ساحر اور مجنون کہا ۶۱۰
آپ کے زمانہ میں جو لوگ ہلاک ہوئے وہ شوخی اور تکذیب کے نتیجہ میں ہوئے ۱۷۵
پہلے تیرہ سال صبر کرتے رہے پھر درد کی حالت پیدا ہوئی تو مخالفین پر عذاب نازل ہوا ۱۹۹
متفرق
باوجود ضعف کے تمام بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے ۴۴۰، ۵۸۳
نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ ۲۱
کفار سے آپ کی جنگیں دفاعی تھیں ۲۲۳، ۲۷۸
کفار سے صلح کا فائدہ ۶۸۰
اجتہادی غلطی ۲۱۲
دس سال کی مدنی زندگی میں کوئی حج نہیں کیا۔ ۲۴۸
خواب کی بنا پر حج کے لیے سفر ۲۹۵
آنحضرت نے اپنا عقیقہ چالیس سال کی عمر میں کیا تھا۔ ۴۴۲
کفار کا آپ سے آسمان پر جانے کا مطالبہ ۶۳۲
آپ نے فرمایا کہ بشر آسمان پر نہیں جا سکتا۔ ۳۴۰
آپ نے دوسرے کی قسم بلوری ہونے دی تھی۔ ۱۷۲
شہد نہ کھانے کی قسم کا توڑنا ۲۳۱
اُمت کو استغفار کی تلقین ۶۰۷
آپ مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے ۲۶۴
آپ نے گوہ کو جائز قرار دیا ہے مگر خود نہیں کھائی۔ ۲۹۲
آپ کی ہتک کا ارتکاب ۶۶۹
آپ پر جادو نے اثر نہیں کیا تھا ۳۴۸
آپ کی عصمت کے خلاف حدیث کو ہم نہیں مانتے۔ ۳۴۹
قرآن کریم میں آپ کے لیے لفظ توفّی کا ترجمہ موت ہی کیا جاتا ہے ۳۱، ۵۴۶، ۵۸۰، ۶۹۲
آپ نے وفاتِ مسیح کی شہادت دی ہے۔ ۱۶۴، ۱۷۸
مسیح موعود آپ کے بعد چودھویں صدی میں آیا ہے۔ ۵۵۲
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آپ سے ملاقات ۶۲۶
محمد لکھو کے مولوی
اپنی کتاب احوال الآخرۃ میں رمضان میں کسوف و خسوف کے نشان کا زور شور سے ذکر کیا ہے۔
محمد ابراہیم (حافظ)
بیوی کی وفات پر صبر کی تلقین ۵۴
محمد ابراہیم خان شہزادہ
حضور کی آپ سے فارسی میں گفتگو ۵۷
محمد اجمل خان حافظ۔ دہلی ۲۹۷
محمد احسن سید فاضل امروہی ۱۸، ۱۴۸، ۲۹۹، ۴۹۵، ۵۲۵
آپ کے علم کی تعریف ۶۵
جماعت کی طرف سے مباحثہ کے

حقدار ۱۸۷
اپنی تفسیر کا ایک حصہ حضور کو سنانا ۴
نواس بن سمعان کی ایک حدیث پیش کرنا ۱۳۶
دو افراد کے جمعہ کے بارے میں استصواب ۱۶۸
ایک معترض کے خط کا تذکرہ ۵۲۲
مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے بارہ میں حضور کا استفسار ۶۹۱
محمد اسماعیل میرڈاکٹر ۵۳، ۲۹۹، ۵۶۶
۴ر اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر ۱۵۲
محمد افضل بابو ۲۷۶
محمد اکمل قاضی ۱۴۱
محمد بخش ملا
لاہور کا مدعی الہام ۵۶
محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ
بخارا سے جلاوطنی ۱۴۹
آپ نے ایک لاکھ احادیث جمع کیں اور ان میں سے صرف چالیس ہزار منتخب کیں۔ ۴۵۲
وفات مسیح پر آپ کے دلائل ۱۳۹
محمد چٹو شیخ لاہوری ۷۰
حضور کی خدمت میں حاضری ۶۷
دستخط اقرار نامہ مباہلہ ۷۵
محمد حسین بٹالوی ابوسعید
پرانے تعلقات ۱۴۹
جلسہ مذاہب عالم میں اقرار کہ اسلام میں نشان دکھانے والا کوئی نہیں ۵۵۷
حضور کے خلاف فتویٰ کفر پر پشاور سے بنارس تک کے علماء کی مہریں لگوانا ۴۶۱، ۴۶۵، ۶۳۵
مقدمہ اقدام قتل میں حضور کے خلاف گواہی دینا ۳۷۸، ۶۴۴
اس کی مخالفت کے نتیجہ میں تبلیغ ۳۵۸
ثناء اللہ بہ نسبت محمد حسین کے بدگوئی میں بڑھ گیا ہے۔ ۱۴۸
لڑکے کے متعلق اسکی خواب ۴۶۷
حضور سے ایک مقدمہ میں منصف بننے کی درخواست ۴۶۴
کیا رجوع کریگا؟ ۱۳۳
محمد حسین شاہ ڈاکٹر
آپ کے مکان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ۳ر مئی ۱۹۰۸ء کی مجلس ۵۹۱
محمد حسین قرشی حکیم ۶۷
لاہور سے ملاقات کیلئے قادیان آمد ۱۶۹
بیٹی کی وفات ۱۹۱
حضور کا آپ کو طاعون زدہ علاقہ چھوڑنے کی تلقین ۳۱۵
محمد حسین حکیم مرہم عیسیٰ
لاہور سے ملاقات کیلئے قادیان آمد ۱۷۰
محمد خان میاں
مخلص اور محبت کرنیوالے تھے ۵۷۸
محمد دین احمدی کباب فروش لاہور
حضور کے لیے اپنی عمر کا ایثار ۲۲۹
محمد دین میاں طالب علم علی گڑھ
طلباء کی سٹرائیک میں شامل نہ ہونے پر حضور کا اظہار خوشنودی ۱۷۲
علی گڑھ سے ایک خط ۱۹۱
محمد سعید مولوی حیدر آبادی ۲۸
محمد سعید الدین
ایک استفسار ۱۸۵
محمد صادق مفتی ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۷۴، ۲۶۱، ۴۷۸، ۴۷۹، ۵۰۶
تبلیغ سلسلہ کا غیر معمولی جوش اور صدق و وفا ۶۸۳
حضور کی طرف سے آپ کی محنت کی تعریف ۴۸۰
حضور کے مترجم کے طور پر کام کرنا ۵۱۳
لارڈ بشپ لاہور کی تقرر کا مسکت جواب دینا ۱۶۴، ۳۹۶، ۵۸۰
پروفیسر ریگ کو حضور کی ملاقات کے لیے لانا ۶۱۹
حضور کا آپ سے خطاب ۱۹۴
آپ کے بیٹے عبدالسلام کو حضور کا بطور مثال پیش فرمانا ۵۱۸
مولوی محمد علی صاحب کی وصیت لکھنا ۲۲۷
ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ ہوگا جو خدا کو منظور ہوگا اور جو ہمیشہ انبیاء کی موت کے بعد ہوا کرتا ہے ۵۲۱
محمد طاہر گجراتی صاحب مجمع البحار
آپ کے کیطرف مباہلہ کے نتیجہ میں جھوٹے مدعیان ہلاک ہوگئے ۶۱، ۲۰۰
محمد علی ایم۔ اے (مولوی) ۱۸، ۱۴۳
نصرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آپ کی تعریف ۸۰
انگریزی دان ہونے کی بناء پر خدمت کا موقعہ ۴۸۰
یورپ و امریکہ میں تبلیغ کیلئے انگریزی میں کتاب لکھی جانے کا تذکرہ ۱۵۰
ایک معجزہ کے گواہ ۲۰۷
حضور کا آپ سے فرمانا کہ اگر آپ کو طاعون ہوگئی تو ہمارا سلسلہ ہی جھوٹا ہے ۲۲۷
محمد علی خان نواب
حضور کے ایک رویاء کے گواہ ۲۸۹
محمد علی جعفری وائس پرنسپل اسلامیہ کالج
حضور کی ملاقات کے لیے آنا اور حضور کا آپ سے خطاب ۵۸۲
محمد عمر حکیم از فیروز پور
بچہ کے کان میں اذان کے بارہ میں استفسار ۱۸۴
محمد منظور علی شاکر طالب علم
امریکن میاں بیوی کو سورہ مریم کی ابتدائی آیات خوش الحانی سے سنانا ۵۲۱

◎

محمد ویب نیز دیکھئے ویب
امریکہ کے ایک مسلمان ۱۷۶
محمد یوسف سید مولوی
لاہور کے شیخ محمد چٹو کے ساتھ قادیان
آنیوالے ایک عالم دین ۷۲
حضور سے مباہلہ کے لیے تحریری
اقرارنامہ ۷۵
محبوب الرحمٰن حافظ
آپ کی عمدہ تلاوت کی تعریف ۱۹۷
محی الدین لکھوکے والے
مباہلہ کے نتیجہ میں ہلاکت ۱۹۸، ۵۵۸
محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ
آپ کے نزدیک سلسلہ نبوت جاری ہے ۶۸۹
آپ کا قول ہے کہ نبوت کا بند ہونا
اور اسلام کا مرجانا ایک ہی بات ہے ۵۶۵
آپ کو کشف میں بتایا گیا کہ آدم
ہزاروں ہوتے ہیں۔ ۶۷۵
حدیث حان فی الھند نبی اسود
اللون اسمہ کاھن کا ذکر ۴۵۹
آپ کے نزدیک موسیٰ کو فرعون سے
نرمی کا سلوک کرنے کی ہدایت اس
لیے دی گئی کہ اس نے ایمان لاکر
نجات پانا تھا۔ ۵۲۷
بیمار اور مسافر کے روزہ رکھنے کے
متعلق آپ کا قول ۳۲۰
مریم علیہا السلام
آپ کے صدیقہ کہلانے کی وجہ ۳۴۳
کیا صرف آپ اور ابن مریم مس
شیطان سے پاک تھے؟ ۳۴۲
اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ
کا نام بھی مریم رکھا ہے۔ ۳۴۹
مسیلمہ کذاب ۲۶۵
جب حضورؐ کی شہرت ہوگئی تو اس
نے بھی دعویٰ کردیا ۲۵۶
عربوں نے اس کی مخالفت نہیں
کی۔ ۵۶، ۲۵۵
پیشگوئی کے مطابق ہلاکت ۳۲۷
مصلح الدین سعدی شیرازی نیز دیکھئے سعدی ۴۱۹
معاویہ ۴۷۴، ۴۹۰
معراج الدین عمر
آپکے قلم سے حضور کے ملفوظات ۱۸
معراج الدین میاں ۲۱۵
معین الدین
ہندوستان کے اولیاء میں سے ایک ۲۴۸
ملاکی
الیاس کی آمد ثانی کی پیشگوئی ۲۱۷
ملا واصل لالہ
ابتدائی زمانہ کا گواہ ۱۲۹
حضور کی پیشگوئیوں اور نشانات کا
گواہ ۱۷۸، ۳۷۶
منگو سکنہ بھینی
حضور کی خدمت میں گنوں کا نذرانہ ۴۷۲
موسیٰ علیہ السلام ۹۶، ۱۰۱، ۱۱۷، ۱۳۱، ۲۲۴،
۲۹۶، ۳۷۲، ۴۹۷، ۵۱۵، ۶۰۰، ۶۰۶
آپ کی والدہ کو الہام ۵۶۵
آپ تمام دنیا کے واسطے رسول نہیں
تھے۔ ۶۵۴
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ سے تشبیہ ۵۵۱
ماموریت کے وقت ہارون کو زیادہ
افصح قرار دیا۔ ۲۰۹
آپ کو فرعون سے نرمی اختیار کرنے کے
حکم کی حکمت ۵۲۷
آپ کی ایک پیشگوئی کا بظاہر پورا
نہ ہونا۔ ۵۲۳
ارض موعود کے حصول سے پہلے ہی
راستہ میں فوت ہوتے۔ ۲۰۵، ۳۳۹
آپ کے آنے کی خبر کسی کتاب میں
نہیں تھی۔ ۵۵۴
آپ کے وقت میں مختلف عذاب ۴۰۴
آپ کے وقت میں پلوٹھوں کی ہلاکت
کا نشان ۱۷۶
آپ کے زمانہ میں طاعون اور بیماریوں
کا عذاب ۱۵۳، ۱۵۴
عصاء کا معجزہ ۴۵۲، ۴۶۷، ۴۸۱
خدا تعالیٰ کی قدرتوں سے فرعون پر فتح ۲۲۸
جادوگروں کے مقابلہ میں غالب آئے ۳۴۸
آپ کے ساتھیوں کا رویہ ۲۹۶
یہود آپ کے رفع روحانی کے قائل
تھے نہ کہ جسمانی رفع کے۔ ۴۹۱
آپ کے خلاف طعم کی بددعا ۴۵۶
آپ کے کافروں کی خوبی ۵۴۴
آپ کو بھی گالیاں دی گئیں ۶۱۰
تورات میں موسیٰ کی وفات کا ذکر ۳۳۸
آپ سے چودہ سو سال بعد عیسٰے
آتے تھے۔ ۵۵۲
موسیٰ رضا امام
الٰہی بشارت کے ماتحت قید سے رہائی ۴۹۳
مولابخش چوہدری (آف سیالکوٹ) ۸۷
مولابخش ملک
لائف انشورنس کے بارہ میں استفتا ۵۰۶
مہر علی شاہ گولڑوی
آپ کے خلیفہ پیر عبداللہ شاہ کا
قادیان آنا ۵۰۶

ن

نادر شاہ
دہلی پر حملہ ۵۰۴
نادر علیشاہ سید سب جسٹس اور رئیس چکوال
بیعت ۲۷۸، ۲۸۱
ناصر نواب میر
مولوی محمد حسین کے متعلق آپکی ایک خواب ۱۴۹
مسئلہ گوشت خوری کے سلسلہ میں گفتگو ۷۹
نانک
آپ مسلمان تھے اور نماز پڑھتے تھے ۶۲
چولہ سے آپکے مسلمان ہونے کا ثبوت ۱۷۸
بظاہر مسلمان نہ ہونے کی حکمت ۸

نجاشی
آپ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو پناہ دینا ۲۲۱

نجم الدین میاں
مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا ارشاد ۶۷

نصرت جہاں بیگم حرم حضرت مسیح موعود علیہ السلام
آپ کا اعلیٰ ایمان ۳۰۴
صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر صبر کا اعلیٰ نمونہ ۲۸۶
آپ نے مبارک احمد کی وفات پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کو مَیں نے اپنے ارادوں پر قبول کر لیا ہے۔ ۳۰۶
صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر آپ کے صبر پر اللہ تعالیٰ کا اظہارِ خوشنودی ۳۲۳
آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے الہام "خدا خوش ہو گیا" سے مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مرجاتا تو مَیں پروانہ کرتی ۳۰۴، ۳۲۳
لاہور اور پھر واپسی ۲۴۰

نظام الدین (اولیاء)
آپ کی دُعا کا ایک واقعہ ۵۱

نظام الدین شیخ شاگرد باوا غلام فرید ۱۸۲

نظیر حسین قاضی تحصیلدار
حضور کے لیے پھل لانا ۱۰

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ
مسیح موعود کے بارہ میں ایک حدیث ۱۳۶

نوح علیہ السلام ۱۹، ۹۶، ۹۹، ۱۷۵، ۱۹۴، ۲۹۶
پہلے صبر اور پھر درد کی حالت ۱۹۹
بیٹے کیلئے دُعا اور اللہ تعالیٰ کا جواب ۹۷
آپ کے وقت نشان کے طور پر بیماریوں کا آنا ۱۵۴
آپ کے مخالفین کا رویہ ۴۱
آپ کے وقت عذاب رسول کو ستانے کی وجہ سے آیا۔ ۴۴۴

نور احمد دہلوی
پیسہ اخبار میں مراسلہ ۲۹۷

نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۴
۲۱۰، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۷۳، ۳۶۲
ایک شمالی طبیب جو اپنے بیماروں کے واسطے دُعا بھی کرتے ہیں ۲۶۷
حضور کا آپکو نماز کے لیے بلوانا ۱۴۳
سکول کے طلباء کے لیے آپکی باتوں اور درس کا فائدہ ۳۱۰
ایک عمدہ نکتہ ۲۲۰
قرآن کریم میں مشورہ کا حکم ۵۳۲
بیمار اور مسافر کے روزہ کے بارہ میں ابن عربی کا قول پیش کرنا ۳۲۰
گوشت خوری کے مسئلہ کا ذکر ۷۸
آپ نے فرمایا کہ قیامت فنا وغیرہ الفاظ نسبتی ہیں ۱۵۲
حضور کا آپ سے بعض دیسی جڑی بوٹیوں کا تذکرہ ۱۹۶
بھیر میں درس حدیث ۴۳۵
آپ کے بیٹے عبدالحی کی پیدائش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعا سے ہوئی ۵۱۹
آپ کی بیماری اور مرنے کا اندیشہ ۲۸۹
آپ کے لیے دُعا کی کیفیت ۲۶۱
آپ کے ایک دوست کا رامپور سے کانگڑہ جاتے ہوئے ملاقات کے لیے قادیان آنا ۶۰۵

نور محمد
بلوچستان کا ایک احمدی ۴۷۸

نور محمد امیر پور تحصیل کبیر والا ۲۵۴

نور محمد ڈاکٹر حکیم
لاہور سے ملاقات کیلئے قادیان آمد ۱۷۰
حضور کی طرف سے آپ کے طریق کار کی تعریف ۱۳

و

ولایت علی سوداگر صدر بازار دہلی ۲۹۷

ولی اللہ شاہ محدث دہلوی ۱۳۴
معراج کے بارہ میں آپکا مذہب ۳۱
آپ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا گیا ۶۱۱

ویب
امریکن نومسلم کے خط کا ذکر ۱۴۹
اس نے ہمارے سلسلہ کی طرف توجہ نہیں کی اور بدگوئی کیساتھ چلا گیا ۱۵۰

ہ

ہاجرہ علیہا السلام
گھر سے دو مرتبہ نکالا جانا ۴۹۹
بیٹے کے ذبح ہونے پر رضامندی ۴۱۸

ہارون علیہ السلام ۲۰۹

ہرقل قیصر روم
ابوسفیان سے آنحضرتؐ کے حالات دریافت کرنا ۲۵۶، ۵۸۴

ہلاکو خان
بغداد میں چھ لاکھ مسلمانوں کا قتل ۲۲۷

ی

یحییٰ علیہ السلام
معراج کی رات آنحضرتؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو آپکے ساتھ دیکھا تھا ۴۹۲، ۶۳۲

یزید ۴۴۶

یسعیاہ علیہ السلام
مُردوں کا زندہ کرنا ۵۱۵

یسوع نیز دیکھئے عیسیٰ علیہ السلام
ان کے متعلق دعویٰ خُدائی بجا تھے
خود ایک دعویٰ ہے دلیل نہیں ۵۸
یسوع مسیح کا کمزور انسان ہونا ثابت ہے۔ ۱۲
یسوع کو زندہ ماننے کا نقصان ۱۶۴
ان کی آمد اسلام کے لیے کوئی فائدہ نہیں دیگی۔ ۵۷

یعقوب علیہ السلام
خُدا کا فرزند ۳۵۶
یعقوب بیگ مرزا ڈاکٹر
لاہور سے ملاقات کیلئے قادیان آمد ۱۶۹
ایک ہندو کے ساتھ گوشت خوری
کے مسئلہ پر گفتگو کا ذکر ۷۸
یعقوب علی شیخ
حضور کی طرف سے آپکو ایک معاملہ
کی تحقیقات کا ارشاد ۲۹۹

یوحنا علیہ السلام نیز دیکھئے یحییٰ
سید احمد شہید کی یوحنا سے مماثلت ۳۵۶
یوز آسف
آپ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں ۳۵۷
یوسف علیہ السلام ۴۶۶، ۶۳۷
بے وقت خواب سنانے کی وجہ سے مصائب ۱۶۶
آپ کی ایک دُعا ۴۵۱
بادشاہ وقت کے خواب کی تعبیر
بیان کرنا ۳۱۸

قرآنِ کریم میں آپ کے لیے لفظ توفّی
کے معنی موت کئے جاتے ہیں۔
۳۱، ۵۴۶، ۵۸۰، ۶۹۲
یونس علیہ السلام ۳۵۰
آپ کی پیشگوئی کے باوجود آپ کی
قوم کا بچ جانا ۲۱۲، ۵۲۳
زیرِ عتاب آنے کی وجہ ۱۹۸

مقامات

آریہ ورت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کے وقت اخلاقی اور روحانی حالت ۱۰۰
آریہ ورت میں خدا تعالیٰ کی پاک
ہدایتیں لانے والے مقدس وجود
آتے تھے۔ ۳۷۲
آسٹریلیا ۶۷۵
آگرہ
مجسٹریٹ آگرہ سید حبیب اللہ صاحب
آئی سی ایس کی ملاقات کیلئے قادیان
تشریف آوری ۱۶۲
اٹلی ۲۹۷
افریقہ
جنگے قبائل سے معاشرتی تعلقات ۲۹۳
افغانستان نیز دیکھئے کابل
مذہبی آزادی کا فقدان ۱۴۷، ۱۰۹
افغانستان میں عربی علوم میں سے فقہ
کا زیادہ رواج ہے۔ ۱۴۹
والئی افغانستان امیر حبیب اللہ
خدا تعالیٰ کا مجرم ہے۔ ۱۵۷
الہ آباد ۱۶۲
امرتسر ۱۰، ۱۸۳، ۲۱۰
حضور کا براہین احمدیہ چھپوانے جانا ۱۲۹
ایک صاحب کی بیعت کا ذکر ۱۵
یہاں کے ایک شریف خاندان کے
فرد کی قادیان میں حضور سے ملاقات ۲۹

پادری رجب علی ۲۵۰
حضور کا تبلیغ فرمانا اور مخالفین
کی سنگباری ۵۴۷، ۵۷۸
مولوی ثناء اللہ امرتسری کی حضرت
امام ابوحنیفہ کے خلاف
اشتہار بازی۔ ۵۰
حضور کے خلاف چالیس ہزار کی
ضمانت کا وارنٹ ۵۷۵
ایک مخالف کے اپنے ہاں بیٹا ہونے
کی پیشگوئی کا غلط ثابت ہونا ۴۶۷
اپنی زندگی کے آخری سفر کے دوران
امرتسر سٹیشن پر احباب کی عقیدت
مندی کا مظاہرہ ۵۴۵
امروہہ ۴۹۵
امریکہ ۱۰۵، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۸۶
۱۸۹، ۲۸۸، ۵۱۳، ۵۴۰، ۶۷۵
امریکہ میں تبلیغ اسلام کے لیے انگریزی
میں ایک جامع کتاب کی ضرورت ۱۵۰
مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام پہنچانے
میں مفتی محمد صادق صاحب کی مساعی ۶۸۳
تبلیغ کیلئے جانے کا ابھی وقت نہیں ۶۸۴
امریکہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
تبلیغ کا پہنچنا ۱۷۶
رمضان میں کسوف وخسوف کے نشان
کا ظہور ۱۲۵
زلازل اور کسوف وخسوف ۸
طاعون ۲۶۲

ڈوئی کی ہلاکت ۶۸۳
ڈوئی کی موت سے اتمام حجت ۱۸۸
ایک انگریز کا امریکہ سے آکر آپ کی
صداقت کا اعتراف ۵۶۵
امریکہ سے ایک میاں بیوی کا قادیان
آنا بھی ایک نشان ہے۔ ۵۱۷
امیر پور تحصیل کبیر والا
یہاں کے ایک صاحب نور محمد کا
بیعت کرنا ۲۵۴
انگلستان
براہین احمدیہ کی اشاعت ۳۷۴
ولایت کے سمجھدار لوگ عیسائیت
کے غیر معقول عقاید کو چھوڑتے
جا رہے ہیں۔ ۳۹۴
انگلستان کے ماہر علم ہیئت پروفیسر
ریگ کی حضور سے طویل گفتگو ۶۱۸

ب ۔ پ ۔ ت

بٹالہ ۲۴۰، ۴۷۶، ۵۲۱
یہاں کے ایک دنیا پرست پیرزادہ
کا ذکر ۲۴۹
بھنڈاریوں کی حکومت میں گائے
کو زخمی کرنے پر ایک سید زادے
کا ہاتھ کاٹا گیا ۱۱۴، ۳۹۲
ایک سادہ لوح کا ایک فقیر کے
ہاتھوں لٹنے کا واقعہ ۴۷۵
ابوسعید مولوی محمد حسین کا فتویٰ کفر
تیار کرنا ۶۳۵

شیخ رحمت اللہ کی حضور سے ملاقات ۲۴۲
زندگی کے آخری سفرِ لاہور کے دوران
بٹالہ میں قیام ۵۳۹
بخارا
حضرت امام بخاریؒ کی بخارا سے جلاوطنی ۱۴۹
براہینِ احمدیہ بھجوائی گئی۔ ۱۲۸
برطانیہ
گورنمنٹ برطانیہ کی مذہبی آزادی کی
پالیسی کی تعریف اور تشکر ۱۰۸، ۱۰۹
بغداد
ہلاکو خان کے حملے میں چھ لاکھ مسلمانوں
کا قتل ۲۲۷
بلوچستان
حضور کی خدمت میں ایک خط ۴۷۸
بمبئی ۱۴
بنارس ۴۶۱
بہاولپور
نواب بہاولپور کا حسنِ خاتمہ ۱۵۶
بھیرہ
حضرت مولانا نورالدین کا درسِ حدیث ۴۳۵
بھینی نزد قادیان
یہاں کے غریب کسان منگو کا حضور
کی خدمت میں گنوں کا نذرانہ ۴۷۲
پٹیالہ ۶۸۰
ڈاکٹر عبدالحکیم کے اخراجِ انجماعت
پر جماعت پٹیالہ کا تشکر ۴۹۶
یہاں کے ایک فقیر کا زلزلہ کی
پیشگوئی کرنا ۱۳
پشاور ۴۶۱
ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قتل ۲۶۳
پنجاب ۱۸۶، ۱۸۸، ۲۲۱، ۳۷۴
سکھوں کا ظالمانہ عہد ۱۱۵
سید احمد شہید کی شہادت ۳۵۶
یہاں کے مسلمانوں کیلئے انگریزوں
کا وجود ایک نعمت ہے ۶۸۱
مسیح موعود کی بعثت کے لیے اس
سرزمین کے انتخاب کی حکمت ۱۱۱، ۱۱۵
پنجاب کی سرزمین نرم ہے اور اس
میں قبولِ حق کا مادہ ہندوستان کے
مقابلہ میں زیادہ ہے۔ ۱۱۲
یہاں زیادہ مخالفت کے نتیجہ میں
زیادہ جماعت بنی ۳۵۹
یہاں کے علماء کی طرف سے
فتاوےٰ کفر ۵۷۴
طاعون کے پودے لگائے جانے
کی پیشگوئی اور پھر اسکا پورا ہونا ۲۶۲
طاعون کی خبر دیتے وقت پنجاب
میں اس کا نشان تک نہ تھا ۵۸۱
پنڈ صاحب خان ضلع اٹک
یہاں کے پیر عبداللہ شاہ کا قادیان
آنا ۵۰۶
ترکستان ۶۵۱
ترکی
مذہبی آزادی کا فقدان ۱۰۹
سلطانِ روم حرمین کی حفاظت نہیں
کر رہا بلکہ حرمین اس کی حفاظت
کر رہے ہیں۔ ۶۴
سلطانِ روم اسلحہ کے لیے یورپ کا
محتاج ہے۔ ۳۹۷
عیسائی حکومتوں کی ناراضگی کا خوف ۵۷۵
سلطانِ روم کی طرف سے حجاز
ریلوے کی جلد تکمیل کا حکم ۴۹۲
سلطانِ روم کا ذکر
۳۵، ۶۴، ۲۲۱، ۴۴۰، ۵۲۹

ج - چ - ح - خ

جگن ناتھ ۱۰۰
جموں
یہاں کے ایک معزز ہندو کا حضور کو
کشمیر آنے کی دعوت دینا ۱۷۷
یہاں کے چراغ دین کا دعوےٰ
اور ہلاکت ۱۴۱، ۲۰۲
جہلم
یہاں کی زمین اسلامی سرشت
رکھتی ہے۔ ۳۲۴
مقدمہ میں مخالفین کی ناکامی ۱۲۷
جیحون سیحون
بائبل کے مطابق آدم کی جگہ پیدائش ۶۷۵
چاچڑاں شریف (بہاولپور)
یہاں کے خواجہ غلام فریدؒ حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے معتقد تھے ۱۵۶
خواجہ صاحب کا حضور کی تائید
میں کلام ۲۰۸
چکوال
سید نادر علی شاہ سب رجسٹرار و
رئیس چکوال کی بیعت ۲۷۸
چھینہ ۴۷۹
چین
صحابہ میں سے کوئی شخص چین ضرور
پہنچا ہوگا ۶۸۲
حجاز
حجاز ریلوے قرآنی پیشگوئی کی حکمت
ہے۔ ۴۲۸، ۴۹۲، ۵۵۳
حدیبیہ
صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صحابہ کا ابتلاء ۵۲۲
حرا
آنحضرتؐ کے مجاہدات ۵۰۷
حیدرآباد
یہاں کے مولوی محمد سعید کا ذکر ۲۸
عابد حسین صاحب کی تجدید بیعت ۷۸
خوشاب ۲۱۵

د - ر

دولمیال (ضلع جہلم)
فقیر مرزا کی ہلاکت ۱۴۲
دہلی
۶۴، ۲۹۷، ۲۹۹
نادر شاہ کا حملہ ۵۰۴

بزرگوں کے مزارات کی کثرت ۳۸۴
یہاں کے رہنے والوں میں قبولیتِ حق کا مادہ نہیں۔ ۱۱۲
دہلی میں ہنسی ٹھٹھا بہت ہے ۳۰۲
حضور کا تبلیغ کی غرض سے جانا ۵۷۸
توفّی کے معنوں کے بارہ میں حضور کی گفتگو ۳۰۰، ۳۹۶
حضور کی گفتگو سے ایک شخص کا متاثر ہونا ۴۴۱
دھورہ ڈھیری بٹاں (ریاست جموں)
یہاں کے میاں محمد دین احمدی کا فدایانہ جذبہ ۲۲۹
رامپور ۵۰۵
راولپنڈی ۷۸
ایک شدید زلزلہ ۴۱۹
رنگون (برما)
بندروں میں طاعون ۲۰۶
روم (دیکھئے زیرِ عنوان ترکی)

س۔ش۔ص

سرگودھا
جانوروں میں طاعون ۳۱۵
سسلی (اٹلی)
یوز آسف کے نام کا گرجا ۳۵۷
سومنات ۱۰۰
سیالکوٹ ۱۸۷
حضور کی معجزانہ حفاظت ۲۲۶
حضور کی موجودگی میں بجلی گرنے کا واقعہ ۲۲۵، ۵۲۸
تبلیغ کے لیے جانا ۵۷۸
یہاں کی سرزمین اسلامی سرشت رکھتی ہے۔ ۳۲۴
ضلع سیالکوٹ کے احمدیوں کا مجمع کثیر قادیان میں ۸۷
مخالفین کی بدسلوکی ۵۴۷
مخالفت کی کمی ۸۶
ایک بدخُلق شخص سے حُسنِ سلوک کا نتیجہ ۲۳۲
رمضان کا چاند دیر سے دیکھنے کا مسئلہ ۳۲۴
یہاں کے ایک اخبار کا ذکر جس میں مرہم عیسٰی کے متعلق مضمون ہے۔ ۴۸۴
یہاں کے تاجروں کی ہڑتال پر اظہارِ ناپسندیدگی ۸۵
سیکھواں (تحصیل بٹالہ)
سیکھواں کے تین احمدی بھائیوں کا اخلاص ۲۶۹
سیلون (سری لنکا)
ڈوئی یہاں بھی آیا تھا ۱۸۶
شام
شام سے واپسی پر حضرت ابوبکرؓ کا آنحضرتؐ پر ایمان لانا ۴۱۱
شکاگو (امریکہ)
یہاں کے ایک میاں بیوی کی قادیان آمد ۵۱۳
شملہ ۲۴۲
صیحون (ZOIN CITY) امریکہ
ڈوئی کے صیحون کی بربادی ۱۸۹

ع۔ف۔ق

عرب
بعثتِ نبویؐ سے پہلے معاشرتی اور اخلاقی ابتری ۱۱۵
عرب کے لوگ بعثت نبوی کے وقت دہریہ تھے۔ ۱۱۷
انتہائی خراب حالات متقاضی تھے کہ کوئی کامل مصلح مبعوث ہو۔ ۱۱۶
عرب کے بادیہ نشینوں کو قرآن نے مسائل سمجھا دیئے تھے ۱۷۷
علی گڑھ ۱۷۳
ماسٹر محمد دین کا خط ۱۹۱
طلباء کی سٹرائیک میں شامل ہونے والے احمدی طلباء سے حضور کا اظہارِ ناراضگی ۱۷۲
فرخ آباد
محلات کی تباہی و بربادی ۴۹۷
فیروز پور
حکیم محمد عمر صاحب کا استفسار ۱۸۴
قادیان دارالامان ۱۸، ۱۴۶، ۲۰۳، ۲۶۸، ۴۷۶، ۵۰۳
اس قادیان میں پانچ سو حافظ قرآن شریف رہتے تھے اسکی اسلامی شوکت سکھوں نے خراب کر دی تھی ۳۶۲
اردگرد کا نشیب جسے ڈھاب کہتے ہیں ۲۹۱
سکھوں کے عہد میں اذان کی پابندی ۳۹۲
پنجاب پر انگریزی حکومت قائم ہونے پر قادیان میں اونچی آواز سے اذان ۱۱۲
براہین کی اشاعت کے وقت ایک غیر معروف قصبہ تھا۔ ۳۷۵
خدائی الہام کے مطابق قادیان کا مرجع خلائق بننا ۵۱۸
پندرہ برس پہلے تک پادری آکر خیمہ زن ہوتے تھے اور پھر تبلیغ کیا کرتے تھے ۵۷۶
وفات مسیح کے اعلان کے بعد پادریوں نے قادیان آنا چھوڑ دیا ہے ۱۶۴
امریکہ سے بعض افراد کا قادیان آنا بھی ایک نشان ہے۔ ۵۱۷
ایک کابلی مخلص کا ہجرت کر کے قادیان آجانا ۶۶
مولوی عبداللہ تیماپوری کا قادیان آکر اپنے الہامات سے توبہ کرنا ۳۶۶
قادیان کے آریوں کا تعصب اور حق پوشی ۱۳۷
پنڈت رام بھجدت کا قادیان آکر آریہ

مذہب کے بارے میں حضور کی پیشگوئی بیان کرنا ۶۰
لیکھرام کا قادیان میں دو ماہ قیام ۳۷۷
فنانشل کمشنر کا دورہ ۶۴۳
آپ لوگ جو یہاں قادیان میں آتے ہو ایسا نہ ہو کہ پھر یہاں سے خالی کے خالی واپس جاؤ۔ ۴۰۹
بچوں کو تعلیم کے لیے قادیان بھیجنے کے فوائد ۳۰۹
احمدیوں کی تصانیف پہلے قادیان آئیں یہاں ان کے چھپنے یا نہ چھپنے کا فیصلہ ہو۔ ۶۵
فدیہ رمضان مرکز میں بھیجنا جائز ہے ۱۳۵
قادیان کو طاعون سے محفوظ رکھنے کے بارہ میں الہامات ۱۶۰
باوجود شہر میں طاعون کے جماعت محفوظ رہی۔ ۱۸۳، ۲۰۲
شہر میں طاعون کے باوجود الدار کی حفاظت ۱۲۹، ۱۸۹
یہاں کے بدزبان دو آریوں کی طاعون سے ہلاکت ۲۰۷
طاعون کا ٹیکہ لگانے والے وفد کو کشتی نوح کا تحفہ ۲۴۱

ک۔گ

کابل
مذہبی آزادی کا فقدان ۱۰۹، ۱۴۷
امیر کابل کا فری میسن ہونا ۱۸۷
صاحبزادہ عبداللطیف کا قتل ۲۲۱
ہیضہ کی وبا ۲۶۲
پچاسی ہزار انسانوں کی ہلاکت کی خبر ۳۰۱
امیر کابل کے ساتھ گورنمنٹ ہند کے نمائندہ سید حبیب اللہ آئی سی ایس کی قادیان میں آمد ۱۶۲
کانگڑہ ۵۰۵
پیشگوئی کے مطابق زلزلہ کی تباہی ۵۸۱
کپورتھلہ
خانصاحب عبدالحمید کا استفسار ۱۸۵
کربلا ۴۹۴
کسولی
عبدالکریم کے نہ بچ سکنے کے بارہ میں ہسپتال کا تار ۲۰۷
کشمیر
حضور کو سیر کے واسطے کشمیر آنے کی دعوت ۱۷۷
ابوسعید عرب کی شہادت کہ کشمیر کے لوگ خانیار کی قبر کو عیسیٰ صاحب یا نبی صاحب کی قبر کہتے ہیں۔ ۳۵۷
کشمیر کے واسطے مولوی عبداللہ صاحب (وعظ کے) کام کیلئے موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ ۳۱۹
مولوی عبداللہ صاحب کی تبلیغ سے ایک میر واعظ کا مخالف ہو جانا۔ ۳۵۸
کلکتہ ۶۶۶
گجرات پاکستان ۴۳۷
یہاں کی زمین اسلامی سرشت رکھتی ہے۔ ۳۲۴
گوجرانوالہ
یہاں کی زمین اسلامی سرشت رکھتی ہے۔ ۳۲۴
مینجر گورو کل کے نام حضور کی طرف سے مفتی محمد صادق صاحب کا خط ۱۴۵
گورداسپور ۴۷۶
یہاں قیام کے دوران الہام "زلزلہ کا دھکا" ۱۲۷
ڈی سی گورداسپور کیپٹن ڈگلس کا حضور کو مقدمہ اقدام قتل سے بری کرنا۔ ۳۷۸
ڈپٹی کمشنر کی طرف سے احترام کا سلوک ۵۷۵
ایک سدھائی ہوئی بلی کا واقعہ ۳۳۴
گولڑہ
سنا ہے گولڑے والے پیر ہمارے خلاف ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ ۴۸۹
گویکی ضلع گجرات
تراویح کے بارہ میں گویکی کے اہل صاحب کا استفسار ۶۲

ل

لاہور ۱۳، ۱۹۵، ۲۰۳، ۲۴۲، ۳۹۲، ۵۱۳
سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ۱۱۲
یہاں بھی طبائع میں قبولِ حق کی استعداد معلوم ہوتی ہے مگر بے قیدی اور آزادی انکے راستے میں ایک سخت روک ہے ۶۱۴
لاہور شہر میں شریف ہندو خواتین ۶۸۸
حضرت سیدہ نصرت جہاں کا بغرض تبدیلی آب و ہوا لاہور جانا ۲۴۰
حضور کا لاہور کے دوستوں کی احوال پرسی کے لیے آدمی بھیجنا ۲۳۳
ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ کے مکان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس ۵۹۱
لاہور کے لارڈ بشپ کو مفتی محمد صادق صاحب کا خاموش کرانا۔ ۱۶۴، ۳۹۶، ۵۸۰
دورانِ تقریر ایک شخص کا گالیاں دینا ۵۷۸
ایک آریہ کا لیکچر ۵۸۶
وہابیوں کا مخالف ایک عرب ۲۳۲
ایک دہریہ کا خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت پر اعتراض اور اسکا جواب ۲۲۵
پروفیسر ریگ کی حضور سے ملاقات ۶۱۹
لاہور میں ایک مدعی الہام اور ایک مدعی مہدویت ۵۶
ایک شخص کا کشف ۳۱۲
لاہور سے شیخ محمد چٹو کی آمد ۶۷

انگریزی اشتہار کی لاہور میں طباعت ۴۷۹
اکتوبر ۱۹۰۷ء میں طاعون کا خوف ۱۹۱، ۳۱۵
میڈیکل کالج لاہور میں طلباء کی سٹرائیک پر حضور کا مشورہ ۱۷۳

لدھیانہ
لدھیانہ کی بیعت میں چالیس آدمی تھے ۲۰۴
ایک پادری سے گفتگو ۳۹۵
طاعون کی تباہ کاری ۱۵۹
لندن نیز دیکھئے انگلستان۔ برطانیہ
لندن کے پگٹ کی ہلاکت ۶۸۳

م

مالیر کوٹلہ
الٰہی بخش صاحب ساکن مالیر کوٹلہ کا ذکر ۲۳

مدراس ۶۶۶
حضور کی دعا کے نتیجہ میں سیٹھ عبدالرحمن صاحب کی معجزانہ صحتیابی ۵۹
احمد صاحب کی بیعت کیلئے آمد ۲۰۷

مدینہ منورہ ۱۹۲، ۲۲۱، ۲۴۸، ۵۵۳، ۶۶۸، ۶۹۴
کفارِ مکہ کی طرف سے مدینہ تک تعاقب ۲۷۸
مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت سربراہ مملکت بعض فیصلے کرنے پڑتے تھے۔ ۴۷۰
براہین احمدیہ بھجوائی گئی ۱۲۸
مذہبی آزادی کا فقدان ۱۰۹

مصر
اہلِ مصر کی سلسلہ سے دلچسپی اور ان کو عربی تصانیف بھجوانے کا ارشاد ۱۳۹
مصر کے اخباروں میں ڈوئی کے مرنے کا ذکر ۱۹۱

مکہ مکرمہ ۱۱۵، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۴۸، ۲۹۵، ۴۷۱، ۵۵۳
مکہ والے مداہنہ کے مرض میں مبتلا تھے۔ ۲۷۵
اہلِ مکہ کا مسلمانوں پر ظلم ۴۶۹، ۴۷۰
مکہ کی گلیوں میں آنحضرت کی دعاؤں کے نتیجہ میں روحانی انقلاب ۵۹
مذہبی آزادی کا فقدان ۱۰۹
براہین احمدیہ بھجوائی گئی ۱۲۸

ملتان ۲۵۴

مونگھیر (بہار)
جماعت کے ایک مباحثہ کا ذکر ۱۵۴

میانوالی ۱۷۳

ہ

ہندوستان نیز دیکھئے آریہ ورت
۱۱۱، ۲۲۱، ۳۷۴، ۳۷۴
حالت اضطرار کی وجہ سے بعض امور کا جواز ۲۹۲
دو اولیاء کا ذکر ۲۴۸
مسلمانوں سے حکومت چھن جانے کی وجہ ۲۲۷
مسلمان ریاستوں کی تباہی کے اسباب ۴۹۷
ہندوستان میں انبیاء ۴۵۹
آریوں کے نزدیک وید بار بار صرف ہند میں نازل ہوتے ہیں۔ ۴۲۴
یہاں ہر عقیدہ اور مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ۴۲۳
ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم مصالحت کی ضرورت ۶۸۵
مذہبی آزادی ۱۴۷
اختلاف زبان کی وجہ سے استغفار کی حقیقت نہ سمجھنا ۶۰۸
غلط عقاید کی وجہ سے ایک لاکھ مسلمان مرتد عیسائی ہو چکا ہے ۶۹۳
یہاں کے عیسائیوں کی ایمانی حالت ۸۱
تبلیغ کا محتاج ۶۸۴
ہندوستان میں حضور کے دعاوی سے بے خبر لوگوں میں تبلیغ کی ضرورت ۶۸۲
یہاں کے علماء کی طرف سے کفر کے فتوے ۵۷۴
سعداللہ کی ہلاکت سے ہندوستان پر اتمام حجت ۱۸۹

ہوشیار پور
مسلمانوں کے اذان دینے پر ہندوؤں کی شکایت ۱۱۳

ی

یورپ ۱۸۶، ۱۸۹، ۲۸۸
حضور کی طرف سے یورپ میں دعوتِ اسلام کے کام کا اجراء ۱۰۹
تبلیغ اسلام کے لیے انگریزی زبان میں ایک جامع کتاب کی ضرورت ۱۵۰
مفتی صاحب کے ذریعہ تبلیغ ۶۸۳
تبلیغ کے لیے جانے کا ابھی وقت نہیں ۶۸۴
ڈوئی کی موت سے اتمام حجت ۱۸۸
عیسائیت کی عملی و اعتقادی حالت ۵۱۹
یورپ کا عیسائی دیسی عیسائی سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ ۵۴۰
اسلحہ سازی میں کمال ۳۹۷
سلطنتِ عثمانیہ یورپ کی محتاج ہے۔ ۶۴
سلطانِ روم کا یورپ سے خوفزدہ رہنا۔ ۳۵
طاعون ۲۶۲
غیر معمولی سردی (جنوری ۱۹۰۷ء) ۱۴۴

یونان
علمِ طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ۶۱۳

Published by
NAZARAT ISHA'AT RABWAH PAKISTAN

Printed by
ZIA-UL-ISLAM PRESS RABWAH